إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون

[illegible]

تصدیق صحتِ متن

ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً پورے غور و امعانِ نظر سے پڑھا اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس مصحفِ مقدس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔

حافظ عبدالرؤف

الحافظ عبدالرؤف بن عبدالواحد
سند یافتہ
مدرسہ حمیدیہ سابق ریاست بھوپال

تصدیق صحت جلد بندی

میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس قرآن مجید کے ہر صفحہ کو چیک کیا گیا ہے۔ اور اس میں جلد بندی کی کوئی غلطی نہیں ہے

محمودیہ بک بائینڈنگ فیکٹری

الحکیم جل جلالہ	الودود جل جلالہ	المجید جل جلالہ	الباعث جل جلالہ	الشہید جل جلالہ	الحق جل جلالہ
الوکیل جل جلالہ	القوی جل جلالہ	المتین جل جلالہ	الولی جل جلالہ	الحمید جل جلالہ	المحصی جل جلالہ
المبدی جل جلالہ	المعید جل جلالہ	المحیی جل جلالہ	الممیت جل جلالہ	الحی جل جلالہ	القیوم جل جلالہ
الواجد جل جلالہ	الماجد جل جلالہ	الواحد جل جلالہ	الاحد جل جلالہ	الصمد جل جلالہ	القادر جل جلالہ
المقتدر جل جلالہ	المقدم جل جلالہ	المؤخر جل جلالہ	الاول جل جلالہ	الآخر جل جلالہ	الظاہر جل جلالہ
الباطن جل جلالہ	الوالی جل جلالہ	المتعالی جل جلالہ	البر جل جلالہ	التواب جل جلالہ	المنتقم جل جلالہ
العفو جل جلالہ	الرؤف جل جلالہ	مالک الملک جل جلالہ	ذوالجلال والاکرام جل جلالہ	المقسط جل جلالہ	الجامع جل جلالہ
الغنی جل جلالہ	المغنی جل جلالہ	المانع جل جلالہ	الضار جل جلالہ	النافع جل جلالہ	النور جل جلالہ
الہادی جل جلالہ	البدیع جل جلالہ	الباقی جل جلالہ	الوارث جل جلالہ	الرشید جل جلالہ	الصبور جل جلالہ

تاج کمپنی لمیٹڈ، ناشران قرآن مجید و اسلامی مطبوعات کراچی - لاہور - ڈھاکہ

بسم الله الرحمن الرحیم

هو الله جل جلاله · الذی لا اله جل جلاله · الا هو جل جلاله · الرحمن جل جلاله · الرحیم جل جلاله · الملک جل جلاله

القدوس جل جلاله · السلام جل جلاله · المؤمن جل جلاله · المهیمن جل جلاله · العزیز جل جلاله · الجبار جل جلاله

المتکبر جل جلاله · الخالق جل جلاله · الباری جل جلاله · المصور جل جلاله · الغفار جل جلاله · القهار جل جلاله

الوهاب جل جلاله · الرزاق جل جلاله · الفتاح جل جلاله · العلیم جل جلاله · القابض جل جلاله · الباسط جل جلاله

الخافض جل جلاله · الرافع جل جلاله · المعز جل جلاله · المذل جل جلاله · السمیع جل جلاله · البصیر جل جلاله

الحکم جل جلاله · العدل جل جلاله · اللطیف جل جلاله · الخبیر جل جلاله · الحلیم جل جلاله · العظیم جل جلاله

الغفور جل جلاله · الشکور جل جلاله · العلی جل جلاله · الکبیر جل جلاله · الحفیظ جل جلاله · المقیت جل جلاله

الحسیب جل جلاله · الجلیل جل جلاله · الکریم جل جلاله · الرقیب جل جلاله · المجیب جل جلاله · الواسع جل جلاله

۱۰۲ یعنی نہ آپ کی نافرمانی کرونگا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ پر کوئی روک ٹوک کرونگا۔ صَابِرًا کا مفہوم یہاں ہے ضبط کرجانے والا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایسے مقبول بزرگ کوئی حرکت خلاف شریعت کرینگے۔ اسی لئے انہوں نے مطیع رہنے کی حامی بھرلی گویا حالاً ان کا وعدہ یہ تھا کہ امورِ مباح میں آپ کا ساتھ دیتا رہوں گا اس پر بھی اتنی احتیاط رکھی کہ لفظ انشاء اللہ ملائی جس سے اقرار عہد وپیمان پیدا نہیں ہونے پایا اور اس لئے ان دونوں باتوں کی بنا پر آیندہ نقض عہد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ متعلم کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ استاذ کے احکام کی اطاعت اور اس پر ترک اعتراض ومخالفت کی عادت اختیار کرے اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی اور تذلل برتے۔ ھذا یدل علی ان المتعلم یجب علیہ فی اول الامر التسلیم وترک المنازعۃ ولا اعتراض (کبیر) وقولہ موسٰی لہ تواضع شدید واظہار للتحمل التام والتواضع الشدید وکل ذلک یدل علی ان الواجب علی المتعلم اظہار التواضع باقصی الغایات (کبیر)

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾

مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا ۱۰۲

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى

(خضرؑ) بولے کہ اچھا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت پوچھ گچھ نہ کیجئے گا جب تک

اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا

کہ میں خود ہی اس کے ذکر کی ابتدا نہ کردوں ۱۰۳ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں

فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ

کشتی میں سوار ہوئے تو ۱۰۴ (خضرؑ نے) اس میں سوراخ کردیا (موسٰیؑ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے سوراخ کردیا کہ نتیجہ یہ ہو کہ

اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ

آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کردیں یقیناً آپ نے بہت بری بات کر ڈالی ۱۰۵ (خضرؑ نے) کہا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ

لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا

میرے ساتھ نباہ نہ کرسکیں گے ۱۰۶ (موسٰیؑ نے) کہا میری بھول چوک پر گرفت

نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

نہ کیجئے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیے ۱۰۷

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ

(اسکے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضرؑ نے) اسے مار ڈالا۔ حضرت موسٰیؑ نے کہا

نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے یقیناً آپ نے بڑی بےجا حرکت کی ۱۰۸

ع ۶/۲۱

منزل ۴

۱۰۳ یہ شرط حضرت خضرؑ کی طرف سے زائد ہے حضرت موسٰیؑ کا وعدہ اس حد تک کے لئے نہ تھا۔ نہ آپ کی زبان سے اب بھی اس کا اقرار منقول ہے۔ ۱۰۴ کوئی ایسا مقام سفر میں آگیا تھا جس کے آگے کشتی کی ضرورت پڑ جاتی تھی اور اب سفر بحری شروع ہوا۔ سمندر یا دریا کے کنارے کنارے تو یوں بھی چل رہے تھے۔

۱۰۵ (جس پر سکوت کرنا میرے حد عہد سے خارج ہے) اِمْرًا کہتے ہیں امر منکر ومعیوب کو۔ الامر الداھیۃ المنکر (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر) لِتُغْرِقَ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا فعل جس کا نتیجہ بھی مرتب ہو۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ اکابر سے بھی ایسے امور صادر ہو سکتے ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہو۔ (گو حقیقت یہ نہ ہو) دوسرے یہ کہ اولیاء میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باذن حق تکوینیات میں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیہ کی زبان میں انہیں کو قطب التکوین یا صاحب خدمت کہتے ہیں۔

۱۰۶ (سو دیکھیے وہی بات آگے آئی) اس نباہ نہ کرسکنے سے جس کا مبنٰی ومنشا تمامتر غیرت دینی وجوش ایمانی تھا حضرت موسٰی علیہ السلام کی منقصت نہیں اور مدح ومنقبت ہی نکلتی ہے۔ ۱۰۷ حضرت موسٰیؑ ایسے عمل کو دیکھ کر جو ظاہراً یکسر معصیت تھے قدرۃً اتنا متاثر ہوئے کہ حضرت خضرؑ کی ہدایت کا بھی پاس ولحاظ نہ رہا۔ ذہن سے ان کی ہدایت نکل گئی اور آپ ٹوک بیٹھے۔ عدم مخالفت کا وعدہ بھی آپ نے وفور شوق ہی میں کیا تھا لیکن اب جن افعال کو خلاف رضائے محبوب (کہ اسی کا دوسرا نام حکم شریعت ہے) پاتے تھے، بلا تامل اور بے دھڑک ٹوک بیٹھتے تھے۔ سکوت محض کا اول تو آپ کی طرف سے وعدہ ہی نہ تھا، وعدہ صرف عدم مخالفت کا تھا۔ اور بالفرض ہوتا بھی تو خلاف شریعت معاہدہ کی پابندی ہی روا نہیں۔ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ سہو ونسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ فکان النسیان لا یقتضی المؤاخذۃ وھذا یدل علی ما تقدم من انہ لا یدخل تحت التکلیف (ابن العربی) ۱۰۸ نُكْرًا کے معنی ہیں امر عظیم کے۔ ایسا امر جس سے سب کانوں پر ہاتھ رکھیں۔ نکرا امرا واھیۃ (بخاری) قال ابو عبیدۃ نکرا ای عظیما (فتح الباری) النکر الدھاء والامر الصعب الذی لا یعرف (راغب) قال اللیث الدھاء والنکر لغۃ الامر الشدید (تاج) نکر کا درجہ قبح میں امر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ النکر اعظم من الامر فی القبح (کبیر) وقیل النکر ما انکرتہ العقول ونفرت منہ النفوس وھو ابلغ فی تقبیح الشیء من الامر (کبیر) حضرت موسٰی علیہ السلام تو مامور ہی تھے امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر۔ اب کی آپ کے ٹوکنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کی پہلی ہی حرکت کیا کم تھی کہ اب کی تو آپ اس سے بھی کہیں بڑھ کر بے جا حرکت کر گزرے۔ کشتی کے نقصان کا تدارک تو بہرحال ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ انما قال نکرا لان ذلک کان غرقا یمکن تدارکہ بالسد وھذا لا سبیل الی تدارکہ (کشاف) اَقَتَلْتَ ..... نَفْسًا۔ یعنی ایک تو وہ لڑکا یوں ہی نابالغ۔ قابل قصاص نہیں۔ چہ جائے کہ بالکل بے قصور قتل ہوا!

بحمد اللہ آج سہ شنبہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۷ء مطابق ۶ جمادی الثانیہ کو بعد نماز ظہر اس پارۂ پانزدہم کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

٩٦ "عجب طرح" یوں کہ زندہ ہو کر خشکی سے دریا تک راہ پاگئی۔ اَرَءَیْتَ کلمۂ تعجب ہے اور محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں "ارے!" یا "دیکھیے" یا "دیکھ ملاحظہ ہوا"۔ نَسِیْتُ الْحُوْتَ۔ یعنی مچھلی کے عجیب قصہ کا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔ وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ۔ مذہب کی زبان میں ہر بُری بات کا انتساب شیطان ہی کی جانب کیا جاتا ہے جس کی ذات مرکز ساری برائیوں کی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ شیطان کے اثر سے وسوسہ ونسیان کا پیش آجانا ولایت بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔

قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ
وہ بولا کہ دیکھیے ہم لوگ جب اس چٹان کے قریب ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو
الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَ
بھول ہی گیا اور مجھے بس شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا اور
اتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا
اس نے تو دریا میں عجیب طرح اپنی راہ لی ٩٦ (موسیٰؑ نے) کہا وہی تو وہ (مقام) تھا جس کی
نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا
ہم کو تلاش تھی ٩٧ پھر دونوں اپنے قدموں کے نشان پر الٹے چلے تو انہوں نے ہمارے
مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ
بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل مرحمت کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے
مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ
پاس سے ایک (خاص) علم سکھایا تھا ٩٨ موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ
عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ
رہ سکتا ہوں کہ جو علم مفید آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھا دیں ٩٩ انہوں نے کہا
اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَیْفَ تَصْبِرُ
آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا ١٠٠ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں
عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْۤ
ایسے امر پر جو آپ کے احاطۂ واقفیت میں نہیں ہے ١٠١ (موسیٰ نے) کہا آپ ان شاء اللہ

٩٧ یعنی وہی مقام تو ہماری منزل مقصود تھا۔ وہیں کا پتہ تو ہمیں بتایا گیا تھا۔ ٩٨ حدیث بخاری اور دیگر احادیث میں ان عبدِ مقرب و مقبول کا نام خضر آیا ہے۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ اس خصوصی رحمۃ سے مراد مقبولیت کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ البتہ یہ لازمی نہیں کہ نبوت ہی کی شکل میں ہو چنانچہ حضرت خضر کی نبوت ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ فالجمهور على انه عليه السلام نبي وليس برسول وقيل هو رسول وقيل هو ولي وعليه القشيري وجماعة (روح) ولم يكن الخضر نبيًا عند اكثر اهل العلم (معالم) ~~حكمة~~ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ یہ علم بلا واسطہ اسباب و اکتساب و تعلم براہ راست حضرتِ حق سے عطا ہوا تھا۔ اور یہ علم اسرارِ کونیہ کا تھا۔ محققین نے کہا ہے کہ جس علم پر قرب الٰہی مرتب ہوتا ہے وہ علم اسرارِ کونیہ نہیں، علم اسرارِ الٰہیہ یا شرعیہ ہے۔ اس پر بھی اظہار حیرت کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ تو خود ایک پیمبر جلیل القدر اور اس لئے لازمی طور پر اپنے وقت کے اعلم الناس تھے، انہیں کسی اور کے پاس کیسے تعلم کے لئے بھیجا گیا ہے لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے ارشاد فرمایا ہے، یہ بہ آسانی ممکن ہے کہ ایک شخص بہت سے علوم میں عالم ترین ہو پھر بھی بعض علوم سے ناواقف ہو۔ اور اس کے سیکھنے کے لئے وہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔ لا يبعد ان العالم الكامل في اكثر العلوم يجهل بعض الاشياء فيحتاج في تعلمها الى من دونه وهذا امر متعارف معلوم (کبیر)۔ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ وہ بزرگ باایں مرتبۂ کمال بہرحال اللہ کے ایک بندہ ہی تھے۔ "بندہ" سے ذرہ بھر بھی زائد نہ تھے اور بندہ بھی کیسے؟ حق تعالیٰ کے بہت سے بندوں میں سے ایک! ——— اللہ اللہ! قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام تحفظ توحید کا اور شائبۂ شرک سے احتراز و احتیاط کا ہے! من عبادنا حق تعالیٰ کا ایسے بندہ کی اضافت اپنی جانب کرنا اس کے اکرام و تخصیص کے لئے ہے۔ هذه الاضافة تشريف واختصاص (بحر) ٩٩ حضرت موسیٰؑ باایں جلالت مرتبہ و درجۂ نبوت ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کے علم خصوصی سے کچھ میں بھی کسب و اکتساب کروں؟ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ حضرت خضر کے ساتھ اپنی گفتگو میں کس قدر تواضع اور ادب و لطف کی رعایتیں جمع کر رہے ہیں۔ ١٠٠ (بلکہ آپ میرے بعض افعال کو ظاہر شریعت کے خلاف پا کر ان پر روک ٹوک ضرور کریں گے) حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ جیسے پیمبر جلیل القدر کے جوش ایمانی کا پورا اندازہ رکھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر (خواہ وہ محض ظاہری ہی ہو) ہرگز تحمل نہ کر سکیں گے۔ ١٠١ یعنی وہ افعال بظاہر خلاف شریعت ہوں گے، اور آپ کو جب ان کے منشاء صحیح کی اطلاع نہیں تو آپ ان منکرات پر بغیر روک ٹوک کئے کیسے رہ سکتے ہیں؟ ——— یہ صاف حضرت موسیٰؑ کی طرف سے عذر خواہی بھی خود ہی کر دی ہے اور آپ کو دار و گیر پر معذور قرار دے دیا ہے۔

عَلَّمْنٰهُ

٨٦ (اسکے سننے سے) یَفْقَهُوْهُ میں ضمیر الحق کی طرف ہے جو ایک آیت قبل لیدحضوا بہ الحق میں گزر چکا۔ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً - فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا - دلوں پر پردہ پڑنے اور کانوں میں ڈاٹ دے رکھنے پر حاشیے کئی بار پہلے گزر چکے۔ بندہ جب اپنے قصد و اختیار سے کام لے کر حق کی مخالفت عرصہ تک کرتا رہتا ہے کہ نتیجہ کے طور پر اس سے توفیق ہی حق کے سمجھنے اور سننے کی سلب ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ فعل ابتداءً نہیں ہوتا۔ قلوب اور اذان دونوں کے غیر متاثر رہنے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ایمان نہ تحقیق کی راہ سے لائیں گے اور نہ تقلید ہی کی راہ سے۔ ٨٧ (سو آپ کا ان پر زیادہ غم کرنا بھی بے فائدہ ہی ہے) اِذًا یعنی جب کہ ان کے دل اور انکے کان، ان کی ارادی بے توجہی اور عناد کی بنا پر قبولِ حق کی استعداد بھی ضائع کر چکے ہیں۔ ٨٨ چنانچہ اس صفت غفر کے تقاضہ سے اب بھی باوجود اس ہجوم عصیان و کفر کے اگر راہِ راست پر آجائیں تو توبہ قبول ہو سکتی اور مغفرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور صفت رحمۃ کے تقاضہ سے اس نے انہیں اتنی مہلت دے رکھی ہے۔ ٨٩ اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دیا گیا۔ کہ عذاب الٰہی فوراً نہیں آتا بلکہ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی مہلت ضرور ملتی رہتی ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖ - ضمیر موعد کی طرف ہے یعنی اس یوم موعود کے ادھر یا قبل یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے کہ پیشتر ہی سے اس میں چھپ چھپا کر اپنے کو محفوظ کر لیں۔ ~~والضمیر المجرور عائد علی الموعد کما ھو الظاھر (روح)~~ یہ بھی جائز ہے کہ رب کی طرف سمجھی جائے۔ قیل ~~یعود علی اللّٰہ تعالیٰ وھو خلاف الظاھر (روح)~~ ٩٠ (چنانچہ وہ اپنے اسی وقت معین و مقرر پر ہلاک ہوئیں) تِلْكَ الْقُرٰٓى یعنی ان بستیوں کے باشندے۔ ~~والکلام علی تقدیر مضاف ای اھل القری (روح)~~ اشارہ ان سرکش و نافرمان پُرقوت قوموں کی جانب ہے جن کی ہلاکت کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے، اور جو ہر قرآن خوان کیلئے معلوم و معروف ہیں۔ ~~ای قری عاد و ثمود و قوم لوط واشباھھم (روح)~~ ٩١ (جہاں کا پتہ مجھے ایک برگزیدہ بندۂ حق سے ملاقات کا بتایا گیا ہے) توریت میں حضرت موسیٰؑ کے اس سفر کا کوئی ذکر نہیں —— اور اسی سے ظاہر ہے کہ توریت موجودہ و مروجہ بہ حیثیت تاریخ و تذکرہ کے بھی نامکمل و ناقص ہے۔ لِفَتٰىهُ - فتی کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں اور مجازی معنی غلام یا خادم کے۔ ~~الفتی الطری من الشباب والانثی فتاۃ ویکنی بھما عن العبد والامۃ (راغب) والمراد بالفتی الخادم فتی لان الخدم اکثر ما یکونون فی سن الفتوۃ (روح) قیل للخادم فتی علی جھۃ حسن الادب (بحر)~~ مراد حضرت یشوع بن نون سے ہے۔ حدیث بخاری میں یہ تصریح موجود ہے اور مفسرین بھی تقریباً سب اس پر متفق ہیں۔ حضرت یشوع حضرت موسیٰ کے عزیز خاص و خادم خاص تھے —— بعد کو خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ وانطلق معه بفتاه يوشع بن نون (بخاری کتاب التفسیر) توریت میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر حضرت موسیٰؑ کے خادم کی حیثیت سے ملتا ہے۔ "موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اس کے برگزیدوں میں سے تھا، موسیٰ سے کہا" (گنتی۔ ١١: ٢٨) "اور موسیٰؑ اور اسکے خادم یشوع آئے (خروج ١٣: ٢٤)" "اور وہ لشکر گاہ کو پھرا۔ پر اسکا خادم نوجوان یشوع بن نون خیمہ میں سے نہ نکلا" (خروج۔ ٣٣: ١١) حسب روایت توریت ١١٠ سال کی عمر میں وفات پائی۔ "اور ایسا ہوا کہ بعد ان باتوں کے نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ جو ایک سو دس برس کا بوڑھا تھا رحلت کر گیا" (یشوع۔ ٢٤: ٢٩) مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ - اس مقام کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ یہ سفر اگر حضرت موسیٰؑ کے دوران قیام مصر میں پیش آیا تھا تو دریائے نیل کی دونوں شاخوں کے ملنے کی جگہ مراد ہو سکتی ہے اور اگر جیسا کہ اغلب ہے، سفر جزیرہ نمائے سینا کے دوران قیام میں پیش آیا تو عجب نہیں کہ جو بحر قلزم کے شمالی دو شاخہ کے اتصال کی جگہ مراد ہو یعنی خلیج عقبہ یا خلیج سویز۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مریدوں یا شاگردوں سے کام لینا اور انہیں سفر میں رفیق رکھنا سنتِ انبیاء میں سے ہے۔ ٩٢ (تا آنکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اور مقصد سفر حاصل ہو جائے) محققین نے لکھا ہے کہ اس سے طلب علم میں ہر قسم کے صعوبات برداشت کرنے کی فضیلت نکلتی ہے۔ ~~ذلك تنبيه على ان المتعلم لو سافر من المشرق الى المغرب لطلب مسئلة واحدة لحق له ذالك (کبیر)~~ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کامل کی طلب میں سعی بلیغ چاہیے جب تک کہ اس سے کوئی واجب نہ فوت ہونے لگے۔ ٩٣ یعنی اس مچھلی کو جو بطور ناشتہ ان کے ساتھ ناشتہ دان میں رکھی ہوئی تھی۔ ~~فاخبرہ [illegible] (بخاری کتاب التفسیر)~~ نَسِيَا حُوْتَهُمَا - یعنی اس مچھلی کا انہیں خیال ہی نہ آیا۔ جس برگزیدہ بندہ سے ملنے کو حضرت موسیٰؑ نکلے تھے۔ اس کے ملنے کی جگہ کا پتہ یہ بتایا گیا تھا کہ طویل سنگم پر جس مقام پر وہ ساتھ والی مچھلی پھر سے پانی میں چلی جائے گی وہی جگہ ان بزرگ کی ہے۔ نسیا حوتھما مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ زاد راہ کا جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں۔ ٩٤ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ مچھلی تلی ہوئی تھی۔ اور بطور خارق عادت زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ سَرَبًا یعنی سرنگ کی طرح راستہ بنا لیا۔ ~~السرب المذھب فی [illegible]~~ یا محض راستہ پکڑ لیا۔ امام بخاریؒ سے یہ معنی مروی ہیں۔ ~~سربا مذھبا یسرب [illegible]~~ ٩٥ یعنی آج خوب تھک گئے ہیں —— ممکن ہے اس منزل میں چلنا زیادہ پڑ گیا ہو۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا ذکر بالکل جائز ہے بلکہ منافی کمال بھی نہیں۔ البتہ بے صبری و شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ ~~یدل علی اباحۃ اظھار مثل ھذا القول [illegible] (جصاص)~~ آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر بھوکے بھی ہوتے ہیں۔ زاد راہ بھی ساتھ رکھتے ہیں، تھکن بھی محسوس کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی شے کمال ولایت کیا معنی، کمال نبوت کے بھی منافی نہیں —— آیت میں بڑا سبق ہے ان "خوش عقیدہ" مریدوں اور معتقدوں کے لئے جو "بزرگوں" کی جانب بھوک، پیاس یا اور بشری ضرورتوں کا انتساب تمامتر بے ادبی سمجھتے ہیں۔ فَلَمَّا جَاوَزَا - یعنی جس مقام کی نشان دہی انہیں کی گئی تھی، اس سے دور نکل آئے۔

وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا
دے رکھی ہے ٨٦ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ ایسی حالت میں ہرگز راہ پر نہ
اَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا
آئیں ٨٧ اور آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے ٨٨ وہ اگر ان پر دارو گیر ان
كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا
کے اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو ان پر عذاب فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن اس نے ان کے واسطے ایک معین
مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا
وقت ٹھہرا رکھا ہے۔ اسکے ادھر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے ٨٩ اور یہ بستیاں وہ ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا
ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى ع ٨/٢٠
جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے انکی ہلاکت کیلئے ایک وقت معین کیا تھا ٩٠ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے
لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ
خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلتا رہوں گا تا آنکہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں ٩١ یا (یوں ہی) سالہا سال
حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ
تک چلا کروں ٩٢ پھر جب دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے ٩٣ سو اس نے
سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ
سرنگ بناتی ہوئی دریا میں اپنی راہ پکڑی ٩٤ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے اپنے خادم سے بولے
اٰتِنَا غَدَاۗءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾
کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہمیں اس (آج کے) سفر سے بڑی تکلیف پہنچی ہے ٩٥

۸۱ یعنی ہر ایسی مخلوق سے بڑھ کر جو ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے۔ ~~یعنی ان جدل الانسان اکثر من جدل کل شیء (بحر)~~ الْاِنْسَانُ۔ یعنی سرکش نافرمان انسان۔ محاورۂ قرآنی میں الانسان اکثر موقع ذم ہی پر آیا ہے۔ ~~وکثیرا ما ذکر الانسان فی معرض الذم (بحر)~~ ۸۲ مطلب یہ ہے کہ جب صاف صاف ہدایت آچکی اور تبلیغ کے سارے مراتب پورے ہو چکے تو اب بھی جو یہ کافر ایمان نہیں لاتے تو کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ بھی وہی اگلوں کی طرح ہلاک کئے جائیں یا یہ کہ یہ زندہ تو رہیں لیکن عذاب در عذاب کے چکر میں ڈال دیئے جائیں۔ الْهُدٰى۔ یعنی رسول اور قرآن مع دلائل و شواہد کے ~~وھو الرسول الداعی والقرآن المبین~~ (بیضاوی) سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ۔ جو کچھ اگلی قوموں کو مسلسل نافرمانی کی پاداش میں پیش آچکا تھا۔ یعنی عذاب ہلاکت و استیصال ~~وھو عذاب الاستیصال (کبیر)~~ قُبُلًا۔ جمع ہے قبیل کی اور اس کے معنے جھنڈ جھنڈ کے یا متواتر و مسلسل انواع عذاب کے ہیں۔ ~~قال مجاھد جماعة جماعة فیکون جمع قبیلی~~ (راغب) ~~و ھو جمع قبیل بمعنی ضروب من العذاب لتواصل مع کونھم اصنافا~~ (کبیر)

۸۳ (اور جتنے دلائل و شواہد اس منصب کے لئے ضروری ہوتے ہیں وہ انہیں دے دیتے ہیں) آیت سے دو مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ ہر پیمبر کی حیثیت محض مبشر و منذر کی ہوتی ہے اس کا کام محض تبشیر و انذار ہے۔ نتائج کی ذمہ داری اس پر ذرا سی بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ پیمبر سے خواہ مخواہ معجزات و خوارق کی فرمائشیں کرتے رہنا ایک امر لغو ہے۔ ۸۴ یعنی تذکیر عذاب کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کے قلوب لرز جاتے لیکن اس کے برعکس سنگدل منکروں نے الٹا اسی کو ہدف تمسخر بنا لیا! کیا حد ہے انکی

لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

(عمدہ) مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور انسان جھگڑنے میں سب سے

جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى

بڑھکر ہے ۸۱ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی تھی ایمان لانے سے

وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ

اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوا بجز اسکے کہ (انکو اس کا انتظار ہو کہ) انہیں بھی اگلوں کا سا

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب در عذاب ان پر نازل ہو ۸۲ اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشخبری سنانے والے

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور ڈرانے والے (بنا کر) بھیجا کرتے ہیں ۸۳ اور کافر لوگ ناحق جھگڑے نکالتے ہیں

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ

تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو بچلا دیں اور انہوں نے میری نشانیوں کو اور اس کو

اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے دل لگی بنا رکھا ہے ۸۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اسکے پروردگار کی نشانیوں

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا

کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے سو وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سمیٹ رہا ہے اسے بھلا دے ۸۵ ہم نے انکے

عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس کے سمجھنے سے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ

ذہنیت کی مسخ شدہ کیفیت کی! وَمَآ اُنْذِرُوْا۔ یعنی میرے عذاب کو۔ وَيُجَادِلُ ..... الْحَقَّ۔ یعنی طرح طرح کی کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کو ڈگمگا دیں۔ یجادل کے باب مفاعلة سے ایک فرع یہ نکالی گئی ہے کہ حضرات انبیاء بھی ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ ~~وھذا یدل علی ان الانبیاء کانوا یجادلونھم لما بینا ان المجادلة انما تحصل من الجانبین~~ (کبیر) ۸۵ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ۔ یعنی اپنی عصیان کاری کو۔ نَسِيَ۔ نسیان سے یہاں غیر ارادی سہو مراد نہیں۔ بلکہ ارادی تغافل مراد ہے۔ ~~والمراد من النسیان التغافل والتشاغل عن کفرہ المتقدم~~ (کبیر)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے روبرو جھکو، وہ جھکے البتہ ابلیس (نہ جھکا) ٧٢
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ
وہ جنات میں سے تھا سو اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کر بیٹھا ٧٣ سو کیا تم اسے اور
ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ
اس کی نسل کو میرے مقابلہ میں دوست بناتے ہو درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ٧٥ ظالموں
لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝٥٠ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ
کے لئے بہت برا بدل ہے ٧٦ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش
وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ
کے وقت بلایا اور نہ انہیں کی پیدائش کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو (اپنا) دست بازو
عَضُدًا ۝٥١ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
بنانے والا ہی نہ تھا ٧٧ اور (یاد رکھو) وہ دن جب (اللہ) فرمائے گا (اب) پکارو میرے شریکوں کو جنہیں تم مانا
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝٥٢
کرتے تھے ٧٨ بس وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب ہی نہ دینگے اور ہم انکے درمیان ایک آڑ کر دیں گے ٧٩
وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ
اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ
يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝٥٣ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
اس سے کوئی راہ بچنے کی نہ پائیں گے ٨٠ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے

ع ٧ ١٩

٧١ لِلْمَلٰٓئِكَةِ - اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ - اِبْلِيْسَ - اور سارے واقعہ آدم، ابلیس پر حاشیے سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں میں گزر چکے۔ ٧٢ (جیسا کہ ایک جنی سے مستبعد بھی نہیں) كَانَ مِنَ الْجِنِّ - اس میں صراحت کے ساتھ تردید ہے اس یہودی اور نصرانی عقیدہ کی کہ ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا —— اور حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اتنی واضح تصریح کے بعد بھی ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان اب تک ابلیس کو فرشتہ ہی سمجھے جا رہے ہیں! فیہ بیان ان ابلیس من الملائکۃ لانہ اخبر انہ من الجن فھو جنس غیر جنس الملائکۃ کما ان الانس غیر الجن ... الآیۃ ... ابلیس من الملائکۃ وانما ھو من الجن (جر) ابلیس کے جنی ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک ناری مخلوق تھا اس لئے سرکشی تو اس کے عنصر غالب کا عین مقتضا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنی قوت ارادہ واختیار سے صحیح کام لیتا تو اپنے اس مقتضائے طبعی کو بہ آسانی روک سکتا تھا اس لئے اسے معذور سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ فَفَسَقَ میں ف فا سببیہ ہے یعنی جن ہونے ہی کی بنا پر تو اس نے سرکشی کی۔ فرشتہ ہوتا تو اس سے عصیان ممکن ہی کیونکر تھا۔ الفاء للسبب وفیہ دلیل علی ان الملک لا یعصی البتۃ وانما عصی ابلیس لانہ کان جنیا فی اصلہ (بیضاوی) والفاء للسبب ایضا جعل کونہ من الجن سببا فی فسقہ یعنی انہ لو کان ملکا کسائر من سجد لآدم لم یفسق عن امر اللہ لان الملائکۃ معصومون البتۃ (بحر) فِسق اب جس معنی میں چل گیا ہے۔ یعنی سرکشی اور طاعت حق سے نافرمانی۔ یہ زبان عرب میں تمامتر قرآن مجید کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ نزول قرآن سے قبل یہ معنی شائع و رائج نہ تھے۔ وقال ابو عبیدۃ لم تسمع ذلک فی شیء من اشعار الجاھلیۃ ولا احادیثھا وانما تکلم بہ العرب بعد نزول القرآن ووافقہ المبرد علی ذلک (روح) قال ابن الاعرابی لم یسمع الفاسق فی وصف الانسان فی کلام العرب (لغب) ٧٥ (جن کا کام ہی تمہیں بھڑکانا، ضرر پہنچانا ہے) اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ - یعنی میرے مقابلہ پر، شیطان اور شیطان زادوں کو اپنا دوست اور کارساز و چارہ ساز سمجھتے ہو۔ ذُرِّيَّتَهٗ - ذریت کے معنی نسل یا اولاد کے ہیں۔ اور سلسلۂ نسل جس طرح انسانوں میں چل رہا ہے۔ جنات میں بھی قائم ہے۔ ابلیس کے فرشتہ نہ ہونے پر محققین نے اس لفظ ذریت سے استشہاد مزید کیا ہے کہ سلسلۂ نسل تو جنات ہی میں قائم ہے نہ کہ فرشتوں میں۔ واستدل بذلک فی حکیۃ ... الآیۃ حیث افادت انہ لہ ذریۃ والملائکۃ لیس لھم ذلک (روح) اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ میں حرف ہمزہ انکار و حیرت کے لئے ہے جیسے اردو میں کہیں ارے یہ غضب کرتے ہو! الھمزۃ للانکار والتعجب (بیضاوی) الھمزۃ للتوبیخ والانکار والتعجب (بحر) ٧٦ بَدَلًا - بدل کے معنی اگر عوض کے لئے جائیں جب تو ظاہر ہی ہے کہ ظالموں یعنی کافروں اور منکروں کو معاوضے کیسے بُرے بُرے ملیں گے لیکن فقرہ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ظالم خدا ناشناس کیسے احمق ہیں کہ دوست اور کارساز سمجھنا تو چاہئے حق تعالیٰ کو اور یہ بجائے اسکے دوست و کارساز ابلیس و ذریات ابلیس کو بنائے ہوئے ہیں۔ لِلظّٰلِمِيْنَ - یعنی مشرکین جو شیطانوں کے ساتھ تعلق کتنا غلط اور بے جا قائم کئے ہوئے ہیں۔ صیغۂ مخاطب سے آیت میں دفعۃً صیغۂ غائب کی طرف التفات میں اشارہ کمال ناگواری کی جانب ہے۔ ٧٧ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق تعالیٰ ان گمراہ کن شیطانوں کو کسی معاملہ میں کسی حد تک بھی اپنا معین یا مشیر بناتا۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - یعنی آفرینش کائنات کے وقت ان کا وجود ہی سرے سے کہاں تھا؟ یہ تو بہت بعد کی مخلوق ہیں۔ پھر اس کارخانۂ ایجاد تکوین کے کسی شعبہ میں بھی ان کی شرکت، مشورہ کی حد تک بھی کیونکر ممکن تھی۔ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ - یعنی جن "معبودوں"، کو تم شریک خدائی ٹھہرا رہے ہو، یہ کسی اور معاملہ میں مشیر و شریک تو کیا ہوتے، خود اپنے ہی وجود کے باب میں یہ کب کوئی سا بھی مشورہ دے سکتے تھے؟ وَمَا كُنْتُ ...... عَضُدًا - بعض فقہاء مفسرین نے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ کافروں سے امور دین میں مدد لینا ناجائز ہے۔ واستدل بھا علی انہ لا ینبغی الاستعانۃ بالکافر وھو فی امور الدین کجھاد الکفار وقال اھل البغی ... فی امور الدنیا فالذی یظھر انہ لا باس بھا (روح) ٧٨ یعنی اپنی امداد و اعانت کیلئے بلاؤ۔ شُرَكَآءِيَ - یعنی وہ تمہارے پندار کے مطابق میرے شریک خدائی تھے۔ ٧٩ (جس سے بالکل ہی مایوسی ہو جائے گی) بَيْنَهُمْ - یعنی مشرک انسانوں اور ان کے معبود شیطانوں کے درمیان۔ ٨٠ اور اس وقت کی شدت یاس! معاذ اللہ! فَظَنُّوْا - ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ ای ایقنوا (بیضاوی) قال ابن عطیۃ اطلق الناس ان الظن ھنا بمعنی التیقن (بحر)

۶۶ ایجاد و اعدام، ابقاء و افناء سب پر یکساں قادر، جب اور جیسے چاہے ہست سے نیست کردے اور نیستی سے ہستی میں لے آئے۔ کَمَآءٍ ...... الرِّیٰحُ سو یہی حال دنیا کا بھی ہے، ابھی ہری بھری نظر آرہی ہے، اور عنقریب ہلاک و برباد ہو کر رہے گی۔ ۶۷ نفس اعمال تو ظاہر ہے کہ آنی و فانی بلکہ سریع الفنا چیزیں ہیں۔ لیکن ہر عمل خیر و شر سے جو اثر انسان پر مرتب ہوتا ہے اس کا نام ثواب و عذاب ہے اور وہ ایک دائمی اور ثابت و قائم رہ جانے والی حقیقت ہے اور چونکہ ثواب و عذاب کا رشتہ اعمال کے ساتھ غیر منفک ہے اس لئے مجازاً اعمال صالحہ ہی کو باقیات ارشاد فرمادیا گیا۔ لما کان الاعمال اسبابا فی الثواب والعقاب کل الثواب والعقاب دائمین لا ینقطعان وباقیین لا یفنیان صح اطلاق البقاء علیہا مجازا علیہما لابس السبب البٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ۔

كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

قدرت رکھتا ہے ۶۶ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی ایک رونق ہیں

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

اور باقی رہ جانے والے اعمال صالحہ آپ کے پروردگار کے ہاں ثواب کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ہیں اور امید

اَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ

کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ۶۷ اور (وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ہم پہاڑوں کو ہٹادینگے اور تو زمین کو

حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ

دیکھے گا کہ کھلا میدان ہے ۶۸ اور ہم ان (سب) کو جمع کردینگے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے ۶۹ اور وہ تیرے پروردگار

صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ

کے روبرو برابر کھڑے کرکے پیش کئے جائینگے۔ آخر تم ہمارے ہی پاس آئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا لیکن تم تو یہ خیال

اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

کرتے رہے کہ ہم تمہارے لئے وقت موعود نہ لائینگے ۷۰ اور نامۂ عمل رکھ دیا جائیگا سو تو مجرموں کو

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ

دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس سے ڈر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہماری کمبختی اس نامۂ عمل کی

هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ

تو عجیب حالت ہے کہ اس نے (کوئی گناہ) نہ چھوٹا چھوڑا نہ بڑا بغیر اس کو قلمبند کئے ہوئے ۷۱

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾

اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اسے (لکھا ہوا) موجود پائینگے اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا ۷۲

ع ۶ ۵ ۱۸

محققین نے کہا کہ ہر وہ عمل یا قول جو معرفت الٰہی یا محبت الٰہی یا طاعت الٰہی کی طرف لے جانے والا ہو وہ اسی باقیات صالحات کی فہرست میں داخل ہے۔ کل عمل وقول دعاك الی الاشتغال بمعرفۃ اللہ ومحبتہ وخدمتہ فہو الباقیات الصالحات الکبیر عن تلمیذہ ہو کل ما ارید بہ وجہ اللہ (بحر) زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یعنی مال و اولاد اسی دنیوی زندگی کی ایک بہار اور اس کا ایک ضمیمہ ہیں۔ تو جب خود دنیا ہی کو ثبات نہیں تو اسکے تابع و ضمیمہ کی بے ثباتی تو اور بھی بڑھ کر ہوگی۔ یہ مال و اولاد کو تحقیراً محض زینت حیات دنیوی کہنا خود ان کے مال، اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنالیا جائے، اور ان سے طاعت الٰہی و خدمت دین کا کام لیا جانے لگے تو یہی مال و اولاد مقصود و مطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی عین باقیات صالحات میں ہونے لگتا ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ خود باقی اور قائم اور لایزال ہیں، ان کی رضا و طاعت کے لئے جو کام بھی کیا جاتا ہے وہ خود بھی حیات ابدی حاصل کرلیتا ہے اور مخلوق چونکہ خود فانی ہے اس لئے رضائے مخلوق والے سارے کام خود ہی زود فنا ہوتے ہیں ۶۸ یعنی پہاڑ، دریا، ٹیلے، عمارتیں، درخت سب ناپید ہوچکے ہونگے۔ ۶۹ یعنی سارے کے سارے انسان بلا استثناء قبروں سے اٹھا اٹھا کر میدان حشر میں۔ ۷۰ (اور تم باوجود اپنے خلق اول کے علم و یقین کے اپنی خلق ثانی کے معتقد و قائل نہ ہوئے) یہ سب کچھ منکروں، ملحدوں سے خطاب کرکے ارشاد ہوگا۔ والخطاب للکفار المنکرین البعث علی سبیل التقریع (مدارک) لَقَدْ ...... مَرَّةٍ۔ یعنی آئے بھی تو مال، جاہ، اولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر دنیا میں فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ بَلْ کا ترجمہ 'بلکہ' اور 'لیکن' دونوں سے ہوسکتا ہے۔ بل للاضراب بمعنی الانتقال من خبر الی خبر (بحر) ۷۱ منکروں کے حق میں منظر حشر کی یہ کس درجہ مؤثر و پر حسرت تصویر ہے! صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً۔ یعنی کوئی بھی معصیت چھوٹی سی چھوٹی یا بڑی سی بڑی ایسی نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔ ای لا یترک شیئا من المعاصی سواء کان صغیرۃ او کبیرۃ الا وہی مذکورۃ فی ذلک الکتاب (کبیر) ۷۲ (کہ کسی کی ادنیٰ سی نیکی بھی لکھنے سے رہ جائے یا حقیر سی بدی بھی کسی کے نامۂ اعمال میں بڑھا دی جائے) وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ بعض اہل کشف نے لکھا ہے کہ یہ اعمال لکھی ہوئی صورت میں نہیں، بلکہ اپنی اصلی صورت میں پیش ہونگے یعنی ہر عامل اپنے کو بعینہ وہی عمل کرتا ہوا پائیگا جو اس نے دنیا میں کیا تھا۔

۶۰ یعنی بالکل اجڑ جائے۔ عَلَیۡهَا۔ یعنی تیرے اسی باغ پر۔ حُسۡبَانًا۔ حسبان یعنی ایسی مصیبت جو حکم غیبی سے بلا توسط اسباب طبعی ہو۔ مصیبت تقدیری بمعنی الحساب اے مقدرًا قدرہ اللہ کی عنہ نکیر اور مقصود اس سے جزائے افعال و پاداش اعمال ہو۔ وانما ھو فی الحقیقۃ ما یحاسب علیہ فیجازی بحسبہ (راغب) و ذلك الحسبان حساب ما کسبت یداہ اللہ عز وجل علی النبلیہ ۶۱ (چہ جائیکہ اسے حاصل کر سکے) یعنی پڑوس کی جس نہر پر تجھے بڑا ناز ہے خود اسی کا پانی بالکل خشک ہو جائے، اور باغ و کاشت سب کا ستیاناس ہو جائے۔ ۶۲ یہ قول ندامت ضرر کی بنا پر تھا، اس سے عقیدۂ کفر پر ندامت لازم نہیں آتی۔ اس حسرت و ندامت سے بھی مقصود تمام تر دنیا ہی تھی، اس لئے یہ قول نجات کے لئے کافی نہ ہوا۔ انما رغب فی التوحید والرجوع عن الشرك لاجل طلب الدنیا فلهذا السبب ما صار توحیدہ مقبولا عند اللہ (کبیر) یُقَلِّبُ كَفَّیۡهِ۔ محاورہ میں تقلیب کفین سے مراد حسرت و ندامت ہوتی ہے۔ وتقلیب الکفین کنایۃ عن الندم والتحسر کناہ ہو وھو کنایۃ عن الندم والحسرۃ (کبیر) ۶۳ اپنے جس مجمع اور جتھے پر اسے ناز تھا اور وہ فخر کے ساتھ کہتا تھا۔ انا اعز منك مالًا و اکثر نفرًا اس کی حقیقت و بساط اس نے یہیں اسی دنیا میں دیکھ لی! یَنۡصُرُوۡنَهٗ ...... مُنۡتَصِرًا۔ منتصر کے معنی بچا لینے والے کے بھی ہیں اور ینصرونہ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بچا لے۔ ینصرونہ ای یمنعونہ من عذاب اللہ وما کان منتصرًا ای ممتنعًا من عذاب اللہ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) مطلب یہ ہوا کہ بجز اللہ کے کوئی بھی نصرت پر قادر نہیں۔ نصرت صرف اسی کی ہے۔ ای ھو اللہ تعالٰی وحدہ القادر علی نصرتہ ولا یقدر احد غیرہ ان ینصرہ (کبیر) ۶۴ یعنی اللہ ہی کی مدد دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ کام آتی ہے اور اس کے مقبولوں کا کوئی ظاہری نقصان ہوتا بھی ہے تو اس کا ثمرہ نیک مل کر رہتا ہے۔ اَلۡوَلَایَةُ۔ ولایۃ (بالفتح) کے معنی کارسازی و انصرام امور کے ہیں اور وِلایۃ (بالکسر) کے معنی مدد و نصرت کے۔ الولایۃ النصرۃ والولایۃ تولی الامر (راغب) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنی میں مرادف ہیں۔ قیل الولایۃ والوِلایۃ واحدۃ وحقیقۃ تولی الامر (راغب) ابن جریر نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر وَلایۃ (بالفتح) ہے جس کے معنی دوستی یا مدد کے ہیں اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرأۃ وِلایۃ (بالکسر) ہے جس کے معنی حکومت و غلبہ کے ہیں۔ ۶۵ (اور خوب سرسبز و شاداب) دنیا کے مال و جاہ کے حقیر، فانی اور بے حقیقت ہونے پر ایک تمثیل ابھی اوپر گذر چکی، مذاق و فہم عرب کے خاص طور پر موافق۔ اور دوسری تمثیل اب بیان ہو رہی ہے۔ كَمَآءٍ۔ کَ حرف تشبیہ ہے۔ اس کا تعلق محض لفظ ماء سے نہیں، بلکہ آگے کی پوری عبارت سے ہے۔

وَيُرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِيۡدًا
اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت آ اتارے جس سے (باغ) ایک چٹیل میدان ہو کر
زَلَقًا ۝۴۰ اَوۡ يُصۡبِحَ مَآؤُهَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًا ۝۴۱
رہ جائے ۶۰ یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے ۶۱
وَاُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا
اور اس (بد دین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اس نے اس (باغ)
وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ
پر خرچ کیا تھا اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور وہ (بد دین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کے
بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ۝۴۲ وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ
ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا ۶۲ اور کوئی جتھا اس کے ساتھ نہ ہوا کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی
اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ۝۴۳ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَـقِّ ؕ هُوَ
مدد کرتا اور نہ وہ (ہم سے) بدلہ لے سکا ۶۳ ایسے موقع پر کارسازی اللہ برحق ہی کا کام ہے۔ اسی کا
خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ عُقۡبًا ۝۴۴ وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ
ثواب سب سے بہتر اور (اسی کا) نتیجہ سب سے بہتر ۶۴ اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت
الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ
بیان کیجیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات
الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى
خوب گنجان ہو گئی ہے ۶۵ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ ہوا اسے اڑائے اڑائے پھرے اور اللہ ہر چیز پر پوری

ع ۵ / ۳ / ۱۷

۵۲ (درانحالیکہ تو توحید کا قائل ہے اور اپنے کو اہل حق سمجھ رہا ہے) کہنے والے کا مطلب ہے کہ میرا طریقہ اگر خلافِ حق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہوتا تو آج میں اس مرفہ حالی میں کیوں ہوتا؟ بلکہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا مسلک صحیح اور تیرا مذہب غلط ہے۔ نَفَرًا۔ یعنی جتھے اور مجمع کے لحاظ سے بھی۔ یعنی [illegible] لِصَاحِبِهٖ۔ اس ملحد کا یہ رفیق موحد و دیندار تھا۔ ۵۳ (مع اپنے اسی دیندار ساتھی کے) وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ یعنی اپنے اوپر جرم کفر قائم کرتا ہوا۔ ۵۴ غیر خدا پرست مادہ پرست کی نظر بس قریب کے اسباب طبعی و مادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ بقا، نشو و نما، ترقی کے انہیں مادی و قریبی اسباب پر نظر کرکے بولا کہ اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے تو قطعاً کوئی آثار

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۳۴ وَ

اپنے (اس) ساتھی سے اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں بھی غالب ۵۲ اور

دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا اور بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی

هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۳۵ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ

بھی برباد ہو ۵۴ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (کبھی) آئے گی اور اگر میں اپنے پروردگار

اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۳۶ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ

کے پاس پہنچایا گیا (بھی) تو میں یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا ۵۵ (اس پر) اس کا وہ ساتھی بولا

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہ ارے کیا تو کفر اس (ذات) کے ساتھ کرتا ہے ۵۶ جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۳۷ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ

نطفہ سے (تجھ کو بنایا) پھر تجھے صحیح و سالم آدمی بنایا ۵۷ لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار

اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۳۸ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور تو جو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ

کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں بجز اللہ (کی مدد) کے ۵۸ (اور) اگر تو مجھے مال و

مَالًا وَّوَلَدًا ۳۹ ۚ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دے دے ۵۹

نہیں۔ بقول ایک فاضل محقق کے اس شخص نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے سو میں تو نہیں سمجھتا کہ اسبابِ طبعیہ کو کوئی معطل کرسکے اور اس باغ وغیرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے اسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کارکن بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی، اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے، کس طرح محتمل ویرانی کا ہو۔ تَبِيْدَ۔ بید کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔ البید [illegible] (بحر) ۵۵ یعنی اول تو میں قائل ہی قیامت کا نہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں لیکن بالفرض اگر تیرے عقیدہ کے مطابق حشر و نشر برحق نکلا تو میں جس عیش و عشرت کی زندگی یہاں بسر کر رہا ہوں، اس سے زیادہ چین و آرام میں وہاں رہوں گا۔ ۵۶ (جیسا کہ تیری تقریر عقیدۂ توحید و قیامت کا انکار ظاہر کر رہی ہے) صَاحِبُهٗ۔ یعنی اس کا وہی دیندار موحد رفیق۔ ۵۷ یعنی تیرے سب اعضا اور قویٰ درست کئے اور تجھے ترکیب صحیح کے ساتھ انسان بنا کر نمودار کیا۔ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ ہر انسان کا مادۂ بعید مٹی ہی ہے، بہ واسطۂ آدم علیہ السلام۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ ہر انسان کا مادۂ قریب نطفۂ پدری ہے، بواسطۂ رحم مادر۔ ۵۸ (کہ جس کسی مخلوق میں کچھ بھی قوت ہے، اسی کے سہارے ہے) بِاللّٰهِ۔ ب بار الاستعانۃ ہے۔ [illegible] (کبیر) موحد کی تقریر کا پہلا حصہ نفس توحید پر تھا اور اب اس کلیہ کی ایک فرع پر گفتگو ہے۔ وَلَوْ ...... شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ ہی جب تک چاہے گا یہ باغ بھی قائم رہے گا اور جب وہی چاہے گا تو یہ ویران ہو جائیگا۔ اسباب طبعی سب اس کی مشیت کے ماتحت ہیں، نہ کہ اس سے آزاد و مستغنی۔ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ چنانچہ یہ باغ بھی اسی کی قوت سے تیار ہوا ہے نہ کہ کسی اور کی قوت سے۔ [illegible] (ابن عباسؓ) متکلمین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا، وہ واقع ہو گیا اور جو کچھ اس نے نہ چاہا وہ واقع نہ ہوا۔ [illegible] (کبیر) ۵۹ (خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) خَيْرًا۔ خیر کے اندر ہر قسم کا سامان عیش و راحت آ گیا۔ اِنْ ...... وَلَدًا۔ یہ ملحد کی جس تقریر کے جواب میں ہے، وہ دو آیتیں قبل ابھی اوپر گزر چکی۔ انا اکثر منك مالا و اعز نفرا۔

۴۷ ہر اندازی اور تخویفی ذکر کے بعد ہی تبشیر اور تسلی کا بیان معمولاتِ قرآنی میں سے ہے۔ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان واو عطف آنے سے استدلال یہ کیا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ یدل علی ان العمل الصالح مغایر للایمان لان العطف یوجب المغایرۃ (کبیر) انّا .... عَمَلًا۔ یہ مسلک اہلِ سنت میں یہ اللہ کی طرف سے وعدہ جزائے حسن عمل کا ہے۔ عند اصحابنا ذلک الاستیجاب حصل بحکم الوعد (کبیر) ۴۸ اہلِ دوزخ کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں یہ اہلِ جنت کی عیش سامانیوں کا بیان ہو رہا ہے۔ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ۔ جنت میں جو دار العمل نہیں تمام تر دار الجزاء ہے نہی شرعی اٹھ جانے کے بعد بہت سے دوسرے ممنوعات کی طرح زیور پوشی بھی رجال جنت کے لئے جائز ہو جائے گی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے سو ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے

مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

جو عمل اچھے طور پر کرے ۴۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہمیشگی کے باغ ہیں ان کے

مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ

نیچے ندیاں بہ رہی ہونگی ان کو اس میں سونے کے کنگن پہنائے

ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز پہنیں گے

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ

اس میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے کیسا اچھا صلہ ہے اور کیسی بہتر

مُرْتَفَقًا ۝۳۱ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا

جگہ ہے ۴۸ اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجیے ۴۹ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ

جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا

انگور کے دے رکھے تھے اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے

زَرْعًا ۝۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـــًٔا

درمیان کھیتی بھی لگا رکھی تھی ۵۰ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کے پیداوار میں ذرا کمی نہ کرتی

وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝۳۳ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ

اور ہم نے ان دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اس (شخص) کے پاس (اور بھی) تمول ۵۱ تھا سو اس نے

ع ۴ / ۹ / ۱۶

بالکل اس کا شمار اسباب زینت میں سے ہونے لگے گا اور یہ زیور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہونگے جیسا کہ آج بھی ان کا شمار اسباب زینت میں ہے جہاں جہاں یہ عرفاً رائج ہیں۔ ثِيَابًا خُضْرًا۔ یہ رنگ لباس کی سبزی یہاں بطور مثال بیان فرمائی گئی ہے، حصر مقصود نہیں، چنانچہ قرآن ہی میں مطلق صورت میں بھی تو وعدہ موجود ہے کہ اہل جنت جو کچھ چاہیں گے، پالیں گے۔ والظاهر ان لبسهم غير منحصر فيما ذكر ولهم فيها ما تشتهي الانفس وتلذ الاعين (روح) يُحَلَّوْنَ۔ يلبسون امام رازیؒ نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ ایک ہی آیت کے اندر یحلون صیغۂ مجہول میں اور یلبسون صیغۂ معروف میں کیوں ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ یلبسون میں اشارہ اہلِ جنت کے اجر واجب کی طرف ہے اور یحلون اس اجر واجب سے زاید یعنی اللہ کے فضل محض کو بتا رہا ہے یحتمل ان یکون اللبس اشارة الى ما استوجبوه بعملهم وان یکون الحلی اشارة الى ما تفضل الله عليهم ابتداء من زوايد الكرم (کبیر) ۴۹ (دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی مقصودیت ظاہر کرنے کو) رَجُلَيْنِ۔ ان دو شخصوں میں سے ایک ملحد و بے دین تھا، اور دوسرا موحد و دیندار، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ۵۰ (لیکن یہ شخص تھا بد عقیدہ و بد دین) انگور کا باغ ایک تو بجائے خود قیمتی، پھر ایک ہی نہیں، دو دو۔ اور پھر ان کے گرداگرد خرما کی باڑ لگی ہوئی۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ باغوں کے درمیان کی جگہ بے کار اور خالی پڑی ہوئی نہیں، بلکہ سرسبز و شاداب کھیتی سے لدی ہوئی ——— عرب کے نقطۂ نظر سے آسودگی مرفہ حالی کا کامل و مکمل مرقع! ۵۱ باغ بھی ایسے کہ پوری پوری فصل دینے والے۔ کسی میں کوئی نقصان اور کمی نہیں اور پڑوس میں دریا۔ کھیتی کی سرسبزی اور باغ کی شادابی کے سامان ہر طرح کے بہ افراط اور عام دولتمندی اس پر مستزاد۔ مادی فراغت و خوش نصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ ثَمَرٌ۔ ثمر کے معنی علاوہ اپنے مشہور معنی کے، دولت کے بھی ہیں۔ ویکنی به عن المال المستفاد (راغب) ومن المجاز الثمر انواع المال (روح) اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔ انواع من المال من ثمر ماله اذا كثره (کشاف) عن مجاهد الذهب والفضة اي كان له مع الجنتين اشياء من النقود (کبیر عن مجاهد) ذهب وفضة خاصة (کذا عن مجاهد)

۴۲ (اگر بفرض محال مخالفین کی آپ نے ایسی دلجوئی کرنا چاہی کہ احکام الٰہی ہی ترک ہو گئے) حاصل یہ کہ رؤسا کفار کی طرف سے آپ پورا استغنا برتئے۔ وَاتْلُ...... رَبِّكَ یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ تو آپ پر فرض ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر اسی فکر اور وہم میں نہ پڑیے کہ مخالفین کی دلجوئی اگر نہ کی گئی تو دین کی اشاعت و ترقی کیونکر ہو گی۔ امام رازیؒ نے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ آپ وحی کی تعلیم اور اس پر عمل میں لگے رہئے اور منکروں معاندوں کے طنز و تشنیع کی طرف التفات ہی نہ کیجئے۔

مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ

آپ کے پروردگار کی کتاب کے ذریعہ سے آئی ہے۔ کوئی بدل اسکی باتوں کا نہیں ہو سکتا اور نہ آپ اس کے سوا کوئی پناہ

دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ

ہی پائیں گے ۴۲ اور آپ اپنے کو مقید رکھا کیجئے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو

رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ

پکارتے رہتے ہیں صبح و شام محض اسکی رضا جوئی کے لئے ۴۳ اور اپنی آنکھیں

عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ

کو ان سے نہ ہٹائیے دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اور اس شخص کا کہنا

مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ

نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور

أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ

اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے ۴۴ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے سو جس کا جی چاہے

وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ

ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے ۴۵ ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے اس کی قناتیں

بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ

ان کو گھیرے ہونگی اور اگر وہ فریاد کرینگے تو انکی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائیگی جو تیل کی

يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ إِنَّ

تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ چہروں کو بھون ڈالے گا۔ کیسا برا ہوگا وہ پانی اور کیسی بری ہوگی وہ جگہ ۴۶ بیشک۔

الثلثة

~~جعل الاصل فی ھذا الباب شیئا واحدا وھو ان یواظب علی تلاوۃ الکتاب الذی اوحاہ اللہ الیہ والعمل بہ وان لا یلتفت الی اقتراح المقترحین وتعنت المتعنتین (کبیر)~~

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ۔ اور اسی لئے کسی مخالف معاند کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اللہ نے جو وعدے کر رکھے ہیں انہیں وہ پورے ہونے سے روک دے۔ کلمات کے تحت میں اللہ کے وعدے شامل ہیں۔ مُلْتَحَدًا کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔ ~~اتفقوا علی ان الملتحد ھو الملجأ (کبیر)~~ ۴۳ (نہ کہ کسی دنیوی غرض باطل سے) وصف ان مومنین کے اخلاص کامل کا بیان ہو رہا ہے۔ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ۔ یعنی علی الدوام۔ دو وقتوں میں حصر مقصود نہیں۔ ~~المراد کونھم مواظبین علی ھذا العمل فی کل الاوقات (کبیر) شاع استعمال مثل ھذہ العبارۃ للدوام (روح)~~

۴۴ (خواہش نفس کی پیروی میں) وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ۔ محاورہ میں اس سے مراد بے توجہی، بے اعتنائی کرنے سے ہے۔ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ رسول اللہ صلعم کو جوش وانہماک تبلیغ میں قدرۃً اس کی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ رؤسا قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو امت کے جمال و کمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ امت کا جمال و کمال اس ظاہری ساز و سامان دنیوی اور مال و جاہ مادی سے نہیں، بلکہ وہ اخلاص و اطاعت کاملہ سے ہے۔ خواہ ان کے وجود کا تحقق فقراء و غرباء و عوام الناس ہی میں ہو۔ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا عناد ارادی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ حق کے لئے قلب میں کوئی طلب باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اسی سزا کو تکوینی طور پر اپنی جانب بحیثیت مسبب الاسباب کے منسوب کر دیا گیا ہے۔ وَلَا تُطِعْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔ اس لئے اتباع فساق حرام ہے۔ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اغنیاء کی طرف ایسا میل تو اضع جسکی بنیاد ان کا غنا ہو آیت اسکی مذمت میں ہے۔ آیت آج کل کے بہت سے "مصلحین" کے لئے قابلِ غور ہے۔ آج ہر "اصلاح" پر زور (خواہ وہ عقاید سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی و معاشی حیثیت چمک جائے گی یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کر لیں گے وقس علیٰ ہذا۔ غرض مقصود و مطلوب ہر "اصلاح" سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اسکی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں ——— تعلیم قرآنی اس ذوقِ فاسد سے کس درجہ ابا کرتی ہے! ۴۵ بندہ ہی کے اختیار میں ہدایت بھی ہے اور کفر کی ذمہ داری بھی بندہ ہی پر ہے۔ حق تعالیٰ مجبور کسی کو بھی نہیں کر رہا ہے۔ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ۔ یعنی حق تو اپنی ساری تابانی و وضاحت کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے آ ہی چکا ہے اور راہِ ہدایت خوب اچھی طرح روشن ہو چکی ہے۔ فَمَنْ شَاءَ۔ وَمَنْ شَاءَ ان صیغوں سے تخییر مراد نہیں۔ تہدید و وعید مراد ہے۔ ~~نقل عن علی بن ابی طالب انہ قال ھذہ الصیغۃ تھدید و وعید ولیس بتخییر (کبیر)~~ ۴۶ حق کی تمام و کمال وضاحتوں کے بعد بھی جو ایمان نہ لائے گا اور کفر پر مصر رہے گا وہ خود ہی اپنا خرابہ بلائے گا۔ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا یعنی خود وہ قناتیں بھی آگ ہی کی ہونگی۔ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا۔ یہ فریاد شدت تشنگی سے ہوگی۔ بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ۔ کالمہل میں اس پانی کی صورت کی کراہت کا اور یشوی الوجوہ میں اسکے مزہ کی تیزی اور گرمی کا بیان آگیا۔

۳۵ (اور اس نے قرآن سے اس کا کوئی فیصلہ کیا نہیں ہے) لیکن حضرت ابن عباسؓ وغیرہ اسی آخری عدد کے قائل ہوئے ہیں اور مولانا تھانویؒ نے کہا ہے کہ آیت سے بھی اشارۃً اس کی صحت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس اخیر قول کو نقل کر کے اسے رد نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔ قال اکثر المفسرین هذا الاخیر هو الحق ویدل علیه وجوه (کبیر) ۳۶ (کیونکہ ضروری کی تعلیم تو وحی سے ہوگئی۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے غیر ضروری ہے) فَلَا تُمَارِ ...... ظَاهِرًا یعنی آپ وحی کے مطابق نفس قصہ تو بیان کر دیجئے۔ باقی اسکے آگے بحث و مباحثہ میں نہ پڑیے۔ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ اور انہیں قلیل اشخاص میں ایک عبد اللہ ابن عباسؓ صحابی ترجمان القرآن ہیں۔ وکان ابن عباس یقول انا من اولئک القلیل (کبیر) ۳۷ یعنی آپ سے جب کوئی شخص کوئی بات جواب طلب دریافت کرلے۔ اور آپ اس سے آئندہ جواب کا وعدہ کریں تو لفظ ان شاء اللہ تعالیٰ یا کوئی اور لفظ اس کے مرادف ضرور کہہ دیا کریں اور ایک وعدہ ہی کی تخصیص نہیں، اس کا لحاظ ہر امر میں رکھیں۔ آیت کی شان نزول یا آج کل کی اصطلاح میں پس منظر یہ ہے کہ ایک بار منکرین نے آکر رسول اللہ صلعم سے تین سوالات بطور امتحان دریافت کئے۔ ایک یہ کہ ماہیت روح کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اصحاب کہف کون تھے؟ تیسرے یہ کہ ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے وحی الٰہی کے بھروسہ پر وعدہ کرلیا کہ کل جواب دوں گا۔ اتفاق سے وحی پندرہ دن تک نہ آئی۔ آپ کو قدرۃً غم و صدمہ رہا۔ اس کے بعد وحی سے سوالات کے جوابات بھی ملے اور یہ حکم بھی۔ لِشَایْءٍ۔ شیء تنوین کے ساتھ نکرہ ہے۔ مفہوم عموم و استغراق کے لئے۔ گویا یہ بتادیا کہ اپنے چھوٹے بڑے ہر ارادہ کو ارادۂ الٰہی پر معلق اور اس سے وابستہ رکھئے۔ اس چھوٹی سی تعلیم سے ایک طرف تو رد نکل آیا معتزلہ کا جو بندہ کو بعض افعال کا خالق و موجد قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف جبریہ کا جو بندہ کو جماد و مجبور محض مانتے ہیں۔ صحیح مسلک اہل سنت کا یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر تو ہے لیکن مشیت الٰہی کے بعد اور اسکے ماتحت۔ غَدًا۔ غد سے مراد مطلق زمانہ مستقبل ہے، نہ کہ متعین و مخصوص (کل) ہی کا دن۔ اے فی ما یستقبل من الزمان ... اے فی ما یستقبل من الزمان مطلقا (روح) اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ الا حرف استثناء ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے الا ان تقول ان شاء اللہ۔ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ یہاں قول کے لئے زبانی تلفظ شرط نہیں۔ اس لئے کہ مسئلہ اعتقادیات سے متعلق ہے اور اعتقادیات میں محض تصدیق قلبی کافی ہے۔ ۳۸ یعنی میری نبوت پر دلیل بننے کے اعتبار سے کوئی بات اس سے بھی بڑھ کر بتلائیے۔ منکروں نے یہ قصہ اصحاب کہف سے متعلق سوال کرکے اپنے نزدیک کوئی بہت بڑا امتحان رسول اللہ صلعم کا لے ڈالا تھا۔ آپ کو یہ کہنے کی ہدایت ہورہی ہے کہ میں تو اپنی نبوت پر دلائل خدا کے فضل سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتا ہوں۔ معناہ لعل اللہ یؤتینی من البینات والدلائل علی صحۃ انی نبی ما ہو اعظم فی الدلالۃ واقرب رشدًا من نبأ اصحاب الکہف (کبیر) ای اظہر دلالۃ علی انی نبی من نبأ اصحاب الکہف (بیضاوی) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ۔ یعنی جیسے ہی خیال آجائے اور تنبیہ ہو جائے، مشیت الٰہی کا تحفظ کرلیا کیجئے۔ والمعنی ذکر ربک ای مشیۃ ربک (مدارک) ۳۹ یعنی حساب شمسی مسیحی رکھو تو پورے تین سو سال اور حساب قمری اسلامی رکھو تو ۳۰۹ سال۔ تین سال کا فرق ہر صدی میں سنہ قمری اور سنہ شمسی کے درمیان ہو جایا کرتا ہے۔ اکابر سلف سے بھی یہی سہل تفسیر مروی ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود حضرت علیؓ سے ہے۔

رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۥ قف فَلَا

میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے ۳۵ ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز قلیل کے۔ پس آپ

تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ

انکے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجئے بجز سرسری بحث کے اور آپ ان کے باب میں ان لوگوں سے

مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝۲۲ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ

کسی سے بھی نہ پوچھیے ۳۶ اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل

غَدًا ۝۲۳ لا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۠ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَ

کردوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے ۳۷ اور اپنے پروردگار کو یاد کرلیا کیجئے جب آپ بھول جائیں

قُلْ عَسٰٓی اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝۲۴

اور آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے باعتبار راہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتائے ۳۸

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا

اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس

تِسْعًا ۝۲۵ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ

اور رہے ۳۹ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے تھے۔ اسی کے لئے (علم)

وَالْاَرْضِ ۠ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۠ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ

غیب آسمانوں اور زمین کا ہے ۴۰ وہ کیا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیا کچھ سننے والا! ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز

وَّلِیٍّ ۠ وَّلَا يُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَيْكَ

نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے ۴۱ اور آپ پڑھ دیا کیجئے جو کچھ وحی آپ پر

۳ ع ۵ ۱۵

حکم القاضی انها ثلث مائۃ شمسیۃ علیٰ ما کان الخطاب للعرب ... حساب العرب هو القمر لاتفاق العالمین ... وروی عن علیؓ انه قال عند اهل الکتاب انهم لبثوا ثلثمائة شمسیة والله تعالیٰ ذکر ثلثمائة وتسعة قمریة ... وهی ثلثمائة سنة بالشمسیة فان تفاوت ما بین کل مائة سنة بالقمریة الی الشمسیة ثلاث سنین ... بحساب اهل الکتاب واعتبار السنة الشمسیة وثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار السنة القمریة ... (روح) قدیم مسیحی روایتوں اور نوشتوں میں یہ مدت ۳۰۷ سال درج ہے اور بعض نسخوں میں ۳۵۳ سال —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ غار نشینی کا زمانہ اگر قول اکثر کے مطابق ۲۴۹ء فرض کیا جائے تو اس پر ۳۰۰ سال شمسی اضافہ کرنے سے ۵۴۹ء برآمد ہوتے ہیں یعنی میلاد رسول (۵۷۰ء) سے ۲۱ سال اور ہجرت نبوی (۶۲۲ء) سے تقریباً ۷۲ سال قبل۔ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ۔ فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ ظالموں سے فرار کرجانا جائز ہے بلکہ اولیاء انبیاء کے معمولات میں سے ہے۔ فیه جواز الفرار من الظلم وهی سنة الانبیاء والاولیاء (ابن العربی) ۴۰ یعنی مخلوق کے اعتبار سے جو کچھ بھی غیب ہے، سب کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے —— ایک اسی واقعہ مدت خواب اصحاب کہف پر کیا موقوف ہے اس پر تو چھوٹا بڑا ہر واقعہ روشن ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ۔ صحیح علم اللہ ہی کو ہے اور جب اس نے یہ مدت قطعی طور سے بتادی، تو اب کسی چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔ ۴۱ (کہ وہ شریک مشورہ ہی ہوکر کسی کی نفع رسانی یا ضرر رسانی کی رائے دے سکے) خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کا نہ کوئی مزاحم ہو سکتا ہے نہ کوئی شریک کار —— شرک کی جڑ ہر طرح کٹ کر رہتی ہے۔ اَبْصِرْ بِهٖ۔ وَاَسْمِعْ کلمہ حیرت ہے یعنی وہ کیسا کچھ ان لوگوں اور ان کے حالات کا دیکھنے سننے والا ہے؟ ما ابصره واسمعه ... هذه کلمة تذکر فی التعجب والمعنی ما ابصره وما اسمعه ... من غیرهم اهل السموٰت والارض کلٌّ لعلی ... المدلول علیه بذکرهما (روح)

۲۹ (ورنہ حکومت کی طرف سے گرفتاری، تلاشی اور سزا یابی یقینی ہے) وَلْيَتَلَطَّفْ۔ یعنی ایسی خوش تدبیری سے کام لے کہ کسی کو اس پر حکومت کے مجرم یا باغی ہونے کا شبہ نہ ہونے پائے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سالکین کو معاملت میں ہر ایک کے ساتھ لُطف و رفق برتنا چاہئے۔ ۳۰ (اور تم شرک و ارتداد کی ملعونیت و نحوست کے چکّر میں پڑے رہو گے) اِنَّهُمْ۔ یعنی مشرک اہل شہر یا مشرک اہل حکومت۔ يَرْجُمُوكُمْ۔ سزائے سنگساری دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے اور اس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ شہنشاہ ڈی سیس (دقیانوس) کے زمانہ میں جو مشرک مسیحیت اختیار کر لیتے تھے وہ مرتد سمجھے جاتے اور شدید ترین عقوبت کے مستحق قرار پاتے۔ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ۔ یعنی یہ بت پرست حکومت ترغیب سے یا ترہیب سے، طمع یا خوف کے پھندے لگا کر تمہیں پھر دین توحید سے بچلا کر دین شرک میں واپس لے لیں گے۔ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۔ یعنی جب ملت کفر میں شریک و شامل ہو گئے تو پھر تو فلاح دنیا و آخرت سے محرومی ہی رہے گی۔ ~~لمان رجعتم الی دینهم لن تسعدوا فی الدنیا ولا فی الاخرة کبیر~~ ۳۱ اصحاب کہف کی غار نشینی کو کوئی تین سو سال کی مدت ہو چکی تھی کہ دنیائے مسیحیت میں یہ سوال زور شور سے چھڑ گیا کہ عقیدۂ نشر و جزائے جسمانی آیا صحیح ہے بھی؟ وقت کا ایک مشہور پادری تھیوڈر حشر اجساد کا صاف منکر تھا۔ بحث و مباحثہ کے عین شباب کے زمانہ میں اصحاب کہف اپنی نوم طویل سے جاگے۔ اور ان کے عجیب معاملہ کا علم عوام و خواص سب کو ہوا —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ۔ یعنی جس طرح ہم نے اپنی خاص قدرت و حکمت سے ان اصحاب کہف کو سلایا اور جگایا تھا۔ اسی طرح اپنی خصوصی حکمت و قدرت سے عام خلقت کو ان کے حال پر مطلع بھی کر دیا۔ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ یعنی تاکہ ان کے معاصرین کو بھی یقین آجائے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ حشر و نشر کے باب میں سچا ہے —— ایک بڑا مانع عقیدۂ حشر و نشر کے قبول میں عام ذہنوں میں اس کا استبعاد رہتا ہے۔ واقعۂ اصحاب کہف یعنی ان کی طویل نیند اور بیداری سے اہل ہدایت کو واقعۂ بعث و حشر کی ایک سند و نظیر ہاتھ آجاتی ہے۔ اور ذہن سے استبعاد دُور ہو جاتا ہے۔ وہ صاحب جو روپیہ لیکر کھانا خریدنے چلے تھے۔ جب بازار پہنچے تو چونکہ قرنہا قرن کی مدت گذر چکی تھی۔ شہریوں کے وضع، لباس، زبان، مکانات سب ہی کی ہیئت بالکل بدل چکی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت کا تختہ الٹ چکا تھا۔ اور بادشاہت اب بجائے دشمنان مسیحیت کے خود مسیحیوں کی قائم تھی۔ وہ صاحب اپنے صدیوں قبل کے لباس و وضع کے باعث یوں ہی تماشہ بنے ہوئے تھے اور جب انہوں نے جیب سے نسلوں قبل کا سکّہ نکالا، جب تو لوگوں کی حیرت اور بدگمانی بدرجہا بڑھ گئی۔ سب نے انہیں گھیر لیا اور انہیں حیران و پریشان ہو کر مجبوراً اپنا پتہ بتانا اور اپنی سرگذشت دہرانی پڑی اور کچھ لوگ ان کے بیان کی تصدیق کے لئے آخر ان کے ساتھ غار کے دہانہ تک آئے۔ ۳۲ (کہ اس حیرت انگیز و عظیم الشان واقعہ کی یادگار قائم ہو جائے) اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ۔ یعنی جب لوگوں میں اس امر پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ان بزرگوں کی نعشوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ ہوا یہ کہ جب لوگ ان کی زیارت کو جوق جوق آنے لگے، اور غار کے دروازہ پر میلہ سا لگنے لگا تو ان حضرات کو وفات دے دی گئی۔ اور اب گفتگو یہ ہونے لگی کہ ان مقدس جسموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا۔ عليهم سے ان کے غار کے اوپر۔ ان کے غار کے دروازہ پر۔ ~~اى على باب كهفهم سلك~~ ۳۳ (تاکہ اس امر کی علامت قائم رہے کہ یہ لوگ عابد و اہل توحید تھے۔ کوئی انہیں معبود نہ بنا لے) جو غار اصحاب کہف کی جانب منسوب ہے اس کے دہانہ پر ایک مسیحی خانقاہ اب بھی موجود ہے —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ۔

مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾ اِنَّهُمْ اِنْ

پاس لے آئے اور خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے ۲۹ کہ اگر وہ تمہاری

يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

خبر پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا

اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تمہیں فلاح نہ ہوگی ۳۰ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ۳۱ (اور وہ وقت

يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ

بھی قابل ذکر ہے) جب (اس زمانہ کے لوگ) انکے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے سو ان لوگوں نے کہا کہ انکے پاس کوئی

رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ

عمارت بنوا دو ۳۲ انکا پروردگار ہی انکے (احوال) کو خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب (و قادر) تھے انہوں نے کہا

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ

کہ ہم تو ان کے پاس ایک معبد بنا دیں گے ۳۳ عنقریب بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور

كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا

چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اٹکل کے

بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ

تکّے ۳۴ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا آپ کہہ دیجیے کہ

تنصف القرآن باعتبار عدد الحروف یاتی الکاف بعد الباء من النصف الاول و الام العاشیة من النصف الاخیر ۱۲

یعنی حکام وقت۔ قال قتادة هم الولاة (بحر) قیل المراد به الملك المسلم وقیل رؤسآء البلد ~~کبیر~~ عليهم۔ یعنی اس غار کے اوپر۔ غار کے دہانہ پر۔ ~~اى على باب الكهف (مدارك)~~ مسجدًا۔ مسجد یہاں معبد یا پرستش گاہ کے عام معنی میں ہے۔ اسلامی مسجد کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۔ مفسر تھانویؒ اور دوسرے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں مسجد کے بنانے سے بجائے مصالح کے مفاسد کا ظہور ہونے لگے تو مسجد بنانا جائز نہ رہے گا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس مسجد سے وہ قصد نہ تھا، جو جاہلوں کا قبور کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے۔ اس لئے قبر پرستوں کو کوئی حجت و نظیر اس سے نہیں مل سکتی۔ ۳۴ یعنی بغیر کسی علم صحیح کے، محض ظن و تخمین سے۔ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ کے لفظی معنی بغیر دیکھے بھالے تیر پھینکنے کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد وہی ہوتی ہے جو اردو میں "اٹکل کے تکّے چلانے" سے۔ اور یہ شرعًا ممنوع بھی ہے —— محض اٹکل اور ظن و گمان سے بغیر کسی سند عقلی یا شرعی کے کام لینا اور چیز ہے اور دلیل شرعی سے حسب قواعد استخراج نتائج کرنا بالکل اور چیز۔ اول الذکر لغو و ممنوع، ثانی الذکر جائز ہی نہیں، محمود و مستحسن۔ بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب۔ سَيَقُوْلُوْنَ۔ یعنی آپ جس وقت یہ صحیح قصہ بیان کریں گے۔ ان کے معاصرین یہ رائے زنی شروع کر دینگے۔ ~~سیقولون میں ضمیر کا~~ ۔ الضمیر فیه کما اختاره ابن عطیة بعض المحققین للیهود المعاصرین له صلعم ~~الخائضین فی قصة اصحاب الکهف (روح)~~

۲۰ (اس لئے نہ ہوا سے محروم تھے نہ روشنی سے) کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ کہیں تنگ اور کہیں کشادہ۔ یہ جگہ جہاں یہ اصحاب کہف اہل توحید مقیم تھے تنگ نہ تھی۔ خوب کشادہ تھی۔
وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ۔ یعنی اے مخاطب تو آفتاب کو اسکے طلوع کے وقت وہاں یوں دیکھتا۔ شہر افسوس کا عرض البلد درجہ ۳۰ شمال ہے۔ ایسے مقام پر جو غار شمال رویہ ہوگا۔ اس کے اندر سورج کی شعاعیں قدرۃً داخل
نہ ہو سکیں گی۔ اور اسکے اندر کے رہنے والے اگر شمال ہی کی طرف رخ رکھیں گے تو دھوپ کی تیزی سے برابر امن میں رہیں گے ـــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ تَزٰوَرُ ...... الشِّمَالِ۔ یعنی دھوپ نہ ان پر چڑھتے
وقت پڑتی تھی، اور نہ ڈھلتے وقت۔ غار کی وضع و ہیئت ہی ایسی تھی کہ غار نشین دھوپ کی اذیت سے امن میں رہتے۔ ذَاتَ الْيَمِيْنِ۔ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ مفسر تھانوی رح نے کہا ہے کہ یہ غار کی داہنی اور بائیں جانب یا تو اس
میں داخل ہونے کے اعتبار سے ہے یا اس سے خارج ہونے کے۔ تقدیر اول پر وہ غار شمال رویہ ہوگا۔ اور تقدیر ثانی پر جنوب رویہ۔ ورنہ شرق رویہ یا غرب رویہ ہونے کی صورت میں یا تو ان پر طلوع کے وقت دھوپ
پڑتی اور یا غروب کے وقت۔ ۲۱ یعنی یہ قصہ جو اوپر مع اپنے جزئیات و تفصیلات کے بیان ہوا، یہ حق تعالیٰ کی قدرت، حکمت و ربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ۲۲ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرح کے نشانوں کو دیکھ کر سب
ہی توحید کے قائل ہو جاتے لیکن ہدایت وہی پاتا ہے جس کے شامل حال توفیق الٰہی ہوتی ہے اور جسے وہ ان کے پاداش عمل میں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت گمراہ ہی رکھنا چاہتا ہے۔ ان کی ہدایت یابی کی بھی کوئی صورت نہیں۔ ۲۳ یعنی اے مخاطب جس وقت وہ غار میں تھے، اور ہم نے اعجازی رنگ میں ان پر نیند مسلط کر رکھی تھی تو اگر انہیں کہیں دیکھ پاتا تو ان کے نورانی چہروں کی رونق و تازگی دیکھ کر انہیں جاگتا ہوا ہی سمجھتا ـــــ نوم ثقیل و غرق کی کوئی ظاہری علامت ان میں نمایاں نہ تھی۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح ذاکر بیدار دل حالت خواب میں بھی ایسا بے خبر نہیں ہو جاتا گو سوتے ہوئے کی طرح بے حس نظر آئے۔ مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جن کے جسم خلق کے ساتھ مشغول ہیں اور قلب حق تعالیٰ کے ساتھ۔ ۲۴ (جیسا کہ اس جانور کی عام عادت ہے) کتا وہ جانور ہے جو فقہی حیثیت سے نجس ہونے کے باوجود اپنی وفاداری، آقا پرستی، حفاظت کرنے اور پہرہ دینے کے لئے مشہور ہے۔ ان بزرگوں کے پاس کسی ضرورت سے ہوگا، اور انہیں کے ساتھ خود بھی غار نشین ہو گیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت میں دو جانور بھی ہونگے۔ ایک بلعم باعور کا گدھا، دوسرا اصحاب کہف کا کتا۔ اس روایت کے صحیح و غیر صحیح ہونے سے قطع نظر صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ صحبت عجب اثر رکھتی ہے اور شیران خدا کی برکتیں سگ دنیا کو بھی بشرط صحبت و رفاقت شامل ہو جاتی ہیں اور بعض سالکین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ صالحین کی مجالست و قرب بھی بہت غنیمت ہے، گو مجانست نہ بھی ہو۔ ۲۵ ہیبت حق تو ہر اہل حق کا حصہ ہوتی ہے ان سوتے ہوئے حضرات کہف پر عجب نہیں جو اس مصلحت سے اور زیادہ طاری کر دی گئی ہو کہ ہر شخص کی ہمت ان کے قریب جانے کی نہ پڑے اور اس طرح ان کے جسم ہر طرح محفوظ رہیں۔ ۲۶ (اور اس میں ان پر حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور زیادہ منکشف ہو) وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی جس عجیب اعجازی رنگ میں ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی تھی، اسی اعجازی انداز میں انہیں اس سے جگا بھی دیا۔ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی انہیں اس نوم طویل و ثقیل سے بیدار کر دیا۔ لِيَتَسَآءَلُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوا، یہ مراد نہیں کہ وہ بیداری اس غرض سے کئے گئے تھے۔ واللام فیہ لام العاقبۃ لانھم لم یبعثوا للسؤال بینھم ۲۷ (کہ خوراک وغیرہ ضرورت کی چیزیں لائے) قَالَ ...... بِمَا لَبِثْتُمْ۔ نیند اتنی غفلت کی اور ایسی بیہوشی کی تھی کہ ان لوگوں کو اس کی مدت کا بھی مطلق ادراک نہ ہوا، اور جب چیتے تو آپس میں پوچھ پاچھ کرنے لگے کہ ہم لوگ کتنی دیر سوتے ہونگے۔ کسی نے کچھ اندازہ کیا کسی نے کچھ۔

۲ ع ۵ ۱۴

مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ

کشادہ موقع میں تھے ۲۰ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے ۲۱ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ

اور جسے وہ بے راہ کر دیتا ہے تو آپ اسکے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار راہ بتانے والا ۲۲ اور (تو انکو دیکھتا تو)

اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ڰ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ

تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا درانحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے ۲۳ ہم ہی انہیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی

الشِّمَالِ ڰ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ

اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا ۲۴ اگر تو انہیں جھانک کر

عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

دیکھتا تو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا ۲۵

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ

اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا جس کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ۲۶ (چنانچہ) ایک کہنے والے نے انہیں

كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا

سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہونگے یا دن بھر سے کم (بعض)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى

اور بولے کہ جتنی دیر تم ٹھہرے ہو تو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ تو اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دیکر شہر کی

الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ

طرف بھیجو ۲۷ سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے ۲۸ پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے

آخر کسی نے کہا کہ اس تعیین وقت کی بحث کو تو اللہ کے حوالہ کرو اور اب کام کی بات کرو۔ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کنایہ محض وقت قلیل سے ہو۔ فقہاء نے ان کے اس قول سے جس پر قرآن نے کوئی گرفت نہیں کی، یہ نکالا ہے کہ ظن غالب کی بنا پر اگر اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہہ دی جائے تو اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو لیکن اس پر کذب کا اطلاق نہ ہوگا۔ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ۔ روپیہ سے یقیناً وہی سکہ مراد ہے جو دقیانوس رومی کے زمانہ میں چل رہا تھا اور اس سکہ پر رومی شہنشاہ کی تصویر کندہ رہتی تھی اسی وقت کے کچھ سکے ان کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔ قال المفسرون کانت معھم دراھم علیھا صورۃ الملک الذی کان فی زمانھم (کبیر) محققین نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ سفر ہجرت میں زاد راہ ہمراہ لیکر چلنا توکل کے منافی نہیں۔ وحملھم الورق عند خروجھم دلیل علی ان حمل النفقۃ وما یصلح للمسافر ھو رأی المتوکلین علی اللہ دون المتکلین علی الانفاق ... (کبیر) وحملھم لہ دلیل علی ان التزود رأی المتوکلین (بیضاوی) وفی الاٰیۃ دلیل علی ان السعی فی امساک الزاد امر مشروع وانہ لا یبطل التوکل (کبیر) فقہاء نے آیت سے اس صورت کا جواز نکالا ہے کہ کئی انسان (مثلاً سفر میں) اپنے مشترک سرمایہ سے خریدیں اور سب اس میں سے کھائیں خواہ ایک کے کھانے کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہو۔ یدل علی جواز خلط دراھم الجماعۃ والشری بھا والاکل من الطعام الذی بینھم بالشرکۃ وان کان بعضھم قد یاکل اکثر مما یاکل غیرہ وھذا الذی یسمیہ الناس المناھدۃ ویفعلونہ فی الاسفار (جصاص) ۲۸ اہل توحید کو ہمیشہ غذاؤں میں حلت و حرمت کا خیال رہا ہے اور بتوں کے چڑھاوے وغیرہ سے محترز رہے ہیں۔ مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ جس طرح اصحاب کہف نے بجائے کسی سے سوال کرنے کے کھانا قیمۃً خریدنا پسند کیا، طالبوں اور سالکوں کو بھی چاہئے کہ ہمت بلند رکھیں اور خلق سے سوال ترک کریں۔ اَزْكٰى طَعَامًا۔ بعض نے اسکی تفسیر لذیذ و نفیس کھانے سے بھی کی ہے۔ قیل الحلال الطیب والالذ (کبیر) اور یہیں سے ہے کہ بعض صوفیہ نے بعض دینی مصلحتوں سے لذیذ و نفیس کھانوں ہی کو پسند کیا ہے۔

زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا

ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ لوگ پختہ اور مستعد

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا

ہوگئے تو بولے ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم تو اسکے علاوہ کسی معبود کو نہ

لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ

پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بیجا بات کے مرتکب ہوں گے[۱۷] ان لوگوں (یعنی) ہماری قوم والوں نے اللہ

دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ

کے علاوہ اور معبود قرار دے رکھے ہیں یہ لوگ ان معبودوں کے وجود پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لائے؟ سو

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ۝۱۵ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے؟[۱۸] پھر جب تم انہیں بھی چھوڑ چکے

وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ

اور ان معبودان غیر اللہ کو بھی، تو (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت

مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝۱۶ وَتَرَى

پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کر دیگا[۱۹] اور جب

الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ

دھوپ نکلتی ہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے

وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ

اور جب وہ چھپتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب اور وہ اس (غار) کے ایک

---

۱۵ (کہ وہ تثلیث کے بجائے حسب تعلیم مسیحؑ توحید ہی پر قائم رہے) اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ۔ یعنی اپنے وقت کی باطل پرستیوں کو چھوڑ انہوں نے دین توحید اختیار کیا۔

۱۶ (اور دین حق سے انہیں نہ کوئی ترغیب اور طمع پھیر سکی اور نہ کوئی دھمکی اور تخویف بھی) ڈی سیس (دقیانوس) رومی کے زمانہ میں موحد مسیحیوں پر (جو پولوس کی مشرکانہ تعلیم سے متاثر نہیں ہوئے تھے) جو جو مظالم اور جبر و ستم ہوئے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ہم نے ہمت، صبر، ثبات و استقلال دیکر ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔

۱۷ ان سب اقوال سے جو بار بار اصحاب کہف کی زبان سے نقل ہوئے ہیں یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرح کے شرک سے بیزار اور توحید میں کامل و راسخ تھے۔ وہ مسیحی اگر تھے بھی تو صحیح معنی میں۔ حضرت عیسٰی نبی کے لائے ہوئے دین کے متبع تھے، نہ کہ پولوسی و تثلیثی نام نہاد "مسیحیت" کے! لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا۔ اس انکار و تردید سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان سے فرمائش شرک و بت پرستی کی کی جا رہی تھی۔ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ قدیم رومی مذہب میں زمین و آسمان کے مستقل دیوتا الگ الگ تھے —— یہاں اسی کی تردید میں توحید کا اثبات ہو رہا ہے۔

۱۸ یعنی اس کی ذات و صفات میں کسی شرکت کا گزر سمجھے۔ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ۔ یہاں دلیل کا مطالبہ مشرکوں سے کیا ہے کہ تم اپنے دھرم کی حقانیت کے اگر قائل ہو تو لاؤ کوئی دلیل پیش کر کے تو دکھاؤ۔

۱۹ یہ سب گفتگو اہل توحید کے آپس میں بطور مشورہ ہو رہی ہے۔ اِعْتَزَلْتُمُوْهُمْ میں ضمیر هُمْ انہیں مشرک قوموں کی جانب ہے۔ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ۔ فلاں غار میں چل کر پناہ لو، کہ وہاں حکومت کے جور و ستم سے بھی امن ملے گا اور اپنے طور پر ذکر و عبادت بھی با اطمینان و فراغت ہو سکے گی۔ يَنْشُرْ ۔ ۔ ۔ مِّرْفَقًا۔ مخلص اہل توحید کا تکیہ و اعتماد اپنے پروردگار کی رحمت و ربوبیت پر اسی طرح ہوتا ہے۔

يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى
اس مضمون (قرآنی) پر ایمان نہ لائے ۶ ہم نے (اس) زمین پر جو کچھ
الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾
ہے اسے اس کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل کے لحاظ سے ۷
وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ
اور ہم اس پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کر دیں گے ۸ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ
اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ
غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے ۹ (وہ وقت
اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ
قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی۔ پھر بولے اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے
رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى
رحمت (وفضل) عطا کر اور ہمارے لئے (اس) کام میں درستی کا سامان کر دے ۱۱ سو ہم نے غار میں
اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ
ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا ۱۲ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں
اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ
کہ (ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ (اس حالت میں) رہنے کی مدت کا زیادہ واقف ہے ۱۳ ہم ہی ان کا قصہ
عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ
آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں ۱۴ یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور

ع ۱/۲ ۱۳

۶ (جیسا کہ آپ کے شدت حزن اور افراط فکر اصلاح سے ظاہر ہو رہا ہے) اس میں آنحضور صلعم کو ممانعت ہو رہی ہے کہ افراط شفقت سے اتنا غم ان نالائقوں کی خاطر نہ اٹھایئے کہ خود قریب بہ ہلاکت پہنچ جایئے۔ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ۔ یعنی ان کے اعراض و انکار کے بعد۔ اذا ~~تولوا عن الایمان بعدی~~ ۷ (اور کون ناقص و قاصر ٹھہرتا ہے) یہ گویا آیت سابق ہی کے مضمون کا تکملہ ہے۔ اور رسول اللہ صلعم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تو عالم ابتلاء ہے اس میں تو تکوینًا لازمی ہے کہ کوئی مبتلائے کفر ہو اور کوئی مشرف بہ ایمان اس لئے آپ کا غم مفرط بے کار ہے۔ مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا۔ اس روئے زمین پر زینت و آرائش کی جتنی بھی چیزیں ہیں، بجائے خود ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔ صرف ان کا غلط طریقہ استعمال انہیں ناجائز بنا دیتا ہے۔ صحیح طریقہ استعمال وہی ہے جو شریعت کے ماتحت و مطابق ہو۔ ۸ (اور اپنی صنعت ایجاد کے بعد حکمت اعدام کا بھی نمونہ دکھا دیں گے) یعنی یہی آباد و سرسبز، شاداب و گلزار، بارونق و پربہار زمین ایک روز چٹیل میدان ہو جائیگی۔ اور اس کائنات کی ساری رعنائیوں اور دلفریبیوں پر فنا طاری ہو کر اور قیامت آ کر رہے گی۔ اور اس حشر کے بعد سب کی جزا و سزا ہر ایک کے مناسب حال واقع ہوگی۔ ۹ قریش نے یہود کے اشارہ سے آنحضور سے جو چند سوالات کئے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ اصحاب کہف کون اور کیا تھے؟ قرآن مجید اس کے جواب میں ان کا صحیح قصہ بیان کرتا ہے۔ الْكَهْف۔ کہف کے لغظی معنٰی وسیع پہاڑی غار کے ہیں۔ الکہف الغار ~~الواسع فی الجبل~~ (کبیر) اَصْحٰبَ الْكَهْفِ کے کھلے ہوئے معنٰی ہیں غار والے۔ عام اس سے کہ وہ غار کہیں کا ہو۔ الرَّقِيْم۔ رقیم سے مراد کتبہ یا لوح مزار ہے۔ اصحاب کہف کے مزار پر ایک برنجی تختی لگا دی گئی تھی جس پر انکے نام، نسب اور مختصر حکایت درج تھی اور اسی مناسبت سے یہ اصحاب الرقیم بھی کہلاتے۔ ~~لوح رصاص نقش فیه نسبهم واسمائهم وقصتهم ودینهم الاهم ... ونقل ذلک عن الفراء ونقله السهیلی ایضا والجوهری (تاج)~~ دوسرے معنٰی اس مقام یا پہاڑ یا وادی کے کئے گئے ہیں جہاں وہ غار واقع تھا، یا اس شہر کے جہاں سے اصحاب کہف ہجرت کر کے گئے تھے۔ ~~هی قریة اصحاب الکهف التی خرجوا منها وفی تفسیر الزجاج کانوا فیها او جبلهم الذی کان فیه الکهف او الوادی الذی فیه الکهف (تاج)~~ لیکن ابن عباسؓ صحابی اور تابعین سے وہی پہلے معنٰی منقول ہیں۔ ~~الرقیم هو اللوح من رصاص فیه اسماء الفتیة وقصتهم (ابن عباسؓ) عن سعید بن جبیر قال لوح من حجارة کتبوا فیه قصص اصحاب الکهف ثم وضعوه علی باب الکهف (ابن جریر) ... وقال اهل الاخبار ان ذلک لوح کتب فیه اسماء اصحاب الکهف (ابن جریر)~~ شہر افسوس (بہ کسرۂ اول) جس کے کھنڈر پر موجودہ شہر ایاسلوک قائم ہے۔ سمرنا سے ۳۶ میل اور سمندر سے کل ۶ میل کے فاصلہ پر ایشیائے کوچک میں واقع تھا اور اسی کی نواح غالبًا یہاں مراد ہے۔ مسیحی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے، ہمارے قدیم جغرافیہ نویسوں نے بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے کیا ہے۔ "شہر ہے ثغور طرسوس میں، اس کو شہر اصحاب کہف کہتے ہیں" (مراصد الاطلاع یاقوت حموی ترجمۂ اردو) ۱۰ یہ لوگ کون اور کس زمانہ کے تھے؟ قرآن مجید کو بحث و سروکار چونکہ صرف بصیرتوں و عبرتوں اور اخلاقی اسباق و نتائج سے رہتی ہے اس لئے وہ تاریخی و جغرافی تفصیلات کو اکثر نظر انداز کر دیتا ہے اور اس باب میں احادیث صحیح بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔ مفسرین قدیم و جدید کی اکثریت نے اسے مسیحی دور کی حکایت قرار دیا ہے۔ رومی شہنشاہ ڈی سیس یا دقیانوس (متوفی ۲۵۱ء) اپنے مذہب بت پرستی میں غلو رکھتا تھا۔ مسیحی مذہب نیا نیا اسی کے زمانہ میں سلطنت روم میں پھیل رہا تھا۔ اس نے عیسائی موحدین پر سختی شروع کی۔ اس سے تنگ آ کر چند شریف نوجوان شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور قریب کے ایک پہاڑی غار میں جا کر پناہ لی۔ وہاں ان پر ایک غیر طبعی، بلکہ خارق عادت نیند مسلط ہو گئی اور وہ کچھ اوپر تین سو سال تک سوتے رہے اور جب ایک اعجازی انداز سے جاگے تو خود رومی حکومت کا مذہب اسی درمیان میں شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اپنا خیال غالب یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ قصہ ظہور مسیحؑ سے قبل دور یہودیت کا ہے۔ ورنہ یہود اتنا اس کے کھوج میں نہ رہتے اور اس قدر اعتنا و التفات اس کی جانب نہ کرتے۔ ~~وقد ذکر انهم کانوا علی دین المسیح عیسی ابن مریم فالله اعلم والظاهر انهم کانوا قبل ملة النصرانیة بالکلیة فانهم لو کانوا علی دین النصرانیة لما اعتنی احبار الیهود بحفظ خبرهم~~ (ابن کثیر) ہمارے زمانے کے بھی بعض مصنفین نے حکایات اسرائیل سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ قصہ ۱۶۱ ق م کا ہے۔ جب ملک شام کے ظالم بادشاہ (انطیوکیس) چہارم نے بیت المقدس کو مسمار کر کے اسکی جگہ زلمیس دیوتا کے مندر کی بنا ڈالی تھی اور مکابی خاندان کے پانچ یا سات بہادر نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو کر راہ حق میں شہید ہو گئے تھے۔ حق یہ ہے کہ جس قصہ کو حق تعالیٰ نے خود ہی مجمل رکھا ہو اور رسولؐ نے بھی اسکی تفصیل پر اعتنا کرنا ضروری نہ سمجھا ہو، اس کی تعیین جزم و وثوق کے ساتھ کرنا ہے بھی مشکل۔ اور پھر احکام دین میں سے کسی کا دار و مدار اس تفصیل و تعیین پر ہے بھی نہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ خوف فتنہ کے وقت انسان پر لازم ہے کہ اپنا دین سلامت لیکر اس مقام سے چلا جائے اور کلمۂ کفر کے تلفظ سے تقیۃً بھی احتراز رکھے۔ ~~فیه الدلالة علی ان علی الانسان ان یهرب بدینه اذا خاف الفتنة فیه وان علیه ان لا یعرض لاظهار کلمة الکفر وان کان علی وجه التقیة~~ (جصاص) ۱۱ یعنی ہمیں مقصد میں بھی کامیاب کر اور ہمارے لئے ذرائع اور سامان بھی اپنی مرضیات کے مطابق مہیا کر دے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جب انسان اپنے دین کے لئے خوف فتنہ سے ترک وطن کرے تو اسی طرح کی دعا حق تعالیٰ سے کرے کہ حق تعالیٰ نے اس دعا کو موقع مدح و استحسان میں پیش کیا ہے۔ ~~یدل علی ان الهارب بدینه من خوف الفتنة یدعو بالدعاء الذی حکاه الله عنهم لان الله قد رضی ذلک من فعلهم واجاب دعاءهم وحکاه لنا علی جهة الاستحسان~~ (جصاص) ۱۲ یعنی ایسے غافل ہو کر سوئے کہ کوئی آواز بھی ان کے کان میں نہ پہنچتی تھی۔ ~~ای انمناهم انامة لا تنبههم فیها الاصوات~~ (بیضاوی) ضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ۔ ضرب اذان سے عربی محاورہ میں کنایہ ہوتا ہے۔ سِنِيْنَ عَدَدًا۔ عددًا کا اضافہ یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا کثرت عدد کے اظہار کے لئے ہے۔ ~~ذکر الله علی سبیل التاکید وقیل یدل علی الکثرة~~ (کبیر) ۱۳ جب وہ لوگ اس خارق عادت نیند سے جاگے تو ان میں آپس میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنی مدت گزری۔ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی اس گہری طویل نیند سے انہیں بیدار کیا۔ لِنَعْلَمَ۔ یعنی تاکہ ہم اپنے اس علم کو خلق کے روبرو بھی مشاہدۃً و عیانًا لے آئیں۔ ~~لیظهر ... ما علمناه~~ (بحر) الْحِزْبَيْنِ۔ دو گروہوں سے مراد یا تو

(نہ لفظی نہ معنوی) لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا - اس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے عیب سے نفی آگئی - یعنی ایسی کتاب جو ہر پہلو اور ہر جہت سے کامل و جامع، پاکیزہ و اجمل ہے - نہ کہیں مبالغہ
، اعرانہ عبارت میں کہیں سے تناقض، نہ عقائد میں کوئی پہلو رمزیت اور پر اسرار ہونے کا - ہر بیان مدلل، ہر حکم واضح - اس حقیقت پر اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی شہادتیں موجود ہیں کہ دین
سلام کے اندر کسی قسم کا اینچ پینچ، کوئی کجی اور انحراف اور افراط و تفریط نہیں - ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن - عَبْدِهٖ - بندۂ خاص سے مراد رسول اللہ صلعم کا ہونا اور الکتاب سے قرآن
کا ہونا بالکل ظاہر ہے - اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهٖ سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ مقامِ عبدیت کے مثل کوئی مقام نہیں اور رسول اللہ صلعم اس پر فائز ہیں - ۲ یعنی دوسروں کی زندگیوں کو قائم و مستقیم رکھنے والی (قَيِّمًا - دین قیم یا کتاب قیم کے سیاق میں اس کے معنی ہیں وہ چیز جو نہ صرف خود قائم ہو بلکہ مسائل معاش و معاد کا بھی پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو اور بجائے خود ہی کامل و مکمل نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی تکمیل کرا دینے والی ہو - قيّمًا اے ثابتًا مقوّيًا لامور معاشهم ومعادهم (راغب) قيّمًا بمصالح العباد فيكون وصفًا له بالتكميل بعد وصفه بالكمال (بیضاوی)
لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا یعنی اس غرض سے کہ یہ کتاب کافروں منکروں کو عذاب شدید سے ڈرائے - "ڈرائے" کا فاعل کتاب ہے اور مفعول "کفار و منکرین" - يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ - یہاں ایک بحث یہ چھڑ گئی ہے کہ کون کون سے نیک کام مقصود ہیں؟ اور مختلف حضرات نے اپنے اپنے مذاق و بصیرت کے مطابق ان کی فہرستیں بھی الگ الگ دی ہیں - لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ ہر وہ عمل مراد لی جائے جس سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہو اور جو قواعد شرعی کے مطابق و ماتحت ہو - ۳ انعام بڑا اور بہت بڑا، وہم و گمان سے بھی بڑا تو بہرحال ہو ہی گا ساتھ ہی اسکے دائمی، ابدی، غیر منقطع بھی ہوگا -
فِيْهِ - یعنی اس مقامِ اجر یا جنت میں - ۴ یعنی مسیحیوں کو - جو رسول کو خدا کا بیٹا مانے ہوئے ہیں -
اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا - اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گزر چکا - وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ الخ قرآن مجید کی عام انذاری حیثیت کا ذکر تو ابھی ابھی لينذر باسا شديدا میں آچکا ہے - اب اس پر اس ينذر الذين الخ کے عطف کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی تہدید و تنبیہ تو عام

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعَشْرُ اٰيَاتٍ وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ کہف مکی ہے اس کی ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ

ساری خوبی اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندۂ (خاص) پر کتاب نازل کی اور اس میں (ذرا)

لَّهٗ عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ

کجی نہیں رکھی ۱ قائم و مستقیم تاکہ عذاب سخت سے ڈرائے (جو) اللہ کے پاس سے ہوگا اور

يُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے رہتے ہیں خوشخبری سنا دے کہ ان کے لئے اجر

اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا

اچھا اجر ہے ۳ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ۳ اور ان لوگوں کو ڈرائیے جو کہتے ہیں کہ

اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ

خدا نے ایک بیٹا بنایا ہے ۴ اس (دعوی) پر کوئی دلیل نہ انکے پاس ہے اور نہ انکے باپ دادوں کے پاس تھی

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا

بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے

كَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ

ہیں ۵ سو شاید آپ ان کے (اعراض کئے) پیچھے غم سے اپنی جان دے دینگے اگر یہ لوگ

تھی سارے منکروں اور ہر قسم کے کافروں کے لئے اور یہ جدید تہدید و تنبیہ خصوصیت کے ساتھ ہے اسی عقیدۂ ولدیت والے کافروں یعنی مسیحیوں کے لئے - ۵ (اور ایسا مہمل اور خرافی عقیدہ رکھے ہوئے ہیں جو واقعہ کے خلاف تو ہے ہی، خود عقل کے بھی خلاف ہے - اور جس کے صدق کا امکان ہی نہیں بلکہ وہ عقلاً ممتنع ہے) عقائد شرکیہ مہمل تو سب کے سب ہی ہیں لیکن حق تعالیٰ کے لئے بیٹا فرض کرنا اور بھی گستاخانہ اور سب سے بڑھ کر کریہ و مکروہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کے اس زجرِ تاکیدی سے ظاہر ہو رہا ہے - ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن - مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ - یعنی کسی قسم کی بھی دلیل عقلی اور کوئی بھی سند نقلی تو ان لوگوں کے پاس نہیں ہے - علم یہاں سند اور دلیل کے معنی میں ہے - من علم - مِن زائد، تاکید نفی کے لئے ہے - لِاٰبَآئِهِمْ - یعنی ان کے احمق اسلاف جو اس قدر لغو، مہمل اور گستاخانہ عقیدہ کے موجد ہوئے ہیں - لفظ آباء سے عجب نہیں جو ایک لطیف اشارہ مسیحی پادریوں کے لقب کی جانب ہو - كَبُرَتْ ...... اَفْوَاهِهِمْ ان کی زبانیں کیسے شدید گستاخانہ عقیدہ کا تلفظ کر رہی ہیں!

۱۵۳ (بطور ادائے شکر و اعترافِ حقیقت کے) مطلب یہ ہوا کہ جو اہلِ علم قبل نزول سے موجود تھے وہ تو اس کتاب اور آخری نبی کے منتظر ہی تھے وہ اس کلام کو سن کر اپنی اگلی کتابوں کی پیشگوئیوں اور پیش خبریوں کی تصدیق پاتے ہیں اور قرآن کو پاکر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ۔ سجدہ کی اصل ہیئت کو محاورۂ عرب کے مطابق "ٹھوڑیوں کے بل سجدہ" سے ادا کیا ہے۔ عن ابن عباسؓ قال للوجوہ (جصاص) عن قتادۃ قال للوجوہ (جصاص) الخرور للذقن ای السقوط علی الوجہ (کشاف) العرب تقول اذا خرّ الرجل فوقع علیٰ وجھہ خرّ للذقن (کبیر) اَلَّذِیْنَ .... قَبْلِہٖ۔ یعنی حقؓ پسر علماء اہل کتاب۔ قال مجاھدھم ناس من اھل کتاب (کبیر) ھم العلماء الذین قرؤا الکتب السابقۃ (بیضاوی) قَبْلِہٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای من قبل نزول القرآن (کبیر) اٰمِنُوْا بِہٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا۔ مشرکین کی جانب اس میں اشارہ حقارت ہے یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ اس سے ہوتا کیا ہے۔ ۱۵۴ (سو جس کتاب کے نازل کرنے کا وعدہ اس نے جس نبی پر کیا تھا، اس کو پورا کر دیا) سُبْحٰنَ رَبِّنَآ۔ یعنی ہر عیب سے پاک ہے۔ وعدہ خلافی کا اسکے ہاں گذر نہیں۔ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ۔ قرآن مجید نے اس تسبیح سجودی کو محل مدح میں بیان کیا ہے اور یہیں سے فقہاء نے یہ استدلال کر لیا ہے کہ سجدہ میں ذکر مسنون تسبیح ہی کا ہے۔ فھم بھذا القول

اِذَا یُتْلٰی عَلَیْہِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ

جب یہ انکے سامنے پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں ۱۵۳ اور

یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار بیشک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے ۱۵۴

وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُہُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے ۱۵۵

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا

آپ کہیے اللہ (کہہ کر) پکارو یا رحمٰن (کہہ کر) پکارو جس نام سے بھی پکارو

فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَلَا تَجْہَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا

اس کے اچھے ہی اچھے نام ہیں ۱۵۶ اور آپ نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیے اور نہ

تُخَافِتْ بِہَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ

(بالکل) چپکے ہی چپکے پڑھیے اور ان دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجیے ۱۵۷ اور آپ

الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ

کہیے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے ۱۵۸ اور نہ حکومت میں اس کا

لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ

کوئی شریک ہے ۱۵۹ اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے کمزوری

الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

کی وجہ سے ۱۶۰ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے ۱۶۱

السجدۃ ۴

ع ۱۲ / ۱۲

عند السجود فدل علیٰ ان المسنون فی السجود من الذکر ھو التسبیح (جصاص) ۱۵۵ خشیتِ حق سے گریہ طاری ہو جانا بہت سے لوگوں کے لئے ایک امر طبعی ہے اس کا محل فضیلت میں بیان ہونا بجائے خود ایک دلیل اس کے محمود و مطلوب ہونے پر ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نماز میں خوف خدا سے گریہ طاری ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں۔ فیہ الدلالۃ علیٰ ان البکاء فی الصلوٰۃ من خوف اللہ لایقطع الصلوٰۃ لان اللہ تعالیٰ قد مدحھم بالبکاء فی السجود ولم یفرق بین سجود الصلاۃ وسجود التلاوۃ وسجدۃ الشکر (جصاص) حضرت عمرؓ ایک بار صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے۔ جب آیۂ کریمہ انما اشکوا بثّی وحزنی الی اللہ پر پہنچے تو شدّتِ گریہ سے سسکیاں لینے لگے۔ یہاں تک کہ آخری صف میں آواز پہنچی۔ نمازیوں میں صحابہ تھے کسی نے انکار نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ فضیلت گریہ اجماعی ہے۔ عن عبداللہ بن شداد قال سمعت نشیج عمرؓ وانی لفی اٰخر الصفوف قرأ فی صلاۃ الصبح سورۃ یوسف حتّٰی اذا بلغ انما اشکوا بثّی وحزنی الی اللہ نشج ولم ینکر علیہ احد من الصحابۃ وقد کانوا خلفہ فصار اجماعًا (جصاص) یَزِیْدُہُمْ خُشُوْعًا۔ یعنی یہ قرآن کا سننا ان میں اور خشوع بڑھا دیتا ہے یا یہ مراد ہو کہ ان کا حالت سجدہ میں یہ گریہ و بکا ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خوفِ خدا سے گریہ کا طاری ہونا عین طاعت و اخلاص کی دلیل ہے۔ یعنی بہ ان بکاءھم فی حال السجود یزیدھم خشوعًا الیٰ خشوعھم وفیہ الدلالۃ علیٰ ان مخافتھم للہ تعالیٰ حتّٰی تؤدبھم الی البکاء داعیۃ الیٰ طاعۃ اللہ واخلاص العبادۃ (جصاص) اور احادیث نبوی تو فضائل گریہ خشیت الٰہی سے لبریز ہیں۔ وقد جاء فی مدح البکاء من خشیتہ تعالیٰ اخبار کثیرۃ (روح) ۱۵۶ (تو اسے جس پاکیزہ نام سے بھی پکارو، مقصود و مطلوب وہی رہے گا) عرب میں حق تعالیٰ کے لئے اللہ کا لفظ بطور اسم ذات کے شروع سے چلا آرہا تھا۔ یہود کے ہاں اسم الرحمٰن کا استعمال جاری تھا۔ اسلام نے دونوں الفاظ استعمال کرنے شروع کئے تو بعض "دانشمند" مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ توحید کامل کے دعوے کے ساتھ یہ "دو دو" خدا کیسے؟ ——— جواب ملا کہ دو خدا کیسے! یہ تو صرف دو نام ہیں، ہستی اور ذات تو ایک ہی ہے اور نام اس کے پاک و پاکیزہ "دو" کیا معنی اور بھی بہت سے ہیں۔ ۱۵۷ جس سے نہ کوئی ضروری منفعت فوت ہونے پائے اور نہ کوئی لازمی مضرت مرتب ہونے پائے) شروع شروع میں نماز جہری میں قرآن مجید کی قرأت بلند سے مشرکین معاندین چڑتے تھے اور طرح طرح کے خرافات بکنے لگتے تھے جس سے نمازیوں کے قلب میں بھی تشویش پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ کو ہدایت کی گئی کہ نماز میں جہر صرف اس حد تک رکھیے کہ بس نمازیوں کے کان تک آواز پہنچ جائے اور ان کی تعلیم میں کمی نہ رہ جائے۔ باقی اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ ۱۵۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے اور بہت سے مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے) ۱۵۹ (نہ کوئی دیوی نہ دیوتا، جیسا کہ جاہلی مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے) ۱۶۰ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں نے فرض کر رکھا ہے) غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ کوئی اس کا شریک، سہیم و مساوی ہے اور نہ کوئی اس کا حافظ و ناصر ہے ——— شرک کی ہر ممکن صورت اس سے منتفی ہے۔ ۱۶۱ اسی کے دینِ توحید کو پھیلائیے، اسی کی ذات و صفات کی تبلیغ کرتے رہیے۔ محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لئے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغۂ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔ والتکبیر ابلغ لفظۃ للعرب فی معنی التعظیم والاجلال وفی الامر بذلک بعد ما تقدم مؤکّدًا بالمصدر المنکر من غیر تعیین اشارۃ الیٰ انہ مما لا تسعہ العبارۃ ولا تفی بہ قوۃ البشریۃ (روح)

۱۴۷؎ اور اس لئے عقل وہوش سے عاری (سحر مسری کا ذکر پیشتر آ چکا ہے۔ ۱۴۸؎ یعنی تیری ہلاکت کا وقت آ پہنچا۔ اب اس میں زیادہ دیر نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ جواب قولِ فرعون انی لاظنك یموسی مسحورًا کے عین مقابل ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جواب ترکی بہ ترکی، جب کہ تسامح و رعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو، کرم اور کمال اخلاق کے منافی نہیں۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ۔ یعنی اے فرعون تیرا یہ انکار دانستہ اور عمدًا ہے۔ تو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ دل میں تو خوب میری صداقت کو سمجھ گیا ہے۔ انکار زبان ہی کئے چلی جا رہی ہے —— بائبل کے بیانات سے بھی قرآن ہی کی تائید ہوتی ہے۔

یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ

سحر زدہ سمجھتا ہوں ۱۴۷؎ انہوں نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائب بس آسمانوں

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ

اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں اور میں تجھے اے فرعون

یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں ۱۴۸؎ سو اس نے چاہا کہ ان کا قدم (اس) سرزمین سے اکھاڑ دے

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ

سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا ۱۴۹؎ اور ہم نے اس کے (غرق ہونے کے)

اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا

بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ سرزمین پر رہو بسو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا ہم تم (سب)

بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ

کو سمیٹ لائیں گے ۱۵۰؎ اور ہم نے اس (کلام) کو حق کے ساتھ نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہو گیا اور ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ

آپ کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۱۵۱؎ اور قرآن! تو ہم نے اسے جدا جدا رکھا ہے تاکہ

عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا

آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے اتارا بھی تدریج سے ہے ۱۵۲؎ آپ کہہ دیجیے کہ

بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ

تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (بہرصورت) جن لوگوں کو اس سے قبل علم دیا جا چکا ہے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ حق تعالیٰ کا نام فرعون کے سامنے اسی حیثیت سے لینے میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ مصر میں اصلی حکومت جن دو بڑے دیوی دیوتاؤں کی تھی، ان میں سے ایک آسمان تھا دوسری زمین —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

بَصَآئِرَ۔ یعنی وہ چیزیں جو نبوت موسوی کی تصدیق کر رہی تھیں۔ [illegible] (ابن عباسؓ) مَاۤ اَنْزَلَ …… بَصَآئِرَ۔ یعنی یہ بات تو تجھ پر بھی خوب منکشف ہو چکی ہے کہ یہ عجائب و خوارق نہ میرے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں نہ کسی سحر کا نتیجہ ہیں نہ کسی دیوی دیوتا کی قوت کے نتائج ہیں۔ بلکہ تمامتر حق تعالیٰ ہی کے نازل کئے ہوئے معجزات میری نبوت کی تائید میں ہیں۔ ۱۴۹؎ یعنی قبل اس کے کہ وہ خدا پرستوں کو مٹا سکے وہ خود ہی ملیا میٹ کر دیا گیا۔ فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے پارہ اول میں گزر چکے۔

یَسْتَفِزَّهُمْ۔ ضمیر بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ آیت میں اشارہ فرعون کی اس کوشش کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ملک بدر کر دے۔ ۱۵۰؎ (جس میں مومن و منکر، مطیع و فاسق سب ہی ملے جلے ہوں گے) واللفیف [illegible] یعنی جمیع الخلق المسلم والکافر والبر والفاجر (کبیر) اسْكُنُوا الْاَرْضَ۔ یعنی اب تم فرعون مصر کی محکومی و غلامی سے آزاد ہو، جہاں چاہو رہو بسو۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی غرقابی فرعون کے بعد۔ ای من بعد فرعون [illegible] (مع) ۱۵۱؎ (اس لئے آپ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کو کسی کے ایمان نہ لانے پر زیادہ غم و تردد کی کوئی وجہ ہے) بِالْحَقِّ۔ یعنی بلا تحریف و ترمیم و تصرف بعینہٖ اپنی اصلی حالت میں۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ یعنی یہ کلام جس طرح اپنے مرسل کے پاس سے چلا تھا اسی طرح بلا تغیر و تصرف مرسل الیہ تک پہنچ بھی گیا۔ فهذا الکتاب [illegible] عن تحریف [illegible] وتبدیل الجاهلین [illegible] حقًّا من کل الوجوه (کبیر) اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔

[illegible] (روح) محققین نے کہا ہے کہ اس آیت کا ربط آیت نمبر (۸۸) لئن اجتمعت الانس والجن الخ سے ہے۔ فهو مرتبط بقوله تعالیٰ لئن اجتمعت الانس والجن [illegible] اہل عرب کے ادب و انشاء میں یہ طریقہ عام تھا کہ ایک ذکر میں دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر چوتھا ذکر نکالتے چلے آتے، اور پھر اسی پہلے ذکر کی طرف رجوع کرتے۔ وهكذا طريقة العرب في كلامها [illegible] ۱۵۲؎ (تاکہ اس کے حفظ اور فہم دونوں میں سہولت رہے) فَرَقْنٰهُ۔ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔ [illegible] (راغب) [illegible] (کشاف) اس کی دوسری تفسیر بیناہ سے بھی آ گئی ہے۔ یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔ [illegible] (راغب) [illegible] عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ۔ یعنی تاکہ آپ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے لوگ بہ آسانی فہم مطالب و استخراج مسائل کر سکیں۔ یعنی علیٰ [illegible] والعلوم [illegible] (بیضاوی)

لِتَقْرَاَهٗ عَلٰی

النصف

خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا
دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے [١٤١] یہ سزا ہے ان کی اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں
بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
سے کفر کیا تھا اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائینگے تو بھلا کیا اس وقت ہم
خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٩٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ
از سر نو پیدا کئے جائیں گے [١٤٢] کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ
زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں کو (پھر) پیدا کر دے [١٤٣] اور
جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا
اس نے ان کیلئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں اس پر بھی ظالم لوگ بے انکار
كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا
کئے نہ رہے [١٤٤] آپ کہہ دیجئے کہ اگر (کہیں) تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس
لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع
وقت ضرور تم (اسکے) خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے (ہاتھ) روک لیتے۔ انسان ہے ہی بڑا تنگ دل [١٤٥]
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ
اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں جب کہ وہ بنی اسرائیل
اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ
کے پاس آئے تھے سو آپ ان سے پوچھ دیکھئے [١٤٦] پھر فرعون نے ان سے کہا میں تو تمہیں اے موسیٰ

ع ٧ ١١

[١٤١] یعنی یہ نہ ہوگا کہ آگ ایک مرتبہ جلنے کے بعد رفتہ رفتہ سرد پڑ جائے گی، بلکہ دوزخ کی آگ ایسی ہوگی کہ اسکی تیزی برابر بڑھتی ہی رہے گی ——— عذاب نار کے ابدی اور غیر منقطع ہونے پر ایک اور دلیل۔ [١٤٢] مذہب مادیت کوئی آج کی تو پیدائشی نہیں۔ یونان قدیم میں بڑے بڑے "روشن خیال" "عقل پرست" پیدا ہو چکے تھے اور اس کی صدائے بازگشت عرب میں بھی پہنچ چکی تھی ——— عرب ظہور اسلام سے قبل جس طرح یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابئیت، بت پرستی ہر مذہب و ملت کا نمائندہ تھا، مذہب مادیت، روشن خیالی و عقلیت کا نمائندہ بھی تھا ——— تو اس قسم کی کج بحثیاں اسی فریق کے لوگ کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے اور اپنے زعم میں عقلیت کی کوڑی بہت دور سے لا کر کہتے تھے۔ کہ یہ ممکن کیونکر ہے کہ جب ہڈیاں تک چور چور اور ریزہ ریزہ ہو چکیں گی اور سارے جسم سڑ گل چکیں گے اس کے بعد از سر نو پیدا کئے جائیں گے! [١٤٣] یعنی اتنی موٹی اور سیدھی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس قادر علی الاطلاق نے زمین و آسمان جیسی عظیم الشان ہستیوں کو بلا کسی سابق مادہ کے نیست سے ہست کر دیا، اس کیلئے انسان جیسی نسبتاً حقیر مخلوق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے! اَوَلَمْ يَرَوْا۔ کیا یہ لوگ اتنی بات پر غور نہیں کرتے! [١٤٤] (باوجود حشر و بعث پر دلائل قوی کے قیام کے) وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا۔ کائنات انسانی کے حشر و بعث کے لئے تو ایک وقت معین و موعود ہے، اس لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ حشر و بعث اب تک کیوں نہیں ہوا؟ فِيْهِ یعنی اس میعاد مقرر کے آجانے پر بعث ثانی نہیں۔ [١٤٥] (چنانچہ اس موقع پر بھی انسان بخل و تنگ دلی ہی سے کام لیتا) لَوْ اَنْتُمْ ...... رَبِّيْ۔ یعنی پروردگار عالم کی رحمتوں کے ذخیرہ کا جو غیر محدود ہے، مالک انسان ہوتا اور ان کی تقسیم اس کے اختیار میں ہوتی۔ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ۔ لفظ عام ہے، ہر قسم کے کمالات اور جملہ اقسام نعمت پر شامل، لیکن خصوصیت کے ساتھ اشارہ نعمت نبوت کی جانب ہے۔ آیت میں فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان تو حرص و بخل کا پتلا ہے، یہاں تک کہ یہ نعمتیں غیر محدود ہیں ان کی بھی تقسیم میں اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ یہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔ [١٤٦] ان کے متدین اہل علم سے اسکی تصدیق و تحقیق کر لیجئے۔ تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ ملاحظہ ہو پارہ ٩۔ رکوع کی آیت اول۔

ع ۹ ۱۰ نَقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

ایک نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں آپ کہہ دیجئے کہ پاک ہے اللہ میں بجز ایک آدمی (اور) رسول کے اور کیا ہوں[۱۳۴]

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ

اور جب (ان) لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی تو ان کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی بجز

اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي

اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے رسول بنا کر کیا بشر کو بھیجی ہے[۱۳۵] آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین

الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ

پر فرشتے ہوتے کہ چلتے بستے[۱۳۶] تو البتہ ہم ان پر

مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ

آسمان سے کسی فرشتہ کو بطور رسول کے اتارتے[۱۳۷] آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بطور گواہ کے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَ

میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے۔ بیشک وہی اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے[۱۳۸] اور

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ

جسے اللہ راہ پر لاتا ہے وہی راہ پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کردے تو آپ ایسوں کا

لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى

مددگار کسی کو بھی اللہ کے سوا نہ پائیں گے[۱۳۹] اور ہم قیامت کے دن انہیں ان کے منہ کے بل

وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا

چلائیں گے اندھا اور گونگا اور بہرا کرکے[۱۴۰] ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب وہ آگ ذرا بھی

۱۳۴ (اور ہر بشر کی طرح میں بھی خوارق و معجزات پیش کرنے سے معذور ہوں) جواب ان خرافی مطالبات کا رسول برحق کی زبان سے یہ ادا کردیا گیا کہ معاذ اللہ میں تو محض بشر ہوں۔ میرے اختیار میں یہ عجائب نمائی کہاں ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بشر ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں۔ لیکن رسول کے کام تو امانت و دیانت، صداقت کے ساتھ، حق تعالیٰ کا پیام اور شریعت کے احکام کا پہنچا دینا ہے اور بس! میری صداقت کا دارومدار معجزات پر ہرگز نہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّیْ۔ مشرکین کی درخواست کی تہ میں یہ شئے تھی کہ جیسے کوئی آپ بھی نیم دیوتا سے تھے اور قوت و قدرت میں حق تعالیٰ کے کسی درجہ میں شریک! سبحان ربی میں یہی اشارہ ہے، کہ اس ذات پاک کی توحید مطلق ہر قسم اور ہر درجہ کی شرک کی آلودگی سے پاک ہے! محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مقبولین کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ ان سے جو درخواست کی جائے وہ اسے پورا کردیں یا کرادیں۔ ۱۳۵ مشرکین اپنی بدعقلی اور کج فہمی سے بشریت اور رسالت میں تنافی سمجھ رہے تھے اور بے یقینی کے لہجہ میں پوچھ رہے تھے کہ کیا اتنا بڑا منصب ایک بشر محض کے سپرد ہوا ہے؟ —— جو دیوتاؤں کی پرستش کے لئے بآسانی آمادہ ہوجاتے ہیں، انہیں ایک انسان کی تصدیق رسالت کرتے ایسی ہی دشواری نظر آتی ہے! اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی۔ هُدٰی سے مراد اس سیاق میں قرآن اور حقانیت قرآن کے دلائل ہیں۔ قَالُوْٓا۔ ان کا یہ کہنا بطور استفہام و استفسار کے نہیں، تعجب و انکار کے لہجہ میں تھا۔ ۱۳۶ یعنی اس زمین کے باشندے ہوتے جیسے کہ انسان ہیں —— فرشتہ موجود تو زمین پر آج بھی ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ انسانوں کے بجائے اگر دنیا انہیں ہی سے اسی طور پر آباد ہوتی اور انہیں بھی ہدایت کے لئے کسی پیمبر کی ضرورت ہوتی۔ ۱۳۷ (کہ وہ اپنے ہم جنسوں میں تبلیغ کرتا) یہیں سے یہ ایک اہم اصل ہاتھ آتی ہے کہ ہدایت کے لئے مناسبت باہمی شرط ہے، اور مناسبت کا سبب قوی مجانست ہے —— ایک جنس کی مخلوق دوسری جنس والی سے بآسانی نہیں سیکھ سکتی۔ ۱۳۸ (سو وہی تمہارے مفاد کو بھی خوب جان رہا ہے اور تمہاری ہٹ دھرمی کو بھی خوب دیکھ رہا ہے کہ باوجود وضوح دلائل اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو) شَهِیْدًاۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ۔ اللہ کی گواہی سے اس سیاق میں مراد یہ ہے کہ وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ اثبات نبوت محمدی و حقانیت قرآن پر کتنے دلائل واضح جمع ہیں لیکن اہل فساد اپنی ضد و جہل سے انکار کئے چلے جا رہے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت عقلی یہ تھی کہ ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود نصرت الٰہی علانیہ داعی اسلام علیہ السلام ہی کا ساتھ دے رہی تھی۔ ۱۳۹ یعنی مدد اگر ممکن تھی تو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ممکن تھی لیکن اسکی مدد سے تو ان کا کفر انہیں محروم ہی رکھے گا۔ پھر انکے مدد پانے کی اور کیا صورت ہے؟ کوئی نہیں! وَمَنْ یَّهْدِ … دُوْنِهٖ۔ تکوینی حیثیت سے ہدایت و ضلالت دونوں کے اسباب کا آخری سرا بس اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَنْ یُّضْلِلْ۔ یعنی جو کوئی اپنے عناد و تعنت کی راہ سے اپنے کو گمراہ ہی رکھتا ہے۔ ۱۴۰ (جیسا کہ یہاں دنیا میں انہوں نے اپنے کو حق کی طرف سے اندھا اور گونگا اور بہرا کرلیا تھا)

هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ

(جب بھی) اس جیسا نہ لاسکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے

لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۸۸ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

مددگار بھی بن جاویں ۱۳۰ اور بالیقین ہم نے لوگوں کے لئے اس

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا

قرآن میں ہر قسم کا اعلیٰ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے لیکن اکثر لوگ بے انکار کئے

كُفُوْرًا ۸۹ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ

نہ رہے ۱۳۱ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے

الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۹۰ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ

زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردو گے ۱۳۲ یا خود تمہارے لئے ایک باغ کھجوروں اور

عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۹۱ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ

انگوروں کا (پیدا) ہو جائے پھر اسکے بیچ بیچ میں جگہ جگہ نہریں جاری کردو یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے

كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

گرادو جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو یا تم اللہ اور فرشتوں ہی کو (ہمارے) سامنے

قَبِيْلًا ۹۲ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي

لا کھڑا کرو یا پھر تمہارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو یا تم آسمان پر

السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا

چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تم (وہاں سے) ہمارے لئے

۱۳۰ یہ دنیا کے سامنے کس زور و قوت کے ساتھ تحدی ہے کہ سارے کے سارے انسان ہر دور اور ہر ملک کے، بڑے بڑے باکمال اور فضلاء و محققین سب ملکر بھی اور اپنے ساتھ ایک دوسری صنف مخلوق (جنات) کو ملا کر بھی (جو بعض قوتوں کے لحاظ سے انسان سے افضل ہیں) اگر پورا زور لگادیں جب بھی دوسرا قرآن نہیں تیار کرسکتے۔ بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ وَبِمِثْلِهٖ۔ اس "مثلیت" میں مضامین کی جامعیت، مطالب کی کاملیت، حسنِ ادا، حسنِ انشاء کے سارے پہلو آگئے۔ ويدل على ذلك تحديه في هذه الآية العرب والعجم والجن والانس ومعلوم ان العجم لا يتحدون من طريق النظم فوجب ان يكون التحدي لهم من جهة المعاني (جصاص) ۱۳۱ (جو دلیل ہے ان کے ناشکرے پن کے کمال کی) صَرَّفْنَا یعنی ایک ایک مضمون بار بار مختلف طریقوں سے سہولت تفہیم کے لئے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کے سمجھانے کے لئے، ان کی نصیحت کے لئے۔ مَثَلٍ کے معنی ہیں ہر وہ مضمون جو ندرت یا حسن رکھتا ہو یا کلمہ پر تاثیر ہو۔ من كل وجه من العبر والاحكام والوعد والوعيد وغيرها (معالم) اي بينا لهم الحجج والبراهين القاطعة ووضحنا لهم الحق وشرحناه وبسطناه (ابن كثير) ۱۳۲ یہ کہنے والے مشرکین مکہ تھے اعجازِ قرآنی کے اس کھلے ہوئے ثبوت کو چھوڑ کر الٹا آپ سے مطالبہ متعین حسی خوارق اور مادی معجزات کا کیا کرتے تھے۔ —— لیکن پیغمبروں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں بلکہ مشرکانہ مذاق کے عین مطابق ہے۔ اور قدیم قومیں بھی اپنے اپنے وقت کے داعیان حق سے برابر ایسے ہی فرمائشی معجزات چاہتی رہی ہیں۔ ۱۳۳ خلاصہ ان تمام فرمائشوں کا یہ کہ ہم تو تمہارے دعوائے رسالت و نبوت میں تمہیں سچا اس وقت سمجھیں گے جب ایسے عجیب و غریب حسی و مادی خوارق سے ہمیں دوچار کردو —— نبوت و رسالت کی کل کائنات ان "عقلاء" کے ذہن میں یہ تھی کہ نبی و رسول کو (نعوذ باللہ) اعلیٰ درجہ کا بازیگر یا شعبدہ باز ہونا چاہیئے! جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ۔ کھجور اور انگور کے باغ اہلِ عرب کے نزدیک بہت ہی بڑی نعمت تھے۔ فَتُفَجِّرَ ...... تَفْجِيْرًا۔ پھر ان باغوں میں نہروں ندیوں کا چلنا اہلِ عرب کے نزدیک خوشحالی اور راحت کی آخری معراج تھی۔ تُسْقِطَ السَّمَآءَ۔ یہ آسمان کے ٹکڑوں کا گرانا اہلِ عرب کے نزدیک انتہائی قدرت کی دلیل تھی۔ تَاْتِيَ ...... قَبِيْلًا۔ یعنی آسمان اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ يَكُوْنَ ...... زُخْرُفٍ / تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ } یہ سونے کا مکان ہونا یا آسمان پر چڑھ جانا سائلین کی نظر میں آخری اور انتہائی عجائب خوارق تھے۔

يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا ۝۸۲ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى
اس سے اور نقصان ہی بڑھتا ہے [۱۲۱] اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا
الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ
کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے
كَانَ يَـُٔوْسًا ۝۸۳ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ
تو ناامید ہو جاتا ہے [۱۲۲] آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے تمہارا پروردگار
اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝۸۴ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ
ہی خوب جانتا ہے کہ کون صحیح تر راستہ پر ہے [۱۲۳] اور آپ سے یہ روح کی بابت
الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ
پوچھتے ہیں [۱۲۴] آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (ہی) ہے [۱۲۵] اور تمہیں علم تو
الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ
تھوڑا ہی دیا گیا ہے [۱۲۶] اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝۸۶ اِلَّا
وہ سلب کر لیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے [۱۲۷] مگر یہ
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝۸۷ قُلْ
(آپ پر) رحمت ہی ہے آپکے پروردگار کی [۱۲۸] بیشک اس کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے [۱۲۹] آپ کہہ دیجئے
لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ
کہ اگر (کل) انسان و جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں

۹ ع ۷ ۹

۱۲۱ یعنی جو لوگ قرآن کے باب میں ظالم ہیں اس کے حقائق کو بہ نظر انصاف نہیں دیکھتے ان کے کام اشاعت قرآنی کے عموم سے اور بگڑتے ہی جاتے ہیں۔ شِفَآءٌ یعنی عقاید فاسدہ اور اعمال فاسدہ سے نجات۔ رَحْمَةٌ یعنی احکام الٰہی پر عمل خود رحمت الٰہی کا جاذب ہو جائیگا۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اصطلاح سلوک میں شفاء سے اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رحمۃ سے اشارہ ہے تجلیہ کی جانب۔ ۱۲۲ (اپنی کامیابی اور ہماری رحمت و فضل کی طرف سے) الْاِنْسَانِ سے مراد یہاں کافر اور ناشکر گذار انسان ہے۔ یعنی الکفور لکفرہ مالہ و معیشتہ [illegible] اَعْرَضَ وَنَاٰ یہ منہ موڑ لینا اور کروٹ پھیر لینا اللہ اور احکام الٰہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ اِذَآ اَنْعَمْنَا۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ۔ اول الذکر سے مراد انعامات تکوینی، صحت، عافیت، مال و اولاد وغیرہ ہیں اور آخر الذکر سے مراد انہیں سے محرومی۔ یہ اعراض و یاس دونوں نتیجہ ہوتی ہیں حق تعالیٰ سے بے تعلقی رکھنے کا۔ اعرض کے بعد نَاٰ بِجَانِبِهٖ کا اضافہ تاکید اور زور کے لئے ہے۔ تاکید للاعراض (کشاف) ۱۲۳ (اور وہی سب کو ان کے موافق حال جزا دے گا) آیت میں یہ بتایا کہ کسی کو حق نہیں کہ یونہی بلا دلیل شرعی اپنے کو راہ حق پر سمجھ لے۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ یعنی ہر شخص کی ایک خاص افتاد طبیعت ہوتی ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد مقتضا ہو علم صحیح کا یا جہل قبیح کا۔ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔ یعنی اپنی افتاد طبیعت کے مطابق۔ ای علی مذہبہ وطریقتہ التی تشاکل حالہ فی الھدی والضلالۃ (کشاف) ای علی نیتہ وطریقتہ التی هو علیہ قال ابن عباس ؓ وقال مجاهد علی طبیعتہ وقیل علی عادتہ التی الفہا (جصاص) الخلیقۃ الطریقۃ والمذهب الذی جبل علیہ وقال الفراء (بحر) ۱۲۴ (کہ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے) یہ سوال کرنے والے یا تو مشرکین قریش تھے (جیسا کہ نسائی و ترمذی کی روایتوں میں آیا ہے) اور یا یہود مدینہ تھے (جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے) بہرصورت سائل جو بھی ہوں سوال سے مقصود استفادہ اور اپنے جہل کا دور کرنا نہ تھا بلکہ مقصود امتحان تھا۔ ۱۲۵ (اور اس لئے تمام دوسری مخلوقات کی طرح حادث و فانی ہے) قرآن کی اس مختصر و حکیمانہ، جامع و لفظی جواب نے ان تمام لاطائل بحثوں کی بے حاصلی ظاہر کر دی جو صدیوں سے جاہلی فلاسفہ کے درمیان چلی آرہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ روح مجرد ہے یا مادی؟ بسیط ہے یا مرکب؟ جوہر ہے یا عرض؟ وغیرہا۔ روح کی حقیقت بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جن کے باب میں اکثر مذاہب باطلہ کو ٹھوکر لگی ہے اور روح کا قدیم و غیر فانی ہونا تو بہت مشرکانہ مذاہب میں مسلم رہا ہے چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماجیوں کے نام سے جو فرقہ انیسویں صدی مسیحی کی پیداوار ہے اور جو بت پرستی کا دشمن اور عقیدۂ توحید کا مدعی ہے وہ بھی روح کی قدامت ہی کا قائل ہے۔ وہ خدا کی طرح پرش (روح) اور پرکرتی (مادہ) کو بھی قدیم مانتا ہے۔ قرآن کا اصل مقصود اسی عقیدۂ روح پرستی پر ضرب لگانا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۱۲۶ (اور حقیقت روح کا علم نہ تمہارے حدود فہم کے اندر ہے اور نہ تمہاری ضروریات دینی و علمی میں داخل ہے۔ اس لئے تمہیں عطا بھی نہیں ہوا) ۱۲۷ اس میں رد ہے اس خیال کا کہ آپ قرآن اپنے اختیار وارادہ سے تصنیف کر لیتے یا کر سکتے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کی کمال عظمت کا بیان ہے کہ وہ رسول سے اس کا کمال وحی بھی سلب کر سکتا ہے۔ ۱۲۸ (کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ رحمت آپ پر قائم ہی رہنے والی ہے) ۱۲۹ (سو وہ آئندہ کبھی اس کی نوبت ہی کیوں آنے دیگا۔ آپ اللہ کے اس فضل و رحمت کو یاد کر کے خوش رہئے اور کسی کی مخالفت وغیرہ کا غم نہ کیجئے)

ؐ۱۱۰ یعنی جب ان کی قوم نے ان پیغمبران برحق کو اپنے اور ان کے وطن سے نکال دیا، تو خود ان منکروں کو بھی چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ سُنَّۃَ ۔ جملہ کی ترکیب [illegible] سمجھی گئی ہے ۔ سنّ اللہ ذالک سُنّۃً اور سنۃ کا نصب مصدر تاکیدی کا نصب مانا گیا ہے ۔ [illegible] ۱۱۱ یعنی صابرین مطیعین کی مدد و نصرت اور منکرین کی مغلوبی و پامالی تو ہمارا قطعی قانون ہے آپ اس باب میں کوئی شک و تردد لائیں ہی نہیں۔ لِسُنَّتِنَا ۔ یہ سنت ہے سنت الٰہی ہی، جیسا کہ اس جزء میں بالکل صاف ارشاد ہوا ہے اور اس کے قبل جو سنۃ کی اضافت رسلنا کے ساتھ آئی ہے تو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ سنتِ الٰہی رسولوں کے باب میں ہے ۔ [illegible] ۱۱۲ وقت کی قدرتی تقسیم حرکت آفتاب کے تابع ہے، اور قرآن مجید نے اس کو اوقات عبادت کیلئے سیار قرار دیا ہے ——— قرآن کا "اسٹینڈرڈ ٹائم"، یہی ہے، ہر گرینچ ٹائم" و "مدراس ٹائم" سے بے نیاز۔ الصلوٰۃ سے مراد ظاہر ہے کہ نماز مفروضہ ہے اور اسی نماز فرض کے اوقات کا بیان ہو رہا ہے ۔ دلوک کے مطلق معنی جھکاؤ یا میلان کے ہیں ۔ [illegible]

مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

ان کے باب میں رہا ہے جنہیں آپ کے قبل ہم نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا[۱۱۰] اور آپ ہمارے (اس) دستور میں

تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ

کوئی تبدیلی نہ پائیں گے[۱۱۱] نماز ادا کیا کیجئے آفتاب ڈھلنے (کے بعد) سے رات کے اندھیرے

الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

ہونے تک[۱۱۲] اور صبح کی نماز بھی[۱۱۳] بیشک صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے[۱۱۴]

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ

اور رات کے کچھ حصہ میں بھی۔ سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجئے (جو) آپ کے حق میں زائد چیز ہے[۱۱۵] عجب کیا کہ آپکا پروردگار

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ

آپ کو مقام محمود میں جگہ دے[۱۱۶] اور آپ کہتے رہئے کہ اے میرے پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے

صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ

کے وقت خوبی کے ساتھ[۱۱۷] اور مجھے نکالتے وقت خوبی سے نکالیو[۱۱۸] اور مجھے اپنے پاس سے غلبہ

لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ

دیجیو (اپنی) نصرت کے ساتھ ملا ہوا[۱۱۹] اور آپ کہہ دیجئے کہ حق (بس اب) آہی گیا اور باطل

الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ

مٹ گیا بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا[۱۲۰] اور ہم قرآن میں

الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا

ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کا

ع ۸/۷

[illegible] آفتاب ڈھلنے کے دو درجہ ہوتے ہیں ۔ ایک تو اس کا عروج نصف النہار سے پستی کی طرف مائل ہونا ۔ جسے عام بول چال میں دوپہر کہتے ہیں ۔ دوسرے اس کا بالکل ڈھل کر افق پر نظر کے مقابل آجانا جسے عام بول چال میں سہ پہر کہتے ہیں ۔ اوقات کی اسی قدرتی تقسیم کی مناسبت سے دو نمازیں ظہر و عصر کی تجویز ہوئیں ۔

غَسَقِ الَّيْلِ ۔ ٹھیک اسی طرح شب کے اندھیرے کے بھی دو درجے ہیں ۔ ایک یہ کہ سورج افق سے غائب ہو جائے ۔ خواہ روشنی باقی ہو ۔ دوسرے یہ کہ تاریکی خوب اچھی طرح پھیل جائے ۔ انہیں دو قدرتی وقتوں کی مناسبت سے رات کی نمازیں بھی دو یعنی مغرب و عشا کی قرار پائیں ۔ غسق اللیل [illegible] بعض نے بعد کے معنی میں بھی لیا ہے ۔ قال الواحدی [illegible]

لدلوك ...... اللیل ۔ چاروں نمازوں کے وقت کی ابتداء اور انتہاء، آغاز و ختم دونوں کا بیان اس میں آگیا ۔ [illegible] الآیۃ جامعۃ لمواقیت الصلاۃ کلہا [illegible] صلاۃ الظہر والعصر والی غسق اللیل یتناول المغرب والعشاء وقران الفجر ہو صلاۃ الصبح [illegible]

۱۱۳ قرآن الفجر ۔ قرآن یہاں نماز کے معنی میں ہے ۔ یا قراءت قرآن کے معنی میں ۔ اور اس سے بھی مراد نماز ہی ہے ۔ [illegible] ہے ۔ اقم قران الفجر ۔ وانتصابہ بالعطف علی الصلاۃ والتقدیر اقم الصلاۃ واقم قران الفجر (کبیر)

۱۱۴ (فرشتوں کی) یہ تفسیر تو دو حدیث میں آگئی ہے کہ یہ وہ نماز ہے کہ اسکے وقت رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں دونوں کی حاضری ہوتی ہے ۔ عن النبی صلعم قال تشہدہ ملائکۃ اللیل وملائکۃ النہار (ابن جریر عن ابی ہریرۃ)

۱۱۵ یعنی یہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ ۔ فرض یہ نہیں، ہے زائد ہی لیکن آپ اسے بھی پڑھتے رہئے ۔

نَافِلَةً لَّكَ ۔ قال قتادۃ تطوعا وفضیلۃ (جصاص) [illegible]

فَتَهَجَّدْ ۔ تہجد وہ نماز ہے جو شب میں سوتے سوتے اٹھ کر پڑھی جائے ۔ التہجد فی اللغۃ السہر للصلاۃ [illegible] (جصاص) [illegible] مِنَ الَّيْلِ (ابن جریر) [illegible] (کشاف) نماز تہجد کا پر مشقت ہونا ظاہر ہی ہے لیکن اجر و صلہ بھی اسی درجہ کا ہے ۔ احادیث اسکی فضیلتوں سے لبریز ہیں ۔ اور رسول اللہ صلعم کے لئے تو اس حکم کے بعد یہ نماز تہجد لازمی ہو گئی تھی ۔ خواہ بطور فرض زائد کے، خواہ بطور نفل کے [illegible]

۱۱۶ احادیث میں آتا ہے کہ یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے ۔ مقام الشفاعۃ [illegible]

عسٰی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک نہیں تیقن پیدا ہو جاتا ہے ۔ [illegible]

۱۱۷ یعنی جب ہجرت کا وقت آئے تو مجھے اس دار الہجرت میں خیر و راحت کے ساتھ اتاریو ۔ ادخلنی واخرجنی کی تفسیر حدیث ترمذی میں ہجرت ہی کے ساتھ آئی ہے ۔ مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ منورہ لی گئی ہے ۔ [illegible]

۱۱۸ (سرزمین مکہ سے) یعنی ہجرت کے وقت یہاں سے خیر و خوبی کے ساتھ نکالیو ۔ مُخْرَجَ صِدْقٍ ۔ یعنی مکہ معظمہ ۔ [illegible] مفہوم میں توسیع پیدا کر کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ ہمیں قبر میں داخل کیجیو ایمان و صدق کے ساتھ اور خیر سے باہر نکالیو قیامت کے دن ایمان و صدق کے ساتھ ۔ [illegible]

۱۱۹ (کہ وہی غلبہ حقیقی اور پائیدار ہوتا ہے ورنہ عارضی اور ظاہری غلبہ تو کسی مصلحت تکوینی سے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے)

۱۲۰ آیت کے آخری ٹکڑے نے حقیقت صاف کر دی کہ پائداری اور قیام باطل کے نصیب میں نہیں ۔ الحق ۔ الباطل ۔ حق سے مراد ہے دین، توحید اور باطل اسکی ضد ہے [illegible]

بِيَمِيۡنِهٖ فَاُولٰٓـئِكَ يَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ

اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال پڑھنے لگیں گے اور ان کا نقصان

فَتِيۡلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ

ذرہ بھر بھی نہ کیا جائیگا ۱۰۴ اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی

اَعۡمٰى وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ

اندھا رہے گا اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ۱۰۵ اور یہ (کافر) آپ کو اس سے بچلا یا ہی چاہتے تھے

الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ۖ وَاِذًا

جو ہم آپ پر وحی کر چکے ہیں تاکہ آپ اس (حکمِ وحی) کے سوا ہم پر کوئی بات گڑھ لیں اور وہ اس

لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدْتَّ

حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے ۱۰۶ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ قریب

تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـئًـا قَلِيۡلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ

تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل جھک چلتے ۱۰۷ اس حالت میں ہم آپ کو دوگنا عذاب چکھاتے

وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا ﴿۷۵﴾

زندگی میں بھی اور (بعد) موت بھی پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو بھی مددگار نہ پاتے ۱۰۸

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ

اور قریب تھا کہ یہ (کافر) اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھیڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں

مِنۡهَا وَاِذًا لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ

اور اس حالت میں یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے ۱۰۹ (جیسا کہ ہمارا دستور

۱۰۴ یعنی انکے ایمان واعمال کے اجر میں کمی ذرا بھی نہ کی جائے گی۔ چاہے زیادتی جتنی بھی کر دی جائے۔ فَمَنْ ...... بِكِتٰبِهِمْ۔ حدیث میں تفصیل یہ بیان ہوتی ہے کہ میدانِ حشر میں لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے ہاتھوں میں اڑ اڑ کر پہنچیں گے۔ جنتی کے داہنے ہاتھ میں اور جہنمی کے بائیں ہاتھ میں —— تو داہنے ہاتھ میں پانے والے جلدی جلدی انہیں پڑھنے ہی لگیں گے خوش ہو کر کہ اب پروانۂ مغفرت آ ہی گیا۔ ۱۰۵ یہاں ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ حشر میں جو کچھ بھی ہوگا، اسی دنیا ہی کے اعمال کا پورا ظہور اور صرف نتائج و ثمرات کا تحقق ہوگا۔ کوئی اور نئی بات نہ ہوگی —— آخرت ناسوت ہی کے تکملہ کا نام ہے۔ وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى۔ یعنی جو کوئی اس دار العمل میں اپنی آنکھیں راہ نجات کی طرف سے اندھی رکھے گا۔ فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ سو ایسا شخص دار الجزاء میں جمال حق کی دید سے اور جنت کے نظاروں سے محروم رہے گا۔ ۱۰۶ (گو اس صورت میں آپ حمایت الٰہی ونصرت الٰہی کے دامن سے نکل جاتے) روایتیں اپنی تفصیلات میں مختلف ہیں، لیکن اتنا جز سب میں مشترک ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف یا کہیں اور کے کچھ کافروں نے آکر نبی صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ فلاں فلاں احکام میں ہمارے لئے تخفیف کر دیں تو ہم ابھی مسلمان ہوئے جاتے ہیں۔ آپ کو ان کے ایمان کی طمع سے خیال کچھ ایسا ہی پیدا ہو چلا تھا کہ اتنے میں نزول وحی نے فیصلہ ان کے برخلاف صادر کر دیا۔ ۱۰۷ (اس لئے کہ وہ طمع ایمان لانے کی دلا رہے تھے۔ اور آپ اس کے حریص ہیں) لَوْلَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ۔ خطاب نبی معصوم سے ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا —— لیکن ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی، اور معصومیت لازمۂ نبوت ہے۔ لَقَدْ كِدْتَّ ...... قَلِيْلًا۔ بعض نے آیت کو کسی درجہ میں قادح عصمت سمجھا ہے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے عکس پر دلالت کر رہے ہیں۔ آپ کا رکون (جھکاؤ) اول تو ہوا ہی نہیں، صرف قرب رکون (~~کید تکن~~) مذکور ہے اور وہ بھی صرف مرتبۂ اولین (شیئًا قلیلًا) کے لحاظ سے —— گویا رکون ہی نہیں صرف وسوسۂ رکون! اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا؟ لولا ان ثبتنٰک کی زنجیر عصمت نے اتنا بھی ہلنے کا موقع کب دیا؟ غرض یہ کہ یہ ارشاد الٰہی بطور الزام نہیں بلکہ یہ تو آپکی صرف کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے، اور یہ قول مفسر تھانویؒ۔ "یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہار محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے رکونِ قلیل کے قرب سے بھی آپ کو بچا لیا" فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلوں کا استنباط کیا ہے، مثلاً یہ کہ (۱) شر ذریعۂ خیر نہیں بن سکتا خیر کے ذرائع و وسائل کو بھی خیر ہی ہونا چاہئے۔ (۲) احکام شریعت کسی قیمت پر بھی نرم نہیں کئے جا سکتے ورنہ شریعت خداوندی کا مصلحت انسانی کے تابع ہو جانا لازم آتا ہے۔ (۳) ارتکاب شر بشر ہی کی شامت سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا تم جھکنے کے قریب تھے لقد کدت ترکن الیھم (۴) توفیق خیر حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا، ہم نے ثابت قدم رکھا۔ ثبتنٰک۔ (۵) انبیاء معصوم ہوتے ہیں حق تعالیٰ ان کا محافظ رہتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس باب میں نص ہے کہ حضرات انبیاء کا بھی محافظ حق تعالیٰ ہی ہے محض ان کی قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسروں کو اپنی محفوظیت اور اپنی نسبت باطن کی قوت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے، جب کہ ان کی خود نسبت ہی کے وجود میں گفتگو کی گنجائش ہے۔ ۱۰۸ اگر آپ چونکہ معصوم ہیں اور ثابت قدم رہے اس لئے قرب میلان بھی نہیں ہوا۔ اور ان وعیدوں سے بھی بالکل بچ گئے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ علماء و خواص پر جاہل عوام سے سخت تر گرفت ہوگی۔ مباح ان کی شان سے بعید اور مکروہ انکے حق میں سزاوار وعید ہو جاتا ہے۔ اذاً یعنی اگر اس میلان و رجحان کا ترتب و تحقق ہو جاتا جو کہ نہیں ہوا —— وہ صورت حال اگر ہو جاتی جس کی ابھی نفی کی جا چکی ہے۔ اردو مصرعہ "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے" اور فارسی مقولہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" ان ہی مقامات کے ترجمان ہیں۔ رسول کا مرتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے، اسی نسبت سے گرفت بھی سخت تر رکھی گئی ہے۔ ~~والسبب فی تضعیف ھذا العذاب ان اقدامھم علی الذنب فی حق الانبیاء علیھم السلام اکثر فکانت ذنوبھم اعظم فکانت العقوبة المستحقة علیھا اکثر~~

۱۰۹ یعنی انہیں بھی مہلت نہ ملنے پاتی، اور یہ بھی زمانہ قریب میں عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاتے۔ وان ...... مِنَ الْاَرْضِ۔ ملک عرب میں آپ کے قدم اکھیڑ دینا خواہ جبر سے ہوتا یا مکر سے —— بعض نے یہاں کافروں سے مراد یہود سے لی ہے۔ انہوں نے آپ سے کہنا شروع کیا تھا کہ انبیاء کی سرزمین تو شام ہے، یہ آپ حجاز میں کیسے پڑے ہوئے ہیں۔ وہیں چلے جائیے۔ اور بعض نے مراد قریش سے لی ہے کہ وہی مکہ معظمہ سے آپ کے اخراج کے درپے تھے۔ بہرحال وہ مخالفین معاندین میں سے خواہ مشرکین خواہ یہود، دیکھا تو یہ گیا، اور یہ کوئی بہت بڑی مدت کے بعد نہیں، چند ہی سال کے اندر، کہ سارے جزیرۃ العرب میں اس سرے سے اس سرے تک نہ کوئی مشرک رہ گیا نہ یہودی۔ سب کے سب اُمّی محمدؐ کی رسالت کے کلمہ پڑھنے والے رہ گئے۔ اِذًا یعنی اگر ایسا کافروں کے حسب خواہش واقع ہو گیا ہوتا، جو نہیں ہوا۔ ~~خلفک~~
~~خلاف یہاں بعد کے معنی میں ہے ... خلفک~~

إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ
اللہ کے پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم (پھر) پھر جاتے ہو اور انسان بڑا ہی
كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ
ناشکرا ہے ۹۸ کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لاکر زمین میں دھنسا دے یا
يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾
تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ ۹۹
أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ
کیا تم اس سے بے کھٹکے ہو گئے کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر کی) طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا
عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ
سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے
ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي
اور تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے ۱۰۰ اور ہم نے بنی آدم کو عزت
آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُم مِّنَ
دی ہے ۱۰۱ اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ ع ۷ ۱۰ ۷
عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے ۱۰۲
يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتٰبَهُ
(یاد رکھو) وہ دن جب ہم تمام انسانوں کو انکے نامۂ اعمال سمیت بلائیں گے ۱۰۳ سو جس کسی کو اسکا نامۂ اعمال

۹۸ (کہ ایسی جلدی منعم کا انعام و احسان اور اپنا عجز و الحاح سب بھول جاتا ہے) ضَلَّ مَن تَدْعُونَ - یعنی وہ دیوی دیوتا جن پر تمہیں اتنا بھروسہ ہوتا ہے - اور جنہیں مدد کے لئے پکارتے رہتے ہو، سب گئے گذرے ہوتے ہیں - کوئی بھی کام نہیں آتا - ۹۹ یعنی ایسا جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری حمایت و نصرت کچھ اور کسی درجہ میں بھی کر سکے - أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا - ایسی تند ہوا یا طوفانی آندھی چلادے یا تم پر کنکر پتھر برسادے - أَفَأَمِنتُمْ .... حَاصِبًا - یعنی یہ تمہاری کیسی غفلت و نادانی ہے کہ تم خدا کو شاید صرف سمندر ہی پر قادر سمجھتے ہو، خیال نہیں کرتے کہ عذاب الٰہی کا خشکی میں بھی تو ہر وقت آجانا ممکن ہے، خواہ نیچے سے یا اوپر سے - ۱۰۰ یعنی تمہارے اس غرقابی پر ہم سے نہ بدلہ لے سکے نہ کوئی بازپرس کر سکے - ۱۰۱ (اور اسے ایک معزز مخلوق بنایا ہے) بعض ادیان باطل خصوصاً یہودیت و نصرانیت کی طرح اسلام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ انسان ایک ذلیل ترین مخلوق ہے، جسے پیدا کر کے اس کا خالق خود پچھتایا! ملاحظہ ہو توریت :-

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اسکے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں - تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا - اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا - انسان کو بھی اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک - کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں" (پیدائش - ۶:۶)

آیت نے یہ بات صاف کر دی کہ خلقۃً و فطرۃً ہر انسان معزز و مکرم ہی بنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کفر و معصیت کی راہ اختیار کر کے اپنے کو انتہائی پستیوں میں ڈال دے - امام شافعیؒ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی موت سے نجس نہیں ہو جاتا - ~~ولہٰذا استدل الامام الشافعی بالآیۃ علی عدم نجاسۃ الآدمی بالموت~~ ۱۰۲ انسان بجائے خود ایک معزز و مکرم ہستی ہے، اور بیشتر مخلوقات سے افضل، یہ تو نصِ قرآنی ہی سے ثابت ہو گیا - لیکن بعض نے کثیر کو کل کے معنی میں لیکر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے -

حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ - یعنی جانوروں پر اور کشتیوں پر دونوں پر سوار کرایا اور جاندار و بے جان دونوں طرح کی سواریاں اسے عنایت کیں ——— الفاظ قرآنی کا عموم جاندار اور بے جان، ہر قسم کی سواری، ہر قسم کے مشینی آلۂ نقل و حرکت موٹر، لاری، ریل، موٹر کشتی، دخانی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے - ۱۰۳ (میدان حشر میں حساب کتاب کے لئے) اِمَام کی تشریح یہاں عام طور پر یہی سمجھی گئی ہے - ~~الامام ما عمل و املی فکتب علیہ (ابن جریر عن ابن عباس) بامامہم الذی بینہ اعمالہم (ابن جریر عن الحسن عن ابن عباس والحسن والضحاک) امامہ کتاب عملہ (جصاص)~~ لیکن دوسرے معنی بھی اکابر ہی سے مروی ہیں کہ انسان گروہ در گروہ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں یا اپنے زمانہ کے انبیاء کے ساتھ بلائے جائینگے ~~قال مجاہد وقتادۃ امامہم نبیہم (جصاص) وقال ابو عبیدۃ بمن کانوا یاتمون بہ فی الدنیا (جصاص)~~ اور امام ابن جریر نے ترجیح اسی دوسرے مفہوم کو دی ہے - ~~فان الاغلب من استعمال العرب الامام فی ما ائتم واقتدی بہ (ابن جریر)~~

۹۳ (اور وہ گروہ مومنین مخلصین کا ہے) یہ ساری گفتگو اس وقت کی ہے، جب ابلیس نافرمانی کی پاداش میں مردود و مطرود ہو چکا ہے۔ اسی لئے اسکے آغاز میں یہ جتانے کو کہ یہ مستقل کلام ہے لفظ قال الگ آیا ہے۔ حالانکہ اوپر سے بھی قول ابلیس ہی کا چلا آرہا ہے۔ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ ابلیس اسکی درخواست کرچکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ درخواست منظور ہو جائیگی۔ لَأَحْتَنِكَنَّ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قَلِيلًا۔ انسان کی جسمانی ساخت اور دماغی ترکیب پر نظر کرکے شیطان اپنی فراست سے ابتداہی میں سمجھ گیا تھا کہ میں اپنی کوشش اغواو اضلال میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ لَأَحْتَنِكَنَّ۔ حنك کے معنی پوری طرح چھاجانے اور چھاپ بیٹھنے کے ہیں۔ عملوتی علی الاحد بالکلیۃ (کبیر) تفسیر احتوار، استیلا، یعنی اپنے ڈھب میں کرلینے ان کے اوپر چھاجانے سے آئی ہے۔ اور اہلاک واستیصال سے بھی نقل ہوئی ہے۔ لاحتوینہم لاضلنہم (ابن جریر عن ابن عباس) لاستاصلنہم بالاغواء (کبیر) ۹۴ (تو چاہئے کہ اس سزا کو سن کر اب تو اہلِ باطل اپنے دلوں میں ڈریں) جَزَاؤُكُمْ۔ کم کے صیغۂ جمع میں شیطان خود اور اس کے سارے پیرو آگئے۔ اجزاءك وجزاءهم (روح) فَاذْهَبْ ذہاب سے یہاں مراد پیروں سے جانا "آنے" کے مقابل نہیں۔ بلکہ محاورہ میں مراد یہ ہے کہ جا، جو کچھ تیرے بس میں ہے کر دیکھ۔ وھذا لیس من الذھاب الذی ھو نقیض المجی وانما معناہ امض لشانك الذی اخترتہ والمقصود التخلیۃ وتفویض الامر الیہ (کبیر) لیس المراد بہ حقیقۃ الامر بالذھاب ضد المجی بل المراد تخلیتہ وما سولت لہ نفسہ والمانعۃ لہ کما تقول لمن یخالفك افعل ما ترید (روح) ۹۵ (تو چاہئے کہ انسان اب اسکے ہتھکنڈوں کو سمجھ کر اسکے دام میں پھنسنے سے باز رہے) بِصَوْتِكَ۔ یعنی اپنے اغوار اور وسوسہ اندازی سے اپنے مخفی پروپیگنڈے سے۔ صوت کا خاص تعلق گانے اور کھیل تماشہ کی آوازوں سے بھی سمجھا گیا ہے۔ روی عن مجاہد انہ الغناء واللھو (جصاص) قیل اراد بصوتہ الغناء واللھو واللعب (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو آواز بھی معصیت وفسق کی جانب لائے یا بلاتے وہ سب شیطان ہی کی آواز ہے۔ قال ابن عباسؓ ھو الصوت الذی یدعو بہ الی معصیۃ اللہ وکل صوت دعی بہ الی الفساد فھو من صوت الشیطان (جصاص) وصوتہ دعاءہ الی معصیۃ اللہ تعالیٰ (کبیر) وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ۔ یعنی ان پر تو اپنا حملہ ہر طرح کردیکھ۔ خیل اور رجل کے لفظی معنی مقصود نہیں بلکہ محاورہ میں ان سے مراد مطلق لشکر سے ہوتی ہے۔ المقصود ضرب المثل کما تقول للرجل المجد فی الامر جئتنا بخیلك ورجلك وھذا اللوجہ الظر (کبیر) گو اگر کوئی یہی سمجھے کہ شیطان سوار ہو کر بھی آتا ہے تو اس کے انتفار پر بھی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تفسیر بھی صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ دنیا میں جو سوار اور جو پیادے بھی معصیت کی راہ میں چلتے ہوئے ملیں، یہ سب شیطان ہی کے سوار اور پیادے ہیں۔ روی عن ابن عباس ومجاہد وقتادہ کل راکب اوماش الی معصیۃ اللہ من الانس والجن فھو من رجل الشیطان وخیلہ (جصاص) فعلی ھذا التقدیر خیلہ ورجلہ کل من شارکہ فی الدعاء الی المعصیۃ (کبیر) وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔ یعنی انکے مال اور اولاد کو بھی ذریعۂ گمراہی بنا دیکھ۔ وَعِدْهُمْ۔ یعنی ان کو جھوٹے وعدوں کے خوب سبز باغ دکھا۔ مثلاً یہی کہ فلاں فلاں بات سے کوئی گناہ نہ ہوگا یا یہ کہ ابھی گناہ کرتے ہو تو بے کھٹکے کرتے رہو۔ بس مرتے وقت توبہ کر لینا ——— پروپیگنڈے کے فن کا تو شیطان استاد اعظم ہے۔

۹۶ (تو ابلیسوں کو فکر و تردد ہی کیا۔ بس وہ اپنا تعلق عبدیت ہمارے ساتھ جوڑے رکھیں، ہم خود ہی انکی ہر حفاظت شیطان کے حملوں سے کرتے رہینگے اس مردود میں قوت ہی کتنی ہے) آیت سے ضمناً ان مذاہب کی بھی تردید ہوگئی جنھوں نے شیطان کو بھی خدا ہی کی طرح قوت و طاقت کا مستقل مالک سمجھا، اور اہرمن نام دے کر اسے بدی کا خدا مانا ہے۔ إِنَّ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سُلْطَانٌ۔ مومنین مخلصین کی تسکین و تسلی کے لئے ایک بار پھر اس حقیقت کی وضاحت کردی گئی کہ ڈرنے کے قابل تو صرف خالق و مالک کی نافرمانی ہے۔ شیطان مردود میں قوت ہی کتنی ہے۔ عِبَادِي۔ یعنی وہ بندے جو اپنے تعلق عبدیت کو اللہ کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ المراد اھل العقل والعلم والایمان (کبیر) عباد کی اضافت جو ضمیر متکلم حق تعالیٰ کی جانب ہے بندوں کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ الاضافۃ للتعظیم (روح)

۹۷ (چنانچہ یہ سامان بھی تمہارے نفع و آسائش کے لئے کر دیا ہے) لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ۔ یعنی تجارت بحری سے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کا اگر وجوب نہیں تو استحسان تو اس آیت سے صاف نکل رہا ہے ——— بحری تجارت کا تعلق ذاتی ثروت اور ملی خوشحالی دونوں سے بالکل ظاہر ہے۔

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٢﴾

روزِ قیامت تک تو میں اس کی (ساری) اولاد کو اپنے بس میں کرلونگا بجز ایک قدرے قلیل گروہ کے ۹۳

قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ

ارشاد ہوا چل نکل، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا سو بیشک تم (سب) کیلئے سزا ہے جہنم

جَزَاءً مَّوْفُورًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم

سزا ہے پوری ۹۴ اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے تو اپنی پکار سے اس کا

بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ

قدم اکھاڑ دیکھ اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا اور ان سے اپنا ساجھا

فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ

کرلے مال اور اولاد میں اور ان سے وعدہ کرلے (خوب جھوٹے جھوٹے) اور شیطان تو

إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٤﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَ

ان سے بس جھوٹے ہی وعدے کرتا ہے ۹۵ بیشک جو میرے (خاص) بندے ہیں ان پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور

كَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾ رَّبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ

آپ کا پروردگار ہی کافی کارساز ہے ۹۶ تمہارا پروردگار تو وہی ہے جو تمہارے لئے سمندر میں

فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾

کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو۔ بیشک وہ تمہارے حق میں بڑی رحمت والا ہے ۹۷

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا

اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو جنہیں تم پکارا کرتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں بجز

۵۸۴ یعنی ہر کافر کے معذب ہونے کی (وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں) صراحت لوحِ محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے۔ اَلْکِتَاب سے مراد علم الٰہی کی کتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ۔ ای الکتاب الذی کتب فیہ کل ما هو کائن وهو اللوح المحفوظ (ابن جریر) ۵۸۵ یعنی یہ موجودہ منکرین جو فلاں فلاں مخصوص و متعین معجزوں کی فرمائش کر رہے ہیں ان معجزات کے نزول سے امر مانع بس یہ ہوا ہے کہ ایسے ہی فرمائشی معجزات پہلے، ایسے ہی منکرین کے اصرار پر نازل کئے جا چکے ہیں، لیکن وہ سب بے اثر رہے۔ بِالْاٰیٰتِ۔ اٰیٰت سے مراد منکرین کے طلب کئے ہوئے، فرمائش کئے ہوئے معجزات ہیں۔ الاٰیات التی اقترحها قریش (بیضاوی)
۵۸۶ یعنی اس سے بصیرت تو کچھ نہ حاصل کی بلکہ اور الٹا ظلم کر کے اسے مار ہی ڈالا۔ مُبْصِرَةً کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔ اے ذات بصیرۃ یبصر بها الغیب [illegible] (روح) فَظَلَمُوْا بِهَا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ کفر کیا اور یہ بھی کہ اس کے باعث اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ ای کفروا بها او ظلموا انفسهم بسبب عقرها (بیضاوی) ۵۸۷ (اور جب قوم ان پر بھی ایمان نہیں لاتی، تو بس معًا عذابِ الٰہی کی گرفت میں آ جاتی ہے) بِالْاٰیٰتِ۔ اٰیٰت سے مراد وہی فرمائشی معجزات ہیں۔ ای بالاٰیات المقترحة (بیضاوی) ۵۸۸ (اپنے احاطۂ علم سے) حق تعالیٰ کی احاطتِ علمی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ خدائے اسلام مشرکوں کے خدا کی طرح محدود علم والا نہیں۔ اسے بندوں کے سارے حالات کا علم ہے ان کے حال کا بھی، استقبال کا بھی۔ ای علما کما رواہ غیر واحد عن ابن عباس رض (روح) ۵۸۹ اشارہ اس واقعۂ اسرا یا معراج کی جانب ہے، جس کا ذکر سورۃ کے بالکل شروع میں آ چکا ہے یعنی وہ عجائبِ قدرت جو ہم نے آپ کو شبا شب کے سفر بیت المقدس میں دکھا دیئے تھے۔ وهی ما رآہ فی لیلۃ الاسراء من العجائب [illegible] المراد بها ما اراہ اللہ تعالیٰ لیلۃ الاسراء [illegible] قول اکثر المفسرین [illegible] المراد بالرؤیا ما عاینہ صلعم لیلۃ اسری بہ من العجائب السماویۃ والارضیۃ کما اخرجہ البخاری والترمذی والنسائی وجماعۃ عن ابن عباس رض (روح) اَلرُّؤْيَا۔ رویا کے عام معنی تو خواب ہی کے ہیں۔ الرؤیا [illegible] فی المنام [illegible] والمشهور اختصاصها [illegible] ویدل [illegible] (روح) [illegible] لیکن رویت مطلق بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے جس کے تحت میں چشمِ بیداری کے منظر بھی آ جاتے ہیں اور جمہور کے خیال میں وہی یہاں مراد ہیں۔ وهی عند کثیر بمعنی الرؤیۃ مطلقا (روح) قال الجمهور هی رؤیا عین یقظۃ [illegible] فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ یعنی کسی نے تصدیق کیا۔ اور کسی نے خارقِ عادت جان کر تکذیب کی۔ ۵۹۰ یعنی شجر زقوم جو دوزخ میں ہو گا قرآن میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔ ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم۔ طلعها کانہ رءوس الشیاطین۔ روی عن ابن عباس والحسن والسدی وابراهیم وسعید بن جبیر ومجاهد وقتادۃ والضحاک [illegible] شجرۃ الزقوم (جصاص) والمراد بها کما روی البخاری [illegible] عن ابن عباس رض شجرۃ الزقوم (روح) اَلْمَلْعُوْنَةَ۔ لعنت سے مراد ہے مذمت۔ العرب تقول لکل طعام مکروہ ضار انہ ملعون [illegible] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملعون سے مراد اس کا ثمر ملعون ہے یا وہ ملعون کافر ہیں جو اس پھل کو کھائیں گے۔ فالمراد انہ ملعون اکلها [illegible] المراد لعن الکفار الذین یاکلونها [illegible] والمراد بلعنها لعن طاعمها من الکفرۃ (روح)

فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۞۵۸ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ

میں لکھا ہوا (موجود) ہے ۵۸۴ اور ہم کو معجزات (خاص) کے بھیجنے سے بس یہی امر مانع ہوا کہ

اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ

پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں ۵۸۵ اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی دی تھی

مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۞۵۹

بصیرت کے ذریعہ کے طور پر لیکن انہوں نے (بڑا ظلم) اسکے ساتھ کیا ۵۸۶ اور ہم (ایسے) معجزات کو ڈرانے ہی کے موقع پر بھیجا کرتے ہیں ۵۸۷

وَاِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا

اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیر کر رکھا ہے ۵۸۸ اور ہم نے جو منظر

الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ

آپ کو دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا ۵۸۹ اور اس درخت کو بھی

الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا

جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے ۵۹۰ اور ہم لوگوں کو ڈراتے تو رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی

طُغْیَانًا کَبِیْرًا ۞۶۰ ع وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ع ۶ / ۶

بڑھتی ہی چلی جاتی ہے ۵۹۱ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ۞۶۱

سو وہ (سب) جھکے ہاں ابلیس نہ جھکا وہ بولا کہ کیا میں اسکے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ ۵۹۲

قَالَ اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ

(اور) وہ بولا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دے رکھی ہے اگر تو نے مجھے مہلت دیدی

۵۹۱ چنانچہ سنہ محمدی کی پہلی صدی کے بڑے روشن خیال ابو جہل نے (ٹھیک آج کے "روشن خیالوں" کے انداز میں) شجر زقوم کا ذکر سن کر تمسخر و استہزاء کے لہجہ میں کہا تھا کہ آگ کے شعلوں کے درمیان کوئی درخت رہ کیسے سکتا ہے؟ —— گویا عالم آخرت اور جہنم کے قوانین طبعی بھی بالکل عالم ناسوت کے قوانین کی نقل ہونگے! وَنُخَوِّفُهُمْ۔ یعنی انہیں آیات و احکام قرآنی کے ذریعہ سے ہم ڈراتے رہتے ہیں۔ ۵۹۲ (درانحالیکہ مٹی کا بنا ہوا مخلوق مجھ جیسے آتشیں مخلوق سے کہیں پست ہوتا ہے) اس ابلیسی منطق کی پردہ دری ان تفسیری حاشیوں میں بیشتر کی جا چکی ہے۔ اس کے استدلال منطقیانہ کے صغریٰ کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ نہ تو یہی ثابت ہے کہ مٹی ہر حال میں آگ سے پست تر ہے اور نہ یہ مسلم ہے کہ افضل ہر کسی حال میں بھی غیر افضل کے آگے نہ جھکے!

اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ۔ ملائکہ جو افضل ترین مخلوق اس وقت تک تھے ان کے ضمن میں دوسری مخلوق کا بھی آ جانا۔ اُسْجُدُوْا۔ سجدہ سے یہاں لغوی نہ کہ اصطلاحی معنی کا مراد لیا جانا۔ لِاٰدَمَ۔ آدم کا کعبۃ اللہ کی طرح صرف سمتِ سجدہ ہونا نہ کہ مسجود ہونا۔ اِبْلِیْسَ۔ ابلیس کا مخلوقِ ناری و جنی ہونا۔ } ان سب پر مفصل حاشیے سورۃ البقرۃ و سورۃ الاعراف میں گذر چکے۔

٧٨ (پھر آپ کو ان کیلئے اتنا زیادہ فکرمند رہنا کیا ضرور ہے) رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ۔ وہی سب سے خوب واقف ہے کہ کون کس قابل ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تمہیں توفیقِ ہدایت دے دیگا اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا فضل ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تم سے توفیق ہدایت سلب ہوجائے گی۔ اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا عذاب ہے۔ آیت میں ان اہلِ حق کیلئے تسکین کا بڑا سامان موجود ہے جو اہلِ باطل سے مناظرہ و مذاکرہ میں مشغول رہتے ہیں اور طبعاً اس پر جھنجھلا اٹھتے ہیں کہ اہل باطل کیسا حق صریح کو چھوڑے ہوئے ہیں ـــــ کسی کے راہ ہدایت پر آنے نہ آنے کی ذمہ داری جب رسول تک پر نہیں، تو آپ کے کسی بڑے یا چھوٹے نائب پر کیوں ہونے لگی! ٧٩ (اور یہ فضیلت انہیں بہت سے دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے) وَرَبُّكَ .... الْاَرْضِ یعنی اس نے ہر ایک کے حسب استعداد اور اپنے حسب مصلحت سب کو ایک ایک مقام اور درجہ پر رکھا۔ وَلَقَدْ ...... بَعْضٍ۔ پھر اگر ایک نبی سارے انبیاء کے کمالات کا جامع پیدا ہوگیا تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے۔ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ داؤد پیمبر پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ زبور (تنکیر تنوین کے ساتھ) ہر کتاب عظیم کے لئے عام ہے۔ وکل کتاب غلیظ الکتابۃ یقال لہ زبور (راغب) فکان معناہ الکتب الکبیر الزبور (بطور علم کے) وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد نبی پر نازل ہوئی تھی۔ وخص الزبور بالکتب المنزل علی داود علیہ السلام (راغب) بعض نے زبور کی تنکیر سے اس کی تعظیم اور کاملیت کے معنی پیدا کئے ہیں۔ التنکیر ھھنا یدل علی تعظیم حالہ (کبیر) کان معنی التنکیر انہ کامل فی کونہ کتابا (کبیر) ٨٠ یعنی تمہارے دیوی دیوتا جن پر تم اتنا سہارا لگائے بیٹھے ہو، یہ اتنا بھی تو نہیں کرسکتے کہ تم سے کسی تکلیف کو دفع کردیں یا یہ کہ اس کی شدت میں خفت ہی پیدا کردیں! ٨١ یعنی خود ہی طاعت و عبادت کے ذریعہ سے اللہ کا قرب اور قرب مزید ڈھونڈ رہے ہیں۔ مراد یہاں ملائکہ وجنات اور بعض انبیاء لئے گئے ہیں جنہیں مشرکوں اور مبتلائے شرک اہل کتاب نے درجۂ الوہیت دے رکھا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بندگان صالح تو اپنے کمال عبدیت و عبودیت کی بنا پر خود ہی ہر طرح تلاش قرب و قرب مزید میں لگے رہتے ہیں۔ اَلْوَسِيْلَةَ۔ وسیلۃ کے معنی قرب کے ہیں اور یہی یہاں بھی صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے مروی ہیں۔ الوسیلۃ القربۃ (ابن جریر عن ابن عباس) القربۃ والزلفی (ابن جریر عن قتادۃ) القربۃ والزلفۃ (ابن جریر) ٨٢ مطلب یہ ہوا کہ یہ تمام گڑھے ہوئے خدا خود ہی ہر طرح محتاج ہیں اور معبودیت کی صلاحیت سے بالکل عاری۔ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ یعنی نافرمانی کی صورت میں اسکے عذاب سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ ٨٣ (قیامت کے دن) یعنی کوئی کافر اگر یہاں بچ بھی گیا تو قیامت کے دن تو بہرحال عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ۔ بستیوں سے کافروں اور معاندین حق کی آبادیاں مراد ہیں۔ قیل المراد قری الکفار (کبیر) اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا۔ اھلاک سے یہاں مراد اہلاک بالعذاب ہے ورنہ نفس موت و ہلاکت تو طبعی اسباب سے مومن و کافر سب کی ہوتی رہتی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ٥٤ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ
اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے ٧٨ اور آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے
فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ
ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض (دوسرے) نبیوں پر
عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ٥٥ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ
فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ٧٩ آپ کہیے تم جن کو اللہ کے سوا
زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ
(معبود) قرار دے رہے ہو ذرا انکو پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے تکلیف دور ہی کرسکتے ہیں
وَلَا تَحْوِيْلًا ٥٦ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى
اور نہ (اسے) بدل سکتے ہیں ٨٠ یہ لوگ جن کو یہ (مشرکین) پکار رہے ہیں (خود ہی) اپنے پروردگار
رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ
کا قرب ڈھونڈ رہے ہیں کہ (دیکھیں) ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے ٨١ اور اسکی رحمت کی امید رکھتے
يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ٥٧
ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک آپ کے پروردگار کا عذاب ہے بھی ڈرنے ہی کے قابل ٨٢
وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ
اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم روز قیامت سے قبل (یا)
الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ
ہلاک نہ کردیں یا اس کے رہنے والوں کو عذاب شدید نہ دیں ٨٣ یہ کتاب

۷۱ آج کے "روشن خیالوں" کی طرح جاہلیت عرب میں "روشن خیالوں" اور مادئیین کا گروہ موجود تھا۔ جو امکان بعث وحشر کے منکر تھے۔ یہ قول انہیں کا نقل ہو رہا ہے۔
قَالُوٓا۔ یہ وہ برسبیل انکار و استہزا کہہ رہے ہیں۔ ۷۲ (قبولِ حیات سے پھر بھی دوبارہ زندہ کئے ہی جاؤ گے۔) یعنی او خلقا مما یکبر عندکم عن قبول الحیوۃ ویعظم في صدورکم
علی الحیٰوۃ ... (یعنی تم ہڈیوں ہی کی حیاتِ ثانی پر تعجب کر رہے ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز قبولِ حیات سے بعید تر تصور کر لو، پھر بھی بہرحال تم میں دوبارہ جان ڈالی ہی جائے گی۔

جَدِيدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿٥٠﴾ أَوْ
گئے جائیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی
خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَنْ
اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو ۷۲ پھر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون
يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ
دوبارہ جلائے گا؟ آپ کہیے کہ وہی ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا ۷۳ پھر وہ آپ کے
إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰ أَنْ
آگے سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ (زندہ ہونا) ہو گا کب؟ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں یہ
يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ
(وقت) قریب ہی آ پہنچا ہو ۷۴ یہ اس روز ہو گا جب (اللہ) تمہیں بلائے گا سو تم اسکی حمد کرتے ہوئے حکم
وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾ وَقُل لِّعِبَادِي ع ۵ ۱۲ ۵
کی تعمیل کرو گے اور تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم رہے تھے ۷۵ اور آپ کہیے میرے بندوں سے
يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ
کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو ۷۶ بیشک شیطان لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے
إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿٥٣﴾ رَّبُّكُمْ
بیشک شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے ہی ۷۷ تمہارا پروردگار
أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ
تم سب کا حال خوب جانتا ہے۔ وہ اگر چاہے تم پر فضل کرے اور وہی اگر چاہے تو تم کو عذاب دینے لگے

۷۳ (جب کہ تم معدوم محض تھے) یہ وہ گروہ تھا جو وجودِ باری کا نہیں، صرف امکان بعث و حشر کا منکر تھا۔ اسی سے جرح ہو رہی ہے کہ تم جب اسے تسلیم کر رہے ہو کہ صانع حقیقی کی قدرت تمہیں عدم محض سے وجود میں لے آئی، تو اب کیا اسکی قدرت اس سے سلب ہو گئی ہے، جو اب وہ اس سے آسان تر چیز یعنی ایجاد معدوم کے بجائے اعادۂ معدوم پر بھی قادر نہیں رہا ہے؟

۷۴ مطلب یہ ہوا کہ جب یہ امکان قیامت کے مسئلہ پر لاجواب ہو جائینگے تو اب بحث یہ نکالیں گے کہ اچھا قیامت آئے گی کب؟ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ۔ سر کی یہ حرکت بطور اعراض و انکار ہوگی ای یحرکون رءوسهم تکذیبا له واستهزاء (ابن جریر) عن قتادة ... استهزاء ... نغض کے لفظی معنی اوپر نیچے یا نیچے اوپر حرکت دینے کے ہیں۔ النغض في كلام العرب انما هو حركة بارتفاع ثم انخفاض او انخفاض ثم ارتفاع (ابن جریر)

۷۵ (اس دنیا میں اور قبر کے برزخ میں) احساس کا یہ فرق اس روز کی ہیبت و ہول سے پیدا ہوگا۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ منکروں نے چونکہ یہاں سارا وقت سرکشی و نافرمانی میں صرف کیا، وہاں انکشاف حقائق کی گھڑی، یہ سارا وقت تمامتر ضائع شدہ اور معدوم معلوم ہوگا۔ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ۔ یہ پکار فرشتہ کے ذریعہ سے میدان حشر میں جمع ہونے کی ہوگی۔ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ یعنی تعمیل ارشاد اور حمد الٰہی پر اپنے کو مجبور و مضطر پاؤ گے۔ ۷۶ (حسن اخلاق و شائستگی کے اعتبار سے) ای ولا یخاشنوا المشرکین (بیضاوی) لِعِبَادِي۔ عباد سے یہاں مراد مسلم و مطیع بندے ہیں۔ المراد به المؤمنون بالكفار آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ غیروں سے مناظرہ و مجادلہ میں حتی الامکان سب و شتم اور خشونت سے احتراز چاہیے ——— کاش ہمارے مولوی صاحبان اور لیڈر صاحبان کی اکثریت اس تعلیم پر غور کرتی! ۷۷ اس کا تو کام ہی لوگوں کو قبولِ حق سے دور کرنا اور باز رکھنا ہے) إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ۔ شیطان تو مؤمنین مطیعین کی زبان سے ایسے پُرخشونت الفاظ نکلوانے کی پوری کوشش کرے گا جو دلوں کو قبولِ حق سے اور دور کر دیں اور غیروں میں عداوت اور قساوت اور زیادہ پیدا کر دیں۔

۶۴ (اس لئے اگر اب بھی توبہ کر لو تو اس کی صفت غفر اب بھی سارے تصور معاف کر دے گی) اس کی اسی صفت حلم کا اثر ہے کہ مشرکانہ عقاید و اعمال پر فوراً گرفت نہیں ہوتی بلکہ برابر مہلت ملتی رہتی ہے۔ **۶۵** (اور وہ باریک پردہ عدم فہم و عدم ارادہ فہم کا ہے) مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ آخرت کے منکر یا آخرت فراموش ہیں، یہ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو بجائے اس سے متأثر ہونے کے یہ اپنے اور اس کے درمیان ایک حجاب حاجز سا محسوس کرتے ہیں۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ۔ یعنی جب آپ انہیں قرآن بغرض تبلیغ سناتے ہیں۔

غَفُوْرًا ۴۴ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ

بڑا مغفرت والا ہے ۶۴ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۴۵ وَّ

درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں ۶۵ یعنی

جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

ہم ان کے دلوں پر اس طرف سے حجاب ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں

وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى

ڈاٹ دے دیتے ہیں ۶۶ اور جب آپ قرآن میں تنہا اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی

اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۴۶ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ

پیٹھ پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں ۶۷ ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ لوگ اسے سنتے ہیں جب

يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ

یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ۶۸ اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہ (یہ) ظالم کہتے

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۴۷ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا

ہیں کہ تم تو بس ایک سحرزدہ مرد کی راہ پر چل رہے ہو ۶۹ آپ دیکھیے تو یہ لوگ آپ کے

لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۴۸ وَ

لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ گمراہ ہو گئے تو اب رستہ نہیں پا سکتے ۷۰ اور

قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو ہم از سر نو پیدا اور جمع

جَعَلْنَا الخ یہ ضمیر متکلم لا کر حق تعالیٰ کا اس فعل کا انتساب اپنی جانب کرنا تمام تر تکوینی حیثیت سے، اور بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ جس سے اس کی رضا کو قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مَسْتُوْرًا ۔ ایسا جو عام طور پر نظر نہ آتا ہو۔ [illegible]

۶۶ حق تعالیٰ کے ضمیر متکلم لانے پر حاشیہ ابھی ابھی گزر چکا۔ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ان یہاں نفی کے معنی دے رہا ہے۔ [illegible] کراہۃ [illegible]) **۶۷** (کہ انہیں دلچسپی تو خدا سے نہیں، بلکہ اس کے شریکوں دیویوں دیوتاؤں سے ہے) مشرک قومیں زبان سے تو خدا کا بھی اقرار کرتی جاتی ہیں لیکن حقیقۃً وعملاً ان کے قلب کا سارا تعلق جھوٹے خداؤں یعنی دیویوں دیوتاؤں سے رہتا ہے —— اور سخت افسوس ہے کہ یہی حال مشرک صفت، مبتلائے بدعات کلمہ گوؤں کا بھی ہو گیا ہے۔ جن بزرگ سے جس کسی کو اعتقاد ہو گیا ہے بس ساری توجہ و عقیدت کا مرکز اسی کی ذات رہتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔ **۶۸** (اور وہ غرض بھی عیب جوئی، اعتراض و طعن ہوتی ہے) بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ ۔ [illegible] آج بڑے بڑے نامور "مستشرقین" کی بھی غرض قرآن پڑھنے یا اس کا ترجمہ کرنے سے بجز اپنے اسی معاندانہ شوق کے پورا کرنے کے اور کیا ہوتی ہے؟ اِلَّا ماشاءاللہ

۶۹ (جو خبط یا مالیخولیا میں مبتلا ہے) وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى ۔ یعنی جب یہ قرآن سننے کے بعد آپس میں آپ کے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں۔ **۷۰** (حق و صواب کا) یعنی قرآن کے ساتھ اور رسول کے ساتھ استہزا کر کے انہوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بالکل ہی ضائع کر دیا ہے۔ اور اب انہیں راہ ہدایت بھلا کیا ملے گی!۔ فَضَلُّوْا ۔ یعنی اب بالکل ہی گمراہ ہو گئے ہیں۔ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ ۔ چنانچہ ان "عقلاء" قوم میں سے کوئی تو آپ کے لئے یہ رائے قائم کرتا کہ آپ شاعر ہیں اور کوئی یہ کہتا کہ آپ ساحر ہیں۔ کوئی روشن خیال صاحب یہ فرماتے کہ آپ "مجنون" ہیں اور کوئی یہ گد لگاتے کہ ہو نہ ہو آپ کاہن ہیں —— بیسویں صدی کے "روشن خیال" بھی تو کچھ ایسی ہی طبع آزمائیاں فرماتے رہتے ہیں۔

فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۳۹) اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

ملامت زدہ (اور) راندہ کرکے جھونک دیا جائے گا[۵۸] تو کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو

بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ

مخصوص کرلیا لڑکوں کے ساتھ اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ بیشک تم

لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا (۴۰) وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا

(بڑی) سخت بات کہہ رہے ہو[۵۹] اور ہم نے اس قرآن میں (مضمون توحید کو)

الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (۴۱) قُلْ

طرح طرح بیان کیا ہے تاکہ اچھی طرح سمجھ لیں لیکن انہیں نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے[۶۰] آپ کہہ دیجئے

لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى

کہ اگر اس (معبود برحق) کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں تو اس وقت تک

ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا (۴۲) سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ

انہوں نے عرش والے تک راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا[۶۱] پاک ہے وہ (اللہ) اور کہیں برتر ہے اس سے کہ جو

عُلُوًّا كَبِیْرًا (۴۳) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ

یہ لوگ کہتے ہیں[۶۲] اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین

وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اسکی پاکی نہ بیان کرتی ہو

وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا

البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو[۶۳] بیشک وہ بڑا حلم والا ہے

ع ۴/۱۰

۵۸ (اے مشرک!) قرآن مجید میں خطاب بار بار اور جلد جلد بدلتا ہے۔ اب خطاب مشرکین سے ہے۔ **۵۹** یعنی ایک تو اللہ کا صاحب اولاد ہونا ہی کیا کم ہے اور پھر اس پر اولاد بھی اسکی محض لڑکیوں کو قرار دیتے ہو۔ جن کا انتساب خود اپنی جانب باعث ننگ وتحقیر سمجھتے ہو! خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ جو ملائکہ کو دیویاں اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اس عقیدہ پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ **۶۰** قرآن مجید کا اصلی، مرکزی، بنیادی موضوع تو توحید ہی ہے۔ مذمت شرک و مدح توحید کی تکرار اور تصریحات سے قرآن مجید اسی لئے لبریز ہے کہ یہ خوب دلوں میں گھر کر جائے۔ لیکن مشرکین کی ضد اور کج فہمی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اور الٹی توحید سے نفرت و بیزاری ہی بڑھتی جاتی ہے! **۶۱** (اور نوبت مقابلہ ومقاتلہ کی آگئی ہوتی، جس سے نظامِ عالم کب کا درہم برہم ہو چکا ہوتا! آیت میں رد اُن مذاہب جاہلی کا ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک خدائے اعظم ہے جو عرش پر سریر آرا ہے۔ اور باقی اور دیوتا بھی بہت سے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب کوئی اور بھی خدا ہے تو خدا ہونے کی حیثیت سے اسکے لئے بھی مستقلاً صاحبِ قوت، صاحبِ ارادہ، خود مختار ہونا لازم ٹھہرا تو جب دو یا زاید خدا ہوئے تو ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں قوت واختیار کا استعمال اور باہمی جدال وقتال لازم ٹھہرا (جیسا کہ جاہلی مذہبوں کی روایتوں میں کثرت سے آیا بھی ہے) پھر اس جدال وقتال کے بعد یہ نظم کائنات کیونکر برقرار رہ سکتا تھا؟ **۶۲** اسکی شانِ ربوبیت، اس کی شانِ الوہیت، اس کی شانِ حاکمیت اعلیٰ میں کسی دیوی دیوتا کی شرکت کا گزر نہیں۔ وہ ہر ایسے انتساب سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے! **۶۳** (اے مشرکو!) وَمَنْ فِیْهِنَّ۔ انسان، جنات، حیوان، فرشتہ وغیرہ ساری ہی مخلوق اس میں آگئی۔ تسبیح۔ یسبح ہر ایک مخلوق اپنے خالق کی قدوسیت کا اعلان اپنے مرتبۂ وجود کے متناسب ومطابق برابر کرتی رہتی ہے، خواہ زبان سے ہو یا زبان حال سے۔ موجودات عالم کا ذرہ ذرہ اپنے حدوث وامکان کی بنا پر صانع مطلق کے نہ صرف وجوبِ وجود کی بلکہ یکتائی، صناعی قدرت کی بھی شہادت علانیہ دے رہا ہے۔ محققین عارفین نے تصریح کی ہے (اور یہی بات دل کو بھی لگتی ہے) کہ آیت میں لفظ تسبیح اپنے عموم کے ساتھ تسبیح قالی اور حقیقی اور تسبیح حالی اور حکمی دونوں پر شامل ہے مطیعین کی تسبیح حقیقی وقالی ہوتی ہے غیر مطیعین کی صرف حالی۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ مشرکوں سے خطاب ہے کہ تم نے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی عقل کو اندھا کر لیا ہے تو تمہاری سمجھ میں یہ دلالت حالی بھی نہیں آتی جو ہر مخلوق ہر وقت اپنے خالق وصناع عالم کی قدوسیت وتوحید کے ثبوت میں پیش کر رہی ہے! ~~ان الکفار لما لم ینتفعوا بذلک فی انواع الدلائل~~ (کبیر)

ہوسکے گا جو ﷺ وﷺ میں اسی مسئلہ پر گزر چکے ہیں۔ التی ھی احسن کے تحت میں صرف مال یتیم کے وہ سارے طریقے آگئے جن سے خود یتیم کا نفع متصور ہو، خواہ تجارت ہو یا کچھ اور۔ الا احسن ما کان فیہ صلاحہ للہ وتثمیرہ (جصاص) وقد دلت الاٰیۃ علی جواز اجارۃ مال الیتیم والعمل بہ مضاربۃ (جصاص) ۵۵۲ اور اپنے نفع ونقصان کو خوب پہچاننے لگے اور اس وقت اس کی جائداد اسکے حوالہ کردی جائیگی ——— یعنی یتیم کی کم سنی بھر تو اسکی جائداد اولیاء کی نگرانی وانتظام میں رہے اور اولیاء ہمیشہ اسی کی مصلحتوں کو مصارف کے وقت ملحوظ رکھیں پھر جب وہ یتیم پوری طرح سن شعور کو پہنچ جائے تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کرکے خود سبکدوش ہوجائیں۔ بلوغ اشد کا معیار کیا ہے؟ مختلف فقہاء نے اسکے جواب میں مختلف عمریں تجویز کی ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ سب محض تخمینے اور اندازے ہیں مختلف قوموں اور ملکوں میں بلکہ ایک ہی برادری کے افراد میں قوائے جسمانی وذہنی کی پختگی کا کوئی ایک سن متعین ہی نہیں اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی قصداً اسے مبہم ہی رکھا ہے۔ فقیہ

اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

سن پختگی کو پہنچ جائے ۵۲ اور عہد کی پابندی رکھو بیشک عہد کی بازپرس ہوگی ۵۳

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

اور جب ناپو تو ناپ پوری پوری رکھا کرو اور وزن بھی صحیح ترازو سے

الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا

کیا کرو یہی اچھا ہے اور (یہی) انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے ۵۴ اور

تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ

اس چیز کے پیچھے مت ہولیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو بیشک کان اور آنکھ

وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا

اور دل ان کی پوچھ ہر شخص سے ہوگی ۵۵ اور

تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ

زمین پر اترا کر نہ چلا کر تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے

وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ

اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے ۵۶ یہ سارے بُرے کام

عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ

تیرے پروردگار کے نزدیک بالکل ناپسند ہیں ۵۷ یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے

مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى

پروردگار نے آپ پر وحی کی ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا نہ ٹھہرا ورنہ تو جہنم میں

ابوبکر الرازی مختلف عمروں کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:- واذا کان کذالک فالاشد لیس لہ مقدار معلوم فی العادۃ لا یزید علیہ ولا ینقص منہ وقد یختلف احوال الناس فیہ فیبلغ بعضہم الاشد فی مدۃ لا یبلغہ غیرہ فی مثلہا (جصاص) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ بلوغ عقل بھی اس سن کو کہیں گے جب قوائے عقلی وحسی وحرکی اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ وبلوغ العقل ھو ان یکمل عقلہ وقواہ الحسیۃ والحرکیۃ (کبیر) ۵۵۳ العہد کے تحت میں ہر قسم کے جائز وعدے اور معاہدے آگئے بلکہ اگر اسے ذرا زیادہ وسیع معنی میں لیا جائے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کے سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ اعلم ان کل عقد تم لاجل توثیق الامر وتوکیدہ فہو عہد (کبیر) وحاصل القول فیہ ان مقتضی ہذہ الاٰیۃ ان کل عقد وعہد جری بین انسانین فانہ یجب علیہما الوفاء (کبیر) ۵۵۴ یعنی یہی احکام دین جو ابھی بتلائے گئے ہیں بجائے خود بھی فطرت سلیم کے مطابق ہیں اور نتائج بھی دنیا وآخرت دونوں میں انہیں سے بہتر نکلتے ہیں۔

وَاَوْفُوْا .... الْمُسْتَقِيْمِ۔ غرض یہ کہ تجارتی، معاشری، قانونی زندگی کے ہر شعبہ اور معاملات باہمی کی ہر شاخ میں پوری طرح دیانت، امانت وصداقت کے اصول پر کاربند رہو ——— اسلام کچھ ریت رسم یا پوجا پاٹ کے قسم کے اعمال کا نام نہیں۔ سارے نظام زندگی کو قانون الٰہی کے سانچہ میں ڈھال لینے کے مرادف ہے۔

۵۵۵ (قیامت کے دن) یعنی ہر ہر شخص سے سوال اس کا ہوگا کہ کان سے سننے کا، آنکھ سے دیکھنے کا، دل سے سوچنے سمجھنے یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا۔ اور ناجائز اور غلط موقعوں پر کتنا! ——— احساس ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی؟ اس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی واجتماعی دونوں قسم کے کتنے جھگڑے قضیے آج دنیا سے مٹ جائیں! ——— وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ یعنی بلاتحقیق ہر سنی سنائی بات کے پیچھے نہ ہولیا کرو البتہ مختلف مسائل کی تحقیق کے درجہ مختلف ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ کے متناسب فقہاء واصولیین نے کہا ہے کہ قطعیات میں دلائل بھی قطعی ہونے چاہئیں اور ظنیات میں ظنی۔ فقہاء نے اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ احکام شرعی محض اٹکل سے بتادینا یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگادینا دونوں اس آیت سے ناجائز ٹھہرتے ہیں۔ وقد اقتضی ذلک نہی الانسان عن ان یقول فی احکام اللہ ما لا علم لہ علی جہۃ الظن والحسبان وان لا یقول فی الناس من السوء ما لا یعلم صحتہ (جصاص) ۵۵۶ (تو جب متکبرین کی وضع وہیئت اس قدر ممنوع ومذموم ہے تو نفس تکبر کس درجہ کا ممنوع ومذموم ہوگا!) مقصود ہر طرح کے فخر وتکبر کی روک تھام ہے۔ ۵۵۷ (اور ان کی ممانعت صراحۃً یا دلالۃً اوپر مذکور ہوچکی) مَكْرُوْهًا۔ مکروہ کے معنی فعل ممنوع کے ہیں۔ المراد من المکروہ المنہی عنہ (کبیر)

۴۳ مخلوقات کی ضرورتوں سے مصلحتوں سے حق تعالیٰ سے بڑھ کر باخبر و واقفکار اور کون ہو سکتا ہے؟ کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً اس کو سب کے ظاہر و باطن دونوں کی خبر ہے۔ اس نے تقسیمِ دولت جملہ مقتضیاتِ حکمت کے ساتھ کی ہے۔ کسی احمق، تنگ نظر، سطح بین کو اس پر زبان طعن دراز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۔ یعنی اس کی مشیتِ تکوینی جس کسی کے مناسب حال وسعت رزق سمجھتی ہے اسکے ذرائع رزق وسیع کر دیتی ہے اور جس کے لئے اس کے برعکس سمجھتی ہے ذرائع رزق تنگ و محدود کر دیتی ہے۔ غرض جو کچھ بھی ہو رہا ہے یوں ہی اندھادھند اور بغیر کسی مقصد و مصلحت کے نہیں ہو رہا ہے۔ سب آئینِ حکمت اور نقشۂ مصلحت کے ماتحت و مطابق ہی ہو رہا ہے۔ فالتفاوت فی ارزاق العباد لیس لاجل البخل بل لاجل رعایة المصالح (کبیر) ۴۴ قتلِ اولاد کی حمایت میں ایک بڑی دلیل جاہلی قوموں کے ہاتھ میں والدین کی مفلسی رہی ہے اور اسی دلیل سے کام لے کر آج بیسویں صدی میں بڑے طمطراق کے ساتھ "منعِ حمل" کی تحریک کو اٹھایا گیا ہے۔ قرآن مجید اس نظریۂ باطل کی قطعی تردید کرتا ہے۔ سورۃ انعام پ۸ میں بھی اس پر حاشیہ گذر چکا۔ متعدد جاہلی قوموں کا نظریہ یہ رہا ہے کہ افراد کا سبب چونکہ عورتوں میں نہیں، صرف مردوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں، اس لئے عورت کو قومی دولت میں شرکت کا اور اس لئے زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ عرب جاہلی میں بھی یہی نظریہ عام تھا۔ العرب کانوا یقتلون البنات لعجز البنات عن الکسب وقدرة البنین علیه بسبب اقدامهم علی النهب والغارة (کبیر) ۴۵ (اور ہماری ربوبیت و رزاقیت کے قوانین ان اصول سے بالکل الگ ہیں جو تم نے اپنی محدود نظر

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور (وہی) تنگی (بھی) کر دیتا ہے۔ بیشک وہی
بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝٣٠ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے (انہیں) خوب دیکھتے رہنے والا ہے ۴۳ اور اپنی اولاد کو ناداری کے
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ
اندیشہ سے قتل مت کر دیا کرو ۴۴ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی ۴۵
اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝٣١ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى
بیشک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ
اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝٣٢ وَلَا تَقْتُلُوا
یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے ۴۶ اور جس شخص (کی)
النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ
جان) کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اُسے قتل مت کرو ہاں مگر حق پر ۴۷ اور جو کوئی ناحق قتل
مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ
کیا جائے گا سو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے ۴۸ سو اسے چاہئے کہ قتل
فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝٣٣ وَلَا تَقْرَبُوْا
کے باب میں حد سے آگے نہ بڑھے ۴۹ بیشک وہ شخص قابل طرفداری کے ہے ۵۰ اور یتیم کے مال
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
کے پاس بھی نہ جاؤ بجز اس طریق کے جو مستحسن ہے ۵۱ یہاں تک کہ وہ اپنے

ع ٣ ٨

کے موافق معاشیات و اقتصادیات کے گڑھ رکھے ہیں) اسی طرح کی ایک آیت، ایسے ہی موقع پر سورۃ الانعام (رکوع ۱۹) میں بھی آئی ہے۔ مگر وہاں الفاظ ہیں نرزقکم وایاھم یہاں اس کے برعکس صیغۂ غائب پہلے اور صیغۂ مخاطب بعد کو، یہ فرق کیوں؟ اصل یہ ہے کہ دو مسئلہ الگ الگ ہیں ایک چیز تو ہے نفسِ افلاس یا اس کا وقوع۔ یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس میں مبتلا ہیں اور اس لئے بچوں کی زندگی ختم کئے دیتے ہیں۔ اور دوسری چیز ہے خوف افلاس، یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں لیکن اندیشہ یہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہو گئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی —— قرآن مجید نے ان دونوں فتنوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اول الذکر کے موقع پر محض من املاق آیا ہے اور آخر الذکر کے موقع پر من خشیة املاق لایا گیا ہے۔ اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے لیکن جہاں من املاق ہے یعنی افلاس کا تحقق پایا جا چکا ہے وہاں خطاب براہ راست ہے۔ نرزقکم وایاھم یعنی اے گروہ والدین تمہیں تو بہرحال ہم رزق پہنچا ہی رہے ہیں اسی طرح اولاد کو پہنچاتے رہیں گے اور جہاں خشیة املاق یعنی تحقق افلاس فی الحال نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں ترتیب خطاب میں ایک ذرا سا لطیف و نازک فرق کر دیا ہے نرزقھم وایاکم ہم انہیں بھی رزق پہنچاتے رہیں گے جیسا کہ تمہیں اب تک پہنچاتے رہے ہیں۔ ۴۶ یعنی زنا بجائے خود بھی قبیح ہے اور بلحاظ دوسرے مفاسد کے بھی۔ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی طہارت کے بھی منافی اور صلاحِ تمدن و معاشرہ کی اجتماعی صالحیت کے بھی۔ روحانیت اور عبودیت کے چہرہ پر بھی ایک داغ اور جسمانی، معاشرتی، معاشی مضرتوں اور خطروں کے اعتبار و لحاظ سے بھی قابل نفرت۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى۔ الفاظ قرآنی پر غور رہو۔ لا تزنوا ارشاد نہیں ہو رہا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے لاتقربوا الزنیٰ زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس کے مبادی و دواعی مقدمات تک سے بچو۔ یقول تعالیٰ ناھیا عن الزنیٰ وعن مقاربته ومخالطة اسبابه ودواعیه (ابن کثیر) وھو نھی عن دواعی الزنا اولا یبد بالنھی عن نفس الزنا فقال ولا تزنوا (مدارک) گویا اس حکمِ امتناعی کے تحت میں بےحیائی و بےحجابی کے سارے قولی، فعلی، تقریری، تحریری، تصویری، لباسی مظاہرے آ گئے —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ یہ شریعت اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دے دیا ہے۔ ورنہ اکثر قدیم و جدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں جب تک کہ جبر کی آمیزش یا حقوق شوہری میں دست اندازی وغیرہ اس میں شامل نہ ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں ایک عبادت یا عمل مقدس مان رکھا ہے ا —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ ۴۷ یعنی جب تک کوئی شرعی سبب وجوب قتل یا جواز قتل کا نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک قتل ہرگز جائز نہ ہوگا۔ وَلَا تَقْتُلُوا۔ قتل یہاں اپنے وسیع لغوی معنی میں یعنی ہلاک کے مرادف ہے۔ محدود اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں۔ جان لے لینے کی ہر صورت پر شامل ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف دھاردار آہنی آلہ سے جان نہ لو۔ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ۔ اور جان تو ہر انسان کی محفوظ ہی ہے۔ تاآنکہ کوئی خاص سبب حسب قواعد شرعی اس کے واجب القتل یا مباح الدم ہونے کا نہ پیدا ہو جائے ۴۸ (قصاص طلب کرنے کا) تسلطا علی القاتل فی الاقتصاص (مدارک) ای فی استیفاء القصاص من القاتل (کبیر) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا۔ اس قتل ناحق کے تحت میں ہر وہ قتل آ گیا جو بغیر وجہ شرعی کے ہو۔ مظلوم کے لفظ نے یہ بھی صاف کر دیا کہ یہ قتل قتلِ عمد ہوگا قتلِ خطا کو ظلم نہیں کہتے۔ ای غیر مستوجب للقتل (بیضاوی) یدل علی ان القتل عمد عدوان فان الخطا لایسمی ظلما (بیضاوی) وَلِيِّهٖ۔ اسی وارث کے تحت میں حقیقی اور حکمی دونوں قسم کے وارث آ گئے۔ سُلْطٰنًا۔ سلطان کے معنی یہاں حجۃ کے لئے گئے ہیں۔ یعنی ولی کو حق قصاص حاصل ہوگا۔ سلطانا ای حجة (جصاص۔ عن ابن عباس وسعید بن جبیر و مجاہد) ۴۹ یعنی یہ نہ کرے کہ جوش انتقام میں قاتل کے ساتھ غیر قاتل کو بھی قتل کر ڈالے یا اور کسی طرح زیادتیاں کرنے لگے —— کہاں ایک طرف شریعت اسلامی کی یہ معتدل و متوازن تعلیم، اور کہاں بڑی بڑی مہذب فرنگی کومتوں کا عمل متواتر کہ اگر اپنا ایک آدمی یا چند آدمی بھی مار دیئے گئے تو اس کے معاوضہ میں پوری پوری آبادیوں کو آگ لگا کر پھونک دیا یا بم کے گولے برسا کر ہلاک کر ڈالا! ۵۰ قانون شریعت تو خود ہی اس کی حمایت، نصرت اور پشت پناہی پر آمادہ ہے اور حکومت اسلام خود ہی مقتول مظلوم کے معاملہ میں مدعی بنی جاتی ہے پھر ایسے شخص کے وارثوں پر یہ شامت کیوں سوار ہو کہ وہ خواہ مخواہ حدود شرع سے تجاوز کریں اور دوسروں پر ظلم زیادتی کرتے پھریں۔ اِنَّهٗ۔ ضمیر ولی کی جانب لی جاتے یا خود مقتول کی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے منقول دونوں ہیں۔ قال مجاهد عائد الی الولی وقال جابر علی المقتول (جصاص) ۵۱ (شریعت کی نگاہ میں)

٣٦ خدمتِ والدین کے سلسلہ میں محض سلبی ہدایات یا نواہی کافی نہیں۔ ایجابی اوامر بھی مل رہے ہیں قل لھما قولاً کریمًا تو ابھی آہی چکا ہے۔ اب دو ہدایتیں اور ملیں۔ واخفض لھما جناح الذل محاورۂ زبان کے اعتبار سے اس فقرہ سے والدین کے ساتھ انتہائی فروتنی اختیار کرنے کی تاکید نکل آئی۔ ~~ھو مجاز عن الذل لیس لہ جناح ولا یوصف بذلک ولکنہ اراد المبالغۃ فی التذلل والتواضع لھما (جصاص) مبالغۃ فی التذلل والتواضع لھما (کشاف) والمقصود منہ المبالغۃ فی التواضع (کبیر)~~ غُلُ .... صَغِیْرًا۔ یہاں کس حکمت کے ساتھ جوان تندرست و تنومند اولاد کو خود اس کے بچپن کی بے کسی و بے بسی یاد دلادی گئی ——— قدرۃً یہاں پہنچ کر ہر انسان کو یہ خیال آئے گا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح ضعیف و معذور ہو کر خود اپنی اولاد کا محتاج و دست نگر ہونا ہے۔ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا۔ والدین کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنے سے خود اپنے دل میں بھی ان کے متعلق جذبات محبت و کشش بیدار ہو جائیں گے یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے جب جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے ——— اور پھر یہ دعا کرنا کہ ''اے پروردگار ان پر رحمت فرما'' گویا یہ دعا کرنا ہے کہ ''اے پروردگار انہیں دنیا و آخرت کی ہر قسم کی بھلائی سے بہرہ ور کر'' کہ لفظ رحمۃ عربی میں جامعیت ہی ایسی رکھتا ہے۔ ~~ولفظ الرحمۃ جامع لکل الخیرات فی الدین والدنیا (کبیر القفال)~~ کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ معاشرت اسلامی میں بچوں کی پرورش والدین ہی کا حق ہے (اور ہر صالح تمدن میں یہی ہونا بھی ہے) نہ کہ حکومت کا یا کسی اور ادارہ کا ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔

صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا

بچپن میں پالا، پرورش کیا ٣٦ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اسکو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ٣٧ اگر تم

صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾ وَاٰتِ

(دل سے) سعادتمند ہو تو وہ بھی توبہ کرنے والوں کے حق میں بڑا مغفرت کرنے والا ہے ٣٨ اور تو قرابتدار

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

کو (بھی) اس کا حق ادا کر اور محتاج اور مسافر کو (بھی ان کا حق)

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ

اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا ٣٩ بیشک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے

الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَ

بھائی بند ہوتے ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے ٤٠ اور

اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

اگر تجھے ان سے پہلو تہی کرنا پڑے اس انتظار میں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے وہ کشائش

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ

آئے جسکی تجھے امید ہو تو تو ان سے نرمی کی بات کہہ دے ٤١ اور تو نہ اپنا ہاتھ

يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ

گردن ہی سے باندھ لے اور نہ اسے بالکل کھول

الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ

ہی دے ورنہ تو ملامت زدہ، تہی دست ہو کر بیٹھ جائے گا ٤٢ بیشک تیرا پروردگار

منزل ٤

٣٧ (اس لئے محض ظاہری اور لفظی تعظیم پر اکتفا نہ کرنا بلکہ دل سے بھی ان کی توقیر و تعظیم اور ادب و لحاظ میں لگے رہنا) اللہ اللہ خدمت والدین و اطاعت والدین کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام منظور رہے۔

٣٨ (اس لئے اگر اتفاقی طور سے کبھی کوئی بات تم سے ان کے مرتبہ کے منافی صادر ہو جائے تو معًا نادم ہو کر اسکی تلافی کرو) صٰلِحِیْنَ۔ یعنی نیکی اور حسن سلوک کا ارادہ رکھنے والے، ہماری زبان میں سعادتمند ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔ ~~ای قاصدین الصلاح والبر دون العقوق والفساد (کبیر) قاصدین الصلاح والبر (کشاف)~~ اَوَّابِیْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو غلطی یا لغزش صادر ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف توبہ و استغفار کے ساتھ رجوع کریں۔ ~~ای الراجعین الیہ تعالیٰ التائبین عما فرط منھم مما لا یکاد یخلو منہ البشر (روح)~~

٣٩ اسلام نفس جمع مال و کسب مال کا مانع نہیں۔ البتہ پہلے تو وہ کسب مال کیلئے شرائط جائز و حلال کی قید لگاتا ہے اور پھر صرف مال کے قاعدے مقرر کرتا ہے کہ مال و دولت پر تو عزیزوں کے، مسکینوں کے، نادار مسافروں، پردیسیوں کے حق قائم ہیں یہ انہیں کے کام میں آنے کی چیزیں ہیں۔ حَقَّهٗ۔ حق کا لفظ مالی و غیر مالی ہر قسم کے حقوق پر شامل ہے لیکن یہاں ذکر حقوق مالی ہی کا ہو رہا ہے۔ حق کے لفظ نے یہ بھی بتادیا کہ عزیزوں، مسکینوں وغیرہ کی اعانت واجب ہے۔ انکا حق ہے کہ وہ مالداروں سے اعانت طلب کریں اور مالداروں پر لازمی ہے کہ ان پر احسان رکھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر ان کی اعانت کریں ——— یہ معنی ہیں صحیح سوشلزم (اشتراکیت) کے۔ نہ یہ کہ ایک طرف ناداروں کو سرمایہ داروں کے خلاف بھڑکا دیا جائے اور غصہ دلا دیا جائے۔ اور دوسری طرف نظام سرمایہ داری مالداروں کے قلب میں قساوت پیدا کر دے۔ خدمت والدین کا حکم ابھی ابھی مل چکا ہے۔ اس کے معًا بعد یہ ہدایت لانا گویا یہ کہنا ہے کہ حقوق خدمت صرف والدین تک محدود نہ رہیں، والدین کے بعد ہی دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور پھر درجہ بدرجہ ہر تعلق اور سابقہ رکھنے والے کا۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا۔ اسلام مالدار کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ ہی نہ کرے۔ جائز حدود کے اندر اس نے اسکی بھی پوری اجازت دی ہے۔ البتہ وہ اندھا دھند اسراف سے قطعًا روکتا ہے جس سے جائداد کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے۔ تبذیر کہتے ہیں مال کے بے موقع یعنی محل معصیت میں خرچ کرنے کو اور اس کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔ (١) ایک معصیت بالذات مثلاً زنا، شراب، قمار بازی وغیرہ۔ اس میں کچھ بھی صرف کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ (٢) دوسرے معصیت بالغیر یعنی عمل تو بجائے خود جائز ہو لیکن اس میں شرکت سے مقصود شہرت و تفاخر وغیرہ ہو۔ ~~التبذیر انفاق المال فی غیر حقہ (جصاص) عن ابن عباس و عبد اللہ بن مسعود وقتادۃ التبذیر تفریق المال فی غیر الحق والحل (کبیر)~~

٤٠ (کہ حق تعالیٰ نے اس کو دولت عقل کی دی تھی مگر اس نے اسے خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں لٹا دیا) اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ یعنی ناشکری اور کفران نعمت میں شیطان کے مشابہ و ہم سطح ہوتے ہیں۔ ~~والمراد من ھذہ الاخوۃ التشبہ بھم فی ھذا الفعل القبیح (کبیر)~~ اخوان۔ اخ کا اطلاق عربی میں بہت وسیع اور ہر قسم کے اشتراک و مشابہت کے لئے عام ہے۔ ~~یستعار فی کل مشارک لغیرہ فی القبیلۃ او فی الدین او فی صنعۃ او فی معاملۃ او فی مودۃ و فی غیر ذلک من المناسبات (راغب) العرب یسمون الملازم للشیء اخاہ فیقولون فلان اخو الکرم والجود واخو السفر اذا کان مواظبا علی ھذہ الاعمال (کبیر)~~ انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دی جائے جو سر چشمہ ساری برائیوں کا ہے۔ ~~وھی غایۃ المذمۃ لانہ لا شر اشر من الشیطان (کشاف)~~

٤١ یعنی نرم زبانی اور انکی دلجوئی ملحوظ رکھکر ان سے آئندہ کیلئے وعدہ کر لینا، کوئی کڑا اور دل شکن جواب انہیں ہرگز نہ دینا۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ۔ یعنی جب وہ لوگ تم سے طالب اعانت ہوں اور عارضی طور پر تم خود اس وقت تہی دست ہو۔ عنھم سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا حقدار ہونا ابھی اوپر گذر چکا ہے۔

٤٢ (جیسا کہ بے تحاشا اسراف کا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے) خرچ کے معاملہ میں اسلام کی تعلیم اعتدال، اقتصادی و میانہ روی کی ہے ——— نہ اپنی حالت اور قدرت سے بڑھ کر خرچ اور نہ بالکل کنجوسی ہی۔ ~~نہی عن البخل ... خلاف موقع ...~~
[illegible]

۳۱ یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک و بد، سعید و شقی، مقبول و مردود تکوینی طور پر خزانہ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور روشنی اور حیوانی و نباتی موجودات سے جس طرح مومن نفع اٹھا سکتے ہیں اسی طرح شدید منکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔ کُلًّا یعنی ہر دو فریق۔ ای کل واحد من الفریقین (مدارک)

۳۲ (سو اصل اہتمام اور پورا اہتمام اسی آخرت کا چاہئے) وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ ۔ جس آخرت میں یہ مرتبہ عطا ہونگے وہ مخصوص ہے مومنین مقبولین کے لئے —— آیت میں اشارہ اسی جانب ہے کہ دنیا میں جو فرق مراتب و مدارج تمہارے لئے محسوس و مشاہد ہے وہ تو اس قدر ہے تو آخرت میں باہمی فرق درجات تو اس سے ہزاروں گنا زیادہ نمایاں ہوگا! فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ ایک پر دوسرے کی نفضیلت انعامات دنیوی کے لحاظ سے ہے۔ مال، جاہ، کمالات وغیرہ۔ اُنْظُرْ سبق لینے کی نیت سے دیکھو۔ انظر بعین الاعتبار (مدارک) ۳۳ شرک کی ایک نمایاں

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿٢٠﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ

اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں۳۱ تو دیکھ ہم نے

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ

ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے

دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ

درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے بھی۳۲ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود

اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿٢٢﴾ ع وَقَضٰى

نہ بنا ورنہ تو بیٹھ رہے گا بدحال بے یار و مددگار ہو کر۳۳ اور تیرے

رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا

اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا

تو تو ان سے ہوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے

قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

ساتھ بات چیت کرنا۳۵ اور ان کے سامنے محبت سے انکسار

مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ

کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے

ع ۲ ۱۲

قباحت اس دنیا میں تو یہ نظر آتی ہے کہ انسان توحید سے کٹ کر بالکل بے سہارے اور بے یار و مددگار رہ جاتا ہے —— اور آخرت میں بھی بے کسی اور بے بسی متشکل ہو کر خود مشرک کے سامنے آجاتی ہے۔ فَتَقْعُدَ ۔ قعود سے یہاں مراد جسم کی وہ وضع و ہیئت نہیں جو کھڑے ہونے یا لیٹنے سے متمایز ہے بلکہ جیسے اردو محاورہ میں "بیٹھ رہنے سے" مراد صرف ناخوشگوار حالت میں پڑے رہ جانے سے ہوتی ہے جیسے ان فقروں میں "صدمہ تو بہت ہوا لیکن کرتے کیا رو پیٹ کر بیٹھ رہے" "تھک کر بیٹھ رہے"۔ اسی طرح عربی محاورہ میں بھی قعود کسی بری حالت کے مستمر ہو جانے کے موقع پر آتا ہے۔ معناہ المکث ای فتمکث فی الناس مذموما مخذولا وهذه اللفظة مستعملة فی لسان العرب والفرس فی هذا المعنی (کبیر) معناه المکث سواء کان قائما او جالسا (کبیر) ۳۴ ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ تہذیب فرنگ کی طرح شریعت اسلامی کا یہ فتوٰی نہیں کہ لڑکا جب عاقل و بالغ اور صاحب اختیار ہو جائے تو بیوی کے ساتھ اپنا الگ گھر بار کر لے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ یہ فقرہ جس میں خدمت والدین کا حکم ہے اس کا عطف اُس فقرہ پر جس میں توحید اور منع شرک کا حکم ہے خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ شریعت میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم و بلند ہے۔ بین اللہ تعالٰی بهذه الاٰیة تأکید حق الابوین فقرن الامر بالاحسان الیهما الی الامر بالتوحید (جصاص) آیت میں کوئی نسخ و تخصیص نہیں، والدین اگر مشرک ہیں تو ان کے حق میں دعائے ہدایت جاری رہنا چاہئے اور اگر مومن ہیں تو دعائے رحمت، لا نسخ ولا تخصیص لان الوالدین اذا کانا کافرین فله ان یدعو لهما بالهدایة والارشاد وان یطلب الرحمة لهما بعد حصول الایمان (کبیر) فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین اگر مشرک ہوں جب بھی ان کے ساتھ حسن معاشرت واجب ہے بجز اسکے کہ باب شرک میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ فامر بمصاحبة الوالدین المشرکین بالمعروف ونهی عن طاعتهما فی الشرک (جصاص)

۳۵ دنیا میں اس سطح ارض پر ایسی ایسی مہذب و شائستہ قومیں بھی گزری ہیں جن کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر قوم کے لئے بیکار بلکہ اس پر ایک بار ہو جاتے تھے تو سعادتمند صاحبزادے انہیں لے جا کر کسی سنسان پہاڑی وغیرہ پر چھوڑ آتے تھے کہ وہیں پڑے پڑے مر جائیں یا کسی جنگلی جانور کی غذا بن جائیں۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ ۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ اسی سن میں والدین معذور ہو کر دوسروں کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور اسی سن میں ان کی خدمت طبیعت کو گراں گزرنے لگتی ہے۔ ایک حدیث نبوی میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ بڑا بدقسمت ہے وہ شخص جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور پھر انہیں خوش کر کے ان کی دعاؤں سے اپنے کو جنت کا مستحق نہ بنالے۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ۔ جب ان کے سامنے ہوں کرنے کی بھی ممانعت ہوگئی تو ظاہر ہے کہ جو چیزیں اس سے بڑھ کر ان کے مقابلہ میں گستاخانہ یا ان کے حق میں تکلیف دہ ہیں۔ ان کی ممانعت تو کہیں زائد ہوگی۔ حکم قرآنی سے مراد صرف یہ ہے کہ والدین کو قولاً فعلاً بڑی چھوٹی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچانا جائز نہیں صرف لفظ "اُف" کے تلفظ سے روکنا ہرگز مقصود نہیں۔ ثم انه تعالٰی منع بهذه اللفظة عن کل مکروه یصل الیهما (کبیر) لا تقل لهما اف مثل یضرب للمنع من کل مکروه واذیة وان خف وقل (کبیر) المقصود من هذا الکلام المبالغة فی تعظیم الوالدین (کبیر) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا سے اگر والدین کے ساتھ عمل میں لطف و نرمی کا حکم نکلا تو فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما سے قول میں ان کے ساتھ ادب اور تمیز داری کی تاکید نکلی، و قل لهما قولًا کریمًا سے مخاطبت و گفتگو میں ان کے ادب و عظمت کے لحاظ رکھنے کا حکم نکل آیا۔

فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا

پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تو ان پر حجّت تمام ہو جاتی ہے پھر اس (بستی) کو تباہ و

تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ

غارت کر ڈالتے ہیں ۲۷ اور ہم نے کتنی ہی امتوں کو نوحؑ کے بعد سے

بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ

ہلاک کر ڈالا ہے اور آپ کا پروردگار ہی اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والے،

بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ

دیکھتے رہنے والے کی حیثیت سے کافی ہے ۲۸ جو کوئی دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو دنیا میں

فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ

سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فوراً ہی دیدینگے پھر ہم اس کے

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَ

لئے جہنم رکھیں گے اس میں وہ بدحال اور راندہ ہو کر داخل ہوگا ۲۹ اور

مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

جو کوئی آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش بھی اس کے لائق کریگا درانحالیکہ

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

وہ مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی ۳۰

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ

ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان میں سے بھی اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے

۲۷ یہاں اسی عام ضابطہ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کی شدّت کفر و طغیان کی بنا پر حکمتِ الٰہی کو اس کا فنا کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تو پہلے کسی رسول کے ذریعہ سے اسے ایمان و اطاعت احکام کا حکم پہنچایا جاتا ہے اور جب وہ برابر عدول حکمی کرتے رہتے ہیں تو ان پر حجّت تمام ہو جاتی ہے اور بستی تہس نہس کر ڈالی جاتی ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ۔ یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ مصالح تکوینی اور آئین حکمت کے ماتحت ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی ایک بالکل دوسری چیز ہے۔ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً۔ یہ کسی بستی کی ہلاکت بطریق عذاب اسکی مسلسل نافرمانیوں کا نتیجہ ہوتی ہے خود بخود نہیں واقع ہو جاتی۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا۔ اطاعتِ احکامِ الٰہی کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو امت کے عوام و خواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت لیڈر، پیشوا یا مقتدا کی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ عوام تو بس انہی کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ۔ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ گرفت دفعۃً اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی، پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ۲۸ (اسے کسی اور کی اعانت کی ذرا بھی حاجت نہیں) صفات خبیر و بصیر لا کر یہ یاد دلا دیا کہ حق تعالیٰ سب کے ظاہر و باطن سے پوری طرح خبردار ہے اور بصیرت میں کامل ہے۔ اس کے ہاں اس اندھیر کا امکان ہی نہیں کہ کسی کو بلاقصور سزا مل جائے۔ عام مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے ہاں انسانوں کے ساتھ برتاؤ کا کوئی قانون و قاعدہ ہی نہیں گاہے بسلامے برنجند گاہے بدشنامے خلعت دہند کا معاملہ رہتا ہے۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ۔ یہ انہیں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے جو اپنے کفر و طغیان کے پاداش میں ہلاک ہوئیں۔ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ۔ یعنی جب سے تاریخ کا آغاز ہوا ہے ——— دنیا از سرِ نو طوفانِ نوح کے بعد ہی آباد ہوئی اور تاریخ عالم کا آغاز کہنا چاہیئے کہ اسی وقت سے ہوتا ہے۔

۲۹ آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے آج دنیا میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں کہ اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسرِ حق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے اور چونکہ دولت کھٹا کھٹ چلی آ رہی ہے اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے عمل پر احتساب و نظرِ ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش ہونے والی چیز نہیں۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے۔ اگر محض دنیا ہی تو انجام تمامتر خراب ہی ہونا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمحِ نظر اسی عارضی و فانی دنیا کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ دونوں قیدیں اہم ہیں یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے گی بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی، جس کے لئے اور جس حد تک مشیّتِ الٰہی مصالح تکوینی کے مطابق ہوگی۔

۳۰ (اللہ کے ہاں اور ایسوں کو اجر پورا مل کر رہے گا) بہ خلاف آیت ماقبل کے یہاں وعدہ مطلق اور قطعی صورت میں ہے طالب عقبیٰ کو (جو حقیقۃً طالب مولیٰ ہی ہوتا ہے) اسے ایمان اور سعی حسن عمل کے بعد جزائے کامل یقیناً ملے گی۔ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمحِ نظر اس مکمل و پائدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے ——— گویا قبول کی پہلی شرط تصحیح نیت ہوئی۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ محض تمنا ہرگز کافی نہیں۔ جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اسکی طرف قدم بڑھائے محض آرزو و تمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے۔ اور عمل بھی اپنے ظن و تخمین سے نہیں یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں بلکہ قانونِ شریعت کے مطابق ہو ——— گویا دوسری شرط تصحیح عمل ہوئی حسب ضابطۂ شریعت۔ اعمال و طاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اپنے دل سے گڑھی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہو سکیں گے اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے رہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ تصحیح عقیدہ کی ہوئی منکر قانونِ الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔

۲۱؎ (اس کتابِ عزیز و حکیم کے اندر) مَحَوۡنَاۤ ۔ جَعَلۡنَاۤ ۔ ذن جیسا کہ وہ ہے اور رات جیسی کہ وہ ہے، انکی ترتیب، ترکیب سب کچھ اللہ ہی کی کارگیری کا ثمرہ ہے۔ یہ نہیں کہ یہ محض بخت و اتفاق سے خود بخود وجود میں آگئے ہوں یا کسی دیوی دیوتا نے انہیں خلعت وجود سے مشرف کیا ہو۔ لِتَبۡتَغُوۡا ۔ وَلِتَعۡلَمُوۡا ۔ سورج ہو کہ چاند، دن ہو کہ رات، سب کی خلقت کی غایت انسان کی خدمت ہے نہ یہ کہ انسان ہی الٹی ان کی پرستش میں لگ جائے۔ کُلَّ شَیۡءٍ کو اگر بالکل اپنے لفظی معنیٰ میں لیا جائے اور اسکے اندر چھوٹی بڑی ہر قسم کی چیز سمجھ لی جائے تو مراد بجائے قرآن کے لوح محفوظ ہو گی۔ لِتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۔ یعنی تلاش معاش میں مشغول رہو جس کی صورتیں بے شمار ہیں اور ان سب کے لئے دن کی روشنی اور اجالے کا انتظام حق تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا ایک معمولی مظہر ہے۔

رَبِّکُمۡ وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ وَ

تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور (دوسرے) حساب معلوم کر لیا کرو اور

کُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰهُ تَفۡصِیۡلًا ﴿۱۲﴾ وَ کُلَّ اِنۡسَانٍ

ہر (ضروری) شے کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے[۲۱] اور ہر انسان کا عمل

اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیۡ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَهٗ یَوۡمَ

ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے[۲۲] اور اس کے واسطے قیامت کے دن

الۡقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلۡقٰىهُ مَنۡشُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِقۡرَاۡ کِتٰبَكَ ؕ

ہم (اس کا) نامۂ اعمال نکال کر سامنے کر دینگے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لیگا[۲۳] (لے) اپنا نامۂ اعمال پڑھ

کَفٰی بِنَفۡسِكَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡكَ حَسِیۡبًا ﴿ؕ۱۴﴾ مَنِ

آج تو خود ہی اپنے حق میں حساب کرنے کے لئے کافی ہے[۲۴] جو کوئی

اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ

راہ پر چلتا ہے سو وہ اپنے ہی نفع کے لئے راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی بے راہی کرتا ہے

فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ

وہ بھی اپنے ہی لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا[۲۵]

وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذَاۤ

اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو ہم بھیج نہیں لیتے[۲۶] اور جب

اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡیَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِیۡهَا

ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں گے تو اس (بستی) کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں

لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ ۔ دنیا اور دین کے سارے کاروبار اسی وقت و زمان ہی کے حساب و کتاب پر معلق رہتے ہیں۔

۲۲؎ یعنی ہر شخص کا عمل نیک ہو یا بد، ہر حال میں ہم نے اسکے ساتھ بطور جزءِ غیر منفک کے لازم کر دیا ہے۔ طٰٓئِرَهٗ ۔ ہر مکلف انسان کے افعال اختیاری مراد ہیں۔ المحمولة الصادر منه باختياره (روح) سمى الخير والشر بالطائر تسمية للشئ باسم لازمه (كبير) اَلۡزَمۡنٰهُ فِیۡ عُنُقِهٖ ۔ محاورۂ عرب میں شدت لزوم اور کمال ربط کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ تصوير لشدة اللزوم وكمال الارتباط (روح) انه الصاحبه عليه من خير او شر على عادة العرب (جصاص) اخبر انه في عنقه كالطوق الذي يحيط به ويلازمه مبالغة في الوعظ والتحذير (جصاص) كناية عن اللزوم (كبير)

۲۳؎ یہ نامۂ اعمال جو اس وقت تک عالمِ غیب میں فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہو گا، حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ ۲۴؎ (کسی اور کو ضرورت ہی نہیں کہ تجھے تیرے اعمال گنائے) اِقۡرَاۡ کِتٰبَكَ ۔ یہ بندہ سے کہا جائے گا۔ نامۂ اعمال کے اس تھرا دینے والے ذکر پر اس نامہ سیاہ کو اپنے نامۂ اعمال کی سیاہیاں یاد آگئیں لیکن ساتھ ہی بندہ نواز مولیٰ کی بے انداز شفقتوں اور بے حد و حساب بندہ پروری کا بھی خیال آگیا! اللہ ٹھنڈی رکھے اقبالؒ کی تربت کو کیا لاجواب مضمون باندھ گیا ہے۔ گو پیرایۂ ادا ذرا خلاف ادب ہے ؎

روزِ حساب جب میرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

۲۵؎ مشرک قوموں کا تو ذکر ہی نہیں، خود اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے ہاں انفرادی ذمہ داری مٹ مٹا کر سارا زور مسئلہ ”شفاعت“، و ”کفارہ“ وغیرہ پر رہ گیا تھا۔ قرآن مجید میں اسی لئے ان عقاید کی پرزور تردید بار بار مختلف عنوانات سے ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی مقصود شخصی ذمہ داری و مسئولیت کا اثبات ہے۔

۲۶؎ یہاں یہ عام قاعدہ بیان کر دیا گیا کہ تبلیغ دین، رسول یا اس کے کسی نائب کے ذریعہ سے ہو جانا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کسی قوم پر عذاب نہیں آتا۔ اور محققین نے اس سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی اصلا خبر نہیں پہنچی وہ کفر و معاصی پر معذب نہ ہوں گے۔ اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کوئی کافر حربی اگر اسلام لے آئے اور اسے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی خبر نہ پہنچے تو جب تک اطلاع نہ پہنچ لے اس پر ان واجبات و فرائض کی قضا نہیں ہے۔ هذا يدل على ان من اسلم في دار الحرب ولم يعلم بالصلاة والزكوة ونحوها من الشرائع انه لا يلزمه قضاء شئ منها (جصاص) فيه دليل على ان ما وجب بالسمع لا يلزم قبل بلوغ السمع اور یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب تک رسول ہی کے پیامات کی مخالفت نہ ہو لے محض عقلی واجبات و فرائض کی مخالفت سے عذاب ہلاکت نازل نہیں ہوتا۔ انه لا يعذب عذاب الاستيصال الا بعد قيام حجة السمع بالرسول ان خالف موجبات احكام العقول قبل ورود السمع من جهة الرسول لا توجب في حكم الله عذاب الاستيصال (جصاص)

۱۵ (اور تم کو مزید ذلت و ادبار سے بچالے) اب خطاب اُن اسرائیلیوں سے ہے جو قرآن کے معاصر اور براہ راست مخاطب تھے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ پچھلی تباہیاں جو آنا تھیں آچکیں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے خاتم النبیین پر، شریعت موسوی و عیسوی کے جامع پر اگر آج ایمان لے آؤ اور شریعت اسلامی کو قبول کرلو، تو اب بھی یہ ادبار ٹل سکتا ہے۔ ۱۶ یہ آخرت کی سزا دنیوی سزا کے علاوہ ہے۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ یعنی تم نے بھی اگر اپنی وہی پچھلی حرکتیں، وہی مخالفت حق، وہی انانیت و استکبار جاری رکھا تو پھر وہی سزائیں قتل، اسیری، جلاوطنی، خانماں بربادی وغیرہ اب بھی تمہارے لئے موجود ہیں ——— بدنصیب یہودِ عرب نے اس آخری تنبیہ کو نہ سنا اور نتیجہ یہ ہوا کہ انکے سارے پُرقوت قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع وغیرہ ایک ایک کر کے ایک قلیل ہی مدت کے اندر مٹ گئے۔ حَصِیْرًا۔ یہ عام آخرت کا وہ حلقۂ عذاب ہوگا جس سے کافر کبھی خلاصی حاصل نہ کرسکیں گے۔ ~~[struck-through handwritten Arabic]~~

~~[struck-through handwritten Arabic]~~ ۱۷ صلاح و فلاح دارین، دنیوی و اخروی فوز و کامرانی کی راہیں اسی کتاب حقیقت ترجمان سے وابستہ ہیں۔ ذرا اس پر عمل کر کے دیکھو تو۔ اَقْوَمُ سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ سابق کتب آسمانی کی بتائی ہوئی راہیں بھی اپنی اپنی جگہ سیدھی ہیں لیکن یہ قرآن والی شاہراہ سب سے بڑھ کر اور سب کی جامع ہے ~~[struck-through handwritten Arabic]~~ يَهْدِيْ۔ اس کا مفعول عام ہے۔ یعنی یہ ہدایت سب ہی کو کرتا ہے۔ کسی مخصوص فرقہ کو نہیں۔ ~~[struck-through handwritten Arabic]~~ ۱۸ آخرت سے انکار اپنے وسیع معنیٰ میں یعنی صحیح تفصیلات کے ساتھ یوم الجزاء سے انکار تو ہر کافر کے لئے عام ہے لیکن یہود کے سلسلہ میں اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ برمحل ہے۔ اس لئے کہ یہود باوجود دعوئ توحید کے سب سے زیادہ اسی عقیدۂ آخرت ہی کو بھولے ہوئے تھے۔ دنیا پرستی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یہی صورت پیدا کر دیتی ہے ——— موجودہ توریت محرف میں سب سے کم ذکر یوم آخرت اور وہاں کی جزا سزا کا ہے۔ سارا زور اسی دنیا کے انعامات کا ہے ۱۹ (اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے والا) يَدْعُ الْاِنْسَانُ۔ یہاں الانسان سے مراد ایک خاص قسم کا انسان یعنی کافر انسان ہے۔ ~~[struck-through handwritten Arabic]~~ حال ~~[struck-through handwritten Arabic]~~

يَدْعُ .... بِالْخَيْرِ۔ جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے ان کی تمنا کرتے رہنا، اپنے کو عذاب یا برائی کی دعوت ہی دینا ہے۔ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ اس کے ماتحت وہ انسان نہیں آتے جنہوں نے اپنے کو اتباعِ شریعت سے مہذب و مزین کرلیا ہے۔ اس ذرا سے فقرہ میں گمراہ و باطل پرست انسان کی ساری ذہنیت کی تشریح آگئی۔ ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کی طرف لے جانے والی چیز انسان کی یہی عجلت پسندی اور فوری لذت کی تمنا ہوتی ہے۔ اگر ذرا وہ سوچ سمجھ سے کام لے لیا کرے تو کبھی ان نتائج کی نوبت ہی نہ آئے۔ ۲۰ (اپنی قدرت، صنعت و حکمت کی) حکمت و عرفان کی نظر سے دیکھا جائے تو رات اور دن کے طلوع و غروب میں ان کی مسلسل پابندیوں میں حکمتوں اور صنعتوں کی ایک دنیا پوشیدہ نظر آئے گی۔ بدبخت قوموں نے انہیں بھی دیوی دیوتا مان کر ان کی پرستش شروع کر دی۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وقف لازم
عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر مہربانی کرے ۱۵ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۞ اِنَّ هٰذَا
کریں گے ۱۶ اور جہنم کو تو ہم نے کافروں کا قیدخانہ بنا ہی رکھا ہے بیشک یہ
الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۹
جو نیک عمل کرتے رہتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے ۱۷
وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ
اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۱۸ ان کے لئے ہم نے عذاب
عَذَابًا اَلِيْمًا ۱۰ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ ع ۱
دردناک تیار کر رکھا ہے ۱۹ اور انسان برائی کی درخواست بھی (اسی تقاضہ سے) کرتا ہے
بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۱۱ وَجَعَلْنَا
جس طرح بھلائی کی درخواست اور انسان ہے ہی جلد باز ۱۹ اور ہم نے رات
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ
اور دن کو دو نشانیاں بنا رکھا ہے ۲۰ سو ہم نے رات والی نشانی کو تو دھندلا بنایا اور
جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ
ہم نے دن والی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ اپنے پروردگار کی روزی

الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ
جتلا دیا تھا کہ تم ملک میں دوبارہ بڑی خرابی پیدا کرو گے اور بڑا زور
عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ
چلانے لگو گے ٧ پھر جب دو بار میں سے پہلی کی میعاد آئے گی ٨ تو ہم تمہارے اوپر اپنے
عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ
(ایسے) بندوں کو مسلط کر دیں گے جو بڑے جنگجو ہونگے سو وہ گھروں میں گھس
الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ
پڑیں گے ٩ اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا ١٠ پھر ایک بار پھر ہم تمہارا
الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ
ان پر غلبہ کر دیں گے ١١ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرینگے
وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ
اور تمہیں ایک بڑی جماعت بنا دیں گے ١٢ اگر اچھے کام کرو گے اپنے ہی لئے
لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ
اچھائی کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو بھی اپنے ہی حق میں ١٣ پھر جب پچھلی بار میعاد
الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ
آئے گی (ہم دوسروں کو مسلط کر دیں گے) تاکہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ (تمہاری) عبادتگاہ میں
كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦
گھس پڑیں جیسا کہ اس میں (اگلے لوگ) اگلی بار گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر بھی زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں ١٤

منزل ٤

عقیدۂ توحید ہے) ٧ (خلق پر ظلم کر کرکے اور خالق کے قانون سے بغاوت اختیار کر کرکے) فسادِ فی الارض اور علو دونوں سے مراد حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کا اتلاف ہے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ۔ وَقَضَيْنَا ..... الْكِتٰبِ یہ خبر بنی اسرائیل کو ان کے مختلف پیغمبروں کے ذریعہ سے سنا دی گئی تھی —— خود توریت ہی کے بعض مقامات انذاری پیش گوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً احبار باب ٢٦ - یا استثنا باب ٢٨ - پھر اسکے علاوہ یرمیاہ نبی کی ہولناک پیش گوئیاں موجود ہیں اور حضرت یحییٰ نبی اور حضرت عیسیٰ نبی کی انذاری پیشگوئیاں، سب انہیں اسرائیلی صحیفوں میں ہیں، مَرَّتَيْنِ یوں تو قوم اسرائیل کی تاریخ تباہیوں اور بربادیوں ہی کی ایک مسلسل سرگزشت ہے، تاہم دو مرتبہ کی قیامت خیز ہلاکتیں تاریخ کے صفحات پر بہت گہرے الفاظ میں نقش ہیں۔ ایک بار ٥٨٦ ق م میں بخت نصر تاجدار بابل و نینوا کے ہاتھوں اور دوبارہ ٧٠ء میں رومی شہنشاہ طیطاؤس (TITUES) کے زمانہ میں۔ ٨ (اور تمہارے جرائم تمہیں عقوبت شدید کا مستحق بنا دیں گے) یرمیاہ نبی کی کتاب جو آج بھی صحائف عہد عتیق کا ایک جزو ہے، دیکھی جا سکتی ہے۔ یہود کی شرارتوں، بدکاریوں کی داستان سے لبریز ہے۔ احبار اور ربیوں کے نزدیک بھی انتقام الٰہی کی محرک یہود کی تباہ کاریاں ہی ہوئی تھیں —— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ٩ (اور تمہیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی) بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ، اس عالم اسباب میں سزا اور غضب الٰہی کا انفاذ ہمیشہ کسی نہ کسی مخلوق ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے ہوگا۔ بعثت سے یہاں مراد بعثت تشریعی نہیں، محض بعثت تکوینی ہے اور عباد سے مراد وہ انسان جو عذاب الٰہی کے کارندوں کی حیثیت سے ان پر مسلط کئے گئے تھے اور ان کیلئے یہ ہرگز ضروری نہ تھا کہ وہ خود بھی مومنین صالحین میں سے ہوں۔ اس لئے عِبَادًا لَّنَآ پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بخت نصر تو ایک کافر تاجدار تھا پھر قرآن نے اسکے لشکر کا انتساب اپنی جانب کیسے کر لیا۔ یہی مضمون یہود کے مقدس صحیفہ یرمیاہ میں بھی ہے اور اس میں بخت نصر کو خدا کا خدمت گذار کہا گیا ہے:- ”رب الافواج یوں کہتا ہے۔ اس لئے کہ تم نے میری باتیں نہ سنیں، دیکھ میں اُتر کے سارے گھرانوں کو اور اپنے خدمتگزار شاہ بابل بنوکد نضر کو بُلا بھیجوں گا“ (یرمیاہ - ٢٥ : ٨، ٩) اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ بابل والے عموماً بڑے جنگجو اور نبرد پیشہ تھے، اور بخت نصر کی خون آشامی کے ذکر سے تو تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ جَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ بخت نصر کے لشکر نے جس جس طرح سرزمین شام کو تاخت و تاراج کیا، ہیکل سلیمانی کو شہید کیا، شہر میں آگ لگائی، ایک ایک گھر میں گھس گھس کر جان، مال، عزت سب کو برباد کیا، یہ سب اسی مختصر جامع فقرۂ قرآنی کی تفصیلات ہیں۔ ١٠ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں خود یہ وعید اور پھر اس کے ظہور محل دونوں کی تفصیلات درج ہیں۔

”میں ایسا کروں گا کہ ان کے درمیان خوشی کی آواز اور خرمی کی آواز، دلہے کی آواز، دلہن کی آواز، چکّی کی آواز اور چراغ کی روشنی باقی نہ رہے اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائیگی اور یہ قومیں ستر برس تک بابل کے بادشاہ کی غلامی کرینگی۔ اور ایسا ہوگا خداوند کہتا ہے کہ جب ستر برس پورے ہونگے، میں بابل کے بادشاہ کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کی سرزمین کو ان کی بدکاری کے سبب سزا دوں گا اور میں اسے ایسا اجاڑوں گا کہ ہمیشہ تک ویرانہ رہے“ (یرمیاہ - ٢٥ : ٩ - ١٢) ”خداوند نے صیہون کی بیٹی کو اپنے قہر کے ابر تلے چھپا دیا۔ اس نے اسرائیل کے جمال کو آسمان سے زمین پر پٹک دیا اور اپنے قہر کے دن اپنے پاؤں رکھنے کی کرسی کو نہ یاد کیا۔ خداوند نے یعقوب کے سارے مکانوں کو غارت کیا اور رحم نہ کیا۔ اس نے اپنے قہر میں یہوداہ کی بیٹی کے قلعوں کو ڈھا دیا، اس نے انہیں خاک کے برابر کر دیا اس نے بادشاہت اور امیروں کو ناپاک کیا اُس نے اپنے قہر شدید میں اسرائیل کا ہر ایک سینگ بالکل کاٹ ڈالا“ (یرمیاہ کا نوحہ - ٢ : ١ - ٣) ١١ (کسی ایسی حکومت کے ذریعہ سے جو تمہاری ہمدرد و ہواخواہ ہوگی اور یہ اس وقت جب تم اپنی حرکتوں پر پشیمان ہو لو گے) دارائے اول سائرس یا مورس شاہ ایران نے کلدانیوں کو شکست دیکر اور خود ان کے ملک پر قابض ہو کر ٥٣٩ ق، م میں یہود کو جلاوطنی سے نجات دے کر وطن جانے اور اسے دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ قرآن مجید کا یہ اشارہ اسی تاریخی واقعہ کی جانب ہے۔ ١٢ یعنی تمہاری جو جائدادیں چھن گئی تھیں وہ تمہیں واپس مل جائیں گی اور تمہارے افراد جو قید ہو گئے تھے چھوٹ کر اپنے وطن آجائینگے اور تمہاری آبادی اچھی خاصی ترقی کر جائے گی۔ جلاوطنی کے بعد اسرائیلیوں کو جو مال واپس ملا تھا، اس کا تذکرہ عہد عتیق میں ہے۔ ١٣ (اور خود ہی سزا بھگتو گے) یہ سب کچھ اسرائیلیوں سے اسی وقت ان کے پیمبروں کی وساطت سے کہہ دیا گیا تھا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اس کے تحت میں ساری ہی نیکیاں اور طاعتیں آجاتی ہیں، لیکن خاص اشارہ اور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم نے انبیاء کا اتباع شروع کر دیا —— یہود کا اصل اور بنیادی جرم ہی اپنے انبیاء سے بار بار سرکشی اور نافرمانی تھی، توحید کے تو وہ بہرحال کسی نہ کسی صورت میں قائل ہی تھے۔ ١٤ یعنی جس طرح چھ صدیوں قبل کلدانی اور بابلی سپاہیوں نے تمہیں ہلاک و تباہ کر ڈالا تھا اور تمہاری عبادتگاہ میں آگ لگا دی تھی۔ اب کی بار رومی سپاہی عذاب الٰہی کے موکل بن کر تم پر نازل ہونگے —— ان پیش خبریوں کا عملاً جس طرح ظہور ہوا، اس کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ یعنی جن دو بار کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، ان میں سے دوسری بار —— ٧٠ء میں ٹائیٹس رومی کے عہد میں۔ پہلی سزا شریعت موسوی کے ترک و تحریف پر ملی تھی۔ اب یہ دوسری سزا رسالت عیسوی کی مخالفت و انکار پر دی جا رہی ہے۔ ~~لِيَسُوْٓءٗا، لِيَدْخُلُوا، لِيُتَبِّرُوْا ان تینوں افعال میں لام تعلیل ہے~~، مراد اس سے مقصود الٰہی تکوینی کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ مقصود الٰہی تشریعی کا —— مظہر ارادۂ الٰہی کا ہے نہ کہ رضائے الٰہی کا۔

سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاِحۡدٰی عَشۡرَۃَ اٰیَۃً وَّاثۡنَا عَشَرَ رُکُوۡعًا

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ

پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتی رات

الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے

بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ

اردگرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تاکہ اُن (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں بیشک سمیع

الۡبَصِیۡرُ ﴿۱﴾ وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰہُ

بصیر (وہی اللہ) ہے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے اس

ھُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ

(کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے (ذریعہ) ہدایت بنایا تھا کہ کہیں میرے سوا کسی (اور) کو کارساز مت

وَکِیۡلًا ؕ﴿۲﴾ ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ

قرار دے لینا ۔ اے ان لوگوں کی نسل جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا وہ بے شک

عَبۡدًا شَکُوۡرًا ﴿۳﴾ وَ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی

بڑے شکر گذار بندہ تھے اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ

منزل ۴

۱ (اور اپنے اس برگزیدہ بندہ کو اس عجیب اور انوکھی سرفرازی سے نوازدیا) سُبۡحٰنَ وہ ذات ہر نقص اور کمی سے پاک، ہر عجز سے منزّہ، ہر قید اور حد بندی سے بالاتر ہے۔ تسبیح کا لفظ لایا ہی ایسے موقع پر جاتا ہے جہاں کسی امر اہم وعظیم الشان کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام (ابن کثیر) لَیۡلًا یعنی رات کے ایک حصہ میں۔ ایک ہی رات کے تھوڑے سے وقت میں۔ اسریٰ کے معنی میں تو خود ہی رات کا سفر داخل ہے السریٰ سیر اللیل (راغب) لفظ لیلاً بہ صیغۂ نکرہ کے اضافہ سے یہ تاکید و تصریح مقصود ہے کہ اتنا بڑا سفر جو عادۃً کئی کئی ہفتہ میں یا بہ دن کی مدت میں ممکن تھا فوق العادۃ طور پر رات کی چند گھڑیوں ہی میں انجام پاگیا ارادبقولہ لیلا بلفظ التنکیر تقلیل مدۃ الاسراء وانہ اسری بہ فی بعض اللیل من مکۃ الی الشام مسیرۃ اربعین لیلۃ (کشاف) وفائدۃ الدلالۃ بتنکیرہ علی تقلیل مدۃ الاسراء (بیضاوی) بِعَبۡدِہٖ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہے۔ محلِ تخصیص پر قرآن مجید میں آپ کو اکثر عبد ہی سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً نزل القراٰن علیٰ عبدہٖ یا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا۔ وغیرہ لفظ عبد سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ بہ ایں شرف و کرامت و بہ ایں کمالات معجزانہ محمد مصطفےٰ صلعم عبد محض ہی رہے، یہ نہیں ہوا کہ کچھ شرکت الوہیت و ربوبیت میں ہوگئی ہو۔ نصرانیوں کی عبرت انگیز مثال سب کے سامنے ہے۔ وقیلہ حکمۃ اخریٰ ان فی التعبیر بہ ھہنا دون حبیبہ مثلا سد الباب المغلوبیۃ صلعم کما وقع للنصاریٰ فی نبیھم (روح) اور مقام عبدیت میں پستی تو صرف عوام و جہلا کو نظر آتی ہے محققین عارفین کے نزدیک یہ تو عین اشرفیت اور کمال افضلیت کا مظہر ہے۔ والعبودیۃ علی ما نص علیہ العارفون اشرف الاوصاف واعلی المراتب (روح) یہ واقعۂ معراج پیش کب آیا تھا؟ ہجرت سے قبل قیام مکہ کے زمانہ میں تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہجرت سے کتنا قبل ہے اس میں بھی کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ سال سوا سال قبل پر اتفاق ہے۔ بعض تابعین کی روایت پورے ایک سال کی ہے، اور بعض کی ۱۶ مہینہ کی۔ عن الزھری کان الاسراء قبل الھجرۃ بسنۃ وکذا قال عروۃ وقال السدی بستۃ عشر شھرا (ابن کثیر) اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ سے یہ حقیقت بھی صاف ہوگئی کہ اس سفر کا کرانے والا، اس عجیب و معجز واقعہ کو تکمیل تک پہنچانے والا، حق تعالیٰ تھا۔ رسولؐ خود نہ تھے۔ جس حیرت انگیز شبانہ سفر نبوی کا یہاں ذکر ہے اس کا اصطلاحی نام معراج ہے۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ معراج ایک نہیں متعدد واقع ہوئی ہیں لیکن محققین کا ارشاد ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اور علماء سلف میں سے کوئی اس طرف نہیں گیا ہے۔ ھذا بعید جدا ولم ینقل ھذا عن احد من السلف (ابن کثیر) معراج سے متعلق اور بھی بڑی بڑی بحثیں پیدا ہوگئی ہیں مثلاً یہ کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، بیداری میں ہوئی یا حالتِ خواب میں، مختلف جوابات مختلف فریقوں کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور ہر فریق کچھ نہ کچھ دلائل بھی اپنی تائید میں رکھتا ہے لیکن آیتِ قرآنی کی تفسیر ان میں سے کسی پہلو کے بھی اختیار کرنے پر موقوف و معلق نہیں۔ واقعۂ معراج جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ بھی پیش آیا ہو بہر حال ایک حیرت انگیز معجزہ اور عام بشری تجربہ سے مافوق واقعہ ہوا ہے اور اسکے نفس وقوع پر ایمان رکھنا واجب ہے ——— پیمبران کو جو جو تجربے کرائے گئے ہیں (اکیلے سید الانبیاء ہی کو نہیں ابراہیم خلیلؑ اور دوسرے انبیاء کو بھی) ان کی پوری تفصیلات عام انسانوں کے ذہن کی گرفت میں آہی کب سکتی ہیں؟ بقول عارف رومیؒ ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

محدث سہیلیؒ نے سیرۃ ابن ہشام کی شرح الروض الانف میں ایک مستقل عنوان یہ قائم کیا ہے ھل کان الاسراء فی یقظۃ بجسدہ او کان فی نومہ بروحہ (آپ کی معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی تھی یا حالت خواب میں محض روحانی؟) اور خود سیرۃ ابن ہشام میں محدث اور مشہور صاحب السیرۃ ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے چنانچہ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپؐ کو عجائب الٰہی میں سے یہ جو کچھ دکھلایا گیا یہ خواب یا بیداری کس حالت میں دکھایا گیا بہر حال جو بھی حالت ہو وہ عین حق و صدق ہے۔ قال ابن اسحٰق وکان رسول اللہ صلعم یقول فی ما بلغنی تنام عینی وقلبی یقظان فاللہ اعلم ای ذلک کان قد جاءہ وعاین فیہ ما عاین من امر اللہ علی ای حالیہ کان نائما او یقظانا کل ذلک حق وصدق۔ مِنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ یعنی خانہ کعبہ کی مسجد سے اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا یعنی قبلۂ اول بیت المقدس کی مسجد تک اَقۡصٰی یعنی شہر مکہ سے بہت دور۔

۲ واقعۂ اسراء ایک تو بجائے خود عجیب و غریب، مکہ معظمہ سے یروشلیم کی صدہا میل کی مسافت کا گویا آناً فاناً طے ہوجانا اور پھر حسب تصریح احادیث بیت المقدس میں انبیاء سابقین سے ملاقات کا ہونا اور پھر ملکوتی اور آسمانی مشاہدات عجیب تر۔ الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ یعنی ملک شام بٰرکنا کے تحت میں مادی و روحانی ہر قسم کی برکتیں آگئیں، ملک کی سرسبزی و شادابی، سرزمین سے (بہ زبان توریت) دودھ اور شہد کی نہروں کا بہنا برکت مادی کی مثال ہوئی، اور انبیاء کرام کا کثرت سے اس سرزمین سے اٹھنا اور اسی کی خاک میں مدفون ہونا روحانی برکتوں کو واضح کررہا ہے۔ برکات الدین والدنیا (بیضاوی) مِنۡ اٰیٰتِنَا یہ عجائبات جو کچھ بھی تھے ان کی حیثیت محض آیات الٰہی ہی کی تھی جن سے معرفت و حکمت کے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں، تفریح اور تماشہ کی نہ تھی۔ اوپر سے بیان صیغۂ غائب چلا آرہا تھا، یہاں سے صیغۂ متکلم میں منتقل ہوگیا۔ یہ انتقال ان برکات و آیات کے اظہار عظمت و تکریم کے لئے ہے وصرف الکلام من الغیبۃ الی التکلم لتعظیم تلک البرکات والاٰیات (بیضاوی) ۳ (رسولؐ کے ان مراتب قرب و کمال قرب سے کہیں یہ سمجھنے لگنا کہ آپ بھی ان صفات باری میں کچھ شریک ہوگئے تھے معاذ اللہ سمیع و بصیر تو بلا شرکت غیرے وہی حق تعالیٰ ہی ہے) یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ پر سب کچھ روشن ہے، اس نے رسولؐ کے اقوال سن کر اور احوال کو دیکھ کر آپؐ کو اس درجہ کا قرب عطا کیا۔ ۴ توریت موجودہ میں اب تک متعدد آیتیں تعلیم توحید کی مل رہی ہیں مثلاً "خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں، میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے سے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ انکی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں" (خروج ۲:۲۰) الۡکِتٰبَ توریت کا مراد ہونا ظاہر ہے۔ یہود برائے نام تو ہمیشہ توحید کے قائل رہے ہیں، البتہ دنیا پرستی میں مبتلا ہوکر عملاً اس راہ سے بار بار ہٹ جاتے تھے یہ عہد اسی پر ہو رہی ہے۔ ۵ (اور اسی طرح ہلاکتِ عام سے بچالیا تھا) سوائے اسرائیلیو! اس کو کہ یہ خطاب تمہیں سے ہے۔ ہم ہی نے اس ہلاکت عام کے وقت تمہارے مورثوں کو بچالیا تھا اور تم انہیں بچے ہوؤں کی نسل میں ہو۔ تم تو شکر گذری اور یاد رکھو۔ ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ یعنی ان کی کشتی کا طوفان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ذُرِّیَّۃً صیغۂ ندا کا ہے۔ ۶ وہ شکر گذار بندہ ہی ...

الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
جنہوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا تھا ۱۸۶ اور بیشک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اُس بارہ میں
الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ
قیامت کے دن فیصلہ کردیگا جس بارہ میں یہ اختلاف کرتے رہتے ہیں ۱۸۷ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف
رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم
بلائیے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجیے
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ
پسندیدہ طریقہ سے ۱۸۸ بیشک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے
عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ
بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت پانے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے ۱۸۹ اور اگر تم لوگ بدلا لینا چاہو
فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ
تو انہیں اتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ انہوں نے تمہیں پہنچایا ہے ۱۹۰ اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے
خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَ
حق میں بہت ہی اچھا ہے ۱۹۱ آپ صبر کئے رہیئے اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے ۱۹۲
لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾
اور آپ اُن پر غم نہ کیجیے اور ان چالوں سے جو یہ لوگ چلتے رہتے ہیں، تنگدل نہ ہوجیئے ۱۹۳
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ ۹ ۲۲
بیشک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ (رہتا) ہے جو تقوٰی اختیار کئے رہتے ہیں اور جو لوگ حُسنِ سلوک کرتے رہتے ہیں ۱۹۴

۱۸۶ (اپنے پیمبروں کی ہدایات و احکام سے) جُعِلَ السَّبْتُ۔ یعنی ان لوگوں پر اس روز کا تعطل تو بطور سزا عاید کیا گیا تھا۔ اصل دینِ ابراہیمی میں نہ تھا۔ السبت۔ ہفتہ کا ساتواں دن سنیچر یا شنبہ، جو شریعتِ یہود کی ایک مقدس دن تھا، جس میں ہر دنیوی مشغولیت سے احتراز واجب تھا۔ اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ فِیْہِ۔ یعنی احکامِ حُرمتِ سبت کے بارہ میں۔ ۱۸۷ یہ اختلافات خواہ آپس کے ہوں یا اپنے پیمبروں اور ہادیوں کی ہدایات سے۔ لَیَحْکُمُ۔ اس فیصلہ سے فیصلۂ عملی و مشاہد یعنی ترتبِ اجر و عذاب مراد ہے۔ ورنہ دلائل و شواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔ والمعنی انه تعالیٰ یحکم یوم القیمة المحقین بالثواب والمبطلین بالعقاب (کبیر) ۱۸۸ (جس میں شدت و خشونت نہ ہو) بِالْحِکْمَةِ۔ یعنی دلائلِ علمی کے ساتھ۔ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ یعنی ترغیب و ترہیب سے ان کے جذباتِ اعلیٰ ابھار کے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ یعنی جب بحث آہی پڑے تو شائستہ عنوان سے گفتگو کیجیے۔ ۱۸۹ (سو کس نے مانا اور کس نے نہ مانا، اس کا فیصلہ اللہ ہی پر چھوڑ دیجیے۔ آپ اس تحقیق میں نہ پڑیئے) ۱۹۰ (اور ان حدود سے آگے نہ بڑھو) انتقام کا وقت بھی نازک ہوتا ہے۔ مظلوم کا نفس جوشِ انتقام میں عموماً حد سے آگے بڑھ جاتا اور اب خود ظالم ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس اشتعال کے وقت جذبات پر قابو رکھنے کی باربار تاکید کی ہے، اور انتقام کو حدود کے اندر رکھنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ۔ خطاب اب محض رسول اللہ صلعم سے نہیں، عام اُمت سے ہے۔ شریعت میں عام فطرتِ بشری کا لحاظ کرکے انتقام لینا بالکل جائز رکھا گیا ہے ——— اور اس مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں مقامِ رخصت ہے۔ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ یہاں عقاب محض بہ طریقِ مشاکلت استعمال ہوا ہے ورنہ عقاب کے عام لغوی معنیٰ تو کسی جرمِ سابق پر سزا دینے کے ہیں۔ اسم علی سبیل الازدواج ... علی نهج المشاکلة (روح) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ الخ ترکیبِ کلام خود کہہ رہی ہے کہ بہتر اور افضل تو انتقام نہ لینا ہی ہے لیکن اگر اس پر نہ قدرت ہو اور مجرم کو سزا دینے ہی پر تُل جاؤ، تو اتنی احتیاط تو بہرحال ضروری ہے کہ سزا بس جرم ہی کے متناسب ہو۔ اُس سے زاید ہرگز نہ ہونے پائے ——— جیسے مریض سے طبیب کہتا ہے کہ بدپرہیزی اگر کرنا ہی ہے، تو فلاں مقدار سے زاید نہ کرنا۔ یعنی ان رغبتهم فی استیفاء القصاص فاقنعوا بالمثل ولا تزیدوا علیه (کبیر) هو لیل علی ان الاولی له ان لا یفعل (کبیر) ۱۹۱ (کہ اس سے خوب مراتبِ قربت بڑھتے ہیں) اس مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں عزیمت ہے ——— اسلام نے بالکل صحیح طور پر فطرتِ بشری کے مطابق اجازت تو انتقام لے لینے کی بھی دی ہے لیکن مقامِ بلند صبر و تحمل اور عفو و درگزر ہی کا ہے۔ متعدد مفسرین نے یہاں یہ لکھ دیا ہے۔ کہ یہ آیت آیتِ قتال سے منسوخ ہے لیکن جیسا کہ فخر المفسرین رازیؒ نے فرمایا، اور بالکل صحیح فرمایا، اس کو جہاد و قتال کے مسئلہ سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اس میں تو ایک اخلاقی تعلیم حُسنِ ادب کی، اور لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کرنے کی دی گئی ہے اور وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ وهذا فی غایة البعد لان المقصود من هذه الایة تعلیم حسن الادب فی کیفیة الدعوة الی الله تعالیٰ وترک التعدی وطلب الزیادة ولا تعلق لهذه الاشیاء بایة السیف (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ قصاص لینے سے بڑھکر مرتبہ عفو کردینے کا ہے۔ وقد دلت علی ان العفو عن الجانی افضل من استیفاء القصاص (جصاص) ۱۹۲ (جیسا کہ ہر شخص کا بھی صبر توفیقِ الٰہی ہی کے ہوتا ہے) مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ بدون توفیقِ الٰہی کوئی شخص نہ صبر کرسکتا ہے نہ اور کوئی طاعت یا حسنہ لیکن توفیق کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، گو نفسِ توفیق مشترک رہتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ توفیقِ الٰہی خاص اور زاید ہوتی ہے اور اُن کے اعمال میں مُوثر رہتی ہے۔ وَاصْبِرْ۔ یعنی آپ صبر کئے رہیئے، جیسا کہ اب تک بھی کئے رہے ہیں۔ اور آپ کیوں نہ کرتے، آپ تو عزیمت کے بلند ترین مقام پر سرفراز تھے۔ بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے لطف و توفیق سے۔ الا بعون الله وتوفیقه (کبیر) وقال غیر واحد الا بتوفیقه ومعونته (روح) ۱۹۳ (اور یقین رکھیے کہ ان کی یہ بڑی سی بڑی چالیں بھی آپ کو ضرر نہ پہنچا سکیں گی) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی ان کے حال پر زیادہ غم و تاسف نہ کیجیے۔ ۱۹۴ (پھر آپ تو تقویٰ و احسان دونوں کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر ہیں۔ آپ کو تو اللہ کی محبت سب سے بڑھ کر حاصل رہیگی) مَعَ الَّذِیْنَ الخ حق تعالیٰ کی معیت متقین کے ساتھ اس معنیٰ میں ہوتی ہے کہ وہ انہیں گناہوں سے بچاتا رہتا اور طاعتوں کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اور اپنی رحمت و فضل سے انہیں گھیرے رہتا ہے، ومعیته نصرته فالملوم (رعصمته فی المحظور) ... بالعون والنصرة ... معیة بالرحمة والفضل والرتبة (کبیر) والمراد بالمعیة الولایة الدائمة (روح) الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو احکامِ الٰہی کی پوری پوری تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس میں تعمیلِ احکام کی فضیلت کی جانب اشارہ ہوگیا۔ اشارة الی التعظیم لامر الله تعالیٰ (کبیر) الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو خلق کے ساتھ بہترین سلوک سے پیش آتے رہتے ہیں۔ اس میں مخلوقِ الٰہی کے ساتھ حُسنِ سلوک کی فضیلت کی جانب اشارہ ہوگیا۔ اشارة الی الشفقة علی خلق الله (کبیر) محققین عارفین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فنِ سلوک کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں۔ ایک امرِ الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلقِ الٰہی کے ساتھ شفقت۔ ذلک یدل علی ان کمال السعادة للانسان فی هذین الامرین اعنی التعظیم لامر الله تعالیٰ والشفقة علی خلق الله اور بعض صوفیہ نے اپنی زبان میں یوں کہا ہے کہ حضرت حق کے ساتھ معاملہ صدق اور خلق کے ساتھ معاملہ خُلق بس یہی طریقت کی معراج ہے۔ وعن بعض المشائخ قال کمال الطریق صدق مع الحق وخُلق مع الخلق (کبیر)

مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اس کے قبل کر چکے ہیں، اور ہم نے اُن پر کوئی زیادتی نہیں کی، بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کرتے رہتے ۱۸۰

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

پھر آپ کا پروردگار اُن لوگوں کے حق میں جو نادانی سے (کوئی) بُرا کام کر گزریں، پھر اُس کے بعد

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

توبہ کر لے اور اپنی حالت درست کر لے تو آپ کا پروردگار اس (توبہ) کے بعد بڑا

15 ع 21 لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۸۱، بیشک ابراہیمؑ بڑے مقتدا اللہ کے فرمانبردار (اور اُس کی طرف)

حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ

یک رُخ رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۱۸۲ (اللہ) کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار

اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ

(اللہ نے) اُن کو چن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا ۱۸۳ اور ہم نے دنیا

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

میں بھی انہیں بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو وہ صالحین میں ہیں ہی ۱۸۴

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلیے جو بالکل ایک رُخ کے تھے،

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى

اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۱۸۵ سبت (کا احترام) تو بس اُنہی لوگوں پر عاید کیا گیا تھا

۱۸۰ یعنی جو ماکولات یہود پر بطور سزا حرام کر دیئے گئے، اُن کے باب میں بھی حقیقۃً سارا قصور اُنہی کا تھا۔ زیادتی ہماری طرف سے ذرا بھی نہیں ہوئی، یہاں تک کہ صورۃً بھی۔ مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ۔ ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، آیت وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر کے حاشیے۔ ۱۸۱ (چنانچہ ان نادانوں نافرمانوں کے بھی قصوروں سے درگزر کر دیگا) ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا۔ یعنی حسبِ احکام وقواعدِ شرعی، ماضی سے متعلق توبہ اور حال سے متعلق اصلاح کر لے۔ لِلَّذِيْنَ عملوا ...... وَاَصْلَحُوْٓا۔ ملاحظہ ہوں سورۃ النساء، رکوع ۳ کے حاشیے۔ السُّوْٓءَ۔ اس کے تحت میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی برائی معصیت آگئی، یہاں تک کہ کفر و شرک بھی۔ ~~ھولفظ جامع لکل معصیۃ وید خل فیہ الافتراء علی اللہ وھی ابن عباس انہ الفواحش~~ (التفسیم اولی روح) مِنْۢ بَعْدِهَا۔ ضمیر توبہ واصلاح کی جانب ہے۔ ~~ای التوبۃ لکمال خیر واحد وعمل الاصلاح منذرجۃ فی التوبۃ~~ (روح) ثُمَّ تَابُوْا میں ثُمَّ تاکید اور زور کے لئے ہے ~~للتوکید والمبالغۃ~~ (روح) بِجَهَالَةٍ۔ ہر معصیت ونافرمانی کی آخری بنیاد اسی نافہمی ونادانی ہی پر تو ہوتی ہے۔ ~~التقیید بالجہالۃ لبیان الواقع لان کل من یعمل السوء لا یعمل الا بجہالۃ~~ (روح) ۱۸۲ (تو تم کس مُنہ سے اُن کی پیروی اور اُن کی نسل میں ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو، اے مُشرکینِ عرب!) تم تو ہر معاملہ میں اُن کی بالکل ضد ہو۔ وہ قانت و فرمانبردار تھے، تم نافرمان۔ وہ مومن حنیف، اللہ کی طرف یکسوئی سے لگے ہوئے اور ایک رُخ تھے، اور تم اُدھر سے منہ موڑے ہوئے، دُنیا طلبی پر گرے ہوئے۔ وہ مُوحّد تھے، تم مُشرک۔ تمہارے اُن کے درمیان رشتۂ اشتراک ہی کیا؟ اِبْرٰهِيْمَ۔ حضرت ابراہیمؑ پر حاشیہ سورۂ بقرہ، پ ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکا۔ اُمَّةً۔ یعنی اللہ کی عبادت وفرمانبرداری اور طاعات وحسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر۔ ~~ای کانہ لکمالہ جامع فی عبادۃ اللہ لغیرہ لانہ کان وحدہ امۃ من الامم لکمالہ فی جمیع صفات الخیر~~ (کشاف) ~~عن ابن عباس ای کان عندہ من الخیر ما کان عند امۃ وھی الجماعۃ الکثیرۃ~~ (روح) دوسرے معنی امام یا مقتدا کے ہیں، جو امورِ خیر میں بطور نمونہ کے کام دے۔ ابوعبیدہ لغوی نے یہی معنی لئے ہیں۔ اور مشہور صحابی عبداللہ بن مسعودؓ اور فراءؔ لغوی سے معلّمِ خیر کے معنی منقول ہیں۔ ~~الامۃ الامام وبہ فسر ابو عبیدہ~~ (تاج) ~~وقال الفراء کان امۃ ای معلما للخیر وبہ فسر ابن مسعود ایضا~~ (تاج) ~~امۃ بمعنی ماموم ای یؤمہ الناس لیاخذوا منہ الخیر~~ (کشاف) ~~فھو الامام الذی یقتدی بہ~~ (ابن کثیر) حَنِيْفًا۔ ہر مذہبِ باطل سے ہٹ کر دینِ حق کی طرف جُھکے ہوئے اور اس پر ثابت وقائم۔ ~~مائلا عن کل دین باطل الی الدین الحق غیر زائل عنہ~~ (روح) ۱۸۳ (چنانچہ اُنہی کے نقشِ قدم پر چلنے اور انہی کی ملّتِ حنیف اختیار کرنے میں آج بھی فلاح ونجات ہے) اِجْتَبٰىهُ۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ دنیا کے تین مشہور و زبردست مذہبوں کے آج بھی مُسلّم مقتدا وپیشوا ہیں ـــــ اسلام کے، یہودیت کے، نصرانیت کے۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ۔ کہاں وہ اتنے شکر گزار بندہ تھے، اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے۔ انعم۔ پر سوال یہ ہوا ہے کہ یہ تو جمع قلت ہے، پھر حضرت ابراہیمؑ پر تو بڑی کثرت سے نعمتیں نازل ہوئی تھیں، پھر اُن کے لئے یہ جمع قلت کیسے آئی؟ امام رازیؒ نے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اس جمع قلت کا تعلق تو شَاكِرًا، آپؑ کی شکر گزاری سے ہے۔ تو جب آپ قلیل نعمتوں تک کے شکر گزار تھے، تو پھر بڑی اور کثیر نعمتوں کی شکر گزاری کا پوچھنا ہی کیا؟ ~~المراد انہ کان شاکرا لجمیع نعم اللہ ان کانت قلیلۃ فکیف الکثیرۃ~~ (کبیر) ۱۸۴ آیت منجملہ دوسری آیات کے، اس باب میں نص قاطع ہے کہ دنیوی نعمتوں سے سرفرازی، مراتبِ اُخروی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ~~وھذا صریح فی ان الدنیا لاتنقص مقامہ فی العقبی~~ (روح) فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہو سکتی ہیں، سب حضرتؑ کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔ ـــــ مفسرین ہی نہیں، مؤرخین کا بیان بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اور صالح بھی کیسے؟ صالحیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز۔ صالحین کے سرور و سردار۔ ۱۸۵ (تو پھر اے مشرکو، تم اپنے کو طریقِ ابراہیمی کا پیرو کس منہ سے کہتے ہو؟) ثُمَّ اَوْحَيْنَآ الخ۔ ثم یہاں اظہارِ فضیلت کے لئے ہے یعنی علاوہ اُن فضائل کے، سب سے بڑی فضیلت انہیں ہم نے یہ دی کہ خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا۔ ~~فیہ تعظیم منزلۃ رسول اللہ صلعم واجلال محلہ والایذان بان اشرف ما اوتی خلیل اللہ ابراہیم من الکرامۃ واجل ما اولی من النعمۃ اتباع رسول اللہ صلعم ملتہ~~ (کشاف) اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ اور وہ طریقہ ابراہیم حنیف توحید کامل کا تھا ـــــ چنانچہ اب وہ طریقۂ ابراہیمی طریقۂ محمدی میں منحصر اور اسی کے مرادف ہو کر رہ گیا ہے۔ ~~والمراد من ملۃ ابراہیم التوحید ونفی الشرک~~ (معالم) حَنِيْفًا۔ سب سے یکسو، یک رُخ یعنی غیر اللہ سے رشتہ بالکل توڑے ہوئے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۲۔ مِلَّةَ۔ ابرٰھیم۔ حنیفًا۔ وما کان من المشرکین۔ سب پر حاشیے سورۂ بقرہ پ ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکے ہیں۔ سورۃ الانعام میں بھی اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت آچکی ہے۔ یہاں چونکہ رسولِ اسلام صلعم کو ملّتِ ابراہیمی ہی کی تجدید کا حکم مل رہا ہے، اس لئے حضرت ابراہیمؑ کی اس خصوصیت کو پھر دُہرا دیا ہے، کہ آپؑ کی ملّت بس توحید اور نفیِ شرک ہی کی تو تھی۔

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ

جائز اور ستھری دے رکھی ہیں اُن میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم (واقع میں) خاص

تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ

اُسی کی پرستش کرتے ہو ۱۷۶ اُس نے تو تم پر صرف مُردار اور خون اور

لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

سُور کا گوشت اور جس چیز کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، حرام کیا ہے لیکن جو کوئی بیقرار ہو جائے

غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ

نہ یہ کہ طالب لذت ہو، اور نہ یہ کہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو بیشک اللہ مغفرت والا ہے، رحمت والا ہے ۱۷۷

لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز

حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

حلال ہے اور فلاں حرام جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے ۱۷۸

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا

بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں

يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

پاتے، (سو) عیش چند روزہ ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۱۷۹

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ

اور جو لوگ دینِ یہود اختیار کئے ہوئے ہیں اُن پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے

۱۷۶ یعنی اگر خدا پرست اور توحید کے قائل ہو تو مشرکوں کی طرح اپنے دل سے فلاں فلاں چیز کو ناجائز و حرام مت ٹھہرالو۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی شریعت نے حلال کی ہیں، اُنہیں جائز ہی سمجھتے رہو اُنہیں اللہ کی نعمتیں سمجھ کر اُنہیں برتو، اور حق تعالیٰ کا شکر زبان سے اور عمل سے ادا کرتے رہو۔ ۱۷۷ خود اُس نے اپنی انہی صفات غفور و رحمت کے تقاضہ سے اس اضطرار کی حالت میں حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر ضرورت جائز کر دیا ہے) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الخ یہاں ذکر انہی چیزوں کا ہے، جن کی حِلّت و حُرمت مشرکینِ مکہ میں زیر بحث تھی۔ حدیث نبوی سے جو دوسری چیزیں حرام ثابت ہوئی ہیں، وہ اُن کے علاوہ ہیں۔ اِنَّمَا کا حصر محض اضافی ہے۔ یعنی حرام وہ چیزیں نہیں جنہیں تم نے اپنے دل سے حرام ٹھیرا لیا ہے۔ بلکہ حرام تو بس یہ چیزیں ہیں باقی جو چیزیں کسی دوسری دلیل شرعی سے حرام ٹھیرائی گئی ہیں، اُن سے یہاں کوئی تعرض ہی نہیں۔ ~~والحصر اضافی على ما قال الغير واحد ای انما حرم اكل هذه الاشياء دون ما تزعمون من البحائر والسوائب ونحوها (روح)~~ وَالْمَيْتَةَ۔ وَالدَّمَ۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ ان سب پر حاشیے پ ۸ سورۃ الانعام میں گزر چکے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ یعنی جو شخص بھوک اور فاقہ کی شدت سے نڈھال ہو جائے۔ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ۔ حاشیہ پ ۸ سورۃ الانعام میں گزر چکا۔ ۱۷۸ یعنی جب خدائی شریعت میں وہ مضمون ہے ہی نہیں جو تم بنا رہے ہو، تو تمہارا اُس کو خدائی شریعت کی جانب منسوب کرنا، اُسے خدا پر گڑھنا ہی تو ہوا۔ لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمْ۔ یعنی اس پر کوئی دلیل صحیح تو قائم ہے نہیں محض تمہارے زبانی دعوے ہی ہیں۔ ~~لِتَفْتَرُوْا لیس لبیان العاقبة~~ ~~ہے یعنی تمہارے اس قول کا حاصل یہی افترار علی اللہ ہے۔ واللام من التعليل الذی لا يتضمن معنى الغرض (کشاف) وقال ابن حیان هذا اللام ليس لام الغرض بل كل لام العاقبة (كبير) اللام لام العاقبة والصيرورة (روح) وَلَا تَقُوْلُوْا~~ ~~... حلال ... ترجمہ متن میں جو ترکیب اختیار کی گئی ہے، وہ کسائی نحوی اور زجاج نحوی کے قول کے مطابق ہے اور بہت سے مفسرین کی اختیار کردہ ہے لا تقولوا هذا حلال وهذا حرام لاجل وصف السنتكم الكذب الى هذا ذهب الكسائی والزجاج (روح)~~ ۱۷۹ ایسے مجرموں کو حقیقۃً فلاح و عافیت کہاں نصیب ہے، یہ عیش جو انہیں بظاہر نصیب ہو رہا ہے، تمامتر عارضی و فانی ہے، پلک جھپکتے آنکھ کھل جائے گی، اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔

بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ
آزمائش میں پڑچکے تھے ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو آپ کا پروردگار
ع ١٤ / ٢٠ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ
بیشک ان اعمال کے بعد بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے[۱۷۲]، (یہ جزا و سزا اس روز ہوگی) جس روز
نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا
عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
اور ان پر ظلم (ذرا) نہ کیا جائے گا[۱۷۳] اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان
قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا
کرتا ہے کہ وہ امن و اطمینان میں رہتے تھے اُن کے کھانے کا سامان بہ فراغت اُن کے پاس
رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا
ہر طرف سے آتا رہتا لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس پر اللہ نے
اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾
انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا بہ سبب اُن کے کرتوتوں کے[۱۷۴]
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ
اور اُن کے پاس ایک رسول بھی انہی میں سے آیا تھا سو اُس کو انہوں نے جھٹلایا، پس انہیں
الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
عذاب نے آپکڑا اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم تھے[۱۷۵] سو جو چیزیں تمہیں اللہ نے

۱۷۲ (جو مغفرت و رحمت تو نفس ایمان ہی پر مرتب کر دیتا ہے، پھر ان اعمال شاقہ کے امتحان سے گزرنے پر مغفرت و رحمت کے درجاتِ عالیہ و کاملہ کیوں نہ عنایت کر دیگا) لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ ہجرت سے مُراد ہجرتِ مدینہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن ہجرتِ حبشہ بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔ آزمائشوں سے کھلا ہوا اشارہ آغاز ظہورِ اسلام کے شدایدِ شاقہ کی جانب ہے۔ —— نفس ابتلا رکفر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جٰهَدُوْا۔ جہاد اپنے لغوی معنی میں ہر جہادِ نفس پر شامل ہے۔ قتال اصطلاحی ہی کا مُرادف نہیں۔ مِنْ بَعْدِهَا۔ ضمیر اعمالِ سابقہ مذکورہ یعنی آزمائش میں پڑنے اور ہجرت اور جہاد اور ثابت قدمی کی طرف ہے۔ ~~ای المذکور من الفتنۃ والھجرۃ والجھاد والصبر (روح)~~ سوال یہ اُٹھایا گیا ہے کہ سورۃ تو مکّی ہے، پھر اس میں ہجرت و جہاد کا ذکر کیسا؟ —— لیکن اوّل تو ابن عطیہ کی روایت میں ہے کہ آیت مدنی ہے (اور مکّی سورتوں میں مدنی آیتوں کی آمیزش کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ہیں) اور ہجرت سے مُراد ہجرت حبشہ تو بہ آسانی ہو ہی سکتی ہے، اور جہاد اپنے لغوی معنی (جد و جہد) میں۔ پھر ان سب کے علاوہ، صیغۂ ماضی سے اخبار مستقبل کی مثالیں بھی قرآن میں شاذ نہیں۔

۱۷۳ وہ وقت انصاف کامل کا ہوگا۔ دنیا کی طرح وہاں خیر و شر کو مخلوط اور حق و باطل کو باہم ملتبس رکھنے کی قطعاً حاجت نہ ہوگی۔ يَوْمَ ...... نَفْسِهَا۔ وہ گھڑی ایسی نفسی نفسی کی ہوگی کہ کسی کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کب ہوگی۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی گو زیادتی ہو جائے۔ اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی، گو کمی ہو جائے۔" (تھانوی) عَنْ نَّفْسِهَا۔ اس دوسرے نفس کے معنی عین یا ذات کے ہیں۔ اور پہلا نفس شخص کے مُرادف ہے۔ ~~یقال للجبل الشیء وذاته نفسه (کشاف) والنفس الجملة کما ھی فالنفس الاولی ھی الجملة والثانیة عینھا وذاتھا (کشاف)~~ تُجَادِلُ ~~مجادلہ یہاں عذر معذرت اور صفائی پیش کرنے کے معنی میں ہے ومعنی المجادلة عنھا الاعتذار منھا (کشاف)~~

۱۷۴ مثال سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفر و انکار کے نتائج اس دنیا میں بھی کیسے سخت اور ہولناک ہو سکتے ہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود نتائجِ کفر پر متنبہ کرنا ہے۔ اٰمِنَةً ...... بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا میں امن و فراغت سے رہنا سہنا اور کافی سامانِ معیشت بہم پہنچے رہنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، تحقیر کے نہیں شکریہ کے قابل۔ فَاَذَاقَهَا ...... يَصْنَعُوْنَ۔ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیوی نعمتوں کی ناشکری بھی عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ یہ ناشکری انہوں نے عقاید کفر و شرک کو اختیار کر کر کے کی۔

۱۷۵ (سو اے اہلِ مکّہ ڈرو، کہ کہیں تمہارا ابھی یہی حال نہ ہو جائے) تاریخ کا بیان ہے کہ یہ انجام واقع ہو کر رہا۔ اور فاذاقها الله لباس الجوع والخوف کی بات اہل مکّہ کے حق میں، اُن کے انکارِ رسولؐ کے پاداش میں، پوری ہو کر رہی۔ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ مکّہ میں قحط شدید پڑا۔ جانور مرنے لگے، آدمی جان سے گزرنے لگے۔ وَالْخَوْفِ۔ مکّہ بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سر نگوں ہوا۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ عذابِ الٰہی نے اُن کی گرفت عین اس حال میں کی، کہ وہ ارتکاب کفر و تکذیب میں مبتلا تھے۔ ~~ای حال التباسھم بالظلم وھو الکفران والتکذیب (روح)~~ مِّنْهُمْ۔ یعنی خود انہی کی جنس و قوم میں سے جس کے ایک ایک حال سے یہ خوب واقف تھے۔ ~~ای من جنسھم یعرفونه باصله ونسبه (روح)~~

١٦٧ اگر جو صادق اور سرتا سر صدق ہے، اُسے کاذب و مفتری بتا رہے ہیں، اور خالق کے کلام کو مخلوق کا کلام ٹھیرا رہے ہیں) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ یعنی پکے جھوٹے، اول نمبر کے لپاڑیے۔ الکاملون فی الکذب (کشاف) بعض محققین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ کذب ایک بدترین کبیرہ ہے۔ اِنَّما کے کلمۂ حصر کے ساتھ کذب کا ذکر آنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ کذب کا ارتکاب تو بس انہی لوگوں سے ممکن ہے جو سرے سے آیاتِ الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ~~فی هذه الآية دلالة قوية على ان الكذب من اكبر الكبائر وافحش الفواحش والدليل عليه ان كلمة انما للحصر والمعنى ان الكذب والفرية لايقدم عليها الامن كان غير مؤمن بآيات الله تعالى والامن كان كافرا وهذا تهديد في النهاية (کبیر)~~

الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ
جھوٹے ہیں ١٦٧ جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ
بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ تو

مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ
مستثنیٰ ہی ہے) لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا

اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا
اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہوگا ١٦٨ یہ اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی، اور اللہ کفر اختیار کرنے والے لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى
ہدایت نہیں کیا کرتا ١٦٩ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور

قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ
جن کی سماعت پر اور اُن کی بینائی پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور یہی لوگ تو

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ
(اپنے انجام سے بالکل) غافل ہیں ١٧٠ لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل ہی نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ
میں رہیں گے ١٧١ پھر بیشک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے بعد اس کے کہ (محنت)

١٦٨ ایمان کے بعد ارتداد کی سزا شریعت میں بہت ہی سخت ہے، اور بہت ہی سخت ہونا چاہیئے بھی ــــــ بغاوت سے بڑھ کر دنیا کے سارے قانون تعزیرات میں اور سنگین جرم کون ہے؟ اور بغاوت بھی وفاداری کے عہد و پیمان مؤکد کے بعد! مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔ رسالت سے انکار، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار، عقیدۂ حشر سے انکار، یہ سب بھی کفر باللہ میں آگیا۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ۔ یعنی اُسے ڈرا دھمکا کر یا مبتلائے عذاب کر کے اُسے زبان سے انکار پر مجبور کر دیا گیا ہو ــــــ ایسا شخص وعید سے مستثنیٰ ہے۔ اکراہ کے شرائط وغیرہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملیگی، باب الاکراہ میں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص قدرت رکھتا ہو وہ اگر قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے، تو کلمۂ کفر کا زبان سے تلفظ جائز ہو جائیگا لیکن جبکہ ڈرانے والا اس پر قادر نہ ہو، یا خوف صرف مار پیٹ کا دلایا جائے، تو یہ عذر کافی نہ ہوگا۔ ~~الاکراہ المبیح لذلک هو ان يخاف على نفسه او بعض اعضائه التلف ان لم يفعل ما امره به فابيح له في هذه الحال ان يظهر كلمة الكفر (جصاص)~~ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ دل ایمان پر مطمئن ہو یعنی عقیدہ میں فتور نہ آنے پائے اور دل سے اُس قول یا فعل کافرانہ کو بُرا سمجھے جائے۔ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا۔ یعنی وہ مذہب کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ چونکہ وسوسہ میں یہ شرح صدر نہیں ہوتا ہے اور نہ اپنے اُوپر اختیار ہی ہوتا ہے۔ اس لئے وسوسہ میں کوئی پہلو ذم کا نہیں۔ ١٦٩ یعنی اللہ کفر اختیار کرنے والوں پر زبردستی توفیقِ ہدایت نہیں چپک دیا کرتا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اللہ کا غضب و عذاب۔ اِسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ۔ استحبوا کے لفظ میں عزم و قصد شامل ہے۔ بس اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جو دُنیا کو عمداً و شعوراً آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دُنیا کی جس قدر محبت درجۂ طبعی میں ہے، اور عین مقتضائے بشریت ہے وہ اس حکم میں شامل نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ آیت حُبّ دنیا کے مذموم ہونے کے باب میں نص صریح ہے، جس طرح کہ اس باب میں کہ یہ حُبّ دنیا مذموم وہ ہے، جس میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہو۔ ١٧٠ اپنے اختیاری حُبّ دُنیا اور آخرت فراموشی کی بنا پر۔ طَبَعَ ...... اَبْصَارِهِمْ۔ دل اور کان اور آنکھ پر مُہر لگنے پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پارۂ اوّل) کے پہلے رکوع کے خاتمہ پر آچکا ہے۔ یہ مُہر لگنے کا عمل حق تعالیٰ کی طرف سے بطور تکوینی علت العلل کے ہوتا ہے، بندہ کے اختیاری کفر کے نتیجہ کے طور پر۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ یعنی پلے سرے کے غافل، غفلت میں حد سے گزر جانے والے۔ ~~ای الکاملون فی الغفلة الذین لا اغفل منهم (کشاف)~~ ١٧١ جس نے بیج سرے سے ڈالا ہی نہیں، وہ کھیت کاٹے گا کیا؟ آخرت تو صرف دارالجزاء کا نام ہے، جب دارالعمل میں کوئی عمل سرے سے ہوا ہی نہیں تو جزائے عمل کیسی؟

۱۶۱ (اے مدعیٔ نبوت ورسالت) وَاِذَا ...... اٰيَةٍ۔ مثلاً کسی آیت محکم کی تعمیم میں تخصیص پیدا کر دیتے ہیں، یا اس کے برعکس تخصیص میں تعمیم۔ نسخ آیات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ (پ ۱) میں مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا کے تحت میں گزر چکا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ۔ یعنی یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ مکلفین ومخاطبین کے اعتبار سے، کون سا حکم کس وقت مناسب ور پُر مصلحت ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ۔ یہ گو اس معاندین رسول کی ہوتی تھی۔ جب کبھی بھی وہ کوئی ایسا حکم سنتے جو اُن کے خیال میں کسی سابق حکم کے معارض ہوتا، تو چٹ یہی کہنے لگتے، کہ یہ کیا؟ یہ تو تم اپنے قصد وارادہ سے، اور اپنی مصلحتِ وقت دیکھ کر احکام میں ادل بدل کرتے رہتے ہو ــــــ گویا تبدیلی کا انتساب ایک انسان کی جانب تو ہو سکتا تھا، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اسکے ہونے کا کوئی امکان ہی نہ تھا! اتنی موٹی سی بات جس طرح ان جاہلین قدیم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، بہت سے جاہلین جدید کی بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اور یہ لوگ بھی محض ان "ترمیمات" کے وقوع سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا نہیں، انسان کا کلام ہے!

۱۶۲ (کہ اپنے غایت جہل ونافہمی سے احکام کے ارتقاء وترتیب کو دلیل سمجھ رہے تھے افترا کی) یہ "ارتقاء" مخاطبین، مکلفین کے فہم واستعداد کی نسبت سے کہا گیا۔

۱۶۳ رسول اللہ صلعم کو حکم مل رہا ہے کہ آپ حقیقت حال بیان کر دیجیے کہ یہ کلام جسے تم میرا فرض کر رہے ہو، حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے فرشتۂ مقرب جبریل امین، حکمتِ الٰہی کے مطابق میرے پاس لا رہے ہیں، اور اس ترتیب وتدریج میں ایک مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے قدم توحید پر اور زیادہ جمتے رہیں۔ اور اُن کی تربیت ایک خاص آئینِ حکمت کے مطابق ہوتی رہے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ۔ یعنی فرشتۂ جبریل۔ حاشیہ گزر چکا۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی آئینِ حکمت کے ماتحت و مطابق۔ ~~ای ملتبسًا بالحکمة (مدارک۔ بیضاوی)~~

۱۶۴ یہ ایک نو مسلم رومی نصرانی غلام تھا، انجیل وغیرہ سے واقف۔ رسول اللہ صلعم کی باتوں کو شروع ہی سے توجہ ودلچسپی کے ساتھ سنتا تھا، تو آپ بھی کبھی کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے، تو بس اتنی سی بات پر عقل کے دشمنوں کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو غلام تھے، جو مکہ میں شمشیر سازی کا کام کرتے تھے، اور توریت وانجیل بھی پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلعم ادھر سے گزرتے، تو وہاں رک جاتے بعض نافہموں نے ایک دن خود انہی سے پوچھ دیا کہ "کیا تمہی انہیں قرآن سکھاتے ہو؟" "وہ بولے" ہم بھلا انہیں سکھا سکتے ہیں۔ ہم تو خود ہی اُن سے سیکھتے ہیں۔" يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ۔ عجب کج فہم لوگ تھے۔ قرآن کے حیرت انگیز اثر، اس کے اعلیٰ مطالب، اس کی حکیمانہ تعلیمات، اس کی معجزانہ بلاغت کو دیکھتے، تو یہ کہہ اٹھتے کہ یہ ان صاحب کا کلام نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ضرور ہے۔ اور اب اُن کا حمق اس "کوئی نہ کوئی" کی تلاش کرنے لگتا۔ اور اس بدحواسی میں کبھی اس کا نام لے دیتے کبھی اُس کا! ہر طرف ٹھوکریں کھاتے رہتے، اور یہ نہ ہوتا کہ کبھی خود حق تعالیٰ ہی کا نام فرض کر لیتے! ــــــ ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے "روشن خیال" مستشرقین بھٹکتے رہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍۭ بَلْ

اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ بھیجتا رہتا ہے، تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم تو نرے گڑھ لینے والے ہو ۱۶۱

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

نہیں بلکہ ان میں سے زیادہ تر بے علم ہیں ۱۶۲ آپ کہہ دیجیے کہ اسے روح القدس نے

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

آپ کے پروردگار کے پاس سے حکمت کے موافق اتارا ہے، تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے حق میں

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

ہدایت وبشارت بن جائے ۱۶۳ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ

انہیں تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے ۱۶۴ (حالانکہ) جس شخص کی جانب اس کی ناحق نسبت

اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ

کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ کلام، تو فصیح عربی زبان (میں) ہے ۱۶۵ بیشک

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت (بھی) نہیں کرتا اور

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ

ان کے لئے عذاب دردناک ہے ۱۶۶ جھوٹ افتراء کرنے والے تو بس یہی لوگ تو ہیں

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ (پورے پورے)

۱۶۵ عرب کے اہل زبان سے خطاب ہے کہ قرآن مجید کی معنوی بلندیوں تک تمہارا ذہن اگر نہیں پہنچتا تو خیر لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اس کی معجزانہ فصاحت وحسن انشاء کا بھی تم کچھ لحاظ نہیں کرتے، اور اس بے انتہا بلیغ کلام کو منسوب ایسے شخص کی جانب کر رہے ہو، جو سرے سے اہل زبان تک نہیں! اعجمی وہ ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو خواہ نسلاً عرب ہی ہو۔ ~~قال ابو الفتح الموصلی ترکیب ع ج م وضع فی کلام العرب للابہام والاخفاء وضد البیان والافصاح (کبیر) قال الفراء واحمد بن یحیی الاعجم الذی فی لسانہ عجمة وان کان من العرب (کبیر)~~ ~~وقال ابو علی الفارسی الاعجم الذی لا یفصح سواء کان من العرب او من العجم (کبیر) الاعجمی فی لسانہ عجمة عربیا کان او غیر عرب (راغب)~~ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ۔ الحاد کے معنی راہِ حق وصواب سے ہٹ جانے کے ہیں، اور ملحد کو اسی لئے ملحد کہتے ہیں کہ وہ راہِ حق اور تمام ادیان سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ ~~یقول لحد والحد اذا مال عن القصد وقال الفارسی ... الملحد المائل عن الحق (کبیر) ... الملحد لانہ امال مذہبہ عن الادیان کلہا (کبیر)~~ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔ یعنی یہ کلام تو معجزانہ حد تک فصیح ہے۔ جسے ہر اہل زبان، مومن ہو یا منکر بین طور پر دیکھ سکتا ہے۔

۱۶۶ (آخرت میں) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی سے دیدہ ودانستہ منہ پھیرے رہتے ہیں۔ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں چپکا دیتا۔

۱۵۴ یعنی دُنیا کا سارا ذخیرہ اولاً تو وہ ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے اسریع الزوال کیسا ہے، آناً فاناً ختم ہو جانے والا۔ اور اجرِ آخرت اوّل تو بے حساب و بے نہایت، اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دائم، لازوال، غیر منقطع۔ موجودہ مہذب، دُنیا عقاید میں جس شے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوتی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور اُن کی اہمیت ہے۔ فسق و معصیت کی طرف لے جانے والی، اور تقویٰ و طاعت کی طرف سے بے پروا کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اسی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت صریح ہے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے باب میں۔ **۱۵۵** ترہیب و تخویف کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ترغیب و تشویق سے بھی کیسا کام لیتا رہتا اور ہر نیک کار کو جنت کا مشتاق کس کس طرح بناتا رہتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا۔ یعنی جو لوگ احکامِ دین پر قائم و ثابت قدم رہے اور اس کے لئے ہر کڑی جھیل لے گئے۔ صیغہ مخاطبہ سے یہ صیغۂ غائب کی طرف دفعۃً انتقال عربی کے مشہور و معلوم اسلوبِ بلاغت، طریقِ التفات کے مطابق ہے۔ ~~لَنَجْزِیَنَّ۔ ن ثقیلہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ نون العظمۃ (روح)~~ **۱۵۶** (اسی دنیا میں، جیسا کہ انبیاء و مومنین متقین کی پاکیزہ زندگیاں خود اس پر گواہ ہیں) مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو ایک بار پھر روشن کر دیا کہ اجرِ اعمال کے لحاظ سے عورت اسلام کی نظر میں مرد سے کم نہیں، اُس کے مساوی ہے۔ اور مشرک قوموں نے عورت کو حق تعالیٰ کی نظر میں جو ایک پست و حقیر مخلوق ٹھہرایا ہے، اُس کی پوری تردید ہو گئی ——— یہ تو ماضی کا قصہ تھا۔ لیکن کیا عجب ہے کہ جاہلیت جدید کسی دنیا کو اس عقیدہ کی جانب بھی لے جائے کہ نظامِ فطرت میں عورت نہیں بلکہ مرد پست و حقیر ہے، تو قرآن مجید کی یہ آیت اس وہم کی تردید کے لئے بھی کافی ہوگی۔ وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ یہ ایمان تو پہلی اور بنیادی شرط ہے عمل صالح کی۔ بغیر اس کے کوئی عمل صالح حقیقۃً صالح ہی نہیں، صرف صورۃً صالح کہا جا سکتا ہے۔ اہلِ سُنّت نے یہیں سے معتزلہ کے برخلاف یہ دلیل حاصل کی ہے، کہ عمل اور چیز ہے اور ایمان اور۔ ~~وھو دلیل علی ان العمل لیس من الایمان (مدارک)~~ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس بشارت سے یہ مراد نہیں کہ مومن صالح کو کبھی فقر یا مرض طاری نہ ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اُس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں صابر و شاکر اور تسلیم و رضا سے رہے گا اور سکون و جمعیت خاطر کی اصل یہی رضا ہے۔ **۱۵۷** (آخرت میں) گویا ایمان و عمل صالح یا مومنانہ زندگی کا ایک معاوضہ تو جس کا نام حیاتِ طیّبہ ہے، نقد اسی دنیا میں مل جائیگا۔ اور پھر دوسرا اور اس سے کہیں بڑا معاوضہ آخرت میں نصیب میں آئیگا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۵۵۔ **۱۵۸** (دل سے تو ضرور، اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ استعاذہ کی حقیقت ہے دل سے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا۔ اور اس کا یہ درجہ شریعت میں واجب ہے۔ اور زبان سے بھی کلماتِ استعاذہ کا دُہرانا مسنون ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ قرأتِ قرآن کے وقت شیطان کا دخل و تصرف یوں ہی بہت کم ہوتا ہے (بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں سے تو شیطان کے فرار کی تاثیر منقول ہے) تو جب ایسے خاص الخاص عمل میں استعاذہ ضروری ہوا، تو دوسرے اعمالِ صالحہ میں اس کی ضرورت جس درجہ کی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ الخ۔ مُراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے استعاذہ کر لے۔ یہ مراد نہیں کہ جب قرآن پڑھ چکے تو اس کے بعد استعاذہ کرے۔ ~~معناہ اذا قرأت فقدم الاستعاذۃ قبل القرآن حقیقۃ معناہ اذا اردت قراءۃ القرآن فاستعذ (جصاص) ای اذا اردت قراءۃ القرآن فعبر عن ارادۃ الفعل بلفظ الفعل لانہا سبب لہ (مدارک)~~ اور محاورۂ قرآنی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ مثلاً ان آیتوں میں ~~ولذا قلتم فاعدلوا واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ۔ وغیرہا۔ ان سب موقعوں پر ارادۂ فعل کو فعل کے قائم مقام کی حیثیت دی گئی ہے~~۔ **۱۵۹** یہ نص صریح ہے اس باب میں کہ اہلِ ایمان و اہلِ توکل پر شیطان کا وسوسہ مؤثر نہیں ہوتا۔ شیطان میں ہرگز قدرت اس کی نہیں کہ وہ بہ جبر کسی سے گناہ کرا سکے۔ یہ صاف اعلانِ الٰہی ہے کہ جب تک تم خود ہی شیطان کے دوست نہ بن جاؤ، اور اس کے وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینے لگو۔ وہ تم پر قابو پا نہیں سکتا۔ اور اس کے حملوں سے بچنے کا نسخہ ایمان کامل اور توکل راسخ ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے اس حدیثِ نبویؐ کو نقل کر کے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور نکلتا ہے، لکھا ہے کہ اس کا مشاہدہ جب جی چاہے کر لیا جائے۔ **۱۶۰** (کہ ان لوگوں کا طریق عمل ٹھیک اُن مومنین، متوکلین کے مقابل ہوتا ہے) وہ مومن یہ مشرک، اُن کی شان میں علٰی ربہم یتوکلون یہ الذین یتولونہ کے مصداق۔ ~~بِہٖ مُشْرِکُوْنَ۔ میں ضمیر واحد مذکر غائب حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ فیہ قولان الاول انہ راجع الی ربہم وکبیر جوز ان یکون الضمیر لہ تعالٰی شانہ وروی ذالک عن مجاہد (روح)~~ بعض نے ابلیس کی جانب بھی لی ہے۔ اور بہ کو من اجلہ کا مرادف قرار دیا ہے یعنی اُس کے سبب سے ~~انما الراجع من اجلہ مشرکون باللہ وھذا کما یقال صار فلان بک عالما ای من اجلک والقول الثانی انہ راجع الی الشیطان والمعنی بسببہ وکبیر اسے بسبب الشیطان واغوائہ ایاھم (روح)~~

اللّٰہِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَھُمْ
باقی رہنے والا ہے ۱۵۴ اور جو لوگ ثابت قدم رہے ہم اُن کا اجر انہیں ضرور دے کر رہیں گے
بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
جو کچھ وہ اچھے کام کرتے رہے ہیں اُس کے عوض میں ۱۵۵ نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا
مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً
مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اُسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی
طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا
عطا کریں گے ۱۵۶ اور ہم انہیں اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر
یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ
دیں گے ۱۵۷ تو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے
مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ
اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے ۱۵۸ اُس کا کچھ بھی قابو اُن لوگوں پر نہیں چلتا
عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾
جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ۱۵۹
اِنَّمَا سُلْطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ھُمْ
اُس کا قابو تو بس اُنہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُسے دوست بنائے رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ
بِہٖ مُشْرِکُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۳ ۱۱ ۱۹ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ
شرک کرتے رہتے ہیں ۱۶۰ اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بھیج دیتے ہیں

يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا

اللہ اسی سے تو تمہاری آزمائش کرتا رہتا ہے، اور (اُن کی حقیقت) تمہارے اوپر ظاہر کر دیگا قیامت کے دن، جن

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝٩٢ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے ۱۴۷ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ

بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٩٣ وَلَا

راہ دکھا دیتا ہے ۱۴۸ اور جو کچھ تم کر رہے ہو ضرور اس کے باب میں تم سے سوال ہو کر رہیگا ۱۴۹ اور اپنی

تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ

قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ، کہیں (کسی اور کا) قدم اس کے جمنے کے بعد

ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ

نہ پھسل جائے ۱۵۰ اور تم کو تکلیف بھگتنا پڑے بہ سبب اس کے کہ تم (دوسروں کے) مانع ہوئے

اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٩٤ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ

اللہ کی راہ سے، اور تمہیں بڑا عذاب ہوگا ۱۵۱ اور اللہ کے عہد کو (دنیا کے) تھوڑے نفع کے

اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

عوض میں نہ بیچ ڈالو ۱۵۲ بیشک اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے، اگر تم

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٩٥ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ

علم (صحیح) رکھتے ہو ۱۵۳ جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے پاس ہے

نہ یہ روز روز کے نئے نئے معاہدے ہوتے کہ آج پُر قوت فلاں قوم ہے، تو ساتھ اُس کا دے دیا گیا، اور قدیم مُعاہد قوم سے عہد توڑ لیا گیا۔ اور نہ اُس کے نتیجہ میں یہ روز روز کی جنگ اور بدامنی دُنیا پر مُسلط رہتی۔

۱۴۷ (اور مختلف راہیں اختیار کرتے رہے تھے) يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهٖ۔ بہ میں ضمیر یا تو فقرہ ان تکون امۃ الخ کی طرف ہے۔ یعنی ایک گروہ کی افزائش قوت و ثروت سے آزماتا ہے۔ اور یا یہ مراد ہو کہ اللہ اپنے اس امر و نہی سے تمہیں آزماتا ہے۔ ~~الضمير لقوله ان تكون امة [illegible]~~ يَبْلُوكُمْ۔ یعنی یہی آزمائش کہ دیکھیں کہ اب بھی پاسِ وفا کون رکھتا ہے، اور پلا جھکتے دیکھ کر کون دُوسری طرف خود ہی جھک جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عہد کے بعد نقضِ عہد اگر آسان اور مفید نظر آئے، جب بھی وفائے عہد لازم ہے۔ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ قیامت کے دن کا فیصلہ عملاً دعیاناً ہوگا، ورنہ دلائل کے لحاظ سے تو آج بھی ہو چکا ہے۔ ۱۴۸ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی، کہ کوئی گمراہ ہونے ہی نہ پائے، تو سب کو ایک ہی طریقہ پر لازمی طور پر چلا دیتا، اور مذہب و ملت کا کوئی اختلاف پیدا ہی نہ ہونے دیتا۔ لیکن اس کی حکمتِ بالغہ کو یہ تو منظور ہی نہیں۔ اس نے تو ہدایت و ضلالت کا قانون ہی دوسرا رکھا ہے۔ ۱۴۹ (سو تم کہیں جبریت کے فریب میں نہ آجانا، اور اپنے کو مجبور محض نہ سمجھ بیٹھنا۔ تم فاعل مختار اور اپنے افعال کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو تمہیں عقل شعور، ارادہ و اختیار سے سرفراز کیا گیا ہے، تم سے ایک ایک عمل کے بابت سوال ہوگا) ۱۵۰ (اور وہ دوسرے عہد شکنی میں تمہاری تقلید کرنے لگیں) وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ۔ وہ اس طرح کہ اپنے عہدوں اور قسموں کو توڑنا شروع کر دو ۱۵۱ ایک تو خود اپنی معصیت کے سبب سے، اور دوسرے اس لئے کہ دوسرے لوگ تمہاری ہی مثال دیکھ کر نقضِ عہد کے مُرتکب ہوئے —— اس عذاب سے، عذابِ آخرت مُراد ہے۔ وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ۔ السوء سے اس سیاق میں مُراد دنیوی مصیبتیں، قتل، اسیری، اجلاوطنی وغیرہ ہیں۔ ~~والمراد من السوء العذاب الدنيوي من القتل والاسر والنهب والجلاء وغير ذلك (روح)~~ السوء۔ لفظاً صیغہ واحد ہے۔ مُراد مجموعہ مصائب ہے۔ ~~مراعاة للمجموع واللفظ الجمع على الوجه الكثير (روح)~~ ۱۵۲ اجرِ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا کثیر ترین نفع بھی قلیل ہی ہے۔ یہ مُراد نہیں کہ دنیا کا نفع اگر کثیر ہو رہا ہو تو احکام کی خلاف ورزی جائز ہے، مُراد یہ ہے کہ اجرِ آخرت کو دنیا کے کسی معاوضہ پر بھی ہرگز فروخت نہ کر دینا۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ عہد اللہ سے مُراد رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر بیعت ایمانی ہے، جس کے اندر سارے ہی احکامِ شریعت آگئے۔ ~~المراد منه عهد كبيعة رسول الله صلعم على الايمان (روح)~~ ۱۵۳ (کہ اجرِ آخرت کیا قدر و قیمت رکھتا ہے) مَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجرِ آخرت۔ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ دنیا کی ہر لذت، ہر نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔

۱۴۰ یعنی اس کتاب اعظم سے نفع دنیوی و اخروی، مادی و روحانی، تو بس وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جو اس کے ماننے والے ہوں گے، جو پہلے اس کی تصدیق تو کریں۔ نہ ماننے والوں کے لئے اس کا وجود اس کے عدم کے برابر ہے —— پیدائشی نابینا کے لئے آفتاب ماہتاب کا عدم و وجود یکساں ہے۔ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ۔ کل شی سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جن کا تعلق اعتقاد اور عمل سے ہے یعنی دین و شریعت کے سارے اجزاء اجمالاً یا تفصیلاً اس کے اندر آگئے۔ یعنی بہ بیان کل شیء [illegible] الدین بالنص والدلالة (جصاص) [illegible] رسول اللہ صلعم نے جن دقائق احکام کی تشریح کی ہے، وہ سب کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے، اور اسی لئے نبی کا حکم بھی خدا ہی کا حکم سمجھا گیا ہے۔ [illegible] (جصاص) اور فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماع اور اجتہاد و قیاس فقہاء سے جو احکام و مسائل ثابت ہیں، وہ بھی سب اسی تبیان کتاب اللہ کے تحت میں داخل ہیں۔ [illegible] جمیع ذلک من تبیان الکتاب (جصاص) [illegible] الاحکام المنصوصة ظاہر وکذا ما ثبت بالسنة او بالاجماع او بقول الصحابة او بالقیاس لان مرجع الکل الی الکتاب (مدارک) ۱۴۱ یہ آیت شریف جہاں تک کہ تعلیمات اسلام کا تعلق ہے، قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیات میں ہے ایک معجزانہ ایجاز و جامعیت کے ساتھ اس کے اندر دین و شریعت کے اہم ترین احکام و نواہی دونوں آگئے ——

ع ۱۲/۱۸

بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۸۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ

اور بشارت ۱۴۰ بیشک اللہ عدل کا اور

الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ

حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے، اور کھلی برائی سے اور

الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

مطلق برائی سے اور ظلم (و سرکشی) سے ممانعت کرتا ہے وہ تمہیں (یہ) پند دیتا ہے اس لئے کہ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ

تم نصیحت قبول کرو ۱۴۱ اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم عہد کرچکے ہو ۱۴۲

وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَ قَدْ

اور قسموں کو بعد ان کے استحکام کے مت توڑو درآنحالیکہ تم

جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا

اللہ کو گواہ بناچکے ہو ۱۴۳ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ

تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا

تم کرتے ہو ۱۴۴ اور تم اس (عورت) کی طرح نہ ہوجانا جس نے اپنا سوت کاتنے پیچھے

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا

اسے تار تار نوچ ڈالا ۱۴۵ کہ تم بھی اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ

بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا

بنانے لگو اس غرض سے کہ ایک دوسرے سے گروہ بڑھ جائے ۱۴۶

احکام ایجابی بھی اور احکام سلبی بھی۔ کتاب اللہ کا وصف تبیانًا لکل شیءٍ ابھی ابھی بیان ہوا تھا۔ یہ آیت خود اسی "تبیانیت" کی بہترین مثال و نمونہ ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے عبد اللہ بن مسعود صحابیؓ اور قتادہ تابعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کے بیان کو اس آیت کے اندر اکٹھا کردیا ہے۔ اور کوئی عقیدہ، خُلق، نیت، عمل، معاملہ، اچھا یا برا ایسا نہیں، جو امراً یا نہیاً ایجاباً یا سلباً اسکے اندر نہ آگیا ہو۔ اور خود بھی آیت کو ہر طرح جامع احکام قرار دیا ہے۔ جمع فی هذه الآية ما يتصل بالتكليف فرضا ونفلا وما يتصل بالاخلاق والآداب عموما وخصوصا (کبیر) وعن ابن مسعود اجمع آية فی القرآن لخیر وشر هذه الآية وعن قتادة لیس من خلق حسن كان فی الجاهلیة یعمل ویستحب الا امر الله تعالٰی به فی هذه الآية ولیس من خلق سیئ الا نهی الله تعالٰی فی هذه الآية (کبیر) حضرات تابعین کے بھی خیال میں سارے دستور حیات کا ایک جامع و مکمل خاکہ اس آیت کے اندر آگیا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے وقت سے یہ آیت اہل سنت کے خطبات جمعہ میں داخل ہوگئی، تاکہ ہر ہفتہ متواتر امت کے کان اس صدائے حق سے آشنا ہوتے رہیں۔ اور اس وقت سے آج تک یہ آیت امت کے خطبات جمعہ کا جزو بنی ہوئی چلی آرہی ہے۔

بِالْعَدْلِ۔ عدل سے مراد ہے قوائے علمی و عملی میں اعتدال و توسط۔ عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات کے سارے شخصی ماثورات اس کے اندر آگئے۔ ای بالتوسط فی الامور اعتقادا وعملا وخلقا (بیضاوی)

الْاِحْسَانِ۔ احسان سے مراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک متعدی ہے۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے ان کا ذکر الگ کرکے کیا گیا۔ اور اسی میں اپنے اعمال و طاعات کو بہترین انداز سے ادا کرنا بھی آگیا۔ ای احسان الطاعات وهو اما بحسب الكمية او بحسب الكيفية (بیضاوی) ای احسان الاعمال والعبادة والاتیان بها علی الوجه اللائق وهو اما بحسب الكيفية او بحسب الكمية (روح) وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی۔ یہ اسی احسان کی اہم ترین و افضل ترین شکل ہے۔ ای اعطاء الاقارب ما یحتاجون الیه (بیضاوی) ان تین ماثورات کے مقابل منہیات بھی تین ہی ہیں۔ عَنِ الْفَحْشَآءِ۔ فحشاء۔ ایسی برائی ہے جو کھلی ہوئی اور صریح ہے، یعنی علانیہ، پبلک میں کی جاتی ہے، اس کے تحت میں وہ سب برائیاں آگئیں، جو قوت شہویہ کی افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ عن الفحشاء عن الافراط فی متابعة القوة الشهوانية (بیضاوی) ای الافراط فی متابعة القوة الشهوية (روح) وَالْمُنْكَرِ۔ منکر عام ہے ہر ایسے امر کو جو شعائر اسلامی سے باہر ہو۔ اس کے تحت میں وہ سب معاصی آگئے جو قوت غضبیہ کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ما ینکر علی متعاطیه فی اثارة القوة الغضبية (بیضاوی) ما ینکر علی متعاطیه من الافراط فی اظهار القوة الغضبية (روح) وَالْبَغْیِ۔ بغی وہ ظلم و سرکشی ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے۔ اس کے ماتحت وہ سب حرکتیں آگئیں، جو قوت وہمیہ کے غلبہ و افراط سے ظاہر ہوتی ہیں۔ الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیهم (بیضاوی) ای الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیهم وهو من آثار القوة الوهمية (روح) لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ اس وعظ سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے میں تذکر و تنبہ پیدا کرو۔ [illegible] من هذا الوعظ ان یقع واحصل تحصیل ذلك التذكير (کبیر) [illegible] تنبهوا (روح)

۱۴۲ (خواہ صراحۃً خواہ دلالۃً والتزاماً) بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ اس کے عموم میں ہر وہ عہد آگیا، جو شریعت کے موافق ہو، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو خواہ حقوق العباد سے متعلق ہو۔ اس کے اطلاق سے باہر صرف وہ عہد رہ جاتے ہیں، جو خلاف شریعت ہیں۔ [illegible] (کبیر) ۱۴۳ (ان معاہدات کا، انہی قسموں کے ذریعہ سے) بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا۔ اللہ کا واسطہ درمیان میں لاکر معاہدہ اور مؤکد و مستحکم ہوجاتا ہے۔ ای بعد توثیقها بذکر الله (بیضاوی) ۱۴۴ (اور معاوضہ بھی ہر صورت میں اسی کے مطابق دیگا) [illegible] (کبیر) وفاء عہد کے کرنے اور نقض عہد سے بچنے کی پوری تاکید اس تنبیہ میں آگئی۔ ۱۴۵ (کہ کہیں تم بھی اس کی طرح اپنی قسموں کو، ان کی پختگی کے بعد توڑ ڈالنے لگو) روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ میں ایک دیوانی عورت تھی۔ دن بھر مشقت سے سوت کاتتی، اور پھر بیدردی سے اپنے ہاتھ سے تکابوٹی کرڈالتی۔ اولین مخاطبین قرآن اس سے خوب واقف تھے۔ اس کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ کہیں تم اپنا حال اس کا سا نہ کرلینا۔ ۱۴۶ (کثرت یا ثروت میں یا اور کسی اعتبار سے) اَرْبٰی کے معنی ہیں کہ عدد یا مال میں بڑھ جائے۔ [illegible] (کبیر) یعنی مثلاً کافروں کے دو گروہوں میں باہم مخالفت ہوئی، اور تمہاری ایک فریق سے صلح ہے لیکن تم نے پلّا دوسری طرف جھکتا ہوا دیکھا، تو تمہیں بھی خیال آیا کہ اس پہلے گروہ سے ٹوٹ کر اسی دوسرے کے ساتھ ہولیا جائے —— یہ صورت شریعت کی نظر میں ممنوع اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ۔ کہ اس عہد شکنی اور حلف کی خلاف ورزی سے دوستوں میں بے اعتباری و بدطینتی اور دشمنوں میں ناگواری۔ دَخَلًا۔ دخل کے معنی دغل کی طرح فساد اور چھپی ہوئی عداوت کے ہیں۔ الدخل کنایة عن الفساد والعداوة المستبطنة کالدغل [illegible] بَعْدِ قُوَّةٍ۔ یعنی اس سوت کو خوب مضبوطی سے بٹ چکنے کے بعد [illegible] فتلا شدیدا لان العرب تسمی [illegible] (جصاص) [illegible] (بیضاوی) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی عہد یا عبادت کو اپنے اوپر لازم کرلینے کے بعد پھر اسے پورا نہ کرنا، سوت کات چکنے کے بعد اسے نوچ ڈالنا ہی ہے۔ فی عقد علی نفسه عهدا او اوجب قربة او دخل فیها ان لا یتمها لانه یکون بمنزلة التی نقضت غزلها بعد قوته (جصاص) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ نفلی عبادت بھی شروع کرچکنے کے بعد اسے اتمام تک پہنچانا واجب ہوجاتا ہے [illegible] (جصاص) فرنگی قوموں نے قرآن مجید کی صرف اسی ہدایت پر عمل کرلیا ہوتا، تو آج دنیا کا نقشہ کتنا مختلف اور کتنا زیادہ پرامن ہوتا۔

۱۳۶ؔ (تم حقیقۃً تو پرستار صرف اپنے نفس اور اپنی ہوا و ہوس کے تھے، اور اپنی پرستاری کو منسوب ہماری جانب کر دیتے تھے) شُرَكَآءَهُمْ ۔ شُرَكَآؤُنَا ۔ شریکوں، سے مراد اُن کے وہی دیوی دیوتا، ٹھاکر وغیرہ ہیں، جنہیں یہ شریکِ خدائی سمجھا کرتے تھے۔ ۱۳۷ؔ (اور جتنے سہارے اپنے عقاید باطلہ کی بنا پر قایم کر رکھے تھے اُن میں سے کوئی بھی اُن کے کام نہ آئے گا) وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ ۔ یہ اطاعت اور خوشامد کی راہ اس وقت اختیار کریں گے، جب اپنے کو ہر طرح مجبور و مضطر پالیں گے ——— آخرت میں اُن کا یہ طریق استسلام و اطاعت دنیا کے ٹھیک طریق استکبار و اعراض کے مقابل ہوگا۔ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ افترا پردازی یہی، کہ ہمارے یہ معبود ہمیں بچالیں گے، ہمارے کام آجائیں گے۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ ۔ یہی چیزیں تو سب اُن سے بالکل گُم ہو جائیں گی۔ ان خیالات و اوہام کی واقعیت کا کہیں شائبہ بھی نہ ملے گا۔ ای بطل ما کانوا یأملون من ان الھتھم تشفع لھم عند اللّٰہ تعالیٰ (کبیر)

۱۳۸ؔ پہلی سزا ابتلائے کفر رہنے پر ہوگی، اور دوسری سزا دوسروں کے مبتلائے کفر کرنے پر ملیگی۔ ای زادوا علی کفرھم صدھم غیرھم عن الایمان فھم فی الحقیقۃ ازدادوا کفرا علی کفر فلا جرم یزیدھم اللّٰہ تعالیٰ عذابا علی عذاب (کبیر) فَوْقَ الْعَذَابِ ۔ یہ عذاب تو وہی کفر والا ہے۔ المستحق بکفرھم (بیضاوی) زِدْنٰهُمْ عَذَابًا بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۔ یہ زاید عذاب سزائے اضلال و اغوا رہوگی۔ بکونھم مفسدین بصدھم (بیضاوی)

۱۳۹ؔ یعنی آپ کی شہادت عالمگیر ہوگی سب کے مقابلہ میں حجّت ہوگی ——— شہادت تو ظاہر ہے کہ آپ بھی اپنی ہی اُمت کے متعلق دینگے لیکن آپ کی اُمّتِ دعوت تو ساری انسانی آبادی ہے، اس لئے قدرۃً آپ کی شہادت بھی عالمگیر ہی ہوگی۔ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۳۲ؔ ۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ لفظ عام ہے۔ یہ گواہ یا پیمبر اُن اُمتوں کے خواہ ہم نسب ہوں، یا ہم وطن ہوں۔ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۔ هٰؤُلَاءِ سے عام طور پر مُراد اُمّتِ محمدیؐ سے لی گئی ہے۔ ای امتک (بیضاوی، مدارک) ای الذین بعثت الیھم (مدارک) بعض نے هٰؤُلَاءِ سے مُراد انبیاء سابقین کو بھی لیا ہے یعنی آنحضور صلعم اُن سب انبیاء علیہم السّلام پر گواہ ہیں لیکن محققین نے اس قول کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ واما حمل ھؤلاء الشھداء علی الانبیاء فبعید (کبیر) فِي كُلِّ اُمَّةٍ ۔ امۃ سے مُراد ہر دَور (قرن) یا جماعت ہے۔ والمراد بالامۃ عبارۃ عن القرن والجماعۃ (کبیر)

شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ

تو بول اُٹھیں گے اے ہمارے پروردگار یہی ہیں ہمارے وہ "شرکاء"

كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ

جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہتے تھے پھر وہ (شرکاء) اُن کی طرف مخاطب ہو کر

اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ

کہینگے کہ تم (بڑے) جھوٹے ہو ۱۳۶ؔ اور (مشرکین) اُس روز اللہ سے صلح (و اطاعت) کی طرح ڈال

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

چلیں گے، اور جو کچھ وہ افترا پردازیاں کرتے رہتے تھے وہ سب اُن سے غائب ہو جائینگی ۱۳۷ؔ جو لوگ کفر

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ

بڑھا دینگے بعوض اُن کے فساد کے ۱۳۸ؔ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے)

كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ

جس دن ہم ہر اُمت سے ایک ایک گواہ انہی میں سے اُٹھائیں گے اور

جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ

ان (سب) لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ۱۳۹ؔ اور ہم نے آپ پر کتاب اُتاری ہے

الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّ

ہر بات کو کھول دینے والی اور مسلموں کے حق میں ہدایت اور رحمت

الثلثۃ

۱۲۸ؔ (مثلاً غار کہ سردی گرمی سے، بارش سے، دشمن سے، جنگلی جانوروں سے سب ہی سے پناہ کا کام دیتے ہیں) مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا ۔ درختوں کے عمارتوں کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے سایہ
سے انسان کا آسائش اُٹھانا بالکل ظاہر ہے۔ ۱۲۹ؔ یہ سب اللہ کی مختلف نعمتوں ہی کی تفصیل ہو رہی ہے۔ سَرَابِيْلَ ۔ سربال کا لفظ عام ہے ہر قسم کے پیراہن کے لئے۔ القمیص من
ای جنس راغب یہاں اس قمیص یا بالائی جسم کی پوشش کی دو خاص قسمیں ارشاد ہو رہی ہیں۔ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ ۔ ایک وہ پوشش جو موسم کی سختیوں سے جسم کو محفوظ رکھے

مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ
پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں ۱۲۸ؔ اور تمہارے لئے (وہ) پیراہن بنائے
تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ
جو تمہاری حفاظت گرمی سے کرتے ہیں اور (وہ) پیراہن جو تمہاری حفاظت (تمہاری آپس کی) جنگ میں کرتے
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ
ہیں ۱۲۹ؔ (اللہ) اسی طرح اپنی نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو ۱۳۰ؔ لیکن اگر یہ
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ
رُوگردانی کئے رہیں تو آپ کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۱۳۱ؔ یہ لوگ اللہ کی
نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۱ ۱۷
نعمتوں کو پہچانتے ہیں اور پھر اُن سے انجان ہو جاتے ہیں اور اکثر تو اُن میں کے کافر ہیں ۱۳۲ؔ
وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا
اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر اُمّت میں سے ایک گواہ پھر کافروں کو
يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ
نہ اجازت دی جائے گی ۱۳۳ؔ اور نہ اُن سے (اللہ کو) راضی کرنے کی فرمائش کی جائیگی ۱۳۴ؔ اور
اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ نہ اُن سے ہلکا کیا جائے گا،
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
اور نہ اُنہیں مہلت دی جائیگی ۱۳۵ؔ اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھیں گے

سردی کو چھوڑ کر یہاں صرف گرمی کی تخصیص کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سردی سے حفاظت کا ذکر کچھ ہی اُوپر آچکا ہے لکم فیھا دفء اور دوسری بات یہ ہے کہ مخاطبین اوّل عرب تھے اور عرب میں لباس کی اصلی ضرورت ظاہر ہے کہ بادِ سموم کی تند لپٹ اور آفتاب گرم کی کڑی کرنوں ہی سے بچنے کے لئے ہے۔ قال عطاء الخراسانی المخاطبون بھذا الکلام ھم العرب وبلادھم حارۃ فکانت حاجتھم الی ما یدفع الحر فوق حاجتھم الی ما یدفع البرد (کبیر) سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۔ پوشش کی دوسری قسم سے مراد ہیں جنگی پیراہن، زرہ، جوشن وغیرہ۔ ۱۳۰ؔ (کم سے کم ان نعمتوں ہی کے اعتراف میں) ان نعمتوں میں سے بعض تو کھلی ہوئی، بالکل قدرتی اور غیبی ہیں، اور دوسری جو انسانی صنّاعی اور دستکاری کی رہین منّت ہیں، اُن کا بھی مادّہ تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا، اور اُن کے بارہ میں انسان کو جو سلیقہ ترتیب و ترکیب ملا ہے، وہ بھی تو عطیۂ الٰہی ہی ہے۔ ۱۳۱ؔ (تو آپ اِن کے لئے غم و تردّد میں ہرگز نہ پڑیں) فَاِنْ تَوَلَّوْا ۔ ف سے اشارہ اِدھر ہو گیا، کہ وضوح دلائل کے بعد بھی اگر یہ توحید و ایمان سے برگشتہ رہیں۔ صیغہ مخاطب سے غائب کی طرف انتقال صنعت التفات میں سے ہے جس کا ذکر کئی بار آچکا ہے۔ ۱۳۲ؔ (جو زبانی بھی اقرارِ توحید نہیں کرتے، بلکہ سرے سے منکرِ حق ہیں) ای الجاحدون غیر معترفین (کشاف) يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ۔ یہ معذور بھی نہیں، کہ سرے سے اللہ کی ان نعمتوں کو پہچان ہی نہ سکے ہوں۔ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا ۔ یعنی یا اپنی عملی زندگی میں اللہ منعم حقیقی کی طرف سے انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں۔
۱۳۳ؔ (کہ اب کچھ عذر و معذرت پیش کر سکیں) مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ۔ یہ گواہ اُسی امت کا رسول ہوگا۔ یہ گواہ شہادت دیگا کہ میں نے تمام احکام کی تبلیغ پُوری پُوری کر دی تھی، اس پر بھی اُمّت منکر و باغی رہی۔ اُمَّةٍ ۔ اُمّۃ سے مُراد ظاہر ہے کہ اُمّت دعوت ہے یعنی وہ قوم جو نبی کے پیام کی مخاطب رہی۔ یہ مُراد نہیں کہ جنہوں نے اُس پیام کو قبول بھی کیا۔ ۱۳۴ؔ اور وجہ بالکل ظاہر ہے۔ آخرت صرف دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔ ۱۳۵ؔ (کہ عذاب شروع ہی کچھ دیر بعد کیا جائے، یا یہ کہ وہ لوگ اس درمیان میں کچھ سعی و تدبیر کر لیں) اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔ ظالم سے مُراد کافر ہیں یعنی اپنے حق میں ظلم کرنے والے۔ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ ۔ یعنی جب وہ عذاب اُن پر آپڑیگا۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ ۔ ذرا بھی کمی نہ کی جائیگی، چاہے وہ کتنا ہی روئیں، پیٹیں، چلّائیں،

۱۲۳ (یہ خیال کرکے کہ اُس نے اِن آلات کے ذریعہ سے تمہاری بے علمی علم سے بدل دی) جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۔ سماعت اِس لئے دی کہ حق تعالیٰ کے احکام سنو۔ آنکھیں اس لئے دیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے نمونے مشاہدہ کرو۔ اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس، اور اس پر غور و تدبر کرو۔ جَعَلَ لکم السمع لتسمعوا مواعظ اللہ والابصار لتبصروا دلائل اللہ والافئدۃ لتعقلوا عظمتہ اللہ [illegible] السمع والابصار والافئدۃ۔ سماعت اور بصارت کی تخصیص شاید اس لئے کہ آلاتِ علم و ذرائع معرفت میں اہم ترین یہی دو ہیں۔ اور دل کی تخصیص اس لئے کہ حواس ظاہری و باطنی سب اسی کے تابع ہیں۔ وجعل لکم [illegible] یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جعل لکم السمع والابصار کو [illegible] کیوں لایا گیا ہے۔

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

پیٹ سے نکالا اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے سماعت اور

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ

بینائی اور دل پیدا کئے تاکہ تم شکرگزار بنو ۱۲۳ کیا

يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا

ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں (قدرت کے) مسخر ہیں، انہیں

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

کسی اور نے نہیں تھام رکھا ہے بجز اللہ کے ۱۲۴ بیشک اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ایمان

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

والوں کے لئے ۱۲۵ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر وجہ سکون بنائے اور

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا

تمہارے لئے جانوروں کے کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا

اور اپنے مقام کے دن ہلکا پاتے ہو ۱۲۶ اور اُن کے اُون اور

وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

اُن کے روئیں اور اُن کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں ۱۲۷

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے

۱۲۴ یعنی اُس صانعِ مطلق ہی نے ان کا جسم اس شکل وضع کا بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے، ہوائے لطیف و رقیق میں دَوڑتے پھرتے ہیں۔ آیت میں ضمناً پرند پرستی کی بھی تردید آگئی یعنی یہ پرند غریب معبود ہونے کی صلاحیت تو کیا رکھتے، اپنے کو ہوا میں سنبھال بھی نہیں سکتے بغیر اذنِ خداوندی کے ـــــــ مشرک قوموں نے پرندوں تک کو بھی بغیر معبود بنائے نہیں چھوڑا ہے۔ باز، شِکرا، اُلّو، مور بہت سے پرندوں کی پرستش ہو چکی ہے، اور نیل کنٹھ وغیرہ کا تقدس تو آج بھی ہندوستان میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۲۵ (حق تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور ربوبیت کی)

۱۲۶ (اور اس لئے سفر میں اُن کا لادنا، اُکھاڑنا، نصب کرنا سب سہل معلوم ہوتا ہے) جعل لکم من بیوتکم سکنا۔ یہ حالتِ حضر کا ذکر ہے، اور اس کے معاً بعد خیموں کی سفری زندگی کا بیان ہے، ـــــــ گویا انسانی معاشرت کی دونوں حالتوں کی مکمل تصویر آگئی۔ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا ۔ یہ اینٹ اور پتھر اور مٹی، اور چونے اور لکڑی کے گھر، بیشتر انسانی آبادی کے مسکن، انسان کے لئے راحتِ قلب وسکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں، اس کی قدر کوئی اُس غریب سے پُوچھے، جو بیچارہ بے گھرا ہو، اور اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان بھی نہ رکھتا ہو! ـــــــ جس طرح ہم بچپن سے کپڑے پہنے رہنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہمیں اُن کا وزن تک نہیں محسوس ہوتا، اسی طرح مکان بھی چونکہ چھوٹا بڑا، کوئی نہ کوئی، اپنی حیثیت وبساط کے لائق ہم میں سے ہر شخص رکھتا ہے، اس لئے اس کا پُورا اندازہ ہی نہیں ہونے پاتا کہ مکان ہے کتنی بڑی نعمت۔ ـــــــ یہ قرآن مجید ہی کا کام تھا جو اُسے وجہِ سکون وباعثِ تسکین پکار کر کہہ دے۔ مِنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا ۔ یہ سفری مکان یا خیمے ڈیرے عموماً چرمی اور پوستینی ہوا کئے ہیں۔ تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۔ یہ خیمے ڈیرے محض تعیش کا سامان نہیں اور صرف شکار وغیرہ تکلفات ہی کے کام میں نہیں آتے، بلکہ دنیا کی ایک خاصی بڑی آبادی کا مستقل مسکن بھی ہیں ـــــــ عرب اہلِ بادیہ نے جس طرح نسلوں پر نسلیں خیموں ڈیروں ہی میں گزار دیں، کسی پر مخفی نہیں۔ یہود کی بھی قدیم عبری نسل مدتوں خیمہ بدوش رہی۔ آج بھی دنیا کی نیم وحشی "خانہ بدوش" قوموں سے اکثر کا، اور بڑی سی بڑی متمدن قوموں کے ایک خاصے حصہ کا گزر خیموں ہی پر رہا کرتا ہے ـــــــ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ توریت میں بھی خیموں ڈیروں کے حوالے کثرت سے آئے ہیں۔ ۱۲۷ اس کے اندر کمّل، دُھسّے، شال، دوشالے، کملیاں، جُوتے، کوڑے، موزے، تھیلے، تھیلیاں، مشکیزے، بکس، بیگ، پیٹیاں، گھوڑے کی کاٹھیاں اور ساز، اور ہر قسم کا چرمی اور ریشمی سامان آگیا۔ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا ۔ متاع کا مفہوم اثاث سے وسیع تر ہے اور سامانِ تجارت، اسبابِ آرائش وزینت وغیرہ سب پر شامل ہے۔ اور امام رازیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ اثاث تو وہ ہے جو انسان کی پوشش اور دوسری ضروریات میں کام آتا ہے، اور متاع وہ سامان ہے جن سے مکانوں میں فرش اور زینت کا کام لیا جاتا ہے۔ الاثاث [illegible] المتاع ما یفرش فی المنازل ویتزین بہ (کبیر) آیت سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بال، کھال وغیرہ کا انتفاع مردہ جانوروں سے بھی جائز ہے۔ فیہ دلالۃ علی جواز الانتفاع [illegible]۔

ف۱۱۵ (جب اور جس طرح چاہے، کوئی اُس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں) ف۱۱۶ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو جب مالک مجازی و مملوک مجازی مساوی نہیں ہو سکتے، جو اپنی اصل و خلقت کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں، اور باہم فرق محض اعتباری و اضافی رکھتے ہیں، تو مالک حقیقی و مملوک حقیقی کیونکر یکساں و مساوی ہو سکتے ہیں۔ جن کے درمیان کوئی شے بطور قدر مشترک ہی نہیں۔ هَلْ يَسْتَوٗنَ ذکر ایک ہی صفات کے لوگوں کا ہو رہا ہے۔ مقصود یہاں دو فرد نہیں، بلکہ ان متضاد صفات کے کُل اشخاص ہیں۔ ایک ایک طرف، دوسرے دوسری طرف ——— صیغہ بھی اسی لئے بجائے تثنیہ کے جمع کا آیا ہے۔ ف۱۱۷ (نہ کہ اصنام اور معبودانِ باطل کے لئے) کامل الذات والصفات اور مستحق عبادت وہی ایک ہے۔ اور نعمتوں کے دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ~~ہو الحقیق بالحمد~~

رَزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ
جسے ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا
جَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
ہے ۱۱۵ کیا ایسے لوگ باہم برابر ہو سکتے ہیں ۱۱۶ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ۱۱۷ لیکن اکثر ان (مشرکین)
لَا يَعْلَمُوْنَ ۷۵ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ
ہیں سے علم ہی نہیں رکھتے ۱۱۸ اور اللہ (ایک اور) مثال بیان کرتا ہے، کہ دو شخص ہیں ایک اُن میں سے
اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ
گونگا ہے کسی چیز پر قادر نہیں اور وہ اپنے مالک پر وبالِ جان ہے
اَيْنَـمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ
اور وہ جہاں اُسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا ۱۱۹ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر
وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۷۶ ع ۱۰
ہو سکتے ہیں، جو اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہو اور وہ خود سیدھے راستے پر ہے ۱۲۰
وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ
اور اللہ ہی کے لئے (خاص) ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں ۱۲۱ اور قیامت کا معاملہ
السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بھی ایسا ہوگا جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر بیشک اللہ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۷۷ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ
ہر چیز پر قادر ہے ۱۲۲ اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے

~~دون ما یعبدون من دونه اذ لا نعمة للاصنام علیهم فهم لا یستحقون الحمد (بحر)~~ ف۱۱۸ (اور شرک سے باز نہیں آتے) اَكْثَرُهُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مشرکین کی جانب ہے۔ ان لوگوں کا عدمِ علمِ حقیقت چونکہ عدمِ تدبر اور عدمِ توجہ کا نتیجہ ہے، اس لئے ایسے لوگ معذور بھی نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ ف۱۱۹ گویا اس درجہ خرف و لا یعقل ہے کہ خود تو کیا کرتا، مالک کی تعلیم کے باوجود بھی کوئی کام درست نہیں کر پاتا۔ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ۔ یعنی علاوہ غلام ہونے اور ہر طرح معذور ہونے کے گونگا بھی ہے، اور تکلم پر غیر قادر۔ جو نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سُن سکے۔

ابکم کے ایک معنی اہلِ لغت سے، لا یعقل اور سماعت و بصارت سے محروم ہونے کے بھی منقول ہیں۔ ~~ابن الاعرابی الابکم الذی لا یعقل (کبیر) قال الزجاج الابکم المطبق الذی لا یسمع ولا یبصر (کبیر) الابکم الذی ولد اخرس فلا یفهم ولا یفهم (کشاف)~~ پیدائشی گونگا بہرا بھی ہوتا ہے۔ جو نہ کسی کی سُنتا ہے اور نہ اپنی کسی کو سُنا سکتا ہے۔ ~~الابکم الاخرس المقابل للخاتم ولازمه الصمم (روح) فكان المثل احدهما اخرس اصم لا یفهم ولا یفهم (روح)~~ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ۔ نہ اپنے متعلق قدرت نہ اپنے سے غیر کے متعلق قدرت۔ ~~لا یقدر علی شیء من الاشیاء المتعلقة بنفسه او غیره (روح) او فراسته لسوء فهمه وادراکه (روح)~~ تمثیل سے مقصود مشرک کی تمام تر بے بسی کو ظاہر کرنا ہے۔ ف۱۲۰ یعنی ناطق ہے، عاقل ہے، فاعل مختار ہے، قوتِ علمی و عملی کا جامع ہے۔ ف۱۲۱ (جو ایک فرع ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کی) لِلّٰهِ کی ترکیب ہی سے اشارہ ہو گیا کہ یہ علم غیب خاصہ صرف حق تعالیٰ کا ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ~~لله تعالى خاصة لا لاحد غيره استقلالا ولا اشتراكا (روح) يعني الحصر هنا ان العلم بهذه الغيوب ليس الا لله (كبير)~~ ف۱۲۲ آیت کے شروع میں بیان حق تعالیٰ کے کمال علم کا ہے، اور آخر آیت میں بیان کمال قدرت کا۔ دونوں کے درمیان ذکر قیامت کا ہے۔ جو قبل وقوع دیکھیے تو ایک مثال ہے کمال علم کی، اور بعد وقوع کے لحاظ سے نظر کیجیے تو ایک مثال ہے کمال قدرت کی! اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ۔ یعنی ایسا ہی آناً فاناً۔ عام محاورۂ انسانی میں کسی شے کے فی الفور واقع ہو جانے کے لئے طریق تعبیر یہی ہے۔ ~~الغرض من التشبيه بيان سرعة الاتيان وقدرته على وقوعه وتسهيله (روح) والمراد منه تقرير كمال القدرة (كبير)~~ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔ او یہاں بل کا مرادف ہے۔ ~~اظہار شک و تردد کے لئے نہیں۔ او قال الفراء بمعنى بل (روح) قيل بمعنى بل (بيضاوي) لا شبهة فى انه ليس للمراد طريقة الشك بل المراد بل هو اقرب (كبير)~~ اَمْرُ السَّاعَةِ سے مراد ہے مُردوں میں جان پڑ جانے کا ماجرا۔

۱۰۷ (بلکہ ایسی تقسیم تو فطرتِ بشری پر ایک بار ہے) آیت جڑ کاٹ رہی ہے اہلِ باطل کے اس نظامِ معاشی کی جس کا پُرانا نام مزدکیت تھا، اور جدید نام سوشلزم یا (انتہائی صورتوں میں) کمیونزم ہے۔ ۱۰۸ شرک پر اصرار کئے جانا عین نعمتِ الٰہی سے انکار کرنا ہے۔ ۱۰۹ (اور اس طرح تمہاری بقائے نوعی کا سامان کر دیا) مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی تمہاری ہی جنس و نوع سے۔
حَفَدَةً۔ حافد کے عام معنیٰ پوتے کے ہیں۔ ~~المراد بالحفدة على ما روى عن الحسن والازهرى وجاء فى رواية عن ابن عباس اختاره ابن العربى اولاد الاولاد (روح)~~ لیکن ایک معنیٰ خادم، مددگار وغیرہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ ~~روى عن ابن عباس ان الحفدة الخدم والاعوان وقال الحسن من اعانك فقد حفدك وقال مجاهد وقتادة وطاؤس الحفدة الخدم (الجصاص)~~ امام رازیؒ نے متعدد معانی و مفہومات بیان کر کے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ان سارے مفہوموں کی وسعت کو شامل رکھا جائے۔ ~~والاولى دخول الكل فيه لما بينا ان اللفظ محتمل للكل بحسب المعنى المشترك الذى ذكرناه (كبير)~~

بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ
وہ اپنے حصّہ کا مال اپنے غلاموں کو کبھی اس طرح دینے والے نہیں کہ وہ سب اس باب میں برابر
سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ
ہو جائیں ۱۰۷ تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ انکار کرتے رہیں ۱۰۸ اور اللہ نے تمہی میں سے تمہارے لئے
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
بیویاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ۱۰۹
بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ
اور تمہیں نفیس چیزیں کھانے کو دیں ۱۱۰ تو کیا پھر بھی یہ لوگ
يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ وَيَعْبُدُوْنَ
باطل پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے ۱۱۱ اور یہ لوگ اللہ کے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ
سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو اِن کو نہ آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں
وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ
اور نہ زمین ہی سے کسی چیز کا، اور نہ ایسا کر ہی سکتے ہیں ۱۱۲ سو تم اللہ کے لئے مثالیں
الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴ ضَرَبَ
گڑھو بیشک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے ۱۱۳ اللہ ایک مثال
اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ
بیان کرتا ہے کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ۱۱۴ اور ایک وہ،

۱۱۰ (اور اس طرح تمہاری بقائے شخصی کا سامان کر دیا) اَلطَّيِّبٰتِ۔ یہاں اپنے لغوی معنیٰ میں ہے یعنی نفیس و لذیذ کے مرادف ہے۔ ~~اى اللذائذ وهو خلاف الذى (روح)~~ ~~اى اللذائذ (بیضاوی) مِنَ الطَّيِّبٰتِ میں مِن تبعیض کا ہے۔ من للتبعيض (بیضاوی۔ روح)~~

۱۱۱ (اُس کے سچے دین کے منکر رہ کر) اَفَبِالْبَاطِلِ۔ ف سے مُراد ہے پھر بھی یعنی اللہ کی توحید و ربوبیت کے سارے دلائل و شواہد سُننے اور جاننے کے بعد۔ بِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی بے بنیاد وہمی چیزوں پر، مثلاً بتوں کی معبودیت پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۱۲ یعنی نہ صرف یہ کہ بالفعل اختیار نہیں رکھتے، بلکہ سرے سے اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ اگر چاہیں جب بھی یہ اختیار نہیں حاصل کر سکتے۔ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان سے رزق مثلاً بارش۔

۱۱۳ صحیح مثال اپنے متعلق وہی بیان کر سکتا، اور صحیح صفات اپنی وہی بتا سکتا ہے۔ تم جب اپنی نافہمی سے کوشش کرو گے، ایسی ہی اُلٹی پلٹی باتیں کرو گے۔ مشرکین کا ایک مایۂ ناز استدلال اُس وقت یہی تھا، اور اب بھی ہے کہ آخر دنیا کے بادشاہوں کی خدمت میں براہِ راست عرض معروض کون کر سکتا ہے۔ درمیانی واسطوں کی، عرض بیگیوں کی، امیروں وزیروں کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ پھر جو سب سلاطین کا سلطان اور شہنشاہِ اعظم ہے، اس سے براہِ راست اور بلاواسطہ تعلق پیدا کرنا کیونکر ممکن ہے؟ اور ہم جو اِن مورتیوں کی

اور اِن ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، تو وہ بھی اسی لئے کہ وہ رَبُّ الْاَرْبَاب کے خادم اور اُس کے ہاں مقرّب ہیں۔ استدلال کی خرافت بالکل ظاہر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشر ہی کے سے محدود و ناقص قوٰی رکھتا ہے۔ وہ تو اس پر مجبور ہے کہ دوسروں کی اعانت حاصل کرے۔ اس کے برخلاف کہاں رب العالمین، جو ہر قید سے ماوراء، ہر اعتبار سے غیر محدود، ہر حد و نہایت سے برتر ہے۔ دونوں کا کوئی مقابلہ ہے؟ دونوں کے درمیان کوئی نسبت ہے؟ اس بے نیاز ہستی کو محتاج ہستیوں پر کسی طرح قیاس کیا جا سکتا ہے؟ مغالطۂ قیاس مع الفارق کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی مثال اور کیا ہوگی؟ ——— آیت کی یہ توضیح امام رازیؒ کے مذاق کے مطابق تھی۔ عام مفسّرین نے امثال کو مِثل کی جمع قرار دے کر معنیٰ یہ کئے ہیں کہ مخلوقات میں سے کسی شے کو اُس کے مثل نہ بتاؤ۔ ~~قال المفسرون يعني لا تشبهوه بخلقه (كبير)~~ ۱۱۴ (کسی مال میں تصرف کر سکے، بجز اپنے مالک کی اجازت کے) غلام کے لئے تو خیر مالک سے اجازت کے بعد امکان تصرف باقی ہے، معبودانِ باطل میں تو مالک کی اجازت سے بھی ملکیت میں دخل پانے کا امکان نہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود بطلانِ شرک کا اظہار ہے۔

۹۸ (کہ ایک ہی مادہ سے کہاں ایک طرف مسکرات جیسی گندی چیزیں تیار کردیں اور کہاں دوسری طرف لطیف و پاکیزہ مشروبات و ماکولات، عرق، شربت، مربّے وغیرہ) سکرًا و رزقًا حسنًا ۔ گویا ایک ہی مادہ میں سم و تریاق دونوں کی خاصیتیں رکھ دیں۔ اَلنَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ ۔ انگور اور کھجور دونوں کی شرابیں مشہور شرابیں ہیں۔ عرب میں بھی مشہور تھیں، اور آج یورپ میں بھی مشہور ہیں۔ سکرًا ۔ سکر کے لفظ پر سوال پیدا ہوا ہے کہ نشہ کا ذکر محل مدح پر قرآن مجید نے کیسے کردیا؟ ———— جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہاں مقصود مدح نہیں، بلکہ ذکر صرف اس کا ہے کہ خرمے اور انگور سے فلاں فلاں کام لئے جاسکتے ہیں، اور مخاطب صرف مومنین نہیں، بلکہ کافر بھی شامل ہیں، اور وہ برابر ان پھلوں سے نشہ کا کام لیتے رہتے ہیں، اس لئے اس ذکر میں مطلق مضائقہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت مکّی ہے، اور نشہ کی حُرمت اُس وقت تک ہوئی نہیں تھی۔ اس پر بھی قرآن مجید نے سکر کو رزقِ حسن سے علیحدہ و ممتاز کرکے ظاہر کردیا، کہ یہ دو بالکل مختلف قسم کے کام انہیں پھلوں سے لئے جاسکتے ہیں۔ ۹۹ چنانچہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتا انہی مقامات پر لگاتی ہیں۔ ان مکھیوں کا چھتا بھی صنعت و کاریگری کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مہندس یا انجینیر نے اسے تیار کیا ہے۔ اَوْحٰی ۔ وحی یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں، جو وحی نبوت کے مرادف ہے بلکہ اپنے عام و وسیع معنیٰ میں ہے۔ دل میں بات ڈال دینے کے مرادف ہے۔ ~~واصل الوحی الاشارۃ السریعۃ (راغب) اعلمہ تعالیٰ قرر فی انفسہا ھذہ الاعمال العجیبۃ (کبیر)~~ ماہرین نفسیات انگریزی میں جس شے کو (جبلّت) سے تعبیر کرتے ہیں، وہ وحی حیوانی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور علامہ راغب نے اسی مفہوم کو "تسخیر" سے ادا کیا ہے۔ النحل ۔ شہد کی مکھی اپنی فراست و دانائی عقلی توانائی کے لحاظ سے ساری حیوانی دنیا میں مشہور و ممتاز ہے۔ فرنگی ماہرین فن نے کتابوں پر کتابیں ان مکھیوں کی فراست و دانائی اور حُسن انتظام و تدبّر پر لکھ ڈالی ہیں ——————

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ

نشانی ہے اُن لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ۹۸ اور آپکے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں

اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

القا کیا کہ تو گھر بنالے پہاڑوں میں (بھی) اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے

يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ

ہیں اُن میں (بھی) ۹۹ پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

راستوں میں چل جو تیرے لئے آسان ہیں ۱۰۰ اُس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

کہ اُس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں ۱۰۱ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے ۱۰۲ اس کے اندر (بڑی) نشانی

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ

ہے اُن لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ۱۰۳ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہ تمہیں موت

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ

دیتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باخبری کے بعد

بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ

چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے ۱۰۴ بیشک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ۱۰۵ اور اللہ نے

بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے ۱۰۶ سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے

ع ۹ / ۱۵

حق تھا کہ اس ننھی سی مخلوق کی ذہانت خاصہ کو وحی الٰہی اپنی جانب منسوب کرتی۔ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ سے مُراد عمارتیں بھی ہوسکتی ہیں، اور انگور وغیرہ کی ٹہنیاں بھی۔ مِنَ الْجِبَالِ، مِنَ الشَّجَرِ، مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۔ من ہر جگہ تبعیضیہ ہے یعنی یہ مُراد نہیں کہ مکھی اپنا چھتا ہر پہاڑ، ہر درخت، ہر اُونچی عمارت پر لگاتی ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے جو بھی اُسے مناسب معلوم ہوتی ہیں، اُن پر لگاتی ہے۔ ۱۰۰ ان مکھیوں کا ایک ایک پھل پھول پر رس چُوسنے کے لئے بیٹھتے رہنا اور میلوں کا سفر طے کرکے بغیر راستہ بھولے بھٹکے، اپنے چھتے کی طرف واپس آجانا ایک مشہور عالم واقعہ ہے۔ سُبُلَ رَبِّكِ ۔ راستوں کا انتساب حق تعالیٰ نے اپنی جانب کیا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے آنے جانے کے راستہ اس حکمت سے بنانا صرف اسی ذات کا کام ہے، جسے اپنی ہر مخلوق سے رشتۂ ربوبیت حاصل ہے۔ ذُلُلًا ۔ بے روک ٹوک، جیسے اور راستے خاص اس مکھی کے لئے مسخّر و منقاد ہیں۔ ۱۰۱ کوئی آٹھ نو قسم کے شہد تو اکیلے مُلک عرب ہی میں ہوتے ہیں۔ شَرَابٌ کہ اسی خیریں مشروب کو شہد کہتے ہیں۔ ۱۰۲ (بہت سی بیماریوں سے) شہد کے منافع و فضائل طب یونانی (عربی)، طب ہندی (ویدک)، طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مُسلّم ہیں۔ اور یہاں اگر اس کے فوائد نقل کئے جائیں، تو خود ایک مستقل مقالہ ہو جائے۔ ۱۰۳ (اور یہ خیال میں لاتے ہیں کہ قدرت حق نے ایک زہریلے نیش زن جانور سے کیسی حیرت انگیز، شفابخش چیز پیدا کردی) لَاٰيَةً ۔ نشانی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بے انتہا کی۔ ۱۰۴ (جیسا کہ بہت زیادہ پیرانہ سالی کے وقت اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے) یہ پیدا کرنے کا، موت دینے کا، بعض کو پیر فرتوت بنا دینے کا، سارا کام صرف حق تعالیٰ ہی کا ہے، کوئی اس میں اُس کا شریک و سہیم نہیں ———— یہ نہیں کہ پیدائش کا دیوتا کوئی اور ہے، موت کا کوئی اور، اور زندہ رکھنے کا کوئی اور۔ اَرْذَلِ الْعُمُرِ ۔ یعنی عمر کی وہ منزل کہ جب نہ قوتِ جسمانی ہی برقرار رہے، اور نہ قوتِ دماغی۔ ~~لکی یصیر الی ... ~~ ۱۰۵ وہ اپنی صفتِ علم کے اقتضاء سے ہر شخص کی ضرورت و مصلحت کا علم رکھتا ہے، اور صفتِ قدرت کے اقتضاء سے ویسا ہی اس کا انتظام بھی کردیتا ہے۔ ۱۰۶ (تکوینی مصلحتوں سے) آیت سے اس حقیقت پر پوری طرح روشنی پڑگئی کہ مال و دولت میں عدم مساوات فطری و طبعی ہے، اور تقسیم دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلافِ فطرت ہے۔ فقہاء و فقہاء مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفیٔ مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ ~~قال الجصاص تضمنت الآیۃ انتفاء المساواۃ بین المولیٰ وبین عبدہ فی الملک (جصاص)~~

۹۳ (اور یہ پچھلے بھی انہی اگلوں کی طرح کفر کر رہے ہیں۔ تو یہ سزا بھی لامحالہ انہی کی سی پائیں گے۔ آپ ان کے لئے غم و تردد میں نہ پڑیئے) [illegible] الیوم۔
آج یعنی اسی دنیا میں۔ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ۔ یعنی شیطان اُن کا رفیق رہ کر انہیں طرح طرح کی پٹی پڑھاتا رہتا ہے۔ ۹۴ یعنی یہ کتابِ الٰہی مومنین کے حق میں سراسر ہدایت و رحمت
ہے۔ اور آپؐ پر یہ اِس لئے نازل ہوئی، کہ آپؐ اِن اہلِ باطل اور اہلِ حق کے درمیان جو معتقدات نزاعی ہیں مثلاً توحید یا معاد، اس باب میں مسلکِ حق کی خوب توضیح و تشریح کر دیں۔ لِتُبَيِّنَ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا کہ پیمبر کا منصب محض ہن و عن، پیام پہنچا دینے کا نہیں، بلکہ اس کی شرح و ترجمانی کر دینے کا بھی ہے۔ ۹۵ (اِن باتوں کو گوش ہوش سے) وَاللّٰهُ ......
...... الْاَرْضَ۔ اُوپر سے پانی برسانا اور اُس سے زمین خشک و مُردہ کو از سرِ نو سرسبز کر دینا، جو روزمرّہ کا مشاہدہ ہے، یہ کام سب حق تعالیٰ ہی کا ہے کسی دیوی دیوتا کا نہیں، اور نہ انسان کے اپنے بس کا۔ لَاٰيَةً۔ یعنی اللہ کی قدرت، ربوبیت، صناعی کی بڑی دلیل ہے۔ نباتات کی حیاتِ تازہ و نو سے حشر و بعثِ اجساد کی طرف ہر فطرتِ سلیم والے کا ذہن آسانی سے منتقل ہو سکتا ہے۔ ۹۶ ان گھریلو جانوروں کی ساخت و ترکیب اور اِن کے اعضاء کے افعال میں جو صدہا عجائب ہیں، اُن کی تفصیلات بیالوجی (حیاتیات) اور زوالوجی (حیوانیات) کے ہر ماہر پر روشن ہیں۔ یہ سب صناعیاں اور حکمتیں پتہ کس چیز کا دیتی ہیں؟ ایک صناعِ اعظم کا، ایک حکیمِ مطلق کا۔ لَعِبْرَةً۔ عبرۃ کہتے ہیں معلوم سے مجہول اور مُشاہد سے غیر مُشاہد تک پہنچنے کو۔ ~~والعبرة مختصة بالحالة التي يتوصل بها من معرفة المشاهد إلى ما ليس بمشاهد~~ (راغب)۔ ۹۷ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے ہیں، وہیں سے دُودھ جیسی نفیس و پاکیزہ

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ
سو وہ آج بھی اُن کا رفیق ہے اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہے ۹۳ اور ہم نے
أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي
آپ پر کتاب بس اسی لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ اُس کو
اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ
ان پر واضح کر دیں نیز ایمان والے لوگوں کی ہدایت و رحمت کی غرض سے ۹۴ اور اللہ نے
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ
اوپر سے پانی اتارا پھر اُس سے زمین کو اُس کے خشک ہونے کے بعد جِلا
مَوْتِهَا ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾ وَ
دیا بیشک اِس میں اُن لوگوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے جو سُنتے ہیں ۹۵ اور
إِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهٖ
بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے ۹۶ اُن کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور
مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
خون (کی قسم) سے اُس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں
لِّلشّٰرِبِينَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ
پینے کو دیتے ہیں ۹۷ اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں بھی تمہارے لئے سبق ہے) تم
تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ
ان سے نشہ کی چیزیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو بیشک اس میں (بڑی)

نعمت انسان کے لئے تیار کر دینا، جس کے آگے بڑے سے بڑے کیمیادان اور کیمیاساز مع اپنی ساری تجربی کارگاہوں کے دنگ رہ جائیں، اگر ایک کھلی ہوئی دلیل ایک صناعِ اعظم کے وجود پر نہیں، تو اور کیا ہے؟ بُطُوْنِهٖ میں ضمیر [illegible]۔ کسائی اور مبرد نے یہی کہا ہے۔ [illegible] سَآئِغًا۔ سائغ وہ مشروب ہے جو لذت یا آسانی کے ساتھ حلق سے اُترے۔ [illegible] (کشاف)

٥٨٦ یعنی تمام صفات کمال و جمال، خصوصاً قدرت کاملہ اور نزاہت۔ مَثَلُ السَّوْءِ۔ دنیا میں بُری حالت یہ کہ ایسے شدید جہل وحُمق میں مبتلا رہے، اور آخرت میں یہ کہ ہر طرح کی عقوبت و ذلت کے شکار ہونگے۔ ٥٨٧ چنانچہ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت سزا دینے پر قادر، لیکن اسم حکیم کے تقاضہ سے سزائے شرک کو موت کے وقت تک ملتوی کردیا ہے۔ ٥٨٨ یعنی بدکار تو بہر حال اپنی بدی کے پاداش میں ہلاک کر ہی دیے جاتے، اور جب وہ باقی ہی نہ رہ جاتے، تو نیک کاروں کا وجود بھی بے معنی رہ جاتا ——— اگر دنیا میں ظلم اور ظالم کا وجود نہ باقی رہے تو کوئی انصاف کس کے مقابلہ میں کریگا!

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ
بُری حالت ہے اُن لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اللہ کے لئے
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ
اعلیٰ صفات ثابت ہیں ٥٨٦ اور وہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ٥٨٧ اور اگر
يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا
اللہ لوگوں پر اُن کی زیادتی کے سبب (فوراً) دارو گیر کرتا رہتا تو زمین پر کوئی حرکت کرنے والا جاندار
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
نہ چھوڑتا ٥٨٨ لیکن وہ انہیں ایک میعاد معین تک مہلت دیئے ہوئے ہے
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا
پھر جب اُن کی وہ میعاد آجائے گی تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے
يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ
ہٹ سکینگے اور نہ آگے بڑھ سکینگے ٥٨٩ اور اللہ کے لئے وہ چیزیں قرار دیتے ہیں جنہیں خود (اپنے لئے) ناپسند
اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۗ لَا جَرَمَ اَنَّ
کرتے ہیں، اور اُن کی زبانیں جھوٹ کہتی جاتی ہیں کہ اُن کے لئے بھلائی (ہی) ہے ٥٩٠ لازمی ہے کہ اُن کے
لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ
لئے دوزخ ہو اور بیشک یہ لوگ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ٥٩١ اللہ کی قسم ہم (رسولوں کو)
اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
آپ کے قبل کی بھی اُمتوں کی طرف بھیج چکے ہیں لیکن شیطان نے اُن کے اعمال انہیں خوشنما کر دکھائے،

ع ٧
١٢

دنیا میں کوئی مفلس نہ باقی رہے، تو صفت فیاضی کے ظہور کی کیا صورت باقی رہے گی؟ مصیبت زدوں کے وجود سے دنیا خالی ہوجائے تو کوئی ہمدردی اور شفقت کے لئے کس کو تلاش کریگا؟ ——— غرض انسانی آبادی تو ساری کی ساری یوں ختم ہوجاتی۔ اور جب کوئی انسان نہ زندہ رہتا، تو پھر حیوانات کی بھی ضرورت نہ رہ جاتی جو تمامتر انسان ہی کی خدمت کے لئے ہیں۔ دَآبَّةٍ کے معنی انسان کے لئے بھی لئے گئے ہیں لیکن مفہوم کا عموم ہی بہتر سمجھا گیا ہے، جس میں ہر جاندار آجائے۔ ~~قال ابو عبیدۃ عن انسان خاصۃ والاول اجراؤها علی العموم~~ (راغب) ~~عَلَيْهَا ضمیر ہا زمین کی جانب ہے ای علی الارض~~ (بیضاوی) ~~الکنایۃ فی قولہ علیہا للارض~~ (کبیر) بِظُلْمِهِمْ۔ ظلم یہاں ہر قسم کے کفر و معصیت کو شامل ہے۔ ~~ای بسبب کفرهم و معاصیهم~~ (رح) ~~بکفرهم و معاصیهم~~ (بیضاوی) ٥٨٩ (بلکہ ٹھیک ٹھیک قدرتی پروگرام کے مطابق ہی ہلاک ہوکر رہیں گے) ٥٩٠ کسی اُخروی زندگی کے اول تو یہ قائل ہی نہیں اور جو قائل ہیں بھی تو وہاں اپنے لئے چین ہی چین سمجھ رہے ہیں۔ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ۔ مشرکانہ مذہبوں پر نظر ہو تو اندازہ ہو کہ ان لوگوں نے کیسی کیسی پست بلکہ سرتاسر گندی باتیں اپنے دیوی دیوتاؤں بلکہ خود معبود اعظم کے حق میں گڑھ رکھی ہیں! ٥٩١ (دوزخ میں) یعنی یہ لوگ تو دوسرے اہل جہنم کے لئے بطور مقدمۃ الجیش کے ہونگے۔ مُفْرَطُونَ۔ فرط اُسے کہتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے آگے دوڑ کر انہیں پانی تک پہنچادے۔ ~~مفرطون ای معجلون قال الواحدی ... قال ابو زید ... الرجل اصحابہ ... اذا تقدمهم الی الماء ... الی النار~~ (کبیر) ٥٩٢ (اس لئے وہ لوگ پیمبروں کی تعلیمات سے غیر متاثر رہکر اپنے کفریات ہی کو پسند کرتے رہے) زَيَّنَ ..... لَهُمْ۔ شیطانی تحریک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ایسی چیزوں کو جو واقعی حُسن و زیبائی سے خالی ہیں مظاہری اور عارضی خوشنمائی دے دیتی ہے۔ چنانچہ جتنے بھی شیطانی اعمال ہیں، اُن کا جائزہ لے ڈالیئے، سب میں یہی چیز مشترک ملے گی۔ شرابی کو فوری اور عارضی لذت شراب میں محسوس ہوتی ہے، سینما باز کو سینما میں، جواری کو جوئے میں۔ وقس علیٰ ہذا۔ اس سے بچنے کا آسان اور مؤثر طریقہ صرف اپنی عقل اور قوت فکر کا صحیح استعمال ہے۔ جہاں انسان نے غور و تامل سے کام لیا، اور اشیاء کا اصلی حُسن و قبح اس کی نظر میں ظاہر ہونے لگا، شیطانی ترغیبات کی کشش بھی اس کے لئے از خود مفقود ہوجاتی ہے۔

فَاِلَيۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ ۝٥٣ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنۡكُمۡ اِذَا
تو اُسی (اللہ) سے فریاد کرتے ہو ۷۷ ۔ پھر جب وہ تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کا
فَرِيۡقٌ مِّنۡكُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۝٥٤ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ‌ؕ
ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ۔ حاصل یہ کہ وہ اس کی ناشکری کرتے ہیں،
فَتَمَتَّعُوۡا‌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝٥٥ وَيَجۡعَلُوۡنَ لِمَا لَا
جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، سو خیر، چند روزہ عیش کرلو پھر تو عنقریب تمہیں معلوم ہی ہوا جاتا ہے ۔ اور یہ لوگ مقرر کرتے ہیں اُن کے بارہ میں جنہیں
يَعۡلَمُوۡنَ نَصِيۡبًا مِّمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ‌ؕ تَاللّٰهِ لَـتُسۡـَٔـلُنَّ عَمَّا
کوئی علم نہیں ، اُن کا حصہ لگاتے ہیں اُن چیزوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، قسم ہے اللہ کی کہ تم جو کچھ گڑھتے
كُنۡتُمۡ تَفۡتَرُوۡنَ ۝٥٦ وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَهٗ‌ ۙ
رہتے ہو اس پر ضرور تم سے بازپرس ہوگی ۔ اور اللہ کے لئے انہوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں، سبحان اللہ!
وَلَهُمۡ مَّا يَشۡتَهُوۡنَ ۝٥٧ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى
اور اپنے لئے وہ (رکھا ہے) جس کے لئے اُن کا جی چاہتا ہے ۔ اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سُنائی جاتی
ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ‌ ۝٥٨ يَتَوَارٰى مِنَ
ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ (دل ہی دل میں) گھٹتا رہتا ہے ۔ اس بُری خبر پر وہ لوگوں سے
الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡۤءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ‌ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ
چھپا چھپا پھرتا ہے ۔ آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے
اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّـرَابِ‌ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ۝٥٩
یا اسے مٹی میں گاڑ دے ؟ ۸۴ ہائے، کیسی بُری تجویز یہ کرتے رہتے ہیں ۸۵ ۔

۷۷ (اس کے رفع کرنے کو) یہاں اس حقیقت کو یاد دلایا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت انسان کو حاصل ہے، اس کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو خود بھی اس کا احساس ہے چنانچہ جب اُس پر مصیبت پڑتی ہے تو بے ساختہ خدا ہی کو یاد کرنے لگتا ہے ۔ فخرالمفسرین رازیؒ آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ آج یکم محرم ۲۰۱ھ ہجری کو جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا ہوں، صبح کے وقت شدید زلزلہ آیا، اور لوگ دعا و تضرع میں مصروف ہو گئے لیکن جب زلزلہ ختم ہو گیا تو اُسے بھول بھال کر پھر غفلت میں پڑ گئے، اور اپنے کام کاج میں لگ گئے۔

تَجۡـَٔرُوۡنَ - یعنی گڑگڑاتے ہو، دہائی دیتے ہو، فریاد کرتے ہو۔ جُؤار کے لفظی معنی جنگلی جانوروں کے چلّانے کے ہیں ۔ (ای ترفعون اصواتکم بالاستغاثة وتتضرعون الیه بالدعاء وکبرہ والجؤار فی الاصل صیاح الوحش واستعمل فی رفع الصوت بالدعاء والاستغاثة ۔ مدارک)

۷۸ (اپنی نعمتوں میں سے) ——— اور رفع تکلیف تو خود ہی ایک بڑی نعمت ہے ۔ لِيَكۡفُرُوۡا میں لِ عاقبت کا ہے ۔ (اللام لام العاقبة ۔ روح)

۷۹ (کہ اس کفر و شرک کا انجام کیا ہوتا ہے)

سَوۡفَ - عنقریب یعنی مرتے ہی ۔ ۸۰ یعنی یہ مشرکین ہماری اُن نعمتوں میں جو ہم نے اُنہیں دے رکھی ہیں، اُن معبودوں کا بھی حصہ لگاتے ہیں، جن کے معبود ہونے ہی پر کوئی دلیل اُن کے پاس نہیں ——— ذکر مشرکین عرب کا ہو رہا ہے ۔ اُن کے ان خصوصیات کا ذکر سورۃ الانعام (پ ۸) میں آچکا ہے ۔ لِمَا لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۔ وہ جن کی بابت اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ ثبوت ہے نہ تحقیق ہے ۔ بس بلا دلیل و حجت اندھا دھند انہیں اپنا دیوتا مانے جاتے ہیں ۔ ۸۱ (اے مشرکو!) موقع تہدید پر صیغہ ایک طرف تو غائب سے مخاطب ہوا اور دوسری طرف متکلم سے غائب کا ہو گیا ۔ تَاللّٰهِ ۔ زور و تاکید کے موقع پر قسم کا لانا عربی اسلوبِ بیان کی ایک صناعت ہے ۔ تاللہ حرف قسم کا ت کے ساتھ لانا لفظ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے ۔ لَتُسۡـَٔلُنَّ ۔ بازپرس سے مؤاخذۂ حشر مراد ہے ۔ ۸۲ یعنی اولاد نرینہ ——— مطلب یہ ہوا کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب خود ہی کیسی جہالت و سفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف، جسے اپنے نزدیک حقیر و ذلیل جانتے ہو یعنی لڑکے کے بجائے لڑکیاں! اور بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص رکھتے ہو! وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ بلا قریش کے قبائل بنی خزاعہ اور بنی کنانہ میں زائد تھی ۔ وہی ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے ۔ (هم خزاعة وكنانة ۔ مدارک)

۸۳ (کہ کیسی عار و ننگ کی چیز خاندان میں آئی) لڑکی سے عار آنے کی بلا قبائل قریش کے علاوہ، یوں بھی دنیائے شرک میں عام رہی ہے ۔ ۸۴ (یہ سوال مشرک باپ کے دل میں برابر گردش کرتا رہتا ہے) عرب میں قبیلہ تمیم اس بلا میں خاص طور پر مبتلا تھا ۔ لیکن دنیا کی تاریخ میں مشرک قوموں نے بکثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر کر دیا ہے ۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے :- "دختر نوزاد کو زندہ دفن کر دینے کا دستور بہت عام رہا ہے ۔" (جلد ۸ ۔ ص ۳) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ ۔ دختر کشی کے اسباب و محرکات دوگانہ تھے کبھی تو لڑکی کا وجود باعثِ عار سمجھتے تھے اور شرم و حیا کے مارے اُسے مار ڈالتے تھے اور کبھی اس کے بارِ مصارف کے خیال سے ۔ (وهم كانوا يفعلون ذلك مخافة الغيرة والحمية وتارة خوفا من الفقر والفاقة ولزوم النفقة ۔ کبیر) اور یہ آخری محرک یورپ کی جدید تحریک "برتھ کنٹرول" کا بالکل نقشِ اوّل تھا ۔ ۸۵ (کہ اوّل تو خدا کو صاحبِ اولاد ٹھیرایا اور پھر اس میں بھی اس کے لئے بیٹی تجویز کی!) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ لڑکی کے نام سے اتنی چڑھ اور اُس کے ساتھ یہ شقاوت کا برتاؤ سب اُن کی عقل کی کیسی بدترین تجویزیں ہیں ۔

يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ

اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے داہنی طرف اور

عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾

بائیں طرف جھکتے ہیں تابع ہیں اللہ کے، اور (اللہ کے رُوبرو) عاجز ہیں

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن

اور اللہ ہی کی مطیع ہیں جتنی چلنے والی چیزیں آسمان میں ہیں اور جتنی زمین میں ہیں اور

دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ

فرشتے بھی اور وہ اپنی بڑائی نہیں کرتے وہ ڈرتے رہتے ہیں

رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ وَ

اپنے پروردگار سے جو اُن پر بالادست ہے، اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا رہتا ہے اور

ع ٦ ١٠ ١٢

قَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ

اللہ نے کہہ رکھا ہے کہ دو معبود نہ قرار دینا خدا تو بس وہی ایک

وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٥١﴾ وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

ہے، سو تم لوگ صرف مجھی سے ڈرتے رہو اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾

زمین میں ہے اور اُسی کا دین واجب الاطاعت ہے، تو کیا پھر بھی غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

اور تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے

٦٩ یعنی کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ تکوینی طور پر اس کائنات کی ایک ایک چیز، یہاں تک کہ سایہ دار چیزوں کے سائے بھی، حکم الٰہی کے مطیع و منقاد ہیں —— مشرک جاہلی قوموں میں سایہ کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات گڑھ رکھے ہیں۔ قرآن مجید ان سب کا قلع قمع کر کے بتاتا ہے کہ سارے سائے اور سایہ دار چیزیں قانونِ الٰہی ہی کی محکوم ہیں۔ ظِلٰلُهٗ۔ مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ سایہ کے موجبات و مسببات اور حرکت سایہ کے اسباب، پھر سایہ کے خواص یہ سب حکمِ الٰہی ہی سے ہیں۔ سُجَّدًا لِّلّٰهِ۔ مُعتقدًا۔ یہاں اپنے اصلی معنیٰ میں ہے، یعنی فرمانبردار، جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور فاعل حکیم کے رُوبرو ہونا ہی چاہیئے۔ هذا السجود تسخیر وهو الدلالة الصامتة الناطقة المنبهة علی کونها مخلوقة وانها خلق فاعل حکیم (راغب) المراد بهذا السجود الانقیاد والتواضع (کبیر) وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۔ یعنی یہ سایہ دار چیزیں سب اُسی کی مطیع و فرمانبردار ہیں۔ داخرون ای اذلاء (راغب) ٧٠ (تکوینی طور پر) یَسْجُدُ۔ سجود یہاں اپنے اصل مفہوم انقیاد و استسلام کے معنیٰ میں ہے —— آیت کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی یا بڑی کوئی سی بھی ہو، اور عالم ارواح یا عالم اجسام میں کہیں بھی ہو، سب کی سب عظمتِ الٰہی کی مُسخّر و منقاد ہیں۔ ان کل ما سوی الله سواء کان من عالم الارواح او من عالم الاجسام فهو منقاد خاضع لجلال الله تعالیٰ وکبریائه (کبیر) ٧١ یعنی اللہ کی مطیع و منقاد جب تکوینی طور پر سارے زمین و آسمان کی ساری ہی زندہ و متحرک مخلوق ہے، اور سب سے بڑھ کر خود فرشتے، جو ایک لحاظ سے اعظم مخلوقات ہیں، اور مشرکوں نے انہی کو دیوی دیوتا قرار دیا اور خدا کا مدِ مقابل سمجھا ہے، وہ تو خاص طور پر مطیع و منقاد ہیں، تو ان مشرکوں بیچاروں کی بساط ہی کیا ہے۔ یَسْتَکْبِرُوْنَ کے باب استفعال سے بعض نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کے دل میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں پیدا ہوتی، چہ جائیکہ خود بڑائی کرنے لگیں۔ لا یطلبون ذلك فضلا عن فعله والاتصاف به (روح) مِنْ دَآبَّةٍ۔ دابّة کے معنیٰ یہاں جاندار کے بھی کئے گئے ہیں، اور متحرک کے بھی۔ اور سجدۂ انقیاد کے ایک سرے پر دابّة اور دوسرے سرے پر ملائکہ کو لا کر گویا یہ بتا دیا کہ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر ذی حیات زنجیرِ انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔ بیّن بهذه الاٰیة ان الحیوانات باسرها منقادة لله تعالیٰ لان اخسها الدواب واشرفها الملٰئکة (کبیر) ٧٢ یہ سب دیوتا پرستی اور ملائکہ پرستی کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِمْ۔ فوق سے یہاں کھلی ہوئی مراد فوقیت معنوی یا غلبہ ہے۔ ورنہ محض سمت یا جہت کے فوق کی تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ المراد بالفوقیة الفوقیة بالقهر والقدرة لانها هی الموجبة للخوف (کبیر) ای عالیا علیهم بالقهر (جلالین) راغب نے فوق کے استعمال کے چھ موقع بتائے ہیں۔ مکان، زمان، جسم، عدد، منزلت اور انہی میں سے ایک معنیٰ فوقیت باعتبار قہر و غلبہ کے رکھے ہیں۔ توریت موجودہ میں بعض فرشتوں کو عاصی و نافرمان فرشتہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید اس تخیل کی جڑ ہی کاٹے دیتا ہے —— قرآن فرشتوں کو بار بار تمام تر معصوم ہستی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وهی دلالة قاهرة قاطعة علیٰ عصمة الملائکة عن جمیع الذنوب (کبیر) یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ۔ سوال یہ ہوا ہے کہ ملائکہ سے جب معصیت کا امکان ہی نہیں تو وہ پروردگار سے ڈرتے کیوں رہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ خوف وہ نہیں، جو اپنی معصیت سرکشی سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ وہ خوف ہے جو محض عظمتِ الٰہی کے احساس اور حق تعالیٰ کی ہیبت و جلال سے پیدا ہوتا ہے —— اس قسم کا خوف جو عوام سے کہیں زیادہ خواص و اہل معرفت کے دلوں میں اور سب سے بڑھ کر حضرات انبیاء کے سینوں میں موجزن رہا کرتا ہے۔ امام المفسرین رازیؒ نے بہت خوب فرمایا ہے۔ ذلك الخوف خوف الاجلال هکذا روی عن ابن عباس والدلیل علی صحته قوله تعالیٰ انما یخشی الله من عباده العلماء وهذا یدل علی انه کلما کانت معرفة الله اتم کان الخوف منه اعظم وهذا الخوف لا یکون الا خوف الاجلال والکبریاء (کبیر) اور جب عصمتِ ملائکہ کی یہ ایک اصل سمجھ میں آگئی، تو اس سے خود بخود بہت سے بے سند اور غلط لیکن زبان زد عوام قصوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، جن میں فرشتوں کو کبائر کے مرتکب کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے مثلاً ہاروت و ماروت کی بدنامی زہرہ کے ساتھ، یا خود ابلیس کا زمرۂ ملائکہ میں سے سمجھا جانا ہے۔ ٧٣ (جیسا کہ مجوس نے اور بعض اور بددین فرقوں نے قرار دے رکھا ہے) قرآن مجید جس طرح شرک کی اور ہر صورت کو مٹا رہا ہے، اسی طرح ثنویت کو بھی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَقَالَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے اپنی مخلوق کو پیمبروں کے ذریعہ سے یہ حکم دے رکھا ہے۔ ٧٤ (کہ میں ہی ہر طرح کے انتقام اور غلبہ پر قادر ہوں) هُوَ صیغۂ غائب سے فَاِیَّایَ صیغۂ متکلم کی طرف انتقال صنعت التفات کہلاتا ہے اور عربی اسلوب بلاغت میں ایک اعلیٰ صفت ہے —— اور اتنی بات تو اردو خوانوں کی سمجھ میں بھی آسکتی ہے کہ تخویف و تہدید کے موقع پر صیغۂ غائب سے کہیں زیادہ زور و اثر صیغۂ متکلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وهو من طریقة الالتفات وهو ابلغ فی الترهیب من قوله وایاه فارهبوه (کشاف) ٧٥ (پھر اس میں کسی دوسرے دین کی شرکت کے کیا معنیٰ) واصب کے معنیٰ واجب و ثابت کے ہیں۔ الواصب الواجب الثابت (کشاف) اور دین واصب سے جزائے دائمی بھی مراد لی گئی ہے یعنی عذاب و ثواب۔ وله الجزاء ثابتة دائما سرمدا لا یزول یعنی الثواب والعقاب (کشاف) ای له تعالیٰ الجزاء دائما لا ینقطع ثواب المطیع وعقاب العاصی (روح) ٧٦ شرک کی اصل و بنیاد عموماً اسی غیر اللہ کے خوف پر ہوتی ہے۔ مشرک انسان سمجھتا یہ ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں سو انہیں راضی رکھنے کے لئے اُن کے آگے یوں نذر ماننی چاہئے، یوں بھینٹ چڑھانا چاہیئے۔ وقس علیٰ ہذا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ انگریزی تفسیر القرآن) قرآن نے اسی پر ضرب لگائی ہے۔

۶۲ (چنانچہ وطن چھوڑتے وقت یہ بھی نہیں خیال کرتے کہ کیا کھائیں گے، کہاں سے پائیں گے) خیال رہے کہ یہ سفر ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں خشکی اور تری دونوں سے مکّہ سے سینکڑوں میل دُور حبشہ کا تھا۔
بیسویں صدی عیسوی کی پُرتکلف ریل گاڑیوں اور پُرتعیش جہازوں میں نہ تھا۔ اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا یعنی ہر طرح کی تکلیفوں اور ناخوشگوار واقعات پر صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ۶۳ (نہ کہ کسی فرشتہ، جن، یا
فوق البشر کو رسول بنا کر) مشرکینِ عرب دیوتا، اوتار وغیرہ کے تخیل سے تو خوب آشنا تھے لیکن نفسِ رسالت، یا کسی بشرِ محض کا پیمبری سے سرفراز ہوجانا اُن کی سمجھ سے باہر تھا، اسی میں وہ بار بار اُلجھتے تھے، اور ذاتِ
مُصطفوی پر اپنے نزدیک بڑا اصولی اور گہرا اعتراض یہی کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے بشر ہوکر پیمبر کیسے ہوگئے؟ یہ اُنہی منکرین کو سُنا کر آنحضرت صلعم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ انسانوں کے لئے سلسلۂ نبوت تو
ازل سے برابر بشر ہی کے ذریعہ سے قائم ہے۔ رِجَالًا کے لفظ سے یہ استدلال اور بالکل صحیح استدلال کیا گیا ہے کہ مرتبۂ نبوت مَردوں ہی کے لئے محدود و محصور ہے، اور کسی عورت کے لئے اس منصب کی گنجائش ہی نہیں۔

وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۲ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ۶۲۔ اور ہم نے آپ کے قبل مرد ہی رسول بنا کر

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجے ہیں ۶۳ جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں، سو اگر تم لوگوں کو

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ

علم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ دیکھو ۶۴ اور ہم نے آپ پر بھی

اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ

یہ نصیحت نامہ اُتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ اُن کے پاس بھیجا گیا ہے اور

لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا

تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیا کریں ۶۵ کیا وہ لوگ جو بڑے بڑے منصوبے باندھتے رہتے ہیں

السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ

اس امر سے بیفکر ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا اُن پر عذاب ایسے

الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝۴۵ اَوْ یَاْخُذَهُمْ

موقع سے آپڑے کہ انہیں گمان بھی نہ ہو ۶۶ یا انہیں اُن کے چلتے پھرتے

فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝۴۶ اَوْ یَاْخُذَهُمْ

پکڑ لے، سو یہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے ۶۷ یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے

عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۴۷ اَوَلَمْ

پکڑ لے لیکن تمہارا پروردگار بڑا شفیق ہے، بڑا رحمت والا ہے ۶۸ کیا انہوں نے

النصف

دلت الآية على ان الله تعالى ما ارسل احدا من النساء (کبیر)
سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۹ میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں۔ وہاں کا حاشیہ
بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ۔ امام رازیؒ نے فرمایا اور
بہت صحیح فرمایا کہ اِن دو مختصر لفظوں کے اندر سارا خلاصۂ رسالت آگیا۔
البینٰت کے اندر سارے معجزات و شواہدِ صدقِ پیمبر۔ اور الزبر کے اندر
اصل احکام و ہدایات۔ الزبر لفظة جامعة لكل ما تكامل به الرسالة لان مدار
امرها على المعجزات الدالة على صدق مدعي الرسالة وهي البينات وعلى
التكاليف التي يبلغها الرسول من الله تعالى الى العباد وهي الزبر (کبیر)
الاولى الدلالة على الصدق والثانية لبيان الشرائع والتكاليف (روح)
بِالْبَیِّنٰتِ۔ البیّنٰت کے معنیٰ دلائل و شواہد بھی بالکل درست ہیں۔
اي بالحجج والدلائل (ابن کثیر) ۶۴ خطاب مشرکینِ عرب سے
ہے۔ اور اُن سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جنہیں تم بھی اہلِ علم سمجھتے ہو یعنی اہلِ
کتاب یہود و نصاریٰ، ذرا اُنہی سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھ گچھ کرکے اپنا
اطمینان کرلو مسئلۂ رسالت میں، اور بشر ہی کے رسُول ہونے میں تو وہ بھی
مسلمانوں ہی کے ہمزبان ہیں۔ اَهْلَ الذِّكْرِ کے معنیٰ اہلِ کتاب
کے، صحابہ، تابعین، ائمۂ لغت و اکابر مفسّرین سب سے منقول ہیں۔
اي اهل الكتاب من اليهود والنصارى (ابن جریر عن ابن عباسؓ والحسن
والسدی) واهل الذكر اهل الكتاب وقيل للكتب الذكر لانه موعظة
وتنبيه للغافلين (کشاف) الذكر الكتاب فيه تفصيل الدين ووضع الملل
(قاموس) وكل كتاب من الانبياء ذكر (راغب) الذكر الكتب المتقدمة (راغب)
۶۵ (ان مضامینِ قرآنی کے اندر) الذکر سے مُراد یہاں
قرآن مجید ہی ہے۔ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ یعنی تاکہ آپ اِن مضامین کو اپنی
تشریح و توضیح کے ساتھ خلق سے روشناس کردیں ـــــــ یہ آیت قرآنی
اِس باب میں نص ہے کہ رسُول اللہ صلعم کی حیثیت محض حاملِ وحی یا "خط
رساں" کی نہیں، بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے۔ مَا نُزِّلَ
اِلَیْهِمْ۔ قرآن مجید کی اصل مخاطب، رسُول اللہ صلعم کے ذریعہ و واسطہ سے،
ساری نوعِ انسانی ہے۔ ۶۶ چنانچہ معرکۂ بدر میں ہُوا بھی یہی
کہ سردارانِ قریش کو اس کا گمان تک نہ تھا کہ ہم لوگ بایں ساز و سامان اور بایں کثرت
تعداد تھوڑے سے اور وہ بھی بے سر و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایسی بُری طرح شکست کھا جائیں گے۔ اَلَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ۔ یعنی وہ لوگ جو اسلام اور رسُولِ اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ والمراد
اهل مكة ومن حولهم فانهم مكروا برسول الله صلعم واصحابه بسبل الخفية (کبیر) یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی بھی ناگہانی مصیبت زمینی آپڑے۔ ۶۷ متمرد و سرکش انسان اپنی پوری کوشش
اور ساری قوتیں صرف کرکے ایڑی سے چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لے، حق تعالیٰ کا کسی معاملہ میں ذرا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا، آخر کار خود ہی ہار کر، تھک کر مجبور ہوکر بیٹھ جانا پڑے گا۔ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ۔ یعنی نزولِ عذاب کے لئے
اُسے کسی خاص اہتمام کی ضرورت تھوڑے ہی ہے، وہ ان کے جس حال میں چاہے انہیں گرفتار کرے۔ ۶۸ (چنانچہ فوراً عذاب کی گرفت میں نہیں لے لیتا، بلکہ رجوع و توبہ کے لئے بار بار مہلت دیتا ہے) والمعنى انه يمهل في
اكثر الامر لانه رءوف رحيم لا يعاجل بالعقوبة مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر طرح انسان کی ہلاکت و بربادی پر قادر ہے۔ چاہے اس کا ظاہری ذریعہ کوئی طبعی سبب مثل زلزلہ وغیرہ کے ہو، چاہے وہ کسی قوی و زبردست دشمن
کو مسلط کردے، چاہے وہ یُونہی چلتے پھرتے ہلاک کردے، اور چاہے پہلے سے جتا کر، مبتلا کر، قبضہ کرکے کوئی سامانِ ہلاکت کا پیدا کردے۔ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ۔ یعنی بار بار بلائیں لاکر تدریجاً لوگوں کو ہلاک کردے۔
اي يأخذهم على ان ينتقصهم شيئا بعد شيء في انفسهم واموالهم حتى يهلكوا (کشاف) تنقص شيئا فشيئا حتى يهلك الجميع (معالم) تَخَوُّف کے اصلی معنیٰ انسان میں ظہورِ خوف کے ہیں۔ التخوف ظهور الخوف من
الانسان (راغب) اور اسم مصدر جو فعل متعدی آتا ہے اس کے معنیٰ شرفیۃ گھٹانے کے ہیں۔ وقيل على ان يتنقصهم تنقصا القتل الخوف (راغب)

۵۵ (سو آپ صبر سے کام لیجئے) اب پھر خطاب رسول اللہ صلعم سے ہے۔ آپؐ کی افراطِ شفقت علی الخلق کی بنا پر آپؐ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پروا نہیں رکھتے، اُن کے لئے قانونِ تکوینی بدلا نہیں جائے گا، وہ بدستور یوں ہی گمراہی میں پڑے رہینگے۔ ۵۶ (اور یہ حشر و نشر، جزا و سزا سب ڈھکوسلے ہیں) جاہلیتِ عرب کے "روشن خیال" آج بھی کل کے "روشن خیالوں" کی طرح آپس میں بڑے زور و شور اور دعوے کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ کیسا حشر و نشر؟ یہ کچھ بھی ہونا ہوانا نہیں، محض خوش اعتقادیاں ہیں۔ ۵۷ اِن "آزاد خیالوں" کی تردید

مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَاَقْسَمُوْا
جسے وہ (اس کے عناد کے باعث) گمراہ کرچکا ہے، اور نہ اُن کا کوئی حمایتی ہوگا ۵۵ اور یہ بڑے زور و شور
بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ
سے خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے خدا اُسے دوبارہ نہیں اُٹھائے گا ۵۶
بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
کیوں نہیں (اُٹھائیگا) اس وعدہ کو اُس نے اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے لیکن اکثر لوگ (اتنا بھی)
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ ۙ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ
علم نہیں رکھتے ۵۷ (اور یہ دوبارہ اٹھانا اس لئے ہوگا) کہ جس امر کے باب میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿٣٩﴾
اس کا ان کے رُوبرو اظہار کردے اور تاکہ اہلِ کفر یقین کرلیں کہ وہ (واقعی) جھوٹے ہی تھے ۵۸
اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
ہم جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرلیتے ہیں تو بس اُس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا،
فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾ ۧ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
بس وہ ہو جاتی ہے ۵۹، اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ اُن پر
ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ
ظلم ہو چکا تھا ۶۰ ہم اُن کو دنیا میں (بھی) بہت اچھا ٹھکانا دیں گے اور اجرِ آخرت تو
الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ ۙ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا
(کہیں) بڑھ کر ہے کاش انہیں خبر ہوتی ۶۱ (وہ مہاجرین ایسے ہیں) جو صبر کرتے ہیں

ع ۵ — وقف لازم

میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہاری لغو و لایعنی تردید سے ہوتا کیا ہے، یہ عقیدۂ جزا و سزا تو دینِ حق کے بنیادی عقائد میں ہے، اور عقیدۂ توحید کا ایک لازمی تتمہ ہے۔ بَلٰی نفی کے جواب میں ہے یعنی کیوں نہ کریگا، ضرور کریگا۔ لایجاب النفی ای بلٰی یبعث (روح)

۵۸ (اور انبیاء و مومنین ہی سچے تھے) ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ وقوعِ معاد تو عینِ حکمت ہے۔ وہیں تو ان کافروں پر پوری طرح ظاہر ہو کر رہیگا کہ اس دارِ ابتلا میں جن جن مسائل کے باب میں وہ اہلِ حق سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، اُن میں وہ کس قدر ناحق پر تھے۔ اور وہیں اُن پر شہوداً و عیاناً یہ روشن ہو کر رہیگا، کہ وہ خود سر تا سر باطل پر، اور انبیاء و مومنین حق پر تھے۔ لِیُبَیِّنَ تعلیل کا تعلق فعل مقدر سے ہے۔ لَهُمُ کی ضمیر جمع غائب ہر مرنے والے کافر و مومن پر شامل ہے۔ لمن یموت وھو شامل للمومنین والکفار (بحر)

۵۹ (سو ایسے قادرِ مطلق کو مُردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل ہے؟ اور اس میں شبہ عقلی ہو ہی کیا سکتا ہے؟) قولنا اور نقول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمۂ کن کا (جو خود ایک دو حرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتا ہو۔ مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی سی بھی چیز ہو، اس کی تکوین کے لئے، اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے۔ اِدھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا، اور اُدھر معاً اور فی الفور وہ شے عدم سے وجود میں آگئی۔ لشیء میں لام دونوں میں ل تبلیغ کا ہے۔ والظاھر ان اللام فی لشیء وفی لہ للتبلیغ (بحر)

۶۰ (مشرکین معاندین کی طرف سے) مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ ہجرت یعنی اپنے وطن کی سرزمین کو معہٗ وہاں کے دوستوں، عزیزوں وغیرہ بے شمار مرغوبات و مالوفات کے چھوڑ دینا ہمیشہ ہی نفس پر شاق گزرتا ہے۔ شدید مظلومیت و بیچارگی کے بعد تو نفس پر یہ دشواری کئی گُنی اور بڑھ جاتی ہے۔ فِی اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے واسطے یا اللہ کی راہ میں۔ ای لاجل رضاہ (جلالین) فی حقہ ولوجہہ (مدارک بیضاوی) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ یہاں ذکر اُن مومنین سابقین و صادقین کا ہے، جنہوں نے کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ صلعم کے حکم سے، نہ صرف شہرِ مکہ بلکہ ملکِ حجاز اور سارے علاقۂ عرب کو چھوڑ کر، ایک دُور دراز ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ ھٰؤلآء اصحاب محمد ظلمھم اھل مکۃ فاخرجوھم من دیارھم حتی لحق طوائف منھم بالحبشۃ (ابن جریر عن قتادۃ) هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ۔ اس قید سے فقہاء مفسرین نے یہ بھی نکالا ہے کہ ہجرت شریعت میں معتبر وہی ہے جو دینِ الٰہی کے خاطر ہو، ورنہ نفسِ ہجرت تو محض انتقالِ وطن کے مرادف و ہم سطح ہے۔ ودل تعالیٰ بقولہ والذین ھاجروا فی اللہ ان الھجرۃ اذا لم یکن للہ لم یکن لہ موقع وکانت بمنزلۃ الانتقال من بلد الی بلد (کبیر) ۶۱ یعنی کاش ان بے خبر کافروں کو آخرت کے اجرِ بے نہایت اور راحتِ دائمی کا کچھ اندازہ ہوتا! كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں ضمیرِ غائب کافروں کی جانب ہے۔ الضمیر للکفار ای لو علم الکفار ان اللہ یجمع لھولاء المستضعفین فی ایدیھم الدنیا والآخرۃ لرغبوا فی دینھم (کبیر)

فی الدنیا حسنۃ چنانچہ مہاجرینِ مکہ کو بھی مدینہ پہنچ کر بالآخر ہر طرح کی حکومت و عزت حاصل ہوگئی۔ اور ریاستِ مکہ ہی نہیں، سارا صوبۂ حجاز، کل ملکِ عرب، بلکہ اطرافِ مشرق و مغرب بھی اُن کے زیرِ نگیں آگئے۔ وھی الغلبۃ علی اھل مکۃ الذین ظلموھم وعلی العرب قاطبۃ وعلی اھل المشرق والمغرب (کبیر)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ

اور شرک کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی کی بھی

دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

پرستش نہ کرتے (نہ) ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اُسکے بدون

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

(حکم) کسی چیز کو حرام کر سکتے ۵۰ ایسی ہی (حرکت) وہ لوگ بھی کر چکے ہیں جو ان کے

قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

قبل ہوئے ہیں ۵۱ سو پیمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ۵۲

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور یقیناً ہم نے ہر اُمّت میں ایک پیامبر بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور

وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ

شیطان (کی راہ) سے بچو ۵۳ سو اُن میں وہ بھی ہوئے جنہیں اللہ نے ہدایت دی

مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِی

اور وہ بھی جن پر گمراہی ثابت ہو کر رہی تو زمین پر چلو پھرو

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (بُرا) انجام ہُوا ۵۴

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ

اگر آپ کو ان کے راہِ راست پر لانے کی تمنا ہے تو اللہ ایسے کو راہ نہیں دکھاتا

۵۰ مشرکین کہتے تھے کہ خدا کو اگر ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک ہی کیوں نہیں دیتا، اُس نے ہمیں ان چیزوں پر قدرت ہی کیوں دی؟ —— یہ احمق حق تعالیٰ کی مشیتِ تکوینی (یا بندوں کی قوتِ اختیار وآزادئ عمل) اور اُس کی رضا وحکم کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے تھے! **۵۱** یعنی یہی ضابطہ زمانۂ ماضی کے گمراہوں کو بھی پیش آچکا ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی سوچیں، تو یہی سوال اُلٹ کر خود اُن پر بھی عائد ہوتا ہے —— آخر اُن کے عقائد کی رُو سے بھی تو خدا کو کچھ چیزیں پسند ہیں اور کچھ ناپسند۔ تو وہ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو واقع ہی کیوں ہونے دیتا ہے؟ **۵۲** (اور اس فریضہ سے وہ ہر دَور اور زمانہ میں پوری طرح ادا ہو چکے)

~~ھل یہاں بھی نفی کے مفہوم میں اور ما کے مرادف~~
~~ہے~~ - اَلْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ پوری تبلیغ یہ کہ جو دعوے ہوں وہ واضح ہوں، اُن میں کوئی گنجلک یا خفا باقی نہ رہ جائے۔ اور ہر دعویٰ پر دلیلیں صحیح، روشن اور عام فہم قائم ہو جائیں۔ **۵۳** (سو یہ توحید اور دینِ حق کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں۔ شروع سے چلی آرہی ہے) رَسُوْلًا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ملک و قوم میں، مستقلاً کوئی رسُول ہی (اصطلاحی معنی میں) آیا ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم تک پیمبر کی تعلیم پہنچ گئی ہو، خواہ اس کے کسی نائب ہی کے ذریعے۔ ہندوستان میں کوئی پیمبر ہوئے یا نہیں؟ یہ سوال ایک مُدت سے چھڑا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پیمبر کی بعثت کا امکان تو بہر حال ہے لیکن جزم ویقین کے ساتھ کسی صاحب کو پیمبر قرار دے لینا، جب تک کہ اُن کی پیمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ مل جائے، زیادتی ہے۔ اَلطَّاغُوْتَ۔ یہ منجملہ اُن الفاظ کے ہے، جن کا ترجمہ اُردو میں ایک لفظ سے ہونا دشوار ہے۔ اس لفظ پر حاشیہ سورۂ آل عمران پ ۳) ومن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ کے ذیل میں گذر چکا۔ **۵۴** (اور تاریخ وعلم الآثار سے مدد لے کر دیکھو کہ وہ سرکش وخود فراموش قوموں کا کیا انجام بیان کر رہی ہیں) فَسِيْرُوْا خطاب مشرکوں سے ہے۔ ~~لیتھا للمشرکین المکذبین (روح)~~ فَمِنْهُمْ …… اَلضَّلٰلَةُ۔ پیغمبر علیہ السلام کو تسکین دی ہے کہ آپ زیادہ غم وتردد نہ کیجیے، ضلالت وہدایت کے یہ معاملات تو قدیم سے چلے آرہے ہیں۔

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰ جَنّٰتُ عَدْنٍ
اور (زیادہ) بہتر ہے ۴۳ اور اہلِ تقویٰ کا وہ گھر واقعی اچھا ہے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں
يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا
جن میں یہ داخل ہوں گے، اُن (باغوں) کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی، انہیں ہر چیز (مل جائیگی)
مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱ الَّذِيْنَ
جو کچھ وہ چاہیں گے اسی طرح کا عوض اللہ اہلِ تقویٰ کو دیتا ہے ۴۴ (یعنی وہ لوگ)
تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ
جن کی رُوحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں ۴۵ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ
سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے سبب سے ۴۶ یہ منکرین ہوتو بس اسی کے منتظر
اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ
ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آجائے ۴۷
كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ
ایسا ہی اُن لوگوں نے بھی کیا تھا جو اِن کے قبل تھے اُن پر اللہ نے ظلم (ذرا بھی)
اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳ فَاَصَابَهُمْ
نہیں کیا تھا، بلکہ وہ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۴۸ آخر انہیں
سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴ ع ۴ / ۱۰
اُن کے اعمال کی سزائیں ملیں ۴۹ اور انہیں اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس پر وہ تمسخر کرتے تھے

۴۳ اس دُنیا کی بھلائی سے تو مُراد یہاں کی کُل نعمتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً فتح و مالِ غنیمت، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینانِ قلب وغیرہ، اور ان سب سے بڑھ کر اجرِ آخرت کا وعدہ و بشارت۔ اور عالمِ آخرت اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر بہتر اس لحاظ سے ہوگا کہ اول تو وعدۂ اجر کے تحقق و ظہور کا مقام وہی ہوگا، اور پھر وہاں کی نعمتیں کیا بہ لحاظ تعداد، کیا بہ لحاظ مقدار، اور کیا بہ لحاظ دوام و قیام، اور کیا بہ لحاظ کیفیت و نوعیت، دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت ہی نہ رکھتی ہونگی، الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا۔ یعنی اہلِ ایمان۔ وهؤلاء مؤمنون (ابن جریر عن قتادۃ) ۴۴ الْمُتَّقِيْنَ۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر ایک آیت قبل الذین اتقوا سے آچکا ہے۔ یعنی اہلِ ایمان۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ۔ ایک بڑی گہری اور اصولی حقیقت ان دو مختصر لفظوں کے اندر آگئی ہے۔ جنت میں جو ہوا بھی چلے گی، سب اہلِ جنت کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ جو کچھ بھی جس کسی کا جی چاہیگا سب پُورا ہو کر رہے گا۔ ہر تمنا کل کر، ہر آرزو حاصل ہو کر رہے گی۔ ایک ایک نعمت اور اس کے جزئیات و تفصیلات کہاں تک بیان کئے جاسکتے ہیں۔ بس ایک جامع جواب ہر مذاق اور ہر درجہ کے سائلین کے لئے آگیا۔ ۴۵ (یعنی کفر و شرک کی آلودگی سے) مسلما علی ما روی عن ابی معاذ طاهرين من دنس الشرك وهو المناسب لجعله في مقابلة ظالمي انفسهم (روح) قال ابو معاذ طاهرين من الشرك بالكلمة الطيبة (بحر) طاهرين من ظلم انفسهم بالكفر (مدارک) یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو آخر وقت تک توحید و ایمان پر قائم رہتے ہیں ——— یہاں ٹھیک اُن طبقات کا مقابلہ ہو رہا ہے، جن کا ذکر آیت ۲۸ میں آچکا ہے کہ فرشتے اُن کی جانیں سختی اور عذاب سے نکال رہے ہوں گے۔ طَيِّبِيْنَ۔ جو لوگ کفر و شرک، فسق و فجور کی آلودگیوں سے پاک ہیں، اُن کی روحیں صحیح معرفت و محبت الٰہی سے معمور رہتی ہیں اور یہ قدرۃً اپنی جانیں بڑے سرور و شوق کے ساتھ جاں آفرین کو سپُرد کرتے ہیں۔ ۴۶ فرشتوں کا زبان سے یہ کہتے جانا ظاہر ہے کہ مومنین کی تعظیم و اکرام کے لئے ہوگا۔ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ محققین کا بیان ہے کہ منامی، رؤیائی یا روحانی حیثیت سے تو مومن وفات پاتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (خود برزخ جس عالم کا نام ہے، وہ آخرت ہی کی ایک ہلکی منامی، رؤیائی شکل ہے) البتہ پوری طرح مادی اور جسمانی طور پر قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔ وهو وقت قبض ارواحهم قاله ابن مسعود ومحمد بن كعب ومجاهد والاكثرون جعلوا التبشير بالجنة دخولا مجازا (بحر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یعنی جنت میں یہ آپ کی باریابی آپ ہی آپ یا کسی کے طفیل میں یا کسی کے احسان سے نہیں ہو رہی ہے، بلکہ خود آپ ہی کے حُسنِ عمل و شیوۂ طاعت کا ثمرہ ہے ——— یہ کہہ کہہ کر مومنین اہلِ جنت کے دل کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا۔ اس تصریح اور اُن نصوص کے درمیان جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جنت تو صرف افضالِ الٰہی سے ملے گی، کوئی تعارض و تناقض نہیں۔ سببِ حقیقی تو بے شک وہی رحمتِ الٰہی ہی ہے، لیکن سببِ قریب و سببِ عادی ان لوگوں کا حُسنِ عمل ہے۔ ۴۷ (جس کے بعد قبولِ ایمان کی گنجائش ہی نہ باقی رہ جائے) ذکر اُن منکرین معاندین کا ہے جو وضوحِ حق کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہیں۔ هل نفی کے معنی میں ما کا مرادف ہے۔ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یعنی موت یا عذاب کے فرشتے آجائیں جس کے بعد ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ لقبض ارواحهم (روح عن علی بن ابی طلحة) لقبض ارواحهم (ابن جریر) يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ۔ یعنی قیامت برپا ہو جائے، یا عذابِ دنیوی نازل ہو جائے۔ اي العذاب المستاصل او القيامة (کشاف) لعله القيامة (روح عن مجاهد وقتادة) قال بعضهم المراد بالعذاب الدنيوي (روح) ۴۸ یعنی کفر، شرک و فسق، غرض سزا کے سارے کام جان جان کر کرتے تھے۔ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی انہوں نے بھی کفر و عناد پر اصرار کیا تھا، اور اُنہیں بھی سزا ملی تھی۔ ۴۹ (خواہ اسی زندگی میں، خواہ بعد موت، خواہ دونوں جگہ) +

ف۳۶ (اہلِ ایمان سے) یعنی آخرت میں منکرین پوری اور انتہائی طور پر ذلت و رسوائی کے شکار ہوں گے، اور انہیں اور زیادہ جلانے، کڑھانے کے لئے اُن سے سوال ہوگا، کہ اب بتلاؤ،
وہ تمہارے معبود کدھر گئے، جنہیں تم شریکِ الوہیت سمجھا کرتے تھے، اور جن کی خاطر تم اہلِ ایمان سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ شُرَكَآءِیَ یعنی میرے شریک تمہارے زعم و پندار کے مطابق۔ ~~ای شرکائی~~
~~فی زعمکم ماعتلکم بکبرین الایمان) علی الاضافۃ الی نفسہ حکایۃ لاضافتھم (کشاف) الذین کنتم تزعمون فی الدنیا انھم شرکائی (ابن جریر)~~ ف۳۷ وہ منکرین مردود و مخذول تو کیا جواب دیں گے، البتہ
اہلِ حق پکار اُٹھیں گے کہ آج کے دن (جیسا کہ ہم
دنیا میں کہا کرتے اور سمجھتے رہتے تھے) پوری ذلت
و رسوائی اور ساری سختی و مصیبت منکرینِ حق ہی کے
لئے ہے! فرقۂ مُرجئہ نے یہیں سے یہ استدلال
کیا ہے کہ عذابِ آخرت کافروں ہی کے ساتھ
مخصوص، محدود ہے، مومنین عاصی کو اس سے
تعلق نہ ہوگا۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی انبیاء،
مرسلین اور اُن کے متبعین صادقین۔ ~~وھم~~
~~الانبیاء علیھم السلام للمومنین الذین اتوا علما~~
~~بدلائل التوحید (بیع) وقال یحیی بن سلام ھم~~
~~المومنون (بحر)~~ ف۳۸ یعنی موت کے وقت
تک کفر و شرک میں مبتلا رہے تھے۔ ~~ای حال~~
~~کونھم مستقرین علی الشرک (بیع)~~
ف۳۹ اس پُرہیبت و ہولناک منظر سے دو
چار ہو کر منکرینِ حق اب خوشامدانہ لہجہ میں عرض
کرنا شروع کریں گے کہ بھلا ہماری کیا مجال تھی،
جو ہم شرک میں مبتلا ہوتے! ——————
کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑے ہوئے رہتے تھے،
اور کہاں اب خوشامد پر اُتر آئیں گے۔ مَا كُنَّا
نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ۔ یعنی اپنے خیال و عقیدہ میں
تو ہم کوئی بُری بات نہیں کر رہے تھے۔ ~~ای ما~~
~~کنا عاملین السوء فی اعتقادنا لعل احتمالہ~~
~~ان علمنا غیر سوء (بیع)~~ ف۴۰ تو اب تمہارے اقرار و
انکار سے ہوتا کیا ہے۔ تمہارا حال تو عالم الغیب
پر خود ہی سب روشن ہے) ف۴۱ یعنی ان
لوگوں کا جو رعونتِ نفس کی بنا پر قبولِ حق سے انکار
کرتے رہتے ہیں۔ ~~فلبئس میں ل تاکید کا ہے~~
~~واللام فی فلبئس لام التاکید (بحر)~~ مَثْوَی
الْمُتَكَبِّرِیْنَ۔ ان الفاظ سے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ تکبر
کی قدرتی جزاء دوزخ ہی ہے۔ ~~وصف التکبر~~
~~دلیل علی استحقاق صاحبہ النار (بحر)~~ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ۔ یعنی اپنی اپنی منزل و طبقہ کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اس کے مختلف درجوں میں داخل ہو۔ ~~خطاب لکل صنف منھم~~
~~ان یدخل بابا من ابواب جھنم (بیع)~~ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا۔ یہاں تمام اہلِ جہنم کو سُنا دیا کہ درجاتِ عذاب گو نسبتۃً کم اور زیادہ ہوں، لیکن خلود و دوام بہر حال سب کے لئے ہے۔ رہائی مخلصی
کی صورت کسی کے لئے نہیں۔ ف۴۲ یعنی ایسا کلام جو سرتاسر خیر و برکت ہی ہے۔ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ یعنی وہ لوگ جو کفر و شرک سے بچے رہتے ہیں۔ قال ~~الصحابۃ رضی اللہ عنھم اتقوا الشرک~~
~~وایقنوا انہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (کبیر) یعنی المومنین (بیع)~~ آیت ۲۴ میں ابھی مکذبین قرآن کا ذکر آچکا ہے کہ جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا چیز اُتری ہے تو وہ کہتے
ہیں کہ اساطیر الاولین۔ اب ٹھیک اُن کے مقابل گروہ مومنین کا ذکر ہے، کہ جب اُن سے قرآن کی بابت سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اُسے سرتاسر خیر و برکت بتاتے ہیں ◆

وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ
اور کہے گا میرے وہ "شریک" کہاں ہیں جن کے باب میں تم لڑا جھگڑا
فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ
کرتے تھے ف۳۶ علم والے (اس وقت) بول اُٹھیں گے کہ آج (پوری) رسوائی
الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
اور سختی کافروں پر ہے ف۳۷ جن کی جانیں فرشتوں نے
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا
اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اُوپر ظلم کر رہے تھے ف۳۸ تب وہ صلح کا پیغام ڈال چلیں گے
نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ
کہ ہم تو کوئی بُرائی نہیں کرتے رہے ف۳۹ ضرور (کر رہے تھے) بیشک اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
تم کرتے رہے تھے ف۴۰ تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو، اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہو کر)
فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ
غرض کیسا بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا ف۴۱ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں اُن سے
اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ
پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں بڑی (خیر) نازل فرمائی ہے ف۴۲
اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ
جن لوگوں نے نیکی کی، اُن کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالمِ آخرت تو

۳۱ (قبولِ حق سے) اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ خطاب ساری نسل انسانی کی ہے۔ سب کو بتایا ہے کہ حق تعالیٰ لاثانی اور لاشریک لہ ہے۔ یعنی حق کے اتنے وضوح کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے۔
قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ یعنی اُن کے قلب ایسے ناکارہ اور فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ ہر معقول بات سے انکار ہی پر تکے ہوئے ہیں۔ اُن کے دلوں میں نہ حق کی طلب و تلاش ہے، اور نہ کوئی فکرِ عاقبت

مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ
تکبّر کر رہے ہیں ۳۱ اللہ ضرور جانتا ہے اُس کو بھی کہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور اُس کو بھی جو کچھ
وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا
کہ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۳۲ اور جب
قِيۡلَ لَهُمۡ مَّاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ
اُن سے پُوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی تو کہتے ہیں کہ (وہی) اگلوں کے
الۡاَوَّلِيۡنَ ۙ ﴿۲۴﴾ لِيَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۙ
بے سند قصّے ۳۳ نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے گناہوں کا بھی) پورا بوجھ اُٹھائیں گے اور
وَمِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اَلَا
اُن لوگوں کے بھی (گناہوں کا) بوجھ جنہیں یہ بغیر علم سے کام لئے گمراہ کر رہے ہیں دیکھو جی!
سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ
(کیسا) بُرا ہے (یہ بوجھ) جو اپنے اُوپر لاد رہے ہیں ۳۴ بڑی بڑی چالیں وہ لوگ چلے جو ان کے قبل تھے
فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ
سو اللہ نے اُن کی (ساری) عمارت جڑ بنیاد سے اکھیڑ دی پھر اُن کے اُوپر سے اُن پر
السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ
چھت آپڑی اور اُن پر عذاب اس طرف سے آیا جدھر سے اُن کو
حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ
خیال بھی نہ تھا ۳۵ پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا

ع ۴ ۳ ۹

ہے۔ ۳۲ (چنانچہ ہر مستکبر کو سزا بھی وقت مقرر پر دے گا) خوب غور کر کے دیکھا جائے، تو معلوم ہو گا کہ دین حق قبول کر لینے کے بعد بہر حال نفس کو قانونِ الٰہی کی اطاعت میں دینا پڑتا ہے، اور یہ اکثر طبائع کو بھی سخت گراں گزرتا ہے۔ ان کے انکار و الحاد کی بنیاد عموماً خود سری، خود بینی و خود رائی ہی پر ہوتی ہے۔ ۳۳ یہ گہر افشانی قرآن مجید جیسی محقّق کتاب سے متعلق !! مشرکین مکّہ تو خیر اپنی بے خبری، تاریک خیالی اور جہالت کے لئے ضرب المثل ہی ہیں کمال یہ ہے کہ آج فرنگستان کے بڑے بڑے "روشن خیال"، مدعیان علم و دانش بہک بہک کر بس یہی کہتے ہیں کہ "قرآن" میں ہے کیا، یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصّے لے کر انہیں مسخ و تحریف کے بعد جمع کر دیا گیا ہے"۔ لَهُمۡ سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ۔ یعنی جب اُن سے باہر کا کوئی شخص سوال کرتا ہے۔ یا خود آپس میں ایک دوسرے سے پُوچھ پاچھ کرتے ہیں۔ ۳۴ وعید اُن لوگوں کے حق میں ارشاد ہو رہی ہے، جو دوسروں سے قرآن کا تعارف اسے اساطیر الاولین کہہ کر کراتے تھے۔ آخرت میں یہ اپنے انکار کا ثمرہ بھی چکھیں گے، اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا بھی۔ ~~لِيَحۡمِلُوۡا میں ل عاقبت کا ہے۔~~
~~اللام لام العاقبۃ کبیر)~~ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق ایسی بے سر و پا رائے یہ خود ہی بلا تحقیق، بلا سند، بلا ثبوت دے بیٹھتے ہیں۔ ۳۵ واقعاتِ تاریخی کو یہاں تمثیلی رنگ نشاہیں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جن پُر قوت و شوکت منکرین سابقین نے انبیاء کرام کے خلاف خوب خوب منصوبے گانٹھے تھے، بڑی بڑی زبردست چالیں سوچی تھیں، حق تعالیٰ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ اُن کی ساری خیالی عمارتیں مسمار ہو کر رہیں، اور وہ اس طرح برباد و نابود ہوئے کہ جیسے سب چھت کے نیچے دب کر رہ گئے۔ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ۔ شامت زدہ قوموں پر تباہی عموماً ایسے ہی راستوں اور طریقوں سے آتی ہے، جدھر اُن کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔

ف۲۲ (اور یہ پہاڑ سطح زمین کا توازن قائم رکھیں) اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ سے جس حرکتِ ارض کی نفی مقصود ہے وہ زمین کی دولابی یا اضطرابی حرکت ہے، جیسے ہلکا جسم ہوا سے پتا نے لگتا ہے مطلق حرکت
ارض کے مسئلہ کو، جو تمام تر ایک سائنسی بحث ہے، قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ ف۲۳ (انہی راستوں کی شناخت کے لئے) ٹیلے، پہاڑیاں، درخت،
چشمے وغیرہ سب علاماتِ راہ کا کام دیتے ہیں۔

اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

وہ تم کو لیکر ڈگمگانے نہ لگے ۲۲ اور دریا اور راستے (بنادیئے) تاکہ تم راہ پاتے رہو اور

وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ

علامتیں بھی (بنائیں) ۲۳ اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں ۲۴ اچھا تو کیا وہ جو

یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ

پیدا کرتا ہے اُسی جیسا ہو جائیگا جو پیدا نہیں کر سکتا؟ تو کیا تم (اتنا بھی) غور نہیں کرتے ۲۵ اور اگر تم

تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ

اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو اُن کا احاطہ نہ کر پاؤ گے ۲۶ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾

بڑا رحمت والا ہے ۲۷ اور اللہ جانتا ہے اُس کو بھی جو تم چھپاتے ہو اور اُس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو ۲۸

وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْــٴًـا

اور جن کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتے

وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ

اور وہ خود بھی مخلوق ہیں ۲۹ اور وہ مردے ہیں نہ کہ زندہ اور اُن کو اتنی بھی خبر نہیں کہ

ع ۲ ۱۲ ۸ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا

(مردے) کب اٹھائے جائینگے ۳۰ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان

یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ

نہیں لاتے اُن کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ

ف۲۴ ستاروں کی قدر و قیمت اس حیثیت سے کوئی سمندر کے ملاحوں، جہاز رانوں، کشتی بانوں اور صحرا اور ریگستان کے مسافروں سے پوچھے! اِس دورِ ترقی میں بھی بڑے بڑے دخانی جہازوں کے کپتانوں کا سہارا بھی "قطب نما" ہی رہتا ہے! یعنی وہ آلہ جو قطب "ستارہ" کی سمت متعین کرتا رہتا ہے۔

بِالنَّجْمِ۔ نجم بہ طور اسمِ جنس کے آیا ہے صرف صورۃً مفرد ہے نہ کہ معنیً۔ ~~[illegible]~~

ف۲۵ خطاب مشرکوں سے ہے کہ تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے، اور اتنا واضح اور بیّن فرق بھی تمہیں محسوس نہیں ہوتا۔

ف۲۶ یعنی یہ چند نعمتیں تو محض نمونہ کے طور پر بیان ہوئیں، ورنہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا حصر بھلا کس کے امکان میں ہے؟

~~نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمۃ صورۃً مفرد ہے معنیً بہ طور اسمِ جنس آیا ہے۔ تمام اقسامِ نعمت کو شامل۔~~

ف۲۷ چنانچہ صفتِ غفر کے تقاضہ سے وہ مشرکین و ملحدین تک کی توبہ قبول کر کے انہیں بخش دیتا ہے۔ اور صفتِ رحم کے تقاضہ سے وہ مشرکوں اور کافروں کو اُن کی زندگی میں دنیوی نعمتوں سے یکسر محروم نہیں کرتا۔

ف۲۸ یعنی یہ حاضر و غائب کی تفریق تو ہمارے معیار سے ہے۔ اللہ کے لئے ہر شے یکساں، اور اس پر سب عیاں ہے۔ اُس کا علم کامل بھی ہے، محیط بھی۔

ف۲۹ یعنی ان مشرکین کی کیسی حماقت ہے کہ دیوی دیوتا انہیں بناتے ہوئے ہیں، جو ایک گھاس کے تنکے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود تک کے لئے بھی خالقِ کائنات کے محتاج ہیں۔ ف۳۰ چنانچہ بعض کو تو سرے سے بعث کا علم و احساس ہی نہیں۔ بعض جن کو اتنا علم ہے، اُنہیں بھی وقتِ معیّن کا علم نہیں۔ ایسے
بے خبروں کو، ایسے ناقص علم والوں کو معبود تسلیم کر لینا جہل و سفاہت کی انتہا ہے! اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ۔ یہ صفت کسی نہ کسی معنی میں سارے معبودانِ باطل میں مشترک پائی جاتی ہے ——
مورتیوں کا بے جان ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جن "بزرگوں" کی پرستش کی جاتی ہے، وہ بھی یا تو وفات پائے ہوئے ہوتے ہیں، اور یا عنقریب وفات پانے والے ہیں *

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

اور ہر قسم کے پھل بیشک اس میں (بڑی) نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

سوچتے رہتے ہیں ۱۶ اور اُسی نے تمہارے فائدہ کے لئے (اپنا) مسخر کیا ہے رات کو اور دن کو

وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور سورج کو اور چاند کو، اور ستارے بھی اُس کے حکم سے مسخر (قدرت) ہیں بیشک اس میں اُن لوگوں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ۙ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ

کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے رہتے ہیں ۱۷ ، اور (اُن چیزوں کو بھی مسخر بنایا) جنہیں زمین پر

مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

تمہارے لئے پھیلایا، اُن کے اقسام مختلف ہیں، بیشک اس میں بھی نشانی ہے اُن لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا

رہتے ہیں ۱۸ اور وہ وہی (اللہ) ہے جس نے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اُس میں سے تازہ گوشت کھاؤ ۱۹

وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

اور تاکہ تم اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو ۲۰ اور تو کشتیوں کو

الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

دیکھتا ہے کہ اُس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کے فضل سے تلاش کرتے رہو،

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ

اور تاکہ تم (اُس کا) شکر ادا کرتے رہو ۲۱ اور اُس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں تاکہ

۱۶ یعنی اس سارے محکم نظام و انتظام نباتی میں اہلِ فکر و تدبر کے لئے اللہ کی ربوبیت، قدرت، حکمت و توحید کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ اَلزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ ۔ زیتون کھجور، انگور کے طبی فوائد نیز اہلِ عرب کے لئے اُن کی اہمیتِ خصوصی پر ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ يُنْۢبِتُ لَكُمْ سے یہ مسئلہ ایک بار پھر روشنی میں آگیا کہ یہ سارا انتظام نباتی انسان ہی کے لئے ہے۔ ۱۷ یعنی اس سارے نظامِ فلکی کے جزئیات و تفصیلات پر اگر عقل و تدبر سے کام لو، تو تم خود بول اٹھو گے کہ بیشک جس نے ایسے کامل و مستحکم انتظامات کر رکھے ہیں وہی ذاتِ واحد قادرِ مطلق و حکیم کُل اور سب کی پروردگار ہے۔

سَخَّرَ لَكُمُ ...... بِاَمْرِهٖ ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے مخلوقات جو اپنے فرائضِ تکوینی انجام دیتے رہتے ہیں، اُن سے مقصود خلیفۃ اللہ، نوعِ بشری کی خدمت ہے تو یہ کیسی اُلٹی سمجھ اور کس درجہ حماقت و سخافت ہے کہ خود اُنہی خادموں کو دیوی، دیوتا کے مرتبہ تک پہنچا دیا جائے! مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۔ سارے اجرامِ فلکی باایں عظمت و بے نہایتی اللہ کے قوانین طبعی ہی کے پابند ہیں، اور اُن سے بال بھر اِدھر اُدھر نہیں ہٹ سکتے ـــــــ مشرک قوموں کی دیومالا اُٹھا کر دیکھیے چندماں برہسپت دیوتا سے لڑتے نظر آئیں گے۔ اور زہرہ و عطارد کے درمیان جنگ ہوتی ملے گی۔ ۱۸ ایک ہی سطحِ زمین پر، ایک ہی آفتاب کی روشنی میں، ایک ہی فضائے ہوائی میں، ایک ہی بارش سے اور بعض اوقات تو فضا میں ایک دوسرے سے بالکل متصل ہی، مختلف شکل و صورت کے مختلف جسامت کے، مختلف مزہ اور بو باس کے مختلف رنگوں کے مختلف خاصیتوں کے پھول پھل، میوے ہلّے پیدا کرتے رہنا جس قدر حکیمانہ انتظامِ قدرت پر دلالت کر سکتا ہے کسی صاحبِ نظر و اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں۔ اَلْوَانُهٗ ۔ لَون کے اصل معنیٰ تو رنگ کے ہیں لیکن الوان سے انواع و اقسام بھی مراد ہوتی ہیں۔ ويعبر بالالوان عن الاجناس والانواع (راغب) ۱۹ (حلال دریائی جانوروں کا) اَلْبَحْرَ ۔ بحر کا مفہوم عربی میں وسیع ہے۔ سمندر اور دریا دونوں اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ البحر يشمل الملح والعذب (بحر) اصل البحر كل مكانٍ واسع جامع للماء الكثير (راغب) سَخَّرَ الْبَحْرَ ۔ یعنی دریا و سمندر بھی اُسی کے قانون تکوینی کے محکوم و مسخر ہیں۔ نہ خود آفریدہ ہیں نہ خود مختار ـــــــ مصر میں دریائے نیل کی پرستش کا نظارہ اسی طرح عام رہ چکا ہے، جس طرح آج ہندوستان میں گنگا مائی اور جمنا مائی، اور سرجو مائی اور نربدا مائی اور تاپتی مائی اور بھاگیرتی مائی، اور اور بے شمار دریاؤں کی پرستش کا ہے۔ ۲۰ جیسے موتی یا مونگے۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ جُزِ زینت اب تک جبکہ حاجب عن الحق نہ ہو، خلافِ طریق نہیں۔ ۲۱ یہ ابتغاءِ فضل اور توقعِ شکر اس کی صاف دلیل ہیں کہ بڑی سی بڑی بحری تجارتیں کرنا، اور اُن سے نفع اُٹھانا ذرا بھی منافیِ تقویٰ نہیں۔ تَرَى الْفُلْكَ ۔ خطاب عام ناظرین سے ہے۔ فِيْهِ ۔ یعنی دریا میں، سمندر میں۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۔ یعنی ان بحری سواریوں سے تجارت کرو۔ ابتغاءِ فضل سے مراد تجارت ہے۔ ابتغاء الفضل لهي التجارة (كشاف)

۸ محققین نے لکھا ہے کہ منافع ضروری کے بعد جمال کا ذکر لانا اس کی دلیل ہے کہ زینت، جمال وغیرہ مصالح زائد کا قصد بھی مُضر نہیں، جبکہ مانع شرعی (مثلاً فخر و تکبر) سے خالی ہو، اور کوئی امر مباح مقصود ہو، مثلاً دفع مذلت یا حصول مسرت۔ ۹ یعنی دُور دراز مقامات کی مسافت طے کرنے اور سامان منتقل کرنے میں کیسی مدد اور سہولت، اونٹ گھوڑے، بیل وغیرہ سے میسر آجاتی ہے۔ ۱۰ (چنانچہ تمہارے نفع اور آسایش کے لئے کیسے کیسے سامان اُس نے بہم پہنچا دیئے!) ۱۱ اس عموم کے تحت میں جانوروں کے علاوہ تمام انسان کی ایجاد کی ہوئی سواریاں بھی قیامت تک کے لئے آگئیں۔ انسانی صنعت و صناعت کی مدد سے جو جو طریقے حمل و نقل کے نکلے ہیں، وہ آخر اللہ ہی کے خلق میں داخل ہیں۔

تَأْكُلُونَ ۝٥ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ
تم کھاتے بھی ہو ۸ اور اُن کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ اُن کو (شام کے وقت گھر)
وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝٦ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ
لاتے ہو اور جبکہ (انہیں) صبح کے وقت (چرنے) چھوڑ دیتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں
لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ
جہاں تم بغیر نفس کی سخت مشقت کے پہنچ نہیں سکتے ۹ تمہارا پروردگار بیشک
لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝٧ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا
بڑا شفقت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۰ اور اسی نے پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم اُن پر
وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝٨ وَعَلَى اللَّهِ
سوار ہو اور زینت کے لئے بھی، اور وہ پیدا کرتا رہتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر نہیں ۱۱ اور اللہ ہی پر ہے
قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ
راستہ (کا دکھانا) ۱۲ اور بعض اُس میں سے ٹیڑھے بھی ہیں ۱۳ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب ہی کو راہ یاب
أَجْمَعِينَ ۝٩ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ لَّكُم
کر دیتا ۱۴ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا
مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝١٠ يُنبِتُ
جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور اسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو ۱۵ اور اسی سے
لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ
تمہارے لئے کھیتی اگاتے ہیں نیز زیتون اور کھجور اور انگور

ع ۱

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ۔ مشرک قوموں نے گھوڑے کی بھی پرستش کی ہے اور گدھے کی بھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیئے۔ عرب میں ان تینوں جانوروں کی بڑی اہمیت تھی۔ چنانچہ ...... ہٹی نے اپنی تاریخ عرب" میں لکھا ہے کہ نجد کے گھوڑے اور حسا کے گدھے اور عمان کے خچر ساری دنیا میں مشہور ہیں (ص ۲۲) وَزِينَةً۔ یعنی طرح طرح کے نفیس سامانِ آرایش و زینت انہی جانوروں سے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور خود یہ جانور بھی تجمل و تزئین انسانی کا ذریعہ ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۸۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ جن فقہاء نے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کو ناجائز قرار دیا ہے، اُن کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِدھر جہاں اَنعام (مویشیوں) کا ذکر آیا، وہاں حق تعالیٰ نے ومنھا تاکلون کی بھی تصریح کر دی۔ اور یہاں صرف لتركبوها وزينة ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور صرف سواری اور آرائش کے کام کے ہیں، کھانے کے لیے نہیں۔

۱۲ (طالبانِ حق کے لئے) عَلَى اللَّهِ سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے طالبانِ حق کو راہِ راست دکھا ہی دیتا ہے۔ یہ مراد نہیں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھ لیا ہے) کہ اللہ پر راہِ راست دکھانا واجب ہے۔ المراد على الله بحسب الفضل والكرم ان يبين الدين الحق والمذهب الصحيح (كبير) اى اتمام السبيل وتعين لها فضلاً (بيضاوى) وليس ذلك للوجوب اذ لا يجب على الله شيئاً ولكن يفعل ذلك تفضلاً (مدارك) قَصْدُ السَّبِيلِ۔ قصد یہاں صورۃً مصدر ہے، لیکن معنیً فاعل یعنی راہِ قاصد یا مستقیم۔ الطريق الموصل الى الحق كأنه مصدر بمعنى الفاعل وهو القاصد يقال سبيل قصد وقاصد اى مستقيم (كشاف) السبيل صورةً مفرد ہے لیکن مراد جنس سبیل ہے۔ المراد بالسبيل الجنس ولذلك اضاف اليها القصد (كشاف) ۱۳ یعنی ایسے راستے جو دینِ حق کے خلاف ہیں، اور حق تعالیٰ تک نہیں پہنچاتے۔ اور ان پر چلنے سے بچنے کا حکم ہے۔ مراد اس سے کفر و ضلالت کے مختلف طریقے ہیں۔ يعنى من السبيل ما هو جائر غير قاصد للحق وهو انواع الكفر والضلال (كبير) ومنها ضمیر سبیل کی طرف ہے، جو لفظ بالذات مؤنث ہے۔ تعود على السبيل وهي مؤنثة في لغة الحجاز (كبير) جائر۔ جور کے معنی حق سے انحراف یا کجی کے ہیں۔ اى مائل عادل معنى الجور في اللغة الميل عن الحق (كبير) ۱۴ (لیکن اُس کی مشیت تکوینی میں ہدایت عام و عالمگیر و اضطراری نہیں رکھی گئی، بلکہ صرف اُنہی افراد کے لئے رکھی گئی، جو اپنے ارادہ سے حق کی تلاش کریں) ۱۵ یہاں یہ بتایا کہ کھانے پینے کی ساری لذتوں اور نعمتوں کا آخری سرا اُسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ الخالى الزجاج كل ما ثبت على الارض فهو شجر (كبير) اى نبات مطلقاً سواء كان له ساق ام لا كما نقل عن الزجاج (روح) یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔ يعنى الشجر الذى ترعاه المواشى (كشاف)

سورۂ نحل۔ ۱ے (اے منکرو!) منکرین بار بار شرارت وطعن کی راہ سے کہا کرتے تھے کہ عذاب الٰہی اگر فی الواقع کوئی چیز ہے، تو آکیوں نہیں جاتا۔ اُس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ جواب اسی کا ارشاد ہو رہا ہے۔ اَمْرُ اللّٰہِ۔ یعنی سزائے کفر و شرک کا حکم الٰہی ——— مُراد عذابِ دنیوی بھی ہو سکتا ہے اور عذابِ قیامت بھی۔ قریب تو دونوں ہی عذاب آچکے۔ ذٰلک وعید من اللّٰہ لاھل الشرک به
اخبر هولاء الساعة قد قربت وان عذابهم قد حضر اجله قد بان بر بہم هو تهدید من اللّٰه لاهل الکفر به و برسوله واعلام منه لهم قرب العذاب منهم والهلاک (ابن جریر) تنا الطلب على قول الجمهور
یوم القیامة (معالم) وعن ابن جریج تفسیرہ بنزول العذاب بهم فيكون المراد بالامر ما وعد الله تعالى نبیه صلى الله عليه وسلم من النصر والظفر على الاعداء والانتقام منهم بالقتل والسبی ونهب الاموال والاستیلاء على المنازل والدیار
(روح) ۲ے اس کی ذات بھی منزّہ اور اس کی صفات بھی ارفع ان تمام نالائق اُمور سے جو اہلِ شرک و جاہلیت اُس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ ۳ے یعنی انبیاء و مرسلین پر۔ مَنْ یَّشَآءُ کو نے ظاہر کردیا

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ نحل مکی ہے اور اس میں ۱۲۸ آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بے انتہا رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

اللہ کا حکم آپہنچا تو اب اس میں جلدی نہ مچاؤ ۱ے پاک اور برتر ہے وہ (اللہ) شرک سے

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞۱ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ

جو یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں ۲ے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے نازل کرتا رہتا ہے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ

اپنے بندوں میں جس پر وہ چاہے ۳ے (اس حکم کے ساتھ) کہ (لوگوں کو) خبردار کردو، کہ

اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۞۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کوئی معبود بجز میرے نہیں، پس مجھی سے ڈرتے رہو ۴ے اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

حکمت کے ساتھ، وہ برتر ہے ہر شرک سے، جو یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں ۵ے اُس نے انسان کو نطفہ سے

مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۞۴ وَالْاَنْعَامَ

پیدا کیا گمر وہ تو کھلم کھلا مقابلہ پر آگیا ۶ے اور چوپائے بھی

خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا

اُسی نے بنائے، اُن میں تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے، اور (اور بھی) فائدے ہیں، اور اُن میں سے

کہ نبوّت عطیۂ الٰہی ہے، امر استحقاقی نہیں۔ بِالرُّوْحِ۔ روح سے مُراد یہاں وحیٔ الٰہی ہے۔ بالروح ای بالوحی (ابن جریر عن ابن عباسؓ) المراد من الروح الوحی وهو کلام اللّٰه (کبیر) مِنْ اَمْرِهٖ میں اس کی تاکید ہے کہ یہ نزول ملائکہ و نزول وحی اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے، کوئی اور اس میں دخیل نہیں۔ یعنی ان ذلک التنزیل والنزول لا یکون الا بامر اللّٰه تعالٰی (کبیر) فرشتوں کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر ہے، وہاں برابر اسی طرح کی قیدیں لگادی ہیں مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ فرشتے اپنی طرف سے کسی امر میں سبقت کی مجال نہیں رکھتے، پابند ہیں تمامتر حکم الٰہی کے۔ امام رازیؒ اس طرح کی متعدد آیات نقل کرکے لکھتے ہیں:۔ کل هذه الآیات دالة على انهم لا یقدمون على عمل من الاعمال الا بامر اللّٰه تعالٰی واذنه (کبیر) دیوتا پرستی ملائکہ پرستی ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید کا اس لئے اس باب میں اس قدر اہتمام و احتیاط بالکل قدرتی ہے۔ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ صیغۂ جمع میں بہ معنی جنس ملائکہ ہے، خواہ مراد اس سے صرف حضرت جبرئیل ہی ہوں۔ لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے، رسُول اللہ صلعم پر نزول تنہا جبرئیل علیہ السلام کا تھا ہی کب۔ کبھی غزوات میں فرشتوں کی پوری پوری فوجیں اتاری جاتیں، کہیں مَلک الجبال آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے، کبھی مَلک البحار، کبھی کوئی اور۔ انه سبحانه وتعالٰی ما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم جبریل وحده بل فی اکثر الاحوال کان ینزل مع جبریل افواجا من الملائکة (کبیر) المراد بالملائکة عند الجمهور جبریل علیه السلام ویسمى الواحد بالجمع کما قال الواحدی اذا کان رئیسا (عند بعض) هو علیه السلام ومن معه من حفظة الوحی (روح) مِنْ کو بعض نے بیانیہ تفسیر لیا ہے، اور من امرہ سے وحی ہی مراد لی ہے۔ من امرہ بیان للروح المراد به الوحی (روح) ترجمہ اس صورت میں یُوں ہوگا۔ "نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنے حکم کے ساتھ۔" اس میں اشارہ ادھر بھی ہے کہ پیمبر پر وحی جو آتی ہے ملائکۂ امین و صادق کے ذریعہ سے آتی ہے کسی شیطان فاسق کے ذریعہ سے نہیں۔ نیز آیت سے اس کی تعلیم بھی مل جاتی ہے کہ پیمبر صاحبِ وحی ہوجانے کے بعد بھی بندہ رہتا ہے، اور فرشتے بھی بر ایں کمال تقرب و منزلت حدِّ عبودیت سے نہیں آگے بڑھنے پاتے۔ ۴ے (اور میرے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہ لاؤ) انذار ایسا اعلان ہے جس کے ساتھ خوف بھی ملا جُلا ہو۔ الانذار هو الاعلام مع التخویف (کبیر) ۵ے آیت سے کئی تعلیمات حاصل ہوئیں، مثلاً یہ کہ (۱) آسمان و زمین خود ساختہ نہیں، مخلوق ہیں۔ (۲) مخلوق اللہ کی ہے نہ کہ کسی اور کی۔ (۳) ان سب کی خلقت بلا کسی غرض و مقصد کے، سیر و تفریح، کھیل و تماشہ کی طرح نہیں، گہرے حکیمانہ مقصد ہی سے ہوئی ہے۔ ۶ے اور اپنے رب کی ذات و صفات کے باب میں کیسے کیسے مناقشے برپا کردیئے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ انسان جو استکبار و انانیت سے لبریز ہوجاتا ہے، حقیقۃً اُس کی اصل مادی ہے کتنی حقیر و پست! ۷ے مطلب یہ ہُوا کہ چوپایوں میں کوئی شانِ ربوبیت و الوہیت اصلاً نہیں۔ سب کے سب اللہ کے مخلوق و مربوب ہیں، انسان ہی کے نفع و خدمت کے لئے۔ نہ کہ اُلٹے انسان کے مخدوم اور دیوتا بننے کے قابل ——— یہ تردید ہو رہی ہے اُن مشرک و جاہل قوموں کی جنھوں نے گائے اور بیل اور بھینس وغیرہ کی پرستش کی ہے۔ دِفْءٌ لفظی معنی سرمائی پوشش کے ہیں۔ الدفء خلاف البرد (راغب) اس عموم میں دوشالے، شال، پوستین، دُھسّے، خیمے، ڈیرے وغیرہ سب آگئے۔ وَمَنَافِعُ۔ چنانچہ کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام میں آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی بار برداری کے، اور کسی کی جلد سے جوتے اور بکس اور دوسرے قسم کا چرمی سامان بنتا ہے، وقس علیٰ ہذا۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ چوپایوں کی کھال، اُون وغیرہ سے نفع حاصل کرنا، زندہ اور مُردہ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ ذلک یقتضی جواز الانتفاع باصوافها واوبارها فی سائر الاحوال من حیاتها وموتها (جصاص)

الْمُبِيْنُ ۝٨٩ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝٩٠

ڈرانے والا ہوں ١٦١ جیسا ہم نے (وہ عذاب) نازل کر رکھا ہے قسما قسمی کرلینے والوں پر

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝٩١ فَوَرَبِّكَ

جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے تھے ١٦٢ سو آپ کے پروردگار کی قسم

لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩٢ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩٣

کہ ہم اُن سب سے ضرور سوال کریں گے اُن اعمال کی بابت جنہیں وہ کرتے رہے ہیں ١٦٣

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٩٤

غرض آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اُسے صاف سُنا دیجئے اور مشرکوں کی پروا نہ کیجیے ١٦٤

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝٩٥ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ

ہم آپ کے لئے تمسخر کرنے والوں کے مقابلہ میں کافی ہیں ١٦٥ وہ تمسخر کرنے والے جو اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٩٦ وَلَقَدْ

دوسرا معبود بھی قرار دیئے ہیں سو اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ١٦٦ اور بالیقین

نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝٩٧

ہم کو معلوم ہے کہ (یہ لوگ) جو کچھ کہتے رہتے ہیں اُس سے آپ کا دل تنگ ہونا رہتا ہے ١٦٧

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝٩٨

سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کرتے رہیئے اور سجدہ کرنے والوں میں رہیئے ١٦٨

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝٩٩

اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیئے، یہاں تک کہ آپ کو امرِ یقین پیش آجائے ١٦٩

الربع · رکوع ٦

منزل ٣

١٦١ (تم منکروں کو) ارشاد یہ ہورہا ہے کہ آپ معاند کافروں کے ساتھ اپنا فرضِ تبلیغی بس ادا کر دیجیے، باقی اُن کا دل پھیر دینا تو آپؐ کے ہاتھ میں ذرا سا بھی نہیں۔ آگے اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ ١٦٢ (اور بعض ٹکڑوں کو جو اپنی مرضی کے مطابق ہوتے تھے، لے لیتے تھے، اور جن حصّوں کو اپنے لئے ناخوشگوار پاتے تھے، اُن سے انکار کر دیتے تھے) یہ حال شروع شروع میں سب ہی منکرینِ قرآن کا تھا۔ اس کی صداقت کے وہ سَو فیصدی منکر نہ تھے۔ جن حصّوں کو چاہتے مان لیتے اور جسے نہ چاہتے نہ مانتے۔ یہاں اُنہی کا ذکر ہے کہ بالآخر وہ کیسے پارہ پارہ اور معذب ہو کر رہے ——— آیت اگر مدنی ہے جب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ صاف منکرین تباہ شدہ و ہلاک شدہ کے انجام کی جانب اشارہ ہے لیکن اگر مکی ہے تو مستقبل کا جو واقعہ یقینی طور پر قطعی ہوتا ہے، اُس کے لئے عربی اسلوبِ بیان میں ماضی کا صیغہ لانا عام ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں ایک آدھ نہیں، بہ کثرت موجود ہیں۔ اَنْزَلْنَا۔ مُراد حسب سیاق "نازل کر چکے ہیں" (بہ صیغہ ماضی) بھی ہو سکتی ہے، اور "نازل کر کے رہیں گے" (بہ صیغہ مستقبل) بھی ہو سکتی ہے۔ اَلْمُقْتَسِمِيْنَ۔ قسم سے مشتق ہے، اور اس کے معنیٰ حلف اُٹھانے والوں کے ہیں یعنی وہ دشمنانِ اسلام جنہوں نے مکّہ معظمہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں باہم سازش کر کے حلف اُٹھائے تھے۔ ای الذین تقاسموا بعضب مکۃ وقیل الذین تحالفوا علی کیدہ علیہ السلام (راغب) قال ابن عباس فھم الذین تقاسموا وتحالفوا علی کید الرسول صلعم (تاج) ای الذین حلفوا (بخاری کتاب التفسیر) قال مجاھد تقاسموا تحالفوا (بخاری) قوم تحالفوا علی عضہ النبی صلعم ولیں تفیدوا ذلک بکل طریق (ابن قتیبہ) عِضِيْنَ۔ یعنی متفرق۔ پارہ پارہ۔ تعضیہ کے معنیٰ حصّوں کے الگ الگ کرنے کے ہیں۔ ای مفرقۃ لو التعضیۃ تجزئۃ الاعضاء (راغب)۔ ١٦٣ (اور انہی اعمال کے مطابق انہیں سزائیں دینگے) یہ سوال قیامت میں بہ طور عتاب و مواخذہ ہوگا نہ بہ طور استفسار۔ ١٦٤ (یہ نہ مانیں گے اور مخالفت میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے رہیں گے) فَاصْدَعْ۔ صدع کے معنیٰ تفصیل سے بیان کر دینے کے ہیں۔ صدع الامر ای فصلہ (راغب) ١٦٥ مکّی زندگی میں جہاں رسُول اللہ صلعم کو ایک طرف ہر طرح کی جسمانی و رُوحانی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں وہاں دوسری طرف طنز و تمسخر و استہزاء کا بھی ایک بے پناہ طوفان برپا تھا۔ بعض مفسّرین ان جزئیات کی طرف چلے گئے ہیں کہ مستہزئین کون کون تھے، اور اُن کا طریق استہزاء کیا کیا تھا۔ لیکن جیسا کہ امام المفسّرینؒ نے فرمایا ہے، مفسّر کو اس کا زیادہ کھوج لگانے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا جان لینا کافی ہے، کہ رسُول اللہ صلعم کے زمانہ میں ایک پُورا طبقہ صاحبِ اثر و وجاہت مستہزئین کا تھا۔ ولا حاجۃ الی شئ منھا والقدر المعلوم انھم طبقتھم قوۃ وشوکۃ وریاسۃ (کبیر) ١٦٦ (کہ تمسخر و شرک کا کیا انجام ہوتا ہے) سَوْفَ۔ یعنی فردائے قیامت میں۔ ١٦٧ اور یہ دل کی تنگی ایک بالکل امر طبعی ہے بلکہ اگر بغض فی اللہ سے عقلاً پیدا ہو، تو عین عبادت ہے۔ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی وہی کفر و شرک انکار و استکبار، طنز و تمسخر کی باتیں۔ ای بما یقول ھؤلاء المشرکون من قومك من تکذیبھم ایاك واستھزائھم بك وبما جئتھم به (ابن جریر) ١٦٨ (کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں انہماک ضیقِ صدر سے بھی نجات دلا دیگا) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں لگ جانے سے عالمِ قدس کے انوار کا فیضان شروع ہو جاتا ہے، اور اس سے دنیا بالکل حقیر و ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اسی لئے غم و الم کی طرف سے بھی طبیعت ہلکی اور بے فکر ہو جاتی ہے۔ السّٰجِدِيْنَ۔ یعنی نماز پڑھنے والے۔ ای من المصلین (بیضاوی) والمراد واللہ اعلم من المصلین فکنی بالسجود عن الصلاۃ (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں غم و ضیقِ صدر کا علاج بتا دیا گیا ہے، اور وہ ذکر و توجہ الی الحق ہے۔ ١٦٩ (اسی حالت ذکر و عبادت میں) گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ منکرین سے خفگی و بیزاری، جو بغض فی اللہ کا نتیجہ ہے، گو خود بھی ایک عبادت ہے، لیکن ذکر و تسبیح الٰہی کی مداومت اس سے بھی افضل ہے۔ وقتِ وفات آئے تو اسی نام جاں بخش پر آئے۔ اَلْيَقِيْنُ۔ یقین یہاں معنیٰ موت ہے۔ ای حتی یاتیك الموت (سُمّی الیقین الموت لانہ یقین لاحقہ لکل مخلوق حی (تاج) اکثر ائمہ لغت کے نزدیک، موت اس لفظ کے حقیقی معنیٰ ہیں اور بعض کے نزدیک مجازی۔ مال کثیرون الی انہ حقیقی وصرح بعضھم انہ مجاز (تاج) خود قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی یقین موت ہی کے معنیٰ میں آیا ہے۔ وکنا نکذب بیوم الدین حتّٰی اتٰنا الیقین (مدثر) اور حدیث میں بھی حضرت عثمانؓ بن مظعون صحابی کی شہادت کے سلسلے میں لفظ یقین اسی معنیٰ میں آیا ہے۔ اما ھو فقد جاءہ الیقین وانی لارجو لہ الخیر (صحیح البخاری کتاب الجنائز) حضرت عبداللہ بن عمر صحابیؓ اور تابعین میں مجاہد، معالم، حسن بصری، ابن زید، قتادہ وغیرہ سب اسی طرف گئے ہیں۔ ای الموت کما روی عن ابن عمر والحسن وقتادۃ وابن زید (ابن جریر) اور جمہور مفسّرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ والجمھور علی ان المراد بالیقین الموت (بحر) ای ان المراد بالیقین ھٰھنا الموت (ابن کثیر) محققین نے لکھا ہے کہ یہ رد میں اُن مدعیانِ باطل کے ہے جو کہتے ہیں کہ سلوک میں کوئی مرتبہ ایسا آتا ہے، جس میں تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں، اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔ ویستدل بھا علی تخطئۃ من ذھب من الملاحدۃ الی ان المراد بالیقین المعرفۃ فمتٰی وصل احدھم الی المعرفۃ سقط عنہ التکلیف عندھم وھٰذا کفر وضلال وجھل (ابن کثیر)

۱۵۳ (ہر قسم کی سختیوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہو کر) قوم ثمود بڑی صناع قوم تھی۔ ہر قسم کے انجینئر اور ماہرین ریاضیات و تعمیرات ان میں موجود تھے۔ قوم ثمود پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ ۱۵۴ (اور ساری قوم زلزلہ سے ہلاک ہو کر رہ گئی) ۱۵۵ یعنی اُن کے دنیوی علوم و فنون، اُن کی ہنرمندی اور صناعیاں، اُن کی ہندسہ دانی اور انجینئری، کوئی چیز بھی انہیں خدائی قانون کی گرفت سے پناہ نہ دے سکی۔
۱۵۶ (اُن کی شرارتوں سے۔ اور اُن کا فیصلہ ہمارے اُوپر حشر میں چھوڑے رہیے) اب خطاب درمیان میں پھر براہِ راست رسول اللہ صلعم سے شروع ہو گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا ..... بِالْحَقِّ۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور دماغوں کو چکر میں لے آنے والا عظیم الشان نظامِ کائنات، آسمان و زمین، سُورج اور چاند، یوں ہی بے مقصد اور خود بخود نہیں، یہ سب ایک حکیمانہ نظم کے ماتحت ایک متعین مقصود کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور وہ منزلِ آخرت کی ہے جب سب کا حساب کتاب، امتحان یقینی ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ۔ یعنی ان سب کے آخری فیصلہ کا دن آرہا ہے، آپ ان کے عناد و مخالفت سے زیادہ غم میں نہ پڑیئے۔ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ صفح (درگزر) یہ کہ غم و تردّد میں نہ پڑا جائے۔ اور اس کی خوبی (الصفح الجمیل) یہ کہ شکوہ و شکایت بھی نہ کیا جائے۔
۱۵۷ (جس کے احاطۂ علم سے نہ آپ کا صبر و تحمل باہر رہ سکتا ہے نہ ان معاندین کی شقاوتیں اور شرارتیں) الْخَلّٰقُ۔ جزو و کل، صغیر و کبیر، جوہر و عرض، سب ہی کا خالق۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی وجود ہو اور وہ وجود اپنی تخلیق میں اس سے بے نیاز ہو۔ اس قسم کے تمام صفات کے اثبات سے ایک مقصود اہلِ شرک کے شرک فی الصفات کی تردید ہوتی ہے۔
۱۵۸ (تو جب اتنی بڑی نعمت آپؐ کو مِل چکی ہے، تو بس ہمارے ہی لطف و عنایت پر نظر رکھیے، اور کافروں کا جو معاملہ آپکے ساتھ ہے اُسے خیال میں بھی نہ لائیے) سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ جو حقیقۃً اپنی عظمت و اہمیتِ خصوصی کے لحاظ سے مستحق اسی کی تھی کہ اُس کا ذکر مستقلاً بھی کیا جائے۔ سبع المثانی کی تفسیر سورۃ الفاتحہ سے حدیث صحیح میں خود رسول اللہ صلعم سے منقول ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایتوں سے اور عینی کی عمدۃ القاری میں یہی قول صحابیوں میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اور تابعین میں حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور ربیع اور کلبی کا نقل ہوا ہے۔ ائمۂ تفسیر بھی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ وھو قول اکثر المفسرین انہ فاتحۃ الکتاب وھو قول عمر و علی وابن مسعود وابوہریرۃ والحسن وابی العالیۃ ومجاہد والضحاک وسعید بن جبیر و قتادۃ وروی ان النبی صلعم قرأ الفاتحۃ وقال ھی السبع المثانی رواہ ابوہریرۃ (کبیر) مِنَ الْمَثَانِيْ۔ مِن تبعیض کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور محض بطور صلہ کے بھی کام دے سکتا ہے۔ قال الزجاج فیھا وجہان احدھما ان تکون للتبعیض من القرآن ویجوز ان تکون من صلۃ والمعنی اتیناک سبعًا ھی المثانی (کبیر)
۱۵۹ (اور عنقریب اُن سے جُدا کر لی جائیں گی) یہ چند روزہ عیش (اور وہ بھی تلخیوں سے ملا ہوا) چیز ہی کونسی ایسی ہے، جسے ایک دولتِ عظیم سمجھا جائے؟ مَتَّعْنَا بِهٖٓ میں صاف اشارہ اِدھر ہو گیا کہ یہ کافران نعمتوں کے کہیں مالک تھوڑے ہی کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تو سرتاسر عارضی اور فانی چیزیں انہیں مستعار عنایت ہوئی ہیں۔ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ کافروں کی مختلف قسمیں۔ یہود، نصرانی، مجوس، مشرکین وغیرہا۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ۔ رسول اللہ صلعم ان ظاہری نعمتوں پر شوق و التفات کی نظریں تو ڈال سکتے ہی نہ تھے۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپؐ بغض فی اللہ کے ماتحت غصّہ سے نظر فرماتے کہ یہ دشمنانِ خدا اور ایسی نعمتوں سے لذت یاب ہوں! دوسری صُورت رنج و تاسف کے نقطۂ نظر سے ممکن تھی کہ کہیں یہی چیزیں تو انہیں ایمان سے مانع نہیں ہو رہی ہیں، یہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں تو ممکن تھا کہ یہ ایمان لے آتے! ——— آیت میں آپؐ کو غیظ و غم کی ان دونوں صورتوں سے نظر کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ ۱۶۰ (کہ آپ کی شفقت اور فکر مصلحت کے محلِ صحیح یہی اہلِ ایمان ہیں اور یہی نفع بھی حاصل کرینگے) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ ان پر غم و تاسف نہ کیجیے کہ یہ کافر و معاند سرے سے آپؐ کی شفقت و فکرِ مصلحت کے محل ہی نہیں۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ خفض جناح کے لفظی معنی بازو جھکانے کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مُراد ہوتی ہے، شفقت و نرم خوئی سے پیش آنے کے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپؐ اپنی شفقت کو تمامتر مومنین پر متوجہ رکھیے۔ خفض الجناح کنایۃ عن اللین والرفق والتواضع والمقصود انہ تعالٰی لما نھاہ عن الالتفات الی اولئک الاغنیاء من الکفار امرہ بالتواضع لفقراء المسلمین (کبیر) کنایۃ عن التواضع لھم والرفق بھم (روح)

يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
پہاڑوں کو تراش کر گھر بنانے کہ (اُن میں) امن چین سے رہیں ۱۵۳ سو اُن کو صبح کے وقت
الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
آواز سخت نے آپکڑا ۱۵۴ سو جو کچھ انہوں نے حاصل کر رکھا تھا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
اُن کے کچھ کام نہ آیا ۱۵۵ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
بے مقصد نہیں پیدا کر دیا ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے، پس آپ خوبی کے ساتھ
الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾
درگزر کیجیے ۱۵۶ بیشک آپ کا پروردگار تو خالقِ اعظم ہے، بڑا علم والا ہے ۱۵۷
وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ
اور بالیقین ہم نے آپ کو (وہ) سات (آیتیں) (دی ہیں جو) مکرر (پڑھی جاتی ہیں) اور قرآن عظیم
الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ
(دیا) ۱۵۸ اپنی آنکھ اُٹھا کر بھی اُن چیزوں کو نہ دیکھیے جو ہم نے ان (کافروں کی)
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ
مختلف قسموں کو دے رکھی ہیں ۱۵۹ اور نہ اُن لوگوں پر غم کیجیے اور ایمان والوں
جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ
کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھیے ۱۶۰ اور کہیے کہ میں تو صاف صاف عذاب سے)

۱۴۲ بنات (بیٹیوں) پر حاشیہ سورۂ ہُود (پ۱۲) میں گزر چکا۔ اہلِ اُمت کی بیٹیاں خود رسُولِ اُمت کے لئے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ یعنی اگر تم میری بات ماننے پر عقل و شرافت کے مقتضا پر عمل کرنے کو تیار ہو ـــــــ قدرۃً آپ کو بہت شک تھا کہ وہ آبرو باختہ لوگ آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے بھی؟ ۱۴۳ (اور جذباتِ سفلی کی بدمستی میں کوئی بات عقل و فہم کی کیوں سننے لگے تھے) لَعَمْرُكَ۔ عَمر اور عُمر عربی میں ہم معنی ہیں لیکن قسم کھانے کے موقع پر عَمر ہی آتا ہے۔ ~~العمر والعُمر واحد لكن خص القسم بالعَمر دون العُمر~~ (راغب) ~~العمر بالضم والفتح البقاء الا ان الفتح غلب فی القسم ولا یجوز فیه الضم~~ [illegible]) قسم کا ہے۔ عربی اسلوبِ بلاغت میں قسم ایک ادبی صنعت و فنکاری ہے۔ اور بہترین ادیب و شاعر اس سے حسبِ موقع آزادی سے کام لیتا رہتا ہے ـــــــ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ

کچھ کرنا ہی ہے ۱۴۲ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مدہوشی میں (بالکل) بہکے ہوئے

يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

تھے ۱۴۳ پس سُورج نکلتے نکلتے انہیں ایک سخت آواز نے پکڑ لیا ۱۴۴

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

چنانچہ ہم نے اُس (بستی) کا اُوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور اُن لوگوں پر کھنگر کے پتھر

مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾

برسا دیئے ۱۴۵ بیشک اِس (واقعہ) میں اہلِ بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں ۱۴۶

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور وہ (بستی) تو ایک آباد راستہ پر (ملتی) ہے ۱۴۷ بیشک اس (واقعہ) کے اندر ایمان والوں

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

کے لئے نشانی ہے ۱۴۸ اور بے شک بَن والے بھی (بڑے) ظالم

لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

تھے ۱۴۹ سو ہم نے انہیں بھی ٹھیک کر دیا، اور دونوں بستیاں شاہراہ پر (واقع) ہیں ۱۵۰

ع ۵ [illegible] ۱۹ ۵

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَ

اور بالیقین حِجر والوں نے (بھی ہمارے) فرستادوں کو جھٹلایا ۱۵۱ اور

اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا

ہم نے اُن کو اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں، پر وہ اُن سے رُوگردانی ہی کرتے رہے ۱۵۲ اور وہ لوگ

مذاقِ عرب پر بالکل گراں نہیں گزریں۔ اور جو اہلِ زبان مخالفت میں غرق اور اعتراض و نکتہ چینی کے لئے تلے ہوئے بیٹھے رہتے تھے اُن میں سے بھی کسی نے یہ نہ پوچھا کہ خدا کے کلام میں یہ مخلوقات کی قسمیں کیسی؟ اور قسموں کے فلسفہ یا اُن کی توجیہاتِ عقلی پر توجہ صرف عجمی اور ہندی اہلِ علم نے شروع کی۔ ~~اس بحث پر تفصیلی نظر کے لئے سورۂ ہا کا ضمیمہ "قرآنی قسمیں" ملاحظہ ہو۔~~ یہاں رسُولِ اسلام علیہ السلام کی زندگی کی صداقت اور پاکیزگی کو جو کافروں کو بھی مُسلّم تھی، بہ طور گواہ پیش کیا جا رہا ہے، اور یہی مقصد قسم کا ہوتا ہے۔ اصل قصّہ کے درمیان یہ اتنا جزو براہِ راست رسُول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے ارشاد ہُوا ہے، اور یہ طریقہ عین خطباتِ عرب کے موافق ہے۔ ۱۴۴ گویا جو کام فجر کے وقت شروع ہُوا تھا جیسا کہ آیت ۶۶ میں لفظ مصبحین سے واضح ہے، وہ وقتِ اشراق تک اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ توریت میں ہے:۔ "جس وقت لُوطؑ ضغر میں داخل ہُوا سُورج کی روشنی زمین پر پھیلی"۔ (پیدائش ۱۹: ۲۳) ۱۴۵ اور تاریخ آج تک اُن کی اس ہلاکت و بربادی پر گواہ ہے۔ توریت میں ہے:۔ "تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اُس نے اِن شہروں کو اور اس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کیا"۔ (پیدائش۔ ۱۹: ۲۴، ۲۵) ۱۴۶ (اللہ کی قدرت و حاکمیت کی، اور بدی کی مکافات کی) لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ وسم و توسّم کے معنی فراست و فہم کے ہیں۔ ~~التوسم هو الذی سماه قوم الزكانة وقوم الفراسة وقوم الفطنة~~ (راغب) اور متوسّمین وہ لوگ ہیں جو نصیحت قبول کریں، اور اہلِ عبرت و عرفان میں سے ہوں ~~ای المتبصرین المتفطنین~~ (راغب) ~~المتفرسين المتأملين~~ (کشاف) ۱۴۷ یعنی عرب و شام کے درمیان خوب چلتے ہوئے راستہ پر ـــــــ سدوم و عمورہ کے برباد شدہ شہر، بحرِ لُوط یا بحرِ مردہ کے کنارے عین اسی راستہ پر واقع تھے، جس پر حجاز و شام کے درمیان قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے، اور جس سے قرآن مجید کے مخاطبینِ اوّل، اہلِ عرب خوب واقف و مانوس تھے۔ مقیم وہ راستہ ہے جو خوب چلتا ہُوا ہو۔ ~~ثابت يسلكه الناس~~ (کشاف) وَاِنَّهَا۔ ~~ضمیر راجع ہے قوم لوط کی جانب۔ الضمیر علیٰ المدینة قوم لوط~~ [illegible] ۱۴۸ (کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور اسے بخت و اتفاق یا اسبابِ طبعی پر محمول نہیں کرتے) ۱۴۹ (جو مدین سے متصل رہتے تھے اور حضرت شعیبؑ ہی کی اُمت میں تھے) اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ۔ نولڈکی وغیرہ اہلِ فرنگ نے اصحاب ایکہ کو اصحاب مدین ہی قرار دیا ہے۔ ہمارے ائمہ تفسیر کے ہاں یہ دو قومیں الگ الگ تھیں گو متقارب لیکن بعض اقوال ہمارے ہاں بھی ایسے ملتے ہیں کہ ان دو ناموں کی قومیں دو تھیں، ایک ہی نہیں۔ ~~وهم قوم شعيب عليه السلام~~ [illegible] ~~ان~~ [illegible] ہیں۔ ۱۵۰ (جن سے اہلِ عرب کے قافلے اکثر گزرتے رہتے ہیں) اِنَّهُمَا۔ دونوں بستیاں، یعنی قوم لُوط اور اصحٰب الایکہ کی بستیاں۔ ~~یعنی قوم لوط والایکة~~ [illegible] لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ امام کہتے ہیں وسیع راستہ یا شاہراہ کو۔ اور طریق کو امام عجب نہیں کہ اس لئے کہا گیا ہو کہ اس کا اتباع کیا جاتا ہے۔ ~~الامام الطريق الواسع~~ [illegible] (کشاف) ۱۵۱ الحجر۔ شمالی عرب اور شام کے درمیان کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہ حضرت صالحؑ کی اُمت قوم ثمود کا مسکن تھا۔ شام سے مدینہ کو آنے لگیے تو سب سے پہلے ارضِ لُوط پڑے گی پھر سرزمین شعیبؑ (مدین) ملے گی اور سب سے آخر میں علاقۂ حجر یا مسکن قوم ثمود تینوں عبرت انگیز خطے باہم متصل ہیں۔ اور شاید اسی مناسبت سے تینوں کا ذکر بھی یہاں ایک ساتھ ہے۔ المرسلین کے صیغۂ جمع سے متعلق امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہ قوم ہندی برہمنوں کی طرح کُل سلسلۂ رسالت ہی کی منکر ہو۔ ~~لعل القوم كانوا براهمة منكرين لكل الرسل~~ (کبیر) ۱۵۲ یعنی ہمارے رسولوں نے معجزات و دلائل ہر طرح کے پیش کر کر کے انہیں راہِ راست پر لانا چاہا، لیکن وہ برابر ہٹ اور انکار ہی پر قائم رہے۔

مُنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ
معلوم ہوتے ہو۱۳۵ وہ بولے نہیں، بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس کے باب میں یہ
يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾
شک کیا کرتے تھے ۱۳۶ اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں، اور بیشک ہم بالکل سچے ہیں
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ
سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جائیے اور آپ اُن کے پیچھے پیچھے چلیے
وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾
اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا حکم تمہیں ملا ہے (سب) اُسی طرف چلے جاؤ۱۳۷
وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ
اور ہم نے لُوطؑ کے پاس (اپنا) یہ فیصلہ بھیج دیا کہ صبح ہوتے اِن لوگوں کی جڑ ہی
مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ
(بالکل) کٹ جائے گی ۱۳۸ اور شہر کے لوگ خوشیاں کرتے ہوئے
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا
آئے ۱۳۹ (لُوطؑ نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھے (عام لوگوں میں) فضیحت تو
تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ
مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے (مہمانوں کی نظر میں) رسوا مت کرو۱۴۰ وہ بولے کیا ہم نے
نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ
تم کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر دیا تھا؟۱۴۱ (لُوطؑ نے) کہا یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں اگر تمہیں

۱۳۵ (اور ہمارے مُلک کا دستور ہے کہ بیرونیوں اور پردیسیوں سے ہر طرح کی شرارت و بدسلوکی کرتے رہتے ہیں) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۱۳۶ یعنی عذاب وہلاکت۔ بسل میں یہ سارا مضمون آگیا کہ ہم انسان ہیں ہی نہیں، بلکہ فرشتے ہیں۔ ۱۳۷ یعنی مُلک شام ہی کے کسی دوسرے شہر کی طرف۔ توریت میں اس شہر کا نام ضُغر بتایا گیا ہے (پیدائش ۱۹:۲۲)۔ موجودہ جغرافیہ میں تو کوئی شہر اس نام کا نہیں ملتا لیکن بابل کے علماء کا خیال ہے کہ یہ شہر بحرِ مُردہ کے جنوبی ساحل پر واقع تھا۔
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ یعنی اپنے گھر والوں کو راتوں رات نکال لے جائیے، ایسا کہ کوئی رہ نہ جائے۔
وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ۔ یعنی بس سیدھے ان کا پیچھا لئے رہیئے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی راستہ سے پلٹ آئے۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ۔ یعنی یہ بھی نہ ہو کہ آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے پھر پھر کر دیکھے۔ ۱۳۸ یعنی صبح تڑکے سے ان بدبختوں پر عذابِ ہلاکت نازل ہونا شروع ہوجائے گا۔
وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ۔ یہ فیصلہ خداوندی حضرتؑ کے پاس اُنہی فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچا۔
امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں پہلے اس فیصلہ کو مبہم رکھنا، اور پھر خود ہی اس کی تفصیل کر دینا اس فیصلہ کی اہمیت و عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ ~~وفی ابہامہ اولاً وتفسیرہ ثانیاً تفخیم الامر وتعظیم لہ~~ (کبیر)
۱۳۹ (یہ سمجھ کر کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا)
اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ یعنی شہر سدوم والے۔
يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ مسرتِ حیوانی و شیطانی اس کی تھی کہ اپنی گندہ مذاقی کی تسکین جی بھر کر ہو سکے گی۔ ۱۴۰ حضرت لوطؑ ہر طرح اپنی قوم والوں کو سمجھا رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ نو وارد تو میرے مہمان ہیں، ان کی تم نے بےعزتی کی تو پہلے میری ہی عزت اُتار لی۔ میں تو تمہاری بستی کا ہوں، میری ہی طرف دیکھو۔ کبھی فرماتے کہ ذرا اپنے دل میں خوفِ خدا لاؤ اور سوچو تو سہی کہ کیسی گندہ حرکتوں میں مبتلا ہو، اور کبھی ارشاد فرماتے، کہ اپنے والوں کا خیال نہیں ہے تو نہ سہی، کم سے کم میرے مہمانوں کی نظر میں تو مجھے حقیر و رسوا نہ ٹھیراؤ۔ ۱۴۱ (کہ اجنبیوں اور پردیسیوں کے ٹھیرانے کے ہم روادار نہیں۔ سو تم نے خود ہی ہماری اس مخالفت کی پروا نہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھہرا کر اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کرائی!) کسی پہلے حاشیہ میں آچکا ہے کہ قوم لُوط والے باہر والوں کو اپنے ہاں آنے ہی نہیں دینا چاہتے تھے اور اگر وہ آجاتے تو اُن سے ہر طرح کی بیہودگی کے ساتھ پیش آتے ———— جو اُس وقت کی شریفانہ تہذیب و معاشرت اور آئینِ مہمانی کے قطعاً منافی تھا۔

۱۲۷ کرتم جو یہ پیش کیا ہُوا ماحضر قبول نہیں کرتے ہو، تو کہیں دُشمنی کے ارادہ سے تو نہیں آئے ہو)   عرب، عراق و شام کی قدیم تہذیب و معاشرت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ ڈاکو، چور یا غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تھے تو پھر اُس کے بعد اُسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ اور اجنبیوں اور مسافروں کے لباس میں اکثر یہی غارتگر ہی چھپے ہوتے تھے، اِس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اِن نَو واردوں کی مہمانی کرنی چاہی، اور انہوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرۃً آپؑ کا ذہن اِس طرف منتقل ہُوا کہ کہیں یہ کوئی جرائم پیشہ تو نہیں —— حضرتؑ ان انسانی قالب میں آنے والے فرشتوں کو اب تک انسان ہی سمجھ رہے تھے —— پیمبری کا کوئی جزو غیب دانی ہرگز نہیں۔ حاشیے پہلے بھی گذر چکے ہیں۔

۱۲۸ مُراد حضرت اسحٰقؑ ہیں، آپ نبیؑ تھے اور اس لئے ظاہر ہے کہ بڑے صاحبِ علم بھی تھے۔ لَا تَوْجَلْ یعنی ہم سے پریشان نہ ہوجیے۔ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔

۱۲۹ آپؑ کا مطلب تھا کہ یہ امر آثار و علامات ظاہری اور اسباب عادی کے لحاظ سے تو مستبعد ہے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اللہ کی قدرت سے بعید ہے۔

۱۳۰ یعنی اسباب عادی و ظاہری پر نظر نہ کیجیے، ہم تو خالقِ کائنات کی طرف سے آپ کو خوشخبری سُنا رہے ہیں۔

۱۳۱ قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے اور یاس و نا اُمیدی کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کا رازدان ابراہیم خلیلؑ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا تھا چنانچہ آپ نے اسی کا یہاں اظہار کیا ہے۔

۱۳۲ حضرت ابراہیمؑ کو جب ان آنے والوں کے فرشتے ہونے کا علم ہوگیا تو آپؑ فراستِ نبوّت سے یہ بھی سمجھے کہ ضرور ان کی تعیناتی محض اتنی بشارت کے لیے نہیں بلکہ کسی اور اہم مقصد کے لئے ہوئی ہے۔ خطب کہتے ہیں مقصد اہم کو "مشن" کو۔ الخطب الامر العظیم الذی یکثر فیہ التخاطب (راغب)

إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ

ہم کو تم سے ڈر لگ رہا ہے ۱۲۷ (فرشتے) بولے کہ آپ ڈریئے نہیں ہم آپ کو بشارت

بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ

ایک صاحبِ علم فرزند کی دیتے ہیں ۱۲۸ (ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھے بشارت اس حال میں دیتے ہو کہ مجھ پر

الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ

بڑھاپا آچکا سو بشارت کس چیز کی دیتے ہو ۱۲۹ وہ بولے ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں

فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَن يَقْنَطُ

سو آپ نا اُمید نہ ہوں ۱۳۰ (ابراہیمؑ نے) کہا کہ اپنے پروردگار کی

مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

رحمت سے نا اُمید ہوتا ہی کون ہے بجز گمراہوں کے ۱۳۱ (پھر ابراہیمؑ نے) کہا اب تم کو کیا مہم

أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ

درپیش ہے اے (اللہ کے) فرستادو ۱۳۲ وہ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف

مُّجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾

بھیجے گئے ہیں بجز خاندانِ لُوطؑ کے کہ ہم اُن سب کو بچالیں گے ۱۳۳

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا

بجز اُن کی بیوی کے کہ اُس کی نسبت ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں رہیگی ۱۳۴ پھر

جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ

جب وہ فرستادے لُوطؑ کے گھرانے میں آئے تو (لُوطؑ نے) کہا کہ تم تو اجنبی قوم کے لوگ

۱۳۳ (عذاب و ہلاکت سے، اور انہیں سزا پانے والے مجرموں سے الگ کر دیںگے)   قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ۔ یعنی لُوط پیمبرؑ کی اُمت۔ حاشیے اُوپر گزر چکے ہیں۔

۱۳۴ (اُس قوم معذب کے ساتھ۔ اور اُنھی لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوگی)   حضرت لُوطؑ کی بیوی کافرہ تھیں، اور یہ ضرور نہیں کہ آپؑ کو اس کا علم بھی ہو۔   قَدَّرْنَا۔ اس تجویز کے عمل کو فرشتوں نے منسوب اپنی جانب کیا، حالانکہ یہ فعل براہِ راست حق تعالیٰ کا تھا —— یہ نسبت مجازی عجب نہیں جو فرشتوں کے مرتبۂ قُرب و اختصاص کے اظہار کے لئے ہو۔

اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ

بہکے ہوؤں میں سے بھی جو تیری پیروی کرنے لگیں ۱۱۹ اور بیشک جہنم ان سب کی

اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ

وعدہ گاہ ہے ۱۲۰ اُس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے اُن میں سے

جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾

(وہاں کے) الگ الگ حصے ہیں ۱۲۱ بیشک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ

تم داخل ہو اُن میں سلامتی (اور) امن کے ساتھ ۱۲۲ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں کینہ ہوگا

مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ

اُسے ہم دور کر دیں گے ۱۲۲ (سب) بھائی بھائی کی طرح رہیں گے آمنے سامنے تختوں پر ۱۲۳ اُس کے اندر اُن کو

فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ

کوئی تکلیف چھوئے گی ہی نہیں، اور نہ وہ اس میں سے (کبھی) نکالے جائیں گے ۱۲۴ میرے بندوں کو

عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ

خبر کر دیجئے کہ میں یقیناً بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا

هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ

دردناک عذاب ہے ۱۲۵ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں (کے قصہ) کی خبر

اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ

کر دیجئے ۱۲۶ جبکہ وہ اُن کے پاس آئے اور کہا (تم پر) سلام ہو (ابراہیم) بولے

ع ۱۹/۳

وقف لازم

۱۱۸ سو کوئی شخص گناہ پر مجبور و مضطر ہرگز نہیں۔ توفیقِ الٰہی ساتھ جب ہی چھوڑتی ہے، جب انسان خود شیطان کی جانب میل قوی رکھنے لگتا ہے۔ شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ دم دلاسا خوب دلا لیتا ہے، انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب دلا دیتا ہے، بس اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔ فلا منتہی تنبیہ التزیین والاغواء (بیضاوی) ابلیس کے قول میں ابھی گزرا تھا کہ الا عبادك منهم المخلصين۔ حق تعالیٰ کے قول میں اب ارشاد ہو رہا ہے الا من اتبعك من الغاوين۔ مفسرین نے کلام کی اس ترتیب سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ جس کو جس چیز کا اہتمام ہوتا ہے وہ اسی کو مقدم رکھتا ہے چنانچہ ابلیس نے اغوا کو مقدم رکھا اور حق تعالیٰ نے مخلصین کی حفاظت کو۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے اُوپر جو دعویٰ کر دیا ہے کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور سبز باغ دکھاؤں گا تو اس سے یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے۔ آیت میں اسی غلط عقیدہ کی تردید ہے اور اعلان ہے کہ شیطان کا زور کسی بندہ پر بھی نہیں، خواہ وہ برگزیدہ ہو یا غیر برگزیدہ۔ ہاں البتہ جو بندہ خود ہی شیطان کی راہ پر چلنے لگے تو اُسے اختیار ہے۔ غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی ممکن غلط فہمی دُور کر دی ہے، الحاصل فی هذا القول ان ابلیس اوهم ان له على بعض عباد الله سلطانا فبين تعالى كذب فيه وذكر انه ليس له على احد منهم سلطان ولا قدرة اصلا (كبير) ۱۱۹ یعنی خود شیطان، اُس کی ذریات اور اُس کے پیروؤں کی وعدہ گاہ۔ قال ابن عباس يريد ابليس واشياعه ومن اتبعه من الغاوين (كبير) ۱۲۰ (کہ کوئی کسی دروازہ سے جائیگا کوئی کسی سے) دروازوں کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاقِ عذاب کے لحاظ سے سات طبقوں کے اظہار کے لئے ہو۔ لعلها سبع فرق (بیضاوی) اى سبعة اطباق (ابن جرير عن عكرمة) او سبع طبقات ينزلونها بحسب مراتبهم في الغواية والمتابعة (روح) یہ بھی ممکن ہے کہ محض خلود مراد ہو، اور اس سے مقصود دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرتِ تعداد کا اظہار ہو۔ قيل المراد ان لها سبعة ابواب يدخلونها لكثرتهم والاسراع بتعذيبهم (وقيل) ان يدخلون فيها لكثرتهم (بيضاوی) ۱۲۱ یعنی اہلِ ایمان سے ارشاد ہو گا کہ تمہیں اس وقت بھی ہر مکروہ سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں۔ متقین۔ متقی سے یہاں مُراد وہ لوگ نہیں، جو جمیع معاصی صغیرہ و کبیرہ سے بچے رہے ہوں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ہے) بلکہ صرف شرک و کفر سے بچنے والے مقصود ہیں۔ وهو قول جمهور الصحابة والتابعين وهو المنقول عن ابن عباس ان المراد الذين اتقوا الشرك بالله تعالى والكفر به واقول هذا القول هو الحق الصحيح (كبير) يتناول جميع القائلين بلا اله الا الله محمد رسول الله قولا واعتقادا سواء كانوا من اهل الطاعة او من اهل المعصية (كبير)۔ ۱۲۲ یعنی دنیا میں خود ان متقین میں باہم جو کچھ کینہ و کدورت طبعی اسباب سے ہوگی، اُسے بھی قدرتِ الٰہی آخرت میں یکقلم محو کر دیگی، جس سے سب اہلِ جنت ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہو کر آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں گے۔ اہلِ حق کے درمیان اگر طبعی اسباب سے ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں، غلط فہمیاں اور ناگواریاں پیدا ہو جائیں، تو یہ تقویٰ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ جیسا کہ بعض اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے۔ ۱۲۳ یعنی آپس میں مجالست و مخالطت غایتِ اُلفت و محبت کے ساتھ رکھیں گے۔ ۱۲۴ اس میں یہ بتایا کہ جنت کی نعمتیں صرف کامل و اکمل ہی نہ ہونگی بلکہ دائم و قائم بھی ———— اس عالمِ ناسوت میں مداومتِ عیش کا ایک ضمیمہ تعب یا خستگی بھی ہے۔ عیشِ جنت کے لئے تصریح سے بتا دیا گیا کہ وہاں دوام کے باوجود تکان مطلق نہ ہو گا۔ ۱۲۵ مومن کی شان جو حدیث میں بتائی گئی ہے کہ اُس کا قلب ہمیشہ بیم و رجا، خوف و اُمید کے درمیان رہتا ہے، اُس کی بنیاد انہی صفاتِ الٰہی پر ہے ———— بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمتِ بیکراں اور مغفرتِ بے پایاں پر نظر کرتا ہے، تو اُسے ہر طرف اُمید ہی اُمید نظر آتی ہے لیکن جب نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں، خطاؤں کی طرف جاتی ہے، تو قلب کا خشیتِ الٰہی سے تھرا جانا بھی بالکل قدرتی اور صحیح ہے۔ عبادی میں بندوں کی اضافت اللہ کی طرف اُن کی انتہائی قدر و منزلت کے لئے ہے۔ اضاف العباد الى نفسه هذا تشريف عظيم (كبير) اس عمومِ بشارت کے تحت میں مومن متقی کے ساتھ مومن عاصی بھی آ جاتا ہے۔ نبئ كلمة هي كالصريح في ان المراد بعبادي المطيع وكذا التعبير بالعباد فيدخل فيه المؤمن العاصي (كبير) اِنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ رحمت و مغفرت پر زور و تاکید کے یہاں تین تین طریقے جمع کر دیئے ہیں۔ ایک اِنّی دوسرے انا تیسرے ال غفور و رحیم پر۔ لما ذكر الرحمة والمغفرة بالغ في التاكيد بالفاظ ثلاثة اولها قوله انى وثانيها قوله انا وثالثها ادخال حرف الالف واللام على قوله الغفور الرحيم (كبير) ۱۲۶ سورۂ ہود (پ ۱۲) میں اس قصہ پر حاشیے گزر چکے۔

لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ

میں وہ نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تُونے لسدار گارے کی کھنکھناتی ہوئی

مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ

مٹی سے پیدا کیا ہے ۱۱۱ (اللہ نے) فرمایا تو تُو نکل اِس (آسمان) سے، بیشک تُو

رَجِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾

مردود ہوگیا ۱۱۲ اور بیشک تیرے اُوپر روزِ قیامت تک لعنت رہے گی ۱۱۳

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ

بولا اے میرے پروردگار تو پھر مجھے مہلت دے حشر کے دن تک ۱۱۴ (اللہ نے) فرمایا اچھا تو

مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ

تجھے مُہلت ہے وقتِ معلوم کے دن تک ۱۱۵ وہ بولا

رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ

اے میرے پروردگار چونکہ تُونے مجھے بہکایا ہے میں بھی یقیناً ان کی نظر میں دنیا میں (معاصی کو) خوشنما بنا کر اور

لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

اُن سب کو بہکا کر کے رہوں گا بجز اُن میں سے تیرے ان بندوں کے

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾

جو منتخب کرلئے گئے ہیں ۱۱۶ (اللہ نے) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے مجھ تک (پہنچنے والا) ۱۱۷

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ

بیشک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں

۱۱۱ یعنی ایسے حقیر و ذلیل مادّہ سے بنی ہوئی مخلوق کو اور مَیں سجدہ کروں، جو نورانی مادّۂ آتش سے بنا ہُوا ہوں! آتشی کہیں خاکی کے آگے، نُورانی کہیں ظلماتی کے آگے جُھک سکتا ہے؟ —— گویا مادّۂ لطیف مادّۂ کثیف سے افضل و بہتر ہر جہت و اعتبار سے ہوتا ہے، اور افضل کو غیر افضل کے آگے کبھی اور کسی اعتبار سے بھی جُھکنا غلط ہے! ابلیس کی ان باطل آرائیوں کی تردید سورۃ الاعراف کے حواشی میں پُوری طرح ہو چکی ہے.

لِاَسْجُدَ میں ل تاکید نفی ہے یعنی ایسا کرنا ہرگز میرے لئے ممکن نہیں۔ اللام لتاکید النفی ومعناہ لا یصح منی ان اسجد لبشر (کشاف) ۱۱۲ (اپنی اس ضد و نافرمانی کی بنا پر) ۱۱۳ (اور تو نہ راہِ راست پر آئیگا، نہ تجھے توفیق توبہ ہوگی) لعنت کے معنی اُوپر گزر چکے ہیں کہ رحمت سے مہجوری کے ہیں۔ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ قیامت تک سے محاورہ میں مراد دوام ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیام قیامت کے بعد ابلیس کی ملعونیت جاتی رہیگی۔ المراد منہ التابید وذکر القیامۃ ابعد غایۃ یذکرھا الناس فی کلامھم (کبیر) اور محاورۂ زبان سے قطع نظر تو بھی ظاہر ہے کہ جو محل رحمت قیامت تک نہ ہو اُس کے لئے بعد قیامت محل رحمت ہونے کی گنجائش کیا ہے؟ —— دارالجزاء میں تو دارالعمل کا صرف تکملہ ہی ہوتا ہے، نہ کہ اُس سے قطع نظر کر کے کسی جدید شے کی پیدائش۔ ۱۱۴ (کہ اس درمیان میں جی بھر کر بدلہ آدمؑ اور اولادِ آدم سے لوں) یہ مہلت ابلیس نے موت اور عذاب سے مانگی تھی۔ ۱۱۵ یعنی جب تک اس عالم ناسُوت کی عمر قائم ہے، تجھ پر گرفت نہ ہوگی —— ابلیس کی ہستی یا قوّت اگر باقی نہ رہے، تو اس عالم ابتلاء کی مصلحتیں ہی فوت ہو جائیں لیکن یہ بھی خوب واضح رہے کہ ابلیس کے ہاتھ میں کوئی قوّت جبر و استیلاء کی نہیں، صرف بہلانے، پُھسلانے، سبز باغ دکھلانے کی ہے۔ ۱۱۶ (اور تو انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھے گا، تو وہ تو بیشک میرے بہکانے میں نہ آئینگے) آیت سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نیک بندوں کو پھانسنے کی کوشش نہ کریگا۔ جال تو وہ سب ہی پر پھینکتا ہے۔ البتہ مخلص بندوں کے باب میں زیادہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ لَھُمْ۔ یعنی آدمؑ و حواؑ اور اُن کی نسل کی نظر میں۔ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ۔ اغوا اور اضلال کا یہ انتساب ذاتِ حق کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے صرف تکوینی حیثیت سے یا علت العلل کے معنی میں ہے۔ بما میں باء سببیہ ہے ای بسبب اغوائک ایای (بیضاوی) ۱۱۷ وہ سیدھا راستہ ایمان و اطاعت و اعمال صالحہ کا ہے کہ اسی پر چل کر بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جو کوئی راہِ ہدایت پر چلنے کا واقعی قصد کرے اُسے وہ راہ مل ضرور جاتی ہے۔ حق علی ان اراعیہ (بیضاوی)

۱۰۵ چنانچہ وہ ہر شخص سے واقفیت بھی پوری اور جزئی و تفصیلی رکھتا ہے، اور سب سے معاملہ بھی بہ تقاضائے حکمت، عین اُنہی کے مناسب حال کریگا۔ هُوَ يَحْشُرُهُمْ۔ یعنی قیامت کے دن سب کا حشر اللہ ہی کریگا۔ یہ نہ ہوگا کہ اس دن فیصلہ کسی دیوتا، کسی اوتار کسی ابن اللہ کے ہاتھ میں آجائے! **۱۰۶** یعنی انسان اوّل کا پُتلا اِسی خشک مٹی سے بنایا، جو چٹکی مارنے سے کھن کھن آواز دیتی ہے، اور پھر اُسی ابوالبشر سے ساری نسلِ انسانی نکالی ہے۔ **۱۰۷** یعنی اسی آگ سے جو اجزاء دخانیہ وکثیفہ سے خالی ہیں اور اس لئے غایت لطافت سے مثل ہوا کے غیر مرئی تھے۔ الجَآنّ۔ جنّات بھی بالکل انسانوں جیسے بے بس مخلوق ہیں۔ کوئی وصف ذرّہ بھر بھی اُن میں معبودیت کا موجود نہیں۔ فرق صرف مادّہ کا ہے۔ انسان کی ترکیب مٹی سے ہوئی اور اُن کی آگ یا ہوائی آگ سے۔ اُن کی مخلوقیت اور عجز کو دکھلانے ہی کے لئے قرآن مجید نے اُن کا ذکر تخلیقِ انسانی کے ساتھ ساتھ کیا ہے۔ توریت میں اس موقع پر زمین پر "خدا کے بیٹوں" کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ نیز ایک اور مخلوق کا، جس کے لئے انگریزی ترجموں میں لفظ (GIANTS) کا آیا ہے۔ اُردو میں اِس کا ترجمہ "جبّار" سے کیا گیا ہے۔ (پیدائش ۶: ۲، ۴) شُستہ و بامحاورہ اُردو میں انہیں 'دیوزاد' ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ "دلائل مختلفہ سے جنّات کے متعلق یہ امُور معلوم ہوتے ہیں۔ آگ[۱] سے پیدا ہونا۔ توالد[۲] وتناسل ہونا۔ عادۃً[۳] اُن کا نظر نہ آنا۔ مختلف[۴] اشکال میں اُن کا متشکل ہوسکنا، مگر جن اشکال میں متشکل ہونے سے کوئی التباس مضرِ دین ہوتا ہو اُس پر بہ حکمتِ الٰہی قادر نہ ہونا، اور جس میں التباس مضرِ دنیا ہوتا ہو اُس پر کم قادر ہونا" (تھانویؒ)

۱۰۸ یہ خطاب جب ملائکہ نوری سے ہُوا، جو اعلیٰ مخلوق تھے، تو اس کے مخاطب جنّات آتشیں تو بدرجۂ اَولیٰ ہُوئے، جو پست تر مخلوق تھے۔ سورۂ بقرہ رکوع ۴ کے حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۱۰۹ (اس کی تعظیم و تکریم کے لئے) سَوَّيْتُهٗ میں ضمیر مذکر واحد غائب بشر کے اُسی خاکی پُتلے کی طرف ہے۔ مِنْ رُّوْحِيْ۔ اللہ کا روح انسانی کی اضافت اپنی جانب کرنا، اُس کے اظہار قدر و منزلت کے لئے ہے۔ ~~انما اضاف اللہ سبحانہ روح آدم الی نفسہ تشریفا لہ و تکریما (کبیر)~~ اور اسی نفخ روح کا شاید نتیجہ ہے کہ روح انسانی میں خلافتِ الٰہی کی استعداد پیدا ہوگئی ہے۔ نَفَخْتُ۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ روح انسانی اگر جسم لطیف ہو، جیسا کہ عموماً متکلمین کا قول ہے، جب تو نفخ کے حقیقی ہی معنٰی مراد ہوں گے یعنی جسم کے جن حصّوں میں خلا ہو اُن میں ہوا بھرنا لیکن اُسے غیر مادّی جوہر مجرد تسلیم کیا جائے، تو نفخ سے استعارہ مطلق تعلق کا ہوگا۔ روح۔ روح کو ہمارے محققین میں سے اکثر نے جسم ہی تسلیم کیا ہے، گو جسم لطیف۔ ~~الروح جسم لطیف یحیی به الانسان ... جمہور اہل السنۃ علی انہا جسم لطیف یخالف الاجسام بالماہیۃ والصفۃ متصرف فی البدن حال فیہ حلول الزیت فی الزیتون ... (روح)~~ لیکن بعض کی تحقیق میں (اور انہی میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بھی ہیں) روح ایک جوہر مجرّد ہے جو نہ جسم میں داخل ہے نہ اُس سے خارج، نہ اُس کے متصل نہ اُس سے منفصل۔ ~~ہذا ... عند جماعۃ من المحققین ... البدن ... حلول السود فی الاسود والعلم فی العالم ... لاداخل البدن ولاخارجہ ولامتصلا بہ ولامنفصلا عنہ ... (روح)~~ **۱۱۰** یہ ابلیس جو بعد کو شیطان کے لقب سے مشہور ہوگیا، فرشتہ نوری نہیں، جن ناری تھا، جیسا کہ سورۂ کہف میں نص موجود ہے۔ وَكَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ باقی عام قصّۂ آدمؑ و ابلیس پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ رکوع ۴ میں گذر چکے ۔

ع ۲ | ۱۰

هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

انہیں (سب کو) جمع کریگا، بیشک وہ حکمت والا ہے، علم والا ہے ۱۰۵ اور بالیقین ہم نے انسان کو

الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

کھنکھناتی ہوئی مٹی سے لَس دار گارے کی پیدا کیا ۱۰۶

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ

اور جن کو ہم اس کے قبل گرم آگ سے پیدا کر چکے تھے ۱۰۷ اور

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ

(یاد کرو وہ وقت) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ

لَس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ۱۰۸ سو جب میں اُسے پورا بنا چکوں

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور اُس میں اپنی طرف سے رُوح پھونک دُوں تو تم اُس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا ۱۰۹

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ

چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (ہاں) مگر

اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ

ابلیس نے (نہ کیا) اس نے انکار کیا اس سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو، (اللہ نے) کہا

يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ

اے ابلیس تیرے لئے کیا باعث ہے اس کا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ۱۱۰ بولا

۹۹ زمین کا بنانا، پھیلانا، اُس پر پہاڑوں کا قائم کرنا، زمین سے ہر نباتات ایک مقدار معین کے مطابق اُگانا، یہ سب کام اُسی خدائے واحد، قادر و حکیم کے ہیں۔ نہ یہ چیزیں خود بخود ہوگئی ہیں، نہ انہیں کسی دیوی دیوتا نے کیا ہے۔ وَاَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ۔ یہ پہاڑ اس لئے قائم کردیئے گئے ہیں کہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہونے پائے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ ہے رواسی ان تمید بکم۔ گویا پہاڑ حکمت تکوینی میں، زمین کا لنگر بٹھائے رہنے کے لئے، اُس کا توازن درست رکھنے کے لئے ہیں۔ قرآن صرف اسی قدر کہتا ہے۔ اس کے آگے زمین کی گردش سالانہ، اس کی حرکت محوری وغیرہ دوسرے مسائل سے قرآن مجید کو نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ
اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اُس میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور
اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا
اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اُگائی ۹۹ اور ہم نے اُس میں
لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾
معاش کے سامان تمہارے لئے بھی بنائے اور اُن کے لئے (بھی) جنہیں تم روزی نہیں دیتے ۱۰۰
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ
اور جو چیز بھی ہے ہمارے پاس اُس کے (خزانے کے) خزانے ہیں اور ہم اُسے ایک مقدار
اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ
معین ہی سے اتارتے رہتے ہیں ۱۰۱ اور ہم ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو بھیجتے ہیں
فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ
پھر ہم ہی آسمانوں سے پانی برساتے ہیں پھر وہی (پانی) ہم تم کو پلاتے ہیں اور تم
اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَ
اُس کے جمع کر لینے والے نہ تھے ۱۰۲ اور ہم ہی ہاں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور
نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ
ہم ہی وارث رہیں گے ۱۰۳ اور بالیقین ہم تم میں سے اگلوں کو بھی خوب جانتے ہیں
مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
اور بالیقین ہم پچھلوں کو بھی خوب جانتے ہیں ۱۰۴ اور بیشک آپ کا پروردگار ہی

اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ اشارہ جنس نباتات کی جانب ہے۔ ۱۰۰ یعنی زمین کے ذریعہ سے انسان کے علاوہ اُن مخلوقات کو بھی سامانِ زیست بہم پہنچا دیا گیا، جو ظاہر میں بھی انسان کے واسطہ سے پرورش نہیں پاتیں۔ یہ سب قانونِ الوہیت کی ہمہ گیری کا بیان ہو رہا ہے۔

مَعَايِشَ کے تحت میں ماکولات، مشروبات، ملبوسات سب آگئے۔ ۱۰۱ (حسب حکمت و مصلحت) اللہ کے ہاں کمی کس چیز کی ہوسکتی ہے؟ ہر چیز کا ظہور اپنی کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بس قانونِ حکمت کے ماتحت ہی ہوتا رہتا ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اِن من شیٔ الا عندنا خزائنہ، سے اشارہ مخلوق کی طرف سے ترکِ التفات کا ہوگیا۔ ۱۰۲ یعنی تم ایسے تو بنائے نہیں گئے ہو کہ پانی کے ذخیروں کو محفوظ کر کے ہمیشہ کے لئے بارش سے مستغنی ہوجاؤ۔ نہ تمہیں یہ قدرت کہ جب اور جہاں چاہو آسمان سے پانی برسالو، نہ یہ اختیار کہ اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کردیا جائے، تو تم اپنے زور بازو سے نکال لو۔ اَرْسَلْنَا، اَنْزَلْنَا، اَنْۢبَتْنَا، سب میں اشارہ یہ ہے کہ یہ ہوا، بارش وغیرہ کے جتنے بھی کاروبار ہیں، سب ہماری اور محض ہماری ذات سے قائم ہیں، کسی دیوی دیوتا کے دخل کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ ۱۰۳ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد) یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہوجائیں گے۔ بلکہ اور سب فنا ہوجائیں گے، اور صرف ہماری ذات بابرکات باقی رہ جائیگی۔ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ۔ یہاں یہ تاکید کے ساتھ تصریح کی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمامتر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ نہ کوئی وشنو جی ہیں زندگی بخشنے والے اور قائم رکھنے والے، اور نہ کوئی شیو جی ہیں ہلاک کرنے اور عملِ فنا طاری کرنے والے۔ ۱۰۴ یعنی ہمارے علمِ کامل و محیط میں کسی غلطی، نقص، خطا کا امکان ہی نہیں، نہ ماضی میں نہ مستقبل میں ——— پہلے صفت قدرت کاملہ کا اثبات ہوچکا، اب صفت علم کامل کا اثبات ہو رہا ہے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو صفات باری میں ٹھوکریں سب سے زیادہ انہی دو صفات کے باب میں لگی ہیں۔ اَلْمُسْتَقْدِمِيْنَ سے مراد وہ نسلیں ہیں جو گزر چکیں اور اَلْمُسْتَاْخِرِيْنَ سے مراد بعد کو آنے والی نسلیں ہیں۔ ~~اخرج ابن جریر عن مجاہد المستقدم ولادۃ وموتا ومن تاخر من الاولین والاخرین~~ (کشاف) بعض نے مستقدمین سے مراد نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور مستاخرین سے مراد نیکیوں میں پیچھے رہ جانے والے لئے ہیں۔ ~~من تقدم فی الاسلام وسبق الی الطاعۃ ومن تاخر~~ (کشاف)

۹۲ (اور اُن کی بھی برابر تکذیب ہی ہوتی رہی۔ سو آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں) ۹۳ ایک مخلص وہوا خواہ قوم مصلح جب اپنی شدید مخالفت ومزاحمت اُسی قوم کی طرف سے دیکھتا ہے جس کی ہوا خواہی میں وہ گھُلا جاتا ہے تو طبعاً وہ دنگ اور حیران رہ جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ مصلح اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر اخلاص وشفقت ہُوا ہے! آپ کے دل پر اُس وقت کیا کچھ گزر رہی ہوگی! قرآن کریم اسی لئے بار بار آپ کی تسکین وتشفّی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔ نَسۡلُكُهٗ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ۔ یہ مجرموں کے دل میں استہزاء کا القاء بالکل اُسی طرح کا ہے، جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء نظام تکوینی میں مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ یہ استہزاء کسی درجہ میں بھی مطلوب ومقصود خداوندی ہے۔ ۹۴ (آسمان پر)

مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ شِیَعِ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝۱۰ وَمَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ

آپ کے قبل بھی (پیمبر) بھیج چکے ہیں اگلوں کے گروہوں میں ۹۲ اور کوئی رسُول اُن کے پاس ایسا

رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسۡلُكُهٗ

نہیں آیا کہ اُس کے ساتھ انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو اسی طرح یہ (استہزا)

فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝۱۲ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَقَدۡ

ہم (ان) مجرموں کے دلوں میں ڈالے دیتے ہیں (چنانچہ) یہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے (یہ)

خَلَتۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝۱۳ وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَابًا

دستور پہلوں سے چلا آتا ہے ۹۳ اگر ہم ان کے لئے کوئی دروازہ آسمان میں

مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِیۡهِ یَعۡرُجُوۡنَ ۝۱۴ لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا

کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اُس میں سے چڑھ جائیں ۹۴ تب بھی یہ بس یہی کہیں

سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ۝۱۵

کہ ہماری نظر بندی کردی گئی بلکہ ہم لوگوں پر تو (بالکل) جادو ہی کردیا گیا ہے ۹۵

ع ۱۵ ۱

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیۡنَ ۝۱۶

اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے ستارے بنائے اور اُسے دیکھنے والوں کے لئے اُن سے آراستہ کردیا ۹۶

وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ۝۱۷ اِلَّا مَنِ

اور ہم نے اُسے ہر شیطان مردُود سے محفوظ کردیا ۹۷ ہاں مگر کوئی بات

اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیۡنٌ ۝۱۸

چوری چھپے سُن بھاگے تو اُس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہولیتا ہے ۹۸

ظَلُّوۡا کے معنیٰ ہیں کہ کسی فعل کو روزِ روشن میں کیا یعنی یہ خارق عادت عمل میں آئے، اور ہوش وبیداری کے عالم میں، پُوری روشنی میں عمل میں آئے۔ نیند کی بیہوشی اور تاریکی وغیرہ سے شبہات کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ تقول العرب ظل یظل لاالکل عمل عمل بالنهار (کبیر) یعبر به عما یفعل بالنهار (راغب) مطلب یہ ہُوا کہ یہ کافر معاند اگر اپنے فرمایشی معجزہ یعنی کافروں کے نزول زمینی سے کہیں بڑھے ہوئے خارق عادت یعنی اسرار وعجائب آسمانی کو بہ چشم خود جاکر دیکھ لیں۔ لَوۡ فَتَحۡنَا الخ۔ یہ سب باتیں بہ طور فرض کے کہی گئی ہیں، اور مخاطبین اوّل کے عام انسانی خیالات اور علمی تحقیقات کے مطابق کہی گئی ہیں۔ اس سے اِس پر استدلال ہوسکتا ہے کہ آسمان واقعۃً بھی کوئی ٹھوس مادّی جسم ہے جس کے دروازے کھُل سکتے ہیں، درست نہیں۔ ۹۵ تو غرض یہ کہ ایک اسی فرمایش معجزہ یعنی ملائکہ کے نزولِ آسمانی پر کیا موقوف ہے، کوئی سا بھی خارقِ عادت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بھی انہیں دکھا دیا جائے تو اِن معاندوں کی زبانیں خاموش نہیں ہوسکتیں، یہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات اعتراض وانکار کی اپنی کٹ حجتی سے پیدا کرلیں گے۔

۹۶ (کہ ان ستاروں کے باعث آسمان دیکھنے والوں کو خوشنما نظر آتا ہے) آیت میں اس کی تعلیم بھی مل گئی کہ یہ بڑے بڑے روشن اور چمک دار ستارے نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں نہ خود آفریدہ ہیں۔ بلکہ تمام تر اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور ان کے وجود سے مقصود تو آسمان کو ناظرین کی نظر میں خوشنما بنانا ہے۔ ۹۷ (ان ستاروں کے ذریعہ سے کہ شیاطین کی رسائی وہاں تک نہیں ہونے دیتے) ۹۸ (اور اُس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہوجاتا ہے) اہلِ سائنس کا یہ قول کہ فضا میں بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں، اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہوجاتے ہیں، اور کہیں زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں، قرآن کی بتائی ہوئی حکمت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ قرآن کو ان کی ترکیب، ساخت وغیرہ سے مطلق بحث نہیں۔ وہ تو اپنے موضوع کے اندر رہ کر صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ اُن سے کام شیطان کے بھگانے کا بھی لیا جاتا ہے۔

۵۸۵ (اوران شدید ترین اور ناقابلِ برداشت عذابوں سے محفوظ رہتے!) یہ کلمات حسرت و تأسف کافروں کی زبان پر آخرت میں جاری ہونگے، جب اپنا حشر اُن پر منکشف ہو چکے گا۔ اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔ رُبَمَا۔ یہ کلماتِ حسرت کی تکرار شاید اس لئے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہوگا کہ اس کی علت کفر ہی ہے تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اس میں ہر نوع کے کافر شامل ہیں، جن میں قدرِ مشترک صفت کفر ہے۔ لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔ آیت میں صرف مسلمین ہے، متقین۔ خاشعین وغیرہ نہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ وغیرہ متعدد صحابیوں سے متعدد تابعین کے واسطہ سے روایتیں اسی مضمون کی ملتی ہیں کہ جہنم میں کافروں کے ساتھ گنہگار مسلمان بھی ملے جُلے ہوئے ہونگے۔ اس پر کافر ان سے طنز سے کہیں گے کہ تمہارا کلمۂ شہادت کچھ بھی کام نہ آیا۔ معاً اُس سے غیرتِ الٰہی حرکت میں آئے گی، اور کُل اہلِ قبلہ آگ سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اُس وقت کافروں کی زبان سے یہ پُر حسرت کلمات نکلیں گے۔ (ابن جریر، ابن کثیر، معالم، کبیر وغیرہ) مفسرین کی اکثریت نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وعلی ہذا القول اکثر المفسرین الکبراء وحکی ذلک عن کثیر من السلف الصالح (روح) آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مراتب طاعت و تقویٰ کا تو ذکر ہی نہیں، مجرد اسلام اور اقرار شہادتین بھی کتنی بڑی رحمت اور نعمت عظیم ہے۔ ۵۸۶ یعنی عنقریب ہی انہیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی مرنے کے ساتھ ہی۔ ذَرْهُمْ۔ یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ غم و حزن نہ کیجئے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا، فوری اور وقتی مقصدوں کی اُلٹ پھیر میں لگے رہنا، مدتِ عمر کو دُور و دراز کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا، یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کی ہیں۔ اور جس طرح گزشتہ مشرک اور جاہلی قوموں کے حق میں صادق تھیں، آج بھی فرنگستان کی "مہذب" و "روشن خیال" قوموں پر کیسی صادق آرہی ہیں! تَمَتَّعُوْا۔ تمتع سے مراد اُنہی مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمام تر عاجل و فوری ہے۔ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ سے صاف اشارہ اسی طرف ہو گیا کہ طولِ امل میں پڑے رہنا ہرگز مومن کے شایانِ شان نہیں۔ ۵۸۷ (چنانچہ ان کافروں پر بھی فی الفور جو گرفت نہیں ہوتی، اُس کی وجہ یہی ہے کہ ابھی اُن کا وقت موعود نہیں آیا ہے) ۵۸۸ (جو پیمبری اور وحی کے دعوے کرتا ہے) الذِّكْرُ۔ ذکر کے لفظی معنی تو نصیحت کے ہیں، مگر الذکر اصطلاح قرآنی میں قرآن ہی کا ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ ای القرآن (روح) ۵۸۹ ان کافروں نے فرطِ عناد سے بیخود ہو کر قرآن کے اصل دعویٰ و دلیل یعنی اس کے مضامین کی صداقت، اس کی تعلیمات کے معجز ہونے پر غور ہی نہ کیا، بلکہ لغو مطالبہ ہی پیش کر دیا کہ سچے پیمبر ہو تو بطور خارقِ عادت فرشتوں کو اپنے ساتھ لاکر ہمیں دکھا دو۔ ۵۹۰ مطلب یہ ہوا کہ جس طریقہ پر یہ کافر فرمائش کر رہے ہیں، اس طرح فرمائشی نزول تو فرشتوں کا ہوتا ہی نہیں۔ فرشتے تو نافرمان قوموں پر اتمامِ حجت کے بعد عذاب ہی لے کر اُن کی ہلاکت کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور ان پر اگر فرشتے نازل ہوتے، تو یہ لوگ تو معاً ہلاک ہی کر دیئے جاتے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یعنی کسی حکیمانہ مقصود کے ساتھ۔ اور وہ مقصود آخر کار ان نافرمانوں کے حق میں عذاب ہی ہوتا ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ان لوگوں پر رد ہے، جو ایسے شخص سے خوارق کے طالب رہتے ہیں جسکی حقانیت پر دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں۔ ۵۹۱ اگرچہ آج مخالفین کے ہجوم شدید سے آ مٹنے دینگے، نہ قیامت تک اس کے کسی لفظ، کسی حرف کو کم ہونے دینگے) قرآن مجید کی جامعیت، اکملیت، ابلغیت وغیرہ سے قطع نظر اس کی محفوظیت کامل، اور پھر شروع ہی سے دھڑلے سے اس کا اعلان بجائے خود ایک معجز دلیل اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی ہے۔ دنیا کے کتب خانے کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو ساڑھے تیرہ سو سال سے اپنے الفاظ، حروف، نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آرہی ہو۔ میور، پامر، آرنلڈ وغیرہ مشاہیر فرنگ کی رائیں کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ حفاظ وغیرہ انسانی مدد سے قرآن کا محفوظ رہ جانا، یہ وعدہ حفاظتِ الٰہی کے منافی نہیں، عین اسی کا ذریعہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا۔ زور اور تاکید کے موقع پر متکلم کی تین تین ضمیریں اکٹھی لے آنا عربی اسلوب بلاغت کے عین مطابق ہے۔ اُردو میں اس مفہوم کو ادا کرنے کی وہی صورت ہے جو ترجمہ میں اختیار کی گئی۔ ثبوت و دلیل کا مرتبہ تو بعد کا ہے، مجرد یہ دعویٰ کہ یہ لفظ بلفظ کلامِ الٰہی ہے، آج روئے زمین میں کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں۔ یہاں تک کہ توریت اور انجیل کا بھی نہیں۔ قرآن اس دعویٰ میں بالکل منفرد ہے۔ دوسری کتابوں سے متعلق دعویٰ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اُن کے اندر مغز و روح خدائی تعلیم کی آگئی ہے، باقی وہ مرتب کی ہوئی تمام تر انسانوں کی ہیں، اور اُن کی عبارتیں صرف خاصانِ خدا کی لکھی ہوئی ہیں

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ②

کافر بارہا تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے ۵۸۵

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ

آپ انہیں (اُن کے حال پر) چھوڑے رہیئے یہ کھا (پی) لیں اور مزے اڑا لیں اور خیالی آرائی انہیں غفلت میں

يَعْلَمُونَ ③ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا

ڈالے رہے عنقریب انہیں معلوم ہوا جاتا ہے ۵۸۶ اور ہم نے جو بھی بستی ہلاک کی ہے اُس کے لئے ایک معین وقت کا

كِتَابٌ مَعْلُومٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا

نوشتہ تھا کوئی قوم اپنی میعاد مقرر سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ

يَسْتَأْخِرُونَ ⑤ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ

پیچھے رہ سکتی ہے ۵۸۷ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر (بقول اسکے) نصیحت نامہ اترا ہے

الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ⑥ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ

تو تو مجنون ہے ۵۸۸ ہمارے پاس فرشتوں کو لے آ،

إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑦ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ

اگر تو (اپنے دعویٰ میں) سچا ہے ۵۸۹ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر

إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ⑧ إِنَّا نَحْنُ

(فیصلۂ) حق کے لئے اور اُس وقت اُن کو مہلت بھی نہ دی جاتی ۵۹۰ (اس) نصیحت نامہ کو ہم نے

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ⑨ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

ہاں ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۵۹۱ اور بیشک ہم

۵۷۹ یعنی اُس خدائے قدوس کے حضور میں جو سب پر برتر، سب پر غالب ہے، کوئی اس پر حاکم و متصرف نہیں، اور وہ عدد، ذات، صفات ہر لحاظ سے واحد لاشریک لہ ہے، توحید خالص کی اس پُرجلال و پاکیزہ تعلیم کی پوری قدر اِس وقت ہوگی جب اس کے مقابل انجیل کا یہ بیان پیش نظر رکھا جائے:۔ "جب ابنِ آدمؑ اپنے جلال میں آوے گا، اور سب فرشتہ اس کے ساتھ آوینگے تو اُس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے ساتھ جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جُدا کرے گا" (متی۔ ۲۵: ۳۱-۳۲) یہ حال جب "اہل کتاب" مدعیانِ توحید کی کتاب کا ہے تو مشرک غریبوں کا تو ذکر ہی نہیں۔ اَلْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ وہی ایک اکیلا، جو سب پر غالب ہے، اور جس کے سب ہی تابع و محکوم ہیں۔ ای الذی قهر کل شیء وغلبه ودانت له الرقاب وخضعت له الالباب (ابن کثیر) الذی یفعل مایشاء و یحکم ما یرید (عالم) ۵۸۰ (اے مخاطب!)

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ
اللہ واحد (اور) زبردست کے روبرو پیش ہونگے، اور اُس روز تو مجرموں کو ایک دوسرے کے ساتھ
مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ
زنجیروں میں جکڑا ہُوا دیکھے گا ۵۸۰ اُن کے کرُتے قطران کے ہوں گے اور
وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ
آگ اُن کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی ۵۸۱ تاکہ اللہ ہر جہنمی شخص کو اُس کے
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا
کرتوت کا بدلہ دے بیشک اللہ حساب بڑی جلدی ہی کر لینے والا ہے ۵۸۲ یہ (قرآن)
بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
لوگوں کے لئے ایک پیام ہے اور تاکہ اِس کے ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور تاکہ یقین کرلیں کہ وہی ایک
وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۱/۷ ۱۹
خدا ہے اور تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں ۵۸۳

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ حجر مکی ہے اور اس میں ۹۹ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ نہایت مہربان اور بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾
الف۔لام۔را، یہ کتاب (کامل) کی اور قرآن واضح کی آیتیں ہیں ۵۸۴

اَلْمُجْرِمِيْنَ۔ یعنی کفار و منکرین کو۔ مُقَرَّنِيْنَ یعنی ایک جرم کے مجرمین ایک ساتھ جکڑے ہوئے ہونگے، کفر و انکار کی ہر نوعیت کے مجرمین کی ٹولی الگ الگ ہوگی۔ ضم کل لمشارکه فی کفره و عمله (روح) والمراد ان تلک النفوس الشقیة والارواح المکدرة الظلمانیة لکونها متجانسة متشاکلة ینضم بعضها الی بعض وتتنادی ظلمة کل واحدة منها الی الاخری (کبیر)

۵۸۱ قَطِرَان کے مشہور معنی تو گندھک کے ہیں، دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کئے گئے ہیں، بہرحال دوزخیوں کے جسم پر لباس ایسا ہوگا جو آگ کو خوب اور زیادہ تیزی کے ساتھ قبول کرلے۔ ۵۸۲ (تو اس کے لئے تنہا مجرموں کا فیصلہ آناً فاناً کر ڈالنا کیا مشکل ہے) لِيَجْزِيَ۔ میں ل تعلیل کا ہے یعنی یہ سب کچھ اس غرض سے ہوگا کہ ہر مجرم اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے۔ ۵۸۳ اُولُوا الْاَلْبَابِ پر حاشیہ صفحہ ۱۵ نمبر ۲۴ میں گزر چکا۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے ایک پیام ہے کہ وہ پیام اور پیامبر دونوں کی تصدیق کریں۔ بَلٰغٌ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی یہ پیام معظم لوگوں کی ہدایت کے لئے بالکل کافی۔ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ۔ یعنی تاکہ اس کے ذریعہ اور واسطہ سے وہ عذابِ الٰہی سے ڈرائے جائیں۔ لِلنَّاسِ میں ناس کا عموم لائق لحاظ ہے یعنی یہ پیام ہدایت ساری نوع انسانی کے لئے، کسی مخصوص قوم یا ملک کے لئے نہیں۔ وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ انسان کو درجۂ شرف و فضیلت جو کچھ بھی حاصل ہے وہ عقل اور اس کے صحیح استعمال ہی سے ہے۔ هذه الاية دالة علی انه لا فضيلة للانسان ولا منقبة له الا بسبب عقله لانه تعالی بین انه انما انزل هذا الکتاب وانما بعث الرسول لتذکیة اولی الالباب (کبیر) ۵۸۴ دونوں صفتیں ایک ہی موصوف کی بیان ہوئی ہیں یعنی وہ کتاب کامل بھی ہے اور قرآن واضح بھی۔ قُرْاٰنٍ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ وتنکیره للتفخیم (بیضاوی) والتنکیر للتفخیم (مدارک) وتنکیر للتفخیم (کشاف) الٓرٰ۔ انا اللہ اری۔ کا مخفف سمجھا گیا۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا

لوگوں کو اُس دن سے جس میں اُن پر عذاب آپڑے گا پھر (یہ) ظالم کہیں گے

رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ

اے ہمارے پروردگار ہم کو (اور) مہلت دے دے ایک مدت قلیل تک، ہم تیری دعوت قبول کرلینگے اور پیمبروں کا

الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم

اتباع کرینگے ۵۷۲ کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں (کہیں بھی) جانا

مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا

نہیں ہے ۵۷۳ حالانکہ تم انہی لوگوں کے مسکنوں میں آباد تھے جو اپنے اوپر ظلم

أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ

کر چکے تھے اور تمہارے اوپر روشن ہوچکا تھا کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا اور ہم نے

الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ

(بھی) تم سے مثالیں بیان کی تھیں، اور انہوں نے اپنی بھی (بڑی بڑی) چالیں چلیں اور اللہ کے سامنے ان کی یہ

وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ

چالیں تھیں اور واقعی ان کی یہ چالیں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں ۵۷۶ سو اللہ کو اپنے پیمبروں سے

اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٤٧﴾

وعدہ خلافی کرنے والا ہرگز نہ سمجھ لینا ۵۷۶ بیشک اللہ زبردست ہے پورا بدلہ لینے والا ہے ۵۷۷ اور یہ

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا

اُس روز ہوگا) جس روز کہ زمین بدل کر دوسری زمین کردی جائے گی اور آسمان بھی ۵۷۸ اور (سب)

۵۷۲ حشر میں جب انکشاف حقائق درجۂ تام میں ہوجائیگا اور غفلت کے پردے ہر طرح چاک ہوجائیں گے، بد نصیب کافر عرض کرینگے کہ اب ہم نے خوب مزہ چکھ لیا اب ایک بار پھر ہمیں مہلتِ حیات عطا ہو کہ ہم دنیا میں جاکر از سر نو زندگی بسر کریں اور اب کی اپنی پوری فرماں برداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیں۔ اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد کفار ہیں۔ ای الکفار (مدارک) ۵۷۳ (اس دنیا میں) اُن کے جواب میں ارشاد ہوگا کہ دنیا میں رہنے کی تمہیں مہلت قلیل تو نہیں مدت طویل ملی تھی، پھر تم نے اُس سے کیا فائدہ اٹھایا بلکہ تم تو اُلٹے قسمیں کھا کھا کر بڑے زور اور دعویٰ کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ حشر و نشر کا قصہ سب ڈھکوسلا ہے وجود جو کچھ ہے صرف اسی مادی دنیا اور اسی مادی زندگی سے، اس کے آگے کچھ بھی نہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی زبان سے یہ سب تقریر نہ کی ہو، جب بھی زبانِ حال سے تو وہ بھی یہی کہتے رہے تھے۔ لعلھم اقسموا بطرا وغرورا او دل علیہ حالھم (بیضاوی) او بالسنۃ الحال ودلالۃ الافعال (رح) مِّنْ زَوَالٍ۔ میں مِنْ تاکید نفی کے لئے ہے۔ ومن مزیدۃ لتاکید النفی (روح) ۵۷۴ یہ خطاب زمانۂ مابعد کی نسلوں سے ہے مطلب یہ ہوا کہ تم تو بعد کو آئے پھر نہ اپنے پیش رو کفار معاندین و منکرین آخرت کے عبرتناک انجام اور تباہی و بربادی سے کوئی عبرت و نصیحت تم نے حاصل کی اور نہ کتب سابقہ کی ہدایتوں فہمائشوں سے تم ذرا بھی بیدار ہوتے۔ تمہارے لئے تو انکار کے نہیں، منع انکار کے کتنے زبردست اسباب اکٹھے تھے، پھر بھی تم اپنی شامت سے راستہ وہی ہلاکت و بد انجامی ہی کا اختیار کئے رہے۔ وَسَكَنْتُمْ ...... أَنْفُسَهُمْ۔ یعنی تم روئے زمین کے اُنہی خطوں قطعوں، علاقوں میں تو آباد ہو جہاں تم سے پیشتر اور منکرین و معاندین رہ چکے تھے۔ تَبَيَّنَ ...... بِهِمْ۔ یعنی تمہیں تاریخ سے، روایات و حکایات سے، پوری طرح ان منکروں کی سزایابی، ہلاکت و بربادی کا حال معلوم ہوچکا تھا۔ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ۔ یہ اشارہ سابقہ کتب آسمانی کی جانب ہے، اُنہی کے ذریعہ سے بار بار تنبیہیں ہوچکی تھیں۔ ۵۷۵ (لیکن حق پھر بھی غالب رہا، اور اُن کی ساری چالیں خود اُنہی پر اُلٹ گئیں) وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ۔ دینِ حق کو مٹادینے کے لئے وہ کبھی کبھی زبردست چالیں چلتے رہے۔ وَعِنْدَ اللهِ مَكْرُهُمْ۔ اللہ سے یہ چالیں کچھ مخفی تو رہ نہیں سکتی تھیں، سب اُس کے علم میں تھیں۔ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ۔ "پہاڑوں کے ٹل جانے" کا استعارہ عربی اسلوب بیان میں کسی شے کی انتہائی قوت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ ولیس المقصود من ھذا الکلام الاخبار عن وقوعہ بل التعظیم والتھویل (کبیر) ان کان مکرھم فی غایۃ الشدۃ والمھانۃ وعبر عن ذلک بکونہ معدی لازالۃ الجبال عن مقارھا لکونہ مثلاً فی ذلک (روح) والذی یظھر ان زوال الجبال مجاز ضرب مثلاً لمکر قریش وعظمہ والجبال لا تزول وھذا من باب الغلو والایغال والمبالغۃ فی ذم مکرھم (بحر) لیکن بجائے استعارہ کے اگر اسے لفظی ہی معنی میں لیا جائے جب بھی اب تو اس میں کوئی امر محال رہا نہیں۔ پہاڑوں کے توڑنے اور اُڑا دینے کی تدبیریں جدید و مہذب "انسان نے نکال ہی لی ہیں۔ ۵۷۶ (اس تاخیر عذاب سے شبہ میں پڑ کر اے مخاطب!) ۵۷۷ اُس کی قوت بھی کامل جزا و سزا پر قدرت بھی اُسے پوری حاصل۔ پھر وعدہ خلافی کی اُس کے ہاں گنجائش و امکان ہی کیا! ۵۷۸ یعنی قیامت کے دن جب آسمان و زمین سب بدلے ہوئے ہونگے، اور جس آسمان و زمین سے ہم واقف ہیں اُن کے بجائے دوسرے ہی موجود ہونگے۔ وھی ھذہ علی غیر الصفۃ المالوفۃ کما جاء فی الصحیحین (ابن کثیر) مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ تبدیلی ذات و صفات دونوں کے لحاظ سے صحیح ہوسکتی ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبدیلیوں کے وقت اہلِ حشر زمین پر نہ ہونگے بلکہ پل صراط پر ہونگے۔ والتبدیل قد یکون فی الذات وقد یکون فی الصفات والآیۃ الکریمۃ لیست بنص فی احد الوجھین (روح)

٦٦ (چنانچہ ان دعاؤں سے بھی یہ ہرگز مقصود نہیں کہ تو اب تک ہماری ان حاجتوں اور تمناؤں سے بے خبر تھا تیرے لئے تو ہر پوشیدہ اور علانیہ یکساں ہے بلکہ یہ دعائیں تو فقط ہماری عبودیت اور افتقار سے پیدا ہوئی ہیں) آیت سے تردید ان تمام مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کی ہو گئی جنہوں نے خدا کے علم کو ناقص، محدود یا صرف کلیات پر مشتمل قرار دیا ہے، ہندوستان، مصر، یونان سب کے بڑے بڑے "حکماء" اور "عقلاء" اس جہل میں شریک رہے۔ رَبَّنَا۔ ندا کی تکرار تضرع و خشوع طلب کی دلیل ہے۔ ~~النداء المکرر دلیل التضرع والجاء الی اللہ~~ (مدارک) مِنْ شَیْءٍ۔ مِنْ استغراق کے لئے ہے۔ من لاستغراق (مدارک) ترجمہ اسی لئے "کوئی بھی چیز" سے کیا گیا ہے۔ ٦٧ (چنانچہ اس نے جس طرح میری پچھلی دعائیں سن لیں اور قبول کرلیں اس کی ذات سے یقین ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہیگا) لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔ یعنی بڑا قبول کرنے والا۔

وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِى الْاَرْضِ
اور جو کچھ ہم ظاہر کریں اور اللہ سے کوئی بھی چیز نہیں چھپی رہتی ہے (نہ) زمین میں اور
وَلَا فِى السَّمَآءِ (٣٨) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ لِىْ عَلَى
نہ آسمان میں ٦٦ ساری حمد ہے اللہ کے لئے جس نے مجھے
الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ (٣٩)
بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو بیٹے) دیئے بیشک میرا پروردگار دعاؤں کا بڑا سننے والا ہے ٦٧
رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۖ رَبَّنَا
اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا پابند رکھیے اور میری نسل میں سے بھی (کچھ کو) اے ہمارے پروردگار
وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (٤٠) رَبَّنَا اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
ہماری دعا قبول کر ٦٨ اے ہمارے پروردگار میری مغفرت کردے اور میرے والدین کی اور
يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (٤١) وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا
ایمان والوں کی جس روز حساب کتاب قائم ہو ٦٩ اور اللہ کو اس سے بے خبر ہرگز مت سمجھ، جو کچھ
عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ
(یہ) ظالم لوگ کر رہے ہیں ٧٠ انہیں تو بس اس روز تک وہ مہلت دیئے ہوئے ہے جس میں
فِيْهِ الْاَبْصَارُ (٤٢) مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِىْ رُءُوْسِهِمْ لَا
نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی وہ دوڑ رہے ہوں گے اپنے سر اٹھائے رکھتے ہوں گے ان کی
يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ (٤٣) وَاَنْذِرِ
نظر ان کی طرف واپس نہ آئے گی اور ان کے دل بدحواس ہوں گے ٧١ اور آپ ڈرائیے

ع ٧ / ١٨

~~ای مجیب الدعاء من قولک سمع الملک کلامہ اذا اعتد بہ وقبلہ من قولہم سمع اللہ لمن حمدہ~~ (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ۔ اولاد خصوصاً کبر سنی کی اولاد، اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، مسرت و شکر کے قابل نہ کہ کوئی عیب جسے چھپایا جائے یا اس سے شرمایا جائے۔ عَلَى الْكِبَرِ۔ توریت میں ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ٨٦ سال کی تھی، (پیدائش ١٦ : ١٦) اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت ١٠٠ سال کی (پیدائش ٢١ : ٥) اس وقت کے اوسط عمر کے لحاظ سے باپ بننے کا یہ سن اگرچہ کچھ ایسا غیر معمولی نہیں پھر بھی بہر حال ضعیفی ہی کا تھا، علی الکبر میں علیٰ مع کے مرادف ہے اور مراد حالت کبر سنی سے ہے۔ ~~علی الکبر بمعنی مع وھو فی موضع الحال ومعناہ وھب لی وانا کبیر~~ ٦٨ دعا کے آداب اور طریقے کوئی حضرات انبیاء ہی سے سیکھے، عبودیت کے کن کن پہلوؤں سے کیسے کیسے لجاجت کے انداز سے اپنے محبوب مالک کو پکارتے رہتے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ۔ نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایک نبی جلیل القدر اپنے حق میں اس کے واسطے دعائے خصوصی کرتے ہیں۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کو وحی سے علم ہو گیا تھا کہ حضرتؑ کی نسل میں سب مومن ہی نہ ہوں گے کچھ غیر مومن بھی ہوں گے اس لئے دعا سب کے حق میں نہ فرمائی، ~~ای بعض ذریتی ...... انما بعض لانہ علم باعلام اللہ انہ یکون فی ذریتہ کفار~~ (مدارک) ٦٩ حضرتؑ کا اپنے لئے اور مومنین کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو ایک صاف اور سیدھی سی بات ہے البتہ شبہ اس میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے کافر والد کے حق میں دعائے مغفرت کیسے کر دی؟ سو اگر یہ دعا، آپؑ نے ان کی زندگی ہی میں کی تھی جب تو آپؑ کی مراد یہی ہوگی کہ انہیں توفیقِ ہدایت دے کر ان کی مغفرت کا سامان کر دیا جائے، اور اگر بعد وفات یہ دعا کی تھی تو یہ دعا، ان کی ایمان کے ساتھ (علمِ الٰہی میں) مشروط ہو گی یعنی اے پروردگار اگر تیرے علم میں ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو ان کی مغفرت کردے۔ اِغْفِرْ لِىْ۔ غفر کے معنیٰ ہیں رحمتِ الٰہی کا ڈھانپ لینا، اور اس کی حاجت جس طرح عاصی کو رہتی ہے معصوم کو بھی رہتی ہے اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا اپنے حق میں طلب مغفرت کرنے سے ان کا غیر معصوم ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ ٧٠ (اے مخاطب!) ~~الخطاب لغیر الرسول علیہ السلام~~ (مدارک) ~~خطاب لکل من توھم غفلتہ تعالیٰ~~ (روح) اَلظّٰلِمُوْنَ سے یہاں مراد کافر ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان معاند کافروں کو جو فوراً سزا نہیں مل رہی ہے تو یہ اس لئے ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے۔ اس کا تو احتمال بھی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصالح تکوینی سے جزاء و سزاء کو ایک وقت مقرر کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ ٧١ (شدت ہول و ہراس سے) سارا منظر یوم حشر کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا ہے۔ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ۔ یعنی کافروں کی نگاہیں فرطِ حیرت و ہیبت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ مُهْطِعِيْنَ۔ یعنی موقف حساب کی طرف دوڑ رہے ہونگے۔ مُقْنِعِىْ رُءُوْسِهِمْ۔ یعنی فرطِ حیرت سے کسی اور طرف نہ نظر جائے گی نہ خیال۔ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ۔ یعنی آنکھ جھپکے گی تک نہیں۔ بس ٹکٹکی بندھ کر رہ جائیگی۔

۵۸ (کہ نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا بلکہ اور اُلٹا کفر و معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے) ظَلُوْمٌ كَفَّارٌ - امام رازیؒ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ نے انسان کے یہ دو وصف بیان کئے ہیں، اور سورۂ نحل میں اپنے دو وصف
ذکر کئے ہیں - ان اللہ لغفور رحیم گویا وہ آیت اس آیت کے ٹھیک مقابل ہے اور انسان کی نا انصافی کے مقابلہ میں اللہ کی مغفرت اور انسان کے کفرانِ نعمت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت ہے ~~سوالمقصود~~
~~کانہ یقول ان کنت ظلوما فانا غفور وان کنت کفارا فانا رحیم~~ (کبیر) نِعْمَتَ اللّٰهِ - نعمت بطور جنس کے ہے اس لئے ترجمہ صیغۂ جمع سے کیا گیا۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے
احسان سے تو اہلِ نار تک خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہرحال اس سے بھی سخت تر سزا پر قادر تھا ——— اور یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔ لَا تُحْصُوْهَا - احاطہ میں نہ لے پاؤ گے کہ وہ تو ہیں ہی بے پایاں
——— انسان کہاں سے اتنی فرصت اور اتنی ہمت لائیگا! اَلْاِنْسَانَ - انسان سے یہاں مُراد ہر فرد انسانی نہیں بلکہ جنسِ انسانی ہے عام اس سے کہ اس ظلم اور کفران کا تحقق چند میں پایا جائے

تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ

اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے بیشک انسان بڑا ہی نا انصاف

لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۟۳۴ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ

ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے ۵۸ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار

ع ۵ / ۱۷

هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۟۳۵

اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتی پوجا کرنے لگیں ۵۹

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ

اے میرے پروردگار ان (مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے ۶۰ سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا

فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۟۳۶

وہ تو میرا ہی ہی ۶۱ اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۶۲

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ

معظم گھر کے قریب ۶۳ (یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں ۶۴ سو

اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۟۳۷ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ

پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں ۶۵ اے ہمارے پروردگار تو سب کچھ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں

یا زائد میں - ~~والمراد من الانسان ھھنا الجنس یعنی ان عادۃ ھذا الجنس ھو ھذا~~ (کبیر) ۵۹ (جیسا کہ اب تک بچائے رکھا ہے) آیت میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ حضرات انبیاء تک امکان کفر و شرک سے ماورا نہیں ہو جاتے بلکہ برابر اس سے ڈرتے ہی رہتے ہیں، کہنا چاہیئے کہ اسی خوفِ لغزش ہی نے تو انہیں معصوم رکھا ہے تو بھلا ہم دنیاداروں کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس اور شیطان کی کمند میں پھنسے ہوتے ہیں۔ هٰذَا الْبَلَدَ - یعنی شہر مکہ۔ اٰمِنًا - یعنی اسے حرم مقرر کر دے جس کے رہنے بسنے والے مستحق امن ہوتے ہیں۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ - یہ وقت وہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ شہر مکہ میں خانہ کعبہ کے قریب حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لاکر چھوڑ گئے ہیں۔

۶۰ یعنی یہ بُت ان کی گمراہی کا سبب اور ذریعہ بن گئے ہیں، یہ مراد نہیں کہ ان بیجان مُورتیوں نے عمداً اور قصداً کسی کو گمراہ کیا ہے۔ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ - اس میں دنیا میں بُت پرستوں کی کثرت تعداد کی جانب اشارہ ہے جو مشاہد ہے۔ ۶۱ (اور اس کے لئے تیرا وعدۂ مغفرت موجود ہی ہے) ۶۲ (تو تیرے لئے کیا مشکل ہے کہ تو اب انہیں ہدایت دے کر ان کی مغفرت و رحمت کا سامان کر دے) وَمَنْ عَصَانِيْ یعنی جو لوگ دینِ حق کے پیرو نہ بنے، ۶۳ یعنی خانۂ کعبہ سے متصل، کعبہ اگرچہ اُس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اسکی جگہ تو خوب جانی پہچانی ہوئی اور نگاہوں میں محترم و متبرک تھی۔ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ - ذریت سے مُراد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کا سلسلۂ اولاد ہے۔ من تبعیضیہ ہے یعنی اپنی اولاد میں سے کچھ ~~من بمعنی بعض انما اسکنت بعض ذریتی لانہ اسکن بعض ذریتی اور ذریۃ من ذریتی~~ (بیضاوی) غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ - شہر مکہ جو ملکِ عرب کے صوبہ حجاز میں بحر احمر سے ۴۰ میل پر سمت مشرق میں واقع ہے اپنی زمین کی خشکی کے لئے مشہور ہے اور زمین کے کہیں تو پتھریلی اور کہیں ریتلی ہونے کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے زمانہ میں نہیں بلکہ اس وقت تک بھی ناقابل کاشت ہے ——— اور اگر کہیں آیندہ مصنوعی ذرائع و تدابیر سے اسے کسی حد تک قابلِ کاشت بنا لیا جائے تو یہ اس قرآنی بیان کے ذرا بھی منافی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہوں، انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ بعض فقہاء نے یہاں تصریح کر دی ہے کہ ایک بے آب و گیاہ ملک میں لاکر اپنے بیوی بچوں کو ڈال دینا اور اس امر کو اسوۂ ابراہیمی کا اتباع سمجھنا اب جائز نہیں۔ ~~لا یجوز لاحد ان یتعلق بہ فی طرح عیالہ وولدہ بارض مضیعۃ اتکالا علی العزیز الرحیم واقتداء بفعل ابراھیم~~ (جصاص) ۶۴ (اور نماز کے تحت میں یہاں طواف وغیرہ کل عبادات داخل ہیں) حضرت ابراہیمؑ کا مقصود گزارش یہ ہے کہ یہ آبادی خدا پرستی کے لئے ہے اور کعبہ خدا پرستوں کا مقام ہے۔ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں حضرت اسماعیلؑ کو کعبے کے گرد بسانے کی غرض خدمتِ کعبہ بتا کر یہود و نصاریٰ کے اس خیال کی تردید کر دی کہ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت اسماعیلؑ کو وہاں وادئ مکہ میں چھوڑنا محض حضرت سارہؑ کو خوش کرنے کے لئے تھا۔ ~~لیقیموا کے ل کا کوئی تعلق اسکنت سے ہے یعنی میں نے اپنی اولاد کی تو آبادی جو یہاں قائم کی ہے اس کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام کیا~~ جائے۔ ~~اللام متعلقۃ باسکنت ای ما اسکنتھم عند الوادی البلقع الا لیقیموا الصلوٰۃ~~ (مدارک) ۶۵ (اور تیری ہی عبادت میں لگے رہیں) فَاجْعَلْ ...... اِلَيْهِمْ - ابراہیم خلیلؑ عرض کر رہے ہیں کہ اے پروردگار میں نے جو اپنی اولاد کو یہاں لا بسایا ہے تو اوّل تو اس سرزمین میں کوئی مادی کشش ہی نہیں کوئی یہاں آئے کیوں لگا، تو ہی اپنی قدرت سے خلقت کے دل میں یہاں کی حاضری کی تمنا و آرزو ڈال دے اکہ خود بخود کھنچے ہوئے چلے آئیں، اور پھر اس خشک اور بے آب و گیاہ سرزمین میں پھل پھلاری کہاں، تو انہیں اپنی قدرت سے یہ بھی نصیب کر دے! ——— یہ دُعا ابراہیمیؑ پوری ہوئی اور کس معجزانہ حد تک پوری ہوئی اس کا کچھ اندازہ سفرِ حج کے بعد ہی ہو سکتا ہے، وہ ہزارہا اور لاکھوں انسانوں کا چین سے اور رُوس سے، جاپان سے اور جاوا سے، مصر سے اور ایران سے، افغانستان سے اور ہندوستان سے، مراقش سے اور برما سے اس وادئ غیر ذی زرع میں جمع ہو جانا اگر افـئدة من الناس تهوی الیهم کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مکہ کی منڈیوں کا اور منیٰ کے بازاروں کا تر و تازہ سیب و انار و انگور اور سنترے اور ہر ہر طرح کے شاداب میووں اور رسیلے پھلوں سے پٹے پڑے رہنا اگر وارزقهم من الثمرات کا حیرت انگیز عملی ظہور نہیں تو اور کیا ہے؟ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ - تقدیر کلام یوں ہے ~~افئدۃ من افئدۃ الناس~~ مِنَ النَّاسِ - مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ ~~من للتبعیض ای اجعل افئدۃ~~ (کبیر) - مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مال و جاہ کا بقدرِ ضرورت اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے طلب کرنا مذموم نہیں خصوصاً جبکہ اعانت علی الدین کے لئے ہو جیسا کہ لیقیموا الصلوٰۃ اور لعلهم یشکرون سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۵۳ دنیا کو مشیتِ حق نے دارالعمل بنا رکھا ہے، دارالجزاء بنایا ہی نہیں، اس لئے کسی سخت سے سخت کافر کو بھی دنیا میں سزا ملنا ہر گز ضروری نہیں۔ جَعَلُوْا۔ جعل کے معنی یہاں ٹھیرا لینے قرار دے لینے سمجھ لینے کے ہیں۔ والمراد من ہذا الجعل الحکم والاعتقاد (کبیر) جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔ شرک کی مختلف صورتیں اور عجیب عجیب قسمیں مسلمانوں، موحدوں کے خیال میں بھی آنی مشکل ہیں —— ایک شرک ستارہ پرستی کا ہے کہ زحل، مشتری، زہرہ وغیرہ مستقل دیویاں ہیں، ایک شرک آفتاب پرستی و ماہتاب پرستی کا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب بھی بڑے بڑے دیوتا اور اس نظامِ کائنات میں دخیل و متصرف ہیں ایک شرک اوتار پرستی کا ہے کہ خدا فلاں انسان یا فلاں حیوان کا قالب اختیار کر کے اس دنیا میں آگیا اور اتنی مدت تک زمین پر چلتا پھرتا، کھاتا پیتا رہا۔ لِيُضِلُّوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس ساتھی ٹھیرا لینے کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ یہ خود اور دوسرے راہِ حق سے بھٹک کر رہیں۔

اللام لام العاقبة لان عبادة الاوثان سبب یؤدی الی الضلال (کبیر)

عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ (٣٠)

اُس کی راہ سے (اپنے کو اور دوسروں کو) گمراہ کریں، آپ کہدیجئے چندے عیش کرلو پھر تمہارا (آخری) انجام تو دوزخ ہی ہے

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا

آپ میرے ان بندوں سے کہدیجئے جو ایمان رکھتے ہیں کہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

دیا ہے اس میں سے پوشیدہ وعلانیہ خرچ کرتے رہیں بیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ (٣١) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ

نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی (ہی) ۵۴ اللہ وہی ہے جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں سے پانی اتارا

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ

پھر اس (پانی) سے (مختلف) پھل تمہارے لئے بہ طور رزق پیدا کئے اور تمہارے (نفع کے) لئے

الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ (٣٢)

کشتی کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا تاکہ وہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلے اور تمہارے (نفع کے) لئے دریاؤں کو (اپنی قدرت کا)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ

مسخر کر دیا ۵۵ اور تمہارے (نفع کے) لئے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا جو دوام رکھنے والے ہیں اور

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (٣٣) وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ

تمہارے (نفع کے) لئے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا ۵۶ اور تم کو ہر اُس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی ۵۷ اور اگر تم

۵۴ (بلکہ خالص اور کامل انصاف ہی کا سکہ چلے گا) لِعِبَادِيَ۔ عبادی میں مومن بندوں کی اضافت حق تعالیٰ کا اپنی ذات پاک کی طرف کرنا ان کے غایت اکرام و شرف کے لئے ہے۔ خصہم بالاضافة تنویہا لہم (بیضاوی) وَيُنْفِقُوْا۔ یعنی نیک اور مطابق شریعت کاموں میں خرچ کرتے رہیں —— حکمِ انفاق قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے ظاہر ہے کہ مراد مطلق خرچ کرنا نہیں، بلکہ اُمورِ خیر میں خرچ کرنا ہے، مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ۔ رزق کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کر کے اُوپر بھی اشارہ کر دیا کہ رزق حلال ہونی چاہیئے، حرام کمائی کا گزر ہی نہ ہو۔ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً۔ پوشیدہ و علانیہ جہاں جیسی بھی مصلحتِ شرعی نظر آئے۔ لَا بَيْعٌ فِيْهِ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس وقت کچھ قیمت دے دلا کر نجات حاصل کی جاسکے —— بعض جاہلی عقاید پر ضرب۔ وَلَا خِلٰلٌ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کی دوستی اور مروت اور رعایت سے کام نکل جائے —— یہود وغیرہ کا عقیدہ تھا کہ پیمبروں اور مقبولانِ الٰہی کی عزیزداری کام آجائے گی، جس دوستی اور تعلق سے نفع کی نفی مطلق بیان کی گئی ہے وہ وہ دوستی اور تعلق ہے جو بغیر ایمان کے ہو، **۵۵** آیت نے شرک کی بہت سی قسموں کی جڑ کاٹ دی، زمین و آسمان کوئی دیوی دیوتا نہیں، سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں آسمان سے پانی اور کوئی نہیں برساتا، ہوا اور بارش کا کوئی دیوتا نہیں یہ سب وہی کرتا ہے۔ پھر زمین سے طرح طرح کے پھل اور میوے اُگانا بھی تمامتر اُسی کا کام ہے، زراعت، باغبانی وغیرہ کے لئے کوئی الگ دیوی دیوتا نہیں، علیٰ ہذا سمندر اور دریاؤں کو پیدا کرنا اور انہیں انسانی ضروریات کے لئے مسخر کر دینا بھی سو فیصدی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ۔ یہ سب اسی حقیقت کو واضح اور مؤکد کر رہے ہیں، کہ اس کارخانۂ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کی خدمت کے لئے ہے نہ یہ کہ اُلٹا انسان، زمین، آسمان، شجر و حجر، دریا، سمندر کی پرستش شروع کر دے —— اور یہی معنیٰ ہیں انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے کے۔ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ۔ تاکہ یہ جہاز اور کشتیاں سمندر میں چلیں اور تم ان کے ذریعہ سے تجارت، سفر وغیرہ کے نفع حاصل کرو۔ اسلام مسلمانوں کو راہب، بادیہ نشین نہیں بنا دینا چاہتا، بحری تاجر بنانے کی ترغیب دیتا ہے لیکن ملحد و خدا فراموش نہیں، بلکہ مومن مسلم بحری تاجر۔ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ۔ یعنی تاکہ تم دریاؤں کے پانی کو اپنی ہر انفرادی و اجتماعی تمدنی ضرورت کے کام میں لاؤ، کشتیاں چلاؤ، آبپاشی کرو، ان سے نہریں کاٹو، پن چکیاں چلاؤ، بجلی پیدا کرو، وقس علیٰ ہذا۔ غرض اپنی جائز تمدنی ترقی کے کام میں لاؤ بس شرط صرف اتنی ہے کہ خود مسلمان اور صاحبِ ایمان بنے رہو۔ **۵۶** (کہ اس سارے عظیم الشان اور حیرت انگیز طور پر وسیع کارخانۂ قدرت سے اپنے لئے ہر جائز شخصی اور تمدنی نفع حاصل کرتے رہو) الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔ آفتاب اور ماہتاب اور رات اور دن تو سب خلیفۃ اللہ بشر کی خدمت کے لئے ہیں پھر یہ کیسا شدید جاہلانہ ظلم ہے کہ اُلٹا انہی کو معبود سمجھ لیا جائے!! دَآئِبَيْنِ۔ یعنی اپنی عادتِ جاریہ پر ثبات و دوام رکھنے والے اپنی روشنی و اپنی گرمی، اپنی شرح رفتار اور اپنی دوسری طبعی خصوصیات سے ہمیشہ فائدہ پہنچاتے رہنے والے۔ معنی الدؤب فی اللغة مرور الشیٔ فی العمل علی عادة مطردة وکبیر الدؤب والدأب مشی خفیف (راغب) قال المفسرون معناہ یدأبان فی سیرھما وانارتھما وتاثیرھما (کبیر) **۵۷** (اور اس کا دینا بھی تمہارے حق میں قرینِ مصلحت ہوا) مِّنْ كُلِّ۔ یعنی تمہاری ہر طلب کی ہوئی شے میں سے تمہیں کچھ دیا۔

ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ

مضبوط ہے اور اسکی شاخیں (خوب) اونچائی میں جارہی ہیں، وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے

رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

حکم سے دیتا رہتا ہے ۴۵ اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلات اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ

خوب سمجھ لیں ۴۷ اور گندہ کلمہ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک گندہ درخت ہو کہ

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے (اور) اُسے کچھ بھی ثبات نہ ہو ۴۸

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ

اللہ ایمان والوں کو اُس پکی بات (کی برکت) سے مضبوط رکھتا ہے دنیوی زندگی

الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ

میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) ۴۹ اور ظالموں کو بچلائے رکھتا ہے ۵۰ اور اللہ

ع ۶ / ۱۰

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ

جو چاہتا ہے کرتا ہے ۵۱ کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے

اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ

معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں لا اُتارا جس میں وہ داخل

يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا

ہوں گے اور وہ (کیسا) بُرا ٹھکانا ہے ۵۲ اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیے تھے تاکہ

۴۵ کلمۂ توحید کی شاخیں وہ اعمالِ حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور بارگاہ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں ——— کلمۂ حق کا بول بالا دنیا میں بھی رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ فِی السَّمَآءِ۔ سے مُراد صرف بلندی کی سمت ہے ~~ای فی جهة العلو (روح) ومعنی فی السماء فی جهة العلو (بحر)~~ کَلِمَةً طَيِّبَةً۔ یعنی کلمۂ ایمان و توحید۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔ یعنی اس کی جڑ زمین میں خوب مضبوط ہے۔ کلمۂ توحید و ایمان کی بھی اسی طرح ایک جڑ ہوتی ہے یعنی عقیدۂ صحیح جو قلبِ مومن میں راسخ رہتا ہے۔ ۴۶ (اور اس کا کوئی پھل کسی فصل میں بھی ضائع نہیں جاتا) ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رضائے الٰہی کا ثمرہ اسی طرح دائماً مرتب ہوتا رہتا ہے۔ اس کے کبھی ضائع جانے کا احتمال نہیں۔ اسی سے ملتی ہوئی ایک تمثیل عہدنامۂ عتیق میں بھی ملتی ہے:-

"مُبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا . . . . . سو وہ اس درخت کے مانند ہوگا جو پانی کی نہروں کے کنارے پر لگایا جائے اور اپنے وقت پر میوے لائے جس کے پتّے مُرجھاتے نہیں اور اپنے ہر ایک کام میں پھلتا پھولتا رہے گا۔ شریر ایسے نہیں بلکہ بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اُڑا لے جاتی ہے"۔ (زبور۔ ۱: ۴)

۴۷ (معنیٰ و مقصود کو اور پھر اسی پر عمل کرتے رہیں) تمثیلات کی غرض و غایت بھی توضیح مطالب و مقاصد ہے۔ ۴۸ (زمین میں) تو ظاہر ہے کہ جب اُس کی جڑ ہی جمی ہوئی نہیں، تو اُس کی شاخیں کہاں سے بلند ہوں گی اور اُس میں پھل کہاں سے آئینگے؟ کَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ یعنی کلمۂ کفر و شرک۔ اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ۔ راہِ ایمان و توحید کے سوا جتنی بھی راہیں ہیں، خواہ انہیں مذہب کا لقب دیا جائے یا فلسفہ کہہ کر پکارا جائے یا اور کوئی شاندار نام رکھ دیا جائے بہرحال وہ سب بالکل سطحی ہوں گی۔ عمق اُن میں نام کو نہ ہوگا ——— ایسا درخت جسے زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ غیر اسلامی جتنے فلسفے، جتنے نظریئے، جتنے مذاہب ہیں، وہ عقلاً ہی کب ثابت ہیں؟ ——— قرآنی فقرہ سے مقصود اُن کی بے حقیقتی کی تاکید ہے۔ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ مزہ کے لحاظ سے گندہ، رنگ کے لحاظ سے گندہ، بُو کے لحاظ سے گندہ، طبعِ سلیم ہرگز اُس کی طالب نہ ہو۔ ۴۹ یعنی دنیا کے ہر امتحان میں بھی اور آخرت کے امتحان میں بھی ——— اسی دنیا کی زندگی میں ہر فرد بشر کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ یہی ایمان ہی کی صراطِ مستقیم ایسی ہے جو اُسے ہر امتحان میں ثابت قدم رکھتی اور ہر تاریکی میں روشنی دکھلاتی رہتی ہے اور پھر برزخ اور محشر میں ایک سے بڑھ کر ایک ہولناک منظر کے وقت بھی آڑے آنے والی چیز یہی کلمۂ توحید و ایمان ہے ——— نجات کی راہ دنیا اور آخرت دونوں میں بجز دینِ توحید کے اور کوئی نہیں۔ ۵۰ (دنیا و آخرت دونوں میں) بے دین حقیقی چین اور آرام سے دنیا میں بھی محروم رہتا ہے اور آخرت میں اُس کی حرماں نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی راہِ توحید و ایمان کو چھوڑ کر جاہلی اور مشرکانہ نظریوں اور فلسفوں کو ماننے والے اور ان پر چلنے والے، ~~والمراد بهم الكفرة~~ ۵۱ (اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق) نہ اس کی مشیت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی حاکم، نہ اس کی راہ میں کوئی حائل یا مانع ——— مشرک قومیں وجودِ باری کی قائل ہونے کے باوجود ارادۂ الٰہی کو بھی کسی نہ کسی چیز سے مغلوب و محدود سمجھتی رہی ہیں، قرآن مجید ان تمام باطل عقیدوں پر ضرب بار بار لگاتا ہے۔ ۵۲ یہ ذکر سردارانِ کفر و پیشوایانِ ضلالت کا ہو رہا ہے چھوٹے چھوٹے مذہبوں اور فلسفوں کے بانیوں کا اور اہلِ باطل کے رئیسانِ نامدار کا۔ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ یعنی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ شکر مزید ادا کرتے اور اُلٹے ناشکری اور کوشش ابطالِ حق میں مصروف ہوگئے۔ نعمۃ اللہ میں نعمۃ بہ طور اسم جنس کے ہے ایک مفرد نعمت مراد نہیں۔ ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں۔ بِئْسَ الْقَرَارُ۔ قرار کے لفظ سے یہ بھی نکل آیا کہ جہنم میں یہ داخلہ بطور گزرگاہ کے نہ ہوگا بلکہ قیام و دوام کے لئے ہوگا۔ ~~(المعتصر بحر)~~

قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

ہو چکیگا شیطان کہیگا ٣٩ کہ اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا (وہ) سچا وعدہ (تھا) اور مَیں نے بھی تم سے

فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّآ

وعدہ کیا تھا سو مَیں نے تم سے وعدہ خلافی کی ٤٠ اور میرا تم پر کچھ زور تو تھا نہیں البتہ مَیں نے

أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوٓا

تمہیں بُلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا سو تم ملامت مجھ پر نہ کرو ملامت

أَنفُسَكُم ۖ مَّآ أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي

اپنے آپ کو کرو ٤١ (آج) نہ مَیں تمہارا فریادرس اور نہ تم میرے فریادرس ٤٢ مَیں خود

كَفَرْتُ بِمَآ أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ

بیزار ہوں اس سے کہ تم اس کے قبل مجھے شریک (خدائی) قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں کے حق میں

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

دردناک عذاب ہے ٤٣ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی، اُن میں وہ اپنے پروردگار

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿٢٣﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ

کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے اُس کے اندر اُن کی دعا (آپس میں) اسلام ہوگی ٤٤ کیا آپ نے نہیں دیکھا

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا

کہ اللہ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمۂ طیبہ کی بیان فرمائی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جسکی جڑ (خوب)

٣٩ (اہل دوزخ سے اُن کے گلے شکووں کے جواب میں) قُضِيَ الْأَمْرُ۔ فیصلہ سے مُراد یہ کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے۔ ٤٠ اللہ کا وعدہ یہ کہ ایک روز جزاوسزا کا آنے والا ہے۔ اہل ایمان کو اُس روز نجات نصیب ہوگی اور اہل کفر کو ہلاکت ——— دُنیا میں اس عقیدہ پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی کے صدق کا ظہور ہوگا۔ شیطان کا وعدہ یہ کہ کفر پر ایمان کو کوئی ترجیح نہیں اور کوئی جزاوسزا آخرت میں نہیں ہونا ہے ——— دنیا میں اس عقیدہ کے ابطال پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی ابطال کا ظہور ہوگا۔ ٤١ (کہ عذاب کا اصل باعث خود تمہارا ہی فعل ہُوا ہے۔ میرا اس میں کیا دخل) مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ۔ میرا تم پر کچھ زور اور دباؤ تو تھا نہیں کہ مَیں تمہیں مجبور کر دیتا۔ یہ عقیدۂ اسلام میں بالکل صاف ہے کہ شیطان کو کسی کو گمرہی پر مجبور کرنے کی قوت بالکل نہیں دی گئی ہے۔ باقی دوسرے جنات وغیرہ کی طرح جو دوسری قوتیں انسان کو ستانے یا نقصان پہنچانے کی دی گئی ہیں۔ اُن سے یہاں کوئی تعرض نہیں۔ إِلَّآ أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ یعنی مَیں نے تو صرف اتنا کیا کہ تمہیں سبز باغ دکھا کر اپنی راہ کی طرف بُلایا۔ ترغیب و تشویق پیدا کی اور تم نے اپنے ارادہ و اختیار سے بہ سلامتی حواس و صحت عقل، میری دعوت کو قبول کر لیا، تو اصلی ذمہ دار تم ہوئے نہ کہ مَیں۔ یہاں سے یہ حقیقت صاف ہوگئی ہے کہ ہر کفر و معصیت کی اصلی ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ شیطان کی حیثیت محض شریک جُرم یا معینِ جُرم کی ہے۔ فَلَا تَلُومُونِي۔ مجھے ذمہ دار کیسے ٹھیراتے ہو کہ میرا فعل تو درحقیقت صرف ایک سبب بعید وغیر مستلزم تھا۔ ٤٢ آخرت میں کفار ومشرکین الگ رہے۔ شیطان تک کو اپنی اور ہر مخلوق کے عجز کامل اور بےبسی کا انکشاف کامل ہو جائے گا۔ ٤٣ (سو تم اپنے کئے ہوئے ظلم بھگتو اور مَیں اپنے کئے ہوئے بھگتونگا۔ مجھ سے کسی قسم کی اُمید نہ رکھو) إِنِّي .... مِن قَبْلُ۔ مَیں تو خود تمہارے طریق کو غلط سمجھ رہا اور اس سے بَری و بیزار ہُوں۔ أَشْرَكْتُمُونِ۔ شیطان کی ہر امر میں اطاعت کئے جانا ہی عملاً اُس کو شریک خدائی بنا لینا ہے۔ ٤٤ یعنی اہلِ جنت جب آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا فرشتے انہیں سلام کریں گے تو سلامتی ہی کی دُعا سے ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔

عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

(اس سے) جو کچھ انہوں نے کیا دھرا تھا انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا لے جائے ۳۲

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝١٨ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

بڑے دُور دراز کی گمراہی یہی تو ہے ۳۳ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے ۳۴ وہ اگر چاہے تو

يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝١٩ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى

تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ۳۵ اور یہ اللہ کو (کچھ بھی)

اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝٢٠ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

مشکل نہیں اور اللہ کے سامنے سب (ہی) پیش ہونگے ۳۶ پھر کمزور لوگ اُن سے

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

کہیں گے جنہوں نے بڑائی کی تھی کہ ہم تو تمہارے تابع تھے ۳۷ سو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ

اللہ کے عذاب کا کچھ جزء ہٹا سکتے ہو؟ ۳۸ تو وہ کہیں گے

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ

اگر اللہ نے ہم ہی کو راہ (بچنے کی) بتائی ہوتی تو ہم تمہیں بھی راہ بتا دیتے (اور اب تو) ہم دونوں کے لئے

ع ۳ / ۱۵ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٢١ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا

برابر ہے خواہ ہم چیخیں چلائیں خواہ ہم صبر کریں (بہرحال) ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں، اور جب (سب) فیصلہ

۳۲ محرومی اور بدنصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہے کہ اپنے جن اعمال پر انسان کو بھروسہ اور ناز ہو، عین وقت پر وہی بالکل ہیچ اور ناکارہ نکلیں۔ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ۔ یعنی نفع اور اثر کے قسم سے انہیں کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ ۳۳ یعنی یونہی اور بے مقصد نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانۂ کائنات ایک غرض صحیح اور مقصد متعین کے ساتھ مخصوص منافع و مصالح کو لئے ہوئے برپا کیا گیا ہے۔ بہت سی مشرک قوموں کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ کائنات کا وجود خالق کی محض شوقیہ تفریح کا نتیجہ ہے۔ یہ اُس کا رد ہو رہا ہے۔ اَلَمْ تَرَ یعنی اے مخاطب تُو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا۔

۳۴ (تم سے بہتر طور پر اس مقصد کو پورا کرنے والی) ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ عالم فنا پذیر اور قائم بالغیر ہے۔ ۳۵ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کی پیشی وہاں نہ ہو، اور کوئی ایسا نہیں کہ بجائے اللہ کے پیشی اُس کے سامنے ہو۔

۳۶ (چنانچہ ہم تمہاری ہی پیروی میں گمراہ ہوئے) قَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی جو لوگ اس دنیا میں عوام و اصاغر سمجھے جاتے تھے وہ قیامت میں اسی دنیا کے خواص و اکابر سے یوں گفتگو کریں گے۔

۳۷ (کہ شدید ترین مصیبت کے وقت اس کا کسی قدر ہلکا ہو جانا بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے) مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی کُل عذاب تو بہرحال نہیں ہٹ سکتا، اس کا کچھ بھی جزء ہٹ جائے تو ہم اسی کو غنیمت سمجھیں۔ وہ جو دنیا میں خواص و اکابر سمجھے جاتے تھے وہ تمامتر اپنی بے بسی اور بے کسی کا اعتراف کریں گے۔ ۳۸ یہ سب دنیا کے خواص و اکابر جہنم میں یہاں کے عوام اصاغر سے ان کے گلے شکووں اور طعن و تشنیع کے جواب میں کہیں گے۔

۲۵ حضرات انبیاء کی گفتگو سے بجائے اس کے کہ منکروں کے دل کچھ نرم پڑتے۔ اُلٹے انہوں نے یہ معاندانہ قہر شروع کر دی۔ لَتَعُوْدُنَّ۔ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پیمبر بھی کبھی کفر و شرک میں مبتلا رہ چکے ہوتے ہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ قبل بعثت حضرات انبیاء جو حکومت اور مذہب رائج سے بے تعلقی رکھتے تھے اُس کی تاویل بھی اہل کفر یہی کر لیا کرتے تھے کہ یہ بہر حال ہیں ہمارے ہی مذہب پر۔ اور عَوْد کے معنی اگر بجائے پلٹ آنے یا واپس آنے کے محض آجانے کے لئے جائیں جیسا کہ لغت عرب میں ہیں تو کوئی سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور متعدد ائمہ تفسیر و لغت اسی طرف گئے ہیں۔ العود بمعنی الصیرورة وھو کثیر فی کلام العرب کثرة فاشیة لا تکاد تجدھا ... وقد تستعمل بمعنی صار فلا تستدعی الرجوع الی حالة سابقة (بحر البحار)

اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ

یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ ۲۵ پھر ان (رسولوں) پر اُن کے پروردگار نے وحی نازل فرمائی

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ

کہ ہم ضرور (ان) ظالموں کو ہلاک کر کے رہیں گے ۲۶ اور اُن کے بعد تم کو زمین پر آباد

بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾

کر دیں گے یہ (وعدہ) ہر اُس شخص کے لئے ہے جو میرے رُوبرو کھڑے ہونے سے ڈر رکھے اور

وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ

میری وعید سے ڈر رکھے ۲۷ اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا ۲۸ اُس کے

وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾

آگے دوزخ ہے اور اُسے پیپ لہو پانی پلایا جائے گا ۲۹ وہ

یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَ یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ

اُسے گھونٹ گھونٹ پئے گا جیسے وہ حلق سے نہ اُترے گا ۳۰ اور ہر طرف سے اُس پر موت آئیگی

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآىٕهٖ

اور وہ (کسی طرح) مر نہ چکے گا اور اُسے ایک (اور)

عَذَابٌ غَلِیْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

عذاب سخت کا سامنا کرنا ہوگا ۳۱ جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے رہتے ہیں

اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ

اُن کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جسے تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے ۳۲ اُڑا

والمراد من العود الصیرورة لا الانتقال من حال الی اُخری وھو کثیر الاستعمال بھذا المعنی (سمع)

۲۶ (تو یہ بیچارے تمہیں کیا نکال سکیں گے) قوم کی قوم جب مخالفت پر تُل جائے اور اُس کے پاس سامانِ قوت و اقتدار بھی ہر طرح کا موجود ہو تو اس کی دھمکیوں سے کسی حد تک متاثر ہونا ایک امر طبعی ہے۔ پیمبروں کو ایسے ہی موقع پر وحی الٰہی سے تسکین دی جاتی ہے کہ ان ظالموں کی اتنی کیا مجال ہے، یہ تو خود عذاب سے ہلاک ہونے والے ہیں۔ ۲۷ ابھی ابھی فتح و نصرت کا وعدہ حضرات انبیاء سے تھا کہ تمہارے مخالفین تمہارے سامنے نیست و نابود کئے جائیں گے اور سرفرازی و سربلندی تو تم کو نصیب ہوگی۔ معاً بعد اس وعدہ کا دائرہ وسیع کر کے اُسے ہر مومن کے لئے عام کر دیا جاتا ہے۔ اور مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ موقف حشر کی حاضری اور اللہ کی وعیدوں کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہو۔ ۲۸ یعنی اس عملی فیصلہ کے وقت عذاب سے ہلاک ہو کر رہا)۔ وَاسْتَفْتَحُوْا۔ کا فاعل کون ہے؟ یعنی فیصلہ کس نے چاہا؟ اکثر کی رائے ہے کہ یہ فیصلہ کا مطالبہ کرنے والے کافر تھے ای استنصروا ... الضمیر للکفار (روح عن ابن زید) ضمیر بجائے کفار کے حضرات انبیاء کی طرف بھی جا سکتی ہے۔ والضمیر للانبیاء علیھم السلام (بیضاوی)

۲۹ (شدت حرارت یا غایت کراہت سے) مِنْ وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ۔ وراء لغات اضداد میں سے ہے۔ اور اس کے معنی جس طرح "پیچھے" کے ہیں، "آگے" کے بھی آتے ہیں۔ ائمہ لغت سے یوں ہی منقول ہے۔ قال ابو عبیدة وابن السکیت الوراء من الاضداد و یقع علی الخلف والقدام ... من بین یدیہ ... یقال لمن خلفہ و یقال لمن قدامہ (راغب) ۳۰ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوزخی کے لئے بس یہی ایک عذاب ہوگا۔ سلسلۂ عذاب تو بے نہایت ہے۔ برابر اُس میں اضافہ و ترقی ہی ہوتی جائے گی۔ وَمَا هُوَ بِمَیِّتٍ۔ اور وہ کسی طرح مر نہ چکے گا، بلکہ اسی طرح پڑا سسکتا رہے گا۔ عذابِ دوزخ کی شدت اور ہولناکی کا جو منظر حق تعالیٰ نے خود کھینچ دیا ہے کسی شارح یا مفسر کی قدرت میں ہے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکے۔ اللھم احفظنا ۳۱ (اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ جائے) مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ مثال کافروں کے ان اعمال کی جو بظاہر اعمال حسنہ ہیں، انکی بے اثری و لاحاصلی کے لحاظ سے دی جا رہی ہے۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا

تم اور کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ ہمارے ہی جیسے بشر ہو ۱۸ تم بس یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

جس چیز کی عبادت کرتے آئے ہیں اُس سے ہم کو روک دو، سو لاؤ ہمارے پاس کھلا ہوا معجزہ ۱۹

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ

اُن سے اُن کے پیمبروں نے کہا (بیشک) ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں لیکن

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا

اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرما دے ۲۰ اور یہ

كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ

ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ بجز حکم الٰہی کے لے آئیں ۲۱ اور

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَمَا لَنَآ اَلَّا

ایمان والوں کو تو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ۲۲ اور ہم اللہ پر بھروسہ

نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ

کیسے نہ رکھیں درآنحالیکہ اُس نے ہمیں ہمارے راستے دکھا دیئے ۲۳ اور تم نے جو ہمیں

ع ۲ / ۱۴ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲

ایذا پہنچائی اس پر ہم صبر ہی کریں گے، اور بھروسہ رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے ۲۴

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ

اور کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال کر رہیں گے

۱۸ (اور بشر کسی فوق البشر روحانی مرتبہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے؟) مشرک اور مشرک مزاج قوموں کا یہ وصف ان صفحات میں بار بار بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا مسئلہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کا وجود تو خیر ایک بات ہے۔ اوتار یعنی خدا کا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں تجسم یہ بھی ہماری سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یہ کہ انسان انسان بھی رہے انسانوں ہی کی طرح رہے سہے، چلے پھرے، سوئے جاگے، اور پھر دعویٰ کرے کہ میرا تعلق خصوصی خالقِ کائنات سے جڑا ہوا ہے۔ میں اُس کی مرضیات کا علم رکھتا ہوں اور دوسروں کو وہی راہ بتاتا ہوں یہ چیز ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے! آہ! کہ آج مسلمان بھی کس کثرت اور شدت سے اسی مرض میں مبتلا ہے۔ سید الانبیاء تو خیر بڑی چیز ہیں اُن کے ایک ایک خادم و چاکر کو جس سے بھی عقیدت پیدا ہو جائے، اسے فوق البشر بنائے بغیر "دیوتا" کے مرتبہ پر پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ **۱۹** (جس کے بعد انکار و تردد کی گنجایش ہی نہ رہے) معجزہ کوئی نہ کوئی تو ہر پیمبر کے پاس ہوتا ہی تھا، یہ احمق معاندین جب دلیل میں مغلوب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ اچھا کوئی ایسا معجزہ ہمیں دکھاؤ جس میں چون و چرا کی گنجایش ہی سرے سے نہ رہ جائے! ــــــ احمق اتنا بھی نہ سوچتے کہ یہ صورت تو جبر و اضطرار کی ہو گئی اور جب انسان ایمان پر مضطر و مجبور ہو گیا تو اس ایمان کے کوئی معنی ہی نہیں اور نہ ایسا ایمان سرے سے مطلوب ہی ہے۔ تُرِيْدُوْنَ ..... اٰبَآؤُنَا۔ کفر و انکار کے سلاح خانہ میں ایک بڑا مؤثر و قوی حربہ یہی ہے جب گفتگو میں عاجز و لاجواب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ یہ پیمبر وغیرہ (نعوذ باللہ) ایک ڈھکوسلا ہے۔ تمہارا اصل مقصود بس یہی ہے کہ ہمارے آبائی دین و آئین میں رخنہ ڈال دو اور ہمیں ہمارے بزرگوں سے چھڑا دو! **۲۰** اور بندوں پر اس کا عظیم ترین ممکن احسان یہی منصب رسالت سے سرفرازی ہے) منکروں کے استدلال کا ایک مقدمہ (صغریٰ) تو تمامتر صحیح تھا، یعنی پیمبر بھی محض بشر ہی ہوتے ہیں لیکن جب اس پر مقدمہ اوّل (کبریٰ) ان پر لگا کر کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا، نتیجہ یہ نکالنا چاہتے تھے کہ "اس لئے" تم رسول ہو ہی نہیں سکتے، تو اُن کا استدلال تمامتر فاسد ہو جاتا تھا۔ اس لئے کہ اُن کا یہ مفروضہ کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، خود تمامتر باطل تھا۔ حضرات انبیا کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ "ہم کب اپنی بشریت کے منکر ہیں یقیناً ہم بشر ہی ہیں لیکن بشریت ہی کے سب سے اعلیٰ، اشرف، اکمل و افضل مرتبہ کا نام نبوت و رسالت ہے اور یہ اُنہی کو عطا ہوتا ہے جن کو حق تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نواز دے"۔ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یہ مثلیت جو حضرات انبیاء اور کافروں، منکروں کے درمیان ثابت ہے اصل انسانیت اور عجز عبودیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ مراتب فضل اور اعمال کے اعتبار سے۔ **۲۱** یہ حضرات انبیاء کے اسی جواب کا تتمہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنی طرف سے معجزہ دکھلانے کے مُدعی ہی نہیں، وہ تو سب اللہ ہی کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے تو کوئی امر دکھلا دیا جاتا ہے جو تمہیں خارق عادت معلوم ہوتا ہے۔ **۲۲** (چہ جائیکہ پیمبر جو مومنین میں افضل و اکمل ہوتے ہیں ان کا تو بھروسہ ہی اللہ پر اسی درجہ و مرتبہ کا ہونا چاہیئے) آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ بندہ کا منتہائے کمال و قوت اُس کے اندر عبدیت کا احساس اور توکل و رجوع الی اللہ ہے نہ کہ حصولِ اقتدار یا اس کا احساس۔ **۲۳** (تو ایسے شفیق محسن پر تو کامل بھروسہ کرنا اور ضروری ہو گیا) سُبُلَنَا۔ یعنی ہمارے نفع دارین کے راستے۔ **۲۴** (نہ کہ کسی اور پر، یا اپنی تدبیروں پر) توکل شریعتِ اسلامی میں ہرگز ترک تدبیر کے مرادف نہیں۔ حضرات انبیاء اور اُن کے اصحاب و رفقاء تدبیر اُمور سے کبھی بھی غافل نہ ہوئے۔ بلکہ اس بات میں نہایت مستعد رہے۔ البتہ مؤثر ان تدبیروں ہی کو کبھی نہ سمجھے۔ بلکہ انجام و تاثیر میں ہمیشہ اللہ ہی کے فضل و کرم کے امیدوار رہے۔ وَلَنَصْبِرَنَّ۔ یہ صبر بھی ایک فرد اُسی توکل علی اللہ کی ہے۔ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا۔ اس ایذا کے تحت میں دماغی، جسمانی ہر قسم اور ہر درجہ کی اذیتیں آگئیں جو مخالفین معاندین کے ہاتھوں حضرات انبیاء کو برابر پہنچتی رہیں +

جَمِيعًا فَإِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝۸ أَلَمْ يَأْتِكُمْ

تو اللہ بالکل بے احتیاج ہے ستودہ صفات ہے ۱۲ کیا نہیں اُن لوگوں کی

نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّ

خبر نہیں پہنچی جو تم سے قبل ہو چکے ہیں (یعنی) قوم نوحؑ اور عاد و

ثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ ع۶

ثمود اور جو لوگ اُن کے بعد ہوئے ہیں انہیں اور کوئی نہیں جانتا ہے

إِلَّا اللّٰهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوا

بجز اللہ کے ۱۳ ان کے پیمبران کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے مگر انہوں نے

أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا

اپنے ہاتھ اُن کے منہ میں دے دے دیا اور بولے ہم منکر ہیں اُس (حکم) کے جسے

أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ

لے کر تم بھیجے گئے ہو ۱۴ اور جس امر کی طرف تم ہمیں بُلا رہے ہو اس کی طرف سے ہم بڑے شبہ میں ہیں جو ہمکو

مُرِيبٍ ۝۹ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ الثلثة

تردد میں ڈالے ہوئے ہے ۱۵، اُن کے پیمبر بولے تو کیا (تم کو) شک اللہ کے بارے میں ہے (جو) پیدا کرنیوالا

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ

ہے آسمانوں اور زمین کا ۱۶ وہ تمہیں (توحید کی طرف) بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف

مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوا

کردے اور تمہیں ایک مُدت معین تک حیات دے ۱۷ (اس پر وہ) کہنے لگے

۱۲ نہ اُسے کسی کی ناشکری سے مطلق ضرر پہنچ سکتا ہے اور نہ اُس کے استکمال بالغیر کا گزر ہے۔ ضمناً ان مشرک قوموں کی تردید بھی آگئی جن کے دیوتا خود اپنے پجاریوں کے چڑھاوے وغیرہ کے محتاج رہتے ہیں ؎

من نہ کردم پاک از تسبیح شاں

۱۳ بہت سی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جن کا کوئی تفصیلی علم نہ تاریخ کو ہے نہ اُن کے آثار ہی کسی تفصیل کے ساتھ اثریات کی کھدائی کرنے والوں کو ہاتھ لگ سکے ہیں۔ قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود سب پر مفصل حاشیے پہلے گذر چکے ہیں۔

۱۴ (اپنے زعم و دعوے کے مطابق)

بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل و معجزات دونوں آگئے۔ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ۔ ان کافروں کی شدتِ عناد کا یہ عالم تھا کہ اپنے پیمبروں کی بات تو کیا مانتے کوشش یہ رہتی تھی کہ انہیں بولنے تک نہ دیا جائے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کفر و انکار کے علاوہ پیمبروں کے ساتھ سوء ادب ایک مستقل جرم ہے۔ ۱۵ (کہ تم کیسی عجیب عجیب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کہہ رہے ہو) مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ یعنی عقیدۂ توحید و قانونِ شریعت۔ فِي شَكٍّ۔ کے بعد مُرِيب کا اضافہ تاکید اور زور دینے کے لئے ہے یعنی شک ایسا نہیں جو نکل جائے بلکہ شبہات اور زیادہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ ھو صفۃ توکیدیۃ (روح) ۱۶ پیمبر یہ سنکر غایت حیرت و استعجاب سے بول اُٹھے۔ ارے تو کیا تمہیں شک و شبہہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے بارہ میں ہے۔ ۱۷ (اس دنیا میں خیر و خوبی کے ساتھ۔ مِنْ ذُنُوبِكُمْ یعنی تمہارا پچھلا کفر و انکار اور پھر جتنے گناہ اس سے پیدا ہوتے ۔

ف۷ (رحمت وعذاب دونوں کے اہم معاملات جو جزو تاریخ بن چکے ہیں) قَوْمَكَ یعنی قوم بنی اسرائیل کو۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ یعنی معاصی سے طاعت کی طرف۔
فقہائے نے یہاں سے یہ پہلو نکالا ہے، کہ وعظ و تذکیر میں واقعات اثر انگیز و رقت انگیز کا لانا جائز ہے۔ فی ھذا دلیل علی جواز الوعظ المرقق للقلوب المقوی للیقین (ابن العربی) اَیّٰامِ اللّٰهِ یعنی
جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت و اقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں مثلاً وبا و قحط، محکومی و غلامی۔

اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ
قوم کو نکال لاؤ تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور انہیں
بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
اللہ کے معاملات یاد دلاؤ ف۷ بیشک ان میں بڑی نشانیاں ہیں ہر صابر
شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا
شاکر کے لئے ف۸ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب موسٰیؑ نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ اللہ کا انعام
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
اپنے اوپر یاد کرو جب کہ اُس نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
تمہیں سخت تکلیف پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ
اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے
رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ
بڑی آزمائش تھی ف۹ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں اطلاع دے ف۱۰ دی تھی کہ اگر
لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷
شکر کرو گے تو تمہیں ضرور زیادہ دوں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے ف۱۱
وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
اور موسٰیؑ نے کہا کہ اگر تم اور روئے زمین کے سارے لوگ بھی ناشکری کریں

ع ۱
۱۲

غرض یہ کہ ایام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔ عن ابن عباس و الربیع و مقاتل و ابن زید المراد بایام اللہ وقائعہ سبحانہ و نعمائہ فی الامم الخالیۃ (روح) والذی زعم ہو ایامہ التی وقعت علی الامم قبلھم (کشاف) یعبر بالایام من الوقائع العظیمۃ التی وقعت فیہا یقال فلان عالم بایام العرب ویرید وقائعھا (کبیر) ایام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ اضافۃ الایام الی اللہ تعالٰی تشریف لامرھا لما افاض اللہ علیھم من نعمۃ فیھا (راغب) اَنْ اَخْرِجْ میں ان ای کے معنی میں ہے اس لئے کہ ارسلنا میں قلنا کے معنی بھی شامل ہیں بمعنی ای اخرج لان الارسال فیہ معنی القول کانہ قیل ارسلناہ وقلنا لہ اخرج (کشاف)

ف۸ (صابر کے لئے یہ کہ وہ مصیبت پر صبر کرنا سیکھے اور شاکر کے لئے یوں کہ وہ نعمت پر شکر ادا کرنا سیکھے) فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی اُنہی ایام اللہ میں قوم کے ساتھ اللہ کے اُنہی تاریخی معاملات میں۔ یا ان کی تذکیر میں۔ ای فی التذکیر بایام اللہ تعالٰی او فی الایام (روح)

ف۹ آیت تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ پارۂ اوّل سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں آچکی ہے۔ اور وہیں مفصّل حاشیے بھی گزر چکے ہیں۔ ف۱۰ (میرے ذریعہ سے) گفتگو ابھی حضرت موسیٰؑ ہی کی چل رہی ہے۔ ف۱۱ (دنیا اور آخرت دونوں میں) لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ زیادتی اور افزونی کس چیز میں ہوگی؟ خود اسی نعمت میں ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی اگر توفیق شکر وغیرہ بھی مُراد لی جائے تو عموم لفظ سے یہ سب بھی بخوبی نکل سکتا ہے۔ بائبل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ۔ شکر کی تعریف امام رازیؒ نے یہ کی ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اس کی تعظیم کی جائے اور طبیعت کو اس طریقہ کا عادی کیا جائے۔ اما الشکر فھو عبارۃ عن الاعتراف بنعمۃ المنعم مع تعظیمہ و توطین النفس علی ھذہ الطریقۃ (کبیر)
بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اُمور ناگوار طبع پر عمل اور ثبات اور ترک شکایت کا نام صبر ہے اور اُمور موافق طبع کی قدر کرنا اور اس پر مدح و ثنا کرنا یہ شکر ہے، اور یہ دونوں حالات رفیع ہیں لیکن ان حجابات لطیف سے بھی گزر کر ہر حال میں نظر اپنے رب رؤف و رحیم پر رکھنا، اُسی کو فاعل حقیقی سمجھنا اور حال طاری کی تلخی و شیرینی دونوں سے غیر متاثر رہ کر فعل محبوب ہی سے لذت و مسرت حاصل کرتے رہنا اور اُسی کے آگے بہ کمال ادب سر جھکائے رکھنا رضا و تسلیم ہے اور اُس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ
تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں اُن کے پروردگار کے حکم سے یعنی (خدائے) غالب وستودہ
الْحَمِيْدِ ۙ(1) اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
صفات کی راہ کی طرف ؎ وہی اللہ کہ اُس کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں
الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ(2)
ہے ؎ اور بڑی خرابی ہے عذاب شدید سے کافروں کے لئے جو
الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ
دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ
اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور اُس میں کجی تلاش کرتے رہتے ہیں
اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ (3) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ
یہ لوگ بڑی دُور کی گمراہی میں (پڑے) ہیں ؎ اور ہم نے ہر رسُول کو اُس کی
رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ
قوم کی طرف بھیجا اُسی کی زبان میں کہ وہ ان لوگوں پر (احکام و تعلیمات کو) کھول کر بیان کریں ؎ پھر اللہ جس کو
اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ دکھادیتا ہے ؎ اور وہی غالب ہے
الْحَكِيْمُ (4) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ
حکمت والا ہے ؎ اور بالیقین ہم نے مُوسٰی کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی

سُورۂ ابراھیمؑ:- ؎۱ یعنی اس کتابِ مقدس کی تنزیل کی غرض و غایت تمامتر یہ ہے کہ آپؐ اس کے واسطہ سے لوگوں کو جو اب تک تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں، توحید و ہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔ الٓرٰ۔ یہاں مخفف سمجھا گیا ہے انا اللہ اریٰ کا۔ میں اللہ ہوں دیکھنے والا۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ لِتُخْرِجَ۔ اس نکال لانے کا حکم مرتبۂ تبلیغ میں ہے۔ یہ مُراد نہیں کہ آپ سب کو نکال لائیں ہی گے۔ مُراد یہ ہے کہ آپ تبلیغ اسی کی اور اسی غرض سے کرتے رہیں۔ النَّاس۔ ال استغراق کا کلّیت کو چاہتا ہے۔ یعنی جمیع نسلِ انسانی۔ یہ ایک مزید دلیل ہے اس کی کہ آپؐ کی بعثت کسی مخصوص قوم کی جانب نہیں، بلکہ عام اور کافۂ اَنام کی جانب تھی۔ والناس علم انہ ھو مبعوث الی الخلق کلھم (بحر) و المراد من الناس جمیعھم (روح) کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ۔ یعنی اس کتاب کے ذریعہ سے آپؐ لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائیں۔ ظُلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ ظلمٰت کا صیغہ جمع اور نور کا صیغہ واحد اس کی دلیل ہیں کہ گمراہیاں اور اقسامِ کفر کثرت سے ہیں بہ خلاف اس کے راہِ ہدایت ایک ہی ہے۔ ——— وہی فرق جو ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خطوطِ منحنی اور خطِ مستقیم میں ہوتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ یہ جو کچھ بھی ہوگا، خدائے قادر و توانا ہی کی قدرت و مشیت سے ہوگا، پیغمبر متصرف و حاکم اس حد تک بھی نہیں۔ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ غلبہ و قوت بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور مدح و تحسین کی حقدار بھی اُسی کی ذات ہے ——— وہی ایک صفات کمال و جمال دونوں کا مالک ہے۔ ؎۲ مالک حقیقی وہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا ہے، کوئی دوسری ہستی اُس کی مالکیت کے کسی ادنیٰ جزء میں بھی شریک نہیں۔ ؎۳ (اصل حقیقت سے بہت ہی دُور) اَلَّذِيْنَ ..... الْاٰخِرَةِ۔ گمراہی، بے دینی، کفر کی اصلی بنیاد بھی آخرت پر اسی دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ محبّتِ دنیا مطلق صُورت میں ممنوع نہیں (جیسا کہ بعض اہلِ غلو نے ٹھیرا لیا ہے) بلکہ وہ تو ایک امر طبعی و جبلّی ہے۔ البتہ آجل پر عاجل کو ترجیح دینا "آج" کے پیچھے "کل" کو بھلا دینا، یہ جرم اور جرمِ عظیم ہے۔ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یعنی اُس میں شبہہ نکال نکال کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ؎۴ تو گویا اصل مقصود پیغمبر کی زبان اور اُس کی اُمّت کی زبان کے توافق سے یہ ہے کہ احکام و تعلیمات کی خوب تبیین و تشریح ہو جائے جس سے اُمّت کو عمل میں کوئی دشواری نہ رہ جائے۔ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ یعنی اس قوم کی زبان جو اس پیغمبر کی مخاطب اوّل و براہِ راست ہوتی ہے رسُول اللہ صلعم اور تمام پیغمبروں سے ممتاز، دوہری حیثیت رکھتے تھے ایک حیثیت تو آپؐ کے رہبرِ عالم ہونے کی تھی جس کی توضیح قرآن مجید کی ایک آیت میں نہیں متعدد آیتوں میں ہے۔ للناس۔ کافۃ للناس وغیرہ الفاظ کے ذریعہ سے۔ دوسری حیثیت پیغمبرِ عرب ہونے کی تھی، اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔ ؎۵ (چنانچہ وہ احکام کو قبول کر لیتا ہے) فَيُضِلُّ اللّٰهُ۔ یعنی جسے حق تعالیٰ گمراہی میں چھوڑے رکھتا ہے وہ احکامِ شریعت کو قبول نہیں کرتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی یہ اضلال و ہدایت کی جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہیں، سب مشیت و مصلحتِ تکوینی کے ماتحت ہی ہوتی ہیں۔ ؎۶ یہ صفات یہاں لاکر یہ یاد دلادیا کہ اس کی قدرت میں ہر ایک کو ہدایت دینا ہے، لیکن وہ ہدایت اُنہی کو دیتا ہے جن کی ہدایت مصالحِ تکوینی کے عین موافق ہوتی ہے۔

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

ہر طرف سے کم کرتے چلے آتے ہیں ۵۸۱ اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو

لِحُكْمِهٖ ؕ وَ هُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ

ہٹانے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۵۸۲ اور ان کے قبل والے بھی (بڑی بڑی)

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ

چالیں چل چکے ہیں حالانکہ تدبیر تمام تر اللہ ہی کی ہے ۵۸۳ وہی جانتا ہے کہ ہر شخص کیا کچھ

كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَ يَقُوْلُ

کرتا رہتا ہے اور کافروں کو ابھی علم ہوا جاتا ہے کہ آخرت کی خوش انجامی کس کے لئے ہے ۵۸۴ اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ

کافر کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان

ع ١٦ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے، بہ طور گواہ کے کافی ہیں ۵۸۵

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَّ هِيَ اثْنَتَانِ وَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّ سَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ ابراہیم مکی ہے اور اس میں ۵۲ آیتیں اور ۷ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

الف۔ لام۔ را (یہ) کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو

۵۸۱ (ان کے حق میں) یعنی یہ مغرور اور سرکش اتنی موٹی بات بھی نہیں دیکھتے کہ ہم برابر ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ ملک اور حصۂ زمین ان کے ہاتھ سے نکال نکال کر اسے اہل ایمان کے قبضے میں دیتے جاتے ہیں، عذاب دنیوی یہ اگر نہیں تو اور کیا ہے؟ ——— ایک ایسا انسان جو بظاہر تمام تر تائیدی اسباب سے محروم و معرا تھا، اس کا رفتہ رفتہ اتنا غالب آجانا اگر تائید غیبی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سورۃ مکی ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ خاص آیت مدنی ہو۔ مکی سورتوں کے اندر ملی جلی مدنی آیتوں کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے مل جاتی ہیں، لیکن آیت اگر مکی ہی ہو جب بھی اشکال وارد نہیں ہوتا اسلام پھیل تو برابر رہا تھا اور مسلمانوں کی آبادی مغلوبیت و مظلومیت کے باوجود بہرحال بڑھتی ہی جاتی تھی۔

۵۸۲ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ حساب کی ذمہ داری اللہ پر ہے، اب یہ بیان ہوا کہ حساب کتاب میں دیر نہ لگے گی، اللہ بہت ہی جلد سب کا حساب چکا دینے والا ہے۔ اور کوئی قوت اس کی مشیت و ارادہ کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی (جیسا کہ احمق مشرکین سمجھ رہے ہیں)

۵۸۳ (اپنے اپنے رسول وقت کے مقابلہ میں اور بری طرح ناکام بھی رہ چکے ہیں) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو قدیم مثالوں کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ ان کے معاصر کافروں کی بھی ناکامی یقینی ہے۔

۵۸۴ سَيَعْلَمُ۔ ابھی علم ہوا جاتا ہے۔ یعنی اپنی موت کے وقت۔ س دلالتِ قرب کے لئے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ س تاکید کا ہے یعنی ایسا یقیناً واقع ہو کر رہیگا۔ قيل السين لتاكيد وقوع ذلك [illegible] (روح) فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا۔ چنانچہ وہی ان کافروں کی چالبازیوں کو چلنے نہیں دیتا۔ مکر کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے تو بہ طریق مشاکلت آتا ہے اور معنی جواب مکر کے ہوتے ہیں۔ اس پر حاشیہ کئی بار گزر چکا۔ محاورۂ اردو میں مکر صرف برائی کے موقع پر ہے عربی زبان میں اس کا استعمال عام ہے اچھائی اور برائی ہر موقع کے لئے۔

۵۸۵ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ۔ یعنی محققین اہل کتاب۔ هم اهل الكتاب من اليهود والنصارٰى (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اناس من اهل الكتاب [illegible] (ابن جریر۔ عن قتادہ) اللہ کی گواہی تو وہ ہوئی جو آپ کی امانت سے، دیانت سے، صداقت سے، پاکبازی و پارسائی سے، غرض آپ کی عملی زندگی کے گوشہ گوشہ سے ظاہر ہو رہی تھی، اور اہل کتاب کی گواہی سے اشارہ ہے ان پیشگوئیوں اور بشارتوں کی طرف جو آپ کے متعلق کتب سابق میں موجود تھیں۔ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہ کہنے والے اہل کتاب ہی تھے۔ قیل قاله [illegible] (روح) قرآن مجید کا انداز بیان خود کہے دے رہا ہے کہ اہل کتاب ہی مراد ہیں، وہی کہتے تھے کہ سلسلۂ نبوت برحق، ایک پیغمبر آخر الزمان کا آنا درست لیکن لَسْتَ مُرْسَلًا تم وہ پیمبر مرسل نہیں ہو، تمہارا دعوئ نبوت صحیح نہیں ——— ورنہ محض مشرکوں کے جواب میں اہل کتاب کی شہادت پیش ہونا لا حاصل تھی۔

۵۷۳ ذرا اسے غور کرکے دیکھا جائے تو اتنے سے فقرہ میں توحید، رسالت، معاد تینوں بنیادی عقیدے آگئے۔ ھذا الکلام جامع لکل ما ورد التکلیف بہ (کبیر) انما تامل الانسان فی ھذہ الالفاظ القلیلۃ
ووقف علیھا عرف انھا محتویۃ علی جمیع المطالب المعتبرۃ فی الدین (کبیر) اُمِرْتُ۔ یعنی میرے پاس وحی سے حکم بھیجا ہے، اثباتِ رسالت۔ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ۔ اثباتِ توحید، اِلَيْهِ اَدْعُوْا۔ اثباتِ رسالت
اِلَيْهِ مَاٰبِ۔ اثباتِ معاد۔ ۵۷۴ (جس کے اصل مسائل واحکام میں کسی قسم کا خفا نہیں ہے) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح انبیاء سابقین پر وحی وکتاب نازل کی تھی، عَرَبِيًّا۔ صاف واضح، عربی پر حاشیہ ۱۲
سورۂ یوسف آیت ۲ کے ذیل میں گذر چکا۔ ۵۷۵ اللہ اکبر! دائرۂ عبدیت سے ذرہ بھر قدم باہر نکالنے کی گنجائش، سید البشر بلکہ سرور انبیاء تک کو نہیں دی گئی ہے! اَهْوَآءَهُمْ۔ ضمیر اہلِ کتاب کی جانب
سمجھی گئی ہے اور ان کی اھواء (خواہشوں) کے اندر ان کی تحریفات بھی آگئیں۔ ۵۷۶ (اور یہ عیالداری کمالات نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں تو پھر بعض احمقوں کو آپؐ کے صاحبِ ازواج واولاد ہونے پر کیا
اعتراض ہورہا ہے؟) آیت میں یہ بتایا ہے کہ سلسلۂ رسالت تو بہت قدیم ہے اور آپ کا دعوائے رسالت دنیا کی تاریخ میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں، نوحؑ اور ابراہیم خلیلؑ، اسحاقؑ واسماعیلؑ، یعقوبؑ وموسٰی کلیمؑ، داؤدؑ وسلیمانؑ، آخر ان سب کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں، یہ سب حضرات عیال دار ہی ہوتے ہیں، پھر آخر آپؐ کی عیال داری پر اعتراض کیوں ہے؟ آیت میں تردید ہے، بودھ مت اور مروجہ مسیحیت اور دوسرے مذاہب جاہلی کی جہاں خانہ داری اور عیال داری کی زندگی کو تقربِ الٰہی وخدارسی کے منافی سمجھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت میں بڑی عبرت وبصیرت کا سبق ہمارے زمانہ کے "مجرد" اور "تارک الدنیا" مشائخ اور اہلِ خانقاہ کے لئے ہے، جنہوں نے شادی بیاہ، بیوی اور اولاد کو کمالاتِ ولایت وروحانیت کے منافی قرار دے لیا ہے! ۵۷۷ (خواہ وہ آیت مکتوبی تنزیلی ہو یا آیت تکوینی ہو معجزہ وخارق) اٰيَةٌ کے دو مختلف معنیٰ ہیں ایک تو آیت قرآنی یا حکم الٰہی، دوسرے نشانی یا معجزہ۔ یہاں مُراد دونوں ہوسکتے ہیں، یعنی کوئی رسُول نہ اپنی طرف سے کوئی تنزیل الٰہی لاسکتا ہے اور نہ کوئی معجزہ۔ اکابرِ تفسیر سے منقول بھی دونوں معنیٰ ہیں۔ لیکن آگے جو مضمون آرہا ہے اس سے مناسب تر معنیٰ آیت مکتوبی وتنزیلی ہی کے ٹھیرتے ہیں۔ قد یراد بالاٰیۃ اٰیۃ الکتابیۃ التنزیلۃ بالحکم علٰی وفق مراد المرسل الیھم وھو اوفق بما بعد (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے مطالبہ خوارق کی ممانعت نکلتی ہے اور جب اس کی ممانعت پیمبرؐں سے ہے جن کا صاحبِ خوارق ہونا ضروری ہے تو اولیاء سے تو اس کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ٹھیرتی ہے، جن کا صاحبِ خوارق ہونا ضروری ہی نہیں، ۵۷۸ (اس زمانہ اور اس ماحول کے مطابق ومناسب احکام لانیوالی یہاں تک کہ یہ آخری کتاب ایسی آگئی کہ جس کے احکام ومسائل کسی زمانہ اور کسی ماحول کے بھی غیر مطابق نہ ہوں گے) لِكُلِّ اَجَلٍ۔ معنیٰ ہر دَور کے لئے۔ ہر مُدت معین کے لئے۔ كِتَابٌ۔ کتاب کے معنیٰ حکم کے بھی ہوسکتے ہیں اور حدیث میں بکتاب اللہ بحکم اللہ کے معنیٰ میں آیا بھی ہے۔ بکتاب اللہ ای بحکم اللہ الذی انزل فی کتابہ وکتبہ علی عبادہ (تاج) ای حکم معین یکتب علی العباد حسب ما تقتضیہ الحکمۃ (روح)
۵۷۹ چھوٹی بڑی ہر شے اسی کی مشیت اور قدرت کے ماتحت ہے۔

اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ
عبادت کروں اور اُس کا شریک کسی کو نہ کروں، اسی کی طرف میں بُلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے ۵۷۳
اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا
اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو نازل کیا بطور ایک صاف حکم کے ۵۷۴ اور اگر آپ کہیں اُنکی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس کے
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع ۵ / ۱۱
کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ۵۷۵
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
اور بالیقین آپ سے قبل ہم نے پیمبر بھیجے اور ان کے لئے بیویاں
اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا
اور بچے بھی رکھے ۵۷۶ اور کسی رسول کے بس میں یہ نہیں کہ ایک آیت بھی بغیر اللہ کے حکم کے
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ
لاسکے ۵۷۷ ہر زمانہ کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے ۵۷۸ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے
وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ۵۷۹ اور جس چیز کا ہم اُن سے وعدہ کررہے ہیں
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ
اس میں کا کچھ حصہ خواہ ہم آپ کو دکھلادیں یا آپ کو وفات دیدیں تو آپکے ذمہ تو صرف (احکام کو) پہنچا دینا ہے اور
عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ
ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ۵۸۰ کیا یہ اُسے نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کی

اُمُّ الْكِتٰبِ۔ سے عموماً مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ او عندہ اصل الکتب وجملتہ (ابن جریر) اصل کل کتاب وھو اللوح المحفوظ (کشاف) ھو الذی یکون اصلاً لجمیع الکتب (کبیر) ۵۸۰ قبل اس کے کہ وہ عذاب موعود آئے۔
خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں خواہ دونوں جگہ) ضمناً وتبعاً اتنے جزو سے دو اور مسئلے بھی روشنی میں آگئے۔ (۱) ایک یہ کہ آپ کی وفات واقع ہوگی آپؐ غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ جن وعدوں اور
دعووں کا اظہار آپؐ کی زبان سے کرایا گیا۔ ان میں سے بعض کا وقوع آپؐ کے بعد ہی ہوگا، الَّذِيْ نَعِدُهُمْ۔ یعنی عذابِ الٰہی خصوصاً اسی دنیا میں۔ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ۔ یعنی آپؐ کی زندگی
ہی میں عذاب اُن پر آجائیں۔ یہ سب کافروں کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا جارہا ہے کہ آخر عذاب ہم پر آکیوں نہیں جاتا ہے؟ صوفیہ محققین نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ طالب سالک پر اطاعت وامتثال بہرصورت
لازم ہے۔ دنیا میں کشود واثر سے اور آخرت میں صلہ واکرام سے اسے بحث نہ ہونا چاہئے۔ الغرض عذاب جلد آئے یا بدیر، بہرصورت آپ زیادہ فکر وتشویش میں نہ پڑیں عذاب اپنے وقت معین پر آئیگا ضرور)
آیت نے ایک بار پھر اس واضح حقیقت کو واضح تر کردیا کہ رسالت اور الوہیت کے حدود بالکل جُداگانہ ہیں خلط کی کوئی گنجائش ہی نہیں رسُول مقرب ترین رسُول کا کام صرف تبلیغ احکام اور تبلیغ دین ہے باقی اس پر
سزا وجزا، سوال وبازپرس کا تعلق صرف فاطرِ کائنات سے ہے۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ

بلکہ بات یہ ہے کہ ان کافروں کی نظر میں ان کا مکر خوشنما کر دکھایا گیا ہے اور یہ لوگ راہ (حق) سے

السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

محروم رہ گئے ہیں ۶۶ اور جسے اللہ گمراہ رکھے اُسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں ۶۷

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

ان (کافروں) کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور عذاب آخرت (اس سے) بدرجہا

اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ

سخت ہے ۶۸ اور انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ۶۹ جنت جس کا وعدہ

الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ

متقیوں سے ہوا ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ اُس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی

اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ

اُس کا پھل اور اُس کا سایہ دائمی ہوگا یہ انجام ہوگا اہل تقوے کا

وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

اور کافروں کا انجام آتش (دوزخ) ہے ۷۰ اور جن لوگوں کو کتاب ملی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں

الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

اِس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے ۷۱ اور انہی کے گروہ میں ایسے بھی

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

ہیں جو اس کے بعض حصّوں کا انکار کرتے ہیں ۷۲ آپ کہیے کہ مجھے تو بس اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی

۶۶ (اپنے عناد و تعصب اختیاری کی بنا پر) مَكْرُهُمْ۔ یعنی ان کی مغالطہ پرور تقریریں، ان کے جھوٹے عذرات۔ ان کی طرح طرح کی چالیں عداوت اسلام و مسلمین میں۔ ۶۷ حق تعالیٰ کی جانب نسبت اضلال پر حاشیے بار بار آچکے ہیں۔ ۶۸ (بہ لحاظ شدت بھی اور بہ لحاظ مدت بھی) عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ قتل، وہلاکت، اسیری وہزیمت، مرض و قحط، بہت سی صورتیں عذاب دنیوی کی ہو سکتی ہیں۔ ۶۹ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) ۷۰ آیت میں صاف صاف دونوں راستوں کفر و ضلالت اور ایمان وہدایت کا انجام بتا دیا ہے، ایک کا نتیجہ دائمی سکھ ہے اور دوسرے کا مستقل دکھ۔ کسی کو اس باب میں اشتباہ رہنا ہی نہ چاہیئے۔ الْمُتَّقُوْنَ ۔ تقویٰ کی اولین شرط کفر و شرک سے اجتناب ہے۔ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ ۔ جنت کی نہ تو کوئی نعمت فنا ہو گی اور نہ کوئی راحت زائل۔ ۷۱ (چنانچہ وہ اس پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی) لانهم امنوا به و صدقوه (کبیر عن ابن عباس) الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ۔ یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جو سچے اہل کتاب تھے صحیح معنی میں اپنے اپنے دین و شریعت کے پیرو تھے، یہ رسول اللہ پر بھی بلا تامل ایمان لے آئے، هم الذين امنوا بالرسول من اهل الكتاب (کبیر عن ابن عباس) ۷۲ یعنی ایسے حصّوں سے انکار جو اُن کی مرضی و خواہش کے خلاف ہوتے ہیں۔ الْاَحْزَابِ ۔ یعنی کافروں و منکروں کے وہ حصے جنہوں نے رسولِ اسلام کی مخالفت پر جتھے بنا بنا لئے اور اس میں مشرکین عام اہل کتاب سب آگئے۔ والاحزاب بقية اهل الكتاب وسائر المشركين (کبیر عن ابن عباس رض) يعني كفرتهم الذين تحزبوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعداوة (بیضاوی)

جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ

ہے کیا پھر بھی ایمان والوں کو یکسوئی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو

اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ

سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا ۵۹ اور یہ کافر تو ہمیشہ اسی حال میں

كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا

رہیں گے کہ کوئی نہ کوئی حادثہ ان پر ان کے کرتوتوں کے باعث پڑتا ہی رہتا ہے یا ان کی بستی کے

مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

قریب ہی نازل ہوتا رہتا ہے ۶۰ یہاں تک کہ اللہ کا (وقت) موعود آجائیگا یقیناً اللہ (اپنے) وعدہ کے

الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

خلاف نہیں کرتا ۶۱ اور بالیقین رسولوں کے ساتھ اس کے قبل بھی استہزا ہو چکا ہے لیکن میں

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو میری سزا کیسی سخت تھی! ۶۲

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ج

پھر کیا وہ جو ہر شخص کے اوپر مطلع ہے کہ اس نے کیا کیا (وہ دوسروں کے برابر ہے؟) ۶۳

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ

ان لوگوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھیرا لئے ہیں، آپ کہیئے ان کے صفات تو بتاؤ ۶۴ کیا تم اللہ کو ایسی چیز

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

کی خبر دے رہے ہو جسے وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا یہ ہے کہ وہ محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے (معبود ہیں)؟ ۶۵

ع ۴ ۵ ۱۰

۵۹ یعنی بالفرض اس قرآن میں یہ سب مؤثرات خارجی جمع کر دیئے جاتے جب بھی مؤثر حقیقی یہ خوارق بالکل نہیں۔ توفیق ہدایت تو تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ طالب کو توفیق مل جاتی ہے اور معاند محروم رہتا ہے۔ بہت سے سادہ دل مسلمان اب بھی اپنی سادہ دلی سے یہ تمنا کئے ہوئے تھے کہ ان خوارق کا ظہور کسی طرح ہو جاتا تو کفار شاید ایمان لے ہی آتے۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اب بھی ان کے تعصب و عناد کے اتنے مشاہدات کے بعد بھی یہ امید لگائے بیٹھے ہو! فاطر کائنات اور ناظم فطرت کی مشیت اگر کہیں یہ ہوتی کہ ہر انسان کو اس کی طرف سے کسی طلب اور اس میں کسی صلاحیت کے وجود کے بغیر از خود ہدایت ہو جائے تو ان سب کو بھی اضطراراً ہدایت نصیب ہو ہی جاتی لیکن جب اس نے اس عالم کو عالم ابتلا بنا رکھا ہے اور ہر مکلف کے لئے طلب ہدایت لازمی رکھدی ہے تو اب ان معاندین کے ایمان کی توقع ہی عبث ہے، ۶۰ جس سے انہیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر یہ بلا آپڑے) وَلَا يَزَالُ۔ یعنی یہ صورت حال تو مستقل ہو گئی ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مراد وہی کافر و معاند ہیں جو از راہ عناد خوارق کی فرمایش کرتے رہتے ہیں۔ قَارِعَةٌ مثلاً جنگ میں شکست، یا قید، یا قتل۔ ۶۱ اور ان کفار معاندین سے وعدہ عذاب کا ہے) وَعْدُ اللّٰهِ وقت موعود یعنی موت یا قیامت۔ ~~اَلْمَوْتُ اَوِ الْقِيَامَةُ~~ (بیضاوی) مطلب یہ ہوا کہ یہ معاندین اپنی ان حالتوں میں مبتلا رہینگے۔ یہاں تک کہ موت آپہنچے گی اور عذاب برزخی و اخروی کا مشاہدہ شروع ہو جائیگا، ۶۲ اور سرکش اور نافرمان قوموں کی عبرتناک تباہی و ہلاکت کی داستان تاریخ کے صفحات، اثری کتبات اور عمارتوں کے کھنڈروں پر یکساں ثبت ہے۔ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی ان تمسخر کرنے والوں پر بھی گرفت معاً نہیں ہو گئی انہیں ایک مدت تک برابر مہلت ملتی رہی، جس سے ان کا تمرد و عصیان اور بڑھتا ہی گیا، تا آنکہ کوئی گنجائش ہی عذر و ترحم کی نہ رہ گئی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ۔ سو ان مثالوں سے چاہیئے تھا کہ موجودہ کفار و معاندین بھی اپنے انجام سے غافل نہ ہوں، ایک زمانہ آئیگا جب مہلتیں ختم ہوں گی اور سزا اپنے وقت موعود پر مل کر رہیگی، ۶۳ یعنی کہیں ایسا علیم کل، ہمہ بین، ہمہ دان معبود برحق اور تمہارے خود ساختہ، بے خبر معبودان باطل برابر ہو سکتے ہیں؟ قَآئِمٌ .... كَسَبَتْ۔ یعنی ہمہ دان، ہمہ تواں قادر مطلق و علیم کل۔ ~~القادر على كل الممكنات، العالم بجميع المعلومات~~ ~~الحفيظ الرقيب على كل نفس~~ (روح) ۶۴ جن سے ان کی معبودیت پر کچھ تو روشنی پڑے) سَمُّوْهُمْ۔ اسم۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے تحت میں گزر چکا ہے۔ مراد یہاں صفات سے ہے جیسے اردو فقرہ میں کہیں کہ ذرا تعریف تو کیجئے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے نام گنانا شروع کر دو۔ ~~قيل صفوهم ثم انظروا هل هي اهل لان تعبد~~ (سالم) ~~والمعنى صفوهم فانظروا اهل لهم ما يستحقون به العبادة~~ (بیضاوی) ~~وليس المراد ان يذكروا اساميها نحو اللات والعزى وانما المعنى اظهار تحقيق ما تدعونه الها وانه هل يوجد معاني تلك الاسماء فيها~~ (راغب) جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ۔ شریک ٹھیرانا یہی ہے کہ کسی صفت خداوندی میں بھی کسی مخلوق کو شریک کر لیا جائے۔ ۶۵ (اور لفظ کے عقب میں حقیقت کچھ بھی نہیں) تو اگر یہ شق قبول ہے، تو خود ہی اعتراف ان نام کے معبودوں کے معبود نہ ہونے کا ہے، اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ ..... الْاَرْضِ۔ حق تعالیٰ تو انہی چیزوں کو موجود جانیگا جو موجود ہیں، اور جو سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ معدوم ہیں، انہیں موجود سمجھ لینا، یہ تو علم نہ ہوا جہل و کذب ہوا، تو اب یہ تمہارے نام نہاد معبود بہ حیثیت معبود خارج میں وجود رکھتے ہی کہاں ہیں، جو حق تعالیٰ کو ان کے وجود کا علم ہو، ان کا وجود تو جو کچھ بھی ہے بس وہ تمہارے وہم ہی میں تو ہے۔

۵۲ (اور یہ رجوع وانابت بندہ کا فعل اختیاری ہے) اس فعل اختیاری کے اختیار پر اللہ کی طرف سے ترتّبِ ہدایت کا وعدہ ہے۔ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ یعنی جسے اپنی حکمتِ تکوینی کے ماتحت اسے گمراہ رکھنا ہی منظور ہوتا ہے ——— گمرہی کی بابت کئی بار اُوپر آچکا ہے کہ یہ اُنھی کے نصیب میں آتی ہے جو اپنی فہم خداداد سے کام نہیں لیتے، ۵۳ (اور اس اطمینان کی بڑی اور اصلی علامت یہ کہ ان کا ایمان اللہ کے کلام پر قائم ہوگیا) ۵۴ یعنی ذکرِ الٰہی میں خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے اُلجھاؤ سے بچاتا ہے، اور شرک سے جو انتشارِ ذہنی پیدا ہوتا ہے یقین توحید اس کے لئے سپر ہوجاتا ہے ——— البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے و مرتبے ہوتے ہیں، جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اُسی نسبت سے اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف وخشیت کا ہے۔ اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان و فراغت خوفِ خدا کے منافی ذرا بھی نہیں، بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی متمم و مکمل ہیں۔ ۵۵ خوشحالی اس دنیا میں اور خوش انجامی آخرت میں ——— خوشحالی سے مراد مالی یا معاشی خوشحالی نہیں، بلکہ فراغ خاطر ہی مقصود ہے۔ ۵۶ (اور ایسے رحمت والے آقا کے کلام پر ایمان لانے کے بجائے اُلٹے اس کی ناشکری اور ناقدری ہی کر رہے ہیں) کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح ہم اور اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ ای کما ارسلنا الانبیاء قبلک (کبیر۔ عن ابن عباس و الحسن وقتادۃ) ۵۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف) عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے جو میری ہر حفاظت و کفالت کے لئے کافی ہے اور آخری جزاء و صلہ کی توقع بھی بس اسی ایک سے ہے۔

یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ
راہ دکھا دیتا ہے اُسے جو اُس کی طرف رجوع کرے ۵۲ (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور
تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ
اللہ کے ذکر سے انہیں اطمینان ہوگیا ۵۳ خوب سُن لو کہ اللہ کے ذکر سے
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ؕ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے ۵۴۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے
طُوْبٰی لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْٓ
ان کے لئے خوشحالی اور خوش انجامی ہے ۵۵ اسی طرح ہم نے آپ کو
اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَیْهِمُ
ایک اُمت میں بھیجا ہے جس کے قبل بھی اُمتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھکر سنائیں
الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَ هُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ
جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے (مگر) وہ لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر ہی کر رہے ہیں ۵۶
قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ
آپ کہدیجئے وہی میرا پروردگار ہے کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف
مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ
(مجھے) واپس جانا ہے ۵۷ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعے
بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ
زمین (جلدی جلدی) طے ہوجاتی یا اُسکے ذریعہ سے مُردے بولنے لگتے (جب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) ۵۸ ہے یہ کہ سارا اختیار اللہ ہی کو

۵۸ لَوْ کلمۂ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے جو متن ترجمہ میں قوسین میں ظاہر کردی گئی اور اسلوب بلاغت خصوصاً قرآن مجید میں اس قسم کے محذوفات عام ہیں۔ حرف بَلْ خود اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فقرۂ ماقبل میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ مؤثر حقیقی نہیں۔ منکروں نے یہود کی تعلیم و ترغیب سے فرمائشیں اس قسم کی کی تھیں کہ پیمبری کا دعویٰ ہے تو داؤد پیمبرؑ کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے یا سلیمانؑ رسول کی طرح سفر کیوں نہیں طے کرا دیتے یا عیسیٰ نبیؑ کی طرح مُردے کیوں نہیں جلا دکھاتے، آیت انہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں ہے ؛

۵۴۷ حالت سرور، فرحت ونشاط میں انسان گفتگو بھی اسی قسم کی سننا چاہتا ہے جو اس کے لئے اور زیادہ کیف آور ونشاط انگیز ہو، چنانچہ فرشتے بھی ہر طرف سے آآکر ایسے ہی پیام پہنچائیں گے۔ مِنْ كُلِّ بَابٍ۔ "ہر ہر دروازے سے" کے ایک معنی تو ظاہر ہی ہیں، جنت کے ہر محل میں دروازے متعدد ہوں گے اور یہ پیام مسرت لانے والے ہر ہر طرف سے داخل ہوں گے، دوسرے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ مومن نے دنیا میں جتنی قسم کی طاعتیں کی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حسنِ معاملت، سچائی وغیرہ ان میں سے ہر ہر قسم کے لئے ایک ایک دروازہ قائم ہو جائیگا اور فرشتے اس میں سے داخل ہوں گے۔ قال ابو بکر الاصم من کل باب من ابواب البر (کبیر)

يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَٰمٌ عَلَيْكُم

ان کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوتے ہوں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) سلامتی ہو تم پر اس کے

بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِينَ

صلہ میں کہ تم صبر کرتے رہے، سو تمہارا اس جہان میں بہت ہی اچھا انجام ہے ۵۴۸ اور جو لوگ

يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ

اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے رہتے ہیں اور اُسے کاٹتے رہتے ہیں

مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي

جس کے لئے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین پر فساد کرتے رہتے

الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

ہیں ایسوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے اُس جہان میں خرابی

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا

(ہی) ہے ۵۴۹ اللہ جس پر چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہے تنگ کر دیتا ہے ۵۵۰ اور

بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا

یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ایک حقیر ہی سودا

مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ

ہے ۵۵۰ اور جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ ان پر اُن کے پروردگار کی طرف سے

آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَ

کوئی معجزہ (ہمارا فرمائشی) کیوں نہیں اترا ۵۵۱ آپ کہہ دیجیے کہ واقعی اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور

ع ۹ ۳

۵۴۸ اب اولو الالباب کے مقابلہ میں نافہم، کج فہم بدبختوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کی علامتیں بھی اس دنیا میں ان سے بالکل مختلف رہتی ہیں، اور ان کا انجام بھی قدرۃً ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ ..... يُّوْصَلَ۔ یعنی حقوق اللہ وحقوق العباد سب میں یہ شریعتِ الٰہی کی خلاف ورزی ہی کرتے رہتے ہیں۔ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ عقایدِ شرکیہ اور اعمال شرک وفسق سے ملک میں ہر طرح کی ابتری ہی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ و ذلك الفساد هو الدعاء الى غير دين الله وقد يكون بالظلم فی النفوس والاموال وتخريب البلاد (کبیر)

۵۴۹ (اس انتظامِ تکوینی کو مقبولیت و عدم مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں) بعض گم کردہ راہ قوموں اور فرقوں نے حق و باطل کا معیار معیشت کی خوشحالی وفارغ البالی اور تنگ دستی اور بدحالی کو سمجھا ہے، یہاں اس کی پوری تردید ہو رہی ہے، اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کا تعلق تمامتر مشیتِ تکوینی سے ہے۔ يَقْدِرُ۔ کے معنی یہاں تنگ کر دینے کے لئے گئے ہیں، جیسا کہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے، قال المفسرون معنى يقدر ههنا يضيق (کبیر)

۵۵۰ ان منکرینِ آخرت کی تنگ دماغی کا یہ حال ہے کہ یہ اسی محدود اور چند سالہ مختصر زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، اور اُس بے انتہا وسیع عالم کو جو اس کے مابعد شروع ہونے والا ہے نذر بے خبری کئے ہوئے ہیں ——— جیسے یہ سارا کارخانۂ حیات کسی صاحبِ شعور و صاحبِ ارادہ کا برپا کیا ہوا ہی نہیں۔ مَتَاعٌ میں تنوین تحقیر کی ہے۔

۵۵۱ یعنی یہ کافر ازراہِ طعن وعناد کہتے ہیں، کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں، آخر اپنے خدا کے ہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند اور ہمارے معیار کے لائق لے کر کیوں نہیں آئے ہیں +

۴۲ (اور جو لوگ فہم خداداد سے کام ہی نہیں لیتے وہ محروم رہتے ہیں) اَفَمَنْ یَّعْلَمُ ...... الْحَقُّ ۔ یعنی مومن و مسلم ۔ مَنْ هُوَ اَعْمٰی ۔ یعنی کافر و منکر ۔ یَعْلَمُ ۔ علم یہاں یقین و اعتقاد کے معنی میں ہے ۔
، اُنْزِلَ اِلَیْكَ ۔ اس سے قرآن مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی رسول اللہ صلعم نے وحی خفی کی بنا پر قرآن سے باہر جو احکام دیئے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں شامل ہیں ۔ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ یہ اولو الالباب
یا صاحبان فہم خالص وہی لوگ ہوتے ہیں، جو اپنی عقل پر تعصبات یا جذبات عناد وغیرہ کو غالب نہیں آنے دیتے اور یہی فرق ہے لُب اور مطلق عقل کے درمیان ۔ اللب العقل الخالص من الشوائب وسمي بذلك لكونه خالص ما في الانسان من معانيه كاللباب واللب من الشيء وقيل
هو ما زكي من العقل فكل لب عقل وليس كل عقل لبا (راغب) واللُّبُّ اخص من العقل وهو الذي ذهب اليه الراغب (روح) فقہاء نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عقل معتبر عقل معاد ہی ہے وہی جو تذکر
کرتی ہے اور ایسا ہی شخص عاقل کہنے کے قابل ہے اگرچہ امور دنیوی میں وہ ناواقف ہو ۔ ۴۳ (جو اللہ سے یوم الست میں کر چکے ہیں) اہل فہم کی پہلی شناخت یہ ارشاد ہوئی کہ یہ لوگ اپنے عہد الٰہی
کے ایفاء کرنے والے ہیں ـــــ عهد الله ۔ سے مراد وہ عہد اطاعت ہے، جو انسان روز اول اللہ سے کر چکا ہے ۔ اى ما عقدوه على انفسهم من الاعتراف بربوبيته حين قالوا بلى (بيضاوى)

رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
نازل ہوا ہے حق ہی ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے ؟ نصیحت تو بس اہل فہم ہی قبول
الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ
کرتے ہیں ۴۲ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں اور (اس) پیمان کو
الْمِيْثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ
توڑتے نہیں ہیں ۴۳ اور جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے جوڑے رکھتے
يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ﴿۲۱﴾
ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں ۴۴
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا
اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضامندی کی تلاش میں مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی
الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ
رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں خفیہ بھی اور ظاہر طور پر
يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى
بھی اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹالتے رہتے ہیں انہی کے حق میں نیک انجام
الدَّارِ ۙ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ
ہے ۴۵ (یعنی) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ (خود بھی) داخل ہوں گے اور (وہ بھی) جو
مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
جنت کے لائق ہونگے انکے ماں باپوں میں سے اور انکے میاں بیویوں میں سے اور انکی اولاد میں سے ۴۶ اور فرشتے

وسعت دے کر اس کے تحت میں وہ سب مسائل داخل کر لئے گئے ہیں جو دلائل شرعی سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اى كل ما قام الدليل عليه (كبير) يدخل فيه الاتيان بجميع المامورات والانتهاء عن كل المنهيات (كبير)
ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ حقوق اللہ کے مرادف ہے ۔ اور اس کی ادائی کا درجہ اقل یہ ہے کہ معاصی کبیرہ سے اجتناب رہے ۔ واقله درجة اجتناب الكبائر (ابن العربی) ۴۴ (اور کبھی اپنی طاعت و اطاعت پر نازاں ہو کر مطمئن و بے فکر نہیں ہو جاتے) یَصِلُوْنَ ۔ یوصل ۔ یہ انہی اہل فہم کی دوسری شناخت ارشاد ہوئی ۔ پہلی آیت میں جس طرح سے حقوق اللہ کی ادائی کی تاکید تھی، اس میں حقوق العباد کا اہتمام آ گیا ۔ رعاية جميع الحقوق الواجبة للعباد (كبير) حاصل الكلام ان قوله الذين يوفون بعهد الله اشارة الى التعظيم لامر الله وقوله والذين يصلون ما امر الله به ان يوصل اشارة الى الشفقة على خلق الله (كبير)
یَخْشَوْنَ ...... الْحِسَابِ ۔ یعنی ان کے اس حسن کردار کی بنیاد ان کی خشیت الٰہی پر ہوتی ہے ۔ ۴۵ حق تعالیٰ کی رضا یہی لوگ حاصل کریں گے اور یہی لوگ رضاء الٰہی کے محل و مقام میں ہوں گے ـــــ یہ سب شناختیں انہی صاحبان فہم کی بیان ہوئیں ۔ الذين ......
رَبِّهِمْ ۔ یعنی دین حق پر ہر طرح کی جسمانی صعوبتوں اور دماغی پریشانیوں کے باوجود قائم رہتے ہیں ۔ اس صبر کے عموم میں ہر قسم کے احکام تشریعی اور مصائب تکوینی پر صبر شامل ہے ۔ يدخل فيه الصبر على فعل العبادات والصبر على ثقل الامراض والمضار والغموم والاحزان والصبر على ترك المشتهيات وبالجملة الصبر على ترك المعاصي وعلى اداء الطاعات (كبير) سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ۔ یعنی حسب موقع و مصلحت کبھی اس خرچ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، اور کبھی اسے مخفی بھی رکھتے ہیں، مثلاً جو رقم سلطنت اسلامی میں واجب الادا ہو اسے علانیہ سرکاری بیت المال میں داخل کرتے ہیں، اور جہاں اپنے تنگ دست عزیزوں، پڑوسیوں، مسافروں وغیرہ کی امداد ضروری دکھائی دیتی ہے وہاں اسے بالکل مخفی طور پر کرتے رہتے ہیں ۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو نیکیاں کر کر کے مٹاتے رہتے

ہیں ۔ اى يتبعون السيئة الحسنة فتمحوها (بيضاوى) عن ابن عباس انه قال يدفعون بالصالح من العمل السيئ من العمل وهو معنى قوله ان الحسنات يذهبن السيئات (معالم) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۔ یعنی اپنی جائز و حلال کمائی سے ۔ حرام آمدنی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب ہو ہی نہیں سکتا ۔ قالت المعتزلة ذلك يدل على انه لا رزق الا الحلال ولو كان الحرام رزقا لكان قد رغب في انفاق الحرام وانه لا يجوز (كبير)
اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ۔ یعنی ان کے صبر و ثابت قدمی سے مقصود دنیوی ناموری یا اور کچھ نہیں ہوتا، بلکہ محض اجر و رضاء الٰہی ہی مقصود رہتا ہے ۔ معناه انه صبر لوجه ثوابه وطلب رضاء الله تعالى (كبير) لا غيره من اغراض الدنيا (جلالين) عُقْبَى الدَّارِ ۔ یعنی جنت جو اسی دنیا کے بعد کی اور آخری چیز ہے ۔ اى عاقبة الدنيا وهي الجنة (مدارك) ۴۶ یعنی یہ نیک کردار اور اولو الالباب جنت میں خود تو خیر داخل ہوں گے، ان کے ساتھ ہی ان کے بڑے اور چھوٹے اور برابر والے عزیزوں کو بھی جنت میں پہنچا دیا جائیگا بشرطیکہ ان میں صلاحیت بھی کسی درجہ کی جنت میں جانے کی ہوئی ۔ مَنْ صَلَحَ ۔ اس قید نے صاف کر دیا کہ اہل جنت سے مطلق قرابت کا تعلق مغفوریت کے لئے کافی نہیں مغفرت تو ایمان ہی پر مرتب ہو گی البتہ ترقی درجات و مراتب کی گنجائش اعزہ و اقربا کی شفاعت کی بنا پر ہے ۔ قال ابن عباس [illegible] من صدق بما صدقوا به وان لم يعمل مثل اعمالهم (كبير) قال الواحدي والصحيح ما قال ابن عباس (كبير) والمعنى انه يلحق بهم من صلح من اهلهم وان لم يبلغ مبلغ فضلهم تبعا لهم وتعظيما لشأنهم (بيضاوى) وهو دليل على ان الدرجة تعلو بالشفاعة (بيضاوى) وفي التقييد بالصلاح دلالة على ان مجرد الانساب لا تنفع (بيضاوى) وان لم يعملوا بعملهم يكونون في درجاتهم تكرمة لهم (جلالين) اى يجمع بينهم وبين احبائهم فيها من الاباء والاهلين والابناء ممن هو صالح لدخول الجنة من المؤمنين لتقر اعينهم بهم (ابن كثير) اٰبَآئِهِمْ ۔ اس کے تحت میں عجب نہیں جو کل بزرگان خاندان آ جائیں، باپ اور ماں دونوں کی طرف سے اَزْوَاجِهِمْ ۔ زوج میں میاں بیوی مذکر و مونث دونوں آ گئے ۔ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۔ ذریت کے تحت میں عجب نہیں کہ فروع و توابع سب آ جائیں لڑکے لڑکی، پوتے، نواسے اور پھر شاگرد و مسترشدین وغیرہ ۔

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ

پھر وہ سیلاب جھاگ کو اُوپر لے آیا اور جن چیزوں کو آگ کے اندر

فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ

تپاتے ہیں زیور یا (اور) اسباب بنانے کی غرض سے اُس میں ایسا ہی جھاگ[٣٦] ہے

يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ

اسی طرح حق و باطل کی اللہ مثال بیان کرتا ہے[٣٧] سو جھاگ تو نکما ہو کر جاتا رہتا ہے

جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ

اور جو چیز لوگوں کے لئے کار آمد ہے سو وہ دنیا میں رہ جاتی ہے ،

كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا

اللہ اسی طرح مثالیں بیان کیا کرتا ہے[٣٨] جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہنا

لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم

مان لیا اُن کے لئے نیک (بدلہ) ہے[٣٩] اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا اُن کے پاس اگر

مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ

دنیا بھر کی چیزیں بھی ہوں اور اسی کے ساتھ اتنی ہی اور بھی تو وہ سب اپنی طرف سے بطور فدیہ دے

أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَ

ڈالیں[٤٠] سخت حساب ان لوگوں کا ہوگا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور

بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ

وہ بُرا قرارگاہ ہے[٤١] کیا جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ آپ پر جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

وقف النبی علیہ السلام

النصف ع ٢

٣٦ (اور وہ بھی اُوپر آجاتا ہے) زَبَدًا۔ سے یہاں مُراد ہے مَیل کچیل، خس و خاشاک، کوڑا کرکٹ ۔
٣٧ یعنی ایک طرف توحید و ایمان اور دوسری طرف کفر و شرک کی،
٣٨ (اپنے کلام میں ہر مضمون کے لئے) فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ یعنی اپنی نفع رسانی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جھاگ کچھ دیر کے لئے اصل چیز کے اُوپر نظر آتا ہے لیکن آخر کار وہ ناکارہ سمجھ کر پھینک ہی دیا جاتا ہے، اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح گو باطل چند روز کے لئے حق پر غالب آجائے لیکن انجام کار باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے، اور حق باقی و ثابت رہتا ہے ۔
٣٩ یعنی جنت۔ اِسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ ۔ اور اپنے رب کا کہنا مان لینا یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کر لی ۔
٤٠ (قیامت کے دن اس اُمید پر کہ کسی طرح جان تو بچے اور عذاب سے رہائی ملے) لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ یعنی بدستور راہ معصیت و کفر پر قائم رہے۔
٤١ یعنی قیامت میں ساری کائنات اور اس سے بڑھ کر بھی تصدق کرنا ان منکروں اور بے دینوں کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اور یہ بدستور گرفتارِ عذاب رہیں گے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا

اور اللہ ہی کے آگے جھکے رہتے ہیں (سب) جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں ٢٨ (کوئی) ارادۃً (تو)

وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ١٥ قُلْ مَنْ

السجدة ٣

اور (کوئی) جبراً (نی ۲۹) اور اُن کے سائے بھی صبح و شام کے وقت ٣٠ آپ پوچھیے کہ

رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ

آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ (ہی) کہہ دیجیے کہ اللہ (پھر) کہیے کہ تو کیا تم نے (پھر بھی)

مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا

اس کے سوا (اور) کارساز قرار دے لئے ہیں جو اپنی ہی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار

وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ

نہیں رکھتے ٣١ آپ کہیے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے

اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا

یا یہ کہ کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہوئی ہے ٣٢ یا یہ کہ انہوں نے

لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ

اللہ کے شریک ایسے ٹھیرا رکھے ہیں کہ جنہوں نے اس کی خلق کی طرح کسی کو خلق کیا ہے جس سے انکو خلق میں

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ١٦

اشتباہ ہوگیا ٣٣ آپ کہہ دیجیے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ واحد ہے، غالب ہے ٣٤

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا

(اسی نے) آسمان سے پانی اُتارا جس سے نالے اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے ٣٥

ف٢٨ یعنی ساری کی ساری مخلوقات اللہ ہی کی قانونِ تکوینی کی مطیع و منقاد ہے۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ - اس ترکیب کے اقتضاء سے معنی یہ پیدا ہوئے کہ اللہ ہی کی مطیع و منقاد ہے نہ کسی اور کی۔ اے لله وحدہٗ یخضع وینقاد ولا بشی وغیرہ (روح) مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - مراد جمیع مخلوق سے ہے۔ المراد ما یشمل اولئک وغیرھم والتعبیر بمن للتغلیب (روح) يَسْجُدُ - سجدہ یہاں باصطلاح شرعی نہیں بلکہ اپنے اصلی و لغوی معنی میں ہے یعنی سب کے سب اللہ کے آگے جھکے ہوئے اور اُس کی مشیت کے مطیع و منقاد ہیں۔ السجود اصلہ التطامن والتذلل ..... وذٰلک ضربان سجود باختیار ولیس ذٰلک الا للانسان وسجود تسخیر وھو للانسان والحیوانات، والنبات وعلیٰ ذٰلک قولہ وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض (راغب) السجود عبارۃ عن الانقیاد والخضوع وعدم الامتناع وکل من فی السمٰوٰت والارض ساجد للہ بھٰذا المعنیٰ لان قدرتہ ومشیئتہ نافذۃ فی الکل (کبیر) ای ینقاد انہ لاحداث ما ارادہ فیھم من افعالہ (کشاف) ف٢٩ یعنی افعالِ اختیاری میں تو قصد و اختیار سے اور اُمورِ غیر اختیاری میں اضطراراً۔ ف٣٠ یعنی علی الدوام ہر حال میں، ہر وقت۔ ب یہاں فی کے مرادف ہے۔ والمراد بھا الدوام (بیضاوی) والباء بمعنی فی (روح) وَظِلٰلُهُمْ - سایہ ایک عدمی اور سلبی شے ہے جس کا اطلاق اس حال پر ہوتا ہے جب روشنی کسی جسم کثیف کے توسط سے دُور ہو جائے —— جیسے رات کا اطلاق دن کے عدم پر ہوتا ہے یہاں پر اگر یہ لفظی معنی لئے جائیں جب بھی کوئی اشکال نہیں۔ مُراد یہ ہوگی کہ اشیاء موجود فی الخارج اور ان کے اظلال سب ہی قادرِ مطلق کے مطیع و منقاد ہیں۔ وحشی قوموں میں سایہ کو عالمِ بالا کی کوئی چیز سمجھ کر اس سے بہت ڈرا گیا ہے قرآن مجید نے بتایا کہ ہر موجود شے کی طرح اس کا سایہ بھی محض مخلوق اور منقادِ مشیتِ الٰہی ہے، لیکن محققین ہی سے ایک قول اور بھی منقول ہے، وہ یہ کہ اظلال سے مُراد آثار و توابع ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ ہر موجود بذاتِ خود بھی مطیع و سر بسجود ہے اور اس کے آثار و خواص و افعال بھی۔ ف٣١ (چہ جائیکہ اپنے پرستاروں کی سُن سُنا سکیں، یا ان کی کچھ مدد کر سکیں) مطلب یہ ہوا کہ ان مشرکینِ عرب سے بھی اگر یہ سوال کر دیجیے کہ اس سارے نظامِ کائنات کا خالق و مُوجد حافظ و مبقی مُدبّر و حاکم کون ہے تو بیا وجود اپنے شرک کے اس کے قائل نکلیں گے کہ وہ تو ایک ہی خدائے قادر و توانا ہے جسے عرب کی بولی میں اللہ کہتے ہیں، پس اس پر ان کی گرفت کیجیے، اور ان سے یہ کہیے کہ اس صحیح بنیادی عقیدہ کے باوجود پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے، کہ تم تعددِ الٰہ کی لعنت میں گرفتار ہو اور چھوٹے چھوٹے خداؤں دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟ —— جب ایک خدا کو مان لیا تو پھر اب دوسرے بے چاروں کے پاس کسی قسم کا اختیار و تصرف سرے سے باقی ہی کہاں رہ جاتا ہے؟ ف٣٢ (اور جب یہ نہیں اور بداہۃً نہیں تو پھر موحد و مشرک یعنی صاحبِ ایمان اور محروم الایمان اور شرک اور توحید یا کفر و ایمان کیسے ایک سطح پر آ سکتے ہیں؟!) آیت میں رد آگیا آج کے اُن "روشن خیالوں" کا جو دنیا کے ہر مذہب کو یکساں سمجھتے ہیں اور اُن "آزاد خیالوں" کا جو فلاحِ دنیوی کے لئے ایمان کی شرط غیر ضروری جانتے ہیں۔ ف٣٣ (اور یہ دھوکے میں پڑ کر اُس خالقِ اعظم کی طرح دوسرے خالقوں کو بھی خدا سمجھ بیٹھے!) مطلب یہ ہوا صفتِ خالقیت میں انہوں نے اپنے کسی گڑھے ہوئے خدا کو خدائے حقیقی کا شریک اپنے تجربہ و مشاہدہ میں پایا ہے؟ اور جب کسی کو بھی نہیں تو پھر آخر کیا یہ خبط کی مار ہے کہ ان دوسروں کو معبودیت میں شریک کئے جاتے ہیں؟ ف٣٤ یہاں مختصراً تین صفات بیان کر کے بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور کثیر التعداد مذاہبِ شرک کی جڑ کاٹ دی۔ پہلی صفت یہ کہ اللہ ہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا جوہر و عرض، ایجاب و سلب خوشگوار و ناخوشگوار سب کا خالق ہے۔ دوسری صفت یہ کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفاتِ کمالیہ کے لحاظ سے بھی، یہ نہیں کہ اس کی "شخصیت" تو ایک ہو لیکن اس کے "بروز"، اور اس کے "اقنوم" کئی کئی ہوں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے خود اس کے اُوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم و متصرف نہیں۔ ف٣٥ (یعنی چھوٹے نالے کم پانی کے ساتھ اور بڑے نالے زیادہ پانی کے ساتھ سب اپنی اپنی بساط و حیثیت کے مطابق) ٭

مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ هُوَ
صورت ہی اُسکے ہٹنے کی نہیں اور نہ کوئی اللہ کے مقابلہ میں ان کا مددگار رہتا ہے ٢٠ وہ ہی

الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ یُنْشِئُ
(خدا) ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک) دکھلاتا ہے ذریعۂ خوف بھی بنا کر اور ذریعۂ امید بھی بنا کر اور

السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ ۚ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ
بوجھل بادلوں کو بلند کرتا ہے ٢١ اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اُس کی حمد کے ساتھ

وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ
اور دوسرے فرشتے بھی اس کے رُعب و جلال سے (یہی کرتے ہیں) ٢٢ اور وہ (اللہ) بجلیاں بھیجتا ہے پھر گرا

بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ
دیتا ہے اُسے جس پر چاہتا ہے ٢٣ اور یہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ

شَدِیْدُ الْمِحَالِ ⑬ ؕ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ
بڑا ہی زبردست قوت والا ہے ٢٤ اسی کے لئے (خاص) ہے سچا پکارنا ٢٥ اور جن کو یہ لوگ

یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ
اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کا جواب اس سے زیادہ نہیں دے سکتے جتنا

اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا
پانی (اسے جواب دے سکتا ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ وہ (پانی) اسکے

هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ⑭
منہ تک پہنچ جائے، درآنحالیکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ٢٦ اور کافروں کی پکار تو محض بے اثر ہی ہے ٢٧

ف٢٠ ان میں سے جن کی امداد کا بڑا بھروسہ اور زعم ان نافرمانوں کو رہا کرتا ہے) مَا دَامَ كَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا - اور یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ اسی نافرمان قوم کے اعمال کی پاداش میں ہوتا ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ - یہاں تک کہ جو فرشتہ انسان کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں وہ بھی اب بحکم خدا اس کی حفاظت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ ف٢١ (جو پانی سے لدے ہوئے ہوتے ہیں) مُدعا یہ کہ بجلی اور بادل نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ کسی اور دیوی دیوتا کے محکوم و ماتحت ہیں محض اللہ کی ایک مخلوق اور دوسری بےجان مخلوق کی طرح تابع فرمان ہیں، اندر دیوتا یا کوئی اور دیوتا بجلی اور بارش کے خدا نہیں۔ خَوْفًا - یعنی یہ کہ کہیں گر کر سامانِ ہلاکت نہ بن جائے ——— ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت ناری موجود ہے۔ طَمَعًا - یعنی یہ کہ اب تیز بارش ہو گی اور اس سے سرسبزی شادابی، خوشحالی پھیلے گی ——— ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت نوری موجود ہے۔ ف٢٢ (اپنے اپنے مرتبۂ وجود کی مناسبت سے، اور کوئی بھی اللہ کی عبدیت و محکومیت سے باہر نہیں) اَلرَّعْدُ - رعد کے لفظی معنی بادل کی گرج کے ہیں۔ صوت السحاب (راغب) اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو ناظم ابر و سحابیات ہے۔ ملك من الملائكة موكل بالسحاب (جامع ترمذی۔ ابواب تفسیر القرآن۔ عن ابن عباس رض) انه ملك يسوق السحاب (راغب) الرعد هو الملك موكل بالسحاب (کبیر) مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ گرج یا بادل کا کوئی مستقل اور متصرف بالذات دیوتا نہیں، جیسا کہ مشرق و مغرب کی جاہل قومیں ہزارہا سال تک سمجھتی رہیں بلکہ یہ کام تو ایک محکوم و مطیع ایک حمد و تسبیح کرتے رہنے والے فرشتہ کے سپرد ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ خِیْفَتِهٖ - حق تعالیٰ کا رُعب و جلال بڑی سی بڑی مقتدر و معصوم مخلوق پر بھی غالب اور مسلط ہے، وَالْمَلٰٓئِكَةُ - ملائکہ کے اس عطف سے یہ شبہہ پیدا نہ ہو کہ رعد بھی اگر کوئی فرشتہ ہی ہے تو ملٰٓئکۃ ہی پر اس کا عطف کیسا؟ عربی میں عطف ہمیشہ مغائرت جنس ہی کے موقع پر نہیں، بلکہ ہم جنسی کے باوجود تعظیم و تکریم کے لئے بھی آتا ہے، جس کی نظیریں خود قرآن مجید ہی میں موجود ہیں۔ لايبعد ان يكون من جنس الملائكة وانما حسن افراده بالذكر على سبيل التشريف كما في قوله وملائكته ورسله وجبريل وميكال وفي قوله واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح (کبیر) ف٢٣ یہ فضائے ارضی کی طرف بجلیاں بھیجتے رہنا اور پھر اُسے حسب مصلحت و مشیت تکوینی جس پر اور جہاں چاہنا گراتے رہنا یہ سب کام اسی قادرِ مطلق حکیم کُل کا ہے کسی اور کا نہیں۔ یونانی سمجھتے تھے کہ بجلی زی اُس دیوتا کا حربہ ہے اور رومی عقیدہ رکھتے تھے کہ جوپیٹر (عطارد) دیوتا کا، اور ہندیوں کے خیال میں اندر دیوتا کا، دوسری مشرک قومیں بھی ایسی ہی خوش خیالیوں میں معروف تھیں۔ قرآن مجید نے ایک چند لفظی فقرے سے ان ساری توہم پرستیوں پر ضرب کاری لگا دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) ف٢٤ (اپنی قدرت خلاقی اور قوتِ صناعی کے لحاظ سے بھی اور اپنی طاقت و گرفت و سزا دہی کے لحاظ سے بھی) مطلب یہ ہوا کہ ایسا خدا جس کے نظامِ کائنات کی کارفرمائیاں اتنی عجیب و عظیم ہوں اور جس کا اختیار و اقتدار اتنا ہمہ گیر اور کامل، یہ نادان اسی خدا کے مقابلہ میں دوسروں کو لاتے ہیں اور اُس کی ذات و صفات میں اوروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ف٢٥ یعنی حقیقی دُعا صرف اسی کے حضور میں ہو سکتی ہے سُننے کی قوت، قبول کرنے کی قوت اسی اکیلے میں تو ہے، اُس کے علاوہ کسی اور سے دُعا مانگنا حماقت محض اور سفاہت خالص نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی اور میں کوئی اختیار ہی کب ہے؟ ف٢٦ یہ غیر خدا کے آگے عرض نیاز کرنے، دُعا مانگنے کی مثال دی ہے کہ جیسے کوئی احمق پیاسا پانی جیسی بے جان، بے ارادہ، لایعقل چیز کی طرف اسی امید پر ہاتھ پھیلائے رہے کہ پانی از خود اُس کے مُنہ تک پہنچ کر اُس کی پیاس بجھائیگا تو اس سے بڑھکر حماقت اور کیا ہو گی، اسی طرح یہ احمق دعا کے ذریعہ سے فریاد رسی اُسی سے چاہتے ہیں جو سرے سے قادر ہی فریاد رسی پر نہیں! ف٢٧ (اس لئے کہ وہ تو غیر اللہ کے سامنے رہتی ہے) کافروں کی جو دعائیں بظاہر مقبول معلوم ہوتی ہیں اُن واقعات کا تعلق دعا سے بالکل نہیں ہوتا، اُن کی وہ آرزوئیں یُوں ہی بغیر دُعا کے پوری ہو جاتی ہیں، تکوینی اسباب و مصالح سے عام نظامِ ربوبیت کے ماتحت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافروں کی غیر مقبول دعاؤں سے مُراد اُن کی آخرت سے متعلق دعائیں ہیں، نہ کہ دنیا سے متعلق۔ المراد دعاؤهم الله تعالى بما يتعلق بالآخرة (رح)

أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ
(فلاں) معجزہ اِن کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اُترا بیشک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں ۱۳ اور ہر
قَوْمٍ هَادٍ ۧ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ
قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے ۱۴ اللہ کو علم رہتا ہے اس کا جو کچھ کسی عورت کے حمل میں ہوتا ہے اور جو کچھ
الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۸
(عورتوں کے) ارحام میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور ہر شے اُس کے نزدیک ایک متعین اندازہ ہی سے ہے ۱۵
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۹ سَوَاۗءٌ
(وہ) پوشیدہ اور کھلی چیزوں (سب) کا جاننے والا ہے بڑائی والا ہے عالی شان ہے ۱۶ (اُس کے علم میں)
مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ
برابر ہے تم میں سے جو کوئی بات چھپائے اور جو کوئی اسے ظاہر کرے اور جو کوئی
مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ
رات میں چھپ جائے اور (جو کوئی) دن میں چلے پھرے ۱۷ ہر ایک کے لئے
مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ
باری باری آنے والے فرشتہ ہیں اُس کے آگے بھی اور اُس کے پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم سے
اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا
اُس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں ۱۸ بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ
مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا
خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے ۱۹ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی

ع

۱۳ (اور آپ کا اصل کام سرکشوں کو ڈرانا اور انہیں راہ بتانا ہے نہ کہ ہر فرمایشی معجزہ کی تعمیل کرتے رہنا) قرآن مجید نے پورا پورا جواب ذرا سے فقرہ میں اعجوبہ پرستوں کو دے دیا کہ یہ نادان رسولؐ کی صداقت کا معیار فرمایشی خوارق و معجزات کو سمجھ رہے ہیں، یہ کس قدر جہل ہے؟ کہ پیمبر کے اصلی فرائض سے اسے اصلاً تعلق نہیں۔ انجیل میں حالانکہ صاحبِ انجیل اپنے خوارق و معجزات ہی کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں معجزات کی فرمایش کرنے والوں پر یوں لتاڑ آئی ہے۔ "اے اُستاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں"۔ (متی۔ ۱۲: ۳۹) "جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں وہ نشان طلب کرتے ہیں"۔ (لوقا ۱۱: ۲۹) "پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اُسے آزمانے کے لئے اُس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اُس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا۔ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا"۔ (مرقس، ۸: ۱۱-۱۲)

۱۴ (اور اس قوم کے لئے ہادیٔ اعظم آپؐ ہیں) هَادٍ۔ لفظ ہادی عام و وسیع ہے، پیمبر کا مرادف نہیں ہے۔ اس کے تحت میں نبی اور نائبانِ نبی سب ہی آجاتے ہیں۔ اس لئے آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے اُن کا استدلال قوی نہیں، البتہ درجۂ احتمال میں اس کا مان لینا ضروری ہے، اور اسی لئے مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث و مباحثہ غیر ضروری ہے۔ عن ابن عباسؓ الھادی الداعی الی الحق (جصاص) اعنی بہ ولکل قوم قائد (ابن جریر) عن ابی صالح قال لکل قوم قادۃ (ابن جریر)

۱۵ یعنی قدرت کے سارے انتظامات ایک خاص نظام کے ماتحت ہی انجام پاتے ہیں، اٹکل پچو نہیں، اور نہ اس میں کسی سہو یا غلطی کا امکان ہے۔ اَللّٰهُ .... تَزْدَادُ۔ خدائے اسلام کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی۔ ہر ہر جزئیہ اور سارے مخفیات و مغیبات پر شامل۔ یہ جاہلی مذہبوں پر ضرب کاری ہے جن میں خدا کا علم ناقص یا صرف کلیات کا مانا گیا ہے۔ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى۔ مثلاً یہی کہ حمل میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ۔ مثلاً یہ کہ کسی کی مدتِ حمل بڑھ گئی اور کسی کی گھٹ گئی، یا یہ کہ کسی کے حمل میں ایک بچہ ہے، اور کسی کے زاید۔

۱۶ اُسی کی قدرت سب پر بالا اور سب پر حاکم کوئی اس کا بالادست نہیں، اور اس کا علم محیط و کامل —— وہی ہمہ داں، ہمہ بیں، اور وہی ہمہ تواں۔ مذاہب شرکیہ اور ادیانِ جاہلی کو سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفات علم و قدرت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے اسی لئے قرآن مجید ان عقاید کو بار بار صاف کرتا جاتا ہے اور ان کی غلطیوں کی بار بار اصلاح کرتا جاتا ہے۔

۱۷ یعنی یہ ستر و جہر، یہ پوشیدگی و ظہور، یہ تاریکی و روشنی سب تمہاری نسبت سے ہے۔ اس کے علم کے اعتبار سے سب یکساں ہے —— مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنے ہی محدود اور ناقص حواس اور قوتوں پر قیاس کیا ہے اس کی اصلاح ضروری تھی۔

۱۸ خالق کا تعلق مخلوق سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کا نہیں، وہ غایت شفقت و کرم سے سب کی حفاظت کی فکر و اہتمام رکھتا ہے۔ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ توحید کی تاکید و اہتمام مزید کے لئے ہے، فرشتے تک بھی متصرف بالذات نہیں، جو کچھ بھی کرتے ہیں، اطاعت سرشت بندوں کی طرح، اپنے خالق کے حکم ہی سے کرتے ہیں، اللہ اللہ! توحید خالص پر اس کتاب برحق نے کن کن طریقوں سے زور دیا ہے۔ مُعَقِّبٰتٌ۔ مراد فرشتے ہی ہیں، خدائی حکومت میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگی رہتی ہے، پہرہ اپنے اپنے وقت پر بدلتا رہتا ہے۔

۱۹ (مسلسل نافرمانیاں کر کے) یہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تو عدل مطلق ہے، اُس کی طرف سے کسی ظلم و زیادتی کا امکان ہی نہیں، وہ تو جب کبھی کسی قوم کو گرفت میں لے گا، تو اُس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش ہی میں لیگا۔ يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اس تغیر کی نسبت فاعلی قوم کی طرف کر کے اس کا اظہار کر دیا ہے کہ یہ تبدیلیاں قوم کے اپنے قصد، عمد و اختیار سے ہوتی ہیں، باقی اگر کوئی تبدیلی کسی قوم میں کسی مجبوری یا اضطرار یا لاعلمی کے نتیجہ کے طور پر ہو جائے تو اس پر یہ گرفت نہیں۔ مَا بِقَوْمٍ۔ مراد اچھی حالتوں سے ہے۔ من النعمۃ والعافیۃ (بحر)

عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں بیشک ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے

يَّعْقِلُوْنَ ۝۴ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا
جو عقل سے کام لیتے ہیں دلائل موجود ہیں ؎۸ اور اگر آپ تعجب کریں تو تعجب کے قابل خود ان کا (یہ) قول ہے کہ

تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
جب ہم خاک ہو گئے تو پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہونگے؟ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ
پروردگار سے کفر کیا ؎۹ اور انہی لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے

وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵
اور یہی لوگ اہل دوزخ ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ؎۱۰

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ
اور یہ لوگ آپ سے جلدی کرتے ہیں مصیبت کی قبل عافیت کے درآنحالیکہ

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
ان کے قبل واقعاتِ عقوبت گزر چکے ہیں ؎۱۱ اور بیشک آپ کا پروردگار لوگوں کے

مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ
حق میں باوجود ان کی زیادتیوں کے صاحب مغفرت ہے اور بیشک آپ کا پروردگار

لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ
سخت سزا دینے والا بھی ہے ؎۱۲ اور کافر کہتے ہیں کہ ان پر

؎۸ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ - یعنی زمین کے یہ قطعے ہوتے تو پاس ہی پاس ہیں لیکن اثرات کے لحاظ سے مختلف۔ حاصل ان سب مثالوں کا یہ ہے کہ مؤثراتِ مادّی ایک ہی ہوتے ہیں، اور پھر بھی اثرات مختلف ہوتے ہیں طبیعت ایک اور حکم مختلف یہ سب اس لئے کہ فاعلِ حقیقی کوئی اور ہی ہے اس میں رد آگیا ان "نیچری" مذاہب کا جو کائنات کو محض قوانین طبعی کا (بغیر کسی قانون گر و قانون ساز کے) مقید و محکوم سمجھتے ہیں۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ ان سب واقعات میں جو روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں رد شرک اور اثبات توحید کے پورے پورے دلائل موجود ہیں۔ ؎۹ (آخرت سے انکار کر کے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نادان و نافہم جو بڑے استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیسے ہے کہ ہم جب ایک بار خاک ہو گئے تو دوبارہ پھر مجسم و متشکل ہو کر برآمد ہوں تو در اصل حیرت و استعجاب کے قابل تو خود ان کا یہ انکار ہے، یہ نافہم اتنا نہیں سوچتے کہ جب خود انہی کے اقرار کے مطابق خدائے قادر و توانا کیسی کیسی عجیب اور عظیم الشان مخلوقات عدم محض سے پیدا کر چکا اور برابر پیدا کرتا رہتا ہے تو اس کے لئے ان کا اعادہ انہیں دوبارہ شکل دے دینا مشکل ہی کیا ہے۔ مضحکہ کے قابل عقیدۂ آخرت ذرا بھی نہیں بلکہ تمام تر قابلِ مضحکہ انکارِ آخرت ہے۔ ؎۱۰ (اور کبھی نجات نہ پاسکیں گے) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ منکرینِ آخرت بھی ویسے ہی کافر اور ویسے ہی معذب رہیں گے جیسے دوسرے منکرینِ توحید و منکرینِ رسالت۔ ؎۱۱ یعنی یہ منکرین وقوعِ عذاب کو اس قدر مستبعد سمجھ رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ ان کی میعاد و مہلت ختم ہو الٹے آپ سے نزولِ عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں، حالانکہ تاریخ کی شہادت انہیں خود مل سکتی ہے کہ مکذب و آخرت فراموش قوموں کی کیسی کیسی حسرتناک بربادیاں اسی دنیا میں واقع ہو چکی مَثُلٰتُ۔ مثلہ کی جمع ہے۔ یہاں مراد واقعاتِ عذاب و عقوبت سے ہے۔ اے عقوبات امثالهم من المكذبين (جلالین) السیئۃ سے مراد عذاب اور الحسنۃ سے مقصود عافیت ہے۔ قال ابن عباس رض السيئة العذاب والحسنة العافية (کبیر)

؎۱۲ یعنی حق تعالیٰ میں دونوں صفات موجود ہیں، جن کا ظہور اپنے اپنے موقع پر ہوتا ہے۔ صفت عذاب کا ظہور اگر ابھی ان کافروں پر نہیں ہوا ہے تو یہ احمق آخر غافل و بےفکر کس برتے پر ہوئے جا رہے ہیں؟ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ۔ حضرت ابن عباسؓ صحابی سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھ کر پُرامید و پُرتسلّی یہی آیت ہے۔ قال ابن عباس ليس في القرآن آية ارجى من هذه (بحر) متکلمین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ صاحب کبائر کی مغفرت توبہ کے قبل بھی ہو سکتی ہے۔ فاعلم ان اصحابنا تمسكوا بهذه الآية على انه تعالى قد يعفوا عن صاحب الكبيرة قبل التوبة (کبیر)

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ
پھر قائم ہوا عرش (سلطنت) پر اور آفتاب و ماہتاب کو مطیع کیا ۵۳
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ
ہر ایک ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے ۵۴ (اللہ) ہر امر کا انتظام کرتا رہتا ہے، نشانوں کو
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَهُوَ
کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کرلو ۵۵ اور وہ
الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ
وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا رکھ دیئے اور
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ
اس میں ہر پھل کی دو دو قسمیں رکھ دیں ۵۶
يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے بیشک ان (سب) میں سوچنے والوں کے واسطے
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ
نشان موجود ہیں ۵۷ اور زمین میں پاس پاس قطعے ہیں اور انگوروں کے
مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ
باغ اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں گنجان (بھی) اور چھدرے
صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا
(بھی) ایک ہی پانی سے سیراب کئے جانے والے اور (پھر بھی) ہم ان میں سے پھلوں میں

۵۳ (اپنے احکامِ تکوینی کا اور انہیں کام میں لگا دیا) سورج اور چاند دیوی دیوتا ہوتا تو خیر بڑی چیز ہے خود مختار اور آزاد بھی نہیں ـــــ مشیتِ الٰہی کے آگے تمام تر مسخر و مجبور ہیں اُن کے خالق نے انہیں جس کام میں چاہا لگا دیا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔ یعنی قوانین جہانبانی کا نفاذ شروع کر دیا۔ استواء اور عرش دونوں پر مفصل حاشیہ پہلے گزر چکے ہیں۔ ۵۴ (اپنے اپنے مدار پر حسب قانونِ خداوندی) كُلٌّ ۔ یعنی سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک۔ ۵۵ مطلب یہ ہُوا کہ جو قادرِ مطلق ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات کی خلق اور ایجاد پر قادر ہے اس کے لئے انسان کا دوبارہ پیدا کر دینا کچھ دشوار ہے؟ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۔ ہر امر کا انتظام حکمت و مصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع و خالق ہی نہیں جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا (جیسا کہ بہت سے گمراہ فرقوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ حاکم و متصرف بھی ہے۔ اَلْاٰيٰتِ ۔ اس کے اندر تکوینی نشانات اور تشریعی دلائل دونوں آ گئے۔ ۵۶ ایک دوسرے کے مقابل مثلاً بڑے اور چھوٹے یا تُرش اور شیریں وقس علیٰ ہذا۔ سائنسی تحقیقات سے آج یا آگے چل کر جس جس قسم کا بھی تعلق زوجیت پھلوں کے درمیان منکشف ہو سب آیت کے تحت میں آ جائے گا۔ رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۔ یعنی نہ کوئی پہاڑ (نہ گوری شنکر نہ بندھیا چل نہ ننگا پربت) اور نہ کوئی دریا (نہ گنگا نہ نربدا نہ سرسوتی) معبود یا نیم معبود یا کسی دیوی دیوتا کا مسکن جیسا کہ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر بھی بہت سی جاہل قوموں کا عقیدہ ہے اور رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مَدَّ الْاَرْضَ ۔ یعنی یہ زمین بھی نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی مائی جی محض اللہ کا پھیلایا ہُوا ایک فرش ہے جس پر اُس کی مخلوق آزادی سے چلے پھرے، دوڑے دھوپے۔ مد و امتداد سے زمین کی کُرویت کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا اصلی شکل جو کچھ بھی ہو، قرآن مجید کو اس سے مطلق بحث نہیں۔ بشری آنکھ کو تو بہرحال پھیلی ہوئی اور مسطح ہی نظر آتی ہے۔ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر تو ساتویں صدی ہجری کی بالکل ابتدا کی تصنیف ہے زمین کی کُرویت اس وقت بھی مسلم ہو چکی تھی۔ ثبت بالدلیل ان الارض کرۃ فکیف یمکن المکابرۃ فیہ (کبیر) لیکن چونکہ یہ کُرہ ہے نہایت ہی عظیم جسامت رکھنے والا اس لئے بشری آنکھ کے سامنے اس کا جتنا ٹکڑا آتا ہے سطح ہی نظر آتا ہے اور اس کی کُرویت غیر مشاہد رہتی ہے۔ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں: والکرۃ اذا کانت فی غایۃ الکبر کان کل قطعۃ منہا تشاھد کالسطح (کبیر) ۵۷ یعنی تردید شرک و تعدد الٰہ کے اور اللہ کی توحید اور صنعت گری کے دلائل۔ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۔ یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا دیتی ہے۔ دنیا میں ایسی مشرک قومیں بھی گزری ہیں جنہوں نے "رات" اور "دن" کو مستقل دیوتا مان کر ان کی پوجا کی ہے۔ پارۂ سیقول کے حاشیوں میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

۲۰۰ یعنی عذاب موعود اپنے وقت مقرر پر آکر رہا اور کفار منکرین معاندین بہرحال اپنے کیفر کردار کو پہنچے، عام قانونِ الٰہی ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے۔ فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ اور ظاہر ہے کہ بچا لینے کی مشیتِ الٰہی ہمیشہ مؤمنین ہی سے متعلق رہی ہے۔ دھم الرسل والمؤمنون (معالم) مطلب یہ ہوا کہ عذاب عمومی جب بھی آیا تو اہلِ ایمان کو بچا لیا گیا۔ ۲۰۱ (اور وہ اہلِ فہم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ طاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا انجام کیا) قَصَصِهِمۡ۔ ضمیر انبیاء سابقین اور ان کی اُمّتوں کی طرف ہے۔ ای قصص الانبیاء واممھم (بیضاوی)

يُرَدُّ بَأۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدۡ كَانَ فِىۡ

ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹتا نہیں ۲۰۰ ان کے قصوں میں

قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ‌ؕ مَا كَانَ حَدِيۡثًا

اہلِ فہم کے لئے (بڑی) عبرت ہے ۲۰۱ (قرآن) کوئی گڑھی ہوئی بات تو

يُّفۡتَرٰى وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ

ہے نہیں یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اُس کا جو اُس کے قبل (نازل) ہو چکا ہے اور تفصیل (کرنے والا) ہے

كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

ہر چیز کا اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے ۲۰۲

۱۲ ع

سُوۡرَةُ الرَّعۡدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِىَ ثَلٰثٌ وَّاَرۡبَعُوۡنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوۡعَاتٍ

سورۂ رعد مدنی ہے اور اس میں ۴۳ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓرٰ‌ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ‌ؕ وَالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ

الف۔ لام۔ میم۔ را یہ کتاب (عظیم) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَـقُّ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾

نازل کیا جاتا ہے وہ (بالکل) سچ ہے لیکن اکثر انسان ایمان نہیں لاتے ۱

اَللّٰهُ الَّذِىۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر رکھا ہے بغیر ستون کے (جیسا کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو ۲

۲۰۲ جب ہی اسی کے ذریعہ سے اہلِ ایمان دنیا میں ہدایت حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں رحمت۔ تَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ۔ یعنی ہر ایسی چیز کی تفصیل جس کا تعلق ہدایت سے ہے۔ چنانچہ اصل دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو براہِ راست یا بالواسطہ قرآن مجید میں نہ نکل آئے۔ کل شئ یحتاج الیه فی الدین اذ ما من امر دینی الا وله سند من القرآن بوسط او بغیر وسط (بیضاوی) یستند الی القرآن بذات او بوسط (بحر) **تذئیل**۔ سورۂ یوسف میں جسے قرآن مجید خود احسن القصص قرار دے رہا ہے برادرانِ یوسفؑ کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے اسی نسبت سے یہ نامۂ سیاہ عرض پرداز ہے کہ وہ بھی اسی خانوادۂ بزرگ کا ایک ادنیٰ و حقیر و ننگ خاندان نام لیوا ہے، سلسلۂ نسب جہاں تک خاندانی شجروں سے پتہ چل سکا ہے اٹھاونویں پشت میں لاوی بن یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

سورۂ رعد۔ ۱ (حالانکہ اس کلام کی حقانیت و صداقت کا مقتضاء یہ تھا کہ سب کے سب اس پر ایمان لے آتے) الٓمّٓرٰ۔ حروفِ مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ یہاں ان حروف کو فقرہ انا اللہ اعلم وارٰی ما تعملون کا بھی مخفف سمجھا گیا ہے اور فقرہ انا اللہ الملک الرحمٰن کا بھی انا اللہ اعلم وارٰی ما تعملون (ابن عباسؓ) انا اللہ الملک الرحمٰن (کبیر عن عطاء) ۲ زمین سے آسمان کا اتنا بلند نظر آنا اور اتنی بلند چیز بغیر کسی ظاہری مادی سہارے کے ـــــ یہ بجائے خود ایک دلیل خالقِ فطرت کی اعلیٰ صناعی و قدرت کی ہے۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نفی عمد کی گئی ہے۔ آیت میں ان یونانی و مصری حکماء و فلاسفہ کا رد آگیا۔ جو آسمان کو قائم بالذات صاحب عقل و ارادہ دیوتا تسلیم کرتے تھے۔ تَرَوۡنَهَا۔ کے ترجمہ میں ضمیر مؤنث السماوات کی طرف لی گئی ہے لیکن جائز ہے کہ عمد کی طرف بھی لی جائے اس صورت میں نفی عمد کی نہیں بلکہ رؤیت عمد کی رہے گی یعنی آسمانوں کے لئے ایسے ستون ہیں جو تمہارے لئے غیر مرئی و غیر مشاہد ہیں۔ قیل ضمیر النصب فی ترونها عائد علی عمد ای بغیر عمد مرئیة (بحر) یحتمل وجهین احدهما انها عمد ولا ترونها والثانی انه لا عمد وهذا ذهب الیه مجاهد وقتادة (بحر) وقال ابن عباسؓ وما یدریک انها بعمد لا ترى (بحر) اس صورت میں قانون کشش وغیرہ جس نام سے بھی سائنس توجیہات پیش کرے۔ سب آیت کے ماتحت غیر مرئی کے عموم میں داخل ہو جائیں گی۔ اور سب سے بہتر اس باب میں وہ تشریح ہے جو امام رازیؒ نے پیش کی ہے۔ امام موصوفؒ فرماتے ہیں کہ آسمان کو قائم رکھنے والے اصلی ستون حق تعالیٰ کی قوت حفظ و تدبیر ہیں اور یہ تمہارے لئے غیر مرئی ہیں۔ وقد دللنا علی ان هذه الاجسام انما بقیت واقفة فی الجو العالی بقدرة الله تعالی وحینئذ یکون عمدها هو قدرة الله تعالی (کبیر)

١٩١ مطلب یہ ہے کہ ہر کفر فی نفسہٖ سزا و عقوبت کا مستحق و مستوجب ہے خواہ فوراً خواہ بتاخیر لیکن یہ شامت زدہ و آخرت فراموش نفس سزا ہی کی طرف سے غافل اور بے فکر پڑے ہوئے ہیں۔ ١٩٢ اتنے
سے فقرہ میں توحید و رسالت دونوں کا اثبات ہوگیا۔ هٰذِهٖ ۔ یعنی یہی اثبات توحید و رسالت و یومِ آخرت جن کا ذکر اوپر آچکا۔ یعنی الدعوة الی التوحید والایمان والمعاد (بیضاوی) هٰذِهٖ
الدعوة التی ادعو الیھا والطریقة التی انا علیھا (کبیر) ١٩٣ یعنی میں تو اصالةً اور بالذات اور میرے پیرو میرے واسطہ سے اور میرے طفیل ہیں۔ عَلٰی بَصِیْرَةٍ ۔ سے اشارہ ہوگیا کہ اسلام کورانہ
تقلید کا نام نہیں بلکہ دینِ حق ایک ثابت شدہ مدلل حقیقت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت اس پر ناطق ہے کہ علم کلام اور علم اصول خاص پیمبرانہ علم ہیں اور ان حضرات کی بعثت خلق کی جانب انھی

الساعة بغتة وهم لا يشعرون ﴿١٠٧﴾ قل هذه
قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ١٩١ آپ کہہ دیجئے کہ
سبيلي ادعوا الى الله ۚ قف على بصيرة انا ومن
میرا طریق یہی ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں ١٩٢ دلیل پر قائم ہوں میں (بھی) اور میرے
اتبعني ۖ وسبحن الله وما انا من المشركين ﴿١٠٨﴾
پیرو بھی ١٩٣ اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ١٩٤
وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم
اور ہم نے بستیوں والوں میں سے آپ سے قبل بس مردوں ہی کو بھیجا کہ ہم نے ان کی طرف
من اهل القرى ۗ افلم يسيروا في الارض
وحی کی ١٩٥ تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں
فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم ۗ
ورنہ دیکھ لیتے کہ ١٩٦ اُن لوگوں کا کیسا (بُرا) انجام ہوا جو اُن کے قبل تھے
ولدار الاخرة خير للذين اتقوا ۗ افلا تعقلون ﴿١٠٩﴾
اور عالم آخرت ہی اُن لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کئے ہوئے ہیں، سو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے! ١٩٧
حتى اذا استيئس الرسل وظنوا انهم قد
(پہلے بھی مہلتیں دی جا چکی ہیں) یہاں تک کہ پیمبر مایوس ہو ہو گئے ہیں اور گمان کرنے لگے کہ ان سے
كذبوا جاءهم نصرنا فنجي من نشاء ۗ ولا
غلطی ہوئی ١٩٨ (کہ اتنے میں) انہیں ہماری مدد آپہنچی ١٩٩ سو ہم نے جس کیلئے چاہا وہ بچالیا گیا اور

وقف النبی علیہ السلام

علوم سے کام لینے کے لئے ہوتی ہے۔ وهذه الاية تدل على ان حرفة الكلام وعلم الاصول حرفة الانبياء عليهم الصلوة والسلام وان الله ما بعثهم الى الخلق الا لاجلها (کبیر)
١٩٤ (میرے اور دینِ شرک کے درمیان اشتراک ہی کیا، میں اس کے ایک ایک جزئیہ سے علیحدہ و بیزار) سُبْحٰنَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آلائشِ شرک سے پاک و بالاتر ہے، جو اس کی ذات یا صفات سے متعلق مشرکوں نے روا رکھا ہے۔
١٩٥ یعنی پیمبر بنا کر تو ہمیشہ بشر ہی کو بھیجا گیا ہے، بشریت پیمبری کے منافی ہونا کیا معنی عین اس کا جزو لازم ہے اتنی موٹی حقیقت بھی دیوتا پرست، اوتار پرست مشرکوں کے ذہن میں نہیں آتی۔ فقہاء مفسّرین نے کہا ہے کہ آیت سے بہ اشارة النص دو اور مسئلہ بھی روشنی میں آجاتے ہیں:۔
(١) ایک یہ کہ پیمبر ہمیشہ آبادی والی بستیوں میں سے ہوئے ہیں نہ کہ بے تعلق خانہ بدوش جرگوں قبیلوں میں سے۔ من اهل القرى لم يبعث رسولا من اهل البادية (کبیر) یعنی من اهل الامصار دون اهل البوادی (ابن جریر)
(٢) دوسرے یہ کہ پیمبری ہمیشہ مردوں ہی میں رہی ہے کوئی عورت کبھی اس مرتبہ پر فائز نہیں کی گئی۔ اِلَّا رِجَالًا ۔ الاية تدل على ان الله تعالى ما بعث رسولا الى الخلق من النسوان (کبیر) يخبر تعالى انه انما ارسل رسله من الرجال لا من النساء وهذا قول جمهور العلماء (ابن کثیر) الذی علیه اهل السنة والجماعة وهو الذی نقله الشیخ ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری عنهم انه لیس فی النساء نبیة (ابن کثیر) یعنی رجالا لا نساء (کبیر) ومعناه ان الرسول لا یکون امرأة (کبیر) قیل معناه نفی استنباء النساء (بیضاوی) ١٩٦ (کفار و منکرین میں سے) یعنی پچھلی سرکش و نافرمان قوموں کے کھنڈروں پر گزرنے سے عبرت کا سبق یہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں اور یہی مقصد کسی درجہ میں اب تاریخوں کے مطالعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور مقصود اگر عبرت و تذکر ہو تو سیاحتِ عالم اور علمِ آثارِ قدیمہ سے
اشتغال بھی ایک عبادت ہے۔ ١٩٧ (کہ باقی کے مقابلہ میں فانی کی ہستی اور بساط ہی کیا ہے!) ١٩٨ موجودہ کافروں کو تاخیرِ عذاب سے خوش و مطمئن نہ ہو جانا چاہیئے، پچھلی بدکار اور
نافرمان قوموں پر آمدِ عذاب موعود میں بعض دفعہ دوسری مصلحتوں سے اتنی تاخیر ہوئی ہے کہ خود پیمبروں کو باایں ہمہ استقامت و صبر و سلامتِ فکر، یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ہم ہی سے تو وعدۂ نزولِ عذاب
کے سمجھنے اور تعین مدت عذاب میں غلطی نہیں ہوئی ہے۔ آیت کی تفسیر اور بھی متعدد طریقوں سے منقول ہے مگر سب سے زیادہ صاف بے تکلف اور بے غبار مفسّر تھانویؒ کی اختیار کی ہوئی تفسیر ہے،
١٩٩ اور نصرتِ غیبی ہی کفار پر عذاب موعود تھی۔

۱۸۴ (اور جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنا دیئے آخرت میں بھی میرے سارے کام بنا دے۔ یہاں کی کارسازی کا پورا جلوہ وہاں بھی دکھا دے) تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا سے آرزوئے موت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کا اثبات ہوتا ہے کہ موت جب بھی آئے دینِ اسلام پر آئے۔ قال ابن عباسؓ فی روایۃ عطاء یرید اذا توفیتنی فتوفنی علی دین الاسلام فھذا طلب لان یجعل اللہ وفاتہ علی الاسلام ولیس فیہ ما یدل علی انہ طلب الوفاۃ (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا الخ سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک باوجود عصمت اور امتناع کفر کے انبیاء علیہم السلام کا خوف کرتے رہنا، دوسرے شوق لقاء میں موت کی آرزو کرنا۔ امام رازیؒ نے آیت کے تحت میں لذائذِ دنیوی کی بے حاصلی اور زود فنائی وغیرہ کو تفصیل سے بیان کر کے لکھا ہے کہ میرے لئے یہ کیفیتیں حال بن گئی ہیں اور میں مکروہاتِ دنیوی سے عاجز آ کر اکثر اس دُعائے یوسفی کا ورد کرتا رہتا ہوں۔ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ اس پر شبہ یہ کیا گیا ہے کہ صالحین تو عامۂ مؤمنین میں ہوتے رہتے ہیں، اور حضرت یوسفؑ خود ایک نبی جلیل القدر تھے پھر آپ نے محض درجۂ صالحین کی تمنا کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ صالحین کا مفہوم اضافی ہے اس کا معیار ہر ایک کے درجہ و مرتبہ کے مطابق الگ الگ ہوتا ہے حضرتؑ جس مرتبہ صالحین کی تمنا کر رہے تھے آپؑ کے پیشِ نظر حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے مرتبے و عظمت کے "صالحین" تھے۔ ۱۸۵ (اے رسُول!) یہاں پر زور دے کر ارشاد ہوا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا قصہ محض وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے ورنہ یوں ساری دنیا کی طرح آپ کے لئے بھی یہ قصہ غیب ہی میں داخل تھا۔ ۱۸۶ (یوسف علیہ السّلام کے کنوئیں میں ڈالنے کا اور حضرت یعقوبؑ کے پاس آ کر باتیں بنا رہے تھے) لَدَيْهِمْ یعنی برادرانِ یوسفؑ کے پاس۔ یرید اخوۃ یوسف (روح) مطلب یہ ہوا کہ نہ آپؐ خود ان واقعات کے وقت موجود تھے اور نہ آپؐ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ معلوماتِ صحیح کا بجُز وحی الٰہی کے ہے کوئی دوسرا آپ کا رہنما نہیں۔ ۱۸۷ (اس لئے آپ توقع ہی نہ رکھیے کہ ان تمام تر صحیح اخبار بالغیب کے بعد بھی یہ لوگ ایمان لے آویں گے) مراد یہ ہے کہ یہود وغیرہ تو آپؐ کے امتحان کے لئے آپ سے اس قصہ کی فرمایش کر رہے تھے اب آپؐ نے بغیر کسی ظاہری و مادّی ماخذ کے جو صحیح و مستند قصہ اوّل سے آخر تک انہیں سُنا دیا! تو چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ فوراً آپؐ کے صاحبِ وحی ہونے پر ایمان لے آتے اور آپؐ کے دل سے لگی ہوئی بھی یہی تھی، لیکن اس کی توقع نہ رکھیئے ان میں سے اکثر اس کا قصد ہی نہ کریں گے۔

وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ
میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے مجھے دنیا سے (اپنا) فرماں بردار اُٹھا اور مجھے
بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ
صالحین میں جا ملا ۱۸۴ یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں ۱۸۵
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ
اور آپ اُن کے پاس اُس وقت موجود نہ تھے جب انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا اور وہ
يَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾
چالیں چل رہے تھے ۱۸۶ اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں گو آپ کا کیسا ہی جی چاہے ۱۸۷ اور
وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ تو مانگتے نہیں یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ ع ۱۱ ۵ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
دنیا جہان کے لئے ۱۸۸ اور کتنی ہی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ
يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ
اُن پر سے (یہ لوگ) گزرتے ہیں اور اُن کی طرف سے منہ پھیرے رہتے ہیں ۱۸۹ اور ان میں سے
اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ
اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں ۱۹۰ سو کیا یہ اس کی طرف سے
تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ
بے فکر ہیں کہ انہیں اللہ کا کوئی عذاب چھا لے یا اِن پر اچانک

وَلَوْ حَرَصْتَ۔ حرص کے لئے اردو محاورہ میں دل سے لگی ہونا ہی آئے گا۔ ومعنی الحرص طلب الشیء باقصی ما یمکن من الاجتھاد (کبیر) ۱۸۸ یعنی اس کے اندر تو دنیا بھر کی نفع کی چیزیں جمع ہیں کوئی ذرا طلب کر کے دیکھے تو۔ ۱۸۹ یعنی نہ اُن پر یہ توجہ کرتے ہیں۔ اور نہ اُن سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ ای لا یعتبرون بھا (کشاف) ولا یلتفتوا الیھا (کشاف) يَمُرُّوْنَ۔ هُمْ کی ضمیریں کافروں اور منکروں کے لئے ہیں۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ۔ نشانیوں سے مراد توحید و قدرتِ الٰہی پر دلالت کرنے والے واقعات و حوادثِ کائنات ہیں۔ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا۔ یعنی وہ واقعات و حوادث ان منکرینِ آخرت کے علم و مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ ای یشاھدونھا (روح) ۱۹۰ (جس سے اُن کا دعوائے ایمان باللہ ہی باطل ہو جاتا ہے) مطلب یہ ہوا کہ آخرت کے منکر تو کثرت سے ہیں ہی، باقی جو لوگ انکارِ خدا نہیں بلکہ اقرارِ خدا کے مدعی ہیں ان کا بھی عموماً حال یہ ہے کہ ایک طرف تو خدا کو بھی مانے جاتے ہیں، اور دوسری طرف اس کے شریک دیوی اور دیوتا بھی، قرار دیئے چلے جاتے ہیں، جو صاف الوہیت کے منافی ہے۔ مشرکوں اور جاہل مشرکوں کا جو انجام ہوتا ہے اُسے چھوڑیئے خود ہماری قوم کے "اہلِ قبور" ٹھنڈے دل سے غور کریں، کہ "مزارات و مقابر" سے بالکل تعبّد کا معاملہ رکھنا ان پر چادریں چڑھانا ان پر نذریں ماننا، نفع و نقصان انہیں سے وابستہ جاننا یہ سب کہیں اُن کو اس آیت کی زد میں تو نہیں لے آتا۔ ومن اولئک عبدۃ القبور الناذرون لھا المعتقدون للنفع والضر من اللہ تعالیٰ اعلم بحالہ فیھا وھم الیوم اکثر من الدود (روح)

يُوسُفَ اٰوٰۤى اِلَيۡهِ اَبَوَيۡهِ وَقَالَ ادۡخُلُوۡا مِصۡرَ

یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں چلئے

اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ؕ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ

(اور) انشاءاللہ (وہاں) امن چین سے (رہیےگا) ۱۷۷؎ اور اپنے والدین کو انہوں نے تخت پر بٹھایا

وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِيۡلُ رُءۡيَاىَ

اور سب یوسف کے سامنے جھک گئے ۱۷۸؎ اور (یوسف) نے کہا اے میرے باپ یہ ہے میرے قبل والے خواب کی

مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّىۡ حَقًّا ؕ وَقَدۡ اَحۡسَنَ بِىۡۤ

تعبیر، اسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا ۱۷۹؎ اور اُس نے میرے ساتھ (کیسا) احسان

اِذۡ اَخۡرَجَنِىۡ مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ

اُس وقت کیا جب مجھے قید خانہ سے نکالا ۱۸۰؎ اور آپ (سب) کو صحرا سے لے آیا

مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ ؕ

بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا ۱۸۱؎

اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾

بیشک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اُس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے، بیشک وہی ہے علم والا، حکمت والا ۱۸۲؎

رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِىۡ مِنۡ

اے پروردگار تو نے مجھے حکومت (بھی) دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم

تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنۡتَ

بھی دیا ۱۸۳؎ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو ہی

۱۷۷؎ حضرت یوسفؑ نے اس مبارک قافلے کا استقبال پایۂ تخت سے نکل کر سرحدِ مصر پر کیا تھا اور اب خاص شہر میں چلنے اور رہنے کا التماس کر رہے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”اور یوسف نے اپنی گاڑی تیار کی اور اپنے باپ کے استقبال کے لئے جشن کو چلا اور اپنے تئیں اُس پاس حاضر کیا اور اُس کے گلے لپٹا اور دیر تک رویا“ (پیدائش ۴۶: ۲۸، ۲۹) اٰوٰۤى اِلَيۡهِ۔ یعنی اپنے پاس تعظیم و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور ہر طرح خاطر مدارات بزرگداشت کی، اَبَوَيۡهِ۔ حضرت یوسفؑ کی والدہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، پرورش سوتیلی ماں اور حقیقی خالہ نے کی تھی، یہاں مجازاً اُنہی کو والدہ کہا گیا۔ عَلَى الۡعَرۡشِ۔ عرش کا لفظ عام ہے ہر بلند تخت، اور چبوترہ (پلیٹ فارم) مُراد ہو سکتا ہے، اور اگر تخت شاہی ہی مُراد لی جائے تو ممکن ہے کہ حضرت یوسفؑ اس وقت تک مرتبۂ شاہی تک پہنچ گئے ہوں۔ قال اهل اللغة العرش السرير الرفيع والمراد بالعرش هٰهنا السرير الذى كان يجلس عليه يوسف (کبیر) ۱۷۸؎ (جیسا کہ عبرانی آداب و تہذیب میں داخل تھا) سُجَّدًا۔ سجدہ سے جیسا کہ اُوپر بھی کئی موقعوں پر آچکا ہے مُراد ہر جگہ یہی اصطلاحی سجدہ نہیں ہوتا جو کسی مخلوق کے لئے اب حرام ہے، بلکہ یہاں مُراد محض زمین بوس ہونا ہے جو اکثر قوموں میں ایک متعارف طریقہ اظہار تعظیم کا ہے اور شریعتِ اسلامی میں یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ قد يسمى التواضع سجودًا وكان المراد هٰهنا التواضع (کبیر) وكان تحية الناس يومئذٍ السجود ولم يرد بالسجود وضع الجباه على الارض انما هو الانحناء والتواضع (معالم) سجود انحناء لا وضع جبهة وكان تحيتهم فى ذٰلك الزمان (جلالین) قيل ما كانت الا انحناء ولا تعفير الجباه (مدارک) خَرُّوۡا لَهٗ میں ل کے معنی لاجل کے بھی لئے گئے ہیں یعنی گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کو پاکر اس خوشی میں ان سب نے اللہ کا سجدۂ شکر ادا کیا۔ وهو قول ابن عباس فى رواية عطاء وان المراد بهٰذه الاٰية انهم خروا له اى لاجل وجدانه سجدا لله تعالٰى (کبیر) ۱۷۹؎ یعنی وہی خواب جو میں نے شروع میں دیکھا تھا اور آپ سے عرض کیا تھا کہ چاند اور سُورج اور گیارہ ستارے میرے آگے تعظیم سے جھکے ہیں۔ ۱۸۰؎ (اور اس مرتبۂ سلطنت تک پہنچا دیا) ابدی نعمتیں اور راحتیں بھی اللہ کے قانون و شریعت میں حقیر و ناقابلِ التفات نہیں جیسا کہ متشددین نے اور اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے۔ ۱۸۱؎ (جس کا ظاہری اقتضاء تو یہ تھا کہ اب میرے اور ان کے درمیان صفائی اور یکجائی تمام عمر نہ ہو سکتی) نبی کی کریم النفسی ملاحظہ ہو کہ الزام ایسے شدید دشمن بھائیوں پر ذرا نہ آنے دیا بلکہ ذمہ داری شیطان کی قرار دے کر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حیثیت ایک ہی رکھی۔ مِنَ الۡبَدۡوِ۔ یعنی اُس دیہات یا ویرانے سے نکال کر اِس شہر اور مرکزِ تمدّن میں لے آیا۔ بدو حضر کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ البدو خلاف الحضر (راغب) اى من البادية و قال الواحدى البدو بسيط من الارض يظهر فيه الشخص من بعيد (کبیر) کنعان اس وقت مصر کے مقابلہ میں جو مرکزِ تہذیب و تمدّن تھا ایک دیہات ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ كان يعقوب وولده بارض كنعان اهل مواشٍ وبرية (کبیر) ۱۸۲؎ اس کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں اور وہ بڑے اور چھوٹے سارے ہی واقعات کو کسی حکمت و مصلحت کے ماتحت ہی واقع ہونے دیتا ہے۔ لَطِيۡفٌ۔ یعنی ہر امر کی تدبیر لطیف کر دینے والا مخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کر دینے والا۔ اللطيف المتدبر له (روح) فاذا اراد حصول شىء سهل اسبابه فحصل وان كان فى غاية البعد عن الحصول (کبیر) ساری سورۂ کے واقعات اسی اسمِ لطیف کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔ ۱۸۳؎ (اور علم بھی کیسا ظنی، اور تخمینی نہیں، یقینی ـــــ اور یقینیات تک رسائی تو وحی کے بعد ہی ہو سکتی ہے) مِنَ الۡمُلۡكِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی باقاعدہ بادشاہت و فرمانروائی اگر تاریخ سے ثابت نہیں تو عملاً تو آپ اس مرتبہ پر بہرحال پہنچ چکے تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور اُس نے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور فرعون نے یُوسف کو کہا کہ میں فرعون ہُوں، اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ پاؤں نہ اُٹھائیگا اور فرعون نے یُوسفؑ کا خطاب ’جہان پناہ‘ رکھا“ (پیدائش ۴۱: ۴۳، ۴۴) اور بعض نے مِن کو تبعیضیہ قرار دے کر اس سے یہ نکالا ہے کہ آپ ملک کے تمام تر فرمانروا تھے بلکہ بہرحال ایک بادشاہ کے ماتحت ہی تھے۔ قال الاصم انما قال من الملك لانه كان دون ملك فوقه (کبیر) مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ۔ یہاں بھی مِن کے تبعیضیہ ہونے سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بشر بڑے سے بڑا عالم ہو جب بھی بہرحال اس کا علم محدود و متناہی ہوگا۔ اى بعضًا من ابعاض العلم فلهٰذا السبب ذكر فيه كلمة من لانها دالة على التبعيض (کبیر) تاویل الاحادیث سے مُراد خوابوں کی تعبیر کا علم تو ظاہر ہی ہے باقی اور علوم الٰہیہ بھی اس میں شامل ہیں۔ المراد بتاويل الاحاديث ما تعلق بتعبير الرؤيا وهو الظاهر وما تعلق بتفسير غوامض اسرار الكتب الالٰهية ودقائق سنن الانبياء (روح)

۱۶۸ؕ واقعہ اعجازی رنگ کا ہے، اور قصۂ یوسفی سے جہاں اور بہت سے سبق براہِ راست قدرتِ خداوندی کے مل رہے ہیں، انھی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ۱۶۹ؕ (والد ماجد تو بغیر یہاں آئے رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ تو بہرحال تشریف لائیں گے لیکن اُن کے ساتھ تم سب اور گھر بار کو بھی لیتے آنا) بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ۔ اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کا کنبہ اچھا خاصہ وسیع ہو چکا تھا بیٹے، بہوئیں، پوتے، پوتیاں سب ملا کر ستّر نفوس تھے۔ توریت میں ہے:- "اور یعقوب اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا، وہ اپنے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں کو جو اُس کے ساتھ تھے اور اپنی بیٹیوں اور اپنی بیٹیوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسل کو مصر میں لایا۔" (پیدائش ۴۶: ۶، ۷) "سو وہ سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے ستّر جانیں تھیں" (پیدائش ۴۶: ۲۷) ۱۷۰ؕ یعنی جب برادرانِ یوسف کا قافلہ مصر سے کنعان کے لئے روانہ ہوا۔ ۱۷۱ؕ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے آس پاس کے لوگوں سے فرمائی اور چونکہ جانتے تھے کہ لوگ آسانی سے باور نہ کریں گے، پیرایۂ بیان بھی اسی قسم کا اختیار فرمایا لولا ان تفندون۔ حضرات انبیاء کی لطافتِ احساس اور قوتِ ادراک کا کیا کہنا! مصر سے کنعان صدہا میل کے فاصلہ پر، اُدھر قافلہ کو حرکت ہوئی اور اِدھر اتنی دُور آپؑ کو پیراہنِ یوسفی کی خوشبو محسوس ہوگئی، لیکن یہ حیرت انگیز ذکاوتِ حس بھی ان حضرات کی اپنی اختیاری چیز نہیں ہوتی اور اسی لئے ہر وقت قائم نہیں رہتی، محض فیضانِ الٰہی کے تابع ہے اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں —— قصۂ یوسفی اعجازی رنگ کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔

تُفَنِّدُوۡنِ۔ فند وہی شئے ہے جسے اُردو میں سٹھیا جانا کہتے ہیں یعنی کبرسنی کی بنا پر عقل و حواس میں فتور آجانا۔ التفنید النسبة الی الفند وھو الخرف وانکار العقل من ھرم (کشاف) ای تنسبونی الی الفند والکبر (ابن کثیر) قال الحسن تھرمون (ابن کثیر) قال الضحاک تھرمون تقولون شیخ کبیر قد خرف وذھب عقله (معالم) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ چونکہ ملاقات کا وقت موعود قریب آ لگا تھا، یہ خوشبو اتنے فاصلہ سے مدرک ہوگئی، اور جب وہ کنوئیں میں نسبتہً بہت قریب تھے چونکہ وقت نہ آیا تھا یہ خوشبو مدرک نہ ہوئی اور یہی معاملہ حضرات اولیاء کے مکاشفات کا ہے ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

۱۷۲ؕ وہی ہوا جو آپ کا خیال تھا۔ لوگوں نے آپؑ کے کہے کا یقین نہ کیا اور آپؑ کو سچا اور نیک سمجھنے کے باوجود آپؑ کے اس "وہم" کو غلوئے محبتِ یوسفی پر محمول کرنے لگے۔ ۱۷۳ؕ خوشبو اور خوشی کے اثر سے ضعفِ بصر کے دُور ہو جانے اور نورِ نظر کے عود کر آنے میں کوئی بات "خلافِ عقل" اور "خلافِ فطرت" نہیں۔ البتہ یہ واقعہ ہی چونکہ معمولِ عام کے خلاف ہے یہاں

اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ

(اب تم) میرے اس پیراہن کو لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو

يَاۡتِ بَصِيۡرًا ‌ۚ وَاۡتُوۡنِىۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا ع ۱۰

(ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی ۱۶۸ؕ اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ ۱۶۹ؕ اور جب

فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّىۡ لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ

(اِدھر سے) قافلہ چلا ہے ۱۷۰ؕ تو ان کے باپ بولے کہ اگر تم مجھے بالکل سٹھیایا ہوا نہ سمجھو تو مجھے تو یوسفؑ کی خوشبو

لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ‏ ﴿۹۴﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىۡ ضَلٰلِكَ

محسوس ہو رہی ہے ۱۷۱ؕ (لوگوں نے) کہا بخدا! آپ تو اپنے اسی قدیم وہم میں (مبتلا)

الۡقَدِيۡمِ‏ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰٮهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ

ہیں ۱۷۲ؕ پھر جب خوشخبری لانے والا آپہنچا تو اُس نے وہ پیراہن آپؑ کے منہ پر

فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا ‌ۚ قَالَ اَلَمۡ اَقُلْ لَّـكُمۡ ‌ۚ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ

ڈال دیا تو آپؑ کی آنکھیں ۱۷۳ؕ روشن ہوگئیں، (یعقوبؑ نے) فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم

اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۹۶﴾ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَـنَا ذُنُوۡبَنَاۤ

رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے ۱۷۴ؕ (بیٹے) بولے اے ہمارے باپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت

اِنَّا كُنَّا خٰطِـئِيۡنَ‏ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَـكُمۡ رَبِّىۡ‌ؕ

کی دُعا کیجئے، بیشک ہم ہی خطاوار رہے ہیں ۱۷۵ؕ، فرمایا (اچھا) میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے

اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ‏ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰى

مغفرت کروں گا۔ بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۷۶ؕ پھر جب (سب) .

اعجازی ہی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔ توریت میں اس موقع پر ہے:- "جب اس نے گاڑیاں جو یوسف نے اس کے لانے کو بھیجی تھیں دیکھیں تو اُن کے باپ یعقوب کی زندگی دوبارہ ہوئی اور اسرائیل بولا یہ بس ہے کہ میرا بیٹا یوسف اب تک جیتا ہے میں جاؤں گا اور پیشتر اس سے کہ میں مروں اُسے دیکھوں گا۔" (پیدائش ۴۵: ۲۷، ۲۸) الۡبَشِيۡرُ۔ بشیر جو خبر دینے کو قافلہ کے آگے آگے چلے۔ یہاں مراد یہودا ابن یعقوبؑ سے لی گئی ہے۔ قال ابن مسعود جاء البشیر بین یدی العیر قال ابن عباس ھو یھودا (معالم) ۱۷۴ؕ (چنانچہ اب تو تم کو اپنی رائے کی غلطی اور میرے علم خداداد کی صحت کا مشاہدہ ہوگیا) قافلہ اب مصر سے کنعان پہنچ چکا ہے اور حضرت یعقوبؑ کا نورِ بصارت عود کر آیا ہے۔ اس موقعہ کی گفتگو، ۱۷۵ؕ (کہ اپنی نالائقی سے آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائیں۔ اب آپ خود بھی معاف فرما دیں اور حق تعالیٰ سے بھی ہمارے حق میں دُعا فرما دیں) برادرانِ یوسف آخر نبی زادے تھے اور اسحاق نبی کے پوتے اور ابراہیم خلیل کے پرپوتے اتنی اعلیٰ خاندانی شرافت اور پھر صالح ترین ماحول اپنا اثر آخر کب تک نہ دکھاتے۔ ۱۷۶ؕ چنانچہ پچھلی تقصیریں بھی معاف کر دیتا ہے اور آیندہ ترقی و مراتب کے رستے برابر کھلے رکھتا ہے۔ سَوۡفَ۔ یعنی عنقریب ہی قبول دُعا کے موزوں ترین وقت پر۔

وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ
اور ہمارے گھر والوں کو (بڑی) تکلیف پہنچ رہی ہے ۱۶۰ اور ہم یہ نکمی پونجی لے کر آئے ہیں سو آپ ہمیں
لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي
ہمارے لئے غلہ پوری ناپ سے دیجئے اور ہمارے ساتھ رعایت کیجئے، بیشک اللہ رعایت کرنے والوں کو
الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ
جزائے خیر دیتا ہے ۱۶۱ (یوسفؑ) بولے وہ بھی تمہیں یاد ہے جو تم نے یوسف اور اسکے
بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ
بھائی سے (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تم نادان تھے ۱۶۲ وہ بول پڑے ارے تو کیا
لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ قَدْ
تم یوسف ہی ہو ۱۶۳ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہی ہوں اور یہ ہے میرا بھائی واقعی
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ
ہم پر اللہ نے (بڑا ہی) احسان کیا ۱۶۴ واقعی جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے سو اللہ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ
نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے ۱۶۵ وہ بولے قسم ہے اللہ کی کہ اللہ نے تم کو
اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ
ہم پر فضیلت دے رکھی ہے اور بیشک ہم ہی خطادار رہے ہیں ۱۶۶ (یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں) آج
عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾
تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۱۶۷

منزل ۳

ف۱۶۰ (غلہ کی ناداری سے) دَخَلُوْا عَلَيْهِ ضمیر عزیز کی جانب ہے اور یوسفؑ ہی اب عزیز تھے۔ یہ تیسرا سفر بھی ان بھائیوں نے مصر ہی کا اختیار کیا ایک تو "راشن" کی حاجت شدید اور یہ حاجت وہیں سے پوری ہوسکتی تھی۔ دوسرے بن یامین کی رہائی کی کوئی تدبیر اگر ممکن تھی تو وہیں جانے سے بن پڑسکتی تھی۔ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ۔ اب کی لہجہ میں اضطرار اور عاجزی قدرۃً زاید ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجت کے وقت یہ طریق اظہار جائز ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شکایت کا پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ دل ذلك على جواز اظهار مثل ذلك عند الحاجة اليه وانه لا يجري مجرى الشكوى من الله تعالى (جصاص) ف۱۶۱ اپنی پیش کردہ رقم کو حقیر و ناقص کہہ کر پیش کرنا عزیز پر اور زیادہ اپنی مسکنت و احتیاج کا اظہار کرنا تھا، یوسفؑ اپنے بھائیوں کے مزاج کی تمکنت سے خوب واقف تھے اب جو ان کا لہجہ گدایانہ اور سائلانہ دیکھا۔ نہ رہا گیا، دل پگھل گیا شفقتِ پیمبری تو غیروں تک کا دکھ دیکھ نہیں سکتی چہ جائیکہ یہ تو اپنے بھائی ہی تھے۔ تصدق۔ المتصدقین۔ تصدق اور صدقہ سے یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں کسی کے ساتھ معاملت میں بہت زیادہ رعایت برتنا مجازاً صدقہ ہی کے حکم میں داخل ہے۔ قال سعيد بن جبير انما سألوا التفضل بالنقصان في السعر ولم يسئلوا الصدقة (جصاص) اى تفضل علينا بالمسامحة والاغماض عن رداءة البضاعة او زد على حقنا (روح) اى تفضل علينا ولا تنقصنا هذا القول اكثر المفسرين (معالم) سمى ما هو فضل وزيادة لا يلزمه صدقة (كشاف) فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ۔ یعنی ہماری راشننگ میں کہیں کمی نہ کر دیجئے گا۔ ہماری ضرورتوں کا لحاظ کر کے للہ ہم پر رحم کیجئے۔ ف۱۶۲ (اور اپنے افعال کے انجام سے بے خبر) اس طرزِ خطاب میں خود ایک حد تک ان مجرموں کی دلدہی آگئی۔ جٰهِلُوْنَ۔ اکابرِ سلف نے کہا ہے کہ ہر معصیت جہالت ہی سے سرزد ہوتی ہے۔ قال بعض السلف كل من عصى الله فهو جاهل (ابن كثير) لما لم يفعلوا ما يقتضيه العلم ولا يقدم عليه الا جاهل سماهم جاهلين (كشاف) ف۱۶۳ عزیز کی زبان سے یہ سوال ادا ہوتے ہی ان بھائیوں کے سامنے پچھلے واقعات کی یاد بجلی کی تیزی کے ساتھ آگئی اور وہ اپنے رشک کے جذبات اور یوسفؑ کے خواب سے ان خیالات میں ترقی اور یوسفؑ و بن یامین کے ساتھ عداوت وہ گھر سے جنگل میں لے جانا اور کنوئیں میں گرانا وہاں انہیں غلام کہہ کر قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالنا اور اپنی بدسلوکیاں ایک ایک کر کے یاد آگئیں اور ساتھ ہی یہ خیال تازہ ہوگیا کہ یوسفؑ کا خواب جھوٹا نہیں ہوسکتا تھا عجب نہیں کہ یہی اُس کی تعبیر ہو رہی ہو، ءَاِنَّكَ۔ استفہام حیرت و حیرانی کا ہے۔ الاستفهام يدل على الاستعظام اى انهم تعجبوا من ذلك (ابن كثير) قَالُوْا وہ لوگ یہ سُن، فرطِ حیرت سے بول پڑے۔ ف۱۶۴ (کہ پہلے ہمیں توفیق صبر و تقویٰ عطا کی اور پھر اُس کی برکت سے یہ دنیوی نعمتیں عطا کیں!) ف۱۶۵ (بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے) قرآن مجید تو دوسروں کی زبان سے بھی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصول و کلیات ادا کرا دیتا ہے پھر یوسفؑ تو نبی ہی تھے۔ اُن کی زبان سے ایک گہری اصولی حقیقت بیان کر دی۔ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ۔ تقویٰ سے مُراد گناہوں سے بچنا اور صبر سے مُراد بلا و مصیبت پر صبر کرنا ہے۔ ف۱۶۶ (تمہارے اور بن یامین دونوں کے ساتھ اپنے معاملات میں) بڑے بھائیوں اور وہ بھی ایسے خیرہ سر بڑے بھائیوں کا چھوٹے بھائی کے عجز و ندامت کے ساتھ معافی مانگنا، اللہ اکبر کیسا مؤثر سماں ہوگا! تَاللّٰهِ سے الخاطئین تک پڑھ جائیے تو لب و لہجہ میں حسرت، ندامت، معذرت سب کچھ ملیں گی۔ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا۔ بے شک اللہ نے تمہیں بزرگی دے رکھی ہے اور تم بزرگی کے اہل بھی ہو۔ ف۱۶۷ (تو جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور دل سے وہ باتیں بھلا دیں، تو میرا خدا کیوں نہ معاف کریگا۔ وہ تو تائبین کی خطائیں معاف کرتا ہی رہتا ہے) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ میری طرف سے تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں میں نے تمہیں معاف کر دیا، میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہوگیا۔ یہی آیت وہ تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اپنے جانی اور شدید دشمنوں کے مقابلہ میں بڑھ کر یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا ؞

١٥٥ اُسی کو خوب خبر ہے کہ ان میں سے کون کون کس حال میں، کہاں کہاں ہے۔ اور وہی جب ملانا چاہے گا تو اپنی حکمت سے اسباب اور تدبیریں بھی ایسی پیدا کرے گا۔ میرا حالِ زار بھی اُس پر خوب روشن ہے اور مجھے جو اس ابتلا میں اسی نے ڈالا ہے وہ بھی کسی حکمت و مصلحت ہی سے ہے۔ ١٥٦ جسے فطرتِ بشری سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ نئی چوٹ سے پُرانی چوٹ تازہ ہو جاتی ہے اور تازہ غم سے پُرانا غم ہرا ہو جاتا ہے۔ یہ امر انسان کے لئے طبعی ہے۔ چنانچہ اسی کے اقتضاء سے آپ بھی حضرت یوسفؑ کو از سرِ نو شدت کے ساتھ یاد کرنے لگے ——— پیمبر اپنے جذبات و احساسات کے لحاظ سے بالکل بشر ہوتا ہے، مافوق البشر نہیں ہوتا ہے۔ یہ سبق قصۂ یوسفی کے ایک ایک جزئیہ سے بار بار دُہرایا جا رہا ہے۔ تَوَلّٰی عَنْهُمْ۔ یہ مُنہ پھیر لینا انقباضِ طبعی کے اثر سے تھا۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ یہ اشک افشانی کمالاتِ نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں (جیسا کہ آج کل کے بعض نافہموں نے لکھ دیا ہے) بلکہ اور زیادہ شفقت اور رقتِ قلب کی علامت ہے۔ يجوز للنبي عليه السلام ان يبلغ الجزع ذلك المبلغ لان الانسان مجبول على ان لا يملك نفسه عند الحزن (مدارک) اور حضرت یوسفؑ تو خیر نوجوان تھے ہمارے حضورِ انورؐ تو اپنے فرزند ابراہیمؑ کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے ہیں جو ابھی شیرخوار ہی تھے۔ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ یعنی دل پر اور آنکھوں پر تو اختیار نہ تھا باقی زبان پر کوئی کلمہ بے صبری یا جزع فزع کا نہیں آنے پاتا تھا۔ یہ فقرہ اس لیے بڑھا دیا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کی شدتِ غم کے ساتھ ساتھ آپ کی شدتِ ضبط بھی نمایاں ہو جائے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محبتِ طبعی محبتِ حق کے منافی نہیں اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، بلکہ کاملین میں اس کا غلبہ انہیں رضائے حق سے غافل نہیں کر دیتا بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔ ١٥٧ لڑکوں نے یہ جھنجھلا کر اور چڑ بڑ ہو کر کہا ہے ——— بوڑھوں کی ضد پر یہ جوانوں کا جھنجھلاہٹ فطرتِ بشری کی کتنی صحیح تصویر ہے۔ تَاللّٰهِ۔ خدا کی قسم جس میں ناگواری اور حیرت کے جذبات بھی شامل ہیں۔ ١٥٨ نہ تمہیں اس کے الطافِ بیکراں کا وہ علم ہے جو مجھے ہے اور نہ تمہیں وہ اسرار و علوم مرحمت ہوئے ہیں جو مجھے ہوئے ہیں۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۔ یعنی میں جو کچھ بھی عرض معروض شکوہ و شکایت کر رہا ہوں اپنے اللہ سے کر رہا ہوں، تمہیں اس سے کیا سروکار اور تم اس میں خواہ مخواہ ہی دخل دے رہے ہو۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے صبرِ جمیل کے منافی اگر ہے تو شکایت الی الخلق نہ کہ شکایت الی الخالق جو عین دعا و التجائے مطلوب ہے۔ ١٥٩ کیا ٹھکانہ ہے اس اعتماد علی اللہ کا یہ ہی شانِ نبوت! اظہار درد و غم اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں کر کے اب آپ ظاہری تدبیروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یوسفؑ اور بن یامین کی تلاش پر اُن کے انہی بھائیوں کو پھر لگاتے ہیں۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ
بیشک وہی بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ١٥٥ اور اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے
يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ
ہائے یوسف! اور غم سے (روتے روتے) اُن کی آنکھیں سفید پڑ گئیں
فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ
اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے ١٥٦ (بیٹے) بولے تم تو واللہ یوسف ہی کی یاد میں سدا لگے رہو گے
حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾
یہاں تک کہ جاں بلب ہو جاؤ گے یا دم ہی نکل جائے گا ١٥٧
قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ
(یعقوبؑ نے) فرمایا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس (اپنے) اللہ ہی سے کر رہا ہوں اور میں اللہ کی
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا
طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ١٥٨ اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور
مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ
اُس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو
اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾
اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی لوگ ہوتے ہیں ١٥٩
فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا
پھر جب وہ لوگ (عزیز) کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز ہم کو اور

۱۴۹؎ (وہی ایک پُرانی شرمندگی کیا کم ہے، کہ یہ نئی شرمندگی لے کر اُن کے پاس جاؤں) قَالَ كَبِيرُهُمْ۔ توریت میں اس موقع پر نام یہودا کا درج ہے جو اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھا۔ قرآن نے اس تاریخی غلطی کی تصحیح کردی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبیر سے مُراد لازمی طور پر سن کی بڑائی نہ ہو۔ عقل وغیرہ کی بڑائی بھی مُراد لئے جانے کی گنجائش ہے۔ قیل کبیرہم فی العقل وھو یھوذا وھو الذی نہاھم عن قتل یوسف (کبیرھم اعقلھم (ابن قتیبہ) یعنی فی العلم والعقل لا فی السن قال ابن عباسؓ والکلبی ھو یھوذا وھو اعقلھم

قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم

اُن میں سے سب سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے اللہ کی قسم کھلا کر

مَّوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ

قول لے چکے ہیں اور اس کے قبل یوسفؑ کے بارہ میں تو تقصیر کر ہی چکے ہو ۱۴۹؎

فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ

سو میں تو اس (سر زمین) سے ٹلتا نہیں جب تک میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا اللہ ہی میرے حق میں

اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٠﴾ ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ

فیصلہ کردے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۱۵۰؎ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور

فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا

ان سے کہو کہ اے ابا آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو شاہد اُتنے ہی کے تھے جتنا ہم

عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿٨١﴾ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ

جانتے تھے اور ہم غیب کے تو جاننے والے تھے نہیں ۱۵۱؎۔ آپ اُس بستی والوں سے

الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا

دریافت کرلیجئے جہاں ہم تھے اور اُس قافلہ والوں سے (بھی) جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک

لَصَادِقُونَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ

ہم ہی سچے ہیں ۱۵۲؎ (یعقوبؑ نے) کہا (جی نہیں) بلکہ تمہارے لئے تمہارے دل نے ایک بات گڑھ لی ہے

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ

میں صبر ہی کروں گا بلا آمیزش شکایت، کیا عجب کہ اللہ اُن سب کو مجھ تک پہنچا دے ۱۵۳؎

۱۵۰؎ اَلَمْ تَعْلَمُوْا...... اللّٰهِ۔ یعنی ہم تو حلف مؤکد کے ساتھ بن یامین کی حفاظت کا وعدہ کرچکے ہیں اور ایسی مجبوری ابھی تک لاحق ہوئی نہیں ہے کہ ہم کوئی تدبیر کسی درجہ میں بھی نہ کرسکیں۔ ۱۵۰؎ یعنی یا تو والد ماجد ان حالاتِ خصوصی کو سُن کر خود ہی مجھے یہاں سے ہٹنے اور وطن آنے کی اجازت دے دیں اور یا اللہ تعالیٰ بن یامین کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے اور ہم سب اُسے ساتھ لے کر چلیں۔ ۱۵۱؎ یعنی ہمیں کیا خبر تھی کہ بنیامین یہ حرکت کریگا ورنہ ہم کبھی قول وقرار نہ کرتے۔ وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا۔ یعنی قول وقرار دیتے وقت تو ہم نے صرف اتنی ہی ذمہ داری لی تھی جتنی ہمارے ظاہر علم میں آسکتی تھی۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ ظاہر علم پر بھی بغیر حقیقت علم کے شمول کے اسم علم کا اطلاق جائز ہے۔ ھٰذا یدل علی جواز اطلاق اسم العلم من طریق الظاھر وان لم یعلم حقیقتہ (جصاص) ۱۵۲؎ یعنی اگر آپ ہماری بات کا یقین نہیں کرتے تو اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجئے یا ہمارے ساتھ جو اور اہلِ قافلہ تھے اُنہی سے دریافت کرلیجئے سب ہمارے ہی بیان کی تصدیق کریں گے۔ وَالْعِيْرَ الَّتِيْ اَقْبَلْنَا فِيْهَا۔ اس وقت سفر کا عام طریقہ یہی تھا کہ بہت سے لوگ مِل کر اور قافلہ بنا کر سفر کرتے تھے اور پھر قحط وگرانی کی مُصیبت تو آس پاس کے ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی، آلِ یعقوبؑ کے علاوہ اور بھی خدا معلوم کتنے اسی طرح قافلہ بنا کر مصر پہنچ رہے تھے۔ ۱۵۳؎ (جیسا کہ واقعۂ یوسفؑ میں پہلے ہی تم کرچکے ہو) شدتِ غم وحزن میں انسان ایسے ہی کلمات پر طبعاً مضطر ہے اور پیمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں، سارے انسانی جذبات کے ساتھ یہ گفتگو اب اس موقع کی ہے کہ بڑے بھائی اور بن یامین کو مصر میں چھوڑ اور سب بھائی کنعان میں اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچے ہیں اور روداد مصائب سنائی ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو متہم ومشتبہ ہو، اسکو یقین کے ساتھ نہیں، لیکن حدود ظن تک متہم ومشتبہ سمجھنا موجب معصیت نہیں کہ اس پر انسان طبعاً مضطر ہی ہے۔ ۱۵۴؎ (اور میرے یوسفؑ کے خواب کی تعبیر سچی نکل آئے) بِهِمْ جَمِيْعًا۔ بھم۔ صیغہ جمع کا ہے، تثنیہ کا نہیں۔ مُراد حضرت یعقوبؑ کی اپنے تینوں بچھڑے ہوئے بیٹوں سے تھی۔ یوسفؑ و بن یامین کی محبوبیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ تعلق خاطر اس تیسری اولاد سے بھی پوری طرح تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ فقرہ کی ترکیب مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ سب سے صاف اور بے تکلف وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ متن میں درج کیا گیا ہے۔ جمیل سے مُراد ایسا صبر ہے جو بلا آمیزش شکوہ وشکایت ہو۔

١٤١ مصری قانون میں چوری کی سزا غلامی نہیں، جرمانہ و تازیانہ تھی۔ لِیَاۡخُذَ - اخذ کے یہاں معنی پکڑ لینے کے نہیں، گرفتار تو بنیامین ہو ہی گئے تھے، یہاں اس سے مُراد یُوسفؑ کا انہیں اپنے پاس رکھ لینا ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مَا کَانَ الخ مصری قانون کے لحاظ سے یہ بات حضرت یُوسفؑ کے لئے ممکن نہ تھی۔ ای لم یکن له اخذه فی حکم ملك مصر قال الضحاك وغيره (ابن کثیر) یعنی ان یوسف لم یکن یتمکن من حبس اخیه فی حکم الملك (مدارک) والمعنی انه کان حکم الملك فی السارق ان یضرب ویغرم ضعفی ما سرق فما کان یوسف قادرا علی حبس اخیه عند نفسه بناء علی دین الملك وحکمه (کبیر) اور ظاہر ہے کہ یہ باہر کے آئے ہوئے لوگ اصولاً اُسی مُلک کے قانون کے ماتحت تھے جس میں اُس وقت مقیم تھے۔ جیسا کہ آج تک بین الاقوامی قانون کا دستور چلا آتا ہے۔ فِیۡ دِیۡنِ الۡمَلِکِ یُوسف علیہ السلام کو نورِ نبوت سے معلوم ہو چکا تھا کہ آیندہ کو نظامِ حکومت انہی کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ اس لیے آپ سرِدست مصری آئین سے کوئی تعرض نہ فرماتے تھے۔

الۡمَلِکِ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ
نہیں لے سکتے تھے ١٤١ مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا ہم جس کے مرتبہ چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں
وَ فَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوۡۤا اِنۡ یَّسۡرِقۡ
اور ہر صاحبِ علم سے بڑھ کر ایک عالم ہے ١٤٢ (برادرانِ یُوسفؑ) بولے کہ اگر اس نے چوری
فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّہٗ مِنۡ قَبۡلُ ۚ فَاَسَرَّہَا یُوۡسُفُ
کی ہے تو اس کا (عینی) بھائی بھی اس کے پیشتر چوری کر چکا ہے ١٤٣ پس یوسفؑ نے اسے اپنے دل میں
فِیۡ نَفۡسِہٖ وَ لَمۡ یُبۡدِہَا لَہُمۡ ۚ قَالَ اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّکَانًا ۚ
پوشیدہ رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا ١٤٤ کہا کہ تم تو (اور بھی) بدتر ہو
وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوۡا یٰۤاَیُّہَا الۡعَزِیۡزُ
اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ١٤٥ وہ بولے اے عزیز!
اِنَّ لَہٗۤ اَبًا شَیۡخًا کَبِیۡرًا فَخُذۡ اَحَدَنَا مَکَانَہٗ ۚ اِنَّا
اس کا باپ بہت بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لیجیے، ہم تو
نَرٰىکَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنۡ
آپ کو بہت نیک مزاج پاتے ہیں ١٤٦ (یوسفؑ نے) کہا اللہ اس سے پناہ میں رکھے کہ
نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا مَتَاعَنَا عِنۡدَہٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا
ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا (کسی اور کو) ہم پکڑ رکھیں اس حالت میں تو
لَّظٰلِمُوۡنَ ﴿٧٩﴾ ع فَلَمَّا اسۡتَیۡـَٔسُوۡا مِنۡہُ خَلَصُوۡا نَجِیًّا ؕ ٩ ع ١١ ٣
ہم ہی بڑے ناانصاف ٹھیرینگے ١٤٧ پھر جب وہ اُن کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے ١٤٨

١٤٢ (پس کوئی بھی اپنے علم پر نازاں نہ ہو، جہاں سب کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کے بھی اُوپر اُس ہستی کا علم ذاتی اور علم محیط ہے۔ جس کا نام عالم الغیب والشہادۃ ہے) اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ چنانچہ خود انہی لوگوں کی زبان سے یہ نکلا کہ ہم میں جس کی بھی چوری ثابت ہو اُسے اپنا غلام بنا لو ـــــ یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو یُوسفؑ کو کوئی اختیار تھا ہی نہیں کہ بن یامین کو اپنے پاس روک رکھیں، یہ تو محض اللہ نے اپنی مشیّتِ تکوینی سے یہ بات عہدہ داروں کے دل میں ڈال دی جو انہوں نے خود اسرائیلیوں سے اُن کے قانون کی بابت سوال کر لیا۔ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہاں درجات علم مُراد ہوں - چنانچہ یُوسف علیہ السلام کا مرتبہ علم میں اتنا بڑھ کر رہا۔ ای بالعلم کما رفعنا درجة یوسف علی اخوته (معالم)

١٤٣ (اس لئے اس کی چوری پر کچھ ایسا تعجب نہیں) برادرانِ یُوسفؑ کی سیرت جو شروع سے نمودار ہو رہی ہے اب اس میں ایک اور عنوان کا اضافہ ہُوا ایک الزام یوسف علیہ السلام پر اور دھر دیا کہ انہوں نے اپنے بچپنے میں اپنے نانا کے ہاں ایک سونے کی مُورتی اُٹھا کر غائب کر دی تھی اس خیال سے کہ اب بُت پرستی سے باز رہیں گے۔ کان لجدہ ابو امه کافر یعبد الاوثان فامرته امه بان یسرق تلك الاوثان ویکسرها فلعله یترك عبادة الاوثان ففعل ذلك فهذا هو السرقة (کبیر عن سعید بن جبیر)

١٤٤ یُوسفؑ کو اپنے برادرانِ نامہربان کا یہ قول سُن کر غصّہ تو قدرةً آیا لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا۔ ھا کی ضمیر دونوں جگہ اس فقرہ کی طرف ہے جو آگے آ رہا ہے۔ فاسر الجملة واما الکلمة التی هی قوله انتم شر مکانا (کبیر من الزجاج) یعنی الکلمة التی بعدها (ابن کثیر) یعنی بها الکلمة (معالم) ـــــ دوسرے مرجع بھی ذکر کیے گئے ہیں مثلاً اجابۃ کہ یُوسفؑ نے اُس وقت جواب نہ دیا یا مقالۃ کہ یُوسفؑ نے سرقہ کی اصل حقیقت اُن پر نہ کھول دی۔ ای فاسر یوسف اجابتهم فی نفسه فی ذلك الوقت (کبیر) ویجوز ایضا ان یکون اضمارا للمقالة والمعنی اسر یوسف مقالتهم (یعنی اسر یوسف فی نفسه کیفیة تلك السرقة ولم یبین لهم انها کیف وقعت (کبیر) اسرها ای حواب هذه الکلمة (ابن عباسؓ) لم یبدها ای جوابها (ابن عباسؓ)

١٤٥ یعنی تم جو ہم دونوں کو چور بنا رہے ہو اس کی حقیقت اللہ ہی پر خوب روشن ہے۔ قَالَ - یوسفؑ نے یہ سب کچھ اپنے دل میں کہا۔ ای فی نفسه (ابن عباسؓ) اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّکَانًا۔ کہ (دوسرے تو مال ہی چُراتے ہیں اور تم نے تو انسان کو چُرا لیا! اور وہ بھی اپنے باپ سے اُس کے محبوب ترین بیٹے کو!

١٤٦ برادرانِ یُوسف نے جب دیکھا کہ اب تو بُرے پھنسے اور ضابطہ سے اب کوئی صُورت بن یامین کی عزیزِ مصر کے قید سے چھوٹنے کی نظر نہیں آتی اور باپ کو جو زبردست اور حلفیہ قول و قرار دے آئے تھے وہ سب یاد آنے تو اب لگے خوشامد کی راہ سے کہنے کہ حضور والا اس لڑکے کے چاہنے والے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ ان کے قلب کو بہت سخت صدمہ ہو گا اس لئے آپ یہ کیجیے کہ اس لڑکے کے بجائے ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے اور اسے جانے دیجئے اور حضور جیسے رحیم المزاج حاکم ہماری درخواست ضرور ہی منظور کر لیں گے ہمیں بڑی آس لگی ہوئی ہے۔ یٰۤاَیُّہَا الۡعَزِیۡزُ۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یُوسفؑ مدار المہامی پر فائز ہو چکے ہیں۔

١٤٧ آپؑ نے فرمایا کہ تم نے بھی غضب کر دیا! مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ مال کسی کے پاس نکلے اور سزا کسی کو ملے، حاشا مجھ سے تو یہ ناانصافی نہیں ہو سکتی شریعتِ اسلامی میں بھی سزائے بدنی میں مبادلہ جائز نہیں۔ زید اگر اپنی خوشی سے اپنے کو عمرو کے عوض رجم یا قتل یا قطع عضو کے لئے پیش کر دے تو قاضی یا مدعی کو اس کے قبول کر لینے کا اختیار نہیں۔ حضرت یُوسفؑ کمال احتیاط سے بن یامین کو اپنی زبان سے چور نہیں کہتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ مال تو تمہارے سامنے جس کی تلاشی میں نکلا، سزا تم اُس کے سوا کسی اور کو دلانا چاہتے ہو!

١٤٨ (کہ اب کیا کرنا چاہیے، نہ بن یامین کو چھوڑ کر واپس جاتے بنتا ہے نہ یہاں ٹھیرتے) مِنۡہُ۔ ضمیر یُوسفؑ کی طرف بھی جا سکتی ہے اور بنیامین کی طرف بھی، ـــــ پہلی صورت میں "جب ان لوگوں کو یوسفؑ کی طرف سے یُوسفؑ کے جواب سے مایوسی ہو گئی"، دوسری صُورت میں "جب ان لوگوں کو بن یامین کی طرف سے بن یامین کے متعلق مایوسی ہو گئی۔"

لَسٰرِقُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿٧١﴾

چور ہو ۱۳۴ وہ بولے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے ۱۳۵

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ

وہ بولے ہم سے شاہی پیمانہ گم ہوا ہے اور جو کوئی اُسے لے آئے گا اس کے لئے

بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ

ایک بار شتر (غلّہ) ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں ۱۳۶ وہ بولے بخدا! تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ

مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾

ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم چور ہیں ۱۳۷

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا

وہ بولے اس (چور) کی کیا سزا اگر تم جھوٹے نکلے؟ ۱۳۸ وہ بولے

جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ

کہ اُس کی سزا یہ ہے کہ جس کسی کے تھیلے میں وہ (پیمانہ) مل جائے تو وہی شخص اپنی سزا ہے ۱۳۹ ہم لوگ

نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ

مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں ۱۴۰ پھر (یوسفؑ) نے اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے قبل دوسروں کے

اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ

تھیلوں سے تلاش کی (ابتداء کی) پھر اُس (پیمانہ) کو اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے برآمد کرلیا اس طرح کی

كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ

تدبیر ہم نے یوسفؑ کی خاطر کردی ۱۴۱ (یوسفؑ) اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کے لحاظ سے

۱۳۴ یہ ندا کرنے والا یقیناً مہمان خانہ کا کوئی افسر ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ اُس نے یہ بطور خود کیا یا حضرت یوسفؑ کے حکم سے؟ قرینہ تو یہی کہتا ہے کہ از خود کیا ہوگا۔ وزیر تک اس صاف اور سیدھی کاروائی کو لے جانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور نہ قرآن مجید ہی میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ صرف بعض مفسرین کی یہ رائے ہے اور اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو زیادہ سے زیادہ صورت توریہ کی لازم آتی ہے یعنی سرقہ سے حقیقۃً مُراد وہ سرقہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کو حضرت یعقوبؑ سے غائب کر دیا تھا۔ لیکن سامعین معنیٰ قریب یعنی پیمانہ کا سرقہ سمجھے۔ لیکن اگر یوسفؑ کا اذن و حکم نہ فرض کیا جائے تو اس توجیہ و تاویل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس صورت میں بات بالکل صاف ہو رہتی ہے کہ مہمان خانہ کے اہل کاروں اور عملہ والوں نے از خود ہی یہ قیاس کر کے یہ صدا لگائی، اکابر اہل تفسیر ادھر ہی گئے ہیں۔ ليس في القرآن انهم نادوا بذلك النداء عن امر يوسف عليه السلام والاقرب الى ظاهر الحال انهم فعلوا ذلك من انفسهم (کبیر) قال قائل من الموكلين بالصيعان وقد فقدوه ولم يدروا من اخذه ايتها العير انكم لسارقون على ظن منهم انهم كذلك ولم يأمرهم يوسف بذلك (جصاص) قيل قالوه من غير امر يوسف (معالم) وهو من قبل المؤذن بناءً على زعمه (روح)

حضرت یوسفؑ کو ملزم قرار دینے کی اصل ذمہ داری توریت پر ہے۔ چنانچہ اس میں ہے:- "جوں ہی صبح کی روشنی ہوئی وہ سب اپنے گدھے لے کے چل نکلے جب وہ شہر سے تھوڑی دُور باہر گئے یوسف نے اپنے گھر کے داروغہ کو کہا کہ اٹھ اور ان لوگوں کا پیچھا کر اور جب تو انہیں پاوے تو انہیں کہہ کہ تم نے کس لئے نیکی کے عوض یہ بدی کی" (پیدائش ۴۴: ۵،۴) ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ یعنی جب قافلہ کچھ دُور نکل گیا اور شاہی مہمان خانہ کے اہل کاروں کو وہ پیمانہ غائب نظر آیا تو قدرۃً انہیں شبہ اسی قافلہ والوں پر گزرا اور ان میں سے کسی نے لپک کر یہ آواز دی۔ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ظن غالب کی بناء پر اگر کسی کو چور کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ فلم يكن قول هذا القائل كذبًا لانه كان مرجعه الى غالب ظنه (جصاص)

۱۳۵ (کہ جس سے ہم پر شبہہ چوری کا کر رہے ہو) برادران یوسفؑ نے یہ صدا سُن کر پیچھے مُڑ کر دیکھا اور حیران ہو کر کہا کہ آخر وہ ہے کیا چیز جس کے غائب ہو جانے سے آپ ہم لوگوں کو چور سمجھنے لگے! عَلَيْهِمْ کے صیغہ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاش میں تعاقب کرنے والا کوئی فرد واحد نہ تھا بلکہ متعدد سلطانی اہلکار تھے۔ ۱۳۶ یہ انعام خزانۂ سرکاری کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور قحط و خشک سالی کے زمانہ میں غلّہ کا اتنی بڑی مقدار میں ایک بہت بڑا انعام تھا۔ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔ یہ کہنے والا کون تھا اور انا کی ضمیر کس کی طرف ہے! لازمی نہیں کہ حضرت یوسفؑ ہی سے مُراد لی جائے۔ سرکاری اہلکار متعلقہ بھی مُراد ہو سکتا ہے اور اکثر اکابر سلف اسی طرف گئے ہیں۔ الزعيم المؤذن الذي اذن (معالم) يقول المؤذن (معالم) وهو قول المؤذن (روح)

۱۳۷ برادران یوسفؑ نے اپنے اُوپر یہ عجیب و غریب اور توہین آمیز الزام سُن کر اُن اہلکاران سرکاری سے کہا کہ ہم اپنے ملک و قوم کے اعیان و اشراف میں ہیں، چوری سے ہمیں واسطہ کیا۔ اور پھر ہم تو آپ کے مہمان ایک بار قبل بھی رہ چکے ہیں اور ہمارے اطوار و خصائل آپ پر واضح ہو چکے ہیں آپ کو یہ خیال ہی کیسے گزرا کہ ہم آپ کے ملک میں کوئی جرم کرنے یا قانون شکنی کرنے آئے ہیں۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ خطاب یہاں عہدہ داران سرکاری سے ہے اور تاے قسم اور نقد کی دُہری تہری تاکید سے اپنے دعوٰی پر انتہائی زور دینا مقصود ہے جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ یہ خیال ہی آپ کو کیسے پیدا ہوا۔ تَاللّٰهِ۔ ت قسم کی ہے۔ اور یہ تاے قسم عربی میں صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے۔ اُس کے کسی مرادف رحمٰن۔ رب وغیرہ پر نہیں آتی۔ ۱۳۸ (اور چور ثابت ہوگئے) اُن افسروں نے کہا اگر تلاش کے بعد سامان تمہارے ہی پاس نکل آیا اور تمہاری صفائی جھوٹی ثابت ہوئی تو تم ہی اپنے ملک و قوم کے آئین کے لحاظ سے بتاؤ کہ تمہاری کیا سزا؟ ۱۳۹ یعنی ہماری شریعت اسرائیلی میں چور کی سزا یہی ہے۔ —— توریت میں جو سزائیں درج ہیں، خیال رہے کہ وہ شریعت موسوی کی ہیں شریعت اسرائیلی سے کئی صدی بعد کی۔ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ۔ یعنی چوری کی سزا میں صاحب مال چور کو اپنا غلام بنالے۔ والمعنى ان استعباده هو جزاء ذلك الجرم (کبیر) ۱۴۰ (ہن یامین کو پاس رکھ لینے کی) كِدْنَا۔ صیغہ متکلم لاکر گویا یہ صاف کر دیا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی مخفی کاروائیاں تھیں سب ہمارے ایما سے ہوئیں یوسفؑ کسی منزل پر بھی قابل الزام نہیں۔ فَبَدَاَ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاشی یوسفؑ نے اپنے ہاتھ ہی سے لی ہو۔ اُن کے کسی نائب کا فعل بھی انہی کا سمجھا جائے گا۔ كَيْد۔ مکر کے قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتے ہیں تو اُن سے مراد محض مخفی تدبیر ہوتی ہے نہ کہ اُردو محاورہ کے مطابق دغا فریب وغیرہ۔ الكيد من الخلق الحيلة ومن الله التدبير بالحق (معالم) امام رازی نے کہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو اُن سے مراد ان اعمال کی منتہائے مقصود اور حاصل غرض ہوتی ہے نہ کہ ان اعمال کے ابتدائی مدارج۔ انا ذكرنا ان امثال هذه الالفاظ تحمل على نهايات الاغراض لا على بدايات الاغراض (کبیر) كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ مقصد مباح کے حاصل کرنے کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔

عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ

اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا اختیار تو بس اللہ ہی کا ہے اُسی پر

تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا

بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے بھی بھروسہ رکھنے والوں کو ۱۲۷ اور جب وہ داخل

مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ

ہوئے جس طرح اُن کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ

ان کے کام نہ آسکا ہاں وہ تو ایک ارمان تھا یعقوبؑ کے دل میں جو انہوں نے

قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

پورا کر لیا ۱۲۸ اور بیشک وہ (بڑے) صاحبِ علم تھے اِس لئے کہ ہم نے اُن کو علم دیا تھا ۱۲۹ لیکن اکثر لوگ

النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰى

(اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ۱۳۰ اور جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو (یوسفؑ نے) اپنے (حقیقی)

اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا

بھائی کو اپنے پاس جگہ دی ۱۳۱ (اور) کہا کہ میں تو تمہارا بھائی (یوسفؑ) ہوں سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں

یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ

اس پر اداس نہ ہو ۱۳۲ پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی کا گلاس اپنے (حقیقی)

فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ

بھائی کے شلیتہ میں رکھ دیا ۱۳۳ اس کے بعد ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا اے قافلہ والو ضرور تم ہی

رکوع ۸ / ۲

۱۲۷ (سو تم بھی اصل بھروسہ اُسی پر رکھنا۔ اپنی تدبیروں پر نظر نہ رکھنا) وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ۔ یعنی میں کیا اور میری تدبیر ہی کیا! میں کوئی تقدیرِ الٰہی تھوڑے ہی تم پر سے ٹال سکتا ہوں ——— کیا شانِ عبدیت ہر پیمبر میں ہوتی ہے! آیت سے معلوم ہوا کہ نفس تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، البتہ اُس تدبیر پر پورا اعتماد کر بیٹھنا اور اُسی کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگنا منافیٔ توکل ہے مِنْ شَیْءٍ ۔ میں نفی کامل کا بیان ہے۔ یعنی میری تدبیریں کسی خفیف و ادنیٰ درجہ میں بھی مشیتِ الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ سارے اختیارات تکوینی و تقدیری اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، کسی مخلوق کو مشیت الٰہی میں ذرا بھی دخل نہیں۔ عَلَیْهِ ...... الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔ کلام یعقوبی کا اصل مقصد اسی مسئلۂ توکل پر زور دینا معلوم ہوتا ہے۔

۱۲۸ (کچھ اس ظاہری تدبیر سے خدانخواستہ انہیں تقدیرِ الٰہی سے معارضہ تھوڑے ہی مقصود تھا) آیت میں بڑا سبق تسکین و تسلی کا عام اُمتیوں کے لئے ہے۔ درجۂ تدبیر و تدبیر جائز میں خدا معلوم کتنے امور ہیں جو دل میں آتے رہتے ہیں۔ ان سب کے لئے یہ بڑی سند ایک پیمبر کے عمل سے ہاتھ آگئی۔

۱۲۹ (اور وہ علم مرضیاتِ الٰہی کا تھا، جیسا کہ ہر نبی کو ہم دیتے رہتے ہیں) حضرت یعقوب علیہ السلام اس علم صحیح کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تدبیر کو مؤثر حقیقی کب سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے تو صرف درجۂ تدبیر میں ایک احتیاط برتی تھی، اور ایسی احتیاطیں نامشروع نامحمود نہیں بلکہ عین مشروع و محمود ہیں۔

۱۳۰ (بلکہ اپنے جہل سے تدبیر کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگتے اور معتوب ہوتے ہیں) مومن صادق اور عارف اس کے برعکس تدبیر کو بھی ایک ذریعہ تعمیل ارشاد کا بنا لیتا اور مستحق اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔

۱۳۱ (شفقت و عزت کے ساتھ) خاطرداریوں اور مہمان نوازیوں کی تفصیلات توریت میں بھی درج ہیں لیکن دوسرے بھائیوں کے شمول میں ——— ہمارے مفسرین نے مخصوص بنیامین کی خاطرداریوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہی سیاق قرآنی کے زیادہ مطابق ہے اور عقل بھی اسی کو قبول کرتی ہے۔

۱۳۲ (کہ اب تو اللہ نے ہم بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا) ملنے کے بعد یقیناً بھائی بھائی میں خوب باتیں ہوئی ہوں گی۔ اور یہ تجویز یقیناً زیرِ بحث آئی ہوگی کہ آیندہ کے لئے ان ظالم بھائیوں سے بچ کر بن یامین کی یوسفؑ ہی کے پاس رہنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے اور بالآخر ایک صورت طے پاگئی جس کا ذکر ابھی بعد کی آیتوں میں آتا ہے۔ قَالَ اِنِّیْ اَنَا اَخُوْكَ یہ مکالمت ظاہر ہے کہ آپؑ نے کہیں تخلیہ میں اُن سے کی ہوگی۔

۱۳۳ (اس مصلحت کے ساتھ کہ جب یہ لوگ رخصت ہو جائیں گے تو آپ ہی اس جام شاہی کی تلاش شروع ہوگی، اور شبہ خواہ مخواہ انہی قافلہ والوں پر ہوگا) یہ منصوبہ بن یامین کے مشورہ ہی کی بنا پر ہوا تھا، اس لئے وہ قدرۃً بےفکر اور مطمئن تھے اور ان کے کسی دھوکے یا غلط فہمی میں پڑنے کا امکان نہ تھا۔ السِّقَایَةَ غلّہ ناپنے کا پیمانہ بھی یہی تھا۔ اور توریت میں ہے کہ یہ گلاس چاندی کا تھا۔ ہمارے یہاں کی بھی بعض روایتیں چاندی ہی سے متعلق ہیں۔ توریت میں ہے :- "اور اُس نے اپنے گھر کے داروغہ کو یہ حکم کیا کہ ان آدمیوں کے بوروں کو غلّہ سے جتنا کہ وہ لے جا سکیں بھر اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے کے اندر ڈال دے اور میرا پیالہ روپے کا پیالہ چھوٹے کے بورے میں اوپر دال اس کے غلّہ کی قیمت سمیت رکھ دے چنانچہ اُس نے یوسفؑ کے فرمانے کے موافق عمل کیا" (پیدائش ۴۴ : ۱، ۲)

۱۲۱ف (سو میری نگہبانی اور میری شفقت سے ہوتا کیا ہے) حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ تم اپنی ذمہ داری اور ضمانت کس منہ سے پیش کر رہے ہو؟ تم وہی تو ہو جو یوسف کو بھی انہی ضمانتوں اور وعدوں کے ساتھ
لے گئے تھے لیکن تم کہتے ہو کہ غلّہ بغیر بنیامین کے ساتھ کئے ہوئے ملے گا نہیں تو خیر اگر لے ہی جانا ہے تو اسے اللہ کے سپرد کیا۔ حفاظت و ذمہ داری بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی اور شفقت و
عنایت بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی۔ **۱۲۲ف** (سمجھئے ہم تو سرتاسر نفع ہی میں رہے) اپنے اندازہ اور توقع سے بھی کہیں بڑھ کر اور اب تو بن یامین کو ساتھ لے کر دوسرا سفر بہت ہی ضروری ہو گیا
ہے ~~[illegible]~~ وَلَمَّا ..... اِلَیۡهِمۡ توریت میں ہے:- "اور یوں ہوا کہ جب انہوں نے اپنے بورے خالی کئے تو دیکھا کہ ہر شخص کی نقدی بندھی ہوئی اُس کے بورے میں تھی" (پیدائش ۴۲: ۳۵) **۱۲۳ف** یعنی یہ غلّہ جو اب کی بار ہم لائے ہیں یہ کب تک چلیگا تھوڑے ہی دن میں تو پھر ضرورت پڑ جائیگی۔ ~~[illegible]~~ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "یہ تو بڑی آسانی سے مل جانے والا غلّہ ہے"! یعنی محض بنیامین کے ساتھ ہونے سے ایک اُونٹ غلّہ اور ملا جاتا ہے۔ یہ سودا تو بڑے مزہ کا ہے۔ وَنَزۡدَادُ کَیۡلَ بَعِیۡرٍ۔ (تو آپ اُسے ساتھ لے جانے کی ہمیں اجازت دے ہی دیجیے) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فی کس ایک ایک اُونٹ بھر غلّہ ملتا تھا۔ **۱۲۴ف** (تو البتہ مجبوری کی بات ہے) زمانۂ قدیم کے سفر ہر طرح کی بدامنی اور خطرات کے شکار رہتے تھے اور پھر یہ سفر تو کنعان سے مصر تک کا اُس وقت کے معیار سے بہت دُور دراز کا تھا۔ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ۔ قول و قرار کا قسم سے مؤکد کرنا ظاہر ہے کہ مزید احتیاط اور مضبوطی کے لئے تھا۔ اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ بِکُمۡ۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ استثناء دلیل ہے شفقتِ پدری کی۔ توریت میں اس مقام پر یُوں ہے:- "اور اُن کے باپ یعقوبؑ نے انہیں کہا تم نے مجھے بے اولاد کیا یُوسف نہیں ہے اور شمعُون بھی نہیں۔ بن یامین کو بھی لے جاؤ گے۔ یہ سب باتیں میرے مخالف ہیں۔ تب روبن نے اپنے باپ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر میں اُس کو تجھ پاس نہ لاؤں تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کیجیو۔ اسے میرے ہاتھ میں سونپ دے کہ میں اسے پھر تجھ پاس پہنچا دوں گا" (پیدائش ۴۲: ۳۶، ۳۷) **۱۲۵ف** (کہ وہی تمہارے قول و قرار کا گواہ بھی ہے اور وہی اُسے پُورا کرانے پر بھی قادر ہے) گویا اس ایک فقرہ میں تشریعی تاکید اور تکوینی توکل دونوں پہلو آ گئے۔ توریت میں ہے:- "تب یہوداہ نے

عَلٰۤی اَخِیۡهِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ فَاللّٰهُ خَیۡرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرۡحَمُ

اس کے بھائی کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں سو اللہ ہی سب سے بڑھ کر نگہبان ہے، اور وہ ہی سب

الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوۡا مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ

مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۱۲۲ف، اور پھر جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہیں اپنی نقدی بھی مل گئی

رُدَّتۡ اِلَیۡهِمۡ ؕ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا نَبۡغِیۡ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا

انہی کی طرف واپس کر دی گئی تھی، وہ بولے اے ہمارے باپ اور ہم کو کیا چاہیئے یہ ہماری نقدی بھی تو

رُدَّتۡ اِلَیۡنَا ۚ وَنَمِیۡرُ اَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ اَخَانَا وَنَزۡدَادُ

ہم ہی کو لوٹا دی گئی ہے ۱۲۲ف اپنے گھر والوں کے واسطے رسد لائینگے اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھینگے اور

کَیۡلَ بَعِیۡرٍ ؕ ذٰلِکَ کَیۡلٌ یَّسِیۡرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَکُمۡ

ایک اونٹ کا بوجھ غلّہ اور لائینگے یہ غلّہ تو تھوڑا سا ہے ۱۲۳ف (یعقوبؑ نے) کہا میں تو اسے تمہارے ساتھ

حَتّٰی تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِیۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ

ہرگز بھیجنے کا نہیں، جب تک تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے قول نہ دے دو گے کہ تم اسے واپس لے ہی آؤ گے ہاں

یُّحَاطَ بِکُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی مَا

بجز اس کے تم (خود) ہی (کہیں) گھر جاؤ ۱۲۴ف پھر جب وہ انہیں قسم کھا کر اپنا قول دے چکے تو (یعقوبؑ) بولے ہم لوگ

نَقُوۡلُ وَکِیۡلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدۡخُلُوۡا مِنۡ بَابٍ

جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں اللہ کے حوالے ۱۲۵ف اور فرمایا کہ اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازہ سے داخل

وَّاحِدٍ وَّادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغۡنِیۡ

نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا ۱۲۶ف اور میں

اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیج کہ ہم اُٹھیں اور جاویں تاکہ ہم اور تو اور ہمارے بچے جیویں اور مر نہ جاویں۔ اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہی ہاتھ سے اس کو طلب کیجیو۔ اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو" (پیدائش ۴۳: ۸، ۹) **۱۲۶ف** (جب ملک مصر کے پائے تخت میں شہر پناہ سے داخل ہونا) یہ ایک تدبیر تھی حضرت یعقوبؑ کے خیال میں مختلف مکروہات مثلاً شبہۂ جاسوسی و نظرِ بد وغیرہ سے بچنے کی۔ قیل ~~[illegible]~~ مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ زمانۂ قدیم میں ہر بڑے شہر کے گرداگرد شہر کے اندر داخلہ کے متعدد پھاٹک ہوتے تھے۔ نظرِ بد کا اعتقاد قدیم شریعتوں میں عام تھا۔ اس لئے اگر اس سے تحفظ حضرت یعقوبؑ کی غرض مانی جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایک دوسرے معنی بھی ممکن ہیں۔ حضرت یعقوبؑ گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اب مصر کے لوگ تمہیں جان پہچان گئے ہیں اور عزیز کی نظرِ عنایت تم پر معلوم و معروف ہو چکی ہے اب شہر پناہ کے ایک ہی دروازے سے داخل ہو گے تو تم ٹھہرے پردیسی۔ تمہاری وجاہت، تمہاری جمعیت، خواہ مخواہ اہلِ مصر کی نظر میں کھٹکے گی اور اُن کے جذباتِ حسد کو حرکت میں لائیگی اس سے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بجائے ایک ساتھ رہنے کے الگ الگ متفرق پھاٹکوں سے داخل ہو۔ تو ممکن ہے لوگوں کی نظر نہ پڑے، اور تم ہدفِ حسد ہونے سے بچ جاؤ۔

لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ

اُن سے ناآشنا ہے ۱۱۵ اور جب (یوسفؑ) اُن کا سامان تیار کر چکے (تو) اُن سے کہا کہ (اب کی)

بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ

اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پوری پوری ناپ کر دیتا ہوں

وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ

اور میں مہمان نوازی خوب کرتا ہوں ۱۱۶ لیکن اگر تم اُسے میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہارے پیمانہ (کا غلہ)

لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ

میرے پاس ہوگا اور نہ تم خود میرے پاس آنا ۱۱۷ وہ بولے ہم اُس کے باپ سے ضرور اُس کو طلب

وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ

کریں گے اور (ایسا) ہم ضرور کریں گے ۱۱۸ اور (یوسفؑ) نے اپنے خادموں سے کہا کہ ان کی نقدی انہی کے سامان

فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ

میں رکھ دو کہ جب اپنے لوگوں کے پاس واپس پہنچیں تو اُسے پہچانیں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا

اس سے شاید کہ وہ پھر آئیں ۱۱۹ غرض جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے تو بولے اے ہمارے باپ

مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ

ہمارے لئے غلہ بند کر دیا گیا ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجیے تو ہم غلہ لا سکیں اور ہم

لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ

اِن کے پورے محافظ ہیں ۱۲۰ انہوں نے کہا اسکے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا (اس سے) قبل

۱۱۵ اب حضرت یوسفؑ کا عالم ہی ظاہر ہے کہ دوسرا تھا۔ وہ غریب بھلا اس عالم میں آپ کو کیا پہچانتے، اُن کا تو ذہن بھی ادھر نہیں جا سکتا تھا کہ جس ذلیل غلام کو وہ قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ آئے ہیں وہ کہیں اتنی بڑی سلطنت کا وزیر اعظم یا مدار المہام ہو سکتا ہے! اور کہاں لڑکپن کے چہرہ کا نقشہ اور کہاں اب پختہ سن و سال کا چہرہ مہرہ! توریت میں ہے :۔ "سو یوسفؑ کے بھائی آئے اور اپنے کو زمین کی طرف جھکائے ہوئے اُس کے حضور خم ہوئے۔ یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا ...... یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچانا، پر انہوں نے اُسے نہ پہچانا" (پیدائش ۴۲ : ۷-۹) ۱۱۶ یعنی اب تو تمہیں خود ہی مشاہدہ ہو گیا کہ میں ہر شخص کا حصہ دیتا رہتا ہوں کسی کا حصہ کاٹتا نہیں۔ گیارہ آدمی آؤ گے تو پورے گیارہ حصے ملیں گے۔ توریت میں ہے :۔ "اور تم کال کے لئے اپنے گھر میں غلہ لے جاؤ لیکن اپنے چھوٹے بھائی کو مجھ پاس لے آئیو۔ تمہاری باتیں یوں ثابت ہوں گی اور تم نہ مرو گے" (پیدائش ۴۲ : ۱۹، ۲۰) ائْتُوْنِيْ ..... اَبِيْكُمْ۔ ان دس بھائیوں کو جب اُن کے حصہ کا پورا غلہ مل گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ علاوہ ہمارے بوڑھے باپ کے ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے۔ اس کا حصہ بھی عطا ہو۔ اس پر حضرت یوسفؑ نے ضابطہ کا جواب دیا کہ اُس کو لا کر حاضر ہو۔ جب تمہارا دعویٰ ثابت ہو۔ اور جب ہی اُس کا حصہ بھی ملے۔ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ یعنی فی نفر پورا پورا حساب کر کے دیتا ہوں۔ اسی طریقہ کو آج کی اصطلاح میں راشننگ یا راتب بندی کہتے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انا خیر المنزلین سے معلوم ہوا کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار اگر مقصود اس سے اپنی مدح نہ ہو بلکہ کوئی اور مصلحت ہو تو تواضع کے منافی نہیں۔

۱۱۷ (کہ اس صورت میں میں تمہیں کاذب سمجھوں گا۔ اور یہی نتیجہ نکالنا ہوگا کہ تم نے مجھے دھوکا دے کر ایک زاید حصہ وصول کرنا چاہا تھا) غلہ ایک ایک کو ایک مقدار معین میں ملتا تھا اور اس میں غائبوں کا کوئی حصہ نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر شخص فرضی تعداد غائبوں کی بتا کر جتنا چاہتا خود حاصل کر لیتا اور دوسروں کا حصہ کٹ جاتا۔ حضرت یوسفؑ نے بھی بس یہی فرمایا کہ اپنے دعوے کا ثبوت لا حاضر کرو، ورنہ تمہارا دعویٰ سرے سے باطل سمجھا جائے گا ——— نفع اندوزی (پرافیٹرنگ) اور چور بازاری (بلیک مارکٹنگ) جس طرح آج گرانی اور کمیابیٔ اشیاء کے زمانہ میں ایک سخت قانونی جرم ہے۔ عجب کیا ہے جو اُس وقت کے مصری قانون میں بھی ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس طریق عمل نے ثابت کر دیا کہ خشک سالی کے زمانہ میں جب ہلاکت نفوس کا اندیشہ ہونے لگے، ہمیشہ حکام کے لئے جائز ہے کہ ہر فرد کے لئے اس کی ضرورت کے مطابق راتب بندی کر دی جائے۔ وفی ما قص اللہ تعالٰی علینا من قصۃ یوسف وحفظہ للاطعمۃ فی سنی الجدب وقسمتہ علی الناس بقدر الحاجۃ دلالۃ علی ان الائمۃ فی کل عصر ان یفعلوا مثل ذلک اذا خافوا ھلاک الناس من القحط (جصاص) ۱۱۸ یعنی باپ سے کہہ سن کے اُس بھائی کے لانے کی کوشش اپنی والی تو ضرور ہی کر ڈالیں گے۔ ۱۱۹ یعنی جب اپنے وطن پہنچ کر یہ قیمت بھی واپس شدہ پائیں گے تو اس احسان و کرم سے متاثر ہو کر پھر تو ضرور ہی آئیں گے۔ توریت میں ہے :۔ "تب یوسفؑ نے حکم کیا کہ اُن کے بورے غلہ سے بھریں اور ہر شخص کی نقدی اُس کے بورے میں رکھ کے پھیر دیں اور انہیں سفر کی خورش بھی دے دیویں۔ اُن سے یوں سلوک کیا گیا" (پیدائش ۴۲ : ۲۵) ۱۲۰ (آپ اِن کو ہمارے ہمراہ کرنے میں اِن کے متعلق کسی پس و پیش کو دخل نہ دیں، ہم اِن کی بہ حفاظت واپسی کا پورا ذمہ لیتے ہیں) فرزندانِ یعقوبؑ نے آکر اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ ہمیں اپنے گیارھویں بھائی کا حصہ تو ملا نہیں بلکہ آیندہ کے لئے ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم لوگ اگر اُسے نہ لے گئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ دغا سے گیارھواں حصہ وصول کرنا چاہتے تھے اور غلہ کا حصہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا۔ تو اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اب کی بن یامین کو بھی ہمارے ہمراہ کر دیجیے۔ توریت میں ہے :۔ "آخر وہ زمین کنعان میں اپنے باپ یعقوب پاس پہنچے، اور اپنا سب حال جو اُن پر گزرا تھا اُس سے کہا اور بولے کہ وہ شخص جو اُس ملک کا مالک ہے ہم سے سختی سے بولا اور ہمیں زمین کے جاسوس ٹھیرایا۔ ہم نے اُسے کہا ہم سچے آدمی ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم بارہ بھائی ایک باپ کے بیٹے ہیں۔ ہم میں سے ایک نہیں ملتا۔ اور سب سے جو چھوٹا ہے، آج اپنے باپ پاس زمین کنعان میں ہے۔ تب اُس شخص نے جو ملک کا مالک ہے، ہم کو کہا میں اب تمہیں جانچوں گا کہ سچے ہو کہ نہیں۔ اپنا ایک بھائی مجھ پاس چھوڑو اور اپنے گھرانے کے لئے کال کی خورش لو اور جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤ۔ تب میں جانوں گا کہ تم جاسوس نہیں بلکہ سچے ہو۔ پھر میں تمہارے بھائی کو تمہارے حوالے کروں گا۔ اور تم ملک میں سوداگری کیجیو" (پیدائش ۴۲ : ۲۹-۳۴)

۱۰۵ (جیساکہ وہ ہر نبی کے نفس کو اس آلائش سے پاک کردیتا ہی ہے) اُنبی برحق حضرت یوسفؑ کی عصمت اب سب پر روشن ہو چکی ہے۔ اور آپؑ خود بھی ابھی ابھی اپنی زبان سے اس کا اظہار فرما چکے ہیں۔ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي الخ۔ اس کے مابعد آپؑ یہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ نفسِ بشری تو برائیوں کی جانب رجحان رکھتا ہی ہے۔ اور خود میرا نفس بھی بذاتِ خود اس سے مستثنیٰ نہیں، جیساکہ بدی سب انسانوں کے نفس میں ہے میرے نفس میں بھی ہے لیکن حکیم مطلق جسے نبی بناتا ہے اُسے نفسِ بشری کے ساتھ ایک نفسِ پیمبری بھی دے دیتا ہے، ان آلائشوں سے پاک صاف جس کا تعلق اپنے مالک و مولیٰ سے ہر وقت برقرار رہتا ہے اور یہی ہمہ وقتی تعلق اُسے ہر معصیت سے ہر اخلاقی لغزش سے روکے اور سنبھالے رہتا ہے۔ پس میں اگر معصوم رہوں یا معصوم رہا ہوں تو اس میں میرا کوئی ذاتی کمال ذرا سا بھی نہیں۔ یہ تو تمام تر میرے مالک و مولیٰ کے فضل خاصہ کا نتیجہ ہے۔ وَمَآ أُبَرِّئُ ..... السُّوٓءِ۔ انسان اپنے نفس کی اطاعت کرے یا نہ کرے، یہ الگ سوال ہے، نفس تو بہرحال بدی کی ترغیب دیتا اور بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہی رہتا ہے تو بھلا نفس کا تبریہ کیونکر ممکن ہے۔ یعنی ان النفس کثیرۃ النزاع الی السوء فلا یبریٔ نفسہ ولا یکلہ الی نفسہ (جصاص) إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ۔ حضرات انبیاء کے مرتبۂ تواضع کا کیا کہنا۔ اپنی خوبی کے حصہ کو منسوب اپنی جانب کرنے کے بجائے اُسے نتیجہ تمامتر فضل خداوندی کا قرار دیا جا رہا ہے۔ ۱۰۶ چنانچہ شانِ غفر کا تقاضہ یہ ہے کہ نفس امارہ کو بھی توبہ و انابت کے بعد لوامہ بنا کر مغفرت اس پر مرتب کردیتا ہے اور شانِ رحیمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی موہبت خاص سے انبیاء کو نفسِ مطمئنہ عطا کردیتا ہے۔ ۱۰۷ کہ یہ تو اپنی سیرتِ خاص اور کردار اعلیٰ اور انتظامی اہلیت کے لحاظ سے سرکاری و شاہی مناصب کے لائق ہیں۔ یہ اب تک جیل کی ملازمت میں کیسے پڑے رہ گئے) توریت میں ہے:۔ "یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اُس کے سب نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی۔ فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جسمیں خدا کی روح ہے، پا سکتے ہیں؟" (پیدائش ۴۱: ۳۸) ۱۰۸ (اور اس گفتگو سے بادشاہ پر آپؑ کے مزید کمالات و فضائل منکشف ہوتے) ۱۰۹ (ان اونچے اور بھروسہ کے عہدہ و منصب کے لائق) توریت میں ہے:۔ "اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا از بسکہ خدا نے اس سبب میں تجھے بینائی دی ہے سو کوئی تجھ سا عاقل و دانشور نہیں ہے۔ تو میرے گھر کا مختار ہو اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر۔ فقط تخت نشینی میں مَیں تجھ سے بزرگ تر ہونگا" (پیدائش ۴۱: ۳۹، ۴۰) ۱۱۰ یعنی ایسے بڑے اور ذمہ دارانہ عہدہ کے لئے ضرورت دو ہی چیزوں کی ہوتی ہے۔ ایک دیانت و امانت، دوسرے اس کام سے واقفیت۔ سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں۔ حضرت یوسفؑ کا عہدہ گویا آج کل کی اصطلاح میں وزیرِ مال (ریونیو منسٹر) اور وزیر خزانہ (فنانس منسٹر) کا جامع تھا۔ اِجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ الْأَرْضِ۔ یہ عہدہ آج کل کی اصطلاح میں ریونیو منسٹر (وزیر محاصل و مالگذاری) اور فنانس منسٹر (وزیر مال و خزانہ) کا جامع معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری، تو اپنے کو عہدہ و منصب کے لئے پیش کردینا ناجائز نہیں، یہاں تک کہ غیر مسلم نظامِ حکومت کے ماتحت بھی عہدہ و منصب قبول کرلینا مطلق صورت میں حرام نہیں۔ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی کو واقف کرنے کیلئے اپنے فضل و کمال کو بیان کردینا بالکل جائز ہے اور فَلَا تُزَكُّوٓا أَنفُسَكُمْ کے تحت میں نہیں آتا۔ فوصف نفسہ بالعلم والحفظ وفی ھذا دلالۃ علی انہ جائز للانسان ان یصف نفسہ بالفضل عند من لا یعرفہ وانہ لیس من المحظور من تزکیۃ النفس (جصاص) دلت الاٰیۃ علی انہ یجوز للانسان ان یصف نفسہ بما فیہ من علم وفضل (قرطبی) دلت الاٰیۃ علی جواز ان یخطب الانسان عملاً یکون لہ اھلاً (قرطبی) توریت میں ہے۔ "پھر فرعون نے یوسفؑ سے کہا کہ دیکھ مَیں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی، اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسفؑ کے ہاتھ میں پہنا دی۔ تب اُس کے آگے منادی کی گئی کہ سب ادب سے رہو۔ اور اس نے اُسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور یوسف کو کہا مَیں فرعون ہوں اور تیرے بغیر مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا۔" (پیدائش ۴۱: ۴۲-۴۴)

الجزء ۱۳

وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيٓ ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِالسُّوٓءِ إِلَّا

اور میں اپنے نفس کو بھی بَری نہیں بتلاتا بیشک نفس تو بُری ہی بات کا بتلانے والا ہے بجز

مَا رَحِمَ رَبِّيٓ ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ

اُس نفس کے جس پر میرا پروردگار رحم کرے ۱۰۵ بیشک میرا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۰۶ اور بادشاہ نے

ائْتُونِي بِهِۦٓ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُۥ قَالَ إِنَّكَ

کہا انکو میرے پاس لاؤ میں اُن کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھونگا ۱۰۷ پھر جب اُن سے گفتگو کی ۱۰۸ تو اُن سے

الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ

کہا کہ تم آج سے ہمارے ہاں ہر طرح (معزز ہو، معتبر ہو ۱۰۹ (یوسفؑ نے) کہا مجھے ملک کے پیداوار پر

خَزَآئِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا

مامور کردیجئے میں دیانت بھی رکھتا ہوں، علم بھی رکھتا ہوں ۱۱۰ اور ہم نے اسی طرح

لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيبُ

یوسفؑ کو ملک میں بااختیار بنا دیا کہ اُس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ۱۱۱ ہم جس پر

بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَآءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾

چاہیں، اپنی رحمت نازل کریں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ۱۱۲

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾ ع

اور آخرت کا اجر کہیں بڑھ کر ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں ۱۱۳

وَجَآءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ

اور یوسفؑ کے بھائی بھی آئے، پھر اُن کے پاس پہنچے ۱۱۴ سو (یوسفؑ نے) اُن کو پہچان لیا درآنحالیکہ وہ لوگ

ع ۷ / ۱

مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب و حکومت کی درخواست جبکہ اُس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جائے، قادحِ کمال نہیں۔ ۱۱۱ (اور عملاً اُنہی کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا) كَذَٰلِكَ مَكَّنَّا۔ یعنی اس عجیب و غریب طریقہ سے، ایسے معجزانہ انداز سے ——— کہاں تو وہ کنوئیں کی گہرائیوں اور جیل کی چار دیواری کے اندر وہ بے بسی اور بیکسی تھی اور کہاں یہ اقتدار مطلق العنانی کی حد تک حاصل ہو گیا، اُس وقت کی متمدن ترین سلطنت میں! توریت میں ہے:۔ "اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہاں پناہ رکھا..... اور یوسف مصر کی زمین میں پھرا..... اور یوسف فرعون کے حضور سے نکل کر مصر کی ساری زمین میں پھرا" (پیدائش ۴۱: ۴۵-۴۶) مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ۔ خوب خیال کرلیا جائے، ایک کافر بادشاہ کی بخشی ہوئی اس عزت کو قرآن مجید تمکین فی الارض سے تعبیر کرتا اور موقع مدح و احسان پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ ۱۱۲ یعنی نیک کاروں، نیک کرداروں کا اجر و معاوضہ تو موعود ہی ہے، باقی رحمت و فضل کا کوئی ضابطہ تعین نہیں جس پر وہ چاہے بلا حق و استحقاق کردے۔ ۱۱۳ یعنی اہل ایمان و تقویٰ کے لئے آخرت میں جو انعام ہے، وہ دنیا کی ہر دولت و نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے دنیا کا بڑے سے بڑا اقتدار بھی نیکوکاری کا اصل صلہ نہیں۔ ۱۱۴ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قحط شدید نہ صرف مصر میں پڑ چکا ہے بلکہ اُس کے اثرات فلسطین وغیرہ دوسرے ملکوں تک محیط ہو چکے ہیں اور یہ ذکر یوسفؑ کے اُن دس سوتیلے بھائیوں کا ہو رہا ہے جو آپ کے سر مصیبت لائے تھے۔ یہ عظیم الشان اور تاریخی قحط تو مصر کے تمام ملحقہ ممالک میں تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ دوسری اور جگہوں میں قحط ہی قحط تھا اور یہاں یوسف علیہ السلام کے حسن تدبیر سے قحط کا انتظام بھی تھا۔ ایسا کہ نہ صرف مصریوں کو غلہ پہنچتا رہا بلکہ باہر والوں کے ہاتھ بھی ایک نرخ مقرر پر فروخت ہوتا رہا ——— وار اسٹنگ اور کنٹرول کی یہ بہترین تاریخی نظیر بھی ایک پیمبر ہی کے رفاہ و زندگی کا جز ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی۔ پر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کیلئے فرعون کے آگے چلائی ..... اور تمام روئے زمین پر کال تھا ..... اور سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا" (پیدائش ۴۱: ۵۴-۵۷) "سو یوسف کے دس بھائی غلہ مول لینے کو مصر میں آئے" (پیدائش ۴۲: ۳) آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ملکی معاملات میں حسن انتظام و تدبیر ملی، کمالاتِ نبوت تک کے منافی نہیں، چہ جائیکہ اسے کسی اور مقبول و برگزیدہ بندہ کے کمالات روحانی کے منافی سمجھا جائے۔ وَجَآءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ۔ یعنی برادران یوسف مصر میں غلہ لینے کے لئے آئے ::

الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ

میرے پاس تو لاؤ ۹۸ پھر جب قاصد اُن کے پاس پہنچا تو (یوسفؑ نے)

قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے دریافت کر کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے

اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ

جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے ۹۹ بے شک میرا پروردگار عورتوں کے چرتر سے

عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ

خوب واقف ہے ۱۰۰ (بادشاہ نے) کہا کہ (اے عورتو) تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسفؑ سے اپنا مطلب

عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ

نکالنے کی خواہش کی تھی؟ ۱۰۱ وہ بولیں حاشاللہ ہم کو تو اُن میں کوئی بھی بات بُرائی کی

مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ

نہ معلوم ہوئی ۱۰۲ عزیز کی بیوی بولی کہ اب تو سچی بات سب پر

الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ

ظاہر ہو ہی چکی ہے، ان سے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش تو میں نے کی تھی اور وہی بیشک

الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ

سچے ہیں ۱۰۳ یہ (سب) اس لئے تھا کہ (عزیز کو اور زیادہ) علم ہو جائے کہ میں نے

بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾

ان کے پیچھے بھی ان کی خیانت نہیں کی ہے اور یہ کہ اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا ۱۰۴

۹۸ ساقی آکر مفصل رپورٹ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے بادشاہ اتنی مفصل اور دلنشین تعبیر سُن کر یوسفؑ کا غائبانہ معتقد ہو جاتا ہے اور قدرۃً مشاقِ زیارت بھی۔

۹۹ (کبھی انہیں بُلا کر میرے حال کی بھی تحقیق کی ؟) اِلَىٰ رَبِّكَ - رب کا لفظ اس سُورۃ میں بار بار آقائے مجازی و ظاہری کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کو میرے پاس

۱۰۰ یعنی اللہ پر تو میری بے گناہی اور عورتوں کے جوڑ توڑ روشن ہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرے جیل سے باہر آنے سے قبل خلق پر بھی میری بے گناہی روشن ہو جائے۔ كَيْدِهِنَّ میں ضمیر بعض نے کہا کہ انہی مخصوص عورتوں کی جانب ہے، اور بعض نے کہا کہ نہیں عام جنس نسوان کی جانب ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ آپؑ نے چاہا کہ تہمت کا ازالہ ہو جائے اور مقتدا کو یہی مناسب ہے تاکہ اس کی دعوت الی الحق پر نفع مرتب ہو۔

۱۰۱ (یعنی آیا تم نے ان میں اپنی جانب رغبت والتفات پایا تھا ؟ هل وجدتن فيه ميلا (کشاف) اب وہ "لیڈیاں" دربار میں بلائی گئی ہیں اور ان سے تحقیقات شروع ہوئی ہے۔

۱۰۲ (اور ہماری شہادت ہے کہ وہ بالکل پاک وصاف ہیں) حَاشَ لِلَّهِ - کلمہ تعجب یوسفؑ کے کمال عصمت و پاکبازی کے اظہار کے لئے ہے۔ قلن حاشا لله تعجبا من عفته وذهابه بنفسه عن شئ من الريبة ومن نزاهته عنها (کشاف) مِنْ سُوءٍ - یعنی کسی قسم کی بھی بُرائی، کوئی شائبہ بھی بُرائی کا ان میں نہ پایا۔ ۱۰۳ زلیخا نے جب دیکھا کہ بڑی چھوٹی سب شہادتیں اس کے خلاف ہی گزر گئیں تو اب صاف لفظوں میں اقرار کر لیا کہ قصور سر تا سر میرا ہے دامنِ یوسفی ہر لوث ہر داغ سے پاک ہے وہ شروع ہی سے متقی و پاکباز رہے۔ ۱۰۴ جیسا کہ اس سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ کسی کی چالاکی دیر تک چلنے نہیں پاتی آخر میں سب کی اصلیت ظاہر ہی ہو کر رہی ——— یہ سارا قول یوسف علیہ السلام کا ہے ذَٰلِكَ یعنی یہ اہتمام براءت و رفع تہمت ای ذلك التثبت والتشهير لظهور البراءة (کشاف) ای ذلك التثبيت (بیضاوی) لِيَعْلَمَ ضمیر عزیز کی طرف ہے ليعلم العزيز (حاکم) ليعلم العزيز (کشاف، بیضاوی) عزیز کو یوسفؑ کی پارسائی اور بے گناہی کا علم تو پہلے ہی ہو چکا تھا مقصود یہ ہے کہ اب یقین اور زاید ہو جائے۔ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ عزیز کی خیانت اس کے غیب میں یہی تھی کہ اس کی بیوی کے ناموس کو داغدار کیا جائے ——— حضرت یوسفؑ ملک میں اس جرم کی اہمیت کو دیکھ کر اس سے اپنی تبرّی کا خاص اہتمام فرماتے ہیں اور یہیں سے ان مفسّرین کی صحت تفسیر کی ایک اور شہادت ملتی ہے جنہوں نے ان ربی احسن مثوای میں رب سے مُراد عزیز ہی سے لی ہے۔ سطور ماسبق میں بیان ہو چکا ہے کہ مصری تہذیب و تمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا ایک شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوق خصوصی میں خیانت +

۹۳ (جیل خانہ میں یُوسفؑ صدیق تک) اَلَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا - ظاہر ہے کہ وہی ساقی مراد ہے جو عرصہ ہوا جیل کی حوالات سے چھوٹ آیا تھا۔ وَادَّكَرَ - یعنی اسے حضرت یوسفؑ کا ماجرا بادشاہ سے کہنا یاد آگیا۔ بَعْدَ اُمَّةٍ - امۃ مُدّت طویل کے معنی میں ہے۔ ای بعد مدۃ طویلۃ (کشاف بحر) توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۹ - ۱۳)

۹۴ ساقی آپؑ کی بزرگی کا پُوری طرح معتقد ہے جیسا کہ اس کے خطاب اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ سے بالکل ظاہر ہے۔ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ یعنی ان لوگوں کے پاس واپس پہنچوں جنہوں نے مجھے یہ تعبیر دریافت کرنے بھیجا ہے اور جو میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ - انہیں علم پہلے تو تعبیر خواب کا ہو جائے اور پھر ضمناً آپؑ کی بزرگی اور پاکبازی بھی ان پر روشن ہو جائے۔

اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ (٤٥) يُوْسُفُ اَيُّهَا
(اور بولا) کہ میں (ابھی) اس کی تعبیر لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے دیجیے ۹۳ اے یُوسف اے

الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ
صدقِ مجسّم ہم لوگوں کو حکم تو بتائیے (اس خواب کا) کہ سات گائیں موٹی ہیں انہیں سات (گائیں) دُبلی

عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ
کھائے جاتی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) اور خشک تاکہ میں

اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ (٤٦) قَالَ تَزْرَعُوْنَ
لوگوں کے پاس جاؤں کہ ان کو (بھی) معلوم ہو جائے ۹۴ (یُوسفؑ) نے کہا تم

سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ
سات سال متواتر کاشتکاری کئے جاؤ پھر جو فصل کاٹو اسے اس کی بالی ہی میں لگا رہنے دو بجز

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ (٤٧) ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
تھوڑی مقدار کے کہ اسی کو کھاؤ ۹۵ پھر اس کے بعد سات سال سخت

سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا
آئیں گے کہ اس (ذخیرہ) کو کھا جائیں گے جو تُم نے فراہم کر رکھا ہے بجز اس تھوڑی مقدار کے

مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ (٤٨) ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ
جو تم (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے ۹۶ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا

ع ۷ / ۱۶ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ (٤٩) وَقَالَ
جس میں لوگوں کے لئے (خوب) بارش ہوگی اور اس میں وہ شیرہ بھی نچوڑینگے ۹۷ اور بادشاہ نے کہا

۹۵ یہ واضح رہے کہ مصر تمامتر ایک زرعی ملک تھا۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔

۹۶ حضرت یوسفؑ آخر نبی ہی تھے یا اُس وقت ہونے والے نبی تھے آپؑ کے اخلاق کی بلندی کا کیا کہنا ساقی سے اس کی مجرمانہ غفلت پر کسی قسم کے شکوہ و شکایت کے بجائے پُوری خوش دلی کے ساتھ اسے تعبیر بتا دیتے ہیں۔ اور تعبیر ہی پر اکتفا نہیں کرتے ساتھ ہی ساتھ اور بلا سوال و درخواست انتظام قحط کی تدبیر بھی بتائے جاتے ہیں! توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۲۵، ۲۶)

۹۷ تعبیر و تدبیر کے بعد اب آپؑ بشارت بھی غالباً وحی الٰہی کے ماتحت سُنا رہے ہیں۔ یہ قحط جو اس وقت پڑا دنیا کے سخت ترین قحطوں میں سے ہوا ہے اور عالم کی تاریخ قحط میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، آگے چل کر یہ حدود مصر تک محدود نہ رہا بلکہ حجاز، فلسطین شام تمام ممالک ملحقہ میں اس کی شدت محسوس ہوئی، بلکہ توریت میں تو یہاں تک درج ہے کہ یہ قحط عالمگیر تھا اور ساری دُنیا اس مُصیبت سے بلبلا اُٹھی۔

"اور سب زمین میں گرانی ہوئی" (پیدائش ۴۱: ۵۴)
"اور تمام روئے زمین پر کال تھا" (پیدائش ۴۱: ۵۶)
"سارے ملک مصر میں یُوسفؑ کنے مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا" (پیدائش ۴۱: ۵۷)

ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ۔ حضرت کا مخاطب براہ راست یاد کر لیجئے کہ شاہی ساقی ہے جس کا تعلق ہی شیرہ اور شراب سے ہے اس سے گفتگو میں اسی کے کام کی چیز لانا کس درجہ بلیغ اور برمحل ہے يُغَاثُ۔ مصدر غيث کا صیغہ ہے جس کے معنی بارش کے ہیں ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد تابعی وغیرہ سے یہی منقول ہے اور جمہور نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہ مصدر غوث کا صیغہ ہے جس کے معنی کشایش ہو جانے، فریاد رسی ہونے کے ہیں۔ ای یغاثون من الغوث (بیضاوی) قیل هو الغوث اے الفرج (روح) يحتمل ان يكون من الغوث وهو الفرج (بحر) من الغوث ای یجاب مستغیثهم (مدارک) یغاث۔ یعصرون۔ اوپر سے حضرت یُوسفؑ کا تخاطب اہل مصر سے چلا آرہا ہے اور ہر جگہ صیغہ جمع مخاطب استعمال ہو رہا ہے اور اس سارے کلام کا تعلق انتظامات قحط سے ہے یہاں پہنچ کر یک بیک صیغہ بدل جاتا ہے اور بجائے مخاطب کے غائب کا ہو جاتا ہے یعنی "لوگوں کے لئے" بارش یا فریاد رسی ہوگی اور "لوگ" شیرہ نچوڑیں گے گویا صاف اشارہ اس امر کی طرف کر دیا کہ رفع قحط کا تعلق تنہا مصر سے نہیں باہر کے ملکوں سے بھی ہے اور بارش دنیا کے مختلف علاقوں میں ہوگی ——— قرآن مجید کا یہ اسلوب بلیغ کہ ضمناً بھی کہاں کہاں کی باتیں بتا جاتا ہے اگر بجائے خود اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ عَامٌ کے معنی بھی سنۃ کی طرح سال ہی کے ہیں لیکن استعمال میں فرق یہ ہے کہ خشکی اور تنگی کے موقع پر سنۃ لایا جاتا ہے اور شادابی و خوشحالی کے موقع پر عام بولا جاتا ہے۔ العام کالسنۃ لکن کثیرًا ما تستعمل السنۃ فی الحول الذی یکون فیہ الشدۃ والجدب ولهذا یعبر عن الجدب بالسنۃ والعام بما فیہ الرخاء والخصب (راغب)

۵۸۶ یہ تعبیر نان پز کے خواب کی تھی۔ توریت میں ہے:۔ "یوسفؑ نے جواب دیا اور کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں فرعون اب سے تین دن میں تیرا سر تیرے تن سے جدا کریگا اور ایک درخت پر تجھے لٹکائے گا اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔" (پیدائش ۴۰: ۱۸-۱۹) ۵۸۷ جس جزم و وثوق کے ساتھ حضرت یوسفؑ نے یہ ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر وحی الٰہی کے ماتحت تھی۔ ۵۸۸ (کہ ایک شخص ایسا اور ایسا بے قصور جیل میں بند ہے) حضرتؑ کی پاکبازی تو ان قیدیوں کے خود مشاہدہ میں آچکی تھی اور وہ کہہ چکے تھے انا نرٰک من المحسنین۔ حضرتؑ نے اس سے کوئی ادنیٰ بات نہیں چاہی صرف اتنا چاہا کہ جو بات اس کے علم و تجربہ میں آچکی ہے بس اس کا تذکرہ بادشاہ کے کان تک پہنچا دیا جائے۔ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا ۔ یعنی اس ساقی سے۔ توریت میں ہے:۔

فَيَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ

پھر اس کے سر کو پرندے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے وہ امر (اسی طرح) مقدر ہو چکا ہے جس کی بابت

فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا

تم دونوں پوچھ رہے ہو اور دونوں میں سے جس شخص کے متعلق رہائی کا یقین تھا اس سے (یوسفؑ نے)

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

کہا کہ میرا بھی ذکر اپنے آقا کے سامنے کر دینا لیکن اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ

تو وہ جیل خانہ میں کئی سال تک رہے اور بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب میں)

اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں سو انہیں کھائے جاتی ہیں سات دُبلی (گائیں)

وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا

اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) خشک اے سردارو!

الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳

میرے (اس) خواب کا حکم مجھے بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے لیتے ہو

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ

وہ بولے کہ (یہ تو) پریشان خوابیاں ہیں اور ہم پریشان خوابیوں کی تعبیر کے

بِعٰلِمِيْنَ ۝۴۴ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ

ماہر نہیں اور دو (قیدیوں) میں جس کو رہائی مل گئی تھی وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا

ع ۵ ۷ ۱۵

"لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجیو اور مجھ پر مہربانی کیجیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو اور مجھے اس گھر سے خلاصی دلوائیو کہ وہ عبرانیوں کی ولایت سے مجھے چرا لائے اور یہاں بھی میں نے ایسا کام نہیں کیا کہ وہ مجھے قیدخانہ میں رکھیں۔" (پیدائش ۴۰: ۱۴-۱۵) عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے ــــــ بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لئے ایک پیمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیمبر حقایق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں پرجوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۹ صفحہ ۹/۱۸ ذٰلک معروف فی اللغۃ ان یقال للسید رب (قرطبی) الرب المالک والسید والمصلح والمعبود [illegible] محققین نے لکھا ہے کہ اسباب عادی سے کام لینا بالکل جائز ہے اس لئے اس باب میں حضرت یوسفؑ پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ حقیر کہتا ہے کہ یہاں تو جس سے استعانت کی جارہی ہے وہ تو سرے سے مومن ہی نہ تھا کافر ہی تھا۔ اور استعانت کرنے والے ایک نبی برحق ہیں! ــــــ یہاں سے ان تقویٰ میں غلو کرنے والے متشددین کی بے حقیقتی بالکل واضح ہو جاتی ہے جنہوں نے مخلوق سے ہر استعانت کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ازالۂ شدت و محن کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ ۵۸۹ اس "چند سال" کی مدت کی تعیین کہیں سے نہ ہو سکی البتہ یہ واضح ہے کہ یہ میعاد نو سال کے اندر ہی تھی عربی میں بضع کا اطلاق ۳ سے ۹ کے عدد تک ہوتا ہے۔ اور آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی مدتِ قیام جیل میں ان دونوں کے چھوٹنے کے بعد بھی کئی سال کی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ بِضْعَ سِنِيْنَ سے مراد آپ کی کل مدت جیل کے اندر بسر کرنے کی ہو۔ یہ آپ کے جیل خانہ میں پڑے رہنے کا ذکر بطور عتاب کے نہیں ہے بلکہ اسے محض نسیان پر مرتب کرنے سے مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ وہ شخص جو درمیانی واسطہ تھا چونکہ بھول گیا اس لئے کوئی سامان آپ کے نکلنے کا نہ ہو سکا ــــــ اپنی دنیوی راحت کے جائز حصول کی فکر کرنا اور اس کے لئے اسباب عادیہ کو کام میں لانا مثلاً یہیں جیل سے رہائی پانے کے لئے ایک کافر خیرخواہ کو واسطہ بنانا اس کے ذریعہ سے ایک کافر بادشاہ تک بات پہنچانا جب مرتبۂ نبوت و کمال تقویٰ کے منافی نہیں تو عام دنیاداروں کے لئے تو مباح بدرجۂ اولیٰ ہے۔ توریت میں ہے۔ "اور تیسرے دن جو فرعون کی سالگرہ کا دن تھا اس نے اپنے سب نوکروں کی مہمانی کی اور اس نے سردار ساقی اور نان پز کی اپنے نوکروں سے سربلندی کی اور اس نے سردار ساقی کو اس کی خدمت پر پھر قائم کیا اور اس نے فرعون کے ہاتھ میں جام دیا ..... پر سردار ساقی نے یوسفؑ کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔" (پیدائش ۴۰: ۲۰-۲۳) ۵۹۰ اب تذکرہ ایک عرصہ بعد کا شروع ہوتا ہے بادشاہ مصر نے بھی ایک خواب دیکھا اور اپنے ارکان دولت سے بیان کیا ــــــ یہ واضح رہے کہ ملکِ مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی صورت میں تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) توریت میں اس خواب کو بھی حسب معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے (پیدائش ۴۱: ۱-۷) ۵۹۱ اب آج کوئی بادشاہ ایسا خواب دیکھے تو شاید پروا بھی نہ کرے لیکن اس وقت مصر میں سحر، نجوم و کہانت کے علوم کے ساتھ ساتھ خوابوں کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ توریت میں ہے:۔ "اور فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب تھا اور یوں ہوا کہ صبح کو اس کا جی گھبرایا تب اس نے مصر کے سارے جادوگروں اور اس کے سب دانشمندوں کو بلا بھیجا اور فرعون نے اپنا خواب ان سے کہا پر ان میں سے کوئی فرعون کے خواب کی تعبیر نہ کر سکا۔" (پیدائش ۴۱: ۸) ۵۹۲ درباریوں نے کہا کہ یہ کوئی باقاعدہ مربوط تعبیر طلب خواب تھوڑے ہی ہے یہ تو پریشان خیالیوں کی طرح پریشان خوابیاں ہیں ان کی تعبیر کا ہمیں کوئی علم نہیں۔

بالکل خالی ہے ۵۷۶ اپنی عالی نسبی کا ذکر ایسے موقع پر بالکل جائز ہے مقصد اس سے سامعین کے دل میں جذبۂ شوق و توجہ کو ترقی دینا تھا۔ یُوسف خود تو اس وقت تک اپنے مخاطبین کی نظر میں ایک معمولی اور گمنام شخص تھے بخلاف اس کے ان کے اُن آباو اجداد کا نام اس وقت بھی بہ حیثیت موحد و داعیٔ دین توحید کے مشہور ہو چکا تھا اور ان کی شہرت حدودِ کنعان سے باہر بھی خاصی پھیل چکی تھی۔
۵۷۷ (خواہ کسی حیثیت سے ہو) اس میں شرک کی ہر جہتی نفی آگئی اور شرک کی ہر قسم کا انکار آگیا بُت پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، نیچر پرستی وغیرہ سب سے مِنْ شَیْءٍ۔ اسی نفی کامل کے لئے ہے۔ لَنَا۔ سے مُراد گروہ انبیاء بھی لی گئی ہے اور اولاد ابراہیم بھی لیکن ایک مُراد نوع انسانی بھی ہو سکتی ہے یعنی شرک کسی انسان کو بھی زیبا نہیں۔ ۵۷۸ یعنی نہ اس نعمت کی قدر کرتے ہیں نہ اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ذٰلِکَ۔ یعنی

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ
ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی شئ کو بھی شریک قرار دیں ۵۷۷ یہ اللہ کا
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
ایک فضل ہے ہمارے اُوپر اور (کل) لوگوں کے اُوپر لیکن اکثر لوگ
النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ
(اس نعمت کا) شکر نہیں ادا کرتے ۵۷۸ اے یارانِ محبس جُدا جُدا
مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ ؕ مَا
معبُود اچھے یا اللہ اکیلا سب پر غالب ۵۷۹ تم لوگ تو
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ
اسے چھوڑ کر بس (چند) ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ
رکھ لئے ہیں ۵۸۰ اللہ نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اُتاری ہے ۵۸۱ حکم (اور حکومت) صرف
اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ
اللہ ہی کا حق ہے ۵۸۲ اسی نے حکم دیا ہے کہ بجز اسکے کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین مستقیم ہے ۵۸۳
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ
لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ۵۸۴ اے یارانِ محبس
اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ
تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا ۵۸۵ اور رہا وہ دوسرا سو اسے سُولی دی جائیگی

یہی عقیدۂ توحید و دینِ حق۔ ای التوحید (بیضاوی) ھو ترک الاشراک (کبیر) علینا و علی الناس یعنی ہمارے اُوپر براہِ راست اور ساری خلقت پر ہمارے واسطے سے۔
۵۷۹ مخاطبہ مشرکوں سے تھا جنہوں نے ہر ہر شعبۂ زندگی میں اپنے لئے الگ الگ دیوی دیوتا مقرر کر رکھے تھے —— حضرتؑ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس تعدد و تفرق پر بھی کبھی غور کیا ہے؟ بندگی ایک خدائے واحد و زبردست کی بھلی یا اتنے ایک دیویوں اور دیوتاؤں کی؟ اَلْقَهَّارُ یعنی وہ جو سب پر غالب اور کوئی اس پر غالب نہ ہو۔ ای الغالب الذی لا یغالبہ احد (روح) ۵۸۰ یعنی تمہارے ان گڑھے ہوئے معبودوں کی حقیقت ہی کیا؟ ان کا وجود خارجی بہ حیثیت معبود ہے کہاں؟ یہ تو صرف چند گڑھے ہوئے نام ہیں حقیقت سے بالکل خالی۔ نام جو اور جتنے چاہو گڑھ لو کوئی ثبوت ادنیٰ سا بھی تو اُن کی خدائی کا لاؤ۔ وَاٰبَآؤُكُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ دین شرک محض اندھی تقلید کے بل پر چل رہا ہے۔ ۵۸۱ (نہ عقلی نہ نقلی) یعنی شرک پر دلیل کوئی سی بھی قائم نہیں۔ تم دلیل توحید پر مانگتے ہو حالانکہ کوئی معمولی سی دلیل شرک پر تو لاؤ۔ بِهَا میں ضمیر غیر اللہ کی معبودیت کی طرف ہے۔ اسے بعبادتہا (جلالین) ۵۸۲ حکم تکوینی صرف اُسی کا چل رہا ہے کائنات کا کون سا شعبہ ہوا، پانی، آگ، بادل، موت، زندگی، بیماری، صحت آخر کون سی چیز تمہارے کسی دیوی دیوتا کے حکم و اختیار سے چل رہی ہے؟ اس کا کوئی ادنیٰ ہی ثبوت پیش کرو۔ اور اس حکم تکوینی کے ساتھ حکم تشریعی بھی صرف اسی کا حق ہے ان مسائل میں کہ جن میں اس نے خدائی تشریع کی ضرورت سمجھی اور باقی مسائل اس نے عقل و بصیرت دے کر بندوں ہی کے اُوپر چھوڑ دیئے ہیں۔ حکم تشریعی بھی کسی دیوی دیوتا کا نہیں چل سکتا۔ آیت کی اس صحیح تفسیر کے بعد خوارج قدیم و جدید کو کوئی موقع اپنے دعوٰی کے اثبات کا نہ رہا۔ ۵۸۳ (جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے) قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعوے کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دین فطرت اور انسان کا دین قدیم یہی مسلک توحید ہے اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے "روشن خیال" مُدتوں اس منزل میں بھی بھٹکتے رہے اور یہی کہے گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہل سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا ہے کہ انسان کا قدیم ترین دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ۵۸۴ یعنی ایسی صاف اور سیدھی بات پر بھی اکثر لوگ جمود و رسم پرستی یا عناد کی بنا پر غور نہیں کرتے اور اس سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔ ۵۸۵ (جیسا کہ پہلے پلاتا رہتا تھا) یہ خطاب ساقی سے ہے —— خواب کی تعبیر اب جا کر شروع ہوتی ہے۔ اتنی مفصل اور حکیمانہ عہد توحید کے بعد توریت میں ایک لفظ بھی اس وعظ کا نہیں۔ توریت میں ہے:۔ "تب یُوسف بولا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ڈالیاں تین دن ہیں۔ اور فرعون اب سے تین دن میں تیری روبکاری کرے گا اور تجھے تیرا منصب پھیر دے گا اور تو آگے کی طرح جب تو فرعون کا ساقی تھا اس کے ہاتھ میں پھر جام دے گا" (پیدائش ۴۰: ۱۲، ۱۳) رَبَّهٗ۔ رب سے مراد ظاہر ہے کہ اس ساقی کا آقا یا بادشاہ مصر ہے اور قرآن مجید میں رب آقائے مجازی کے معنیٰ میں کثرت سے آیا ہے۔

۵۶۷ بڑا سُننے والا دعاؤں اور ظاہر الفاظ کا اور خوب جاننے والا دلوں کے احوال و اسرار کا۔ قرآن مجید پیمبر پرستی کے امکان پر بار بار ضرب لگاتا جاتا ہے۔ ہر اصلی بڑائی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔ ۵۶۸
(اور غالباً رفع بدنامی کے خیال سے) ایک عبرانی غلام کے ہاتھوں ایک مصری امیرزادی کی کتنی بدنامی ہو چکی تھی اس کے لئے انتظاماً یہ ضروری معلوم ہوا کہ ایک مُدت تک کے لئے خود اس غلام کو عام نگاہوں اور چرچوں سے دُور کہیں محبوس کر دیا جائے۔ لَهُمْ۔ یعنی خود عزیز اور اس کے مشیروں کو۔ یعنی العزیز واصحابہ فی الرائی (سلام) ای للعزیز واصحابہ المتصدین للحل والعقد (مدارک) مِنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ۔ یعنی بعد اس کے کہ انہیں شہادتیں یوسفؑ کی پاکدامنی اور بے قصوری کی مل چکی تھیں اور وہ خود بھی اس پر یقین کر چکے تھے۔ ہندوستان کی سرزمین پر بھی رامائن میں قصہ اسی طرح کا مذکور رہے کہ راجہ رامچندر جی کو اگرچہ بذات خود اپنی بیوی سیتا کی عصمت و وفاداری پر پُورا اعتماد تھا تاہم پبلک کی بدظنی رفع کرنے کے خیال سے انہیں گھر سے نکال دیا۔ لَیَسْجُنُنَّهٗ۔ یہ جیل خانہ عام اور معمولی نہ تھا۔ سخت قسم کا اور خطرناک مجرموں کے لئے مخصوص تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ توریت میں اس مقام پر ہے:۔ ”اور یوسف کے آقا نے اُس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے قید میں ڈالا“ (پیدائش ۳۹: ۲۰) الْاٰیٰتِ۔ سے مُراد یوسف کی بیگناہی اور عصمت کی شہادتیں ہیں۔ ای الشواھد الدالۃ

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ
بڑا سُننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۵۶۷ پھر ان لوگوں کو بعد اسکے کہ وہ ثبوت دیکھ چکے تھے یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ
لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾ وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ؕ
(یوسفؑ) کو ایک مُدت کے لئے قید میں رکھیں ۵۶۸ اور (یوسفؑ کے) ساتھ جیلخانہ میں دو (اور) جوان داخل ہوئے ۵۶۹
قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ
اُن میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ میں (انگور کا) شیرہ نچوڑ رہا ہوں ۵۷۰ اور دوسرے نے کہا
اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ
کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر (خوان میں) روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں ۵۷۱
نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ
آپ ہم کو اس کی تعبیر بتائیے بیشک ہم تو آپ کو بزرگوں میں پاتے ہیں ۵۷۲ وہ بولے
لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ
جو کھانا تم دونوں کے کھانے کیلئے آتا ہے وہ ابھی آنے نہ پائیگا کہ میں اسکی تعبیر تم سے بیان کر دونگا قبل اسکے کہ
اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ
(کھانا) تم دونوں کے پاس آئے ۵۷۳ یہ اس میں سے ہے جسکی میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی ہے ۵۷۴ میں تو ان لوگوں کا
قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾
مذہب (پہلے ہی سے) چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے وہ (بالکل) منکر ہیں ۵۷۵
وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ
اور میں نے تو اپنے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ۵۷۶

ع ۴ / ۱۴

علی براءتہ علیہ السلام وطہارتہ (روح) حَتّٰی حِیْنٍ۔ اکثر قدیم قوانین میں ایک دستور تھا کہ بادشاہ مجرم کو سزا کسی مخصوص و متعین میعاد کے لئے نہیں دیتا تھا، بلکہ جب تک اپنی مرضی ہو اسے قید رکھتا تھا۔ حضرت یوسفؑ کی سزایابی بھی عجب نہیں کہ اسی قسم کی ہو۔ ہماری تفسیروں میں اس میعاد قید کے متعلق متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی میعاد معین کا حکم نہ لگایا جائے بلکہ محض ایک طویل مُدت مراد لی جائے۔ والاولی ان الحین یحمل علی انما یجزم بالمدۃ الطویلۃ (روح) والصحیح ان ھذہ المقدار غیر معلوم وانما القدر المعلوم انہ بقی محبوسا مدۃ طویلۃ (کبیر)۔ ۵۶۹ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا دُوسرا شاہی نان پز۔ الزام دونوں پر یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا تھا۔ تحقیقات اسی جُرم کی ہو رہی تھی اور یہ لوگ جیل کی حوالات میں بند کر دیئے گئے۔ توریت میں ہے ”بعد ان باتوں کے یُوں ہوا کہ شاہِ مصر کا ساقی اور نان پز اپنے خداوند شاہ مصر کے مجرم ہوئے اور فرعون اپنے دو سرداروں پر جن میں ایک ساقیوں کا دُوسرا نان پزوں کا داروغہ تھا غصّے ہوا اور اُس نے ان کو نگہبانی کے لئے جلو داروں کے سردار کے گھر میں اسی جگہ جہاں یوسف بند تھا قید خانہ میں ڈالا“ (پیدائش ۴۰: ۱-۴) مَعَهُ یعنی اسی زمانہ میں۔ یہ لازم نہیں کہ یہ دونوں حضرتؑ کے ساتھ ہی ساتھ داخل ہوئے ہوں۔ ۵۷۰ (انگور سے) متقی کہیں بھی ہو کسی فضا د ماحول میں بھی ہو آثار تقویٰ بے ظاہر ہوئے رہ نہیں سکتے۔ چند ہی روز میں اُن قیدیوں نے حضرت یوسفؑ میں بزرگی کے آثار پالئے تھے اور اُن کے سامنے اپنے اپنے خواب عرض کئے۔ پہلا خواب شاہی ساقی کا ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ بولے ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کرنے والا کوئی نہیں، یوسفؑ نے انہیں کہا کیا تعبیر کی قدرت خدا کو نہیں؟ مجھ سے بیان کیجئے تب سردار ساقی نے اپنا خواب یوسف سے بیان کیا اور اس نے کہا دیکھ میرے خواب میں ایک تاک میرے سامنے تھی اس تاک میں تین ڈالیاں تھیں ان میں کلیاں نکلیں اور اُن میں پھول آئے اور اسکے سب گچھوں میں انگور پکے اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا سو میں نے ان انگوروں کو لے کے فرعون کے جام میں نچوڑا اور وہ جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا“ (پیدائش ۴۰: ۸-۱۱) اَعْصِرُ خَمْرًا۔ سے شراب و شربت دونوں کے پہلو نکل سکتے ہیں۔ یہ بادشاہ انگور کا شربت پیا کرتا تھا۔
۵۷۱ یہ خواب بادشاہی نان پز کا تھا۔ توریت میں اس کی زبان سے ہے:۔ ”میں بھی خواب میں تھا اور دیکھا کہ سر پر تین ٹوکریاں روٹی کی تھیں اور اوپر کی ٹوکری میں فرعون کے لئے سب قسم کا پکا ہوا مال تھا اور پرندے میرے سر پر اس ٹوکری میں سے کھاتے تھے“ (پیدائش ۴۰: ۱۶، ۱۷) ۵۷۲ حسن و جمال کی طرح فضل و کمال بھی چھپنے والی چیز نہیں۔ اور اس کا اثر کافر تک محسوس کر لیتے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ وہاں قید خانہ میں رہا کرتا تھا لیکن خداوند یوسف کے ساتھ تھا“ (پیدائش ۳۹: ۲۰، ۲۱) قتادہ تابعی کے قول میں ہے کہ آپؑ مریضوں کا علاج کرتے تھے غمگینوں کو تسلی دیتے تھے اور عبادت میں منہمک رہتے تھے اور دوسرے اقوال بھی ایسے ہی نقل ہوئے ہیں۔ قال قتادۃ کان یداوی مریضھم ویعزی حزینھم ویجتھد فی عبادۃ ربہ (جصاص) وقیل کان یعین المظلوم وینصر الضعیف ... معاملہ للکل توثر الاحسان وتاتی بمکارم الاخلاق وجمیع الافعال الحمیدۃ (کبیر) اور توریت میں ہے:۔ قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا“ (پیدائش ۳۹: ۲۲، ۲۳) بِتَاْوِیْلِهٖ میں ضمیر دونوں خوابوں کے ماجرے کی طرف ہے۔ والضمیر للرؤیتین بتاویل ما ذکر او ما راوی (روح)
۵۷۳ آپؑ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں خواب کی تعبیر بتا دوں گا بس ایک ذرا دم لو۔ اور اس درمیان میں آپ کو موقع تبلیغ کا ہاتھ آگیا۔ بِتَاْوِیْلِهٖ میں ضمیر ان بیان شدہ خوابوں کے مجموعہ کی طرف ہے۔ ای بتاویل ما قصصتما علی (بیضاوی) ۵۷۴ (نہ کہ علم جوتش نجوم کہانت وغیرہ کا کوئی شعبہ جس کا مصر جاہلی میں اتنا زور تھا) آپ نے پہلے تو مصری سائلوں کے اس ممکن خیال کو مٹایا کہ آپؑ کا ملکہ تعبیر بھی جوتشیوں وغیرہ کے عملیات کی قسم کا ہے اور پھر آپ اپنے ذاتی کمال کی نفی کر کے اپنے علم کو تمام تر افضال الٰہی کا ثمرہ قرار دے رہے ہیں ——— اور یُوں دین حق کی تبلیغ معاً شروع کر دی۔ ذٰلِكُمَا۔ یعنی یہ علم تعبیر رؤیا۔ ای ذلک التاویل (بیضاوی) ذٰلِكَ کا اشارہ بعید اس علم کے شرف و منزلت کے ظہار کے لئے ہے۔ بعض البعد فی ذلک للاشارۃ الی بعد منزلتہ وعلو درجتہ (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کوئی عالم دین اگر اپنے کمالات و اوصاف اس نیت سے بیان کرے کہ لوگ اُن سے نفع اُٹھائیں تو جائز ہے۔ ۵۷۵ مصر مذہب شرک توحید اور وقوع آخرت دونوں کا منکر تھا۔ تَرَكْتُ۔ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے دین شرک پر تھے اور اب اسے چھوڑا ہے ترک کے معنی عدم اختیار کے ہیں اور یہ ضروری ہرگز نہیں کہ انسان پہلے اس عادت میں پڑ چکا ہو۔ الترک عبارۃ عن عدم التعرض للشیء ولیس من شرطہ ان یکون قد کان خائضا فیہ ... والمراد الترک الامتناع (روح) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اب تک مصری آپ کو اپنا ہم مذہب سمجھ رہے تھے اور آپ نے کھل کر کبھی اپنے عقائد کا اظہار کیا نہ تھا آج پہلی بار آپ علانیہ توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے مخاطبین کے خیال کے مطابق اپنے ہی سابق مسلک سے الگ ہو رہے ہیں۔ هُمْ کی تکرار تاکید معنی کے لئے ہے وقوع آخرت کے اہل مصر خصوصیت سے منکر تھے۔ کرر ھذا اللفظ للتاکید (کبیر) توریت حسب معمول ان مطالب عالیہ

وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ

اور ان کے واسطے مسندیں لگادیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں

سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَ

چھری دیدی اور بولی کہ (اے یوسف) ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ ؁۵۷ اب جب ان لوگوں نے (یوسفؑ کو) دیکھا

قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ

اس پر حیران رہ گئیں ؁۵۸ اور اپنے ہی ہاتھ زخمی کر لئے ؁۵۹ اور بولیں ماشاء اللہ یہ آدمی نہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ

یہ تو کوئی فرشتہ ہے نورانی ؁۶۰ وہ بولی یہی وہ شخص ہے جس کے باب میں تم مجھے ملامت

فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ

کر رہی تھیں ؁۶۱ بیشک میں نے اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہا تھا لیکن یہ پاک صاف رہا ؁۶۲ اور اگر (آیندہ)

لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس نے وہ نہ کیا جو میں اس سے کہہ رہی ہوں تو یہ ضرور قید میں ڈالا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا ؁۶۳

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا

(یوسفؑ نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار قید خانہ مجھے گوارا تر ہے بہ مقابلہ اس (کام) کے جس کی طرف مجھے یہ لوگ بلا

تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

رہی ہیں ؁۶۴ اور اگر تو ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کردیگا تو میں انہی کی طرف مائل ہو جاؤنگا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤنگا ؁۶۵

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

پس ان کے پروردگار نے اُن کی دُعا قبول کرلی اور اُن سے ان عورتوں کے چرتر کو دُور رکھا ؁۶۶ بیشک وہ

؁۵۷ یوسفؑ بہر حال خادم تو اب تک تھے انہیں گھر کی مالکہ نے آواز دی کہ سامنے آجاؤ ——— آگئے۔ نظریں نیچی کئے ہوئے چہرہ نُورِ عصمت سے جگمگایا ہوا اور شہر کی ایک سے ایک بڑھ کر حسین وجمیل وزیرزادیوں امیرزادیوں کا مجمع۔ سِكِّيْنًا۔ یہ چھریاں کھانے کے لئے دی گئی تھیں۔ مصری تمدن کھانے کے لئے چھری چمچوں سے بیگانہ نہ تھا۔ ؁۵۸ اکبرنہ حُسن وجمال کا پُتلا کیسا نوجوان ہے کہ ایسی زہد شکن فضا میں آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا) ای اعظمنہ ودھشن برؤیۃ جمالہ الفائق (روح) ؁۵۹ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی معجزہ یوسفی ہو جیسا کہ بعض کا قول نقل ہوا ہے لیکن حالات طبعی کا تقاضہ بھی تو کچھ ایسا ہی تھا اور اس کے لئے مجلس کا نقشہ ذرا وضاحت کے ساتھ پیش نظر کرلیجئے۔ دعوت اور ضیافت کا اہتمام شاہی پیمانہ پر ہے۔ میزبان وزیر سلطنت کی بانوے محترم ہیں۔ عشوہ و ناز سے لبریز وزیرزادیاں امیرزادیاں جمع ہیں۔ میووں پھلوں سے شغل ہو رہا ہے۔ چھری کانٹے کے رواج سے یُوں بھی مصری تمدن ناآشنا نہ تھا اور اس وقت تو دَور ہی میووں اور پھلوں کا چل رہا ہے۔ ہاتھوں میں چھریاں ہیں گپ شپ ہو رہی ہے یک بیک ایک ڈرامائی انداز سے ایک نُور پیکر سامنے لے آیا جاتا ہے۔ نظریں نیچی، آنکھوں پر حیا کے پردے، چہرے پر عصمت کے سہرے جن کے چہرے اس وقت تک خود ہی سب کو دعوتِ نظارہ دینے کے عادی تھے وہ آپ اس وقت تماشائی بنی ہوئی اس حُسن وجمال عصمت وعفاف کے پُتلے کے نظارے میں محو! اور وہ نہ کسی کی طرف نظر اٹھاتا ہے نہ کسی سے دلچسپی لیتا ہے ایسے میں عجب کیا جو ٹکٹکی لگ گئی ہو اور پلک جھپکانا تک بار ہو رہا ہو ——— اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں کی جلد پر چل گئی ہوں! پھر آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ سب ہی کے کٹے ہوئے ہوں چند کا بھی زخمی ہو جانا صیغۂ جمع لانے کے لئے کافی ہے۔ اور قطع سے یہ مراد نہیں کہ ہاتھ کاٹ ہی ڈالے محض زخمی کر لینا خراش آجانا بھی کافی ہے۔ ای جرحتھا کنعنی جرحتھا لغلبیتھن (روح) ؁۶۰ یوسف علیہ السلام حسن وجمال میں ممتاز تو تھے ہی توریت میں ہے:۔ "اور یوسفؑ خوبصورت اور نور پیکر تھا" (پیدائش ۳۹:۶) تقویٰ وعفاف میں بھی اپنی مثال آپؑ تھے۔ جاہلی متمدن قوم کی عورتیں تقویٰ وعفاف کے اس معیار سے بھلا کہاں واقف دنگ ہو گئیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اپنی زبان میں بول اُٹھیں کہ یہ نوجوان انسان کاہے کو ہے یہ تو کوئی دیوتا ہیں۔ آکاش سے اُترے چلے آرہے ہیں ——— جاہلی قوموں نے فرشتوں ہی کو اپنی زبان میں دیوی دیوتا کہا ہے۔ مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ یعنی شرافت وتقدس کا پُتلا۔ ای شریف کثیر المحاسن (روح) حَاشَ لِلّٰهِ۔ عربی محاورہ میں کلمہ تعجب ہے جو مصر کی فیشن ایبل لیڈیاں حسین کنعانی نوجوان کے کمال عفت وتقویٰ پر دنگ ومتحیر ہو کر زبان پر لارہی ہیں۔ کالتعجب عن قدرتہ علی خلق عفیف مثلہ (بحر) ؁۶۱ (نواب تو قائل ہوئیں اور جسے معمولی کنعانی غلام سمجھ رہی تھیں وہ کیسا حسین وجمیل جوان رعنا نکلا!) ؁۶۲ یوسف صدیق کی پاک دامانی پر یہ مزید بلیغ شہادت زلیخا کی زبان سے ہے۔ فَاسْتَعْصَمَ۔ استعصام۔ نام ہے کمال پاکبازی اور شدت احتیاط کا۔ الاستعصام بناء مبالغۃ یدل علی الامتناع البلیغ والتحفظ الشدید (کشاف) ؁۶۳ یہ حضرت یوسفؑ کے دھمکانے اور سُنانے کو کہا اور دوسری حسین وجمیل خاتونیں امیرزادیاں اور وزیرزادیاں بھی عجب نہیں جو یوسفؑ کو سمجھانے بجھانے لگی ہوں کہ یہ کیسی حماقت ہے جو ایسی حسین و نازنین مالکہ کو اپنے سے ناخوش کر رہے ہو۔ لَيُسْجَنَنَّ۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ مصری حکومتوں میں جیل خانہ کا رواج ہو چکا تھا۔ ؁۶۴ زلیخا نے ابھی ابھی قید کی دھمکی دی تھی اس پر یوسفؑ دُعا میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! مجھے جیل کی سختیاں گوارا ہیں اور ان لوگوں کے نفسانی مشوروں پر عمل گوارا نہیں۔ اللہ اکبر کیا مقام تھا عصمت یوسفی کا ——— خوب خیال رہے حضرت یوسفؑ جیل جانے کی دُعا نہیں کر رہے ہیں۔ جیل جانا اپنا مقصود نہیں قرار دے رہے ہیں صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ معصیت کا صدور تو مجھے جیل کی سختیوں سے بھی ناگوار تر ہے۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ مصیبت کو معصیت پر اختیار کرنا صدیقین کا شیوہ ہے، اور اپنے تقویٰ وتحمل پر بھروسہ نہ رکھنا بلکہ معصیت کے دواعی واسباب سے بھاگتے رہنا سعادت مندوں کا شعار ہے۔ ؁۶۵ کمال عبدیت وشکستگی یہ ہے کہ کمال تقویٰ پر بھی ناز واعتماد اپنی ذات پر نہیں ہوتا دعا بس اللہ تعالیٰ ہی سے ہے کہ آپ ہی مجھے سنبھالے رکھیئے، جیسا کہ اب تک سنبھالے رکھا ہے ورنہ مجھ بشر کی کیا بساط ہے کہ ان ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رہ سکوں۔ مفسر تھانویؒ نے یہاں کیا خوب فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دُعا ذرا بھی منافی عصمت کے نہیں کیونکہ یہ عصمت بھی تو بدولت حفاظت خداوندی ہی کے ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنی عصمت پر اعتماد وناز ذرا نہیں ہوتا۔ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ۔ کے کھلے ہوئے معنیٰ اصرف عنی ہیں جیسا کہ اگلی ہی آیت میں فَصَرَفَ عَنْهُ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ یہاں گویا یہ بتا دیا کہ تقویٰ کے برعکس راہ اختیار کرنا شعار اہل جاہلیت کا ہے لفظ جاہلیت کا تعلق تمامتر کردار وسیرت سے ہے خواندگی اور تعلیم ظاہری کے فقدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ اپنے نفس کو خاطی، عاجز جاننا اور ہر توفیق خیر منجانب اللہ جاننا اور خبث اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے رہنا صالحین ومتقین کی روش ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ مقام کمال صدیقیت ہے جوان حسین امیرزادی اپنی طرف بُلا رہی ہے اور آپؑ بھی نوجوان ہیں حسین ہیں اس پر بھی خوفِ خدا اس درجہ غالب ہے کہ ان لذتوں کو چھوڑ کر جیل جانا گوارا کر لیتے ہیں۔ وھذا فی غایۃ مقامات الکمال انہ مع شبابہ وجمالہ وکمالہ تدعوہ سیدتہ وھی امرأۃ عزیز مصر وھی مع ھذا فی غایۃ الجمال والمال والریاسۃ ویمتنع من ذلک ویختار السجن علی ذلک خوفاً من اللہ ورجاء ثوابہ (ابن کثیر) ؁۶۶ (یعنی آپؑ کو عصمت وعفاف کے مقام بلند سے ذرا بھی ہٹنے نہ دیا) فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ۔ آپؑ کی دُعا وہ کونسی تھی جو قبول ہوئی؟ وہ دُعا یہی ثباتِ عصمت کی تھی کہ ایسے تقویٰ شکن حالات میں بھی میرے قدمِ ثبات کو ذرا بھی لغزش نہ ہو۔

اُس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا" (پیدائش ۳۹: ۱۲) صُوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ شیطان کا آخری حملہ غضب کا ہوتا ہے تاہم نیک بندے کسی
طرح اس کے ہتھے نہیں چڑھتے۔ ف۴۹ زلیخا نے جب دیکھا کہ اب تو راز فاش ہوا ہی جاتا ہے تو جھٹ یوں بات بنائی اور اُلٹی اپنی مظلومیت کی داستان شوہر اور بااختیار شوہر کو سُنانا شروع کر دی توریت میں اس مقام پر
بھی حسبِ معمول ایک بلاضرورت طویل عبارت ہے اور اس کے بعد ہے:۔ "سو اُس نے اس کا پیراہن اپنے پاس رکھا جب تک کہ اس کا آقا گھر میں آیا تب اُس نے ایسی ہی باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تُو نے ہم پاس لا رکھا گھس آیا
کہ مجھ سے ٹھٹھا کرے اور جب میں نے آواز بلند کی اور چلاّ اُٹھی تو وہ اپنا پیراہن مجھ پاس چھوڑ کر باہر نکل بھاگا" (پیدائش ۳۹: ۱۵-۱۸) مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا۔ زلیخا کی اس فردِ قرار دادِ جُرم سے بھی اس قرینہ کی تائید ہوتی ہے
کہ اُس مُلک اور وقت کے قانون میں اقدامِ زنا بجائے خود کوئی جُرم نہ تھا بلکہ ناموسِ شوہری میں خیانت اصل جُرم تھی۔ ف۵۰ (اور اب اُلٹا الزام میرے اُوپر ڈالے دیتی ہے) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مخالف کی شرارت کا
ایسے وقت میں اظہار جبکہ اخفاء میں اپنے ضرر کا احتمال ہو مکارمِ اخلاق کے منافی نہیں۔ ف۵۱ جدید قانونی اصطلاح میں ایسی گواہی کو قرینہ کی گواہی (Circumstantial Evidence) کہتے ہیں یہاں شاہد اور

نَفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ
نکالنے کیلئے پھسلا رہی تھی ف۵۰ اور اس عورت کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ ان کا پیراہن اگر آگے
قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ
سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹے اور اگر
كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ
ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ جھوٹی اور یہ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ
سچے ف۵۱ سو جب (عزیز) نے اُن کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہُوا دیکھا تو بول اُٹھا بیشک
مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ
یہ (سب) تم عورتوں کا چرتر ہے، بیشک تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے ف۵۲ اے یوسفؑ (اب) تم اسے
عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ
جانے دو ف۵۳ اور تو اے عورت تو اپنے قصور پر معافی مانگ بیشک تو ہی (سرتاسر)
الْخٰطِـــِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ
خطا وار ہے ف۵۴ اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو
تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ
اس سے اپنا مطلب نکالنے کو پھسلاتی ہے اس کے عشق میں دیوانی ہوگئی ہے ہم تو اسے کھلی حماقت
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ
میں (مبتلا) پاتے ہیں ف۵۵ جب اس (عورت) نے ان عورتوں کی زبان درازی سُنی تو انہیں بُلا بھیجا ف۵۶

ع ۳/۹/۱۳

شہادت اپنے اصطلاحی فقہی معنیٰ میں نہیں جو گواہ کے عاقل ہونے بالغ ہونے وقوعِ واقعہ کے وقت موجود ہونے وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوں یہ گواہ تو صرف اس معنیٰ میں تھا کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلہ کا ایک عاقلانہ طریقہ سمجھا دیا۔ تفسیروں میں ایک حدیثِ مرفوع کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا بطور خرقِ عادت کے حضرت یوسفؑ کی صفائی میں بول اُٹھا لیکن بہت سے ائمہ تفسیر لے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کے چچیرے بھائی اور حکیم وقت تھے تقرب سلطانی رکھنے والے اور دربار کی مشوروں میں شریک ہونے والے۔ ولم یکن بصبی ولکن کان رجلاً حکیماً (ابن جریر عن عکرمہ) کان من خاصۃ الملک (ابن جریر عن ابن عباس) کان رجلاً حکیماً من اھلھا ذا رأي یأخذ الملک برأیہ ویستشیرہ (کبیر عن قتادۃ) کان لھا ابن عم وکان رجلاً حکیماً وھذا قول طائفۃ عظیمۃ من المفسرین (کبیر) قال الحسن وعکرمۃ وقتادۃ ومجاھد لم یکن صبیاً ولکنہ کان رجلاً حکیماً ذا رأي (معالم) عن ابن ابی ملیکۃ عن ابن عباس کان من خاصۃ الملک وکذا قال مجاھد وعکرمۃ والحسن وقتادۃ والسدی ومحمد بن اسحٰق وغیرھم انہ کان رجلاً (ابن کثیر) فقہاء نے اس آیت کے ذیل میں ایک بڑی بحث اس کی اٹھائی ہے کہ پڑی ہوئی گمشدہ چیز جب مل جائے تو آیا محض اس کی علامات بتا دینے سے اس چیز کی ملک کا ثبوت ہو جاتا ہے یا نہیں اور جصاص کی احکام القرآن میں اسی باب میں مختلف فقہاء کے مذاہب نقل ہوئے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے قیاس شرعی کے جواز اور عُرف و عادت قوم سے استدلال کے جواز کا بھی استنباط کیا ہے۔ وفی الآیۃ دلیل علی القیاس والاعتبار والعمل بالعرف والعادۃ (قرطبی) ف۵۲ ہندی میں اسی کید کو تریا چرتر کہتے ہیں اور ہندی ادبیات اس طرح کے قصوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عورت میں جو ایک خاص مادہ ناز و انداز کا ہوتا ہے اور مرد کے دل میں عورت کے لئے جو طبعی کشش رکھ دی گئی ہے قدرۃً اُس نے عورت کے ہاتھ میں اثر اندازی کا ایک زبردست حربہ دے دیا ہے۔ یہاں یہ قول اگرچہ عزیزِ مصر کی زبان سے نقل ہوا ہے اس کے اپنے تجربے کچھ اسی قسم کے ہوں گے لیکن قرآن نے بھی اسے بلانکیر نقل کر دیا ہے۔ عزیز کے مقولہ کی تائید میں فرنگی اور ہندی حکماء نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ علماء نے ایک سوال یہاں پیش کیا ہے کہ قرآن ہی نے شیطان کے کید کو ضعیف بتایا ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا اور یہاں عورتوں کے کید کو عظیم ٹھہرایا ہے تو کیا عورتوں کا کید شیطان سے بھی بڑھا ہُوا ہے؟ اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شیطان کا کید جو یہاں ضعیف قرار دیا

گیا ہے وہ خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ہے اور نسائی کید جو عظیم بتایا گیا ہے وہ بہ مقابلہ مردوں کے ہے۔ فلا تضر کون ضعف کید الشیطان انما ھو فی مقابلۃ کید اللّٰہ تعالیٰ وعظم کیدھن انما ھو بالنسبۃ الی کید الرجال (روح)
ف۵۳ انکشافِ حقیقت کے بعد عزیز پہلے تو عورتوں کی چالبازی پر نفرت کرتا ہے پھر حضرت یوسفؑ کی طرف مخاطب ہو کر نیم معذرت کے انداز میں کہتا ہے جو ہونا تھا ہو چکا اب تم بھی اس پر خاک ڈالو۔ اس کا چرچا دوسروں
سے کرو نہ اس کا غبار اپنے دل میں رکھو۔ ف۵۴ (کہ اوّل تو خود اتنی بڑی جرأت کر گزری اور پھر خواہ مخواہ ایک بیگناہ کو پھانس دینا چاہا) وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ۔ پھر سوال پیدا ہوا ہے کہ قصور کی معافی کس سے مانگی جائے؟
ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ خدا سے۔ دوسرا جواب یہ منقول ہے کہ اپنے شوہر سے مصریوں کے مشرکانہ عقائد پر نظر کرتے ہوئے پہلا قول ضعیف اور دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ف۵۵ (کہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے ہی خادم اور غلام
پر اور وہ بھی اپنا ہم وطن و ہم نسب نہیں پردیسی اور کنعانی!) قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ۔ واقعہ کے چرچے سوسائٹی میں شروع ہو گئے اور سوسائٹی کی عورتوں نے حسبِ معمول اس میں خوب دلچسپی لی اور برابر کی وزیر زادیوں اور امیر
زادیوں نے یہ طعنہ زنی شروع کر دی۔ نسوۃ جمع تکسیر ہے جو قلتِ عدد پر دلالت کرتی ہے گویا یہ لفظ لا کر قرآن مجید نے ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ ایسی بیویوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہ تھی صرف گنتی کی چند تھیں جو ہر طرح بیگم وزیر کی
ہمسر و ہم چشم تھیں۔ شَغَفَهَا۔ شغف دل کی وہ بیماری ہے جو دل کے اندر تک پہنچ جائے۔ والمعنی وصل الی القلب فیصل الی القلب (کبیر) ف۵۶ خواتین مصر کے طبقہ اُمراء میں اس وقت اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھنے اور دھنونی
کے بٹھانے کا رواج عام تھا ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ زلیخا کو بھی آخر اُن لوگوں کی زبان درازیوں کی خبر پہنچی اور انہیں نیچا دکھانے کی نئی تدبیر سُوجھی سب کو دعوت میں اپنے ہاں بُلا بھیجا۔ مکر یہاں لعن طعن
طنز و تعریض کے معنیٰ میں ہے۔ ھو اغتیابھن ایاھا وسوء مقالتھن (کبیر)

حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ٢٢ وَرَاوَدَتْهُ

حکومت اور علم عطا فرمایا اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو عوض دیا کرتے ہیں ٣٦ اور جس عورت کے گھر میں

الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ

وہ تھے وہ انہیں اپنا مطلب حاصل کرنے کو پھسلانے لگی اور دروازے بند کر لئے اور

قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ

بولی کہ بس آجاؤ ٣٧ یوسفؑ نے کہا اللہ کی پناہ ٣٨ (اور پھر) وہ میرا مربّی ہے ٣٩ اس نے مجھے کیسی

مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٢٣ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ

اچھی طرح رکھا ٤٠ بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے ٤١ اور اس (عورت) کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی

وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ

رہا تھا ٤٢ اور انہیں بھی اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا ٤٣ اور اگر اپنے پروردگار کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا ٤٤ اسی طرح

عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ٢٤

(ہم نے انہیں بچا دیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بےحیائی کو دور رکھیں ٤٥ وہ بیشک ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ٤٦ تھے

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا

اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے ٤٧ اور اس نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا ٤٨ اور دونوں نے اسکے

لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ

آقا یعنی شوہر کو دروازہ کے پاس (کھڑا ہوا) پایا وہ بول اٹھی کیا سزا ہے اسکی جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے

اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٢٥ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ

بجز اس کے کہ وہ قید میں ڈالا جائے یا اور کوئی عذاب دردناک (اسے ملے) یوسفؑ بولے کہ یہی (خود) تو مجھے اپنا مطلب

ف٣٦ قرآن مجید کا یہ ایک عام حکیمانہ اسلوب بیان ہے کہ کسی جزئی اور مخصوص واقعہ کا ذکر کرتے کرتے معاً اس کا عام قانون بھی بیان کر دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہ ارشاد ہو گیا کہ یہ دینی و دنیوی اکرام و اعزاز یوسف علیہ السلام کے خواص ذاتی میں سے نہ تھا بلکہ جو کوئی بھی ایمان و حسن عمل کو اپنا شعار رکھے وہ انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔ اَشُدَّهٗ۔ اس پختگی عمر کی تعیین میں متعدد قول نقل ہوئے ہیں تاہم ۲۰ سال سے کم کا کوئی قول سلف سے منقول نہیں البتہ ابن جریر نے ۱۸ سال کو بھی اس کا ایک ممکن مصداق بتایا ہے۔ حُکْمًا وَّعِلْمًا۔ حکم سے مراد عام طور پر دنیوی قوت و اقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ف٣٧ یہ عورت جو سن میں یقیناً یوسف علیہ السلام سے بڑی ہو گی جیسا کہ آیۂ کریمہ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا سے اشارۃً ظاہر ہو رہا ہے حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہو گئی یہاں تک کہ ان سے تعلق ناجائز پیدا کرنے پر تل گئی ——— حرامکاری آج تہذیبِ فرنگ میں عورت کے لئے کب عیب ہے جو اس کا عیب ہونا مصر جاہلی کی تہذیب میں فرض کر لیا جائے؟ اَلَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا۔ قرآن مجید صاف بیتھا (اس عورت کا گھر) فرما رہا ہے۔ بیتہٖ (عزیز کا گھر) نہیں کہتا ——— مصری تمدن میں عورت بڑی حد تک "آزاد" و خودمختار تھی۔ رَاوَدَتْهُ ... هَيْتَ لَكَ۔ توریت میں ہے:۔ "اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اُس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسف پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو" (پیدائش ۳۹: ۷) "اور وہ ہرچند یوسف کو روز روز کہتی رہی، پر اُس نے ایک نہ سُنی کہ اس کے ساتھ سووے یا اُس کے ساتھ رہے" (پیدائش ۳۹: ۱۰) ف٣٨ (کہ میں اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کروں) حضرت یوسفؑ کا اس فرمائش حرامکاری کے جواب میں پہلا اور اصلی جواب یہی ہے کہ یہ معصیت بہرحال پناہ مانگنے کے قابل ہے۔ وھذا الاجتناب منہ علیہ السلام علی اتم الوجوہ واشارۃ الی التعلیل بانہ منکر هائل يجب ان يعاذ باللہ (مع) ف٣٩ (اس کے ناموس میں خیانت کی جرأت کس طرح کر سکتا ہوں) اِنَّهٗ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رَبِّيْٓ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔ کل من ملک شیئا فھو ربہ بعینہ ولایقال الرب مطلقا الا اللہ تعالی وبالاضافۃ یقال لہ ولغیرہ (راغب) حضرات انبیاء (قبل نبوت بھی) شاعر نہیں ہوتے ان کی زبان حقیقت سے خالی اور شاعرانہ نہیں ہوتی تمامتر حقایق کی ترجمان ہوتی ہے۔ حضرت یوسفؑ اس وقت جس کی رعایا بلکہ غلام یا مملوک تھے اس کے لئے یہ کہتے ہوئے بھی آپؑ کو مطلق عار نہ تھا آج کل کے پُرجوش خطیبوں کا سا انداز بیان ان کا نہیں ہوتا کہ سرتاسر محکوم اور رعیت ہو کر زبان سے بڑے بڑے شاندار الفاظ اس کے برعکس ادا کیا کریں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محسن اگرچہ کافر ہو جب بھی اس کی رعایت کرنا چاہیئے اور اہل طریق اس باب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت یوسفؑ کا دوسرا اور تائیدی جواب ہوا اور فہم مخاطب کے لحاظ سے بہت اہم۔ آپؑ فرما رہے ہیں کہ حرامکاری ایک تو بجائے خود کیسی شدید معصیت اور پھر وہ بھی کس کے ساتھ؟ اپنے ہی آقا کے حرم کے ساتھ بہت سے جاہلی مذہبوں میں زناکاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں ہے البتہ حقوقِ شوہری میں خیانت جرم ہے عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو اور یہ ٹکڑا حضرتؑ نے زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے ہی کے لئے اضافہ کیا ہو؟ ——— جواب کے اس جزو کو جنہوں نے مرتبۂ پیمبری سے فروتر قرار دیا ہے انہوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے۔ یہ جواب تو حضرتؑ کی حکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔ ف٤٠ (ایسے محسن کا حق میں یوں ادا کروں!) یہ تیسرا جواب حضرت یوسفؑ کا ہوا۔ فرماتے ہیں کہ ایک تو میں اپنے آقا کے ناموس میں خلل اندازی کروں اور پھر آقا بھی کیسا؟ ایسا محسن و شفیق! گویا کفرانِ نعمت کی حد ہی ہو گئی! البتہ توریت نے اصل جواب اسی کو قرار دیا ہے اور اس سے توریت کی پستی بیشک قرآن کے مقابلہ میں ثابت ہوتی ہے۔ توریت میں ہے:۔ "لیکن اس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا کہ دیکھ میرا آقا کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے واقف نہیں ہے۔ اور اُس نے اپنا سب کچھ میرے ہاتھ میں کر دیا۔ اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں اور اس نے سوا تیرے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی اور یہ اس لئے ہے کہ تو اُس کی جورو ہے پھر میں ایسی بڑی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار ہوؤں" (پیدائش ۳۹: ۹) ف٤١ بلکہ اکثر تو آخرت سے پہلے ہی اسی دنیا میں تباہ و پریشان و رسوا ہو کر رہتے ہیں) اَلظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم یہاں اپنے وسیع مفہوم میں ہر فاسق و بدکار کے مرادف ہے۔ یہ گویا بطور تتمیم کلام کے حضرتؑ کا چوتھا جواب ہے یعنی آپؑ فرماتے ہیں کہ ایک اسی پر کیا موقوف ہے بدکار و فاسق کسی قسم کے بھی ہوں رسوا و نامراد ہی رہتے ہیں۔ ف٤٢ (درجۂ عزم و اقدام عمل میں) ای قصدت مخالطتہ وعزمت علیھا عزما جازما (مع) بمعنی القصد الجازم والعقد الثابت کما ھو المراد بھمنا (مع) توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ ایک دن وہ اپنے کام کے لئے گھر کے اندر گیا اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اُس نے اُس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو" (پیدائش ۳۹: ۱۱) ف٤٣ (امر طبعی کے درجہ میں) خلوت کی یکجائی میں جوان عمر تندرست مرد کا محض خیال اگر جوان حسین عورت کی طرف جائے خصوصاً جبکہ پیشقدمی اور تشویق عورت کی طرف سے ہو رہی ہو تو یہ عیب نہیں بلکہ دلیل ہے مرد کے صحیح و تندرست اور مرد ہونے کی۔ ای مال الی مخالطتھا بمقتضی الطبیعۃ البشریۃ ومثل ذلک لایکاد یدخل تحت التکلیف والمراد بھمہ علیہ الصلوۃ والسلام میل الطبع ومنازعۃ الشھوۃ لا القصد الاختیاری (بیضاوی) قال الشیخ ابو منصور الماتریدی وھم بھا ھم خطرۃ ولا صنع للعبد فیما یخطر بالقلب ولا مؤاخذۃ علیہ (مدارک) فعل ھَمَّ۔ کے دونوں معنی آئے ہیں خیال قوی بدرجۂ عزم بھی اور خیال ضعیف بدرجۂ امر طبعی بھی زلیخا کے لئے ھمّ پہلے معنی میں آیا ہے اور یوسفؑ کے لئے دوسرے معنی میں۔ انما عبّر عنہ بالھم لمجرد وقوعہ فی صحبۃ ھمہا فی الذکر بطریق المشاکلۃ لا لشبھہ بہ (مع) پیمبر اخلاقی خطاؤں اور لغزشوں سے معصوم اور محفوظ بلاشبہ ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے احساسات بھی مردہ ہو جاتے ہیں (اور حضرت یوسفؑ کے لئے تو یہ بھی مسلّم نہیں کہ اس سن میں وہ نبی تھے بھی) ——— پیمبر کے سامنے کوئی حرام غذا اگر لذیذ و خوشبودار بنا کر رکھ دی جائے تو اس کی ناک خوشبو تو بہرحال محسوس کرے گی گو اس حرام غذا کے کھانے کے لئے التفات دل میں ذرا بھی نہ پیدا ہو گا۔ ف٤٤ (لیکن وہ دلیل خداوندی تو ان کے علم و مشاہدہ میں تھی اس لئے وہ ادنیٰ خیال بھی نہیں پیدا ہونے پایا) بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے مراد ہے علم شریعت تقویٰ و طہارت والمراد برؤیتہ لھا کمال ایقانہ بہا ومشاھدتہ لہا مشاھدۃ واصلۃ الی مرتبۃ عین الیقین (روح) صوفی محقق نے کہا کہ اگر آپ خیال کے ابتدائی درجوں میں مبتلا ہو جاتے جب بھی عصمت نبی پر حرف نہیں آسکتا تھا چہ جائیکہ آپ کے لئے تو یہ بھی نہیں ہوا۔ ف٤٥ (چنانچہ آپ فعل اور ارادۂ فعل دونوں سے بچ گئے) اَلسُّوْۗءَ سے مراد گناہ صغیرہ ہے اور اَلْفَحْشَاۗءَ سے مراد کبیرہ۔ السوء مقدمات الفحشاء وقیل ھو الامر القبیح والفحشاء الزنا (مع) ف٤٦ چنانچہ ان سے صدورِ معصیت کیا معنی ارادۂ معصیت بھی نہ ہونے پایا) ف٤٧ (آگے آگے آپؑ کہ بھاگ کر بچنا چاہتے تھے اور پیچھے پیچھے وہ عورت کہ دوڑ کر پکڑنا چاہتی تھی) آپؑ نے جب دیکھا کہ کوئی صورت مخلصی کی نہیں تو بے تحاشا باہر نکل بھاگنے کا قصد کیا باوجود اس کے کہ دروازے بند تھے۔ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ کشاد قفل میں اشارہ اسی طرف ہے کہ جو دنیائے حرام سے بھاگنے کی ہمت کرتا ہے اس کے لئے نجات کی راہیں غیب سے کھل جاتی ہیں اور عارف رومیؒ کا اشارہ بیتِ مثنوی کے اس شعر میں اسی منزل کی جانب ہے ؎ نیست رخنہ گرچہ در عالم پدید ہمچو یوسف خیرہ سر باید دوید ف٤٨ (جیسا کہ اس موقع پر بالکل قدرتی ہوتا ہے جب کوئی آگے آگے بھاگ رہا ہو اور کوئی دوسرا اُسے پیچھے سے پکڑ رہا ہو) توریت میں ہے:۔ "تب

۲۷ (کہ مجھے توفیق صبر دے) ~~صَبْرٌ جَمِیْلٌ۔ فقرہ مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی تقدیر کلام دونوں طرح جائز ہے۔ ای فامری صبر جمیل اور فصبر جمیل اجمل (مدارک) ای فامری صبر جمیل او فصبری صبر جمیل (روح)~~
بڑی سی بڑی مصیبت کے وقت بھی اگر ذہن میں اس کا استحضار رہے کہ یہ ابتلاء حضرت حق کی طرف سے ہے جو ہر طرح حکیم بھی ہیں اور ہر طرح رحیم و شفیق بھی تو ظاہر ہے کہ انتہائی رنج طبعی کے ساتھ بھی تسکین عقلی بھی ضرور شامل رہے گی کہ بہرحال ہماری ہی ہر طرح کی مصلحتیں اس سے وابستہ ہیں صبر جمیل اسی کا نام ہے اور اس کے حقدار ایک پیمبر برحق نہ ہوتے تو اور کون ہوتا۔ اس صبر جمیل کے بجائے توریت میں ہے :۔ "تب یعقوبؑ نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنے کولے پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا" (پیدائش ۳۷ : ۳۴) ۲۸ (اس کنوئیں کے پاس سے جہاں یوسفؑ مقید تھے اور وہ قافلہ بن یا مصر کو جا رہا تھا) توریت میں یہ تصریح ہے کہ یہ قافلہ بنی اسمٰعیل کا تھا۔ اور "وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی اور دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالح اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انہیں مصر کو لے جائیں" (پیدائش ۳۷ : ۲۵)
۲۹ اور سارے قافلہ والے قدرۃً بڑے خوش ہوئے۔ ~~غُلٰمٌ کی تنوین اگر تفخیم کے لئے بھی جائے تو ترجمہ ہوگا ایک بڑا اچھا لڑکا۔~~ فَاَدْلٰی دَلْوَهٗ ۔ حضرت یوسفؑ اسی کنوئیں میں تھے چنانچہ آپ رسی کو تھام باہر آگئے۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۞۱۸ وَ
سو صبر (ہی) اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے ۲۷ اور
جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ
ایک قافلہ آ نکلا ۲۸ سو ان لوگوں نے اپنا سقہ بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا اور بول اٹھا
يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا
ارے واہ واہ یہ تو ایک لڑکا نکل آیا ۲۹ اور انہوں نے اسے مال تجارت (قرار دیکر) چھپا لیا اور اللہ خوب واقف
يَعْمَلُوْنَ ۞۱۹ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا
تھا جو کچھ وہ (سب) کر رہے تھے ۳۰ اور انہوں نے یوسفؑ کو بہت کم قیمت پر گنتی کے چند درہم کے عوض فروخت کر دیا ۳۱ اور
فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۞۲۰ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ
وہ ان کے بارے میں بیزار (سے) تھے ۳۲ اور جس نے انہیں مصر میں خریدا تھا اس نے
لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
اپنی بیوی سے کہا کہ اسے خاطر سے رکھنا کیا عجب کہ ہمارے کام آوے اور یا ہم اس کو بیٹا ہی
وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ
بنا لیں ۳۳ اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو (اس) سرزمین میں خوب تمکین دی تاکہ ہم انہیں
مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰـكِنَّ
خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دیں ۳۴ اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞۲۱ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ
اکثر انسان (اتنا بھی) نہیں جانتے ۳۵ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے انہیں

ع ۲/۱۴ ۱۲

۳۰ یعنی اس کی نظر سے نہ برادران یوسف کی کارروائیاں پوشیدہ تھیں، نہ اہل قافلہ کی۔ بردہ فروشی کا رواج اس وقت عام تھا۔ یہ تجارتی قافلہ والے آخر کاروباری لوگ تھے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ ایسے خوش جمال لڑکے کو خوب گراں قیمت پر فروخت کریں گے۔ ۳۱ برادران یوسف کو اس اثناء میں اطلاع مل گئی تھی دوڑے ہوئے آئے اور قافلہ والوں سے کہا یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ برادران یوسف کو یوسفؑ کی جان سے کوئی دشمنی نہ تھی وہ تو صرف اپنے والد ماجد کے پاس سے ہٹا دینے کے درپے تھے کہ ان کے بعد خود ان کے منظور نظر ہو کر رہیں۔ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ توریت کا بیان ہے کہ یہ رقم عنہ ۲۰ روپیہ تھی۔ (پیدائش ۳۷ : ۲۸) دراھم میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قیمت میں چاندی ہی کے کچھ سکے ملے نہ کہ سونے کے دینار۔ بعض علماء نے یہاں یہ لکھا ہے کہ جب برادران یوسف نے آپؑ کو اپنا غلام بیان کیا ہے تو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پر خاموش رہے حالانکہ حُر (آزاد) کی بیع شریعت اسلامی میں جائز نہیں اس سے مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ خوف ضرر سے امر منکر سے انکار نہ کرنا اس پر سکوت اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ توریت میں ہے :۔ "تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپا دیں تو کیا نفع ہوگا آؤ اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر اپنے ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور گوشت ہے اور اس کے بھائی راضی ہوئے" (پیدائش ۳۷ : ۲۶-۲۷) ۳۲ یعنی انہیں کچھ تجارت تو مقصود تھی نہیں جو کچھ وہ دام بڑھاتے انہیں مقصود تو اپنے خیال کے مطابق اپنے پاس سے ایک بلا کا دور کرنا تھا اونے پونے جو کچھ بھی دام مل گئے اسے غنیمت سمجھے۔ ~~کَانُوْا کی ضمیر اکثر نے بھائیوں کی جانب لی ہے اور یہی لگتی ہوئی بھی ہے۔ والضمیر فی وکانوا ان کان للاخوۃ فظاھر (روح)~~ ۳۳ یہ میاں بیوی لاولد تھے اور اولاد کی تمنا رکھتے تھے۔ یوسفؑ کی خاطرداریوں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ "اور خداوند یوسف کے ساتھ تھا اور وہ صاحب اقبال ہوا۔ سو وہ اپنے مصری آقا کے گھر میں رہا اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اسکے سب کاموں میں اسے اقبالمند کیا چنانچہ یوسفؑ اس کی نظر میں مورد لطف ہوا اور اس نے اس کی خدمت کی، اور اس نے اسے اپنے گھر کا مختار کیا اور سب جو کچھ کہ اس کا تھا اس کے قبضہ میں کر دیا" (پیدائش ۳۹ : ۲-۵) اَلَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ ۔ قافلہ والے یوسفؑ کو اپنے ہمراہ لائے اور ملک مصر میں بہ حیثیت غلام کے فروخت کیا یہاں جس نے اچھی قیمت دے کر ایسے

ہونہار اور صاحب آثار رشد غلام کو خرید کیا وہ حکومت مصر کا ایک بڑا عہدہ دار تھا۔ توریت میں اس عہدہ دار کو فوطیفار کہا گیا ہے اور قرآن مجید نے آگے چل کر اسی کو عربی زبان میں عزیز سے تعبیر کیا ہے۔ توریت میں ہے :۔ "اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا بیچا" (پیدائش ۳۷ : ۳۶) "یوسف کو مصر میں لائے اور فوطیفار مصری نے جو فرعونی امیر اور بادشاہ کے جلوداروں کا سردار تھا اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو اسے وہاں لائے تھے مول لے لیا" (پیدائش ۳۹ : ۱) ~~من مصر یہاں بتقدیر مضاف اھل مصر کے قبل محذوف ہے اور یا غوص کونی کے معنی میں لے لیا جائے۔~~ لِامْرَاَتِهٖ ۔ عزیز کی اس بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایات یہود میں زلیخا آیا ہے اور وہیں سے مسلمانوں میں بھی چل پڑا ان کے لئے عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ بعد کو حضرت یوسفؑ کے عقد نکاح میں آگئی تھیں لیکن اس کی سند نہ قرآن مجید سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے نہ توریت سے ۳۴ (جو آگے چل کر ان کے کام آئے گی) مطلب یہ ہوا کہ یوسفؑ کے نجات دینے سے ہماری غرض یہ تھی کہ ہم انہیں مادی و روحانی ہر انعام سے مالا مال کریں۔ كَذٰلِكَ ۔ یعنی جس طرح ہم انہیں پہلے اندھیرے کنوئیں سے نجات دلا چکے تھے اسی طرح اب ایک بڑے سردار حکومت کے گھر میں جگہ دے کر۔ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ الفاظ قرآن کی جامعیت اور عموم حضرت یوسفؑ کے ہر قسم کے انتظامی تجربہ اور واقفیت تدبیر منزل کو شامل ہے محض خوابوں کی تعبیر تک محدود نہیں۔ توریت میں ہے :۔ "اور یوں ہوا کہ جس وقت سے اس نے اسے گھر پر اور اپنی سب چیزوں پر مختار کیا خداوند نے اس مصری کے گھر میں یوسف کے سبب سے برکت بخشی اور اس کی سب چیزوں میں جو گھر میں اور کھیت میں تھیں خداوند کی طرف سے برکت ہوئی اور اس نے اپنا سب کچھ یوسفؑ کے قبضہ میں کر دیا اور اس نے روٹی کے سوا جسے کھا لیتا تھا کسی چیز سے کام نہ رکھا اور یوسف خوبصورت اور خوب پیکر تھا" (پیدائش ۳۹ : ۴-۶) ۳۵ دنیا کی مشرک اور جاہلی قومیں (اور اکثریت انہی کی ہے) اللہ کی اس صفت یعنی قدرت کاملہ سے متعلق طرح طرح کے غلط تصورات اور لغو عقاید میں مبتلا ہیں۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ ۔ جو امور عقل انسان کو مستبعد معلوم ہوتے ہیں اللہ ان کا سامان بھی خفی اور لطیف طریقوں سے کر دیتا ہے۔

۲۰ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ ایک تو یوسفؑ کی جُدائی ہی مجھے شاق ہے اور پھر یہ اندیشہ بھی لگا ہُوا ہے کہ تم لوگ تو جا کر اپنے مشاغل میں لگ جاؤ گے ایسا نہ ہو کہ اسے اکیلا چھوڑ جاؤ اور کہیں کوئی بھیڑیا آکر اُٹھالے جائے۔ ارضِ فلسطین کے جنگلوں میں بھیڑیئے اب تو خال خال رہ گئے ہیں لیکن قدیم زمانہ میں یہ وہاں کے جنگلوں میں خاص طور سے آباد تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱، ص ۱۳۰ طبع چہاردہم) حضرت یعقوبؑ تو بہرحال نبی تھے اتنی فراست ایمانی سے کام ایک عام مومن بھی لے سکتا ہے۔ لَيَحْزُنُنِيْٓ ۔ اَخَافُ ۔ آیت میں حزن اور خوف دونوں کا اثبات حضرت یعقوبؑ پیمبر کے حق میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کیفیات طبعی کا طاری ہونا کاملین کے لئے ان کے کمال کے منافی نہیں۔ ۲۱ روایاتِ یہود میں تصریح کے ساتھ آتا ہے کہ یہ برادرانِ یوسفؑ بڑے تنومند و قوی ہیکل تھے اپنی قوت و تعداد دونوں پر ان کا ناز کچھ بے جا نہ تھا۔

لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ

یہی رنج ہوگا کہ تم اس کو لئے جاتے ہو اور (پھر) مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو بھیڑیا کھا جائے اور

وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ

تم اس کی طرف سے بے خبر رہو۲۰ وہ بولے اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور

نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۱۴ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ

ہم ایک پوری جماعت موجود ہوں تو ہم بالکل گئے گذرے ہی ہوئے ۲۱ سو جب وہ ان کو لے گئے اور

اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں ۲۲ اور ہم نے (یوسفؑ) پر وحی کی

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۵ وَجَاۗءُوْٓ

کہ تم (ایک روز) ان لوگوں کو ان کی یہ بات جتلاؤ گے اور (اس وقت) وہ جانتے بھی نہ ہوں گے ۲۳ اور یہ لوگ

اَبَاهُمْ عِشَاۗءً يَّبْكُوْنَ ۝۱۶ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ

اپنے باپ کے پاس شروع رات میں روتے ہوئے پہنچے ۲۴ بولے اے ہمارے باپ ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے

وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا انہیں کھا گیا اور آپ تو

بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ وَجَاۗءُوْ عَلٰي قَمِيْصِهٖ

ہمارا یقین کریں گے نہیں گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں ۲۵ اور ان کے کرتہ پر جھوٹ موٹ

بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ

کا خون (بھی) لگا لائے (اس پر یعقوبؑ) بولے ہاں (یہ کہو کہ) تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے ۲۶

الثلثۃ

۲۲ (اور اس پر عمل بھی کر گزرے) توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہُوا کہ یوسف جب اپنے بھائیوں کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی قبا کو یعنی بوقلمون قبا کو جو وہ پہنے تھا اُتار کے اُسے ننگا کیا اور اُسے لے کے کنوئیں میں ڈال دیا وہ کنواں اندھا تھا اُس میں ایک بوند پانی نہ تھا۔" (پیدائش ۳۷: ۲۳۔۲۴) فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ ۔ قیل و قال کے بعد بالآخر حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے لے جانے کی اجازت ان کے چرب زبان بھائیوں کو دے دی تھی۔ ۲۳ رحمتِ الٰہی نے اس وقت بھی حضرت یوسفؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا عین جس وقت کہ کنوئیں میں گر رہے تھے۔ غیب سے الہام ہُوا کہ شکستہ دل و ملول نہ ہو خوف نہ کرو ان کے کید سے تمہیں رہائی مل کر رہے گی اور ایک روز وہ آئے گا کہ تم ان کی حرکتیں انہیں یاد دلاؤ گے اور یہ تمہیں پہچانیں گے تک نہیں تم اُس وقت ایسے ممتاز مرتبہ پر ہو گے۔ توریت کا قصہ قرآن کے ان بلند ٹکڑوں سے بالکل خالی ہے۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ ۔ اس وحی سے وحی اصطلاحی مُراد نہیں جو حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے یہ وحی الہام کے معنی میں ہے جو غیر نبی کو یا نبی کو قبل نبوت ہوتا رہتا ہے وهو وحی الهام (بحر عن مجاهد) ۲۴ (اپنا مصنوعی رنج و الم ظاہر کرنے کو) یہ لوگ گھر روزانہ شام کو واپس آتے ہوں گے آج ذرا اور دیر کر کے آئے یہ ظاہر کرنے کو کہ اتنی دیر یوسفؑ کی تلاش کرنے میں لگی۔ ایک جُرم کو نباہنے کے لئے دوسرے جرائم تک فطرتِ بشری مجرم کو ناگزیر طور پر لے جاتی ہے۔ ۲۵ حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ صحیح نکلا۔ برادرانِ یوسفؑ نے آکر ایک لگتی ہوئی کہانی گڑھ کے بیان کر دی۔ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ ۔ یہ نوجوان یا تو شکار کے پیچھے دوڑتے ہوئے نکل گئے ہوں گے یا محض آپس میں دوڑ کا کھیل کھیل رہے ہوں گے۔ یا یہ کچھ بھی سرے سے نہ ہُوا ہو سب بناوٹ ہی بناوٹ ہو۔ ۲۶ توریت میں اس کے برعکس قصہ یوں درج ہے:۔ "پھر انہوں نے یوسفؑ کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں تر کیا اور انہوں نے اس بوقلمون قبا کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم نے اسے پایا۔ آپ اسے پہچانئے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں۔ اور اس نے اسے پہچانا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔" (پیدائش ۳۷: ۳۱۔۳۳) گویا حسب بیانِ توریت پیمبرؑ نے ان فسوں سازوں کے دعوائے باطل کو بالکل تسلیم کر لیا تھا! ——— قرآن مجید نے حسب معمول توریت کی اس غلط بیانی کی بھی تردید کر دی۔

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَ اِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ ﴿۷﴾

یقیناً یوسفؑ اور اُن کے بھائیوں (کے قصہ) میں نشانیاں (موجود) ہیں پُوچھنے والوں کے لئے ۱۲

اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَ اَخُوۡہُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَ

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب وہ (سوتیلے) بھائی بولے کہ یوسفؑ اور اُن کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو ہم سے

نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِۣ ﴿۸﴾ اقۡتُلُوۡا

کہیں زیادہ پیارے ۱۳ ہیں درآنحالیکہ ہم ایک (پوری) جماعت ہیں ۱۴ بیشک ہمارے باپ تو بالکل بہک گئے ہیں ۱۵ (لاؤ)

یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ

یوسف کو قتل کر ڈالو یا انہیں کسی سرزمین پر ڈال آؤ تو تمہارے لئے تمہارے باپ کا رُخ (خالص) ہو جائیگا

وَ تَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡہُمۡ

اور اس کے بعد تمہارے سب کام بن جائیں گے ۱۶ (اتنے میں) اُنہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا

لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡہُ

کہ یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ انہیں (ایسے) اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو کہ انہیں کوئی راہگیر

بَعۡضُ السَّیَّارَۃِ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ

نکال لے جائے اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو ۱۷ وہ بولے اے ہمارے باپ آپ کو یہ کیا ہے

لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ وَ اِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا

کہ آپ یوسفؑ کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ۱۸ درآنحالیکہ ہم تو اُن کے بڑے خیر خواہ ہیں، انہیں کل ہمارے

غَدًا یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیۡ

ساتھ بھیج دیجیے کہ وہ ذرا کھائیں کھیلیں، اور ہم ان کے محافظ تو ہیں ہی ۱۹ (یعقوبؑ نے) کہا کہ (ایک تو) مجھے

دانی نہیں۔ ۱۱ وہ علیم کُل ہر ایک کے ظرف و استعداد سے بھی خوب واقف ہے اور صفت حکمت کے تقاضے سے ہر ایک کے مناسب حال عطا سے فیض کرنے والا بھی ہے۔ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ۔ اٰل یعقوب بنی اسرائیل کا مرادف ہے اور آیت کے ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ برادران یوسفؑ کو بھی نبوت ملی ہو۔ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ۔ اتمام نعمت کے تحت میں ساری دنیوی و اُخروی نعمتیں آگئیں گما۔۔ اِسۡحٰقَ ۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اتمام نعمت کے موقع پر حضرت یعقوبؑ نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا۔ ابراھیم اسحٰق۔ دونوں پر حاشیے پارۂ اوّل کے آخر میں گذر چکے۔ ۱۲ یعنی عام طالبان حق اور جویندگان علم کے لئے عموماً اور اُن اہل کتاب کے لئے خصوصاً جنہوں نے امتحان کی غرض سے رسُول اللہ صلعم سے اس باب میں سوال کیا تھا۔ اٰیٰتٌ۔ یعنی حق تعالیٰ کے کمال قدرت و حکمت کی نشانیاں —— مطلب یہ ہوا کہ یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے باہمی معاملات سے بڑے بڑے اخلاقی اور دینی سبق حاصل ہو سکتے ہیں اگر کوئی لینا چاہے۔ ۱۳ یعنی یوسفؑ اصلاً اور ان کے بھائی بن یامین تبعاً۔ توریت میں ان کے بھائی کا نام بنیامین درج ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کو جائز ہے کہ کسی مُرید کے ساتھ دوسرے مُریدوں سے زیادہ شفقت و اختصاص رکھے جبکہ اس میں آثار رشد دوسروں سے زاید پائے۔ ۱۴ (اپنی تعداد وقوت دونوں کی بنا پر قدر ہماری ہونا چاہئیے نہ کہ ان دو کمسن نادانوں کی جو باپ کے کسی کام بھی تو نہیں آسکتے) یہ گفتگو ان دسوں بھائیوں میں آپس میں ہوئی —— تمدن کی اس منزل میں اولاد کی تعداد اور قوت اہمیت کا جو درجہ رکھتی تھی وہ آج خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ ۱۵ (کہ خود اپنے نفع و نقصان کا اندازہ نہیں کرتے) ضَلٰل سے مُراد کوئی دینی اعتقادی یا اخلاقی گمراہی نہیں بلکہ محض دنیوی کم اندیشی و کم فہمی مُراد ہے۔ المراد منه الضلال من عاية المصالح فى الدنيا لا البعد عن طريق الرشد والصواب (کبیر) يعنون عن صواب الرأى (جصاص) اپنے حق میں کمال حُسن ظن اور اپنے بزرگوں کی فہم سے سوءظن رکھنا عام بشری کمزوری ہے اور یہ پیرزادے اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض اوقات مُریدوں کو بھی شیخ پر خطائے اجتہادی کا ایسا ہی گمان ہوتا ہے جیسا ان بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہوا تھا۔ ۱۶ (اور یہ قضیہ نامرضیہ باقی ہی نہ رہ جائے گا) اى صالحين فى امر دنيا كم فانه ينتظم لكم بعده (روح) انسان دشمنی کے عالم میں کتنی دُور تک جا سکتا تھا اور بدخواہی کے کن حدود تک پہنچ سکتا ہے یہ ان تجویزوں سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ اُقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡہُ جس طرح کمیٹی یا جلسۂ شوریٰ میں مختلف تجویزیں اور مشورے پیش ہوتے رہتے ہیں یہاں بھی مختلف سمتوں سے یہ تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ وَتَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد اپنی اس حرکت سے توبہ کر کے بھلے آدمی بن جانا —— اور اکثر مفسرین نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے۔ اى بالتوبة والتنصل الى الله تعالى عما جنتم به من الذنب اليه ذهب الجمهور (روح) مِنۡۢ بَعۡدِہٖ یعنی یہ یوسفؑ کا قصہ پاک کر لے کے بعد۔ اى بعد يوسف على معنى بعد الفراغ من امره (روح) ۱۷ یعنی واقعی اگر کچھ کرنا ہے تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ یوسفؑ کو یہاں سے یوں دفع کر دو مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق کے الزام سے بھی بچ جاؤ گے۔ اَلۡقُوۡہُ ۔۔۔۔ السَّیَّارَۃِ۔ کنوئیں اس زمانہ اور اس سطح تمدن میں عموماً ایسے موقعوں پر ہوتے تھے جو عام رہگذر ہوں۔ قافلے جب اُن کے پاس سے گذرتے تو ضرور پانی بھرتے اور یہ تاریخ کی ایک معلوم حقیقت ہے کہ فلسطین کے جنوبی مشرقی علاقہ میں تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ایک طرف فلسطین اور مصر کے اور دوسری طرف عرب و مصر کے درمیان برابر رہا کرتی تھی۔ قَآئِلٌ مِّنۡہُمۡ سے بعض اہل تفسیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس نے قتل کی رائے دی تھی وہ ان بھائیوں میں سے نہ تھا کوئی غیر تھا۔ ۱۸ (اور کبھی انہیں ہمارے ساتھ سیر و شکار کے لئے نہیں بھیجتے) جب باہم مشورہ سے وہ خاص صورت طے پا گئی تو اب سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گفتگو شروع کی توریت میں جہاں اور مسخ شدہ روایتیں ہیں اس روایت کو بھی بالکل خلط ملط کر کے درج کیا ہے۔ توریت کا بیان ہے، کہ یوسف خود ہی اپنے باپ کے فرستادہ اپنے بھائیوں کے پاس جنگل میں پہنچے جہاں وہ اپنے گلے چرا رہے تھے اور ان کے قتل وغیرہ کے منصوبے وہیں ہوئے:۔ " اور جونہی انہوں نے اسے دُور سے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ نزدیک پہنچے اس کے قتل کا منصوبہ باندھا اور ایک نے دوسرے سے کہا دیکھو یہ صاحب خواب آتا ہے سو آؤ اب ہم اسے مار ڈالیں اور کسی کنوئیں میں ڈال دیں اور کہیں کہ کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا اور دیکھیں کہ اس کے خوابوں کا انجام کیا ہوگا۔ تب روبن نے سُن کر اس کو ان کے ہاتھوں سے بچایا اور بولا چاہیئے کہ ہم اسے قتل نہ کریں اور ان سے کہا کہ خونریزی نہ کرو بلکہ اسے اس کنوئیں میں جو بیابان میں ہے ڈال دو اور اس پر ہاتھ نہ ڈالو تا کہ وہ ان کے ہاتھوں سے بچا کے اس کے باپ تک پہنچا دے "۔ (پیدائش ۳۷: ۱۸-۲۲) ۱۹ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ گلے چرانے جنگل جایا کرتے تھے محافظت کا وعدہ اس لئے کیا کہ جنگل پُرخطر جانوروں سے بھرے ہوئے تھے اور یوسفؑ ابھی کم سن بھی تھے۔ دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گڑھ لینا سخن سازی کی مشق کر لینا بناوٹی زندگی اختیار کر لینا فطرت بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔ یَرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سیر و تفریح جائز کھیل ہیں۔ وفى الاية دلالة على ان اللعب الذى ذكروه كان مباحا والا لما لم ينكره يعقوب عليه السلام (جصاص) المراد من اللعب الاقدام على المباحات هذا يوصف بانه لعب (کبیر) مطلق کھیل اور تفریح اگر اس کے اندر کوئی جز معصیت کا نہ ہو بالکل جائز ہے اور ملاعبت کا جواز صریح تو حدیث نبوی میں موجود ہے۔ جاز ان يكون المراد من اللعب الاقدام على المباحات لاجل انشراح الصدر كما روى عن النبى صلعم انه قال لجابر فهلا بكرا تلاعبها وتلاعبك (کبیر)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

(اور) آپ کے پاس وحی سے بھیجا ہے تو ہم ہی اس کے ذریعہ سے آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں

وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳ إِذْ قَالَ يُوْسُفُ

اور اس کے قبل آپ اس سے (محض) بے خبر تھے ۞ جب یوسفؑ نے

لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ

اپنے والد سے کہا ۞ کہ اے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں)

وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا

دیکھا، دیکھتا کیا ہوں کہ وہ میرے آگے جھک رہے ہیں ۞ وہ بولے اے میرے پیارے بیٹے اپنے

تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى إِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ

(اس) خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا ۞ ورنہ وہ تمہاری (ایذا) کیلئے کوئی چال چل کر رہینگے

إِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ

بیشک شیطان تو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۞ اور اسی طرح تمہارا پروردگار تم کو

رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

منتخب کریگا ۞ اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا ۞ اور اپنا انعام

عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ أَتَمَّهَا عَلٰٓى أَبَوَيْكَ

تمہارے اوپر اور اولادِ یعقوبؑ پر پورا کرے گا جیسا کہ وہ اسے اس کے قبل پورا کر چکا ہے تمہارے دادا

مِنْ قَبْلُ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ ۭ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

پردادا ابراہیمؑ و اسحٰقؑ پر ۔ بیشک تمہارا پروردگار بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۞

ع ۱۱

۴ یعنی اس قصہ کے صحیح تفصیلات آپؐ کو نہ اپنے ذوق و وجدان سے معلوم تھے اور نہ کسی راوی یا مؤرخ کے ذریعہ سے۔ احسن القصص سورہ تقریباً ایک مسلسل قصہ پر شامل ہے۔ اسے بہترین قصہ کیوں فرمایا گیا ہے؟ قصہ سے بہترین اخلاقی سبقوں کا نکلنا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی مختلف اہلِ تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے کی ہیں ———— عجب نہیں جو بڑی وجہ یہ ہو کہ جو متعدد اور مختلف بصیرتیں مختلف قصوں سے مقصود تھیں وہ سب اس میں یکجا کر دی گئی ہوں، اور یہ تو بہرحال واقعہ ہے کہ فطرتِ بشری کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق و اسرار اس ایک سورت میں اکٹھے مل جاتے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ سورت بس اپنی نظیر آپ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ احسن القصص میں یہ پہلو بھی ہو کہ حضرت یوسفؑ اور برادرانِ یوسفؑ کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اس صورتِ حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے جو رسول اللہ صلعم اور قریش کے مابین پیش آنے والی تھی۔ نَحْنُ نَقُصُّ۔ عربی کے اس دوہرے صیغہ متکلم سے مقصود زور دینا اور حصر کر دینا ہے کہ ہم ہی یہ صحیح مستند مفصل واقعات آپ تک پہنچا رہے ہیں یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ مِنْ قَبْلِهٖ یعنی قبل اس کے کہ ہم یہ قرآن آپ کی جانب وحی کریں۔ ای من قبل ایحائنا الیک ذلک (روح)۔ ۵ یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے شرفِ نبوت خاندان میں تین پشتوں سے چلا آرہا تھا زمانہ بقول اغلب ۱۹۱۰ء تا ۱۸۰۰ء ق۔م مولد و مسکن ارضِ فلسطین میں وادیٔ حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ۱۸ میل جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ ولادتِ حضرت یعقوبؑ کے محبوب ترین محل حضرت راحیل کے بطن سے ہوئی خود بھی حسین و خوبرو اور والد ماجد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ آخر آگے چل کر پیمبر بھی ہونے والے تھے آثارِ رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوتے۔ توریت میں ہے:۔ "اسرائیل یوسفؑ کو اپنے سب لڑکوں سے زیادہ پیار کرتا تھا اس لئے کہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اس کے لئے ایک بوقلموں قبا بنائی" (پیدائش، ۳۷: ۳) لِأَبِيْهِ۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں آپؑ پر مفصل حاشیہ پارۂ اول کے رکوع ۱۶ میں گذر چکا۔ ۵ سٰجِدِيْنَ۔ سجدہ سے یہاں اصطلاحی و شرعی سجدہ مراد نہیں جس کے معنی ایک متعین و معروف ہیئت کے ساتھ زمین پر ماتھا ٹیکنے کے ہیں بلکہ سجدہ یہاں اپنے اصلی و لغوی مفہوم میں یعنی انقیاد، اطاعت و تذلل کے مرادف آیا ہے۔ اصل السجود التطامن و التذلل (راغب) ساجدین ای متواضعین (مدارک) إِنِّيْ رَأَيْتُ۔ یعنی خواب میں دیکھا۔ رأیت رُویت سے بھی ہوسکتا ہے اور رؤیا سے بھی لیکن مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں رؤیا ہی سے ہے۔ (ایت من الرؤیا لا من الرؤیۃ (کشاف)) اور مفسرین کے اتفاق سے قطع نظر خود قرآن مجید کی تصریح اگلی ہی آیت میں آرہی ہے لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ ———— توریت میں بھی ذکر خوابوں ہی کا ہے۔ رَأَيْتُ۔ سٰجِدِيْنَ۔ اجرامِ سماوی کے اس انحناء کی کیفیت کے تفصیلی ذکر سے قرآن مجید حدیث نبوی بلکہ توریت بھی خاموش ہے البتہ یہ خوب مستحضر رہے کہ یہ منظر بیداری کا نہیں بلکہ خواب کا تھا، جہاں ہر وہ چیز جو تصور یا تخیل میں آسکتی ہے جسم و تمثل کے ساتھ واقعہ بن کر بھی سامنے آجاتی ہے اس لئے اس پر وہ سوالات پیدا ہی نہیں ہوتے جو بیداری کے مشاہدہ پر عائد ہوسکتے تھے مثلاً یہ کہ سورج کے ساتھ چاند اور ستاروں کا اجتماع ممکن کیونکر ہوا؟ وقس علیٰ ہذا۔ یہ بھی واضح رہے کہ قدیم اسرائیلیوں میں سجدہ کمال ادب سے سلام کرنے کا مرادف اور خاص علامتِ انقیاد تھا۔ حضرت یوسفؑ جس اہمیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے خواب کو تعبیر کے لئے بیان کر رہے ہیں اور پھر حضرت یعقوبؑ جس طرح اس کی تعبیر دے رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ خواب کوئی ایسی حقیر و ناقابلِ التفات شے نہیں جیسی کہ آج کی "روشن خیالی" میں بغیر کسی دلیل کے فرض کر لی گئی ہے۔ ۶ حضرت یعقوبؑ کے ذہن میں خواب کی تعبیر فوراً آگئی — آپ اپنے چہیتے فرزند حضرت یوسفؑ کو منع کرتے ہیں کہ کہیں اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ دُہرا دینا وہ بھائی بھی بہرحال خاندانِ نبوت ہی سے تھے اور تعبیرِ خواب سے مناسبت رکھتے تھے اور مناسبت نہ بھی رکھتے جب بھی خواب کا مضمون جذباتِ رشک و حسد کے برانگیختہ کر دینے کو بہرحال کافی تھا۔ إِخْوَتِكَ۔ آپؑ سے بڑے بھائی آپ کی دوسری ماؤں سے دس تھے گیارھویں بھائی بن یامین آپ ہی کی والدہ کے بطن سے اور آپؑ سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے نبی کوئی بھی نہ تھا۔ يٰبُنَيَّ۔ بُنَيَّ صیغہ تصغیر کا ہے۔ مگر ایسی تصغیر جو تحقیر پر نہیں بلکہ محبت و شفقت پر مبنی ہو۔ صغرہ للشفقۃ ویسمی النحاۃ مثل ہذا التصغیر التحبیب (روح) ۷ ان بھائیوں کے تعلقات (جیسا کہ دنیا میں اکثر سوتیلے بھائیوں میں ہوتا ہے) آپؑ سے کشیدہ تھے اس کشیدگی کے صحیح اسباب کا علم تو اللہ ہی کو ہے البتہ توریت میں دو سبب لکھے ہوئے ہیں، ایک یہ کہ یوسفؑ بچپن ہی سے بہت ہی سلیم الطبع تھے نہ صرف یہ کہ خود شرارتوں سے الگ رہتے تھے بلکہ اپنے بھائیوں کی شرارتوں کی رپورٹ بھی اپنے والد ماجد سے کر دیتے تھے:۔ "یوسفؑ ان کے باپ کے پاس اُن کے بُرے کاموں کی خبر لاتا تھا" (پیدائش ۳۷: ۲) دوسری بات یہ کہ حضرت یعقوبؑ کو اُن کے ساتھ محبت غیر معمولی تھی یہ بات بجائے خود دوسروں کو ناگوار گزرتی:۔ "اس کے بھائیوں نے یہ دیکھ کے کہ اس کا باپ اس کے سب بھائیوں سے اسے زیادہ پیار کرتا ہے اس کا کینہ پیدا کیا اور اس سے محبت کی بات نہ کر سکتے تھے۔" (پیدائش ۳۷: ۴) لیکن ایک وجہ تو بالکل کھُلی ہوئی ہے یعنی بچپن ہی سے آپ کا سعید و رشید ہونا۔ گیارھواں بھائی (جو سوتیلا نہیں حقیقی بھائی تھا) مخالف نہ تھا لیکن اس کی کمسنی کی بنا پر یہ ممکن تھا کہ بڑے بھائی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں اس سے بھی فائدہ اٹھاتے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس کسی سے حسد یا کینہ کا اندیشہ ہو۔ اُس سے اللہ کی نعمتوں کا اخفاء جائز ہے۔ وھو اصل فی جواز ترک اظہار النعمۃ وکتمانہ عند من یخشی حسدہ وان کان اللہ قد امر باظہارہ (جصاص)۔ ۸ (اسے تمہارے بھائیوں کے دل میں وسوسہ ڈالتے کیا دیر لگتی ہے) حضرت یعقوبؑ کا یہ خیال ہی خیال نہ تھا۔ توریت میں ہے کہ بھائیوں نے یوسفؑ کا خواب سُن کر زبان سے بھی اپنے غصّہ کا اظہار کر ڈالا:۔ "تب اُس کے بھائیوں نے اُسے کہا کیا تو سچ مُچ ہمارا بادشاہ ہوگا یا تو ہمارا حاکم ہوگا۔ اور انہوں نے اس کے خوابوں اور اس کی باتوں سے اس کا زیادہ کینہ پیدا کیا۔" (پیدائش ۳۷: ۸) توریت کی یہ روایت بھی اگرچہ حسبِ معمول تحریفات سے پُر ہے، تاہم جا بجا اس سے قرآنی صداقتوں کی توثیق بھی ہوتی جاتی ہے۔ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شیطان کے اثر اور کینہ کے اخلاقی مرض سے محفوظ رکھنے کے لئے پیمبر زادگی ہرگز کافی نہیں۔ چہ جائیکہ مشائخ و صالحین کی اولاد میں سے ہونا! ۹ (اے یوسف نبوت کے لئے) قال الحسن یجتبیک ربک بالنبوۃ (کبیر) كَذٰلِكَ حضرت یعقوبؑ فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس خواب کے ذریعہ سے تمہاری آیندہ عزت افزائی کی ایک جھلک تمہیں دکھا دی گئی ہے اور اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تمہیں اپنے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ پر سرداری حاصل ہوگی، اسی طرح اور بھی عزتیں تمہارے لئے پردۂ غیب میں منتظر ہیں۔ ۱۰ خوابوں کی صحیح تعبیر بھی اللہ کی ایک نعمت ہے اگرچہ اس نعمت میں زندگی رزق صحت، دولت وغیرہ دوسری نعمتوں کی طرح مسلم کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوں۔ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ کے عام و متداول معنی تو تعبیرِ خواب ہی کے ہیں۔ قال مجاهد والسدی تاویل الاحادیث عبارۃ الرؤیا (ابن کثیر) تعبیر الرؤیا (بیضاوی) لیکن احادیث کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے علم و حکمت و فہمِ مسائل وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ قال الحسن تاویل الاحادیث (روح) قال ابن زید العلم والحکمۃ (روح) دیگران مراد بتاویل الاحادیث معانی کتب اللہ وسنن الانبیاء ... خواب کی بنا پر آیندہ کے واقعات تکوینی کے مکشوف ہوجانے کا بعید

۱۶۹ مطلب یہ ہوا کہ ان قرآنی قصّوں کے مضامین و مطالب ایک تو بجائے خود حق اور واقعی، پھر ایک تو بُرے کاموں سے رُکنے کی نصیحت ان میں ملتی ہے دوسرے اچھے کاموں کی یاد دہانی ان سے ہوتی ہے اور ثباتِ قلب ان سے جو آپؐ کو حاصل ہوتا ہے وہ اس سب سے الگ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مقبولین کی سرگذشت میں ایک خاص اثر تثبیت قلب و

مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا

(ان میں) نصیحت اور یاد دہانی اہل ایمان کے لئے ہے ۱۶۹ اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو

يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ

اور تم انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ۱۷۰ اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں

وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ

آسمانوں اور زمین کی اور سارے امر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ۱۷۱ تو آپ اُسی کی عبادت کیجیے اور

تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۰

اسی پر بھروسہ رکھیے اور آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو ۱۷۲

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

(۱۲) سورۂ یوسف مکی ہے اور اس میں ۱۱۱ آیتیں اور ۱۲ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بڑے رحمت کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الۗرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

الف ۔ لام ۔ را یہ ایک کتاب واضح کی آیتیں ہیں ۱ بیشک ہم نے اتارا ہے قرآن

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

فصیح تاکہ تم (اسے) سمجھو ۲ ہم نے جو یہ قرآن

تقویتِ قلب کا ہے اس لئے مشائخ نے اولیاء صالحین کی حکایات کے جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔

۱۷۰ ظاہر ہے کہ یہ تقریر آخری موقع کی ہے جب اثرات تبلیغ سے بالکل یاوسی ہو جاتی ہے وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ انتظار سے مُراد نتائج اعمال کے ظہور کا انتظار ہے۔

۱۷۱ علم اور مِلک بھی اسی کا کامل اور اختیار و تصرف بھی اسی کا کامل۔ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ زمین و آسمان کی ہر چھپی ہوئی چیز اللہ ہی کے لئے بہ اعتبار علم بھی اور بہ اعتبارِ مِلک بھی۔

۱۷۲ کوئی فعل کسی کا جیسا اور جس درجہ کا بھی ہو اس کے علم اور قدرت کی گرفت سے باہر نہیں۔ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی اگر تبلیغ توحید میں اذیت کا احتمال ہو تو اسے خاطر میں نہ لائیے اور یقین یہی جمائے رکھیے کہ تصرفات تکوینی سب کے سب بس اسی کے اختیار میں ہیں۔

۱ یعنی ایسی کتاب کہ جس کی عملی تعلیمات میں کسی قسم کا خفا و ابہام نہیں عملی مسائل اس کے صاف سادہ اور متفق علیہ ہیں۔ الۗرٰ۔ ابن عباس صحابیؓ سے اس کے معنی انا اللّٰہ ارٰی منقول ہیں۔ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا اور الۗرٰ پر شروع سورۂ یونس میں۔

۲ (اور سمجھ کر اس کی ہدایات پر عمل کرو) عَرَبِيًّا۔ خطاب سارے انسانوں کو ہے نہ کہ صرف اہل عرب کو قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا کے معنی اگر "عربی زبان کا قرآن" کئے جائیں تو دائرۂ خطاب سمٹ کر صرف اہلِ عرب تک محدود رہ جاتا ہے لیکن عربی کے معنی فصاحت سے بیان کرنے والے اور خود کلام فصیح و واضح کے ہیں اور یہاں یہ معنی لینے سے خطاب عامۃ الناس کی طرف رہتا ہے۔ العربی المفصح سب العرب الفصیح البیّن من الکلام (راغب) التعریب التبیین والایضاح ویقال اعرب عنہ لسانہ وعرب ای ابان افصح (تاج) خود عرب کا نام عرب اس لئے پڑا کہ وہ زبان فصیح کے مالک تھے۔ واختلف فی سبب تسمیۃ العرب فقیل لاعراب لسانہم ای ایضاحہ وبیانہ لان اشرف الالسن واوضحہا اعربہا (تاج) اَنْزَلْنٰهُ ضمیر کتاب کی طرف ہے جس کے اندر قصۂ یوسفؑ مذکور ہے۔ والتعبیر انا انزلنا الکتب الذی فیہ قصۃ یوسف فی حال کونہ قرانا عربیا (کبیر)

۱۶۴ف یعنی اگلی اُمتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الٰہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے، جنہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔ معناہ ولکن قلیلاً ممن انجینا من القرون نہوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنھی (کشاف) اُولُوا بَقِیَّۃٍ کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کئے گئے ہیں اور اصحابِ فہم کے بھی۔ ای اولوا فضل وخیر (کشاف) او ذوو خصلۃ باقیۃ من الرأی والعقل (رح) الفساد فی الارض قرآن مجید کی اس جامع اصطلاح میں ہر قسم کی بے دینی اور بد دینی آجاتی ہے۔ مِنْھُمْ یعنی انہی قدیم قوموں اور اُمتوں میں سے۔ مِمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ ۔ یعنی جنہیں عذاب کی گرفت سے بچالیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر و شرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔ ۱۶۵ف (کر اس سے باز ہی نہ آئے) یعنی منکرین بدو بن بدستور اپنی مادی عیش و عشرت میں پڑے رہے اور سب کے سب مجرم ہی رہے۔ ۱۶۶ف (بلکہ عذاب ہلاکت تو ان پر اس وقت واقع ہوتا ہے، جب نہ وہ خود فساد فی الارض سے رُکتے ہیں نہ دوسروں کو روکتے ہیں) مُصْلِحُوْنَ اصلاح سے یہاں مراد اپنی اور دوسروں دونوں کی اصلاح ہے۔ بِظُلْمٍ ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر لیا گیا ہے اور ظلمٍ کا صیغۂ نکرہ ظلم کی عظمت ظاہر کرنے کو ہے۔ والتنکیر للتفخیم (روح) لیکن بعض اکابر مفسرین نے آیت کے بالکل دوسرے ہی معنی قرار دیے ہیں وہ ظلم کو شرک کا مرادف قرار دے کر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کسی قوم کو محض اس کے شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کر دیتا اس حال میں کہ وہ قوم آپس کے معاملات (بندوں کے معاملات) ٹھیک رکھے ہوئے ہو۔ المراد من الظلم ھھنا الشرک والمعنی انہ تعالیٰ لا یھلک اھل القری بمجرد کونھم مشرکین اذا کانوا مصلحین فی المعاملات فی ما بینھم والحاصل ان عذاب الاستیصال لا ینزل لاجل کون القوم معتقدین للشرک والکفر بل انما ینزل ذلک العذاب اذا اساءوا فی المعاملات وسعوا فی الایذاء والظلم (کبیر) ای لا یھلک القری بسبب شرک اھلھا وھم مصلحون فی المعاملات فیما بینھم لا یضمون الی شرکھم فساداً اٰخر (مدارک)، اور امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ مذہب اہل سُنت کے موافق آیت کی یہی تفسیر ہے۔ وھذا تاویل اھل السنۃ لھذہ الاٰیۃ (کبیر) فقہائے نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ تزاحم حقوق کے وقت حقوق العباد مقدم ہیں۔ ومن ذلک تقدم الفقھاء عند تزاحم الحقوق حقوق العباد (بیضاوی) لِیُھْلِکَ میں لِ تاکیدِ نفی کے لئے ہے۔ اللام لتاکید النفی (کشاف) واللام فیہ مثل ذلک اللام لتاکید النفی عند الکوفیۃ (روح)۔ ۱۶۷ف گویا انسان کی اب جو خلقت رکھی گئی ہے اس کے لحاظ سے یہ ضرور ہے کہ اہلِ حق کے مقابلہ میں اہلِ ضلال بھی برابر پیدا ہوتے رہیں اور جس طرح صفت رحم و کرم کے مظہر اہلِ حق و اہلِ جنت ہیں اسی طرح صفت غضب کے مورد اہل باطل و اہل جہنم ہوتے ہیں۔ وذلک لیکونوا مظاھر جلالہ وجلالہ ولطفہ وقھرہ (روح)، وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ یعنی اگر مشیتِ تکوینی کا اقتضا یہی ہوتا۔ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۔ یعنی سب کے سب اضطراراً و جبلۃً حق پر جمع ہو جاتے اور دنیا میں بس ایک ہی قوم اہلِ حق کی رہتی۔ قال قتادۃ یجعلھم مسلمین وذلک بالالجاء الی الایمان (جصاص) ۱۶۸ف (سوائے پیغمبر آپ طبقۂ اہلِ ضلال کے وجود پر زیادہ غم و حیرت نہ کریں) لِذٰلِكَ خَلَقَھُمْ ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ انسان کی خلقت ہی ایسی رکھدی گئی ہے کہ اہلِ حق کے مقابلہ میں اہلِ ضلال برابر پیدا ہوتے رہیں اور رسول اللہ صلعم کو سمجھا دیا گیا کہ آپ اس پر زیادہ غم و حیرت نہ کریں۔ یہ بیان انسان کی غایت تکوینی کا ہوا اس لئے اس میں اور اس غایت تشریعی کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔ جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ انسان و جنات کی غایت آفرینش عبادتِ الٰہی ہے۔ بعض ائمۂ تفسیر نے خلق کا تعلق رحم سے سمجھا ہے اور فقرہ کے معنی یہ لئے ہیں کہ "رحمت ہی کے غرض سے انہیں پیدا کیا ہے" روی عن ابن عباس ومجاھد وقتادۃ وللضحاک خلقھم للرحمۃ (جصاص) اَجْمَعِیْنَ سے ظاہر ہے کہ مُراد یہ نہیں کہ کل جنات اور انسان دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے بلکہ مُراد یہ ہے کہ جتنوں کو دوزخ میں جانا ہے ان میں جن و انس سب ہی ہوں گے۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۔ یعنی بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ اختلافِ باطل سے محفوظ رکھ لے۔ انما ھو استثناء من المختلفین بالباطل بالاطلاق فی الایمان المؤدی الی الثواب (جصاص)

مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ
ایسے سمجھدار لوگ ہوتے جو منع کرتے مُلک میں فساد (پھیلانے) سے
اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا
بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا تھا ۱۶۴ اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنیوالے
مَآ اُتْرِفُوْا فِیْہِ وَكَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہو گئے ۱۶۵، اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا
لِیُھْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ
نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کر دے (انکی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں ۱۶۶
شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوْنَ
اور اگر آپکے پروردگار کی مشیت ہوتی تو (سب) انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن وہ اختلاف ہی
مُخْتَلِفِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَھُمْ ۭ
کرنے والے ہمیشہ رہینگے ۱۶۷ بجز اس کے جس پر آپکے پروردگار کی رحمت ہو، اور اسی لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے،
وَتَمَّتْ كَلِمَۃُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ
اور آپکے پروردگار کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں
النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ
سب سے بھر دوں گا ۱۶۸ اور پیمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سب (قصے) آپ سے
الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَقُّ وَ
بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان (قصوں) کے اندر آپکے پاس حق پہنچا ہے اور

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ

پہلے ہی سے آپ کے پروردگار کی طرف سے نہ ٹھہر چکی ہوتی توان کے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا اور یہ لوگ اسکی طرف سے

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۗ

شک کر کے تردد میں پڑے ہوئے ہیں ۱۵۴ بیشک سب ہی ایسے ہیں کہ آپ کا پروردگار انہیں اُنکے اعمال کا (عوض) پورا پورا دیگا

اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ

بیشک جو کچھ یہ کرتے ہیں اسکی وہ پوری خبر رکھتا ہے ۱۵۵ تو آپ مستقیم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے (اور وہ لوگ بھی)

تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۗ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا

جو تائب ہو کر آپکے ہمراہ ہیں ۱۵۶ اور تم لوگ سرکشی نہ کرو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اسکو وہ خوب دیکھ رہا ہے ۱۵۷ اور اُن

تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں (اپنے حق میں) ۱۵۸ ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائیگی اور (اسوقت) اللہ کے

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

سوا کوئی تمہارا رفیق نہ ہوگا پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی ۱۵۹ اور آپ نماز کی پابندی رکھیے

طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۗ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں ۱۶۰ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں

السَّيِّاٰتِ ۗ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

بدیوں کو ۱۶۱ یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے ۱۶۲ اور صبر کرتے رہیئے بیشک اللہ

يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۱۶۳ پس کاش تمہارے پیشتر کی اُمتوں سے

۱۵۴ یعنی اس فیصلہ ہی کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور فیصلہ سے مراد عذاب موعود ہے۔ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ یعنی اسی دنیا میں فیصلہ ہو گیا ہوتا، اور فیصلہ سے مُراد عملی شاہد فیصلہ ہے۔ بینھم سے مُراد اختلاف کرنے والوں کے درمیان ہے۔ ۱۵۵ اچھے بُرے مومن و کافر، صالح، فاسق بڑے چھوٹے سب ہی کی پوری پوری فرد عمل اس کے سامنے موجود ہے۔ اس کے ہاں جزائے اعمال میں کسی غلطی سہو ونسیان کا امکان ہی نہیں۔ ۱۵۶ یعنی آپ راہِ دین پر پوری طرح قائم رہیے اور کفار و منکرین کے انجام کی فکر میں نہ پڑیئے۔ اور یہی حکم آپکے متبع مومنین کے حق میں بھی ہے ——— آپ کا درجۂ استقامت آپ کے مرتبہ کے لائق اور آپکے ہمراہی مومنین کا ان کے مرتبہ کے لائق۔ محققین نے لکھا ہے کہ اعلیٰ استقامت یہی ہے کہ حقوق حق اور حقوق خلق دونوں پوری طرح ادا ہوتے رہیں۔ ای والقیام بحقوق الحق والخلق (روح)، وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اس عطف سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ پیمبر کی استقامت اور مومنین کی استقامت ایک درجہ یا ایک مرتبہ کی چیز ہے اشتراک صرف نفس عمل میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ مراتب عمل میں۔ والعطف لا يقتضي إلا التشارك في مطلق الفعل (روح) تَابَ۔ توبہ کس چیز سے مُراد ہے؟ کفر وضلالت سے توبہ۔ ۱۵۷ اس کا علم بھی کامل، محیط اور اس کو قدرت جزا بھی ہر طرح پر حاصل ہے۔ وَلَا تَطْغَوْا۔ طغیان سے مُراد ہے عقائد، عبادات یا اخلاق و معاملات کسی بات میں بھی افراط یا تفریط اختیار کرنا اور یہ استقامت کی ضد ہے جس کا حکم ابھی مل چکا ہے۔ ۱۵۸ (اے مسلمانو!) خطاب عام اُمت سے ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا۔ یہ رکون یا جھکنا بہ اعتبار دوستی اور محبت اور شرکت احوال واعمال کے ہے۔ ۱۵۹ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کی طرف۔ یہ ساری وعیدیں رکون الی الکفار یعنی کافروں کی طرف محض مائل ہونے پر بیان ہو رہی ہیں۔ اللہ اللہ! کفر کس درجہ اللہ کی نظر میں مبغوض ہے! علماء محققین کے حسب تصریح بلاضرورت کفار کی وضع اختیار کرنا باوجود قدرت ان پر نکیر نہ کرنا اُن کی تعظیم وتوقیر کرنا بلاضرورت شرعی ان کے ساتھ مصاحبت و مجالست اور ان کے ساتھ مداہنت یہ سب اسی نہی کے تحت میں آجاتا ہے اور یہ سب مثالیں رکون الی الکفار کی ہیں۔ وانتظم ذلك النهي عن مجالسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم (جصاص)۔ ۱۶۰ اس میں بدرجۂ اجمال دن رات کی پانچوں فرض نمازیں آگئیں۔ طَرَفَيِ النَّهَارِ۔ یا دن کے دونوں سروں سے مُراد ایک طلوع فجر ہے دوسرے بعد زوال ——— پھر بعد زوال بجائے خود ظہر وعصر کے دو حصوں پر شامل ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ کے اندر مغرب وعشاء کے اوقات آگئے قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اوقات نماز کا ذکر ہے بدرجۂ اجمال ہی ہے تفصیلات صرف سنت رسُول کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوں گی ہمارے زمانہ کے جن علماء مجددین نے محض قرآن مجید سے پوری تفصیلات نکالنی چاہی ہیں۔ انہوں نے عجب عجب مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں۔ ۱۶۱ (اس لئے ہر نیکی کی کوشش کرتے رہو) یہ صحیفۂ اسلامی کی عجیب وغریب دفعہ ہے، جس کی نظیر مشکل ہی سے کسی دوسرے صحیفۂ دینی میں ملے گی ارشاد ہوتا ہے کہ ہر حسنہ بجائے خود تو خیر نیکی ہے ہی، ایک خاصہ اذہاب سیئہ (بدی کو مٹانے) کا بھی رکھتی ہے نیکیوں کی افزائش کی ترغیب کا اس سے بہتر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر بندے اپنے باہمی معاملات میں اللہ کے اس قانون کو یاد رکھتے تو آج آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کا دفتر کتنا مختصر ہو گیا ہوتا ——— اللہ تو اپنے ہاں کا یہ قاعدہ رکھے کہ نیکیوں کے ہوتے ہوئے بدیوں پر نظر نہ کی جائے اور بندے اس کے برعکس یہ عمل جاری رکھیں کہ اپنے بھائیوں کی کمزوریوں لغزشوں خطاؤں کے آگے ان کی خوبیوں پر برابر خاک ہی ڈالے رہیں! مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ طاعت کے انوار سے معصیت کی ظلمتیں دُور ہو جاتی ہیں اور ملکۂ طاعت کے غلبہ سے مادۂ معصیت مضمحل ہو جاتا ہے۔ ۱۶۲ یعنی یہ قاعدہ کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ایک بڑی جامع نصیحت ہے ان لوگوں کے حق میں جو اسے سننا اور اس سے نفع اٹھانا چاہیں کہ اس سے نیکیوں کی بڑی ترغیب ہوتی ہے۔ ۱۶۳ (سو آپ کے اجر کا درجہ تو بہت بڑا ہے وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے) وَاصْبِرْ۔ صبر کرنے سے یہاں مراد کافروں اور منکروں کی اذیت رسانیوں پر صبر کرنا ہے۔

۱۴۸ شَقِیٌّ یعنی بدبخت یا سزاوارِ نار۔ الذی وجبت لہ النار لاساءتہ (کشاف)۔ سَعِیدٌ یعنی خوش نصیب یا قابلِ عفو و سزاوارِ جنت۔ الذی وجبت لہ الجنۃ لاحسانہ (کشاف)، لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ یہ بیان یومِ قیامت کے ہول اور دہشت کا ہو رہا ہے۔ مِنْهُمْ یعنی اہلِ محشر میں سے۔ ضمیر هُمْ اہلِ موقف کے لئے ہے اور ایسے موقع کے لئے جو سیاق سے بخوبی سمجھ میں آجائے عربی اسلوب بلاغت میں ضمیر کے قبل اسم لانا بالکل غیر ضروری ہے۔ الضمیر لاھل الموقف ولم یذکر لان ذلک معلوم (کشاف)، ۱۴۹ زَفِیْرٌ اور شَهِیْقٌ۔ دونوں گدھے کی آوازیں ہیں۔ زفیر اس کی شروع کی آواز، شہیق اس کے آخر کی آواز۔ قال الضحاک ومقاتل والفراء الزفیر اول نہیق الحمار والشہیق آخرہ (کبیر) قال اہل اللغۃ من الکوفیۃ والبصریۃ الزفیر بمنزلۃ ابتداء صوت الحمار والشہیق بمنزلۃ آخرہ (معالم)، مُراد یہ ہے کہ اہلِ دوزخ طرح طرح کی بڑی بڑی دردناک آوازوں سے چیختے چلاتے رہیں گے۔ ۱۵۰ اسلام نے جس خدا کو پیش کیا ہے اس کے اختیارات غیر محدود ہیں اس کا اقتدارِ اعلیٰ سب پر حاکم ہے اس کے ارادہ کو قید میں رکھنے والی نہ کوئی اور قوتِ ارادی ہے نہ کوئی اور بے جان ضابطہ، آیت میں رَد آ گیا ان تمام ادیانِ باطل کا جنہوں نے خدا کا وجود تو مانا ہے لیکن محدود قویٰ اور اختیارات کے ساتھ یا یہ کہہ دیا ہے کہ خدا صرف انصاف کر سکتا ہے عفو پر قادر نہیں۔ یا یہ تعلیم دی ہے کہ "کرم" (ہندی زبان میں قانونِ مجازات کا مرادف) خدا یا قانون ساز کی بھی قوت سے بالادست ہے! اس طرح کا کوئی عجیب و غریب خدا ہرگز اسلام کی نظر میں خدا نہیں ——— وہ جس عاصی، خاطی، مجرم کو چاہے بغیر کسی سزا کے یا بہت خفیف سزا کے بعد بخش دینے پر قادر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ محاورہ میں اس سے مراد ابدیت یا دوام سے ہوتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان تو اس وقت فنا ہی ہو چکے ہوں گے اس لئے لفظی معنی مراد ہو ہی نہیں سکتے۔ عبارۃ عن تابید ونفی الانقطاع (کشاف) العرب یعبرون عن الدوام والابد بقولہم ما دامت السموات والارض (کبیر) ھذا عبارۃ عن التابید ونفی الانقطاع علی منہاج قول العرب (روح) التعبیر عن التابید للمبالغۃ بما کانت العرب یعبرون بہ عنہ (بیضاوی) من عادۃ العرب اذا ارادت ان تصف الشیء بالدوام ابدًا قالت ھذا دائم دوام السموات والارض (ابن جریر) اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ یہ استثناء اَلَّذِیْنَ شَقُوْا سے ہے یعنی ہر شقی دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں پڑا رہے گا۔ عام قاعدہ و ضابطہ تو یہی ہے لیکن فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کی مشیت اس پر بھی غالب ہے وہ جس مجرم کو جس طرح اور جس حد تک چاہے بچا لے۔ جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر کا عذاب دائمی ہو گا جس سے اسے کبھی چھٹکارا نہ مل سکے گا۔ واما الجمہور الاعظم من الامۃ فقد اتفقوا علی ان عذاب الکافر دائم (کبیر) کانہ تعالٰی یقول اظہرت القہر والقدرۃ ثم اظہرت المغفرۃ والرحمۃ لانی فعال لما ارید ولیس لاحد علی حکم البتۃ (کبیر) ۱۵۱ یہ بخشش غیر منقطع ہوگی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی جنتی کچھ روز بعد جنت سے باہر کر دیا جائے۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ استثناء اَلَّذِیْنَ سُعِدُوْا سے ہے یعنی ہر مطیع و سعید بھی مشیتِ الٰہی و فضلِ خداوندی کے بعد ہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ معنی الاستثناء ھھنا ان دوامہم فیما ہم فیہ من النعیم لیس امرًا واجبًا بذاتہ بل ھو موکول الی مشیۃ اللہ تعالٰی (ابن کثیر) مذہبِ اہلِ سُنّت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ عاصی مسلم بہرحال خلودِ نار کا مستوجب نہیں۔ اگر بالکل معافی نہ ہوئی جب بھی کچھ سزا جھیلنے کے بعد جنت میں لے آیا جائیگا۔ احادیث میں یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے مفسر نسفی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کو جب ان احادیث کی گرفت سے مفر نہ ملا تو خود ان احادیث ہی سے انکار کر بیٹھے۔ والمعتزلۃ لما لم یروا الخروج للعصاۃ من النار ردوا الاحادیث المرویۃ فی ھذا الباب وکفی بہ اثمًا مبینًا (مدارک) اور یہی دستور ہمارے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا بھی ہے۔ ۱۵۲ (قیامت کے دن) فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ۔ یعنی مذہبِ شرک شک و تذبذب کا مستحق نہیں صاف صاف قطعی انکار کے قابل ہے۔ كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ یعنی جیسے اُن کے آباد اجداد غیر اللہ کی پرستش میں بالکل بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل لگے رہتے تھے یہ بھی اسی طرح اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ نَصِیْبَهُمْ یعنی اُن کے عذاب و سزا کا حصہ۔ ۱۵۳ یعنی کچھ نے اسے مانا اور کچھ اس میں بھی طرح طرح کے شبہات اعتراضات بھی نکالتے رہے، حالانکہ کتاب توریت تو اسرائیلیوں کی اپنی "قومی" کتاب بھی تھی تو پھر قرآن کے باب میں تو جو کچھ بھی تردد و انکار ہو کوئی نئی بات نہ ہوگی۔

فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ۱۰۵ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ
پھر بعض تو ان میں شقی ہوں گے اور بعض سعید ۱۴۸ سو جو لوگ شقی ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اس
لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ۱۰۶ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ
میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی ۱۴۹ اس میں پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) جب تک کہ
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ
آسمان اور زمین قائم ہیں ہاں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار ہی چاہے بیشک آپ کا پروردگار جو چاہے
لِّمَا یُرِیْدُ ۱۰۷ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ
پورے طور پر کر سکتا ہے ۱۵۰ اور جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہونگے اس میں رہینگے (ہمیشہ ہمیش)
فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ
جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار چاہے
عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۱۰۸ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ
(یہ) عطیہ غیر منقطع ہے ۱۵۱ سو (اے مخاطب) شک نہ کر اس چیز کے بارے میں جس کی یہ لوگ پرستش
هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ
کرتے ہیں یہ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادا ان کے قبل پرستش کرتے رہے ہیں
وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ۱۰۹ ع وَلَقَدْ
اور ہم یقیناً ان کا حصہ ان کو پورا پورا دینے والے ہیں بے کم و کاست ۱۵۲ اور بالیقین
اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی سو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا ۱۵۳ اور اگر ایک بات

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ١٠٠

بستیوں کی بعض خبریں تھیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں (بعض) ان میں سے قائم ہیں اور (بعض) ختم ہی ہو گئیں ۱۴۳

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہی نے اپنے اُوپر ظلم کیا سو اُن کے وہ

عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

دیوتا اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے جب کہ

شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ١٠١

آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آپہنچا اور وہ (اُلٹے) ان کی ہلاکت ہی بڑھاتے رہے ۱۴۴

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ

اور آپ کے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اُوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں

اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ١٠٢ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ

بیشک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ ہے بڑی سخت ہے ۱۴۵ بیشک ان (واقعات) میں اس کے لئے نشانی ہے جو

خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ

آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو ۱۴۶ وہ ایسا دن ہوگا کہ اس میں (کل) انسان جمع کئے جائیں گے

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ١٠٣ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ

اور وہ دن ہے حاضری کا اور ہم اُسے بس ایک گنی ہوئی ہی مدت کے لئے ملتوی

مَّعْدُوْدٍ ١٠٤ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ

کئے ہوئے ہیں ۱۴۷ جس وقت وہ آئے گا کوئی شخص بول نہ سکے گا بجز اللہ کی اجازت کے

۱۴۳ یہاں یہ بتا دیا کہ مغضوب و مقہور بستیوں میں سے قرآن مجید نے دونوں قسم کی بستیوں کا بیان کیا ہے ایک وہ جو سرے سے ملیامیٹ ہو گئیں مثلاً امّتِ لُوطؑ کا مسکن اور دوسرے وہ جن کی صرف آبادی ہلاک کر دی گئی باقی وہ زمین اور علاقہ بدستور قائم ہیں۔ مثلاً سرزمین مصر کہ فرعونی ڈبو دیئے گئے لیکن اصل ملک بدستور موجود ہے۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اوپر بیان کئے قصص و حکایات کے مجموعہ کی طرف ہے۔

~~لمشارۃ الی ما قص من انباء الامم و بعض~~ کا

~~باعتبار تخصیصہ (روح)~~ اَلْقُرٰى۔ یعنی سابق کی تباہ و ہلاک شدہ بستیاں۔

۱۴۴ یعنی یہ جھوٹے دیوتا اور معبود اپنے پجاریوں کی کوئی مدد تو کیا کرتے اُلٹے اُن کی ہلاکت کا سبب ہی بن گئے ـــــــ نہ یہ ان کی پُوجا کرتے نہ سزائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے۔

۱۴۵ (اور وہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو سخت نافرمانی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں) القریٰ۔ قریٰ سے مُراد اہلِ قریٰ ہیں۔

۱۴۶ یعنی نشانی عبرت و بصیرت کی۔ اس سے بڑھ کر عبرت کا موقع اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب دُنیا ہی کا عذاب اس قدر سخت ہے، حالانکہ دُنیا مُہلت گاہ ہے تو پھر آخرت تو دار الجزا ہی ہے وہاں کے عذاب کی شدّت کا کہنا ہی کیا!

۱۴۷ یعنی وہ دن جو سب کی حاضری کا ہے اس کی آمد اور وقوع یقینی ہے اور اسے ملتوی تو صرف ایک قلیل مُدّت کے لئے رکھا گیا ہے۔ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ مشہود کے معنیٰ مَشہود فیہ کے لئے گئے ہیں۔ ~~ای مشہود فیہ (کشاف)~~

~~والمراد بالمشہود الذی کثر شاھدوہ~~

~~(کشاف)~~

اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ۝۹۳ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا
تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں ١٣٧ اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے بچالیا شعیبؑ کو
وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ
اور اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت (خاص) سے اور ظلم کرنے والوں کو ایک زور کے
ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝۹۴
کڑاکے نے پکڑلیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے رہ گئے ١٣٨
كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ
جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے ! خوب سُن لو مدین کو (رحمت سے) دُوری ہوئی جیسی دُوری ثمود کو
ثَمُوْدُ ۝۹۵ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝۹۶
ہو چکی تھی ١٣٩ اور بالیقین ہم نے مُوسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور ایک روشن دلیل کے ساتھ بھیجا
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ
فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، وہ لوگ فرعون ہی کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کا حکم
فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ۝۹۷ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ
ذرا (بھی) درست نہ تھا ١٤٠ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر اُن کو دوزخ میں
النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝۹۸ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ
جا اُتاریگا اور بُری ہے وہ جگہ اُترنے کی جہاں یہ اتارے جائیں گے ١٤١ اس (دنیا) میں بھی لعنت انکے پیچھے
لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝۹۹ ذٰلِكَ
لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہیگی) بُری ہے وہ بخشش جو ان پر کی جائے گی ١٤٢ یہ اُن

ع ١٢ ٨ ٨

١٣٧ اب عنقریب عذابِ الٰہی خود ہی عملی فیصلہ کئے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلّت کا کون مستحق تھا۔ یہ حضرت شعیبؑ کی بالکل آخری اپیل ہے۔ آپؑ نے جب دیکھا کہ سارے دلائل بے اثر رہے اور کسی تبلیغ کا کچھ اثر ہی نہ ہُوا تو آخر میں آپؑ فرماتے ہیں کہ اچھا اب تک تو تم مجھکو جھوٹا سمجھتے ہی رہے اب عنقریب عذابِ الٰہی خود ہی عملی شکل میں فیصلہ کئے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلّت کا مستحق کون؟ ١٣٨ (مُردہ و بے جان ہو کر) اَمْرُنَا۔ یعنی ہمارا حکمِ عذاب۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ پھر ایک بار اس حقیقت کی وضاحت کردی گئی کہ نجات جس کسی کو بھی ملتی ہے مومنین بلکہ پیمبر تک کو بھی فضلِ خداوندی ہی سے ملتی ہے۔ اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے یعنی منکرینِ توحید و معاندینِ نبوت۔ ١٣٩ رحمتِ الٰہی سے محروم و بعید ہو جاتے ہیں تو اہلِ مدین کی مثال ہر پُرانی مغضوب و مقہور قوم سے دی جاسکتی ہے۔ قومِ ثمود کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے میں شاید کہ یہ مناسبت ہو کہ قوم ثمود بھی اس سے قبل اسی نواح اور اسی علاقہ میں آباد رہ چکی تھی! اہل مدین نے اپنے ہی گرد و نواح کی تاریخ سے عبرت نہ حاصل کی! بعض مفسّرین نے یہ لکھا ہے کہ اہل مدین بھی قوم ثمود ہی کی طرح نسل عرب سے تھے۔ اور ان کی بے دینی اور بد اعمالی بھی انہی کی سی تھی۔ ~~كانوا جيرانهم قريبا منهم في الدار وشبيهًا بهم في الكفر وقطع الطريق وكانوا عربا مثلهم~~ (ابن کثیر) ١٤٠ یعنی حکومت فرعون کی پالیسی ہر قسم کی صلاح و خیر سے خالی تھی۔ ~~اي ليس فيه رشد ولا هدى~~ (ابن کثیر) موسیٰ، فرعون، ملاء فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ١٤١ فرعون جس طرح دنیا میں بدی اور بدکاری کی راہ کا لیڈر تھا دوزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ مخصوص نہیں محققین نے لکھا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنی فدیات کو لے کر ہی داخل جہنم ہوگا۔ ورد اصلاً مصدر ہے یہاں بمعنی جائے ورود و فرودگاہ۔ مُراد دوزخ سے ہے۔ ١٤٢ آخرت میں ملعونیت کا ظہور تو کامل ترین صورت میں ہو ہی گا دُنیا میں بھی قہر و غضب کے ساتھ غرق ہوتے ہوئے سب نے دیکھ لیا +

۱۳۲ہر پیمبر اپنی اُمّت کے حق میں رافت رحمت و شفقت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ حضرت شعیبؑ اسی جذبہ سے متأثر ہو کر اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ کہیں میری ضد میں آکر تم ایسی حرکتوں کے مرتکب نہ ہو بیٹھنا کہ آخر اُنہی سزاؤں کے مستحق ٹھہر جاؤ جو تم سے پہلے مقہور و مخذول قوموں پر آچکی ہیں۔ شِقَاقِیْ۔ آیت سے جہاں انبیاء کرام کی کامل اور انتہائی درد مندی روشنی میں آجاتی ہے وہیں سرکش و متمرّد قوموں کی ضد و عناد کا درجہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ ۱۳۳چنانچہ حضرتِ شعیبؑ کے شہرِ مدین کا فاصلہ حضرت لوطؑ کے مسکن (وادی دریائے یردن) سے کچھ زیادہ ہے بھی نہیں۔ بِبَعِیْدٍ۔ مفسّرین کے ایک بڑے گروہ نے اس بعد و قرب زمانی پر محمول کرکے گویا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "اُمّت لوطؑ کا زمانہ تو تم سے ایسا بعید ابھی ہوا بھی نہیں ہے"۔ وذلک انھم کانوا حدیثی عھد بھلاک قوم لوط (معالم)۔ یہ قول بھی اگرچہ فی نفسہٖ بالکل صحیح ہے یعنی حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ ان سب سے قریب تر زمانہ حضرت لوطؑ ہی کا ہوا تھا لیکن ترجیح اس کو ہے کہ بعید کو بُعد مکانی ہی کے معنی میں لے کر مسکن اُمّتِ لوطؑ اور مسکن اُمّتِ شعیبؑ کے درمیان قرب مکانی کی طرف مشیر سمجھا جائے۔ ای ما دار قوم لوط منکم ببعید (ابن جریر) ذلک انھم کانوا جیران قوم لوط (معالم)۔ بہرحال وہ قرب زمانی ہو یا قرب مکانی مقصود دونوں صورتوں میں امت لوطؑ کے انجام سے عبرت خصوصی دلانی تھی۔ قیل المراد فی الزمان وقیل فی المکان ویحتمل الامران (ابن کثیر)۔ ۱۳۴چنانچہ وہ صفت رحمۃ کے تقاضہ سے گناہوں کو معاف کردے گا اور صفت وُدّ کے تقاضہ سے طاعتوں کو قبول کرے گا۔ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ۔ یعنی اس کی طرف رجوع طاعت و عبادت کے ساتھ کرو۔ ۱۳۵جاہلی قومیں دباؤ صرف قوت کا مانتی تھیں چنانچہ اب سلسلۂ بحث و استدلال کو چھوڑ کر قوم شعیبؑ صاف صاف کہہ رہی ہے کہ تم ہم پر کچھ غالب و حاکم تو ہو نہیں قوت تو ہم ہی کو حاصل ہے ہم تو صرف تمہارے کنبہ و قبیلہ کا لحاظ کر رہے ہیں جو ہمارے ہم مذہب ہیں ورنہ ہم تو اب تک تم پر سزائے سنگساری جاری کرچکے ہوتے۔ رھطک۔ رھط یہاں مضاف الیہ ہے اس کا مضاف مقدر ہے۔ ای مراعاۃ رھطک (۸) والالتفات مراعاۃ لاجل مراعاۃ جانب رھطک (روح) پُرانی جاہلی قوموں میں کنبہ اور خاندان کا پاس و لحاظ بڑی اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ لَرَجَمْنٰکَ پُرانی قوموں کے ضابطۂ تعزیرات میں آخری اور انتہائی موقعوں کے لئے سزائے سنگساری عام طور پر رائج تھی۔ ۱۳۶اور تمہارا چھوٹا بڑا ایک ایک عمل اس کے علم میں ہے۔ حضرت شعیبؑ اپنی قوم کی غیرت اور شعورِ دینی کو بیدار کر رہے ہیں کہ خدا کی عظمت و جلال کی بس اچھی قدر تم نے کی کہ قبیلہ اور کنبہ تک کی رعایت کرتے ہو لیکن ایک نہیں خیال کرتے تو بس خدائے تعالیٰ کے حقوق کا۔

شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ
نہ ہو جائے کہ تم پر بھی مُصیبت آپڑے جیسی مصیبت آپڑی تھیں قوم نوحؑ یا قوم
هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۸۹
ہودؑ یا قوم صالحؑ پر ۱۳۲ اور قوم لوطؑ تو تم سے زیادہ دُور بھی نہیں ہوئی ۱۳۳
وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ
اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اُس کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار بڑا رحمت والا ہے
وَّدُوْدٌ ۹۰ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا
بڑا محبت والا ہے ۱۳۴ وہ لوگ بولے اے شعیبؑ تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم
لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ
تم کو تو اپنے (مجمع) میں کمزور ہی دیکھتے ہیں اور اگر تمہارے کنبہ کا ہم کو (لحاظ) نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کرچکے ہوتے
عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۹۱ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
اور تم ہم پر کچھ غالب تو ہو نہیں ۱۳۵ شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میرے کنبہ کا حق تم پر اللہ سے غالب تر ہے؟
وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۹۲
درآنحالیکہ اسی کو تم نے پس پُشت ڈال دیا ہے بیشک میرا پروردگار احاطہ میں لیے ہوئے ہے جو تم کر رہے ہو ۱۳۶
وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ
اور اے میری قوم والو تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا
کہ کس پر عذاب آئیں کا رسوا کرنے والا آیا اور کون جھوٹا ہے اور تم انتظار کرو

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝٨٥ بَقِيَّتُ
چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو ۱۲۶ اللہ کے دیئے میں

اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ
سے) بچا ہوا کہیں بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی پاسبان تو

بِحَفِيْظٍ ۝٨٦ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ
ہوں نہیں ۱۲۷ وہ بولے اے شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تمہیں تعلیم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ

مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ
دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں کریں

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝٨٧ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
واقعی تم ہی تو بڑے عقلمند بڑے دیندار ہو ۱۲۸ (شعیبؑ) بولے اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر

كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ
میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے ایک عمدہ دولت دی ہو ۱۲۹

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ
اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ۱۳۰ میں تو بس

اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ
اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کر سکوں اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝٨٨ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ
اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۳۱ اور اے میری قوم میری ضد تمہارے لئے اس بات

۱۲۶ قرآن مجید نے یہاں صاف صاف بتا دیا کہ تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کا نتیجہ معاشرہ کی درہمی برہمی اور ملک و قوم کے حق میں عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ——— اور اس سب کے لئے قرآن مجید کی ایک جامع اصطلاح فساد فی الارض کی ہے۔ ۱۲۷ اپنے ہر قول و عمل کی ذمہ داری تمہیں خود محسوس کرنی چاہیئے) حضرت شعیبؑ نے اپنی تقریر سے ایک طرف تو مخاطبین میں ان کی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا چاہا دوسرے یہ بتایا کہ پاک مال اور جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی بہر حال بہر صورت گندے اور ناجائز ذریعے سے حاصل کی ہوئی آمدنی سے بہتر ہے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ۔ یعنی وہ مال جو شریعت الٰہی نے تمہارے لئے جائز رکھا ہے اور جس کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے۔ ای ما ابقاہ اللہ حلالا لکم ولم یحرمہ علیکم (بحر) ۱۲۸ مخالفین کی یہ تقریر بطور طنز و تمسخر ہے۔ قال ابن عباس و میمون بن مہران و ابن جریج و اسلم و ابن جریر یقولون ذلک اعداء اللہ علی سبیل الاستہزاء (ابن کثیر) قیل قالوا علی وجہ الاستہزاء (معالم) وصفوہ علیہ السلام بہذین الوصفین الجلیلین علی طریقۃ الاستعارۃ التہکمیۃ والمراد بہما ضد معناہما وہذا ہو المروی عن ابن عباس والیہ ذہب قتادۃ والمبرد (روح) وہ بار بار اس پر الجھ رہے تھے کہ یہ کیسا دین اور کیسا نبی ہے جو ایک طرف تو ہمارے آبائی معتقدات، عبادات، رسوم و شعار کا تختہ الٹ دینا چاہتا ہے اور دوسری طرف ہمیں ہمارے مال و جائداد تک کے بارے میں آزاد و خود مختار نہیں چھوڑتا بلکہ الٹے ہمارے آمد و خرچ پر بھی طرح طرح کی قیدیں لگاتا اور پابندیاں عائد کرتا رہتا ہے۔ ان نفعل کا عطف مایعبد پر ہے۔ ۱۲۹ یعنی دولتِ نبوت۔ ہو النبوۃ والحکمۃ (روح) اسی کو کہیں رحمۃ سے بھی تعبیر کیا ہے جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۶۳ میں حضرت صالحؑ کے سلسلہ میں اور جائز آمدنی بھی مراد لی گئی ہے۔ اشارۃ الی ما اٰتاہ اللہ من المال الحلال (بیضاوی) اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ یعنی اگر اللہ کی توحید وغیرہ کا علم مجھے صریحاً ہو چکا ہو۔ ۱۳۰ یعنی یہ تو ہے نہیں، کہ میں تمہیں کوئی راہ بتا دوں اور خود کسی اور راہ پر چلوں میری یہ تبلیغ تو سرتاسر خیر خواہی و دلسوزی سے ہے اور دلیل یہ ہے کہ میں تمہیں وہی باتیں بتلاتا ہوں جو اپنے نفس کے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ ۱۳۱ یہ ہوتا ہے پیمبروں کا کمالِ عبدیت! ادھر دلسوزی اور اصلاح کی نسبت اپنی جانب زبان سے ذرا نکل گئی تھی معاً اسے بھی حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک پیمبر اور دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر کے حدود جدا ہو جاتے ہیں لیڈر کی نظر اپنے مجمع پر، ماتحت طاقت مالی وسائل وغیرہ پر رہتی ہے۔ برخلاف اس کے پیمبر کی نظر اول بھی اور آخر بھی اللہ ہی پر رہا کرتی ہے۔

۱۲۱ توریت میں ہے:۔ "اور جس وقت لُوطؑ ضُغر میں داخل ہُوا سُورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اُس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کر دیا" (پیدائش ۱۹: ۲۳-۲۵) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

إِنَّهُۥ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ ٱلصُّبْحُ ۚ

اسے بھی وہی آفت آئیگی جو ان (سب) پر نازل ہوگی ان (پر عذاب) کے وعدہ کا وقت صبح کا ہے اور

أَلَيْسَ ٱلصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا

صبح میں اب دیر ہی کیا ہے؟ ۱۲۱ سو جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے اس (زمین) کے

عَٰلِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ

بلند کو اس کا پست بنا دیا اور ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر کھنگر کے

مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ

تہ بہ تہ ۱۲۲ خاص نشان کئے ہوئے آپ کے پروردگار کے پاس اور وہ (مقام) ان ظالموں سے

ٱلظَّٰلِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ

کچھ دُور بھی نہیں ۱۲۳ اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا ۱۲۴

قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ وَلَا

وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو تمہارے لئے بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں اور

تَنقُصُوا۟ ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ ۚ إِنِّىٓ أَرَىٰكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّىٓ

ناپ اور تول میں کمی نہ کرو میں تو تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا۟

ڈرتا ہوں تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ۱۲۵ اور اے میری قوم

ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ

ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی

النصف

۱۲۲ یعنی لگاتار گرنے اور برسنے لگے۔ جَآءَ أَمْرُنَا یعنی عذاب موعود کا وقت آپہنچا۔ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا۔ یعنی ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ سِجِّيل سے مُراد ہے سُکھائی ہوئی مٹی کا پتھر جسے ہمارے ہاں جھانواں کہتے ہیں۔

۱۲۳ یعنی اہل مکہ سے۔ قوم لُوطؑ کا مسکن دریائے یردن کی وادی میں تھا جہاں اب بحر مُردہ واقع ہے اور لُوطیوں کے بڑے شہر سدُوم اور عمورہ بحر مُردہ کے ساحل پر واقع تھے۔ اور قریش مکہ اپنے سفر شام میں برابر اسی راہ سے آتے جاتے تھے ان آبادیوں کی آسمانی ہلاکت کا زمانۂ وقوع جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۶۱ ق م ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مُسَوَّمَةً یعنی دوسرے پتھروں سے ممتاز۔ عِندَ رَبِّكَ یعنی عالم غیب میں۔ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ۔ اس آتشیں پتھراؤ کی توجیہ کوہ آتش فشاں کی آتش فشانیوں سے بھی کی گئی ہے جو کسی قرآنی بیان کے منافی نہیں عذاب الٰہی وہ بہر صورت تھا۔

۱۲۴ مَدْيَن اور شعیب دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ أَخَاهُمْ بھائی سے مُراد وہی وطنی یا نسلی بھائی ہیں قرآن میں اس لفظ کے بار بار آنے سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے نسبی اور وطنی اشتراک کے باوجود کسی کے نصیب میں ہدایت آجاتی ہے اور کوئی بدستور ظلمتوں اور ضلالتوں میں گرفتار رہتا ہے۔

۱۲۵ يَوْمٍ مُّحِيطٍ۔ یعنی وہ دن جو مجرم کو ہر طرف سے گھیر کر اُسے مجبور و بے بس کر دے گا اور کوئی صُورت اس کی مخلصی اور رہائی کی باقی نہ رکھے گا۔ يَٰقَوْمِ .... غَيْرُهُ۔ ہر نبی کی پہلی اور بنیادی دعوت دعوتِ توحید ہی ہوتی ہے۔ وَلَا تَنقُصُوا۟ ٱلْمِكْيَالَ وَٱلْمِيزَانَ اہل مدین ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھی، اور اُن کے کاروباری اخلاق بھی سخت گندے اور پست تھے —— قرآن مجید اعتقادی گمراہیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی معاشرتی معاملات کی بھی برابر اصلاح کرتا جاتا ہے۔

ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝٧٧ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ

ہوئے اور بولے یہ آج کا دن بہت بھاری ہے ف١١٣ اور اُن کے پاس ان کی قوم (کے لوگ)

يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ

دوڑے ہوئے آئے ف١١٤ اور وہ پہلے ہی سے بدکاریاں کیا کرتے تھے ف١١٥ (لوطؑ)

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

بولے اے میری قوم یہ میری بیٹیاں (بھی تو موجود) ہیں یہ تمہارے حق میں پاکیزہ ہیں سو اللہ سے ڈرو

وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَيْفِیْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ

اور مجھے میرے مہمانوں میں رُسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی

رَّشِيْدٌ ۝٧٨ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ

نہیں ف١١٦ وہ بولے تم تو خوب جانتے ہو کہ ہم کو تمہاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت

حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝٧٩ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ

نہیں اور تم وہ بھی خوب جانتے ہو جو کچھ ہم ارادہ رکھتے ہیں ف١١٧ (لوطؑ) بولے کاش میرا تم پر کچھ

بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝٨٠ قَالُوْا يٰلُوْطُ

زور و باد ہوتا یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ لیتا ف١١٨ وہ (فرستادے) بولے اے لوطؑ

اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ

ہم تو آپؑ کے پروردگار کے فرستادے ہیں ان کی رسائی آپ تک بھی نہ ہو سکے گی ف١١٩ آپ رات ہی کے کسی حصہ

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ

میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے گا مگر ہاں آپؑ کی بیوی (دیکھے گی) ف١٢٠

منزل ٣

ف١١٣ (دیکھا چاہیئے جو عزت و آبرو سے گزر جائے) لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا یعنی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے کمسن اور خوبرو لڑکوں کی شکل میں لوطؑ کے شہر سدوم میں (جو ملکِ شام میں بحرِ مُردہ کے عین ساحل پر واقع تھا) پہنچے۔ لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے اور خود بھی پیمبر تھے آپ پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ قوم لوطؑ کی غیر طبعی اور خلاف وضع فطرت شہوانیت آج ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور کسی مزید صراحت کی ضرورت نہیں۔ حضرت لوطؑ کو قدرۃً اپنے مہمانوں سے متعلق یہی اندیشہ پیدا ہوا کہ ان بیچاروں کی کیسی بے عزتی ان نابکاروں کے ہاتھ ہوگی۔ ضَاقَ بِهٖ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں اس موقع پر بولتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ اس کا آنا جی کو کھل گیا۔ ~~مضاقت نفسه ... (ابن جریر)~~ ف١١٤ (اپنے اس ارادۂ بد کے ساتھ حسبِ معمول) قَوْمُهٗ سے مُراد ساری کی ساری قوم نہیں بلکہ مُراد ہیں اُن کی قوم کے کچھ لوگ۔ ف١١٥ قوم لوطؑ والے علاوہ اس مخصوص فسق کے اور بھی طرح طرح کی شناعتوں میں مبتلا تھے اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو اُن کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی، ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حواشی۔

ف١١٦ بَنَاتِیْ کے لفظ پر بڑی بحث ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مُراد حضرت لوطؑ کی صلبی بیٹیاں تو ہو ہی نہیں سکتیں وہ تو کل دو تھیں اور یہاں مجمع کا مجمع نشۂ فسق میں مست تھا۔ مُراد اُمّت کی عورتیں ہیں اُمّت کی عورتیں پیمبر کے لئے بمنزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنے دروازہ پر مجمع فساق دیکھ کر فرمایا کہ آخر عورتیں بھی تو موجود ہیں ان کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ ~~المراد نساء امته (کبیر عن مجاهد وسعید بن جبیر) وهذا القول عندی هو المختار (کبیر) یعنی نساء امته فانکحوهن (ابن جریر عن مجاهد وسعید بن جبیر) الاحسن ان تکون الاضافة مجازیة ای بنات قومی لان النبی ینزل منزلة الاب لقومه (بحر)~~ اَطْهَرُ یہاں طاہر کے معنیٰ میں ہے۔ جیسے اللہ اکبر میں، اکبر، کبیر کے معنیٰ میں ہے یہ مُراد نہیں کہ عمل نکاح نسبۃً طاہر تر ہے بلکہ مُراد یہ ہے کہ عمل نکاح فی نفسہ طاہر و پاکیزہ ہے (کبیر) ~~وصیغة افعل فی ذلک مجاز (روح)~~ توریت میں اس موقع پر ہے۔ "شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا اور انہوں نے لوطؑ کو پکار کے اس سے کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے ہاں آئے کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا تاکہ ہم اُن سے صحبت کریں تب لوطؑ دروازہ سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا بُرا کام نہ کیجیو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو اُن کو تمہارے پاس نکال لاؤں اور جو تمہاری نظر میں پسند ہو اُن سے کرو مگر ان مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سائے میں آئے۔ (پیدائش ۱۹: ۴-۸)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ آپؑ کی اصلی اپیل تو یہی ہے آپ نے انہیں خوفِ خدا سے ڈرایا کہ وہی اصل بنیاد ہر معصیت سے رکنے کی ہے۔ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَيْفِیْ۔ آپؑ نے دوسری اپیل فہم مخاطبین کی رعایت سے یہ کی کہ انہیں عُرفِ عام کا واسطہ دلایا۔ مہمانوں کے سامنے سُبکی عُرفاً بھی بہت معیوب تھی۔ ف١١٧ ہم کو عورتوں کی طرف رغبت و التفات ہی کب؟ ہم کو کسی اور ہی چیز میں ہے جو تم پر خوب روشن ہے۔ ~~انک لتعلم ان ما لنا حاجة فی بناتک (بیضاوی) والظاهر ان معنی من حق من نصیب ولا من غرض ولا من شهوة بل مالنا حاجة (روح) مالنا فیهن حاجة (بیضاوی)~~ ف١١٨ یعنی یا تو خود مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں بزورِ حکومت تم کو تمہارے شر سے روک سکتا یا میرا کوئی زبردست جتھا، کنبہ، قبیلہ ہوتا۔ حضرت لوطؑ تو خود ہی پردیس میں مقیم تھے اس لئے قدرۃً آپؑ کے ساتھ عزیزوں، قریبوں کی کوئی خاص جماعت نہ تھی۔ پریشان کن حالات میں اسباب ظاہری سے تمسک کرنا ایک امر طبعی ہے اور شریعت میں بالکل جائز ہے۔ ف١١٩ فرشتوں کو حضرت لوطؑ ابھی تک تو اپنے نو عمر و حسین مہمان سمجھ رہے تھے اب انہوں نے آپ کا اضطراب و اضطرار دیکھ اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور اطمینان دلایا کہ ہم تو ہم ان فساق کی اتنی بھی مجال نہیں کہ آپ تک بھی پہنچ سکیں۔ ف١٢٠ یہ عورت دل سے کافرہ اور اُن بدمعاشوں سے ملی ہوئی تھی فرشتوں نے کہا کہ اس کے حق میں کوئی نصیحت کارگر نہ ہوگی اور نہ یہ ہماری ہدایت پر عمل کرے گی اس کا دل تو کافروں میں اٹکا ہوا ہے عین نزولِ عذاب کے وقت یہ بکمال ہمدردی اُدھر مُڑ کر دیکھے گی ضرور۔ اور خود بھی عذاب کا شکار ہو کر رہے گی۔ توریت میں ہے:۔ "مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کے دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی" (پیدائش ۱۹: ۲۶)

۱۰۶ (بہ طور پوتے کے) اس میں ضمناً یہ بات بھی آگئی کہ اسحٰق زندہ رہیں گے اور صاحبِ اولاد ہوں گے۔ توریت میں ہے:۔ "پھر خداوند نے ابراہام سے کہا کہ سرہ کیوں ہنس کر بولی کہ کیا میں جو ایسی بوڑھیا ہوگئی ہوں سچ مچ جنوں گی کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۱۳-۱۴) ۱۰۷ (بہ اعتبار اسباب ظاہر کے) حضرت سارہ کا یہ خوشخبری سُن کر اسباب ظاہری و مادّی کے لحاظ سے اس پر تعجب کرنا بالکل قدرتی تھا۔ وھو استعجاب من حیث العادۃ دون القدرۃ (بیضاوی) اور یہیں سے ہمارے محققین نے کہا ہے کسی واقعہ پر اسباب ظاہر کے لحاظ سے تعجب کرنا مسبب الاسباب پر یقین کامل رکھنے کے منافی نہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "ابراہام اور سرہ بوڑھے اور بہت دن گئے تھے اور سرہ سے عورتوں کی معمولی، عادت موقوف ہوگئی تھی تب سرہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کہ بعد اس کے کہ میں ضعیف ہوگئی اور میرا خاوند بھی بُوڑھا ہوا کیا مجھ کو خوشی ہوگی"۔ (پیدائش ۱۸: ۱۱-۱۲) یٰوَیْلَتیٰ عربی میں یہ اظہار حیرت و تعجب کے موقع پر بولتے ہیں تقولہا العرب عند التعجب من الشئی (ابن جریر) اُردو میں یہ ترجمہ یہاں کی زنانہ بول چال کے مطابق مفسر تھانویؒ کا کیا ہوا ہے۔ ۱۰۸ (حالانکہ پیمبر کے گھر میں رہ کر خوارق اور قدرتِ الٰہی کے عجائب تمہاری نظر سے برابر گزرتے ہی رہتے ہیں) زوجِ پیمبر حضرت سارہؓ کے اس اظہارِ حیرت پر اب خود فرشتے اظہار حیرت کر رہے ہیں محققین نے اس مکالمہ سے یہ نکالا ہے کہ ملائکہ کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ ناممکن نہیں۔ ۱۰۹ (کہ اس کے نزدیک کوئی بڑا سا بڑا کام بھی مشکل نہیں اور اسی کی ذات ہر تحمید ہر تمجید کی مستحق ہے۔ اَهْلَ الْبَيْتِ اس آیت نے اسے صاف کر دیا کہ پیمبرؑ کے زوج پر "اہل بیت" کا اطلاق تو بہر حال ہونا ہے بلکہ اہل بیت نبوی کا مفہوم اوّل تو ازواج نبی ہی ہوتے ہیں۔ یدل علی ان ازواج النبی صلعم من اہل بیتہ (جصاص) ۱۱۰ یعنی قوم لُوطؑ کی سفارش میں اصرار بلیغ کرنے۔ اس کی ضروری تفصیلات سورۂ عنکبوت میں ان شاء اللہ ملیں گی۔ فَلَمَّا ... الْبُشْرٰى۔ جب آپ کو اطمینان ہوگیا کہ آئے ہوئے مہمان انسان نہیں فرشتہ ہیں،

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ

پھر ہم نے انہیں بشارت دی اسحٰق کی اور اسحٰقؑ کے آگے یعقوبؑ کی ۱۰۶ بولیں

يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا

ہائے خاک پڑے کیا (اب) میں بچہ جنوں گی درآنحالیکہ میں بوڑھی ہو چکی اور یہ میرے میاں (بھی بالکل) بوڑھے یہ تو

لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ

بڑی ہی عجیب بات ہے ۱۰۷ وہ بولے ارے تم تعجب کرتی ہو اللہ کے کام میں ۱۰۸ اے

اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

خاندان والو تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمت اور اسکی برکتیں (نازل ہوتی رہتی) ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق اور بڑا شان والا ہے ۱۰۹

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى

پھر جب ابراہیمؑ سے خوف زائل ہوگیا اور ان کو خوشخبری مل گئی تو وہ لگے ہم سے

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ

قوم لُوطؑ کے باب میں بحث کرنے ۱۱۰ بیشک ابراہیمؑ بڑے حلیم بڑے دردمند بڑے نرم دل

مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ

تھے ۱۱۱ اے ابراہیمؑ اسے جانے دو قطعاً تمہارے پروردگار

جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

کا حکم آچکا ہے اور ان پر ضرور ایک نہ ہٹنے والا عذاب آنے والا ہے ۱۱۲

وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

اور جب ہمارے فرستادے لُوطؑ کے پاس پہنچے تو لُوطؑ ان کی وجہ سے کڑھے اور ان کی وجہ سے بہت تنگدل

اور آپ کا قلب فرزند کی بشارت سے مزید مسرت حاصل کر چکا۔ آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ پیمبر بھی اپنی طبعی زندگی میں عام بشری قوانین ہی کا پابند ہوتا ہے۔ توریت میں اس مقام پر ایک خاصہ طویل مکالمہ نقل ہوا ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۲۲-۳۲) ۱۱۱ حضرت ابراہیمؑ کی نرم دلی اور حلیم المزاجی پر حاشیے پہلے گذر چکے نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ۱۱۲ حضرت ابراہیمؑ کی دعا و سفارش پر ارشاد ہوا کہ اپنی درخواست پر اصرار نہ کرو یہ لوگ ایمان لانے والے اور سدھرنے والے ہیں ہی نہیں۔ آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ مقبول سے مقبول بندہ کی بھی ہر دعا یا سفارش کا قبول ہو جانا لازمی نہیں۔ بندہ کی نگاہ بہر حال محدود ہی ہوتی ہے حکمت کاملہ کا احاطہ کہاں کر سکتی ہے۔

جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ
ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے صالح کو اور اُن کو جو اُن کے ساتھ ایمان لے آئے اپنی رحمت
مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾
سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بیشک تیرا پروردگار ہی بڑا قوت والا ہے بڑا غلبہ والا ہے ۹۸
وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
اور جو ظالم لوگ تھے انہیں ایک چیخ نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے
جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا
رہ گئے ۹۹ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، خوب سن لو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار
رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ
سے کفر کیا، خوب سن لو کہ قوم ثمود کو دوری ہوگئی ۱۰۰ اور بالیقین ہمارے فرستادے
اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ
ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے ۱۰۱ (اور) بولے (آپ پر) سلام ہو (ابراہیم نے) کہا (تم پر) سلام پھر دیر
اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ
نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے ۱۰۲ پھر جب (ابراہیم) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی
اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ
طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے متوحش ہوئے اور اُن سے دل میں خوفزدہ ہوئے ۱۰۳ وہ بولے کہ ڈریئے نہیں
اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ
ہم تو قوم لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں ۱۰۴ اور اُن کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں ۱۰۵

ع ۸

۹۸ وہ جس کو چاہے مبتلائے عذاب بھی کرسکتا ہے اور جسے چاہے بچا بھی سکتا ہے وہ ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ۔ یعنی ایک نجات تو عذاب ہلاکت سے دی دوسری نجات ذلت و رسوائی سے۔ ۹۹ (اور اسی حال میں سب کے سب فنا ہوگئے) اَلصَّيْحَةُ۔ یہاں صیحۃ وارد ہوا ہے جس کے معنی چیخ چنگھاڑ یا بلند آواز کے ہیں اور سورۂ اعراف میں اسی موقع کے رجفہ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں لیکن زلزلہ اور بلند آواز کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں جس کے لئے ضرورت تطبیق کی پڑے بلکہ تیز زلزلہ اور سخت گھڑگھڑاہٹ کا ساتھ تو مشاہدہ میں عموماً آچکا ہے۔ ۱۰۰ (اپنے پروردگار کی رحمت سے) اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اس نے خوب واضح کردیا کہ قوم ثمود پر ہلاکت ناگہانی کا جو عذاب آیا وہ کفر ہی کی بنا پر آیا۔ ۱۰۱ (آپ کے صاحبزادہ اسحٰقؑ کے تولد کی) رُسُلُنَا یعنی فرشتے بشر کی شکل میں۔ توریت میں یہ تفصیل مزید درج ہے کہ یہ آنے والے تعداد میں تین تھے:۔ "اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کیا اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں" (پیدائش ۱۸: ۱-۲) ۱۰۲ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں کے دور سے بہت ہی پہلے اور سراؤں کے دور سے بھی بہت پہلے مسافروں، راہگیروں، نوواردوں کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی اس وقت کا عام دستور اور دلیل شرافت تھا اور پھر حضرت ابراہیمؑ ایک تو شیخ القبیلہ اور پھر ذاتی حیثیت سے شریف ترین انسان! آپ کی مہمان نوازیاں تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہیں ——— اللہ کے فرشتے بشری قالب میں تھے آپ انہیں معمولی مسافر سمجھ فوراً اُن کی خاطرداری میں لگ گئے۔ توریت میں اس ضیافت ومہمانی کی مزید تفصیلات درج ہیں:۔ "اور ابراہام خیمہ میں سرہ کے پاس دوڑ گیا اور کہا کہ تین پیمانہ آٹا لے کے جلد گوندھ کے پھلکے پکا اور ابراہام گلے کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لاکر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلد اسے تیار کیا۔ پھر اُس نے گھی اور دودھ اور اُس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کے ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے کھایا۔" (پیدائش ۱۸: ۷-۸) اس حکایت قرآنی سے یہ بھی نکل آیا کہ پیمبر برحق کے لئے (معاذاللہ) عالم الغیب ہونا تو الگ رہا صاحب کشف ہونا بھی ضروری نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر بلکہ بہت سے پیمبروں کے سردار ہوئے ہیں لیکن اتنا بھی آپ شناخت نہ کرسکے کہ یہ نووارد انسان ہیں یا فرشتے۔ قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ سلام فرشتوں کا طریقہ ہے اور (۲) اسلام میں بھی ہر دور میں رائج وشائع رہا ہے۔ فیہ دلالة علی ان السلام قد کان تحیة اھل الاسلام وانہ تحیة الملئکة (جصاص) ۱۰۳ (کہ یہ کوئی مفسد دشمن یا کوئی ڈاکو تو نہیں ہیں) وقت کا دستور یہ تھا کہ جو دشمن یا کوئی ڈاکو کسی کو اپنا ہدف بنانا چاہتے تھے اُس کے ہاں کھانے سے پرہیز کرتے تھے اور جس کے ہاں کھالیتے پھر اس کو نہ ستاتے حضرت ابراہیمؑ کو قدرۃً ایسے موقع پر یہی خیال گذرا اور اُن سے خوف و ہراس بھی طبعی طور پر پیدا ہوا ——— خوف وہراس امور طبعی ہیں (جس طرح بھوک اور پیاس) اور مرتبۂ ولایت کیا معنی مرتبۂ رسالت کے بھی ذرہ بھر منافی نہیں۔ رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ۔ توریت موجودہ میں یہ فقرہ کہ "انہوں نے کھایا"، قطعاً ایک ایجاد بندہ ہے اور قرآن مجید کو اسی بیان کی تردید کے لئے یہ صراحت کرنی پڑی۔ ۱۰۴ (ایک خاص مقصد کے لئے اور ہم انسان نہیں فرشتے ہیں) مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کرلینا صرف اُن کے دعوے پر نہ تھا بلکہ قوت مدرکہ قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہوکر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔ ۱۰۵ خوشگوار حیرت کے وقت ہنسی کا آجانا بالکل امر طبعی ہے اور خوشگوار حیرت کا موقع اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ گھر کے اندر جن آنے والوں کو انسان اور وہ بھی دشمن سمجھا جا رہا تھا وہ دوست اور دوست بھی کیسے اللہ کے فرشتے نکلے۔ اِمْرَاَتُهٗ مراد حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ اولیٰ حضرت سارہؑ ہیں۔ مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ ظاہراً حضرت سارہؑ پہلے اس جگہ نہ تھیں شاید پردہ میں ہوں پھر جب معلوم ہوگیا کہ فرشتے ہیں ان سے کیا پردہ سامنے چلی آئیں۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن ہی کے لفظ فَاَقْبَلَتْ سے معلوم ہوتا ہے۔

۹۲ (اس عرض و معروض کا جو اس سے استغفار کے لئے کی جائے) تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یعنی اس کی طرف طاعت و عبادت کے ساتھ توجہ کرو۔ فَاسۡتَغۡفِرُوۡہُ میں اشارہ ماضی
کی طرف ہے اور توبوا الیه میں آیندہ کی اصلاح کی جانب۔ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ یعنی جو اس کی طرف توجہ کرے تو خدائے اسلام اس سے دور اور اجنبی و بیگانہ نہیں اس کے قریب

ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوۡا یٰصٰلِحُ
اور اسی کی طرف توجہ کرو۔ بیشک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۹۲ وہ بولے اے صالح
قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ ہٰذَاۤ اَتَنۡہٰنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ
تم تو اس کے قبل ہم میں (بڑے) ہونہار تھے (تو) کیا تم ہمیں (اس سے) منع کرتے ہو کہ ہم ان کی عبادت
اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ مُرِیۡبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ
کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے اور ہم تو اسکی طرف سے بڑے شک میں ہیں تردد میں پڑے ہوئے جس کی
یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ اٰتٰىنِیۡ
طرف تم ہمیں بُلا رہے ہو۹۳ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس
مِنۡہُ رَحۡمَۃً فَمَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اِنۡ عَصَیۡتُہٗ ۟ فَمَا
نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (خاص) عطا کی ہو۹۴ سو (یہ تو بتاؤ) مجھے کون بچا لیگا اللہ سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں
تَزِیۡدُوۡنَنِیۡ غَیۡرَ تَخۡسِیۡرٍ ﴿۶۳﴾ وَ یٰقَوۡمِ ہٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمۡ
سو تم تو سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو۹۵ اور اے میری قوم یہ اونٹنی اللہ کی ہے، اور تمہارے حق میں ایک
اٰیَۃً فَذَرُوۡہَا تَاۡکُلۡ فِیۡۤ اَرۡضِ اللّٰہِ وَ لَا تَمَسُّوۡہَا بِسُوۡٓءٍ
نشان، سو اسے چھوڑے رہو کہ اللہ کی زمین پر چرتی کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ
فَیَاۡخُذَکُمۡ عَذَابٌ قَرِیۡبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوۡہَا فَقَالَ تَمَتَّعُوۡا فِیۡ
تم کو قریبی عذاب آ پکڑے گا۹۶ پھر (ان لوگوں نے) اس کو مار ڈالا تب (صالح نے) کہا تم اپنے
دَارِکُمۡ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ وَعۡدٌ غَیۡرُ مَکۡذُوۡبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا
گھروں میں تین دن اور بسر کر لو یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں ۹۷ پھر جب

ہی ہے اور کوئی درخواست معافی اور ندامت اس کے سامنے نامسموع نہ رہیگی وہ ہر عرض کرنے والے کی سننے والا اور قبول کرنے والا بھی ہے۔

۹۳ یعنی تم جو ہمارے اور اپنے آباد اجداد کے طریقوں کے خلاف یہ نئی تعلیم دے رہے ہو سو یہ تو ہمارے دل میں اُترتی نہیں، اور نہ ہمارا دماغ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ ہٰذَاۤ یعنی ہمیں تو تم سے بڑی بڑی اُمیدیں تھیں اور ہم سمجھتے تھے کہ تم فخر قوم و نازش وطن ثابت ہو گے اب یہ تم نئی اور انوکھی باتیں کیسی کرنے لگے؟ ہر پیمبر میں دیانت و صداقت ذہن و ذکا، عقل و فہم حلم و رشد کے آثار شروع ہی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اَتَنۡہٰنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ سوال بہ طور استفہام انکاری اور استعجاب کے ہے۔ قوم حیرت کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ کیا تم ایسا غضب کر رہے ہو کہ ہمیں اپنے اور ہمارے آبائی دین سے روک رہے ہو شرک میں ڈوبے ہوئے بڑے بڑے "عقلاء" کو آج بھی صدائے توحید ایسی ہی عجیب اور نامانوس نظر آتی ہے!

۹۴ (اور دعوت توحید پر مجھے مامور کیا ہو) رحمۃ سے مُراد نبوت لی گئی ہے۔ ای نبوۃ (بیضاوی) نبوۃ وحکمۃ (معالم) اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ یعنی مجھ پر توحید کی حقیقت روشن ہو چکی ہو

۹۵ (یہ فرمائش کر کے کہ میں دعوتِ توحید ترک کر دوں) اِنۡ عَصَیۡتُہٗ یعنی تمہاری حسب فرمائش میں دعوتِ توحید میں تساہل و تغافل سے کام لینے لگوں۔ ۹۶ یعنی ایسا عذاب جس کے آنے میں دیر نہ لگے گی اور جو تم کو یہیں اسی مادی دنیا میں محسوس ہو جائے گا۔ نَاقَۃُ اللّٰہِ۔ اضافت تعظیم کے لئے ہے جیسے بیت اللہ، کعبۃ اللہ وغیرہ میں۔ الاضافۃ للتشریف (مدارک) اس اونٹنی اور اس کے متعلقات پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ ۹۷ (اس لئے کہ خدائی وعدہ ہے) تَمَتَّعُوۡا فِیۡ دَارِکُمۡ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ۔ یعنی اس تین دن کے بعد پھر تو عذاب آنا ہی ہے۔

۵۸۶ اس سے نہ کوئی شے مخفی ہے نہ اسکی نظر کبھی کسی معاملہ میں بھی چوک سکتی ہے) فَاِنْ ...... اِلَیْکُمْ یعنی میں تو اپنی تبلیغ کے بعد بری الذمہ ہو گیا اتنی صریح ہدایتوں کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو آگے تم جانو اور تمہارا کام۔
وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ یعنی تم تو تباہ و ہلاک کر دیئے جاؤ گے باقی اللہ کو جو کام دنیا میں تم سے لینا تھا اسکے لئے وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا۔ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْئًا یعنی تمہاری ان بدچلنیوں
حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کو کیا ضرر ــــــ ضرر تو سر تا سر تمہارا اپنا ہی ہے۔ ۵۸۷ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جَآءَ اَمْرُنَا یعنی اس قوم کی ہلاکت کا حکم آپہنچا۔ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ۔
عذاب ہلاکت سے بچ جانے کا ذکر تو ابھی ابھی اس آیت کے اندر آچکا ہے۔ اس نجات عذاب غلیظ سے مراد آخرت کے عذاب سخت سے نجات پانا ہے۔ ~~فالمراد من النجاۃ الاولیٰ هی النجاۃ من عذاب الدنیا والنجاۃ الثانیۃ من عذاب القیامۃ (کبیر)~~ ۵۸۸ یعنی علاوہ شرک و بدعقیدگی کے طرح طرح کی اخلاقی لعنتوں میں بھی مبتلا رہے۔ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یعنی معبود حقیقی کے احکام اور اس کی توحید کے دلائل سب کی طرف سے مُنہ پھیرے رہے۔ کفر جحود اس انکار کو کہتے ہیں جو دل میں یقین آ جانے کے بعد محض ضد و عناد سے کیا جائے۔ ~~الجحود نفی ما فی القلب اثباته واثبات ما فی القلب نفیه (راغب)~~ عَصَوْا رُسُلَهٗ۔ رُسُل کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو علاوہ حضرت ہودؑ کے اور بھی کوئی رسول مستقلاً یا بطور آپ کے نائب کے ہونگے اور یا پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار سلسلۂ انبیاء سے انکار ہے۔ ۵۸۹ (دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمت سے) فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً۔ دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگ گئی یعنی اُن پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا ــــــ یہ مُراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس دنیا کی مادّی زندگی بھی ان پر طرح طرح کی مصیبتوں سے تنگ کر دی گئی جیسا کہ آج بھی تمام نافرمان قوموں سے متعلق مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ آخرت میں لعنت سے مُراد ہی عذاب دائمی میں گرفتار ہو جانا ہے۔ ۵۹۰ ہر نبی کی تعلیم ہر دور میں اسی خالص توحید کی رہی ہے۔ مِّنْ اِلٰهٍ مِنْ جب نفی کے ساتھ آتا ہے تو نفی کو اور مؤکّد و مکمل بنا دیتا ہے یعنی کوئی بھی نہیں۔ ثمود اور صالح پر حاشیے سورۂ اعراف میں گذر چکے نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جس طرح قوم عاد عرب کے جنوبی مشرقی علاقہ یعنی اطراف یمن و عراق
عرب میں آباد تھی، اسی طرح قوم ثمود کا تسلّط عرب کے شمالی و مغربی علاقہ وادی القُریٰ میں تھا اور نبی ہودؑ کی طرح نبی صالحؑ کا مزار بھی آج تک موجود ہے وادیٔ سیر میں۔ اَخَاهُمْ۔
اخ سے مراد وطنی اور نسبی بھائی ہیں۔ ۵۹۱ یعنی پیدا بھی اسی نے کیا اور زندہ و قائم بھی وہی رکھے ہوئے ہے عجب نہیں جو قوم ثمود بھی ہندی مشرکوں کی طرح ایجاد اور ابقاء کے الگ الگ خداؤں (برہما اور وشنو) کی قائل تھی۔ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ زمین سے پیدا کیا، یعنی زمینی مادہ سے پیدا کیا۔ ~~نسبهم الی الارض لان اصلهم وهو آدم خلق من تراب الارض (جصاص)~~ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا۔ بعض فقہاء مفسرین نے یہیں سے اپنی دقت نظر سے زمین کی آبادکاری کا وجوب نکالا ہے خواہ یہ آبادی زراعت کی شکل میں ہو یا باغات کی یا تعمیرات کی۔ ~~وفیه الدلالۃ علی وجوب العمارۃ للزراعۃ والغراس والابنیۃ (جصاص)~~

رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْئًا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی
میرا پروردگار تمہاری جگہ تمہارے سوا کسی قوم کو آباد کر دیگا اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو۔ بیشک میرا
کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا
پروردگار ہر شئے پر نگہبان ہے ۵۸۷ اور جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے ہودؑ کو اور ان لوگوں کو
وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ
جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا ۵۸۸ اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت عذاب
غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا
سے بچا لیا اور یہ قوم عاد تھی انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے رسولوں
رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ
کی نافرمانی کی اور یہ ظالموں سرکشوں کے حکم کی پیروی کرتے رہے ۵۸۹ اور اس دنیا میں بھی
هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا
لعنت ان کے پیچھے لگ گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہیگی) خوب سُن لو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار
ع ۱۱ ۵ وقف لازم رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ
سے کفر کیا، خوب سُن لو کہ ہودؑ کی قوم عاد کو دُوری (نصیب) ہوئی ۵۹۰ اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو
قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ
(ہم نے بھیجا) وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں ۵۹۰ اسی نے
اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ
تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد کر دیا ۵۹۱ سو تم اسی سے گناہ معاف کراؤ

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا

برسائے گا اور تم کو (اور) قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کر دے گا اور مجرم ہو کر روگردانی

مُجْرِمِينَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ

مت کرتے رہو ۵۸۲ وہ بولے اے ہودؑ تم ہمارے سامنے کوئی سند لے کر تو آئے نہیں اور ہم اپنے

بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۵۳﴾

دیوتاؤں کو چھوڑ دینے والے نہیں تمہارے (محض) کہہ دینے سے اور ہم کسی طرح تم پر یقین کرنے والے نہیں ۵۸۳

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي

ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے کسی دیوتا ہی نے تم کو شامت میں مبتلا کر رکھا ہے ۵۸۴ (ہودؑ نے) کہا میں

أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾

اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک قرار دیتے رہتے ہو

مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿۵۵﴾ إِنِّي

اللہ کے علاوہ تو تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کر لو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو میں نے تو

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ

اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے (جو) میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ جتنے بھی جاندار ہیں سب کی

آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۶﴾ فَإِن

پیشانی ہی پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار ہے صراط مستقیم پر ۵۸۵ لیکن اگر تم

تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ

پھرے رہے تو میں نے تو تمہیں وہ (پیام) پہنچا دیا جسے دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور

۵۸۲ آیت سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ طاعات کو راحت دنیوی میں بھی دخل ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ طاعت و حسنِ عمل کا ثمرہ کبھی کبھی برکتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ گو اصل دار الجزاء عالمِ آخرت ہی ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ قومِ عاد تین سال سے خشک سالی میں مبتلا تھی۔

۵۸۳ بیّنہ یا سند سے مراد کوئی دلیل عقلی نہیں، دلائل عقلی تو توحید پر متعدد اور شروع سے موجود تھیں ان جاہلین کی مراد اس سے ان کے فرمائشی خوارق، معجزات و عجائب سے تھی۔

۵۸۴ یعنی تم نے جو ہمارے فلاں دیوتا کی شان میں گستاخی کی اس نے اپنی مار یوں ماری کہ تمہیں خبطی باؤلا کر دیا اور تم لگے بہکی بہکی باتیں کرنے ——— جاہلی ذہنیت کی کتنی صحیح ترجمانی!

۵۸۵ یعنی وہی صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور وہ ملتا بھی صراطِ مستقیم پر چلنے سے ہے حضرت ہودؑ کی ساری تقریر توحید کے ایک مبلغ و داعی کے لئے ہمیشہ کے لئے نمونہ ہے۔ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ یعنی سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ کوئی بے اس کے حکم کے کان نہیں ہلا سکتا۔ ای ما من حیوان الا ھو تحت قھرہ وقدرتہ ومنقاد لقضائہ وقدرہ (کبیر) والعرب اذا وصفوا انسانا بالذلۃ والخضوع قالوا ما ناصیۃ فلان الا بید فلان ای انہ مطیع لہ وخوطبوا فی القرآن بما یعرفون (کبیر)

۵۷۴ (بہ لحاظ ایمان و اعتقاد) مِّمَّنْ مَّعَكَ - من ابتدار غایت کے لئے ہے۔ یعنی وہ نسل بھی جو اس وقت حضرت نوحؑ کے ہمراہ موجود تھی اور ان سے چلنے والی ایمانی
نسلیں بھی گویا معیتِ ایمانی حضرت نوحؑ کے ساتھ اس وقت تک کے مؤمنین کو بھی حاصل ہے اور اس طرح سلامتی اور برکات کی بشارت میں ہر دور کے اہل ایمان شامل ہو گئے۔ المراد
من معك نسلاً و قوله (کبیر) و من فی قوله ممن معك لابتداء الغاية والمعنی و علی امم ناشئة من الذین معك (کبیر) من لابتداء الغاية ای ناشئة من الذین معك وھم الامم المؤمنون الی
آخر الدھر (بحر) اِهْبِطْ - جہاز سے کوہ جودی پر اُترنے کا حکم تو اوپر مل چکا تھا اب حکم ہو رہا ہے کہ پہاڑ سے زمین پر اُترو۔ الھبوط النزول قیل من الجبل الی الارض (روح، جمل) یہ حکم اس وقت
ہو رہا ہے جب طوفان پوری طرح ختم ہو چکا ہے اور زمین رہنے بسنے کے قابل ہو گئی ہے۔ بِسَلٰمٍ مِّنَّا - امام رازیؒ نے کہا ہے کہ عارفین ہر نعمت کا مشاہدہ اسی حیثیت سے کرتے ہیں

يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ
کہ اے نوحؑ اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر ۵۷۴ اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی جو
مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا
تمہارے ساتھ ہیں ۵۷۵ اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر ان پر
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ
ہماری طرف سے عذاب دردناک ہوگا ۵۷۶ یہ (قصہ) اخبارِ غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعہ سے آپ تک
مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ
پہنچا دیا ہے اس کو اس (اتارنے) سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم ۵۷۷
فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ
سو صبر کیجئے یقیناً نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے ۵۷۸ اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ان کے
هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
بھائی ہودؑ کو بھیجا ۵۷۹ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ
باقی (سب) تم محض افترا کر رہے ہو ۵۸۰ اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
میرا معاوضہ تو بس اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے؟
وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ
اور اے میری قوم والو اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اُس کی طرف متوجہ رہو ۵۸۱ وہ تم پر خوب بارشیں

ع ۴ معانقة ۞ الوقف على ناصر احسن الابتداء

کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ آیت میں مِنَّا کا اضافہ حضرت نوحؑ کے مرتبہ عرفان و صدیقیت کے لحاظ سے ہے۔ ۵۷۵ (آخرت میں) ظاہر ہے کہ ان سے مراد بعد کی آنے والی کافر قومیں ہیں۔ اُمَمٌ - تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ و امم منھم اور مفسرین محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے دونوں ٹکڑوں میں ایک طرف مومنین قیامت تک کے لئے، اور دوسری طرف کفار قیامت تک کیلئے شامل ہو گئے ایک کے لئے سلامتی کا وعدہ اور دوسرے کے لئے عذاب کی وعید۔ قال المفسرون دخل فی تلك السلامة كل مؤمن وكل مؤمنة الی یوم القیمة و دخل فی ذلك المتاع وفی ذلك العذاب كل كافر وكافرة الی یوم القیامة (کبیر) ۵۷۶ یعنی واقعاتِ نوحؑ کا صحیح اور مستند و مفصل علم اہل تاریخ و اہل توریت کے ناقص اور غلط سلط بیانات سے قطع نظر اب آپ کو وحی الٰہی سے ہی یاد کرایا جا رہا ہے۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ - یہ غیب ظاہر ہے کہ علم بشری کے اعتبار سے ہوگا ورنہ علم الٰہی میں ظاہر ہے کہ غیب کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ۵۷۷ تو آپ اے رسول بددل و شکستہ خاطر نہ ہوں یہ ہٹ دھرم اور معاند کافر تو اب بھی آپ کو جھٹلائے جائیں گے لیکن آپؐ ان کی تکذیب پر صبر کیجئے اور حکایت نوحؑ سے تسکین حاصل کیجئے کہ جس طرح ان کے عہد میں آخری انجام مومنوں ہی کا اچھا اور کافروں کا برا ہوا، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آ کر رہیگا۔ فَاصْبِرْ میں فَ جزائی ہے یعنی اب جب یہ معلوم ہو چکا تو صبر لازم ہے۔ ای واذ قد اوحیناھا الیك وعلمتھا بذلك فاصبر علی مشاق تبلیغ الرسالة واذیة قومك (روح) اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ - آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ آخری کامیابی و کامرانی صبر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فیہ تنبیہ علی ان الصبر عاقبتہ النصر والظفر والفرح والسرور کما کان لنوح علیہ السلام ولقومہ (کبیر) ۵۷۸ قوم عاد اور حضرت ہودؑ نبی پر حاشیے سورۃ الاعراف کے رکوع ۹ میں گذر چکے۔ اِلٰى عَادٍ - عرب قدیم کی قوم عاد خلیج فارس کے کنارے کنارے عراق کی سرحد تک آباد تھی اس کا اصل مسکن یمن و حضرموت کا علاقہ تھا۔ مزار نبی ہود کے نام سے علاقہ حضرموت میں قسم کے مشرق میں ایک زیارت گاہ آج تک موجود ہے۔

۵۷۹ یعنی اصل حقیقت تو صرف توحید ہے باقی سب تمہارے گڑھے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ - یعنی صرف خدائے واحد کی پرستش کرو کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو۔ لا تعبدوا غیر اللہ کسے ای وحدوا اللہ بعبادة الله وحده لا شریك له ولا تنظروا الی الاوثان التی افتروھا (ابن کثیر) اللہ کے وجود اور اس کی عبادت سے منکر تو دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی قوم ہوئی ہے ورنہ انسانیت کا اصل مرض الحاد نہیں بلکہ شرک رہا ہے یعنی ایک خدائے اعظم کے اقرار کے ساتھ ساتھ دوسرے چھوٹے موٹے دیوی دیوتاؤں کی شرکت اور انتظاماتِ کائنات میں ان کا دخل و تصرف۔ فخر المفسرین امام رازیؒ نے آیت کے تحت میں اپنی سیاحتِ ہند کا ذکر کیا ہے اور اپنا مشاہدہ درج کیا ہے کہ وجود باری کے منکر مشرکین ہند بھی نہ تھے صرف اس کی توحید کے منکر تھے اور بت پرستی میں مبتلا ——— یہی بیماری پہلے بھی تھی اور یہی آج بھی ہے۔ کاش کوئی صاحب ذرا تلاش کر کے اس کا پتہ لگاتے کہ امام موصوف ہندوستان میں کب آئے تھے کہاں کہاں کی سیاحت کی تھی کُل کتنے دن رہے تھے۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ خدمت اگر دین کی نہیں تو ایک بڑے خادم دین کی ضرور ہو جاتی۔ ۵۸۰ ضروری اور مناسب حاشیے سورۂ یونس میں گزر چکے۔ ۵۸۱ یعنی استغفار تو کرو ماضی سے متعلق اور اب توبہ و رجوع اللہ کی جانب کرو مستقبل کے لئے +

۶۷ (بارش اور طوفانی بارش سے) پہلے زمین اور آسمان کے مالک نے زمین کو حکم دیا تھا کہ پانی اُبلنا شروع کر دے اور آسمان کو کہ برسانا شروع کر دے۔ بے تکان دونوں نے تعمیل کر دکھائی اب جب مقصد پورا ہو گیا تو زمین کو حکم ملتا ہے کہ اپنا پانی اپنے اندر جذب کرے اور آسمان کو کہ مزید بارش موقوف ——— دیر ارشاد کی تھی تعمیل میں دیر ہو ہی کیا سکتی تھی۔ توریت میں ہے:- "اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی ٹھہر گیا اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا" (پیدائش ۸: ۱-۲) قیل یہ ارشاد اس وقت ہوا جب طوفان اپنا کام کر چکا اور منکروں کو ڈبو چکا تھا توریت میں اس طوفان کی مدت ایک جگہ چالیس دن درج ہے اور ایک جگہ ۵ مہینہ چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی" (پیدائش ۷: ۱۷) "اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی" (پیدائش ۷: ۲۴)

يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ ٱلْمَآءُ

کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا ۶۸ اور پانی گھٹ گیا

وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ وَٱسْتَوَتْ عَلَى ٱلْجُودِىِّ ۖ وَقِيلَ بُعْدًا

اور کام پورا ہو گیا اور (کشتی) آ ٹھہری جودی پر اور کہہ دیا گیا کہ (اپنے اوپر)

لِّلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُۥ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ

ظلم کرنے والے لوگ (رحمت سے) دور ہو گئے، اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا اے میرے پروردگار

ٱبْنِى مِنْ أَهْلِى وَإِنَّ وَعْدَكَ ٱلْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ

میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ (بھی بالکل) سچا اور تو تو ہر حاکم کے

ٱلْحَٰكِمِينَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَٰنُوحُ إِنَّهُۥ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُۥ

اوپر حاکم ہے ۶۹ (اللہ نے) فرمایا اے نوح یہ تمہارے گھر والوں ہی میں سے نہیں ۷۰ یہ ایک

عَمَلٌ غَيْرُ صَٰلِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۖ

تباہ کار شخص ہے ۷۱ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو

إِنِّىٓ أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ ٱلْجَٰهِلِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَ رَبِّ

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ کہیں) نادان نہ بن جاؤ ۷۲ (نوح) بولے اے میرے

إِنِّىٓ أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِى بِهِۦ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا

پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور اگر

تَغْفِرْ لِى وَتَرْحَمْنِىٓ أَكُن مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ

تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آ جاؤں گا ۷۳ ارشاد ہوا

۶۸ اس آیت کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کی داد منکرین اسلام نے بھی دی ہے۔ ابن مقفع نامی ایک ملحد طبع شخص گذرا ہے۔ اس نے بہ زعم خود قرآن کا جواب کہنا شروع کیا تھا جیسے ایک دوسرے کے جواب میں شاعر اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ جب اس آیت پر پہنچا، تو قلم جواب سے رک گیا عاجز ہو کر بولا کہ اس کلام کا جواب بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ (بحر) مستشرق اور لغوی لین (Lane) نے بھی اس کی داد دی ہے۔

الجودی کوہستان اراراط کی اس چوٹی کا نام ہے جو جبل وام (Van) کے جنوب و مغرب میں واقع ہے اس جوار میں کردوں کی زبان پر آج تک یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ کشتیٔ نوحؑ یہیں آ کر رکی تھی۔ توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں صرف سلسلۂ کوہستان اراراط کا ہے۔ (پیدائش ۸: ۵) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔

۶۹ (تیری قدرت لا انتہا، تیرے اختیارات غیر محدود تیرے لئے کیا دشوار کہ اب بھی اسے مؤمن بنا کر اس کی نجات کا سامان کر دے) وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُۥ ۔ یہ مناجات حضرت نوحؑ نے اس وقت کی جب دیکھا کہ کنعان اب ڈوبنے ہی پر ہے۔ إِنَّ وَعْدَكَ ٱلْحَقُّ ۔ وہ وعدۂ الٰہی یہی کہ تمہارے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئیگا بچا دیا جائیگا

۷۰ ہمارے علم ازلی میں) اہل سے مراد وہی اہل ایمان گھر والے ہیں جن کے لئے نجات کا وعدہ ہو چکا تھا اور یہیں سے علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ شریعت میں معتبر قرابت ایمانی ہے نہ کہ قرابت نسبی۔ ای لیس منهم اصلا لان مدار الاهلية هو القرابة الدينية (روح) هذه الآية تدل على ان العبرة بقرابة الدين لا بقرابة النسب فان في هذه الصورة كانت قرابة النسب حاصلة من اقوى الوجوه ولكن لما انتفت قرابة الدين لاجرم نفاه الله تعالى بابلغ الالفاظ (كبير) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شرف نسب کے ساتھ جب تک صلاح جمع نہ ہو وہ کالعدم ہے۔ ۷۱ (جو ایمان کا قصد ہی نہیں کرتا) عمل سے مراد ذو عمل لی گئی ہے۔ مراد عمل فاسد کی بنا پر۔ والحاصل انه ذو عمل فاسد ففيه مجاز الحذف واجعله عين عمله لمداومته عليه (روح) او انه ذو عمل باطل فحذف المضاف للدلالة الكلام عليه (كبير) ۷۲ (اور آئندہ پھر کبھی ایسی ہی درخواست پیش کرنے لگو) منشائے خداوندی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اے نوحؑ ہمارا وعدۂ نجات جو تمہارے گھر والوں کے لئے تھا وہ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ ٱلْقَوْلُ کے ساتھ مقید تھا اور اس کے مصداق کو عمداً مبہم و غیر متعین رکھا گیا تھا سو تمہارا یہ فرزند اسی استثناء کے تحت میں آ جاتا ہے ایسے مشتبہ اشخاص کے حق میں دعا کرنے سے احتیاط مناسب تھی۔ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جب مشتبہ الحال لوگوں کے حق میں دعا سے ممانعت آ چکی ہے تو جن لوگوں کا فساد عقیدہ ظاہر ہو چکے ان کے حق میں تو اور زیادہ احتیاط واجب ہے۔ فيكون النهي وارداً في مشتبهة الحال فيفهم منه حال معلوم الفساد بطريق الاولى (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے ہمارے زمانے کے مشائخ کی دعاؤں کا حال کھلا جاتا ہے کہ ان سے مقدمہ کی عہدہ کی جس چیز کی بھی دعا کرائی جاتی ہے وہ بلا لحاظ حرام و حلال اس کے لئے دعا کر دیتے ہیں۔

۷۳ حضرات انبیاء کی شان عبدیت کا کیا کہنا! گویا ہر وقت مناجات و ابتہال و استغفار کا بہانہ ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ادنیٰ سی لغزش اجتہادی لغزش نفس کی خرابی سے نہیں محض فہم و تعبیر کی بنا پر ہوئی اور انہیں بس عرض حال کا موقع مل گیا۔

۵۸ (جو علامت تھی آغازِ عذابِ موعود کی) اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا یعنی جب غرقابی کے ذریعہ ان پر عذابِ دنیوی کے نزول کا حکم آپہنچا۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ فقرہ کے صحیح معنیٰ صرف اس قدر ہیں کہ زمین سے پانی نے جوش ملنا شروع کیا۔ تنور کے معنی صرف سطحِ زمین یا بلند سطحِ زمین کے ہیں یا چشمہ پھوٹنے کی جگہ کے ہیں۔ ابن عباسؓ صحابی اور متعدد تابعین سے یہی معنیٰ مروی ہیں۔ ~~التنور وجه الارض (ابن جریر عن ابن عباس) وجه الارض (ابن جریر عن الضحاک) وکذا التنور وجه الارض والعرب تسمیه تنورا قاله ابن عباس وعکرمة والزهری وابن عیینة (کبیر)~~ ... ~~وجه الارض وکل مفجر ماء ومحفل ماء الوادی (قاموس) التنور اشرف الارض وارفعها (ابن جریر)~~ اہل لغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ اصلاً عربی نہیں بلکہ فارسی سے معرب ہو کر آیا ہے۔ ~~فارسی معرب (لسان) لفظ مشترک میان فارسی وعربی وترکی (برہان قاطع)~~ تاج العروس میں ہے کہ دیباج۔ دینار۔ سندس۔ استبرق وغیرہ کی طرح اس باہر سے آئے ہوئے لفظ کو بھی عرب اپنا چکے ہیں۔ تنور کے اگر وہی معنیٰ لئے جائیں جو اردو میں متعارف و متداول ہیں تو التنور سے مراد یا تو کوئی مخصوص و متعین تنور ہو گا اور یا جنس تنور۔ ~~یحتمل ان تکون ال فیه للعهد لتنور مخصوص و یحتمل ان تکون للجنس (بحر) قیل لیس المراد به تنورا معینا بل الجنس والمراد فار الماء من التنانیر (روح)~~ بہر حال معنیٰ جو بھی لئے جائیں پانی کا یہ جوش مارنا بطور طوفانِ عظیم کی علامت کے ہوگا۔ **۵۹** ~~(اس نوع)~~ اس کُلِّ سے مراد یقیناً آبی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع و اقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ ~~ای من کل نوع من الحیوانات ینتفع به الذین ینجون من الغرق (روح)~~

التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

زمین میں سے پانی ابلنا شروع ہوا ۵۸، ہم نے کہا کہ اس (کشتی) میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو ۵۹

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَ

اور اپنے گھر والوں کو بھی بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو چکا ہے اور (ہاں دوسرے) ایمان والوں کو بھی

مَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝٤٠ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ

اور ایمان ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ لائے تھے ۶۰ اور (نوحؑ نے) کہا (آؤ) اس میں سوار ہو جاؤ

اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٤١

اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھیرنا ۶۱، بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ

اور وہ (کشتی) انہیں لے کر چلنے لگی پہاڑ جیسی موجوں میں ۶۲ اور نوحؑ نے اپنے لڑکے کو پکارا

وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ

اور وہ کنارے پر تھا ۶۳ کہ اے میرے (پیارے) بیٹے سوار ہو جا ہمارے ساتھ، اور کافروں کے

مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٤٢ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ

ساتھ مت رہ ۶۴ وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے

الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ

بچالے گا ۶۵ (نوحؑ نے) کہا آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم (عذاب) سے البتہ وہی جس پر

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝٤٣ وَقِيْلَ

رحم کردے ۶۶ اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی سو وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا ۶۷ اور ارشاد ہوا

~~الذین ینجون من الغرق~~ (روح) لفظ کُلّ کے اس محدود معنیٰ میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔ یہ صراحت کہ اس چھوٹے سے جہاز میں پاک و ناپاک پرندے اور چارپائے اور حشرات الارض ہر قسم کے جانور آگئے تھے صرف بائبل میں ملتی ہے۔ وہاں وعدۂ الٰہی بھی یہی ملتا ہے کہ سب وہ جاندار موجودات کو جنہیں میں نے بنایا زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔" (پیدائش ۷: ۴) اور عمل بھی اسی وعید کے مطابق ہوا چنانچہ "سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے چرندے اور پرندے اور جنگلی جانور، اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے اور سب انسان مر گئے۔ سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا اُن میں سے جو خشکی پر رہتے تھے مر گئے بلکہ سب موجودات جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں، انسان سے لے کے حیوان تک اور کیڑے مکوڑوں اور آسمان کے پرندوں تک وہ سب زمین سے مٹ گئیں"۔ (پیدائش ۷: ۲۱-۲۳) زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ۔ یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ۔ **۶۰** چنانچہ وہی بہت قلیل المقدار مومنین جہاز پر سوار کئے گئے۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ۔ یعنی بجز ان کے جن پر اُن کے کفر کے پاداش میں غرق ہونے کا حکم صادر ہو چکا۔ باوجود نوح علیہ السلام کے رشتہ دار ہونے کے توریت میں اس مقام پر ہے:۔ "اور تو کشتی میں جائے گا، تو اور تیرے بیٹے اور تیری جورو اور تیرے بیٹوں کی جوروان تیرے ساتھ اور سب جانوروں میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ جائیں۔ چاہیئے کہ وہ نر و مادہ ہوں"۔ (پیدائش ۶: ۸-۹) **۶۱** (اس لئے اس پر سوار ہو کر غرق کا اندیشہ بھی نہ کرنا) قَالَ ارْكَبُوْا۔ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول کے مخاطب آپ کے عیال اور آپ کے متبعین ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے مراد یہاں بامر اللہ یا باذن اللہ لی گئی ہے یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کی قدرت اور حکم سے ہے۔ ~~ای بقدرته او بامره او باذنه (روح) کان فی معزل من الکفار وکان انفرد عنهم فظن نوح علیه السلام ان ذلک انما کان لانه احب مفارقتهم (کبیر)~~ مَجْرٖىهَا عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یائے معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اسی قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں لیکن اس خاص موقع پر مجریہا کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے "مجْرِی" کے "مجرے" ہی پڑھا جائے گا۔ **۶۲** اصل مقصود طوفان کی شدت کا اظہار ہے۔ ~~المقصود منه بیان شدة الهول والفزع (کبیر)~~ یہ اور بات ہے کہ یہاں واقعی اونچی اونچی موجیں پہاڑوں پر چڑھ چڑھ گئی تھیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی۔ دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اُسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے، اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔ (پیدائش ۷: ۱۱-۱۲) **۶۳** (سفینۂ نوحؑ و اہل نوحؑ دونوں سے الگ جسماً بھی اور عقیدۃً بھی") ابنه یہ لڑکا کافر تھا اور اس کا نام کنعان آتا ہے۔ فِيْ مَعْزِلٍ۔ علیحدگی اور کنارہ کشی صوری و معنوی دونوں قسم کی مراد ہو سکتی ہیں۔ ~~والمعزل ... عنهم اما جسما او معنی~~ (روح) ~~عزل فیه نفسه عن ابیه او عن دینه (بیضاوی)~~ **۶۴** (نہ معنوی و اعتقادی حیثیت سے اور نہ صوری و جسمانی حیثیت سے) يٰبُنَيَّ کلمہ محبت و شفقت کا ہے ~~اتی به بالتصغیر من باب التحنن والرأفة (روح) التصغیر للشفقة (تھانوی)~~ يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا۔ حضرت کا اپنے کافر بیٹے سے یہ فرمانا یقیناً اسی بنا پر ہوگا کہ آپ کو اس کے کفر کا علم نہ تھا ———— یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ شرط معیت پوری کر کے یعنی اب ایمان لا کر ہمارے ساتھ آجا۔ ~~انما دعاه لظنه انه مومن او ظنا منه انه یومن ان کان کافرا (بحر)~~ **۶۵** (مجھے آپ کی کشتی تک آنے کی کیا ضرورت ہے آپ میرے لئے گھبرا کیوں رہے ہیں) بدنصیب کیا جانتا تھا کہ طوفان طبعی نہیں ہے قہرِ الٰہی جوش میں آیا ہوا ہے۔ بولا کہ مجھے سیلاب سے غرقابی کا اندیشہ ہے پیرنے میں مشاق ہوں ابھی پانی کا دھارا چیرتا ہوا کسی چوٹی تک پہنچ جاؤنگا اور پہاڑ تو ڈوبنے سے رہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسباب مباح سے تمتع کرنا توکل کے منافی نہیں جیسے سفینۂ نوح کے اندر آجانا البتہ اسباب غیر مباح کی طرف دوڑنا بالکل منافی توکل ہے۔ مثلاً کنعان کا پہاڑ کو وسیلۂ نجات سمجھنا۔ **۶۶** اس سبق آموز قصۂ کنعان سے بائبل کے صفحات خالی ہیں۔ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے عذاب و قہر سے۔ ای من عذاب اللہ (معالم۔ کبیر) لَا عَاصِمَ ..... رَحِمَ۔ حقیقت میں پیمبرؑ اور شفیق باپ نے فرمایا کہ اے ناسمجھ یہ سیلاب و طوفان معمولی اور طبعی واقعہ نہیں قہرِ الٰہی ہے۔ اس سے پناہ دینے کی مجال کسی کو نہیں نہ پہاڑ کو نہ پہاڑ کی چوٹی کو، ہاں اللہ خود ہی جس کو بچا لینا چاہے بچالے۔ بائبل میں اس شدتِ طوفان کے ذکر میں ہے "اور پانی بڑھ گیا اور کشتی کو اوپر اٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اُٹھ گئی اور پانی زمین پر بڑھا اور بہت زیادہ ہوا اور کشتی پانی کے اوپر بہتی رہی اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا اور سب اونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے تھے چھپ گئے پندرہ ہاتھ پانی ان کے اوپر بڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے"۔ (پیدائش ۷: ۱۷-۲۱)

اَفْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ
انہوں نے اسے (یعنی قرآن کو) گڑھ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو میرے ہی اوپر میرا جرم رہیگا

مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ
اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری رہونگا، اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے (اب اور کوئی)

۳ ع ۱۱ ۲

قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا
ایمان نہیں لائیگا بجز اُن کے جو (اب تک) ایمان لا چکے سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم

يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا
نہ کرو ۵۱ اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو ۵۲ اور مجھ سے

تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ
ان لوگوں کے باب میں گفتگو نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ ڈوب کر رہیں گے ۵۳ اور (نوحؑ) کشتی

الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ
بنانے لگے ۵۴ اور جب جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گذرتے تھے تو ان سے تمسخر کرتے ۵۵

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ؕ
(نوحؑ) بولے اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہنستے ہو ۵۶

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ
سو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون ہے جس پر (ایسا) عذاب آنے کو ہے جو اسے رسوا کردیگا

عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ
اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے ۵۷ (اس طرح کے مکالمات جاری رہے) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور

۴۹ یہ آخری اور انقطاعی جواب ہے کہ خیر تم کسی طرح نہیں سمجھتے تو نہ سمجھو اپنا جرم میں خود بھگت لونگا تم خود اپنی خبر لو۔ منکرین کے اعتراض کا اصل جواب آیت ۱۳ کے ذیل میں آچکا ہے کہ اگر میں قرآن تصنیف کر سکتا ہوں تو خیر تم سب مل ملا کر پورا قرآن نہ سہی اس کی دس ہی سورتیں تیار کر کے دکھا دو۔ اوپر سے حکایت حضرت نوحؑ کی چل رہی تھی آگے بھی وہی ملے گی درمیان میں مناسبت مقام سے یہ آیت رسول اللہ صلعم اور آپ کے معاند معاصرین سے متعلق آگئی۔ عن مقاتل انہا فی شان النبی صلعم مع مشرکی مکۃ (روح) ھذا الکلام معترض فی وسط ھذہ القصۃ وکأنہا مقررۃ لہا بقولہ تعالیٰ لمحمد صلعم ام یقول ھؤلاء الکافرون الجاحدون افتری ھذا وافتعلہ من عندہ (ابن کثیر) لیکن دوسرے اقوال میں اسے حکایت نوحؑ ہی سے متعلق قرار دیا ہے۔ مِمَّا تُجْرِمُوْنَ۔ یعنی یہ کہ افترائے وحی کا الزام مجھ پر رکھ رہے ہو۔ اے من اجرامکم فی اسناد الافتراء الیّ (کشاف۔ بیضاوی) عَلَيَّ اِجْرَامِيْ یعنی میرے گناہ کا وبال میرے ہی اوپر رہے گا۔ تقدیر کلام فعلی عقاب اجرامی بھی گئی ہے۔ اے ان کنت افتریتہ فعلی عقاب جرمی وان کنت صادقا وکذبتمونی فعلیکم عقاب ذلک التکذیب (کبیر) ۵۰ (جب دعوت و تبلیغ کو مدت مدید ہو چکی) توریت میں ہے:۔ "اور نوحؑ خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ پر زمین خدا کے آگے بگڑی ہوئی تھی اور زمین ظلم سے بھری تھی اور خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی۔ کیونکہ ہر ایک بشر نے اپنے اپنے طریقہ کو زمین پر بگاڑا تھا" (پیدائش ۶: ۱۰-۱۲) ۵۱ (کیونکہ غم تو خلاف توقع سے ہوتا ہے اور اب ان سے کوئی توقع ہی بجز مخالفت کے نہیں) گویا حضرت نوحؑ کو حکم مل گیا کہ اب نصیحت و انتظار بے سود ہے بد دعا کیجئے سزا دی جائے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے نوحؑ سے کہا کہ سب بشر کی اجل میرے سامنے آپہنچی ہے۔ اس لئے کہ اُن کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی اور دیکھ میں اُن کو زمین کے ساتھ نابود کروں گا" (پیدائش ۶: ۱۳) ۵۲ (کہ اس کے ذریعہ سے تم اور مومنین طوفان سے محفوظ رکھے جاؤ گے) الفُلْكَ۔ مسیحی علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی طول میں ۵۲۵ فٹ، عرض میں ½ ۸۷ فٹ اور بلندی میں ½ ۵۲ فٹ تھی (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی، نیز ملاحظہ ہوں پارہ ۱۱ میں سورۂ یونس میں حواشی متعلقہ۔ توریت میں ہے:۔ "تو اپنے واسطے گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی بنا۔ اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اُس کے باہر اور بھیتر رال لگا اور اس کو ایسی بنا کہ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اُونچائی تیس ہاتھ کی ہو اور اس کشتی میں ایک روشندان بنا۔ اُوپر سے لے کے ہاتھ بھر میں اسے تمام کر اور کشتی کی ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دُوسرا اور تیسرا بھی بنا" (پیدائش ۶: ۱۴-۱۶) یہ کشتی کس ساخت اور پیمانہ کی تھی؟ اس کی جو تفصیلات بائبل میں ہیں، قرآن نے ان سے یکسر قطع نظر کرلی ہے اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور اسی لئے اس قسم کی تحقیقات کے زیادہ درپے ہو جانا کوئی مفید خدمت دین کی نہیں۔ امام رازیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ یہ ساری بحثیں بیکار ہیں۔ مومن کے لئے بس اس قدر جان لینا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اُس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اُس میں سما گئے تھے کہ قرآن میں مذکور اسی قدر ہے (کبیر) اور صاحب روح المعانی نے بھی اسی قسم کی تقریر کی ہے۔ بِاَعْيُنِنَا - محاورہ میں اس سے کنایہ ہوتا ہے حفاظت و نگرانی سے۔ جعل العین کنایۃ عن الاحتیاط فلھذا قال المفسرون معناہ بحفظنا ایاک (کبیر) قیل ان ملابسۃ العین کنایۃ عن الحفظ وملابسۃ الاعین لمکان الجمع کنایۃ عن کمال الحفظ والمبالغۃ فیہ (روح) ذکر العین لتضمنھا معنی الرعایۃ وقولہ تعالیٰ واصنع الفلک باعیننا اے برعایۃ منا وحفظ (ابو البقاء) ۵۳ (اور ان کے حق میں سفارش بیکار ہے) توریت میں ہے:۔ "اور دیکھ میں ہاں، میں ہی زمین پر طوفان کا پانی لاتا ہوں کہ ہر ایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے، آسمان کے نیچے سے مٹا ڈالوں اور سب جو زمین پر ہیں مر جائیں گے۔ پر میں تجھ سے اپنا عہد قائم رکھوں گا۔" (پیدائش ۶: ۱۷) ۵۴ اس کا یہ مطلب لازمی طور پر نہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے بنانے لگے اپنی نگرانی میں کاریگروں سے بنوانا بھی اپنے ہی بنانے کے حکم میں داخل ہے۔ ۵۵ (کہ یہ کیسے خبطی ہیں پانی کا نام نہ نشان اور یہ خواہ مخواہ اپنے کو اس زحمت میں ڈالے ہوئے ہیں) اور کوئی کوئی اس طرح کے فقرہ بھی کہہ گزرتا کہ واہ نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔ یقولون لہ صرت نجارًا بعد ما کنت نبیًا (بیضاوی)، جہاں یہ قوم آباد تھی وہ کوئی نشیبی علاقہ نہیں ایک بلند میدان تھا اور قریب ترین سمندر یعنی خلیج فارس سے صدہا میل کے فاصلہ پر اس لئے ان لوگوں کا اپنے نقطۂ نظر سے حیرت کرنا کچھ بیجا تھا بھی نہیں۔ ۵۶ (کہ عذاب کا وقت موعود اتنا قریب آلگا اور تم اسے ہنسی کھیل سمجھ رہے ہو ہمیں اس پر ہنسی آرہی ہے) فانا نسخر منکم مما انتم فیہ من الاعراض عن استدفاعہ بالایمان والطاعۃ (روح)، دوسرے معنی صیغۂ مستقبل میں بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح تم آج ہم پر ہنس رہے ہو، ہم کل تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ ان تسخروا منا فی ھذہ الساعۃ فانا نسخر منکم سخریۃ مثل سخریتکم اذا وقع علیکم الغرق فی الدنیا والخزی فی الاخرۃ (کبیر) یعنی فی المستقبل (کشاف)، رہا یہ شبہ کہ تمسخر پیغمبری کی شان سے فروتر ہے بالکل ہی سطحی ہے جواب و مقابلہ کے موقع پر اس قسم کے الفاظ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں عام ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ انہم یکیدون کیدًا واکید کیدًا۔ ومکروا ومکر اللہ۔ وقس علیٰ ھٰذا اور دیباچۂ تفسیر میں اسلوب عرب کی صنعت مشاکلہ کا ذکر مستقلاً آچکا ہے۔ واطلاق السخریۃ علیہم حقیقۃ وعلیہ علیہ السلام للمشاکلۃ (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انتقام کے موقع پر جواب بالمثل سے کام لینا مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔ ۵۷ عذاب مقیم کا تعلق بعد مرگ اور عالم آخرت سے ہے اور عذاب خزی کا تعلق اسی موجودہ زندگی سے ہے۔ عذاب یخزیہ یرید بالعذاب عذاب الدنیا وھو الغرق (مدارک) عذاب مقیم وھو عذاب الاخرۃ (مدارک)

تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

(اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟ ۴۴۲ اور میں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ

نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے

لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ

لئے کہہ سکتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ انہیں اللہ بھلائی دے ہی گا نہیں ۴۴۴

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾

اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ۴۴۴ ورنہ میں ہی ظالم ٹھیروں گا ۴۴۵

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا

وہ بولے اے نوحؑ تم ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی خوب کر چکے اب لے آؤ ہمارے

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ

سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو اگر تم سچے ہو ۴۴۶ (نوحؑ نے) کہا اسے تو بس اللہ ہی

بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ

تمہارے سامنے لائیگا اگر اس کی مشیت ہوئی اور تم (اسے) ہرا نہیں سکتے ۴۴۷ اور میری خیر خواہی تمہیں

نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ

نفع نہیں پہنچا سکتی گو میں تمہارے ساتھ (کیسی ہی) خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا گمراہ کرنا منظور

اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

ہو ۴۴۸ وہی تمہارا (مالک و) پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ

۴۴۲ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ بالفرض میں تمہاری خوشی پوری کرنے کو انہیں اپنے پاس سے دھتکار بھی دوں تو میں تو خود ہی اللہ کی گرفت میں آجاؤنگا۔ اُس وقت مجھے کون بچائیگا؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ کے تحت میں طالب کے حقوق شیخ پر آگئے۔ آیت کے الفاظ میں اشارہ ادھر ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس سے اعراض نہ چاہئے کیونکہ اس کی طرف حق تعالیٰ کو بھی توجہ ہوتی ہے۔ ۴۴۳ یہاں حضرت نوحؑ اپنے مخاطبین کے ایک ایک شبہہ کا ازالہ فرما رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نہ اللہ کے خزانوں کا خزانچی ہوں کہ دنیوی نعمتوں میں سے جو جس کو چاہوں اُسے دِلا دوں اور نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعوےٰ رکھتا ہوں، اور نہ دیوتا کی قسم سے ہوں اور نہ ان عوام ہی کی قسمت کا ذمہ لئے ہوں۔ پیمبر کی اس تقریر میں وقت کی ایک ایک گمرہی کا رد موجود ہے۔ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ جاہلی قومیں بس یہی چاہتی ہیں کہ جس کا دامن پکڑیں اس کے وسیلہ سے دنیوی فلاح و ترقی بھی ہر قسم کی حاصل ہو جائے۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ جاہلی قوموں نے بزرگی کا ایک لازمہ غیب دانی کو بھی سمجھا ہے۔ اِنِّيْ مَلَكٌ۔ ملک کا ترجمہ جاہلی قوموں کے سیاق میں "دیوتا"، یا "مافوق البشر" ا سے ہونا چاہیئے۔ لَآ اَقُوْلُ ... خَيْرًا۔ جاہلی قوموں میں خواص کو بڑی فکر اس کی لگی رہتی ہے کہ عوام بھی کہیں ان کے برابر نہ آجائیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صاحب ارشاد کا صاحبِ تصرف ہونا یا صاحبِ کشف ہونا، یا ضروریاتِ بشری میں عام انسانوں سے ممتاز ہونا ہرگز ضروری نہیں صرف صاحب علم و عمل ہونا ضروری ہے۔ ۴۴۴ (میں اُن کی قسمت کی بھلائی سے انکار کرنے والا کون، اگر یہ مخلص و صادق ہیں تو خیر دارین ان کا حصہ ہے اور اُن کے صدق و اخلاص کا جاننے والا اللہ ہے)۔ ۴۴۵ یعنی اگر میں نے خواہ مخواہ تمہاری رائے کی موافقت میں اپنے ان پیروؤں کو منافق ٹھہرا دیا۔ ۴۴۶ اب منکرین کھلم کھلا پیمبر وقت کو چیلنج کر رہے ہیں کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے چلے آئے ہو وہ اب لے آؤ نا! يٰنُوْحُ .... جِدَالَنَا۔ آیت سے یہ مضمون نکل رہا ہے کہ حضرت نوحؑ عقائد حق کی تائید میں دلائل و شواہد ایک طویل مدت تک پیش کرتے رہے۔ ۴۴۷ (کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ ہونے دو) اِنَّمَا ..... شَاۗءَ۔ یعنی میں عذاب لانے والا کون میرا کام تو بس احکام و پیام کا پہنچا دینا ہے۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ ایسا ہی کہنا اہل حق کی شان ہے ورنہ اہلِ باطل کی زبان پر تو بڑے بڑے دعوے رہتے ہیں کہ جو میرا مخالف ہے اس کا حال یہ کر دونگا اور وہ کر دونگا۔ ۴۴۸ (تمہارے عناد و استکبار کی بنا پر) اِنْ كَانَ اللّٰهُ۔ اللہ کا ذکر یہاں بہ حیثیت تکوینی علت العلل یا مسبب الاسباب کے ہے۔ حضرت نوحؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جب اپنی بدقسمتی سے تم خود ہی اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ہدایت شیخ کے قبضہ میں نہیں۔

۳۵ (اور کوئی بات تم میں بشریت سے مافوق پاتے نہیں پھر تمہیں مردِ خدا کیسے مان لیں) مشرکوں اور مشرک صفتوں کی سمجھ میں کسی بشر کا خدا رسیدہ ہونا یا فرستادۂ خدا ہونا نہ پہلے کبھی آیا نہ اب آرہا ہے وہ بزرگی کے صرف اُسی کے قائل ہوتے ہیں جو نہ کھاتا پیتا ہو، نہ سوتا ہو، نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو، پانی پر چلتا ہو، آگ پر بے تکلف قدم رکھ دیتا ہو، ہوا پر اڑتا ہو، غرض طرح طرح کے خوارق اور کرشمے دکھا کر اپنے "مافوق البشر" ہونے کا اعلان کرتا رہتا ہو ———— بشر کو دیوتا تسلیم کر لینا اُن کے لئے اس سے کہیں آسان ہے کہ وہ بشر کو خدا کا بندۂ مقرب و مقبول اور الٰہی تصوّر کریں۔ مِثْلَنَا۔ بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بشر بھی ایسے جو ہم سے ذرا ممتاز نہیں بس ہماری ہی طرح کھانے پینے، رہنے بسنے والے۔ ۳۶ (سو ان کا تمہیں نبی مان لینا کونسی سند اور افتخار کی

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ

قوم میں جو سردار تھے وہ بولے کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں ۳۵ اور ہم تو بس یہی

اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى

دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری طور سے ۳۶ اور ہم

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ

تم لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں مانتے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں ۳۷ نوح نے کہا

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ

اے میری قوم والو یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں ۳۸

اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا

اور اُس نے مجھے رحمت اپنے پاس سے عطا کی ہے اور وہ تمہیں نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم اسے تمہارے سر

وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ

چپکا دیں درآنحالیکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ ۳۹ اور اے میری قوم والو، میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ

تو نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے، ۴۰ اور میں تو اُن لوگوں کو جو ایمان لے آتے ہیں نکالنے

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

والا نہیں، ۴۱ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہیں، البتہ میں تمہی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کئے جا

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا

رہے ہو، ۴۲ اور اے میری قوم والو کون میری حمایت کریگا اللہ کے مقابلہ میں، اگر میں انہیں نکال بھی دوں کیا تم

بات ہے بلکہ ہم شرفا و معززین کو تو اُلٹا ننگ آتا ہے ان کی صف میں بیٹھنے سے۔ بڑے اور چھوٹے اُونچ اور نیچ کا یہ نسبی و نسلی معیار جاہل قوموں میں ہمیشہ مشترک رہا ہے ——— دعوتِ توحید پر ایمان اس وقت تک صرف عوام لائے تھے یہ ان عوام پر طنز بڑے لوگوں کی طرف سے ہے۔ ۳۷ (تمہارے اس دعوائے نبوت و زعمِ رسالت میں) مِنْ فَضْلٍ سے مُراد مال، جاہ، ثروت و ریاست ہیں جو دنیوی و مادّی اعتبار سے معیارِ فضیلت سمجھے گئے ہیں۔ علامہ زمخشری آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ خیر وہ لوگ تو اہل جاہلیت میں سے تھے ہی، دنیا کے صرف ظاہری و مادّی پہلوؤں کو دیکھنے والے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اسی مرض حُبِّ دنیا میں مبتلا ہیں اور عزّت و تحقیر کا معیار اسی دولتِ دنیوی کی زیادتی اور کمی کو بنائے ہوئے ہیں۔ كانوا جهالا لا يعلمون الا ظاهرا من الحياة الدنيا فكان الاشراف عندهم من له جاه ومال كما ترى اكثر المتسمين بالاسلام يعتقدون ذلك ويبنون عليه اكرامهم واهانتهم (کشاف) اور آگے بھی سطروں پر سطریں اسی رنگ میں لکھتے چلے گئے ہیں (اور صاحبِ مدارک نے بھی ان کی تقلید میں بعض انہی فقروں کو دُہرا دیا ہے ———— حُبِّ دنیا اس اُمّتِ مرحومہ پر جب پانچویں اور چھٹی صدی میں اس قدر غالب آچکا تھا تو پھر اب چودھویں صدی ہجری کا ذکر ہی کیا! افسوس ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی حقیقی بزرگی کی طرف سے ان کے باطنی کمالات، اُن کے اخلاقی فضائل کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند رہیں اور آج بھی بند ہیں۔ ۳۸ (اور اپنے کو صریح صاحبِ وحی پا رہا ہُوں) ۳۹ یعنی دلائل و شواہد پر جب تم غور کیا ہی نہ چاہو تو کیا اسے میں زبردستی تمہارے حلق میں اتار دُوں؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ منکر کو اہل اللہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ منکر رہے گا ان سے نفع نہ حاصل کر سکے گا۔ ۴۰ (جیسا کہ تم چاہتے ہو) اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ - یعنی میرا اسہار تو صرف رضاء الٰہی اور اجرِ اُخروی ہے۔ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا - میں کیا اپنے موعظت و دعوت کی کوئی فیس تم سے طلب کر رہا ہُوں جو تم اُس کی گراں باری سے کچلے جاتے ہو؛ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عبادت واجب پر معاوضہ لینا ناجائز ہے؛ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - محققین صُوفیہ نے کہا ہے کہ مسکینوں اور کم حیثیت والوں کو حضوری مجالس اور التفات خاص سے محروم نہ رکھنا عین سُنّتِ انبیاء ہے ۴۱ (کہ توحید جیسے عقیدہ سے جو سرتاسر فطرتِ سلیم کے عین مطابق ہے گریز کئے چلے جا رہے ہو) اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ - یعنی یہ لوگ عزّت و مقبولیت کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے والے ہیں۔ سو اِن کی اہانت میں کیسے کر سکتا ہُوں۔ (انهم من اهل الزلفى المقربون الفائزون عند الله تعالىٰ۔ بحر) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضری کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ای مصدقون بلقاء ربهم یؤمنون به (کشاف)

السَّمۡعَ وَمَا كَانُوۡا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا
اور نہ دیکھتے تھے ۲۸؎ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو تباہ

اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ
کر ڈالا اور (آج) ان سے غائب ہو گئے (وہ سب معبود) جو انہوں نے گڑھ رکھے تھے ۲۹؎ لازمی طور پر

اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
آخرت میں یہی سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہوں گے ۳۰؎ بیشک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخۡبَتُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ ۙ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ
اور انہوں نے نیک عمل کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے وہی لوگ اہل جنت

الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الۡفَرِيۡقَيۡنِ كَالۡاَعۡمٰى
ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ۳۱؎ دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک

وَالۡاَصَمِّ وَالۡبَصِيۡرِ وَالسَّمِيۡعِ‌ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِيٰنِ مَثَلًا‌ ؕ
اندھا اور بہرا اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو کیا (یہ) دونوں حالت میں برابر ہیں

ع ۲/۲
اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ
تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ۳۲؎ اور بالیقین ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا ۳۳؎

اِنِّىۡ لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۲۵﴾ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ‌ ؕ اِنِّىۡۤ
میں تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں (اچاہیے) کہ تم پرستش نہ کرو (کسی کی) بجز اللہ کے میں

اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ
تمہارے حق میں دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۳۴؎ اس پر ان کی

۲۸؎ یعنی نہ کلامِ حق کو غایت عناد سے سنتے تھے اور نہ راہِ حق کو غایت عناد سے دیکھتے تھے، روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ جس بات سے ضد اور نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اُس کے نہ سُننے کی تاب دل میں باقی رہ جاتی ہے نہ دیکھنے کی۔ يُضٰعَفُ لَهُمُ الۡعَذَابُ۔ دوگنی سزاؤں کہ ایک سزا خود اپنے کافر رہنے کی، اور دُوسری دوسروں کو کافر بنانے کی۔ يُضٰعَفُ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان پر سزا برابر بڑھتی رہے گی ——— اور عجب نہیں جو صیغۂ مضارع اسی استمرار کی دلالت کے لئے ہو۔ ۲۹؎ (اور کوئی بھی ان کے کام نہ آیا!) ۳۰؎ لَاجَرَمَ۔ کا مفہوم عربی میں وہی ہے جو اُردو میں لامحالہ یا ناگزیر ہے'' سے ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ معناہ انہ لا ینفع نافع عنہم (کبیر) قال الفراء انہا بمنزلۃ قولنا لابد و لامحالۃ (کبیر) اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ۔ جُملہ کی ترتیب هُمۡ کی تکرار اَنَّ اور لَاجَرَمَ کا اضافہ سب کلام میں انتہائی زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ۳۱؎ اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ یعنی اپنے پروردگار کا خشوع و انقیاد دل میں پیدا کرلیا۔ الاخبات ھو الخشوع والخضوع (کبیر) اصحابِ جنّت کے اوصاف کی ترتیب آیت میں خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے۔ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا۔ پہلا درجہ تو ایمان یا تصحیحِ عقائد کا ہوا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ دُوسرا مرتبہ عملِ صالح کا یا اصلاحِ اعمال و اخلاق کا ہوا۔ وَاَخۡبَتُوۡۤا۔ تیسرا مرتبہ تزکیۂ نفس کا ہوا۔ ۳۲؎ یعنی دونوں کے درمیان اتنے موٹے اور بیّن فرق کو محسوس نہیں کرتے؟ فَرِيۡقَيۡنِ۔ سے مُراد ظاہر ہے کہ ایک طرف مومن اور فرماں بردار ہیں اور دوسری طرف کافر و نافرمان جن کے انجام و مآل کا فرق ابھی اُوپر بیان ہو چکا ہے ——— ایک ہدایت سے موصُوف دوسرا ہدایت سے محروم۔ ۳۳؎ (پیمبر بنا کر اور یہ پیام دے کر) نوحؑ اور قومِ نوحؑ پر حاشیے پارہ'' میں سورۂ یُونس میں گزر چکے۔ ۳۴؎ پیمبروں کا پیام شروع سے ایک ہی چلا آیا ہے۔ یعنی پیامِ توحید اور پھر اس دعوت سے انکار پر وعیدِ عذاب ——— کوئی قوم وحشی ہو یا کوئی قوم متمدن، پیمبر بہرحال سب سے پہلے اس کے عقائد ہی کی اصلاح کرتے ہیں اور عقائد میں رأس المسائل یہی عقیدۂ توحید ہے۔ فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ پیمبروں کی مخالفت قوم کے اکابر ہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔

مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡهُ ۗ
سو اُس کے لئے وعدہ گاہ دوزخ ہے ۲۳ پس تو اس کی طرف سے شک میں نہ پڑنا
اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾
بے شبہ وہ سچا (کلام) تیرے پروردگار کی طرف سے ہے البتہ بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ۲۴
وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گڑھے ایسے لوگ اپنے
یُعۡرَضُوۡنَ عَلٰی رَبِّهِمۡ وَیَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ
پروردگار کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی
كَذَبُوۡا عَلٰی رَبِّهِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِیۡنَ
نسبت جھوٹ باتیں لگائی تھیں ۲۵ سنو سنو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو
یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَیَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ
اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں اور آخرت
بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمۡ یَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ
تک کے منکر ہیں ۲۶ یہ لوگ زمین پر بھی (اللہ کو)
فِی الۡاَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ
عاجز نہ کر سکے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی بھی
اَوۡلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ مَا كَانُوۡا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ
مددگار ہوا ۲۷ ان کے لئے عذاب دوگنا ہوگا یہ نہ سنتے ہی تھے

وقف لازم

منزل ۳

۲۳ اُولٰٓئِكَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ میں اُولٰٓئِكَ سے مُراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی دلیل پر قائم رہنے والے مِنَ الۡاَحۡزَابِ - احزاب سے مُراد کفار ہی کے مختلف گروہ ہیں خواہ وہ کسی مُلک کسی قوم کسی دین باطل سے تعلق رکھنے والے ہوں - الاحزاب جمیع الملل قالہ ابن جبیر بہ عن قتادۃ ان الاحزاب الکفار ملل کلہا لانہم تحزبوا علی الکفر (روح) آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ قرآن کا مُنکر کوئی بھی ہو اور کفّار کے کسی گروہ اور فرقہ سے بھی تعلق رکھنے والا ہو، انجام بہرحال سب کا دوزخ ہی ہے ۲۴ (ان کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود) تَكُ رَبِّكَ خطاب اب عام مخاطب اور ناظر قرآن سے ہے ۲۵ ان مجرموں کی عدالت خداوندی میں حاضری اور فرشتوں کی گواہی یہ سب عالم آخرت کے واقعات ہیں۔ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا - اللہ پر جھوٹ گڑھنا یہی ہے کہ اس کی توحید سے یا رسولؐ کی رسالت سے یا قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کر دیا جائے یا کسی کو اس کا شریک وہمسر قرار دے لیا جائے۔ یَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ - ان گواہوں کے بیان سے مجرموں کی مزید تفضیح و رسوائی تو خیر ہو ہی گی لیکن سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ یہ گواہی دینے والے ہونگے کون؟ مجاہد تابعی اور بعض اور اکابر سے منقول ہے کہ یہ گواہ کاتب اعمال فرشتے ہوں گے۔ هم الملٰئکۃ الذین کانوا یحفظون اعمالهم علیهم فی الدنیا (کبیر عن مجاہد) لیکن لفظ قرآن کا عموم، سفارش کرتا ہے کہ انبیاء اور مومنین اور خود ان کافروں کے اعضاء و جوارح بھی شامل کئے جائیں۔ قیل المراد بهم الملٰئکۃ والانبیاء والمؤمنون (روح) من الملائکۃ والنبیین او من جوارحهم (بیضاوی) ۲۶ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ - یہ ایک ہی اسم کے لئے ضمیر هُمۡ کی تکرار تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ تکریر هم لتاکید کفرهم واختصاصهم به (بیضاوی) قال الزجاج کلمۃ هم کررت علی جهۃ التوکید (کبیر) اس مفہوم تاکید کے ادا کرنے کے لئے اُردو ترجمہ میں "تک" لایا گیا ہے۔ یَبۡغُوۡنَهَا میں ضمیر ها اسی سبیل اللہ کی جانب ہے۔ ۲۷ (کہ کوشش کر کے یا سفارش کر کے انہیں چھڑا دیتا) مِنۡ اَوۡلِیَآءَ میں مِنۡ زائدہ استغراق یا کلیت نفی کے لئے ہے من زائدۃ لاستغراق النفی (روح) اُردو ترجمہ میں "بھی" اس مفہوم کے اظہار کے لئے ہے۔ لَمۡ یَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ - ان کا اللہ کو عاجز کرنا یہی تھا کہ یہ کہیں چھپ جاتے اور اللہ کے ہاتھ نہ آتے۔ اور اگر یصدون کے معنی محض یعرضون کے لئے جائیں تو سزا کا دوگنا ہونا تعدد عمل کی بنا پر نہیں شدت عمل کی بنا پر ہوگا۔

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا
(بُلا) سکتے ہو بُلالو اگر تم سچے ہو ۱۷ پھر اگر یہ تم لوگوں کا یہ کہنا نہ کرسکیں

لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا
تو (ان سے کہو کہ) یقین کرلو کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے علم (و قدرت) سے اُترا ہے اور (یہ بھی یقین کرلو) کہ کوئی

هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ
معبود نہیں بجز اس کے تو اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ ۱۸ جو کوئی دنیا ہی کی زندگی

الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ
اور اس کی رونق کو مدنظر رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو اُن کے اعمال (کی جزا) اسی دُنیا میں پوری

فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي
طرح دیدیتے ہیں اور انکے لئے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی ۱۹، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں کچھ بھی

الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ
نہیں بجز آگ کے اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہے سب آخرت میں ناکارہ نکل

مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ
جائیگا اور بے اثر ۲۰ (سو کیا طالب دنیا ایسے کی برابری کرسکتا ہے) جو اپنے پروردگار کی طرف

وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا
سے (آئی ہوئی) کھلی دلیل پر قائم ہو ۲۱ اور اس کے ساتھ ایک گواہ اسی میں ہے اور (ایک) اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی

وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ
کتاب وہ امام ہے اور رحمت ۲۲ ایسے لوگ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں اور گروہوں سے جو کوئی اس سے انکار کریگا

ف ۱۷ (اپنے اس پندار باطل میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے) آج کے "روشن دماغ فرنگی محققین" ہی کی طرح عرب جاہلیت کے "روشن خیال" بھی اپنی اس تحقیق پر نازاں تھے کہ قرآن کلام محمدی ہے ان کے اس خیال کے جواب میں ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا اگر محمدؐ ایسے کلام کے اتنے بڑے مجموعہ پر قادر ہو سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں قادر ہو سکتے؛ تم میں سے ایک ایک نہ سہی تم سب مل ملا کر اپنے سارے حمایتیوں کو شریک کر کرا کے تو اس قرآن کا کوئی تھوڑا سا حصہ تو تیار کر ہی سکتے ہو۔ پھر آؤ اس میں دیر ہی کیا ہے؟ ف ۱۸ (یا ابھی کوئی اور انتظار باقی ہے؟) لَكُمْ - یہ خطاب جمع عام مؤمنین سے ہے ــــــــ تحدی جس طرح رسول اللہ صلعم کر سکتے تھے ساری اُمت بھی کر سکتی ہے۔ ~~جمع الضمير لان المؤمنين ايضا كانوا يتحدونهم وقد بينا ذلك~~ فَاعْلَمُوْٓا تقدیر کلام یہاں یُوں مانی گئی ہے کہ اے مؤمنین کفار سے کہو کہ یقین کرلو۔ ~~فيه اضمار والتقدير فقولوا ايها المسلمون للكفار اعلموا~~ (کبیر) اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ یعنی اللہ ہی کے علم و قدرت سے اُترا ہے نہ کہ کسی اور کے۔ ف ۱۹ آیت میں ایک بڑی تلخ مگر گہری حقیقت کا اعلان ہے جو لوگ یا قومیں سرتاسر دنیا ہی کو اسی کی "ترقیوں" کو اپنا منتہائے نظر اور نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور اپنی ساری سرگرمیوں کا مرکز اسی کو قرار دیئے ہوئے ہیں وہ گھبرائیں نہیں، انہیں مایوسی نہ ہوگی۔ انہیں اپنی ساری جدوجہد کا صلہ یہیں اور ابھی ملا جاتا ہے ــــــــ وہ دولت چاہتے ہیں ان میں کا ایک ایک فرد قارونِ وقت ہو کر رہیگا۔ انہیں حکومت کی ہوس ہے دُنیا کے سارے ملک انہی کے درمیان تقسیم ہو کر رہیں گے! انہیں عزت و ناموری فتحمندی کی چاٹ ہے تو اچھا وہ دل کھول کر اپنے دل کے ارمان نکال کر رہیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا - حیات و زینتِ حیات سے اُلفت تو ایک امر طبعی ہے اور ہر انسان بڑے سے بڑا متقی انسان بھی کسی درجہ میں اس کا آرزومند ضرور رہتا ہے البتہ حیات دنیوی اور زینتِ دنیوی کو آخرت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنا مقصود بنا لینا اور اپنے وقت و قوت کو اسی میں خرچ کئے چلے جانا یہ ایک بالکل دوسری چیز ہے اور یہاں ذکر اسی کا ہے جیسا کہ لفظ یرید سے ظاہر ہے۔ ~~ان تكون ارادته مقصورة على حب الدنيا وزينتها ولم يكن طالبا لسعادات الآخرة كان حكمه كذا وكذا~~ (کبیر) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ جو اعمال محض دنیوی نفع اور حصول معاوضہ کے خیال سے انجام دیئے جاتے ہیں گو وہ ذکر و تلاوت ہی پر شامل ہوں، موجب ثواب و حُسن آخرت نہ ہونگے۔ ~~هذا دليل على ان ما سبيله ان لا يفعل الا على وجه القربة لا يجوز اخذ الاجرة عليه لان الاجرة من حظوظ الدنيا فمتى اخذ عليه الاجرة خرج من ان يكون قربة بمقتضى الكتاب والسنة~~ (جصاص) ف ۲۰ ظاہر ہے کہ جب دُوسری دنیا کا تخیل ہی سرے سے اُن کے دماغوں میں نہیں اور اس کا کوئی ادنیٰ محرک عمل بھی رضائے الٰہی یا ثواب آخرت نہیں تو ظاہر ہے انہیں آخرت میں نمبر کس چیز کے ملیں گے نمبر سب کے سب کٹ ہی جائیں گے۔ مَا صَنَعُوْا اس عموم میں اُن کے وہ اعمال بھی داخل ہیں جنہیں وہ کارِ خیر سمجھ کر کرتے رہے تھے۔ فِيْهَا اس کا تعلق حبط سے ہے اور ضمیر ها سے مُراد الآخرۃ ہے ~~والظاهر انه عائد على الآخرة~~ (بحر) بٰطِلٌ فی نفس الامر اور ان لوگوں کے فساد نیت کے اعتبار سے تو ان اعمال کا کھوکھلا اور باطل ہونا اب بھی ظاہر ہے۔ آخرت میں اس کا مشاہدہ سب کو ہو جائیگا۔ ف ۲۱ (نہیں دونوں برابر ہرگز نہیں ہو سکتے) بَيِّنَةٍ سے مُراد قرآن ہی سمجھی گئی ہے۔ ~~البينة هو القرآن~~ (کبیر) ~~والمراد بها القرآن~~ (مدارک) بَيِّنَةٍ کی تنوین اس دلیل کی عظمت و اہمیت کے لئے ہے۔ ~~التنوين فيها للتعظيم اي بينة عظيم الشان~~ (روح) تقدیر کلام یُوں سمجھی گئی ہے۔ ~~افمن كان على بينة من ربه كمن يريد الحيوة الدنيا~~ (کبیر) ف ۲۲ امام تو اپنی تعلیمات و احکام کی عظیم الشان اہمیت تقدس کے لحاظ سے اور رحمت اس معنی میں کہ باعث رحمت ہے۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ - يتلوه کو يتبعه کے مرادف سمجھا گیا ہے اور مُراد یہ لی گئی ہے کہ قرآن کا ایک گواہ تو خود قرآن کے اندر موجود ہے اور یہ داخلی گواہ قرآن کا معجز ہونا ہے۔ ومعنى كونه منه انه غير خارج منه (روح) وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى یہ شہادت خارجی ہوئی کتاب توریت کی جو قرآن مجید سے مُدتوں قبل نازل ہو چکی تھی اور کلام کا عطف شَاهِدٌ مِّنْهُ پر ہے۔ ~~عطف على شاهد والضمير المجرور في يتلوه في التصديق كتاب موسى منزلا من قبله~~ اِمَامًا یعنی دین کے لحاظ سے مقتدا و متبوع ~~ومعنى كونه اماما انه كان مقتدى العالمين ولهم كانوا يرجعون اليه~~ ~~في الدين والشرائع~~ (کبیر) ~~وهو نظيره في الغيب~~ (روح) رَحْمَةً - یعنی رحمت کا ذریعہ وسبب۔ ~~لانه يهدي الى الحق في الدنيا والدين وذلك سبب لحصول الرحمة والثواب فلما كان سببا للرحمة اطلق اسم الرحمة عليه~~ (کبیر)

ف۱۲ (کہ گویا اسے اعادۂ رحمت کا احتمال ہی نہیں رہتا) عام فطرتِ بشری کا بیان ہے۔ ف۱۳ (کہ گویا اب پھر وہ دُکھ درد کبھی ہونے ہی کا نہیں) اب بیان اُسی فطرتِ بشری کے
دُوسرے پہلو کا ہو رہا ہے ـــــــ واقعی اَن گڑھ، تربیت سے محروم انسان بھی کیسا افراط و تفریط کے دونوں سِروں کے درمیان جھُولا کرتا ہے۔ ف۱۴ عام فطرتِ بشری اور اس
کے مقتضائے طبعی کا بیان اُوپر ہو چُکا۔ اب ذکر اُن خوش نصیبوں کا ہے جنہیں ایمان و تقویٰ کی تربیت مِل چکی ہے۔ یہ ایسے نہیں ہوتے۔ ہر زوالِ نعمت کے وقت صبر و تسلیم سے اور حصُول
نعمت کے وقت شُکر و طاعت سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ف۱۵ (رسُولِ معصوم سے اس کا وقوع ممکن کیونکر ہے)۔ لَعَلَّ۔ کے عام معنیٰ توقع و ترجّی کے ہیں۔ اس صُورت میں بے

اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ
انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں اور پھر اُسے اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ نا اُمید (و)
كَفُوْرٌ ۝۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ
ناشکر ہو جاتا ہے ف۱۲ اور اگر ہم اس کو بعد تکلیف کے جو اُسے واقع ہو چکتی ہے کسی نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو
ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ
وہ کہنے لگتا ہے کہ میرا دُکھ درد رخصت ہو گیا بیشک وہ بڑا اترانے والا ہے بڑا شیخی بگھارنے والا ہے ف۱۳ بجز اُن لوگوں کے
صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
جو صبر کرنے والے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں یہی لوگ تو ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا
كَبِيْرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ
اجر ہے ف۱۴ سو (ان کو یہ اُمید لگی ہوئی ہے کہ) شاید آپ کچھ حصہ اس میں سے چھوڑ دیں جو آپ کی طرف
بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ
وحی کیا جاتا ہے ف۱۵ اور آپ کا دل اس سے تنگ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل
مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
ہوا یا اس (شخص) کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ تو بس ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا کارساز اللہ ہی
وَّكِيْلٌ ۝۱۲ۭ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ
ہے ف۱۶ کیا یہ کہتے ہیں کہ (آپ نے) اسے گڑھ لیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم بھی دس
سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
سُورتیں اسی کی مثل گڑھی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بھی تم

تکلّف توجیہ کلام یہ ہوگی کہ یہ کافر اور منکر آپؐ سے اس جزئی ترکِ تبلیغ کی لَو لگائے بیٹھے ہیں۔ ای یظن بک الناس ذلک (رغب) ای انک بلغت من التھالک علی ایمانھم مبلغا یرجون ان تترک بعض ما یوحیٰ الیک (ابو البقاء) اور یہ آپؐ کے لئے عصمتِ رسالت کی بنا پر ممتنع ہے تو آپؐ کو چاہیئے کہ آپ باب تبلیغ میں اور زیادہ مستعد و باہمت ہو جائیں۔ والمقصود من ذلک تحریضہ صلی اللہ علیہ وسلم و تھییج داعیتہ لاداء الرسالۃ (روح) باقی لعل کا استعمال محاورۂ عرب میں علاوہ ترجّی کے موقع بتبعید پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی اظہار بُعد کے لئے اس صُورت میں مفہوم صاف یہ ہو گا کہ آپ بھلا اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ آپؐ ہرگز اسے ترک نہ کیجئے گا۔ قیل ان لعل ھنا لیست للترجی بل ھی للتبعید وقد تستعمل لذلک کما تقول العرب لعلک تفعل کذا لمن لا یقدر فالمعنی لا تترک (روح) المراد بھا الزجر والعرب تقول للرجل اذا ارادوا ابعادہ عن امر لعلک تقدر ان تفعل کذا مع انہ لا شک فیہ (کبیر) ف۱۶ (نہ کہ اس کا برگزیدہ بندہ اور رسُول) آیت میں اہلِ جاہلیت کے جہل اور دنیا کی عام غلط فہمی کے رفع کرنے کو ایک بار پھر یہ صاف صاف بتایا کہ خُدا اور فرستادۂ خُدا کے حدود الگ الگ ہیں رسُول کا کام تو محض پیامِ الٰہی صداقت و دیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کر دینا ہے۔ باقی تکوینیات میں ہر شے کو بہم پہنچانا یہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں یہ امُور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسُول یا نبی کی بھی دسترس میں نہیں۔ لَوْلَآ...... مَلَكٌ اہلِ جاہلیت نے رسُولؐ کے اصل پیام اور تعلیمات پر غور کرنے کے بجائے ہمیشہ فرمائش ایسے ہی اعجوبوں اور خوارق کی کی ہے۔ ضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ مصلحِ اعظمؐ
کی طبع لطیف و فطرتِ سلیم کا ایسی بے جا فرمائشوں سے گرانی محسُوس کرنا ایک بالکل امر طبعی تھا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ کلمہ اِنَّ کے حصر نے اسے خوُب واضح کر دیا کہ رسُول کے اختیار
میں کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ تو تمام تر ایک مبلّغ و منادؐ ہوتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں شاعرانہ مبالغہ آرائیوں سے کام لینے والے مشائخ و صُوفیہ، کاش قرآن مجید کی ان تصریحات کو فضُول
اور بے معنی نہ سمجھیں۔ اِفْتَرٰىهُ ضمیر ہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ مِّثْلِهٖ میں مثلیت زبان و حُسنِ بیان، معنویت و خوبی مضامین ہر اعتبار و لحاظ سے ہے۔ بلحاظ
معنویت چیلنج ساری دُنیا کے لئے ہے اور بہ لحاظ ادب و انشاء اہلِ عرب کے لئے۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ۔ سورۂ ہُود مکّی ہے اُس وقت تحدّی دس سُورتوں کی بابت رکھی گئی۔ سورہ بقرہ جو
اس سے بہت متاخر اور مدنی ہے۔ اُس میں بہ مقدار دسویں حصّہ تک گھٹا کر صرف ایک سُورت تک لے آئی گئی ہے۔ فاتوا بسورۃٍ من مثلہ۔ گویا آخری چیلنج ایک ہی سُورت کا ہے۔

ف۷ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ، حقیر سے حقیر کیڑے کے لئے بھی سامان رزق کی فراہمی کے اسباب وہی پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس کی ربوبیت اور صفت علم کا احاطہ کون کرسکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب رزق کی طرف سے غافل و بے فکر ہو جائے بلکہ مُراد یہ ہے کہ تکیہ اسباب پر نہ کرے، سبب کا مبدا، مرجع ومنتہا اللہ ہی کو سمجھے رہے۔ دَآبَّۃٍ کے معنی مطلق جانور کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر قسم کے حیوان پر ہوتا ہے۔ قال الزجاج الدابۃ اسم لکل حیوان واطلق علی کل حیوان ذی روح (کبیر) یہاں بھی اپنے اسی وسیع مفہوم میں ہے اور اس پر اکابر تفسیر کا اتفاق ہے۔ والمراد بھذا اللفظ فی ھذہ الآیۃ الموضوع الاصلی اللغوی فیدخل فیہ جمیع الحیوانات وھذا متفق علیہ بین المفسرین (کبیر) عَلَی اللہِ۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے۔ ای واجب علی اللہ بحسب الوعد والفضل والاحسان (بحر) ورنہ حقیقۃً تو کوئی شے بھی حق تعالیٰ کو پابند نہیں بنا سکتی۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مُسبّب اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بدون اسباب کے رزق حاصل ہی نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں حاصل یہ کہ وثوق اور ربطِ قلب بس حق تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ف۸ (اور اسی صحیفہ علم الٰہی کا دُوسرا نام لوح محفوظ ہے) مُسْتَقَرّ اور مُسْتَوْدَع کی تفسیریں متعدد نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ماثور کوئی بھی نہیں اور نہ ماہرین لغت ہی کا کسی ایک مفہوم پر اتفاق ہے۔ ترجیح اُسی مفہوم کو ہے جو ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمّہ اُس کا رزق نہ ہو ف۷

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ⑥

اور وہ ہر ایک کے زیادہ رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، ہر چیز کتاب مبین میں درج ہے ف۸

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا

وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ

اور اُس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے بہتر کون ہے ف۹

وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ

اور اگر آپ (اُن سے) کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد اُٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ⑦ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا

کافر ہیں ضرور کہہ اُٹھیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ف۱۰ اور اگر ہم اُن پر سے

عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلٰى أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا

عذاب ملتوی رکھیں کچھ مُدّت تک تو کہنے لگتے ہیں کہ (آخر) کیا چیز اسے

يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ

روک رہی ہے سُن رکھو جس دن وہ اُن پر آہی پڑیگا تو ان سے ٹل کر نہ رہیگا اور جس (عذاب)

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑧ وَلَئِنْ

کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں وہ انہیں آ ہی گھیرے گا ف۱۱ اور اگر ہم

منزل ۳

ع ۱

ف۹ یہاں یہ تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ دنیوی زندگی جو کل سلسلۂ حیات وکائنات کا ایک بہت مختصر ومحدود حصّہ ہے اس کی آفرینش کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ انسانی اعمال کی جانچ کرکے نیکوں کو حشر میں انعام سے سرفراز کیا جائے۔

ایام عرش..... یوم اور عرش دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں جن میں دکھایا جا چکا ہے کہ اس قبل آفرینش والے یوم سے مُراد یہ بعد آفرینش والا ۲۴ گھنٹے کا دن رات تو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اس سے مُراد صرف چھ حالتیں یا چھ مختلف زمانے ہیں۔ علیٰ ہذا عرش سے مُراد کوئی بچھا ہُوا مادّی تخت نہیں بلکہ تخت حکومت ہی مُراد ہو سکتا ہے۔ گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ آسمان وزمین اور سارا نظامِ کائنات سب حادث ومخلوق ہیں اُن کو قدیم اور معبُود سمجھنے والے، انہیں دیوی دیوتا قرار دینے والے، اُن کی پُوجا پاٹ میں لگے رہنے والے سُن لیں کہ یہ سب اسی قادرِ مطلق کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہ کچھ بھی نہ تھے اس پر جاہلی دماغوں میں معاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ مانا لیکن جب یہ کچھ عالم ومافی العالم تھا ہی نہیں تو پھر آخر خُدا کی خدائی اور حکومت کہاں اور کِس پر تھی؟ اسی سوال کی مناسبت سے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بیشک اس کی حکومت قدیم ہے۔ وہ اس عالم سے قبل اُس عالم پر تھی جو اُس وقت موجُود تھا یعنی عالم آب! كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک دُوسری جگہ یہ کہہ کر اور زیادہ صاف کر دیا ہے کہ اس کائنات کی جاندار مخلوق کا مادۂ حیات پانی ہی ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیئ حیّ (سُورۃ الانبیاء) لِيَبْلُوَكُمْ کا نحوی تعلق خلق سے ہے یعنی آفرینش کی غرض وغایت یہی امتحان آزمائش اور جانچ ہے۔ اللام التعلیل متعلقۃ بخلق ای خلقھن لحکمۃ بالغۃ وھی ان یجعلھا مساکن لعبادہ وینعم علیھم فیھا بفنون النعم ویکلفھم الطاعات واجتناب المعاصی فمن شکر واطاع اثابہ ومن کفر وعصی عاقبہ ولما اشبہ ذلک اختبار المختبر قال لیبلوکم یرید لیفعل بکم ما یفعل المبتلی لاحوالکم کیف تعملون (کشاف) ف۱۰ (جو مؤثر تو ضرور ہے لیکن حقیقت وصداقت سے خالی) الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی جو لوگ عقیدۂ بعث وحشر کے مُنکر ہیں۔ منکر ومومن کے درمیان یہی تو بڑا فرق ہے کہ مومن اپنے ہر "آج" کا دامن "کل" سے وابستہ سمجھتا ہے۔ هٰذَا یعنی وہ کتاب جو اس عقیدۂ حشر کی تبلیغ کر رہی ہے یا خود یہ عقیدہ ہی۔ اشارۃ بھذا الی القرآن لان القرآن ھو الناطق بالبعث ... والظاھر ان الاشارۃ بھذا الی القول ای القول بہ او القرآن المتضمن لذکرہ (بیضاوی) سِحْرٌ مُّبِينٌ۔ یعنی یہ کلام ہے تو باطل ہی اور غیر خدائی لیکن بڑا مؤثر ——— بجنسہ اسی خیال باطل کی ترجمانی "عقلاء فرنگ" فرماتے ہیں کہ محمدؐ نے اپنے کلام اور عمل سے انقلاب تو عظیم الشان پیدا کر دیا ہے اصلاحیں بھی بہت کچھ کر دیں لیکن تھے وہ ایک خود ساختہ ہی نبی بہرے زمانہ شناس، بڑے صاحبِ تدبیر! ف۱۱ جاہلی ذہنیت پر مزید روشنی ڈالی ہے کہ یہ بھی عجب اُلٹی سمجھ کے لوگ ہیں جس عذاب کے یہ ہر طرح مستحق ہیں، اُسے ہم عارضی طور پر روکتے تو اپنی کسی حکمت ومصلحت سے ہیں اور یہ لگتے ہیں طنز وتعریض کے ساتھ مسلمانوں سے دریافت کرنے کہ آخر اس عذابِ موعود میں دیر ہی کیا ہے ہم پر آ کیوں نہیں پڑتا؟ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ یہ ارادی تاخیر کسی نہ کسی مصلحت وحکمت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ لَيَقُولُنَّ ان کا یہ قول محض استفسار انہیں ہوتا انکار واستہزاء ہی سے ناشی ہوتا ہے۔ الٰی حین معدود أُمَّة یہاں اپنے مجازی معنی میں یعنی حصّۂ وقت کے مرادف ہے۔ معناہ الی حین ووقت معلوم (بحر) ابن عباسؓ صحابی سے لے کر مشاہیر تابعین اور اکابر مفسرین سب نے یہی معنی لئے ہیں الامۃ ھنا المدۃ من الزمان قالہ ابن عباس وقتادۃ ومجاھد والجمھور (بحر) یوم یأتیھم سے مُراد اس عذاب کا وقت موعود ہے۔ حَاقَ صیغہ ماضی ہے حالانکہ ذکر عذاب مستقبل کا ہو رہا ہے تو ایسے موقع پر صیغۂ ماضی لا نا کمال تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اجری علی حال المتحقق الواقع بلفظ الماضی مبالغۃ فی التاکید والتقریر (کبیر) وضع الماضی موضع المستقبل تحقیقاً ومبالغۃ فی التھدید (بیضاوی)

۲ یعنی اس کتاب حکیم وخبیر کا سب سے اہم ومقدم مضمون یہی ہے۔ ۳ یعنی مُدّتِ حیات تک۔ آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تقویٰ وطہارت
کی زندگی اختیار کرنے سے دنیا کا عیش کچھ گھٹ نہیں جاتا بلکہ یہ صالحانہ زندگی حصول راحت وسکون میں اور معین ہی ہوتی ہے۔ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یعنی کفر وشرک
وغیرہ کے گناہوں سے معافی چاہو۔ اور ایمان صحیح اختیار کرو۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یہ رجوع اللہ کی طرف طاعت، عبادت، عمل صالح کے ذریعہ سے رہنا چاہیئے۔ يُمَتِّعْكُمْ
مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اس سے صاف

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿١﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ
حکیم باخبر کی طرف سے ہے ۲ اس مضمون کے ساتھ کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اللہ کے، میں تم کو اس
مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿٢﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری سُنانے والا ہوں، اور (یہ مضمون بھی ہے) کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ
چاہو، پھر اُس کی طرف رجوع کئے رہو وہ تمہیں خوش عیشی دیگا ایک وقت مقرر تک ۳ اور
مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ
ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اُس کا زیادہ (اجر) دے گا ۴ اور اگر تم
تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿٣﴾
رُوگردانی کرتے رہے تو مجھے تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، تم
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤﴾
(سب) کی واپسی اللہ ہی کی طرف (ہونا) ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۵
اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ
سُنو سُنو، وہ لوگ اپنے سینوں کو دُہرا کئے دیتے ہیں تاکہ (اپنی باتیں) اللہ سے چھپا سکیں
اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
سنو سنو! وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں (اُس وقت بھی) وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں،
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٥﴾
اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ (ان کے) دلوں کے اندر (کی باتوں) سے خوب واقف ہے،

معلوم ہو جاتا ہے کہ نظام صالح کے ماتحت
صالحانہ زندگی گذارنا دنیوی عیش وراحت کا
بھی سبب بن جاتا ہے۔ ۴
(آخرت میں) یعنی جو عالی ہمت طالبانِ
حق ہیں، انہیں آخرت میں مرتبے بھی انہی
کی جانکاہیوں کے مطابق ملیں گے۔ اور
جس طرح طاعت وتقویٰ کی کوئی حد
معین نہیں، مراتب اُخروی کی بھی کوئی
حد ونہایت نہیں۔ اور فضل سے مُراد
موجباتِ فضل ہی لی گئی ہے کہ موجباتِ
فضل بھی اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ ~~منه~~
~~ويؤت كل ذي فضل موجب فضله~~
~~معطوله كبير~~ ذِيْ فَضْلٍ سے مُراد
عمل میں صاحب فضل ہے۔ ~~الذي~~
~~فضل في العمل (جلالين)~~ ۵ (تو
پھر ایسے قدرت لامحدود والے کو ماننے کے
بعد تمہیں نظام آخرت اور سلسلۂ جزا
کی کسی کڑی پر بھی حیرت کیوں ہے؟)
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ۔ یعنی آخری واسطہ
اسی ایک سے پڑنا ہے نہ کہ کسی اور سے
ترکیب کلام ~~کلمہ حصر~~ کی ہے۔ ~~فيه~~
~~دقيقة وهي ان هذا اللفظ يفيد الحصر~~
~~يعني ان مرجعنا الى الله لا الى غيره~~
~~فيدل هذا على انه لا مدبر ولا متصرف~~
~~الا الله وهو كبير~~ فخر المفسّرین
فخر رازیؒ نے آیت مذکور کے تحت میں جو
نکتہ سنجی کی ہے، اُس کے لئے اصل تفسیر
کبیر ہی مطالعہ کر لی جائے۔ ۶
منافق اور کافر اللہ کی اس صفت
عالم الغیبی کو برابر بھولے رہتے ہیں، ورنہ اُن کی ہمت بھی سازشوں کی نہ پڑے۔ قرآن بار بار اسی کا استحضار چاہتا ہے۔ اِنَّهُمْ ..... مِنْهُ۔ رسول اللہ صلعم کو بھی ہر مزاج
وطبیعت و ہر ذہنیت کے مخالفین سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک گروہ ان "عقلمندوں" میں ایسا بھی تھا کہ جب یہ لوگ آپس میں چپکے چپکے اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف سازشیں
کرتے تو ان سرگوشیوں کے وقت افراط سعی اخفار میں اس اس طرح سمٹ سمٹ کر رہتے کہ گویا اپنے سینوں کو دُہرا کئے ڈالتے ہیں۔ اور کپڑا اپنے اوپر الگ ڈالتے چلے جاتے! ——
قرآن مجید نے اُن کی اسی ہیئت کذائی کو بے نقاب کر دیا اور ان پر گرفت یہ کی کہ کیا تمہاری یہ رازداری حق تعالیٰ عالم الغیب کے مقابلہ میں بھی چل جائے گی! ~~روي ان طائفة من المشركين قالوا اذا~~
~~اغلقنا ابوابنا وارخينا ستورنا واستغشينا ثيابنا وثنينا صدورنا على عداوة محمد فكيف يعلم بنا (كبير)~~ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ انسان اگر اس آیت کا مراقبہ عادۃً جاری رکھے۔ اور اپنی
ہر خلوت ومجلس اور خطرۂ قلب وحدیثِ نفس میں اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر یقین کرے اور یہ سمجھے رہے کہ وہ دیکھ رہا ہے تو گناہ کی جرأت ہی شاید نہ ہو سکے —— تقویٰ کی اصل بنیاد یہی اللہ
کی عالم الغیبی کا استحضار ہے ✦

يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ

اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کردے، اور وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ١٦٠

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

آپ کہہ دیجئے اے لوگو، تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے پہنچ چکا ١٦١

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

سو (اب) جو کوئی راہِ ہدایت پر آجائے گا سو وہ بس اپنے ہی لئے ہدایت پائیگا اور جو کوئی بھٹکا رہیگا

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ ؕ

اُس کے بھٹکنے کا (وبال) بھی اُسی پر رہیگا اور میں تمہارے اُوپر ذمہ دار (بنا کر نہیں بھیجا گیا) ہوں ١٦٢

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ

اور آپ اُس کی پیروی کئے جائیے جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور صبر کئے رہیئے، یہاں تک کہ اللہ

ع ١١ ٦ ١٦

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

فیصلہ صادر کردے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ١٦٣

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ ہود مکی ہے اور اس میں ایک سو تیئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع (ہے)

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الف، لام، را، یہ ایک کتاب کہ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں ١ ایک

١٦٠ اللہ کے یہ صفات کمال جو ہر مسلمان کے نزدیک ایک معلوم و معروف و مسلم حیثیت رکھتے ہیں، غیر مسلم ہمیشہ انہی صفات کے باب میں ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ اور آج بھی خدا معلوم کتنے انہی چکروں میں پڑے ہوئے ہیں

١٦١ (دلائل و شواہد کے ساتھ) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی یہی پیام قرآنی اور وحیِ الٰہی۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ایک بار پھر عام نسلِ انسانی سے ہے۔ پیامِ قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل۔

١٦٢ شخصی ذمہ داری اور انفرادی جواب دہی کی ایک اور تاکید —— کفارہ، توسل وغیرہ جو دوسرے مذاہب کی عین جان ہیں، ان پر ایک اور ضرب۔

١٦٣ (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا میں اُس نے یہ فیصلہ آگے چل کر حکم جہاد و قتال کی صورت میں صادر کر دیا۔ وَاصْبِرْ۔ یعنی منکرین مکذبین کی اذیت رسانی پر صبر کرتے رہیئے۔

١ اور متکلم کی حکمت اور باخبری کا ظہور کلام کے ایک ایک جزء سے بھی قدرۃً ہو رہا ہے) اُحْكِمَتْ۔ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں دلائل و شواہد کے ساتھ۔ ثُمَّ کا مفہوم اس سیاق میں اُردو میں پُوری طرح "مزید برآں"، یا "اور اس پر یہ کہ"، سے واضح ہوگا۔ ثُمَّ کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ آیتیں پہلے مضبوط کی گئیں اور اس کے بعد اُن کی تفصیل کی گئی بلکہ مُراد یہ ہے کہ ان میں قوت و پختگی و استحکام کے علاوہ دوسرا وصف تفصیل و وضاحت کا ہے۔ ~~لیس معناها~~

~~التراخی فی الوقت ولکن فی الحال کما تقول~~

~~هی محکمة احسن الاحکام ثم مفصلة احسن~~

~~التفصیل (کشاف) ثم جاءت لترتیب~~

~~الاخبار لا لترتیب الوقوع فی الزمان (بحر)~~

۱۵۵ف قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار مختلف پیرایوں میں واضح کیا ہے کہ عذابِ الٰہی جب آتا ہے صرف کافروں اور منکروں پر آتا ہے۔ اور مومنین اس سے بچالئے جاتے ہیں —— اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ تکوینی حادثے جن میں مومن و کافر سب بلا امتیاز و تفریق یکساں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قحط، سیلاب، وبا، یہ ہرگز صحیح معنی میں "عذابِ الٰہی" نہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں نمونۂ عذابِ الٰہی کہا جا سکتا ہے۔ ثُمَّ۔ ربطِ کلام انہی پچھلی ہلاک شدہ قوموں سے ہے۔ نُنَجِّیْ۔ یعنی اس عذاب سے نجات دے دیتے ہیں۔

ع ۱۱/۱۰ ۱۵

نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ

نجات دیا کرتے ہیں (یہ) ہمارے ذمہ ہے۱۵۵ف، آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے

شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ

اشتباہ میں ہو۱۵۶ف سو میں ان (معبودوں) کی عبادت نہیں کرتا، جن کی عبادت تم کرتے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ

رہتے ہو اللہ کے سوا بلکہ میں (تو) اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے۱۵۷ف

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَاَنْ اَقِمْ

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں بھی ایمان لانے والوں میں ہوں اور یہ کہ اپنا رُخ

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾

دین کی طرف خالصۃً کر لینا اور کہیں مشرکوں میں نہ ہو جانا ۱۵۸ف

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ

اور اللہ کے علاوہ (کسی (اور) کو نہ پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاِنْ

پھر اگر تو نے (ایسا) کیا تو یقیناً تو ظالموں میں ہو جائے گا ۱۵۹ف اور اگر

يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ

اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے اور اگر

يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ

وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کا ہٹانے والا نہیں، وہ

۱۵۶ف (اور تم پر یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ جس دین کی دعوت میں دے رہا ہوں وہ اصلاً اور اپنی روح و مغز کے اعتبار سے ہے کیا) **۱۵۷ف** یہاں داعیٔ اسلام کی زبان سے اصلی و اساسی فرق دین اسلام و دین جاہلیت کے درمیان بیان کر دیا ہے۔ ارشاد یہ کرایا جا رہا ہے، کہ اگر اب بھی ابہام و اشتباہ باقی ہے تو سن لو کہ بنیادی فرق میری دعوت اور تمہارے دینِ جاہلیت کے درمیان یہ ہے کہ تم سب شرک میں مبتلا ہو اور کسی نہ کسی صورت میں غیر اللہ کو معبود بنائے بیٹھے ہو اور میری دعوت خالص توحید کی ہے۔ میں اس خدا کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں جو مطلق الاختیار ہے، تمہاری موت و زندگی دونوں پر حاکم ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ۔ بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خالق کسی اور کو سمجھا ہے۔ اور موت و ہلاکت کا دیوتا کسی اور کو، عجب نہیں کہ مشرکین عرب بھی کچھ اسی قسم کے عقائد میں مبتلا ہوں۔ اور یہ نہ ہو جب بھی یَتَوَفّٰکُمْ یہ پہلو نمایاں طور پر سامنے لا رہا ہے کہ موت تمام تر اسی خدائے برحق کے ہاتھ میں ہے۔ سابقہ اسی سے پڑنے والا ہے، ڈرنا اسی سے چاہیے۔ **۱۵۸ف** اَنْ اَکُوْنَ سے لے کر مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ تک برابر اسی مضمون کا بیان رسولؐ کی زبان سے ہے کہ میری حیثیت واضعِ قانون کی نہیں صرف حاملِ قانون کی ہے، جو قانونِ حیات لے کر میں آیا ہوں خود بھی اسکے دائرۂ نفاذ سے مستثنیٰ اور مافوق نہیں ہوں۔ بلکہ سب سے پہلے تو خود ہی اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ سے بہ قاعدۂ اشارۃ النص علماء نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے، جو معیتِ مومنین میں اتباعِ نبی سے حاصل ہو، نہ وہ جو محض استدلال نظری و فلسفی سے حاصل ہو جائے۔ **۱۵۹ف** (اے مخاطب) خطاب یہاں عام ہے ہر ناظرِ قرآن سے۔ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ۔ اس کے تحت میں ساری مخلوقات آگئی۔ نفع رسانی و ضرر رسانی حقیقۃً غیر اللہ میں سے کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں۔ اَلظّٰلِمِیْنَ۔ یعنی اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والے۔

۱۴۷ (لیکن بے شمار تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے مشیتِ الٰہی نے اس عالم کو عالمِ ابتلا رہی رکھا ہے اور کسی کو بھی ایمان لانے پر مضطر و مجبور نہیں کیا ہے، للاضطرار لکونه مخالفا للحکمة التی علیها بناء اساس التکوین والتشریع (سح) ای لاضطرهم الیه (قرطبی) کُلُّھُمۡ تاکید کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک مَن فی الارض کی تاکید کے لئے اور بعض کے نزدیک جمیعًا کی تاکید کے لئے ہے۔
۱۴۸ اس میں رسول اللہ صلعم کو تسکین و تسلی دی گئی ہے کہ آپ سب کے ایمان نہ لانے سے مغموم و محزون نہ ہوں۔ یہیں سے بعض علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ کافی تبلیغ کے بعد پھر نتائج کے درپے ہونے اور ثمرات تبلیغ کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ ۱۴۹ اِذن آیت میں مشیت و توفیق کے معنیٰ میں ہے۔ ای بمشیئته او بقضائه او بتوفیقه (مدارک) الا بقضائه وقدره ومشیئته وارادته (قرطبی)

إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ
تک کے لئے خوش عیشی دی ۱۴۶، اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے
كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا
سب ایمان لے آتے ۱۴۷ سو کیا آپ لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں جس میں وہ
مُؤْمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ
ایمان لے ہی آئیں ۱۴۸ اور کسی شخص کو (یہ قدرت حاصل) نہیں کہ وہ ایمان لے آئے بجز اللہ کی
اللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٠﴾
مشیت کے ۱۴۹ وہ گندگی واقع کر رہا ہے انہی لوگوں پر جو عقل سے کام ہی نہیں لیتے ۱۵۰
قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي
آپ کہہ دیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ۱۵۱ اور کوئی بھی نشانیاں
الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ
اور ڈراوے ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لاتے ۱۵۲ سو وہ تو بس
يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ
ان لوگوں کے لئے حوادث کا جو ان کے قبل گزر چکے ہیں انتظار کر رہے ہیں ۱۵۳
قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ
آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم انتظار کئے جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۱۵۴ پھر
نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا
ہم اپنے پیمبروں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان والے تھے بچا لیتے تھے، اسی طرح ہم (سب) مومنوں کو

۱۵۰ یعنی اس کی مشیت صرف انہی لوگوں کے ایمان لانے سے غیر متعلق رہتی ہے، جو اپنی عقل و فہم خداداد سے کام نہیں لیتے، اور حق کے قبول و اتباع کا قصد ہی نہیں کرتے۔ اس قسم کی آیتوں نے بار بار اسی حقیقت کو صاف کر دیا ہے کہ کسی کے ایمان و ہدایت کی راہ میں اصلاً رکاوٹ حق تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں ہوتی صرف انسان کی اپنی کج نظری اور بدنفسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ الرِّجۡسَ۔ یعنی کفر و بدعقیدگی کی گندگی (رجس یہاں ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس کے معنیٰ کفر کے ہیں۔ الرجس الذی یقابل الایمان لیس الا الکفر (کبیر)
۱۵۱ (حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت اور صنعت پر دلالت کرنے والی)۔
انۡظُرُوۡا۔ یعنی چشمِ بصیرت سے دیکھو، سوچو اور غور کرو۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس جہاں ایمان اور عقل کو ایک دوسرے کے منافی سمجھا گیا ہے، قرآن تو خود دعوت تکوینیات میں غور و فکر کرتے رہنے کی دیتا رہتا ہے۔ ای تفکروا (بیضاوی) امر بالنظر والاستدلال فی الدلائل حتی لا یتوهم ان الحق هو الجبر المحض (کبیر)
انۡظُرُوۡا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلق پر حق کے لئے نظر کرنا نظر الی الحق کا منافی نہیں۔ ۱۵۲ یعنی ایمان لانا چاہتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دلائل حق پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے ان کے حق میں سارے ہی ترغیبی و ترہیبی دلائل و شواہد لاحاصل ہیں۔ النُّذُرُ۔ نُذُر جمع نذیر کی ہے اور نذیر یہاں مع مصدر انذار کے مرادف ہے۔ المنذر الرسل المنذرون او الانذارات (کبیر) والنذر جمع نذیر بمعنی المنذر او بمعنی الانذار ای الانذارات (روح)
جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا کہ انواع و اقسام کے ارادے اس میں شامل ہو جائیں۔ جمعه باعتبار الانواع (روح)
مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ خلوا کے لفظ میں قبلیت کا مفہوم تو خود ہی شامل ہے۔ پھر جو مِنۡ قَبۡلِهِمۡ کا اضافہ آیا ہے اس سے مقصود ایک تو تاکید ہے دوسرے یہ اشارہ بھی کہ یہ موجودہ منکرین بھی عنقریب اس طرح گزر جائیں گے جیسے ان کے قبل کے لوگ گزر چکے ہیں۔ متعلق بخلوا جیء به للتاکید والایماء بانهم سیخلون کما خلوا (روح)
۱۵۳ یعنی ان موجودہ منکروں اور معاندوں کے وجود سے تو بس یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ سابق ہلاک شدہ قوموں کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں! هَلۡ یَنۡتَظِرُوۡنَ۔ یعنی دلالت حال سے تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اَیَّامِ۔ محاورۂ عرب میں ایام کا اطلاق اہم ترین شدید ترین واقعات و حوادث پر ہوتا ہے۔ الایام هنا بمعنی الوقائع والحروب تسمی العرب ایامه ولنعمه ایضا کل ما مضی لک من خیر او شر فهو ایام (قرطبی) ای وقائع الله تعالیٰ فیهم (کشاف) ومنها استعمال الایام فی الوقائع کقولهم ایام العرب وهو مجاز مشهور من التعبیر بالزمان عن الواقع فیه (روح)
الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ یعنی وہ پُر قوت و شوکت و نافرمان و سرکش قومیں جو ان سے قبل عذاب سے ہلاک و برباد ہو چکی ہیں، ان میں سے بہتوں کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ فرعون وغیرہا۔ المراد المشرکون من الامم الخالیة (روح) ۱۵۴ (عنقریب یہ واضح ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے

۱۴۰ (اسرائیلیوں، فرعونیوں وغیرہ کی حکایات اور تاریخ سے متعلق) ذکر ابھی بالکل متصل اسرائیلی تاریخ کے بعض اجزاء اور فرعونیوں کی سرگزشت کا آیا ہے۔ اس لئے مما انزلنا الیک کا تعلق بھی انہی قصص و حکایات ہی سے متعلق معلوم ہوتا ہے اور مفسرین قدیم بھی یہی سمجھے ہیں۔ ای من القصص (بیضاوی) ای من القصص المنزلة الیک التی من جملتها قصة فرعون وقومه واخبار بنی اسرائیل ..... لیکن اگر یہ محدود معنی نہیں بلکہ وسیع معنی مراد لئے جائیں جو ظاہر الفاظ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں یعنی کُل مضامین کتاب میں شک جب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ قرآن نے تو یہ بات محض بطور فرض و احتمال کے کہی ہے اور قرآن نے اس سے بڑھ بڑھ کر احتمالات، یعنی محال محض چیزوں کے امکانات، اسی ترکیب کلام کے ساتھ پیش کئے ہیں، مثلاً خدائے قدوس کا صاحب اولاد ہونا۔ ان کان للرحمن ولد۔ ان کنت فی شك۔ لازمی نہیں کہ یہ خطاب رسولؐ ہی کے ساتھ سمجھا جائے۔ مخاطب اگر محض انسان سمجھا جائے تو اس کی بھی گنجایش نکل سکتی ہے۔ اور بعض اہل علم نے تقدیر کلام یوں ہی فرض کی ہے۔ ای ان کنت ایها الانسان فی شك مما انزلنا الیك من الهدی علی لسان رسولنا محمد صلعم۔ یہ تقدیر کلام بھی بڑے بڑے ائمۂ ادب ولغت سے منقول ہے کہ اے محمدؐ آپ کافر سے کہئے کہ اگر تجھے شک ہو تو الخ۔ قال ابو عمر محمد بن عبد الواحد الزاهد سمعت الامامین ثعلبا والمبرد یقولان ای قل یا محمد للکافر فان کنت فی شك الخ (قرطبی)

فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ ٱلَّذِينَ يَقْرَءُونَ
شک ہو ان (مضامین) کے باب میں جو ہم نے آپ پر نازل کئے ہیں ۱۴۰ تو آپ اُن لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو
ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ ٱلْحَقُّ مِن
آپ سے پہلے کی کتابوں کو پڑھتے رہتے ہیں ۱۴۱ بالیقین آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی
رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ
طرف سے سچی (کتاب) آچکی ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں ۱۴۲ اور آپ اُن لوگوں
مِنَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ
میں سے ہرگز نہ ہوجائیے جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا ورنہ آپ بھی تباہ کاروں میں
ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ
(شامل) ہوجائیں گے ۱۴۳ بیشک جن لوگوں کے حق میں آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہوچکی
رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ ءَايَةٍ حَتَّىٰ
ہے وہ ایمان نہ لائیں گے خواہ اُن کے پاس نشانیاں ساری کی ساری آجائیں جبتک کہ
يَرَوُا۟ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ ءَامَنَتْ
وہ عذاب دردناک (نہ) دیکھ لیں گے ۱۴۴ چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ اُس کا
فَنَفَعَهَآ إِيمَٰنُهَآ إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّآ ءَامَنُوا۟ كَشَفْنَا
ایمان لانا اُسے نفع پہنچاتا بجز قوم یُونسؑ کے ۱۴۵ جب وہ (لوگ) ایمان لے آئے ہم نے
عَنْهُمْ عَذَابَ ٱلْخِزْىِ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَمَتَّعْنَٰهُمْ
اُن پر سے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں دُور کردیا اور ان کو ایک وقت (خاص)

۱۴۱ (اُن کی اصلی، غیر محرّف صورتوں میں) مراد یہ ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کی اصل عبارتیں، انسانی تصرف و تحریف سے الگ کرکے اگر دیکھی جائیں تو وہ بیانات قرآنی کی تمام تر تصدیق و تائید ہی کریں گی۔ ۱۴۲ (اِس کے کسی مضمون سے متعلق بھی) نزول قرآن کے زمانہ میں علم و تحقیق کی اجارہ داری گویا یہود ہی کی تھی اور نمبر دوم پر عیسائی تھے۔ یہ دونوں رسولؐ اُمّی کی تکذیب و تضحیک پر بات بات پر تیار و آمادہ رہتے تھے۔ اُدھر قرآن انہی اہلِ علم کے مذہب اور تاریخ سے متعلق پوست کندہ حالات اسی رسولؐ اُمّی کی زبان سے دھڑلّے سے ادا کرا رہا تھا۔ بشر کوئی سا بھی ہو، یہاں تک کہ سیّد البشر بھی، اُس کا ایسے موقعوں پر رُکنا، جھجکنا، بالکل ایک امر طبعی تھا خلق سے بالکل بے جھجک، بے دھڑک ہوکر حقائق کو بے تکان ادا کرنا یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہوسکتا تھا۔ اور اسی سے ملتی ہوئی وہ توجیہ ہے جو فخر المفسرین رازیؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں الوجه الثالث کے ماتحت کی ہے۔ ۱۴۳ (اے مخاطب!) خطاب یہاں عام انسان سے ہے۔ ای الخطاب لکل سامع یجوز علیه الشك (مدارک) ۱۴۴ (اور اُس وقت "معائنہ" عذاب کے بعد ایمان لانا بھی بے سُود ہوگا) حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ۔ کلمۂ رب "پروردگار کی بات" سے مُراد اللہ تعالیٰ کا علم تکوینی ہے۔ ای وعیده انهم یصیرون الی العذاب (بحر) ای حکمه وقضاءه المفسر عند الاشاعرة بارادته تعالیٰ (روح) كُلُّ ءَايَةٍ ۔ یعنی توحید و رسالت کے کُل شواہد و دلائل۔ ۱۴۵ (کہ صرف وہی وقت کے وقت ایمان لے آئی اور عذاب دنیوی سے نجات پاگئی) فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ ءَامَنَتْ ذکر اُن بستیوں کا ہو رہا ہے جو تکذیب انبیاء کی بنا پر ہلاک و برباد ہوئیں۔

فَنَفَعَهَآ إِيمَٰنُهَآ ۔ یعنی وقوع عذاب سے قبل وہ ایمان لے آتی اور تائب ہوجاتی۔ قَوْمَ يُونُسَ ۔ یونس سے مُراد پیمبر برحق یونسؑ بن متّیٰ ہیں۔ توریت میں ان کا نام (JONAH) یا یونا کرکے آیا ہے اُن کا زمانہ آٹھویں صدی ق،م کے وسط کا ہے۔ ان کا معاصر اسرائیلی بادشاہ یربعام تھا جس کا زمانہ ۷۸۱ھ ق،م تا ۷۴۱ھ ق،م ہے۔ باشندہ شہر نینوا کے تھے۔ جو اپنے زمانہ میں اسیریا کی پُرقوت سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ اور آج ملک عراق میں جہاں موصل ہے اُس کے مقابل دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ اُس وقت شہر کا رقبہ ۱۸۰۰ ایکڑ تھا۔ اُس کی قدامت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر حمورابی کے نوشتوں میں ملتا ہے۔ ۲۲۸۵ء ق،م میں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ۱۴۶ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں بہ اطمینان و بہ فراغت رہنے دیا۔ لَمَّآ ءَامَنُوا۟ یعنی وہ ایمان لے آئے ایسے وقت کہ ابھی نزولِ عذاب نہیں ہوا تھا صرف نزولِ عذاب کی علامتیں دُور سے نظر آتی تھیں۔ قال الزجاج انهم لم یقع بهم العذاب وانما راوا العلامة التی تدل علی العذاب ولو راوا عین العذاب لما نفعهم الایمان وقلت یقول الزجاج حسن (قرطبی) ای عند ما راوا امارات العذاب ولم یحضر اوان حلوله (مدارک) كَشَفْنَا ...... ٱلدُّنْيَا ۔ یہ نجات کی صراحت صرف عذاب دنیوی سے متعلق ہے۔ باقی ایمان کے بعد نجات اُخروی کا مُفہوم خود بخود متوقع ہوجاتا ہے۔ لَمَّآ ءَامَنُوا۟ كَشَفْنَا الخ ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ مُرید پر کوئی ایسا فیضان ہو جس کی خبر شیخ کو نہ ہو گو وہ فیضان شیخ ہی کی برکت سے ہو۔ جیسا کہ حضرت یُونسؑ کو اپنی اُمّت کے ایمان کی اطلاع نہ ہوئی، حالانکہ خود وہ ایمان حضرت یُونس نبیؑ ہی کی برکات سے تھا۔

۱۳۲ (اور توحید کا اقرار کرتا ہوں، اور رسالتِ موسوی کی تصدیق کرتا ہوں) اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ - ''بنی اسرائیل کے خدا''، کی تصریح اس لئے کہ وہی تو ایک قوم توحید کی قائل تھی۔ دوسرا نکتہ یہ بھی کہ وہی قوم جو آج تک نظر میں اس قدر حقیر و ذلیل تھی۔ آج تصدیق اُسی کے برسرِ حق ہونے کی کرنا پڑ رہی ہے! محض یہ کہنے میں کہ ''میں خدائے واحد پر ایمان لایا''، یہ بات کہاں تھی۔ خدائے واحد کی تصدیق میں بڑی رکاوٹ اب تک فرعون اور اُس کے ہم قوموں کو یہی تھی، کہ ہم اعلیٰ برتر اور حاکم قوم کے افراد ایسے خدا کا اقرار کیونکر کرلیں جو ہمارے محکوموں اور ہماری رعایا کا خدا ہے۔ ۱۳۳ (تو اب مجھے نجات ملے اس غرق سے بھی اور عذابِ آخرت سے بھی) ۱۳۴ (سو اب نہ ایمان مقبول، نہ نجاتِ آخرت کی کوئی صورت) آٰلۡـٰٔنَ - یہ اب! جبکہ انکشافِ آخرت شروع ہوچکا اور قبول ایمان کا وقت نہیں رہا۔ ~~اتؤمن بالساعۃ فی وقت الاضطرار حین ادرکک الغرق وایست من نفسک~~ (مدارک) وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ - یعنی عین اس لمحہ سے قبل تک تیری ساری عمر تو ہماری مخالفت و سرکشی و نافرمانی میں گزری اور اب جب مشاہدہ ہمارے عذاب کا ہونے لگا تو اب اقرارِ تسلیم و اطاعت کو چلا ہے۔ ~~انما تؤمن عند نزول العذاب والایمان فی هذا الوقت غیر مقبول~~ (کبیر) مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ - مفسد یہاں منکر اور باغی، گمراہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ ~~الذین اضلوا الناس~~ (ابن کثیر) حیرت ہے کہ قرآن کی ان تصریحات کے باوجود بھی بعض صوفیہ غیر محققین کو فرعون کی نجات اور صحتِ ایمان پر اصرار ہے۔ ''اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے وہ کسی شخص نے ان کی تصنیف میں الحاق کردیا ہے۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس کی تفصیل موجود ہے''۔ (تھانویؒ) ۱۳۵ (اور تیرے لئے مزید رسوائی و تفضیح کا سامان بنا رہے) فرعون کا ایمان جس طرح عالمِ یاس میں تمامتر ظاہری و صوری تھا، معنیٰ و حقیقت سے خالی، اسی طرح اور اُسی مناسبت سے اُس کے جسمِ مُردہ کی نجات بھی اُس کے حق میں تمامتر بے سُود رہی۔ اٰيَةً - یہاں عبرت کے مرادف ہے۔ ~~ای عبرۃ وعظۃ~~ (معالم) ~~عبرۃ (جلالین) عبرۃ ونکالا عن الطغیان~~ (روح) ایک غرق شدہ فرعونِ مصر کی نعش ماہرینِ اثریات کو مدّت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس (THEBES) میں مل گئی تھی اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور مؤرخین و ماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون رعمیس ثانی تھا — رعمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے۔ اور یا فرعون مغروق، اگر کوئی اور ہوا ہے تو ماہرینِ فن کو اس نعش کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے یہ نعش اُسی کی ہے نہ کہ رعمیس ثانی کی، ۱۳۶ (اور خود اپنی غفلتوں اور طغیانیوں میں مبتلا ان چیزوں سے ذرا بھی اثر نہ قبول کرنے والے۔ ~~ای لا یتعظون بها ولا یعتبرون بها~~ (ابن کثیر) ۱۳۷ (اُسی مُلک اور وطن میں) مُراد فلسطین و شام کے سرسبز و شاداب علاقے ہیں اور ذکر اب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد کا ہو رہا ہے۔ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ کے لفظی معنی منزلِ حسن اور مکان خوب و دلپسند کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں صدق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر اچھی چیز کو اسی صفت سے ظاہر کرتے ہیں۔ ~~ای مکانا محمودا~~ (کبیر) ~~منزلا صالحا مرضیا~~ (کبیر) ~~لان عادۃ العرب انها اذا مدحت شیئا اضافته الی الصدق تقول رجل صدق وقدم صدق~~ (کبیر) ~~وفی العباب کل ما نسب الی الصلاح والخیر اضیف الی الصدق~~ (تاج) مُراد شام و ارضِ فلسطین سے قدیم مفسرین نے بھی لی ہے۔ ~~هو الاردن وفلسطین~~ (ابن عباس) ~~الشام وبیت المقدس~~ (ابن کثیر عن قتادہ) وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ - ملکِ شام اور اُس کے ملحق علاقے اپنی سرسبزی، شادابی، خوش پیداواری کے لئے شروع سے آج تک مشہور چلے آرہے ہیں۔ توریت موجودہ میں ہے :- ''میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں سے چھڑاؤں اور اُس زمین سے نکال کے اچھی وسیع زمین میں جہاں دُودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں . . . . کی جگہ میں لاؤں۔ (خروج ۳ : ۸) آج بھی جغرافیہ کی جن کتابوں اور جن سیاحت ناموں میں چاہیئے یہی تفصیلات پڑھ لیجئے۔
۱۳۸ (پہلے اُنہی کے پیمبروں کے ذریعہ سے اور پھر آخر میں نبیٔ آخر الزمانؐ کے ذریعہ سے) فَمَا اخۡتَلَفُوۡا یعنی راہِ حق سے انحراف نہیں کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ان نعمتوں کا مقتضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سپاس گزار رہ کر توحید و رسالت کے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ لیکن اس کے برعکس انہوں نے دینِ حق سے اختلاف و انحراف شروع کردیا اور وہ بھی بیّنات ثبوت سننے کے بعد۔
۱۳۹ اور وہ فیصلہ عملی و مشاہد و مرئی ہوگا۔ علمی، عقلی، تحقیقی فیصلہ تو اب بھی ہوچکا ہے۔

قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ
بولا ۱۳۱ میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں بجز اُس کے جس پر بنی اسرائیل
بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۹۰﴾ آٰلۡـٰٔنَ
ایمان لائے ہیں ۱۳۲ اور میں مسلموں میں (داخل ہوتا) ہوں ۱۳۳ (یہ) اب! حالانکہ
وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۹۱﴾
تو تو سرکشی ہی کرتا رہا قبل تک اور تو مفسدوں (ہی) میں شامل رہا ۱۳۴
فَالۡيَوۡمَ نُنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ
سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دینگے تاکہ تو ایک نشان (عبرت) پیچھے آنے والوں کے
اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا
لئے رہے ۱۳۵ اور بے شبہ بہت سے لوگ ہماری (ایسی) نشانیوں سے
لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مُبَوَّاَ
غافل ہیں ۱۳۶ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا دیا اور
صِدۡقٍ وَّرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡا حَتّٰى
ہم نے انہیں نفیس چیزوں کا رزق عطا کیا ۱۳۷ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک
جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ
کہ اُن کے پاس علم (حق) آگیا ۱۳۸ یقیناً آپ کا پروردگار قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن
الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنۡ كُنۡتَ
اُمور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے فیصلہ کر دے گا ۱۳۹ پھر اگر (بالفرض) آپ کو

ع ۹ / ۱۴

قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

نماز گاہ قرار دے لو ۱۲۴ اور نماز کی پابندی رکھو اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ۱۲۵

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ

اور موسیٰؑ نے عرض کی کہ اے ہمارے پروردگار تُو نے فرعون اور اُس کے

مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا

سرداروں کو (سامان) تجمل اور (طرح طرح کے) مال دنیوی زندگی میں دیئے ہی تھے اس نتیجہ کے ساتھ

لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ

کہ اے پروردگار وہ تیری راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں ۱۲۶ اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو نابود کر

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا

دے اور ان کے دلوں کو (اور زیادہ) سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

دردناک کو دیکھ لیں ۱۲۷ (اللہ نے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو گئی ۱۲۸

فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

سو تم دونوں (بدستور) قائم رہو، اُن لوگوں کی راہ نہ چلنے لگنا جو علم نہیں رکھتے ۱۲۹

وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار کر دیا پھر فرعون اور اُس کے لشکر نے ظلم و

وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ

زیادتی (کے ارادہ) سے اُن کا پیچھا کیا ۱۳۰ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو

منزل ۳

۱۲۵ (اے موسیٰ کہ اب وقت مخلصی کا نزدیک آ گیا) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ کہ اقامتِ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد تر اپنا فضل کرے گا اور تمہیں جلد سے جلد اس مصیبت سے نجات دلائیگا۔ ۱۲۶ لِيُضِلُّوْا میں ل عاقبت کا ہے یعنی تیری ان بخششوں اور انعامات کا نتیجہ یہ ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ تیری بخشش و انعام سے مقصود ہی یہ تھا۔ اگرچہ یہ مفہوم بھی تکوینی اعتبار سے بالکل درست ہو سکتا ہے۔ ~~والظہر ما قیل فیھا ھو قول الخلیل وسیبویہ انھا لام العاقبۃ والصیرورۃ (قرطبی) اللام لام العاقبۃ لما کانت عاقبۃ قوم فرعون ھو الضلال وقد اعلمہ اللہ تعالیٰ لاجرم عبر عن ھذا المعنی بھذا اللفظ (کبیر)~~ ۱۲۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہدایت ان کے مقدر میں نہیں اور جو حکمت تھی وہ حاصل ہو چکی تو اب ان کے نفوس کو باقی ہی کیوں رکھا جائے یہ کفر میں ترقی ہی کرتے جائیں تا آنکہ عذابِ الٰہی کے پوری طرح مستحق ہو کر اس سے ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بدبختوں کی ہلاکت و بربادی کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے موذی جانوروں، سانپ، بچھو وغیرہ کے ہلاک کی تمنا کرنا، پھر حضرت موسیٰؑ پر تو ان کا انجام مکشوف ہی ہو چکا تھا، ان کے لئے دعائے ہلاکت میں اور بھی کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا تھا اپنی دعوت و تبلیغ اور کوشش و اصلاح سو وہ آخر تک جاری رہی۔ ۱۲۸ (اور اب یہ نافرمان ہلاک ہی ہو کر رہیں گے) اس جواب کے صیغۂ تثنیہ سے معلوم ہوا کہ دعا میں حضرت ہارونؑ بھی شریک تھے۔ بلاغتِ قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیزیں سیاق سے از خود روشن ہو جائیں قرآن اُن کی صراحت غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ ۱۲۹ (ہمارے دعووں کے برحق اور قطعی ہونے کا، گو ان کا ظہور بہ توقف و بتاخیر ہو) فَاسْتَقِيْمَا۔ یعنی اپنے فرضِ منصبی پر قائم رہو اور دعوت و تبلیغ میں بدستور لگے رہو۔ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی ہماری حکمتِ تاخیر و مصالحِ توقف سے بے خبر ہیں۔ ~~لا یعلمون صدق الاجابۃ وحکمۃ الامہال (مدارک)~~ ۱۳۰ (کہ انہیں پکڑیں، سزا دیں، قتل کریں) بنی اسرائیل کے اس سفرِ بحری اور فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ الٓمّ میں گزر چکے۔ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۔ یعنی جو سر تا سر ناحق پر تھا، کیا از روئے قول اور کیا از روئے عمل۔ بغی کا تعلق قول سے ہے، اور عدو کا عمل سے۔ ~~قال المفسرون بغیا طلبا للاستعلاء بغیر حق فی القول وعدوا فی الفعل (ترمذی) قیل بغیا فی القول وعدوا فی الفعل (معالم)~~ ۱۳۱ (بدحواس و سراسیمہ ہو کر اور ملائکہ عذاب کو معاینہ کرنے کے بعد جیسا کہ ہر کافر و منکر کو موت کے وقت فرشتگانِ عذاب کا معاینہ ہوتا رہتا ہے) حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۔ اس میں بیان اس امر کا آ گیا کہ عملِ غرقابی شروع ہو چکا تھا اور ڈوبنے والے کو اب عالمِ برزخ کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ ~~فآمن حیث لا ینفعہ الایمان (ابن کثیر) ترکت الاعمال فوت فرعون وغشیتہ سکرات الموت فقال وھو کذالک (ابن کثیر)~~

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى
پھر موسیٰؑ کی ہر بات کسی (اور) نے نہ مانی بجز اُن کی قوم کے تھوڑے سے لوگوں کے، فرعون اور
خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ
اپنے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت میں نہ ڈال دے اور
وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ
واقعی فرعون مُلک میں زور رکھتا تھا اور واقعی وہ زیادتی کرنے والوں
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
میں سے تھا ۱۲۱ اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم والو! اگر تم اللہ پر ایمان
بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾
رکھتے ہو تو بھروسہ بھی اُسی پر کرو اگر تم فرماں بردار ہو ۱۲۲
فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
وہ بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو تختۂ مشق نہ بنا
لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
ظالم لوگوں کا اور ہم کو اپنی رحمت سے نجات دے
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ
کافر لوگوں سے ۱۲۳ اور ہم نے موسیٰؑ اور اُن کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم
تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ
دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو

۱۲۱ (اس لئے لوگوں کا اتنا ڈر بے جا تھا بھی نہیں) فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰى ۔ اٰمَنَ کا صلہ یہاں بجائے ب کے ل (مکسور) کے ساتھ آرہا ہے۔ معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کی بات کی تصدیق نہ کی۔ ذُرِّيَّةٌ ۔ یہاں قلتِ عدد کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ بس مُٹھی بھر لوگ۔ ~~ههنا للتقليل العدد (كبير)~~ ابن عباسؓ کا قول منقول ہُوا ہے کہ یہ لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اُس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے۔ ~~قال ابن عباس لفظ الذرية يعبر به عن القوم على وجه التحقير والتصغير (كبير)~~ اور چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ ہے نہیں، اس لئے مقصود تصغیر عددی ہی ہے۔ مِّنْ قَوْمِهٖ کی ضمیر نے دو بالکل مختلف معنیٰ پیدا کر دیئے ہیں۔ مُراد قومِ موسیٰؑ بھی ہو سکتی ہے اور قومِ فرعون بھی۔ پہلی صورت میں مُراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے شروع شروع اسرائیلیوں کی بھی بہت ہی تھوڑی تعداد نے حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کی۔ اور دوسری شق کو مان کر اشارہ اُن چند فرعونی ساحروں کی طرف سمجھا جائے گا جو بعد مقابلہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس عاصی کا ذوق پہلی شق کو ترجیح دیتا ہے۔ سلف سے منقول دونوں قول ہیں۔ ~~الهاء عائدة على موسى (قرطبی) اى طائفة من ذرارى بنى اسرائيل (كشاف) والضمير لموسى كما هو احدى الروايتين عن ابن عباس (روح)~~ عَلٰى خَوْفٍ ۔ خوف کی تنوین شدّت خوف کے لئے ہے۔ ~~التنوين للتعظيم اى كائنين مع خوف عظيم (روح)~~

۱۲۲ (اور خواہ مخواہ زیادہ حیران پریشان نہ ہو۔ وہی تمہاری مدد کریگا) یہ آپ نے اُس وقت فرمایا جب دیکھ لیا کہ حکومتِ فرعونی کے مظالم سے اسرائیلی بلبلائے اٹھتے ہیں

۱۲۳ اسرائیلی مومنین جواب دیتے ہیں کہ بیشک ہمارا بھروسہ تو حق تعالیٰ ہی پر ہے۔ اور پھر معاً مناجات کرنے لگتے ہیں کہ یا الٰہی، جب تک ان کی حکومت مقدر ہے، وہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں، اور پھر اُن کی حکومت ہی کے دائرہ سے ہم کو نکال دے!

۱۲۴ آیت میں قِبْلَةً کا لفظ قرآن کا ایک دشوار ترین لفظ ہے۔ بہر حال قبلہ کے ایک مشہور معنیٰ اس مکان کے ہیں جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ ~~والقبلة فى التعارف صار اسما للمكان المقابل المتوجه اليه~~ للصلوٰة (راغب) یہ معنیٰ لے کر مُراد یہ ہوگی کہ گو اُمت میں یک جہتی پیدا کرنے کے لئے کسی ایک متعین مکان کی طرف عبادت کا رُخ ضروری ہے لیکن تمہارے لئے حالاتِ موجودہ میں یہی کافی ہے کہ اپنے گھروں میں اُنہی کی طرف رُخ کر لیا کرو۔ لیکن یہاں معنیٰ علی العموم "نماز کی جگہ"، یا مصلّیٰ کے لئے گئے ہیں۔ ~~اى مصلّى (بيضاوى، مدارك، روح)~~ اور مُراد حکم سے یہ ہے کہ نمازیں اپنے گھروں ہی میں پڑھ لیا کرو۔ ~~اى صلوا فى بيوتكم (كبير) كانوا خائفين فأمروا ان يصلوا فى بيوتهم (ابن كثير)~~ اور عجب نہیں جو مظالمِ فرعونی میں سے ایک چیز یہ بھی رہی ہو کہ بنی اسرائیل اپنی اپنی عبادت گاہوں تک نہ پہنچنے پائیں۔

۱۱۵ ملاحو۔ یعنی آخری اور مستقل کامیابی ساحروں، شعبدہ بازوں کے نصیب میں کہاں؟ ذرا دیر کے لئے وہ گرمیٔ محفل کیسی بھی پیدا کریں، لیکن کمالات اخلاق سے وہ عاری اور تصرفات روحانی سے ان کا دامن خالی۔ دنیوی اعتبار سے بھی تو کوئی اعلیٰ مستقل کمال اُن میں نہیں ہوتا۔ اَسِحۡرٌ هٰذَا۔ حضرت موسیٰؑ کمال حیرت وحیرانی سے فرمارہے ہیں کہ تم نے یہ کیا کہا؟ ایسی کھلی ہوئی صداقتوں کے لئے تمہارے پاس لفظ "سحر" کا ہے؟ جو تمہارے نزدیک بھی ایک بے حقیقت سی شئے ہے۔ ۱۱۶ مصری مذہب کے "دو ہزار دیوتا" مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی مشرکوں کی طرح مصریوں میں حیوان پرستی بھی جاری تھی۔ گائے، بندر، کتا، بلی وغیرہ اُن کے مقدس جانور تھے۔ اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے تھے۔ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ وقس علیٰ ہذا — تبلیغ موسوی سے ان سارے عقائد پر ضرب کاری لگ رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام محض قومی لیڈر نہ تھے جو اپنی قوم اسرائیل کو "سوراج" دلانے کے لئے مصری گورنمنٹ سے نامہ وپیام کررہے تھے وہ سب سے پہلے توحید وعقیدۂ آخرت کے منادی تھے، اور پھر کچھ اور۔ تَكُوۡنَ لَكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ فِى الۡاَرۡضِ۔ دنیا پرست مادی زاویۂ نظر رکھنے والا اپنے نفس پر قیاس کرکے دوسروں کو بھی اسی عینک سے دیکھتا ہے۔ لَكُمَا بِمُؤۡمِنِيۡنَ۔ ایمان یہاں شرعی اصطلاحی معنیٰ میں نہیں، مُراد صرف بات کا ماننا یا تسلیم کرنا ہے۔ صلہ بھی اسی لئے ب کے بجائے ل کے ساتھ آیا ہے۔ ۱۱۷ یہ بادشاہ نے اپنے اہل دربار، وعمال سلطنت کو حکم دیا — تشخیص چونکہ یہی ٹھیری تھی کہ یہ دونوں نبیؑ مبلغ بڑے ماہر ساحر ہیں اس لئے ان کا زور توڑنے، ان سے مقابلہ کرنے، انہیں نیچا دکھانے کے لئے اجتماع بھی ماہرین فن ساحروں کا کیا جائے! ۱۱۸ (اپنے جادو کے سامان میں سے) فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ۔ یعنی میدان مقابلہ طے پاگیا اور جادوگر وہاں جمع ہولئے۔ امام رازیؒ فرا نحوی دلنوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ پہلے فرعون اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کے پیام کو سُن کر کہا تھا ہذا سحر۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس قول کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ سحر وہ تو نہیں تھا یہ البتہ ہے۔ بل ما جئتم به السحر اسی لئے سحر نکرہ کو یہاں الف لام کے ساتھ لاکر السحر معرفہ کیا گیا انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب کلام سبق (کبیر) ۱۱۹ (جبکہ وہ بنیادی معجزات انبیاء سے معارضہ کو کھڑے ہوتے ہیں) قَالَ مُوۡسٰى مَا جِئۡتُمۡ بِهِ السِّحۡرُ۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سحر میری وہ دعوت حق نہ تھی جسے فرعون اور فرعونی سحر سے موسوم کررہے تھے۔ البتہ سحر تو یہ ہے جسے تم لے کر آئے ہو! اَلسِّحۡرُ۔ یہاں ال کے ساتھ معرفہ کی صورت میں لانا اسی لئے ہے کہ وہ قول فرعون هٰذَا لَسِحۡرٌ (نکرہ) کے جواب میں ہے۔ قال الفراء انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب کلام سبق (کبیر) قال الفراء وانما قال السحر بالالف واللام لان النكرة اذا اعيدت اعيدت بالالف واللام (بحر) قال ابن عطية والتعريف هنا في السحر ارتب لانه قد تقدم منكرا في قولهم ان هذا لسحر فجاء هنا بلام العهد (بحر) ۱۲۰ حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی کو جو کچھ مدنظر ہے وہ بہرحال وصورت واقع ہوکر رہیگا، منکرین خواہ کچھ بھی کر لیں۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات کے مفہوم میں کلام اور دلائل وشواہد سب داخل ہیں۔ ای بحجة التي جعلها الله تعالىٰ لكم عليهم سلطانا مبينا ای بكلامه وحججه وبراهينه (ابن کثیر) یہاں مُراد وعدہائے نصرت سے لی گئی ہے۔ ای بوعده النصر لمن جاء به (روح المعانی)

أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ

کہ کیا تم حق کے بارہ میں یہ کہتے ہو جب وہ تمہیں پہنچ گیا؟ کیا (واقعی) یہ جادو ہے؟ دراں حالیکہ جادوگر

ٱلسَّٰحِرُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوٓا۟ أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا

(کبھی) فلاح نہیں پاتے ۱۱۵، وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہٹادے اُس (طریقہ)

عَلَيْهِ ءَابَآءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا ٱلْكِبْرِيَآءُ فِى ٱلْأَرْضِ

سے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے ہو جائے

وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

تو ہم تو تم دونوں کو (کبھی) ماننے والے نہیں ۱۱۶ اور فرعون بولا کہ لاؤ

ٱئْتُونِى بِكُلِّ سَٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ ٱلسَّحَرَةُ

میرے پاس سارے ماہر جادوگروں کو ۱۱۷ پھر جب جادوگر آگئے تو

قَالَ لَهُم مُّوسَىٰٓ أَلْقُوا۟ مَآ أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ

موسیٰ نے اُن سے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال چکو ۱۱۸ پھر جب انہوں نے

أَلْقَوْا۟ قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ ٱلسِّحْرُ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ

(رسّے) ڈال دیئے تو موسیٰؑ بولے جادو یہ ہے جو کچھ تم (بناکر) لائے ہو یقیناً اللہ اسے ابھی

سَيُبْطِلُهُۥٓ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾

توڑ پھوڑ دے گا یقیناً اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا ۱۱۹ اور

وَيُحِقُّ ٱللَّهُ ٱلْحَقَّ بِكَلِمَٰتِهِۦ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾ ع ۱۲/۱۳

اللہ حق کو سچ کر دکھاتا ہے اپنے وعدوں کے موافق خواہ مجرموں کو (کیسا ہی) ناگوار گزرے ۱۲۰

۱۰۸ (رُوئے زمین پر) فَنَجَّيْنٰهُ ...... اَلْفُلْكِ - یعنی نوحؑ اور ہمراہیانِ نوحؑ کو عذاب طوفان و سیلاب سے نجات مل گئی۔ اس طوفانِ عظیم کے آثار قدیم ماہرینِ سائنس کو آج بھی ارضِ نوحؑ میں
مل رہے ہیں۔ یہ طوفان ملک عراق میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا۔ اس علاقہ کا رقبہ، موجودہ ماہرینِ اثریات کے تخمینہ کے مطابق ۴۰۰ میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا۔
الفُلْكِ - کشتیٔ نوحؑ کا طول حسب تصریحِ توریت ۳۰۰ ہاتھ کا عرض ۵۰ ہاتھ کا اور بلندی ۳۰ ہاتھ کی تھی۔ گویا یہ کشتی اتنی ہی بڑی تھی جیسے آج کل کے برطانیہ اور امریکہ کے درمیان چلنے والے مسافروں کے جہاز
یا (LINERS) عموماً ہوتے ہیں۔ غرقابی قوم نوحؑ کے بعد آپ کے مخلص رفیق پھر اُسی علاقہ میں آباد ہوئے اور اُنہی سے سلسلۂ نسلِ آدمؑ چلا۔ نوعِ انسانی کی آبادی تاریخ کے اس ابتدائی دَور میں صرف اسی سر
زمین کے حدود تک محدود تھی۔ **۱۰۹** یہ بیان کہ خداوند تعالیٰ نے غصّہ ہو کر ساری نسلِ انسانی کو ہلاک کر ڈالنا چاہا، قرآن کا نہیں، بائبل کا ہے، بائبل ہی میں یہ تصریحات ملتی ہیں کہ:۔ "خداوند زمین پر انسان کے

مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا
ہم نے نوحؑ کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انہیں آباد کیا ۱۰۸ اور
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق کر دیا ۱۰۹ سو دیکھ کہ جو ڈرائے جا چکے تھے
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا
اُن کا کیا انجام ہوا ۱۱۰ پھر ہم نے (نوحؑ) کے بعد (اور) پیمبروں کو اُن کی قوم
اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا
کی طرف بھیجا سو وہ اُن کے پاس روشن دلائل لے کر آئے مگر یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو انہوں
بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى
نے پہلے جھٹلا دیا تھا اُس پر ایمان لے آتے ۱۱۱ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں
قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى
کے دلوں پر مُہر کر دیا کرتے ہیں ۱۱۲ پھر ہم نے ان (پیمبروں) کے بعد موسٰیؑ اور
وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا
ہارُونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس، سو انہوں نے تکبر
وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ
کیا، اور وہ لوگ تھے ہی جرم کرتے رہنے والے ۱۱۳ سو جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچا
عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰى
تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ۱۱۴ موسٰیؑ نے کہا

منزل ۳

پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہُوا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا رُوئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں اُن کے بنانے سے پچھتاتا ہوں" (پیدائش ۶: ۵-۷) اسلام میں تو یہ عقیدہ ہی سرے سے کفر ہے کہ حق تعالیٰ بھی اپنے کسی عمل سے پچھتاتا ہے اور غرقابی کو تو قرآن مجید صراحت کے ساتھ مکذّبینِ حق (الذین کذّبوا بآیٰتنا) تک محدود رکھتا ہے ——

یہ ایک الگ بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی آبادی ہی اُس وقت تک بجز قوم نوحؑ کے نہ تھی۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ کو ابھی کل دس ہی پشتیں تو ہوئی تھیں۔ خاندان انسانی اتنے عرصہ میں کہاں تک پھیل جاتا؟ ایک ہی مُلک کے اندر سمٹا سمٹایا ہُوا تھا۔ غرقابی عام و عالمگیر رہی ہے یا اُسی اُمّتِ نوحؑ کے ساتھ مخصوص۔ یہ سوال متقدّمین مفسّرین کے سامنے بھی آچکا ہے اور محققین کی اکثریت شِقِ ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن و حدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ هل خص بهم اهل الارض او كان لبعضهم وهم اهل دعوته المكذبين به كما هو ظاهر كثير من الآيات والاحاديث قال ابن عطية الراجح عند المحققين هو الثاني وكثير من اهل الارض كاهل الصين وغيرهم ينكرون عموم الغرق (روح) **۱۱۰** یعنی وہ مکذّبین منذرین عذاب الٰہی سے کس طرح مِٹ کر اور ہلاک و برباد ہو کر رہے! اَلْمُنْذَرِيْنَ کی یہ تصریح پھر اسی حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے کہ عذاب کی ہدف وہی سرکش و نافرمان قوم ہی تھی۔ فَانْظُرْ- یعنی دیکھ اور سوچ سمجھ اے مخاطب! دیکھنے سے مُراد سیاق میں ظاہر ہے کہ ظاہر کی آنکھوں سے رؤیت کرنا نہیں۔ بلکہ دل کی آنکھوں سے سبق لینا اور عبرت حاصل کر لینا ہے۔ نظر کا لفظ عربی میں ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں کے لئے عام ہے۔ النظر تقليب البصر والبصيرة لادراك الشيء ورؤيته (راغب) قرآن مجید میں غور و تامل تفحص و تدبّر کے معنی میں اس کا استعمال بہ کثرت ہُوا ہے اور اُردو محاورہ میں بھی "دیکھنا" دونوں مفہوموں کے لئے آتا ہے۔ **۱۱۱** اہل ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے۔ جہاں ایک بار بھی شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے "نہیں" نکل گئی۔ بس آخر تک وہی قائم رہے گی۔ چاہے ہزار شواہد و دلائل نظر سے گزر جائیں۔ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ۔ یہ سب قومی انبیاء تھے

یعنی اُن کے مخاطب اُنہی کے وطن قبیلہ یا قوم کے لوگ تھے۔ انسانیت اُس وقت تک یُوں ہی مستقل قوموں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور رسائل و مواصلات کے موجودہ ذرائع اُس وقت یکسر ناپید تھے۔ ایک عالمگیر پیام ہماری نوعِ انسانی کے نام کا وقت ابھی فطرت کی جنتری میں آیا نہ تھا۔ فيه اشارة الى ان عموم الرسالة الى البشر لم يثبت لاحد من اولئك الرسل عليهم الصلوٰة والسلام وظاهر كلام الاجماع على ان ذلك مخصوص بنبينا صلعم ولم يثبت لاحد من الرسل بعد نوح (روح) **۱۱۲** مُراد یہ ہے (جیسا کہ پیشتر بھی کئی بار عرض ہو چکا ہے) کہ چونکہ وہ اپنے قصد کو طلب حق میں نہیں، بلکہ اس کی مخالفت میں استعمال کرتے رہتے ہیں، اِس لئے اُن سے توفیق بھی قبولِ حق کی سلب ہو جاتی ہے۔ **۱۱۳** یعنی شرک و مخلوق پرستی اور حق دشمنی و نفس پرستی میں مبتلا۔ بِاٰيٰتِنَا۔ "نشانیوں کا لفظ دلائل و معجزات دونوں کے لئے عام ہے۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بائبل میں اس کی تصریح کہیں پر نہیں کہ ان دونوں پیمبرانِ برحق نے اپنے پیام توحید کی تبلیغ میں مصریوں کو بھی مخاطب کیا تھا حالانکہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جو اللہ کی توحید کا منادی ہو، وہ اصلاح عقائد کی کوشش سب سے پہلے ہی مرتبہ پر نہ کرے۔ اور کفر، شرک اور ضلالتوں کو اُسی حال پر چھوڑے رکھے۔ یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا جو حصّہ نسخۃً محفوظ ہے اُس میں بھی کیسے کیسے تغیرات و تصرفات ہو چکے ہیں۔ اور قرآن کس طرح ضروری ضروری موقعوں پر اُس کی فروگزاشتوں کی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ فَاسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی اُن کی بڑائی انہیں اس سے مانع ہوئی کہ وہ پیمبروں کی تصدیق کرتے فرعون لقب تھا مصر کے قبطی شہنشاہ کا، موسٰیؑ و ہارونؑ اُسی نسل بنی اسرائیل سے تھے جو ہر طرح اُس کی محکوم اور رعایا تھی۔ اپنے محکوموں اور "غلاموں" کی زبان سے اتنے بڑے روحانی منصب کا دعویٰ سُننا حاکم قوم کی رعونت گوارا کیسے کر سکتی تھی۔ **۱۱۴** جاہلی قومیں فضائل اخلاقی و کمالات رُوحانی کی قدر تو بھلا کیا کرتیں۔ انبیاء کے خوارقِ حسّی جب دیکھتیں تو انہیں سحر و کہانت پر محمول کرنے لگتیں۔ سے فکر کیں۔ فد بت ...
اَلْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا۔ یعنی دینِ حق کی تبلیغ، جس کے اندر احکام، دلائل، خوارق سب کچھ آگیا۔

۱۰۳ فلاح۔ حقیقی فلاح کم از کم جس معنیٰ میں عربی میں مستعمل ہے تو وہی ہے جو مستقل دیرپا اور دائمی ہو اور یہ کسی منکر مکذب مشرک کے نصیب میں نہیں ——— عارضی چند روزہ دنیوی عیش و تنعم جس کا خاتمہ یقینی طور پر ذلت و مصیبت پر ہے اسے فلاح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ۱۰۴ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا۔ کہہ کر قرآن مجید نے منکر و مکذب قوموں کی بالکل صحیح تصویر کھینچ دی ہے تفصیل کے لئے مطالعہ ہو رُوس اور امریکہ اور برطانیہ اور اور بڑی بڑی "مہذب"، "ترقی یافتہ"، "اقبال مند" قوموں کا حال ——— ان کے آپس کے رشک و حسد کا حال، ان کی حرامکاریوں کا حال، ان کی شراب نوشیوں کا حال، ان کی سُود خواریوں کا حال، اُن کے جرائم کا حال، اُن کے ہاں کے امراض خبیثہ کا حال، اُن کے ہاں کی اسٹرائیکوں اور ہڑتالوں کا حال، اُن کے ہاں کی کثرت طلاق اور کثرت فواحش کا حال، اُن کے ہاں کی معاشی ابتری اور بیروزگاری کا حال، اور پھر فیصلہ کیجئے کہ متاعِ دنیا کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ رکھنے کے بعد بھی ان منکرین حق کو باوجود اپنی انتہائی "ترقیوں"، کے فلاح کسی معنیٰ میں بھی حاصل ہے؟ اور آج جو کج فہم "ہمدردانِ قوم"، قوم و ملّت کو انہی "ترقی یافتہ قوموں"، کی روش پر چلانا چاہتے ہیں وہ ملّت کو فلاح کی جنّت کی طرف لئے جا رہے ہیں یا دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی طرف؟ ——— قرآن مجید تو ہر جگہ اور بار بار یہی بتا رہا ہے۔ اور ہمارے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کرا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان صحیح اور تقویٰ سے عاری ہیں وہ عیش ابدی سے تو خیر محروم ہی ہیں دنیا میں بھی ان کا تنعم محض ظاہری و سطحی ہوتا ہے۔ اندر سے بالکل کھوکھلا! ~~متاعٌ میں تنوین تقلیل کی ہے۔ والتنوین للتحقیر والتقلیل~~ ~~(روح)~~ یعنی متاع دنیوی تو خود ہی قلیل ہے پھر منکرین کے حصہ میں اور بھی قلیل تر۔ ۱۰۵ (جس کا مذہب شرک و بُت پرستی تھا) حضرت نوحؑ جن کا شمار قدیم ترین انبیاء میں ہے اُن کی شخصیت اُن کے زمانہ، اُن کے ملک وغیرہ پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔ ۱۰۶ حضرت نوحؑ جب مسلسل اور بہت طویل تبلیغ کے بعد اپنی قوم سے عاجز آ گئے ہیں اور مایوس ہو چکے ہیں تو اب اس سے انقطاعی گفتگو اس رنگ میں فرما رہے ہیں۔ مَقَامِي۔ بعض مفسرین نے لفظ مقام سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حضرت نوحؑ تبلیغی وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے۔ وعظ و خطبہ کے وقت کھڑے رہنا رسُول اللہ صلعم سے ثابت اور حضرت عیسیٰؑ کی بابت منقول ہے۔ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ۔ تو اب مَیں تمہاری یا کسی کی بھی مخالفت سے کیوں ڈرنے لگا۔ ——— مخلوق سے خوف کا اصلی علاج یہی توکل علی اللہ ہے فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ۔ یعنی میرے ضرر پہنچانے کی جو جو تجویزیں اور تمہارے منصوبے تمہارے ذہن میں ہوں انہیں پختہ کر لو۔ اجماع کے معنیٰ ہی کسی امر کے پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ ~~قال الفراء الاجماع العزم على الامر والاحكام عليه (تاج) قال ابن عرفة اجمعوا عليه (تاج)~~ امر سے مُراد کافروں کی سازش اور اسکیم کی پختگی ہے۔ ~~والمعنى امرهم بالعزم والاجماع على قصده والسعى فى اهلاكم (روح)~~ وَشُرَكَاءَكُمْ۔ یعنی جن جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو۔ اُن سب کو بھی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں شریک کر لو۔ اُن کی منّتیں مان لو۔ اُن سے فریاد کر دیکھو۔ فال اور شگون اُن کے استھانوں سے حاصل کر لو۔ و یہاں ~~مع کے~~ مُرادف ہے۔ ~~قال ابو اسحٰق والواو بمعنى مع (تاج) والواو بمعنى مع (كشاف) قال ابو اسحاق الزجاج المعنى مع شركائكم~~ (قرطبی) لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ آزادانہ کھُلم کھلا کر گزرو۔ چُرانے چھُپانے کی کیا ضرورت ہے ~~یعنی ولا یکن قصدکم الی اهلاکی مستورا علیکم ولکن مکشوفا مشهورا تجاهرون به (کشاف)~~ ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ۔ جو کچھ تمہیں میرے ساتھ کرنا ہے کر گزرو۔ ~~المراد انه قصته کلا تلک الشرور (معالم كبير)~~ قصہ میں تسلّی ہے رسُول اللہ صلعم کے لئے کہ انبیاء سابقین کو بھی ہجوم مخالفت سے کیسا کیسا دوچار ہونا پڑا اور اس عالم میں بھی وہ کیسے صابر اور ثابت قدم رہے۔ وَلَا تُنْظِرُونِ۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ جلد سے جلد کر گزرو۔ مُہلت مجھے اب ذرا سی بھی نہ دو۔ ~~اعجلوا ذلك باشد ما تقدرون عليه من غير انظار (كبير)~~ اس قطعیت کے لب و لہجہ میں دشمنوں سے گفتگو وہی کر سکتا ہے جس کا رشتہ اللہ سے تمامتر جڑا ہوا ہو اور جو خلق کی قوت ضرر رسانی و قوت نفع رسانی دونوں سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہو۔ ۱۰۷ پیمبر قانون الٰہی کی پابندیوں سے مافوق و ماورا، نہیں ہوتا، بلکہ ساری اُمت کی طرح وہ خود بھی اس کا پوری طرح پابند ہوتا ہے اس میں رَد ہے جاہلی قوموں کا جو اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہر اخلاقی قانون سے ماورا سمجھتے ہیں۔ فَإِن ...... أَجْرٍ۔ سو تم مجھے تبلیغ سے روکنے کا حق ہی کیا رکھتے ہو؟ کیا میں تم سے اس کی کچھ فیس مانگتا رہتا ہوں جس کے رُک جانے کا مجھے اب اندیشہ ہو، خوف خلق کی نفی اُوپر کی آیت میں ہو چکی تھی۔ طمع خلق کی نفی اب ہو گئی ——— پیمبر خلق کے خوف اور طمع دونوں سے یکسر بے نیاز رہتا ہے۔ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو امر دین میں واجب ہے اُس پر اُجرت جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ تبلیغ رسالت حضرات انبیاء پر واجب ہی ہوتی ہے۔ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور اُس نے اپنے کرم سے اس کا وعدہ کر لیا ہے سو اب مجھے غم و فکر ہی کیا؟

الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝٦٩
جو لوگ اللہ پر جھوٹ گڑھتے رہتے ہیں وہ فلاح نہیں پانے کے ۱۰۳

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ
دنیا (ہی) میں (بس) تھوڑا سا عیش ہے پھر ہماری ہی طرف اُن کی واپسی ہے پھر ہم انہیں سزائے

الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝٧٠ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ
سخت کا مزہ چکھائیں گے اُس کفر کے بدلہ میں جو یہ کرتے رہتے تھے ۱۰۴ آپ انہیں نوحؑ کا قصہ

نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ
پڑھ کر سنائیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ۱۰۵ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام

مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ
(تمہارے درمیان) اور میری وعظ گوئی اللہ کے احکام کے ذریعہ سے بہت ہی گراں گزر رہی ہے تو

فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ
مَیں تو اللہ پر بھروسہ کر چکا! تم اپنی تدبیر پختہ کر لو مع اپنے شرکاء کے پھر (وہ) تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ

غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝٧١ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا
رہے پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ۱۰۶ اور اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ سو مَیں

سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ
تم سے (کوئی) معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ مَیں

أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝٧٢ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ
فرمانبرداروں میں رہوں ۱۰۷ بر ایں ہمہ وہ لوگ نوحؑ کو جھٹلاتے رہے۔ پھر

الربع ۱۲ ع ۱۰ وقف لازم

۹۶ یعنی یہی مقبولیت یا دونوں جہانوں میں محفوظیت اور اس محفوظیت کا وعدہ ۔ ~~اصلہ ذلک لہم البشری فی الدارین (روح)~~ اَلْبُشْرٰی یہ خوشخبری اسی خوف وحزن سے محفوظ رہنے
کی ہے ۔ اور خوف وغم سے مراد دنیوی خوف وغم ہے جس سے مومنین کاملین اس لئے محفوظ ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر ناگوار سے ناگوار واقعہ میں بھی حکمت الٰہی ہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں ۔ ۹۷ وہ منکرین کے طنز و
تعریض اور آپ کی تبلیغ وموعظہ سب سن رہا ہے ۔ اور ان کی شرارت وعناد اور آپ کا تحمل اور دردِ اصلاح سب اس پر روشن ہے ۔ وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۔ کفریات سے آپ کا مغموم ہونا بالکل ایک امر
طبعی تھا ۔ آپ کی اسی سے تسلی کی جا رہی ہے ۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۔ اور وہی اپنی قدرت سے آپ کی اور اسلام کی نصرت وحمایت کریگا ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کسی دوسرے میں جو عزت بظاہر نظر آتی ہے وہ
بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور وہ غیر اس کی عزت کا ایک مظہر ہے جیسے ضیاء درحقیقت آفتاب کی صفت ہے اور زمین پر ایک گونہ تعلق یا سبب اس کا ظہور ہو جاتا ہے ۔ ۹۸

وقف لازم

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ
یہی تو بڑی کامیابی ہے ۹۶ اور آپ کو ان (کافروں) کی باتیں غم میں نہ ڈالیں ،
الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی
غلبہ تمامتر اللہ ہی کے لئے ہے ، وہ خوب سننے والا ہے ، خوب جاننے والا ہے ۹۷ ، سنو سنو ! اللہ ہی کی ملک تو
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ
ہیں جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے ۹۸ اور وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ شرکاء کو بھی
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ
پکارتے ہیں کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں ؟ یہ اتباع کر رہے ہیں محض خیال کا اور یہ محض اٹکل
اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ
سے کام لے رہے ہیں ۹۹ وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾
اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے جو (غور وتدبر کے ساتھ) سنتے ہیں دلائل
قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی
(موجود) ہیں ۱۰۰ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا ہے سبحان اللہ ! بے نیاز ہے وہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ
آسمانوں میں اور جو کچھ بھی ہے زمین میں ۱۰۱ تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس کی نہیں تو کیا اللہ پر
بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ
ایسی بات گڑھتے ہو جس کا (خود) علم نہیں رکھتے ہو ۱۰۲ آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً

انسان ، جنات ، ملائکہ کوئی مخلوق کیسی ہی پُر عظمت ہو بہر حال سب
حق تعالیٰ ہی کے مملوک ہیں ۔ اس کے وعدۂ حفاظت یا اس کے وعید
مکافات کے درمیان کس کی مجال ہے جو حائل ہو سکے ۔ ۹۹ حقائق
کے حامل اور مالک تو صرف اہل ایمان ہیں ۔ ایمانیوں کے علاوہ جو بھی
ہیں ، ان کے پاس بجز اوہام ، ظنون ، نظریات ومفروضات کے اور ہے
کیا ؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اٹکل یا اندازہ کا درجہ شریعت میں تو بس
اس قدر ہے کہ بندوں کے معاملات کے چکانے میں اس سے کام لے لیا
گیا ، باقی اثباتِ حق واسقاطِ حق میں ظن وتخمین کا کچھ دخل نہیں ۔
وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ الخ ۔ یعنی ان کے پاس دلیل یا بنیاد ہے کیا ؟
قرآن مجید نے شرک پر یہ گرفت بار بار کی ہے ۔ توحید پر تو ماشاء اللہ قوی
سے قوی دلیلیں کثرت سے موجود ہیں لیکن شرک پر آخر کونسی دلیل موجود
ہے ؟ ۱۰۰ (حق تعالیٰ کی توحید اور صفت اور قدرت کا) هُوَ
الَّذِیْ .... مُبْصِرًا ۔ دن اور رات نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں ، نہ نور
ظلمت کوئی دو خدا یا دو خداؤں کے مظہر یا دو خداؤں کی مخلوق ہیں ۔
وقت کے یہ دونوں حصے خدائے واحد کی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح اور
سب مخلوقات ہیں ۔ اور دونوں کی خلقت کی غرض انسان ہی کے کام
آنا ہے ۔ اَلَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ ۔ رات تو اسی کے لئے ہے کہ انسان
اس میں آرام واستراحت کرے اور دن بھر کی مشقت کے بعد کسل دور
کر کے دوسرے دن کے لئے تازہ دم ہو جائے ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا
کہ صوفیۂ عارفین نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ بجائے ساری رات
جاگنے کے کچھ دیر سو رہنا بہتر ہے کہ اس میں مصلحت الٰہی اور ادب کی
رعایت زیادہ ہے ۔ مُبْصِرًا ۔ یعنی جس کی روشنی میں انسان دیکھ
بھال سکتا ہے ۔ ~~اے مضیئا لتهتدوا به فی حوائجکم (روح)~~
فِیْ ذٰلِكَ ۔ یعنی انہی حقائق میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں ۔
۱۰۱ ساری موجودات بڑی ہو یا چھوٹی بشری ہو یا غیر بشری
اللہ کے ساتھ نسبت صرف مخلوقیت اور مملوکیت کی رکھتی ہے نہ کہ
معاذ اللہ کسی طرح کی قرابت اور عزیز داری کی ـــــــ ۔ دیوتاؤں
کے ساتھ فوق البشر انسانوں کی قرابت عزیز داری مذاہب جاہلی کا بہت
قدیم اور مشترک عقیدہ ہے قرآن بار بار مختلف طریقوں سے اس عقیدہ پر ضرب لگاتا رہتا ہے ۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۔ یہ کہنے والے اور عقیدہ رکھنے والے بت پرست مشرکین ہی تھے اور مسیح پرست
مسیحیوں کے بعض فرقے بھی ۔ اِتِّخَاذِ وَلَد پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول آیت ۱۱۶ میں اسی قسم کی آیت پر گزر چکا ہے ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے ۔ سُبْحٰنَهٗ ۔ حق تعالیٰ پاک ومنزہ ہے مخلوقات
کے ساتھ کسی قسم کی نسبت قرابت رکھنے سے اللکارا اور پھٹکارا ہے اہل باطل کو کہ کیسے جہل وسفاہت میں مبتلا ہو ایک طرف تو خدا کو خدا کہے جاتے ہو اس کی قدرت کا کلمہ بھی پڑھتے ہو اور پھر اسے
اس کا محتاج سمجھتے ہو کہ وہ دنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی سے نقصان محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح کسی کو گود لے کر اپنی لاولدی کی تلافی کرے ! هُوَ الْغَنِیُّ ۔ خدائے اسلام تو ہر ممکن احتیاج سے
ماوراء ہے اسے اتخاذ ولد کی (بیٹا بنانے کی) ضرورت ہی بھلا کیا پیش آ سکتی ہے ! لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ اس کا تو سب ہی کچھ ہے اعلیٰ وادنیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کا
مالک سب اس کے مملوک جس سے جو چاہے کام لے ملک کا تعلق تو فرزندی وتبنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی موجود ہے آخر ممکن ہی اس کے لئے کون سا ارمان ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اسے کسی کو
گود لینے یا متبنیٰ بنانے کی ضرورت پیش آئے ۔ ۱۰۲ (کسی دلیل سے بھی) قرآن مجید نے جہاں ایک طرف اثبات توحید پر بیسیوں دلائل قائم کئے ہیں وہاں اہل شرک سے بار بار مطالبہ کیا ہے کہ تم اپنی
باطل پرستی پر آخر دلیل ہی کونسی رکھتے ہو ؟ تم تو سراسر ایک دعوٰی بے دلیل کی پیروی میں مبتلا ہو ۔ اِنْ عِنْدَكُمْ ۔ میں اِنْ نافیہ ہے ۔ مِنْ سُلْطٰنٍ ۔ یعنی کوئی بھی دلیل ۔ بِهٰذَا ۔ یعنی ایسے لغو و
باطل دعوٰی پر ۔ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ ۔ قَوْل کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گڑھ لینے ، جھوٹ جوڑ لینے کے ہو جاتے ہیں ۔ ~~قال علیہ کذب (راغب)~~

اَلْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
جھوٹ گڑھتے رہتے ہیں ۹۰ بیشک اللہ لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ؑ ۶۰ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ
لیکن انہی میں سے اکثر ناشکرے ہیں ۹۱ اور آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ
مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا
اس (حال) میں قرآن (بھی) پڑھ رہے ہوں، اور تم لوگ بھی جو کوئی کام کر رہے ہو ہم تمہارے
كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ
برابر گواہ رہتے ہیں جب تم اُسے کرنے لگتے ہو ۹۲ اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر (بھی
رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ
کوئی چیز) غائب نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے
اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۶۱ اَلَآ
چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہیں ۹۳ سنو، سنو!
اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۶۲
اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۹۴
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۶۳ ؕ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي
یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے ۹۵ اُن کے لئے خوشخبری ہے
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ
دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں،

ع ۶ ۱۱

۹۰ (اور اُس سے ڈرتے نہیں۔ تو کیا یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قیامت آئے ہی گی نہیں یا آئے گی مگر ان سے کچھ تعرض نہ کرے گی؟) ۹۱ (چنانچہ سب سے بڑی ناشکری یہی ہے کہ اپنی اصلاح کرنا الگ رہا، اس خبر ہی پر نہیں یقین کرتے اور نہ اس پیش خبری کی کوئی قدر کرتے ہیں) اِنَّ …… النَّاسِ۔ چنانچہ اُسی فضل کا مقتضا یہ ہے کہ اُس نے انہیں اتنے قبل سے وقوع قیامت کی اطلاع، اور منکرین کو توبہ و اصلاح کی پوری مہلت دے دی۔ ۹۲ (تو ہم کو کسی کے بھی حال سے کسی حال میں غافل نہ سمجھنا) قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح یہ آیت بھی پوری طرح واضح اُس وقت ہوتی ہے، جب اہل ضلال کے عقائد بھی پیش نظر ہوں بعض جاہلی قوموں کا عقیدہ ہے کہ خدا تو ہے اور صفت علم سے متصف بھی ہے لیکن اُس کا علم صرف قدیم ہے —— اُس کی واضح تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم اُس وقت بھی ہوتا رہتا ہے، جو کوئی فعل واقعۃً وعملاً وقوع میں آنے لگتا ہے۔ وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ۔ رسول اللہ صلعم کے احوال تو سب ہی اعلیٰ تھے لیکن قرآن مجید پڑھنا اور قرآن کے ذریعہ سے تبلیغ و ہدایت کرنا ان میں بھی ایک درجۂ امتیاز رکھتا تھا، اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر فرمایا گیا۔ التلاوۃ اعظم شؤنہ صلعم ولذا خصت بالذکر (روح) مِنْهُ ضمیر شان کی طرف ہے۔ جن مفسرین نے قرآن کی بابت سمجھی ہے وہ مِنْ قرآن کی تکرار سے تعظیم و تفخیم مراد لیتے ہیں۔ و الضمیر للشان (کشاف) قال الفراء والزجاج الھاء فی منہ تعود علی الشان (قرطبی) من قرآن اعادہ تفخیماً کقولہ انی انا اللہ (قرطبی) وَلَا تَعْمَلُوْنَ خطاب ابھی صیغۂ واحد ماتکون۔ ماتتلوا میں رسول اللہ صلعم کی جانب تھا۔ اب صیغۂ جمع میں آپ کے ساتھ آپ کی ساری اُمّت سے بھی ہو گیا۔

۹۳ (شروع ہی سے مندرج) ایک گمراہی کا ابھی ابھی شھودا اذ تفیضون فیہ سے سدِّ باب ہو چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف قدیم ہی نہیں بلکہ عین حدوث واقعات کے وقت بھی ہوتا رہتا ہے۔ اب اُس کے مقابل کی دوسری گمرہی کی تردید ہو رہی ہے اور فی کتاب مبین لاکر یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف حدوث کے وقت نہیں ہوتا جیسا کہ اہل ضلال سمجھ رہے ہیں بلکہ روزِ ازل سے چھوٹی بڑی ہر شے لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ یعنی اللوح المحفوظ مع علم اللہ تعالیٰ بہ (قرطبی) وَمَا يَعْزُبُ …… السَّمَآءِ۔ یعنی چھوٹی بڑی، ہر مقدار اور ہر بساط کی شے علمِ الٰہی میں موجود ہے۔ کوئی شے بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔ جاہلی قومیں کثرت سے ایسی ہوئی ہیں جنہوں نے خدا کو تو مانا ہے لیکن محدود العلم، ناقص العلم اور یونان و مصر کے فلسفیوں تک کو یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں رہا ہے۔ آیت انہی گمراہیوں کی تردید کر رہی ہے۔ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ۔ عُرفِ عام میں اس سے مراد دائرۂ وجود و امکان ہوتا ہے۔ اور قرآن بھی انسانی ہی محاورہ میں نازل ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں بھی ہو۔ المعنی فی دائرۃ الوجود والامکان والتعبیر عنھا بالارض والسماء لان العامۃ لا تعرف سواھما (ابو سعود) ۹۴ یعنی نہ آنے والے مہلکات و حوادث کا کوئی اندیشہ اور نہ چھوٹ جانے والی چیزوں کا کوئی غم۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ حزن (غم) پیدا ہوتا ہے ناکامی مدعا سے اور عاشقانِ سوختہ جان کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو انہیں نامرادی کا اندیشہ ہو سکے۔ اسی طرح خوف پیدا ہوتا ہے۔ امر مکروہ کے پیش آجانے سے۔ محبین عارفین تو بجز محبوب کے اور کسی کا وہم بھی نہیں رکھتے تو محبوب اور اُس کے عشووں اور اداؤں سے خوف کے کیا معنیٰ۔ ۹۵ (کفر و معصیت سے) ابھی ابھی ذکر اولیاء اللہ کا آچکا ہے۔ اب اُن کی پہچان بھی بتادی۔ وہ کیا ہے۔ وہ صرف ایمان اور تقویٰ۔ آیت کو مکرر پڑھ کر غور کر لیا جائے۔ ولایت کی علامتیں کیا ارشاد ہو رہی ہیں۔ نہ عوام کو خوش کرنے والی کرامتیں، نہ عامۃ الناس کو حیرت میں ڈال دینے والے خوارق بلکہ صرف ایمان اور تقویٰ! اللہ کا ولی کون ہوتا ہے اور اللہ کس کا ولی ہوتا ہے۔ اس پر امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

۵۸۴ (چنانچہ وہ اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو تصرف اور جو سلوک چاہے کرے، اس کا ہر عمل عادلانہ ہی ہوگا، خواہ انسانی معیار سے غیر عادلانہ ہی نظر آئے) اَلَآ حرف تنبیہ ہے۔ فقرہ کے شروع میں لایا جاتا ہے اور اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آگے کوئی بہت اہم حقیقت بیان کی جارہی ہے جسے خاص توجہ سے سننا چاہیئے۔ کلمۃ تنبیہ للسامع تداد فی اول الکلام اے انتبہوا لما اقول لکم (قرطبی)

۵۸۵ یعنی ایسے قطعی اور یقینی حقائق سے بھی غافل و بے خبر ہیں۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ۔ سو قیامت اپنے وقت معین پر ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ ۵۸۶ (نہ کہ مسیح ابن اللہ کی طرف، اگنی دیوتا کی طرف، یا کسی اور کی بھی طرف) کثرت سے جاہلی مذہبوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کا مرجع کوئی اور ذات ہے، خالق کردگار کے علاوہ، یہاں اسی کی تردید ہو رہی ہے۔ ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔ مشرکوں کی طرح یہاں یہ نہیں کہ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہو۔ ایک خدا پیدا کرنے والا ہو۔ ایک خدا قائم، سلامت رکھنے والا، اور ایک خدا موت و ہلاکت لانے والا۔ یہاں پیدا کرنا، باقی رکھنا، فنا طاری کرنا سب ایک ہی خدائے واحد کا کام ہے۔ ۵۸۷ یہاں قرآن مجید کے چار اوصاف بیان ہوئے۔ مَوْعِظَۃٌ۔ شِفَآءٌ، ھُدًی، رَحْمَۃٌ۔ یہ سب تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں ہیں یہ تنکیر اُن کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنکیر فیہا للتفخیم (روح)

ان چار اوصاف کی تشریح میں صاحب روح نے بعض محققین کے حوالے سے لکھا ہے کہ نفس انسانی کے لئے حصول کمال میں چار مرتبہ یا منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک مرتبہ یا منزل کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ (۱) پہلا مرتبہ، تہذیب ظاہر کا، یعنی معاصی سے اور اعمالِ بد سے بچنے کا ہے۔ موعظۃ اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ تہذیب باطن کا، یعنی اخلاق ذمیمہ و عقائد فاسدہ سے بچنے کا ہے۔ اس کو شفاء لما فی الصدور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳) تیسرا مرتبہ عقائدِ حقہ و اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہونے کا ہے۔ یہ منزل ھُدًی کی ہے۔ (۴) چوتھا مرتبہ انوارِ الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا ہے اور یہ حاصل ہے مقام رحمۃ کا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ۔ خطاب کا عموم ملحوظ رہے۔ یا ایہا العرب ارشاد نہیں ہو رہا ہے مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم و ملک نہیں۔ مَوْعِظَۃٌ۔ یعنی ایسی کتاب جو برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب کے لئے ایک مکمل نصیحت نامہ ہے، افراد و اشخاص کے حق میں بھی اور اقوام و جماعات کے حق میں بھی۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ۔ یعنی ایسی کتاب کہ اگر اس کی ہدایتوں پر عمل ہو تو ہر قسم کے امراض قلب اور عوارض باطن کو، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی شفاء ہو جائے۔ لِلْمُؤْمِنِیْنَ کی قید اس لئے کہ مومنین ہی تو اس کی ان صفات سے استفادہ کریں گے۔ ۵۸۸ دنیا کا نفع اوّل تو قلیل اور پھر فانی، قرآن کا نفع ایک تو کثیر اور پھر باقی۔ بِفَضْلِ .... فَلْیَفْرَحُوْا۔ ذٰلِکَ سے اشارہ اسی فضل و رحمۃ ہی کی جانب ہے۔ اور مقصود اس ترکیب کلام میں تاکید و زور ہے۔ ورنہ یہی مفہوم سادہ صورت میں فَبِذٰلِکَ کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

فقرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز پر اگر خوش ہونا ہی ہے تو وہ یہی ہے نہ کہ کچھ اور۔ ترکیب کلام نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے۔ الا صل ان فرحوا بشیء فبذلک فلیفرحوا لا بشیء آخر (روح) قولہ فبذلک فلیفرحوا بقید الحصر یعنی یجب ان لا یفرح الانسان الا بذلک (کبیر) بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ۔ فضل اور رحمۃ دونوں سے اشارہ یہاں قرآن مجید ہی کی جانب ہے اور اسی کیلئے حکم ہو رہا ہے کہ جب ایسی نعمت عظیم مل گئی تو اس پر خوش ہونا چاہیئے۔ لفظ چونکہ دو ہیں، اس لئے یہ قول بھی اکابر ہی سے منقول ہے کہ ایک یعنی فضل سے مراد قرآن ہے اور دوسرے یعنی رحمۃ سے مراد اسلام ہے۔ قال ابو سعید الخدری و ابن عباس فضل اللّٰہ القرآن و رحمتہ الاسلام (قرطبی) فَلْیَفْرَحُوْا۔ فرح کی متعدد قسمیں ہیں، فرح حقیقی و کامل وہی کہی جائے گی جو اعلیٰ فرحت روحانی ہے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔ ثبت ان الفرح باللذات الجسمانیۃ فرح باطل واما الفرح الکامل فہو الفرح بالروحانیات والجواہر المقدسۃ وعالم الجلال ونور الکبریاء (کبیر)

اَلَآ اِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ

یاد رکھو کہ جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی ملک ہے ۵۸۴ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ

اللّٰہِ حَقٌّ وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۵۵ ھُوَ یُحْیٖ وَ

سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۵۸۵ وہی جِلاتا ہے اور

یُمِیْتُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۵۶ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ

وہی مارتا ہے اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۵۸۶ اے لوگو بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے

مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَ

پروردگار کے پاس سے آگئی ہے اور شفا بھی (ان بیماریوں کے لئے) جو سینہ میں ہوتی ہیں اور

ھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ

ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ۵۸۷ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے فضل سے اور

بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۵۸

اُسی کی رحمت سے، ہاں اس سے چاہیئے کہ (لوگ) خوش ہوں وہ اس (دنیا) سے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں کہیں

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

بہتر ہے ۵۸۸ آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا پھر تم نے اُس میں سے

مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ

(کچھ) حرام اور (کچھ) حلال قرار دے لیا آپ کہیئے کہ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے یا تم اللہ پر گڑھ ہی

تَفْتَرُوْنَ ۵۹ وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ

رہے ہو؟ ۵۸۹ اور کیا روز قیامت کی نسبت اُن لوگوں کا خیال ہے جو اللہ پر

منزل ۳

۵۸۹ مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام و حلال کے باب میں بڑا گڑبڑ کیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے۔ اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنہیں شریعتِ الٰہی حرام قرار دے نہ کہ وہ جنہیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھیرا رہے ہو۔ اتنی دور رس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قرب و بعد، جلی و خفی، سارے فوائد و نقصانات پر محیط ہو، بجز شریعت الٰہی کے اور کہیں ممکن نہیں۔ بعض کج فہموں نے آیت کو نفی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے اور استنباط مسائل کو اس کی رو سے ناجائز ٹھیرانا چاہا ہے۔ حالانکہ فقیہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں وہ صرف اپنے فہم و ذکاء سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے جو اُن کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ بنیاد تو بہر حال کلام باری ہی رہتا ہے۔ استدل بھذہ علی نفی القیاس وھذا بعید فان القیاس دلیل اللہ تعالیٰ فیکون التحریم والتحلیل من اللہ تعالیٰ (قرطبی) ربما احتج بعض نفاۃ القیاس بھذہ الآیۃ فی ابطالہ ... جہل من قائلہ لان القیاس دلیل اللہ تعالیٰ کما ان حجۃ العقل دلیل للہ تعالیٰ ... والسنن ...

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں ... غالی صوفیہ کا رد ہے جو مباحات کو برنائے تقشف و تزہد اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کر لیتے ہیں۔ ہاں ... کوئی شخص

۵۷۷ (بلکہ وقت معین آجانے پر فوراً ہی عذاب واقع ہوجاتا ہے) لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ۔ یعنی نافرمان وسرکش ہر اُمت کے مٹنے اور برباد ہونے کا ایک معین ومقرر وقت علم الٰہی میں ہے۔ اُمَّةٍ۔ کے عام لفظ سے مُراد وہی عذاب زدہ اُمتیں ہیں۔ ای من الامم الذین امروا علی تکذیب رسلھم (مدارک) سَاعَةً۔ ساعت سے یہاں مراد کوئی متعین وقت ایک گھڑی یا گھنٹہ کا نہیں بلکہ زمانے کا مطلق چھوٹے سے چھوٹا وقت مُراد ہے۔ ای شیئا قلیلا من الزمان (روح) الوقت القلیل من الزمان (راغب) ۵۷۸ یعنی عذاب الٰہی تو بڑی سخت اور پناہ مانگنے کی چیز ہے یہ اس کے لئے جلدی مچانے کے کیا معنیٰ؟ عارفین نے یہیں سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ معصیت سے توبہ واستغفار میں اور عمل خیر کے اختیار میں توقف بلاضرورت ایک دم کا بھی نہ کیا جائے اس لئے کہ وقوع عذاب کے لئے کوئی علامت اور مہلت شرط نہیں معصیت کے صدور کے ساتھ ہی جس قدر جلد ممکن ہو توبہ وتدارک پر متوجہ ہوجائے۔ مِنْهُ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے والضمیر فی منہ قیل یعود علی العذاب (قرطبی)

يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۴۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا
نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ۵۷۷ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو
أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۰﴾ أَثُمَّ
اُس میں کون چیز ایسی ہے جس کے لئے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں ۵۷۸ کیا جب وہ
إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾
آ ہی پڑے گا جب اُس کا یقین کروگے؟ ۵۷۹ ہاں اب! حالانکہ تم اسی کی تو جلدی مچایا کرتے تھے ۵۸۰
ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ
پھر جنہوں نے (اپنے اوپر) ظلم کیا ہے اُن سے کہا جائیگا ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو بدلہ اُسی کا تو مل
تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ
رہا ہے جو کچھ تم کر چکے ہو ۵۸۱ اور یہ آپ سے دریافت کرتے ہیں
أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۚ وَمَا أَنْتُمْ
کہ کیا وہ (عذاب) برحق ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ برحق ہے اور تم کسی
بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي
طرح (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ہو ۵۸۲ اور اگر ہر ظالم کے پاس دنیا بھر کا (زر ومال) ہو تو بھی اسے فدیہ میں
الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا
دے دینا چاہیگا اور جب (اوّل اوّل) عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو چھپائیں گے اور اُن کے
الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۖ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾
درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جائیگا اور اُن پر ظلم (ذرا) نہ کیا جائے گا ۵۸۳

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ع ۵ / ۱۳ / ۱۰

۵۷۹ (اور اُس وقت کی تصدیق اضطراری کچھ نفع نہ دے سکے گی اُس وقت تو اپنے کو تصدیق پر مضطر ومجبور پاؤ گے) ثُمَّ کی ایک قراءة ثَمَّ بالفتح بھی آئی ہے۔ بہ معنی ھنالک۔

۵۸۰ یعنی اب اتنا کیوں گھبرائے ہوئے ہو، اور بدحواس ہو رہے ہو تم تو خود اسی عذاب کی طنزاً فرمائشیں کیا کرتے تھے (شریعت کا یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ جب ملائکۂ عذاب نظر آنے لگیں اور عالمِ برزخ کا انکشاف شروع ہوجائے، توبہ و ایمان مقبول نہیں۔ بہ تستعجلون علی سبیل السخریة والاستھزاء (کبیر) ۵۸۱ یہ کہنے والے عذاب کے فرشتے ہوں گے۔ ای تقول لھم خزنة جھنم (قرطبی) الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ یعنی مشرکین سے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ۔ یعنی تمہارے کفر وبے دینی کا بدلہ۔ ای جزاء کفرکم (قرطبی) ۵۸۲ (کہ وہ تم کو عذاب کی گرفت میں لینا چاہے اور تم بچ جاؤ) يَسْتَنْبِئُونَكَ۔ سوال اور اظہار حیرت واستعجاب سے مقصود دریافت حال نہیں بلکہ تکذیب وتعریض تھی۔ إِنَّهُ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے۔ الضمیر عائد علی العذاب ای بہا العذاب الموعود (روح) إِي۔ موقع اثبات میں تاکید وتحقیق کے مفہوم میں آتا ہے جیسے اُردو میں زور دینے کے موقع پر ہاں، ہاں (ہاں مکرر) آتا ہے۔ کلمة تحقیق وایجاب وتاکید بمعنی نعم (قرطبی) ۵۸۳ فیصلۂ روزِ جزاء باوجود اپنی ساری ہولناکیوں کے بہرحال عادلانہ ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہوجائے جیسا کہ غضبناک دیوی، دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔ وَلَوْ أَنَّ ...... بِهِ۔ یوم قیامت کے ہول وشدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو، تو اپنی جان بچانے کو اُس سب کے دے ڈالنے پر وہ آمادہ ہوجائیں گے۔ كُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ۔ یعنی ہر ہر مشرک۔ ای اشرکت وکفرت (قرطبی) أَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ یہ ندامت کا اخفاء مزید فضیحت ورسوائی کے خوف سے ہوگا۔ اور ندامة سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونا دھونا، مُنہ پیٹنا وغیرہ۔ المراد اخفاء آثارھا کالبکاء وعض الید (روح) لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ یہ اخفاء ندامت شروع شروع ہوگا۔ ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑلیں گے تو اس پر بھی قادر نہ رہیں گے اور اس قید کے بعد اس آیت اور اُن آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا جن میں مشرکوں منکروں کے جزع وفزع کا بیان ہے۔ و ھذا قبل الاحراق بالنار فاذا وقعوا فی النار الھتھم النار عن التصنع (قرطبی) قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ سے مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سرداروں اور چیلوں کے درمیان فیصلہ حق وانصاف ہی سے ہوگا۔ ای بین الرؤساء والسفلة بالعدل (قرطبی)

٥٧٠ (اس دُنیا میں) یعنی باوجود دنیا میں بڑی بڑی طویل عمریں پانے کے جب وہ حشر میں اُٹھائے جائیں گے اور خواب برزخ و خواب ناسُوت دونوں سے بیدار ہوں گے۔ تو اب اُنہیں اپنے اندازہ میں جو زمانِ حشر کے مطابق و ماتحت ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے وہ دنیا میں کچھ رہے ہی نہیں۔ بہت رہے تو بس ایک گھڑی بھر۔ (والمراد طول اعمارھم فی مقابلة الخلود کساعة (قرطبی عن ابن عباس) یعنی تقلیل لبثھم وحالت اھوال مایلقون من شدائد القیامة (بحر) یوم حشر چونکہ مدید بھی ہوگا اور شدید بھی۔ اس لئے دنیا اور برزخ کی مدّت اور تکلیف سب بھُول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا (اضافیؔ) سَاعَةً بعض نے کہا کہ کوئی متعین مقدار مدّت نہیں، بلکہ صرف قِلّتِ مدّت بتانا مقصود ہے اور گھڑی بھر سے کنایہ تقلیل مدّت ہی کا ہوتا ہے۔ (ای شیئًا قلیلا لانہ مثل فی غایة القلة (روح) الوقت القلیل من الزمان (راغب) آج بھی انسان حالت نوم میں خواب کیسے بڑے بڑے دیکھتا ہے اور اُن خوابوں میں کیسی کیسی طویل مدّتیں طے کرتا ہے لیکن جب بیداریٔ تام کے عالم میں آجاتا ہے تو احساس یہ ہوتا ہے کہ ابھی دم بھر ہی تو سویا تھا ——— احساس زمان ہر عالم میں دوسرے عالم سے مختلف اور اپنے مخصوص ماحول کا تابع ہوتا ہے۔

امام رازیؒ نے اس مقام پر ایک مفصل کلام کرکے جو اصل تفسیر کبیر ہی میں قابل ملاحظہ ہے، آخر میں لکھا ہے۔ فنقول انہ لما فوتوا الخیرات الحاصلة بسبب الحیاة العاجلة بالآفات الحاصلة للکافر وجدت اقل من اللذة بالنسبة الی جمیع العالم فقولہ کان لم یلبثوا الا ساعة من النھار اشارة الی ما ذکرناہ من قلتھا وحقارتھا فی جنب ما حصل من العذاب الشدید (کبیر) ٥٧١ (اور اس پر بھی ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے) وقت ہی ایسا نفسی نفسی کا ہوگا۔ آج بھی انتہائی کرب و اذیّت میں ابتلاء کے وقت نہ بھائی بھائی کو پوچھتا ہے نہ باپ بیٹے کے کام آتا ہے، ہر ایک کو بس اپنی ہی فکر پڑجاتی ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دُوسری آیتیں ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حشر میں کوئی ایک دوسرے کو پوچھیگا بھی نہیں۔ وہ آیتیں اس آیت کے معارض نہیں بلکہ اور اس کا تکملہ کرتی ہیں۔ ٥٧٢ (اور اسی لئے اپنی زندگی و اشغال زندگی کے سارے پروگرام میں کوئی دفعہ یاد آخرت کی آنے ہی نہ دی) ٥٧٣ (اور اس لئے اگر انہیں دنیا میں پوُری سزا نہ بھی ملی، جب بھی اُس آخری موقع پر تو ضرور ہی مل کر رہے گی) وَاِمَّا ...... نَعِدُهُمْ۔ یعنی خواہ آپؐ کی حیات ہی میں کچھ حصّہ عذاب موعود کا ان منکرین و مکذّبین پر آبھی جائے چنانچہ معرکۂ بدر، فتح مکّہ وغیرہ متعدد واقعات آپؐ کی زندگی ہی میں ایسے پیش آکر رہے جن میں مکذّبین منکرین کو ہر طرح ذلّت، رسوائی، شکست نقصان جانی و مالی ہی نصیب رہا۔ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ یعنی اس نزُولِ عذاب کے قبل ہی آپؐ کو اُٹھالیں اور اپنے وعدۂ فتح اسلام، ہزیمت کفارؔ کی تکمیل آپؐ کے بعد کریں۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ تکمیل ہو کر رہی۔ اعلم ان ھذا یدل علی انہ تعالٰی یری رسولہ انواعا من ذل الکافرین وخزیھم فی الدنیا وسیزید علیہ بعد وفاتہ ولا شک انہ حصل الکثیر منہ فی زمان حیاة رسول اللہ صلعم وحصل الکثیر ایضا بعد وفاتہ (کبیر) ٥٧٤ پوُری طرح تبلیغ احکام اور اتمامِ حُجّت کے بعد سرکشوں اور باغیوں پر اجراء سزا میں کوئی سوال ہی ظلم

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ

جب (اللہ) ان کو اس طرح حشر میں اکٹھا کرے گا کہ گویا وہ دن کی (کل) ایک گھڑی ٥٧٠ ہے، ایک دوسرے

بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا

کو پہچانیں گے ٥٧١ واقعی وہ لوگ گھاٹے میں آگئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا ٥٧٢ اور وہ

كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝٤٥ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُھُمْ

ہدایت پانے والے تھے (ہی) نہیں، اور اگر ہم آپ کو کچھ حصہ اس عذاب کا) دکھلا بھی دیں جس کا ہم

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي

ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو اُن کی واپسی (بہرحال) ہے تو

مَا يَفْعَلُوْنَ ۝٤٦ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُھُمْ

اللہ کو خوب اطلاع اس کی ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں ٥٧٣، اور ہر وقت کے لئے ایک پیام رساں ہوا ہے پھر

قُضِيَ بَيْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٤٧ وَيَقُوْلُوْنَ

جب اُن کے ہاں پیام رساں آچکتا ہے تو اُن کے درمیان فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر ظلم (ذرا)

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٤٨ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

نہیں کیا جاتا ٥٧٤، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدۂ (عذاب) (آخر) کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ٥٧٥ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ

اپنی ذات کے لئے بھی ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا بجز اس کے کہ جتنا اللہ چاہے ٥٧٦ ہر اُمت کے لئے

اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ اَجَلُھُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا

ایک معین وقت ہے جب اُن کا وہ وقت معین آجاتا ہے تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور

اور زیادتی کا باقی نہیں رہ جاتا۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ امت سے مُراد اُمت مکلّف ہے تو معنی یہ ہونگے کہ ہر وہ اُمت جسے ارادۂ الٰہی نے مکلّف بنانا چاہا، اُسے پہلے تبلیغ ضرور کی گئی۔ وقد یقال ان المراد من کل امة کل جماعة اراد اللہ تعالٰی تکلیفھا (روح) اس تشریح کے بعد یہ سوال خود بخود ختم ہوجاتا ہے کہ جو لوگ دور فترۃ میں (یعنی نبی کے وجود سے پیشتر) گزرے ہیں، اُن کا کیا حشر ہوگا؟ ——— جواب بالکل ظاہر ہے کہ جب اُن پر تبلیغ ہی نہیں ہوئی تو وہ لوگ مُکلّف ہی نہیں ٹھہرے۔ اُن سے سوال صرف اُن کی استعداد و فہم و بصیرت کے مطابق ہوگا۔ رَسُوْلٌ ۔ رسول یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف سے پیام حق پہنچا دینے والا اور اس عموم کے تحت میں رسُول اصطلاحی اور اُس کے نائب، شاگرد وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جن ملکوں اور قوموں میں "رسُول" (بمعنی اصطلاحی) کے آنے کی کوئی تحقیق نہیں ہوئی ہے احتیاط اسی میں ہے کہ وہاں کے مشہور ہادیوں اور رہبروں کے باب میں سکوت اختیار کیا جائے۔ احتمال ہے کہ وہ لوگ رسُول ہی ہوں یا ممکن ہے کہ نائب رسُول ہوں۔ اخذ منہ المحققون الاحتیاط بکف اللسان عن من لم یعلم حالہ من القرون الاولی فی اقالیم لم یعرف بعث الرسل فیھا واحتمال کونھم رسلاً الی اھل تلک الاقالیم او ... فَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۔ اور وہ فیصلہ حق و انصاف کے مطابق یہی ہے کہ سرکشوں، باغیوں، طاغیوں کو مبتلائے عذاب کیا جائے۔ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔ دونوں فقروں کا لانا تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور اس امر کے بالکل صاف کر دینے کو کہ خدائی عدالت میں ظلم ممکن ہی نہیں۔ فالحکم بالعدل لاجل التاکید والمبالغة فی نفی الظلم (کبیر) ٥٧٥ سوال بطور استفسار حال اور بغرض اظہار حقیقت نہیں بلکہ تعریض و تکذیب کی غرض سے ہے۔ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ سوال کے مخاطب تنہا رسُول اللہ صلعم نہیں، بلکہ جماعت مومنین بھی ہے۔ چنانچہ صیغۂ جمع اسی لئے ہے۔ ٥٧٦ (اور بس اُتنے ہی نفع نقصان پر قادر ہوتا ہوں۔ تم پر عذاب لے آنا میرے اختیار میں کہاں) یہ بے اختیاری عین شان عبدیت کے مطابق، جب افضل البشر بلکہ افضل الرسل کی تھی تو مشائخ و اولیا اُمت کو اپنے عقائد

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝٣٩
نے بھی جھٹلایا تھا جو اِن سے قبل ہو چکے ہیں سو دیکھ لیجئے کیسا (برا) ظالموں کا انجام ہوا ہے ۶۴

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۚ وَ
اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان نہ لائیں گے اور

رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝٤٠ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ
آپ کا پروردگار ان مفسدوں سے خوب واقف ہے ۶۵ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے رہیں تو کہہ دیجئے کہ میرا

عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ
عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے تم اس سے بری الذمہ ہو کہ جس پر میں عمل کر رہا ہوں

وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٤١ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ
اور میں اس سے بری الذمہ ہوں کہ جس پر تم عمل کر رہے ہو ۶۶ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی

اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٤٢ وَ
طرف کان لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سُنا دیں گے جبکہ وہ سمجھ سے بھی کام نہ لے رہے ہوں ۶۷ اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ
ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکیں گے

كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝٤٣ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّ
جبکہ وہ بصیرت سے کام بھی نہیں لے رہے ہیں ۶۸ یقیناً اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، البتہ لوگ ہی اپنی

لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٤٤ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۶۹ اور انہیں اُس دن کی یاد دلائیے

ع ۹

۵۶۴ یہاں مُراد مآل فعلی یا انجام سے لی گئی ہے۔ اور وہ عذاب الٰہی ہی ہے۔ اے ولما یاتھم حقیقۃ عاقبۃ التکذیب من نزول العذاب بھم (قرطبی) او ان یراد بالتاویل وقوع مدلولھم وعاقبتہ سے (ع) كَذٰلِكَ - یعنی ایسے ہی بے سوچے سمجھے تکذیب کرنے لگے تھے۔ اے مثل تکذیبھم من غیر تدبر و تامل (روح) كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ منکرین سابق نے اپنے اپنے زمانہ کے انبیاء کی تکذیب اسی طرح کی تھی۔

۵۶۵ یعنی ان سے جو ایمان لانے والے نہیں۔ اے من یصر علی کفرہ (قرطبی) اے بالمعاندین او المصرین (ملک)

۵۶۶ (تو جس طریقہ پر چاہو، قائم رہو) یہ آخری اور انقطاعی جواب ہے اس موقع کے لئے، جب سب دلائل پہلے پیش ہو چکے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل طریق اسی سُنّت پر عمل کرتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب محض ضد اور ہٹ سے کام لے رہا ہے۔ برخلاف اہل ظواہر کے کہ وہ مناظرہ کے موقع پر کبھی ایسی بات نہیں کہتے بلکہ ایسا کہنے میں اپنی شکست اور کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

۵۶۷ (یعنی اُن کے دل ارادۂ ایمان و طلب حق سے بالکل خالی ہوں) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ - یعنی بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے ــــــ آج یہ تصویر بہت سے "مستشرقین" یورپ پر، سیرت نبویؐ اور شریعتِ اسلامی پر قلم اُٹھانے والوں پر صادق آتی ہے۔ اُن کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیئے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند، تحقیق دوست ہیں۔ اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے، زہر ہلاہل کے انبار در انبار انہی اوراق میں ملتے جائیں گے۔

۵۶۸ اندھے انہیں اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ اُن کے دل قصد ایمان اور حق طلبی سے خالی ہیں اور وہ دلائل حق کا مطالعہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ - یعنی اُن کے دیکھنے سے بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کے کمالات، فضائل، معجزات کے مشاہدہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

۵۶۹ (کہ اپنی فطری صلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور اُن سے کام نہیں لیتے) اِنَّ ... ... شَيْـــًٔا - یعنی یہ کہ اللہ پہلے تو خود ہی انہیں صلاحیت ہدایت سے محروم رکھے اور پھر اُن سے مؤاخذہ کرنے لگے۔

۵۵۸ اکہ توحید جیسی سیدھی بات نہیں قبول کرتے ہو۔ اور شرک پر اڑے ہوئے ہو) مشرکوں سے سوال ہے کہ جو (خالق) راستہ دکھا اور بتا رہا ہے، وہ پیروی کئے جانے کا اہل ہے یا وہ (مخلوق) جسے خود ہی راستہ معلوم نہیں اور وہ اپنی راہ یابی میں دوسروں کا محتاج ہے؟ مَنْ یَّھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ ۔ یعنی حق پر چلاتا ہو اپنی قدرت و نصرت سے۔ اَمَّنْ لَّا یَھِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی ۔ اس عموم کے تحت میں ساری مخلوق آجاتی ہے ——— باقی اگر شیاطین ہی مُراد لئے جائیں تو وہ تو اور بھی گئے گزرے ہوئے ہیں انہیں تو بتانے اور سمجھانے پر بھی راستہ نہیں سوجھتا۔ ۵۵۹ (اور وقت مناسب پر اپنے اسی علم کامل و محیط کے مطابق جزا و سزا بھی دیگا) وَمَا ..... ظَنًّا ۔ یہاں یہ صاف بتا دیا کہ مشرکین و منکرین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی محکم ہے اور نہ کوئی استدلال نقلی مستحکم۔ یہ لوگ تو اندھیرے میں پڑے محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں ——— ہمارے زمانہ کے ایک فاضل یگانہ علامہ مناظر احسن گیلانی نے یہ بات بہت خوب کہی ہے کہ اثبات توحید کے دلائل قائم کرنے کے بجائے ہم کو تو مطالبہ اہل شرک سے کرنا چاہیئے کہ وہ الٹی سیدھی کوئی دلیل تو تعدد آلہہ کے ثبوت میں لائیں! اِنَّ ..... شَیْئًا ۔ یہاں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ انسانی ظن و تخمین، وہم و خیال جن کا شاندار اور مرعوب کن نام "حکمت و فلسفہ" یا "علوم عقلیہ" رکھا گیا ہے، قرآن اور شریعت اسلامی میں مطلق ان کا کوئی درجہ نہیں۔ قرآن صرف حقائق کا قائل ہے، جو ہر روز بدلتے نہیں رہتے۔ "علوم نظری"، "اصول موضوعہ" اور "نظریات"، انہیں کو مبارک رہیں جن کی تحقیقات ہر صبح اور ہر شام بدلتی رہتی ہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ عقائد کے لئے دلائل ظنی کافی نہیں۔ وفی ھذہ الاٰیۃ دلیل علیٰ انہ لا یکتفی بالظن فی العقائد (قرطبی) فقہاء نے بھی آیت سے خوب خوب مسائل مستنبط کئے ہیں مثلاً:۔ (۱) یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا۔ (۲) نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس معتبر نہیں۔ (۳) اطلاق و عموم قرآنی کی تحدید و تقیید اخبار آحاد سے جائز نہیں۔ (۴) وہ دلائل جو ثبوت میں یا دلالت میں ظنی ہوں قطعی و یقینی کے معارض و مقابل نہ ہو سکیں گے۔ (۵) ایمانیات اعتقادیات امر ثابت و حق سے متعلق ہیں۔ اس لئے ان میں دلائل ظنی کافی نہیں۔ (۶) جب کوئی دلیل قطعی نہ موجود ہو تو دلائل ظنی پر عمل ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ ظن کی عدم کفایت بہ مقابل حق مذکور ہے نہ کہ مطلقاً۔ (۷) مسائل فقہی میں اختلاف اجتہاد معتبر ہے اس لئے کہ اجتہاد ظن ہے اور یہاں ظن مفید اور مسائل اعتقادی میں تاویل و اختلاف ممنوع۔ اس لئے کہ اُن کا مدار یقین پر ہے پس فرق ضالہ دائرہ اہل حق سے خارج ہیں۔ اِنَّ .. شَیْئًا ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے علماء رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر متکلمین اہل ظاہر کے دلائل (ذات و صفات حق کے بارہ میں) باہم متعارض پائے جاتے ہیں جو ظنیات کی شان ہوتی ہے۔ پس جو کوئی اس سے بچنا چاہے۔ چاہیئے کہ وہ سلف صالح کے اتباع میں لگا رہے اور فلسفیات میں مشغول نہ ہو۔ جس سے بجز شک بڑھنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ ۵۶۰ کوئی غیر اللہ یعنی کوئی مخلوق، ایسے بے مثل و بے مثال کلام پر جو عبارت اور معنیٰ دونوں کے اعتبار سے بے نظیر ہے، قادر ہی کب ہو سکتا ہے؟ ایسی تصنیف کو کسی انسان کی جانب منسوب ہی کیسے کیا

لَا یَھِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی ۚ فَمَا لَکُمْ ۫ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ ۳۵

(خود ہی) راستہ نہ ملتا ہو، بلکہ اُسے راستہ بتایا جائے سو تم کو کیا ہو گیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ ۵۵۸

وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ

ان میں سے اکثر تو صرف (اپنے) گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یقیناً گمان تو حق (کے اثبات) میں ذرا

الْحَقِّ شَیْئًا ۭ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۳۶ وَمَا کَانَ

بھی مفید نہیں یقیناً اللہ خوب واقف ہے اُس سے جو کچھ یہ کر رہے ہیں ۵۵۹ اور یہ قرآن

ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ

ایسا ہے ہی نہیں کہ غیر اللہ سے گڑھ لیا جائے ۵۶۰ بلکہ یہ تو تصدیق

تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ

(کرنے والا) ہے اُس (کلام) کی جو اس کے قبل سے ہے اور تفصیل (بیان کرنے والا ہے) احکام

لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۳۷ ۫ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ۭ

کی اور اس کے اندر کوئی شک (وشبہ کی بات) ہی نہیں، جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے ۵۶۱ کیا یہ لوگ کہتے

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

ہیں کہ اس شخص نے اس کو گڑھ لیا ہے؟ آپ کہیئے کہ اچھا تو تم ایک ہی سورۃ مثل اسکے لے آؤ اور اللہ کے

دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۳۸ بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ

سوا تم جس کسی کو بُلا سکو، بُلا لو، اگر سچے ہو ۵۶۲ نہیں بلکہ یہ لوگ ایسی چیز کو جھٹلانے

یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ وَلَمَّا یَاْتِھِمْ تَاْوِیْلُہٗ ۭ کَذٰلِکَ کَذَّبَ

لگے جسے اپنے علم سے نہ گھیر پائے ۵۶۳ اور ابھی اِن کے پاس انجام نہیں پہنچا ہے اسی طرح اُن لوگوں

جا سکتا ہے؟ ۵۶۱ یہاں قرآن مجید کے خصوصیات مختصراً گنا دیئے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ سابق کتابوں اور کلاموں کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں احکام مکتوبہ و مفروضہ کی تفصیل ہے۔ تیسری یہ کہ اس کے اندر کہیں شک و شبہ کا گزر نہیں۔ ہر چیز اس کی یقینی ہے اور چوتھی یہ کہ یہ کتاب سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے ہے۔ اَلْکِتٰبِ ۔ یہاں احکام مکتوبہ و مفروضہ کے معنیٰ میں ہے ای بتفصیل الکتاب ما بُیّن فی القرآن من الاحکام (قرطبی) ای ما کتب واثبت من الحقائق والشرائع (روح) ای ما کتب وفرض من الاحکام والشرائع (مدارک) ۵۶۲ (اپنے اس دعوٰی میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے) جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اگر ایک انسانی دماغ تیار کر سکتا ہے تو کئی بلکہ سب انسانی دماغ مل کر تو اس سے کہیں چھوٹی چیز یعنی اس کی ایک سورۃ تو بہرحال تیار ہی کر سکتے ہیں۔ پھر ہمت ہو تو یہی کر دکھاؤ! اِفْتَرٰىہُ ۔ افترٰی میں ضمیر فاعل رسول اللہ صلعم کی جانب ہے یعنی اس شخص محمدؐ نامی نے یہ کتاب اپنے ذہن سے گڑھ لی ہے۔ سُوْرَۃٍ ۔ پر حاشیہ شروع تفسیر میں گزر چکے۔ مِثْلِہٖ ۔ مثلیت لفظی و معنوی ہر اعتبار سے مُراد ہے۔ مثلہ فی البلاغۃ وحسن الارتباط وجزالۃ المعنی (روح) قرآن مجید کی معنوی حیثیت سے یہ مستقل تحدی تو سارے عالم کے لئے ہے یعنی قرآن کی معنوی بلندی اور جامعیت کے لحاظ سے کوئی ایسی کتاب بھلا تیار تو کر دکھائے لیکن جہاں تک اس چیلنج کے ظاہری جزو کا تعلق ہے یعنی فصاحت و بلاغت اور ادب و انشا کی خوبیوں کا اس کے مخاطب صرف اہل زبان عرب ہیں، خصوصاً نزول قرآن کے وقت کے عرب، جو ادبیت کے نشہ میں جھومتے رہتے تھے، اور جن کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا کمال ادبیت ہی کا کمال تھا۔ ۵۶۳ یعنی بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے اس کی اعجازی خصوصیات پر غور کرتے اور پوری تحقیق سے کام لیتے جھٹ اس کی تکذیب پر مستعد ہو گئے۔ المراد انھم سارعوا الی تکذیبہ من غیر ان یتدبروا [illegible] (روح) فَلَمَّا یَاْتِھِمْ تَاْوِیْلُہٗ ۔ تاویل کے معنیٰ اصل حقیقت کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اور مآل علمی و فعلی کے ہیں۔ الرجوع الی الاصل [illegible]

۵۲ یہ سارے سوالات مشرکین سے بطور جرح ہو رہے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پہلا سوال رزق سے متعلق ہے جو سلسلۂ ربوبیت میں نمبر اول پر ہے۔ پھر انسان کے حواس ظاہری سے متعلق ہے جن کے بغیر بشر و جماد سب برابر ہیں پھر حیات و موت سے متعلق ہے اور آخری انتظام امور سے متعلق ہے۔ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی کون ہوائیں چلاتا ہے؟ کون پانی برساتا ہے؟ کون سورج کی روشنی اور گرمی پہنچاتا ہے؟ کون بارش کے وقت مناسب فصل اور مناسب مقدار کا فیصلہ کرتا ہے؟ اور پھر کون زمین کو گرماتا ہے اُسے زرخیز بناتا ہے، اُس سے نباتات اگاتا ہے؟ —— غرض زمین و آسمان دونوں جگہ اُس کی قدرت و حکمت کی مستقل کارفرمائیاں ہیں اور السماء اور الارض دونوں ناموں میں سے کوئی نام بیکار نہیں لایا گیا۔ مَنْ يُّخْرِجُ .... الْحَيَّ بے جان سے جاندار جیسے انڈے سے مرغی۔ جاندار سے بے جان جیسے مرغی سے انڈا۔ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ الامر میں الٰ استغراق کا ہے یعنی چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام کون کرتا ہے۔ ۵۴ (شرک سے اور افعال شرکیہ سے) ۵۵ (حق کو چھوڑے ہوئے اور باطل کی طرف رُخ کئے ہوئے) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی یہی اللہ جس کے صفات و افعال اوپر بیان ہو چکے اور جس کی ذات میں سارے کمالاتِ ربوبیت جمع ہیں۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ مطلب یہ کہ امر حق کی جو ضد ہے اسی کا نام گمراہی ہے اور توحید کا حق ہونا ثابت ہو چکا پس شرک تو یقیناً گمراہی ہی ہوا۔ قاضی ابو بکر ابن العربی مالکیؒ نے آیت کے تحت میں شطرنج نرد وغیرہ کے جواز و عدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور اسی ضمن میں مسئلہ غناء پر بھی گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ غناء کو اکثر علماء نے ایک ہیجان انگیز لہو قرار دیا ہے لیکن اُس کی حرمت پر قرآن و سُنّت سے کوئی دلیل قائم نہیں۔ بلکہ ایک حدیث صحیح سے تو اُس کی اباحت ہی نکلتی ہے لیکن جن الفاظ میں آنحضورؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی گرفت کو رد کیا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں غناء کی مستقلاً تو کراہت ہے البتہ خاص حالات میں اجازت بھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فقیہ موصوف کا یہی فیصلہ عین حق و صواب اور افراط و تفریط کی راہوں سے الگ ہے۔ واما الغناء فانه من اللهو المهيج للقلوب عند اكثر العلماء منهم مالك ابن انس وليس في القرآن ولا في السنة دليل على تحريمه اما ان في الحديث الصحيح اباحته وهو الحديث الصحيح ان ابابكر دخل على عائشة عندها جاريتان جاريتان من جاريات الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار به يوم بعاث فقال ابوبكر امزمار الشيطان في بيت رسول الله صلعم فقال رسول الله دعهما يا ابابكر فانه يوم عيد فلوكان الغناء حراما ما كان في بيت رسول الله صلعم وقد انكره ابوبكر بظاهر الحال فاقره النبي صلعم بفعل الرخصة والرفق بالخليفة في اجمام القلوب اذ ليس جميعها يحمل الجد دائما وتعليل النبي صلعم بانه يوم عيد يدل على كراهيته دوامه ورخصته في الاسباب كالعيد والعرس وقدوم الغائب ونحو ذلك وكل حديث يروى في التحريم او اية تتلى فيه فانه باطل سندا باطل معتقدا خبرا وتاويلا وقد ثبت ان النبي صلعم رقص في الفلمي في للعيبين (ابن عربی) ۵۶ (تو پھر آپ اُن کے ایمان نہ لانے پر اس قدر مغموم و محزون کیوں ہوں) كَذٰلِكَ۔ اس کا تعلق اوپر کے کلام سے ہے یعنی جس طرح اللہ کی وحدت و ربوبیت حق ہے۔ وضوح حق کے بعد ضلال کا اور قیام دلائل کے بعد انکار پر جمے رہنے کا حمق و عصیان ہونا بالکل ثابت و مسلّم ہے اسی طرح کلمۂ رب یعنی تخویفِ عذاب نافرمانوں کے حق میں ثابت و حق ہے۔ الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ سے کفر پر قائم رہے۔ اے تمردوا في كفرهم وخرجوا الى الحد الاقصى فيه (مدارک) اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ میں انهم تعلیلیہ مانا گیا ہے۔ لانهم كما لوت تعليل اے لانهم لا يؤمنون (مدارک) اس ترکیب کو ماننے کے بعد معنیٰ یہ ہونگے کہ ان سرکش نافرمانوں پر عذاب الٰہی کا تحقق اس لئے ہو کر رہیگا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ ۵۷ یعنی حق سے ضلال کی طرف۔ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ اکثر ایسے موقعوں پر جواب میں "اللہ" بھی مشرکوں ہی کی زبان سے نقل کر دیتا ہے۔ فسیقولون اللہ لیکن یہاں کوئی ایسا اقرار مشرکوں کی زبان سے نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ قل اللہ خود اپنی طرف سے کہا ہے —— راز اس فرق کا یہ ہے کہ مخاطبین اول یعنی مشرکین عرب تو سرے سے عقیدۂ بعثت و معاد کے قائل ہی نہ تھے۔

مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ
جاندار سے؟ اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے ۵۳ (جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، تو
فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ
کہیے کہ پھر کیوں نہیں بچتے ہو؟ ۵۴ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار حقیقی اور (امر) حق کے
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾
بعد رہ کیا گیا بجز گمراہی کے تو کدھر پھرے چلے جاتے ہو؟ ۵۵
كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ
اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات (تمام) سرکشی کرنے والوں کے حق میں پوری ہو چکی ہے کہ وہ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا
ایمان نہ لائیں گے ۵۶ آپ کہیے کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
پیدا کرے پھر دوبارہ بھی کرے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ
بھی کریگا پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ ۵۷ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی
مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ
ایسا ہے جو حق کے راستہ پر چلاتا ہو؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتلاتا ہے تو پھر
اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ
جو کوئی حق کا راستہ دکھاتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو

۴۷ حشر جو حقائق کے ظہور و انکشاف کا وقت ہوگا، اُس وقت اہلِ کفر کے دلوں کی سیاہیاں چہروں سے نمایاں ہو کر رہیں گی۔ كَاَنَّمَا..... مُظْلِمًا۔ یہ حالت ان رُوسیاہ
دوزخیوں کے چہروں کی ہوگی۔ حکمار اسلام نے کہا ہے کہ یہ سیاہی جہل و ضلالت کی ہوگی۔ اعلم ان حکماء الاسلام قالوا المراد من هذا السواد المذکور ههنا مداد الجهل وظلمة
الضلالة (بحر) صاحب بحرالمحیط علامہ ابوحیان غرناطی اندلسی نے اس موقع پر جوش میں آکر "حکمار اسلام" کو بہت ہی بُرا بھلا کہا ہے اور کہا ہے کہ ان "فلاسفہ" کو حقیقۃً جہلا، و سفہار کہنا چاہیئے،
یہ اسلام کے حق میں یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر دشمن ہیں اور یہ انبیار علیہم السلام کے دشمن اور شریعت کے محرفین ہیں۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ حرام ہونا چاہیئے۔ وقِس علیٰ ہٰذا۔ یعنی الحکماء
الفلاسفة الذين خلقوا في هذه الملة الاسلامية
هم احق بان يسموا سفهاء جهلاء من ان يسموا
حكماء اذهم اعداء الانبياء والمحرفون
للشريعة وهم اضر على المسلمين من اليهود و
النصارى الخ لیکن ستم یہ کیا ہے کہ اپنی خفگی
کی اس لپیٹ میں سید المفسرین امام رازیؒ کو بھی لے
لیا ہے اور ان کا ذکر صرف "ہذا الرجل" سے کیا ہے۔
امام رازیؒ کے سنہ وفات اور علامہ غرناطی کے سنہ
وفات میں فرق کچھ کم ڈیڑھ سو سال کا ہوا ہے۔

ِّمِنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
پلیٹ دیئے گئے ہیں دوزخ والے یہی ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
رہیں گے ۴۷ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جس دن ہم ان سب کو جمع کرینگے ۴۸ پھر ہم شرک کرنے

اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ
والوں سے کہینگے کہ تم اور تمہارے شرکار (خدائی) اپنی جگہ ٹھیرو ۴۹ پھر ہم اُن میں باہم خوب پھوٹ ڈال

قَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ
دینگے اور اُن کے (وہ مزعومہ) شرکار (اُن سے) کہیں گے تم ہماری عبادت تو کرتے نہ تھے ۵۰ تو اللہ ہمارے

شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾
تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر ہی نہ تھی ۵۱

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ
اس جگہ ہر شخص اس (عمل) کا امتحان کرلے گا جو وہ پیشتر بھیج چکا ہے اور یہ لوگ اللہ اپنے مالک

مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قُلْ
حقیقی کی طرف لوٹائے جائینگے اور جو کچھ (معبود) انہوں نے گڑھ رکھے تھے ان سے غائب ہوجائینگے ۵۲

مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ
آپ کہیئے کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا کون کان اور آنکھوں پر پورا

وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْـحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
اختیار رکھتا ہے؟ اور کون جاندار کو نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے

ع ۳ النصف ۸

منزل ۳

۴۸ (میدان حشر میں) نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی سارے
خلائق کو۔ ۴۹ (ذرا کی ذرا، تاکہ تم پر تمہارے
عقیدہ کی حقیقت روشن ہوجائے) شُرَكَاۗؤُكُمْ یعنی
وہ جنہیں تم اپنے زعم میں شریک خدائی سمجھتے رہے ہو۔
مَكَانَكُمْ یعنی اپنی جگہ ٹھیر جاؤ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی
ہے۔ امکثوا مکانکم اے امکثوا مکانکم
وقفوا في موضعكم (ابن جبير) اے الزموا مكانكم
(روح) ۵۰ (تو آج ہم تمہارے شرک کے
وبال میں کیوں پھنسیں) زَيَّلْنَا۔ زَيَّلْنَا کے کھلے ہوئے
معنیٰ فرّقنا کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ صیغہ باب تفعیل
سے لایا گیا ہے تاکہ معنیٰ سے شدت و تکثیر کا اظہار ہو سکے
وقال فزيلنا ارادة تكثير الفعل وتكريره ولم
يقل فزلنا بينهم (ابن جبير) التضعيف للتكثير
لا للتعدية (روح) اہلِ شرک کے لئے سب تکلیفوں
اور عذابوں سے بڑھ کر اس منظر کا بھی سامنا کرنا ہوگا
کہ خود انہی کے معبود اُلٹے اُن سے تبری و بیزاری کر
رہے ہیں۔ ذالك يدل على نهاية النكال والخزى
في حق مولاء الكفار (كبير) ۵۱ (اچھا یکہ
ہم اس سے راضی ہوتے!) عجب نہیں یہ گفتگو پتھر کی
مورتیاں اور ٹھاکر دواروں کے بُت اپنے پجاریوں سے کررہے ہوں۔ قيل الاصنام ينطقها الله تعالى فتكون بينهم هذه المحاورة (قرطبی) ۵۲ یعنی کوئی کام نہ آئے گا، اُس وقت
سب گم ہوجائیں گے۔ هُنَالِكَ..... اَسْلَفَتْ۔ یعنی ہر شخص عیاناً دیکھ لے گا کہ جو اعمال اُس نے کئے تھے، وہ واقع میں نافع تھے یا اس کے برعکس، یہ اجمالی علم تو انسان کو مرنے کے
ساتھ ہی ہوجاتا ہے حشر میں اس کا تحقق کامل اور مفصّل طور پر ہوگا۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ یعنی واقعی اور حقیقی مالک۔ کوئی گڑھا ہوا معبود نہیں۔ اے المتحقق الصادق في ربوبيته
لا ما اتخذوه ربا باطلا (روح) یہاں اللہ کو جو کافروں کا "مولیٰ" کہا گیا ہے تو یہ مالکیت باعتبار اصل واقعہ کے ہے اور سورۂ محمدؐ میں جہاں اس کی نفی آئی ہے۔ ان الكافرين لا مولى
لهم وہاں "مولیٰ" حامی، ناصر اور سہارے کے معنیٰ میں ہے۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ کے ایک معنیٰ یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ مالک جو حق و انصاف کے مطابق انہیں جزار دیگا۔ قال ابن عباس اى
الذى يجازيهم بالحق (معالم) هُنَالِكَ۔ اصل معنیٰ تو اُس جگہ کے ہیں۔ مجازاً اُس وقت بھی مُراد ہو سکتی ہے۔ معناه في ذلك المقام وفي ذلك الموقف او يكون المراد في ذلك الوقت
على استعارة اسم المكان للزمان (كبير)

۴۲ؐ (سو یہ دُنیا اپنی ساری زیب و زینت کے ساتھ بس ایسی ہی ناپائدار اور سریع الزوال ہے) حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا۔ یعنی اُس کی خوشنمائی اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ استوفت واستکملت جمالها (ح) یہاں دنیا کی بے ثباتی کو مثال کی صورت میں یوں پیش کیا ہے کہ جیسے آسمان سے خوب زور شور کی بارش ہو، ہر قسم کے نباتات کی روئیدگی خوب ہو۔ آدمی کے کھانے کے قابل پھل پھلاری، میوہ، غلّہ اور جانوروں کے کھانے کے قابل پتیاں، بھوسہ وغیرہ کی خوب پیداوار ہو۔ پھر جب ہر طرف خوب سرسبزی و شادابی پھیل جائے، لہلہاتا کھیت، سرسبز درخت، شاداب باغ ہر طرف پورے زیب و زینت کے ساتھ نظر آنے لگیں اور انسان سمجھنے لگے کہ بس ہم ان تمام لذتوں اور نعمتوں سے لطف اُٹھانے کے پوری طرح مالک و مختار ہیں کہ یک بیک حکم الٰہی سے کوئی ایسا آسمانی یا زمینی حادثہ پیش آجائے کہ سارا گُل و گلزار تہس نہس ہو کر رہ جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں! یہ مرقع ہے انسانی زندگی کا کہ بڑے سے بڑے نامور و باقبال

وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ
اور اُس کی زیبائش ہو گئی اور اُس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اُس پر بالکل متصرف ہو چکے تو ہمارا
اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ
حکم اس پر (اچانک) رات کو یا دن کو آپڑا، سو ہم نے اُسے (ایسا) صاف کر دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی
بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۴
نہ تھی ۴۲ؐ ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے جو سوچتے رہتے ہیں،
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى
اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ
چلا دیتا ہے ۴۳ؐ جو لوگ نیکی کرتے رہے اُن کے لئے بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی ۴۴ؐ
وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
اُن کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلّت ہو گی، یہی ہیں اہلِ جنت
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ
یہ اُس میں ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے ۴۵ؐ اور جن لوگوں نے بدیاں کمائی ہیں (سو) بدی کی
جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ
سزا بھی ویسی ہی (بدی) ہے اور ایسے لوگوں کو ذلّت چھائے گی اور کوئی نہیں اللہ
اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا
(کے عذاب) سے نہ بچا سکے گا ۴۶ؐ گویا اُن کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے

انسان کا بھی خاتمہ دفعۃً موت پر ہو کر رہ جاتا ہے! اور یہ حال ہے دنیا کا جس میں غافل انسان ہمہ تن مصروف رہتا ہے! وَازَّيَّنَتْ۔ یعنی سبزہ سے خوب خوشنما معلوم ہونے لگی۔ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا۔ امر سے مراد ہے کوئی تکوینی عذاب مثلاً پالا، پتھر، سیلاب وغیرہ۔ ای ... عذابنا (قرطبی) قال ابن عباس رض یرید عذابنا (کبیر) ظَنَّ اَهْلُهَا۔ ظن یہاں بھی یقین کے معنی میں ہے۔ ای ایقن (قرطبی) ۴۳ؐ اور یہی لوگ ہیں جنہیں اُس سلامتی کے گھر تک پہنچ جانے کی توفیق ہو جاتی ہے وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا۔ اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اپنے انہیں احکام و ہدایات کے ذریعہ سے۔ اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ۔ سلامتی کا گھر یعنی اس فانی و ناپائدار دنیا کے برعکس ہمیشہ قائم اور سلامت رہنے والا گھر مراد جنت ہے۔ ای الی الجنۃ (قرطبی) قال قتادۃ والحسن السلام ھو اللّٰہ ودارہ الجنۃ وسمیت الجنۃ دار السلام لان من دخلھا سلم من الآفات (قرطبی) لاشبھۃ ان المراد من دار السلام الجنۃ الا انھم اختلفوا فی سبب الذی لاجلہ حصل ھذا الاسم (کبیر) عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مومنین کے لئے تو عبرت ہے کہ شہنشاہ خود بلا رہا ہے اور غلام حاضری میں توقف کر رہے ہیں اور منکرین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ کیسی دعوت و نعمت سے محروم رہے جا رہے ہیں اور دنیا پرستوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست و حقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں اور عاشقوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے حق میں اشارے خلوت خاص کے ہو رہے ہیں۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ۔ اللہ کی طرف سے یہ ہدایت ہمیشہ مشیت تکوینی اور بےشمار مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ ۴۴ؐ یعنی دیدار الٰہی جو ہر نعمت اور ہر لذت سے افضل تر ہے۔ زِيَادَةٌ کی یہ تفسیر خود حدیث میں آچکی ہے۔ عن النبی صلعم فی ھذہ الآیۃ قال اذا دخل اھل الجنۃ الجنۃ فیکشف الحجاب فیتجلی لھم فواللّٰہ ما اعطاھم شیئاً احب الیھم من النظر الی اللّٰہ (ابن جریر) قال رسول اللّٰہ صلعم الزیادۃ النظر الی وجہ اللّٰہ الکریم (ابن جریر عن انس) یہی حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب صحابی کی روایت سے آئی۔ صحابہ و تابعین سب سے یہی تفسیر منقول ہے۔ الزیادۃ النظر الی وجہ اللّٰہ تبارک وتعالٰی (ابن جریر عن ابی بکر الصدیق رض) زیادۃ النظر الی الرب (ابن جریر عن الحسن) الزیادۃ ھنا النظر الی وجہ الرحمٰن (ابن جریر عن قتادۃ) وھو قول ابی بکر الصدیق وعلی فی روایۃ وحذیفۃ وعبادۃ بن الصامت وکعب بن عجرۃ وابی موسٰی وصہیب وابن عباس فی روایۃ وھو قول جماعۃ من التابعین (قرطبی) دیدار الٰہی کو لفظ زِيَادَةٌ سے تعبیر کرنے میں بھی شاید یہی اشارہ ہے کہ وہ ایسی نعمت ہے جو ہر ممکن نعمت کے علاوہ اور اس کے مافوق ہے۔ اشارۃ الی انھم واحوال لا یمکن تصورھا فی الدنیا (بلغم) اَحْسَنُوْا۔ نیک کام کئے، نیک کرداری کرتے رہے۔ اور سب سے بڑی نیکی خود ایمان لانا ہے۔ الْحُسْنٰى یعنی اجر عمل۔ نیک کرداری کا صلہ۔ یا خود جنت۔ المراد الحسنٰی وھی الجنۃ (روح) آیت میں مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ نیک روی اور نیک کرداری کا پورا صلہ تو خیر ملے ہی گا لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی ملے گا، یہ صرف عالم آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے —— اس "کچھ اور" کی لذت کوئی اہل محبت کے دلوں سے پوچھے۔ ۴۵ؐ یعنی مومنین کو دوام عیش تو حاصل رہے ہی گا لیکن اس کے علاوہ کسی صدمہ اور غم و الم سے بھی وہ کبھی دوچار نہ ہو سکینگے۔ ۴۶ؐ اور ان کے دیوی دیوتا، اکابر و اعاظم جن پر آج انہیں اتنا بھروسہ ہے، یہ سب اُس روز بیکار ہی نظر آئیں گے۔ بِمِثْلِهَا۔ یعنی بدی کی سزا بس بدی کے برابر ہی ملے گی۔ اس سے زاید نہیں۔ یہ لفظ جزاء بدی کے سلسلہ میں وَزِيَادَةٌ کے مقابل آیا ہے جو نیکی کے سلسلہ میں آچکا ہے یعنی نیکی کا صلہ تو اصل معاوضہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملے گا لیکن بدی کا معاوضہ بس اسی درجہ کا ملیگا، اُس سے زاید نہیں۔ والمقصود من ھذا القید التنبیہ علی الفرق بین الحسنات وبین السیئات لانہ تعالٰی ذکر فی اعمال البر انہ یوصل الی المشتغلین بھا الثواب مع الزیادۃ واما فی عمل السیئات فانہ تعالٰی ذکر انہ لا یجازی الا بالمثل (کبیر) تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ یعنی ہر طرح کی توہین و رسوائی بھی ان کے شامل حال رہیگی۔ یصیبھم ذلۃ وخزی وھوان ای یغشاھم ھوان وخزی (قرطبی) مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی عذاب الٰہی سے۔ اللہ کی گرفت سے۔ ای من عذاب اللّٰہ (قرطبی)

۳۸ (اور اب نجات پانے کی کوئی سبیل مادی اسباب وذرائع سے ممکن نہیں) هُوَ الَّذِیْ ...... البَحْرِ۔ یعنی انہیں سفرِ برّی وسیاحتِ بحری کے آلات واسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ زمین اور سمندر دونوں کے طے کرنے کے لئے سواریاں، گھوڑے، گدھے، ہاتھی، اونٹ سے لے کر ریل، موٹر، سائیکل، موٹر لانچ، آبدوز کشتی، آہن پوش جہاز وغیرہا تک جتنی بھی نکل چکی ہیں یا آیندہ نکل سکیں، یہ سب بالکل آخر میں جاکر کسی علتِ فاعلی پر ٹھیرتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ یا حق تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتوں پر۔ قرآن مجید درمیانی واسطوں کو چھوڑ کر علتِ حقیقی کی یاد دلا رہا ہے۔ جَرَیْنَ بِهِمْ۔ صنعت التفات کے لئے ملاحظہ ہو دیباچۂ تفسیر۔ حاضر سے معاً غائب کی طرف منتقل ہو جانے کا اسلوب بیان عربی ادب وانشا میں عام ہے۔ خروج من الخطاب الی الغیبۃ وهو فی القرآن واشعار العرب کثیر (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے اپنی نکتہ رسی سے لکھا ہے کہ جس طرح صیغۂ غائب سے حاضر کی طرف انتقال اظہار تقرب واکرام کے لئے ہوتا ہے، یہ حاضر سے غائب کی طرف انتقال اس کے برعکس بُعد وبیزاری کے اظہار کے لئے ہو۔ هو الذی خطر بالبال فی الحال ان الانتقال فی الکلام من لفظ الغیبة الی لفظ الحضور یدل علی مزید التقرب والاکرام واما ضده وهو الانتقال من لفظ الحضور الی لفظ الغیبة فذلک یدل علی المقت والتبعید (کبیر) بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ۔ یعنی ہوائے نرم مُراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے موافق ہو۔ والمراد بالطیبة حسبما یقتضیه المقام اللینة الهبوب الموافقة للمقصد (روح) رِيحٌ عَاصِفٌ۔ یعنی ہوائے تند وتیز، مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے مخالف ہو۔ العاصف الشدیدة (قرطبی) ومعنی عصفت الریح اذا اشتدت واصل العصف السرعة (کبیر) ظَنُّوْا۔ ظن کے معنی جس طرح گمان وقیاس کے ہیں یقین یا خیال اغلب کے بھی ہیں۔ علی ایقنوا (قرطبی) بعض نے ترجمہ میں یہ تعدیہ کی ہے اور بعض نے یہاں بھی دونوں جگہ بمعنیت کی ہے۔

[Quran panel:]

بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ

ہوتے ہیں کہ (ناگہاں) ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اُٹھتی چلی آتی ہیں

مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گِھر گئے[۳۸] (تو اُس وقت) اللہ کو اس کے ساتھ اعتقاد کو (بالکل) خالص

لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کر کے پکارتے ہیں (کہ) اگر تُو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دلا دی تو ہم یقیناً بڑے

الشّٰكِرِيْنَ ۲۲ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ

شکرگزاروں میں ہو نگے[۳۹] پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی زمین میں ناحق کی سرکشی

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ

کرنے لگتے ہیں[۴۰] اے لوگو یہ تمہاری سرکشی تمہارے ہی اوپر (اُلٹ پڑنے والی) ہے (یہی)

مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا

دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع ہے پھر ہماری ہی طرف تمہاری واپسی ہے پھر ہم تمہیں جتلا دیں گے جو کچھ

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۲۳ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ

تم کرتے رہے ہو[۴۱] بس دنیا کی زندگی کا حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا

مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ

پھر اس سے زمین کی سبزی گنجان ہو کر نکلی جس کو انسان اور

النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا

چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین (پوری طرح) اپنی رونق پر پہنچ چکی،

۳۹ (اور بڑا شکر یہی ہے کہ مومن مخلص بن جائیں گے) ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کر کے ساری توجہ مسبب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرت سلیم کا مقتضا ہے۔ اور جو بدنصیب ایسے وقت بھی رجوع وانابت کی توفیق نہیں پاتے اُن کے دل نورِ انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یہ حالت اضطرار کا اخلاص ایمان کے قائم مقام اور نجات اُخروی کے لئے کافی نہیں۔ والجزاء ان لم یکن عن ایمان بل عن الاضطرار لا ینفعهم (روح) البتہ کشایش دنیوی یعنی غرق سے بچانے میں مؤثر ہو سکتا ہے۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ فقہا نے تصریح کر دی ہے کہ اقرار مشروط مثلاً یہ کہ اگر میرا فلاں کام بن گیا تو میں دین توحید قبول کر لوں گا شریعت میں معتبر نہیں۔ ظَنُّوْا ...... الشّٰكِرِيْنَ۔ علامہ آلوسیؒ بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر کچھ دُور تک اپنی ملت کے حالِ زار پر نوحہ وماتم کیا ہے کہ مشرکین تک ایسے موقع پر خدائے واحد وقدوس کو پکارنے لگتے ہیں لیکن ہم لوگوں میں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے، کوئی فلاں شیخ کے نام کی دہائی دینے لگتا ہے سو خدا کے لئے فیصلہ کیجئے کہ ہم اس لحاظ سے مشرکوں سے بھی ابتر ہو چکے ہیں یا نہیں۔ فالله تعالیٰ علیٰ امثال هؤلاء المتعصبین من ذوی الحمیة الجاهلیة انه لا سبیل الی النجاة من اهل الباطل (روح) ہمارے ملک کے "یا غوث"، اور "یا خواجہ"، کی صدائیں لگانے والے اور "یا علی مشکل کشا"، کا نعرہ لگانے والے ذرا اپنے اپنے انجام پر غور کر لیں۔ منقول ہے کہ کسی نے حضرت جعفر صادقؒ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ پروردگارِ عالم کی بابت کچھ مجھے ارشاد فرمائیے، آپ نے کہا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ تجارت بحری میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، تم اس کا کچھ حال بیان کرو، اُس نے کہا کہ ایک بار میری کشتی عین دریا میں ٹوٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا بہا جا رہا تھا کہ ہوائے تند وتیز کا تھپیڑا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ اس وقت تمہارے دل میں خشوع وشکستگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ اُس نے کہا، بیشک، آپ نے فرمایا کہ جس کی طرف تمہاری تضرع وشکستگی نے رُخ کیا تھا بس وہی تو پروردگارِ عالم ہے۔ (کبیر)

۴۰ (اور اپنے اس وعدہ واقرار کو بھول بھال کر پھر شرک وفساد میں لگ جاتے ہیں) بِغَيْرِ الْحَقِّ کی قید اس لئے ہے کہ ان لوگوں کی یہ زیادتی اور سرکشی خود اُن کے ضمیر میں وہ اُن کے معیار سے بھی جُرم تھی۔

۴۱ یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ کفر ومعصیت کے ساتھ دنیا میں جو عیش وکامرانی جمع ہو سکتی ہے وہ محض چند روزہ ہے اس کی دائمی سزا آخرت میں بھگتنا ہے۔

۳۲ لے (اور ایک گروہ اُن میں کا شرک میں مبتلا ہو گیا) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً - یعنی ابتداءً سب کے سب موحّد تھے۔ قرآن اِن کھلے ہوئے الفاظ میں دین میں "ارتقاء" کی قطعی تردید کر رہا ہے۔ ابتداءً صرف دین توحید ہی تھا۔ اس کے بعد ارتقاء کے نہیں، انحطاط کے اثر سے شرک اور بُت پرستی کی مختلف صورتیں ظہور میں آنے لگیں۔ چنانچہ اب جدید ترین ماہرین علم الاصنام و ماہرین اثریات پروفیسر (SCHMIDT) (اشمٹ)، پروفیسر (LANGDEN) (لینگڈن) سر چارلس مارسٹن وغیرہ سب تسلیم کر رہے ہیں۔ اور "ارتقاء عقیدۂ توحید" کا وہ نظریہ جو انیسویں صدی کے آخر میں بہ طور فیشن کے چلا ہُوا تھا علمی دنیا میں اب خود ہی متروک ہو گیا ہے۔ ۳۳ یعنی عذاب موعود جو عملی فیصلہ ہے اسی دنیا میں نازل ہو گیا ہوتا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ کلمہ سے مُراد یہ وعدہ یا حکم ہے کہ پورے عذاب کے لئے انہیں مہلت آخرت تک کی ملے گی۔ اشارة الى القضاء والقدر ... فيما سبق في حكمه ... الكلمة ... و التقدير لبنى آدم بالآجال الموقتة (بحر)

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً
اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ۳۲، اور انسان تو ایک ہی طریقہ پر تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا
وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ٹھیر چکی ہوتی تو اُن کے درمیان اس
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ
باب میں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ۳۳ اور یہ کہتے ہیں کہ ان پر اُن کے
اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ
پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں نازل ہوتا ۳۴ سو آپ کہہ دیجئے کہ غیب (کی خبر) تو بس اللہ
فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ⑳ وَاِذَآ اَذَقْنَا
ہی کو ہے، سو انتظار کرو میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۳۵ اور جب ہم (ناشکر) لوگوں
النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ
کو بعد اس کے کہ اُن پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو، اپنی رحمت کا مزا دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ "لوگ" ہماری
فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا
نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتے ہیں ۳۶، آپ کہہ دیجئے اللہ چالوں میں اُن سے بھی بڑھا ہوا ہے، یقیناً جو
تَمْكُرُوْنَ ㉑ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى
چالیں تم چل رہے ہو ہمارے قاصد انہیں لکھتے جا رہے ہیں ۳۷، وہ وہی (اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لئے لئے پھرتا ہے، چنانچہ
اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا
جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش

ع ۲ / ۱۰ / ۷

۳۴ (ہمارے فرمایشی نشانوں اور معجزات میں سے) پیمبر کی زندگی تو سرتا پا معجزہ ہی ہوتی ہے اُس کی ایک ایک بات سے خدائی روح ٹپکتی رہتی اور قدم قدم پر اُس کے اور عام مخلوق کے درمیان فرق نمایاں رہتا ہے۔ ع۔ رُوئے و آواز پیمبر معجزہ ست
لیکن یہ سب صرف اہل بصیرت کے لئے ہے۔ باقی معاندین، جہلاء، ہر زمانہ میں مخصوص فرمایشیں کر کر کے فلاں فلاں متعین مادّی معجزات کی طلب کرتے رہے ہیں، فلاں پہاڑ سونے کا ہو جائے، فلاں فلاں کھانوں کا خوان آسمان سے نازل ہو جائے، آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ وقس علٰی ہذا۔ چنانچہ یہاں بھی اٰیة سے مُراد اسی قسم کے متعین فرمایشی معجزات ہیں۔ اى من الآيات التى اقترحوها (بیضاوی) يَقُوْلُوْنَ - یہ طلب ہی تحقیق حق کی راہ سے نہیں۔ عناد و تعریض کے طور پر تھی۔ ورنہ اگر دل میں ذرا بھی طلب صحیح ہوتی تو سیرت مصطفوی کا تو ایک ایک جزئیہ معجزہ تھا، ہر دوسرے اور خارجی معجزہ سے مستغنی کر دینے والا۔ ولعمرى للمنصف الاستغناء عن كل آية غيره عليه الصلوٰة والسلام فانه الآية الكبرى ومن رآه وسيرا حواله لم يكد يشك فى انه رسول الله صلعم (روح) ۳۵ پیمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بشریت و عبدیت پر یہ کیسے کھُلے کھُلے نصوص موجود ہیں اور حیرت ہے کہ ایک گروہ ان تک کو پس پشت ڈالے رکھنے کی جرأت رکھتا ہے! پیمبر کو صاف صاف یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میرا دخل کسی معجزہ کے وقوع و عدم وقوع میں بالکل نہیں۔ ظہور معجزات تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، پردۂ غیب سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے۔ جہاں تم وہیں میں ہوں۔ انتظار کرنے میں ہم سب شریک۔ ۳۶ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ وہ تسکین تو کسی معجزہ، کسی نشان، کسی آیت سے بھی نہیں حاصل کرتے اور تسکین تو انہیں مقصود ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادّی توجیہ و تاویل پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ اور اُس پر اعتراض کر، چٹ دوسرے معجزہ کی فرمایش شروع کر دیتے ہیں۔ مَكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا - یعنی آیاتِ الٰہی میں طرح طرح کی تاویلیں اور توجیہیں۔ سمّى تكذيبهم بآيات الله مكرا ... (روح) ... الرحمة سببا ... النَّاسَ سے مُراد اس سیاق میں دنیا کی کافر آبادی ہے۔ الناس عام لجميع الكفار (روح) رَحْمَةً - صحت و عافیت، جاہ و ثروت یہ سب اسی رحمت کی فردیں ہیں۔ ۳۷ (اور وقت معیّن پر انہیں پُوری پوری سزائیں مل کر رہیں گی) رُسُلَنَا۔ رُسُل یہاں فرشتوں کے لئے ہے۔ اى الرسل الحفظة (ترجمہ) اَللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا - یعنی اللہ نہ ان کی کوئی تدبیر چلنے دے گا، نہ انہیں کوئی موقع بچاؤ کا دے گا اور جلد سے جلد ان کی چالوں کا توڑ کر دیگا۔ ... عربی کے قاعدۂ مشاکلت کا ذکر دیباچہ تفسیر میں آ چکا ہے۔ مکر کا لفظ اللہ کے سلسلہ میں بہ قاعدۂ مشاکلت ہی آیا ہے۔ مکر پر حاشیہ واللہ خیر الماکرین کے تحت میں پ۳ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ ... مشاکلة (روح)

ف۲۹ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا تصریحی اعادہ ہے کہ رسول اللہ صلعم صرف حامل شریعت ہیں، بانی شریعت نہیں۔ احکام الٰہی کا اتباع آپ پر بھی اُسی درجہ میں ضروری تھا جتنا کسی اور فرد بشر پر۔ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۔ یعنی تمہاری اس فرمائشی ترمیم پر عمل کرنا میری بساط سے باہر ہے۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بدعت حرام ہے۔ دین میں نئی بات پیدا کرنے کا حق جب پیغمبر معصوم تک کو حاصل نہ ہو سکا تو کسی غیر معصوم کو کب اس کا حوصلہ ہو سکتا ہے —— اور علماء حق نے یہ جو لکھا ہے کہ سنت بعض حالات میں قرآن کی ناسخ ہو جاتی ہے سو "نسخ" سے اُن کی مُراد ترمیم و تبدیل ہرگز نہیں کہ یہ تو بالاتفاق حرام ہے۔ "نسخ" سے اُن کی اصطلاح میں مُراد صرف اس قدر ہے کہ قرآن میں جو حکم مجمل تھا سنت نے اس کی تفصیل کر دی۔ اور جس باب میں اجمال تھا اُس کی تصریح کر دی۔ یا یہ کہ جو حکم موقت تھا اور اُس کا موقت ہونا ابہام پر مخفی تھا، اُسے واضح کر دیا۔ اور پھر جو سنت کسی معنیٰ میں بھی قرآن کو "نسخ" کرتی ہے وہ بھی رسولؐ کی اپنی رائے و فہم کا نتیجہ نہیں ہوتی

بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۚ
اسی میں ترمیم کردو، آپ کہدیجئے میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کروں میں تو بس اسی کی
إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ
پیروی کروں گا جو میرے پاس وحی سے پہنچتا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں
رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ١٥ قُل لَّوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا تَلَوْتُهُۥ
یومِ عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں ف۲۹ آپ کہدیجئے کہ اگر اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو میں نہ
عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرَىٰكُم بِهِۦ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن
تم کو یہ کلام پڑھ کر سنا سکتا اور نہ (اللہ) تم کو اس کی اطلاع کرتا، اور پھر میں تو تمہارے درمیان اس کے قبل
قَبْلِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ١٦ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى
بھی اتنے حصۂ عمر تک رہ چکا ہوں کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۳۰، اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو
ٱللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِـَٔايَٰتِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْمُجْرِمُونَ ١٧ وَ
اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے، یقیناً مجرموں کو فلاح نہیں ہوتی ف۳۱، یہ
يَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ
اللہ کے سوا (ایسی چیزوں کی) عبادت کرتے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور
وَيَقُولُونَ هَٰٓؤُلَآءِ شُفَعَٰٓؤُنَا عِندَ ٱللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّـُٔونَ
کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی
ٱللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِي ٱلْأَرْضِ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ
چیز کی خبر دیتے ہو جو (اللہ کو) معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ف۳۲ وہ پاک

بلکہ وہ بھی وحی الٰہی ہی ہوتی ہے۔ ان نسخ القران لا یجوز عندنا الا بسنۃ ہی وحی من قبل اللہ تعالیٰ باللہ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی فنسخ حکم القران بالسنۃ انما ھو نسخ بوحی اللہ لا من قبل النبی صلعم (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی حاکم یا قاضی کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی رعایت سے یا نفع کی خاطر کسی شرعی حکم کو متروک اور مسکوت عنہ قرار دے دے۔ البتہ فتنہ اور خوفِ حاکم سے سکوت کی گنجائش نکالی ہے۔ پیر پرستی بلکہ پیر زادگی پرستی میں مبتلا حضرات غور کریں کہ معاذ اللہ رسول معصوم تک امکان عذابِ آخرت سے خائف ہو رہے ہیں۔ ایسے حال میں کسی شیخ یا کسی شیخ کی اولاد کو بہر حال مامون و محفوظ سمجھتے رہنا تعلیماتِ اسلام پر کیسا ظلم صریح ہے!

ف۳۰ "روشن خیالان" عرب کی اسی فرمائشی ترمیم کے جواب میں رسول اللہ صلعم کے جواب کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ (۱) اپنی عمر کے ۴۰-۴۵ سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزار چکا ہوں۔ میرے تدین، راستبازی، صداقت شعاری پر تم سب گواہ ہو۔ کبھی کسی خفیف معاملہ میں بھی کذب و افترا سے مجھے کام لیتے تم نے دیکھا یا سُنا ہے؟ پھر جب یہ نہیں، تو اتنے بڑے افترا کی کہ اپنے کلام کو خدا کا کلام کہہ کر پکاروں، آخر مجھے جرأت ہو ہی کیونکر سکتی ہے؟ تمہاری عقلیں اس احتمال ہی کو کیسے تسلیم کر رہی ہیں؟ (۲) تمہارے درمیان اپنی عمر کا اتنا بڑا حصہ میں گزار چکا۔ میری ایک ایک خُو بُو سے تم واقف ہو چکے۔ میری بولی، میرے اندازِ کلام کو تم خوب اچھی طرح جان چکے، پہچان چکے۔ تمہیں قرآن میں اور میرے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟ میں چاہوں بھی تو قرآن جیسے ممتنع النظیر کلام پر کب قادر ہو سکتا ہوں؟ اب تک میرا کوئی کلام اس ٹکر کا جب نہ ہوا، تو آج کیسے ہوا جا رہا ہے؟ قرآن کا یہ استدلال اپنے کلام الٰہی ہونے پر پُورا وزن دار اُس وقت بھی تھا۔ پھر جس وقت سے احادیثِ رسول مدوّن ہو گئیں اُس وقت سے تو اس دلیل میں اور زیادہ جان پڑ گئی ہے حدیثوں کے چھوٹے بڑے مجموعے ایک دو کی نہیں، بیسیوں کی تعداد میں آج سے نہیں صدیوں سے شائع چلے آ رہے ہیں۔ کیا عقل کے اندھوں کو اتنا نظر نہیں آتا کہ جو زبان بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی ہے وہ قرآن کی ہے یا ہو سکتی ہے؟ —— زبان، انداز بیان، اسلوب کلام، نوعیت تراکیب کا اتنا نمایاں و واضح فرق بھی کیا شام، مصر، فلسطین، عراق وغیرہ کے اہل زبان یہود اور نصرانیوں کو نہیں سجھائی دیتا؟ اَدْرٰىكُمْ میں ضمیر فاعلی حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ ای ولا اعلمکم اللہ تعالیٰ بعض نے رسول کی طرف بھی سمجھی ہے۔ مقصد دلّل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

ف۳۱ یہاں یہ بتایا کہ اپنے دل کی گڑھی ہوئی چیزوں کو وحی الٰہی قرار دے دینا اور آئی ہوئی وحی الٰہی کی تکذیب دونوں یکساں اور شدید ترین جرائم ہیں اور فلاح ایسے مجرموں کے نصیب میں نہیں۔

ف۳۲ اس آیت میں تمام مشرک قوموں کے معبودانِ باطل کی بے حقیقتی بیان کی ہے اور ان کا یہ جھوٹا عذر بھی کہ ہم ان دیویوں دیوتاؤں کو کچھ مستقلاً متصرف فی الکائنات اور خدا تھوڑے ہی مانتے ہیں ہم تو ان کی حیثیت مستقل شفیع کی مانتے ہیں۔ عرب کے مشرکین کی طرح یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے۔ مسیح پرستی کے سلسلہ میں تو کُھلا ہُوا اور سب کا اور اولیاء پرستی کے سلسلہ میں اُن کے فرقہ کیتھولک کا۔ اولیاء کو وہ شفعاء ہی ٹھیراتے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے اہل بدعات کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے کہ اگر قبور اکابر کی تعظیم مفرط کی جائے گی تو یہ اکابر صالحین اپنے پرستاروں کے حق میں شافع و شفیع بن جائیں گے۔ اور ہر طرح عذاب الٰہی سے اُن کے آڑے آ جائیں گے اور یہ بلا اس اُمت پر آج سے نہیں کم از کم امام رازیؒ (متوفی ۶۰۶ ہجری) کے زمانہ سے تو ضرور مسلط ہے۔ (وضع هؤلاء الكفار ... اشتغل اکثر الخلق بتعظیم قبور الاکابر ... یکونون شفعاء لهم عند اللہ) اور ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ کے علم میں نہیں تو اس کا وجود ہی باطل ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ کے حدود علم سے خارج کون سی چیز ہے؟ آیا "معبودوں" کا شفیع ہونا یا ہر شفیع کے لئے مرتبۂ معبودیت کا لزوم؟ جواب یہ ہے کہ دونوں۔ استدلال مشرکین کے صغریٰ و کبریٰ دونوں ہی مہمل تھے۔

طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَ اِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا
سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں[۲۲]، اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے
لِجَنۡۢبِہٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنۡ
لیٹے بھی اور بیٹھے بھی اور کھڑے بھی[۲۳] پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں
لَّمۡ یَدۡعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلۡمُسۡرِفِیۡنَ
تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اسے پہنچی ہے اسکے لئے ہمکو پکارا ہی نہ تھا[۲۴] اسی طرح فضول کاروں
مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدۡ اَہۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ
کو انکے اعمال خوشنما کر دکھائے جاتے ہیں[۲۵]، اور بالیقین ہم تم سے قبل بہت سی نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں
لَمَّا ظَلَمُوۡا ۙ وَ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ مَا کَانُوۡا
جبکہ انہوں نے ظلم کیا درآنحالیکہ ان کے پاس انکے پیمبر کھلے دلائل کے ساتھ آتے رہے اور وہ ایسے تھے
لِیُؤۡمِنُوۡا ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰکُمۡ
ہی نہیں کہ ایمان لے آتے ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو[۲۶] پھر ہم نے ان کے
خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لِنَنۡظُرَ کَیۡفَ
بعد تمہیں زمین پر نائب کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ
عمل کرتے ہو[۲۷] اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو
الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ ہٰذَاۤ اَوۡ
ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے کہنے لگتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ[۲۸] یا

۲۲ (کہ فوراً عذاب لے آنا حکمت تکوینی کے منافی ہے)

۲۳ یعنی ہر حال میں اور ہر وضع کے ساتھ ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ شدت اضطراب و اضطرار میں ناشکرا انسان بھی توجہ الی اللہ میں لگ جاتا ہے۔ اَلۡاِنۡسَانَ ۔ انسان سے یہاں مراد ناشکرا کافر انسان ہے۔ قیل المراد بالانسان الکافر (قرطبی)

۲۴ یعنی ادھر مصیبتیں دور ہوئیں، ادھر غافل انسان پھر غفلتوں کا شکار ہو گیا۔ انما اراد جمیع حالاتہ (قرطبی) ای فی حال انجاعہ و قعودہ و قیامہ و فی جمیع احوالہ (ابن کثیر)

۲۵ عارفین نے اسی لئے ہمیشہ بڑے تضرع و ابتہال کے ساتھ دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہم کو حق ہمیشہ حق ہی کی صورت میں اور باطل ہمیشہ باطل ہی کی شکل میں دکھا۔ آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ!

۲۶ (بوجہ اپنی غایت قساوت قلب و عناد کے) مراد یہ ہے کہ جب بعثت رسل اور ان کافروں کی طرف سے ان کی تکذیب کے بعد حجت ان پر پوری طرح ثابت ہو چکی تھی تو اب مزید تاخیر و امہال سے کوئی نتیجہ ہی نہ تھا۔ لَمَّا ظَلَمُوۡا ۔ اس ظلم کے تحت میں کفر و شرک کے جملہ اقسام آ گئے۔ نیز حدود شرعی سے تجاوز اور بدنی و مالی حق تلفیاں۔ بِالۡبَیِّنٰتِ ۔ اس میں اللہ کی توحید اور پیمبروں کی صداقت پر ہر قسم کے دلائل اور معجزات وغیرہا آ گئے۔ لِیُؤۡمِنُوۡا ۔ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔ واللام لتاکید النفی (بیضاوی)

۲۷ یعنی آیا ویسے ہی کفر و شرک میں لگے رہتے ہو یا ایمان لے آتے ہو۔ لِنَنۡظُرَ ۔ یعنی ظاہری طور پر بھی تمہاری جانچ کر لیں۔

۲۸ (کہ ہمارے مسلک کے خلاف اس میں کوئی مضمون باقی نہ رہے) ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ ہٰذَاۤ ۔ مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم تھے۔ آپؐ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے "روشن خیال" جاہلیت فرنگ کے "روشن خیالوں"، کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے اور اس لئے قدرۃً فرمائش بھی آپؐ ہی سے کرتے تھے کہ یا تو اپنی کوئی دوسری تصنیف سنائیے یا کم از کم اسی تصنیف میں ہمارے نقطۂ نظر سے مناسب کانٹ چھانٹ کر دیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
بیشک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا کھٹکا ہی نہیں [13] اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے [14]
وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُونَ ۝٧
اور اسی سے جی لگا بیٹھے ہیں [15] اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے (بالکل) بے پروا رہتے ہیں [16]
أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝٨ إِنَّ الَّذِينَ
یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بسبب اس کے جسے وہ کرتے دھرتے رہے، بیشک جو لوگ ایمان
اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمٰنِهِمْ
لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ان کا پروردگار انہیں پہنچا دیگا (ان کی منزل تک) بوجہ انکے
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ۝٩
ایمان کے ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی عیش (ومسرت) کے باغوں میں [17]
دَعْوٰىهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ
اسی میں ان کا قول ہوگا، پاک ہے تو اے اللہ [18] اس میں ان کی (باہمی) دعا "سلام" ہوگی [19]
وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝١٠ وَلَوْ
اور ان کی آخری بات ہوگی کہ ساری تعریف اللہ پروردگار عالمین کے لئے ہے [20] اور اگر
يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجٰلَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ
اللہ لوگوں پر برائی واضح کر دیا کرتا جس طرح وہ بھلائی کی جلدی مچاتے ہیں تو ان کی میعاد کبھی کی
إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي
پوری ہو چکی ہوتی [21] لیکن ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں ان کی

ع

۱۳ یا "جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں"۔ رجاء لغات اضداد میں سے ہے، اس کے معنی "اندیشہ"، اور "امید"، دونوں کے ہیں۔ اور مطلق توقع کے بھی ~~[illegible]~~ ~~یطلق علی توقع الخیر وعلی الخوف وتوقع الشر وعلی مطلق التوقع~~ (ح) بہرحال آخرت سے غفلت ہر صورت میں مشترک ہے، اور انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ عموماً یہی آخرت سے غفلت ہی ہوتی ہے۔ ۱۴ (اور اس لئے آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے، اسی دنیوی زندگی میں مگن ہیں) گمراہی کی یہ دوسری منزل ہوئی۔ ۱۵ (اور مادی زندگی پر شاد و شادمان ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل ہی بے پروا ہو بیٹھے ہیں) گمراہی کی یہ تیسری منزل ہوئی۔ پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ نعمت آخرت کی تمنا و طلب دل سے مٹ جاتی ہے اور پھر یہ ہو جاتا ہے کہ اپنے انجام وفنا کی طرف بھی خیال نہیں جاتا۔ اسی دنیوی زندگی کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ایسا انہماک ہو جاتا ہے۔ کہ "ادھر"، کی کھٹک کبھی بھی نہیں پیدا ہوتی۔

۱۶ یعنی روزمرہ کی غفلت و بے حسی، بے پروائی کے علاوہ ایسی نشانیاں جو خاص طور پر چونکا دینے والی ہوتی ہیں مثلاً قحط، زلزلہ، وبا، جنگ عمومی، ناگہانی مالی و جانی صدمات، یہ تک بھی انہیں بیدار نہیں کرتے۔ اور یہ بدستور فکر آخرت کی طرف سے بے پرواہی رہتے ہیں— شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ چوتھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے! اور افسوس ہے کہ ذکر و فکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز و سامان اور مادی علوم و فنون و صنائع کی طرف یہی انہماک اور شدت التفات تہذیب فرنگی کا جزء اعظم ہیں! "مہذب"، اور "اعلیٰ" سوسائٹی میں دوزخ و جنت برزخ اور وقت نزع کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آنے پائے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

۱۷ جنت تک اصلی رہنمائی کرنے والی شئے ایمان ہے نقطۂ آغاز یہی ہے۔ اعمال صالحہ اس میں صرف معین ہو جاتے ہیں اسی لئے یھدیھم کے ساتھ ذکر صرف ایمان کا کیا گیا یَهْدِيهِمْ۔ انہیں پہنچا دیگا ان کی منزل تک اور خود منزل سے مراد جنت ہے۔ ~~یھدیھم بجب ایمانھم الی مأواھم ومقصدھم وھی الجنۃ~~ (روح) ~~قال ابو روق یھدیھم ربھم بایمانھم الی الجنۃ~~ (قرطبی)

۱۸ یہ نعرہ بے اختیار اُس وقت زبانوں پر آئیگا جب وہ عجائبات جنت کا دفعۃً معائنہ کریں گے (حسب تفسیر تھانویؒ) ۱۹ یہ اُس وقت جب وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے، ملیں گے اور باہم مخاطب ہونگے۔ (حسب تفسیر تھانویؒ) ~~ای یحیی بعضھم بعضا بالسلام~~ (معالم)

۲۰ یہ اُس وقت جب وہ اطمینان سے وہاں بیٹھ لیں گے، اور دنیا کی فانی لذتوں کا مقابلہ وہاں کے دائمی عیش و سرور سے کریں گے۔ (حسب تفسیر تھانویؒ) دَعْوٰىهُمْ۔ دعویٰ یہاں دونوں موقعوں پر دُعا، یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ~~دعواھم ای دعاؤھم~~ (معالم) آیت سے معلوم ہوا کہ خالق کی تسبیح اور خلق کے سلام سے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ اور آخر میں منزل ادائے شکر کی آتی ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں ذکر و عبادت بطور شعار و عادت ہوگا۔ تکلیف و جہد کا وجود نہیں۔ ورنہ صبر و مشقت کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ بعض صوفیہ عارفین نے آخر دعوٰھم سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ عاشقان صادق کے لئے آخرت میں حجاب لذات بھی حائل نہ ہوگا۔ ۲۱ (اور یہ کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے) وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجٰلَهُمْ بِالْخَيْرِ۔ مشرکین مکہ نے کہا یہی اگر سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ جواب ملتا ہے کہ اگر کہیں اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ عذاب کے باب میں بھی اسی عجلت کا ہوتا جس کی توقع یہ باب رحمت میں رکھتے ہیں تو اب تک ان کا قلع قمع ہی ہو گیا ہوتا۔ ~~[illegible]~~ بِالْخَيْرِ۔ یعنی جس طرح کی عجلت وہ ثواب و رحمت کے موقع پر چاہتے ہیں یا جس طرح خیر و رحمت کے موقع دعا پر حق تعالیٰ کا دستور ہے۔ ~~[illegible]~~ (قرطبی)
~~[illegible]~~ (ابن کثیر)

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ③ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ
کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۵۷ تم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا
حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ
ہے، بیشک اسی نے خلق کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہی اس کو دہرائیگا، تاکہ انصاف کے ساتھ ان لوگوں
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ۵۸ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا
پینے کو کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے بہ سبب اس کے کہ کفر
يَكْفُرُونَ ④ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ
کرتے رہتے تھے، وہ (اللہ) وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن ۵۹
نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ
اور اس کے لئے منزلیں مقرر کردیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو ۶۰
مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
اللہ نے یہ (چیزیں) بے مقصد نہیں پیدا کی ہیں وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے، ان لوگوں کے
يَعْلَمُونَ ⑤ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ
لئے جو علم رکھتے ہیں۶۱ بیشک رات اور دن کے الٹ پلٹ میں اور اللہ نے جو کچھ
اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ⑥
آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان (سب) میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو (اللہ سے) ڈرتے رہتے ہیں۶۲

۵۷ (اور اب تک اپنی مشرکانہ گمراہیوں پر مُصِر ہو) ۵۸ انصاف سے جزا دینے کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو اجر و انعام موعود ہے، اُس میں کمی ذرا بھی نہ کرے اور اُس سے زاید اپنے فضل و کرم سے جتنا چاہے عطا کردے۔ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ - اِبتداء میں یہ بات بھی آگئی کہ خلق کی پیدائش عدم محض سے ہوئی ہے کسی مادہ وغیرہ سے نہیں، جیساکہ بعض مشرک فرقے اب تک سمجھ رہے ہیں۔ ۵۹ یہاں یہ بتادیا کہ آفتاب میں ضیاء اور چاند میں نُور رکھنا سب اُسی قادرِ مطلق حکیم علی الاطلاق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرامِ فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کرلی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور اب تک ہے۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر انگریزی کے حاشیے ملاحظہ ہوں۔ ضِيَاءً - وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نُورًا - وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو۔ اس کا انعکاس ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک اُمّی ﷺ کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لاکر جدید سائنس کے اس بیان پر مُہرِ تصدیق لگادی کہ چاند بذاتِ خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سُورج کے عکس سے ہے۔ ۶۰ یہاں یہ حقیقت ظاہر کردی کہ اللہ نے ان اجرامِ فلکی کو خود انسان کی خدمت و راحت و نفع رسانی کے لئے پیدا کیا ہے تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ اُلٹی انہی کی پُوجا شروع کردیتا ہے! قَدَّرَهُ - ضمیر مذکر قمر کی جانب ہے یعنی چاند کی چال کے لئے منزلیں مقرر کردی ہیں۔ مَنَازِلَ - منزل سے مُراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب و روز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ - کو قَدَّرَهُ سے متعلق رکھنے سے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت و زمانہ کا حساب کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔ ۶۱ (اور ہر چیز سے معرفت حاصل کرتے رہتے ہیں) إِلَّا بِالْحَقِّ - کل مقاصد و مصالح تو خدا معلوم کتنے ہوں گے۔ سب سے بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے قوانین کی یک رنگی اور اُن کے ضوابط کا نظام دیکھ کر توحیدِ باری اور رَدِّ شرک پر استدلال کرے۔ ~~اے ما اراد الله بخلق ذلك الا الحكمة والصواب واظهار الصنعة وحكمته ودلالة على قدرته (قرطبی)~~ ۶۲ (اور بُرائیوں سے بچتے رہتے ہیں) لَآيَاتٍ - اور سب سے بڑا نشان ہے مخلوقات کے عاجز، فانی اور محکوم ہونے پر اور اللہ کی صنعت، قدرت، تصرف و حکومت پر استدلال۔ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ - یہ دلائل ہیں تو ساری ہی خلقت کے لئے۔ لیکن ان سے نفع یاب وہی ہوں گے جو اہلِ تقویٰ ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ آیت اگر آیت ماقبل کے ساتھ ملاکر پڑھی جائے تو اس سے ہیئت، حساب اور دیگر علوم طبعیات کے سیکھنے کا جواز ثابت ہوگا۔ لیکن قیدِ اتقاء نے ان تمام علوم کو اصلاحِ معاد و معاش تک بہ شرط اتباعِ شریعت محدود کردیا ہے۔

ل ۱ (اور اس لئے ہرطرح واجب الاحترام ہیں) الٓرٰ حروف مقطعات پر حاشیہ آغاز پارہ الٓمٓ میں گزر چکا۔ الٓرٰ کو یہاں ابن عباس صحابیؓ اور ضحاک تابعی نے انا اللّٰہ اریٰ کا مخفف قرار دیا ہے۔ (ابن جریر) اَلْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ یعنی ایسی کتاب جو پختہ اور سچی اپنے الفاظ و معانی، علوم و احکام، اخبار و قصص، ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ہے اور ہر طرح کلام الٰہی مانے جانے کے قابل ہے۔ حکیم محکم کے معنی میں ہے جیسے الیم مؤلم کے معنی میں آتا ہے۔ ~~ومعنی الحکیم فی ھذا الموضع المحکم صرف مفعیل الی فعیل کما قیل عذاب الیم بمعنی مؤلم (ابن جریر)~~ تِلْکَ یہاں ھٰذا کے مرادف ہے اور اٰیات سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں۔ ذٰلِکَ پر جو حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ ~~واولی التاویلین فی ذالک بالصواب تاویل من تاولہ ھذہ اٰیات القرآن ووجہ معنی تلک الی معنی ھذہ (ابن جریر)~~ ~~قال الضحاک وغیرہ ای ھذہ اٰیات القرآن المحکم المبین (ابن کثیر)~~ ل ۲ دنیا، شرک پسند دنیا دیوی دیوتاؤں کو تو مان لیتی ہے، اوتار اور مظہر ربانی کے عقیدہ کو بھی بہ آسانی قبول کر لیتی ہے لیکن بشر کا بشر رہ کر رسول ہو جانا یہ کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا —— قرآن مجید کہتا ہے کہ اُن کا اس عقیدہ پر حیرت کرنا یہ خود بڑی حیرت کی بات ہے۔ لِلنَّاسِ۔ الناس سے مراد دنیا کی اکثریت ہے جو اوہام مشرکانہ میں گرفتار ہے مفسرین نے کفار عرب مراد لی ہے ~~المراد بالناس کفار العرب~~ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ یعنی محمد صلعم کے پاس —— محض ایک شخص کے پاس، ایک مرد کے پاس! —— جاہلی دماغ انسان کو خدا مان لے گا، خدا کا بیٹا مان لے گا، خدا کا اوتار مان لیگا لیکن نہ مانے گا تو انسان کو رسولِ خدا! ~~ای الی بشر من جنسھم (ای تعجبوا من ان یجعل اللّٰہ بشرا رسولا کبیر)~~ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا۔ پیمبر کے اصلی فرائض یہی دو ہیں۔ ایک انذار دوسرے تبشیر۔ قَدَمَ صِدْقٍ۔ یعنی درجۂ عالی۔ ~~قال الزجاج درجۃ عالیۃ منزلۃ رفیعۃ (کبیر)~~ ل ۳ مشرکین عرب اپنے سے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیمبر کے پیام کی اعجازی کیفیت و تاثیر کو بس سحر ہی پر محمول کر سکتے اور یہی کرتے۔ اور آج جاہلیت جدیدہ کے علمبردار بڑے بڑے "دانایانِ فرنگ" بھی اس کے سوا کیا کر رہے ہیں۔ حیرت انگیز، محیر العقول محمدیؐ کامیابیوں اور فتح مندیوں سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے بس تعبیر یہ کرنے لگتے ہیں کہ (نعوذ باللّٰہ) ساری اسکیمیں کسی بڑے "چالاک دماغ" کا نتیجہ تھیں۔ ل ۴ سورۂ یونس مکی ہے۔ اب تک سورتیں (زیادہ تر) مدنی تھیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، جہاد، میراث، نکاح، طلاق وغیرہ احکام فقہی و تفصیلاتِ شریعت سے لبریز۔ اب اس سورۃ میں عام مکی سورتوں کی طرح بیان عقائد ہی کا شرح و تفصیل کے ساتھ ہوگا، توحید، رسالت، معاد وغیرہ، آیت میں متعدد صفاتِ الٰہی کا اثبات کیا جا رہا ہے، مثلاً یہ کہ وہی خالق ہے، ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی حاکم و آمر ہے، زمین و آسمان سب کہیں احکام اُسی کے جاری و ساری ہیں۔ رَبُّکُمْ۔ رب پر حاشیہ سورۂ فاتحہ رب العالمین کے تحت میں گذر چکا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللّٰہ سب کا حاکم و خالق ہی نہیں، سب کو تربیت دینے والا، سب کو پستی سے بلندی تک، ضعف سے کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعُ اٰيَاتٍ فِيْ اَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ یونس مکی ہے اور اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بڑے رحم کرنے والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا

الف، لام، را، یہ پُر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں ل ۱ کیا لوگوں کو اس پر حیرت ہے کہ

اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ

ہم نے انہی میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ

آئیں انکو خوشخبری سنائیے کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اونچا مرتبہ ہے ل ۲

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ

کافر کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو کھلا ہوا جادوگر ہے ل ۳ بے شک تمہارا پروردگار

اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ

پھر وہ عرش (حکومت) پر مستوی ہوا (ہر) کام کی تدبیر (وہی) کرتا ہے ل ۵ کوئی سفارش کرنے

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ

والا نہیں ہے مگر ہاں بعد اُس کی اجازت کے ل ۵ یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار، سو اسی کی عبادت کرو ل ۶

منزل ۳

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس میں دوہرے دوہرے مشرکانہ مغالطوں کی تردید ہے۔ پہلی بات تو یہ کہی کہ یہ آسمان و زمین خود آفریدہ نہیں، مخلوق ہیں کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں، خود بخود نہیں آ گئے ہیں، دوسری بات یہ بتا دی کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں۔ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ یوم پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ یوم سے مراد ۲۴ گھنٹہ والا دن نہیں۔ ذکر وقت آفرینش عالم کا ہو رہا ہے۔ جب یہ "دن"، "رات"، اور ان کی تقسیم کا وجود ہی کہاں تھا۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ عرش اور استوٰی دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ مراد یہ ہے کہ خالق کل ہونے کے ساتھ حاکمِ کل بھی وہی ہے۔ خلق کے بعد وہ معطل ہو کر نہیں بیٹھ رہا ہے (جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد ہے) بلکہ چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام بھی اُسی کی مشیت کر رہی ہے۔ ~~المصلحۃ بقضیۃ حکمتہ (معالم)~~ ل ۵ یعنی مستقل منصب شفاعت رکھنے والا (MEDIATOR) تو کوئی بھی نہیں۔ ہاں اللہ ہی اپنے جس کسی مقرب و مقبول بندہ کو جس حد تک اور جن حالات میں جس کے لئے چاہے اجازت شفاعت دے دے۔ تو اصل اور مقدم شے شفاعت نہیں۔ بلکہ اذن شفاعت ہوئی۔ اِذن کے لفظ نے پورا یہ مفہوم ادا کر دیا کہ اصل حاکم متصرف و مختار تو بس وہی ہے۔ شفاعت ہونے دینا اور دہونے دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں جاہلی مشرک قوموں کا رد تو خیر ہی ہے، پوری تردید مسیحیت کی بھی آگئی ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کا دارومدار ہی عقیدۂ شفاعت و کفارہ پر ہے۔ عربی شرک میں بھی دیوتاؤں کے شفیع ہونے کا عقیدہ بہت زیادہ گھسا ہوا تھا۔ ل ۶ (اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو) ~~ای وحدوہ واخلصوا لہ العبادۃ (قرطبی)~~

برابر ہوتی رہیں۔ اور جوں جوں وہ شرائط تقویٰ سے ہٹتے گئے، قسمتوں بھی اُن سے کنارہ کرتی گئی۔ ۲۳۴ (اپنی اس ترقی ایمانی کے ادراک سے) مومن کا دل انوار تصدیق و یقین سے لبریز ہوتا ہے ضرور تھا کہ ہر تازہ نزول قرآنی سے اس کے ایمان کی نورانیت، حلاوت و تازگی میں اضافہ ہو ——— پہلے تو وہ اپنے ایمان میں ترقی محسوس کرے اور پھر اپنی اس ترقیِ ایمان کے ادراک سے خوش بھی ہو۔ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ..... اِيْمَانًا۔ منافقین یہ سوال عوام مومنین سے بطور طنز و تعریض کرتے تھے ——— کہ بھلا بتاؤ تو اس نئی سورۃ کے نزول سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟ ——— جواب اس کا کھلا ہوا یہی چاہتے تھے کہ کسی کے نہیں لیکن برعکس اس کے واقعۃً انہیں جواب مومنین کی زبان سے یہ ملتا تھا کہ "ہمارے ایمان میں"۔ ۲۳۵ (کہ پہلے جتنے حصۂ قرآن سے انکار تھا اب اس پر ایک اور حصہ کا اضافہ ہوا) منافق کا دل انکار و نفاق کی گندگی سے پہلے ہی لبریز ہوتا ہے لازمی ہو کہ ہر نئے انکار سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو۔ ۲۳۶ یعنی ان میں سے جو مر چکے وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر رہیں گے وہ کافر مریں گے۔ ۲۳۷ یعنی یہ کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ آیت سے ضمناً حکمت ابتلا پر بھی روشنی پڑ گئی۔ بلائیں اور مصیبتیں تکوینی طور پر تازیانۂ تنبیہی ہوتی ہیں جن کا کام انسان کو اللہ کی طرف لانا ہی ہوتا ہے۔ [illegible] مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ۔ کسی عدد معین کا بیان مقصود نہیں۔ مُراد صرف یہ ہے کہ ایسا بار بار ہوتا رہتا ہے۔ [illegible] يُفْتَنُوْنَ۔ یعنی یہ منافق اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ہر سال انہیں منافقت کی بنا پر آفتوں ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے کبھی یہ کہ ان کی سازشیں کھل گئیں اور انہیں سزا مل کر رہی اور تفضیح جو ہوئی سو الگ کبھی یہ کہ اُن کے حلیف مشرکوں کو شکست ہو گئی اور اُن کے سارے سہارے ٹوٹ گئے۔ [illegible] ۲۳۸ (مجلس نبوی سے) منظر ایسے وقت کا ہے کہ منافقین بھی مجلس نبوی میں حاضر ہیں اور کسی سورت کا نزول رسول اللہ صلعم پر ہوا۔ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ۔ یعنی اُٹھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی مومن تو ہمیں اُٹھتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہے۔ جو رسول اللہ صلعم سے جا لگائے۔ اوپر ذکر منافقین کے تمسخر کا تھا جو وہ اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے، اب ذکر اُن کے اُس تنفر کا ہے جو انہیں مجلس نبوی سے تھا۔ ۲۳۹ یعنی ایسے لوگ جو خود اپنے نفع سے بھاگتے ہیں اور جتنی سمجھ انہیں عطا ہوئی ہے اس سے کام نہیں لیتے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ یعنی یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے، ان کا دل ہی اللہ نے ایمان سے بلکہ ہر خیر و طاعت سے پھیر دیا۔ [illegible] قال ابن عباس عن كل خير و رشد و هدى (کبیر) [illegible] ۲۴۰ یعنی تمہارے دُکھ سے یہ خود دُکھ محسوس کرتے ہیں اور تمہارے

فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اس نے ان کے ایمان میں ترقی دی اور وہ خوش ہو رہے ہیں ۲۳۴ اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ
مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
ہے سو اس (سورت) نے ان کی گندگی میں ایک اور گندگی بڑھا دی ۲۳۵ اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر
اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ
ہی تھے ۲۳۶ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی آفت میں پھنستے ہی رہتے ہیں پھر بھی
لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ
نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ۲۳۷ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک
بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا
دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں ۲۳۸ اللہ نے
صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ
اُن کا دل ہی پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ سمجھ سے کام نہ لینے والے لوگ ہیں ۲۳۹ بیشک تمہارے پاس
رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ
ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری ہی جنس میں سے، جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے انہیں بہت گراں گزرتی ہے تمہاری (بھلائی)
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ
کے حریص ہیں ۲۴۰ ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق ہیں مہربان ہیں ۲۴۱ پھر اگر وہ لوگ روگردانی کرتے رہیں تو آپ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع
کہہ دیجیے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ۲۴۲

ہر نفع کے بڑے آرزومند رہتے ہیں! ——— یہ تھی شفقت رسولِ خدا کی خلقِ خدا کے ساتھ! لَقَدْ جَآءَكُمْ۔ مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ سوال پیدا ہوا ہے کہ کُمْ کی ضمیر جمع مخاطب دونوں جگہ کس کی جانب ہے؟ یعنی رسول اللہ کس کے درمیان آئے ہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ مخاطب عرب ہیں کہ آپ اہلِ عرب کے درمیان بھیجے گئے تھے لیکن قول محقق یہ ہے کہ خطاب ساری نوع انسان سے ہے۔ آپ کی بعثت تنہا عرب کی جانب نہیں، سارے عالم کی جانب تھی۔ [illegible] مشرک قوموں اور مشرک مزاج گروہوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ منصب رسالت پر کوئی بشر کیسے مامور ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بشریت پر بار بار زور دینا اسی عام گمراہی کے رد میں ہے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ الخ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ صفات ہیں جناب رسول اللہ صلعم کے۔ اور چونکہ شیخ مربی بھی رسول ہی کا نائب ہوتا ہے۔ اس لئے یہ صفات شفقت علی الخلق اُس میں بھی ہونے ضروری ہیں۔ ۲۴۱ جب آپ کی شفقت ساری خلق اللہ کے لئے تھی اور آپ کے دل میں درد نوع انسانی کے لئے تھا تو خاص مومنین کے ساتھ آپ کے درجۂ رأفت و کرم اور شفقت و تعلقِ قلب کا کہنا ہی کیا! ۲۴۲ (اور عرش عظیم موجودات میں سب سے اعظم ہے تو جو اس کا مالک ہے، اس کی تحت اور ملک کامل میں اور سارے موجودات عالم کا ہونا بالکل ظاہر ہے [illegible] فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی یہ لوگ یہ سب کچھ جاننے، سمجھنے اور سننے کے بعد بھی اگر انکار پر قائم رہیں۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ۔ یعنی میرا حافظ و ناصر تو وہی مولیٰ حقیقی ہے مجھے تمہارے اعراض و انکار سے ضرر کیا؟ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ یعنی میرا تکیہ اسی ذاتِ عظیم پر ہے، نہ کہ اپنے نفس پر یا کسی اور ذات کے اوپر۔

يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً

نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۲۲۷ اور جو کچھ چھوٹا بڑا خرچ انہوں نے کیا اور

وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ

جو میدان انہوں نے طے کئے یہ سب اُن کے نام لکھا گیا، تاکہ اللہ انہیں اُن کے

اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ

کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے ۲۲۸ اور مومنوں کو نہ چاہیے کہ (آیندہ)

لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

سب کے سب نکل کھڑے ہوں ۲۲۹ یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ

(یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں ۲۳۰ اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ اُن کے پاس

ع ۱۵

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ

واپس آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں ۲۳۱ اے ایمان والو اُن کافروں سے جنگ کرو جو

يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا

تمہارے آس پاس ہیں اور اُن کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیئے ۲۳۲ اور جانے رہو کہ

أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم

اللہ تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۲۳۳ اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا نازل ہوتا ہے تو ان (منافقین)

مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی؟ سو جو لوگ ایمان والے ہیں

---

۲۲۷ (سو اس کے وعدہ میں کسی تخلّف کا احتمال ہی نہیں) ۲۲۸ یعنی ان میں ہی سے ہر عمل پر ان کے نام نیکی لکھ لی گئی۔ اللہ کی راہ میں ہر قدم اُٹھانے کیلئے بے حساب اجر و انعام کا اگر استحضار رہے تو اس کے بعد جہاد و قتال کی سخت سے سخت کلفتوں کے پتھر بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ ۲۲۹ غزوۂ تبوک کی صورت خاص تھی اس کے بعد آیندہ کے لئے مستقل ہدایت ہوگئی کہ سارے مسلمان شہر خالی کر کے ہرگز اکبارگی نہ نکل کھڑے ہوں، بجز اس حال کے کہ امام ہی نفیر عام کا حکم دے دے، اور جہاد ہر فرد پر فرض عین ہو جائے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دینی مہم کا انتظام ایسا کرنا چاہیئے کہ دوسری ضروریات جن میں امر معاش بھی داخل ہے مختل نہ ہونے پائیں۔ ۲۳۰ (تعلیم و تعلّم کے ذریعہ سے) مِن كُلِّ فِرْقَةٍ یعنی شہر کی کُل آبادی سے فرقۃ کا استعمال یہاں گروہ کثیر کے لئے ہُوا ہے۔ [illegible] (مدارک) مِنْهُمْ طَائِفَةٌ۔ طائفہ کا لفظ یہاں چھوٹی جماعت کے لئے آیا ہے اور فرقہ کے مقابل ہے۔ [illegible] (مدارک) فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ۔ یعنی انتظام یہ رہنا چاہیئے کہ آبادی کا ایک حصہ جہاد کے لئے باہر جائے، جنگ اور دوسری فوجی ضروریات (ملٹری ڈیپارٹمنٹ) کے لئے اور دوسرا حصہ عام ملکی و شہری ضروریات (سول ڈیپارٹمنٹ) کے لئے شہر اور ملک ہی میں رہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر قسم کا ساز و سامان تیار اور آدمی ہر قسم کی ہر ضرورت کے لئے مستعد رہنے چاہئیں تاکہ رفاہ خلق صحت نفوس نظم اُمّت و شوکتِ اسلام میں کسی طرح کا فتور نہ پڑنے پائے، سپاہی، اہل قلم، اہل حرفہ، تاجر، کاشتکار وغیرہ سب ہی ملّتِ اسلامی کے ضروری عناصر ہیں۔ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ فقہاء مفسّرین نے یہیں سے طلب علم دین کا وجوب نکالا ہے۔ [illegible] الكتاب والسنة (قرطبی) فقہاء نے لکھا ہے کہ تحصیل علم دین فرض کفایہ ہے، پس ہر شہر اور ہر گروہ میں سے ایک تعداد کا علم دین کی طلب میں لگے رہنا واجب ہے ورنہ سب عاصی ہوں گے۔ [illegible] الكفاية [illegible] على الباقين (جصاص) فقہاء صوفیہ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی غرض و غایت تفقہ فی الدین اور امر بالمعروف رہنی چاہیئے نہ کہ حصول جاہ و جمع مال یا بحث و جدال۔ فقہاء مفسّرین نے لکھا ہے کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر وعیدیں نازل ہونے لگیں تو اس خوف سے سارے کے سارے مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اس پر یہ احکام نازل ہوئے کہ ضروریاتِ دین کی تعلیم و تعلّم کے لئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے۔ جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ [illegible] عن التفقه في الدين فامروا ان ينفر من كل فرقة منهم طائفة الى الجهاد [illegible] يتفقهون حتى لا ينقطعوا عن التفقه الذي هو الجهاد الاكبر [illegible] من الجهاد بالنصال (مدارک) ۲۳۱ (ہر بدی اور بدکاری سے۔ اور اس طرح ساری قوم میں نیک کرداری کا دَور دَورہ برابر قائم رہے) آج دو "مہذب" و "شائستہ" قوموں کی فوجیں ہر قسم کے اخلاق کی جن ناگفتہ بہ پستیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ (اور یہی دستور شروع سے تمام جاہلی قوموں کی فوجوں کا رہا ہے) اس کا حال کس سے مخفی ہے؟ اُمت اسلامی کو اس قسم کے تمام خطرات سے مستقل نجات میں رکھنا دین کے مہمات اُمور میں سے ہے۔ قرآن مجید کی مستقل ہدایت ہے کہ مجاہدین و غیر مجاہدین کو برابر علماء حقانی اور فقہاء ربانی کی تربیت اور ٹریننگ ملتی رہنی چاہیئے۔ ليتفقهوا وليندروا ۔ دونوں میں ضمیر جمع غائب ان لوگوں کی طرف ہے جنہیں رسول اللہ صلعم کے پاس ٹھیرا رہنا تھا۔ [illegible] للمقيمين مع النبى صلعم [illegible] (قرطبی) [illegible] البلقية [illegible] الكلام (روح) إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ یعنی یہ مجاہدین جب جہاد و قتال سے اپنے والوں کی طرف واپس آجائیں۔ وَلِيُنذِرُوا۔ یعنی احکامِ الٰہی سُنا سُنا کر اور بتا بتا کر انہیں ہر معصیت، بدکرداری، خدا فراموشی سے ڈراتے رہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس آبادی میں علماء حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایت خلق کے کام سے غافل ہوں وہ ساری آبادی گنہگار ہوگی۔ بدکرداری سے روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے علماء حق اس کے خصوصاً ذمہ دار ہیں، گو حکم کے مخاطب سب مسلمان ہیں۔ ۲۳۲ یعنی تم ہمیشہ اپنی جگہ پر مضبوط، آمادۂ جہاد، مستعد اور کیل کانٹے سے درست رہو کہ دشمن کی ہمت ہی تمہاری طرف نظر بد ڈالنے کی نہ پڑے ـــــ گویا موجودہ جنگی اصطلاح میں ملّت کو ایک مستقل لام بندی (**Perpetual mobilisation**) کی حالت میں رہنا چاہیئے۔ غِلْظَةً۔ یہاں خشونت کے معنی میں اس قدر نہیں جس قدر شدّت، مضبوطی اور پختگی کے معنی میں ہے جس سے ان کا رعب ہم پر نہ پڑنے پائے بلکہ اُلٹا ہمارا رُعب اُن کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ غلظة اى شدة وقوة وحمية (قرطبی) [illegible] شدة وحمية (معالم) قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ۔ یہ حکم جہاد میں خاص ترتیب کا مل رہا ہے اور اس کے مصالح بالکل ظاہر ہیں۔ چنانچہ سیرتِ نبوی کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آنحضرتؐ نے نیز خلفاء راشدین نے باختیار خود جتنے بھی جہاد کئے، یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔ ولهذا بدأ رسول الله صلعم بالعرب فلما فرغ قصد الروم وكانوا بالشام (قرطبی) [illegible] الاقرب فالاقرب اليكم دارا [illegible] (ابن جریر) محدّث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ترتیب یا تو قُرب ملک کے لحاظ سے رکھنا چاہیئے اور یا پھر شدّت کفر کے لحاظ سے۔ مشرکین کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کا رُخ نہ کریں اور قریب کو چھوڑ کر بعید پر تاخت نہ کریں، بجز اس کے کہ کوئی مصلحت خاص اس کی مقتضی ہو۔ فقہاء مفسّرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ جہاد واجب نفس کفار کے مقابلہ میں ہے، خواہ وہ کہیں کے بھی ہوں، البتہ جو قریب تر ہیں ان کے مقابلہ میں واجب تر ہے۔ [illegible] (مدارک) [illegible] الذين يلونكم من الكفار [illegible] وان الممكن منه [illegible] منهم اولى بالقتال ممن بعد (جصاص) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مجاہدہ اپنے نفس سے کرنا چاہیئے کہ یہی سب سے قریب تر ہے نفس اگر کافر (لغوی معنی میں) ہے تو ان مجاہدات سے وہ مطیع اور مومن اور مطمئن ہو جائیگا۔ ۲۳۳ (سو جہاد و قتال کی بنیاد بھی تقوٰی ہی پر رہنا چاہیئے) یہاں اگر ایک طرف لفظ متقین لا کر جہاد و قتال میں اخلاص کامل کی تعلیم دے دی اور طمع مال اور حصول شہرت وغیرہ کے راستے بند کر دیئے تو دوسری طرف ان لوگوں کا علاقۂ معیّت اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر یہ بتلا دیا کہ تمہیں اب خوف و ہراس کی بات ہی کیا ہے، تمہاری نصرت کے لئے تو ہر قوی سے قوی تر ناصر و حافظ موجود ہے۔ [illegible] ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جن مسلمان سلاطین نے یہ تقوٰی کی شرط پوری رکھی اور احکام شریعت پر عمل جاری رکھا [illegible] فتوحات بھی [illegible]

٢٢١ قرآن مجید مبالغہ بیانی سے آشنا نہیں جو سختیاں ان تین صاحبوں کو پیش آرہی تھیں وہ حقیقۃً ناقابلِ برداشت ہو چلی تھیں۔ ساری اسلامی سوسائٹی نے ان کا کامل مقاطعہ کر رکھا تھا مدینہ کی اتنی بڑی آبادی میں اب نہ ان کا کوئی دوست آشنا تھا نہ کوئی عزیز و قریب۔ حد یہ ہے کہ اُن کی بیویوں تک نے (جن کا کام ہی ہمدردی و غمگساری تھا) ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا چنانچہ انہی میں سے ایک صاحب کعب بن مالکؓ کی زبان سے جو طویل روایت بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہے خود اس میں یہ الفاظ ہیں:۔ فاجتنبنا الناس وتغیروا لنا حتی تنکرت لی فی نفسی الارض فما ھی بالارض التی کنت اعرف (لوگ ہم سے پرہیز کرنے لگے اور ہمارے حق میں اجنبی بن گئے، چنانچہ مجھے اپنا وطن وہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جس سے میں واقف تھا یعنی وطن پردیس بن گیا تھا) اور پھر آگے چل کر قرآن ہی کے لفظ اختیار کر لئے ہیں:۔ قد ضاقت علیّ نفسی وضاقت علیّ الارض بما رحبت (میں اپنی جان سے تنگ آگیا اور زمین باوجود اپنی فراخی کے میرے اُوپر تنگ ہوگئی) اور پھر یہ خیال رہے کہ یہ مصیبت کوئی ایک دو دن کی نہ تھی۔ سات سات ہفتہ یا پورے ۵۰ دن قائم رہی! ان تین صحابیوں میں سے دو بدری تھے۔ (اور اصحاب بدر کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں) اور تیسرے صاحب بھی بجز بدر کے اور غزوات میں برابر شریک رہ چکے تھے!— یہ سزا ایسے ایسے اکابر کو مل رہی ہے! یہ معنی ہیں نظام اسلامی میں ڈسپلن یا اطاعت کے! یہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مجرم سے ترک سلام و کلام بالکل درست ہے۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ترک کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے تو اس سے وہ موقع مُراد ہے جب کوئی دنیوی رنج ہو (تھانوی) **٢٢٢** ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عادت اپنے محبّین کے ساتھ یہ جاری ہے کہ جب اُن سے کوئی امر اُن کے مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے اُن کی تادیب کی جاتی ہے اور جب وہ اُس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو پھر اُن پر کرم کی بارش کی جاتی ہے یعنی انہیں توفیق نیک دی اور پھر اُن کا قصور معاف کر دیا۔ ای وفقھم للتوبۃ (قرطبی) **٢٢٣** یعنی آیندہ بھی ہر موقع مصیبت و معصیت میں اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہ ہوں۔ قبل توبتھم من الغفلات لیتوبوا فی المستقبل اذا صدرت منھم ھفوۃ ولا یقنطوا من کرمہ سبحانہ (روح) **٢٢٤** یعنی صادقوں کی راہ پر چلو۔ انہی کی طرح صدق اختیار کرو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اجماع اُمت کے حجت شرعی ہونے پر یہ آیت ایک مستقل دلیل ہے۔ دل علی تقدیم الحجۃ علینا باجماعھم (جصاص) والآیۃ تدل علی ان الاجماع حجۃ لانہ امر بالکون مع الصادقین فلزم قبول قولھم (مدارک) یدل علی ان اجماع الامۃ حجۃ (کبیر) عارفین نے شیوخ کامل و ائمہ مجتہدین کی اقتداء و صحبت کا اشارہ بھی اس سے سمجھا ہے۔ الصّٰدِقِيْنَ یعنی وہ لوگ جو دین میں نیت اور قول اور عمل کے لحاظ سے صادق ہیں۔ الذین صدقوا فی دین اللہ نیۃ وقولا وعملا (مدارک) مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ بعض نے معیت کی تفسیر قرب و قرین رہنے سے کی ہے۔ اس صورت میں صحبت صالحین کی ترغیب آیت سے نکلے گی۔ **٢٢٥** یعنی یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ لوگ خود تو آرام سے گھر بیٹھے رہیں اور مشقتیں اور صعوبتیں رسول اللہ صلعم جھیلتے رہیں۔

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا

زمین اُن پر باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ

اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ

لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اُسی کی طرف کے ٢٢١ پھر اُس نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی ٢٢٢

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ١١٨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

تاکہ وہ رجوع کرتے رہا کریں ٢٢٣ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے، اے ایمان والو، اللہ سے

اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ١١٩ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ

ڈرتے رہو اور راستبازوں کے ساتھ رہا کرو ٢٢٤ مدینہ والوں اور اُن کے

مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

اِردگرد جو دیہاتی ہیں انہیں نہ چاہئے تھا کہ رسُول اللہ کو چھوڑ کر

وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا

پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو انکی جان سے عزیز رکھیں ٢٢٥ یہ (رفاقت ضروری) اسلئے تھی کہ ان

يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

(مجاہدین) کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا وہ چلے کافروں

اللّٰهِ وَلَا يَطَــــُٔـوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ

کو غیظ میں لانے والا اور دشمن سے انہیں جو کچھ حاصل ہُوا ان سب پر اُن کے نام

عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا

(ایک ایک) نیک عمل لکھا گیا ٢٢٦ بیشک اللہ

ع ٤

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ معیت و نصرت صرف عرب تک محدود یا شانِ رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ نصرت دین مقصود ہے۔ اس لئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امام وقت کی اطاعت و حفاظت میں مستعد رہے۔ آیت کا صیغہ ظاہری خبر کا ہے۔ حالانکہ مُراد نہی یا امر امتناعی ہے یعنی مقصود کسی خبر یا واقعہ کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا اظہار ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا تھا۔ **٢٢٦** (سو یہ لوگ بھی اگر اخلاص کے ساتھ رسُول اللہ کے ساتھ جاتے تو ان کے لئے بھی اسی طرح بات بات پر اجر اور قدم قدم پر ثواب تھا) یہ مقتضائے مقبولیت و محبوبیت ہے کہ امور اضطراریہ بھی مثل اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دیئے گئے (تھانوی) لیکن یہ اعمال و کیفیات اضطراری تو ہیں بھی نہیں، جہاد میں چلنا تو بہرحال تمام تر اختیاری تھا، نتیجۃً جو کچھ حاصل ہوئی وہ اسی عمل اختیاری کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ یہ پیاس، بھوک وغیرہ کا ذکر محض بطور نظیر ہے، یہ مُراد نہیں کہ اجر صرف انہی چند اعمال و کیفیات پر محدود ہے۔ لَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ ۔ (لا دونوں جگہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ لا للتوکید (روح) لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا ۔ غنیم سے مسلمانوں کو حاصل کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ دونوں قسم کی چیزیں یعنی ایک طرف مال غنیمت اور دشمن کی ہزیمت۔ دوسری طرف زخم، قتل، گرفتاری وغیرہ مفسرین نے دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔ (۱) ولا یصیبون من عدو قتلا او اسرا او غنیمۃ او ھزیمۃ (قرطبی) (۲) وھو ما ینالھم اذا احد اموالھم او اخراجھم عن دیارھم فذلک کلہ نیل منھم (جصاص)

۲۱۰ (اس کی حالتِ حیات میں جبکہ آپؐ کو یہ علم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اُس کی موت کفر پر ہوگی اور اس لئے وہ مثال اب کسی کے لئے حجت و سند نہیں) اس وعدہ کا ذکر سورۂ مریم کی اس آیت میں ہے۔ ساستغفر لک ربی انہ کان بی حفیا ما کان۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال دو مختلف مفہوموں کے لئے ہوا ہے کہیں تو تکوینی حیثیت سے کسی واقعہ کی نفی مُراد ہوتی ہے مثلاً اس آیت میں ما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ اور کہیں تشریعی طور پر نہی یا ممانعت مثلاً اسی آیت میں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ جس فعل سے مُرید کو منع کرے اور خود اُس کو کسی عارض سے کرنا پڑ جائے تو چاہیئے کہ مُرید کے سامنے اسے کھول کر بیان کر دے تاکہ وہ اُس کی تقلید میں نہ مبتلا ہو جائے۔ **۲۱۱** (اور اُس کے حق میں دعائے مغفرت چھوڑ دی) جب موت کفر پر واقع ہو جائے جب تو مغفرت کا احتمال ہی نہیں، لیکن زندگی بھر تو یہ اُمید قوی یا ضعیف بہر حال لگی رہتی ہے کہ شاید اب اُسے توفیق ہدایت ہو جائے اور مغفرت ہدایت سے لازم آجاتی ہے چنانچہ زندہ کافر والدین کے حق میں دعائے مغفرت مطلق ممنوع نہیں۔ وقد قال کثیر من العلماء لا بأس ان یدعو الرجل لابویہ الکافرین و یستغفر لھما ما داما حیین (قرطبی) بلکہ حضرات صحابہ کا عمل ہی یہی تھا۔ قال ابن عباس کانوا یستغفرون لموتاھم فنزلت فامسکوا عن الاستغفار ولم ینھھم ان یستغفروا للاحیاء حتی یموتوا (قرطبی)

مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ

وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا۲۱۰ پھر جب اُن پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق

مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝۱۱۴ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا

ہو گئے۲۱۱ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بُردبار تھے۲۱۲ اور اللہ نہیں کرتا کہ کسی قوم کو اس کے ہدایت کئے پیچھے

بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

گمراہ کر دے جب تک اُن لوگوں کو صاف صاف نہ بتا دے کہ وہ ان چیزوں سے بچتے رہیں۲۱۳ بیشک اللہ

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱۵ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ

ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۲۱۴ بیشک وہ اللہ ہی ہے جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے (وہی) جِلاتا

وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۱۶

ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی بھی یار و مددگار نہیں۲۱۵

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ

بیشک اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی

اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ

جنہوں نے نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا۲۱۶ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں

فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۷

کچھ تزلزل ہو چلا تھا۲۱۷ پھر (اللہ نے) ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرما دی۲۱۸ بیشک وہ ان کے حق میں بڑا

وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ

شفیق ہے بڑا رحمت والا ہے۲۱۹ اور ان تینوں پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۲۲۰ یہاں تک کہ جب

۲۱۲ (چنانچہ باوجود اس کے کہ باپ نے کیسی کیسی سختیاں کیں آپؑ برابر حلم ہی سے کام لیتے گئے، یہاں تک کہ جوشِ شفقت سے طلب مغفرت کا وعدہ بھی کر لیا) مفسر تھانویؒ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کسی کی زندگی میں اُس کے لئے طلب مغفرت کرنے کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ اُس کے حق میں طلب ہدایت کی جائے۔ اور یہ جو حدیث بخاری میں آیا ہے کہ آخرت میں حضرت ابراہیمؑ آزر کو دوزخ میں دیکھ کر دُعا کریں گے کہ مجھے حسب وعدہ رسوائی سے بچایا جائے اور اس پر آزر کی شکل انسان سے جانور میں تبدیل ہو جائے گی کہ کوئی دیکھ کر پہچان ہی نہ سکے، اس پر بہترین تقریر مفسر تھانویؒ کی بیان القرآن میں موجود ہے۔ اُسی کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ یعنی اللہ کے دین کا دشمن، اللہ کے قانون کا باغی، ورنہ براہِ راست اللہ سے دشمنی کوئی بندہ کر ہی کیسے سکتا ہے۔ اَوَّاہٌ کہتے ہیں خشیتِ الٰہی سے مغلوب کو۔ یعبر بالاواہ عمن یظہر خشیۃ اللہ (راغب) حدیث نبویؐ میں اس کی شرح الخاشع المتضرع سے آئی ہے۔ رواہ عبد اللہ بن شداد بن الھاد عن النبی صلعم (قرطبی) **۲۱۳** (پس اس قاعدہ کے مطابق جب تک تم کو استغفار مشرکین سے ممانعت کی نہیں گئی تھی، اُس استغفار کی یہ سزا تمہیں مل نہیں سکتی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جائے) "ناجائز افعال کا خاصہ ہے کہ اُن کے کرنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کا مادہ غریبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ . . . اور اس پر نظر کر کے مومن خائف کو توہم ہو سکتا ہے کہ ہم کو اس استغفار نا جائز سے کہیں یہ ضرر مذکور نہ پہنچا ہو۔ اس کے متعلق تسلی فرماتے ہیں کہ یہ اثر کسی فعل میں اس کے ممنوع ہونے کے بعد ہے نہ کہ قبل ممنوع ہونے کے، کیونکہ عدم جواز بعد نہی کے حادث ہے۔" (تھانوی) لِیُضِلَّ۔ حق تعالیٰ کی طرف یہ اضلال یا گمراہ کرنے کی نسبت محض تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہونے کی بنا پر ہے ورنہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کسی کو کسی حال میں بھی گمراہی کی طرف نہیں لے جاتے، بلکہ آیت پر پورے غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی ارادی نافرمانی ہی اُسے اضلال کی طرف لے جاتی ہے جب بندہ حکم ما یتقون کی پروا نہیں کرتا اور اس کی "تبیین" ہو چکنے کے بعد بھی اس کی خلاف ورزی کئے جاتا ہے، جب جا کر اُس کا عمل اضلال شروع ہوتا ہے۔ ففی ھذا ادل دلیل علی ان المعاصی اذا ارتکبت وانتھک حجابھا کانت سببا الی الضلالۃ والردی وسلما الی ترک الرشاد والھدی (قرطبی) **۲۱۴** (چنانچہ اس کا بھی علم رکھتا ہے کہ بغیر اُس کے بتائے ہوئے کوئی بھی ایسے احکام کو سمجھ نہیں سکتا اور اسی لئے قبل حکم ممانعت ان افعال سے مضرت نہیں پہنچنے دیتا، اور اس سے بھی خوب واقف ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق اضلال کون) **۲۱۵** وہی قبل ممانعت ضرر سے بچاتا ہے اور وہی بعد ممانعت عدم تعمیل پر سزا بھی دینے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ . . . . . یُمِیْتُ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ہر طرح کی قدرت، حکومت، اختیار اُسی کا ہے، وہی جو چاہے حکم دے اور جس ضرر سے چاہے بچا لے کسی شئے میں فی نفسہٖ کوئی خاصیت موجود نہیں، مضرت و منفعت کی جو بھی خاصیت پیدا ہوتی ہے، اسی مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی کی مشیت و ارادہ سے پیدا ہوتی ہے۔ **۲۱۶** ذکر اب پھر غزوۂ تبوک کا چلا جو اُوپر بھی دُور تک آ چکا ہے۔ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ۔ نبی پر توجہ بہ رحمت یہ کہ آپؐ کو نبوت سے اور امامتِ جہاد سے اور تمام کمالات سے سرفراز فرمایا۔ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ ان انصار و مہاجرین پر توجہ بہ رحمت یہ کہ انہیں ایسے کلفت و مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا۔ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ اس غزوہ کے خصوصیات جن کی بنا پر یہاں ساعة العسرة لایا گیا ہے حسب ذیل تھے:۔ (۱) شدید گرمی کا موسم۔ (۲) باغات کی فصل تیار ہونے کا زمانہ۔ (۳) مسافتِ دُور دراز کا سفر۔ (۴) مقابلہ میں منتشر و متفرق قبائل نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ و قواعد دان رُومی شہنشاہی فوج ہر طرح کے سامان جنگ سے آراستہ۔ (۵) سواری کی اتنی کمی کہ ایک اونٹ دس دس آدمیوں کے حصہ میں آیا۔ (۶) سامانِ رسد کی اتنی کمی کہ ایک ایک خرما دو دو شخصوں میں تقسیم ہوا ہے اور آخر میں اتنا بھی نہ رہ گیا۔ ان مصائب کی تفصیل حدیث و سیر کی کتابوں میں ملے گی۔ لَقَدْ تَّابَ . . . . . . الْاَنْصَارِ۔ آیت مدح صحابہ کے باب میں بالکل شافی و وافی ہے۔ اور جن فرقوں نے اصحاب نبیؐ پر زبانِ طعن دراز کی ہے ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ ھذہ الآیۃ مدح لاصحاب النبی صلعم الذین غزوا معہ من المھاجرین والانصار اخبر انہ قد تاب علیھم وانھم اتبعوہ ... ومن اخبر اللہ تعالیٰ انہ قد تاب علیہم لم یعذبہم ابدا ... رضی اللہ عنہم اجمعین (احکام) **۲۱۷** (اور قریب تھا کہ وہ گروہ جہاد پر جانے سے ہار جائے) ای کادوا لا یثبتون علی اتباع الرسول (کبیر) لفظ ما کاد (قریب تھا) خود اس پر دلیل ہے کہ یہ عمل وقوع میں آیا نہیں تھا صرف آنے کے قریب تھا۔ **۲۱۸** کہ اس گروہ کو بھی سنبھال لیا، اور یہ لوگ ساتھ ہو لئے) **۲۱۹** (چنانچہ ہر ایک کے حال پر رحمت ہی کے ساتھ توجہ فرمائی) **۲۲۰** (اور جن کا ذکر آیت ۱۰۶ میں گزر چکا ہے) احادیث میں ان تین صحابیوں کے نام حسب ذیل ملتے ہیں کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعة الانصاریؓ، ہلال بن امیة الواقفیؓ۔ خُلِّفُوْا یعنی ان کا معاملہ چھوڑ رکھا گیا تھا، وحی الٰہی پر موقوف رکھا گیا تھا۔ ای خلفوا عن المرھم (جصاص) خود صاحب معاملہ حضرت کعب بن مالکؓ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ لیس الذی ذکر اللہ مما خلفنا تخلفنا عن الغزو وانما ھو تخلیفہ ایانا وارجاؤہ امرنا عمن حلف لہ واعتذر الیہ فقبل منہ (قرطبی)

۲۰۵ (اور وہ معاملۂ بیع دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے) اصل معاملۂ بیع صرف اس قدر ہے کہ مومنین تو اپنے جان و مال کو بلا شرط و قید و جہت کے اللہ کے حضور میں نذر کر رہے ہیں اور اُدھر سے اس نذرانہ کے عوض میں جنت مل رہی ہے۔ جہاد و قتال اسی اصل کی ایک اہم فرع ہے۔ اِشْتَرٰی۔ لفظ اشتراء کا اس موقع پر استعمال غایت شفقت و کرم ہی سے ہے ~~[illegible] المؤمنین عن انفسھم واموالھم اذ بذلوھا فی سبیلہ بالجنۃ~~ (ابن کثیر) ورنہ کسی بندہ کی جان اور مال اس کی اپنی مِلک ہے کب؟ یہ مِلک تو تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہے بلا کسی معاوضہ یا انعام کا سوال درمیان لائے حکم دے دے ——— اپنی ہی مِلک کو دوسرے سے "خرید کر" لینا اور اُس کی قیمت ادا کرنا بجز احسان بے غایت کے اور کیا ہے؟ ~~وھذا من فضلہ وکرمہ واحسانہ فانہ قبل العوض عما یملکہ بما تفضل بہ … فاجری ذالک علی مجاز ما یتعارفونہ فی البیع والشراء …~~ روایتوں میں آتا ہے کہ سلہ نبوی میں ستر شرفاء مدینہ نے مکہ میں آکر رسول اللہ صلعم سے بیعت کی (اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے) اور اُن کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کی کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو، اور کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو، میری بھی حفاظت کرو۔ وہ بولے کہ اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا "جنۃ"۔ وہ لوگ بول اُٹھے ربح البیع لا نقیل ولا نستقیل یہ سودا تو بڑے نفع کا ہوا۔ ہم نہ اس بیع کو توڑیں نہ اس کے توڑنے کی درخواست کریں! تو غرض یہ کہ اصل بیع اسی بذل نفوس و اموال کا تھا۔ قتال و مقاتلہ اسی کی فرع ہے۔

وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

اور (کبھی) وہ مارڈالے جاتے ہیں، اُس پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے توریت اور انجیل اور

وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا

قرآن میں ۲۰۶ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ

بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

اپنی بیع پر جس کا تم نے سودا کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے ۲۰۷

اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

(وہ مجاہدین) توبہ کرتے رہنے والے ہیں، عبادت کرتے رہنے والے ہیں، حمد کرتے رہنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

رکوع کرتے رہنے والے ہیں، سجدہ کرتے رہنے والے ہیں، نیک باتوں کا حکم کرتے رہنے والے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے رہنے

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ

والے ہیں اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، مومنین کو خوشخبری سُنا دیجئے ۲۰۸ نبی اور جو لوگ

لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ

ایمان لائے ہیں اُن کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین)

كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ

رشتہ دار ہی ہوں جب اُن پر یہ ظاہر ہو چکے کہ وہ (اموات) اہلِ دوزخ

الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ

ہیں ۲۰۹ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض

اللہ کا یہ وعدہ ظاہر ہے کہ اس خاص واقعہ کے بعد سے اُمتِ محمدی کے ایک ایک مجاہد سے قیامت تک کے لئے ہے۔ ~~ثم ھی بعد ذالک عامۃ فی کل مجاہد فی سبیل اللہ من امۃ محمد صلعم الی یوم القیامۃ~~ (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مالک اور غلام کے درمیان معاملت جائز ہے۔ ~~فی ھذہ الاٰیۃ دلیل علی جواز معاملۃ السید مع عبدہ وان کان الکل للسید … قولہ~~ يُقْتَلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ اس ٹکڑے نے صاف کر دیا کہ وہ انعام بے بدل یعنی جنت، مقتول ہونے یا شہادت پانے ہی پر منحصر نہیں۔ محض اپنی طرف سے جان پیش کر دینے پر ہے۔ دنیا میں انجام اس کا خواہ کچھ بھی ہو۔ ~~ولم یجعل المعقود علیہ کونھم مقتولین فقط بل کونھم قاتلین ایضاً لاعلاء کلمۃ اللہ تعالیٰ ونصر دینہ~~ (ابی سعود)

۲۰۶ قرآن تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے۔ اور قرآن کے ساتھ توریت و انجیل کے ناموں کا اضافہ تاکیدِ بیان کے لئے ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سب ہی کتب آسمانی میں درج ہو چکا ہے۔ عَلَيْهِ۔ یعنی اسی بذل نفوس و اموال پر، ایثار جان و مال پر۔ وَعْدًا حَقًّا۔ سچا وعدہ جنت کا۔ فِي التَّوْرٰىةِ۔ توریت جس کی تحریفات دوست دشمن سب کو مسلم ہیں، اب اُس میں اگر کوئی مضمون اس قسم کا نہ ملے، جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ بھی شاید قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ اللہ کی محبت و رضا جوئی کی اہمیت کے مضمون سے موجودہ توریت بھی خالی نہیں:۔ "سُن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ" (استثناء ۶: ۴، ۵) "اور خداوند تیرا خدا تیرے دل اور تیری نسل کے دل کا ختنہ کریگا تاکہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور سارے جی سے دوست رکھے" (استثناء ۳۰: ۶) وَالْاِنْجِيْلِ۔ انجیل تو توریت سے بھی محرف تر اور اس سے کہیں زیادہ مسخ شدہ ہے۔ تاہم یہ خدا کی رضا جوئی کی اہمیت کا مضمون اُس سے بھی ابھی تک محو نہیں ہو سکا ہے:۔ "جس کسی نے گھروں، یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اُس کو سَو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا" (متی ۱۹: ۲۹)

۲۰۷ یعنی یہی آخرت کا اطمینان اور جنت کا یقین۔ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔ انتہائی تاکید و تنبیہ کے طور پر یاد دلا دیا ہے کہ وعدہ کسی اور کا نہیں، جس میں احتمال بھی خُلفِ وعدہ کا ہو۔ وعدہ اُس کا ہے جس کے وعدہ میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فَاسْتَبْشِرُوْا اُوپر سے صیغۂ غائب چلا آرہا تھا۔ اب معاً بہ قاعدۂ صفت التفات صیغۂ مخاطب شروع ہو گیا۔ جو دلیل ہے مخاطبین کے کمال شرف و اکرام کی۔ ہر مومن جب توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے تو اس خاص بیع کا اقرار بھی ضمناً کسی درجہ میں کر ہی لیتا ہے۔ اور شاید اسی لئے حسن بصریؒ نے قسم کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بشارت اُمت محمدی کے ایک ایک فرد کے لئے ہے۔ ~~وقال الحسن واللہ ما علی الارض مومن الا یدخل فی ھذہ البیعۃ~~ (قرطبی) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دس دس تاکیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ مثلاً لفظ وعدًا اور پھر علیہ اور پھر حقًا وغیرہا۔

۲۰۸ (اسی جنت کی) اَلْمُؤْمِنِيْنَ مُراد وہی مسلمان ہیں جن میں جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ صفاتِ بالا بھی موجود ہوں جن پر جنت کا وعدہ ہے۔ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ ...... اللّٰهِ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان صفات کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں۔ یہ صفات اجرِ جہاد کی شرط نہیں، البتہ اُن کے اجتماع پر ثواب و فضیلت میں کثرت و قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا مجاہدین کو ترغیب ہے کہ محض جہاد پر نہ بیٹھے رہیں بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجالاتے رہیں۔ السَّاۗىِٕحُوْنَ۔ حدیث نبوی میں اس کی شرح الصائمون (روزہ داروں) سے آئی ہے اور صحابہ و تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ ~~الصائمون عن ابن مسعود وابن عباس وغیرھما~~ (قرطبی) ~~وروی ابو ھریرۃ مرفوعاً عن النبی صلعم انہ قال سیاحۃ امتی الصیام~~ (قرطبی) ~~عن ابی ھریرۃ … عن النبی صلعم … والیہ ذھب … من الصحابۃ والتابعین~~ (روح) ایک معنی طلبۂ علم کے بھی لئے گئے ہیں جو علم کی تلاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ ~~المراد طلاب العلم ینتقلون من بلد الی بلد فی طلب العلم … ھم الذین یسافرون لطلب الحدیث والعلم~~ (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جنتیوں کی جن صفات کا ذکر اس تصریح کے ساتھ ہے یہ صاف ان جاہل صوفیہ کے رد میں ہے جو شریعت کے خلاف چلنا اور احکام شریعت کو توڑنا کوئی دلیل کمال سمجھتے ہیں۔

۲۰۹ (اور اس کے ظہور کی صورت یہی ہے کہ وہ لوگ حالتِ کفر میں مرے ہوں یعنی وقت نزع تک اقرار ایمان انہوں نے کیا ہو حکم اسی ظاہر پر لگایا جائیگا باقی اصل حال تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ ~~ظاھر حال المیت عند الموت … علی الایمان حکم لہ بہ وان مات علی الکفر حکم لہ بہ وربک اعلم بباطن حالہ~~ (قرطبی) اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ مرنے کے بعد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنا ایک بڑا حق ہے جو میّت کا زندوں پر رہ جاتا ہے سورۃ بھر میں برابر کافروں سے ترکِ تعلقات کے احکام ہیں۔ اب حکم یہ مل رہا ہے کہ جہاں تک کافروں کا تعلق ہے اس بڑے حق سے بھی دست بردار ہو جائیں۔ جرم شرک و کفران کے اس حق کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ یہ قرابت کا تعلق خواہ مومنین کے ساتھ ہو یا خود نبی کے ساتھ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جانا (یہاں تک کہ نسبت نسبی بھی) نجات کے لئے بالکل کافی ہے۔ وہ ذرا سوچیں کہ جب رسول اللہ صلعم تک سے مجرد نسبت (بلا ایمان) اس آیت کی رُو سے کافی نہیں تو پھر کسی اور بزرگ کا ذکر ہی کیا۔

انہ دلت هذه الاٰیة علی ترتیب النزل فی الحسن او القبح بالاٰذٰا فتح بھا (جصاص) **۱۹۷** منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو اُمّتِ اسلامیہ کی عین آسائش اور اس کے لئے مزید گنجائش ہی مقصود ہے بجائے ایک کے دو مسجدیں ہو گئیں، قریب
والوں کو کتنی آسانی ہو گئی، وقس علی ہذا ——— آہ، کہ آج بھی کتنے اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى کہنے والے اسی طرح مسلمانوں کے ایمان پر چھاپے مار رہے ہیں! **۱۹۸** (نماز کے لئے) لا تقم فیه للصلٰوة (قرطبی) یہ مسجد ضرار تو صرف موسوم بہ مسجد
تھی ورنہ حقیقۃً تو عداوتِ اسلام کے لئے ایک کمین گاہ تھی جیسا کہ ابھی قرآن مجید تصریح کر چکا ہے۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد معصیت اور مخالفتِ مؤمنین پر ہو گرا دینے کے قابل ہے۔ فیه الدلالة علی
ان المسجد المبنی لضرار المؤمنین والمعاصی لا یجوز القیام فیه ولانه یجب هدمه (جصاص) بعض نے لا تقم سے مجازاً مُراد لی ہے یعنی کسی قسم کا التفات و نصرت اس عمارت اور اس کے بانیوں کی جانب نہ کریں۔ ای لا
تنصرهم ولا تلتفت الیه ولا تکن معهم (محض نام یا نیّت جبکہ حقیقت سے خالی ہو ہرگز کسی حکمِ شرعی پر مؤثر نہیں ہو سکتا، چنانچہ نام اس عمارت کا بھی مسجد ہی تھا تاہم چونکہ حقیقتِ مسجدی سے بالکل خالی تھی اس لئے
قابلِ توقیر و احترام تو کیا سمجھی جاتی اُلٹے گرا دیئے جانے اور جلا دیئے جانے کے قابل سمجھی گئی۔ چنانچہ احادیث میں تصریح آتا ہے کہ آپؐ نے صحابہ کو بھیج کر اُسے منہدم کرا دیا اور اس میں آگ لگوا دی ——— اور یہی حکم ہر خلافِ شریعت رسم کا ہے، خواہ اس کا
انتساب اسمی کسی ولی یا کسی نبی کی جانب ہو۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں دلیل ہے کہ امر مکروہ شرعی کے لئے سبب بننے سے بھی تحرّز ضروری ہے۔ **۱۹۹** (اور نماز پڑھا کریں) لَمَسْجِدٌ الخ یعنی مسجد قبا۔ لام ابتدار کا ہے، اور یہ بھی کہا گیا

اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ
مسجد کی بنیاد تقویٰ پر اوّل روز سے پڑی ہے وہ (واقعی اس لائق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں ۱۹۹ اس میں
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸
(ایسے) آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں ۲۰۰ اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے ۲۰۱
اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ
سو آیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضامندی پر رکھی وہ بہتر ہے
خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ
یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی کو ہے ۲۰۱ پھر
فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
وہ (عمارت) اس کو لے کر آتشِ دوزخ میں گر پڑی اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ
الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۹ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ
نہیں دکھاتا ۲۰۲ ہمیشہ اُن کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے اُن کے دلوں میں کھٹکتی
ع ۱۳ ۲ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱۰
رہے گی سوا اس کے کہ ان کے دل ہی فنا ہو جائیں ۲۰۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۲۰۴
اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
بلاشبہ اللہ نے مومنین سے خرید لیا ہے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انہیں
بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ
جنت ملے گی یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں

ہے کہ لام قسم کا ہے۔ اللام لام الابتداء (روح) وقیل لام القسم تقدیره والله لمسجد اسس (روح)
اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایسی عمارت سے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو صفائے وقت و طیبِ حال و ذوق و وجدان کا اثر پیدا ہوتا ہے برخلاف اس کے جو خلافِ تقویٰ پر مبنی ہو گی اُس میں کدورت اور تفرقہ اور قبض کا اثر نفس میں پیدا ہوتا ہے۔ «مسجد ضرار» کے لئے منافقین نے حضورؐ سے درخواست کی تھی کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ ایک بار یہاں نماز پڑھ لیں تو بڑی برکت حاصل ہو جائے اس کا جواب اُدھر مل چکا اور مسجد قبا کے لئے یہ مدح بلا درخواست ارشاد ہو گئی۔ فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلے نکالے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بعض عمارتیں نماز کے لئے دوسری عمارتوں سے افضل ہوتی ہیں اور بعض میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا ہے، هذا یدل علی ان بعض الاماکن قد یکون اولی بفعل الصلٰوة فیه من بعض وان الصلٰوة قد تکون منهیة عنها فی بعضها ویدل علی فضیلة الصلٰوة فی المسجد بحسب ما بنی علیه فی الاصل (جصاص) **۲۰۰** (پس مسجد قبا والے تو عین مقامِ محبوبیت پر ٹھیرے) فقہاء مفسّرین نے لکھا ہے کہ اہلِ مسجد کی فضیلت خود مسجد کی اور اُس میں نماز کی فضیلت کی دلیل ہے۔ فیه الدلالة علی ان فضیلة اهل المسجد فضیلة للمسجد وللصلٰوة فیه (جصاص) بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اس سے مُراد مسجد نبوی ہے تو یہ ارشادِ نبویؐ اس تفسیرِ قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں مسجد قبا کا مدلول ہونا تو بعبارۃ النص ہے اور مسجد نبوی کا مدلول ہونا بدلالۃ النص ہے یعنی جب صحابہ متقین کے بانی ہونے سے مسجد قبا اتنی مقبول ٹھیری تو مسجد نبوی کے بانی تو امام المتقین خود حضور سرورِ عالمؐ تھے وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق بدرجۂ اولیٰ ہو گی۔ فقہاء مفسّرین نے آیت کے عمومِ الفاظ سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہر وہ مسجد جو جائز طور پر بنائی جائے اور ہر وہ نمازی جو طہارت کو لازم و محبوب بنائے، اس خطاب کے تحت میں شامل ہیں اس لئے کہ حکم وصف پر لگایا گیا ہے نہ کہ ذات پر ——— اور رجال سے بھی مرد ہی مخصوص نہیں، مرد و عورت سب اس حکم میں داخل ہیں۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت کو بھی اثر عظیم ہے (جیسا کہ اس مسجد میں قیام کی ترجیح کی علت کے موقع میں اس کو فرما دیا گیا) غرض یہ کہ حصولِ جمعیت میں مکان اور اخوان کی رعایت ضروری ہے اور اہلِ طریق سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ زمانہ کی رعایت کو بھی دخل ہے۔ **۲۰۱** مُراد اس سے اغراضِ باطلہ کفریہ ہیں تشبیہ ناپائیداری بے ثباتی، کمزوری میں دی گئی ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دو عمارتیں ہیں ایک کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر ہے اور دوسری کی معصیت و کفر پر۔ پہلی معزز ہے اور باقی رکھنے کے قابل۔ دوسری ذلیل ہے اور گرا دیئے جانے کے قابل۔ وحاصل الکلام ان احد البنائین قصد بانیه ببنائه تقوی الله ورضوانه والبناء الثانی قصد بانیه ببنائه المعصیة والکفر فکان البناء الاول شریفا واجب الابقاء وکان الثانی خبیثا واجب الهدم (کبیر) **۲۰۲** یعنی ان کو جو نام دین کا لے کر طرح طرح کے مفسدے دین ہی میں برپا کرتے رہتے ہیں۔ فالمراد به تصیر البناء کمن بنی بناء علی جرف هار ... بالبنیان المطلق (بحر) مفسّرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ بعینہٖ حقیقت کا بیان ہے یعنی وہ مسجد ضرار واقعۃً اسی طرح دوزخ میں گرا دی گئی لیکن بہتوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ بیان صرف مثال و تشبیہ کے طور پر ہے کہ ہر ایسے کام کا جس کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ کفر و نفاق پر ہوتی ہے، خاتمہ جہنم و ہلاکت ہی پر ہوتا ہے۔ قیل هذا ضرب مثل ای من اسس بنیانه علی الاسلام خیر ام من اسس بنیانه علی الشرک والنفاق وبین ان بناء الکافر کبناء علی جرف جهنم یتهور باهله فیها (قرطبی) واختار غیر واحد ان معنی الاٰیة افمن اسس بنیان دینه علی قاعدة محکمة هی التقوی وطلب الرضا بالطاعة خیر ام من اسس علی قاعدة هی اضعف القواعد وارخاها ... فی النار (روح) فقہاء مفسّرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس کام کی ابتدا اللہ کی رضا جوئی اور اخلاصِ نیّت سے کی جاتی ہے اُسے پائیداری نصیب ہوتی ہے۔ اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ فی هذه الاٰیة دلیل علی ان کل شیء ابتدیٔ بنیة تقوی الله تعالٰی والقصد لوجهه الکریم فهو الذی یبقی ویسعد به صاحبه ویصعد الی الله ویرفع الیه (قرطبی) **۲۰۳** (تو البتہ ان دلوں کے فنا ہونے کے ساتھ ہی وہ دل کی حسرتیں بھی ختم ہو جائیں۔ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ہمیشہ موجبِ حسرت و حرمان ہی رہے گی کہ جن اغراض سے بنائی تھی، وہ کوئی بھی پوری نہ ہوئیں اور رسوائی جو ہوئی وہ الگ۔ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ۔ کنایہ ہے دوامِ حسرت سے۔ یہ مراد نہیں کہ موت و فنا کے بعد انہیں راحت نصیب ہو جائے گی۔ فهذا کنایة عن تمکن الریبة فی قلوبهم التی هی محل الادراک واضمار الشعور بحیث لا تزول منها ما داموا احیاء ... وصفوها بالیقین ... (روح)
۲۰۴ وہ سب کی ایک ایک حالت سے واقف ہے۔ اور ایک ایک سے اُسی کے حال کے مطابق و مناسب معاملہ کرے گا۔

بالزکوٰۃ المعروضۃ [illegible] خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً ۔ صدقہ وصول کرنے کا یہ حکم جو رسُول اللہ صلعم کو مل رہا ہے اس سے فقہار نے یہ بھی نکالا ہے کہ تقسیم صدقات امام مسلمین کا حق ہے، اس لئے کسی شخص کا بطور خود صدقہ
ادا کر دینا جائز نہیں کہ اس سے حق امام کا اتلاف لازم آتا ہے۔ [illegible] ۱۹۱ سواس
نے اُن کے توبہ واستغفار کو اور اُن کے الفاظ اعتراف کو خوب سُن بھی لیا اور اُن کے احساس ندامت کو خوب جان بھی لیا۔ وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ۔ علمار نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ صدقہ جس کو دیا جائے وہ اور امام جس کی خدمت میں صدقہ تقسیم کے لئے پیش کیا جائے
ان دونوں کے لئے صدقہ دینے والے کو دُعا دینا مستحب ہے بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ امام جو اپنے لئے صدقہ نہیں لیتا بلکہ تقسیم صدقات کا صرف امین ومنتظم ہے جب وہ دعائے خیر پر مامور ہوا تو مسکین ومحتاج تو بدرجۂ اولیٰ دعائے خیر وادائے شکر پر مامور ہوگا
مشائخ صوفیہ نے اور ترقی کر کے بعد فراغ ضیافت صاحبِ ضیافت کے حق میں دعائے خیر وبرکت اختیار کی ہے اور مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے امداد ہمت اور افاضہ انوار صحبت کا حکم نکل رہا ہے۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ۔ اس میں اثبات ہے
ان اشخاص کے کمال اخلاص کا۔ فقہار صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ظاہر ہو رہا ہے کہ رسُول اللہ صلعم مومنین کے تزکیۂ اخلاق وتصفیۂ قلوب اور عطائے مقام تسکین ورضا پر مامور تھے اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص یہ کہ بزرگوں
کی خدمت بہ غرض حصول دعائے خیر کرنی چاہیئے۔ یہ بھی کہا ہے کہ رسُول کی دعا اُمت کے حق میں، امام کی رعایا کے حق میں، مشائخ کی شاگردوں اور مریدوں کے حق میں اور بڑوں کی چھوٹوں کے حق میں وعدۂ قبول رکھتی ہے۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَ

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو

يَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ (۱۰۴) وَقُلِ

قبول کرتا ہے اور وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے ۱۹۲ اور آپ کہہ دیجیے

اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ

کہ عمل کئے جاؤ، سو تمہارے عمل کو اللہ اور اُس کا رسُول اور مومنین ابھی دیکھے لیتے ہیں اور تمہیں ضرور ہی

اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (۱۰۵)

غیب وشہادۃ کے جاننے والے کے پاس واپس جانا ہی تو وہ تم کو بتلا دیگا کہ تم اب تک کیا کرتے رہے ہو، ۱۹۳

وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا يَتُوۡبُ

اور کچھ اور لوگ (بھی) ہیں (اُن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی خواہ وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ

عَلَيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ (۱۰۶) وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا

اُن کی توبہ قبول کرے ۱۹۴ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۹۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے

وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًا ۢ بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ

کو بنائی ہے اور کفر کی غرض سے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی غرض سے اور اسی غرض کے لئے جو اس

اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَيَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰى ؕ

کے قبل اللہ اور اُس کے رسُول سے لڑ چکا ہے اُسے ایک کمین گاہ مل جائے، ۱۹۶ اور یہ لوگ قسم کھا جائینگے کہ ہماری

وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ (۱۰۷) لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ

غرض بجز بھلائی کے کچھ نہیں ۱۹۷ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ (بالکل) جھوٹے ہیں، آپ اس میں کبھی بھی کھڑے ہوں ۱۹۸ البتہ جس

متعدد مسائل صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے، مثلاً اعتراف ذنوب کی فضیلت، معترف کا قبولِ عذر، بعض اعمال (مثلاً صدقہ) کی برکات، شیخ کی برکات (جیسا کہ تزکیہ کو آپؐ کی طرف منسوب کیا گیا) وقس علیٰ ہٰذا۔ ۱۹۲ (چنانچہ اُس تواب نے ان گنہگاروں کی توبہ قبول کرلی اور اُس رحیم نے ان لوگوں کا مال قبول کرنے اور اُن کے حق میں دُعا کرنے کا حکم دے دیا) يَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ ۔ اخذ یہاں لفظی معنیٰ میں نہیں بلکہ قبول کر لینے کے مفہوم میں ہے۔ [illegible] اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ ۔ یہاں پر زور دے کر بتایا ہے کہ توبہ قبول کرنے کا تعلق تو خدائے تواب رحیم سے ہے نہ کہ رسُولؐ سے۔ [illegible] (قرطبی) [illegible] (کبیر) [illegible] (روح)

۱۹۳ نفاقِ قلب اور ضعفِ ایمان کا علاج اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ آخرت وجزائے اعمال کا استحضار پوری پوری طرح رہے اور قرآن مجید ہر ایسے موقع پر اسی علاج سے کام لیتا ہے۔ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ ۔ س عنقریب یا ابھی کے معنیٰ میں ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اسی دُنیا میں تمہارے اعمال سے تمہارے اخلاص یا نفاق کا امتحان ہو جائے گا۔ اِعۡمَلُوۡا ۔ اس صیغۂ جمع کے مخاطب کُل لوگ ہیں۔ [illegible] (قرطبی) ۱۹۴ (شرائطِ قبول توبہ کے نہ موجود لو موجود ہونے کی بنا پر، عدم اخلاص واخلاص کی بنا پر) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۸۔ اب بیان مومنین کے ایک دوسرے طبقے کا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بھی کاہلی اور سہل انگاری ہی کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے۔ ان لوگوں نے رسُول اللہ صلعم کی واپسی پر نہ تو ایک طرف منافقین کی طرح کچھ عذرات تراشے لیکن دوسری طرف تائبین صادقین کی طرح یہ بھی نہ کیا کہ اپنے کو ستونوں سے باندھ دیتے یا کوئی اور سزا اپنے کو دینے لگتے، انہوں نے خدمت اقدس میں حاضری دے کر محض سیدھی اور سچی بات عرض کر دی، انہیں جواب ملا کہ وحی الٰہی کا انتظار کرو، جیسا بھی حکم تمہارے باب میں نازل ہو۔ ان لوگوں کا اپنی کوتاہی پر نادم ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن آیت سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قبول توبہ کے لئے محض ندامت کافی نہیں جب تک کہ امکانی تدارک کا بھی سامان نہ ہو، [illegible] (کبیر) مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ مُرید کے معاملہ کو بعض اوقات خوف وامید کے درمیان معلّق ہی چھوڑ دینا قرینِ مصلحت ہوتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول کیا جاتا ہے کہ اس سے نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے توحش پھر مایوسی پھر بُعد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سب اُس کے لئے مُضر ہیں۔ کچھ روز تک معلّق رہنے میں اسی کی بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اِمَّا کلمۂ تردد ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تردد حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہاں تو ہر فیصلہ قطعی ہے، لفظ کا استعمال محاورۂ انسانی کے مطابق ہے اور بندوں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ وہ صرف حالتِ اُمید میں رہیں۔ [illegible] (قرطبی) ۱۹۵ چنانچہ وہ سب کے اخلاص، درجۂ اخلاص وعدم اخلاص سے بھی خوب واقف ہے اور جیسا بھی مقتضائے حکمت ہو، وہ بلا توبہ یا بعد توبہ معاف بھی کرتا رہتا ہے۔ ۱۹۶ مومنین کا تذکرہ یہاں روک کر اب ذکر پھر منافقین کا شروع ہو گیا۔ [illegible] (قرطبی) رسُول اللہ صلعم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پہلے مضافات شہر کی آبادی محلہ قبا میں قیام فرمایا۔ اور وہیں ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کرلی۔ پھر جب آپؐ شہر میں آگئے تو مومنین مخلصین نے محلہ قبا میں آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کرلی۔ اور وہیں نماز باجماعت ہونے لگی۔ اب منافقین نے سازش کر کے ایک دوسری جگہ سوچی کہ یہاں مسجد کی شکل کی ایک عمارت تیار ہو جائے تو اس میں بیٹھ کر خوب اسلام کے خلاف کمیٹیاں، جلسہ اور منصوبہ بازیاں ہُوا کریں۔ مسجد ضرار اس کا نام اسی لئے مشہور ہوا کہ اس کا مقصد ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔ ضِرَارًا ۔ یعنی مقاصدِ اسلام ومسلمین کو ضرر پہنچانے کو۔ كُفۡرًا ۔ یعنی عداوتِ رسُول کا چرچا کرنے کو۔ تَفۡرِيۡقًا ۢ بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۔ جب ایک مسجد خاص شہر میں بن جاتی تو اہل شہر کی ایک جماعت تو شہر سے باہر جانے کے بجائے وہاں ضرور ہی آجاتی۔ [illegible] (جصاص) اِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۔ اشارہ ہے ایک مسیحی راہب ابو عامر کی جانب۔ منافقین میں طے ہو گیا تھا کہ اب وہ جب مدینہ آیا کرے گا تو اُس کو اسی میں ٹھیرایا کریں گے۔ یہ راہب اسلام کا شدید دشمن تھا۔ ہرقل مسیحی شہنشاہِ روم سے دوستی کا مدعی تھا۔ کہتا تھا وہاں سے باقاعدہ فوج لاکر اسلام کو نیست ونابود کردونگا۔ [illegible] مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے کمال شناعت اُس شخص کے فعل کی معلوم ہوئی جو دین کو اپنی غرض فاسد کا آلہ بنائے۔ فقہار نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فعل پر حُسن وقبح کا حکم ارادۂ فاعل کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔

جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

یہی بڑی کامیابی ہے ۱۸۵ اور کچھ تمہارے گردوپیش والے دیہاتیوں میں سے اور

مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ

کچھ مدینہ والوں میں سے (ایسے) منافق ہیں (کہ) نفاق میں اڑ گئے ہیں ۱۸۶

لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ

آپ (بھی) انہیں نہیں جانتے، ہم ہی انہیں جانتے ہیں ہم انہیں دہری سزا دیں گے پھر

يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

وہ عذاب عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے ۱۸۷ اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ

اعتراف کر لیا انہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے (کچھ) بھلے اور کچھ برے ۱۸۸، توقع ہے کہ اللہ ان پر

اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ

توجہ کرے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۸۹ آپ ان کے مالوں

اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ

میں سے صدقہ لے لیجیے، اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کر دیں گے ۱۹۰ اور آپ ان کے لئے

عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾

دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا انکے حق میں (باعث) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ۱۹۱

مع انبیاء باطن [illegible]

۱۸۵ خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے بار بار اور صریح الفاظ میں بتکرار اور تصریح دونوں کے ساتھ اصلی وحقیقی کامیابی اُخروی ہی کامیابی کو قرار دیا ہے نہ کہ دنیا کے کسی انعام کو۔ مسلمان کا منتہائے مقصود فلاحِ آخرت ہے نہ کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اعزاز یا مرتبہ۔ ۱۸۶ (اور اُسے حد کمال تک پہنچا دیا ہے) [illegible] مِّمَّنْ حَوْلَكُمْ ۔ تمہارے گردوپیش یعنی تمہارے شہر کے گردوپیش، یعنی حول بلدتكم وهى المدينة (کشاف۔ مدارک) ۱۸۷ لَا تَعْلَمُهُمْ ۔ یعنی ان کا نفاق اس حد کمال کو پہنچا ہوا ہے، اس قدر خفی ہے کہ آپ کو بھی، باایں فطانت و ذکاوت و کمالِ باخبری، ان کے منافق ہونے کا علم نہیں۔ اس آیت میں رسول اللہ صلعم کے علمِ غیب کی صریح نفی موجود ہے۔ جس کا دعویٰ ہمارے زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔ وفی الآية نفى علم الغيب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم [illegible] کشف کے مدعیوں کو بھی آیت سے سبق لینا چاہیئے۔ لا ينبغى الاقدام على دعوى الامور الغيبة من كمال القلب ونحوه (روح) یہ اور اسی قسم کی متعدد آیات قرآنی اُس شخص کے خیال کی تردید میں ہیں جو صفائے قلب و اشراقیت وغیرہ کی بنا پر کشف صدور و اطلاع غیوب کا دعویٰ کرنے لگتا ہے اور یہ مرض علامہ محمود آلوسی تیرھویں صدی میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں سفہاء کے اندر شدت سے پھیلا ہوا ہے۔ وفى هذه الآيات ونحوها اقوى دليل فى الرد على من يزعم الكشف والاطلاع على المغيبات بمجرد صفاء القلب وتجرد النفس عن الشواغل وبعضهم يتبالغون فى هذا الباب جدا (روح) امام ابن جریر نے آیت کے ذیل میں قتادہ تابعی (۶۱ھ تا ۱۱۶ھ) کا طویل قول نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض لوگوں کی جسارتیں کیسی بڑھ گئی ہیں کہ فلاں کے جنتی اور فلاں کے جہنمی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اور پھر کئی آیات قرآنی نقل کی ہیں۔ قتادہ بھی پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول کے آدمی تھے، علامہ ابن حیان غرناطی (۶۵۴ھ تا ۷۵۴ھ) اُن کا یہ قول نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ حال اُس زمانہ کا ہے جو عہدِ صحابہ سے اس قدر متصل تھا اور کثرتِ خیر کے لئے ممتاز تھا لیکن شیاطین انس کے وجود سے وہ بھی خالی نہ رہا تو اب ہماری آٹھویں صدی ہجری کا کیا حال بیان کیا جائے جب بہت سے مدعیان تصوف کی زبان ایسے ہی دعووں پر کھل گئی ہے، یہ لوگ نہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ سنتِ رسول کی طرف اور غیب دانی کے خرافات پر اِستنولیر ہیں! (بحر) ——— یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی ہجری کا غریب رہنے والا اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لائے! اور یہیں سے اکابر علماء سنت نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی پر قطعی طور سے جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم لگا دینا درست نہیں، هذا يمنع ان يحكم على احد بعينه انه (قرطبی) نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۔ یہیں سے ظاہر ہے کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا۔ یہ صرف علمِ خداوندی کا خاصہ ہے۔ وهذا يمنع ان يحكم على احد بعينه انه (قرطبی) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ۔ (یہ دُہری سزا قبل آخرت ہوگی۔ ایک سزا انفاق کی، دوسری سزا کمال نفاق کی) لعل تكرير عذابهم لما فيه من الكفر المشفوع بالنفاق او النفاق المؤكد بالتمرد فيه (روح) ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۔ یہ عذابِ عظیم ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہے۔ دو عذاب اس کے قبل کے جس پر لفظ ثُمَّ دلالت کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ اُن میں سے ایک سزا اسی دُنیا کی ہو، اور دوسرا عذابِ قبر ہو۔ قبلِ آخرت کے عموم میں، دنیا اور برزخ دونوں داخل ہیں۔ احدهما فى الدنيا والاخرى فى القبر (ابن جریر) اى عذاب الدنيا وعذاب القبر (ابن کثیر) [illegible] على ان عذاب الثانى هو عذاب القبر [illegible] وعذاب القبر (مدارک) ۱۸۸ غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں میں علاوہ منافقین کے کچھ مومنین بھی تھے جو محض کاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے۔ اب یہاں سے بیان اُن کا شروع ہو رہا ہے۔ ان میں بھی کچھ ایسے تھے جنہیں ندامت اس درجہ قوی تھی کہ انہوں نے جب آپ کی واپسی کی خبر سُنی تو اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ آپ کھولیں گے تو خیر ورنہ یوں ہی ختم ہو جائیں گے۔ پہلے ذکر اسی قسم کے نادمین تائبین کا شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا بلکہ نورِ استعداد پوری طرح باقی تھا۔ عَمَلًا صَالِحًا ۔ مثلاً سابق کے غزوات میں شرکت یا خود اسی موقع پر یہ احساسِ ندامت۔ اٰخَرَ سَيِّئًا جیسے بلا عذر معقول اسی غزوہ میں پیچھے رہ جانا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد عام حالت میں صرف فرض کفایہ ہے اس لئے اگر کچھ لوگ نہ شریک ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب امام المسلمین اور جائیکہ رسول اللہ حکم عام دے دیں تو اب فرض عین ہو جائے گا اور یہی صورت یہاں تھی۔ وَاٰخَرَ سَيِّئًا والواو بمعنى الباء لان الواو للجمع والباء للالصاق (مدارک) مُرشد تھانویؒ نے کہا ہے کہ یہ لوگ تھے جو نفس لوامہ کے مرتبہ میں تھے۔ جو کبھی نفس مطمئنہ کا منقاد ہو کر اعمالِ صالح کرنے لگتا اور کبھی اُس سے بھاگنے لگتا ہے۔ ۱۸۹ چنانچہ اسی شانِ غفور و رحمت کے تقاضہ سے ان لوگوں کا قصور معاف ہو گیا اور رسول اللہ صلعم نے خود آ کر ان کے ہاتھ ستونوں سے کھول دیئے۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔ یعنی توجہ رحمت کے ساتھ کرے اور ان کی توبہ قبول کرے۔ عسیٰ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے جب اللہ کی طرف سے آتا ہے تو شک کیلئے نہیں بلکہ یقین دلانے کیلئے آتا ہے۔ قال الحسن عسىٰ من الله واجب (معالم) آیت سے محققین نے یہ نکالا ہے کہ گنہگار کے لئے توبہ سے یاس جائز ہی نہیں۔ اور امید قبول و عفو کی برابر اُس وقت تک قائم ہے جب تک بندہ بدی کے ساتھ نیکی کی آمیزش بھی کچھ کئے جاتا ہے۔ فى هذه الآية دلالة على ان المذنب لا يجوز له اليأس من التوبة وانما يعرض [illegible] ۱۹۰ (ہر ظلمت و کدورت سے) ”جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آلۂ تطہیر و تزکیہ کے کیا معنی۔ سو وجہ اس کی یہ ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گاہے اُس کی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مؤاخذہ نہیں لیکن اُس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقة تطفئ غضب الرب اور دیگر اعمالِ صالحہ سے یہ ظلمت و کدورت عموماً مندفع ہو جاتی ہے“ (تھانوی) تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ ۔ [illegible] گناہوں سے صفائی تو تطہیر میں خود ہی آ گئی، اب اُس کے بعد تزکیہ لانا معنیٰ میں مزید ترقی کے لئے ہے۔ التزكية مبالغة فى التطهير [illegible] (روح) تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انفاق مال سے خواہشیں ضعیف ہوتی ہیں اور قوائے نفس منکسر ہوتے ہیں اور مادۂ شہوات کی اصلاح ہوتی ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ۔ یہ حضرات بندش سے رہائی پانے کے بعد فرطِ اخلاص سے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں کچھ مال لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔ خُذْ امر وجوبی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کو قبول صدقات میں توقف و تردد جائز نہیں۔ صدقہ سے یہاں مراد زکوٰۃ فرض ہے یا کفارۂ گناہ والا صدقہ؟ قول دونوں ہی نقل ہوئے ہیں۔ لیکن ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ ليس المراد الصدقة الواجبة وانما هى صدقة كفارة للذنب [illegible]

۱۷۶ اور اسی جہل، بُعد و بیگانگی کی بنا پر اسلام سے بعید تر ہیں۔ اَجْدَرُ الخ اعراب کا یہ جہل صحبت علماء و عقلاء سے بُعد رکھنے کی بنا پر اشد تھا۔ اَجْدَرُ یعنی اسی قابل، اسی لائق ہیں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ صحبت صالحین سے بعید ہونے سے طریق خیر کے ساتھ مناسبت میں کمی ہو جاتی ہے اور اسی لئے اہل طریق صحبت کا بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ حدود یہاں احکام کے معنیٰ میں ہے۔ بعض فقہاء نے اعرابی کی امامت جو شہریوں کے لئے ناجائز قرار دی ہے اُس کی بنا بھی یہی ہے کہ دیہاتیوں کو مجالستِ علماء اور سمع احکام کے مواقع کمتر ملتے ہیں۔ ۱۷۷ چنانچہ صفت علم کے تقاضہ سے وہ واقف بھی ان تمام اُمورِ خفی و جلی پر ہے اور صفتِ حکمت کے تقاضہ سے سب کو سزا بھی وقتِ مناسب ہی پر دے گا۔ ۱۷۸ (کہ تمہیں مصائب ناگہانی سے دوچار ہونا پڑے) مَا يُنْفِقُ یعنی زکوٰۃ، جہاد وغیرہ اُمورِ خیر میں جو کچھ خرچ کرتا ہے۔ انفاق کے معنیٰ تو مطلق خرچ کرنے کے ہیں خواہ وہ خرچ کسی نوعیت کا بھی ہو لیکن قرآن مجید نے اسے عموماً موقع مدح ہی پر استعمال کیا ہے اور مطلق انفاق سے مُراد کارِ خیر میں خرچ ہی لی ہے۔ جیسے مطلق قتال بول کر قرآن مجید نے عموماً مُراد جہاد فی سبیل اللہ لی ہے۔ بُرے اور بے جا موقعوں پر خرچ کے لئے قرآن مجید نے عموماً لفظ "اسراف"، کا استعمال کیا ہے۔ يَتَّخِذُ مَغْرَمًا۔ یعنی ایسے موقعوں پر یہ منافقین مسلمانوں کی شرما شرمی خرچ تو کر گزرتے ہیں لیکن اسے جُرمانہ ہی کی رقم کی طرح اپنے لئے گراں سمجھتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے بخل کا،

يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
احکام کا علم نہ رکھیں (جو) اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں ۱۷۷ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا
حَكِيْمٌ ۝۹۷ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا
حکمت والا ہے ۱۷۸ اور دیہاتیوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اُسے جُرمانہ سمجھتا ہے
وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ
اور تمہارے لئے گردشوں کا منتظر رہتا ہے ۱۷۹ بُری گردش خود انہی (منافقین) کے لئے ہے ۱۸۰ اور اللہ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۹۸ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
خوب سُننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، اور دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ
ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ اور رسول کی
صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ
دعائیں (لینے) کا ذریعہ بناتے ہیں سو بیشک یہ (خرچ کرنا) اُن کے حق میں قرب ہی کا ذریعہ ہے ضرور
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۹ ع ۱۲ وَالسّٰبِقُوْنَ
اُن کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کریگا، یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۸۱ اور (جو) مہاجرین
الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ
و انصار میں سے سابق و مقدم (ہیں) ۱۸۲ اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں اُن کی
بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ
پیروی کی ۱۸۳ اللہ ان (سب) سے راضی ہوا اور وہ (سب) اُس سے راضی ہوئے ۱۸۴ اور اُس نے اُن کیلئے

محققین نے لکھا ہے کہ مصارف شرعی کو تکلیف و جبر تصوّر کرنا علاماتِ نفاق میں سے ہے۔ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ۔ یعنی مسلمانوں کے حق میں منتظر ہی رہا کرتے ہیں کہ کب یہ زمانہ کی گردش کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے حسد و عداوتِ اسلام کا۔ اَلدَّوَاۗىِٕرُ۔ دائرۃ وہ مصیبت ہے جس سے نجات نہ ہو سکے اور جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیر لے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کو روپیہ کا مالک سمجھے گا، اُسے خرچ کرنا یقیناً گراں گزرے گا اور جو کوئی مالک اللہ کو سمجھے گا اور اپنے کو محض امین یا متولی، اُسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت غنیمت معلوم ہوگا۔ ۱۷۹ جیسا کہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے اُس نے منافقوں اور مجرموں والے الفاظ اُنہی پر اُلٹ دیئے اور عملاً یہ پیش گوئی لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی۔ اسلام کی فتحمندیوں میں وسعت ہوتی گئی منافقین کی حسرتیں دل ہی میں رہیں، ہر طرح ذلیل و خوار ہوئے۔ آیت سے یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ حاسد و بدبین خود ہی گرفتارِ بلا ہوتے ہیں۔ ۱۸۰ چنانچہ وہ منافقین کی گفتگوئے نفاق بھی خوب سُن رہا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کی چالبازیوں، سازشوں اور منصوبوں سے بھی خوب واقف ہے۔ ۱۸۱ (سو وہ کیوں نہ ان مومنین صادقین پر رحمت و مغفرت کی بارش کردے گا) اعرابی سب کے سب منافق نہ تھے۔ بہت سے اُن میں سے اچھے مخلص مسلمان بھی تھے، آیت میں ذکر اُن کا ہو رہا ہے۔ يَتَّخِذُ مَا .... الرَّسُوْلِ۔ یعنی اُن کا یہ اُمورِ خیر میں خرچ نمائشی اور شرما شرمی میں نہیں ہوتا، اخلاص و حُسنِ نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اِنَّهَا۔ ضمیر ھا خرچ یا النفقہ کی طرف ہے۔ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یہ یعنی رضائے الٰہی ان کا اصلی اور آخری مقصود ہو گیا ہے اور صلوات الرسول یعنی رسول کی دعائیں اس کا ذریعہ ہیں۔ مَا يُنْفِقُ۔ یعنی دین کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ۔ اعرابی مومنین مخلصین کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اُن کا یہ خرچ کرنا بے کار نہ جائے گا۔ واقعی اس سے قربِ الٰہی و مقبولیت حاصل ہو کر رہیگی۔ ۱۸۲ (ساری اُمّت سے، ایمان لانے کے لحاظ سے اور وہ سارے ہی کے سارے مہاجر و انصار ہیں) اَلسّٰبِقُوْنَ اور اَلْاَوَّلُوْنَ دونوں میں ال استغراق و جنس کا ہے۔ اور من تبعیض کا نہیں، تبیین کے لئے ہے، اس لئے آیت میں جو مدح آئی ہے، اُس کے مصداق سارے ہی صحابہ کرام ہیں نہ کہ اُن کا کوئی مخصوص طبقہ۔ اَلْمُهٰجِرِيْنَ۔ مہاجر وہ مسلمان کہلائے جو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر رسولؐ کی اطاعت و متابعت کے لئے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اَلْاَنْصَارِ۔ انصار وہ مسلمان اہلِ مدینہ کہلائے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسولؐ اور دین اسلام کی ہر طرح خدمت و نصرت کی۔ ۱۸۳ (اور اس میں اُمّت کے سارے طبقات قیامت تک کے لئے آگئے) اِتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ باحسان کی قید بہت قابلِ غور ہے۔ مہاجرین ہوں یا انصار، صحابہ کرام کی کوئی سی بھی قسم ہو،

بہرحال یہ حضرات معصوم نہ تھے۔ عصمت صرف خاصۂ نبوّت ہے۔ اس لئے حکم ان حضرات کے اتباع مطلق کا نہیں۔ بلکہ قید یہ لگی ہوئی ہے کہ "نیک کرداری میں اُن کا اتباع کیا جائے"۔ محققین اہلِ سُنّت نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اصحاب نبیؐ مقتدایانِ اُمّت ہیں اور تمام صالحین ان کے تابع۔ انہی محققین نے ایک نکتہ اور بھی پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باہمی مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ اُن سے ہمارے لئے یہ روا نہیں ہو جاتا کہ ایک کے اتباع کے زور میں ہم دوسرے کی عیب جوئی کرنے لگیں۔ پس امیر المومنین حضرت علیؓ تو خیر اجلّ اصحاب نبی اور خلفائے راشدین میں ہیں، امیر معاویہ جو یہ مرتبہ نہیں رکھتے وہ بھی بہرحال صحابی ہیں۔ اُن تک کے حق میں زبانِ طعن کھولنا درست نہیں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ۔ فقہاء نے اس سے یہ بھی نکالا ہے کہ سابق کو متاخر پر فضیلت ہے اس لئے کہ پہلا شخص نیکی کا داعی ہوتا ہے اور دوسرا اُس کا تابع و مقلد اور سابق کو دُہرا اجر ملتا ہے۔ ۱۸۴ (اللہ کی طرف سے رضا تو یہ کہ اُس نے ان سب کا ایمان مقبول فرمایا اور سب کو صلہ و جزا سے سرفراز کیا اور بندوں کی طرف سے رضا یہ کہ انہوں نے دل سے طاعت و اطاعت اختیار کی) بہرحال آیت نے مہاجرین سابقین اور ان کے تابعین سب کی مدح صاف صاف کر دی بشرطیکہ اتباع نیک کرداری میں پُورا پُورا ہو بھی۔ رَضُوْا عَنْهُ کے تحت میں عارفین و مشائخ طریق نے بندہ کی رضامندی کے تین طبقے قرار دیئے ہیں:- (۱) دل مانے یا نہ مانے مگر اتباع احکام لازم و مقدم جانے۔ یہ مبتدی صاحبِ تقویٰ کا مقام ہے۔ (۲) تقدیرِ الٰہی اور احکام حضرتِ حق ایسے بامزہ و محبوب ہو جائیں کہ نفسانی خواہشوں کی طرف التفات ہی نہ ہو۔ یہ متوسطین کا طبقہ ہے جن کا مقام لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہوتا ہے۔ (۳) کمال توحید و عرفان میں ایسا مستغرق ہو کہ یہ تمام کائنات ذاتی و صفاتی عین فعل و امر حضرت حق ہی دکھائی دے اسباب کا حجاب اور وسائط و وسائل کا دخل ہی نہ رہ جائے۔ یہ مقام کاملین کا ہوتا ہے ———— امام غزالیؒ کا قول ہے کہ مقام رضا سے فائق و افضل کوئی مقام نہیں۔

۱۶۹ (اور ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا کوئی عذر بھی صحیح نہ تھا) یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ۔ خطاب میں اب رسول اللہ صلعم کے ساتھ مومنین بھی شریک ہیں اور ذکر انہی منافقین مخلّفین کا چل رہا ہے۔ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ۔ نزولِ آیت کا زمانہ سفرِ تبوک کا زمانہ ہے۔ یہ بات بطور پیشگوئی فرمائی جا رہی ہے کہ جب لشکرِ اسلام مدینہ واپس پہنچے گا تو منافقین اپنے اپنے عذرات پیش کریں گے۔ قُلۡ یعنی اے رسول آپ سب مومنین کی طرف سے کہہ دیجیے۔ لَا تَعۡتَذِرُوۡا۔ اعتذار یہاں بہانہ بنانے کے معنی میں ہے۔ ~~یعنی لا عذر لهم والمعاذير مبنية على الكذب~~ (روح) لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکُمۡ۔ فعل ایمان کا صلہ ل کے ساتھ آنے سے معنی یہ ہو گئے کہ ہم تمہاری تصدیق نہ کریں گے، تمہاری بات کو صحیح باور نہ کریں گے۔ ~~ای لن نصدقکم~~ (قرطبی) اَخۡبَارِکُمۡ۔ یعنی تمہاری وہ خبریں جنہیں تم چھپانا چاہتے تھے۔ ~~ای اخبرنا بسرائرکم~~ (قرطبی)

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا

یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم اُن کے پاس واپس جاؤ گے آپ کہہ دیجیے کہ

تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ؕ

بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے بیشک ہم کو اللہ تمہاری خبریں دے چکا ہے ۱۶۹

ع ۱۱

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ

اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھ لیں گے پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے

الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾

کے پاس واپس کئے جاؤ گے، تو وہ تمہیں جتلا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے تھے ۱۷۰

سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا

عنقریب یہ لوگ تمہارے سامنے جب تم اُن کے پاس واپس جاؤ گے اللہ کی قسم کھا جائیں گے تاکہ تم ان کو

عَنۡهُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ

ان کی حالت پر چھوڑے رہو ۱۷۱ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو ۱۷۲، بیشک یہ گندے ہیں ۱۷۳، اور ان کا ٹھکانا

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ لِتَرۡضَوۡا

دوزخ ہے بدلہ میں اُس کے جو کچھ وہ کرتے رہے یہ تمہارے سامنے قسمیں اس لئے کھائیں گے کہ تم

عَنۡهُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ

ان سے راضی ہو جاؤ، سو تم اگر ان سے راضی ہو (بھی) جاؤ تو اللہ (تو) نافرمان لوگوں سے راضی

الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۹۶﴾ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا

نہیں ہوتا ۱۷۴ دیہاتی (منافقین) کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں ۱۷۵ اور ایسے ہی ہیں کہ ان

۱۷۰ منافقوں کو جتلا دیا گیا ہے کہ تمہاری نیت کا کھوٹ اللہ پر تو سب روشن ہی ہے اور آخرت میں تم سب پر بھی روشن ہو کر رہیگا لیکن اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بھی اللہ اپنی وحی خاص سے اپنے رسول اور ان کے ذریعہ سے مومنوں کو تمہاری حرکتوں پر مطلع کئے دیتا ہے۔ سَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ۔ یعنی یہ معلوم ہی ہو کر رہے گا کہ تم اخلاص و اطاعت کے دعووں میں کہاں تک صادق ہو اور ہنوز نفاق پر قائم ہو، یا اب نادم ہو کر توبہ کر رہے ہو۔ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ۔ یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اُس حاکم مطلق سے تمہارا نہ کوئی اعتقاد مخفی ہے نہ کوئی عمل۔ نفاق و اخلاص دونوں کا امورِ غیب سے ہونا ظاہر ہے۔ ۱۷۱ (اور کسی قسم کی ملامت و مواخذہ ان سے نہ کرو) سَیَحۡلِفُوۡنَ۔ یہ حلف اس مضمون کا ہوگا کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں اور معذوریاں لاحق رہیں۔ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ۔ یعنی جب تم معرکۂ جہاد سے مدینہ واپس ہو گے۔ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ۔ اعراض یہاں عفو و درگزر اور چشم پوشی کے معنی میں ہے۔ ~~ای لتصفحوا عنهم~~ (قرطبی) ۱۷۲ (اور اس دنیا میں ان کی اصلاح کی امید نہ رکھو) یعنی اچھی بات ہے ان کی خواہش پوری کر دو اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرو۔ تعرّض سے مقصود تو اصلاح ہوتی ہے، سو اس کی کوئی توقع ہی ان کے خبث کی بنا پر نہیں۔ فَاَعۡرِضُوۡا۔ اعراض یہاں ردّ و ترک اور قطعِ تعلق کے مفہوم میں ہے۔ ۱۷۳ (اپنے عقاید کفر و نفاق کے اعتبار سے اور اس خبث کا علاج آتشِ جہنم ہی سے ہو سکے گا، تمہارا التفات ہی ان کی طرف بے کار ہے) اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ۔ تقدیرِ کلام یہاں ذو رجس کی سمجھی گئی ہے اور معنی یہ لئے گئے ہیں کہ ان کے عمل گندے ہیں۔ ~~تعليل لترك [illegible] معاتبتهم ای ان المعاتبة لا تنفع فيهم~~ (مدارک) ~~ای ان عملهم رجس والتقدير انهم ذو رجس~~ (قرطبی) فقہاء اُمت نے ان الفاظ سے کافروں سے ترکِ موالات و ترکِ مخالطت وغیرہ کا حکم مستنبط کیا ہے۔ ~~هذا يدل على وجوب مجانبة الكفار و ترك موالاتهم ومخالطتهم وايناسهم وتقريبهم~~ (جصاص) ~~المعنى ان خبث باطنهم رجس روحانی فكما يجب الاحتراز عن الارجاس الجسمانية فوجوب الاحتراز عن الارجاس الروحانية اولى خوفاً من سريانها الى الانسان~~ (کبیر) ۱۷۴ (سو تمہاری رضامندی سے ان دشمنانِ دین کو نفع ہی کیا پہنچ سکتا ہے) منافقین کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ اللہ کے بجائے اُس کے بندوں کی رضا جوئی میں لگے رہتے ہیں، قرآن مجید کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ مومنین کی رضامندی اللہ کی رضامندی کو مستلزم نہیں۔ ~~انما قيل ذلك لئلا يتوهم ان رضا المؤمنين يقتضي رضا الله عنهم~~ (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ حلف کے بعد قبول عذر لازم نہیں۔ ~~يدل على ان الحالف على الاعتذار [illegible] كان متهماً لا يجب [illegible] عنه وقبول [illegible] لان الآية قد اقتضت النهي عن الرضاء عن هؤلاء مع ايمانهم~~ (جصاص) لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ۔ یعنی تمہارے سامنے یہ جو قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کر لینا چاہتے ہیں تو اس سے بھی اُن کی غرض صرف اس قدر ہے کہ دنیا میں تمہارے ہاتھ سے گزند پہنچنے سے محفوظ رہیں۔ ۱۷۵ (اپنی سخت مزاجی اور تند خوئی کی بنا پر) ذکر اب دیہاتی عربوں کا شروع ہوا ہے ان میں سے جو منافق تھے وہ اپنی منافقت میں مدینہ کے شہری منافقوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ اَلۡاَعۡرَابُ۔ اعراب کی جمع ہے۔ اردو میں بھی انہیں اعرابی ہی کہتے ہیں۔ ~~والاعرابی اعراب [illegible] الاعراب على الاعراب [illegible]~~ اور اعراب کا اطلاق بدوی یا دیہاتی اہل عرب پر ہوتا ہے۔ ~~الاعراب سكان البادية خاصة~~ (ابن) ~~صار ذلك اسما لسكان البادية [illegible] من المتوطن القرى العربية فهو عرب ومن نزل البادية فهو [illegible]~~ ان میں کثرت سے منافقین تھے۔ مراد ~~طائفة [illegible] كانوا [illegible]~~ (جصاص)

الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ
بیماروں پر اور نہ اُن پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں
حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ
پاتے جب کہ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ وہ خلوص رکھیں نیکوکاروں پر کوئی
مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى
الزام نہیں ۱۶۵ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۶۶ اور نہ اُن
الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ
لوگوں پر (کوئی الزام ہے) کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری دے دیں اور آپ
مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ
کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ ہے نہیں جس پر تمہیں سوار کردوں، تو وہ واپس جاتے ہیں اس حال میں کہ
مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۭ﴿۹۲﴾
اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ انہیں کچھ میسّر نہیں جو وہ خرچ کریں ۱۶۷
اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ
الزام تو بس اُن لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں درآنحالیکہ وہ
هُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ
اہل مقدرت ہیں، یہ راضی ہوگئے اس پر کہ رہ جائیں خانہ نشین عورتوں کے ساتھ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾
اور مُہر کردی اللہ نے اُن کے دلوں پر سو یہ جانتے ہی نہیں ۱۶۸

۱۶۵ (کہ یہ سب عذر واقعی رکھنے والے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے قاعدۂ کلیہ کے تحت میں آجاتے ہیں) اس آیت میں صفائی اُن اعراب کی طرف سے پیش ہوگئی جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے۔ نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی دوسرے احکام میں اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت دل سے کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو شخص کسی عذر کی بنا پر کسی عمل سے قاصر ہو مگر نیت یہ رکھتا ہو کہ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو ضرور یہ عمل کرتا تو وہ اُس عمل کی برکتوں سے محروم نہیں رہتا۔ ۱۶۶ کسی پر خواہ مخواہ گرفت اور سختی کا تو اس کے ہاں امکان ہی نہیں۔ ۱۶۷ (سامان جہاد میں)۔ آیت میں اُن مخلص، معذور دیہاتیوں کے مزید اخلاص پر گواہی مل رہی ہے۔ لِتَحْمِلَهُمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اُن کے لئے سواری کا انتظام کردیں۔ احملنی اے اعطنی ظھرًا ارکبہ (تاج) اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ یہ طرزِ ادا ابلغ تر ہے۔ یفیض دمعھا سے، کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا ہوا آنسو بنا دیا گیا ہے۔ ھو ابلغ من یفیض دمعھا لان العین جعلت کان کلھا دمع فائض (کشاف) ۱۶۸ (کہ گناہ و ثواب کیا ہے۔ اور حمیت و بے حمیتی کیا ہے) يَسْتَاْذِنُوْنَكَ۔ یعنی جہاد سے جی چرا کر گھر پر رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ اور طبع اللہ علی قلوبھم کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۶۰ بالا ۔:.

۱۶۰ (اور اُن سے احساس ہی اپنی دون فطرتی کا رخصت ہوگیا ہے) اَلْخَوَالِفُ سے مُراد یہاں عورتیں ہیں۔ ابن عباسؓ صحابی اور متعدد تابعین سے یہی منقول ہے۔ عورتیں چونکہ گھر میں بیٹھی رہ جانے والیاں ہیں اسی لئے اُنہیں خوالف کہتے ہیں۔ الخوالف ای النساء (ابن جریر۔ عن ابن عباس وقتادہ ومجاہد والضحاک والحسن وابن زید) الخوالف النساء قالہ الجمھور کابن عباس ومجاھد وقتادہ وشمر بن عطیہ وابن زید والفراء (بحر) ای النساء اللاتی تخلفن فی البیوت (جلالین) رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ شریعت اسلام نے جو شاغل حیات مرد کے ساتھ مخصوص کر رکھے ہیں اور عورت کو اُن سے الگ کر رکھا ہے، اُن میں سے ایک شغل جہاد کا بھی ہے۔ آیت میں جہاد سے جی چُرانے والوں پر طنز ہے کہ مرد ہو کر اچھے خاصے عورت بنے جا رہے ہیں۔ تھجین لھم ومبالغۃ فی الذم والخوالفُ النساء قالہ الجمھور ... وذلک ابلغ فی الذم لانھم نزلوا انفسھم منزلۃ النساء (بحر) طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی اُن کی مسلسل شرارتوں اور خباثتوں اور کفر و نفاق اختیاری کی بنا پر توفیق خیر ہی اُن سے سلب ہو گئی ہے۔ لاختیارھم الکفر والنفاق (مدارک) فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ یہ مُہر زدہ لوگ احکام جہاد کی مصلحتوں اور حکمتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ای لا یفقھون اسرار حکمۃ اللہ فی الامر بالجھاد (کبیر)

بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

اس پر راضی ہوگئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں، اور ان کے دلوں پر مُہر لگ گئی

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سو وہ سمجھتے ہی نہیں ۱۶۰ البتہ رسول اور جو لوگ اُن کی ہمراہی میں ایمان

مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

لاچکے ہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ

خوبیاں ہیں اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ۱۶۱ اللہ نے ان

اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

کے لئے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ

رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے اور دیہاتیوں میں سے بہانہ باز

مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا

لوگ آئے کہ انہیں اجازت مل جائے ۱۶۲ اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

سے (بالکل ہی) جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے ۱۶۳ ان میں جو کافر رہیں گے وہ عذاب دردناک

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَي الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي

میں مُبتلا ہوں گے ۱۶۴ کوئی گناہ ناطاقتوں پر نہیں ہے اور نہ

ع ۱۱ / ۱۷

۱۶۱ (دنیا و آخرت دونوں میں) اَلْمُفْلِحُوْنَ۔ فلاح کی وسعت و عموم مفہوم پر حاشیہ شروع پارۂ اوّل میں اولٰئک ھم المفلحون کے تحت میں گزر چکا۔ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ محقق تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ مومنین کے ساتھ یہاں ذکر رسولؐ لے آنا مومنین کی ہمت افزائی و قدر افزائی کے لئے ہے کہ جہاد میں اُن کا اخلاص بھی کامل ہے جیسا کہ رسولؐ کا اخلاص اکمل ہے۔ اَلْخَيْرٰتُ۔ یہ دنیوی و اُخروی دونوں عالموں کی خوبیوں کا جامع ہے۔ وظاھر اللفظ عمومھا لمنافع الدارین کالنصر والغنیمۃ فی الدنیا والجنۃ ونعیمھا فی الاخرٰی (روح) تناول منافع الدارین لاطلاق اللفظ (مدارک)

۱۶۲ منافقین کا دائرہ شہری آبادیوں تک محدود نہ تھا، شہر مدینہ کے باہر بعض دیہاتی قبیلے بھی منافق تھے۔ اب ذکر ان کا آرہا ہے، اور ان کی بھی دو قسمیں بیان ہوں گی۔ اَلْاَعْرَابُ۔ عرب کہتے ہیں نسل حضرت اسمٰعیلؑ کو اور اعراب اسی کی جمع ہے لیکن اعراب کا اطلاق صرف دیہاتی آبادی کے لئے مخصوص رہ گیا ہے۔ صار ذٰلک اسمًا لسکان البادیۃ (راغب) ھم سکان البادیۃ خاصۃ (تاج) اَلْمُعَذِّرُوْنَ۔ مُعَذِّرُ ایسے عذر ظاہر کرنے والے کو کہتے ہیں جس کے پاس حقیقۃً کوئی عذر نہ ہو اور وہ محض بہانہ کر رہے ہوں۔ ازہری لغوی نے ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ معذّرین وہ لوگ ہیں جو عذر نہ رکھتے ہوں اور عذر پیش کریں۔ المعذّر ھو المظھر للعذر اعتلالًا من غیر حقیقۃ لہ فی العذر وھو لا عذر لہ .... والمعذرین الذین یعتذرون بلا عذر (لسان) ھم الذین لا عذر لھم ولکن یتکلفون عذرًا (تاج) المعذر الذی یعتذر بلا عذر (کبیر) بلکہ معتذر و معذر کے درمیان فرق ہی یہ ہے کہ معتذر کا عذر ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ غلط ہو لیکن معذّر کا عذر ہمیشہ غلط ہی ہوگا۔ المتعذر یکون محقًا ویکون غیر محق والمعذر الذی لیس بمحق یعتذر بلا عذر (لسان) قال الازھری قد یکون المعذر غیر محق وھم الذین یعتذرون بلا عذر (تاج)

۱۶۳ (اور ایسے بے باک نکلے کہ ظاہر داری بھی نہ برتی اور جھوٹا عذر کرنے بھی نہ آئے) كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یہ کذب دعوٰی ایمان میں تھا۔ یعنی ان کا دعوٰی ایمان کذب خالص تھا۔ قَعَدَ الَّذِيْنَ۔ ذکر انہی دیہاتیوں کا چل رہا ہے۔

۱۶۴ (دنیا میں قتل سے اور آخرت میں دوزخ سے) ای فی الدنیا بالقتل وفی الاخرۃ بالنار (کبیر) مِنْهُمْ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ عالم الغیب کو علم تھا کہ بعض ان میں سے ایمان لے آئیں گے اور عذاب سے مخلصی حاصل کرلیں گے۔ انما قال منھم لانہ تعالٰی کان عالمًا بان بعضھم یؤمن ویتخلص عن ھذا العقاب (کبیر)

وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ
اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن (دین) سے لڑو گے ۱۵۳ تم وہی ہو کہ پہلی بار بھی تم نے بیٹھے رہنے
أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَلَا تُصَلِّ
کو پسند کیا تھا سو پیچھے رہ جانے والے معذوروں کے ساتھ اب بھی بیٹھے رہو ۱۵۴، اور ان میں سے جو
عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ
کوئی مر جائے اُس پر کبھی بھی نماز نہ پڑھیئے اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہو جیئے ۱۵۵
إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨٤﴾
بیشک انہوں نے اللہ اور اُس کے رسُول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ
وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ
نافرمان تھے ۱۵۶ اور اُن کے مال اور اُن کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے ۱۵۷ اللہ کو تو یہی منظور
أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَ
ہے کہ انہیں ان کے ذریعہ سے دنیا میں بھی عذاب کرتا رہے اور اُن کی جانیں اس حال میں نکلیں
هُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ
کہ وہ کافر ہوں ۱۵۸ اور جب کوئی ٹکڑا (قرآن کا) اس مضمون کا نازل کیا جاتا ہے کہ اللہ پر
وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ
ایمان لاؤ ۱۵۹ اور اس کے رسُول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو اُن میں سے مقدرت والے آپ سے
مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُن مَّعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا
رخصت مانگنے لگتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے کہ ہم یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں؛

۱۵۳ (تمہارے دل کا خبث اللہ نے مجھ پر روشن کر دیا۔ اسی وحی الٰہی کے بھروسہ پر میں یہ وثوق سے کہہ رہا ہوں) فَاسْتَأْذَنُوكَ۔ یہ اُن کا اجازت طلب کرنا خوشامد و تملق کی راہ سے ہو
۱۵۴ (اسلئے کہ دل میں عزم بھی تمہارے اب بھی یہی ہے) الخالفین یعنی وہ کُل لوگ جو کسی عذر حقیقی کی بنا پر پیچھے رہ گئے، مثلاً بیمار یا بوڑھے یا بچے یا عورتیں۔ اے المتخلفین لعدم لیاقتھم کالنساء
والصبیان والرجال العاجزین وجمع المذکر للتغلب (روح) وتفسیر الخالف بالمتخلف هو المأثور عن اکثر المفسرین السلف (روح) ۱۵۵ (دفن وغیرہ کے واسطے تعظیماً) "قیام
علی القبر سے مُراد وہ ہے جو بطور اکرام کے ہو خواہ بہ غرض زیارت ہو یا بہ غرض دفن اور اگر عبرت اور تذکر موت کے لئے ہو، یا ضرورت کے لئے ہو تو اس طرح قیام علی القبر درست ہے لیکن اگر زیارت بہ غرض عبرت میں کوئی
مفسدہ دینیہ ہو تو جائز نہیں" (تھانوی) وَلَا تُصَلِّ
عَلَىٰ أَحَدٍ مُراد نماز جنازہ ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ
پڑھنا ممنوع ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ قبر پر جا کر قیام
ہو کر دعا وغیرہ کرنے کا نفع اُس سے زاید ہے جتنا غیبت
میں دعا کرنے سے ہوتا۔ آیت سے فقہاء نے کئی مسائل
نکالے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ ہر مسلمان کی میت پر نماز جنازہ
ضروری ہے۔ اور کفار کی میت کے لئے اس کی ممانعت ہے
فیہ الدلالة علیٰ معان احدھا فعل الصلوٰۃ علیٰ موتی
المسلمین وحظرھا علیٰ موتی الکفار (جصاص) کان ھٰذا
یصنع من اکبر القربات فی حق المومنین فشرع ذٰلک
وفی فعلہ الاجر الجزیل کما ثبت فی الصحاح وغیرھا
(کبیر) دوسری بات یہ کہ قبرِ مسلم پر اہتمام دفن کے لئے کھڑا
ہو جائے۔ چنانچہ اس پر رسُول اللہ (صلعم) کا عمل بھی تھا۔ و
یدل ایضاً علی القیام علی القبر الیٰ ان یدفن وعلیٰ
ان النبی صلعم قد کان یفعلہ (جصاص) عن عثمانؓ
کان رسول اللہ صلعم اذا فرغ من دفن المیت وقف
علیہ وقال استغفروا لاخیکم واسألوا اللہ التثبیت
فانہ الاٰن یُسْئَل (ابوداؤد) ۱۵۶ فاسقون
یہاں کافروں کے معنیٰ میں ہے۔ اے متمردون
فی الکفر خارجون عن حدودہ (روح) فاسقون اے
کافرون (جلالین) اور جو کافر مرے اُس کے لئے
دعا و استغفار یا اُس کے کفن و دفن میں شرکت درست
نہیں، وَهُمْ فَاسِقُونَ۔ یہ گویا ممانعت نماز
جنازہ وغیرہ کی علّت بیان کر دی گئی یعنی جب وہ ایمان
سے خالی ہیں اُن میں اس کی اہلیت ہی نہیں کہ اُن پر
نماز جنازہ پڑھی جائے۔ تعلیل للنھی اے انھم
لیسوا باھل للصلوٰۃ علیھم لانھم کفروا باللہ
ورسولہ (مدارک) ۱۵۷ (کہ جب یہ
مبغوض و مردود ہیں تو ان پر یہ نعمتیں کیسی؟) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۲ بالا۔ ۱۵۸ (جس سے آخرت میں بھی وہ مبتلائے عذاب ہی رہیں) يُرِيدُ اللَّهُ۔ اللہ کے اس ارادہ سے ظاہر ہے
کہ اُس کی مشیتِ تکوینی ہی مُراد ہے۔ آیت ابھی چند سطر قبل اُوپر آچکی تھی تکرار سے مقصود تاکید اور زور دینا ہے۔ التکریر للمبالغة والتاکید (مدارک) ۱۵۹ (محض زبان
سے نہیں، دل سے بھی) سورةٌ۔ سورت سے یہاں اصطلاحی سورت مُراد نہیں لفظی معنی مُراد ہیں، یعنی قرآن مجید کا چھوٹا بڑا کوئی سا بھی ٹکڑا خواہ وہ پوری سورت ہو یا اُس کا کوئی جزء۔
یجوز ان یراد سورة بتمامها وان یراد بعضها (مدارک) اے طائفة من القرآن (جلالین) لفظ قرآن سے بھی تو اسی طرح پورا قرآن ہی مراد ہوتا ہے اور قرآن کا ہر حصّہ بھی۔ اور لفظ
الکتاب سے بھی اسی طرح کُل کتاب بھی مُراد ہوتی ہے اور ہر حصّہ کتاب بھی۔ أُولُو الطَّوْلِ۔ یعنی وسعت و مقدرت والے لوگ۔ اے اصحٰب الفضل والسعة (کشاف)
اولوا الطول کے ذکر سے یہ مُراد نہیں کہ صرف اہلِ مقدرت رخصت مانگتے تھے بلکہ اس سے غیر اہل مقدرت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ جب مقدرت والوں کا یہ حال تھا تو غیر اہل مقدرت کا حال ضرور
ہی یہ ہوتا۔ وَقَالُوا۔ و یہاں عاطفہ نہیں، تفسیری ہے یعنی پچھلے فقرہ کے استاذنک کی شرح اگلے فقرہ میں کر رہا ہے۔ عطف تفسیری (ابوالسعود)

سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ
ستر بار (بھی) استغفار کریں گے جب بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا ۱۴۷ یہ اس لئے کہ انہوں نے
كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ
اللہ اور اُس کے رسُول کے ساتھ کفر کیا، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں
الۡفٰسِقِيۡنَ ۘ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ
کرتا ۱۴۸ (یہ) پیچھے رہ جانے والے رسُول اللہ کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر
رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ
خوش ہوگئے ۱۴۹ اور اُن کو گراں گزرا کہ یہ اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ
وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى
اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور یہ کہنے لگے کہ (ایسی تیز) گرمی میں
الۡحَـرِّ ؕ قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۸۱﴾
(گھر سے) مت نکلو ۱۵۰ آپ کہہ دیجیے کہ جہنم کی گرمی (اس سے بھی) زیادہ تیز ہے ۱۵۱ کاش وہ سمجھتے ہوتے!
فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا
سو تھوڑے دن ہنس لیں اور پھر (آخرت میں) بہت دن روتے رہیں اُن کاموں کے بدلہ میں جو
يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ
وہ کرتے رہتے ہیں ۱۵۲ تو اگر اللہ آپ کو واپس لائے ان کے کسی گروہ کی طرف اور یہ
فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا
لوگ آپ سے (ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلوگے،

ع ۱۰ ۸ ۱۶

۱۴۷ (اس لئے کہ مغفرت کی بنیاد یعنی ایمان ہی سرے سے مفقود ہے اور منافقین کے حق میں دُعا اور عدم دُعا دونوں عدم نفع کے لحاظ سے یکساں ہیں)۔ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ ستر سے مُراد یہاں عدد کامل یا کثرت استغفار ہے اور ستر تحدید کے لئے نہیں صرف تکثیر کے لئے آیا ہے جیسا کہ محاورۂ عرب میں اکثر آتا ہے۔ والسبعون جار مجری المثل فی کلامھم للتکثیر (کشاف) ذکر تسبعین علی وجہ المبالغة فی الیاس من المغفرة (جصاص) لان العرب فی اسالیب کلامھم تذکر السبعین فی مبالغة کلامھا ولا تريد التحديد بھا (ابن کثیر) روایتوں میں آتا ہے کہ عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول منافقین مدینہ کا رئیس و سردار تھا۔ اُس کا لڑکا مومن مخلص تھا۔ باپ کے مرنے پر آکر رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں درخواست جنازہ پڑھانے کی کی۔ آپ کھڑے ہوگئے حضرت عمرؓ نے دامن پکڑا کہ آپ تو نماز سے منع کر دیئے گئے ہیں، آپؐ نے کہ مجسمۂ رحمت و شفقت تھے اور منافقین و منکرین کی تالیف قلوب کی مصلحت بھی آپ کی نگاہ دُور رس میں تھی، باوجود اہل زبان ہونے کے آیت میں تاویل فرمائی اور لفظی گنجائش نکال کر ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اختیار دیا گیا ہے چاہوں استغفار کروں چاہوں نہ کروں ستر بار تک مغفرت نہ ہوگی میں اس سے زیادہ استغفار کروں گا، چنانچہ آپؐ نے نماز پڑھادی۔ آیت ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا اس کے بعد اتری۔ آیت پر سوال یہ ہوا ہے کہ آپؐ نے منافق کے کفر کے علم کے باوجود اُس کے لئے استغفار کیسے کر دیا۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُس کے کفر کا علم قطعی تو آپؐ کو اس آیت کے نزول کے بعد ہی ہوا نہ کہ اُس کے قبل سے تھا۔ محققین نے آیت اور اس کے شان نزول دونوں سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مجتہد کو چاہیئے کہ آیاتِ عذاب میں تاویل اور وعدہ کے انعام میں توسیع کرتا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپؐ کا یہ استغفار اگر ہوتا تو فرطِ رحمت و شفقت کی بنا پر ہوتا۔ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ عدم استغفار اصل ضابطہ شریعت اور استغفار کی عدم نافعیت کی بنا پر ہوتا۔ کفر ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے پیمبر برحق تک کی سفارش بے اثر رہتی ہے اعاذنا اللہ منه۔ فیه اخبار بان استغفار النبی صلعم لھم لا یوجب لھم المغفرة (جصاص)

۱۴۸ چنانچہ یہ لوگ کفر ہی پر قائم رہے اور کفر ہی پر ختم رہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کافر کے لئے استغفار اور اُس کی نماز جنازہ درست نہیں، آیت میں استغفار رسُول کی عدم نافعیت کی وجہ بیان کر دی کہ وہ کفر ہے اور اس مانع کا دفعیہ عدد استغفار کی کمی زیادتی سے نہیں ہو سکتا۔ بین ان العلة التی لاجلھا لا ینفعھم استغفار الرسول وان بلغ سبعین مرة کفرھم وفسقھم وھذا المعنیٰ قائم فی الزيادة على السبعين (کبیر) اَلْفٰسِقِيْنَ۔ یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو ایمان و حق کی طلب ہی نہیں کرتے محض گنہگار ہونا مُراد نہیں، بلکہ ایمان سے خارج ہونا مراد ہے۔ اے الخارجین من الایمان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ مغفرت کی طرف سے قطعی محرومی و مایوسی۔ اشارة الی الیاس من المغفرة (مدارک)

۱۴۹ (جب کہ آپؐ غزوۂ تبوک پر روانہ ہو چکے) حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اَلْمُخَلَّفُوْنَ۔ اس کے لفظی معنی ہیں "وہ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے"، رہ جانے والے وہ منافقین ہیں جنہوں نے طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ خِلٰفَ۔ کے معنی بعد کے ہیں۔ اے خلفه (کشاف) بمعنی بعد وخلف (روح) قال الاخفش ان خلاف بمعنی خلف وان یونس رواه عن عیسی بن عمر ومعناه بعد رسول اللہ (کبیر) لیکن دوسرے معنی "مخالفت میں"، کے بھی ہیں۔ قیل ھو بمعنی المخالفة (کشاف و روح) یعنی مخالفة لرسول اللہ صلعم کما عن تعرب (از حاج)

۱۵۰ یہ منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ غزوۂ تبوک کا زمانہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے مشابہ اُن اہل باطل کا حال ہے جو سلوک کے شدائد اور لذائذ دنیوی کے فوت ہونے کو بڑے شد و مد سے بیان کر کے سالکین و طالبین کو راہ سلوک سے روکتے ہیں۔

۱۵۱ (لیکن اس آگ سے نہ ڈرتے ہو نہ اُس سے بچنے کا کوئی سامان کرتے ہو!)

۱۵۲ (اس دنیا میں جس کی عمر چند روزہ ہے) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ ہنسنے کا تعلق اسی دنیا سے ہے اور رونے کا عالم آخرت سے جس کی مُدت ختم ہونے والی نہیں۔ فلیضحکوا اور ولیبکوا گو صورۃً امر ہیں لیکن مراد یہاں صیغۂ امر سے بھی محض خبر ہی ہے جو اپنے وقوع میں تمام تر یقینی ہے۔ والامر بالضحك والبكاء فی معنی الخبر (کبیر) اخرجه علی صیغة الامر للدلالة علی انه حتم واجب (بیضاوی) قَلِيْلًا وَّكَثِيْرًا۔ قلیل میں اشارہ اس دنیا کی عارضی حیثیت کی جانب ہے اور کثیر میں آخرت کے دوام کی جانب۔ فقلیلا اشارة الی مدة العمر فی الدنیا وکثیرا اشارة الی تابید الخلود (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض لوگ ولیبکوا کثیرا کو جو خبر بصورت انشاء اور آخرت سے متعلق ہے، صیغۂ امر سمجھ کر اپنے مرشدوں سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں رونا نہیں آتا حالانکہ گریہ گو حیثیت محبت سے تو محمود ضرور ہے لیکن محمود ہونا کسی فعل کے واجب ہونے کو مستلزم نہیں۔ احکام تو صرف اُمور اختیاری میں ہیں اور گریہ امر غیر اختیاری ہے۔

۱۴۲ (یعنی ایمان اُن کے دلوں سے مفقود تو پیشتر ہی سے تھا۔ فکر، پر وا اعمالِ ایمانی کی پہلے بھی نہ تھی۔ اب عمل بھی ترک کر دیا۔ اے وھم قوم عادتھم الاعراض عن الطاعات فلا یُنکر منھم ھٰذا (روح) ۱۴۳ (شروع ہی سے) ''یعنی نیت ایفا کی اُس وقت بھی نہ تھی، پس نفاق تو اُس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ کذب و اخلاف ہے۔ پھر اس کذب و اخلاف کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے اور اس زیادت غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ نفاقِ سابق اب دائم و غیر زائل ہو گیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہو گی۔ اُسی حالت پر مر کر ابدالآباد جہنم میں رہنا نصیب ہو گا،، (تھانوی) فَاَعْقَبَهُمْ الخ ۔ یعنی چونکہ انہوں نے اپنے اِرادہ سے گمراہی اختیار کر لی، اللہ بھی ان کے اِرادہ کے خلاف ان کی گمرہی کو ہدایت سے نہ بدلے گا، اور انہیں بدستور اُسی حال میں پڑا رہنے دے گا۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
پھر جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے (مال) دے دیا تو لگے وہ اُس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے
مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ
اور مُنہ پھیرے ہوئے تو وہ تھے ہی۱۴۲، ۱۴۳ سو اللہ نے اُن کی سزا میں اُن کے قلوب میں نفاق قائم کر دیا جو
يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا
اُس کے پاس جانے کے دن تک رہیگا اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ سے اور اُس کے خلاف کیا جو کچھ اُس سے
يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ
وعدہ کر چکے تھے اور اسلئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۱۴۴، کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ کو ان کے دل کے راز کا اور ان
وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ
کی سرگوشی کا سب کا علم ہے اور یہ کہ اللہ چھپی باتوں سے خوب واقف ہے۱۴۴، یہ ایسے ہیں جو
يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ
صدقات کے باب میں نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور (خصوصاً)
وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ
اُن لوگوں پر جنہیں بجز ان کی محنت مزدوری کے کچھ نہیں ملتا سو اُن سے یہ تمسخر کرتے
مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾
ہیں اللہ اُن سے تمسخر کرتا ہے۱۴۵ اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہے ۱۴۶
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
آپ اُن کے لئے استغفار کریں خواہ اُن کے لئے استغفار نہ کریں، اگر آپ اُن کے لئے

قال الزجاج ان معناہ انھم لما ضلوا فی الماضی فھو تعالٰی اضلھم عن الدین فی المستقبل (کبیر) مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح طاعتوں سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے اسی طرح سے معصیتوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے۔ ۱۴۴ (تو ان کا ظاہری اسلام اور نقلی اظہار اطاعت ان کے کیا کام آسکتا ہے!) روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ثعلبہ بن حاطب زکوٰۃ لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اُس نے بہت ہائے واویلا کی مگر آپؐ نے قبول نہ فرمائی، اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ تینوں کی خلافت میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا اور ہر دفعہ وہ رَد ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ مر گیا۔'' ''احقر کہتا ہے کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا۔ بلکہ دفع عار و بدنامی کے لئے تھا۔ کیونکہ اعقبھم الخ سے اُس کا دائماً کافر رہنا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے اور شاید ممانعت قبول سے مُراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی ہو، اس طرح کہ قبول صدقہ کے لئے ایمان شرط ہے اور شرط کا انتفا مخصوص ہے پس مشروط بھی منہی عنہا ہو گا! اور ممکن ہے کہ مستقل وحی بھی اس میں نازل ہوئی ہو۔ اور خلفائے راشدینؓ کا قبول نہ کرنا آپؐ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا'' (تھانوی) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا۔ ہمزہ یا تو انکار، توبیخ و تہدید کے موقع پر آتا ہے کہ اُن کی جرأتیں اتنی بڑھتی گئیں کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور یا پھر اس تنبیہ کے لئے کہ اللہ اس امر پر اُن سے مواخذہ شدید کرنے والا ہے، والھمزة اما للانکار والتوبیخ والتھدید ای الم یعلموا ذٰلک حتّی اجترء وا علی ما اجترء وا علیہ من العظائم او للتقریر والتنبیہ علی ان اللہ سبحانہ مؤاخذھم ومجازیھم بما علم من اعمالھم (روح) اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ۔ ان لوگوں کی سرگوشیاں اور ان کی رازداریاں چونکہ وقتی چیزیں اور حادث تھیں اس لئے یہاں علم کا ذکر صیغۂ فعل مضارع کے ساتھ فرمایا گیا۔ وفی ایراد العلم المتعلق بسرھم ونجواھم الحادثین شیئًا فشیئًا بصیغة الفعل الدال علی الحدوث والتجدد (روح) اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ یہاں علم کا تعلق چونکہ بندوں سے نہیں بلکہ براہِ راست اللہ تعالٰی سے ہے، اس لئے صیغہ بھی اسم کا لایا گیا دوام کے ظاہر کرنے کو اور پھر اسم بھی صیغۂ مبالغہ کا؛ والعلم المتعلق بالغیوب الکثیرة بصیغة الاسم الدال علی الدوام والمبالغة من الفخامة والجزالة ما لا یخفی (روح) ۱۴۵ (اور تمسخر کا درجہ مطلق طعن سے بڑھا ہوا ہے) اَلَّذِيْنَ۔ ھم الذین کے مرادف ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ منکرین اولیاء کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی اُن کے ہر عمل اور ہر حال پر عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔ ۱۴۶ (خواہ دنیا خواہ آخرت میں) سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ یعنی اُن کے تمسخر کی خوب سزا انہیں دے کر رہے گا۔ عربی میں بہ طریق مجازات و مشاکلت اسی لفظ کو اُلٹ دینے کا دستور عام ہے جیسا کہ دیباچہ میں ذکر آچکا ہے اور محاورۂ قرآنی میں بار بار یہ استعمال ہوا ہے۔ اے جازاھم جزاء السخریة (ابن قتیبہ) مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ تمسخر سے دل چونکہ اور زیادہ دُکھتا ہے اس لئے اس کا ذکر وقوع اور جزا دونوں میں خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔

وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

کیجیے ۱۳۶ اور ان پر سختی کیجیے ۱۳۷ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ

(وہ) بُری جگہ ہے یہ لوگ اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی

قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ

حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی اور اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کافر ہوگئے اور

هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ

ایسی بات کا بھی ارادہ کیا جو انہیں حاصل نہ ہوسکی ۱۳۸ اور انہوں نے بدلہ صرف اس بات

اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا

کا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مالدار کر دیا تھا ۱۳۹ سو اگر یہ توبہ کرلیں

لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي

تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور اگر روگردانی کریں تو اللہ انہیں ایک دردناک سزا دنیا اور

الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ

آخرت میں دے گا اور ان کا (روئے) زمین پر نہ کوئی یار ہے

وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا

اور نہ مددگار ۱۴۰ اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل

مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

سے ہمیں (مال) عطا کرے تو ہم خوب (اس میں سے) تصدق کریں گے اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں ۱۴۱

۱۳۶ (ہر ایک کے حسبِ حال) لفظ جہاد قتال کے مُرادف نہیں، قتال اُس کی صرف ایک فرد ہے۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ کافروں سے جہاد کی شکل ایک ہوگی اور منافقوں سے جہاد کی شکل دوسری۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ۔ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ وقتال سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع الكفار بالسيف (قرطبی عن ابن عباسؓ) دلت الدلائل المنفصلة على ان المجاهدة مع الكفار يجب ان تكون بالسيف (کبیر) وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ منافقوں کے مقابلہ میں جہاد قول ولفظ اور عملی برتاؤ سے ہوگا۔ امر بالجهاد مع المنافقين باللسان وشدة الزجر والتغليظ (قرطبی عن ابن عباس) باقامة الحدود عليهم وباللسان (قرطبی عن الحسن وقتادة) باظهار الحجة تارةً وبترك الرفق ثانياً وبالانتهار ثالثاً (کبیر) ۱۳۷ (جس کے وہ مستحق ہیں) غِلْظَةً کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے۔ اور غلظ لغت میں رافت یا نرمی کی ضد ہے، مُراد یہ ہے کہ اُن کے مقابلہ میں نرم نہ پڑیے مضبوطی سے قائم رہیے۔ الغلظ نقيض الرافة وهى شدة القلب (قرطبی) آج کے دورِ دجل وتلبیس میں لفظ "رواداری" جس معنی میں چلا ہوا ہے، اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں۔ دوستانِ حق سے وہ اُس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں اسی طرح دشمنانِ حق سے بھی اسی سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے اور محنت اُٹھا اُٹھا کر انہیں زندہ رکھتا اور بڑھاتا ہے اور سانپوں، بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے، عقل کی تعلیم یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں اور یکساں "رواداری" سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ فقہا مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فساد عقیدہ کی اطلاع مل جائے اُس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا اور اُس کے مقابلہ میں سختی بھی حسبِ طاقت وضرورت استعمال کی جائے گی۔ كل من وقف منه على فساد فى العقيدة فهذا الحكم ثابت فيه يجاهد بالحجة وتستعمل معه الغلظة ما امكن منها (مدارک)

۱۳۸ تبوک سے واپسی کے موقع پر چند منافقوں نے حضورِ اکرم صلعم سے متعلق سازش کی کہ فلاں گھاٹی سے آپ شب میں گزرینگے سب مل کر آپؐ پر ہاتھ چلائیں اور ہوسکے تو زندگی ہی کا خاتمہ کر دیں چنانچہ راستہ میں ایک جگہ چھپ کر اور اپنے چہروں کو چھپا کر بیٹھ گئے آپؐ کے ہمراہ صحابیوں میں سے حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ تھے عمارؓ کو تو ان لوگوں نے گھیر لیا، لیکن حذیفہؓ کی شجاعت کام آئی اور یہ بزدل منتشر ہوگئے۔ رات کے اندھیرے اور چہرے کے چھپے ہونے کے باعث پہچانے نہ گئے۔ حذیفہؓ نے جب رسول اللہ صلعم تک خبر پہنچائی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ بارہ آدمی فلاں اور فلاں تھے ان لوگوں سے جب سوال کیا گیا تو وہ حلف کے ساتھ انکار کر گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ سے فقہا مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ اسلام ایمان کے مُرادف ہے، اس لئے کہ ٹھیک کفر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ فيه دلالة على ان الايمان والاسلام واحد لانه قال وكفروا بعد اسلامهم (مدارک) كَلِمَةَ الْكُفْرِ۔ ہر وہ بات ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہو، یا پائی جائے۔ وكلمة الكفر كل كلمة فيها جحد لنعمة الله او ملغت منزلتها فى العظم (جصاص)

۱۳۹ یہ ایک طنز لطیف ان منافقوں کی کمینہ فطرتی پر ہے، منافقینِ مدینہ عموماً غریب تھے، اسلام ہی کی بدولت انہیں مالِ غنیمت میں کچھ حصہ ملنے لگا تھا اور اسی سے اُن میں کچھ خوشحالی آگئی تھی۔ پھر سازشیوں کا ایک خاص سرغنہ جُلاس (جو بعد کو بحمد اللہ پختہ مسلمان ہوگیا تھا) تو خاص طور پر رسول اللہ صلعم کا ممنونِ کرم تھا کہ آپؐ نے ایک بار اُس کا ایک بڑا قرضہ اتار دیا تھا۔ ایسے طنز یہ محاورہ ہر زبان میں ہیں۔ اُردو میں بھی تو کہتے ہیں کہ "جی ہاں مجھ سے یہ خطا تو ضرور ہوئی تھی کہ وقت پر اُس شخص کے کام آگیا تھا"۔ ۱۴۰ (کہ انہیں اس سزائے دردناک سے بچالے اور جب دنیا ہی میں انہیں کوئی یار مددگار نہیں ملتا تو آخرت میں تو بدرجۂ اولیٰ منفی ہوگا) فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی اگر اپنے نفاق سے توبہ کرلیں تو دنیا وآخرت دونوں کی سزاؤں سے بچ جائیں گے بلکہ دارین میں نفع ہی میں رہیں گے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ اظہار ایمان کرنے والے اور باطناً کفر میں پڑے رہنے والے زندیق کی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ فى ما نص الله علينا من شان المنافقين دلالة على قبول توبة الزنديق المسر للكفر والمظهر للايمان (جصاص) يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ اس بہتری کا تعلق دنیا وآخرت دونوں سے ہے ۱۴۱ (اُسی مال ودولت کے ذریعہ سے) شانِ نزول کی روایتوں میں یہاں ایک خاص شخص ثعلبہ بن حاطب کا نام لیا گیا ہے لیکن روایات شانِ نزول کا حاصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آیت کا سببِ نزول وہ مخصوص واقعہ تھا یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم یا آیت کی دلالت صرف اُس شخص یا واقعہ تک محدود ہے۔ فقہائے یہاں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نذر ماننے والے پر اُس کا ادا کرنا واجب ہے۔ فيه دلالة على ان من نذر نذراً فيه قربة لزمه الوفاء به (جصاص)

۱۳۲ (سو انہی قدیم قوموں کی طرح یہ معاصر معاندین بھی اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں) نَبَأُ الَّذِيْنَ - ان لوگوں کی خبر یعنی ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی خبر
اَصْحٰبِ مَدْيَنَ - مُراد قوم شعیبؑ ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتِ - اُلٹی ہوئی بستیاں، یعنی قوم لوطؑ کے اُجڑے ہوئے، برباد شدہ شہر۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ - یعنی اُن قوموں کے پیمبر تو کھلے
کھلے نشانات لے کر آتے رہے ۔ پر اُن لوگوں کی طرف سے انکار بھی اسی شدت سے جاری رہا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ - خدائے اسلام دوسری قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۱۳۲ اور ایمان والے
وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ (وقف لازم)
اور ایمان والیاں ایک دُوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کا (آپس میں)
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں،
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ
اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ
اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾
وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا ۱۳۳ بیشک اللہ بڑا اختیار والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۳۴
وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اللہ نے ایمان والوں اور ایمان والیوں سے وعدہ کر رکھا ہے، باغوں کا کہ اُن کے نیچے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً
نہریں بہ رہی ہوں گی یہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور (وعدہ کر رکھا ہے) پاکیزہ مکانوں کا ہمیشگی
فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ
کے باغوں میں اور اللہ کی رضامندی (سب نعمتوں) سے بڑھ کر ہے ، بڑی
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ (ع ٩ ١٥)
کامیابی یہی ہے ۱۳۵ اے نبی کافروں اور منافقوں پر جہاد

وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔ بلا وجہ و سبب کسی پر سختی کرنا اُس کی شانِ عدل و حکمت دونوں کے منافی ہے لانہ حکیم لا یعاقبھم بغیر جرم (مدارک)

۱۳۳ ابھی اُوپر ذکر آچکا ہے کہ منافقین اور منافقات سب ایک گروہ ہیں۔ المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض اب اس کے بالمقابل ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین و مومنات بھی سب ایک گروہ ہیں ایک دوسرے کے دوست، رفیق، ہوا خواہ اور اس گروہ مومن کے صفات و خصوصیات ٹھیک اس کے برعکس بیان ہو رہے ہیں جو ابھی گروہ منافق کے بیان ہوئے تھے۔ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ - رسُول کی اطاعت آنحضورؐ کی وفات کے بعد حضورؐ کی شریعت کی اطاعت ہے۔ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ - س یہاں وعدہ کی تاکید کے لئے ہے۔ السین مفیدۃ وجود الرحمۃ لا محالۃ فھی تاکد الموعد (کشاف) لا محالۃ فان السین موکدۃ للوقوع (بیضاوی) والسین علیٰ ما قال الزمخشری وتبعہ غیر واحد لتاکید الوعد (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت کی رُو سے ایک مستقل گروہ کافروں اور منافقوں کا قرار پاگیا اور دُوسرا مستقل طبقہ اہل ایمان کا۔ اس لئے جو سلوک و محبت باہمی مومنین کے لئے ثابت و لازم ہے وہ کفار و منافقین سے نہ رکھنی چاہیے اور جو تشدد اور غلظت کفار کے مقابلہ میں مقتضائے دین ہے وہ مسلمان کے حق میں جائز نہیں، اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو قول یا عمل یا مجرد قصد سے بھی ضرر پہنچائے۔ یطیعون سے صوفیۂ عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جب اطاعت ایمان کی علامت ہے تو عدم اطاعت یا معصیت سلبِ ایمان کی طرف لے جانے والی ہوگی، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ - امام رازی نے لکھا ہے کہ منافقین و منافقات کے ذکر میں یہی مضمون بعضھم من بعض سے ادا ہُوا ہے اور مومنین و مومنات کے ذکر میں بجائے من بعض کے اولیاء بعض سے، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کفر و نفاق ایک دوسرے کا اتباع محض تقلید جامد اور مناسبت طبعی کی راہ سے کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے اہل ایمان میں جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ استدلال عقلی و توفیق الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ۱۳۴ یعنی ہر جزا و صلہ پر قادر اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزا و صلہ دینے والا۔ای غالب علیٰ کل شئ قادر علیہ و واضع کلاً موضعہ (مدارک) ۱۳۵ (اور یہ اہلِ جنّت کو تمام تر نصیب رہے گی) رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ - یعنی رضائے الٰہی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ تعمیل احکام سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتی ہے۔ صوفیۂ عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدارِ الٰہی گو ایک عظیم الشان نعمت ہے لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطۂ خیال سے ہے، عاشق کے لئے بیشک دیدار محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن محبوب کی رضا تو اس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے اور محبوب حقیقی کی رضا صرف تعمیل احکام اور ادائے فرائض میں ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خود جنت میں جانے اور ہر قسم کی نعمت پانے کا سبب بھی تو یہی رضائے الٰہی ہے اور عاشقوں کا منتہائے مقصود بھی یہی رضا ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوٓا

اُن کے لئے عذاب دائم ہے ۱۲۹ (تمہاری حالت) ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے

أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا

ہیں، وہ شدت قوت میں اور مال و اولاد کی کثرت میں تم سے بڑھے ہوئے تھے سو انہوں نے

بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ

اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا ان لوگوں

الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي

نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جو تم سے قبل ہو چکے ہیں ۱۳۰ اور تم لوگ بھی گھسے، جیسا وہ

خَاضُوٓا ۚ أُولَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

لوگ گھسے تھے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں ضائع

وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ

ہو کر رہے اور یہی لوگ بڑے نقصان اٹھانے والے ہیں ۱۳۱ کیا انہیں اُن لوگوں

نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَ

کی خبر نہیں پہنچی جو اُن سے قبل ہو چکے ہیں (مثلاً) قوم نوح اور عاد و ثمود کی، اور

قَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ

قوم ابراہیم و اہلِ مدین کی اور اُلٹی ہوئی بستیوں کی،

أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ

اُن کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے ہوئے نشانات لے کر آئے، سو اللہ تو اُن پر کوئی ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں

۱۲۹ یعنی ایسا عذاب جو آکر جائے گا نہیں، قائم ہو کر اور جم کر رہ جائے گا۔ هِيَ حَسْبُهُمْ۔ یعنی اس آتشِ دوزخ سے بڑھ کر کوئی سزا متصور ہی نہیں، اور وہی اُن کے لئے ہوگی۔ فیه دلالة علی عظم عذابها وانه بحیث لا یزاد علیه (مدارک) والمعنی ان تلك العقوبة كافية لهم ولا شئ ابلغ منها ولا يمكن الزيادة عليها (کبیر) لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ کی لعنت کے معنی جیسا کہ کئی بار اُوپر آچکا ہے، اللہ کی رحمت خاصہ سے دُور کر دیتے کے ہیں۔ ۱۳۰ یعنی جیسا پُرانی جاہلی مشرک قوموں کو اپنے جاہ و ثروت اور دنیوی ترقیوں پر ناز اور ناز بے جا رہ چکا ہے اسی طرح تم بھی آج ظاہری دلفریبیوں اور مادّی چمک دمک پر مٹے ہوئے ہو۔ خطاب منافقین ہی سے چل رہا ہے۔ كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ۔ یہ تمثیل جس طرح کفر مشترک میں ہے اسی طرح جزائے کفر مشترک میں بھی ہے۔ ۱۳۱ (کہ دونوں جہانوں میں مسرت و راحت سے محروم ہو گئے) مطلب یہ ہُوا کہ جب حبطِ اعمال اور سزائے شدید اُخروی سے وہ قدیم قومیں بہ ایں جاہ و شوکت نہ بچ سکیں تو تم تو اُن سے کہیں کم ہو، تم کیسے بچ سکتے ہو، خُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا خوض کے معنی گھسنے یا در آنے کے ہیں، اور اس کا استعمال موقع ذم پر ہوتا ہے۔ الخوض الدخول فی الباطل واللهو (مدارک) ظاہری ٹیم ٹام کے ساتھ بُری عادتوں اور ناپاک خصلتوں میں گھسنے، اور در آنے کی مثالیں دیکھنا ہوں تو آج بھی ”مہذب“ قوموں کے شفاخانوں، محتاج خانوں، ڈاک خانوں، درسگاہوں کے پہلو بہ پہلو اُن کے نشاط خانے، شراب خانے، قمار خانے، ناچ گھر اُن کے تھیٹر اور اُن کے سنیما دیکھ لئے جائیں۔

عنهم بأنهم عابدون وقال غيرهما صورته صورة الخبر ومعناه الامر تقديره لعذر المنافقون (جصاص) ١٢٤ ؎ اور کچھ واقعی بُرائی یا عیب چینی ہمیں تھوڑے ہی مقصود تھی!) یہ عذر آج بھی
کتنا چلا ہُوا ہے۔ شعر و ادب کے پردہ میں کون سی گستاخی اللہ اور اُس کی شریعت اور اُس کے فرشتوں اور حوروں کے ساتھ اُٹھ رہی ہے۔ اور جواب ہر مرتبہ یہی ملتا ہے کہ یہ تو محض ادبی دلچسپیوں کے
لئے تھا۔ کہیں واقعی مذہب پر تعریض تھوڑے ہی مقصود تھی! ١٢٥ ؎ یعنی بالفرض تمہاری غرض محض تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی ہی تھی جب بھی یہ تو سوچا ہوتا کہ استہزاء کن چیزوں سے کر
رہے ہو! اللہ سے؟ اُس کے احکام سے؟ اُس کے رسُول سے؟ —— یہ چیزیں محل استہزاء کسی صورت میں بھی ہو سکتی ہیں؟ آج کے ادیب اور شاعر (ایک دو نہیں صدہا کی تعداد میں)

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾
آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم استہزاء کر رہے تھے اللہ اور اُس کی آیتوں اور اس کے رسُول کے ساتھ ١٢٥؎،
لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ
(اب) بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد ١٢٦؎ اگر ہم تم میں سے ایک
عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ
گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک گروہ کو تو سزا دیں ہی گے اس لئے کہ وہ
كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ
مجرم رہیں گے ١٢٧؎ منافق مرد اور منافق عورتیں (سب) ایک ہی طرح کے ہیں،
مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ
بُری بات کا حکم دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات سے روکتے
الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ
رہتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اُس نے انہیں بھلا
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
دیا، بیشک منافقین بڑے ہی نافرمان ہیں ١٢٨؎ اللہ نے منافق مردوں
الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ
اور منافق عورتوں سے اور کافروں (سب) سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے اس
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ
میں وہ (ہمیشہ) پڑے رہیں گے وہی اُن کے لئے کافی ہے اور اللہ اُن پر لعنت کرے گا اور

ع ٧ ۸ ١٤ وقف لازم

ذرا ان پہلوؤں کو بھی سوچ رکھیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حکم شرعی کے اعتبار سے استہزاء کی یہ تینوں قسمیں (استہزاء باللہ، استہزاء بآیات اللہ و استہزاء برسُول اللہ) برابر ہیں۔ دل علی ان الاستهزاء بآيات الله بشیء من شرائع دينه كفر فاعله (جصاص) فقہاء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کلمہ کفر خواہ ارادہ و سنجیدگی سے ادا کیا جائے خواہ محض ایک لطیفہ و خوش طبعی کے طور پر، حکم شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے اُن کے عذر لہو و لعب کو بالکل مسترد کر دیا اور حکم کفران پر باقی رکھا۔ ہاں حالت جبر و اکراہ کا حکم اس سے الگ ہے۔ فيه الدلالة على ان اللاعب والجاد سواء في اظهار كلمة الكفر على غير وجه الاكراه (جصاص) فاخبر ان هذا القول كفر منهم على اى وجه قالوه من جد او هزل فدل ذلك على استواء حكم الجاد والهازل في اظهار كلمة الكفر (جصاص) اور امام رازیؒ نے اس بات کو عقلی پہلو سے بیان کیا ہے۔ انه تعالى بين ان ذالك الاستهزاء كان كفرا والعقل يقتضى ان الاقدام على الكفر لاجل اللعب غير جائز (کبیر) اَبِاللّٰهِ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ عمل استہزاء کا وقوع اللہ تعالیٰ پر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لامحالہ مُراد یا تو احکام شرعی سے ہو گی یا اسماء الٰہی سے اور یا قدرتِ الٰہی سے۔ المراد بالاستهزاء بالله هو الاستهزاء بتكاليف الله تعالى (کبیر) يحتمل ان يكون المراد الاستهزاء بذكر الله فان اسماء الله قد يستهزئ الكافر بها (کبیر) ثم ان بعض الجهال من المنافقين ذكر كلاما مشعرا بالقدح في قدرة الله كما هو عادات الجهال والملحدة (کبیر)
١٢٦ ؎ (اس لئے اب بات بنانے کی کوششیں سب بے کار ہیں) بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔ بعد اظہار ایمانکم کے معنی میں ہے ورنہ اصل ایمان ظاہر ہے کہ منافقوں میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ اے بعد اظهاركم الايمان (کشاف) اے كفرتم بعد ايمانكم الذى اظهرتموه (کبیر عن الحسن) دین کے ساتھ استہزاء فقہاء نے تصریح کر دی ہے اگر قصداً ہے تو خواہ بد اعتقادی سے نہ ہو جب بھی کفر ہے۔ قَدْ كَفَرْتُمْ۔ یعنی اس استہزاء کے بعد تمہارا کفر ظاہر ہی ہو گیا ورنہ موجود تو وہ پہلے ہی سے تھا۔ اے قد اظهرتم كفركم باستهزائكم (مدارک) قال الحسن المراد كفرتم بعد ايمانكم الذى اظهرتموه وقال آخرون ظهر كفركم للمومنين بعد ان كنتم عندهم مسلمين (کبیر) لَا تَعْتَذِرُوْا۔ یعنی بہانے نہ بناؤ۔ اے لا تشتغلوا باعتذاراتكم الكاذبة (مدارک) ١٢٧ ؎ (اور آخر وقت تک انہیں توفیق توبہ نصیب نہ ہو گی) اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ۔ یہ معافی انہیں تائب ہو جانے اور مومن مخلص بن جانے پر حاصل ہو گی۔ ١٢٨ ؎ (اور سب دائرۂ ایمان سے خارج ہیں) بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس کے ہیں صفت نفاق میں سب شریک و متحد اور مومنین کے دائرہ سے یکسر خارج۔ اے في صفة النفاق كما يقول الانسان انت منى وانا منك اے امرنا واحد ولا مباينة فيه (کبیر) وفيه نفى ان يكونوا من المومنين (مدارک) اضاف بعضهم الى بعض باجتماعهم على النفاق فهم متشاكلون متشابهون فى تعاضدهم على النفاق (جصاص) يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ۔ یعنی فسق و کفر و عداوت اسلام کی طرف بُلانے اور دعوت دینے میں سب شریک ہیں۔ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ۔ یعنی ایمان و اتباع نبوی سے سب ایک دوسرے کو روکتے رہتے ہیں۔ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں۔ نَسِيَهُمْ۔ اللہ کا انہیں بھلانا یہ ہے کہ اُس نے اپنی رحمت خاصہ ان پر سے ہٹالی۔ قاعدۂ مشاکلت دیباچہ میں ملاحظہ ہو۔ اے جازاهم بان صيرهم بمنزلة المنسى من ثوابه ورحمته (کبیر) قاعدۂ مشاکلت کے لئے ملاحظہ ہو اس تفسیر کا دیباچہ۔ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یہ ترکیب فسق پر زور و تاکید کے لئے ہے یعنی بڑے ہی فاسق ہیں۔ اے هم الكاملون فى الفسق الذى هو التمرد فى الكفر والانسلاخ عن كل خير (مدارک)

ف۱۱۲ یعنی مجاہدین کی امداد میں۔ بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے بعض نے دینی طالب علموں کو بھی۔ وقیل المراد طلبة العلم واقتصر علیه فی الفتاوی الظهیریة (روح) اور بعض فقہائے یہاں تک توسیع سے کام لیا ہے کہ طاعتِ الٰہی میں ہر قسم کے جدوجہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے۔ وفسّره فی البدائع بجمیع القرب فید خل فیه کل من سعٰی فی طاعة الله تعالٰی وسبل الخیرات (روح) ف۱۱۳ وہ ہر مناسب نامناسب کو جانتا ہے اور اُس کے احکام ہمیشہ مناسب حال اور مصلحتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ۔ یہ تاکید ہے ان احکام کے واجب العمل ہونے کی۔ ف۱۱۴ (اور اس لئے انہیں دھوکے میں لے آنا اُن کے سامنے بات بنا جانا کوئی بڑی بات نہیں) منهم۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی طرف ہے۔ يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ منافقین آپس میں ایسی باتیں کہتے رہتے ہیں۔ اُذُنٌ۔ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کان ہی کان ہو اور اپنی سادگی سے جو بات بھی سُنے اُس کا یقین کر لے۔ الاذن الرجل الذی یصدق ویقبل قول کل واحد (کشاف) ای یقبل کل ما قیل له (ابن قتیبه)

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ

اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ف۱۱۶ اور مومنین کا یقین رکھتے ہیں ف۱۱۷ اور اُن پر مہربانی کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان

يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱ يَحْلِفُوْنَ

کا اظہار کرتے ہیں ف۱۱۸ اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں اُن کے لئے عذاب دردناک ہے ف۱۱۹ یہ لوگ تمہارے

بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ

سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو خوش کر لیں ف۱۲۰ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ

يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ

خوش اس کو کر لیں اگر (واقعی) یہ لوگ ایمان والے ہیں ف۱۲۱ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی مخالفت

مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی سو اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، اس میں وہ ہمیشہ

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝۶۳ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ

پڑا رہیگا اور یہ بڑی ہی رسوائی ہے ف۱۲۲ منافقین اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ

اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ

کہیں مومنین پر ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو اُن کو منافقین کے مافی الضمیر کی خبر دیدے

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۶۴ وَ

آپ کہہ دیجئے کہ تم استہزا کئے جاؤ، یقیناً اللہ اُسے ظاہر کر کے رہے گا جس کی بابت تم اندیشہ کرتے

لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ

رہتے ہو ف۱۲۳ اور اگر آپ اُن سے سوال کیجئے تو کہہ دینگے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے ف۱۲۴

يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ۔ یعنی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جو نبی صلعم کے لئے باعثِ اذیت ہیں۔ ف۱۱۵ قرآن مجید نے منافقین ہی کے لفظ کو اُن پر دہرا کر اُسے ایک بالکل دوسرے پہلو سے پیش کر دیا ہے۔ اُذُنُ خَيْرٍ کے درمیان کی اضافت فی کے معنٰی میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں جو بات خیر کی ہے اسی کو وہ کان دھر کر سنتے ہیں۔ ای هو اذن فی الحق والخیر (کشاف) ف۱۱۶ یعنی اللہ کی وحی کی ہوئی ساری اطلاعوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ایمان یہاں اپنے شرعی اصطلاحی معنٰی میں ہے جو کفر کی ضد ہے اور اسی لئے اس کا صلہ "ب" کے ساتھ آیا ہے۔ ای التصدیق بالله الذی هو نقیض الکفر فعدی بالباء (کشاف) ف۱۱۷ یعنی مومنین مخلصین کی باتوں کا۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کو سُن لینا دو طور پر ہے ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اُس کو صحیح سمجھیں۔ دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ باوجود اس سمجھ جانے کے کہ یہ بات محض غلط ہے خلق و کرم جبلی سے اس کو ٹال دیں اور راوی پر داروگیر سے اُس کی صریح تکذیب نہ کریں۔ غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف اللہ کی اور مخلصین کی باتیں سنتے ہیں" (تھانوی) ایمان یہاں لغوی معنٰی میں ہے یعنی مومنین کی بات کی تصدیق اور اسی لئے اس کا صلہ ل کے ساتھ آیا ہے۔ قصد السماع من المومنین وان یسلم لهم ما یقولونه فعدی باللام (کشاف) معناه الاستماع منهم والتسلیم لقولهم فیتعدی باللام (کبیر) قیل انما ادخلت اللام للفرق بین ایمان التصدیق وایمان الامان (جصاص) ف۱۱۸ (گو وہ ایمان دل میں نہ ہو اور اسی شفقت و خوش خلقی کی بنا پر تمہاری باتیں بھی سُن لیتے ہیں باوجودیکہ اس کی حقیقت خوب سمجھ چکے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے) لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دلوں کا حال بجز عالم الغیب کے کسے معلوم، رسول تو تمہارے اظہار ایمان ہی کو ایمان سمجھ کر تم پر شفقت کرتے ہیں۔ ای اظهر والایمان (کشاف)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ رحمة للذین اٰمنوا منکم سے آپ کا کمال کرم ظاہر ہوتا ہے کہ محض اظہار ایمان پر ہی آپ کی شفقت مرتب ہو جاتی ہے ف۱۱۹ (آخرت میں یقیناً اور دنیا میں اغلباً) الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اس ایذا کے عموم کے تحت میں سب کچھ آگیا یعنی لفظ اذن کے استعمال سے بھی اور ہر دوسرے طریقہ سے ف۱۲۰ اور اس طرح ہمارے انتقام و تعزیر سے اپنے جان و مال کو بچا لے جائیں) لکم یعنی تم مسلمانوں کے سامنے، تمہیں سُنا سُنا کر۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ۔ قسمیں اس امر پر کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ یا فلاں الزام میں ہم بالکل بے قصور ہیں۔ ف۱۲۱ یعنی اگر یہ لوگ واقعی اہل ایمان ہیں تو انہیں جاننا چاہیے تھا کہ مومنین کی رضاجوئی پر اللہ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کہیں مقدم ہے۔ يُرْضُوْهُ۔ میں ضمیر رسول کی جانب بھی ہو سکتی ہے جو مرجع قریب ہے اور اللہ کی جانب بھی جو مرجع بعید ہے اور ایک ہی ضمیر سے دونوں کام نکالنے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ رسول کی رضا اللہ کی رضا سے منضم ہے اور یہ کمال قرب و قبول رسول کا ہے۔ انما وحد الضمیر لانه لاتفاوت بین رضاء الله ورضا رسوله صلعم فکانا فی حکم مرضی واحد (کشاف) اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ اس پر اشارہ ادھر آگیا کہ اللہ کی رضا تو موقوف ہے ان لوگوں کے اخلاص و ایمان پر۔ ف۱۲۲ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اس طرزِ خطاب میں اشارہ یہ ہے کہ اتنے دنوں سے رسول انہیں تعلیم دے رہے ہیں اور اتنی سی بات بھی یہ لوگ اب تک نہ سمجھے۔ قال اهل المعانی قوله الم تعلم خطاب لمن حاول الانسان تعلیمه مدة وبالغ فی ذالک التعلیم ثم انه لم یعلم فیقال له الم تعلم بعد هٰذه الساعات الطویلة والمدة المدیدة (کبیر) مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ جو کوئی اللہ اور رسول کی مخالفت کریگا جیسا کہ یہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ خبر محذوف ہے۔ ای فحق ان له (کشاف) ف۱۲۳ مثلاً یہی کہ جو باتیں اپنے جلسہ میں دین کے ساتھ استہزا کی کرتے رہتے ہیں مسلمانوں پر وہ ظاہر ہو جائیں۔ قُلُوْبِهِمْ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی جانب ہے۔ الضمیر فی قلوبهم للمنافقین (کشاف) عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ۔ ضمیر دونوں جگہ مومنین کی جانب ہے۔ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ ایک ترکیب یہ بھی جائز سمجھی گئی ہے کہ خبر امر کے معنٰی میں ہو اور مراد ليحذر المنافقون ہو۔ خبر بمعنی الامر ای ليحذر المنافقون (مدارک) قال الحسن ومجاهد کانوا یحذرون فحذا علی معنی الاخبار

۱۰۶ اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے اغراض کی بنیاد تمام تر خود غرضی پر تھی۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ۔ یعنی یہ منافقین آپ کی شکایت کرتے ہیں کہ تقسیم میں عدل کی رعایت نہیں کرتے۔
وَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا۔ یعنی اگر خود انہی کو اُن کی حسب مرضی و خواہش مل جائے۔ ۱۰۷ (اور اسی سے سب اُمیدیں قائم کئے ہوئے ہیں) مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی جو کچھ اللہ
نے انہیں اپنے رسُول کے ذریعہ سے دلوائے ہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ۔ یعنی جتنا ہمیں اللہ نے دلوا دیا وہی ہمارے حق میں مناسب تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل رضا کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ بھی
حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آجائے اس پر شاداں رہے اور بلا سے بھی لذت حاصل کرے۔ ۱۰۸ یعنی صدقات کی آمدنی انہی مدّوں میں خرچ ہونی چاہیئے۔ اِنَّمَا۔ کلمہ حصر کا ہے۔ یعنی صرف انہی
مدّوں میں، کسی اور مد میں نہیں، الصَّدَقٰتُ۔ صدقہ سے یہاں مراد صدقۂ واجب ہے یعنی زکوٰۃ۔ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ۔ دونوں لفظوں کی تعبیر و تفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ محققین نے یہ معنی لئے
ہیں کہ فقیر وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے اور مسکین وہ نادار ہے جو سوال
کرے۔ اور ابن عباسؓ صحابی اور حسن بصریؒ اور جابر بن زیدؒ اور مجاہدؒ اور
زہریؒ تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الزهري الفقير الذی
لا يسئل والمسكين الذی يسئل وروى ابن سماعة عن ابی يوسف
عن ابی حنيفة فی حد الفقير والمسكين مثل هذا (جصاص) وروی عن
ابن عباسؓ والحسن وجابر بن زيد والزهری ومجاهد قالوا الفقير المتعفف
الذی لا يسأل والمسكين الذی يسأل فكان قول ابی حنيفة موافقاً
لقول هٰؤلآءِ السلف (جصاص) فقراء و مساکین کی تفسیریں جتنی بھی
مختلف ہوں لیکن حکم زکوٰۃ کی حد تک یہ اختلاف کچھ بھی اثر انداز نہیں
البتہ حکم وصیّت میں یہ بحث چلتی ہے کہ وصیّت اگر فقراء کے لئے ہے تو
کیسے لوگ مُراد ہیں اور اگر مساکین کے لئے ہے تو کیسے لوگ۔ وَ
الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا۔ یعنی جو ان صدقات کی تحصیل وصول کرنے پر مامُور
ہیں، اُن کی تنخواہوں میں۔ ۱۰۹ مؤلفة القلوب سے مراد
ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی اُمید ہو۔ یا اُن کے شر و فتنہ
سے بچنا مقصود ہو۔ اور پھر ایسے مسلمان جو اگرچہ اور حیثیتوں سے غیر مستحق
ہوں لیکن مالی امداد سے توقع یہ ہو کہ انہیں اسلام سے مزید محبت پیدا
ہو جائے گی غرض یہ کہ انسانوں کا ہر وہ گروہ جس کی طرف سے کسی نہ
کسی حیثیت سے اسلامی حکومت کو کوئی نہ کوئی خطرہ در پیش ہو۔
جمہور کا قول ہے کہ یہ حکم رسُول اللہؐ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھا۔
"صحابہ کے وقت میں اجماع ہو گیا اُن کے عدم استحقاق پر جو علامت
ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی"۔ (تھانویؒ) لیکن بعض علماء نے
یہ بھی کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہو
گیا بلکہ محض وقتی رفع حکم تھا بسبب عدم ضرورت و استغناء کے۔
فاضل گرامی مولانا گیلانی مدظلہٗ کی تحقیق حسب ذیل ہے:۔
انہی مصارف میں ایک مد ان لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں
کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اس
زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے۔
ان لوگوں کے چُپ کرنے کے لئے بھی الصدقات کے مصارف میں
قرآن نے مؤلفة القلوب کی ایک مد رکھی ہے۔ اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ یہ مصرف صرف ابتداء اسلام کی حد تک محدود تھا اور اب ساقط ہو گیا۔ دلیل میں حضرت عمرؓ کا یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے
مؤلفة القلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی۔ حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو حضرت عمرؓ نے
دینے سے یہ فرماتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ ان اللہ اعز الاسلام فاذهبوا (اب خدا اسلام کو عزت و شوکت عطا کر چکا، بس تم دونوں جاؤ (کچھ نہ ملے گا) لیکن اس کا یہ مطلب قرار دینا کہ ہر شخص کے لئے حضرت
عمرؓ نے اس مد کو ساقط کر دیا میری کچھ سمجھ میں نہ آیا قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے اس کو اولاً حضرت عمرؓ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں نیز ایک ایسی واحد خبر سے قرآن کے ایک قانون پر خط نسخ
نہیں پھیرا جا سکتا بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ امام اور حکومت وقت کے صواب دید پر ہے جس وقت جن لوگوں کے لئے ان کی ضرورت سمجھے دے جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے نہ دے"۔ (اسلامی معاشیات
از فاضل گیلانی) ۱۱۰ یعنی غلاموں کے آزاد کرانے کی مد میں۔ "گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اُس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو آزاد ہے اس غلام کو زکوٰۃ دی جائے
تاکہ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جائے"۔ (تھانویؒ) ۱۱۱ (خواہ وہ قرضدار بجائے خود غنی و متمول ہی ہو) جس کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہو اور گیارہ ہزار کا مثلاً قرضدار ہے، اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔
(تھانویؒ) دنیا میں شاید اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء و مساکین ہی کی طرح حاجتمند سمجھا ہے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی لکھتے
ہیں:۔ "یہ دنیا کا وہ مظلوم گروہ ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کے ستانے والوں اور ان پر ظلم و تشدد کے بہاؤ توڑنے والوں کو صرف
زبانی نہیں بلکہ قانونی امداد و اعانت کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ہر حکومت کی فوجی اور عسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرضخواہوں کا جو دین و مطالبہ ہے صرف اصل ہی نہیں۔ بلکہ سُود در
سُود کے ساتھ اس سے وصُول کرا دیا جائے خواہ اس راہ میں اس کی ساری جائداد، گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے یہ ایک واقعہ ہے اور تہذیب و تمدّن کی ترقی روشنیوں میں سے یہ اندھیر کھلم کھلا ہو رہا ہے

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا
میں سے نہیں ملتا تو بس ناراض ہو جاتے ہیں ۱۰۶ کاش! یہ اس پر راضی ہوتے جو کچھ
مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
انہیں اللہ اور اُس کے رسُول نے دیا تھا، اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے،
سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ
اللہ ہم کو اپنے فضل سے اور اُس کے رسُول (بھی اور) دے دینگے ہم تو اللہ ہی کی
ع ۱۷ / ۱۳ رٰغِبُوْنَ ۝۵۹ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ
طرف راغب ہیں ۱۰۷ صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق
وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي
ہیں جو اُن پر مقرر ہیں ۱۰۸ نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے ۱۰۹ اور (صدقات کو
الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں ۱۱۰ اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں ۱۱۱، اور اللہ کی
السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰
راہ میں ۱۱۲ اور مسافروں (کی امداد) میں، یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا
وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ
حکمت والا ہے ۱۱۳، اور اُن میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کان
اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
دے کر سن لیتے ہیں ۱۱۴ آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمہارے حق میں خیر ہی کے باب میں کان دے کر سنتے ہیں ۱۱۵

١٠٠ یہاں صاف تصریح کردی ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی سا بھی عمل قبول نہیں۔ ایمان تو پہلی اور سب سے بڑی شرط قبول اعمال کی ہے۔ **١٠١** اور یہ دل سے ناگواری اور طبیعت پر گران باری خود دلیل ہیں ان کے فقدانِ ایمان کی۔ ادائے طاعت سے طبیعت میں تازگی، بشاشت اور مستعدی تو جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان پختہ ہو اور اجر و ثواب کی امید قوی ہو۔ آیت میں ہم سب نام کے مسلمانوں کے لئے ڈرنے کی بات ہے۔ ظاہری اعمال منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے۔ نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ خیر خیرات میں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی نکلتے تھے۔ اس پر بھی حکم ان پر کفر اور فقدانِ ایمان ہی کا لگا! خدا نہ کرے کہ ہم میں سے کسی کا یہ حشر ہو۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب محض کسلِ نماز نفاق کی علامت قرار پائی تو ترکِ نماز پر ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ لذّتِ عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمالِ معبود سے محروم ہیں۔ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس کو آمر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل سے اٹھیگا اور جس کے دل میں آمر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف راحت سے اُٹھے گا۔

نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ

بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسُول کے ساتھ کفر کیا ہے **١٠٠** اور یہ لوگ نماز

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ

نہیں پڑھتے مگر ہارے جی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے

كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ

ساتھ **١٠١** سو اِن کے مال اور اِن کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں **١٠٢**

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ

اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ انہی (نعمتوں) کے ذریعہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی عذاب دیتا

تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

رہے، اور اُن کی جانیں ایسی حالت میں نکالے کہ وہ کافر ہوں **١٠٣** اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے

اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾

ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن (ہے یہ کہ) وہ بزدل لوگ ہیں **١٠٤**

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا

یہ اگر کوئی سی بھی پناہ کی جگہ پا جاتے یا کوئی غار یا کوئی (اور) جگہ گھس بیٹھنے کی تو یہ ضرور

اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى

منہ اٹھا کر اُدھر چل پڑتے **١٠٥** اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ پر صدقات کے بارہ میں

الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ

طعن کرتے ہیں، لیکن اگر انہیں اُن میں سے مل جاتا ہے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں اُن

١٠٢ یعنی یہ خیال نہ گزرے کہ یہ جب غیر مقبولین ہیں تو انہیں مال اور اولاد کی نعمتیں کیسے نصیب ہو رہی ہیں۔ یہ سوال آج بھی کافر قوموں کی خوشحالی، کثرتِ آبادی، اقبال مندی کو دیکھ دیکھ بہ کثرت مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ دنیوی نعمتوں کے لئے مقبولیت ذرا بھی شرط لازمی نہیں۔ تُعْجِبْكَ۔ بہ ظاہر خطاب صرف رسُول اللہ صلعم سے ہے لیکن جواب کی یہ تعلیم کل مسلمانوں کو ہے۔ هذا الخطاب وان كان فى الظاهر مختصًا بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المؤمنين (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہل دنیا کے مال و زینت کو مستحسن نہ سمجھیں اور کہیں اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔ **١٠٣** (جس سے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب رہیں) "دُنیا میں مال و اولاد کا عذاب ہونا حبِّ دنیا کے لئے لازم ہے۔ اوّل اس کی تحصیل و تمنّا میں کیسی کیسی کوفت جسمانی و رُوحانی اٹھانا پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا ذرا مرض ہو گیا بس ایک کوہِ غم سر پر سوار ہے سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اِس کا اندیشہ کہ کوئی امر ناگوار نہ پیش آجائے پھر مفارقت کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کہ خدا کی پناہ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی دنیوی نعمتیں ہوں گی اس کا کفر دُونا پڑے گا جس پر عذاب آخرت موعود ہے" (تھانوی) منافقوں پر ایک عذاب تو دنیا ہی میں مشاہد ہے کہ جن اہل ایمان سے وہ دل میں بغض رکھتے ہیں انہی کی خوشامد میں زبان سے لگے رہنا پڑتا ہے۔ انهم كانوا يبغضون محمدًا عليه الصلوة والسلام بقلوبهم ثم كانوا محتاجون الى بذل اموالهم واولادهم ونفوسهم فى خدمته ولا شك ان هذه الحالة شاقة شديدة (کبیر) فقہاء نے اس آیت سے بعبارة النص (کیونکہ لا تُعْجِبْكَ بمعنیٰ نہی تحریمی ہے) یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر اُن کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔ لِيُعَذِّبَهُمْ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی جو حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں، ان کا انجام یہی ہوتا ہے کہ نعمتیں اُن کے حق میں عذاب بن کر رہیں۔ یہ مراد نہیں کہ انہیں یہ نعمتیں دینے سے اللہ کا مقصود یہی تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں محجوبین کو تنبیہ ہے کہ جس سامان کو راحت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں اس میں اُن کو راحت نہیں محض جمع و حفاظت کی مشقتیں ہی ہیں اور پھر چونکہ اعتقاد اجر اور تعلق مع اللہ سے محروم ہیں اس لئے ان مشقتوں میں تسہیل بھی نہیں ہوتی۔ **١٠٤** (اور اس بزدلی کی بنا پر کہ اگر کہیں اپنے واقعی عقاید کا کھلم کھلا اظہار کردیں تو اُن کے ساتھ بھی برتاؤ کافروں کا سا ہونے لگے، تقیہ کئے ہوئے ہیں، اور اپنے کو زبردستی مسلمان ظاہر کئے ہوئے ہیں) آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کی بنا پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کئے ہوئے، اپنے آپ کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں! اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ۔ یعنی قسمیں اس کی کھاتے رہتے ہیں کہ ان کا شمار بھی تم مسلمانوں میں ہے۔ يَفْرَقُوْنَ۔ فرق کے معنی خوف سے اپنے اصلی عقیدہ کو چھپا لئے گئے ہیں۔ الفرق معوق القلب من الخوف (راغب) اے يخافون القتل وما يفعل بالمشركين فيتظاهرون بالاسلام تقية (کشاف) **١٠٥** (اور اظہار اسلام کی کوئی ضرورت بھی نہ محسوس کرتے) یعنی یہ تو اظہار اسلام پر اپنے کو مجبور پا رہے ہیں جب ہی اتنی ظاہر داری بھی ہے۔ اگر انہیں کہیں پناہ گاہ مل گئی ہوتی تو یہ اتنی پروا بھی نہ کرتے۔

٩٤ هُمْ اور سارے صیغہ جمع مذکر غائب کے منافقین کے لئے آئے ہیں۔ حَسَنَةٌ۔ مُصِيبَةٌ دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطہ نظر سے ہے یعنی اسی مادّی دنیا کا نفع، ضرر۔ قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا۔ مثلاً یہی کہ جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ امر یہاں احتیاط یا پیش بندی کے معنیٰ میں ہے۔ امرنا ای حذرنا (ابن جریر۔ عن مجاہد) ٩٥ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ فضل خدا پر بھروسہ اور تقدیر الٰہی پر اعتماد اہلِ ایمان کا شیوہ اور ایمان کی علامت ہے۔ قُلْ۔ یعنی آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجیے جو اہلِ ایمان سے حسد رکھتے ہیں۔ لَنْ ..... مَوْلٰىنَا۔ سو وہ جو کچھ بھی کرے گا ہمارے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ ع

"ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود" ——— سکونِ خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان، سستا اور مؤثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے بدنصیب ترین ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں پہلے ایسے مراقبہ کی تعلیم ہے جو توکل کو سہل کردے، اس کے بعد اصل توکل کا حکم ہے۔

تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَّقُولُوا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا
آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنا امر
مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝٥٠ قُلْ لَّنْ
(احتیاط) اختیار کرلیا تھا اور خوش خوش منہ موڑے ہوئے چلے جاتے ہیں ٩٤ آپ کہہ دیجیے کہ ہم پر
يُّصِيبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى
کچھ بھی پیش نہیں آسکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی
اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝٥١ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ
کا سہارا اہل ایمان کو رکھنا چاہیئے ٩٥ آپ یہ (بھی) کہہ دیجیے کہ تم تو ہمارے حق میں دو
اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ
بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو ٩٦ درآنحالیکہ ہم تمہارے حق میں انتظار اس کا
اَنْ يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ
کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے ٩٧
فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝٥٢ قُلْ اَنْفِقُوْا
سو تم انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ اپنے طور پر منتظر ہیں ٩٨ آپ کہہ دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ
طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
کرو یا ناخوشی سے، تم سے کسی طرح نہ قبول کیا جائے گا کیونکہ تم تو
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝٥٣ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ
نافرمان لوگ ہو ٩٩ اور اس سے کہ ان کے چندے قبول کئے جائیں کوئی امر مانع نہیں

٩٦ مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارے لئے جن دو باتوں کو فرض کرسکتے ہو یعنی فتح یا موت و شکست تو ہمارے لئے تو دونوں پہلوؤں میں خیر ہی خیر ہے فتح کا خیر ہونا تو اجر اخروی اور منافع دنیوی دونوں کے اعتبار سے ظاہر ہی ہے۔ رہی مصیبت تو مومن کے حق میں وہ بھی عین رحمت ہے، رفع درجات و کفّارۂ سیئات کا بہترین ذریعہ! ٩٧ عَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔ یعنی کوئی بلائے آسمانی، بلاتوسط دستِ انسانی۔ بِاَيْدِيْنَا۔ یعنی کوئی سزا ہمارے ہاتھوں سے۔ ٩٨ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت، دو جوابوں کی ہوئی۔ "پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و حاکم ہیں۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے اس لئے ہم راضی ہیں۔ اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں بخلاف تمہارے کہ تمہاری خوش حالی کا انجام بھی وبال و نکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔" (تھانوی) حاصل یہ کہ مومن کسی صورت میں بھی نقصان میں نہیں رہتا۔ اگر تدبیر و کوشش میں کامیابی ہوگئی تو فوری مسرت ظاہر ہے۔ اگر ناکامی ہوئی تو اجر و ثواب حسرت و تاسف میں بھی ہے۔ صوفیہ نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ قبض و بسط دونوں صورتیں عنایت الٰہی کی ہیں۔ طالب عارف کو مستقل مزاج ہر صورت میں رہنا چاہیئے۔ ٩٩ اور نافرمانی جو یہاں فقدان ایمان کے مرادف ہے تمہاری مالی اعانت کی مقبولیت سے مانع ہے۔ ایمان تو عند اللہ پہلی شرط قبول ہے اور عمل قبول کیسے ہوتا جبکہ خود ان لوگوں کو مقصود رضا و ثواب و قرب تھا ہی نہیں۔ آیت کے اندر ہماری قوم کے امراء و روسار کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے جو بخیتگیٔ ایمان اور حُسنِ عمل کی طرف سے غافل، محض اپنے بھاری بھاری قومی چندوں پر نازاں اور انہی پر تکیہ کئے رہتے ہیں۔ مالی اعانت بھی بلاشبہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی لیکن نفس ایمان اور ایمان صحیح کا وجود ان پر بھی مقدّم ہے۔

اللّٰهُ انۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ
لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند ہی نہ کیا اسی لئے انہیں جمارہنے دیا اور کہہ دیا گیا کہ

الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو[٥٨٨] اگر یہ لوگ تمہارے شامل ہوکر چلتے تو تمہارے درمیان فساد ہی

وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ
بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے[٥٨٩] اور تمہارے

سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا
درمیان ان کے جاسوس (اب بھی موجود ہیں)، اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے[٥٩٠] یہ تو پہلے بھی

الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى
فتنہ پردازی کی فکر میں لگ چکے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک

جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾
کہ سچا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب آکر رہا اور ان کو ناگوار گزرتا رہا[٥٩١]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّىْ ۭ اَلَا
اور ان میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجئے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے[٥٩٢]

فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ
خوب سن لو کہ خرابی میں تو یہ پڑ ہی چکے ہیں، اور بیشک دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ
ہے[٥٩٣] اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو یہ انہیں غمگین کر دیتی ہے اور اگر

٥٨٨ سارے افعال کا حق تعالیٰ کا اپنی جانب منسوب کرنا اسی معلوم و معروف قرآنی محاورہ و اسلوب بیان کے مطابق ہے کہ بندہ کے ہر فعل تکوینی کی نسبت مسبب الاسباب کی جانب
کردینی درست ہے۔ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ۔ اللہ کی طرف سے یہ ناپسندیدگی یا کراہت ان لوگوں کی کفر پروری اور ایمان بیزاری ہی کی بنا پر ہے۔ فَثَبَّطَهُمْ۔ یعنی انہیں
ہلنے کی ہمت و توفیق ہی نہ دی۔ اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ اخلاص و ارادت کے لئے توفیق الٰہی شرط ہے وَقِيْلَ۔ اس "قول"، سے مُراد حکم تکوینی ہے۔ اَلْقٰعِدِيْنَ۔ وہ
پیچھے رہ جانے والے مُراد ہیں جنہیں کسی عذر صحیح
کی بنا پر مجبوری تھی۔ اے الرجال الذین یکون
لھم عذر یمنعھم عن الخروج (روح)

٥٨٩ مطلب یہ ہُوا کہ ان منافقین کا لشکرِ
اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالح تکوینی کے اعتبار سے
بھی اچھا ہی ہُوا۔ یہ ساتھ جاتے تو سوا اس کے
اور کیا کرتے کہ لگائی بجھائی کرکے آپس میں تفریق
ڈلواتے۔ جھوٹی خبریں اُڑاکر پریشان کرتے، اور
دشمن کا خوف و رُعب دلوں میں بٹھاتے۔
فِيْكُمْ۔ یعنی تمہارے درمیان شامل ہوکر۔ اے
فی جیشکم وفی جمعکم (جمل)، قیل فی بمعنی مع
اے معکم (جمل) وَلَا۔ میں وعطف تفسیری
کے لئے ہے ٥٩٠ (چنانچہ اس سے بھی
خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ
لگے ہوئے ہیں وہ چونکہ اہل الرائے نہیں، اس لئے
ان کا شامل رہنا چنداں مُضر بھی نہیں) سَمّٰعُوْنَ
کے معنی اس سیاق میں جاسوس کے یا ٹوہ لینے والوں
کے ہیں۔ اے جواسیس للکفار (ابن عباسؓ) المراد
فیکم عیون لھم ینقلون الیھم ما یسمعون
منکم (کبیر عن مجاہد و ابن زید) وفیکم مخبرون
لھم یؤدّون الیھم ما یسمعون منکم وھم
الجواسیس (معالم عن مجاہد) ٥٩١ (تو آیندہ
بھی اسی طرح ہوگا۔ آپ فکر و تردّد میں نہ پڑیں)
ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ۔ اشارہ ہے جنگِ
اُحد وغیرہ کی جانب۔ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ۔
مثلاً یہ کہ آپ کے شریک ہوئے اور پھر ہٹ گئے
تاکہ مسلمان پراگندہ خاطر و دل شکستہ ہوجائیں۔
٥٩٢ رومی مسیحی لیڈیاں بالکل آج کل کی
فرنگنوں کی طرح اپنے گورے رنگ، اپنے بناؤ سنگار
اور اپنی بے حجابی و عشوہ طرازی کے لئے مشہور تھیں
بعض چالاک منافقوں نے اس کو ایک عذر تراش لیا تھا اور رسول اللہ صلعم سے آکر عرض کیا تھا کہ ہم کو تو یہیں رہ جانے دیجیے۔ ہمیں اپنی شرکت سے اُلٹے اور ضرر کا اندیشہ ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی
انہی مخالفین متخلفین میں سے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نفس طاعات کی پابندی سے یہ بہانہ کرکے عذر کرتا ہے کہ طاعت میں فلاں فلاں مفسدے ہیں جن کا شر طاعت کی خیر سے بڑھا
ہُوا ہے۔ ٥٩٣ (جس کا ظہور کامل تو گو آخرت میں ہوگا لیکن بہرحال اعمالِ کفریہ کی بنا پر اُس احاطت جہنم کا آغاز تو ابھی ہو چکا ہے) اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔ رسُول اللہ صلعم کی نافرمانی
اور آپ کی شریعت سے کفر سے بڑھ کر خرابی اور ہو کونسی سکتی ہے۔ اور اپنی اس نافرمانی و کفر کے دنیوی و اُخروی ثمرات و نتائج کو تو یہ اپنے ہاتھوں بُلا چکے۔ دین کو مصیبت اور طاعت کو بلا سمجھنے
والے کم از کم عہدِ رسُولؐ اور دورانِ نزول قرآن میں تو امن میں نہ رہ سکے۔ صحابۂ کرام سر بکف سرگرم جہاد رہے۔ اور دنیا میں ہر طرح کامیاب و منصور۔ منافقین نے جتنی تمنائیں احکامِ دین سے بچنے
کی کیں اور زیادہ ہدف مصائب بنتے گئے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اشارات کے نزدیک یہی اخلاق سیئہ و اعمال قبیحہ جو آج کفار اشرار کو گھیرے ہوئے ہیں کل بصورت نار ظاہر ہوں گے

۵۸۲ (جھوٹی قسمیں کھاکھاکر) سَيَحۡلِفُوۡنَ - میں س یعنی عنقریب سے مُراد یہ ہے کہ جب تم لوگ جہاد سے واپس آجاؤگے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس طرح سالک کو اس کا نفس جھوٹے دعووں سے دھوکا دیتا رہتا ہے اور طاعات کی راہ میں طرح طرح کے باطل عذرات تراشتا رہتا ہے۔ ۵۸۳ (چنانچہ اُن کو استطاعت تھی اور پھر بھی یہ نہ گئے) ۵۸۴ ذکر اُن منافقین کا ہے، جو رسُول اللہ سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی اجازت ملنے پر ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہوگئی، یہ نہ ہوتی، بلکہ اگر

لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ۚ

اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں ۵۸۲

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ ۚ لِمَ

حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ۵۸۳ اللہ نے آپ کو معاف کر دیا (لیکن) آپ نے

اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَ

اُن کو اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور آپ

تَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسۡتَاۡذِنُكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ

جھوٹوں کو جان نہ لیتے ۵۸۴ جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ (کبھی)

بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ

آپ سے اجازت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ

وَاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسۡتَاۡذِنُكَ

کریں اور اللہ پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے ۵۸۵ آپ سے اجازت تو وہی لوگ

الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَارۡتَابَتۡ

مانگتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں

قُلُوۡبُهُمۡ فَهُمۡ فِىۡ رَيۡبِهِمۡ يَتَرَدَّدُوۡنَ ﴿٤٥﴾ وَلَوۡ

پڑے ہوئے ہیں سو اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں ۵۸۶ اور اگر ان

اَرَادُوا الۡخُرُوۡجَ لَاَعَدُّوۡا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰـكِنۡ كَرِهَ

لوگوں نے چلنے کا اِرادہ کیا ہوتا تو اس کا کچھ سامان تو کرتے ۵۸۷

ع ۵ ۱۲

منزل ۲

آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو ان کی خباثت اور زیادہ کھُل کر رہتی۔ اَلَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا سے مراد مومنین صادقین ہیں جن کے پاس واقعی کوئی عذر تھا۔ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ - اجازت سے مراد ہے جنگ میں شریک نہ ہونے اور وطن میں رہ جانے کی اجازت۔ یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت نہ تھی۔ البتہ حالاتِ وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔ عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ - لفظ عفو سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا۔ عفو جس طرح گناہ اور جرم کئے جاتے ہیں، اُسی طرح معافی خلافِ احتیاط اور خلافِ اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح آیت میں حق تعالیٰ نے عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا، یہی معاملہ حق تعالیٰ کا باطن میں مقبولین کے ساتھ رہا کرتا ہے، کہ عین عتاب میں بھی اپنا لطف دکھاتے رہتے ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ الخ میں شیوخ کو یہ تعلیم ہے کہ مُریدوں کے عذر قبول کرنے میں احتیاط و بیداری سے کام لیں کہ آیا وہ عذر واقعی و صحیح ہے بھی۔ ۵۸۵ (اور انہیں اجر بھی خوب اور پورا پورا دے گا) لَا يَسۡتَاۡذِنُكَ الخ بلکہ یہ صاحبِ ایمان لوگ جہاد سے جی چُرانا کیا، اُلٹا تعمیلِ حکمِ الٰہی کے لئے اور دوڑیں گے۔ یہ مومنین سے جو نفی استیذان کی ہو رہی ہے، اس سے مراد استیذان بلاعذر ہے۔ ورنہ عذرِ واقعی کی بنا پر استیذان تو بڑے سے بڑے کمالِ ایمان و تقویٰ کے منافی نہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مومن جب خیر کو سنتا ہے تو بلاتامل اُس کی طرف دوڑتا ہے اور یہ حرکت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا۔ ۵۸۶ (کہ نہ ایمان کا قصد کرتے ہیں اور نہ اُمّتِ اسلامیہ کے دائرہ سے انہیں اپنے کو بالکل نکالتے ہی بن پڑتا ہے) يَتَرَدَّدُوۡنَ - تردّد کے معنیٰ ہیں حیران و سرگردان ہونا، دل کا آگا پیچھا کرنا۔ واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَسۡتَاۡذِنُكَ - یعنی جہاد سے بلاعذر بچ جانے کی اجازت تو آپ سے وہی لوگ مانگتے ہیں۔ وَارۡتَابَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ - یہ شک ان کو اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارہ میں ہے۔ ۵۸۷ یہ منافقین اب بعد کو عذر یہ کرنے لگے کہ چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا لیکن عین وقت پر فلاں فلاں ضرورتیں اور مجبوریاں پیش آگئیں۔ جرح ان کے اس بیان پر ہو رہی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کی تیاریاں بھی کچھ کی تھیں؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تعطل علامت ہے عدمِ ارادہ کی چنانچہ بہت سے لوگ اپنے نفس کے دھوکے میں پڑے ہوئے طاعات کی رغبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

۵۷۵ اور وہ وقت اس سے بھی زیادہ سخت اور ان کی سخت تر بے بسی کا تھا) اشارہ ہے واقعۂ ہجرت کی طرف، جب مشرکین مکہ آپ کے قتل پر تُل گئے تھے اور آپ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا کر شبا شب تنہا حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے کر غار میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ ۵۷۶ آپ دونوں صاحب غارِ ثور کے اندر چھپے ہوئے تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقش قدم کے نشانات کی مدد سے اُس غار کے منہ تک پہنچ گئی۔ نشان شناس نے بتایا کہ نشان قدم یہیں تک ملتے ہیں اسی غار کے اندر ہوں گے۔ کون انسان تھا جو ایسے موقع پر اپنے کو جان کے دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھے پریشان و مضطرب نہ ہو جاتا؟ حضرت ابوبکرؓ اس خیال پر سخت مضطرب تھے کہ اگر خدانخواستہ دشمنان دین نے رسول اللہ پر قابو پا لیا تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ لیکن آپ اللہ کے فضل سے اس وقت بھی بالکل مطمئن تھے، آپ نے فرمایا کہ ابوبکر گھبرانے کی کیا بات ہے، ہم دو تنہا نہیں۔ ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید و نصرت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ یعنی اس کی نُصرت و حفاظت ہماری رفیق ہے۔ اے بالنصر والرعایة والحفظ

اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا

اُن کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جبکہ اُن کو کافروں نے وطن سے نکال دیا تھا ۵۷۵ جبکہ دو میں سے ایک

فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ

وہ تھے دونوں غار میں موجود تھے ۵۷۶ جبکہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بیشک اللہ

مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ

ہم لوگوں کے ساتھ ہے ۵۷۷ سو اللہ نے اپنی تسلی اُن (رسول) کے اوپر نازل کی، اور اُن کی تائید ایسے

لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ

لشکروں سے کی جنہیں تم لوگوں نے نہ دیکھا ۵۷۸ اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کی

اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا

بات اُونچی رہی، اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۵۷۹ نکل پڑو

خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جان سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اللہ کی راہ میں ۵۸۰ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو ۵۸۱

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ

اگر کچھ مال کے ہاتھ لگ جانے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو

لٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

لیتے لیکن انہیں مسافت ہی دور دراز معلوم ہوئی ۵۸۲ اور یہ لوگ عنقریب اللہ کی قسم کھا جائیں گے

والکلاءة (قرطبی) مَعَنَا سے معیت نُصرت ہی مُراد ہے ورنہ معیت ذاتی تو ہر مخلوق کو ہر آن حاصل رہتی ہے۔ اے بالعصمة والمعونة فھی معونة مخصوصة والا فھو تعالٰی مع کل واحد من خلقه (روح) فِي الْغَارِ۔ یہ غار غارِ ثور مضافاتِ مکہ میں سے تھا۔ مکہ سے جنوب و شرق میں۔ آپؐ اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ۔ لِصَاحِبِهٖ۔ دو سے مُراد ایک ذاتِ رسُول ہے دوسرے آپؐ کے مقرب ترین صحابی ابوبکر صدیقؓ صاحب رسُول یا رفیق رسول کے اس تعین میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس سے حضرت صدیقؓ کی افضلیت و اشرفیت پر جو روشنی پڑتی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ بعض علماء نے آیت سے حضرت صدیقؓ کے خلیفۂ اوّل ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔ وقال بعض العلماء مایدل علی ان الخلیفة بعد النبی صلعم ابوبکر الصدیق لان الخلیفة لایکون ابدًا الا ثانیًا (قرطبی) علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر الصدیقؓ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس سے اس کا کفر لازم آجاتا ہے۔ وقالوا من انکر صحبة ابی بکر فقد کفر لانکاره کلام الله ولیس ذلك لسائر الصحابة (مدارک)

۵۷۷ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ سے مُراد فرشتوں سے تو سب نے لی ہے۔ اب ممکن ہے یہ وہ فرشتے ہوں جو سکینۂ قلب عالمِ غیب سے لے کر آئے تھے۔ یا ممکن ہے مُراد اُن فرشتوں سے ہو جنہوں نے آگے چل کر بدر وغیرہ غزوات نبوی میں امداد کی۔ والله اعلم۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے تسکین نازل کی۔ ۵۷۸ ہر تدبیر اُس کے لئے حاضر بھی اور تدبیر پر وہ قادر بھی۔ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى۔ چنانچہ کافروں کا کوئی منصوبہ چلنے نہ پایا۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ چنانچہ اسی کی تدبیر غالب رہی۔ ۵۷۹ خفافًا اور ثقالًا دو مقابل کے لفظ ہیں، ان کی مختلف و متعدد تفسیریں آئی ہیں، مثلاً تنگدست اور خوشحال، جوان تیز رو اور پیر سست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور باسامان، خوشدلی سے اور بیدلی سے، وغیرہا۔ اے شیبًا وشبانًا (ابن جریر۔ عن الحسن) اے اغنیاء و مساکین (ابن جریر۔ عن قتادہ) لمے مشاغیل وغیر مشاغیل (ابن جریر عن الحکم) اے نشاطًا وغیر نشاط (ابن جریر عن ابن عباس وقتادہ) مقصود بہرصورت عموم حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو۔ ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کر کے قول فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت میں ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت صحت، جوان عمری، خوشحالی، بے شغلی غرض کسی بنا پر آسانیاں حاصل ہوں اور ثقال کے ماتحت وہ سب آجاتے ہیں جنہیں اس کے برعکس مذکورہ بالا بناؤں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیر نے بھی لکھا ہے۔ حتم علی المومنین فی الخروج معه علی کل حال فی المنشط والمکره والعسر والیسر (ابن کثیر) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ جہاد خواہ اپنے عام و وسیع معنی میں ہو یا محدود و اصطلاحی معنی میں قتال کا مترادف، فی سبیل اللہ کی قید بہرحال میں لگی ہوئی۔ فقہاء نے انفروا خفافًا وثقالًا سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہو جائے تو امیر جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے ساتھ بھی واجب رہتا ہے۔ فان قیل ھل یجوز الجھاد مع الفساق قیل له ان کل احد من المجاھدین فانما یقوم بفرض نفسه فجائز له ان یجاھد الکفار وان کان امیر الجیش وجنوده فساقًا (جصاص) چنانچہ اصحاب نبیؐ سے خلفائے راشدین کے بعد فاسق امیروں کی سرداری میں جہاد کرنا ثابت ہے۔ وقد کان اصحاب النبی صلعم یغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء الفساق وغزا ابو ایوب الانصاری مع یزید اللعین (جصاص) اور فقہاء نے یہ نکتہ بھی خوب لکھا ہے کہ فاسق جب جہاد میں شریک ہو گیا تو اس حیثیت سے وہ فاسق رہا کہاں، وہ تو خود اب مطیع ہو گیا۔ وان الفساق اذا جاھدوا فھم مطیعون فی ذالك (جصاص) ۵۸۰ جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہر اً یقینی ہے یعنی وہاں کا اجر و قرب۔ باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہی ہو جاتی ہے یعنی فتح و عزت اور مال غنیمت وغیرہ۔ ۵۸۱ اور اس لئے یہیں رہ گئے) ذکر منافقین کا ہو رہا ہے جنہوں نے غزوہ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ تبوک کی مسافت مدینہ منورہ سے ۱۲ منزلوں کی تھی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں

كَآفَّةً ۔ یعنی ان سے ہر موسم میں، سال کے ہر مہینہ لڑ سکتے ہو جس طرح یہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔ ۵۶۹ یعنی کا فرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے۔ النَّسِیۡٓءُ ۔ ہندوستان میں جو سنہ فصلی
شمسی حساب سے رائج ہے۔ اس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کو ہندو پنڈت کبھی کبھی ایک مہینہ کو دُہرا دیتے ہیں۔ اور اسے اصطلاح میں لوند لگانا کہتے ہیں۔ مثلاً اب کی سال اساڑھ میں لوند لگا یعنی
اساڑھ کی مدت بجائے ایک مہینہ کے دو مہینہ قائم رہی۔ یہ تو محض حسابی ضرورتوں سے ہوتا ہے۔ عرب جاہلی کے رو سا یہ کرتے تھے کہ محض ان مصلحتوں کے تابع سنہ قمری کے جس ماہ کو چاہتے مقدس قرار
دے دیتے جس مہینہ کو چاہتے دُہرا دیا کرتے اور سال کو جب چاہتے بجائے بارہ کے تیرہ یا چودہ ماہ کا کر دیا کرتے۔ اس سے سارے نظامِ تقویمی میں خلل پڑ جاتا۔ ۵۷۰ یعنی شریعتِ الٰہی نے نو چار
مخصوص و متعین مہینوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں، اپنی ذاتی و نفسانی اغراض کو پورا کرتے کبھی اس مہینہ کو محترم قرار دے لیا اور کبھی اُس مہینہ کو۔ اور اسی طرح چار کی گنتی بلا تخصیص و

عَامًا وَّيُحَرِّمُوۡنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوۡا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ

حرام مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اسے حرام سمجھتے ہیں تاکہ اُن (مہینوں) کی جنہیں اللہ نے حرام قرار

اللّٰهُ فَيُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ‌ؕ زُيِّنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِهِمۡ‌ؕ

دیا ہے گنتی پوری کر لیں، پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں، اُن کی بدعملیاں انہیں اچھی معلوم

وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٣٧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ

ہوتی ہیں، اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۵۷۱ اے ایمان والو

ع ٥ ١١

اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انۡفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں

اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا

تو تم زمین سے لگے جاتے ہو ۵۷۲ کیا تم دنیا کی زندگی پر بہ مقابلہ آخرت کے

مِنَ الۡاٰخِرَةِ‌ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ

راضی ہو گئے؟ سو دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت

اِلَّا قَلِيۡلٌ‏ ۝٣٨ اِلَّا تَـنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ

ہی قلیل ہے ۵۷۳ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں ایک دردناک سزا دے گا

وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔـا‌ ؕ وَاللّٰهُ

اور تمہارے بدلہ ایک دوسری قوم پیدا کر دیگا اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے، اور

عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ۝٣٩ اِلَّا تَـنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ

اللہ ہر شے پر قادر ہے ۵۷۴ اگر تم لوگ اِن کی (یعنی رسُول اللہ کی) مدد نہ کرو گے تو

تعیین پوری کر لی۔ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۔ گمراہ جو کئے جاتے ہیں وہ تو عوام کفار ہوتے ہیں اور گمراہ کرنے والے اُن کے سردار اور رؤسا ہوتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے۔ رومی، ایرانی، مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔ هٰذه الاٰیة تدل علی ان الواجب تعلیق الاحکام من العبادات وغیرها انما یکون بالشهور والسنین التی تعرفها العرب دون الشهور التی تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد علی اثنی عشر شهرا (قرطبی) ۵۷۱ (وہ اس لئے کہ یہ لوگ خود راہ پر نہیں آنا چاہتے اور ہدایت کی کوئی طلب نہیں رکھتے) سُوۡٓءُ اَعۡمَالِهِمۡ ۔ ” لوند کا مہینہ جو تصحیح حساب موسم کے لئے بارہ پر بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیت کی مخالفت نہیں، اسی طرح دوسرے حسابوں کی اس میں نفی نہیں ہے، جیسا بعض اہل زمانہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان حسابوں سے احکام شرعیہ میں تو فرق و خلل نہیں پڑتا اور مقصود آیت میں اس حساب کا ابطال ہے جس سے احکام شرعیہ میں اختلال یا غلطی ہونے لگے جیسا اہل جاہلیت کی عادت کا بیان کیا گیا۔ البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے۔ پس اگر ساری اُمت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنا لیوے جس سے حساب قمری ضائع ہو جائے سب گنہگار ہوں گے۔ اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے لیکن خلاف سنتِ سلف ضرور ہے۔ اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے افضل و احسن ہے“ (تھانوی) زُيِّنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِهِمۡ ۔ شیطان کا بڑا دھوکا یہی ہے کہ معصیت اور بدعملی کو انسان کی نظر میں ایک عمل نیک کر دکھاتا ہے ——— اہل طریق نے اس سے بچنے کے لئے خاص طور پر دعائیں اور مناجاتیں کی ہیں ؎

آنچہ در کون ست زاشیا آنچہ ہست ٭ دائماجاں را بہر حالت کہ ہست
گر سگی کردیم اے شیر آفریں ٭ شیر را مگمار برما زیں کمیں
آب خوش را صورت آتش مدہ ٭ اندر آتش صورت آبے منہ
از شراب قہر چوں مستی دہی ٭ نیستہا را صورت ہستی دہی

۵۷۲ یعنی مستعدی کے ساتھ اُٹھتے اور چلتے نہیں۔ اشارہ رجب ۹ھ / ۶۳۰ء کے غزوۂ تبوک کی جانب ہے۔ تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے۔ شام اُس وقت مسیحیوں کی رومن امپائر کا ایک صوبہ تھا۔ جب رسُول اللہ صلعم غزوۂ حُنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مسیحی فوجیں تبوک پر جمع ہو رہی ہیں اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ آپ نے خود ہی بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ۳۰ ہزار کی جمعیت آپ کے ہمراہ ہو گئی۔ تاہم اب کے ایک طرف مقابلہ کسی قبیلہ سے نہیں ایک باضابطہ قواعد دان شاہی فوج سے کرنا تھا پھر موسم بھی شدید گرمی کا فصل کے پکنے اور کٹنے کا زمانہ بھی قریب اور سفر خاصہ دُور دراز، قدرۃً بہتوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور منافقین تو خوب خوب رنگ لائے۔ لشکرِ نصاریٰ کو جب لشکرِ اسلام کی اس مستعدی کی اطلاع ملی تو خود ہی اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور اُن کی ہمت فوج کشی کی نہ پڑی لشکرِ اسلام ایک مُدت کے انتظار کے بعد بلا مقابلہ واپس آیا۔ مَا لَكُمۡ ۔ کلمۂ ملامت و توبیخ ہے یعنی آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ معناه التقریر والتوبیخ التنقد برای شیء منعکم عن کذا (بحر) فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۔ یعنی جہاد و قتال کے لئے۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہو جائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ اقتضی ظاهر الاٰیة وجوب النفیر علی من لم یستنفر (جصاص) ۵۷۳ اُمت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعیۂ عمل یہی اجر آخرت ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے۔ ”روشن خیالی“ نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور مؤثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ اب مسلمان کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جائے گی۔ دنیوی ترقی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی، وغیرہ وغیرہ اور زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک وہی اجر آخرت کا۔ مِنَ الۡاٰخِرَةِ ۔ یعنی آخرت اور وہاں کی نعمتوں کے بدلہ میں۔ اے بدل الاٰخرة ونعیمها (مدارک) فِى الۡاٰخِرَةِ ۔ یعنی آخرت کے مقابلہ میں۔ اے فی جنب الاٰخرة (مدارک) ۵۷۴ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۔ یہ عذاب الیم اسی دنیا میں نمودار ہو گا۔ یعنی تمہارے اوپر موت و ہلاکت مسلط کر دی جائے گی۔ يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۔ اور اللہ اپنا کام اُسی دوسری قوم سے لے گا۔ لَا تَضُرُّوۡهُ ۔ ضمیر غائب اللہ کے دین کی طرف ہے۔ خود اللہ اور اللہ کے رسُول کی طرف بھی ضمیر جا سکتی ہے۔ قیل

فتویٰ دے دیا اور اُن سے نذرانہ وصول کرلیا ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ اَلْبَاطِلِ۔ کے تحت میں رشوت اور ناجائز نذرانوں کی ہر صورت آگئی۔ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔عوام اُن کے انہی جھوٹے سچے فتووں میں آکر عمر بھر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں۔ ف٦٣ یعنی شریعت کے واجب کئے ہوئے مصارف خیر میں۔ یَكْنِزُوْنَ ۔ کنز کے لغوی معنی اُس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کرکے رکھا گیا ہو یا زیر زمین مدفون کردیا گیا ہو۔ الكنز اسم المال اذا احرز فی وعاء ولما یحرز فیه وقیل الکنز المال المدفون (لسان) اور یکنزون ۔ یدخرون کے مرادف ہے لیکن حدیث نبوی اور اصطلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اُس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا۔ محدث بیہقی نے نافع مولی، ابن عمرؓ صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں، چاہے زمین کے سات پردوں میں گڑا ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو۔ ما ادی زکاته فلیس بکنز (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کل ما ادیت زکاته وان کان تحت سبع ارضین فلیس بکنز وکل مالا تودی زکاته فهو کنز وان کان ظاهرا علی وجه الارض (فتح الباری۔ کتاب الزکاۃ) اذا اخرج منه الواجب علیه لم یبق کنزا وان کان مکنوزا وهو حکم شرعی تجوز فیه عن الاصل (لسان) هو فی الشرع مالم یود زکاته (جصاص) روی عن عمرؓ و ابن عباسؓ و ابن عمرؓ و الحسن و عامر و السدی قالوا مالم یؤد زکاته فهو کنز (جصاص) وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہ قید خوب ذہن نشین رہے وعید انہی لوگوں کے حق میں ہے جو غایت حرص کی بنا پر مال کے **حقوق واجب** ادا نہیں کرتے۔ فالمراد منها مالم یؤد حقها (بیضاوی) مرادہ من الزکاۃ (جصاص) اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس جمع کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں **ضروری** مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے اور اس مفہوم پر بجز ایک صحابی ابوذرؓ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہ، اکابر تابعین اور جمہور علماء اُمت کا اتفاق ہے۔ قال ابن عبد البر الجمهور علی ان الکنز المذموم مالم تود زکاته ..... لم یخالف فی ذلك الا طائفة من اهل الزهد کابی ذر (فتح الباری۔ کتاب الزکوٰۃ) وکان ابو ذر یحمل الحدیث علی اطلاقه فلا یری بادخار شئ اصلا .... خالفه جمهور الصحابة ومن بعدهم (ایضا) مطلق جمع مال کی ممانعت قرآن میں نہیں، موجودہ انجیل محرف میں ملے گی:۔ ”اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو“ (متی۔ ٦ : ١٩، ٢٠) اصحاب نبی صلعم میں جہاں بہت سے فقراء تھے وہاں بہت سے امیر کبیر بھی تھے مثلاً حضرت عثمان غنیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ وغیرہم۔ ولقد کان کثیر من الصحابة رضی اللّٰه عنهم کعبد الرحمٰن بن عوف وطلحة یقتنون الاموال ویتصرفون فیها وما عابهم احد (مدارک) اَلذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ سونے اور چاندی کا نام بطور مثال اور نمونہ کے لے دیا گیا کہ عموماً مال و جائداد کے بڑے ذریعہ یہی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ حصول دولت و جمع دولت کا حصر انہی دو چیزوں میں ہے۔ خصا بالذکر من بین سائر الاموال لانهما قانون التمول واثمان الاشیاء وذکر کنزهما دلیل علی ما سواهما (مدارک) الحکم عام وتخصیصهما بالذکر لانهما قانون التمول (بیضاوی) ف٦٤ اتنی صریح، شدید، مؤکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں بینکروں کی طرح سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجائش اسلام میں نہیں۔ مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ سے قبل لفظ عذاب محذوف ہے۔ اے عذاب ما کنتم تکنزون (قرطبی) ف٦٥ یعنی شریعت الٰہی میں معتبر قمری سنہ کے بارہ ہی مہینہ ہیں، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اور یہ کچھ آج سے نہیں، روز آفرینش سے، فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۔ یعنی شریعت خداوندی میں۔ اے فی ما اثبته واوجبه من حکمه (مدارک) یا لوح محفوظ میں، فی اللوح (مدارک) یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس تصریح سے مقصود زور و تاکید پیدا کرنا ہے۔ والمقصود بیان ان هذا الحکم حکم محکوم به من اول خلق العالم وذلك یدل علی المبالغة والتاکید (کبیر) ف٦٦ اور وہ بھی متعین و معروف یعنی محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، یہ نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح اپنی وقتی مصلحتیں دیکھ جس مہینہ کو چاہا ادب والا قرار دے دیا۔ اور سال کے مہینے جب چاہا بڑھا دیئے۔ حُرُمٌ ۔ حرمت والے مہینے وہ جن میں قتال ممنوع تھا۔ یہ تو فقہی پہلو ہوا۔ باقی یہ مہینہ وہ ہیں جن میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے۔ معنی الحرم ان المعصیة فیها اشد عقابا والطاعة فیها اکثر ثوابا (کبیر) لا یبعد ان یعلم اللّٰه تعالٰی ان وقوع الطاعة فی هذه الاوقات اکثر تاثیرا فی طهارة النفس ووقوع المعاصی فیها اقوی تاثیرا فی خبث النفس وهذا غیر مستبعد عند الحکماء (کبیر) ف٦٧ (عادت جاہلیت کا

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ
اُس روز (واقع ہوگا) جبکہ اُس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۗ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ
ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، یہی ہے وہ جسے تم
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ
اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنے کا ٦٤ بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے
عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ
نزدیک بارہ ہی مہینہ ہیں کتاب الٰہی میں (اُس روز سے) جس روز کہ اُس نے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۗ ذٰلِكَ
آسمان اور زمین پیدا کئے ٦٥ اور اُن میں سے چار (مہینہ) حرمت والے ہیں ٦٦ یہی دین
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ
مستقیم ہے سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو ٦٧ اور
قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۗ
لڑو مشرکوں سے سب سے جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ
جانے رہو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ٦٨ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں
زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ
اور ترقی کرنا ہے ٦٩ اس سے (عام) کفار گمراہ کئے جاتے ہیں وہ کسی سال

اتباع اور دستور الٰہی سے انحراف کرکے) ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی مذہب کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ یہی ہے۔ اس کے خلاف روش اختیار کرنا بد دینی ہے لیکن دین کے معنی ”حساب“ کے بھی آئے ہیں۔ اس صورت میں مُراد یہ ہوگی کہ سیدھا اور صحیح حساب یہی ہے گو ترجیح اُسی پہلے معنی کو ہے۔ الدین قد یراد به الحساب فتفسیر الاٰیة علی هذا التقدیر ذلك الحساب المستقیم الصحیح (کبیر) اے الحساب الصحیح والعدد المستوفی ..... والاصوب عندی ان یکون الدین ههنا علی اشهر وجوهه اے ذلك الشرع والطاعة (قرطبی) فِیْهِنَّ ۔ یہ ضمیر جمع مؤنث کس کی طرف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا کی جانب ہو یعنی ان بارہ مہینوں کے باب میں گڑبڑ کرکے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اے ولا تظلموا فی الشهور الاثنی عشر انفسکم (ابن عباسؓ) علی قول ابن عباسؓ راجع الی جمیع الشهور (قرطبی) اور یہ بھی درست ہے کہ اربعة حرم کی جانب ہو، جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے یعنی ان چاروں ادب والے مہینوں میں گڑبڑ کرکے گنہگار نہ ہو۔ قول الاکثرین ان الضمیر فی قوله فیهن عائد الی الاربعة الحرم (کبیر) علی قول بعضهم راجع الی الاشهر الحرم خاصة (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ متبرک اوقات میں معصیت کی بُرائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ تو وائے بر حال اُن لوگوں کے جو اولیاء صالحین کے مزارات و مقابر پر اور وہ بھی زمانۂ عرس میں فجور و بدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ امام رازیؒ نے حسب معمول اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا جس میں ماہ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں۔ لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انہوں نے مصالح دین کا خیال نہ کرکے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود و نصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بحساب شمسی متعین کردیا اور یہ صریح مصالح شریعت میں دست اندازی ہے۔ متعدد علماء نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات و عبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی و سنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔ قال بعض العلماء الواجب علی المسلمین بحکم هذه الاٰیة ان یعتبروا فی بیوعهم ومدد دیونهم واحوال زکوتهم وسائر احکامهم السنة العربیة بالاهلة ولا یجوز لهم اعتبار السنة العجمیة والرومیة (کبیر) ف٦٨ (یہ لحاظ اپنی نصرت کے مطلب یہ ہوا کہ مشرکوں یا اُن کے سامان و جمعیت سے ڈرنا ہی کیا، ایمان و تقویٰ پر قائم رہو تو نصرت الٰہی تو تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔ كَآفَّةً ۔ مُراد مشرکین عرب ہیں، جزیہ اُن کے حق میں نہ تھا، انہیں لازمی طور پر مسلمان ہی ہونا تھا

بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے۔ تکاد السموٰت یتفطرن منہ وغیرہا۔ دوسری گمراہی حضرت مسیحؑ کو خدا کا فرزند مجازی (Child of God) قرار دینا ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰہیت سے تعبیر کیا ہے اور گو یہ بھی بجائے خود شدید ہے پھر بھی ولد اللّٰہیت کا عقیدہ اس سے اشد ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ہمارے بعض پرانے مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی و نسلی نہیں بلکہ لاڈ پیار والی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔ قال ابن عطیة ویقال ان بعضھم یعتقد ھا بنوّۃ حنو ورحمۃ وھذا المعنی ایضا لایحل ان تطلق البنوۃ علیہ وھو کفر (قرطبی) یقال ان بعضھم یعتقد ھا بنوّۃ حنو ورحمۃ (بحر) ۵۳ (جس کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی بھی تعلق نہیں) یہ فقرہ تاکید کلام کے طور پر لایا گیا ہے۔ قیل معناہ التاکید (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی خوب نکالا ہے کہ جس قول کو ابتداءً زبان سے ادا کرنا کفر ہے، اسے تردید کی غرض سے دہرانا اور نقل کرنا بالکل درست ہے۔ فی ھٰذا من قول ربنا دلیل علٰی ان من اخبر عن کفر غیرہ الذی لایجوز لاحد ان یبتدی بہٖ لاحرج علیہ لانہ انما ینطق بہٖ علٰی معنی الاستعظام لہ والرد علیہ فلایمنع ذٰلک منہ (ابن العربی) ۵۴ یعنی ان مہمل عقاید پر اُن کے پاس نہ دلیل عقلی نہ نقلی۔ یہ تو محض اُن جاہلی مشرک قوموں کی نقالی ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول یا اوتار کو ماننے والی تھیں۔ اشارہ خاص مشرکین یونان کی جانب ہے کہ اُنہی کے "حکماء فلاسفہ" کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے، اور ان کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقاید کا جزء بناتے چلے گئے تھے۔ مسیحیت پر یونانی اور رُومی مذہبوں کے گہرے اثر کی دریافت انیسویں صدی کے نصف آخر کے محققین و فضلاء کا خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے صدیوں قبل جبکہ کوئی نام بھی **Higher Criticism** کا نہیں جانتا تھا، ایک اُمّی کی زبان سے دُنیا کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا، ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔ ۵۵ (کہ صاحب کتاب ہونے کی دولت سے مشرف ہو کر، انبیاء کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کے باوجود، ایسے ایسے افتراء اللہ پر باندھتے چلے ہیں) قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۔ فطرت بشری ہے کہ ایسے موقعوں پر سخت بیزاری اور غصہ و نفرت کی حالت میں زبان پر بے اختیار ایسے فقرے آجاتے ہیں کہ خدا انہیں غارت کرے۔ قرآن نے فطرت بشری کا لحاظ کر کے گویا یہ فقرے پڑھنے والے کی زبان سے ادا کر کے، اُس کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ ۵۶ یعنی انہیں مستقلاً ایسا صاحبِ اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں۔ جو چاہیں وہ جائز کر دیں، جو چاہیں وہ حرام ٹھیرا دیں۔ سارے اختیارات شریعت و قانون سازی کے گویا اُنہی کو حاصل ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں فرقۂ کیتھولک میں آج بھی پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے۔ اور فرقۂ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات چرچ (کلیسا) کو دے رکھے ہیں۔ یہود کے ہاں بھی ربیّون کے احکام، خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے۔ الاکثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انھم اعتقدوا الٰھھم انھم اٰلھۃ العالم بل المراد انھم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم (کبیر) آیت کی تفسیر ماثور بھی یہی ہے۔ عدی بن حاتم نو مسلم عیسائی کی روایت کتب حدیث میں درج ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو خدا کب مانتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حلال و حرام کے اختیارات اُن میں مان لینا، عملاً انہیں خدائی اختیارات دے دینا اور رب کے مرتبہ پر پہنچا دینا ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے۔ انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی صریح شہادت کو، کھلے ہوئے مشاہدہ کو سب کو چھوڑ دیں گے لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے! امام رازیؒ نے اس موقع پر اپنے اُستاد کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین جامد گزرے ہیں جن کے سامنے اُن کے مسلک کے خلاف مَیں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ انہوں نے آیات کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا، اُن کی طرف التفات نہ کیا، اُلٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ اُن کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیاتِ قرآنی ہو کیونکر سکتی ہیں۔ اور تاویل بجائے اُن کے اقوال کے خود ان آیات میں کرنا چاہیے۔ یہ قول نقل کر کے امام موصوف خود لکھتے ہیں کہ:۔ لو تاملت حق التامل وجدت ھٰذا الداء ساریًا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا! کہ غور کر کے دیکھا جائے تو اکثر اہل دنیا اسی بیماری میں مبتلا نظر آئیں گے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کی توحید فی الطاعت چھوڑ کر۔ ۵۷ مسیحیت کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ تھی کہ مسیحؑ کو علاوہ ولد الٰہ اور ابن اللہ سمجھنے کے مطاع مطلق بھی سمجھتے تھے، اور مطاع مطلق بھی، بالکل اور براہِ راست حق تعالیٰ کے مساوی اور ہم رُتبہ کی حیثیت سے۔ اور اُن کی مطاعیت چونکہ پوپ اور کلیسا کی مطاعیت کے برخلاف اصلاً و مستقلاً ہے اس لئے قرآن مجید نے اس کا ذکر بھی اخبارھم و رھبانھم سے الگ کر کے کیا۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب انہیں بدعات و منکرات سے منع کیا جاتا ہے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرنے لگتے ہیں۔ ۵۸ (اور یہ حکم انہیں اپنے پیمبروں کے ذریعہ سے اُن کے آسمانی نوشتوں میں دیا گیا تھا جو کسی حد تک آج بھی موجود و محفوظ ہے) چنانچہ توریت میں ہے:۔ "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے" (خروج ۲۰: ۲) نیز (استثناء ۵: ۶) اور انجیل میں ہے:۔ "سب حکموں میں اوّل کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے، اے اسرائیل سُن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" (مرقس ۱۲: ۲۹) ۵۹ یہاں ذکر قریش اور عرب کے جاہلی مشرکوں کا نہیں، اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا ہے جو توحید کی دولت سے بار بار شرف کئے جا چکے تھے۔ ۶۰ آیت کی صداقت پر اُمّت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے، یہود، نصاریٰ، مشرکین غرض ہر مخالف و معاند مکر و حیلہ، زور و جبر کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے۔ اور پیروان اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے اور نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہو رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ نُوْرَ اللّٰهِ ۔ یعنی دین اسلام۔ يُطْفِئُوْا بِاَفْوَاهِهِمْ ۔ جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھایا جاتا ہے یہ مخالفین و معاندین چاہتے ہیں کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔ الْكٰفِرُوْنَ اشارۂ خاص یہود و نصاریٰ کی جانب ہے اور کافر انہیں ان کے منکر نبوت محمدی ہونے کی حیثیت سے کہا گیا ہے۔ ۶۱ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ یہ غلبۂ دین بہ لحاظ قوت دلائل کے ہے کہ یہی نور اللہ کا اتمام ہے۔ ای بالحجۃ والبراھین (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل و استدلال کی رُو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت و زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادّی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت و اہلیت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے۔ الْمُشْرِكُوْنَ اشارۂ خاص یہود و نصاریٰ کی جانب ہے۔ اور مشرک انہیں اُن کے شرک فی التوحید کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ ۶۲ اور خود حق کی تلاش و طلب رکھنا تو الگ رہا، اُسے قبول تک نہیں کرتے) یاکلون اموال الناس بالباطل۔ سلیس و عام فہم اردو میں لوگوں کو ٹھگتے رہتے ہیں۔ بشلاً یہ کہ معتقدین کی مرضی دیکھ کر انہیں اُس کے موافق

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
معبود نہیں اُس کے سوا، وہ اُس سے پاک ہے جو یہ (اُس کے ساتھ) شریک کرتے رہتے ہیں ۵۹ چاہتے ہیں کہ
يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ
اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ کو نامنظور رہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے
يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ
نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار گزرے ۶۰ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى
رسُول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اُسے وہ غالب کر دے سارے بقیہ
الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
دینوں پر خواہ مشرکوں کو (کیسا ہی) ناگوار ہو ۶۱ اے ایمان والو
اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ
اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے
اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا
ہیں ۶۲ اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس کو
يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴
خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں ۶۳ آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے،

النصف

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اُسکے

وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

رسول نے حرام کیا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں یہاں تک کہ

ع ٥ ١٠

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

وہ جزیہ دیں رعیت ہو کر ۴۹ اور اپنی پستی کا احساس کر کے ۵۰

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى

اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے فرزند مجازی ہیں ۵۱ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ

الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ

مسیح خدا کے فرزند مجازی ہیں ۵۲ یہ ان کا قول ہے محض ان کے مُنہ سے (بک دینے کا) ۵۳

يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ

یہ بھی انہی لوگوں کی ایسی باتیں کرنے لگے جو اُن سے پہلے کافر ہو چکے ہیں ۵۴

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ

اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں ۵۵ انہوں نے اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء

رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ

اور اپنے مشائخ کو (بھی) اپنا پروردگار بنا رکھا ہے ۵۶ اور مسیح ابن مریم کو (بھی) ۵۷

مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ

حالانکہ انہیں حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ ایک ہی معبود (برحق) کی عبادت کریں ۵۸ کوئی

۴۹ یعنی اُن سے جنگ و قتال اُس وقت تک واجب ہے جب تک وہ ہتھیار رکھ کر، امن طلب کر کے جزیہ دینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ۔ یعنی ان تعلیمات پر حسب تعلیم اسلام پورا پورا ایمان نہیں رکھتے۔ آیت کے عموم میں جملہ اہل کفر آجاتے ہیں قتال ان سب سے واجب ہے۔ اہل کتاب کا تصریحی ذکر صرف ان کے شرف مرتبہ اور ان کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ امر سبحانہ وتعالٰی بمقاتلة جميع الكفار لاصفاقهم على هذا الوصف وخص اهل الكتاب بالذكر اكراما لكتابهم ولكونهم عالمين بالتوحيد والرسل والشرائع والملل (قرطبی) الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ یہ تصریح تو اہل کتاب کی ہے، لیکن جو صفات اُن کی بیان ہوئی ہیں وہ اُن سے کہیں بڑھ کر مشرکین میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مشرکین سے قتال بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب سنت و احادیث رسُول کی بنا پر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے حق میں جزیہ نہیں۔ جزیرۃ العرب قیامت تک کے لئے توحید کا جغرافی مرکز قرار دیا گیا۔ اُس کے حدود کے اندر کفر و شرک کی اجازت کسی شرط پر بھی نہیں دی جا سکتی۔ ان لوگوں کے حق میں قرآن کی دوسری آیتیں ہیں مثلاً قاتلوهم حتى لا تكون فتنة۔ وغیرہا مجوس و مشرکین ہند وغیرہ سب اس حیثیت سے اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں مستثنیٰ صرف مشرکین عرب ہیں۔ ومن الذين اوتوا الكتاب بيان للذين قبله فاما المجوس فملحقون باهل الكتاب فى قبول الجزية وكذا الترك والهنود وغيرهما بخلاف مشركى العرب (مدارک) ثبت جواز اخذها من سائر الكفار اهل كتاب كانوا او غير اهل كتاب لاعبدة الاوثان من العرب بان النبى صلعم لم يقبل منهم الا الاسلام او السيف (جصاص) قال اصحابنا لا يقبل من مشركى العرب الا الاسلام او السيف وتقبل من اهل الكتاب ومن سائر كفار العجم الجزية (جصاص)

"حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے۔ اور مشرکین عجم مثل مجوس کے ہیں۔ بلکہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجۂ اولیٰ جزیہ لیا جائے گا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ من الذين اوتوا الكتاب میں من بیانیہ ہے پس سب اہلِ کتاب انہی صفات سے موصوف ہوں گے۔ لا يؤمنون الخ پس مدار وضع جزیہ کا یہ ٹھہرا اور ظاہر ہے کہ یہ صفات مشرکین میں بدرجۂ اولیٰ پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب توحید اور معاد کا عقیدہ رکھتے ہیں گو اس میں غلطیوں کی وجہ سے لا یومنون فرمادیا ہے۔ اور مشرکین تو خود ان عقاید کی اصل ہی میں مخالف ہیں پس جب مدار حکم ان میں اقویٰ ہے تو حکم بھی بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب خاص دلیل سے اس عام سے مخصوص ہو گئے۔ یہی مذہب ہے حنفیہ کا، اور اس کی تائید ہوتی ہے ابن شہاب کے قول سے" (تھانوی) واما المجوس فقال ابن المنذر لا اعلم خلافا ان الجزية تؤخذ منهم (قرطبی) جزیہ کے معنی ہیں وہ رقم جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا ذمیوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے۔ الجزية خراج الارض وما يؤخذ من اهل الذمة (لسان) وهى فعلة من الجزاء كانها جزت عن قتله (ابن کثیر) اسلامی حکومت میں ہر مسلم مرد پر فوجی خدمت لازم ہے بوقت ضرورت ساری مسلم رعایا سپاہ بن سکتی ہے غیر مسلموں کے لئے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ فوجی خدمت سے استثناء ایک قلیل رقم کے معاوضہ میں حاصل کر سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ جزیہ معاوضہ کفر یا کسی اعتقادی گمرہی کا نہیں بلکہ معاوضہ فوجی خدمات کا ہے۔ فقہاء کے ہاں اس کی پوری تصریحات ملتی ہیں۔ وجب نصرة للمقاتلة ! جزیہ واجب اس لئے کیا گیا ہے کہ جنگ کرنے والوں کی امداد باشندوں کی طرف سے ہو۔ خلفا عن نصرة مقاتلة اهل الدار لان من هو من اهل دار الاسلام عليه نصرتهم وقد فاتت (فتح القدیر) یعنی اسلامی عملداری میں جو گروہ جنگی خدمات انجام دیتا ہے اُن کی امداد کے کام کے لئے۔ اس لئے کہ اسلامی عملداری میں جو بھی ہے اُس پر لڑنے والوں کی امداد واجب ہے اور ذمی چونکہ اس خدمت سے معاف ہیں۔ اس لئے اس کا قائم مقام یہ محصول ہے۔ بعض فارسی اہلِ لغت نے اسے فارسی لفظ گزیت (بروزن فعیل) اور گزیۃ (بروزن فعلة) کا معرب بتایا ہے (برہان قاطع) و قال الخوارزمی انها معرب كزيت وهو الخراج بالفارسية (روح) بہر حال لفظ کا اشتقاق جو کچھ بھی ہو مراد اس سے یہی ہے۔ "یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے جیسے عورتیں اور بچے اور بہت بڈھے اور اپاہج اور رُہبان اور تارکانِ دنیا، اُن پر جزیہ نہیں اور اگر بوجہ قرار علی الکفر کے ہوتا تو اُن پر بھی ہوتا، کیونکہ کفر میں مشترک ہیں" (تھانوی) جزیہ کی شرح ۱۲ درم سالانہ سے لے کر ۴۸ درم سالانہ تک ہے۔ "عورت، بچے، بیمار، معذور، بڈھے، بے روزگار، مذہبی طبقہ (مثلاً پادری، جوگی) غلام وغیرہ مستثنیٰ تھے۔ صرف کاروباری آدمیوں پر لگایا جاتا تھا۔ وہ بھی اگر صلحی جزیہ ہے تو اُس کی مقدار معین تھی۔ ورنہ یوں معمولاً امراء سے تقریباً ۴ر ماہوار یعنی ۱۲ سالانہ، متوسط طبقہ والوں سے ۲ر ماہوار یعنی ۶ سالانہ، ادنیٰ طبقہ سے ۱ر ماہوار یعنی ۳ سالانہ، اور درمیان سال میں اگر کوئی مرجاتا تو اُس سے جزیہ ساقط ہو جاتا" (اسلامی معاشیات) (از علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ) روم اور ایران کی رعایا کو مسلمانوں کی حکومت میں آجانے کے بعد جو رقم جزیہ کی دینا پڑتی تھی وہ اُن محصولوں سے کہیں کم تھی جو ان لوگوں کو پہلی حکومتوں کے وقت دینا پڑتی تھی۔ یہ شہادت حال کے ایک مشہور عیسائی اہل قلم جرجی زیدان مصری کی ہے۔ والجزية التى كانوا يتكلفون دفعها الى المسلمين اقل كثير عن مجموع الغرائب التى كانوا يودونها الى الروم او الفرس

۵۰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ۔ اس میں اشارہ آگیا کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اور شریعت اسلام نے اُنہیں جو آرام و آسائش دی اُس نعمت کا احساس کر کے جزیہ پیش کریں۔ اے یعطون ما یعطون عن مقابلة نعمة عليهم فى مقارتهم (راغب) عن انعام منكم عليهم (قرطبی) يحتمل عن يد اى عن نعمة فيكون تقديره حتى يعطوا الجزية عن اعتراف منهم بالنعمة فيها عليهم بقبولها منهم (جصاص) وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ اس حال میں کہ اپنی پستی کا احساس رکھتے ہوں۔ الصاغر الراضى بالمنزلة الدنية (راغب) اے تؤخذ منهم على الصغار والذل (کشاف) امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ صغار یہی ہے کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی جائے۔ نقل عن الشافعى ان الصغار هو جريان احكام المسلمين عليهم (روح)

۵۱ عزیر یا توریت کے تلفظ میں عزرا (متوفی غالباً ۴۵۷ ق-م) یہود کے مذہبی نوشتوں میں زیادہ "کاتب" کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کے حملہ اور کامل تباہی اور بربادی کے بعد جب توریت کے نسخے یہود کے پاس سے بالکل غائب ہو گئے تو انہی عُزیر (عزرا) نے توریت کو از سرِ نو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لئے انہیں یہود مثیل موسیٰ تسلیم کرتے ہیں، بلکہ بعض نے غلو کر کے اس مرتبہ سے بھی بڑھا دیا ہے۔ ابْنُ اللّٰهِ۔ عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لڑکے اور بیٹے کے مرادف لفظ ہیں اور انگریزی میں بھی اُن کے مقابلہ میں دو اصطلاحیں Son of God اور Child of God کی الگ الگ ہیں۔ ابن اللہ جو ترجمہ ہے Child of God کا اس سے مُراد صلبی یا حقیقی فرزند کے نہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزند معنوی و مجازی ہے۔ جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے۔ قالوا نحن ابناء الله واحباءه یہاں پر ابناء اللہ کے کھلے ہوئے ہی مجازی معنی ہیں۔ یہود اسی معنی میں حضرت عزیر کو اپنا مطاع کل اور بارگاہ حق میں محبوب مطلق مانتے تھے، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔

۵۲ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید، دوسری شدید تر الگ الگ ہیں۔ ایک حضرت مسیحؑ کو اللہ کا ولد Son of God قرار دینا اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے، کثر

۳۹ مسلمان فتح مکہ کے ۲ ہزار طلقاء یعنی جدید العہد نومسلموں کو ملا کر ۱۲ ہزار کی تعداد میں تھے مسلمانوں کو قدرۃً خیال گزرا کہ آج تو ہماری جیت یقینی ہے چنانچہ اوّل اوّل ہوئی بھی مسلمانوں کو فتح۔ مشرکین بھاگے اور مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ مشرکین نے موقع دیکھ پلٹ پڑے اور تیر اندازی اس غضب کی کی کہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے۔ مشرکین کے تیر انداز دستے پہاڑوں کی آڑ میں بہترین کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے مسلمانوں کو جگہ بُری ملی۔ مورچہ جما کر صفیں قائم کرنے کا موقع نہ ملا۔ پہلے پیر طلقاء کے اکھڑے پھر عام مسلمانوں کے، صرف رسُول اللہ صلعم مع چند مخصوص صحابہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، علیؓ، ابن سعد وغیرہ کے میدان جنگ میں رہ گئے۔ عباسؓ بن عبدالمطلب آپؐ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے، اور آپؐ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن دشمن کی طرف بڑھتے ہی جاتے تھے۔ بار بار پکار کر فرمایا انا النبی لاکذب، انا ابن عبدالمطلب، میں عبدالمطلب کا بیٹا، نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں۔ الیّ عباد اللہ انی رسُول اللہ۔ آخر مسلمانوں کو دوبارہ غیرت آئی، پھر سے مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی مشرکین آخر بھاگ نکلے، کچھ قید ہوئے، کچھ قتل ہوئے۔ شرر کی تاریخ اسلام میں ہے :- ۱۰ ہزار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ سے علم اسلام کے ساتھ آئے تھے اور ۲ ہزار اہل مکہ تھے ان میں بہت سے مشرک بھی تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ مفتوح ہونے کے بعد بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے (جلد اوّل ص ۹۲) إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ۔ یہاں صاف بتا دیا کہ شکست کا اصل راز مسلمانوں کی خود بینی تھی، اپنی کثرتِ تعداد پر ناز وغرہ، فقہاء مفسّرین نے اس آیت کو بھی آیاتِ احکام میں شمار کیا ہے اور چونکہ حدیث مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں صفوان مشرک بھی شریک تھا اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کئے ہیں۔ امام مالک کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہو جائے۔ قال مالک ولم یکن ذٰلک بامر رسول اللہ صلعم ولا ارٰی ان یستعان بالمشرکین علی المشرکین الا ان یکونوا خدماً او نواتیۃ (قرطبی) دوسرے ائمۂ فقہ ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ کی رائے میں جب کلمۂ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔ وقال ابو حنیفۃ والشافعی والثوری والاوزاعی لا باس بذٰلک اذا کان حکم الاسلام ھو الغالب وانما تکرہ الاستعانۃ بھم اذا کان حکم الشرک ھو الظاھر (قرطبی)

۴۰ چنانچہ جو ہٹ گئے تھے، وہ پھر میدان میں آکر جم گئے۔ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مفسّر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے مطلق تسلّی نہیں، وہ تو آپؐ کو اور جو صحابی آپ کے ہمراہ رہ گئے تھے انہیں حاصل ہی تھی، اور اسی بنا پر وہ ثابت قدم بھی رہے بلکہ مراد اس سے تسلّی خاص ہے جس سے سب کو غلبہ کی امید ہو گئی۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ ترک عُجب نزول سکینت کا سبب ہو جاتا ہے۔

۴۱ (یعنی ملائکۂ آسمانی) یعنی الملائکۃ (مدارک) ھم الملائکۃ بلا خلاف (بحر) لَّمْ تَرَوْهَا۔ سے مُراد صرف اس قدر ہے کہ وہ لشکر عام طور سے انسان کے لئے غیر مرئی تھا، اگر اتفاق سے کسی صحابی کو بطور کرامت یا خرق عادت کوئی فرشتہ نظر آگیا تو وہ اس بیان قرآنی کے منافی نہیں، ایسے موقعوں کے لئے قرآن کا یہ انداز بیان عام ہے۔ قرآن نے یہاں اس حقیقت کو ایک بار پھر صاف کر دیا کہ اصل شئے اعتماد علی اللہ ہے۔ ظاہری اسباب پر بہت زیادہ تکیہ کر لینا مہلک ہے۔

۴۲ چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلّت نصیب ہوئی، ۷۰ آدمی قتل ہوئے، ہزارہا کی تعداد میں قید ہوئے، جن میں فقط عورتیں ہی ۶ ہزار تھیں، مالِ غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹوں اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی اور یہاں یہ عام قانون بھی بتا دیا کہ کفر کی سزا ہے ہی شکست، ذلّت عذاب دنیوی۔

۴۳ چنانچہ اِنہی صفات مغفرت و رحمت کے تقاضہ سے بہت سے کافر مسلمان بھی ہو گئے۔

۴۴ (بہ لحاظ خبثِ عقاید) نجسٌ۔ مراد اس نجاست سے نجاستِ عقاید ہے نہ کہ نجاست اعیان و اجسام۔ والمراد ذوو نجس لخبث بواطنھم وفساد عقائدھم (روح)

۴۵ (بہ غرض خدمت و تولیت یا بہ غرض حج و طواف وغیرہ) یعنی حدود حرم کے اندر بہ غرض حج و عمرہ نہ داخل ہونے پائیں، ممانعت کا تعلق مطلق داخلۂ حرم و داخلۂ مسجد حرام سے نہیں۔ ای فلا یحجوا ولا یعتمروا کما کانوا یفعلون فی الجاھلیۃ (مدارک) حنفی مذہب میں مشرکوں کے عام داخلۂ حرم یا داخلۂ مساجد کی ممانعت نہیں، اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب بھی اس حیثیت سے مشرکین ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ولا یمنعون من دخول الحرم والمسجد الحرام وسائر المساجد عندنا (مدارک) حدیثوں سے تمام جزیرۂ عرب کا یہی حکم ثابت ہے۔ مشرکین کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی۔ چنانچہ حسب وصیّت آپؐ کے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا۔ اور فقہ حنفی کی رُو سے مُراد اس سے قرب و دخول بطور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں۔ . . . . . اور جب حرم کے اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے" (تھانوی) بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا۔ اس سال سے مراد ۹ھ ہجری ہے جبکہ حضرت ابوبکرؓ کی زیر امارت حج ادا ہوا تھا۔ اُس کے بعد سے مُراد ۱۰ھ ہجری ہے جب سے اس کا نفاذ شروع ہوا۔ سنۃ عشر قالہ قتادۃ وقال ابن العربی وھو الصحیح الذی یعطیہ مقتضی اللفظ (قرطبی) اس سال کے بعد کی قید سے فقہاء حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ نجاست اعتقادی (کفری) فی نفسہٖ مانع داخلۂ مساجد نہیں۔ وفی ذٰلک دلالۃ علی ان نجاسۃ الکفر لا تمنع الکافر من دخول المسجد (جصاص)

۴۶ عرب کا ملک کوئی زراعتی تو ہے نہیں باشندوں کی آمدنی کا دار و مدار تجارت ہی پر رہتا ہے۔ نومسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر غیر مسلموں سے معاشی و تجارتی تعلقات بھی منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پئیں گے کہاں سے؟ یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے۔

۴۷ (چنانچہ اس نے بھی یہی کر دیا۔ اس طریقہ پر کہ خود ان تاجروں کو مسلمان کر دیا) إِن شَاءَ (اگر چاہے گا) سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں محض اس کی مشیت کافی ہے چنانچہ جب اس کی مشیت ہوئی بہ سارا ملک مسلمان ہو گیا۔ سامان تجارت دُور دُور سے بکثرت آنے لگا۔ بارشیں اچھی ہوئیں۔ پیداوار خوب ہونے لگی۔ فتوحات اور غنیمتوں کے دروازے کھل گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی۔ غرض مشیت کی ایک حرکت نے اسباب غناء ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ فقہاء مفسّرین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ رزق کے باب میں تعلق خاطر اسباب ظاہری سے رکھنا جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ فی ھٰذہ الاٰیۃ دلیل علی ان تعلق القلب بالاسباب فی الرزق جائز ولیس ذٰلک بمناف للتوکل ... سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ رزق قدرہ کوشش کا نہیں ہوتا بلکہ عطیۂ خداوندی ہے۔ دلیل علی ان الرزق لیس بالاجتھاد وانما ھو من فضل اللہ تولی قسمتہ بین عبادہ (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم ہے کہ مصلحت دنیوی کو تکمیل مصلحت دینی میں مانع نہ ہونا چاہیے اور اگر وہم ہو تو توکل سے علاج کرنا چاہیئے۔

۴۸ (چنانچہ وہ اپنے علم کامل سے سب احکام کی مصلحتوں کا علم رکھتا ہے اور حکمتِ کاملہ سے تمہارے افلاس کے انسداد کا بھی انتظام کردے گا)

بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَنزَلَ

تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے ۳۹ اس کے بعد اللہ نے

اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ

اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسلّی نازل کی ۴۰ اور

أَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا

نازل کیے (ایسے) لشکر جنہیں تم دیکھ نہ سکے ۴۱ اور (اللہ نے) کافروں کو سزا دی اور

وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ

یہی کافروں کی جزا ہے ۴۲ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے

ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٧﴾ يَا أَيُّهَا

توبہ نصیب کردے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۴۳ اے

الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا

ایمان والو مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۴۴ سو اس سال کے بعد

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ

مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں ۴۵ اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ

عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ ۚ

ہو ۴۶ سو اللہ تمہیں اگر چاہے گا اپنے فضل سے (ان سے) بے نیاز کردیگا ۴۷

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۴۸ اہل کتاب میں سے اُن سے لڑو جو نہ اللہ پر ایمان

الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ

کفر سے ایمان کے مقابلہ میں محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی انہیں دوست رکھے گا سو ایسے

هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ

ہی لوگ تو ظالم ہیں ۳۵ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور

وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ

تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال جو

اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ

تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں تم

تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ

پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ

فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ

میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے ۳۶ اور اللہ

ع ۳ / ۸ / ۹

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ

نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا ۳۷ بیشک اللہ نے بہت سے موقعوں پر

فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

تمہاری نصرت کی ہے ۳۸ اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت (تعداد) پر غرہ ہو گیا

فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ

تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے

۳۵ (خود اپنے حق میں) ہجرت کی راہ میں عموماً انہی عزیزوں قریبوں کی محبت حائل ہو جاتی تھی، شریعت نے ایسی اور اس درجہ کی محبت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ - یہاں سے یہ مسئلہ فقہاء نے مستنبط کیا ہے کہ جس کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو تو اس مصلحت سے اس سے تعلق رکھنا جائز ہے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ - بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ یہ لوگ بھی مشرکوں کے حکم میں داخل ہوں گے کہ رضا بالشرک بھی شرک ہی ہے۔ قال ابن عباس ھو مشرک مثلھم لان من رضی بالشرک فھو مشرک (قرطبی)

۳۶ (اور وہ حکم سزائے ترک ہجرت کا ہوگا) أَحَبَّ إِلَيْكُم - نے اس مسئلہ کو اور زیادہ صاف کر دیا جس کا ذکر ابھی اوپر کی آیت میں آچکا ہے یعنی عزیزوں کی محبت بجائے خود ممنوع نہیں، صرف اس کی وہ صورت ممنوع ہے جب وہ احکام شریعت کی تعمیل میں سدِّ راہ بننے لگے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ حکم بھی اخذ کیا ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کا درجہ وجوب کا ہے۔ وفی الآیۃ دلیل علی وجوب حب اللہ ورسولہ ولاخلاف فی ذٰلک بین الامۃ (قرطبی) مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ سے مراد من العمل بامر اللہ ورسولہ ہے یعنی احکامِ خدا و رسول پر عمل سے عزیز تر۔ وفی الکلام حذف ای احب الیکم من امتثال امر اللہ تعالٰی ورسولہ (بحر) آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ ہجرت سے ایک بڑا اندیشہ یہی ہوتا تھا کہ یہی سب عزیز قریب چھوٹ جائیں گے۔ أَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا - دوسرا بڑا اندیشہ یہ ہوتا تھا کہ اموال و املاک تلف ہو جائیں گے تجارت کا انتظام و سلسلہ بگڑ جائے گا، مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا - تیسرا ممکن اندیشہ یہ تھا کہ راحت و آسائش کے گھر بار چھوٹ جائیں گے۔ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ - ہجرت سے ایک درجہ ترقی کر کے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ کا لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے۔ مسلمان کو تو جہاد تک کو ہر دنیوی و مادی تعلق پر غالب رکھنا چاہیے۔ فَتَرَبَّصُوا - ایسے موقع پر قرآن مجید جب صیغۂ امر اختیار کرتا ہے تو مقصود ہمیشہ تہدید و تخویف ہوتی ہے۔ صیغتہ صیغۃ امر ومعناہ التھدید (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ تعلق مع الخلق کے مقابلہ میں تعلق مع اللہ زیادہ رعایت کے قابل ہے۔

۳۷ چنانچہ انہیں ان مرغوبات و مالوفات سے تمتع کا موقع دینے کے بجائے کبھی خلاف توقع ان کی موت لے آتا ہے کبھی کوئی اور ایسی ہی صورت پیدا کر دیتا ہے۔

۳۸ جیسے جنگِ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر، اور بنو قریظہ و بنو نضیر کے مقابلہ میں وقس علی ہذا۔ نصرت غیبی و تائید ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا، علماء نے ۸۰ ایسے موقع گنائے ہیں۔ وان ائمۃ التاریخ وعلماء المغازی نقلوا انما کانت ثمانین موطنا (بحر) حنین، طائف کے راستہ میں مکہ کی ایک وادی کا نام ہے، مکہ سے غالباً ۳ میل کے فاصلہ پر، فتح مکہ کے دو ہی ہفتہ بعد یہاں مسلمانوں کا مقابلہ ہوازن اور ثقیف کے مشہور تیر انداز قبیلوں سے ہوا تھا، معرکہ کی تاریخ ۲ شوال ۸ھ مطابق یکم فروری ۶۳۰ء ہے۔

۳۱ کہ جس طرح عمل عمل برابر نہیں ہوتے اسی طرح عامل عامل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ کہاں ایمان صحیح وکامل اور جہاد فی سبیل اللہ اور کہاں بلا اعتقاد صحیح محض سقایۂ حجاج و خدمت حرم! کہاں مومن کامل ومجاہد اور کہاں غیر مومن ساقیٔ حجاج! کعبہ چونکہ مشرکین کے نزدیک بھی مقدس تھا اُس کی خدمت اور اُس کے زائروں کی خدمت سردارانِ قریش نے بھی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے زمانۂ کفر میں اور شیبہ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں اپنی خدماتِ کعبہ وزائرین کعبہ پر فخر کیا تھا۔ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے یا مشرکین۔ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ من اٰمن سے قبل عمل محذوف ہے۔ اے اجعلتم عمل من سقی الحجاج کعمل من اٰمن (قرطبی)

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ

قرار دے لیا ہے اُس شخص (کے عمل) کے جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور روزِ آخرت پر اور اُس نے

اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

جہاد بھی اللہ کی راہ میں کیا۔ یہ لوگ برابر نہیں (ہو سکتے) اللہ کے نزدیک، اور اللہ راہ نہیں دکھاتا

الظّٰلِمِيْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

ظالم لوگوں کو ۳۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ

اپنے مال اور اپنی جان سے کیا، درجہ میں بہت بڑے ہیں

دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳

اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ۳۲

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ

انہیں اُن کا رب خوشخبری سناتا ہے اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور (ایسے) باغوں

لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

کی کہ اُن کے لئے اُن میں دائمی نعمت ہوگی ۳۳ ان میں یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے، بیشک

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ㉒ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے ۳۴ اے ایمان والو دوست نہ بناؤ

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ لوگ

وقف لازم

۳۲ یہاں یہ بتایا ہے کہ اصل شے تو ایمان باللہ اور اقرارِ توحید ہے۔ اور پھر جو اس پر ہجرت وجہاد کا اضافہ کرے اُس کے مرتبہ کا کیا کہنا! خانۂ کعبہ کی عظمت جو کچھ ہے وہ مرکزِ توحید ہی ہونے کی بنا پر تو ہے۔ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ۔ سے یہ خیال نہ گزرے کہ بلا ایمان والوں یعنی کافروں کا بھی کوئی درجہ اللہ کے ہاں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو درجہ ومرتبہ اپنے نزدیک انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ والمراد انھم قدروا لانفسھم الدرجة بالعمارة والسقی فخاطبھم علی ما قدروہ فی انفسھم وان کان التقدیر خطأ (قرطبی)

۳۳ اور اس خوشخبری سنانے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ مقیم کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعاماتِ جنت جتنے بھی ہونگے مستقل، پائدار، دائمی ہوں گے، مسافرانہ انداز کے نہ ہوں گے۔ استعارة للدائم (روح) رحمة اور رضوان کے صیغۂ نکرہ رحمت اور رضوان الٰہی کی عظمت وکثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔ نکر الرحمة والرضوان للتفخیم والتعظیم (بحر)

۳۴ یہاں خلود کے ساتھ ابداً کی بھی تصریح کر دی ہے کہ محض خلود کے معنی زمانۂ طویل کے بھی آتے ہیں۔ اکد الخلود بالتابید لانہ قد یستعمل للمکث الطویل (بیضاوی) اور یہ حقیقت ایک بار اور صاف ہو گئی ہے کہ اجر جنت عظیم وگرانقدر ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگا۔ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ۔ جس محبت سے یہاں ممانعت ہو رہی ہے اس سے محبت طبعی مُراد نہیں ہے وہ تو ہر عزیز سے ہونا بہتر ہے۔ قید صرف یہ لگا دی ہے کہ وہ محبت طبعی عمل میں محبتِ ایمانی پر غالب نہ آنے پائے، مغلوب ہی رہے اور غالب ہمیشہ ہر معاملہ میں محبتِ ایمانی رہے۔

۲۷ اَنْ تُتْرَكُوْا یعنی کیا مومنین صادقین یوں ہی بلا امتحان و آزمائش چھوڑ دیئے جائیں گے۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں، قریبوں سے قتال کرنا ہوگا اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی تحقیقی اور ازلی ہے۔ لیکن معلومات جب تک حدوث میں نہ آئیں، علم الٰہی کا تعلق فعلی اُن سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو یہاں لما یعلم اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً اس سے فقہاء نے حجیت اجماع اور اتباع مومنین کا استنباط کیا ہے۔ يقتضى لزوم اتباع المومنين وترك العدول عنهم كما يلزم اتباع النبى صلعم وفيه دليل على لزوم حجة الاجماع (جصاص)
۲۸ یعنی ایسے عقاید کا اقرار کر رہے ہوں جو داخل کفر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین میں اپنے عقاید شرکیہ کے ساتھ عمل آبادیٔ مساجد کی اہلیت ہی مفقود ہے۔ یہ اگر آبادیٔ مساجد کریں

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا
تم میں سے جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے
رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
سوا کسی کو گہرا دوست نہ بنایا اور اللہ کو خبر ہے اُس (سب) کی جو تم
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ
کرتے رہتے ہو ۲۷ مشرکین اس لایق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، درآنحالیکہ
ع ۲/۸
اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہوں ۲۸ یہ وہ لوگ ہیں
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾
کہ ان کے (سب) اعمال اکارت جا چکے اور دوزخ میں وہی (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ۲۹
اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
اللہ کی مسجدوں کا آباد کرنا تو بس اُن لوگوں کا کام ہے جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور
الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ
روزِ آخرت پر، اور پابندی کرتے ہوں نماز کی، اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہوں اور بجز اللہ کے
اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾
کسی سے نہ ڈریں پس ایسے لوگ امید ہے کہ راہ یاب ہوجائیں ۳۰
اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو (برابر)

بھی تو اس سے انہیں کیا نفع حاصل ہوگا؟ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہیں تو اس کے لایق ہی نہیں۔ انہیں اس سے روکا جائے گا۔ اے لاینبغی لهم ولا يليق وان وقع (روح) ماينبغى للمشركين بالله ان يعمروا مساجد الله التى بنيت على اسمه وحده لا شريك له (ابن کثیر) ماينبغى للمشركين ان يعمروا مساجد الله اوجب على المسلمين منعهم من ذلك لان المساجد تعمر لعبادة الله وحده (معالم) اَنْ يَّعْمُرُوْا۔ عمارة۔ عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، اُن میں داخل ہونا، اُن کی تعمیر کرنا، اُن کی خدمت کرنا سب کچھ آگیا۔ بعض نے عمارت سے مُراد تعمیر معروف یعنی مسجد کی بنا اور اُس کی مرمت وغیرہ مُراد لی ہے اور کافر کو اس سے روکا ہے۔ چنانچہ وہ اگر اس کی وصیت کر جائے تو اس کی بھی تعمیل نہ ہوگی۔ ذهب جماعة الى ان المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد ومرمته عند الخراب فيمنع منه الكافر حتى لو اوصى به لا يمتثل (معالم) بعض نے مسجد میں داخلہ اور نشست و برخاست مُراد لی ہے۔ وحمل بعضهم العمارة هٰهنا على دخول المسجد والقعود فيه (معالم) مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔ اس عموم میں مسجد الحرام (حرم شریف) بھی آگئی۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی یا بانی و خادم ہونے کے لایق نہیں، فاقتضت الاية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولى مصالحها والقيام بها (جصاص) البتہ جہاں تک مسجد بنانے کا تعلق ہے فقہاء کے ہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ اگر اُس کافر کے ہاں خود اُس کے مذہب کی رُو سے تعمیر مسجد میں اجر ہے اور اُسے تعمیر مسجد کی اجازت دینا کسی مصلحت اسلامی کے خلاف بھی نہیں تو اجازت دے دی جائے گی۔
۲۹ (کہ یہ خلود عذاب سزائے موعود ہے کفر کی) اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یعنی ایمان جو قبول اعمال کی بنیاد ہے وہی اُن کے ہاں منعدم ہے۔ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۔ آیت کے صیغۂ حصر سے متکلمین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ خلود عذاب سزا صرف کافروں کی ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کی، یعنی صرف وہی (کافر) پڑے رہیں گے نہ کہ کوئی اور۔ واحتج اصحابنا بهذه الاية على ان الفاسق من اهل الصلوة لا يبقى مخلدا فى النار (کبیر)
۳۰ (اور اپنے مقصود کو پہنچ جائیں جو نجات اور جنت ہے) اے الى الجنة وما اعد الله تعالى فيها لعباده (روح) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یہ بیان ہوا اُن کے بنیادی عقاید کا۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ یہ بیان ہوا اُن کے اعمال و احوال کا۔ عسیٰ کے لئے اوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب یہ وعدۂ الٰہی کے سیاق میں آتا ہے تو اس میں معنیٔ یقین کے پیدا ہوجاتے ہیں اور درجۂ احتمال باقی نہیں رہتا۔ عسى من الله واجب (معالم) وعسى من الله واجبة عن ابن عباس وغيرهما (قرطبی) وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ دین کے باب میں بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے، یہ مراد نہیں کہ جن چیزوں سے ڈرنا ایک امر طبعی ہے اُن میں بھی کسی سے نہیں ڈرتے جیسا کہ عوام اور ناقص قسم کے مشائخ نے سمجھ رکھا ہے۔ اے فى ابواب الدين فان الخشية عن المحاذير جبلية لا يكاد العقل يتمالك عنها (بیضاوی) واما الخوف الجبلى عن الامور المخوفة فليس من هذا الباب ولا هو مما يدخل تحت التكليف (روح) المراد من هذه الخشية الخوف والتقوى فى باب الدين وان لا يختار على رضاء الله رضا غيره (کبیر) المعنى ولم يخش الا الله مما يعبد (قرطبی) اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔ بعض اکابر سلف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو اُن سے حُسنِ ظن رکھنا لازم ہے۔ وقد قال بعض السلف اذا رأيتم الرجل يعمر المسجد فحسنوا به الظن (قرطبی) اور جامع ترمذی میں یہ حدیث نبوی ابو سعید الخدری صحابی کی روایت سے موجود ہے کہ اذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد فاشهدوا له بالايمان۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اُس کے ایمان کے گواہ ہوجاؤ۔

فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ
تم قتال کرو (ان) پیشوایانِ کفر سے کہ (اس صورت میں) ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں تاکہ
لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا
یہ لوگ باز آجائیں ٢١ تم ایسے لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی
اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ
قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور انہوں نے تمہارے مقابلہ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ
میں خود ہی ابتدار کی پہلے پہل ٢٢ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ حقدار ہے اس کا کہ اُس سے ڈرو
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ
اگر تم ایمان والے ہو ٢٣ ان سے لڑو اللہ انہیں تمہارے ہاتھ سے سزا دے گا اور
بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ
انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مسلمان لوگوں کے
صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ
دلوں کو ٹھنڈا کرے گا ٢٤ اور ان کے دلوں سے جھنجلاہٹ کو دُور کریگا ٢٥
وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾
اور اللہ جس پر وہ چاہے گا رحمت کے ساتھ توجہ کریگا، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ٢٦
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو

٢١ (اپنے عقاید کفریہ سے) وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ ۔ یعنی یہ عہد شکنی کر کر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ۔ یہ علامت مزید اُن کے کفر و عناد کی ہلی۔ طعن کے لغوی معنیٰ نیزہ مارنے کے ہیں۔ طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی اختلاف رائے وعقیدہ پر نہیں ہوتا۔ طعن کہتے ہی ایسی بات کو ہیں جو دل کو چھید دے زخمی کر دے، طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ میں بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین اور اہلِ دین کی دلآزاری ——— ایسی زبان درازی اس "روشن خیال" بیسویں صدی میں بھی ہر قانون میں جرم ہے۔ ذمّی جس وقت دین اسلام پر زبان طعن دراز کرتا ہے، معاہدہ امن سے نکل جاتا ہے، اور اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔ اذ طعن الذمّی فی دین الاسلام طعنًا ظاهرًا جاز قتله لان العهد معقود معه علی ان لا يطعن فاذا طعن فقد نكث عهده وخرج من الذمة (مدارک)

قَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۔ یہ سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔ سرداروں کی تصریح اہتمام و خصوصیت و تاکید کے لئے ہے۔ ان کے قتل سے عوام خود بخود یا منتشر اور یا مطیع و منقاد ہونے لگیں گے۔ اے قاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمة بالذکر لانهم هم الذين يحرضون الاتباع علی البقاء علی الكفر (بحر) تخصيصهم بالذكر لان قتلهم اهم لا لانه لا يقتل غيرهم (روح) سرداران قریش نے معاہدہ کے خلاف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں بنی بکر کو مدد دی تھی۔ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے۔ طعن فی الدین کے سلسلہ میں توریت کا حکم ملاحظہ ہو: "اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے گا جان سے مارا جائے گا۔ ساری جماعت اُسے سنگسار کرے گی خواہ وہ مسافر ہو، خواہ دیسی ہو، جب اُس نے اس کے نام پر کفر کیا تو وہ جان سے ضرور مارا جائے گا۔" (احبار۔ ٢٤: ١٦) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد ہو جائیگا۔ فيه دلالة علی ان اهل العهد متی خالفوا شيئًا مما عوهدوا عليه وطعنوا فی ديننا فقد نقضوا العهد (جصاص)

٢٢ وہ یوں کہ تمہاری طرف سے وفاء عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اور انہوں نے خود ہی چھیڑ نکالی۔ ٢٣ ایمان والوں کو انہی کے ایمان کی غیرت اور رواسطہ دلایا ہے کہ کافروں مردودوں سے ڈرنا ہی کیا۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۔ کیا تم ان سے اس لئے ڈرتے ہو کہ یہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ٢٤ (کافروں کی ہزیمت اور تمہاری نصرت سے) يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ ۔ سنّت الٰہی یہ ہے کہ اعداء دین کو دنیا میں سزا خادمانِ دین کے ہاتھوں سے دلائی جاتی ہے اور یہ انسان عذابِ الٰہی کے واسطہ یا آلہ کا کام دیتے ہیں۔ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعدائے دین کی مغلوبیت سے خوش ہونا امر طبعی بلکہ امر محمود ہے۔ ٢٥ یہ ذکر ایسے مسلمانوں کا ہے جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور کافروں کے غلبہ پر دل ہی دل میں کُڑھا کرتے ہیں۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ اُمور طبعی کاملین میں بھی رہتے ہیں چنانچہ بیانِ صحابہ میں غیظ کا ذکر موجود ہے۔ ٢٦ (چنانچہ اپنے علم کامل سے سب کا حال جان کر اپنی حکمت کاملہ سے سب کے مناسب حال احکام جاری فرمائے) يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۔ یعنی اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت جس کو چاہے گا، ایمان کی توفیق دے دے گا۔

الْمُتَّقِيْنَ ۝٧ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا
پرہیزگاروں کو ۱۵ کیسے (ان عہد شکنوں کا عہد قابلِ رعایت رہیگا) جب کہ یہ حال ہو کہ اگر وہ کہیں
فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى
تم پر غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا تمہیں پرچا رہے ہیں،
قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
(صرف) اپنی زبانی باتوں سے اور ان کے دل انکار کئے جا رہے ہیں اور زیادہ تر ان میں کے بدعمل ہی ہیں ۱۶
ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا
انہوں نے آیات الٰہی کے معاوضہ میں بضاعتِ قلیل کو خرید لیا ہے سو یہ لوگ (اللہ) کے راستہ سے ہٹے ہوئے
يَعْمَلُوْنَ ۝٩ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ
ہیں، بیشک بہت برا ہے جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں ۱۷ کسی مومن کے باب میں یہ لوگ نہ قرابت کا پاس
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝١٠ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا
کریں اور نہ قول و قرار کا، اور یہ لوگ ہی ہیں زیادتی کرنے والے ۱۸ لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز
الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَ
کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے دین میں ۱۹ اور ہم
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝١١ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا
آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں ۲۰ اور اگر یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے
اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
عہد کے بعد توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو

۱۵ (اور تقویٰ ہی کی ایک اعلیٰ فرد یہ ہے کہ ہر ترغیب اور موقع کے باوجود انسان اپنے عہد پر قائم رہے) فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں اپنا عہد نہ توڑیں۔ ولم یظهر منهم نكث۔ اے فما اقاموا على وفاء العهد (مدارک) فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ۔ یعنی اپنی طرف سے اُن کی مدتِ عہد پوری کرو۔ ۱۶ (اور فسق و بدعملی کی ایک فرد عہد شکنی ہے) گویا ان مشرک جاہلیوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا رہے۔ اِلًّا۔ الّ۔ کے معنی قرابت وعزیزداری کے ہیں۔ الال على ما روى عن ابن عباس الرحم والقرابة والى ذلك ذهب الضحاك (روح) فٰسِقُوْنَ۔ فاسق تو ہر کافر ہوتا ہی ہے، یہاں مقصود ان کی بد اعمالی خصوصاً عہد شکنی کو نمایاں کرنا ہے۔ اے ناقضون العهد وكل كافر فاسق ولكنه اراد ههنا المجاهرين بالقبائح ونقض العهد (قرطبی) ۱۷ یعنی انہوں نے احکامِ الٰہی کی لازوال دولت کے بجائے حاصل کیا تو کیا، اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاعِ ناپائیدار! یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لِم بنادی کہ آخرت کا اعتقاد تو اُن کو ہے نہیں، اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے۔ ۱۸ (اور اس لئے ہرگز قابلِ اعتماد نہیں) لَا يَرْقُبُوْنَ۔ الخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ مواخذۂ اُخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے جس کے جوہر بلاقیدِ ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور اُس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قول و قرار کا پاس بہرحال کرتا ہے۔ یہ ننگِ انسانیت معاندینِ اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سرے سے تکرار ہی نہیں۔ اس لئے کہ پہلی بار اس کا ذکر سارے مشرکوں کے سلسلہ میں آیا ہے اور دوبارہ یہود کے سلسلہ میں، قال النحاس ليس هذا تكريرا ولكن الاول لجميع المشركين والثانى لليهود خاصة (قرطبی) ۱۹ یعنی اگر یہ لوگ عقاید کفر و شرک سے اپنی تبرّی کا اظہار کردیں، اور مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں تو اعتبار ان کے ظاہر کا کر لیا جائے گا اور دل میں ان کے جو کچھ بھی ہو، بہرحال یہ اسلامی برادری کے جزء سمجھے جائیں گے، اور معاملہ ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا کیا جائے گا۔ اور اب ان کے پچھلے جرائم عہد شکنی وغیرہ پر نظر نہیں کی جائے گی۔ يدل على من اظهر لنا الايمان واقام الصلوٰة واتى الزكوٰة علينا موالاته فى الدين على ظاهر امره مع وجود ان يكون اعتقاده فى المغيب على خلافه (جصاص) فَاِنْ تَابُوْا۔ یعنی اپنے کفر سے توبہ کریں اور احکامِ اسلام پر قائم ہو جائیں۔ اے عن الكفر (مدارک) عما هم عليه من الكفر وسائر العظائم كنقض العهد وغيره (روح) اے عن الشرك والتزموا احكام الاسلام (قرطبی) وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ۔ یعنی اعمالِ ظاہری مسلمانوں کے سے بجالائے یا ان کی فرضیت کا اقرار کرے۔ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلامی برادری میں شمول کے لئے اور اُمت کا ایک رکن بن جانے کے لئے صرف اِس قدر کافی ہے۔ اس سے زاید کے مطالبات کو جزء لازمی سمجھنا محض تعمق و تشدّد ہے۔ فِي الدِّيْنِ نے اسے بھی صاف کر دیا کہ یہ اخوت و ہمسری دین کے لحاظ سے ہوگی، اور فقہاء نے جو بحث کفو کی کی ہے۔ اس کا تعلق تمام تر نسب سے ہے نہ کہ دینی اخوت سے۔ اے لا فى النسب (ماجدی) ۲۰ کہ (سوچیں سمجھیں، غور و تدبر سے کام لیں) اے يفهمون فيتفكرون فيه (ماجدی)

ف ۱۱ غرض یہ کہ جنگ میں جو کچھ ہوتا اور کرنا پڑتا ہے اس کی عام اجازت ہے۔ واقعدوا سے اس کے لفظی معنیٰ مُراد نہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ غنیم کی فکر میں لگے رہو اور یہی صُورت احصروھم کے لئے ہے۔
لیس معناہ حقیقۃ القعود بل المراد ترقبھم وترصدھم (روح) واحصروھم ای امنعوھم عن الخروج اذا تحصنوا منکم بحصن (عن ابن عباس۔ روح) اَلْمُشْرِكِيْنَ۔ عام مشرکین مراد نہیں، بلکہ وہی محارب
عہد شکن مشرکین مراد ہیں جنہوں نے اُلٹے دشمنوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے غدّاری کی۔ تبین ان المراد بالاٰیۃ اقتلوا المشرکین الذین یحاربونکم (ابن العربی) ای المشرکین الناکثین (بیضاوی) الذین نقضوکم
وظاھروا علیکم (مدارک) حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ یعنی خواہ وہ حرم ہی میں ہوں۔ من حل او حرم (مدارک) عام فی کل موضع وخص ابو حنیفۃ المسجد الحرام (قرطبی) وَخُذُوْهُمْ۔ یہ گرفتاری اسی غرض سے ہوگی
کہ یا انہیں قتل کیا جائے یا بہ معاوضہ یا بلا معاوضہ حسب رائے امام چھوڑ دیا جائے۔ الاخذ ھو الاسر والاسر انما یکون للقتل او الفداء او المن علیٰ ما یراہ الامام (قرطبی) ف ۱۲ (چنانچہ ایسے ایسے مجرموں

الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَ
قتل کرو جہاں کہیں تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو باندھو اور ہر گھات کے موقع پر
احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا
ان کی تاک میں بیٹھو [۱۱] پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ
نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو بیشک اللہ بڑا
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے [۱۲] اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو
اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ
اُسے پناہ دیجیے تاکہ وہ کلامِ الٰہی سُن سکے پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ
مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۶ كَيْفَ
پہنچا دیجیے یہ (حکم مہلت) اُس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے [۱۳] (ایسے عہد شکن)
يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ
مشرکوں کا عہد کیسے اللہ اور اُس کے رسُول کے ذمہ واجب رہے گا،
اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا
مگر ہاں جن لوگوں سے تم نے عہد لیا مسجد حرام کے نزدیک [۱۴] سو جب تک یہ لوگ
اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے

ع ۱ / ۲

کی بھی معافی کا حکم دے دیا اور ان کی جان بچالی) فَاِنْ تَابُوْا۔ یہ توبہ عقاید کفر و شرک سے ہونی چاہیے۔ ای عن الکفر (مدارک) ای من الشرك (قرطبی) وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ۔ بجنسہٖ یہی دو عمل مُراد نہیں، یہ دونوں عمل توبطور نمونہ کے ہیں مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں۔ فقہائے مفسّرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعۃً نماز کا پڑھنا (جو اپنے وقت ہی پر واجب ہوگی) اور زکوٰۃ کا دینا (جس کی ادائی سال بھر گزرے ہی پر ہوگی) ضروری نہیں، ضروری صرف ان اعمال کے وجوب کا اعتقاد ہے۔ لا خلاف انھم لو قبلوا امر اللہ فی فعل الصلوٰۃ والزکوٰۃ ولم یکن الوقت وقت صلاۃ انھم مسلمون وان دماءھم محظورۃ فعلمنا ان شرط زوال القتل عنھم ھو قبول اوامر اللہ والاعتراف بلزومھا دون فعل الصلوٰۃ والزکوٰۃ (جصاص) اکتفی بذکرھما لکونھما رئیسی العبادات البدنیۃ والمالیۃ (روح) فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ چنانچہ اب اُن کے لئے حکم قید و قتل وغیرہ کا نہ رہے گا۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفار عرب کے ساتھ مخصوص تھا اسی لئے یہ عدم اخذ و حصر اور ”تخلیہ سبیل“ کا حکم انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی عام کفار و مشرکین کے لئے بعد جہاد غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت و مسلّم ہے۔ ف ۱۳ (بس انہیں پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے) اس علیت نے یہ صاف کر دیا کہ مدار حکم مخاطب کی اس بے خبری پر ہے باقی جہاں اسلام کا پیام عام ہو چکا ہو اور بے خبری و لاعلمی کا کوئی قرینہ نہ ہو، وہاں یہ وجوب بھی باقی نہ رہے گا۔ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی انہی واجب القتل مشرکین میں سے۔ ای من الذین امرتك بقتالھم (قرطبی) حَتّٰى کو یہاں بجائے ”یہاں تک“ کے ”تاکہ“ کے معنیٰ میں لینا اور تعلیلیہ قرار دینا بہتر ہوگا۔ حتی للتعلیل (روح) یصح ان تکون للتعلیل (بحر) يَسْمَعَ۔ سماع سے یہاں مُراد محض سماع آواز نہیں بلکہ فہم و تدبّر کے ساتھ سوچنا سمجھنا مراد ہے۔ وقد یراد بالسماع الفھم (بحر) ویتدبرہ (مدارک) لیس یرید مجرد الاصغاء فیحصل العلم لہ بظاھر القول وانما اراد بہ فھم المقصود من دلالتہ علی النبوۃ (ابن العربی) ای بفھم احکامہ واوامرہ ونواھیہ (قرطبی) كَلٰمَ اللّٰهِ۔ علاوہ قرآن مجید کے تمام دلائل دینِ حق کے اسی حکم میں آجاتے ہیں۔ کان علینا اقامۃ الحجۃ وبیان توحید اللہ وصحۃ نبوۃ النبی صلعم (جصاص) ویطلع علی حقیقۃ الامر (مدارک) ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ۔ فقہاء مفسّرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ حربی امن گزین کو چھیڑا ستایا نہ جائے۔ بلکہ اُس کی حفاظت اپنے ذمے لی جائے۔ فیہ دلیل علی ان المستامن لا یوذی (مدارک) یدل علی ان علی الامام حفظ ھذا الحربی المستجیر وحیاطتہ ومنع الناس من تناولہ بشر (جصاص) ذمیّوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی آیت سے نکالی گئی ہے۔ وفی ھذا دلیل ایضا علی ان علی الامام حفظ اھل الذمۃ والمنع من اذیتھم والتخطی الی ظلمھم (جصاص) یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر حربی کا دار الاسلام میں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا ٹھیک نہیں۔ اُسے چاہیے کہ بس ضرورت بھر قیام کرے اور چلا جائے۔ وفیہ الدلالۃ علی انہ لا یجوز اقرار الحربی فی دار الاسلام مدۃ طویلۃ وانہ لا یترك فیھا الا بمقدار قضاء حاجتہ (جصاص) یہ حکم بھی فقہاء نے یہیں سے نکالا ہے کہ جو کوئی دین کے مسائل ہم سے دریافت کرنا چاہے تو ہم پر اس کا بتانا واجب ہے۔ فیہ الدلالۃ ایضا علی ان علینا تعلیم کل من التمس منا تعریفہ شیئا من امور الدین (جصاص) ف ۱۴ (اور اُن سے اُمید ہے کہ وہ عہد کو قائم رکھیں گے) الْمُشْرِكِيْنَ سے مُراد یہاں بھی وہی عہد شکن مشرکین ہیں جن کا ذکر اُوپر سے چلا آرہا ہے۔ المراد من المشرکین الناکثون (روح) كَيْفَ یہاں استفہام کے معنیٰ میں نہیں، استنکار کے معنیٰ میں اور اظہار عجب کے لئے ہے۔ استفھام بمعنی الانکار والاستبعاد (کشاف۔ بیضاوی) کیف ھنا للتعجب کما تقول کیف یسبقنی فلان ای لا ینبغی ان یسبقنی (قرطبی)

ف۳ (کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ یا اُس کی مشیت پر غالب آجاؤ) یہاں پر بتا دیا کہ یہ مہلت تمہاری مصلحت اور تم پر شفقت کے خیال سے ہے۔ یہ نہیں کہ اس میں قادرِ مطلق کے عجز کو کوئی دخل ہو۔ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ۔ یعنی اس چار مہینہ کی مہلت کے اندر یا تو اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا اس جغرافی مرکزِ توحید و ایمان کو اپنے وجود سے خالی کر دو۔ عین عتاب کے موقع پر اسلام اپنے معاندین کی راہ میں کتنی سہولت پیدا کر رہا ہے۔ انہیں مہلت پورے ۴ مہینہ کی دے رہا ہے۔ یہ چار مہینہ کون سے تھے؟ اس کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ عام چار محترم مہینہ تو ظاہر ہے کہ رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں لیکن یہاں بعض علماء سے شوال تا محرم منقول ہیں، اس بنا پر کہ آیت کا زمانۂ نزول زمانۂ شوال ہے۔ وھی شوال وذوالقعدة وذوالحجة والمحرم عندالزھری لان الاٰیة نزلت فی الشھرالاول (روح) فَسِيْحُوْا۔ لفظ کے معنی سیر و سیاحت کرنے کے ہیں۔ اب خطاب براہِ راست کافروں سے شروع ہوگیا قل محذوف ہے۔ ای سیروا ھی السیاحة (ابن العربی) رجع عن الخبر الی الخطاب ای قل لھم سیحوا (قرطبی) ف۴ یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلہ کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی اُلٹا انہیں رسوا کر کے رہے گا۔ اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہر حال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی گا۔ باقی نزولِ آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔ قال ابن عباس بالقتل فی الدنیا والعذاب فی الاٰخرة (کبیر) آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلا دیا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آکر رہیں گے۔ قال الزجاج ھذا ضمان من اللہ عزوجل لنصرة المومنین علی الکافرین (کبیر) ف۵ یعنی انہیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔ اِلَى النَّاسِ۔ یعنی عام خلقت کے سامنے جس میں کافر، مومن، معاہد، غیر معاہد سب آگئے۔ الناس ھھنا جمیع الخلق (قرطبی) مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ مشرکین سے سیاقِ آیت میں مُراد وہی مشرکین ہیں جو نقضِ عہد کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ۔ حجِ اکبر حج ہی کو کہتے ہیں، کوئی مخصوص قسم کا حج مُراد نہیں، اکبر کا لفظ صرف حجِ اصغر یا عمرہ سے تقابل و امتیاز کے لئے ہے۔ ھذا ھو الحج الاکبر لان العمرة تسمی الحج الاصغر (کبیر) قال مجاھد الحج الاکبر القران و الحج الاصغر العمرة (ابن العربی) قال القاضی اذا نظرنا فی ھذہ الاقوال فالمنقح منھا ان الحج الاکبر الحج کما قال مجاھد (ابن العربی) اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ یہاں مراد ۹ھ ہجری کا یوم الحج ہے جو یوم الحج کی اصطلاح ۹ ذی الحجہ (یوم عرفہ) کے لئے ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں۔ ثبت الحج فی الیوم التاسع من ذی الحجة وھو یوم عرفة والنحر یوم العاشر منه (جصاص) قال ابن عباس فی روایة عکرمة انه یوم عرفة وھو قول عمر وسعید بن المسیب وابن الزبیر وعطاء وطاؤس ومجاھد احدی الروایتین عن علی (کبیر) قیل یوم عرفة روی عن عمر وعثمان وابن عباس وطاؤس ومجاھد وھو مذھب ابی حنیفة وبه قال الشافعی (قرطبی) لیکن دوسری روایتیں یوم النحر یا ۱۰ ذی الحجہ کی بابت بھی ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي
اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ۳ بلکہ اللہ ہی کافروں کا رسوا

الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ
کرنے والا ہے ۴ اور اعلان (کیا جاتا ہے) اللہ اور اس کے رسُول کی طرف سے لوگوں کے سامنے

يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ ۵
بڑے حج کے دن کہ اللہ اور اُس کا رسُول مشرکوں سے دست بردار

وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
ہیں ۶ پھر بھی اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ۷ اور اگر تم رُوگردانی کئے

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
رہے تو جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ۸ اور کافروں کو عذاب دردناک

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
کی خوشخبری سُنا دیجیے ۹ مگر ہاں وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا
انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
اُن کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کر دو ۹ بیشک اللہ پرہیزگاروں کو

الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
دوست رکھتا ہے ۱۰ سو جب حُرمت والے مہینے گزر لیں اُس وقت ان مشرکوں کو

یہ اعلان حضرت علیؓ نے تمام قبائلِ عرب کے روبرو کیا تھا۔ امیر الحج اس سال رسُول اللہ صلعم نے اپنے بجائے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مقرر کیا تھا۔ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ اِنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ۔ معاہدہ کو فسخ کرنے کا اختیار تو اُمّت کو حاصل رہتا ہے لیکن اس خاص موقع پر اس کا فسخ کرنا واجب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کا انتساب مسلمانوں کی جانب نہیں بلکہ خود اللہ اور رسُول کی جانب کیا جا رہا ہے۔ ف۶ یعنی تمہاری عہد شکنی معاف کر دی جائے گی اور دنیوی عقوبت سے بچ جاؤ گے اور نجاتِ اُخروی تو توبہ کرنے اور ایمان لے آنے کے بعد ظاہر ہی ہے۔ فَاِنْ تُبْتُمْ۔ یعنی اگر اپنے عقاید کفر و شرک سے اب بھی توبہ کر لو۔ ای عن الشرک (قرطبی) ف۷ (کہ اس کے قبضۂ قدرت سے کہیں نکل بھاگو) فانه محیط بکم و منزل عقابه علیکم (قرطبی) ف۸ اس عذاب سے مُراد عذابِ آخرت ہے۔ ف۹ (اور اپنی طرف سے ذرا عہد شکنی نہ ہونے دو) لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا۔ یعنی اپنی طرف سے اُس عہد کے نباہنے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔ وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہد جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے، تو وہ ناقضِ عہد ہو گیا۔ یدل علی ان المعاھد متی عاون علینا عدوا لنا فقد نقض عھدہ (جصاص)

ف۱۰ (اور اسی تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفاءِ عہد بھی ہے)۔

۱۱۴ (جنت میں) آخرت میں کامیاب ترین لوگ یہی تو ہوں گے جو دنیا میں سارے مراتبِ ایمان بجالے آئے۔ اَلَّذِیْنَ .... فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ یعنی طبقۂ مہاجرین جنہوں نے ایمان، ہجرت وجہاد کا حق ادا کر دیا۔ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا یعنی گروہ انصار جنہوں نے نصرت مہاجرین کا حق ادا کر دیا۔ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۔ یعنی ایمان میں کامل، سارے مراتبِ ایمان کے طے کر جانے والے لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ ۔ مغفرۃ کا صیغہ نکرہ اس پر دال ہے کہ مغفرت اپنے پُورے کمال پر ہوگی۔ وتنکیر لفظ المغفرۃ یدل علی الکمال والمعنٰی لھم مغفرۃ تامۃ کاملۃ عن جمیع الذنوب والسیئات (کبیر)

۱۱۵ (بہ اعتبار احکام شرعی کے) مہاجرین سابقین اور مہاجرین مابعد میں بہ اعتبار فضل ومرتبہ جو کچھ بھی فرق ہو، بہ اعتبار احکام شرعی سب برابر ہیں۔ ۱۱۶ یعنی مہاجرین مابعد میں جو لوگ آپس میں یا ان مہاجرین سابق کے قرابت دار ہوں وہی حقدار میراث کے ہیں نہ کہ غیر قرابتدار خواہ فضل ومرتبہ میں یہ غیر قرابتدار ہی بڑھے ہوئے ہوں۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ اس قرابت کا تعلق آپس سے ہے یا مہاجرین سابق سے ہے۔ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یعنی حکمِ شرعی میں۔ اے فی حکمہ وقسمتہ (کشاف) اے فی حکمہ او فی اللوح المحفوظ (روح) یہ حکم فتح مکّہ کے بعد سے باقی نہیں رہا۔ اب میّت کا وارث مسلمان عزیز ہی ہوگا خواہ وہ کہیں ہو۔

۱۱۷ (اور اُسی نے ہر وقت کے مناسب احکام دیئے ہیں اور احکام میراث وغیرہ میں ہر ایک کی مصلحت کا پُورا لحاظ رکھ لیا ہے)

كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت (بھی) کی اور جہاد (بھی) کیا اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ

راہ میں اور جن لوگوں نے (انہیں) رہنے کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی، سو یہی لوگ تو ہیں

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

پورے پورے مومن، ان کے لئے مغفرت اور معزز روزی ہے ۱۱۴ اور

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ

جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت (بھی) کی اور جہاد بھی تم لوگوں کے ساتھ مل کر کیا

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى

سو یہ لوگ بھی تمہی میں شامل ہیں ۱۱۵ اور (ان میں کے) قرابتدار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار

بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ہیں ۱۱۶ کتاب اللہ کے نوشتہ میں بیشک اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے ۱۱۷

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ توبہ مدنی ہے۔ اس میں ۱۲۹ آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں ۱

بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسُول کی طرف سے اُن مشرکین (کے عہد) سے جن سے تم نے عہد

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

کر رکھا تھا ۲ سو (اے مشرکو) زمین میں چار ماہ چل پھر لو

منزل ۲

ع ۲ الربع

أعوذ بالله من النار ومن شر الكفار ومن غضب الجبار العزة لله ولرسوله وللمؤمنين

لہ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے صرف یہی ہے، جس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں۔ حضرت عثمانؓ کے وقت جب قرآن اپنی بالکل آخری شکل میں مرتّب ہونے لگا تو اس سورت کے باب میں صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا یہ مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء۔ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بسم اللہ کی تصریح رسُول اللہ صلعم سے پائی نہ گئی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ فیصلہ کر کے دونوں احتمالات کی رعایت کر لی کہ اسے لکھا تو جائے بہ حیثیت مستقل سورت کے البتہ اس کے اور اس کے ماقبل کے درمیان فصل بہ صورت بسم اللہ نہ چھوڑا جائے۔ فقیہ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام کا یہ فیصلہ خود اس کی دلیل ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں قیاس شرعی ایک مستقل حجت ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورۂ براءۃ کے مضمون کو سورۂ انفال سے مشابہ پاکر ایک کو دوسرے سے ملحق کر دیا۔ اور جب خود تدوین قرآن میں قیاس شرعی سے کام لیا گیا تو دوسرے مسائل کا ذکر ہی کیا۔ ھذا دلیل علی ان القیاس اصل فی الدین الاترٰی الی عثمان واعیان الصحابۃ کیف لجئوا الی قیاس الشبہ عند عدم النص رأوا ان قصۃ براءۃ شبیھۃ بقصۃ الانفال فالحقوھا بھا فاذا کان اللہ تعالٰی قد بیّن دخول القیاس فی تالیف القرآن فما ظنک بسائر الاحکام (قرطبی) اور یہ جو حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ رفع امان کے لئے آئی ہے سو یہ علت نہیں، بہ طور نکتہ کے ایک حکمت ہے" (تھانوی)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اہلِ عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ سورۂ براءۃ میں بھی چونکہ معاہدہ کی منسوخی ہی کا اعلان ہے اس لئے اس میں بھی مذاقِ عرب کی رعایت رکھی گئی اور حضرت علیؓ نے جب اسے پڑھ کر سُنایا تو شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی۔ قیل کان من شان العرب فی زمانھا فی الجاھلیۃ اذا کان بینھم وبین قوم عھد فارادوا نقضہ کتبوا الیھم کتابا ولم یکتبوا فیہ بسملۃ فلما نزلت سورۃ براءۃ بنقض العھد الذی کان بین النبی صلعم والمشرکین بعث بھا النبی صلعم علیّا فقرأھا علیھم فی الموسم ولم یبسمل فی ذلک علی ماجرت بہ عادتھم فی نقض العھد من ترک البسملۃ (قرطبی) ۲ (بلاتعیین مدّت) مسلمانوں نے مشرک قبائل عرب سے معاہدے کر رکھے تھے بعض سے میعاد معیّن کے لئے بعض سے غیر میعادی۔ یہاں انہی آخر الذکر معاہدوں کی منسوخی کا اعلان ہو رہا ہے۔ بَرَاۗءَةٌ کے معنی ترک موالات و رفع امان کے ہیں۔ البراءۃ ھی قطع الموالاۃ وارتفاع العصمۃ وزوال الامان (جصاص) معنی البراءۃ انقطاع العصمۃ (کبیر) مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدّت کے بعد تم سے سارے معاہدہ ختم۔ بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ براءۃ کی تنوین تفخیم کے لئے ہے یعنی کامل انقطاع۔ مکمل دستبرداری۔ التنوین للتفخیم (روح) اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ صیغۂ جمع۔ حالانکہ معاہدہ کرنے والے صرف رسُول اللہ صلعم تھے اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت آمر و حاکم آپ کا فعل حکماً ساری اُمّت کا فعل تھا۔ ولم یعاھدھم الا النبی صلعم وحدہ ولکنہ کان الآمر والحاکم وکل ما امر بہ او احکمہ فھو لازم للامۃ منسوب الیھم محسوب علیھم (ابن العربی) یعنی الی الذین عاھدھم رسول اللہ صلعم لانہ کان المتولی للعھود واصحابہ کلھم بذلک راضون وکانھم عاقدوا وعاھدوا فنسب العقد الیھم (قرطبی)۔

۱۰۵ (اور اُن کی خیانت کو چلنے نہ دیا) مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی نیت خالص نہ بھی ہو، اور اُن کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو، جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے۔ اللہ اُن کی چالاکی چلنے نہ دے گا۔ اور انہیں آپ کے ہاتھ میں گرفتار کرادے گا جیسا کہ اس کے قبل جنگِ بدر میں کر چکا ہے۔ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ ۔ یعنی یہ اگر دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہارِ اسلام سے آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ خیانۃ کا لفظ وسیع ہے۔ ہر قسم کی چالاکی اس کے تحت میں داخل ہے۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ ۔ اور آپ کی مخالفت کر چکے اور آپکے مقابلہ میں آچکے ہیں۔ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۔ یعنی اللہ نے انہیں آپکے قابو میں دے دیا۔ مثلاً معرکۂ بدر میں۔ اے اقدرك علیهم حسبما رایت فی البدر (روح) ۱۰۶ چنانچہ وہ خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے اور کوئی نہ کوئی تدبیر بھی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں۔ ۱۰۷ یہ صفات مہاجرین کے بیان ہوئے۔ یہ وہ مکہ والے تھے کہ پہلے تو اپنی قوم کی مخالفت کی پروانہ کر کے اور ہر قسم کے خطرے مول لیکر ایمان لائے۔ پھر ترکِ وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے مالوفاتِ وطن کو چھوڑ کر پردیس میں آئے۔ پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامانِ جہاد درست کیا۔ پھر اپنی جانوں کو معرکۂ قتال میں پیش کر دیا۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ کی قید بڑی اہم اور لازمی ہے ——— وطن و قوم کے پرستاروں کو ان مہاجرین فی سبیل اللہ کے درجہ میں کھینا اپنی قرآن فہمی پر شدید ظلم کرنا ہے۔ ۱۰۸ (جب تک کوئی مستقل قانونِ وراثت نازل نہیں ہوتا) قانونِ وراثت (سورۃ النساء میں) نازل ہونے کے بعد یہ عارضی انتظام خود بخود ختم ہو گیا۔ اور اس کو اصطلاح میں ”نسخ“ کہتے ہیں۔ ثم نسخ الله ذٰلك بفتح مكة والميراث بالقرابة سواء كان الوارث فى دار الحرب او فى دار الاسلام لسقوط اعتبار الهجرة بالسنة (ابن عربی) عن ابن عباس قال كان المهاجر لا يتولى الاعرابى ولا يرثه وهو مومن ولا يرث الاعرابى المهاجر فنسختها واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض (جصاص) وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا ۔ یہ مدح انصارِ مدینہ کی ہو رہی ہے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح انہیں آسائش پہنچا پہنچا کر پردیس اُن کے لئے دیس بنا دیا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۔ ولایت سے یہاں مُراد وراثت میں حصّہ ہے۔ فى هٰذا دلالة على ان اطلاق لفظ الموالاة يوجب التوارث (جصاص) نقل الواحدى عن ابن عباس والمفسرين كلهم ان المراد هو الولاية فى الميراث (كبير) فى الميراث على ما هو المروى عن ابن عباس والحسن ومجاهد والسدى وقتادة (روح) ۱۰۹ آغازِ اسلام میں ہجرت لوازمِ ایمان میں سے تھی۔ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ۔ یعنی نہ تم اُن کے مال کے وارث اور نہ وہ تمہارے مال کے۔ قال ابن عباس و مجاهد وقتادة ذٰلك فى الميراث (بحر) معناه نفى الموالاة فى التوارث (بحر) حَتّٰى یُهَاجِرُوْا ۔ چنانچہ جب انہوں نے ہجرت کر لی تو وہ بھی مہاجرین میں داخل ہو گئے۔ ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دار الکفر سے ہجرت کر جانا ہمیشہ اولیٰ اور موجبِ اجرِ عظیم ہے۔ وقد كانت الهجرة فرضا حين هاجر النبى صلعم الى ان فتح النبى صلعم مكة (جصاص) ۱۱۰ اِسْتَنْصَرُوْكُمْ کے فاعل غیر مہاجرین ہیں، یعنی دین کے باب میں یا قتالِ کفار میں یہ غیر مہاجرین بھی جب اور جس طرح مدد مانگیں تمہیں دینا واجب ہے۔ ۱۱۱ جب ایسی قوم کے مقابلہ میں امداد طلب کی جائے کہ ان میں اور مہاجرین میں باہم عہد و پیمان ہے تو بقاءِ عہد تک مدد نہ دی جائے گی، البتہ عہد کو ختم کر کے مدد جائز ہے۔ باقی یہ کہ خود ایسا عہد توڑنا کب واجب ہو جاتا ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ و احکام میں ملے گی۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۔ اللہ کے عالمِ کُل اور بصیرِ مطلق ہونے کا استحضار تمہیں ہر نقضِ عہد، ہر بے احتیاطی سے روکے گا۔ ۱۱۲ (اور تم نہ اُن کے وارث، نہ وہ تمہارے وارث) دین کا رشتہ خون کے رشتہ سے کہیں بڑھ کر اور اہم تر ہے۔ ولایۃ کے معنی اس بیان میں وراثت کے نہیں، بلکہ اشتراکِ عداوتِ اسلام کے ہیں کہ یہود و نصرانی اور مشرکین قریش گو آپس میں شدید دشمن تھے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی عداوت میں سب ایک ہو گئے۔ الحق ان يقال ان كفار قريش كانوا فى غاية العداوة لليهود فلما ظهرت دعوة محمد صلعم تناصروا وتعاونوا على ايذائه ومحاربته فكان المراد من الاية ذٰلك (كبير) ۱۱۳ (کیونکہ باہمی توارث سے سب ایک ہی جماعت سمجھی جائے گی اور ایک مستقل و علیحدہ جماعت ہوئے بغیر اسلام کو قوت و شوکت حاصل نہ ہو گی) اِلَّا تَفْعَلُوْهُ ۔ یعنی اگر اس حکمِ عدمِ توارث پر عمل نہ کیا اور باوجود تخالفِ دین محض قرابت کی بنا پر مومن و کافر میں علاقۂ توارث قائم رکھا۔ اے الا تفعلوا ما امرتكم به من تواصل المسلمين وتولى بعضهم بعضا (كشاف) اى تولى المسلمين وقطع الكفار (مدارك) معنى الا تفعلوا ما امرتم به فى ما تبين الا يتين من ايجاب الموالاة والتناصر والتوارث بالاخوة والهجرة ومن قطعها بترك الهجرة (جصاص) تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ ۔ شوکت و قوتِ اسلام کا ضعیف ہونا ہی فتنہ و فسادِ عالم کا سرمایہ ہے۔

خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ
خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو یہ اس کے قبل اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں پھر اس نے انہیں
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا
گرفتار کرا دیا ۱۰۵ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۰۶ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی
وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں ۱۰۷ اور
اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ
جن لوگوں نے (انہیں) پناہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں ۱۰۸ اور جو لوگ
اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ
ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ
حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ
ہجرت نہ کریں ۱۰۹ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین کے کام میں تو تم پر واجب ہے مدد
النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ
کرنا ۱۱۰ بجز اس کے کہ اس قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۱۱۱ اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث
بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ
ہیں ۱۱۲ اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا ۱۱۳

الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى

ساتھ ہے ؁۹۹ ، نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اُس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ

حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَاۖ

زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلے تم لوگ دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو ،

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا

اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ؁۱۰۰ اگر اللہ

كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ

ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اُسکے بارہ میں تم پر کوئی سخت سزا

عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًاۖ وَّاتَّقُوا

نازل ہوتی ؁۱۰۱ سو جو کچھ تم نے اُن سے لیا ہے اُس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے

اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ ع ۹ ۵/۵

ڈرتے رہو، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ؁۱۰۲ اے نبیؐ ان قیدیوں سے کہہ دیجئے

لِّمَنْ فِىْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓىۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ

جو آپکے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو تمہارے قلب میں

قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ

نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا ؁۱۰۳

يَغْفِرْ لَكُمْؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا

اور تمہیں بخش دیگا اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ؁۱۰۴ اور اگر یہ آپ سے

؁۹۹ (تو مدار نصرت و تائید غیبی کا بھی صبر و ثابت قدمی پر ہی) بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کی قید نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ غلبہ و کامیابی خود بخود مشین کی طرح نہ حاصل ہو جائے گی بلکہ تمام تر اذنِ الٰہی ہی کے طفیل میں ہوگی، اور یہیں سے یہ پہلو بھی نکل آیا کہ اگر کسی موقع پر حکمت الٰہی اس اذن کی مقتضی نہ ہوئی تو نصرت و غلبہ بھی نہ ہوگا۔ اسی قید سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ نظر اسباب ظاہری سے کہیں زیادہ مسبّب حقیقی پر رکھنی چاہیئے۔ ؁۱۰۰ وہ جب اور جس کو چاہے کافروں پر غالب اور فتوحات سے مالامال کر دے اور جب اور جس کے لئے چاہے کسی حکمت کے تقاضہ سے اس نتیجہ میں تاخیر کر دے۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ معرکۂ بدر کے بعد غنیم کے ۷۰ آدمی گرفتار ہو کر آئے۔ سپہ سالارِ اعظمؐ نے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، اکثر اہلِ شوریٰ کی رائے ہوئی کہ اس وقت اُمّت کو بڑی ضرورت روپیہ کی ہے اور مصالحِ ملّت کا تقاضا ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے خود آپؐ بھی اپنی خلقی رحمدلی کے مقتضا سے اسی طرف مائل ہو رہے تھے۔ چنانچہ چند تو قتل کئے گئے اور باقی فدیہ لے کر بلکہ ایک تو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیئے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ۔ اثخان کے لفظ اور اس کے لغوی معنیٰ پر بہت بحث ہوئی ہے لیکن اصل شے اس اثخان یا خونریزی کی غایت و مقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کٹنا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ پیمبر کو قتل و قتال اُس وقت تک جاری رکھنا ہے جب تک فساد کی بیخکنی نہ ہو جائے۔ الی ان یعز الاسلام بذل الکفر واھلہ (تھانوی) یعنی حتی یذل الکفر باشاعۃ القتل فی اھلہ ویعز الاسلام بالاستیلاء والقھر (مدارک) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ بندے لاکھ صالح و متقی سہی بہرحال ان کی نظر سطحی اور محدود ہی ہوگی۔ یہ تو صرف خدائی حکمت تھی جسے منظور یہ تھا کہ دشمنانِ توحید بالکل مقہور و مغلوب ہو جائیں ان کا زور ہر طرح ٹوٹ جائے اور لوگ آزادی کے ساتھ جوق جوق مسلمان ہونے لگیں۔ توریت کا قانون ایسے موقع پر یعنی جب غنیم کے شہر پر قبضہ ہو جائے تو حسب ذیل ہے:۔ ”جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو، اس کا سارا لُوٹ اپنے لئے لے“ (استثناء ۲۰: ۱۳، ۱۴) ”انہوں نے بارہ ہزار مرد بہادر روانہ کئے اور انہیں حکم دیا کہ عاد کے باشندوں کو جا کے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو اور یہ وہ کام ہے جس کا تم کو کرنا ضرور ہے کہ سارے مردوں اور عورتوں کو جو مرد سے ہمبستر ہوئی ہوں ہلاک کر دینا“ (قاضیون ۲۱: ۱۱) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خطائے اجتہادی جب نبی معصوم تک کے لئے جائز ہے تو شیوخ غیر معصوم کے متعلق امتناعِ خطا کا اعتقاد کس درجہ غلو ہے قبیح ہے۔ ؁۱۰۱ قانونِ الٰہی یہی ہے کہ خطائے اجتہادی پر سزا نہیں ہے تو اگر یہ قانون میں بتایا پہلے سے موجود نہ ہوتا تو مسلمانوں کی یہ غلطی بھی تو سخت مواخذہ اور سزا کے قابل۔ ان لا یعذب احدًا علی العمل بالاجتھاد وکان ھذا اجتھادًا منھم (مدارک) وھو ان لا یعاقب المخطی فی اجتھادہ (بیضاوی) ؁۱۰۲ چنانچہ شانِ غفوریت کے تقاضہ سے اُس نے تمہاری یہ خطا معاف کر دی۔ اس پر کچھ گرفت نہ کی۔ اور شانِ رحمت کے تقاضہ سے زر فدیہ کو تمہارے لئے حلال و طیب بھی قرار دیدیا فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ یعنی جو کچھ فدیہ ان کافروں سے وصول ہو گیا ہے اُس کے جائز و پاک ہونے میں شک و شبہہ نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقویٰ کا اقتضاء یہ ہے کہ آئندہ ہر طرح کی احتیاط زیادہ رکھو گے۔ ؁۱۰۳ (اسی دنیا میں) حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ مجھے معرکۂ بدر کے بعد فدیہ میں ۲۰ اوقیہ دینے پڑے تھے (اور اوقیہ ۴۰ درہم یعنی تقریباً ۱۰ؔ کا ہوتا ہے گویا ۲۰ اوقیہ تقریباً ۲۰۰ کے برابر ہوئے) اور آج میرے پاس غلام بھی ۲۰ ہیں اور ہر غلام مالدار ہے پس دنیا میں وعدۂ الٰہی کا ظہور تو یوں نمایاں طور پر ہو گیا۔ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا۔ اس سے مراد ایمان ہے۔ ای خلوص ایمان وصحۃ نیۃ (مدارک) ایمانًا واخلاصًا (بیضاوی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اس پر دلالت ہے کہ طاعت سے دنیا و آخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں خواہ مال کی صورت ہیں یا مقاماتِ باطنی کی صورت میں۔ ؁۱۰۴ (اور ان صفات کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) آیت کے پہلے ٹکڑے میں ذکر دنیوی انعام کا ہے اور اس ٹکڑے میں اُخروی انعام کا۔

۹۴ وہ جو چاہے اپنی قدرت سے اور جس طریق مناسب سے چاہے اپنی حکمت سے کر دکھائے۔ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۔ یہ اللہ کی کریمی اور کارسازی تھی کہ مسلمانوں سے نسلی، قبائلی، لسانی نفرتیں مٹ مٹا کر سب نصرتِ دین پر متحد و یکجا ہو گئے۔ بغیر اس یکجہتی کے نصرتِ دین پوری طرح پر ممکن ہی نہ تھی ——— اللہ کا خاص موقع احسان پر اس نعمتِ اتحاد کو یاد دلانا دلیل ہے اس کی کہ یہ نعمت کتنی اہم و عظیم الشان ہے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۔ یعنی باوجود اس کے کہ آپ دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر صاحبِ حکمت، صاحبِ تدبیر ہیں، آپ تک سارے ممکن مالی ذرائع کے استعمال کے بعد بھی اس نعمتِ اتحاد و اتفاق پر قادر نہ ہو پاتے ——— یہ تو محض فضلِ خداوندی کا کرشمہ ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ

بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ

قلوب میں اتحاد نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کر دیا بیشک وہ بڑا قدرت والا

حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

بڑا حکمت والا ہے، اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جنہوں نے آپ کا

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اتباع کیا ہے ۹۵ اے نبی مومنین کو قتال پر

عَلَى الْقِتَالِ ۚ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ

آمادہ کیجیے ۹۶ اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا

دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار

مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْئٰنَ

کافروں پر غالب آجائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ۹۷ اب اللہ نے

خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ

تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں جوش کی کمی ہے ۹۸ سو (اب) اگر تم میں سے

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ

سو ثابت قدم ہوں تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے

مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ

ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے

لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قلب میں کسی صفت محمود کا پیدا کر دینا شیخ کے اختیار میں نہیں۔ ۹۵ مرتبۂ حقیقی میں صرف اللہ۔ اور درجۂ ظاہری میں مومنین متبعین بھی۔ ۹۶ (خواہ وہ طبعاً آمادہ ہوں یا نہ ہوں) حَرِّضْ کے لفظ سے اشارہ ادھر ہو رہا ہے کہ مسلمان سب کے سب اور ہر وقت آمادۂ قتال اور جنگجو نہ تھے جیسا کہ مسیحی مصنفین نے ایک الزام تراش رکھا ہے، بلکہ انہیں قتال پر آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اَلْقِتَالِ۔ واضح رہے کہ قرآن و شریعت نے اسلامی غزوات و جہاد کو قتال ہی سے تعبیر کیا ہے اور حرب کا لفظ جس کے ساتھ کید و خدع کی یادیں وابستہ ہیں، کافروں کی جنگ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ ۹۷ (اور چونکہ سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لئے کفر پر مُصر ہیں اور اس لئے امداد غیبی سے محروم ہیں اور بہ آسانی مغلوب ہو جاتے ہیں) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا اعداد کی نسبت یاد دلانے سے مقصود یہ کہنا ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنے لشکر کے مقابلہ میں بھی پسپا نہ ہو۔ اِنْ يَّكُنْ۔ سے دونوں جملہ جو شروع ہوئے ہیں اُن سے مُراد یہاں کوئی خبر دینا یا پیشگوئی کرنا نہیں بلکہ مقصود حکم دینا ہے کہ اپنے سے بڑی جمعیت کے مقابلہ میں بھی ثابت و قائم رہو اور گریز اختیار نہ کرو۔ قرار واجب ہے اور فرار حرام ——— عربی زبان اور بلاغتِ قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ زور و تاکید کے موقع پر حکم وجوبی کو خبر کی صُورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ وان کان لفظه لفظ الخبر فمعناه الامر (جصاص) لیس المراد منه الخبر بل المراد الامر (کبیر، شربینی) معنى الامر (بیضاوی)

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ فتح و غلبہ میں بڑا دخل اعتقادِ صحیح و ثباتِ قلب کو ہے اور یہ نعمتیں ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ عِشْرُوْنَ ... مِائَتَيْنِ۔ مِائَةٌ ... اَلْفًا۔ بعض اہلِ تفسیر نے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ بجائے محض دس گُنا کہنے کے یہاں جو متعین بڑے بڑے اعداد ارشاد ہوئے ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ امر جہاد موقوف ہے جماعت و فوج پر، یہ نہیں کہ ایک ایک، دُو دُو آدمی بھی جہاد کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ ۹۸ (اور جوش طبعی طور پر سرد پڑ ہی جاتا ہے جب تعداد قلیل سے کثیر ہو جاتی ہے) اَلْئٰنَ ۔ یعنی ایک مُدت کے بعد پچھلی آیت اور اس آیت کے نزول کے درمیان ایک خاصہ طویل وقفہ گزرا ہے۔ خَفَّفَ ۔ کے لفظ سے ادھر اشارہ ہے کہ اصل قاعدہ اور وعدہ تو وہی رہا جو اُوپر بیان ہو چکا۔ صرف مشقت تم پر سے گھٹا دی گئی۔ یعنی اب اگر تم متحمل نہ ہو سکو اور ذرا لڑکھڑا جاؤ تو ویسی گرفت نہ ہوگی۔ ضَعْفًا ۔ سے یہاں قوائے جسمانی کی کمی مراد نہیں بلکہ جوش و ہمت کی کمی مراد ہے۔ لم یرد به ضعف القوی والابدان وانما المراد ضعف النية لمحاربة المشركين (جصاص) قال الخليل الضعف فی العقل والرای (راغب)

٨٩ ؎ (اور اس دشمنی کی علت ان لوگوں کا کفر ہے) آیت میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے، وہ یہ کہ اہلِ کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے، تم ان سے مقابلہ کے لئے
ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے غافل کبھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں۔ مِنْ قُوَّةٍ ۔ قوۃ کا لفظ عام ہے،
عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت، سب کچھ اس کے اندر آگیا، یہاں تک کہ بڑھے ہوئے ناخن بھی، وقد روی فی القوة انها الرمی (جصاص) عموم اللفظ شامل لجميع
مایستعان بہ علی العدو من سائر انواع السلاح والات الحروب (جصاص) عن الحکم بن عمیر قال امر رسول اللہ صلعم ان لا نحفی الاظفار فی الجهاد وقال ان القوة فی الاظفار وهذا يدل علی ان جمیع ما يقوی

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ
اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور پلے ہوئے
الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ
گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رُعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر ٨٩؎
مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا
اور انکے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے ٩٠؎ اور جو کچھ
تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ
بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پُورا پُورا دے دے گا اور
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (٦٠) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ
تمہارے لئے (ذرا بھی) کمی نہ ہو گی ٩١؎ اور اگر وہ جھکیں صُلح کی طرف تو (آپ کو اختیار ہے کہ) آپ
لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (٦١)
بھی اس طرف جُھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، بیشک وہ خوب سننے والا ہی خوب جاننے والا ہے ٩٢؎
وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ
اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے وہ وہی ہے جس نے آپ کو
الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (٦٢) وَاَلَّفَ بَيْنَ
اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے قوت دی ٩٣؎ اور اُس نے ان کے قلوب میں
قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ
اتفاق پیدا کر دیا اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے

علی العدو فهو مامور باستعداده (جصاص) ای من كل مايتقوى به فی الحرب كائنا ما كان (روح) صاحب رُوح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، طیارہ، اور ٹینک اور جیپ اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام لکھ جاتے رِبَاطِ الْخَيْلِ ۔ سوار فوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے، موجودہ جنگوں میں سوار فوج کی اہمیت کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ وضمیمہ۔ ٩٠ ؎ یہاں اشارۃً یہ بتا دیا کہ علاوہ ان کافروں کے جن سے تمہارا سابقہ رہا کرتا ہے کچھ اور بھی قومیں ہیں جو ابھی تمہارے علم میں نہیں لیکن اللہ کے علم میں تو ہے کہ کبھی اُن سے بھی تمہاری مڈبھیڑ ہو گی۔ اس میں ایران کے مجوسی اور رومہ کی مسیحی قومیں تو آہی گئیں، جن سے آگے چل کر حضرات صحابہ کو معرکہ آرائی کرنی پڑی، باقی قیامت تک کی ساری مخالف قومیں آسکتی ہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیرِ حرب وسیاست بتائی گئی ہیں اُن سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے بڑے کمالاتِ باطنی کے بھی منافی نہیں، جیسا کہ غالی و ناقص صوفیہ نے خیال کر رکھا ہے۔ ٩١ ؎ نفس کو مال خرچ کرنے میں بڑی تنگی اسی خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ ضائع جا رہا ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں حاصل کچھ نہ ہو گا۔ یہاں اسی خیال کی جڑ کاٹ دی ہے اور اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کھوئیں گے کچھ بھی نہیں بلکہ سب وہاں پر حاصل کر لیں گے اور ان کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔ ٩٢ ؎ اس میں تعلیم اس کی آگئی کہ احکامِ خداوندی کے ماتحت ظاہری تدابیر اختیار کرتے رہیئے اور مخالفوں کو جھکتے ہوئے دیکھیے تو آپ بھی صلح کے مجاز ہیں۔ لیکن اصل اعتماد اللہ
ہی پر رکھیے، اس کا ہر حکم مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔ وہی بندوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور وہی باطن کو بھی۔ وَاِنْ جَنَحُوْا ۔ مُراد ظاہر ہے کہ کفار معاندین ہیں۔ فَاجْنَحْ لَهَا ۔ ضمیر مونث السلم
کی جانب ہے۔ سلم مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔ السلم يذكر ويؤنث (ابو البقاء) يذكر ويؤنث (لسان۔ تاج) فَاجْنَحْ لَهَا ۔ یہ حکم نہیں ہے صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کر سکتے
ہیں۔ یہ آپ کے اختیار تمیزی پر ہے۔ صح ان الامر فی من تقبل منهم الجزیة علی ما یری فیه الامام صلاح الاسلام واهله من حرب او سلم ولیس بحتوان یقاتلوا ابدا او یجابوا الی الهدنة ابدا (ع)
وعقد الصلح لیس بلازم للمسلمین وانما هو جائز باتفاقهم اجمعین (ابن العربی) ٩٣ ؎ (اور جس طرح اس نے یہ ماضی میں کیا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہے) اَنْ يَّخْدَعُوْكَ یعنی اسی صلح و مصالحت کی
آڑ میں وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۔ یہ محض اتفاق نہیں، اتفاق سے کچھ زائد ہی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد کسی موقع پر بھی رسُول اللہ صلعم کے مقابلہ میں کید و خدع سے
کامیابی ثابت نہیں۔ بِنَصْرِهٖ ۔ کوئی خاص نصرت غیبی مثلاً نزولِ ملائکہ۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۔ دین کی ظاہری نصرت ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔

۵۸۴ عذاب جن جن کو بھی آیا، کفر و نافرمانی کی پاداش ہی میں آیا۔ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یہ تشبیہ تغییر نعمت کے لحاظ سے ہے۔ یہ امر سب میں مشترک رہا۔ ۵۸۵ اشارۂ خاص یہود بنی قریظہ کی جانب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہ معاہدہ کرتے کہ ہم آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد نہ کریں گے، اور پھر جا کر انہی کے شریک ہو جاتے۔

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور اُن لوگوں کی سی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون والوں کو تو غرق ہی کر دیا اور (وہ) سب

ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

(کے سب) ظالم تھے ۵۸۴ بیشک بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ کافر ہیں سو وہ

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

ایمان تو لانے کے نہیں جن سے آپ (بار بار) عہد لے چکے ہیں پھر بھی اپنا عہد

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝۵۶

وہ ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں ۵۸۵

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

سو اگر آپ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کے ذریعہ سے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو اُن کے

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۵۷ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً

علاوہ ہیں، تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں ۵۸۶ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد)

ع ۷ ۳ فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۸

ان کی طرف اسی طرح واپس کر دیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۵۸۷

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹

اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ۵۸۸

قال ابن عباس هم قريظة (کبیر) شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کافر تو سب ہی اللہ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنہوں نے کفر پر بدعہدی کا اضافہ کر لیا۔ بيّن تعالیٰ ان من جمع بين الكفر الدائم و بين نقض العهد على هذا الوجه كان شر الدواب (کبیر) مِنْهُمْ میں من تبعیض کے لئے ہے کہ معاہدہ ان کے سرداروں اور اشراف ہی سے ہوتے تھے۔ ومن للتبعيض لان العهد انما كان يجرى مع اشرافهم (قرطبی) وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی نہ ان کے دلوں میں خوف خدا ہے اور نہ یہ انجام کار سے ڈرتے ہیں۔ ۵۸۶ (کہ عہد شکنی کا انجام یہی ہوتا ہے) لعلهم يتعظون (کشاف) حتى لا يجسر عليك احد بعدهم اعتبارًا بهم و اتعاظًا بحالهم (کشاف) تَثْقَفَنَّهُمْ۔ یعنی آپ ان پر قابو پا جائیں۔ فاما تصادفنهم و تظفرن بهم (کشاف) قال الليث يقال ثقفنا فلانا فی موضع كذا اى اخذناه و ظفرنا به (کبیر) فَشَرِّدْ بِهِمْ۔ یعنی ان کے واسطہ سے، انہیں نمونہ بنا کر انہیں پارہ پارہ کر دے۔ التشريد عبارة عن التفريق مع الاضطراب (کبیر) والتشريد فی اللغة التبديد والتفريق (قرطبی) مَنْ خَلْفَهُمْ۔ خلف یہاں علاوہ کے معنی میں ہے اور مَن الذی کے مُرادف ہے۔ اے من ورائهم (کشاف) من بمعنى الذى (قرطبی) ۵۸۷ قرآن مجید کی اس قسم کی آیتیں عربی اسلوب بیان کے مطابق ہیں، اُردو ادب میں ایسے موقع پر کہا جاتا کہ اللہ خائنوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً۔ یعنی اس قوم نے ابھی بدعہدی عملاً کی نہ ہو لیکن قرائن سے صاف ظاہر ہو رہا ہو کہ وہ بدعہدی کرنے پر ہے۔ اے اذا ظهرت اٰثار الخيانة و تثبت دلائلها (قرطبی) فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یعنی اسی طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع اُس فریق کو کر دیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ امر واجب نہیں، تخییری ہے۔ اور امام کے اختیار تمیزی پر موقوف ہے۔ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یہ اعلان استرداد معاہدہ کی تاکید اس لئے ہے کہ کہیں مخالفین نقض عہد کی ابتدا مسلمانوں کے سر نہ ڈال دیں۔ لئلا يتوهموا انك نقضت العهد بنصب الحرب (جصاص) ۵۸۸ یعنی یہ کہ اس کی گرفت سے بچ کر نکل جائیں۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (٤٩) وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ
کرتا ہے، سو اللہ (بڑا) زبردست ہے (بڑا) حکمت والا ہے ۵۷۸، اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان) کافروں کی
كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ
جان قبض کرتے جاتے ہوں، مارے جاتے ہوں ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر اور (کہتے جاتے ہوں
وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (٥٠) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ
کہ اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو ۵۷۹ یہ (عذاب) اس کے پاداش میں ہے جو کچھ تمہارے
وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (٥١) كَدَاْبِ اٰلِ
ہاتھوں نے سمیٹا ہے اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں ۵۸۰ ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے
فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فرعون والوں کی اور ان لوگوں کی تھی جو ان سے قبل تھے (کہ) انہوں نے آیات الٰہی سے کفر کیا
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ
سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا ان کے (ان) گناہوں پر، بیشک اللہ بڑی قوت والا ہے، سخت سزا دینے
الْعِقَابِ (٥٢) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً
والا ہے ۵۸۱ یہ (سب) اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر
اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَ
کر چکا ہو نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اس کو نہ بدل دیں، جو کچھ ان کے پاس ہے ۵۸۲، اور
اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (٥٣) كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ
بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ۵۸۳، ان کی حالت فرعون والوں کی سی ہے

۵۷۸ (وہ اپنے مومنین متوکلین کو ہر حال میں غلبہ دلا سکتا ہے اور جب نہیں دلاتا تو یہ بھی کسی خاص حکمت و مصلحت ہی کے ماتحت ہوتا ہے) ۵۷۹ یعنی یہ تکلیفیں تو صرف نزع و سکرات کی ہیں۔ ابھی کیا ہے ابھی آگے چل کر عذاب جہنم کو برداشت کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید نے نزع و سکرات کی یہ ہولناک تفصیلات جہاں بھی بیان کی ہیں وہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ کافروں اور دشمنانِ دین کے لئے ہیں۔ بطلق موت کا جہاں ذکر ہے وہاں الفاظ "غمرات"، "بالسکرۃ" وغیرہ ایسے رکھے ہیں جن کا مفہوم لازمی طور پر تکلیف ہی کا نہیں بلکہ مطلق غفلت، غشی اور بے ہوشی کو شامل ہے۔ متکلمین نے آیت سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ انسان جس شے کا نام ہے وہ اس جسم سے الگ ہے اور اس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے۔ قال الواحدی هذا یدل علی ان الانسان شئ مغائر لهذا الجسد (کبیر) يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ سے امام رازیؒ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو ادھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اس طرح اس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دوہری مار پڑتی ہے۔ فيه معنى اخر الطف منه وهو ان روح الكافر اذا خرج من جسده فهو معرض عن عالم الدنيا مقبل على الاخرة وهو لكفره لا يشاهد في عالم الاخرة الا الظلمات فبسبب مفارقته لعالم الدنيا تحصل له الالام بعد الالام وبسبب اقباله على الاخرة مع عدم النور والمعرفة ينتقل من ظلمات الى ظلمات فهاتان الجهتان هما المراد من قوله يضربون وجوههم وادبارهم ۵۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کے حق میں گمان کر رکھا ہے) بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ تصریح کر دی ہے کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا کفر کے پاداش ہی میں ہوگا، خواہ مخواہ ہرگز نہ ہوگا، یہ تصریح مشرک قوموں کی ان خام خیالیوں کی تردید میں ضروری تھی جو وہ اپنے معبودوں کے جبّار و ظلّام ہونے کے متعلق قائم کئے ہوئے تھے۔ ۵۸۱ (جس کی گرفت سے ان لوگوں کو کوئی بھی مادّی قوت و تدبیر نہ بچا سکی) خدائے اسلام جس طرح ظالم و جابر نہیں اسی طرح مشرکوں کے بعض دیوتاؤں کی طرح عضوِ معطل اور بے دست و پا بھی نہیں، کہ سب کچھ دیکھے اور محض دیکھتا رہ جائے، اس کی گرفت بھی اس کے مرتبۂ عظمت و حرمت کے لحاظ سے شدید و بے پناہ ہوتی ہے۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ یہ تشبیہ کفر و عناد مسلسل پر معذب ہونے میں ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ ظاہر ہے کہ وہ کافر و مشرک قومیں مراد ہیں جو فرعون سے بھی پہلے تھیں۔ ۵۸۲ یعنی جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت اس سے مختلف نہ کر لے جو نزولِ نعمت کے وقت اس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان و طاعت کے کفر و خباثت پیدا کر لے۔ نعمت اور خبث کا اجتماع خلافِ حکمتِ الٰہی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی قانون جو اوپر بیان ہوا ہے یہ کہ بے جرم شدید اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا اور جب سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ نِعْمَةً کا لفظ عام ہے دنیوی و اخروی، مادی و روحانی، انفرادی و قومی سب ہی طرح کی نعمتیں اس میں آگئیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ سالک سے جب کوئی معصیت سرزد ہو جاتی یا کوئی طاعت ترک ہو جاتی ہے تو اس سے انوار و برکات مقصودہ بھی منقطع ہو جاتے ہیں۔ ۵۸۳ چنانچہ وہ ہر تغیر قولی کو سن رہا ہے اور ہر تغیر فعلی کو جان رہا ہے۔

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا
اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۵۷۲ اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جو اپنے گھروں سے اتراتے

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ
ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لئے نکلے اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ
روکتے تھے درآنحالیکہ اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے ۵۷۳ اور (وہ وقت قابل

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ
ذکر ہے) جب شیطان نے انہیں اُن کے اعمال خوشنما کر دکھائے ۵۷۴ اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر

مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ
غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں ۵۷۵ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں وہ

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ
اُلٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ

اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ
رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید سزا

ع ٦ / ٢ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
دیتے ہیں ۵۷۶ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب منافق اور جن کے دلوں میں (شک کی)

مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ
بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو انکے دین نے گھمنڈ میں ڈال رکھا ہے ۵۷۷ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ

۵۷۲ (اور وقت مناسب پر جزاء اعمال بھی دیگا) اَلَّذِيْنَ خَرَجُوْا الخ مُراد قریش کے لشکریانِ بدر ہیں جو ناحق و باطل کی راہ میں حمیت جاہلی کے علمبردار ہو کر لڑنے کو نکلے تھے۔ بَطَرًا۔ اللہ کی طرف سے جب نعمتوں کا فیضان ہونے لگتا ہے تو اب بندہ کے لئے دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہے اور اسی کی رضاجوئی میں انہیں لگائے اور اس کا نام شکر ہے۔ دوسری صُورت یہ ہے کہ اُن سے اپنے معاصرین کے مقابلہ میں فخر کا کام لینے لگے یہی بطر ہے۔ قال الزجاج البطر الطغیان فی النعمة والتحقیق ان النعم اذا کثرت من اللہ علی العبد فان صرفھا الی مرضاته وعرف انھا من اللہ تعالٰی فذٰلک ھو الشکر واما ان توسل بھا الی المفاخرة علی الاقران والمکاثرة علی اھل الزمان فذٰلک ھو البطر (کبیر) وَرِئَآءَ النَّاسِ۔ رئاء کا مفہوم ہے کہ جو شئے واقعۃً زشت ہو اُسے خوشنما کر کے ظاہر کرنا۔ الرئاء عبارة عن القصد الی اظھار الجمیل مع ان باطنه یکون قبیحا (کبیر) امام رازیؒ نے یہاں سوال یہ پیدا کیا ہے کہ بطر اور رئا۔ تو اسم ہیں اور یصدون فعل ہے تو یہ بات کیا ہے کہ ایک ہی فقرہ میں ایک وصف تو اسم کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا اور دوسرا فعل کے ذریعہ سے اور پھر خود ہی جرجانی نحوی و ادیب کے حوالہ سے جواب دیا ہے کہ اسم دلالت کرتا ہے وصف کے استمرار و تمکین یا مستقل کیفیت پر اور فعل اُس کی وقتی اور عارضی حالت پر، تو یہاں چونکہ فخر و نمایش قریش کا وصف مستقل تھا، اُس کے لئے اسم لایا گیا۔ اور مسلمانوں سے مقابلہ و مقاتلہ وقتی و عارضی کیفیت تھی اس کا اظہار فعل سے کیا گیا اور یہ بلاغتِ قرآنی کا ایک اعجاز ہے۔ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ۔ یہ فخر و نمایش، غرور اور اتراہٹ کے اوصاف آج کی "مہذب" فرنگی قوموں اور ان کے لشکروں کی زرق برق وردیوں، اُن کے جھنڈوں اور نشانوں، ان کے فخریہ دعووں اور اعلانوں ان کی توپوں اور جہازوں، اُن کے طیاروں اور آبدوزوں، اُن کی بمباریوں اور اُن کے جوہری بمون پر کتنے صادق آتے ہیں!

۵۷۳ (جو وہ اسلام و رسولِ اسلام کی مخالفت میں کر رہے تھے) آیت میں کَالَّذِيْنَ بہت غور کے قابل ہے مسلمان ظاہر ہے کہ بطر و رئا میں مبتلا نہ تھے لیکن انہیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جا رہی ہے ——— آج کے مسلمان خصوصاً وہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہو کر کن کن چیزوں میں اور کیسی کیسی حرام و مکروہ چیزوں میں مشابہت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جا رہے ہیں۔

۵۷۴ شیطان کی اصلی کارفرمائی یہی تو ہے کہ وہ ہر معصیت، ہر کفر کو انسان کی نظر میں خوشنما و دلفریب بنا دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی قوت اُسے ہرگز حاصل نہیں، انسان کی تربیت اگر صحیح ہوئی ہے اور اُس نے اپنی عقلِ سلیم سے کام لینا سیکھ لیا ہے تو وہ ہر ترغیب شیطانی سے محفوظ رہیگا۔

۵۷۵ قَالَ سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نے یہ گفتگو زبان اور الفاظ کی مدد سے کی ہو۔ دل میں اس کی وسوسہ اندازی کا مفہوم پُوری طرح قول سے ادا ہو جاتا ہے۔ لفظ قول عربی زبان میں بڑی ہی وسعت رکھتا ہے اور ہر طرح کی دلالت حال پر شامل ہے۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اپنی قوت و حشمت کو دیکھ کر وسوسۂ شیطانی سے یہ خیال سردارانِ قریش کے دل میں گزرا۔ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ۔ جار یہاں حامی و پشت پناہ کے معنی میں ہے اور یہ مفہوم عربی زبان میں عام ہے۔ معنی الجار ھھنا الدافع عن صاحبه انواع الضرر کما یدفع الجار عن جاره والعرب تقول انی جار لکم من فلان ای حافظ لک من مضرته فلا یصل الیک مکروه منه (کبیر) حسن بصری اور اصم تابعی اور دوسرے محققین سے بھی منقول ہے کہ شیطان مجسم ہو کر سامنے نہیں آیا تھا بلکہ اُس نے وسوسہ اندازی ہی کی تھی۔ وفی کیفیة ھذا التزیین وجھان، الاول ان الشیطان زین بوسوسته من غیر ان یتحول فی صورة الانسان وھو قول الحسن والاصم (کبیر) وسوس الیھم (کشاف)

۵۷۶ جتنا علم شیطان کو اللہ کی عظمت و قوت کا ہے اتنا تو انسان کو بھی نہیں اور یہ خوف اسی علم سے پیدا ہوا، اس لئے اس کا یہ کہنا محلِ اشکال نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ شیطان میں بھی خوف خدا کی بنا پر ایمان کی جھلک موجود ہے۔ تَرَآءَتِ یعنی اس طرح دونوں لشکر جمع ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھا۔ الْفِئَتٰنِ۔ سے مراد بدر میں مومنوں اور کافروں کی جماعتوں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ سے مراد ہر خدائی قوت ہو سکتی ہے۔ سیاق میں فرشتوں کا وجود زیادہ لگتا ہوا ہے۔ وفیه وجوه الاول انه رای الملائکة والثانی انه رای اثر النصرة والظفر فی حق النبی علیه السلام (کبیر) اَخَافُ اللّٰهَ۔ خوفِ خدا سے لازمی طور پر خوف آخرت مراد نہیں ہو سکتا ہو کہ شیطان اسی سے ڈرا ہو کہ کہیں یہیں اور ابھی میری خبر نہ لے لی جائے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں مثلاً۔ (۱) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کبھی اُسے ترک بھی کر دیتا ہے، جیسا کہ یہاں اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ میں اس کی مثال موجود ہے اور یہ ترک وہ اُس وقت کرتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ انسان بغیر میرے وسوسہ کے بھی گناہ کرے گا۔ (۲) کشف اہلِ باطل کے لئے بھی ممکن ہے۔ چنانچہ یہاں شیطان کو ملائکہ مکشوف ہو گئے۔ (۳) اللہ تعالٰی سے محض طبعی خوف کا ہونا کافی نہیں۔ مطلوب خوفِ ایمانی ہے۔

۵۷۷ (کہ اُس میں آ کر یہ اس بے سرو سامانی پر اتنے زبردست لشکر سے مقابلہ کا حوصلہ کر بیٹھے ہیں) حالات ظاہری کی بنا پر منافقوں اور کچے ایمان والوں کا ایسا کہہ گزرنا بالکل قدرتی تھا۔ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ المنافقون سے تو منافقین مدینہ کا مُراد ہونا ظاہر ہی ہے۔ الذین فی قلوبھم مرض سے مکہ کے کچے دلے مسلمان مُراد ہیں۔ ھم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامھم فی قلوبھم ولم یھاجروا (کبیر)

مسلمانوں کے دس بارہ اور دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ استاذ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ اَلرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اور اس لئے قدرتۃً بلند اور ساحلِ سمندر کی زمین جہاں سے قافلہ کترا کر گزر رہا تھا نشیبی، ٦٢ یعنی عام دستور و معمول تو یہ ہے کہ مقاتلہ کے لئے فریقین اپنے قصد و مرضی سے کوئی میدان اور تاریخ مقرر کرتے ہیں، یہاں بھی اگر یہی صورت رہنے دی جاتی تو کوئی نہ کوئی فریق کوئی عذر پیدا کر لیتا، جس سے مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور جو فائدے اس سے اب مشاہدہ میں آرہے ہیں یہ ظہور ہی میں نہ آئے ہوتے، اسی لئے حالات تکوینی کا اجتماع ایسا کر دیا گیا کہ مسلمانوں کو قصد و ارادہ کے بغیر بھی لڑنا پڑ گیا۔ اور اس سے بہت سے مصالح پورے ہو گئے۔ ٦٣ یعنی جس امر کے وقوع سے مسلمانوں کے مدارج روحانی کی ترقیاں وابستہ تھیں، تکوینی حالات ایسے جمع کئے گئے کہ مسلمانوں کی خواہش، قصد و اختیار کے بغیر خود بخود اس کا اظہار ہو کر رہا۔ لِيَقْضِيَ میں ل متعلق ہے فعل محذوف کے۔ واللام فی لیقضی متعلقة بمحذوف والمعنی جمعھم لیقضی (قرطبی) ٦٤ مطلب یہ ہوا کہ حکمت الٰہی کو یہ جنگ اس لئے منظور ہوئی کہ اس سے ایک خاص طریق پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اسی قلت عدد و کم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئے، جو ایک حد تک خارقِ عادت اور دل میں یقین پیدا

بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ

کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے زندہ ہو ٦٤ اور بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ٦٥ (اور وہ وقت

مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۗ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ

بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے ٦٦ اور اگر (اللہ) انہیں آپ کو

فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس باب میں ٦٧ لیکن اللہ نے (تم کو) بچا لیا، بیشک وہ

الصُّدُوْرِ ﴿٤٣﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ

دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ٦٨ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب کہ اُس نے اُن لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا

قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا

اور اُن کی نگاہ میں کم کر کے تاکہ اللہ اُس امر کو پورا کر دے جو

كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ع ٥ ٧ ١

ہو کر رہنا تھا ٦٩ اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوں گے ٧٠ اے ایمان والو،

اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

جب تم کسی جماعت کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ

لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا

فلاح پاؤ ٧١ اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں

تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۗ اِنَّ

جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک

منزل ٢

کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام حق ہے اور اس سے حجتِ الٰہی تمام ہو گئی، اس کے بعد جو گمراہ ہو گا وہ وضوحِ حق کے بعد ہو گا جس سے عذاب کا پورا استحقاق ہو جاتا ہے اور عذر کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی طرح جس کو ہدایت پانا ہو گا وہ حق کو اتنے وضوح کے بعد قبول کر لے گا۔ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔ عن۔ دونوں جگہ بعد کے مُرادف ہے اور بینة کے معنی اقامت دلیل کے ہیں۔ ای بعد مشاھدة ھذہ المعجزة (کبیر) ای بعد حجة ظاھرة (جلالین) والبینة اقامة الحجة والبرھان (قرطبی) لِيَقْضِيَ اور لیھلك دونوں میں ل غرض وغایت کا ہے۔ اللام لام الغرض وظاھرہ یقتضی تعلیل افعال اللہ واحکامہ بالاغراض والمصالح (کبیر) ٦٥ چنانچہ اس ظاہر کا بھی وہ علم رکھتا ہے کہ اس وضوحِ حق کے بعد کون کون زبان پر کلمۂ اسلام لاتا ہے اور کون کون کلمۂ کفر کا تلفظ کئے جاتا ہے اور اس باطنی حقیقت کا بھی کہ دل سے کون کون ایمان لایا اور کون اب تک دل میں کفر کو جگہ دیئے ہوئے ہے۔ ٦٦ (اور آپ نے وہ خواب اپنے صحابیوں سے بیان کیا جس سے اُن کے دل قوی ہو گئے) يُرِيْكَهُمْ میں ضمیر ظاہر ہے کہ لشکرِ قریش کی جانب ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ خواب کا اپنے ہر ہر جزئیہ کے ساتھ صحیح اُترنا پیمبر تک کے لئے ضروری نہیں، چہ جائیکہ عام صالحین اُمت کے خوابوں کا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی صلعم سے بھی مخفی فرما لیتے ہیں۔ (جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ کفار تھے تو زیادہ مگر آنحضرت پر کم منکشف ہوئے) تو پھر غیر نبی کا کیا ذکر ہے اور اس شخص کا کیا کہنا جو اسے اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے اور اس کے کشف و خواب پر جزم کر لے اور یہ واقعہ تو خواب کا ہے لیکن ایسا ہی بیداری میں بھی ممکن ہے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں آرہا ہے۔ ٦٧ یعنی اس قیل و قال، بحث و مباحثہ میں پڑ جاتے کہ ایسی حالت میں جنگ کی بھی جائے یا نہیں۔ لَفَشِلْتُمْ اور لَتَنَازَعْتُمْ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرات صحابہ باوجود اپنی قوتِ قدسی اور مقامِ عالی کے بہرحال بشر ہی تھے اور بشری کمزوریوں سے محفوظ و مصئون نہیں کر دیئے گئے تھے ٦٨ (اور اُس پر روشن تھا کہ ضعف کن تدبیروں سے پیدا ہو گا اور ہمت کن تدبیروں سے، چنانچہ ویسا ہی اُس نے انتظام کر دیا) سَلَّمَ۔ یعنی اس اختلاف و کم ہمتی کے مظاہرہ سے تم کو بچا لیا۔ ٦٩ اب ذکر خواب کا نہیں عالمِ بیداری کا ہو رہا ہے۔ اور بیان اس کا ہو رہا ہے کہ یہ دونوں مشاہدات و واقعات عین حکمت پر مبنی تھے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا۔ مُراد دو چیزیں ہیں، ایک تو کافروں کے لشکروں سے مڈبھیڑ کرانا، دوسرے مشرکین کی ہلاکت و ذلت اور اسلام کی فتح و سربلندی۔ کرر ھذا لان المعنی فی الاول من اللقاء وفی الثانی من قتل المشرکین واعزاز الدین وھو اتمام النعمة علی المسلمین (قرطبی) مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران، پارہ ٤ میں گزر چکے ٧٠ (اور اسی کا فیصلہ ہر گمراہ اور ہر راہ یاب کے حق میں ناطق ہو گا) آیت میں اشارہ اس طرف بھی آگیا کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے یہ بجائے خود مقصود نہیں بلکہ مقصود تمام تر وہ اجر ہے جو ان سے آخرت میں حاصل ہو گا۔ الغرض منه التنبیه علی ان احوال الدنیا غیر مقصودة لذواتھا وانما المراد منھا ما یصلح ان یکون زادا لیوم المعاد (کبیر) ٧١ یہ حکم عام ہے۔ یہاں یہ بتا دیا گیا کہ فلاح کا ذریعہ یہی ثباتِ قلب و ثباتِ قدم کا اجتماع ہے۔ اور فلاح کے عموم میں شخصی و اجتماعی، دنیوی و اخروی ہر قسم کی فلاح آگئی۔ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً۔ اس لقا یا مڈبھیڑ ہو جانے سے جہاد میں سامنا ہو جانا مُراد ہے۔ فَاثْبُتُوْا یعنی پست ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کہ قلب میں قوت و ثبات اسی ذکرِ الٰہی اور کثرتِ ذکرِ الٰہی سے پیدا ہو گی۔ امر بالذکر حتی یثبت القلب علی الیقین ویثبت اللسان علی الذکر (قرطبی) ٧٢ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ اس بیان میں اس کی تاکید سے مراد یہ ہے کہ حالتِ جہاد میں بھی احکامِ شریعت کے دائرہ سے قدم ذرا بھی باہر نہ نکلے، وَلَا تَنَازَعُوْا کوئی نزاع نہ افرادِ اُمت میں باہم ہونی چاہیئے نہ امام یا امیرِ قوم سے۔ یہ اندرونی کشمکش، ڈسپلن (نظم و اطاعت) کے حق میں زہرِ قاتل ہے۔ فَتَفْشَلُوْا یہاں گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انتشارِ قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ۔ یعنی جو رعب تمہاری یکدلی، یکجہتی یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے، وہ جاتا رہیگا۔ لعقوتکم ونصرکم کما یقال الریح لفلان اذا کان غالب الامر (قرطبی) وَاصْبِرُوْا۔ یعنی جو ناگوار حالات گرد و پیش میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ اُن پر بہرحال صبر سے کام لیتے رہو، صبر محمود تو ہر حال میں ہے ہر موقعِ قتال پر اور زیادہ۔ امر بالصبر وھو محمود فی کل المواطن وخاصة موطن الحرب (قرطبی) مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یہ معیتِ حق خود ضامنِ نصرت ہے۔

٥٥٧ سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں مالِ غنیمت اور اس کی تقسیم کا ذکر تھا۔ اب پھر اُسی مضمون کی طرف مراجعت ہے اور اب مصارف غنیمت کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ مَا غَنِمْتُمْ۔ غنیمت کے لغوی معنی عام و وسیع ہیں یعنی ہر شے جو انسان کوشش سے حاصل کرے۔ الغنيمة فی اللغة ماينالہ الرجل او الجماعة بسعی (قرطبی) اصطلاح فقہا میں اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بزور قوت حالتِ جنگ میں حاصل ہو۔ الغنيمة ما نيل من الكفار عنوة و الحرب قائمة (مغرب) الغنيمة فی الشريعة ما دخلت فی ايدی المسلمين من اموال المشركين علی سبيل القهر بالخيل والركاب (كبير) مال الكفار اذا ظفر به المسلمون علی وجه الغلبة والقهر (قرطبی) مَا۔ الذی کے معنی میں ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ الذی غنمتموہ ٥٥٨ یعنی کل مالِ غنیمت کا ⅘ حصّہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائیگا اور باقی ⅕ اللہ کی نذر ہوگا یعنی آج کی اصطلاح میں یہ حصّہ اسلامی اسٹیٹ کا ہوگا۔ اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔ یہ ⅕ حصّہ بھی اب یعنی رسول اللہ صلعم کی وفات شریف کے بعد عملاً تین حصّوں میں تقسیم رہیگا۔ لِلّٰهِ۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارف خمس کی ابتدا میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقۃً تو اللہ کی مِلک و مملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔ ذكره تعالیٰ للتبرك باسمه فی ابتداء الكلام اذ الكل لله (درمختار) فاما ذكر الله تعالیٰ فی الخمس فانه لافتتاح الكلام تبركاً باسمه (ہدایہ) قال الشعبی هو مفتاح الكلام (جصاص) وعن الحسن بن محمد بن الحنفية قال هذا مفتاح كلام ليس لله نصيب فی الدنيا والآخرة (جصاص) لِلرَّسُوْلِ۔ اللہ اور رسول کے یہ دو حصّے الگ الگ نہیں۔ کُل ایک ہی حصّہ ہے جو رسول اللہ صلعم کو زمانِ حیات میں ملتا تھا۔ نائب الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا — سرکاری ⅕ کا یہ پانچواں حصّہ یعنی کُل کا $\frac{1}{25}$ حصّہ اُس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمرِ حکومت بھی تھا، امیرِ لشکر بھی، حاملِ رسالت بھی! وفات شریف کے بعد یہ حصّہ ساقط ہو گیا۔ وسهم النبی صلعم سقط بموته (ہدایہ) وسهم النبی صلعم انما كان له ما دام حياً فلما توفی سقط سهمه (جصاص) شافعیہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے بعد آپ کے خلیفہ کو یہ حصّہ ملیگا۔ لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ حصّہ تو منصبِ رسالت کی بنا پر تھا اور رسالت آپ کے بعد رہی نہیں۔ لانه عليه السلام كان يستحقه برسالته ولا رسالة بعده (ہدایہ) خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ اُنھوں نے کبھی رسول کا حصّہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔ لِذِی الْقُرْبٰى۔ یہ دُوسرا حصّہ ہوا۔ (پہلا حصّہ اللہ اور رسول کا ملا کر ایک تھا) یہ جاں نثاروں کا وہ گروہ تھا جس نے مکّہ سے مدینہ تک ہر حال میں، ہر مصیبت میں ساتھ دیا تھا۔ فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حصّہ ان حضرات کی نصرتِ قدیم ہی کی بنا پر تھا۔ ان المراد من النص قرب النصرة لا قرب القرابة (ہدایہ) فقہاء مفسّرین نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ لذی کا ل مِلک و استحقاق کے اظہار کے لئے نہیں، محل و مصرف کے بیان کے لئے ہے۔ ليست اللام لبيان الاستحقاق والملك وانما هی لبيان المصرف والمحل (قرطبی) بعد وفات نبوی یہ حصّہ بھی ساقط ہو گیا۔ واما بعد رسول الله صلعم فسهمه ساقط بموته كذلك سهم ذوی القربیٰ (مدارک) وَالْيَتٰمٰى یہ تیسرا حصّہ ہُوا وَالْمَسٰكِيْنَ یہ چوتھا حصّہ ہُوا۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ یہ پانچواں حصّہ ہُوا۔ فقہاء حنفیہ کی تحقیق میں اب وہ سرکاری خمس (⅕) انہی تین حصّوں میں تقسیم ہوگا چنانچہ خلفاء راشدین سے انہی تین حصّوں میں تقسیم منقول ہے۔ لنا ان الخلفاء الاربعة الراشدين قسموه علی ثلثة اسهم وكفی بهم قدوة (ہدایہ) فان الخلفاء الاربعة متفقون علی انه لا يستحق الا بالفقر (جصاص) یہ بھی جائز ہے کہ بجائے تینوں صنفوں کے کسی ایک ہی صنف کے مصرف میں لے آیا جائے۔ ان تین حصّوں کے اندر کی تقسیم یُوں ہوتی ہے کہ ایک ثلث یتیموں کو دیا جاتا ہے۔ ایک ثلث مسکینوں کو اور ایک ثلث مسافروں کو۔ الخمس الباقی يقسم اثلاثاً عندنا لليتيم والمسكين وابن السبيل (درمختار) سهم لليتمیٰ وسهم للمساكين وسهم لابن السبيل (ہدایہ) خاندانِ رسالت کے حاجتمند بھی اسی میں داخل سمجھے گئے ہیں۔ بلکہ اُن کا حق مقدم ہے۔ البتہ خوش حال قرابتداروں کو کچھ نہ ملیگا۔ يدخل فقراء ذوی القربیٰ فيهم ويقدمون ولا يدفع الی اغنيائهم (ہدایہ) وقدم فقراء ذوی القربیٰ من بنی هاشم ولا حق لاغنيائهم عندنا (درمختار) اس طرزِ تقسیم کو آج کی عینک سے خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ سرکاری خزانہ کا ⅗ ہی نہیں، پُورے کا پورا ⅘ آج بھی دنیا کی کسی بڑی سی غریب نواز و ہمدردِ عوام سلطنت میں رعایا کے سب سے زیادہ مصیبت زدہ طبقوں (لاوارث یتیموں، محتاج مسکینوں اور بے زادِ راہ مسافروں پردیسیوں) کے لئے وقف ہے؟ اِبْنِ السَّبِيْلِ۔ مسافروں کی یہ اہمیت شاید نظروں کو کچھ کھٹکے لیکن بے زاد و راحلہ تھکے ماندے، بھوکے پیاسے پیدل راہ گیروں پر آج بھی پردیس میں جو مصیبتیں پڑا کرتی ہیں اور چھوت چھات کے ماننے والوں کے درمیان دیہات میں جس طرح گرمی کی جلجلاتی ہوئی دوپہریں اور سردی کی کڑکڑاتی راتیں گزارنی پڑتی ہیں، اُن کا ہلکا او سرسری اندازہ بھی جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں میں ٹھیرنے والے اور ریل کے اعلیٰ درجوں میں سفر کرنے والے مسافر نہیں کر سکتے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بہ طور غنیمت حاصل ہو ٥٥٧ سو اُس کا پانچواں حصّہ اللہ اور

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابتداروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور

وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ

مسافروں کے لئے ہے ٥٥٨ اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے ہم نے

اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى

اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا تھا فیصلہ کے دن ٥٥٩ جس دن کہ دونوں جماعتیں مقابل

الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ٤١ اِذْ اَنْتُمْ

ہوئیں اور اللہ ہی ہر شے پر پُوری قدرت رکھنے والا ہے ٥٦٠ (یہ وہ وقت تھا) جب تم

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ

(میدانِ جنگ کے) نزدیک والے کنارہ پر تھے اور وہ دُور والے کنارہ پر اور قافلہ تم سے نیچے (کی جانب)

الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ

کو تھا ٥٦١ اور اگر تم (اور وہ) وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف

فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ

ہو جاتا ٥٦٢ لیکن (لڑائی بلا قصد ہو گئی) تاکہ اللہ اس امر کو پُورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا ٥٦٣

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ

یعنی تاکہ جسے برباد ہونا ہو وہ کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ ہونا ہے وہ (بھی)

٥٥٩ یعنی معرکۂ بدر کے دن، جب حق و باطل کے درمیان عملی اور حسّی فیصلہ بھی سب کے مشاہدہ میں آگیا، اور کفر و اسلام کے درمیان اس پہلی مادّی ٹکر نے دنیا کی تاریخ میں ایک کامیاب انقلابی دعوت کی بنیاد قائم کر دی۔ ای اليوم الذی فرقت فيه بين الحق والباطل وهو يوم بدر (قرطبی) مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا۔ یعنی نصرت غیبی، جو ہر تفصیل کو جامع ہے۔ والمراد منه ما انزل عليه من الآيات والملائكة والفتح فی ذلك اليوم (كبير) عَبْدِنَا موقعِ تخصیص و تشریف پر رسول اللہ صلعم کا ذکر اسی عنوان سے کرنا قرآنی بلاغت کا ایک خاص جزو ہے۔ یہ جنگ رمضان ٢ھ (٦٢٣ء) میں لڑی گئی مسلمان ٣١٣ اور مشرک ٩٥٠ کی تعداد میں تھے ٥٦٠ اس میں افرادِ اُمّت کو تنبیہ ہے کہ یہ ⅘ جو تمہیں مل رہا ہے، اُسے اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہیں محض فضلِ الٰہی کا نتیجہ سمجھو۔ الْجَمْعٰنِ مُراد ایک طرف لشکرِ قریش ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی سپاہ۔ ٥٦١ یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم آئے تھے (وہ تم سے بچتا ہوا سمندر کے کنارہ کنارہ چلا جا رہا تھا۔ الْعُدْوَةِ الدُّنْيَا یعنی مدینہ سے قریب تر حصّہ میں شام سے جو شاہراہ مکّہ کو آتی تھی، اسی سے متصل شہر بدر کے حدود سے ذرا پہلے شمال و مغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی، الْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى یعنی مدینہ سے بعید تر حصّہ میں یہ پہاڑی شہر بدر کے جنوب و مشرق میں تھی۔ ابوجہل اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔ مقام بدر سمندر (بحر احمر) سے اونٹ پر ایک منزل کی راہ پر تھا، مدینہ سے چار منزل اور مکّہ سے آٹھ منزل کی راہ پر۔ اسلامی فوج شمال و مشرق سے آئی تھی، اور مشرکوں کا لشکر جنوب و مشرق سے اس موضوع خاص کے محقق خصوصی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں۔ ”تاریخ عالم کا یہ ایک انقلاب انگیز معرکہ ہے۔ کہ مدینہ اور شام کے راستوں کے جنکشن ہونے سے قریشی قافلہ کے آنے سے کچھ ہی پہلے آنحضرت صلعم مدینہ سے کر شمال مغرب میں ... مقیم اور گھات میں رہے۔ ابوسفیان نے قافلہ کو کئی میل پہلے ہی روک کر ٹوہ لی اور اسلامی فوج کی بھنک ملنے سے بدر آئے بغیر راستہ کاٹ کر ساحل کے کنارے کنارے دو منزل کو ایک منزل کر کے قافلہ کو بچا لیا۔ قافلہ کے بچ کر نکل جانے کی اطلاع کے باوجود آنحضرت صلعم بدر ہی میں کسی کام سے مقیم رہے تو مکّہ سے ابوجہل کی قریشی فوج آ پہنچی، جنگی اطلاع ملنے پر آنحضرت صلعم نے پڑاؤ کی جگہ بدل کر پانی پر قبضہ کر لیا۔ صف بندی اور عمدہ فوج آرائی سے ... کمی کے باوجود دشمن کی فوج کو شکست دی۔

كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۝۳۶ لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ

کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انہیں دوزخ کی طرف اکٹھا کیا جائیگا ۵۵۰ تاکہ اللہ ناپاکوں کو الگ کردے

مِنَ الطَّیِّبِ وَ یَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ

پاکوں سے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملادے یعنی ان سب کو متصل کردے پھر

فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ

اس مجموعہ کو دوزخ میں ڈال دے یہی لوگ تو ہیں (پورے) خسارہ میں

الْخٰسِرُوْنَ ۝۳۷ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ

رہنے والے ۵۵۱ آپ کہہ دیجئے (ان) کافروں سے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ

لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ

پہلے ہوچکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کردیا جائیگا ۵۵۲ اور اگر وہی (عادت) دہراتے رہیں گے تو (ہمارا)

سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۳۸ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

معاملہ بھی اگلوں کے ساتھ گزر چکا ہے ۵۵۳ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے

فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا

اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہوجائے ۵۵۴ لیکن اگر یہ باز آجائیں تو

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۳۹ وَ اِنْ تَوَلَّوْا

اللہ خوب دیکھنے والا ہے ان کے عملوں کا ۵۵۵ اور اگر یہ روگردانی کئے رہیں

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ۝۴۰

تو جانے رہو کہ تمہارا رفیق اللہ ہی ہے، بہترین رفیق اور بہترین مددگار ۵۵۶

ع ۹/۱۸

۵۵۰ یہ سزائے آخرت دنیوی سزا و حسرت کے علاوہ ہے۔ ۵۵۱ یہ معاندین کا انجام پوری وضاحت سے بتادیا ہے۔ فَیَرْكُمَهٗ میں ف تفسیری ہے۔ لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ۔ خبیث سے مراد کافر اور طیّب سے مراد مومن ہے۔ ای المومن من الکافر (قرطبی) ۵۵۲ (اور اب پچھلے گناہوں پر باز پُرس نہ ہوگی) اس مقام کی شرح حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے۔ ان الاسلام یهدم ما کان قبله فقہاء نے کہا ہے کہ مواخذہ حقوقِ عباد (مثلاً قرضہ، قصاص وغیرہ) کا فر حربی سے تو ساقط ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ وہ حالت کفر میں ہماری شریعت کا معاملات میں پابند نہ تھا لیکن کافر ذمی پر اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہیں گے اس لیے کہ وہ ذمہ دار تھا۔ باقی حقوق اللہ سے متعلق دونوں کے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ قال ابوحنیفة ما کان لله مسقط وما کان للآدمی لا یسقط قال ابن العربی وهو قول علمائنا لان الله تعالیٰ مستغن عن حقه والآدمی مفتقر الیه (قرطبی) عام فی الحقوق التی لله تعالیٰ (قرطبی) اِنْ یَّنْتَهُوْا۔ باز آجانے سے مراد کفر سے باز آجانا ہے۔ یرید عن الکفر (قرطبی) ان ینتهوا عن الکفر وعداوة الرسول ودخلوا الاسلام (کبیر) مَا قَدْ سَلَفَ کے عموم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ زندیق کی بھی توبہ قبول ہوجائے گی وہ اس لئے کہ زندقہ بھی بہر حال کفر کی ایک نوع ہے۔ فان قوله یغفر لهم ما قد سلف یتناول جمیع انواع الکفر (کبیر) ۵۵۳ یعنی انبیاء کے منکرین و معاندین کے ساتھ جو خدائی تعزیر دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب کی پیش آتی رہی ہے وہی انجام ان جدید منکرین اور معاندین کا بھی رکھا ہوا ہے۔ عبارة تجمع الوعید والتهدید والتمثیل بمن هلك من الامم فی سالف الدهر بعذاب الله (قرطبی) ای عادة الله الجاریة فی الذین تحزبوا علی الانبیاء من نصر المومنین علیهم وخذلانهم وتدمیرهم (روح) ۵۵۴ (اور یہ موقوف ہے قبولِ اسلام پر) ای یضمحل عنهم کل دین باطل ویبقی فیهم دین الاسلام وحده (مدارک) ای تضمحل الادیان الباطلة کلها اما بهلاك اهلها جمیعًا او برجوعهم عنها خشیة القتل (روح) اس پر حاشیے اسی مضمون کی آیت پر پارہ دوم میں گزر چکے۔ قٰتِلُوْهُمْ ضمیر هُمْ مشرکین عرب کی جانب ہے۔ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ یعنی شرک باقی نہ رہ جائے۔ الیٰ ان لا یوجد فیهم شرك قط (مدارک) ای کفر (قرطبی) قال ابن عباس والحسن حتی لایکون شرك (جصاص) یہ تفسیر فقہ حنفی کے مطابق ہے بعض ائمہ نے فتنة سے مراد فساد و حرب لی ہے۔ وَیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔ فقہاء نے آیت کے عموم سے جملہ اصناف کفار کے ساتھ قتال واجب ٹھیرایا ہے بجز اُن کے جن سے استثناء کی دلیل کتاب وسنت سے مل جائے۔ یدل علی وجوب قتال سائر اصناف اهل الکفر الا ما خصه الدلیل من الکتاب والسنة (جصاص) ۵۵۵ (اور وہی احتساب کے لئے کافی ہے، بندوں کو بہت زیادہ ٹٹول اور کُرید کی حاجت نہیں) فَاِنِ انْتَهَوْا ۔ یہ باز آجانا کس چیز سے ہے؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مراد کفر سے باز آجانا اور اسلام قبول کرلینا ہے۔ ای عن الکفر واسلموا (مدارک) بعض دوسرے ائمہ نے قتال سے باز آجانا مُراد لیا ہے۔ (مفصل حاشیے پارۂ دوم میں گزر چکے) ۵۵۶ (سو تم مقابلہ میں ان سے ہٹنے کا خیال ہی نہ کرو۔ اور اللہ ہی کی رفاقت و نصرت پر بھروسہ رکھو) وَاِنْ تَوَلَّوْا ۔ اس روگردانی سے فقہاء حنفیہ کے نزدیک اسلام سے روگردانی مُراد ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک ذمیت سے رُوگردانی مقصود ہوگی +

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ٣٣
اللہ ان پر عذاب لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں ٥٤٦ ہاں یہ بھی
وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ
ان لوگوں کے لیے نہیں کہ اللہ ان پر عذاب (ہی سرے سے) نہ لائے درآنحالیکہ وہ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ
مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے متولی ہی نہیں ٥٤٧ اس کے متولی تو بس
اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
متقی ہی (ہو سکتے) ہیں لیکن ان (لوگوں) میں سے اکثر تو علم (بھی)
يَعْلَمُوْنَ ٣٤ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا
نہیں رکھتے ٥٤٨ اور (خود) ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی بجز
مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے سو عذاب (کا مزہ) چکھو اپنے کفر کی
تَكْفُرُوْنَ ٣٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
پاداش میں ٥٤٩ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کیے ہوئے ہیں اپنے مال کو اس لیے خرچ
لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ
کر رہے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو خرچ کرتے ہی رہیں گے لیکن
تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ
وہی (اموال) ان کے حق میں حسرت بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہو جائیں گے اور جو لوگ

٥٤٦ (گو وہ استغفار ایمان صحیح کی عدم موجودگی کی بنا پر آخرت میں نجات کے لئے کافی نہ ہو) یہاں یہ بتلایا کہ جس طرح کا خارق عادت عذاب یہ لوگ طلب کر رہے ہیں، اس کی راہ میں دو، دو مانع موجود ہیں۔ (١) ایک یہ کہ رسول اللہ صلعم ان کے درمیان زندہ و سلامت موجود ہیں۔ (٢) دوسرے یہ کہ باوجود ان کے کفر و شرک و معصیت شعاری کے، اللہ سے تعلق استغفار ان کا کسی درجہ میں باقی و قایم ہے چنانچہ طواف کے وقت یہ اس وقت بھی غفرانک، غفرانک کہتے جاتے ہیں۔ ٥٤٧ (اور عبادت الٰہی تو ان مومنین عابدین کا ایسا حق ہے کہ اس سے روکنے کا اختیار متولیوں کو بھی نہیں) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارق عادت کے لئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفس عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں بلکہ اس کا تو عین مقتضا موجود ہے۔ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف کے اندر داخلہ سے اس میں نماز پڑھنے سے، اس کے اندر طواف کرنے سے یہ ظالم لوگ مسلمانوں کو اور رسول اسلام صلعم کو برابر روک رہے ہیں۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ۔ قریش کا ایک زعم باطل یہ بھی تھا کہ چونکہ ہمارے باپ دادا خانہ کعبہ کے متولی رہ چکے ہیں۔ ہم میں اس کی تولیت آج تک چلی آ رہی ہے۔ یہاں اسی عقیدہ کی تردید ہے۔ اولیاءہ میں ضمیر المسجد الحرام کی طرف ہے۔ ٥٤٨ (کہ منصب تولیت کے سرے سے نااہل ہیں) اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ اور تقویٰ کی پہلی شرط ایمان و اسلام ہے۔ ٥٤٩ چنانچہ اس وعید کے مطابق عذاب غیر خارق عادت غزوات نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں پر نازل ہو کر رہا۔ وَمَا كَانَ ... تَصْدِيَةً۔ یہاں مشرکوں کی عبادت کی تحلیل کر کے بتایا ہے کہ بجز اس کے کہ منہ سے سیٹیاں بجائیں اور ہاتھ سے تالیاں اور ان کی عبادت تھی ہی کیا؟ —— خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ آج بھی عبادت کے جو غیر اسلامی اور جاہلی طریقے چلے ہوئے ہیں ان کا جزء اعظم بھی باجا گاجا، تالیاں اور سیٹیاں ہیں یا نہیں؟ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں اُن جاہل صوفیہ کے لیے بھی وعید ہے جو وجد و حال لا کر اُچھلتے کودتے، تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ اور اسے کوئی کمال روحانی سمجھتے ہیں۔ یہ صاف تشبیہ اعمال مشرکین کے ساتھ ہے۔ فيه رد على الجهال من الصوفية الذين يرقصون ويصفقون وذالك كله منكر يتنزه عن مثله العقلاء ويتشبه فاعله بالمشركين فيما كانوا يفعلونه عند البيت (قرطبی) يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ۔ اعمال اور اعمالِ مخالفت کی تین ہی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ قولی، بدنی اور مالی، قولی اور بدنی مخالفت اوپر بیان ہو چکی۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ ان معاندین کے مالی وسائل بھی مخالفت اسلام کے لیے وقف ہیں۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام سے۔ ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔ یہاں پیشگوئی فرما دی گئی ہے کہ ان کی یہ مالی کوششیں بھی رائیگاں رہیں گی اور آثار ناکامی محسوس ہونے کے بعد ان پر حسرت ہی کا غلبہ رہے گا۔ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔ یہ حسرت اُس وقت دُہری ہو گی، ایک حسرت تو اپنے مال و دولت کے ضائع جانے پر دوسری حسرت خود اپنی مغلوبیت پر۔

سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
گناہ دُور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ ہے ہی بڑے
الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فضل والا ٤٢ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب کہ کافر آپ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے
لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ
کہ آپؐ کو قید کریں یا آپؐ کو قتل کریں، یا آپ کو (وطن سے) خارج کر دیں اور وہ (اپنی) تدبیریں کر رہے
وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
تھے اور اللہ (اپنی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے ٤٣ اور جب اُن کے سامنے
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا
ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں بس ہم نے سُن لیا ہم چاہیں تو اسی کا سا
مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَ
ہم بھی کہہ لائیں یہ ہے ہی کیا بجز اگلوں کی کہانیوں کے ٤٤ اور
اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ
(وہ وقت بھی یاد دلائیے) جب (ان لوگوں نے) کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (کلام) تیری طرف سے واقعی ہے
فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ
تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا پھر (کوئی اور ہی) عذاب دردناک
اَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ
لے آ ٤٥ حالانکہ اللہ ایسا نہیں کرنے کا کہ انہیں عذاب دے اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ

٤٣ (جس کی تدبیر کے آگے ساری دنیا کے منصوبے اور تدبیریں ہیچ محض ہیں) اِذْ یَمْکُرُ بِکَ۔ مکہ کے رئیسوں سرداروں نے باہم جمع ہو کر آپؐ کی قید، جلاوطنی، قتل، سب تدبیروں پر غور کیا۔ اور راخیر رائے قتل ہی کی قرار پائی۔ آپؐ کو وحی سے معلوم ہو گیا۔ آپ خاموشی سے نقل مکان کر، غارِ ثور میں پوشیدہ ہو گئے اور بہ فراغ خاطر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مکر پر حاشیے سورۂ آل عمران آیت مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ پر گزر چکے۔

لِیُثْبِتُوْکَ۔ اِثبات یہاں قید یا حبس کے معنیٰ میں لیا گیا ہے۔ الاثبات ھو الحبس (ابن جریر۔ عن السدی) ای لیسجنوک (ابن جریر عن عطاء وعبد اللہ بن کثیر) ومعنی لیثبتوک لیحبسوک (قرطبی)

٤٤ (اور کلام حق ہرگز نہیں) یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ و سیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا النضر بن حارث تھا، اپنے زمانہ کا بڑا جہاندیدہ اور ”روشن خیال“ ایران جیسے مہذب و متمدن ملک کی سیر کئے ہوئے ——— جیسے آج کا ”ولایت پلٹ“ ہندوستانی! قد قیل ان قائل لذالک ھو النضر بن الحارث کما قد قص علی ذالک سعید بن جبیر والسدی وابن جریج وغیرھم فانہ لعنہ اللہ کان قد ذھب الی بلاد فارس وتعلم من اخبار ملوکھم رستم واسفندیار (ابن کثیر) ھٰذَا سے اشارہ دونوں جگہ قرآن مجید کی طرف ہے۔ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا ...... بولے کہ بس ہم نے سُن لیا اور حال معلوم ہو گیا۔

٤٥ (یعنی اسی طرح کا کوئی خارق عادت) صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل بن ہشام تھا، اور طبرانی وغیرہ دوسری روایتوں میں نام نضر بن الحارث کا آتا ہے لیکن بہر حال ایک کا نام دوسرے کے منافی نہیں اور جیسا کہ محدث حافظ ابن حجرؒ نے فیصلہ کیا ہے ممکن ہے دونوں نے ہی کہا ہو، لیکن ترجیح ابوجہل والی روایت کو ہے۔ ولا منافاۃ فی ذالک ما فی الصحیح لاحتمال ان یکون قالاہ ولکن نسبۃ الی ابی جھل اولی (فتح الباری) یہ بھی بہ آسانی ممکن ہے کہ کہنے والا کوئی ایک ہو، اور اس کے ہمزبان اور بہت سے اہل قریش ہو گئے ہوں۔ قال الجمھور قائل ذالک کفار قریش (بحر) وان کان ھذا القول نسب الی جماعۃ فلعلہ بدأبہ ورضی الباقون فنسبت الیھم (فتح الباری) ھٰذَا۔ یعنی وہ کلام جسے محمدؐ بہ طور خدائی کلام کے پیش کر رہے ہیں۔

۵۳۸ (بلکہ اُن گنہگاروں کے علاوہ ان لوگوں پر بھی اس کا وبال پڑے گا۔ جنہوں نے باوجود کسی حد تک قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ اور خود بھی اس طرح جُرمِ مداہنت کے مرتکب ہوئے یا شریکِ جُرم رہے) اسلام اُمّت کو جس بلند معیار پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے افراد کا زمرۂ صالحین میں ہونا کافی نہیں، بلکہ ہر فردِ بشر کو بہ قدر اپنی وسعت وبساط کے مصلح ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلئے جرم ومجرم سے مداہنت اسلام کے اندر خود ایک جُرم ہے۔ "جس طرح اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بہ قدر وسع دوسروں کی اصلاح میں بطریق امر بالمعرُوف ونہی عن المنکر بالید یا باللسان یا ترکِ اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے۔ کوشش کرو ورنہ درصُورتِ مداہنت ان منکروں کا وبال جیسا مرتکبینِ مُنکرات پر واقع ہوگا۔ ایسا ہی کسی درجہ میں مداہنت کرنیوالوں پر بھی واقع ہوگا؛ (تھانویؒ) ۵۳۹ (اور طاعت واطاعت میں خوب مستعد ہو جاؤ) اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ۔ مسلمانوں کو اُن کی مکّی زندگی قبل ہجرت کی یاد دلائی جارہی ہے۔ مُسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی تعداد میں کم ہونے کے علاوہ مکّہ میں بہ لحاظ قوت بھی کمزور ہی شمار کیے جاتے تھے۔ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ۔ النَّاس سے مُراد مخالفین واعداء ہیں۔ اٰوٰىكُمْ۔ یعنی مدینہ میں اطمینان سے جگہ دی۔ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ۔ یعنی تمہاری تعداد بھی بڑھ گئی۔ بے سروسامانی بھی نہ رہی۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ یعنی تمہیں ہر طرح کی خوش حالی عنایت کی۔ ۵۴۰ (کہ اعمال میں کوتاہیوں کے نتائج بد اور مضر تین کیا کیا ہیں) لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اللہ اور رسُول کے جو حقوق عاید ہوتے ہیں اُنہی کو پُوری طرح ادا نہ کرنا بھی اُن میں خیانت کرنا ہے۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ۔ اللہ اور رسُول کے بتائے ہوئے اعمال سے جو منافع مرتّب ہوتے ہیں اُنہی کو یہاں امانتوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۵۴۱ (جس کے آگے ساری دنیوی لذتیں فانی، مصلحتیں ہیچ ہیں) فِتْنَةٌ۔ یعنی یہ مال واولاد کی محبّت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ اور رسُول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ۵۴۲ (اور اس بڑے داتا کی ساری بخششیں اور نعمتیں تمہارے وہم وگمان میں بھی کب آسکتی ہیں) اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور اس تقویٰ وخشیت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعت واطاعت میں لگے رہوگے۔ فُرْقَانًا۔ فرقان کی تشریح اہلِ تفسیر نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ لفظ ان سب مفہوموں کا جامع سمجھا جائے اور ہدایت اور نورِ قلب جس سے حق وباطل میں فیصلہ ہوجائے اور غلبہ علی الاعداء اور نجاتِ آخرت جس سے حق وباطل میں عملی فیصلہ ہوجائے۔ سب کو شامل رہے۔

ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ۵۳۸ اور جانتے رہو کہ بے شک اللہ سخت ہے

الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

سزا دینے میں اور یاد کرو (اس حالت کو) جب تم تھوڑے تھے (اور) مُلک میں کمزور سمجھے جاتے

فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

تھے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تم کو اچانک کھسوٹ نہ لیں سو

فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

(اللہ نے) تمہیں رہنے کو جگہ دی، اور اپنی نصُرت سے تمہاری تائید کی اور تم کو سُتھری چیزیں عطا کیں

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا

تاکہ تم شکر گزار ہو ۵۳۹ اے ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ اور

اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

رسُول کی اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآنحالیکہ تم جانتے ہو ۵۴۰

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ

اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور

ع ۳ ۹ ۱۷ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

یہ بھی کہ بہت بڑا اجر اللہ ہی کے پاس ہے ۵۴۱ اے ایمان والو اگر تم

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ

اللہ سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دیدیگا اور تم سے دُور کردیگا تمہارے

۳۲ (اعتقاد کے ساتھ) مسلمانوں کا کلام الٰہی کا سننا ہمیشہ اعتقاد ہی کے ساتھ ہوگا ۔ اور یہاں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے ، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے عقیدت سے سُن رہے ہو ، ویسے ہی عمل بھی کرو ۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ ساری دنیوی کامرانیوں اور اخروی کامیابیوں کی بنیاد یہی اطاعت ہے ۔ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ ۔ اس سے ، یعنی اس اطاعت سے ضمیر حکم کی جانب ہے ۔ الضمیر للجهاد او للامر الذی دل علیه الطاعة (بیضاوی) وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۔ سے فقہاء و مفسرین نے یہ استنباط کیا ہے کہ مومن کی عملی زندگی پر ایمان کا اثر ہونا چاہیے اور اگر کوئی اثر نہیں ملتا تو محض قول بیکار ہی ہے ۔ دلت الاٰیة علٰی ان قول المومن سمعت واطعت لا فائدة فیه مالم یظهر اثر ذالك علیه بامتثال فعله (قرطبی)

اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ
اطاعت کرتے رہو ، اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے رُوگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سُن رہے
تَسْمَعُوْنَ ۝۲۰ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ
ہو ۳۲ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ (کچھ بھی)
ھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝۲۱ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ
سنتے (سناتے) نہیں ۳۳ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے ،
الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۲۲ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ
گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا) کام نہیں لیتے ۳۴ اور اگر اُن میں کسی خوبی کا علم اللہ
فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ
کو ہوتا تو وہ انہیں سُنوا دیتا اور اگر (اب) وہ انہیں سُنوا دے تو یہ ضرور رُوگردانی کرینگے
ھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا
بے رُخی کرتے ہوئے ۳۵ اے ایمان والو اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب کہ وہ
لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا
(یعنی رسول) تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بُلائیں ۳۶ اور جانے رہو
اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ
کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے درمیان انسان اور اس کے قلب کے اور یہ کہ تم (سب) کو اسی کے پاس
تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ
اکٹھا ہونا ہے ۳۷ اور ڈرتے رہو اس وبال سے جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا

۳۳ (مُراد کُفّار و منافقین ہیں) مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ترک اطاعت میں تم کافروں اور منافقوں کی طرح نہ ہو جانا ۔ ۳۴ (اور سُن کر عمل نہ کرنا بھی مشابہ اُن لوگوں کے عمل کے ہے جو بہرے اور گونگے ہیں ۔ شَرَّ الدَّوَآبِّ ۔ کفار و منافقین کے ذکر کے بعد یہ لفظ ان کی تحقیر و اہانت کے لیے ہے ۔ عنی به الاشرار الذین هم فی الجهل بمنزلة الدواب (راغب) ۳۵ یعنی اگر ان کافروں اور منافقوں میں کوئی خوبی طلب حق کے سلسلہ میں موجود ہوتی تو اللہ انہیں اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بھی دے دیتا ۔ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ ۔ یعنی انہیں اس بے پروائی کی حالت میں سُنوا دے ، جیساکہ ظاہری کانوں سے وہ اب بھی سُن ہی رہے ہیں ۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا ۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے ۔ اس لئے اللہ کے علم میں کسی شے کے نہ آنے کے معنی ہی اس شے کی نفی کے ہیں ۔ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ یہ ٹکڑا ان کی بے توجہی کو اور نمایاں کرنے کے لیے ہے ۔ ۳۶ یعنی احکام شریعت کی طرف ۔ یہاں صاف صاف بتا دیا کہ حیاتِ ابدی اور زندگی جاودانی بخشنے والی چیز یہی نظام دین ہے ـــــ خصوصیت کے ساتھ مُراد جہاد ہے ۔ لِلرَّسُوْلِ ۔ یہ بات لحاظ رکھنے والی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے تمام موقعوں پر رسول اللہ صلعم کا ذکر بجائے اسم ذات کے ہمیشہ رسول یا الرسول ہی سے آتا ہے ۔ یہ آپ کی حیثیت رسالت کو نمایاں کرنے کے لئے ہے کہ آپ کا بلانا بھی فرستادہٗ الٰہی کی حیثیت سے اللہ ہی کا بلانا ہوتا ہے ۔ اِسْتَجِیْبُوْا ۔ یہاں اجیبوا کے معنی میں ہے ۔ ۳۷ (اور سب کا سابقہ بالآخر اسی سے پڑتا ہے) یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ ۔ اللہ کا انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جانا دو طرح سے ہوتا ہے ۔ ایک یوں کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا ۔ دوسرے یوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو آنے نہیں دیتا ۔

۲۵ؑ سپاہیوں کو اپنی جگہ چھوڑنے اور میدانِ جنگ سے ہٹنے کی اگر ذرا گنجائش رکھ دی جائے تو نظام عسکری تو فوراً ہی تشریف لے جائے۔ اس لیے دنیا کے کسی بھی حربی قانون میں اس کی ذرا بھی اجازت نہیں بلکہ بزدلی ایک ناقابلِ عفو جرم ہے ——— اور پھر لشکرِ اسلام کا تو ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جان بیچ کر اور اس کے عوض میں وعدۂ جنت لے کر تو قدم ہی میدان میں رکھتا ہے۔ اس کے لیے تو بزدلی کی اتنی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی جتنی کسی دنیوی لشکر میں ممکن ہے۔ الفرار کبیرة موبقة بظاهر القرآن واجماع الاکثر من الائمة (قرطبی)، قال ابن القاسم لا تجوز شهادة من فرّ من الزحف لا یجوز لهم الفرار وان فرّ امامهم (قرطبی) یَوْمَئِذٍ۔ جہاد کے دن یعنی جہاد کے موقع پر۔ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ۔ اس استثناء کے اندر جنگی مصلحت کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا مقصد حریف کو غافل کر کے اس پر یک بارگی ٹوٹ پڑنا ہوتا ہے۔ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ۔ مثلاً سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلا پڑ گیا۔ اور اب بھاگنے سے اس کا مقصود اپنی جماعت سے مل کر اور سازوسامان حاصل کر کے پھر سے حملہ کرنا ہے۔ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ۔ محققین نے یہاں پر یاد دلا دیا ہے کہ اس دخولِ جہنم سے خلودِ جہنم لازم نہیں آتا۔ وهذا لا یدل علی الخلود (قرطبی)

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

اس کے کہ پینترا بدل رہا ہو لڑائی کے لیے یا (اپنی) جماعت کی طرف پناہ لے رہا ہو تو وہ اللہ کے

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۱۶

غضب میں آجائے گا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے ۲۵ؑ

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ

سو (اُن کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے (اُن پر) خاک کی مٹھی نہیں

رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ

پھینکی جبکہ آپ نے وہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ۲۶ؑ تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے

بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۱۷ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ

اچھی آزمائش بیشک اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۲۷ؑ یہ تو ہو چکا ۲۸ؑ اور

اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۱۸ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ

بیشک اللہ کمزور کر کے رہیگا کافروں کی تدبیر کو ۲۹ؑ اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے سامنے

جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ

آموجود ہوا ۳۰ؑ اور اگر تم باز آجاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور

اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَوْ

اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور تمہاری جماعت تمہارے ذرا کام نہ آئے گی گو (کتنی ہی)

كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

زاید ہو اور (جانے رہو) کہ اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے ۳۱ؑ اے ایمان والو

ع ۲ / ۱۶

۲۶ؑ (تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں، کہ مؤثرِ حقیقی صرف اُس کی قدرت ہے) سپہ سالارِ اعظم رسول اللہ صلعم نے حالتِ جہاد میں ایک مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی اُٹھا کر مشرکوں کے لشکر کی طرف پھینکیں، ریزے اُن کی آنکھوں میں جا کر گھس گئے اور انہیں شکست ہوئی۔ حدیث میں یہ واقعات غزوۂ بدر و غزوۂ حنین دونوں کے سلسلہ میں آئی ہے۔ سیاقِ قرآن صاف غزوۂ بدر کے سلسلہ میں ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ۔ ف سے غرض یہ ہے کہ جب تم تائیدِ غیبی کے ایسے ایسے عجائب و خوارق خود مشاہدہ کر چکے ہو تو اب یہ بھی سمجھ لو۔ آیت اس مضمون کو صاف کر رہی ہے کہ فاعلِ حقیقی و مؤثرِ اصلی صرف حق تعالیٰ ہے گو عالمِ اسباب میں وہ کام آلات و وسائط ہی سے لیتا رہتا ہے۔ فنزلت الآیة اعلامًا بان الله تعالیٰ هو الممیت والمقدر لجمیع الاشیاء وان العبد انما یشارك بتکسبه و قصده (قرطبی) ای لیس بحولکم وقوتکم قتلتم اعداءکم مع کثرة عددهم وقلة عددکم ای بل هو الذی اظفرکم علیهم (ابن کثیر) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی یہ آپ کے یا کسی مخلوق کے بھی بس میں نہ تھا کہ خاک کے وہ ذرے ہر ہر کافر کی آنکھ تک پہنچا دیں۔ رمی کا یہ معجزانہ عمل تمام تر قدرتِ الٰہی کا کرشمہ تھا۔ عنی بذالك ان الله بلغ بذالك التراب وجوههم وعیونهم اذ لم یکن فی وسع احد من المخلوقین ان یبلغ ذالك التراب عیونهم من الموضع الذی کان فیه النبی صلعم (جصاص) وما رمیت یا محمد رمیا توصله الی اعینهم ولم تقدر علیه اذ رمیت ای اذ رمیت بصورة الرمی ولکن الله رمی ای اتی بما هو غایة الرمی واوصلها الی اعینهم جمیعا حتی انهزموا (بیضاوی)

۲۷ؑ اُس پر بندوں کے الفاظ و اقوال بھی اور احوال و اعمال بھی سب یکساں روشن ہیں۔ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا۔ مومنین کی اس آزمائش سے مقصد یہ کہ انہیں ان کے قصد سے اختیار کئے ہوئے اعمال پر خوب اجر و صلہ دے۔ ۲۸ؑ یعنی یہ ایک مصلحت تو پوری ہو چکی۔ ۲۹ؑ (اور وہ بھی کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں جس سے اُس کی قدرت و حکمت اور زیادہ واضح ہو کر رہے۔ ۳۰ؑ (اور جو فریق حق پر تھا اُسے غلبہ حاصل ہو گیا) خطاب مشرکین مکہ سے ہے روایتوں میں آتا ہے کہ جب مشرکین کا لشکر معرکۂ بدر کے لیے مکہ سے روانہ ہو رہا تھا تو سردارِ قریش ابوجہل نے غلافِ کعبہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ کامیابی اُس لشکر کو عطا کر جو حق پر ہو۔ کان المشرکون حین خرجوا من مکة الی بدر اخذوا باستار الکعبة فاستنصروا الله وقالوا اللّٰهم انصر اعلی الجندین واکرم الفئتین وخیر القبیلتین (ابن جریر عن ابن عباس) وقیل قاله ابو جهل وقت القتال (قرطبی)۔ ۳۱ؑ اس لیے فتح و غلبہ اصلاً حق اُسی کا ہے گو کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت اس کا ظہور نہ ہو) وَاِنْ تَنْتَهُوْا۔ یعنی اتنے نمایاں وضوحِ حق کے بعد اگر اب بھی اسلام و رسولِ اسلام کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہ بہتری تمہارے حق میں دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے ہوگی۔ اِنْ تَعُوْدُوْا۔ یعنی اسی طرح مخالفت و معاندت پر مُصر رہو گے۔ نَعُدْ۔ یعنی ہم بھی اسی طرح تمہارا زور توڑتے رہیں گے

عَنۡكُمۡ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ وَلِيَرۡبِطَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ وَيُثَبِّتَ
اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس کے باعث
بِهِ الۡاَقۡدَامَ ؕ ۝١١ اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىۡ
(تمہارے) قدم جما دے ۱۹ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کا پروردگار وحی کر رہا تھا فرشتوں کی جانب
مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ
کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو ایمان والوں کو جمائے رکھو ۲۰ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے
كَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ
دیتا ہوں سو تم (کافروں کی) گردنوں کے اُوپر مارو اور اُن کے پور پور پر ضرب
كُلَّ بَنَانٍ ؕ ۝١٢ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۚ وَمَنۡ
لگاؤ ۲۱ یہ (حکم قتال) اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی
يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝١٣
اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ سزا دینے میں سخت ہے ۲۲
ذٰلِكُمۡ فَذُوۡقُوۡهُ وَاَنَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابَ النَّارِ ۝١٤
سو یہ سزا چکھو اور (جان لو) کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے ۲۳
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا زَحۡفًا
اے ایمان والو جب تمہارا سامنا ہو جائے گا کافروں کے لشکر کا تو اُن سے
فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ ۚ ۝١٥ وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ
پُشت مت پھیرنا ۲۴ اور جو کوئی اُن سے اپنی پشت اُس روز پھیرے گا سوا

وَلِتَطۡمَئِنَّ بِهٖ قُلُوۡبُكُمۡ - اس میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ طبعاً تسلی اسباب ظاہری سے ہوتی ہے۔ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ - یعنی کہیں وسائط و ذرائع پر نظر کر کے اُنہی میں نہ اُلجھ جانا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امداد ساری کی ساری اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ نبّہ علی ان النصر من عندہٖ عزّ وجلّ لا من الملٰئکۃ (قرطبی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت اس پر دال ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسبّبات کے منجانب اللہ ہونے کے بعد پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ ۱۹ بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے، اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اُترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز (اور تیمم کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا) ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اُس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ ان اسباب سے قلب سخت پریشان ہوا، اُوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول و منصور ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے۔ حالانکہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کے لئے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے اوّل بارانِ رحمت نازل فرمایا جس سے پانی کی افراط ہو گئی۔ پیا بھی وضو غسل بھی کیا۔ اور اس سے ریتا جم گیا اور دھنسن جاتی رہی، برخلاف اس کے کفّار نرم زمین میں تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی جس سے چلنے پھرنے میں تکلّف ہونے لگا۔ غرض سب وساوس و تشویشات رفع ہو گئے۔ اس کے بعد اُن پر اُونگھ کا غلبہ ہوا، جس سے پُوری راحت ہو گئی اور سب بے چینی جاتی رہی" (تھانویؒ) اَمَنَةً مِّنۡهُ - یعنی یہ غنودگی کا طاری ہونا بھی بلا سبب نہ تھا، ایک خاص حکمت و مصلحت کا نتیجہ تھا، منه میں ضمیر حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ الھاء فی منه للّٰہ (قرطبی) لِيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ - یعنی وضو، غسل، وغیرہ کی سب ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ - وہ شیطانی وسوسہ مومنین کے دل میں یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے ہم مخذول، غیر مقبول ہیں۔ جب ہی تو پانی سے محروم ہیں۔ قوتِ ارادی میں ضعف وسوسۂ شیطانی ہی پیدا کرتا ہے اس کا ازالہ مقدم ہے۔ لِيَرۡبِطَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ - خطرناک موقعوں پر شجاعت و ثابت قدمی اسی قوت یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ لِيُثَبِّتَ بِهٖ - میں ضمیر پانی کی طرف ہے۔ الضمیر فی بہٖ عائد علی الماء (قرطبی) ۲۰ یعنی اپنے تصرّفات مَلَکی سے ان کی ہمت بڑھائے رکھو۔ اِلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ - یعنی اُنہی فرشتوں کی جانب جو امداد مومنین کے لئے نازل ہوئے تھے۔ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ - یعنی تم حسبِ ارشاد اپنا کام کئے جاؤ۔ اثر پیدا کرنا ہمارا کام ہے اور اصل شے یہی معیّت الٰہی ہے۔ ۲۱ یہ سب بیان اور تفصیل ہے ثَبِّتُوا کی۔ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ - یہ بیان ہے اَنّی معکم کا۔ فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ میں فوق، علیٰ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ فوق بمعنیٰ علیٰ (معالم) بَنَان کہتے ہیں انگلیوں اور اُن کے پوروں کو۔ البنان الاصابع (راغب) البنان الاصابع یرید الاطراف (کشاف) وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ - جنگ ظاہر ہے کہ دست بدست تھی۔ نیزوں، اور تلواروں سے۔ ایسی جنگ کے لیے (بلکہ کہنا چاہیے کہ ہر جنگ کے لیے) اس سے بڑھ کر حکیمانہ ہدایت اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن کے سپاہیوں کی انگلیوں پر وار کرو اور ان کی جان لیے بغیر انہیں لڑائی کے ناقابل بنا دو۔ خصّہ لاجل انھم بھا تقاتل وتدافع (راغب) فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ - یعنی گردن کے اُوپر کے حصہ پر وار کرو۔ تاکہ حریف فوراً مر جائے۔ خواہ مخواہ اور بلا ضرورت مدت تک تڑپتا، اور موت و زندگی کے درمیان جھُولتا نہ رہے۔ والمعنیٰ فاضربوا المقاتل والشوٰی لان الضرب امّا واقع علیٰ مقتل او علیٰ غیر مقتل فامرھم بان یجمعوا علیھم النوعین معاً (کشاف) دونوں ہدایتیں فنِ حرب کے لحاظ سے بہترین اور اعلیٰ طریقِ حرب و ضرب کی جامع ہیں۔ ۲۲ (خواہ یہ سزا آخرت میں ہو یا دنیا میں، یا دونوں جگہ) شَآقُّوا اللّٰهَ - سے مراد شاقوا اولیاءَ اللہ بھی لی گئی ہے۔ ای اولیاءہٗ (قرطبی) ۲۳ (کہ اصلی عذاب تو وہی ہے اور دنیوی سزا سے اس کا ٹل جانا لازم نہیں آتا) ۲۴ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔ عام حکم یہی ہے، بطور استثنار اجازت خاص خاص صورتوں میں ہے۔ ان کی تفصیل کچھ تو یہیں قرآن مجید میں آ رہی ہے اور کچھ فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ اِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا زَحۡفًا - یعنی کافروں سے مڈبھیڑ ہو حالت جہاد میں۔ زَحۡفًا - زحف کے لفظی معنی چھوٹے بچے کا گھسل گھسل کر چلنا ہے، مجازاً اُس کا اطلاق لشکر پر بھی ہونے لگا کہ اسے بھی ہجوم کے باعث رُک رُک ہی کر چلنا ہوتا ہے۔ کالعسکر اذا کثر فیعثر انبعاثہ (راغب) الزحف الدنو قلیلاً قلیلاً ثم سمی کل ماش فی الحروب الی آخر زاحفاً (قرطبی)

نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی و صالح شخص سانپ کا یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر ڈر جائے پھر فریقاً سے یہ امر بھی صاف ہو گیا کہ یہ خوف و تردد بھی سب کو نہ تھا۔ وھذا فیما لا یدخل تحت القدرۃ و الاختیار فلا یرد انہ لا یلیق بمنصب الصحابہ رضی اللہ عنہم (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نفع کبھی بہ صُورت ضرر ہوتا ہے۔ اور عارفین کو اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ف۱۲ یہ تفصیل بیان ہوئی اسی کراہت طبعی لکادھون کی (ملاحظہ ہوں اُوپر کے دونوں حاشیے) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ آیا وہ قافلہ سے ملینگے یا امدادی دستہ سے مڈ بھیڑ ہوگی۔ دونوں امکانات تھے۔ چونکہ قریشی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لا رہا تھا، اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس کی مدد اور حفاظت کے لئے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے

الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کے لیے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی ف۱۳ اور تم (یہ) چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

جماعت تمہارے ہاتھ آجائے درآنحالیکہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت کر دے، اپنے

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ

احکام سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ف۱۴ تاکہ حق کا حق ہونا اور

يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨﴾ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ

باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے ف۱۵ اور اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہی ہوتا ہے (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تم

رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے ف۱۶ پھر اُس نے تمہاری سُن لی (اور فرمایا) کہ میں تمہیں ایک ہزار فرشتوں

مُرْدِفِيْنَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ

یکے بعد دیگرے آنے والوں سے مدد دونگا ف۱۷ اور اللہ نے یہ بس اس لیے کیا کہ (تمہیں) بشارت ہو اور تاکہ

بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے درآنحالیکہ نصرت تو بس اللہ ہی کے پاس سے ہے بیشک اللہ

ع ۱۵ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ

زبردست ہے حکمت والا ہے ف۱۸ (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب (اللہ نے) اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر

يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ

غنودگی کو طاری کر دیا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی اتار رہا تھا کہ اسکے ذریعہ سے تمہیں پاک کر دے

ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ اور کشمکش کریں گے۔ مدینہ سے زیادہ دُور مکہ کی سمت جانا بہتوں کے لیے موت کے منہ میں جانا معلوم ہوتا تھا۔ (کتاب مذکور۔ صـ۱۷،۱۸)

يُجَادِلُوْنَكَ ۔ جدال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ موقع ذم ہی پر نہیں آتا۔ بلکہ اس کے معنی کہیں صرف زور دے کر کہنے کے آتے ہیں اور اس لفظ کا استعمال کہیں پیمبران معصوم تک کے حق میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیلؑ کے لیے۔ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۔ ..... فِي الْحَقِّ ۔ یعنی لشکر مکہ سے قتال کے بارے میں درآنحالیکہ وہ صرف قافلہ پر حملہ کے خیال سے کر آئے تھے۔ والحق الذی جادلوا فیہ رسول اللہ صلعم تلقی النفیر (کبیر) بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ۔ یعنی بعد اس کے کہ اس عمل کا خیر ہونا انہیں رسُول اللہ صلعم کے ارشاد سے معلوم ہو چکا تھا۔ ای بعد ما تبین لھم انک لا تامر بشیٔ الا باذن اللہ (قرطبی)

ف۱۳ یعنی وہ مغلوب ہو جائے گی اور تم اُس پر غالب آجاؤ گے۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ ۔ یہ وعدۂ الٰہی رسُول اللہ صلعم کے واسطہ سے تھا۔ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ ۔ دو جماعتوں (یعنی قافلہ و لشکر) میں سے ایک یعنی لشکر۔ ف۱۴ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر ایک فیصلہ کُن جنگ تھی۔ جمہوریۂ مکہ کی قسمت کا پانسہ اسی نے ہمیشہ کے لیے پلٹ دیا۔ اور نئے دین کی جڑ جمادی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) مسلمانوں کی خواہش طبعی طور پر یہی تھی کہ سابقہ صرف تجارتی قافلہ سے پڑے، جس پر انہیں فتح بلا حرب و قتال کے حاصل ہو جائے۔ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ ۔ یعنی وہی تجارتی قافلہ۔ شوکۃ کے لفظی معنی چبھنے والے کانٹے کے ہیں۔ مجازاً قوت، شدت اور اسلحہ سے مُراد ہوتی ہے۔ ما یدق ویصلب راسہ من النبات یعبر بالشوک والشکۃ من السلاح والشدۃ (راغب) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبھی ضرر بہ صُورت نفع ہوتا ہے اور عارفین کو ہر وقت اس کا مشاہدہ اپنے حالات و معاملات میں ہوتا رہتا ہے۔ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ ۔ یعنی حق کا حق ہونا عیاناً و مشاہدۃً ظاہر کر دے۔ بِكَلِمٰتِهٖ ۔ کلمات سے مُراد احکام شرعی بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً رسُول اللہ صلعم کا بدر کی طرف روانہ ہونا، لشکر سے مقابلہ کے لئے حکم فرمانا وغیرہ، اور احکام تکوینی بھی مثلاً رؤسا مکہ کا اتنی تیاریاں کر کے آنا، اور پھر بھی مغلوب و مقہور ہونا وغیرہ، ف۱۵ یہاں بھی وہی احقاق حق اور ابطال باطل کا عیاناً و مشاہدۃً واقع ہونا مراد ہے۔ اور یحق الحق میں تکرار معنوی اس لیے نہیں ہے کہ ایک جگہ وہ خود مقصود ہے اور دوسری جگہ ایک مقصود قطع دابر کا واسطہ ہے۔ ف۱۶ (اپنی قلت تعداد اور بے سرو سامانی اور دشمن کی کثرت تعداد و ساز و سامان پر نظر کر کے) ف۱۷ یہی مضمون سورۂ آل عمران پارۂ چہارم میں آیا ہے اور حاشیے وہاں گزر چکے۔ مُرْدِفِيْنَ سے مراد شاید یہ ہو کہ جس طرح آج میدانِ جنگ میں باقاعدہ فوجوں کے جنگی دستے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں اُسی جنگی نظام و ترتیب کے ساتھ فرشتوں کے دستوں کا نزول ہوتا رہا۔ المردف المتقدم الذی اردف غیرہ (راغب) ای متتابعین تاتی فرقۃ بعد فرقۃ وذالک اھیب فی العیون (قرطبی) فَاسْتَجَابَ لَكُمْ ۔ یہ وعدۂ امدادِ الٰہی پیمبر کے ذریعہ سے ہُوا۔ ف۱۸ چنانچہ وہ بالکل براہِ راست بلا کسی واسطہ کے بھی امداد پر قادر ہے لیکن وہ رعایت اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لیے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچاتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ ۔ ضمیر اسی وعدۂ امداد بذریعۂ ملائکہ کی جانب ہے۔ اِلَّا بُشْرٰى ۔ یعنی توقع فتح و غلبہ سے دل خوش ہو جائے۔

بالله ورسوله بامرالله بقسمتها على ما تقتضيه حكمته ويمتثل الرسول امرالله فيها وليس الامر فى قسمتها مفوضًا الى رأى احد (مدارک) ۳ (کہ یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے)
یہاں ادھر توجہ دلادی کہ طالب آخرت کے رہو نہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے و تجویز سے غنیمت تقسیم کرنے لگو۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آگئی۔ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ۔ اپنے آپس کے سابقہ کو ایسا سنبھالو، سنوارو کہ باہمی رشک و مسابقت کا نام و نشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔ گویا تقویٰ و اصلاح کی جامعیت کا حکم آیت میں آگیا۔ ۴ (عظمت الٰہی کے استحضار سے) اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا، خوفِ خدا و خشیت کی تاکید اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ توریت میں ایک مقام پر ہے ——— "خداوند کہتا ہے کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تم میرے حضور میں نہیں تھرتھراتے؟ (یرمیاہ، ۵: ۲۲) اور انجیل میں ہے، جو سرتاسر رحمت و شفقت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے:۔ وہ اے خداوند کون تجھ سے نہ ڈرے گا؟ اور کون تیرے نام کی بڑائی نہ کرے گا؟ کیوں کہ صرف تو ہی قدوس ہے" (مکاشفہ ۱۵: ۴) ۵ (قوت اور تازگی کے لحاظ سے) یہ بیان مومنین کاملین کی صفاءِ باطنی کا ہوا۔ ۶ یہ بیان ہو رہا ہے مومنین کی عملی حالت کا۔ توکّل پر حاشیہ پارہ ۴ سورۂ آل عمران میں آیت فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے تحت میں گزر چکا۔ ۷ یعنی حقوق اللہ میں سے شعبۂ بدنی اور شعبۂ مالی دونوں کی ادائی کا پورا پورا اہتمام رکھتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ اعمال باطنی میں توکّل اور اعمال ظاہری میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کے تصریحی ذکر سے اشارہ اس طرف ہے کہ باطنی اور ظاہری زندگی میں یہی اعمال سب سے اہم اور قابل اہتمام ہیں۔ خص من الصفات

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل
قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا
سہم جاتے ہیں ۴ اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اُن کا ایمان بڑھا دیتی
وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
ہیں ۵ اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں ۶ (اور) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ۷ یہی لوگ تو سچے (اور پکے) مومن
حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
ہیں بڑے درجہ ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اور مغفرت (بھی) اور عزت کی روزی
كَرِيْمٌ ۝۴ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ
(بھی) ۹ جیسا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو حکمت کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکالا ۱۰ اور
وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ
مومنوں کا ایک گروہ (اس کو) گراں سمجھ رہا تھا ۱۱ وہ آپ سے اس حقیقت کے
فِى الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ
باب میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو چکا تھا اس طرح رد و قدح کر رہے تھے کہ گویا وہ موت کی
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى
طرف ہنکائے جا رہے ہوں اور وہ دیکھ رہے ہوں ۱۲ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اللہ تم سے

الباطنة التوكل بالذكر على التعيين ومن الاعمال الظاهرة الصلوٰة والزكوٰة على التعيين تنبيهًا على ان اشرف الاحوال الباطنة التوكل واشرف الاعمال الظاهرة الصلوٰة و الزكوٰة (کبیر) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے۔ یعنی اس میں حال بھی ہے وجل کے لفظ سے اور عقاید بھی ہیں ایمان کے واسطہ سے، اور عمل باطنی بھی توکل کے ذریعہ سے اور عمل ظاہری بھی صلوٰۃ و انفاق کے واسطوں سے، اور آیت کامل اس پر نص ہے کہ ایمان کامل ان سب اوصاف کو جمع کرتا ہے، اور صوفیہ چونکہ ان سب اوصاف کے جامع ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ ۸ یعنی جیسا کامل ان کا ایمان ہے ویسے ہی جزا بھی انہیں ہر اعتبار سے کامل ہی ملے گی۔ ۹ یعنی مال غنیمت کا یہ خدائی طرز تقسیم گو بعض طبائع کو اپنے خلاف مرضی ہونے کی بنا پر ناگوار گزرے لیکن حقیقۃً یہ حکم ایسا ہی پُرمصلحت ہے جیسا وہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ كَمَآ۔ اس لفظ کی ترکیب قرآن مجید کی مشکل ترین ترکیبات نحوی میں سے ہے اضطرب المفسرون فى قوله كما الخ (بحر) چنانچہ صاحب بحر نے ۱۵ مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک دلنشیں قول زجاج لغوی کا ہے۔ الانفال ثابتة لله ثباتًا كما اخرجك ربك (بحر) زمخشری جیسے امام ادب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تقدیر کلام یوں رکھی ہے الانفال استقرت لله والرسول وثبتت مع كراهيتهم ثباتًا مثل ثبات اخراج ربك اياك من بيتك وهم كارهون (کشاف) صاحب بحر نے لکھا ہے کہ میں اسی غور و فکر میں ایک روز سو گیا تو میں نے خواب بھی اسی ترکیب سے متعلق دیکھا۔ اس خواب کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے کما کے معنیٰ میں محض تشبیہ ہی کو نہیں لیا بلکہ تعلیل کو بھی شامل کیا ہے۔ الكاف ليست لمحض التشبيه بل فيها معنى التعليل (بحر) لیکن امام رازیؒ نے جو تقدیر کلام اختیار اور پسند کی ہے وہ اس سے بھی بہتر ہے۔ كان التقدير انهم رضوا بهذا الحكم فى الانفال و ان كانوا كارهين له كما اخرجك ربك من بيتك بالحق الى القتال وان كانوا كارهين له (کبیر) ۱۰ (معرکۂ بدر کے لئے) رسول اللہ صلعم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کئے ہوئے یعنی وطن کو چھوڑ کر بحکم الٰہی جلاوطن ہوئے دوسرا سال ہو چکا تھا مگر مکہ کے مشرکوں کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا کہ اتنے میں خبر ملی کہ ان موذی دشمنوں کا قافلہ پچاس ہزار اشرفیوں کے مالِ تجارت سے لدا پھندا ایک مشہور مکی لیڈر ابوسفیان کی قیادت و رہنمائی میں شام سے مکہ کو واپس ہو رہا ہے اور مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرے گا۔ رسول اللہ صلعم کے رفیق اور صحابی برسوں سے ان کے مظالم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ قدرۃً خیال گزرا کہ موقع اچھا ہے، دشمن کی اس شہ رگ کو کاٹ دینا چاہیئے۔ (مکہ کوئی زراعتی ملک تو تھا نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار اسی تجارتی قافلہ پر تھا) آپؐ تین سو تیرہ رفیقوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، نہ یہ کوئی باضابطہ فوج تھی اور نہ فوجی سامان و سلاح سے آراستہ اس وقت آپؐ نے اپنی بے مثال تنظیمی قابلیت کی بنا پر اتنے ہی لوگوں کو فوجی دستوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔ ساتھ میں کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ادھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر یہ خبر قافلے والوں کو بھی لگ گئی انہوں نے فوراً اپنے آدمی فوجی کمک کے لئے مکہ کو دوڑائے اور خود بالا بالا راستہ کترا کر سمندر کے کنارہ کنارہ نکل آئے۔ جمہوریہ مکہ کا رئیس ابوجہل اپنی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے رؤسا، اور عام مسلح سپاہی ۹۵۰ کی تعداد میں لے کر جوش و خروش کے ساتھ مدینہ والوں پر جھپٹا، اور بدر کی منزل پر آ گرم لیا۔ جو مدینہ سے صرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر اور اس کے جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ یہ واقعہ $\frac{\text{۲ رمضان}}{\text{مارچ ۶۲۴}}$ ۲ھ کا ہے۔ ادھر رسولؐ پر وحی آئی کہ قافلہ یا لشکر دونوں میں سے ایک پر آپ کی فتح یقینی ہے لیکن صحابہ تو بہرحال صاحب وحی نہیں تھے۔ انہوں نے تو یہ دیکھا کہ اب مقابلہ آ پڑا ہے تجارتی قافلہ سے یا فوج کے سامانِ رسد سے نہیں، بلکہ خود لشکر جرار سے اور لشکر بھی کیسا، اپنے سے تعداد اور سامان دونوں میں کئی گنا زاید! قدرۃً ایک گروہ کو اب تذبذب، تامل، تردد پیدا ہوا، رسول اللہ صلعم کو اس کم ہمتی پر تاسف ہوا لیکن خود صحابہ ہی کے گروہ میں سے، مہاجرین میں، ابوبکرؓ و عمرؓ اور انصار میں سعد بن معاذ رئیس اوس نے جوش اطاعت سے لبریز تقریریں کیں، جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ آیت بالا میں انہی واقعات کی طرف اشارات ہیں ——— معرکہ کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانۂ حال کے ایک ماہر فن قانون بین الممالک (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں:۔ "ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا، جلاوطنی پر اُن کی جائدادوں کا ضبط کر لینا، اور اُن کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمد و رفت کو اپنے زیر اثر علاقہ میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اُس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں۔ ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے۔" (ڈاکٹر حمید اللہ کی "عہد نبوی کے میدانِ جنگ" ص) بالحق۔ یعنی قصد صحیح، صالح و پُرحکمت کے ساتھ، یوں ہی اور بلاوجہ نہیں۔ اے اخراجًا متلبسًا بالحكمة والصواب (کبیر) مِنْۢ بَيْتِكَ۔ یعنی شہر مدینہ سے جواب آپؐ کا وطن اختیاری تھا۔ يريد بيته بالمدينة او المدينة نفسها لانها موضع هجرته و سكناه (کبیر) ۱۱ کہاں ۳۱۳ اور وہ بھی بے سرو سامان، کہاں ۹۵۰ اور پھر ہر طرح مسلح و باساز و سامان۔ خوف و اندیشہ بالکل قدرتی تھا اور یہ طبعی کیفیت مورد عتاب

تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

عاجزی اور خوف کے ساتھ نہ کر چلانے کی آواز سے صبح اور شام کو

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾

اور اہلِ غفلت میں نہ شامل ہو جانا ٣٠٠

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

بیشک جو تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی

السجدة

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾

بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ٣٠١

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ انفال مدنی ہے اور اس میں پچھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بڑے رحمت والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ

یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ غنیمتیں اللہ کی ملک ہیں (اصلاً)

الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠

اور رسول کی (نیابتاً) پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے آپس کی اصلاح کرو اور

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١﴾

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو ٢

منزل ٢

٢٩٩ حکم کے مخاطب ظاہر ہے کہ کفارِ منکرین ہیں اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بغرض تبلیغ وغیرہ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ و خاموشی کے ساتھ سنو تاکہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لاکر مستحق رحمت ہو جاؤ۔ اصل حکم تو اسی قدر تھا لیکن علماءِ حنفیہ نے اس کے مفہوم میں توسع پیدا کرکے اس سے حالتِ نماز میں مقتدی کے لیے قرأتِ سورۂ فاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے۔ اور اس باب میں علمائے امت کے درمیان طویل مباحثے ہیں جن کے اعادہ کا یہاں محل نہیں۔ ظاهرة وجوب الاستماع والانصات وقت قرأة القراٰن فى الصلوٰة والتهليل ونحو ذالك (مدارک) وظاهر اللفظ يقتضى وجوبهما حيث يقرأ القراٰن مطلقًا (بیضاوی) فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ صیغۂ امر میں ہیں لیکن امر سے مراد یہاں وجوب ہے یا محض استحباب؟ فقہاء نے جواب یہ دیا ہے کہ بسبب حرج اور اختلاف مجتہدین کے اولیٰ اور اصح یہ ہے کہ صیغۂ امر کو استحباب کے لیے سمجھا جائے۔ عامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوٰة (بیضاوی) اَنْصِتُوْا۔ انصات ایسی خاموشی کو کہتے ہیں جو سننے ہی کی غرض سے اور بطور ادب ہو۔ الانصات السكوت للاستماع والاصغاء والمراعاة (قرطبی) قال اهل اللغة الانصات الامساك عن الكلام والسكوت لاستماع القراٰن (جصاص) **٣٠٠** (کہ ذکرِ الٰہی سے غفلت سے بڑھ کر اور کون غفلت ہوگی) دُوْنَ الْجَهْرِ۔ جو چیز ممنوع ہے وہ جہر مفرط ہے ورنہ جہر مطلق یا جہر معتدل ممنوع نہیں۔ المراد منه ان يقع ذالك الذكر بحيث يكون متوسطًا بين الجهر والمخافتة۔ (کبیر) ملاحظہ ہوں اسی سورۃ کی آیت ۵۵ پر حاشیے پارہ ۸ میں۔ واذكر ربك فى نفسك تضرعًا وخيفةً۔ مقصود تعلیم ادب ہے۔ ہیئت آواز ہر شے سے تذلل کا اظہار ہونا چاہیے۔ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ یعنی ہمیشہ مقصود ان ہی دو وقتوں کا حصر نہیں۔ قيل المراد ادامة الذكر باستقامة الفكر (مدارک) المراد مداومة الذكر والمواظبة عليه بقدر الامكان (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ولا تكن من الغافلين سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غفلت نہ ہو یعنی فکر ہو اگرچہ اس میں زبان کی حرکت نہ ہو نہ جلی نہ خفی۔ **٣٠١** یعنی دل سے، زبان سے، جوارح سے، سب طرح اس کی عبادت میں لگے رہتے اور اپنی عبدیت کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اپنے کو کسی صفتِ باری میں شریک نہیں سمجھتا۔ یہ آیت آیتِ سجدہ کہلاتی ہے۔ اور اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں بقول اصح چودہ ہیں اور بعض کے شمار میں پندرہ (اختلاف سورۂ حج کے دوسرے سجدہ سے متعلق ہے) سجدۂ تلاوت، آیتِ سجدہ کی تلاوت کے وقت حنفیہ کے یہاں واجب ہے۔ تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملیں گے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ۔ مراد اصلی تو فرشتے ہیں توسع کرکے انبیاء، اولیاء مقربین بھی اس میں داخل کیے جا سکتے ہیں۔ يعنى الملائكة بالاجماع (قرطبی) عِنْدَ سے مراد قرب منزلت و مرتبت ہے نہ کہ قرب مکانی۔ هو عبارة عن قربهم فى الكرامة لا فى المسافة (قرطبی) مكانة ومنزلة لا مكانًا ومنزلًا (مدارک) القرب المعتبر هو القرب بالشرف لا القرب بالجهة (کبیر) آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب ملائکہ باایں شرف و عظمت ہر وقت عبادتِ الٰہی و تسبیح میں لگے ہوئے ہیں تو انسان کو اپنی ناسوتی آلائشوں کے لحاظ سے اور زیادہ اس پر مستعد رہنا چاہیے۔ والمعنى ان الملائكة مع نهاية شرفهم وغاية طهارتهم لما كانوا مواظبين على العبودية والسجود والخضوع والخشوع فالانسان مع كونه مبتلًى بظلمات عالم الجسمانيات اولى بالمواظبة على الطاعة (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ لا يستكبرون یعنی تکبر سے بری ہونے کو دوسری طاعتوں پر مقدم رکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ زوالِ کبر اصلاح کی باقی صورتوں کے لیے بمنزلہ شرط ہے۔ اور امام رازیؒ نے الفاظ آیت کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اعمال قلوب، اعمال جوارح پر مقدم ہیں۔

سورۃ الانفال

١ (کہ یہ ملک کس کی ہیں اور انہیں تقسیم کس طرح کیا جائے) تقسیم مالِ غنیمت کے قدیم دستور کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ جب معرکۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو پہلی بار بحیثیت ایک جماعت کے شکست کھائے ہوئے کافروں سے مال ہاتھ آیا تو قدرۃً سوال پیدا ہوا، کہ حکومت کی آمدنی ملک کس کی ہے اور اسے سرکاری خزانہ میں داخل (State Property.) کس ترتیب سے کیا جائے؟ اَلْاَنْفَالُ جمع ہے نَفَل (بحرکت فاء) کی اور نَفْل (بسکون فاء) کے معنی زائد یا اس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو، النفل اى الزيادة على الواجب (راغب) نَفَل (بحرکت فاء) سے مراد (اصطلاحِ شریعت میں) وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہو اور اس کا اطلاق مالِ غنیمت قبل تقسیم پر ہوتا ہے۔ النفل ما يحصل للانسان قبل القسمة من جملة الغنيمة (راغب) لیکن عموماً اسے مطلق غنیمت کا مرادف مانا گیا ہے۔ قال ابن عباس ومجاهد والضحاك وقتادة وعكرمة وعطاء الانفال الغنائم (جصاص) سميت الغنائم انفالًا لان المسلمين فضلوا بها على سائر الامم (کبیر) اى الاموال الماخوذة من الكفار قهرًا (کبیر) یہ سوال کرنے والے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ میں سے تھے، انہی میں آپس میں یہ سوال اٹھا تھا کہ مالِ غنیمت مہاجرین و انصار وغیرہ میں سے حق کس کا ہے اور تقسیم کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ ولا شك انهم كانوا اقوامًا لهم تعلق بالغنائم والانفال وهم اقوام من الصحابة (کبیر) ولقد وقع اختلاف بين المسلمين فى غنائم بدر وفى قسمتها فسألوا رسول الله صلعم كيف تقسم ولمن الحكم فى قسمتها (مدارک) **٢** (اور وہی دونوں مالک و مختار ہیں، کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا حکم جاری کریں۔ اس میں تردید آگئی اس خیال کی کہ مالِ غنیمت اصلی حق غازیوں یعنی مجاہدوں اور لشکر اسلامی کے سپاہیوں کا ہے ——— ان سے وعدہ تو اجر آخرت کا ہے ان کا صلۂ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مالِ غنیمت کے وہ مالک و متصرف ہوں گے۔ دنیا میں ظہور اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن و مہذب، پرقوت و شوکت سلطنتیں موجود تھیں عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہو چکی تھیں، اور ہوتی رہتی تھیں۔ مصر، ہند، ایران، یونان، روما سب میں بڑے بڑے سیاسی و معاشی مفکرین پیدا ہو چکے تھے جنہوں نے غنائم جنگ کے متعلق بھی مختلف نظریے رواج دے رکھے تھے۔ قرآن مجید نے اگر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج دیا اور بتلایا کہ مالِ غنیمت نہ تو بادشاہ کی ملک ہے، نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی، اور نہ ملک و قوم کی، بلکہ اصلاً و حقیقۃً صرف اللہ ہی کی ملک ہے! ——— سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاص کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں تھی۔ سوال کا جواب کتنا بلیغ و حکیمانہ ہے۔ وہی اس کا بھی مالک ہے جو جان و مال ہر چیز کا مالک ہے۔ گویا ارشاد یہ ہوا کہ جس طرح ربوبیت اس ذات پاک کی صفت خاصہ ہے، مالکیت بھی تمامتر اسی کا وصف مخصوص ہے۔ ہر جان کا مالک بھی وہی، ہر مال کا مالک بھی وہی، اسلامی نظام حکومت میں قانون اسی کا، اقتدار اعلیٰ اسی کا، زمین ساری اسی کی، اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا مال بھی اسی کا ——— اسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے، یا جو کچھ چاہے کرے۔ وَالرَّسُوْلِ۔ کہ رسولؐ ہی کی معرفت اس حکم الٰہی کا اعلان اور بیان ہوگا کہ وہی اس دنیا میں اس مالک و مختار کی مرضی و اقتدار کے نمائندہ ہیں۔ ومعنى الجمع بين ذكر الله والرسول ان حكمها مختص

وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ
اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجیے ۲۹۲ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۰۰ اِنَّ
(فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے وہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے ۲۹۳ یقیناً جو لوگ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا
خدا ترس ہیں جب انہیں کوئی خطرہ شیطانی لاحق ہوتا ہے تو وہ یادِ الٰہی میں لگ جاتے ہیں جس سے
فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى
یکایک انہیں سوجھ آجاتی ہے ۲۹۴ اور جو شیطان کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے
الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا
رہتے ہیں سو وہ باز نہیں آتے ۲۹۵ اور جب آپ اُن کے سامنے کوئی نشان نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ
لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ مِنْ
آپ اسے کیوں نہ چھانٹ لائے ۲۹۶ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ میرے اوپر
رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ
میرے پروردگار کی طرف سے وحی ہوا ہے ۲۹۷ یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت
يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ
اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ۲۹۸ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اور
اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۲۰۴ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ
خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۲۹۹ اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں یاد کیا کر

۲۹۲ (اور بہت زیادہ ان کے درپے نہ ہوجیے) ۔ خُذِ الْعَفْوَ ۔ یعنی ان لوگوں کی جاہلانہ اور اشتعال انگیز حماقتوں سے درگزر ہی کرتے رہیئے ۔ اے خذ العفو عن المذنبین والمراد اعف عنھم والی ھذا ذھب جمع من السلف یشھد له ما اخرجه ابن جریر وابن المنذر وغیرھما عن الشعبی (روح) آیت سے محققین نے طرح طرح کے سبق حاصل کئے ہیں تحصیل علم، اعراض اہل ظلم اور ترک مجادلہ سفہا وغیرہ کے ۔ الحض علی التخلق بالعلم والاعراض عن اھل الظلم والتنزہ عن منازعة السفھاء (قرطبی) اور جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ اس سے زیادہ کوئی آیت اخلاق کی جامع نہیں (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں لوگوں کے ساتھ تسامح اور شفقت کے برتاؤ کی اور جاہلوں کے ساتھ حلم سے پیش آنے کی تعلیم ہے ۔ ۲۹۳ اس لئے آپکے استعاذہ کو خوب سُنے گا ۔ اور آپکے مقصود کو خوب سمجھے گا ۔ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ ۔ نزغ شیطانی سے یہاں مراد طبیعت میں اس غصّہ و اشتعال کا پیدا ہونا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے، جو مشرکوں اور جاہلوں کی پیہم اشتعال انگیزیوں سے پیدا ہونا تقریباً ایک امر طبعی تھا لیکن اس پر عمل کرنے سے مصالح انتظامی میں فرق پڑنے کا بھی احتمال تھا ۔ نزغ الشیطان وساوسه (قرطبی) الاغواء بالوسوسة واکثر ما یکون عند الغضب (جصاص) اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا پیمبر کے لیے نزغ شیطانی ممکن بھی ہے ؟ سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ ممکن کیوں نہیں پیمبر سے صرف صدورِ معصیت ممتنع ہے، گناہ کی رائے و تجویز کا پیغمبر کے سامنے پیش ہونا، چاہے وہ انسان کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے، یہ تو کسی درجہ میں بھی ممتنع نہیں ، اور نزغ شیطان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ شیطان نے ایک رائے آپؐ کے سامنے پیش کی ——— اور قرآن مجید تو ہر بُری تحریک کو شیطان ہی کی جانب منسوب کرتا ہے ۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۔ آپ اللہ سے پناہ مانگیے وہ خود آپؐ کو پناہ میں لے لے گا یعنی اس عارضی وسوسہ کو آپ سے دُور کردے گا ۔ مفسّر تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حضور صلعم کی لطافتِ قلب اسی سے ظاہر ہے کہ جو وسوسہ شیطانی محض مَس کے درجہ میں ہوتا تھا (چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی موقع کے لیے لفظ مَسّ آیا ہے اور وہاں ذکر صالحین و متقین اُمّت کا ہے) تو حضورؐ کے قلب مبارک کو اس کی اذیت مثل نزغ کے محسوس ہوتی تھی ۔ ایراد النزغ فی موضع والمس فی اٰخر لعله للاشارة الی ان لطافة قلبه صلعم ازید من غیرہ حیث یکون الوسوسة التی لا یکون ورودہ اکثر من المس نزغا وایذاء شدیدا فی حقه ولذا اکد باسنادہ الی النزغ نفسه مبالغة (تھانوی) ۲۹۴ یعنی حقیقت امر اُن پر منکشف ہوجاتی ہے مکاید شیطانی اُن پر واضح ہوجاتے ہیں ۔ اور وہ شیطانی خطرہ اُن پر اثر نہیں کرتا ۔ تَذَكَّرُوْا ۔ یادِ الٰہی میں لگ جاتے ہیں یعنی دعا، استعاذہ وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کی عظمت کا استحضار کرکے اپنے ایمان کو تازہ کرلیتے ہیں ۔ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ ۔ یعنی شیطان کی تحریک پر ان کے دلوں میں غصّہ و اشتعال یا اور کسی امر ناجائز و ناپسندیدہ کا جذبہ بھڑکنے لگتا ہے ۔ الشیطٰن سے یہاں مراد جنس شیاطین ہے نہ کہ ذات ابلیس ۔ والمراد بالشیطٰن الجنس ولذالك جمع ضمیرہ (بیضاوی) انما جمع الضمیر فی اخوانھم والشیطان مفرد لان المراد به جنس (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ وسوسہ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا ۔ اور اس محفوظیت کے تین درجے ہیں ۔ درجۂ اعلیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو ۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اور حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح کے واقعہ میں منقول ہے ۔ اور درجۂ اوسط یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے مگر معاً تنبیہ بھی ہوجائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے ۔ یہ مقام صدیقین کا ہے اور قصّہ یوسف و زلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے ۔ اور درجۂ ادنیٰ محفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر معاً سنبھل جائے ۔ ڈرے جھجکے اور باز آجائے ۔ یہ مقام تائبین کا ہوتا ہے ۔ اور ان تینوں مقامات کا صاحب عارف، متقی، ولی، صاحبِ دل ہوتا ہے ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں کاملوں کو وسوسہ آنے کے امکان کی مع اس کے علاج یعنی استعاذہ اور تذکر امر و نہی کی تصریح ہے ۔ ۲۹۵ (گمراہیوں سے) اور باز آئیں بھی تو کیسے ؟ نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں ۔ ولا یکفون عن الغی ولا یقصرون کالمتقین (بیضاوی) لا ینوبون ولا یرجعون (قرطبی) اِخْوَانُهُمْ ۔ یعنی مشرکین و اہل جاہلیت جو اہل طاعت و تقویٰ نہیں بلکہ اپنی حرکتوں کے باعث گویا شیطانی برادری کے لوگ ہیں ۔ ضمیر هُمْ الشیطٰن (اسم جنس) کی جانب ہے ۔ المعنی اخوان الشیاطین وھم الفجار من ضلال الانس (قرطبی) قال الحسن وقتادہ والسدی اخوان الشیاطین فی الضلال یمدھم الشیاطین (جصاص) ای اخوان الشیاطین من شیاطین الانس (مدارک) يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ۔ ضمیر ھم اُنہی اخوان کی طرف ہے ۔ وھم الفجار من ضلال الانس یمدھم الشیاطین فی الغی (قرطبی) يَمُدُّوْنَهُمْ ۔ مَدّ اور اَمَدّ دو قریب المعنی لفظ ہیں ۔ قرآن مجید میں دونوں برابر آتے ہیں ۔ امدّ عموماً موقع مدح پر مدّ عموماً محل ذم میں ۔ قال الواحدی عامة ما جاء فی التنزیل مما یحمد ویستحب امددت علی افعلت وما کان بخلافه فانه یجیء علی مددت (کبیر) ۲۹۶ (کہ جب آپ نبی ٹھیرے تو سب کچھ آپکے اختیار میں ہوگا) لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ ۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے آپ کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے ۔ کانوا یطلبون اٰیات معینة ومعجزات مخصوصة علی سبیل التعنت (کبیر) ۲۹۷ یعنی میرا کام تو صرف فرائض رسالت کو انجام دینا ہے، نہ کہ تمہارے فرمائشی معجزات بہ اختیارِ خود لانا ——— جاہلی شرک قوموں کے سمجھانے کے لئے جو نبوت کو الوہیت کی کوئی شاخ قرار دینے پر مُصر رہتے ہیں، قرآن مجید نے اس حقیقت کو بیسیوں مرتبہ مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے ۔ عارفوں نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ نبوت نام ہے کمال عبدیت و عبودیت کا ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تصریح ہے اس کی کہ امور غیبی غیر اختیاری ہیں اس لیے وہ کمال کی علامت بھی نہیں ۔ کمال کی بڑی علامت بس اتباع وحی ہے ۔ ۲۹۸ یعنی قرآن تو اپنے اعجاز لفظی و اعجاز معنوی کے اعتبار سے خود ہی بہت سے معجزات و دلائل کا قائم مقام ہے ۔

عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ اِنۡ
تمہارے ہی جیسے بندے ہیں سو اگر تم سچے ہو تو تم انہیں پکارو پھر اُن کو چاہیئے
كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَاۤ اَمۡ
تمہیں جواب دیں ٢٨٦ کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ
لَهُمۡ اَيۡدٍ يَّبۡطِشُوۡنَ بِهَاۤ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ
ہیں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتے ہیں؟ کیا ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا
بِهَاۤ اَمۡ لَهُمۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ
اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے سب شرکوں کو بُلا لو پھر
ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیّۦَ اللّٰهُ الَّذِىۡ نَزَّلَ
میرے خلاف چال چلو اور مجھے مُہلت نہ دو ٢٨٧ یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے مجھ پر یہ کتاب
الۡكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ
نازل کی ہے اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے ٢٨٨ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ
دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَكُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾
نہ تو تمہاری ہی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ٢٨٩
وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَسۡمَعُوۡا ؕ وَتَرٰٮهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ
اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سُن نہ سکیں ٢٩٠ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ کی
اِلَيۡكَ وَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ
طرف نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ انہیں کچھ نہیں سُوجھ رہا ہے ٢٩١ درگزر اختیار کیجیے اور نیک کام کا حکم دیتے رہیے

٢٨٦ (لیکن وہ جواب کہاں دے پاتے ہیں؟ اور یہی ایک بات تمہارے دعوے کو بدیہی البطلان بنا دینے کے لئے کافی ہے) عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ ۔ یہ مثلیت ومشابہت انسان اور ان دیوتاؤں کے مخلوق ہونے اور بے بس و بے اختیار ہونے میں ہے۔ قال الحسن فی کونہا مملوکۃ للہ وقال التبریزی فی کونہا مخلوقۃ (بحر) اے مماثلۃ لکم من حیث انہا مملوکۃ للہ تعالٰی مسخرۃ لامرہ عاجزۃ عن النفع والضر (روح) من حیث انہا مملوکۃ مسخرۃ (بیضاوی) اشارہ ہے جاہلی قوموں کے دیوتاؤں، سُورج، چاند، زہرہ، مشتری، آکاش دیوتا وغیرہ کی جانب۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ اگر تم سچے ہو۔ ان کے معبود و رب ہونے کے باب میں۔ توریت میں بعل پرستوں اور بعل کے نبیوں کے سلسلہ ذکر میں ہے:۔ ”انہوں نے وہ بیل جو انہیں دیا گیا تھا لیا اور اُسے تیار کیا۔ اور صبح سے دوپہر تک بعل کا نام لیا کئے کہ اے بعل ہماری سُن، پر کچھ آواز نہ ہوئی اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا۔ اور وہ اس مذبح پر جو بنا تھا کُودا کئے اور دوپہر کو ایسا ہُوا کہ ایلیاہ اُن پر ہنسا اور بولا، بلند آواز سے پکارو کیونکہ وہ تو ایک خدا ہے۔ شاید وہ باتیں کر رہا ہے یا خلوت میں ہے یا کہیں سفر میں ہے اور شاید کہ وہ سوتا ہے۔ سو ضرور ہے کہ وہ جگایا جائے“ (ا۔سلاطین ١٨: ٢٦، ٢٧) تَدۡعُوۡنَ میں دعاء سے مراد اُن بتوں کو معبود قرار دینا اور فادعوھم میں دعاء سے مراد اُن سے طلب نفع و دفع ضرر چاہنا ہے۔ عنی بالدعاء الاول تسمیتھم الاصنام الٰھۃ۔ والدعاء الثانی طلب المنافع وکشف المضار من جھتھم (جصاص) تدعون اے تعبدونھم وتسمونھم اٰلھۃ (بیضاوی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نداء غیر اللہ بطور استغاثہ آیت کی رُو سے ناجائز ثابت ہو رہی ہے۔

٢٨٧ یعنی تم مع اپنے گونگے بہرے معبودوں کے سب مل کر اپنے دل کا ارمان نکال لو۔ اور میری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لو کہ مجھے کہاں تک نقصان پہنچا سکتے ہو۔ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ۔ خطاب پیغمبر سے ہے کہ آپ ان بُت پرستوں سے ان پر ان کے معبودوں کی بے کسی اور بے بسی واضح کرنے کو یُوں فرمائیے۔ اَلَهُمۡ .... يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۔ جسمانیات میں کمال کا تحقق اُنہی آلات و اعضاء پر موقوف ہے۔ اس لیے ان پر جرح تفصیل سے فرمائی گئی۔ آیت میں یہ پہلو بھی آگیا ہے کہ انسان میں قوت و قدرت کے ظاہری آلات، پیر، ہاتھ، آنکھ کان تو کم سے کم ہیں بھی۔ یہ بے جان و بے حس بُت تو ان سے بھی محروم ہیں پھر یہ مشرک انسان کی کیا شامت ہے کہ وہ ان کی پرستش میں لگا ہُوا ہے جو خود اُس سے بھی ابتر و کمتر ہیں۔ المقصود من ھذہ الاٰیۃ بیان ان الانسان افضل واکمل حالاً من الصنم واشتغال الافضل الاکمل بعبادۃ الاخس الادون جھل کبیر

٢٨٨ (تو پھر اپنے نبی اور نبی بھی کیسا افضل الانبیاء کی کارسازی کیوں نہ کرے گا؟) یہاں اکیلے اور سچے معبود کے ٢ وصف بیان کر دئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے کتاب نازل کی ہے جو دنیا و آخرت میں نافع اور سارے علوم کی جامع ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ صالح بندوں کی نصرت و کارسازی کرتا ہے ——— دیوی دیوتا نام کے معبود ان دونوں ہی وصفوں سے عاجز و عاری! اے ومن عادتہ تعالٰی ان یتولی الصالحین من عبادہ فضلا عن انبیائہ (بیضاوی)

٢٨٩ ملاحظہ ہو حاشیہ ٢٨٤ اصل مقصود ان معبودوں کا کمال عجز دکھانا تھا اس لیے اس پر توجہ اس آیت میں دلائی گئی ہے۔

٢٩٠ ملاحظہ ہو حاشیہ ٢٨٥ لَا يَسۡمَعُوۡا ۔ ابھی اُوپر کی ایک آیت میں اسی مضمون کے خاتمہ پر لا یتبعوکم وارد ہُوا ہے۔ یہاں اس سے ترقی کر کے لا یسمعوا ہے۔ عدم اسماع یقیناً عدم اتباع سے بھی بڑھ کر ابتر وصف ہے ——— یہ معبودان باطل اتباع تو کیا کرتے سننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ھذا ابلغ من نفی الاتباع (روح)

٢٩١ تراھم میں ضمیر اُنہی معبودان باطل کی طرف ہے ——— صناع مشرک وجاہلی قومیں اپنی صناعی کے زور سے جیسی ”جاندار“ مورتیں تراش لیتی ہیں، ان کے اُوپر قرآن مجید کا یہ بیان کس قدر صادق آتا ہے۔

۲۷۸ؔ یعنی حضرت حوّا کو۔ مِنۡهَا۔ ضمیر نفس کی طرف بالکل ظاہر ہے لیکن خود نفس سے مُراد جنس بھی لی جاسکتی ہے اور لی گئی ہے۔ قیل یرید بہ الجنس (جصاص) والمراد خلق من النوع الانسانی زوجۃ آدم والمقصود التنبیہ علی انہ تعالیٰ جعل زوج آدم انسانًا مثلہ (کبیر) ای من جنسها (مدارک) ملاحظہ ہو پارہ ۴ سورہ النساء کی آیت اوّل۔ ۲۷۹ؔ گویا عورت کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ مرد اس سے راحت وسکون حاصل کرے اور لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا کے عموم کے تحت میں مادّی، رُوحانی، دماغی، جسمانی ہر قسم کی راحتیں آگئیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ مقصود آفرینش اصلاً مستقلاً مرد ہے اور عورت گویا مرد کے لیے ہے۔ اور ایک تبعی حیثیت رکھتی ہے۔

وَجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا

اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا ۲۷۸ تاکہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے ۲۷۹ پھر جب وہ

حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا

(یعنی مرد) اُسے ڈھانک لیتا ہے اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے پھر وہ اُسے لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے ۲۸۰

اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ۱۸۹

پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح وسالم

فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮهُمَا ۚ

(اولاد) دیدی تو ہم (تیرے) بڑے شکرگزار ہونگے ۲۸۱ لیکن جب (اللہ) انہیں صحیح جاگتی (اولاد) دیدیتا ہے تو وہ لوگ

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۱۹۰ اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ

(اللہ) کی دی ہوئی چیز میں (اللہ کے) شریک قرار دینے لگتے ہیں ۲۸۲ تو پاک ہے اللہ ان کے شرک سے۔ کیا (اللہ کے ساتھ) یہ

شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ۱۹۱ وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَصۡرًا

انہیں شریک کرتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کرسکیں (بلکہ) خود ہی پیدا کیے گئے ہیں ۲۸۳ وہ انہیں کسی قسم کی مدد بھی

وَّلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ۱۹۲ وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى

نہیں دے سکتے ہیں (بلکہ) خود اپنی ہی مدد نہیں کرسکتے ۲۸۴ اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہاری

الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ

پیروی نہ کرسکیں برابر ہیں (دونوں امر) تمہارے اعتبار سے کہ خواہ انہیں پکارو خواہ

اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ۱۹۳ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

خاموش رہو ۲۸۵ بیشک جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ

۲۸۰ؔ اب ابوالبشر و اُمّ البشر کے قصّہ سے گزر کر مرد و زن کی عام خِلقت کا بیان شروع ہوگیا —— خاص سے عام کی جانب التفات قرآن مجید کا ایک عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا۔ کنایہ مباشرت سے ہے۔ کنایۃ عن الوقاع (قرطبی) ای جامعها والغشیان اتیان الرجل المرأۃ (کبیر) ۲۸۱ؔ (اور ادائے حقوق توحید کریں گے) فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ۔ یعنی جب عورت کا پیٹ بھاری ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کے مشکلات وخطرات کا سامنا شروع ہوجاتا ہے۔ ۲۸۲ؔ آیت کے اندر شرک کی ساری قسمیں آگئیں۔ جَعَلَا کی ضمیر تثنیہ کس کی جانب ہے؟ بعض اس طرف گئے ہیں کہ آدمؑ و حوّاؑ مراد ہیں —— لیکن قول محقق یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوج نفس مراد ہیں بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الحسن وقتادۃ الضمیر فی جعلا عائد الی النفس وزوجہ من ولد آدم لا الی آدم وحواء (جصاص) جعل الزوج والزوجۃ للہ شرکاء (کبیر عن القفال) امام رازیؒ نے قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصّہ بطور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا ہے اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے۔ ھذا جواب فی غایۃ الصحۃ والسداد (کبیر) اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدمؑ و حوّا کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے اور نہ ایسے قصّہ پیمبروں کے لائق ہیں۔ لم تثبت فی قرآن ولا حدیث صحیح فاطرحت ذکرها (بحر) وامثال ذالک لا تلیق بالانبیاء (بیضاوی) ۲۸۳ؔ اس میں مُورتیاں بُت، عناصر طبعی وغیرہ سارے ہی معبودانِ باطل آگئے۔ ۲۸۴ؔ مشرکوں کی کمال حماقت دکھائی ہے کہ ایسوں کے آگے جھکتے ہیں اور گرتے ہیں۔ جو کسی کو تو پیدا کیا کرتے خود اپنے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ اپنی پیدائش تک کے لیے دوسرے ہی کے تمام تر محتاج ہیں —— دوسری آیت میں ترقی کرکے ارشاد ہوا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ تخلیق الگ رہی وہ تو امداد تک پر قادر نہیں۔ نہ کسی دوسرے کی نہ خود اپنی ہی! حیرت اور کمال حیرت ہے کہ ایسی بے بس ہستیوں کو معبود کے درجہ پر رکھا جائے! ۲۸۵ؔ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ اگر تم انہیں اس غرض سے پکارو کہ یہ تمہیں کوئی راہ بتلائیں، تو تمہارا کہنا یہ نہ کرسکیں یعنی راہ نہ بتلاسکیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اگر تم انہیں اس لیے پکارو کہ تم انہیں راہ دکھلا دو تو یہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں یعنی ہدایت پر عمل نہ کرسکیں۔ تدعوهم میں خطاب مشرکین سے ہے اور ضمیر هم اصنام کی جانب ہے۔ قیل الخطاب للمشرکین وهم ضمیر الاصنام (بیضاوی)

۲۶۹ (اور گرفت ہمیشہ فوراً ہی نہیں کرتا) مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ - اللہ کی طرف سے یہ اضلال، جیسا کہ بارہا پہلے آچکا ہے، بندہ کے عدم طلب ہدایت کے نتیجہ کے طور پر ہوتا ہے۔ ۲۷۰ (علم و واقفیت کے لیے نہیں، بلکہ تمسخر و استہزار کی راہ سے) منکرین کے اس سوال میں سنجیدگی ذرا بھی نہ ہوتی۔ محض تمسخر مقصود ہوتا۔ کانوا یسئلون عن وقت الساعة استبعادًا لوقوعها وتكذيبًا لوجودها (ابن کثیر) ۲۷۱ اور وہ ظاہر کرنا یہی ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی) التجلية اظهار الشئ (قرطبی) عِلْمُهَا - یعنی اس کے وقت وقوع کا تفصیلی علم۔ اِنَّمَا اس کلمہ حصر نے صاف کر دیا کہ اس علم میں کوئی بھی مخلوق، نبی ہو یا فرشتہ باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔

يَعْمَهُوْنَ ﴿١٨٦﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ

چھوڑے رکھتا ہے ۲۶۹ یہ لوگ آپ سے قیامت کی بابت دریافت کرتے ہیں ۲۷۰ کہ اس کا وقوع کب ہوگا

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا

آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس میرے پروردگار ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اسے کوئی نہ ظاہر

هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا

کریگا بجز اُس (اللہ) کے ۲۷۱ بھاری (حادثہ) ہے وہ آسمانوں اور زمین میں وہ تم پر محض اچانک ہی آ

بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

پڑے گی آپ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو (اس طرح کہ) گویا آپ اس کی تحقیق کر چکے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ

عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٧﴾

اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (یہ بھی) نہیں جانتے ۲۷۲

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ہی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ

اللہ چاہے ۲۷۳ اور اگر میں غیب کو جانتا رہتا تو (اپنے لیے) بہت سے نفع حاصل کر لیتا ۲۷۴ اور کوئی

مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ

مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی ۲۷۵ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

ایمان رکھتے ہیں ۲۷۶ وہ وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہیں ایک جان واحد سے پیدا کیا ۲۷۷

معانقة

ع ۷ ۲۳ ۱۳

انجیل تک میں یہ قول موجود ہے:۔ "اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ (متی ۲۴: ۳۶)

اَيَّان - حتّٰی کے معنیٰ میں ہے۔ متٰی کے معنیٰ میں بھی لیا گیا ہے۔ عبارة عن وقت الشئ ويقارب معنىٰ متٰى (راغب)

لِوَقْتِهَا - ل یہاں فی کے معنیٰ میں ہے۔ ای فی وقتها (قرطبی)

۲۷۲ جاہل منکرین حشر کے استدلال میں ترتیب مقدمات یہ تھی کہ جب آپ رسالت کے مدعی ہیں تو علم غیب بھی آپ کو ضرور ہی ہوگا اور جب علم غیب ہے تو وقوع قیامت کا تفصیلی علم بھی آپ کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے اگر یہ علم نہیں رکھتے تو آپ کا دعوائے رسالت بھی صحیح نہیں —— کھلی ہوئی غلطی اس استدلال میں یہ تھی کہ غیب دانی کو کوئی جزو منصبِ رسالت کا فرض کر لیا گیا تھا۔ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا وقت قیامت کے علم کی یہ مکرّر اور تاکیدی نفی اُن تمام ظنی و تخمینی معلومات کی تردید و تغلیط کر رہی ہے جو دنیا کی مُدت عمر سے متعلق عوام میں کبھی کسی اور کبھی کسی کے حوالہ سے مشہور ہوتے رہتے ہیں۔ فی هٰذه الاٰية دليل على بطلان قول من يدعى العلم ببقاء مدة الدنيا (جصاص) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. یعنی اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے کہ وقت قیامت کا تفصیلی علم ہرگز لازمۂ نبوت نہیں۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - یعنی وہ ایسا پُرہیبت و عظیم الشان واقعہ ہے کہ آسمان و زمین کوئی بھی اس کی برداشت کی قوت نہیں رکھتے، سب اُس وقت ٹوٹ پھوٹ کر رہیں گے۔ قال قتادة وغيره المعنى لاتطيقها السمٰوٰت والارض لعظمها (قرطبی)

۲۷۳ (اور جس امر میں اس کی مشیت مجھے اختیار دینے کی مقتضی نہیں ہوئی، اس میں ہر بشر کی طرح میں بھی بالکل عاجز و بے بس ہوں) ——

۲۷۴ لیکن چونکہ میرا علم کامل و محیط نہیں اس لئے نفع تکوینی کے بہتیرے مواقع ہاتھ سے جاتے ہی رہتے ہیں) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نصِ ہٰذا اس باب میں کہ قدرت مستقل اور علم محیط مقبولین سے بھی منفی ہیں اور جہلا۔ اپنے مشائخ سے کس کس طرح اس کا گمان رکھتے ہیں۔ ۲۷۵ (حالانکہ تکوینی حیثیت سے مجھے بھی مضرتیں حسب مشیت الٰہی واقع ہوتی رہتی ہیں) پیمبر بھی کبھی بیمار پڑتے ہیں کبھی مالی نقصان اُٹھاتے ہیں۔ وقس علی ہذا۔ اور یہ امُور ان کے کمال نبوت میں ذرا بھی قادح نہیں ہوتے۔ ۲۷۶ (تو اس لیے میں علوم شرعی اور احکامِ شرعی سے تو خوب بہرہ ور کر دیا گیا ہوں باقی اُمُور تکوینی کے علم کامل کی توقع ہی مجھ سے کیوں کی جاتی ہے؟) ۲۷۷ یعنی حضرت آدمؑ سے۔ نہ کہ متعدد مُورثوں سے۔ وال جمهور المفسرين المراد بالنفس الواحدة آدم (قرطبی) خَلَقَكُمْ۔ میں ضمیر نوع انسان کی جانب ہے یعنی کل نسلِ انسانی ایک ہی ابوالبشر کی اولاد میں ہے۔ یہ نہیں کہ مختلف قوموں، نسلوں، قبیلوں کے مورث اعلیٰ بھی الگ الگ ہوں۔

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ

اس کا بدلہ ملیگا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں٢٦١، اور ہم نے جن کو پیدا کیا ہے ان میں سے ایک جماعت ایسی

بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

ہے جو حق کے مطابق (لوگوں کو) ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں٢٦٢، اور جو لوگ ہماری

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي

نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں، انہیں ہم رفتہ رفتہ لیے جارہے ہیں اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی٢٦٣، اور

لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ

میں انہیں مہلت دیتا رہتا ہوں، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے٢٦٤، کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا، انکے

مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا

ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں٢٦٥ کیا ان لوگوں نے آسمانوں

فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ

اور زمین کی حکومت پر نظر نہیں کی اور اس پر جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس پر بھی٢٦٦ اور

مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ

اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی

أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ مَنْ

ہو٢٦٧ غرض یہ کہ اس (قرآن) کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟٢٦٨ جسے اللہ

يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ

گمراہ کردے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا

٢٦١ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ۔ یعنی جو لوگ اللہ کے اسماء و صفات میں الحاد سے کام لیتے رہتے ہیں انہیں چھوڑے رہو۔ ایسوں سے بالکل بےتعلق ہو لیکن خود الحاد فی الاسماء کیا چیز ہے؟ الحد کے لفظی معنی کجروی کے یا انحراف کے ہیں۔ اور یلحدون فی اسمائہ کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ جو صفات موصوف میں نہ موجود ہوں یا جو اس کے مرتبہ کے خلاف ہوں۔ انہیں اس کی جانب منسوب کردیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو صفات اس موصوف میں ہوں۔ اُن میں خواہ مخواہ دوسروں کو شریک کرلیا جائے۔ والالحاد فی اسمائہ علیٰ وجھین احدھما ان یوصف بما لایصح وصفہ بہ والثانی ان یتأول اوصافہ علیٰ ما لایلیق بہ (راغب) یہاں ممانعت دونوں چیزوں کی ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کو اس کے کمالات سے خالی سمجھو اور نہ اس کے کمالات میں دیوی، دیوتاؤں اپنے من گڑھت معبودوں کو شریک کرو۔ لِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ۔ اللہ کے اسماء حسنیٰ اس کے صفات کمال کے حامل ہیں۔ اور یہ وہ مخصوص نام ہیں جن کا اسماء الٰہی ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ یونان وغیرہ کے بعض مشرک فلسفیوں کا قول ہے کہ ذات الٰہی کی نہ کوئی صفت ہے اور نہ کوئی اس کا نام۔ اکابر یہود بھی اس مہمل فلسفہ سے متأثر ہوگئے تھے۔ یہاں ان کی تردید بھی مدِنظر ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ الاسماء الحسنیٰ سے مراد صفاتِ کمالیہ بھی ہیں۔ المراد بھا الالفاظ وقیل الصفات (بیضاوی)

٢٦٢ یعنی ہماری مخلوق میں سب کے سب ہی گمراہ نہیں۔ ایک جماعت اہلِ حق کی بھی ہے۔ جو دوسروں کو دینِ حق کے مطابق ہدایت کرتی رہتی ہے اور خود بھی بندوں کے ساتھ معاملات میں اسی قانونِ حق کے ماتحت برتاؤ کرتی رہتی ہے۔

٢٦٣ پھر جب ان لوگوں کو آخری منزل جہنم معلوم ہوگئی تو ان کی ظاہری فلاح سے یا مادی چمک دمک سے دھوکا کھانا ہی کیا معنیٰ؟ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔ یعنی چپکے چپکے انہیں جہنم کی طرف لیے جارہے ہیں۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ۔ یعنی انہیں اصل منزل مقصود کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور اپنی شامت سے ہمیشہ دوسرے اسباب کے اُلجھاوے میں پڑے رہتے ہیں۔

٢٦٤ اور خدائی تدبیر کی مضبوطی یہی ہے کہ کافروں کو ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے۔ اعمال موجب عذاب پر عذاب دنیوی معاً نہیں نازل ہوجاتا۔ اور گرفت فوراً نہیں ہوتی۔ مجرم کو یہ غرّہ ہوجاتا ہے کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں اور اس لیے جرأت عصیاں اور بڑھتی جاتی ہے۔

٢٦٥ (منکروں کو کہ جو قانون الٰہی کی نافرمانی کریں گے۔ وہ عذابِ الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے) أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا۔ اشارہ رسول اللہ صلعم کے معاصر منکرین کی طرف ہے۔ صاحبہم یعنی تمہارے ہر وقت کے ساتھی رسول اللہ صلعم جن کے مزاج و سیرت و اوضاع و اطوار اخلاق و معاملات کی تم ہر طرح جانچ و پڑتال کرسکتے ہو۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ۔ یعنی شائبہ جنون ہوتا تو کجا وہ تو ایسے ایسے کمالات کے مالک ہیں کہ ایک دنیا ان پر دنگ رہ گئی ہے۔ ورکمال ہے تمہیں کہ تم انہیں مجنون قرار دیے چلے جارہے ہو۔ ٢٦٦ اگر اس غور و فکر سے انہیں توحید کا علم استدلالی حاصل ہوجاتا۔ ٢٦٧ اگر اس مراقبہ استحضار موت سے احتمال عذاب سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے) ٢٦٨ (کہ سب سے زیادہ مؤثر و بلیغ کلام تو یہی ہے) بعدہٗ میں ضمیر قرآن مجید ہی کی طرف ہے۔

۲۵۶ف یہاں یہ صاف کر دیا کہ مقصود کسی فرد متعین کی تاریخ یا سیرت کو سُنانا نہیں بلکہ کل منکرین، مکذبین، مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا اور اس سے عبرت دلانا ہے۔ اے مومنل جمیع الکفار (قرطبی) **۲۵۷ف** آیاتِ الٰہی کی تکذیب سے شامت زدہ انسان نقصان کسی اور کا نہیں، خود اپنا ہی کرتا ہے۔ اسی حقیقت کا یہاں ایک بار پھر اعادہ ہے۔ **۲۵۸ف** اور اللہ کا کسی کو بے راہ کرنا خود بخود نہیں ہوگا۔ بلکہ بندہ کے قصد ضلالت پر محض نتیجہ کے طور پر مرتب ہوگا۔ **۲۵۹ف** یعنی ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو نہ قصد اور طلب ہدایت کی کریں گے۔ اور نہ ہدایت انہیں نصیب ہوگی اس لئے لامحالہ اُن کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف اِس فعل کا انتساب محض تکوینی حیثیت سے یعنی بطور علۃ العلل کے ہے نہ یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی یہ ہے لِجَھَنَّمَ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کی غرض آفرینش یہ نہیں بلکہ وہ اعمال ایسے اختیار کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہو کر رہیگا۔ واللام للعاقبۃ عند الکثیر (روح)۔ توریت وانجیل، دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے:۔ ”شریر ہلاکت کے دن کے لیے رکھ چھوڑا گیا ہے“۔ (ایوب ۲۱ : ۳۰) ”خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لیے بنائی ہاں شریروں کو بھی اُس نے بُرے دن کے لیے بنایا“۔ (امثال ۱۶ : ۴) ”یہ لوگ بے عقل جانوروں کی مانند ہیں جو پکڑے جانے اور ہلاک ہونے کے لیے حیوان مطلق پیدا ہوئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنی خرابی میں خود خراب کیے جائیں گے“۔ (۲ پطرس ۲ : ۱۲) **۲۶۰ف** یعنی عقل سے کام لینے میں اور فکر آخرت رکھنے سے بے پروا رہتے ہیں۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ کیونکہ چوپائے تو ہدایت کے مکلف ہی نہیں یہ مکلف ہونے پر بھی اس قدر بے توجہ ہیں جو لوگ انسان انسان کو بلا قید کفر واسلام مساوی سمجھتے ہیں وہ دیکھیں کہ قرآن نے کافر کا درجہ مراتب انسانیت میں کتنا پست رکھا ہے کہنا چاہیے کہ اسے دائرۂ انسانیت ہی سے خارج کر دیا ہے۔ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ یعنی یہ لوگ دل، آنکھ اور کان سے حق کے سوچنے سمجھنے حق کے دیکھنے بھالنے، حق کے سننے سنانے کا کبھی کام ہی نہیں لیتے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ۔ ایک مضمون توریت میں اس سے ملتا جلتا ہوا ملتا ہے:۔ ”بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ ۔ ۔ ۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے یہ لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ (یسعیاہ ۱ : ۳) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت کا مدلول لفظی تو یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب ہوتی ہے دوزخ کا لیکن مدلول قیاسی یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب بن جاتی ہے شہوات وحرص دنیا کے جہنم کی جیسا کہ ذکر الٰہی سبب بن جاتا ہے دنیا میں جنت قناعت وانوار کا۔ اور یہ دونوں مشاہدات دنیا میں برابر ہوتے رہتے ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (١٧٦) سَآءَ مَثَلًا ِۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ

شاید کہ لوگ سوچیں ۲۵۶ف (کیسی) بُری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ (١٧٧) مَنْ

ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں ۲۵۷ف جسے اللہ

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ

راہ دکھائے بس وہی راہ پانے والا ہے اور جسے وہ بے راہ کرے سو یہی لوگ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (١٧٨) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ

نقصان اُٹھانے والے ہیں ۲۵۸ف اور بیشک ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنات

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ

اور انسان پیدا کیے ہیں ۲۵۹ف ان کے دل ہیں (مگر) یہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں اور ان کے آنکھیں ہیں

اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ

(مگر) اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں (مگر) اُن سے سنتے نہیں

بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ

یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں یہی لوگ

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (١٧٩) وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠

تو غافل ہیں ۲۶۰ف اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے (مخصوص) نام ہیں سو انہی سے اُسے

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا

پکارو اور اُن لوگوں کو چھوڑے رہو جو اُس کے صفات سے کجروی کرتے رہتے ہیں ضرور انہیں

۲۴۹ (اور ہم پر اس کی ذمہ داری ہی نہیں عاید ہوتی) عَنْ هٰذَا یعنی اس عقیدہ ربوبیت اور عقیدۂ توحید سے) شَہِدْنَا ۔ یہ قول بلیٰ کے تسلسل میں ذریت آدم ہی کی زبان سے ہے ۔ شہدنا من
بقیة کلام الذریة (کبیر) قال ابن عباس واُبَیّ بن کعب قوله شهدنا هو من قول بنی آدم (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ اعتراف توحید اُن کے دل میں اُتر گیا اور یہ نقش ان کی فطرت میں جم گیا۔
اے نصب لهم دلائل ربوبیته ورکّب فی عقولهم ما یدعوهم الی الاقرار بها حتّٰی صاروا بمنزلة من قیل لهم الست بربکم قالوا بلیٰ فنزل تمکینهم من العلم بها و تمکنهم
منه بمنزلة الاشهاد والاعتراف علیٰ طریق التمثیل (بیضاوی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ شَہِدْنَا کلامِ باری تعالیٰ ہے اور بلیٰ کا تتمہ نہیں بلکہ مستقل عبارت ہے یعنی بنی آدم کے اس میثاق توحید
حق تعالیٰ کی شہادت ۔ هو خبر من الله عن نفسه وملائکته (ابن جریر۔ عن السدی) وقد قیل ان قوله شهدنا من قول الله تعالیٰ والملائکة والمعنیٰ فشهدنا علیٰ اقرارکم قاله ابو مالک

الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ
کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے ۲۴۹ یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے
اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ
باپ دادا پہلے ہی سے کرتے آئے اور ہم تو اُن کے بعد اُن کی نسل میں ہوئے تو کیا تو ہلاک کر دے گا
اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
ہمیں (اصلی) اہل باطل کے کرتوت کی بنا پر ۲۵۰ اور ہم اسی طرح نشانیاں کھول کھول کر
الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ
بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگ) لوٹ آئیں ۲۵۱ اور اُن لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے
اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ
جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں پھر وہ اُن سے بالکل نکل گیا سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور
مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ
وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا ۲۵۲ اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ اُن (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا
اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ
کر دیتے ۲۵۳ لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا ۲۵۴ سو اس
تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ
کی مثال کُتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اُسے چھوڑے رہ (جب بھی) ہانپے ۲۵۵
الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ
یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، سو آپ بیان کیجیے (یہ حالات

وروی عن السدی ایضاً (قرطبی) قَالُوْا بَلٰی یہ اقرار خالق گویا ان پر
واجب ہو گیا ہے ۔ اے ان ذالك واجب علیهم (قرطبی) اَنْ تَقُوْلُوْا۔
یعنی تاکہ کہیں یہ نہ کہنے لگو۔ ای کراهة ان تقولوا (بیضاوی)
۲۵۰ یہاں قرآن نے گویا تصریح کر دی کہ نسلِ انسانی کا اصل اور ابتدائی
دین توحید ہے اور شرک بہت بعد کی پیداوار ہے ۔ "دانایانِ فرنگ" ابھی
چند سال اُدھر کی بات ہے کہ زور دے دے کر اس کے برعکس کہہ رہے تھے کہ نسل
انسانی کا ابتدائی دین شرک ہے، اور توحید تک تو انسان بہت بعد کو رفتہ رفتہ پہنچا ہے لیکن اب ان کے ماہرین فن (Ethnologists.) کی آنکھیں
کھلی ہیں اور اب علانیہ اقرار ہونے لگا ہے کہ انسان کا ابتدائی دین توحید ہی تھا۔
ملاحظہ ہوں حاشیے انگریزی تفسیر القرآن کے۔ ۲۵۱ (دین توحید کی
طرف اور باز آجائیں کفر و شرک سے) ۲۵۲ ایسا کوئی شخص حقیقۃً سلف
میں گزر چکا ہے۔ کون تھا؟ کہاں کا تھا؟ کب تھا؟ یہ متعین نہیں اور جب قرآن اس
بارہ میں ساکت ہے تو کسی فرد کی تعیین پر اصرار صحیح ہی نہیں ۔ ایک گروہ کا خیال
ہے کہ اشارہ رسول اللہ کے معاصر اُمیّہ بن ابی الصلت کی جانب ہے۔ وهو
صاحبکم امیه بن ابی الصلت (ابن جریر۔ عن ابن عمر) ایک گروہ
کی رائے میں اشارہ عہد بنی اسرائیل کے مشہور زاہد بلعم باعور کنعانی کی طرف ہے۔
هو بلعم بن باعوراء (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) رجل من بنی اسرائیل
یقال له بلعم (ابن جریر۔ عن ابن مسعودؓ) قال آخرون کان من الکنعانیین
(ابن جریر) قال ابن مسعودؓ وابن عباسؓ هو بلعام بن باعوراء (قرطبی)
اسی بلعم باعور کا ذکر توریت میں بھی ہے ۔ (گنتی ۔ باب ۲۲ ۔ باب ۲۳ ۔ باب ۲۴)
بہرحال اشارہ جس بھی فرد متعین کی طرف ہو اہل تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ مثال عام
ہے اور ہر اُس شخص پر صادق آتی ہے کہ جو دینِ حق کی نعمت پا چکنے کے بعد پھر
اس کا تارک ہو گیا ہو۔ قتادہ۔ عکرمہ وغیرہ تابعین اور اکثر مفسرین کا مسلک
یہی ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ الخ یعنی ایک ایسے شخص کا حال بہ طور
مثال و نظیر پڑھ کر سنائیے ۔ اَلَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا ۔یعنی اسے اپنے
احکام علم کی نعمت ہم نے عطا کی تھی ۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا یعنی اُس نے
ان نعمتوں کی قدر نہ کی بلکہ تمرد و سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ ضمیر ھا، آیات کی طرف
ہے۔ اے من معرفة الله تعالیٰ اے نزع منه العلم الذی کان
بعلمه (قرطبی) فانسلخ من الاٰیات (مدارک) فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ ۔ سو شیطان اُس پر مسلط ہو گیا۔ انسان جب اپنے ارادہ سے فسق اختیار کرتا ہے تو شیطان لازمی طور پر اُس سے مستقل رفاقت پیدا کر لیتا ہے:
محدث طیبی نے لکھا ہے کہ جو شخص اس مثال میں غور کرے گا اس پر روشن ہو جائے گا کہ علماء سوء اس سے بھی ابتر حالت میں ہیں مال وجاہ دنیوی اور اس کی لذتوں میں پھنسے ہوئے۔ عن الطیبی ان من تفکر فی
هذا المثل تحقق له ان علماء السوء اسوءُ واقبح من ذالك (روح) ۲۵۳ یعنی بہرحال وبہرصورت اُسے ان آیات پر عمل کی توفیق دیتے ہی رہتے۔ لَوْ شِئْنَا ۔یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی
یہی ہوتی کہ ہم بندہ کے ارادہ میں دخل دے کر اُسے بہ جبر سیدھی راہ پر ڈال دیا کرتے ۔ لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ۔ بھا کے معنی بالعمل بها کے کئے گئے ہیں۔ اے بالعمل بها (قرطبی) ۲۵۴ یعنی عقیدہ و
عمل کا معیار بجائے وحیٔ الٰہی کے اپنی ہوائے نفس کو بنا لیا۔ وَلٰکِنَّهٗ یعنی یہ قانون تکوینی تو ہم نے رکھا ہی نہیں۔ چنانچہ ——— اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وہ اپنے قصد و اختیار سے دنیا کی پستیوں کی طرف جھک گیا
اے مال الی زینة الحیٰوة الدنیا وزهرتها (ابن کثیر) رای الی شهوات الدنیا ورغب فیها (بحر) ۲۵۵ تشبیہ پریشانی و پریشان خاطری کے لحاظ سے ہے، یعنی ایسے شخص کو
راحت کسی حال میں بھی نہیں۔ پریشانی، ذلت اس کے نصیب میں دائمی طور پر آگئی۔ کفر و ارتداد پر جو یہاں ذلت و پریشانی کو مرتب فرمایا گیا، تو آخرت میں تو اس کا تحقق ظاہر ہی ہے۔ دنیا میں بھی اگر قلب کو ٹٹولا جائے
تو اہل حق کی سی عزت و راحت نصیب نہیں ہوتی خصوصاً ارتداد کی حالت میں۔ هذا المثل فی قول کثیر من اهل العلم بالتاویل عام فی کل من اوتی القراٰن فلم یعمل به وقیل هو فی کل منافق (قرطبی)

۲۴۳ (اس کتاب آسمانی کے مضامین کے عوض میں) یہ بیان ہو رہا ہے یہود کے کسب مال رشوت خواری وبدیانتی کا پیسہ کے لیے حریص ہیں کہ اپنی ہدایاتِ آسمانی تک اس کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں حالانکہ اُن کی شریعت اس باب میں اتنی سخت ہے کہ رشوت اور خیانت تو الگ رہی ہدیہ تک اس میں ممنوع ہے۔ "تو ہدیہ نہ لینا کیونکہ ہدیہ دانشمندوں کو اندھا کر دیتا ہے اور صادقوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے۔ (خروج ۲۳: ۸) خَلْفٌ (بسکون لام) کے معنی نالائق وارث کے ہیں۔ المتاخر بقصور منزلتہٖ یقال لہ خَلْفٌ (راغب) قال ابن الاعرابی الخلف بالفتح الصالح وبالجزم الطالح (قرطبی) فخلف بالاسکان فی الذم وخلف بالفتح فی المدح هذا هو المستعمل المشهور (قرطبی) قیل ان الاغلب فی خلف بتسکین العین انه للذم (جصاص) عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی - عرض کے لفظ سے مال کے مفہوم میں پہلو بے ثباتی اور زود فنائی کا بھی آگیا۔ اور یہاں مراد رشوت سے لی گئی ہے جو انہیں احکامِ دین میں تحریف پر ملتی تھی۔ وروی ان معناہ الرشوة علی الحکم (جصاص) المراد ما کانوا یاخذونہ من الرشا فی الاحکام علی تحریف الکلام (کبیر) وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۔ یہ اشارہ یہود کی طمع غلیظ اور رشوت خواری وغیرہ کی جانب ہے۔ والاشارة فی هذہ الاٰیة الی الرشا والمکاسب الخبیثة (قرطبی) يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی - یعنی اپنی طمع غلیظ کے آگے ہر سامانِ دنیوی پر گرے پڑتے ہیں

يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ

کتاب میں اس کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ پر کوئی بات نہ گڑھیں ہاں صرف حق کہیں ۲۴۴ اور

اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ

انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں ہے اور آخرت ہی کا گھر اُن لوگوں کے حق میں بہتر

لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ١٦٩ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ

ہے جو ڈرتے رہتے ہیں سو کیا وہ عقل سے کام ہی نہیں لیتے ۲۴۵ اور جو لوگ کتاب (آسمانی) کے پابند

بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (سو) ہم اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اپنی اصلاح

الْمُصْلِحِيْنَ ١٧٠ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ

کر چکے ہوتے ہیں ۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے اُن کے اوپر پہاڑ معلق کر دیا تھا اس طرح کہ گویا وہ

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا

سائبان ہے اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ ان کے اوپر گرا ہی چاہتا ہے (اور فرمایا تھا کہ جو (کتاب)

مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ١٧١ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ

ہم نے تم کو دی ہے اُسے مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو اور یاد رکھو جو کچھ اُس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۲۴۷ اور

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ

(اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولادِ آدم کی پشت سے انکی نسل کو پیدا کیا اور خود انہی کو انکی جانوں کا

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ

گواہ کیا ۲۴۸ اور (کہا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے ضرور ہیں ہم گواہی دیتے ہیں (یہ) اسلیے ہوا کہ کہیں تم قیامت

العرض متاع الدنیا واخبر عنهم انهم یاخذون ما یعرض لهم من متاع الدنیا لشدة حرصهم ونهمهم (قرطبی) يَاْتِهِمْ میں ضمیر یہود مدینہ معاصرین رسول اللہ کی جانب ہے۔ یعنی جیسے اُن کے اسلاف مالِ حرام کے حریص تھے ویسے ہی یہ بھی ہیں۔ ای ان یات یهود یثرب الذین کانوا علی عهد النبی صلعم عرض مثله یاخذوه کما اخذ اسلافهم (قرطبی) يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۔ یہود کو اپنی نجات ومغفوریت پر گھمنڈ اپنے اُسی غرور نسب وفخر نسل کی بنا پر تھا۔ پارۂ اول کی آیت لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً اور دوسری متقارب المعانی آیتوں کے ماتحت حاشیے گزر چکے۔ مفسر آلوسی بغدادی نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عبرت کے لیے ڈیڑھ سو سال کے بعد آج کے اہل ہند کے سامنے بجنسہٖ پیش کر دیا جائے۔

هٰذا حال کثیر من المتصوفة فی زماننا فانهم یتهافتون علی شهواتٍ تهافة الفراش علی النارِ ویقولون ان ذالك لا یضرنا لانا واصلون. وحکی عن بعضهم انه یاکل الحرام الصرف ویقول ان النفی والاثبات رافع ضررہ وهو خطأ فاحشٌ وضلال بین اعاذنا الله تعالیٰ من ذٰلك (روح)

یہی حال ہمارے زمانے کے بکثرت صوفیہ کا ہے شہوات ولذاتِ دنیوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو مضر نہیں اس لئے کہ ہم واصل ہیں اور کسی کسی کی بابت تو یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ خالص حرام کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ ذکر نفی واثبات اس کے ضرر کو دفع کر دیتا ہے۔ یہ لغزش صریح اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

۲۴۴ توریت موجودہ کے صرف چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ "تو ہر ایک بات پر جس کا حکم میں تمہیں دیتا ہوں دھیان رکھ کے عمل کیجیو تو اس سے زیادہ نہ کرنا اور نہ اس سے کم کرنا" (استثنا ۱۲: ۳۲) "تم اس کلام میں جو تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو" (استثنا ۴: ۲) "فقط تو مضبوط ہو اور خوب دلاوری کرنا تاکہ تو اس سب شریعت کے موافق جس کا میرے بندہ موسیٰ نے تجھکو حکم کیا کہ دھیان کرکے عمل کرے اس سے دہنے یا بائیں ہاتھ کو مت پھر تاکہ تو ہر جگہ جہاں جہاں تو جاتا ہے کامیاب ہو" (یشوع ۱: ۷) مِيْثَاقُ الْكِتٰبِ ۔ اس ترکیب اضافی میں اضافت فی کے قائم مقام ہے یعنی المیثاق المذکور فی الکتاب۔ ای المیثاق المذکور فی الکتاب (کشاف) الاضافة بمعنیٰ فی (جلالین)

۲۴۵ (اس لیے کہ عقل سے ذرا بھی کام لیں تو یہ حقائق ان پر خود روشن ہو کر رہیں) وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۔ یعنی یہ لوگ اس مضمون سے خوب واقف بھی ہو چکے ہیں۔ اور اس لیے ناواقفیت کا عذر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔ یعنی جو لوگ اللہ سے تقویٰ اور خشیت اختیار کیے رہتے ہیں اور عقاید کفر و اعمال فسق سے پرہیز کیے رہتے ہیں۔

۲۴۶ (چنانچہ جو لوگ اس معیار پر پورے اُتر جاتے ہیں وہ یقیناً اپنا صلہ دنیا و آخرت دونوں عالموں میں پاکر رہتے ہیں) یہاں یہ بتلا دیا کہ اپنی اصلاح کے اہم ترین اجزاء یہ دو ہیں ایک کتاب آسمانی کے احکام کی تعمیل دوسرے نماز کی پابندی۔ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ ۔ اور "کتاب" میں رسول اسلام پر ایمان لانے کا حکم بھی درج ہے تو تمسك بالكتب بغیر اسلام کی حلقہ بگوشی کے ممکن نہیں۔ الْكِتٰبِ سے اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد توریت سے ہے۔ ای بالتوراة (قرطبی) اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۔ اقامت صلوٰۃ کا حکم تو تمسک بالکتب میں شامل ہی ہے۔ پھر الگ سے جو اس کا تصریحاً ذکر ہے تو اس حکم کی عظمت خاص وامتیاز کے اظہار کے لیے ہے۔ اظهار العلو مرتبة الصلوٰة وانها اعظم العبادات بعد الایمان (کبیر)

۲۴۷ (جیسا کہ ہر صالح موحد قوم کو ہونا چاہیے) اس رفع طور پر حاشیے سورۂ البقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اور توریت میں اہم ترین تعلیم توحید کی تھی۔ ظَنُّوْٓا ظن۔ یہاں گمان وخیال کے معنی میں نہیں علم ویقین کے معنی میں ہے۔ قال المفسرون ای علموا وایقنوا (کبیر) ای ایقنوا (مدارک)

۲۴۸ (بقدر ضرورت انہیں سمجھ عطا کرکے) واقعہ عالم ارواح کا بیان ہو رہا ہے۔ اوپر ذکر بنی اسرائیل کے میثاق توحید کا تھا۔ اور اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کو بار بار اُن کا میثاق توحید یاد دلایا جا چکا ہے۔ اس سوال ہو سکتا تھا کہ اسرائیلی میثاق دنیا کی غیر اسرائیلی آبادی کے لیے کیونکر حجت بن سکتا ہے؟ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ توحید کا عہد تو ساری نسل انسانی سے لیا جا چکا ہے اور توحید شناسی توحید پرستی انسان کی فطرت میں راسخ کی جا چکی، اور بشر کی سرشت میں رچی جا چکی ہے۔ فطرت اگر مسخ نہیں ہو چکی ہے تو ایک خالق ورازق ومربی کا اعتراف ہر فطرت سلیم کا جزو ہے۔ هی عامة لجمیع الناس لان کل احد یعلم انه کان طفلاً فغذی وربی وان له مدبرا وخالقا (قرطبی) مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب پہلے پشتِ آدم سے نسل آدم وجود میں آ چکی ہے۔ من ظهورهم ترکیب میں من بنی ادم سے بدل اشتمال ہے۔ بدل اشتمال من قوله من بنی ادم و ... الفاظ الاٰیة تقتضی ان الاخذ انما کان من بنی ادم (قرطبی)

۲۳۸ عذابِ الٰہی کی یہ خصوصیت بار بار بیان کرنے کے قابل ہے (بار بار اس لئے کہ لوگ اسے بھول بھول جاتے ہیں) کہ اس میں گنہگار اور بے گناہ سب نہیں صرف گنہگار ہی مبتلا کئے جاتے ہیں
اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ۔ یعنی جو لوگ راہِ ہدایت پر قایم رہے اور اس کی تلقین دوسروں کو کرتے رہے۔ وہ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہے۔ ۲۳۹ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ
پارۂ اوّل رکوع ۸ میں گزر چکا۔ ۲۴۰ اور یہ سزا دنیا میں اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور گستاخیوں کی پاداش میں مقرر ہوئی ہے) اس کا مشاہدہ آج تک (۱۹۴۶ء تک) ہو رہا ہے جرمنی میں ابھی
کل تک اُن پر جو قیامت برپا رہی وہ اظہر من الشمس ہے۔ باقی یُوں بھی بنی اسرائیل اس دنیا کے پردہ پر کسی خطہ و علاقہ میں مطمئن نہیں، رُوس، برطانیہ، فرانس، امریکہ کوئی بھی ان کا دوست اور مخلص نہیں

يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ
اسلئے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے ۲۳۸ پھر جب وہ اس چیز کی حد سے نکل گئے جس سے وہ روکے گئے
كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ
تھے ہم نے اُن سے کہدیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ ۲۳۹ اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ
عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ
ان (یہود) پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھیگا جو انہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا ۲۴۰
إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾
بیشک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے، بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۴۱
وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَ
اور زمین پر ہم نے انہیں مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا اُن میں سے بعض نیک بھی تھے اور اُن میں سے (بعض)
مِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ
اس کے علاوہ بھی اور ہم انہیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا
باز آجائیں ۲۴۲ پھر اُن کے بعد اُن کے جانشین ہوئے ایسے نالائق (لوگ) کہ کتاب کو
الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ
تو اُن سے حاصل کیا (لیکن) اس دُنیا کا مال لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری تو ضرور مغفرت ہوجائے گی اور
سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ
اگر اُن کے پاس ویسا ہی مال (پھر) آجائے تو اُسے (بھی) پالیں ۲۴۳ کیا اُن سے

ہر ایک موقع پاکر انہیں پیس ہی ڈالنا چاہتا ہے اور مشہور عالم دولت و ثروت کے باوجود یہ قوم آج تک مقہور ہی چلی آرہی ہے۔ عَلَيْهِمْ ضمیر ھم کس کی جانب ہے؟ قول جمہور یہ ہے کہ اس سے عہدِ نبوی کے معاصر یہود مراد ہیں اُنہی کو یہ خبر پہنچا دینا مقصود ہے کہ اگر اب بھی ایمان نہ لائے تو بس حشر تک اس دنیا میں ذلت و خواری کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ رہنا ہے۔ قال الاکثرون ھذہ الآیۃ فی الیھود الذین ادرکھم الرسول صلعم ودعاھم الی شریعتہ وھذا اقرب (کبیر) لیکن خود سیاقِ قرآنی اس خیال کی تائید میں ہے کہ یہ وعید اُنہی قدیم سنبت شکن یہود کو سنائی جا رہی ہے کہ تم نے اگر اپنی اصلاح حال نہ کرلی تو قیامت تک محکومیت کے دنیوی عذاب میں مبتلا رکھے جاؤ گے۔

توریت کے بھی بعض بیانات اسی مضمون کے ملاحظہ ہوں:- ”اگر تم میرے سننے والے نہ ہو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو . . . اور مجھ سے عہد شکنی کرو، تو میں بھی تم سے ایسا ہی کروں گا۔ . . . اور میرا چہرہ تمہارے خِلاف ہوگا، اور تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کئے جاؤ گے۔ اور جو تمہارا کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے۔ (احبار ۲۶: ۱۴-۱۷)“ ”تیرے بیٹے اور عزیز بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی، اور تیری آنکھیں دیکھیں گی۔ اور سارے دن ان کی راہ تکتے تکتے تھک جائیں گی۔ اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہوگا۔ (استثناء ۲۸: ۳۲)

۲۴۱ (تائبوں کے حق میں) بدکار نافرمان قومیں مایوس نہ ہوں۔ ان کے لیے اب بھی توبہ و رجوع کے بعد اللہ کے غفور رحمت سے پوری طرح استفادہ کا موقع باقی ہے اور یہود کے لئے تو اس میں خاص بشارت کا اشارہ نکلتا ہے کہ اگر وہ اپنی اسلام دشمنی سے باز آگئے تو اللہ کی رحمت اُن کی پوری دستگیری کو موجود ہے۔ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۔ اس کی اس صفت کا ظہور صرف مجرموں اور عادی مجرموں کے حق میں ہوتا ہے۔ ۲۴۲ (اپنی مجرمانہ حرکتوں سے، اور ایمان و اطاعت کی طرف لوٹ آئیں) ای لیرجعوا عن کفرھم (قرطبی)
یُرید کی یتوبوا (کبیر) بَلَوْنٰهُمْ ۔ ضمیر جمع افراد کی طرف نہیں بلکہ مجموعاً قوم یا اُمّت کی طرف ہے۔ قومی خوشحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم معزز ہو، دولتمند ہو، صحیح، تندرست ہو، قومی بدحالی
کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم محکوم و ماتحت ہو، ذلیل و ضعیف ہو، مفلس و تنگدست ہو۔ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں مراد تو ظاہری و مادی تنگی و
فراخی ہے لیکن بندہ کا ابتلاء کبھی حسناتِ باطنی سے بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً معاصی کے ہوتے ہوئے بھی ذوق و وجد حاصل ہوجاتا ہے اس سے بندہ کو دھوکا ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں حالانکہ وہ باطل
پر ہوتا ہے تو اگر معصیت کے ساتھ بسط جمع ہوجائے تو وہ استدراج ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔ اس میں اس کا اشارہ آگیا کہ ابتلا بھی اصلاح ہی کی غرض سے
تھا۔ قال اھل المعانی وکل واحد من الحسنات والسیئات یدعو الی الطاعۃ اما النعم فلاجل الترغیب واما النقم فلاجل الترھیب (کبیر) قَطَّعْنٰهُمْ
فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۔ یعنی وہ قوم منتشر و متفرق ہوکر زمین پر پھیل گئی اور مختلف حصوں میں آباد ہوگئی۔ ای فرقناھم فی البلاد (قرطبی) فرقناھم تفریقا شدیدا۔ (کبیر)

بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي

ظلم کرتے رہے تھے ۲۳۲ اور آپ ان سے اُس بستی (والوں) کی بابت دریافت

كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ

کیجیے جو سمندر کے کنارہ تھی ۲۳۳ جب کہ وہ لوگ سبت کے بارہ میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے

تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا

(اور) جب کہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب سبت

يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا

نہ ہوتا تو نہ آتیں ۲۳۴ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح سے کی اس لیے کہ وہ نافرمانی کر رہے

يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ

تھے ۲۳۵ اور جب کہ اُن میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے

قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

جاتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں (کسی اور) سخت عذاب میں گرفتار کرنے والا ہے ۲۳۶

قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا

وہ بولے اپنے پروردگار کے رُوبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کریں ۲۳۷ پھر جب وہ

مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَ

بھولے ہی رہے اُس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو بُری بات

أَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا

سے روکا کرتے تھے، اور جو لوگ ظلم کرتے تھے انہیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا

ع ۵/۲۰ — وقف لازم — معانقة — النصف

۲۳۲ حاشیے سورۂ بقرہ، پارۂ اول، رکوع ۷ میں گزر چکے۔ ۲۳۳ (اے پیمبر) وَاسْئَلْهُمْ میں ضمیر عہد رسولؐ کے معاصر یہود کی طرف ہے۔ ای واسئل الیھود الذین ھم جیرانک عن اخبار اسلافھم (قرطبی) اَلْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔ حاشیے سورۃ البقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکے۔ عَنِ الْقَرْيَةِ۔ القریہ سے مراد اہل القریۃ ہیں۔ اَی عن اھل القریۃ (قرطبی) ۲۳۴ (بلکہ وہاں سے کہیں اور نکل جاتیں) حِيتَانُهُمْ۔ یعنی اُن کے سمندر کی مچھلیاں۔ تَأْتِيهِمْ شُرَّعًا۔ یعنی وہ مچھلیاں سطح آب پر پانی سے سر نکال نکال کر نمودار ہو جاتی تھیں، اسے شوارع ظاھرۃ علی الماء کثیرۃ (قرطبی)

۲۳۵ یعنی اس سخت آزمائش میں وہ اسی لئے ڈالے گئے کہ وہ نافرمانیاں پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ آزمائشیں حق تعالیٰ کے ہاں سے تو نافرمانوں اور فرماں برداروں دونوں کی ہوا کرتی ہیں لیکن جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے، اہلِ طاعت کی آزمائش لطف اور تائید اور توفیق سے مقرون ہوا کرتی ہے۔ بعض اہل علم نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ احکام شریعت سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا حرام ہے۔ واستدل بعض اھل العلم بقصۃ ھؤلاءِ المعتدین علی حرمۃ الحیل فی الدین (روح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جن حیلوں کا شروع ہونا فقہاء وحکماء اُمّت سے وارد ہوا ہے وہ احکام شرعی کی تعمیل کے لئے ہے نہ کہ اُن سے بچنے کے لئے۔ ۲۳۶ (ان کے مسلسل جرائم کی پاداش میں) إِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے جو خود نیک کار تھے لیکن مجرموں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے اور یہ کہا انہوں نے ان نیک کاروں سے جو اب تک وعظ ونصیحت میں لگے ہوئے تھے۔

۲۳۷ (اور اس خشیت الٰہی سے اپنی اصلاح کر لیں) مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ۔ یعنی کم از کم اپنی صفائی تو ہم پیش ہی کر دیں گے کہ ہم نے اپنی والی پند ونصیحت تو بہت کچھ کر ڈالی تھی، غرض یہ کہ ان مصلحین نے جواب دو دیئے، ایک یہ کہ اپنے اُوپر تو تلقین واتمامِ حجّت کا بار نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ شاید اب بھی یہ لوگ اصلاح قبول کر لیں۔ مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ جب نصیحت کے مؤثر ہونے کی اُمید بالکل نہ رہے تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو دلیل عالی ہمتی ہے۔ چنانچہ اہل حق میں سے جنہوں نے لِمَ تَعِظُونَ کا سوال کیا انہوں نے بوجہ یاس فتوائے عدم وجوب پر عمل کیا اور جنہوں نے مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ سے جواب دیا انہیں یا تو یاس ہی نہیں ہوئی اور یا انہوں نے عالی ہمتی سے کام لیا ــــــ اور دونوں فریقوں نے پُورا پُورا اجر پایا۔

قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

وحی کی کہ اپنے (اس) عصا کو (فلاں) پتھر پر مارو تو اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور) ہر شخص

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا

نے اپنے پانی پینے کا مقام معلوم کر لیا ۲۲۷ اور ہم نے اُن پر

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا

ابر کا سایہ کر دیا اور ہم نے اُن پر من و سلوٰی اتارا (اور کہا کہ) پاکیزہ

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا

چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ۲۲۸ اور انہوں نے (کوئی) ظلم ہم پر نہیں کیا بلکہ اپنے

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝١٦٠ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ

ہی اُوپر ظلم کرتے رہے ۲۲۹ اور (وہ وقت یاد کرو) جب اُن سے کہا گیا کہ (فلاں) بستی میں جا کر سکونت اختیار

الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ

کرو، اور وہاں کھاؤ، جہاں سے بھی تم چاہو اور کہتے جاؤ کہ توبہ ہے اور (شہر کے) دروازہ میں (عاجزی

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ

سے) جھکے ہوئے داخل ہو، ہم تمہاری خطائیں تمہیں معاف کر دیں گے۔ ہم نیک کاروں کو

الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٦١ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ

اور زیادہ دیتے ہیں ۲۳۰ لیکن ان میں سے ظالموں نے کلمہ بدل ڈالا خلاف اس کے کہ جو اُن سے

الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

کہا گیا تھا تو ہم نے اُن پر آسمان سے ایک آفت بھیجی اس لئے کہ وہ (اپنے اوپر)

۲۲۷ (اور ہر جماعت کا نگراں ایک ایک سردار کو مقرر کر دیا) یہی مضمون سورۂ مائدہ میں بھی آیا ہے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا

توریت میں اسی سلسلہ میں ہے :- "یہ سب بنی اسرائیل کے بارہ فرقہ ہیں اور یہی ہے جو اُن کے باپ نے انہیں کہہ کے برکت دی" (پیدائش۔ ۴۹ : ۲۸) نیز (خروج ۲۸ : ۲۱) اَسْبَاطًا اُمَمًا اسباطًا یہاں بدل ہے۔ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ سے اور اُمَمًا صفت ہے اسباط کی۔ اسباطًا بدل من اثنتی عشر امما نعت للاسباط (قرطبی) امما بدل بعد بدل او نعت اسباطًا (بیضاوی) قَطَّعْنٰهُمُ۔ یعنی انہیں اتنے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اے صیرناھم قطعًا ای فرقًا (کبیر)

۲۲۸ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

اِنْۢبَجَسَتْ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ انفجرت کے معنیٰ میں ہے اور انبجاس و انفجار مرادف ہیں اس قول پر آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یقال بجس الماء یبجس وانبجس وتبجس اذا تفجر ھذا قول اھل اللغۃ (کبیر) اے انفجرت کما قال ابن عباس (روح) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انبجاس پانی کے تھوڑے تھوڑے نکلنے کو اور انفجار پانی کے جوش سے نکلنے کو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ قرآن مجید نے یہاں جو انبجست کہا ہے یہ پانی نکلنے کی ابتدار کا ذکر ہے اور سورہ البقرہ میں جو انفجرت ارشاد ہوا ہے وہاں آخر میں جوش و خروش سے جاری کرنے کا بیان ہے۔ قال اٰخرون الانبجاس خروج الماء بقلۃ والانفجار خروجہ بکثرۃ وطریق الجمع ان الماء ابتدا بالخروج قلیلاً ثم صار کثیرًا و ھذا الفرق مروی عن ابی عمرو بن العلاء (کبیر) ۲۲۹ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔ ۲۳۰ (احکامِ الٰہی کی نافرمانی کر کر کے) مشرک جاہلی قوموں میں خدا سے بغاوت خود خدا کے لئے باعثِ مصیبت سمجھی گئی ہے۔ یہ اسی کی تردید ہے اور اس حقیقت کا بیان ہے کہ قانون الٰہی کے توڑنے سے خدا کا کیا نقصان، نقصان تو انسان کا اپنا ہوتا ہے۔ ۲۳۱ حاشیے پارۂ اوّل، سورۂ بقرہ، رکوع ۶ میں گزر چکے۔

پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا رُوح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دیگا۔ (۱۵: ۲۶)" "یہ ابد تک ساتھ رہنے والا اور حضرت مسیح کی تصدیق کرنے والا بجز خاتم المرسلین کے جنھوں نے آکر حضرت مسیح کی تصدیق کی اور کون ہوسکتا ہے؟ یہ حوالے ان نام نہاد "اناجیل" اربعہ کے تھے جو مسیحی کلیسا میں آج بھی مسلم ہیں باقی انجیل برنابا تو اس سے کہیں زیادہ اور کھلی ہوئی تصریحات سے لبریز ہے۔ ۲۲۱ یعنی اس کی شریعت تمام رسم و رواج اور سابق شریعتوں کی ناسخ اور اُن پر حاکم ہے۔ يَأْمُرُهُم... عَنِ الْمُنكَرِ چنانچہ جیسا کہ ظاہر ہے شریعت اسلامی جامع ہے تمدن، معاشرت، اخلاق، سیاست، ہر شعبۂ حیات میں انفرادی و اجتماعی بہترین احکام و قوانین کی۔ يُحِلُّ ..... الْخَبَائِثَ۔ چنانچہ اسلامی شریعت پر عمل کے بعد کسی بھی گندگی، پلیدی کا اثر باقی نہیں رہ سکتا۔ ۲۲۲ (دنیا و آخرت دونوں میں) دنیا میں بہترین دستورِ حیات و نظام عمل کا مالک اور آخرت میں ہر طرح کی آسائش، فراغت سے مالا مال۔ اے هم الفائزون بالمطلوب فی الدنیا والآخرة (کبیر) النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ۔ اس نازل شدہ نور سے مراد ہے قرآن و سُنّت۔ وهو القرآن وقيل الهدى والبيان والرسالة (کبیر) ۲۲۳ جس میں استثنار نہ کسی قوم و نسل کا ہے نہ کسی ملک و زمانہ کا) آیت ایک محکم و روشن دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامّہ پر ہے یعنی قرآن کی دعوت عالمگیر ہے، اس کی مخاطب ساری دنیا ہے نہ کہ عرب قوم، یا چھٹی یا ساتویں صدی کی ہی دنیا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ۔ اس طرز خطاب نے صراحت کردی کہ قرآن کے مخاطب سارے آدم زاد ہیں نہ کہ اُن کا کوئی خاص ٹکڑا۔ رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ۔ اس نے ایک بار اور صراحت کردی کہ محمد صلعم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ایک قاصد اور سفیر ہیں اور بس، نہ کہ اس کے مظہر یا اوتار، یا اُس کے فرزند و رشتہ دار۔ ۲۲۴ یہ نہیں کہ بقاءِ حیات کے دیوتا وشنو جی ہوں اور موت و اہلاک کے دیوتا شوجی۔ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ۔ یہ نہیں کہ معبودِ اعظم تو وہ ہے، اور چھوٹے بڑے دیوی، دیوتا اُس کے ماتحت ہزاروں ہیں نہیں بلکہ کسی دوسرے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ معبود تو صرف وہی ایک اور اکیلا ہے۔ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ اس میں ایک لطیف اشارہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح خدائے اسلام کی ربوبیت و الوہیت ہمہ گیر ہے، رسول اللہ صلعم کی بھی دعوت عالمگیر ہے۔ ۲۲۵ (اور انفرادی، اجتماعی، معاشی، معادی ہر قسم و نوعیت کی فلاح پاجاؤ) رَسُولِهِ النَّبِيِّ۔ رسول اور نبی دُہری صفت لانے سے مقصود تاکید اور زورِ کلام ہے۔ رسول اور نبی کے درمیان فرق بھی متعدد بتلائے گئے ہیں اور ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ نبی بشر کے لئے مخصوص ہے اور رسول ملائکہ کے لئے بھی عام ہے۔ اسمان لمعنيين فان الرسول اخص من النبی و قدم الرسول اهتماما لمعنى الرسالة والا فمعنى النبوة هو المتقدم (قرطبی) الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ۔ یہاں یہ بتادیا کہ خود اُس رسول اشرف و اکرم کے لئے یہ امر باعث شرف و اکرام ہے کہ اُس کا ایمان اللہ اور اُس کے سارے کلاموں پر کامل و محکم ہے۔ كَلِمَاتِهِ۔ یعنی جو وحی خدا اُن پر نازل ہوئی اُس پر اور اُس سے سابق کی ساری وحیوں پر۔ اے ما انزل عليه وعلى سائر الرسل عليهم السلام من كتبه ووحيه (روح) ۲۲۶ یہود میں یہ وہی اہل حق و اہل انصاف ہیں جو آگے چل کر ایمان لے آئے۔ قيل هو اليهود الذين كانوا فی زمان الرسول عليه الصلوٰة والسلام واسلموا (کبیر) وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰ۔ قوم موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بِهِ يَعْدِلُونَ ضمیر الحق کی طرف ہے، اور یعدلون یعنی حکم و فیصلہ میں انصاف کرتے ہیں۔ به ای بالحق ويعدلون بينهم فی الحكم (بیضاوی) قال الزجاج العدل الحكم بالحق (کبیر) يَهْدُونَ بِالْحَقِّ یعنی دوسروں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ اے يدعون الناس الى الهداية (قرطبی)

إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا

جو اُن پر (اب تک) تھیں اُتارے دیتا ہے ۲۲۱ سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے

بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ

اور اُس کا ساتھ دیا اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس کے ساتھ اُتارا گیا

مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۱۵۷ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

ع ۱۹ / ۹

ہے سو یہی لوگ تو ہیں (پوری) فلاح پانے والے ۲۲۲ کہہ دیجئے کہ اے انسانو! بیشک میں

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ۲۲۳ اُسی اللہ کا جس کی حکومت ہے آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ

زمین میں سوا اُس کے کوئی معبود نہیں وہی جِلاتا ہے اور (وہی) مارتا ہے ۲۲۴، سو ایمان لاؤ اللہ

وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ

اور اُس کے اُمّی رسول و نبی پر جو خود ایمان رکھتا ہے اللہ اور اُس کے کلاموں پر، اور اس کی

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۱۵۸ وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ

پیروی کرتے رہو تاکہ تم راہ پاجاؤ ۲۲۵ اور موسیٰؑ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے

يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۱۵۹ وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ

کہ (وہ لوگ) حق کے مطابق (دوسروں کو) ہدایت کرتے ہیں اور (خود بھی) اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ۲۲۶

عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ

اور ہم نے انہیں بارہ خاندانوں جماعتوں میں تقسیم کردیا ۲۲۷، اور ہم نے موسیٰؑ کو جبکہ اُن کی قوم نے اُن سے پانی طلب کیا

مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ

تو جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم کردے ۲۱۳۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت کر، ہم پر

الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی

رحم کر اور تو ہی بہترین مغفرت کرنیوالا ہے ۲۱۴۔ ہمارے حق میں بھلائی لازم کردے اس دنیا میں (بھی) اور آخرت میں

الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ

(بھی) ہم تو تیرے ہی آگے جھک گئے ہیں ۲۱۵۔ (اللہ نے) فرمایا اپنا عذاب میں اسی پر واقع کرتا ہوں جس کو

اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ

چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے ۲۱۶۔ سو اُسے اُن لوگوں کے لیے تو ضرور ہی لازم

یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

کردونگا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں ۲۱۷۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ

جو لوگ اُس اُمّی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں ۲۱۸۔ جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ

پاتے ہیں ۲۱۹۔ توریت اور انجیل میں ۲۲۰۔ انہیں وہ نیک کاموں کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ

حکم دیتا ہے اور انہیں بُرائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز

الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ

بتاتا ہے اور اُن پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں

۲۱۳ اور وہ تیری حکمتوں اور مصلحتوں کا اور زیادہ قائل ہوجائے) تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ۔ تو جسے اپنی مشیت تکوینی کے لحاظ سے چاہے گمراہ کردے اور وہ تیرے شکوہ و شکایات اور ناشکری میں لگ جائے۔ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ۔ یہ تو تیری طرف سے ایک آزمائش ہے جس سے مقصود مجرموں کو سزا دینا ہے نہ کہ ساری قوم کو ہلاک کردینا۔ ۲۱۴ (سو تو اگر مجرموں اور خطا کاروں پر بھی مغفرت و رحمت کی نظر کردے تو کیا بعید ہے) اَنْتَ وَلِیُّنَا۔ تو ہی ہمارا کارساز و کفیل ہے، اور ہمیں تیری ہی کارسازی اور چارہ فرمائی پر بھروسہ ہے ۲۱۵ (اخلاص واطاعت کے ساتھ) وَاكْتُبْ لَنَا کے معنی لازمی طور پر نہیں کہ قید کتابت میں لے آ، یا ہمارے لیے تحریر کردے، بلکہ یہ ہیں کہ ہمارے حق میں لازم و مقرر کردے، محاورۂ عرب میں کتابۃ کے یہ معنی عام ہیں۔ اے اوجب لنا (کشاف) واثبت لنا (کبیر) والکتابۃ تذکر بمعنی الایجاب (کبیر) ویعبر عن الاثبات والتقدیر والایجاب والفرض والعزم بالکتابۃ (راغب) هُدْنَاۤ اِلَیْكَ۔ یعنی ہم تیرے آگے رجوع و توبہ کے ساتھ حاضر ہورہے ہیں۔ قال المفسرون اے تبنا و رجعنا الیک (کبیر) ۲۱۶ یعنی میرے قانونِ رحمت کے ماتحت معاملہ تو مُجرم و غیر مجرم نیک و بد سب ہی کے ساتھ ہورہا ہے۔ البتہ قانون مکافات و مجازات کا عمل خاص خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۲۱۷ مناجات موسوی کے جواب میں ارشاد ہورہا ہے کہ میری رحمت تو بہ طور کلیہ اور اصول کے ہر ایک کے لیے عام ہے تو اُس کا تحقق ان لوگوں کے حق میں کیسے نہ ہوگا (ہوگا اور ضرور ہوگا) جو عقاید و اعمال میں صفاتِ ایمان و تقویٰ سے آراستہ ہیں۔ فَسَاَكْتُبُهَا میں ضمیر رحمت کی طرف ہے اور س تاکید کے لئے ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ۔ تقویٰ سے اشارہ اعمال قلب کی طرف ہے۔ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ اس سے اشارہ اعمال جوارح و عبادات کی طرف ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ میں اشارہ عقاید کی جانب ہے۔ ۲۱۸ اَلَّذِیْنَ کا لفظ سب انسانوں کے لئے عام ہے، یہاں خاص اشارہ اہل کتاب کی جانب ہے۔ اُمّی سے مراد ان پڑھ بھی ہوسکتا ہے جیسے کہ ہمارے رسول اللہ صلعم تھے اور اُمّ القریٰ والا یعنی مکی بھی، اور اُمت والا بھی۔ اور حاصل ان دونوں آخری نسبتوں کا بھی وہی ہے یعنی ان پڑھ ہونا۔ قیل منسوب الی الامۃ الذین لم یکتبوا لکونہ علی عادتھم وقیل سمی بذٰلک لانہ لم یکن یکتب ولا یقرء من کتاب وقیل سمی بذٰلک لنسبتہ الی ام القریٰ (راغب) قال الزجاج معنی الامی الذی ھو علی صفۃ امتہ العرب فالعرب اکثرھم ما کانوا یکتبون ولا یقرءون والنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کان کذٰلک (کبیر) اے الذی لا یکتب ولا یقرأ (روح) ۲۱۹ "جسے" یعنی جس کی صفات و علامات کو۔ اے یجد نعتہ (کشاف) ۲۲۰ یہاں تک کہ اتنی تحریف و تصحیف کے بعد بھی یہ حوالے مروجہ توریت و انجیل سے اب تک بالکل نہ دُھل سکے چنانچہ توریت میں ہے:۔ "خداوند تیرا خُدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو"۔ (استثنا ۱۸: ۱۵) "اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا"۔ (استثنا ۱۸: ۱۸) دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے "بھائیوں" سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی ہوسکتے ہیں۔ "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی"۔ (استثنا ۳۳: ۲) آتشی شریعت بھی ہمارے ہی رسولؐ کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت آپؐ ہی داخل ہوئے شہر میں دس ہزار پاک نفس صحابہؓ (قدوسیوں) کے جلو میں اور سینا (حضرت موسیٰؑ) اور سعیر (حضرت عیسیٰؑ) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نورِ نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) "اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دوں گا۔ اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا"۔ (پیدائش ۱۷: ۲۱) حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل کے حق میں یہ سارے وعدے ہمارے رسولؐ اکرم کی ذات سے جاکر پورے ہوئے ہیں۔ "یہوداہ سے ریاست کا عصا جُدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہیگا۔ جبتک کہ وہ نہ آئے جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی"۔ (پیدائش ۴۹-۱۰) زیر خط عبارت کا ترجمہ رومن کیتھولک بائیبل یعنی Dowey Version. کے مطابق ہے) دنیا کی مختلف قومیں ہمارے رسُول ہی کے عَلَم کے نیچے جمع ہوئیں۔ وہی نبی مرسل تھے۔ انہی کے بعد سے یہود کا اقتدار نمایاں اور دیرپا طور پر ختم ہوگیا اور داؤد کے ایک نغمے میں ہے:۔ "میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤنگا۔ پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے (زبور ۴۵: ۱۷) ستائش ہی کو عربی میں محمدت کہتے ہیں اسم محمدؐ صاف ترجمہ ہے ستودہ کا۔ "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ برا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائیگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کریگا، اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں (یسعیاہ ۴۲: ۱-۴) یہ "میرا بندہ" (عبدہٗ و رسولہٗ) اور "میرا برگزیدہ" (مصطفیٰ) جس کا "زوال نہ ہوگا" (خاتم النبیین) صاف ہمارے ہی رسولِ اکرمؐ ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے"۔ نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ اور انجیل میں ہے:۔ "یسوع نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رَد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا، یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گریگا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے مگر جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالے گا"۔ (متی ۲۱: ۴۲، ۴۴) جس پتھر کو اسرائیلیوں (معماروں) نے ہمیشہ رَد کیا تھا وہ اسماعیلی تھے آخر میں اسی اسماعیلی نسل کے ایک فرد کو نبوت ملی، اور نبوت بھی اس شان کی کہ یہود، نصاریٰ جو بھی اس سے ٹکرائے چُور چُور ہوکر رہ گئے۔ یسوع مسیح شہر یروشلم کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ "جب تک عالم بالا پر سے تم کو خوف کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھیرے رہو"۔ (لوقا ۲۴: ۴۹) جب تک ہمارے حضورؐ کا نزول اجلال نہ ہولیا تقدس شہر یروشلم ہی کا قیام رہا اور اس کے بعد کعبہ (واقع شہر مکہ) کی جانب منتقل ہوا حضرت یحییٰؑ کے ظہور کے بعد "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن، اور لاوی یہ پُوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پُوچھا پھر کون ہے کیا تو ایلیاہ ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ (یوحنا ۱: ۱۹-۲۱) "انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ ایلیاہ اور نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"۔ (یوحنا ۱: ۲۵) یہ صاف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی "وہ نبی" (النبیؐ) کی معلوم و معروف ہستی کا انتظار یہود کو عرصہ سے تھا۔ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سُن کر کہا بیشک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"۔ (یوحنا ۷: ۴۰) ثبوت مزید اس امر کا کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی موعود (النبی۔ "اس نبی") کا انتظار ہورہا تھا۔ اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دُوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (۱۴: ۱۶) "جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئیگا جس کو میں تمہارے

ف ۲۰۷ یہ اسی گوسالہ پرستی کے سلسلہ میں سارا کلام حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ یعنی مفتری
دنیا میں بھی مغضوب و ذلیل ہوکر رہتے ہیں۔ گو کسی خاص حکمت سے کسی خاص عارض کے باعث اس کا ظہور دیر میں ہو یا بالکل نہ ہو۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دنیا میں ذلت
کبھی سزائے معصیت کے طور پر بھی ہوتی ہے۔ ف ۲۰۸ یہ عام قاعدہ غفور و رحمت کا بیان کر دیا کہ گنہگار و منکر کو زندگی بھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خدائے اسلام اُن بے
رحم و خونخوار دیوتاؤں کی طرح نہیں جو معاف کرنا کسی حال میں جانتے ہی نہیں۔

وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ١٥٢

ذلت بہت جلد پڑے گی (اسی) دنیا کی زندگی میں اور ہم تہمت گڑھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ

ہیں ف ۲۰۸ اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کیے پھر اُن کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور ایمان

اٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٥٣ وَ

لے آئے (تو) بیشک تمہارا پروردگار اس کے بعد (ان کے حق میں) بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف ۲۰۹

لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ښ وَفِيْ

اور جب موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے تختیوں کو اُٹھا لیا اور اس نسخہ (توریت)

نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ١٥٤

میں ہدایت و رحمت تھی، اُن لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ف ۲۰۹ اور

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد انتخاب کیے ہمارے وقت موعود کے لیے ف ۲۱۰ پھر جب

اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ

انہیں زلزلہ نے آ پکڑا ف ۲۱۱ تو موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار اگر تجھے یہی منظور تھا

مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ

تو تُو نے اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیا ہوتا تو کیا تُو ہمیں اس (حرکت) پر ہلاک

اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ

کر دیگا جو ہم میں سے (چند) بیوقوفوں نے کی ف ۲۱۲ یہ تو بس تیری طرف سے ایک آزمائش ہے، ان (آزمائشوں) سے

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا میں ضمیر ھا توبہ و تجدید ایمان کے لیے ہے ف ۲۰۹ (اور اس خوفِ خدا کی بنا پر اس نسخہ ہدایت سے فائدہ اٹھانا بھی چاہتے ہیں) سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ حضرت ہارونؑ کا عذر معقول سُن کر قدرۃً حضرت موسیٰؑ کا جوش غضب فرو ہو جاتا ہے اَخَذَ الْاَلْوَاحَ۔ لفظ قرآنی الواح ہے یعنی نفس تختیاں نہ کہ ان کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے اس سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ تختیاں سالم تھیں ٹوٹ نہیں گئی تھیں۔ وظاھر ھذا یدل علی ان شیئًا منھا لم ینکسر ولم یبطل (کبیر) فِىْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ یعنی اس نسخہ کے مضامین ہدایت سے بھرے ہوئے اور رحمت کی طرف لے جانے والے تھے۔ ف ۲۱۰ یعنی وقت معین پر اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے جانے کے لیے۔ یہ حاضری دوبارہ تھی یا یہ اُسی پہلی حاضری کی مزید تشریحات ہیں؟ توریت میں ذکر کسی دوسری میقات کا نہیں اور ہمارے یہاں کے عام مفسرین کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں بلکہ نزول توریت کے وقت کی اُس حاضری کا ذکر ہے۔ لیکن قرآن پاک میں ایک دوسری آیت فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ (سورۃ نساء) نیز خود اسی رکوع کی ترتیب مضامین ظاہراً اس خیال کی منافی ہے واللہ اعلم ف ۲۱۱

(اور وہ ستر کے ستر مردہ یا نیم مردہ ہو کر رہ گئے) اس پر حاشیہ سورہ بقرہ پارہ اوّل رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قول جمہور یہ ہے کہ یہ لوگ واقعۃً مر گئے تھے پھر دوبارہ زندہ کئے گئے۔ والکثر علی انھم ماتوا جمیعًا ثم احیاھم اللہ تعالیٰ (روح) لیکن ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صرف بیہوش ہو گئے تھے پھر ہوش میں لائے گئے۔ قیل غشی علیھم ثم افاقوا (روح) ف ۲۱۲ یعنی گستاخی کا اور تجھے عیاناً دیکھنے پر اصرار کا جرم تو ہم میں سے ایک محدود جماعت نے کیا ہے کہیں یہ تھوڑے ہی ہو سکتا ہے کہ تو اس کے پاداش میں ہم سب کو ہلاک کر دے! اَتُهْلِكُنَا یہ استفہام استفہام استعظام کہلاتا ہے مفہوم یہ ہے کہ تو ہرگز ایسا نہ کریگا۔ قال المبرد المراد بالاستفھام استفھام استعظام کانہ یقول لا تھلکنا (قرطبی) لَوْ شِئْتَ یعنی اگر تجھے مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ یعنی میری اور ان لوگوں کی ہلاکت سے قصہ ہی ختم ہو گیا ہوتا نہ میری بدنامی ہوتی اور نہ قوم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھ سے انتقام لینے کی فکر میں پڑتی الیکن تو نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا اہلاک بالذات مقصود نہیں۔

٢٠١ یہ ندامت و استغفار کا واقعہ حضرت موسیٰؑ کی واپسی کے بعد کا ہے، جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے ———— آیت ۱۴۸ کے بعد متصل سلسلۂ بیان کے لحاظ سے آیت ۱۵۰ کو پڑھا جائے۔ یہ آیت ۱۴۹ بطور جملہ معترضہ کے ہے، اور قرآن مجید کا عام اسلوبِ بلاغت ہی یہ ہے کہ واقعات کی تقدیم و تاخیر کا اعتبار کئے بغیر وہ نتائج اور عبرتوں کو دربیان کلام میں لے آتا ہے۔ سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ ۔ محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں۔ یعنی الندم (راغب) تقول العرب لکل نادم علیٰ امر قد سقط فی یدیہ (مسلم) قال ابو عبیدۃ یقال لمن ندم علی امر وعجز عنہ سُقِطَ فی یدہٖ (بحر) یقال للنادم المتحیر قد سقط فی یدہٖ (قرطبی) سقط الندم قالہ الازھری والنحاس وغیرھما (قرطبی) ٢٠٢ یعنی میں تو احکام شریعت ہی لینے گیا تھا کم از کم اُنھی کا انتظار کر لیا ہوتا! رَجَعَ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۔ حضرت موسیٰؑ ابھی طور ہی پر تھے کہ آپؑ کو وحی الٰہی سے یہ حال معلوم ہوگیا۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے۔ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ۔ یعنی یہی کہ توحید چھوڑ شرک میں مبتلا ہو گئے! ٢٠٣ (کہ تم نے یہ کیا غضب کیا اور اس بے ہودگی کو کیسے روا رکھا!) وَاَلۡقَی الۡاَلۡوَاحَ ۔ توریت میں ذکر تختیوں کے توڑ ڈالنے کا بھی ہے:- ''اور یُوں ہُوا کہ جب وہ لشکر گاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ راگ دیکھا تب موسیٰؑ کا غضب بھڑکا اور اُس نے تختے اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالے'' (خروج ۳۲:۱۹) حضرت موسیٰؑ سے یہ سارے افعال غیرت توحید کے جوش اور بے خودی میں سرزد ہوئے اس لئے نہ اُن پر گرفت کی جاسکتی ہے اور نہ یہ افعال دوسروں کے لئے ارادے کے بعد سند و نظیر کا کام دے سکتے ہیں۔ مفسر تھانویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا

لَمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

رحمت نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ کر دے تو ہم تو بالکل گھاٹے میں پڑ گئے ٢٠١

وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ

اور جب موسیٰؑ غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو بولے تم (لوگوں) نے

بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ

میرے پیچھے بہت ہی بُری حرکت کی، کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم (آنے) سے پہلے ہی جلد بازی

وَاَلۡقَی الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِیۡهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیۡهِ ؕ

کر لی ٢٠٢ اور تختیاں تو (ایک طرف) ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بال) پکڑ کر لگے انہیں اپنی

قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَكَادُوۡا

طرف گھسیٹنے ٢٠٣ (ہارونؑ نے) کہا اے میرے ماں جائے (قوم کے) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب

یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ ۫ۖ فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ وَلَا تَجۡعَلۡنِیۡ

تھا کہ مجھے مار ہی ڈالیں ٢٠٤ سو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوایئے اور مجھے (اُن) ظالم لوگوں کے زمرے

مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِاَخِیۡ وَ

میں نہ داخل کر لیجیے ٢٠٥ (موسیٰؑ نے اب) کہا کہ اے پروردگار مجھے اور میرے بھائی سے درگزر

اَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِكَ ۖ٭ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ١٨ اِنَّ

کر، اور ہم دونوں کو اپنی رحمت (خاص) میں داخل کر اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے ٢٠٦

الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَیَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ

بیشک جن لوگوں نے گوسالہ کو (اپنا معبود) بنا لیا ہے۔ اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے غضب اور

غضب چونکہ تمام تر للہ تھا اس پر دوسروں کے غصے کا قیاس نہیں کر سکتے جس میں نفس کا واسطہ شامل ہوتا ہے اور اُس کی مثال یہ ہے کہ جو سکر حرام سے پیدا ہو اُسے شارع نے عذر نہیں قرار دیا ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے ان اعمال موسوی کو اپنے حالت تواجد میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کو سند و نظیر بنانا چاہا ہے محققین نے لکھ دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق سر تا سر لغو و باطل ہے۔ کیف تقاس احوال الانبیاء علیٰ احوال ھٰؤلاء السفھاء وقد سئل ابن عقیل عن تواجدھم وتخریق ثیابھم فقال خطأ وحرام (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے یہ معاملہ حضرت ہارونؑ سے اپنے اس اجتہاد کی بنا پر کیا کہ حضرت ہارونؑ سے کوتاہی واقع ہوئی تھی، حالانکہ کوتاہی واقع نہیں ہوئی تھی تو جب پیمبر برحق کے اجتہاد کا مطابق واقع ہونا ضروری نہیں تو شیوخ غیر معصومین سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں۔

امام ابن جریر طبری کا شمار اکابر و مشاہیر میں ہے لیکن غلطی سے معصوم بہرحال وہ بھی نہیں اپنی تفسیر میں طویل روایت قتادہ تابعی کے حوالے سے اس مفہوم کی بھی نقل کر دی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو (معاذ اللہ) اتنا غصہ اس پر آیا کہ ان الواح میں مدح و ستائش اُن کی اُمت کی نہیں بلکہ ایک دوسری اُمت (اُمتِ محمدی) کی درج تھی۔ ایسی روایت ایک معمولی صالح و متقی انسان کے لئے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ کلیم اللہ جیسے جلیل القدر و اُولوالعزم پیمبر کے متعلق! اور مقامِ مسرت ہے کہ دوسرے محققین نے ایسی بے اصل روایت کی پوری طرح پردہ دری کر دی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

ظاھر السیاق انہ انما القی الالواح غضبًا علیٰ قومہٖ وھٰذا قول جمھور العلماء سلفًا وخلفًا وروی ابن جریر عن قتادۃ فی ھٰذا قولًا غریبًا لا یصح اسنادہ الی حکایۃ قتادۃ وقد ردہ ابن عطیۃ وغیر واحد من العلماء وھو جدیر بالرد وکانہ تلقاہ قتادۃ عن بعض اھل الکتاب وفیھم کذابون ووضاعون وافاکون وزنادقۃ۔

سیاق کلام کھلا ہوا کہہ رہا ہے کہ آپؑ نے جو تختیوں کو پٹخا ہے تو اپنی قوم پر غضبناک ہو کر پٹخا ہے اور یہ قول جدید و قدیم اہلِ علم کا متفقہ ہے اور وہ جو ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے اس کی سند بھی قتادہ تک نہیں پہنچی۔ اور ابن عطیہ اور دوسرے علماء نے اس کی پوری طرح تردید کر دی ہے اور وہ تردید ہی کا مستحق ہے عجب نہیں جو وہ روایت قتادہ کو اہلِ کتاب سے پہنچی ہو جن میں بڑے بڑے زندیق اور جھوٹے لپاڑیئے پڑے ہوئے تھے

اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے:-

ولا التفات لما روی عن قتادۃ ان صح عنہ ولا یصح ... وھٰذا قول ردئ لا ینبغی ان یضاف الی موسیٰ علیہ السلام۔

قتادہ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہو بھی تو قابل التفات نہیں لیکن وہ صحیح ہی نہیں۔ ... وہ روایت بالکل لغو ہے۔ اس قابل ہی نہیں، کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جائے۔

٢٠٤ حضرت ہارونؑ اپنی صفائی میں کہتے ہیں کہ اے میرے پیارے بھائی میری بات تو سُن لیجیے، میں نے اپنی والی بہت کوشش کی لیکن یہ ظالم و سرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے تو میری کیا پروا کرتے میری ایک نہ چلنے پائی بلکہ جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنا چاہا تو اُلٹے مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہو گئے، میری جان بچ گئی یہی بہت ہے ———— کہاں عصمتِ انبیاء کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی یہ تصریحات کہ اس بُت پرستی کے بانی و باعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارونؑ تھے! ———— کتنا فرق دونوں کتابوں میں ہے بلکہ قرآن کی زبان سے یہ تفصیلات بھی کچھ غیر ضروری سی معلوم ہو رہی ہیں۔ جب تک توریت میں درج کی ہوئی فردِ جرم سامنے نہ ہو نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ابۡنَ اُمَّ ۔ محاورۂ عرب میں انتہائی شفقت دلانے کے موقعہ پر آتا ہے۔ کلمۃ لین وعطف (قرطبی) وتخصیص الام بالذکر للترقیق (روح) ٢٠٥ توریت کے بیانات کے پیش نظر اور اُن کی تردید کے لئے ان سب فقروں کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ ۔ یعنی آپ میرے اوپر بلا قصور اتنی سختی کر رہے ہیں اس سے دشمنوں کو ہنسنے اور طعنہ زنی ہی کا موقع ملے گا۔ ٢٠٦ حضرات انبیاء سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا قدر شناس اور اندازہ دان اور کون ہو سکتا ہے۔ صحیح صورت حال کا علم ہوتے ہی معاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ استغفار و مناجات میں مشغول ہو گئے۔ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِاَخِیۡ ۔ درخواست مغفرت اپنے ہی لیے نہیں اپنے اُن بھائی کے لیے بھی ہے جن پر ابھی ابھی تشدد ہو رہا تھا! اپنے لئے تو استغفار اس امر پر کہ غیرت توحید سے بے خود ہو کر قبل تحقیق ہارونؑ نبی پر اتنی سخت گیری کیوں شروع کر دی تھی۔ لیے نیا اقدمت علیہ من ھٰذا الغضب والحدۃ (کبیر) بما صنعت باخی (بیضاوی) اور حضرت ہارونؑ کے لئے استغفار اس امر پر کہ دفع فتنہ پر پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ ای فی ترکہ التشدد العظیم علی عبدۃ العجل اکبرا تو ھمًا بانہ قصّر فی کفھم (بیضاوی) بھائی کو اپنی دعائے مغفرت کے ساتھ ملا لینا اس لیے بھی تھا کہ وہ ان سے خوش ہو جائیں اور اس لئے بھی کہ ان پر سے شماتت دفع ہو جائے۔ ضمہ الی نفسہ فی الاستغفار ترضیۃ لہ ودفعًا للشماتۃ عنہ (بیضاوی)

لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اُسے (اپنا)

سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ

راستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ بنا لیں یہ (ساری برگشتگی)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا ١٩٧

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا اُن کے اعمال

اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ اتَّخَذَ

اکارت گئے اور اُن کو بدلہ اُسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں ١٩٨ اور موسیٰؑ کی

ع ١٧ / ٧

قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا

قوم نے اُن کے (جانے کے) بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنایا (یعنی) ایک قالب جس کے

لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ

اندر ایک آواز تھی ١٩٩ کیا اُن کو یہ تک نہ سوجھا کہ وہ نہ تو اُن سے بات کر سکتا تھا اور نہ انہیں کوئی راہ

وقف لازم

سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ

بتلا سکتا تھا اسی کو انہوں نے (معبود) بنا لیا اور بڑا ہی ظلم (اپنے حق میں) کر بیٹھے ٢٠٠ اور جب وہ نادم ہوئے

فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ

اور محسوس کیا کہ وہ بڑی گمراہی میں پڑ گئے تو بولے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر

١٩٧ معاندین حق کی یہ نفسیت آج تک برابر چلی آرہی ہے۔ نیک سے نیک نمونے ان کے لئے بے اثر رہتے ہیں اور بدی کی ہر مثال ان کے لئے ایک سند اور نظیر کا کام دینے لگتی ہے۔ ساری آیت ان کے قساوت قلب کی ترجمان ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ - آخر میں اس حقیقت کو اور زیادہ صراحت سے بیان کر دیا کہ ان گردن کشوں پر یہ خدائی پھٹکار آپ ہی آپ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارا وبال خود اُنہی کی ارادی عدول حکمیوں، کج اندیشیوں اور نخوت پسندیوں کا ہے۔ ذلك مجازاة من تكبرهم (قرطبی) كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی ہمارے تکوینی نشانوں اور تشریعی احکام کی انہوں نے بالقصد محض اپنے عناد سے تکذیب کی۔ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ - یعنی ہمارے ان نشانوں پر غور سے کام ہی نہ لیا اور قصداً اُن سے اعراض کئے رہے۔ غَفْلَة۔ یہاں نادانستہ بے خبری و لاعلمی کے معنیٰ میں نہیں۔ دانستہ اعراض کے معنیٰ میں ہے

١٩٨ یعنی یہ سزا اُن کو خواہ مخواہ ہرگز نہ ملے گی۔ تمام تر اُن کا کفر ہی اس کا مقتضی ہوگا۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یہ سزا انہیں قیامت میں پہنچ کر ملے گی۔ جن جن اعمال پر انہیں دنیا میں بھروسہ اور ناز تھا قیامت میں دیکھیں گے تو وہ سب کے سب صفر محض! اُن کی کوئی وقعت، کوئی قیمت ہی نہیں، ایمان سے خالی۔ اس لئے ہر اجر سے خالی۔ صحیح مقصد تو اُن کا تھا ہی نہیں پھر نتیجہ بھی نیک کیسے نکلتا۔

١٩٩ اس نئے معبود زرین کی کیفیت یہ تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا بے جان، ایک قالب تھا، بے رُوح، ایک جسم حیات سے معرّیٰ، بس اُس میں سے ایک آواز نکلتی تھی جیسے گوسالہ بھیں بھیں کرتا ہے ——— اور ایسی آوازیں تو مٹی کے کھلونوں تک میں صنعت سے پیدا ہو جاتی ہیں، گراموفون وغیرہ اعلیٰ آلاتِ صناعی کا ذکر ہی نہیں۔ یہ بچھڑا سچ مچ کا نہیں بن گیا، وہی چاندی سونے کا رہا تھا جیسا کہ محققین سلف نے کہا ہے۔ كان جسدًا من ذهب لا روح فيها كان يسمع منه صوت (امام) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی جب موسیٰؑ کوہ طور پر توریت کے لینے کو تشریف لے گئے تو اُن کی چہل روزہ غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا کر اسرائیلیوں نے پہلے تو ایک بچھڑے کی سنہری مُورت بنائی جس کے اندر سے آواز بھی نکلتی تھی، اور پھر اس کی پرستش شروع کر دی۔ مِنْ حُلِيِّهِمْ۔ یہ زیور وہ تھے جو اسرائیلیوں نے مصر سے اپنے کوچ سے قبل قبطیوں سے حاصل کئے تھے۔ توریت میں ہے:- "اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے۔ اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی۔ (خروج ١٢: ٣٥، ٣٦) یہ زیور تو اصلاً قبطیوں یا فرعونیوں کے تھے۔ اور قرآن مجید یہاں ان کی نسبت اسرائیلیوں کی جانب کر رہا ہے۔ اس سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ کافر کا مال جب مسلم کے قبضے میں آجائے تو اُس سے کافر کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے۔ فيه دليل على ان الاستيلاء على اموال الكفار يوجب زوال ملكهم عنها (مدارک) اِتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى - "قومِ موسیٰؑ" کی یہ تصریح موجودہ توریت محرّف کی تردید میں ہے جس نے گوسالہ سازی کی ساری ذمہ داری حضرت ہارونؑ کے سر ڈال دی ہے۔ (خروج باب ٣٢)

٢٠٠ کیسی شدید حماقت و جہالت تھی ایسے بے بس و بے قدرت کو اپنا معبود بنا لینا! اِتَّخَذُوْهُ - توریت میں ہے۔ "انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا۔" (خروج ٣٢: ٤) "انہوں نے اپنے لیے ڈھلا ہوا بچھڑا بنایا اور اُسے پُوجا اور اُس کے لئے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا۔" (خروج ٣٢: ٨) اَلَمْ يَرَوْا ..... سَبِيْلًا - مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حجت شرعی کے سامنے خوارق سے دھوکا کھانا سفاہت ہے۔

۱۸۸ (اور اس سے یہ عیاناً ظاہر ہوگیا کہ بصر بشری میں رؤیت جمال باری کا تحمل نہیں) جَعَلَهٗ دَكًّا ضمیر ہ سے مراد پہاڑ کا وہ خاص حصہ ہے جس پر بہ اختیار خود تجلی فرمائی گئی تھی۔
تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ یعنی جو حجابات نور خداوندی کو بہ ارادۂ خداوندی آج نظر خلائق سے محجوب کئے ہوئے ہیں وہ پہاڑ کے حق میں کسی قدر اور کسی حد تک مرتفع کر دیئے گئے۔ ۱۸۹ (اپنے سے
جسماً کہیں قوی تر پہاڑ کی یہ حالت مشاہدہ کرکے) حضرت کی غشی کی وجہ اغلباً یہ ہوئی کہ محل تجلی (پہاڑ) سے آپ بھی گونہ تعلق وتلبس رکھے ہوئے تھے۔ ۱۹۰ (ذاتی تجربہ کے بعد تیرے اس ارشاد پر
کہ "مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے" لن ترانی) بانك لا ترٰى فی الدنیا لو عدك السابق فی ذلك (قرطبی) فَلَمَّآ اَفَاقَ۔ یعنی جب آپ کے ہوش بجا ہوئے۔ الافاقة رجوع

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ
پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو (تجلی) نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا ۱۸۸ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے ۱۸۹ پھر جب انہیں
قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۴۳
افاقہ ہوا تو بولے تو پاک ہے میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں ۱۹۰
قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
(اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ میں نے تمہیں انسانوں پر اپنی پیامبری اور
بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ
اپنے کلام کے ذریعہ سے ممتاز کیا ۱۹۱ سو اب لو جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا ہے اور شکر گزاروں
الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ
میں سے رہو ۱۹۲ اور ہم نے ان کو تختیوں پر ہر چیز لکھ دی نصیحت اور تفصیل ہر چیز
مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ
سے متعلق ۱۹۳ انہیں قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو
قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ
حکم دو کہ اس کے اچھے اچھے (احکام) کو لازم کر لیں ۱۹۴ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانوں کا مقام
الْفٰسِقِيْنَ ۝۱۴۵ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ
دکھا دوں گا ۱۹۵ میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو پھرا ہوا ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ
ناحق تکبر کرتے رہتے ہیں ۱۹۶ اور اگر یہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں جب بھی ان پر

العقل والفهم الى الانسان بعد ذهابهما عنه (روح) سُبْحٰنَكَ۔ یعنی تو پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ عالم ناسوت میں انسانی حاسۂ بصر کی گرفت میں آسکے۔
تُبْتُ اِلَيْكَ۔ یعنی اپنی اس مشتاقانہ وبے تابانہ درخواست پر معذرت کرتا ہوں۔ قال مجاهد من مسألة الرؤية فی الدنیا (قرطبی) یہ خیال رہے کہ توبہ ہمیشہ معصیت ہی سے نہیں ہوتی۔ ہر نامناسب درخواست سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہے۔ واجمعت الامة علی ان هذه التوبة ما كانت من معصية (قرطبی) مذہب اہل سنت میں رؤیت باری اس دنیا میں عقلاً بالکل جائز ہے۔ صرف شرعاً ممتنع ہے۔ ۱۹۱ (سو تمہارے لئے یہ امتیازات خاصہ کچھ کم ہیں؟) بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ۔ دونوں کے درمیان عطف مغایرت لاکر گویا ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ رسول اور کلیم دو مختلف منصبوں کے نام ہیں۔ اور ہر رسول کے لئے کلیم ہونا لازمی نہیں۔ ۱۹۲ (بہ خلاف اپنی ناشکری قوم کے) مَآ اٰتَيْتُكَ کے عموم میں رسالت ہم کلامی اور شریعت توریت سب آگئے۔ ۱۹۳ یعنی مسائل واحکام دین سے متعلق ہر ضروری تفصیل ان میں درج کر دی گئی۔ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ سے ساری دنیا کی چیزیں مراد نہیں بلکہ وہی احکام ومسائل دین مراد ہیں۔ ای مما یحتاج الیه فی دینه من الاحکام (قرطبی) ولا شبهة فیه انه لیس علی العموم بل المراد من كل ما یحتاج الیه موسٰی وقومه فی دینهم (کبیر) مِنْ یہاں مزیدہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ من مزیدة لا تبعیضیة (روح) لَهٗ۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کے لئے۔ الْاَلْوَاحِ۔ انہی لکھی ہوئی تختیوں کا نام توریت پڑا۔ اجمال کی کسی قدر تفصیل خود توریت میں ہے:۔ "اور موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے اور وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف ادھر اور ادھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا" (خروج ۳۲: ۱۵) مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ۔ جار ومجرور سے بدل ہے یعنی مواعظ وتفصیل احکام میں سے ہر چیز۔ وبدل من الجار والمجرور ای كتبنا له كل شیء من المواعظ وتفصیل الاحكام والی هذا ذهب غیر واحد من المعربین (روح)
۱۹۴ یعنی اس کے سارے احکام کو، کہ اچھے تو اس کے سب ہی احکام ہیں۔ خُذْهَا بِقُوَّةٍ۔ یعنی اے موسیٰؑ کوشش واہتمام کے ساتھ ان پر عمل کرو۔ ۱۹۵ (اے قوم اسرائیل
خطاب ابھی صیغۂ واحد میں حضرت موسیٰؑ سے تھا اب صیغۂ جمع میں امت موسوی سے ہو رہا ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ سے مراد سرکش وبے دین عمالقہ ہیں جو اس وقت تک ارض کنعان پر قابض تھے۔
آیہ کو بشارت کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے کہ عنقریب تمہیں تمہارے دشمنوں کے ملک پر قابض ومالک کر دیا جائے گا۔ ای سیورثهم ارض اعدائهم ودیارهم (کبیر) اور عبرت کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں داخل ہوگے۔ ان کے انجام سے عبرت حاصل کروگے چنانچہ قتادہ تابعی سے یہی معنی مروی ہیں۔ فادخلكم الشام واریكم منازل الكافرین الذین كانوا متوطنین فیها من الجبابرة والعمالقة لتعتبروا بها (کبیر) ۱۹۶ (اور دنیا میں تکبر کا حق کسی کو بھی نہیں پہنچتا اس لیے تکبر جہاں کہیں بھی ہوگا ناحق ہی ہوگا) یعنی ایسے لوگ جو قصداً راہ کبر وانانیت اختیار کئے ہوئے ہیں، انہیں کبھی بھی قبول حق کی توفیق نہ ہوگی اور یہ برابر راہ حق سے برگشتہ ہی رہیں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو تکوینی طور پر قبول حق پر مجبور کر دیا جائے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی یہ راہ کبر وگردن کشی خود ان گردن کشوں کے معیار سے بھی سرتاسر مہمل وباطل ہے۔

۱۸۲ ان سب واقعات پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اوّل رکوع ۶ میں گزر چکے۔ ۱۸۳ ان چالیس شبوں پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اوّل رکوع ۶ میں گزر چکے۔ اب وقت وہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل کر آزاد و خود مختار ہو چکی ہے۔ اور اب اس قوم کے لئے ایک دستورِ شریعت نازل ہونے کو ہے اور حضرت موسیٰؑ اسی کو لینے کیلئے کوہ طور پر طلب کئے گئے ہیں۔ پہاڑ پر ایک چِلّہ کی مُدّت کے لیے حضرت موسیٰؑ نے خاص ریاضتوں کے ساتھ قیام کیا۔ لَیْلَةً میں دن اور رات دونوں شامل ہیں۔ اور لفظ لیلةً ہی سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ شریعت میں معتبر تاریخ کا وہی حساب ہے جو بجائے دن کے رات سے کیا جائے۔ دلت الآیة علی ان التاریخ یکون باللیالی دون الایام (قرطبی) اور جو تقویم قمری حساب سے قائم ہوگی اس میں رات کی یہ اہمیت ویسی ہی قدرتی ہے جیسی تقویم شمسی میں دن کی اہمیت۔

وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تم کو سخت عذاب میں
الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ
ڈالے ہوئے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ
میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمایش تھی ۱۸۲ اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰؑ سے
لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ
تیس شبوں کا پھر اُن کا تکملہ دس (اور راتوں) سے کیا سو موسیٰؑ کے پروردگار کی مدت چالیس شب کی پوری
وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ
ہوئی ۱۸۳ اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور
اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ
اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی روش پر نہ چلنے لگنا ۱۸۴ اور جب موسیٰؑ ہمارے
مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ
وقت (موعود) پر آگئے اور اُن سے ان کا پروردگار ہمکلام ہوا ۱۸۵ موسیٰؑ بولے اے میرے پروردگار
اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ
مجھے اپنے کو دکھلا دیجیے (کہ) میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ۱۸۶ (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ
فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ
تم (اس) پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے ۱۸۷ پھر جب ان کے پروردگار نے

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہی عدد اصل ہے صُوفیہ کے ہاں کے چِلّہ کی جس کی برکتیں مشاہد ہیں۔ ۱۸۴ (جیسا کہ مجھے اپنے وسیع تجربہ کی بنا پر حق حاصل ہے کہ تمہیں اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے لئے انتظامی اُمور میں مفصل احکام و ہدایات دے جاؤں) اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ حضرت ہارونؑ تو خود نبی تھے۔ ان کی یہ جانشینی بہ حیثیت نبی نہیں، بہ حیثیت اعلیٰ سردار قوم کے تھی حضرت موسیٰؑ انہیں نبوت کی جانشینی سونپ کر نہیں جا رہے ہیں بلکہ بہ حیثیت نائب سردار اپنا جانشین بنا رہے ہیں اور اسی کے متعلق ہدایات بھی دے رہے ہیں ——— یہ نیابت و خلافت اسی طرح کی تھی جیسے نبی کریم صلعم جب مدینہ سے باہر کسی غزوہ وغیرہ میں جاتے تو انتظامی اُمور کی باگ کبھی حضرت علیؓ کے کبھی حضرت ابن اُمّ مکتومؓ کے اور کبھی کسی اور صحابی کے ہاتھ میں دے جاتے اس کو خلافت نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔

اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ۔ مُرشد تھانوی رحؒ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے شیوخ کے اس عمل کی کہ مُریدوں کو اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں۔

۱۸۵ حضرت موسیٰؑ کے لیے جناب باری سے ہم کلامی کا یہ دوسرا موقع ہے۔ ایک بار اس سے قبل عطائے نبوّت کے وقت کوہِ طور پر ہی اس شرف سے مشرف ہو چکے تھے گو اس وقت کلام اس حد تک بے واسطہ اور براہِ راست نہیں ہوا تھا جیسا کہ نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِمِیْقَاتِنَا میں ل اختصاص کا ہے۔ ای لوقتنا الذی وقتناہ واللام للاختصاص (روح) ۱۸۶ (اپنی انہی مادّی آنکھوں سے) ایک پیمبر جلیل القدر کی زبان سے یہ درخواست بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رؤیت باری مادّی آنکھوں سے عقلاً محال و ممتنع نہیں۔ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ قول فرطِ اشتیاق سے مغلوب ہو کر تھا۔ ۱۸۷ اصل درخواست کا جواب لَنْ تَرٰىنِیْ پر ختم ہو گیا۔ یعنی اس ناسُوتی دنیا میں اپنی مادّی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہو اور یہ جواب اس ناسوت میں رؤیت باری کے امتناع شرعی کی دلیل ہے گویا بہ طور اصُول کے یہ حقیقت بتا دی گئی کہ انسان اپنی ترکیب جسمانی کے اعتبار سے ضعیف البُنیان ہے۔ اس کے قوائے ظاہری اس عالمِ عنصری میں رؤیت جمالِ باری کی تاب نہیں لا سکتے۔ اصل جواب تو وہیں ختم ہو گیا۔ آگے مزید شفقت و کرم سے ایک موقع حضرت موسیٰؑ کو عملی تجربہ اور اطمینان قلب کا اور دیا جا رہا ہے۔ اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا دیکھو پہاڑ جو ظاہری و مادّی اعتبار سے انسان سے کہیں زیادہ قوت رکھتا ہے۔ اس پر ہم اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالے دیتے ہیں۔ اگر وہ اسے برداشت کر لے گیا تو تمہارے لیے بھی برداشت کرنا ممکن ہوگا ——— پیمبر بھی آخر جسمانی قویٰ وہی رکھتا ہے جو دوسرے انسان رکھتے ہیں۔

۱۷۶ غرقِ فرعون پر مفصل حاشیہ سورۂ بقر پارۂ اوّل رکوع ۶ کی تفسیر میں گزر چکے۔ اِنْتَقَمْنَا۔ انتقام کے معنی محاورۂ عرب میں عذاب سے کسی نعمت کو سلب کر لینے کے ہیں۔ الانتقام فی اللغة سلب النعمة بالعذاب (کبیر) فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عقوبتِ دنیوی کبھی معصیت پر بھی مرتب ہو جاتی ہے۔ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۔ اس میں تصریح کردی کہ سزا کی بناء ان لوگوں کی تکذیبِ آیاتِ الٰہی اور ان کی طرف سے اعراض تھا۔ عنھا میں ضمیر آیات کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور نعمت کی طرف بھی جو فانتقمنا کا مدلول ہے۔ الکنایة عائدة الی الآیات وھو اختیار الزجاج (کبیر) قیل انھا عائدة الی النقمة (کبیر) غٰفِلِیْنَ۔ غفلت سے یہاں وہ کیفیتِ قلب مُراد نہیں جو انسان کے اختیار کے باہر ہے بلکہ اعراض اختیاری مراد ہے۔ المراد بالغفلة ھنا الاعراض عن الآیات وعدم الالتفات الیھا فھم اعرضوا عنھا حتی صاروا کالغافلین (کبیر) فَانْتَقَمْنَا میں ف اس پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ سزا انہیں مسلسل گستاخانہ عہد شکنیوں کے بعد دی گئی۔

اَلْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ

ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھ لیے گئے تھے اس سرزمین کے پچھم اور پورب کا

وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے ۱۷۷ اور آپ کے پروردگار کا نیک وعدہ

الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا

بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی بنا پر پورا ہو کر رہا اور جو کچھ فرعون اور

كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ (۱۳۷)

اُس کی قوم نے تیار کیا تھا اور جو جو اونچی (عمارتیں) بنائی تھیں ان (سب) کو ہم نے ملیا میٹ کر دیا ۱۷۸

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اُتار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر گزرے

یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ

جو اپنے بُتوں کو لیے بیٹھے تھے (اس پر بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسٰیؑ ہمارے لیے بھی ایک

اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (۱۳۸)

دیوتا ایسا ہی بنا دیجئے جیسے ان کے (یہ) دیوتا ہیں (موسٰیؑ نے) کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے ۱۷۹

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۱۳۹)

یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہو کر رہیگا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہے بھی (بالکل) باطل ۱۸۰

قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (۱۴۰)

(موسٰیؑ نے) کہا کیا میں اللہ کے سوا کسی (اور) کو تمہارا معبود تجویز کروں درآنحالیکہ وہ تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دے چکا ہے ۱۸۱

۱۷۷ (ظاہری و باطنی، مادی و روحانی دونوں قسم کی) مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا۔ یعنی سرزمین شام جس کی آبادیاں دریائے یردن کے مشرقی و مغربی دونوں ساحلوں پر ہیں۔ المراد بارکنا فیھا بالخصب وسعة الارزاق وذالك لایلیق الا بارض الشام (کبیر) اَلْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ ۔ ظاہر ہے کہ مراد بنی اسرائیل ہیں۔ علاقہ شام پر بنی اسرائیل کا پورا قبضہ چند نسلوں بعد حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ہوا۔

۱۷۸ مَا كَانَ یَصْنَعُ سے مراد عمارتیں ہیں۔ یرید المصانع (کبیر۔ عن ابن عباسؓ) ما کانوا یعملون ویسورون من العمارات وبناء القصور (کشاف) وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ سے بھی مراد وہی اونچی عمارتیں ہیں۔ قال ابو عبیدة یبنون (راغب) یرفعون الابنیة المشیدة فی السماء (کبیر) یہ فرعون مغروق اپنے شوقِ تعمیرات کے لئے تاریخ میں مشہور بھی ہوا ہے — وما کانوا یعرشون کے دوسرے معنی فرعون کے لگائے ہوئے باغ اور چمن بھی ہو سکتے ہیں۔ ای ما کانوا یعرشون من الجنات (کبیر) كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى میں وعدہ نیک، فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے اور خود مختاری کا تھا۔ و معنی تمام الکلمة الحسنی انجاز الوعد الذی تقدم باھلاك عدوھم واستخلافھم فی الارض (کبیر) بِمَا صَبَرُوْا۔ یعنی یہ مرتبے جو کچھ حاصل ہوئے انہیں صبر ہی کی بنا پر نصیب ہوئے۔ انما حصل ذالك التمام بسبب صبرھم (کبیر)

۱۷۹ کہ توحید جیسی بے نظیر نعمت سے مشرف ہو کر بُت پرستی جیسی لعنت پر گرتے ہو! وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ۔ یعنی جب بنی اسرائیل بحرِ احمر کے شمالی سرے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھ چکے۔ اس پر حاشیہ سورۂ بقر رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ یہ قوم ممکن ہے کہ عمالقہ کی ہو اور ممکن ہے کہ بنی لخم ہو۔ بہرحال تھی کوئی بُت پرست قوم۔ اِجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا۔ بنی اسرائیل کی اس بیہودہ فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید پرستی ان کے دل میں بالکل ہی نہیں اتری تھی اور جیسے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ معبود سازی اپنے اختیار و انتخاب کی چیز ہے اور قومی سردار و رہبر کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جیسے چاہے اپنی قوم کے لیے معبود قرار دیدے۔ عجب نہیں حضرت موسٰیؑ کے جواب انکم قوم تجھلون میں اس جانب بھی اشارہ ہو کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات ہی نہیں آتی! کیا معبود ٹھہرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟

۱۸۰ یعنی ان کا یہ شغل بُت پرستی بجائے خود بھی باطل ہے اور انجام کار اس کے حق میں خدائے قادر و قدوس کی طرف سے تباہی و بربادی بھی ہے۔ تم آخر کیا ایسوں کی تقلید کی طرف جا رہے ہو؟ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہلِ باطل کے ساتھ تشبہ تو دنیوی عادات میں بھی مذموم ہے چہ جائیکہ رسُوم عبادت وغیرہ میں!

۱۸۱ (بہ حیثیت علمبردار توحید کے) حضرتؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرک تو کسی قوم کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تمہارے لیے جو شروع سے توحید کے حامل اور علمبردار بنا کر بھیجے گئے ہو۔ افضلیت بنی اسرائیل پر حاشیے سورۂ بقر پارہ اوّل رکوع ۵، ۶ میں گزر چکے۔

١٧٠ جب حق کے مقابلہ میں ضد و عناد حد سے بڑھ جاتا ہے اور انسان ہر صورت میں مخالفت ہی کی ٹھان لیتا ہے تو اس مسخ شدہ ذہنیت میں مبتلا ہو کر ہر سیدھی سی سیدھی بات اور صاف سی صاف دلیل سے اسی طرح انکار کر سکتا ہے۔ بجنسہٖ یہی ذہنیت جاہلین عرب کی دینِ محمدی کے عناد میں رہی اور جاہلینِ فرنگ کی آج تک چلی آرہی ہے ـــــــ سیرتِ نبوی کے روشن سے روشن اور پاکیزہ سے پاکیزہ واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر کے پیش کرنا۔ اُلٹے سے اُلٹے نتیجہ نکالنا یہ خاص الخاص جوہر آج کے "روشن خیال محققینِ فرنگ" کے ہیں۔ مَهْمَا اصل میں ما کمرر سے مرکب ہے۔ پہلا ما شرطیہ اور دوسرا ما تاکید کے لیے ہے۔ پھر تکرار کے ثقل سے بچنے کے لئے پہلے ما کا الف ہ سے بدل دیا گیا ہے۔ اصلها ما الشرطیة ضمت الیها ما المزیدة للتاکید ثم قلبت الفها هاء استثقالاً للتکریر (بیضاوی) خلیل نحوی اور نحوئین بصرہ کی تحقیق یہی ہے۔ هذا قول الخلیل والبصریین (کبیر) ١٧١ (قہرِ خداوندی کے بھی اور صداقتِ موسوی

ٰايَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ فَأَرْسَلْنَا

ہمارے سامنے لاؤ جس سے ہم کو مسحور کرنا چاہو ہم تو تم پر ایمان لانے کے نہیں ١٧١ پھر

عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَ

ہم نے اُن پر بلا نازل کی اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور

الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

خون (یہ سب) جدا جدا نشان تھے ١٧٢ مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی (عادی)

مُّجْرِمِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى

مجرم ١٧٣ اور جب ان پر کوئی عذاب آپڑتا تو کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لیے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اُس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ١٧٣ اگر تم ہم پر سے (اس) عذاب کو

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ﴿١٣٤﴾

ہٹا دو تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے آئینگے اور ہم تمہارے ہمراہ بنی اسرائیل کو کر دیں گے ١٧٤

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلٰٓى أَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ إِذَا

پھر جب ہم اُن سے عذاب کو اسی مدت تک کے لیے ہٹا دیتے جس تک انہیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً

هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ

ہی عہد شکنی کرنے لگتے ١٧٥ غرض ہم نے انہیں سزا دے دی اور انہیں سمندر میں ڈبو دیا

بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَأَوْرَثْنَا

اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی طرف سے (بالکل ہی) غفلت میں پڑے رہتے تھے ١٧٦ اور

کے بھی) توریت کی کتاب خروج باب ۷-۸-۹ کی مختلف آیتوں میں ان میں سے اکثر عذابوں کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔
اَلْجَرَادَ۔ ٹڈیوں نے مصریوں کی زراعت کو برباد کر دیا۔
اَلْقُمَّلَ مصریوں کے کپڑوں اور جسموں میں یہ گندے کیڑے لپٹ گئے۔
اَلضَّفَادِعَ۔ مینڈکوں کی ہرجائی افراط نے مصریوں پر کھانا، پانی سب حرام کر دیا۔ اَلدَّمَ۔ دریائے نیل مصریوں کے حق میں خون ہو گیا تھا۔ اَلطُّوْفَانَ۔ عربی میں طوفان ہر شدید و ملک گیر حادثۂ ابتلاء کو کہتے ہیں۔ الطوفان کل حادثة تحیط بالانسان (راغب) قال الزجاج الطوفان من کل شیٔ ما کان کثیرا محیطا مطبقا بالقوم کلهم (کبیر) توریت میں ذکر آتشین ژالہ باری (اولوں میں لپٹی ہوئی آگ) کا آتا ہے (خروج ۹: ۲۳-۲۷) ہو سکتا ہے کہ الطوفان سے اشارہ اسی جانب ہو۔ عام طور پر مفسرین نے اس سے مراد موت یا وبائی مرض لیا ہے۔ الطوفان هو الموت (کبیر۔ عن ابن عباسؓ) قیل الجدری وقیل الطاعون (بیضاوی) وجاء من عطاء و مجاهد تفسیره بالموت (روح) ١٧٢ (کہ اتنے کھلے عجائبِ قدرت دیکھ کر بھی قائل نہ ہوئے)۔ ١٧٣ کہ ہمارے تائب ہو جانے پر وہ اپنے قہر کو ہم سے ہٹا لیگا) بما میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔ ما بمعنی الذی ای بما استودعك من العلم (قرطبی) ١٧٤ یہ مضمون توریت کی متعدد آیتوں میں ملتا ہے مثلاً:۔ "تب فرعون نے موسیٰ اور ہارونؑ کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے! اور میں اُن لوگوں کو جانے دُونگا تاکہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں"۔ (خروج ۸: ۸) "تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلوایا اور انہیں کہا کہ اس دفعہ میں نے گناہ کیا ہے۔ خداوند عادل ہے۔ میں اور میری قوم گنہگار ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو کہ بس، کہ آگے کو اس طرح سے ذکر جے اور اولے نہ گریں تب میں تمہیں جانے دُونگا اور تم اس سے آگے یہاں نہیں رہنے کے (خروج ۹: ۲۷-۲۸) "تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ میرا گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اسی موت کو مجھ سے دُور کرے۔ (خروج ۱۰: ۱۶-۱۷)

١٧٥ یعنی جب جب وہ عذاب عارضی طور پر ان سے ٹل جاتا تو معاً اُن کی وہ سرکشی و نافرمانی پھر لوٹ آتی۔ توریت میں یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً:۔ "جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اُس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا اُن کی نہ سُنی"۔ (خروج ۸: ۱۵) "فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا۔ ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی"۔ (خروج ۸: ۳۲) اس مضمون کی آیتیں کتاب خروج کے باب ۷، ۸، ۹ میں بار بار آئی ہیں۔ باب ۱۱ میں آتا ہے:۔ "اور موسیٰؑ اور ہارونؑ نے یہ عجائب فرعون کو دکھائے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا (خروج ۱۱: ۱۰) اِلٰٓى أَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ۔ یعنی اس وقت کے لئے جو علمِ الٰہی میں ان کی ہلاکت کے لئے مقرر تھا۔ الی الی اجل معین (کبیر)

۱۶۴ (سو دنیوی عارضی حاکمیت ہرگز کوئی معیار مقبولیت وحقانیت کا نہیں) یہاں یہ اہم حقیقت صاف ہوگئی کہ حکومت کا کوئی لازمی تعلق مقبولیت سے نہیں۔ بلکہ وہ مصالح تکوینی
کے تابع ہے نہ یہ ضرور ہے کہ جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو، اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہی ہو۔ محکومیت، مقبولیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ دونوں کے درمیان منافات نہیں۔
۱۶۵ بنی اسرائیل کے اس شکوہ سے متعلق ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ قَالُوْٓا کے فاعل یعنی یہ کہنے والے بنی اسرائیل ہی تھے۔ ۱۶۶ (اور اپنے فرائضِ خلافتِ

الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۣ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ
ہے وہ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دیں اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ
ہی کے ہاتھ رہتا ہے ۱۶۴ (وہ لوگ) کہنے لگے ہم تو تمہارے آنے سے قبل بھی مصیبت میں رہے اور تمہارے
بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ
آنے کے بعد بھی ۱۶۵ (موسیٰؑ نے) نے کہا کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور
وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵
تم کو زمین کا حاکم بنا دے گا پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ۱۶۶ اور
وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ
ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں
الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَاۗءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ
پکڑا تاکہ وہ تنبیہ حاصل کریں ۱۶۷ لیکن جب ان پر خوشحالی آتی تو
قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰي
کہتے یہ تو ہمارے لیے ہی ہے اور اگر انہیں بدحالی پیش آتی تو موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی
وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ
نحوست بتاتے ۱۶۸ سنو جی! ان کی نحوست تو بس اللہ ہی کے علم میں ہے لیکن
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ
ان میں سے اکثر (اتنی موٹی بات بھی) نہ جانتے ۱۶۹ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم کیسا ہی نشان

ارض کہاں تک انجام دیتے ہو) سو دیکھنے اور فکر رکھنے کی اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں نہ کہ انسان کا موقف تکوینی۔ فِي الْاَرْضِ۔ ارض کا لفظ عام ہے۔ مخصوص ارض مصری مُراد نہیں۔ شام، فلسطین کہیں بھی بنی اسرائیل کا آزاد و خود مختار حاکم ہو جانا اس وعدہ کے ایفاء و تحقق کے لئے کافی ہے۔
عَسٰي۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنیٰ میں شک و احتمال نہیں رہتا بلکہ یقین اور وعدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عسٰی من اللہ واجبٌ (قرطبی) عن ابن عباس کل عسٰی فی القراٰن فھی واجبة الا فی موضعین (ابوالبقاء) عَسٰي ۔ ۔ ۔ ۔ فِي الْاَرْضِ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیۃ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ کافروں کا مغلوب اور مومنوں کا غالب ہونا ایک نعمتِ عظیم ہے۔ پس ترکِ دنیا کے یہ معنیٰ نہیں کہ مومن کافروں کے ہاتھ میں بلا کسی عذر و مجبوری کے، ذلت و خواری کے ساتھ پڑا رہے۔ ۱۶۷ یہ اس وقت پیش آیا جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے انکار و مخالفت بڑھتی ہی گئی۔
بِالسِّنِيْنَ۔ سنین۔ سنة کی جمع ہے جس کے معنیٰ محض سال کے ہیں لیکن محاورۂ زبان میں اس کا اطلاق قحط والے سال پر ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ یعنی الجدوب وھذا معروف فی اللغة (قرطبی) عبارة عن الجدب

واکثر ما یستعمل السنة فی الحول الذی فیه الجدب (راغب) لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔ غایت اس نافرمان و سرکش قوم کے ابتلاء کی بھی اس کی اصلاح ہی تھی۔
۱۶۸ (بجائے اس کے کہ اسے اپنی تکذیب و بدعملی کا نتیجہ سمجھ کر تائب ہوتے اور ان واقعات و حوادث سے عبرت کا سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرتے) فَاِذَا جَاۗءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ
قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۔ یعنی اسے تمام تر اپنی خوش بختی، خوش تدبیری پر محمول کرتے۔ بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر توحید و طاعت کی راہ اختیار کرتے۔ ۱۶۹ یعنی
یہ بدبخت اپنی بدنصیبیوں اور محرومیوں کو موسیٰ علیہ السّلام کے سر تھوپتے۔ حالانکہ یہ موٹی سی بات ہے کہ ان کے اعمال کفریہ اللہ پر روشن تھے۔ اور ان کی دنیوی محرومیاں انہی اعمال
کفریہ کا وبال تھیں۔ انما سبب شؤمھم عند اللہ وھو عملھم المکتوب عندہٗ۔ (کشاف)

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ
اس (شہر) سے یہاں والوں کو نکال دو ۱۵۸ سو تم کو ابھی (حال) معلوم ہوا جاتا ہے میں تمہارے
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ
ہاتھ اور تمہارے پیر الٹی طرف سے کاٹے ڈالتا ہوں پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ کر
اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ
رہوں گا ۱۵۹ وہ بولے (خیر) ہم اپنے پروردگار ہی کے پاس تو لوٹیں گے ۱۶۰ اور تو آخر ہمیں کیوں
مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ
سزا دے رہا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہم تک پہنچیں
عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ
اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر (کے مشکیزے) انڈیل دے اور ہماری جان اسلام (ہی) پر نکال ۱۶۱ اور قوم
قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي
فرعون کے سردار بولے کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو (یوں ہی) چھوڑے رہیں گے کہ وہ ملک میں فسا
الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ
پھیلاتے پھریں اور موسیٰ آپ کو اور آپکے معبودوں کو چھوڑے رہیں ۱۶۲ وہ بولا (نہیں جی) ہم ابھی ان کے
وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ
لڑکوں کو قتل کرتے ہیں اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم ان پر (ہر طرح) غالب ہی ہیں ۱۶۳ موسیٰ
مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ
نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کئے رہو زمین اللہ ہی کی

ع ۱۴

ف ۱۵۸ (اور موسیٰؑ وہارونؑ سے سازش کر کے اپنی حکومت قائم کر لو) قبل سے مراد ہمیشہ "پیشتر" ہی نہیں ہوتا۔ "وبغیر" بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ (کہف)، یا اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دمًا والاضراس جمرًا ف ۱۵۹ سولی کی سزا قدیم قوموں خصوصاً قدیم مصریوں میں عام تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ خِلَافٍ مثلاً داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں۔ ف ۱۶۰ (تو اس سزا اور موت سے ہمیں ڈراتا کیا ہے؟) اللہ اللہ، ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ یہ ساحر وہی ہیں کہاں تو ابھی اپنا کمال فن دکھانے کے لئے مال وجاہ، انعام واکرام کے طالب تھے! اور کہاں اب سرفروشی پر بے تکلف آمادہ ہو گئے۔ ف ۱۶۱ خاتمہ بالخیر کی دعا کرتے رہنا خاص شیوہ مومنین ہے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہم کو صبر سے اتنا بہرہ ور کر کہ ہم ہر سختی پر ثابت قدم رہیں۔ باوجود کمال عزم وہمت اپنے عزم وہمت پر تکیہ نہ کرنا اور اللہ ہی سے مدد چاہے جانا خاص شعار مومنین ہے۔ ف ۱۶۲ یعنی آپ موسیٰؑ کو اس کی آزادی برابر دیئے رہیں گے کہ وہ خوب آپ کی، آپکے دین کی، آپکے دیوتاؤں کی جتنی چاہیں توہین کریں اور موسیٰؑ اور قوم اسرائیل سلطنت میں انقلاب وبغاوت پھیلاتے رہیں؟ يَذَرَكَ۔ لِيُفْسِدُوْا میں ابھی ابھی ضمیر جمع غائب کی گزر چکی ہے اب ضمیر واحد غائب کی ہے جو حضرت موسیٰؑ کی طرف راجع ہے ——— گویا ملکی انقلاب میں تو ساری قوم اسرائیل شریک اور مجرم ہے۔ باقی مذہبی بغاوت کے کرتا دھرتا موسیٰؑ ہیں۔ اٰلِهَتَكَ۔ فرعون خود تو سورج دیوتا کا اوتار تھا ہی۔ اور اس کے علاوہ بھی مصر کے دین شرک میں بہت سے دیوی دیوتا موجود تھے۔ ف ۱۶۳ (سو جو انتظام ہم کرنا چاہیں، بے تکلف کر سکتے ہیں) سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ۔ یعنی ہم پھر وہی طریقے انسداد شر وفساد کے اختیار کریں گے جو ولادت موسیٰؑ سے قبل کر چکے ہیں۔

قَالُوا يٰمُوسٰى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ
وہ (ساحر) بولے اے موسیٰ یا تو تم (پہلے) ڈالو یا ہم ہی ڈال

الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ
چلیں ۱۵۱؎ (موسیٰ) نے کہا تم ہی ڈالو ۱۵۲؎ پھر جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ
جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کردی اور بڑا جادو کر دکھایا ۱۵۳؎ اور ہم نے وحی کی

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
موسیٰ کو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجیے سو یک بہ یک اُس نے اُن کے گڑھے ہوئے (شعبدوں)

يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
کو نگلنا شروع کردیا ۱۵۴؎ سو حق (کا حق ہونا) ظاہر ہوگیا اور جو کچھ وہ (ساحر) کرتے رہے تھے سب ضائع ہوکر

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ
رہا ۱۵۵؎ سو وہ لوگ وہیں ہار گئے اور ذلیل ہوکر رہے ۱۵۶؎ اور ساحر سجدے میں گر پڑے (اور)

سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى
بولے کہ ہم تو ایمان لے آئے (سارے) جہانوں کے پروردگار پر (وہی جو) پروردگار ہے

وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ
موسیٰ اور ہارون کا ۱۵۷؎ فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ
ہونہ ہو یہ ایک چال ہے جو شہر میں تم چلے تاکہ تم

۱۵۱؎ اب بیان ایک دُوسرے منظر کا ہو رہا ہے مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اس تاریخ پر سب میدان میں جمع ہوئے ہیں۔ قرآن مجید شعر بلیغ کی طرح درمیانی مضامین کی جواز خود سمجھ میں آسکتے ہیں صراحت نہیں کرتا۔ انہیں چھوڑ کر دوسری منزل بیان کر دیتا ہے۔ ساحر اس وقت تک مُوسیٰؑ نبی کو بھی اپنے ہی طرح کا ایک ماہرِ فن ساحر سمجھ کر گویا کہہ رہے ہیں کہ مقابلہ ہمارے تمہارے فن کا تو اب ہو ہی رہا ہے۔ اب یہ بتلاؤ شروع کون کرے گا؟ —— کرکٹ کی اصطلاح میں پہلی اینگز (Innings.) کس کی ہوگی؟ ۱۵۲؎ احقاق حق کے لیے مقابلہ معجزہ سے سحر کا تو بہر حال ناگزیر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدرۃً وہ شق اختیار کی جس میں احقاق حق کا پہلو زیادہ قوی و نمایاں تھا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس سے خود اذن نہیں بلکہ اذن کو ان کے کفر کے ابطال اور اپنے معجزہ کے اثبات کا ذریعہ بنانا تھا۔ ایسی ہی مصلحت سے بعض اوقات شیوخ ایسے امر میں اذن دیتے ہیں کہ اس کا ظاہر معصیت ہوتا ہے مگر آخر میں اُس میں کوئی مصلحت دینی ہوتی ہے اور وہی مصلحت ان کو مقصود ہوتی ہے۔ ۱۵۳؎ ساحر اپنے فن کے ماہر تھے اور انہوں نے پورا ثبوت اپنے کمال فن کا دے دیا۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا - یعنی جب ساحروں نے زمین پر اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈال دیا۔ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ - اور اس اثر سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح لہراتی دکھائی دینے لگیں۔ یہ نظربندی اور آنکھوں کی مسحوریت سحری کی قسم ہے۔ قرآن ساحروں کے کرتب کے سلسلہ میں تبدیلی حقیقت کا مدعی نہیں۔ اور یہ دعویٰ کہ یہ لاٹھیاں یا رسیاں واقعی سانپ بن گئی تھیں۔ اور سحر نے بھی وہی کر دکھایا جو معجزہ کا حاصل تھا۔ قرآن کا نہیں، البتہ توریت کا ہے۔ "چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا۔ اور وہ سانپ ہوگیا" (خروج۔ ۷: ۱۱، ۱۲) قرآن کے شارحین تو سب اُسے خیال بندی ہی کے معنیٰ میں لیتے ہیں۔ ای خیلوا لهم وقلبوها عن صحة ادراكها (قرطبی) اروها بالحيل والشعوذة وخيلوا اليها ما الحقيقة بخلافه (کشاف) ای خيلوا الى الابصار ان ما فعلوه له حقيقة فى الخارج ولم يكن الا مجرد صنعة وخيال (ابن کثیر) ای صرفوا اعينهم عن ادراك حقيقته ما فعلوه من التمويه والتخييل وهذا هو السحر (معالم) معجزہ حق دیکھیے کہ بائبل کے محققین کا فیصلہ آج توریت کی روایت کے حق میں نہیں۔ قرآنی بیان کی تائید میں ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ الناس کے تحت میں مُوسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں چنانچہ انہیں بھی دھوکا لگا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ تو اس سے اُمور ذیل مستنبط ہوئے۔ (۱) خوارق سے دھوکا نہ کھانا، اس لیے کہ یہ تو اہل باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ (۲) سحر کی ایک قسم خیال میں تصرّف کرنا بھی ہے اور اسی میں مسمریزم داخل ہے (۳) ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمالِ باطنی کے منافی نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے۔ (۴) اہلِ حق کا ایسے اُمور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا ضروری نہیں۔ ۱۵۴؎ (اژدہا بن کر) مَا يَاْفِكُوْنَ کا فاعل السحرة (جادوگر ہی)۔ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ یعنی اپنا عصا ڈال دیجیے، جیسا کہ اس سے بیشتر بھی کئی موقعوں پر ڈال چکے ہیں۔ ۱۵۵؎ (جیسا کہ اکثر دنیا میں حق و باطل کے تصادم کے موقعوں پر ہوتا رہتا ہے) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو حق تھا وہ ظاہر بھی حق ہوکر اور جو باطل تھا اُس کے بطلان کا بھی عملی ظہور ہوکر رہا۔ ۱۵۶؎ یہ مغلوبیت اور ذلت ظاہر ہے کہ علاوہ ساحروں کے ساری فرعونی پارٹی کے حصہ میں آئی تھی، اِنْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ - انقلب ہمیشہ رجع ہی کا مترادف نہیں ہوتا۔ صار کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ ای صاروا اذلاء (روح) ۱۵۷؎ یعنی ہم تو شرک و مخلوق پرستی کے گورکھ دھندے سے نکل آئے۔ ہم نے دین توحید اختیار کر لیا۔ اور مُوسیٰؑ کی رسالت کی ہم تصدیق کر رہے ہیں۔ ساحروں کو اب اس کا احساس ہو گیا تھا کہ مُوسیٰؑ کے پاس جو کچھ ہے وہ سحر و طلسم سے کہیں بلند تر کوئی اور ہی چیز ہے۔ اور اسی احساس نے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ سٰجِدِيْنَ - لازمی نہیں کہ سجدہ یہاں اصطلاحی معنیٰ میں ہو، ہو سکتا ہے کہ جادوگروں کا محض جُھک جانا اور اطاعت اختیار کر لینا مُراد ہو۔ وحمل السجود على الخضوع اى انهم خضعوا (روح)

اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ
بنی اسرائیل کو جانے دے ۱۴۱ (فرعون) بولا اگر تم کوئی نشان لے کر آئے ہو تو اُسے پیش کرو اگر تم
اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ
(اپنے دعوے میں) سچے ہو ۱۴۲ اس پر (موسیٰؑ) نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعۃً
ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ
ایک صاف اژدہا بن گیا ۱۴۴ اور (موسیٰؑ نے) اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں
لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا
کے رُوبرو یک بیک خوب روشن تھا ۱۴۵ قوم فرعون کے سرداروں نے یہ دیکھ کر کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر
لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ۚ
جادوگر ہے ۱۴۶ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے ۱۴۷
فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَاَرۡسِلۡ فِى
سو بتاؤ اب کیا صلاح ہے بولے اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور ہرکارے
الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ﴿١١١﴾ يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿١١٢﴾
شہروں شہروں بھیجیے کہ وہ آپ کے پاس سارے ماہر جادوگر لے آئیں ۱۴۸ اور
وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا
جادوگر آگئے فرعون کے پاس (اور) بولے ہم کو کوئی (بڑا) انعام تو ضرور ہی ملے گا اگر ہم
نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿١١٤﴾
غالب آگئے ۱۴۹ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور تم (ہمارے) مقربوں میں (داخل) ہو جاؤ گے ۱۵۰

۱۴۱ یعنی ایسا معجزہ جو تمہاری سمجھ میں بھی آجائے۔ حَقِيۡقٌ عَلٰٓى ..... الحق۔ پیمبر کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا وصف اس کی غیر متزلزل و غیر مشتبہ دیانت، امانت و راستبازی ہوتی ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق سب سے پہلے اسی کا اعلان فرماتے ہیں۔ حقیق، قیل معناہ جدیر وقیل واجب (راغب) قَدۡ جِئۡتُكُمۡ، صیغۂ جمع مخاطب سے مراد کل فرعونی ہیں

۱۴۲ بنو اسرائیل اصلاً ایک موحد قوم تھی اور اس وقت ایک مشرک تاجدار کے ظلم و ستم کی تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا مطالبہ قدرۃً یہی ہے کہ میں ان موحدوں کو اس مشرکانہ و جاہلی فضا سے دُور اور الگ لے جا کر ایک الگ خطۂ زمین میں آباد کروں گا۔ آج (۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں) ہندوستان میں جو تحریک ایک مستقل اور جُداگانہ اسلامی آبادکاری کی پاکستان کے نام سے چلی ہوئی ہے اس تحریک کو خلافِ اسلام کہنے والے علماء براہِ کرم اس آیت پر خلوئے ذہن کے ساتھ غور فرمائیں۔

۱۴۳ مشرکوں کی سمجھ میں بجائے عقلی دلائل اور شہادت ضمیر و وجدان کے مادّی معجزات ہی زیادہ آسانی سے آتے ہیں اور وہ فرمائشیں ہمیشہ مادّی معجزہ و خارق عادت ہی کی سب سے بڑھ کر کرتے رہتے ہیں

۱۴۴ یہ خیال رہے کہ مصر قدیم میں سانپ ایک متقدس جانور سمجھا جاتا تھا۔ جیسے ہندوستان میں گائے بلکہ ہندوستان میں تو خود سانپ بھی مقدس سمجھا جاتا ہے اور ہندوؤں میں سانپ کی پوجا کا دن "ناگ پنچمی" بڑے دھوم سے منایا جاتا ہے۔ ثُعۡبَان کہتے ہیں ایک بڑے اور موٹے قسم کے سانپ یا اژدر کو۔ الحیۃ الضخم الذکر وھو اعظم الحیات (قرطبی) الثعبان الحیۃ الضخمۃ الذکر فی قول جمیع اھل اللغۃ (کبیر) عصائے موسوی جسامت کے لحاظ سے ایسا ہی ہو گا باقی جہاں اس کی تیز رفتاری کا اظہار مقصود ہے وہاں قرآن مجید اس کے لیے جَآنّ لایا ہے۔ امکان اس کا بھی ہے کہ وہی عصا کہیں ثعبان بن جاتا ہو اور کہیں جانّ۔ توریت میں یہ واقعات درج ہیں مگر حسب معمول بڑے خلط ملط کے ساتھ، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ۔ یعنی اژدر بھی ایسا جس کے اژدر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ای حیۃ لالبس فیھا (قرطبی) لا یشک فیہ انہ ثعبان (کشاف) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل حقیقت ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا۔ (تھانویؒ)

۱۴۵ لِلنّٰظِرِيۡنَ سے کوئی نظربندی کا شبہہ نہ کرے کیوں کہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی، جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا اور انقلاب حقائق کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلاثہ یعنی وجوب و امتناع و امکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے ورنہ عناصر کا استحالہ کون نہیں دیکھتا۔" (تھانوی) نَزَعَ يَدَهٗ یعنی اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا۔

۱۴۶ مصر کا جادو قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اُس وقت مصر علوم سحر و کہانت کا مرکز تھا۔

۱۴۷ (اور خود اپنی حکومت یہاں قائم کرے) دنیا پرستوں کی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی اہلِ حق اغراض دنیوی سے بالاتر ہو کر خالصۃً للہ بھی کام کر سکتا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے طریق حق کو ایک باطل کی صورت میں ظاہر کیا۔ یہی حال اہلِ باطل کا ہے کہ عوام کو اہلِ حق سے نفرت دلانے کے لیے اُن کے حق کو بُرے بُرے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں۔

۱۴۸ ارکان دربار و مشیران سلطنت نے مشورہ یہ پیش کیا کہ موسیٰ و ہارون کو سردست مہلت دے دی جائے اور اس درمیان میں قلمرو بھر میں سرکاری ہرکاروں کے ذریعہ سے منادی کرا کے ماہرین فن جادوگروں کو جمع کر لیا جائے۔ اَرۡجِهۡ۔ یعنی انہیں روک کے رکھیے ٹالے رکھیے۔ یقال ارجأتہ و ارجیتہ ای اخرتہ وقال ابن حبلس اخرہ (قرطبی)

۱۴۹ مشورہ پر عمل ہوا اور اب بیان اس کے نتائج کا ہو رہا ہے۔ لَاَجۡرًا میں تنوین اجر کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ التنکیر للتعظیم (کشاف)

۱۵۰ یعنی مال و جاہ ہر طرح کے انعام و اعزاز سے سرفراز کیے جاؤ گے۔

۱۳۶ یہ بیان ہو رہا ہے کافروں کے کمال قساوتِ قلب اور شدتِ عناد کا کہ جس چیز سے ایک بار یا پہلے وہلے میں انکار کر بیٹھے اس پر انہیں پھر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی اور ہر دلیل، ہر ثبوت، ہر معجزہ اُن کے لئے بیکار ہی رہا۔ اَلْبَیِّنٰتِ ۔ دلائل و معجزات سب پر حاوی ہے۔ ای الحجج علی صدقهم (ابن کثیر) ای الآیات والمعجزات والعجائب (سلم)
۱۳۷ (ان کے کفر اختیاری کی بنا پر) اس اصل کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے کہ جب بندہ اپنے قصد سے کفر کی راہ اختیار کئے رہتا ہے تو حق تعالیٰ اسے اسی راہ پر جما دیتا ہے اور اُن کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔ لما علم منهم انهم یختارون الثبات علی الکفر (مدارک) ۱۳۸ خطاب پیغمبر سے ہے کہ ان نافرمانوں کی سرشت

اَنۡۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوۡا
بیان کر رہے ہیں اور ان (سب) کے پاس ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان لے کر آئے پھر بھی اُن سے یہ
لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى
نہ ہوا کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا دیا تھا اُس پر ایمان لے آتے ۱۳۶ اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر بند
قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ ۚ
لگا دیتا ہے ۱۳۷ اور ہم نے پاس (عہد) ان میں سے اکثر میں نہ پایا اور ہم نے
وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ
ان میں سے اکثر کو بس نافرمان ہی پایا ۱۳۸ پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنے
بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوۡا
نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا پر اُن لوگوں نے ان (نشانوں)
بِهَا ۚ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ
کا حق ادا نہ کیا سو دیکھئے مفسدوں کا کیسا بُرا انجام ہوا ۱۳۹ اور موسیٰ نے
مُوۡسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾
کہا کہ اے فرعون میں پروردگار عالم کی طرف سے پیمبر (ہو کر آیا) ہوں ۱۴۰
حَقِيۡقٌ عَلٰٓى اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ ؕ قَدۡ
قائم ہوں اسی پر کہ میں کوئی بات اللہ پر گڑھ کر نہ کہوں (البتہ حق ہی کہوں گا)، میں
جِئۡتُكُمۡ بِبَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَرۡسِلۡ مَعِىَ بَنِىۡۤ
تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلا نشان لے کر آیا ہوں ۱۴۱ سو تو میرے ساتھ

اور ذہنیت ہمیشہ سے یہی رہی ہے سو آپ ان پر زیادہ غم نہ کریں۔ اَكۡثَرِهِمۡ میں ضمیر الناس (لوگوں) کی طرف ہے، یا امم سابقہ کی طرف۔ الضمیر للناس علی الاطلاق یعنی ان اکثر الناس نقضوا عهد الله (مدارک) ای لاکثر الامم الماضیة (ابن کثیر) مِنۡ عَهۡدٍ ۔ عَهۡد یہاں وفاء العہد کے معنیٰ میں ہے اور حذف مضاف کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ ای من وفاء عهد (بیضاوی) لیکن خود عہد سے یہاں مُراد کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ مراد عہد یوم میثاق ہے۔ قال ابن عباس یرید الوفاء بالعهد الذی عاهدهم الله وهم فی صلب اٰدم (کبیر) قال ابن مسعود العهد هنا عهد الایمان (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ مبتلائے مُصیبت ہو کر ایمان لانے کا عہد کرتے تھے لیکن مصیبت دُور ہو جانے پر پھر اُسے بُھلا دیتے تھے۔ ای ما عهد والیه حین کانوا فی ضر و مخافة (بیضاوی) مِنۡ عَهۡدٍ میں من زائدہ جنس پر دلالت کرنے کے لئے۔ من زائدة وهی تدل علی معنی الجنس (قرطبی)
۱۳۹ (اسی دنیا میں چنانچہ وہ غرق و ہلاک ہو کر رہے) من بعدهم میں هم کی ضمیر رسل کی طرف ہے جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے یا پھر امم کی طرف۔ الضمیر للرسل فی قوله وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ او للامم (مدارک و بیضاوی) ای الرسل المتقدم ذکرهم (ابن کثیر) فَظَلَمُوۡا بِهَا ۔ یعنی ان نشانوں کا حق ادا نہ کیا۔ بلکہ برابر انکار و تکذیب ہی کرتے رہے۔ ان نشانوں کا حق ادا کرنا یہی تھا کہ اُن پر ایمان لے آتے۔ بِهَا میں ضمیر آیات کی طرف ہے جو دلائل و معجزات سب کی جامع ہے۔ بِاٰيٰتِنَا ۔ ای بحججنا و دلائلنا البینة (ابن کثیر) بِاٰيٰتِنَا ای بادلتنا (سلم) فِرۡعَوۡنَ پر حاشیے سورۂ بقر رکوع ۵ میں گزر چکے۔ آیت سے متکلمین نے استدلال کیا ہے کہ نبی کے لئے کسی امتیازی اور روشن نشان کا ہونا لازمی ہے۔ هذه الآیة تدل علی ان النبی لابد له من اٰیة و معجزة بها یمتاز عن غیره (کبیر) ۱۴۰ مصر کا یہ فرعون ظاہر تو خود الوہیت اور مظہریت کا مدعی تھا وہ نہ عقیدۂ توحید اور وجودِ ربّ العٰلمین ہی کے ماننے کے لئے تیار تھا اور نہ عقیدۂ رسالت کے یعنی اس ذات مطلق کی طرف سے کسی انسان کے پیامبر ہونے کے!

ف۱۳۰ (اور ہلاک کردیا) اَھْلُ الْقُرٰی - وہی آبادیاں مراد ہیں جن کی طرف پیمبر بھیجے گئے تھے اور جو ان کی تکذیب کے پاداش میں ہلاک کردی گئیں۔ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین متقین کے لئے غیب سے کارسازیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور برکات سماوی وارضی سے مُراد بھی وہ کل چیزیں ہیں جو انجام کار کے لحاظ سے مبارک ومفید ہوتی ہیں - قیل المراد بالبرکات السماویة والارضیة الاشیاء التی تحمد عواقبها و

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ
اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم اُن پر
بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰھُمْ
آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا، سو ہم نے اُن کی
بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ
کرتوتوں کے پاداش میں اُن کو پکڑ لیا ف۱۳۰ تو کیا بستی والے اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا
بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّھُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی
عذاب شب کے وقت آپڑے درآنحالیکہ وہ سو رہے ہوں ف۱۳۱ یا کیا بستی والے اس سے بے خوف ہوگئے ہیں
اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّھُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا
کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے درآنحالیکہ وہ کھیل میں لگے ہوں ف۱۳۲ کیا (یہ لوگ) اللہ کی
ع ۱۲ ۶ ۲
مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾
خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہوگئے ہیں سو اللہ کی تدبیر سے کوئی بھی بے خوف نہیں ہوتا بجز اُن لوگوں کے جو
اَوَلَمْ یَھْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَھْلِھَآ
گھاٹے میں آچکے ہیں ف۱۳۳ کیا اُن لوگوں پر جو اب زمین کے وارث ہیں بعد اس کے (سابق) باشندوں کے یہ بات واضح
اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ
نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں بھی مصیبت میں مبتلا کردیتے ان کے گناہوں کے عوض میں ف۱۳۴ اور ہم
فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ
بند لگائے ہوتے ہیں اُن کے دلوں پر سو وہ سنتے ہی نہیں ف۱۳۵ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ قصّے ہم آپ سے

یسعد فی الدارین صاحبها ولا ینفتح ذالک الا للمومن (روح) لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ - ہر طرح کی برکتیں اُن پر نازل کرتے اور بلاؤں سے مصیبتوں سے انہیں محفوظ رکھتے - آسمان وزمین کی برکتوں سے مُراد ہر قسم کی برکات ہیں - اور "فتح برکات" سے مراد ہر امر میں آسانیاں پیدا کردینا ہے - منهما یحصل جمیع المنافع والخیرات (کبیر) ای لاٰتیناهم بالخیر من کل وجه (کشاف) ومعنی فتح البرکات علیهم تیسیرها علیهم کما یتسر امر الابواب المستغلقة بفتحها (کشاف) ای یسرنا علیهم الخیر من کل جانب (راج) ف۱۳۱ یعنی خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہوں) نَآئِمُوْنَ - نوم سے مُراد یہاں غفلت لی گئی ہے - ای غافلون عن ذالک (ابن عباسؓ) اَھْلُ الْقُرٰی - مُراد رسول اللہ صلعم کے معاصرین منکرین اہل مکہ ہیں - ای اهل مکة (ابن عباس) المراد بالقرٰی مکة و ماحولها (قرطبی) قیل المراد بهم اهل مکة وماحوالیها وهو الاولیٰ عندی والی ذالک ذهب محی السنة (رح) ف۱۳۲ یعنی خدا اور آخرت کو بھولے دنیا کی غفلتوں اور بدمستیوں میں پڑے ہوں - اهل القرٰی سے مُراد یہاں بھی وہی مکہ والے ہیں - اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا - یعنی اُن پر ہمارا عذاب آپڑے جیسا کہ منکرین سابقین پر آچکا ہے۔ ف۱۳۳ مَکْرَ اللّٰہِ سے مراد عذاب الٰہی ہے جس کی گرفت مجرموں پر عموماً بالکل اچانک ہوتی ہے۔ ای اخذه العبد من حیث لا یشعر (مدارک) اَلْخٰسِرُوْنَ سے مراد محاورۂ قرآنی میں عموماً کافر ہی ہوتے ہیں۔ یہ معنی لے کر آیۃ سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی سے قطعاً بے خوف ہوجانا کفر ہے۔ ف۱۳۴ یعنی منکرین مکذبین سابق کا انجام دیکھ کر بھی کیا یہ حقیقت ابھی کفار معاصرین پر منکشف نہیں ہوئی ہے؟ اَوَلَمْ یَھْدِ لِلَّذِیْنَ - ھدایة کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں - تبیین کے یعنی روشن وواضح ہوجانے کے۔ انما عدی یهد باللام معنی یبین (بیضاوی) لِلَّذِیْنَ ..... اَھْلِھَا - مُراد کفار عرب، رسولؐ اللہ کے معاصرین ہیں - یرید کفار مکة ومن حولهم (قرطبی) ف۱۳۵ کلام حق وپیام حق کو توجہ و التفات یا ارادۂ قبول سے) قُلُوْبِھِمْ میں ضمیر اُنہی کافروں کی طرف ہے جو عدم ایمان پر جمے ہوئے تھے۔ ای علی قلب من لم یرد منه الایمان

الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اَلَّذِیْنَ

آپکڑا سو وہ اپنے اپنے گھر میں اوندھے مُنہ پڑے رہ گئے ۱۲۵ جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

شعیبؑ کو جھٹلایا تھا (وہ ایسے مٹے) کہ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیبؑ کو

شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ

جھٹلایا تھا نقصان اُٹھانے والے وہی رہے ۱۲۶ اس وقت وہ اُن سے منہ موڑ کر چلے اور بولے

یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

اے میری قوم والو! میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیام پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیرخواہی کی

فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ

تھی، تو میں کیوں غم کروں کافر لوگوں پر ۱۲۷ اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی

مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے تنگدستی اور بیماری میں مبتلا کیا

لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ

تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ۱۲۸ اس کے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ بدل کر کے خوشحالی پھیلا

الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ

دی چنانچہ انہیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی اور راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی

وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

پیش آتی رہی تھی اس پر ہم نے ان کو یک بہ یک پکڑ لیا اور وہ (اس کا) گمان (بھی) نہیں رکھتے تھے ۱۲۹

۱۲۵ (اور مدین کی بستی تباہ اور آبادی ہلاک ہو کر رہ گئی) توریت میں بھی ذکر اہلِ مدین کی بیہودگی اور پھر اسرائیلیوں کے ساتھ اُن کے قتل و ہلاک ہونے کا مفصل آیا ہے۔ (گنتی باب ۳۱ و باب ۲۵) لیکن قرآن مجید اس زمانہ سے قبل کا حال بیان کر رہا ہے۔ دَارِهِمْ مرادف مساکنھم کے ہے۔ فی دارھم ای فی مساکنھم (کبیر) ۱۲۶ منکرین و متکبرین دعوٰی کے ساتھ پیشین گوئی مومنین کے نقصان اُٹھانے کی کر رہے تھے۔ واقعۃً و عملاً خود ہی سب سے زیادہ نقصان میں رہے۔ اور دُنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا یہی مآل آخر کار اور ایک مدت کے مقابلہ کے بعد ہر سرکش و خدا فراموش قوم کا ہوتا رہا ہے۔ فِیْهَا میں ضمیر دارھم کی طرف ہے۔ لَمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ غنی فی مکان۔ کے معنی محاورہ میں یہ آتے ہیں کہ کوئی شخص فلاں مکان میں اپنے دوسرے مکانات سے بے نیاز ہو گیا۔ اسی سے ایک مجازی معنی بسنے اور آباد ہونے کے بھی پیدا ہو گئے۔ اور وہی یہاں مُراد ہیں۔ ای لم یقیموا فیہا یقال غنینا بمکان کذا ای اقمنا فیہ (ابن قتیبہ) آیت سے ظاہر ہے کہ ہلاکت و تباہی ہمیشہ مادّی ہی اسباب سے نہیں آتی بلکہ کثرت معاصی بھی باعث ہو جاتی ہے۔ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا کی تکرار اور كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ کی ترکیب واقعہ کے اظہار اہمیت کے لئے ہیں۔ والتنبیہ علی ھذا والمبالغۃ فیہ کرر الموصول (بیضاوی) العرب تکرر مثل ھذا فی التفخیم والتعظیم (کبیر) وفیہ معنی الاختصاص ای ھم المخصوصون بالخسران العظیم دون اتباعہ (کشاف)

۱۲۷ تم پر یہ مصیبت تو اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ اور میرے ہر طرح سمجھانے کے بعد اسے تم اپنے اُوپر لائے ہو۔ اب تم میری ہمدردی کے مستحق ہی کب باقی رہے۔ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ۔ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قوم مبتلائے عذاب ہو چکی تھی۔ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ یعنی میں پیام رسانی کا حق ادا کر چکا۔ نَصَحْتُ لَكُمْ۔ یعنی فرطِ شفقت سے تمہیں ہر طرح سمجھا بجھا کر دیکھ چکا۔ عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ۔ بجائے علیھم کے قوم کافرین کی تصریح نے اسے صاف کر دیا کہ عدم استحقاق تأسف و ہمدردی کفر اختیاری ہی کی بنا پر ثابت ہوا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبغوضین مستحق ترحم نہیں ہوتے۔

۱۲۸ (اور استکبار و خود بینی چھوڑ کر عاجزی و فروتنی اختیار کر لیں) بلاؤں کا نزول اصلاً اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگ اپنی گمراہیوں پر متنبہ اور اُن سے تائب ہو کر خدا پرستی کی راہ اختیار کر لیں۔ التضرع ھو الخضوع والانقیاد للّٰہ تعالٰی (کبیر) اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ یہ تنگدستی اور مرض میں ابتلاء بہ طور تنبیہ کے ہوتا ہے۔

۱۲۹ یعنی اس قدر غفلت اور مدہوشی میں پڑے ہوئے تھے۔ حَتّٰی عَفَوْا یعنی خُوب بڑھے، خُوب پھلے، خُوب پھولے، دولت صحت کثرت آبادی، ہر طرح انہیں ترقی ہی ترقی ہوئی۔ کثروا ونموا فی انفسھم و اموالھم (کشاف) قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ۔ یعنی یہ رنج و راحت اور ادل بدل کر واقعات خارجی و تکوینی تو ہمیشہ سب کو پیش آتے رہتے ہیں۔ انہیں عقاید کی صحت و گمرہی اور حق و باطل کی بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ ای وما ذالک الا من عادۃ الدھر یعاقب فی الناس بین الضراء والسراء وید اولھما بینھم (روح) فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً یعنی اس پر ہم نے انہیں کسی نہ کسی عذاب شدید میں دفعۃً پکڑ لیا۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کے مخالفین کو دنیا میں بھی سزا ضرور ملی ہے۔ تاکہ حجتِ الٰہی ظاہر ہو جائے اور امر نبوت مخفی نہ رہے۔ ایسی علانیہ نصرت و اعانت اولیاء صالحین کے لئے بھی ہوتی ہے مگر ضروری نہیں۔ الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر و رجوع حاصل ہو وہ حالت محمود ہے اور جس نعمت کے بعد غفلت و غرور اور مصیبت کے بعد شکایت یا انکار ظاہر ہو وہ حالت سرتاسر مذموم ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ

اُن کی قوم کے متکبر زُوردار لوگ بولے کہ اے شعیبؑ ہم تم کو

يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ

اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اُن کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے ۱۱۸ یا یہ کہ

لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ

تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ (شعیبؑ نے) کہا کہ اگرچہ ہم (اس سے) بیزار ہی ہوں؟ ۱۱۹ ہم تو

افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ

اللہ پر جھوٹ تہمت لگانے والے ہوئے اگر ہم تمہارے مذہب میں آجائیں بعد اس کے کہ

اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ

اللہ ہم کو اس سے بچا چکا ۱۲۰ اور ہم سے تو ممکن نہیں کہ ہم اُس میں پھر آئیں لیکن ہاں یہ کہ

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ

ہمارے پروردگار اللہ ہی کی یہ مشیت ہو ۱۲۱ ہمارا پروردگار ہر شے کو (اپنے) علم سے گھیرے ہوئے

تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ

ہے، اللہ (ہی) پر ہم نے بھروسہ کیا ہے ۱۲۲ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ

خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

فیصلہ کردے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے ۱۲۳، اور (شعیبؑ کی) قوم میں کافروں میں جو زُوردار لوگ تھے وہ کہنے لگے

لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

کہ اگر تم شعیبؑ کی پیروی کرنے لگے تو بڑا نقصان اُٹھاؤ گے ۱۲۴ پھر انہیں زلزلہ نے

۱۱۸ گفتگو میں لاجواب ہو کر اب قومِ شعیبؑ جبر و تشدد پر اُتر آئی ہے۔ اور پیمبر اور اُن کے رفیقوں کو شدید دھمکیاں دے رہی ہے۔ ۱۱۹ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔ عاد کے ایک معنی تو صاد کے ہیں۔ قال غیر واحد ان تعود بمعنی تصیر کما اثبته بعض النحاة واللغویین (روح) ای لتصیرن الی ملتنا وقال الزجاج یجوز ان یکون العود بمعنی الابتداء (قرطبی) یہ معنی لے کر تو فقرہ کا مطلب صرف اس قدر رہا کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ یا ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ۔ اور اس پر کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن عود کے عام معنی لوٹ آنے، پلٹ آنے کے ہیں۔ العود الرجوع الی الشیء بعد الانصراف عنه (راغب) اس پر یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت شعیبؑ بہ حیثیت نبی ہونے کے ہمیشہ ہی سے مومن تھے۔ پھر اُن سے ملّت کفر کی طرف واپس آنے کی فرمائش کے کیا معنی؟

لیکن یہ اشکال کچھ یونہی سا ہے۔ پیمبر ظاہر ہے کہ بعثت سے قبل اپنے یہاں کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا اور اس لئے وہ قدرۃً اسی میں سمجھا ہی جاتا ہے۔ یہ تو جُوں جُوں اس کا شعور بیدار ہوتا جاتا ہے۔ وہ گرد و پیش کی خرابیوں پر توجہ کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ منصب نبوت پر آجانے کے بعد علانیہ مخالفت اپنے آبائی مذہب کی کرنے لگتا ہے۔ بعض اکابر تفسیر نے بھی شعیبؑ کے قبل بعثت کے مذہب کی تعبیر سکوت سے کی ہے۔ یراد بعود شعیب فی الملة حال سکوته عنهم قبل ان یبعث (بحر) حضرت شعیبؑ کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ جب ہم بہ دلیل اور علیٰ وجہ البصیرت مذہب جاہلیت کو لغو و باطل سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے ہمارا ذوق اور ہماری عقل بیزار رہے ہے تو ہم اسے اختیار کیسے کرلیں؟

۱۲۰ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں کہ اللہ نے تو ہم پر جاہلی مذہب کی حماقتیں واضح کردیں، اور ہم پھر اس کو اختیار کرلیں تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم قصداً تنزیہ و توحید باری سے متعلق افتراء و اختراع کرتے رہے۔ عُدْنَا۔ یہ لفظ حضرت نے اُنہی لوگوں کا کہا ہُوا دُہرادیا ہے۔

۱۲۱ (کسی مصلحت تکوینی کے اعتبار سے) عارف ہمیشہ تقدیر الٰہی کے سامنے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ پہلے تو اپنا ارادہ مضبوطی کے ساتھ ظاہر کردیا کہ ہم ہرگز کفر نہیں اختیار کرنے کے۔ لیکن یہ ایک صورت دعویٰ اور اثبات خودی کی تھی، اس لیے معاً یہ جزء بھی اضافہ کردیا۔ عام مومنین کے لیے تو اس کا دھڑکا اور احتمال ہر وقت لگا ہی ہُوا ہے۔ باقی خود پیمبر کا اپنے لئے یہ کہنا اظہار عبدیت کے لیے ہے جو کمالات نبوت کے لوازم میں سے ہے۔ اور اکابر انبیاء سے ایسے ہی کلمات برابر منقول ہیں۔ قال الواحدی لم تزل الانبیاء والاکابر یخافون العاقبة وانقلاب الامر الا ترى الی قول الخلیل وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ وکثیرًا ما کان محمد صلعم یقول یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علی دینك وطاعتك وقال یوسفؑ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (کبیر)

۱۲۲ (اور وہ ہم کو دین حق سے کسی منزل میں بھی متزلزل نہ ہونے دے گا) عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ فقرہ کی ترکیب حصر کے معنی دیتی ہے یعنی بھروسہ صرف اللہ پر ہے نہ کسی اور پر، تکیہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہے۔ فهذا یفید الحصر ای علیه توکلنا لا علی غیرہ وکانه فی هذا المقام عزل الاسباب وارتقی عنها الی مسبب الاسباب (کبیر)

۱۲۳ یہ دعا ہے اس کی کہ اب آپ عملی و مشاہد طور پر حق کا حق ہونا ظاہر کردیجئے۔ المراد منه ان ینزل علیهم عذابًا یدل علی کونهم مبطلین وعلی کون شعیب وقومه محقین (کبیر)

۱۲۴ کہ ہماری سرپرستی سے محروم ہو جانے کے بعد دنیوی نقصان جو کچھ ہوگا ظاہر ہی ہے اور اپنے آباء کے دین سے انحراف جس درجہ کا مذہبی وبال ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے۔ حضرت شعیبؑ کی تبلیغ میں خاص زور مالی احتیاط اور معاشی تقویٰ پر تھا۔ جاہلی قومیں اُسے اپنی مالی بربادی و معاشی تباہ حالی کا پیش خیمہ سمجھتی رہی ہیں۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ جملہ کی ترکیب خاص زور دینے کے لیے ہے۔ جیسے اُردو میں کہیں کہ "بس تم بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہے"۔

۱۱۴ (اور میری تصدیق پر آمادہ ہو) فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ اہلِ مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ ان کا اصلی فسق معاملات تجارت میں بدمعاملگی اور بددیانتی تھی، اسی لئے پیمبر وقت بعد عام دعوتِ توحید کے، سب سے پہلا سبق تجارتی اخلاق کا دے رہا ہے۔ اَوْفُوا الْكَيْلَ۔ کیل سے مراد آلۂ کیل یعنی پیمانہ ہے یا وہ چیز جو ناپی جائے۔ ارید بالکیل آلۃ الکیل وھو المکیال او سمی ما یکال بہ بالکیل (کشاف) وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ اصلاحی نظام یعنی شریعتِ خداوندی کو جزءاً یا کلاً قبول کرنے سے انکار کرنا، اور بندوں کے ادائے حقوق میں کمی کرتے رہنا یہ سب صورتیں فساد فی الارض ہی کی ہیں۔ وَلَا تَبْخَسُوْا کے اطلاق وعموم کے ماتحت خیانت و بددیانتی کی ہر صنف آگئی۔ چوری، ڈکیتی، رشوت غصب وغیرہا۔ المراد من البخس التنقیص بجمیع الوجوہ و یدخل فیہ المنع من الغصب والسرقۃ واخذ الرشوۃ وقطع الطریق و انتزاع الاموال بطریق الحیل (کبیر) وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مدلول نص پر قیاس کرکے صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ جو اہل علم اپنے معاصر فضلاء کی تعظیم و توقیر کا حق واجب نہیں ادا کرتے وہ بھی اس آیت کی زد میں آجاتے ہیں۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اشارہ ان پانچ چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی دو چیزیں عقاید میں سے ایک اقرارِ توحید، دوسرے اقرارِ رسالت۔ اور تین چیزیں اعمال میں سے، ایک شفقت علی خلق اللہ، دوسرے ترک بخس، تیسرے ترک اِفساد (کبیر) ۱۱۵ (اعتراض واعراض کی نیت سے) تُوْعِدُوْنَ۔ یہ لوگ ایمان والوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے جیسا کہ ہر سرکش بدراہ قوم کا قاعدہ ہے۔ کانوا یوعدون العذاب من امن (قرطبی) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ضمیر اسم اللہ کی طرف ہے اور شعیبؑ کی طرف بھی جائز ہے۔ یحتمل ان یعود الی اسم اللہ وان یعود الی شعیب (قرطبی) ای باللہ (مدارک) قوم کے امراضِ خبیثہ ایک ایک کرکے بیان ہو رہے ہیں۔ امام قرطبی آیت کی تفسیر کے ذیل میں اپنے زمانہ کا حال تأسف وقلق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بھی خلاف شرع جبر ستانی اور ظلم وزیادتی کے طریقہ جاری ہوگئے ہیں۔ اور اسلام بجز نام اور رسم کے اب باقی ہی کہاں رہ گیا ہے۔ لم یبق من الاسلام الا رسمہ ولا من الدین الا اسمہ۔ ۱۱۶ یعنی ان مکذب ومنکرِ حق قوموں کا انجام جو تم سے قبل ہو چکی ہیں۔ کس کس طرح تباہ و برباد ہوکر رہی ہیں اور ان کے علوم وفنون، ان کی صنعتیں اور حرفتیں، ان کی دولت و تمول، ان کی تہذیب و تمدن ان کی ترقیاں کوئی چیز بھی انہیں ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ ۱۱۷ (اور دونوں فریقوں کی حالت یکساں ہے اور اس ظاہری یکسانی نے تمہیں تردد میں ڈال رکھا ہے) سے (اور اس کا فیصلہ اپنے وقت مناسب پر عذاب کے ذریعہ سے ہوگا) فَاصْبِرُوْا۔ وعید وتہدید کے مفہوم میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپؑ انہیں کفر پر قائم رہنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ لیس ھذا امرًا بالمقام علی الکفر ولکنہ وعید وتہدید (قرطبی)

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

سو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں مت کیا کرو،

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ

ملک میں فساد نہ مچاؤ اس کی درستی کے بعد یہی تمہارے حق میں بہتر

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ

ہے، اگر تم ایمان والے ہو ۱۱۴ اور سڑک پر مت بیٹھا کرو، اس طرح

صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ

کہ دھمکیاں دے رہے ہو، اور اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو روک رہے ہو جو اس پر ایمان

اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ

لا چکے ہیں، اور اس (راہ) میں کجی تلاش کر رہے ہو ۱۱۵ اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے،

قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

پھر اللہ نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھ رکھو اہل فساد کا کیسا انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا

ہوا ۱۱۶ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لا چکا ہے

بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

جسے لیکر مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے ۱۱۷ تو صبر کئے رہو، یہاں تک

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، سے

۱۰۷ مراد اغلام جیسے گندے عمل سے ہے۔ اس کی طرف رغبت وکشش ہونا تو درکنار تصور ہی سے ہر فطرت سلیم رکھنے والے کو ایک طبعی کراہت پیدا ہوتی ہے جو جگہ تمام تر گندہ فضلہ کے لئے ہو اور جو عضو بجز اخراج فضلات کے اور کسی ضرورت سے اندر کی جانب کھلتا ہی نہیں اُسے محلِ شہوت سمجھ لینا اور اُسے لُطف ولنشاط کا آلہ بنالینا اپنی حد درجہ غلاظت پسندی اور گھناؤنے پن کا ثبوت دینا ہے۔
مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو بعد کو (مثلاً یونانی تہذیب کی ترقی کے زمانہ میں) اس شیطانی حرکت کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ اور آج تو یہ یورپی اور امریکی تہذیب کا جزو لاینفک ہے اور پورا زور کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لگایا جارہا ہے کہ اسے بجائے غیر طبعی کے ایک طبعی تحریک قرار دیا جائے لیکن قوم لوطؑ سے قبل اس کے وجود کا تاریخ سے بھی کوئی ثبوت

الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۸۰
تم تو ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے اسے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا ۱۰۷
اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ
تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو نہیں بلکہ
اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۸۱ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ
تم ہی ہو حد سے گزرے ہوئے لوگ ۱۰۸ ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ
اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ
لگے (آپس میں) کہنے کہ انہیں اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے
يَّتَطَهَّرُوْنَ ۸۲ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ
ہیں ۱۰۹ پھر ہم نے بچالیا لوطؑ کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے وہ پیچھے
مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۸۳ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ
رہ جانے والوں میں رہ گئی ۱۱۰ اور ہم نے ان پر مینہ برسادیا سو تو دیکھ لے مجرموں کا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۸۴ وَاِلٰى مَدْيَنَ
کیسا انجام ہوا ۱۱۱ اور مدین کی طرف (ہم نے)
ع ۱۰
اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا) ۱۱۲ انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی پرستش کرو بجز
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اس کے تمہارا کوئی معبود نہیں اب تو تمہارے پاس کھلا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ۱۱۳

نہیں ملتا۔ حضرت لوطؑ کے قول میں دُہری دُہری ملامت اپنی قوم پر آگئی یعنی ایک تو یہ کہ ایسی شدید بدکاری میں مبتلا ہو اور پھر یہ کہ اس کے موجد بھی تم ہی ہو، یہ بھی تو نہیں کہ کسی اور کو دیکھ کر تم نے سیکھا ہو! كانه وبخهم اولاً باتيان الفاحشة ثم باختراعها فانه اسوأ (بیضاوی) مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ پہلا مِنْ زائد ہے تاکید نفی واستغراق معنی کے لئے ہے۔ اور دوسرا مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ من اُولی زائدة لتوكيد النفى افادة معنى الاستغراق والثانية للتبعيض (کشاف) من لاستغراق الجنس (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ قوم لوطؑ کی بدکاری کے ساتھ اس کی عدم مسبوقیت کو لانا دلیل ہے اس پر کہ منکرات پر محض عمل سے کہیں بڑھا ہوا درجہ ایجاد منکرات کا ہے۔ تو اسی پر بدعت کے درجہ شناعت کا قیاس کرلیا جائے۔ ۱۰۸ (چنانچہ ایک اسی عادت پر کیا موقوف ہے ہر معاملہ میں ایسے ہی حدود سے گزرنے والے) ای انتم مسرفون فی كل الاعمال (کبیر) توریت میں اسی مقام پر ہے:۔ "اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکار اور گنہ گار تھے"۔ (پیدائش ۱۳: ۱۳) ۱۰۹ (اور ہم کو گندہ بتاتے ہیں تو ہم گندوں میں یا اِن پاکوں کا کیا کام۔ یہ نکلیں ہمارے شہر سے) اَخْرِجُوْهُمْ۔ میں ضمیر جمع غائب اتباع حضرت لوطؑ کی جانب ہے۔ ای لوطًا ومن اٰمن معه (مدارک) يَتَطَهَّرُوْنَ۔ یعنی بڑی پاکبازی بگھارتے ہیں۔ بڑے اپنی پاکبازی کے مدعی ہیں ای یدعون الطهارة (مدارک) ۱۱۰ توریت کی روایت میں ہے کہ وہ نافرمان عورت نمک کا ستون بن گئی "مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کر دیکھا۔ اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی (پیدائش۔ ۱۹: ۲۶) اَنْجَيْنٰهُ۔ یعنی اپنے عذاب سے انہیں بچادیا۔ اَهْلَهٗ۔ اہل میں خاندان والے اور دوسرے معتقدین مومنین سب شامل ہیں ای انصاره واتباعه الذين تبعوا دينه (کبیر) امْرَاَتَهٗ۔ ان کی بیوی جو ایمان سے بھی خالی تھیں۔ كانت كافرة موالية لاهل سدوم (مدارک) اس سے یہ معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی کا سبب مشترک علاوہ فسق عملی کے کفر اعتقادی بھی تھا۔ ۱۱۱ خطاب یہاں عام مخاطب قرآنی سے ہے۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا۔ یعنی ان پر پتھراؤ کیا۔ یہ بارش آگ اور پتھروں کی تھی، جیسے کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کے وقت ہوتی ہے۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ ماہرین فن کے تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ۲۰۶۱ ق، م کا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ہماری تفسیروں میں آتا ہے کہ چار یا پانچ شہر تھے، جو اس طرح برباد کئے گئے ہیں۔ اور ان کی آبادی کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ ۱۱۲ ان پیمبر شعیبؑ بن میکیل کا نام توریت میں کہیں تو تیرو آیا ہے۔ (مثلاً خروج ۳: ۱ میں) اور کہیں حوباب (مثلاً گنتی ۱۰: ۲۹ میں) نسب نامہ ہماری تفسیروں میں یوں درج ہے۔ شعیبؑ بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیمؑ۔ مَدْيَنَ۔ اس شہر کا محل وقوع بحر احمر کا ساحل عرب تھا۔ کوہ طور کے جنوب و شرق میں شمالاً جنوباً عرض البلد ۲۹ درجہ ۲۹ دقیقہ اور ۲۷ درجہ ۳۹ دقیقہ کے درمیان ——— حضرت ابراہیم خلیلؑ کی ایک زوجۂ محترمہ بیوی قطورہ تھیں۔ انہی کے بطن سے ایک صاحبزادہ مدین نامی تھے۔ شہر جب آباد ہوا تو قدیم دستور کے مطابق انہی کے نام سے موسوم ہوا۔ ۱۱۳ ممکن ہے کوئی خاص معجزہ مراد ہو جس کی صراحت قرآن مجید میں نہیں۔ ای معجزة وان لم يذكر فی القرآن (مدارک) ای معجزة مشاهدة بصحة نبوتی (کشاف) يجب ان يكون المراد من البينة ههنا المعجزة (کبیر) اور ممکن ہے پیمبر کا نفس آنا ہی مراد ہو۔ ——— وهو مجئ شعيب بالرسالة (قرطبی)

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ

ان کمزور لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے، بولے کیا تمہیں یقین ہے کہ

اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ

صالحؑ اپنے رب کے فرستادہ (پیمبر) ہیں وہ بولے ہم تو اس (پیام) پر ایمان ہی لے آئے ہیں

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ

جسے دیکر انہیں بھیجا گیا ہے ۱۰۱، وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لاچکے

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ

ہو ۱۰۲ غرض اونٹنی کو (بھی) مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی اور

وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

کہنے لگے اے صالحؑ اگر پیمبر ہو تو اُس (عذاب) کو لے آؤ جس کی ہمیں دھمکی

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

دیتے ہو ۱۰۳ پس اُنہیں زلزلہ نے آپکڑا سو وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے

دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

رہ گئے ۱۰۴ تب (صالحؑ) ان سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو! میں

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا

نے تو تمہیں اپنے پروردگار کا پیام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی لیکن تم تو خیرخواہوں کو

تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ

پسند ہی نہیں کرتے تھے ۱۰۵ اور (ہم نے) لوطؑ کو (بھی بھیجا) جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ارے ۱۰۶

۱۰۱ یہ لوگ بولے کہ صالحؑ کو سچا نبی سمجھنا کیا معنی ہم تو اُن کے لائے ہوئے پیاموں کو بھی سچا اور برحق سمجھ رہے ہیں۔ ان کی پیمبری کا مسئلہ تو قابل بحث ہی نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ان کی تصدیق کون کون کرتا ہے۔ سو ہم کو تو ان کی تصدیق کی توفیق ہوگئی ہے۔ کانھم قالوا العلم بارسالہ وبما ارسل بہ مالا کلام فیہ ولا شبھۃ تدخلہ لوضوحہ وانارتہ وانما الکلام فی وجوب الایمان بہ فنخبرکم انابہ مومنون (کشاف) تنبیھا علی ان ارسالہ اظھر من ان یشک فیہ عاقل ویخفی علی ذی رأی وانما الکلام فی من اٰمن بہ ومن کفر (بیضاوی) اَلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا کے صیغہ کا معروف اور اَلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا کے صیغہ کا مجہول ہونا بہت معنی خیز ہے۔ رؤسا منکرین تو متکبر و نخوت پرست تھے قرآن مجید نے یہ صاف و بے تکلف کہہ دیا۔ مومنین صادقین بجائے خود ضعیف و حقیر تھے یا نہیں، یہ قرآن مجید کچھ نہیں بتاتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ ضعیف قرار دیئے گئے تھے حقیر سمجھ لئے گئے تھے ——— اور تعبیر کے ان دو طرزوں کے درمیان کتنا فرق ہے! متکبرین میں تو ذم خود اہل استکبار کی ہے اور مستضعفین میں ذم حقیروں کی نہیں، انہیں حقیر سمجھنے والوں کی ہے۔ للذین استضعفوا ای للذین استضعفھم رؤساء الکفار واستذلوھم (کشاف) کونھم مستکبرین فعل استوجبوا بہ الذم وکون المومنین مستضعفین معناہ ان غیرھم یستضعفھم ویستحقرھم وھذا لیس فعلا صادرا عنھم بل عن غیرھم فھولا یکون صفۃ ذم فی حقھم بل الذم عائد الی الذین یستحقرونھم ویستضعفونھم (کبیر) ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تکبر شعار ہے اہل کفر و فسق کا، اور مومنین کو حقیر و ضعیف سمجھنا بھی اُنہی کا شیوہ ہے۔ اور یہیں سے یہ اصل بھی ہاتھ آجاتی ہے کہ غنٰی سے فقر بہتر ہے۔ بیّن اللہ تعالیٰ ان کثرۃ المال والجاہ حملھم علی التمرد والاباء والانکار والکفر وقلۃ المال والجاہ حملھم علی الایمان والتصدیق والانقیاد وذٰلک یدل علیٰ ان الفقر خیر من الغنٰی (کبیر)

۱۰۲ "قوم کے 'خواص' اور 'روشن خیالوں' کی ذہنیت کا کیسا صحیح نقشہ یہ مکالمہ پیش کر رہا ہے!

۱۰۳ گویا پیمبر کا کام فرمائشی عذاب کی فی الفور تعمیل کرنا ہے۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ۔ عقر کے معنی کونچیں کاٹ ڈالنے کے ہیں۔ مراد اس سے اونٹ کو ہلاک کر ڈالنا ہے۔ فعل عقر کا اسناد قرآن مجید ساری قوم کی جانب کر رہا ہے حالانکہ اونٹنی کے مارنے میں ظاہر ہے کہ گنتی کے چند افراد شریک ہونگے لیکن یہ عمل ساری قوم کی رضامندی و اتفاق رائے سے ہوا۔ اس لئے اسے منسوب بھی قوم کی جانب کیا گیا۔ اسند العقر الی جمیعھم لانہ کان برضاھم وان لم یباشرہ الا بعضھم۔ اَمْرِ رَبِّهِمْ۔ یہ امر پروردگار کا کیا تھا؟ یہ حکم اعتقاد توحید و رسالت کا تھا۔ ای ما امر بہ علیٰ لسان صالح ...... او شان ربھم وھو دینہ (کشاف)

۱۰۴ قوم ثمود کی زلزلہ سے ہلاکت تو زمانہ قبل تاریخ کی ہے یعنی اس زمانہ میں ہوئی جس کی تاریخ اس وقت محفوظ نہیں لیکن اٹلی کے مشہور اور گل و گلزار شہر پامپئی کی زلزلہ سے بربادی عہدِ تاریخ کی بات ہے۔ ۶۳ء تھا جب ایک زلزلہ سے یہاں کے فسق پیشہ باشندے تباہ و ہلاک ہوکر رہ گئے۔ اور جو کچھ بچ رہے تھے انہیں ۷۹ء میں ایک قدرتی آتشباری نے بھون ڈالا۔ دَارِهِمْ میں دار بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ قیل وحد علیٰ طریق الجنس (قرطبی) دار کو بلد کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای بلدھم (قرطبی) یعنی فی بلدھم ولذٰلک وحد الدار کما یقال دار العرب (کبیر)

۱۰۵ (بلکہ ناقدری کے ساتھ ان کی بات ٹھکراتے رہے جبھی تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا) وَنَصَحْتُ لَكُمْ۔ یعنی کس کس شفقت سے تمہیں سمجھایا، بجھایا! قَالَ يٰقَوْمِ۔ ہلاک شدہ افرادِ اُمت سے یہ فرضی خطاب بے ساختہ اظہار قلق و حسرت کیلئے ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس خطاب سے سماع موتیٰ ثابت ہوتا ہے تاوقتیکہ کوئی دلیل قوی اس کے رد میں نہ ہو۔

۱۰۶ حضرت لوطؑ بن حاران بن تارح (آزر) حضرت ابراہیم خلیلؑ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ توریت میں اُن کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۱ تا باب ۱۹۔ البتہ محرفین توریت نے اپنے حسب معمول بعض بہت ہی گندی حرکتیں بھی حضرت کی جانب منسوب کردی ہیں۔ باب ۱۹۔ آپنے جس ملک کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ وہ شرق یردن یعنی شام کا جنوبی علاقہ تھا۔ جو دریائے یردن کے اردگرد ہے۔ لِقَوْمِهٖ۔ عربی کا لفظ "قوم" یہاں اردو کے لفظ "اُمت" کے مفہوم میں ہے۔ عام قاعدہ اس سارے سیاق میں اُمت اور نبی کے درمیان "بھائی" کا رشتہ بیان کرنے کا ہے لیکن حضرت لوطؑ کی بعثت اپنی برادری یا وطن والوں کی جانب نہیں ہی بلکہ ایک دوسری قوم کی جانب ہوئی تھی۔ اسلئے وہ عام طرز بیان یہاں حذف کردیا گیا ——— قرآن سے زیادہ ان نازک تاریخی حقایق کی رعایت اور کون کرسکتا ہے؟ آپ جس قوم کی جانب بھیجے گئے۔ یہ لوگ ملک شام کے جنوب میں دریائے یردن کی وادی میں آباد تھے، سدوم عمورہ کا یہ علاقہ خوب سرسبز و شاداب تھا۔ "یردن کی ساری ترائی ... خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کی مانند خوب سیراب تھی" (پیدائش ۱۳: ۱۰)

۹۶ یعنی ایمان کا ان میں گزر ہی نہ تھا۔ ایمان اگر موجود ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ تنبیه علیٰ ان الفارق بین من نجا و بین من هلك هو الایمان (بیضاوی) ۹۷ قوم کے مورث اعلیٰ کا نام ثمود تھا۔ اور مشہور نسب نامہ یہ ہے، ثمود بن جثیر بن ارم بن سام بن نوحؑ۔ عاد جس طرح عرب جنوبی و مشرقی کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے۔ ان کے دار الحکومت کا نام حجر تھا یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔ فنِ تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر ارامی و ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔

(ارض القرآن از سلیمان الندوی جلد اول صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

اَخَاهُمْ۔ یعنی قوم ثمود کے ہموطن یا ہم قوم۔ صٰلِحًا توریت میں ان سے ملتا جلتا ایک نام سلح آتا ہے۔ اگر انہی کو حضرت صالحؑ فرض کیا جائے تو شجرۂ نسب یہ پڑتا ہے۔ صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ ایک نسب نامہ یوں بھی منقول ہے۔ صالح بن عبید بن اصف بن شیخ بن عبید بن جور بن ثمود۔ (خطبات احمدیہ از سید احمد خان) آپ کا مزار مبارک جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارہ پر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن) ۹۸ وہی پیامِ توحید جو سارے انبیاء کی دعوتوں کا خلاصہ اور سب میں مشترک رہا ہے۔

۹۹ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی میری صداقت کا کھلا ہوا مادی نشان وہ بھی تمہاری خواہش و فرمائش کے مطابق مشرک و جاہلی قوم نے فرمائش کی تھی کہ کوئی خارق عادت ہمیں دکھاؤ، تو ہم تمہیں سچا سمجھیں۔ ایک خاص قسم کی اونٹنی کا ظہور اسی فرمائش کا نتیجہ تھا۔ نَاقَةُ اللهِ۔ ناقہ کی اضافت یہاں الله کی جانب اسی طرح کی ہے جیسے بیت الله میں گھر کی اضافت اللہ کی جانب یعنی تشریف و تعظیم و تخصیص کے لئے۔ واضیفت الناقة الی الله علیٰ جهة اضافة الخلق الی الخالق وفیه معنی التشریف والتخصیص (قرطبی) اضیفت الی اسم الله تعظیما لها و تفخیما لشانها (کشاف) اللہ نے قوم کی درخواست معجزہ قبول کر کے ایک اونٹنی کسی عجیب طریقہ سے پیدا کر دی تھی اور پیمبر کے ذریعہ سے حکم یہ دیدیا تھا کہ کوئی اسے چھیڑے نہیں یہ اپنے آزاد گھومتی پھرے گی۔ اور جس وقت کوئی اسے نقصان پہنچائیگا بس وہی گھڑی عذابِ الٰہی کی ہوگی۔ انگریز مترجم قرآن سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بطور خارق عادت برآمد ہوئی تھی

ع ۹ ۸ ۱۲ وقف لازم

مَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ

وہ ایمان والے تھے ہی نہیں ۹۶ اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا) ۹۷

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

(صالحؑ نے) کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی (اور) تمہارا خدا نہیں ہے ۹۸

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ

اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آپہنچا، یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے

لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

حق میں ایک نشان سو اسے چھوڑے رہو، اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ

نہ لگانا ورنہ تمہیں عذاب دردناک آپکڑے گا ۹۹ اور (وہ وقت) یاد کرو جب (اللہ نے) تم کو

خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ

(قوم) عاد کے بعد آباد کیا اور تمہیں زمین پر ٹھکانا دیا تم اس (زمین) کے نرم حصوں پر

مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ

محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو سو

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین پر فساد مت پھیلاتے

مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

پھرو ۱۰۱ ان کی قوم کے جو متکبر سردار لوگ تھے وہ

اس میں اب تک ایک شگاف (۶۰) ساٹھ فٹ کا موجود ہے۔ اور جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب "ناقة النبی" کا نقش قدم آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۱۰۰ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ۔ یعنی قوم عاد جیسی متمدن، سرسبز، ترقی یافتہ قوم کے بعد تہذیب و تمدن کا مالک تمہیں بنایا۔ یہ مطلب نہیں کہ انہی کا ملک تمہیں دیا —— عاد و ثمود دونوں کے مرکز بالکل جداگانہ تھے۔ عاد کا مستقر جنوب مشرقی عرب تھا۔ اور ثمود کا جولانگاہ ترقی شمال مغربی عرب۔ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا عادیوں کی طرح ثمودی بھی بڑے صناع سنگتراش اور اپنی تعمیرات کے لئے مشہور ہوئے ہیں۔ اور جب ان صنعتوں اور صناعیوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے تو لازمی ہے کہ جن علوم و فنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں یعنی ریاضی، ہندسہ، انجینری ان میں بھی نہایت ممتاز و بلند پایہ ہوں۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ۔ اس جزء سے معلوم ہوا کہ دنیوی علوم و فنون میں کمال کا بھی شمار اللہ کی نعمتوں میں ہے۔ اور انہیں مطلقاً حرام یا ناجائز سمجھ لینا بہت زیادتی ہے بعض نے اس جزو سے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر بھی محل نعمت ہوتے ہیں۔ وھذا یدل علیٰ ان الکفار منعم علیھم (قرطبی) وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ تہذیب و تمدن کی پیدا کی ہوئی عیش پرستیوں میں پڑ کر خوف آخرت سے بے نیاز ہو جانا قانون شریعت کے حدود کو توڑ کر اپنے کو فسق و فجور میں ڈال دینا، اللہ کی عظمت اور اپنی عبدیت کو فراموش کر جانا، یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فقہاء کے ایک گروہ نے آیت سے نکالا ہے کہ بڑے بڑے محلوں کی تعمیرات بالکل جائز ہے۔ استدل بھذه الآية من اجاز جواز البناء الرفيع كالقصور و نحوها (قرطبی)

مِنۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّزَادَكُمۡ فِى الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً ۚ
قوم نوحؑ کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا سو اللہ کی

فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَاۤءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوۡۤا
نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ف۹۲ وہ بولے

اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ
کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ

اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷۰﴾
بیٹھیں جن کی عبادت ہمارے باپ (دادا) کرتے آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو اُسے لے آؤ

قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ ؕ
ہمارے پاس ف۹۳ (پیغمبر نے کہا (تو اچھا) اب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب ف۹۴ آہی پڑا

اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ
کیا تم مجھ سے بحثا بحثی ناموں کے بارے میں لگائے ہوئے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ (دادوں) نے

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ
ٹھیرا رکھے ہیں، اللہ نے تو ان پر کوئی دلیل اُتاری نہیں سو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے

مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ
ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۹۵، پھر ہم نے اپنی رحمت سے بچا لیا (پیمبر ہودؑ) کو اور ان لوگوں کو

بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ
جو اُن کے ساتھ تھے، اور اُن لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی جنہوں نے ہمارے آیتوں کو جھٹلایا تھا اور

ف۹۲ (کہ یہی فلاح دنیوی و اُخروی ہر پیمبر کی تبلیغ و دعوت کا اصل مقصود رہی ہے) جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ۔ یعنی بعد قوم نوحؑ کے بہ حیثیت ایک زبردست پُرقوت قوم کے تم ہی کو زمین پر آباد کیا۔ خلفاء سے مراد زمین پر نفس آبادی کی جانشینی ہے۔ یہ مُراد نہیں کہ قومِ نوحؑ کے وطن و ملک ہی میں آباد کیا ہو۔ چنانچہ قوم ہودؑ و قوم نوحؑ (عراق) سے بہت ہٹ کر جنوبی عرب میں آباد تھی۔ من علیھم بان جعلھم سکان الارض بعد قوم نوح (قرطبی) وَزَادَكُمۡ فِى الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً۔ قوم عاد جسمانی حیثیت سے بڑے قدآور و قوی ہیکل لوگ تھے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ قوت و جسامت میں زیادتی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو دنیوی نعمتوں کی تحقیر زہد میں داخل نہیں، جیسا کہ بعض اہل تقشف و تشدد کا مذاق ہے فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَاۤءَ اللّٰهِ۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور اس کے احسانات یاد کرکر کے اس کی شکر گزاری پر زیادہ راغب و مائل ہو۔

ف۹۳ (ابھی اور فی الفور) دورِ انبیاء میں مشرکوں کو یہ مغالطہ بھی ہمیشہ ہی رہا ہے جب پیمبروں کا وعظ سنتے اور دلائل و جواب میں کچھ بن نہ پڑتا تو یہی کہنے لگتے کہ "لے آؤ نہ اپنا عذاب دیکھیں تو وہ کیسا ہے"؟ ——— گویا پیمبروں کا وعدہ فی الفور عذاب کا تھا۔ اور گویا عذابِ الٰہی کا لانا پیمبروں کے اختیار کی چیز تھی! اَجِئۡتَنَا اٰبَآؤُنَا۔ اسے وہ بڑے استعجاب کے لہجہ میں اور ایک انتہائی عجیب و غریب بات سمجھ کر کہتے۔ مشرکوں کو اصلی چڑھ ہمیشہ توحید سے رہی ہے۔ انکار انہیں نفس وجودِ باری سے نہیں۔ وہ ملحد اور دہری نہیں ہوتے صرف مشرک ہوتے ہیں۔ یعنی نام خدا کا جتنی بار چاہیئے لیجئے مگر جب بھی لیجئے تنہا نہ لیجئے۔ دوسروں کے ساتھ مِلا جُلا کر لیجئے

ف۹۴ یعنی مستحق عقوبت تو تم اپنے قول و کردار سے ہو ہی چکے اب نزول عذاب جس وقت بھی ہو جائے۔ معنیٰ وقع ای وجب (قرطبی) ای حق علیکم و وجب (کشاف)

ف۹۵ (عذابِ الٰہی کے) فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ۔ یعنی تمہارے ان دیوتاؤں اور منہ بولے خداؤں کی حقیقت اور حیثیت اور ہے کیا بجز چند گڑھے ہوئے ناموں اور اصطلاحوں کے؟ معنویت اور حقیقت سے معرّیٰ۔ بِهَا۔ یعنی ان کی معبودیت پر۔ ای فی عبادتھا (قرطبی) مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ۔ یعنی کوئی شہادت، کوئی ثبوت تمہارے ان گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے وجود کا نہ تو عقل سلیم کو اور فطرت بشری کو ملتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم آسمانی نوشتہ ہی اس کی تائید میں ہے۔ نہ دلیل عقلی نہ دلیل نقلی۔ اَلَّذِيۡنَ مَعَهٗ معیت سے مراد رفاقت ایمانی ہے یعنی جو لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے۔ ای من اٰمن بہ (مدارک) عذاب الٰہی کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس سے صرف نافرمان ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اور اہل ایمان اس سے محفوظ رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہر نبی کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ موجودہ زمانہ کے ہولناک واقعات طبعی و تکوینی قحط، زلزلہ، جنگ، سیلاب، وبا وغیرہ جس سے فاسق و زاہد، کافر و مومن بلا امتیاز یکساں ہلاک ہوتے رہے ہیں۔ یہ عذاب الٰہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ عذاب الٰہی کے نمونے کہے جا سکتے ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی ایک طوفانی آندھی کی شکل میں آیا تھا۔

الَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

نوحؑ کو بچالیا اور اُن لوگوں کو بھی جو اُن کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو ڈبو دیا جنھوں

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا

ع ٦ ٨ ١٥

نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے ۵۸۷ اور عاد کی طرف ہم نے اُن کے

قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا

بھائی ہودؑ کو (بھیجا) ۵۸۸ انھوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا

تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا

کوئی معبود نہیں ہے سو کیا تم ڈرتے نہیں ۵۸۹؟ ان کی قوم میں جو رُودار لوگ کفر کر رہے تھے بولے ہم تو

لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾

تم کو حماقت میں (مبتلا) دیکھتے ہیں اور ہم تو تم کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں ۵۹۰

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ

(ہودؑ نے کہا) اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی بھی) حماقت نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں (سارے) جہانوں

الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ

کے پروردگار کی طرف سے، پہنچاتا ہوں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات اور میں تمہارا سچا خیرخواہ

أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ

ہوں ۵۹۱ کیا تمہیں حیرت اس پر ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے، تم ہی میں

رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ

سے ایک مرد کے واسطے سے نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور وہ وقت یاد کرو جب تمہیں (اللہ نے)

۵۸۷ (اپنی فرطِ جہالت سے، اور اُنھیں حق و باطل نفع و نقصان کچھ نہیں سُوجھتا تھا) فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۔ اس نجات کا تعلق عذاب طوفان سے ہے یعنی انھیں ہمہ گیر غرقابی سے صاف بچالیا۔ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۔ یہ الفاظ خود اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لئے بطور سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہل فن کو ملتے رہتے ہیں۔ توریت میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحات ذیل ملتی ہیں۔ "اور نوحؑ چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا" (پیدائش، ۷:۶) "جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اُسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی" (پیدائش، ۷: ۱۱، ۱۲) طوفانِ نوحؑ کا تخمینی سال، ۳۲۰۰ ق،م ہے یعنی آج (۱۹۴۶ء) سے پورے ۵۱۴۶ سال قبل۔ فِي الْفُلْكِ ۔ کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققینِ اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اوپر نیچے تین درجوں کا تھا۔ اور اُس کی پیمائش توریت میں حسبِ ذیل دی ہوئی ہے:۔ "اُس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اُس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ کی" (پیدائش۔ ۶:۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (Liner.) تھا جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسبِ روایت توریت یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینہ) تک چلتا رہا۔

۵۸۸ (بہ طور پیغمبر کے) ھود ۔ سامی نسل کے قدیم ترین پیمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ عرب آپ سے خوب واقف تھے۔ جنوبی عرب میں آج بھی قبر نبی ہودؑ کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے جس کا ذکر انگریزی سیاح بھی برابر کرتے ہیں بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ ہی کا نام توریت (کتاب پیدائش) میں عبر کرکے آیا ہے۔ عاد ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے۔ جو جنوبی عرب میں آباد تھی۔ اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے ـــــ گویا آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ اور ان کا پایۂ تخت یمنی شہر حضرموت تھا۔ قوم کا نام اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام پر ہے۔ اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے عاد بن عوص بن ادم بن سام بن نوحؑ۔ اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی۔ اپنے لمبے لمبے سفروں کے لئے ضرب المثل۔ أَخَاهُمْ ۔ اخ سے مقصود ہے اشتراک وطنیت یا اشتراک قومیت کا اظہار۔ یہ ایک عام سنّتِ الٰہی رہی ہے کہ قوم کی ہدایت کے لئے پیمبر اسی کا ہم قوم و ہم وطن بھیجا جاتا تھا۔ ای اخاھم فی القبیلة (قرطبی) ومعنی کونہ علیہ السلام اخاھم انہ منھم نسبًا وھو قول الکثیر من النسابین (روح) و العرب تسمی صاحب القوم اخا القوم (کبیر)

۵۸۹ (شرک کے دنیوی و اخروی وبال سے) شرک کی تردید اور توحید کی دعوت بس یہی سارے انبیاء کی تبلیغ کا لُبّ لباب رہی ہے۔ تَتَّقُونَ ۔ میں اشارہ ادھر بھی ہو سکتا ہے کہ قوم نوحؑ کے انجام غرقابی سے بھی تم نہیں ڈرتے! اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۔ یہ پیام توحید تو ہر نبی کی دعوت میں مشترک ملے گا۔

۵۹۰ داعیانِ حق کو جواب بھی ہر قوم کے "روشن خیالوں" کی طرف سے یکساں ہی ملا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عقلاء دین کو سفیہ کہنے کا طریقہ سفہاء قدیم سے آج تک چلا آرہا ہے۔

۵۹۱ رب العلمین ۔ رسول ۔ رسلت ربی ۔ ناصح ۔ وغیرہ پر حاشیے ابھی ابھی اُوپر گزر چکے ہیں۔

۵۸۱ یعنی وہ لوگ جو انہیں اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان کی قدر کرتے، ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ ۵۸۲ حضرت نوحؑ بن لامک قدیم ترین انبیاء میں سے ہیں۔ زمانہ کی تعیین دشوار ہے بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۳۸۰۰ق م تا ۳۸۵۰ق م سمجھیے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آتا ہے البتہ اس میں مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب بھی موجود ہیں۔ قَوْمِهٖ ۔ یہ لوگ ملک عراق میں آباد تھے۔ اور دنیا کی ہر جاہلی، گو بظاہر مہذب قوم کی طرح شرک میں مبتلا تھے۔ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ سے مراد دونوں عذاب ہو سکتے ہیں۔ عذاب قیامت بھی اور دنیا کا عذاب طوفان بھی۔ ولا شك ان المراد منه اما عذاب یوم القیامة او عذاب یوم الطوفان (کبیر) ۵۸۳ (کہ آبائی دین سے باغی و منحرف

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸ لَقَدْ
ہم اسی طرح دلائل ہیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو شکر گزار ہیں ۵۸۱ بالیقین ہم نے
اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا
نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو تم (صرف) اللہ کی
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مجھے تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا
عَظِيْمٍ ۝۵۹ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ
اندیشہ ہے ۵۸۳ ان کی قوم کے سردار لوگ بولے ہم تو تم کو کھلی گمراہی میں (مبتلا)
مُّبِيْنٍ ۝۶۰ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
دیکھتے ہیں ۵۸۴ (نوحؑ نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی) گمراہی نہیں بلکہ میں تو سارے جہانوں
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۱ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ
کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں ۵۸۵ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری
وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ
خیرخواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۵۸۶ کیا تم اس پر حیرت کرتے
جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ
ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ سے نصیحت پہنچی ہے
وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۶۳ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ
تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈرو عجب کیا جو تم پر رحم کیا جائے ۵۸۷ سو ان لوگوں نے اُن کو جھٹلایا تو ہم نے

ع ۵ / ۱۴

ہو کر ایک نئے عقیدۂ توحید کی دعوت دے رہے ہو) اَلْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ ۔ ہر صحیح اور سچی اصلاحی تحریک کی مخالفت میں سب سے پیش پیش قوم کے امراء و اہل وجاہت ہی ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ کا تجربہ ہے اور اسی کو قرآن مجید نے بھی ہر جگہ نمایاں رکھا ہے۔ الملأ اشراف القوم و رؤساؤهم (قرطبی) ۵۸۴ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ شرک کے پورے فلسفہ پر ضرب کاری لگانے والا لفظ یہی رب العٰلمین ہے مشرک نظام کائنات کو متفرق و منتشر صورت میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ وہ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ فلاں دیوی اور فلاں دیوتا فلاں، فلاں شعبہ کے مالک ہیں لیکن یہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کوئی مالک الملک سارے عالموں کا تاجدار اور پروردگار بھی ہے۔ ۵۸۵ (چنانچہ میں جانتا ہوں کہ دعوتِ توحید سے انکار کا وبال تم پر ضرور پڑ کر رہیگا) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ ۔ پیغمبر خدا کا مظہر یا اوتار نہیں ہوتا۔ صرف مبلغ و داعی ہوتا ہے۔ رسولٌ من رب العٰلمین میں یہ بات ابھی پہلے بھی آ چکی ہے۔ اور اب دوبارہ مزید تصریح و تاکید کے لئے ہے۔ مشرک قوموں کی سمجھ میں جس طرح توحید نہیں آتی، اسی طرح رسالت کا تصور بھی ان کے ذہن کی گرفت سے باہر ہی رہتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اوتار وغیرہ کے مشرکانہ تخیل کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں۔ اَنْصَحُ لَكُمْ ۔ شفقت، خیر خواہی تو گویا پیمبر کے ضمیر ہی میں داخل ہوتی ہے۔ وہ امت اجابت تو خیر امتِ دعوت کے ساتھ بھی جو کچھ معاملہ کرتا ہے اس کی بنیاد اخلاق و شفقت ہی پر ہوتی ہے جس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ النصح اخلاص النیة من شوائب الفساد فی المعاملة (قرطبی)

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ ۔ پیمبر کا یہ علم اس کا اپنا کسب کیا ہوا نہیں۔ اللہ ہی کی طرف سے عطا کیا ہوا ہوتا ہے۔ ۵۸۶ (باوجود تمہارے پچھلے انبار معاصی کے) اَوَعَجِبْتُمْ ..... مِّنْكُمْ ۔ مشرک جاہلی قوموں کی الٹی سمجھ میں اوتار کا عقیدہ تو آ جاتا ہے یعنی یہ کہ خالق کائنات خود کسی انسان یا کسی دوسری مخلوق کے قالب میں جلوہ گر ہو کر آ گیا، لیکن یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی اعلیٰ ظرف و کمالات والے انسان کے ذریعہ سے اپنے احکام و ہدایات دنیا کو بھیج سکتا ہے۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ ۔ منکم سے مراد من جنسکم ہے اور علی رجل سے مراد منزل علی رجل ہے۔ المعنی اَنْ جاءکم ذکر من ربکم منزل علی رجل منکم (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اپنے معاصر اولیاء سے محض ان کی معاصرت کی بنا پر نفرت و حقارت کا برتاؤ جاہلوں کا آج تک شیوہ چلا آ رہا ہے۔ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا ۔ ل دونوں میں تعلیلیہ ہے اور پورے فقرہ میں سببیت کی ایک خاص ترتیب پائی جاتی ہے یعنی پیمبر کا آنا تو انذار کے لئے ہوتا ہے اور یہی انذار سبب ہو جاتا ہے، تقوی کا اور تقوی سبب بن جاتا ہے جلب رحمت کا۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا

اور حکومت (بھی)، برکت سے بھرا ہوا ہے، اللہ سارے جہانوں کا پروردگار[۵۷۶]، اپنے پروردگار سے دعا کرو۔ عاجزی کے

وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا

ساتھ اور چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا[۵۷۷] اور مُلک میں اس کی درستی کے

فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ

بعد فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو پکارتے رہو ڈر کے ساتھ (بھی) اور آرزو کے ساتھ (بھی) بیشک

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے بہت نزدیک ہے[۵۷۸] اور وہ وُہی (خدا ہے)

يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ

جو ہواؤں کو قبل اپنی رحمت (یعنی بارش) کے خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے[۵۷۹] چنانچہ جب وہ

اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ

(ہوائیں) بھاری بادل کو اُٹھا لیتی ہیں تو ہم اُسے کسی خشک بستی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے

الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ

ذریعہ سے پانی نازل کرتے ہیں پھر ہم اُس کے ذریعہ سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو

الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ

نکال کھڑا کریں گے شاید کہ تم (اس سے) نصیحت حاصل کرو[۵۸۰] اور ستھری بستی میں پیداوار اس کے پروردگار کے

نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ

حکم سے (خوب) نکلتی ہے اور جو (بستی) خراب ہے اس کی پیداوار نکلتی بھی ہے تو بہت کم،

۵۷۶ (یعنی وہ پروردگارِ عالم ہر قسم کے کمالات کا جامع ہے) ۵۷۷ (اور دعا میں آدابِ دعا و عبودیت کا لحاظ نہ رکھنا بھی ایک صورت حد سے نکل جانے ہی کی ہے) آدابِ دعا میں یہ بھی داخل ہے کہ دُعا نہ محالاتِ عقلیہ و عادیہ کی مانگی جائے۔ اور نہ معاصی کی طلب و تمنا پیش کی جائے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ دعا مانگنے کی دعوت ہر حال میں اور بڑی چھوٹی ہر حاجت کے لئے دی جا رہی ہے۔ رَبَّكُمْ کے لفظ نے بندوں کو یاد دلا دیا کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو، وہ کوئی ظالم اور سخت گیر حاکم نہیں، وہ تو تمہارا شفیق پروردگار ہے۔ وہی تو تمہاری مادی و رُوحانی ہر طرح کی ترقیوں کا ضامن ہے۔ تَضَرُّعًا۔ دعا تو خود ایک عبادت ہی ہے۔ چاہیئے کہ حسبِ شانِ عبودیت لجاجت کے لہجہ میں اور خشوعِ قلب کے ساتھ ہو۔ بطورِ حکومت کے نہ ہو کہ جیسے موکلوں، جنات یا شیاطین کے لئے منتر، عملیات وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔ خُفْيَةً۔ اور دعا چلا چلا کر بھی نہ مانگو کہ (نعوذ باللہ) جیسے تمہارا پروردگار اُونچا سنتا ہے۔ انجیل میں ہے کہ:۔ "اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سُنی جائیگی۔" (متی۔ ۶: ۷) دوسری بات یہ ہے کہ دُعا چپکے چپکے مانگنے میں ریا و نمایش کا بھی احتمال نہیں رہتا۔ حدیث میں ایسی ہی دُعا کی بڑی فضیلت آئی ہے صحیح بخاری، صحیح مسلم دونوں میں یہ روایت آتی ہے کہ لوگ دُعا چلا چلا کر مانگ رہے تھے، ان پر آپؐ نے فرمایا کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ گراں گوش ہے اور نہ کہیں دُور ہے وہ تو قریب بھی ہے اور خوب سُنتا بھی ہے۔ عن ابی موسی الاشعری قال رفع الناس اصواتھم بالدعاء فقال رسول اللہ صلعم ایھا الناس ارجعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبًا ان الذی تدعون سمیع قریب اور حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی جو دُعا ہی کی ایک شکل ہے آہستہ کہنی چاہیئے۔ وقد استدل اصحاب ابی حنیفۃ بھذا علی ان اخفاء امین اولی من الجھر بھا لانہ دعاء (قرطبی) وفی ذلک دلیل علی ان اخفاء امین من قراءۃ فاتحۃ الکتب فی الصلوۃ افضل من اظھارہ لانہ دعاء (جصاص) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے طریقِ جلوت و خلوت یا عباداتِ جوارح و عباداتِ قلب کی طرف۔ ۵۷۸ (تمہیں اجر ہی ملنا یقینی نہیں ہے اس کا جلد ملنا بھی یقینی ہے) وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ کائنات کی اصلاح و درستی قانونِ اسلام کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے ہوتی ہے اور اس مکمل دستور العمل سے انکار ہی پہلے فسادِ عقاید اور پھر فسادِ اعمال، فسادِ اخلاق، جرائم و معاصی، قتل و خونریزی ہر قسم کے فسادات کا باعث ہوتا ہے۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ خوف تو اس لحاظ سے کہ شرائطِ قبولِ دُعا میں سے کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو، اور آرزو اس کی کہ کوئی شرط چھوٹنے نہ پائی ہو۔ ای مع الخوف من وقوع التقصیر فی بعض الشرائط المعتبرۃ فی قبول ذلک الدعاء ومع الطمع فی حصول تلک الشرائط باسرھا (کبیر) ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کہیں اس نے عدل شروع کر دیا تو ہمارے اعمال کس قابل ہیں۔ ہمیں تو ڈرتے ہی رہنا چاہیئے۔ البتہ آرزو اس کے فضل کی رکھنا چاہیئے۔ قال ابن جریج خوف العدل وطمع الفضل (معالم) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خوف کا لفظ نازِ عُجب و پندار کی تردید میں ہے اور آرزو کی تاکید مایوسی کے مقابلہ میں ہے۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ رحمۃ کا لفظ مؤنث ہے اس لئے قاعدہ سے قریب کے بجائے قریبۃ ہونا تھا لیکن رحمۃ کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے یہاں رحم یا ثواب یا غفران کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ اور خبر مذکر قریب اسی مناسبت سے لائی گئی ہے۔ انما ذکر قریب علی تاویل الرحمۃ بالرحم او الترحم (کشاف) اولان تانیث الرحمۃ غیر حقیقی (کشاف) قال سعید بن جبیر الرحمۃ ھٰھنا الثواب فرجع النعت الی المعنی دون اللفظ (معالم) قال الزجاج انما قیل قریب لان الرحمۃ والغفران فی معنی واحد وکذلک کل تانیث لیس بحقیقی (امالی ابن الشجری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱) قال النضر بن شمیل الرحمۃ مصدر ومن حق المصادر التذکیر کقولہ فمن جاءہ موعظۃ (کبیر) ۵۷۹ (عموماً وعادۃً) قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں میں اور ان کی تعداد دو ایک کی نہیں بیچاسوں کی ہے، یہ خوب یاد رکھا جائے کہ بیان واقعاتِ تکوینی کی صرف غالب اور عمومی حالت کا ہوتا ہے۔ حصر و کلیت کہیں بھی مقصود نہیں ہوتی ورنہ پھر معجزات و خوارق کا تو سرے سے سدِّ باب ہو جائے —— خارق کے معنی ہی ایک عمومی دستور میں خرق ہو جانے کے ہیں۔ ۵۸۰ یعنی یہ تکوینی داستان تمہارے سامنے اس لئے دُہرائی گئی ہے کہ تم اس مشاہدۂ فطرت سے توحیدِ الٰہی اور مُردوں کے زندہ کرنے کی قدرت پر استدلال کر سکو۔ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا۔ یعنی ہوا بادل کے اجزا کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔ سُقْنٰهُ۔ فَاَنْزَلْنَا بِهِ۔ دونوں میں ضمیر بادل کی طرف ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ۔ ضمیر پانی کی طرف ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ ...... نَكِدًا۔ سعدیؒ نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے ؎ باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ؛ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ؛ رحمتِ الٰہی کی بارش سب پر یکساں ہوتی رہتی ہے۔ خوش طینت اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بدطینت پر وہ سارا لطف ضائع جاتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر یاد دلا دیا کہ یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے آپ ہی آپ مشین کی طرح نہیں ہوتا رہتا بلکہ کوئی اس نظامِ فطرت کا ناظم منتظم بھی ہے سب کچھ اسی کی مشیتِ تکوینی سے ہوتا ہے متکلمین نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مومن خیر و طاعت کی قسم سے جو کچھ بھی کرتا ہے سب توفیقِ الٰہی ہی سے انجام دیتا ہے۔ ذلک یدل علی ان کل ما یعملہ المومن من خیر وطاعۃ لا یکون الا بتوفیق اللہ (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے مسئلۂ استعداد کی یعنی اس میں مثال آئی ہے ایسے شخص کی جس میں وعظ مؤثر ہوتا ہے اور ایسے کی جس میں مؤثر نہیں ہوتا، شخص طیب الاستعداد اور شخص فاسد الاستعداد کی۔

۷۲ (اور جس کتاب میں کسی خطا و غلطی کا امکان نہیں) علیٰ علم منّا بہ لم یقع فیہ سہو و لا غلط (قرطبی) ۷۳ (اور اب تو ہمیں اُن حقائق کا مشاہدہ ہو رہا ہے) هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔ یعنی منکرین با اتمامِ حجّت و وضوحِ حق کے بعد بھی انکار کے جانے والے تو بس اسی کے منتظر ہیں۔ تَاْوِيْلَهٗ۔ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مُراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کیں عاقبۃ ما وعد لھم فی القراٰن (ابن عباسؓ) ای الاعاقبۃ امرہ وما یؤل الیہ من تبیّن صدقہ (کشاف) يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ۔ یعنی اُن آخری نتائج اور حقائق کے ظہور کا وقت۔ یوم آخرت۔ ای تبدو عواقبہ یوم القیامۃ (قرطبی) ۷۴ یعنی یہ اقرار و اعتراف اب سب بے اثر رہے گا اور کوئی ان کے کچھ کام نہ آئیگا۔ نُرَدُّ۔ یعنی ہم دنیا میں جو دار العمل ہے ایک بار پھر واپس جائیں۔ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ یعنی دنیا میں جا کر ان اعمال کفر و فسق کے برعکس اب کی ایمان و اعمال صالحہ اختیار کریں۔ ۷۵ یعنی عزت و جلال کے تخت پر۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ خلق

عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

علم کے ساتھ خوب کھول دیا ہے اُن لوگوں کے حق میں بہ طور ہدایت و رحمت کے جو ایمان رکھتے ہیں ۷۲ وہ بس

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ

اس کے مصداق ہی کا انتظار کر رہے ہیں (سو) جس روز اس کا مصداق پیش آجائے گا تو وہ لوگ

مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا

جو اُس کو پیشتر سے بھولے ہوئے تھے بول اُٹھیں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچ ہی لے کر آئے

مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ

تھے ۷۳ سو اب ہے کوئی ہمارا سفارشی جو ہماری سفارش کر دے؟ یا آیا ہم (پھر) واپس جا سکتے ہیں

كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

تاکہ جو ہم کیا کرتے تھے اس کے برخلاف کچھ اور کریں؟ یقیناً انہوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اُن سے گم ہو گیا جو کچھ وہ گڑھا کرتے تھے ۷۴ بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ ۣ

پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر قائم ہو گیا عرش پر ۷۵

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو، وہ جلدی سے اُسے آلیتی ہے اور سورج اور چاند

وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ

اور ستاروں کو (اُسی نے پیدا کیا) سب اس کے حکم کے تابع، یاد رکھو اُسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی)

ع ۶/ ۱۳

یعنی عدم محض سے انہیں وجود میں لے آیا۔ یہ نہیں کہ مادہ سب پہلے سے خودبخود یا خود آفریدہ موجود تھا اور خدا نے ان میں صرف ترکیب و ترتیب پیدا کر دی جیسا کہ بہت سی جاہل مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ پُرعظمت و ہیبتناک آسمان جن کی پرستش بطور دیوتا یا خدائے اعظم کے کلدانی اور مصری، ہندی اور یونانی، سب اپنے اپنے اوجِ تمدن کے وقت کرتے آئے ہیں اور یہ زمین جو دھرتی مائی کی حیثیت سے دنیا میں بکثرت پوجی گئی ہے۔ یہ معبود و مسجود ہونا تو الگ رہا، خود اپنے کو وجود میں لانے پر بھی قادر نہیں رہے ہیں، بلکہ ساری دوسری موجودات کی طرح اللہ کی مخلوق ہی ہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یوم سے مراد ظاہر ہے کہ یہ متعارف یوم چوبیس گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ خود نتیجہ ہے حرکتِ ارض یا حرکتِ شمس کا اور بیان اُس وقت کا ہو رہا ہے جب یہ چاند، سورج، زمین، آسمان سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ مراد یہاں مطلق زمانہ ہے۔ یعنی چھ مختلف زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ۔ ای فی ستۃ اوقات (بیضاوی۔ روح) اور یوم کے معنی مطلق مدت کے محاورۂ عرب میں برابر مستعمل ہیں۔ قد یعبر بہ عن مدۃ من الزمان ای مدۃ کانت (راغب) البتہ توریت (کتاب پیدائش باب اوّل) میں صبح شام کی تصریح بار بار آئی ہے۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یعنی پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا۔ اب اس کے بعد اس نے حکومت و تدبیر کے احکام جاری کرنے شروع کر دیئے۔ عرش کے لفظی معنی تخت کے ہیں۔ اور العرش سے مُراد تختِ حکومت الٰہی ہوتا ہے جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے۔ وکنی بالعرش عن العز و السلطان والمملکۃ (راغب) والمراد بالاستواء علی العرش نفاذ القدرۃ وجریان المشیۃ (کبیر) واذا استقام لہ ملکہ واطرد امرہ وحکمہ قالوا استوی علی عرشہ ھذا ما قالہ القفال واقول من الذی قالہ حق وصدق وصواب (کبیر) يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ رات اور دن کوئی صاحبِ ارادہ ہستیاں نہیں (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے) کہ اپنے قصد و خواہش سے اپنا ظہور و نمود کرتی رہیں۔ اور نہ مشین کی طرح اضطراراً ان میں ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے۔ (جیسا کہ ملحدوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ دونوں اپنے ظہور، نمود، وجود میں ہر مخلوق کی طرح تمام تر ارادۂ الٰہی کے تابع و محکوم ہیں۔ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا۔ دن آناً فاناً گزرتا معلوم ہوتا ہے حتّی کہ دفعۃً رات آجاتی ہے (تھانوی) حث کے عام معنی جلدی و تیزی کے ہیں۔ الحث الاعجال والسرعۃ۔ لیکن حثیثاً کے دوسرے معنی لازمی کے بھی کئے گئے ہیں۔ ای یطلبہ دائماً من غیر فتور (قرطبی) وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ۔ چاند، سورج، ستارے ان میں سے کوئی بھی صاحبِ ارادہ، صاحبِ تصرف دیوی دیوتا نہیں بلکہ اپنی ایجاد میں، آثار میں، اختیار میں ہر شے میں مجبور و محکوم ہے۔ اللہ ہی جو اور جس طرح چاہے ان میں تصرفات کرے۔ بِاَمْرِهٖ۔ میں امر سے مراد احکام تکوینی ہیں کہ چاند، سورج، ستارے، احکام تشریعی کے مکلف نہیں۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ یعنی کوئی اس کا مطلقاً شریک نہیں۔ نہ خالق ہونے میں نہ حاکم ہونے میں۔ شرک کی عموماً دو ہی صورتیں رائج رہی ہیں ایک یہ کہ کائنات کی تخلیق میں دوسروں کو شریک سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ خالق تو تنہا اللہ کو تسلیم کر کے انتظاماتِ خلق دوسروں کے ذمہ سمجھے جائیں۔ خلق وامر دو لفظ لانے سے دونوں شقوں کی کلی نفی و تردید مقصود ہے۔

۶۷ (اور اپنی اس قوت وجمعیت کی بنا پر انبیاء کی راہ کا اتباع نہ کرنا) قَالُوْا یہ بول اٹھنا فرطِ ہول ودہشت سے ہوگا۔ ۶۸ (اور تمہارے خیال میں ہر طرح حقیر وذلیل اور مستحق حقارت و ذلت تھے) اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ۔ یعنی یہی لوگ جو آج جنت میں عیش کر رہے ہیں۔ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو باوجود دولتِ ایمان سے مالامال ہونے کے مادی دولت ووجاہت سے دنیا میں تہی دامن ہوتے ہیں اور اس لئے اہلِ کبر وضلال کی نظروں میں حقیر وذلیل۔ جیسے حضرات صحابہ میں بلال حبشیؓ وسلمان فارسیؓ وغیرہما تھے۔ اشارة الى قوم من المؤمنين الفقراء كبلال وسلمان وخباب وغيرهم (قرطبی) الاشارة الى ضعفاء اهل الجنة الذين كان الكفرة يحتقرونهم فى الدنيا (روح) ۶۹ قول انہی اہلِ اعراف کا اہلِ دوزخ کو مخاطب کرکے چل رہا ہے کہ تم تو

قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ
کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آیا تمہارا جتھا اور تمہارا اپنے کو

تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ
بڑا سمجھنا ۶۷ یہی وہ لوگ ہیں ۶۸ جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان پر

اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ
اللہ رحمت نہ کریگا ۶۹ (ان کو تو یہ حکم ہو گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ (جہاں) تم پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا

تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ
اور نہ تم مغموم ہوگے ۷۰ اور دوزخ والے پکاریں گے جنت والوں کو کہ ہمارے اوپر

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا
کرم کرو کچھ پانی ہی سے یا اس سے جو تمہیں اللہ نے کھانے کو دے رکھا ہے وہ کہیں گے

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ
کہ اللہ نے تو ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے ۷۰ وہ کافر جنہوں نے اپنے دین کو کھیل

لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ
تماشا بنا رکھا تھا اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو آج ہم (بھی) انہیں بھلائے

كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
رہیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کا پیش آنا ٹالتے رہے تھے اور جیسا وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے

يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى
رہے تھے ۷۱ اور ہم نے ان کے پاس (ایسی) کتاب پہنچا دی ہے جسے ہم نے

دنیا میں اہلِ ایمان کو ہر طرح حقیر وذلیل سمجھتے تھے۔ مگر یہاں تو دیکھو انہیں اس اعزاز وتکریم کا مقام مل گیا۔
۷۰ (اُس کے حکم کے خلاف ہم دیں کیسے اور ہم دیں بھی تو تمہیں نفع کیا ہو؟ تم نے اپنے قویٰ کو ان سے لطف اٹھانے کے قابل رکھا ہی کب ہے؟ پھر تمہارے مسخ شدہ اور قہر زدہ حلق اور منہ میں پہنچ کر یہی نعمتیں اور آگ لگا دینگی) حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ تحریم سے مراد دار الجزاء میں حرمت شرعی تو ہو نہیں سکتی۔ مراد یہی ہے کہ یہاں کے کھانے پینے تو تمہارے حلق سے اتریں گے ہی نہیں۔ حضرت مولانائے رومیؒ کی ملفوظ فیہ مافیہ گو فن تصوف وسلوک میں ہے لیکن بعض تفسیری نکتہ بھی اس میں خوب آگئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ "اہلِ دوزخ با اہل بہشت فغان کنند کہ آخر کرم شما ـــــ ازاں عطا وبخششہا کہ حق تعالیٰ بشما کردہ است، از روئے صدقہ بندہ نوازی بہر ما نیز اگر چیزے ریزیدہ ایثار کنید چہ شود۔ ع وللارض من کاس الکرام نصیب کہ ما دریں آتش می سوزیم ومی گدازیم ازاں میوہ یا دانہ آں آبہائے زلال قطرہ برجانِ ما ریزید چہ شود ـــــ بہشتیاں جواب دہند کہ آں را خدا بر شما حرام کردہ است تخم ایں نعمت در دارِ دنیا بود۔ چوں آنجا نہ کشتید ونورزید وآں ایمان وصدق بود وعمل صالح، اینجا چہ برگیرید واگر ما از روئے کرم بر شما ایثار کنیم چوں خدا آں را بر شما حرام کردہ است حلقہا را بسوزاند وبہ گلو فرو نہ رود۔ واگر در کیسہ نہید دریدہ شود و بیفتد (فیہ مافیہ ص۴۷ معارف پریس اعظم گڑھ) وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ اہلِ دوزخ کی یہ فریاد اہلِ جنت سے فرطِ اضطرار وشدتِ اضطراب سے ہوگی۔ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ کہ شاید اسی سے کچھ ہماری تسکین ہو جائے۔ ورنہ ہم تو بھوک اور پیاس اور گرمی سے مرے پھنکے جاتے ہیں بھوک اور پیاس کی شدت سے اہلِ دوزخ کی تڑپ آیت سے بالکل عیاں ہے۔ ویکون فى الاية دليل على نهاية عطشهم وشدة جوعهم (روح) حَرَّمَهُمَا۔ ضمیر تثنیہ سے مراد جنت کا کھانا پانی ہے۔ يعنى طعام الجنة وشرابها (قرطبی) بعض فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ پانی پلانا بہترین اعمال میں سے ہے۔ فى هذه الاية دليل على ان سقى الماء من افضل الاعمال (قرطبی)
۷۱ جحد کے معنی اوپر بیان ہو چکے ہیں کہ مطلق انکار یا کسی غلط فہمی کی بنا پر انکار کے نہیں بلکہ دل سے حق کے قائل ہو کر بھی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے انکار کئے چلے جانے کے ہیں۔ الجحود نفى ما فى القلب اثباته واثبات ما فى القلب نفيه (راغب) مَا كَانُوْا۔ میں ما مصدری ہے یعنی جیسا کہ انہوں نے بھلا دیا تھا۔ ما مصدرية اى كنسيهم (قرطبی) دِيْنَهُمْ سے مراد مفسرین نے لی ہے وہ دین جس کا قبول کرنا ان لوگوں پر واجب تھا۔ الذى امرهم الله تعالىٰ به (روح) لیکن دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خود وہی دین جسے وہ اختیار کئے ہوئے تھے اسی کو انہوں نے بجائے زادِ آخرت بنانے کے محض ایک کھیل، تماشہ یا سوانگ کی حیثیت دے رکھی تھی۔ عبادات ہیں تو اُن میں ناچ گانا، روشنی باجا، عقاید ہیں تو اُن میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ تلعب، ساری ساری عمر بس میلے ٹھیلے میں گذار دیتے ہیں۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ چونکہ دنیوی زندگی میں کوئی صریح اور بیّن وبال ان پر نہیں آتا۔ یہ دھوکے میں آجاتے اور اپنے انہی عقائد باطلہ پر اور جم جاتے ہیں۔ نَنْسٰىهُمْ۔ انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورۂ عرب میں نسیان وانسار کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔ وقد جاء النسيان بمعنى الترك كثيرا (ماج) عـه بكتاب۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ بجائے الكتٰب کے کتاب تنوین کے ساتھ لانا عظمت شان کے لئے ہے۔ الكتاب هو القرآن وتنوينه للتفخيم (مع)

۵۶۰ (اور انہی کے وعدہ کے مطابق ایمان اور عمل صالح سے جنت کے حقدار ہوگئے) وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ - اہل جنت یہ ندا فرطِ فرحت و سرور میں آکر دیں گے۔ بعضوں نے سوال یہ پیدا کیا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جو بُعد مسافت کا پایا گیا ہے اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اہل جنت کی آواز اہل جہنم تک کیسے پہنچیگی؟ سوال تمام تر سطحی ہے، اور سائل نے عالم آخرت کے قویٰ کو ناسوت کے قویٰ اور ناسوتیوں کی پابندیوں پر قیاس کیا ہے۔ ۵۶۱ (اگر کفر کے باعث دوزخ میں پڑو گے اور اب تو اللہ اور رسول کے صدق کی اور اپنی گمرہی کی حقیقت ظاہر ہو کر رہی؟) ۵۶۲ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ- یہ پکارنے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ یعنی من الملٰئکۃ (قرطبی) وھو ملك یسمع اھل الجنۃ والنار (مدارک) ۵۶۳ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ- معنیٔ ماضی ہے اور کانوا محذوف ہے۔ ای کانوا بھا کافرین فحذف وھو کثیر فی الکلام (قرطبی)

اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا

(کہ) ہم نے اُس کو سچ پایا ۵۶۰ (جس کا ہمارے پروردگار نے ہم سے) وعدہ کیا تھا (اب تم بتلاؤ) تم نے بھی سچ پایا اس

وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۚ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ

وعدہ کو جو (تم سے) تمہارے پروردگار نے کیا تھا؟ ۵۶۱ وہ کہیں گے کہ ہاں۔ پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکاریگا

لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر ۵۶۲ جو اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے اور اس میں

اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَ

کجی تلاش کیا کرتے اور وہ آخرت کے منکر تھے ۵۶۳ اور

بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا

اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی ۵۶۴ اور اعراف کے اُوپر (بہت سے) اشخاص ہونگے وہ سب کو

بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ

ان کے قیافہ سے پہچانیں گے، اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے کہ اللہ کی رحمت ہو تم پر اور (ابھی) یہ لوگ

يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

اس میں داخل نہ ہوئے ہونگے اور وہ (اس کے) آرزومند ہونگے ۵۶۵ اور جب اُن کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پھریں گی تو

اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾

بول اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو شامل نہ کرنا (ان) ظالم لوگوں کے ساتھ ۵۶۶

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ

اور اعراف والے پکاریں گے (بہت سے) اشخاص کو جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے (اور)

ع ۵ / ۸ / ۱۲

منزل ۲

يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا - یعنی دین حق میں عیب و اعتراض تلاش کیا کرتے تھے۔ اور دوسروں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے تھے۔ المراد القاء الشکوك والشبھات فی دلایل دین الحق (کبیر) يَصُدُّوْنَ - جس طرح متعدی ہے، لازمی بھی ہے اور یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ ای یعرضون (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انہی کے مشابہ وہ لوگ بھی ہیں جو طریق سلوک کو اس رنگ میں ظاہر کرتے ہیں جس سے طالبِ صادق کو اس سے نفرت ہو جائے، مثلاً اہل بدعت و اہل ریاء۔ ۵۶۴ (ایسی دیوار کے جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ نہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کا اثر دوزخ تک پہنچ سکے اور نہ دوزخ کی سختیوں اور کلفتوں کا اثر جنت تک) اس پر یہ سوال پیش کرنا کہ پھر اس دیوار کے ہوتے اہل جنت و اہل جہنم کے درمیان مخاطبت کیونکر ہو سکے گی۔ عالم آخرت کی فضا کو تمام تر اس عالم عنصری کے مادی قوانین کا پابند و محکوم سمجھ لینا ہے۔ یہ آڑ تو صرف اسی لئے ہوگی کہ ایک مقام کی لذت یا اذیت دوسرے مقام تک نہ پہنچ سکے نظر کی حائل نہ ہوگی۔ ایسی نہ ہوگی کہ ایک جگہ کا حال دوسری جگہ دکھائی نہ دے سکے۔ لیس یعنی به ما یحجب البصر و انما یعنی ما یمنع من وصول لذۃ اھل الجنۃ الی اھل النار واذیۃ اھل النار الی اھل الجنۃ۔ (راغب) بَيْنَهُمَا- ھما سے مراد دونوں فریق بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں مقام بھی۔ ای بین النار و الجنۃ (قرطبی) بین الجنۃ والنار او بین الفریقین (کشاف۔ مدارک) ۵۶۵ (چنانچہ ان کی یہ آرزو پوری کر دی جائیگی اور یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اَلْاَعْرَافِ- لفظی معنیٰ بلند چیز کے ہیں الاعراف فی اللغۃ المکان المشرف (قرطبی) عن ابن عباس انه قال الاعراف الشیٔ المشرف (قرطبی) یہاں مراد جنت و جہنم کی اس درمیانی دیوار سے ہے جس کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے ھو الذی علیه الاکثرون ان المراد من الاعراف اعالی ذلك السور المضروب بین الجنۃ والنار وھذا قول ابن عباس (کبیر) وھو السور الذی ذکرہ اللہ فی قوله فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ (قرطبی) سور بین الجنۃ والنار (راغب) عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ- یہ اہل اعراف کون لوگ ہوں گے؟ متعدد صحابیوں اور متعدد تابعین سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہونگے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہونگی۔ قال عبد اللہ ابن مسعود و حذیفۃ بن الیمان و ابن عباس والشعبی والضحاك وابن جبیر ھم قوم استوت حسناتھم وسیاٰتھم (قرطبی) يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ- علاوہ اس کے کہ جنتی اور دوزخی دونوں اپنے اپنے مقام پر ہونگے۔ اور اس لئے بھی پہچان لئے جائینگے کہ جنتی کون ہیں اور دوزخی کون ان کی پیشانیاں اور چہرہ بھی ذریعۂ شناخت ہونگے۔ اہل جنت کے بشرہ پر نورانیت برس رہی ہوگی۔ اور اہل دوزخ کے چہرہ پر ظلمت و کدورت۔ ای بعلامتھم التی اعلمھم اللہ بھا کبیاض الوجه وسوادہ (بیضاوی) ای بعلاماتھم وھی بیاض الوجوہ وحسنھا فی اھل الجنۃ وسوادھا وقبحھا فی اھل النار الی غیر ذلك من معرفۃ حیز ھؤلاء وحیز ھؤلاء (قرطبی) وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ- یہ اہل جنت کو پکارنے والے وہی اصحاب اعراف ہونگے۔ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ- طمع کے ایک معنیٰ علم کے بھی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے لیکن جانتے ہونگے کہ اب داخل ہونگے۔ بمعنی ھم یعلمون انھم یدخلونھا و ذلك معروف فی اللغۃ ان یکون طمع بمعنی علم (قرطبی) ۵۶۶ یہ مناجات فرط خشیت و عبودیت سے ہوگی۔ ورنہ اہل اعراف تو جانتے ہی ہونگے کہ ان کا شمار اہل جہنم میں نہیں ہو سکتا۔ وقد علموا انه لا یجعلھم معھم فھذا علی سبیل التذلل (قرطبی)

۵۵۵ یہ الظّٰلِمِیْنَ یا اپنے اُوپر ظلم کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر اُوپر فمن اظلم سے شروع ہُوا ہے۔ قال ابن عباس یرید الذین اشرکوا باللہ واتخذ وامن دونہ الھا وعلی ھذہ التقدیر فالظلمون ھٰھنا ھم الکافرون (کبیر) لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ۔ عذاب ہی کا اوڑھنا عذاب ہی کا بچھونا، غرض ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا۔ ۵۵۶ بندوں کی ہمت افزائی اور تسلی قلب کے لئے قرآن مجید کا ایک عام دستور سا ہے کہ اہل جہنم کی وعیدوں کے مقابل اہل جنّت کی بشارتوں کا بھی ذکر کردیتا ہے۔ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ ۔ یہاں ذکر جنت کے ضمن میں یہ جملہ معترضہ لاکر یہ بتادیا کہ جنت تک رسائی کچھ دشوار نہیں۔اس کا ذریعہ عمل صالح ہے۔اور عمل صالح انہی احکام کی تعمیل کا نام ہے جو ہر بندہ کو اس کی وسعت وطاقت کے اندر ہی دیئے جاتے ہیں۔ جنت کے نام سے کوئی یہ خیال کرکے نہ گھبرائے کہ وہاں تک رسائی کیلئے خدا معلوم کیسی کیسی دشوار منزلوں سے ہوکر گزرنا ہوگا ——— دوسری طرف کافروں کے حق میں بھی تنبیہ ہے کہ جنت جو ایسی آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے اُسے یہ اپنے ہاتھوں چھوڑے بیٹھے ہیں۔ وُسع کے معنیٰ خود ایسی چیز کے ہیں جو انسان کو آسانی اور معمولی کوشش سے حاصل ہوسکے سخت وشدید کوشش کیلئے لفظ جہد کا آتا ہے۔ وسع کا نہیں۔ معنی الوسع مایقدر الانسان علیہ فی حال السعۃ والسھولۃ لا فی حال الضیق والشدۃ (کبیر) واما اقصی الطاقۃ یسمی جھدًا لا وسعًا (کبیر) ۵۵۷ (اور اس رفع کدورت کے بعد وہ ایک دوسرے کے ساتھ کامل لطف و انبساط کے ساتھ ہنسی خوشی رہیں گے) ابھی اُوپر ذکر تھا اہل جہنم کے باہمی بغض ونفرت کا۔ اب اس کے مقابل اہل جنت کے سلسلہ میں ذکر ہورہا ہے ان کے باہمی رفق واُلفت کا ——— خوشدل دوستوں کی یکجائی ہر شخص دنیا میں تجربہ رکھتا ہے کہ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ انشاء اللہ میرا اور عثمانؓ وطلحہؓ وزبیرؓ کا معاملہ ایسا ہی ہوگا (کبیر، مدارک وغیرہ) آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دنیا میں اہل حق کے درمیان بھی کدورت ومخالفت کی نوبت پہنچ سکتی ہے خواہ رنجش کی بنیاد محض طبعی ہو مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو کینہ طبعی غیر اختیاری ہو وہ دخول جنت سے مانع نہیں۔ ۵۵۸ (چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنّت کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ بالکل سچ نکلا) مِنۡ تَحۡتِهِمُ "ان کے نیچے" سے مراد ہے ان کے محلوں اور بالاخانوں کے نیچے والمراد تجری من تحت غرفھا میاہ الانھار (روح) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ .... اللّٰهُ ۔ عبدیت تو اہل جنت کے رگ وریشہ میں رچی ہوگی۔ وہاں پہنچکر بھی زبان تمامتر حمد الٰہی اور اپنی عبدیت ہی کے اقرار پر کھلے گی۔ لِهٰذَا میں ھذا کا اشارہ مقام یعنی جنت کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور مرتبہ یعنی درجہ قدر ومنزلت کی جانب بھی اور خود ایمان کی جانب بھی۔ مآل سب صورتوں کا ایک ہے۔ ای الی ھذا الفوز العظیم وھو الایمان (مدارک) هَدٰىنَا اللّٰهُ ۔ (چنانچہ ہمیں ایمان واعمال کا وہ طریقہ بتادیا جو جنت تک پہنچاتا ہے اور اس پر چلنے کی بھی توفیق دے دی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ وصول الی المقصود وہبی ہے کسبی نہیں، اور جس کسب کا ظاہراً کچھ دخل ہے خود وہ کسب بھی وہبی ہے۔ ۵۵۹ (اور جنت تو تمہاری اصلی میراث اور تمہارے مورثِ اعلیٰ آدمؑ کی جگہ تھی ہی) تِلۡكُمُ ۔ تلک جو اشارۂ بعید کے لئے آتا ہے۔ یہاں ھذہ کے معنیٰ میں اشارۂ قریب کے لئے ہے۔ تلکم بمعنی ھذہ (قرطبی) وَنُوۡدُوۡۤا ۔ یہ ندا دینے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا ۔ اس لفظ میں کمال تعظیم واحترام اور مزید تقویت ہے اہل جنّت کے لئے یعنی اب تم تو اسے جیت چکے ہی ہو۔ اب کوئی تمہیں یہاں سے بے دخل نہ کر سکے گا۔ معناہ صارت الیکم کما یصیر المیراث الی اھلہ (کبیر) بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ اس سے ظاہراً دخولِ جنّت کا سبب اعمال معلوم ہوتے ہیں لیکن حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ جنت میں کوئی بھی اپنے اعمال کے سبب سے نہیں بلکہ رحمت الٰہی سے جائیگا۔ مفسر تھانویؒ نے خوب کہا ہے کہ قرآن مجید میں ذکر سبب ظاہری اور قریبی کا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کو بیان کیا گیا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ امام رازیؒ نے جو تشریح کی ہے وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔

مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى

بچھونا ہوگا اور اُن کے اُوپر (اُسی کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ظالموں

الظّٰلِمِيۡنَ ۝٤١ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا

کو ۵۵۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم

نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ

کسی شخص کے ذمہ اُس کی قدرت سے زیادہ کام نہیں رکھتے، یہی لوگ تو جنت والے ہیں اس میں

فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝٤٢ وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ

ہمیشہ رہیں گے ۵۵۶ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں غبار رہا ہوگا اُسے ہم دُور کردیں گے

غِلٍّ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ۚ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ

اُن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ ساری تعریف ہے

لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡ

اللہ کے لئے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچادیا اور ہم تو کبھی یہاں تک نہ پہنچتے اگر اللہ نے ہم کو

لَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَـقِّ ؕ

نہ پہنچادیا ہوتا واقعی ہمارے پروردگار کے پیمبر سچائی کے ساتھ آئے تھے ۵۵۸ اور

وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ الۡجَـنَّةُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ

انہیں ندا دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اب وارث ہوگئے ہو بعوض اُس کے کہ جو کچھ تم

تَعۡمَلُوۡنَ ۝٤٣ وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ

کرتے رہے ہو ۵۵۹ اور جنت والے ندا دیں گے دوزخ والوں کو کہ ہم سے تو جو ہمارے پروردگار نے

۵۵۲ (کہ عذاب کی زیادتی تمہاری ہی طرح دوسرے بھی محسوس کر رہے ہیں) اس لاعلمی و بے خبری میں بھی ایک حکمت ہے اگر دوسروں کی زیادتی عذاب کا علم انہیں ہوجاتا تو کچھ تو تسلی ان کی ہوجاتی اس
لئے انہیں ان کے حال کی خبر ہی سرے سے نہ دی گئی۔ ای لا یعلم کل فریق ما بالفریق الاخر اذ لو علم بعض من فی النار ان عذاب احد فوق عذابه لکان نوع سلوة له (قرطبی)
رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا۔ اے ہمارے پروردگار انہی نے تو ہمیں گمراہ کیا تھا اور ہم اپنے کفر و ضلالت میں تو بس انہی کے تابع اور پیرو تھے۔ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ۔ ضعف کے عام
مشہور معنی تو دوگنے کے ہیں لیکن دوسرے معنی مطلق زیادتی و شدت کے ہیں، کوئی متعین درجہ، مقدار مراد نہیں ہوتی۔ قال الازھری الضعف فی کلام العرب المثل الی ما زاد ولیس بمقصور علی

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا

جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی اُس کی ہمرنگ دوسری جماعت

فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

اس پر لعنت کرے گی ۵۵۱ یہاں تک کہ جب سب ہی اس میں جمع ہوجائیں گے تو (اس وقت) ان کے پچھلے

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ

اپنے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار انہی نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا تو انہیں دوزخ کا عذاب

ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ

زیادہ دے (اللہ) کہے گا زیادہ تو سب ہی کا (عذاب) ہے لیکن تمہیں علم نہیں ۵۵۲ اور اُن کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

پھر تم کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، سو تم عذاب کا مزہ چکھو اُن حرکتوں کے عوض جو تم

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ع ۴ ۸ ۱۱

کرتے رہے ہو ۵۵۳ بیشک جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا

تکبر کیا اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ

جنت میں داخل ہوں گے جب تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ سما جائے اور ہم

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ

مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ۵۵۴ اُن کے لئے دوزخ ہی کا

المثلین (کبیر) والضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (کبیر) جائز فی الکلام العرب ان یقال لك ضعفه یریدون مثلیه وثلاثة امثاله لانه ای الضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (تاج) خود قرآن مجید میں بھی ایک دوسری جگہ ہے۔ فاولٰئك لهم جزاء الضعف بما عملوا کہ یہاں کوئی معین نسبت نہیں بلکہ مطلق زیادتی مراد ہے اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ ضعفا ای زائدا علی عذابنا (بحر) و اختاره هنا غیر واحد (روح) اور اگر معنی دوگنے ہی کے سمجھے جائیں تو توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ دوزخ کا عذاب ہر ساعت بڑھتا ہی جائیگا۔ اسلئے ہر دوزخی کو اپنا عذاب پہلے سے دوگنا ہی محسوس ہوگا۔ لِاُوْلٰىهُمْ میں ل اجل کا ہے یعنی "ان کی بابت" کہیں گے۔ نہ کہ "ان سے" کہینگے۔ اللام لام اجل لانهم لم یخاطبوا اولٰهم ولکن قالوا فی حق اولٰهم (قرطبی) اُخْرٰىهُمْ کے معنی پیرووں، مقتدیوں اور کم درجہ والوں کے بھی ہوسکتے ہیں۔ اور اُوْلٰىهُمْ کے معنی سرداروں، مقتداؤں اور بڑے درجہ والوں کے۔ چنانچہ زمخشری۔ بیضاوی وغیرہ نے یہی مفہوم لیا ہے۔ ۵۵۳ غرض اہل جہنم میں باہم سخت گلخپ شروع ہوجائیگی۔ ایک دوسرے پر الزام و طعن سے کام لینے لگیں گے اور یہ بجائے خود ایک عذاب ہوگا۔ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ۔ اگلوں کا یہ خطاب اپنے بعد والوں سے حق تعالیٰ کا یہ جواب سننے کے بعد ہوگا۔ مَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ یعنی تخفیفِ عذاب کے بارے میں تم ہم سے کچھ بھی بہتر نہیں۔ تخفیف سے جس طرح ہم محروم ہیں تم بھی محروم ہو۔ ۵۵۴ یعنی یہ عام ضابطہ اور قانون ہمارے ہاں کا ہے جو جیسا کریگا بھگتے گا۔ ہمیں کسی بندہ کے ساتھ کوئی کد تو ہے نہیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ برا ابن عازبؓ صحابی کی روایت سے حدیث میں آتا ہے کہ بعد وفات جب کافر کی روح آسمان کی طرف لے
جائی جانے لگتی ہے تو اس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے جیسی دنیا میں مُردار کی ہوتی ہے۔ اس پر آسمان کے فرشتے اُسے راستہ دینے اور اس کیلئے درِ آسمان کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قال السدی
وغیره لا تفتح لارواحهم ابواب السماء وتفتح لارواح المومنین (کبیر) ذکروا فی صعود الروحین الی السماء الاذن لروح المؤمن ورد روح الکافر احادیث وذلك عند
موتهما (بحر) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مکذبین و منکرین کے اعمال برکت و مقبولیت سے محروم رہینگے اور آسمان کی طرف بلند نہ کئے جائینگے۔ ای لا یصعد لهم عمل صالح (کشاف) وقیل لا تنزل
علیهم البرکة ولا یغاثون (کشاف) حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ محاورۂ زبان میں اس سے مُراد مطلقاً ایک امرِ محال عادی کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے یعنی نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل سکے گا اور
نہ فلاں فعل ہوگا۔ وقد کثر فی کلامهم مثل هذه الغاية ومرادهم لا افعل کذا ابدا (روح) هذا نفی مغیاه مستحیل (بحر) انجیل میں بھی اس محاورہ کا استعمال ایک ایسے ہی موقع پر ہوا ہے۔
"اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اُونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا اس سے آسان
ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" (متی ۔ ۱۹ : ۲۳، ۲۴) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی طرح ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی ابوابِ ملکوت کشادہ نہیں ہوتے۔

اٰيٰتِىْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

اختیار کرے اور (اپنی) اصلاح کرلے تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا

غمگین ہوں گے ۵۴۸ اور جو لوگ جھٹلائیں گے ہمارے احکام اور ان سے تکبر کریں گے وہی

عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

لوگ تو دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے ۵۴۸ سو

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو

بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى

جھٹلائے، اُن کے نصیب کا جو کچھ حصہ ہے وہ انہیں مل رہے گا ۵۴۹ چنانچہ جب

اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

ان کے پاس ہمارے قاصد ان کی جان قبض کرنے آئینگے تو (ان سے) کہیں گے اب وہ کہاں گئے جنہیں

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا

تم اللہ کے سوا پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے (واقعی) ہم سے (سب) غائب ہوگئے اور گواہی

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ

دیں گے اپنے ہی خلاف کہ بیشک وہ کافر ہی تھے ۵۵۰ (اللہ) کہے گا شامل ہو جاؤ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِى النَّارِ ؕ

دوزخ میں جنات اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو تم سے قبل گزر چکے ہیں،

۵۴۷ (ایسے آدم زادوں کو اپنی اصلی میراث یعنی جنت حاصل کرلینا کچھ بھی دشوار نہیں) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ۔ یہ ذکر ارواح کا ہے۔ یہ مخاطبہ انسان سے اس وقت ہوا تھا جب اس کی لغزش ابھی عالمِ ناسوت میں ہوئی بھی نہ تھی۔ اور ابھی وہ عالمِ ارواح ہی میں تھا۔ اِمَّا۔ ان شرطیہ ہے اور ما صلہ کا۔ ماصلۃ ای اِنْ یاتکم (قرطبی) ان شرطیۃ ضمت الیھا ما مؤکدۃ بمعنی الشرط (کشاف) اٰیٰتِیْ یعنی میرے احکام وہدایات۔ ای فرائضی واحکامی (قرطبی) جن علمائے محققین کا مسلک یہ ہے کہ قیامت میں مومنین مطیعین کو کوئی خوف وغم نہ ہوگا، وہ اسی آیت سے استشہاد کرتے ہیں (کبیر) ۵۴۸ کیسے صاف لفظوں میں دو گروہ الگ الگ بنا دیئے ہیں۔ ایک طرف اہلِ صلاح وتقویٰ کا گروہ ہے۔ دوسری طرف ان منکرین ومتکبرین کا۔ هُمْ۔ آیت میں موقعِ حصر پر آیا ہے۔ اور اسی سے اہلِ سُنّت نے استدلال کیا ہے کہ گنہگار مومن آخر عذاب سے نجات پا جائیگا، عذابِ دائمی میں رہنے والے صرف مکذبین ومنکرین ہونگے۔ وقد تمسک اصحابنا بھذہ الاٰیۃ علی ان الفاسق من اھل الصلوٰۃ لا یبقی مخلدا فی النار لانہ تعالٰی بیّن ان المکذبین باٰیات اللہ والمستکبرین عن قبولھا ھم الذین یبقون مخلدین فی النار وکلمۃ ھم تفید الحصر (کبیر) اِسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا۔ یعنی ہمارے آیات واحکام کے قبول کرنے سے تکبر کرینگے اپنی عقل کو وحیِ الٰہی سے بڑھ چڑھ کر سمجھینگے۔ ۵۴۹ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ افترا علی اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو احکام خدائی نہ ہوں، بلکہ انسانی ہوں انہیں خدا کی جانب منسوب کر دینا۔ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ تکذیب باٰیات اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کا فرمان ہے اُسے اس کا فرمان نہ ماننا۔ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ۔ یعنی رزق، عمر، اعمال وغیرہ جو کچھ اُن کے لئے مقدر ہو چکے ہیں۔ ای ما کتب لھم من رزق وعمر وعمل (قرطبی) ۵۵۰ (لیکن اس وقت کا اقرار جبکہ عالمِ برزخ کا انکشاف شروع ہو چکے گا، سرتاسر لاحاصل رہیگا) رُسُلُنَا۔ رسل یہاں ظاہر ہے کہ فرشتوں کے معنی میں ہے۔ ای ملائکۃ العذاب (کبیر) حَتّٰی یہاں، یہاں تک کے معنی میں نہیں (چنانچہ، کے معنی میں ہے۔ حتّٰی لیست غایۃ بل ھی ابتداء خبر عنھم (قرطبی) ۵۵۱ مصیبت اور پھر ایسی شدید اور انتہائی مصیبت کے وقت کچھ تھوڑی بہت تسکین اگر ہو سکتی تھی تو باہمی ہمدردی سے لیکن بدبخت اہلِ دوزخ اس آخری اور برائے نام راحت سے بھی محروم ہونگے۔ وہ عالم انکشاف حقائق کا ہوگا۔ ہر بدکار دوسرے بدکار کو نہایت درجہ مبغوض رکھے گا۔ اُمَمٍ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ جن وانس دونوں کے بدگروہ ظاہر ہے کہ کافر ہی ہونگے۔ اور آگے پیچھے، نئے پُرانے ہر قسم کے کافر جہنم میں اکٹھے ہونگے۔ فِيْٓ اُمَمٍ۔ فی یہاں مع کے معنی میں ہے بعض نے فی ما بینھم کے معنی میں بھی لیا ہے۔ ای مع امم ففی بمعنی مع (قرطبی) ومعنی الدخول فی الامم الدخول فی ما بینھم (کبیر) اُخْتَهَا۔ یعنی اسی کی ہم عقیدہ وہم مسلک۔ ای اختھا فی الدین والملۃ (قرطبی)

۴۳ یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں، اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ گناہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ مَنْ حَرَّمَ۔ استفہام انکاری ہے اور انکار میں زور و تاکید مقصود ہے۔ المراد منه تقریر الانکار والمبالغة فی تقریر ذالك الانكار (کبیر) زِينَةَ اللهِ۔ زینتِ خداداد سے یہاں مراد کیا ہے؟ لباسِ فاخرہ کا مراد ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ الزينة منها الملبس الحسن اذا قدر علیه صاحبه (قرطبی) لیکن اکثر نے اسے وسعت دے کر جملہ سامانِ آرائش اس میں شامل رکھے ہیں۔ ای من الثیاب وکل الملبس یتجمل به (کشاف۔ بیضاوی) امام المفسرین امام رازیؒ نے مزید دقتِ نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور وغیرہ سارے مرغوبات داخل کئے ہیں۔ بجز ان کے جو کسی نص سے حرام قرار پا چکے ہیں۔ زینت سے مراد انہوں نے جمیع انواعِ زینت لی ہے۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ یعنی کھانے پینے کی جائز، پاکیزہ، لذیذ اشیاء۔ الطیبٰت اسم عام لما طاب کسبا وطعما (قرطبی) قیل هی کل مستلذ من الطعام (قرطبی) کل ما یستلذ ویشتهی من انواع الماکولات والمشروبات (کبیر) یتناول جمیع انواع الزینة فیدخل تحت الزینة جمیع انواع التزیین ویدخل تحتها تنظیف البدن من جمیع الوجوه ویدخل تحتها المرکوب ویدخل تحتها ایضا انواع الحلی لان کل ذالك زینة ولولا النص الوارد فی تحریم الذهب والفضة والابریسم علی الرجال لکان ذالك داخلا تحت هذا العموم (کبیر) امام رازیؒ نے اسے وسعت دے کر دوسرے مرغوبات ولذات بھی اس کے اندر ملائے ہیں۔ مثلاً خوشبو یا حسنِ نسوانی۔ یدخل ایضا تحته التمتع بالنساء وبالطیب (کبیر) آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ جائز و حلال ہیں اور کچھ ناجائز و حرام اور یہیں سے تردید ہو گئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ ”کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اسے ناپاک نہیں کر سکتی“ (مرقس ۷:۱۵) فقہاء و مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ دلت الآیة علی لباس الرفیع من الثیاب والتجمل بها فی الجمع والاعیاد وعند لقاء الناس ومزاورة الاخوان (قرطبی) محققین نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود ہرگز قابلِ ترک نہیں چنانچہ رسول اللہ صلعم نے محض لذت کی بنا پر کسی بھی لذیذ غذا سے نہیں روکا ہے۔ البتہ ان کے شوق کی زیادتی اور لت کو جو شغلِ آخرت سے روک دینے والی ہوتی ہے، منع کیا ہے۔ قال ابو الحسن علی بن المفضل المقدسی شیخ اشیاخنا وهو الصحیح ان شاء الله عز وجل فانه لم ینقل عن النبی صلعم انه امتنع من طعام لاجل طیبه قط بل کان یاکل الحلوی والعسل والبطیخ والرطب وانما یکره التکلف لما فیه من التشاغل بشهوات الدنیا عن مهمات الآخرة (قرطبی)

زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ
جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے، اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں
الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
کو؟ ۴۳ آپ کہہ دیجئے یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے دنیا کی زندگی میں ہیں (اور) قیامت کے دن تو خاص
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾
(انہی کے لئے) ہم اسی طرح کھول کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ۴۴
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بس بیہودگیوں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہوں (انکو بھی)
بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ
اور جو پوشیدہ ہوں (ان کو بھی)، اور گناہ کو اور ناحق کسی پر زیادتی کو اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ شریک
مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا
کرو جس کے لئے (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اُتاری اور اس کو کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات جھوٹ لگا دو
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
جس کی تم کوئی سند نہیں رکھتے ۴۵ اور ہر اُمت کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جب اُن کی میعاد معین
لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ
آجاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ۴۶ اے اولادِ
اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ
آدمؑ اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں (جو) تم سے میرے احکام بیان کریں، سو جو کوئی تقویٰ

۴۴ (اور اپنی قوتِ علمیہ سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں) هِيَ لِلَّذِيْنَ ... يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی ساری نعمتیں اہلِ ایمان کا حصہ دنیا میں بھی ہیں۔ اور آخرت میں تو خاص الخاص انہی کے لئے ہوں گی ہی بغیر کسی غیر مومن کی شرکت کے۔ تم الکلام علی الحیوة الدنیا ثم قال خالصة یوم القیمة ای یخلص الله الطیبات فی الآخرة للذین آمنوا ولیس للمشرکین فیها شیء کما کان لهم فی الدنیا من الاشتراك فیها (قرطبی) وهی خالصة لهم دون المشرکین (جصاص) ابن عباس صحابیؓ اور متعدد تابعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ هذا قول ابن عباس والضحاك والحسن وقتادة والسدی وابن جریج وابن زید (قرطبی) زمخشری نے کہا کہ صرف هی للذین آمنوا اور لغیرهم کی تصریح نہ کرنے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ اصالۃً تو ان نعمتوں کے حقدار مومنین ہی ہیں۔ کافروں کو بھی یہ نعمتیں اگر دنیا میں مل رہی ہیں تو محض تبعاً۔ لینبّه علی انها خلقت للذین آمنوا علی طریق الاصالة وان الکفرة تبع لهم (کشاف) دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسی نعمتیں جو دنیا میں جان کو لگیں اور آخرت میں وبال بن کر سامنے نہ آئیں خاص اہلِ ایمان ہی کا حصہ ہیں۔ وقیل المعنی ان هذه الطیبات الموجودات فی الدنیا هی خالصة یوم القیامة للمؤمنین فی الدنیا وخلوصها انهم لا یعاقبون علیها ولا یعذبون (قرطبی) هی خالصة یوم القیمة لهم من شوائب التنغیص والتکدیر (جصاص) ۴۵ یعنی اس کی ذات وصفات سے متعلق مشرکانہ وملحدانہ عقیدے گڑھ گڑھ کر بیان کرتے رہو یا جو احکام وہدایات اس کی طرف سے نہیں انہیں اس کی جانب منسوب کرتے رہو۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے وہم وظن سے یا تقویٰ کے جوش میں چیزوں کو حرام ٹھہرانے والے کون؟ حقیقۃً حرام چیزیں تو عقائد و اعمال کے دائرہ میں فلاں اور فلاں ہیں۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ جس طرح امر ربی بالقسط الخ میں تمام مامورات داخل ہو گئے۔ اسی طرح اب انما حرم ربی میں تمام منہیات آ گئے۔ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ کی تصریح وتاکید سے ظاہر ہے کہ اسلام جس چیز کو روکنا چاہتا ہے وہ محض وہ فضیحتے ہی نہیں جو منظرِ عام پر آ چکے ہوں، بلکہ بدی کا فی نفسہٖ استیصال کرنا چاہتا ہے خواہ اس کا ارتکاب اس خاموشی سے کیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہونے پائے ——— پاک نفسوں اور پاکیزہ طینتوں کی سوسائٹی اسلام ہی کی ہدایات پر عمل کرنے سے میسر آ سکتی ہے نہ کہ ان جاہلی تہذیبوں کے قانون پر عمل کرنے سے جو صرف ظاہر کی لیپ پوت کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ الْفَوَاحِشَ۔ وہ اعمال جو اپنی بیہودگی میں بہت بڑھے ہوئے ہوں۔ الاعمال المفرطة فی القبح (قرطبی) ما تفاحش قبحها ای تزاید (کشاف) الْاِثْمَ اس کے تحت میں جملہ معاصی آ گئے۔ الاثم اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) عام لکل ذنب (کشاف) اَلْبَغْيَ۔ اس میں معاملات کی ساری خرابیاں آ گئیں یعنی معاصی متعدی۔ ای الظلم وتجاوز الحد فیه (قرطبی) ای الظلم والکبر (کشاف) روح المعانی کے اشارات میں ہے کہ الفواحش سے اشارہ رذائل قوتِ بہیمیہ کی جانب ہے۔ اور البغی سے رذائل قوتِ سبعیہ کی جانب اور اَنْ تَقُوْلُوْا سے رذائل قوتِ نطقیہ کی جانب۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ یعنی کوئی دلیل نہیں اتاری نہ جزوی نہ کلی نہ عقلی نہ نقلی۔ ۴۶ (بلکہ علمِ الٰہی میں جو وقت بتقاضائے حکمت اس سزا کیلئے معین ہے مجرد اس کے آتے ہی وہ سزا جاری ہو جائیگی) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی ہر قوم کے لئے، عذاب وہلاکت کا ایک وقت علمِ الٰہی میں مقرر ہے۔ سَاعَةً۔ ساعت کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ عُرفِ عام میں وقت کے چھوٹے سے چھوٹے حصہ کے اظہار کیلئے مستعمل ہے۔ ساعتِ اصطلاحی وفلکی مُراد نہیں۔ لانها اقل الاوقات فی استعمال الناس یقول المستعجل لصاحبه فی ساعة یرید اقصر وقت واقربه (کشاف) ذکر الساعة لان هذا اللفظ اقل اسماء الاوقات (کبیر) قطعة من الزمان فی غایة القلة ولیس المراد بها الساعة فی مصطلح المنجمین (روح)

ف۳۷ آج بھی اہلِ باطل اور فسق پیشہ گروہ کے پاس عموماً یہی جواب اپنی ہر بیہودگی کی حمایت میں رہتا ہے۔ پہلے تو خاندانی رواج اور برادری کے دستور اور ملکی رسم کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ خدا نے ہم کو رکھا ہی اسی حال میں اور اسی طریق پر ہے۔ یہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اگر اُس کی مرضی نہ ہوتی، تو ہم کرتے کیسے؟ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشۃً کے تحت میں اعتقادی عملی ہر قسم کی بیہودگی آگئی۔ ف۳۸ یہ کیسا جہلِ مرکب ہے کہ اللہ نے جو تمہیں آزادیٔ عمل دے رکھی ہے، اس سے غلط کام لینے کو خدا کی مرضی قرار دے رہے ہو؟ اور جو طرزِ زندگی سرتاسر قانونِ الٰہی کے منافی ہے، اُسے اُس کا منظور شدہ بتا رہے ہو؟ ف۳۹ یعنی ہر امر میں توسط و توازن کا طریقہ جو مغزِ شریعت ہے۔ اور اصلِ اصول ہے عبادات، معاملات و اخلاق میں اس کو کسی قسم کے الفاحشۃ (بیہودگی) سے نسبت کیا؟ ای بالعدل وھو الوسط من کل شیٔ المتجافی عن طرفی الافراط والتفریط (بیضاوی) ف۴۰ (اپنے وقتِ مقرر پر یعنی حشر میں) کَمَا بَدَاَکُمْ یعنی جس طرح اوّل بار تمہیں محض اپنی قدرت سے پیدا کر

فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ

یہ لوگ کوئی بیہودگی کر گزرتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور خدا نے

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

ہم کو یہی بتایا ہے ف۳۸ آپ کہہ دیجیے اللہ ہرگز بیہودگی نہیں بتلاتا ہے کیا اللہ کے ذمہ ایسا جھوٹ لگاتے ہو،

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۙ وَاَقِيْمُوْا

جس کی (کوئی بھی) سند نہیں رکھتے ہو ف۳۸ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو عدل (و اعتدال) بتایا ہے ف۳۹

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو اور اُسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو، دین کو اُسی کے واسطے

الدِّيْنَ ۬ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹ ؕ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا

خالص کر کے اس نے جس طرح تمہیں شروع میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم پھر پیدا ہو گے۔ ف۴۰ ایک گروہ کو اس

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ

نے راہ دکھا دی، اور ایک گروہ ہے کہ اُن پر گمراہی ثابت ہو چکی، اُنہوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا ہے،

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰ يٰبَنِيْٓ

اللہ کو چھوڑ کر اور (اپنی نسبت) گمان رکھتے ہیں کہ وہ راہ پائے ہوئے ہیں ف۴۱ اے اولادِ

اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ اور پیو لیکن اسراف سے

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ ع ۳ ۶ ۱۰ قُلْ مَنْ حَرَّمَ

کام نہ لو بیشک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا ف۴۲ آپ کہیے اللہ کی زینت کو

دیا تھا۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یعنی اس کی عبادت میں ہرگز کسی اور کی شرکت یا آمیزش نہ ہونے پائے۔ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ یعنی ہر عبادت کے وقت اپنی توجہ اللہ ہی کی طرف رکھو۔ قال ربیع بن انس توجھوا بالاخلاص للہ تعالیٰ لا لوثن ولا لغیرہ (جصاص) عِنْدَ یہاں فی کے معنیٰ میں ہے۔ عند بمعنی فی (روح) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد ظرف زمان و مکان دونوں ہے یعنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں۔ اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مُراد اوّل الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔ فی کل وقت سجود او فی کل مکان سجود (کشاف) واختلفوا فی ان المراد منہ زمان الصلوٰۃ او مکانھا والاقرب ھو الاول (کبیر) ای فی وقت کل سجود (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت جامع ہے اصلاحِ ظاہر و باطن کی اقیموا وجوھکم سے طاعت ظاہری اور مخلصین سے طاعت باطنی کی جانب اشارہ ہے۔ ف۴۱ جیسا کہ آج بھی تمام اہلِ باطل اپنے لئے ہی حُسنِ ظن رکھے ہوئے ہیں۔ فَرِيْقًا هَدٰى۔ یہ ہدایت یاب گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے صحیح کام لیا۔ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ یہ گمراہ گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے غلط کام لیا۔ ف۴۲ (اس لئے اسراف کے قریب بھی نہ جاؤ) اسراف نام ہے صرف کرنے میں حدِّ اعتدال سے تجاوز کرنے کا۔ الاسراف ھو مجاوزۃ حد الاستواء فتارۃ یکون بمجاوزۃ الحلال الی الحرام وتارۃ یکون بمجاوزۃ الحد فی الانفاق (جصاص) اور اندازۂ معتبر اندازۂ شرعی ہے اور اس کے بعد اندازۂ عقلی نہ کہ اندازۂ نفسانی یا جذباتی۔ اسی لئے لا تسرفوا کے معنیٰ یہ لئے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے۔ لا تسرفوا ای بالافراط فی الطعام والشراب کما ذھب الیہ کثیر (روح) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کے مطلق صورت میں آنے سے امام رازیؒ نے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ مطعومات و مشروبات میں اصل حلّت ہی ہے۔ صرف حرمت کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے کہ اباحت کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ یتناول جمیع المطعومات والمشروبات

وجب ان یکون الاصل فیھا ھو الحِلّ فی کل الاوقات و فی کل المطعومات والمشروبات الا ما خصہ الدلیل المنفصل والعقل ایضاً مؤکد لہ لان الاصل فی المنافع الحل والاباحۃ (کبیر) زِيْنَتَكُمْ۔ یہاں زینت لباس یا لباسِ زینت کے معنیٰ میں ہے۔ ای زینتکم ولباس زینتکم (کشاف) یعنی الثیاب قال مجاھد ما یواری عورتک (سالم) المراد من الزینۃ لبس الثیاب (کبیر) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد یہاں نماز و طواف کے معنیٰ میں ہے۔ ای کلما صلیتم او طفتم (کشاف) ای طواف او صلاۃ والی ذلک ذھب مجاھد وابو الشیخ وغیرھما (روح) خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مشرکین عرب طوافِ کعبہ کے برہنہ ہو کر کرنے کے قائل تھے۔ وجوب اس کے برعکس کا مسلمانوں کو تعلیم ہو رہا ہے۔ روی عن ابن عباس وابراھیم ومجاھد وطاؤس والزھری ان المشرکین کانوا یطوفون بالبیت عراۃ (جصاص) مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ستر پوشی تو دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے اس وقت کے ذکر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اس وقت برہنہ ہو جایا کرتے تھے۔ نیز اس وقت وجوب اور زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے اس سے نماز میں ستر پوشی کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ ھذہ الاٰیۃ تدل علی فرض ستر العورۃ فی الصلوٰۃ (جصاص) یدل علی ان حکم الاٰیۃ غیر مقصور علی الطواف وان المراد بھا الصلوٰۃ (جصاص) خذوا زینتکم امرٌ وظاھر الامر الوجوب فھذا یدل علی وجوب ستر العورۃ عند اقامۃ کل صلاۃ (کبیر) اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ اس کے تحت میں امام رازیؒ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کوئی مکلف بندہ ایسا نہیں جو کسی حال میں ثواب و عقاب دونوں سے خالی ہو اب جب ثواب کی اس سے نفی ہو رہی ہے تو لازم ہے کہ وہ مستوجبِ عتاب ہو۔ لان معنی محبۃ اللہ تعالیٰ للعبد ایصالہ الثواب الیہ فعدم ھذہ المحبۃ عبارۃ عن عدم حصول الثواب ومتی لم یحصل الثواب فقد حصل العقاب لانعقاد الاجماع علی انہ لیس فی الوجود مکلف لا یثاب ولا یعاقب (کبیر)

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ۔ یعنی اب زمین ہی تمہارا مسکن ہوگی۔ وہیں تم آباد ہوگے۔ اور وہیں تمہیں اسبابِ معیشت موجود ملیں گے۔ بائبل نے آدمؑ کی جنت کو آسمان پر نہیں اسی روئے زمین پر مانا ہے اور ہمارے ہاں کے جو مفسرین زمینی جنت کے قائل ہوگئے ہیں وہ عجب نہیں جو بائبل ہی سے تاثر کا نتیجہ ہو ورنہ قرآن کے الفاظ ولکم فی الارض مستقر تو اس باب میں صریح ہیں کہ آدمؑ (مع اپنی آیندہ ذریت کے) زمین پر پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ الی حین سے اشارہ اس جانب بھی ہو رہا ہے کہ زمینی زندگی بھی مستقل نہیں اور آدم زاد کو اس پر قانع نہ ہو جانا چاہیئے۔

۳۱ (قیامت کے دن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کے بطور خرقِ عادت آسمان پر جانے کے امکان کو اس آیت کی رُو سے جھٹلانا اور یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ حضرت عیسیٰؑ کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیتِ قرآنی کے خلاف ہے محض اپنی سطحیت کا مظاہرہ ہے ——— یہاں بیان محض ایک عام حالت اور عمومی دستور کا ہے۔ اور معمولاتِ عام کے خلاف مستثنیات و عجائبات تو ہر روز مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ جو خرقِ عادت بطور معجزہ کے ہو! ۳۲ آیت سے پھر ایک بار یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ لباس وحجاب مقاصدِ شرعی میں سے ہیں۔ اور برہنگی ونیم برہنگی کا فلسفہ خواہ اس کی تبلیغ یورپ اور امریکہ سے ہو رہی ہو یا اس کی ترویج وحشی وغیر مہذب قوموں میں ہو بہرحال ایک شیطانی فلسفہ ہے۔ قال کثیر من العلماء ھذہ الاٰیۃ دلیل علیٰ وجوب ستر العورۃ (قرطبی) یدل علیٰ فرض ستر العورۃ لاخبارہ انہ انزل علینا لباسا یواری سوأتنا (جصاص) وقد اتفقت الامۃ علیٰ معنیٰ ما دلت علیہ الاٰیۃ من لزوم فرض ستر العورۃ (جصاص) قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا۔ تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے بطور اپنے ایک انعام خاص کے۔ انزلنا کے لفظی معنیٰ تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خلقنا کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ قیل انہ وصفہ بالانزال لان البرکات تنسب الی انھا تاتی من السماء (جصاص) غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لئے اسبابِ آسمانی ہی کا محتاج نظر آئیگا۔ ریشم، اُون، سُوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ وَرِيشًا۔ ہربرٹ اسپنسر و ویسٹر مارک وغیرہ مغربی فلسفیوں نے بھی لباس کی ایک غایت زینت وآرایش ہی بتائی ہے۔ ۳۳ (اس انعامِ الٰہی کو، اور ادائے حقِ نعمت کرتے رہیں) وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ یعنی وہ دینداری کا معنوی لباس اس ظاہری لباس سے بھی بڑھکر ضروری ہے۔ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ۔ یعنی یہ لباس کا پیدا کرنا جس سے سترِ جسم اور زینت دونوں مقاصد حاصل ہوتے رہیں اللہ کے فضل وکرم کی نشانیوں میں سے ہے۔ ۳۴ حجاب وستر پوشی کی جو اہمیت اسلام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ قصۂ آدمؑ کے ضمن میں یہ ذکر کس تکرار وتاکید کے ساتھ آ رہا ہے۔ وفی ھذا ایضا دلیل علیٰ وجوب ستر العورۃ (قرطبی) لَا يَفْتِنَنَّكُمُ۔ یعنی اب جبکہ تمہیں شیطان کی موروثی عداوت کا حال بخوبی معلوم ہو چکا۔ ہرگز اس کے پھندے میں نہ آجانا۔ انما معناہ التحذیر من فتنۃ الشیطان والزام التحرز منہ (جصاص) أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ۔ یعنی ان سے ایسا عمل صادر کرا دیا جس سے انہیں جنت چھوڑنا پڑی۔ ای اغواھما حتّٰی فعلا ما استحقا بہ الاخراج منھا (جصاص) ۳۵ (عموماً وعادۃً) اور چونکہ وہ مخلوق تمہارے لئے غیر مرئی ہے، اس لئے اس کے مخفی کید سے بچنے کے لئے بھی بڑی احتیاط اور ہمہ وقت چوکنے رہنے کی ضرورت ہے۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا عادتِ عامہ کے خلاف ہے لیکن دیکھنے کی قطعاً نفی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات انبیاء علیہم السّلام یا غیر انبیاء بلکہ عوام سے بھی جو جنات کا دیکھنا مروی ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ ورؤیتھم ایانا من حیث لا نراھم فی الجملۃ لا تقتضی امتناع رؤیتھم وتمثلھم لنا (بیضاوی) هُوَ وَقَبِيلُهُ۔ سے مراد جن وشیاطین سمجھے گئے۔ قال مجاھد یعنی الجن والشیاطین (قرطبی) مِنْ حَيْثُ۔ کیفیت کا بیان ہے، یعنی اس طرح پر شیطان اور شیطانی لشکروں کے غیر مرئی ہونے کا اثبات ہے۔ ۳۶ (چنانچہ جو مومن کامل ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چل پاتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تم جس قدر شیطان کے کہے میں آؤگے، معلوم ہوگا کہ اُسی قدر ایمان میں کچے اور کمزور ہو) آیت میں بڑی تسلی مومنین صادقین کے لئے ہے شیطان کو پوری دست اندازی کا موقع تو بس وہیں ملتا ہے جہاں ایمان کا فقدان ہے۔

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ
دشمن (ہو کر)، اور زمین میں تمہارے لئے ٹھکانا (رکھا گیا) ہے اور نفع (حاصل کرنا) ایک وقت معلوم
إِلَىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا
تک ۳۰ (اللہ نے) فرمایا اسی میں تمہیں جینا ہے اور اسی میں تمہیں مرنا ہے اور اسی سے
تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا
نکلنا ہے ۳۱ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے (جو) تمہارے پردہ والے
يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ
بدن کو چھپاتا ہے اور (موجب) زینت بھی ہے ۳۲ اور تقویٰ کا لباس (اس سے بھی) بڑھ کر ہے یہ
ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾ يَا بَنِي آدَمَ
اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں ۳۳ اے اولادِ آدمؑ نہ ہو
لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ
کہ شیطان تمہیں کسی خرابی میں ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا
يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ
اس طرح کہ دونوں سے ان کا لباس بھی اُتروا دیا تھا جس سے کہ ان دونوں کو ان کے پردہ کا
هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا
بدن دکھائی دینے لگے ۳۴ بیشک وہ خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں
الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾ وَإِذَا فَعَلُوا
نہیں دیکھتے ۳۵ ہم نے تو شیطانوں کو رفیق انہی لوگوں کا بننے دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ۳۶، اور جب

ع ۱۵ ۲ ۹

مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

چھپایا گیا تھا وہ دونوں کے رُوبرو بے پردہ کر دیا ؀۲۳ اور کہنے لگا تمہارے پروردگار نے تم کو اس درخت

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ

سے تو صرف اس لئے روکا تھا کہ کہیں تم دونوں فرشتہ (نہ) بن جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے

الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

والوں میں نہ ہو جاؤ ؀۲۴ اور دونوں کے رُوبرو قسم بھی کھالی کہ میں تو تم دونوں کا خیر خواہ ہُوں ؀۲۵

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا

غرض دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا پھر جب دونوں نے درخت (کا پھل) چکھا بے پردہ ہو گیا دونوں کے

سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

رُوبرو، ان کے پردہ کا بدن اور دونوں لگے اپنے اُوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑنے ؀۲۶ اور

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

دونوں کو پکار کر اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کر دیا تھا، فلاں درخت

وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

سے اور کہہ نہ دیا تھا تم دونوں سے کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے ؀۲۷ دونوں

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا

بولے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ؀۲۸ اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کریگا اور رحم پر

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ

رحم نہ کریگا تو یقیناً ہم گھاٹا اُٹھانے والوں میں ہو جائیں گے ؀۲۹ اللہ نے فرمایا اُترو تم (سب) کوئی کسی کا

؀۲۳ (اس درخت کا پھل کھلا کر) معلوم ہوتا ہے کہ اس شجرِ ممنوع کے پھل میں یہ تاثیر بالذات تھی۔ لِيُبْدِيَ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ایسا عمل جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ اللام لام العاقبة (قرطبی) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ اس تصریح نے صاف کر دیا کہ معصیت کا خیال آدمؑ کے اندر سے اور طبعی طور پر پیدا نہیں ہُوا، بلکہ تمامتر باہر سے ڈالا گیا۔ اور ڈالنے والا وہی موذی شیطان تھا۔ وسوسہ چونکہ ایک تصرف نفسانی وخیالی کا نام ہے۔ اس لئے اتصالِ مادّی یا قربِ مکانی اس کی شرط نہیں اور یہ بالکل ہی ضروری نہیں کہ شیطان اصالۃً بھی آدمؑ وحوّا سے ملا ہو، بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ اس نے زمین ہی پر رہ کر ان کے دلوں میں آسمان پر وسوسہ ڈال دیا ہو، بلکہ عجب نہیں جو آدمؑ کو وسوسہ ہونے ہی کا احساس نہ ہُوا ہو۔ قال الحسن كان يوسوس من الارض الى السماء (کبیر) بائبل میں اغواء آدمؑ کے سلسلہ میں ذکر شیطان کا نہیں، بلکہ سانپ کا ہے، اور عجب نہیں جو انہی یہودی ومسیحی روایتوں سے متاثر ہو کر ہمارے ہاں بھی ایک عام روایت شیطان کے سانپ کے جسم میں حلول کر کے داخلِ جنت ہونے کی چل پڑی ہو، محققین کے نزدیک یہ قصہ بالکل لغو ہے۔ فتلك القصة الركيكة مشهورة (کبیر) فَوَسْوَسَ لَهُمَا نے ذمہ داری آدمؑ وزوجِ آدمؑ (حوّا علیہا السّلام) پر یکساں رکھدی ہے بخلاف بائبل کے جو اصلی ذمہ دار حضرت حوّا ہی کو ٹھہراتی ہے:۔ "اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا ہے، اور دیکھنے میں خوشنما، اور عقل بخشنے میں خُوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا۔ اور اپنے خصم کو بھی دیا" (پیدائش۔ ۳: ۶) لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا۔ اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ وحوّاؑ کے جسم اس وقت تک لباس نور سے ڈھکے ہوئے تھے، اور اُن کے جسم کے قابلِ ستر حصّے خود اُن کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ اس سے تردید ہو گئی، بائبل کے اس بیان کی کہ "اور وہ دونوں آدم اور اس کی جُورو ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے" (پیدائش ۲: ۲۵) فقہاء ومفسّرین نے اس قرآنی تصریح سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ کشفِ ستر اہم ممنوعات میں سے ہے۔ وفيه دليل على ان كشف العورة من عظائم الامور (مدارک) دل هذا على قبح كشفها (قرطبی) مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ اس قصۂ آدمؑ سے معلوم ہُوا کہ عصمت کے ساتھ بھی تصرّفِ شیطانی اس حد تک جمع ہو سکتا ہے جو درجۂ معصیت کو نہ پہنچے، اسلئے کہ آدم علیہ السّلام سے جو کچھ واقع ہُوا وہ محض اجتہادی غلطی اور معصیت لُغوی تھی معصیت بہ اصطلاحِ شرعی نہ تھی۔ ؀۲۴ (اور یہ دونوں باتیں یعنی ملکیت اور حیاتِ ابدی آپکے لئے اُس وقت کے حالات کے اعتبار سے مناسب تھیں بھی نہیں لیکن اب آپ کی استعداد ترقی کر گئی ہے اس لئے اب وہ ممانعت کا حکم باقی ہی نہیں رہا) بائبل میں اس کے بالکل برعکس امتناعِ خداوندی کی علّت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ شجرِ ممنوع کے پھل کھانے سے موت طاری ہو جائیگی! کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا تو ضرور مریگا" (پیدائش۔ ۲: ۱۷) اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا یعنی کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ، بمعنى الّا كراهية ان (قرطبی) ؀۲۵ (دل وجان سے) یعنی قسمیں کھا کھا کر خوب باتیں بنائیں اور اپنے اخلاص وخیر خواہی کا خوب یقین دلایا۔ آدمؑ اور حوّاؑ جنتی بھولے، اپنے اوپر قیاس کر کے یہ خیال بھی نہیں کر سکے کہ کوئی اللہ کے نام جھوٹی قسم کے سلسلہ میں لے سکتا ہے۔ یہ قسما قسمی بھی اسی وسوسۂ شیطانی کا ایک جز تھی۔ ؀۲۶ اپنا پوشیدہ بدن چھپانے کے لئے) اس سے معلوم ہُوا کہ شرم وحجاب انسان کیلئے بالکل فطری وطبعی ہے، اور بے ستری وبے حجابی کی جتنی کوششیں آج مختلف خوشنما ناموں سے کی جا رہی ہیں سب آدمی کو آدمیت کی بلندی سے ابلیسیت کی پستی ہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ دلّت هذه الاية على ان كشف العورة من المنكرات وانه لم يزل مستهجنا في الطباع مستقبحا في العقول (کبیر) وفى الاية دليل على قبح كشف العورة وان الله وجب عليهما الستر (قرطبی) فيه دليل على ان كشف العورة قبيح من لدن ادم (کبیر) طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ بائبل میں اس موقع پر ہے کہ:۔ "تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہُوا کہ ہم ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لنگیاں بنائیں (پیدائش ۳: ۷) ان پتوں کے نام ہمارے یہاں کی بھی بعض تفسیری روایتوں میں انجیر اور زیتون اور کیلے کے درختوں کے لئے گئے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث صحیح دونوں اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔ ولم يثبت تعينها لا فى القران ولا فى الحديث الصحيح (بحر) عَلَيْهِمَا میں ضمیر تثنیہ اہلِ نحو نے لکھا ہے کہ آدمؑ وحوّاؑ کی جانب نہیں بلکہ بدن یا عورۃ کی جانب ہے، اور تقدیرِ کلام یوں ہے على عورتيهما۔ وتقديره يخصفان على بدنيهما (بحر) ولا يجوزان يعود الضمير على ادم وحوّاء (بحر) دَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ۔ اِدلاء کے معنی اُوپر سے نیچے لانے کے ہیں۔ یہ اتار اور نزول مرتبہ وحیثیت کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور مکان مادّی کے اعتبار سے بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فریبیے کے دھوکے میں آکر آدمؑ اپنی رائے عالی سے اس کی رائے سافل کی طرف مائل ہو گئے جس سے جنت سے اسفل کی طرف اتار دیئے گئے۔ بِغُرُوْرٍ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ آپؑ سے لغزش جو کچھ بھی ہوئی، ایک مکّار کے کہے میں آجانے سے ہوئی نہ کہ کسی قصد نافرمانی سے۔ قصۂ آدمؑ اور ابلیس کے لئے ملاحظہ ہو پارہ کے آخر میں ضمیمہ۔ ؀۲۷ (اس لئے اس کے کہے سُننے میں نہ آجانا) ؀۲۸ (کہ بلا تحقیق وتامّل شیطان کی بات کو مان گئے) مقبولین وخاصانِ خدا کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ وہ غلبۂ خشیت سے اپنی ہر معمولی لغزش کو بھی سخت ترین قصور سمجھتے رہتے۔ اور اس پر انتہائی ندامت واستغفار کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ؀۲۹ بائبل، آدمؑ اور زوجِ آدم کی اس مؤثر مناجات سے یکسر خالی ہے۔ ابو البشرؑ اور اُم البشر کی اس مناجات میں ادب اور استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لئے قیامت تک ہے۔ ؀۳۰ یعنی وقت موت تک۔ گویا حکم یہ ملا کہ اب بجائے جنتی اور آسمانی زندگی کے، مدّت العمر زمینی زندگی پر گزر بسر کرنا ہو گا۔ اِهْبِطُوْا۔ یعنی جنت سے اترو۔ خطاب اب محض آدمؑ وحوّاؑ سے نہیں۔ ذریّتِ آدمؑ وذریّتِ ابلیس سے بھی ہے۔ اسی لئے اب خطاب میں صیغۂ تثنیہ کا نہیں جمع کا ہے۔ یہ ہبوط دنیا میں کہاں ہُوا تھا؟ قرآن اس باب میں خاموش ہے۔ اور تفسیروں میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے کوئی حدیث صحیح کے درجہ کی نہیں، بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہی ہیں۔ اس لئے مسلمان کے لئے سکوت ہی اولیٰ ہے۔ وقد ذكر المفسرون الاماكن التى هبط فيها كل منهم ويرجع حاصل تلك الاخبار الى الاسرائيليات والله اعلم بصحتها (ابن کثیر) اور مفسّر ابن کثیر نے ایک بات یہاں بڑے پتہ کی کہہ دی ہے جو صرف اسی موقع کے لئے نہیں بلکہ ہر ایسے موقع کے لئے کارآمد ہے۔ وہ یہ کہ جب قرآن وحدیث دونوں اس تعین سے خاموش ہیں تو اس کے معنی یہی ہیں، کہ خدا ورسولؐ کے نزدیک اس کا علم دین ودنیا کی ضروریات میں داخل نہیں۔ ولو كان فى تعين تلك البقاع فائدة تعود على المكلفين فى امر دينهم او دنياهم لذكرها الله تعالى فى كتابه ورسوله صلعم۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ دنیا میں انسان بھی انسان کا دشمن ہے لیکن اصلی دشمنی تو ذریتِ آدم سے ذریتِ ابلیس ہی کو ہے۔ بمعنى العداوة ثابتة بين الجن والانس لا تزول البتة (کبیر)

إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿١٥﴾

جب سب اُٹھائے جائیں گے ۱۷ (اللہ نے) فرمایا بے شک تجھے مہلت دی گئی ۱۸

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾

بولا کہ چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے میں بھی لوگوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا ۱۹

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَ

پھر اُن کو اُن کے سامنے سے بھی آؤنگا اور اُن کے پیچھے سے بھی اور اُن کے

عَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ

داہنے سے بھی اور اُن کے بائیں سے بھی اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکر گزار

شَاكِرِينَ ﴿١٧﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن

نہ پائیں گے ۲۰ (اللہ نے) فرمایا یہاں سے تو نکل ذلیل و خوار ہو کر اُن میں سے

تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾ وَ

جو کوئی تیری پیروی کرے گا سو میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا ۲۱ اور

يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ

اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ (پیو) جس جگہ سے چاہو اور

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

اس (خاص) درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم دونوں بھی بے انصافوں میں (شامل) ہو جاؤ گے ۲۲

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا

پھر دونوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا سو اس سے جو کچھ اُن کے پردہ کے بدن میں سے اُن سے

۱۷ مہلت کس چیز سے؟ موت اور عذاب سے۔ سأل النظرة والامهال الی یوم البعث والحساب (قرطبی) اِلیٰ یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ یعنی قیامت تک۔ شیطان کا صاحبِ کشف ہونا اسی درخواست سے ظاہر ہے۔ جانتا تھا ضرور منظور ہو جائے گی۔ باوجود عتاب شدید کے موقع کے پیش کردی۔ ۱۸ کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا، عین انتہائی عتاب کے وقت ایسے موذی نافرمان کی درخواست قبول کر لینا بس حضرتِ حق ہی کا حصّہ تھا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دُعا کا قبول ہو جانا مقبولیت کی کافی دلیل نہیں دُعا تو شیطان کی بھی قبول ہوگئی لیکن شیطان بدستور مردُود ہی رہا۔ ۱۹ آدمؑ و ذریتِ آدمؑ کی رہزنی کرنے کے لئے اور انہیں راہِ حق سے بے راہ کرکے رہونگا) بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ۔ ابلیس کے دوسرے باطل اور مغالطہ بدر دعووں کی طرح یہ بھی ایک تمامتر شیطانی مغالطہ ہی ہے۔ تکوینی حیثیت سے خدا جس طرح ہر شے کا آخری سبب اور بیماری، بدکاری، زہر سب کا خالق ہے غوایتِ ابلیس کا بھی آخری سبب وہی ہے لیکن ابلیس نے اسے یہاں جس معنیٰ میں استعمال کیا ہے یعنی گویا گمراہی کی ترغیب بھی اللہ ہی نے دی یا شیطان کو اس پر مجبور کیا۔ اس معنیٰ میں یہ تمامتر حقیقت و صداقت سے معرّیٰ ہے۔ بما میں ب سببیہ ہے۔ ای بسبب اغوائك ایای (کبیر۔ مدارک) ای لاجل انك اغویتنی (معالم) لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ۔ فعل قعد کا صلہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنیٰ گھات میں بیٹھ جانے کے ہوتے ہیں۔ عبّر عن الترصّد للشئ عن القعود له (راغب) ۲۰ اس لئے ان اکثر کو میں اپنی راہ پر لگا لوں گا) ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔ یعنی ان پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، انہیں ہر سمت سے گھیر لونگا۔ کوشش کا کوئی دقیقہ ان کے گمراہ کرنے میں اٹھا نہ رکھونگا۔ باقی ان چاروں فقروں کی الگ الگ تفسیریں بھی مختلف مفسّرین و حکماءِ اسلام سے منقول ہیں۔ من بین ایدیهم سے مراد دنیا لی گئی ہے اور من خلفهم سے دین گویا ابلیس یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان پر دنیا کی راہ سے بھی حملہ کروں گا اور دین کے راستے سے بھی ——— حکماءِ اسلام نے اوّل الذکر سے مُراد انسان کی قوتِ خیالی لی ہے۔ اور آخر الذکر سے قوّتِ وہمی۔ عن ایمانهم سے مراد نیکی سے روکنا اور عن شمائلهم سے مراد بدی پر جرأت دلانا لیا گیا ہے۔ گویا ابلیس یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں انہیں نیکیوں سے روکوں گا بھی اور بدی پر آمادہ بھی کرونگا ——— حکماءِ اسلام نے پہلے فقرہ سے مراد قوتِ شہوی لی ہے اور دوسرے سے قوتِ غضبی۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس قسم کے اقوال کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ سے ایک نکتہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ محض کشف اگر مقبولیت کی دلیل ہوتا تو شیطان کے مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے کشف سے قیامت تک کے لئے یہ نقشہ کھینچ دیا۔ ۲۱ (سو اے مردود تو یہ ڈرا دھمکا تا کسے ہے؟ تیری ان دھمکیوں سے ہوتا کیا ہے؟ ساری مخلوق میں ایک متنفّس بھی اگر ہماری عبادت نہ کرے تو ہمارا کیا ضرر؟) کثرت سے جاہلی اور شرکیہ مذاہب میں خود معبود کو ایک بڑی حد تک بندوں کی عبادت کا محتاج مانا گیا ہے ——— قرآن مجید ضمناً ان عقائد باطل کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۗ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ مکالمہ کا سارا لب و لہجہ مجوس کی ثنویت کی قطعی تردید میں ہے جنھوں نے شیطان (اہرمن) کو بھی خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور یہی گمراہی ذرا ہلکی صُورت میں مسیحیت اور یہودیت میں بھی سرایت کئے ہوئے ہے۔ قرآن میں شیطان کا درجہ اللہ کے مقابلہ میں ایک مدِ مقابل ہمسر و حریف یا کسی چھوٹے موٹے دیوتا کا نہیں، وہ اللہ کی مخلوق ہے اور تمامتر حقیر و خوار۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محض مکالمت و مخاطبت ہرگز مقبولیت کے مرادف نہیں۔ ۲۲ ان سب واقعات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ (پارۂ اوّل) میں گذر چکے۔ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا۔ کھانے پینے کی یہ عام اجازت مل رہی ہے جہاں سے اور جو کچھ ان کا جی چاہے۔

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا

ہوگا سو وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے (خود) اپنے کو نقصان میں کر رکھا ہے بہ سبب

كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ

اس کے کہ ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے ١٠ اور بالیقین ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کو جگہ

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾ ع

دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامانِ زندگی پیدا کیا، بہت ہی کم تم لوگ شکر کرتے ہو ١١

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی ١٢ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ

کے روبرو جھکو، سو (سب) جھکے بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں

السّٰجِدِيْنَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ

شامل نہ ہوا ١٣ (اللہ نے) فرمایا تجھے کیا مانع ہوا اس سے کہ تو سجدہ کرے، جب میں تجھے حکم دے چکا ١٤

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے

طِيْنٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ

پیدا کیا ١٥ (اللہ نے) فرمایا تو تو اتر اس (جنت) سے تو اس لائق نہیں کہ اس (جنت) میں رہ کر بڑائی کرتا ہے

فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿١٣﴾ قَالَ اَنْظِرْنِىْ

بس تو نکل بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے ١٦ بولا تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے

ع ١٠ ٨

١٠ دینِ حق کو نہ قبول کرنا اور نظامِ خداوندی سے انکار و بغاوت کئے جانا یہی آیاتِ الٰہی کے حق میں ظلم و بے انصافی کرنا ہے۔ اصل زندگی، اصل جان، اصل حسن، اصل وزن، صرف طاعتوں یا نیکیوں میں ہے جو یہاں سے کہیں بڑھ کر وہاں نمایاں ہوگا۔ اور ہر معصیت و بدی کی زندگی عارضی و نمایشی ہے۔ ان کا کھوکھلا پن بھی حشر ہی میں جو کشفِ حقائق کا مقام ہے خوب نمایاں ہوگا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دنیا میں لوگوں کے ساتھ معاملت کرنے کا ایک دستور العمل ہاتھ آجاتا ہے جن لوگوں کی غالب حالت صلاح کی ہو۔ انہیں صالح ہی سمجھا جائیگا۔ اگرچہ ان میں خفیف جز نقص کا بھی ہو۔ البتہ خود ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ ١١ (اے انسانو!) خطاب عام عالمِ انسانی کو ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۔ گرفت کے قابل اور اصل جرم یہ عدم شکر گزاری یا برائے نام شکر گزاری ہے۔ اور ادائے شکر کے معنیٰ ادائے حقوق کے ہیں یعنی جس نعمت کے برتنے کے جو حقوق شریعتِ الٰہی نے بتائے ہیں انہیں برتنا۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۔ زمین پر سکھ کے ساتھ رہنے سہنے کی جگہ ملنا، سامانِ معیشت بہ افراط ملنا، خاص طور پر محرکاتِ شکر ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جن دو نعمتوں کا ذکر ہے، ان میں سے اول کا حاصل جاہ ہے اور دوسرے کا خلاصہ مال، تو جاہ و مال کا ذکر موقعِ نعمت پر آنے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں مطلق صورت میں مذموم نہیں بلکہ قابلِ شکر ہیں، البتہ ان میں انہماک مذموم ہے۔ ١٢ یعنی پہلے تمہاری نوع کا سلسلہ قائم کرنے کو مادہ بنایا، پھر اس مادہ کو صورتِ بشری دی، اور آدمؑ وجود میں آگئے۔

١٣ (از راہِ استکبار) قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ یہ حکم جب ملائکہ کو ملا تو جو مخلوق (مثلاً جن) ان سے ادنیٰ تھی، اس کو تو یہ حکم بدرجۂ اولیٰ ملا۔ ملاحظہ ہو حواشی ١٢٣، ١٢٤ پ ١۔ اُسْجُدُوْا سجدہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اس نماز والے سجدہ کی ہیئتِ متعارف و مخصوص کے ساتھ ہو، سجود کے لفظی معنیٰ تواضع و تذلل کے ہیں، اور وہی یہاں مراد ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پ ١ حاشیہ ١٢٥۔ لِاٰدَمَ ۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے۔ یعنی آدمؑ کی سمت میں (جیسے آج بھی کعبہ کی سمت میں ہوتا ہے) نہ کہ آدمؑ کو۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ١٢٥ پ ١۔ اِبْلِيْسَ ۔ ایک ناری مخلوق یعنی جن تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ آیا ہے نہ کہ نوری مخلوق یا فرشتہ جیسا کہ عوام کا عقیدہ مسیحیت کے اثر سے ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ١٢٦ پ ١۔ ١٤ ارشادِ الٰہی کا کوئی اور جواب بجز تعمیل کے ممکن ہی نہیں پھر تجھے آخر نافرمانی کی کیا سوجھی؟ کونسی چیز تجھے اس پر لائی؟ اَلَّا یہاں لا نافیہ یا ناہیہ نہیں بلکہ زایدہ ہے۔ اور زایدہ اصطلاحِ نحو میں حشو کے مرادف نہیں بلکہ یہ لا جو مضمون بیان ہو رہا ہے اسی میں اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ زائدة ای لتاكيد معنى النفى فى منعك (جمل)، ١٥ (اور یہ دلیل ہے میری افضلیت کی) ابلیس کے اس دعویٰ اور دلیل کو منطقی شکل میں اگر مرتب کیا جائے تو مقدمات اور نتائج کی صورت حسبِ ذیل ہوگی:۔ (١) آگ خاک سے افضل ہے۔ (٢) افضل غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی، لہٰذا آگ خاک کے آگے نہیں جھک سکتی، اور پھر افضل کی فرع بھی غیر افضل کی فرع کے آگے نہیں جھک سکتی، میں فرع ہوں آگ کی، اور آدمؑ فرع ہیں خاک کی۔ اس لئے میں آدمؑ کے آگے نہیں جھک سکتا۔ ابلیس کو اپنی عقل و ذہانت پر بہت ناز ہے لیکن یہ استدلال تو مغالطوں کی ایک پوٹ ہے۔ اول تو یہ بنیادی دعویٰ ہی غلط ہے کہ آگ، خاک سے افضل ہے آگ اور خاک دونوں کے الگ الگ خصوصیات ہیں کسی لحاظ سے یہ افضل کسی اعتبار سے وہ۔ پھر یہ دعویٰ بھی تمام تر باطل ہے کہ ہمیشہ غیر افضل ہی کو افضل کے آگے جھکنا چاہیئے۔ بہتیرے موقع اعلیٰ کیلئے بھی ادنیٰ کے آگے جھکنے کے ہوتے ہیں، اور پھر یہ مفروضہ تو اور بھی مہمل ہے کہ افضل کی فرع ہر حال میں غیر افضل کی فرع سے افضل ہی ہوتی ہے، ابلیس اب نافرمانی و کفر اختیار کر چکا تھا اور کافر و نافرمان کی عقل میں نورانیت کہاں، وہ تو تمام تر ظلمانیت سے بھر جاتی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ہر ایسا شخص شیطان کا وارث ہے جو اپنی رائے اور رویت کو چاہے وہ کشف پر مبنی ہو یا وجدان و ذوق پر، شریعت کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ ١٦ یعنی یہ جگہ تو شعبین اور فرمانبرداروں کے لئے ہے تجھ بڑائی ہانکنے والے کا یہاں کیا کام، تو نکل یہاں سے حقیر و خوار ہو کر۔ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندہ کی ذلت ہے۔ دلّ هذا ان من عصى مولاه فهو ذليل (قرطبی) فَاهْبِطْ مِنْهَا یہ نکلنے اور نیچے اترنے کا حکم کہاں سے ہو رہا ہے؟ ہبوط آسمان سے زمین کی طرف بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مثل من السماء الى الارض (معالم) اى من السماء (قرطبی) لیکن اکثر نے ضمیر ھا جنت کی جانب سمجھی ہے۔ اور قول اصح یہی ہے کہ حکم جنت سے نکل جانے کا مل رہا ہے۔ قال كثير من المفسرين الضمير عائد الى الجنة (بحر) اى من الجنة (معالم) قال ابن عباس يريد من الجنة (كبير) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبر کی بنا پر درگاہِ الٰہی سے نکالا جانا، اس کی دلیل ہے کہ وہ وصولِ حق سے مانع ہے

۵۲ یعنی اس کی نصیحتوں سے تو نفع اہلِ ایمان ہی اٹھائیں گے۔ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ۔ یعنی یہ خیال کرکے اپنا دل نہ کڑھائیے کہ بہت سے لوگ اس سے انکار و تکذیب کے بھی مرتکب ہونگے۔ ای لا یضیق صدرک الایومنوابه (قرطبی) لِتُنۡذِرَ بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ اِنذار کافروں کے لئے ہے اور ذکرٰی مومنین کے حق میں۔ الانذار للکافرین و ذکرٰی للمومنین لانهم المنتفعون به (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا آیت میں شیخ کے لئے اشارہ ہے کہ مخاطب اگر اس کی بات نہ قبول کرے تو شیخ نہ تو بالکل ہی مستغنی رہے اور نہ زیادہ فکر و تردد میں پڑے۔ ۵۳ یہ رفیق وہی ہیں جنہیں دوسری جگہ قرآن میں شیاطین الجن والانس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ای یضلونکم من الجن والانس (بیضاوی) اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ یعنی جو کچھ تمہارے اوپر تمہارے پیمبر کے واسطے سے نازل ہوا ہے۔ ابھی انزل الیک میں خطاب پیمبرؐ سے براہ راست تھا، اب خطاب مومنین سے ہے جن کا ذکر ذکرٰی للمومنین کے تحت میں ابھی آچکا ہے۔ اور انزل الیکم سے مراد نزول بواسطہ پیمبر ہے۔ دونوں طرزِ تعبیر اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ کے عموم میں محققین نے قرآن کے ساتھ سنت کو بھی شامل کیا ہے کہ وہ بھی وحی خفی کی ایک صورت ہے، یعنی الکتاب والسنة (قرطبی) یتناول الکتاب والسنة (کبیر) ای القرآن والسنة (مدارک) لیکن خود خبر واحد کے قبول کا معیار یہی ہے کہ وہ کسی نص قرآنی کے مخالف نہ ہو اور حنفیہ نے اس پر خاص طور سے زور

حَرَجٌ مِّنۡہُ لِتُنۡذِرَ بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۲ اِتَّبِعُوۡا
سو آپ کے دل میں اس سے (بالکل) تنگی نہ ہو، اور (یہ) نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے ۵۲ پیروی اس کی
مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ
کرو جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی
اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ۳ وَ کَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَهۡلَکۡنٰهَا
پیروی مت کرو ۵۳ کم ہی تم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو ۵۴ اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔ اور
فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا بَیَاتًا اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۴ فَمَا کَانَ
ان پر ہمارا عذاب رات کو پہنچا یا وہ دوپہر کو آرام میں تھے ۵۵ پس وہ کچھ نہ بول سکے جب
دَعۡوٰىهُمۡ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا
اُن پر ہمارا عذاب پہنچا ہاں بولے تو یہ بولے کہ بیشک ہم ہی ظالم (و خطاوار)
ظٰلِمِیۡنَ ۵ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَنَسۡـَٔلَنَّ
تھے ۵۶ سو ہم اُن لوگوں سے بھی ضرور پوچھیں گے جن کے پاس (پیغمبر) بھیجے گئے تھے، اور
الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیۡهِمۡ بِعِلۡمٍ وَّ مَا کُنَّا
پیمبروں سے (بھی) ہم ضرور پوچھیں گے ۵۷ پھر ہم اُن کے رُوبرو (سب) بیان کر دیں گے علم کے ساتھ
غَآئِبِیۡنَ ۷ وَ الۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ
اور ہم کہیں غائب تو تھے نہیں ۵۸ اور اُس روز وزن (ہونا) برحق ہے ۵۹ جس کسی کا وزن بھاری ہوگا
مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۸ وَ مَنۡ خَفَّتۡ
وہی لوگ (پورے) کامیاب ہوں گے اور جس کا وزن ہلکا

دیا ہے۔ دلیل علی وجوب اتباع القرآن فی کل حال وانه غیر جائز الاعتراض علی حکمه باخبار الآحاد لان الامر باتباعه قد ثبت بنص التنزیل وقبول خبر واحد غیر ثابت بنص التنزیل وهذا یدل علی صحة قول اصحابنا فی ان قول من خالف القرآن فی اخبار الآحاد غیر مقبول (جصاص) مِنۡ دُوۡنِہٖ میں ضمیر ربکم کی طرف ہے یعنی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا مطاع مت قرار دو۔ والهاء تعود علی الرب سبحانه والمعنی لا تعبدوا معه غیره (قرطبی) ای من دون الله (مدارک) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے رائے کی پیروی ممنوع ہے۔ ودلت الآیة علی ترک اتباع الآراء مع وجود النص (قرطبی) ۵۴ چنانچہ گمراہی اور گمراہوں دونوں کی کثرت ظاہر ہے۔ مَا تَذَکَّرُوۡنَ میں ما زایدہ قلت تذکر کی تاکید کے لئے ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ تذکرون تذکرا قلیلا۔ ما مزیدة لتوکید القلة (کشاف، بیضاوی)

۵۵ یعنی عموماً ایسے وقت جب وہ غفلت اور بےفکری میں پڑے تھے ان دونوں وقتوں کی تصریح اس لئے کی گئی کہ یہی دو وقت عموماً غفلت و بےفکری کے ہوتے ہیں۔ نص هذان الوقتان لانهما وقتا الغفلة (مدارک) معنی الآیة انهم جاءهم بأسنا وهم غیر متوقعین له اما لیلا وهم نائمون او نهارا وهم قائلون والمقصود انهم جاءهم العذاب علی حین غفلة منهم (کبیر) اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ۔ قائل قیلولہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ اور قیلولہ کہتے ہیں دوپہر میں آرام کرنے کو۔ یعنی القائلة وهی القیلولة و هی نوم نصف النهار وقیل الاستراحة نصف النهار اذا اشتد الحر وان لم یکن معها نوم (قرطبی) قال اللیث القیلولة نومة نصف النهار وقال الازهری القیلولة عند العرب الاستراحة نصف النهار اذا اشتد الحر وان لم یکن مع ذلک نوم (کبیر) ۵۶ دنیا میں بھی جب کوئی قوم ادبار و تباہی کے عذاب میں مبتلا ہو لیتی ہے تو بعد کو اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا اقرار ہی کرتے اُسے بنتا ہے، اور پھر اسباب پر بحث شروع ہوتی ہے۔ ۵۷ ان اُمتوں سے تو یہ کہ تم نے انبیاء کی دعوت کہاں تک قبول کی؟ اور پیمبروں سے یہ کہ تمہاری دعوت کہاں تک قبول کی گئی؟ ۵۸ اس میں اثبات ہے حق تعالیٰ کے علمِ کامل و علمِ صادق کا۔ ابھی اُوپر حشر میں سوالات کا ذکر ہے۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ پوچھ پاچھ کچھ اس لئے تو ہوگی نہیں کہ (نعوذ باللہ) ہم کچھ ناواقف تھے۔ علم و تحقیق کا مصدر و مخزن تو خود ہماری ذات ہے —— ہر کیفیت ہم پر خود آئینہ ہے۔ پورے پورے حالات تحقیق کے ساتھ تو ہم خود ہی بیان کر دینگے اور کیوں نہ بیان کریں۔ کیا ہم کہیں کچھ دیر کے لئے چلے گئے یا غائب ہو گئے تھے؟ ہمہ وقت تو ہم خود ہی حاضر و موجود رہے ہیں —— اس میں رد آگیا اُن احمق جاہلی فلسفیوں کا جو سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں، ۵۹ الفاظ میں "وزن" ہونا رائے میں "وزن" ہونا معانی میں "وزن" ہونا یہ تو ہم لوگ گفتگو میں روزمرہ بولتے اور مجازی حیثیت سے برابر تسلیم ہی کرتے ہیں یوم حشر کشف حقائق کا دن ہوگا، ہر مجاز عین حقیقت بن جائیگا۔ "وزن" کے لئے جسمیت کی شرط تو مخصوص اس عالم ناسوت کے ساتھ ہے۔ اُس عالم میں تو مجردات بھی محسوسات کے لباس میں ملبوس ہونگے —— الوزن کے مجازی معنی بھی کئے گئے ہیں۔ لیکن اکابر اہلِ سنت کے یہاں بلاضرورت ظاہر کو چھوڑ کر مجاز ماننا درست نہیں۔ وقد اجمع الامة فی الصدر الاول علی الاخذ بهذه الظواهر من غیر تاویل واذا اجمعوا علی منع التاویل وجب الاخذ بالظاهر وصارت هذه الظواهر نصوصا (قرطبی) یَوۡمَئِذٍ سے مراد قیامت کا دن ہونا ظاہر ہی ہے۔ وہ دن تو کشف حقائق کا ہوگا کیا یہ ممکن نہیں کہ اعمال میں وزن تو آج بھی ہو لیکن آج ہمارے قویٰ کے لئے غیر مدرک ہو، اور اُس روز جب ہمارا ادراک خود ہی سَوگنا اور ہزار گنا بڑھ چکے گا، اعمال کی یہ کیفیت بھی ہمارے علم و شعور میں آنے لگے —— بارکلے برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کئے گئے ہیں، ان کی اصل تو ان کی محسوسیت ہی ہے۔ اگر وہ سرے سے کسی کو محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں۔ اعمال کی صفتِ وزن آج ہمارے موجودہ قویٰ کے لئے غیر محسوس ہے، کل ہمارے ترقی یافتہ قویٰ کے لئے محسوس و مدرک ہو جائے گی۔ اَلۡوَزۡنُ عقاید و اعمال کا وزن مراد ہے، اور یہ معنی صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔ صحائف اعمال کا وزن بھی مراد لیا گیا ہے۔ ای وزن الاعمال (مدارک) والجمهور علی ان صحائف الاعمال توزن بمیزان (بیضاوی) والمراد بالوزن اعمال العباد بالمیزان (قرطبی) والذی یوضع فی المیزان یوم القیمة قیل الاعمال وان کانت اعراضا الا ان الله تعالی یقلبها یوم القیمة اجساما (ابن کثیر) امام رازیؒ نے ایک روایت میں حدیث رسولؐ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مفسرین کا عام مذہب اس باب میں وزن صحائف اعمال کا ہے۔ سئل رسول الله صلعم عما یوزن یوم القیامة فقال الصحف وهذا القول مذهب عامة المفسرین فی هذه الآیة (کبیر)

٢٥٩ه یعنی اس کی ربوبیت جزوی اور ناقص نہیں جیسا کہ مشرکوں اور یونان وغیرہ کے جاہل فلسفیوں نے خیال کیا ہے۔ کوئی صفتِ کائنات، کوئی شعبۂ موجودات اس کی ربوبیت سے خارج نہیں۔ قُلْ۔ یعنی آپ ان منکرینِ توحید اور اہلِ باطل کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیجئے۔ ٢٦٠ه (اور اسی کے مطابق جزا و سزا ہوگی)، علم بھی اُسی کا کامل ہے اور قدرت وحکومت بھی اسی کی کامل۔ تَكْسِبُ۔ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے بطور گناہ یا ثواب کے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ چنانچہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفّارہ تمام تر مہمل و باطل ہے۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی کہ آدمؑ کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ ساری اولادِ آدمؑ کو ملتی رہے گی۔ یا مشرکوں کا یہ عقیدہ کہ خدا جس کے بجائے جس کو چاہے سزا دے دے۔ اخبار بأن الله تعالیٰ لا یؤاخذ احدًا بذنب غیرہ وانه لا یعذب الابناء بذنب الأباءِ (جصاص) ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ۔ سب کی آخری واپسی پروردگار عالم ہی کے حضور میں ہوگی نہ کہ کسی "ابن اللہ" وغیرہ کے پاس۔ ٢٦١ه (کہ کون ان نعمتوں کا حق کہاں تک ادا کرتا ہے اور اس آزمائش کے بعد رُوحانی اور حقیقی مرتبہ متعین کرے) جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ خطاب پوری نسلِ آدم کو ہے۔ خلافت کی دولت ادنیٰ و اعلیٰ ہر ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عالمِ انسانی کی کثیر آبادی نے اپنے کو نا اہل خلافتِ الٰہی کا ثابت کیا ہو۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ۔ یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے، کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی قوی کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار، کوئی نادار۔ فی الخلق والرزق والقوة والبسطة والفضل والعلم (قرطبی) لِيَبْلُوَكُمْ۔ یہ آزمائش ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے ہوتی رہتی ہے۔ ای بعضکم ببعض (قرطبی) ٢٦٢ه یہاں تین صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ اور تینوں کا تعلق تین مختلف طبقات سے ہے۔ سَرِيْعُ الْعِقَابِ۔ بہت جلد سزا کو پہنچا دینے والا وہ مجرموں اور نافرمانوں کے حق میں ہے۔ غَفُوْرٌ۔ غفور وہ ان کے لئے ہے جو نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف واپس آجائیں۔ رَحِيْمٌ۔ اس کی رحمتِ کاملہ فرمانبرداروں کے حق میں ہے۔ سورۂ اعراف ١ه حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گذر چکا) یہاں ابن عباسؓ سے ان حروف کے دو معنیٰ منقول ہیں۔ ایک انا الله افضل۔ دوسرے انا الله اعلم وافضل (کبیر)

نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ
اُسی پر رہتا ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دُوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا پھر تم
اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
(سب) کی واپسی تمہارے پروردگار (ہی) کے پاس ہے سو وہی تم کو جتلائے گا جس جس چیز میں تمُ اختلاف
تَخْتَلِفُوْنَ ١٦٤ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ
کرتے تھے ٢٦٠ه اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے
وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ
ایک کے رُتبے دُوسرے پر بلند کئے تاکہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے
فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ
جو اُس نے تم کو دے رکھی ہیں ٢٦١ه بیشک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے بیشک وہ بڑا
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٦٥ ع
مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ٢٦٢ه

ع ٢٠ ١١ النصف

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ وَّ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ اعراف مکی ہے اور اس میں ٢٠٦ آیات اور ٢٤ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓصٓ ١ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ
الف۔ لام۔ میم۔ صاد ١ه (یہ) ایک کتاب ہے آپ پر نازل کی گئی کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو) ڈرائیں۔

فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا
کچھ بھی (ذمہ داری) نہیں، ان کا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالہ ہے ۲۵۱ پھر وہی انہیں جتلا دے گا جو کچھ
یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ
وہ کرتے رہے ہیں ۲۵۲ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُس کو اس کے مثل دس (نیکیاں) ملیں گی ۲۵۳ اور
وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا
جو کوئی بدی لے کر آئیگا اس کو بس اُس کے برابر ہی بدلہ ملے گا ۲۵۴ اور اُن پر ظلم نہ
یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ
کیا جائیگا ۲۵۵ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے، ایک
دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ
دین مستحکم طریقہ ابراہیمؑ راست رَو کا اور وہ مشرکین میں سے
الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَ
نہ تھے ۲۵۶ آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور
مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ
میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں ۲۵۷ (کوئی) اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی کا
اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ
حکم ملا ہے، اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں ۲۵۸ آپ کہئے کہ کیا اللہ کے سوا کسی کو بطور
اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ
پروردگار تلاش کروں درآنحالیکہ وہی پروردگار ہے ہر چیز کا ۲۵۹ اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ

۲۵۱ (کہ وہی خوب سب کو دیکھ بھال رہا ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ۔ یعنی دینِ حق کو بتمام قبول نہ کیا خواہ سب کو چھوڑ دیا۔ خواہ اس کے بعض حصّوں کو۔ دِیْنَهُمْ۔ مُراد وہ دین ہے جس کے وہ مکلف تھے۔ اما دینھم فقد قیل الذی امرھم اللہ بہ وجعلہ دینا لھم (جصاص) وَكَانُوْا شِیَعًا۔ یعنی کفر و شرک یا بدعت کے طریقوں کو اختیار کرکے ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ اس کا مصداق کون گروہ ہوا ہے؟ عموماً مراد یہود و نصاریٰ سے لی گئی ہے۔ من الیھود والنصارٰی (ابن جریر عن قتادۃ) ھؤلاء الیھود والنصارٰی (ابن جریر عن السدی) یعنی الیھود والنصارٰی (ابن جریر۔ عن الضحاک) مشرکین بھی مراد لئے گئے ہیں:۔ یرید المشرکین (کبیر عن ابن عباسؓ) قال الحسن ھم جمیع المشرکین (قرطبی) اس اُمت کے اہلِ بدعت و اہلِ ضلالت سے بھی مُراد لی گئی ہے۔ ھم اھل البدع واھل الشبھات واھل الضلالۃ من ھذہ الامۃ (ابن جریر۔ عن ابی ہریرۃؓ) ھم اھل البدع والشبھات (ابن جریر عن مجاہد) انما ھم اصحاب البدع واصحاب الاھواء واصحاب الضلالۃ من ھذہ الامۃ (قرطبی عن عمرؓ) الفاظ قرآنی میں گنجائش یقیناً ان سب تفسیروں کی ہے لیکن اگر قرائن سے رسول اللہ صلعم کے صرف معاصرین پیشِ نظر رکھے جائیں تو اس تعارف کے مصداق سب سے بڑھ کر مسیحی ہی نکلینگے اور ان کے اندر فرقوں اور گروہوں کی تقسیم اور تقسیم کے اندر تقسیم سب سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدتِ کلمہ کے قائم و برقرار رکھنے کی اسلام میں کس قدر تاکید ہے اور اُمت کا تفرق و تشتت حق تعالیٰ کو کس درجہ مبغوض ہے۔ اعلم ان المراد من الاٰیۃ الحث علیٰ ان تکون کلمۃ المسلمین واحدۃ و ان لا یتفرقوا فی الدین (کبیر) ھو تحذیر من تفرق الکلمۃ ودعاء الی الاجتماع والالفۃ علی الدین (جصاص)

۲۵۲ (اور یہ جتلا دینا قیامت میں ہوگا) "چونکہ لفظ فرّقوا۔ سب کو شامل ہو سکتا ہے، اسلئے عام مُراد لینا انسب ہے البتہ مراتب وعید کے متفاوت ہونگے یعنی کفار کو عذابِ مخلّد ہوگا اور مبتدعین کو بہ وجہ وجود ایمان کے بعد سزائے عقائدِ فاسدہ کے نجات ہو گی" (تھانویؒ)

۲۵۳ یعنی ہر نیکی پر دس گُنا اجر ملے گا۔ گویا اس نے وہ نیکی دس بار کی ہے۔ اور یہ تو مرتبۂ اقل میں ہے ورنہ بعض نیکیوں پر تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر اجر دوسرے نصوص سے ثابت ہے —— یہ نمونہ ہے فضلِ خداوندی کا! صوفیہ صافیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے، کہ جب ہر نیکی پر اجر کم از کم دس گنا موجود ہے اور یہ مسلّم ہے کہ محبتِ الٰہی اور شوقِ لقاءِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں تو جن بندوں نے اپنے کو لقاءِ حق کا منتظر و مشتاق بنا رکھا ہے، انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ محبوب بے نیاز تو خود اُن کی لقاء کا مشتاق ان سے کم از کم دس گنا ہوگا۔

۲۵۴ یعنی سزا اس سے زیادہ نہ ملے گی —— یہ نمونہ ہے عدلِ خداوندی کا!

۲۵۵ (انسانی معیار سے ہی) مثلاً یہ کہ کوئی نیکی درج ہونے سے رہ جائے یا کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے۔ ۲۵۶ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی پر حاشیے سورۂ بقرع ۱۵ (پ۱) میں اور اور مقامات پر گزر چکے۔ ۲۵۷ آیت لبِّ لباب ہے سارے دینِ اسلام کا، اور عطر یا مغز کُل ملّتِ ابراہیمی کا۔ صَلٰوۃ یعنی نماز اور نُسُک یعنی عام عبادتوں کا تعلق نظامِ تشریعیات سے اور محیا یعنی زندگی اور ممات یعنی موت کا تعلق نظامِ تکوینیات سے ہونا بالکل ظاہر ہے تو گویا اقرار اس کا ہو رہا ہے کہ الوہیت میں بھی وہی رب برحق منفرد ہے اور ربوبیت میں بھی وہی۔ نُسُک سے یہاں مُراد جمیع عبادات ہیں۔ قال قوم النسک فی ھذہ الاٰیۃ جمیع اعمال الطاعات (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت توحیدِ کامل کی تعلیم پر دال ہے یعنی جمیع حالاتِ تشریعی و تکوینی میں تسلیم و تفویض عمل و اطاعت سے بھی اور رضا بالقضاء سے بھی۔ ۲۵۸ یعنی اپنی اس دعوت پر خود ہی سب سے پہلا ایمان لانے والا، اسلام میں نبی کی حیثیت محض ایک پیغام بر گویا مخبر کی یا زیادہ سے زیادہ محض ایک داعی کی نہیں، جیسا کہ بعض باطل مذاہب نے فرض کر رکھا ہے بلکہ سب سے پہلے خود ایک صاحبِ عمل انسان کی ہے جو دوسروں کے لئے مثال اور نمونہ کا کام دے سکے۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ یعنی اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ بحیثیتِ اقنوم نہ بحیثیتِ مظہر، نہ اور کسی حیثیت سے وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ۔ مجھے اس کا حکم ملا ہے بحیثیتِ فرد بھی اور بحیثیتِ نبی بھی یعنی اس دین کو میں خود بھی اختیار کروں اور اسی کی دعوت بھی دوسروں کو دوں۔

۲۴۶ یعنی یہی معجزہ کتاب خود تمہاری زبان میں جو اپنے دعووں پر دلیل روشن ہے۔ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ ضمیر هُمْ قوموں کے مومنین کی جانب ہے یعنی ہم تو ان سے بھی بڑھکر راہِ حق پر ہوتے۔
عربوں کو دعویٰ اپنی ذہانت و ظرافتِ طبع کا تھا۔ یہ قول اسی سے ناشی ہوا ہے۔ لحدة اذ هاننا ونقابة افهامنا وغزارة حفظنا لايام العرب ووقائعها وخطبها واشعارها واسجاعها و
امثالها على انا امّيّون (کشاف) فَقَدْ جَآءَكُمْ۔ سو کتاب تو اپنے تمام اعجازی خصوصیات کے ساتھ آگئی اور اس نے تمہاری حجت تمام تر قطع کردی۔ اَنْ تَقُوْلُوْٓا۔ یہ آیت
سابق کے ان تقولوا پر عطف ہے۔ عطف على ان تقولوا (قرطبی) ۲۴۷ یہاں گویا یہ بتلا دیا کہ نفسِ سزا تو تکذیب پر بھی انہیں ملتی اب دوسروں کو روکنے کے باعث یہ سزا کہیں زیادہ بڑھ کر
رہی۔ ۲۴۸ منکرین کی نفسیت کا بیان ہو رہا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔ هَلْ یہاں مَا کے معنی میں ہے۔ ای ما ينظرون (بیضاوی) هل استفهام معناه النفى (کبیر) فقرہ بطور

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ
سو اب تو آچکی تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل ۲۴۶ اور ہدایت ہے اور رحمت ہے
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ
سو اُس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے اور اس سے (دوسروں کو) روکے ہم ابھی
سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ
بڑے عذاب کے ساتھ ان لوگوں کو سزا دیں گے جو (دوسروں کو) روکتے ہیں بہ سبب ان کے (اس)
بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
روکنے کے ۲۴۷ یہ لوگ (گویا) صرف اس کے منتظر ہیں کہ
تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ
ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار خود آئے یا ان کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی
اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ
آجائے ۲۴۸ (حالانکہ) جس روز آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی کسی شخص کو اس کا
نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ
ایمان نفع نہ دیگا جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان کے
فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
ذریعہ سے اس نے کوئی نیکی نہ کرلی ہو ۲۴۹ آپ کہہ دیجیے کہ تم انتظار کیے جاؤ ہم بھی منتظر ہیں ۲۵۰
اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ
بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ پر اُن کی

تعریض کے ہے یعنی یہ لوگ جو اتنے وضوحِ حق کے بعد بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے، اور ایمان لانے کی کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے تو ان کی بے فکری سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ قیامت کے انتظار میں ہیں۔ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ فرشتوں کے ورود کے انتظار میں ہیں، جیسا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کے دن ہوگا۔ يَاْتِىَ رَبُّكَ۔ پروردگار کا ان کا آمنا سامنا ہو جائے۔ جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا۔ مشرکانہ اور جاہلی عقیدہ کے مطابق یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ربِّ اکبر کے ظاہر ظہور آجانے کے منتظر ہیں۔ اتیانِ رب کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اہلِ سنت کے عقیدہ میں حق تعالیٰ کے حق میں فعل "آنا" کا اطلاق بالکل جائز ہے۔ اگرچہ اس کے آنے کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کی آمد جسمانی حرکت و انتقال سے بری و منزہ ہے۔ ليس مجيئه تعالى حركة ولا انتقالا ولا زوالا لان ذلك انما يكون اذا كان الجائى جسما او جوهرا والذى عليه جمهور ائمة اهل السنة انهم يقولون يجئ وينزل ويأتى ولا يكيّفون (قرطبی) يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ۔ یعنی کوئی عظیم الشان نشانی آجائے۔ جیسا کہ قیامت کے قرب میں یقیناً آئے گی۔ مشرکانہ اور جاہلی نقطۂ خیال کے مطابق یہ لوگ گویا ایسے عظیم الشان اور مجبور کن معجزہ کے منتظر ہیں، حالانکہ مجبور کن معجزہ کے بعد تو ایمان بالغیب رہتا ہی نہیں، شہود کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ آیت کا ایک سہل، بے تکلف مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ منکرین تو بس اس وقت کے منتظر معلوم ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آجائیں یا عذابِ الٰہی ان پر نازل ہو رہے۔ يأتى ربك اى امره بمعنى عذابه (جلالین) یا قیامت کی ہولناک نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائے۔ يَاْتِىَ رَبُّكَ کو متعدد اہلِ تفسیر نے يأتى امر ربك کے معنی میں لیا ہے۔ ۲۴۹ اس لئے

کہ نزع و سکرات کے وقت جب عالمِ برزخ کا یا خود احوالِ قیامت سے مشاہدہ عالمِ غیب کا شروع ہوگیا۔ تو ایمانِ اختیاری اب باقی ہی کہاں رہا۔ ایمانِ اضطراری کا نام ایمان نہیں۔ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ یعنی ایمان گو پہلے سے بھی رکھتا ہو لیکن ایمان کی برکت سے ذرا بھی نفع نہ حاصل کیا ہو۔ بلکہ سرتاسر نادانیوں اور خباثتوں میں مبتلا رہا ہو۔ اور آج سے توبہ کر کے کوئی نیک عمل شروع کرنا چاہے تو اب مقدمات قیامت شروع ہو جانے کے بعد توبہ بھی نہ قبول ہوگی۔ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ مراد ہیں قربِ قیامت کی نشانیاں۔ مثلاً آفتاب مغرب سے طلوع ہونا۔ مغرب سے طلوعِ آفتاب کو ہیئت و فلکیات کے کسی قاعدہ کے ماتحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے۔ ہیئت و فلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں سب موجودہ نظامِ تکوینی ہی کے ماتحت ہیں لیکن جب خود یہ نظام ہی شکست ہو جائیگا تو اس کے کسی مخصوص جزئیہ کے باقی رہ جانے پر اصرار سرتاسر بے معنی ہے۔ ۲۵۰ (تم خود ہی دیکھ لوگے کہ نجات کسے نصیب ہوتی ہے، تم منکروں کو یا ہم مومنوں کو) قُلْ یعنی اے پیغمبر آپ جماعتِ مومنین کی طرف سے کہہ دیجیے انْتَظِرُوْٓا۔ یہ بطورِ آخری تہدید کے ہے جیسا کہ ایسے موقع پر ہر زبان کے محاورہ میں عام و شائع ہے، یہ مراد نہیں کہ پیغمبر انہیں انتظار کی دعوت دے رہے ہیں۔

عمل کرتے رہو) بِعَهْدِ اللهِ۔ اس کے تحت میں ہر وہ عہد آجاتا ہے جو بجائے خود جائز ہو۔ اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر باندھا گیا ہو۔ ۲۴۲ غرض و غایت ساری تعلیمات اسلامی کی بس اسی قدر ہے کہ اُمت بہ حیثیت مجموعی بھی
اور اس اُمت کا ایک ایک فرد بھی ذاتی طور پر ہر قسم کے اخلاقی کمالات سے آراستہ، اللہ کی فوج کا سپاہی، اور کائناتِ انسانی کے لئے ایک نمونہ بن جائے۔ وَاَنَّ عطف بیاناتِ مقدم پر ہے۔ اور د کے بعد اتل محذوف ہے۔
عطفها علی ما تقدم و انّ فی موضع نصب ای و اتل ان هذا صراطی عن الفراء والکسائی (قرطبی) هٰذَا۔ یعنی مکمل نظامِ حیات و دستورِ زندگی جس کی چند اہم مدیں اوپر بیان ہوئیں۔ اَلسُّبُلَ ان ٹیڑھی پگڈنڈیوں
میں اسلام کے باہر کے کل دوسرے مذاہب آگئے اور اسلام کے اندر کے بھی اہلِ بدعت و ضلالت کے فرقے جو رسول اللہ صلعم کے طریقِ مستقیم سے الگ ہیں۔ وهذه السبل تعم الیهودیة والنصرانیة والمجوسیة و سائر اهل
الملل واهل البدع والضلالات من اهل الاهواء (قال ابن عطیه) (قرطبی) قال مجاهد السبل البدع (قرطبی) وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ۔ اس میں رد آگیا اس مغالطہ پرور خیال کا کہ ہر مذہب اپنی اپنی
جگہ سچا ہے اور اسلام بھی انہی مذہبوں جیسا ہے۔ یہ غلط بے محل اور غیر فطری رواداری مشرکوں ہی کو مبارک رہے۔ اسلام ایسی خطرناک، مفسدہ انگیز مصالحت پسندی سے بیزار ہے۔ ۲۴۳ بنی اسرائیل کے تمام امراض کا سرچشمہ

صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
سیدھی شاہراہ ہے سو اسی پر چلو، اور (دوسری دوسری پگڈنڈیوں) راہوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو (اللہ کی)
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ
راہ سے جُدا کر دیں گی اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى
متقی بن جاؤ ۲۴۲ پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی۔ جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں
الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً
پر (نعمت) پوری ہو، اور ہر ضروری، چیز کی تفصیل (اسکے ذریعہ سے ہو جائے) اور (باعث) ہدایت ہو
لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع وَهٰذَا كِتٰبٌ 19 ع ٦ ٦
اور (ذریعہ) رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات پر یقین لائیں ۲۴۳ اور یہ ایک کتاب ہے جس کو
اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
ہم نے بھیجا ہے (خیرو) برکت والی ہے سو (اب) اس کی پیروی کرو، اور ڈرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۲۴۴
اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰي طَاۗىِٕفَتَيْنِ مِنْ
(اور اس لئے بھی) کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگتے کہ کتاب تو بس اُن دو گروہوں پر اُتاری گئی جو ہم سے پہلے
قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا
تھے، اور ہم تو اُن کے پڑھنے پڑھانے سے نرے بے خبر ہی رہے ۲۴۵ یا یُوں کہنے لگتے
لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ
کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم ان سے بھی بڑھ کر راہ پر ہوتے

یہی تھا کہ ان کا اعتقادِ آخرت ڈھیلا ہو کر برائے نام رہ گیا تھا۔ مذہب کو جس حد تک ماننے بھی تھے محض دنیوی بہبود و ترقی کے خاطر ـــــ ٹھیک وہی نقطۂ نظر جو آج بھی یورپ زادوں اور یورپ زدوں کا ہو گیا ہے۔ مذہب کے ان پہلوؤں سے انہیں بحث ہی نہیں کہ اس میں ذات و صفاتِ باری کا ذکر کتنا اعلیٰ اور مفصل ہے۔ نجات کی کیسی کیسی تشفی بخش صورتیں اس نے بتائی ہیں۔ غرض یہ کہ دائمی راحت کے حصول میں وہ کہاں تک معین ہے، بلکہ تلاش صرف ان مسئلوں کی رہ گئی ہے۔ جن سے اس دنیا میں فوری سُکھ حاصل ہو سکے! ثُمَّ اوپر اثباتِ توحید و ابطالِ شرک کا مضمون مع فروع کے تھا۔ اب اس کے ختم ہونے پر نبی و نبوت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ ثُمَّ اسی اظہار کے لئے ہے (تھانویؒ) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثُمَّ کے بعد قل محذوف ہے اور ثمّ کا عطف سابق کے قل تعالوا پر ہے۔ قیل عطف علی قل وفیه حذف ای قل تعالوا ثم قل اٰتینا موسٰی (روح) معناه ثم قل اٰتینا موسٰی لانه عطف علی قل تعالوا (جصاص) ثمّ لترتیب الاخبار لا لتراخی الزمان (کمالین) ثمّ جب جُملہ پر آتا ہے تو واو عطف کے معنیٰ بھی دیتا ہے۔ اور یہ معنیٰ بھی یہاں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ ثم مع الجملة تأتی بمعنی الواو (مدارک) مُوْسَى الْكِتٰبَ۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کی کتاب کا ذکر خاص طور پر شاید اس مناسبت سے ہو کہ ان کے نام اور شہرت سے اختلاطِ یہود کے باعث، مشرکینِ عرب خوب واقف تھے، اور بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے چچا زاد بھائی بھی تھے۔ اَلَّذِيْٓ بطور اسمِ جنس آیا ہے اس لئے جمع کے معنیٰ دیتا ہے۔ یرید جنس المحسنین (مدارک) تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یعنی صحیفۂ موسوی میں محض اجمالاً کچھ اصُول و قواعد نہیں بتا دیئے گئے تھے، بلکہ احکام کی ضروری تفصیل بھی کر دی گئی تھی۔ ای بیانًا مفصّلًا لکل ما یحتاج الیه فی الدین (روح) بیانًا مفصّلًا لکل ما یحتاجون الیه فی دینهم (مدارک) هُدًى۔ یعنی وہ باعثِ ہدایت ہو اپنے مخاطبین کے لئے۔ رَحْمَةً۔ یعنی وہ ذریعۂ رحمت ہو اپنے ماننے والوں کے حق میں۔ ۲۴۴ فَاتَّبِعُوْهُ۔ اتباع کے تحت میں عقاید، اعمال سب کا اتباع حسبِ مراتب آگیا۔ هو امر باتباع الکتاب علی حسب ما تضمنه من فرض او نفل او اباحة و اعتقاد کل منه علی مقتضاه (جصاص) وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّبٰرَكٌ۔ یعنی یہی قرآن جس کی برکتیں قیامت تک منقطع ہونے والی نہیں اور برکت کے تحت میں خیرِ دینی و خیرِ دنیوی دونوں آگئیں۔ ای کثیر الخیر دینا و دُنیا (روح) ای القراٰن کثیر الخیر (مدارک) ۲۴۵ خطاب اب مشرکینِ عرب سے ہے۔ والخطاب متوجه الی کفار قریش باثبات الحجة علیهم (بحر) اَنْ تَقُوْلُوْٓا۔ یعنی قیامت کے دن کہیں بہ طور عذر و جواب یہ نہ کہنے لگتے۔ اَنْ، لئلا کے معنیٰ میں ہے۔ قال الکوفیون لئلا تقولوا
وقال البصریون انزلناه کراهیة ان تقولوا (قرطبی) ای ل ان لا (جلالین) طَاۗىِٕفَتَيْنِ۔ یعنی گروہ یہود و نصاریٰ تابعین و صحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ قال ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی و
ابن جریج اراد بهما الیهود والنصارٰی (جصاص) والکتاب هنا جنس والطائفتان هما اهل التورٰة والانجیل الیهود والنصارٰی بلا خلاف (بحر) حنفیہ نے لفظ طائفتین سے یہ استنباط کیا ہے کہ اہلِ کتاب
یہی دو گروہ ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر مجوسی بھی اہلِ کتاب ہوتے تو بجائے تثنیہ کے جمع کا صیغہ ہوتا۔ وفی ذٰلک دلیل علی ان اهل الکتاب هم الیهود والنصارٰی وان المجوس لیسوا اهل الکتاب لانهم لو کانوا اهل کتاب
لکانوا ثلاث طوائف (جصاص) هذا دلیل علی ان المجوس لیسوا باهل الکتاب (مدارک) اور اس پر یہ شبہ ضعیف ہے کہ یہ تو قول مشرکین کا نقل ہوا ہے۔ قرآن مجید میں کسی کا بھی قول بلا تردید نقل ہونا
بجائے خود ایک وزن رکھتا ہے۔ دِرَاسَتِهِمْ۔ ضمیر بجائے تثنیہ کے جمع کی اس لئے لائی گئی ہے کہ ہر طائفہ خود حکم جمع میں ہے۔ ولم یقل عن دراستهما لان کل طائفة جماعة (قرطبی) واعاد الضمیر جمعًا لان کل
طائفة منهم جمعٌ (بحر)

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ
ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتے رہو ۲۳۲ اور اپنی اولاد کو افلاس کے خیال سے قتل مت
إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا
کر دیا کرو، ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی ۲۳۳ اور بے حیائیوں کے پاس بھی
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
نہ جاؤ (خواہ) وہ علانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ ۲۳۴ اور جس جان کو اللہ نے محفوظ کر
الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ
رکھا ہے اُسے قتل مت کرو بجز حق (شرعی) کے ۲۳۵ اس (سب) کا اللہ نے تمہیں حکم دے رکھا ہے،
تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
تاکہ تم عقل سے کام لو ۲۳۶ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، مگر اس طریق پر کہ جو مستحسن ہو یہاں تک
أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ
کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے ۲۳۷ اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پُوری
بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ
پُوری کرو ۲۳۸ ہم کسی شخص پر اس کے تحمّل سے زاید بار نہیں ڈالتے ۲۳۹ اور جب بولو تو عدل (کا
فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ
خیال) رکھو، اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو ۲۴۰ اور اللہ سے جو عہد کیا ہے اُسے پُورا کرو، اس (سب)
وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هَٰذَا
کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو ۲۴۱ اور یہ بھی کہہ دیجیے کہ یہی میری

۲۳۲ بنیادی اور مرکزی عقیدہ (توحید) کی تصحیح کے معًا بعد اب عملی زندگی کی ہدایات شروع ہو جاتی ہیں، اور ان میں سب سے پہلا حکم ماں باپ کی خدمت کا ملتا ہے۔ اِحْسَانًا۔ احسان کا لفظ یاد رہے حکم والدین کی محض اطاعت کا نہیں۔ ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کا ہو رہا ہے ——— جو لوگ خدمتِ والدین کو کوئی خاص اہمیت دین میں نہیں دیتے۔ کاش وہ اس قسم کی آیتوں پر غور کریں! ای احسانًا کاملًا لا اساءۃ معہ (روح) عن ابن عباس یرید البر بهما مع اللطف ولین الجانب (روح) قُلْ تَعَالَوْا۔ خطاب آیت میں، یہود، مشرکین بلکہ ساری نوعِ انسانی کے لئے عام ہے۔ اَلَّا مرکّب ہے اَنْ اور لَا کا اور اَنْ مفسّرہ ہے اُردو کے یعنی کے مرادف۔ اَنْ مفسرۃ بمعنی ای (مغنی) مفسرۃ ولا للنھی (کش) یہ بھی کہا گیا ہے کہ لا یہاں نافیہ یا ناہیہ نہیں۔ بلکہ زایدہ ہے جو حکم میں نفی یا نہی نہیں بلکہ اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ لا الزائدۃ الداخلۃ فی الکلام لمجرد تقویتہ و توکیدہ (مغنی) تاج العروس میں ان دونوں ترکیبوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ ایک تیسری ترکیب کو بھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الا تشرکوا سے قبل اوصاکم محذوف مانا جائے جیسا کہ آیت کے آخر میں ذٰلکم وصّٰکم بہٖ موجود بھی ہے۔ اور کلامِ عرب میں اس طرز کلام کی نظیریں ملتی ہیں۔ وکان فی الکلام محذوفا دل علیہ السیاق وتقدیرہ اوصاکم الا تشرکوا وتقول العرب امرتك ان لا تقوم (ابن کثیر) ۲۳۳ یہاں ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے۔ جو نسل کو گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ۔ یہ قتلِ اولاد کی ملعون رسم، دختر کشی کے دستور کے علاوہ ہے۔ مقصود اس سے تمام تر روکنا ہے۔ افلاس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ فلاسفۂ مادیین اور مفکرینِ جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عمومًا یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جاہلیتِ فرنگ کے زیرِ سایہ جو شاندار تحریک قتلِ اولاد کی خفی و باریک صورت کی ”منعِ حمل“ کے نام سے جاری ہے، اس کا محرک بھی یہی خوفِ افلاس ہے۔ مالتھس نامی ایک ماہرِ معاشیات جو برطانیہ میں اُنیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا ہے اور قتلِ اولاد یا ”منعِ حمل“ کی تحریک اصلًا اُسی کی چلائی ہوئی ہے، اس کے سارے نظریہ کی بنیاد یہی خوفِ افلاس ملک ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ولا تقتلوا اولادکم ۔ اور بعض علمائے سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل (یعنی منعِ حمل بلا آلاتِ منعِ حمل) کے عدمِ جواز پر بھی استدلال کیا ہے۔ وقد یستدل بھذا من یمنع العزل لان الوأد یرفع الموجود والنسل والعزل منع اصل النسل فتشابھا الا ان قتل النفس اعظم وزرًا واقبح فعلًا (قرطبی) ۲۳۴ اَلْفَوَاحِشَ۔ کے معنی بہت وسیع ہیں۔ تنہا زنا کاری کے نہیں۔ بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آگئیں۔ پھر لا تقربوا کی تعمیم ”یعنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ“ اور پھر ما ظھر منھا وما بطن نے تو تعمیم کی حد ہی کر دی۔ بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ ہوں یکساں حرام قرار پا گئیں، چہرے پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگا کر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں چلنا پھرنا، سینما اور تھیٹر میں گندے نظاروں سے لُطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیبِ جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رُو سے حرام ٹھیر جاتے ہیں۔ اخلاق کی پاکیزگی، اور پاکیزہ خیالی جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کی جو نظیر شریعتِ اسلام نے قائم کر دی ہے وہ کہیں اور تلاش سے بھی نہ ملے گی۔ والاولی ان لا یختص ھذا النھی بنوع معیّن بل یجری علی عمومہ فی جمیع الفواحش ظاھرھا وباطنھا (کبیر) ۲۳۵ مثلًا جہاد میں، قصاص میں، رجم میں۔ اَلنَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ۔ اور وہ جس کو اللہ کے قانون نے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ ہر انسانی جان ہے، تاوقتیکہ وہ کسی جُرمِ شرعی میں واجب القتل نہ قرار دیا جائے۔ وھذہ الاٰیۃ نھی عن قتل النفس المحرمۃ مومنۃ کانت او معاھدۃ الا بالحق الذی یوجب قتلھا (قرطبی) ۲۳۶ (اور ان ہدایات پر عمل کرو) قرآن مجید میں یوں تو متعدد آیات ایسی ملتی ہیں جو تہذیبِ فرنگ کی پھیلائی ہوئی فضائے حاضر پر خاص طور سے چسپاں ہیں لیکن یہ آیت ان خاص آیتوں میں بھی اخص ہے۔ آیت کے ایک ایک جزو کو لے کر خوب غور سے دیکھیے:۔ (۱) ممانعتِ شرک۔ ا۔ آج کے ”روشن خیال“ کتنے مختلف قسموں کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں! اُن کی تہذیب اور اُن کے علوم کی بنیاد ہی ترکِ توحید پر ہے۔ (۲) تعظیمِ والدین۔ اخلاقیاتِ جدید میں والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی کوئی دفعہ ہی نہیں۔ (۳) اولاد کشی سے ممانعت۔ ”منعِ حمل“، ”ضبطِ تولید“ وغیرہ تو تمدّنِ جدید کے خاص مفاخر میں سے ہیں۔ وہ بھی معاشیات کا نقاب مُنہ پر ڈالے ہوئے۔ (۴) منعِ فواحش۔ تمدّنِ جدید کی تو ساری رونق ہی علانیہ و خفی فواحش کی گرم بازاری سے ہے۔ (۵) انسانی زندگی کا احترام۔ اس ہدایت پر کہیں عمل ہوتا تو جنگ چین و جاپان، جنگ جرمنی و فرانس، جنگ جرمنی و برطانیہ، جنگ جرمنی و روس وغیرہ کا وجود ہی سرے سے نہ ہوا ہوتا۔ اور دنیا کو ناقابلِ پیمائش مصیبتوں سے نجات مل گئی ہوتی۔ کاش اب بھی ہماری آنکھیں کھلیں، اور دنیا کی سمجھ میں آئے کہ قرآن نسخۂ شفا صرف چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کے عرب کے لئے نہیں بلکہ بیسویں اور اکیسویں اور ہر مابعد صدی کی کل دنیا کے لئے ہے! ذٰلِكُمْ یعنی یہی اُوپر کے محرمات، کُمْ خطاب کا ہے۔ اشارۃ الی ھذہ المحرمات، والکاف والمیم للخطاب (قرطبی) ۲۳۷ (اور سنِ بلوغ پر جب یتیم پہنچ جائیگا تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اور کوئی سوال ہی تولیت و سربراہ کاری کا باقی رہ جائیگا) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ ۔ یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کا تصرّف روا نہ رکھو۔ یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ یعنی اپنی پُوری قوت کو پہنچ جائے۔ اور قوت میں قوتِ جسمانی اور قوتِ عقل و تجربہ دونوں آگئیں۔ یعنی قوتہ وقد تکون فی البدن وقد تکون فی المعرفۃ بالتجربۃ ولابد من حصول الوجھین فان الاشد وقعت ھنا مطلقۃ (قرطبی) الاشد واحدھا شد وھو قوۃ الشباب عند ارتفاعہ (جصاص) ولم یشرط البلوغ فدل علی انہ بعد البلوغ یجوز ان یحفظ علیہ مالہ اذا لم یکن مانوس الرشد ولا یدفعہ الیہ (جصاص) کون سا سن پختگی کا کہلائیگا؟ فقہا اس باب میں مختلف ہیں امام ابوحنیفہؒ سے ۲۵ سال کا سن منقول ہے۔ وقد اختلف فی بلوغ الاشد فقال عامر بن ربیعۃ وزید بن اسلم ھو بلوغ الحلم وقال السدی ھو ثلاثون سنۃ وقیل ثمانی عشرۃ سنۃ وحملہ ابوحنیفۃ خمسًا وعشرین سنۃ (جصاص) اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ اور شریعت میں مستحسن صورت صرف وہی ہے جس سے خود یتیم کا نفع متصور ہو۔ اسلام کے معاند فرنگیوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یتیموں کے حقوق کی محافظت اسلام کا ایک خاص اور روشن کارنامہ ہے۔ ۲۳۸ دغا فریب کی ہر آمیزش سے پاک کہ کسی کا حق مار لیا یا اپنے ذمہ باقی رہنے دیا، اس بظاہر چھوٹی سی ہدایت کے اندر تجارتی اخلاق کے سارے ابواب آگئے ——— شخصی اخلاق و کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ تجارتی کاروبار، اخلاق کی بھی پاکیزگی مسلمان کے لئے لوازم میں سے ہے۔ ای بالاعتدال فی الاخذ والعطاء عند البیع والشراء (قرطبی) فیہ امر بایفاء الحقوق علی الکمال (جصاص) ۲۳۹ اس لئے ان احکام کی پابندی میں بھی دشواری کچھ بھی نہیں ——— ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ و صرفِ ہمت کی ہے۔ ۲۴۰ اور کسی کی قرابت یا عزیزداری تمہیں اسکے معاملہ میں منصفانہ فیصلہ کرنے سے روک کے نہ سچی گواہی دینے سے) وَاِذَا قُلْتُمْ۔ یعنی جب تم کسی کے مقدمہ، معاملہ میں زبان کھولو۔ یتضمن الاحکام والشھادات (قرطبی) ۲۴۱ ان احکام کو اپنی روزانہ زندگی میں یاد رکھو اور ان پر

مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی

اسی طرح جھٹلایا تھا اُن لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں یہاں تک کہ

ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ

انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھا ۲۲۶ آپ کہیے کہ آیا تمہارے پاس ہے کوئی دلیل ؟ (ہو) تو اُسے ہمارے

لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

سامنے ظاہر کرو ۲۲۷ تم تو نری گمان کی پیروی کرتے ہو، اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو ۲۲۸ آپ

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۴۹﴾

کہہ دیجیے کہ پوری حجت تو اللہ ہی کی رہی اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا ۲۲۹

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ

آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ اللہ نے ان (چیزوں) کو حرام کیا ہے ۲۳۰

هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ

اور اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ اُن کے ساتھ گواہی دیجیے، اور نہ ان لوگوں

اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

کی خواہشوں کی پیروی کیجیے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں

بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ ع ۱۸ ۲ ۵

رکھتے، اور اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھیراتے رہتے ہیں ۲۳۱ آپ کہیے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر

مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ

سناؤں وہ چیزیں جو تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں یعنی یہ کہ اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ اور

۲۲۶ كَذٰلِكَ منکرین و مکذبین کا یہ لنگڑا، لولا استدلال کچھ نیا اور اس اُمت کے ساتھ مخصوص نہیں، پُرانی اُمتوں کا بھی یہی شیوہ چلا آیا ہے۔ ۲۲۷ مکذبین کی دلیلِ عقلی کی لغویت ابھی اُوپر کے حاشیہ سے ظاہر ہو چکی ہے۔ اب مطالبہ ان سے دلیل نقلی کا ہو رہا ہے یعنی کس پیمبر کی یہ تعلیم رہی ہے جو تم پیش کر رہے ہو؟ مِنْ عِلْمٍ۔ یعنی دلیل تمہارے اس مقدمہ پر کہ فعل پر قدرت دینا اس فعل سے رضا کو مستلزم ہے۔ ۲۲۸ یعنی علم و تحقیق سے قطعی معریٰ۔ تمہارے پاس نہ کوئی دلیلِ عقلی ہے نہ کوئی دلیلِ نقلی۔ آج بھی ملحدوں اور مشرکوں دونوں کا یہی حال ہے۔ بس چند مفروضات و مزعومات ہیں، جو ان کی ساری عمارت کی بنیاد ہیں۔ ۲۲۹ یعنی اگر اس کی مشیتِ تکوینی یہی ہوتی تو تم سب لوگ محروم الارادہ و مسلوب الاختیار ہو کر بس ایک ہی ڈھرے پر اضطراراً چلتے۔ لیکن اس نے اجر و صلہ تو ایمانِ اختیاری پر رکھا ہے نہ کہ ایمان اضطراری پر۔ انه قد شاء منهم الايمان اختيارًا ولو شاء الله الايمان منهم قسرًا لكان عليه قادرًا ولكنهم كانوا لا يستحقون به الثواب و المدح ۔ (جصاص)

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ اللہ کی حجت پوری کی پوری رہی اور تمہاری حجت باطل ہو گئی۔ ۲۳۰ (اور شہادت مقبول وہی ہو گی جو مشاہدہ یا مثل مشاہدہ پر مبنی ہو) کوئی عقلی دلیل تو شرک پر قائم ہی نہیں اب مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ کسی پیمبر کی تعلیم سے کسی آسمانی کتاب سے، اس کی نقلی، روایتی، تاریخی ہی شہادت پیش کرو۔ ۲۳۱ (اور یہی ان کی شرک پسندی اور آخرت انکاری ان کے دلوں میں طلبِ حق نہیں پیدا ہونے دیتی) فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ۔ یعنی آپ ان کی گواہی کی تصدیق نہ کیجیے، بلکہ ان کی غلطی ان پر ظاہر کیجیے۔ اى فلا تصدقهم فيه و بيّن لهم فساده (بیضاوی)

۲۲۰ (بہ قصد تقرّب و عبادت) یہ وہ جانور ہیں جو بجائے خود حلال و طیب ہیں لیکن ذابح کی نیت فاسد نے انہیں حرام بنادیا ہے۔ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ۲ میں گزر چکا۔ فِسۡقًا۔ ذریعۂ فسق کو خود فسق سے تعبیر کرنا تاکید و اظہارِ اہمیت کے لئے ہے۔ سمی ما اهل لغير الله به فسقا لتوغله فى باب الفسق (کبیر) ۲۲۱ (اور اُنہی صفات غفر و رحمت کے تقاضہ سے اُس نے ایسی حالت میں بندوں پر حرام چیزیں حلال کردیں اور گناہ کی چیزوں سے گناہ اُٹھالیا) فَمَنِ اضۡطُرَّ۔ یعنی جو کوئی بھوک کی شدت سے بےقرار ہو رہا ہو۔ اور اسے حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ غَيۡرَ بَاغٍ یعنی اس حرام جانور کو لذت و ذائقہ کے لئے نہ کھائے۔ وَلَا عَادٍ۔ یعنی شدتِ گرسنگی کی اصل ضرورت سے زائد کھانے والا نہ ہو۔ ان سب فقروں پر حاشیہ پہلے گذر چکے۔ ۲۲۲ ذِيۡ ظُفُرٍ۔ ظفر کا اُردو ترجمہ ایک لفظ سے کرنا مشکل ہے۔ پرندوں میں تو اس میں کُل وہ پرند آجاتے ہیں، جن کے بجائے انگلیوں کے پنجے ہوتے ہیں۔ جیسے چیل، گِدھ، باز، شکرا وغیرہ اور چرندوں میں وہ سارے جانور شامل ہیں جن کے سُم ہوتے ہیں۔ مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر، اُونٹ وغیرہ۔ وهو من البهائم والطير مالم يكن مشقوق الاصابع (ابن جریر) قال عبد الله بن مسلم انه كل ذى مخلب من الطير وكل ذى حافر من الدواب ثم قال كذٰلك قال المفسرون (کبیر) قال مجاهد وقتادة

لَحۡمَ خِنۡزِيۡرٍ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ

سؤر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ بالکل گندہ ہے۲۱۹ یا جو فسق (کا ذریعہ) ہو غیر اللہ کے لئے نامزد

بِهٖ‌ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوۡرٌ

کیا گیا۲۲۰ لیکن جو کوئی بیقرار ہو جائے اور طالبِ لذت نہ ہو نہ حد سے تجاوز کرے، تو بیشک آپ کا

رَّحِيۡمٌ (۱۴۵) وَعَلَى الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ‌ۚ

پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت۲۲۱ والا ہے، اور جو لوگ کہ یہودی ہوئے اُن پر ہم نے کھُر والے کل جانور حرام

وَمِنَ الۡبَقَرِ وَالۡغَنَمِ حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا

کردیئے تھے۲۲۲ اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کی تھیں بجز اس

حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ اَوِ الۡحَـوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ‌ؕ

چربی کے جو اُن کی پشتوں پر یا اُن کی انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو، یہ

ذٰ لِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَـغۡيِهِمۡ‌ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ (۱۴۶) فَاِنۡ

سزا دی تھی ہم نے اُن کو اُن کی شرارت پر اور ہم ہی یقیناً سچے ہیں۲۲۳ سو اگر یہ

كَذَّبُوۡكَ فَقُلْ رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ‌ ۚ وَلَا يُرَدُّ

آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ اور اس کا

بَاۡسُهٗ عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ (۱۴۷) سَيَـقُوۡلُ الَّذِيۡنَ

عذاب مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا۲۲۴ جو لوگ شرک کرتے ہیں اب کہیں گے

اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا

کہ اللہ اگر چاہتا تو شرک نہ ہم کرتے، نہ ہمارے باپ دادا کرتے، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرسکتے۲۲۵

ذى ظفر ما ليس بمنفرج الاصابع من البهائم والطير (قرطبی) قال ابن عباس وسعيد بن جبير وقتادة والسدى ومجاهد هو كل ما ليس بمفتوح الاصابع (جصاص) اَلَّذِيۡنَ هَادُوۡا۔ یعنی جنہوں نے شریعتِ یہود کو قبول کیا تھا۔ موجودہ توریت محرف میں حِلّت و حُرمت حیوانات کے احکام مقاماتِ ذیل میں ملیں گے۔ کتاب احبار باب۱۱، کتاب استثناء باب۱۴۔ ۲۲۳ (اور ہمارے اس بیان کے خلاف کوئی چیز اگر توریت محرّف وغیرہ میں ملے تو وہ ہرگز قابلِ اعتنا نہیں) ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ یعنی ان چیزوں کی حُرمت فی نفسہٖ مقصود نہ تھی، بلکہ یہ حکم بطور سزا تھا، اور یہیں سے یہ قاعدہ ہاتھ آتا ہے کہ حُرمتِ اشیاء کبھی کبھی گناہوں کے باعث بھی ہوجاتی ہے وفى هٰذا دليل على ان التحريم انما يكون بذنب لانه ضيق (قرطبی) اَوِ الۡحَوَايَا۔ تقدیرِ کلام یوں ہے۔ او ما حملت حواياهما والالف واللام بدلٌ من الاضافة (قرطبی) ۲۲۴ (جب اس عذاب کا وقت حکمتِ الٰہی اور مصلحتِ تکوینی کے ماتحت آجاتا ہے) توریت و انجیل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ۔ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ سیاق سے تو یہود ہی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اى اليهود كما قال مجاهد والسدى وهو الذى يقتضيه الظاهر (روح) الظاهر عود الضمير على اقرب مذكور وهم اليهود (بحر) لیکن اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اشارہ تمام مخالفین و معاندین کے حق میں جامع سمجھا جائے۔ اور یہود و مشرکین اور ان کے اشباہ و امثال سب ہی مراد لئے جائیں۔ اى فان كذبوك يا محمد مخالفوك من المشركين واليهود ومن شابههم (ابن کثیر) فَقُلۡ رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ اور اسی رحمت وسیع کے اقتضاء سے وہ مہلت اور گنجائش بھی بہت زیادہ دیتا رہتا ہے۔ یہ جواب یہود کے اس اعتراض کا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اگر سچے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟

۲۲۵ خلاصہ اہلِ شرک و ضلالت کے اس استدلال کا یہ ہے کہ خدا جب ہر چیز پر قادر ہے، اور باوجود قدرت اس نے ہمیں شرک و تحریم حلال سے طبعاً و تکویناً نہ روک دیا تو اس سے یہ معلوم ہُوا کہ شرک و تحریمِ حلال اُسے ناپسند ہی نہیں بلکہ اس کی عین مرضی سے ہو رہے ہیں۔ مغالطہ استدلال کے اندر یہ ہے کہ مشیتِ تکوینی کو پسند و رضا کو مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ رضائے الٰہی تشریعی کا قانون دُوسرا ہے۔ اور مشیتِ الٰہی تکوینی کا دُوسرا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کارفرما ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی تصادم و تزاحم نہیں۔ قانونِ مشیت نے انسان کو آزادی ہر طرح کی دے رکھی ہے۔ انسان اپنے طریقِ عمل کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ اپنے ارادہ کا مالک و مختار ہے۔ اچھی و بُری جو راہ چاہے، اپنی پسند و قصد سے اختیار کرے۔ لیکن رضاءِ الٰہی کا حکم یہ ہے کہ وہ بدی کی راہ سے بچے۔ اور نیکی کی راہ پر چلے —— بہ حیثیتِ خالق و قادرِ مطلق اُس نے پیدا زہر کو بھی کر رکھا ہے اور بیماری کو بھی لیکن بہ حیثیت حاکم و آمر اس کا حکم یہی ہے کہ بیماری کا علاج کیا جائے اور زہر کا توڑ تریاق سے کیا جائے۔ جو کج فہم خدا کی قدرت اور اپنی مجبوری کو اپنی بے دینی اور بدکرداری کے لئے حیلہ و آڑ بناتے ہیں، وہ آخر بیماری میں اپنا علاج کیوں کرتے ہیں؟ اور روحانیات کی طرح جسمانیات کے بازار میں اپنے کو معذور و مجبور کیوں نہیں سمجھتے؟ اَلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا۔ کا مفہوم قرآن مجید کی اصطلاح میں المشرکین سے وسیع تر ہے۔ المشرکین سے مراد مشرکینِ عرب ہی ہوتے ہیں۔ بہ خلاف اس کے الذين اشركوا کے عموم میں ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کے اہلِ شرک داخل ہیں۔ سَيَقُوۡلُ۔ بطور پیشگوئی کے اور س مستقبل کیلئے ہے۔ اخبار من مستقبل (بیضاوی) اخبر الله عز وجل بالغيب عما سيقولون (قرطبی) معتزلہ نے یہ کہ کر شرک کا تابعِ مشیت ہونا موقعِ ذم میں وارد ہوا ہے، اپنے مسلک کی تائید اور تقویت آیت سے نکالنا چاہی ہے۔ حالانکہ اگر وہ مزید غور و تدبر سے کام لیتے تو ان پر ظاہر ہو جاتا کہ مذمت نفس اس عقیدہ کی نہیں ہو رہی ہے، بلکہ اس کی ہو رہی ہے کہ مشرکین اس عقیدہ کی آڑ میں اپنے کو بری الذمہ اور بے قصور قرار دے رہے تھے اور مشیت اور شرک کے درمیان خلط کر رہے تھے۔

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو، یا اُس (بچہ) کو جس کو دونوں مادائیں اپنے رحم میں لئے ہوئے

الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ
ہیں مجھے بتلاؤ تو دلیل کے ساتھ اگر تم سچے ہو ۲۱۶ اور

مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ
(اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ میں (بھی)، اور دو قسمیں ہیں گائے میں (بھی) آپ کہئے کہ (اللہ نے) آیا دونوں

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو یا اس (بچہ) کو جسے دونوں مادہ اپنے رحموں میں لئے ہوئے

الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ
ہیں۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا ۲۱۷ تو اس سے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ
بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ، بہتان باندھے بغیر علم کے، تاکہ لوگوں کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع ۱۷ ۴
گمراہ کرے اللہ تو ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۲۱۸

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ
آپ کہہ دیجئے مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا کسی کھانے والے

يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ
کے لئے جو اُسے کھائے سوا اُسکے کہ وہ مُردار ہو یا بہتا ہوا خون یا

۲۱۶ (اپنے اس دعوے میں کہ فلاں، فلاں حرام ہے) ۲۱۷ ابھی اوپر آچکا ہے۔ بعلم۔ یعنی کسی نبی الٰہی کی سند دعوے حرمت پر لاؤ، اب یہ سوال ہو رہا ہے کہ جب نبی کی سند نہیں پیش کرسکتے ہو تو کیا حق تعالیٰ نے براہِ راست تم کو مخاطب کرکے ان ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ بھذا۔ یعنی تمہارے قول و زعم کے مطابق اس تحلیل و تحریم کا حکم۔ مِنَ الْبَقَرِ۔ بقر ہی کے تحت میں بھینس بھی آجاتی ہے۔ اصولیین نے آیت سے تحقیق میں مناظرہ کا حکم نکالا ہے چنانچہ یہاں پیمبر کو مخالفین سے مناظرہ کا حکم مل رہا ہے اور آیت سے قیاس و استنباط کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ قال العلماء الایۃ دلت علی اثبات المناظرۃ فی العلم لان اللہ تعالیٰ امر نبیہ علیہ السلام بان یناظرھم ویبین لھم فساد قولھم وفیھا اثبات القول بالنظر والقیاس (قرطبی) ۲۱۸ یعنی ایسے لوگوں کو جو افترا علی اللہ میں دلیر ہوں۔ ممّن افتریٰ علی اللہ کذبا۔ اور ایک بڑا افتراء علی اللہ یہی ہے کہ تحلیل و تحریم ماکولات کا مسئلہ بندہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور اسے خدائی تعلیم سمجھے۔ بغیر علم اس کا نحوی تعلق افتریٰ علی اللہ سے ہے یعنی بغیر علم حاصل رکھے ہوئے کہ اس کی حرمت خدائے تعالیٰ کے یہاں سے ہوئی ہے، اسے اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہراتا ہے۔ ای افتریٰ علیہ سبحانہ جاھلا بصدور التحریم عنہ جل شانہ (روح) بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب قرآن مجید محض بے علم و تحقیق تحریم اشیاء کر دینے والوں کو ظالم ترین (ومن اظلم ممن افتریٰ) ٹھہرا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان مجرموں کا کیا درجہ ہوگا جو عدم علم و بے تحقیقی کے ساتھ نہیں، بلکہ دانستہ تحریف کی جسارت کے ساتھ تحلیل حرام یا تحریم حلال کرتے رہتے ہیں۔ فان من افتریٰ علیہ سبحانہ بغیر علم بصدور ذلک عنہ جل جلالہ مع احتمال صدورہ اذا کان فی تلک الغایۃ من الظلم فما الظن ممن افتریٰ وھو یعلم عدم الصدور (روح) ۲۱۹ (اور اسی لئے اس کے گوشت کے علاوہ بھی دوسرے اجزاء مثلاً کھال، چربی وغیرہ نجس اور حرام ہیں) فَاِنَّهٗ میں ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔ ای اللحم او الخنزیر لانہ الاقرب ذکرا (روح) واستدل الشافعیۃ بقولہ سبحانہ فانہ رجس علی نجاسۃ الخنزیر بناء علی عود الضمیر علی خنزیر لانہ اقرب مذکور (روح) اذا احتمل للضمیر العود علی شیئین کان عودہ علی الاقرب ارجح (بحر) فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ۔ یعنی ان جانوروں کے سلسلہ میں جو وحی مجھ پر آئی ہے، جن کی حلّت و حرمت پر یہاں گفتگو ہو رہی ہے، یہاں جن حرام چیزوں کا حصر کیا گیا ہے، ان سے مُراد یہی ہے کہ تم اور چیزوں کو اپنی رائے و تجویز سے کہاں سے حرام ٹھہرائے لیتے ہو۔ وحی الٰہی نے تو ابھی تک حرام تو بس یہی چیزیں کی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ کل محرمات کی یہ مکمل فہرست ہے، آیت مکی ہے اس سے زیادہ چیزیں تو مدنی سورۂ مائدہ ہی میں مل جائینگی۔ شراب اور گردن مروڑا ہوا جانور وغیرہ اور اور متعدد جانوروں کی حرمت جو حدیث میں آئی ہے وہ اس کے علاوہ۔ والمعنی قل یا محمد لا اجد فی ما اوحی الی محرما الا ھذہ الاشیاء لا ما تحرمونہ بشھوتکم والآیۃ مکیۃ ولم یکن فی الشریعۃ فی ذلک الوقت محرم غیر ھذہ الاشیاء ثم نزلت سورۃ المائدۃ بالمدینۃ وزید فی المحرمات کالمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ والخمر وغیر ذلک وحرم رسول اللہ صلعم بالمدینۃ اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر (قرطبی) ھذہ الآیۃ مکیۃ وکل محرم حرمہ رسول اللہ صلعم او جاء فی الکتاب مضموم الیھا فھو زیادۃ حکم من اللہ عزوجل علی لسان نبیہ علیہ السلام ونظیرہ نکاح المرأۃ علی عمتھا وعلی خالتھا مع قولہ واحل لکم ما وراء ذلکم وکحکمہ بالیمین مع الشاھد مع قولہ فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان (قرطبی) علی ھذا اکثر اھل العلم من النظر واھل الفقہ والاثر (قرطبی) ذلک مخصوص بالاتفاق لاتفاق الجمیع من الفقہاء علی تحریم اشیاء غیر مذکورۃ فی الآیۃ کالخمر ولحم القردۃ والنجاسات ونحوھا (جصاص) فیہ ایذان بان طریق التحریم لیس الا التنصیص من اللہ تعالیٰ دون التشھی والھوی (روح) عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ عام ہے ہر کھانے والے کے لئے۔ مرد، عورت، کوئی بھی ہو۔ ای طاعم کان من ذکر او انثی ردا علی قولھم محرم علی ازواجنا (روح) مَيْتَةً دم مسفوح۔ لحم خنزیر سب پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکے۔ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ یعنی سؤر چونکہ نجس ہے اس لئے حرام ہے۔ اس ذرا سے فقرہ سے ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی یعنی نجاست کا سبب حرمت ہونا نص قرآنی سے ثابت ہوگیا۔ تو اب جہاں جہاں نجاست پائی جائیگی۔ وہاں حرمت کا حکم بھی نص قرآنی ہی کے ماتحت لگادیا جائیگا۔ فھذا یقتضی ان النجاسۃ علۃ لتحریم الاکل فوجب ان یکون کل نجس یحرم اکلہ (کبیر)

ع ۱۶ ۱۱ ۳

اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

کررکھا تھا اُسے (اپنے اُوپر) حرام کرلیا اللہ پر افترا کرتے ہوئے (یہ لوگ) خوب ہی بھٹکے اور کسی طرح راہ یاب نہ ہوئے

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ

اور وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے باغ پیدا کئے (ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

کھجور کے درخت اور کھیتی کہ ان کے کھانے کی چیزیں مختلف ہوتی ہیں اور زیتون اور انار باہم

مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

مشابہ (بھی) اور غیر مشابہ (بھی) ۲۱۱ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اُس کا

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا

حق (شرعی) اُس کے کاٹنے کے دن ادا کردیا کرو ۲۱۲ اور اسراف مت کرو بیشک اللہ اسراف کرنے

يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ

والوں کو پسند نہیں کرتا ۲۱۳ اور چوپایوں میں بڑے قد کے (بھی) ہیں اور چھوٹے قد کے بھی) اللہ

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے اُس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو ۲۱۴

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ

وہ تو تمہارا کھلا ہُوا دشمن ہے (اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کئے) ۲۱۵ دو قسمیں بھیڑ

الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

میں سے اور دو قسمیں بکری میں سے، آپ کہئے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو

منزل ۲

۲۱۰ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ۔ عام طور پر مفسرین نے اس فقرہ سے مُراد کھانے پینے کی چیزیں لی ہیں لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مقتول اولاد ہی ہو۔ جن کا ذکر چل رہا تھا یعنی ملتی ہوئی اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے آج "منع حمل" کے نام سے جو ملعون تحریک دجل وتزویر کی انتہائی خوشنمائیوں اور رنگ آمیزیوں کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ وہ پُوری طرح اس کے تحت میں آجاتی ہے۔ اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ۔ جس طرح احکام شریعت میں حک واضافہ کھلا ہُوا افتراء علی اللہ ہے۔ اسی طرح اللہ کے قوانینِ تکوینی میں بھی "ایجاد بندہ" کو دخل دینا اور لمبے لمبے دعوے ہانکتے رہنا کہ ہمارے اس مجوزہ نظام میں فلاں فلاں اجتماعی مصالح ہیں یہ بھی ایک قسم افتراء علی اللہ ہی کی ہے۔ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ تاکید اور تصریح کے لئے ہے کہ یہ لوگ خوب جی بھر کر گمراہ ہوئے ہیں اور انہیں صحیح فلسفہ کی ہوا ہی نہیں لگی ہے۔ ۲۱۱ ان سارے نباتات، اشجار و اثمار کا پیدا کرنے والا وہی ایک خالق بے ہمتا ہے نہ کہ زراعت کا کوئی دیوتا یا بارش کی کوئی دیوی وغیرہ، مثالوں میں نام قدرۃً انہی چیزوں کے آئے جن سے مخاطبین اوّل یعنی عرب خوب مانوس وواقف تھے۔ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ۔ یہ مماثلت وعدم مماثلت، رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر اعتبار سے ہوسکتی ہے۔ ۲۱۲ (مسکینوں اور اہلِ حاجت کو دے دلاکر) حَقَّهٗ فقہاء حنفیہ نے تصریح کردی ہے کہ یہاں حق شرعی سے مراد خیر وخیرات ہیں عُشر مراد نہیں جو زمین کی زکوٰۃ ہے اور بہت سے تابعین اور بعض صحابہ کا یہی قول ہے۔ قال علی بن الحسین و عطاء والحکم وحماد وسعید بن جبیر ومجاهد هو حق فی المال سوی الزکوة امر الله به ندبا وروی عن ابن عمر ومحمد بن الحنفیہ ایضا (قرطبی) عن الشعبی ان هذا حق فی المال سوی الزکوة (روح) مِنْ ثَمَرِهٖ میں ضمیر مندرجۂ بالا اثمار میں سے ہر ایک کی جانب ہے۔ ای من ثمر کل واحد من ذلک (بیضاوی) ۲۱۳ اور سب سے بڑا اسراف یہ تھا کہ پیداوار میں سے ایک حصہ بتوں، دیوتاؤں کے نام کا نکالا جاتا تھا۔ وَلَا تُسْرِفُوْا اسراف کے لفظی معنی کسی انسانی فعل میں حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ السرف تجاوز الحد فی کل فعل یفعله الانسان (راغب) قال ابن الاعرابی السرف تجاوز ما حد لك (کبیر) قرآن مجید کا ایک اعجاز یہاں یہ ہے کہ احکام کے جزئیات بلکہ بعض اوقات تو جزئیات در جزئیات کے ضمن میں وہ ایسے حکیمانہ کلیات واصول بیان کرجاتا ہے، جو زندگی کے سارے ہی شعبوں پر یکساں منطبق ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی چلتے چلتے ایک ایسا چٹکلہ بیان کردیا کہ انسان اگر اسی ایک پر عمل کرلے، تو اخلاق معاملات، سیاسیات، معاشرت، غرض کیا انفرادی اور کیا اجتماعی ہر زندگی کے سارے شعبوں کی مشکلات دُور ہوسکتی ہیں اور بڑے سے بڑے پتھر پانی ہو کر رہ سکتے ہیں۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ فخر المفسرین امام رازی نے یہاں بھی ایک نکتہ خوب پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آیۃ کریمہ وقالت الیهود والنصٰری نحن ابناء الله واحباؤه قل فلم یعذبکم بذنوبکم سے معلوم ہُوا کہ جو اللہ کے محبّ ومحبوب ہیں وہ اہلِ نار ومبتلائے عذاب نہیں ہوسکتے۔ اور جب یہ ثابت ہے تو اس کا عکس بھی صحیح ہے کہ جو اللہ کے غیر محبّ ومحبوب ہیں بعض نہیں کے اہل نار ہیں۔ ۲۱۴ (کہ جس چیز کو چاہا اپنے دل سے حرام کر ڈالا، اپنے دل سے حلال ٹھہرالیا) ای فی التحلیل والتحریم من عند انفسکم کما فعله اهل الجاهلیة (کبیر) ذکر شرک کی اُنہی صورتوں کا ہو رہا ہے، جو عرب میں عام طور پر رائج تھیں۔ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ اشارہ یہ کردیا کہ یہ جانور بھی صرف اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے، اللہ ہی کے عطیہ ہیں کسی دیوی، دیوتا کے نہیں۔ جو تم انہیں خواہ مخواہ شریک کئے لیتے ہو۔ رزق سے مُراد حلال ہی جانور ہیں۔ یرید ما احلها لکم (کبیر) جانوروں کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے جیسا باغ اور زراعت کا تھا۔ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وانشأ حمولة وفرشا من الانعام (قرطبی) وهو الذی انشأ لکم من الانعام حمولة وفرشا (جصاص) زمخشری اور رازی دونوں نے لکھا ہے کہ ومن الانعام کا اس آیت کا عطف آیت ماقبل وهو الذی انشأ جنّٰتٍ سے کر رہی ہے۔ حَمُوْلَةً کے معنی بڑے اور قد آور جانور کے کئے گئے ہیں، جیسے اُونٹ جو بوجھ اُٹھانے اور سواری اور محنت کے قابل ہوں۔ الحمولة ما اطاق الحمل والعمل (قرطبی) ما تحمل الاثقال (کشاف، کبیر) صالحة للحمل علیها کالابل الکبار (جلالین) فَرْشًا۔ اور فرش وہ چھوٹے قد کے جانور ہیں، جو گوشت اور دُودھ کے لئے استعمال میں آتے ہیں۔ جیسے بکری۔ قال ابن زید الحمولة ما یرکب والفرش ما یوکل لحمه ویحلب (قرطبی) ما یفرش للذبح (کشاف، کبیر) لا تصلح للحمل کالابل الصغار والغنم سمیت فرشا لانها کالفرش للارض لدنوها منها (جلالین) ۲۱۵ (ان چوپایوں کے جن کی حلّت وحرمت میں تم اپنی تراش خراش سے کام لے رہے ہو) ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وانشأ ثمانیة ازواج (قرطبی) ازواج سے مُراد جانوروں کی قدرتی تقسیم نر ومادہ میں ہے۔ ثمانیة ازواج یعنی ثمانیة افراد وکل فرد عند العرب محتاج الی آخر یسمّی زوجا (قرطبی) اور یہی مراد آگے چل کر اُنثیین سے بھی ہے۔ ای الذکر والانثی (قرطبی)

٢٠٤ (اور بہت زیادہ اس کی فکر اپنے سر نہ لیں) لِیُرْدُوْھُمْ کے فاعل پر وہ حاشیہ ملاحظہ ہو جو ابھی شرکاءھم پر گزر چکا ہے۔ لیردوھم میں ل عاقبت کا ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کو کہ اس عمل کا نتیجہ یہی ہونا تھا
اللام ھٰھنا محمولة علی لام العاقبة (کبیر) واللام للعاقبة ان کان من السدنة اذ لیس مطنظرھو ذالك لکنه عاقبته (روح) دِیْنَهُمْ۔ یہ واضح ہے کہ عرب یعنی بنی اسمٰعیل کا اصل دین توحید خالص تھا۔ وَلَوْشَآءَ
اللّٰهُ۔ اگر اس کی مشیّتِ تکوینی یہی ہوتی۔ آیت بالا کو پڑھتے وقت ہمارے ملک کے ناظرین اپنے ہاں کی بھی مشرکانہ خرافات کو یاد کرلیں۔ شیخ سدو کا بکرا، اچھلے کا مرغا وغیرہ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جعلوالله مما
ذَرَاَ سے لے کر آخر رکوع یعنی قد ضلوا وما کانوا مهتدین تک آیات میں ہمارے زمانہ کی بہت سی بدعات کا رد آگیا ہے۔ جو بدعات مذکور کے بہت مشابہ ہیں۔ اور یہ مشابہت و مطابقت ذرا غور کرنے سے نظر
آجائیگی۔ اور غضب یہ ہے کہ آجکل کے رسمی شیوخ تک ان میں مبتلا ہیں۔ ٢٠٥ یہ سب جاہلیتِ عرب کے مختلف دستوروں کا بیان ہو رہا ہے۔ اور ان سے ملتی ہوئی رسمیں دوسری مشرک قوموں میں بھی عام ہیں۔

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

دین کو اُن پر مخبوط کردیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو آپ اُن کو اور اُن کی گڑھنت

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ١٣٧ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ

کو (ان کے حال پر) چھوڑے رہیں ٢٠٥، اور کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق کہ یہ (فلاں فلاں) مواشی اور کھیت ممنوع

لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

ہیں انہیں کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے کہ جن کو ہم چاہیں اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ ان کی

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً

پشت حرام کردی گئی ہے اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے ہیں (یہ سب) اللہ ہی پر بہتان

عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ١٣٨ وَقَالُوْا مَا فِيْ

باندھے ہوئے ٢٠٦ (اللہ) انہیں ابھی بدلہ دیتا ہے اس بہتان کا جو یہ باندھ رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے

بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى

شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری بیویوں کے لئے

اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ

حرام ہے ٢٠٧ اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں وہ سب شریک، ابھی (اللہ) ان سے بدلہ لیتا ہے ان کے (اس)

وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ١٣٩ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

بیان پر، بیشک وہ بڑا حکمت والا ہے بڑا علم والا ہے ٢٠٨ بڑے ہی گھاٹے میں وہ لوگ آگئے

قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ

جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کردیا ازراہِ حماقت بغیر کسی بنیاد کے ٢٠٩ اور جو کچھ انہیں اللہ نے نصیب

اِفْتِرَآءً عَلَيْهِ۔ کمال افترا یہ ہے کہ ان مشرکانہ رسموں کو عبادت اور
ذریعۂ تقرّبِ الٰہی مشہور کر رکھا ہے! حِجْرٌ۔ یعنی عام استعمال کے لئے
ممنوع اور ہمارے استعمال کے لئے مخصوص۔ یقال فلان فی حجر فلان
ای فی منع منه عن التصرف فی ماله وکثیر من احواله (راغب) الحجر
لفظ مشترك وھو ھٰھنا بمعنی الحرام واصله المنع (قرطبی) الحجر الممنوع
منه بتحریمه (راغب) قال قتادة یعنی حرامًا واصله المنع (جصاص) اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ
یہ کھانا مخصوص انہی مندروں کے پجاریوں پروہتوں کیلئے تھا۔ وھم
خدام الاصنام (قرطبی) یعنون خدم الاوثان والرجال دون النساء (کبیر)
حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا۔ یہ تحریم ظہر سواری اور بار برداری سے متعلق تھی۔ عرب
بعض جانوروں کو دیوتاؤں کے نام پر نامزد کرکے سانڈ بنا کر چھوڑ دیتے کہ پھر
ان سے نہ سواری کا کام لیا جا سکتا نہ بار برداری کا۔ فلا ترکب ولا تحمل
علیھا (روح) ہندوستان کے مشرکوں میں بھی، بیل بھینس وغیرہ کو
بھوانی دیوی کے نام چھوڑ دینے کا عام رواج ہے۔ ٢٠٦ ابھی سے مراد
موت کا وقت ہے جو کچھ بھی دُور نہیں اور جزاء کا ابہام شدّتِ تخویف کے
لئے ہے۔ وابھم الجزاء للتھویل (روح) يَفْتَرُوْنَ۔ افتراء کا
لفظ لانے سے مقصود وعید کی اہمیت ہے۔ المقصود منه الوعید (کبیر)
سَيَجْزِيْهِمْ میں س یقین کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ لابد (روح)
٢٠٧ منجملہ اور وہم پرستیوں کے ایک ضعیف الاعتقادی یہ بھی پھیلی
ہوئی تھی کہ فلاں فلاں چوپایوں کے شکم کے اندر کی چیزوں سے نفع اُٹھانا
صرف مَردوں کے لئے جائز ہے اور عورتوں کے لئے ناجائز۔ مَا فِيْ
بُطُوْنِ۔ اس کے تحت میں دُودھ بھی آگیا۔ اور بچہ بھی، ائمۂ تفسیر سے
دونوں معنی منقول ہیں۔ قال ابن عباس ھو اللبن وقیل الاجنة (قرطبی)
قال مجاھد والسدی یعنی بھا الاجنة وقال غیرھما اراد بھا الالبان و
الاجنة جمیعًا (جصاص) خَالِصَةٌ کی ة ائمۂ نحو سے منقول ہے کہ
لفظ کے معنی میں مبالغہ اور قوت پیدا کرنے کے لئے ہے جیسے علّام سے
علّامہ نسّاب سے نسّابہ۔ والھاء فی خالصة للمبالغة فی الخلوص
ومثله رجل علامة ونسابة عن الکسائی والاخفش (قرطبی) قال
الکسائی معنی خالص وخالصة واحد الا ان الھاء للمبالغة (قرطبی) انما
انثت خالصة علی المبالغة فی الصفة (جصاص) ٢٠٨ سو اپنی صفت حکمت کی بنا پر وہ ہمیشہ ہر ایک کو سزا مناسب حال ہی دیگا اور اپنی صفت علم کی بنا پر کسی مجرم سے بھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔ وَاِنْ يَّكُنْ
مَّيْتَةً۔ یہ مُردہ کونسی چیز ہے؟ وہی جو ان چوپایوں کے شکم میں تھی یعنی بچہ۔ ای ان یکن ما فی البطون میتة (قرطبی) فِيْهِ۔ یعنی اس مردہ سے نفع اٹھانے کے باب میں۔ فَهُمْ یعنی مرد و عورت
سب۔ ای الرجال والنساء (قرطبی) ایک جاہلی دستور یہ تھا کہ بچہ اگر زندہ ہے جب تو اس سے انتفاع مَردوں کے لئے مخصوص ہے اور اگر مرچکا ہے تو پھر اس میں سب شریک ہو سکتے ہیں۔ یعنی اجنة
الانعام اذا کانت میتة استوٰی ذکرھم واناثھم فیھا فاکلوھا جمیعًا (جصاص) مشرکین عرب نے ان سب مسائل کو اپنے دین کا جزو بنا رکھا تھا۔ اصولیین نے آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ عالم کو چاہیئے کہ
اپنے مخالف پر اطلاع تو حاصل کرلے اس کے رد کرنے کی غرض سے۔ وفی الاٰیة دلیل علی ان العالم ینبغی له ان یتعلم قول من خالفه وان لم یاخذ به حتّٰی یعرف فساد قوله ویعلم کیف یرد علیه (قرطبی)
٢٠٩ اولادکُشی کی رسم کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہ تھی۔ عرب، ہندوستان، یونان، روما، سب اس بلا میں مبتلا رہے ہیں۔ اسلام نے آکر اور اس دستور کو مٹا کر محض قومی یا ملکی نہیں، بلکہ ایک عالمی اور
کائناتی اصلاح انجام دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یہ لا کر صاف بتلا دیا ہے کہ اس جاہلی گو "مہذب" دستور کی بنیاد ہرگز نہ کسی وحیِ الٰہی پر ہے نہ کسی دلیلِ عقلی و تجربی پر بلکہ یہ تمامتر
جہل و نادانی کا ثمرہ ہے۔ اردو محاورہ کی رعایت سے قَدْ خَسِرَ کا ترجمہ "بڑے ہی گھاٹے میں آگئے" سے کیا گیا ہے۔

ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ
قوم کی نسل سے ۱۹۸ وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بیشک آکر رہے گا، اور تم

بِمُعْجِزِيْنَ ۝۱۳۴ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ
(اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ۱۹۹ آپ کہدیجئے اے میری قوم والو عمل کرتے رہو اپنے طریقہ پر میں (اپنے طور پر)

عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ
عمل کر رہا ہوں عنقریب ہی تم کو معلوم ہو جائیگا کہ انجام کار کس کے حق میں (نافع) ہے یقیناً

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۳۵ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ
ظالموں کو فلاح نہیں ہونے کی ۲۰۰ اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ)

الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ
ہی نے پیدا کئے ہیں کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے ۲۰۱ اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى
کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا، اور پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لئے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا

اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا
نہیں اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ اُن کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا کیسی بُری ہے

يَحْكُمُوْنَ ۝۱۳۶ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ان کی تجویز! ۲۰۲ اور اسی طرح ان کے دیوتاؤں نے بہت سے مشرکوں کی نظر میں اُن کی

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا
اولاد کے قتل کو خوشنما بنا رکھا ہے ۲۰۳ جس سے وہ انہیں برباد کر ڈالیں اور اُن کے

منزل ۲

۱۹۸ یعنی جس طرح پُرانی نسلیں معدوم ہوگئیں، اور ان کی جگہ اب تم ہو، اسی طرح اللہ اگر چاہے تو یک بیک تم سب کو فنا کرکے ایک نئی نسل انسانی اُٹھا کھڑی کرے۔ يُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہیں ہلاک کردے اذھاب یہاں اہلاک کے معنی میں ہے۔ امانت بھی مُراد لی گئی ہے۔ الاقرب ان المراد به الاهلاك ويحتمل الاماتة۔ ایضًا (کبیر) خطاب رسول اللہ صلعم کے منکرین معاصرین سے ہے۔ مِنْۢ بَعْدِكُمْ یعنی تمہاری ہلاکت کے بعد۔ یعنی من بعد اذھابکم (کبیر) ۱۹۹ (اپنے کسی حیلہ وتدبیر سے) یعنی یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ تم اللہ کے ہاتھ نہ آؤ۔ مَا تُوْعَدُوْنَ۔ یعنی وعدۂ قیامت و وعدۂ عذاب۔
۲۰۰ (نہ آخرت میں اور نہ دنیا میں آخرکار) قُلْ۔ اس پیام کا یہ حکم رسول اللہ صلعم کو بطور اتمام حجت کے مل رہا ہے۔ اور مقصود اس سے تہدید ہے۔ مقصود ان لوگوں کو ان کی گمراہی میں قائم وثابت رہنے کی اجازت نہیں۔ هذا تهديد شديد ووعيد اكيد (ابن کثیر) هي تفويض الامر اليهم على سبيل التهديد (کبیر) والتهديد بصيغة الامر مبالغة في الوعيد (بیضاوی) مَكَانَةِ کے معنی طور وطریقہ کے ہیں۔ المكانة الطريقة (قرطبی) الظّٰلِمُوْنَ۔ اور سب سے بڑھ کر ظالم وہی کافر و مشرک ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں سراسر ناانصافی کر رہے ہیں۔ ۲۰۱ جاہلیتِ عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ یہ لوگ اپنی سالانہ پیداوار وغیرہ میں سے ایک حصہ بطور خیر وخیرات الگ نکال رکھتے اس میں ایک جزو اللہ تعالیٰ کے نام کا رکھتے۔ اور اسے مسافروں، مسکینوں مہمانوں پر خرچ کرتے، اور ایک جزو اپنے دیوتاؤں کے لئے نامزد کر دیتے، اُسے مجاوروں، پنڈتوں، پروہتوں کے ذریعہ مندروں میں بتوں اور مورتیوں پر چڑھاتے۔ اصولی اور نظری حیثیت سے تو یہی تقسیم تھی لیکن عملاً یہ بھی تھا کہ دونوں حصوں میں اگر اتفاق سے کچھ خلط ہو جاتا تو کُل کا کُل دیوتاؤں ہی کے لئے چڑھاوے پر منتقل کر دیتے یا اگر یہ دیکھتے کہ عمدہ مال اللہ والے حصہ میں چلا جا رہا ہے، جب بھی اُسے دیوتاؤں کی طرف کر دیتے ——— یہاں اُن کی اس دہری، دہری حماقت پر توجہ دلائی ہے۔ صرفوا من مالهم طايفة الى الله بزعمهم وطايفة الى اصنامهم قاله ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة (قرطبی) جَعَلُوْا۔ کے فاعل وہی مشرکین عرب ہیں۔ اور جعلوا لله نصيبًا کے معنی یہ ہیں کہ ایک حصہ خدا کے لئے کر دیا اور ایک حصہ اپنے دیوتاؤں کے لئے۔ قال الزجاج وتقدير الكلام جعلوا لله نصيبًا ولشركائهم نصيبًا ودل على هذا المحذوف تفصيله القسمين في ما بعد (کبیر) ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ میں یہ اشارہ کر دیا کہ نباتات ہوں یا حیوانات۔ بہرحال جو کچھ بھی وہ اپنے دیوتاؤں کی نذر کر رہے ہیں اُن میں سے کوئی چیز بھی تو دیوی دیوتاؤں کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی کا تو پیدا کیا ہوا ہے۔ ۲۰۲ ایک تو نفس تقسیم ہی اللہ اور دیوتاؤں کے درمیان کیسی حماقت وجہالت اور پھر اللہ کے مقابلہ میں دیوتاؤں کی ترجیح کیسی حماقت در حماقت!
۲۰۳ (چنانچہ یہ احمق مشرکین ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے دھڑا دھڑ اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتارتے جاتے ہیں!) مفسرین کا خیال آیت کے الفاظ سے عرب جاہلی کی رسم دختر کشی کی طرف گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے لیکن زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اشارہ دختر کشی کی جانب نہیں، بلکہ عام اولاد کشی کی جانب ہے ——— غریب مفسرین کو کیا خبر کہ بڑی بڑی "مہذب وشائستہ" لیکن جاہلی ومشرک قوموں میں کیسی کیسی ظالمانہ ووحشیانہ رسمیں موجود رہ چکی ہیں! اولاد کو دیوتاؤں کے استھانوں پر بے تکلف بھینٹ چڑھا دینے کا دستور سامی قوموں میں عام رہا ہے اور خود ہندوستان میں مدتوں یہ رسم رہی ہے کہ بچوں کو گنگا مائی کی موجوں کے آغوش میں ڈال دیا جاتا تھا کہ گھڑیال اور مگرمچھ انہیں نگل لیں۔ اور ان آبی درندوں میں الوہیت کی شان پیدا ہو جائے! تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ شُرَكَآؤُهُمْ۔ شرکاء سے مُراد پہلی نظر میں ان کے دیوتا اور معبودانِ باطل معلوم ہوتے ہیں کہ انہی کا خیال ان مشرکوں کو اس طرف لاتا تھا۔ بعض نے اس کے معنی شیاطین کے کئے ہیں۔ قيل هم الشياطين وسمى الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم في معصية الله فاشركوهم مع الله في وجوب طاعتهم (قرطبی) قال مجاهد شركاؤهم شياطينهم وسمى الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم في معصية الله تعالى (کبیر) بعض اہلِ تحقیق نے صاف اس سے مُراد مندروں کے پجاریوں، پروہتوں سے لی ہے۔ قال الفراء والزجاج شركاؤهم هٰهنا هم الذين كانوا يخدمون الاوثان (قرطبی) وقال الكلبي كان لألهتهم سدنة وخدام وهم الذين كانوا يزينون للكفار قتل اولادهم وعلى هذا القول الشركاء هم السدنة (کبیر)

۱۹۲ یہ ٹھیک بدلہ ان کے اعمال کا ہوگا۔ کوئی ظلم وزیادتی ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔ ارواح میں باہم مشابہت وہم جنسی ہوتی ہے خبیث روحیں جنّ وانس کی ایک جگہ رہینگی۔ اور طاہر روحیں جنّ وانس کی یکجا۔ لان الجنسیۃ علۃ الضم فالارواح الخبیثۃ تنضم الی ما یشاکلھا فی الخبث (کبیر) کذٰلک یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے علاقہ، قرب وولایت تھا۔ نجمعھم فی العذاب کما کانوا فی الدنیا (بیضاوی) نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا۔ میں نولّی کے معنی "ہم مسلّط کردیں گے" کے بھی کئے گئے ہیں۔ قال ابن زید نسلط ظلمۃ الجن علی ظلمۃ الانس (قرطبی) اور یہ معنی لے کر محققین نے کہا ہے کہ ظلم کے تحت میں ہر قسم کا ظلم داخل ہے۔ خواہ چوری کے ذریعہ سے ہو یا تاجرانہ دغابازی سے یا اور کسی طریقہ سے۔ یدخل فی الاٰیۃ جمیع من یظلم او ظلم الرعیۃ او التاجر یظلم الناس فی تجارتہ او السارق وغیرھم (قرطبی) مزید استنباط یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب رعایا ظالم ہوتی ہے تو ان پر حاکم بھی ظالم ہی مسلّط کردیا جاتا ہے۔ الاٰیۃ تدل علی ان الرعیۃ متی کانوا ظالمین فاللّٰہ تعالٰی یسلط علیھم ظالمًا مثلھم (کبیر) بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ بنیاد اس تولیت یا تسلط کی وہی ہم جنسی ہوگی۔ ای بسبب کون ذٰلک البعض مکتسبًا للظلم والمراد منہ ما بیناان الجنسیۃ علۃ للضم (کبیر) ۱۹۳ (اور اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔ بیشک ہمارے پاس کوئی عذر وجواب نہیں) یہ مخاطبہ قیامت میں ہوگا۔ اور سوال ظاہر ہے کہ مزید توبیخ کے لئے ہوگا۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ معشر کے معنی اس جماعت کے ہیں جو حکم واحد میں ہو، اور انکے افراد کے درمیان معاشرت ومخالطت ہو۔ قال اھل اللغۃ المعشر کل جماعۃ امرھم واحد ویحصل بینھم معاشرۃ ومخالطۃ (کبیر) رُسُلٌ مِّنْکُمْ۔ نے ایک بڑی بحث یہ پیدا کردی ہے کہ آیا جنّات کے درمیان بھی سلسلۂ نبوت قائم رہا ہے؟ ضحاک تابعی سے سوال کا جواب اثبات میں نقل ہوا ہے۔ ان سے

۱۵ ع ۸ ۲

نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾

ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے قریب رکھیں گے بسبب اُن اعمال کے جو وہ کرتے رہے تھے ۱۹۲ اے جماعت

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ

جن وانس کیا تمہارے پاس تمہی میں سے پیمبر نہیں آئے تھے (جو) میرے احکام تمہیں سُناتے تھے اور تمہیں اسی

عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

آج کے دن کے وقوع سے ڈرایا کرتے تھے بولیں گے (بیشک) ہم

شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا

اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں ۱۹۳ ان کو (آج) دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ

خلاف خود گواہی دیں گے کہ بیشک ہم کافر رہے ۱۹۴ یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا پروردگار

رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَ

بستیوں کو ظلم کے پاداش میں اس حال میں ہلاک نہیں کردیتا کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہوں ۱۹۵ اور

لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

ہر ایک کے لئے درجے ہیں جیسے اُس نے عمل کئے ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے رہتے ہیں آپ کا پروردگار اس

یَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ

سے بے خبر نہیں ۱۹۶ اور آپ کا پروردگار غنی ہے صاحبِ رحمت ہے ۱۹۷ وہ چاہے تو تم (سب) کو اٹھالے اور

وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لا بسائے جس طرح تم کو پیدا کردیا ایک دُوسری

کسی نے سوال کیا کہ آیا ہمارے رسول ؐ سے قبل جنات میں بھی نبی گزرے ہیں؟ انھوں نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا۔ یعنی بذٰلک رُسُلًا من الجن ورسلًا من الانس (ابن جریر۔ عن الضحاک) ایک اور قول بھی اس مضمون کا نقل ہوا ہے کہ جنّ وانس کے درمیان پیمبر اُنھی کے ہمجنس آتے رہے ہیں۔ وتعلق بظاھرہٖ قوم وقالوا بعث الی کل من الثقلین رسل من جنسھم (بیضاوی) وعلیہ ظاھر النص (مدارک) لیکن اکابر کا بڑا گروہ اس جانب گیا ہے کہ منکم سے مراد مجموعۂ جنّ وانس ہے نہ کہ دونوں فریق فردًا فردًا۔ والرسل من احد الفریقین کما قال مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ثم قال یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ و انما معنٰی ذٰلک یخرج من بعضھما او من احدھما (ابن جریر) نعنی "منکم" اے من احدکم (قرطبی) اور جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیا صرف انسانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ جنّات میں صرف ان کے نائب یا نذیر ہوتے رہے ہیں۔ لم یرسل منھم الیھم رسول ولم یکن لہٗ من الجن قط رسول مرسل وانما الرسل من الانس خاصۃ فاما من الجن فالنذر (ابن جریر) ومعنٰی منکم فی الخلق والتکلیف والمخاطبۃ ولما کانت الجن ممن یخاطب ویعقل قال منکم وان کانت الرسل من الانس وغلب الانس فی الخطاب کما یغلب المذکر علی المؤنث (قرطبی) الرسل من الانس خاصۃ لکن لما جمعوا مع الجن فی الخطاب صح ذٰلک (بیضاوی) قال مجاھد الرسل من الانس والنذر من الجن (معالم) الرسل من الانس خاصۃ و انما قیل رسل منکم لانہ لما جمع الثقلین فی الخطاب صح ذٰلک وان کان من احدھما (مدارک) ای من جملتکم والرسل من الانس فقط و لیس من الجن رسل کما قد نص علی ذٰلک مجاھد وابن جریج وغیر واحد من الائمۃ من السلف والخلف (ابن کثیر) البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں اور نہ اس پر کوئی حجت قطعی قائم ہے۔ القول الثانی وھو قول الاکثرین انہ ما کان من الجن رسول البتۃ وانما کان الرسل من الانس وما رأیت فی تقریر ھٰذا القول حجۃ الا ادعاء الاجماع وھو بعید لانہ کیف ینعقد الاجماع مع حصول الاختلاف (کبیر) اس نامہ سیاہ کے خیال میں آتا ہے کہ رسل کو اگر محض لفظی وسیع معنی میں لیا جائے، اور مخصوص اصطلاحی معنی نہ سمجھے جائیں تو کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ جو کوئی بھی پیامِ ہدایت پھیلائے لفظی معنی میں وہی رسول ہے۔ اور اس معنی میں ہر عالم، ہر مبلّغ، ہر نائبِ رسُول رسول ہی ہے، اور جنّات میں ان کے مبعوث ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ اٰیٰتِیْ۔ آیات کا لفظ یہاں عام ہے۔ احکام، کتب الٰہی، سب پر شامل۔

۱۹۴ (دنیا میں) شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ۔ یہ اپنے خلاف گواہی منکرین قیامت میں دینگے۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا۔ یہاں یہ بتادیا کہ دنیوی لذتوں کو مقصودِ اعظم سمجھ کر، ان میں منہمک ہوجانا یہی راز ہے آخرت سے غفلت اور کفر کا۔ آج دنیا میں جتنے ملحد افراد یا ملحد جماعتیں ہیں، غور کرکے دیکھ لیا جائے، سب کے کفر والحاد کی تہ میں کوئی نہ کوئی مادی انہماک ہی نکلے گا۔ ۱۹۵ یہاں یہ صراحت کردی ہے کہ یہ پیمبروں کا بھیجنا تو اسی لئے ہوتا ہے کہ منکروں پر خوب اتمامِ حجت ہوجائے۔ ان میں تبلیغ عقائد پوری طرح ہوجائے۔ کیوں کہ ان مراتب کے پورے ہوئے بغیر، منکروں اور بدمذہبوں کو بے خبری میں پکڑ لینا سُنّتِ الٰہی ہے بھی نہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا۔ اشارۃ الی ما تقدم من بعثۃ الرسل الیھم (مدارک) اشارۃ الی ارسال الرسل (بیضاوی) مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ۔ یہاں یہ سنّتِ الٰہی بیان کردی کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی گرفت بے خبری میں اور بلا اتمامِ حجّت نہیں کی جاتی۔ وَاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ احکامِ الٰہی سے بے خبر ہوں۔ ۱۹۶ وہاں تو ایک ایک کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ کی پوری رُوداد موجود ہے اُسے سب کو ان کے مناسب حال جزا وسزا دینا مشکل کیا ہے؟ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ درجے ہیں جزا وسزا کے۔ ای لکل عامل بطاعۃ درجات فی الثواب ولکل عامل بمعصیۃ درکات فی العقاب (قرطبی) ۱۹۷ صفت غنا لاکر یہ یاد دلادیا کہ وہ جو بار بار پیمبر بھیجتا رہا ہے تو کچھ اس لئے نہیں کہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج ومتمنی ہے۔ یہ تو مشرکوں ہی کے دیوتا ہوتے ہیں جو اپنے پُجاریوں کی پُوجا وپاٹ کے محتاج رہتے ہیں۔ اللّٰہ تعالٰی ہر احتیاج وشائبہ احتیاج سے پاک ہے۔ اور صفت رحمت لاکر یہ یاد دلادیا کہ اس کا یہ بار بار پیمبروں کو بھیجتے رہنا اسی رحمت کے تقاضہ سے ہے۔ تاکہ بندے مرضیاتِ الٰہی سے آگاہ وباخبر ہوکر دنیا میں نفع زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے رہیں۔ وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ۔ کی ترکیب حصر کے معنی پیدا کر رہی ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ غنی بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ اور صاحبِ رحمت بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ وعلم ان قولہ ربک الغنی ذو الرحمۃ یفید الحصر (کبیر) فثبت انہ لاغنی الا ھو وثبت انہ لا رحیم الا ھو (کبیر) امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے آیت کے ذیل میں مذہب اہل سنت اور مسلک معتزلہ پر بحث کرکے آخر میں اپنے والد ماجد کے حوالہ سے شیخ ابوالقاسم سلیمان بن ناصر انصاری کا یہ بالکل صحیح فیصلہ نقل کیا ہے کہ اہل سنت کی نظر حق تعالٰی کی قدرت ومشیت پر زیادہ رہتی ہے اور معتزلہ کی نظر تنزیہ وصفت عدل پر۔ اور دونوں کی تشفی وتوقع اجر کے لئے یہی کلمہ وربک الغنی ذوالرحمۃ کافی ہے۔ اعلم یا اخی ان الکل لایحاولون الا التقدیس والتعظیم وسمعت الشیخ الامام الوالد ضیاء الدین عمر بن الحسین قال سمعت الشیخ ابا القاسم سلیمان بن ناصر الانصاری یقول نظر اھل السنۃ علی تعظیم اللّٰہ فی جانب القدرۃ ونفاذ المشیۃ ونظر المعتزلۃ علی تعظیم اللّٰہ فی جانب العدل والبراءۃ عن فعل ما لا ینبغی۔ فاذا تاملت علمت ان احدًا لم یصف اللّٰہ الا بالتعظیم والاجلال والتقدیس والتنزیہ ولکن منھم من اصاب ومنھم من اخطأ وجاء الکل متعلق بھٰذہ الکلمۃ وھی قولہ وربک الغنی ذو الرحمۃ (کبیر)

۱۸۴ (اور چڑھ نہ پاتا ہو تو ظاہر ہے کہ اُسے کس درجہ میں مشقت اٹھانی پڑ رہی ہوگی۔ اور اُس کی سانس کیسی پھول رہی ہوگی) تشبیہ سے مقصود اس تکلیف شدید کا اظہار ہے جو کافر کو ایمان لانے کے خیال سے ہوتی ہے۔ شبہ الکافر فی نفوره من الایمان وثقله علیه بمنزلة من تکلف مالا یطیقه کما ان صعود السماء لا یطاق (قرطبی) کانما یزاول امرا غیر ممکن لان صعود السماء مثل فی ما یمتنع ویبعد من الاستطاعة وتضیق عنه المقدرة (کشاف) والمراد المبالغة فی ضیق صدره (روح) وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ۔ یہ ارادۂ الٰہی بھی مشیّتِ تکوینی وتقدیری کے معنی میں ہے۔ رضاء الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اصل شکل آئی صوفیہ محققین کے اصطلاحات بسط وقبض عقلی کی۔ ۱۸۵ یہاں بھی فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے یا محض بطور سبب الاسباب کے ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کے ارادی کفر وشرارت کے ثمرات بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور انہیں راہِ ہدایت کی توفیق ہی نہیں نصیب ہوتی۔ کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح کافر ایمان لانے میں تنگی صدر محسوس کرتا ہے۔ کجعله ضیق الصدر فی اجسادهم (قرطبی) الرِّجْس۔ رجس کے لفظی معنی گندگی کے ہیں۔ یہاں مُراد ہے محرومی، وبے توفیقی۔ یعنی الخذلان ومنع التوفیق (کشاف) ۱۸۶ (اے مخاطب) هٰذَا یعنی دینِ اسلام۔ ای هذا الذی انت علیه یا محمد والمومنون (قرطبی)

ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ
سینہ کو وہ تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو ۱۸۴ اس طرح اللہ
اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۵ وَهٰذَا صِرَاطُ
گندگی ڈالے رکھتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ۱۸۵ اور یہی تیرے پروردگار کا
رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۲۶
سیدھا راستہ ہے ۱۸۶ ہم نے آیتوں کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل
لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا
کرتے ہیں ۱۸۷ ان کے واسطے سلامتی کا گھر ہے انکے پروردگار کے پاس اور وہی اُن کا دوست ہے
یَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۷ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ
بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں ۱۸۸ اور وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سب کو جمع کریگا
اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ
(اور کہا جائیگا) اے جماعتِ جنات تم نے بڑا حصہ لیا انسانوں (کی گمراہی) میں ۱۸۹ اور انسانوں میں سے اُنکے
الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا
دوست (بھی) کہینگے، اے ہمارے پروردگار (واقعی) ہم نے ایک دُوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی
الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ
اپنی میعاد معین تک جو تُو نے ہمارے لئے معین کی تھی ۱۹۰ (اللہ فرمائیگا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اس میں (ہمیشہ کو)
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝۱۲۸ وَكَذٰلِكَ
رہو گے سوا اسکے کہ اللہ ہی (نکالنا) چاہے، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے بڑا علم والا ہے، ۱۹۱ اور اسی طرح

اشارة الی البیان الذی جاء به القرآن او الی الاسلام (بیضاوی) مُسْتَقِیْمًا تاکید کے لئے ہے ورنہ صراطِ رب تو ظاہر ہے کہ مستقیم ہی ہوگی۔ یہ تاکید ایسی ہے جیسے حق کے ساتھ مُصَدِّق قرآن میں آتا ہے۔ وهو حال مؤكدة كقوله وهو الحق مصدقا (بیضاوی) ۱۸۷ آیتیں مفصل ہیں تو سب ہی کے لئے۔ البتہ نفع ان سے وہی لوگ حاصل کریں گے۔ جن کے دلوں میں نصیحت وہدایت کی طلب ہے۔ ۱۸۸ اللہ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقہ قرب وولایت ہے۔ یہ ان بندوں کے حسنِ عمل کا نتیجہ ہے۔ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ۔ ولی کے معنی قریب کے ہیں۔ اور اسی سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بندگانِ صالح کا انتہائی شرف ظاہر ہو رہا ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ اللہ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور ولیهم بندوں سے اللہ کی قربت کا مظہر۔ والولی معناه القریب فقوله عند ربهم یدل علی قربهم من الله تعالیٰ وقوله هو ولیهم یدل علی قرب الله منهم ولا نری فی العقل درجة للعبد اعلیٰ من هذه الدرجة (کبیر) هُوَ وَلِیُّهُمْ کی ترکیب حصر پر بھی دلالت کر رہی ہے یعنی اللہ ہی اس کا دوست وکارساز ہے۔ نہ کوئی اور۔ یفید الحصر ای لا ولی لهم الا هو (کبیر) بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اس میں گویا یہ بتادیا کہ یہ مرتبۂ طاعت الٰہی اعمال ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ترکِ اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ دَارُ السَّلٰمِ یعنی دار السلامة وہ مکان جو ہر قسم کے آفات سے محفوظ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ جنّت ہے۔ ای التی یسلم فیها من الآفات (قرطبی) المعنی دار السلامة والعرب تلحق هذه الهاء فی کثیر من المصادر وتحذفها (کبیر) ای دار السلامة من المکاره (بیضاوی) لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ کی ترکیب حصر کے لئے ہے یعنی سلامتی کا ٹھکانا ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔ نہ کہ دوسروں کے لئے۔ هذا یوجب الحصر فمعناه لهم دار السلام لا لغیرهم (کبیر) ۱۸۹ یعنی انسانوں کو خوب بہکایا۔ ای من الاستمتاع بالانس (قرطبی) قد استکثرتم من الدعاء الی الضلال (کبیر) ای من اغوائهم واضلالهم (بیضاوی) یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا سارے خلائق کے حشر کئے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ المراد حشر جمیع الخلق فی موقف القیامة (قرطبی) الضمیر یعود الی المعلوم لا الی المذکور وهو الثقلان وجمیع المکلفین الذین علم ان الله یبعثهم (کبیر) یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ فیقال لهم یٰمعشر الجن۔ یہ صیغہ مجہول اس لئے کہ یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں سے براہِ راست کلام کرے۔ قال الزجاج التقدیر فیقال لهم یا معشر الجن لانه یبعد ان یتکلم الله تعالیٰ بنفسه مع الکفار (کبیر) ۱۹۰ یعنی قیامت آگئی، اور ہم نے شیطانی وعدوں کا جھوٹ مشاہدہ کرلیا۔ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ۔ یعنی وہ انسان جو اس دنیا میں ان شیاطین جن سے دوستی کا علاقہ رکھتے تھے اور اُن کی باتوں میں آجایا کرتے تھے۔ حصل من الجن بالدعاء ومن الانس القبول والمشارکة حاصلة بین الفریقین (کبیر) ای الذین اطاعوهم (بیضاوی) اِسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ۔ چنانچہ ایک طرف گمراہ انسانوں کو اپنے ان عقائد کفر وشرک میں لذت ملتی ہے۔ دوسری طرف ان شیطانوں کو اس میں مزا آتا ہے کہ ہمارا جادو خوب چلا۔ ای انتفع الانس بالجن بان دلوهم علی الشهوات وما یتوصل به الیها والجن بالانس بان اطاعوهم وحصلوا مرادهم (بیضاوی) ۱۹۱ (اس کے یہاں نہ کوئی سزا نامناسب وغیر حکیمانہ ہو سکتی ہے نہ کسی مجرم کا جرم اس کے علم سے باہر رہ سکتا ہے) مَثْوٰىكُمْ۔ اس مخاطبہ میں کفار جن وانس ہر قسم کے کفار شامل ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ ارادۂ الٰہی ہی سب سے برتر اور آخری قانون ہے۔ وہی سب پر حاکم وغالب ہے اور مشیتِ الٰہی کسی دوسرے قانون کی پابند ومحکوم نہیں۔ ماشاء الله میں ما کو مَن کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور الا سے استثناء اہل ایمان کا کیا گیا ہے۔ قال ابن عباس والاستثناء لاهل الایمان فما علیٰ هذا بمعنی مَن (قرطبی) اور اس تقدیر پر توقف ہر مرنے والے کے باب میں کیا جائیگا کہ ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا ہو۔ عن ابن عباس انه قال هذه الآیة توجب الوقف فی جمیع الکفار ومعنی ذلك انها توجب الوقف فی من لم یمت اذ قد یسلم (قرطبی)

والی وہ اطاعت ہے جو عقیدۂ قلب کے ساتھ ہو ورنہ محض عملی تقلید درجۂ معصیت تک رکھے گی۔ منزلِ کفر تک نہ پہنچائے گی انما یکون المومن بطاعۃ المشرک مشرکا اذا اطاعہ فی الاعتقاد وان اطاعہ فی الفعل وعقدہ سلیم مستمر علی التوحید والتصدیق فھو عاص (ابن العربی) آیت سے یہ بھی نکالا گیا ہے کہ ایمان کا اطلاق جمیع طاعات پر ہوتا ہے جس طرح شرک کے مفہوم میں ہر مخالفتِ امرِ الٰہی داخل ہے۔ قال الکلبی الآیۃ حجۃ علی ان الایمان اسم لجمیع الطاعات کما جعل تعالٰی الشرک اسمًا لکل ما کان مخالفًا لله تعالٰی (کبیر) ۱۷۶ یعنی وہ مومن جسے کفر سے نجات مل گئی ہے۔ اور کافر جو کفر کے اندھیروں میں پڑا ہے کہیں دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ التفسیر الماثور عن ابن عباسؓ ان المراد بالمیت الکافر الضال وبالاحیاء الھدایۃ وبالنور القرآن وبالظلمات الکفر والضلالۃ (در) وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ۔ یعنی وہ نورِ ایمان ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور وہ اسے تمام گمراہیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ ای اماما یھتدی بہ سبل الخیر والنجاۃ (ابن قتیبہ) فِي الظُّلُمٰتِ۔ مراد وہ شخص ہے جو کفر کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔ ای فی الکفر (ابن قتیبہ) ای الجھالات والاھواء والضلالات المتفرقۃ (ابن کثیر) نُورًا يَمْشِي بِهِ۔ ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نورِ ایمان اور نورِ ہدایت ہے۔ النور عبارۃ عن الھدی والایمان (قرطبی) یمشی بہ ای بالنور (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صوفیۂ عارفین کے یہاں

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ

وہ اُس کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) اُن سے نکلنے نہیں پاتا ۱۷۶ اسی طرح کافروں

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۲ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ

کی نظر میں خوشنما کر دیا گیا ہے جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ۱۷۷ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں

كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ

وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ وہاں چال چلا کریں حالانکہ وہ چال بس اپنے ہی

اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲۳ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

خلاف چلتے ہیں اور (اس کو بھی) نہیں سمجھتے ۱۷۸ اور جب انہیں کوئی نشان پہنچتا ہے ۱۷۹ تو

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ

کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم کو بھی وہی نہ ملے جو اللہ کے پیمبروں کو مل چکا ہے ۱۸۰

وقف منزل
وقف لازم

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی رسالت کا اہل ہے ۱۸۱ جو لوگ مجرم ہیں ضرور انہیں

اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢبِمَا كَانُوْا

اللہ کے پاس پہنچ کر ذلت نصیب ہوگی اور عذاب سخت (بھی) اس شرارت کے پاداش میں جو وہ

يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ

کیا کرتے تھے ۱۸۲ اللہ جس کسی کے لئے ارادہ کرلیتا ہے کہ اُسے ہدایت نصیب کرے اس کا سینہ

لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

وہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ۱۸۳ اور جس کے لئے وہ ارادہ کرلیتا ہے کہ اُسے گمراہ رکھے اس کے

معرفتِ طریقِ حق کو جو نور سے تعبیر کرتے ہیں اس کی سند اس آیت سے مل جاتی ہے۔

۱۷۷ اس عالمِ ابتلاء کے قیام وبقاء کا تو سارا راز ہی اس کی ظاہری خوشنمائی میں ہے۔ ہر کفر ہر نافرمانی میں اگر کوئی نہ کوئی لگاؤ ظاہری لذت یا عارضی راحت کا نہ ہو، تو دنیا کا کوئی بھی انسان اس راہ کو اختیار ہی کیوں کرے۔ كَذٰلِكَ یعنی جس طرح مومن نورِ ایمان سے حیاتِ تازہ پاجاتا ہے۔ کافر اسی طرح اپنی بداعمالیوں میں مگن رہتا ہے۔ الاشارۃ بذلک الی احیاء المومن (بحر) ۱۷۸ یہ سرکش مجرمین جتنے چالاک بھی ہوں بہرحال دانا وصاحبِ فہم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید چالاکی اور دانائی کے اس فرق کو بار بار واضح کرتا جاتا ہے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح آج سردارانِ مکہ آپؐ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کررہے اور منصوبہ باندھ رہے ہیں۔ یعنی وکما جعلنا فی مکۃ صنادیدھا لیمکروا فیھا (کشاف) جَعَلْنَا۔ میں فعل کی نسبت اپنی جانب حق تعالیٰ نے محض علت العلل تکوینی کی حیثیت سے کی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رضا بھی اس میں شامل ہے۔ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا۔ ذکر پرانی امتوں کا ہو رہا ہے کہ ان میں بھی اول رئیسوں اور سرداروں ہی نے پیمبرانہ تحریکِ اصلاح کی مخالفت میں قدم اٹھایا اور قرآن مجید اس کی تصریح بار بار کرتا ہے۔ خص الاکابر لانھم ھم الحاملون علی الضلال والماکرون بالناس (کشاف) لانھم لاجل ریاستھم اقدر علی الغدر والمکر وترویج الاباطیل علی الناس من غیرھم (کبیر عن الزجاج) لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔ یعنی وہ چالیں پیمبروں کی مخالفت میں اپنے ملک میں چلیں گے۔ جن سے ان کا مستحقِ سزا ہونا خوب ثابت ہوجائیگا۔ ل۔ لام عاقبت کا ہے یعنی اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ قیل لام العاقبۃ والصیرورۃ (بحر) وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یعنی ان چالوں کا وبال آخرکار خود انہی پر پڑتا ہے۔ ای وبال مکرھم راجع الیھم (قرطبی) لان مکرھم یحیق بھم (کشاف) ۱۷۹ (اور وہ تصدیقِ نبوت کے لئے بالکل کافی ہوتا ہے) اٰيَةٌ کے معنی آیتِ تکوینی یا معجزہ بالکل ظاہر ہیں۔ بعض نے مراد آیتِ قرآنی بھی لی ہے۔ ۱۸۰ یعنی معجزاتِ مادی یا مرتبۂ مخاطبۂ الٰہی۔ فرطِ جہالت وعناد سے کافروں کے بعض سرغنہ کہتے تھے کہ ہم تو ایمان جب لائیں گے جب ہم خود مرتبۂ نبوت پر فائز کر دیئے جائیں۔ اور فرشتوں کو ہم دیکھنے لگیں اور معجزات ہم سے بھی صادر ہونے لگیں۔ قالوا لن نؤمن حتی نکون انبیاء فنؤتی مثل ما اوتی موسٰی وعیسٰی من الآیات (قرطبی) وقال ابو جھل واللہ لا نرضی بہ ولا نتبعہ ابدًا الا ان یاتینا وحی کما یاتیہ (قرطبی) قالوا لن نؤمن حتی یحصل لنا مثل ھذا المنصب من عند اللہ (کبیر)

۱۸۱ یعنی شرفِ رسالت کا اہل ہر کس وناکس نہیں ہوسکتا۔ مرتبۂ رسالت کے ظرف واہلیت کا فیصلہ تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کافروں کا یہ مطالبہ کیسا احمقانہ ہے کہ انہیں بھی وہی سرفرازیاں حاصل ہوجائیں! آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا کہ ملکۂ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے۔ حَيْثُ۔ یہاں بطور ظرف کے موضع وموقع کے معنی میں نہیں بطور اسم کے اہل کے معنی میں ہے۔ وحیث لیس ظرفا ھنا بل ھو اسم نصب نصب المفعول بہ علی الاتساع ای اللہ اعلم اھل الرسالۃ (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ استعدادِ ذات حصولِ فیضان کی شرطِ عادی ہے۔ ۱۸۲ (دنیا میں حضرات انبیاء کے مقابلہ میں) اَلَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا۔ یہ جرم بھی تھا کہ پیمبروں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور اپنے کو ان کا ہمسر بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سمجھتے تھے۔ عِنْدَ اللّٰهِ۔ سے مراد ہے "حشر میں" ای یوم القیٰمۃ (بیضاوی۔ روح) سَيُصِيْبُ۔ میں س تاکید وتیقن کا ہے۔ السین للتاکید (روح) صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ یعنی ایسے سرکشوں کو حشر میں ذلت تو نصیب ہوہی گی۔ اور اس کے علاوہ بھی عذاب شدید دنیا وآخرت دونوں میں حاصل رہیگا۔ عذاب شدید فی الدارین من الاسر والقتل وعذاب النار (کشاف) فحصل بھذا الکلام انہ تعالٰی اعد لھم الخزی العظیم والعذاب الشدید ثم بین ان ذلک انما یصیبھم لاجل مکرھم وکذبھم وحسدھم (کبیر) ۱۸۳ چنانچہ وہ شخص قبولِ اسلام میں کوئی پس وپیش نہیں کرتا۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ۔ ارادۂ الٰہی سے مراد اس کی مشیتِ تکوینی ہے۔

۱۷۲ اور یہ تفصیل یا تو قرآن مجید ہی کی دوسری آیتوں میں مِل جائیگی، یا پھر حاملِ وحی رسُول اللہ صلعم کے ارشادات سے۔ ذِكْرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیہ حلال جانور پر ذبح کے وقت اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ خدا کا نام تو لیا جائے، لیکن اس کے ساتھ شریک دوسروں کو بھی کر لیا جائے۔ اَلَّا تَاْكُلُوْا۔ یعنی ایسے جانور کو حرام سمجھنے لگو۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے غلو فی الزہد کی مخالفت نکلتی ہے۔ جیسے بعض جاہل صُوفی کیا کرتے ہیں۔ ۱۷۳ اور یہاں مُعْتَدِيْنَ (حد سے نکل جانے والوں) سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اشیاء کی تحلیل و تحریم اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں۔ ای الذین یجاوزون الحلال الی الحرام (معالم) اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی جب بھوک کی شدت سے مجبور ہو جاؤ، اور کوئی حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو چیزیں بھی حرام ہیں ان میں سے کھانے کی اجازت ہو جائیگی۔ یرید من جمیع ماحرم کالمیتة وغیرھا (قرطبی) ای دعتکم الضرورة الی اکلہ بسبب شدة المجاعة (کبیر) لَيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی انہیں خواہشات کی پیروی میں دوسروں کو بلا کسی علم صحیح کے جو سند کا کام دے سکے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ مشرکین و ملحدین کے پاس اپنی بات کی حمایت کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی بس یُونہی ایک بات بک دیتے ہیں۔ ذبیحہ اور مُردار جانور کے گوشت کے درمیان طبی حیثیت سے جو عظیم الشان فرق ہے، اس تک کا بھی تو ادراک نہیں رکھتے۔ تو اللہ کی سی ہمہ دانی اور پیمبر کی سی باریک نظری یہ کہاں سے لا سکتے ہیں۔ انما یتبعون فیہ الھوی والشھوة ولا بصیرة عندھم ولا علم (کبیر) هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ اور وہ جب ان ظالموں کے اسرارِ قلب تک کا پتہ رکھتا ہے تو انہیں سزا بھی پُوری پُوری دیگا۔ مقصود اس فقرہ سے تخویف و تہدید ہے۔ اذا کان عالما باحوالھم وکان قادرا علی مجازاتھم فھو تعالیٰ یجازیھم علیھا والمقصود من ھذه الکلمة التھدید والتخویف (کبیر)

اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا

نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جا چکا ہے۔ جبکہ (اللہ) نے تمہیں تفصیل بتا دی ہے ان (جانوروں) کی جنہیں

اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ

اس نے تم پر حرام کیا ہے ۱۷۲ سوا اس کے کہ اس کیلئے تم مضطر ہو جاؤ، اور یقیناً بہت سے لوگ اپنی خواہشات کی

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا

بنا پر گمراہ کرتے رہتے ہیں بلا کسی علم کے، بیشک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے حد سے نکل جانے والوں کو ۱۷۳

ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

اور چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو (بھی) اور اسکے باطن کو (بھی)، بیشک جو لوگ گناہ کما رہے ہیں انہیں عنقریب

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا

بدلہ مِل جائیگا اس کا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں ۱۷۴ اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر

لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ

اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے اور بے شک

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ

شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں اور اگر تم ان کا کہا ماننے لگو

اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا

تو یقیناً تم (بھی) مُشرک ہو جاؤ گے ۱۷۵ کیا جو شخص مُردہ تھا پھر ہم نے اُس کو

فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ

زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کے لئے ایک نُور بنا دیا کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے

ع ۱۴/۱۱

۱۷۴ (سو مکافاتِ عمل سے غافل کوئی بھی نہ رہے) سَيُجْزَوْنَ۔ عنقریب یعنی قیامت میں بدلہ مل کر رہیگا) يَكْسِبُوْنَ۔ يَقْتَرِفُوْنَ ان سب الفاظ سے ثابت و ظاہر ہے کہ گناہ بندہ کی اختیاری چیز ہے۔ ایسی چیز نہیں جو بندہ کے اختیار سے کچھ بھی باہر ہو۔ گو خود یہ اختیار اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ایک قوت ہے۔ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔ گناہ کے ظاہر و باطن سے مُراد کیا ہے؟ جن دونوں کے چھوڑ دینے کا یکساں حکم ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ گناہ کے ظاہر سے مُراد اس کی عملی شکل اور اس کے باطن سے مُراد غلط اعتقاد، اعتقادی گناہ ہے۔ الظاھر ما کان عملا بالبدن مما نھی اللہ عنہ وباطنہ ما عقد بالقلب من مخالفة امر اللہ فی ما اُمر و نُھی (قرطبی) قال مجاھد ظاھرہ ما یعملہ الانسان بالجوارح من الذنوب وباطنہ ما ینویہ ویقصدہ بقلبہ (معالم) قیل ما عملتم وما نویتم (کبیر) ای قلیلہ وکثیرہ (ابن جریر۔ عن قتادہ) لیکن بہترین تفسیر یہ ہے کہ ظاھر الاثم سے وہ گناہ مراد لئے جائیں جو خلق کی نظر کے سامنے علانیہ کئے جائیں اور باطن الاثم سے مراد وہ گناہ سمجھے جائیں جو خلق کی نظر سے چھپا کر پوشیدہ کئے جاتے ہیں ——— جاہلی تہذیبوں میں فسق و معصیت کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ بجائے خود وہ ذرا بھی معیوب نہیں۔ صرف ان کا کھُل جانا گناہ ہے۔ یونان قدیم میں چوری بجائے خود کوئی جرم نہ تھی۔ چوری کا کھُل جانا جرم تھا۔ آج فرنگی تہذیب میں حرامکاری بجائے خود کوئی عیب نہیں، صرف اس کا منظرِ عام پر آجانا، عام رسوائی و تفضیح پیدا ہو جانا، اس کا **Public Scandal.** بن جانا بس صرف یہ جُرم ہے ——— عرب کی جاہلی تہذیب میں بھی حرامکاری بجائے خود جائز تھی۔ صرف اس کا افشا جرم تھا۔ یہ خصوصیت اسلام ہی کی ہے کہ اس نے پوشیدہ و علانیہ ہر حرام کاری کو جُرم ہی قرار دیا۔ کان اھل الجاھلیة یستترون بالزنا و یرون ذلک حلالا ما کان سرا فحرم اللہ السر منہ والعلانیة ما ظھر منھا (ابن جریر۔ عن الضحاک) قیل ھو ما کان علیہ الجاھلیة من الزنا الظاھر واتخاذ الحلائل فی الباطن (قرطبی) قال الضحاک کان اھل الجاھلیة یرون اعلان الزنا اثما والاستسرار بہ غیر اثم (جصاص) واکثر المفسرین علی ان ظاھر الاثم الاعلان بالزنا وھم اصحاب الرایات وباطنہ الاستسرار بہ وذلک ان العرب کانوا یحبون الزنا وکان الشریف منھم یتشرف فیسر بہ وغیر الشریف لا یبالی بہ فیظھرہ (معالم) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ جس طرح اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں۔ ۱۷۵ (اے مسلمانو!) وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ مشرک و ملحد تو بہرحال اللہ کا نام نہ لے گا۔ اسلئے اس کا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے۔ سوال صرف مسلمان کے ترک تسمیہ کے باب میں رہ جاتا ہے۔ سو مسلم کیلئے بھی ذبح کرتے یا شکاری جانور چھوڑتے وقت ترک تسمیہ کی دو صورتیں ممکن ہیں، یا عمداً و دانستہ ہو، اور یا محض سہو و نسیان سے ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اور بہت سے دوسرے فقیہوں اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت و حُرمت صرف اس صورت کے لئے ہے۔ جب ترک تسمیہ دانستہ و عمداً ہو۔ ان ترکھا عمدا لم یؤکلا قالہ مالک وابن القاسم وھو قول ابی حنیفة واصحابہ والثوری والحسن بن حی وعیسی وقالہ سعید بن جبیر وعطاء واختارہ النحاس وقال ھذا احسن لانہ لا یسمی فاسقا اذا کان ناسیا (قرطبی) قال اصحابنا ومالک والحسن بن صالح ان ترک المسلم التسمیة عمدا لم یؤکل وان ترکھا ناسیا اکل (جصاص) اور مفسر ابن کثیرؒ نے اس مذہب کی تائید میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابیوں اور سعید بن المسیب اور طاؤس اور عطاء اور حسن بصری جیسے تابعین اور ابوحنیفہؒ اور مالکؒ اور احمد بن حنبل اور ابو یوسفؒ جیسے ائمہ فقہ کے نام گنائے ہیں۔ المذھب الثالث فی المسئلة ان ترک التسمیة علی الذبیحة نسیانا لم یضر وان ترکھا عمدا لم تحل ھذا ھو المشھور من مذھب الامام مالک واحمد بن حنبل وبہ یقول ابوحنیفة واصحابہ واسحاق بن راھویہ وھو یحکی عن علی وابن عباس وسعید بن المسیب وعطاء وطاؤس والحسن البصری وابی مالک و عبد الرحمن بن ابی لیلی وجعفر بن محمد وربیعة بن ابی عبد الرحمن (ابن کثیر) اور اس حکم حرمت کے تحت میں وہ ذبیحے بھی آجاتے ہیں جن پر اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لے دیا جائے۔ یا اللہ کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کا نام لے لیا جائے۔ ویدخل فیہ ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ بعمومہ لانہ لم یذکر علیہ اسم اللہ وبزیادة ذکر غیر اسم اللہ سبحانہ علیہ الذی یقتضی تحریمہ نصا (قرطبی) اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ۔ مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پا کر مسلمانوں کے سامنے آکر طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں نکالا کرتے تھے مثلاً ایک چلتا ہوا فقرہ یہ تھا کہ یہ کیا کہ انسان مار ڈالے جب تو جانور حلال ہو جائے لیکن جس جانور کو خدا مارے یعنی وہ اپنے آپ مر جائے وہ حرام ہو ——— ہزارہا سیدھے سادے، بھولے بھالے مسلمان پہلے بھی اس طرح کے لفظی دھوکوں اور مغالطوں میں آجاتے تھے۔ اور آج بھی ایسے ہی ظاہر فریب، دل خوش کن فقروں میں برابر آتے رہتے ہیں۔ خود اُمت کے اندر جتنے باطل فرقے نکلے ہیں۔ سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی مغالطہ پر ہے۔ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ یہاں فسق یا نافرمانی ان دونوں چیزوں کو کہا گیا ہے۔ ترک تسمیہ کو بھی اور ایسے ذبیحہ کے کھانے کو بھی۔ ھو راجع الی الامرین یعنی ترک التسمیة ومن الاکل (جصاص) الضمیر قیل عائد علی الاکل وقیل عائد علی الذبح لغیر اللہ (بحر) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہ اطاعت اسی مسئلہ تحلیلِ مُردار میں مُراد ہو۔ ای فی تحلیل المیتة (قرطبی) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال ٹھیرا لینا انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ دلت الآیة علی ان من استحل شیئا مما حرم اللہ تعالی صار بہ مشرکا (قرطبی) قال الزجاج وفیہ دلیل علی ان من احل شیئا مما حرم اللہ او حرم ما احل اللہ فھو مشرک ... تفصیل بھی فقہا نے کر دی ہے کہ مشرک بنا دینے

١٦٦ یعنی شک و تردد اس باب میں کرنے لگیں کہ اہلِ کتاب پر وضوحِ حق پوری طرح ہو بھی چکا ہے یا نہیں۔ یاد رکھیے ان پر خوب اچھی طرح ہو چکا ہے۔ ای من الشاکین فی انھم یعلمون انہ منزل من عند اللہ (بحر) فی ان اھل الکتاب یعلمون انہ منزل من ربك (کبیر) ای المترددین فی انھم یعلمون ذلك لما لایشاھد منھم آثار العلم واحکام المعرفۃ (روح) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ یرید الیھود والنصاریٰ (قرطبی) یَعْلَمُوْنَ یعنی جانتے ہیں اور خوب یقینی طور پر جانتے ہیں۔ ان پیشگوئیوں کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ ایراد الطائفتین بعنوان ایتاء الکتب للایذان بانھم علموا ما علموا من جھۃ کتابھم (روح) بِالْحَقِّ یعنی گڑھی ہوئی چیز، شک و شبہ والی چیز نہیں حقیقی و واقعی چیز ہے۔ ١٦٧ خوب سننے والا ان منکرین کے اقوال کا۔ اَلسَّمِیْعُ کوئی اُسے غافل و بے خبر نہ سمجھ لے، پورا علم رکھنے والا ان منکرین کے عقاید اور دلی خیالات کا۔ (اَلْعَلِیْمُ) کوئی اسے ناواقف نہ خیال کرے۔ کَلِمَۃُ رَبِّكَ۔ اہلِ معانی نے لکھا ہے کہ کلمۃ واحد ہے لیکن اس کا اطلاق مجموعۂ کلام پر بھی ہوتا ہے۔ جب وہ پورا کلام حکمِ واحد میں ہوتا ہے۔ چنانچہ کلمۂ "زہیر" سے مراد قصیدہ زہیر اور کلمۃ سے مراد خطبہ عربی میں عام ہے۔ الکلمۃ قد یراد بھا الکلمات الکثیرۃ اذا کانت مضبوطۃ بضابط واحد کقولھم قال زھیر فی کلمتہ یعنی قصیدتہ وقال قس فی کلمتہ ای خطبتہ (کبیر) لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کلامِ الٰہی میں کاٹ، چھانٹ، گھٹ بڑھ کر سکے، یہ ترمیم و تغیر سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔ قال قتادۃ الکلمات ھی القرآن لا مبدل لہ لا یزید فیہ المفترون ولا ینقصون (قرطبی) المراد انھا تبقی مصونۃ عن التحریف والتغییر (کبیر) دوسرے معنی امام رازیؒ نے یہ بھی کیے ہیں کہ ان دلائلِ قوی میں منکروں کے شکوک و شبہات ذرا بھی رخنہ نہیں پیدا کر سکتے۔ تلك الشبھات لا تاثیر لھا فی ھذہ الدلائل التی لا تقبل التبدیل البتۃ (کبیر) وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔ تمام تر صدق اپنے بیانات کے لحاظ سے یعنی کے جتنے واقعات اس نے بیان کیے ہیں، دنیا میں تاریخی و اثری تحقیقات جتنی بھی بڑھتی جائیں گی، قرآن کی صداقت کو اس سے دھکا نہیں لگ سکتا، وہ اور زیادہ ہی روشن ہوتی جائیگی۔ یکسر عدل اپنے احکام و ہدایت کے لحاظ سے، دنیا کے بڑے سے بڑے پیچیدہ انفرادی و اجتماعی مسائل میں تجربہ کر لیا جائے۔ قرآن کے قائم کردہ نقطۂ عدل و اعتدال اور درجۂ توازن کی قدر اور نکھرتی ہی آئے گی۔ امام رازیؒ نے کل مضامین قرآنی کو خبر اور تکلیف کے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہاں صفات صدق و عدل کو انہی دونوں سے متعلق کیا ہے۔ صدقًا ان کان من باب الخبر۔ وعدلًا ان کان من باب التکالیف (کبیر) الصدق فی الاخبار والمواعید والعدل فی الاقضیۃ والاحکام (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ تصریحاتِ قرآنی کی طرح دلالاتِ قرآنی بھی واجب الاتباع ہیں۔ دلت الآیۃ علی وجوب اتباع دلالات القرآن لانہ حق لا یمکن تبدیلہ بما ینا قضہ (قرطبی)

مُفَصَّلًا ۗ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ
اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (آسمانی) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن)
مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ
واقعیت کے ساتھ آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں
الْمُمْتَرِیْنَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۗ
نہ ہو جائیں ١٦٦ اور آپ کے پروردگار کا یہ (کلام) صدق و عدل کے لحاظ سے کامل ہے،
لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿١١٥﴾ وَاِنْ تُطِعْ
کوئی بدل نہیں سکتا اس کے کلام کو، اور وہی خوب سننے والا ہے، پورا علم رکھنے والا ہے ١٦٧ اور جو لوگ
اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اِنْ
زمین پر (آباد) ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا اگر آپ ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا کر
یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ
رہیں ١٦٨ یہ تو بس اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں، اور محض گمان میں پڑے رہتے ہیں ١٦٩ بیشک آپ کا
ھُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِہٖ ۚ وَھُوَ اَعْلَمُ
پروردگار خوب واقف ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور وہی راہ پائے ہوؤں کو
بِالْمُھْتَدِیْنَ ﴿١١٧﴾ فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ
بھی خوب جانتا ہے ١٧٠ سو اُس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جائے، اگر تم اُس کے
کُنْتُمْ بِاٰیٰتِہٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ
احکام پر ایمان رکھتے ہو ١٧١ اور تمہارے لئے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانور) میں سے

١٦٨ کہ دنیا کی اکثریت تو منکروں اور گمراہوں ہی پر شامل ہے)

١٦٩ وحی الٰہی کے نورِ مبین اور علمِ قطعی کے سوا دنیا میں "عقل" اور "علوم" کے نام سے جو کچھ بھی ہے چاہے وہ ارسطو کی منطق ہو چاہے کینٹ کے مقولات سب ظن و تخرص ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ظن یہاں بہت وسیع معنی میں ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ باب احکام میں کشف و الہام حجت نہیں۔ اور ان پر جزم کرنا تو بالکل ہی باطل ہے۔ ١٧٠ سو اس کے اس علمِ کامل و محیط کے لحاظ سے نافرمانوں کی سزا اور فرمانبرداروں کا انعام دونوں یقینی ہیں۔ مَنْ۔ یہاں ای کا مرادف ہے۔ مَنْ بمعنی ای (قرطبی) ١٧١ آیت کے آخری ٹکڑے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حلال کو حرام قرار دے لینا ایمان کے منافی ہے۔ فَکُلُوْا میں ف کا تعلق آیت ١١٦ سے سمجھا گیا ہے۔ جہاں اتباعِ ظن و تخرص یعنی وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے تابع فرمان ہونے کی صریح ممانعت وارد ہے۔ مسبب عن انکار اتباع المضلین الذین یحلون الحرام ویحرمون الحلال (کبیر) ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ یہ تسمیۂ الٰہی ذبح کے وقت ہونا چاہیئے۔ اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیئے۔ اور جانور کا حلال ہونا تو بہرحال ظاہر ہی ہے۔ کُلُوْا۔ صورۃً صیغۂ امر ہے، مراد یہاں حکم نہیں صرف اجازت و اباحت ہے۔ ظاھرہ امر ومعناہ الاباحۃ (جصاص) محققین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مباح صرف اسی صورت میں ہے جب اپنے ذائقہ کے لئے کھائے۔ باقی اگر یہ نیت ہو کہ اس سے طاعتِ الٰہی کے لئے قوت آئیگی تو یہی چیز باعثِ اجر بن جائیگی۔ ھذا اذا اراد باکلہ التلذذ فھو اباحۃ ویحتمل الترغیب فی اعتقاد صحۃ الاذن فیہ فی اکلہ للاستعانۃ بہ علی طاعۃ اللہ تعالیٰ فیکون اکلہ فی ھذہ الحال ماجورًا (جصاص) اٰیٰتِہٖ میں آیات احکام کے معنی میں ہے۔ بِاٰیٰتِہٖ ای باحکامہ واوامرہ (قرطبی)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ
اور خواہ ہم ان پر فرشتوں ہی کو اتار دیتے۔ اور (خواہ) ان سے مُردے (بھی) باتیں کرنے لگتے
حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ
اور (خواہ) ہم ہر چیز کو ان کے پاس ان کے سامنے ہی لاکر جمع کر دیتے، جب بھی یہ لوگ ایمان لانے کے
يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ
نہ تھے ۱۶۰ سوا اسکے کہ اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے زیادہ تر تو جہالت ہی سے کام لیتے ہیں ۱۶۱ اور اسی طرح
جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
ہم نے ہر نبی کے دشمن (بہت سے) شیطان، انسان اور جنات (دونوں) میں سے پیدا کر دیئے تھے
يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ
ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں دھوکے کے لئے ۱۶۲
وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، سو آپ انہیں اور جو کچھ یہ افترا کر رہے ہیں اس کو چھوڑ
وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ
رکھئے ۱۶۳ تاکہ اس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے
لِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ
اور تاکہ اس کو یہ پسند کرنے لگیں اور تاکہ یہ مرتکب ہونے لگیں اسکے جسکے مرتکب ہو رہے ہیں ۱۶۴ تو کیا اللہ کے سوا
اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ
کسی اور کو میں بطور حاکم تلاش کروں درآنحالیکہ اسی نے ہی تو تمہارے پاس کتاب مفصل نازل کی ہے ۱۶۵

۱۶۰ (اس لئے کہ فرطِ شرارت اور شدتِ عناد سے یہ طلبِ حق کا قصد ہی نہیں کرتے) بیان منکرینِ اسلام کی شدتِ عناد و قساوتِ قلب کا ہو رہا ہے کہ بالفرض ان کی ساری فرمائشیں پوری کردی جائیں
اور دنیا بھر کے خوارق انہیں دکھلائے جائیں۔ جب بھی چونکہ وہ اپنے میں طلبِ صادق پیدا ہی نہیں کرتے، اس لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی تاویل کر ہی لینگے۔ اور ایمان بہرحال نہ لائیں گے۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ
اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں ہیں۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں تھیں۔ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ۔ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا
یعنی ہر غیب ان پر مکشوف کر دیتے۔ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشاہدۂ خوارق سے نفع ہرگز لازمی نہیں، اصل شے طلبِ صادق ہے ؎ عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست
اور مولانائے رومیؒ صاحبِ مثنوی کی زبان میں ؎ آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست۔ امام المفسرین فخر رازیؒ نے لکھا ہے کہ کوئی ایک معجزہ تو پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ جس سے عوام صادق
وکاذب کے درمیان فرق کر سکیں لیکن ایک سے زیادہ کا مطالبہ کرتے رہنا محض ہٹ دھرمی ہے۔ ورنہ پھر ہر دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کی طلب برابر بڑھتی ہی رہیگی۔ اور سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ المعجزة الواحدة لابد منها ليتميز الصادق من الكاذب فاما الزيادة عليها فتحكم محض ولا حاجة اليه والا فلهم ان يطلبوا بعد ظهور المعجزة الثانية ثالثة وبعد الثالثة رابعة ويلزم ان لا تستقر الحجة (کبیر) ۱۶۱ جہالت یہی کہ ایمان کا تو قصد ہی نہیں اور فرمائشیں خوارق و معجزات کی پھر بھی کئے جاتے ہیں۔ پیمبر کی اصل تعلیمات اور ایمان کے مقصد و غایت پر غور ہی نہیں کرتے۔ اور پیمبر کو گویا ساحر یا شعبدہ باز سمجھتے ہیں۔ یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر معجزہ و خارقِ عادت تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قال اصحابنا المراد يجهلون بان الكل من الله وبقضائه وقدره (کبیر) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی ان کی تقدیر ہی بدل دی جائے مشیت انہیں زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے تو اور بات ہے۔ ۱۶۲ یعنی تاکہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کریں۔ انسان شیطان کے فریب ہی میں آ کر کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ ہر پیمبر کے دور میں شیاطین، انس و جن ہی دھوکے کا سبز باغ دکھا دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا کئے ہیں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ کافر آپ کے دشمن ہیں۔ ای كما ابتليناك بهؤلاء القوم (قرطبی) ای جعلنا لك عدوا كما جعلنا لمن قبلك من الانبياء (کبیر) شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ یہ اس باب میں نص ہے کہ قرآن نے جنہیں اپنی بولی میں شیاطین کہا ہے وہ ہمیشہ جنات ہی نہیں ہوتے۔ جو انسان بھی شیطان کی نیابت انجام دینے لگے، وہ گویا شیطان بہ قالب انسان ہے۔ شیطان کا لفظ قرآن مجید میں ہر سرکش و نافرمان کے لئے ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا بشر۔ المعنى مردة الانس والجن والشيطان كل عات متمرد من الانس والجن وهذا قول ابن عباس ومجاهد والحسن وقتادة (کبیر) يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ۔ اس میں اشارہ ہے کہ
شیطانی تلبیسات ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری خوشنمائی کا رکھتی ہیں۔ اگر فوری لذت اور ظاہری آب و تاب ان میں نہ ہو تو کوئی ادھر کا رخ ہی کیوں کرے؟ يُوْحِيْ۔ یعنی وحی کا لفظ اسلئے استعمال کیا ہے کہ یہ وسوسہ اندازی بھی
بالکل خفیہ ہوتی ہے۔ سمی وحیا لانہ یکون خفیۃ (قرطبی) جتنے جاہلی مذہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ غور کر لیجئے سب میں ملمع سازی کے پہلو اچھے خاصے موجود ہونگے۔ ہر باطل فرقہ کوئی نہ کوئی ظاہری کشش اپنے میں ضرور
رکھتا ہے۔ آج اہلِ باطل کے جتنے مختلف نظریات مغرب و مشرق سے آ رہے ہیں نئی نئی ism. کے ساتھ، ان سب کے دعوے کیسے کیسے خوشنما اور ظاہر فریب ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہم روٹی کے سوال کو حل کئے دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم دنیا سے مفلسی
اور محتاجی کو مٹائے دیتے ہیں۔ وقس علی ہذا یہ سارے نمونے اسی زخرف القول کے ہیں۔ غُرُوْرًا۔ یہ سارے دعوے نرے دعوے ہی ہوتے ہیں حقیقت اور اصلیت ان میں نام کو نہیں ہوتی۔ ۱۶۳ (ہمارے اوپر۔ اور خود زیادہ فکر
و غم میں مبتلا نہ رہیئے) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر اسکی مشیتِ تکوینی یوں ہی ہوتی۔ مَا فَعَلُوْهُ۔ یعنی یہ سب کے سب اضطراراً بھی مومن و متقی ہوتے لیکن اس نے اپنے مصالح تکوینی سے انسان کو ایمان پر مضطر و مجبور نہیں بنایا ہے۔ بلکہ
انہیں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ یعنی دین کے باب میں انہوں نے جو جو مسئلے اور عقیدے گڑھ گڑھ کر رکھے ہیں۔ ۱۶۴ شیطانی وسوسہ اندازی کا بیان ابھی اوپر آ چکا ہے۔ اب
شیطانی وسوسہ اندازیوں کی غرض و غایت کا بیان ہے۔ لِتَصْغٰٓى میں ل غرض و غایت کے اظہار کیلئے ہے۔ اللام لام کے (قرطبی) الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ سرکشی اور نافرمانی سے اصل بچانے والی چیز
یہی خوفِ آخرت ہے۔ اس عقیدہ کا کمزور ہونا شیطان کے آغوش میں جا پڑنا ہے۔ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ۔ گمراہی کے سلسلہ میں پہلا درجہ یہی میلانِ نفس کا ہوتا ہے۔ وَلِيَرْضَوْهُ۔ دوسرا درجہ گمراہانہ عقیدہ کا اعتقادِ
قلبی کے ساتھ پسند کر لینے کا ہوتا ہے۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا۔ تیسری منزل عملاً معاصی میں مبتلا ہو جانے کی ہوتی ہے۔ ۱۶۵ (جسکی ہدایات و تعلیمات دنیا و آخرت کے ہر معاملہ ہر مرحلے سے متعلق جامع واضح اور مکمل ہیں) یقول رسول اللہ ﷺ
کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔ حَكَمًا۔ یعنی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ صادر کرنے والا حاکم۔ المعنى افغير الله اطلب لكم حاكما وهو الذي كفاكم مؤونة المسألة في الآيات بما انزله اليكم (قرطبی) ای قل
لهم يا محمد افغير الله اطلب من يحكم بيني وبينكم (بحاری)

۱۵۷ فقہاء نے اسی اصل سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو طاعت درجۂ واجب میں نہ ہو اور کسی معصیت کا سبب بنی جاتی ہو تو اُس طاعت کو ترک کردیا جائے گا۔ قال العلماء حکمہا باقٍ فی ھٰذہ الامۃ علیٰ کل حال فمتی کان الکافر فی منعۃ وخیف ان یسب الاسلام او النبی علیہ السلام او اللہ عز وجل فلا یحل لمسلم ان یسب صلبانھم ولا دینھم ولا کنائسھم ولا یتعرض الی ما یؤدی الی ذٰلک لانہ بمنزلۃ البعث علی المعصیۃ (قرطبی) منع اللہ تعالیٰ فی کتابہٖ احدًا ان یفعل فعلًا جائزًا یؤدی الی محظور ولاجل ھٰذا تعلق علماؤنا بھٰذہ الآیۃ فی سد الذرائع وھو کل عقد جائز فی الظاہر یؤول او یمکن ان یتوصل بہٖ الی محظور (ابن العربی) "بتوں کو بُرا کہنا فی نفسہٖ امر مباح ہے مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امر حرام یعنی گستاخی بجناب باری تعالیٰ کا وہ بھی منہی عنہ اور قبیح ہو جائے گا۔ اس سے بے تکلف یہ ایک قاعدۂ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے" (تھانویؒ) فی ھٰذہ الآیۃ ضرب من الموادعۃ ودلیل علیٰ وجوب الحکم بسد الذرائع وفیھا دلیل علی ان المحق قد یکف عن حق لہٗ اذا ادی الی ضرر یکون فی الدین (قرطبی) فی ذٰلک دلیل علیٰ ان المحق علیہ ان یکف عن سب السفہاء الذین یتسرعون الی سبہٖ علیٰ وجہ المقابلۃ لہ لانہ بمنزلۃ البعث علی المعصیۃ (جصاص) "لیکن جو امر درجۂ واجب و فرض میں ہو مثلاً اثبات توحید و رسالت یا ابطال شرک،

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ

اُن پر کوئی نگران نہیں بنایا ہے اور نہ آپ اُن پر مختار ہیں ۱۵۶ اور انہیں دُشنام نہ دو جن کو یہ (لوگ) اللہ کے

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ

سوا پکارتے رہتے ہیں، ورنہ یہ لوگ اللہ کو حد سے گزر کر براہِ جہل دُشنام دیں گے ۱۵۷

عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى

اسی طرح ہم نے ہر طریق کے لوگوں کی نظر میں اُن کا عمل خوشنما بنا رکھا ہے۔ ان سب کو اپنے

رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

پروردگار کے پاس جانا ہے سو وہ انہیں جتلا دیگا، جو کچھ بھی وہ کرتے رہتے تھے ۱۵۸

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ

اور انہوں نے اللہ کی قسم بڑے زور سے کھا کر کہا کہ اگر اُن کے پاس کوئی نشان آجائے تو وہ

لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ

ضرور ہی اُس پر ایمان لے آئیں، آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو (سب) اللہ ہی کے پاس ہیں اور تم خبر

اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ

نہیں رکھتے کہ جب وہ نشان آجائیگا (جب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے ۱۵۹ اور ہم بھی اُن کے دلوں کو اور

وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ

اُن کی نظروں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اُس کے اُوپر پہلی بار ایمان نہیں لائے

ع ۱۳ / ۱۰ / ۱۹

مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رہیں گے ۱۶۰

فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ ایسے مفاسد کے ترتب کی بنا پر ترک نہ کیا جائیگا" الحق ان کان واجبًا فیاخذہ بکل حال وان کان جائزًا ففیہ یکون ھٰذا القول (ابن العربی)

اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ جنہیں یہ مشرکین بطور معبود پکارتے ہیں۔ مفسرین نے یہاں یہ شبہ نقل کیا ہے کہ مشرکینِ عرب جنہیں پکارتے تھے وہ تو بے جان بُت تھے۔ پھر ان کے لئے الذین کیوں آیا جو صیغہ جاندار اور ذوی العقول کے لئے ہے۔ اور پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ یہ مشرکین کے خیال کے مطابق ہے کہ وہ تو انہیں ذوی العقول میں شمار کرتے تھے۔ عُبِّرَ عن الاصنام وھی لا تعقل بالذین علیٰ معتقد الکفرۃ فیھا (قرطبی) لیکن اصلی جواب یہ ہے کہ الذین یدعون من دون اللہ سے مُراد صرف بے جان بُت ہی نہیں، بلکہ وہ تمام جاندار ہستیاں بھی ہیں جن کے معتقد اہلِ شرک، ہر قوم اور ہر دَور میں رہے ہیں۔ عَدْوًا۔ ای جہلًا واعتداءً (قرطبی) ۱۵۸ (اور وہیں اس کا بدلہ بھی مل جائیگا)، جس طرح یہ عالم عالمِ ابتلاء ہے، اسی طرح عالمِ آخرت عالمِ جزاء ہے جہاں کشفِ حقائق کے ساتھ ساتھ پورا پورا عدل بھی ہو کر رہیگا۔ کَذٰلِکَ ...... یَعْمَلُوْنَ یعنی اس پر حیرت مطلق نہ کی جائے کہ ایسی شدید گستاخی پر دنیا میں سزا فی الفور کیوں نہیں مل جاتی دنیا میں تو آزادئ عمل کا قاعدہ ہی ہم نے مقرر کر رکھا ہے اور اسی لئے تو اس عالم کا نام عالمِ ابتلاء ہے۔ کَذٰلِکَ یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی نظر میں اُن کے یہ عمل خوشنما و پسندیدہ کر دکھائے ہیں، اسی طرح ہر ہر طبقہ اور ہر ہر اُمت کی نظر میں اُس کا اپنا عمل پسندیدہ کر دکھایا گیا ہے۔ ای کما زینا لھٰؤلاء اعمالھم کذٰلک زینا لکل امۃ عملھم (قرطبی) ای مثل ذٰلک التزئین (مدارک) ۱۵۹ یہ پیش خبری عالم الغیب والشہادہ کی طرف سے ہے۔ اور اسی کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ اُن کے فرمائشی معجزات بھی جتنے کے جتنے پورے ہو جائیں جب بھی غایت عناد سے یہ لوگ ایمان لانے کے نہیں۔ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ۔ محاورہ میں مُراد بڑی سخت اور غلیظ قسموں سے ہے اور مشرکین عرب ایسی قسم اپنے خدائے اعظم اللہ ہی کے نام کی کھاتے تھے۔ ھٰذہ باغلظ الایمان عندھم (قرطبی) جھد الایمان اشدھا وھو باللہ (قرطبی) لَئِنْ جَآءَتْھُمْ اٰیَۃٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِھَا ۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اُس پر ایمان لے آئیں اور صاحبِ معجزہ کی نبوت کے قائل ہو جائیں۔ کوئی معجزہ سے مراد فلاں متعین معجزہ تھا۔ ای من مقترحاتھم (بیضاوی۔ مدارک) روایت میں آتا ہے کہ خاص فرمائش اس معجزہ کی تھی کہ مکہ کا کوہِ صفا سونے کا بن جائے اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ۔ یعنی معجزات و خوارق کا وقوع پیمبر یا کسی بندہ کے ہاتھ میں نہیں، تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ معجزہ کی حقیقت سے نظامِ کائنات کے کسی مستمر اور بندھے ہوئے معمول میں کچھ ترمیم کرنا، اور اُن کا تمام تر فاطرِ کائنات ہی کے اختیار میں ہونا بالکل ظاہر ہے وہی قدرت بھی اس پر رکھتا ہے اور وہی علم بھی اس کا رکھتا ہے کہ کس معجزہ کا وقوع موافقِ حکمت ہوگا اور کس کا مخالفِ حکمت۔ پس کسی مخصوص و متعین معجزہ کی فرمائش ہی سرے سے بے جا ہے۔ البتہ نفس کوئی معجزہ یا غیر معمولی نشان پیمبر کے دعویٰ کی تصدیق و تقویت کے لئے عین موافقِ حکمت ہے، اور ایسے نشانات ایک نہیں بیشمار تصدیقِ رسالتِ محمدی میں ظاہر ہو چکے تھے

وَمَا یُشْعِرُکُمْ ..... لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ بعض مسلمانوں کو قدرۃً یہ خیال گزر رہا تھا کہ کاش ان منکروں کی فرمائشیں پوری کردی جائیں، تو شاید کہ یہ لوگ اس طرح مسلمان ہو جائیں۔ یہاں جواب اس کا مل رہا ہے اور ضمیر کُمْ کے مخاطب مومنین معاصرین ہیں۔ یا معشر المسلمین (ابن عباسؓ) وقال الفرّاء وغیرہ الخطاب للمومنین لان المومنین قالوا للنبی صلعم یا رسول اللہ لو نزلت الآیۃ لعلھم یؤمنون (قرطبی) وکان المومنون یطمعون فی ایمانھم (مدارک) اِنَّھَا ۔ یعنی وہی فرمائشی معجزات، ای الآیۃ المقترحۃ (مدارک) ۱۶۰ (اُن کے ضد اور عناد کے نتیجہ کے طور پر) یعنی حق کی طلب و تلاش چونکہ ان میں سرے سے ہے ہی نہیں، اس لئے ہزار معجزات دیکھ لیں، ہدایت انہیں نصیب نہ ہوگی اور یہ یُوں ہی بدستور بھٹکتے ہی رہیں گے۔ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ ۔ ان کی آنکھیں حق بینی کی طرف اور ان کے دل حق طلبی کے قصد کی طرف سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ ضمیر جمع متکلم کا استعمال حق تعالیٰ کی طرف یہاں صرف تکوینی سلسلۂ علل کے مسبب الاسباب کی حیثیت سے ہے۔ عن قبول الحق وعن رؤیۃ الحق عند الآیۃ التی اقترحوھا (مدارک) لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖ ۔ ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ خوارق کا طلب کرتے رہنا طریقِ ہدایت نہیں، طریقِ ہدایت صرف اتباعِ بیّنات ہے۔ پس سالک کو چاہیئے کہ شیخ کے کرامات و خوارق کی تلاش میں نہ پڑے۔ بلکہ اُس کے علم و عمل پر اطمینان کے بعد اُس کی پیروی میں لگ جائے۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۱۰۱) ذٰلِكُمُ
اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے ۱۴۹ یہ ہے اللہ تمہارا
اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ
پروردگار، کوئی خدا نہیں بجز اُس کے، ہر شے کا پیدا کرنے والا، پس اُسی کی عبادت کرو،
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ (۱۰۲) لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۫ وَ
اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے ۱۵۰ اُسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں اور وہ
هُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (۱۰۳) قَدْ جَآءَكُمْ
نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بڑا باریک بین ہے، بڑا باخبر ہے ۱۵۱ اب تمہارے پاس روشن
بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ
دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں، سو جو کوئی بصارت سے کام لیگا، وہ اپنے ہی لئے، اور
وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ (۱۰۴) وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُولُوا
جو کوئی اندھا رہیگا اُس پر (وبال) رہیگا، اور میں کوئی تمہارے اوپر نگران تو ہوں نہیں ۱۵۲ اور اسی طرح ہم دلائل کو
دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ (۱۰۵) اِتَّبِعْ مَآ أُوحِيَ
(خوب) پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں جس سے یہ (کافر) یوں کہینگے کہ آپنے پڑھ لیا ہے ۱۵۳ اور تاکہ ہم اس (قرآن) کو خوب کھول دیں
إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (۱۰۶)
اُن لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں ۱۵۴ پیروی کئے جایئے اسکی جو آپکے پروردگار کی جانب سے وحی کیا گیا ہے کوئی خدا نہیں ہے بجز
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ
اُسکے اور مشرکوں کی جانب سے بے التفات رہیئے ۱۵۵ اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو (لوگ) یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو

منزل ۲

۱۴۹ ہر شے سے اس کا رشتہ خالقیت اور علیمیت کا ہے۔ وہ چھوٹی بڑی ہر شے کا خالق اور ہر شے کا علم کُل رکھتا ہے۔ اس سے کوئی رشتہ دنیوی اور مادّی عزیز داریوں پر قیاس کرکے جوڑنا تمام تر اپنی سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان اور زمین سب اُسی کی مخلوق ہیں نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں نہ کوئی دھرتی مائی۔ بدیع یعنی محض ترتیب و ترکیب دے دینے والا نہیں بلکہ عدم محض سے ہست کرنے والا۔ بدیع پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ پ۱۔ آیت نمبر ۱۱۷۔ الابداع عبارۃ عن تکوین الشئ من غیر مثال (کبیر) اَنّٰی ...... صَاحِبَةٌ۔ مشرکین پر حجت قائم کی ہے کہ تم جب خدا کے صاحبِ اولاد ہونے کے قائل ہو، تو لازمی طور پر پہلے اس کے صاحبِ زوج ہونے کے قائل ہوئے۔ سو اسی کا ثبوت لاؤ کیسی لغویات اُس کے لئے مُنہ سے نکال رہے ہو۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔ اس میں تردید آگئی مصر، کلدانیہ، یونان اور روم کی قدیم مشرک قوموں کی جنہوں نے اپنے ہر دیوتا کے ساتھ ایک ایک یا کئی کئی بیویاں بھی فرض کی ہیں۔ ۱۵۰ سو رشتۂ عبدیت اُس کے سوا کسی سے بھی جوڑنا درست نہیں، آیت میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی یکتائی کا اثبات ہے، وہ یعنی ذات سے منفرد ہے۔ اور خالق و کارساز بھی ہر شئے کا وہی ایک ہے۔ ۱۵۱ وہ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ نہیں۔ اس کا علم ہر کلیہ و جزئیہ کو محیط ہے۔ لَا ..... الْاَبْصَارَ۔ یعنی وہ کسی کے بھی حواس ظاہری کی گرفت میں اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ درآنحالیکہ اُس کی گرفت علمی میں سب ہی ہیں۔ ادراك احاطہ و تحدید کے معنیٰ میں ہے۔ اور آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی تنزیہ حدوث سے ہے۔ بَيَّنَ سبحانہٗ انہ منزہ عن سمات الحدود وھذا الادراك بمعنی الاحاطۃ والتحدید (قرطبی) قال الزجاج ای لا یبلغ کنہ حقیقتہ (قرطبی) قال ابن عباس لا تدرکہ الابصار فی الدنیا ویراہ المومنون فی الاٰخرۃ (قرطبی) اعلم ان الادراك غیر الرؤیۃ لان الادراك ھو الوقوف علی کنہ الشئ والاحاطۃ بہ (معالم) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ الفاظ پر یہ شبہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسانی آنکھیں حق تعالیٰ کی دید کر ہی نہیں سکتیں تو پھر جنت میں اس کی رؤیت مومنین کو کیسے ہوگی؟ نیز معراج میں رسُول اللہ صلعم کو کیسے ہوئی؟ مفسرین محققین نے شبہ کو نقل کرکے مفصل و شافی جوابات دیئے ہیں لیکن اس کم فہم کے نزدیک ایک مختصر اور سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہاں ذکر تو اسی مادّی و ناسُوتی دنیا کے قویٰ کا ہے۔ جنت میں تو قویٰ ہی دوسرے ہونگے۔ عالمِ ناسوت میں نفی دیدار سے جنت کے دیدار کو تعلق ہی کیا؟ علیٰ ہذا واقعہ معراج میں رسُولؐ کی زیارتِ حق کا تعلق ہی اِن قوائے ناسوتی سے بالکل نہیں۔ وہ واقعہ تو خود ہی عالمِ آخرت کا ہے جس کا تجربہ و مشاہدہ بطور معجزہ کے رسولؐ کو اسی دنیا میں کرادیا گیا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ محقق تھانویؒ نے فرمایا کہ بصر سے مُراد اگر بصارت ہے تو نفی رؤیت اسی دنیا کے ساتھ محدود رہے گی، اور اگر بصارت و بصیرت دونوں مُراد ہیں تو نفی ادراک کے معنیٰ نفی ادراک بالکنہ کے کئے جائیں گے۔ ۱۵۲ (کہ میرے اوپر تمہارے عقائد و اعمال کی ذمہ داری آتی ہو) یہ خطاب پیمبر کو ہے کہ آپ یوں کہہ دیجئے۔ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ قرآن کے دلائل، رسُول کے معجزات، سب بصائر کے تحت میں داخل ہیں۔ ای اٰیات و براھین یبصر بھا ویستدل (قرطبی) یعنی بالبصیرۃ الحجۃ البینۃ الظاھرۃ (قرطبی) البصائر ھی البینات الحجج التی اشتمل علیھا القراٰن وما جاء بہ الرسول (ابن کثیر) فَمَنْ اَبْصَرَ۔ یعنی دلائل سے توحید تک پہنچ جائیگا۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے اہلِ طریق کے اس معمول کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حقِ ارشاد ادا کرکے پھر کسی کے درپے نہیں ہوتے۔ ۱۵۳ (ان مضامین کو کسی صاحبِ علم سے) چنانچہ یہی ہوا۔ ایک اُمّی کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایۂ بیان میں سُن کر ظالموں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامین عالی انہوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لئے ہیں اور جاہلیت کے انہی لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کرکے قرآن مجید کی اس پیش خبری کی توثیق مزید کر رہے ہیں۔ لِيَقُولُوا میں ل عاقبت کا ہے۔ لام علت کا نہیں۔ اللام لام العاقبۃ (مدارک) یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ نتیجہ ہونا چاہیئے۔ لام عاقبت جس کلام پر لایا جائے۔ اُس سے مُراد ایسی چیز ہوتی ہے جو بطور نتیجہ نکل آئے لیکن مقصود نہ ہو۔ وھی اللام التی تدخل علی ما یترتب علی شیء و لیس مقصودًا (ا/ معنعر حیثیبد) ۱۵۴ وَلِنُبَيِّنَهٗ۔ ضمیر قرآن کی تعلیم و ہدایت کی جانب ہے۔ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ۔ یعنی اس سے پورا فائدہ وہی اُٹھائیں گے جو اپنی فہم و دانش سے کام لیں گے۔ ۱۵۵ یعنی فرطِ شفقت سے ان بدبختوں کے حال پر بہت زیادہ غم و حزن نہ کیجئے اور اپنے التفات کا مرکز قرآن و وحیٔ الٰہی کو رکھیے۔ مشرکین کی طرف کچھ زیادہ توجہ ہی نہ کیجئے۔ ای لا تشغل قلبك وخاطرك بھم بل اشتغل بعبادۃ اللہ (قرطبی) ۱۵۶ (ہماری طرف سے کہ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کردیں یا قبول ہدایت پر انہیں مجبور کردیں) ای قیم بامورھم فی مصالحھم لدینھم اودینا ھم حتی تلطف لھم فی تناول ما یجب لھم (قرطبی) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوا۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی تو خلقت قبولِ ہدایت پر مجبور و مضطر ہوتی اور اپنا کوئی اختیار و ارادہ بھی اس باب میں نہ پاتی۔ لیکن مشیت تکوینی نے یہ نظام ہی سرے سے نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ہر شخص کو قبولِ ہدایت میں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔ شرک بھی مشیت تکوینی سے باہر نہیں، جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اُس کے تحت ہی میں ہے۔ نص علی ان الشرك بمشیئتہ وھو ابطال لمذھب المعتزلۃ (قرطبی) مُراعنا لا عالھم ماخوذا باجرامھم (مدارک) وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔ آپ ان لوگوں پر کوئی نگران تو ہیں نہیں کہ اُن کی بے ہودگیوں کی ذمہ داری کسی درجہ میں بھی آپ پر آرہی ہو یا یہ کہ آپ انہیں عذاب الٰہی سے کسی طرح بچا سکیں۔ ای لا یمکنك حفظھم من عذاب اللہ (قرطبی)

ف۱۴۵ پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن نباتات اُس سے کیسی رنگارنگ اور کتنی مختلف قسموں کی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے قوانینِ طبعی بس ایک ہی قادرِ مطلق حکیمِ مطلق ذات کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ بارش کے یا زراعت کے کسی دیوی دیوتا کا خیال کرنا ہی حمق و نادانی ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو۔ سماء عربی میں سحاب (بادل) بلکہ ہر اُوپر والی چیز کے بھی مُرادف ہے۔ المراد من السماء انزال المطر من جانب السماء (کبیر) سمی الله تعالٰی السحاب السماء لان العرب سمی کل ما فوقك سماء (کبیر) الکلام علی تقدیر مضاف ای من جانب السماء (روح) ای کل صنف من النبات (قرطبی) ای کل صنف من اصناف النبات (روح) ف۱۴۶ (صورت، شکل، رنگ، مزہ، وزن وغیرہ کے اعتبار سے) یہ ساری مثالیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کے مخاطبینِ اوّل یعنی عرب کے لئے آسانی سے قابلِ فہم تھیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ

اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اُس کے ذریعہ سے

نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ

ہر قسم کی روئیدگی کو نکالا ف۱۴۵ پھر ہم نے اُس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اُس سے اُوپر تلے چڑھے

حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ

دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھوں سے خوشے (نکلتے ہیں) نیچے کو لٹکے ہوئے

جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ

اور (ہم نے) باغ، انگور اور زیتون اور انار کے (پیدا کئے) باہم مُشابہ اور غیر

مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ

مُشابہ ف۱۴۶ اُس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اُس کے پکنے کو (دیکھو) بیشک ان سب

ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ

میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں ف۱۴۷ اور لوگوں نے اللہ کا شریک جنات کو قرار دے

الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ

رکھا ہے درآنحالیکہ اُس نے انہیں پیدا کیا ہے اور لوگوں نے اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بے سند تراش

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۲ ۱۸ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ

رکھی ہیں، پاک اور برتر ہے وہ اس سے جو کچھ یہ (اسکے باب میں) بیان کرتے ہیں ف۱۴۸ مُوجد ہے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ

زمین کا اُس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے درآنحالیکہ اُس کے بیوی ہی نہیں، اور

جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ ۔ تقدیرِ کلام یوں ہے۔ و اخرجنا جنات من اعناب۔ ف۱۴۷ (اور مصنوعات کی صناعی سے صانع کے کمال پر استدلال کرنا چاہتے ہیں) اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ۔ پھل کا نفس پیدا ہونا ہی اپنی خام حالت میں کیسے کیسے حکیمانہ اور باریک کیمیاوی اور طبیعی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے اور چہ جائیکہ پھل کی خام حالت سے پختگی میں منتقل جس میں رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر چیز کیا سے کیا ہو جاتی اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ انظروا سے مُراد سرسری میں نظر ڈال لینا نہیں فکر و عبرت کی نظر سے دیکھنا ہے ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفکر (قرطبی) ای انظروا الی حال نضجه نظر اعتبار و استدلال علی قدرة مقدره و مدبره و ناقله من حال الی حال (روح) اُنْظُرُوْٓا اِلٰى الخ مخلوقات کی طرف بار بار توجہ و التفات سے نظر کرنے کا جو یہ حکم قرآن مجید میں بار بار مل رہا ہے، اس پر محققین نے لکھا ہے کہ خلق پر نظر جبکہ للحق ہو مذموم نہیں بلکہ اگر مقصود میں اس کی احتیاج ہو تب تو مطلوب بھی ہے۔ لَاٰیٰتٍ ۔ اٰیات یہاں دلائل کے معنی میں ہے۔ دلائل اللہ کے کمالِ قدرت پر۔ ای دلالات علی کمال قدرة خالق هذه الاشیاء وحکمته و رحمته (ابن کثیر) لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۔ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی تلاش و طلب رکھتے ہوں تحقیق کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ ای یطلبون الایمان باللہ تعالٰی (روح) ف۱۴۸ یہ کن لوگوں کا ذکر ہے؟ مشرکین عرب تو یقیناً مُراد ہیں، باقی دُوسری جاہلی قومیں بھی مُراد ہو سکتی ہیں جو بھی انہی عقائد کی ہوں۔ الجن۔ جنات وہ ناری مخلوق ہیں۔ جو خاکی مخلوق انسان سے قبل اس پردۂ گیتی پر وجود میں آ چکے تھے۔ عموماً و عادۃً یہ انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں ابلیس انہی کی صنف کا مخلوق ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ۔ تقدیرِ کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وجعلوا الجن شرکاء۔ معناه جعلوا الجن شرکاء لله (کبیر) وَخَلَقَهُمْ ۔ حالانکہ اُسی اللہ نے ان مشرکوں کو پیدا کیا ہے۔ نہ کہ جنات نے۔ ابن مسعودؓ کی قراءت وهو خلقهم نے اسے اور صاف کر دیا ہے۔ والمعنی وقد علموا ان الله خالقهم دون الجن (بیضاوی) مطلب یہ ہے کہ ان مشرکوں کو خود تسلیم ہے کہ ہمارا خالق محض اللہ ہے، اس پر بھی یہ کیسی گمراہی ہے کہ یہ لوگ معبودیت میں جنات کو بھی شریک سمجھ رہے ہیں۔ هُمْ۔ کی ضمیر اگر جن کی جانب لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اُسی خدا نے اُن کو بھی پیدا کیا ہے پس جنات مخلوق ہو کر معبود اور شریکِ خدائی کیونکر ہو گئے۔ یعنی وهو خلق الجن (سالم) وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍ ۔ خدا کا صاحبِ اولاد ہونا، اپنے کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھنا، یہ مرض مشرک قوموں میں بہت زیادہ عام اور مشترک رہا ہے، ہندوستان کے برہمنوں اور چھتریوں کا اپنے کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہلانا یا اپنے کو سورج دیوتا اور چندرماں دیوتا کی اولاد قرار دینا، یونانی شرفا کا اپنے کو خدازادہ یا دیوتا مشہور کرنا یہ سب اسی مشرکانہ و گستاخانہ ذہنیت کے کرشمے ہیں —— خود مسیحیوں کا عقیدہ ابنیتِ الٰہی (حضرت مسیحؑ سے متعلق) بھی اسی اصل کی ایک فرع ہے۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔ یعنی ان خرافاتی عقائد پر اہلِ شرک نہ کوئی عقلی دلیل رکھتے ہیں نہ نقلی۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ ۔ مشرکوں نے کیسے کیسے بہتان اُس پر لگا رکھے ہیں۔ اس کی ذات والاصفات ہر نالائق انتساب سے بالاتر ہے۔ قوله سبحانه تنزیه لله عن کل ما لا یلیق به (کبیر) والمقصود ههنا تنزیه الله تعالٰی عن هذه الاقوال الفاسدة (کبیر) سُبْحٰنَهٗ اور تَعٰلٰى مقصود دونوں سے اگرچہ اثباتِ تنزیہ ہی ہے لیکن سبحنه کا تعلق مخلوق کی زبان سے تسبیح پڑھنے یا اثباتِ تنزیہ سے ہے۔ برخلاف اس کے تعالٰی سے اشارہ اللہ کی ذاتی صفتِ تقدس و تعالٰی کی طرف نکل رہا ہے۔ عام اس سے کہ مخلوق تسبیح کرے یا نہ کرے۔ فالمراد بقوله سبحانه ان هذا القائل یسبحه و ینزهه عما لا یلیق به والمراد بقوله و تعالٰی کونه فی ذاته متعالیا متقدسا عن هذه الصفات سواء سبحه مسبح او لم یسبحه، فالتسبیح یرجع الی اقوال المسبحین والتعالی یرجع الی صفته الذاتیة التی حصلت له لذاته لا لغیره (کبیر)

۱۴۰ یہ سارا مخاطبہ کافروں سے حشر کے دن ہوگا۔ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی۔ اب تمہارے ساتھ نہ وہ جتھے اور پارٹیاں ہیں نہ بڑے بڑے لاؤ لشکر جن پر تمہیں گھمنڈ رہا کرتا تھا اور نہ خود تمہارے پاس کوئی لباس یا وردی ہے، خالی خولی اسی طرح آئے جس طرح دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ والمعنی جئتمونا واحدًا واحدًا کل واحد منکم منفردًا بلا اھل ولا مال ولا ولد ولا ناصر ممن کان یصاحبکم فی الدنیا ولم ینفعکم ما عبدتم من دون اللہ (قرطبی) ای منفردین عن الاعوان والاوثان التی زعمتم انها شفعاءکم وعن الاموال والاولاد وسائر ما اٰثرتموها من الدنیا (روح) وَتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِکُمْ۔ مال و دولت اور دنیوی علوم و فنون و صنائع جن پر دنیا میں تم بھولے رہتے تھے۔ وہ سب تم کو وہیں چھوڑ آنا تھا اور آخرت میں اُن میں سے کوئی چیز کچھ کام نہ آئی۔ شُفَعَآءَکُمْ ۔۔۔ شُرَکٰٓؤُا۔ وہ تمہارے خیالی دیوتا اور بزرگ جن کے متعلق تمہیں یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنے دخل و تصرف سے تمہیں ہمارے مواخذۂ عدل سے بچا لیں گے۔ وہ سب کدھر غائب ہوگئے۔ یہ مستقل شفعاء کا عقیدہ یہود اہلِ توحید تک میں گھس گیا تھا اور مسیحیت کی تو بنیاد ہی کہنا چاہیے کہ کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ہے۔ ۱۴۱ مطلب یہ ہوا کہ جمادات، نباتات، حیوانات ہر صنف موجودات کا نظامِ تکوینی و تخلیقی سارے کا سارا اُسی کے ہاتھ میں ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز کا دار و مدار اُسی پر ہے۔ اُس کے ہوتے ہوئے کسی دیوی دیوتا کی طرف متوجہ ہونا کسی مشرکانہ نظریہ کو یا وہمیہ کو قابلِ التفات سمجھنا کس درجہ حمق و بے دانشی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی۔ نباتات کا خدا کوئی اور دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ احمق مشرک قوموں نے فرض کر لیا ہے۔ نہ یہ ہے کہ نباتات میں روئیدگی از خود ہو جاتی ہے۔ ہر بیج، ہر گٹھلی میں پھٹنے پھوٹنے کی صلاحیت پیدا کرنا پھر وقت مناسب پر اس صلاحیت کو فعلیت میں لانا یہ سب کام اُسی پروردگارِ عالم کا ہے۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ۔ بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی یا نطفہ سے انسان، جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا یا انسان سے نطفہ۔ اُوپر مثال عالمِ نباتات کی آچکی یہ ذکر جمادات و حیوانات کا ہو رہا ہے۔ ۱۴۲ یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ نظامِ ارضی و نظامِ فلکی یُوں ہی اٹکل پچو نہیں چل رہا ہے۔ اس کے قانون کے مطابق اور اُس کے ضابطہ کے ماتحت چل رہا ہے جو العزیز ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر، جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے۔ اور جو ساتھ ہی العلیم بھی ہے۔ جس کی ہر جنبش تکوینی و تخلیقی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے۔ اور جو ہر علم و حکمت کا مبدا بھی ہے اور منتہیٰ بھی۔ والعزیز اشارة الی کمال قدرته والعلیم اشارة الی کمال علمه (کبیر) فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ وہ پردۂ شب سے صبح کا برآمد کرنے والا ہے۔ تقدیر کلام یُوں ہے۔ ذلکم اللہ ربکم فالق الاصباح۔ پچھلی آیت میں ذکر نظامِ ارضی کا تھا۔ اب ذکر نظامِ فلکی کا ہے۔ جَعَلَ ۔۔۔ حُسْبَانًا۔ رات کی سکونی کیفیت، سُورج اور چاند کی نپی تُلی گردش، اُس کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اُسی قادرِ مطلق و حکیمِ برحق کے دستِ قدرت میں ہیں جو ہر شعبۂ موجودات کا اکیلا حاکم و ناظم ہے، اُس کے حضور میں کسی سُورج دیوتا اور کسی چندرماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافت کی انتہا ہے۔ حُسْبَانًا یعنی مصالحِ خلق کے بالکل متناسب ایسے حساب کے مطابق جس میں نہ کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی کا۔ ای بحساب یتعلق به مصالح العباد (قرطبی) ای جعل اللہ سیر الشمس والقمر بحساب لا یزید ولا ینقص (قرطبی) ذٰلِکَ۔ یعنی اجرامِ سماوی کی یہ جکڑبند اور ان کی تسخیر، اشارة الی جعلهما کذالک (روح) ۱۴۳ دلائل اپنی توحید اور قدرت اور حکمت کے۔ جَعَلَ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ الْبَحْرِ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں، اُلٹے ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل و حمق کی انتہا ہے۔ جَعَلَ۔ یہاں خلق کے معنی میں ہے۔ جعل هُنا بمعنٰی خلق (قرطبی) لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔ یعنی ان شواہد و دلائل سے نفع وہی اُٹھائیں گے جو علم و خبر رکھتے ہیں۔ خصّهم لانهم منتفعون بها (قرطبی) یَعْلَمُوْنَ۔ میں علم سے مراد یا تو عقل ہے اور یا فکر و استدلال۔ المراد بالعلم هٰهنا العقل (کبیر) المراد من قوله لقوم یعلمون لقوم یتفکرون ویتأملون ویستدلون بالمحسوس علی المعقول وینتقلون من الشاهد الی الغائب (کبیر) ۱۴۴ دلائل اپنی توحید اور صنعت اور حکمت کے۔ اَنْشَاَکُمْ۔ خطاب عام نسلِ انسانی سے ہے۔ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ یعنی حضرتِ آدمؑ سے۔ یہاں وحدتِ انسانی کو بطور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ سب نوع انسانی کا مُورثِ اعلیٰ ایک ہی ہُوا ہے کئی نہیں ہوئے ہیں۔ جیسا کہ بعض ناقص فلسفیوں اور بعض باطل مذہب والوں نے خیال کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اس ایک اصل کو مان لینے سے انسانیت جو آج مہذب و غیر مہذب، کالی اور گوری، صاحب اور نیٹو، برہمن اور شودر، مشرقی اور مغربی اور خدا جانے کتنی اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ایک بار بنی آدم کی وحدت میں تبدیل ہو سکتی ہے اور دنیا سے کتنے جھگڑے اور خرخشے مٹ سکتے ہیں۔ مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ مستودع بہت سریع الزوال کو کہتے ہیں اور مستقر اتنا زود فنا نہیں۔ الفرق بین المستقر والمستودع اذ المستقر اقرب الثبات من المستودع (کبیر) مُسْتَقَرٌّ۔ کی کئی تفسیریں منقول ہیں لیکن اکثر نے اس سے مراد رحمِ مادر لی ہے۔ اکثر تابعین بلکہ بعض صحابہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ واکثر اهل التفسیر یقولون المستقر ما کان فی الرحم (قرطبی) عن ابن مسعود وابن عباس وابی عبد الرحمٰن السلمی وقیس بن ابی حازم ومجاهد وعطاء وابراهیم النخعی والضحاک وقتادہ والسدی وعطاء الخراسانی وغیرهم ای فی الارحام (ابن کثیر) مُسْتَوْدَعٌ۔ کی بھی کئی تفسیریں منقول ہیں لیکن اکثر نے مراد پُشتِ پدر لی ہے۔ اُدھر مستودع کے سلسلہ میں جن تابعین و صحابہ کے نام درج ہوئے انھی نے مستودع کی شرح یہی کی ہے۔ المستودع ما کان فی الصلب رواه سعید بن جبیر عن ابن عباس وقاله النخعی (قرطبی) قالوا او اکثرهم ای فی الاصلاب (ابن کثیر) لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ۔ ابھی اُوپر کی آیت میں لقوم یعلمون آچکا ہے۔ اہلِ تحقیق نے کہا ہے کہ اُس آیت میں دلالت واضح و صریح تھی اس لئے یعلمون کافی تھا۔ یہاں دلالت خفی و دقیق ہے۔ اس لئے یفقهون لایا گیا۔ انما قیل یعلمون ثم یفقهون هنا لان الدلالة ثم اظهر وهنا ادق (مدارک)

ع ۱۱ / ۱۷

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۹۴

اب تو تمہارے آپس کا تعلق ٹوٹ کر رہا اور تم سے گئے گزرے ہوئے وہ دعوے جو تم کرتے رہتے تھے ۱۴۰

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ

بیشک (اللہ ہی) دانہ اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے، وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے، اور

مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ۹۵

بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے، وہی تمہارا اللہ ہے، سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو ۱۴۱

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَ

وہ صبح کا برآمد کرنے والا ہے اور اُسی نے رات راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو

الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۹۶ وَهُوَ

حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرایا ہوا ہے، بڑے غلبہ والے کا، بڑے علم والے کا ۱۴۲ وہ وہی تو ہے

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے، (تاکہ تم اُن کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں

وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۹۷ وَهُوَ

راہ پاؤ بیشک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں ۱۴۳ اور وہ

الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ

وہی تو ہے جس نے تم (انسانوں) کو پیدا کیا ایک ہی شخص سے۔ پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی اور

مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۹۸

ایک جگہ چندے رہنے کی، بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کر بیان کر دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں ۱۴۴

یعنی اس کے ایک بازو میں مصری، رُومی، یونانی تہذیب تھی۔ اور دُوسرے بازو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تمدن کسی نے کہا کہ اس لئے کہ آج بھی دنیا کے تین بڑے بڑے اعظموں ایشیا، افریقہ، یورپ کا سرا عین ساحل حجاز سے مُتصل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب کے سب اسباب صحیح ہوں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ جب کہ معظمہ نافِ زمین یا مرکز بلاد قرار پایا تو اس کے ہر طرف آبادی جہاں تک بھی پھیلی ہوگی سب من حولها ہی کے تحت میں آئے گی۔ یعنی جمیع الآفاق (قرطبی) ای اهل المشرق والمغرب (مدارک و بیضاوی) یتناول جمیع البلاد والقری المحیطة بها فیدخل فیه جمیع بلاد العالم (کبیر) من اهل المدر والوبر فی المشارق والمغارب لعموم بعثته صلی الله علیه وسلم (روح)

١٣٦ یعنی اعتقاد صحیح کے ساتھ ساتھ عمل صحیح میں بھی پختہ و مستقیم ہو جاتے ہیں۔ صلوٰۃ یہاں بطور جملہ عبادات کے قائم مقام کے ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت سے صلوٰۃ کی انتہائی اہمیت و اشرفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اسے گویا ایمان کے ہم رتبہ قرار دے دیا گیا ہے۔ المقصود منه التنبیه علی ان الصلٰوة اشرف العبادات بعد الایمان بالله واعظمها خطرا الا تری انه لم یقع اسم الایمان علی شیٔ من العبادات الظاهرة الا علی الصلٰوة (کبیر) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ بہٖ کی ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ خوفِ آخرت رکھتے ہیں وہ مؤاخذۂ اُخروی کے ڈر سے پوری ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ حق کی تلاش و طلب میں رہتے ہیں۔ اور اس لئے قرآن کی بھی صداقت و حقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ذٰلك ان اصل الدین خوف العاقبة فمن خافها لم یزل به الخوف حتی یؤمن (کشاف) الذی یؤمن بالاٰخرة هو الذی یؤمن بالوعد والوعید والثواب والعقاب ومن کان کذٰلك فانه یعظم رغبته فی تحصیل الثواب ورهبته عن حلول العقاب ویبالغ فی النظر والتامل فی دلائل التوحید والنبوة فیصل الی العلم والایمان (کبیر)

١٣٧ رسول اللہ صلعم کے معاصرین میں نزولِ وحی کے طویل عرصہ کے زمانہ میں بعض ایسے بھی بدبخت تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ایسا کلام تو ہم بھی نازل کر سکتے ہیں۔ حدیث و سیر کی کتابوں میں ان کے نام نضر بن حارث اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح منقول ہوئے ہیں۔ والمراد عبدالله بن ابی سرح الذی کان یکتب الوحی لرسول الله صلعم ثم ارتد ولحق بالمشرکین (قرطبی) عن عکرمة ان هٰذه الاٰیة نزلت فی النضر بن الحارث (قرطبی) یہ عبداللہ بن ابی سرح وہی ہیں جو حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی اور رسول اللہ صلعم کے کاتب وحی تھے۔ کتابت وحی ہی کے سلسلہ میں مُرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملے۔ ایک مُدت تک مُرتد و مباح الدم رہنے کے بعد فتح مکہ کے دن اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سُن کر رُوپوش ہو گئے۔ پھر حضرت عثمانؓ کی سفارش کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس وقت سے پھر پختہ مسلمان ہو گئے، پھر بڑے بڑے کارنامے اُن کے ہاتھ سے انجام پائے، اُن میں سے فتحِ مصر و تسخیرِ نوبیہ (موجودہ حبشہ) ہیں۔ وفات اپنی حسبِ دعا عین نماز میں فجر کا سلام پھیرتے وقت پائی۔ رضی اللہ عنہ۔ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ مثلاً کوئی اسی کا قائل ہو جائے کہ خدا بندوں سے کبھی کوئی مخاطبہ و مکالمہ کرتا ہی نہیں۔ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ۔ اس کے تحت میں تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت آ گئے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی خواب تراشے یا کسی وارد والہام کاذب کا دعویٰ کرے یا اپنے اوہام و خیالات کو فیضِ غیبی کہے وہ بھی اسی ضمن میں آ جاتے ہیں۔ بعض فقہاء و مفسرین نے کہا ہے کہ جو فقہ و سنن اور آثارِ سلف سے اپنے کو مستغنی سمجھ کر خود رائی اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری رائے فلاں مسئلہ میں یہ ہے اور عام احکام عوام کے لئے ہیں، مجھ جیسے خواص کے لئے نہیں، وہ بھی اسی وعید کے تحت میں آ جاتا ہے۔ ومن هٰذا النمط من اعرض عن الفقه والسنن وما کان علیه السلف من السنن فیقول وقع فی خاطری کذا واخبرنی قلبی بکذا (قرطبی)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ
اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت گڑھ لے یا کہنے لگے کہ میرے اُوپر وحی آتی
اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ
ہے درآنحالیکہ اُس پر کچھ بھی وحی نہیں کی گئی ہے، اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو کہے کہ
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ
جیسا (کلام) خدا نے نازل کیا ہے، میں بھی (ایسا ہی) نازل کر دوں گا ١٣٧ کاش (اے) آپ اُس وقت انہیں
الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ
جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے (ہاتھ ان کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی
اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ
جانیں (جلد) نکالو ١٣٨ آج تمہیں ذلّت کا عذاب ملے گا بسبب اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے
عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۹۳
ذمے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبر کیا کرتے تھے ١٣٩
وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ
اور اب تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے جیسا کہ ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے
تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ
جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی
شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ
نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں،

١٣٨ (جنہیں سو سو طرح بچاتے پھرتے ہو) یہ کافر معاند کے احوالِ موت کا بیان ہو رہا ہے۔ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم سے مُراد اس سیاق میں ہر قسم کے کافر ہیں خصوصاً ان تینوں اقوال میں سے جو یہاں نقل ہوئے کسی کے بھی قائل ہوں۔ المراد بالظالمین ما یشمل الانواع الثلاثة من الافتراء (روح) اَلْمَلٰۗىِٕكَةُ۔ مُراد ہے فرشتوں کی جنس یا ملک الموت کے اعوان و انصار۔ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ یہ بطور امر نہیں بطور زجر و تعریض ہے۔ کافروں کی شدائد نزع کو اور بڑھانے کے لئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جان تو فرشتہ نکال رہے ہوں گے، اپنی جان خود نکالنا انسان کا کام نہیں۔ لیس بامر بل هو وعید وتقریع کقول القائل امض الآن لترٰی ما یحل بك (کبیر) اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔ هٰذا یدل علی ان النفس مغایرة للاجساد (کبیر)

١٣٩ (اور اپنی عقل و رائے کو خدائی قانون کے مقابلہ میں پیش کرتے رہتے تھے) عَذَابَ الْهُوْنِ۔ اور چند مقامات کی طرح یہاں بھی یہ تصریح سے بیان کر دیا کہ آخرت کے اس عذاب میں جسمانی آزار اور تکلیفوں کے ساتھ توہین و رسوائی کا جزء بھی پوری طرح شامل ہوگا۔ دنیا کے استکبار کا نتیجہ آخرت میں تفضیح و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہونا ہی تھا۔ المراد منه انه تعالٰی جمع هناك بین الایلام وبین الاهانة (کبیر)

ع ۱۰ / ۸ / ۱۶

هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

(یعنی قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے (دُنیا) جہان والوں کے لئے ۱۳۳ اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اس کے پہچاننے کا

قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ

حق تھا، جب انہوں نے یہ کہہ دیا کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نہیں اُتاری ۱۳۳ آپ کہئے

مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى

کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے لے کر موسیٰ آئے تھے (بجائے خود بھی) نور اور لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ

ہدایت بھی جس کو تم نے (مختلف) اوراق کر رکھا ہے، کہ انہیں ظاہر کر دیتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو،

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ

اور تم سکھائے گئے وہ جو تم نہیں جانتے تھے، نہ تم اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہئے کہ اللہ نے، پھر

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ

آپ انہیں اُن کے مشغلوں میں بیہودگی سے پڑے ہوئے لگے رہنے دیجئے ۱۳۴ اور یہی کتاب ہے کہ ہم نے

اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ

اس کو نازل کیا ہے، برکت والی ہے، تصدیق کرنے والی ہے اُس کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

تاکہ آپ ڈرائیں اُمّ القریٰ اور اُس کے گرد والوں کو ۱۳۵ اور جو لوگ آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لے آتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی حفاظت رکھنے والے ہیں ۱۳۶

۱۳۲ (خود انہی کے نفع و مصلحت کے لئے) اِقْتَدِهْ - میں ہ ضمیر کی نہ سمجھی جائے کہ اصل امر تو اقتد ہے ہ وقف و وصل کی ہے۔ هاء السکت وقفًا ووصلًا (جلالین) الهاء للوقف (بیضاوی) فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ - ان حضرات کا وہ ھُدٰی (طریق) کیا تھا جس پر چلنے کا حکم رسول اللہ صلعم کو مل رہا ہے؟ وہ اُن کا طریقہ صبر و استقامت کا تھا۔ ان سب نے بھی اپنے اپنے معاصر منکرین کے ہاتھوں سخت سخت مصائب اُٹھائے تھے لیکن اس کے باوجود اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی تسلیۂ قلب کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی راہ میں بھی یہی سب کچھ پیش آنا ہے۔ سو آپ بھی اُنہی کی طرح ثابت قدم رہئے۔ المعنی اصبر کما صبروا (قرطبی) ای اقتد بهم فی تحمل سفاهات الجهال فی هذا الباب (کبیر) هُدٰی کے دوسرے معنی توحید و اصول دین کے بھی کئے گئے ہیں۔ والمراد بهدٰهم طریقهم فی الایمان بالله وتوحیده واصول الدین دون الشرائع (کشاف) ای اقتد بهم فی نفی الشرك واثبات التوحید (کبیر) لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا - علیہ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ سنت انبیاء ایک یہ بھی ہے کہ وہ تبلیغِ دین کی کوئی فیس نہیں طلب کرتے۔ یہ تو ان کا عین مشن (مقصدِ زندگی) ہی ہوتا ہے۔ وکان من جملة هُدٰهم ترك طلب الاجر فی ایصال الدین وابلاغ الشرع (کبیر) بعض فقہاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ تعلیمِ قرآن و روایتِ حدیث پر معاوضہ لینا درست نہیں۔ فیه دلیل علی ان اخذ الاجر علی تعلیم القرآن وروایة الحدیث لا یجوز (مدارک) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى - قرآن مجید کو کوئی قصہ کہانی کی کتاب، سائنس و فلسفہ کی کتاب، تاریخ و جغرافیہ کی کتاب، ادب و محاضرہ کی کتاب نہ سمجھو۔ یہ تو تمامتر ایک ہدایت نامہ ہے۔ ایک نصیحت نامہ ہے۔ ایک دستور العمل ہے۔ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ - ذکرٰی کے ساتھ للعرب نہیں للعالمین فرمایا۔ یعنی اس کی ہدایت اور اس کے قانون کسی ایک ملک و قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، سارے عالم کے لئے ہیں ——— اور اس پہلو کو فخر المفسرین فخر رازیؒ نے نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے۔ یدل علی انه صلی الله علیه وسلم مبعوث الی کل اهل الدنیا لا الی قوم دون قوم (کبیر) استدل بالاٰية علی عموم بعثته صلعم (روح)

۱۳۳ یہ کہنے والے کون تھے؟ روایات میں آتا ہے کہ کوئی یہودی تھا اور سیاقِ قرآنی خود بھی یہی کہہ رہا ہے کہ یہ قول کسی یہودی کی زبان سے نکلا تھا۔ بظاہر یہ مقولہ یہودی عقائد کے بالکل منافی ہے لیکن جوشِ مخالفت ایسی چیز ہے کہ اس حالت میں اپنے خلاف عقائد باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں۔ غلو کے وقت اپنے مسلک اور اپنے مسلّمات کی بھی پروا نہیں رہ جاتی۔ خوش قسمتی سے بعض روایات بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں۔ قیل ان صدور هذا القول کان عن غضب وذهول عن حقیقته (روح) یہ بھی مُراد ہو سکتی ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں اُتاری، نہ یہ کہ کبھی کوئی کتاب نہیں اُتاری ——— آیت میں جو اشکال ہے حیرت ہے کہ اُس پر تفصیل کے ساتھ نظر بجز فخر المفسرین امام رازیؒ کے اور کسی کی نہ گئی۔ مشکل یہ ہے کہ یہ قول اگر کسی مشرک کا ٹھہرایا جاتا ہے تو معاً بعد اس کا جو جواب قرآن مجید میں درج ہے۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کے اوپر جو نزول توریت ہوا اُس سے استدلال تو اس جواب کا کوئی ربط مشرک کے قول سے نہیں ٹھہرتا۔ قریش عرب مشرکین ہند کی طرح نفسِ نبوت اور سلسلۂ وحی ہی کے قائل نہ تھے۔ لان کفار قریش والبراهمة کما ینکرون رسالة محمد صلعم فکذلك ینکرون رسالة سائر الانبیاء (کبیر) اور اگر یہود کا قول مانا جائے تو دشواری وہی آگر واقع ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے مسلّمات کے خلاف ایسی بات زبان سے نکال کیونکر سکتا تھا امام رازیؒ نے سچ فرمایا کہ فی هذه الاٰية بحث صعب (آیت کے اندر ایک سخت اشکال ہے) اور پھر اسے اپنی خداداد ذہانت سے حل یوں فرمایا ہے کہ اُس یہودی کا مقصد صرف نبوتِ محمدی کی تکذیب تھی۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ ملتا ہے کہ جب تو موسیٰؑ کے صاحبِ وحی ہونے کا قائل ہے تو یہ تو تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے مخاطبہ نہیں کرتا اور اس لئے محمد صلعم پر وحی آنا ناممکن ہے۔ زیادہ سے زیادہ تو اُن سے اُن کی صداقت کے ثبوت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ والمقصود هنا انك لما سلمت ان الله تعالی انزل التوراة علی موسی علیه السلام فعند هذا لا یمکنك الاصرار علی انه تعالی ما انزل علی بشر شیئا لان بشر وموسی بشر ایضا (کبیر) مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ - قدر کی تفسیر عظمت سے بھی کی گئی ہے یعنی اللہ کا جو حقِ عظمت تھا، وہ اُن لوگوں نے ادا نہ کیا۔ قال الحسن ما عظموا حق عظمته ونسبوا الله عز وجل الی انه لا یقیم الحجة علی عباده (قرطبی) لیکن دوسرے معنی جو سیاقِ کلام کے موافق تر ہیں، یہ ہیں کہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں جو اُس کی بابت یہ فرض کر لیا کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول نہیں بھیجتا۔ قال ابو عبیدة ای ما عرفوا الله حق معرفته قال النحاس وهذا معنی حسن والمعنیان متقاربان (قرطبی) وما عرفوه حق معرفته فی الرحمة علی عباده واللطف بهم حین انکروا بعثة الرسل والوحی الیهم وذلك من اعظم رحمته واجل نعمته (کشاف) حیث انکروا النبوة والرسالة (کبیر) اِذْ قَالُوْا - یہ کہنے والا ایک یہودی تھا۔ قال الحسن وسعید بن جبیر الذی قال احد الیهود (قرطبی) هذه الاٰية فی حق الیهود وهو القول المشهور عند الجمهور (کشاف)

۱۳۴ حجت الزامی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس خدا کو تم توریت کا نازل کرنے والا تسلیم کرتے ہو، وہ تو آج بھی زندہ و قائم اور اس پر قادر ہے کہ کوئی دستورِ حیات اُس سے بھی جامع تر و کامل تر نازل کر دے۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ - تقدیرِ کلام فی القراطیس سمجھ لی گئی ہے۔ اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ای فی القراطیس (قرطبی) ای جعلوه قراطیس مقطعة وورقات مفرقة (کشاف) تُبْدُوْنَهَا - یعنی ظاہر کرتے ہو اُس کتابِ الٰہی کے بعض حصّوں کو اپنی مصلحتوں کے موافق پا کر۔ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا - اس کتاب کے بہت سے احکام کو چھپا جاتے ہو جنہیں اپنے مصالح کے خلاف پاتے ہو۔ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا - تمہیں تعلیم دی گئی اُسی کتاب کے ذریعہ سے اُن حقائق کی جن سے تم ناواقف تھے۔ اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ - نسلوں پر نسلیں اور صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں اور تمہیں اپنی بشری کوششوں سے اُن حقائق کا علم نہ ہو سکا۔ قُلِ اللّٰهُ - اللہ ہی نے یہ سب کچھ کیا۔ اور وہی آج بھی سب کچھ کر ڈالنے پر قادر ہے۔ ۱۳۵ یعنی ساری دنیا کو۔ مُبٰرَكٌ - پہلی صفت قرآن مجید کی یہ ارشاد ہوئی کہ یہ ایک مُبارک کتاب ہے۔ اس سے خلق جتنا چاہے بقدر اپنے ظرف و ہمت کے استفادہ کرے۔ ای کثیر المنافع والفوائد (کشاف) قال اهل المعانی کتاب مبارك ای کثیر خیره دائم برکته ومنفعته یبشر بالثواب والمغفرة ویزجر عن القبیح والمعصیة (کبیر) فخر رازیؒ اس آیت کے ذیل میں جو اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں وہ بجنسہٖ نقل ہونے کے قابل ہے۔ یقول مصنف هذا الکتاب محمد بن عمر الرازی وانا قد نقلت انواعا من العلوم النقلیة والعقلیة فلم یحصل لی بسبب شیء من العلوم من انواع السعادات فی الدین والدنیا مثل ما حصل بسبب خدمة هذا العلم (کبیر) (اس کتاب کا مصنف محمد بن عمر رازیؒ کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کئے نقلی بھی اور عقلی بھی لیکن کسی علم سے بھی مجھے دین و دنیا میں وہ خیر و سعادت نہ محسوس ہوئی جو اس علم قرآن کی خدمت سے حاصل ہوئی۔) مُصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ - دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے سے سابق ہر وحی اور ہر رسالت کی تصدیق کرتی ہے۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى - اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اصل یہاں محذوف ہے اور امّ القریٰ سے مُراد وہاں کے رہنے والے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اشارہ شہر مکہ کی جانب ہے۔ اتفقوا علی ان هٰهنا محذوفا والتقدیر ولتنذر اهل ام القری واتفقوا علی ان ام القری هی مکة (کبیر) اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مکہ کا یہ نام اُمّ القریٰ جس کے لفظی معنی بستیوں کے ... ہیں ... بعض نے کہا کہ اس لئے کہ ساری آبادیوں کی روحانی پرورش کا سامان یہیں سے ہوتا ہے بعض نے کہا کہ اس لئے کہ قدیم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ زمین کے عین وسط میں واقع تھا کسی نے کہا اس لئے کہ اس وقت ... اس کا ... دنیا کا ...

۱۲۷ یعنی اللہ کے ہاں معزز و مقرب، اُن کی اگر دُنیا میں بدنامی ہوئی، اور بعض گروہوں نے اُن کی بدگوئی کو اپنا شعار بنالیا تو اس سے متاثر نہ ہوجانا۔ قرآن مجید تصدیق کرتا ہے کہ یہ سب صالح تھے۔ ذکریا علیہ السلام
حضرت مسیحؑ کے خالو ہوتے تھے انجیل میں اُن کا اور اُن کی زوجۂ محترمہ کا ذکرِ خیر تفصیل سے موجود ہے۔ یحییٰ بن ذکریا۔ متوفی ۳۰ء انجیل میں اُن کا نام یوحنّا آیا ہے۔ عیسیٰ ابن مریم۔ مشہور و معروف نبی ۲۹ء
میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ الیاس۔ یہ غالباً وہ ہیں جن کا ذکر توریت کے بعض صحیفوں میں ایلیاہ نبی کے نام سے آیا ہے اور اُن کے خارق عادت بہت سے دیئے ہیں (۱۔ سلاطین وغیرہ) انگریزی تلفظ
میں Elijah اہل کتاب نے اپنے ہاں کے انبیاء کی سیرتوں کو جی بھر کر داغدار کر دیا تھا۔ قرآن مجید نے آکر ازسرِنو اُن کی عصمت قائم کی۔ اَلصّٰلِحِیْنَ۔ یعنی صالحیت میں کامل ترین۔ الکاملین فی

وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵

اور ہم نے ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو، (یہ) سب صالحین میں سے تھے ۱۲۷

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا

اور ہم نے ہدایت دی تھی) اسمٰعیلؑ اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو، اور (ان میں سے) ہر ایک کو

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۶ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ

ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی تھی ۱۲۸ اور (ہم نے ہدایت دی) اُنکے کچھ باپ دادوں کو اور اُن کی

وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۷ ذٰلِكَ

کچھ اولاد کو اور اُنکے کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان (سب) کو برگزیدہ کیا، اور ہم نے اُن سب کو راہِ راست کی

هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا

ہدایت کی تھی ۱۲۹ یہ اللہ کی (راہ) ہدایت ہے اسکی ہدایت وہ اپنے بندوں میں کر دیتا ہے جسکو وہ چاہے، اور اگر وہ شرک

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

کرتے تو جو کچھ وہ کرتے رہے سب اُن سے اکارت جاتا ۱۳۰ یہ تو وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے

الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ

کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ اس سے انکار کر دیں تو ہم نے اُسکے (ماننے کے)

وَّ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى

لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اُس کے منکر نہیں ہیں ۱۳۱ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت

اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ

کی تھی سو آپ بھی اُن کے طریقہ پر چلئے، آپ کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا وہ

الصلاح (بیضاوی) اور اُن تمام خرافات سے مُبرّا جو یہود و نصاریٰ نے اُن حضرات کی جانب جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کے گندے قصّوں پر قیاس کر کے منسوب کر دیئے ہیں۔ ۱۲۸ (انہیں نبوت سے سرفراز کر کے) ظاہر ہے کہ ہر نبی اپنے زمانے کے تمام غیر انبیاء سے افضل ہی ہوگا۔ قال القاضی ویمکن ان یقال المراد کلا من الانبیاء یفضلون علی کل شئ عن سواھم من العالمین (کبیر) اِسْمٰعِیْلَ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادہ۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے ۲۰۷۰ ق م تا ۱۹۳۳ ق م۔ الیسع بن سفط توریت کے بعض صحیفوں میں اُن کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت الیاسؑ کے جانشین تھے۔ انگریزی تلفظ میں Elisha یونس بن متّی۔ نینوا (موجودہ نقشہ میں موصل) کے پیمبر تھے، ۷۸۱ ق م تا ۷۴۱ ق م۔ لوط بن ھاران۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ جہاں اب بحرِ لُوط یا بحرِ مُردہ Dead Sea ہے اُسی کے کنارے آپ کی نافرمان و جرم پیشہ اُمّت آباد تھی۔ اُس کی ہلاکت عذابِ الٰہی سے، کہا جاتا ہے کہ ۲۰۶۱ ق م میں واقع ہوئی۔

۱۲۹ جتنے حضرات کا اُوپر ذکر آچکا ہے۔ یہ سب انبیاء صادقین تھے۔ اللہ کے مقبول و برگزیدہ، ان کے فسق اعتقادی و عملی سے متعلق جتنی بھی روایات شائع ہوں، اگرچہ وہ بائبل ہی کے ذریعہ سے ہوں، سب کی سب موضوع و باطل ہیں۔ مِنْ اٰبَآئِهِمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنیٰ میں۔ مِنْ للتبعیض ای ھدینا بعض اٰبائھم و ذریتھم (قرطبی) وَ اجْتَبَیْنٰھُمْ وَ ھَدَیْنٰھُمْ۔ ھُمْ کی ضمیر انہی انبیاء علیہم السلام کی جانب ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اجتباء کا حاصل جذب ہے اور ہدایت کا حاصل سلوک ہے۔ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ میں حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کے آباء اور اولاد اور اخوان یعنی اصُول و فروع و فروعِ اصُول تینوں کا ذکر موقع شرف و مدح میں کیا ہے۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سے ہر قسم کا رشتہ باعثِ شرف ہے۔ ذالک یدل علی انہ تعالیٰ خص کل من تعلق بھٰؤلاء الانبیاء بنوع من الشرف والکرامۃ (کبیر) ۱۳۰ (اور اُن کی بزرگ زادگی یا اور کوئی نسبت اضافی ذرا بھی کام نہ آتی) یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ بِهٖ کی ضمیر ھدی اللہ کی طرف ہے اور ھدی اللہ سے یہاں مُراد توحید و معرفتِ الٰہی ہے۔ یجب ان یکون المراد من ھذا الھدیٰ معرفۃ التوحید وتنزیہ اللہ تعالیٰ عن الشرک (کبیر) وَ لَوْ اَشْرَكُوْا۔ بالفرض یہ شرک اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہوئے ہوتے، جیسا کہ بائبل کے مختلف صحیفوں میں ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ لَحَبِطَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ نبوت پر سرفراز و قائم رہنا کیا معنیٰ، ایسی صورت میں تو وہ معمولی درجہ کے مومن بھی باقی نہیں رہ سکتے تھے، لیکن قرآن جب اُن کے محسن و صالح و مہدی و افضل عالم و مجتبیٰ و صاحبِ کتاب و نبی ہونے کا اثبات اس شد و مد سے کر رہا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اُن کے (معاذ اللہ) شرک سے متعلق جو کہانیاں گڑھی گئی ہیں وہ سرتاپا باطل اور افترا شدید ہیں۔ ۱۳۱ یعنی گروہ صحابہ اور رسُول اللہ صلعم کے معاصر مومنین صادقین، جو نہ رسُول اللہ صلعم کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں نہ ان انبیاء سابقین کے۔ قیل ھم اصحاب النبی (صلعم) وکل من اٰمن بہ (کشاف) قیل ھم اھل المدینۃ وقیل ھم المھاجرون والانصار (کبیر) اُولٰٓئِكَ ... النُّبُوَّةَ۔ ہم نے تو ان صالحین و ابرار کو کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔ اس پر بھی فسق پیشہ لوگ اُن کے کمالات و فضائل سے انکار ہی کرتے رہے۔ فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا۔ ھا کی ضمیر توحید کی طرف لی گئی ہے۔ یا کتاب و حکم و نبوت کی جانب۔ والمراد فان یکفر بھذا التوحید (کبیر) ای بھذہ الثلاثۃ (بیضاوی) ھٰٓؤُلَآءِ یعنی رسُول صلعم کے زمانہ کے منکرین و مکذبین۔ ای کفار عصرک یا محمد (قرطبی) کفار قریش (کبیر) بِكٰفِرِیْنَ میں ب زاید ہے تاکید کے لئے۔ والباء زائدۃ للتاکید (قرطبی) و فی بکافرین تاکید النفی (کشاف)

سمجھ لیں گے، ان کی قوت و غضب سے واقف نہیں ہو تمہیں تہس نہس کر ڈالیں گے ـــــ وہی باتیں جو آج بھی ضعیف الاعتقاد وہم پرست گروہ اہلِ توحید کے مقابلہ میں کہتا رہتا ہے۔ وما خوفوہ ان معبودا تھم تصیبہ بسوء کا
ذلک انھم قالوا لہ احذر الاصنام فانا نخاف ان تمسک بسوء من خبل او جنون لعیبک ایاھا (معالم) ۱۲۱ـ اگر تم صاحبِ علم و صاحبِ ایمان ہو تو خود ہی بتاؤ کہ سلامتی و بے خوفی کا مستحق ہم دونوں میں سے کون سا فریق ہے
اہلِ توحید یا اہلِ شرک۔ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ غایتِ تواضع و کسرِ نفسی سے حضرت نے یہ نہ فرمایا کہ ہم دونوں میں سے کون حق پر ہے بلکہ فرمایا کہ اہلِ توحید اور اہلِ شرک ان دو میں سے کون حق پر ہے۔ ادب محمدیہ کوئی سیکھنا چاہے تو انہی حضرات انبیاء سے سیکھے
ولم یقل فاینا احق بالامن انا ام انتم احترازا من تزکیتہ نفسہ فعدل عنہ (کشاف) کَیْفَ ...... سُلْطٰنًا۔ تم کو چاہیے یا تم کو؟ میں جو مالک کبریائی کا قائل ہوں یا تم جنہوں نے بے دلیل بے سند دیوتاؤں معبودوں کی فوج گڑھ لی
ہے کیسی اُلٹی بات کرتے ہو کہ مجھے ڈراتے ہو کہ میں جو توحید پر قائم ہوں تو میں تو ڈر جاؤں اور تم جو اعظم ذنوب شرک میں مبتلا ہو تو تم بے خوف بنے رہو! ۱۲۲ـ اس دنیا میں بھی امنِ راست روی صرف اہلِ توحید کا حصہ ہے۔ بِظُلْمٍ۔ جو معصیت ایمان کے منافی ہو وہ
شرک ہے۔ یوں بھی سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنی جان پر، اپنی عقل و ضمیر اور روح پر کر سکتا ہے یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھیرا لے۔ قرآن مجید میں بھی اسی کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ اور یہاں بھی ظلم کے یہی معنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ جلیل القدر صحابیوں اور عکرمہ، نخعی، ضحاک، ابن زید، علقمہ، قتادہ، مجاہد وغیرہ کبار تابعین سے مروی ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث
میں خود رسول اللہ صلعم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ اور تفسیر کے ائمہ محققین اسی طرف گئے ہیں۔ واولی
القولین بالصحۃ فی ذلک ما صح بہ الخبر عن رسول اللہ صلعم وھو الخبر الذی رواہ
ابن مسعود عنہ انہ قال الظلم الذی ذکرہ اللہ تعالٰی فی ھذا الموضع ھو
الشرک (ابن جریر) فالمراد ھٰھنا الذین اٰمنوا باللّٰہ ولم یثبتوا للّٰہ شریکا فی المعبودیۃ
والدلیل علی ان ھذا ھو المراد ان ھذہ القصۃ من اولھا الٰی اٰخرھا انما وردت فی نفی
الشرکاء والاضداد والانداد ولیس فیھا ذکر الطاعات والعبادات (کبیر) ۱۲۳ـ اللہ
اپنی انہی صفاتِ حکمت کامل و علم محیط کے ماتحت، جو کمال جس کے حال و استعداد کے
مناسب ہوتا ہے وہی اُس کو عطا کرتا ہے۔ تِلْكَ۔ یعنی یہی مکالمہ ابراہیمی جو اُوپر گزر چکا۔
اشارۃ الٰی کلام تقدم (کبیر) اشارۃ الٰی جمیع ما احتج بہ ابراھیم علیہ السلام علٰی قومہ (بحر)
عَلٰى قَوْمِهٖ۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ابراہیمؑ کو یہ دلیل خود اُن کے مقابلہ میں سمجھائی گئی، بلکہ یہ
کہ اُن کی قوم کے مقابلہ میں بتائی گئی۔ علٰی قومہٖ ہے علٰی نفسہٖ نہیں ہے، یہ بجائے خود
اس امر کی تائید میں ہے کہ آپ شروع ہی سے موحد تھے۔ شرک کے خلاف کسی دلیل کی ضرورت
آپ کو نہیں، آپ کی قوم کو تھی۔ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ۔ اس استدلالِ توحیدی کو اپنی جانب
نسبت دے کر حق تعالٰی نے اس میں شرفِ خصوصی اور امتیازِ خاص پیدا کر دیا۔ جیسے دنیوی بادشاہ
موقعِ عظمت پر کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا۔ لما ذکر نفسہ تعالٰی ھٰھنا باللفظ الدال علی
العظمۃ وجب ان تکون تلک العظمۃ عظمۃ کاملۃ رفیعۃ شریفۃ وذالک یدل علٰی ان
ایتاء اللہ تعالٰی ابراھیم تلک الحجۃ من اشرف النعم ومن اجل مراتب العطایا والمواھب
(کبیر) نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ۔ یہ درجہ علمی و عملی ہر قسم کے ہو سکتے ہیں، اور درجات کی تنوین سے ظاہر
ہو رہا ہے کہ یہ کوئی ایک مرتبہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہت سے مرتبے ہوں گے۔
والتنوین لا یدل الا علی الدرجات الکثیرۃ (کبیر) مَنْ نَّشَآءُ۔ سب کچھ مشیتِ تکوینی کے
مطابق ہوتا ہے، اور مشیت کبھی حکمت مطلقہ سے جدا نہیں ہوتی۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ
نَّشَآءُ۔ جو لوگ علم کلام میں مشغول رہتے اور اثباتِ توحید میں لگے رہتے ہیں، اُن کے شرفِ مرتبہ کا
پورا ثبوت اس آیت سے مل گیا۔ اور یہیں سے اُن لوگوں کا رد بھی نکل آیا جو دلائل کلامی پیش کرتے
رہنے کو لغو و لاحاصل بتاتے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے اس استنباط پر بہت زور دیا ہے۔ لانہ تعالٰی
اثبت لابراھیم حصول الرفعۃ والفوز بالدرجات العالیۃ لاجل انہ ذکر الحجۃ
فی التوحید وقررھا وذب عنھا وذالک یدل علٰی انہ لا مرتبۃ بعد النبوۃ والرسالۃ
اعلٰی واشرف من ھذہ المرتبۃ (کبیر) وصح دلالتہ علٰی وجوب الاستدلال علی التوحید بحجۃ
لما استدل ابراھیم علٰی توحید اللہ واحتج بہ علٰی قومہ ثبت بذالک ان علینا مثلہ (جصاص)

اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ
کیوں ڈرنے لگا جس کو تم نے شریک ٹھیرا رکھا ہے، درآنحالیکہ تم تو اس سے ڈرتے نہیں ہو کہ تم نے اللہ کا
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ
شریک ٹھیرایا ہے جن کے باب میں اُس نے تم پر کوئی بھی دلیل نہیں اُتاری ہے سو دونوں گروہوں میں سے
اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ ۸۱ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟ اگر تم جانتے ہو ۱۲۱ـ جو لوگ ایمان لائے اور
لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا، ایسوں ہی کے لئے تو امن ہے اور وہی
مُّهْتَدُوْنَ ۞ ۸۲ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ
ہدایت یاب ہیں ۱۲۲ـ یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُن کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی۔ ہم
نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۞ ۸۳ وَ
جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے ۱۲۳ـ
وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا
اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی ۱۲۴ـ اور نوحؑ کو ہم ہدایت دے
مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَ
چکے تھے زمانۂ ماقبل میں اور اُن کی نسل میں ۱۲۵ـ سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور
يُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۞ ۸۴
یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں ۱۲۶ـ

وقف لازم

ع ۱۲
۱۵
۹

۱۲۴ـ یہ سب کے سب راہِ ہدایت پر تھے، مہتدی بھی اور ہادی بھی۔ اسحٰق و یعقوب کے نام لانے میں تعلیم ہے اہلِ عرب بنی اسمٰعیل کو کہ تم کہیں یہود بنی اسرائیل کی بدزبانیوں سے مشتعل ہو کر اُن کے قبیلہ و خاندان کے بزرگوں، ان دونوں پیمبروں کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرنے لگنا۔ اسحٰق۔ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سارہ کے بطن سے تھے۔ ۲۰۶۰ ق م۔ تا ۱۸۸۰ ق م۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ۔ ہم نے اُن کو اسحٰق و یعقوبؑ عطا کئے، ایک کو بیٹا اور دوسرے کو پوتا بنا کر۔ یعقوب۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحٰقؑ کے صاحبزادہ ۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۳ ق م۔ آپ کا دوسرا نام اسرائیل تھا اور قوم بنی اسرائیل آپ ہی کی جانب منسوب ہے۔ ۱۲۵ـ نوح بن لمک حضرت
ابراہیمؑ کے اجداد میں سے مشہور و معروف نبی ہیں، توریت میں بھی جو نسب نامہ درج ہے، اس کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل حضرت نوحؑ کی گیارھویں پشت میں ہیں۔ آپ کا وطن وہی تھا جو تاریخ کے اُس ابتدائی دور میں نسلِ انسانی کا وطن تھا، یعنی عراق کا دوآبہ دجلہ و فرات۔ آپ کا زمانہ قیاسی تخمینی طور پر ۲۹۴۸ ق م تا ۱۹۹۸ ق م سمجھا گیا ہے۔ ذُرِّيَّتِهٖ۔ میں ضمیر کس کی طرف ہے یعنی کس کی اولاد کا ذکر ہے، مراد حضرت نوحؑ ہو سکتے ہیں کہ اقرب تو آپ ہی کا مذکور سب سے قریب واقع
ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ آگے جن جن کا ذکر آ رہا ہے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے بھی۔ ای من ذریۃ نوح (معالم) بعض نے مراد حضرت ابراہیمؑ سے لی ہے اس لئے کہ اصلاً انہی کے فضائل بیان مقصود ہیں، اس گروہ نے ذریۃ کے
معنی وسیع کر کے لئے ہیں کہ اولادِ دُختری و اولادِ معنوی بھی اس میں شامل ہو جائے۔ روی عن ابن عباس ان ھؤلاء الانبیاء علیھم السلام کلھم مضافون الٰی ذریۃ ابراھیم وان کان منھم من لم یلحقہ بولادۃ من قبل ام ولا اب
(روح) والضمیر عائد لابراھیم (روح) ۱۲۶ـ جیسے ابراہیمؑ کو دی کہ ان کی نسل میں ایک سلسلہ انبیاء اور نیکوکاروں کا پیدا کر دیا۔ داؤد بن یسی۔ نبی بھی اور بنی اسرائیل میں ایک بڑے شان و شوکت کے بادشاہ۔ متوفی ۱۰۱۵ ق م
سلیمان بن داؤد۔ طبقۂ انبیاء میں سب سے بڑے بادشاہ۔ متوفی ۹۷۵ ق م۔ ایوب۔ آپ کا شمار بھی بنی اسرائیل کے انبیاء میں ہے ... سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کی نسل کی
پانچویں پشت میں تھے اسرائیلی روایتوں میں آپ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ یوسف بن یعقوب۔ پیدائش ملک کنعان، فلسطین میں، بعد کو مصر کے بادشاہ ہو گئے ۱۹۱۰ تا ۱۸۰۰ ق م۔ موسیٰ بن عمران۔ صاحبِ توریت، اسرائیلی
کے مشہور ترین پیغمبر ۱۵۲۰ ق م تا ۱۴۰۰ ق م۔ ہارون بن عمران۔ حضرت موسیٰ کے بھائی، عمر میں تین سال بڑے ... ساتھ ساتھ حکومت قبیلوں کی سرداری غرض وجاہتِ دنیوی سے بھی مشرف تھے

۱۱۵ (اور نہ ایسوں کی الوہیت ومعبودیت کا قائل ہوسکتا ہوں) فَلَمَّا ۔ یہ سارا مکالمہ جو آگے نقل ہو رہا ہے ضروری نہیں کہ سب ایک ہی وقت میں ہوا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے مختلف اجزاء مختلف اوقات میں ہوئے ہوں۔ فَلَمَّا ہوسکتا ہے کہ آیت ماسبق کی تفصیل وتشریح ہی ہو۔ جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ ۔ یہ کسی موقع پر کسی رات میں ہوا ہوگا۔ رَاٰ كَوْكَبًا حضرت ابراہیمؑ کے ملک وقوم کی ستارہ پرستی وآفتاب پرستی کے لئے ملاحظہ ہوں راقم کی انگریزی تفسیر کے حواشی۔ كَوْكَبًا ۔ لفظی معنی کے اعتبار سے کوئی بھی ستارہ مراد ہوسکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی خاص طور پر اہم ودرخشاں ہی ستارہ ہوگا۔ موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زوروں سے پرستش ان دو ستاروں مشتری Jupiter اور زہرہ Venus کی رہی ہے۔ ادھر ہمارے مفسرین کی صفائے قلب کا اثر دیکھیے کہ ان کے قلم سے بھی علی العموم انہی دونوں ستاروں کے نام نکلے ہیں! الكوكب الزهرة قاله ابن عباس وقتادة (بحر) او المشترى (ابو سعود) والمراد بالكوكب ما روى عن ابن عباس المشترى (روح) عن قتادة انه قال ذكر لنا انه الزهرة (ابن جریر) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۔ آپ نے یہ اپنی ستارہ پرست قوم کو دکھا کر اور سنا کر ان پر حجت الزامی قائم کرنے کے لئے کہا ـــــ مخالف پر حجت الزامی قائم کرنا تبلیغ ومناظرۂ علمی کے معمولات میں سے ہے بلکہ عام گفتگو میں دستور ہے کہ دوسرے کے خیال کو اپنی زبان سے بجنسہٖ دہرا دیتے ہیں اور سیاق ولہجہ سے ہمیشہ یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مخاطب کا قول وخیال نقل ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ متکلم اس کی تصریح کرے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہر زبان میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ایک جگہ قیامت کے بیان میں ہے "اَيْنَ شُرَكَآءِيَ" اللہ تعالیٰ کہے گا کہ آج میرے شریک کہاں ہیں؟ اس کا مطلب بالکل واضح وظاہر ہے کہ وہ کہاں ہیں جو تمہارے زعم وپندار میں میرے شریک تھے، یہ مطلب کوئی احمق سے احمق بھی نہیں لیتا کہ حق تعالیٰ خود اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کرکے انہیں بلا رہے ہیں۔ يريد ان يستدرجهم بهذا القول ويعرفهم خطأهم وجهلهم في تعظيمهم شان النجوم وضاحكم على الامور (ابن قتیبہ) ماجرى بينه وبين قومه كان احتجاجا ولا اعتقادا (ابن العربی) تأول بعضهم ذلك على اضمار القول وكثيرا ما يضمر تقديره قال يقولون هٰذا ربى على حكاية قولهم وتوضيح فساده مما يظهر عليه من سمات الحدوث ولا يحتاج هٰذا الى الاضمار بل يصح ان يكون هٰذا كقوله تعالى اين شركائى اى على زعمكم (بحر) قال الزجاج الجواب عندى انه قال هٰذا ربى على قولكم ونظير هٰذا قوله تعالى اين شركائى والمعنى اين شركائى على قولكم (قرطبی) المقصود منه حكاية قول الخصم ثم ذكر على عقيبه ما يدل على فساده (کبیر) معناه هٰذا ربى فى زعمكم واعتقادكم ونظيره قال تعالى وانظر الى الٰهك الذى ظلت عليه عاكفا (کبیر) لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔ آپ نفی ان کی محبوبیت محض کی نہیں، محبوبیت معبودی کی کر رہے ہیں، آپ فرما رہے ہیں کہ جو ہستیاں خود ہی غیر ثابت اور تغیر پذیر ہیں، ان کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ عزت ووقعت کی کیسے ہوسکتی ہے؟ عدم محبت سیاق عبارت میں صاف عدم معبودیت کے مرادف ہے۔ كنى بعدم الحبة عدم العبادة لانه يلزم من نفيها نفيها بالطريق الاولى (روح) لا احب عبادة الارباب المتغيرين عن حال الى حال (کشاف) سرآمد موحدین حضرت ابراہیمؑ کا یہ استدلال کہ جو تاثر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم ومسخر ہے، وہ اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے، ظاہر ہے کہ خود اپنے لئے نہ تھا، بلکہ اپنے مشرک ہم قوموں کو قائل کرنے کیلئے تھا، ۱۱۶ (لیکن اس کی ہدایت تو اول روز سے میرے شامل حال ہے اور اسی لئے میں توحید پر قائم ہوں) چاند کی عدم معبودیت پر یہ تقریر ضرور نہیں کہ آپ نے اسی وقت کی ہو، ہوسکتا ہے کہ اس ستارہ والی تقریر سے الگ یہ تقریر کسی دوسرے موقع پر کی ہو۔ هٰذَا رَبِّيْ ۔ ستارہ پرستی کی طرح قمر پرستی بھی مشرک اور جاہلی قوموں میں بہت عام رہی ہے۔ اور اہل باطل بھی اس کا شکار تھے۔ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ ۔ انبیاء کبار تک اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے، بلکہ اسے تمام تر عطیۂ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ ۱۱۷ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ "جو شرک تم کیا کرتے ہو"۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جس شرک میں میں اب تک مبتلا تھا، بحمد اللہ اب اس سے نکل آیا، بلکہ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جس شرک میں تم لوگ، میری قوم والو، مبتلا ہو، میں اس سے بری اور بیزار ہوں، هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۔ سورج دیوتا کی پوجا دنیا میں ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے، بڑے زوروں پر ہوا کی ہے۔ اور اہل کلدانیہ شمس پرستی میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔ هٰذَا رَبِّيْ تینوں موقع پر حضرت ابراہیم خلیل کی زبان سے مشرکوں کی ترجمانی لفظ رب سے کرائی گئی ہے۔ اللہ یا اور کوئی لفظ وارد نہیں ہوا ہے۔ جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی میں لگی ہے۔ اور یہی دھوکا آج تک چلا آرہا ہے۔ سورج دیوتا یا زہرہ یا مشتری کو خالق کوئی نہیں مانتا، مشرک بس یہی کہتے ہیں کہ ہماری ضرورتیں ان سے وابستہ ہیں، ہماری دعائیں یہی سنتے ہیں۔ ہماری آرزوئیں یہی پوری کرتے ہیں۔ وقس علی ہذا ـــــ رب کا لفظ معنویت سے لبریز ہے۔ ۱۱۸ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ توجیہ وجہ یا رخ کے یکسو کرنے سے مراد طاعت ہے نہ کہ لفظی معنی۔ توجيه الوجه اليه كناية عن الطاعة (کبیر) لِلَّذِيْ عام قاعدہ کا مقتضا تھا کہ یہاں الی الذی ہوتا لیکن الی سے معنی سمت وجہت اور مادی مرکزیت کے پیدا ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ جہت سے ماوراء ومنزہ ہے اس لئے بجائے الی کے صرف ل لایا گیا۔ ترك كلمة الى هنا والاكتفاء بحرف اللام دليل ظاهر على كون معبوده متعاليا عن الحيز والجهة (کبیر) فَطَرَ یعنی انہیں عدم سے وجود میں لایا۔ ومعنى فطر اخرجهما الى الوجود (کبیر) حَنِيْفًا ۔ حنیف وہ ہے جو اور ہر معبود سے یکسو ہوکر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے۔ قيل انه العادل عن كل معبود دون الله تعالى (کبیر) لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ یہ گویا حضرت ابراہیمؑ اپنے دعویٰ پر دلیل بھی ساتھ ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں تو اس خدا کا قائل ہوں جو تمہارے خود ساختہ زمینی وآسمانی خداؤں اور دیوتاؤں کا خالق ہے۔ سارے مکالمہ میں آپ کوئی ایسی بات نہیں فرماتے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ پہلے کبھی مشرک تھے اور اب پہلی بار مسلم وموحد ہوئے ہیں۔

الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ

محبت نہیں رکھتا ۱۱۵ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب

اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

وہ (بھی) غروب ہوگیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے

الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

ہو جاؤں ۱۱۶ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا

هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا تو بولے اے لوگو میں اس شرک سے بری (اور بیزار) ہوں

تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

جو تم کیا کرتے ہو ۱۱۷ یقیناً میں نے تو اپنا رخ یکسو ہوکر اس کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ

اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ۱۱۸ اور ان کی قوم ان سے

قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ

جھگڑنے، وہ بولے کہ کیا یہ جھگڑا مجھ سے اللہ کے باب میں کرتے ہو؟ درآنحالیکہ وہ مجھے ہدایت

اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔـا ۭ وَسِعَ

کر چکا ہے ۱۱۹ میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھیرا رہے ہو۔ ہاں البتہ اگر میرا پروردگار

رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ

ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو علم سے گھیرے ہوئے ہے تو کیا تم خیال نہیں کرتے ۱۲۰ اور میں ان سے

۱۱۹ حضرت ابراہیمؑ کے اس مقولہ کو حیرت واستعجاب کے لہجہ میں پڑھا جائیگا جب مفہوم پوری طرح واضح ہوگا، آپ گویا یہ فرما رہے ہیں کہ "اللہ کی شان! تم مجھ سے بحث وجدل کرنے توحید کے مسئلہ میں چلے ہو۔ جو میرے اوپر بالکل کھل چکا ہے اور مجھے ہدایت علم الیقین کیا معنی عین الیقین کے ساتھ مل چکی ہے"! حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۔ بجائے اس کے کہ قوم ابراہیم حضرت کی صاف، سیدھی فطری تعلیم کو مان لیتی الٹی آپ کے سر ہوگئی اور طرح طرح کی کج بحثیاں کرنے لگی، جیسا کہ ہر غبی، جاہل، مشرک قوم کا شیوہ ہے۔ حاجہ کے معنی علمی مناظرہ کے نہیں، بلکہ لڑنے جھگڑنے کے ہیں۔ حاجه اى خاصمه وجادله (اسلم) ۱۲۰ (اتنا بھی کہ قادر اور عاجز کے درمیان فرق کرسکو) اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔـا یعنی ہاں میرا پروردگار ہی مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو بر حق ہے ... ہے۔ وہ تمہارے دیوتاؤں کی طرح ناقص نفع محدود القدرۃ نہیں۔ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔ قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی اسی ذات کا خاصہ ہے۔ اہل کلدانیہ اپنے دیوتاؤں کی قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل کے بھی قائل نہ تھے۔ حضرتؑ نے اپنی تقریر میں انہی دو صفات باری کا ذکر کرکے ان کے عقائد پر پوری ضرب لگا دی۔ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ ۔ ما حرف موصول بے جان کے لئے آتا ہے۔ حضرتؑ نے یہ پیرایۂ بیان اختیار کرکے گویا ادھر اشارہ کردیا کہ تمہارے دیوتا تو صفت حیات اور قدرت تک سے یکسر محروم ہیں، وہ بھلا کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ... اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مطلق لا اخاف سے ایک صورت دعویٰ کی پیدا ہوسکتی تھی، حضرتؑ نے اس سے بڑھ کر محتاط اور کون ہوگا۔ ... بھی بڑھا دیا۔ ... حب آپ نے اثبات توحید پر دلائل قائم کئے تو مذہب شرک کے پرستاروں سے اور کچھ تو نہ بن پڑا، ہاں یہ ڈرانے اور دھمکیاں دینے لگے کہ ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑتے تو مگر دیکھ کر رہو گے ...

۱۱۰ (نہ کہ کسی دیوی، دیوتا، پیر، پیغمبر، جن و ملک کے حضور میں) جملہ کی ترکیب حصر پر دلالت کر رہی ہے یعنی حشر اُسی کے حضور میں ہوگا نہ کہ کسی اور کے، وتقدیم المعمول لافادۃ الحصر مع رعایۃ الفواصل ای الیہ سبحانہ لا الی غیرہ تحشرون (روح)
اَنْ یہاں بِاَنْ کے معنی میں ہے اور جملہ کا عطف نُسْلِمَ پر ہے۔ اَنْ ای بِاَنْ (جلالین) ای اُمرنا بالایمان واقامۃ الصلوٰۃ (روح) حکم اقیموا الصلوٰۃ نیابت کر رہا ہے تمام ظاہری عبادتوں کی اور حکم اتقوا ہر باطنی اصلاح کی واتقوہ
میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ ای التوبۃ فی مخالفۃ امرہ (روح) ۱۱۱ اشارہ حشر کی جانب ہے جس وقت وہ حشر کو واقع ہوجانے کا حکم دے گا وہ واقع ہوجائے گا۔ یہ شبہہ محض عامیانہ نہیں کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے وجود ہی نہیں، تو اُسے حکم
کیسے دیا جاسکے گا؟ اول تو اُس عالم کی وسعتوں اور پہنائیوں کو اس عالمِ آب و گل کی قیدوں اور حد بندیوں پر قیاس کرنا خود سرتا سر جہل ہے۔ پھر حکم کا مخاطب بننے کے لئے کسی شے کا وجودِ خارجی اس عالم میں بھی کب ضروری ہے۔ اپنے ہر موجودِ ذہنی کو حکم
دیتے رہنا، مخاطب کرتے رہنا، ہم میں سے ہر ایک کا آئے دن کا تجربہ ہے۔ التقدیر خلق یوم یقول کن فیکون والمراد من ھذا الیوم یوم القیامۃ (کبیر) یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ واقعۃً کوئی حکم و خطاب نہ ہوگا، بلکہ فقرہ سے مقصود صرف اظہارِ قدرت
ونفاذِ مشیت ہے، المراد منہ التنبیہ علیٰ نفاذ قدرتہ ومشیتہ فی تکوین الکائنات وایجاد الموجودات (کبیر) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ — وہ کوئی ناقص العلم، ناقص القدرۃ، ناقص القویٰ، دیوی دیوتا نہیں۔ ساری موجودات
کا خالق، سب کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ مخلوقات کے سارے مصالح کی رعایت اُس کے سوا اور کر ہی کون سکتا ہے؟ زمین و آسمان کا نام لے دینے سے مُراد سارے سفلیات و علویات ہوتے ہیں۔ وعدم التصریح بذلک الظھور اشتمالھما

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۚ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲

اور یہ کہ نماز کے پابند رہو، اور اُس سے ڈرتے رہو، اور وہ وہی ہے جسکے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے ۱۱۰

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ

اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مقصد کے ساتھ، اور جس روز وہ

يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ

کہے گا کہ ہوجا بس وہ ہو جائے گا ۱۱۱ اُسی کا قول با اثر ہے، اور اُسی کی حکومت ہوگی اُس روز جب

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

صُور پھونکا جائے گا، وہ غیب اور ظاہر (دونوں) کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکمت والا ہے، خبر

الْخَبِيْرُ ۝۷۳ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا

رکھنے والا ہے ۱۱۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود

اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۴ وَ

قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا، دیکھتا ہوں ۱۱۳ اور

كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اسی طرح ابراہیمؑ کو ہم نے دکھادی آسمانوں اور زمین کی حکومت، تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ

میں سے ہوجائیں ۱۱۴ تو یُوں ہوا کہ جب رات ابراہیمؑ پر چھا گئی، انہوں نے

كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ

ایک تارہ کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ غروب ہوگیا تو بولے میں غروب ہوجانیوالوں سے

الانعام

علیٰ جمیع العلویات والسفلیات (روح) بِالْحَقِّ یہ ساری تخلیق یُوں ہی بغیر کسی غرض و مقصد کے
نہیں ہوگئی ہے، بڑی بڑی گہری حکمتیں اور مصلحتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ای قائما بالحق والحکمۃ (کشاف)
ای بالعدل (ابن کثیر) بِالْحَقِّ کو للحق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور ب کو ل کا مُرادف قرار دیا گیا
ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اُس کی یہ کاریگری و صناعی اس کی حکمت و عظمت و وحدانیت پر
دلیل کا کام دینے کی غرض سے ہے۔ قیل الباء بمعنی اللام ای اظہارًا للحق لانہ جعل صنعہ دلیلا علیٰ
وحدانیتہ (معالم) ۱۱۲ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ صفت حکمت کے تقاضہ سے وہ جزاء ہر ایک
کو بالکل مناسب و قرینِ مصلحت ہی دیگا۔ اور صفت خبرت کے لحاظ سے کسی امر کا اخفاء اس سے ممکن نہیں۔
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ اس کا قانون مجازات ظاہر و باطن، علانیہ و مخفی سب پر یکساں جاری ہوگا۔
قَوْلُهُ الْحَقُّ اُس کا قول نہ خالی جاسکتا ہے، نہ کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ ای الصدق الواقع لامحالۃ
یرید ان ما وعدہ حق کائن (معالم) یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اُس کے قول کن فیکون سے جو کچھ بھی
ہوتا ہے، عین حکمت و صواب ہی ہوتا ہے۔ ای لا یکون شیئا من السمٰوٰت والارض وسائر
المکونات الا عن حکمۃ وصواب (کشاف) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ۔ قیامت کے دن جو کشفِ
حقائق کا دِن ہوگا اُس کی حکومت ظاہراً اور علانیہ بھی سب کو ایسی ہی نظر آنے لگے گی جیسی وہ حقیقۃً اِس وقت
بھی ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ۔ اپنی ترکیب کے لحاظ سے کلمۂ حصر ہے یعنی حکومت صرف اُسی کی ہوگی، اور کسی کی نہیں
اس میں بھی رَد آگیا اُن مشرک و نیم مشرک قوموں کا جو حشر میں اللہ تعالیٰ کی فرماں روائی میں دوسروں کو بھی
شریک سمجھتے ہیں۔ والامر للہ فی کل وقت ولکن لا امر فی ذٰلک الیوم لاحد مع امر اللہ (معالم)
۱۱۳ حضرت ابراہیمؑ پر حاشیے پہلے گزر چکے، آپؑ ایک بُت پرست و ستارہ پرست قوم کے درمیان اپنے
آبائی مُلک بابل یا کلدان (موجودہ عراق) میں بہ حیثیت مبلّغِ توحید، دعوتِ اسلام و توحید سب سے پہلے اپنے خاندان
ہی کے رکنِ اعظم یعنی اپنے والد کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آزَرَ عربی توریت میں اس نام کا املا تارح ملتا
ہے۔ اور انگریزی میں تیرا Terah اور تالمود میں ترار ــــ جو لوگ علم اللسان کے مبادی سے
بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی نام مختلف زبانوں میں جا جا کر کیسے کیسے عجیب تلفظ اختیار
کرلیتا ہے ــــ فلسطین کے قدیم مسیحی مؤرخ یوسیبیس (۲۶۴ تا ۳۴۹ء) کے ہاں "آثر" یا "اثر" آیا
ہے۔ ان دونوں لفظوں کی مشابہت و مماثلت آزر سے بالکل ظاہر ہے۔ اور آزر و زارہ بھی اگر ایک ہی مادہ سے
مشتق ہوں تو کچھ بعید نہیں، اَبِيْهِ۔ ایک گمراہ فرقہ اپنے مخصوص عقائد کے تحفظ و پشت پناہی کی
خاطر شروع سے کہتا آرہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیلؑ کے والد کا نہیں بلکہ چچا کا نام تھا۔ اور حال کے ایک
آدھ جدید گمراہ فرقے بھی یہی کہہ رہے ہیں لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل کے نام سے کوئی چیز نہیں ہے
محض احتمالات و امکانات، یہ تو ہر قطعی سے قطعی مسئلہ میں بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ اَبْ کو اس کے بالکل کھلے
ہوئے ظاہر معنی سے ہٹا کر مجازی استعمال کی طرف لے جانے کے لئے آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔ اَتَتَّخِذُ

اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ تارح (آزر) کی بُت پرستی کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے:۔ "خداوند اسرائیل کا خدا یُوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادے تارح ابراہام کا باپ اور نحور کا باپ قدیم زمانہ میں نہر کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے"
(یشوع ۲۴:۲) اور یہود کی مستند کتاب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اتنا اور بھی ہے:۔ "وہ علاوہ بُت پرست ہونے کے بُت ساز اور بُت فروش بھی تھا" (جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۸) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مشغولی مع الحق اور مناظرۂ اہل باطل میں کوئی
تنافی نہیں، بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ ہو۔ ۱۱۴ (چنانچہ اب وہ موحّد کامل ہونے کے علاوہ خدمتِ تبلیغ پر بھی مامور تھے۔ اور اپنی قوم کو شرک سے توحید کی طرف بُلا رہے اور لا رہے تھے) لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ یعنی زمین و آسمان پر حق تعالیٰ
کی حکومت قاہرہ کے مشاہدہ سے اُن کے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا، اور ازدیادِ معرفت نے انہیں مرتبۂ ایقان تک پہنچادیا۔ یستدل بھا لیکون من الموقنین (کبیر) انا اریناہ ھذہ الاٰیات لیراھا ولاجل ان یکون من الموقنین (کبیر)
الیقین عبارۃ عن علم یحصل بعد زوال الشبھۃ بسبب التامل (کبیر) لیکون من الموقنین اشارۃ الی درجات انوار التجلی وشروق شمس المعرفۃ والتوحید (کبیر) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم نے اُن پر اُن کی قوم اور اُن کے والد کی گمراہی روشن
کردی تھی۔ ای کما اریناہ ضلال ابیہ وقومہ (جلالین) المعنی ومثل ما اریناہ من قبح عبادۃ الاصنام نری ملکوت السمٰوٰت والارض (کبیر) ای کما اریناہ البصیرۃ فی دینہ والحق فی خلاف قومہ (معالم) مَلَكُوْتَ۔ یعنی حکومتِ
آسمانی کے کرشمہ۔ ملکوت۔ اس مُلک کے لئے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا ہو۔ الملک مختص بملک اللہ تعالیٰ (راغب) مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مُراد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت و مالکیت کے طریقے ہم نے اُن کے دل میں اُتار دیئے۔ ای اٰیات
السمٰوٰت والارض (ابن جریر عن مجاہد) یعنی الربوبیۃ والالٰھیۃ ونھدیہ لطریق الاستدلال (کشاف) ای ربوبیتہ تعالیٰ ومالکیتہ لھا (روح) ملکوت کی اضافت کی قدر، علاوہ ارض کے سمٰوٰت کی طرف ہونے کی اُس وقت بہت
بڑھ جاتی، اور معنویت سے لبریز ہوجاتی ہے، جب یہ یاد کرلیاجائے کہ اہلِ بابل (کلدان) محض بُت پرستی کے زمینی شرک میں نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے آسمانی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ نُرِيْٓ۔ یہ ارادہ کس طرح کی تھی، مادی آنکھوں سے یا چشمِ ہوش کے دیدۂ بصارت سے
یا دیدۂ بصیرت سے؟ محققین کا قول ہے کہ بصارتِ حسّی سے نہیں بلکہ بصیرتِ عقلی سے۔ تلک الارادۃ کانت ارادۃ بحسب بصیرۃ العقل لا بحسب البصر الظاہر (کبیر) نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض اشارۃ الی مراتب الدلائل والبینات۔

۱۰۵ (قیامت کے دن) تشریح قانون مجازات ومکافات کی ہورہی ہے، وَذَكِّرْ بِهٖ ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای ذکّر بالقرآن (کبیر) اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۔ آیت ؑ سے ایک تو اسی حقیقت پر روشنی پڑی کہ سزا جس کسی کو جو کچھ بھی ملے گی، اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت کی ہوگی، دوسرے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تبلیغ وتذکیر کا جو حکم ہے اس کی تہ میں جذبۂ شفقت علی الخلق ہی کام کررہا ہے۔ ای مخافۃ ان تسلم الی الھلکۃ والعذاب (کشاف) لھا ۔ تعدل ۔ منھا ۔ یہ سب مؤنث ضمیر نفس کے لئے ہیں۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۔ اس میں تردید ہے اسی عالمگیر مشرکانہ ونیم مشرکانہ عقیدہ کی کہ جزا کے وقت فلاں اوتار یا فلاں دیوتا یا تو خود کارسازی کے لئے اور بگڑی ہوئی بنانے کے لئے کافی ہوجائیں گے اور یا اُن کی سفارش ومداخلت کام کرجائے گی۔

تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
ذریعہ سے سمجھاتا بھی رہ کہ کوئی شخص اپنے کئے کے بدلے پھنس نہ جائے اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی
وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ
کارساز ہے نہ سفارشی، اور اگر وہ ہر (ممکن) معاوضہ بھی دے (جب بھی) اس سے قبول نہ کیا
مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ
جائیگا ۱۰۵ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوت کے بدلے پھنسے ہیں اُن کے لئے پینے کو تیز گرم پانی
مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰
ہوگا اور عذاب دردناک ہوگا بہ عوض اُس کفر کے جو یہ کرتے رہے ہیں ۱۰۶
قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا
آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم (مسلمان) اللہ کے سوا ایسے کو پکاریں، جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکے اور نہ ہم کو نقصان
وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى
پہنچا سکے اور (کیا) ہم اُلٹے پاؤں واپس پھر جائیں بعد اس کے کہ ہم کو اللہ ہدایت دے چکا ہے
اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ
جیسے کوئی شخص ہو کہ اُسے شیطانوں نے (کہیں) زمین پر بے راہ کردیا ہو (اور وہ) بھٹکتا پھرتا ہو ۱۰۷
يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ
اُس کے ساتھی ہوں کہ وہ اُس کو ہدایت کی جانب بُلا رہے ہوں کہ ہمارے ۱۰۸ پاس آ، آپ کہہ دیجئے کہ راہ
الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱ وَاَنْ
تو بس اللہ کی (بتائی ہوئی) راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ (سارے) جہانوں کے پروردگار کے (پورے) ۱۰۹ مطیع ہوجائیں

ع ۸ ۱۴

يُؤْخَذْ مِنْهَا ۔ جاہلی مذہبوں میں یہ عقیدہ بھی عام رہا ہے کہ معاوضے اور فدیے حشر میں بھی کام آجائیں گے۔ ۱۰۶ یہ بیان ہورہا ہے اُن بدکرداروں، بے دینوں کے انجام بد کے ظہور تام کا جو آخرت میں واقع ہوگا۔ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۔ اوپر جس طنز وتمسخر کا ذکر ہوا، وہ بھی اسی کفر کی ایک شاخ ہے۔ ۱۰۷ مقصود عقیدۂ شرک کی حماقت وسفاہت دکھانا ہے۔ قُلْ خطاب پیمبر سے ہے کہ آپ جملہ مومنین کی طرف سے مشرکین سے یہ کہئے۔ اَنَدْعُوْا کیا ہم بھی پکاریں جیسے تم پکارتے ہو، اور جیسا کہ تم ہم سے چاہتے ہو، نُرَدُّ ...... اللّٰہ شرک یوں بھی ایک تمامتر احمقانہ، سفیہانہ عقیدہ تھا، چہ جائیکہ اسلام کی روشنی پاجانے کے بعد پھر اسی کو اختیار کرنا! مشرکین نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا تھا کہ تم اپنے قدیم اور آبائی دین کو چھوڑ کر کہاں اس نئے شخص محمد نامی کی دعوت پر بہک گئے، اب بھی واپس آجاؤ اور اپنے قومی وملی دین کی تقویت کا باعث بنو، مسلمانوں کو تعلیم اسی جواب کی مل رہی ہے کہ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم اُسی طریق کی طرف واپس آجائیں جسے دین کہنا ہی دین کی توہین ہے یعنی جن میں کچھ بھی قدرت نہیں ہے، انہیں قادرِ مطلق کی جگہ پر رکھ لیں؟ اور پھر وہ بھی اسلام کے بتائے اور دکھائے ہوئے حقایق کا مزہ چکھ چکنے کے بعد! ۱۰۸ (مگر وہ ہکا بکا ہوکر کچھ سنتا سمجھتا نہ ہو) تمثیل کے اس دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہاری مرضی یہ ہے کہ اپنی ایسی حالت بنالیں کہ جس طرح ایک راہ گیر جنگل میں غول بیابانی کے ہاتھوں گرفتار ہوکر راہ اور رفیقانِ راہ سے جدا ہوگیا اور اُس کے رفیق اُسے آواز پر آواز دیئے جارہے ہیں اور وہ ہے کہ مخبوط و سرگرداں کچھ بھی سنتا سمجھتا نہیں، اسی طرح ہم گمراہوں کے پنجہ میں پڑکر جادۂ حقیقت سے جدا ہوجائیں اور ہمارے ہادی اور پُرانے رفیق پھر بھی خیرخواہی سے دعوتِ اسلام کئے جائیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں؟ ۱۰۹ (اور اس خداوند کائنات کے مکمل، ہرجہتی، ہمہ گیر ودائمی قانون کے پورے فرمانبردار ہوجائیں) لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ رب العالمین کے لفظ میں یہ اشارہ آگیا کہ دعوت ایسے قانون کی اطاعت کی دی جارہی ہے، جو کسی ملک، قوم، نسل، قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جس میں رعایتیں ساری دنیا کے انسانوں، حیوانوں، جملہ مخلوقات کی رکھ لی گئی ہے۔ لِنُسْلِمَ میں ل تعلیل کا ہے۔ ھی تعلیل للامر بمعنی اُمرنا وقیل لنا اسلموا الاجل ان نسلم (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ل کو اَن کا مرادف قرار دیا جائے۔ عربی محاورہ میں دوسری ترکیبوں کے ساتھ یہ ترکیب بھی درست ہے۔ ای ان نسلم والعرب یقول امرتک لتفعل وان تفعل وبأن تفعل (معالم) اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۔ اِس میں بتادیا کہ جس راہ پر راہ کا اطلاق ہوسکے وہ تو بس وہی ہے جو خداوند عالم کی بتائی ہوئی ہے نہ کہ وہ جو محدود نظر رکھنے والے بندوں کی عقل یا جذبات کی سجھائی ہوئی ہے۔ ھو الھدٰی یعنی ھو الھدی الکامل النافع الشریف کما اذا قلت علم زید ھو العلم وملک عمرو ھو الملک (کبیر)

کَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ
آپ کی قوم نے اس کی تکذیب کی ہے درآنحالیکہ وہ برحق ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اوپر

بِوَكِيْلٍ ۝۶۶ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷
کچھ داروغہ تو ہوں نہیں ۹۹؎، ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت معیّن ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا ۱۰۰؎

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ
اور جب تو اُن لوگوں کو دیکھے جو ہماری نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہوں ۱۰۱؎ تو اُن سے کنارہ کش

عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا
ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر

يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى
شیطان تجھے بُھلا دے تو یاد آجانے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
پاس مت بیٹھ ۱۰۲؎ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں اُن پر

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ
اُن کی بازپُرس کا کوئی اثر نہیں پہنچے گا البتہ (اُن کے ذمہ بھی) نصیحت ہے شاید کہ وہ

يَتَّقُوْنَ ۝۶۹ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ
بچنے لگیں ۱۰۳؎ اور اُن لوگوں کو چھوڑے رہ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا

لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ
بنا رکھا ہے اور انہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے ۱۰۴؎ اور اس (قرآن) کے

۹۹؎ (کہ عذاب کو واقع کر دینے پر قادر ہوں، میں تو اُس کی تفصیلات تک کا علم نہیں رکھتا ہوں) ۞ کَذَّبَ بِهٖ۔ ضمیر عذاب الٰہی کی طرف ہے۔ ای بالعذاب (بیضاوی) یجوزان یکون المراد منه عذاب الآخرة ویجوزان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) والضمیر راجع الی العذاب المذکور فی الآیة السابقة (کبیر) وَهُوَ الْحَقُّ۔ یعنی واقع ہو کر رہنے والا ہے۔ الواقع لا محالة (بیضاوی) ای لابد ان ینزل بهم (کبیر، کشاف)

۱۰۰؎ (کہ عذاب آخر آیا) اِس عذاب سے عذابِ آخرت بھی مُراد ہو سکتا ہے۔ اور عذاب دنیوی بھی جو قرآن کے مخاطبین اوّل قریش پر شدید و ذلیل شکست کی صُورت میں مسلط ہو کر رہا۔ یجوزان یکون المراد منه عذاب الآخرة ویجوزان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) سَوْفَ۔ یہاں تاکید کے لئے ہے۔ سوف للتاکید (روح) مُسْتَقَرٌّ۔ کے لفظی معنیٰ تو ہیں جائے وقوع و استقرار کے لیکن یہاں مُراد وقتِ وقوع و استقرار ہے بعض نے دونوں معنیٰ جائز رکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس واقعہ کی خبر دے دیتا ہے وہ اپنے وقت و مقام پر ضرور ہی واقع ہو کر رہتا ہے۔ والمعنی ان لکل خبر یخبره الله تعالیٰ وقتا او مکانا یحصل فیه من غیر خلف وتاخیر (کبیر) قال ابن عباس وغیر واحد لکل نبأ حقیقة ای لکل خبر وقوع ولو بعد حین (ابن کثیر) ایک معنیٰ یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہر عمل ایک جزا ضرور رکھتا ہے۔ قیل ای لکل عمل جزاءٌ (قرطبی)

۱۰۱؎ (تکذیب، طنز و استہزاء کے ساتھ) بالتکذیب والاستهزاء بها والطعن فیها (بیضاوی) اِذَا رَاَيْتَ۔ خطاب یہاں عام ناظرینِ قرآنی سے ہے۔ ای اذا رایت ایها السامع (کبیر) اَلَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔ آیات میں یہاں معجزات و دلائل، احکام سب آگئے لیکن بالخصوص مُراد قرآن ہے۔ ایات الله وهی القرآن (جصاص) یعنی فی القرآن (معالم) خوض۔ کے لفظی معنیٰ بیہودہ گوئی، بے کار حجت نکالنے کے ہیں۔ لفظ الخوض فی اللغة عبارة عن المفاوضة علی وجه العبث واللعب (کبیر) خوض پر حاشیہ ۵ میں گزر چکا (سورۃ النساء۔ آیت ۱۴۰ کے تحت میں)

۱۰۲؎ یہاں اہلِ ایمان کو صاف حکم مل رہا ہے کہ جو بے دین مذہبی احکام و مسائل کے ساتھ مضحکہ و تمسخر کرتے ہیں، اُن کے پاس اتنی دیر تک بیٹھنا اُٹھنا جائز نہیں، بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی واجب ہے۔ هٰذا یدل علی ان علینا ترک مجالسة الملحدین وسائر الکفار عند اظهارهم الکفر والشرک ومالا یجوز علی الله تعالیٰ (جصاص) هٰذا دلیل علی ان مجالسة اهل المنکر لا تحل (ابن العربی) پھر جن قوموں نے وقتی و ہنگامی طور پر نہیں، بلکہ اپنا مستقل مشغلہ ہی احکام اسلامی کے ساتھ طنز و تمسخر بنا رکھا ہے۔ اُن کی صحبتوں سے کنارہ کشی، اُن کی مجلسوں سے علیحدگی کس درجہ اہم و ضروری ہو گی! —— بے دینوں اور غیر مذہب والوں سے بلا ضرورت خلا ملا، اور بلا کسی مصلحت کے مجالست و مخالطت اس حکم ممانعت کے تحت میں آگیا۔ فَلَا تَقْعُدْ۔ یہاں بیٹھنے کے لفظی معنیٰ لے کر یہ مُراد نہیں کہ کھڑے ہونے کی اجازت ہے۔ بلکہ قعود اپنے وسیع معنیٰ میں ہے، اور بے دینوں سے صُحبت و اختلاط کی ہر صُورت ناجائز ہے۔ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ یعنی اگر خیال نہ رہے، کسی اور شغل میں پڑ کر ان لوگوں سے صحبت و ہم نشینی رہے، محض سہو و نسیان سے شریعت نے جو مؤاخذہ اُٹھا دیا ہے اُس کی نظیر یہ آیت بھی ہے۔ یفید ان التکلیف ساقط عن الناسی (کبیر) مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ فقہاء مفسّرین نے یہاں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اہلِ کفر سے مجالست و مخالطت علی العموم ممنوع ہے، خواہ وہ اپنے کو کسی نام یا لقب سے یاد کرتے ہوں، اور خواہ وہ اُس خاص وقت میں اپنی شرارت و خباثت کا اظہار کر رہے ہوں یا نہیں۔ ذٰلک عموم فی النهی عن مجالسة سائر الظالمین من اهل الشرک واهل الملة لوقوع الاسم علیهم جمیعا سواء کانوا مظهرین فی تلک الحال للظلم والقبائح او غیر مظهرین له لان النهی عام عن مجالسة الظالمین۔ (جصاص)

۱۰۳؎ (اور اس کوشش کا اجر تو ان یاد دہانی کرنے والوں کو مل ہی جائے گا) مطلب یہ ہے کہ بعض جگہ مومنین کو بالکل علیحدگی سے تو تعذر ہو گا، مثلاً آغازِ اسلام ہی میں کہ جب مومنین مسجد کعبہ میں مصروفِ طواف و عبادت ہوتے۔ اور وہیں مشرکین بھی اول فول بکتے ہوتے، یا آج بھی اسکولوں میں، بازاروں میں، دفتروں میں، ریل پر، جہاز پر، لاری پر، غرض کثرت سے موقع مسلمانوں اور بے دینوں کے اجتماع کے پیش آسکتے ہیں تو ایسے سب موقعوں کے لئے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ ان بے دینوں کی بک جھک کا کوئی اثر تمہارے نامۂ اعمال پر تو پڑے گا نہیں، اپنی بیہودہ گوئی کے ذمہ دار تمام تر وہ خود ہی ہیں۔ تم اس سے ذرا نہ گھبراؤ۔ ضرورت کے وقت تم اُن کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ البتہ اتنا تم پر بھی واجب ہے کہ اپنے امکان و وسعت بھر انہیں تلقین و تبلیغ کرتے رہو۔ ممکن ہے وہ راہِ راست پر آہی جائیں اور نہ بھی آئیں جب بھی تمہارا اجر تو کہیں گیا نہیں۔ مِنْ شَيْءٍ۔ میں مِنْ استغراق کے لئے ہے یعنی کچھ بھی اثر نہ پہنچے گا۔ مِن زائدة للاستغراق (روح) اَلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ یعنی وہ لوگ جو کفر، بے دینی، معاصی سے بچے ہوئے ہیں۔ مِنْ حِسَابِهِمْ۔ ضمیر مشرکین اور بے دینوں یعنی قوم الظلمین، الذین یخوضون فی اٰیٰتنا کی طرف ہے۔ لٰکن ذکریٰ یعنی تبلیغ و تفہیم میں لگے رہیں اپنی حسبِ قدرت و استطاعت۔ ای یذکرونهم ویفهمونهم (کبیر عن ابن عباس) لٰکن علیهم ان یذکروهم ویمنعوهم عما هم فیه (روح) ولٰکن علیهم تذکرة لهم وموعظة (جلالین) ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ کہ اس موعظت سے شاید کہ وہ لوگ بھی تمسخر سے باز آجائیں۔ والمعنی لعل ذٰلک الذکری یمنعهم من الخوض (کبیر)

۱۰۴؎ یعنی ایسے بے دینوں سے مجالست و مخالطت ترک کئے رہو۔ یہ مُراد نہیں کہ اُن پر تبلیغ و تلقین کرنا چھوڑ دو۔ ومعنی ذرهم اعرض عنهم ولیس المراد ان یترک انذارهم (کبیر) المراد ترک معاشرتهم وملاطفتهم ولا یترک انذارهم وتخویفهم (کبیر) اعرض عنهم ولا تشغل قلبک بهم (کشاف) اِتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا۔ ایسے کون ہیں جنہوں نے اسلام کو نہیں، خود اپنے دین کو لہو و لعب یا مشغلۂ تفریح بنا لیا ہے؟ دین کو بھلا کوئی قوم بھی مشغلۂ تفریح بنا سکتی ہے؟ مفسّرین کو اسی لئے یہاں دین کو متعین کرنے میں دقت پیش آئی ہے حالانکہ ہندی مسلمان اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھ رہا ہے اُس کے بعد کوئی دشواری باقی ہی نہیں رہتی۔ یہ ہولی جیسے مقدس تہوار کو محض ناچ اور رنگ، فحش گوئی و شراب نوشی کا جلسہ بنا لینا، یہ دیوالی جیسے یادگار تہوار کو جوئے اور روشنی کا مستقل تماشہ بنا لینا یا یہ دسہرہ کی حیثیت محض ایک سوانگ اور ناٹک کی رکھ دینا، "یہ بڑے دن" کرسمس کے پاک دن کو شراب نوشیوں اور بدمستیوں کے لئے وقف کر دینا، یہ "نوروز" کے شاہانہ جلسے یہ سب مثالیں اور نظیریں اگر دین کو لہو و لعب اور مشغلۂ تفریح بنا لینے کی نہیں تو اور کیا ہیں؟ —— اللہ اپنی نعمتوں اور سرافرازیوں سے مالامال کرے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کیسی گہری اور نکتہ کی بات فرما گئے ہیں! قال ابن عباسؓ جعل الله لکل قوم عیدا یعظمونه ویصلون فیه ویعمرونه بذکر الله تعالیٰ ثم ان الناس اکثرهم من المشرکین واهل الکتاب اتخذوا عیدهم لهوا ولعبا غیر المسلمین (کبیر) عبث کے ساتھ ہمارے اہلِ اعراس غور کریں کہ خود اُن کے عُرس بھی جو بدعات اور منکرات کے مجموعہ ہوتے ہیں، کہیں اس وعید کے تحت میں تو نہیں آئے جاتے ہیں۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ اور دُنیا سے سچ ہے بڑی فریب خوردگی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ انہیں اپنے تمسخر کا نتیجہ کچھ نظر نہیں آتا!

رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتہ) قبض کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ (سب) واپس لائے

مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝۶۲

جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس ۹۴ سُن رکھو کہ فیصلہ اُسی کا ہوگا اور وہ بہت ہی جلد حساب لے لیگا ۹۵

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

آپ کہیئے کہ تمہیں کون نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے (اور) اُسے تم پکارتے رہتے ہو

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ

عاجزی سے اور چپکے چپکے کہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے ان مصیبتوں سے تو ہم یقیناً

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۳ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ

شکر گزاروں میں داخل ہو کر رہیں ۹۶ آپ کہہ دیجیئے اللہ ہی تمہیں نجات دیتا ہے ان سے اور ہر غم

كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۶۴ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ

سے، اس کے بعد بھی تم شرک کرنے لگتے ہو ۹۷ آپ کہہ دیجیئے کہ وہ (اس پر بھی) قادر ہے کہ تمہارے

يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ

اُوپر کوئی عذاب مسلط کر دے تمہارے اُوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ

یا تمہیں گروہ گروہ کر کے بھڑا دے، اور تمہیں ایک دوسرے کو لڑائی (کا مزہ) چکھا دے

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵ وَ

آپ دیکھیئے ہم کس کس طرح دلائل کو اُلٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ لوگ سمجھ جائیں ۹۸ اور

۹۴ (تعمیلِ احکام میں) ای لایقصرون فی ما امروا به (کبیر) ای لاینقصون مما امروا به ولا یزیدون فیه (کشاف) رُسُلُنَا ۔ مُراد وہ فرشتے ہیں، جن کا کام ہی قبض رُوح کرنی ہے۔ وهو ملك الموت واعوانه (کشاف) قبضِ روح کا عمل اصلاً صرف قدرتِ حق تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ظاہری عمل ملک الموت کرتے ہیں، باقی دوسرے فرشتے اس کے ماتحت ہوتے ہیں اور انہی کے لئے یہاں صیغۂ جمع آیا ہے۔ التوفی فی الحقیقة یحصل بقدرة الله وهو فی عالم الظاهر مفوض الی ملك الموت وهو الرئیس المطلق فی هذا الباب وله اعوان وخدم وانصار (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ قبض ارواح کبھی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں، کبھی ملک الموت اور کبھی دوسرے فرشتے (رسل) اور یہ متوفی کے احوال کے تفاوت پر ہے۔ آیت نے اسے بھی صاف کر دیا کہ اختیار ان ملائکہ موت کا کچھ بھی نہیں، ان کا کام محض تعمیلِ احکام ہے جس میں یہ قصور کرتے ہی نہیں۔ یہیں سے رد نکل آیا اُن مشرک قوموں کا جو خود فرشتۂ موت کو فاعل مختار و متصرف بالذات سمجھ کر اس کی پُوجا کرتے رہتے ہیں۔ آیت منجملہ اُن قرآنی دلائل کے ہے جو عصمتِ ملائکہ پر ناطق ہیں۔ دلت هذه الأية علی ثبوت عصمة الملائكة علی الاطلاق (ابن جریر) رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۔ الیٰ سے یہاں یہ مُراد نہیں کہ یہ مُراجعت کسی خاص سمت یا مکان کی جانب ہوگی کہ حق تعالیٰ ہر مکان وجہت سے منزہ ہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ مراجعت اللہ کے حکم سے ہوگی۔ یجب ان یکون ذلك الرد مفسرا بکونه منقادا لحکم الله مطیعاً لقضاء الله (کبیر) ای الی حکمه وجزائه (مدارک) مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۔ مالکِ حقیقی وہی اللہ ہے جس کا انکشاف اُس روز خاص و عام، کافر و مومن سب کو ہو کر رہیگا۔ ورنہ دنیا میں تو کیسے کیسے مالکان باطل انسان پر حکمران رہتے ہیں۔ ۹۵ اس میں بھی رد ہے اُن مشرک قوموں کا جو یہ سمجھتی تھیں کہ خدا کو بھی دنیوی محاسبوں کی طرح کسی بڑے طویل و پیچیدہ حساب میں اُلجھنا ہوگا۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۔ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ فیصلہ صرف حق تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ مسیح یا کسی اور شریکِ قدرت کا۔ یومئذ لاحکم فیه لغیره (کشاف) ای له الحکم وحده یوم القیمة ای القضاء والفصل (قرطبی) ۹۶ آیت کا مفہوم ظاہر ہے، ہجوم مصائب کے وقت اور شدتِ اضطرار میں جب تمام مادی و دنیوی سہاروں سے مایوسی ہو جاتی ہے تو فطرتِ بشری خود بخود حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتی اور دعا و زاری سے کام لینے لگتی ہے تو سوال کر کے فطرتِ بشری کے اسی احساسِ توحید کو بیدار کیا گیا ہے۔ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔ سے مُراد مطلق شدائد ہی لی گئی ہے۔ ای من شدائدهما استعیرت الظلمة للشدة (بیضاوی) مجاز عن مخاوفهما واهوالهما (کشاف، کبیر) امام رازی نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصیبت زدہ انسان کیلئے چار صفات کا اثبات ہے۔ (۱) دُعا، (۲) تضرع، (۳) اخلاصِ قلب (وهو المراد من قوله خُفْيَةً) اور (۴) التزامِ شکر۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے خفی و جلی، قلبی و لسانی ہر قسم کے ذکر کی مشروعیت پر دال ہے۔ ۹۷ عام نفسِ بشری کی خباثت کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت تو کم ظرف انسان رونے گڑگڑانے چلانے لگتا ہے۔ اور ادھر مصیبت ختم ہوئی کہ اُدھر پھر وہی اکڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ یعنی ایک وہی مصیبت کی کیا تخصیص ہے۔ نجات جس غم سے بھی ملتی ہے۔ نجات دینے والا ہر حال میں وہی ہوتا ہے۔ ۹۸ یہاں دنیوی مصائب کی تین عام و متعارف صورتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ یعنی اُوپر سے آنے والا عذاب۔ جیسے پتھر، آندھی، طوفان وغیرہ۔ ایک تفسیر ظالم حاکموں سے بھی آئی ہے۔ یحمل هذا اللفظ علی مجازه قال ابن عباس عذابا من فوقکم ای من الامراء (کبیر) ای السلاطین الظلمة (معالم) من قبل اکابرکم وسلاطینکم (کشاف) دوسرے مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یعنی نیچے سے آنے والا عذاب، زلزلہ، سیلاب وغیرہ اس کی کھلی ہوئی مثالیں ہیں۔ مجازاً سرکش رعایا یا نافرمان غلام بھی مُراد لئے گئے ہیں۔ قال ابن عباس من العبید والسفلة (کبیر) من قبل سفلتکم وعبیدکم (کشاف) يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۔ تیسری قسم عذابِ الٰہی کی یہ بیان ہوئی ہے کہ گروہ کو گروہ سے بھڑا دیا جائے اور انسان کا ملک الموت انسان کو بنا دیا جائے۔ یہ عذاب دوسرے آسمانی اور زمینی عذابوں سے گھٹ کر نہیں، کچھ بڑھ ہی کر ہے۔ اس کا تجربہ دنیا کو ادھر چھ سات سال خوب ہو چکا ہے۔ اور آج بھی جنگ ختم ہو جانے کے سال بھر بعد (۱۹۴۶ء / ۱۳۶۵ھ) میں بھی ہو رہا ہے! ای یجعلکم فرقا یقاتل بعضکم بعضا (قرطبی) ای بالحروب والقتل فی الفتنة (قرطبی) هُوَ الْقَادِرُ ۔ یعنی وہ کامل القدرت اور تم کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔ ای هو الذی عرفتموہ قادرا وهو الکامل القدرة (کشاف) مفسرین کے درمیان ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیت میں جس عذابِ تفرقہ کا ذکر ہے۔ او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض میں اس کا تعلق صرف کافروں سے ہے یا مومنوں سے بھی؟ تو اگرچہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قیل هی فی الکفار خاصة (قرطبی) لیکن محققین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ مومنین کے بارہ میں بھی ہے اور کافروں اور مومنوں کے لئے عام ہے۔ عن مجاهد الأیة عامة فی المسلمین والکفار (قرطبی) قال الحسن هی فی اهل الصلاة (قرطبی) امام قرطبیؒ اندلسی ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہی آخری قول صحیح ہے اور صحیح ہونا کیا معنی، یہ تو مشاہدہ میں آچکا ہے۔ ہمارے ہی بھائی بندشمن بن کر ہم پر مستولی ہوئے، آپس میں تلوار چلی، جانیں گئیں، مال لُٹا اور ایک نے دوسرے کی جان و مال کو حلال سمجھا۔ انا للہ۔ قلت هو الصحیح فانه المشاهد فی الوجود فقد لبسنا العدو فی دیارنا واستولی علی انفسنا واموالنا مع الفتنة المستولیة علینا بقتل بعضنا بعضا واستباحة بعضنا اموال بعض (قرطبی) لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۔ یعنی ہم دلائل و شواہد کو اسی لئے واضح کر رہے ہیں کہ اب بھی یہ نادان شرک و معصیت کی قباحتوں کو سمجھ جائیں۔ یرید بطلان ماهم علیه من الشرك والمعاصی (قرطبی)

۵۸۸ (اور وہی سارا فیصلہ کرے گا جو جس کے مناسب حال و قرین حکمت ہو، خواہ عذاب دنیوی ہو یا اُخروی) اللہ اعلم بالظلمین وبما یجب فی الحکمۃ من وقت عقابھم ومقدارہ (کبیر)
بیں انہ ھو العالم بکل شیء فھو یعجل ما یجب تعجیلہ اصلح ویؤخر ما تاخیرہ اصلح (کبیر) عِنْدِیْ۔ یعنی میرے قبضہ و اختیار میں۔ ای فی قدرتی (ک ن) ای فی قدرتی وامکانی (کبیر) ای لو کان مرجع ذلک
الی (بحر کبیر) ۵۸۹ یعنی قدرت کاملہ تو الگ رہی علم کامل بھی بجز اللہ کے کسی کو حاصل نہیں، مشرکوں اور نیم مشرکوں کو حیات، قدرت، علم انہی تینوں صفات الٰہی میں سخت ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید بھی اسی لئے انہی تینوں
صفات کے بارہ میں کثرت تکرار و تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ عِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ۔ تو وہی جب اور جس قدر چاہے جس چیز کو ظہور میں لے آئے۔ مَفَاتِح جمع مَفتح (بالفتح) کی بھی ہے اور مِفتح (بالکسر) کی بھی۔ مَفتح کے
معنی خزانہ کے مسلّم ہیں۔ مِفتح کے لفظی معنی کنجی کے ہیں لیکن مُراد اس سے بھی یہاں وسائل و اسباب ہی سے ہوگی۔ غرض معنی خواہ یہ لئے جائیں کہ غیب کے خزانے اُس کے ہاتھ میں ہیں یا غیب کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں، مُراد دونوں صُورتوں میں ایک ہی ہے کہ غیب کا مالک صرف وہی ہے۔ اراد انہ ھو المتوصل الی المغیبات وحدہ لا یتوصل الیھا غیرہ (کشاف) لفظ المفاتح یمکن ان یکون المراد منہ المفاتیح ویمکن ان یراد منہ الخزائن (کبیر) ۵۹۰ یعنی لوح محفوظ میں، جو علم الٰہی ہی کی متشکل صُورت کا نام ہے۔ یا کتاب مبین سے مجرد علم الٰہی ہی مُراد لیا جائے اور امام رازیؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ الکتاب المبین علم اللہ تعالیٰ او اللوح (کشاف) ذلک الکتاب المبین ھو علم اللہ تعالیٰ ولا غیر وھذا ھو الاصوب (کبیر) اِلّا ھو مثبت فی اللوح المحفوظ (ابن جریر)
مختلف مثالوں کے ذریعہ سے بتایا ہے کہ اللہ کا علم جزئیات، کلیات ہر شئے پر محیط ہے۔ اس میں رَد آگیا اُن مشرک فلاسفہ کا جو علم الٰہی کو صرف کلیات پر محدود مانتے ہیں۔ آیت کی اہمیت و معنویت جب ہی پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہے جب مشرک قوموں کے اِن عقائد کا پُوری طرح علم ہو۔ ۵۹۱ یعنی میعاد معیّن تمہاری عمر کی، اسی طرح بیداری و خواب کے دَوران سے، پُوری کردی جائے اے انسانو! اجلٌ مُّسمّی ای اعمارکم المکتوبۃ ومعنی القضاء فصل الامر علیٰ سبیل التمام ومعنی قضاء الاجل فصل مدۃ العمر من غیرھا بالموت (کبیر) ای یستوفی کل انسان اجلا ضرب لہ (قرطبی) بِاللَّیْلِ۔ یعنی سونے کے وقت جو عموماً و عادۃً (نہ کہ کلیۃً ولازماً) رات ہی کا ہوتا ہے۔ ھی النوم (ابن جریر عن السدی) وتخصیص التوفی باللیل والجرح بالنھار للجری علی السنن المعتاد و الا فقد یعکس (روح)
محاورۂ قرآنی میں ایسی مثالیں شاذ نہیں۔ یَتَوَفّٰکُمْ۔ یعنی تمہاری رُوح نفسیاتی کو جس سے احساس و ادراک متعلق ہیں معطل کردیتا ہے یا اُسے قبض کر لیتا ہے۔ جدید نفسیات کی

بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَہٗ
میرے تمہارے درمیان قصہ فیصل ہو چکا ہوتا، اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ۵۸۸ اور اُس کے پاس
مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَآ اِلَّا ہُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ
ہیں غیب کے خزانے، انہیں بجز اُس کے کوئی نہیں جانتا ۵۸۹ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی اور
وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعْلَمُہَا وَلَا
سمندر میں ہے، اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اُسے جانتا ہے اور کوئی
حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ
دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز، مگر (یہ کہ یہ سب)
اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَہُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ
روشن کتاب میں (موجود) ہیں ۵۹۰ وہ وہی تو ہے جو رات میں تمہیں وفات دے دیتا ہے
وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰۤی
اور جو کچھ تم دن میں کرتے رہتے ہو اُسے جانتا ہے پھر تمہیں اُس سے جگا دیتا ہے کہ میعاد معین تمام
اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ
کردی جائے ۵۹۱ پھر اُسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ بتا دیگا جو کچھ تم کرتے
تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۷/۵ ۱۳ وَہُوَ الْقَاہِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ
رہتے تھے ۵۹۲ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اُوپر اور وہ تمہارے اُوپر نگران (فرشتے)
حَفَظَۃً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ
بھیجتا ہے ۵۹۳ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اُس کی روح

اصطلاحی بولی میں، تمہارے شعور کو باطل کردیتا ہے۔ یتوفی انفسکم التی بھا تقدرون علی الادراک والتمییز (کبیر) لا تخرج منہ الروح ولکن یخرج منہ الذھن (قرطبی) ایک جدید فرقہ نے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی موت قرآن مجید کے الفاظ متوفیک اور توفیتنی سے ثابت کرنی چاہی ہے۔ وہ علاوہ دوسرے قطعی دلائل کے یہاں یتوفکم کے استعمال میں بھی اپنا رَد دیکھ لے۔ بِالنَّہَارِ۔ یعنی بیداری میں
جب شعور پوری طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ ۵۹۲ (دُنیا میں اور اُسی کے مناسب جزا سزا جاری کرے گا) آیت کا مطلب یہ ہُوا کہ اللہ موت و بعثت مجازی کے کرشمے تو تمہیں رات دن، خواب و بیداری کے
ذریعہ سے دکھاتا ہی رہتا ہے۔ ایسے کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں آخری طور پر موت دے کر پھر حشر میں اُٹھا کھڑا کرے۔ اَجَلٌ مُّسَمًّی۔ ہر شخص کی مُدت عمر۔ معیّن لکل فرد وھو اجل بقائہ فی الدنیا (روح)
۵۹۳ یہ فرشتے اعمال کی کتابت کے لئے بھی ہوتے ہیں اور جان کی حفاظت کے لئے بھی۔ حفظۃ میں دونوں مفہوم آگئے۔ گو حفظ و کتابت اعمال کا پہلو ظاہر تر ہے۔ اتفقوا علیٰ ان المقصود من حصول
ھؤلاء الحفظۃ ضبط الاعمال (کبیر) ای ملائکۃ حافظین لاعمالکم (کشاف) عن قتادۃ یحفظون العمل والرزق والاجل (روح) ارسال الملئکۃ بما حلوا من الحفظ الذی أمروا بہ (قرطبی)
ھُوَ الْقَاہِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ۔ اُس کا غلبہ اپنے بندوں پر اُس کے علم و حکمت و قدرت کے لحاظ سے نہ کہ سمت و مکان کی بلندی کے اعتبار سے۔ لا یجوزان یکون المراد من ھذہ الاٰیۃ الفوقیۃ بالمکان
والجھۃ بل یجب ان یکون معناھا الفوقیۃ بالقھر والقدرۃ (کبیر) یعنی فوقیۃ المکانۃ والرتبۃ لا فوقیۃ المکان والجھۃ (قرطبی)

کی اور یا اُس کی صفاتِ عالیہ کی۔ اور اس معنیٰ میں آیاتِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر شخص جو معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے آیات کے کسی نہ کسی حصہ ہی پر قناعت کرنا ہوتی ہے۔ کُل آیاتِ الٰہی کا احاطہ حدِ بشر سے باہر ہے اور بندہ کی ترقی کی کوئی انتہا ہی اس طریق معرفت کے لحاظ سے نہیں، وہ برابر ترقی ہی کرتا جائیگا۔ تو اب رسُول اللہ کو یہ حکم ملتا ہے کہ جس بندہ میں یہ صفت دیکھو اُسے سلامتی کی بشارت پہنچادو۔ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ دُوسری آیتوں کی طرح اس آیت سے بھی ثابت ہوگیا کہ ذات باریتعالیٰ کیلئے نفس کا استعمال جائز ہے۔ دلت ھذہ الآیۃ علی انہ لا یمتنع تسمیۃ ذات اللہ تعالیٰ بالنفس (کبیر) ۵۸۳ چنانچہ وہ شانِ غفر کے تقاضا سے معاصی کی نحوستوں سے بھی بچالیگا اور شانِ رحمت کے تقاضا سے مزید نعمتوں سے بھی سرفراز کرے گا۔ غفورٌ بسبب ازالۃ العقاب رحیمٌ بسبب ایصال الثواب (کبیر) مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَھَالَۃٍ۔ یعنی بدعملی کا وقوع اگر وقتی غلبۂ نفس سے جہل وغفلت کی بنا پر ہو جائے۔ تَابَ وَاَصْلَحَ۔ یعنی وقوعِ معصیت کے بعد نفس کو اس پر تنبیہ ہو جائے۔ اور اپنے امکان بھر ایک طرف ماضی کے کفارہ اور دُوسری طرف حال و مستقبل میں بچنے کا اہتمام کر لیا جائے۔ تاب اشارۃ الی الندم علی الماضی واصلح اشارۃ الی کونہ اتیا بالاعمال الصالحۃ فی الزمان المستقبل (کبیر) ۵۸۴ (اور اس سے مومنین صادقین کا طریقہ بھی ممتاز ہو کر خود بخود واضح ہو جائیگا) والحق والباطل لا واسطۃ بینھما فمتی استبانت طریقۃ المجرمین فقد استبانت طریقۃ المحققین ایضًا لا محالۃ (کبیر)

عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

جو کوئی نادانی سے بُرائی کر بیٹھے پھر وہ اُس کے بعد توبہ کر لے اور

وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

اپنی حالت درست کر لے تو وہ بڑا مغفرت والا ہے[۵۸۳] بڑا رحمت والا ہے اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے

الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ

رہتے ہیں نشانیوں کو تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہو کر رہے[۵۸۴] آپ کہہ دیجئے کہ مجھے

ع ۶ ۵ ۱۲

نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا

آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہ کروں گا، ورنہ میں بھی بے راہ ہو جاؤنگا، اور راہ پر

مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

چلنے والوں میں نہ رہونگا[۵۸۵] آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو دلیل ہے میرے پروردگار کی طرف سے

وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ

اور تم اُسی کو جھٹلاتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں[۵۸۶] حکم (تو اور کسی کا)

الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

نہیں بجُز اللہ کے وہی حق کو بتلاتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے[۵۸۷]

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو (اب تک)

کَذٰلِکَ۔ یعنی جیسے اسی سُورۃ میں ہم اور بھی دلائل مشرکین کے خلاف کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ ای کما فصلنا لک فی ھذہ السورۃ دلائلنا د محاجتنا مع المشرکین (قرطبی) کما فصلنا لک فی ھذہ السورۃ دلائلنا علی صحۃ التوحید والنبوۃ والقضاء والقدر (کبیر) الْاٰیٰتِ۔ یعنی وہ احکام و دلائل جن کی ضرورت اقامتِ دین اور مقابلۂ اہل باطل کے لئے مومنین کو پڑ سکتی ہے۔ ای فی کل ما تحتاجون الیہ من امر الدین وتبیین لکم ادلتنا و حجتنا فی کل حق ینکرہ اہل الباطل (قرطبی) نمیّز ونفصّل لک دلائلنا وحججنا فی تقریر کل حق ینکرہ اہل الباطل (کبیر) ۵۸۵ آیت سے خدائی قانون کی ہر جہتی ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ میں بندوں کی عقل آرائیوں کی انتہائی پستی و گندگی دونوں پر یکساں روشنی پڑجاتی ہے۔ رسُول جو پاک نفسوں اور قدسی سرشتوں کے سردار ہیں، اُن تک کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ تمہارے قاعدے اور ضابطے، تمہاری عبادتیں اور پُوجا پاٹ اس درجہ گندے ہیں کہ میں اُن کی پیروی کرنے لگوں تو اپنے مرتبہ سے کہیں گر جاؤں اور خود میرا شمار گمراہوں میں ہونے لگے۔ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ یعنی تمہارے خود ساختہ اور تراشیدہ معبُود۔ ای ندعونھم فی امہات امورکم علی جھۃ العبادۃ اراد بذٰلک الاصنام (قرطبی) اَھْوَآءَکُمْ۔ ھوٰی کا لفظ بہت عام ہے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جو بھی "عقل آرائی" کام میں لائی جائے گی، اس کا شمار ہوائے نفس میں ہوگا۔ ۵۸۶ یعنی عذاب الٰہی۔ ای العذاب (قرطبی) مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِہٖ یعنی مجھ میں اس عذاب کے جلد یا بدیر لانے کی قدرت کہاں؟ لا قدرۃ لی علی تقدیمہ او تاخیرہ (کبیر) منکرین طنز کے لہجہ میں رسُول اللہ صلعم سے بار بار کہتے تھے کہ سچے ہو تو ہم پر عذاب الٰہی لا دکھاؤ، یہ جواب اُسی بیہودہ فرمائش کا دیا جا رہا ہے۔ فانھم کانوا لفرط تکذیبھم یستعجلون نزولہ استھزاءً (قرطبی) عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ۔ سب سے بڑا بیّنۃ یہی قرآن مجید ہے جو دنیا کا عظیم ترین دائمی و مستقل معجزہ ہے۔ اپنی تعلیمات کے لحاظ سے جامع و کامل، اپنی ہدایات و احکام کے لحاظ سے بے مثل، اور اپنی انشاء و طرزِ بیان کے لحاظ سے بھی اپنا نظیر آپ ای علی حجۃ من جھۃ ربی وھی القرآن (کشاف) بَیِّنَۃٍ کا صیغۂ نکرہ تنوین کے ساتھ اظہارِ عظمت کے لئے ہے۔ یعنی بہت بڑی دلیل۔ التنوین للتفخیم ای بینۃ جلیل الشان (روح) وَکَذَّبْتُمْ بِہٖ یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم ایسی صاف روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہو، بِہٖ ضمیر مذکر البینۃ کی جانب ہے اس کے معنی بیان یا اس کے مفہوم و مُراد "قرآن" کے لحاظ سے۔ ای بالبینۃ لانھا فی معنی البیان وقیل بالفرقان (قرطبی) ذکر الضمیر علی تاویل البیان او القرآن (کشاف) ای ماجئت بہ (سالم) بینۃ کے اصل معنی بیان کے ہیں، اور بیان و توضیح کے معنی میں یہ محاورہ عربی لغت میں عام ہے۔ ای انی علی بیان وبیّنۃ وبرھان قد وضح لی من ربی وکذٰلک تقول العرب فلان علی بینۃ من ھذا الامر اذا کان علی بیان منہ (ابن جریر) ای علی بیان وبصیرۃ وبرھان (سالم) ۵۸۷ (چنانچہ اپنی حکمت مطلقہ کے مطابق وہ صحیح و مناسب وقت پر اپنا عمل اور ناطق فیصلہ بھی صادر فرمادیگا) والمراد ان ذٰلک العذاب ینزلہ اللہ فی الوقت الذی اراد انزالہ فیہ (کبیر) یَقُصُّ الْحَقَّ۔ اللہ ہی حق کو بتلاتا ہے چنانچہ اس وقت بھی اُس نے حق کو روشن دلائل کے ساتھ قرآن کی صُورت میں پیش کر دیا۔ ای یحکم بالحق بدلیل (سالم) اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ یعنی اختیار و حکومت تو تمامتر اللہ کی ہے۔ کائنات میں حاکمانہ تصرف صرف وہی کر سکتا ہے میں عذاب اپنے ارادہ و اختیار سے کب لا سکتا ہوں اس کا انحصار تو ارادۂ الٰہی پر ہے۔ ای فی تاخیر العذاب وتعجیلہ (قرطبی) ای فی تاخیر عذابکم (کشاف) والمراد ھھنا ان الحکم الا للّٰہ فقط فی تاخیر عذابھم (کبیر) فمعنی الکلام اذا ما الحکم فی ما تستعجلون بہ ایھا المشرکون من عذاب اللہ فی ما بینی وبینکم الا للّٰہ (ابن جریر) ای انما یرجع امر ذٰلک الی اللہ ان شاء عجل لکم ما سألتموہ من ذٰلک وان شاء انظرکم واجلکم (ابن کثیر) آیت کے اس جزء کو فرقۂ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے یہاں تک کہ خلیفۂ راشد برحق حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کر کر کے پھیلائی تھی، اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی، مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت "غیر اسلامی حکومت" قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون بھی ناجائز بلکہ حرام ٹھیرا رہا ہے۔ سیاقِ قرآنی پر ادنیٰ غور و تامل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ سیاق تمامتر حکومتِ تکوینی و ارسالِ آیات و معجزات کا ہے۔ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ۔ یعنی احقاقِ حق کے واسطے اُس عذاب کو میں اب تک نازل کرا چکا ہوتا۔ ای من العذاب لا نزلت بکم حتی ینقضی الامر الی اٰخرہ (قرطبی) لاھلکتکم عاجلاً غضبًا لربی (کشاف) لا وقعت لکم ما تستعجلونہ من ذٰلک (ابن کثیر) اس فقرے نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ سے مُراد حکومتِ تکوینی ہی تھی۔

۵۷۷ (اور ایمان وطاعت کی راہ اختیار کرلیں) اَلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا۔ پیمبر اپنا وعظ سُناتا تو سب کو ہے لیکن اُس سے نفع اندوز بس وہی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خُدا و خوفِ عاقبت کسی درجہ میں موجود ہوتا ہے یا جن کا ضمیر کسی حد تک زندہ ہوتا ہے۔ خص فی ھٰذہ الاٰیۃ الذین یخافون الحشر لان انتفاعھم بذٰلک الانذار اکمل بسبب ان خوفھم یحملھم علی اعداد الزاد لیوم المعاد (کبیر) لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ۔ کہ شاید آپکے وعظ سے متاثر ہو کر وہ پُوری طرح راہِ ہدایت پا جائیں راہِ ایمان پر ثابت قدم ہو جائیں۔ ای فی المستقبل وھو الثبات علی الایمان (قرطبی) وَاَنْذِرْ بِہٖ۔ ضمیر اُس وحی کی جانب ہے جس کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ والضمیر لما یوحیٰ الیٰ (بیضاوی) ای انذر بما اوحی الیک (بحر) ای بالقراٰن (قرطبی) قال ابن عباس والزجاج بالقراٰن (کبیر) انذار یوں تو پیمبر کے ذمہ مطلق و عام صورت میں بھی واجب ہے لیکن یہاں مقصود انذارِ خاص ہے جو وہیں ہوتا ہے جہاں نفع معتدبہ متوقع ہوتا ہے۔ انذار کے معنی یہاں اعلام بھی کئے گئے ہیں۔ الانذار الاعلام (قرطبی) الانذار الاعلام بموضع المخافۃ (کبیر) وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ۔ یہ غیر اللہ کے متعلق دستگیری یا شفاعت کا عقیدہ بہت زائد پھیلا ہوا تھا۔ اور مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ تک میں عام تھا، اسی لئے اس کی تردید بار بار اور شد ومد سے آئی ہے۔ اس سے اُس شفاعت کی نفی نہیں ہوتی جو اہلِ سُنّت کے نزدیک انبیاء و ملائکہ و صالحین کی طرف سے ثابت ہے اس لئے کہ یہ شفاعت مستقلاً و اصالۃً نہیں بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے نیابۃً ہوگی ——— مِنْ دُوْنِہٖ اور الا باذنہ کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قولہ لیس لھم من ولی ولا شفیع لا ینافی مذھبنا فی اثبات الشفاعۃ للمومنین لان شفاعۃ الملائکۃ والرسل للمومنین انما تکون باذن اللہ فکلما کانت تلک الشفاعۃ باذن اللہ کانت فی الحقیقۃ من اللہ تعالیٰ (کبیر) اِلٰی رَبِّھِمْ۔ یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کسی سمت و جہت میں قائم ہیں اور حشر وہاں ہوگا بلکہ مُراد صرف وہ مقام ہے جو پروردگار نے خلق کے اجتماع اور فیصلہ کے لئے مقرر کیا ہے۔ المراد المکان الذی جعلہ ربھم لاجتماعھم وقضائھم (کبیر) المراد الحشر الی المکان الذی جعلہ عز وجل محلاً لاجتماعھم وللقضاء علیھم (روح) ۵۷۸ یعنی دن رات اپنے فرائض میں لگے رہتے ہیں جانباز سپاہی کی طرح ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہتے ہیں۔ الغداۃ والعشی سے صبح و شام کے متعین ہی اوقات مُراد نہیں بلکہ دوام مُراد ہے۔ ذکر ھٰذین القسمین تنبیھاً علی کونھم مواظبین علی الصلوات الخمس (کبیر) المراد بذکر الغداۃ والعشی الدوام (کشاف) المراد بھما ھٰھنا الدوام (روح) یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ۔ کے تحت میں عبادتِ الٰہی اور ہر قسم کے فرائض آگئے۔ المراد بالدّعاء المحافظۃ علی الصلوٰۃ المکتوبۃ فی الجماعۃ قال ابن عباس ومجاھد والحسن (قرطبی) یواصلون دعاء ربھم ای عبادتہ ویواظبون علیھا (کشاف) وَلَا تَطْرُدِ۔ یعنی اپنی مجلس سے نہ نکالئے۔

عرب جاہلیت خصوصاً قریش کے امراء ورُؤسا اسی طرح طبقاتی کبر و نخوت میں مبتلا تھے جس کی مثالوں سے آج یورپ بھرا پڑا ہے وہ اپنے عوام کے ساتھ ایک مجلس میں نشست کے روادار نہ تھے چہ جائیکہ ایسے مجمع میں جس میں غیر عرب حبشی وغیرہ اور پھر ان میں بھی غلام تک ہوں، انہی رئیسوں اور سرداروں نے اس مصلحِ اعظم کے ہاں کہلا بھیجا کہ ان عوام و اجلاف کو اپنے پاس سے ہٹائیے تو ہم لوگوں کے لئے گنجائش نکلے قرآن کو ان شعائرِ جاہلیت پر تو ضرب کاری ہی لگانا مقصود تھی جواب ان آیات کے ذریعہ عطا ہُوا۔ ۵۷۹ یعنی مطیعین اور فرمانبرداروں کو بلا عذر اپنی مجلس سے محروم کر دینا سخت ناانصافی کا برتاؤ ہے۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ یعنی یہ طاعت و عبادت بھی تمامتر اخلاص کے رنگ سے رنگین ہے۔ یخلصون نیاتھم فی عبادتھم (بحر) ای طاعتہ والاخلاص فیھا (قرطبی) ای مخلصین لہ سبحانہ فیہ (روح) وَجْھَہٗ سے محاورہ میں مُراد کسی شیٔ کی ذات یا حقیقت ہی ہوتی ہے یا پھر عظمت و تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ الوجہ یعتبر بہ عن ذات الشیٔ وحقیقتہ (کشاف) یذکرون لفظ الوجہ للتعظیم کما یقال ھٰذا وجہ الرای وھٰذا وجہ الدلیل (کبیر) حسابھم۔ حسابک۔ حساب سے مُراد باطن کی تفتیش سے لی گئی ہے یعنی جس طرح اُن کے باطن کی تفتیش آپکے ذمہ ذرا بھی نہیں۔ اسی طرح آپکے باطن کی تفتیش اُن کے ذمہ بھی نہیں، مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں مُریدین کے ہی بعض حقوق کا بیان ہے، کہ انہیں بلا مصلحت اپنے پاس سے مطرود نہ کریئے۔ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ پہلا مِنْ تبعیض کے لئے ہے اور دوسرا مِنْ زور و تاکید کے لئے۔ من الاُولیٰ للتبعیض والثانیۃ زائدۃ للتوکید (قرطبی)

فقہاء نے آیت اور اس کے ہم مفہوم احادیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی شخص کی عزّت و تعظیم اس کی خوش غلافی کی بنا پر اور کسی کی تحقیر اس کی بدلباسی کی بنا پر کرنا دونوں ناجائز ہیں۔ وقد حصل من قوۃ الاٰیۃ والحدیث النھی عن ان یعظم احد لجاھہ ولثوبہ وعن ان یحتقر احد لخمولہ ولرثاثۃ ثوبہ (قرطبی) ۵۸۰ شروع میں اسلام کے ماننے والوں میں ضعفاء و غرباء کثرت سے تھے سرکش و شریر الطبع قریش ان بیچاروں کو دیکھ دیکھ کر طنز و تعریض سے کہتے تھے کہ "اجی ان لوگوں کی بدحالی دیکھو، یہ تو اپنے دین کو اللہ کی نعمت بتاتے ہیں تو کیا یہی بدحالی اللہ کی نعمت ہے؟" وَکَذٰلِکَ یعنی امارت و افلاس کے درمیان فرق قائم کرکے۔ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ یعنی خوشحال کافروں کو بدحال مومنوں کے ذریعہ سے۔ المفتون بالغنی والفقراء بالشرف والوضاعۃ والقوۃ والضعف (بحر) لِیَقُوْلُوْٓا میں ل عاقبت کا ہے یعنی امارت و افلاس کی اس طبقاتی تقسیم سے ایک مقصود تکوینی امتحان بھی ہے۔ یہ کہنے والے اُمراء و رؤساء تھے اور جن لوگوں کی طرف اشارہ تھا، وہ ضعفاء و فقراء تھے۔ یعنی الاشراف والاغنیاء وھؤلاء یعنی الضعفاء والفقراء (قرطبی) ۵۸۱ (چنانچہ ان غریبوں، مسکینوں نے حق کو پہچانا اور قدر کی۔ انہیں دولتِ ایمان سے سرفراز کر دیا گیا۔ رُؤساء و امراء قریش کفران و انکار میں لگے رہے۔ قسمت سے محروم رہ گئے) ۵۸۲ رحمت و شفقت کل کائنات کے لئے عمومی اور مطیعین و مؤمنین کے لئے خصوصی، اور اس قانونِ رحمت کی ایک دفعہ یہ ہے جو ابھی بیان ہو رہی ہے۔ کَتَبَ یہاں اَوجب کے مُرادف ہے یعنی حق تعالیٰ نے اپنے اُوپر محض اپنے فضل و کرم سے بلا کسی کے توسط کے لازم یا واجب کر لیا ہے۔ ای اوجب ذٰلک بخبرہ الصدق ووعدہ الحق (قرطبی) ای اوجبھا علی ذاتہ المقدسۃ تفضلاً واحساناً بالذات لا بتوسط شیٔ اصلا (روح) کتب میں خود ہی وجوب موجود ہے اور پھر جب علیٰ اس کے ساتھ آگیا تو تاکید اور دُہری ہوگئی۔ کتب کذا علی فلان یفید الایجاب وکلمۃ علیٰ ایضاً تفید الایجاب ومجموعھما بالغۃ فی الایجاب (کبیر) عَلٰی نَفْسِہٖ۔ نفس سے مُراد یہاں ذات و حقیقت ہے، نہ کہ جسم النفس ھٰھنا بمعنی الذات والحقیقۃ واما بمعنی الجسم والدم فاللہ سبحانہ وتعالیٰ مقدس عنہ (کبیر) معناہ وعدکم بالرحمۃ وعداً مؤکداً (مدارک) سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ۔ السلام علیکم تو مسلمانوں کے ہاں کا اصطلاحی سلام بھی ہے، دُوسرے فرقوں اور قوموں کے طریقِ سلام و تحیت سے ممتاز، نہ ڈنڈوت نہ پالاگن، نہ گڈ مارننگ نہ "جے رام جی کی" نہ "ونمستے"، نہ "آداب و بندگی" بلکہ صرف دعائے رحمت کہ اللہ ہر طرح فلاح و سلامتی نصیب رکھے ——— وہ جامع و بے نظیر دعا جو ہر موقع پر، ہر مرتبہ اور ہر سن کے انسان کو دن اور رات کے ہر وقت بلا تکلف دی جا سکتی ہے۔ اور یہاں سیاق میں سلام علیکم کے معنی ہونگے کہ اللہ تمہیں اُن تمام خرابیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے جو کفر و شرک کے لازمی نتیجہ کے طور پر دنیا و آخرت میں پیش آتیں۔ سلام علیکم ایک جامع ترین دعا ہے جس میں دنیوی اور اُخروی ہر قسم کی سلامتی آگئی۔ معناہ سلمکم اللہ فی دینکم وانفسکم (قرطبی) یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا۔ آیات سے مُراد یہاں آیاتِ قرآنی بھی ہو سکتی ہیں اور دلائل بھی۔ والمراد بالاٰیات الدلائل والمعجزات مطلقاً (روح) فخر المفسرین امام رازیؒ نے حسبِ معمول یہاں بھی غایت نکتہ رسی سے کام لیا ہے، ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب پر اطلاق آیت اللہ کا ہو سکتا ہے۔ وہ سب آیات اس کی ذات و صفات کی وحدانیت

إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ
ہیں اس امر کا کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائینگے اس حال میں کہ ان کے حق میں نہ کوئی مددگار
لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم
ہوگا نہ کوئی شفیع، شاید کہ وہ ڈرنے لگیں ۵۷۷ اور اُن لوگوں کو نہ نکالئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام
بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ
پکارتے ہیں ۵۷۸ خاص اُسی کی رضا کا قصد کرتے ہوئے آپ کے ذمہ اُن کا حساب
مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم
ذرا بھی نہیں، اور نہ اُن کے ذمہ آپ کا ذرا بھی حساب ہے جس سے آپ انہیں
مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَ
نکالنے لگیں اور آپ کا شمار بے انصافوں میں ہو جائے ۵۷۹ اور
كَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ
اس طرح ہم نے اُن میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے جس سے یہ
اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾
لوگ کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہمارے درمیان میں سے ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے ۵۸۰ کیا اللہ شکر گزاروں
وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ
سے خوب واقف نہیں ۵۸۱ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں تو
عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ
آپ کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے پروردگار نے اپنے اُوپر رحمت لازم کر رکھی ہے ۵۸۲ بیشک تم میں سے

۵۷۲ عذابِ الٰہی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس کا شکار صرف مجرمین ہوتے ہیں اور مطیعین اس سے بچا لئے جاتے ہیں۔ حقًا علینا ننج المومنین۔ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً۔ بغتۃً وہ عذاب ہے جو یک بیک اور اچانک بغیر کسی اطلاع کے آجائے۔ اور جھرۃً وہ عذاب ہے جو پورے طور پر اظہار علامات کے بعد آئے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ کوئی عذاب کسی قسم کا بھی ہو اس کے دفع کرنے کی قوت وقدرت صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ ھٰذا عام فی جمیع انواع العذاب والمعنیٰ انہ لا دافع لنوع من انواع العذاب الا اللہ سبحانہ (کبیر) ای لا یھلک انتم الا بشرککم والظلم ھنا بمعنی المشرك (قرطبی) آیت میں تعلیم اس مضمون کی ہے کہ ہلاکت و بربادی تو بہرحال کافروں ہی کے لئے ہے۔ باقی مومن کے لئے تو خوشحالی اور بدحالی دونوں یکساں نعمت ہی ہیں۔ خوشحالی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہی ہے بدحالی بھی اس معنیٰ میں نعمت ہے کہ وہ کفارۂ سیئات، یا رفع مراتب کا کام دے گی۔ ذٰلك تنبیه علیٰ ان المومن المتقی التقی ھو السعید سواء کان فی البلاء او فی الآلاء والنعماء وان الفاسق الكافر ھو الشقی کیف دارت قضیته واختلفت احواله (کبیر)

۵۷۳ (قیامت کے دن) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن ماضی پر ہوتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا ہے کہ بہ اقتضائے ایمان، وہ اللہ کا طبعی خوف بھی نہ رکھتے ہوں گے، بلکہ ارشاد صرف یہ ہے کہ واقعۃً ان کے لئے کوئی اندیشہ ناک بات نہ ہوگی۔ وَمَا نُرْسِلُ ...... مُنْذِرِيْنَ۔ یعنی پیمبروں کی بعثت کی غرض تمامتر یہ ترغیب و ترہیب ہوتی ہے۔ یہ کچھ اپنی پوجا کرانے کے لئے نہیں آتے، نہ اس لئے کہ خارقِ عادت عجائبات دکھایا کریں۔ والمقصود ھنا ان الانبیاء والرسل بعثوا مبشرین ومنذرین ولا قدرة لھم علی اظھار الآیات وانزال المعجزات بل ذالك مفوض الی مشیة اللہ تعالیٰ وکلمته وحکمته (کبیر) فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اور اصلاح کا اعضا ظاہری سے۔ الایمان الذی ھو عمل القلب والاصلاح الذی ھو عمل الجسد (کبیر)

۵۷۴ (اور کفر میں جا پڑتے ہیں) یفسقون ای یکفرون (قرطبی) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی اُن کا عمل تکذیب پیمبروں کی اسی تبشیر و انذار کے بعد بھی جاری ہے۔ آیات کے تحت میں قرآن مجید اور معجزاتِ نبوی دونوں داخل ہیں۔ ای بالقران والمعجزات (قرطبی) يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ۔ یہ عذاب عام ہے۔ خواہ دنیا میں ہو، خواہ آخرت میں۔ یہ وعید انہی فاسقین کے لئے ہے جو ساتھ ہی آیات اللہ کے مکذبین میں سے بھی ہوں۔

أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتَٰكُمْ عَذَابُ ٱللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً

کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب اچانک یا خبرداری میں آپڑے تو کیا بجز ظالم لوگوں

هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ

کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا؟ ۵۷۲ اور ہم پیمبروں کو تو بشارت دینے

ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ فَمَنْ ءَامَنَ وَ

والے اور ڈرانے والے ہی کی حیثیت سے بھیجتے ہیں تو جو کوئی بھی ایمان لے آئے

أَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٨﴾ وَ

اور اپنی درستی کرلے تو ان لوگوں کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے ۵۷۳ اور

ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا يَمَسُّهُمُ ٱلْعَذَابُ بِمَا كَانُوا۟ يَفْسُقُونَ ﴿٤٩﴾

جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اُنھی کو عذاب لگے گا اسلئے کہ وہ (عبودیت سے) تجاوز کر کر جاتے ہیں ۵۷۴

قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمْ عِندِى خَزَآئِنُ ٱللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ

آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں

ٱلْغَيْبَ وَلَآ أَقُولُ لَكُمْ إِنِّى مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا

اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۵۷۵ میں تو بس اُس وحی کی پیروی کرتا

يُوحَىٰٓ إِلَىَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلْأَعْمَىٰ وَٱلْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا

ہوں جو میرے پاس آتی ہے، آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ تو کیا تم

تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ وَأَنذِرْ بِهِ ٱلَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوٓا۟

غور نہیں کرتے ۵۷۶ اور آپ اس (وحی شدہ قرآن) کے ذریعہ سے انھیں ڈرائیے جو اندیشہ رکھتے

ع ۵ / ۹ / ۱۱

۵۷۵ (کہ لوازمِ بشریت سے منزہ ہوں) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ یعنی نہ میری ملک و قدرت کامل کہ جس کو چاہوں عطا کردوں۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ اور نہ میرا علم کامل و محیط کہ وہ خاصہ حق تعالیٰ ہے۔ آیت کے ان تین فقروں میں مشرکوں کے تین عقیدوں کا رد تو ظاہر ہی ہے لیکن اسکے علاوہ مسیحیت کا رد بھی اس میں آگیا ہے جس نے مسیح کو خدائے تعالیٰ کا ہم پلہ و ہمسر بنا کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں انا جیل لائج الوقت کی چند آیتیں ”وہ باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے اور اُس نے سب چیزیں اُسکے ہاتھ میں دے دی ہیں“ (یوحنا ۳: ۳۵) ”میں اور باپ ایک ہیں“ (یوحنا۔ ۱۰: ۳۰) ”جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے“ (یوحنا۔ ۱۶: ۱۵) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں پیمبر کے لئے اثبات کیا گیا ہے دو صفات کا پہلا اثبات عبدیت کا، جس کے لوازم میں امتثالِ امر اور اتباعِ وحی ہے، دوسرا اثبات بشریت کا، جس کے لوازم میں اکل و شرب، خوف و رجا ہے۔ اسی طرح دو صفات کی نفی ہے، پہلی نفی عبد سے خواصِ الوہیت کی مثلاً قدرتِ کامل و علمِ محیط کی ہے۔ دوسری نفی بشر سے تنزہ عن البشریۃ کی ہے۔ ۵۷۶ (جو اتنی موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آجائے کہ کہیں نورِ وحی سے منور، صاحبِ بصیرت اور کہیں فیضانِ نور سے محروم، بے بصر دونوں برابر ہو سکتے ہیں) اَلْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ۔ سے مراد کافر و مومن ہیں۔ ای الكافر والمومن عن مجاھد (قرطبی) اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ یہ ہے ایک مختصر سے فقرہ میں ساری حقیقت نبوت و رسالت کی۔ صاحبِ وحی کا ہر قدم وحی الٰہی کی ہی روشنی میں اُٹھتا ہے اور نبی تمامتر وحی الٰہی ہی کا اتباع کرتا رہتا ہے ——— نبی کو شریعت میں جو معصوم مانا گیا ہے۔ وہ تمامتر فرع ہے اسی اصل کی، جب رسول اپنے سارے فرائضِ رسالت میں احکام الٰہی کا پیرو ہو گیا تو اس میں خطا و غلطی کا امکان ہی کہاں باقی رہ گیا؟ آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیمبر اجتہاد سے محروم ہوتا ہے، اجتہاد و قیاس شرعی کے موقع جب اُمتیوں کے لئے ہیں تو پیمبر کے لئے تو بدرجہا زاید ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ جو امور قابلِ اجتہاد نہیں، وہاں تمامتر وحی الٰہی ہی پیمبر کی زندگی کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔

۶۷ (بجائے نرم پڑنے کے) ایسے قسی القلب مجرموں کا انجام سابق صحیفوں میں یُوں درج ہے: "وہ جو باوجود بار بار تنبیہ پانے کے سخت گردنی کرتا ہے، ناگہاں برباد کیا جائیگا اور اس کا کوئی چارہ نہ ہوگا" (امثال ۲۹:۱) فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا۔ اور اس تضرع سے ان کا جُرم بھی معاف ہوجاتا۔ فقرہ کے شروع میں لولا کے لے آنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ بجز عناد وقسوت قلب اور خود بینی کے اور کوئی مانع ان کے پاس تضرع سے تھا ہی نہیں، ذکر کلمة لولا یفید انه ما کان لهم عذر فی ترك التضرع الا عنادهم وقسوتهم واعجابهم باعمالهم التی زینها الشیطان لهم (کبیر) قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ قساوتِ قلب یہی تھی کہ کفر اور اصرار معاصی پر قائم رہے۔ هی عبارة عن الكفر والاصرار علی المعصية (قرطبی) ۶۸ شیطان کا اصلی حربہ یہی تزئین معاصی ہے۔ ہر گندہ سے گندہ فسق و معصیت میں وہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری زینت یا فوری لذّت کا ضرور دکھا دیتا ہے۔ اور انسان کا کمزور نفس اس کا شکار ہوجاتا ہے۔ شراب نوشی، سُود خواری، حرامکاری سے لے کر آج کی سینما بازی تک میں بھی یہ خصوصیت سب میں مشترک نکلے گی۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ

سو جب انہیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے بلکہ اُن کے دل تو

قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۴۳

(ویسے ہی) سخت رہے ۶۷ اور جو کچھ وہ کرتے رہے شیطان اُسے اُن کی نظر میں خوشنما کر دکھاتا رہا ۶۸

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

پھر جب اُس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی وہ جھٹلاتے رہے تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے

شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً

کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اُس پر جو انہیں ملا تھا اِترا گئے تو ہم نے اُن کو دفعةً پکڑ لیا

فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۴۴ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

اور وہ دھک سے رہ گئے ۶۹ اس طرح جڑ کاٹ دی گئی اُن لوگوں کی جو ظلم

ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۴۵ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

کرتے تھے اور ساری حمد اللہ سارے جہانوں کے پروردگار ہی کے لئے ہے ۷۰ آپ کہہ دیجئے کہ

اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي

اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اللہ اگر تمہاری شنوائی اور تمہاری بینائی سلب کرلے اور تمہارے دلوں پر مُہر

قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ

کردے تو بجز اللہ کے اور کون معبود ہے جو یہ (چیزیں) تمہیں دے دے؟ آپ دیکھئے ہم

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۴۶ قُلْ

کس کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ پھر بھی بے رُخی کئے ہوئے ہیں ۷۱ آپ کہہ دیجئے

۶۹ (ہر طرح مایوس ہوکر) یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جاہ و ثروت، خوشحالی اور اقبال مندی کو صداقت و حقانیت کی دلیل سمجھ لینا تمامتر حماقت و سفاہت ہے۔ اس کا لازمی تعلق حق و صداقت سے ہرگز نہیں، گو اکثر حالات میں مطیعین اور اہلِ حق کو یہ دنیوی سربلندیاں بھی بطور انعام مل جاتی ہیں۔ نَسُوْا۔ نسیان سے یہاں وہ عدم حافظہ کا عمل مُراد نہیں جو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک اختیاری مُراد ہے۔ نسوا بمعنی ترکوا عن ابن عباس وابن جریج وهو قول ابی علی (قرطبی) مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ یعنی ایمان و اطاعت کے مطالبات جو بار بار پیمبروں کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر قسم کے اسباب نعمت انہیں مہیا ہوگئے۔ ای من النعم والخیرات ای کثرنا لهم ذلك (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ پہلے سختیوں میں اور اب آسانیوں میں دونوں طرح ہم نے انہیں رکھ دیکھا کہ اب بھی وہ فطرتِ سلیم سے کام لے کر کسی طرح راہ حق پر آجائیں، وہ کسی طرح بھی نہ آئے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انہی استدراجی نعمتوں کی ایک نظیر اُس شخص کا حال ہے جس کا ذوق و حال باوجود معصیت و فسق کے باقی رہے، یہ اس کے حق میں استدراج ہے۔ وہ جاہل اس پر فخر کرتے ہیں کہ دیکھو ہماری نسبت کیسی قوی ہے۔ اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا۔ یعنی دنیوی جاہ و حشمت کی غفلت و مستی میں پڑ کر اُن کا کفر خوب بڑھ گیا۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ گویا اردو محاورہ میں اُن کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اور وہ غایت یاس میں مبتلا ہوگئے۔ آیسون من کل خیر قال الفراء المبلس الذی انقطع رجاءه وقال الزجاج المبلس شدید الحسرة الحزین (کبیر) ۷۰ یعنی اُس خدا کے لئے جو محافظ ہے نظامِ تکوینی کا اور اُس سے ہر رخنہ اندازی کو دُور کرتا رہتا ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یہ ظلم وہ اپنی جانوں پر بھی کرتے ہیں۔ اور نظام کائنات پر بھی۔ ۷۱ اور جن مقدمات و مبادی سے توحید لازم آتی ہے۔ اُن پر غور ہی نہیں کرتے اور نتیجۂ توحید تک اپنے کو پہنچنے ہی نہیں دیتے ہیں۔ يَصْدِفُوْنَ۔ صدف۔ اعراض کے مرادف ہے۔ ای یعرضون عن ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی، یقال صدف عن الشیء اذا اعرض عنه (قرطبی) كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ۔ تصریف آیات یہ کہ انہیں گھما کر بار بار لایا جائے اور مختلف عبارات سے پیش کیا جائے۔ وتصریف الآیات الاتیان بها من جهات من اعذار وانذار وترغیب وترهیب ونحو ذلك (قرطبی) المراد من تصریف الآیات ایرادها علی الوجوه المختلفة المتكاثرة بحیث یكون كل واحد منها یقوی ما قبله فی الایصال الی المطلوب (کبیر) اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ۔ یعنی تمہاری سماعت و بصارت سے تمہیں اس طرح محروم کردے کہ تمہیں نہ کچھ سنائی دے نہ کچھ دکھائی دے۔ ابصار کا جمع ہونا تو ظاہر ہے۔ سمع لفظاً واحد ہے لیکن چونکہ مصدر ہے۔ اس لئے کام جمع کا دے رہا ہے۔ وحد سمعكم لانه مصدر يدل علی الجمع (قرطبی) خَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ۔ تمہارے دلوں پر ایسی مُہر کردے کہ تمہاری عقلیں مخبوط و معطل ہوجائیں۔ یہ دلوں پر مہر جو تکوینی طور پر لگ جائے اُس مُہر لگ جانے سے اس کا الگ ہونا ظاہر ہی ہے جو کفر و فسق پر اصرار سے بطور نتیجۂ طبعی کے لگ جاتی ہے اور جس کا ذکر محرومیٔ ایمان کے سلسلہ میں کئی بار آچکا ہے۔ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ۔ بہ میں ضمیر واحد اُس مذکور کی جانب ہے جو ابھی اوپر گزر چکا۔ ای باحد هذه المذكورات (قرطبی) جوزان یکون راجعاً الی احد هذه المذكورات (روح)

٦٢ مقصود حکم حشر کی تعمیم ہے سارے خلائق کے لئے۔ ای للجزاء (قرطبی) دل بھذا علی ان البھائم تحشر یوم القیامۃ وھذا قول ابی ذر و ابی ھریرۃ والحسن وغیرھم (قرطبی)
اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ قیامت میں محشور ہونے کے لحاظ سے۔ ای فی الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص ھذا اختیار الزجاج (قرطبی) قیل فی الخلق والموت والبعث (معالم) فی
انھم یحشرون والمقصود بیان ان الحشر والبعث کما ھو حاصل فی حق الناس فھو ایضا حاصل فی حق البھائم (کبیر) الله تعالیٰ انما امثالنا فی انھا تحشر یوم القیامۃ یوصل الیھا حقھا (بحر)
یہ التزام و انتظام جب غیر مکلفین و نیم مکلفین کے لئے ہے تو انسان جو پوری طرح مکلف و ذمہ دار ہے کیونکر اس سے بچ سکتا ہے؟ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ۔ چوپائے، چرند، پرند ہر قسم کے

اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى
گروہ ہیں ہم نے اپنے رجسٹر میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے۔ پھر (یہ سب) اپنے پروردگار
رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ
کے پاس جمع کئے جائینگے ٦٢ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے
بُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ
ہیں (طرح طرح کی) تاریکیوں میں (گرفتار) اللہ جسے چاہے اُسے بے راہ کردے اور جسے چاہے
يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ
وہ سیدھی راہ پر لگا دے ٦٣ آپ کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر
اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ
تُم پر اللہ کا عذاب آ پڑے یا (قیامت کی) گھڑی آ پڑے، تو کیا اللہ کے سوا اور کو
تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
پکاروگے (بتاؤ) اگر سچے ہو ٦٤ نہیں بلکہ خاص اُسی کو پکاروگے، پھر
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا
جس (مصیبت کے ہٹانے) کے لئے اُسے پکارتے ہو وہ چاہے تو اُسے دُور بھی کردے اور تم ان سب کو بھول جاؤ
تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ
بھی جاؤ جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو ٦٥ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے قبل (اور بھی) اُمتوں کی طرف (پیمبر) بھیجے
فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾
پھر ہم نے انہیں تنگدستی اور تکلیف میں مُبتلا کیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ٦٦

ع ١٠

جانور خدائی رجسٹر میں حساب و کتاب کے لئے سب مندرج اور مستنبط ہیں۔ الکتٰب سے مراد لوح محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے جس میں جزئی سے جزئی معلومات بھی درج ہیں۔ عن الحسن وقتادۃ ان المراد بالکتاب الکتاب الذی عند الله تعالیٰ وھو مشتمل علی ما کان ویکون وھو اللوح المحفوظ (روح)

٦٣ صُمٌّ یعنی سماعِ حق سے بہرے۔ بُكْمٌ یعنی کلامِ حق سے گونگے۔ فِى الظُّلُمٰتِ صیغۂ جمع اس لئے کہ ہر اعراض بجائے خود ایک تاریکی ہے۔ اور ہر تاریکی کفر ہے۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ۔ مَنْ يَّشَاْ دونوں جگہ قانونِ مشیتِ تکوینی کا بیان ہے۔ يُضْلِلْهُ۔ یہ اضلال حق کی طرف سے، بندوں کے اعراضِ ارادی پر الزاماً مرتب ہو جائیگا۔ ٦٤ (اپنے دعوٰی شرک میں) یعنی اگر تم واقعی خلوصِ دل کے ساتھ دوسرے معبودوں کے بھی قائل ہو۔ تو انتہائی نازک وقتوں پر انہیں کیوں نہیں پکارتے ہو؟ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ۔ اگر تم پر عذابِ الٰہی یک بیک آ پڑے۔ جیسا کہ پچھلی قوموں پر آ چکا ہے۔ مُراد عذابِ دنیوی کی کوئی شکل ہے۔ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ۔ قیامت آجائے۔ جو مجموعہ ہوگی بہت سی ہولناکیوں کا۔ مُراد عذابِ آخرت ہے۔ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ۔ کیا کسی غیر اللہ کو بھی انتہائی مصیبتوں کو دُور کرنے کو پکاروگے؟ ٦٥ آیت میں مخاطبہ ملحدوں سے نہیں، بلکہ اس نوع کے کافروں سے ہے جو قائل تو ایک صانعِ عالم کے تھے لیکن اس کے ساتھ اعمالِ ربوبیت میں دُوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے۔ اِنْ شَآءَ۔ یعنی اگر ان مصائب سے نجات دلانا اس کی مشیتِ تکوینی کے مطابق ہو۔ ٦٦ (اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کرلیں) یہاں صاف الفاظ میں ابتلاء کی غرض بھی بیان کردی، کہ مقصود اصلی ان سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، انابت و خشیت پیدا کرنا تھا۔ يَتَضَرَّعُوْنَ۔ تضرع کے معنی خشوع و خضوع، انابت و رجوع کے ہیں۔ معنی التضرع التخشع وھو عبارۃ عن الانقیاد وترک التمرد (کبیر) پچھلے صحیفوں میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ملتا ہے۔ مثلاً:۔
"خداوند تیرا خدا بیابان کے بیچ۔ بر چالیس برس تجھ کو لئے پھرا تاکہ تجھے عاجز کردے اور تجھے آزمائے۔ اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ اس کے احکام مانے گا کہ نہیں۔" (استثناء ٨: ٢)
بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ باْساء سے مراد فقر و فاقہ وغیرہ مالی مصائب سمجھے گئے ہیں اور ضرّاء سے بیماری وغیرہ جسمانی مصائب، گو اس کے برعکس کا استعمال بھی صحیح ہے۔ ومعنی بالباساء بالمصائب فی الاموال والضراء فی الابدان، ھذا قول الاکثر وقد یوضع کل واحد منھما موضع آخر (قرطبی) قال الحسن البأساء شدۃ الفقر من البؤس والضراء الامراض والاوجاع (کبیر)

۵۵۳ (جن سے نصرتِ الٰہی کی تحقیق و تصدیق آپ کو ہو ہی چکی ہے اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجئے۔ نصرتِ الٰہی کا آپ تک بھی پہنچنا یقینی ہے) کَلِمٰتُ اللهِ۔ سے یہاں مُراد الله کا وعدۂ نصرت ہے ای مواعیدہ (کشاف)، قال ابن عباسؓ ای مواعید الله (بحر) مِنْ نَبَاِ۠ئ میں مِن تبعیض کا ہے۔ ترجمہ کچھ سے کیا گیا ہے۔ من ھٰھنا للتبعیض (کبیر) ۵۵۴ (اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ اُن کے فرمائشی معجزے بھی کسی نہ کسی طرح پُورے ہو کر رہیں) اعراض وہی جس کا ذکر اُوپر ہو چکا۔ ۵۵۵ مطلب یہ ہوا کہ ہم تو اُن کی فرمائشیں بوجہ عدمِ ضرورت ولزومِ ضرر پوُری کرنے کے نہیں۔ ہاں آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہو ہی جائیں تو آپ ہی یہ انتظامات کیجئے۔ (تھانویؒ) فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ۔ یعنی آپؐ کے بس میں ہو تو آپ یہ کر دکھائیے مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ آپؐ میں ان کافروں کے حال پر شفقت اور اُن کے اسلام لے آنے کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ آپؐ کے اختیار میں ہو تو آپؐ ہر فرمائشی معجزہ کر دکھانے کو تیار ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو تو جائیں۔ فافعل یعنی انك لا تستطیع ذٰلك والمراد بیان حرصه علی اسلام قومه وتہالكه علیه وانه لو استطاع ان یاتیهم بایة من تحت الارض او من فوق السماء لاتی بها رجاء ایمانهم (کشاف) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ ارادۂ عبد حصُولِ مراد کے لئے قطعی اور لازمی نہیں۔ یہاں تک کہ رسُول الله صلعم کا ارادہ بھی، پھر کسی بزرگ سے متعلق اہلِ غلو کا یہ عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اُس کی دعا کا قبول ہونا لازمی ہے۔

۵۵۶ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے ہماری مشیت یہی ہوتی کہ چھوٹے بڑے سب کو بلا استثنا راہ ہدایت ہی دکھا دی جائے تو پھر ایسا ہو ہی نہ جاتا، اس میں مانع کون اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور دنیا میں اختلاف مسلک وعقیدہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ طلبِ معجزات وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ ای لاراھم اٰیة تضطرھم الی الایمان ولکنّه اراد عزّ وجلّ ان یثیب منهم من اٰمن ومن احسن (قرطبی) ۵۵۷ (کہ ایسی اَن ہونی بات کی توقع کرنے لگیں) مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا اور ارادہ کی قوت سونپی گئی۔ اُس کے معنی ہی یہ ہیں کہ روش اختلاف باقی رہے، جبری ہدایت تو اس بنیادی و مرکزی نقطۂ تکوینی ہی کے منافی ہے اور ایسی روشن و بنیادی حقیقت سے بے خبر رہنا عین جہالت ہے۔ والمقصود من تغلیظ الخطاب التبعید والزجر له عن مثل ھٰذه الحالة (کبیر) ۵۵۸ (کلامِ حق و پیامِ حق کو بہ قصدِ قبولِ حق) قبولِ حق کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ پیامِ حق کو بلا عناد و قصدِ مخالفت، خلوئے ذہن کے ساتھ سُنا تو جائے۔ ای سماع اصغاء وتفھم وارادة الحق (قرطبی) والمراد بالسماع سماع الفھم والتدبر (روح) ۵۵۹ (حساب کے لئے) اُس وقت پوری حقیقت کھل کر رہے گی۔ دُنیا میں پُوری سزا اعراض و انکار کی اگر نہ بھی ملی تو کیا ہوا؟ ۵۶۰ (ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے جو ایمان پر مجبور کر دے) یہ فرمائش کرنے والے وہ جاہل منکرین تھے جن کے نزدیک حقانیت وصداقت کا ثبوت صرف مادّی خوارق اور حسّی معجزات تھے۔ ملجئة للایمان (روح) کما نقترح (مدارک) او خارق علی مقتضی ما کانوا یریدون ومما یتعنتون (ابن کثیر) ۵۶۱ یعنی علم صحیح سے محروم ہیں اور عقلِ سلیم سے کام لینا جانتے نہیں۔ یہ اس حقیقت سے بھی خبردار نہیں کہ پیمبر کی تعلیمات صحیح اور ہدایات صادق کے لئے مثلاً عقیدۂ توحید کے لئے عقیدۂ جزا و سزا کے لئے کسی معجزۂ حسّی اور خارقِ مادّی کی سرے سے ضرورت ہی کیا ہے۔ اور بالفرض ہو تو معجزات تو پہلے سے موجود چلے آتے ہیں۔ پھر اُن سے حاصل کیا ہوا جو نئے معجزات طلب کئے جا رہے ہیں؟ فرمائشی معجزات طلب کرنے والوں پر انجیل میں بھی بڑی لتاڑ آئی ہے۔ ”اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا“ (متی: ۱۶:۴) ”پھر فریسی نکل کر اُس سے بحث کرنے لگے اور اُسے آزمانے کے لئے اُس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا اُس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا“ (مرقس ۸: ۱۱-۱۲)

الْمُرْسَلِيْنَ ۞ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ
ہیں ۵۵۳ اور آپ پر اگر اُن کا اعراض گراں گزرتا ہے ۵۵۴ تو اگر آپ کے

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا
بس میں ہو کہ زمین (میں جانے) کے لئے کوئی سُرنگ یا آسمان (پر جانے) کے لئے کوئی زینہ ڈھونڈ لیں

فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ
تو ضرور کوئی نشان اُن کے لئے لے آئیں ۵۵۵ اور اگر اللہ چاہتا تو ان (سب) کو ہدایت

عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞ اِنَّمَا
پر جمع کر دیتا ۵۵۶ تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے ۵۵۷ قبول تو

يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ
بس وہی لوگ کرتے ہیں جو سُنتے ہیں ۵۵۸ اور مُردوں کو اللہ جِلا کھڑا کرے گا

اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ
پھر وہ اس کی طرف واپس لائے جائیں گے ۵۵۹ اور یہ کہتے ہیں کہ ان (صاحب) پر کوئی

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ
معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اُتارا گیا ۵۶۰ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بیشک قادر ہے (ایسا معجزہ) اتارنے

اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ
پر، لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو (خود ہی) علم نہیں رکھتے ۵۶۱ اور جو بھی جانور زمین پر چلنے والا

فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ
ہے اور جو بھی پرند اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑنے والا ہے وہ سب تمہارے ہی طرح کے

وقف غفران، وقف منزل عند البعض علی (یسمعون) النصف

السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا
اُن پر یک بیک آپہنچے گی ۴۹ تو بول اُٹھیں گے، ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم اُس کے بارہ میں
وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ
کرتے تھے ۴۹ اس حال میں کہ وہ اپنے گناہ اپنی پُشتوں پر لادے ہوں گے ۵۰ دیکھو تو کیا ہی
مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ
بُرا بوجھ ہے جس کو یہ لادے (لادے پھر رہے) ہونگے، اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشہ کے اور
وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا
تقویٰ رکھنے والوں کے حق میں یقیناً آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے تو کیا تم عقل سے کام
تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
ہی نہیں لیتے ۵۱ بیشک ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کو رنج پہنچاتا ہے تو یہ لوگ
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ ظالم تو) اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار
يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا
کر دیتے ہیں ۵۲ اور آپ سے قبل بھی پیمبر خوب جھٹلائے جا چکے ہیں سو اُنہوں نے اس پر صبر
عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ
کیا کہ اُن کی تکذیب کی گئی اور اُنہیں ایذا دی گئی یہاں تک کہ انہیں ہماری نصرت آپہنچی، اللہ کی باتوں
لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى
کو کوئی بدل نہیں سکتا اور پیمبروں کے کچھ قصے تو آپ کو پہنچ ہی چکے

۴۹ اس کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہ کی۔ یا یہ کہ دنیوی زندگی میں ہم نے ادائے فرائض میں غفلت برتی۔ فَرَّطْنَا فِيْهَا۔ ضمیر قیامت یا الساعۃ کی طرف ہے۔ الحیٰوۃ الدنیا کی بابت بھی سمجھی جاسکتی ہے۔ ای فی الساعۃ ای فی التقدمۃ لھا عن الحسن (قرطبی) الضمیر للحیٰوۃ الدنیا (کشاف) يٰحَسْرَتَنَا ترکیب یہاں ندا منادی کی نہیں۔ بلکہ یہ اسلوب شدّتِ تحسّر کے اظہار کا ہے۔ وضع الندا علی الحسرۃ ولیست بمناذی فی الحقیقۃ ولکنہ یدل علی کثرۃ التحسر (قرطبی) والعرب تعبر عن تعظیم امثال ھٰذہ الامور بھٰذہ اللفظۃ (کبیر) ۵۰ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔ یہاں اوزار کے معنیٰ ذنوب سب کو مسلّم ہیں۔ ای ذنوبھم (قرطبی) آثامھم وذنوبھم (ابن جریر) قال ابن عباسؓ الاٰثام والخطایا (کبیر) وزر جو اوزار کا واحد ہے۔ اس کے معنیٰ ثقل وحمل کے بھی لئے گئے ہیں لیکن امام ابن جریر نے جو عربیت کے بھی امام ہیں اس پر سخت جرح کی ہے، اور وزر کے معنیٰ گناہ ہی رکھے ہیں۔ قد زعم بعضھم ان الوزر الثقل والحمل ولست اعرف ذٰلک کذٰلک فی شاھد ولا من روایۃ ثقۃ عن العرب سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ گناہ تو ایک غیرمادّی شیٔ ہے، گناہ پیٹھ پر کیسے لدینگے! جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مجاز اور محض محاورۂ زبان مُراد ہے۔ مجاز وتوسع وتشبیہ بمن یحمل ثقلاً (قرطبی) والمعنی انھم لزمتھم الاٰثام فصاروا مثقلین بھا (قرطبی) لیکن خود یہ ماننے میں کیا عقلی یا شرعی دشواری ہے کہ آخرت میں مجردات بھی مادیات ہی کی طرح باوزن ہونگے اور اعمال بھی وزن رکھیں گے، یا اعمال بہ شکل اجسام متمثل ہو جائینگے، اکابر اہل سنت میں سے متعدد حضرات عقیدۂ تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ جب حقیقی معنیٰ لینے ممکن ہیں تو یہاں بھی انہیں مجاز کے لئے ترک نہ کیا جائیگا۔ لا مانع من الحمل علی الحقیقۃ واجراء الکلام علیٰ ظاھرہٖ وقد قال کثیر من اھل السنۃ بتجسیم الاعمال فی تلک الدار وھو الذی یقتضیہ ظاھر الوزن (روح) والظاھر ان ھٰذا الحمل حقیقۃ وھو قول عمیر بن ھانی وعمرو بن قیس الملائی والسدی واختارہ الطبری (بحر) ۵۱ (اور فکرِ آخرت چھوڑ کر اسی سامانِ دنیوی میں منہمک ہو) جس دنیا کی یہ مذمت ہے، وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذات ہو جیسی کہ ملحدوں اور مادہ پرستوں کو ہوتی ہے، وہی لوگ جن کا قول ابھی اُوپر نقل ہو چکا ہے۔ ان ھی الاحیاتنا الدنیا۔ فالمقصد بالاٰیۃ تکذیب الکفار فی قولھم ان ھی الاحیاتنا الدنیا (قرطبی) قال ابن عباسؓ ھٰذہ حیاۃ الکافر لانہ یزجیھا فی غرور وباطل (قرطبی) المراد منہ حیاۃ الکافر قال ابن عباسؓ یرید حیاۃ اھل الشرک والنفاق والسبب فی وصف حیاۃ ھٰؤلاءِ بھٰذہ الصفۃ ان حیاۃ المومن یحصل فیھا اعمال صالحۃ فلا تکون لعباً ولھواً (کبیر) ورنہ وہ دنیا جو آخرت کی تیاریوں کے لئے ہوتی ہے جیسی ہر مومن کی ہونی چاہیئے وہ مذمت کے قابل نہیں، وہ تو عین مطلوب ہے۔ لیس من اللھو واللعب ما کان من امور الاٰخرۃ فان حقیقۃ اللعب ما لا ینتفع بہٖ واللھو ما یلتھی بہٖ (قرطبی) قال ابن عباسؓ فاما حیاۃ المومن فتنطوی علیٰ اعمال صالحۃ فلا تکون لھواً ولعباً (قرطبی) جعل اعمال الدنیا لعباً ولھواً واشتغالاً بما لا یعنی ولا یعقب منفعۃً کما تعقب اعمال الاٰخرۃ المنافع العظیمۃ (کشاف) لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ تقویٰ میں تو معاصی سے بھی پرہیز آگیا لیکن یہاں خاص طور پر مُراد شرک والحاد سے پرہیز ہے۔ ۵۲ (سو آپ غم وحزن میں زیادہ نہ پڑیئے۔ بلکہ اُن کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیئے) مطلب یہ ہے کہ منکرین، مکذبین آپ کی ذاتی صداقت وامانت سے کچھ تھوڑے ہی انکار کر رہے ہیں۔ انہیں تو ضد اُس پیامِ الٰہی سے ہے جو آپ انہیں پہنچا رہے ہیں، سو اُن کا معاملہ آپ سے نہیں براہِ راست حق تعالیٰ سے ہے۔ حدیث وسیر کی روایتوں میں صراحۃً آتا ہے کہ سرگروہ مکذبین ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم کچھ آپ کو تھوڑے ہی جھوٹا کہتے ہیں ہم تو اس پیام کو جھوٹا کہتے ہیں جس کا لانا آپ بیان کرتے ہیں۔ قال ابوجھل للنبی صلعم انا لا نکذبک ولکن نکذب بما جئت بہ (ابن کثیر عن علیؓ) قال ابو میسرۃ ان رسول اللہ صلعم مر بابی جھل واصحابہ فقالوا یا محمد واللہ ما نکذبک وانک عندنا لصادق ولکن نکذب ما جئت بہٖ (قرطبی) يَجْحَدُوْنَ۔ جحود ایسے انکار کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل تو قائل ہو جائے لیکن زبان ہٹ دھرمی سے انکار کئے جائے منکرین ومکذبین رسُول میں بہت سے ایسے ہی تھے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباتہ واثبات ما فی القلب نفیہ (راغب) قد کان فیھم العناد فی جحود نبوتہ صلعم مع علم منھم بہٖ وصحۃ نبوتہٖ (ابن جریر) وکان بعضھم قد تبین امرہ وعلم صحۃ نبوتہ وھو فی ذٰلک یعاند ویجحد نبوتہ حسداً لہ وبغیاً (ابن جریر) قَدْ نَعْلَمُ میں قد کا ترجمہ اردو میں ”خوب“ ہی سے مناسب ہے۔ قد بمعنی ربما الذی یجئ لزیادۃ الفعل وکثرتہ (کشاف) مفسر ابن حیان نے اگرچہ زمخشری کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور اسے قول غیر مشہور للنحاۃ قرار دیا ہے۔ تاہم تحقیق وتاکید کے معنیٰ انہوں نے بھی تسلیم کئے ہیں۔ تکون حینئذٍ للتحقیق والتوکید (بحر)

يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا

خبر نہیں رکھتے ۴۰ اور اگر آپ اِن کو اُس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کئے جائینگے اور

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ

کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں ۴۱، ہاں اب اُن پر وہ چیز ظاہر ہو کر رہی جسے اس کے قبل چھپایا

مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ

کرتے تھے ۴۲ اور اگر یہ واپس بھیج دیئے جائیں جب بھی یہ پھر وہی کریں جس سے یہ

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

روکے گئے تھے ۴۳ اور یقیناً یہ (بالکل) جھوٹے ہیں ۴۴، اور یہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری اسی دُنیا کی زندگی ہے

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى

اور ہم زندہ اُٹھائے جانے والے نہیں ۴۵ اور اگر آپ اُس وقت دیکھتے ہوں جب

رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ

یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے ۴۶ اور وہ ان سے ارشاد کریگا کیا یہ (قیامت) امر واقعی نہیں

ع ۳/ ۹ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَدْ

یہ کہینگے بیشک قسم ہے ہمیں اپنے پروردگار کی وہ ارشاد کریگا اچھا تو عذاب کا مزہ چکھو اُس کفر کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے

خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ

تھے ۴۷ یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں آگئے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب وہ (مقررہ) گھڑی

۴۰ کیا ٹھکانا ہے اُن کی حماقت و غباوت کا! وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ اہلِ علم نے لکھا ہے کہ نفی شعور کا درجہ نفی علم سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ گویا ذرا سا بھی احساس نہیں رکھتے۔ حالانکہ احساس تو جانور تک رکھتے ہیں۔ ونفی الشعور عنهم بالاكهم انفسهم ابلغ فى نفى العلم اذ البهائم تشعر وتحس (بحر) ونفى الشعور ابلغ من نفى العلم كانه قيل ومايدركون ذلك اصلا (روح)
وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۔ یعنی قرآن مجید سے دوسروں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رُکے رہتے ہیں عنه کی ضمیر دونوں موقعوں پر قرآن کی جانب ہوگی۔ والضمير على قول قتادة للقرآن (قرطبی)
هؤلاء المشركون المكذبون بآيات الله ينهون الناس عن اتباع محمد صلعم والقبول منه ويتباعدون عنه (ابن جریر) الضمير المرفوع للمشركين والمجرور للقرآن (روح) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ "دوسروں کے ضرر کو رسُول اللہ سے روکتے ہیں مگر خود بھی آپ سے رُکے رہتے ہیں یعنی آپ پر ایمان نہیں لاتے ہیں"، اور آیت سے اشارہ خواجہ ابُوطالب اور اُن کے پیروؤں کی جانب سمجھا گیا ہے جو گو دشمنوں سے رسُول علیہ السلام کا دفاع کرتے تھے لیکن خود ایمان بھی نہیں لے آتے تھے۔ قيل هو خاص بابى طالب ينهى الكفار عن اذاية محمد عليه السلام ويتباعد من الايمان به (قرطبی) عن ابن عباسؓ قال عطاء ومقاتل نزلت فى ابى طالب كان ينهى قريشًا عن ايذاء النبى صلعم ويتباعد عنه ولايتبعه على دينه (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے اس تفسیر کی بنا پر فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ حُبِّ طبعی اور نصرتِ قومی بدون حُبِّ عقلی کے نافع نہیں۔ ۴۱ یہ سب حسرتیں جہنم کے ہول و ہیبت کے بعد ہی ان کی زبان پر آنے لگیں گی۔ وَلَوْ تَرٰى یعنی اگر آپ دیکھیں تو آپؐ کو بڑا ہولناک منظر نظر آئے۔ لو کا جواب عربی اسلوب میں اظہارِ عظمت و اہمیت کے لئے یا علمِ مخاطب کی بنا پر اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔ قد حذف تفخيمًا للامر وتعظيمًا للشان وجاز حذفه لعلم المخاطب به واشباهه كثيرة فى القرآن والشعر (کبیر) عَلَى النَّارِ میں علی کے معنی ب کے بھی لئے گئے ہیں اور فی کے بھی یعنی دوزخ کے قریب بھی اور دوزخ کے اندر کے بھی۔ قيل على بمعنى الباء اى اتقوا بقربها وهم يعاينونها (قرطبی) على بمعنى فى اى اتقوا فى النار (قرطبی) يعنى فى النار فوضعت على موضع فى (ابن جریر) ۴۲ یعنی ان کے اعمال کی زشتی و کراہت جو دنیا میں اُن پر چھپی رہتی ہے، اب علانیہ بے نقاب نظر آنے لگے گی۔ من قبائحهم وفضائحهم فى صحفهم وبشهادة جوارحهم عليهم (کشاف) مبرد لغوی سے منقول ہے کہ مضاف وبال یہاں محذوف ہے۔ قال المبرد بدا لهم وبال عقائدهم واعمالهم وسوء عاقبتها وذلك لان كفرهم ما كان باديًا ظاهرًا لهم لان مضار كفرهم كانت خفية (کبیر) ۴۳ یعنی مشاہدۂ عذاب پر بھی ان کی توبہ صادق و مخلصانہ نہیں محض جان بچانے کو ہے۔ لَكٰذِبُوْنَ میں ل تاکید کا ہے۔ ترجمہ میں اسی لئے "بالکل" بڑھا دیا ہے۔ ۴۴ عرب میں جہاں شرک بکثرت پھیلا ہوا تھا، وہاں الحاد بھی اس معنی میں شائع تھا کہ لوگ علی العموم جزا و سزا، حشر و نشر کے قائل ہی نہ تھے۔ آجکل کے مادیین کی طرح اسی دنیا کو سب کچھ جانتے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ھی ضمیر حیاۃ کی طرف ہے۔ الضمير للحياة (بیضاوی) ۴۵ (تو آپ کو ایک بڑا عجب منظر نظر آئے) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر لو کا جواب محذوف کرنے سے اس کی عظمت و اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ وجواب لو محذوف لعظم شان الوقوف (قرطبی) عَلٰى رَبِّهِمْ۔ علی یہاں عند کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور رب سے مُراد ملائکہ رب لی گئی ہے حکم الٰہی بھی مُراد لی گئی ہے۔ قيل على بمعنى عند اى عند ملائكته وجزائه (قرطبی) بمعنى على حكم الله وقضائه (ابن جریر) وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ سے بعض اہلِ باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ ۴۶ (یا اب بھی اس کی واقعیت سے انکار ہے جیسا کہ دنیا میں تھا؟) ۴۷ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ یہ عذاب کفر کے بدلہ میں ہوگا۔ اى بسبب كفركم (کبیر) ۴۸ السَّاعَة سے مُراد قیامت ہونا بالکل ظاہر ہے۔ سميت القيامة ساعة لسرعة الحساب فيها (قرطبی) المراد بالساعة القيامة (کبیر) لیکن موت بھی مقدمات قیامت میں سے ہے۔ بلکہ من وجہ اس میں شامل۔ اس لئے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لما كان الموت وقوعًا فى احوال الآخرة ومقدماتها جعل من جنس الساعة وسمى باسمها (کشاف) فسرها بعضهم هنا بوقت الموت (روح) بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ۔ لقاء اللہ سے مُراد ہے بعث بعد الموت اور جزاء اعمال۔ قيل بالبعث بعد الموت وبالجزاء (قرطبی) حَتّٰى کا تعلق تکذیب سے ہے خسران سے نہیں۔ حتى غاية لكذبوا لا لخسر لان خسرانهم لاغاية له (کشاف)

۳۳ (کہ یہ خدائی میں شریک ہیں) سوال ظاہر ہے کہ حصولِ جواب کی غرض سے نہیں بلکہ تفضیح کے لئے ہوگا۔ المقصود منه التقریع والتبکیت لا السؤال کبیر يَوْمَ
نَحْشُرُهُمْ تقدیر کلام یوں ہے۔ واذکر یوم نحشرهم۔ علی معنی واذکر یوم نحشرهم (قرطبی) ۳۴ یعنی وہاں کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کرکے بدحواسی میں یوں بھی پکار اٹھینگے
لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ۔ یعنی ان کے کفر و شرک کا وبال یہی ہوتا ہے۔ فتنة کے معنی اس سیاق میں انجام کفر کے کئے گئے ہیں۔ والمعنی ثم لم تکن عاقبة کفرهم (کشاف) قال الحسن
ومعنی فتنتهم عاقبة فتنتهم ای
کفرهم (قرطبی) دوسرے معنی زد جواب کے
بھی کئے گئے ہیں۔ ای معذرتهم وجوابهم
(ابن عباسؓ) ویجوزان یراد ثم لم یکن
جوابهم (کشاف) الفتنة الاختبار
ای لم یکن جوابهم حین اختبروا بهذا
السوال (قرطبی) قال قتادة معناه معذرتهم
(قرطبی) ۳۵ یعنی جو جو باطل امیدیں اور
آرزوئیں وہ پالے ہوئے تھے وہ عین وقت
پر انہیں کیسا جواب دے گئیں اور ان کے معبود
اور شافعین کچھ بھی ان کے کام نہ آئے!
۳۶ (لیکن یہ ظاہری استماع چونکہ قبول حق کے
ارادہ سے بالکل خالی ہوتا ہے اس لئے نافع نہیں ہوتا
اور یہ محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں)
من یستمع میں مَنْ لفظاً واحد ہے لیکن
معناً جمع کا کام دیتا ہے۔ ۳۷ یہ
سب نتیجہ تکوینی طور پر ان کے ارادی انکارِ
حق و شدت عناد پر مرتب ہو جاتے ہیں۔
ای فعلنا ذٰلك بهم مجازاة علی کفرهم
(قرطبی) أَنْ يَفْقَهُوهُ۔ معنی النفی کے
ہیں یعنی "جس سے وہ نہ سمجھ سکیں"۔ المعنی
کراهیة ان یفقهوه او لئلا یفقهوه
(قرطبی) ۳۸ یہ بیان ان کی شدت
عناد و تعصب کا ہو رہا ہے کہ کوئی دلیل، کوئی
ثبوت انہیں قبول حق کی جانب نہ لا سکیگا
قال ابن عباسؓ وان یروا کل دلیل و
حجة لا یؤمنوا بها (کبیر) ۳۹ قرآن مجید
کی نسبت کچھ اسی قسم کی رائے جاہلیت جدیدہ

أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ
اُن سے کہینگے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے لئے تم دعویٰ کیا کرتے تھے ۳۴ پھر
تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا
اُن کا انجام اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ اپنے پروردگار کی
مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ
کہ ہم مشرک نہ تھے ۳۵ دیکھ تو یہ کیسا اپنے متعلق جھوٹ بول گئے اور ان سے وہ (سب)
عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ
چیزیں ضائع ہو گئیں جنہیں یہ گڑھا کرتے تھے ۳۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے
وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ
ہیں ۳۶ اور ہم نے اُن کے دِلوں پر پردہ ڈال دیئے ہیں کہ وہ اُس کو نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں میں
وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا
بوجھ ۳۷ ہے، اور اگر وہ ساری (کی ساری) نشانیاں دیکھ لیں (جب بھی) اُن پر ایمان نہ لائیں ۳۸ یہاں تک
جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا
کہ یہ جب آپکے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ
نری اگلوں کی خرافات ہیں ۳۹ اور یہ اس سے (دوسروں کو) روکتے ہیں اور (خود بھی) اس
عَنْهُ ۖ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا
سے الگ رہتے ہیں، اور یہ (لوگ کسی اور کو نہیں) اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (اُس کی بھی)

یا جاہلیتِ فرنگ کے پجاریوں کی بھی ہے۔ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ اسطورہ یا اسطارہ کے معنی پرانی دہرائی داستان یا فرسودہ لغو کہانی کے ہیں۔ ای ما سطره الاولون فی
الکتاب وقال الجوهری وغیره الاساطیر الاباطیل والترهات (قرطبی) حَتَّىٰ سے مقصود کفر و عناد میں اُن کی انتہائی شدت کا اظہار ہے کہ اُن کی تکذیب آیات اس حد تک پہنچ
گئی ہے کہ آپ تک کے پاس مجادلہ کے لئے آتے ہیں۔ والمعنی انه بلغ تکذیبهم الاٰیات الی انهم یجادلونك ویناکرونك (کشاف) يُجَادِلُونَكَ ان کا مجادلہ یہی ہے کہ
قرآن مجید جیسی روشن حقیقت کو خرافات و اکاذیب کے درجہ میں رکھتے ہیں اور یہ ان کی تکذیب کی انتہا ہے۔ ای یجعلون کلام اللہ واصدق الحدیث خرافات واکاذیب وهی الغایة
فی التکذیب (کشاف)

٥٢٦ (میری رسالت اور قرآن کے برحق ہونے کے باب میں) اللہ کی شہادت زبانِ حال سے خود اس قرآن کا معجز و بے نظیر ہونا ہے اپنی تعلیمات کے لحاظ سے۔ شئ کا بیان لفظی ترجمہ "چیز" سے کرنا مناسب نہیں۔ شئ یہاں ذاتِ حق کے لئے ہے۔ لفظ شئ ھنا واقع موقع اسم اللہ تعالٰی المعنی اللہ اکبر شہادۃ ای انفرادہ بالربوبیۃ وقیام البراھین علی توحیدہ اکبر شہادۃ واعظم (قرطبی) متکلمین کے ہاں یہ ایک معرکہ کی بحث ہے کہ شئ کا اطلاق ذات باری تعالٰی پر جائز ہے یا نہیں، جمہور کا فیصلہ ہے کہ جائز ہے اور اس فیصلہ کی سند یہی آیت ہے۔ احتج الجمہور علی تسمیۃ اللہ تعالٰی بالشئ بھذہ الاٰیۃ (کبیر) وفی المواقف وشرحہ والشئ عند الاشاعرۃ یطلق علی الموجود فقط فکل شئ عندھم موجود وکل موجود شئ (روح)

اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَہَادَۃً۔ یعنی کس کی شہادۃ سب سے زیادہ معتبر باوزن وباوقعت ہے؟ ٥٢٧ (اس کے احکام وہدایات کی مخالفت سے) من بلغ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی۔ من بلغہ القراٰن۔ حذف ضمیر طوالت سے بچنے کے لئے ہے۔ ای من بلغہ القراٰن فحذف الھاء لطول الکلام (قرطبی) ومن بلغ۔ اس ذرا سے ٹکڑے سے دو باتیں اور نکل آئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کا دائرہ صرف اس کے براہِ راست اور اوّلین مخاطبین تک محدود نہیں رہیگا۔ ای کل من بلغہ القراٰن من العرب والعجم وقیل من الثقلین (کبیر) من بلغہ القراٰن من العجم وغیرھم من الامم الی یوم القیامۃ (معالم) دوسرے یہ کہ انذار کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے جن تک قرآن پہنچ چکا ہے۔ ھو نذیر لکل من بلغہ (ابن کثیر) من یبلغہ القراٰن غیر مؤاخذ بترک الاحکام الشرعیۃ (روح) ٥٢٨ (دیویوں، دیوتاؤں، اوتاروں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام سے) سوال کے مخاطب مشرکوں اور منکروں کے مختلف گروہ ہیں۔ ٥٢٩ اثبات توحید کے ساتھ ہر پہلو سے نفی شرک بھی قبولِ اسلام کیلئے ہے چنانچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نومسلم کو اسلام لاتے وقت علاوہ اقرار شہادتین کے شرک سے تبری بھی کرنا چاہیئے قال العلماء المستحب لمن اسلم ان یاتی بالشھادتین ویتبرأ من کل دین سوی دین الاسلام ونص الشافعی علی استحباب ضم التبری الی الشھادۃ (جصاص) قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ۔ ایسے کھلے ہوئے امر باطل کی گواہی میں کیسے دے سکتا ہوں۔ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ وہ خدائے واحد اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے واحد ہی ہے۔ انما کلمہ حصر کا ہے۔ کلمۃ انما تفید الحصر ولفظ واحد صریح فی التوحید ونفی الشرکاء (کبیر)

قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ

کہہ دیجئے کہ اللہ ہی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان ٥٢٦ اور میرے پاس یہ قرآن

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ

بہ طور وحی بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور اُس کو جسے یہ پہنچے ٥٢٧ تو

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ

کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی شریک ہیں ٥٢٨ آپ کہہ دیجئے کہ

اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ

میں تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں اُس سے بری ہوں

مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۘ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ

جو شرک تم کرتے ہو ٥٢٩ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ اِن (صاحب) کو پہچانتے

كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

ہیں جس طرح اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں ٥٣٠ جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

وہ ایمان نہیں لانے کے ٥٣١ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو جھوٹ بہتان اللہ

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

پر لگائے اور اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے بیشک وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا ٥٣٢

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا

(اور اس دن یاد رکھو) جس دن ہم ان سب کو اکٹھے کریں گے پھر جو لوگ شرک کرتے رہے ہیں

وقف لازم ٨ ع ٢ وقف لازم

٥٣٠ یعنی اپنے ابنائے قوم کو فرزندانِ اسرائیل کو پہچانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسولِ اسلام اور نبی آخر الزمان کی بھی شناخت کی ایسی کھلی ہوئی علامتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جیسی خود انہی کے قوم ونسل کے انبیاء کی۔ اَلْكِتٰبَ۔ کتاب آسمانی خصوصاً توریت۔ والمراد من الکتاب جنسہ الصادق علی التورٰۃ والانجیل (روح) يَعْرِفُوْنَهٗ۔ ضمیر رسول اللہ صلعم کی طرف ہے۔ ای یعرفون النبی صلعم عن الحسن وقتادہ وھو قول الزجاج (قرطبی) انھم یعرفونہ بالنبوۃ والرسالۃ (کبیر) یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر الکتاب کی طرف راجع کی جائے۔ وقیل الضمیر للکتاب واختارہ ابو البقاء (روح) قیل یعود الی الکتاب (قرطبی) حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ذکر آیت میں یہود کا من حیث القوم اور مشترکاً و مجموعاً ہو رہا ہے نہ کہ افراد کا۔ اسی قسم کا مضمون سورۂ بقرہ آیت ١٤٦ میں گزر چکا ہے۔ اسکے حاشیہ ملاحظہ کر لئے جائیں۔ ٥٣١ (اسی لئے کہ انہوں نے اپنی فکر ونظر کو معطل کر رکھا ہے) آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ٥١٨ ٥٣٢ یہ فلاح کی نفی آخرت میں تو مادی ومعنوی ہر حیثیت سے ہو کر رہیگی۔ باقی دنیا میں بھی اہل کفر، مومن کی سی حقیقی راحت قلب وسکون ضمیر سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر افترا، کذب یہ کہ جن چیزوں سے نفی وانکار واجب ہے ان کا اقرار واثبات کرنے لگے مثلاً دیویوں دیوتاؤں کا، خدا کے بیٹوں بیٹیوں کا، روح یا مادہ کی قدامت، آواگون کا چکر، اوتاروں کا وجود۔ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ تکذیب آیاتِ الٰہی یہ کہ جن باتوں کا اقرار واثبات واجب ہے، اُن سے انکار کرنے لگے مثلاً توحید، رسالت، یوم جزاء، حقانیت قرآن وغیرہ۔

ہو صد الحرکۃ بل المراد السکون بمعنی الحلول کما یقال فلان یسکن بلد کذا اذا کان محلہ فیہ (کبیر) یہ سکون حرکت کی ضد نہیں، بلکہ حرکت کو شامل ہے۔ اور محض استقرار کے معنی میں ہے۔
معناہ ھدأ واستقر والمراد ما سکن وما تحرک فلیس المراد بالسکون ضد الحرکۃ بل المراد الخلق (قرطبی) اور اس طرح ظرفیت کے لحاظ سے احاطہ کامل ہوگیا۔ ذکر فی الاٰیۃ الاولی السمٰوٰت والارض اذ لا مکان سواھما
وفی ھذہ الاٰیۃ ذکر اللیل والنہار اذ لا زمان سواھما فاخبر سبحانہ انہ مالک للمکان والمکانیات ومالک للزمان والزمانیات وھذا بیان فی غایۃ الجلالۃ (کبیر۔ عن ابی مسلم) **۲۰** (جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے قرار دے
لیا ہے) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان وزمین اور ساری کائنات کو محض اپنے ارادہ سے، بغیر رُوح، مادہ، ہیولیٰ کے سہارے کے نیست سے ہست میں لانے والا۔ فاطر کا لفظ ان ساری مشرک و نیم مشرک قوموں کی تردید کر رہا ہے۔ جو اللہ
کو محض ایک صانع کی حیثیت دیتے ہیں۔ فاطر کے معنی مُبدِع کے ہیں اور فعل فطر ابتدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ فطر ای ابدع وفطرنا ای ابدعنا واوجدنا (راغب) وعن ابن عباسؓ قال ما عرفت فاطر السمٰوٰت حتی
اتانی اعرابیان یختصمان فی بئر فقال احدھما انا فطرتھا ای ابتدأتھا (کبیر) ای خالقھا ومبدعھا ومبتدئھا (معالم) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان وزمین کا خصوصیت سے نام لینے کی ایک وجہ تو ظاہر ہی ہے کہ بادی النظر

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
آپ کہئے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور
وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ
وہ سب کو کھلاتا ہے (خود) اُس کو کھلایا نہیں جاتا، کسی (اور) کو کارساز قرار دے لوں؟ ۲۰
اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾
آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور (یہ کہ) تم کہیں مشرکوں میں نہ
قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ
ہو جانا ۲۱ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب
عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ
سے ڈرتا ہوں ۲۲ جس کسی پر سے وہ (عذاب) اُس روز ہٹا لیا جائے گا اُس پر اللہ نے بڑا رحم کیا
وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ
اور یہی کھلی کامیابی ہے ۲۳ اور اگر اللہ تجھے کوئی دُکھ پہنچائے تو اُس کا دُور کرنے
فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ
والا (بھی کوئی) نہیں، بجز (خود) اُسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر شے
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ
پر پُوری قدرت رکھنے والا ہے ۲۴ وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اُوپر اور
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ
وہ بڑا صاحبِ حکمت ہے، بڑا باخبر ہے ۲۵ آپ کہئے شہادت سب سے بڑھ کر کس چیز کی ہے؟

میں کائنات کی عظیم ترین مخلوقات یہی ہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مشرک قوموں نے انہیں دیوتا ضرور تسلیم کیا ہے۔ یہاں گویا مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم جنہیں معبود مان رہے ہو، اللہ ان کا بھی خالق، انہیں نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) هُوَ يُطْعِمُ۔ ساری مخلوق کے لئے، ساری کائناتِ حیات کے لئے رزق کا سامان وہی اللہ بہم پہنچاتا ہے۔ وَلَا يُطْعَمُ۔ یہ بھی ضرب ہے عقیدۂ شرک پر مشرک قوموں کے عقیدہ میں بڑے بڑے دیوتا بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ ان کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ انہیں کھا پی کر وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور مسیحیوں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کمال ہی کر دیا کہ نعوذ باللہ اپنے معبود "ابن اللہ" کا گوشت اور خون خود کھانا پینا شروع کر دیا۔ چنانچہ مقدس عشائے ربانی **Eucharist** کے تہوار کے موقع پر ہر سال ایک بار یا تین بار اس رسم کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی) **۲۱** ایمان اور مقتضیاتِ ایمان سے پیمبر مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے تو اسی کو فرماں بردار بننے کا حکم ملتا ہے۔ اور پیمبر تو اپنی اُمت کے لئے نمونہ اور پیشوا دونوں کا کام دیتا ہے۔ اُسے تو اہلِ ایمان کی صف میں سب سے آگے ہونا ہی چاہیئے وھو امام امتہ ومقتداھم وینبغی لکل آمر ان یکون ھو العامل اولاً بما امر بہ (روح) اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ۔ یہ اوّلیت اپنے ملک و قوم اور اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اول من اخلص ای من قومی وامتی عن الحسن وغیرہ (قرطبی) لان النبی صلعم سابق امتہ فی الدین (بیضاوی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تکالیفِ شرعیہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ انبیاء سے۔ **۲۲** یعنی مجھ جیسا نبی معصوم بھی قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ روزِ قیامت کو روزِ عظیم اُن واقعاتِ عظیم کے لحاظ سے کہا ہے جو اُس روز واقع ہو کر رہیں گے۔ ای عذاب یوم القیامۃ وعظمہ بعظم ما یقع فیہ (روح) **۲۳** ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نجات کامل یا دفعِ عذاب، یا رحمِ الٰہی۔ ای النجاۃ البینۃ (قرطبی) ای الصرف بعد الرحمۃ (بیضاوی) **۲۴** آفرینش کا مسئلہ تو طے ہو چکا کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہاں بیان اس کا ہو رہا ہے کہ علاوہ آفرینش کے اور سارے تصرفات و اختیارات بھی ہر وقت کے نفع و ضرر، تکلیف و راحت کے تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی اس کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی کو کوئی دخل و تصرف، واقعاتِ کائنات و حوادثِ دہر میں ہے ——— بڑے چھوٹے دیوتاؤں، خدائی کے سارے شریکوں کی نفی اِس میں آگئی۔ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ۔ یہ امساس ضرر اپنے مطلق معنی میں ہے۔ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں بہ طور جزا، ہو یا تکوینی مصلحت سے۔ یمسسک۔ کاشف۔ امساس اور کشف دونوں یہاں حق تعالیٰ کے سلسلہ میں اپنے مجازی معنی میں ہیں۔ ورنہ اصلاً دونوں کا تعلق مادیات و جسمانیات سے ہے۔ المس والکشف من صفات الاجسام وھو ھنا مجاز وتوسع (قرطبی) یہیں سے ہے کہ صوفیہ محققین نے سب سے زیادہ زور توحید پر، اور ہر طرف سے انقطاع تعلق کر کے اللہ ہی پر اعتماد کرنے پر دیا ہے شیخ اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب میں ہے۔ من اراد السلامۃ فی الدنیا والاٰخرۃ فعلیہ بالصبر والرضا وترک الشکوٰی الی خلقہ وانزال حوائجہ بربہ وانتظار الفرج منہ سبحانہ وتعالیٰ والانقطاع الیہ (جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت مقصود ہو، اُسے چاہیئے کہ صبر و تسلیم کی عادت ڈال لے اور خلقِ خدا سے شکوہ و شکایت کو ترک کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے رب ہی کے حوالہ کر دے اور کشایش کی اُمید صرف اُسی سے رکھے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہے)۔ اور مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں نفی ہے غیر اللہ سے نصرتِ مستقل کی۔ یہاں تک کہ مقبولین سے بھی۔ **۲۵** ربوبیت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے۔ وہ سب صرف اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ ایسی ذات کامل الصفات کے ساتھ کسی کی شرکت روا رکھی جائے۔ وھو القاھر یفید الحصر ومعناہ انہ لا موصوف بکمال القدرۃ وکمال العلم الا الحق سبحانہ وتعالیٰ (کبیر) هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ قدرت و قوت کے لحاظ سے وہی ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ قہر کے معنی غلبۂ حاکمانہ کے ہیں۔ القھر الغلبۃ والقاھر الغالب وفی القھر معنی زائد لیس فی القدرۃ وھو منع غیرہ عن بلوغ المراد (قرطبی) القاھر مشعر بکمال القدرۃ وتمام المکنۃ (کبیر) فوق کا تعلق یہاں اُوپر کی سمت سے نہیں بلکہ مرتبہ و حکومت کی بلندی سے ہے۔ وفوقیۃ الاستعلاء بالقھر والغلبۃ علیھم ای ھم تحت تسخیرہ لا فوقیۃ مکان (قرطبی) وحمل الفوقیۃ علی فوقیۃ مکان ... الْحَكِيْمُ۔ قدرت کے علاوہ حکمت میں بھی وہی کامل ہے۔ الْخَبِيْرُ۔ قدرت و حکمت کے علاوہ علم و اطلاع میں بھی کامل وہی ہے۔

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨
فرشتہ ہی تجویز کرتے تو اُسے بھی آدمی ہی بناتے اور اُن پر (پھر) وہی اشتباہ ڈالتے جس اشتباہ میں وہ
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ
اب (پڑے ہوئے) ہیں ۱۳ اور آپ سے پہلے بھی پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے پھر اُن لوگوں کو جو اُن (پیمبروں)
سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ
کی ہنسی اُڑاتے تھے اُسی (عذاب) نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے ۱۴ آپ کہئے کہ
سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
زمین پر چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا
عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
انجام ہوا ۱۵ آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے
وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ
یہ (سب) کس کی ملک ہے؟ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی) کی ہے ۱۶ اُس نے اپنے اُوپر رحمت لازم کرلی
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ
ہے ۱۷ یقیناً تمہیں اکٹھا کریگا قیامت کے دن، اُس کے باب میں کوئی شک نہیں جن
اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَ
لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان نہیں لانے کے ۱۸ اور
لَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬
اُسی کی ملک ہے جو کوئی بھی رات اور دن میں رہتا ہے اور وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۱۹

ع

ف ۱۲ یعنی فرشتہ کا نزول دنیا میں اس طرح کہ وہ کافروں تک کو آنکھ سے نظر آجائے۔ یہ تو دستورِ الٰہی میں عین وقوعِ عذاب کے وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر مہلت کا امکان ہی کہاں ہے؟ "آیت قاہرہ اور بعد وہ بھی فرمائشی نازل ہونے کے وقت تنا حسب عادت الٰہیہ موجب اہلاک فوری ہے۔" (تھانویؒ) ان سنۃ اللّٰہ جاریۃ بان عند ظہور الاٰیۃ القاہرۃ ان لم یومنوا جاءہم عذاب الاستیصال (کبیر) قُضِیَ الْاَمْرُ۔ قضاءِ امر سے مُراد عذابِ الٰہی کا واقع ہوجانا ہے۔ قال الحسن وقتادۃ لاھلکوا بعذاب الاستیصال (قرطبی) ای لاتم اہلاکہم (روح) قال ابن عباس وقتادۃ والسدی لقضی الامر بعذابہم (بحر) اس احقر کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ ایسے کھلے ہوئے معجزات کے بعد تو اس عالم ناسوت کے گویا حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور غیبت کے بردہ کے بجائے مواجہہ گویا شہود کے میدان کا ہو جاتا ہے۔ جو عالم برزخ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عالم برزخ کشفِ حقائق کا محل ہے۔ اور کافروں کی اصل حقیقت چونکہ معذب ہی ہونا ہے۔ اس لئے اس طاری شدہ عالم برزخ کے وجود میں آتے ہی اس حقیقت کا ظہور اور عذاب کا ترتب لازمی ہوجاتا ہے۔ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ۔ ثم یہاں اظہارِ شدت کے لئے ہے یعنی عذاب تو واقع ہو ہی گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مہلت بھی ذرا نہ ملے گی۔ فی الفور واقع ہو جائے گا۔ گویا شدتِ عذاب سے بھی بڑھ کر اس کا فوری وقوع ہے۔ ومعنی ثم مابعد مابین الامرین قضاء الامر وعدم الانظار جعل عدم الانظار اشد من قضاء الامر لان مفاجاۃ الشدۃ اشد من نفس الشدۃ (کشاف) ف ۱۳ اور یہ لوگ اس انسان نما فرشتہ کے باب میں بھی وہی اشکالات اور احتمالات روی کج بحثیاں پیدا کرتے اور وہی کٹ حجتی نکالتے جو آج رسول اللہ صلعم سے متعلق کر رہے ہیں۔ وَلَوْ جَعَلْنٰہُ۔ اس کو یعنی اس بھیجی ہوئی ہستی کو۔ ای لجعلنا الرسول ملکا (بحر) الضمیر للنذیر المحدث للناس (روح) مَلَکًا۔ فرشتہ یعنی وہ نورانی ہستی جسے انسان نہ اپنے عام و معروف حواس سے دیکھ سکتا اور نہ اُس کے ملکات کے لحاظ سے اُس کا اتباع کر سکتا ہے۔ لَجَعَلْنٰہُ رَجُلًا یعنی اُسے بھی شکل و جسم کے لحاظ سے انسان ہی بناتے کہ تم اُسے اپنی ان آنکھوں سے دیکھ تو سکتے۔ لَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ۔ اشتباہ کا اسناد حق تعالیٰ کی جانب محض تکوینی طور پر اور بہ طور مسبب الاسباب کے ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ سانپ کے زہر کا بھی خالق ہے، بیماری کا بھی خالق ہے، ہر دکھ، درد کا خالق ہے۔ یہاں تک کہ شیطان کا بھی خالق ہے۔ وَاِنَّ لبسنا بالاضافۃ الی نفسہ علی جہۃ الخلق (قرطبی) ایمان نام ہے قلب کی ایک کیفیتِ اختیاری کا، باقی کوئی ایسا معجزہ قوی کا سامنے آجانا جس سے انسان ایمان لے آنے پر مجبور ہو جائے۔ جیسے کہ فرشتہ کو اُس کی اصلی شکل پر دیکھ لینا، تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایمان اختیاری باقی کہاں رہا؟ ایمان تو معتبر جبھی تک ہے، جب تک ایمان بالغیب ہے۔ جب انکشاف و شہود شروع ہو گیا تو ایمان مطلوب کا سوال ہی نہ رہا۔ رَجُلًا۔ رَجُل کے معنی مطلق انسان کے نہیں۔ بلکہ مرد یا جنسِ مذکر کے ہیں اور یہیں سے بعض مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ رسالت عورت کے لئے نہیں، صرف مرد کیلئے مخصوص ہے۔ وفیہ اشعار کما قال عصام الدین وغیرہ بان الرسول لایکون امرأۃ وہو متفق علیہ (روح) ف ۱۴ (تو آپ اپنے زمانہ کے منکرین و مستہزئین کی مخالفت و استہزاء سے مغموم و متفکر کیوں ہوں؟ یہ لوگ تو خود ہی اپنے کو دنیوی و اُخروی عذاب کا مستحق بناتے جارہے ہیں) انبیاء قدیم کے ساتھ استہزاء اور اُس کی سزا کا ذکر توریت میں بھی جابجا ہے۔ مثلاً:۔ "اور حزقیاہ نے سارے اسرائیل اور یہوداہ کو کہلا بھیجا اور افرائیم اور منسّی کے پاس بھی نامے لکھ بھیجے ..... سو قاصد افرائیم اور منسّی کے ملک میں زبلون تک شہر بہ شہر گزرتے پھرے لیکن وہ اُن پر ہنسے اور اُنہیں ٹھٹھے میں اُڑایا" (۲۔ تواریخ۔ ۳۰: ۱ و ۱۰) "لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھوں میں اُڑایا اور اُس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اُس کے بیٹوں سے بدسلوکی کی، یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا" (۲۔ تواریخ ۳۶: ۱۶) "انہوں نے ہم کو ٹھٹھے میں اُڑایا اور ہماری حقارت کی اور کہا یہ کیسا کام ہے کہ تم کرتے ہو" (نحمیاہ۔ ۲: ۱۹) سَخِرُوْا ... یَسْتَہْزِءُوْنَ۔ سخریۃ اور استہزاء دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔ ہما متحدان معنًا واستعمالًا (روح) ف ۱۵ اس میں تعلیم و ترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرے اور بڑی بڑی مہذب و بااقبال سلطنتوں کے آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے ــــــ نقطۂ نظر صحیح اور توحیدی ہو جائے تو مسلمان طالب علم کے لئے جغرافیہ، تاریخ، اور اثریات ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔ ھٰذا السفر مندوب الیہ اذا کان علی سبیل الاعتبار باٰثار من خلا من الامم واھل الدیار (قرطبی) ثُمَّ انْظُرُوْا۔ امام رازیؒ کی نکتہ رسی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فَانْظُرُوْا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو۔ ثم انظروا نے سفر کا دار و مدار اُس نظرِ عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کر دی۔ اب سفر ہر جائز غرض کے لئے مباح ہے۔ اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔ اما قولہ سیروا فی الارض ثم انظروا فمعناہ اباحۃ السیر فی الارض للتجارۃ وغیرہا من المنافع وایجاب النظر فی اٰثار الھالکین (کبیر) ف ۱۶ (کہ اس جواب سے ان مشرکوں کو بھی مجالِ انکار نہیں، یہ تو جو کچھ گھبرا رہے ہیں۔ وہ اس اقرارِ توحید کے مضمرات اور تفریعات سے) مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی ساری فضائے کائنات کے اندر۔ ای لمن الکائنات جمیعًا (روح) ف ۱۷ (سو مشرکوں اور منکروں کو اب بھی موقع ہے کہ تائب ہو کر اس کے دامنِ رحمت کی پناہ میں آجائیں) الرحمۃ لمن ترک التکذیب بالرسل وتاب واناب (کبیر) خدائے اسلام کی صفتِ ذاتی تو یہی رحیمیت و رحمانیت ہے۔ باقی قہر و غضب جو کچھ ہے، اس کا ظہور تو محض عادی مجرموں کی جرم شعاری کی بنا پر ہو گا۔ کیسے ظالم و ناخدا ترس ہیں وہ مسیحی مشنری جنہوں نے قرآن کے خدا کو مہیب اور ڈراؤنا بنا کر پیش کیا ہے۔ نفسہ۔ نفس سے یہاں مقصود نفس وجود ہے۔ اور وعدہ کی تاکید اور بجائے وسائط کے براہِ راست و اصالۃً اپنی ہی طرف توجہ دلانا۔ وذکر النفس ہاہنا عبارۃ عن وجودہ وتاکید وعدہ وارتفاع الوسائط دونہ (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اپنے اطلاق سے اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سب کو عام اور شامل ہے چنانچہ کوئی غضب ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت شامل نہ ہو۔ اور رحمتیں بہت سی ایسی ہیں جن میں ذرا غضب نہیں۔ ف ۱۸ یہ پیش خبری اُن کے حق میں ہے جنہوں نے اپنی صلاحیتِ ایمان تک کو ضائع کر دیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے قبولِ حق سے قصداً انکار کر کے اپنی صلاحیتوں کو اپنے ہاتھوں سوخت کر دیا ہے۔ بتضییع راس مالہم وہو الفطرۃ الاصلیۃ والعقل السلیم (بیضاوی) اِلٰی یہاں فی کے معنی میں ہے۔ قیل الی بمعنی فی (قرطبی، کبیر) لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ یعنی جمع تو کریگا قیامت کے دن اور زندگی بھر اپنی اُس رحمت کے اقتضاء سے تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔ ل قسم کا ہے اور ن تاکید کا۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ ضمیر یوم کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس یوم میں جمع کئے جانے کی طرف بھی۔ فی الیوم او الجمع (بیضاوی) ای جمعًا لاریب فیہ (روح) فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ف نے اسے صاف کر دیا کہ ان کا یہ عدمِ ایمان نتیجہ ہو گا خود اُن کی ارادی غفلت و اعراض عن الحق کا۔ والفاء للدلالۃ علی ان عدم ایمانہم مسبب عن خسرانہم فان ابطال العقل باتباع الحواس والوھم والانہماک فی التقلید واغفال النظر ادی بہم الی الاصرار علی الکفر والامتناع من الایمان (بیضاوی) ف ۱۹ صفت السمیع متعلق انسان کے ظاہر اور اقوال سے ہے صفت العلیم کا تعلق انسان کے باطن اور احوالِ قلب سے ہے۔ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّھَارِ ابھی اُوپر مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں سارے موجوداتِ کائنات کا ذکر وجودِ مکانی کے اعتبار سے آچکا ہے۔ اب ذکر وجودِ زمانی کے اعتبار سے ہے۔ موجودات کے لئے ظرف دو ہی ہیں۔ ظرفِ مکان و ظرفِ زمان۔ ظرفیتِ مکانی کا ذکر ابھی آچکا تھا۔ ظرفیتِ زمانی کا ذکر اب آگیا۔ لیس المراد من ھذا السکون

جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنۢبَٰٓؤُا مَا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ⑤

اُنکے پاس آیا ۵۶ سو عنقریب ہی انہیں خبر معلوم ہو جائیگی اُس چیز کی جس کے بارہ میں وہ تمسخر کیا کرتے تھے ۵۷

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّٰهُمْ

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان کے قبل کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، جنہیں ہم نے روئے

فِى الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِم

زمین پر وہ قوت دے رکھی تھی جو تمہیں نہیں دی ہے ۵۸ اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش

مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَٰرَ تَجْرِى مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَٰهُم

برسائی اور ہم نے اُن کے نیچے نہریں بہائیں، پھر ہم نے انہیں اُن کے گناہوں کے

بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا ءَاخَرِينَ ⑥ وَلَوْ

باعث ہلاک کر ڈالا اور ہم نے اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا ۵۹ اور اگر ہم

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَٰبًا فِى قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ

آپ پر کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہُوا) نازل کرتے اور اس کو یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے

لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ⑦ وَ

جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہُوا جادُو ہے ۶۰ اور

قَالُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا

یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتار اگیا ۶۱ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اُتار

لَّقُضِىَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنَٰهُ

دیتے تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور اُن کو ذرا مہلت نہ ملتی ۶۲ اور اگر ہم اُس کو

۵۷ یعنی عذاب الٰہی اُن پر واقع ہو کر رہے گا۔ والمراد بالانباء وھی الاخبار العذاب (قرطبی) المراد بالانباء لانفس الانباء بل العذاب الذی انبأ اللّٰہ تعالیٰ بہ (کبیر) عذاب سے مُراد جنگ بدر میں شکست وغیرہ ہے۔ جو مشرکین عرب کو دنیا ہی میں نصیب ہوئی۔ والمراد ما نالھم یوم بدر ونحوہ (قرطبی) یحتمل ان یکون عذاب الدنیا وھو الذی ظھر یوم بدر (کبیر) عذاب آخرت بھی مُراد ہو سکتا ہے۔ قیل یوم القیامۃ (قرطبی) ویحتمل ان یکون عذاب الاخرۃ (کبیر) ۵۸ (اے اہل عرب) مُراد قرآن کے مخاطبین اوّل ہیں۔ کَمْ اَهْلَكْنَا۔ یعنی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ مَكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ تمکین فی الارض کے تحت میں ہر قسم کا غلبہ واقتدار شامل ہے۔

۵۹ اس نص نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کوئی قوم اگر سرکشی کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی ظاہری خوشحالی اور مادی فارغ البالی اُسے ہلاکت کے انجام سے نہیں روک سکتی۔ السَّمَآءَ۔ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ یرید المطر الکثیر (قرطبی) ای المطر والسحاب (بیضاوی) ای المطر کما روی عن ھرون التیمی ونسب الی ابن عباسؓ (روح) یرید الغیث والطل (کبیر) اَرْسَلْنَا۔ ارسال کا ترجمہ یہاں "برسانے" ہی سے صحیح ہوگا۔ الارسال والانزال متقاربان فی المعنی (بحر) تَحْتِهِمْ یعنی ان کے باغوں اور بستیوں میں۔ مطلب یہ ہُوا کہ ان کی سرزمینیں خوب گل وگلزار اور خوب شاداب وسرسبز ہیں۔ ای من تحت اشجارھم ومنازلھم (قرطبی) والمراد منہ کثرۃ البساتین (کبیر) مِدْرَارًا یعنی خوب کثرت سے لگاتار۔ دالۃ علی التکثیر کمذکار للمراۃ التی کثرت ولادتھا للذکور (قرطبی) ھو للمبالغۃ فی اتصال المطر ودوامہ وقت الحاجۃ (بحر) المدرار الکثیر الدر یقال سحاب مدرار اذا تتابع امطارہ (کبیر)

۶۰ (تو یہ حالت ان کے شدت ضد وعناد کی ہے!) مطلب یہ ہُوا کہ ان کو تو قرآن واسلام سے اس قدر ضد وعداوت ہے کہ قرآن مجید بذریعہ وحی قلبی نہیں، بلکہ ایک لکھی لکھائی مادی کتاب کی شکل میں آسمان سے اُتر آئے اور یہ لوگ اپنی آنکھ سے اُسے اُترتا ہُوا دیکھ بھی لیں، بلکہ اُسے ہاتھ سے چھو کر، ٹٹول کر بھی اپنا پورا اطمینان کر لیں جب بھی یہ اس کی تصدیق نہ کریں گے، بلکہ یہی کہنے لگیں گے، کہ یہ تو نظر بندی وغیرہ سے ہم کو فریب میں مُبتلا کیا جا رہا ہے! ——— انسان جب قبول حق کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اُس کی مخالفت کو اپنے دل میں ٹھان لے۔ تو ہر دلیل اس کے سامنے بے کار وغیر مؤثر ہی رہے گی۔ سچ فرمایا ہے عارف رومیؒ صاحب مثنویؒ نے ؎

یک کس نا مستمع زستیز ورد صد کس گوینده را عاجز کند

مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں مُعاند کے حال کا بیان ہے کہ وہ کسی طرح منتفع نہیں ہوتا۔ اسی لئے اہل طریق اس کے درپے نہیں ہوتے۔ ۶۱ بشر محض کا رسُول ہونا منکرین کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اوتار مان سکتے تھے، مظہر خدا مان سکتے تھے۔ فرزند خدا مان سکتے تھے۔ دیویوں، دیوتاؤں کے، خدا کی بیٹیوں کے وجود کے قائل ہو سکتے تھے۔ لیکن بشر کی رسالت کو ان کا دماغ کسی طرح قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ برابر ان کی طرف سے مطالبہ "مافوق البشریت" کا "خارق عادت" کا ہوتا رہتا تھا۔ کوئی آسمانی فرشتہ ان پیمبر کے ساتھ لگا رہے۔ جب جا کر یہ ان کی پیمبری کے قائل ہوں ——— حالانکہ قائل جب بھی نہ ہوتے! قَالُوْا۔ یہ کہنے والے کون تھے؟ مشرکوں ہی کا کوئی گروہ تھا۔ وظاھر الآیۃ یقتضی انھا فی کفار العرب (بحر)

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ انعام مکی ہے اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ

ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں

الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝١

اور روشنی کو بنایا، اس پر بھی جو کافر ہیں وہ اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھہرا رہے ہیں[1]

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ

وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت مقرر کیا اور

اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ

معین وقت اُسی کے علم میں ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو[2] اور وہی ایک اللہ

فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ

آسمانوں میں ہے اور زمین میں (بھی)[3] وہ تمہارے پوشیدہ (حال) کو بھی جانتا ہے اور ظاہر (حال)

مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا

کو بھی، اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اُسے بھی وہ جانتا ہے[4]، اور جو نشانی بھی اُن کے پاس انکے پروردگار کی نشانیوں

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا

میں سے آتی ہے وہ اُس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں[5] سو انہوں نے (کلام) حق کو بھی جھٹلایا جب وہ

ف١ جیسے عیسائی قومیں مسیح کو، روح القدس کو، مریم صدیقہ کو۔ اور مشرک قومیں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کو۔ خَلَقَ۔ یہاں ایجاد و ابداع، یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے۔ ای اخترع و اوجد وانشأ وابتدع (قرطبی) اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کیلئے دیئے گئے جنہیں اصطلاح فلسفہ میں جوہر کہتے ہیں۔ اَلظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کیلئے دیئے گئے جنہیں اصطلاح فلسفہ میں عرض کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا بلا استثناء خالق و فاطر وہی ایک ہے۔ کوئی شئے اس کے لئے غیر مخلوق نہیں۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بیسیوں مشرک قوموں نے آسمان اور زمین کو دیوی دیوتا تسلیم کیا ہے۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ ثنویہ خصوصاً مجوس نے نور و ظلمت کو مظہر الوہیت مانا ہے۔ اور ان کے خالق الگ الگ مانے ہیں۔ جعل یہاں خلق کا مرادف ہے اور اسی لئے صرف ایک مفعول کے ساتھ آیا ہے۔ قال النحاس جعل بمعنیٰ خلق واذا کانت بمعنیٰ خلق لم تتعد الا الی مفعول واحد (قرطبی) الظلمٰت کے صیغۂ جمع اور النور کے صیغۂ واحد میں اشارہ اس طرف ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں، بہت سی ہو سکتی ہیں۔ اور راہِ حق صرف ایک ہی ہے۔ دونوں نقطوں کے درمیان خطوطِ منحنی بے شمار ہو سکتے ہیں۔ خطِ مستقیم ایک ہی ممکن ہے۔ ثم یہاں "اس کے باوجود" یا "اس پر بھی" کے معنی میں ہے۔ قال ابن عطیۃ ثم دالۃ علی قبح فعل الکافرین (قرطبی) الفائدۃ فیہ استبعاد ان یعدلوا بہ بعد وضوح آیات قدرتہ (کبیر) اَلْحَمْدُ حمد پر مفصل حاشیہ شروع سورۂ فاتحہ میں گزر چکا۔ امام رازیؒ نے اس ذیل میں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ خودستائی بندوں کے حق میں عیب ہے، لیکن جس نے حمد الٰہی کے حکم کو اللہ کے حق میں عیب سمجھا، اس نے اللہ کو بندوں پر قیاس کیا۔ اور معتزلہ کے اکثر خیالات کی بنیادی و اساسی غلطی یہی ہے۔ دلّ ھذا علی انہ لا یمکن قیاس الحق علی الخلق فکان ھذا اقبح من الخلق مع انہ لا یقبح من الحق فکذلک لیس کل ما یقبح من الخلق وجب ان یقبح من الحق وبھذا الطریق وجب ان یبطل کلمات المعتزلۃ فی ان ما قبح منا وجب ان یقبح من اللہ (کبیر) اسی ضمن میں امام موصوف نے یہ اصل بھی درج کیا ہے کہ جس طرح افعالِ خلق پر افعالِ حق کو نہیں قیاس کیا جاسکتا، اسی طرح صفاتِ خلق پر صفاتِ حق کو اور ذواتِ خلق پر ذاتِ حق کو نہیں قیاس کیا جاسکتا (کبیر) اللہ اسم ذات ہے، اور خالق، جاعل، رب اسماء صفات۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حمد کو پہلے اسم ذات کے ساتھ متعلق کرنے اور پھر صفات خاصہ کے ساتھ موصوف کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ حمد کا استحقاق حق تعالیٰ کو بحیثیت ذات بھی ہے اور بحیثیت صفات بھی (من حیث الذات کے معنی نفئ صفات کے نہیں بلکہ صرف یہ کہ اس وقت صفات کی طرف التفات نہیں) ف٢ (مسئلہ بعث بعد الموت میں) خَلَقَكُمْ ضمیر مخاطب نوعِ انسانی کی جانب ہے۔ ثُمَّ اَنْتُمْ یعنی اتنے کھلے ہوئے دلائل کے باوجود بھی۔ معناہ ان بعد ظھور مثل ھذہ الحجۃ الباھرۃ انتم تمترون (کبیر) قَضٰۤى اَجَلًا۔ وقت مقرر کیا سب کی موت کا۔ بقضاء الدنیا قالہ ابن عباس و مجاھد (قرطبی) قال الضحاک اجلا فی الموت (قرطبی) اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ یعنی یہ دوسرا معین وقت اُسی کو معلوم ہے۔ اس سے مراد وقت بعثت ہے۔ قال ابن عباس و مجاھد لابتداء الآخرۃ (قرطبی) قال الضحاک الاجل القیامۃ (قرطبی) تمترون یعنی وہم پیدا کر کر کے کج بحثی کیا کرتے ہو۔ التماری المجادلۃ علی مذھب الشک (قرطبی) ف٣ (نہ یہ کہ زمین کے دیوتا اور ہوں اور آسمان کے اور) اس میں رد آگیا بہت سی مشرک قوموں کی اس بنیادی گمراہی کا کہ ہر عالم کے خدا یا دیوتا الگ الگ ہیں۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ شبہ نقل کرکے کہ اس سے حق تعالیٰ کی تجسیم ثابت ہوتی ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ جوابات اپنی جگہ پر بالکل کافی بلکہ شافی ہیں۔ لیکن جو بنیادی حقیقت یہاں عرض کی گئی ہے پیش نظر ہو، تو آگے کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ فِى السَّمٰوٰتِ اور فی الارض میں فی سے یہ مراد ہی نہیں کہ اللہ آسمانوں یا زمین "میں" کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سب کا خدا وہی ایک ہے، نہ یہ کہ ہر عالم کے دیوتا الگ الگ ہوں۔ فی کا ترجمہ آیت میں اگر بجائے "میں" کے "کا" سے کیا جائے تو شبہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ف٤ (اور اسی علم پر مدار جزا ہے) يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ یعنی اس کا علم محیط و کامل تمہارے ظاہر و باطن سب کو شامل ہے۔ اس میں رد آگیا اس مشرکانہ عقیدہ کا کہ بہت سے مخفیات خدا کے علم سے بھی باہر رہ جاتے ہیں۔ ف٥ ان نشانیوں میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کے آیاتِ الٰہی آگئے۔ یعنی ایک طرف ادیانِ حق کا ظہور اور اُن کے پیام و تعلیمات اور دوسری طرف اُن کے معجزات اور قحط و زلزلہ وغیرہ تخویفی آیات۔ مُعْرِضِيْنَ۔ اعراض کے معنی ہیں ترکِ التفات کے۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ ضمیر جمع غائب کافروں اور منکروں کی جانب ہے۔ مِنْ اٰيَةٍ۔ من استغراق جنس کے لئے ہے۔ یعنی کوئی سی بھی نشانی ہو۔ من لاستغراق الجنس (قرطبی) مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ من تبعیض کے لئے ہے من للتبعیض (قرطبی) ف٦ الحق سے مراد قرآن مجید ہے۔ صاحبِ قرآن سے بھی مراد ہو سکتی ہے۔ بالحق القرآن وقیل محمد علیہ السلام (قرطبی) یعنی خدائی نشانیوں کی تکذیب تو اُن کا شعار ہی ہو چکی ہے، اسلئے حسب عادت انہوں نے قرآن کو بھی جھٹلایا۔

۳۵۴ (میری مجال تھی کہ میں ایسا صریح کلمۂ باطل زبان سے نکال سکتا) فخر المفسرین امام رازیؒ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے براہ راست ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کا جواب اور بہت مَا قُلْتُ دینے اور یوں اپنی صفائی پیش کرنے کے بجائے
اسے تمامتر علم الٰہی کے حوالہ کر دیا اور یہی مقام ادب و تواضع کے زیادہ مناسب بھی تھا۔ فلم یقل بانی ما قلت ھذا الکلام لان ھذا یجری مجری دعوی الطھارۃ والنزاھۃ والمقام مقام الخضوع والتواضع (کبیر) ۳۵۵ حضرت عیسیٰؑ عرض
کریں گے کہ بالفرض میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو وہ ضرور ہی تیرے علم میں ہوتی اور جب تیرے علم میں نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی۔ میرے ناقص و محدود علم اور تیرے کامل و غیر محدود علم کا مقابلہ ہی کیا،
میری ہر چھپی ہوئی چیز آپ تجھ پر روشن، لیکن تیری کوئی سی بھی چھپی ہوئی چیز مجھ پر روشن نہیں، اور ایک میرے ہی مغیبات پر کیا موقوف ہے، تجھ پر تو ہر غیب روشن ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ سے مقصود حق تعالیٰ کے علم محیط و
کامل کا اثبات ہے۔ اور اس میں رد آگیا بہت سی مشرک قوموں کے عقائد واہیہ کا۔ مَا فِیْ نَفْسِكَ۔ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور کہا ہے کہ نفس سے مُراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا
اوّل تو نفس و ذات مُرادف ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ النفس عبارۃ عن الذات یقال نفس الشئ وذاتہ بمعنی واحد (کبیر) قال الزجاج النفس عبارۃ عن جملۃ الشئ وحقیقتہ یقول تعلم جمیع ما اعلم من حقیقۃ امری ولا اعلم

الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا
خوب جاننے والا ہے۔ میں نے تو اُن سے کچھ بھی نہیں کہا تھا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی
اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ
یہ کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی پرستش کرو ۳۵۶ میں اُن پر گواہ رہا جب تک میں اُن کے درمیان رہا
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ
پھر جب تُو نے مجھے اُٹھا لیا (جب) تو ہی اُن پر نگراں ہے اور تُو تو
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن
ہر چیز پر گواہ ہے ۳۵۷ تُو اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں ۳۵۸ اور اگر
تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا
تُو انہیں بخش دے تو تُو بھی تو زبردست ہے، حکمت والا ہے ۳۵۹ اللہ فرمائیگا آج وہ دن ہے
يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
جب سچوں کے کام اُن کا سچ آئے گا ۳۶۰ اُن کے لئے باغ ہونگے جن کے نیچے
مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ
نہریں بہہ رہی ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے اللہ اُن سے خوش رہا اور وہ
رَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
اللہ سے خوش رہے، یہی بڑی کامیابی ہے ۳۶۱ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور
وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾ ع ۱۶ ۵ ۶
زمین کی اور جو کچھ اُن میں ہے اُس (سب) کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۳۶۲

حقیقۃ امرك (سالم) ای ذاتك، فنفس الشئ ذاتہ وھویتہ، والمعنی تعلم معلومی ولا اعلم
معلومك (مدارک) اور پھر نفسی کے مقابلہ میں نفسك لانا ہی بہ قاعدۂ مشاکلت عربی اسلوب
بیان میں فصیح تر ہے۔ ذکر ھذا الکلام علی طریق المطابقۃ والمشاکلۃ وھو من فصیح الکلام (کبیر)
۳۵۶ موجودہ انجیلیں بھی باوجود اپنی تثلیثی شرک کے اس توحیدی تعلیم کو مٹا نہ سکیں :۔
"یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان دُور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر
اور صرف اُسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آکر اُس
کی خدمت کرنے لگے" (متی۔ ۴: ۱۰ و ۱۱) "یسوع نے جواب میں اُس سے کہا۔ لکھا ہے
کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر" (لوقا۔ ۴: ۸) اَنِ اعْبُدُوا
میں اِن مفسرۂ ای کے مُرادف ہے۔ ان مفسرۃ بمعنی ای (مدارک) ان مفسرۃ (کبیر) حضرت کا
یہ کلام آپؑ کی کمال عبدیت اور انتہائی عبودیت پر دلالت کر رہا ہے۔ آپؑ نے اس پیام
توحید کو بھی براہ راست اپنی جانب منسوب نہیں کر دیا کہ میں انہیں یہ پیام دے آیا تھا۔
بلکہ یوں عرض کیا کہ میں تو وہی کہہ آیا تھا جس کا تو نے ہی حکم دیا تھا۔ پیام توحید بھی میری اپنی
طرف سے نہ تھا، تیرے ہی ارشاد کی تعمیل یہ بھی تھی۔ ۳۵۷ آیت میں ایک بار پھر حضرت
حق کے علم محیط و کامل کا اثبات ہے۔ کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ یعنی میں جب تک
دنیا میں موجود رہا۔ میری اُمّت کا حال میرے علم و مشاہدہ میں آتا رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ
اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ۔ یعنی جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا۔ اُس کے بعد سے مجھے کچھ خیر خبر
نہیں۔ تَوَفَّیْتَنِیْ۔ یہ لفظ دونوں مفہوموں کو شامل ہے۔ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے جانے کو
بھی اور دوبارہ اپنے وقت اصلی پر وفات کو بھی۔ المراد منہ وفاۃ الرفع الی السماء (کبیر) ای
تبضتنی بالرفع الی السماء کما یقال توفیت المال اذا قبضتہ وروی ھذا عن الحسن وعلیہ الجمھور (روح)
۳۵۸ (اور تو اُن کا مالک و مختار ہے۔ تو جو چاہے اُن کے ساتھ سزا کا معاملہ کرے۔ میں
دخل دینے کی مجال نہیں رکھتا) ۳۵۹ تو اُن کی مغفرت ہی کر دینا چاہے تو کون تجھے
روک سکتا ہے۔ تو سب پر غالب، العزیز ہے۔ تیرا ارادہ سب پر حاکم و مقتدر لیکن تو اسی کے
ساتھ الحکیم بھی تو ہے۔ تیرا کوئی فیصلہ خلاف حکمت ہو نہیں سکتا۔ تو کرے گا وہی جو تیرے
آئین حکمت و مصلحت کے مطابق ہو گا۔ میں ایک بندہ ہو کر اس میں دخل دینے والا کون؟ یعنی
انت قادر علی ما ترید، حکیم فی کل ما تفعل لا اعتراض لاحد علیك فمن انا والخوض فی احوال
الربوبیۃ (کبیر) واضح رہے کہ یہ ساری گفتگو قیامت میں ہو گی۔ جہاں کافروں اور منکران
دین حق کے لئے کوئی محل ہی شفاعت کا نہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے اس
کلام میں اُن کے پیمبر جلیل القدر ہونے کے باوجود کوئی شائبہ شفاعت کا نہیں۔ بلکہ مقصود

تمامتر اللہ کی طرف تفویض ہے۔ ومقصودہ منہ تفویض الامور کلھا الی اللہ وترك التعرض والاعتراض بالکلیۃ (کبیر) دل ذلك علی ان غرضہ تفویض الامور بالکلیۃ الی اللہ تعالیٰ وترك التعرض لھذا الباب من جمیع الوجوہ (کبیر)
ضمناً حضرت مسیحؑ کے اس کلام سے تردید بھی مسیحیوں کے اس عقیدہ کی نکل آئی کہ قیامت میں عدالت کا کام خدا کے نہیں، خدا کے بیٹے کے ہاتھ میں ہو گا، چنانچہ موجودہ انجیل میں ہے :۔ "باپ کسی کی بھی عدالت نہیں کرتا، بلکہ اُس نے
عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے" (یوحنا۔ ۵: ۲۲) ۳۶۰ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اوپر کے سب مکالمات و مخاطبات کے بعد ہو گا۔ صٰدِقِیْنَ وہ ہیں جو دنیا میں عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ پر قائم رہے ہوں۔ المعنی ان صدقھم فی الدنیا
ینفعھم فی القیامۃ (کبیر) اس کے تحت میں انبیاء کے علاوہ عام مومنین بھی داخل ہیں۔ ۳۶۱ ذٰلِكَ۔ یہ بڑی کامیابی یا فوز عظیم کس چیز کو کہا گیا ہے، جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اشارہ پوری آیت کی جانب، یعنی نعمت جنّت اور
نعمت رضوان الٰہی سب کی جانب ہے۔ الجمھور علی ان قولہ ذلك عائد الی جملۃ ما تقدم من قولہ لھم جنات الی قولہ ورضوا عنہ (کبیر) لیکن امام رازیؒ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ الفوز العظیم کا تعلق صرف رضوان الٰہی سے ہے جس کے مقابلہ میں جنّت کی عام
نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ وعندی انہ یحتمل ان یکون ذلك مختصاً بقولہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ فانہ ثبت عند ارباب الالباب ان جملۃ الجنۃ بما فیھا بالنسبۃ الی رضوان اللہ کالعدم بالنسبۃ الی الوجود وکیف والجنۃ مرغوب الشھوۃ
والرضوان صفۃ الحق واتی مناسبۃ بینھما (کبیر) امام موصوف تصوّف کے بھی ذوق شناس تھے۔ خدا جانے خشک متکلم کیسے مشہور ہو گئے۔ خود بھی خشک متکلموں سے عاجز تھے۔ چنانچہ یہیں اپنا خیال لکھ کر فرماتے ہیں :۔ وھذا الکلام یشمئز منہ
طبع المتکلم الظاھری ولکن کذا الحق (کبیر) اَبَدًا۔ صراحت کے ساتھ یہ دوام اور ابدیت کی خوشخبری اہل جنّت ہی کے حصّہ میں آئی ہے۔ ورنہ اہل دوزخ کیلئے وعید صرف لفظ خلود کی حد تک ہے۔ اشارۃ الی الدوام (کبیر) ۳۶۲ مخلوقات
پر حکومت، سلطنت جو کچھ ہے وہ خدائے واحد و یکتا کی ہے۔ نہ کسی فرزند خدا یا مظہر خدا وغیرہ کی۔ مَا فِیْھِنَّ۔ ما غیر ذوی العقول یا بے جانوں کے واسطے آتا ہے۔ اور مَن ذوی العقول کیلئے۔ امام رازیؒ نے یہ سوال قائم کر کے کہ یہاں مَن کے
بجائے ما کا استعمال کیوں ہوا ہے۔ جواب یہ دیا ہے کہ ساری مخلوقات اپنے مسخر ہونے کے اعتبار سے خالق کی قضا و قدرت کے آگے ایسی ہیں کہ جیسے اُن میں جمادات کی طرح نہ کوئی قوت ہے اور نہ بہائم کی طرح عقل ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے وہ گویا بے قدرت
اور اس کے علم کے سامنے وہ گویا بے علم ہیں۔ انہ قال ومن فیھن وغلب حکم العقلاء علی غیرھم والسبب فیہ التنبیہ علی ان کل المخلوقات مسخرون فی قبضۃ قھرہ وقدرتہ وقضائہ وقدرہ وھم فی ذلك التسخیر کالجمادات التی لا قدرۃ لھا وکالبھائم التی لا عقل لھا فعلم الکل
بالنسبۃ الی علمہ کلا علم وقدرۃ الکل بالنسبۃ الی قدرتہ کلا قدرۃ (کبیر)

۲۴۸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ حواریوں کی غرض فاسد نہیں تو اب ان کے فرمائشی معجزہ کے لئے حضرت حق سے دعا و مناجات کی۔ ۲۴۹ دعا کے الفاظ اَللّٰهُمَّ ربنا۔ وارزقنا۔ وانت خیرالرازقین۔ کس کس طرح عقیدۂ الوہیت مسیح پر ضرب لگانے والے ہیں۔ خوب خیال کرلیا جائے۔ اَللّٰھم اور ربنا دونوں میں الوہیت و ربوبیت کا مکرر انتساب حق تعالیٰ کی جانب حضرت مسیحؑ کی زبان سے ہے۔ عِیۡدًا۔ عید کہتے ہیں اُس خوشی کو جو بار بار لوٹ کر آتی رہے۔ یعنی اپنے تہوار کا دن منالیں۔ العید السرور العائد (کشاف) یستعمل العید فی کل یوم فیہ مسرة (راغب) ای یکون یوم نزولها عیدًا (مدارک) لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ یعنی ہم لوگ جو موجود ہیں اُن کے لئے بھی اور جو ہمارے بعد آئیں اُن کے لئے بھی۔ ای لاھل زماننا ولمن یجیئ بعدنا (روح) اٰیَةً مِّنۡكَ۔ ایک الٰہی نشان بن جائے میری پیمبری کا، کہ اس سے مومنین کا ایمان بڑھ جائے اور منکرین پر حجت قائم ہو جائے۔ اٰیة کائنة منك دالة علیٰ کمال قدرتك وصحة نبوتی (روح) علیٰ صحة نبوتی (مدارک) مِنَ السَّمَآءِ۔ یہ لازمی نہیں کہ نزول آسمان ہی سے مُراد ہے بلکہ صرف جہت آسمان سے بلندی ہی سے نزول بھی مُراد ہو سکتا ہے والمراد بها اما المحل المعهود وهو المتبادر من اللفظ و اما جهة العلو (روح) ۲۵۰ ایسی کھلی ہوئی حس و مشاہدہ میں آئی ہوئی نعمت کا انکار جس شدید درجہ کی ناشکر گزاری ہے۔ سزا بھی اسی درجہ میں شدید ملے گی۔ اجر ایمان کا دار و مدار غیبیت پر ہے اور جو واقعہ سلسلۂ اسباب عادیہ سے اس قدر الگ ہو، جیسا کہ بلا اسباب ظاہری بلکہ خلاف اسباب ظاہری، آسمان سے یا جہت آسمان سے تیار شدہ کھانے کا اُتر آنا، نہایت بیّن اور معمول سے زیادہ نمایاں معجزہ ہے، اتنے کھُلے ہوئے خارق عادت سے ایمان پر انکار گویا غیب ہی نہیں، کہنا چاہیئے کہ شہود کے بعد بھی انکار پر قائم رہنا ہے۔ جو جحود کی قبیح ترین شکل ہے۔ اور ایسے جرم کی سزا بھی شدت جرم ہی کی مناسبت سے شدید ترین ہو گی۔ اِنِّیۡ مُنَزِّلُهَا عَلَیۡكُمۡ۔ مفسرین کے ایک گروہ نے ان الفاظ سے یہ استنباط کیا ہے کہ نزول مائدہ ضرور واقع ہو کر رہا، لیکن مفسرین ہی کے دوسرے گروہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کی بھی قید لگادی ہے۔ یعنی ان سا لقہ اور نزول سے انکار بعض تابعین تک سے منقول ہے۔ فقال مجاهد والحسن لم تنزل (معالم) ۲۵۱ (قیامت کے دن) قال قتادة وابن جریج واکثر المفسرین انما یقول له هذا یوم القیامة (قرطبی) الجمهور علیٰ ان هذا السوال یکون فی یوم القیامة (مدارک) قال سائر المفسرین انما یقول الله له هذا القول یوم القیامة (معالم) ۲۵۲ مسیح پرستی تو خیر موجود مسیحیت کے مُرادف ہی ہے۔ لیکن مریم پرستی بھی مسیحی دنیا کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، دعائیں اس "خدائی کنواری" کو مخاطب کرکے کی جاتی ہیں، نذریں نیازیں ان کے نام پر کی جاتی ہیں کیتھولک گرجاؤں میں قدآدم تصویریں اُن کی لگی ہوتی ہیں جن کے آگے مراسم پرستش بجالائے جاتے ہیں۔ مریم پرستی پر مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ سوال سے مقصود ظاہر ہے کہ استفہام و استفسار نہیں، بلکہ مسیح پرستوں اور مریم پرستوں پر مزید حجت قائم کرنا اور انہیں اور زیادہ مجمل ولاجواب کرنا اور انہیں خود انہی کی نظر میں ذلیل کرنا ہے۔ ولیس هو استفهام انه سالة عن ذلك توبیخا لمن ادعیٰ ذلك علیه لیکون انکاره بعد السوال ابلغ فی التکذیب واشد فی التوبیخ والتقریع (قرطبی) ۲۵۳ (ہر قسم کی شرکت کی آلودگی سے، اور ہر ایسے انتساب سے جو تیری شان کے لائق نہ ہو)

مَرۡیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ

کہ اے اللہ ۲۴۹ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ایک (خوان) طعام آسمان سے ایسا اتار دے

تَكُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنۡكَ ۚ وَ

کہ وہ ہمارے لئے (یعنی) ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک جشن بن جائے اور تیری طرف سے

ارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُهَا

ایک نشان ہو جائے تو ہمیں عطا کر اور تو ہی بہترین عطا کرنے والا ہے ۲۴۹ اللہ نے فرمایا کہ وہ کھانا ضرور

عَلَیۡكُمۡ ۚ فَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡكُمۡ فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ

تم پر اتاردونگا۔ لیکن پھر جو کوئی تم میں سے کفر اختیار کرے گا اسے سزا بھی وہ دونگا کہ وہ سزا دنیا والوں

ع ۱۵ / ۷ / ۵
اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾ ۧ وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسَی

میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا ۲۵۰ اور (وہ وقت بھی قابل یاد رکھنے کے ہے) جب اللہ

ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَاُمِّیَ اِلٰهَیۡنِ

فرمائیگا ۲۵۱ کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ "خدا کے علاوہ مجھے اور میری

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ

والدہ کو بھی معبود بنالو" ۲۵۲؟ (عیسیٰ) عرض کرینگے، پاک ۲۵۳ ہے تو، میرے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مَا لَیۡسَ لِیۡ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ تَعۡلَمُ

میں ایسی بات کہہ دیتا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا ۲۵۴ اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً تجھے اس کا علم ہوتا، تو

مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ

جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے، بیشک تو ہی تو ہے پوشیدہ چیزوں کا

بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ

بنی اسرائیل کو تم سے روک رکھا جب تم اُن کے پاس روشن (نشانیاں) لے کر آئے تھے ۳۴۲؎ پھر

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾

اُن میں سے جو کفر اختیار کئے رہے، وہ بولے کہ یہ تو اور کچھ نہیں، ایک کھلا ہوا جادو ہے ۳۴۳؎ اور

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ

(وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب میں نے حواریوں کو حکم دیا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیمبر پر، تو

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپ شاہد رہیئے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں ۳۴۴؎ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے)

الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کیا آپ کا پروردگار اس کو جائز رکھتا ہے کہ ہم پر

اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا

کھانا آسمان سے اُتارے ۳۴۵؎ (اس پر عیسیٰؑ نے) کہا کہ اللہ سے ڈرو!

اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ

اگر ایمان رکھتے ہو ۳۴۶؎ وہ لوگ بولے کہ ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ اس میں

مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

سے کھائیں اور اپنے دلوں کو مطمئن کرلیں اور یقین کرلیں کہ آپ ہم سے سچ بولے ہیں اور ہم

وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِیْسَی ابْنُ

اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوجائیں ۳۴۷؎ عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے دُعا کی

منزل ۲

۳۴۲؎ یہ اشارہ ہے اس حقیقت تاریخی کی جانب کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کی کوشش بار بار کی تھی اور ہر دفعہ اس میں ناکام رہے تھے۔ انجیل بھی اس تذکرہ سے خالی نہیں۔ مثلاً "انہوں نے اس کو مارنے کو پتھر اٹھائے مگر یسوع چھپ کر ہیکل سے نکل گیا" (یوحنا ۸-۵۹) "انہوں نے پھر اس کے پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا" (یوحنا ۱۰-۳۹) بِالْبَیِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل عقلی اور معجزات دونوں آگئے۔ ای الدلالات والمعجزات (قرطبی) اِذْ جِئْتَهُمْ۔ ضمناً سہی تاہم ایک بار پھر یہ حقیقت معرضِ بیان میں آگئی کہ حضرت کا خطاب صرف بنی اسرائیل سے تھا۔ ملاحظہ ہوں سورۂ آل عمران کے حاشیئے۔

۳۴۳؎ یہود کی جو قدیم ترین کتابیں ملتی ہیں یعنی حضرت مسیحؑ کے زمانہ ہی کی لکھی ہوئی اُن میں بھی آپؑ کے سحر پیشہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔ اور اسی طرح ان کتابوں میں بھی جو اس بیسویں صدی عیسوی میں یہودی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ سے مُراد وہی یہود ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کے منکر تھے عام اس سے کہ وہ اسرائیلی انبیاء سابقین کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ یعنی الذین لم یومنوا بك وجحدوا نبوتك (قرطبی)

۳۴۴؎ یا یہ کہ "ہم پورے مُسلم ہیں"۔ "مُسلم" کا لفظ کوئی نو پیدا اصطلاح نہیں، انبیاء کے ماننے والے تو ہمیشہ اور ہر نبی کے دور میں مُسلم ہی کہلائے ہیں۔ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ۔ حواری۔ پر حاشیہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ وحی کا اطلاق عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ وحی کے معنی قلب میں القاء یا الہام کے بھی ہوتے ہیں۔ الوحی کل شیء دللت به من کلام او کتاب او اشارة او رسالة (ابن قتیبہ) والوحی فی کلام العرب معناه الالهام...... ای الهمتهم وقذفت فی قلوبهم (قرطبی) المراد بذلك الوحی الالهام والالقاء فی القلب (کبیر) قیل المراد بالوحی الیهم الهامه تعالیٰ ایاهم (روح) عن السدی یقول قذفت فی قلوبهم (ابن جریر) قیل المراد بهذا الوحی وحی الهام (ابن کثیر) وحی کے یہ معنی تو لیکر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن وحی کو امر کے مُرادف ہی قرار دیا گیا ہے۔ قال ابو عبیدة اوحیت بمعنی امرت وقیل اوحیت هنا بمعنی امرتهم (قرطبی) وجاء استعمال الوحی بمعنی الامر فی کلام العرب کما قال الزجاج (روح) اس صورت میں صرف اتنا محذوف ماننا پڑے گا کہ "اے عیسیٰ تمہارے ذریعہ سے" ای امرتهم فی الانجیل علیٰ لسانك (روح) یحتمل ان یکون المراد اذ اوحیت الیهم بواسطتك (ابن کثیر)

۳۴۵؎ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اس طرزِ خطاب سے صاف ظاہر ہے کہ حواری بھی آپؑ کو ابن مریم ہی سمجھتے تھے۔ ابن اللہ کا کوئی شائبہ بھی ان کے خیال میں نہ تھا۔ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ حواری بہرحال صاحبِ ایمان تھے۔ سوال سے اُنکی مراد بقول مفسر تھانویؒ یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی امر، مثلاً اس کا خلافِ حکمت ہونا، اس سے مانع تو نہیں! المراد من هذا الکلام استفهام ان ذلك هل هو جائز فی الحکمة ام لا (کبیر) قیل هذه الاستطاعة علیٰ ما تقتضیه الحکمة والارادة فکانهم قالوا هل ارادة الله تعالیٰ وحکمته تعلقت بذلك او لا (روح) مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ مائدہ کے معنی طعام کے بھی ہیں اور خوان طعام کے بھی۔ المائدة فی المشهور الخوان الذی علیه الطعام وتطلق المائدة علیٰ نفس الطعام ایضاً (روح) المائدة الطبق الذی علیه الطعام ویقال لکل واحدة منهما مائدة (راغب) یہاں مُراد کھانے ہی سے لی گئی ہے۔ قیل اتدعوا طعاما (راغب)

۳۴۶؎ یعنی بلا ضرورت خرقِ عادت کی طلب و فرمائش آدابِ ایمانی کے بالکل خلاف ہے۔ اتقوا الله فی تعیین المعجزة فانه جار مجری التعنت والتحکم (کبیر) اتقوا الله من امثال هذا السؤال واقتراح الآیات (روح) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں زجر ہے کہ اہل اللہ میں خوارق کو تلاش کیا جائے۔

۳۴۷؎ حواری اپنی صفائی میں یہ تقریر کررہے ہیں کہ سوال سے ہماری غرض کوئی بے ادبی نہیں مقصود صرف اس قدر تھا کہ نَّاْكُلَ مِنْهَا ہم اس آسمانی غذا سے کچھ کھائیں اور اس سے لذت و برکت حاصل کریں۔ اکل تبرك (روح) وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا۔ اور اس خرقِ عادت کے مشاہدہ سے ہمارا ایمان اور ترقی حاصل کرے۔ بازدیاد الیقین کما قال عطاء (روح) وَنَعْلَمَ۔ اور ہم مشاہدہ کی مزید قوت کے ساتھ یقین حاصل کرلیں۔ علم مشاهدة وعیان علیٰ ما قد مناه (روح) اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا کہ آپ اپنے دعوائے نبوت میں بالکل سچے ہیں۔ ای انه قد صدقتنا فی ادعاء النبوة (روح) ونکون علیها من الشهدین۔ اور اس کے بعد ہم دوسروں کے سامنے بھی گواہی دے سکیں کہ ہاں ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسا معجزہ دیکھا ہے اور اسی طرح ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن جائیں۔ عند من لم یحضرها من بنی اسرائیل (روح) نُرِیْدُ۔ ارادہ یا تو اپنے عام معنی میں ہے، یا شوق و تمنا کے معنی میں۔ والارادة اما معناه الظاهر او بمعنی المحبة (روح)

۲۳۲ یہ راہِ ہدایت سے محرومی دنیا اور آخرت دونوں میں اُن کے حصہ میں آتی ہے جو گویا نافرمانی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس عادی نافرمانی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ نہ دنیا میں اُنھیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ آخرت میں اُنھیں اس کا ثمرہ یا جنت نصیب ہوگی۔ ای لا یھدیھم الی حجۃ اوالی طریق الجنۃ (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۔ یعنی تقویٰ الٰہی پر نظر اپنے تمام معاملات میں رکھو اور ادائے شہادت میں بھی۔ وَاسْمَعُوْا ۔ یعنی اللّٰہ کے احکام کو سنتے اور مانتے رہو۔ ۲۳۳ (مع اُن کی اُمتوں کے) ذکرِ قیامت کے موقع کا ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے واتقوا یوم یجمع اللّٰہ الرسل ۔ بعض نے احذروا اور بعض نے اذکروا فرض کیا ہے، مقصود ہر صورت میں تخویف وتہدید ہے۔ قیل التقدیر واتقوا یوم یجمع اللّٰہ الرسل عن الزجاج وقیل التقدیر اذکروا او احذروا یوم القیٰمۃ حین یجمع اللّٰہ الرسل والمعنی متقارب والمراد التخویف والتھدید (قرطبی) ۲۳۴ (ان اُمتیوں کی طرف سے یعنی تمہاری دعوت آیا قبول کی یا رد کی؟ ماذا یہاں بماذا کے مُرادف ہے۔ بای شیٔ اُجبتم (بیضاوی) قیل التقدیر بماذا اُجبتم (روح) اُمّت کے نافرمانوں کے مواجہ میں یہ مکالمہ بجائے خود ایک عذاب اُن نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں ہوگا۔ انہ اراد ان یفضحھم علیٰ رءوس الاشھاد لیکون ذٰلک نوعًا من العقوبۃ لھم (قرطبی) امام رازیؒ نے سچ کہا ہے کہ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ احکام وشرائع کے مفصل بیان کے معاً بعد یا تو ذکرِ صفاتِ الٰہی کا شروع کر دیا جاتا ہے یا حالاتِ انبیاء کا، یا احوالِ قیامت کا، اور مقصود ان سب صورتوں میں ان احکام کی تعمیل کے لئے قلب کو زیادہ آمادہ کر دینا ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اعلم ان عادۃ اللّٰہ تعالیٰ جاریۃ فی ھٰذا الکتاب الکریم انہ اذا ذکر انواعًا کثیرۃ من الشرائع والتکالیف والاحکام اتبعھا امّا بالالٰھیات واما بشرح احوال الانبیاء او بشرح احوال القیٰمۃ لیصیر ذٰلک مؤکدًا لما تقدم ذکرہ من التکالیف والشرائع (کبیر) ۲۳۵ یعنی ہمیں علم نہیں کہ ہمارے پیچھے انھوں نے کیا کیا یا یہ کہ ان کے واقعی عقائد کیا تھے؟ ہم تو اپنے سامنے اُن کے صرف ظاہری اقوال واعمال کو جانتے تھے، باطن کا علم تو صرف تجھی کو ہو سکتا ہے اور جزا، صرف انھی اصل عقائد پر ملے گی۔ معناہ لا علم لنا بباطن ما اجاب بہ اممنا لان ذٰلک ھو الذی یقع علیہ الجزاء (قرطبی) دوسری تفسیر اسی سے ملتی جلتی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ جواب محض غلبۂ خشیت سے ادبًا ہوگا۔ یعنی تیرے علم کامل ومحیط کے آگے ہمارا علم ہیچ ہے۔ جو کچھ ہمیں علم ہے بھی، خود اس کا بھی تو ہم سے عالم تر ہے۔ بعض صحابیوں اور تابعین سے یہی معنی مروی ہیں لا علم لنا الا علم انت تعلم ما اظھروا وما اضمروا ونحن لا نعلم الا ما اظھروا فعلمک فیھم انفذ من علمنا (ابن عباسؓ) امام المفسرین ابن جریر طبری اور فخر المفسرین امام رازیؒ دونوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناہ لا علم لنا الا علم انت اعلم بہ منا (ابن جریر) و ھو الاصح (کبیر) دونوں تفسیروں کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں۔ امام رازیؒ نے ایک تیسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہمیں جو کچھ حاصل ہے وہ محض درجۂ ظن کی چیز ہے اور آج جو کشفِ حقائق کا دن ہے محض ظن کام نہیں دے سکتا، آج تو علم ہی کام دے گا اور وہ بس تجھی کو حاصل ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس ذہول کی وجہ بعض نے تجلی جلال کے آثارِ ظہور کو بتایا ہے۔ ۲۳۶ انعامات کا سرچشمہ صرف وہی ذاتِ تبارک و تعالیٰ ہے۔ مسیحؑ اُس کے صرف ایک انعام پائے ہوئے معزز ومقرب بندے ہیں اور والدۂ مسیحؑ اس کی صرف ایک انعام پائی ہوئی معزز ومقرب بندی۔ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عیسیٰ سے یاد دلا دیا گیا کہ وہی جو ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ابن اللّٰہ۔ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ ۔ اس طریقِ تخاطب سے مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اللّٰہ کی اولاد میں ہونا بھی ایک نعمت وشرف ثابت ہوتا ہے۔ ۲۳۷ مختلف انبیاء کی امتیازی شانیں بھی مختلف رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی شانِ امتیازی یہ تھی کہ آپ کو حضرت جبریلؑ کی تائید ایک درجۂ خاص میں حاصل تھی۔ سورۂ آل عمران میں اس فقرہ اور لفظ روح القدس پر حاشیہ گزر چکے۔ ۲۳۸ اس پورے فقرہ پر حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔

ع ۱۴/۴

يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ

فاسق لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ۲۳۲ (اُس دن سے ڈرو) جس دن اللّٰہ پیمبروں کو جمع کریگا ۲۳۳

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

پھر اُن سے پوچھیگا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا ۲۳۴ وہ عرض کریں گے کہ ہم کو علم نہیں چھپی ہوئی باتوں کو

الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ

خوب جاننے والا تو بس تو ہی ہے ۲۳۵ (وہ وقت یاد میں رکھو) جب اللّٰہ عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے کہیگا کہ میرا انعام اپنے

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟

اور اپنی والدہ کے اُوپر یاد کرو ۲۳۶ جب کہ میں نے تمہاری تائید رُوح القدس (کے واسطہ) سے کی تھی ۲۳۷

وقف لازم

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ

تم آدمیوں سے کلام (ان کی) گود میں بھی کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی ۲۳۸ اور جب کہ میں نے تمہیں

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ

کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کی تعلیم دی ۲۳۹ اور جب تم مٹی سے

مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا

پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں لاتے تھے پھر تم اُس کے اندر پھونک مارتے تھے

فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا ۲۴۰ اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے

بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ

اچھا کر دیتے تھے اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے ۲۴۱ اور جبکہ میں نے

۲۳۹ حضرت عیسیٰؑ براہِ راست حق تعالیٰ کے شاگرد تھے جیسا کہ اور سب انبیاء ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر ہمارے حضرت خاتم النبیین صلعم۔ اَلْکِتٰب ۔ یہاں بطور اسم جنس کے ہے۔ یعنی آسمانی کتابوں کی جنس۔ المراد منہ جنس الکتاب (کبیر) الکتاب والحکمۃ لان المراد بھما جنس الکتاب والحکمۃ (کشاف) الحکمۃ ۔ التورٰۃ ۔ الانجیل ۔ ان سب پر حاشیہ گزر چکے۔ ۲۴۰ ان سب معجزات پر حاشیئے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ معجزہ اصطلاح میں ہر اُس خارقِ عادت کو کہتے ہیں جس کا ظہور پیمبر کے ہاتھ سے کافروں اور منکروں پر پیمبر کی تائیدِ غیبی اور نصرتِ الٰہی کے اظہار کے لئے کرایا جاتا ہے۔ اور خارقِ عادت وہ واقعہ بھی ہے جو تکوینیات میں بندوں کے سمجھے اور قرار دیئے ہوئے کسی قاعدہ سے الگ ہو مثلاً عام قاعدہ بندوں کے مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ ہندوستان میں جون کے مہینہ میں تیز گرمی اور دسمبر میں تیز سردی پڑتی ہے۔ اب اگر کسی پیمبر کی دعا سے جون میں برف جمنے اور دسمبر میں لو چلنے لگے۔ تو اُسے پیمبر کا معجزہ کہا جائے گا ——— نیچر پرستوں یا منکرینِ معجزات کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مشاہدہ وتجربہ کو خود قدرت کی طرف سے کسی مستقل قاعدہ یا قانون کا اعلان سمجھ بیٹھے اور دوسری غلطی یہ کہ قاعدوں اور قانون کو قانون ساز اور قاعدہ گر کی مرضی وارادہ سے بے نیاز، خود مستقل، مستمر، لایزال حقیقتیں سمجھ بیٹھے۔ بِاِذْنِیْ ۔ کی تکرار اس سارے سلسلۂ معجزات میں قابلِ غور ہے۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ بادی النظر میں کیسا ہی عجیب وغریب ہو، بہرحال تھا وہ اذنِ الٰہی قانونِ تکوینی ہی کی کسی نہ کسی دفعہ کے ماتحت۔ انما اعاد قولہ باذنی تاکیدًا لکون ذٰلک واقعًا بقدرۃ اللّٰہ وتخلیقہ لا بقدرۃ عیسیٰ وایجادہ (کبیر) تَخْلُقُ ۔ خلق کے معنی یہاں صورت بنانے کے ہیں۔ تخلق اے تصوّر (روح) ای تصوّر وتشکل علیٰ ھیئۃ الطائر (معالم) تَنْفُخُ فِیْھَا ۔ میں ضمیر مؤنث ھیئۃ کی طرف نہیں بلکہ کھیئۃ کے ک کی جانب ہے۔ الضمیر للکاف لانھا صفۃ الھیئۃ التی کان یخلق عیسیٰ ولا یرجع الی الھیئۃ المضاف الیھا لانھا لیست من خلقہ (کشاف) ۲۴۱ ان سارے معجزوں پر بھی حاشیئے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ بِاِذْنِیْ ۔ کی تکرار ہر فقرہ میں بہت ہی قابلِ لحاظ ہے ——— پیمبر کے سارے معجزات کی تہ میں کارفرما خالقِ کائنات ہی کا کوئی نہ کوئی قانون تھا۔ باذنی ای بفعلی ذٰلک عندہ وعاکاتہ (کبیر) ذکر الاذن فی ھٰذہ الافاعیل انما ھو علیٰ معنی اضافۃ حقیقۃ الفعل الی اللّٰہ تعالیٰ (کبیر)

۳۲۶ (ان اوصیاء کی دیانت وشہادت کے باب میں) خطاب یہاں وارثوں سے ہے۔ ۳۲۷ شریعت اسلامی، جو انفرادی واجتماعی ہر بشری ضرورت کی کفیل ہے، یہاں ایک اکثر پیش آجانے والی ضرورت کا صحیح طریقہ تعلیم کررہی ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی موت کے وقت اپنا مال کسی کو حوالہ کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرجائے۔ لیکن گواہ اگر مسلمان نہ مل سکیں جیسا کہ حالت سفر وغیرہ میں اکثر اتفاق ہوجاتا ہے تو پھر دو غیر مسلموں ہی کو گواہ بنالے۔ پھر اگر ان گواہوں کی دیانت ہی سے متعلق شبہ ہوجائے اور وارث اپنا دعوٰی ان کے بیان کے خلاف پیش کردیں، لیکن گواہ نہ رکھتے ہوں تو اُس وقت خود ان اوصیاء سے مؤکد بہ حلف بیان لیا جائے ـــــ کب اور کہاں؟ بعد نماز کہ وہ وقت عموماً عظمت الٰہی کے استحضار کا ہوتا ہے۔ اور مسجد میں کہ خلق کے سامنے انسان عادۃً کذب بیانی سے شرماتا ہے۔ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ ۔ نماز سے یہاں مُراد عموماً نماز عصر لی گئی ہے، گو جائز ہر نماز کا وقت سمجھا گیا ہے۔ یرید صلاۃ العصر قالہ الاکثر من العلماء وقیل ای صلاۃ کانت (قرطبی) ای صلاۃ العصر کما روی عن ابی جعفر وقتادہ وابن جبیر وغیرھم وجوزان تکون اللام للجنس ای بعد ای صلاۃ (روح) تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوۃِ ۔ مفسر تھانویؒ نے کہا کہ اس سے مقصود قسم کی قوت اور اہمیت کو اور بڑھا دینا ہے زمان متبرک اور مکان اجتماع خلق کی قید کے ساتھ۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔ انسان عموماً اور عادۃً عزیزوں قریبوں ہی کے نفع کا لحاظ کرکے جھوٹ بولنے اور جھوٹا حلف اُٹھانے پر آمادہ ہوجاتا ہے

واذا سمعوا ۷ ۔۔۔ ۲۷۴ ۔۔۔ المآئدۃ ۵

مُصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ

آ پہنچے تو اگر تم کو شُبہ ہو جائے ۳۲۶ تو دونوں (گواہوں) کو بعد نماز

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ

روک رکھو اور وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے خواہ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

کسی قرابتدار (ہی کے لئے) ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی چھپائیںگے ورنہ ہم بے شک گنہ گار

الْاٰثِمِيْنَ ۝۱۰۶ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓي اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

ہوں گے ۳۲۷ پھر اگر خبر ہو جائے کہ وہ دونوں (وصی) حق بات دبا گئے ۳۲۸ تو دو گواہ اُن کی

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ

جگہ اور مقرر ہوں اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبا ہے (میّت کے) قریب تر لوگوں میں سے ۳۲۹

الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

اور یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے

وَمَا اعْتَدَيْنَآ ڮ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ

اور ہم نے زیادتی نہیں کی ہے ورنہ بیشک ہم ہی ظالم ٹھیرینگے ۳۳۰ یہ اس کا قریب ترین طریقہ ہے

يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ

کہ لوگ گواہی ٹھیک دیں یا اس سے ڈرے رہیں کہ ہماری قسمیں اُن کی قسموں کے

بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا

اُلٹی پڑیں گی ۳۳۱ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے رہو اور اللہ

منزل ۲

ـــــ خالق فطرت کا کلام ہے۔ فطرت بشری کے کیسے کیسے چھپے ہوئے چوروں کا لحاظ رکھا ہے۔ شَهَادَةَ اللّٰهِ ۔ یعنی جس بات کے بیان کرنے پر ہم اللہ کی طرف سے مامور ہیں ـــــ عظمت الٰہی کے استحضار اور خشیت قلب کے بیدار کرنے کیلئے قرآن مجید اسلوب بھی کیسے کیسے مؤثر اختیار کرتا ہے۔ یہاں محض شہادت کو شہادۃ اللہ سے تعبیر کرکے اس کی کتنی اہمیت بڑھا دی۔ ۳۲۸ یعنی ظاہراً ان گواہوں کا کاذب وخائن ہونا معلوم ہوجائے۔ عُثِرَ عَلٰى ۔ یعنی اگر اس کی خبر ہوگئی۔ اگر یہ کھل گیا۔ عثر علی کذا ای اطلع علیہ (قرطبی) آیت کی ترکیب حضرت عمرؓ جیسے اہل زبان صحابی اور زجاج جیسے نحوی کو دشوار معلوم ہوئی ہے اور دوسرے مفسرین کرام کا ذکر ہی نہیں۔ قال عمر ھذہ الآیۃ اعضل ما فی ھذہ السورۃ من الاحکام وقال الزجاج اصعب ما فی القرآن من الاعراب (قرطبی) ۳۲۹ اب مقدمہ کا رُخ بدل گیا، اوصیاء جو پہلے مدعا علیہ تھے ورثہ کے مقابل، اب خود مدعی ہوگئے۔ اور ورثہ جو اوصیاء کی خیانت کا دعوٰی لیکر آئے تھے۔ اب مدعا علیہ بن گئے۔ یعنی فی الایمان او فی الشہادۃ (قرطبی) يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا ۔ اگر دو کے بجائے ایک ہی گواہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنہیں مال وصیت پہنچتا تھا یعنی میت کے قریب تر اور مال کے وارث۔ روی عن سعید بن جبیر قال معنی الاولیان بالمیت یعنی الورثۃ (جصاص) الاقربان الی المیت (کبیر) اَوْلَيٰنِ آیت میں بدل ہے فاٰخران سے۔ والمعنی عند اھل التفسیر من الذین استحقت علیھم الوصیۃ، الاولیان بدل من قولہ فاٰخران قالہ ابن السری واختارہ النحاس (قرطبی) امام ابوحنیفہؒ نے اسی آیت سے ذمّیوں کے آپس کے معاملات میں ان کے قبول شہادت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ استدل ابوحنیفۃ بھذہ الآیۃ علی جواز شہادۃ الکفار من اھل الذمۃ فی ما بینھم قال ومعنی او اٰخران من غیرکم ای من غیر اھل دینکم فدل علی جواز شہادۃ بعضھم علی بعض (قرطبی) ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ ۔ ضرب فی الارض کے معنی محاورہ میں سفر کرنے کے آتے ہیں (مطلق ضرب کے معنی سفر کرنے اور چلنے کے نہیں جیسا کہ آج کل کے ایک نادان فرقہ نے اپنی تفسیروں میں لکھ دیا ہے بلکہ جب فعل ضرب کا صلہ فی کے ساتھ آئے، اُس وقت یہ معنی ہوجاتے ہیں) ای سافرتم (قرطبی) پوری تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت فاوصیتم الی اثنین عدلین فی ظنکم ودفعتم الیھما ما معکم من المال ثم متم وذھبا الی ورثتکم بالترکۃ فارتابوا فی امرھما وادعوا علیھما خیانۃ فالحکم ان تحبسوھما من بعد الصلاۃ ای تستوثقوا منھما (قرطبی) (اگر تم سفر کررہے ہو اور اس حال میں تمہیں موت آگئی اور تم نے اپنے خیال میں دو متدین شخصوں کو اپنا وصی مقرر کرکے مال ان کے سپرد کردیا اور تمہاری وفات ہوگئی۔ اور دونوں وصی تمہارا ترکہ لے کر تمہارے وارثوں کے پاس گئے اور اُن لوگوں کو ان گواہوں کے بیان میں شک پیدا ہوا اور ان دونوں پر انہوں نے دعوٰی دائر کردیا تو اب چاہیئے کہ نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو روک لو اور ان سے پوچھ پاچھ کرلو۔ ۳۳۰ یہ سب تعلیم اس غرض سے مل رہی ہے کہ یہ گواہ بھی اپنی ذمہ داری کا خوب اچھی طرح احساس واستحضار کرلیں۔ وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۔ یعنی ہم نے حق وصداقت سے ذرا تجاوز نہیں کیا ہے۔ نہ مال کے مطالبہ میں اور نہ اوصیاء پر الزام خیانت لگانے میں۔ ای ما اعتدینا فی طلب ھذا المال وفی نسبتھم الی الخیانۃ (کبیر) ۳۳۱ شاہ عبدالقادر دہلویؒ اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اوّل ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں۔ پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں، یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں، جانیں کہ ہماری قسم اُلٹی پڑیگی" (موضح القرآن) ذٰلِكَ ۔ یعنی یہی قانون جو دو آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ای الحکم الذی ذکرنا والطریق الذی شرعنا (کبیر) عَلٰي وَجْهِهَآ ۔ یعنی مطابق حقیقت، بلاآمیزش۔ ای علی حقیقتھا من غیر تغییر لھا (روح) اَوْ يَخَافُوْٓا ... اَيْمَانِهِمْ ۔ اور اس ڈر سے جھوٹی قسم کھانے سے رُک جائیں۔ "اگر سپردگی مال زائد کی نہیں ہوئی تو قسم کھالیں اور اگر ہوئی ہے تو گناہ سے ڈر کر انکار کردیں، یہ حکمت تو تحلیف اوصیاء میں ہے" (تھانویؒ) اور ہم کو خفیف ہونا پڑے گا، یہ حکمت تحلیف ورثہ میں ہے" (تھانویؒ)

اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ؀١٠٣ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
رہتے ہیں اور اُن میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے ٣١٨ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے
تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا
کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ ٣١٩ تو کہتے ہیں کہ
مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے ٣٢٠ تو کہنا چاہیے کہ اُن کے بڑے نہ کسی
شَيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ؀١٠٤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ
شے کا علم رکھتے ہوں نہ ہدایت؟ ٣٢١ اے ایمان والو تم اپنی ہی فکر میں لگے رہو کوئی بھی
لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
گمراہ ہو جائے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں جب کہ تم راہ پر چل رہے ہو ٣٢٢ اللہ ہی کی طرف تم
جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؀١٠٥ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
سب کی واپسی ہے سو وہ تمہیں جتلا دیگا جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے ٣٢٣ اے ایمان والو جب کہ
اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ
تم میں سے کسی کو موت آجائے وصیت کے وقت تمہارے
الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ
آپس میں گواہ دو شخص تم میں سے معتبر ہوں ٣٢٤ یا دو گواہ تم میں سے کے علاوہ ہوں ٣٢٥
غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ
جب تم زمین پر سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کا واقعہ

٣١٨ (اور سمجھتے رہتے ہیں کہ خدا ان لغویات وخرافات سے خوش ہوگا) ای ما شرع اللہ ھذہ الاشیاء ولا ھی عندہ قربۃ ولکن المشرکون افتروا ذالک وجعلوہ شرعا لھم وقربۃ یتقربون بھا الیہ (ابن کثیر) يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ - اہل شرک اپنے عقائد وغیرہ دوسرے مسائل کی طرح رسوم کے باب میں بھی افترا علی اللہ پر بڑے جری و بے باک ہوتے ہیں اور گڑھنے والے عموماً مشرکین کے خواص واکابر ہوتے ہیں۔ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ - یہ کورانہ تقلید کرنے والے مشرکین کے عوام ہوتے ہیں۔ اور انہی کی تعداد بڑی ہوتی ہے۔ والمعنی ان الرؤساء یفترون علی اللہ الکذب فاما الاتباع والعوام فاکثرھم لا یعقلون (کبیر) ٣١٩ یعنی حق وباطل کا معیار محض احکام خدا ورسول کو قرار دو۔ اپنے مزعومات ومظنونات کو شریعت کی کسوٹی پر کسو، پرکھو، جانچو۔ ٣٢٠ (اور ہمیں کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں) تقلید جامد جاہلوں کا سہارا ہر ملک اور ہر دور میں رہا ہے۔ کسی صاحب علم کی تقلید اگر اس اعتماد پر کی جائے کہ وہ احکام شریعت کا ماہر ہے۔ تو یہ ممنوع نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ لیکن آنکھ بند کر کے باپ دادا کی راہ پر اس لئے چلتے رہنا کہ وہ باپ دادا تھے۔ یہ اندھی تقلید محض معصیت ہی نہیں بلکہ بعض اوقات شرک تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اسی کا نام رسم پرستی ہے ——— آج ہندوستان کی بڑی آبادی کے پاس نہ کوئی "کتاب" ہے نہ کسی "رسول" کی تعلیم محفوظ۔ بس رسوم کا ایک مجموعہ ہے۔ جو سیکڑوں، ہزاروں برس ہوئے ہاتھ آگیا تھا۔ اور اسی طرح اندھا دھند اس کی پوجا ہوتی چلی آرہی ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے جاہل صوفیہ کے اس طریقہ کا کہ جب ان کے سامنے شریعت پیش کی جاتی ہے تو اس کے بجائے وہ اپنے مشائخ کے معمولات سے تمسک کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ ٣٢١ یعنی کیا ان کا یہ خیال جب بھی ہے جب ان کے بزرگ علم نہ رکھتے ہوں حقائق دین سے کسی شئے کا اور ہدایت نہ رکھتے ہوں کسی کتاب الٰہی کے ذریعہ سے۔ وتقدیرہ وحسبھم ذلک ولو کان اباھم (کشاف) اَوَ میں و حالیہ ہے اور اُس پر ہمزہ (اَ) انکار کا داخل ہوا ہے واو الحال وقد دخلت علیھا ھمزۃ الانکار (کشاف) ٣٢٢ حکم افراد کو ہے کہ دوسروں کی فکر میں اتنا زیادہ کیوں گھلے جاتے ہو۔ مُقدّم فکر اپنی ہے۔ اپنے مطالبات دین ادا کئے جاؤ۔ تم پر دوسروں کی ذمہ داری نہیں تم سے پُرسش تمہارے ہی احوال کی ہوگی۔ آیت میں ایک زبردست اصول یعنی شخصی ذمہ داری کا اثبات ہے۔ اور ان لوگوں کا ابطال ہے جو انفرادیت کو اجتماعیت میں گُم رکھنا چاہتے ہیں۔ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے نفس کی نگرانی اپنے اوپر لازم کرلو۔ معناہ احفظوا انفسکم من المعاصی (قرطبی) علیکم محاورہ میں جب صیغۂ مخاطب میں آتا ہے تو اس کے معنی لازم پکڑ لینے کے ہوتے ہیں۔ صیغہ غائب وغیرہ میں نہیں آتا۔ تقول علیک زیدًا بمعنی الزم زیدًا ولا یجوز علیہ زیدًا بل انما یجری ھذا فی المخاطبۃ (قرطبی) دوسروں کی بھی بہ قدر وسعت واستطاعت اصلاح شخصی مطالبات دین ہی میں شامل ہے۔ انکے منافی نہیں۔ مقصود دوسروں کی اصلاح کے کام سے روکنا نہیں، صرف اس کے مبالغہ آمیز تخیل میں اعتدال پیدا کرنا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کو اچھی بُری بات بتاؤ نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ دوسروں کی عیب چینی اور کھوج میں نہ پڑے رہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو بجائے خود ایک انفرادی فریضہ ہے اس کا سقوط مقصود نہیں۔ قال ابن خویز منداد تضمنت الایۃ اشتغال الانسان بخاصۃ نفسہ وترکہ التعرض لمعائب الناس والبحث عن احوالھم فانھم لا یسألون عن حالہ فلا یسأل عن حالھم (قرطبی) ومن الاھتداء اتباع امر اللہ فی انفسنا وفی غیرنا فلا دلالۃ فیھا اذا علی سقوط فرض الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (جصاص) اخبر ابوبکرؓ ان ھذہ الایۃ لا رخصۃ فیھا فی ترک الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وانہ لا یضر ضلال من ضل اذا اھتدی ھو بالقیام بفرض اللہ من الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (جصاص) آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ انسان جب یہ دیکھ لے کہ وعظ وپند مطلق کارگر نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا اس پر استہزا ہوتا ہے تو ایسے موقع پر چاہیئے کہ سکوت سے کام لے اور بس اپنے ہی ذاتی اعمال کی فکر میں لگا رہے۔ قیل الایۃ فی اھل الاھواء الذین لا ینفعھم الوعظ فاذا علمت من قوم انھم لا یقبلون بل یستخفون ویظھرون فاسکت عنھم (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہی طریقہ ہے عارفین سالکین کا وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کر دینے کے بعد پھر کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔ ٣٢٣ (کہ حشر ہی اصلی وقت ومقام نتائج کے ظہور تام کا ہوگا) ٣٢٤ قرآن محض ایک پندنامۂ اخلاق نہیں قانون کی بھی کتاب ہے۔ زندگی میں قانون اخلاق، خطابت سب ہی کی اپنی اپنی جگہ ضرورت پڑتی ہے اور قرآن نے جو مکمل ہدایت نامہ اور زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ سب میں اپنی اپنی جگہ کام لیا ہے۔ اس جگہ قانون وصیت ووراثت کا بیان مختلف پہلوؤں سے آرہا ہے۔ بَيْنِكُمْ یعنی تمہارے آپس کے معاملات میں، مثلاً موت کے وقت ورثہ کو مال سپرد کرنے کے وقت۔ شہادہ بینکم اصطلاح فن میں انہی کو وصی کہتے ہیں۔ اور انہی کے اقرار واظہار کو گواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں کوئی حکم نہیں مل رہا ہے۔ صرف بہ طور مشورۂ مناسب کے ارشاد ہو رہا ہے۔ اِثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ یعنی مسلمان ہوں، تم میں سے ہوں، تمہارے غیر نہ ہوں۔ ان اوصیا، کا مسلمان اور عادل ہونا صرف افضل ہے۔ شرط لازم نہیں۔ فقہا نے یہ بھی لکھا ہے کہ وصی اگر دو نہ ہوں، یا ایک بھی نہ ہو، جب بھی وصیت جائز رہے گی۔ یہ آیتیں اپنی ترکیب نحوی وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کے مشکل ترین مقامات میں سے ہیں اور یہ دشواری اس بے علم وکم سواد ہی کو نہیں محسوس ہوئی ہے، اکابر قدیم بھی کچھ ایسا ہی فرما گئے ہیں۔ ھذہ الایات الثلاثۃ عند اھل المعانی من اشکل ما فی القرآن اعرابًا ومعنی وحکمًا (قرطبی) وما اس علیہ ھذا الکلام من لم یقع لہ الثلج فی تفسیرھا (قرطبی) اتفق المفسرون علی انھا فی غایۃ الصعوبۃ اعرابًا ونظمًا وحکمًا (کبیر) ٣٢٥ یعنی اگر حالت سفر وغیرہ میں مسلمان اور عادل اوصیا، نہ مل سکیں، تو غیر مسلم گواہ بھی جائز ہیں۔ صحابہ اور تابعین وفقہا میں سے اکثر کا مذہب یہی ہے۔ مِنْ غَيْرِكُمْ ضمیر للکافرین وھذا النسخ لبیان الایۃ مع ما تقرر من الاحادیث وھو قول ثلاثۃ من الصحابۃ الذین شاھدوا التنزیل ابوموسی الاشعری وعبد اللہ بن قیس وعبد اللہ بن عباس (قرطبی) ھذا معنی الایۃ علی مذھب ابی موسی الاشعری وسعید بن المسیب ویحیی بن یعمر وسعید بن جبیر وابی مجلز وابراھیم وشریح وعبیدۃ السلمانی وابن سیرین ومجاھد وقتادہ والسدی وابن عباس وغیرھم وقال بہ من الفقہاء سفیان الثوری واختارہ احمد بن حنبل کلھم یقولون منکم من المؤمنین ومعنی من غیرکم یعنی الکفار (قرطبی)

۳۱۰ اللہ اور اس کے رسُول کی جداگانہ حیثیتوں کی یہ تشریح مشرک نش مخاطبین کے لئے بار بار ضروری ہوئی۔ اور بار بار بتانا پڑا کہ رسُول کے ہاتھ میں ہدایت یا تقسیم عذاب و ثواب کچھ بھی نہیں، صرف تبلیغ ہے۔ ای لیس لہ الهدایة والتوفیق ولا الثواب وانما علیه البلاغ (قرطبی) البلاغ۔ یعنی تبلیغ احکام کی اور پیام کی۔ مَا تُبْدُوْنَ۔ یعنی تمہارے اقوال اور تمہارے اعمال۔ مَا تَكْتُمُوْنَ۔ یعنی تمہارے اسرار اور محرکاتِ عمل۔ اللہ کی ان دونوں صفات کو یاد دلا کر گویا یہ بتا دیا کہ اطاعت ظاہری بھی ہونا چاہیئے اور اطاعت باطنی بھی۔ ۳۱۱ (اے مخاطب) الْخَبِیْثُ۔ نافرمان یا نافرمانی، ذات و صفات سب کے لئے جامع۔ والصحیح ان اللفظ عام فی جمیع الامور یتصور فی المکاسب والاعمال والناس والمعارف من العلوم وغیرها (قرطبی) الطَّیِّبُ۔ فرمان بردار یا فرمان برداری۔ لَا یَسْتَوِی۔ اس لئے کہ ایک اللہ کے ہاں محبوب و محمود ہے اور دوسری مبغوض و مردود۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ عالم روحانیات میں جو چیزیں گندی یا خبیث ہیں، وہ عالم جسمانیات میں بڑی مقدار والی اور بڑی لذت والی دکھائی دیتی ہیں لیکن ان کی یہ ظاہری تعداد اور لذت دائمی اور سرمدی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینے والی ہے، اس لئے اُن کا اور ان کا کوئی مقابلہ ہی کیا؟ یعنی ان الذی یکون خبیثا فی عالم الروحانیات قد یکون طیبا فی عالم الجسمانیات ویکون کثیر المقدار وعظیم اللذة الا انه مع کثرة مقداره ولذاذة متناوله وقرب وجدانه سبب للحرمان من السعادات الباقیة الابدیة السرمدیة (کبیر) وَلَوْ اَعْجَبَكَ یعنی اس پر حیرت نہ کرو کہ جب نافرمان اور نافرمانی اس قدر مبغوض ہیں تو پھر ان کی کثرت و فراوانی کیوں ہے؟ یہ ترقی یقیناً دلیل مقبولیت نہیں، اس کی بنا دوسری ہی تکوینی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اعجابه له ان صار عنده عجبا مما یشاهده من کثرة الکفار والمال الحرام وقلة المومنین والمال الحلال (قرطبی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل حقائق کے مقابلہ میں اہل رسوم کی کثرت سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ وَلَوْ اَعْجَبَكَ کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "گو تجھے بھلی لگے"۔ ای وان سرك ایها الناظر (روح) آج دنیا میں بدی کی کثرت بھی ہے اور ظاہری خوشنمائی بھی۔ اور ایسا ہی کم و بیش ہر زمانے میں رہا ہے۔ ۳۱۲ (دنیا اور آخرت دونوں میں) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی راہ ہدایت اور پاکیزگی ہی کی راہ اختیار کرو اور بدی اور گندگی کی کثرت یا ظاہری خوشنمائی سے متاثر ہو کر ادھر نہ جھک جاؤ۔ ای اثروا الطیب وان قل علی الخبیث وان کثر (کشاف) تُفْلِحُوْنَ کو فَاتَّقُوا پر مرتب کر کے گویا یہ بتا دیا کہ فلاح کی بنیاد تقویٰ الٰہی ہی پر ہے۔ خطاب اولی الالباب سے کر کے ادھر اشارہ کر دیا کہ عین عقل و بصیرت کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے بچا جائے اور راہ تقویٰ اختیار کی جائے۔ اُولِی الْاَلْبَابِ۔ لُب کے معنی عقل خالص کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش و کدورت سے پاک ہو۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) عقل انسان کے پاس اللہ ہی کی بخشی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن مجید نے عقل کو دبایا نہیں، بلکہ صحیح حدود کے اندر عقل سلیم سے کام لینے پر تاکید کی ہے۔ ۳۱۳ ممانعت ایسے سوالات سے ہو رہی ہے جو سرتاسر فضول اور لایعنی ہوں مثلاً لوگوں کے جزئیات زندگی کی بابت سوالات کرتے رہنا۔ سوال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی معاشی یا معادی ضرورت واقعی پیش آجائے یا اس کے پیش آجانے کا احتمال قوی ہو اور صاحب شریعت سے ادب و احترام کے ساتھ اُس کی بابت پوچھ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ غرض و مقصد صحیح کچھ بھی نہ ہو اور دُور دُور کے احتمالات پیدا کر کر کے سوال محض سوال کرنے کی نیت سے کیا جائے تنقیقات اپنے دل سے گڑھے جائیں اور گویا رسُول کا امتحان لینے کو سوالات اس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہاں ذکر اسی آخری قسم کا ہے اور اسی سوال بازی کو ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ ناگوار ہونے کی صورتیں مثلاً یہ کہ تمہارے کسی چھپانے والے واقعہ کی پردہ دری ہو جائے اور تمہیں تفضیح و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے یا ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کی تعمیل تم پر شاق گزرے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ صحابی سے روایت آئی ہے کہ ایک شخص نے آکر رسُول اللہ سے عرض کی کہ اچھا یہ بتائیے کہ میرا باپ کون تھا؟ آپؐ نے فرمایا کہ فلاں شخص، اسی طرح ترمذی وغیرہ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے رسُول اللہ صلعم سے یہ سوال کرنا شروع کر دیا کہ یہ ہر سال فرض ہے؟ ——— یہ دو نمونہ ہیں اس قسم کے بیجا سوالات کے جن کے خلاف یہاں تنبیہ کی جا رہی ہے۔ "احکام میں جیسا یہ سوال بوجہ افراط ممنوع ہے، واقعات میں یہ سوال موجب تفریط فی الاطاعت والادب بھی ہے۔ چنانچہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ استہزاءً پوچھتے تھے۔ پس آیت سب اقسام سوال کو اور سب اقسام جواب کو شامل ہے۔ گو علت نہی کی کہیں افراط ہوگی، کہیں تفریط، اور ناگوار جواب کا احتمال کہیں تحریم سے ہوگا کہیں رسوائی سے کہیں زجر سے۔ اور بعد نزول وحی کے ایسے سوالات سے نہی کی علت اضاعت وقت اور مُجیب کو ضیق میں ڈالنا ہے" (تھانویؒ) روی مسلم عن المغیرة بن شعبة عن رسول الله صلعم قال ان الله کره لکم ثلاثا قیل وقال وکثرة السؤال واضاعة المال وقال کثیر من العلماء المراد بقوله کثرة السوال التکثیر من السؤال فی المسائل الفقهیة تنطعا وتکلفا فی ما لم ینزل والاغلوطات وتشقیق المولدات وقد کان السلف یکرهون ذلك ویرونه من التکلیف (قرطبی) ۳۱۴ تو ایسے ہی سوالات جن میں یہ احتمالات ہوں ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں۔ هذا تادیب من الله لعباده المومنین ونهی لهم عن ان یسألوا عن اشیاء مما لا فائدة لهم فی السوال والتنقیب عنها لانها ان اظهرت لهم تلك الامور ربما ساءتهم وشق علیهم سماعها (ابن کثیر) ۳۱۵ (اس لئے حکم کی خلاف ورزی پر گرفت اگر فوری نہیں ہوئی تو اس سے مطمئن اور بے خوف نہ ہو جاؤ) عَنْهَا یعنی اُن سوالات کے بارہ میں جو تم اب تک کر چکے۔ ای عن المسئلة التی سلف منهم (قرطبی) ای عما سلف من مسائلکم (کبیر) غَفُوْرٌ۔ اس صفت عفو کا تقاضا ہے کہ اس نے ماضی کو معاف کر دیا۔ ۳۱۶ اس کفر و انکار کی دو صورتیں ممکن ہیں اور دونوں واقع ہو چکی ہیں۔ ایک یہ کہ جو احکام دیئے گئے ان کا حق ادا نہ کیا، دوسرے یہ کہ جو واقعات بیان کئے گئے ان سے متاثر نہ ہوئے۔ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ۔ یہ کن لوگوں کی طرف اشارہ ہے؟ عام طور سے بنی اسرائیل سے مُراد لی گئی ہے کہ سابق انبیاء کی امتوں میں وہی کھود کھود کر اور کرید کرید کر سب سے زیادہ سوال کرنے کے عادی رہے ہیں۔ گنجائش دوسری اُمتوں کے مُراد ہونے کی بھی ہے۔ ۳۱۷ مَا جَعَلَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں کیا۔ والمعنی ما سمی الله ولا سن ذلك حکما ولا تعبد به شرعا (قرطبی) یہ سب اصطلاحیں عرب جاہلیت کی ہیں۔ بَحِیْرَةٌ وہ اونٹنی ہے جو دس بچے جنتی اور اُن میں کا آخری نر ہوتا۔ اس کا کان چیر کر اُسے سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا اور کوئی کام اُس سے نہ لیا جاتا۔ سَائِبَةٌ۔ وہ اونٹنی ہے جو کسی دیوتا کے نام پر سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دی جاتی اور اُسے چارہ پانی سے نہ روکا جاتا۔ وَصِیْلَةٌ۔ یہ بھی اونٹنی ہی کی ایک قسم ہے مادہ بچہ جننے والی۔ اسے بھی دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ حَامٍ۔ نر اونٹ کی ایک قسم ہے جس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اہل شرک کی رسمیں ہر ملک میں ملتی جُلتی سی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی گڑھی ہوئی رسمیں اور ایسے جانوروں کا ادب و احترام ہرگز مشروع نہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے اہل جاہلیت کی اس بدعت کا کہ بعض چیزوں کو غیر اللہ سے نامزد کر دیتے تھے جیسا کہ اب بھی بعض جہلاء ارواح طیبہ سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
رسُول کے ذمہ تو بجز تبلیغ کے اور کچھ نہیں اور اللہ اس کو بھی جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو
تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
اور اسکو بھی جو کچھ تم چھپاتے ہو ۳۱۰ آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے۔ گو تجھے ناپاک
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ
کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو ۳۱۱ سو اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (پوری)
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ
فلاح پا جاؤ ۳۱۲ اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر
اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ
ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں ۳۱۳ اور اگر تم انہیں دریافت کرتے رہو گے اُس
يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
زمانہ میں جب کہ قرآن اُتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی ۳۱۴ اللہ نے انکی بات درگزر کی اور اللہ بڑا
حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا
مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے ۳۱۵، لوگ تم سے قبل بھی ایسی ہی پوچھ پاچھ کر چکے ہیں پھر اُن سے منکر ہو
كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا
گئے ہیں ۳۱۶ اللہ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور
وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى
نہ وصیلہ کو نہ حامی کو ۳۱۷ البتہ جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ پر جھوٹ جوڑتے

ع ۱۳ / ۷ / ۲

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ

جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا ٣٠٠ لیکن جو کوئی پھر یہ حرکت کرے گا اللہ اس سے انتقام لیگا ٣٠١

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ

اور اللہ زبردست ہے، انتقام پر قادر ہے ٣٠٢ تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا

وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

تمہارے نفع کے لئے اور قافلوں کے لئے ٣٠٣ اور تمہارے اوپر جب تک تم حالت احرام

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

میں ہو خشکی کا شکار حرام کیا گیا اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

جمع کئے جاؤ گے ٣٠٤ اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا

قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ

مدار ٹھہرایا ہے ٣٠٥ (نیز) حرمت والے مہینہ کو اور حرم میں قربانی کو، اور گلے میں پٹہ پڑے ہوئے جانوروں

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

کو ٣٠٦ یہ اس لئے کہ تم یقین کر لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ اس سب کا

فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ

علم رکھتا ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ٣٠٧ جانے رہو کہ اللہ

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ ۭ مَا

بہت سخت سزا دینے والا بھی ہے ٣٠٨ اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا بھی ہے ٣٠٩

٣٠٠ یعنی جو لوگ یہ جرمانہ ادا کر چکے وہ معاف ہو جائیں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ قبل اسلام یا قبل نزول حکم جو کچھ گزر چکا اُس سے درگزر کر دی جائے گی۔ عما کان فی الجاهلية (ابن جریر۔ عن عطاء) عما سلف منكم فی جاهليتكم (ابن جریر) عما مضی فی الجاهلية وعما سلف قبل التحريم فی الاسلام (کبیر) ٣٠١ (اس جسارت اور ڈھٹائی کا) گناہ کا اعادہ خود ایک دلیل ہے ڈھٹائی کی۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ توبہ سے یہ علت انتقام بھی منتفی ہو جائے گی۔ ٣٠٢ اس میں رد آ گیا بہت سی جاہلی قوموں کے عقیدہ کا جن کا معبود فعالیت سے یکسر محروم، اور ہر طرح بے حس و جامد ہے۔ ٣٠٣ بحری مسافروں کے لئے دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت ان کے حق میں رحمت خاص ہے۔ یہ ہدایتیں حالت احرام کے بارہ میں مل رہی ہیں۔ وانتم حرم کے تحت میں۔ صَيْدُ الْبَحْرِ۔ بحر سے صرف سمندر مراد نہیں، ہر قسم کے دریا، ندی، جھیل، تالاب وغیرہ غرض پانی کا ہر ذخیرہ اسکے تحت میں آ جاتا ہے۔ و عنی بالبحر فی هذا الموضع الانهار كلها والعرب تسمی الانهار بحارا (ابن جریر) اصل البحر کل مكان واسع جامع للماء الكثير (راغب) المقصود فيه صيد الماء مسائر حيوان الماء يجوز للمحرم اصطياده ولا نعلم خلافا فی ذلك بين الفقهاء (جصاص) والمراد بالبحر جميع المياه والانهار (کبیر) والمراد بالبحر جميع المياه (معالم) اور دریائی جانور کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے کہ وہ وہ جانور ہے جس کا مولد بھی پانی ہے اور مسکن بھی پانی۔ اس لئے مرغابی، بط، وغیرہ اس تعریف کے بعد دریائی جانور کے حکم سے نکل گئے۔ طَعَامُهٗ میں ضمیر صید کی طرف ہے۔ قبل الضمير للصيد وطعامه اكله، اور اس پر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بہت سے ارباب تفسیر ادھر بھی گئے ہیں کہ ضمیر بحر کی جانب ہے۔ ما قذفه او نضب عنه (بیضاوی) تو گویا اب ٢ چیزیں ہوئیں ایک صید البحر اور دوسرے طعام البحر۔ یہ ترکیب مان کر دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ صید البحر وہ جانور ہے جس کا شکار کر کے اُسے مارا جائے۔ اور طعام البحر وہ جانور ہے جسے دریا خود پھینک دے یا جو پانی کے پیچھے ہٹ آنے سے رہ جائے اور یہ تفریق حضرات صحابہ بلکہ حضرت صدیقؓ سے مروی ہے۔ طعامه ما قذف به (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) طعامه ما قذف منه (ابن جریر۔ عن قتادة) وهو الاحسن ما ذكره ابو بكر الصديقؓ ان الصيد ما صيد بالحيلة حال حياته والطعام ما يوجد مما لفظه البحر او نضب عنه الماء من غير معالجة فی اخذه هذا هو الاصح (کبیر) اس اُحِلَّ لَكُمْ سے مرشد تھانویؒ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس میں زہد کی تعدیل اور اس میں غلو کرنے سے منع ہے۔ ٣٠٤ ہر حکم، ہر قید کو نفس کے لئے خوشگوار بنا دینے والا ہی استحضار حاکم مطلق کی حکومت کا ہے۔ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ۔ یہ حکم حرمت عام ہے شکار پکڑنے والے اور اُس میں معین ہونے والے دونوں پر۔ ٣٠٥ (اور اس کے حفظ ادب اور تعظیم شان کے لئے تو یہ سب حرم و احرام کے احکام و قواعد ہیں) اَلْكَعْبَةَ جس طرح لفظ الله خود دلالت کرتا ہے اپنے مسمّٰی کے سارے مخلوق سے بلند ہونے اور اسکے معبود ہونے پر اور لفظ محمدؐ خود جامعیت رکھتا ہے ہر طرح کی بزرگی اور ستودہ صفاتی کی، اسی طرح لفظ کعبہ کے اندر بھی دلالت اُس کی عظمت و بزرگی کی موجود ہے۔ کعبہ کے معنی ہی بلند مقام کے ہیں اور یہ بلندی ظاہری و معنوی دونوں کی جامع ہے۔ سميت الكعبة كعبة لارتفاعها (کبیر) فالكعبة لما ارتفع ذكرها فی الدنيا واشتهر امرها فی العالم سميت بهذا الاسم (کبیر) اَلْبَيْتَ الْحَرَامَ۔ کو بیت الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں چھت اور دیواریں ہیں اور یہ حقیقت بیتیت ہے نہ اس لئے کہ اس میں کسی کی سکونت ہے۔ والبيت سمّی بذلك لانها ذات سقف وجدار وهی حقيقة البيتية وان لم يكن بها ساكن (قرطبی) قِيٰمًا۔ یعنی لوگوں کی حفاظت و نگہداشت کا ذریعہ و واسطہ اور پھر قیاما للعرب نہیں قیاما للناس یعنی ساری کائنات انسانی اسی کے نام پر قائم انسانیت کی سانس اسی کے وجود سے وابستہ ——— گویا اس میں اس کا وعدہ بھی آ گیا کہ جب تک انسانی آبادی قائم ہے خانۂ کعبہ کا وجود بھی باقی رہے گا۔ اراد انه جعل ذلك قواما لمعايشهم وعمادا لهم فهو قوام دينهم ودنياهم (جصاص) اصله قوام وهو ما يستقيم به الامر ويصلح (کبیر) يعنی يقومون بها (قرطبی) ای سببا لقوام مصالح الناس (کبیر) هو سبب لامن للناس عن الآفات والمخافات وسبب لحصول الخيرات والسعادات فی الدنيا والآخرة (کبیر) ای بسبب اصلاح امورهم (روح) امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ کعبہ کے سبب قوام ہونے کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ سب درست ہوں اور کعبہ قیاما للناس کسی ایک ہی جہت سے نہیں متعدد جہات سے ہو۔ لا يبعد حمل الآية علی جميع هذه الوجوه وذلك لان قوام المعيشة اما بكثرة المنافع واما بدفع المضار واما بحصول الجاه والرياسة واما بحصول الدين فلما كانت الكعبة سببا لحصول هذه الاقسام الاربعة وثبت ان قوام المعيشة ليس الا بهذه الاربعة ثبت ان الكعبة سبب لقوام الناس (کبیر) احادیث میں آتا ہے کہ جب خانۂ کعبہ کا ہدم کافروں کے ہاتھ سے ہو جائے گا تو اسی کے بعد قیامت بھی آ جائے گی۔ ٣٠٦ ھدی اور قلائد پر حاشیہ پارۂ ششم میں سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکے۔ اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ یعنی حرمت والے چاروں مہینے۔ وهو اسم جنس والمراد الاشهر الثلاثة باجماع من العرب (قرطبی) اراد بالشهر الحرام الاشهر الحرم الاربعة الا انه عبر عنها بلفظ الواحد (کبیر) عن الحسن انه قال هو الاشهر الحرم واخرجه مخرج الواحد لانه اراد الجنس (جصاص) بعض نے صرف ماہ ذی الحجہ ہی مراد لیا ہے۔ وهو ذو الحجة لانه المناسب لعرفانه (بیضاوی) ای الذی تؤدی فيه الحج وهو ذو الحجة (روح) ٣٠٧ کہ اس کا علم ذاتی بھی اور محیط و کامل بھی ہے اور اس صرف اسی سے ایسی پیشگوئیوں کا صدور ممکن ہے) كان تعالی فی الازل عالما بجميع المعلومات من الكليات والجزئيات (کبیر) ذٰلِكَ۔ یعنی خانۂ کعبہ کا قیاما للناس ہونا اور اس کی مصلحتیں خصوصاً یہ پیش گوئی کہ کائنات انسانی کی عمر کعبہ کے دم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اشارة الی جعل الله هذه الامور قياما (قرطبی) ای ذلك التدبير اللطيف لاجل ان تتفكروا فيه (کبیر) لِتَعْلَمُوْٓا علم یہاں یقین کے معنی میں ہے (تھانوی) ٣٠٨ (اس لئے اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو) ٣٠٩ (اس لئے اگر خلاف ورزی ہو جائے تو حسب قاعدہ توبہ و تدارک بھی کر لو) امام رازیؒ نے فرمایا کہ آیت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت ہی کا بیان تھا۔ اور درمیان میں عقاب کا ذکر لا کر آیت کا خاتمہ بھی صفات عفو و رحمت کے ذکر پر ہو رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خلق و ایجاد کی ابتدا بھی رحمت ہی سے ہوئی ہے۔ اور خاتمہ بھی رحمت ہی پر ہو گا۔ هذا تنبيه علی دقيقة وهی ان ابتداء الخلق والايجاد كان لاجل الرحمة والظاهر ان الختم لا يكون الا علی الرحمة (کبیر)

۲۹۰ یعنی اُن چیزوں کو ترک کر دیں جو پہلے حلال تھیں اور اب حرام ہو گئی ہیں۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ یہ عمل صالح خود دلیل ہے اُن کے ایمان و تقویٰ کی۔ ۲۹۱ مطلب یہ ہوا کہ نزول شریعت کے ہر دور میں، ہر منزل میں وہ اتباع احکام اور احترام قیود پر حریص ہوں۔ احسان سلوک شرعی میں آخری مرتبہ کا نام ہے۔ ایک تو ہوا کسی کام کو محض کر دینا اور ایک ہے اس کام کو بہ وجہ احسن کرنا، دل و جان سے کرنا، اس میں حسن و زیبائی کے کمالات پیدا کر کے کرنا۔ اسی کا نام احسان ہے لفظ "احسان" اردو میں جس مفہوم کے لئے چلا ہوا ہے، اس سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا ۔ اس تقویٰ سے بھی یہی مُراد ہے کہ جو چیز اب حرام ہوئی ہے اسے ترک کر دیں۔ وَّ اٰمَنُوْا ۔ ایمان کی تصریح سے اشارہ اوپر ہو گیا کہ وہی ایمان ہی مبنیٰ اور منشاء سارے اعمال صالحہ کا ہے۔ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ تقویٰ کا ذکر آیت میں تین مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ ایک نئی مُراد ہے پہلے تقویٰ سے اشارہ ماضی کی طرف ہے اور دوسرے سے مستقبل کی طرف۔ اور تیسرے سے مُراد بندوں پر ظلم و زیادتی سے بچنا ہے۔ واعاد ذکر الاتقاء فی الاٰیة ثلاث مرات فاما الاول فمن اتقی فی ما سلف والثانی الاتقاء منهم فی مستقبل الاوقات والثالث اتقاء ظلم العباد والاحسان الیهم ۲۹۲ (سو ایسے ایمان، تقویٰ و حُسن عمل والوں کے مبغوض و مردود ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ ان کا شمار تو محبوبوں اور مقبولوں میں ہے) علماء نے اس پوری آیت سے ہر مباح لذت سے پورے استلذاذ و انتفاع کا جواز نکالا ہے۔ قال ابن خویزمنداد تضمنت هذه الاٰیة تناول المباح والشهوات والانتفاع بکل لذیذ من مطعم ومشرب ومنکح وان بولغ فیه وتنوهی فی ثمنه (قرطبی)

ع ۱۲/۷/۲

وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

تقویٰ کریں ۲۹۰ اور ایمان رکھتے ہوں اور پھر تقویٰ کریں اور خوب نیک کاری کریں ۲۹۱ اور اللہ تو محبت رکھتا ہے خوب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

نیکو کاری کرنے والوں سے ۲۹۲، اے ایمان والو اللہ تمہیں آزمائیگا قدرے شکار سے جس تک

الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں ۲۹۳ تاکہ اللہ معلوم کر لے کہ کون شخص

يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ

اُس سے بے دیکھے ڈرتا ہے ۲۹۴ سو جو کوئی اس کے بعد حد سے نکلیگا تو اس کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا

عذاب دردناک ہے ۲۹۵ اے ایمان والو شکار کو مت مارو جب کہ تم

الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

حالتِ احرام میں ہو ۲۹۶ اور تم میں سے جو کوئی دانستہ اسے مار دے گا تو

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا

اُس کا جرمانہ اُسی طرح کا ایک جانور ہے جس کو اُس نے مار ڈالا ہے ۲۹۷ (اور) اس کا فیصلہ تم میں سے

عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ

دو معتبر شخص کریں گے خواہ وہ جرمانہ چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائے جاتے

مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ

ہیں خواہ مسکینوں کو کھانا (کھلا دیا جائے) ۲۹۸ یا اسکے مساوی روزہ رکھ لئے جائیں تاکہ وہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے ۲۹۹

۲۹۳ یعنی وہ شکار کے جانور تم سے بہت دُور بھی نہ ہوں گے۔ قریب ہی پھرتے رہیں گے کہ تمہارے لئے ان کا شکار بہ آسانی ممکن ہو گا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ ذکر مقام حدیبیہ کا ہے۔ شکار کے جانور بالکل آس پاس لگے پھرتے تھے لیکن مسلمان حالت احرام میں تھے۔ اسلئے شکار سے محتاط و محترز رہے۔ انزلت هذه الاٰیة فی عمرة الحدیبیة فکانت الوحش والطیر والصید تغشاهم فی رحالهم (ابن کثیر) لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ ۔ سورہ کے شروع میں آچکا ہے کہ حالت احرام میں شکار ممنوع ہے اب یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان ہو گی۔ ملاحظہ ہوں سورۂ مائدہ کے حواشی ۱۲ و مابعد۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ لیبلونکم سند ہے ان مشائخ کے لئے جو اپنے طالبین کے صدق و اخلاص کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔ مِنَ الصَّيْدِ میں مِنْ یا تو تبعیض کے لئے ہے یا تمیز کیلئے یا جنس کے لئے۔ قیل فی موضع من هٰهنا انها للتبعیض وقیل انها للتمییز (جصاص) ومن للتبعیض او لبیان الجنس (مدارک) یرید بعض الصید فمن للتبعیض (قرطبی) ۲۹۴ یعنی اس اَن دیکھے معبود کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا ہے۔ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ ۔ یعنی تاکہ اللہ دنیا کی نظر میں بھی اُس شخص کے عمل سے معلوم کر لے۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ ہی سے ہے۔ ایسے موقعوں پر مُراد یہ ہوتی ہے کہ اُس شخص کے عمل سے بھی یہ کیفیت ظاہر ہو جائے۔ ۲۹۵ بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی اس حکم حُرمت کے بعد یا اس شکار کی آزمائش کے بعد۔ بعد ذٰلك الابتلاء بالصید (بیضاوی) اِعْتَدٰى ۔ یعنی احکام شرعی کی حد سے نکلے گا اور شکار ممنوع کا مُرتکب ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم شکار کے خاص طور پر عادی تھے۔ اس لئے ان کی اطاعت اور قوت ضبط کا پورا امتحان ہو رہا تھا۔ بِشَيْءٍ یہ دل بڑھانے کے لئے ہے کہ امتحان کوئی ایسا بڑا نہیں۔ ایک حقیر ہی شے کا ہے۔ التقلیل والتحقیر فی بشیء للتنبیه علی انه لیس من العظائم (بیضاوی) لیعلم انه لیس بفتنة من الفتن العظام التی تدحض عندها اقدام الثابتین (کشاف) ۲۹۶ (اور یا تم خود تو حالت احرام سے باہر ہو لیکن وہ شکار حدود حرم کے اندر ہو) یہ عام ممانعت خشکی اور تری کے اُن جانوروں کے حق میں نہیں جن کے قتل یا شکار کا جواز قرآن مجید ہی کی کسی دوسری آیت یا حدیث صحیح سے ثابت ہو گیا ہے۔ مثلاً دریائی جانور یا سانپ بچھو، بھیڑیا، کاٹنے والا کتا وغیرہا۔ قد روی ابن عباس وابن عمر وابو سعید وعائشة عن النبی صلعم قال خمس یقتلهن المحرم فی الحل والحرم الحیة والعقرب والغراب والفارة والکلب العقور (جصاص) واما ما کان من السباع لا یعدو (جصاص) لَا تَقْتُلُوا ۔ قتل کے معنی اردو میں اہلاک کی ایک بالکل خاص صورت کے ساتھ محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ عربی کے قتل کے مفہوم میں یہ تنگی نہیں، وہ جان لے لینے کی ہر صورت کے لئے عام ہے اور یہی یہاں مُراد ہے۔ القتل هو کل فعل یفیت الروح وهو انواع (قرطبی) ۲۹۷ یعنی اس شخص کو جرمانہ میں اُسی قیمت کا جانور پیش کرنا چاہیئے۔ مِثْلُ مَا قَتَلَ ۔ مثلیت کا معیار حنفیہ کے ہاں ہم قیمتی ہے۔ قال ابو حنیفة وابو یوسف المثل هو القیمة (جصاص) وهو قیمة الصید (مدارک) یہ جزا و جرمانہ جس طرح قصد و تعمد میں واجب ہوا اسی طرح حالت خطا و نسیان میں بھی۔ حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہا نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ من الزهری قال نزل القراٰن بالعمد وجرت السنة فی الخطا (ابن جریر) ان قتله متعمدا او ناسیا حکم علیه (ابن جریر عن ابن عباسؓ) قال فالون و هو الجمهور سواء قتل عمدا او خطأ فعلیه الجزاء (جصاص) وانما شرط التعمد فی الاٰیة مع ان محظورات الاحرام یستوی فیها العمد والخطأ لان مورد الاٰیة فی معنی تعمد (مدارک) الاصل فعل التعمد والخطأ ولحق بهو للتغلیظ (مدارک) یحکم علیه فی العمد والخطأ والنسیان قاله ابن عباس وروی عن عمر وطاؤس والحسن وابراهیم والزهری وبه قال مالک والشافعی وابو حنیفة واصحابهم (قرطبی) والذی علیه الجمهور ان العامد والناسی سواء فی وجوب الجزاء علیه (ابن کثیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس پوری آیت سے اہل ریاضت کے اس طریق کا ثبوت مل جاتا ہے کہ پہلی خطا پر اپنے نفس کو ایسی سزا دیتے ہیں جس کا تحمل اُس کو آسان ہوتا ہے۔ اور اگر وہ خطا پھر عود کرے تو اُسے ایسی سزا دیتے ہیں جو اُس پر قدرے دشوار ہو۔ ۲۹۸ یعنی یہ کھانا اُسی جانور کی تخمینی قیمت کے مساوی ہو۔ مِنَ النَّعَمِ چوپایوں سے مُراد ہیں اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری۔ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ۔ یعنی اُس جانور کی قیمت کا تخمینہ تم میں سے دو متدین، اہل اور صاحب بصیرت اشخاص کریں۔ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ۔ "کعبہ تک" سے مُراد ہے کہ حدود حرم کے اندر پہنچا جائیں۔ حرمت فقہی کے اعتبار سے کعبہ اور کُل حرم دونوں یکساں ہیں اور قربانی خاص کعبہ تک تو پہنچتی بھی نہیں۔ بلوغة الکعبة وجه فی الحرم لا خلاف فی ذٰلك وهذا یدل علی ان الحرم کله بمنزلة الکعبة فی تحریمه (جصاص) ویرسل من الحل فی مکة ونحر ولو بروا الکعبة عینها فان الهدی لا یبلغها اذ هی فی المسجد وانما اراد الحرم ولا اختلاف فی هذا (قرطبی) الکعبة انما ارید بها کل الحرم لان الذبح والنحر لا یقعان فی الکعبة ولا عندها ملازقا لها (کبیر) ۲۹۹ مساوی تعداد میں روزہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر مسکین کے حصّہ کا ایک روزہ رکھا جائے۔ گویا کفارہ کی تین صورتیں ارشاد ہوئیں۔ ہدی۔ اطعام۔ صیام۔ اور تینوں مساوی ہیں۔ جیسا کہ او کلمۂ تخییر کا اقتضاء ہے۔ وما ذکره اللّٰه تعالیٰ فی هذه الاٰیة من الهدی والاطعام والصیام فهو علی التخییر ۔ او یقتضی ذٰلك وروی نحو ذٰلك عن ابن عباس وعطاء والحسن وابراهیم روایة وهو قول اصحابنا (جصاص)

وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
اور جُوا اور بُت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں شیطان کے
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ
کام ٢٨٣ سو اس سے بچے رہو تاکہ فلاح پاؤ ٢٨٤ شیطان تو بس
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے
فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ
ڈال دے ٢٨٥ اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک
الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ
دے ٢٨٦ سو اب بھی تم باز آؤ گے ٢٨٧ اور اطاعت کرتے رہو
اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اللہ کی اور رسُول کی اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ
اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ
ہمارے رسُول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس ٢٨٨ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا
نیک کام کرتے رہتے ہیں ان پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ
مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا
کھاتے ہوں، جبکہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں ٢٨٩ اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر

٢٨٣ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں فطرت انسانی اور طبیعت بشری سے پھر کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوتا ہے لیکن یہ چاروں چیزیں تو ایسی ہیں کہ انسان ان کی جانب تمامتر خارجی مؤثرات ہی کے اثر سے آتا ہے اور یہ بالکل ہی شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ ان کی بالکل صحیح تصویر کشی ہے۔ فطرت بشری ان سے خود ابا کرتی ہے۔ خمر اور میسر پر حاشیہ سورۃ البقرہ رکوع ٢٨ کے تحت، اور انصاب اور ازلام پر اسی سورۂ مائدہ کے شروع میں درج ہو چکے۔ شراب اور جوئے کی مادی مضرتوں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ یعنی تحریک شیطانی کا نتیجہ۔ لانہ مسبب عن تسویلہ وتزیینہ (بیضاوی) لانہ یحمل علیہ فکانہ عملہ (مدارک) ٢٨٤ اور فلاح میں دینی و دنیوی، مادی و روحانی، جسمانی و دماغی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کی فلاح شامل ہے۔ مفسر زمخشری نے لکھا ہے کہ حرمت خمر و میسر کے متعدد طریقے قرآن نے اسی آیت میں جمع کر دیئے۔ (١) آیت کی ابتدا کلمہ حصر اِنَّمَا سے کی یعنی ان چیزوں کی بس یہی کل حقیقت ہے، اسکے سوا کچھ نہیں۔ (٢) ان دونوں چیزوں کا ذکر انصاب و ازلام جیسی مسلم گندی چیزوں کے ساتھ کیا (٣) انہیں رجس قرار دیا (٤) انہیں عمل شیطان ٹھہرایا (٥) صاف صاف ان سے اجتناب کا حکم دیا (٦) ان سے احتراز کو موجب فلاح بتلایا (٧) ان کی دینی و دنیوی مضرتوں کا ذکر کیا۔ فَاجْتَنِبُوْهُ۔ میں ضمیر رجس یا عمل الشیطان کی جانب ہے۔ الضمیر للرجس (بیضاوی) الضمیر یرجع الی الرجس او الی عمل الشیطان (مدارک) حرمت خمر پر اگر دوسرے نصوص نہ موجود ہوں جب بھی یہی ایک آیت کافی ہے اس لئے کہ اول تو لفظ رجس موجود ہے جو خود تحریم کا مقتضی ہے اور پھر فاجتنبوہ بصیغۂ امر ہے۔ اقتضت ھٰذہ الاٰیۃ تحریم الخمر من وجھین احدھما قولہ رجس لان الرجس اسم فی الشرع لما یلزمہ اجتنابہ والوجہ الاٰخر قولہ تعالیٰ فَاجْتَنِبُوْهُ و ذٰلک امر والامر یقتضی الایجاب (جصاص) ٢٨٥ شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کی تفصیل لکھنے پر کوئی آئے تو کتاب کی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں انکی صرف سب سے بڑی اور کلیدی مضرت، خانہ جنگی کی طرف اشارہ کر دیا۔ شراب و قمار دونوں کے مضر اثرات شر و فساد کی شکل میں روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔ مے نوشی اور جرائم کا قریبی تعلق آج ماہرین فن کے فراہم کئے ہوئے اعداد سے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور جوئے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر و اکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت و ناموس تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کے قدیم ترین قصہ مہابھارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جاہلیت عرب کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بُری طرح مبتلا تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے آج جاہلیت فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی دونوں بلائیں بُری طرح مسلط ہیں۔ ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر القرآن۔ فی الخمر والمیسر میں فی سببیہ ہے یعنی ان کے ذریعہ یا واسطہ سے۔ ای بسببھما (جمل) ای بسبب تعاطیھما (روح) الخمر۔ خمر کے اصل معنی اگرچہ صرف شراب انگوری کے تھے لیکن بعد کو یہ لفظ ہر قسم کی نشہ آور شراب کیلئے استعمال ہونے لگا۔ الخمر ھی عصیر العنب المشتد (جصاص) کل شیٔ اسکر فھو خمر (جصاص) الخمر سمیت لکونھا خامرۃ لمقر العقل وھو عند بعض الناس اسم لکل مسکر، عند بعضھم اسم للمتخذ من العنب والتمر (راغب) شراب کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ جس طرح اس کا پینا ناجائز ہے اسی طرح اس کا بنانا، اس کا بیچنا، اس کے کاروبار میں حصہ لینا، اس سے کسی طرح نفع اُٹھانا سب ناجائز ہے۔ حدیث ابوداؤد میں ان اللہ حرم الخمر وثمنھا صاف آچکا ہے۔ اور فقہاء نے تمام متعلقات شراب کی حرمت پر دلائل نقل کئے ہیں۔ آبکاری کا عظیم الشان محکمہ اور پُر منفعت کاروبار اسلامی حکومت کے تحت میں ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مرشد تھانوی نے اس آیت کے ذیل میں خوب فرمایا کہ معاصی میں جیسے اخروی مضرتیں ہیں، دنیوی قباحتیں بھی بہت ہیں۔ ٢٨٦ ذِكْرِ اللّٰهِ اور الصَّلٰوةِ میں مناسبت باہمی یہ ہے کہ نماز ذکر الٰہی ہی کی فرد اعلیٰ و افضل ہے اور عام کے ساتھ اُس کی صورت خاص کی تصریح کر دینا قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ضمناً اس سے نماز کی عظمت اور اہمیت و اشرفیت پر پوری روشنی پڑ گئی۔ خص الصلوٰۃ من الذکر بالافراد للتعظیم و الاشعار بان الصاد عنھا کالصاد عن الایمان (بیضاوی) وخص الصلوٰۃ من بین الذکر لزیادۃ درجتھا کانہ قال وعن الصلوٰۃ خصوصاً (مدارک) شراب اور جوئے کے دنیوی نقصانات کی طرف اشارہ ابھی اوپر ہو چکا اب بیان ان کی دینی مضرتوں کا ہو رہا ہے۔ میسر کی حُرمت کی جو حکمتیں یہاں بیان ہوئیں وہی شطرنج وغیرہ نیم قماری کھیلوں میں بھی مشاہد ہیں اسی لئے فقہاء نے ان کے بھی عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے۔ روی عن علیؓ انہ قال الشطرنج من المیسر وقال عثمان وجماعۃ من الصحابۃ والتابعین النرد وقال قوم من اھل العلم القمار کلہ من المیسر (جصاص) ھٰذہ الاٰیۃ تدل علی تحریم اللعب بالنرد والشطرنج قماراً او بغیر قمار (قرطبی) ٢٨٧ (شراب اور قمار سے) اصحاب نبیؐ جو آیت کے مخاطب اولین تھے، اُسے سنتے ہی پکار اُٹھے، ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔ قال عمر انتھینا انتھینا (ابن جریر) فقالوا انتھینا یارب (ابن جریر) فقالوا انتھینا ربنا انتھینا ربنا (ابن جریر) کیسا دلِ بسل تھا بارگاہ نبوت کا اور کیسی زبردست اصلاحی قوت تھی عرب کے اس اُمی حکیم کی کہ دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا —— سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی نے سے خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ حُرمت شراب و قمار کی تاکید در تاکید تو اوپر سے چلی آرہی تھی اب اس فقرہ نے اسے اور مؤکد کر کے گویا شدت ممانعت پر مُہر لگا دی۔ اعاد الحث علی الانتھاء بصیغۃ الاستفھام مرتبا علی ما تقدم من انواع الصوارف (بیضاوی) ایذانا بان الامر فی المنع والتحذیر بلغ الغایۃ وان الاعذار قد انقطعت (بیضاوی) علامہ زمخشری نے ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا ہے کہ پہلی آیت میں خمر و میسر کا ذکر انصاب وازلام کے ساتھ کیا ہے اور اب کی تنہا انہی دو کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اور خود ہی اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور انہی کو شراب اور قمار سے روکنا مقصود ہے۔ پہلی آیت میں چاروں منکرات کا ذکر ایک ساتھ اس امر کے اظہار کے لئے اور مسلمانوں کو شراب و قمار سے مزید نفرت دلانے کے لئے تھا کہ یہ ایسے اعمال ہیں جن کا ارتکاب اہل جاہلیت و مشرکین ہی کر سکتے ہیں۔ ذکر الانصاب والازلام لتاکید تحریم الخمر والمیسر واظہار ان ذلک جمیعاً من اعمال الجاھلیۃ واھل الشرک فوجب اجتنابہ بالکلیۃ ثم افردھما بالذکر لیعلم ان المقصود بالذکر الخمر والمیسر (کشاف) ٢٨٨ (احکام اور پیام کی، سو وہ تبلیغ پوری پوری کر چکے اور عذر کی گنجائش کسی کو نہ رہی) اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ یہ اطاعت اللہ اور رسُول کی سارے احکام شریعت میں ہو گی۔ وَاحْذَرُوْا۔ احتیاط کا حکم احکام کی نافرمانی سے مل رہا ہے۔ ٢٨٩ (اور اس لئے اُس وقت کی حرام چیزوں سے محترز ہوں) فِيْمَا طَعِمُوْٓا۔ جبکہ وہ چیزیں کھا رہے ہوں جو اُس وقت میں حلال ہوں۔ طعموا مما لم یحرم علیھم (بیضاوی) روایتوں میں آتا ہے کہ جب شراب و قمار کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر اُن کا کیا حشر ہو گا جو اب تک شراب پیتے اور قمار کا مال کھاتے رہے؟ اور پھر اب زندہ بھی نہیں، جو توبہ و استغفار سے کام لیں بلکہ وفات پا چکے ہیں؟ یہ آیت اسی پر نازل ہوئی —— سوال اسی قسم کا تھا جیسے حکم تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابیوں نے سوال کیا تھا کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی جا چکی ہیں، ان کا کیا حشر ہو گا؟ اور اس کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم —— سوال دونوں موقعوں پر بالکل قدرتی تھا اور آج جن لوگوں نے سوال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے خود اپنی سطحیت و کم فہمی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ چار چار صحابیوں ابن عباسؓ، جابرؓ و براءؓ بن عازب وانسؓ بن مالک اور چار چار تابعیوں حسن، مجاہد، قتادہ، ضحاک کی سند سے جصاص نے لکھا ہے کہ لما حرم الخمر کان قد مات رجال من اصحاب رسول اللہ صلعم وھم یشربون الخمر قال ناس من الصحابۃ کیف بمن مات منا وھم یشربونھا فنزل اللہ تعالیٰ ھٰذہ الاٰیۃ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ

بیشک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۲۷۵ اور اللہ نے جو کچھ تمہیں حلال، پاکیزہ

اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ

چیزیں دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ (پیو) اور اسی اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ

ہو ۲۷۶ اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا ۲۷۷

وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ

لیکن جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو اُن پر تم سے مواخذہ کرتا ہے ۲۷۸ سو اس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

یا انہیں کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا ۲۷۹ لیکن جس کو (اتنا) مقدور

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا

نہ ہو تو اس کے لئے تین دن کے روزہ ہیں ۲۸۰ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم

حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

حلف اٹھا چکے ہو اور اپنی قسموں کو یاد رکھا کرو ۲۸۱ اور اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ

کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار ہو ۲۸۲ اے ایمان والو! شراب

۲۷۵ تحریم حلال کی ایک عام اور چلی ہوئی صورت یہ ہے کہ کسی جائز لذت سے بہ قصد قربت حق اپنے کو ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے۔ غیر مذہب والے اس عادت کا شکار بہ کثرت ہو چکے ہیں کسی مسلمان کا ایسی جسارت کرنا گویا اس کا اقرار کرنا ہے کہ شریعت سے فلاں فلاں پرہیز کے مقرر کرنے میں کمی ہو گئی ہے اور اب میں اپنی عقل و تجربہ سے اس فروگذاشت کی تلافی کر رہا ہوں۔ کسی جائز چیز سے کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بنا پر دست بردار ہو جانا اور چیز ہے اور بعض بزرگوں سے جو ترک لذات کے سلسلہ میں جو مجاہدے منقول ہیں، سمجھنا چاہیئے کہ وہ اسی قبیل سے ہوں گے ـــــــ کم از کم حسن ظن کا تقاضا تو یہی ہے۔ لَا تُحَرِّمُوْا۔ تحریم اعتقادی، تحریم قولی، تحریم عملی کی تینوں صورتوں پر شامل ہے۔ ای لا تعتقد وا تحریم ما احل اللہ تعالیٰ لکم و لا تظہروا باللسان تحریم ما احل اللہ لکم و لا تجتنبوا عنہا اجتنابا شبیہ الاجتناب من المحرمات (کبیر) طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ ان پاکیزہ اور جائز چیزوں میں غذا، لباس، ازدواج و غیرہ ہر قسم کی لذتیں آگئیں اور طیبات کے تحت میں ہر وہ جائز لذت شامل ہے جس کی طرف قلب اور طبیعت کو میلان ہوتا ہے۔ الطیبات اللذیذات التی تشتہیہا النفوس و تمیل الیہا القلوب (کبیر) الطیبات اسم یقع علی ما یستلذ و یشتہی و یمیل الیہ القلب (جصاص) وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اعتداء یا حدود سے نکل جانا یہی ہے کہ شریعت کی احتیاطوں اور قیدوں کو ناکافی سمجھ کر ان پر اپنی رائے و تجویز سے اضافہ کر لیا جائے یا اس کے برعکس انہیں زیادہ سمجھ کر ان میں سے کچھ چیزوں کو گھٹا دیا جائے۔ جو حکمت یا صنعت ہر لحاظ سے اکمل اور ہر اعتبار سے اجمل ہو اُس میں ایک ذرہ کا اضافہ کر دینا بھی اُس کے کمال حسن کے غارت کر دینے کے لئے ایسا ہی کافی ہے جیسا اُس میں سے گھٹا دینا یا نکال دینا۔ فالنہیان علی ھذا تضمنا الطرفین ای لا تشددوا فتحرموا حلالاً ولا تترخصوا فتحلوا حراماً (قرطبی) ای لا تبالغوا فی التضییق علی انفسکم بتحریم المباحات علیکم کما قال من قالہ من السلف (ابن کثیر) محققین نے کہا ہے کہ آیت میں دو طرف رد ہے۔ ایک طرف رو ز ہاد متشددین کا اور دوسری طرف رخصت میں بہت ڈھیل ڈال دینے والے صوفیہ اہل باطل کا۔ قال علماءنا فی ھذہ الآیۃ وما شابہھا رد علی غلاۃ المتزھدین و علی اھل البطالۃ من المتصوفین (قرطبی) ۲۷۶ (کہ یہ تقویٰ یا خوف خدا ہی راہ اعتدال و احتیاط و فرمانبرداری پر قائم رکھے گا) اسلامی شریعت کے احکام عقلاء و حکماء کے گڑھے ہوئے نہیں کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم، تنقید، اضافہ و اصلاح کی گنجائش ہو وہ تو تمامتر حکیم مطلق اور حاکم برحق کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اس میں اپنی رائے و تجویز کو دخل دینا مقتضیات ایمان کے سراسر خلاف اور حاکمیت الٰہی سے بغاوت ہے۔ فقہاء محققین نے لکھا ہے کہ جو غذائیں شریعت الٰہی نے حلال و طیب قرار دی ہیں انہیں چھوڑ دینے میں کوئی دینی فضیلت ہرگز نہیں۔ جیسا کہ خود ساختہ مذہبوں نے ترک لذائذ کو ایک معیار تقویٰ و مقبولیت سمجھ رکھا ہے۔ یدل علی انہ لا فضیلۃ فی الامتناع من اکلہا (جصاص) خود رسول اللہ صلعم نے گوشتوں میں علاوہ بکری، بھیڑ، اونٹ وغیرہ کے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ قد روی ابو موسی الاشعری انہ رای النبی یاکل لحم الدجاج (جصاص) فواکہ اور شیرینی اور حلوے کی دوسری لذیذ قسمیں بھی آپ سے نوش فرمانا ثابت ہیں۔ وای انہ کان یاکل الرطب والبطیخ (جصاص) روی ان رسول اللہ صلعم کان یاکل الدجاج والفالوذ وکان یعجبہ الحلواء والعسل (مدارک) كُلُوْا کے امر و اجازت کا دائرہ صرف کھانے کی چیزوں تک محدود نہیں۔ کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے، سواری و مکان غرض برتنے کی ساری چیزیں اس کے اطلاق میں داخل ہیں۔ الاکل فی ھذہ الآیۃ عبارۃ عن التمتع بالاکل والشرب واللباس والرکوب ونحو ذالک (قرطبی) ابن عباسؓ صحابی نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پیو، بس لحاظ صرف اس کا رکھو کہ اسراف اور فخر و نمائش کے حدود تک نہ پہنچ جاؤ۔ عن طاؤس قال سمعت ابن عباسؓ یقول کُلْ ماشئت واکتس ما اخطأتک اثنتین سرفا او مخیلۃ (جصاص) فقیہ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ صحابیوں میں حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت حسنؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو ہریرہؓ سے اور مشہور تابعی قاضی شریح سے لباس میں پشمینہ کا استعمال ثابت ہے (احکام القرآن) کلوا۔ صیغۂ امر ہے لیکن مراد یہاں وجوب نہیں صرف اباحت ہے۔ کلوا صیغۃ امر وظاہرھا للوجوب الا ان المراد ھھنا للاباحۃ والتحلیل (کبیر) مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ اس میں ادھر اشارہ ہے کہ جائز چیزوں میں سے کچھ کھاؤ پیو اور کچھ دوسروں کی نذر کر دو، تاکہ اسراف سے بھی بچے رہو۔ کلمۃ من للتبعیض فکانہ قال اقتصروا فی الاکل علی البعض واصرفوا البقیۃ الی الصدقات والخیرات لانہ ارشاد الی ترک الاسراف کما قال وَلَا تُسْرِفُوْا (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں رسم ترک حیوانات کا ابطال ہے جو بعض مدعیان طریقت کا طریق ہے۔ ۲۷۷ مواخذہ سے مراد یہاں سزائے دنیوی ہے یعنی ایسی قسم کا کفارہ واجب نہیں۔ اللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ۔ بے معنی قسموں پر حاشیہ سورۂ بقر میں گزر چکا پ ۲ ع ۲۹۔ ۲۷۸ (اور اس کے توڑنے کی سزائے دنیوی کفارہ ادا کرنا ہے) بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ۔ جھوٹی قسم ایک تو کسی گزشتہ واقعہ سے متعلق ہو سکتی ہے۔ جیسے کسی واقعہ کا وقوع قسم کھا کر بیان کیا حالانکہ وہ خلاف واقع تھا۔ یہاں ایسی قسموں کا ذکر نہیں، قسموں کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ مستقبل میں کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع کو قسم سے مؤکد کر کے بیان کیا جائے۔ یہاں یہی قسم مراد ہے۔ عَقَّدْتُّمْ عقد کے لفظی معنی گرہ دینے کے ہیں۔ مجازاً عہد قسم بیع وغیرہ کے مؤکد کرنے پر بولا جاتا ہے۔ ۲۷۹ یہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ہی واجب ہوگا۔ اس کے قبل نہیں ادا ہو سکتا۔ یہ قسم خواہ ارادۃً توڑی ہو یا بھول چوک سے ٹوٹ گئی ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ کفارہ دونوں صورتوں میں واجب ہوگا۔ اِطْعَامُ۔ یہ کھانا دونوں وقتوں کا ہوگا۔ یہ کھانا چاہے دس شخصوں کو ایک دن میں کھلا دیا جائے یا ایک ہی شخص کو دس دن تک کھلایا جاتا رہے۔ كِسْوَتُهُمْ۔ کپڑا ایسا ہو کہ جسم کے اکثر حصہ کے لئے کافی ہو۔ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ لفظی معنی گردن آزاد کرانے کے ہیں۔ مراد غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ رقبہ کا لفظ سورۂ النساء ع ۱۳، آیت ۹۲ میں آچکا ہے اور اس کی جمع رقاب سورۃ البقرہ ع ۲۲، آیت ۱۷۸ میں۔ اَوْ۔ کفارہ کی یہ تین صورتیں جو یہاں ارشاد ہوئیں ان کی ترتیب ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر عمل بھی نمبر وار اسی ترتیب سے ہو۔ بلکہ اختیار ہے کہ ماحول کا لحاظ کر کے جو کفارہ بہتر ہو وہی دیا جائے۔ لا خلاف فی ان کفارۃ الیمین علی التخییر (قرطبی) ومعنی او التخییر و ایجاب احدی الکفارات الثلاث (مدارک) بلکہ فقہاء مالکیہ نے تو تصریح کر دی ہے کہ ضرورت کا اعتبار کیا جائے۔ وعندی انہا تکون بحسب الحال فان علمت محتاجا فالاطعام افضل لانک اذا اعتقت لم ترفع حاجتہم وزدت محتاجا (ابن العربی) ۲۸۰ (اور یہ تین روزے متواتر ہونے چاہئیں) یہ رعایتی کفارہ معاً ٹوٹ جائے گا جونہی کہ عدم مقدرت کا عذر ختم ہو گیا چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے یہ کفارہ کے روزے شروع کئے اور دو روزے ہو بھی چکے تھے کہ اسے طعام یا لباس کی مقدرت حاصل ہو گئی تو اب تیسرا روزہ رکھنے کے بجائے اُسے اصل کفارہ ہی دینا چاہیئے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہاں مقدرت کا معیار صاحب نصاب ہونا ہے۔ ۲۸۱ تاکہ اسکے توڑنے اور پھر کفارہ دینے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اِذَا حَلَفْتُمْ یعنی جب تم حلف لے چکو اور اُسے توڑ بھی چکو۔ ۲۸۲ شکر اس کا کہ حاکم علی الاطلاق و حکیم مطلق نے تمہاری چھوٹی بڑی دینی و دنیوی، انفرادی و اجتماعی ساری مصلحتوں اور ضرورتوں کا لحاظ اور سب کی رعایت رکھ لی۔

الجزء ٧

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ
اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو پیمبر پر اُتارا گیا ہے تو آپ اُن کی آنکھیں دیکھیں گے کہ
تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ
اُن سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اِس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے
رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ
پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ سو تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے ٢٧١ اور آخر کیوں ہم ایمان
بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا
نہ لائیں اللہ اور (اُس) حق پر جو ہمیں (اب) پہنچا ہے اور (پھر) اُمید اس کی رکھیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو
مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا
صالح لوگوں کی معیت میں داخل کردے گا ٢٧٢ تو اللہ اُن کو اس قول کے عوض میں ایسے باغ دیگا
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ
جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی اُن میں وہ (ہمیشہ) رہیں گے اور
ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
نیکو کاروں کا ایسا ہی معاوضہ ہے ٢٧٣ اور جو لوگ کفر کرتے اور ہماری نشانیوں کو
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
جھٹلاتے رہے تو وہی دوزخ والے ہیں ٢٧٤ اے ایمان والو! اپنے اُوپر اُن پاکیزہ
لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ
چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہیں حرام نہ کرلو اور حدود سے آگے نہ نکلو

ع ۱۱ ۱

منزل ۲

٢٧١ یہ تصدیق کرنے والے کون لوگ تھے؟ حدیث و سیر کی کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اس سے مُراد نجاشی شاہ حبشہ (متوفی ۹ھ ہجری) اور اس کے درباری ہیں۔ یہ لوگ سچے مسیحی تھے۔ قبل ہجرت نبوی جب آپؐ نے مکہ معظمہ سے صحابیوں کی ایک جماعت کی ہجرت ملک حبشہ کو کرائی تھی تو ایک موقع پر حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کی فرمائش پر سرِ دربار سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اس پر نجاشی اور اہل دربار متاثر ہو کر رو پڑے۔ قال ابن عباسؓ یرید النجاشی واصحابہ (کبیر) عن عبداللہ بن زبیر قال نزلت ہذہ الاٰیۃ فی النجاشی واصحابہ (ابن کثیر) فبکی واللہ النجاشی حتی اخضلت لحیتہ وبکت اساقفتہ حتی اخضلوا مصاحفھم حین سمعوا ما تلا علیھم وثم قال النجاشی ان ھذا والذی جاء بہ عیسٰی لیخرج من مشکاۃ واحدۃ (ابن ہشام) مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ۔ یہ سورۂ مریم کی آیتیں تھیں۔ فقرأ علیہ صدرًا من کٓھٰیٰعٓصٓ (ابن ہشام) ثم امر جعفر ان یقرأ علیھم القراٰن فقرأ سورۃ مریم (قرطبی) اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ افاضہ یعنی آنسو کثرت سے رواں ہو گئے۔ خبرٌ مستفیض اذا کثر وانتشر کفیض الماء عن الکثرۃ (قرطبی) اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ ان کے آنسو چلنے لگتے ہیں۔ وھٰذہ احوال العلماء یبکون ولا یصعقون ویسألون ولا یصیحون (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ کلام حق سے متاثر ہو کر آبدیدہ ہو آنا اور گریہ طاری ہو جانا گویا سُنّتِ صالحین ہے۔ توریت میں ہے، ”سب لوگ شریعت کی باتیں سُن کے روتے تھے“ (نحمیاہ۔ ۸: ۹) زیادہ ہنسی جس طرح غفلت کی دلیل ہے اُسی طرح رقّتِ قلب علامت عبرت پذیری اور بیداری روح کی ہے۔ الحق کا لفظ لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے جس آخری نبی کی پیش گوئی درج ہے اُسے تعبیر بھی ”روحِ حق“ ہی سے کیا (یوحنا۔ ۱۴: ۱۷۔ یوحنا ۱۶: ۱۳) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے وجد صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اور وجد نام ہے بے اختیاری کی کیفیت محمودہ کا۔ حالۃ محمودۃ غریبۃ غیر اختیاریۃ۔ فَاكْتُبْنَا۔ اکتاب یہاں قطعی طور بنا دینے یا کر دینے کے معنی میں ہے۔ ومعنٰی فاکتبنا اجعلنا فیکون بمنزلۃ ما قد کتب ودوّن (قرطبی) الشّٰهِدِيْنَ۔ یعنی قرآن کے کلام الٰہی اور محمدؐ کے رسُول برحق ہونے کی گواہی دینے والے۔ قال ابو علی الذین یشھدون بتصدیق نبیک وکتابک (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ میں پہلا مِنْ سببیہ ہے اس لئے کے معنی میں اور دوسرا مِن تبعیضیہ ہے بعض الحق کے معنی میں۔ الاول لابتداء الغایۃ والثانیۃ للتبعیض (کبیر)

٢٧٢ یعنی ہماری اس آرزو کا پُورا ہونا موقوف ہی ہے اسلام لانے پر۔ استفہام انکار واستبعاد لانتفاء الایمان مع قیام الداعی وھو الطمع فی الانخراط مع الصالحین (بیضاوی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بغیر عمل کے محض آرزو یا طمع معید یا معتدبہ نہیں۔

٢٧٣ خاص سے عام کی طرف آنا اور جزئیات سے کلیات پیدا کرنا قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان ہے۔ اُوپر ایک خاص گروہ کے اعمال کا ذکر تھا۔ اب عام قاعدہ بیان کر دیا کہ ہمارے قانون میں ایسی جزائے خیر تو ہر نیکو کار کو ملتی ہی رہتی ہے اور اخلاص طلب رائگاں نہیں جاتا۔ وھکذا من خلص ایمانہ وصدق یقینہ یکون ثوابہ الجنۃ (قرطبی) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا سے معلوم ہوا کہ جنت اس اقرار اور اس معرفت سے معاً واجب ہو جاتی ہے اگرچہ صاحب اقرار و صاحب معرفت صاحب کبیرہ ہی ہو۔ اسی لئے متکلمین نے کہا ہے کہ آیت میں قوی دلیل اس کی موجود ہے کہ مومن فاسق کی سزا خلود فی النار نہیں۔ الاٰیۃ دالۃ علی ان المؤمن الفاسق لا یبقٰی مخلدًا فی النار (کبیر) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا سے اہل سنت نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ اقرار داخل ایمان ہے۔ وھو دلیل علی ان الاقرار داخل فی الایمان کما ھو مذھب الفقہاء (مدارک) مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ میں مَعَ فی کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ قیل مع بمعنی فی (قرطبی) ونطمع میں و حالیہ لیا گیا ہے۔ والواو فی ونطمع واو الحال (کشاف)

٢٧٤ اُولٰٓئِكَ کے حصر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اصحاب جحیم یعنی دوزخ میں مستقل رہنے والے کافر ہی ہوں گے نہ کہ غیر کافر یا فاسق مسلم۔ یفید الحصر ای اولٰئک اصحاب الجحیم لا غیرھم فھذہ یقتضی تخصیص ھذا الدوام بالکفار (کبیر)

۲۶۲ ان مسلسل نافرمانیوں کی داستان سے اسرائیلیوں کے مذہبی نوشتے اور صحیفے خود بھرے ہوئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔ ”انہوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ دِلایا۔ کیونکہ انہوں نے بُت پُوجے باوجودیکہ خداوند نے انہیں کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو۔ اور باوجود اس کے کہ خداوند نے سارے نبیوں اور غیب بینوں کی معرفت سے اسرائیل اور یہوداہ پر باتیں جتائی تھیں . . . . . پر انہوں نے نہ سُنا، بلکہ اپنے باپ دادوں کی گردن کشی کی مانند جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہ لائے تھے، گردن کشی کی۔ اور اس کے قانونوں کو، اور اُس کے عہد کو جو اُس نے اپنے باپ دادوں سے باندھا تھا اور اس کی گواہیوں کو جو اُس نے اُن پر دی تھیں رَد کیا اور بطالتوں کو اختیار کیا، اور بیہودہ ہوئے اور ان اُمتوں کے پَیرو ہو گئے جو اُنکے گرد و پیش تھیں جنہیں دکھا کے خداوند نے انہیں حکم کیا تھا کہ تم اُن کے سے کام مت کیجیو۔ اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کئے۔ اور اپنے لئے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے۔ اور یسیرت تیار کی۔ اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش کی، اور بعل کی عبادت کی۔ اور انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا۔ اور فال گیری اور جادوگری کی۔ اور اپنے تئیں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اُسے غصہ دلادیں۔ ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا“ (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۲-۱۸) پارۂ اول آیت ۶۱ کے حاشیے بھی ملاحظہ ہوں۔ ۲۶۳ (باوجود بار بار کی تبلیغ و

عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۞٧٨ کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ
انہوں نے برابر نافرمانی کی اور حد سے آگے نکل جاتے تھے ۲۶۳ جو بُرائی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی اُس سے باز نہ آتے
فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۞٧٩ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ
تھے، کیسا بے جا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے ۲۶۳ آپ اُن میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ
یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ
کفر کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہیں ۲۶۴ کیسا بیجا ہے وہ جسے وہ اپنے آگے بھیج چکے ہیں، جس سے اللہ
اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۞٨٠ وَ
اُن سے ناخوش ہوا اور وہ لوگ عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے! ۲۶۵ اور اگر
لَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا
یہ لوگ ایمان لے آئیں، اللہ اور (اس) نبی پر اور جو کچھ اس (نبی) پر نازل ہوا ہے اُس پر، تو
اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞٨١ لَتَجِدَنَّ
وہ ان لوگوں کو دوست نہ بناتے ۲۶۶ لیکن ان میں سے اکثر تو نافرمان ہی ہیں ۲۶۷ آپ لوگوں میں
اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا
ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین ہی کو پائیں گے ۲۶۸ اور
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ
آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب انہیں پائینگے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ۲۶۹
ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ۞٨٢
یہ اسلئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں، اور اس لئے کہ یہ تکبر نہیں کرتے ۲۷۰

ہدایت کے) یعنی بجائے ندامت و استغفار کے انہیں اپنی کفریات پر شدید اصرار تھا۔ ای کانوا لا ینتھون عن منکر اتوہ (ابن جریر) التناھی بمعنی الانتھاء (روح) دوسرے معنیٰ لا یتناھون کے یہ ہو سکتے ہیں کہ ”وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے“ اور یہی معنیٰ اکثر نے لئے ہیں۔ وھوالذی علیہ الجمھور انہ تفاعل من النھی ای کان لا ینھی بعضھم بعضًا (کبیر) اور یہ معنیٰ لے کر فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہ روکنا بڑا سنگین گناہ اور اُمّت کیلئے بڑی حسرت کی چیز ہے۔ فیہ دلیل علیٰ انّ ترک النھی عن المنکر من العظائم فیا حسرۃً علی المسلمین فی اعراضھم عنہ (مدارک) ۲۶۴ یعنی مشرکین عرب سے ساز و باز رکھتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے کہ رسُولِ اسلام کی مخالفت و عناد میں اور اسلام کو مٹانے کی خاطر یہود نے مشرکین عرب سے ہر طرح کی ساز شیں کی تھیں۔ ۲۶۵ یہی اُن کا عذاب دوزخ میں پڑے رہنا اللہ کی ناخوشی کا ظہور ہے۔ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ میں اَنْ موصولہ کا کام دیتا ہے۔ ای الذی اوجب لھم سخط اللہ علیھم (جمل) مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی اپنے اعمال و عقائد کفریہ جنہیں آخرت میں وہ بھگتینگے۔ ۲۶۶ (بلکہ ایسی صورت میں تو وہ اسلام کے جان نثاروں میں ہوتے) اَلنَّبِیِّ سے مُراد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہے، یصدّقون نبیّہ محمّدًا صلعم (ابن جریر) وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ ۔ یعنی قرآن۔ و یقرّون بما انزل الیٰ محمد صلعم (ابن جریر) النبی سے اشارہ حضرت موسیٰؑ اور و ما انزل الیہ سے توریت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ ۲۶۷ اور اسی نافرمانی کے آثار میں سے ان کی عداوت اسلام و مسلمین کے ساتھ اور اُنکی موالات مشرکین عرب کے ساتھ ہے۔ فٰسِقُوْنَ ۔ فاسق یہاں محض بدعمل کے معنیٰ میں نہیں بلکہ خارج از ایمان کے معنیٰ میں ہے۔ ای خارجون عن الایمان (قرطبی۔ جلالین) ۲۶۸ یعنی اسلام سے مخالفت و عداوت تو ہر غیر مسلم کو ہے۔ لیکن اس عموم میں مرتبۂ خصوص مشرکین و یہود کو حاصل ہے کہ وہ شدید ترین دشمنانِ اسلام ہیں۔ ۲۶۹ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ۔ آیت پر اشکالات متعدد وارد ہوئے ہیں، اور جوابات بھی متعدد دیئے جا چکے ہیں مثلاً ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مراد صرف رسول اللہ صلعم کے معاصر مسیحی ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے، لیکن بنیادی اشکال صرف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ آیت کے لفظ نصاریٰ پر کافی غور نہ کیا گیا اور اسے ”مسیحیوں“ کا مرادف سمجھ لیا گیا۔ آیت میں مسیحی یا عیسائی سرے سے مراد ہی نہیں، بلکہ نصاریٰ سے مُراد نصاریٰ ہی ہیں، جو کہ حضرت عیسیٰؑ کو نبی ماننے والا، نہ کہ انہیں ابن اللہ قرار دینے والا ایک قدیم فرقہ ہوا ہے اور جس کا شمار آج ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے موجودہ مسیحی ”ملحدوں“ میں کر رہے ہیں۔ قال قتادۃ نزلت فی ناس من اھل الکتاب کانوا علیٰ شریعۃ مما جاء بہ عیسیٰ امنوا بالرسول فاثنی اللہ علیھم (بحر) قال اٰخرون ھٰذہ صفۃ قوم کانوا علیٰ شریعۃ عیسیٰ من اھل الایمان (ابن جریر) لفظ نصاریٰ پر مفصل حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکا ہے، وہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ قَالُوْٓا کا لفظ بھی حشو نہیں۔ ذکر ان کا ہو رہا ہے جو اپنے نصاریٰ ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ موجودہ فرنگی قومیں اور حکومتیں تو اپنے مسیحی ہونے کا بھی کھلی طرح اقرار نہیں کر رہی ہیں چہ جائیکہ اپنے کو نصرانی کہیں! ——— ان نیم ملحد نیم مشرک قوموں کو قدیم ”نصرانیت“ سے کوئی علاقہ ہی نہیں، اسلئے اُن کی مودّت وغیر مودّت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اَقْرَبَهُمْ ۔ ذکر یہاں قربِ مطلق کا نہیں صرف قُربِ اضافی کا ہو رہا ہے۔ ۲۷۰ یہاں نصاریٰ کے اسلام سے نسبتۂ ”قریب تر ہونے کے دو وجوہ بھی بیان کر دیئے۔ ایک یہ کہ انکی جماعت میں علم دوست، شب بیدار علماء اور تارک الدنیا درویش ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ انکے قلوب میں تواضع کی نرمی ہوتی ہے۔ ان دو خصوصیات نے اس حقیقت کو اور زیادہ روشن دکھا دیا کہ مراد عام مسیحی، خصوصاً فرنگی قومیں ہو ہی نہیں سکتیں، یہاں ان دونوں اوصاف کا قحط ہے۔ بلکہ مراد اسی قدیم فرقۂ نصاریٰ (Nazarenes) ہے۔ ذٰلِکَ یعنی یہی نصاریٰ کا اسلام سے قربِ اضافی۔ قِسِّیْسِیْنَ ۔ قس کے لفظی معنیٰ عربی میں رات کو کسی شے کے طلب کرتے رہنے کے ہیں۔ اصل القس تتبع الشئ وطلبہ باللیل (راغب) اور علماء نصاریٰ چونکہ عابد شب بیدار ہوتے تھے اسلئے انہیں بھی قسیس کہنے لگے۔ والقسیس العالم العابد من رؤس النصاریٰ (راغب)۔ لیکن یہ بھی اہلِ لغت سے مروی ہے کہ قسیس کسی بیرونی زبان، سُریانی یا لاطینی سے منتقل ہو کر عربی میں آیا ہے۔ اور لغت عرب میں داخل ہو گیا ہے۔ قال قطرب القس والقسیس العالم بلغۃ الروم ۔ لفظ القسیس اما ان یکون عربیًا واما ان یکون بلغۃ الروم ولکن خلطتہ العرب بکلامھم فصار من لغتھم اذ لیس فی الکتاب ما لیس من لغۃ العرب (قرطبی) محققین نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ تواضع وغیرہ صفاتِ محمودہ بہرحال قابلِ قدر ہیں خواہ وہ کہیں مل جائیں یہاں تک کہ نصاریٰ میں بھی۔ وفی الاٰیۃ دلیل علیٰ ان التواضع والاقبال علی العلم والعمل والاعراض عن الشھوات محمودۃ اینما کانت (روح) وفی ھٰذا التعلیل دلیل علیٰ حلالۃ العلم وانہ سبیل الی الھدایۃ وعلیٰ حسن عاقبۃ الانقطاع ۔ وفیہ دلیل علیٰ ان العلم انفع شئ واھداہ الی الخیر وان کان علم القسیسین وکذا علم الاٰخرۃ وان کان فی راھب البراءۃ من الکبر وان کانت فی نصرانی (مدارک) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ علوم و اخلاق کو اعمال میں دخلِ عظیم ہے، اور اسی لئے مشائخ طریقت کو علوم و اخلاق کا اہتمام اعمال سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

۲۵۱ؔ ان لوگوں کی حماقت دکھائی ہے کہ ابھی مہلت باقی ہے، اور پھر ایسے غفور و رحیم خدا کے سامنے توبہ و استغفار کر کے اُس کے غفور و رحمت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے! عَفُوْرٌ۔ اُس کے حق میں جو طالب مغفرت ہو۔ رَحِیْمٌ۔ اس کے حق میں جو طالب رحمت ہو۔ مسیحیوں کے رَد کے موقع پر ان صفات کے لانے میں شاید یہ بھی ایک مصلحت و مناسبت ہو کہ اللہ تعالیٰ تو خود غفور و رحیم ہے۔ اس کے ان صفات کو بروئے کار لانے کے لئے اس کی کوئی ضرورت تھوڑے ہی ہے کہ کوئی "ابن اللہ" اپنے کو سب کی طرف سے کفارہ کے لئے پیش کرے! ۲۵۲ؔ (نہ کہ خدا یا فرزند خدا۔ یا معاذ اللہ دشمن خدا) یہ عیسیٰ مسیح کا صحیح مرتبہ بیان کر دیا۔ اس میں رد آ گیا ایک طرف مسیحی افراط کا، جو آپ کو مظہر خدا یا اوتار سمجھتے تھے، اور دوسری طرف یہودی تفریط کا، جو معاذ اللہ آپ کو ایک شعبدہ باز ساحر قرار دیتے تھے۔ سورۂ نساء کے حواشی ۴۴۶، ۴۵۱ وغیرہ بھی ایک بار پھر ملاحظہ کر لئے جائیں۔ اِبْنُ مَرْیَمَ۔ ابنِ مریمؑ لا کر مسیح پرستوں کو یہ یاد دلا دیا کہ مسیحؑ تو ایک عورت، فانی عورت کے بطن سے تھے، بشر کے سوا اور ہو کیا سکتے تھے۔ ۲۵۳ؔ (اور اُنہی کے سے ایک رسُول یہ بھی ہیں، نہ وہ اوتار یا دیوتا تھے، نہ یہ اوتار یا دیوتا ہیں) ۲۵۴ؔ صِدِّیْقَۃٌ وہ ہے جو نافرمانی سے غایت بُعد اور فرمانبرداری میں کمال رکھتی ہو۔ المراد بکونها صدیقة غایة بعدها عن المعاصی وشدة جدها واجتهادها فی اقامة مراسم العبودیة (کبیر) اور محاورہ میں پُورا مفہوم لفظ "ولیہ" یا ولی بیوی ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اس ایک لفظ میں پُورا رد آ گیا یہود کا، جو معاذ اللہ آپ کی عصمت تک کو متہم کر رہے تھے۔ ۲۵۵ؔ (اور اپنے سارے کمالاتِ بشری کے باوجود، حوائج بشری سے منزہ و بالاتر نہ تھے) اس میں بتا دیا کہ یہ مقدس ماں اور مقدس تر فرزند، دونوں بہر حال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے، اور کھانے پینے، ساری بشری ضرورتوں کے محتاج۔ تو جو ایسے صاحبِ احتیاج ہوں، انہیں خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی؟ ۲۵۶ؔ اور اس طرح کے خرافات میں برابر پڑے ہوئے ہیں۔ کہ "باپ، بیٹا اور رُوح القدس تین جُدا جُدا اور مستقل اقنوم ہیں"؛ "عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے۔ تین خدا نہیں"۔ "بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا۔ اور روح القدس کا صدور بھی ازل ہی میں باپ سے ہوا ہے"۔ "رُوح القدس کا صدور اکیلے باپ سے نہیں بلکہ بیٹے سے بھی ہوا ہے"۔ "خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں۔ ایک ایک پُورا، اور باقی دونوں اپنی اپنی جگہ جزوی حصہ دار ہیں"۔ "یہاں ترکیب سے وحدت پیدا ہوتی ہے، اور وحدت کا نام ہی ترکیب ہے"۔ "اقنوم وجود باپ ہے، اقنوم حیات بیٹا، اور اقنوم علم رُوح القدس ہے"۔ یہ صرف چند عقیدے بہ طور نمونہ مسیحیوں کے "اسرار الٰہیات" سے پیش کئے گئے ورنہ اسی طرح اور بھی بہت سے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک طرف میرے صاف، سادہ اور ہر شخص کی سمجھ میں آ جانے والے بیان توحید کو دیکھو، اور دوسری طرف الفاظ و اصطلاحات کے اس گورکھ دھندے پر نظر کرو! امام رازیؒ نے سچ کہا جب یہ کہا کہ ایسے لغو و مہمل عقیدے شاید دنیا کے پردہ پر کسی کے نہ ہونگے۔ ولا یری فی الدنیا مقالة اشد فسادًا واظهر بطلانًا (کبیر) ۲۵۷ؔ اُس ایک عالمِ کل، ہمہ دان، ہمہ بین کے سوا عبادت و پرستش کے قابل اور ہے کون؟ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنَ الخ یہ سارا خطاب مسیحیوں ہی سے ہے، اور اُنکے مشرک ہونے پر نص قرآنی کی مُہر لگا رہا ہے۔ مسیحیوں کی مشہور و ضخیم و مستند انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں ایک جگہ فخر کے ساتھ درج ہے کہ کلیسا نے اپنی طویل تاریخ میں "کبھی ایسا نہیں کیا کہ خدا کے ساتھ ساتھ مسیح سے بھی دعا نہ کی ہو" (جلد اول۔ صـ ۱۰۴) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں رد ہے مشائخ کو مستقل متصرف سمجھنے والے جاہلوں کا۔ ۲۵۸ؔ (بلکہ اپنے اصل دین اور عقائد حق پر قائم رہو) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے یہاں مراد مسیحی ہیں اور الکتٰب سے انجیل۔ یعنی بالكتب الانجیل (ابن جریر) قل یا محمد

رَحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

مغفرت والا ہے بڑا رحم والا ہے ۲۵۱ؔ مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں بجز ایک رسُول کے ۲۵۲ؔ اُن سے قبل

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ

بھی (اور) رسُول گزر چکے ہیں ۲۵۳ؔ اور اُن کی ماں ایک ولیہ تھیں ۲۵۴ؔ دونوں کھانا کھاتے

الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ

تھے ۲۵۵ؔ دیکھو کہ ہم کس کس طرح صاف دلائل اُن کے سامنے بیان کر رہے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

کدھر اُلٹے چلے جا رہے ہیں ۲۵۶ؔ آپ کہیے، کہ کیا تم اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں

لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

نہ نقصان پہنچا سکے نہ نفع، اور اللہ ہی (سب کی) سننے والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے ۲۵۷ؔ

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو ۲۵۸ؔ اور ان لوگوں کی

تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ

من مانی باتوں پر نہ چلو ۲۵۹ؔ جو پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور

ضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ

راہِ راست سے (بہت) بھٹک چکے ہیں ۲۶۰ؔ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا، اُن پر

اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا

لعنت ہوئی داودؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے ۲۶۱ؔ یہ اس لئے کہ

ع ۱۴

لا تغلوا۔ العالمة من النصارٰی فی المسیح (ابن جریر) قیل الخطاب للنصارٰی خاصة (بیضاوی) لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۴۶، ۸۵۳ سورۂ نساء ۲۵۹ؔ اس میں صاف اشارہ اس حقیقت کا آ گیا کہ مسیحیوں کی گمراہیاں اور بدعقیدگیاں کسی اور کجرو اور گمراہ قوم کی ریس اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں۔ اَهْوَاۗءَ۔ لغو و بے بنیاد خیالات، من گھڑت عقائد، خیالی ڈھکوسلے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اُن رسوم کا ابطال ہے جو شریعت کے خلاف میں اگرچہ وہ منسوب مشائخ کی جانب ہوں۔ مشائخ اگر محقق ہیں تو انکی طرف یا تو نسبت ہی صحیح نہ ہوگی اور یا پھر کسی عذر صحیح پر انہیں محمول کیا جائیگا۔ ۲۶۰ؔ جو لوگ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں، اور خود فرنگیوں کی موجودہ Biblical Criticism سے پوری طرح سے واقف ہیں۔ وہ قرآن مجید کے اس بیان پر عش عش کر جائینگے چھٹی صدی عیسوی کا ایک عرب اُمی، لاکھ ذہین و باخبر ہو، ان اہم تاریخی حقائق پر نظر رکھ ہی کیسے سکتا تھا، تا وقتیکہ عالم الغیب والشہادۃ براہِ راست اُسے تعلیم نہیں دے رہا تھا۔ مصری شرک یونانیوں میں پوری طرح حلول کر آیا تھا اور بڑے بڑے یونانی فلاسفہ اسکندریہ کے مرکز "عقلیت" و "روشن خیالی" سے مغلوب و متاثر تھے۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم جب شروع شروع پھیلی تو اُنہی یونانیوں میں اکابر یہود (مثلاً فائلو) پہلے ہی سے یونانیوں کے آگے گردن ڈال چکے اور اُن سے Logos وغیرہ کے عقائد اخذ کر چکے تھے مسیحیوں نے ان تعلیمات کو بلا تامل قبول کر لیا، اور پھر تو پولوس سینٹ پال نے تو حضرت مسیح کے مذہب اور تعلیمات کو تمام مسخ کر کے اسے یونانی شرک کی ایک شاخ ہی بنا دیا۔ آخر میں رہی سہی کسر رومیوں کے مشرکانہ عقائد و خرافات نے پوری کر دی۔ موجودہ مسیحی قوموں کے عقائد و رسوم کتنے صدی یونانی رومی شرک ہی کی صدائے بازگشت ہیں اور بس۔ ۲۶۱ؔ ان دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق کے صحیفۂ زبور اور عہد جدید کے صحیفۂ متی میں علی الترتیب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت داودؑ کی زبان سے: "... خداوند نے سُنا اور نہایت غُصہ ہوا۔ اس لئے یعقوب میں ایک آگ بھڑکائی گئی اور اسرائیل پر قہر بھی اُٹھا کیونکہ انہوں نے خدا پر اعتماد نہ کیا اور اُسکی قیامت پر اعتماد نہ رکھا" (زبور۔ ۷۸: ۲۱، ۲۲، ۲۳) اور حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی زبان سے: "... غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے" (متی۔ ۲۳: ۳۱، ۳۲) الذین کفروا۔ اسرائیلیوں کا کفر اپنے اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں ...

۲۴۴ (اور وقت مناسب پر انہیں سزا دے کر رہیگا) فیجازیھم بحسب اعمالھم (مدارک) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤدؑ کی زبان سے ہے :- "اے قوم کے بیوقوفو سمجھو۔ اے جاہلو تم کب ہوشیار ہو گے۔ وہ جس نے کان لگایا، کیا نہیں سنتا؟ وہ جس نے آنکھ بنائی کیا نہیں دیکھتا؟ وہ جو قوموں کو تنبیہ دیتا ہے کیا وہ سزا نہ دیگا؟ وہ جو انسان کو دانش سکھلاتا ہے کیا وہ واقفیت نہ رکھتا ہوگا؟" (زبور۔۹۴: ۹) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاصی پر اصرار سے استعداد بالکل مضمحل ہو جاتی ہے اور اسی کو بطلانِ استعداد کہا جاتا ہے۔ ۲۴۵ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۷ سورۃ ہذا۔ خوب خیال کر لیا جائے کہ قرآن مجید النصارٰی اور ان صریح کافروں بلکہ مشرکوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اُن کا ذکر نام کے ساتھ نہیں، صرف صفات کے ساتھ کرتا ہے اور انہیں ایک الگ مستقل اُمت قرار دیتا ہے۔

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے اُن کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ

کرتوت ۲۴۴ یقیناً وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا

ابن مریم ہے ۲۴۵ حالانکہ (خود) مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میرے پروردگار اور اپنے پروردگار

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ

(یعنی) اللہ کی عبادت کرو ۲۴۶ جو کوئی اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک کریگا، سو اللہ اُس پر جنت

اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے، اور (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار

اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ

نہ ہوگا ۲۴۷ یقیناً وہ (بھی) کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خُدا تین میں سے تیسرا ہے ۲۴۸

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا

حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے ۲۴۹ اور اگر یہ لوگ اپنے (ان) اقوال سے باز نہ آئے تو

يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾

ان میں سے جو لوگ کافر رہیں گے اُن پر عذاب دردناک واقع ہو کر رہے گا ۲۵۰

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

سو یہ لوگ اللہ کے سامنے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے؟ درآنحالیکہ اللہ بڑا

وقف لازم

ہبرٹ جرنل (لندن) دنیائے مسیحیت کا ایک بلند پایہ علمی سہ ماہی رسالہ ہے۔ اُس کے اکتوبر ۱۹۲۴ء نمبر میں ہے :- "نیٹھ مسیحی کے عقیدہ میں مسیح تمامتر خدا نہیں۔ عقلاً جو عقیدہ جتنا زیادہ مستبعد ہو، اسی قدر خوش عقیدگی سے قریب ہوتا ہے"۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں صاف رَد ہے حلول و اتحاد کا جس کے قائل جاہل صوفیہ ہوئے ہیں۔ ۲۴۶ ملاحظہ ہو پ۳، حاشیہ ۱۲۹۔ قرآن مجید کے بیان کی تائید اس حد تک تو موجودہ محرّف اور مسخ شدہ انجیلیں بھی کر رہی ہیں:- "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اُسی کی عبادت کر" (متی۔۴: ۱۰) "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر" (لوقا۔۴: ۸) "یسوع نے اس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا" (لوقا۔۱۸: ۱۹) ۲۴۷ (جو شفاعت کی حد تک بھی اُن کی مدد کر سکیں) یہ سب وعیدیں مسیحیوں یا عیسائیوں کے لئے آرہی ہیں، جو مسیح پرستی کے شرک کو اپنے لئے باعثِ ننگ نہیں، باعثِ فخر سمجھ رہے ہیں۔ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔ ہر قسم کے شرک پر حاوی ہے خواہ ذاتی ہو یا صفاتی۔ مِنْ اَنْصَارٍ ۔ صیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کو اپنے بہت سے ناصروں اور شافعوں کا زعم تھا۔ ۲۴۸ موجودہ مسیحیوں کے کافر بلکہ مشرک ہونے پر یہ صاف نصوص موجود ہیں۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ باپ، بیٹا، رُوح القدس، یہ تین اقنوم (اصل) منفرداً بھی خُدا ہیں، اور مجتمعاً بھی۔ تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی۔ ۲۴۹ (جو نہ اقنوموں میں تقسیم ہے نہ اور کسی طرح) مِنْ اِلٰهٍ میں مِن زائد کلیت یا استغراق کے لئے ہے۔ اور آیت کے معنی ہیں کہ سرے سے ایسے معبود کا کوئی وجود ہی نہیں، جو صفت وحدانیت سے متصف نہ ہو۔ من مزیدۃ للاستعراق (بیضاوی) والمعنٰی وما الٰہٌ قط فی الوجود الا الٰہٌ موصوفٌ بالوحدانیۃ لا ثانی لہ (کشاف) اکد ذالک بزیادۃ من الاستغراقیۃ (بحر) ۲۵۰ (آخرت میں اُن کے کفر صریح کے پاداش میں) عمّا یقولون ۔ یعنی تثلیث کے اس مشرکانہ قول و عقیدہ سے۔ ای یکفّوا عن القول بالتثلیث (قرطبی) الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ ۔ یعنی ان میں سے جو لوگ کافر رہ جائینگے اس کے بعد بھی کہ اُنکے عقاید کی گمرہی اُن پر پوری طرح واضح ہو چکی۔ ای الذین اقاموا علی ھذا الدین (کبیر۔ عن الزجاج) الذین بقوا منھم علی الکفر (بیضاوی) مِنْهُمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے اس مشرکانہ عقیدہ سے باز آجائیں گے اور ایمان لے آئینگے۔ ایسے لوگ اس وعید سے خارج ہیں۔ خصّ الذین کفروا بعلمہ ان بعضہ یومنون (معالم)

۲۳۴ یہاں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ مدارِ فضیلت کا، مقبولیت کا، احکامِ الٰہی کا اتباع ہی ہے۔ تو پھر جب سرے سے اس سے گریز ہے، تو کیسی افضلیت اور کہاں کی مقبولیت؟
علیٰ شئی۔ یعنی راہِ راست و دینِ حق۔ ای علی دین یعتد بہ (کشاف۔ بیضاوی) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بغیر اتباعِ شریعت کے کوئی کمال معتبر نہیں۔ ۲۳۶ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۲۲۔ ۲۳۷
حضورِ انورؐ فرطِ شفقت و ترحم سے کافروں کے حال پر بیچین و مضطرب رہا کرتے تھے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ اتنا غم و تاسف نہ کیجئے۔ یہ تو اپنی ضد و عناد کی بنا پر مستحق کسی ہمدردی و رعایت کے نہیں۔
آیت رسولؐ اللہ کی تسلی کے لئے ہے۔ آپؐ کو ممانعت حزن سے نہیں کی گئی ہے، کہ وہ آپؐ کے لئے ایک امرِ طبعی تھا، بلکہ افراطِ حزن سے کی گئی ہے۔ وھذہ تسلیۃ للنبی صلعم ولیس بنہی عن الحزن لانہ لا یقدر علیہ ولکنہ تسلیۃ و ینھی عن التعرض للحزن (قرطبی) لا تتأسف بسبب نزول اللعن والعذاب علیھم فانھم من الکافرین المستحقین لذلک (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اعراض کرنے والوں پر زیادہ قلق نہ کرے جیسا کہ بعض مبالغین فی الشفقۃ کرتے ہیں۔ ۲۳۸ آیت کے الفاظ و مطالب کی تشریح پارۂ اوّل میں گزر چکی۔ حاشیہ ۲۱۸ سے حاشیہ ۲۳۲ تک۔ ۲۳۹ چنانچہ قوم بنی اسرائیل کی تاریخ گویا انبیاء مرسلین ہی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ یہ عہد توحید ہی سے متعلق تھا۔ ۲۴۰ یعنی کم و بیش مخالفت تو اپنے سب ہی انبیاء کی کی، جو ذرا سا بھی کوئی حکم اُن کی مرضی کے خلاف لے کر آئے لیکن بعض کو تو تکذیب سے گزر کر ہلاک تک کر ڈالا۔ یہود کے قتلِ انبیاء وغیرہ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے ہیں۔ انجیل میں یہ الزام اس سے کہیں زیادہ زوردار الفاظ میں دہرایا گیا ہے "اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ اس لئے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور نقیبوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اُن سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے"۔ (متی۔ ۲۳: ۳۴) ملاحظہ ہوں پارۂ اوّل کے حاشیے آیت ۶۱ پر۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سارے کبائر کی اصل اتباعِ ہویٰ ہے، اس لئے صوفیہ اس کے استیصال کی سخت کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ۲۴۱ (ان پر تکذیبِ انبیاء اور قتلِ انبیاء کا)۔ فتنۃ کے ایک معنی سزا کے بھی ہیں۔ الفتنۃ العذاب (قاموس)

اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ
پروردگار کی طرف سے تمہارے اوپر اُتری ہے ۲۳۵ اور جو کچھ آپ پر آپکے پروردگار کی طرف سے اُتارا گیا ہے
اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّ کُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی
وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا کر رہے گا ۲۳۶ تو آپ کافر لوگوں پر
الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝٦٨ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا
افسوس نہ کیجئے ۲۳۷ بے شک جو لوگ ایمان لا چکے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور
وَ الصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ
صابی اور نصرانی (غرض) جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور
وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝٦٩
نیک عمل بھی کرے، سو ایسوں کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۲۳۸
لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ
یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کے پاس (بہت سے) پیمبر
رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ ۙ
بھیجے ۲۳۹ جب جب کوئی پیمبر اُن کے پاس (ایسا) حکم لائے، جس کو اُن کا جی نہیں چاہتا تھا تو
فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۝٧٠ وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا
بعض کو تو جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل ہی کر ڈالتے تھے ۲۴۰ اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال
تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ
کچھ نہ پڑے گا ۲۴۱ سو اندھے اور بہرے ہو گئے ۲۴۲ پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی ۲۴۳

قرآن مجید میں بھی فتنۃ ایک دوسرے موقع پر اسی معنی میں آیا ہے۔ ذوقوا فتنتکم ای عذابکم (راغب) اہلِ تحقیق نے یہی معنی یہاں بھی لئے ہیں۔ ای عذاب وقتل (معالم) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤدؑ کی ایک مناجات بھی اسی معنی و مفہوم کی تائید میں ہے:۔ "اے خداوند شریر کب تک، ہاں شریر کب تک شادیانے بجائیں گے۔ وہ ڈکارتے اور گستاخی کی باتیں بولتے۔ سارے بدکاری کرنے والے لاف زنی کرتے۔ وہ اے خداوند تیرے لوگوں کو پیس ڈالتے ہیں، اور تیری میراث کو دُکھ دیتے ہیں۔ اور بیوہ اور پردیسی کو جان سے مارتے ہیں اور یتیم کو قتل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، خداوند نہ دیکھے گا یعقوب کا خدا ہرگز نہ سمجھ لیگا"۔ (زبور۔ ۹۴: ۳۔ ۷) فتنۃ کے مشہور و متعارف معنی آزمائش کے ہیں، وہ بھی یہاں بے جا نہیں اور بعض مفسرین نے یہی اختیار کئے ہیں۔ انہ لا یقع من اللہ عز وجل ابتلاء واختبار بالشدائد (قرطبی) ۲۴۲ یعنی ان کے اس گمان و پندار نے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مُہلت نے انہیں قبولِ حق و کلمۂ حق کی طرف سے اور زیادہ غافل و بے نیاز کر دیا۔ عموا عن الھدیٰ وصموا عن سماع الحق (بحر) عموا عن الرشد وصموا عن الوعظ (مدارک) ۲۴۳ (اور مزید ہدایت کے لئے کوئی اور پیمبر اُن میں بھیجا)

٢٢٦ اٰمنوا ۔ یعنی قرآن اور حامل قرآن پر ایمان لاتے۔ اٰمنوا کے مطلق رکھنے میں بعض اہل علم نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اہل کتاب اگر محمد رسول اللہ پر ایمان لے آئیں تو یہ تو خیر عین مقصود ہی ہے لیکن اگر اپنے پیمبر اور اپنی ہی کتاب پر سچا اور پورا ایمان رکھیں، تو اُن کی ہدایت اور عبادت بھی تو بالآخر اسی ایمان مصطفوی پر لائیگی۔ عشق گر زیں سرو گرز آں سرست عاقبت مارا بداں شہ رہبرست ٢٢٧ (بہ واسطۂ نبی آخر الزمانؐ) مُراد قرآن و شریعتِ اسلامی ہے۔ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۔ مراد ہے ان کتابوں کی عدم تحریف اور انکے احکام پر عمل۔ واقامۃ التورٰىۃ والانجیل العمل بمقتضاھما وعدم تحریفھما (قرطبی) وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ اسکے معنٰی علاوہ قرآن مجید کے خود اُنکے انبیاء کی دوسری کتابوں کے بھی کیے گئے ہیں۔ قیل کتب انبیاء ھم (قرطبی) من سائر کتب اللہ لانھم مکلفون الایمان بجمیعھا (مدارک) ٢٢٨ یعنی اس دنیا میں آسمانی اور زمینی برکتوں سے خوب تمتع حاصل کرتے۔ فَوْق و تَحْت کے الفاظ عموم تمتع دنیوی اور زور و تاکید کیلئے ہیں۔ ذکر فوق وتحت للمبالغۃ فی ما یفتح علیھم من الدنیا (قرطبی) المراد منہ المبالغۃ

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾
توہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دُور کر دیتے اور ہم ضرور انہیں نعمت کے باغوں میں داخل کر دیتے ٢٢٦
وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
اور اگر وہ توریت اور انجیل کی پابندی کرتے اور اُس کی جو اُن پر اُنکے پروردگار کی طرف سے
اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ
(اب) نازل ہوا ہے ٢٢٧ تو یہ لوگ (خوب) کھاتے (پیتے) رہتے اپنے اُوپر سے (بھی) اور اپنے پیروں کے
اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
نیچے سے (بھی) ٢٢٨ اُنہی میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے ٢٢٩ لیکن اکثر ان میں کے ایسے ہیں جو
سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ ٩ ع ١٠ ١٣
بہت ہی بُرا کر رہے ہیں ٢٣٠ اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپکے پروردگار کی طرف سے اُترا
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ
ہے یہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیجیے ٢٣١ اور اگر آپنے یہ نہ کیا تو آپنے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى
نہیں ٢٣٢ اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا ٢٣٣ یقیناً اللہ کافر لوگوں کو راہ
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى
نہ دے گا ٢٣٤ آپ کہہ دیجیے کہ اہل کتاب تم کسی راہ (حق) پر بھی نہیں جب تک
شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
تم توریت و انجیل کی پابندی نہ کرو اور اس (کتاب) کی جو تمہارے

فی شرح السعۃ (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ طاعت و عمل صالح خوشحالی اور وسعت رزق کے موجبات میں سے ہیں۔ دلت الاٰیۃ علٰی ان العمل بطاعۃ اللہ تعالٰی سبب لسعۃ الرزق (مدارک) ٢٢٩ (اور یہی میانہ رو جماعت آگے چل کر ایمان لے آئیگی) مُقْتَصِدَةٌ ۔ اقتصاد کے معنٰی عمل میں راہ اعتدال اختیار کرنے کے ہیں۔ والاقتصاد الاعتدال فی العمل (قرطبی) یہاں مُراد اُن لوگوں سے ہے، جو حضرت عیسٰی مسیحؑ کے باب میں نہ افراط کے غلو تک پہنچ جاتے ہیں، نہ تفریط کے قعر میں گر پڑتے ہیں۔ مقتصدۃ فی القول فی عیسٰی ابن مریم (ابن جریر) مسیحیوں میں نجاشی شاہ حبشہ اور اُن کے رفقاء اور یہود میں عبداللہ بن سلام اور ان کی جماعت یہ سب اسی اُمّت مقتصدہ کے افراد ہوئے ہیں۔ ٢٣٠ اشارہ اہل کتاب کی تحریف کتب و تکذیب انبیاء کی جانب ہے۔ ٢٣١ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ اس میں قرآن مجید کے سارے کا سارا آجانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جو چیزیں وحی خفی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کو تعلیم ہوتی تھیں، وہ بھی اس عموم میں شامل ہیں۔ قال ابن عباسؓ المعنٰی بلّغ جمیع ما انزل الیک (قرطبی) فیہ امر للنّبی صلعم بتبلیغ الناس جمیعًا ما ارسلہ بہ الیھم من کتابہ واحکامہ وان لا یکتم منہ شیئًا خوفًا من احد ولا مداراۃ لہ (جصاص) جمیع ما انزل الیک (مدارک) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ ۔ تبلیغ کے موقع پر یہ انداز خطاب بجائے خود نہایت بلیغ و حکیمانہ ہے کہ اے مخاطب تمہاری تو حیثیت ہی تمامتر رسُول کی پیغام پہنچانے والے کی ہے ٢٣٢ یعنی اگر آپنے کوئی بات احکام خداوندی میں سے چھپالی، تو گویا آپنے فریضۂ رسالت ادا ہی نہیں کیا۔ فان کتمت شیئًا منہ فما بلغت رسالتہ (قرطبی عن ابن عباسؓ) اخبر انہ ان ترک تبلیغ شیٔ منہ فھو کمن لم یبلغ شیئًا (جصاص) فکانک لم تبلغ الرسالۃ اصلاً (مدارک) لان کتمان بعضھا ککتمان کلھا (جلالین) اور ایسے مفروضات، محالات عادی ہی نہیں محالات عقلی تک، مثلاً ایک کے بجائے دو خداؤں کا ہونا، تو قرآن مجید نے بیان توحید تک میں روا رکھے ہیں۔ اس میں رد آگیا اُن غالی باطل پرستوں کا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ آپنے نعوذ باللہ کسی خوف یا مصلحت سے قرآن مجید ہم تک پورے کا پورا نہیں، بلکہ کسی قدر ناقص صورت میں پہنچایا ہے۔ دلت علٰی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یُسِرّ الٰی احد شیئًا من امر الدین (قرطبی) اور حقیقۃً یہ ہے بھی مرتبۂ رسالت سے بہت ہی گری ہوئی چیز کہ پیمبر جیسا عبد کامل بھی کوئی حکم شریعت کسی مروت یا کسی خوف سے چھپا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کیسی لطیف اور سچی بات اس موقع پر کہی ہے کہ اگر آپنے کوئی سا بھی جزو قرآن کریم کا چھپایا ہوتا، تو وہ یہی جزو ہوتا! قالت لو کان محمّد کاتمًا شیئًا من القراٰن لکتم ھٰذہ الاٰیۃ (ابن کثیر) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ رسُول کی طرح علماء اُمت کیلئے بھی کسی مسئلہ شریعت کا اخفاء و کتمان جائز نہیں۔ ھٰذا تادیب للنبی صلعم وتادیب لحملۃ العلم من امتہ الا یکتموا شیئًا من امر شریعتہ (قرطبی) ٢٣٣ (کہ آپکے قتل و ہلاک پر قدرت حاصل کرسکیں) اسلئے آپ تبلیغ کے باب میں تو اپنی جان کی ذرا فکر نہ کیجیے۔ مخالفین و معاندین جو کچھ بھی چاہیں کرتے رہیں۔ یعصمک من القتل فلا یصلون الٰی قتلک (معالم) ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا گیا ہے کہ جب محفوظیت کا وعدہ ہوچکا تھا، تو پھر جنگ اُحد میں جسم مبارک کو جراحتیں کیسے پہنچیں؟ مفسرین نے اسکے متعدد جوابات دیے ہیں، لیکن سب سے زیادہ صاف اور بے تکلف جواب مفسر تھانویؒ کے قلم سے یہ ہے کہ وعدۂ محفوظیت سیاق تبلیغ میں کیا گیا ہے، اس لئے اس کا تعلق بھی قدرۃً اتنی ہی محفوظیت سے ہے جو آپؐ کے فرائض تبلیغ میں مانع نہ ہو۔ بالکلیہ محفوظیت نہ مقصود تھی نہ ہوسکتی تھی۔ مرض، صدمہ، زخم وغیرہ تو حکمت تکوینی کے ماتحت رفع درجات و ترقی مراتب کے لئے ضروری ہیں۔ آیت سے علماء نے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ علماء حق پرست خدا کے کام کو اپنے ذمہ سمجھیں، اور اپنی ضرورتوں کا کفیل اُسی کے فضل کو سمجھے رہیں۔ ٢٣٤ (کہ آپؐ تک پہنچ کر اپنے ملعون منصوبوں کو پورا کرسکیں) لا یمکنھم مما یریدون من انزالہ بک من الھلاک (کشاف)

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ

مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کے کھانے سے نہیں روکتے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ

ہیں کیسی بُری اُن کی کارستانیاں ہیں! ٢١٦ اور یہود کہتے ہیں کہ

الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا

خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ٢١٧ ہاتھ اُن ہی کے بند ہوں! اپنے اس کہنے سے یہ ملعون

بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

ہو گئے ٢١٨ اللہ کے تو دونوں ہاتھ خوب کُھلے ہوئے ہیں ٢١٩ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ٢٢٠

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے، وہ اُن میں سے بہتوں

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

کی سرکشی اور کفر بڑھا دیتا ہے ٢٢١ اور ہم نے اُن کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت تک کے لئے

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا

ڈال دیا ہے ٢٢٢ جب جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اُسے بُجھا دیتا

اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

ہے ٢٢٣ اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ٢٢٤ درآنحالیکہ اللہ فساد کرنے والوں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

کو پسند نہیں کرتا ٢٢٥ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے

وقف لازم

٢١٥ ذکر یہود کا ہے۔ الاثم۔ جھوٹ کے قسم کے سارے گناہ اس میں شامل ہیں۔ یا وہ گناہ جو گنہگار کی ذات تک محدود رہیں۔ الاثم الکذب وقیل الاثم ما یختص بھم (کشاف) یعنی عن قول الکذب والزور (ابن جریر) العُدْوَان۔ یہ لفظ ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور سرکشی پر حاوی ہے۔ یا وہ گناہ جو دوسروں تک متعدی ہو۔ العدوان الظلم وقیل العدوان ما یتعدا ھم الی غیرھم (کشاف) اَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔ اس میں سُود، رشوت اور جبر یا مکر سے حاصل کی ہوئی ہر آمدنی آگئی۔ پُرانے حکماء کی تحلیل نفس کے مطابق اثم قوت نطقیہ سے صادر ہوتا ہے۔ اور عُدوان قوت غضبیہ سے اور اکل سحت قوت شہویہ سے۔ ٢١٦ آیت ماقبل میں ذکر عوام یہود کا تھا۔ اس آیت میں ذکر خواص واکابر یہود کا ہے۔ لولا، افلا کے معنی میں ہے۔ لولا بمعنی افلا (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کا داخلہ مستقبل پر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے تو اسکے معنی صیغۂ امر کے اور ممانعت کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ فاذا کانت للمستقبل فھی فی معنی الامر لم لا تفعل وھی ھھنا للمستقبل یقول ھلا ینھاھم ولم لا ینھاھم (جصاص) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ صحابہ وتابعین اور علماء سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت قرآن مجید کی سخت ترین آیتوں میں سے ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ھی اشد اٰیۃ فی القراٰن (کشاف) عن الضحاک ما فی القراٰن اٰیۃ اخوف عندی منھا (کشاف) کان العلماء یقولون ما فی القراٰن اٰیۃ اشد توبیخا للعلماء من ھٰذہ الاٰیۃ ولا اخوف علیھم منھا (ابن جریر) ٢١٧ یہ مسلمانوں کے افلاس پر طنز واستہزاء کی راہ سے ایک فقرہ تھا۔ محاورہ میں اس سے مراد بخل وتنگدستی ہوتی ہے۔ غل الید وبسطھا مجاز عن البخل والجود (کشاف) غل الید وبسطھا مجاز مشھور عن البخل والجود (کبیر) یَدٌ کے یہاں لفظی معنی لینا مضحکہ خیز ہیں۔ یہ تو محض محاورۂ زبان اور ایک اسلوب بیان ہے کسی کے ہاتھ بالکل کٹے ہوئے ہوں جب بھی اُسکے بخل وجود کے لئے غلّ ید وبسط ید کا محاورہ بلا تکلف استعمال ہو گا۔ اسلئے ید اللہ کے لفظ کے آجانے سے حق تعالیٰ کے اثبات ید کا قطعاً کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لایقصد المتکلم بہ اثبات ید ولا غل ولا بسط (مدارک) روایتوں میں یہ قول صرف دو ہی یہودیوں سے نقل ہوا ہے لیکن اس سے دلچسپی لینے والے اور اس کو منع نہ کرنے والے دوسرے لوگ بھی رہے، اسی لئے یہ قول منسوب افراد ہی کی جانب نہیں بلکہ فرقہ کی جانب کر دیا گیا لما قال قوم ھٰذا ولم ینکر الباقون صار کانھم باجمعھم قالوا ھٰذا (قرطبی) مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہود کا یہ قول گو انکے اعتقاد پر مبنی نہ ہو لیکن کلمۂ کفر کا تلفظ بھی بلا ضرورت اور بغیر تردید کے کفر ہی ہوتا ہے۔ اور یہیں سے یہ ہے کہ آگے فقرہ میں لعنوا کی علت بما قالوا ارشاد ہوئی ہے، بما اعتقدوا۔ نہیں۔ ٢١٨ چنانچہ دنیا میں اس ملعونیت کا اثر قید، قتل، ذلّت وغیرہ سے ظاہر ہوا۔ اور آخرت میں عذاب جہنم سے ظاہر ہو گا۔ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ۔ یہ دُعا کا کلمہ ہے یعنی افلاس وتنگدستی، بدحالی اُن ہی پر چھا کر اور ان ہی پر اُلٹ کر رہیگی۔ یجوز ان یکون دعاء علیھم (قرطبی) یجوز ان یکون معناہ الدعاء علیھم بالبخل (کشاف) اس پیش خبری کا ظہور عین اُس وقت بھی ہوا یعنی چند ہی سال کے اندر یہودِ مدینہ مفلس و بے زر ہو کر رہ گئے۔ اور خود آج بھی باوجود اپنے شہرۂ آفاق تموّل کے خوشحالی اور دولت اُنکے کچھ افراد ہی تک محدود ہے، ورنہ بہ حیثیت قوم ایک نہایت درجہ مفلس ونادار قوم ہے مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ، آیت ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ کے تحت میں پارۂ اوّل میں گزر چکا ہے۔ ٢١٩ یعنی اللہ کے ہاں کریمی اور رزّاقی بدستور جاری ہیں۔ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔ اُردو میں بھی غایت فیاضی کے اظہار کے موقع پر بولتے ہیں کہ کوئی ایک ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، فلاں دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے عربی میں بھی دونوں ہاتھوں کا لانا زور وتاکید کیلئے ہے۔ لیکون ردّ قولھم وانکارہ ابلغ وادلّ علی اثبات غایۃ السخاء ونفی البخل عنہ (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ تثنیہ کا صیغہ دو سری نعمتوں کے اظہار کیلئے ہے۔ ایک نعمت دنیا کی اور دوسری آخرت کی۔ ٢٢٠ (حسب حکمت ومصلحت) اور وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی مصلحت تکوینی سے غنی وتونگر کر دیتا ہے۔ اہل سُنت اللہ تعالیٰ کے اختیار مطلق غیر مقید وغیر محدود کے قائل ہیں۔ اسی لئے اس آیت سے انہوں نے اپنے مذہب کی تقویت اور معتزلہ کے رد کا کام لیا ہے۔ جو اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ پر اجر طاعت ومزد اعمال واجب ہے۔ اعلم ان ھٰذہ الاٰیۃ ردٌّ علی المعتزلۃ وذلک لانھم قالوا یجب علی اللہ تعالیٰ اعطاء الثواب للمطیع ویجب علیہ ان لایعاقبہ (کبیر) ٢٢١ یعنی اپنے ضد وعناد کی بنا پر یہی نسخۂ شفا یہ لوگ اپنے حق میں ازدیاد مرض کا سبب بنا لیتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ یعنی یہی قرآن۔ ٢٢٢ یعنی اُن کا ہر قبیلہ اور فرقہ دوسرے کا دشمن ہے۔ بَيْنَهُمْ۔ مُراد یہود کے اندر کے فرقے اور قبیلے ہیں کہ یہود ہی کا ذکر قریب میں ہے۔ ای القینا بین طوائف الیھود (قرطبی) المراد وقوع العداوۃ بین فرق الیھود (کبیر) جائز یہ بھی ہے کہ ضمیر کُل اہل کتاب کی طرف ہو جس کا ذکر ذرا اوپر قبل آچکا ہے۔ قال مجاھد ای بین الیھود والنصاریٰ (قرطبی) المراد منہ ما بین الیھود والنصاریٰ من العداوۃ وھو قول الحسن ومجاھد (کبیر) ٢٢٣ آگ کا بجھانا یہ کہ اللہ اُن کی یہ شرارتیں چلنے نہیں دیتا۔ ان کی تدبیریں باطل کر دیتا ہے۔ خصوصاً اس طرح کہ اُن ہی میں کے ایک دوسرے کے مخالف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اطفاؤھا صرف اللہ عنھم ذلک وتفرق اٰراءھم وحل عزائمھم وتفرق کلمتھم والقاء الرعب فی قلوبھم (بحر) اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ یعنی مومنین کے خلاف جنگ کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ جنگ کے نقشے تیار کرتے ہیں۔ جنگ کی آگ روشن کرنا، عربی محاورہ میں کنایہ ہے جنگ کی تیاری سے۔ قال الجمھور ھو استعارۃ وایقاد النار عبارۃ عن اظھار الحقد والکید والمکر بالمومنین والقتال (بحر) ایقاد النار کنایۃ من ارادۃ الحرب (روح) عرب جنگ کے وقت واقعۃً بھی آگ روشن کیا کرتے تھے، اور اس اعتبار سے یہ فقرہ محض مجاز اُو استعارۃً نہیں بلکہ لفظاً بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ ٢٢٤ (دوسرے دوسرے ذرائع سے) دنیا میں قانون الٰہی کے نفاذ کی مخالفت کرنا خواہ وہ کسی عنوان سے بھی ہو، بہر حال اور بہر صورت فساد فی الارض ہی ہے۔ انفرادی بربادی واجتماعی ہلاکت دونوں کا پیش خیمہ۔ ٢٢٥ (اللہ کی رضامندی کو فساد فی الارض سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲۰۷ یعنی ہمارے اصول دین میں سے تمہیں عداوت اور ضد اُسکے کس جزو سے ہے؟ ہمارا جرم بس یہی ہے نہ کہ ہم توحید کے پرستار ہیں، اور اپنے نبی کے ساتھ ساتھ تمہارے انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں؟ قُلْ ۔خطاب پیغمبر کو ہے کہ آپ مسلمانوں کی طرف سے یہ جواب دیں۔ قال علیٰ سبیل التعجب هل تجدون فی هذا الدین الا الایمان باللہ والایمان بما انزل علی محمد صلعم والایمان بجمیع الانبیاء (کبیر) تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ۔ نقم کے معنی ہیں بُرا سمجھنا یا معیوب رکھنا اور عیب لگانا، یہاں دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ معناہ تسخطون وقیل تکرهون وقیل تنکرون والمعنی متقارب (قرطبی) هل تنکرون منا وتعیبون (بیضاوی) ۲۰۸ (خود اپنے دین کے معیار سے بھی) اہل کتاب اُس وقت دینی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے گرے ہوئے تھے کہ قرآن مجید نے بے تکلف انہیں اس لحاظ سے بھی ملزم قرار دے رہا ہے۔ ای فسقکم ثابت معلوم عندکم (بیضاوی) انتم فی دینکم فساق لا عدول (کبیر) وَاَنَّ میں و، مع کے معنی بھی دے سکتا ہے۔ یجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف۔ کبیر) اس ترکیب کے بعد آیت کے معنی یہ ہونگے کہ تم ہم سے ہمارے ایمان ہی کی بنا پر تو خفا ہو، باوجود اس کے کہ اکثر تم خود ہی نافرمان ہو۔ ما تنقمون منا الا الایمان مع ان اکثرکم فاسقون (کشاف) ای لان اکثرکم فاسقون تنقمون منا ذالك (قرطبی) ۲۰۹ (جسے تم اپنے لئے بُرا سمجھ رہے ہو) یعنی تم تو ہمارے طریقہ کو بُرا سمجھ رہے ہو لیکن میں تمہیں اُس طریقہ کا پتہ بتائے دیتا ہوں جو واقعی عند اللہ سزا و پاداش کے لحاظ سے بدترین ہے۔ مِنْ ذٰلِكَ یعنی ہمارے اس طریقہ سے جو تمہارے نزدیک موجب صد عیب ہے۔ ای من ذالك المنقوم (بیضاوی) ای بشر من نقمکم علینا (قرطبی) اشارة الی المنقم (کبیر) ۲۱۰ (انکے اسی طریق مبغوض کے باعث) لَعَنَهُ۔ لعنت پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے کہ اسکے معنی رحمتِ الٰہی سے دُوری اور مہجوری کے ہوتے ہیں۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ بشرٍ من اهل ذالك من لعنه اللہ او بشر من ذالك دین من لعنه اللہ (بیضاوی) لا بد من حذف المضاف وتقدیرہ بشر من اهل ذالك (کبیر) ذکر یہود کا ہے۔ ۲۱۱ یہ لوگ جو بندر اور سُور بنا دیئے گئے کون تھے کہاں کے تھے، کس زمانہ کے تھے، قرآن مجید اس باب میں خاموش ہے اور احادیث صحیح میں بھی کوئی تفصیل وارد نہیں ہوئی ہے۔ اسلئے اس پر محض اجمالی ایمان بالکل کافی ہے۔ البتہ جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ قردۃ بننے والے سے مراد یہود یا اصحاب السبت ہیں جن کا ذکر سورۂ بقر پارہ اوّل میں آچکا ہے۔ اور خنازیر سے مراد مسیحی اصحاب المائدہ ہیں، جن کا ذکر اسی سورۃ میں آگے آرہا ہے۔ قال اهل التفسیر عنی بالقردة اصحاب السبت وبالخنازیر کفار مائدة عیسیٰؑ (کبیر) ای مسخ بعضهم قردة وهم اصحاب السبت وبعضهم خنازیر وهم کفار مائدة عیسیٰ (مدارک) لیکن یہ قول بھی سلف ہی سے مروی چلا آرہا ہے کہ مسخ محض معنوی ہوا تھا، صوری نہ تھا یعنی صورتیں وہی رہی تھیں، صرف سیرتیں بندروں اور سُوروں کی ہو گئی تھیں۔ مفردات میں لغت خنزیر کے تحت میں ہے:۔ قیل عنی من اخلاقه وافعاله مشابهة لاخلاقها لا من خلقته خلقتها وروی ان قوما مسخوا خلقة وکذا ایضا فی الناس قوم اذا اعتبرت اخلاقهم وجدوا کالقردة والخنازیر وان کانت صورهم صور الناس (راغب) اس نامۂ سیاہ کو اس آیت کی تفسیر کے باب میں خاص طور پر تردد تھا۔ سورۂ اوّل کی تحریر کے وقت (اپریل ۱۹۴۲ء میں) حکیم الامت مفسر تھانویؒ زندہ و سلامت تھے۔ حل مشکل کیلئے عریضہ ان کی خدمت میں بھیجا، اور اس میں امام راغب کی عبارت مذکورۂ بالا نقل کر دی۔ جواب جو موصول ہوا اُس کو خلاصۃً یوں بیان کیا جا سکتا ہے، کہ "اولاً تو ایسی تاویلیں ان صحیح و مسلّم اور عقلی قواعد کے آکر مخالف پڑتی ہیں۔ النصوص تحمل علی ظواهرها۔ لا یعدل الی المجاز الا اذا تعذرت الحقیقة الناطق یقضی علی الساکت۔ ثانیاً، خود الفاظ قرآنی اس تاویل کو مستبعد بنا رہے ہیں۔ مثلاً لفظ جعل تصییر پر دال ہے، تو اس کا مفعول ثانی ایسی ہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلی کے خلاف ہو اور قردة و خنازیر بالتاویل تو وہ خود ہی ہو چکے تھے، اس میں جعل کے کیا معنی۔ اس جعل کا تو یہ حاصل ہوا کہ جعل القردة قردة وجعل الخنازیر خنازیر۔ یا بہ عبارت دیگر جعل الخبیثین خبیثین کیا اس سے کلام کے بے معنی ہونے کا شبہ قوی نہیں ہو سکتا، جو کلام اللہ سے نہایت مستبعد ہے۔

آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہمارے اوپر اُترا اس پر اور جو کچھ ہم سے پیشتر اتر چکا ہے اُس پر ۲۰۸ اور

اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ

یہی کہ تم سے اکثر نافرمان ہیں ۲۰۹ آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں جتلا دوں وہ جو اللہ کے ہاں پاداش

مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ

کے لحاظ سے اس سے (بھی کہیں) بُرا ہے ۲۱۰ وہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اُن پر غضب

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ

کیا ہے ۲۱۰ اور اُن میں سے بندر اور سور بنا دیئے ۲۱۱ اور انہوں نے شیطان کی پوجا کی ۲۱۲

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا

ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر اور راہِ راست سے بہت دُور ہیں ۲۱۳ اور جب یہ لوگ تمہارے

جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا

پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کو لے کر آئے تھے اور اسی کو لے کر چلے گئے

بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا

اور اللہ خوب جانتا ہے اُس چیز کو جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں ۲۱۴ اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے

مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ

ہیں گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر لپکتے ہوئے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ

بُرے ان لوگوں کے کرتوت ہیں ۲۱۵ کیوں ان کے

ثالثاً جب وہ خود خبیث ہو چکے تھے تو اب اُن کو خبیث بنانے کے کیا معنیٰ۔ رابعاً سورۂ بقرہ میں ہے فجعلناها نکالا لما بین یدیها وما خلفها وموعظة للمتقین تو سزا پر تو نکال اور موعظہ صادق آتا ہے مگر عقائد و اخلاق فاسدہ تو خود موجب سزا ہیں نہ کہ سزا۔ غایة ما فی الباب ایسی تاویل کو نص کی تکذیب نہ کہیں گے لیکن کیا بدعت بھی نہ کہیں گے؟ اگر شبہ کیا جائے کہ بعض سلف کو بدعتی کہنا لازم آتا ہے، تو یہ بدعت اجتہادی محل وعید نہیں، ورنہ اگر اس تاویل کو سنت میں داخل کیا جائے تو جمہور کو بدعتی کہنا لازم آئیگا" گنجائش بہرحال اس تاویل کی بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم بحقیقة الحال ۲۱۲ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب عَبَدَ بطور فعل پڑھا جائے۔ اور تقدیر کلام یوں ہو گی۔ ومَنْ عَبَدَ الطَّاغُوتَ عطف اس صورت میں مَن لعنه اللہ پر ہو گا۔ جعلوہ فعلاً ماضیاً وعطفه علی فعل ماضٍ وهو غضب (قرطبی) عطف علی صلة من کانه قیل ومن عبد الطاغوت (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ عبد کو اسم اور عبد کی جمع سمجھا جائے۔ اس صورت میں عطف القردة والخنازیر پر ہو گا، اور پورے فقرہ کے معنی ہونگے کہ "انہیں بندر اور سُور اور پرستار شیطان بنا دیا" طاغوت پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں، یہود رفتہ رفتہ کاہنوں کے بہت معتقد اور گرویدہ ہو گئے تھے، اور کہانت، سحر وغیرہ تمام شیطانی فنون اُن پر غالب آگئے تھے۔ اسی کو شیطان کی پرستاری سے تعبیر کیا گیا۔ عن ابن عباسؓ الطاغوت الکهنة وکل من اطاع احدا فی معصیة اللہ فقد عبده (کشاف) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جب مصلحت دینی ہو تو مخالف کی ذم کو خوب ظاہر کر دیا جائے اور یہ صبر و حلم کے منافی نہیں۔ ۲۱۳ (اسی دنیا میں) شَرٌّ مَّكَانًا۔ آخرت میں کہ وہ مکان دوزخ ہے۔ شر کو یہاں مضاف مکان کی طرف کیا گیا ہے، اور مراد اس سے اہل مکان تھی۔ لان مکانهم النار واما المؤمنون فلا شر فی مکانهم (قرطبی) جعلت الشرارة للمکان وهی لاهله للمبالغة (مدارک) ۲۱۴ یعنی ان کے عقائد کفر و نفاق کو۔ ذکر اب منافقین کا ہے، خصوصاً منافقین یہود کا، جو اپنے عقاید کفر کے باوجود اپنے کو مسلمان آبادی کے درمیان چالاکی سے مسلمان ظاہر کئے رکھتے تھے۔ هذه صفة المنافقین (قرطبی) ای منافقوا الیهود (جلالین) اِذَا جَآءُوْكُمْ یعنی یہ منافقین جب مسلمانوں کی مجلسوں میں آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ دَخَلُوْا بِالْكُفْرِ یعنی تمہاری مجلس کے اندر عقائد کفر لئے ہوئے آئے۔ خَرَجُوْا بِالْكُفْرِ یعنی تمہاری مجلس سے باہر وہی عقائد کفر لئے ہوئے واپس ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہیں مسلمانوں کی مجلس میں آنے سے نفع مطلق نہ ہوا، جو کفریہ عقائد لے کر آئے تھے وہی لے کر چلے بھی گئے۔ والمعنی انهم لم ینتفعوا بشیء مما سمعوه بل دخلوا کافرین وخرجوا کافرین (قرطبی)

۲۰۱ے ولیکم۔ یہاں ولی اس معنی میں ہے کہ وہ جس سے تمہیں دوستی رکھنا چاہیے یعنی تمہارے حقیقی دوست۔ اور خطاب اُمّتِ اسلامی سے ہے۔ اُوپر ذکر اس کا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ اب گویا ارشاد ہو رہا ہے کہ دوست اللہ اور رسُول اور اہلِ ایمان کو بناؤ۔ فکانہ قیل لا تتخذوا اولٰئک اولیاء انما اولیاءکم اللہ تعالیٰ و رسوله والمومنون فاخصوهم بالموالاة (رح) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں ایسے شخص سے علیحدہ رہنے پر دلالت ہے جو اہل اللہ اور انکے طریق کے ساتھ تمسخر کرے۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ میں و حالیہ ہے۔ والواو للحال (کشاف) ای یعملون ذٰلک فی حال الرکوع (کشاف) لیکن خود رکوع کے اس سیاق میں کیا معنی ہیں، رکوع یہاں بمعنی خشوع ہے نماز کی اصطلاحی ہیئت متعارف مراد نہیں۔ وھو الخشوع والاخبات والتواضع للہ اذا صلّوا و اذا زکّوا (کشاف) والرکوع ھنا ظاھرہ الخضوع لا الھیئة التی فی الصلوٰة (بحر) مطلب یہ ہوا کہ انکی اقامتِ صلوٰة وادائے زکوٰة محض صورت ظاہری کے لحاظ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ صحیح کیفیت باطنی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ ۱ے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ ۲ے اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ ۳ے وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ غرض یہ کہ وہ لوگ عقائد اور اعمال بدنی و مالی اور اخلاص و اخلاق سب کے جامع ہونگے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عین ذکر میں اگر کسی ایسے شغل کا ہجوم و تقاضا ہو کہ اگر اس سے فارغ نہ ہو تو اس کا قلب مشغول رہے تو اس سے جلد فارغ ہو جانا ہی مستحسن ہے۔ ۲۰۲ے (یہ اعتبار اصل حقیقت کے

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

دوست تو بس اللہ اور اُس کا رسُولؐ اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ

زکوٰة دیتے رہتے ہیں، اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں ۲۰۱ے اور جو کوئی

يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

اللہ اور اس کے رسُولؐ اور ایمان والوں سے دوستی رکھیگا، سو بے شک اللہ ہی کا گروہ

هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

غالب ہے ۲۰۲ے اے ایمان والو، جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی) مل چکی

ع ۸ ۱۲

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

ہے۔ اور وہ ایسے ہیں کہ اُنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا

اُن کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ ۲۰۳ے اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اگر تم ایمان والے ہو ۲۰۴ے اور جب تم نماز کے لئے پکار کرتے ہو ۲۰۵ے تو

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

یہ لوگ اس کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (بالکل) عقل سے کام

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ

نہیں لیتے ۲۰۶ے آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب، تم ہم سے بس یہی ضد رکھتے ہو نہ کہ ہم

گو بعض اوقات اس غلبہ کے آثار کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ظاہر نہ ہوں) بہ قول مفسر تھانویؒ حقیقۃ ارفع تو مومنین ہی ہیں، گو حکمت ابتلاء وغیرہ کی بنا پر کسی خاص محل مثلاً اس دنیا میں، اور کسی خاص وقت تک اس ارفعیت کے آثار نمایاں نہ ہوں۔ واقعیت بجائے خود قائم ہے، خواہ اسکے آثار بعد ایک مدت کے اسی دُنیا میں ظاہر ہو جائیں خواہ کسی دوسرے محل کے لئے، مثلاً آخرت میں اپنے ظہور کے اصلی اور مقدر وقت پر اُٹھا رہیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ غلبہ کی تفسیر اگر قوت تعلق کی جائے تو فہم سہل تر ہو جائے۔ اہل اللہ پر اسباب مغلوبیت کا ظاہراً کتنا ہی ہجوم ہو، لیکن ان کو ضعف و استکانت بوجہ توکل و تعلق مع اللہ کے نہیں ہوتا۔ ۲۰۳ے جو لوگ دینِ حق سے تمسخر و استہزاء کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، خواہ وہ کتابی کافر ہوں یا غیر کتابی، اُن سے انقطاع تعلقات و دوستی کے باب میں یہ آیت ایک اور نص قطعی ہے۔ ذکر ھھنا النھی العام عن موالاة جمیع الکفار (کبیر) اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے مُراد ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ مشرکین سے مدد لینا ناجائز ہے۔ فیه نھی عن الاستنصار بالمشرکین لان الاولیاء ھو الانصار (جصاص) مِنَ الَّذِيْنَ میں مِنْ تبیین و تشریح کیلئے ہے۔ انتخاب و تبعیض کے لئے نہیں۔ مِن للبیان (جلالین) اسلئے یہ معنی نہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک طبقہ اس قسم کا ہے، بلکہ مُراد ہے اہل کتاب جو سب کے سب اسی قماش کے ہیں۔ شاہ عبدالقادر دہلوی اور مفسر تھانوی دونوں نے اپنے اپنے ترجمہ میں یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وَالْكُفَّارَ۔ کفار سے مُراد کافر غیر کتابی ہیں۔ ای المشرکین وقد ورد بھٰذا المعنٰی فی مواضع من القراٰن (روح) ۲۰۴ے حکم اور بعض صورتوں میں ناخوشگوار حکم کی تعمیل اور ادائے فرض پر تقویٰ الٰہی ہی آمادہ کر سکتا ہے۔ اور خود تقویٰ ایمان کی پختگی کے لوازم میں سے ہے۔ امرھم بتقوی اللہ فانھا ھی الحاملة علی امتثال الاوامر واجتناب النواھی (بحر) ثم نبّه علی الوصف الحامل علی التقوٰی وھو الایمان (بحر)

۲۰۵ے اسی پکار کا نام اصطلاح شریعت میں اذان ہے۔ اور یہ اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہے۔ دوسرے مذہبوں میں اوّل تو روزانہ عبادت اجتماعی کا دستور ہی نہیں (چہ جائیکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ!) اور پھر روزانہ یا ہفتہ وار جب کبھی بھی وقت عبادت کے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے، تو اس موقعہ پر کام گھنٹہ کی ٹھنا ٹھن یا گھنٹی کی ٹن ٹن سے لیا جاتا ہے! ——— یہ شرف صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے عبادت کے اعلان دعوت کا طریقہ ایسا نکالا جو عبادت کا ذریعہ ہی نہیں، بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہی ہے! اذان میں ہوتا کیا ہے؟ نہ باجہ نہ گانا۔ نہ جرس نہ ناقوس، نہ قومی نغمہ نہ ملّی ترانہ بس اللہ کی حکومت و کبریائی، اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بلاوا! الفاظ کُل یہی ہوتے ہیں، کہ:- اَللّٰهُ اَكْبَرُ (چار بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (دو بار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ (دو بار) لپکو نماز کی طرف۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (دو بار) لپکو فلاح و بہبود کی طرف۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (دو بار) نماز نیند سے کہیں بہتر ہے (صرف نماز فجر کے وقت) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دو بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرمائیے، اس سے پاکیزہ تر پکار اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس وسیع کرۂ ارض کے جس قطعہ میں جہاں بھی کوئی مسجد ہے، مؤذن اس پاک گھر میں خود بھی پاک و صاف ہو کر، باوضو کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر، اللہ کی کبریائی، اللہ کی یکتائی، محمدؐ کی رسالت کی منادی بلند آواز سے کرتا رہتا ہے۔ اور لوگوں کے لئے عبادت و فلاح کی دعوت بغیر کسی مادّی آلہ کی مدد کے فضا میں پانچ بار ہر روز بلند ہوتی رہتی ہے! ——— ظالم اسی صدائے خیر و فلاح کو روکنا اور بند کرنا چاہتے تھے۔ غیر قوم والے اس قدرتی لحن سے جس طرح متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ۲۰۶ے اس پاکیزہ صدا کا کونسا جزو آخر قابلِ مضحکہ ہے؟ کونسا پہلو اس کا قابلِ تمسخر ہے؟ اتنا صحیح، سچا، سنجیدہ پیام آخر کس اعتبار سے ناقابلِ التفات ہے؟ ——— اور جو اسے قابلِ تحقیر سمجھیں کیا اُن کی انتہائی بے عقلی، کج فہمی پر کسی مزید دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے؟ اِتَّخَذُوْهَا میں ضمیر صلوٰة کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور ندا (اذان) کی طرف بھی۔ الضمیر للصلوٰة او للمناداة (کشاف) سیاق کے لحاظ سے اذان ہی مُراد لینا اسنز ہوگا۔

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا

لیکن کیا عجب کہ اللہ (کامل) فتح ہی دیدے، یا (اور کوئی) خاص بات اپنی طرف سے (کردے) تو اس وقت یہ اپنے

عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُوْلُ

پوشیدہ دلی خیالات پر شرمندہ ہو کر رہیں، ف١٩٥ اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

(حیرت سے) کہیں گے، ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں بڑے زور و شور سے کھایا کرتے تھے کہ

اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

ہم تمہارے ساتھ ہیں! ف١٩٦ ان کے عمل (سب) غارت گئے اور یہ لوگ گھاٹے میں

خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

آگئے ف١٩٧ اے ایمان والو، تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے، سو

فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى

اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو (وجود میں) لے آئیگا، ف١٩٨ جنہیں وہ چاہتا ہوگا اور وہ اُسے چاہتے ہونگے ایمان

الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ

والوں پر وہ مہربان ہونگے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ

کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے ف١٩٩ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ

اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا

جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف٢٠٠ تمہارے

منزل ٢

ف١٩٤ (اور اُس وقت یہودی ساہوکاروں سے دوستانہ تعلقات کام آئیں گے) دائرۃ ۔ مُراد ہے گردش زمانہ سے کوئی اتفاقی مُصیبت مثلاً قحط، گرانی، شکست جنگ وغیرہ۔ قال الواحدی الدائرۃ من دوائر الدھر کالدولۃ وھی التی تدور من قوم الی قوم (کبیر) والدائرۃ ھی التی تخشی کالھزیمۃ والحوادث المخوفۃ (کبیر) من دوائر الزمان ای صرف من صروفہ و دولۃ من دولہ فیحتاجوا الیھم (کشاف) اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مُراد منافقین مدینہ ہیں۔ یہی ان احکام امتناعی کے باوجود یہودی مہاجنوں، ساہوکاروں سے برابر رشتۂ موالات قائم کئے ہوئے تھے۔ مرض سے مراد شک و نفاق کا مرض ہے۔ مرض شک ونفاق والمراد ابن ابی واصحابہ (قرطبی) المنافقون مثل عبد اللہ بن ابی واصحابہ (کبیر) فَتَرَى میں خطاب عام ہے، یعنی اے دیکھنے والے۔ فِيْهِمْ یعنی اُنکی دوستی کی طرف جن سے اُن کا لین دین جاری تھا۔ ای فی موالاتھم ومعاونتھم (بیضاوی۔ قرطبی) فی مودۃ الیھود و نصاریٰ نجران لانھم کانوا اھل ثروۃ وکانوا یعینونھم علی مھماتھم ویقرضونھم (کبیر) يَقُوْلُوْنَ ۔ یعنی مسلمانوں سے بطور حیلہ بازی اور سخن سازی کے کہتے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ میں جو پُرقوت جتھا عبد اللہ بن اُبی کی سرداری میں منافقوں کا تھا، وہ برابر متمول یہود ونصاریٰ سے لین دین جاری رکھے ہوئے تھا، اور مسلمانوں سے کہتا رہتا کہ کل کی کیا خبر، اگر کہیں یہی لوگ تم پر غالب آگئے، یا اور کوئی مصیبت ہم تم پر پھٹ پڑی تو بغیر ان لوگوں سے مدد لئے کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اسلئے انہیں ساتھ لئے رہنا ضروری ہے۔

ف١٩٥ اور شرمندگی بھی کیسی، دُہری بلکہ تہری تہری شرمندگی اٹھانا پڑے۔ پہلی کھسیاہٹ تو اسی کی کہ سمجھے کیا تھے، اور ہوا کیا۔ دوسری جھنجھلاہٹ اپنی رسوائی پر جو نفاق کمبخت کی بدولت ظہور میں آئی۔ تیسرا غصہ اپنی اس ناکامی پر کہ ادھر کافروں سے دوستی کچھ آڑے نہ آئی، اور اُدھر مسلمانوں سے بھی بُرے بنے! عَسَى اللّٰهُ ۔ عسیٰ کے لئے اُوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب اس کا تعلق حق تعالیٰ کے کسی فعل سے ہوتا ہے تو معنیٰ میں شک و احتمال نہیں رہتا، بلکہ مفہوم یقین کا پیدا ہو جاتا ہے۔ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ ۔ یہ فتح مسلمانوں کو اُنہی کافروں کے مقابلہ میں حاصل ہوگی جو آج ان منافقوں کی امیدوں کا سہارا اور جائے پناہ بنے ہوئے ہیں۔ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ ۔ اللہ کی طرف سے کوئی خاص بات، مثلاً اُنہی منافقین کی پردہ دری ان کے ناموں کی تعیین کے ساتھ۔

ف١٩٦ (لیکن اب تو حقیقت حال کچھ اور ہی ظاہر ہو رہی ہے) یہ کہنے والے مومنین ہونگے اور آپس میں کہیں گے جب منافقین کا نفاق کھل کر رہیگا۔

ف١٩٧ (آخرت اور دنیا دونوں میں) استحقوا اللعن فی الدنیا والعقاب فی الآخرۃ (کبیر) دنیا میں یوں کہ کافروں کی معاونت لاحاصل نکلی، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل کر رہی۔ اور آخرت میں یوں کہ اُن کی ظاہری نیکیاں بالکل بے وزن نکلیں۔ اَعْمَالُهُمْ ۔ میں اعمال سے اُن کے وہ اعمال تو مراد ہیں ہی جن پر انہیں طاعات ہونے کا گمان تھا لیکن ان سے مراد اُن کی منافقانہ کارروائیاں اور دو رُخی چالیں بھی ہو سکتی ہیں۔

ف١٩٨ (ان مرتدوں کے بجائے، دین کی خدمت کے لیے) سو کسی فرد یا جماعت کے ارتداد سے دین اسلام یا خدائے اسلام کو مطلق ضرر نہیں۔

ف١٩٩ (دین و جہاد کے باب میں) يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۔ قرآن مجید نے اسے بار بار صاف کیا ہے کہ خدائے اسلام بعض مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح ایک بے جان و بے حس مشین اور محض علت العلل نہیں۔ وہ خوش بھی ہوتا ہے اور ناخوش بھی۔ وہ پسند بھی کرتا ہے اور ناپسند بھی۔ وہ حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔ یہاں یہ بتایا کہ وہ فلاں فلاں اوصاف والوں کو پسند کرتا ہے، اور وہ لوگ بھی اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ یہی مضمون سورۃ الفتح (رکوع ٤) میں بھی بیان ہوا ہے۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ اَذِلَّةٍ کے معنیٰ میں نرمی وشفقت سے لبریز۔ ای یرافون بالمومنین ویرحمونھم ویلینون لھم (قرطبی) لیس المراد بکونھم اذلۃ ھو انھم بھاون بل المراد المبالغۃ فی وصفھم بالرفق ولین الجانب (کشاف) اَعِزَّةٍ ۔ کے معنیٰ ہیں غالب سخت مستقل۔ ای اشداء غلاظ علی الکفار یعادونھم ویغالبونھم (معالم) ھم فی الغلظۃ علی الکفار کالسبع علی فریستہ (ابن عباس) يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ یجاھدون کے ساتھ ہر جگہ فی سبیل اللہ کی قید لگی رہنا بے معنیٰ نہیں نفس مجاہدے اور سخت قسم کی مشقتیں مشرک، ملحد، منافق سب ہی اپنے اپنے دنیوی، مُلکی، وطنی، شخصی، قومی اغراض ومقاصد کیلئے کیا کرتے ہیں جیل جاتے ہیں، تازیانے کھاتے ہیں، گولیاں سینہ پر لیتے ہیں، پھانسی پر چڑھ جاتے ہیں۔ مومن مسلم کی شان امتیازی یہ ہے کہ اسکے مجاہدے بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، جو بھی ہوں اللہ کی راہ میں، رضائے الٰہی کی غرض سے، دینِ خدا کی سربلندی کی خاطر ہوں۔ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۔ یہ شان مومنین مخلصین کی ہے۔ برخلاف منافقین کے کہ وہ اگر جہاد میں شریک ہوتے بھی ہیں تو دبے دبائے، شرمائے ہوئے، کافروں کی طعنہ زنی سے ڈرے سہمے ہوئے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اہل طریق کے طرز عمل کی تصریح آگئی۔

ف٢٠٠ ذٰلِكَ ۔ اشارہ ایمان اور اُن اوصاف عمل کی جانب ہے جو ابھی اوپر بیان ہو چکے۔ اشارۃ الی ما تقدم من الاوصاف (بیضاوی) وَاسِعٌ ۔ اُس کے ہاں کی وسعتوں اور گنجائشوں کا کیا پوچھنا۔ وہ چاہے تو سب ہی کو ان اوصاف سے متصف کر دے۔ عَلِيْمٌ ۔ لیکن اس کا علم بھی تو ہمہ گیر و دقیق ترین ہے۔ وہ اُنہی کو اِن اوصاف سے متصف کرتا ہے جو اُس کے علم کامل میں اس کے اہل ہوتے ہیں۔

اُسی کے حضور میں ہونا اور اُسی سے سابقہ پڑنا ہے۔ اس میں رَد آگیا اُن تمام مشرکانہ خیالات کا جن کا ماحصل یہ ہے کہ حشر کی داوری بجز حق تعالیٰ یا علاوہ حق تعالیٰ کے کسی اور کے سپرد ہوگی۔ يُنَبِّئُكُمْ۔ خبر دینا یہاں محض اطلاع دینے کے معنی میں نہیں، بلکہ سزا دینے پر بھی شامل ہے۔ ای فیفعل بکم من الجزاء الفاصل بین المحق والمبطل (روح) فالانباء هنا مجاز عن المجازاة بما فيها من تحقق الامر (روح) ۱۸۴ (اے پیغمبرا) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ۔ یعنی ان اہل کتاب خصوصاً یہود کے درمیان فیصلہ کیجئے جب وہ اپنا مقدمہ آپ کے سامنے لائیں۔ آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اوپر آچکا تھا، دوبارہ اس کا ورود تاکید کیلئے ہے۔ وتكرر وان احكم بينهم للتاكيد (قرطبی) بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ۔ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ۔ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد قرآن مجید کا ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن اگر توریت و انجیل ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اُن کتابوں کے بھی ٹھیک الہامی اور وحی شدہ احکام کے مطابق ہی فیصلہ کیجئے، نہ کہ اُن اضافوں اور تحریفوں کے مطابق جو انہوں نے اپنے دل سے اُن کتابوں میں کرلئے ہیں۔ اعوام۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حکم دو مختلف مسئلوں کے بارہ میں ہے، اسلئے تکرار صرف ظاہری ہے حقیقی نہیں۔ ليس بتكرار لما تقدم من مثله لانهما نزلا فی شئين مختلفين احدهما فی شان الرجم والآخر فی التسوية بين الاديات (جصاص)

۱۸۵ اس حذر کا التزام اور اتنی احتیاط کا اہتمام ہر بار کرتے رہنا بقول مفسر تھانویؒ خود باعثِ اجر ہے۔ أَنْ يَفْتِنُوكَ۔ رسولِ معصوم کا کسی حکم الٰہی سے بچلنا قصد و عمد سے تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ سہو و نسیان ہی کی بنا پر ہوگا۔ اور یہیں سے بعض محققین نے پیغمبر کیلئے جواز نسیان پر استدلال کیا ہے۔ وفی الآية دليل علىٰ جواز النسيان على النبى صلعم (قرطبی) قال اهل العلم هذه الآية تدل علىٰ ان الخطاء والنسيان جائزان على الرسول (کبیر) ۱۸۶ (اسی دنیا میں) بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ۔ جرموں سے یہاں مراد یہود کا فیصلۂ قرآنی اور تحکیم رسول سے انکار ہے۔ يعنى ذنب التولى عن حكم الله سبحانه وتعالىٰ (بیضاوی) یہ حقیقت مدِ نظر رہے کہ کفر یا محض بدعقیدگی کی سزا آخرت پر رکھی گئی ہے لیکن

وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ

میں کیجئے ۱۸۴ اور اُن لوگوں سے احتیاط رکھیے کہ کہیں وہ آپ کو بچلا نہ دیں، آپ پر اللہ کے اُتارے ہوئے کسی حکم

إِلَيْكَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ

سے ۱۸۵ پھر اگر یہ رُوگردانی کریں تو جان لیجئے کہ اللہ کو بس یہی منظور ہے کہ انکے بعض جرموں پر انہیں

بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٤٩﴾

بادائش کو پہنچائے ۱۸۶ اور یقیناً زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے آئے ہیں ۱۸۷ تو کیا یہ لوگ زمانۂ

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ ۱۸۸ اور جو قوم یقین (و ایمان) رکھتی ہو اس کے نزدیک اللہ سے بہتر

لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے؟ ۱۸۹ اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو

الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَ

دوست مت بنانا ۱۹۰ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ۱۹۱ اور

مَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

تم میں جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا ۱۹۲ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

راہ نہیں دکھاتا ۱۹۳ اسی لئے تو ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے اُن کی طرف

يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ

دوڑتے ہوئے دیکھتا ہے (وہ) کہتے ہیں کہ ہمیں تو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ہم پر کہیں کوئی دقت نہ پڑ جائے ۱۹۴

ع ۷ / ۱۱ — وقف لازم = وقف منزل عند البعض — وقف غفران

حربیت یا دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے کی سزا اسی دنیا میں ملتی ہے۔ چنانچہ یہود کو قید کی، جلاوطنی کی، اور قتل کی سزا پاتے سب نے اسی دنیا میں دیکھ لیا۔ بَعْضِ کا لفظ لانے سے اظہار عظمت و اہمیت مقصود ہے، جیسا کہ لفظ کے نکرہ لانے سے ہوتی ہے۔ فيه دلالة على التعظيم كما فى التنكير (بیضاوی) هذا الابهام فيه تعظيم التولى وفرط اسرافهم فى ارتكابهم (بحر) فَإِنْ تَوَلَّوْا۔ رُوگردانی آپکے فیصلہ سے ہوگی، جو عین حکم قرآنی کے مطابق ہوگا۔ عن الحكم المنزل واراد واغيره (بیضاوی) ۱۸۷ (اسلئے آپ زیادہ رنج و تردد میں نہ پڑیں) النَّاس سے مراد عام نوعِ انسانی بھی لی گئی ہے، اور قوم یہود بھی جن کا ذکر برابر چلا آرہا ہے۔ والمراد من الناس العموم وقيل اليهود (روح) ظاهر الناس العموم ويحتمل ان يكون الناس للعهد وهم اليهود الذين تقدم ذكرهم (بحر) ۱۸۸ (حالانکہ اُس دَور سے خود ہی پناہ مانگتے ہیں) یہود و نصاریٰ کو قائل کیا جارہا ہے کہ تم جو اسلام کے قانون سے گریز کر رہے ہو، تو یہ تو عمداً دورِ جاہلیت ہی کی طرف واپس جانا ہوا۔ جس قانون کی بنیاد تمامتر عدل اور ہر جیتی انصاف پر ہے وہ تو اسلام ہی کا خدائی قانون ہے۔ ورنہ جاہلی قوموں کے قانون کا عملدرآمد تو اسی اصل اصول پر رہا ہے (اور دورِ جاہلیت عرب اس سے مستثنیٰ نہ تھا) کہ زبردست کا ساتھ دو، جو قوی ہے اُسے قوی تر کردو، اور زیردستوں کی کوئی پروا نہ کرو۔ خود یہود اہل کتاب و صاحب شریعت ہونے کے باوجود اس فضا سے اس حد تک متاثر ہو چکے تھے کہ اُنکے دو فرقے بنونضیر اور بنو قریظہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے، اُن میں بنونضیر چونکہ زبردست تھے اسلئے انہوں نے قاعدہ یہ مقرر کرلیا تھا کہ قتل وغیرہ کے معاملات میں دیت کی جتنی رقم خود دیتے اس کی دوگنی شرح سے بنو قریظہ سے وصول کرتے! الْجَاهِلِيَّةِ۔ جاہلیت پر حاشیہ پ۴ آل عمران، آیت ۵۴ میں گزر چکا ہے۔ قانون جاہلیت کا اطلاق ہر ایسے قانون پر ہوگا، جو خدائی اور آسمانی قانون کے مقابلہ میں بشری دماغ نے تراشا ہو۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسی آیت کے تحت میں بڑے سخت الفاظ میں اور بہت تفصیل کے ساتھ اُن لوگوں کی لتاڑ کی ہے، جو خدائی قانون کے مقابلہ میں، اور اُسے کلّیاً یا جزواً بیدخل کرکے غیر قوموں کے قانون چلاتے ہیں، یا بشری اختراعات کو دخل دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا ہے، جن سے جہاد واجب ہے۔ پوری عبارت گو طویل ہے لیکن ہے نظر میں رکھنے کے قابل۔ ينكر تعالىٰ علىٰ من خرج عن حكم الله المحكم المشتمل على كل خير الناهى عن كل شر وعدل الىٰ ما سواه من الآراء والاهواء والاصطلاحات التى وضعها الرجال بلا مستند من شريعة الله كما كان اهل الجاهلية يحكمون به من الضلالات والجهالات بما يضعونها بآرائهم واهوائهم وكما يحكم به التتار من السياسات الملكية المأخوذة عن ملكهم فان الذى وضع لهم الياسق وهو عبارة عن كتاب مجموع من احكام قد اقتبسها عن شرائع شتى من اليهودية والنصرانية والملة الاسلامية وغيرها وفيها كثير من الاحكام اخذها من مجرد نظره و هواه فصارت فى بنيه شرعا متبعا يقدمونه على الحكم بكتاب الله وسنة رسول الله فمن فعل ذلك فهو كافر يجب قتاله حتى يرجع الى حكم الله ورسوله فلا يحكم سواه فى قليل ولا كثير ۱۸۹ شریعتِ الٰہی سے بڑھکر عادلانہ و حکیمانہ، صحیح و مناسب قانون اور کون ہو سکتا ہے لیکن اتنی موٹی سی بات بھی محسوس وہ کرتے ہیں، جن کی عقلیں شرک و الحاد کے زنگ سے صاف اور ایمان و ایقان کی روشنی سے منور ہوتی ہیں۔ ۱۹۰ (جو صاحب کتاب ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے منکر بلکہ اسکے باغی ہیں) أَوْلِيَاءَ۔ ولی کی جمع ہے۔ اور ولی کا اطلاق دوست، قریبی اور ناصر و مددگار سب پر ہوتا ہے۔ یہاں جس چیز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، وہ تعلق دوستی، محبت، قربِ اختصاصی کا ہے۔ رہا عدل و حسنِ سلوک، تو اسکا تعلق کفر و اسلام سے نہیں۔ وہ تو ہر فرد بشر، بلکہ ہر مخلوق کے حق میں لازمی ہے۔ ایک تیسری اور درمیانی صورت مصالحت و معاملت کی رہ جاتی ہے تو وہ اہل اسلام کی اپنی مصلحت کے تابع ہے۔ صلح اور عہد و پیمان ہر کافر جماعت سے مشروع طریقہ پر کرسکتے ہیں۔ ممانعت قطعی صرف موالات یا دوستانہ اتحاد اور برادرانہ مناصرت کی ہے۔ هذا يدل على قطع الموالاة شرعا (قرطبی) ای لا تعتمدوا على الاستنصار بهم ولا تتوددوا اليهم (کبیر) اور پھر یہ ممانعت جب اہل کتاب سے دوستی اور یگانگت کی ہے، جو توحید، سلسلہ نبوت اور جزائے آخرت کے عقائد میں کم از کم اصولی طور پر تو مسلمانوں سے متحد ہیں تو ظاہر ہے کہ مشرکین کے مقابلہ میں یہ ممانعت کتنی موکد اور اشد ہوگی جو مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی قدر مشترک نہیں رکھتے —— یہ بھی ہو، جب بھی کافر کتابی کے درجہ میں تو وہ بہرحال رہیں گے۔ فاذا امر بمعاداة اليهود والنصارى لكفرهم فغيرهم من الكفار بمنزلتهم (جصاص) ۱۹۱ (اپنی مناسبت باہمی اور اسلام سے عداوت مشترک کی بنا پر) مطلب یہ ہوا کہ یہودی یہودی اور نصرانی نصرانی تو باہم دوست ہوتے ہی ہیں، باقی خود یہود و نصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے کہ کم از کم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر دونوں متحد ہیں۔ انکے آپس میں اگر تمہارے خلاف ساز باز ہوجائے تو کچھ تعجب نہیں، لیکن تم جو اہل ایمان ہو، تم میں اور منکرین قرآن میں مناسبت ہی کیا، اور اشتراک کیسا؟ آج جب کہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں (جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ مطابق مارچ ۱۹۴۸ء) فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف یہود اور نصرانیوں کا ساز باز قرآن مجید کی اس پیش خبری کی معجزانہ تصدیق پیش کررہا ہے۔ ۱۹۲ یعنی وہ بھی انہی میں داخل و شامل اور انہی کا ایک جزو یا ضمیمہ سمجھا جائیگا۔ ای من جملتهم وحكمه حكمهم وهذا تغليظ من الله وتشديد فى وجوب مجانبة المخالف فى الدين (مدارک) غیر دل سے اگلوں اللہ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت یا محبت کا نقش دل پر نہ بیٹھ لے اور مسلمان اپنی جگہ سے کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے —— قومی تشخص اور قومی خودی کے لئے لازمی ہے کہ ملتِ اسلامی کے دوستانہ، رازدارانہ، برادرانہ تعلقات غیر مسلموں سے بالکل ممنوع قرار دے دیئے جائیں۔ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنانِ دین کے ساتھ خلاملا، میل جول زیادہ رکھتے ہیں، انکے اندر سے بتدریج دینی تصلب اور ملی خودداری رخصت ہوجاتی ہے۔ حدیث نبوی میں جو دوسری قوموں کے وضع و لباس اختیار کرنے اُن سے تشبہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے، وہ عجب نہیں کہ انہی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔ ۱۹۳ (یعنی دین کی سمجھ اور غیرت ایسے لوگوں سے ...)

أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ
اس میں نازل کیا ہے اُسکے مطابق فیصلہ کریں ١٧٢ اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ
نہ کرے، تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں ١٧٦ اور ہم نے آپ پر (یہ) کتاب اتری ہے سچائی کے
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَ
ساتھ، تصدیق کرنیوالی اُن کتابوں کی جو اس سے پیشتر اُتر چکی ہیں اور اُن پر
مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ
محافظ ١٧٧ تو آپ اُن لوگوں کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ کیا کیجئے اور
أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ
اُن لوگوں کی خواہشوں پر عمل نہ کیجیے ١٧٨ اُس سچائی سے الگ ہو کر جو آپکے پاس آچکی ہے ١٧٩ تم میں سے ہر ایک
شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً
کیلئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی ١٨٠ اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی اُمت بنا دیتا ١٨١
وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى
لیکن (اُسنے ایسا نہیں کیا) تاکہ تمہیں آزماتا رہے اُسمیں جو وہ تمہیں دیتا رہا ہے تو تم نیکیوں کی طرف لپکو ١٨٢ اللہ
اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾
ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں وہ بتا دیگا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو ١٨٣ اور
وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ
آپ اُن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہیئے اسی (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اُنکی خواہشوں پر

١٧٢ قرآن مجید بار بار یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نامی کوئی کتاب وحی یا الہام کی گئی تھی۔ اب یہ کتاب دنیا کی نظروں سے معدوم ہے۔ اور آیندہ کے کسی اسلامی محقق کا کام یہ پتہ لگانا ہے کہ آخر یہ کتاب آسمانی ہوئی کیا؟ اور کب اور کیسے غائب ہوئی "معہد نامہ جدید" جسے عوام انجیل کا مرادف سمجھتے ہیں، اسکے کتاب الٰہی یا آسمانی ہونے کا دعویدار تو کوئی بھی نہیں نہ عیسائی، نہ غیر عیسائی۔ وہ تو حضرت عیسیٰ کے کچھ ملفوظات اور کچھ حالات ہیں، آپکے بہت بعد مجہول الحال لوگوں کے لکھے ہوئے۔ هُدًى۔ یعنی عقائد و مسائل صحیحہ۔ نُورٌ یعنی واضح احکام عملی۔ ١٧٣ انجیل کی اصطلاح میں "شریعت" (Law) سے مراد شریعت موسوی یا توریت ہوتی ہے اور اسکی بابت موجودہ انجیل میں تصریح موجود ہے کہ "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے ہٹ جانے سے آسان ہے" (لوقا۔ ١٦:١٧)۔ ١٧٤ یعنی نفع اُس سے صرف پرہیزگار ہی اٹھائینگے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اسکے مخاطب اُس ملک اور زمانہ کے عام و خاص سب ہی تھے۔ ١٧٥ خود انجیل مروجہ کی تعلیم اس سلسلہ میں یہ ہے۔ "جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑیگا اور یہی آدمیوں کو سکھائیگا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا لیکن جو ان پر عمل کریگا اور انکی تعلیم دیگا، وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا" (متی۔ ٥:١٩) مگر ایک لطیفہ یہ ہے کہ موجودہ "انجیل" میں احکام قانونی کا حصہ کہنا چاہیئے کہ بس برائے نام ہی ہے۔ فوجداری اور دیوانی کے قانون کے بیسیوں باب سرے سے خالی ہیں۔ اخلاقی مواعظ انکے بجائے البتہ ملتے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ پچھلی شریعتوں سے جو حصہ منسوخ نہیں ہوا ہے وہ اس معنی میں اب بھی واجب العمل ہے کہ وہ اب عین ہماری شریعت کا جزو بن گیا اور اسی میں شامل ہو گیا ہے۔ فیه دلالة على ما لم ينسخ من شرائع الانبياء المتقدمين فهو ثابت على معنى انه صار شريعة النبى صلعم (جصاص)۔ انهم ما مورون باستعمال احكام تلك الشريعة على معنى انها قد صارت شريعة للنبى عليه السلام (جصاص)۔ ١٧٦ ظاہر ہے کہ آیت کا خاص تعلق اہل انجیل ہی سے ہے۔ مسیحیوں ہی کو حکم مل رہا ہے کہ جب دعوئ انجیل کے ماننے کا ہے تو عمل بھی اُسی کتاب الٰہی کے مطابق و ماتحت ہونا چاہیئے۔ وقد تقدم ان هذه الأية نزلت فى النصارى وهو ظاهر من السياق (ابن کثیر) امر القسيسين والرهبان ان يحكموا بما فى الانجيل (معالم)، قال الاصم فى النصارى (کبیر) آیت کو آج مسلمانوں پر چسپاں کرنا، خوارج کی دعابت کا دانستہ یا نادانستہ شکار ہو جانا ہے۔ ١٧٧ (اے پیغمبر!) توریت و انجیل کے بعد اب ذکر قرآن مجید کا شروع ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی ایسی کتاب جو بجائے خود سچی ہی ہر شک و کذب سے برتر۔ اى بالامر الحق (قرطبی) یعنی بقوله بالحق والصدق ولا كذب فيه ولا شك انه من عند الله (ابن جریر) مِنَ الْكِتَابِ۔ کتاب بطور اسم جنس آیا ہے۔ من جنس الكتب (قرطبی) مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ۔ تصدیق کرنے والی اُن پچھلی کتابوں کی کہ وہ بھی منزل من اللہ ہی ہیں۔ اس تصدیق سے اُن کتابوں کی تحریفات و تصحیفات کی تصدیق ہرگز لازم نہیں آتی۔ مُهَيْمِنًا۔ مُهَيْمِن کے لفظی معنی ہیں حفظ و نگہبانی کرنیوالا۔ اصل المهيمنة الحفظ والارتقاب (ابن جریر) مراد یہ کہ قرآن ہی سب اگلی کتابوں کیلئے معیار صحت و صداقت ہے۔ شهيدًا على الكتب كلها ويقال امينا على الكتب يعبأ له مؤتمنا عليه (ابن جریر۔ عن ابن عباس)، قال قتادة معناه الشاهد وقيل الحافظ (قرطبی)، قال بعضهم معناه شهيدًا و قال بعضهم معناه امينا عليه (ابن جریر) عن ابن عباس اى شاهدًا عليه وهو قول مجاهد وقتادة والسدى والكسائى (معالم)، قال سعيد بن جبير وابو عبيدة مؤتمنا عليه (معالم)، محقق ابن کثیر نے "حاکم" اور "امین" اور "شہید" اور "موتمن" وغیرہ متعدد معنی نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ سب قریب المعنی ہیں اور مُهَيْمِن کا مفہوم ان سب پر شامل ہے۔ اور قرآن سب کتابوں کی خاتم اور سب سے اکمل و اعظم و اشمل ہے۔ هذه الاقوال كلها متقاربة المعنى فان اسم المهيمن يتضمن هذا كله فهو امين وشاهد وحاكم على كل كتاب قبله جعل الله هذا الكتاب العظيم الذى انزله آخر الكتب وخاتمها اشملها واعظمها و اكملها۔ مجاہد تابعی کی جانب منسوب ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مهيمن سے مراد ذات محمدی ہے اور عليه میں ضمیر قرآن (الکتاب) کی طرف ہے گویا محمد صلعم قرآن پر بطور مہیمن کے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی نقل میں کہیں غلطی ہو گئی ہے۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہ معنی تو قواعد عربیت کے لحاظ سے غلط ہیں۔ اگر یہی مُراد ہوتی تو، مصدقا اور مهيمنا کے درمیان واو عطف نہ ہوتا۔ عطف کے بعد تو دونوں صفتیں ایک ہی موصوف، قرآن کی ہو سکتی ہیں۔ وهذا التاويل بعيد من المفهوم فى كلام العرب بل هو خطأ و ذلك ان المهيمن عطف على المصدق فلا يكون الا من صفة ما كان المصدق صفة له (ابن جریر) قرآن مجید کی دو صفتیں پہلے بیان ہو چکی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ بذاتِ خود صحیح اور سچی ہے، دوسری یہ کہ وہ قبل کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے تیسری صفت مهيمن کی اب بیان ہوئی۔ مصدق و مهيمن۔ ان دو صفات کے لانے سے قرآن مجید کی دو حیثیتوں کو بیان کرنا ہے۔ ایک یہ کہ سابق کتابوں کے کل مضامین اسکے اندر آگئے۔ اور اس میں جمع و محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن اُن کتابوں پر بطور نگران کے بھی کام دیگا یعنی اُنکی تحریفات و تصحیفات کیلئے معیار کا کام بھی دیگا۔ ١٧٨ (جیسا کہ آپ نے کبھی نہیں کیا ہے) مَا أَنزَلَ اللَّهُ۔ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق جواب سب کے سب قرآن میں محفوظ ہیں۔ اى بما فى القرآن (مدارک)، بَيْنَهُمْ۔ یعنی اہل کتاب کے درمیان، جبکہ اُنکے معاملات آپکے سامنے پیش ہوں۔ اى بين اليهود (کبیر) اى بين اهل الكتاب كما قال ابن عباس (روح)، ١٧٩ (اللہ) وہ سچائی وحی الٰہی کی روشنی ہے) اى بالقرآن والوحى الذى نزله الله تعالى عليك (کبیر)، ١٨٠ خطاب عام ہے نوع انسان بھی مراد ہو سکتی ہے اور اہل کتاب بھی۔ ايها الناس (مدارک۔ بیضاوی) ايها الامم الباقية (روح) شِرْعَةً سے مراد ہر نبی کی لائی ہوئی تعلیم یا کتاب ہے اور منهاج اُس پیمبر کا تعامل یا سُنت ہے۔ گویا یہ بتا دیا کہ کتاب و سُنت کی دوگونہ نعمت قدیم موحد قوموں کے حصہ میں بھی ودیعت رہی ہے۔ عن ابن عباس سبيلا و سنة وكذا روى عن مجاهد وعكرمة وحسن البصرى وقتادة وضحاك والسدى (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ شرعة سے مراد مطلق شریعت ہے اور منهاج سے مراد کمالات شریعت۔ قال آخرون بينهما فرق فالشرعة عبارة عن مطلق الشريعة والطريقة عبارة عن مكارم الشريعة وهى المراد بالمنهاج فالشريعة اول والطريقة آخر وقال المبرد الشريعة ابتداء الطريقة والطريقة المنهاج المستقيم (کبیر) ١٨١ (اور آپس میں کوئی دینی اختلاف باقی ہی نہ رکھتا سب کے سب دین حق پر متحد و متفق ہوتے) اى فجعل شريعتكم واحدة فكنتم على الحق (قرطبی)، فجمع الناس كلهم على دين واحد وشريعة واحدة (ابن کثیر) وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ۔ یعنی اگر مشیتِ تکوینی یہی ہوتی۔ اگر اللہ تعالیٰ کو مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔ مخاطبت یہاں ساری نوع انسانی یا مختلف اقوام سے ہے هذا خطاب لجميع الامم واخبار عن قدرته (ابن کثیر) ١٨٢ یعنی قانون اسلام کی طرف، جو نام ہی نیکیوں اور بھلائیوں کے تسلسل کا ہے۔ الْخَيْرَاتِ۔ خیرات کا لفظ جامع ہے۔ اس کا اطلاق نیکیوں کے جملہ اقسام پر ہوگا۔ المراد كل ما امر الله تعالى به (مدارک) یہاں جبر و اختیار، خیر و شر کے پورے فلسفہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ اگر حکمت مطلقہ کا تقاضہ یہ ہوتا کہ سب کو یکساں راہ حق ہی پر رکھا جاتا تو تکوینیات کے قانون ہی دوسرے ہوتے۔ نہ یہ اختلاف عقول باہم باقی رکھا جاتا نہ یہ اختلاف طبائع، نہ یہ اختلاف استعدادات۔ سب انسان، اختلاف ماحول کے باوجود یکساں و یک رنگ ہوتے۔ بظاہر سب حق ہی پر ہوتے لیکن حقیقۃً سب بے ارادہ، بے اختیار، مجبور مشین کی طرح حرکت کرتے رہتے لیکن مشیت تکوینی کو منظور ہی نہ ہوا۔ اس لئے انسان کی خلقت و ترکیب ہی دوسرے طریق پر ہوئی۔ وہ فاعل مختار و بااراده بنا کر بھیجا گیا کہ اپنے قصد و ارادہ سے کام لیکر ایک راستہ کو چھوڑ، دوسرے کو انتخاب کر سکے۔ لِّيَبْلُوَكُمْ۔ اس میں انسان کے صاحب ارادہ و اختیار ہونے کی غایت و مقصود کی جانب اشارہ کیا۔ حق کا باطل سے، صلاح کا فساد سے، خیر کا شر سے انتخاب ہی بارادہ و اختیار کا صحیح استعمال ہے اور یہی انسان کی آزمائش۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ یعنی طاعتوں کی طرف قدم بڑھاؤ، لپکو۔ اى سارعوا الى الطاعات (قرطبی) فقہاء نے لفظ استباق

١٦٥ وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ بلکہ غیر شرعی احکام کو شرعی احکام قرار دیدے ۔ اور انسانی قانون کو خدائی قانون کہہ کر چلائے ۔ مقتدیانِ یہود کا اصلی اور سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اپنے گڑھے ہوئے قوانین و مسائل کو خدائی قوانین و مسائل کہہ کر چلاتے تھے ۔ فتویٰ خود اور اپنی طرف سے دیتے ، اور کہتے کہ یہی مذہب کا حکم ہے ۔ اتنی جسارت رکھنے والوں کے کفر میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے ۔ اور یہی تفسیر بعض اکابر تابعین سے منقول ہے ۔ عن ابن زید قال من حکم بکتابہ الذی کتب بیدہ و ترک کتاب اللہ و زعم ان کتابہ ھذا من عند اللہ فقد کفر (ابن جریر) اہل سنت کا یہی مذہب ہے ۔ ومن لم یحکم میں مَن ۔ اَلّذی کا مترادف ہے ۔ اور آیت یہود کے حق میں ہے ۔ من ھٰھنا بمعنی الذی (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ وہ یہود جو احکام الٰہی رجم و قصاص وغیرہ کو مٹا کر اپنی تجویزوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیتے ، وہ کافر ہو گئے ۔ والتقدیر والیھود الذین لم یحکموا بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون فھذا من احسن ما قیل فی ھٰذا (قرطبی) آیت سے خوارج نے بڑے زور و دعوے کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ مسلمان فاسق بھی کافر کے حکم میں داخل ہے ، جب اُس نے غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ شروع کر دیا ، تو وہ کفر میں داخل ہو گیا لیکن یہ استدلال (خوارج کے دوسرے استدلالات کی طرح) تمام تر سطحی ہے ۔ اسلئے کہ جس فیصلہ کا یہاں ذکر ہے اس کا تعلق عمل سے نہیں ، بلکہ عقیدہ سے ہے ، اور وہ شخص کافر یقیناً ہو جاتا ہے ، جو عقیدۃً بھی اللہ کے قانون کو غلط اور اپنے قانون کو صحیح سمجھنے لگتا ہے ۔ المراد بہ ھنا عمل القلب وھو التصدیق و لا نزاع فی کفر من لم یصدق بما انزل اللہ تعالیٰ (روح) آیت کے عام نہ ہونے بلکہ کفار خصوص یہود کے ساتھ مخصوص ہونے پر ابو صالح ، عکرمہ ، ضحاک ، قتادہ وغیرہ تابعین کے علاوہ حذیفہؓ ، ابن عباس صحابیؓ بلکہ خود نبی کریم صلعم تک کی سند موجود ہے ۔ عن البراء بن عازب عن النبی صلعم فی قولہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظالمون ۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون فی الکافرین کلھا (ابن جریر) عن ابی صالح قال الثلاث الاٰیات التی فی المائدۃ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون والظالمون والفاسقون لیس فی اھل الاسلام منھا شیء ھی فی الکفار (ابن جریر) عن الضحاک قال نزلت ھٰؤلاء الاٰیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن ابی جعفر قال انزلت فی الیھود والنصارٰی واھل الشرک او نحو من ھٰذا (ابن جریر) عن عکرمۃ قال ھٰؤلاء الاٰیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن عبید اللہ بن عبد اللہ قال انما عنی بذلک الیھود وفیھم نزلت ھٰذہ الصفۃ (ابن جریر) عن ابن عباسؓ قال انما انزل اللہ تعالیٰ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون والظٰلمون والفاسقون فی الیھود خاصۃً (روح) قال البراء بن عازب وحذیفۃ بن الیمان وابن عباس وابو مجلز وابو رجاء العطاردی وعکرمہ وعبید اللہ بن عبد اللہ والحسن البصری وغیرھم نزلت فی اھل الکتاب (ابن کثیر) قال قتادۃ والضحاک نزلت ھٰذہ الاٰیات الثلاث فی الیھود دون من اساء من ھٰذہ الامۃ (معالم) امام ابن جریر طبری حسب دستور ، موافق و مخالف سارے اقوال کو نقل کر کے ترجیح اسی کو دیتے ہیں ، کہ آیت کا تعلق صرف کفار اہل کتاب سے ہے کہ اُنھی کا ذکر سیاق میں بھی ہے ۔ اور انھی کا ذکر سباق میں بھی ، اور دُوسرے محققین مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں ۔ و اولی ھٰذہ الاقوال عندی بالصواب قول من قال نزلت ھٰذہ الاٰیات فی کفار اھل الکتاب لان ما قبلھا وما بعدھا من الاٰیات ففیھم نزلت وھم المعنیون بھا (ابن جریر) قال الشعبی ھی فی الیھود خاصۃ واختارہ النحاس (قرطبی) یعنون ان من جحد حکمًا او حکم بغیر حکم اللہ تعالیٰ ثم قال ان ھٰذا حکم اللہ فھو کافر کما کفرت بنو اسرائیل حین فعلوا ذالک (جصاص) کفر کی ذمہ اگر کسی غیر خدائی قانون کے مطابق فیصلہ کرنیوالے مسلمان پر عائد ہو گی بھی ، تو صرف اس صورت میں جب وہ بیّن و صریح حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کرے ، نہ اُس وقت جبکہ حکم کی دلالت ہی خفی ہو اور نادانستہ تعبیر ہی غلط کر رہا ہو ۔ قال العلماء ھٰذا اذا رد نص حکم اللہ عیانًا فاما من خفی علیہ او اخطأ فی تاویل فلا (معالم) عکرمہ تابعی نے کہا ہے اور امام رازیؒ نے بھی اس قول کی تصویب کی ہے کہ جب تک کوئی کسی حکم الٰہی کو دل سے مان رہا ہے ، اور زبان سے اس کا اقرار کر رہا ہے ، اس وعید کے تحت میں آ کیونکر سکتا ہے ؟ عمل اُس کا اسکے مخالف ہی ہو ، جب بھی وہ محض عاصی یا تارک کہا جائیگا نہ کہ منکر یا باغی ۔ قال عکرمۃ قولہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ انما یتناول من انکر بقلبہ وجحد بلسانہ اما من عرف بقلبہ کونہ حکم اللہ واقر بلسانہ کونہ حکم اللہ الا انہ اتی بما یضادہ فھو حاکم بما انزل اللہ تعالیٰ ۔ ولکنہ تارک لہ فلا یلزم دخولہ تحت ھٰذہ الاٰیۃ وھٰذا ھو الجواب الصحیح (کبیر) خارجیوں کے مذہب کی ہمارے زمانہ میں پھر زبردست تجدید شروع ہوئی ہے ، بڑے بڑے خوشنما القاب و اسماء کے ساتھ ۔ اور اس دعایۃ میں خاص کام اسی آیت سے لیا جاتا ہے ، اسلئے ضروری معلوم ہوا کہ آیت کی تفسیر مذہب اہل سنت کے مطابق ذرا تفصیل سے کر دی جائے ۔

الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ
کافر ہیں ١٦٦ اور ہم نے اُن پر اس میں یہ فرض کر دیا تھا ١٦٧ کہ جان کا بدلہ جان
بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ
ہے اور آنکھ کا آنکھ اور ناک کا ناک اور کان کا
بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ
کان اور دانت کا دانت ١٦٧ اور زخموں میں قصاص ہے سو جو کوئی
تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ
اُسے معاف کر دے ١٦٨ تو وہ اُس کی طرف سے کفارہ ہو جائیگا ١٦٩ اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام)
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى
کے موافق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں ١٧٠ اور ہم نے اُن کے پیچھے
اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرنے والے اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کے ١٧١
مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ
اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے ١٧٢
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى
تصدیق کرنے والی اپنے قبل کی کتاب یعنی توریت کی ١٧٣ اور پرہیزگاروں کے لئے
وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ
ایک ہدایت اور نصیحت ١٧٤ اور اہل انجیل پر بھی لازم ہے کہ اللہ نے جو کچھ

١٦٦ (قتل عمد یا دانستہ ضرب رسانی کی صورت میں) عَلَيْهِمْ ضمیر یہود کی طرف ہے ۔ ذکر انھی کا برابر چل رہا ہے ۔ اور یہ بجائے خود ایک دلیل اس امر کی ہے کہ من لم یحکم بما انزل اللہ کا تعلق بھی یہود ہی سے ہے ۔ فِيْهَا ۔ ضمیر متفقہ طور پر توریت کی جانب ہے ۔ وَكَتَبْنَا سے اسکی صراحت ہو گئی کہ توریت کی تعزیرات اللہ ہی کی مقرر کی ہوئی ہیں ۔ ١٦٧ موجودہ توریت میں اتنے تحریفی انقلابات کے بعد بھی یہ حکم اِن الفاظ میں موجود رہ گیا ہے :۔ ”اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلے میں جان لے اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں ۔ جلانے کے بدلے جلانا ۔ زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ“ (خروج ۔ ٢١ : ٢٣ ۔ ٢٥) ”اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کہ اُس نے کیا ویسا ہی پائیگا ۔ ٹوٹنے کے بدلے توڑنا ۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ، دانت کے بدلے دانت ۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے ، اُس سے ایسا ہی کیا جاوے“ (احبار ٢٤ : ٢٠) ”اور تیری آنکھ مروّت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان ، آنکھ کا بدلہ آنکھ ، دانت کا بدلہ دانت ، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا“ (استثناء ۔ ١٩ : ٢١) ١٦٨ بہٖ ۔ اس کو یعنی اس قصاص کو ۔ اس بدلہ لینے کے حق کو ۔ ای تصدق بالقصاص (بحر) وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۔ قصاص سے مُراد ہے کہ زخم محل قصاص ہیں ، ای ذات قصاص (بیضاوی) ای متقاصۃ (قرطبی) ای یقتص فیھا (جلالین) ١٦٩ یعنی موجب اجر و ثواب ، اور اس معاف کر دینے والے کے گناہوں کے دُور ہونے کا باعث بن جائیگا ۔ هُوَ ۔ یعنی یہ معاف کر دینا ۔ یہ اپنے جائز حق سے دستبرداری ۔ لَهٗ یعنی اس معاف کر دینے والے کے حق میں ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ترغیب ہے عفو کی ، اور یہ اہل اللہ کی عادات میں داخل ہے ۔ ١٧٠ اپنے حق میں (یعنی بہت بُرا کام کرنے والے ہیں ۔ یہود کا ذکر اب بھی چلا جا رہا ہے پہلے ذکر یہ تھا کہ انکے اکابر و مشائخ اپنی طرف سے ایک فتویٰ گھڑ کر دے دیتے ہیں اور اُسے شریعت الٰہی کی جانب منسوب کر دیتے ہیں ، ایسے لوگ اپنی اس حرکت سے یقیناً کافر ہو جاتے ہیں ۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ اب ذکر انھی یہود کا ہے کہ اجراء حد و قصاص میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں تو یہ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے ہیں ۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ملاحظہ ہو حاشیہ ٦٥ ١٧١ یہ تصدیق خود موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے موجود ہے :۔ ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں ، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“ (متی ۔ ٥ : ١٧) اٰثَارِهِمْ میں ضمیر انبیاء اسرائیل کی جانب ہے ۔ ای النبیین الذین اسلموا من قبلک (مدارک) ... فقفی علی آثارھم یعنی ہم نے نقش قدم پر پیچھے بھیجا ۔ ان الفاظ میں اشارہ اس جانب بھی ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ اسی طرح کے ایک نبی تھے جیسے انکے قبل بنی اسرائیل میں اور نبی ہو چکے تھے ، انکی شخصیت اور انکی دعوت دوسرے انبیاء کی شخصیت و دعوت سے کچھ مختلف نہ تھی ۔

فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
جب بھی یہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو اُنکے درمیان (قانون)

بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ
عدل کے مطابق فیصلہ کریں ١٥٣ بیشک اللہ عدل کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے ١٥٤ اور آپ سے یہ کیسے فیصلہ کراتے

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ
ہیں درانحالیکہ اُنکے پاس توریت موجود ہے ١٥٥ اور اُس میں اللہ کا حکم (درج) ہے ١٥٦۔ پھر اُس کے بعد ہٹ جاتے

بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ ع اِنَّآ اَنْزَلْنَا
ہیں ١٥٧ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں ١٥٨ بے شک ہم ہی نے توریت

التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ
نازل کی ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے ١٥٩ اسی کے مطابق وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے یہودی

اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا
لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے، اور (اسی طرح) اُن کے مشائخ و علماء (بھی) ١٦٠ اسلئے کہ

اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا
انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا ١٦١ اور وہ اس کے گواہ تھے ١٦٢ سو تم انسانوں سے

تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا
نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو ١٦٣ اور میرے احکام کو دنیا کی متاعِ قلیل کے عوض نہ

قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
بیچ ڈالو ١٦٤ اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو یہی لوگ تو

ع ٩ / ١٠

١٥٣ (اور وہ قانونِ عدل اب منحصر ہے قانونِ اسلام میں) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ آپ کا یہ ٹالنا بھی کسی مصلحتِ دینی ہی کے ماتحت ہوتا۔ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا۔ اسلئے آپ اندیشہ نہ کریں کہ ناخوش ہو کر یہ لوگ آپ سے دشمنی نکالیں گے۔ بالقسط ای بالعدل الذی امرت
بہ وما تضمنہ القرآن واشتمل علیہ شریعۃ الاسلام (روح) اختیار اس امر میں تو دیا گیا تھا کہ غیر ذمی کافروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن فیصلہ اگر کیا جائے تو قطعی ہے کہ قانونِ شریعت ہی کے ماتحت کیا جائے۔ اس کا اختیار نہیں کہ فیصلہ کسی اور قانون کے
تحت کر دیا جائے۔ ١٥٤ (اور اللہ جن کے ساتھ محبت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ انہیں توفیق بھی حق پر قیام کی دیتا رہیگا) یہاں یہ یاد دلا دیا ہے کہ وہ لوگ کیسے ہی اہلِ جور ہوں، آپ بہر حال انکے معاملہ میں بھی طریقِ حق وعدل سے ذرا تجاوز نہ کیجیے۔ بالقسط ای بالحق
والعدل وان کانوا ظلمۃ خارجین عن طریق العدل (ابن کثیر) ١٥٥ (جس کا کتاب الٰہی ہونا انہیں مسلّم ہے) كَيْفَ کلمہ تعجب ہے یعنی اس پر اظہارِ حیرت ہے کہ یہ لوگ اپنی کتاب آسمانی رکھنے کے باوجود دین کے کسی معاملہ میں فیصلہ کیلئے آپ کے پاس آتے
ہیں۔ تعجیب من تحکیمھم من لا یؤمنون بہ والحال ان الحکم منصوص علیہ فی الکتٰب الذی ھو عندھم (بیضاوی) تعجیب من تحکیمھم (کشاف) اوپر کسی حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ یہود کا رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونا معرفتِ حق کیلئے تو ہوتا نہ تھا، اپنے
مطلب اور اپنی غرض کیلئے تھا کہ شاید کوئی آسان تر حکم مل جائے۔ تنبیہ علی انھم ما قصدوا بالتحکیم معرفۃ الحق واقامۃ الشرع وانما طلبوا بہ ما یکون اھون علیھم وان لم یکون حکم اللہ تعالیٰ فی زعمھم (بیضاوی) ١٥٦ جس خاص حکم کا یہ ذکر
چل رہا ہے، اور یہود نے اسے رسول اللہ صلعم سے چھپا ڈالنا چاہا تھا، وہ حکم رجم یا سنگساری ہے۔ اور قرآن کے اعجاز کیلئے یہ دلیل بھی بجائے خود کافی اور قوی ہے کہ یہود کی ہزار کوشش اخفاء کے باوجود شادی شدہ زناکاروں کیلئے حکم قتل و رجم کسی نہ کسی صورت
میں آج تک باقی ہے، اور موجودہ توریت سے بہیم تحریفات بھی اُسے یکسر اور تمام تر دُور نہ کر سکیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ "اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے، وہ زنا کرنے والا اور زنا کرنے والی دونوں قتل کئے جائیں"
(احبار۔ ۲۰: ۱۰) "اور وہ مرد یا عورت جس کا یار دیو ہے یا جادوگر ہو تو دونوں قتل کئے جائیں اور چاہیے کہ تم اُن پر
پتھراؤ کرو۔ اُن کا خون اُنہی پر ہووے"۔ (احبار۔ ۲۰: ۲۷) "اگر کوئی جورو کرے اور اس سے خلوت کرے۔۔۔
اور کہے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا، اور جب میں اُسکے پاس گیا تو میں نے اُسے کنواری نہ پایا۔۔۔۔ اگر یہ بات
سچ نکلے اور لڑکی کے کنوارے پن کی نشانیاں پائی نہ جائیں، تو وہ اُس لڑکی کو اسکے ماں باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور
اُس کی بستی کے لوگ اُس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مر جائے"۔ (استثنا۔ ۲۰: ۱۳۔ ۲۰ و ۲۱) "اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے
زنا کرتے پایا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، مرد جس نے اُس عورت سے صحبت کی، اور عورت بھی"۔ (استثنا ۲۲: ۲۳)
اور انجیل کے واسطہ سے جو گواہی پہنچی ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ کھلی ہوئی ہے:۔ "فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے
جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔ اور اُسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا اے استاد، یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی
ہے۔ توریت میں موسیٰؑ نے ہم کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں، پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟" (یوحنا ۸:
۳۔۶) ١٥٧ پہلے تو خود ہی فیصلہ کرانے کے لئے رسولؐ کی خدمت میں آئے، اور جب فیصلہ سُن لیا، تو اُس سے
ہٹ بھی گئے۔ ثُمَّ تعجب میں ترقی کیلئے ہے: یعنی حیرت بالائے حیرت کے اظہار کیلئے۔ ثم للتراخی فی الرتبۃ (روح)
صریح بما علم لتاکید الاستبعاد والتعجب (روح) ١٥٨ انکے اس طرزِ عمل نے ظاہر کر دیا کہ ان کا ایمان
قرآن و صاحبِ قرآن پر تو کیا ہوتا، توریت و صاحبِ توریت پر بھی مکمل و مستحکم نہیں۔ مومنین بك او بكتابهم
کما یدّعون (مدارک) مومنین بکتابھم کما یدّعون (کشاف) ١٥٩ هُدًى۔ یعنی عقائد و مسائل سے متعلق
ہدایات و احکام تھے۔ نُوْرٌ۔ یعنی وضوح تھا احکامِ عملی سے متعلق۔ تَوْرٰىة پر حاشیہ سورۂ آلِ عمران کے
شروع میں گزر چکا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ۔ اس میں رد آ گیا یہود کے موجودہ عقیدہ کا کہ توریت، صاحبِ الہام
انبیاء کی مرتب کی ہوئی ایک انسانی کتاب ہے۔ توریت، اسلامی عقیدہ کے مطابق، خدا کے ہاں سے نازل شدہ
کتاب ہے۔ ١٦٠ مقصود توریت کی اہمیت و شرف کا اظہار ہے۔ یہ وہ کتاب الٰہی ہے جو پچھلی صدیوں میں معیارِ
حق و عدل رہ چکی ہے، علماء و مشائخ و انبیاء بنی اسرائیل کے لئے۔ النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا۔ یہود کی
اصطلاح میں "نبوت" اسلامی نبوت سے بالکل الگ ایک مفہوم رکھتی ہے۔ اُنکے ہاں یہ ہرگز ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق
اللہ کے ساتھ جُڑا ہوا اور مستحکم ہو یا اسکی نسبت مع اللہ قوی ہو۔ وہ "نبی" یا "نبوت" کے قائل صرف اُن کے لفظی
معنی میں تھے۔ نبی اُن کے ہاں پیشگوئی کرنے والا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ صاحبِ کشف بھی ہو۔ جیسے مشرک
قوموں میں کاہن۔ خود یہود کے ہاں نبی اور کاہن کی اصطلاحیں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ توریت میں ذکر ایک جگہ
نہیں، متعدد مقامات پر جعلی اور جھوٹے نبیوں کا آیا ہے، جو کفر و شرک کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ صرف چند بطور
نمونہ کے ملاحظہ ہوں:۔ "اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور۔۔۔۔۔ تمہیں کہے آؤ
ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا پیروی کریں۔ تو ہرگز اُس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت
دھریو۔۔۔۔۔ وہ نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائیگا"۔ (استثنار۔ ۱۳: ۱۔ ۳ و ۵) "وہ نبی جو ایسی گستاخی
کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی
قتل کیا جائے"۔ (استثنار۔ ۱۸: ۲۰۔ ۲۲) "انبیاء میرا نام لیکر جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ مَیں نے انہیں نہیں بھیجا، اور حکم نہیں دیا، نہ انہیں کہا۔۔۔۔۔ یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جائینگے"۔ (یرمیاہ۔ ۱۴: ۱۳۔ ۱۶) قرآن مجید نے انہی عقاید کے مدنظر
الذین اسلموا کی قید لگا کر بتا دیا کہ النبیون سے مراد جھوٹی اور شیطانی نبوت کرنے والے نہیں، بلکہ سچے اور وحی الٰہی سے مشرف نبی ہیں۔ الرَّبّٰنِيُّوْنَ۔ مراد اہل اللہ و مشائخ و علماءِ باطن ہیں۔ العلماء الحکماء (قرطبی) الربانیون فوق العلماء (قرطبی)
الاحبار۔ مراد علماءِ ظاہر و فقہاء ہیں۔ قال ابن عباس ھم الفقھاء (قرطبی) الحبر الرجل العالم وھو ماخوذ من التحبیر فھم یحبرون العلم ای یبینونہ ویزینونہ (قرطبی) لِلَّذِيْنَ هَادُوْا میں لِ علیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی علی ای علی الذین ھادوا (بحر)
١٦١ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ توریت حفاظت اور عملدرآمد کیلئے اکابر یہود کی سپردگی میں دے دی گئی تھی۔ اُسْتُحْفِظُوْا۔ استحفاظ کے معنی ہیں کسی سے سوال کرنا کہ وہ حفاظت و نگہداشت رکھے۔ ای بسبب ما طلب اللہ منھم حفظھم لکتاب اللہ وکلفھم حفظھا واخذ عھدہ
علیھم فی العمل بھا والقول بھا (بحر) مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ میں مِن بیانیہ ہے۔ من للتبیین (بیضاوی) بِمَا میں بِ سببیہ ہے الباء فی بما للسبب (بحر) ١٦٢ گواہ اس امر کے، کہ یہ کتاب، کتاب الٰہی ہے۔ اور محافظ اس کے متن و
عبارت کے۔ ای علی الکتٰب بانہ من عند اللہ (قرطبی) کانوا علیہ رقباء لئلا یبتدل (بحر) رقباء لا یترکون ان یغیر (بیضاوی) شھداء علی ان کل ما فی التورٰۃ حق وصدق ومن عند اللہ (کبیر) ١٦٣ (کہ کہیں ہی انکارِ حق پر ہر سرِ پیکار
آمادہ ہوں) خطاب قرآن اپنے معاصر مقتدایانِ یہود سے کر رہا ہے۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ۔ خلقت سے ڈرتے ہو، کہ اگر ہم نے حسبِ بشاراتِ توریت نبوتِ محمدیؐ کی تصدیق کر دی، تو ہمارے عوام ہمارے ہاتھ سے نکل جائینگے۔ رؤساء و اکابر
یہود کے لئے قبولِ حق یا تصدیقِ محمدیؐ سے پہلا مانع یہی حُبِّ جاہ تھا، یہ ضرب اسی پر لگائی گئی۔ ١٦٤ (اور یہ نذرانے وغیرہ جو عوام سے حاصل ہوتے ہیں، ان کے بند ہو جانے کا ڈر دل سے نکال ڈالو) مقتدایانِ یہود کو قبولِ حق و تصدیقِ اسلام
سے پہلا مانع تو حُبِّ جاہ تھا جس کا ذکر ابھی اُوپر آ چکا ہے، اور دوسرا مانع یہ حُبِّ مال تھا۔

راہ میں تصدق کردینا۔ ۱۳۹ چنانچہ صفت غفر کے تقاضہ سے اُس نے پچھلا گناہ معاف کردیا۔ اور صفت رحمت کے تقاضہ سے آیندہ کیلئے توفیق تقویٰ دے دی۔ امام رازیؒ نے آیت میں ان صفات کے آنے سے جو موقع مدح پر لائی گئی ہیں معتزلہ کے رد میں استدلال کیا ہے کہ توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔ واجب ہوتی تو یہ فضل و احسان کو یاد دلانے والی صفات نہ لائی جاتیں۔ دلت الاٰیة علی ان قبول التوبة غیر واجب علی اللہ تعالٰی لانہ تعالٰی تمدح بقبول التوبة والتمدح انما یکون بفعل التفضل والاحسان لا باداء الواجبات (کبیر) ۱۴۰ (اے مخاطب!) پھر یاد دلادیا ہے کہ جس نے یہ سزائیں تجویز کی ہیں، بس وہی ایک مالکِ حقیقی اور مقتدرِ تحقیقی ہے۔ الم تعلم میں خطاب عام ہر انسان کیلئے ہے۔ قیل معناہ الم تعلم ایھا الانسان فیکون خطابا لکل واحد من الناس (معالم) ۱۴۱ اور کوئی چیز اس پر قدرت نہیں رکھتی) وہ حاکم مطلق ہے، آمر علی الاطلاق ہے۔ وہ کسی قانون سے مجبور نہیں کہ مجرم کو ہمیشہ سزا ہی دے ـــــــ اس میں تردید آگئی ہندی مشرکوں کے قانون کرم "اٹاگزیر مکافاتِ عمل" کی۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ لیکن وہ سزا اسی کو دیتا ہے جو سزا ہی کے لائق ہوتا ہے۔ اسکی حکمتِ کاملہ خود ہی جانچ کرلیتی ہے کہ کون کس لائق ہے۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ یہ معافی چاہے صرف آخرت میں، چاہے دونوں جگہ۔ ۱۴۲ یعنی آپ ایسے لوگوں کی باتوں سے نہ قبول کریں۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ۔ قرآن مجید جیسی قیامت تک باقی رہنے والی کتاب میں رسول اللہ صلعم کا ذکر صیغۂ غائب میں صرف الرسول والنبی سے، اور صیغۂ حاضر میں ایھا الرسول اور ایھا النبی سے بغیر صفات کے لانا بجائے خود اس امر کی طرف شہادت ہے کہ اب کوئی دوسرا شخص وصفِ نبوت و رسالت میں شریک آنیوالا نہیں۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ۔ یعنی کفریات کی طرف بے تکلف اور بہ شوق و رغبت لپکتے ہیں۔ یسارعون مضارع ہے مسارعة، باب مفاعلة سے۔ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کی جانب ایسے ساعی ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ یا ایھا النبی تو قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے لیکن یا ایھا الرسول سے مخاطبت صرف دو ہی جگہ وارد ہوئی ہے۔ ایک یہاں، اور دوسری جگہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك میں۔ اور یہ طرز خطاب شرف و تعظیم کیلئے ہے۔ وھذا الخطاب لا شك انہ خطاب تشریف وتعظیم (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اہل طریق کی اس عادت کی اصل نکلتی ہے کہ اہلِ اعراض کی بدحالی پر کچھ زیادہ فکر نہیں کرتے۔ ۱۴۳ ظاہر ہے کہ مُراد منافقین ہیں۔ زبان پر دعوئ ایمان، دل میں ایمان کا گزر نہیں۔ مِنَ الَّذِیْنَ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ مراد ہے من المنافقین۔ اور اسی پر عطف من الذین ھادوا کا جو ابھی آرہا ہے۔ ۱۴۴ منافقین اور یہود دونوں قسم کے لوگوں میں وصف مشترک یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹ اور باطل کے سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ سماعون میں سمع قبول کرنے کے معنی میں ہے۔ اور عربی میں یہ استعمال عام ہے۔ والسمع یستعمل و یراد منه القبول (کبیر) ای قابلون لما تفتریه الاحبار (بیضاوی) للکذب کے معنی لاجل الکذب کے بھی ہوسکتے ہیں یعنی یہ لوگ خبریں اسلئے سنتے ہیں کہ جھوٹ بولیں اور غلط شہرت دیں۔ ای یسمعون منك لکی یکذبوا علیك (کبیر) ۱۴۵ (بربنائے کبر و بغض) تجافوا عنك تکبرا و افراطا فی البغضاء (بیضاوی) یعنی کچھ تو ایسے ہیں جو بربنائے کبر و بغض آپ کی خدمت میں آتے ہی نہیں، مثلاً یہود خیبر۔ اور کچھ ایسے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے ہیں لیکن طلب حق کی غرض سے نہیں بلکہ مثل مخبروں اور جاسوسوں کے کہ دوسروں سے لگائی بجھائی کریں۔ ۱۴۶ یہ وصف اُنھی اکابر یہود کا بیان ہوا جو فرطِ عداوت و کبر سے خود تو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے نہ تھے، اور جب موقع دیکھتے تو اپنے ہاں کے کلام الٰہی میں تحریف سے بھی نہ چوکتے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود اپنے ہاں کی زناکاری کا ایک مقدمہ رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے، آپ نے فرمایا کہ توریت میں حکم سنگساری کا موجود ہے اُسی کے مطابق سزا جاری کرو۔ وہ ظالم اس سزا ہی کو چھپا گئے۔ ۱۴۷ یعنی اسکے مان لینے کا اقرار نہ کرنا۔ یَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اپنے والوں سے، اپنے جتھے کے لوگوں سے جنہیں یہ مجلس نبوی میں بھیجتے رہتے تھے، کہتے ہیں۔ ھٰذَا۔ یعنی یہ حکم محرف۔ اصلی اور آسمانی حکم کے بجائے ان کا اختراعی حکم۔ فَخُذُوْہُ۔ یعنی اسکے ماننے کا اقرار کرلینا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اُس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو اہل علم کی طرف رجوع اس غرض سے نہیں کرتا کہ مسئلہ پر عمل کریگا۔ بلکہ اس اُمید پر کرتا ہے کہ اگر اس کی مرضی کے موافق قول مل گیا تو اس کو اپنی بدنامی کی سپر بنالے۔ ۱۴۸ (کہ تو اس گمرہی کو پیدا ہونے سے روک دے اے مخاطب!) وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتْنَتَہٗ۔ اس ارادہ اللہ کا ترتب خود اس شخص کے عزم گمرہی پر ہوگا۔ مِنَ اللّٰہِ یعنی اللہ کے قانون تکوینی کے مقابلہ میں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کی شفقت و توجہ بدون فضل و توفیق الٰہی کچھ نفع نہیں دیتی۔ ۱۴۹ (انکے کفریات سے، اسلئے کہ یہ لوگ خود ہی اس کا عزم نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ جب یہ لوگ خود ہی اپنی اصلاح کا قصد نہیں کرتے، بلکہ اسکے برعکس یہ مصر ہیں، تو یہ عادات الٰہیہ تکوینیہ میں سے ہے کہ بندہ کے عزم فعل پر اُس فعل کی تخلیق بھی حق تعالٰی کی طرف سے ہوجاتی ہے۔ اور اس قانون تکوینی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس سے ایک طرف تو رسُول اللہ صلعم کو تسکین دیدی گئی۔ اور دوسری طرف معتزلہ کا رد بھی نکل آیا، جو خالق افعال اللہ کو نہیں، بندہ کو سمجھتے ہیں۔ ۱۵۰ عذابِ آخرت کا ظہور تو آخرت میں ہوگا لیکن دنیا کے عذاب تفضیح کا ظہور تو اس شدومد سے چند ہی روز کے اندر ہو کر رہا، کہ دوست دشمن سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ منافقین میں سے نفاق ایک ایک کا ظاہر ہوکر رہا۔ سب کے سب سوسائٹی میں حقیر و ذلیل ہوئے۔ رہے یہود، تو انکے بڑے سے بڑے پُرقوت قبیلہ بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع، سب کے سب قید ہوئے، جلاوطن ہوئے، قتل ہوئے۔ ۱۵۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ۔ یہ وصف یہود کے خواص و عوام دونوں کا بیان ہوا۔ سمع میں یہاں سننے کے ساتھ کذب و باطل کا قبول کرنا بھی داخل ہے۔ ابھی یہ لفظ آیت ماقبل میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ زور و تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ کررہ تاکیدا و تعظیما (قرطبی) کرر للتاکید (مدارک) اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ سُحت ہر حرام خوری کیلئے عام ہے۔ السحت الحرام او ماخبث من المکاسب (قاموس) وھو کل مالا یحل کسبه (مدارک) یہاں مراد رشوت ہے اور یہی معنی اب اسکے خاص ہوگئے ہیں۔ سمی الرشوة فی الحکم سحتا (تاج) سمی الرشوة سحتا (راغب) وال الرحالہ سمیت الرشوة التی کانوا یاخذونھا بالسحت (کبیر) وفی الحدیث ھو الرشوة فی الحکم (مدارک) ھو الرشوة (ابن کثیر) یہ وصف یہود کے خواص و اکابر کا بیان ہو رہا ہے جو رشوت اور نذرانے لے لے کر غلط سلط احکام بتانے اور مسائل کے مسخ کر ڈالنے کے عادی ہوگئے تھے۔ خود انکی کتاب آسمانی میں اُن کو عدل پر قائم رہنے اور رشوت نہ لینے کے باب میں حکم یہ ملا تھا کہ "اپنے سارے فرقوں میں قاضی اور حاکم مقرر کیجیو وہ انصاف سے لوگوں کی عدالت کریں تو عدالت میں مقدمہ مت بگاڑیو۔ تو طرفداری نہ کیجیو اور نہ رشوت لیجیو کہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کردیتی ہے۔ اور صادق کی باتوں کو پھیرتی ہے"۔ (استثناء۔ ۱۶: ۱۸، ۱۹) لیکن اُنھی کے بزرگوں نے تالمود میں احکام یہ جاری کردیئے تھے کہ "جب کسی مقدمہ میں ایک فریق اسرائیلی ہو، اور دوسرا غیر اسرائیلی تو اگر اسرائیل کے موافق فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق ہوسکتا ہے تو وہی کردو۔ اور یہ کہہ دو کہ یہی ہمارا قانون ہے۔ اور اگر اسکے موافق فیصلہ غیر اسرائیلی قانون کے مطابق ہوسکتا ہو تو وہی کردو اور غیر اسرائیلی سے کہہ دو کہ تمہارے ہاں کا ضابطہ یہی ہے۔ اور اگر ایسا فیصلہ دونوں ضابطوں میں سے کسی سے بھی نہ ہو رہا ہو تو کسی حیلہ سے کام لو" مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اللہ کی رحمت پر بڑی دلیل ہے۔ [illegible] اُمور سے تسامح کرتے ہیں۔ ۱۵۲ (آپ کو دونوں چیزوں کا اختیار ہے جیسی بھی آپ کو مصلحت معلوم ہو) فَاِنْ جَآءُوْكَ یعنی جب یہ کوئی مقدمہ معاملے کرکے آپکے پاس آئیں۔ مدینہ میں رسُول اللہ صلعم اب حاکم اور دنیوی حیثیت سے بھی مُسلّم و مقتدر تھے، کچھ تو اسلئے بھی یہود کو اپنے معاملات آپکے سامنے لامحالہ لانے پڑتے تھے [illegible]

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ
حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے ۱۴۳ (خواہ) اُن میں سے ہوں جو یہودی ہیں جھوٹ کے بڑے
لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ
سننے والے ۱۴۴ سننے والے دوسرے لوگوں کی خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے ۱۴۵ کلام کو اس کے
الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
صحیح موقعوں سے بدلتے رہتے ہیں ۱۴۶ کہتے رہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ ملے تو
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ
قبول کرلینا اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا ۱۴۷ اور جس کے لئے اللہ ہی کو گمراہی
فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
منظور ہو تو اس پر تیرا زور اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں چل سکتا ۱۴۸ یہی لوگ وہ ہیں جن کے لئے
لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ
اللہ کو منظور نہ ہوا کہ ان کے دلوں کو پاک (صاف) کرے ۱۴۹ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے
وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱ سَمّٰعُوْنَ
اور ان کے لئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے ۱۵۰ جھوٹ کے بڑے سننے والے
لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ
ہیں۔ حرام کے بڑے کھانے والے ہیں ۱۵۱ اور اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو (خواہ) اُن کے
بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ
درمیان فیصلہ کردیجئے (خواہ) انہیں ٹال دیجئے ۱۵۲ اور اگر آپ انہیں ٹال دیں

اور تو اور سلام پڑھتے وقت تک کیلئے۔ واختلف الائمة فی استقبالہ عند السلام فمن
یہاں بھی صحابہ کرام اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتے تھے قبلہ رخ ہو کر، اور نہیں کرتے تھے کہ دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف منہ کریں باوجود اسکے کہ وہ مقام عرش سے بھی افضل ہے)
ابی حنیفۃ انہ لا یستقبل بل یستدبر ویستقبل القبلۃ (ائمہ میں اختلاف ہے کہ منہ کس طرف رکھنا چاہیئے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا فیصلہ اس موقع کیلئے بھی یہی ہے کہ منہ قبر شریف کی طرف نہ کرے، بلکہ اُدھر پشت رکھے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رہے) غرض یہ کہ بعض اہلِ
بدعت نے لفظ وسیلہ سے جو اپنے لئے پناہ ڈھونڈھی ہے، وہ سرتاسر بودی اور بے بنیاد ہے۔ ۱۳۱ وسیلہ ہی کی طرح عربی کے جہاد کو بھی لوگوں نے اردو کے جہاد کے مفہوم میں لے رکھا ہے۔ اردو میں جہاد ایک دینی اصطلاح کی حیثیت سے صف قتال فی سبیل اللہ کے
معنی میں مخصوص ہو چکا ہے۔ عربی میں یہ حصر و تحدید صحیح نہیں۔ عربی میں جہاد کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ ہر سخت کوشش جو کسی بھی دینی غرض سے کی جائے، خاص کر دشمنانِ دین کے مقابلہ میں اصطلاحِ قرآنی میں جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ الجھاد والمجاھدۃ
استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو (راغب) وھو المبالغۃ واستفراغ ما فی الوسع والطاقۃ من قول او فعل (تاج) اور جہاد جس طرح میدانِ جنگ میں تیغ و تفنگ سے ہو سکتا ہے، اسی طرح جہاد مال و دولت سے اور قلم و زبان سے بھی ہو سکتا ہے۔ ۱۳۲ فلاح
کا لفظ دنیوی، اخروی، مادّی و روحانی ہر طرح کی کامیابیوں بلکہ کامرانیوں پر شامل ہے۔ لیس فی کلام العرب کلمۃ اجمع من لفظۃ الفلاح لخیری الدنیا والاٰخرۃ کما قالہ ائمۃ اللسان (تاج) اور سب سے بڑی کامیابی رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ لعلّ پر حاشیے
پہلے گزر چکے ہیں کہ جب اس کا استعمال حق تعالیٰ کی زبان سے ہوتا ہے تو معنی میں مفہوم شک و احتمال کا باقی نہیں رہتا، بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ ۱۳۳ توحید و رسالت کی طرح معاد و آخرت کے مسئلہ میں اہلِ جاہلیت سیکڑوں غلطیوں میں مبتلا رہتے
ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑی اہم غلطی یہ ہے کہ وہاں کے معاملات کو بھی دنیا پر قیاس کر کے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح یہاں کی عدالتوں، دفتروں، محکموں میں لین دین سے کام چلا لیا جاتا ہے، ایسے ہی نذرانوں، رشوتوں کی گرم بازاری وہاں بھی ہو گی اور ہر
خطا و لغزش پر کسی نہ کسی مالی معاوضہ سے قلم پھیر دیا جا سکے گا۔ قرآن مجید کو اس عالمگیر غلطی کی بار بار تردید کرنی پڑی اور بتانا پڑا ہے کہ کفر کا فدیہ یا کفارہ آخرت میں کسی مال و دولت سے بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ اَنَّ لَهُمْ۔ ان لکل واحد منھم کے معنی میں ہے یعنی
ان میں سے ایک ایک کے پاس بھی اگر اتنا مال ہوتا۔ مَعَهٗ میں ضمیرِ واحد غائب اسی مافی الارض جمیعًا کی طرف ہے۔ لَوْ۔ یہ حرف اکثر جس عبارت پر آتا ہے اس سے مراد ایک نا ہونی بات بطور فرضِ محال کے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ اس فرضِ محال
پر بھی کوئی صورت عذاب سے نجات کی نہ ہو سکے گی۔ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ اسکے تحت میں وہ سب کچھ آ گیا، جو ذہنِ انسانی میں سما سکتا ہے۔ ۱۳۴ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ۔ وہ عذاب پائدار و مستقل ہے جو کبھی ہٹنے والا اور مٹنے والا نہیں۔ معناہ دائم ثابت لا یزول
ولا یحول (قرطبی) عذاب دائم ثابت لا یزول عنھم ولا ینتقل ابدًا (ابن جریر) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ۔ عذاب اور وہ بھی عذابِ الیم! ــــــ ظاہر ہے کہ دوزخیوں کو کیسی کچھ تڑپ، کیسی کچھ حسرت، کیسی کچھ تمنا اس عذاب سے نکل بھاگنے کی
ہو گی! مَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ۔ اس ارشاد سے اُن حسرت نصیبوں کی حسرت نصیبی پر گویا مہر لگ گئی۔ عذاب سے نکلنے کا نہ کوئی امکان ہے نہ کوئی تدبیر کام دے سکتی ہے۔ بلکہ اب یہ بھی سنا دیا گیا کہ یہ عذاب جس درجہ کا شدید و ہولناک
ہو گا اسی طرح لازوال بھی ہو گا ــــــ اشتدادِ عذاب قبل کی آیت میں بیان ہو چکا تھا، امتدادِ عذاب اب بتا دیا گیا۔ اس عذابِ دائمی کی خصوصیت چونکہ کافروں کے ساتھ بیان ہوئی، اس سے متکلمین نے یہ نتیجہ اور صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ مخلص کلمہ گو ہر صورت عذاب سے خلاصی پا جائیگا
احتج اصحابنا بھذہ الاٰیۃ علی انہ تعالیٰ یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ علی سبیل الاخلاص (کبیر) اور امام رازیؒ نے یہ بات بھی خوب فرمائی ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ کی ترکیب خود حصر پر دلالت کر رہی ہے یعنی یہ عذابِ دائمی صرف کافروں کیلئے ہو گا، نہ کہ غیر کافروں
کے لئے۔ وھذا یفید الحصر فکان المعنی ولھم عذاب مقیم لا لغیرھم (کبیر) ۱۳۵ (اے حکام) اجرائے حدودِ شرعی و قصاص کا حق صرف اہلِ حلّ و عقد یا حکومتِ اسلامی کے حکام ہی کو حاصل رہتا ہے، اسلئے خطاب بھی قدرۃً انہی سے ہے۔ خطاب
مع قوم فیحتمل ان یکون واقعًا علی شخص متعین منھم وھو امام الزمان کما یذھب الیہ الاکثرون (کبیر) اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ لا کر یہ بتا دیا گیا ہے کہ مجرم قابلِ تعزیر کی حیثیت سے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ نہ ہو گا کہ مجرم اگر عورت ہے تو اسکی سزا کچھ بڑھا دی جائے
یا عورت ہونے کی بنا پر اسکی سزا کچھ گھٹا دی جائے ــــــ دوسری قوموں کے قانون میں مرد و عورت کے درمیان سزا کی عدم مساوات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ سرقہ اپنے لغوی معنی میں تو مطلقًا ہر چوری کو کہیں گے لیکن اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد ہوتی ہے
غیر کے مال کو کسی خاص جگہ سے اور کسی خاص مقدار میں چرا کر لینا۔ السرقۃ اخذ ما لیس لہ اخذہ فی خفاء وصار ذٰلک فی الشرع لتناول الشیء من موضع مخصوص وقدر مخصوص (راغب) قد ثبت عندنا ان الحکم متعلق بمعنی غیر الاسم یجب اعتبارہ
فی ایجابہ وھو الحرز والمقدار (جصاص) ان دو قیدوں کے لگ جانے سے ایسی بیسیوں چیزیں جو ہر جگہ اور ہر مقدار میں مل جاتی ہیں، انکی چوری، چوری کی فقہی تعریف سے خارج ہو گئی۔ پھر چوری کے ثبوت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک مجرم کا اقرار، دوسرے عادل گواہوں کی شہادت
السرقۃ انما تظھر باحد الامرین اما بالبینۃ او بالاقرار (محیط) جس چوری پر حد جاری ہو گی اسکی مالیت حنفیہ کے ہاں کم از کم ایک دینار یا دس درہم کی ہونا چاہیئے۔ اور اس چیز کو کسی محفوظ مقام میں ہونا چاہیئے۔ اور خود وہ چور جس پر حد واجب ہو گی اُسے عاقل و بالغ
ہونا چاہیئے۔ اذا سرق العاقل البالغ عشرۃ دراھم او ما یبلغ قیمتہ عشرۃ دراھم مضروبۃ من حرز لا شبھۃ فیہ وجب القطع (ہدایہ) حفاظت عرفِ عام کے تابع ہے کوئی جامع و مانع معیار اس کا خارج میں موجود نہیں۔ الحرز ھو ما نصب عادۃً لحفظ
اموال الناس وھو یختلف فی کل شیء بحسب حالہ (قرطبی) فقہائے اور بھی متعدد شرطیں کتاب و سنت کے مزاج کو سمجھ کر اور انہی سے اخذ کر کے لگائی ہیں، حنفی فقہ میں ان کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:۔ (۱) چور عاقل و بالغ ہو۔ بچہ اور مجنون پر حد نہیں ہے۔ (۲) مال
نظر بچا کر لے گیا ہو۔ کھلے خزانہ چھین جھپٹ کر نہ لے گیا ہو۔ غاصب اور اُچکے کی سزائیں دوسری ہیں، حدِ سرقہ نہیں۔ (۳) مال کسی کی مِلک ہونا چاہیئے۔ غیر مملوک مال (مثلاً کفن جو کسی کی ملک نہیں ہوتا) کی چوری سزا مستوجب الحد کی تعریف میں نہ آئیگی۔ (۴) مال کسی غیر
کی غیر مشترک ملک ہو۔ چور کے اپنے مال کے ساتھ مخلوط و مشترک نہ ہو۔ شوہر، بیوی، اولاد وغیرہ پر حد اسی لئے جاری نہ ہو گی کہ اُنکے مال کے ساتھ خلط و اشتراک رہا کرتا ہے۔ (۵) مال کسی حد اور درجہ تک حفاظت میں ہو، خواہ حقیقۃً (مثلاً کسی سپاہی، چوکیدار وغیرہ کے
پہرہ میں) خواہ حکمًا (مثلاً مکان کے اندر، صندوق کے اندر وغیرہ) سرراہ کھلے اور پڑے ہوئے مال کے اُٹھا لینے پر حدِ سرقہ جاری نہ ہو گی۔ چوکیدار، پہرہ دار وغیرہ اگر چوری کریں، تو وہ خیانت کی دفعہ میں ملزم ہونگے۔ حدِ سرقہ کے مستوجب نہ ہونگے۔ علمائے متکلمین
نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ اُمت کیلئے نصبِ امام ضروری ہے۔ اسلئے کہ اجرائے حدود کا حکم درجۂ فرض میں ہے اور اجرا کی صورت اجماعِ اُمت سے طے ہو چکا ہے کہ افراد سے ممکن نہیں۔ اس لئے امامِ معیّن کا ہونا لازمی ہے۔ احتج المتکلمون بھذہ الاٰیۃ فی انہ یجب
علی الامۃ ان ینصبوا لانفسھم امامًا معینًا والدلیل علیہ انہ تعالیٰ اوجب بھذہ الاٰیۃ اقامۃ الحد علی السراق والزناۃ فلا بد من شخص یکون مخاطبًا بھذا الخطاب واجمعت الامۃ علی انہ لیس لاٰحاد الرعیۃ اقامۃ الحدود علی الجناۃ بل اجمعوا علی انہ لا یجوز اقامۃ
الحدود علی الاحرار الجناۃ الا للامام (کبیر) فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا۔ چوری کی سزا میں پہلی بار داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائیگا۔ دوسری بار کی چوری میں بایاں پیر ٹخنہ سے قطع کر دیا جائیگا۔ اسکے بعد کی چوریوں میں فقہاء نے سنت ہی سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ اب مزید سزا
قطعِ اعضاء کی نہیں بلکہ قید کی دی جائیگی۔ چوری کی یہ سزا، قطعِ ید، عرب میں قبل سے جاری تھی۔ اسلام نے آکر اسے قائم رکھا، اور اس میں چند قیود و شرائط کا اضافہ کر دیا۔ وقد کان القطع معمولًا بہ فی الجاھلیۃ فقرر فی الاسلام وزید شروط اُخر
(ابن کثیر) دنیا کے اور قانونوں اور دوسری تہذیبوں میں بھی چوری کی سزا کہیں تو ایک طویل مدت کی اسیری رہی ہے، اور کہیں جلاوطنی اور کہیں قطعِ اعضاء اور کہیں پھانسی یا اور کسی طریقہ سے ہلاکت رہی ہے۔
۱۳۶ جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا۔ چوری شریعتِ اسلامی میں ایک بدترین جرم ہے۔ اسلام نے فرد و جماعت دونوں کیلئے امن و امان اور سکونِ خاطر کا جو بہترین و کامل ترین نظام قائم کیا ہے، چور اُس میں رخنہ ڈالنا، اور اس ساری فضا کو درہم و برہم کر ڈالنا چاہتا ہے
آیت کے اس ٹکڑے نے واضح کر دیا کہ چوری کا بدبخت مجرم ہے ہی ایسی سخت سزا کا مستحق۔ شریعتِ موسوی کا قدم بھی اس باب میں کچھ پیچھے نہیں، کچھ آگے ہی ہے۔ نقب زن کی جان سے امان اُٹھ جاتی ہے۔ کوئی اگر اُسے قتل کر ڈالے تو اُسکے خون کا بدلہ نہ لیا جائیگا۔ "اگر
چور سیندھ مارتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی اُسے مار بیٹھے اور وہ مر جائے، تو اُسکے لئے خون نہ کیا جائیگا" (خروج ۲:۲۲)۔ اجازت ہی نہیں، ایک جگہ تو حکم تک نقب زن کے قتل کا ملتا ہے:۔ "اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں بنی اسرائیل میں سے کسی کو چرائے
میں پکڑا جائے اور اس کا بیوپار کرے یا اُسے بیچ ڈالے تو چور مارا جائے۔ اور تو شر کو اپنے درمیان سے دفع کر" (استثناء ۲۴:۷)۔ نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ نکال کہتے ہیں ایسے عذاب و سزا کو جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ ای ما یوجب ان ینکل بہ عن
ذٰلک الفعل (قرطبی)، ای عظۃ من اللہ بما عوقبا بہ لمن راٰھما (ابن قتیبہ) فلسفۂ تعزیر کے واقفین جانتے ہیں کہ مجرم کیلئے سزا کی تجویز کرنے میں دو بڑے پہلو پیشِ نظر ہوتے ہیں:۔ ایک انتقامی یعنی مظلوم یا مستغیث کے جذبات کی تسکین۔ دوسرے
انتظامی یعنی آیندہ کے ممکن مجرموں کی حوصلہ فرسائی و ہمت شکنی۔ نَکَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ اسی دوسرے پہلو کی تاکید و تقویت کیلئے ہے۔ اور پھر مِنَ اللّٰهِ سے اشارہ یہ بھی ہو گیا، کہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ بندوں کو اس میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ جزاءً
نکالًا۔ دو لفظ الگ الگ آئے اور دونوں مفعول لہٗ بلا عطف میں۔ علمائے بلاغت نے کہا ہے کہ جزاء میں اشارہ حق العبد کے اتلاف کا ہے۔ اور نکال میں حق اللہ کے اتلاف کا۔ والجزاء اشارۃ الی ان فیہ حق العبد والنکال اشارۃ الی ان فیہ حق اللہ
تعالیٰ (روح) ۱۳۷ صفت عزیز لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اللہ حاکمِ مطلق ہے۔ وہ جس جرم کی جو سزا چاہے مقرر کر دے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اور صفت حکیم سے اشارہ اس طرف کر دیا کہ اس کا کوئی سا بھی حکم حکمتوں اور
مصلحتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس نے چوری کی بھی سزا وہی مقرر کی، جو فرد اور جماعت دونوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ امام رازیؒ نے اس مقام پر اصمعی کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز ایک بدوی عرب کے سامنے سورۂ
مائدہ زبانی پڑھ رہا تھا، یہ آیت آئی، اور یہاں سہواً میری زبان سے غفور رحیم نکلا۔ بدوی نے کہا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کلام الٰہی ہے۔ اس پر وہ بولا کہ اسے دوبارہ پڑھو۔ میں نے پھر پڑھا، اور اب مجھے تنبیہ ہو گئی کہ بجائے عزیز حکیم کے میری زبان سے
غفور رحیم نکل گیا تھا۔ بدوی نے کہا کہ بیشک اب ٹھیک پڑھا۔ میں نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا۔ اُس نے جواب دیا کہ سیاقِ کلام سے۔ یہاں جب ذکر سزا و عقاب کا ہے تو عین مقتضائے بلاغت یہی ہے کہ صفات بجائے غفور رحیم کے عزیز و حکیم ہی لائی
جائیں۔ ۱۳۸ (رحمتِ حق سے) یعنی اگر پچھلا گناہ معاف کر دیگا، اور توبہ پر استقامت کی بھی توفیق دیگا۔ فَمَنْ تَابَ۔ یہ توبہ قاعدۂ شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چرائی ہوئی چیز، مالک کو واپس کر دینا چاہیئے، اور اگر تلف ہو چکی ہو
تو اس کا تاوان مالک کو دے۔ اگر اسکی استطاعت نہ ہو تو مالک سے معاف کرانے کی کوشش کرے کہ یہ سب شرائطِ تکمیلِ توبہ میں سے ہیں۔ سزائے قطعِ ید جو حق العباد کی اتلاف کی سزا ہے محض توبہ سے معاف نہیں ہو جاتی۔ فاما القطع فلا یسقط عنہ بالتوبۃ
عند الائمۃ ... والقطع لا یسقط بالتوبۃ (قرطبی) لم یسقط شیء ولا توبۃ السارق (ابن العربی) وقال الجمھور لا یسقط عنہ ھذا الحد (کبیر) حنفیہ و مالکیہ کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے ایک قول میں اس سے اختلاف نقل ہوا ہے اور
... استدلال اس سے کیا ہے کہ آیت کے ختم میں غفور رحیم جو آگیا ہے قال بعض العلماء التابعین یسقط عنہ الحد لان ذکر الغفور الرحیم فی اٰخر ھذہ الاٰیۃ (کبیر) فقیہ مفسر ابن العربی مالکی نے اس موقع پر شافعیہ کو مخاطب کر کے
... کہا ... (احکام القرآن جلد اول ص...) ... وَاَصْلَحَ۔ یعنی آیندہ کیلئے ایسی عادتیں اور حرکتیں چھوڑ دے۔ توبہ کا تعلق ماضی سے تھا۔ اور اصلاحِ حال کا تعلق مستقبل سے ہے۔ ... فقہائے لفظ اَصْلَحَ سے ...

ہی کے بعد گرفتاری ہوگئی۔ ملک سے نکال دیئے جانے سے مُراد ایک تو جلاوطنی ہے۔ دُوسرے یہ کہ مُجرم ملک میں آزادانہ چلنے پھرنے نہ پائیں، اُنکی آزادی سلب کرلی جائے، اور وہ قیدخانہ میں بند کر دیئے جائیں۔ فقہاء حنفیہ نے بھی آخری معنیٰ اختیار کئے ہیں اور لغت بھی اس کی تائید میں ہے۔ وقال ابو حنیفة النفی من الارض هو الحبس وهو اختیار اکثر اهل اللغة (کبیر) والمراد بالنفی عندنا هو الحبس والسجن والعرب تستعمل النفی بذلك المعنٰی لان الشخص یفارق بیته واهله (مع) قیل نفیهم ان یخلد وافی السجن (ج۔ ص ن) فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ جلاوطنی کی صُورت میں مجرم یا تو کسی دُوسرے اسلامی شہر میں چلا جائیگا تو وہاں جاکر فتنہ وفساد کا باعث بنیگا۔ یا اگر دارالحرب چلاگیا تو وہاں دشمنانِ اسلام کی تقویت کا سبب بن جائیگا۔ اسلئے یہاں مراد حبس اور قید ہی ہے۔ مبسوط۔ ہدایہ۔ فتح القدیر وغیرہ میں یہ بحثیں تفصیل سے ملینگی۔ ان چار صورتوں کے علاوہ پانچویں صُورت یہ بھی ممکن ہے کہ رہزنوں نے کسی کو محض زخمی کرکے چھوڑ دیا ہو۔ تو اس کا حکم مثل عام زخمیوں کے ہوگا۔ یہاں قانون قصاص وضمان کی دفعات چلیں گی۔ اور یہ حق العبد ہونے کے باعث معاف بھی ہوسکیگا۔ ''روشن خیالی'' اور ''تجدد نوازی'' جو دُوسرا نام ہے، جاہلیت فرنگ سے مرعوبیت کا، ممکن ہے اسلامی سزاؤں کی ان سختیوں پر چیں بہ جبیں ہو، لیکن ساری قیاسی اور عقلی بحثوں سے قطع نظر صرف عملی اور تجربی حیثیت سے دیکھ لیا جائے کہ جن ملکوں نے اپنے ہاں قانون کو نرم سے نرم کرکے سزائیں ہلکی سے ہلکی کردی ہیں، اُنکے ہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے؟ اور ان قوموں کے ہاں کیا، جنکے ہاں آج اسلامی تعزیرات وحدود کا نفاذ جاری ہے؟ —— امریکہ اور برطانیہ اور فرانس کا ریکارڈ جرائم کے لحاظ سے، بلووں اور ڈاکوں، قتل وغارت کے لحاظ سے کیا ہے؟ اور نجد وحجاز ویمن کا کیا؟ Gunmen اور Gangster قسم کی نئی نئی اصطلاحیں روز کہاں پیدا ہو رہی ہیں؟ بدنام تو لوٹ مار، نوچ کھسوٹ، کشت وخون کیلئے عرب کے بدوی تھے لیکن اب کیا نسبت انہیں مہذب دنیا کے روز روشن میں ڈاکوں سے رہی ہے؟ ——

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ

چاہیں گے کہ نکل آئیں آگ سے، حالانکہ اُس سے (کبھی) نہ نکل پائیں گے، اور

مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

اُن کے لئے مستقل عذاب ہے ١٣٤ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی

فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ

عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ١٣٥ اُن کے کرتوتوں کے عوض میں، اللہ کی طرف سے بطور عبرتناک

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَ

سزا کے ١٣٦ اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ١٣٧ پھر جو شخص اپنی حرکت ناشائستہ کے بعد توبہ کرلے، اور

أَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾

اپنی اصلاح کرلے، تو بیشک اللہ اُس پر توجہ کریگا ١٣٨ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا مہربان ہے ١٣٩

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ

کیا تو نہیں جانتا کہ بس اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے ١٤٠ وہ جسے

يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ

چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کردے اور اللہ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ

قدرت رکھتا ہے ١٤١ اے پیغمبر آپ کو وہ لوگ رنج میں نہ ڈالیں جو

يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ

دوڑ دوڑ کر کفر میں پڑتے ہیں ١٤٢ (خواہ) اُن میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

یہ تو واقعات ہیں واقعات، خوش اعتقادی کا کوئی سوال نہیں۔ عقلاً اور اصلاً بھی یہی بات ہے کہ اسلام نے معاش اور معیشت اور معاشرت کا جو بہترین نظام دنیا کے سامنے پیش کردیا ہے اور فرد وجماعت دونوں کیلئے فراغ خاطری اور آسائش وسہولت کے جتنے موقعے بہم پہنچا دیئے ہیں، انکے بعد بھی جو ظالم اللہ کی ان نعمتوں کی شدید ناشکری کرکے امنِ عامہ پر ڈاکہ ڈالتا، اور اللہ کے بندوں کی جان اور مال بہ جبر لے لینا چاہتا ہے، اور ثبوت جو اپنے انتہائی خبثِ نفس کا دے رہا ہے، ایسا خبیث الفطرت مستحق بھی سخت ترین سزا کا ہے۔ ١٢٦ عبرت وموعظت کے لئے سزاؤں کا محض سخت یا جسمانی حیثیت سے تکلیف دہ ہونا ہی کافی نہیں، تفضیح ورسوائی، دماغی وقلبی تکلیف کا پہلو بھی ان میں نمایاں ہونا چاہیئے۔ فقہاء نے یہ بھی طے کردیا ہے کہ رہزنی اور ڈکیتی کا ارتکاب اگر ایک غول یا جتھے نے کیا ہے، تو فرداً فرداً ہر ایک کے تعین جرم کے ثبوت کی حاجت نہیں، محض اُس گروہ سے وقوع جرم کا ثبوت کافی ہے۔ اسلئے کہ جتھے کے کسی فرد نے بھی جو کچھ کیا ہے جتھے ہی کی قوت کے بھروسہ پر کیا ہے چنانچہ قتل بالفرض رہزنوں کی جماعت میں سے کسی ایک نے بھی کیا ہے تو محاربہ میں بہرحال پورا جتھا شریک ہوا اور قصاص میں قتل سب ہونگے۔ فان باشر القتل احدهم اجری الحد علیهم باجمعهم لان جزاء المحاربة (ہدایہ) ان باشر القتل احدهم یجب الحد علی الجمیع (شرح وقایہ) ١٢٧ (اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دُنیا کی سزا ایسے مجرموں کیلئے کافی ہوگئی) یہیں سے فقہائے حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اجرائے حد کفارۂ معصیت کیلئے کافی نہیں۔ یدل علی ان اقامة الحد علیه لاتکون کفارة لذنوبه (جصاص) والآیة اقوی دلیل لمن یقول ان الحدود لاتسقط العقوبة فی الآخرة (روح) اور یہی مذہب مالکیہ کا بھی ہے۔ واذا خرج المحاربون فاقتتلوا مع القافلة فقتل بعض المحاربین ولم یقتل بعض قتل الجمیع (قرطبی) ١٢٨ (اسلئے وہ توبہ کرنیوالوں سے حد بھی ساقط کئے دیتا ہے) اب نہ ہاتھ پاؤں کاٹے جائینگے نہ سُولی اور نفی فی الارض (حبس) کا اختیار باقی رہیگا۔ یہ متعین حدود جو اللہ کی مقرر کی ہوئی تھیں توبہ کے بعد ساقط ہو جائینگی۔ اور کوئی دعویٰ اور مطالبہ اب حکومت اسلامی کی طرف سے باقی نہیں رہیگا البتہ وارثوں اور مدعیوں کو اب بھی اختیار ہے کہ خواہ معاف کردیں، خواہ مال پر صلح کرلیں، خواہ خون کے بدلہ میں خون کا مطالبہ کریں۔ اب معاملہ صرف بندوں کے درمیان رہ گیا۔ وان اُخذ بعد ما تاب وقد قتل عمدًا فان شاء الاولیاء قتلوه وان شاؤا عفوا عنه لان الحد فی هذه الجنایة لایقام بعد التوبة (ہدایہ) ومتی سقط الحد المذکور فی الآیة وجبت حقوق الآدمیین فی المال والنفس والجراحات (جصاص) فان کان قد قتل فان شاء الاولیاء قتلوه وان شاؤا عفوا عنه لان هذا القتل قصاص فصح العفو عنه والصلح به (فتح القدیر) تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ۔ توبہ کے تحقق کیلئے یہ شرط ضروری ہے اسکا وجود مجرموں پر قابو پائے جانے سے پہلے پایا جائے بغیر اسکے صدق توبہ اور اخلاص ثابت نہ ہوگا۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ توبہ محض زبانی ولفظی کافی نہیں عملی علامتیں بھی اصلاح حال اور صدق توبہ کی ظاہر ہونی چاہیئے۔ حتی یتوب لا بالقول بل بظهور سیماء الصلحاء (درمختار) ١٢٩ یعنی اُسکے احکام کی نافرمانی سے ڈرو اور بچو۔ تقوٰی ہی ایسی چیز ہے، جو جاہ ومال کی ہر حرص بیجا سے بچا سکتا ہے۔ ١٣٠ طاعتوں کے ذریعے سے۔ وَسِیلَة کے معنی قرب کے ہیں۔ اہلِ لغت اور تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ یعنی بالوسیلة القربة (ابن جریر) توسلت الی فلان بکذا بمعنی تقربت الیه (ابن جریر) الوسیلة القربة التی ینبغی ان یطلب بها (ابن جریر) الوسیلة هی القربة عن ابی وائل والحسن ومجاهد وقتادة وعطاء والسدی وابن زید وعبدالله بن کثیر (قرطبی) الوسیلة القربة الزلفة یقال توسل الی هکذا ای تقرب (ابن قتیبہ) اور قرب کا بہترین ذریعہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ اطلبوا الیه القرب فی الدرجات بالاعمال الصالحة (ابن عباس) استعیرت لما یتوسل به الی الله تعالی من فعل الطاعات وترك السیئات (مدارک) والمراد طلب الوسیلة الیه فی تحصیل مرضاته وذلك بالعبادات والطاعات (بحر) وحقیقة الوسیلة الی الله تعالی مراعاة سبیله بالعلم والعبادة وتحری مکارم الشریعة وهی کالقربة (راغب) جن لوگوں نے وسیلہ کے تحت میں بزرگانِ دین کی استعانت اور انبیاء واولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے انہوں نے عربی کے وسیلہ (بہ معنی قُرب کو) اردو کے وسیلہ (بہ معنی ذریعہ) کا مرادف سمجھ لیا ہے۔ اور ایسی شدید وفاحش غلطیاں نادر نہیں، کثیر الوقوع ہیں۔ علامہ آلوسی نے بڑے بسط وتفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ واما اذا کان المطلوب منه میتًا او غائبًا فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احد من السلف (روح) (میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے بھی نہیں کیا ہے) اور لکھا ہے کہ ولم یرد عن احد من الصحابة رضی الله تعالی عنهم وهم احرص الخلق علی کل خیر انه طلب من میت شیئًا (حضرات صحابہ سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو) صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمر کا اتباع سنت ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتا ہے، انکی حالت یہ تھی قد صح عن ابن عمر انه کان یقول اذا دخل الحجرة النبویة زائرًا السلام علیك یا رسول الله السلام علیك یا ابابکر السلام علیك یا ابتاه ثم ینصرف ولا یزید علی ذلك ولا یطلب من سید العالمین صلعم او من ضجیعیه المکرمین شیئًا وهم اکرم من ضمته البسیطة وارفع قدرًا من سائر من احاطت به الافلاك المحیطة۔ (عجب روضۂ نبوی میں زیارت

اعانت علی الحرام ہے۔ ۱۲۲ (اور انہی احکام میں قتلِ ناحق اور خونریزی کی ممانعت بھی داخل تھی) اَلْبَیِّنٰتِ سے مراد دلائل و معجزات بھی ہوسکتے ہیں لیکن یہاں زیادہ چسپاں معنی احکام و ہدایات کے ہیں۔ ای بالامر والنھی والعلامات (ابن عباسؓ) "صاف حکم" (شاہ عبدالقادر دہلوی) جَآءَتْهُمْ۔ ھم کی ضمیر انہی بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ ۱۲۳ (یہاں تک کہ بعض اوقات تو خود انہی پیمبروں کو قتل کر ڈالا) ثُمَّ۔ کبھی استبعاد کیلئے بھی آتا ہے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والاستبعاد (رح) چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے کہ جو نتیجہ ان پیمبروں کے آنے کا نکلنا تھا وہ تو کچھ بھی نہ نکلا، البتہ اسکے برعکس نکلا۔ لَمُسْرِفُوْنَ۔ اسراف میں ہر قسم کی زیادتی اور ہر قسم کے گناہ آگئے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ پیمبروں کی آمد کے باوجود، اسرائیلیوں کی اکثریت قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتی رہی۔ الاسراف فی کل امر التباعد عن حد الاعتدال مع عدم مبالاۃ به (رح) ای ان اکثرھم مجاوزون الحد و تارکون امر اللہ (قرطبی) ای مجاوزوا اللہ ورسله باتباعھم اھواءھم و خلافھم علی انبیاءھم و ذالک کان اسرافھم فی الارض (ابن جریر) ۱۲۴ یہ کون لوگ ہیں؟ اور آیت کے ان دو جملوں میں باہمی تعلق کیا ہے؟ اہلِ تحقیق کے نزدیک دونوں فقروں کے درمیان کا وَ واؤ تفسیری ہے اور اسلئے دوسرا فقرہ یسعون فی الارض پہلے فقرہ الذین یحاربون اللہ ورسوله کی تشریح و تفسیر اور اس کی مُراد متعین کر رہا ہے۔ ویسعون فی الارض فسادًا ھذا ھو معنی محاربة المسلمین (جمل) مُراد یہاں رہزنوں اور ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے۔ عام اس سے کہ وہ کافر ہوں یا مسلم یہی گروہ جب نکلتا ہے تو ہتھیار باندھ کر، پوری شان و شوکت کے ساتھ کہ جن پر حملہ کیا جائے وہ بیچارے مقابلہ بھی نہ کرسکیں۔ عاصیوں اور نافرمانوں کے طبقہ میں یہ گروہ خصوصیت کے ساتھ محاربین کا مصداق ہوتا ہے۔ ذھب اکثر المفسرین وعلیه جملة الفقہاء الی انھا نزلت فی قطاع الطریق (رح) والصحیح ان ھذہ الاٰیة عامة فی المشرکین وغیرھم فی من ارتکب ھذہ الصفات

الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ

لگے رہتے ہیں ۱۲۴ اُن کی سزا بس یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سُولی دیئے جائیں، یا اُن کے ہاتھ

وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ

اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں، یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں ۱۲۵ یہ تو اُن کی

لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾

رسوائی دنیا میں ہوئی ۱۲۶، اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ۱۲۷

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا

مگر جو لوگ توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم اُن پر قابو پاؤ تو جانے رہو کہ

اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ ع یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۲۸، اے ایمان والو اللہ سے ڈرو ۱۲۹ اور اُس کا

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

قرب تلاش کرو ۱۳۰ اور اُس کی راہ میں جدوجہد کرو ۱۳۱ تاکہ (ہر طرح) فلاح

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

پاؤ ۱۳۲ بیشک جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس ساری دُنیا کی چیزیں ہوں، اور اتنی ہی

جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ

اُن کے پاس اور بھی ہوں، تاکہ وہ انہیں معاوضہ میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے

الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾

چھوٹ جائیں، تو وہ اُن سے (ہرگز) قبول نہ کی جائیگی، اور ان کیلئے عذاب دردناک ہی ہے ۱۳۳

ع ۵ ۸ ۹

(ابن کثیر) یتناول کل من کان موصوفًا بھذہ الصفة سواء کان کافرًا او مسلمًا (کبیر) نزلت فی قطاع الطریق من المسلمین وھذا قول اکثر الفقہاء (کبیر) المراد قطاع الطریق من اھل الملة (جصاص) ولم یسم بذالک کل عاصٍ للہ تعالیٰ اذ لیس بھذہ المنزلة فی الامتناع واظہار المغالبة فی اخذ الاموال وقطع الطریق (جصاص) ایک قول بعض غیر مستند متاخرین (عن بعض المتاخرین ممن لا یعتد به) کا یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آیت کے مصداق مرتدین ہیں لیکن محققین نے تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ یہ قول سرتاسر لغو و باطل ہے۔ ھو قول ساقط مردود مخالف للاٰیة واجماع السلف والخلف (جصاص) لاخلاف بین السلف والخلف من فقہاء الامصار ان ھذا الحکم غیر مخصوص باھل الردۃ وانه فی من قطع الطریق وان کان من اھل الملة (جصاص) یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ محاربہ اپنے لفظی معنی میں اللہ سے تو کسی کا ممکن ہی نہیں۔ رسول اللہ صلعم سے ممکن تھا لیکن کبھی کسی مسلم سے واقع نہیں ہوا، اور بعد وفات شریف تو اس کا امکان ہی نہ رہا۔ یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت ہے اللہ اور اسکے رسولؐ کے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے۔ اہل لغت نے یہی معنی لئے ہیں۔ یعنی المعصیة ای یعصونه (لسان) ای یعصونه (تاج) اور اہلِ تفسیر تو سب اسی طرف گئے ہیں۔ ای الذین یخالفون احکام اللہ واحکام رسوله (کبیر) المحاربة ھی المضادۃ والمخالفة وھی صادقة علی الکفر و علی قطع الطریق واخافة السبیل (ابن کثیر) یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا۔ مسلمان تو خیر مسلمان ہی ہیں انکے ساتھ ذمیوں کے بھی مال اور جان دونوں اللہ اور اسکے رسولؐ کے بخشے ہوئے حفظ و امن میں ہوتے ہیں، اب جو کوئی ان پر بلا عذر حملہ کرتا ہے، وہ پوری طرح سعی فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی اللہ اور رسول سے محاربہ بھی ہے۔ سمی قاطع الطریق محاربًا للہ لکون المسافر معتمدًا علی اللہ تعالیٰ فالذی یزیل امنه محارب لمن اعتمد علیه فی تحصیل الامن (فتح القدیر) سموا محاربین تشبیھًا لھم بالمحاربین من الناس (جصاص) فقہاء حنفیہ نے یہاں یہ قید لگائی ہے کہ جس رہزنی کا یہاں ذکر ہے، اور جسکی سزا یہاں درج ہے، یہ شہر یا قرب شہر میں معتبر نہیں شہر اور قرب شہر صرف تعزیر و قصاص کا محل ہے، یہاں حد جاری نہ ہوگی۔ ومذھب ابی حنیفة وجماعة ان المحاربین ھم قطاع الطریق خارج المصر واما فی المصر فیلزمه حد ما اجترح من قتل او سرقة او غصب ونحو ذالک (بحر) وقال قوم المکابرون فی الامصار لیس لھم حکم المحاربین فی استحقاق ھذا الحد وھو قول ابی حنیفة (معالم) قالت طائفة لا تکون المحاربة فی المصر انما تکون خارجًا عن المصر ھذا قول سفیان الثوری واسحق والنعمان (قرطبی) ۱۲۵ چار سزائیں یہاں مذکور ہوئیں اور چاروں الگ الگ موقعوں کیلئے ہیں قول صحیح و معتبر یہی ہے نہ یہ کہ امام کو ان چار سزاؤں میں سے ہر ایک موقع کیلئے اختیار دیدیا گیا ہے، اگرچہ بعض اکابر اس طرف بھی گئے ہیں۔ ذھب اکثرون الی ان ھذہ العقوبات علی ترتیب الجرائم لا علی التخییر (معالم) وقال ابن عباس وابو مجلز وقتادہ والحسن وجماعة بکل رتبة من الحرابة رتبة من العقاب (بحر) والمراد منه واللہ اعلم التوزیع علی الاحوال (ہدایہ) اَوْ۔ حرف اَوْ جو یہاں سزاؤں کے درمیان بار بار آیا ہے تخییر کے لئے نہیں تفصیل کیلئے ہے۔ واَوْ فی الاٰیة علی ھذا للتفصیل (بیضاوی) قال ابن عباس فی روایة عطاء کلمة او

ھھنا لیست للتخییر بل ھی لبیان ان الاحکام تختلف باختلاف الجنایات وھذا قول الاکثرین من العلماء (کبیر) یُقَتَّلُوْا۔ یہ سزا اُس موقع کیلئے ہے جب رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور نوبت مال لینے کی نہ آئی ہو۔ تقتیل باب تفعیل سے ہے اور اسکے معنی میں باب قتل یا قصاص پر زیادتی ہے۔ یہیں سے اشارہ اس نکتہ کی طرف ہو رہا ہے کہ یہ حق شریعت ہے محض ولی کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوگا۔ ویقتلون حدًا حتّٰی لو عفا الاولیاء عنھم لا یلتفت الی عفوھم لانه حق الشرع (ہدایہ) رہزنی کا جرم تنہا فرد یا افراد کے خلاف نہیں معاشرہ کے خلاف بھی ہے۔ اسلئے مستغیث افراد کی دستبرداری ایسے مقدمہ کو ختم کرنے کو کافی نہیں۔ یُصَلَّبُوْا۔ یہ سُولی پر چڑھانا اس صورت کے لئے ہے جب رہزنی میں قتل و غارت دونوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ حنفیہ کے ہاں سُولی کی سزا کے لازمی ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابو الحسن قدوری کا قول ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے کہ سولی دینے نہ دینے کا امام کو اختیار ہے۔ ثم ذکر فی الکتاب التخییر بین الصلب وترکه وھو ظاھر الروایة (ہدایہ) فی ظاھر الروایة ھو مخیر فی الصلب ان شاء فعله وان شاء لم یفعله واکتفٰی بالقتل (مبسوط) لیکن امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ سولی ضرور دی جائے اسلئے کہ اولًا تو یہ نص قرآنی کے مطابق ہے اور دوسرے سزا سے جو مقصود تشہیر اور دوسروں کیلئے عبرت ہے وہ بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ وعن ابی یوسفؒ انه لا یترکه لانه منصوص علیه المقصود والتشہیر لیعتبر به غیرہ (ہدایہ) وعن ابی یوسفؒ قال لیس للامام ان یدع الصلب لان المقصود به الاشتہار لیعتبر غیرہ (مبسوط) خود صاحب ہدایہ کا کہنا ہے کہ تشہیر تو نفس قتل ہی سے ہو جاتی ہے البتہ سُولی سے اس تشہیر میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اسلئے یہ امام ہی کی رائے پر چھوڑنا چاہیئے۔ ونحن نقول اصل التشہیر بالقتل والمبالغة فی الصلب فیخیر فیه (ہدایہ) تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائیگا۔ یہ سزا اس صورت میں ہے کہ صرف مال لُوٹا ہو اور جان نہ لی ہو۔ اس سزا کے باب میں بھی فقہاء حنفیہ میں کسی قدر اختلاف ہے۔ امام محمدؒ سے منقول ہے کہ جب قتل یا سُولی کی سزا اپنے اپنے دفعات جرم کی بنا پر نافذ ہو رہی ہو، تو پہ قطع اعضاء کی سزا نافذ نہ کی جائیگی، اسلئے کہ بڑی حد کے اجراء کے بعد پھر چھوٹی حد کے اجراء کا سوال باقی نہیں رہتا۔ مثلًا اگر کسی پر چوری اور زنا دونوں ثابت ہوں، تو سزا صرف زنا کی ملے گی، اور سنگساری کے ہوتے ہوئے ہاتھ کاٹے جانے کی الگ سزا کی ضرورت نہ رہیگی لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا فرمانا ہے کہ قطع اعضاء اور سُولی، یہ تعداد میں دو سزائیں ہی نہیں، بلکہ مجرم کے ہاتھ پیر کاٹ کر قتل یا سُولی ایک ہی سزا ہوئی۔ یہ سزا سخت تر بیشک ہے لیکن یہ اسلئے کہ جرم بھی تو سخت تر ہے۔ اور جرم کی اشدیت یہ ہے کہ مجرم نے قتل و غارت (مار اور لوٹ) دونوں کر کے امن عامہ کو انتہائی درجہ کا نقصان پہنچا دیا ——— یہ ساری تفصیلات ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ یہ اُس صورت میں کہ ابھی نوبت نہ جان لینے کی آئی نہ مال لوٹنے کی محض قصد و اقدام

الوجوہ بالعفو (جصاص) وقیل نفعل (معالم) ۱۱۳ اپنے عام حکیمانہ اسلوب کے مطابق قرآن مجید نے یہاں بھی ایک مخصوص واقعہ کے بیان کے معًا بعد ہی قانون عام بھی سنا دیا۔ ۱۱۴ ہابیل کی اس مؤثر تقریر سے قابیل خدا بھی متأثر نہ ہوا بلکہ مقابلہ مزاحمت کی طرف سے بے فکر ہو کر عجب نہیں جو قتل پر اور نیلیہ آمادہ ہو گیا ہو۔ فَقَتَلَهٗ ۔ توریت میں ہے۔ "اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اٹھا اور اسے مار ڈالا"۔ (پیدائش ۴: ۸) فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ یعنی اسے نفس نے اس کام پر رفتہ رفتہ دلیر و مستعد بنا دیا، اور اسے اس کی نظر میں خوشگوار کر دکھایا۔ ای رخصت وسولت نفسه وشجعته علی قتل اخیه (ابن کثیر) یہ حال ہر بدی و معصیت کا ہے۔ ابتدا ہر فطرت سلیم اس سے رکتی ہے ہچکچاتی ہے لیکن نفس رفتہ رفتہ اسکی جانب مائل اور اس پر گرویدہ ہوتا جاتا ہے، اور اسکی طرف سے جھجک مٹتی جاتی ہے یہاں تک کہ انسان اسے بے دھڑک کر گزرتا ہے۔ ۱۱۵ خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ دنیا میں سب سے پہلا قتل کیا، قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا اور آخرت میں عذاب شدید کا مستحق ہوا۔ فَاَصْبَحَ سے یہ مراد نہیں کہ قتل رات ہی کے وقت ہوا تھا۔ اَصْبَحَ کا اطلاق وقت مبہم کیلئے عام ہے۔ وقوع قتل و حصول خسران دن رات کے جس حصہ میں بھی ہوا ہو، اس لفظ کے اعتبار سے بے تکلف جائز ہے۔ اصبح ہو گیا کے معنی میں اور صار کے مرادف عرب کا عام محاورہ ہے بعضوں کو اس محاورہ کے سمجھنے میں عجب غلطی ہوئی ہے۔ ولا دلالة فی قوله فاصبح علی ان القتل کان لیلا وانما المراد به وقت مبهم جائز ان یکون لیلا ونهارا وان یکون نهارا وهذا عادة العرب فی اطلاق مثله والمراد به الوقت المبهم (جصاص) اصبح بمعنی صار (بحر) الا تری انهم جعلوا اضحی وظل وامسی وبات بمعنی صار (بحر) ۱۱۶ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا، اور قابیل غریب کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ اپنے مقتول بھائی کی لاش کو آخر کرے کیا۔ آخر ایک معمولی اور حقیر سا پرندہ انتظامات تکوینی کے ماتحت اس قاتل کو دفن کی تعلیم دینے کیلئے بھیجا گیا۔ سَوْءَةَ کے لفظی معنی جسم کے پوشیدہ رکھے جانے والے حصہ کے ہیں۔ یہاں مراد نعش سے ہے۔ ای جیفة اخیه (کبیر) قیل جمیع جیفته فان المیت کلها عورة (بحر) ۱۱۷ قاتل آج بکمال حسرت و ندامت کہہ رہا ہے کہ مجھے تو اس مردار خوار جانور کے برابر بھی فہم و شعور نہیں! توریت میں تو ہابیل کی تدفین کا کچھ ذکر نہیں، البتہ شارحین توریت نے ایک پرندہ کا ذکر کیا ہے کہ اسکے عمل تدفین کو دیکھ کر آدمؑ و حواؑ نے بھی ہابیل کا لاشہ زمین میں دفن کیا لیکن پرندہ کا نام بجائے کوے کے جنگلی فاختہ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اول ص ۴۹ ۔ اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ بعض فقہاء نے اس بیان سے جواز قیاس تمثیلی کا استنباط کیا ہے۔ فیه دلیل علی قیاس الشبه (ابن العربی) ۱۱۸ (اپنی اس تباہ حالی پر) یہ ندامت نفس قتل پر بالکل نہ تھی، جو توبہ کی قائم مقام کسی درجہ میں بھی ہو سکتی بلکہ قتل کے بعد اسے جو دشواریاں نظر آئیں صرف ان پر تھی۔ جسے ندامت طبعی کہا جا سکتا ہے، جو کسی حد تک بھی توبہ کا کام نہیں دے سکتی ——— گویا قاتل صرف پریشان ہوا، پشیمان اب بھی نہ ہوا۔ ولم یکن ذلك الندم توبة (قرطبی) قیل انه ندم علی القتل علی غیر جهة القربة الی الله تعالٰی منه وخوف عقابه (جصاص) ...... فکان ندمه لاجل هٰذه الاسباب لا لکونه معصیة (کبیر) حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا کہ اگر یہ ندامت عواقب قتل پر نہیں، بلکہ قتل ہی پر مانی جائے، جب بھی ہر ندامت توبہ نہیں، جب تک معذرت اور انکسار اور فکر تدارک بھی اسکے ساتھ شامل نہ ہو۔ یہ ندامت اگر کہیں معصیت کو معصیت سمجھ کر، اور خوف خدا سے ہوتی تو توبہ قبول ہی نہ ہو گئی ہوتی۔ ولو ندم علی الوجه المامور به لقبل الله توبته وغفر ذنوبه (جصاص) الندم له شروط فکل من جاء بشروطه قبل منه ومن اخل بها او بشیء منها لم یقبل (ابن العربی) الندم علی المعاصی انما ینفع بشرط العزم علی ان لا یفعل فی المستقبل (ابن العربی) ۱۱۹ (اور اس طرح قتل ناحق کا مرتکب ہو) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ جو بھی قتل ارادی بجز ان دو صورتوں کے کیا جائے، وہ قتل ناحق ہوگا:۔ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ ۔ یعنی وہ قتل بطور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ یعنی وہ قتل کسی ایسے جرم کے پاداش میں ہو جس سے ملک میں بد امنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو، اور نظام عالم پر اس سے ضرب لگ رہی ہو، مثلاً جرم رہزنی، جرم ارتداد، جرم حرامکاری وغیرہ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۔ یعنی ان مفاسد کے باعث جو قتل ناحق سے پیدا ہوتے ہیں۔ ذٰلِكَ سے اشارہ قصہ قتل ہابیل کی جانب نہیں، بلکہ ان مفاسد کی جانب ہے جو قتل ناحق سے لازم آتے ہیں۔ هو اشارة الی ما مر ذکره فی هٰذه القصة من انواع المفاسد الحاصلة بسبب القتل الحرام (کبیر) آیت کے اس ٹکڑے سے فقہاء نے قیاس شرعی کا بھی اثبات و استناد کیا ہے۔ فیه ابانة عن المعنی الذی من اجله کتب علی بنی اسرائیل ما ذکر فی الآیة (جصاص) وفیه دلیل علی اثبات القیاس ووجوب اعتبار المعانی التی علق بها الاحکام وجعلت عللا واعلاما لها (جصاص) ۱۲۰ آیت پر یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو لفظ فَكَاَنَّمَا

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ
اس پر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کو کھودتا تھا تاکہ اسے دکھا دے کہ وہ اپنے
يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ
بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے ۱۱۶ دیکھ کر وہ بولا، ہائے میری کمبختی کہ میں اس سے بھی گیا گزرا ہوا
مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ
کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا ۱۱۷ غرض وہ (بہت ہی)
النّٰدِمِيْنَ ۝٣١ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
شرمندہ ہوا ۱۱۸ اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر یہ مقرر کر دیا کہ جو کوئی کسی کو کسی جان کے
اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ
(عوض کے) یا زمین پر فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے ۱۱۹ تو گویا،
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا
اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا ۱۲۰ اور جس نے ایک کو بچا لیا، تو گویا اس نے سارے
النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ
آدمیوں کو بچا لیا ۱۲۱ اور یقیناً ان لوگوں کے پاس ہمارے پیمبر کھلے ہوئے احکام لے کر آئے ۱۲۲ اس
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝٣٢ اِنَّمَا
پر بھی ان میں کے بہت سے لوگ ملک میں زیادتی کرنے والے ہی رہے ۱۲۳ جو لوگ
جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي
اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
معانقۃ

پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا ہے کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہوگا۔ قانون، عدالت، ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں۔ مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر شخص کسی کی بھی جان بلا وجہ اور بے تقصیر لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا، اسکی جسارت اور خبث نفس سے بعید کیا ہے، جو وہ پائے، تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے ——— اصل شے تو اس کی نظر میں قانون شریعت کی بے وقری اور اسکے خلاف ورزی پر دلیری ہے۔ من حیث انه هتك حرمة الدماء وسن القتل وجرأ الناس علیه (بیضاوی) المقصود من تشبیه قتل النفس الواحدة بقتل النفوس المبالغة فی تعظیم امر القتل العمد العدوان وتفخیم شانه (کبیر) قیل المعنی من استحل واحدا فقد استحل جمیعا لانه انکر الشرع (قرطبی) حدیث نبوی میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے اسکے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ بانی اول اس جور و ستم کا تو وہی ہوا ہے۔ عن عبد الله قال قال رسول الله صلعم لا تقتل نفس ظلما الا کان علی ابن آدم الاول کفل من دمها لانه اول من سن القتل (بخاری، کتاب الانبیاء، باب خلق آدم وذریته) موجودہ توریت میں تو حرمت قتل انسانی سے متعلق صرف اس قدر ہے:۔ "جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائیگا کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے"۔ (پیدائش ۹: ۶) لیکن تالمود میں (حسب روایت راڈول، انگریزی مترجم قرآن) حسب ذیل مضمون بھی موجود ہے:۔ "جو کوئی کسی ایک اسرائیلی کو بھی مار ڈالیگا اسکے لئے یوں سمجھا جائیگا کہ گویا اس نے ساری نسل اسرائیل کو قتل کر دیا"۔ ۱۲۱ ایک حدیث صحیح میں بھی یہ مضمون ایک عام قاعدہ و ضابطہ کی صورت میں آیا ہے:۔ من سن سنة حسنة فعمل بها کان له اجرها ومثل اجر من عمل بها لا ینقص من اجورهم شیئا ومن سن سنة سیئة فعمل بها کان علیه وزرها ووزر من عمل بها لا ینقص من اوزارهم شیئا جو کوئی کسی نیک رسم کی بنیاد ڈال دے اور اس پر عمل بھی کرے اسے اجر اپنا بھی ملتا ہے اور اسکے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی بغیر اسکے کہ ان لوگوں کے اجر سے کچھ کم کیا جائے اور جو کوئی کسی رسم بد کی بنیاد ڈال دے اور اس پر عمل بھی کرے اس پر گناہ اپنے کئے کا بھی پڑتا ہے، اور اسکے بعد اس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی بغیر اسکے کہ ان لوگوں کا گناہ کچھ گھٹ ہو۔ مگر اصل کی اتنی تصریحات موجود ہیں جب بھی ... اپنی جگہ پر عقل تھا۔ اَحْيَاهَا ۔ احیا کے معنی یہاں زندہ کرنے کے نہیں، موت سے بچا لینے اور اسباب ہلاکت سے دور رکھنے کے ہیں۔ قال مجاهد ... من سلم من قتلها ... النفس ...

۱۰۱ (اور اسی جزیرہ نمائے سینا میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے) مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اُن کے لئے کوئی طور پر اب یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ ۴۰ سال سے قبل اس ارضِ مقدس میں داخل ہو سکیں اور جو نعمت انہیں تھوڑی سی جد وجہد کے بعد فی الفور ملی جا رہی تھی۔
اب اس کیلئے انہیں ۴۰ سال کا انتظار کرنا ہوگا، اور اُن کی موجودہ نسل کا بڑا حصہ اسی انتظار میں ختم ہو جائیگا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ میں جو وعدہ تھا وہ بالکل مطلق اور غیر مشروط صورت میں نہ تھا وہ مشروط تھا اُن کی جد وجہد کے ساتھ۔ والمراد بقوله كَتَبَ اللّٰهُ
ای بشرط ان تجاهدوا اهلها فلما ابوا الجهاد قيل فانها محرمة عليهم (مدارک)۔ ينبغى ان يكون الله قد جعلها لهم بشريطة القيام بطاعته واتباع امره فلما عصوا حرمها اياهم (جصاص) توریت میں اس مقام پر ہے:۔ "مجھے اپنی حیات کی قسم کہ ساری
زمین خداوند کے جلال سے معمور ہوگی کہ وہ سب لوگ جنہوں نے میری شوکت اور میرے معجزے جو میں نے مصر میں اور اس بیابان میں ظاہر کئے دیکھے اب تک مجھے دس مرتبہ آزماتے اور میری آواز پر کان نہ دھرتے، وہ اس زمین کو جس کی بابت میں نے اُن کے باپ دادوں
سے قسم کی تھی نہ دیکھینگے بلکہ کوئی اُن میں سے جنہوں نے مجھے غصہ دلایا اُسے نہ دیکھیگا۔" (گنتی۔۱۴: ۲۱۔۲۲) "مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سُنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کرونگا، تمہاری لاشیں اور اُن سب کی جو تم میں شمار کئے گئے اُنکے کل جمع کے مطابق
بیس برس والے سے لے کے اُوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں، اس بیابان میں گرینگی۔" (گنتی۔۱۴: ۲۸، ۲۹) "تم جو ہو تمہاری لاشیں اسی بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھرینگے۔ اور تمہاری گرسنگی کے اُٹھانے
والے ہونگے۔" (گنتی۔۱۴: ۳۳) "ان دنوں کے شمار کے موافق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں، دن پیچھے ایک سال ہوگا۔ سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اُٹھاتے رہو گے۔ تب تم میری عہد شکنی کو جان لوگے۔ میں نے جو خداوند ہوں کہا ہے
یقیناً میں اس سارے خبیث گروہ سے جو میری مخالفت پر جمع ہیں، ایسا ہی کرونگا۔ اس دشت میں وہ برباد ہو جائینگے اور یہیں ہلاک ہونگے" (گنتی۔۱۴: ۳۴، ۳۵) عصر حاضر کے ایک فرنگی ماہر اثریات سرچارلس مارسٹن کی تخمین کے مطابق یہ زمانہ ۱۴۴۰ ق م اور ۱۴۰۰ ق م کے درمیان کا ہے
اَرْبَعِيْنَ۔ فعل حرم کا ظرف ہے۔ اربعين ظرف التحريم (مدارک) ۱۰۳ پیمبر آخر پیمبر ہوتے ہیں، رحمت وشفقت کے پُتلے عفو وکرم کے مجسمے۔ کہاں خود ہی تو دعا کی تھی کہ نافرمان قوم کو سزا ملے۔ اور کہاں اب جو سزا، وہ بھی صرف دنیوی ملنے لگی تو لگا خود آپ ہی کا دل پسیجنے
اور اُن لوگوں پر غم کرنے۔ عین اُسی وقت حکم ہوا کہ حکمت کاملہ میں ایسے نافرمانوں کیلئے سزا یہی مناسب ہے اور آپ اِن پر غم نہ کیجئے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے اور سیاق خود اسی کا مقتضی ہے۔ والخطاب لموسى عليه السلام كما هو قول
... واليه ذهب اجلة المفسرين (مع) ۱۰۴ (اے ہمارے پیمبر!) عَلَيْهِمْ میں ضمیر کس طرف ہے؟ اہل کتاب، خصوصاً معاندین اہل کتاب کی طرف ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ واتل على اهل الكتاب (کبیر) ای اقصص على هؤلاء البغاة الحسدة
(ابن کثیر) واتل على هؤلاء اليهود الذين هموا ان يبسطوا ايديهم اليكم (ابن جریر) لیکن عام نوع انسانی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واتل على الناس (کبیر) قصہ کا مقصد دو امور کی تعلیم دینا ہے، (۱) ایک یہ کہ نسب کی بزرگی مطلق کام نہیں آتی مقبول صرف
وہی ہوتا ہے جو حکم کا مطیع ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ انسان حسد سے متاثر ہو کر کیسی کیسی شیطانی حرکتیں کر گزرتا ہے۔ اِبْنَيْ اٰدَمَ۔ مُراد قابیل وہابیل ہیں، یا بہ اصطلاح توریت قائن وہابل۔ قابیل بڑے تھے، ہابیل چھوٹے حسب تصریح توریت قابیل کاشتکار
تھے اور ہابیل بھیڑ بکری کے چرواہے یا گلہ بان۔ بِالْحَقِّ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ متلبسًا بالحق۔ تلاوة متلبسة بالحق والصحة (کشاف) عجب نہیں مقصود یہ ظاہر کرنا ہو کہ قرآن کی یہ بیان کی ہوئی روداد بالکل سچ ہی سچ ہے۔ توریت وغیرہ کی روایتوں کی طرح
یہ قصہ بھی حق وباطل کی ملاوٹ نہیں رکھتا۔ محقق رازیؒ نے ایک پہلو اور بھی رکھا ہے یعنی یہ قرآنی حکایت، دوسری قرآنی حکایتوں کی طرح ہدایت کا سبق لینے کیلئے ہے۔ جاہلیت قدیم وجاہلیت جدید کی طرح، قصہ محض قصہ کی غرض سے، آرٹ محض آرٹ کی غرض سے،
قرآن مجید کا مقصود نہیں ہو سکتا۔ ای ليعتبروا به لا ليحملوه على اللعب والباطل مثل كثير من الاقاصيص التى لا فائدة فيها وانما هى لهو الحديث (کبیر) اور یہ بات اسی ایک حکایت کے ساتھ خاص نہیں۔ قرآن مجید کی ساری حکایتوں اور قصوں سے مقصود
یہی عبرت، موعظت وہدایت ہے۔ وهذا يدل على ان المقصود بالذكر من الاقاصيص والقصص فى القرآن العبرة لا مجرد الحكاية (کبیر) ۱۰۵ (اللہ کے حضور میں) قُرْبَانًا قربانی یہاں اصطلاحی معنی میں یعنی ذبیحہ کے مُرادف نہیں بلکہ لفظی معنی اور وسیع مفہوم میں ہے۔ نذر ونیاز کے
مفہوم میں ہے۔ القربان ما يتقرب به الى الله (راغب) القربان اسم لما يتقرب به الى الله تعالى من ذبيحة او صدقة (کبیر) القربان ما يقصد به القرب من رحمة الله تعالى من اعمال البر (جصاص) قُرْبَانٌ اسم جنس ہے۔ واحد وجمع دونوں موقعوں پر آسکتا
ہے۔ اسم جنس فهو يصلح للواحد والعدد (کبیر) ۱۰۶ (اس لئے کہ وہ مخلصانہ تھی) روایتوں میں آتا ہے کہ چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر مخلصانہ تھی۔ اُس نے اپنے گلے کی بہترین بھیڑ پیش کر دی تھی، وہ قبول ہو گئی۔ بڑے بھائی قابیل نے اپنے کھیت
کی پیداوار کا ناقص حصہ پیش کیا، وہ قبول نہ ہُوا ——— قبول نیاز کی علامت اُس زمانہ میں یہ تھی کہ ایک آگ آسمان سے آکر نذر قبول کر لے جاتی تھی۔ توریت میں اسکے اشارے بار بار آئے ہیں۔ ۱۰۷ قابیل ہابیل سے خفا پہلے ہی کسی معاملہ میں تھا، اور یوں
بھی سن میں بڑا تھا، اپنے کو بزرگی و مقبولیت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ اب شدت حسد سے بہت ہی برافروختہ ہو کر بیگناہ بھائی کی جان لینے تک پر آمادہ ہو گیا۔ توریت میں یہ پُورا قصہ یوں درج ہے:۔ "چند روز کے بعد یُوں ہُوا کہ قائن اپنے کھیت میں سے
خداوند کے واسطے ہدیہ لایا اور ہابل بھی اپنی بکریوں کے پلوٹھی اور موٹی موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا۔ اور خداوند نے ہابل کو اور اسکے ہدیہ کو قبول کیا، پر قائن کو اور اسکے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لئے قائن نہایت غصہ اور تُرش رو ہُوا۔ اور خداوند نے قائن سے کہا تجھے کیوں غصہ آیا اور تیرا منہ
کیوں بگڑا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا، اور اگر تو اچھا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر موجود ہے۔ اور تیرا ارادہ رکھتا ہے، پر تو اس پر غالب ہو۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں، اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یُوں ہُوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اُٹھا اور
اسے مار ڈالا۔" (پیدائش۔۴: ۳۔۸) ۱۰۸ (اور تم چونکہ مقام تقویٰ واخلاص پر قائم نہ رہے، اسلئے قبول نذر کے معاملہ میں ناکام رہے۔ اس میں میری کیا خطا ہے؟) لان حصول التقوى شرط فى قبول الاعمال (کبیر) محقق رازیؒ نے لکھا ہے کہ تقویٰ میں
ان تین اُمور کی رعایت لازمی ہے۔ ایک یہ کہ قبول طاعت میں غایت خشیت کا استحضار ہو، اور اپنی طرف سے کوئی بات تکمیل طاعت میں اٹھا نہ رکھی جائے۔ دوسرے یہ کہ امکانی کوشش اس امر کی رہے کہ طاعت سے رضاء الٰہی کے سوا اور کچھ مقصود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ غیر اللہ کی
شرکت وآمیزش ذرا بھی اس طاعت میں نہ ہو۔ وحقيقة التقوى امور احدها ان يكون على خوف ووجل من تقصير نفسه فى تلك الطاعة فيتقى باقصى ما يقدر عليه عن جهات التقصير وثانيها ان يكون فى غاية الاتقاء من ان يأتى بتلك
الطاعة لغرض سوى طلب مرضاة الله تعالى وثالثها ان يتقى ان يكون لغير الله تعالى فيه شركة (کبیر) محققین اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ تقویٰ سے اس سیاق میں مراد تقویٰ شرک ہے۔ تو جو شرک سے محفوظ اور توحید پر قائم رہا، تو جن اعمال میں اُس نے صدق نیت سے
کام لیا، وہ مقبول ٹھہرینگے اور جو شرک ومعصیت دونوں سے بچا، وہ قبول ورحمت دونوں کا حقدار ٹھہرا۔ قال ابن عطية المراد بالتقوى هنا اتقاء الشرك باجماع اهل السنة فمن اتقاه وهو موحد فاعماله التى تصدق فيها نيته مقبولة (قرطبی۔ بحر) واما المتقى
الشرك والمعاصى فله الدرجة من القبول والختم بالرحمة (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اپنے کسی کمال کا اظہار موقع شکر پر جائز ہے، بطور فخر نہیں۔ ۱۰۹ (باوجود اپنے اس علم کے کہ میں بے قصور ہوں) ۱۱۰ (حالانکہ تیرے ارادۂ قتل پر مطلع ہو کر اور تیری
آمادگیٔ قتل دیکھ کر میرے پاس جواز قتل کا عذر بھی موجود ہے) فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ تم جس طرح آغاز قتل میں دلیر ہو، میں ابتداء بالقتل کی جرأت نہیں رکھتا۔ یہ مطلب نہیں کہ مدافعت میں تلوار اُٹھانا جائز نہ ہو۔ شریعت اسلامی میں جب قرائن
قوی سے یہ معلوم ہو جائے کہ قاتل حملہ کیا ہی چاہتا ہے، تو جواب ومدافعت میں تلوار اُٹھانا بالکل جائز ہے، بلکہ اگر مصلحت اسلامی اس کی مقتضی ہو، تو ایسے موقع پر واجب ہو جاتا ہے۔ قال ابن عباسؓ لئن بدأتنى بقتل لم ابدأك به ولم يرد انى لا ادفعك
عن نفسى اذا قصدت قتلى (جصاص) يجب على من قصده انسان بالقتل قتله اذا امكنه (جصاص) انه فى شرعنا يجوز دفعه اجماعا وفى وجوب ذلك عليه خلاف والاصح وجوبه (قرطبی) واختلف فى هذا الان فالصحيح من المذهب انه يلزم الرجل دفع الفساد
عن نفسه وغيره وان ادى للقتل (روح) محققین اہل سنت نے اس فتوی پر علاوہ احادیث نبوی کے متعدد آیات قرآنی سے بھی استدلال کیا ہے مثلاً:۔ (۱) وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة۔ کہ قصد قتل یقیناً فتنہ میں شامل ہے۔ (۲) ولكم فى القصاص حيوة کہ اسی سزائے قتل کے
خوف سے قاصد قتل باز رہیگا۔ (۳) فان بغت احدىهما على الاخرى فقاتلوا التى تبغى الخ۔ کہ فئہ باغیہ قصد قتال ہی رکھتی ہے۔ اور انہی آیات قرآنی واحادیث نبوی سے استدلال کر کے حضرت علیؓ نے خوارج سے قتال اُنکے قصد قتال کی بنا پر جائز رکھا تھا، اور سب
صحابیوں نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ وقد قتل على بن ابى طالب الخوارج حين قصدوا قتل الناس واصحاب النبى صلعم معه وافقون عليه وقد روى عن النبى صلعم آثار فى وجوب قتالهم (جصاص) مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ کے فقرہ نفی میں ایک تو بجائے فعل کے اسم فاعل اور
پھر حرف ب نفی بسط کی تاکید واستمرار کیلئے ہے۔ لتاكيد النفى بما فى خبرها من الباء للمبالغة فى اظهار براءته عن بسط اليد ببيان استمراره على نفى البسط (ابوسعود) واكد النفى بالباء (بیضاوی) ذكر الشرط بلفظ الفعل والجزاء بلفظ اسم الفاعل مقرونا بالباء المزيدة لتاكيد
النفى (نیشاپوری) ۱۱۱ (اور مدافعت تک میں ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ تیری سی جسارت کہاں سے لاسکتا ہوں کہ خدا سے ذرا نہیں ڈرتا، اور بالکل بلا وجہ میرے قتل پر آمادہ ہو گیا ہے) اصل مسئلہ شرعی تو وہی ہے جو اُوپر کے حاشیہ میں مذکور ہو چکا۔ البتہ الفاظ قرآنی کے ظاہر سے
سند پکڑ کے بعض بزرگوں نے ایسے موقع پر بھی عفو ودرگزر ہی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کا آخری وقت کا طرز عمل اسی آیت کے مطابق تھا یعنی اپنی جان دینا گوارا کر لی، اور جان کے دشمنوں سے مقابلہ وقتال قبول نہ فرمایا۔ قال ایوب
السختيانى ان اول من اخذ بهذه الاية من هذه الامة عثمان بن عفان رواه ابن ابى حاتم (ابن کثیر) وهذا فى الشرع جائز لمن اريد قتله ان ينقاد ويستسلم طلبا للاجر كما فعل عثمانؓ (معالم) قال بعضهم المقصود بالقتل ان اراد ان يستسلم جاز له ذلك وهكذا فعل عثمانؓ (بحر) انما
استسلم كما استسلم عثمان بن عفانؓ (بحر) اِنِّیْۤ اَخَافُ جملہ تعلیلیہ ہے، اور اسی لئے ترجمہ میں "کیونکہ" بڑھا دیا گیا۔ اشارة الى كون الجملة تعليلية لما قبلها وهذا التقرير احسن من كل ما وجد فى التفاسير (تھانوی) علل ذلك بقوله انى اخاف الله (ابوسعود) تعليل للامتناع
عن بسط يده لقتله (روح) ۱۱۲ (جو کھلا ہُوا نتیجہ تیری بدکرداریوں کا ہوتا ہے) اِثْمِیْ کے معنی "میرے گناہ" کے نہیں بلکہ اہل تحقیق کے نزدیک "میرے قتل کے گناہ" کے ہیں۔ اور تقدیر کلام یوں ہے، باثم قتلى من قتلك اياى (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ و
ناس من اصحاب الرسول) اى باثم قتلى (ابن کثیر عن ابن عباسؓ ومجاهد والضحاك وقتادة والسدى) اى باثم قتلى وهذا قول اكثر المفسرين (معالم) اِثْمِكَ سے مراد وہ گناہ ہیں جو قابیل اس تازہ اقدام گناہ سے قبل کر چکا تھا۔ یا وہ پہلا گناہ جس کے پاداش میں اسکی نذر
قبولیت سے محروم رہ گئی تھی۔ واثمك فى معصية الله بغير ذلك من معاصيك (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ وناس من اصحاب الرسول) اثمك الذى عليك قبل ذلك (ابن کثیر عن ابن عباسؓ ومجاهد والضحاك وقتادة والسدى) اثمك الذى لاجله لم يتقبل قربانك (مدارک)
قال اكثر العلماء ان المعنى ترجع باثم قتلى واثمك الذى عملته قبل قتلى قال الثعلبى هذا قول عامة اكثر المفسرين (قرطبی) فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ اس جزو سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قابیل کافر تھا، اسلئے کہ اصحاب النار کا اطلاق قرآنی اصطلاح میں کافروں ہی پر
ہوتا ہے۔ وقد استدل بقول هابيل لاخيه قابيل انه كان كافرا لان لفظ اصحاب النار انما ورد فى الكفار حيث وقع فى القرآن (قرطبی) لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں۔ اصحاب النار وہ بھی ہیں جو کچھ دیر کیلئے بھی دوزخ میں جائیں اور یہ سزا مومن
عاصی کیلئے ممکن ہے۔ وهذا مردود بما ذكرناه عن اهل العلم فى تاويل الاية ومعنى من اصحاب النار مدة كونك فيها (قرطبی) ولا يقوى هذا الاستدلال لانه يكفى عن المقام فى النار مدة بالمعصية (بحر) اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْۤاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ۔ یعنی میں چاہتا ہوں
کہ سارا وبال تمہی پر پڑے مجھ پر نہ پڑے۔ یہ مُراد نہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی گناہ کرو۔ کسی کیلئے یہ چاہنا کہ وہ گناہ کرے جائز نہیں۔ البتہ اس چاہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ گناہ کا وبال گنہگار ہی پر پڑے۔ والمراد انى اريد ان تبوء بعقاب اثمى واثمك لانه لا يجوز ان ...

خوف نہ کھاؤ اور اُن سے مت ڈرو۔ کیونکہ خداوند تیرا خدا وہی ہے جو تیرے ساتھ جاتا ہے۔ وہ تجھ سے غافل نہ ہوگا اور تجھکو نہ چھوڑیگا۔" (استثناء۔ ٣١: ٦) ٩٥ دنیوی خسارہ تو ظاہر ہی ہے کہ حکومت اور اتنی بڑی حکومت سے محروم ہوجاؤ گے اور اخروی خسارہ یہ کہ حکم جہاد کی نافرمانی کا خمیازہ آخرت میں اٹھانا پڑیگا۔ مُرشد تھانوئیؒ نے فرمایا کہ معاصی سے کبھی کبھی دنیوی مضرتیں بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔ ٩٦ یہ قوم عمالقہ کی تھی۔ جو ایک بڑی زور آور اور جنگ آزما قوم تھی۔ بنی اسرائیل کی پُرانی حریف توریت اور تاریخ اسرائیل اس کی خونریزیوں کی داستان سے رنگین ہے۔ توریت میں اس قوم پر بنی اسرائیل کی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے گئے ہیں:۔ "ہمیں زور نہیں کہ ہم ان لوگوں پر چڑھیں کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زور آور ہیں"۔ (گنتی۔ ١٣: ٣٢) "یہ زمین جس کی جاسوسی میں ہم گئے تھے، ایک زمین ہے جو اپنے بسنے والوں کو نگلتی ہے۔ اور سب لوگ جنہیں ہم نے وہاں دیکھا، بڑے قدآور ہیں۔ اور ہم نے وہاں جباروں کو، بنی عناق کو جو جباروں کی نسل میں ہیں دیکھا اور ہم اپنی نظروں میں ان کے سامنے ایسے تھے جیسے ٹڈے۔ اور ایسے ہی ہم اُنکی نظروں میں تھے"۔ (گنتی۔ ١٣: ٣٣) جَبَّارِیْنَ۔ جبّار کا اطلاق بڑے ڈیل ڈول والوں، کلّے ٹھلّے والوں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں یہی مراد ہے۔ ای عظام الاجسام طوالاً (ق) بقال رجل جبار اذا کان طویلا عظیما قویا والقوم کانوا فی غایۃ القوۃ وعظم الاجسام (کبیر) روایاتِ یہود میں ذکر بہت مبالغہ کے ساتھ اُنکے قد و قامت کی درازی کا آیا ہے اور اُن کی دراز دستیاں بھی بہت کچھ مذکور ہیں ـــــ لفظ جبّار جو قرآن مجید نے ان کیلئے استعمال کیا ہے یہ وہی ہے جو خود توریت میں ان کیلئے آیا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباسات میں نقل ہوچکا۔ ٩٧ بنی اسرائیل ایک طرف تو اپنے ان مخالفین یعنی عمالقہ کی ہیبت و شوکت سے اس قدر مرعوب تھے، اور دوسری طرف تن آسانیوں کے طالب اور فرائض جہاد سے جی چرانے والے بھی۔ اپنے وطن تک کے لئے اپنے پیمبر اور دنیوی لیڈر کی ترغیب کے باوجود بھی آمادہ نہ ہوتے۔ توریت میں اُن کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔ "وہ لوگ جو وہاں بستے ہیں زور آور ہیں۔ اور اُن کے شہر بڑے مضبوط قلعوں میں ہیں۔ اور ہم نے بنی عناق کو بھی وہاں دیکھا۔ اور اس زمین میں دکھن کی طرف عمالیقی بستے ہیں ... ... ہمیں زور نہیں کہ ہم اُن لوگوں پر چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زور آور ہیں"۔ (گنتی۔ ١٣: ٢٨، ٣٢) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ماقبل۔ اسرائیلیوں کا یہ قول بھی بطریق استبعاد تھا۔ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ نہ عمالقہ وہاں سے از خود نکلیں گے اور نہ ہمیں چڑھائی کی نوبت آئیگی۔ انما قالوا ھذا علی سبیل الاستبعاد (کبیر) قیل قالوا ذلک علی سبیل الاستبعاد ان یقع خروج الجبارین منھا (بحر) ٩٨ (ان کم ہمتوں کو حوصلہ دلانے کیلئے) رَجُلٰنِ۔ ان میں سے ایک کا نام یوشع بن نون تھا اور دوسرے کا کالب بن یوقنا۔ یوشع سردار تھے قبیلۂ بنی افرائیم کے اور کالب قبیلۂ بنی یہودا کے۔

مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جن میں خوفِ خدا تھا۔ جن کے دلوں میں تقویٰ الٰہی و خشیت تھی۔ ای یخافون اللہ سبحانہ ویتقونہ (بیضاوی) کانہ قیل رجلان من المتقین (کشاف) اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا اللہ کا فضل و انعام اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ انہیں حق گوئی و حق پرستی کی توفیق دی۔ اور وہ شوکت کفار سے مرعوب نہ ہوئے۔ ای بالیقین والصلاح (قرطبی) مُوسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ ہر دانشمند فوجی لیڈر کو ایسے موقع پر کرنا چاہیئے، کیا یہ تھا، کہ فلسطین پر فوج کشی سے قبل اپنی قوم کے ہر ہر قبیلہ سے اُسکے لیڈر کو چُن کر، کل ١٢ معززین و شرفاء کو ملک کے متعلق تحقیق حال کیلئے یا بہ اصطلاح توریت "جاسوسی" کے لئے آگے روانہ کردیا۔ اُن میں سے دس نے آکر یہ مبالغہ آمیز رپورٹ دی، کہ غنیم بہت ہی طاقتور ہے، اس سے مقابلہ کرنا اپنی جان کھونا ہے۔ باقی دو نے اس کے برعکس ہمت افزا باتیں بیان کیں۔ توریت کے بیانات اس موقع پر بھی حسب معمول بڑے طویل ہیں۔ تاہم کچھ اقتباسات تو بہرحال قابل نقل ہیں:۔ "پھر خداوند نے موسیٰؑ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے، بھیج دے۔ چنانچہ مُوسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشتِ فاران سے اُن کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے اور اُن کے نام یہ ہیں ... اور مُوسیٰؑ نے انہیں بھیجا کہ زمین کنعان کی جاسوسی کریں ... اور اُس زمین کو دیکھو کہ کیسی ہے۔ وہ لوگ جو وہاں کے بسنے والے ہیں، کیسے ہیں، زور آور ہیں یا کمزور، تھوڑے ہیں یا بہت۔ اور وہ زمین جس میں وہ رہتے ہیں کیسی ہے، اچھی ہے کہ بُری اور وہ شہر جن میں وہ بستے ہیں کیسے ہیں خیموں میں ہیں یا قلعوں میں۔ اور زمین کیسی ہے، جید یا بنجر۔ اس میں درخت ہیں یا نہیں"۔ (گنتی۔ ١٣: ١-٢٠) "وہ لوگ چڑھے اور زمین کی جاسوسی دشت سین سے حوب تک جو حمات کے راستہ میں ہے کی ... ... وہ چالیس دن کے بعد اُس زمین کی جاسوسی کر کے پھرے"۔ (گنتی۔ ١٣: ٢١-٢٥) انہوں نے آکر جو کچھ کہا، وہ حاشیہ ٩٦ میں نقل ہوچکا۔ ٩٩ ان لوگوں نے ایک بڑی گہری اور عارفانہ حقیقت بیان کردی، کہ اصل امتحان تو حضرت حق کے ہاں بس عزم و ہمت ہی کا ہوتا ہے۔ باقی نتائج میں برکت تو از خود پیدا ہوجاتی ہے۔ توریت میں اس مقام کی منظر کشی یوں کی ہے:۔ "تب کالب نے موسیٰ کے حضور لوگوں کو چُپ کروایا اور کہا کہ البتہ ہم لوگ چڑھیں گے اور ملک پالیں گے۔ کیونکہ ہمیں بلاشبہ اس کے لینے کا زور ہے"۔ (گنتی۔ ١٣: ٣٠) "اور نون کے بیٹے یشوع اور یفنہ کے بیٹے کالب نے جو اُس زمین کی جاسوسی کرنے والوں میں سے تھے اپنے کپڑے پھاڑے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کو کہا، وہ زمین جس پر ہمارا گزر اس کی جاسوسی کیلئے ہوا نہایت خوب زمین ہے۔ اگر خدا ہم سے راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائیگا اور یہ زمین جس پر دودھ اور شہد بہہ رہا ہے، ہم کو عنایت کریگا۔ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم اس زمین کے لوگوں سے ڈرو وہ تو ہماری خوراک ہیں۔ اُن کا سایہ اُن سے جاچکا ہے پر خداوند ہمارے ساتھ ہے۔ اُن کا خوف نہ کرو۔ تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر پتھراؤ کرے"۔ (گنتی۔ ١٤: ٦-٩) ١٠٠ یہ کہنے والی بنی اسرائیل کی عام جماعت تھی، جو ان فہمائشوں سے غیر متاثر ہی تھی۔ توریت میں اس موقع کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ "تب ساری جماعت چلا کر روئی اور لوگ اُس رات بھر رویا کئے، پھر سارے بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون پر کڑکڑائے اور ساری جماعت نے انہیں کہا کہ اے کاش ہم مصر میں مرجاتے اور کاش کہ ہم اُسی بیابان میں فنا ہوتے! خداوند کس لئے ہم کو اس زمین میں لایا کہ تلوار سے گرجائیں اور ہماری جوروان اور بچے پکڑے جائیں"۔ (گنتی۔ ١٤: ١-٣) "تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر یوشع اور کالب پر پتھراؤ کرے"۔ (گنتی۔ ١٤: ١٠) فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ۔ اسرائیلیوں کی اس تقریر کا گستاخانہ طرز تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرک قوموں سے متاثر ہو کر یہ موحد قوم بھی اپنے عقیدہ میں شرک اس حد تک داخل کرچکی ہو۔ مشرک قوموں کا یہ ایک عام دستور تھا کہ میدانِ جنگ میں جاتے تو اپنی مورتیوں، ٹھاکروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور یہ عقیدہ بھی رکھتے کہ اُنکے دیوتا بھی اُنکے ساتھ ساتھ ہیں۔ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ یہ واضح رہے کہ اسرائیلیوں کی اس وقت تک کوئی الگ باقاعدہ فوج نہ تھی۔ بلکہ ساری قوم کا ہر بالغ و تندرست مرد مسلّح اور فوجی سپاہی تھا۔ ١٠١ یعنی فیصلہ ان دو فریقوں کے درمیان جن میں ایک طرف ہم دو بھائی ہیں بے بس و بے اختیار، اور دوسری طرف یہ جمِ غفیر ہے، ہر طرح گستاخ و نافرمان۔ اَخِیْ۔ بھائی سے مُراد حضرت ہارونؑ تھے جو خود بھی پیغمبر برحق تھے۔ یہ دُعا ظاہر ہے کہ ان پیمبران برحق نے اپنی ناکارہ قوم کی سرکشی اور بغاوت اور اپنی بے بسی پوری طرح محسوس کرنے کے بعد ہی کی۔ توریت کے صفحات اسرائیلیوں کی گستاخانہ روش کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ آیت میں بڑی تسکین کا سامان اکابر اُمّت کے لئے ہے کہ قوم جب سرکشی اور نافرمانی کیلئے تُل جائے تو پیمبرانِ برحق تک کی کوششیں ناکام رہتی ہیں۔ پھر کسی ولی یا بزرگ کی سعی اصلاح اگر ناکام رہے تو وہ دل شکستہ کیوں ہو۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دعائے موسوی میں اظہارِ حق ...

وقف لازم ٨ ع ٤ النصف

تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝٢٦ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ

بے حکم قوم پر (ذرا) غم نہ کیجئے ١٠٢ اور آپ انہیں آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا

ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ

قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ سنا دیجئے ١٠٣ (یہ اس وقت ہوا) جب دونوں نے ایک نیاز پیش کی ١٠٤ ان میں سے

اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ

ایک کی تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی ١٠٥ (اس پر وہ دوسرا) بولا کہ میں تجھکو قتل کر کے رہونگا ١٠٦

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝٢٧ لَىِٕنْۢ

(پہلے نے) کہا اللہ تو متقین کا (عمل) قبول کرتا ہے ١٠٧ تو اگر تو

بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ

اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائیگا کہ مجھے قتل کر ڈالے ١٠٨ تو میں (جب بھی) اپنا ہاتھ تجھ پر اُٹھانے کا نہیں کہ

اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٨

تجھے قتل کر ڈالوں ١٠٩ (کیونکہ) میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں ١١٠

اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو میرے (قتل کا) گناہ اور اپنا (پچھلا) گناہ (دونوں) اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝٢٩ فَطَوَّعَتْ

میں شامل ہوجائے ١١١ یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی ١١٢ غرض اُس کے نفس نے اسے

لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٣٠

اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کردیا، تو اُسنے اُسے مار ہی ڈالا ١١٣ جس سے وہ بڑا نقصان اٹھانیوالوں میں ہوگیا ١١٤

ساتھ ایک گونہ ذاتی خصوصیت اور نسبت ہے جو معاصی وغیرہ سے قطع نہیں ہوتی۔ اور ہم کیسے ہی ہوں مگر اُس انتساب یا اتصال کے زور سے گھر بیٹھے جنت میں جائینگے" ٥٨٧ (اور دنیا صدہا سال سے وحی تازہ کی نعمت سے محروم تھی) رَسُوْلُنَا۔ ہمارے رسول جن کی آمد آمد تم اہل کتاب مدت سے سن رہے تھے۔ انجیل میں بار بار ذکر "وہ نبی" The Prophet کا یہود کی زبان سے آتا ہے۔ اسکے کھلے ہوئے معنی یہی ہیں کہ ایک متعارف نبی کا آنا مدتوں سے مسلم چلا آرہا تھا۔ يُبَيِّنُ لَكُمْ تمہیں صاف صاف احکام شریعت بتاتے رہتے ہیں۔ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ علی حین فترۃ من الرسل۔ ای جاءکم علی حین فترۃ من ارسال الرسل (کشاف) ای علی فتور من الارسال (کبیر) فترۃ۔ کے لفظی معنی انقطاع عمل یا سکون کے ہیں۔ ای سکون والاصل فیھا انقطاع العمل عما کان علیہ من الجد فیہ (قرطبی) اصطلاح میں دو نبوتوں کے درمیانی زمانہ کو کہتے ہیں۔ الفترۃ ما بین کل نبیین (تاج) ای علی انقطاع ما بین النبیین عن ابی علی وجماعۃ من اھل العلم (قرطبی) سمیت المدۃ التی بین الانبیاء فترۃ (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلعم کے درمیان وقفہ کم و بیش چھ سو سال کا رہا ہے حضورؐ کا سال ولادت ٥٧٠ء ہے اور سال بعثت ٦١٠ء۔ ہمارے ہاں بھی متعدد تابعین سے یہی مدت منقول ہے۔ وقال قتادۃ کان بین عیسٰی ومحمد علیہما السلام ستمائۃ سنۃ وقال مقاتل والضحاک ووھب بن منبہ الا ان وھبا زاد عشرین سنۃ (قرطبی) ٥٨٨ (اسلئے ہم کو دین کے باب میں صحیح اور تفصیلی کا فی علم ہونے ہی نہیں پایا) اَنْ تَقُوْلُوْا۔ یعنی کہیں قیامت کے دن یہ عذر پیش کرنے لگو۔ اَنْ یہاں لئلا کے معنی میں ہے۔ ای لئلا او کراھۃ ان تقولوا (قرطبی) قدرہ الفراء لئلا تقولوا۔ (ابو سعود) مِنْۢ بَشِيْرٍ میں مِنْ نفی وانکار میں زیادتی کے لئے ہے۔ کہ کوئی بھی تو نہیں آیا۔ وزیادۃ من فی الفاعل للمبالغۃ فی نفی المجیء (روح) ٥٨٩ (سو سُن لو کہ اب عذر کی کوئی گنجائش تمہارے پاس باقی نہیں رہی۔ آگے ماننا نہ ماننا تمہارا فعل ہے) والتقدیر ھنا لا تعتذروا فقد جاءکم۔ (روح) والفاء متعلق بمحذوف ای لا تعتذروا فقد جاءکم (مدارک) ٥٩٠ (اور یہ اُسی کی قدرت کا ایک ظہور ہے کہ اُس نے صدیوں کے بعد ایک پیغمبر اور وہ بھی سب پیغمبروں سے بڑا مبعوث کر دیا) آیت کے اس ٹکڑے سے یہ پہلو بھی صاف ہوا جاتا ہے کہ گو اُس نے تمہاری حجت قطع کرنے کو یہ پیمبر مبعوث کر دیا، تاہم اگر وہ چاہتا تو بغیر اسکے بھی تم پر حجت قائم کر دیتا، اور تمہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

وہ وہاں سے نکل جائیں البتہ وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو ہم بیشک داخل ہونے کو تیار ہیں ٥٩١

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا

(اس پر) وہ دو آدمی جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں تھے (اور) اُن دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے ٥٩٢

ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

تم اُن پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازہ تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اُسی وقت

غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾

غالب آجاؤ گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو ٥٩٣ وہ لوگ

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا

بولے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی بھی نہ داخل ہونگے جبتک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں، سو آپ

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾

خود اور آپکے خداوند چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں ٥٩٤ (موسیٰؑ نے)

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ

عرض کی کہ اے میرے پروردگار میں تو سوا اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار رکھتا نہیں، سو تو

بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

ہی ہمارے اور (اس) بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے ٥٩٥ ارشاد ہوا کہ اچھا تو وہ ملک ان پر

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ فَلَا

چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا یہ لوگ زمین پر بھٹکتے پھریں گے ٥٩٦ سو آپ (اس)

٥٩١ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کا وہ زمانہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی و محکومی سے آزاد ہو کر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی سے نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک ہی وقت میں اُن کے دینی پیغمبر بھی تھے اور دُنیوی لیڈر بھی، انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ اپنے وطن فلسطین چلو، ظالم و غاصب قوم عمالقہ کو وہاں سے نکال دو اور خود اس پر حکمرانی کرو۔ تازہ ترین تاریخی اور اثری تحقیق کے مطابق مصر سے خروج بنی اسرائیل کا زمانہ ١٤٤٠ق۔م کا ہے اور فلسطین پر اسرائیل کی فوج کشی کا زمانہ ١٤٠٠ق۔م کا۔ اس لحاظ سے حضرت موسیٰؑ کی اس تقریر کا زمانہ اسی درمیانی مدت کا ہے۔ عجب نہیں کہ آپکے بالکل آخری زمانہ کی ہو۔ جیسا کہ توریت کے صحیفۂ استثناء باب اوّل سے اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو اسی صحیفۂ استثناء میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ آپنے یہ تقریر دریائے یردن کے اسی پار موآب کے میدان میں واقعۂ خروج مصر کے چالیسویں سال کے گیارھویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو ارشاد کی تھی۔ ٥٩٢ يٰقَوْمِ۔ خطاب یہاں قوم سے بہ حیثیت مجموعی ہے، افراد سے نہیں۔ فِيْكُمْ میں فی، من کے مرادف ہے۔ فیکم ای منکم۔ (ابن عباسؓ) نبوت ایک انفرادی اور شخصی منصب ہوتا ہے۔ اسی لئے فِيْكُمْ وارد ہوا ہے یعنی تمہاری قوم کے اندر افراد انبیاء ہوتے رہے۔ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ مَلِك کے معنی عربی میں لازمی طور پر بادشاہ اور تاجدار ہی کے نہیں۔ ہر آزاد، خودمختار اور صاحب حیثیت شخص پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یقال من استغنی عن غیرہ فھو مَلِك (قرطبی) الملك اسم لکل من یملك السیاسۃ اما فی نفسہ واما فی غیرہ سواء تولّی ذلك اولم یتول (راغب) کلّ من کان مستقلا بامر نفسہ ومعیشتہ ولم یکن محتاجا فی مصالحہ الی احد فھو ملك (کبیر) کل من ملك بیتا وخادما وامرأۃ فھو ملك (ابن جریر) حدیث میں ہر ایسے شخص پر ملك کا اطلاق آیا ہے، جو اپنا ذاتی مکان اور زوجہ اور خادم رکھتا ہو۔ عن النبی صلعم من کان لہ بیت او قال منزل یاوی الیہ وزوجۃ وخادم یخدمہ فھو ملك (قرطبی) عن زید بن اسلم قال قال رسول اللہ صلعم من کان لہ بیت وخادم فھو مَلِك (ابن جریر) اور قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ملك سردار، افسر یا فوجی قائد کے معنی میں آچکا ہے۔ ابعث لنا ملکا (بقرہ۔ رکوع ٣٢) خود اہل فلسطین کے محاورہ میں بھی تقریباً ہر سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ٧، صفحہ ٥) اسی لئے یہاں متعدد ائمہ وا کابر نے مَلِك کا ترجمہ مخدوم یا اور ایسے ہی مترادفات سے کیا ہے۔ ای ھم مخدومون کالملوك وعن ابن عباس ایضا یعنی الخادم والمنزل وقالہ مجاھد وعکرمۃ والحکم بن عیینۃ۔ (قرطبی) اصحاب خدم وحشم (جلالین) قال ابن اسحٰق یعنی اصحٰب خدم وحشم (کمالین) اسرائیلی ابھی چند سال قبل تک محکوم، مغلوب و مقہور تھے۔ اور اب ہر طرح آزاد و خودمختار تھے۔ بالکل بجا تھا کہ تقابل حالات کے اظہار کے لئے اب انہیں ملوک سے تعبیر کیا جاتا۔ بعد ما کنتم ممالیك فرعون (ابن عباسؓ) قال السدی یعنی وجعلکم احرارا تملکون انفسکم بعد ما کنتم فی ایدی القبط بمنزلۃ اھل الجزیۃ فینا (کبیر) ٥٩٣ یہ نعمت عظمیٰ نعمت توحید ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اقوام عالم میں نسلی و قومی حیثیت سے توحید اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے، ورنہ اور قومیں تو من حیث القوم شرک ہی میں مبتلا رہی ہیں۔ ہمارے مفسرین کو اس مضمون کی آیتوں کی تفسیر میں بڑی دشواری یہ پیش آتی رہی ہے کہ اگر بنی اسرائیل کو سب سے افضل مان لیا جائے، تو پھر اُمت محمدی کے لئے کون سا مقام باقی رہ جائیگا؟ —— اشکال اور دشواری کی بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔ یہاں مقابلہ تو دنیا کی ساری قوموں اور نسلوں کا ہو رہا ہے۔ اُن میں بیشک سب سے افضل، اشرف نسل اسرائیلی ہی ہے کہ بخلاف دوسری قوموں کے شرک اور وہم پرستیوں کے توحید اور اسکے لوازم یعنی رسالت، وحی، حشر وغیرہ عقائد صحیحہ کی حامل دنیا کی تاریخ میں یہی ایک قوم رہی ہے۔ بخلاف اس کے اُمت محمدی تو کسی قوم یا نسل کا نام ہی نہیں۔ یہاں تو اسرائیلی، اسمٰعیلی، حبشی، چینی، رومی، جاپانی جو کوئی بھی عقائد اسلامی پر ایمان لے آئے، وہی اُمت محمدی میں داخل ہے۔ اس پر مفصل حاشیے انی فضلتکم علی العلمین کے تحت میں سورۂ بقرہ کے رکوع ٥، ٦ میں گزر چکے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے خاندان میں سے ہونا ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔ کیونکہ اس تعلق سے دین اس پر سہل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس پر فخر اور گھمنڈ روا نہیں۔ ٥٩٤ (لوح محفوظ میں، یا اپنے علم میں) حضرت موسیٰؑ موقع ترغیب پر فرما رہے ہیں کہ وہ زمین تو تمہارے لئے مقدر ہو ہی چکی ہے، ذرا سی ہمت و کوشش کرو تو ابھی مل جاتی ہے۔ الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ۔ مقدس سرزمین سے مراد شام یعنی فلسطین (کنعان) اسی کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ ھی الشام (ابن جریر۔ عن قتادہ) الارض المقدسۃ دمشق وفلسطین وبعض الاردن۔ (ابن جریر عن السدی) توریت میں ان وعدوں کی صراحتیں موجود ہیں۔ "دیکھو میں نے یہ زمین جو تمہارے آگے ہے تمہیں عنایت کی، داخل ہو اور اس زمین کو جس کی بابت خداوند نے تمہارے باپ دادوں ابراہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کی کہ تم کو اور تمہارے بعد تمہاری نسل کو دونگا میراث میں لو۔" (استثناء ١: ٨) "تو اس سرزمین میں جس کی بابت خداوند نے تیرے باپ دادوں ابراہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کے کہا کہ اسے میں تمہیں دونگا، سکونت کرے۔" (استثناء ٣٠: ٢٠) "مضبوط ہو جاؤ اور دلاور ہو

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ
تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول جو تمہیں صاف صاف بتاتے ہیں آپہنچے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا آنا
الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ
بند تھا ۵۸۷ کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بھی نہ بشارت دینے والا آیا نہ تنبیہ کرنے والا ۵۸۸
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اب تو آگیا تمہارے پاس بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا ۵۸۹ اور اللہ ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھتا
ع۳ ۸ ۷ قَدِيْرٌ ۝۱۹ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ
ہے ۵۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا ۵۹۱ کہ اے میری قوم اللہ کا وہ احسان تم
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ
اپنے اوپر یاد کرو جب اُس نے تمہارے اندر نبی پیدا کئے اور تمہیں خود مختار کیا ۵۹۲ اور
وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ يٰقَوْمِ
تمہیں وہ دیا جو دنیا جہان میں کسی (قوم) کو بھی نہیں دیا گیا تھا ۵۹۳ اے میری قوم
ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا
اُس زمین مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۵۹۴ اور پیچھے
تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۲۱ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى
پیروں واپس نہ ہو ورنہ بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے ۵۹۵ وہ بولے کہ اے موسیٰؑ
اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى
اس سرزمین پر تو بڑی زبردست قوم (آباد) ہے ۵۹۶ اور ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک

ملکنت علیٰ خلاف امرہ ای اقتدرت علیہ (قرطبی) پُورے فقرہ کا مفہوم یہ ہُوا کہ کون اللہ کے ارادہ کی راہ میں حائل ومانع ہوسکتا ہے؟ یعنی فمن الذی یقدر علیٰ دفع شئ من افعال اللہ تعالیٰ ومنع شئ من مرادہٖ (بحر) ای فمن یقدر ان یمنع من ذٰلک شیئًا (قرطبی) فمن یمنع من قدرتہٖ وارادتہٖ شیئًا (بیضاوی) فَمَنْ میں مَن لانے سے مُراد یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے تو بتاؤ۔ اسی مفہوم کو ترجمہ میں "اچھا تو" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ وَاُمَّهٗ۔ مسیحؑ کے ساتھ حضرت مریمؑ کا ذکر لانے کی ایک مناسبت یہ ہے کہ دنیائے مسیحیت کی ایک بڑی آبادی کے نزدیک وہ بھی شریکِ الوہیت ہیں، اور لاکھوں بلکہ کروڑوں مسیحیوں کے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر فائز ہیں۔ اصل حوالوں کیلئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ حاصل استدلال یہ ہوا کہ قوت، قدرت، ارادہ و اختیار میں کوئی مخلوق، حتیٰ کہ مسیحؑ و مریمؑ بھی خدائے تعالیٰ خالق کائنات کے مقابلہ میں کچھ بھی لائے جاسکتے ہیں؟ اور اللہ کی مشیت کی راہ میں ذرا بھی حائل ہو سکتے ہیں؟ کھُلا ہُوا جواب ہے کہ نہیں۔ پھر جب یہ ہے تو تمہاری عقل کیسی ماری گئی ہے کہ تم مسیحؑ (یا مسیح و مریم دونوں) کو شریکِ الوہیت ٹھہرا رہے ہو! ۵۷۹ (کہ بے اختیاری، بے بسی، اور مخلوقیت میں حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ بھی ساری ہی مخلوق جیسے ہیں، اور اس اعتبار سے ان میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں) اراد بعطف من فی الارض علی المسیح وامہ انہما من جنسہم لا تفاوت بینہما وبینہم فی البشریۃ (کشاف) یعنی ان عیسٰی مشاکل بمن فی الارض فی الصورۃ والخلقۃ والجسمیۃ والترکیب وتغییر الصفات والاحوال (کبیر)

۵۸۰ (بلا کسی کی شرکت و اعانت کے) "آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر" یعنی ساری موجودات و کائنات پر۔

۵۸۱ مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیحؑ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اور اس سے ان کا استدلال یہ تھا کہ ایسے محیر العقول وجود کو انسان یا بشر کیسے تسلیم کر لیا جائے؟ وہ یقیناً فوق البشر ہے اور الوہیت کا حصہ دار ہے۔ یہاں جواب اسی کا دیا گیا ہے، کہ اللہ تو پیدا کرنے کی ہر صورت پر، ہر صورت سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اُس نے اگر کسی مخلوق کو عام اور عمومی عادت کے خلاف طریقہ سے پیدا کر دیا، تو اس سے اُس مخلوق کی الوہیت یا غیر مخلوقیت کیسے ثابت ہو گئی؟ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ۔ جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے، خواہ سنت عادی کے موافق ہو یا مخالف، پیدا کر سکتا اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ اُس کی قوت خلاقی کسی صورت اور کسی طریق کے ساتھ مخصوص و متعین نہیں۔ تخلیق کی ہر نوع اور ہر صنف، بلا واسطہ، بہ واسطہ سب پر یکساں قادر ہے۔ ای یخلق ای خلق یشاءہ فتارۃ یخلق من غیر اصل واخرٰی من اصل وتارۃ من اصل یجانسہ ویخلق بلا توسط شئ من المخلوقات وقد یخلق بتوسط مخلوق آخر (روح) ای ان خلقہ لیس مقصورًا علیٰ نوعٍ واحدٍ بل ما تعلقت مشیئتہ بایجادہ اوجدہ واخترعہ (بحر)

۵۸۲ (اور اس لئے عام نوع انسان سے کہیں افضل و اشرف) نَحْنُ صیغہ جمع متکلم (ھُم) سے مراد یہاں افراد نہیں بلکہ قوم یا ملت، مجموعۂ افراد مُراد ہے۔ یعنی یہود من حیث القوم اور نصاریٰ بہ حیثیت ملت موجودہ محرّف اور مسخ شدہ بائبل تک میں اس قسم کے حوالے موجود ہیں:۔ "خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ (خروج۔ ۴: ۲۲) "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو"۔ (استثنا ۱۴: ۱) "جب اسرائیل لڑکا تھا میں نے اس کو عزیز رکھا اور اپنے بیٹے کو مصر سے بُلایا"۔ (ہوسیع۔ ۱۱: ۱) (جیوش انسائیکلوپیڈیا (جلد ۶۔ ص۱۵) میں بھی انہی عقاید کی تکرار موجود ہے) "جتنوں نے اُسے قبول کیا، اُس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا"۔ (یوحنا۔ ۱: ۱۲) "جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں، وہی خدا کے بیٹے ہیں"۔ (رومیوں۔ ۸: ۱۴) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر۔ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ میں ابناء سے مراد حقیقی صلبی بیٹے نہیں اور نہ ابن کے یہ معنی ہی لازمی طور پر ہیں، اس کے لئے عربی میں دوسرا لفظ ہے۔ ولد۔ ابن کا اطلاق مجازی مُنہ بولے لڑکوں پر پُوری طرح ہوتا ہے۔ اور عربی میں اس کا یہ مجازی استعمال بہت عام ہے۔ یقال لکل ما یحصل من جہۃ شئ او من تربیتہ او بتفقدہ او کثرۃ خدمتہ لہ او قیامہ بامرہ ھو ابنہ نحو فلان ابن حرب وابن السبیل للمسافر وابن اللیل وابن العلم وفلان ابن بطنہ وابن فرجہ اذا کان ھمتہ مصروفًا الیہما وابن یومہ اذا لم یتفکر فی غدہ (راغب) اور اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ اب، ابن، بنت یہ تین لفظ ایسے ہیں کہ بڑی کثرت سے چیزیں ان کی جانب منسوب ومضاف مستعمل ہوتی ہیں۔ وللاب والابن والبنت اسماء کثیرۃ تضاف الیہا (تاج۔ لسان) اور آگے ازہری لغوی اور ابن العربی لغوی کے حوالہ سے ایک بڑی طویل فہرست ایسے ناموں کی دے دی ہے جو عربی میں کسی کے 'ابن' کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہیں، مثلاً ابن الطین حضرت آدمؑ کے لئے، ابن اللیل چور کے لئے، ابن الاقوال باتونی شخص کیلئے وغیرہا۔ ہمارے مفسرین رحمہم اللہ نے بھی بغیر اس کے کہ بائبل کے محاوروں کا مطالعہ کیا ہو، محض اپنے اشراق ایمانی سے یہاں یہی معنی قرار دیئے ہیں، یعنی ہم خاصانِ خدا میں سے ہیں ہمارا اور عام خلقت کا مقابلہ ہی کیا۔ کما کان یقول رھط مسیلمۃ نحن انبیاء اللہ ویقول اقرباء الملک وذووہ وحشمہ نحن الملوک (کشاف) ای اعزۃ علیہ کالابن علی الاب (مدارک) لفظ الابن کما یطلق علی ابن الصلب فقد یطلق ایضًا علی من یتخذ ابنًا واتخاذہ ابنًا بمعنی تخصیصہ بمزید الشفقۃ والمحبۃ (کبیر) ارادوا ان اللہ تعالیٰ لنا کالاب فی الحنو والعطف ونحن کالابناء لہ فی القرب والمنزلۃ (معالم۔ ابوسعود) قالوا ھٰذا اطلق عندھم علی التشریف والاکرام (ابن کثیر) ومرادھم بالابناء المقربون ای نحن مقربون عند اللہ تعالیٰ قرب الاولاد من والدھم (روح) البنوۃ ھنا بنوۃ الحنان والرأفۃ (بحر) حاصل تقریر اُن کا یہ تھا کہ ہم سب اونچی ذات والے اور خاص مقربین حق میں ہیں ____ ٹھیک وہی ذہنیت جو ہندوستان میں برہمنوں کی اور اپنے کو چندر بنسی اور سورج بنسی کہلانے والے راجپوتوں کی ہوتی ہے۔ والمقصود العریض ھو المعنی المنصص مدحًا وحاصل دعواھم ان لھم فضلًا ومزیۃ عند اللہ تعالیٰ علی سائر الخلق (روح) وحملۃ الکلام ان الیھود والنصارٰی کانوا یرون لانفسھم فضلًا علی سائر الخلق لسب اسلافھم الافاضل من الانبیاء حتی انتھوا الی تعظیم انفسھم (کبیر) اور یہ ذہنیت خود مسلمانوں کے اندر بھی پیرزادگی، مشائخ زادگی، مخدوم زادگی کے گھمنڈ سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں۔

۵۸۳ جس کے تم خود قائل ہو، بد اعمالی پر دنیوی سزاؤں کا ترتب تو ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی جس سے یہود و نصاریٰ کسی کے لئے انکار ممکن نہ تھا۔ اور ان دنیوی سزاؤں کے تذکرہ سے عہد عتیق کے صحیفے بھرے پڑے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں صریح رد ہے اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ ایسے قرب کا قائل ہو جس میں معصیت پر بھی مواخذہ نہ ہو۔

۵۸۴ (اور بلا امتیاز و استثناء انہیں کی طرح عام قاعدوں کے تحت میں داخل ہو) یعنی جزا و سزا کا جو قانون ساری دنیا کے لئے ہے، وہی تمہارے لئے بھی ہے۔

۵۸۵ (اور وہی قادر مطلق، حاکم برحق یہ وعدہ کر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لئے مغفرت ہے، اور اہل کفر کے لئے دائمی عذاب) یعنی اسی کی مشیت سب پر غالب ہے، وہ کسی کی محکوم نہیں۔

۵۸۶ (کہ کسی نبی یا ولی کی طرف، فرشتہ یا دیوتا کی طرف) مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ابن اللہ مسیح کے دربار میں پیش ہوں گے، اور یہود اس خیال میں تھے کہ اُن کے آبا و اجداد یعقوبؑ اور اسحٰقؑ اور ابراہیمؑ انہیں عذاب الٰہی کی گرفت سے بچا لیں گے۔ حکیم الامت تھانویؒ نے اس موقع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ لفظ بلفظ نقل ہونے کے قابل ہے۔ "یہ دعویٰ مذکورہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا ہمارے زمانہ کے جاہل پیرزادوں کا انتساب تو باوجود اعمال مسلسل کے بہ جمعیت ... کو ہمارے

الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

مسیح ابن مریم ہے ٥٧٦ آپ کہیئے کہ اچھا تو اللہ سے کون کچھ بھی بچا سکے اگر وہ

إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ

ہلاک کر دینا چاہے مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو ٥٧٨ اور جو کوئی بھی

مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ

زمین پر ہے سب کو ٥٧٩ اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ اُن کے

الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ

درمیان ہے، اُس (سب) پر اللہ ہی کی حکومت ہے ٥٨٠ وہ جو کچھ چاہے پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ

پر پوری قدرت ہے ٥٨١ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لڑکے

أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۖ

اور اُسکے چہیتے ہیں ٥٨٢ آپ کہہ دیجیے تو پھر خدا تمہیں گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے ٥٨٣

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ

نہیں بلکہ تم (محض) بشر ہو مخلوقات میں سے ٥٨٤ وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

سزا دے گا ٥٨٥ اور اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین پر، اور جو کچھ ان دونوں

وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

کے درمیان ہے اُس (سب) پر بھی ہے اور اسی کی طرف واپسی ہے ٥٨٦ اے اہل کتاب

منزل ٢

ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ بس انہوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟ (یوحنا ١:١٩-٢٢) "انہوں نے اُس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ۔ نہ وہ نبی۔ تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟" (یوحنا ١:٢٥) یہ بار بار وہ نبی کے سوال کے کیا معنیٰ؟ ضرور ہے کہ کسی معروف نبی کی پیشگوئی یہود میں مدت سے چلی آرہی ہو، اور یہ النبی یقیناً مسیح سے الگ کوئی تھے، جیسا کہ اُوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔ اور آگے چلیے۔ خود مسیح نے ایک بار عید کے اخیر دن کھڑے ہو کر پکار اکہ اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آکر زندگی کا پانی پیے۔ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سُن کر کہا، بیشک یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"۔ (یوحنا ٧:٤٠) ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ حضرت مسیح دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اپنے شاگردوں کو تسلی دیتے ہیں۔ "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"۔ (یوحنا ١٤:١٦) (مددگار کے لفظ پر اُردو انجیل میں نسخہ "یا وکیل یا شفیع" بھی درج ہے) اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار یا شفیع یا وکیل بجز نبی "خاتم النبیین" کے اور کون ہے؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح کی زبان سے ملاحظہ ہو۔ "مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمہارے پاس نہ آئیگا۔ لیکن اگر میں جاؤنگا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دُونگا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصور وار ٹھیرائیگا"۔ (یوحنا ١٦:٧، ٨) اسکے کُھلے ہوئے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ نبی آکر پُرانی شریعتیں منسوخ کریگا، اور نئی شریعت چلائیگا۔ حظًا پر حاشیہ ابھی نمبر ٦٢ میں گزر چکا۔ ٥٦٩ بَيْنَهُمُ یعنی مسیحی قوموں کے درمیان۔ اشارہ نصرانیوں کے اندرونی مذہبی اختلافات کی جانب ہے۔ مسیحیوں کے اندر جس کثرت سے فرقے ہیں اور پھر اُن میں باہم جس درجہ شدید اختلافات ہیں، باہر والوں کو اُس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اور اگر اس مفہوم میں یورپ کی موجودہ سیاسی قومیں شامل سمجھی جائیں تو انکی باہمی رقابتیں اور عداوتیں تو اور زیادہ ظاہر و روشن ہیں۔ جرمنی کی آویزش فرانس سے، برطانیہ کا غصہ رُوس پر، فرانس کی عداوت اسپین سے، امریکہ کی بدگمانی اٹلی سے، وغیرہا۔ اندرونی نفسانیت اور کشمکش کی حد و حساب ہی نہیں۔ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ یعنی ہمیشہ مستقل طور پر۔ قرآن مجید ظاہر ہے کہ محاورۂ انسانی کے مطابق ہے۔ اور محاورہ میں "قیامت تک" سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جب تک اس شے کا وجود باقی ہے۔ قرآن مجید ہی میں ابلیس کے ذکر میں ہے کہ اُس پر لعنت قیامت تک رہیگی معنیٰ بالکل ظاہر ہیں کہ وہ لعنت اُس پر ہمیشہ رہیگی۔ نہ یہ کہ وہ یوم حشر کے بعد لعنت سے نجات پا جائیگا۔ اس لئے زائغین جدید میں سے ایک صاحب کا آیت کے ذیل میں یہ کہنا کہ "اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیسائی قیامت کے دن تک رہینگے ...... اور یہ خیال کہ کسی وقت کُل کے کُل مسلمان ہو جائینگے، اس آیت کے رُو سے غلط ٹھہرتا ہے" جہل محض ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاصی جس طرح عقاب اُخروی کا سبب بنتے ہیں، عقاب دنیوی کا بھی باعث بن سکتے ہیں۔ ٥٧٠ سَوْفَ۔ یعنی قیامت میں۔ قرآن مجید نے قرب آخرت کے استحضار کیلئے بار بار اسکی آمد و وقوع کیلئے سوف کا لفظ اختیار کیا ہے۔ القاء عداوت و بغض باہمی میں ذکر وبال دنیوی کا تھا۔ اب سزائے آخرت کا آگیا۔ ٥٧١ (اور یہ بجائے خود ایک شہادت ہے انکے پیمبرانہ علم کی) مطلب یہ ہوا کہ پیمبر اُمّی ہونے کے باوجود، توریت و انجیل کے اصل مضامین کو تمہاری کوشش اخفاء کے باوجود وحی الٰہی سے معلوم کر کے ظاہر کر دیتے ہیں۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ۔ اب خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ ٥٧٢ (اور یہ حلم و عفو بجائے خود ایک شہادت ہے انکے پیمبرانہ اخلاق کی) يَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ۔ یہ مضامین جنہیں آپؐ نظر انداز کر جاتے ہیں وہ ہیں، جنکے اظہار سے بجز مجرموں کی تفضیح کے اور کوئی شرعی غرض وابستہ نہیں۔ انما لم یظھرہ لانہ لاحاجۃ الی اظھارہ فی الدین (کبیر) لا یُبیّنہ اذا لم تضطر الیہ مصلحۃ دینیۃ ومافیہ احیاء الشریعۃ وامانتہ بدعۃ۔ (کشاف) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہیں سے اہل اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب تک کوئی مصلحت دینی نہ ہو مقتضائے غیظ پر عمل نہیں کرتے، اور عداوت میں بھی شغل غیظ نفسانی کا قصد نہیں کرتے۔ ٥٧٣ نور سے اشارہ ہے رسالتِ محمدیؐ کی جانب اور كِتَابٌ مُبِينٌ سے قرآن مجید کی جانب۔ یعنی بالنور محمدًا صلعم وکتاب مبین ھو القراٰن الذی انزلہ علی نبینا (ابن جریر) نور قیل محمد صلعم عن الزجاج وکتاب مبین ای القراٰن فانہ یُبیّن الاحکام (قرطبی) ٥٧٤ یعنی رضائے حق کا ارادہ کرتے ہیں، اور اسکی تلاش و فکر میں رہا کرتے ہیں۔ ای مَنْ یعلم اللہ تعالیٰ انہ یرید اتباع رضاء اللہ تعالیٰ بالایمان بہ (روح) یہیں سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ راہ ہدایت انہی کے نصیب میں آتی ہے، جو از خود اسکی تلاش و طلب میں رہتے ہیں۔ سُبُلَ السَّلَامِ۔ پوری سلامتی، مادی و روحانی، ہر حیثیت سے مکمل جنت ہی میں جا کر نصیب ہو سکتی ہے۔ اُسکے راستے یعنی جنت میں جانے کے طریقے صحیح عقائد اور صحیح اعمال ہیں طرق السلامۃ الموصلۃ الی دار السلام وھی الجنۃ (قرطبی) قیل طرق الجنۃ (بحر) بہ میں ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ ای بالکتاب المبین (کبیر) ظاھرہ انہ یعود علی کتاب اللہ (بحر) ای بالقراٰن (مدارک) ٥٧٥ یعنی عمر بھر انہیں سیدھی راہ پر قائم رکھتا ہے۔ الظُّلُمَاتِ سے مراد کفر کی تہ بتہ تاریکیاں ہیں۔ ای من ظلمات الکفر والجہالات (قرطبی) النُّور سے مراد ایمان وطاعت کی روشنی ہے۔ ای الیٰ نور الاسلام والھدایات (قرطبی) بِإِذْنِهِ سے مراد ارادۂ الٰہی، توفیق الٰہی، یا مشیت تکوینی ہے۔ ای بتوفیقہ (کبیر) ای بارادتہ وتوفیقہ۔ (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اصل مقصود طلب رضا ہے، دخول جنت اسکے تابع ہے۔ ٥٧٦ اس عقیدہ کو جو کھلا ہوا شرک ہے، خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید "نصرانیت" سے تعبیر نہیں کرتا۔ نہ ایسے لوگوں کو نصاریٰ یا اہل الکتاب سے موسوم کرتا ہے۔ انکا ذکر تو الذین قالوا انا نصاریٰ کے تحت میں ابھی اُوپر آچکا ہے۔ اب جن لوگوں کا ذکر ہے، اُن کیلئے تو کھلا ہوا اور قطعی حکم تکفیر ہی کا ہے۔ لقد کفر الذین الخ مسیحیت موجودہ کی متعدد شاخوں کے عقیدے تو کھلے ہوئے مشرکانہ ہیں، مثلاً Sabellianism و Docetism Monarchianism وغیرہا۔ ان کیلئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ اردو میں انکی اصطلاحوں کے ترجمے بھی دشوار ہیں۔ اب رہی وہ مسیحیت جو مسلک جمہور کے مطابق ہے اور صدیوں سے دنیا میں خوب پھیلی ہوئی ہے، وہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں عقیدۂ اتھانا سیس (Athanasian Creed) جو کیتھولک، پروٹسٹنٹ وغیرہ سب مشہور و مقبول فرقوں میں مشترک ہے، اس میں یہ الفاظ صراحۃً موجود ہیں:- "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا۔ ..... باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق ..... باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود ..... باپ ازلی، بیٹا ازلی ..... یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق ..... ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا" کھلا شرک اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ مسیح اور مریم دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ المسیح کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ بجائے خود ایک ضرب کاری ہے عقیدۂ الوہیت مسیح پر کہ جسے تم عین خدا قرار دے رہے ہو، وہ تو خود ایک خاتون کا فرزند تھا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں صریح رد ہے اُن لوگوں پر جو خالق و مخلوق میں اتحاد کے قائل ہیں۔ ٥٧٧ (اس مسیح پرستی کی تردید میں، اے ہمارے پیغمبر!) ٥٧٨ (طبعی موت سے) أَنْ يُهْلِكَ۔ اہلاک ایک تو ہوتا ہے بصورت عذاب، وہ یہاں مراد نہیں۔ یہاں اہلاک بصورت موت طبعی مُراد ہے۔ المراد بالاھلاک الاماتۃ والاعدام مطلقًا لا عن سخط وغضب (روح) مَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ ملک یہاں قدرت کے معنی میں ہے۔ الملک ھو القدرۃ (کبیر) یملک بمعنی یقدر (من قولھم

اور شکست کا کوئی امکان بھی اس کے بعد ذہن کے سامنے نہیں آسکتا ——— آج محض دائسرائے اگر رعایا کے ایک معمولی فرد سے کہدے کہ گھبراؤ مت ہم تمہارے ساتھ رہینگے تو اُسے کس قدر قوت و استقامت حاصل ہوجائے۔ چہ جائیکہ یہاں خالق کائنات مالک الملک، حاکم علی الاطلاق اپنی معیت کا یقین دلا رہا ہے، تسکین واطمینان کا کوئی درجہ اسکے بعد اور ہو کیا سکتا ہے؟ یہ ایک پہلو تھا۔ اب دوسرے پہلو سے دیکھئے۔ کوئی معصیت امر استحضار معیت الٰہی کے بعد بندہ سے ممکن ہے؟ جہاں کوئی اپنے سے ذرا بڑا اگر نگرانی کیلئے پاس موجود رہتا ہے جب تو اسکی مروت لحاظ یا دباؤ سے ہم اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، اور کوئی لغزش یا معصیت سرزد نہیں ہونے دیتے، چہ جائیکہ ہمہ بین وہمہ تواں مالک ومولا کی معیت کا استحضار، کوئی معصیت بھی اسکے بعد ممکن رہ سکتی ہے؟ غرض ترغیب وترہیب کے جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے معیت الٰہی کا مراقبہ بہترین ومؤثر ترین ہے۔ محققین نے یہ بھی صاف کردیا ہے کہ معیت سے یہاں مراد نعوذ باللہ معیت جسمانی نہیں جیسے مخلوق مخلوق کے درمیان ہوتی ہے بلکہ احاطۂ علم وقدرت ونصرت کے لحاظ سے ہے۔ انی معکم بالعلم والقدرة فاسمع کلامکم واری افعالکم واعلم ضمائرکم واقدر علی ایصال الجزاء الیکم (کبیر) ای بالعلم والحیاطة وفی ھذہ المعیة دلالة علی عظم الاعتناء والنفر (بحر) ای ناصرکم ومعینکم (مدارک) ۵۹ خوب خیال رہے کہ ایمان وحسن عمل کی اصل جزا قرآن مجید نے آخرت ہی میں رکھی ہے۔ اور سارا زور جنت اور اسکی نعمتوں ہی پر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود وغیرہ قدیم قوموں کے تذکرہ کے سلسلہ میں بھی اسی کو بار بار دُہرایا ہے ——— دنیوی کامیابی اور غلبہ کو بھی بیان کیا ہے، لیکن صرف کہیں کہیں، اور وہ بھی گویا ضمنی اور ثانوی طور پر، بطور انعام اصلی کے تتمہ کے ——— اور یہی بڑا فرق قرآن اور توریت کے درمیان ہے۔ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ یعنی جو پیمبر میری طرف سے آیندہ آتے رہینگے اُن کی تصدیق کروگے۔ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ یعنی انکے دشمنوں کے مقابلہ میں اُنکی مدد کروگے۔ ای رددتم عنهم امدادهم (قرطبی) نصرتموهم بان تردوا عنهم اعداءهم (مدارک) اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی اللہ کی راہ میں نیک کاموں میں اخلاص وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرتے رہوگے۔ ہر زبان کے کچھ خاص محاورے ہوتے ہیں جو دوسری زبان والوں کو نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہی میں سے عربی کا یہ محاورہ ہے۔ جو اُردو خوانوں کو بہت ہی اجنبی سا محسوس ہوتا ہے قرض کی حقیقت عربی زبان میں صرف اس قدر ہے کہ یہ وہ مال ہے جسکی واپسی کچھ مدت بعد لینے والے پر لازم اور واجب ہوجاتی ہے۔ سمی ما یدفع الی الانسان من المال بشرط رد بدله قرضًا (راغب) تو اسی واپسی کے لزوم ووجوب کی بنا پر اللہ کی خدمت میں مال پیش کرنے کو قرض سے تعبیر کردیا گیا ہے۔ اور حَسَنًا کے اضافہ نے یہ قید لگادی، کہ وہ صرف مال اخلاص اور خوشدلی کے ساتھ ہو۔ ۶۰ (اور بھٹک گیا) بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی اس عہد وپیمان کے بعد۔ ۶۱ چنانچہ خود توریت بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی، عہد شکنی اور ملعونیت کی داستان سے لبریز ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ۔ ب سببیہ ہے۔ اور ف نے یہ صاف کردیا کہ یہ ساری فہمائشیں بیکار گئیں۔ اور بنی اسرائیل خود اپنے عہد وقرار کے توڑنے پر تُل گئے نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز لعنت الٰہی میں گرفتار ہوتے گئے۔ لعنت کے مفہوم یعنی رحمتِ الٰہی سے محرومی پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ لعناهم ای طردناهم وابعدناهم من الرحمة قاله عطاء والزجاج (کبیر) بِمَا میں ما نے معنیٰ تاکید کے پیدا کردیئے۔ ما زائدة للتوکید عن قتادة وسائر اهل العلم وذلك انها موکد الکلام بمعنی تمکنه فی النفس من جهة حسن النظم ومن جهة تکثیره للتوکید. فالتاکید بعلامة موضوعة کالتاکید بالتکریر (قرطبی) الباء سببية وما مزيدة لتوكيد الكلام وتمكينه فی النفس (روح) ما مزيدة لافادة تفخيم الامر (مدارک) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ نکلا کہ بعض معاصی سے قبض طاری ہوجاتا ہے۔ ۶۲ (کہ حق بات قبول نہیں کرتے) یہ قلب کی قساوت یعنی کلمۂ حق کے قبول کرنے سے گریز اسی ملعونیت کے اثر سے ہے۔ اور لعنت کی حقیقت ہے لطف حق سے دوری اور رحمت حق سے مہجوری۔ اللعن الابعاد والطرد من الرحمة (قرطبی) يحتمل التاويل الباطل ويحتمل تغيير اللفظ (کبیر) یہود کی قساوتِ قلب کا ذکر انجیل میں بھی بار بار آیا ہے: «اُسنے اُنکی سخت دلی کے سبب غمگین ہوکر اور چاروں طرف اُن پر غصہ سے نظر کرکے اس آدمی سے کہا» (مرقس۔۳: ۵) «اُنکی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ملامت کی» (مرقس۔۱۶: ۱۴) «تو اپنی سختی اور غیر تائب دل کے مطابق اس قہر کے دن کیلئے اپنے واسطے غضب کما رہا ہے» (رومیوں۔۲: ۵) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح معاصی سے قبض طاری ہوجاتا ہے۔ اسی طرح قبض سے معاصی پیدا بھی ہوجاتے ہیں ۶۳ (اور اسی بڑے حصہ میں تصدیق رسالتِ محمدی بھی شامل ہے)۔ قال ابن عباسؓ ترکوا نصیبًا بما اُمروا به فی کتابهم وهو الایمان بمحمد صلعم (کبیر) حَظًّا۔ تنکیر معنی کی بڑائی کیلئے ہے یعنی بڑا حصہ۔ ای نصیبًا جزیلًا وقسطًا وافیًا (مدارک) نصیبًا وافیًا (بیضاوی) يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ اس میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفیں آگئیں۔ ای یتأولونه علی غیر تاویله (قرطبی) قیل معناه یبدلون حروفه (قرطبی) یہود مسیحیوں کی طرح خود بھی وحی لفظی کے قائل نہیں اور نہ اپنے صحیفوں بلکہ خود توریت تک کی محفوظیت کے مدعی۔ اُن کا تو سارا کام مسیحیوں کی طرح بجائے اصل متن کے ترجمہ کے زور پر چل رہا ہے۔ اور ترجمہ بالفرض بہتر سے بہتر ہو، جب بھی اصل سے جتنا دُور ہوتا ہے ہر صاحبِ علم پر روشن ہے۔ اور ترجمہ در ترجمہ میں یہ لوگ ارادی ترمیم وتصرف سے شرماتے نہیں، فخریہ اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ۶۴ یہود کی دینی ودنیوی خیانتوں کی مثالیں خود قرآن ہی میں جا بجا مذکور ہیں۔ مثلاً اُن کا اخفاء احکام توریت، انکی جھوٹی اور جعلی شہادتیں پیش کرنا، وقس علی ہذا۔ خائنة سے مراد خیانت ہے۔ اور ایسا استعمال عربی میں عام ہے۔ الخائنة الخيانة قال قتادة وهذا جائز فی اللغة (قرطبی) الخائنة فی هذا الموضع الخيانة وضع وهو اسم موضع المصدر (ابن جریر) بمعنی المصدر ونظيره كثير كالكافية والعافية وقال تعالى فاهلكوا بالطاغية ای الطغيان (کبیر) خائنة کا اطلاق کبھی علّامہ ونسّابہ کی طرح مبالغہ کے لئے بھی ہوتا ہے۔ ان تقع خائنة للواحد كما يقال رجل نسابة علامة فخائنة على هذا للمبالغة يقال رجل خائنة اذا بالغت فی وصفه بالخيانة (قرطبی) اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ اور وہ معدودے چند منکرین وہ تھے، جو بعد کو ایمان لے آئے۔ ۶۵ یعنی اُن کے ان جرائم کے باوجود ابھی ان سے انتقام نہ لیجئے اور بلا ضرورت شرعی اُن کی تفضیح ورسوائی کا سامان نہ کیجئے۔ ۶۶ (اور اُسی نیک کاری کی ایک فرد یہ ہے کہ بلا ضرورت شرعی کسی کی تفضیح ورسوائی نہ کی جائے) مُحْسِنِيْنَ۔ احسان کے معنی عربی میں صرف حسنِ عمل اور نیک کاری کے ہیں۔ اُردو کے "احسان" کا اسے مرادف نہ سمجھا جائے۔ نکتہ سنجوں نے یہیں سے یہ حقیقت اخذ کی ہے کہ جب کافروں اور کافر بھی کیسے، غیر متدین وخائن کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ حسنِ عمل اور نیک کاری قرار پایا تو پھر مسلمان کے ساتھ عفو ودرگزر کے معاملہ کی فضیلت کا کیا کہنا! تنبيه على ان العفو عن الكافر الخائن احسان فضلًا عن العفو عن غيره (بیضاوی) ۶۷ (ویسا ہی عہد جس کا ذکر ابھی بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اُوپر آچکا ہے) قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى۔ انداز بیان کی احتیاط ملاحظہ ہو۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ ہم نے نصاریٰ سے عہد لیا بلکہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا۔ نصاریٰ۔ نصرانی کی جمع ہے۔ اور اس لفظ پر حاشیے پ میں گزر چکے۔ زیر آیت وقالت الیهود لیست النصاری الخ ۶۸ (اور اسی بھلائے ہوئے بڑے حصہ میں توحید الٰہی بھی شامل ہے اور تصدیق رسالت محمدیؐ بھی) یہ قرآن کا ایک عجیب معجزہ ہے کہ آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صدہا تحریفات کے بعد بشارات محمدی ان میں اب تک باقی ہیں۔ حضرت یحییٰؑ کے سلسلہ میں ہے:۔ «جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے، کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اُس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں...

اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ
ہم نے اُن سے بھی عہد لیا تھا ٦٧ سو جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی (اس کا) بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے ٦٨

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
توہم نے اُن میں باہم بغض اور عداوت قیامت تک کے لئے ڈال دیا ٦٩

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾
اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ انہیں عنقریب وہ جتلا دے گا ٧٠

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا
اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے (یہ جو) رسول آئے ہیں، یہ تمہارے سامنے کتاب (الٰہی) کے (وہ مضامین) کثرت سے

مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ
کھول دیتے ہیں جنہیں تم چھپاتے رہے ہو ٧١ اور بہت سے اُمور کو نظر انداز بھی کر جاتے ہیں ٧٢

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ
بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے ٧٣ اس کے ذریعہ سے

بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ
اللہ انہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اسکی رضا کی پیروی کرتے رہتے ہیں ٧٤ اور انہیں اپنی

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ
توفیق سے نور کی طرف، تاریکیوں سے نکال کر لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
رہتا ہے ٧٥ وہ لوگ یقیناً کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو عین

حکم نکالا ہے کہ کافر کا کفر اُسے اس سے محروم نہیں کردیتا کہ اسکے حق میں عدل کیا جائے یا اسکے حقوق ادا کئے جائیں۔ دلت الاٰیة علی ان کفر الکافر لایمنع من العدل علیه (قرطبی) اور عدل کا وجوب جب کفر کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے، تو کفر سے کمتر درجہ کی چیزوں فسق، بدعت وغیرہ کے ساتھ اس کا وجوب کیونکر نہ جمع ہوگا جب منکروں، باغیوں، سرکشوں کے ساتھ عدل واجب ہے تو توحید ورسالت کے قائلوں کے ساتھ یہ وجوب کتنا اور مؤکد ہوگا! اکابر شارحین نے اس طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ فیه تنبیه عظیم علیٰ ان وجوب العدل مع الکفار الذین هم اعداء الله اذا کان بهذه الصفة من القوة فما الظن بوجوبه مع المؤمنین۔ (کشاف۔ کبیر۔ مدارک) وفی الاٰیة تنبیهٌ علیٰ مراعاة حق المؤمنین بالعدل اذ کان تعالیٰ قد امر بالعدل مع الکافرین (بحر) شدتِ غضب میں کون اپنے آپ پر قابو رکھ سکا ہے۔ یہاں تاکید اسی کی ہو رہی ہے کہ جو غصہ تمہارے دلوں میں کافروں کے خلاف ہے وہ کہیں تمہیں اُن کے مقابلہ میں زیادتی پر نہ آمادہ کردے۔ تو زیادتی نہ ہونے پائے۔ عدل واعتدال کا لحاظ ہر معاملہ میں ہے۔ عداه بعلیٰ لتضمنه معنی الحمل والمعنیٰ لایحملنکم شدة بعضکم للمشرکین علیٰ ترک العدل فیهم فتعتدوا علیهم بارتکاب مالا یحل (بیضاوی) نهاهم اوّلًا عن ان یحملهم البغضاء علیٰ ترک العدل ثم استانف فصرح لهم بالامر بالعدل تاکیدًا وتشدیدًا (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاملات میں طبیعیات پر عمل نہ کرنا ایک مجاہدہ ہے، اور یہاں اسی کی تعلیم ہے۔ ۴۹ اللہ کی اس ہمہ بینی وہمہ دانی کا استحضار ہی تقویٰ کی ہر منزل اور ہر مرحلہ کو آسان بنا سکتا ہے۔ اسی لئے یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں تقویٰ کا حکم ہے، اکثر اسی کے متصل ہی اس مضمون کا بھی بیان ملتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک آیت پارۂ پنجم سورۃ النساء میں بھی آئی ہے۔ یا ایها الذین اٰمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط الخ۔ مفسر تھانویؒ نے خوب فرمایا کہ معاملات میں بے انصافی کے سبب عمومًا دو ہی ہوتے ہیں۔ یا تو کسی فریق کی رعایت ومروت اور یا کسی فریق کی عداوت ومخالفت سورۃ النساء میں اقامت عدل کا حکم سبب اوّل کی مناسبت سے ہے اور یہاں سبب دوم کی مناسبت سے ہے۔

الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ

دیتے رہوگے، اور میرے پیمبروں پر ایمان لاتے رہوگے، اور ان کی مدد کرتے رہوگے اور اللہ کو اچھے

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

طور پر قرض دیتے رہوگے، تو میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دُور کردوں گا، اور ضرور تمہیں (بہشت کے) باغوں میں

جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی ۵۹ اور جو کوئی تم میں سے اس کے

ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا

بعد بھی کفر کرے گا تو بیشک اُس نے ضائع کردی راہ راست ۶۰ غرض اُن کی

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ

پیمان شکنی ہی کی بنا پر ہم نے انہیں رحمت سے دُور کردیا ۶۱ اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کردیا ۶۲

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

وہ کلام کو اس کے موقع ومحل سے بدل دیتے ہیں، اور جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک (بڑا)

ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا

حصہ بھلا بیٹھے ہیں ۶۳ اور اُن میں سے بجز معدودے چند کے، آپ کو اُن کی خیانت کی اطلاع

قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

آئے دن ہوتی رہتی ہے ۶۴ سو آپ ان کو معاف کردیجئے اور (ان سے) درگزر کیجئے ۶۵ بیشک اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى

نیک کاروں کو پسند کرتا ہے ۶۶ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں

۵۰ وَعَدَ اللّٰهُ۔ آیت میں جان ڈال دینے والا لفظ یہی وعدۂ الٰہی ہے، اہل ایمان کیلئے کس قدر شوق افزا اور کس درجہ محرکِ عمل! اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ اللہ جس اجر وصلہ کو "عظیم" کہے، کون بندہ اُس کا اندازہ بھی کرسکتا ہے؟ ۵۱ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ صاحب میں مفہوم عارضی وہنگامی اجتماع کا نہیں، بلکہ مستقل اور طویل تعلق کا پایا جاتا ہے۔ اس لئے کافروں کو اصحاب دوزخ کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ گویا دوزخ ہی کیلئے بنے ہیں یا دوزخ اُنھی کے لئے بنی ہو اگر صرف وعید کی صورت ہوتی تو کچھ اُمید نجات کی باقی بھی رہ جاتی۔ الصاحب الملازم ولا یقال فی العرف الا لمن کثرت ملازمته (راغب) والمصاحبة والاصطحاب ابلغ من الاجتماع لاجل ان المصاحبة تقتضی طول لبثه (راغب) ای ملابسوا النار الشدیدة التاجج ملابسة مؤبدة (روح) فخر المفسرین فخر رازیؒ نے حسبِ معمول اس موقع پر بھی ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ اور دوسرے بھی اُن کی راہ پر چلے ہیں:۔ یفید الحصر والمصاحبة تقتضی الملازمة کما یقال اصحاب الصحراء ای الملازمون لها (کبیر) فهم دائمون فی عذاب اذ حتم لهم انهم اصحاب الجحیم ولم یات بصورة الوعید فکان یکون الرجاء لهم فی ذٰلک (بحر) لم یؤت بالجملة فی سیاق الوعید قطعا لرجاء بهم (روح) اور آیت ہی سے یہ نکتہ بھی خوب نکلا ہے کہ خلود جہنم کفار ہی کیلئے ہے۔ فهٰذه الاٰیة نص قاطع فی ان الخلود لیس الا لکفار (کبیر) ۵۲ (اور اس تنبیہ کے ساتھ کہ تمہارا خاتمہ ہی کردیں۔ اور ظاہر میں قرائن بھی اُن کے اسی ارادہ کی تائید میں تھے) يَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ بسط ید کے ایک معنی عربی محاورہ میں حملہ کرنے، پکڑنے مارنے کے ہیں۔ اور وہی یہاں مُراد ہیں۔ یستعمل تارة للصولة والضرب (راغب) یقال بسط الیه یده اذا بطش به (کبیر) اُردو میں بھی "درازدستی" ایسے ہی موقعوں کیلئے ہے۔ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ۔ یہ کون لوگ تھے؟ مخالفین ومعاندین سے مُراد ہونا تو ظاہر ہی ہے سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہاں متعین طور پر کن کی جانب اشارہ ہے؟ اشارہ اگر اسلام کی ابتدائی تاریخ کی طرف سمجھا جائے، تو اس وقت تو سب سے بڑے دشمن مشرکین قریش تھے۔ اور اربابِ تفسیر کا ایک گروہ اسی جانب گیا ہے۔ وهم المشرکون (کبیر) روی ابو صالح عن ابن عباس انها نزلت من اجل کفار قریش (بحر) اور اگر مُراد مابعد کے زمانہ سے لی جائے تو اُس وقت سب سے پُرقوت مخالفین یہودِ عرب تھے۔ اور ایک گروہ سے یہی تفسیر منقول ہے موقع نزول کی روایتیں متعدد ہیں لیکن ان میں تعارض وتناقض کچھ بھی نہیں۔ اور قوم کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی جماعت ہی مُراد ہو۔ کوئی مخصوص لیڈر یا سرغنہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ لا یخفیٰ ان سبب النزول یجوز تعدده وان القوم قد یطلق علی الواحد۔ (روح) ۵۳ (بلکہ آخر میں تمام قرائن ظاہری کے خلاف تمہی کو کامیاب اور غالب کردیا) کفِ ید۔ بسطِ ید کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دشمنوں نے تم پر حملہ کرکے تمہارا قلع قمع کردینا چاہا تھا، لیکن اللہ نے انکے حملوں کو ناکام رکھا، اور ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں رَد ہے اُن افراط پسند جاہلوں کا جو اللہ کی دنیوی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ۵۴ (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہو) غلبہ وکامیابی کی مسرت کو یاد دلا کر معًا بعد تقویٰ الٰہی کے استحضار سے صاف اشارہ اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ غلبہ وکامیابی میں بڑا دخل تقویٰ الٰہی کو ہے۔ قناعت، بے طمعی، بے نفسی، ہمدردی، صداقت شعاری، ایثار، حفظ حدود غرض سیرت وکردار کی ساری انفرادی واجتماعی خوبیاں اس ایک جامع لفظ "تقویٰ" کے اندر آگئیں۔ ۵۵ (نہ کہ اپنے دست وبازو، اپنی ہمت وتدبیر پر) کامیابی وکامرانی کے بعد بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ گھمنڈ اپنی قوتِ بازو اور اپنی عقل وفرزانگی پر ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو پست ہمتی اور تعطل کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ اُسے سرگرم عمل برابر رکھنا چاہتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کا بھی روادار نہیں کہ انسان خود پرستی کی لعنت میں مبتلا ہوجائے۔ وہ تعلیم بار بار اسی کی دیتا ہے کہ نظر اسباب سے بڑھ کر مسبب الاسباب پر رکھنا چاہیئے۔ اسی نے پہلے بھی بگڑے کام بنائے تھے، اور اسی کی ذات کا سہارا آخرت تک قائم ہے۔ ۵۶ (انکی اطاعت ووفاداری کا، انکے پیمبروں کے واسطے سے) ابھی تاکید اللہ پر اعتماد اور اسکے احکام کی تعمیل کی آچکی ہے۔ اب شہادت بنی اسرائیل کی تاریخ سے لائی جا رہی ہے کہ دیکھو اس موحد قوم نے جب نافرمانی اختیار کی، کیسے کیسے وبال میں پڑنے لگی ۵۷ (انکے قبیلوں کی تعداد کے مطابق) قوم اسرائیل ۱۲ قبیلوں میں تقسیم تھی۔ اور ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا۔ ۱۲ سرداروں کا قرآنی عدد، توریت کے بیان کے عین مطابق ہے۔ توریت میں ہے کہ مصر سے نکلنے کے دوسرے برس خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا:۔ "تو بنی اسرائیل کی ساری جماعت کا مطابق اُنکے فرقوں کے اور انکے آبائی خاندانوں کے اسم شماری کے ساتھ ہر ایک مرد سر بسر گن کر حساب کر۔۔۔ اور ہر فرقہ سے ایک ایک آدمی ہر ایک جو اپنے اپنے آبائی خاندان کا سردار ہے تمہارے ساتھ ہو۔" (گنتی۔ ۱:۲-۴) آگے ان سرداروں کے نام درج ہیں، اور وہ تعداد میں ۱۲ ہیں۔ اسی طرح توریت میں ایک دوسری جگہ، کنعان (فلسطین) پر فوج کشی سے ذرا قبل کے موقع پر ہے:۔ "خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں۔ ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے بھیج دے۔ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشتِ فاران میں انکو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے۔" یہاں بھی سرداروں کی تعداد ۱۲ درج ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اصل ہے مشائخ اہل تربیت کی اس عادت کی کہ وہ مریدوں پر اُن کی اصلاح ونگرانی کی غرض سے اپنے نائبوں کو مقرر کردیتے ہیں۔ اور اس میں ان کی باہمی مناسبت کا لحاظ رکھ لیتے ہیں۔ ۵۸ یہ معیتِ الٰہی کا تصور ایک خدا پرست قوم کیلئے کس درجہ ہمت آفرین وشوق افزا ہے! دل اسکے بعد کس قدر قوی اور مطمئن ہوجاتا ہے

تیمم کرلینا بالکل جائز ہے۔ قال ابوحنیفۃ ومحمد ومن خاف برد الماء ان اغتسل جاز التیمم لما یخاف من الضرر (ما) تیمم کے ساتھ نماز جماعت میں بھی شرکت کی پوری اجازت حدیث میں موجود ہے۔ وحدیث عمران بن حصین نص فی ذلک وھو ان رسول اللہ
صلعم رای رجلا معتزلا لم یصل فی القوم فقال یا فلان ما منعک ان تصلی فی القوم فقال یا رسول اللہ اصابتنی جنابۃ ولا ماء قال علیک بالصعید فانہ یکفیک۔ اخرجہ البخاری (قرطبی) فقہائے مُحقّقین حقیقۃً حکمائے اُمت کہنا چاہئے اسے خوب نمایاں کر دیا
کہ پانی مل سکتا تو ہو لیکن بہت گراں قیمت پر، یا موجود تو ہو لیکن اتنی کم مقدار میں کہ پینے کیلئے نہ بچ سکے گا، تو ایسے ہر موقع پر پانی کا وجود اُسکے عدم ہی کے برابر ہے، اور تیمم بالکل درست ہوگا۔ والجملۃ التی اتفق اصحابنا علیھا ان الوجود امکان استعمال
الماء الذی یکفیہ لطہارتہ من غیر ضرر فلو کان معہ ماء وھو یخاف العطش او لم یجدہ الا بثمن کثیر تیمم ولیس علیہ ان یغالی فیہ (جصاص) ۴۰ تیمم کا بیان اور اس کا طریقہ سب سورۂ نساء کی آیت متعلقہ کے ماتحت گزر
چکا ہے۔ صَعِیۡدًا طَیِّبًا۔ صعید سے مُراد مٹی کی جنس ہے جس چیز میں بھی اجزاء ارضی شامل ہوں، اس حکم میں آجائے گی۔ وکان الصعید اسمًا للارض اقتضی ذلک جواز التیمم بکل ما کان من الارض (جصاص) قال ابوحنیفۃ
یجزی التیمم بکل ما کان من الارض التراب والرمل والحجارۃ والزرنیخ والنورۃ والطین الاحمر والمرداسنج وما اشبھہ وھو قول محمد وزفر۔ (جصاص) ۴۱ احکام شریعت کے ذریعہ سے بلکہ وہ تو تنگی رفع کرتا رہتا ہے۔
جیسا کہ احکام تیمم سے ابھی ابھی ظاہر ہوگا) آیت میں ایک بہت بڑی اصل کا بیان آگیا یعنی یہ کہ اللہ نے شریعت میں مشقت وتعب نہیں رکھی ہے۔ اور اس ایک اصل سے سینکڑوں مسائل نکل سکتے ہیں۔ اور محقق رازیؒ کی نظر اس پر کیسی

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بیشک اللہ کو اسکی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۴۹ جو لوگ کہ ایمان لائے اور

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞

اچھے کام کرتے رہے، اللہ نے اُن سے وعدہ کر لیا ہے کہ اُن کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ۵۰

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، (سو) ایسے لوگ دوزخ والے

الْجَحِيْمِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

ہیں ۵۱ اے ایمان والو، اللہ کی نعمت کو (جو) تم پر ہے

عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

یاد کرو جب ایک قوم نے ٹھان لی تھی کہ تم پر اپنے ہاتھ دراز کریں ۵۲ لیکن

فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے ۵۳ اور اللہ سے ڈرتے رہو ۵۴ اور ایمان والوں کو چاہیئے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ

کہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھیں ۵۵ اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَ

عہد لیا تھا ۵۶ اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کئے تھے ۵۷ اور اللہ نے

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ

(ان سے یہ بھی) کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ۵۸ تو اگر نماز کے پابند رہو گے اور زکوٰۃ

ع ۲
۲

خوب پہنچی ہے۔ اعلم ان ھذہ الآیۃ اصل کبیر معتبر فی الشرع وھو ان الاصل فی المضار ان لا تکون مشروعۃ (کبیر) احکام کا وہ مجموعہ جس پر شریعت کا اطلاق ہوتا ہے، وہ تو نام ہی بہترین نقشۂ زندگی کا ہے۔ اور اس کا مقصود بھی یہ ہے کہ جو کوئی اس ہدایت نامہ پر عمل کرے وہ زندگی کی دشواریوں کو بہترین اور سہل ترین طریق پر عبور کر سکے ——— احکام شریعت کو سخت سمجھ لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بچہ اپنے شفیق اور تجربہ کار باپ کی ہدایتوں کو، یا کوئی مریض اپنے دلسوز اور حاذق طبیب کے احکام کو ظلم وجبر سے تعبیر کرنے لگے، بلکہ ان دونوں مثالوں سے بھی کہیں بڑھ کر احمقانہ ۴۲ (معنوی وظاہری ہر اعتبار سے) طہارت کا لفظ صفائے قلب اور جسمانی پاکیزگی دونوں کیلئے عام ووسیع ہے۔ چنانچہ شریعت کے احکام دونوں اقسام کے جامع ہیں۔ ما یرید۔ یُرید۔ متکلمین نے آیت کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ ارادہ ہے۔ دلت الآیۃ علیٰ انہ تعالیٰ مُریدٌ وھذا متفق علیہ بین الائمۃ۔ (کبیر) یہی الفاظ اُن نیم مشرک، نیم ملحد قوموں کی تردید کیلئے بھی کافی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو صفت اِرادہ سے محروم محض مشین کی طرح چند قاعدوں کا پابند ومحکوم سمجھے ہوئے ہیں۔

تطہیر۔ باب تفعیل سے ہے یعنی خوب اچھی طرح تمہیں پاک وصاف کردے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک طرف صوفیہ محققین اور دوسری طرف فقہاء اُمت نے کتاب وسنت ہی سے جو جزئیات اعمال نکال کر پیش کئے ہیں، اُن سے مقصود بھی تمامتر اسی تطہیر ظاہری وباطنی کی راہ میں سہولتیں پیدا کرنا ہے، نہ کہ اور مشقتیں بڑھانا۔ ۴۳ (اور ادائے شکر کی اعلیٰ ترین فرد ان احکام کی تعمیل ہے) لِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ۔ اور وہ اتمامِ نعمت یہی ہے کہ وہ اپنے قرب اور رضا کے راستے سہل ترین اور کامل ترین صورت میں تمہیں بتا دے۔ نعمتہ بالاسلام وبیبان شرائع الدین (جلالین) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شرعی رخصتوں سے تنگدل ہونا اور اُن پر نفس کا شبہ کرنا جیسا کہ عمل میں غلو رکھنے والے کرتے رہتے ہیں، مزاحمت حق ہے۔ ۴۴ (اور اس کی بڑی نعمت یہی ہے کہ اُس نے فلاح دنیوی واُخروی کے طریقے اس تفصیل اور اس تکمیل کے ساتھ تمہیں بتا دیئے ہیں) النعمۃ ھنا الاسلام (بحر) وھی نعمۃ الاسلام (روح) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ نعمۃ اللہ سے یہاں مُراد ان نعمتوں کی تعداد نہیں، بلکہ جنس نعمت ہے۔ نعمۃ بطور اسم جنس مستعمل ہوا ہے۔ اسلئے ضرورت صیغہ جمع کی نہیں پڑی۔ ۴۵ مِیۡثَاقَکُمۡ۔ اس سے کون سا عہد مراد ہے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد عالم ارواح کا وہ عہد ہے جو سارے بنی آدم سے اقرار ربوبیت کی بابت لیا گیا تھا۔ قال مجاھد وکلبی ومقاتل ھو المیثاق الذی اخذہ اللہ تعالیٰ منھم حین اخرجھم من ظھر آدم (کبیر) روح انسانی کے اندر جو فطری طلب خدا رسی کی اور طبعی خواہش خدا طلبی کی ہے، یہ اُسی عہد کا عملی ظہور ہے۔ لیکن خطاب یہاں عام نوع بشر سے نہیں، بلکہ اہل ایمان سے ہے۔ اسلئے آسان اور بے تکلف صورت یہ ہے کہ وہ عہد مراد لیا جائے جو ہر کلمہ گو اسلام قبول کرتے وقت کرتا ہے یعنی تعمیل احکام کا اجمالی عہد۔ قیل المیثاق اقرار کل مومن بما التزمہ (بحر) اس سے بھی زیادہ دلنشین تفسیر یہ ہے کہ میثاقکم سے مُراد بیعت واطاعت کے وہ عہد ہیں، جو

رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں سے لئے تھے۔ ابن عباس صحابیؓ اور سدی تابعی وغیرہم سے یہی معنی مروی ہیں۔ والذی علیہ الجمھور من المفسرین کابن عباسؓ والسدی ھو العھد والمیثاق الذی جری لھم مع النبی صلعم علی السمع والطاعۃ من المنشط والمکرہ کما جری لیلۃ العقبۃ وتحت الشجرۃ۔ (قرطبی) المراد ھو المواثیق التی جرت بین رسول اللہ صلعم وبینھم فی ان یکونوا علی السمع والطاعۃ فی المحبوب والمکروہ۔ (کبیر) وھذہ ھی البیعۃ التی کانوا یبایعون علیھا رسول اللہ صلعم عند اسلامھم (ابن کثیر) وذلک حین بایعوا رسول اللہ صلعم علی السمع والطاعۃ فی ما احبوا وکرھوا وھو قول اکثر المفسرین (معالم) ایسے عہد لئے تو تھے رسول اللہ صلعم نے لیکن حق تعالیٰ نے انکے اہتمام شان کے اظہار کے لئے انہیں منسوب اپنی ہی جانب فرمایا۔ واضافہ تعالیٰ الی نفسہ کما قال انما یبایعون اللہ فبایعوا رسول اللہ صلعم (قرطبی) انہ تعالیٰ اضاف المیثاق الصادر عن الرسول سدی تابعی سے یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اس میثاق سے مراد حقانیت اسلام کے دلائل عقلی ونقلی ہیں۔ اور متکلمین نے عموماً یہی معنی اختیار کئے ہیں۔ قال السدی المراد بالمیثاق الدلائل العقلیۃ والشرعیۃ نصبھا اللہ تعالیٰ علی التوحید والشرائع وھو اختیار اکثر المتکلمین (کبیر) ۴۶ اس حقیقت کے استحضار سے تعمیل احکام میں اخلاص کا پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ ورنہ عمل بلا اخلاص سے تو محض مشقت ہی مشقت ہاتھ رہیگی۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ اللہ سے ڈرنا یہ کہ اُس کے احکام کی مخالفت سے بچو۔ پہلے یہ تھا کہ تعمیل احکام میں نفع تمہارا ہی ہے۔ اپنی ہی خیر خواہی کا تقاضہ ہے کہ ان احکام پر عمل کیا جائے پھر یہ یاد دلایا کہ تم عہد ومعاہدہ بھی تو کر چکے ہو، اب اخلاقی فرض ان معاہدوں کو پورا کرنا ہے۔ اب واتقوا اللہ میں اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ مخالفت وعدم تعمیل میں ضرر بھی تمہارا ہی ہے۔ ۴۷ قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ یعنی اللہ کے احکام کی پوری پابندی کرتے رہو۔ معناہ کونوا قوامین للہ بالحق فی کل ما یلزمکم القیام بہ من الامر بالمعروف والعمل بہ والنھی عن المنکر واجتنابہ (جصاص) والمراد حملھم علی الانقیاد لتکالیف اللہ تعالیٰ (کبیر) لِلّٰہِ یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لئے لاجل ثواب اللہ (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ کی ادائی میں ہمہ وقت مستعد رہو۔ اشارۃ الی التعظیم لامر اللہ (کبیر) شُہَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ۔ یعنی ہر معاملہ میں مرتبۂ انصاف کا لحاظ رکھو۔ یہ تاکید ہوئی حقوق العباد کی ادائی کی۔ اشارۃ الی الشفقۃ علی خلق اللہ (کبیر) ۴۸ گویا ادائے حقوق ہی کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا۔ یہ بالکل حکیمانہ ترتیب کے مطابق پہلے ممانعت ناانصافی اور زیادتی سے ہوئی پھر اس سلب کے بعد ایجابی حکم عدل کا ملا۔ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ۔ جس قوم یا جماعت سے مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان کے دشمنی ہوگی ظاہر ہے کہ وہ دشمن اسلام کافروں ہی کی ہوگی۔ تو گویا تاکید اسکی ہوئی کہ دشمنوں تک کے ادائے حقوق میں کمی نہ کرو ——— اللہ اللہ! دنیا کا کون قانون ایسا ہوگا جس نے اپنے باغیوں اور معاندوں تک کے حقوق کی یہ رعایت رکھی ہو! فقہائے اُمت نے

آپ کا تو مل پیشانی پر مسح کا تھا۔ اور پیشانی کی مقدار ربع سر کے برابر ہوجاتی ہے ہوا خذنا ببیان نبی صلعم وهو ما روی انہ مسح علی ناصیتہ وقدرت الناصیۃ بربع الرأس (مدارک) وَاَرْجُلَكُمْ شامی ونافع وعلی وحفص سب سے اس کی قرأت نصب کے ساتھ اَرْجُلَ مروی ہے۔ جس سے اَرْجُلَكُمْ۔ فاغسلوا کا مفعول ٹھہرتا ہے۔ اور وجوھکم اور ایدیکم پر عطف ہوتا ہے اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ بالنصب شامی ونافع وعلی وحفص والمعنی فاغسلوا وجوھکم وایدیکم وارجلکم (مدارک) قرأ نافع ابن عامر والکسائی ارجلکم بالنصب (قرطبی) عن ابی عبد الرحمٰن قال قرأ علی الحسن والحسینؓ فقرآ وَاَرْجُلَكُمْ الی الکعبین تسمع علیؓ ذٰلك وکان یقضی بین الناس فقال وارجلکم وھٰذا من المقدم والمؤخر من الکلام (ابن جریر) قرأ علی وعبد اللہ بن مسعود وابن عباس فی روایۃ وابراھیم والضحاك ونافع وابن عامر والکسائی وحفص عن عاصم بالنصب وکانوا یرون غسلھا واجبًا (جصاص) دونوں پیروں کا دھونا ہی نہ کہ ان پر مسح کرنا، سنتِ رسول سے بھی ثابت ہے اور تعاملِ صحابہ سے بھی۔ اور عطاء تابعی کا قول ہے کہ صحابہ کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ھٰذا مذھب الجمھور والکافۃ من العلماء وھو الثابت من فعل النبی صلعم (قرطبی)

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

آئے یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو ۳۸ پھر تم کو پانی نہ ملے ۳۹ تو پاک مٹی سے تیمم

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا

کرلیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلیا کرو ۴۰

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ

اللہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے ۴۱ بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے کہ

لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

تمہیں خوب پاک صاف رکھے ۴۲ اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے، تاکہ تم شکرگزاری کرو ۴۳

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرلیا کرو ۴۴ اور اسکے اس عہد کو بھی جس کا اس نے تم سے معاہدہ کیا ہے

بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

(یہ اس وقت) جب تم نے کہا کہ ہم نے سن لیا، اور مان لیا ۴۵ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سینوں کے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

اندر تک کا علم رکھتا ہے ۴۶ اے ایمان والو، اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل

لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى

کے ساتھ شہادت دینے والے رہو ۴۷ اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ کردے کہ تم

اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

(اسکے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے ۴۸ اور اللہ سے ڈرتے رہو

عن علیؓ قال اغسلوا الاقدام الی الکعبین (ابن جریر) وعن عطاء قال واللہ ما علمت ان احدًا من اصحٰب رسول اللہ صلعم مسح علی القدمین وانما امر بغسل ھٰذہ الاعضاء (مدارک) ولنا ان النبی صلعم واظب علی غسل الرجلین وبہ امر من علمہ الوضوء ورأی رجلاً یلوح عقبہ فقال ویلٌ للاعقاب من النار (مبسوط) النبی صلعم غسل وما مسح قط (ابن العربی) یؤیدہ السنۃ الشائعۃ وعمل الصحابۃ وقول اکثر الائمۃ (بیضاوی) قال جمھور الفقھاء والمفسرین فرضھما الغسل (کبیر) والجواب بان وجوب واحدۃ بالعبارۃ واخرٰی بالدلالۃ لاطائل تحتہ بعد انعقاد الاجماع القطعی علی افتراضھما .... فان الاجماع انعقد علی غسلھما (بحر الرائق) اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ یعنی ٹخنوں کو شامل کرکے۔ وحکم الکعبین کالمرفقین (بحر الرائق) الیٰ کے مفہوم سے متعلق یہاں بھی وہی بحثیں ہوتی ہیں، جو الی المرافق کے تحت میں گذر چکی ہیں۔ وضو ہی کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان ایک طویل بحث نیت کی آجاتی ہے۔ حنفیہ کے ہاں نیت واجب نہیں، دوسرے ائمہ کی بابت روایتیں مختلف آئی ہیں۔ وقال کثیر من الشافعیۃ لاحاجۃ الی نیۃ وھو قول الحنفیۃ (قرطبی) النیۃ فی الطھارۃ واجبۃ فیہ وبہ قال مالك والشافعی واکثر العلماء وروی الولید بن مسلم عن مالك انھا غیر واجبۃ فیہ وبھا قال ابوحنیفۃ والاوزاعی۔ سواء قارنتہ النیۃ اولم تقارنہ (جصاص) قال ابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد کل طھارۃ بماء تجوز بغیر نیۃ و ھو قول الثوری وقال الاوزاعی یجزی الوضوء بغیر نیۃ (جصاص) قال الشافعیؒ النیۃ شرط لصحۃ الوضوء والغسل وقال ابوحنیفۃؒ لیس کذٰلك (کبیر) اختلف علماء الامصار ھل النیۃ شرط صحۃ الوضوء ام لا۔ فذھب فریق منھم الی انھا شرط وھو مذھب الشافعی ومالك واحمد وذھب فریق اٰخر الی انھا لیست بشرط وھو مذھب ابی حنیفۃ والثوری (بدایۃ المجتھد) ۳۷ یعنی غسل کرلو۔ یا سارے جسم کو پانی سے دھو ڈالو۔ ای فاغتسلوا (معالم۔ بیضاوی) امر بالاغتسال بالماء (قرطبی) جُنُبًا۔ جنابت پر حاشیہ سورۃ النساء میں گزر چکا۔ فَاطَّهَّرُوْا۔ تطہیر باب تفعیل سے ہے یہیں سے نکتہ سنج فقہاء نے سارے جسم کے دھونے کا حکم نکالا ہے، اور محض بعض اعضاء کے دھو ڈالنے کو کافی نہیں سمجھا ہے، اور غسل واجب میں کلی، غرغرہ اور ناک میں پانی لینے کا حکم بھی یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ عموم سائر البدن فلا یجوز الاختصار علی بعضہ (جصاص) بمقتضی تطھیر داخل الفم والانف (جصاص) ۳۸ (یا کسی اور طریقہ سے غسل ٹوٹ چکا ہو اور اب غسل کی ضرورت ہو) لٰمَسْتُمُ۔ ملامست سے کنایہ جماع سے ہے، صحابہ، تابعین، لغت سب سے یہی ثابت ہے۔ الملامسۃ ھنا الجماع (قرطبی) یکنی بالملامسۃ عن الجماع (راغب) قال علیؓ وابن عباسؓ وابو موسٰیؓ والحسن وعبیدہ والشعبی ھی کنایۃ عن الجماع (جصاص) فمن قرأ اولٰمستم فظاھرہ الجماع لاغیر لان المفاعلۃ لاتکون الا من اثنین الا فی اشیاء نادرۃ (جصاص) ۳۹ اس کا تعلق ضرورتِ وضو و غسل کی سب شکلوں سے ہے یعنی پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، خواہ بسبب مرض کے، خواہ بسبب فاصلہ کے، یا کسی اور سبب سے۔ معناہ فلم تقدروا علی الماء (راغب) سردی لگ جانے کا خوف، بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ، پانی لانے میں بہت زیادہ دشواریاں، یہ ساری چیزیں پانی نہ ملنے ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ حدیث میں تصریح موجود ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے پانی ہوتے ہوئے بھی تیمم کرلیا، اس لئے کہ پانی سے انہیں سردی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ اور رسول اللہ صلعم نے اسے جائز رکھا۔ قد روی فی حدیث عمرو بن العاص انہ تیمم مع وجود الماء لخوف البرد فاجازہ النبی صلعم ولم ینکرہ (جصاص) حنفیہ کے ہاں سردی کے عذر پر بجائے غسل کے

کے ساتھ بالکل جائز ہے نفس جواز میں کوئی گفتگو اس نص کے بعد چل ہی نہیں سکتی۔ البتہ فقہاء نے مفسدوں پر نظر کرکے اور مصلحت شرعی کا لحاظ کرکے فتویٰ یہ دیا ہے کہ بلا ضرورت ایسے نکاحوں سے بچنا چاہئے۔ یجوز تزوج الکتابیات والاولیٰ ان لا یفعل (فتح القدیر) وصح نکاح کتابیة وان کرہ تنزیھا (در مختار) اور کتابیہ حربیہ کے ساتھ نکاح کی کراہت میں تو شبہ نہیں۔ وتکرہ الکتابیة الحربیة اجماعا لافتتاح باب الفتنة (فتح القدیر) واصحابنا یکرھون مناکحات اھل الحرب من اھل الکتاب (جصاص) یجوز للمسلمان یتزوج کتابیة فی دار الحرب ولکنه یکرہ (مبسوط) حنفیہ کے اس قول کا ماخذ حضرت علیؓ کا ایک اثر ہے جس میں آپؓ نے کتابیہ مقیم دار الحرب سے نکاح پر کراہت ظاہر کی ہے۔ بلغنا عن علیؓ بن ابی طالب انه سئل عن مناکحة اھل الحرب من اھل الکتاب فکرہ ذلك وبه ناخذ (مبسوط) علامہ شامی نے فیصلہ کیا ہے کہ نکاح غیر حربیہ کے ساتھ تو محض مکروہ تنزیہی ہے لیکن حربیہ کے ساتھ مکروہ تحریمی۔ قوله والاولیٰ ان لا یفعل یفید کراھة التنزیه فی غیر الحربیة ومابعدہ یفید کراھة التحریم فی الحربیة (رد المحتار) وَالْمُحْصَنٰتُ۔ ترکیب میں عطف ہے الطیبات پر اوپر کی آیت میں۔

المحصنات۔ پر حاشیہ پارۂ پنجم کی ابتدا میں گزر چکا۔ یہاں مراد ہے کہ قید عصمت کی پابند اور پارسا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ ادھر کسی کے عقد میں بھی آئیں، اور اُدھر بدچلنی اور عصمت فروشی بھی جاری رکھیں۔ ای حصان فی النساء ھی العفة عن الزنا (ابن کثیر) لفظ کے لانے سے مقصود عصمت کی عظمت کو بڑھانا اور اس کی ترغیب دینا ہے، ورنہ قانونی حیثیت سے نکاح منعقد تو ہر نیک چلن، بدچلن اور بیوی و باندی سب کا ہو سکتا ہے۔ ھی الحرائر والعفائف لیس ھذا بشرط لصحة النکاح بل ھو للاستحباب لانه یصح نکاح الاماء من المسلمات ونکاح غیر العفائف (مدارک) روی عن الحسن والشعبی وابراھیم والسدی انھم العفائف (جصاص) قال ابو عبید یعنی العواھر فھذا یدل علی ان معنی الاحصان عقدہ ھھنا کان علی العفة (جصاص) اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ۔ مہر شرط نکاح نہیں لیکن مہر کی عظمت اور اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید بار بار اس کا ذکر تصریحاً کرتا ہے۔ وتقیید التحلیل باتیاء الاجور یدل علی تاکد وجوبھا (کبیر) وتقیید الحل باتیائھا لتاکید وجوبھا (روح) ۳۳؎ نکاح اسلام میں کوئی ضمنی اور ثانوی حیثیت کی چیز نہیں۔ ایک اہم اور زبردست اخلاقی، اجتماعی اور روحانی ادارہ ہے اسکے منافع و مصالح فرد کے، خاندان کے، معاشرہ کے سب کے لئے بیشمار ہیں۔ نکاح یا شادی کیلئے اسی لئے اُردو میں بھی دوسرا لفظ ''خانہ آبادی'' کا ہے ——— اُجڑے ہوئے سنسان اور ویران گھر گھرانے اسی ذریعہ سے آباد ہوتے ہیں۔ مرد و زن کے باہمی تعلق کو اسلام نے صرف اسی صورت میں جائز رکھا ہے کہ زوجین کا اس سے اصل مقصود ایک خاندان کی بنیاد رکھنا، ایک مستقل معاشرہ قائم کرنا ہو۔ اپنے کو مہذب و متمدن کہلانے والی لیکن حقیقۃً جاہلی قوموں میں اس صورت مناکحت کے علاوہ دو اور صورتیں بھی مرد و زن کے تعلق کی پہلے بھی جاری رہی ہیں اور اب بھی جاری ہیں۔ ایک شکل تو کھلم کھلا بدکاری کی ہے۔ عورت زنا کیلئے آزاد ہے۔ اس کو باقاعدہ اپنا پیشہ بنا لے۔ نہ سوسائٹی اُسے اس سے روک سکے نہ حکومت۔ جو مرد جب چاہے اسکے ہاں جا کر ایک خاص کرایہ دے کر اپنے جسم کا پانی بہا آئے، اور مُنہ کالا کرکے چلا آئے۔ دوسری صورت چوری چھپے آشنائی کی ہے یعنی عصمت کے معنی ہی مٹ جائیں اور شریف و بیسوا میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ البتہ اس سے پبلک فضیحتا (Scandal) نہ پھیلنا ہو یعنی جانتے اپنی جگہ سب ہوں، لیکن عام زبانوں پر چرچے نہ پھیلیں۔ اسلام نے ان دونوں مہذب جُرموں کو ایک لعنت قرار دیا اور جائز صورت مرد و عورت کے جنسی شہوانی تعلق کی صرف نکاح بتائی۔ نکاح چوری چھپے نہیں، اعلان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں خدا کا نام درمیان میں لاکر، خالق کائنات کا واسطہ ڈال کر، مرد عورت کی راحت و آسایش کا ذمہ لیتا ہے اور عورت مرد کی خدمت کی ذمہ داریوں کو قبول کر لیتی ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق قائم ہوتے ہیں، فرائض عائد ہوتے ہیں۔ دونوں اپنے کو مستقل نباہ کیلئے عمر کے ہر دور، مال و اقبال کے ہر ادبار و ادبار کیلئے، حتی الامکان تیار کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان لاکر قرآن مجید نے ازدواجی و خانگی زندگی کا وہ بلند ترین معیار پیش کر دیا، جہاں کوئی مادی تہذیب آج تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ ۳۴؎ (گو اس کا حال اور مستقبل قریب بہ ظاہر کیسا ہی خوش نما ہو) بِالْاِیْمَانِ۔ یعنی مقتضیات ایمان سے۔ اُن چیزوں سے جو ایمان لانے سے واجب ہو جاتی ہیں۔ اور انہی میں حلت و حرمت کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔ ای بشرائع الاسلام وما احل اللہ وما حرم (کشاف) قال الزجاج معناہ من احل ما حرم اللہ او حرم ما احل اللہ فھو کافر (بحر) حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ کوئی عمل کیسا ہی خوشنما ہو، اگر روح سے خالی ہے، تو اُس کا شمار نیکی میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایمان نام اسی روح عمل کا ہے۔ تو جس کی نیت ہی سرے سے درست نہیں، اور جو ایمان کی دولت سے یکسر محروم ہو، ظاہر ہے کہ اس کے اعمال صرف صورۃً نیک ہو سکتے ہیں، نہ کہ معنیً و حقیقۃً۔ نیکی کی نقل اور چیز ہے، اور خود نیکی اور۔ ۳۵؎ یعنی نماز کا ارادہ کرو اور حالتِ وضو میں نہ ہو۔ ای اذا اردتم (قرطبی) ای اذا اردتم القیام عبر عن ارادۃ الفعل بالفعل المنسبب عنھا للایجاز (بیضاوی) اتنا فقرہ کہ حالت وضو میں نہ ہو، یا محدث ہو، محذوف مانا گیا ہے، اجماعاً۔ اسی لئے وضو پر وضو نماز کے لئے ضروری نہیں۔ وظاھر الآیة یوجب الوضوء علی کل قائم الی الصلوۃ وان لم یکن محدثا والاجماع علی خلافه (بیضاوی) مطلق ارید به التقیید والمعنی اذا قمتم الی الصلوۃ محدثین (بیضاوی) وقد روی نفی ایجاب الوضوء بکل صلاۃ من غیر حدث عن ابن عمر وابی موسی وجابر بن عبد اللہ وعبیدۃ السلمانی وابی العالیة وسعید بن المسیب وابراھیم والحسن ولا خلاف بین الفقہاء فی ذلك (جصاص) گو تازہ وضو کی فضیلت بہت زائد وارد ہوئی ہے، اور رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدینؓ کا عام تعامل بھی یہی تھا۔ چنانچہ وضو پر وضو کرنے کے استحباب کے سب قائل ہیں۔ وقد روی عن النبی صلعم اخبار فی تجدید الوضوء (جصاص) وقد روی عن ابی بکر وعمر وعثمان وعلی انھم کانوا یتوضؤن لکل صلاۃ وھذا محمول علی انه فعلوہ استحبابا (جصاص) وقال صلی اللہ علیه وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالوضوء عند کل صلوۃ۔ فھذا کله یدل علی استحباب الوضوء عند کل صلاۃ وان لم یکن محدثا (جصاص) قال ابن سیرین کان الخلفاء یتوضؤن لکل صلاۃ (قرطبی) حملوا الامر علی الندب وکان کثیر من الصحابة منھم ابن عمر یتوضؤن لکل صلاۃ طلبا للفضل وکان علیه السلام یفعل ذلك (قرطبی) ۳۶؎ اب تعلیم ارکانِ وضو کی ہو رہی ہے۔ اسلام بخلاف دوسرے مذہبوں کے، باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری و جسمانی صفائی کا بھی بہت قائل ہے۔ اور اس نے اپنی مرکزی عبادت نماز سے قبل وضو کو لازمی ٹھیرایا ہے کہ بغیر اس کے نماز درست ہی نہیں۔ آیت احکامِ قرآنی کی اہم ترین آیتوں میں سے ہے۔ ذکر العلماء ان ھذہ الآیة من اعظم آیات القرآن مسائل واکثرھا احکاما فی العبادات ویحق ذلك (ابن العربی) یہاں تک کہ اس ایک آیت کے اندر سے بعض بعض علماء و فقہاء نے آٹھ آٹھ سو اور ہزار ہزار مسئلے مستخرج اور مستنبط کئے ہیں۔ ولقد قال بعض العلماء ان فیھا الف مسئلة واجتمع اصحابنا بمدینة السلام فتتبعوھا فبلغوھا ثمان مائة مسئلة ولم یقدروا ان یبلغوھا الالف (ابن العربی) وضو میں فرض صرف چار چیزیں ہیں، اور انہی کا آیت میں بیان ہے:۔ (۱)۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَكُمْ چہرہ کا دھونا۔ (۲) وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ سر کا مسح کرنا، یا پانی میں تر کیا ہوا ہاتھ اُس پر پھیرنا۔ (۴) و (اغسلوا) اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ۔ پیروں کا ٹخنوں سمیت دھونا۔ ان کے علاوہ اور جو چیزیں ہیں، کُلّی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لینا، غرغرہ کرنا، وقس علی ھذا، ان میں سے بعض امور مسنون ہیں، اور بعض مستحب۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی تفسیر سے اسکا تعلق نہیں۔ اعضائے وضو پر پانی بہانا، انہیں دھونا، ملنا، صاف کرنا، اپنے اندر جتنی بھی حکمتیں اور جسمانی مصلحتیں رکھتا ہے اور حضور قلب میں جس حد تک معین ہو سکتا ہے، ان پہلوؤں پر تفصیل سے لکھنے کیلئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہوگی۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَكُمْ۔ مالکیہ کے ہاں چہرہ دھونے کے معنی یہ ہیں کہ پانی اُس پر بہایا جائے اور ہاتھ اُس پر پھیرا جائے۔ لیکن حنفیہ کے ہاں محض پانی کا اُس پر بہہ جانا کافی ہے، ہاتھ سے ملنا اور رگڑنا لازمی نہیں۔ ولا بد فی غسل الوجه من نقل الماء الیه وامرار الید علیه وھذہ حقیقة الغسل عندنا (قرطبی) قال آخرون و ھو قول اصحابنا وعامة الفقہاء علیه اجراء الماء علیه ولیس علیه دلکه بیدہ (جصاص) وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ الٰی اظہار غایت و انتہا کیلئے آتا ہے اور اس فیصلہ کا تعلق سیاق سے ہے کہ الٰی کا مابعد بھی الٰی کے ماقبل کے ساتھ شامل رکھا جائے یا اس سے الگ سمجھا جائے۔ بعض ماہرین نحو نے یہ بھی کہا ہے کہ مابعد اگر ہم جنس ہے تو ماقبل کے ساتھ شامل سمجھا جائیگا، اور اگر غیر جنس ہے تو اس سے خارج رہیگا۔ لان مابعد الی اذا کان من نوع ما قبلھا دخل فیه قاله سیبویه وغیرہ (قرطبی) قال الخلیل فی قوله تعالی الی المرافق ان المرافق فیما یغسل (زجاج) القول الثانی ان الی حد والحد اذا کان من جنس المحدود دخل فیه (ابن العربی) الٰی۔ کبھی معیت کے معنی بھی دیتا ہے، اور مع کا مرادف ہوتا ہے۔ وتاتی للمعیة (تاج) چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اسی معنی میں آیا ہے۔ واذا خلوا الی شیاطینھم۔ من انصاری الی اللہ۔ ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم وغیرھا۔ اور بہت سے نحویین نے یہاں بھی الٰی اسی معنی میں لیا ہے۔ فان جماعة النحویین جعلوا الی بمعنی مع ھھنا واوجبوا غسل المرافق والکعبین (تاج) رسول اللہ صلعم کا تعامل بھی کہنیاں دھونے کا تھا۔ بہر حال لفظ الٰی سے اگر کچھ اشتباہ رہ بھی گیا ہو تو سنت رسول نے اُسے دفع کر دیا ہے۔ روی جابرؓ بن عبد اللہ ان النبی صلعم کان اذا بلغ المرفقین فی الوضوء ادار الماء علیھما وفعله ذلك عندنا علی الوجوب لورودہ مورد البیان (جصاص) عن النبی صلعم انه کان یدیر الماء علی مرفقیه (مدارک) حنفیہ کے ہاں تو کہنی کا اعضائے وضو میں داخل ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے ہی (اختلاف صرف امام زفر سے منقول ہے) والذی ذکرنا من دخول المرافق فی الوضوء ھو قول اصحابنا جمیعا الا زفر (جصاص) باقی دوسرے مذاہب فقہ نے بھی کہنی کا دھونا لازم قرار دیا ہے۔ وجمھور الفقہاء علی دخولھا وحکی عن الشافعی رح انه قال لا اعلم خلافا فی ان المرافق یجب غسلھا (روح) وقد نقل ابن ھبیرۃ اجماع الائمة الاربعة علی فرضیة غسل الیدین مع المرفقین (روح) قال الجمھور غسل الیدین الی المرفقین واجب معھما (کبیر) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ مسح سے مراد بھیگے ہوئے ہاتھ کے پھیر لینے سے ہے۔ جملہ کی ترکیب (بِرُءُوْسِكُمْ) اس کی مقتضی ہے کہ مراد پورے سر کا مسح نہیں، بلکہ اسکے کسی حصہ کا ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے ہاں سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کافی ہے۔ اور ب تبعیض کے لئے ہے۔ یقتضی مسح بعضه (جصاص) روی عن اصحابنا فیه روایتان احدٰھما ربع الراس والاخری مقدار ثلاثة اصابع (جصاص) اخبر ابراھیم ان الباء للتبعیض وقد کان من اھل اللغة مقبول القول فیھا (جصاص) الباء مزیدہ وقیل للتبعیض (ابو السعود) نحویین کے ایک گروہ نے ب کے تبعیضیہ ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ وقیل الباء للتبعیض وکونھا للتبعیض ینکرہ اکثر النحاۃ حتی قال بعضھم وقال من لا خبرۃ له بالعربیة الباء فی مثل ھذا للتبعیض ولیس بشیء یعرفه اھل العلم ... تاہم ربع سر کے لئے حنفیہ کے ہاں دلیل سنت رسولؐ ہے۔

مُراد یہ ہے کہ وہ جانور خود اُس شکار کو نہ کھائے، اور اسے شکاری کیلئے روکے رکھے۔ ای حبس لکم ولم یاکل (قرطبی) الامساک علی صاحبہ ان لا یاکل منہ (مدارک)۔ اور قرطبی نے اس معنی پر صحابیوں میں سے ابن عباسؓ، ابوہریرہ اور تابعین میں سے عکرمہ، قتادہ، ابن جبیر اور عطاء کا اور ائمۂ فقہ میں سے نخعی، شافعی، احمد، اسحٰق، ابوثور اور ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا اتفاق نقل کیا ہے۔ والیہ ذھب اکثر الفقھاء (بیضاوی) البتہ باز، شکرہ وغیرہ شکاری پرندوں کی تادیب اس حد تک ذرا دشوار ہی ہے۔ اس لئے فقہاء کے دقیقہ سنج گروہ نے انہیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ رکھا۔ وقال بعضھم لا یشترط ذلک فی سباع الطیر لان تادیبھا الی ھذہ الحد متعذر (بیضاوی) قال ابوحنیفۃ و ابویوسف ومحمد وزفر یوکل صید البازی وان اکل (جصاص)، واما البازی فانہ معلوم انہ لا یمکن تعلیمہ بترک الاکل وانہ لا یقبل التعلیم من ھذہ الجھۃ (جصاص) فان اکل منہ لم یوکل اذا کان صید کلب ونحوہ فاما صید البازی ونحوہ فاکلہ لا یحرمہ (مدارک)۔ ٢٦ یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی اذا ارسلت جارحک فقل بسم اللہ (ابن عباسؓ) ای سمّوا علیہ عند ارسالہ (مدارک)۔ ومن شرائط ذکاۃ الصید التسمیۃ علی الارسال (جصاص)، حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:۔ عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ صلعم اذا ارسلت کلابک المعلمۃ وذکرت اسم اللہ فکل مما امسکن علیک (صحیح بخاری)، عدی بن حاتم صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سکھایا ہوا کتا اللہ کا نام لے کر چھوڑو تو پھر وہ جو تمہارے لئے پکڑے رکھے، اُسے کھا سکتے ہو ——— فقہاء نے حدیث بالا ہی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ ذبح حیوانات کے وقت جو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے، اسی کے قائم مقام وہ بسم اللہ ہے جو شکار پر شکاری جانور کے چھوڑتے وقت پڑھی جائے۔ ھذا یدل علی ان حال الارسال بمنزلۃ حال الذبح فی وجوب التسمیۃ علیہ (جصاص)، وتشترط التسمیۃ من الذابح حالۃ الذبح او الرمی بصید او الارسال (درمختار)۔ ٢٧ (ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے) ذرا موقع کی تصویر چشم تصور میں لائیے۔ خوب بھوک لگی ہوئی ہے، بڑے لذیذ گوشت کا جانور شکرہ یا کتا پکڑ کر لایا ہے۔ شوق بے قرار ہے کہ جلد سے جلد اس کے کباب لگیں، اور بھنے ہوئے شکار سے جی بھر کر لذت حاصل کی جائے۔ اب کون اس موقع پر یاد دلائے کہ شرائط حلت ذرا مستحضر کر لیجئے۔ جانور سدھا ہوا ہے یا نہیں، اُسے چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ دی گئی تھی یا نہیں، وغیرہا ——— بجز تقویٰ الٰہی کے اور کس میں اس وقت یہ یاد دلانے کی قوت ہے؟ ٢٨ (اور یہی مراقبہ ہر شرعی حکم کی تعمیل کو آسان بنا دیگا) خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن حکیم میں احکام جہاں جہاں بھی آئے ہیں، اُن کے متصل ہی کوئی اس قسم کا فقرہ بھی ضرور مل جاتا ہے، جس سے یاد آخرت یا اللہ کے علم کل کا استحضار ہو جائے ——— ہر دشواری کو آسان بنا دینے کا، ہر پتھر کو پانی کر دینے کا نسخہ اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتا ہے۔ ٢٩ (اور یہ جواز قیامت تک رہیگا، کوئی نئی شریعت اسے منسوخ کرنے والی اب نہیں آنے کی) ٣٠ (بہ شرطیکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے دیا گیا ہو) "تثلیث مقدس" کے نام پر اگر کوئی جانور ذبح ہوا ہوگا تو وہ محققین حنفیہ کے ہاں حلال نہیں، حرام ہوگا۔ قال ابوحنیفۃ وابویوسف ومحمد وزفر من کان یھودیا او نصرانیا من العرب والعجم فذبیحتہ مذکاۃ اذا سمی اللہ علیھا وان سمی النصرانی علیھا اسم المسیح لم توکل (جصاص) طَعَام سے مراد حلال جانور ہیں، جو اہل کتاب کے ہاتھ کے ذبح کئے ہوں۔ جیسا کہ صحابیوں، تابعین اور ائمۂ تفسیر نے سمجھا ہے ورنہ مطلق کھانا تو دوسرے غیر مسلموں کے ہاں کا بھی جائز ہے۔ کچھ اہل کتاب کی تخصیص نہیں۔ وفی المراد بالطعام ھھنا وجوہ الثلاثۃ الاول انہ الذبائح والاکثرون علی القول الاول (کبیر) ھو ھنا خاص بالذبائح عند کثیر من اھل العلم بالتاویل (قرطبی)، وعلیہ اکثر المفسرین (روح)، روی عن ابن عباس وابی الدرداء والحسن ومجاھد وابراھیم وقتادہ والسدی انہ ذبائحھم وظاھرہ یقتضی ذلک (جصاص) بعض فقہاء اُمت نے تصریح اور تاکید کی ہے کہ جن اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، انہیں واقعۃً اور عملاً یہودی یا نصرانی ہونا چاہئے۔ محض اسماً یا نسلاً اُن کا "قوم" اہل کتاب سے ہونا کافی نہیں۔ ورنہ جو علت مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت کی ہے، وہی یہاں بھی مشترک ہے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابیوں کے فتوے اس باب میں موجود ہیں۔ اُس وقت جو نصرانی محض نام کے تھے، اُن کے ذبیحہ کے کھانے سے آپ نے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور بعض تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن علیؓ قال لا تاکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا بشیء من النصرانیۃ الا بشرب الخمر (ابن جریر) عن ابن عباسؓ قال لا تاکلوا ذبائح نصاری العرب وذبائح نصاری ارمینیۃ (ابن جریر) وقال بھذا من الصحابۃ علیؓ وعائشۃؓ وابن عمرؓ وھو قول طاؤس والحسن (قرطبی) امام مالک کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ وقال مالک اکرہ ذلک ولو یحرمہ (قرطبی) لیکن اس کے مقابل بہت سے اکابر تابعین اور ائمۂ فقہ کا قول یہ بھی موجود ہے کہ کتابیوں کا ذبیحہ بہر صورت جائز ہے۔ وذھب اکثر اھل العلم الی انہ یحل وھو قول الشعبی وعطاء والزھری ومکحول (معالم)، حسن بصری تابعی کا یہ قول دل کو بہت زیادہ لگتا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہودی یا نصرانی کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام خود سُن لو، جب تو نہ کھاؤ، ورنہ کھا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ وقال الحسن اذا ذبح الیھود والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ وانت تسمع فلا تاکلہ واذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک (معالم۔ روح) لیکن واضح رہے کہ یہ سارے اختلافات اس صورت حال کے موقع پر ہیں، جب جانور بہرحال ذبح ہوا ہو، لیکن جب ذبح ہی کی نوبت سرے سے نہ آئے، مثلاً مرغ کو گردن مروڑ کر ہلاک کر دیا گیا، تو ایسے غیر مذبوح جانور کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور آج کی برائے نام مسیحی قوموں میں جو عام دستور ہے، سب پر ظاہر ہے۔ ٣١ (سو تم اپنے کھانے سے انہیں بلا تکلف کھلا سکتے ہو) مسلمان رک رہے تھے، کہ معلوم نہیں ہمارے لئے جائز بھی ہے یا نہیں کہ ہم کتابیوں کو اپنے کھانے میں سے کھلا سکیں، یہاں تصریح کر دی گئی کہ بے تکلف جائز ہے۔ فلا جناح علیکم ان تطعموھم (مدارک)، ای ویحل لکم ان تطعموھم من طعامکم (کبیر) یہ صراحت اس لئے بھی ضروری تھی کہ نکاح کا بیان معاً بعد آ رہا ہے۔ ذبیحہ تو طرفین سے حلال ہے لیکن مناکحت کا قیاس اس پر درست نہ ہوگا نکاح صرف اُن کی عورتوں سے مسلمان مرد کا جائز ہے مسلمان عورت کا نکاح اُن کے مرد سے جائز نہیں۔ لذ جرم ذکر اللہ تعالیٰ ذلک تنبیہاً علی التمییز بین النوعین (کبیر) ٣٢ ابھی ذکر کھانے کی حلال چیزوں کا تھا، اب ذکر عورتوں کا ہے، کہ زن مسلم اور زن کتابی تمہارے لئے حلال ہے ——— مواکلت کی طرح مناکحت بھی انسان کی ایک طبعی خواہش ہے۔ اس لئے دونوں کے احکام اگر اکٹھے لائے گئے تو یہ عین باہمی مناسبت کا تقاضہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ۔ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۔ مسلمات اور کتابیات دونوں کے درمیان اصلاً قدر مشترک سلسلۂ وحی ونبوت پر ایمان ہے۔ یہود اور نصرانیوں کے اعمال کیسے ہی فاسقانہ ہوں، اور بعض عقائد کیسے ہی غالیانہ ہوں۔ بہرحال اصلاً وہ لوگ توحید ہی کے قائل ہیں اور سلسلۂ وحی ونبوت کے ماننے والے۔ اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوانات اہم ترین ہیں ——— البتہ یہ خیال رہے کہ "نصرانیت" موجودہ یورپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں۔ نکاح کتابیوں

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
مسلمان پارسائیں اور اُن کی پارسائیں جن کو تم سے قبل کتاب
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
مل چکی ہے جب تم انہیں ان کے مہر دے دو ٣٣ اور قید نکاح
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ
میں لانے والے ہو، نہ کہ (محض) مستی نکالنے والے اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے ٣٤
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي
اور جو کوئی ایمان سے انکار کرے گا تو اُس کا عمل اکارت جائے گا، اور وہ آخرت میں
ع ١ ٥ ٥
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ٣٥ اے ایمان والو جب تم نماز کو
قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ
اُٹھو ٣٦ تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا
اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى
کرو اور اپنے سروں پر مسح کر لیا کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت
الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ
(دھو لیا کرو) ٣٧ اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کر لو ٣٨ اور اگر تم
مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ
بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا سے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ

اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا ۱۸ ہاں جو کوئی بھوک کی شدت سے

مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳﴾

بیقرار ہو جائے، گناہ کی طرف رغبت کئے بغیر ۱۹ سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۲۰

یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَہُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ

آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیز (کھانے کی) ان پر حلال کی گئی ہے ۲۱، آپ کہہ دیجئے کہ تم پر (کل) پاکیزہ جانور حلال

وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَہُنَّ مِمَّا

ہیں ۲۲، اور تمہارے سدھے ہوئے شکاری جانوروں کا شکار، جو شکار پر چھوڑے جاتے ہیں ۲۳، تم انہیں اس طریقہ

عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ۫ فَکُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ وَ اذْکُرُوا اسْمَ

پر سکھاتے ہو جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے ۲۴ سو کھاؤ اس (شکار) کو جسے (شکاری جانور) تمہارے لئے پکڑے

اللّٰہِ عَلَیْہِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

رکھیں ۲۵، اور اللہ کا نام اس (جانور) پر لے لیا کرو ۲۶، اور اللہ سے ڈرتے رہو ۲۷، بیشک اللہ حساب جلد کر دیتا ہے ۲۸

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا

آج جائز کر دی گئیں تم پر پاکیزہ چیزیں ۲۹ اور جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے

الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪ وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّہُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ

جائز ہے ۳۰ اور تمہارا کھانا ان کے لئے جائز ہے ۳۱ اور (اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں)

۱۸ (قیامت تک کے لئے) اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ یہ اکمالِ دین بہ لحاظ قوت بھی ہے اور بہ لحاظ احکام و قواعد بھی۔ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ یہ اتمام نعمت اسی دین کی تکمیل سے ہوا۔ اس اکمالِ دین و اتمام نعمت کے بعد ظاہر ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم، اضافہ، تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ نہ کسی نبی کی بعثت کی حاجت۔ ختم نبوت پر اگر دلائل صریح نہ موجود ہوتے، تو یہاں سے بھی مسئلہ کا استنباط ہو سکتا تھا۔ شیعی عقیدۂ امامت کا، جو در حقیقت اجراء نبوت ہی کی ایک شکل ہے، رد بھی یہیں سے نکل آتا ہے۔ البتہ ہر دور میں نئے نئے مسائل کا انکشاف اہل علم و اجتہاد اپنی بصیرت سے کتاب و سنت کے اصول و قواعد کے مطابق و ماتحت قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اشیاء کی حلت و حرمت کا ذکر اوپر سے چلا آرہا تھا۔ تو یہ مسئلہ بھی اسی کتاب واضح کے اندر آگیا اور اس میں بھی اب کسی تغیر و تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ اَلْیَوْمَ۔ دینِ الٰہی چلا تو شروع ہی سے آرہا تھا لیکن ہر نبی کے عہد میں زمان و مکان کے مصالح و مقتضیات کے لحاظ سے احکامِ شریعت وقت و مقام کے ساتھ محدود و مخصوص رہتے تھے۔ دین اب پہلی بار عالمگیر اپنے جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ الیوم میں اشارہ اسی جانب ہے کہ اب خدائی پروگرام میں وحدتِ نسلِ انسانی کا زمانہ شروع ہونے کو ہے۔ دنیا اب تک مختلف جغرافی حصوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر نہایت دشوار تھا، اور اس میں نامہ و پیام کی بھی کوئی آسان راہ نہ تھی۔ ہر علاقہ کہنا چاہیئے اپنے جغرافی و طبعی سرحدوں کے اندر محفوظ تھا۔ دریا، پہاڑ، سمندر وغیرہ جو راہ میں حائل رہتے، ان کا عبور کرنا گویا محال تھا۔ ریل، موٹر، لاری، تار، ٹیلیفون وغیرہ خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ اب کائنات ارضی کی تاریخ میں پہلی بار اس کا وقت آرہا تھا کہ انسانیت کے ٹکڑے ایک دوسرے سے ملیں۔ رسل و رسائل کے ذرائع وسیع ہوں۔ اور جس طرح نظامِ تکوینی میں ہر فرد کے لئے، اس کے وجود میں آنے سے قبل ہی اس کے لئے ہوا کا، اور روشنی کا اور پانی کا سامان حکمتِ الٰہی موجود رکھتی ہے اسی طرح نظامِ تشریعی میں رحمتِ حق نے چاہا کہ نوعِ انسان کی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کا انتظام پیشتر سے موجود رہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فقہاء ظاہر اور حکماء باطن نصوص سے جو مستنبط کرتے ہیں، وہ بھی سب دین ہی میں داخل ہے، ورنہ اکمالِ دین کے بعد اس کی اجازت نہ ہوتی۔ ۱۹ (اور حرام ماکولات میں کسی شے کو کھا پی لے) فاباح اللہ عند الضرورۃ اکل جمیع ما نص علی تحریمہ فی الآیۃ (جصاص) مَخْمَصَۃٍ کے معنی شدید بھوک کے ہیں۔ المخمصۃ جوع وخلاء البطن من الطعام (قرطبی) قال ابن عباس والسدی وقتادۃ المخمصۃ المجاعۃ (جصاص) قال اہل اللغۃ الخمص والمخمصۃ خلو البطن من الطعام عند الجوع (کبیر) غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ۔ یعنی حرام شے محض بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر کھالی جائے، حصولِ لذت کی نیت نہ ہو، اور نافرمانی یا قانون شکنی مقصود نہ ہو۔ ای غیر متعمد لمعصیۃ فی قصدہ قالہ قتادۃ والشافعی رحمہما اللہ (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس چیز کی اجازت بہ ضرورت دی جائے، اس سے حظ نفس کا قصد جائز نہیں۔ جیسے طبیب یا گواہ عورت یا اس کے جسم کو بہ ضرورت دیکھے، تو بہ قصد شہوت نظر کرنا حرام ہے۔ ۲۰ صفت غفور لاکر یہ یاد دلا دیا کہ اگر قدرِ ضرورت سے کوئی ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا گیا، جب بھی معاف کر دیا جائیگا۔ اور صفت رحمت سے یہ اشارہ ہے کہ قانون ایسے موقع کے لئے دیکھو کیسا نرم و آسان رکھ دیا۔ ۲۱ (کتے اور باز کے شکار کئے ہوئے جانوروں میں سے) یہ سوال کرنے والے منکرین نہ تھے مومنین و صحابہ ہی تھے۔ اور حلت و حرمت اشیاء کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا حل بھی ضروری تھا۔ یسئلک یا محمد اصحابک ما الذی احل لھم (ابن جریر) لَہُمْ یعنی مسلمانوں پر۔ صحابہ کا اصل سوال یہ تھا کہ شکاری جانوروں (مثلاً کتے اور باز) کے ذریعہ سے شکار کئے ہوئے جانوروں میں سے کون کون حلال ہیں؟ آیا سب ہی حلال جانور اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، یا کچھ مخصوص جانور حلال رہ جاتے ہیں، اور وہ بھی مخصوص شرائط کے ماتحت؟ اللہ حضرات صحابہ پر بے شمار رحمتیں نازل کرے، امت کے کام کی کیسی کیسی چیزیں خدا اور رسولؐ سے دریافت کر ڈالیں! یہ معلومات بیشتر سے نہ موجود ہوتے تو آج کتنی دقتیں ہوتیں! ۲۲ جواب یہ ملا کہ جو حلال جانور ہیں، وہ اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، البتہ خود شکار کے شرائط آگے آتے ہیں۔ طیب کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ وہ پاک اور لذیذ غذا ہے جسے طبع سلیم قبول کرلے۔ ۲۳ دو شرطیں اتنے ہی جواب سے نکل آئیں۔ پہلی شرط تو یہ نکلی کہ وہ شکاری جانور سکھائے ہوئے، سدھائے ہوئے ہوں۔ اور فقہاء نے بات سے بات یہ پیدا کی ہے کہ یہ قید صرف وحشی جانوروں کے لئے نہیں، بلکہ گھریلو جانوروں کے لئے بھی ہے، چنانچہ گھریلو جانور اگر ٹریننگ پایا ہوا نہ ہو تو اس کا کیا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔ البتہ جو جانور (وحشی ہو یا گھریلو) سکھایا ہوا ہوگا، اس کا فعل خود شکاری کا فعل سمجھا جائیگا۔ دوسری شرط یہ پیدا ہوئی کہ وہ جانور تمہارے چھوڑے ہوئے جھپٹیں، یہ نہیں کہ از خود شکار پکڑ لائیں، اور تمہارے سامنے ڈال دیں۔ اَلْجَوَارِحِ۔ جارحہ کی جمع ہے۔ معنی ہیں ہر شکاری جانور کے، خواہ وہ پرندہ ہو یا درندہ۔ تسمی الصائدۃ من الکلاب والفھود والطیور جارحۃ (راغب) جارحہ کا نام ہی اس لئے جارحہ پڑا کہ وہ شکار کو زخمی کرتا ہے۔ قیل فی الجوارح انھا ما تجرح بناب او مخلب (جصاص) سمیت جوارح من الجرح لانھا تجرح الصید عند امساکہ (خازن) وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ ترکیب میں اس کا عطف الطیبات پر ہے۔ اور صید مضاف محذوف ہے۔ عطف علی الطیبات ای احل لکم الطیبات وصید ما علمتم فحذف المضاف (کشاف) ای وصید ما علمتم (قرطبی) مُکَلِّبِیْنَ۔ مُکَلِّب کے ایک معنی تو ہیں کتے کو تعلیم دینے والا، اور دوسرے معنی ہیں شکار پر جھپٹنے والا۔ دونوں میں کوئی منافات نہیں، اور اہل لغت نے دونوں کی گنجائش رکھی ہے۔ المکلب معلم الکلاب الصید مضرلھا علیہ وقد یکون التکلیب واقعًا علی الفھد وسباع الطیر (تاج) مکلب مضر للکلاب علی الصید معلم لھا وقد یکون التکلیب واقعًا علی الفھد وسباع الطیر (لسان) المکلب الذی یعلم الکلب (راغب) التکلیب ھی التضریۃ بالشئ والتسلیط علیہ لغۃً (ابن العربی) مُکَلِّبِیْنَ۔ کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ تعلیم و تربیت صرف کتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ شکاری پرندے بھی بلا اختلاف فقہاء سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ لا یخصص ذلک بالکلاب دون غیرھا فوجب حملہ علی العموم ولا نعلم خلافًا بین فقہاء الامصار فی اباحۃ صید الطیر (جصاص) گویا یہ پہلی شرط کی تفصیل ہوگئی (ملاحظہ ہو اسی حاشیہ کی پہلی سطر) ۲۴ فقہاء نے تعلیم (ٹریننگ) کا معیار کتے کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سکھایا ہوا کتا شکار کو پکڑ کر خود نہ کھا جائے۔ اور باز کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سدھے ہوئے باز کو جب آواز دی جائے، تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے۔ ۲۵ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ۔ یعنی وہ شکار مسلمان شکاری ہی کے لئے ہونا چاہیئے نہ کہ جانور کے اپنے لئے۔ اس نص نے اسے صاف کر دیا جو فقہاء قبل کے الفاظ سے استنباطاً سمجھے تھے۔ اور اس کا معیار وہی ہے، جو اوپر کے حاشیہ میں بیان ہو چکا تو اگر کتا اس شکار کو خود کھانے لگے۔ یا باز شکاری کے بلانے سے واپس نہ آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ جانور نے شکار مالک کے لئے نہیں، اپنے لئے پکڑا ہے۔ عَلَیْکُمْ میں علیٰ ل کے معنی میں ہے۔ امسکن علیکم ای

شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ
کہ کسی قوم سے جو تمہیں بیزاری اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، تم

اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى ۖ وَلَا
(اس بیزاری کے باعث) زیادتی کرنے لگو ؁ ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو، اور گناہ اور

تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو ؁ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ

اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝۲ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ
سخت سزا دینے والا ہے ؁ تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور

وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ
سور کا گوشت ؁ اور جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو ؁ اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے

وَالۡمَوۡقُوۡذَةُ وَالۡمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيۡحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ
اور جو کسی ضرب سے مر جائے، اور جو اونچے سے گر کر مر جائے، اور جو کسی کے سینگ سے مر جائے، اور

السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ ۚ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنۡ
جس کو درندے کھانے لگیں سوا اس صورت کے کہ تم اسے ذبح کر ڈالو، اور جو جانور استھانوں پر بھینٹ

تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِكُمۡ فِسۡقٌ ؕ اَلۡيَوۡمَ يَٮِٕسَ
چڑھایا جائے ؁ اور نیز یہ کہ قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا جائے یہ سب گناہ (کے کام) ہیں ؁ آج کافر

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ ؕ
تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ؁ سو تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھی سے ڈرو ؁

وقف لازم

الربع

منزل ٢

۸ؑ (بلکہ اس غیظ نگواری و طبعی انقباض کے باوجود معاملہ اُن سے بھی حق و انصاف ہی کا رکھو) مراد کفار قریش ہیں، جنہوں نے ۶ھ میں مسلمانوں کو بیت اللہ تک پہنچنے اور عمرہ کرنے سے حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے موذی اور تند ناترس دشمنوں سے بھی باوجود غیظ و غصہ و اشتعال کے برتاؤ عدل ہی کا رکھو ———— اللہ اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس فراخ دلی کا! مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس سے بغض فی اللہ ہو اس کے معاملات میں بھی حدود شرعی سے تجاوز جائز نہیں۔ ۹ؑ کیسے زریں اصول کی تعلیم مل رہی ہے! نیکی میں سب کے شریک رہو، بدی اور فسق میں کسی کا ساتھ نہ دو! ———— "مہذب" قوموں کا سا شیوہ نہ رکھو، کہ اپنی قوم سب پر مقدم، اور اپنی پارٹی بہرحال اپنی پارٹی! اُدہر قاعدے اور اصول غیروں سے معاملت کے بنائے تھے، اب یہاں ارشاد آپس کی معاملت سے متعلق ہو گیا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ حسن و قبح میں مقدمات کو مقاصد کا حکم دیا جاتا ہے، اور مشائخ اہل تربیت کے ہاں اسی قاعدہ پر عمل ہے۔ یہیں سے وجوب اُن مجلسوں میں شرکت کا نکل آیا جن کا مقصد اشاعت دین و نصرت دین ہے، اور حرمت اُن اجتماعی اداروں میں شرکت کی نکل آئی جن سے بے دینی یا بدعملی کی تائید ہوتی ہو (نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں) ۱۰ؑ اِتَّقُوا اللّٰہَ ۔ خشیتِ الٰہی ہی ایسی چیز ہے، جو ہر مجاہدہ کو آسان اور ہر پابندی کو سہل بنا سکتی ہے۔ ۱۱ؑ آیت نمبر ایک میں اِلَّا مَا یُتْلٰی گزر چکا ہے۔ اب اُسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اَلْمَیْتَۃُ ۔ یعنی وہ جانور جو بلا ذبح شرعی مر جائے۔ اَلدَّمُ ۔ دمِ مسفوح یعنی بہتا ہوا خون مراد ہے۔ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ ۔ اسی میں سور کی چربی وغیرہ اس کے جسم کے دوسرے اجزاء بھی شامل ہیں۔ اکلہ نجس وانما خص اللحم لانہ معظم المقصود (مدارک) فانہ قد تناول شحمہ وعظمہ وسائر اجزائہ ولاخلاف بین الفقہاء فی ذٰلک (جصاص) سور کے گوشت کی جسمانی مضرتوں سے طبی لٹریچر بھرا پڑا ہے۔ اخلاقی و روحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا۔ ۱۲ؑ (بہ خیالِ تقرب اور بہ نیتِ عبادت) حرمت کا اصل مدار ذابح کی نیت پر ہے۔ اور یہ غیر اللہ کی طرف نامزدگی خواہ عین ذبح کے وقت ہو یا اُس سے قبل۔ قبروں، درگاہوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ذرا اپنے لئے بھی سوچ لیں۔ ۱۳ؑ (عام اس سے کہ نامزدگی غیر اللہ کی جانب زبان سے بھی کی جائے، یا محض دل میں نیت رکھی جائے) حرمت کی اصل بنا اعتقادِ خبیث ہے، خواہ زبان سے اس کا اظہار کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ پتھروں پر ذبح فی نفسہ حرام نہیں، حرام یہ نیت خبیث ہے۔ ما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب (کبیر) والنیۃ فیہا تعظیم النصب لا ان الذبح علیہا غیر جائز (قرطبی) عَلٰی ہو سکتا ہے کہ یہاں لِ کے مرادف ہو۔ یعنی تھانوں پر چڑھائے جانے کی غرض سے۔ قال قطرب علی بمعنی اللام ای و ما ذبح لاجل النصب (معالم) قیل علی بمعنی اللام ای لاجلہا (قرطبی) اَلْمَوْقُوْذَۃُ ۔ یہ وہ جانور ہے جو کسی ضرب سے مر جائے۔ المقتولۃ بالضرب (راغب) فقہاء نے ایسے جانور کو بھی جو محض غلہ یا گولی سے بلا ذبح مر جائے، اسی حکم میں داخل کیا ہے۔ ویدخل فی الموقوذۃ ما رمی بالبندق فمات (کبیر) اَلْمُتَرَدِّیَۃُ ۔ پہاڑی سے گر کر مر جانا یا کنوئیں میں گر کر مر جانا سب اسی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ وَمَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ ۔ یعنی وہ جانور جسے درندے کھانے لگیں اور وہ اسی صدمہ سے مر جائے۔ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ ۔ یعنی تم اُسے ذبح کر ڈالو قبل اس کے کہ اس کا دم نکلے۔ اس استثناء کا تعلق اُوپر کی لکھی ہوئی سب صورتوں سے ہے یعنی گردن سے مروڑے ہوئے، چوٹ کھائے ہوئے وغیرہ سب حلال جانور بھی حرام ہیں، بشرطیکہ ابھی جانور کا دم نہ نکلا ہو اور وہ مطابق شرع ذبح کر لیا جائے۔ ایسا جانور حکم حرمت سے مستثنیٰ اور حلال ہے۔ نصب علی الاستثناء المتصل عند الجمہور من العلماء والفقہاء وھو راجع علی کل ما ادرک ذکاتہ من المذکورات وفیہ حیاۃ (قرطبی) ذَکَّیْتُمْ ۔ ذکاۃ ۔ ذبح کے معنیٰ میں ہے۔ الذکاۃ فی کلام العرب الذبح قالہ قطرب (قرطبی) التذکیۃ الذبح (نہر) ۱۴ؑ اَزْلَام ۔ ایک دستور اہل جاہلیت کا یہ ہے کہ تیروں پر اجازت و ممانعت کے الفاظ لکھ رکھتے تھے، اور بعض خالی چھوڑتے تھے، اور سفر، تجارت، جنگ وغیرہ کے اہم موقعوں پر یہ کرتے کہ انہی تیروں سے جا کر فال لیتے۔ اور جو حکم نکل آتا، اُسی پر عمل کرتے۔ خود صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں ایک روایت اسی مضمون کی ہے۔ والاستقسام ان یحیل القداح فان نہتہ انتہی وان امرتہ فعل ما امرہ وقد اعلموا القداح اعلاماً ضروب یستقسمون بہا ۔ صحابہ، تابعین اور اکثر مفسرین سے یہی معنیٰ منقول ہیں۔ یعنی القداح کانوا یستقسمون بہا فی الامور (ابن جریر عن ابن عباسؓ) وکذا روی عن مجاھد و ابراھیم النخعی والحسن البصری ومقاتل بن حیان (ابن کثیر) فمعنی الاستقسام بالازلام طلب معرفۃ الخیر والشر بواسطۃ ضرب القداح وھو اختیار الجمہور (کبیر) مجاہد تابعیؒ کے ایک قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی، فال گیری اور وہم پرستی کی یہ شکل اہل عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ ایران اور روم کی بڑی بڑی مہذب و متمدن قومیں اس میں مبتلا تھیں۔ قال سہام العرب وکعاب الفارس والروم کانوا یتقامرون بہا (ابن جریر۔ ابن کثیر۔ قرطبی عن مجاہد) مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ آج کل چٹھی ڈالنے کا جو دستور نکلا ہے، وہ اسی سے ملتی جلتی ہوئی ایک شکل قمار کی ہے۔ ۱۵ؑ (اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے دین و آئین کی خلاف ورزی) ذٰلِکُمْ کا اشارہ ممکن ہے کہ استقسام بالازلام تک محدود ہو لیکن زیادہ قابل قبول یہ ہے کہ ان سب چیزوں کی طرف ہو جن کی ممانعت اُوپر آ چکی ہے۔ یرجع الی جمیع ما ذکر من الاستحلال لجمیع ھذہ المحرمات وکل شئ منہا فسق وخروج من الحلال الی الحرام (قرطبی) راجعاً الی جمیع ما تقدم ذکرہ من التحلیل والتحریم (کبیر) ذٰلِکَ اشارۂ بعید ہے۔ یہاں کنایہ ان افعال کی بُعد منزلت سے ہے۔ ومعنی البعد فیہ الاشارۃ الی بعد منزلتہ فی الشر (روح۔ ابو سعود) ۱۶ؑ (کہ یہ دین کبھی بھی مغلوب یا گمنام ہو سکے گا) آیت کے نزول کا وقت یوم جمعہ (ذی الحجہ ۹ھ، ۱۶، ۱۵، مارچ ۶۳۲ء) بعد عصر، مقام عرفات ہے۔ نزلت فی یوم عیدین فی یوم الجمعہ ویوم عرفۃ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن عن ابن عباسؓ) رسول اللہ صلعم نے اس کے نزول کے کل دو مہینے ۲۱ دن بعد انتقال فرمایا۔ نکتہ رس و دقیقہ سنج اصحاب نبی آیت کے مضمون ہی سے سمجھ گئے تھے کہ اب دین ہر طرح مکمل و مستحکم ہو چکا، نبی کے مشن کی ہر طرح تکمیل ہو چکی، نبی کو اب دنیا میں مزید قیام کی ضرورت کیا رہی۔ زمانہ مفارقت نبوی کا قریب آ گیا۔ چنانچہ حدیث و سیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آیت کو سُن کر رو پڑے تھے۔ ۱۷ؑ یعنی میرے احکام کی مخالفت نہ کرو۔ یہ گویا وعدۂ الٰہی ہے کہ اب تشویش و تردد کی چیز غلبۂ کفر و استیلاء کفار نہیں۔ بلکہ احکام شریعت سے تجاوز و تزلزل ہے یہی چیز ایسی ہے جو مسلمانوں کو ضرر پہنچا سکتی ہے، اور ان کے ملی وجود کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتی ہے خشیتِ الٰہی ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کی کمی مسلمانوں میں ضعف پیدا کر سکتی ہے، نہ کہ اہل کفر وغیرہ کی کوئی خارجی قوت۔

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃَ عَشَرَ رُکُوْعًا

سورۂ مائدہ مدنی ہے اس میں ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَکُمْ

اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو ۲ تمہارے لئے چوپائے مویشی

بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی

جائز کئے گئے ہیں بجز (اُن چیزوں کے) جن کا ذکر آگے (تم سے کیا جاتا ہے ۳ ہاں شکار اس حال میں

الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ① یٰٓاَیُّھَا

کہ تم احرام میں ہو جائز نہیں ۴ بیشک اللہ جو چاہے حکم دے ۵ اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ

ایمان والو بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینوں

الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ

کی، اور نہ (حرم میں) قربانی والے جانوروں کی اور نہ گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں

الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ

کی اور نہ بیت الحرام کے قصد کرنے والوں کی جو اپنے پروردگار کے فضل اور رضامندی کے طالب

رِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ

رہتے ہیں ۶ اور جب تم احرام کھول چکو تو اب تم شکار کرسکتے ہو ۷ اور ایسا نہ ہونا چاہیئے

المنزل ۲

۱ سورۃ مدنی اس معنی میں ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ رسول اللہ صلعم کے قیام مدینہ (بلکہ آخر عمر شریف) کا زمانہ ہے، ورنہ واقعۃً اس کے بیشتر حصہ کا نزول مکۂ معظمہ میں حجۃ الوداع (ذی الحجہ ۱۰ھ) کے موقع پر ہوا ہے۔ اور کچھ صلح حدیبیہ (۶ھ) سے واپسی کے وقت اور کچھ سال فتح مکہ ۸ھ میں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت اس کا نزول ہوا ہے، آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ نزولِ وحی کے ثقل کو جانور تک نے محسوس کیا، اور وہ بیٹھ گئی۔

۲ العقود۔ عقد کا لفظ عام ہے۔ اور ہر عہد شرعی کو شامل، خواہ اس کا تعلق خالق سے ہو خواہ مخلوق سے۔ العھود التی بینکم و بین اللہ او بین الناس (ابن عباسؓ) والظاھر عموم العقود فی کل ربط یوافق الشرع سواء کان اسلامیا او جاھلیا (بحر) عبادات کے علاوہ بھی جتنے عہد سیاسیات، تجارت، معاشرت وغیرہ معاملات و اخلاقیات سے متعلق ہو سکتے ہیں، سب اس میں آ گئے۔ قال الحسن یعنی بذلک عقود الدین وھو ما عقدہ المرء علی نفسہ من بیع و شراء اجارۃ و کراء و مناکحۃ و طلاق و مزارعۃ و مصالحۃ و تملیک و تخییر و عتق و تدبیر و غیر ذلک من الامور ما کان ذلک غیر خارج عن الشریعۃ و کذلک ما عقدہ علی نفسہ للہ من الطاعات (قرطبی) ۳ اور وہ ذکر کہیں دور نہیں۔ آیت نمبر ۳ ہی میں آ رہا ہے۔ حرمت علیکم المیتۃ الخ کے تحت میں۔

بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ۔ اضافت تشبیہ کے لئے ہے یعنی مویشیوں سے ملتے جلتے ہوئے چوپائے، جو نہ درندے ہوں نہ شکاری۔ اضافتھا الی الانعام لملابسۃ الشبہ (بیضاوی) ای متما یماثل الانعام فی الاجترار و عدم الانیاب (بیضاوی) مراد ہیں، ہرن، نیل گائے وغیرہ ایسے چوپائے جو شکاری اور درندے نہ ہونے میں مویشیوں (گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری) سے مشابہ ہوں، البتہ خچر، گدھے، وغیرہ جن کی حرمت حدیث صحیح سے ثابت ہے، اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ۴ یعنی شکار حلال چوپایوں کا بھی۔ الصید۔ شکار سے یہاں مراد صرف اُن جانوروں کا شکار ہے جن کا کھانا جائز ہے۔ الصید فی ھذا الموضع مختص بما یوکل لحمہ (راغب) باقی سانپ، بچھو وغیرہ موذی جانوروں کا اس ممانعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ اُن کے ہلاک کرنے پر شکار کا اطلاق ہوتا ہے۔ صید ہی کے لفظ نے اسے بھی واضح کر دیا کہ شکار ان جانوروں کا مراد ہے جو وحشی ہوتے ہیں، اور جن کے پکڑنے میں کسی تدبیر یا حیلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام گھریلو جانور بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جو عادۃً شکار کر کے نہیں لائے جاتے، اور روزانہ محض ذبح کر کے کھانے کے کام میں لائے جاتے ہیں، اُن کے ذبح کی کوئی ممانعت نہیں۔ ای ما کان صیدا فھو حلال فی الاحلال دون الاحرام و مالم یکن صیدا فھو حلال فی حالین (قرطبی) وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ حالت احرام میں ہو یا حدود حرم کے اندر داخل ہو۔ خواہ بلا احرام ہی سہی۔ ممانعت کا اصل مدار صید کا حدود حرم کے اندر موجود ہونا ہے۔ ۵ (کہ وہی حکم ہمیشہ عین مطابق مصلحت ہوگا) ارادۂ الٰہی سے بالاتر کوئی قانون نہیں، جس کے وہ ماتحت ہو۔ وہ خود ہی سب سے بالاتر ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اسرار احکام کی تفتیش کی ممانعت کا اشارہ ہے۔ ۶ (اپنے زعم و پندار میں) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا۔ مشرکین عرب بھی اُس وقت حج و عمرہ کی نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتے رہتے تھے۔ فضل سے مراد تو اُن کی منفعت دنیوی ہو سکتی ہے۔ (حج کے موقع پر تجارت بھی خوب زوروں پر ہوتی تھی) رضوان سے مراد ان کے حسب پندار رضاء الٰہی ہے۔ قال فیہ جمھور المفسرین معناہ یبتغون الفضل والارباح فی التجارۃ و یبتغون مع ذلک رضوانہ فی ظنھم و طمعھم (قرطبی) شَعَآئِرَ اللّٰہِ۔ شعائر جمع شعیرہ کی ہے۔ مراد اعلامِ الٰہی ہیں یعنی وہ چیزیں جن کے ادب و احترام کے تحفظ کے لئے اللہ نے کچھ احکام مقرر کر دیے ہیں جمیع معالم دین اللہ (جصاص) ان احکام و آداب کی خلاف ورزی کرنا اُن شعائر کی بے حرمتی کرنا ہے۔ مثلاً حدود حرم اور جامۂ احرام کا ایک ادب یہ ہے کہ ان میں شکار بند کیا جائے۔ اب اس کی خلاف ورزی کرنا شعائر حرم و احرام سے بے ادبی کرنا ہے۔ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ۔ بطور اسم جنس آیا ہے۔ لفظاً واحد معنیً جمع یعنی سارے حرمت والے مہینے۔ الشھر مفرد محلّی باللام الجنسیۃ فالمراد بہ عموم الاشھر الحرم (بحر) مطلب یہ ہوا کہ ان چاروں متبرک مہینوں میں قتال کی ابتدا نہ کرو۔ الھَدْیَ۔ لفظ اُن قربانیوں کے لئے مخصوص ہے جو کعبۂ مقدس کو لے جائی جاتی ہیں۔ الھدی مختص بما یھدی الی البیت (راغب) ھی اسم ما اشعر ای جعل شعارا و علما (مدارک) ان کی بے حرمتی یہ ہوگی کہ ان قربانیوں سے تعرض کیا جائے۔ الْقَلَآئِدَ۔ یہ پٹے اسی نشانی کے لئے گلے میں پڑے رہتے تھے کہ یہ اللہ کی نذر ہیں۔ حرم ہی میں ذبح ہوں گی۔ القلائد سے مراد ذوات القلائد ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے تبرکات کی تعظیم بوجہ تعلق ذات واجب التعظیم کے مفہوم ہوتی ہے۔ پھر چونکہ فضل و رضوان کا تعلق مشرکین سے ہے، اسلئے یہ مفہوم بھی ہوا کہ طالب رضائے حق قابل رعایت ہے اگرچہ اخذ طریق میں اس نے غلطی کی ہو۔ اسی طرح رَبِّھِمْ سے اشارہ رحمتِ الٰہی کے عموم و وسعت کی جانب نکلتا ہے۔ ۷ (جب کہ خود وہ شکار حدود حرم میں نہ ہو) فَاصْطَادُوْا۔ صیغۂ امر ہے، لیکن وجوب کے معنی میں نہیں، بلکہ صرف اجازت کے مفہوم میں۔ ای فلا جناح علیکم بالاصطیاد لزوال المانع (روح) فالامر للاباحۃ بعد الحظر (روح) ھو اطلاق من حظر (جصاص) اباحۃ للاصطیاد بعد حظرہ علیھم (مدارک) ای فقد ابحنا لکم ما کان محرما علیکم فی حال الاحرام من الصید (ابن کثیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محض ایک امر مباح کے لئے صیغۂ امر کا وارد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس مباح کے ترک سے اس کے ممنوع ہونے کا شبہہ ہونے لگے، اس مباح کا کرنا ہی مطلوب ہوتا ہے۔ اور یہیں سے اُن متشددین کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے، جو مباحات کے ترک کر دینے میں حرام ہی کی طرح تشدد و غلو رکھتے ہیں۔

٨٦٤ یعنی قرآن مجید جس کے اندر بڑے اور چھوٹے، انفرادی اور اجتماعی، سارے مسائل کا حل موجود ہے۔ ای کتابًا مبینًا (ابن عباسؓ) النور المنزل ھو القرآن عن الحسن (قرطبی) وھو القرآن کما قالہ قتادۃ ومجاھد والسدی (روح)

٨٦٥ یعنی جنت میں داخل کرکے اور بھی نعمتوں سے سرفراز کرے گا۔ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی توحید اور نفیِ شرک پر ایمان لائے۔ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ۔ یعنی اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہے۔ ٨٦٦ یعنی دنیا میں انہیں طریق رضا پر ثابت و قائم رکھا جائے گا۔ اور اطاعت کی برکت سے اخیں ثبات علی الطاعات کی توفیق

نُوْرًا مُّبِيْنًا (١٧٤) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا

ایک کھلا ہوا نور اتار چکے ہیں٨٦٤ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اسے انہوں نے مضبوط پکڑا

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ

انہیں وہ ضرور اپنی رحمت و فضل میں داخل کرے گا٨٦٥ اور انہیں اپنے تک

اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (١٧٥) ؕ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ

سیدھی راہ دکھا دے گا٨٦٦ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ

فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ

تمہیں (میراث) کلالہ کے باب میں٨٦٧ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے، اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور

اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ

اس کے ایک بہن ہو٨٦٨ تو اسے اس ترکہ کا نصف ملے گا،٨٦٩ اور وہ مرد وارث ہوگا اس (بہن) کے

يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ

کل ترکہ کا اگر اس (بہن) کے اولاد نہ ہو٨٧٠ اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو ترکہ میں سے دو تہائی

مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ

ملے گا٨٧١ اور اگر (وارث) چند بھائی بہن مرد عورت ہوں تو ایک مرد کو

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ

دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملیگا٨٧٢ اللہ تمہارے لئے (یہ احکام) کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہی

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (١٧٦) ع

میں نہ پڑو٨٧٣ اور اللہ ہر شے کا پورا علم رکھتا ہے ٨٧٤

٢٤ ع ٥ ٢٤

ہوگی۔ ای یثبتھم علیٰ طریق مستقیم فی الدنیا مقدم ومؤخر (ابن عباسؓ) اسی سے تارکین ایمان و اعمال صالحہ کی حالت معلوم ہو گئی، کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملینگے۔ (تھانویؒ) ٨٦٧ کلالہ وہ ہے جس کے نہ اولاد ہو۔ اور نہ والدین زندہ ہوں۔ ٨٦٨ اور یہ بہن حقیقی یا عینی ہو، یا علاتی یعنی باپ کی طرف سے ہو۔ اخیافی یعنی صرف ماں کی طرف سے بہن کا حکم سورۃ کے شروع (آیت ١٢) میں آچکا ہے۔ ٨٦٩ (اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہوا تو اسے ملے گا، ورنہ خود اسی بہن پر لوٹ آئے گا) بچا، بچازاد بھائی وغیرہ عصبات میں داخل ہیں۔ ادائے قرض اجرائے وصیت پر بہر حال مقدم ہے۔ ٨٧٠ (اور والدین بھی نہ ہوں) ٨٧١ اور بقیہ ایک تہائی عصبہ کو ملیگا ورنہ بطور رَدّ پھر انہی بہنوں کو مل جائیگا۔ بہنیں اگر دو سے زاید ہوں، تو اُن کا بھی یہی حکم ہے۔ ٨٧٢ یعنی بھائی کو دُہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔ یہ بیان عام قاعدہ یا اصول کا ہے۔ باقی تفصیلات کہ عینی بھائی اور عینی بہن کا اثر علاتی بھائی بہنوں پر کیا پڑے گا، کتب فقہ و فرائض میں ملیں گی۔ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً یعنی ایسی میت کے بھائی بہن ہوں، جس پر اطلاق کلالہ کا ہو۔ ٨٧٣ (اور معاشرت دنیوی اور جزائے آخرت دونوں میں نقصان سے محفوظ رہو) ٨٧٤ اپنی صفت علم لاکر یاد دلا دیا کہ ان احکام میں بندوں کی ساری رعایتیں اور مصلحتیں جمع کردی گئی ہیں۔

۸۵۸ کیا اسے بندوں کی حاجت روائی اور اپنی کارسازی میں کسی کی اعانت کی محتاجی ہے، جو وہ کسی کو شریک کرے؟ ۸۵۹ (نہ عالم ناسوت میں، نہ برزخ میں، نہ آخرت میں) المسیح - الملٰئکۃ المقربون - ایک طرف حضرت مسیح اور دوسری طرف ملائکہ مقربین یہی دونوں دنیا میں کثرت سے پُجے ہیں۔ مشرکوں نے فرشتوں کو دیوی دیوتا کے نام دے کر شریکِ الوہیت ٹھہرایا، اور مسیحیوں نے مسیح کو خدائی کے مرتبہ پر پہنچایا، اسی لئے خصوصیت کے ساتھ تصریح سے ان دونوں کی نفی الوہیت کی گئی، اور بتایا گیا کہ اللہ کی عبدیت کوئی چیز توہین والی نہیں۔ مسیح اور ملائکہ مقربین تو اس پر فخر کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس میں کسی قسم کا بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ مراتب شرف میں عبدیت مرتبۂ اعلیٰ ہے۔ ۸۶۰ یہاں بیان اس عام قانون کا ہو رہا ہے کہ کوئی اللہ کی بندگی میں عار اور تکبر کر ہی کیونکر سکتا ہے، اللہ تو ایسا حاکم مطلق ہے کہ وقت موعود پر سب ہی کو اس کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ ۸۶۱ (جس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے) یُوَفِّیهِمْ أُجُورَهُمْ - یعنی جتنا اجر مقرر و موعود ہے، وہ تو انہیں پُورا ملے ہی گا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ - یعنی جو لوگ عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے عبد بنے رہے۔ ۸۶۲ خلاصہ یہ کہ نیک سے نیک، بزرگ سے بزرگ، مقبول سے مقبول بندے بھی بہرحال بندے ہی ہوتے ہیں۔ غالی مُریدوں، معتقدوں کا اپنے شیخ یا کسی پیمبر کو اُس کی حدِ عبدیت سے باہر نکال دینا اپنے کو مستحق جہنم بنانا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسْتَنْکَفُوْا یعنی جنہوں نے عبد بننے سے عار رکھا۔ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا - ولی اور نصیر میں فرق یہ ہے کہ ولی ایجابی طور پر ایصال نفع پر قادر ہوتا ہے، اور نصیر سلبی طور پر دفع مضرت پر۔ ولیًّا ای قریبًا ینفعھم (ابن عباسؓ) نصیرًا ای مانعًا یمنعھم من عذاب اللہ (ابن عباسؓ) ۸۶۳

ع ۲۳ ۳

کَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۱۷۱ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ

اللہ ہی کارساز ہونا کافی ہے ۸۵۸ مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ

اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ مقرب فرشتے بھی ۸۵۹

وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ

اور جو کوئی اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو

فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ۱۷۲ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اللہ ضرور اپنے پاس سب کو جمع کرے گا ۸۶۰ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ

اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہونگے تو وہ اُن کو ان کا پورا پورا اجر دیگا اور انہیں اپنے فضل

مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا

سے اور زاید دیگا ۸۶۱ اور جن لوگوں نے عار اور تکبر کیا ہوگا سو

فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ

انہیں وہ دردناک عذاب دے گا اور وہ لوگ اپنے حق میں کسی غیر اللہ

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۱۷۳ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ

کو نہ دوست پائیں گے نہ مددگار ۸۶۲ اے لوگو، تمہارے پاس

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ

یقیناً ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آچکی ہے ۸۶۳ اور ہم تمہارے اُوپر

(کافی اور محکم) بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ - اس برہان سے مراد رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس ہے، جن کی سیرت پاک اور تعلیم کی جامعیت نے ہر مشکل کو آسان اور ہر پتھر کو پانی بنا دیا ہے۔ ای رسول من ربکم (ابن عباسؓ) یعنی محمدًا صلعم عن الثوری (قرطبی) الجمھور علی ان البرھان ھو محمد صلعم (بحر) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ - خطاب ساری نسل انسانی جملہ اہل مذاہب کو عام ہے۔ یایھا الناس من جمیع اصناف الملل (ابن جریر) یقول تعالیٰ مخاطبًا جمیع الناس (ابن کثیر) خطاب لکافۃ المکلفین (روح) ۔ ۔ ۔ ۔

۸۴۲ یٰاَیُّھَا النَّاسُ۔ خطاب صرف اہلِ عرب یا اہلِ مکہ کو نہیں، سارے جہان کو ہے۔ دعوتِ قرآنی کی عالمگیری کا ایک اور ثبوت۔ ھٰذا خطاب للکل (قرطبی) خطاب لجمیع المکلفین (روح) ذکر خطابًا عامًا یعمھم و یعم غیرھم (کبیر) اَلْحَقُّ۔ اس میں سچے دعوے اور سچے دلائل دونوں آگئے۔ ۸۴۳ ایمان لانے اور زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالنے میں نفع تمامتر بندہ کا اپنا ہی ہے۔ حق تعالیٰ کی کوئی غرض اس سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کے بارہ میں تصور کر رکھا ہے۔ فَاٰمِنُوْا۔ میں ف سے اشارہ اس جانب ہے کہ صحیح دعوٰی اور صحیح دلیل کا مقتضا ہی یہ ہے کہ ایمان لے آیا جائے۔
۸۴۴ (سو اُس کا ضرر کسی طرح بھی نہیں، ضرر سرتاسر تمہارا ہی ہے) مشرکوں کو یہ حقیقت بار بار یاد دلانے کے قابل تھی۔ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنا ہی جیسا محتاج اور غرضمند تصور کرتے تھے۔ ۸۴۵ صفت علیمًا لا کر یاد دلا دیا کہ ہر ایک کا کفر و ایمان اُس پر روشن ہے، اس کے حدود علم سے باہر کوئی چیز نہیں۔ اور صفت حَکِیْمًا لا کر یہ اشارہ کر دیا کہ وہ سزا بھی موقع مناسب ہی پر دیگا۔ ۸۴۶ دین میں غلو کرنا یہ ہے کہ عقائد و مسائل میں اضافہ و افراط کو اپنی طرف سے دخل دیدیا جائے خواہ کسی نیت سے ہو۔ الغلو فی الدین ھو مجاوزۃ حد الحق فیہ (جصاص) اَھْلَ الْکِتٰبِ سے یہاں مراد اہلِ انجیل یا نصارٰی ہیں۔ ای اھل الانجیل من النصارٰی (ابن جریر) والتقدیر یا اھل الکتٰب من النصارٰی (کبیر) ینھی تعالٰی اھل الکتٰب عن الغلو والاطراء وھٰذا کثیر فی النصارٰی (ابن کثیر) نزلت فی النصارٰی (معالم) یہود کے مطاعن کا ذکر کر کے اور ان کا جواب دے کر اب ذکر عیسائیوں کا شروع ہو رہا ہے، جو یہود کی تفریط کے مقابلہ پر افراط کی انتہا پر پہنچ گئے تھے۔ اور عیسٰی مسیح کو بجائے ایک صالح اور مقبول بندہ کے خدا یا خدا کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہود کا غلو احکام ظاہری میں تعمق تھا اور مسائل باطن کی طرف سے اعراض تھا اور مسیحیوں کا غلو مسائل باطن میں تعمق اور ظاہر کی طرف سے اعراض تھا۔ طریق حق ظاہر و باطن کو جمع کرنا ہے۔ ۸۴۷ یعنی الوہیت کے باب میں کوئی عقیدہ اپنی رائے سے گڑھ کر پیش کرو۔ اور توحید میں کوئی شائبہ بھی شرک کا نہ آنے دو۔ ۸۴۸ (نہ کہ خود معبود یا خدا یا مظہر خدا) اللہ کے بھیجے ہوؤں کو، اُس کے نائبوں اور رسولوں کو خود معبود سمجھ بیٹھنے کا مرض مشرک قوموں میں عام رہا ہے۔ مسیحیوں نے بھی مصری، یونانی، رومی مشرکوں اور مشرک فلاسفہ سے متاثر ہو کر اپنے پیمبرِ برحق کو بھی مظہرِ خدا یا فرزندِ خدا کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ اُس کی تردید ہو رہی ہے۔ ۸۴۹ یعنی اُن کی پیدائش اللہ کے ایک کلمہ ہی کا نتیجہ ہے۔ ای صار بکلمۃ من اللہ مخلوقًا (ابن عباسؓ) والمعنی انہ وجد بکلمۃ اللہ وامرہ عن غیر واسطۃ ولا نطفۃ (کبیر) ای ھو مکون بکلمۃ کُن (قرطبی) کلمہ سے مراد یا تو کلمۂ کُن ہے یا وہ کلمہ جو بواسطہ جبریلؑ حضرت مریم پر القا کیا گیا تھا۔ ومعنی کونہ کلمۃ انہ حصل بکلمۃ کن من غیر مادۃ معتادۃ والی ذٰلک ذھب حسن و قتادۃ (روح) ای قولہ کُن (معالم) لیست الکلمۃ صارت عیسٰی ولکن بالکلمۃ صار عیسٰی (ابن کثیر عن شاذان بن یحیٰی) وتسمیۃ عیسٰی بکلمۃ لکونہ موجدًا بکُن (راغب)۔ ۸۵۰ (بہ واسطہ فرشتہ جبرئیل کے) ای القاء الکلمۃ کان من اللہ ثم من جبرئیل (ابن العربی) ۸۵۱ یعنی اللہ کے زندہ کئے ہوئے اور اللہ کی بنائی ہوئی رُوح ہیں، جو بلا اسبابِ عادی ظاہری مریمؑ کے بطن میں مجسم ہو گئے۔ ای تخلیقہ وتکوینہ (مدارک) ای بامرہ منہ صار ولدًا بلا اب (ابن عباسؓ) ای احیاہ اللہ ایاہ بتکوینہ (ابن جریر) نسب الی انہ روح من اللہ لانہ بامرہ (ابن جریر) ای من خلقہ ومن عندہ (ابن کثیر) ای مخلوق من روح مخلوقۃ (ابن کثیر) رُوْحٌ مِّنْہُ۔ روح کا انتساب اللہ کی جانب محض اُس کے شرف و عظمت کے لئے ہے۔ جیسے بیت اللہ یا نعمت من اللہ میں نسبت تشریفی و تعظیمی ہوتی ہے۔ والمراد من قولہ منہ التشریف والتفضیل کما یقال ھٰذہ نعمۃ من اللہ۔ (کبیر) اُضیفت الرُّوح الی اللہ علی وجہ التشریف کما اُضیفت الناقۃ والبیت الی اللہ (ابن کثیر) ھو روح کسائر الارواح الا انہ تعالٰی اضافہ الی نفسہ تشریفًا (معالم) اضافہ اللہ تعالٰی الیہ تشریفًا لہ کما یقال بیت اللہ و سماء اللہ (جصاص) یہ مراد نہیں کہ صرف اُنہی میں اللہ کی رُوح تھی، کسی اور میں اللہ کی رُوح نہیں ہوتی۔ اللہ کی رُوح تو ہر فردِ بشر میں ہے۔ ونفخت فیہ من روحی۔ قرآن مجید میں موقع تخصیص و امتیاز پر کبھی کسی کو عبدہٗ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی کسی کو عبدنا سے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اللہ کے عبد سب ہی ہیں۔ ۸۵۲ (ان ہی پیمبروں کی تعلیمات کے مطابق) فَاٰمِنُوْا کی ف میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان صحیح حقائق کو سمجھ لینے کے بعد اب واجب ہے کہ اپنے خود تراشیدہ عقائد و خیالات کو چھوڑ کر ایمان اللہ اور اس کے رسولوں کی ہدایات پر لاؤ۔ ۸۵۳ خواہ وہ تین اقنوم ہوں یا تین مستقل بالذات ہستیاں۔ مسیحی تثلیث کا عقیدہ خود مسیحیوں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمتِ ازلی یکساں، جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق، اور روح قدس غیر مخلوق باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود، اور روح قدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی اور روح قدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں۔ اور نہ تین غیر مخلوق، بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود۔ یُونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق، اور روح قدس قادر مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح قدس خدا۔ بس یہ ہی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا۔" ایک طرف یہ گورکھ دھندا، اور دوسری طرف اسلام کا صاف و سادہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ——— کوئی مناسبت بھی دونوں میں ہے؟ ۸۵۴ (کہ یہ غالیانہ عقائد کفر بلکہ شرک تک پہنچا دینے والے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت حلول و اتحاد کے بطلان صریح پر دال ہے، جس کے قائل بعض جہلاء صوفیہ ہوئے ہیں۔ ۸۵۵ واحد ہر اعتبار سے اور اپنے ہر معنی میں۔ نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے، نہ وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ ترمورتی کی کوئی قسم بھی صحیح ہے۔ ۸۵۶ یہ ولدیت کا عقیدہ غلط ہی نہیں، بلکہ اصلاً مہمل اور تنزیہ الوہیت کے لئے باعثِ توہین، شانِ الوہیت کے بالکل منافی ہے۔ ۸۵۷ خالق کا صحیح رشتہ مخلوق کے ساتھ صرف مالکیت کا ہے۔ مالک و مملوک میں مُباینت لازمی ہے، برخلاف اس کے والد و مولود کے درمیان مُجانست ــ ہم جنسی و ہم قومی ــ شرط ہے۔ تو جب ہر مخلوق اللہ کی مملوک ہے تو کوئی بھی مخلوق اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔

رَبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ؕ وَاِنْ تَکْفُرُوْا
لے کر ۸۴۲ پس ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہو گا ۸۴۳ اور اگر تم کفر کرتے رہے ۸۴۴
فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ
تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے
عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۱۷۰﴾ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ
بڑا حکمت والا ہے ۸۴۵ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ
دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا
کرو ۸۴۶ اور اللہ کے بارہ میں کوئی بات حق کے سوا نہ کہو ۸۴۷ مسیح
الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ ۚ
عیسٰی ابن مریم تو بس اللہ کے ایک پیمبر ہی ہیں ۸۴۸ اور اس کا کلمہ ۸۴۹
اَلْقٰھَاۤ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ
جسے اللہ نے پہنچا دیا تھا مریم تک ۸۵۰ اور ایک جان ہیں اسکی طرف سے ۸۵۱ پس اللہ اور اسکے پیمبروں پر
رُسُلِہٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ ؕ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ؕ
ایمان لاؤ ۸۵۲ اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں ۸۵۳ (اس سے) باز آجاؤ ۸۵۴ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔
اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَہٗۤ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ
اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے ۸۵۵ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کے بیٹا
وَلَدٌ ۘ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ
ہو ۸۵۶ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۸۵۷ اور

وقف لازم

وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ

(ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بناکر) تاکہ لوگوں کو پیمبروں کے (آنے کے) بعد اللہ

بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ

کے سامنے عذر نہ باقی رہ جائے،۸۳۴ اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست، بڑا حکمت والا۸۳۵ لیکن۸۳۶ (اسکے ساتھ)

اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

اللہ گواہی دے رہا ہے اس (کتاب) کے ذریعہ سے جو اُس نے آپ پر نازل کی (اور) اُسے اُس نے اپنے

يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

(کمال) علم سے نازل کیا ہے،۸۳۷ اور فرشتے (بھی) گواہی دے رہے ہیں، اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔۸۳۸ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا

اور اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) روکا، وہ بڑی ہی دُور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں، یقیناً جن

بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ

لوگوں نے کفر کیا، اور ظلم کیا۸۳۹ اللہ ایسا نہیں کہ انہیں بخش دے اور

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ

نہ یہ ہے کہ انہیں کوئی راستہ دکھائے بجز راہ جہنم کے ۸۴۰

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

اس میں وہ پڑے رہینگے (ہمیشہ ہمیش کو) اور اللہ کے نزدیک یہ آسان ہے ۸۴۱

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ

اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس (یہ) رسُول تمہارے پروردگار کے پاس سے آئے ہیں، سچی بات

۸۳۴ یعنی پیمبروں کے آجانے کے بعد اب کسی کو قیامت میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہیں رہا، کہ ہماری عقل مسائل و حقائق کے سمجھنے سے قاصر رہی۔ متکلمین نے یہیں سے یہ اخذ کیا ہے کہ بندوں پر حجتِ الٰہی ارسالِ رُسل کے بعد ہی قائم ہوئی ہے نہ کہ مجردِ عقل کی بنا پر۔ یدل علی ان قبل البعثۃ یکون للناس حجۃ فی ترک الطاعات والعبادات (کبیر) احتج اصحابنا بھٰذہ الاٰیۃ علیٰ وجوب معرفۃ اللہ تعالٰی لا یثبت الا بالسمع (کبیر) فی ھٰذا کلہ دلیل واضح انہ لا یجب شیٔ من ناحیۃ العقل (قرطبی) فیہ تنبیہ علیٰ ان بعثۃ الانبیاء الی الناس ضرورۃ بقصور الکل عن ادراک جزئیات المصالح والاکثر عن ادراک کلیاتھا (بیضاوی) ۸۳۵ صفت عزیز لاکر یاد دلادیا کہ وہ مالک حقیقی ہے، فاعل مختار، پیمبروں کے بھیجے ہوئے بغیر بھی ہر عذر کو قطع کرسکتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی تو ہے۔ اس صفت کو لاکر یہ بتادیا کہ اس کی حکمتِ کاملہ مقتضی اس کی ہوئی کہ وہ ظاہری عذر بھی نہ باقی رہنے دے۔ ۸۳۶ لٰکِنْ۔ کلمۂ استدراک ہے، اور استدراک قولِ ماسبق پر ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے کہ اگر یہ لوگ خصوصاً یہود اب بھی اور اس کے باوجود بھی نبوّتِ محمدیؐ کو نہ مانیں تو ——— روایتوں میں آتا بھی ہے کہ یہود نے پچھلی آیات انا اوحینا الیک الخ کو سُن کر کہا تھا کہ ہم تو ان کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے۔ مما قال انا اوحینا الیک قال القوم لا نشھد لک بذلک فنزل لکن اللہ یشھد (کبیر) فی الکلام حذف دل علیہ الکلام کان الکفار قالوا ما نشھد لک یا محمد فی ما تقولُ فمن یشھد لک (قرطبی) ۸۳۷ (اور اسی کمالِ علمی ہی نے تو قرآن کو معجزہ بنا دیا ہے) اَللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ۔ یعنی اللہ کی شہادت اسی قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہورہی ہے۔ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ۔ اس میں قرآن کے لئے صفتِ کمال کا اثبات ہے۔ والمراد من قولہ وصف القراٰن بغایۃ الحُسن ونھایۃ الکمال (کبیر) معتزلہ نے جو صفاتِ باری سے انکار کیا ہے، اس کا رَد بھی متکلمین اہلِ سنت نے یہیں سے نکالا ہے۔ فیہ نفی قول المعتزلۃ فی انکار الصفات فانہ اثبت لنفسہ العلم (مدارک) دلت علیٰ انہ تعالٰی عالم بعلم (قرطبی) ۸۳۸ یعنی حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اللہ کی شہادت ہر دوسری شہادت سے بے نیاز ہے۔ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ۔ اللہ کی گواہی تو قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہی ہے، لیکن فرشتوں کی گواہی سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ فرشتے جو اِن منکرین سے کہیں افضل و اشرف ہیں، جب وہ رسُول کی صداقت پر گواہ ہیں، تو ان منکرین کی ہستی اور حقیقت کیا ہے۔ لیکن ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سارا تکوینی کاروبار فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے تو گویا کائنات کی فعلی شہادت جو درحقیقت فرشتوں ہی کی شہادت ہے، خود تمامتر رسُول اسلام اور دینِ رسُول کی تصدیق و تائید میں ہے۔ بِاللّٰهِ میں ب زاید ہے۔ والباء زائدۃ (قرطبی) ۸۳۹ اس ظلم سے مُراد دونوں قسم کے ظلم ہوسکتے ہیں، ایک ظلم تو خود اپنے نفس اور جان پر، کفر و انکار کرکے۔ دوسرا ظلم یہ ہے کہ دوسروں کو اسلام و ایمان کے راستہ سے ظلم یا مکر سے روکا جائے۔ ۸۴۰ یہ بیان ہو رہا ہے قانونِ مجازات اور مکافاتِ عمل کا۔ کفر اور ظلم کے نتیجے قدرۃً اسلام اور عدل کے نتیجوں سے بالکل مختلف نکلیں گے۔ ۸۴۱ اسلام کا خدا مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح محدود اور ناقص قوتیں رکھنے والا خدا نہیں، جو اُسے اس سزادہی کے لئے کسی خاص اہتمام یا تکلف کی ضرورت پڑے۔ وہ مطلق الاختیار ہے۔ فعّالٌ لما یرید ہے۔ جو کچھ چاہے بات کی بات میں کرسکتا ہے۔

سزائیں تمامتر انفرادی اور شخصی حیثیت سے ملتی ہیں۔ ہر ہر فرد اپنے اپنے اعمال کو بھگتے گا۔ جہنم کا عذابِ الیم صرف انھی افراد کو ہوگا جو کافر ہونگے۔ ۸۲۹ (آخرت میں) آیت میں ایمان کے بھی اہم ترین اجزا (اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان) آگئے۔ اور عبادات کے بھی اہم ترین عنوانات، یعنی اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ۔ اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ - علم سے مراد علم دین ہے۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ یعنی جو ایمان لے آنے والے ہیں۔ سَنُؤْتِیْهِمْ - س یہاں تیقن کے لئے ہے۔ والسین لتوکید الوعد (رح) ۸۳۰ یہ جتنے نام یہاں آئے ہیں ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ خطاب کا رُخ زیادہ تر یہود ہی کی جانب ہے۔ انھی کو بتایا اور سمجھایا ہے کہ سلسلۂ وحی کو تو آخر تم مانتے ہو، اور حضرت نوحؑ اور اُن کے بعد کے انبیاء کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہو، پھر ایک نئے نبی کی شناخت و معرفت میں تمہیں اتنی دشواری کیوں پیش آرہی ہے؟ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ ایسے انبیاء کے ساتھ جن کی نبوت یہود کو مسلّم تھی، چند ایسے پیمبروں کے نام بھی لے دیئے گئے ہیں، جن کی نبوت کے یہود منکر (مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یا تقریباً منکر تھے (مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام)

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ

جو آپ سے قبل اُتر چکی ہے اور نماز کے پابند اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے

الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

ہیں اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں ایسوں کو ہم

ع ٢٢ ٢

سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۟﴿۱۶۲﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ

اجرِ عظیم ضرور دیں گے ۸۲۹ یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ

اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ

ہم نے نوحؑ اور اُن کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے

اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور

الْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَ

اولادِ یعقوبؑ اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر وحی بھیجی

سُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ

تھی ۸۳۰ اور ہم نے داؤدؑ کو ایک صحیفہ دیا تھا ۸۳۱ اور (دوسرے) پیمبروں پر کہ

قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

اُن کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کر چکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور (ایسے) پیمبروں پر (بھی) کہ

عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ

اُنکا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا ۸۳۲ اور اللہ نے موسیٰؑ سے خاص طور پر کلام فرمایا ۸۳۳ اور پیمبروں کو

۸۳۱ زَبُوْرًا - زبور یہاں لفظی معنیٰ میں ہے اور لفظی معنیٰ اس کے ہر لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ الزبر الکتابۃ، زَبَرَ الْکِتَابَ کَتَبَہٗ (لسان) اور الزبور کے بھی معنیٰ لکھی ہوئی کتاب کے ہیں۔ الزبور الکتاب الزبور (لسان) الزبور الکتب المسطور (تاج) زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤدؑ کی جانب منسوب موجود ہے، وہ عہدِ عتیق کے مجموعۂ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے۔ اور اس مجموعہ کے نمبر ۱۹ پر ہے۔ اس میں احکام و مسائل شریعت درج نہیں، بلکہ صرف حمد و مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں۔ اور جا بجا آخری نبیؐ کی بابت پیشگوئیاں بھی، پیشگوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں۔ ۸۳۲ (آپ) پھر بعض پیمبر ایسے ہیں جن کا ذکر اس آیت کے نزول کے بعد قرآن مجید میں آگیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے آیا ہی نہیں۔ والاکثرون غیر مذکورین علی سبیل التفصیل (کبیر) متکلمین نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر ہر نبی پر تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ضروری نہیں، البتہ سب نبیوں کی اجمالاً تصدیق ضروری ہے۔ والآیۃ تدل علی ان معرفۃ الرسل بأعیانهم لیست بشرط لصحۃ الایمان بل من شرطہ ان یؤمن بهم جمیعًا اذ لو کان معرفۃ کل واحد منهم شرطًا لقصّ علینا کل ذلك (مدارک) مِنْ قَبْلُ یعنی اس آیت کے نزول سے پیشتر۔ ۸۳۳ تکلیمًا۔ فعل کے بعد اسی مصدر کو اور پھر تنوین کے ساتھ لانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ کلام کی کوئی بہت ہی مخصوص نوعیت مراد ہے۔ ورنہ کلام و مخاطبہ اپنے عام معنیٰ میں تو ہر نبی کے ساتھ ہوتا ہے ـــــ ایسا کلام جو ہم کلامی و مخاطبۂ انبیاء میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ عام عقول کیلئے تو ناقابل فہم ہی ہوگا۔ مصدر معناہ التاکید (قرطبی) هو الکلام الحقیقی الذی یکون به المتکلم متکلمًا (قرطبی) والمعنی ان التکلیم بغیر واسطۃ منتهی مراتب الوحی واعلاها (روح) اشارۃ الی ان المصدر وتنوینه للتنویع لانه نوع عجیب لا یدرك کنهه (تعنوی)

اسی عقیدہ کی تصویب کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ لیکن پولوس (متوفی ۶۵ء) کے اثر سے جو مسیحیت چلی اور پھیلی، اُس کی تو بنیاد ہی عقیدۂ کفارہ پر ہے یعنی اس عقیدہ پر کہ ابن اللہ نے یا خود خدا نے مجسّم ہوکر، اور صلیب پر جانکنی کی تکلیف اٹھاکر اور اپنی جان دے کر سب کی طرف سے مخلوق کے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا۔ اس لئے یہ رواجی مسیحیت تو بغیر مصلوبیت مسیح کو مانے اور فرض کئے ہوئے ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ اس لئے لامحالہ اسی پولوسی اور کلیسائی مسیحیت نے کُل قدیم صحیح العقیدہ مسیحی فرقوں کو "بدعتی" اور "مبتدع" قرار دے کر کلیسا سے خارج کردیا۔ اور خود وہی کہنے لگے جو دشمنانِ عیسیٰؑ یعنی یہود پہلے ہی سے کہہ رہے تھے یعنی یہی کہ عیسیٰؑ صلیب پر وفات پاگئے! گو ظاہر ہے کہ اس اشتراک عقیدہ میں نیتیں دونوں کی بالکل الگ الگ ہیں۔ یہود وفات عیسیٰؑ کو موقع تحقیر و اہانت میں بیان کرتے ہیں، اور مسیحی بعینہٖ اسی واقعہ سے آپؑ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں لیکن نفس عقیدہ بہرحال دونوں میں مشترک ہے۔ اور بڑے تاسّف اور قلق کا مقام ہے کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض "مسلمان" فرقے بھی اسی گمرہی کی طرف واپس جارہے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ وفاتِ مسیحؑ کے اس باطل اور خلاف تحقیق عقیدہ کو "روشن خیالی" کا تمغہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں! ۸۱۶ (آپس میں، کہ کوئی آپ کو مرتبۂ الوہیت پر پہنچائے دیتا ہے، اور کوئی مرتبۂ عبدیت کاملہ سے بھی نیچے اتارے لاتا ہے) فِیْهِ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ ای فی شان عیسیٰ علیہ السلام (روح) ای فی عیسیٰ (مدارک) ای فی عیسیٰ (جلالین) الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ سے مراد یہود و نصاریٰ اور اُن کے مختلف فرقے ہیں۔ کہ کوئی آپؑ کو نعوذ باللہ شعبدہ باز قرار دے رہا ہے، اور کوئی نعوذ باللہ آپؑ کی خدائی کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ المراد من الموصول ما یعم الیھود والنصاریٰ جمیعًا (روح) قیل الضمیر عائد علی الیھود والنصاریٰ (بحر) ۸۱۷ شک کی بہترین تفسیر مفسر تھانویؒ نے کی ہے، یعنی قول بلا دلیل۔ یعنی نظریہ پر نظریہ قائم کرتے چلے جاتے ہیں اور کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔ مسیحی مسیحیوں سے دست و گریبان ہیں اور یہود یہودیوں سے۔ اندر ہی اندر خدا معلوم کتنے فرقے ہوگئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ۸۱۸ (اور گمان یا اٹکل حقیقت رسی میں کہاں تک کافی ہوسکتی ہے!) مسیحیوں نے تو غضب ہی کر رکھا ہے، اپنے سارے مذہب یعنی الوہیت مسیحؑ، وفات مسیحؑ، احیاء مسیحؑ کی بنیاد تمام تر ظن و وہم پر رکھی ہے۔ لَهُمْ میں ضمیر ان الذین اختلفوا کی طرف ہے یعنی وہ لوگ جو حضرت مسیحؑ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور اُن کے اندرونی فرقے۔ مِنْ عِلْمٍ۔ علم سے مراد علم صحیح، علم ثابت بالدلائل ہے۔ اور مِنْ زائد ہے۔ من زائدۃ (قرطبی) چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند: یہود اور مسیحی دونوں قوموں کی روایتوں اور مکاتبوں کی بالکل صحیح تصویر قرآن مجید نے ان مختصر و جامع الفاظ میں کھینچ دی ہے۔ لکن یتبعون فیہ الظن الذی تخیلوہ (جلالین) ظن یہاں مقابل عِلْم کے ہے یعنی ایسا قول جو بالکل بلادلیل ہو اور جس کا مبنیٰ نہ کوئی نص ہو نہ اُس سے کوئی استنباط ——— یعنی کج فہموں نے آیتوں کے الفاظ سے نفی قیاس پر جو دلیل قائم کرنا چاہی ہے وہ بے اصل ہے۔ قیاس فقہی تو خود ایک دلیل شرعی ہے استنباط و استخراج کے مرادف۔ ۸۱۹ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا میں يَقِيْنًا نفی قتل کی تاکید کے لئے ہے۔ کذلك ما قتلوہ حقًا (کشاف) ما قتلوہ حقًا فیجعل یقینًا تاکیدًا للقولہ وما قتلوہ (مدارک) ای حق انتفاء قتلہ حقًا (مدارک) حال موکدۃ لنفی القتل (جلالین) عقیدۂ وفات مسیحؑ یا قتل مسیحؑ چونکہ بہت بڑی غلط فہمی یا گمراہی کا باعث ہے اور دنیا کی دو بڑی قومیں یہود اور مسیحی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اس لئے قرآن مجید کو اس کی تردید کی ضرورت بھی بہت وضاحت اور تاکید کے ساتھ پیش آئی۔ ۸۲۰ اِلَيْهِ۔ اپنی طرف یا اپنے آسمان کی طرف۔ قرآن مجید میں اس طرح کے حذف مضاف کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اور جس طرح "اللہ نے اپنی طرف بُلا لیا سے مراد" آخرت کی طرف بلالینا سمجھی جاتی ہے، اُسی طرح عربی اور اردو دونوں محاورہ میں اللہ کی طرف اُٹھالینے سے مراد آسمان کی طرف اُٹھالینے سے ہے۔ یحتمل رفعہ الی السماء (راغب) ای الی السماء واللہ تعالیٰ متعال عن مکان (قرطبی) الی السماء (مدارک) الی سمائہ (بحر) رَفَعَهُ۔ رفع کے اصلی معنی رفع جسمانی یا رفع مادّی ہی کے ہیں۔ الرفع یقال فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتھا عن مقرھا (راغب) مجازی معنی، یعنی رفع مراتب کے بھی جائز ہیں۔ ای رفعہ من حیث التشریف (راغب) لیکن حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنے کی کوئی وجہ قوی موجود ہونی چاہیئے، اور وہ یہاں موجود نہیں۔ بعض نادان اور نوخیز فرقوں کا یہ استدلال کہ چونکہ رفع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے، اس لئے رفع جسمانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، اور اس لئے لامحالہ رفع مجازی یعنی قرب و منزلت ہی مراد ہوگی، قرآن فہمی سے بُعد پر مبنی ہے۔ آخر قرآن مجید ہی میں اس طرح کی آیات موجود ہیں یا نہیں:۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ۔ یہاں مہاجرت الی اللہ سے کسی نے مہاجرت الی دار الاسلام یا مہاجرت الی المدینہ نہیں لی ہے؟ یا پھر قال ابراھیم انی ذاھب الی ربی۔ یہاں کون نہیں سمجھتا کہ ذہاب الی رب سے مراد ذہاب الی الشام مُراد ہے؟ وقس علیٰ ھٰذا۔ امام رازیؒ نے خوب لکھا ہے کہ تعظیم و تشریف کے جس سیاق میں یہاں ذکر رفع الی اللہ کا ہے، وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور مخصوص چیز ہے، متقین و صالحین کے عام دخول جنت اور وہاں کی لذات جسمانی و حسّی سے الگ۔ رفعہ الیہ اعظم فی باب الثواب من الجنۃ ومن کل ما فیھا من اللذات الجسمانیۃ (کبیر) رفع جسمانی کا عقیدہ لازمۂ ایمان اور شرط اسلام ہو یا نہ ہو، بہرحال ظاہر قرآن سے قریب تر ضرور ہے۔ ۸۲۱ صفت عزیز لاکر یہ یاد دلادیا کہ وہ اپنے نبیؑ کو بچالینے پر بھی قادر، اسے اٹھالینے پر بھی قادر، رفع جسمانی و رفع رُوحانی دونوں پر قادر۔ صفت حکیم لاکر ادھر اشارہ کردیا کہ اُس نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جو معاملہ کیا وہی عین مقتضائے حکمت تھا۔ ۸۲۲ (جب عالم برزخ کا مشاہدہ شروع ہوجاتا ہے، اور اس لئے وہ ایمان نافع نہیں ہوتا) قبل موتہٖ میں ضمیر کتابی کی طرف ہے، اور مراد ہے موت کے وقت۔ یؤمن بعیسیٰ اذا عاین الملک ولکنہ ایمان لا ینفع لانہ ایمان عند الیاس وحین التلبس بحالۃ الموت (قرطبی) لا یموت یھودی حتیٰ یؤمن بعیسیٰ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) کل صاحب کتاب یؤمن بعیسیٰ قبل موتہ (ابن جریر عن مجاہد) ھذا قول اکثر المفسرین واھل العلم (معالم) یعنی اذا عاین قبل ان تزھق روحہ حین لا ینفعہ ایمانہ لانقطاع وقت التکلیف (کشاف) حیث یعاین ملیکۃ الموت فلا ینفعہ ایمانہ (جلالین) قبل کا اطلاق عربی میں جس طرح تقدم منفصل پر ہوتا ہے، تقدم متصل پر بھی ہوتا ہے۔ یستعمل فی تقدم المتصل والمنفصل (راغب) اور یہاں تقدم متصل ہی مراد ہے، یعنی مرتے وقت۔ بِهٖ میں ضمیر بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ یعنی آپؑ کا جو صحیح مرتبہ عند اللہ ہے، اسے وہ جان کر، اور اس کا اعتراف و اقرار کرکے رہیں گے۔ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ لفظ عام ہے۔ لیکن محاورۂ قرآنی میں اکثر اس سے مراد یہود ہی ہوتے ہیں۔ اور یہاں بھی عبارت کا سیاق و سباق انہی کی جانب مشیر ہے۔ ای من الیھود (بحر) لا یموت یھودی حتیٰ یؤمن بعیسیٰ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) ای الیھود خاصۃ کما اخرج ابن جریر عن ابن عباسؓ (روح) اور اگر وہی عام ہی معنی لئے جائیں اور یہود و نصاریٰ دونوں مراد سمجھے جائیں، جب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی الیھود والنصاریٰ کما ذھب الیہ کثیر من المفسرین (روح) مراد یہ ہوگی کہ مسیحیوں، یعنی مقام عیسیٰؑ میں افراط کرنے والوں اور یہود یعنی منصب عیسیٰؑ میں تفریط کرنے والوں، دونوں پر موت کے وقت صحیح مقام عیسیٰؑ کا انکشاف کردیا جائیگا۔ ۸۲۳ یعنی یہ بتلائینگے کہ فلاں فلاں نے میری تصدیق کی تھی، اور فلاں فلاں نے تکذیب۔ یعنی شاھدًا علیھم بتکذیب من کذب بہ منھم وتصدیق من صدق بہ منھم (ابن جریر) شَهِيْدًا کے معنی حکم لگانے والے کے بھی ہوتے ہیں۔ وقد یعتبر بالشھادۃ عن الحکم (راغب) ۸۲۴ جس طرح افراد کے نفس سرکش کی اصلاح کی ایک صورت یہ ہے کہ بعض مباحات سے بھی اُسے روک دیا جائے، اسی طرح جب قوم کا مزاج اعتدال سے منحرف ہوجاتا ہے تو اس کے لئے بھی مناسب صورت یہی ہوتی ہے کہ جن جائز چیزوں کی وہ عادی تھی، اُن سے اسے محروم کردیا جائے۔ بِظُلْمٍ میں با سببیہ ہے۔ اس سے یہ صاف نکل آیا کہ اُمت اسرائیلی پر بعد کو جو کچھ بھی سختیاں ہوئیں، خود اُنہی کی زیادتیوں کی بدولت ہوئیں، بلاوجہ نہیں ہوئیں۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ معاصی کے سبب سالک سے واردات کا قبض اسی کے مشابہ ہے۔ ۸۲۵ یہود کی قومی فرد جرم کی یہ دوسری دفعہ ہے یعنی خود اپنی جانوں پر تو وہ ظلم کرہی رہے تھے، ان کی گمراہی متعدی بھی تھی۔ دوسروں کو بھی بھٹکا رہے تھے۔ كَثِيْرًا۔ کثیر کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ وہ بہت لوگوں کو راہ حق سے روک دیتے تھے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اُن کی روک یا گمراہ کرنے کی خصلت بہت زائد تھی۔ تیسرے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ مدت طویل تک روک تھام کرتے رہے۔ غرض کثرت کا تعلق کمیت وکیفیت اور زمانہ تینوں سے ہوسکتا ہے۔ ای جمعًا عظیمًا من الناس او صدًا کثیرًا وقدرہ بعضھم زمانًا کثیرًا۔ (بحر) ۸۲۶ (ان کے پیمبروں کے ذریعہ سے اُنہی کی کتابوں میں) توریت میں ممانعت سُود کے اس طرح کے احکام آج تک لکھے چلے آرہے ہیں۔ "اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دیوے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر اور سُود مت لے۔" (خروج ۔ ۲۲: ۲۵) "تو اس سے سُود اور نفع مت لے۔ اپنے خدا سے ڈر تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے۔ تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اُسے نفع کے لئے کھانا کھلا۔" (احبار ۔ ۳۵: ۳۶-۳۷) یہ اور بات ہے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ سُود خور قوم یہی یہود ہو۔ اور ان کے شائلاک دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن گئے ہوں۔ ۸۲۷ یعنی انکی شریعت میں سُود، رشوت، خیانت وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام کردیا گیا تھا، اُنہی کو اختیار کرکرکے جن نعمتوں سے یہود محروم کردیئے گئے تھے وہ جتنی اور جو کچھ بھی ہوں، بہرحال اُن سے محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کردیئے گئے ہیں:۔ (۱) ایک انکی ذاتی زبردستیاں، زیادتیاں، گنہگاریاں۔ (فبظلم من الذین ھادوا) (۲) دوسرے انکی متعدی گمراہیاں (بصدھم عن سبیل اللہ کثیرًا۔) (۳) تیسرے اُن کی سُود خوری، وہ بھی ممانعت کے بعد (اخذھم الربوٰا وقد نھوا عنہ) (۴) چوتھے ناجائز آمدنیوں سے ان کا تامل نہ کرنا (اکلھم اموال الناس بالباطل) ۸۲۸ (آخرت میں۔ اور دنیوی سزاؤں میں خود یہ نعمتوں سے محروم ہوجانا کیا کچھ کم ہے؟) آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سزائیں تو عمومی و اجتماعی رنگ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ فلاں فلاں نعمتوں سے ساری قوم محروم کردی گئی لیکن آخرت میں

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝١٥٨

بلکہ آپؑ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا ۵۲۰ اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۵۲۱

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ

اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو آپؑ پر اپنے مرتے وقت ایمان نہ

مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝١٥٩

لے آئے ۵۲۲ اور آپؑ قیامت کے دن اُن پر گواہ (کی حیثیت سے پیش) ہوں گے ۵۲۳

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ

سو یہود کی (ایسی ہی) زیادتیوں کے باعث ہم نے اُن پر بہت سی چیزیں جو اُن پر حلال تھیں،

اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝١٦٠

حرام کردیں ۵۲۴ اور اس سبب سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے ۵۲۵

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ

اور (اس سبب سے بھی کہ) وہ سُود لیتے تھے، حالانکہ انہیں اُس کی ممانعت کردیگئی تھی ۵۲۶ اور (اس سبب سے

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ

بھی کہ) وہ دوسروں کا مال ناحق کھالیتے تھے ۵۲۷ اور اُن میں سے جو کافر ہیں اُن کیلئے ہم نے عذاب

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٦١ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ

دردناک تیار کر رکھا ہے ۵۲۸ البتہ اُن میں جو لوگ علم میں پختہ اور ایمان والے ہیں

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

کہ ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر جو آپ پر اُتری ہے اور اُس پر (بھی)

چارہ نہیں رہتا کہ تاریخ کی روشنی میں واقعہ کے جزئیات کو ایک ایک کرکے لایا جائے، اُس وقت کے پس منظر کو سامنے لایا جائے۔ اور جو صورت واقعہ نسبۃً زیادہ قرین قیاس اور مطابق مقتضائے حال معلوم ہو، اُسی کو ترجیحی طور پر اختیار کیا جائے۔ پہلی بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ یروشلم کے لوگوں سے ملتے جلتے کم تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام تو عوام، خواص بھی آپؑ کو پوری طرح پہچانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب آپؑ کی گرفتاری کا وقت آیا، تو اس کے لئے اکا دکا یہود اور متعدد سپاہیوں کا ایک پورا گروہ اس ضرورت کیلئے کافی ثابت نہ ہوا، بلکہ آپؑ کی شناخت کے لئے آپؑ ہی کی مختصر سی پارٹی کے ایک منافق وغدّار کو ساتھ لینا پڑا۔ یہ ایک خالص تاریخی حقیقت ہے لیکن امام المفسرین امام رازیؒ اس راز سے بھی واقف ہیں۔ فرماتے ہیں۔ والناس ما کانوا یعرفون المسیح الا بالاسم بانہ کان قلیل المخالطۃ للناس (کبیر) متی اور مرقس دونوں انجیلوں میں ہے کہ گرفتاری کرنے والی پارٹی میں سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے "سپاہیوں کی شامل تھی۔ اس پر بھی گرفتاری اور شناخت کے لئے انہیں یہوداہ منافق کا سہارا ڈھونڈنا پڑا۔ اور انجیل یوحنا میں ہے کہ جب پلاطین اور پیادے وہاں پہنچے، تو "یسوع نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ وہ بولے یسوع ناصری کو۔ یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں"۔ (۱۸:۳-۸) "حضرت مسیحؑ کا عظیمی تخیل تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ معاصر مخالفین و معاندین کی نظر میں تو آپؑ کی حیثیت صرف یسوع ناصری نامی ایک بدنام وغیر معروف مجرم کی تھی۔ وہ سامنے موجود تھا، اور پھر بھی کوئی پہچان نہیں رہا تھا، حالانکہ سب آئے تھے اُسی کی تلاش میں! دوسری بات یہ خیال رکھنے کی ہے کہ حضرتؑ کو، یا بالفاظ یہود یسوع ناصری کو تبدیل ہیئت میں خاص ملکہ تھا۔ انجیلوں میں حضرتؑ کی اسی قدرت کو بہ طور معجزہ کے بیان کیا گیا ہے۔ "چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا، اور انہیں ایک اُونچے پہاڑ پر الگ لے گیا۔ اور اُن کے سامنے اُس کی صورت بدل گئی، اور اُس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا"، (متی-۱۷:۱،۲) "جب وہ دعا مانگ رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی، اور اس کی پوشاک سفید براق ہوگئی"۔ (لوقا ۹:۲۹) نیز مرقس ۹:۲۔ یہ معجزہ تھا یا نہ تھا، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہرحال آپؑ کو نفس قدرت اس پر حاصل تھی۔ تیسرے، اس تاریخی حقیقت کا استحضار ذہن میں کر لیا جائے، کہ ملک (شام و فلسطین) کی آبادی اُس وقت اسرائیلیوں (یہود) کی تھی۔ اور اسی برادری کے ایک فرد آپؑ بھی تھے لیکن ملک پر حکومت رومیوں کی تھی، اور اعلیٰ عہدہ دار اور پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ رومی نہ صرف مشرک یعنی دین وعقیدہ میں اسرائیلیوں سے مختلف تھے، بلکہ صورت شکل، وضع ولباس، زبان ومعاشرت وغیرہ میں بھی اُن سے ایسے ہی الگ تھے جیسے آج انگریز ہندوستانیوں سے مختلف وممتاز ہیں ——— اور جس طرح آج ہندوستانیوں کو سب فوجی گورے یکساں اور گوروں کو سارے "کالے" ایک سے معلوم ہوتے ہیں، بدیسی رومی سپاہیوں اور فوجیوں کی نظر میں سب یہود یہود، اور اسرائیلی اسرائیلی بھی ایک ہی تھے۔ چوتھی کڑی اس سلسلہ کی یہ ملائیے، کہ جس مقام پر رومی عدالت تھی، وہاں سے سرکاری سولی گھر فاصلہ پر تھا، اور سولی یا صلیب جس کی شکل انگریزی چھاپہ کے بڑے حرف (ٹی) T کے مشابہ یا ریلوے سگنل سے ملتی جلتی ہوتی تھی، وہ سولی گھر میں پوری گڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی، صرف اس کا سیدھا اور کھڑا ستون زمین میں گڑا ہوا رہتا تھا، باقی جو لکڑی اُس کے اوپر آڑی پڑتی تھی، اس کے لئے قاعدہ یہ تھا کہ وہ مجرم کو عدالت سے اپنے اوپر لاد کر سولی گھر تک لانی پڑتی تھی۔ یہاں تک جو کچھ عرض ہوا، اس پر ایک نظر دوبارہ کرکے اُمور ذیل کو بھی نظر کے سامنے لے آئیے۔ (۱) حکم جب سنایا گیا ہے جمعہ کا دن تھا۔ اور دن آخر ہو رہا تھا۔ اور یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح فراغت پاکر شاموں شام گھر واپس آجائیں۔ جمعہ کی شام ہی سے اُن کا یوم السبت شروع ہو جاتا تھا، اور یوم السبت کے حدود کے اندر مجرم کی سزادہی وغیرہ بھی ممنوع تھی۔ اور پھر یہود کا اہم تہوار، عید فسح ( ) ابھی شروع ہو رہی تھی۔ غرض یہود کو اس کی بہت ہی عجلت تھی کہ کسی طرح اُن کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پاکر شام سے قبل ہی دفن ہو جائے۔ (۲)۔ لاغر وناتوان مجرم (یعنی خود حضرت مسیحؑ) کے لئے ممکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی لاد کر اتنا فاصلہ یہود کی خاطر خواہ تیزی سے طے کرسکیں خصوصاً جب کہ یہودی بچے اور شریر قسم کے یہود خود ہی قدم قدم پر انہیں چھیڑتے جاتے اور اُن کا راستہ کھوٹا کرتے جاتے۔ اب اس ساری صورت حال کو اس تفصیل کے ساتھ پیش نظر رکھ کر فرمائیے کہ رومی سپاہی، جو مجرم، بلکہ مجرموں کو (آپکے ساتھ سولی کیلئے دو مجرم اور بھی تھے) حراست میں لئے ہوئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ رعایا میں سے نہیں، بلکہ حاکم قوم کے افراد تھے، ایسے موقع پر کیا کرتے؟ ——— خود تو اپنے اوپر وہ سولی والی لکڑی کا بوجھ لادنے سے رہے۔ انہوں نے وہی کیا جو اُن کی جگہ پر کوئی بھی اُن جیسا انسان کرتا۔ انہوں نے مجمع ہی میں سے کسی بدتمیز یہودی کو پکڑ لیا، اور صلیب کی لکڑی اُسی پر لاد دی! ——— انگریز گارد ایسے موقع پر یعنی کسی ہندوستانی مجرم کو حراست میں لئے جاتا ہوتا تو کیا کرتا؟ یہی کرتا کہ بھیڑ میں کسی ہندوستانی ہی کو پکڑ لیتا اور اس پر لاد دیتا۔ یہ محض قیاس وقرینہ نہیں، انجیلوں میں اتنے جزو کی تصریح موجود ہے:۔ "انہیں شمعون نام ایک کرینی آدمی ملا۔ اُسے بیگار پکڑا کہ اُس کی صلیب اُٹھائے"۔ (متی-۲۷:۳۲) "اور شمعون نام ایک کرینی آدمی اسکندر اور روفس کا باپ دہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گزرا۔ انہوں نے اُسے بیگار میں پکڑا کہ اُس کی صلیب اٹھائے" (مرقس-۱۵:۲۱) "اور جب اس کو لئے جاتے تھے، تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دہات سے آتا تھا، پکڑ کے صلیب اُسی پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے" (لوقا ۲۳:۲۶) جب یہ مجمع (جو یقیناً کوئی باقاعدہ ومنظم مجمع نہیں، بلکہ عوام کی ایک بھیڑ تھا) اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو ریلتا پیلتا، مجرم سے چھیڑ چھاڑ کرتا، اُس سے تمسخر کرتا ہوا، سولی گھر کے پھاٹک پر پہنچا، تو رومی پولیس گارد جو ساتھ تھا، اب اُس کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل و دخل شروع ہوتا ہے۔ وہ کیا جانیں، کہ یسوع ناصری کس کا نام ہے۔ وہ اپنے حسب دستور مجرم اُسی کو سمجھے جس کے اوپر صلیب لدی ہوئی تھی ——— ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو مستحضر کر لیجئے کہ جیل کے رومی سپاہیوں کے لئے سب یہودی اجنبی ہی تھے، اور اس لئے باہمدگر ہم شکل اور یکساں۔ انہیں ایک اسرائیلی (یسوع ناصری) اور دوسرے اسرائیلی (شمعون کرینی) کے درمیان اشتباہ نہایت آسان تھا۔ انہیں دونوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق ہی نہیں نظر آسکتا تھا۔ شمعون نے یقیناً واویلا مچایا ہوگا، لیکن ادھر مجمع کا شور وہنگامہ اُدھر جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلیوں کی زبان سے ناواقفیت، اور پھر سولی پر لٹکا دینے کی جلدی، اسی افراتفری کے عالم میں اُسی شمعون کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اور وہ چیختا چلاتا رہا۔ حضرت مسیحؑ قدرۃً اس ہڑبونگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہو گئے۔ اور دشمن دھوکے میں پڑے ہوئے ٹاک ٹوئیے مارتے رہ گئے! وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ! یہ عقیدہ نو ایجاد نہیں۔ خود مسیحیوں ہی کا ایک قدیم ترین فرقہ باسلیدیہ کے نام سے گزرا ہے (بانی فرقہ کا سال وفات ۱۴۰ء) وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا۔ اور کھلم کھلا کہتا کہ مصلوب حضرت مسیحؑ نہیں ہوئے، بلکہ شمعون کرینی ہوا۔ قرآن مجید نے

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ
سخت قول و قرار لیا ۸۰۸ سو ہم نے یہ سب کچھ اُن کی عہد شکنی اور بہ سبب آیاتِ الٰہی سے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ
ان کے کفر کے اور بہ سبب اُن کے قتلِ ناحق انبیاء کے، اور بہ سبب اُن کے اس قول کے کہ ہمارے
قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
قلوب محفوظ ہیں، (ہم نے انہیں سزا میں مبتلا کیا) ۸۰۹ نہیں بلکہ (ہے یہ کہ) اللہ نے اُن پر مہر لگادی،
يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى
بہ سبب انکے کفر کے ۸۱۰ سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر (بہت) تھوڑا سا ۸۱۱ نیز بہ سبب انکے کفر کے اور بہ سبب ان کے
مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا
مریمؑ پر بہتانِ عظیم رکھنے کے ۸۱۲ اور بہ سبب اُن کے اس قول کے کہ ہم نے
الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ
عیسیٰؑ ابن مریم کو مار ڈالا، جو مسیح اور اللہ کے پیمبر تھے ۸۱۳ حالانکہ نہ وہ آپؑ کو مار ڈال سکے
وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اور نہ آپؑ کو سُولی ہی پر چڑھا پائے ۸۱۴ بلکہ اُن پر شبہ ڈال دیا گیا ۸۱۵ اور یہ لوگ آپؑ کے بارہ
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ
میں اختلاف کر رہے ہیں ۸۱۶ وہ آپؑ کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ۸۱۷ انکے پاس
عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾
کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں ہاں بس گمان کی پیروی ہے ۸۱۸ اور یقینی بات ہے کہ انہوں نے آپؑ کو مار نہیں ڈالا ۸۱۹

۸۰۹ یہود کے نقضِ میثاق اور کفر بآیاتِ الٰہی اور انبیاء کے قتلِ ناحق پر، اور اُن کے قول قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ان سب پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ کی اصل تقدیرِ کلام یُوں ہے۔ فبنقضهم میثاقهم لعناهم۔ التقدير فبنقضهم میثاقهم لعناهم عن قتادة وغيره (قرطبی) عربی اسلوبِ بیان میں ایسے محذوفات عام ہیں۔ مخاطبین کے علم کی بنا پر محذوف کردیئے جاتے ہیں۔ حذف هذا العلو السامع (قرطبی) قال ابن عطية وحذف جواب هذا الکلام بلیغ متروک علی ذهن السامع (بحر) بِمَا میں، ما زائدہ تاکیدِ کلام کے لئے ہے۔ ما زائدة مؤكدة (قرطبی) ۸۱۰ یہ مُہر ابتداءً کبھی نہیں لگتی، جزاءً ہی لگتی ہے۔ اور یہاں تو اس کی تصریح ہی موجود ہے۔ بکفرهم ای جزاءً لهم علی کفرهم (قرطبی) ۸۱۱ (اور وہ بہت تھوڑا سا ایمان نجات کے لئے کافی نہیں) یہ ایمانِ قلیل غیر نافع اسی لئے ہوگا کہ یہ کُل انبیاء پر ایمان پر شامل نہیں۔ ای الا ایمانا قلیلا ای ببعض الانبیاء وذلك غیر نافع لهم (قرطبی) وهو غیر مفید لان الکفر بالبعض کفر بالکل (روح) اہلِ کتاب کا "ایمان" بس ایسا ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرتے رہے یہ حضرت اسحٰقؑ کی تصدیق کی، لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کی تکذیب یا مثلاً حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کو تو مان لیا، لیکن خود خاتم النبیینؐ سے انکار کئے گئے۔ ایسی حالت میں لفظِ ایمان پر ایمان شرعی کا اطلاق ہو ہی گا نہیں۔ ایمان اصطلاحِ شریعت میں تو وہ ہے، جو سارے سلسلۂ نبوت پر ہو۔ ورنہ ایک نبی پر ایمان لاکر دوسرے انبیاء سے انکار کرنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ لانه ایمان لغوی لا شرعی (تھانوی) فقد بینّا انّ من یکفر برسول واحد فانه لا یمکنه الایمان باحد من الرسل البتة (کبیر) ۸۱۲ (کہ نعوذ باللہ وہ بدوضع تھیں) بُهْتَانًا عَظِيْمًا۔ یہود کی کتابوں میں ایسی ایسی گندہ روایتیں اس پاک سرشت خاتون کی بابت لکھی ہوئی ہیں، کہ ان صفحات پر بہ غرض رد بھی نقل ہونے کے قابل نہیں۔ قرآن مجید نے اس سارے طومارِ خرافات کی طرف بہ کمالِ بلاغت، بہتان اور بہتانِ عظیم لاکر اشارہ کردیا۔ مَرْيَمَ پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکے۔ یہ عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نکاح حسبِ روایاتِ تاریخی یوسف سے ہوا تھا۔ جو نجاری کا کارخانہ قائم کئے ہوئے تھے۔ دونوں بڑے عابد و خدا رسیدہ تھے۔ بِكُفْرِهِمْ۔ ذکر یہود کی سزا کا چل رہا ہے کہ اُن پر جو یہ عذاب مسلط ہے، فلاں فلاں اسباب سے ہے۔ یہاں کفرِ یہود سے مُراد اُن کا کفر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہے۔ ای بعیسیٰ علیہ السلام (بیضاوی) ۸۱۳ یہ قول کس کا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہود ہی کا تھا، جو اس پر خوش بھی ہوئے تھے، اور اس کا دعویٰ بھی فخر کے ساتھ کر رہے تھے۔ الْمَسِيْحَ۔ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یہ دونوں الفاظ یہود کے نہیں، وہ انہی دونوں منصبوں یا مسیحیت اور رسالت ہی کے تو منکر تھے۔ قرآن حمید نے نفسِ واقعہ کے لحاظ سے ان کا صحیح منصب بیان کردیا۔ قرآن مجید کا یہ اسلوبِ بیان عام ہے۔ هو اخبار من اللّٰه تعالیٰ بصفة عیسیٰ (بحر عن ابن عطیة) یجوز ان یضع اللّٰه الذکر الحسن مکان ذکرهم القبیح فی الحکایة عنهم (کبیر، کشاف) یحتمل ان یکون استئنافا من اللّٰه تعالیٰ بمدحه (بیضاوی) یحتمل ان اللّٰه وصفه بالرسول وان لم یقولوا ذلك (مدارک) اِنَّا قَتَلْنَا۔ قتل کے اصل معنیٰ روح کو جسم سے جُدا کردینے کے ہیں، خواہ کسی طریقہ پر ہو۔ اسی کو اُردو محاورہ میں "ختم کردینا" یا "کام تمام کردینا" کہتے ہیں۔ اصل القتل ازالة الروح عن الجسد (راغب) قتله ای اماته بضرب او حجر او سم او علة او هو ازالة الروح عن الجسد کالموت (ابو البقاء) اور امام قرطبی نے ایک دوسری آیت يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ کے تحت میں لکھا ہے القتل هو کل فعل یفیت الروح وهو انواع من النحر والذبح والخنق والرضخ وشبهه۔ یہاں اصطلاحِ فقہ کا قتل مراد نہیں جس کے معنیٰ محض کسی دھاردار آلہ سے ہلاک کرنے کے ہوتے ہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ رومی عدالت سے ملی۔ اور وہی مُلکی عدالت نفاذِ سزا پر قادر تھی، لیکن آپؑ کو سزا دلوانے میں اور آپؑ کے لئے سزائے موت کا حکم سنوانے میں ہاتھ تمام تر یہود ہی کا کام کر رہا تھا۔ اسی لئے قرآن مجید نے بھی (جو تاریخ کی دقیق حقیقتوں کو بھی نظرانداز نہیں ہونے دیتا، بالکل صحیح طور پر) آپؑ کے قتل یا اقدامِ قتل کی ذمہ داری یہود ہی پر رکھی۔ انجیلیں اتنے جزو پر متفق (المعنیٰ بلکہ ایک حد تک متفق اللفظ بھی) ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس آپؑ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہ یہود ہی تھے، جنہوں نے استغاثہ جھوٹا گڑھا، گواہیاں جھوٹی فراہم کیں، اور بلوہ و فساد کی دھمکی دے دے کر اُسے حکم سنانے پر مجبور کردیا۔ انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:۔ "...... جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ اُلٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے رُوبرو اپنے ہاتھ دھوئے، اور کہا میں راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے کہا کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے برابا کو اُن کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوعؑ کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا تاکہ صلیب دی جائے۔" (۲۷: ۲۴-۲۶) اسی کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں، بلکہ لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین تین بار کوشش کی، لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کردیا۔ (۲۳: ۲۲) یہ بیانات تو مسیحیوں کے تھے۔ خود یہود کی لکھی ہوئی جو قدیم ترین حیاتِ مسیح دنیائے معلوم میں موجود ہے، اور جس کا ترجمہ انگریزی میں کے نام سے شائع ہوچکا ہے، اس میں اس واقعہ کو فخر کے ساتھ اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے۔ (حاشیہ ۲۶) انجیلوں میں جو پیشگوئیاں حضرت مسیحؑ کی زبان سے اپنے قتل ہونے کی بابت منقول ہیں، اُن میں بھی ساری ذمہ داری سرداران یہود ہی کے سر ملتی ہے اور رومیوں یا حاکموں کا ذکر نہیں آتا۔ "اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دکھ اٹھاؤں، اور قتل کیا جاؤں" (متی ۱۶: ۲۱) "پھر وہ انہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابنِ آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اُسے رد کریں اور وہ قتل کیا جائے۔" (مرقس ۸: ۳۱) "ضرور ہے کہ ابنِ آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اسے رد کریں۔ اور وہ قتل کیا جائے۔" (لوقا ۹: ۲۲) ۸۱۴ یعنی آپؑ کا کام تمام کر دینا تو الگ رہا، یہود تو واقعۃً اتنا بھی نہ کرسکے کہ اُس زمانہ میں اس ملک میں جو طریقہ سزائے موت کا تھا اُسی تک پہنچ جاتے (یعنی آپؑ کو سُولی پر چڑھا تک نہ سکے۔ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ صلبوا کے اصل معنیٰ محض سُولی پر لٹکانے یا چڑھانے کے ہیں، چڑھا کر ختم کردینے کے نہیں۔ هو تعلیق الانسان للقتل (راغب) اُردو میں یہ مفہوم "سُولی دینے" سے نہیں "سولی چڑھانے" ہی سے ادا ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے فارسی ترجمہ، اور شاہ عبدالقادرؒ اور علامہ تھانویؒ نے اپنے اپنے اُردو ترجموں میں بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ ۸۱۵ یا وہ دھوکے میں ڈال دیے گئے یا "حقیقت اُن پر مشتبہ ہوگئی"۔ یہ شبہ میں کون پڑ گئے یا حقیقت کن پر مشتبہ و ملتبس ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ مراد وہی یہود یا اعدائے مسیح ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ کانه قیل وقع لهم التشبیه (مدارک) التبس علیهم الامر (بیضاوی) یا یوں کہا جائے کہ شبہ انہیں مقتول سے متعلق ہوا، اور وہ دھوکے میں اس کی شخصیت کے بارہ میں پڑ گئے۔ شبه لهم المقتول والمصلوب (حقانی) بہرحال اس پر ہمارے سارے مفسرین کا اتفاق ہے، کہ یہود کو دھوکا ہوا، اور وہ حضرت مسیحؑ کے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے لیکن یہ شخص کون تھا، اور دھوکے کی صورت کیا ہوئی، اس کا تصریحی جواب نہ قرآن مجید میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ اب سوا اس کے

٥٠٤ سَوۡفَ ۔ یہاں قربِ زمانی کے لئے نہیں، جزم و تیقّن کے لئے ہے۔ معناہ ان ایتاءھا کائن لامحالۃ وان تاخر (کشاف) فالغرض بہٖ توکید الوعد وتحقیقہ لا کونہ متاخرًا (کبیر)
متکلمین نے آیت سے معتزلہ کا رد بھی نکالا ہے جو مرتکب گناہ کبیرہ کے دوام عذاب کے قائل ہیں، حالانکہ آیت میں صاف مضمون موجود ہے کہ ایمان محض پر بھی اجر ملے گا۔ والاٰیۃ تدل علی بطلان
قول المعتزلۃ فی تخلید المرتکب الکبیرۃ لانہ اخبران من اٰمن باللّٰہ ورسلہ ولم یفرق بین احد منھم یوتیہ اجرہٗ ومرتکب الکبیرۃ فیمن اٰمن باللّٰہ ورسلہ ولم یفرق بین احد فیدخل
تحت الوعد (مدارک) تمسک اصحابنا بھٰذہ الاٰیۃ فی اثبات العفو وعدم الاحباط فقالوا انہ تعالٰی وعد من اٰمن باللّٰہ ورسلہ بان یوتیھم اجورھم والمفھوم یوتیھم اجورھم علی ذٰلک الایمان (کبیر)

اُولٰٓئِكَ سَوۡفَ يُؤۡتِيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
تو ایسے لوگوں کو اللہ ضرور اُن کا اجر دے گا، اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا
ع ٢١ ١ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۵۲﴾ يَسۡـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ
بڑا رحم والا ٥٠٤ آپ سے اہلِ کتاب فرمائش کرتے ہیں کہ آپ اُن کے اُوپر
عَلَيۡهِمۡ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰٓى اَكۡبَرَ
ایک نوشتہ آسمان سے اتروا دیں ٥٠٥ سو یہ تو موسٰی سے اس سے بھی بڑی فرمائش
مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ
کر چکے ہیں ٥٠٦ (اُن سے) یہ بولے تھے کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو، سو اُنکی (اس) زیادتی پر
الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ‌ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ
انہیں کڑک بجلی نے آپکڑا پھر بعد اس کے کہ اُن کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آچکی تھیں انہوں
مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ‌ ۚ وَاٰتَيۡنَا
نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کر لیا۔ لیکن ہم نے اس سے (بھی) درگزر کیا اور ہم نے موسٰی کو
مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ
ایک صریح اقتدار عطا کیا ٥٠٧ اور ہم نے اُن کے اُوپر طُور کو معلق کر دیا تھا
بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا
ان سے قول و قرار کے لئے، اور ہم نے اُن سے کہا کہ دروازہ شہر میں داخل ہو عاجزی کے ساتھ
وَّقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِى السَّبۡتِ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ
اور ہم نے اُن سے کہا کہ سبت کے بارہ میں زیادتی نہ کرنا، اور ہم نے اُن سے

٥٠٥ یہ فرمائش کرنے والے یہود مدینہ تھے خصوصاً کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی۔ ای کعب واصحابہ (ابن عباسؓ) یہود کہتے تھے کہ ہم ایسی وحی کے قائل نہیں جو فرشتہ کے ذریعہ سے قلبِ نبی پر نازل ہو۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ ہمارے پیمبر موسٰیؑ پر لکھے لکھائے ہوئے احکام عشرہ نازل ہوئے تھے تو اگر اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہو، تو اسی طرح کا کوئی لکھا لکھایا صحیفہ پیش کرو! قالت الیھود ان کنت صادقا فجیء بکتاب من السماء جملۃ کما جاء موسٰی بالکتاب (بحر عن السدی) سأل الیھود رسول اللّٰہ صلعم ان ینزل علیھم کتابا من السماء کما نزلت التوراۃ علی موسٰی مکتوبۃ (ابن کثیر عن محمد بن کعب القرظی والسدی وقتادۃ) فأتنا بکتاب من السماء جملۃ کما جاء موسٰی بالالواح (کبیر) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو برکات سماوی کو شیخ کے اختیار میں سمجھ کر اُس سے افاضہ کی درخواست کر رہا ہے۔ ٥٠٦ رسو ایسی قوم سے ایسی فرمائشیں کچھ انوکھی اور نادر نہیں) ضمناً جواب بھی نکل آیا کہ حضرت موسٰیؑ تو خود ہی ایسی چیز لائے تھے، پھر اس پر ان ظالموں نے کب بس کیا؟ اُن سے تو یہ فرمائش کر دی کہ براہِ راست اللہ میاں کا دیدار ہی ہمیں کرا دیجئے۔ یہ سارے واقعات اس غرض کے لئے یاد دلا دیے گئے کہ ان لوگوں کی ساری قومی تاریخ ہی ضد و عناد سے بھری پڑی ہے۔ ایسی فرمائشوں سے اُن کا مقصود تحقیقِ حق نہیں بلکہ محض مجادلہ و مکابرہ ہے۔ ھٰذا یدل علی ان طلب ھٰؤلاء لنزول الکتب علیھم من السماء لیس لاجل الاسترشاد بل لمحض العناد (کبیر) ٥٠٧ (چنانچہ وہ محض نبی و رسول ہی نہ تھے
بلکہ اپنی قوم کے حاکمِ اعلٰی اور صاحب اقتدار لیڈر بھی تھے) اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً ۔ فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ ۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ ۔ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔
محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اُس شخص پر رد نکل رہا ہے، جو وقوعِ رؤیت کا اسی دنیوی زندگی میں قائل ہے۔ یدل علی الانکار علی من یعتقد وقوع الرؤیۃ فی النشأۃ الدنیویۃ (رح)
بِظُلۡمِهِمۡ میں ب سببیہ ہے۔ بسبب ظلمھم (بیضاوی) ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لئے نہیں استبعاد کے لئے ہے یعنی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہی کیا کم تھیں کہ اس سے بڑھ کر حرکت یہ گوسالہ
پرستی کی شروع کر دی۔ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ۔ یعنی حضرت موسٰیؑ کے پیش کیے ہوئے دلائل و معجزات جاننے، سمجھنے، دیکھنے کے بعد، شرک خصوصاً اپنی قبیح ترین صورت گوسالہ
پرستی میں یوں بھی بُرا ہی تھا، فطرت سلیم خود اس سے اِبا کرتی ہے لیکن پیمبرِ برحق کے لائے ہوئے دلائلِ قوی اور شواہدِ بیّن کے بعد تو اس پستی میں گرنا بدبختی کی انتہا ہے۔ ٥٠٨ (ان احکام
نیز دوسرے احکام کی تعمیل کے لئے) رَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ ۔ اُدۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا ۔ لَا تَعۡدُوۡا فِى السَّبۡتِ ۔ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔
بِمِيۡثَاقِهِمۡ میں ب اظہارِ غرض و غایت کیلئے ہے۔ ای بسبب میثاقھم لیقبلوہ (بیضاوی) والباء للسبب (بحر) سُجَّدًا ۔ یہاں سجدۂ شرعی مُراد نہیں۔ بلکہ سجدہ اپنے لفظی معنی
میں ہے یعنی تواضع کے ساتھ۔ ای متطامنین خاضعین۔ (روح)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا
اللہ مُنہ پھوڑ کر بُرائی کرنے کو (کسی کے لئے بھی) پسند نہیں کرتا سوا

مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا
مظلوم کے، اور اللہ تو ہے ہی خُوب سننے والا۔ خوب جاننے والا ٧٩٦ تم کسی بھلائی کو ظاہر

خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
کرو یا چھپاؤ یا کسی بُرائی سے درگزر کر جاؤ ٧٩٧ تو اللہ تو (بہرصورت) بڑا

كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
معاف کرنے والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ٧٩٨، بیشک جو لوگ اللہ اور اسکے پیمبروں سے کفر کرتے ہیں اور

رُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیمبروں کے درمیان فرق رکھیں اور یہ

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ
کہتے ہیں کہ ہم کسی پر تو ایمان لائے ہیں اور کسی کے ہم منکر ہیں ٧٩٩ اور یہ چاہتے ہیں کہ

اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
ایک راہ درمیانی نکالیں ٨٠٠ تو یہی لوگ حقیقی کافر

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ
ہیں ٨٠١ اور ہم نے کافروں کیلئے ایک عذاب رسوا کرنے والا تیار کر رکھا ہے ٨٠٢ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
اللہ اور اُس کے پیمبروں پر ایمان لائے، اور وہ لوگ اُن کے درمیان فرق بھی نہیں کرتے ٨٠٣

۷۹٦ آیت نے اخلاق کی اصطلاح میں غیبت و بدگوئی کو اور قانون کی زبان میں ہتک عزت کو بالکل ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اور فرد و جماعت، شخص و ملت دونوں کے ہاتھ میں فلاح و اصلاح کی ایک بڑی اصل دے دی۔ الجهر بالسوء من القول کے تحت میں پس پشت بھی کسی کے عیب کی تشہیر آگئی اور اس کے روبرو تلخ کلامی بھی۔ بلاضرورت اور بلا مصلحتِ شرعی کسی کی بدگوئی کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ سامنے نہ پیچھے۔ إلا من ظلم۔ مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار بک جھک کر بھی نکال سکتا ہے، اور حاکم کے سامنے فریاد بھی لے جا سکتا ہے۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعت اسلامی کے اور کس نے کیا ہے؟ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جھوٹی بات کی شہرت مظلوم کو بھی جائز نہیں ــــ لیجئے مظلوموں کے ساتھ ساتھ ظالموں کے حق بھی اُسی سچی، فطری، الٰہی شریعت نے تسلیم کر لئے۔ سميعا۔ اس میں ایک طرف تو ظالم کو تنبیہ ہے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے نہ جائے، اللہ تو بہرصورت اُس کی سُن ہی رہا ہے۔ اور دوسری طرف مظلوم کو بھی ترغیب دی ہے کہ خلق کے آگے خواہ مخواہ زیادہ روتا گاتا نہ پھرے، یہ یقین رکھے کہ اللہ تو سننے والا ہے ہی۔ عليما۔ یہ صفت لا کر بھی ظالم و مظلوم دونوں کو یاد دلا دیا ہے کہ کوئی زبان سے نکالے یا نہ نکالے، اللہ پر تو ہر ظلم کی نوعیت و حقیقت عیاں ہی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے انتقام کی اجازت نکل رہی ہے، جس کی ایک جزو شکایت بھی ہے۔ اور ضعفاء کی اس میں بڑی رعایت ہے کہ اس سے دل کا کینہ دُور ہو جاتا ہے۔ ۷۹۷ (جو بہرصورت افضل و اَولیٰ ہے) انسان اپنے نفس کو ٹٹولے تو نظر آئے کہ کسی کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے یا اس پر مال خرچ کرنے سے کہیں زیادہ شاق نفس پر یہ گزرتا ہے کہ کوئی ہمیں دکھ پہنچائے اور ہم اُس سے درگزر کر جائیں، اور انتقام نہ لیں۔ اس لئے فعل خیر سے الگ اور ممتاز کر کے اس وصف چشم پوشی اور عدم انتقام کو بیان کیا ہے۔ فندب الی العفو و رغب فیہ (قرطبی) ۷۹۸ اخلاقی حیثیت سے یہ تین مرتبے الگ الگ ہیں۔ اور انہیں یہاں کیسی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ انسان نے نیکی کی، ساتھ ہی وہ اس کا اظہار و اعلان بھی کر دیتا ہے (خلق سے داد لینے کی خواہش ایک حد تک طبعی ہے)۔ ایک درجہ نیکی کا یہ بھی ہوا، نیکی یہ بھی ہوئی مگر ہلکی قسم کی، مبتدی کی سطح کی۔ اَوْ تُخْفُوْهُ۔ اونچا مرتبہ یہ ہے کہ نیکی کرے اور خلق سے داد و صلہ کی پرواہی نہ رکھے، بلکہ اُسے خلق کے علم میں آنے ہی نہ دے اور مقصود اس سے تمامتر رضاء الٰہی ہی رکھے۔ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو ناگواریاں پیش آئیں، اور وہ انہیں نظرانداز کر جائے اور بُرائی کرنے والے سے بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ نفس کے لئے بہت ہی شاق ہے۔ اور اس کا مرتبہ سلوک و اخلاق کے منتہی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ عَفُوًّا۔ اس صفت کو لا کر یہ یاد دلا دیا کہ درگزر کی صفت تو صفات کمالیہ الٰہیہ میں سے ہے، کیا خوب ہو جو بندہ بھی اپنے کو اسی رنگ میں رنگ لے! قَدِيْرًا۔ یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ بندہ بیچارہ انتقام لے ہی کیا سکتا ہے۔ انتقام پر قدرت کامل تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور وہ اس کمال قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتا رہتا ہے ــــ بندوں کو عفو و درگزر کی راہ پر لانے کا کتنا مؤثر و حکیمانہ طریقہ یہ ہے! امام رازیؒ جن کی نکتہ رسی قرآن فہمی میں قابلِ صد رشک ہے، یہاں پر خوب بات فرمائی ہے کہ آیت کے ان دو مختصر فقروں میں سارا خلاصہ اخلاق و سلوک آگیا۔ دخل فی هاتین الكلمتين جميع انواع الخير واعمال البر (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح پہلی آیت میں ضعفاء کی رعایت تھی، یہ آیت اہل ہمت کے مناسب حال ہے۔ اس میں مصلحت عروج الی القرب ہے۔ ۷۹۹ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ اس باب میں بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ بہرحال اتنا تو صاف ہے کہ اصل ارشاد یہود کی جانب ہے جو انبیاء سابقین میں سے بہتوں کے تو قائل تھے لیکن اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے منکر تھے۔ اور پھر نبوت مصطفوی کے۔ لیکن قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کے تحت میں نہ صرف مسیحی آجاتے ہیں، جو نبوت مصطفوی کے تو صاف منکر، اور رسالت مسیح کے بھی منکر ہو کر الوہیت مسیح کے قائل ہو گئے ہیں۔ بلکہ آج کل کے بہت سے "آزاد خیال" اور "روشن خیال" بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ یورپ میں ایک فرقہ .. (خدا پرستوں) کا کہلاتا ہے، اور ہندوستان میں برہمو سماج ہے۔ یہ لوگ توحید کے تو قائل ہیں لیکن عقیدۂ وحی و نبوت کے منکر ــــ یہ سب مثالیں اسی ناقص اور غلط ذہنیت کی ہیں، جسے اسلام بڑھانا اور پیدا کرنا نہیں، بلکہ مٹانا اور فنا کرنا چاہتا ہے۔ ۸۰۰ جیسے دہلی کے ایک مغل بادشاہ اکبر نے کفر و اسلام کو ملا جلا کر ایک "دین الٰہی" ایجاد کیا تھا، اور پھر تین پشتوں کے بعد ایک اور شہزادہ داراشکوہ نے بھی کچھ اسی قسم کی کوشش شروع کی تھی۔ اور بعض ملحد طبع آج بھی شرک و توحید، کفر و اسلام کو مخلوط و ممزوج کر کے طرح طرح کے خوشنما ناموں کے ساتھ ایک نئے دین کی ترکیب و اختراع کی فکر میں لگے رہتے ہیں ــــ ان لوگوں کی نظر دین اسلامی کی وحدت، اور اس کے عقائد و ارکان کے اندرونی نظم و ارتباط پر سرے سے ہے ہی نہیں! ۸۰۱ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا مرتبہ کافروں سے تو بہرحال بہتر ہوگا۔ نہیں بلکہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ جملہ کی ترکیب خود ہی زور پیدا کرنے کے لئے ہے۔ حَقًّا کا اضافہ تاکید مزید کے لئے ہے۔ ای هم الكاملون فی الكفر (کشاف)، ای لا عبرة بایمانهم هذا (بیضاوی)، وهو تاکید لمضمون الجملة الخبرية (بحر)، اولئك هم الكافرون كفرا كاملا ثابتا حقا يقينا (کبیر) ۸۰۲ ایسے لوگوں کے خیالات و نظریات کی تہ میں اصلی روگ اپنی بڑائی کا ہوتا ہے، شعوری یا لاشعوری طور پر، بہرحال یہ لوگ سمجھتے یہی ہیں کہ اُن کی عقل وحی الٰہی کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار ہے۔ اور پیمبروں سے (نعوذ باللہ) جو کوتاہیاں رہ گئیں، اُن کی تلافی یہ اپنی عقل آرائیوں سے کر دیں گے ــــ اسی کبر و خود بینی کی سزا انہیں آخرت میں یہ ملے گی کہ علاوہ جسمانی تعذیب کے، یہ خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا ہو کر بھی رہیں گے۔ ۸۰۳ یعنی یہ نہیں کرتے کہ کسی پیمبر کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ قرآن مجید نے وحدت وحی پر بڑا زور دیا ہے، اور سارے انبیاء کو ایک مستقل نظام و سلسلہ کے اندر منسلک قرار دیا ہے۔

۵۹۰ (ایمان اور ہدایت کی) مُذَبذَبِینَ بَینَ ذٰلِکَ ۔ یعنی کافروں اور مومنوں کے درمیان ۔ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ ۔ یعنی ظاہر اور صورت کے اعتبار سے مومن اور معنیٰ اور حقیقت کے لحاظ
سے کافر ۔ وَمَن یُّضلِلِ اللّٰہُ ۔ اللہ کا یہ فعل اضلال اس کی سنت تکوینی کے مطابق ہے جس کے ماتحت وہ ہر عزم عمل پر عمل کا ترتب کر دیتا ہے ۔ ۵۹۱ (اپنے مجرم اور مستحق سزا ہونے کی) آتنی
صریح وعیدوں کے باوجود ہم لوگ جو بلا ضرورت ہر قسم کے غیر مسلموں، بے دینوں، بددینوں سے دوستی اور صحبت کے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں تو ہم لوگوں کا کیا انجام ہونا ہے ۔ اللّٰھم احفظنا ۔
لَا تَتَّخِذُوا الکٰفِرِینَ اَولِیَآءَ ۔ کافروں کے تحت میں پوری طرح وہ چھپے ہوئے کافر بھی داخل ہیں جنہیں منافقین کہا گیا ہے ۔ اقتضت الآیۃ النھی عن الاستنصار بالکفار والاستعانۃ بھم و
الرکون الیھم والثقۃ بھم (جصاص) فقہاء حنفیہ نے ذمیوں کو وکیل مال بنانا اور اُن سے شرکت تجارت (مضاربت) میں بھی کراہت کی ہے ۔ وقد کرہ اصحابنا توکیل الذمی فی الشرٰی والبیع ودفع
المال الیہ مضاربۃ وھٰذہ الآیۃ دالۃ علیٰ صحۃ ھٰذا القول (جصاص)

لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَن یُّضلِلِ اللّٰہُ
نہ (پورے) ادھر ہی کے ہیں نہ (پورے) اُدھر ہی کے اور جسے اللہ گمراہ رکھے تو
فَلَن تَجِدَ لَہٗ سَبِیلًا ﴿۱۴۳﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
اُس کے لئے تو کوئی راہ نہ پائے گا ۵۹۱ اے ایمان والو، مومنوں کو چھوڑ کر
الکٰفِرِینَ اَولِیَآءَ مِن دُونِ المُؤمِنِینَ ؕ اَتُرِیدُونَ
کافروں کو دوست مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ
اَن تَجعَلُوا لِلّٰہِ عَلَیکُم سُلطٰنًا مُّبِینًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ المُنٰفِقِینَ
اپنے اوپر اللہ کی حجت صریح قائم کر لو ۵۹۱ یقیناً منافق دوزخ کے
فِی الدَّرکِ الاَسفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَن تَجِدَ لَھُم نَصِیرًا ﴿۱۴۵﴾
سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا، ۵۹۲
اِلَّا الَّذِینَ تَابُوا وَاَصلَحُوا وَاعتَصَمُوا بِاللّٰہِ وَ
البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں اور اللہ کا سہارا پکڑے رہیں اور اپنے
اَخلَصُوا دِینَھُم لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ المُؤمِنِینَ ؕ وَسَوفَ
دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے ۵۹۳ اور اللہ
یُؤتِ اللّٰہُ المُؤمِنِینَ اَجرًا عَظِیمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا یَفعَلُ اللّٰہُ
مومنوں کو عنقریب اجر عظیم دے گا ۵۹۴ اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا
بِعَذَابِکُم اِن شَکَرتُم وَاٰمَنتُم ؕ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیمًا ﴿۱۴۷﴾
ہے، اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اللہ تو بڑا قدردان ہے بڑا علم والا ہے ۵۹۵

۵۹۲ (کہ انہیں بچا سکے یا اُن کی سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) فِی الدَّرکِ الاَسفَلِ ۔ ہر منافق اصلاً کافر ہی ہوتا ہے ۔ منافق کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اپنے جرم کفر پر ایک مزید جرم مکر وفریب کا اضافہ کئے ہوئے ہے اس لئے اگر اُسے کھلے ہوئے کافر سے سخت تر سزا ملے تو یہ عین مقتضائے عقل ہے ۔ وَلَن تَجِدَ لَھُم نَصِیرًا ۔ سے فقہاء مفسرین نے محض گنہگاروں کی شفاعت پر استدلال کیا ہے ۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ یہ عدم نصرت کی تہدید چونکہ اہل نفاق کے لئے مخصوص ہے ۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جو منافق نہ ہونگے، اُن کی نصرت وشفاعت ہو سکے گی ۔ واحتج اصحابنا بھٰذا علیٰ اثبات الشفاعۃ فی حق الفساق من اھل الصلوٰۃ (کبیر) ۵۹۳ (جنت اور درجات جنت میں) مومنین کے ساتھ ان نئے تائبین کا ذکر لانے سے مومنین ہی کی تکریم اور شرف مرتبت نکلتی ہے ۔ اوقع اجر المؤمنین فی التشریف لانضمام المنافقین الیھم (کبیر) مع المومنین کے معنیٰ من المومنین کے بھی کئے گئے ہیں ۔ قال الفراء ای من المومنین (قرطبی) تَابُوا ۔ یعنی اپنے عقائد شرک وکفر سے توبہ کر لیں ۔ اَصلَحُوا ۔ یعنی اپنے افعال واحوال کو شریعت کے مطابق و ماتحت کر لیں ۔ وَاعتَصَمُوا بِاللّٰہِ ۔ اور اس اعتصام باللہ کے تحقق کے لئے کافروں کی رفاقت کا ترک لازمی ہے ۔ اَخلَصُوا دِینَھُم لِلّٰہِ ۔ اللہ کے ساتھ اخلاص کی شرط منافقت کی جڑ کاٹ رہی ہے ۔ فقہاء نے آیت کے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ اعمال تقرب و عبادت ہر قسم کے شائبۂ ریاء اور ہر قسم کے دنیوی معاوضہ ونفع سے خالی ہونا چاہئے ۔ یدل علیٰ ان کل ما کان من امر الدین علیٰ منھاج الحق فسبیلہ ان یکون خالصًا للّٰہ سالمًا من شوب الریاء وطلب عرض من الدنیا (جصاص) اور یہ بھی نکالا ہے کہ نماز اذان وحج وغیرہ اعمال عبادات پر معاوضہ قبول کرنا جائز نہیں ۔ ھٰذا یدل علیٰ امتناع جواز اخذ شیء من اعراض الدنیا علیٰ ما سبیلہ ان لا یفعل الا علیٰ وجہ القربۃ من نحو الصلوٰۃ والاذان والحج (جصاص) پوری آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین جو اس قدر وعیدوں کے مستحق ہیں، وہ بھی اللہ کی رحمت ومغفرت سے ہمیشہ کیلئے مایوس نہ ہو جائیں ۔ توبہ اور اصلاح حال تو ان کی اپنی
اختیاری چیز ہے ۔ جب اور جس وقت چاہیں، سیدھی راہ اختیار کر کے مومنین کی معیت حاصل کر سکتے ہیں ۔ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو موروثی یا پیدائشی ہو یا اب ناقابل اصلاح وتلافی
ہو ۔ ۵۹۴ (اور جب یہ تائبین اور نومسلمین، مومنین کے ساتھ ہوئے تو ظاہر ہے کہ اجر عظیم ان کے حصہ میں بھی آ کر رہیگا) اس میں سبق ہے اُن خاندانی اور پشتینی مسلمانوں کیلئے جو آج ہر کفر وفسق
سے تائب نومسلم یا نوصالح کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں ۔ یہ اسلامی اور ایمانی برادری میں نئے شامل ہونے والے بھائی ہیں جو اور زیادہ عزت واکرام کے مستحق ہوتے ہیں ۔ ۵۹۵ خطاب
منافقوں سے ہے ۔ انہیں بتایا ہے کہ تمہاری سزا دینے پر اللہ تعالیٰ کا کوئی کام تو معلق ہے نہیں ۔ یہ تو محض تمہارا کفر اور کفران نعمت ہے جو تمہیں جنت کی نعمتوں سے استفادہ کے ناقابل بنائے ہوئے ہے ۔ اگر
اپنے ان عقائد کو چھوڑ دو تو رحمت حق تو خود بخود تمہیں آ لے گی ۔ اس میں یہ تعلیم بھی آ گئی کہ اسلام کا خدا مشرک اور جاہلی قوموں کے خونخوار وسفاک دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جسے بندوں کے آزار دہی ہی میں
لطف آ رہا ہے ۔ شَاکِرًا ۔ یعنی خدمت اور عبودیت اور اخلاص کا قدردان ۔ عَلِیمًا ۔ یعنی ہر ایک کے درجۂ اخلاص سے واقف ۔ آیت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مومن شاکر عذاب الٰہی سے بالکل دور
رہے گا ۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ صاحب کبیرہ پر عذاب نہیں ہے ۔ قال اصحابنا دلت ھٰذہ الآیۃ علیٰ انہ لا یعذب صاحب الکبیرۃ (کبیر)

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ
بیشک اللہ دوزخ میں منافقوں اور کافروں سب کو اکٹھا

جَمِيْعَاۨ ﴿١٤٠﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ
کریگا ۷۸۴ (یہ وہ لوگ ہیں) جو تمہارے لئے مصیبت کے منتظر رہتے ہیں تو اگر تمہیں اللہ کی جانب سے

مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ
فتح حاصل ہوگئی تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ؟ اور اگر کافروں کو حصہ مل گیا تو ان

نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ
سے کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لَنْ
بچا نہیں لیا ۷۸۶ تو اللہ ہی تم (سب) لوگوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریگا ۷۸۷ اور

يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ ع اِنَّ
اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا ۷۸۸ بیشک

ع ٢٠ ١٧

الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا
منافقین تو اللہ سے چال چل رہے ہیں حالانکہ اللہ انہی کی چالوں کو ان پر الٹ رہا ہے ۷۸۸ اور یہ

اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا
لوگ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ
اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں ۷۸۹ درمیان ہی میں معلق

۷۸۴ (کہ آخرت میں ایک کا چھپا ہوا اور ڈھکا ہوا کفر اور دوسرے کا کھلا ہوا کفر دونوں یکساں روشن وظاہر ہوں گے) اسی سے یہ تعلیم بھی نکلتی ہے کہ اصلی جوڑ اور ساتھ تو کافروں اور منافقوں کا ہے۔ تبقۂ مناسبت نہی دونوں کے درمیان باہم ہے۔ پاک وصالح انسانوں یعنی مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ مجلسی اختلاط ہی کیسا ؟ جَامِعُ ۔یہاں مضارع بجمع کے معنی میں ہے۔ الاصل جامعٌ بالتنوین محذوف استخفا فا فانه بمعنی یجمعهم (قرطبی) ۷۸۵ منافقین کی پوری ذہنیت آشکارو بے نقاب کی جارہی ہے۔ ان لوگوں کا بھی عجب حال تھا۔ جب جنگ چھڑتی تو منافقین کا گروہ لشکرِ اسلامی کے ساتھ ساتھ ہوتا اگرچہ کافروں سے قتال نہ کرتا یا برائے نام ہی کرتا تو اگر مسلمانوں کو فتح ہوجاتی تو یہ مسلمانوں کے پاس آکر اپنی شرکت، معیت ورفاقت کا حق جتلاتے اور مالِ غنیمت وغیرہ میں سے اپنا حصہ طلب کرتے لیکن اگر اس کے برعکس کبھی اتفاق سے کافروں ہی کے ہاتھ میدان رہتا تو یہ جھٹ اُن کے پاس جاکر اُن پر اپنا احسان رکھتے کہ دیکھو فلاں موقع پر لشکرِ اسلامی کا پلّہ بھاری ہورہا تھا۔ اور تم شکست کھانے ہی کو تھے کہ ہم آڑے آگئے۔ ہم نے اپنی کوشش وتدبیر سے تمہارا پلہ وزن دار کرادیا اور ہاری ہوئی لڑائی جتادی۔ تو اب ہمارا حصہ دلواؤ۔ حربی کافروں سے مسلمانوں کی مخبری کرنا، جاسوسی کرنا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے۔ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۔یعنی تمہارے لئے آفت ومصیبت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ای ینتظرون بکم بعض الدوائر والنغیرة (ابن عباس) اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۔معیت کا تعلق سفرِ جہاد سے ہے۔ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ۔یہاں صیغۂ جمع متکلم میں منافقین اپنے کو مجموعۂ لشکرِ اسلام میں شامل کررہے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین کو مالِ غنیمت میں حصہ نہیں ملتا تھا جبھی وہ اسے مانگتے اور اس کیلئے مطالبہ کرتے۔ والاٰیة تدل علی ان المنافقین کانوا لایعطونهم الغنیمة ولهذا طلبوها (قرطبی) فتح کے لفظ میں شان وعظمت ہے۔ اسلئے مسلمانوں کی کامیابی کو اس سے تعبیر کیا گیا اور نصیب میں حقارت اور پستی ہے۔ اسلئے کافروں کی کامیابی کے لئے یہ لفظ دیا گیا۔ سُمی ظفر المسلمین فتحا تعظیما لشان المسلمین وسُمی ظفر الکافرین نصیبا تخسیسا لحظ الکافرین (کشاف)

۷۸۶ یعنی آج تو اظہارِ اسلام کرکے ہر قانون کی گرفت سے بچ جاتے ہیں اور مسلمانوں میں ملے جُلے رہتے ہیں لیکن قیامت میں کیا کرینگے۔ وہاں تو اُن کا کفر علانیہ ظاہر ہوگا اور یہ مسلمانوں سے علیحدہ ہوکر رہیں گے۔ ۷۸۷ (اپنے اُسی آخری اور اُخروی فیصلہ میں) آخرت دارالجزاء ہے۔ وہاں اس دارالعمل کی طرح کسی تکوینی امتحان، التباس واشتباہ کی گنجائش نہیں۔ وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بہرحال وصورت الگ ہوکر رہیگا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اسی دنیا میں کافروں کو مومنوں پر غالب نہ آنے دیگا۔ حجت عقلی وشرعی کے لحاظ سے۔ قال علی معنیٰ یوم القیٰمة یوم الحکم وکذا قال ابن عباس ذالک یوم القیٰمة قال ابن عطیة وبهذا قال جمیع اهل التاویل (قرطبی) المراد بالسبیل الحجة (بیضاوی) ای حجة شرعیة لا عقلیة (بحر) ای حجة عقلیة ولا شرعیة یستظهرون بها الا ابطلت ودحضت (قرطبی) اس نفی غلبہ وولایت کفار کا تعلق اسی عالمِ تکوینی سے مان کر بعض فقہاء نے اس سے ذیل کے استنباطات کئے ہیں:- (۱) کافر کی گواہی اگر مسلمان کے مضر پڑرہی ہو تو قبول نہ کی جائے گی۔ (۲) کافر کی ولایت کسی مسلم نابالغ کے نکاح میں جائز نہ ہوگی۔ (۳) کافر کو کسی مسلمان کی وراثت نہ پہنچے گی۔ ۷۸۸ (ان کی چالوں کو ناکام دیکھ کر، ان کی چالوں کی سزا ان کو دے کر) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ۔یعنی اپنے اسلام کا جھوٹا اقرار کرکرکے اللہ تک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اپنے حمق سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ ہورہا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۔خداع کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اُس سے مراد مجازاتِ خداع ہوتی ہے۔ الخداع من الله مجازاتهم علی خداعهم اولیاءه ورسله (قرطبی) سمی الجزاء علی العمل باسمه علی مجاوزة الکلام (جصاص) ای یجازیهم بالعقاب علی خداعهم (کبیر) ای هو الذی یستدرجهم فی طغیانهم وضلالهم ویخذلهم عن الحق والوصول الیه فی الدنیا وکذلك یوم القیٰمة (ابن کثیر) ۷۸۹ یعنی یہ منافقین اول تو نماز پڑھتے ہی کہاں ہیں۔ جب مسلمانوں کے مجمع میں شرما شرمی پڑھنا ہی پڑی، تو صرف ہیئت ظاہری کے لحاظ سے کچھ دیر اُٹھک بیٹھک سی کرلی۔ قَامُوْا كُسَالٰى ۔عبادت میں نشاط، مستعدی اور چستی تو صرف ایمان واعتقاد کی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب سرے سے یہی مفقود ہو تو ظاہر ہے کہ کاہلی اور بدہمتی کیسے نہ پیدا ہوتی۔ یہاں تو مقصود تمامتر ظاہرداری تھی۔ خلقت کی نظر میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا۔ اِلَّا قَلِيْلًا ۔عارفین نے کہا ہے کہ یہ عمل قلیل ہی اگر اللہ کے لئے ہوتا تو اللہ اسے کثیر ہی قرار دیتا۔ قال الحسن لو کان ذالك القلیل لله تعالیٰ لکان کثیرا (مدارک) انما سماه قلیلا لانه لغیر وجهه فهو قلیل فی المعنی وان کثر الفعل منهم (جصاص) يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ۔محض لوگوں کے دکھاوے کو، تاکہ یہ بھی مسلمان ہی سمجھے جائیں اور ان کے ساتھ بھی مسلمانوں ہی کی سی مراعات ہوتی رہیں۔ ریاء کے معنی ہیں کسی اچھی چیز کو دکھاوے کے لئے اختیار کرنا نہ کہ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں۔ الریاء اظهار الجمیل لیراه الناس لا لاتباع امر الله (قرطبی) اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ ۔جب نماز جیسے اہم ترین رکنِ اسلام کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو دوسری عبادتوں کے ساتھ جو معاملہ ہوگا، ظاہر ہی ہے۔ نماز کی تصریح خصوصیت کے ساتھ اسلئے کی گئی ہے کہ اعمال میں نماز ہی ایمان واسلام کا ظاہری معیار ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جس نماز ریائی کا یہاں ذکر ہے اور جو معصیت کے درجہ میں ہے اور جس نماز کا دُہرانا لازم ہے وہ وہ ہے جو عقیدہ کے بغیر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کیلئے پڑھی جائے کہ اس سے لوگ مسلمان سمجھنے لگیں۔ باقی جو نماز اس ارادہ سے پڑھی جائے کہ لوگ اسے دیکھ کر اُسکے مومن اور مقبول الشهادة ہونے کی اور اُسکے جواز امانت کی شہادت دیں تو ایسی نماز اس وعید کے تحت میں نہیں آتی۔ یعنی انهم یفعلونها لیراها الناس وهم یشهدون وبها لغوا فهذا هو الریاء والشرك فاما ان صلاها لیراها الناس یعنی ویرونه فیها فیشهدون له بالایمان فلیس ذالك الریاء المنهی عنه وکذالك وان اراد بها طلب المنزلة والظهور لقبول الشهادة وجواز الامانة لم یکن علیه حرج وانما الریاء والمعصیة ان یظهرها صید للدنیا وطریقا الی الاکل بها فهذه نیة لا تجزی وعلیه الاعادة (ابن العربی)

بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا

جا پڑا ہے ۷۷۹ بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے

ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ

پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں ترقی کرتے گئے اللہ ہرگز نہ ان کی مغفرت

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ

کرے گا اور نہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا ۷۸۰ آپ منافقین کو سُنا دیجئے کر

بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ

ان کے لئے عذاب دردناک ہے ۷۸۱ (یعنی وہ لوگ) جو مومنوں کو چھوڑ کر

الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ

کافروں کو دوست بنائے ہوئے ہیں کیا اُن کے پاس

عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ

عزت کی تلاش کر رہے ہو سو عزت تو ساری اللہ ہی کی ہے ۷۸۲ اور وہ

نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ

تمہارے اُوپر یہ (فرمان) کتاب میں نازل ہی کر چکا ہے کہ جب تم اللہ کی نشانیوں کے ساتھ

اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ

کفر اور تمسخر ہوتا ہُوا سنو تو اُن لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو،

حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ

یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں کہ اس حالت میں یقیناً تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے ۷۸۳

۷۸۰ (جنت وہدایت کی) ذکر ان لوگوں کا ہے جو اسلام پر قائم نہ رہے بلکہ مُرتد ہو گئے۔ اور دوبارہ ایمان لا کر پھر بھی ایمان پر قائم نہ رہے۔ اور توبہ نہ کی۔ بلکہ اسی حالت کفر و ارتداد پر ختم ہو گئے۔ مگر متعین طور پر کون گروہ مُراد ہے؟ ایک قول ہے کہ یہود مراد ہیں۔ پہلے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے۔ پھر اُنہی کی زندگی میں گوسالہ پرستی کی اور کافر ہو گئے۔ تائب ہوئے اور ان کی ذریت حضرت عیسیٰؑ سے انکار کر کے پھر کافر ہو گئی۔ اور آخر میں رسُول اللہ صلعم سے انکار کر کے اپنا کفر بڑھاتے ہی رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مرتدین کا کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ جو مکرر مرتد ہُوا اور آخر تک مرتد رہا۔ تیسرا قول اور یہ سب سے زیادہ لگتا ہُوا ہے، یہ ہے کہ مراد منافقین و متردّدین و مذبذبین ہیں اور مقصود ان کے تردّد و تذبذب کا اظہار ہے۔ نہ کہ ان کے ارتداد کا تعدد۔ سیاق قرآنی بھی منافقین ہی کو چاہتا ہے۔ کنا نحسبہم المنافقین ویدخل فی ذٰلک من کان مثلہم (ابن جریر۔ عن مجاہد) ھٰؤلاء المنافقون (ابن جریر۔ عن ابن زید) روی عن ابن عباس ان الاٰیۃ فی المترددین بحر لیس المراد بیان ھٰذا العدد بل المراد ترددھم کما قال مذبذبین بین ذٰلک (کبیر عن القفال) جعلھا ابن عباس عامۃ لکل منافق فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البر والبحر (روح) لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ۔ بہ ظاہر نفی تاکید ہے۔ حالانکہ واقعۃً تاکید نفی کے لئے ہے۔ ان نفی التاکید اذا ذکر علیٰ سبیل التہکم کان المراد منہ المبالغۃ فی تاکید النفی (کبیر) ۷۸۱ بَشِّرْ۔ تبشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لئے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ التبشیر الاخبار بما یظہر اثرہ علی البشرۃ (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز و زجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ قولہ بشر تہکم بہم والعرب تقول تحیتک الضرب وعتابک السیف (کبیر) ذٰلک قول الشاعر تحیۃ بینہم ضرب وجیع اُردو میں تو طنز یہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔ ۷۸۲ یعنی اعزاز تو تمامتر اللہ کی مِلک اور قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہے معزز بنا دے منکرین کے بڑے بڑے اُمرار و رؤسا تک حقیقی عزت سے خالی ہیں۔ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ یعنی یہ منافقین اہل ایمان کے سے دلی عقائد تو کیا رکھتے۔ ظاہری تعلقات بھی ان سے قائم نہ رکھ سکے۔ اور بجائے اُن کے اُلٹے کافروں سے لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ فقہار نے آیت سے نکالا ہے کہ منکروں اور کافروں سے بلاضرورت میل جول۔ خلاملا۔ ان کی وضع قطع بلاضرورت بنانا، اُن کا فیشن اختیار کرنا۔ اُن کے لباس۔ تمدّن و معاشرت کو فخر و عزّت کی چیز سمجھنا یہ سب داخل نفاق ہے۔ ۷۸۳ (نفس معصیت میں) یہ مثلیت اور یکسانی نفس معصیت میں ہوگی۔ ورنہ منکرین کا استہزار ظاہر ہے کہ کفر اعتقادی سے پیدا ہوتا ہے اور ان کے جلسوں، محفلوں میں مسلمانوں کی شرکت محض فسق ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ای فی العذاد اذا مکثتم معھم ولم یرد بہ التمثیل من کل وجہ فان خوض المنافقین فیہ کفر ومکث ھٰؤلاء معھم معصیۃ (مدارک) ای فی العصیان وان لم تبلغ معصیتھم منزلۃ الکفر (جصاص) فِي الْكِتَابِ۔ حوالہ اسی کتاب قرآن کا ہے۔ واذا رایت الذین یخوضون فی اٰیٰتنا فاعرض عنھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ (سورۂ انعام آیت ۶۷) یہ سورۂ نسار مدنی ہے اور سورۂ انعام اس سے بہت قبل کی مکّی ہے۔ آيَاتِ اللَّهِ۔ اللہ کی نشانیوں کا لفظ عام ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں بھی انہی میں شامل ہیں۔ حکم کی تکرار یعنی ایک بار مکّہ میں نزول اور دوبارہ مدینہ میں۔ حکم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ کفر اور تمسخر کرنے والے تھے کون لوگ؟ مکّہ میں تو مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود اور منافقین۔ آیت کا حکم عام ہے۔ بے دینی کا ہر مشغلہ، کفر و انکار کا ہر مظاہرہ اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ مسیحی یا ہندوانہ تعلیمی، تہذیبی، معاشری و سیاسی ماحول کے جو گہرے اثرات طبعی طور پر مسلمانوں پر پڑ رہے ہیں، وہ سب اس وعید کے ماتحت آجاتے ہیں۔ اپنے شعائر و اصولِ دین پر مضحکہ سنتے رہنا خواہ وہ اسکولوں اور کالجوں میں ہو یا بازاروں اور میلوں میں یا تھیٹروں اور سینماؤں میں۔ یوں بھی بہر صُورت بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ۔ فقہار نے لکھا ہے کہ فاسقوں کی مجلس میں شرکت، جس وقت وہ فسق میں نہ مشغول ہوں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ
اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ
دینے والے رہو۷۷۲ چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے

وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى
خلاف ہی ہو۷۷۳ وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہر حال) دونوں سے زیادہ

بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا
حقدار ہے۷۷۴ تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا۷۷۵ کہ حق سے ہٹ جاؤ۷۷۶ اور اگر تم کجی کروگے

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۱۳۵
یا پہلو تہی کروگے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے ۷۷۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ
اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسولؐ اور (اُس) کتاب

الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ
پر ایمان لاؤ جو اُس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور اُس (جنس) کتاب پر بھی

اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ
جو وہ اُس سے قبل نازل کرچکا ہے۷۷۸ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اسکی

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا
کتابوں اور اُس کے پیمبروں اور قیامت کے دن سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور

۷۷۲ (اپنے تمام معاملات میں) احکام کی تعمیل میں اور زندگی کے مختلف معاملات میں بار بار ترغیب راہِ حق و دیانت سے ہٹنے کی ہوتی رہتی ہے اور کہیں اپنے ذاتی نقصان کے خیال سے، کہیں بزرگوں، عزیزوں کی مروّت اور خاطر سے قدم کو بار بار لغزش ہونے لگتی ہے۔ یہاں تاکید ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر حق و دیانت پر قائم رہو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ۔ اسکے ایک معنی تو یہی ہیں کہ گواہی سے مقصود اللہ کی رضا جوئی ہے۔ ای تقیمون الشہادات لوجہ اللہ (بیضاوی) ای لا یراعی فی الشہادۃ الا جہۃ اللہ ... (بحر) لذات اللہ ولوجہہ ولمرضاتہ وثوابہ (قرطبی) اور دُوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ "اللہ کے گواہ بن جاؤ" یعنی تمہاری شہادت شہادت الٰہی کے قائم مقام ہوجائے۔ فقہاء نے یہی معنی لے کر استنباط کیا ہے کہ جو امر گواہوں سے ثابت ہوجائے۔ وہی قطعی ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔ چنانچہ قاضی اگر معتبر آدمیوں کی شہادت پر مدعی کو ڈگری دے دے اور مُدّعیٰ علیہ خوب علم رکھتا ہو کہ حق مدعی کا نہیں اور فیصلہ غلط اور نامنصفانہ ہُوا ہے۔ تاہم اگر وہ تعمیل نہ کریگا تو قاضیٔ اسلام کی مخالفت اور گواہوں کی تکذیب کا مجرم ہوگا۔ ۷۷۳ یعنی مروّت اور رعایت نہ خود اپنی کرو نہ اپنے کسی بزرگ کی نہ کسی عزیز کی، بلکہ صرف اللہ کی اور حق و صداقت کی۔ قرآن مجید پر عامل مسلمان حلفیہ شہادت کا ذکر نہیں۔ بلا حلف بھی کبھی جھوٹی گواہی کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ حکم عام ہے ہر قسم کی گواہی کے لئے۔ صرف مالی اور عدالتی معاملات کی حد تک محدود نہیں محققین لکھتے ہیں کہ اسکے پُورے مصداق تو حضرات محدثین ہوئے ہیں کہ انہوں نے روایات حدیث کے باب میں کسی کی ذرا رعایت نہ کی اسی لئے وہ اللہ کے گواہ بن گئے۔ اور انکی روایتوں پر دین کے ایک حصّہ کا مدار ٹھیر گیا۔ ۷۷۴ یعنی جس کے خلاف آکر تمہاری سچی گواہی پڑ رہی ہے اور اس کی خاطر تم سچے اظہار سے بچنا چاہتے ہو، اس پر جتنا حق تمہارا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حق اللہ کا ہے جھوٹی گواہی کے محرک عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ فریق اگر امیر ہے تو اس کا دباؤ، لحاظ، مروّت اور اگر غریب ہے تو اس کے ساتھ جذبۂ ہمدردی یہاں دونوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ دونوں صورتوں میں، جتنا تمہارا تعلق اُسکے ساتھ ہے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر اللہ کا تعلق اُسکے ساتھ ہے۔ ۷۷۵ (ادائے شہادت میں) تاکید ہے کہ شہادت بالکل واقعہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ شاہد کے ذاتی رجحانات کا دخل بھی نہ آنے پائے۔ ۷۷۶ یعنی ذاتی رجحانات کو دخل دینے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ قدم راہِ حق سے اِدھر یا اُدھر ہوجائے گا۔ اَنْ تَعْدِلُوْا ۔ تقدیر کلام یُوں ہے۔ ان لا تعدلوا (جلالین) ای مخافۃ ان تعدلوا (ابوسعود) ۷۷۷ ہر معصیت، ہر بد اخلاقی کی طرح ادائے شہادت کی بھی ہر بے عنوانی سے روکنے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ دانی کا استحضار ہے۔ جتنا یہ عقیدہ قوی، زندہ اور تازہ ہوگا۔ اسی قدر سخت پہرہ انسان کے نفس پر قائم رہیگا۔ اِنْ تَلْوٗٓا یعنی شہادت دی تو جائے لیکن بددیانتی، خیانت اور اینچ پیچ کے ساتھ۔ تُعْرِضُوْا ۔ یعنی سرے سے شہادت ہی نہ دی جائے۔ ۷۷۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۔ آیت میں خطاب اُن لوگوں سے ہے جو کلمۂ اسلام پڑھ کر اجمالاً تو ایمان لا چکے ہیں اور اسی لئے لقب مومنین سے مشرف ہیں اور اُنہی کو تاکید ہو رہی ہے کہ تفصیل کے ساتھ ایمانیات کے ایک ایک جزء پر اپنا عقیدہ مضبوط کریں۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی ذات و صفات پر اس کی اور توحید کے تضمنات پر بہ تفصیل ایمان لاؤ۔ وَرَسُوْلِهٖ ۔ رسولؐ پر ایمان لانے کے معنی ہیں کہ اُس کی شریعت کے ہر ہر جزء کو بے چون و چرا مان لیا جائے۔ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ مُراد یہاں جنس کتاب ہے یعنی اُن کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہوچکی ہیں المراد بہ جنس ما انزل علی الانبیاء قبلہ من الکتب (کشاف) نزلت فی جمیع المومنین والمعنی یاایہا الذین صدقوا اقیموا علیٰ تصدیقکم واثبتوا علیہ (قرطبی) یاایہا الذین اٰمنوا بحسب الاستدلالات الجملیۃ اٰمنوا بحسب الدلائل التفصیلیۃ (کبیر) ۷۷۹ ان میں سے ہر ہر عقیدہ پر فرداً فرداً ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک عقیدہ سے بھی انکار دائرۂ اسلام سے خارج کردینے کیلئے کافی ہے۔ و یہاں چاروں جگہ اَوْ کے معنیٰ میں ہے۔ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ ۔ اللہ کی ذات سے انکار کی طرح اُسکی صفات سے بھی انکار داخل کفر ہے۔ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ بجائے فرشتوں کے جاہلی قوموں کی طرح دیوتاؤں کو ماننا فرشتوں ہی سے کفر کی ایک شکل ہے۔ وَكُتُبِهٖ ۔ جاہلی مشرک قومیں چونکہ عقیدۂ وحی سے محروم ہیں، اسلئے کتب آسمانی کی بھی قائل نہیں۔ وَرُسُلِهٖ بجائے پیمبروں کے اوتاروں یا خدا کے مظہروں کو ماننا رسولوں سے کفر کرنا ہے۔ ای من یکفر بشیٔ من ذلک (بیضاوی۔ بحر۔ مدارک) لان الکفر ببعضہ کفر بکلہ۔ (مدارک)

حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
حکمت والا ۷۶۲ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کی ملک ہے ۷۶۳
وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور ہم نے اُن لوگوں کو جنہیں تم سے قبل کتاب مل چکی ہے اور خود تمہیں بھی حکم
وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ
دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو ۷۶۴ اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رہے کہ) جو کچھ بھی آسمانوں
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کی ملک ہے ۷۶۵ اور اللہ بڑا بے نیاز ہے
غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
ستودہ صفات ہے ۷۶۶ اور جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب)
الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا
اللہ ہی کی ملک ہے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ۷۶۷ وہ اگر چاہے تو اے لوگو تم (سب) کو لے جائے
النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ
اور دوسروں کو لے آئے ۷۶۸ اور اللہ اس پر
قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
قادر ہی ہے ۷۶۹ جو کوئی دنیا کا انعام چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ع ۸ ۱۶
(دونوں) کا انعام موجود ہے ۷۷۰ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا دیکھنے والا ہے ۷۷۱

منزل ۱

۷۶۲ (اُسے ہر ایک کے لئے ایک مناسب سبیل نکال لینا کیا مشکل ہے) ۷۶۳ (سو اس مالک الملک اور ملک الملوک کی رضا جوئی کے بجائے کسی اور کی رضا طلبی کیسی شدید حماقت ہے وہ زمین و آسمان کے سارے خزائن کا مالک ہے۔ اُسے دوسروں کو غنی بنا دیتے کیا دیر لگ سکتی ہے۔ ۷۶۴ (کہ یہی خوفِ خدا اور تقوائے الٰہی بنیاد ہے تمام احکامِ الٰہی کی تعمیل کی ہے اور اسے آسان اور خوشگوار بنا دینے والی بھی) انسان کی ساری زندگی کا سنگِ بنیاد یہی تقویٰ ہے اور اسلئے یہ عین مقتضائے حکمت ہے کہ قرآن مجید اس کی تاکید سے لبریز ہے مسیحیوں کا دعویٰ ہے کہ اُنکے مذہب کی بنا خوفِ خدا پر نہیں، بلکہ محبتِ الٰہی پر ہے اور اُنکے پادری اسے بہت فخر سے پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ اُن کی انجیل ان تاکیدوں سے خالی نہیں مثلاً:۔ "اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے"۔ (متی ۱: ۲۸) اس سے ڈرو جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو" (لوقا ۱۲: ۵) رہی توریت تو اس کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ ۷۶۵ (سو ایسے کی ناشکری اور نافرمانی سے اُس کا کیا ضرر۔ ضرر تو خود تمہارا ہی ہے) اِنْ تَكْفُرُوْا۔ احکامِ الٰہی کی مخالفت ہی کا نام ناشکری ہے۔ ۷۶۶ مشرک جاہلی قوموں کے دیوی، دیوتا اپنی صفات میں ناقص اور اپنی ذات کے لحاظ سے محدود ہوتے ہیں، اُن کے پرستار اور پجاری جو منتروں سے جاپ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے انکے نقائص کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنی الوہیت و معبودیت کیلئے غذا حاصل کرتے رہتے ہیں——— قرآن مجید نے یہاں ان دو صفات کا ذکر کر کے ان خرافات کی تردید کر دی۔ اللہ بذاتِ خود ہر طرح کامل و مکمل ہے کسی کی عبادت سے اس کی تکمیل کا خیال ہی مہمل ہے اور اس کی صفات سب عالی و ستودہ ہیں نقص کا گزر نہیں۔ ۷۶۷ اس کی کارسازیٔ عالم کو ناکافی سمجھ کر کسی مخلوق کی طرف التفات کرنا اور اس سے کارسازی کی توقع رکھنا کیسی خرافت ہے) خلقت کائنات و تدبیر کائنات سب اُس کیلئے آسان ہیں۔ ۷۶۸ (اور جو کام اُسے لینے ہیں، وہ اسی نئی مخلوق سے لے) یہ بیان اُس کے کمال قدرت کا ہے۔ اٰخَرِيْنَ۔ یعنی نوعِ انسان کے علاوہ کوئی اور ہی نئی مخلوق۔ ای خلقًا اٰخرین مکان الانس (بیضاوی) جوز الزمخشری و ابن عطیۃ ومقلدوھما ان یکون المراد جنسًا غیر جنس الناس (روح) ۷۶۹ (سو اس قدرت کے باوجود وہ اگر ایسا نہیں کرتا اور تمہارے بجائے کسی جدید مخلوق کو وجود میں نہیں لا رہا ہے تو اس کا تمہارے ہی اوپر کمال احسان ہے کہ وہ اس طرح حصولِ اجر کا موقع دیے جا رہا ہے) كَانَ لانے سے مفہوم ماضی مقصود نہیں۔ بلکہ صفت قدرت کی ازلیت اور غیر متناہیت کا اثبات مقصود ہے۔ القدرۃ صفۃ ازلیۃ لاتتناھی مقدوراتہ کما لاتتناھی معلوماتہ والماضی والمستقبل فی صفاتہ بمعنی واحد (قرطبی) صیغۂ ماضی لانے میں نکتہ یہ ہے کہ صفت کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے۔ ذات و صفات کو کوئی حادث نہ سمجھ لے۔ انما خص الماضی بالذکر لئلا یتوھم انہ یحدث فی ذاتہ وصفاتہ (قرطبی) ۷۷۰ (سو اس لازوال انعام و لذت کو چھوڑ کر صرف عارضی اور فانی لذتوں پر قناعت کر لینا کس درجہ بے دانشی اور عاقبت نااندیشی ہے) ۷۷۱ سو وہ سب کی دعاؤں کو، التجاؤں کو خوب سنتا رہتا ہے۔ خواہ وہ معاوضۂ دنیوی کے باب میں ہوں یا اجرِ اُخروی سے متعلق اور سب کی نیتوں کے اخلاص و عدمِ اخلاص کو دیکھتا رہتا ہے۔

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ
نیکی کرو گے، سو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے ۷۵۲ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے
مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ
زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو اس میں اُن کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں
يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ
آپس میں ایک خاص طریق پر صلح کرلیں ۷۵۳ صلح (بہر حال) بہتر ہے ۷۵۴ اور طبیعتوں میں تو بخل
الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
ہوتا ہی ہے ۷۵۵ اور اگر تم حُسنِ سلوک رکھو اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو جو کچھ تم کرتے ہو
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا
اللہ بیشک اس کی پوری خبر رکھتا ہے ۷۵۶ اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم بیویوں کے درمیان
بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ
(پورا پورا) عدل کرو خواہ تم اسکی (کیسی ہی) خواہش رکھتے ہو ۷۵۷ تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک
فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ
جاؤ ۷۵۸ اور اُسے اُدھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو ۷۵۹ اور اگر تم (اپنی) اصلاح کرلو اور تقویٰ اختیار کرو تو
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ
اللہ بے شک بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ۷۶۰ اور اگر دونوں جُدا ہی ہو جائیں تو
اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا
اللہ ہر ایک کو اپنے (فضل کی) وسعت سے بے نیاز کر دیگا ۷۶۱ اور اللہ ہے ہی بڑا وسعت والا بڑا

۷۵۲ (اور اسی علم کامل کے مطابق جزائے خیر بھی دیگا) وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ ۔ اسی عملِ خیر میں قیمیوں اور عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک و حُسنِ معاشرت بھی آ گیا۔ ۷۵۳ (بشرطیکہ شرائطِ صلح اصلاً جائز ہوں، حرام و ممنوع نہ ہوں) فقہا نے تصریح کردی ہے کہ صلح اگر کسی حرام شرط کے ساتھ مشروط ہوگی تو باطل ہوگی، مثلاً شوہر نے صلح کی یہ شرط لگادی کہ وہ بیوی کے ساتھ اسکی بہن کو بھی زوجیت میں رکھے گا اور بیوی نے اسے منظور کرلیا، جب بھی چونکہ یہ ایک امرِ حرام ہے۔ اس لئے یہ مُصالحت باطل رہیگی۔ صُلْحًا کی تنوین تنویع کے لئے ہے۔ یعنی ایک خاص قسم کی صلح۔ پُوری صلح اگر طیب خاطر کے ساتھ ہوجائے تو پھر تو کسی شرط وغیرہ کا سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۔ مثلاً اس طور پر کہ بیوی اپنے شوہر کو رضامند رکھنے کیلئے اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ دے۔ اپنا مہر معاف کردے، یا اس میں کمی کردے، اپنی باری کا دن دوسری بیوی کو دیدے، اپنے مصارف کا بار ہلکا کردے وقس علی ہذا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بیوی کے حق شوہر پر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک ثابت و مستقل مثلاً رقم مہر۔ دوسرے وہ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں مثلاً نفقہ یا ہمبستری، صلح کے لئے عورت دستبرداری دونوں قسم کے حقوق سے کرسکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ قسم اوّل کے حقوق میں نقضِ صلح کا اختیار نہ رہیگا یعنی جو چھوڑا، بس وہ ساقط ہوگیا۔ اور الساقط لایعود لیکن دوسرے قسم کے حقوق میں بیوی کو یہ اختیار باقی رہیگا کہ وہ جب چاہے، کسی چھوڑے ہوئے حق کا مطالبہ از سرِ نو کردے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ ۔ بیوی کی طرف سے یہ دستبرداری بظاہر ایک صُورت رشوت کی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس وہم کو دفع فرمایا ہے اور بتادیا ہے کہ نہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بالکل جائز و درست ہے۔ نُشُوْزًا ۔ نشوز کے معنی پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ ۔ بیوی کی طرف سے جو نشوز ہو اس کا علاج اُوپر بتایا جاچکا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ نشوز اگر شوہر کی طرف سے ہو تو وہ بھی لاعلاج نہیں۔ اس کی بھی تدبیریں ہیں۔ خَافَتْ ۔ خوف یہاں توقع کے معنی میں ہے خافت یعنی توقعت (قرطبی) ۷۵۴ (ہر نزاع وافتراق سے، ہر فساد و عناد سے) من الفرقة او سوء العشرة او من الخصومة (بیضاوی) نزاع وافتراق یوں بھی عقل و شریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ چہ جائیکہ خانگی زندگی میں اور میاں بیوی جیسے قریب ترین رشتوں کے درمیان!۔

۷۵۵ بیوی کے لئے ان الفاظ میں صاف ترغیب ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ بھی دے بلا سے تعلق زوجیت تو قائم رہے۔ تو شوہر جب دیکھیگا کہ اُس کے اپنے حقوق و حظوظ میں کچھ فرق نہیں آتا اور بیوی ہی اپنے بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑے دے رہی ہے تو عجب نہیں کہ مصالحت پر جلد تر آمادہ ہوجائے۔ الشُّحَّ ۔ شُحّ ایسے بخل کو کہتے ہیں جسکے ساتھ حرص ملی ہوئی ہو۔ الشح بخل مع حرص (راغب) مراد یہ ہے کہ خود غرضی اور نفس کی آرام طلبی سے کوئی بھی فریق خالی نہیں۔ یہ اپنی راحت ڈھونڈتا ہے، وہ اپنی۔ ای کل واحد منهما يطلب ما فيه راحته (مدارک) ۷۵۶ (اور اس کی طرف سے وعدہ ہر تقویٰ اور حُسنِ سلوک پر اجر کا ہے) اسمیں در پردہ شوہروں کو نصیحت ہے کہ نفاق وافتراق تو خیر بہت دُور کی چیز ہے انہیں تو تقویٰ اور حُسنِ سلوک کی روش پر قائم رہ کر بیویوں سے کسی حق کی دستبرداری کی بھی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا ۔ ذکر یہاں شوہروں کے نشوز و اعراض کا چل رہا ہے اسلئے یہ خطاب بھی شوہروں سے ہے۔ تُحْسِنُوْا ۔ تو شوہر جب بیوی سے حُسنِ سلوک کا خوگر ہوجائیگا تو اس سے اس کی بھی توقع نہیں رکھیگا کہ وہ اپنے کسی حق سے دستبردار ہوجائے۔ وَتَتَّقُوْا ۔ اور جب تقویٰ اختیار کریگا تو نشوز و اعراض خود ہی کافور ہوجائینگے۔ خوب خیال کرکے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں حُسنِ معاشرت زوجین کا ذکر آیا ہے میاں بیوی میں سے کسی کو ادائے حقوق پر توجہ دلائی ہے۔ ایک جامع لفظ تقویٰ کا لایا گیا ہے۔ اور اس خانگی حُسنِ معاشرت کو تقویٰ ہی کی ایک اہم فرد قرار دیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس سے بہتر اور مُؤثر تر تدبیر کوئی اور ہے ہی نہیں۔ ۷۵۷ (سو یہ حد تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ اسلئے تم اس حد کے مکلف بھی نہیں۔ اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ برابری ہر چیز میں، یہاں تک کہ رغبت قلب اور امورِ غیر اختیاری میں بھی۔ شروع سُورت میں جہاں چار تک کی تعداد ازواج کی اجازت صراحت کے ساتھ مرحمت ہوئی تھی۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ وہاں معنی یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ انکے درمیان عدل رکھنا اور اگر عدل نہ کرسکو تو ایک ہی پر قناعت رکھنا۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ۔ اُس موقع پر عدل سے مراد تھی عدل معاملات میں، عدل اُمورِ اختیاری میں، یعنی ہر بیوی کی ضروریات کا، مزاج و مذاق کا لحاظ رکھنا، برخلاف اسکے یہاں جس عدل کی نفی کی جارہی ہے اور ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے عدل پر تم قادر ہی نہیں ہوسکتے چاہے لاکھ اس کی تمنا کرو۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ ۔ اس عدل سے مُراد ہے مساوات اُمورِ غیر اختیاری میں، کیفیات قلب میں، مثلاً محبت و رغبت میں اور ایسی مساوات کامل تو والدین تک عادۃً اپنی ساری اولاد کے درمیان نہیں رہ سکتے —— لفظ عدل دونوں جگہ مشترک ہے، لیکن مفہوم الگ الگ ہے۔ اور اس اسلوب بیان کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔ اخبر تعالى بنفى الاستطاعة فى العدل بين النسآء وذلك فى ميل الطبع فى المحبة والجماع والحظ فى القلب (قرطبی) روى عن ابى عبيدة قال يعنى المودة وميل الطباع وكذلك روى عن ابن عباس والحسن وقتادة (جصاص) پس بعض جدید محرفین نے اس آیت سے یہ جو نکالنا چاہا ہے کہ قرآن مجید نے عدل بین الازواج کو ناممکن بتایا ہے اور تعدد ازدواج کی اجازت صرف عدل کے ساتھ دی ہے تو اس طرح اُس اجازت کو ایک بار دے کر پھر واپس لے لیا ہے تو ایسے لوگوں نے نادانستہ سہی لیکن بہرحال قرآن پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اس کی جانب بے تکلف اس عیب کو منسوب کردیا ہے کہ وہ جس چیز کو روکنا چاہتا ہے اُسے براہِ راست منع نہیں کردیتا بلکہ اس کے لئے خواہ مخواہ ایک پُرپیچ راستہ اختیار کرتا ہے۔ ۷۵۸ (کہ مساواتِ کامل اور رغبتِ قلب کی بے اختیاری کو بہانہ کرکے بیوی کے ظاہری اور اپنے اختیار کے اندر والے حقوق بھی پامال کرنے لگو) قال مجاهد لا تتعمدوا الاساءة بل الزموا التسوية فى القسم والنفقة لان هذا مما يستطاع (قرطبی) ۷۵۹ (کہ وہ بیچاری نہ تو عام شوہر والیوں کی طرح اپنے حقوق سے مستفید ہوتی رہے۔ اور نہ طلاقنوں کی طرح اپنے کو آزاد و خود مختار پائے) فَتَذَرُوْھَا میں ضمیر مؤنث مظلوم بیوی کی جانب ہے۔ ای لاھی مطلقة ولا ذات زوج۔ قاله الحسن (قرطبی) التى ليست ذات بعل ولا مطلقة (بیضاوی) شریعت نے اس ادھر میں پڑی رہنے والی کی حالت کو بدترین قرار دیا ہے۔ شوہر کو چاہیئے کہ اپنے امکان بھر پوری کوشش حُسنِ معاشرت کی اور تعلق زوجیت کے حق کی کرے لیکن جب کبھی کر کوئی صُورت اس میں کامیابی کی نہیں تو پھر صاف طور پر قاعدۂ شرعی کے مطابق طلاق دیدے۔ یہ ظالمانہ صُورت بہرحال نہ اختیار کرے کہ عورت بظاہر سہاگن اور شوہر دار ہو، لیکن حقیقۃً اپنے کسی حق سے بھی متمتع نہیں ہو رہی ہے۔ ۷۶۰ (سو اس کے ہاں ماضی کی اصلاح حال کی احتیاط اور مستقبل کے عزمِ احتیاط کے بعد تمامتر مغفرت و رحمت ہی ہے) اَنْ تُصْلِحُوْا ۔ یعنی اپنی پچھلی بدعنوانیوں کی اصلاح حسبِ قاعدۂ شرعی کرلو۔ وَتَتَّقُوْا ۔ اس تقویٰ کا تعلق حال و مستقبل سے ہے۔ ۷۶۱ (ایک کو دُوسرے سے) یعنی اگر صلح و موافقت کی ہر تدبیر ناکام رہے اور نوبت بالآخر علیحدگی ہی کی آجائے تو زیادتی (نشوز) اور بے التفاتی (اعراض) کرنے والا فریق یہ سمجھے رہے کہ اللہ کسی کے کام کو کسی سے اٹکائے نہیں رکھتا۔ وہ بغیر کسی بندہ کی شرکت اور مدد کے ہر ایک کا کام چلادینے کے لئے کافی ہے۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ
اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا ٧٤٣ اور دین میں اس سے بہتر کون ہے جو اپنا رُخ
اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو ٧٤٣ اور ابراہیمؑ راست رو کے مذہب
حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى
کی پیروی کرے ٧٤٤ اور اللہ نے تو ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنا لیا ٧٤٥ اور اللہ ہی کی مِلک ہے
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ
جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے
مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾ ع وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ
ہے ٧٤٦ لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں فتویٰ طلب کرتے ہیں ٧٤٧ آپ کہہ دیجئے اور تمہیں اُن
فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ
کے بارہ میں (وہی) فتویٰ دیتا ہے ٧٤٨ وہ (آیات بھی) جو تمہیں کتاب کے اندر ان یتیم عورتوں کے باب میں
الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ
پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جنہیں وہ نہیں دیتے ہو جو اُن کے لئے مقرر ہو چکا ہے ٧٤٩ اور اس سے بیزار ہو کر
تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ
اُن سے نکاح کرو ٧٥٠ اور جو (آیات) کمزور بچوں کے (باب میں ہیں) اور (جو آیات اس باب میں ہیں) کہ
وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ
یتیموں کے معاملات میں انصاف برتو ٧٥١ اور تم جو کچھ بھی

١٨ ع ١١ ١٥

٧٤٣ یعنی فرمانبرداری دل سے ہو، منافقانہ نہ ہو۔ موحد محسن بالقول والفعل (ابن عباسؓ) متابعا للشریعۃ فیصیر ظاہرہ بالمتابعۃ وباطنہ بالاخلاص (ابن کثیر) اَسْلَمَ وَجْهَهٗ۔ یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی، اعمال میں بھی۔ ای اخلص دینہ وعملہ للہ (ابن عباسؓ) ٧٤٤ اگر اسی ملّتِ ابراہیمی کا دوسرا نام دینِ اسلام ہے) ٧٤٥ توریت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کا لقب خدا کا دوست آیا ہے:۔ "کیا تو ہمارا خدا نہیں جس نے اس سرزمین کے باشندوں کو اپنی گروہ اسرائیل کے آگے سے خارج کیا اور اسے اپنے دوست ابرہام کی نسل کو ہمیشہ کے لئے دیا؟" (۲۔ تواریخ ۲۰: ۷) "اے اسرائیل میرے بندے، اے یعقوب جسے میں نے پسند کیا، جو میرے دوست ابرہام کی نسل سے ہے" (یسعیاہ ۴۱: ۸) خَلِيْلًا۔ خلۃ کہتے ہیں محبت خالص کو اور خلیل دوست خالص کو۔ الخلۃ ھی المودۃ التی لیس فیھا خلل (بحر) محبۃ تامۃ لاخلل فیھا (تاج) قال الزجاج الخلیل ھو المحب الذی لاخلل فی محبتہ (تاج) سمی خلیلا لان اللہ احبہ واصطفاہ (معالم) قال ثعلب انما سمی الخلیل خلیلا لان محبتہ تتخلل القلب فلاتدع فیہ خللا الاملأتہ (قرطبی) خلت الٰہی سے مُراد ہے تقرب و مقبولیت کا اعلیٰ مقام۔

قرآن مجید نے ایک طرف تو ملّتِ ابراہیمی کی پیروی ضروری قرار دی اور دوسری طرف ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ اس میں صاف اشارہ یہ نکل آیا کہ اسی ملّت کی پیروی سے آج بھی کوئی نہ کوئی درجہ خلت کا حاصل ہوسکتا ہے۔ ٧٤٦ (اپنے علم و قدرت سے) لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ۔ میں بیان کیا گیا اللہ کے کمال قدرت و وسعتِ سلطنت کا اور كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطًا میں بیان آگیا اس کے کمالِ علم کا۔ یعنی چھوٹی بڑی کوئی سی شے کائنات میں نہ اُس کی ملک و سلطنت سے باہر ہے اور نہ اسکے احاطۂ علم سے۔ مشرکین کو علی العموم انہی دو صفاتِ باری (صفت علم و صفت ملک و قدرت) میں ٹھوکر لگی ہے۔ اس لئے انہی صفات کا اثبات قرآن مجید بار بار کرتا ہے۔ ٧٤٧ یعنی انکے مہر، میراث وغیرہ کے باب میں، اُن کے حقوق و فرائض کے بارہ میں۔ ای یطلبون منک تبیین المشکل من الاحکام فی النسآء ومما یجب لھن وعلیھن (روح) یہ سوال کرنے والے صحابی حضرات تھے۔ نزلت بسبب سوال قوم من الصحابۃ امر النساء واحکامھن فی المیراث وغیر ذٰلک (قرطبی) آیت کے مضمون کا ربط سورت کی ابتدائی آیتوں کے مضمون سے ہے۔ ھٰذہ الاٰیۃ مرجوع الی ما افتتحت بہ السورۃ من امر النساء (قرطبی) ٧٤٨ (جو پہلے مل چکا ہے) مثلاً یہ کہ عورتوں کو ترکہ سے محروم نہ رکھو۔ ایک بندھا ہُوا حِصّہ انہیں دو جو یتیم عورتیں تمہاری پرورش میں ہیں اُن کا نکاح کہیں اچھی جگہ دیکھ کر کردو، اگر اپنے ہی سے کرتے ہو تو اُن کا مہر پُورا ادا کرو۔ وقس علیٰ ہذا۔ ٧٤٩ یعنی اُن کا مہر یا ترکہ میں اُن کا حِصّہ۔ وقس علیٰ ہذا۔ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ۔ یعنی وہ آیتیں جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں۔ اشارہ جاہلیت کے ظالمانہ دستوروں کی جانب ہے کہ مثلاً یتیم عورتوں کے ساتھ معاملہ یہ رکھتے ہو کہ اگر وہ صاحبِ مال اور صاحبِ جمال ہوئیں تو ان سے عقد تو کر لیتے ہو لیکن اُن کے جو حقوق مقرر ہیں، وہ انہیں ادا نہیں کرتے ہو۔ یتیموں کے حقوق اور عورتوں کے حقوق آج معمولی سی بات معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ تو آج ہے ظہور اسلام کے ساڑھے تیرہ سو سال بعد۔ باقی اگر ان احکام کی اہمیت کا پورا اندازہ کرنا ہے تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم کر لیا جائے کہ چھٹی صدی عیسوی میں عرب کی خصوصاً اور ہندوستان، ایران، چین، یورپ کُل دنیا کی عموماً کیا حالت حقوقِ نسواں کے باب میں تھی۔ ٧٥٠ یعنی چونکہ وہ صاحبِ جمال نہیں، اسلئے اپنے عقد میں انہیں لینے سے گریز کر رہے ہو، اور ساتھ ہی چونکہ صاحبِ مال ہیں۔ اسلئے دوسری جگہ بھی انہیں نکاح نہیں کرنے دیتے ہو کہ اس طرح مال اپنے ہاتھ سے چلا جائیگا۔ تَرْغَبُوْنَ کے ساتھ اس کا صلہ عن یہاں مذکور نہیں لیکن اکثر ائمۂ تفسیر نے مقدر مانا ہے اور اسی لئے تفسیر بیزاری سے کی ہے۔ اور خود عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ترغبون عن نکاحھن (ابن عباسؓ) ای ترغبون عنھن (ابن جریر عن الحسن) ای وترغبون عن ان تنکحوھن ثم حذفت عن (قرطبی) وحدیث عائشۃؓ یقوی حذف عن (قرطبی) دُوسری تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مقدر بجائے عن کے فی یا الی کو مانا جائے اور معنیٰ یہ کئے جائیں کہ "تم رغبت تو اُن سے عقد کی رکھتے ہو اُن کے صاحبِ جمال ہونے کی بنا پر، لیکن اُن کے مہر پُورے نہیں دینا چاہتے ہو" اکابر کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ قال سعید بن جبیر ومجاھد ویرغب فی نکاحھا اذا کانت کثیرۃ المال (قرطبی) کشاف نے فی اور عن دونوں کے احتمالات نقل کر دیے ہیں، اور کبیر میں ابوعبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ معنیٰ رغبت اور بیزاری دونوں کے نکلتے ہیں۔ قال ابوعبیدۃ ھٰذا یحتمل الرغبۃ والنفرۃ۔ لب لباب دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے یعنی عورتوں کے باب میں عدم ادائے حقوق۔ ٧٥١ تقدیر کلام یُوں ہے:۔ يُفْتِيْكُمْ فی یتامی النساء وفی المستضعفین وفی ان تقوموا (مدارک) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ ساری آیاتِ احکام جو پہلے گزر چکی ہیں، بدستور واجب العمل ہیں۔ ان احکام میں کوئی ترمیم یا تنسیخ نہیں ہوئی ہے۔ یتیموں کی حق رسی، یتیم لڑکوں کے ساتھ حُسنِ سلوک، عورتوں کی مردوں کے ساتھ میں وجہ مساوات وغیرہ کے باب میں آیاتِ ذیل پہلے گزر چکی ہیں۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْۤ اَوْلَادِكُمْ الخ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى الخ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ الخ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا الخ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا۔

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۗ وَمَا يَعِدُهُمُ
کھلے ہوئے نقصان میں رہے گا ۷۳۸ (شیطان) اُن سے وعدے ہی کرتا اور ہوسیں ہی دلاتا رہتا ہے
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ
اور شیطان ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے کرتا ہے ۷۳۹ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ لوگ
عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل نیک کئے ہم انہیں
سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
عنقریب (بہشت کے) باغوں میں داخل کرینگے کہ اُن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی اُن میں ہمیشہ ہمیش
فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ
کو رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا
قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ
ہے ۷۴۰ نہ تمہاری تمناؤں پر ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر (بلکہ) جو کوئی بھی
مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
برائی کرے گا اُسے اس کا بدلہ دیا جائیگا ۷۴۱ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے نہ کوئی دوست
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ
پائیگا نہ مددگار اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ) مرد ہو
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل ہوں گے ۷۴۲

۷۳۸ شیطان کا دوست بنانا یہی ہے کہ احکام شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ طور طریقوں کو اختیار کیا جائے اور مخلوق کے چلائے ہوئے رسم و رواج کو دلیل راہ بنایا جائے۔

۷۳۹ چنانچہ ان وعدوں کی بے حقیقتی اکثر تو اسی دنیا میں روشن ہو کر رہتی ہے ورنہ موت کے وقت تو بہر صورت کھلتی ہی ہے۔ يَعِدُهُمْ شیطانی وعدے مثلاً یہ کہ حشر نشر، حساب کتاب کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے یہی مادی دنیا ہے۔ عقل جزوی ہی سب سے بڑا معیار اور آخری معیار ہے۔ وحی الٰہی محض وہم ہے۔ مادہ کی قوتیں، اور قوانین ہی سب کچھ ہیں۔ اُن کے اوپر کوئی مشیت اعلیٰ حاکم نہیں۔ وقس علی ہذا۔ يُمَنِّيْهِمْ شیطانی جذبات مثلاً یہ کہ فحش کاری میں کوئی عیب و ہرج نہیں۔ شراب صحت کے لئے ضروری ہے۔ قانونِ حجاب ترقی کی راہ میں حائل ہے۔

۷۴۰ دائمی راحت کی زندگی صرف قرآن اور شریعت کے اتباع سے ممکن ہے۔

۷۴۱ (اس برائی کے تناسب اور اس شخص کے مناسب حال) یہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ مدار کار طاعت ہے محض آرزوئیں اور خوش خیالیاں لاشیٔ محض ہیں خواہ وہ کسی کی بھی ہوں۔ سُوْۗءًا کے معنی یہاں شرک کے بھی کئے گئے ہیں لیکن جمہور مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے قال الجمهور لفظ الاٰية عام و الكافر والمؤمن مجاز بعمله السوء (قرطبی)

۷۴۲ (کہ اُن کی کوئی نیکی لکھنے سے جزءً یا کلاً رہ جائے) وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان کی قید بہت ضروری ہے۔ ہر عمل کے واقعۃً صالح ہونے کیلئے لازم ہے کہ محرک عمل بھی صحیح ہو۔ ریا، نمائش یا وہم پرستی مقصود نہ ہو۔ اسی اخلاص نیت کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے۔ اور بغیر اخلاص نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں اسکے بغیر عمل صالح صرف صورۃً ہی صالح ہوگا حقیقت صالحیت سے خالی ــــــ یہیں سے اس بحث کا بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے جو بعض سطحی دماغ والوں نے آج کل پیدا کر رکھی ہے یعنی آیا کافروں کے اعمالِ صالحہ قبول ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ بغیر اخلاص نیت یا ایمان کے کسی عمل پر عمل صالح کا اطلاق ہی درست نہیں، تو اس کے اجر کا کیا سوال ہے۔ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ کے بعد وَهُوَ مُؤْمِنٌ کے اضافہ نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ ایمان اور عمل صالح دو الگ الگ چیزیں ہیں، باہم مرادف نہیں۔ فيه اشارة الى ان الاعمال ليست من الايمان (مدارک)، مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس میں تردید آگئی ان تمام جاہلی مذہبوں کی جو حسن عمل کے باوجود عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر ثمرۂ حسنِ عمل سے محروم ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ اسلام میں عورت کو اُس کی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر سے محروم نہیں کیا ہے۔ نَقِيْرًا پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ
اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی راستہ کی) پیروی کرے گا ہم اُسے کرنے دینگے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر

جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ
ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے ۷۲۹ اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے یقیناً اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے

يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ
ساتھ شرک کیا جائے اور اسکے سوا اور گناہوں کی بخش دیگا جس کیلئے منظور ہوگا اور جو کوئی اللہ کے

يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِنْ يَدْعُونَ
ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً بڑی دُور کی گمراہی میں پڑ گیا ۷۳۰ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے بھی ہیں

مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾
تو بس زنانی چیزوں کو ۷۳۱ اور یہ لوگ پکارتے بھی ہیں تو بس شیطان سرکش کو ۷۳۲ اُس پر

لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا
لعنت کی ہے اللہ نے ۷۳۳ اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں اپنا مقرر حصہ لے کر

مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ
رہوں گا ۷۳۴ اور میں انہیں گمراہ کر کے رہونگا اور ان میں ہوس پیدا کر کے رہونگا ۷۳۵ چنانچہ وہ

فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ
چوپایوں کے کانوں کو تراشیں گے ۷۳۶ اور انہیں حکم دونگا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی

اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ
کرینگے ۷۳۷ اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے گا وہ یقیناً

ع ۳ ۱۷ ۱۴

وقف لازم

منزل

۷۲۹ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ ۔ اسے صاف کر دیا کہ آیت میں بیان مُرتدوں کے خصائل رذیلہ کا ہو رہا ہے۔ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ ۔ یعنی ہم اُسے اسی طریق پر چھوڑے رکھتے ہیں اپنے قانون مشیتِ تکوینی کے موافق۔ مقصود یہ ہے کہ جبر و اکراہ سے کسی کو راہِ حق کے قبول کرنے اور ماننے پر مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ وضوحِ حق کے بعد جو بدبخت اپنی کجروی پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ اسی پر اُسے قائم رہنے دیا جاتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ۔ اس اتباع کا تعلق اُمورِ دین سے ہے۔ يَتَّبِعْ .... جَهَنَّمَ ۔ آیت کے اس جزو سے فقہاء کو ایک بہت بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ اور اس کو انہوں نے اجماعِ اُمّت کے حجّتِ شرعی ہونے کا مبنیٰ قرار دیا ہے۔ اور تقریرِ استدلال یہ ہے کہ طریقِ مومنین سے الگ ہونا جب حرام اور مستحقِ جہنم ٹھیرا تو لازمی ہے کہ اس کا عکس یعنی اتباعِ طریقِ مومنین واجب ہو۔ اور اس کی مخالفت بھی کتاب و سنت کی مخالفت کے بعد ناجائز ٹھہرے اور یہاں قرآن مجید نے عدمِ اتباعِ طریقِ مومنین کو مخالفتِ رسول کے ساتھ جمع کر کے فرمایا ہے۔ هو دليل على ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها كما لا تجوز مخالفة الكتاب والسنة لان الله تعالىٰ جمع بين اتباع غير سبيل المومنين وبين مشاقة الرسول فى الشرط وجعل جزاءه الوعيد الشديد فكان اتباعهم واجبا كموالاة الرسول (مدارک) وقرن اتباع غير سبيل المومنين الى مباينة الرسول فى ما ذكره من الوعيد فدل على صحة اجماع الامة لالحاقه الوعيد بمن اتبع غير سبيلهم (جصاص) وتقرير الاستدلال ان اتباع غير سبيل المومنين حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المومنين واجبا (كبير) وهو من احسن الاستنباطات واقواها (ابن كثير) ۷۳۰ (ایسا کہ اب حق کی طرف اُس کی مراجعت ممکن نہیں) أَنْ يُشْرَكَ بِهِ ۔ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ ۔ شرک ضد ہے توحید کی۔ اور جس طرح توحید اصل اصول ہے تمام ممکن بھلائیوں اور نیکیوں کی، اسی طرح شرک اصلی بنیاد ہے ساری شرآبیوں اور برائیوں کی اس لئے اور کسی معصیت پر شرک کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ راہرو کا رُخ اگر منزلِ مقصود کی طرف ہو تو گرتا پڑتا، وقت ضائع کرتا کبھی نہ کبھی منزل تک پہنچ ہی جائیگا۔ لیکن اگر رُخ ہی غلط ہے تو ظاہر ہے کہ ہر قدم اُسے منزل سے دُور تر ہی کرتا رہیگا اور قیامت تک بھی اگر چلتا رہے تو منزل تک نہ پہنچ سکے گا۔ مشرک قبولِ رحمت کی ساری صلاحیتوں و استعدادوں ہی کو سوخت کر دیتا ہے اسلئے وہ آخرت کی کسی نعمت، کسی لذت، کسی راحت کے قابل ہی نہیں رہ جاتا۔ ملاحظہ ہوں اس سورت کی آیت ۴۹ کے حاشیہ ۵۵۳ آیت میں خوارج کے اس عقیدہ کا بھی رَدّ آگیا کہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ فيه رد على الخوارج حيث زعموا ان مرتكب الكبيرة كافر (قرطبی)

۷۳۱ مشرک قوموں کی دیومالا (میتالوجی) میں ہمیشہ دیویوں دیوتاؤں کی ایک بڑی اور اہم تعداد رہی ہے۔ ہندوؤں میں دُرگا دیوی، کالی مائی لکشمی جی، سرسوتی دیوی کے نام ایک ایک کی زبان پر ہیں عرب جاہلی میں یہ دیوی پرستی اور زیادہ زور کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی جاہلی معبودوں کے سلسلہ میں صراحت جن ناموں کی آئی ہے وہ دیویوں ہی کے ہیں یعنی لات، منات اور عُزّٰی، ملاحظہ حاشیہ تفسیر انگریزی۔ إِنَاثًا ۔ لغت میں اس کے ایک معنیٰ دیوی، کمزور اور ضعیف العمل چیزوں کے بھی آتے ہیں۔ قيل لما يضعف عمله انثى (راغب) پھر چونکہ جمادات تمامتر انفعالیت کے مظہر ہوتے ہیں اور پتھر کے بُت یا مورتیاں انہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں نہ جان ہوتی ہے اور نہ کوئی قوتِ فاعلی۔ اسلئے لغت نے لفظ اناث کا مجازی استعمال ان کے لئے بھی جائز رکھا ہے۔ لما كانت معبوداتهم من جملة الجمادات التى هى منفعلة غير فاعلة سمّاها الله تعالىٰ انثىٰ (راغب) من كل شئ اخسته (ابن جریر) چنانچہ اکابرِ تفسیر میں سے بھی بہت سے اسی طرف گئے ہیں۔ اى اصناما بلا روح (ابن عباسؓ) ميتا لا روح فيه (ابن جریر عن قتادہ) ۷۳۲ یہ مشرکوں کی حماقت کو واضح کیا ہے کہ ان بُتوں اور دیویوں کو پُکارنا عین شیطان کو پُکارنا ہے۔ ۷۳۳ (اور لعنت کی باعث اُس کی یہی سرکشی اور بے حکمی ہوئی ہے) ۷۳۴ یہ بنی آدم کو وضاحت سے بتا دیا ہے کہ شیطان تو اُن کا پُرانا دشمن اور بدخواہ ہے۔ لَأَتَّخِذَنَّ ...... نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۔ یعنی اپنی راہ پر لگا کر رہونگا۔ ۷۳۵ یعنی اُن کے عقائد اور بنیادی خیالات کو بھی ڈگمگا دُونگا۔ اور انکے نفسانی جذبات اور خواہشات کو بھی اُبھار دونگا۔ گمراہیاں دو ہی طریقوں سے آ سکتی ہیں اور انسان شیطانی اثر دو ہی شکلوں سے قبول کر سکتا ہے۔ ایک عقل و فکر کی راہ ہے۔ دوسرے جذبات اور احساسات کا راستہ ہے۔ قرآن مجید کے دو جامع لفظوں نے ان سب کا احاطہ کر لیا۔ ضلال کے تحت میں ہر قسم کی عقلی فکری۔ نظری گمراہیاں آگئیں اور تمنّی کے تحت میں معاصی و فواحش کی جانب میلان اور نظر سے ان کی مضرتوں کا غائب ہو جانا آگیا۔ ۷۳۶ (بتوں کے نام پر) عرب جاہلیت کے ایک خاص دستور کی طرف اشارہ ہے۔ کان کے پیچھے جو غدود ہوتے ہیں، وہ غدود بندروں کے کاٹ کاٹ کر انسان کے جسم میں ان کی تقلیم کی ہوا جو اس زمانہ میں چلنی شروع ہوئی ہے۔ اور عجب نہیں کہ کل بندروں سے گزر کر دوسرے جانوروں اور چوپایوں تک پہنچ جائے۔ ادھر اگر فاطرِ کائنات کے کلام میں اشارہ ہے تو کچھ عجب نہیں۔ ۷۳۷ تغییر خلق اللہ کی دو بڑی تقسیمیں ہو سکتی ہیں، ایک خلقِ تکوینی میں تغییر، دوسرے خلقِ تشریعی میں تغییر۔ قدیم مفسّرین نے تغییرِ خلقِ تکوینی کی مثال میں داڑھی منڈانے اور جسم گدانے کو پیش کیا ہے۔ لیکن جاہلیت جدید کی ترقیوں نے ان سے کہیں بڑھ بڑھ کر مثالیں نہ صرف ایجاد کر لی ہیں بلکہ انہیں پھیلا کر فیشن میں داخل کر دیا ہے۔ مثلاً مردوں کا چہرہ کے بال بالکل صاف کر کے اور طرح طرح کی نزاکتیں اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک عورت بن جانا۔ عورتوں کا سر کے بال کٹا کر اور مردانہ وضع و لباس اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک مرد بن جانا، ایسے اپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے یعنی عورت مرد بن جائے اور مرد عورت ہو جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔ خلق تشریعی میں تغییر کے معنیٰ دین اور احکام دین تحریف کر دینا ہے۔ قيل معناه بغيرون حكمه (راغب) ابن جریر نے خلق اللہ کے معنیٰ دین اللہ کے ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد تابعی اور عکرمہ تابعی سے نقل کئے ہیں اور دوسروں نے بھی یہی معنیٰ لئے ہیں۔ اى دينه بالكفر واحلال ما حرم وتحريم ما احل (جلالین) قال معناه ابن عباس وعن عكرمة وابو صالح وذلك كله تعذيب للحيوان وتحريم وتحليل بالطغيان وقوله بغير حجة ولا برهان (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آفتاب پرستی، آتش پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی وغیرہ سب اسی تغییر خلق اللہ کی صورتیں ہیں کہ مشرک ان سے وہ کام لے رہا ہے جس کے لئے ان کی خلقت ہوئی ہی نہ تھی۔ (قرطبی)

۴۲۳ (اور اپنے جرم کو کئی گنا بڑھا دیا) توبہ نہ کرنا اپنی جگہ پر نادم و منفعل نہ ہونا، تلافی و کفارہ اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا یہ جرائم بجائے خود ! کیا کم ہیں۔ چہ جائیکہ اپنا گناہ اُلٹا کسی بے گناہ کے سر تھوپ دیا جائے۔ قرآنی اخلاقیات میں یہ جُرم ضمیر و اخلاق کی انتہائی پستی کا نمونہ ہے اور اس لئے لازمی طور پر اس پر گرفت بھی سخت رکھی گئی ہے۔ خَطِيْٓـئَةً۔ وہ چھوٹا گناہ ہے جس میں قصد و تعمد لازمی نہیں یا وہ گناہ ہے جو صرف خدا اور بندہ کے درمیان ہو۔ الخطيئة قد تكون من قبل العمد وغير العمد (ابن جریر) ای صغيرة اوما لاعمد فيه من الذنوب (روح) ذنب بينه وبين ربه (مدارک) اِثْمًا۔ وہ بڑا گناہ ہے جس میں قصد و تعمّد لازمی طور پر ہو۔ یا جو بندوں کا گناہ ہو۔ الاثم لا يكون الا من العمد (ابن جریر) اوكبيرة او ما لا يكون من العمد (روح) ذنب في مظالم العباد (مدارک) ۴۲۴ یعنی اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب ہونا تو اُن کے لئے ممکن نہیں۔ البتہ اس سعی سے اپنے ہی کو یہ مستحق عقوبت بنا رہے ہیں۔ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ۔ اللہ کا فضل و کرم تو آپؐ پر عموماً اور ہر حال میں تھا لیکن اس خاص قضیہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ظہور رہا۔ اَنْ يُّضِلُّوْكَ۔ یعنی آپ کو غلطی اور دھوکے میں مبتلا کر کے آپ سے غلط فیصلہ حاصل کرلیں۔ ان يخطئوك عن الحكم (ابن عباسؓ) اى بان يضلوك عن القضاء بالحق (روح) ۴۲۵ (احکام دین و قضایا کے باب میں) یعنی شیطان اور اس کے چیلوں

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ

بڑا بہتان اور کھلا ہوا گناہ اپنے سر لے لیا ۴۲۳ اور اگر آپ پر اللہ کا فضل (خاص) اور رحمت

رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا

نہ ہوتی تو اُن میں سے ایک گروہ نے تو تہیہ ہی کر لیا تھا کہ آپ کو بھٹکا کر رہیں گے حالانکہ یہ بس

يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ

اپنے ہی آپ کو بھٹکا کر رہتے ہیں اور آپ کو کسی چیز میں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ۴۲۴

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھا دیا ہے جو

تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ

آپ نہیں جانتے تھے ۴۲۵ اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے ۴۲۶ سرگوشیاں بہت سی

فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

ایسی ہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں ہاں البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے یا کسی

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ

اور نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی ۴۲۷ اور جو کوئی

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ایسا کرے گا ۴۲۸ سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم دیں گے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى

اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر (راہ) ہدایت کھل چکی رسولؐ کی مخالفت کرے گا

ع ۸ ۱۶ ۱۳

الثلثة

(منافقین) کو یہ قوت نہیں دی گئی ہے کہ وہ (آپؐ کو دین کے کسی شعبہ میں کچھ بھی مغالطہ میں ڈال سکیں۔ ۴۲۶ یہ کتاب کا نزول، حکمت کا نزول، علوم خاصہ کی تعلیم یہ سب اسی فضلِ عظیم کے شواہد ہیں اور اللہ کا فضل جس پر عظیم ہو اس پر کس کا قابو چل سکتا ہے؟ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ اور اس کتاب ہی کے ذریعہ سے منافقین کی معاندانہ روش کا پردہ بھی چاک کیا گیا۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ یعنی جو علوم عالیہ آپ پر قبل نبوت و نزول قرآن منکشف نہ تھے۔ اب سب منکشف ہو گئے۔

۴۲۷ (اور ان اغراض کے لئے خفیہ گفتگو اور سرگوشی کی ضرورت پڑ جائے تو اس میں البتہ کوئی ہرج نہیں، بلکہ ایسے موقع پر خیر و برکت ہوگی) نَجْوٰىهُمْ میں ضمیر ھم مطلق انسان کی جانب ہے۔ ای نجوى الناس جميعا (ابن جریر) يعنى كلام الناس (ابن کثیر) المراد لا خير في ما يتناجى فيه ۴۲۸ (نہ کہ اپنے ذاتی دنیوی اغراض کے لئے) اخلاص نیت اور حصول رضاء الٰہی کی شرط ہر اہم موقع کے لئے یہاں بھی لگی ہوئی ہے۔

۷۱۹ے (اُس کے احاطۂ علم سے کون سی کارروائی مخفی سے مخفی بھی باہر رہ سکتی ہے ؟) اس حقیقت کا استحضار ہر جُرم ، ہر معصیت سے باز رکھنے کو کافی ہے۔ يَسْتَخْفُوْنَ
مِنَ النَّاسِ ۔ یعنی خلق کے سامنے ذلّت ورسوائی سے شرماتے ہیں۔ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کے حضور میں بطور مجرم پیش ہونے سے نہیں شرماتے ہیں۔
اِذْ يُبَيِّتُوْنَ ... ... الْقَوْلِ ۔ اشارہ ہے اس طرف کہ اس خاص معاملہ میں رات کو باہم رازدارانہ مشورہ ہُوا تھا کہ صبح کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں گفتگو اسی
طریقہ پر کی جائے گی۔ وَهُوَ
مَعَهُمْ معتزلہ ، قدریہ ، جہمیہ ،
وغیرہ نے اس قسم کی آیتوں سے
حق تعالیٰ کی معیت مکانی پر
استدلال کیا ہے۔ قال
الجهمية والقدرية والمعتزلة
هو بكل مكان تمسكا بهٰذه
الاية وما كان مثلها (قرطبی)
لیکن اہلِ سنّت اسے شانِ تنزیہی
کے منافی سمجھتے ہیں اور انہوں نے
مُراد صرف معیّتِ علمی لی ہے۔
اى بالعلم والرؤية والسمع
هٰذا قول اهل السنة (قرطبی)
يريد بالعلم والقدرة والرؤية
(کبیر) ۷۲۰ے اس حقیقتِ
کُبریٰ کو یاد دلایا ہے کہ اصل شَے
اور جوابدہی تو عدالت آخرت
ہی کی ہے ۔ یہاں کسی طرح اگر
بات بنا بھی لی گئی تو کیا ہوتا ہے
مومن کے لئے اصل خوف کی
چیز تو وہی آخرت کی عدالت ہے
جہاں کسی قسم کی بھی تلبیس کی گنجائش نہیں
هَاَنْتُمْ ۔ خطاب ہے مجرم
کی برادری اور محلہ والوں کی طرف
جنہوں نے سازش کرکے مجُرم
کی پُشت پناہی کی تھی۔
۷۲۱ے اُوپر کی وعیدی وانذاری
آیتوں کے بعد گنہگاروں اور
کمزور ایمان والوں کے لئے یہ کیسی حکیمانہ اور مناسب حال دلدہی ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا ۔ متعدّی بُرائی مراد ہے یعنی کسی دُوسرے کے ساتھ برائی کی جائے مثلاً
ظلم ، دغا ، سُود خواری ، رشوت ستانی وغیرہا۔ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ۔ وہ برائی جو خود اپنے ہی حق میں کی جائے ۔ مثلاً ترک نماز ، شراب خواری وغیرہا۔ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ
یہ استغفار قواعد شرعی کے مطابق ہونا چاہیئے ۔ ۷۲۲ے علیم کُل ہونے کی حیثیت سے وہ سب کے چھوٹے بڑے گناہوں سے باخبر ہے۔ حکیم ہونے کے اعتبار سے
وہ جزا وسزا سب کے مناسب حال ہی تجویز کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ یعنی گناہ کا ضرر ووبال خود اسی کو بھگتنا ہوگا۔ اسلئے توبہ واستغفار ، تدارک و
تلافی لازمی ہے۔

مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝١٠٧ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
جو بڑا خائن اور گنہگار ہو ۷۱۹ے یہ لوگ آدمیوں سے شرماتے ہیں اور
يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى
اللہ سے نہیں شرماتے درآنحالیکہ وہ اُن کے ساتھ اُس وقت بھی رہتا ہے جب وہ
مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝١٠٨ هٰٓاَنْتُمْ
رات میں اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اُسے پسند نہیں ۔ اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اُس کا احاطہ کئے ہوئے ہے
هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ
تم لوگوں نے دنیوی زندگی میں تو اُن کی طرف سے وکالت کرلی لیکن قیامت کے دن اُنکی
اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝١٠٩
طرف سے اللہ کے سامنے کون وکالت کرے گا یا کون ان کا کام بنانے والا ہوگا ۷۲۰ے
وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ
اور جو کوئی بھی بُرائی کرے یا اپنی جان پر زیادتی کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے
يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١١٠ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا
تو وہ اللہ کو بڑا مغفرت والا بڑی رحمت والا پائیگا ۷۲۱ے اور جو کوئی کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا
يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا ۝١١١ وَمَنْ
ارتکاب اپنی ہی جان کے خلاف کرتا ہے ، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۷۲۲ے اور جو کوئی
يَّكْسِبْ خَطِيْۗــــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ
کسی قصور یا گناہ کا ارتکاب کرے پھر اسکی تہمت کسی بےگناہ پر لگادے تو درحقیقت اُس نے ایک

وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ
اور لیٹے ف۷۰۸ اور پھر جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کی اقامت کرو ف۷۰۹
اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾
بیشک نماز تو ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے ف۷۱۰
وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ
اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو ف۷۱۱ اگر تمہیں دکھ پہنچا تو وہ بھی تو
فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا
دکھ اٹھائے ہوئے ہیں، جیسے تم دکھ اٹھائے ہوئے ہو، اور تم اللہ سے وہ امید لگائے ہوئے
۱۵ ع ۱۲ لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ
ہو جو وہ نہیں رکھتے ف۷۱۲ اور اللہ تو ہے ہی بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ف۷۱۳ یقیناً ہم نے
اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ
آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اس کے مطابق کریں جو اللہ نے
اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ
آپ کو سمجھا دیا ہے ف۷۱۴ اور (اے) خائنوں کے طرفدار نہ ہو جائیے ف۷۱۵ اور آپ اس سے مغفرت
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ
چاہیے، بیشک اللہ بڑا ہی مغفرت والا ہے بڑا ہی رحیم ہے ف۷۱۶ اور ان لوگوں کی طرف سے
عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
وکالت نہ کیجیے جو اپنے حق میں خیانت کرتے رہے ہیں ف۷۱۷ اللہ کسی ایسے شخص کو نہیں چاہتا

ف۷۰۸ (غرض ہر صورت حال کے مناسب) علی ای حال کنتم (قرطبی) عَلٰی جُنُوْبِهِمْ کے لفظی معنی ہیں، اپنے پہلوؤں پر۔ یا اپنی کروٹوں پر، اردو محاورہ میں مراد لیٹنے سے ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تخفیف نماز میں تو یہ ہو گئی۔ باقی ذکر الٰہی میں کوئی تخفیف نہیں۔ اور راسی لئے ہے۔ یہاں تک کہ عین قتال کے وقت بھی ذکر الٰہی دل سے تو جاری ہی رہ سکتا ہے محققین نے کہا ہے کہ احکام شریعت کا اتباع بجائے خود ذکر الٰہی ہے۔ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ۔ الصلوٰة سے یہاں مُراد وہی نماز خوف ہے جس کی ایک ہیئت مخصوص ہو عام نمازی ہیئت سے ہٹی ہوئی۔ اس نماز کے لئے لفظ قضیتم ارشاد فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ بظاہر نامکمل، ناتمام نماز بھی عند اللہ ادا ہو جاتی ہے۔ ف۷۰۹ (اصل قاعدہ کے مطابق اور پورے شرائط کے ساتھ) اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ۔ صلوٰة اصلی کے لئے یہاں لفظ اقامت استعمال کرنا اس کی دلیل ہے کہ اقامت صلوٰة سے مُراد نماز کا اس کے جملہ شرائط ہی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ یعنی سفر اور خوف کی حالتیں ختم ہو جائیں۔ ف۷۱۰ یہاں نماز کی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ علاوہ فرض ہونے (کتابًا) کے، پابندیٔ وقت کے لحاظ سے فرض ہے۔ مَوْقُوْتًا۔ اس لئے سوا حالت معذوری کے، اُسے وقت سے ہٹا دینا جائز نہ ہوگا۔ موقوتًا ای عددًا الاوقات لایجوز اخراجها من اوقاتها فی شئ من الاحوال (روح) مفسر تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ فرض ہونے کی وجہ سے اُس کا ادا کرنا ضرور ہے اور موقت ہونے کی وجہ سے وقت پر ہی ادا کرنا ضرور۔ اسلئے مخصوص حالات میں اس کی ہیئت کچھ کچھ تبدیل کر دی گئی تھی۔ جب وہ عارض دُور ہو گیا تو اس کی اصل ہیئت واجب الحفظ ہو گئی۔ ف۷۱۱ (جب تعاقب کی ضرورت آپڑے) روایتوں میں آتا ہے کہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کا ذکر غزوۂ اُحد کے سلسلہ میں سورۂ آل عمران رکوع ۱۸ میں آچکا ہے۔ آیت الذین استجابوا للّٰہ والرسول کے ماتحت۔ ف۷۱۲ یعنی اجر آخرت کی۔ جس کے مقابل کوئی چیز منکروں کے پاس نہیں۔ تو قوت قلب کے لحاظ سے تم ان سے کہیں بڑھے چڑھے رہے۔ دنیوی فتحمندیوں اور کامیابیوں کی پیش گوئیاں بھی اس کے تحت میں آسکتی ہیں۔ ف۷۱۳ چنانچہ علیم کل ہونے کی بنا پر اس پر اعداء دین کا ضعف جسم و ضعفِ قلب خوب روشن ہے اور حکیم مطلق ہونے کی بنا پر اُس نے تمہاری قوتِ تحمل سے زیادہ تمہیں کوئی حکم نہیں دیا۔ ف۷۱۴ (اسی قرآن کے ذریعہ سے) اَرٰىكَ۔ یہاں بتا دیا، سمجھا دیا، سکھا دیا کے مفہوم میں ہے۔ بما اراك الله ای بما علمك (راغب) بما علمك الله فی القرآن (ابن عباسؓ) بِالْحَقِّ۔ یعنی قانونِ عدل کے مطابق۔ آیت اس باب میں صریح ہے کہ فیصلہ جو کچھ بھی کئے جائیں قرآن ہی کے مطابق و ماتحت کئے جائیں نہ کہ اپنے ہوائے نفس کے موافق یا کسی انسانی دماغ کے گڑھے ہوئے آئین و دستور کے ماتحت آیت کا پس منظر یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنو اُبَیرق کے ایک گھرانے میں تین بھائی بشیر، بشر اور مُبشر مسلمان تھے اور ان کا ایک بھائی بُشَیر منافق تھا۔ ایک مرتبہ چور حضرت رفاعہ بن زید انصاریؓ کے گھر میں نقب لگا کر ان کے ہتھیار اور میدے کی ایک بوری لے گئے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ بُشَیر منافق اور اس کے بدمعاش ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ حضرت رفاعہؓ نے اپنے برادر زادہ جناب قتادہ بن نعمان سے کہا کہ تم آستانِ نبوت میں جا کر واقعہ بیان کرو تو عجب نہیں کہ ہمارا مال مل جائے۔ انہوں نے جا کر سارا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ جب بُشَیر کے اقرباء نے سُنا کہ نبی علیہ السّلام کے پاس استغاثہ ہوا تو وہ آ کر کہنے لگے یا رسُول اللہ! قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا رفاعہ ہمارے آدمی پر جو مسلمان ہو چکا ہے ناحق چوری کی تہمت لگاتے ہیں۔" اس کے بعد قتادہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا تم ایسے شخص پر بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگاتے ہو جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہے؟ یہ سُن کر قتادہؓ کے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش میں نے آپ سے چوری کی شکایت نہ کی ہوتی، تھوڑی دیر گزری تھی کہ خالق کردگار نے اپنے رسُولؐ پاک پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن) ف۷۱۵ خائنوں سے بنو اُبَیرق مراد ہیں جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو بنو اُبَیرق نے بُشَیر اور اس کے ساتھیوں کو مجبور کر کے چوری کا مال برآمد کر لیا اور تمام اسلحہ نبی (صلعم) کے پاس بھجوا دیئے بُشَیر نفاق کا لباس فریب اتار کر علانیہ مشرکوں سے جا ملا۔ (ترمذی) ف۷۱۶ یہ استغفار کا حکم رسُولؐ کو کس کیلئے مل رہا ہے؟ اپنے حق میں یا اُمت کے حق میں۔ بظاہر یہ حکم استغفار اُن لوگوں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، جو برادری کے خیال سے اس مجرم منافق کے حق میں ساعی اور سفارشی تھے اور قرآن مجید میں اس اسلوب بیان کی مثالیں اور جگہوں پر بھی ملتی ہیں۔ مثلاً یاایها النبی اتق الله یا وان کنت فی شك وغیرھا۔ چنانچہ اہل تفسیر کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے۔ قیل الخطاب للنبی صلعم المراد بنو اُبیرق (قرطبی) والمعنی استغفر الله للمذنبین من امتك والمتخاصمین بالباطل (قرطبی) یحتمل ان یکون المراد واستغفروا الله لاولٓئك الذین یذبون عن طعمة ویریدون ان یظهروا براءته عن السرقة (کبیر) لیکن اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اے پیمبر آپ اپنے حق میں مغفرت طلب کیجیے تو اس سے اشارہ آپکے صرف اس میلانِ طبع کی جانب ہے کہ آپ نے بنو اُبیرق کی شکایت پر حضرت قتادہ بن نعمانؓ سے اظہار ناراضی فرمایا۔ یہ میلانِ طبع ظاہر ہے کہ معصیت کبیرہ کیا معنی صغیرہ کا بھی درجہ نہیں رکھتا لیکن پیمبر تقویٰ اور طہارتِ قلب کے جس بلند ترین مقام پر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس قدر ارادہ اور میلان طبع بھی قابل استغفار قرار پایا۔ ف۷۱۷ (یہ ہدایت آیندہ کے لئے ہے۔ جیسا کہ اب تک بھی آپ نے پیش کیا ہے) ف۷۱۸ خوّان اور اثیم کے لانے سے یہ مقصود نہیں کہ جو کم درجہ کے خائن اور گنہگار ہیں وہ اللہ کی نظر میں غیر مجبوب نہیں۔ بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ منافق کی برادری کے جن لوگوں نے اُسے مجرم جان کر بھی خواہ مخواہ حق پوشی اور باطل کوشی کی، وہ خائن اور گنہگار بڑے درجہ کے تھے الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ خیانت کا ضرر و وبال بالآخر خود خائن ہی کو بھگتنا پڑتا ہے اس لئے خیانت کو خیانتِ نفس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جعلت خیانة الغیر خیانة لانفسهم لان وبالها وضررها عائد علیهم (روح)

٧٠٥ فقہار نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ عین عبادت منصوص کی حالت میں بھی اسباب و انتظام پر نظر رکھنا اولیٰ ہے۔ فَإِذَا سَجَدُوا۔ یعنی پہلا گروہ ایک رکعت تمام کرلے۔ فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ۔ یعنی پہلے گروہ والے تمہارے پاس سے ہٹ کر دشمن کے مقابلہ میں آجائیں۔ وَلْتَأْتِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لَمْ يُصَلُّوا یعنی وہ لوگ جنھوں نے ابھی نماز شروع بھی نہیں کی ہے اور ابھی تک وہ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے وہ اب پہلے گروہ کی جگہ پر آجائیں۔ فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ۔ یعنی نماز کی جو رکعت ابھی امام کے لئے باقی ہے، اُس میں آکر اُس کے شریک ہوجائیں۔

٧٠٦ کیا ٹھکانا ہے ہماری شریعت کی پیدا کی ہوئی اس چستی، مستعدی، ہر چستی اور ہمہ وقتی بیداری کا، دشمن سامنے ہے، قتل و خون کا بازار گرم ہے۔ جان کا سودا ہو رہا ہے۔ عین اُس وقت نماز بھی ہوئے جائے اور ہتھیار بھی برابر ساتھ رہیں۔ سُستی کاہلی، غفلت، آرام طلبی کہیں شریعتِ اسلامی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں؟ ٧٠٧ نماز خوف کی جو صورتیں یہاں ارشاد ہوئی ہیں، وہ سب اس وقت کے لئے ہیں جب سب سپاہی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور حضور صلعم کی موجودگی میں سب کا آپؐ ہی کے پیچھے پڑھنے پر حریص ہونا بالکل قدرتی تھا لیکن جب امام ہی دو یا زائد ہوں تو پھر ان انتظامات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فقہار نے لکھا ہے کہ خوف کی بھی دو حالتیں ہیں اور دونوں کے حکم الگ الگ ہیں:- (١) ایک یہ کہ عین معرکۂ قتال گرم ہو اور جماعت کا اہتمام ہی سرے سے نہ بن پڑے ایسی حالت میں نماز جماعت اُڑا دی جائے گی اور اس کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ٢٣٩ میں موجود ہے۔ شدتِ خوف کی حالت میں نماز الگ الگ پڑھی جائے گی۔ سوار یا پیادہ ہر حال میں جائز ہے۔ رکوع و سجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے۔ استقبال قبلہ ہی ضروری نہ رہے گا۔ (٢) دوسرے یہ کہ ہو تو میدانِ جنگ میں، لیکن قتال ابھی شروع نہ ہوا ہو۔ اور نماز جماعت کا موقع ہو، جیسا کہ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ اس آیت میں جن انتظامات کی ہدایت ہوئی ہے وہ اسی صورت حال سے متعلق ہے۔

فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ
پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو اب چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ
طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ
جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آجائیں اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور
وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ
یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں ٧٠٦ کافروں کی تو خواہش ہی یہ ہے کہ تم
كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ
اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو یہ لوگ تمہارے اوپر
فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ
یک بارگی ہی ٹوٹ پڑیں ٧٠٧ اور تمہارے لئے
عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم
اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش سے تکلیف ہو رہی ہو یا تم بیمار
مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ
ہو تو اپنے ہتھیار اتار رکھو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو ٧٠٨
إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا
بیشک اللہ نے کافروں کے لئے ایک رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم
قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
(اس) نماز کو ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جانا کھڑے اور بیٹھے

اور نہ کسی دارالاسلام کا پتہ نشان انہیں مل رہا ہو۔ ای لا یجدون اسباب الھجرۃ ومبدءیھا ولا یعرفون طریق الموضع المھاجر الیہ (روح) حِیۡلَۃً۔ عربی میں تدبیر کے لئے عام ہے۔ اردو کے "حیلہ" کے مُرادف نہیں۔
۶۹۹ عفو کا تعلق ماضی سے ہے اور غفر کا مستقبل سے یعنی ان کی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا ہے اور آیندہ ان کے حق میں مغفرت کرنے والا ہے۔ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡھُمۡ۔ یعنی اُن سے یہ فریضۂ ہجرت سرے ساقط ہی کر دیا جائے۔ عَسَى اللّٰهُ۔ عسٰی سے متعلق اُوپر ذکر گزر چکا ہے کہ جب اس کے فعل کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے تو مُراد محض توقع یا اُمید نہیں رہ جاتی ہے بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ وعسٰی ان کان للاطماع فھو من اللہ واجب (مدارک) مفسر تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ عدم ہجرت کا گناہ فی الاصل اس قدر سخت ہے کہ غفورًا لا کر ادھر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ باوجود عذر موجود ہونے اور اس لئے گناہ نہ ہونے کے مشابہ اس کے ہے کہ گناہ ہُوا اگرچہ معاف بھی کر دیا گیا۔ ۷۰۰ (اقامتِ دین اور اظہار کلمۂ حق کے لئے) یعنی کوئی ہجرت کر کے دیکھے تو۔ اللہ کی سرزمین تنگ نہیں۔ اس زمین پر اسے متعدد جگہیں مل جائیں گی جہاں وہ آزادی سے اپنے دین کا اظہار کر سکے گا بعض اہلِ لطائف نے کہا کہ مراغم اور سعۃ دو الگ الگ لفظ لانے میں اشارہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اظہارِ دین کی جگہیں مل جائینگی اور آخرت میں فراخ اور وسیع بہشتیں ملیں گی۔ ۷۰۱ (قبل اس کے کہ وہ اپنی منزل مقصود یا ہجرت گاہ تک پہنچ سکے۔ اور اسلئے گویا بظاہر ناکام رہے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ایسی مجبوری جو انسان کو عاجز و بےبس کر دے موت ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی ایسے مقام کی طرف چلے جہاں اللہ اور اس کے رسُول کے دین کا اظہار کر سکے۔ ای الٰی حیث امر اللہ ورسولہ (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ ہر ایسا سفر جو رضاءِ الٰہی کے لئے ہو مثلاً سفرِ حج، یا طلبِ علم دین کے لئے سفر، ہاجر کے لحاظ سے سفرِ ہجرت کے حکم میں داخل ہے۔
قالوا کل ھجرۃ لطلب العلم او حج او جھاد او فرار الی بلد یزداد فیہ طاعۃ او قناعۃ او زھدا او ابتغاء رزق طیب فھی ھجرۃ الی اللہ ورسولہ (مدارک) ۷۰۲ (تو اس کے لئے کیا شکل ہے کہ وہ اس ناکامی پر بھی پُورا وہی اجر دیدے جو کامیابی پر موعود تھا) ھذا یدل علی ان من خرج متوجھا لفعل شیء من القرب ان اللہ یجازیہ بقدر نیتہ وسعیہ وان اقطع دونہ (جصاص) ۷۰۳ یہ آخر کا فقرہ جیسا کہ شارع علیہ السلام کا عمل اس پر گواہ ہے اور سارے اہلِ علم بجز خوارج کے اس پر متفق ہیں، بطور شرط کے نہیں کہ صرف اسی حالت میں نماز قصر کی جائے بلکہ اس فقرہ میں نزول آیت کے وقت کی صرف حالت واقعی کا بیان ہے ورنہ قصر صلوٰۃ کا حکم ہر سفر کے لئے عام ہے۔ والخوف شرط جواز القصر عند الخوارج بظاھر النص وعند الجمھور لیس بشرط (مدارک) والذی علیہ الائمۃ ان القصر المشروع فی الامن ایضا وقد تظاھرت الاخبار علی ذلک (روح)
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ۔ سفر شرعی کی مسافت تین منزل کی قرار پائی ہے اور منزل کا اندازہ فقہاء نے ۲۰ میل کا کیا ہے لیکن یہ سب اندازے اور تخمینے ہی ہیں۔ رسُول اللہ صلعم سے اس سے بہت کم فاصلہ پر بھی قصر نماز ثابت ہے۔ جمہور فقہاء کا قول ہے کہ سفر جس جائز غرض، مقصد سے بھی ہو، شرعی سفر کے حکم میں داخل ہے۔ الجمھور علی جواز القصر فی السفر المباح کالتجارۃ ونحوھا (قرطبی) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ یعنی بادی النظر میں رکعاتِ نماز میں کمی کر دینا ایک گناہ کی چیز معلوم ہوتی ہے اور وسوسہ تمہیں بھی گناہ کا ضرور ہو رہا ہے لیکن اطمینان رکھو کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ جائز کیا جا رہا ہے۔ اَلصَّلٰوۃ۔ صلوٰۃ (نماز) سے مُراد صلوٰۃ مکتوب یا نماز فرض ہے۔ حنفیہ کے ہاں سفر میں نماز قصر مستحب ہی نہیں واجب ہے۔ قلنا القصر عزیمۃ غیر رخصۃ ولا یجوز الاکمال (مدارک) روی عن جماعۃ انہ فرض وھو قول عمر بن عبد العزیز والکوفیین والقاضی اسمٰعیل وحماد بن ابی سلیمان (قرطبی) اور یہ قصر چار رکعتوں والی تینوں نمازوں میں ہوتا ہے۔ ظہر، عصر، عشا میں فرض کی دو دو رکعتیں رہ جاتی ہیں۔ مسائل قصر کی تفصیلات فقہ کی کتبوں میں ملیں گی۔ فِي الْاَرْضِ سے مُراد یہ نہیں کہ سفر صرف خشکی ہی میں ہو۔ ارض کا لفظ بر و بحر کے لئے عام و مشترک ہے اور مقصد یہ ہے کہ کوئی سا بھی سفر ہو۔ المراد من الارض ما یشمل البر والبحر والمقصود التعمیم ای اذا سافرتم فی ای مکان یسافر فیہ من بر و بحر (روح) ۷۰۴ یعنی حالت نماز میں بھی مسلح رہیں۔ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ۔ صیغہ واحد حاضر ہے محض رسول اللہ ہی مُراد نہیں۔ آپ ہوں یا آپ کا کوئی قائم مقام۔ قال الائمۃ نواب عن رسول اللہ صلعم فی کل عصر (مدارک) ھٰذہ الآیۃ خطاب للنبی صلعم وھو یتناول الامراء الی یوم القیٰمۃ ھذا قول کافۃ العلماء (قرطبی)
فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ یعنی جب وقت نماز آ جانے پر آپ میدانِ جنگ میں امامت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اندیشہ ہو کہ دشمن موقع پا کر حملہ کر دیگا۔ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ۔ یعنی ایسے موقع پر چاہیے کہ سپاہ کے دو گروہ ہو جائیں کچھ لوگ تو نماز شروع کر دیں اور کچھ لوگ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔ یہ سب بیان صلوٰۃ الخوف کا ہو رہا ہے۔ پُوری تفصیلات کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ
اور اللہ تو ہے ہی بڑا معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ۶۹۹ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَ
ہجرت کریگا وہ زمین پر جانے کی بہت جگہ اور گنجائش پائے گا ۷۰۰ اور
مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ
جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسُول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلے اور اسے
يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
پھر موت آ لے ۷۰۱ تو اس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ ثابت رہا اور اللہ تو ہے ہی
ع ۱۴ ۱۱ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ
بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان ۷۰۲ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر اس باب میں کوئی
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ڰ اِنْ خِفْتُمْ
مضائقہ نہیں کہ نماز میں کمی کر دیا کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو
اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا
کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے ۷۰۳ بیشک کافر تو تمہارے کھلے ہوئے دشمن
مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ
ہی ہیں اور جب آپ اُن کے درمیان ہوں اور اُن کے لئے نماز قائم کریں
فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ
تو چاہیے کہ ان میں کا ایک گروہ آپکے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں ۷۰۴

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ
فضیلت دے رکھی ہے اور بھلائی کا وعدہ تو اللہ نے سب (ہی) سے کر رکھا ہے ٦٩٢ اور
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٩٥ دَرَجٰتٍ
اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجرِ عظیم کے لحاظ سے برتری دے رکھی ہے ٦٩٣ یعنی اللہ کی
مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٩٦ اِنَّ
طرف سے (بہت سے) درجے اور بخشش اور رحمت، اور اللہ ہے ہی بڑا بخشش والا، بڑا رحمت والا ٦٩٤ بیشک
الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ
ان لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتے قبض کرتے ہیں تو اُن سے کہیں گے کہ تم کس
كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ
کام میں تھے ٦٩٥ وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے ٦٩٦ فرشتے کہیں گے کہ اللہ کی
تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ
سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہی لوگ ہیں جن کا
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝٩٧ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ
ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے ٦٩٧ بجز ان لوگوں کے جو
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً
مردوں اور عورتوں بچوں میں سے کمزور ہوں (کہ) نہ کوئی تدبیر ہی کر
وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝٩٨ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ
سکتے ہوں اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں ٦٩٨ تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا

ع ١٣ ٥ ١٠

خود بھی جو اپنے جان و مال کو مسلمانوں سے بچائے ہوئے تھے، وہ کلمۂ اسلام کے تلفظ ہی کی بنا پر تو تھا، درآنحالیکہ عند اللہ ان کا کفر بالکل ظاہر تھا۔ اور رسول اللہ پر بھی اکثر صور توں میں روشن ہو گیا تھا۔ وقد كان المنافقون يعصمون دمائهم واموالهم باظهار هذه الكلمة مع علم الله تعالى باعتقادهم الكفر وعلم النبى صلعم بنفاق كثير منهم (جصاص) ٦٩١ (اللہ کے ہاں درجہ اور مرتبہ میں) اُولِي الضَّرَرِ کے لفظی معنی تو ہوتے "دُکھ والے" لیکن یہاں ضرر مرض سے کہیں زیادہ وسیع معنی میں ہے اور ہر قسم کے عذر و مانع کو شامل ہے اور اہلِ الضرر اہل العذر کے مُرادف ہے۔ قال العلماء اهل الضرر هم اهل الاعذار (قرطبی) الضرر النقصان سواء كان بالعمى والعرج او المرض اوكان بسبب عدم الاهلية (کبیر) اَلْقٰعِدُوْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ۔ کی تقدیر کلام یوں ہے۔ القاعدون الذين هم غير اولى الضرر (قرطبی) مطلب صاف ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والے اور بلا عذر گھر میں بیٹھ رہنے والے اللہ کے ہاں فضیلت و مقبولیت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہیں سے یہ مطلب بھی صاف ہو گیا کہ جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے۔ اگر فرض عین ہوتا یعنی ہر ہر فرد پر فرض ہوتا تو اُن بیٹھ رہنے والوں اور نہ شریک ہونے والوں پر یقیناً عتاب و وعید کے الفاظ وارد ہوتے رہتے۔ فيه دلالة على ان الجهاد ليس بفرض عين بل هو فرض كفاية (ابن کثیر) قال الفقهاء فيه دليل على ان فرض الجهاد على الكفاية وليس على كل احد بعينه (کبیر) وهذا دليل على ان فرض الجهاد على الكفاية وليس على كل احد بعينه (جصاص) فرقۂ شیعہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی افضلیت حضرت ابوبکرؓ پر ظاہر ہو رہی ہے اسلئے کہ حضرت علیؓ نے جہاد و قتال حضرت ابوبکرؓ سے کہیں زیادہ کیا ہے اور اس کو آیت میں معیارِ فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ استدلال باطل ہے۔ اگر مطلق قتل کفار ہی معیارِ فضیلت ہوتا تو بہ قول امام رازیؒ حضرت علیؓ خود رسول اللہ صلعم سے بھی افضل و اشرف ہوتے۔ حالانکہ اس کے قائل شیعہ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ افضلیت کلّی کے اجزاء اور بھی متعدد ہیں مثلاً تبلیغ دین میں مصروفیت، اقامت احکام و استحکام ملّت میں مشغولیت وغیرہا۔ اور ان سارے امور میں حضرت صدیقؓ ٹھیک اپنے آقا و سردار کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے جلیل القدر صحابی بڑی تعداد میں آپ ہی کی سعی و تبلیغ سے ایمان لائے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کے مجاہدانہ جوہر مدینہ میں آکر چمکے۔ جب اسلام کو یک گونہ غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ برخلاف اسکے ابوبکر صدیقؓ نے دین کی گرانبہا خدمتیں اُس وقت سے انجام دینا شروع کر دی تھیں جب ملّت غایت ضعف و پستی میں تھی اور اُمّت ہر طرف سے نرغۂ اعداء میں محصور (کبیر) ٦٩٢ (مجاہدین سے انکے جہاد کی بناپر۔ اور قاعدین سے انکے دوسرے اعمالِ حسنہ کی بناپر) كُلًّا۔ یعنی مجاہدین اور قاعدین دونوں سے) اى كل فريق من القاعدين والمجاهدين (قرطبی) اَلْحُسْنٰى۔ یعنی جنت اور آخرت کی نعمتیں۔ المثوبة الحسنى وهى الجنة (بیضاوی) الجنة والجزاء الجزيل (ابن کثیر) اَلْمُجٰهِدِيْنَ وَالْقٰعِدِيْنَ۔ دونوں لفظوں میں جہاد اور قعود کے عموم مفہوم کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ بیان یقیناً میدانِ جہاد میں جانے والوں اور میدانِ جنگ سے رہ جانے والوں کا ہے۔ لیکن لفظ جہاد کو قتال کے معنی میں مخصوص و محدود کر دینا صحیح نہیں بلکہ نصرتِ دین کی ہر سعی و فکر اسکے اندر آجاتی ہے (جسکی ایک فرد یقیناً قتال بھی ہے) علیٰ ہذا قعود یا خانہ نشینی کے تحت میں ہر امر شریعت میں سُستی آجاتی ہے۔ اور اسی کی ایک اہم فرد قتال سے جی چُرانا بھی ہے گویا فضیلت دین کے ہر کام کرنے والے کو نہ کرنے والے پر حاصل ہے۔ اور اس سے یہ شبہہ مٹ گیا کہ لشکرِ قتال کا ایک ایک سپاہی ہر غیر مقاتل سے افضل ہے خواہ وہ غیر مقاتل کسی پایہ و مرتبہ کا محدّث، مفسّر، فقیہ، متکلم، صوفی و غیرہ خادمِ دین ہو۔ ٦٩٣ اہلِ لطائف نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ المجاهدون باموالهم وانفسهم (جان و مال سے جہاد کرنے والوں) کا ذکر تو اُوپر آچکا ہے۔ اب یہاں ذکر مطلق مجاہدین کا بغیر کسی قید کے ہے۔ اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی کا رُخ تمامتر غیر اللہ سے اللہ کی طرف پھیر لیں اور یہ مجاہدات صوفیہ کا اعلیٰ مقام ہے۔ وجب ان يكون المراد منه من كان مجاهدا على الاطلاق فى كل الامور وهو اشرف انواع المجاهدة وحاصل هذا الجهاد صرف القلب من الالتفات الى غير الله الى الاستغراق فى طاعة الله (کبیر) ٦٩٤ چنانچہ شانِ غفوریت کے تقاضہ سے وہ ان کا ہر عذر قبول کر لیگا اور شانِ رحیمیت کے تقاضہ سے انہیں اجر مزید عنایت کریگا۔ ٦٩٥ یعنی دار الکفر دار الحرب میں رہ کر دین کے کن کن کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ہجرت کو نہ نکلے؟ یہ تعریض ہے انکے ہجرت نہ کرنے پر اور دار الحرب میں رہنے پر قانع و راضی ہو جانے پر۔ التوبيخ بانهم لم يكونوا فى شئ من الدين حيث قدروا على المهاجرة ولم يهاجروا (کبیر) یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ اقرار اسلام کر چکے تھے لیکن جب ہجرت فرض ہوئی تو یہ مسلمانوں کے ساتھ نہ آئے۔ مکہ ہی میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ پھر مشرکین کا ساتھ دینے لگے۔ المراد بالجماعة من اهل مكة كانوا قد اسلموا واظهروا للنبى صلعم الايمان به فلما هاجر النبى صلعم اقاموا مع قومهم وفتن منهم جماعة فافتتنوا (قرطبی) نزلت فى اقوام من اهل مكة كانوا قد اسلموا وامنوا بالله وبرسوله وتخلفوا عن الهجرة مع رسول الله صلعم حين هاجر وعرض بعضهم على الفتنة فافتتن (ابن جریر) نزلت فى قوم من المنافقين كانوا يظهرون الايمان للمؤمنين خوفا اذا رجعوا الى قومهم اظهروا لهم الكفر ولا يهاجرون الى المدينة (جصاص) یہ عتاب خود اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت اُس وقت فرض عین تھی۔ هذا يدل على فرض الهجرة فى ذلك الوقت (جصاص) فتح مکہ کے بعد ہجرت واجب نہ رہی۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے۔ لا هجرة بعد الفتح۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہجرت کا وجوب اُس وقت اسلئے تھا کہ منکرین کی ایذا اور مزاحمت سے محفوظ رہ کر مسلمان حکومتِ الٰہی کے اندر رہیں اور قانونِ الٰہی کا نفاذ اپنے ہاں کر سکیں۔ جب لشکرِ اسلام کو کافی قوت حاصل ہو گئی اور منکرین کی مزاحمت کا زور ٹوٹ گیا تو ہجرت بھی واجب نہ رہی لیکن پھر کہیں اور جب کبھی وہی وجوہ ہجرت پائے جانے لگیں گے ہجرت واجب ہو جائیگی۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغۂ جمع ہے مُراد ہیں ملک الموت اور انکے انصار۔ المراد ملك الموت واعوانه (بحر) لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ تنہا ملک الموت مراد ہے اور صیغۂ جمع انکے لئے انکی عظمت کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے۔ الملٰئكة هنا قيل ملك الموت هو من باب اطلاق الجمع على الواحد تفخيما له وتعظيما لشانه هذا قول الجمهور (بحر) اور واحد پر لفظ جمع کا اطلاق محاورۂ عرب میں عام ہے۔ والعرب قد تخاطب الواحد بلفظ الجمع (معالم) مفسّر تھانویؒ نے فرمایا کہ اب تک ذکر جہاد کا تھا جس کا خلاصہ ہے شر کفار کا دفع عام۔ اب ذکر ہجرت کا شروع ہو رہا ہے جس کا ماحصل ہے شر کفار کا دفع خاص۔ پہلا حکم اجتماعی تھا اور یہ دوسرا انفرادی ہے۔ دونوں میں غرض مشترک اقامتِ دین ہے۔ ٦٩٦ یعنی ہم اپنے ملک میں محض مغلوب اور بے بس تھے احکامِ دین پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہ تھا۔ اسلئے ترکِ فرائض میں معذور رہے۔ ٦٩٧ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب ایک ملک میں رہ کر فرائضِ دین پُوری طرح نہ ادا ہو سکتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا ملک ہے جہاں فرائضِ دین ادا ہو سکتے ہیں تو پہلے سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ والاية تدل على ان من لم يكن اقامة دينه فى بلده كما يجب وعلم انه يمكن من اقامته فى غيره حقت عليه المهاجرة (مدارک) هذا يدل على الخروج من ارض الشرك الى اى ارض كانت من ارض الاسلام (جصاص) ٦٩٨ یعنی ایسے لوگ جو فی الواقع اپنے ضعف جسمانی کی بنا پر نہ سفرِ ہجرت پر قادر ہوں۔

۶۸۲ کسی اتنی سخت وعیدیں بجز کفر شرک کے اور کسی جرم کی قرآن مجید میں وارد نہیں اور اسی لئے قتل مومن، اشاعرہ و معتزلہ سب کے نزدیک بالاتفاق اکبر الکبائر ہے اور یہ ڈرنے اور لرز جانے کی چیز ہے ۔ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔ قتل عمد کی جو معروف اور براہِ راست صورتیں ہیں وہ تو ہیں ہی لیکن عجب نہیں کہ اس وعید کے تحت میں قتل مسلم کی وہ ساری صورتیں بھی آجائیں جو کسی غیر شرعی قانون کے مطابق اور کسی کافرانہ آئین و نظام کے ماتحت کی جاتی ہیں ۔ مثلاً کسی کافر ملک کی فوج یا پولیس میں داخل ہو کر اس حکومت کے باغی اور مجرم مسلمان پر گولی چلا دینا یا کسی غیر اسلامی عدالت کی کرسی پر مجسٹریٹ یا جج کی حیثیت سے بیٹھ کر کسی مسلمان کو سزائے موت کا حکم سنا دینا وقس علی ہذا ۔ مُتَعَمِّدًا ۔ تعمد کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ مقتول کے ایمان ہی کی بنا پر اُسے قتل کیا جائے ۔ یہ صورت تو صاف کفر کی ہے ۔ دوسری یہ کہ قتل مسلم کو جائز سمجھ کر ۔ یہ صورت بھی کفر ہی کی ہوئی ۔ اى قاصدًا قتله لايمانه وهو كفر او قتله مستحلا لقتله وهو كفر ايضًا (مدارك) فَجَزَآؤُهٗ ۔ آگے سزا ایسے قاتل کی مذکور ہو رہی ہے جو اس قتل کو جائز سمجھے یا بلا توبہ مر جائے ۔ والجمهور على انه مخصوص بمن لم يتب (بيضاوى) وهو عندنا مخصوص لما مستحل له (بيضاوى) پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ نوعیت جرم کی شدت کے لحاظ سے اصل سزا یہی ہے جو یہاں مذکور ہوئی لیکن یہ لازمی نہیں کہ ہر مومن کو بھی انتہائی سزا مل کر رہی ہے اور یہ تفسیر حدیث نبوی سے ماخوذ اور اس پر مبنی ہے ۔ دنیوی قانون میں بھی جرائم کی یک انتہائی سزا مقرر ہوتی ہے لیکن یہ حاکم کی رائے تمیزی پر ہوگا کہ اس حد کے اندر جتنی سزا مناسب سمجھے دے ۔ معناه هى جزاءه ان جازاه ولكنه ان شاء حدّ به وان شاء غفرله بكرمه فانه يغفر لمن يشاء (معالم) قال عليه السلام هى جزاءه ان جازاه (مدارك) جمہور اہل سنت کا مذہب ہے کہ قاتل اگر مسلم ہے تو اسکی توبہ بھی بالآخر قبول ہو جائیگی ۔ اور خلود فی النار کی سزا صرف کافروں اور مشرکوں کے لئے رہ جائے گی ۔ اس عقیدہ کے دلائل کتاب و سنت سے ماخوذ کلام و عقائد کی کتابوں میں اپنی جگہ پر مبسوط درج ملیں گے ۔

فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

پڑا رہیگا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اُس پر لعنت کریگا اور اُس کے لئے عذاب عظیم تیار رکھیگا ۶۸۳ اے ایمان والو! جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں تو خوب تحقیق کر لیا کرو ۶۸۴ اور جو تمہیں سلام کرتا ہو ۶۸۵ اُسے یہ مت کہہ دیا کرو کہ تو تو مسلمان ہی نہیں ۶۸۶ تم دنیوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو تو اللہ کے پاس تو (بہت) کثرت سے مالِ غنیمت ہے ۶۸۷ ایسے ہی تم بھی تو پہلے تھے ۶۸۸ پھر اللہ نے تم پر کرم کیا ۶۸۹ تو خوب تحقیق کر لیا کرو، بیشک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے ۶۹۰ مسلمانوں میں سے بلا عذر (گھر) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے ۶۹۱ اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں

۶۸۴ (ہر امر کی اور خصوصاً قتل کے باب میں) یہ مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ جب تم وطن سے باہر سفر جہاد میں ہو تو بلا خوب چھان بین کئے محض شک و شبہ کی بنا پر قتل میں جلد بازی نہ کر دیا کرو ۔ فَتَبَيَّنُوْا خوب سوچ بچار لو ۔ ایسا نہ ہو کہ کافر کے خیال میں کسی کلمہ گو کو قتل کر ڈالو ۔ تحققوا حتى يتبيّن لكم المومن من الكافر (ابن عباسؓ) المقصود من هذه الاٰية المبالغة فى تحريم قتل المومنين (كبير) یہ تحقیق و احتیاط، سفر و حضر ہر حال میں واجب ہے ۔ سفر جہاد کی قید آیت میں صرف اس لئے ہے کہ نزول آیت سے قبل ایسا واقعہ اتفاق سے سفر جہاد ہی میں پیش آیا تھا ۔ والتبيين اى التثبت فى القتل واجب حضرا وسفرا لاخلاف فيه وانما خص السفر بالذكر لان الحادثة التى فيها نزلت الاٰية وقعت فى السفر (قرطبى) احادیث نبوی میں یہ مضامین بار بار آئے ہیں کہ ایک کلمہ گو کا قتل ہو جانا اللہ کے ہاں ہزار کافروں کے زندہ بچ جانے سے، بلکہ ساری دنیا کے فنا ہو جانے سے شدید تر ہے ۔ فان ابقاء الف كافر اهون عند الله من قتل امرئ مسلم (بيضاوى) وفى الحديث زوال الدنيا اهون على الله من قتل امرئ مسلم (كشاف) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی راہِ جہاد میں ای فرعنهم فى الجهاد (ابن عباسؓ) ۶۸۵ مسلمانوں کے طریقہ پر یا اور کسی ایسی ہی علامت سے اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہو) ۶۸۶ بلکہ محض جان بچانے کو اظہار اسلام کر رہا ہے) مقصد یہ ہے کہ قتل سے دستکشی اُس شخص کے مجرد اظہار اسلام سے واجب ہو جاتی ہے ۔ اسکے باطن کی تفتیش ہرگز تمہارے ذمہ نہیں ۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جان و مال کو محفوظ کر دینے والی شے کلمۂ شہادت ہے، کافر غیر معاہد بھی اگر اسے پڑھ دیگا تو مسلم کیلئے اُس پر تلوار اٹھانا حرام ہو جائیگی) المسلم اذا لقى الكافر ولا عهد له جاز له قتله فان قال لا اله الا الله لم يجز قتله لانه قد اعتصم بعصام الاسلام المانع من دمه وماله واهله (قرطبى) آیت سے بعض فرقوں نے استدلال یہ کیا ہے کہ ایمان مجرد قول کا نام ہے لیکن اہلِ تحقیق کا قول ہے کہ ایمان فقط اقرار لسانی کا نام نہیں اور زبان سے اقرار تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ ایمان کی حقیقت میں تصدیق قلب بھی شامل ہے البتہ بندوں کے پاس علم کا کوئی ذریعہ بجز لفظ و قول کے نہیں، استدل بهذه الاٰية من قال ان الايمان هو القول وليس فى ذلك ان الايمان هو الاقرار فقط الا ترى ان المنافقين كانوا يقولون هذا القول وليسوا بمؤمنين خشية ان الايمان هو الاقرار وغيره وان حقيقته التصديق بالقلب ولكن ليس للعبد طريق اليه الا ما سمع منه فقط (قرطبى) ۶۸۷ یعنی اگر مالِ غنیمت کی طمع تمہیں ایک مدعیٔ اسلام کے قتل میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی طرف لا رہی ہے تو یہ یاد رکھو کہ مال اور مالِ غنیمت کا سرچشمہ بھی تو اللہ ہی کی ذات ہے، اور وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں اس کی بڑی سے بڑی مقدار قانونِ شریعت کے اتباع ہی سے دے عنایت سے دے ۔ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ عرض وہ چیز ہے جو بذاتِ خود قائم نہ رہ سکے اور اسی لئے متکلمین نے جوہر کے مقابل کی اصطلاح رکھی ہے) العرض ما لا يكون له ثبات ومنه استعار المتكلمون العرض لما لاثبات له الا بالجوهر (راغب) یہاں عرض سے مُراد مال ہے اور بجائے مال کے عرض اسی لئے لایا گیا ہے کہ اس سے مال کی بے ثباتی اور زود فنائی کی جانب بھی پورا اشارہ ہو جائے ۔ سمّيه تعالىٰ بتسميته عرضا على كونه سريع الفناء قريب العرض المال سمى به لسرعة فنائه (مدارك) الانقضاء (كبير) ۶۸۸ یہ تو مسلم صحابیوں اور دوسروں کو یاد دلایا ہے کہ آخر تمہارے اوپر بھی تو یہ دور گزر چکا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے اسلام و ایمان کا ثبوت بجز تلفظ کلمہ اور زبانی دعوی کے اور تھا کیا، تمہارے اخلاصِ قلب اور تمہارے حسنِ اعمال کی شہادت تو بہت بعد کو پیش ہوئی ۔ اول ما دخلتم فى الاسلام سمعت من افواهكم كلمة الشهادة فحصنت دماءكم واموالكم من غير انتظار الاطلاع على مواطاة قلوبكم لالسنتكم (كشاف) ۶۸۹ (کہ تمہارے اس اعلانِ اسلام اور وعدے کو کافی سمجھ لیا گیا اور تمہارے ایمان کو معتبر قرار دینے کے لئے تفتیش باطن کا حکم نہیں دیا) فعليكم بان تفعلوا بالداخلين فى الاسلام كما فُعِل بكم وان تعتبروا ظاهر القول (كبير) هذا هو الذى اختاره اكثر المفسرين (كبير) دوسری صورت اللہ کے فضل و کرم کی یہ بھی قرار دی جا سکتی ہے کہ اُس نے تمہارے اس ابتدائی اسلام کو اب شعور و معلوم کرا دیا اور تمہیں استقامت اور حسنِ عمل کی توفیق دی ۔ لاشتهار بالايمان والاستقامة فى الدين (بيضاوى) حيث نوّر نور الايمان فى قلوبكم وايّدكم على العمل به والمحبة له (كبير) بالاستقامة والاشتهار بالايمان (مدارك) ۶۹۰ (سو اگر تم نے کوئی بھی بے احتیاطی کی تو اس کے ساتھ تمہارا کون سا عذر چل سکے گا) فَتَبَيَّنُوْا تحقیق و احتیاط کیلئے بتکرار دعوت یا اہتمام حکم کی غرض سے ۔ اعادة الامر بالتبيين تدل على المبالغة فى التاكيد من ذلك الفعل (كبير) كرر الامر بالتبيين ليؤكد عليهم (مدارك) اعاد الامر بالتبيين للتاكيد (قرطبى) ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیا زندیق کی توبہ قبول ہوگی؟ فقہاء نے اس آیت کی رُو سے جواب دیا ہے کہ قبول ہوگی ۔ اختلفوا فى توبة الزنديق هل تقبل اولا فالفقهاء قبلوها واحتجوا عليه بوجوه الاول هذه الاٰية (كبير) امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ بچوں کا اسلام بھی قبول ہوگا ۔ اسلئے کہ آیت عام ہے ۔ بالغ اور نابالغ کی اس میں کوئی قید نہیں ۔ قال ابو حنيفة رح دلت هذه الاٰية على صحة اسلام الصبى لان قوله لا تقولوا لمن القى اليكم السلم لست مؤمنا عام فى حق الصبى وفى حق البالغ (كبير) لکن منافقین

٦٧٥ یعنی اُن کا حکم کھلے ہوئے محاربین کا ہے، اور اُن پر کھلی ہوئی گرفت، ان کی بدعہدی اور عملی عداوتِ اسلام کی ہے۔ لظہور عداوتھم و وضوح کفرھم و خباثتھم (روح) لظہور عداوتھم وانکشاف حالھم فی الکفر والغدر واضرارھم باھل الاسلام (بحر) سُلْطٰن یہ لفظ قرآن مجید میں جہاں آیا ہے گرفت اور دلیل ہی کے مفہوم میں آیا ہے۔ قال عکرمۃ حیثما وقع السلطان فی کتاب اللّٰہ فالمراد بہ الحجۃ (بحر) ٦٧٦ (خواہ وہ غلطی غصّہ میں ہوئی ہو یا نفس عمل میں) شرک کفر وغیرہ اعتقادی معصیتوں سے قطع نظر عملی گناہوں میں انسان کے لئے اکبر الکبائر قتل مومن ہے۔ اتنے بڑے گناہ کی جسارت کسی مومن سے بہ ثباتِ ہوش و سلامتی عقل بہت مستبعد ہے۔ ہاں غلطی اور دھوکے ہی سے ہوجائے تو اور بات ہے۔ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا۔ جرم قتل کی فقہاء نے دو قسمیں کی ہیں ایک قتل عمد جس میں آلۂ قتل سے کام لیا گیا ہو، دُوسرے قتل شبہ عمد جس میں کام آلۂ قتل سے نہ لیا گیا ہو۔ جو قتل کسی حجتِ شرعی کی بنا پر، مثلاً قصاص میں کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پر جرم قتل کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ اِلَّا خَطَـًٔا

١٢ ع ٩

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

جن کے خلاف ہم نے تم کو صاف گرفت دے رکھی ہے ٦٧٥ اور کسی مومن کے شایاں نہیں کہ وہ

اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

کسی مومن کو قتل کردے بجز اس کے کہ غلطی سے ایسا ہوجائے ٦٧٦ اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر ڈالے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ

تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا اُس پر واجب ہے) اور خون بہا بھی جو اُسکے عزیزوں کے حوالہ کیا جائیگا ٦٧٧

اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ

سوا اسکے کہ وہ لوگ (خود ہی) اُسے معاف کردیں ٦٧٨، تو اگر وہ ایسی قوم میں ہو جو تمہاری دشمن ہے درآنحالیکہ (وہ بذات

مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

خود) مومن ہے تو ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (واجب ہے) ٦٧٩ اور اگر ایسی قوم سے ہو کہ

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ

تمہارے اور اُن کے درمیان معاہدہ ہے ٦٨٠، تو خون بہا (واجب ہے) جو اسکے عزیزوں کے حوالہ کیا جائیگا اور

تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا بھی ٦٨١ پھر جس کو یہ نہ میسر ہو اس پر دو مہینے کے لگاتار روزے

مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾

رکھنا (واجب ہے) یہ توبہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ٦٨٢

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

منزل

فقہاء نے قتل خطا کی دو بڑی قسمیں کی ہیں:- ایک یہ کہ غلطی قصد و ظن میں ہوئی مثلاً دُور سے آدمی کو شکار کا جانور سمجھ لیا یا آدمی ہونا تو پہچانا مگر مومن کے اُوپر کافر حربی کا دھوکا ہوا۔ دوسرے یہ کہ غلطی نفس عمل میں ہوگئی۔ مثلاً نشانہ لگایا جانور کے مگر پڑ گیا آدمی کے اُوپر۔ ٦٧٧ (جو مقتول کے شرعی وارثوں کے درمیان بہ قدر اُن کے حصۂ میراث کے تقسیم ہوگا) اگر کوئی وارث نہ ہوا تو اُن کا قائم مقام بیت المال قرار پائیگا۔ دِيَةٌ اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ دیت کی مقدار سنت سے صرف اونٹ ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس پر قیاس کرکے ایک ہزار دینار شرعی یا دس ہزار درہم شرعی ٹھیرادی ہے لیکن جس طرح عراق و مصر و شام کے حالات عرب سے مختلف تھے اسی طرح ہندوستان وغیرہ کے حالات خود ان ملکوں سے مختلف ہیں۔ اس لیے دیت کی مقدار کو ہر ملک کے عُرف کے ماتحت قاضی کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ قاضی شرعی مقدار سے کم و بیش نہ کرے۔ البتہ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ خونبہا بالکل معاف کردیں یا کم کردیں۔ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ اس کے تحت میں جس طرح غلام ہے، کنیز بھی شامل ہے۔ ٦٧٨ (خواہ کُل، خواہ کوئی جزء) اَنْ يَّصَّدَّقُوْا خون بہا کی معافی کو لفظ تصدق سے تعبیر کرنے میں خود اشارہ اس طرف ہوگیا کہ افضل یہی ہے۔ سمی [illegible] عنہا صدقۃ حثا علیہ وتنبیہا علٰی فضلہ (بیضاوی) ٦٧٩ (اور دیت اس موقع کے لئے نہیں) ظاہر ہے کہ مقتول جب کافروں کے درمیان رہتا تھا تو اس کی دیت بھی کافروں ہی کے ہاتھ میں جائے گی۔ اور کافر کے لئے مسلم کی میراث ممنوع ہے۔ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یعنی مقتول تھا تو مومن، لیکن کسی سبب سے حربی کافروں کے درمیان رہ رہا تھا۔ عَدُوٌّ لفظاً واحد ہے لیکن معنیً یہاں جمع ہے، اعداء کے مُرادف۔ مومن اگر دارالحرب ہی میں رہ گیا اور ہجرت کرکے دارالاسلام میں نہ پہنچ سکا تو اُس کی جان تو بہرحال اس کے اسلام کی بنا پر محفوظ سمجھی جائیگی۔ اور اس کے لئے کفارہ دینا پڑے گا لیکن دیت کا تعلق اس کے ایمان سے نہیں بلکہ اس کے مقام سے ہے اور وہ دارالاسلام ہے نہیں، اس لئے یہ واجب نہ آئے گی۔ سقطت الدیۃ لوجہین احدھما ان اولیاء القتل کفار فلا یصح ان تدفع الیھم فیتقووا بھا والثانی ان حرمۃ ھذا الذی لہ یھاجر قلیلۃ (قرطبی) ٦٨٠ (صلح کا یا ذمہ کا) یہاں حکم اس صورت کا بیان ہورہا ہے کہ مقتول گو غیر مسلم ہے لیکن ایسی قوم کا فرد ہے جو مسلمانوں سے معاہدۂ صلح و اتحاد کئے ہوئے یا فقہاء کی اصطلاح میں ذمّی یا مستامن ہے۔ ھم اھل الذمۃ من اھل الکتاب (کبیر عن ابن عباسؓ) ھم المعاھدون من الکفار (کبیر عن الحسن) ھذا فی الذمّی والمعاھد یقتل خطأً فتجب الدیۃ والکفارۃ قالہ ابن عباس والشعبی والنخعی والشافعی واختارہ الطبری (قرطبی) ٦٨١ گویا کفارہ اور دیت کے لحاظ سے ذمی اور معاہد کافر بھی ایک مسلم کے برابر ہی حق رکھتا ہے۔ وان کان من قوم کفرۃ معاھدین او اھل الذمۃ فحکمہ حکم المسلمین فی وجوب الکفارۃ والدیۃ (بیضاوی) ان کان المقتول ذمیا فحکمہ حکم المسلم وفیہ دلیل علٰی ان دیۃ الذمی کدیۃ المسلم (مدارک) فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ۔ یعنی اس کافر کا بھی خون بہا اس کے کافر وارثوں کو دیا جائے گا۔ ٦٨٢ بس ایسے علیم کُل اور حکیم مطلق کے قانون میں کسی ترمیم، کسی تنسیخ کی گنجایش کسی بندہ کو نہیں) تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ لفظ توبہ بہت اہم اور بلیغ ہے، ندامت، شرمساری، اصلاح کے سارے پہلو اس کے اندر آگئے۔ من اللّٰہ میں اسکی تاکید و تصریح ہے کہ کفارہ اور دیت کے یہ طریقے اللہ کی طرف سے مشروع ہیں، کسی بندہ کی طرف سے نہیں۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ یعنی جس کو باندی یا غلام کی استطاعت ہی نہ ہو۔ اور یہ صورت اس وقت ہندوستان میں تمامتر عائد ہے جبکہ شرعی کنیز اور غلام کا وجود ہی نہیں۔ صِيَامُ شَهْرَيْنِ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ فعلیہ صیام شھرین (قرطبی) مُتَتَابِعَيْنِ۔ ان دو مہینوں میں اگر ایک دن کا بھی ناغہ بلا عذر شرعی ہوجائیگا، تو پھر سے ان دو مہینوں کا شمار پورا کرنا ہوگا۔ حتّٰی لو افطر یومًا استأنف ھذا قول الجمھور (قرطبی)

بَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ
عہد ہے ۶۶۹ یا تمہارے ہی پاس اس طرح آتے ہیں کہ اُن کے سینے اس سے تنگ ہو

يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ
رہے ہیں کہ تم سے لڑیں یا اپنی ہی قوم سے لڑیں ۶۷۰ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تمہارے اُوپر مسلط

عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ‌ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ
کردیتا ۶۷۱ تو اگر وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور تم سے قتال نہ کریں اور تمہارے ساتھ

وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ
سلامت روی رکھیں تو اللہ نے اُن کے خلاف تمہارے لئے کوئی راہ نہیں

سَبِيۡلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ
رکھی ہے ۶۷۲ عنقریب کچھ لوگ اور بھی پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور

وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ
اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں ۶۷۳ انہیں جب کبھی فساد کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں

اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا‌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ
پلٹ پڑتے ہیں ۶۷۴ تو اگر یہ تمہیں چھوڑے نہ رہیں اور نہ تمہارے ساتھ سلامت روی

السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ
رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو (تم سے) روکیں تو تم بھی انہیں پکڑلو اور

وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ‌ ؕ وَاُولٰٓـئِكُمۡ
انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ یہی لوگ تو ہیں

۶۷۰ یعنی نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ دونوں سے صلح و آشتی رکھنا چاہتے ہیں دوسرے لفظوں میں مسلمان ان کی طرف سے بھی امن میں ہیں۔ ان دونوں قسم کے منافقین کو حکم قتل و اسیری سے مستثنیٰ کر کے قرآن مجید نے یہ بالکل صاف کردیا کہ اصل مقصد مسلمانوں کو اذیت و نقصان سے محفوظ رکھنا ہے۔ ۶۷۱ (لیکن اللہ نے ایسا نہیں ہونے دیا اور تمہیں کلفت و پریشانی سے بچالیا) لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر مشیّتِ تکوینی یہی ہوتی، ۶۷۲ یعنی ایسوں سے جنگ جائز نہیں۔ اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے لڑیں اور ان کے ساتھ صلح و سازگاری سے رہنا چاہیں، اگرچہ وہ مسلمانوں کا بھی ساتھ کافروں کے مقابلہ میں نہ دیں، اُن سے جنگ و قتال جائز نہیں۔ ۶۷۳ اور ان کا یہ چاہنا مکر و خداع کی راہ سے ہے نہ اس سے کہ اُن کا دل واقعی لڑائی سے بھر گیا اور وہ اخلاص کے ساتھ صلح و امن چاہتے ہیں۔ یہ وہ منافقین تھے جو اپنی عقیدۂ اسلامی کی طرح اس صلح جوئی اور مصالحت پسندی میں بھی منافقت برت رہے تھے۔ سَتَجِدُوۡنَ۔ میں س زمانۂ مستقبل کے معنیٰ میں بھی لیا گیا ہے اور استمرار کے معنیٰ میں بھی۔ قیل السین للاستمرار لا للاستقبال (جمل) ۶۷۴ (اور موقع پانے پر مسلمانوں سے لڑنے پر بلا تامل آمادہ ہوجاتے ہیں) اَلۡفِتۡنَةِ سے مُراد کفر و شرک یا فسادِ عقائد ہی ہوسکتی ہے۔ لیکن سیاق کھلا ہوا اشارہ قتالِ مسلمین کی جانب کر رہا ہے فسادِ عقائد میں تو وہ پہلے ہی سے مبتلا تھے۔ اب موقع پا جانے پر مسلمانوں پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ای کلما دعاھم قومھم الی قتال المسلمین (کبیر) اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا یعنی اس میں اندھا دھند اُلٹے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ اُن کی شانِ کفر، بغضِ مسلمین کے اظہار کے لئے ہے۔ ھٰذا استعارۃ لشدۃ اصرارھم علی الکفر وعداوۃ المسلمین (کبیر) گویا ان کے کفر اور بدنفسی اور عداوتِ مسلمین کا اب عملی ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

۶۶۲ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے چھوٹے بڑے سارے ہی ارشادات سے متعلق قلب میں یقین محکم اور اذعان کامل قائم رہنا چاہیئے۔ اگر ریب و تذبذب ذرا بھی باقی رہ گیا تو عمل بلکہ عزم عمل میں بھی کوتاہی رہ جائے گی۔ اِلٰی ۔ یہ کبھی فی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور یہاں تو اسی معنیٰ میں ہے۔ الیٰ بمعنیٰ فی (جمل) المراد لیجمعنکم فی الموت (کبیر) فِیْہِ میں ضمیر یوم کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور جمع کی طرف بھی۔ فی الیوم او فی الجمع (بیضاوی) معنیٰ بہر صورت یہ ہیں کہ کوئی شبہہ اس بیان کی حقیقت اور اس خبر کی صداقت میں نہیں۔ لاشك فی حقیقة ما اقول لکم فی ذٰلك واخبرکم من خبری (ابن جریر) ۶۶۳ (اے مسلمانو! کہ تم میں سے بعض ان کو اب بھی مومن کہے جا رہے ہیں) یہ آیت کس گروہ منافقین کے باب میں ہے؟ روایتیں اس بارہ میں مختلف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہ منافقین ہوں جو غزوۂ اُحد کے موقع پر عبداللہ بن اُبَیّ کی سیادت میں جنگ سے قبل ہی واپس چلے آئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ گروہ ہو جس نے مدینہ کی چراگاہ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں، جو دار الحرب مکہ سے دار الہجرت مدینہ میں آئے۔ اپنا اسلام ظاہر کیا۔ مالِ تجارت لے کر مکہ گئے اور پھر واپس نہ آئے بشرکوں میں مل جل کر رہیں دار الحرب میں رہ پڑے اور سیاق قرآنی کی رُو سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے بہرحال وہ کوئی سے بھی ہوں، تھے منافقین ہی، جو مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شرکتِ جنگ سے جی چُراتے تھے بلکہ اُن کے خلاف طرح طرح کی سازشوں اور منصوبوں میں لگے رہتے تھے۔ جیسا کہ قبل والے رکوع میں ذکر آچکا ہے۔ بلکہ بعض تو دار الاسلام کا قیام جو اس وقت عین علامتِ اسلام تھی، ترک کر کے دار الحرب میں کافروں سے جا ملے تھے۔ ۶۶۴ (اُن کے علانیہ کفر کی جانب) کافر تو حقیقۃً وہ پہلے ہی سے تھے، اب اُن کی جسارتیں اتنی بڑھ گئیں کہ علانیہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ ہو کر میدان میں مسلمانوں کے مقابل آگئے۔ بِمَا کَسَبُوْا ۔ یہ اُن کا اکتسابی ردِّ عمل تھا کہ باوجود قدرت انہوں نے دار الاسلام کو چھوڑ دیا تھا ——— اس وقت جبکہ ترک اقرار اسلام کی طرح یہ بھی ایک علامت کفر کی تھی من ارتدادھم ولحوقھم بالمشرکین (مدارک) ۶۶۵ یعنی جب انہوں نے گمراہی کا قصد کر لیا تو اللہ کا قانون تکوینی یہ ہے کہ ہر عزمِ فعل پر فعل پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی قاعدہ کے مطابق مشیتِ تکوینی نے انہیں گمراہی میں ڈال دیا تو اب انہیں نکال کون سکتا ہے؟ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۔ اللہ کی طرف اس اضلال (گمراہ کرنے) کی نسبت منافقین کے کفر اختیاری کے نتیجہ کے طور پر ہے۔ اَتُرِيْدُوْنَ .... اللّٰهَ ۔ یعنی کیا تم اُن کے قلوب میں زبردستی ایمان ڈال سکو گے جو سرے سے ارادہ ہی ایمان کا نہیں کرتے۔ ۶۶۶ یعنی ان کے مومن ہونے کا کیا ذکر ہے۔ ان کے غلو و کفر کا تو یہ حال ہے کہ اُلٹے وہ تمہی کو اپنے رنگ میں رنگ لینے اور اپنے میں جذب کر لینے کی دُھن میں ہیں۔ ۶۶۷

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ

کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے، وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا، اس میں کوئی شبہہ نہیں

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ فَمَا لَكُمْ فِى ع ۱۱ ۸

اور کون اللہ سے بڑھ کر بات میں سچا ہے ۶۶۲ سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین

الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

کے باب میں دو گروہ ہو گئے ہو ۶۶۳ درآنحالیکہ اللہ نے اُن کے کرتوتوں کے باعث انہیں اُلٹا پھیر دیا ۶۶۴

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں راہ دکھا دو جنہیں اللہ نے گمراہ کر رکھا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے ان کے

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ

لئے تو ہرگز راہ نہ پائے گا ۶۶۵ یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ

تاکہ تم (سب) برابر ہو جاؤ ۶۶۶، سو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا جب تک اللہ کی راہ میں ہجرت

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

نہ کریں ۶۶۷ اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں کہیں انہیں پاؤ، انہیں

وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾

قتل کرو اور ان میں سے (کسی کو) دوست اور مددگار نہ بناؤ ۶۶۸

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ

بجز ایسوں کے جو ان لوگوں سے جا ملتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان

(اور دار الحرب کو ترک کر کے دار الاسلام میں نہ آجائیں) اس وقت ہجرت بھی اسلام کے لئے اقرار شہادتین کی طرح لازمی تھی۔ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ ۔ یعنی ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ مت رکھو کہ دوستی کے جواز کے لئے شرط ہے۔ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ یہ قید بہت ضروری تھی۔ ورنہ یوں تجارت وغیرہ کی غرض سے تو کافر بھی دار الہجرت میں آسکتے تھے۔ دنیا کے قانون میں اسلام کا ثبوت انہی ظاہری چیزوں سے ملتا ہے۔ رہی تصدیقِ قلب، سو وہ صرف عند اللہ ہے۔ بندوں کے ذمہ اس کی تفتیش نہیں۔ ۶۶۸ یعنی کسی حال میں کوئی علاقہ اُن سے محبت کا نہ رکھو۔ نہ حالتِ امن میں دوستی کا نہ حالتِ خوف میں استعانت کا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا ۔ یعنی اگر یہ ہجرت اور اسلام سے رُوگردانی رکھیں اور بدستور دار الحرب میں کافر ہی بنے رہیں۔ عن الایمان والھجرة (ابن عباس) عن الایمان الظاھر بالھجرة (بیضاوی) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔ اس لئے کہ یہ بھی مشرکین محاربین کے حکم میں داخل ہو گئے اور ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو گا جو مشرکین محاربین کے ساتھ ہوتا ہے۔ کما کان حکم سائر المشرکین (مدارک) ۶۶۹ (اور اُن کے بھی جا کر ہم عہد ہو جاتے ہیں تو گویا اس طرح تمہارے بھی حلیف ہو جاتے ہیں) حلیف کا حلیف بالواسطہ سہی اپنا ہی حلیف ہو جاتا ہے۔ اور اس سے مصالحت و امن حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسوں کے اخذ و قتل کا حکم نہیں۔ گویا بنائے حکم ان کا کفر نہیں بلکہ مادۂ ضرر رسانی ہے۔

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ
تو اُن میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اسکی حقیقت بھی جان لیتے ۶۵۱ ۔ اور اگر تم پر اس کی رحمت
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۳
شامل نہ ہوتی تو تم (سب) بجز تھوڑے سے لوگوں کے شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے ۶۵۲
فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
تو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے ۶۵۳ آپ پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی بجز اپنی ذات کے ۶۵۴ اور
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
آپ مسلمانوں کو بھی آمادہ کرتے رہیے ۶۵۵ اور عجب نہیں کہ اللہ کافروں کا زور روک دے ۶۵۶
وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝۸۴ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً
اور اللہ بڑا ہی زور والا ہے، بڑا ہی سزا دینے والا ہے ۶۵۷ جو کوئی اچھی سفارش کرے گا
حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً
اس کو اس میں سے حصہ ملے گا ۶۵۸ اور جو کوئی بُری سفارش لائے گا
سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اُس پر اُس میں سے بار رہے گا ۶۵۹ اور اللہ ہر چیز پر طاقت رکھنے والا
مُّقِيْتًا ۝۸۵ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ
ہے ۶۶۰ اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا اُسی کو
اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝۸۶ اَللّٰهُ
لوٹا دو بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ۶۶۱ اللہ وہ ہی

النصف

منزل ۱

۶۵۱ یعنی اس خبر کی صحیح حیثیت متعین کر لیتے۔ اَلَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اس سے ایک بڑی اہم فقہی حقیقت روشنی میں آگئی معلوم ہُوا کہ استنباطِ مسائل و اجتہادِ احکام، بعد صحابہ کے ہر ایک کا کام نہ تھا۔ اس کے لئے ایک خاص فہم وسلیقہ اور مرتبہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ ہر فردِ اُمت اس سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ مِنْهُمْ۔ آیت میں دو جگہ آیا ہے۔ دونوں جگہ اس سے مُراد مجموعۂ اُمت ہے اس میں حسب الذین ظاہر منافقین بھی شامل تھے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے چار اُمور ثابت ہوتے ہیں:۔ ۱۔ ایک یہ کہ نئے نئے مسائل جو پیش آئیں گے ان کی بابت احکام نص سے نہیں، استنباط سے حاصل ہوں گے۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ استنباط بھی ایک حجّت شرعی ہے۔ ۳۔ تیسرے یہ کہ احکام میں عامیوں پر اہلِ علم کی تقلید واجب ہے۔ ۴۔ چوتھے یہ کہ رسُول اللہ صلعم اس پر مامُور تھے کہ استنباطِ احکام کرتے رہیں۔ آیت سے عقیدۂ امامت کا بھی رَدّ نکل رہا ہے۔ اگر کسی امام معصوم کا وجُود اُمت میں ہوتا تو استنباطِ احکام کی ضرورت کیا تھی۔ امام خود ہی الہاماً ان احکام سے واقف ہوتا۔ ھذہ الاٰیۃ تدل علٰی بطلان قول القائلین بالامامۃ لانہ لو کان کل شیء من احکام الدین نصوصا علیہ لعرفہ الامام ولزال موقع الاستنباط (جصاص) ۶۵۲ (اے اُمتِ محمدیہ!) یعنی گمراہیوں میں مُبتلا ہو جاتے تو تم کو ان نعمتوں کی قدر خاص طور پر کرنی چاہیئے کہ اُس نے تمہیں قرآن دیا، شریعت دی، صاحبِ شریعت رسُولؐ دیا۔ اِلَّا قَلِيْلًا۔ اور یہ تھوڑے سے جو محفوظ رہ جاتے وہ بھی عقلِ سلیم کی بدولت رہتے کہ وہ خود بھی فضل و رحمتِ خاص ہی کی صورت ہے۔ ۶۵۳ (اے پیغمبر!) ادھر مضمون جہاد و قتال کا چل رہا تھا۔ درمیان میں دُوسرے مضمون ضمنی مضامینوں سے آگئے تھے، اب پھر اُس مستقل مضمون کی طرف رجُوع ہے۔ ۶۵۴ (نہ کہ کسی دوسرے کے عمل کی) مقصد یہ ہے کہ آپ خود جہاد پر آمادہ ہو جایئے خواہ کوئی دوسرا ساتھ دے یا نہ دے۔ آپ پر ذمہ داری کسی دُوسرے کے عمل کی نہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ غزوۂ اُحد جب شوال میں پیش آچکا تو اس کے معاً بعد ذی قعدہ میں آپ مشرکین کے وعدہ کا خیال کر کے بدر کی طرف پھر چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ اُس وقت منافقین تو اپنی بے اعتقادی کے سبب سے نکل گئے۔ اور مومنین بھی ساتھ دینے میں بہت پس و پیش کرنے لگے۔ کچھ تو اس لئے کہ ابھی اُحد کے زخم بالکل تازہ تھے اور کچھ اس لئے بھی کہ افواہی خبروں پر یقین کر بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کا سپہ سالارِ اعظم یہ رنگ دیکھ، بالکل تن تنہا چل کھڑے ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ کیا ٹھکانا تھا فرض شناسی اور نصرتِ الٰہی پر اعتماد کا۔ قلّت و کثرت اور اکائی اور سیکڑوں کی عددی نامناسبت کا گویا خیال بھی سامنے نہیں رہا۔ ۶۵۵ (جہاد پر) یعنی درجۂ ترغیب میں تبلیغ آپ کے فرائض رسالت میں داخل ہے۔ حَرِّضْ۔ تحریض کے معنیٰ ہیں کسی شے کی خوبیاں بہ کثرت بیان کر کر کے اُس کی جانب شوق و رغبت دلانا۔ گویا صحیح اور سچا پروپیگنڈہ کرنا۔ التحریض الحث علی الشیء بکثرۃ التزیین وتسھیل الخطب فیہ (راغب) آیت ان ظالم اور بیدرد پادریوں کا پول کھول رہی ہے جنہوں نے یہ جھوٹ اُچھال رکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) پیروانِ محمدؐ لوٹ مار کے شوق میں جہاد پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ کیا بار بار ترغیب دلانے اور آمادہ کرنے کی ضرورت حریصوں کو ہُوا کرتی ہے؟ ۶۵۶ (اور انہیں ان کی زور آوری کے باوجود مغلوب کر دے) قرآن مجید کی یہ پیش خبری مستقبل قریب و بعید دونوں میں پوری ہو کر رہی۔ مخالفین و معاندین میں سے قریش کا زور تو اُسی زمانہ میں ختم ہو کر رہا۔ رہیں دَور دراز کی پُرقوت، پُرشوکت بادشاہتیں اور حکومت سو وہ مغلوب ہو گئیں۔ عَسٰى۔ اس پر پہلے ہی حاشیہ گزر چکے ہیں کہ اس کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کے کسی قول میں ہوتا ہے تو اُس کے معنی محض اُمید یا توقع کے بجائے وعدہ اور یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ عسٰی من اللہ واجب (ابن عباسؓ) اطماع۔ والاطماع من اللہ عزوجل واجب (قرطبی) ۶۵۷ اَشَدُّ بَاْسًا اس قوت و شدت کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا۔ اس صفت سزا دہی کا پورا ظہور آخرت میں ہوگا۔ ۶۵۸ یعنی جو کوئی عملِ خیر میں بطریقِ مشروع ساعی ہوگا، اُسے اس کا اجر مل کر رہیگا کہ وہ کسی درجہ میں سبب بنا عملِ خیر کا۔ ۶۵۹ (اس لئے کہ وہ سبب اور ذریعہ بنا معصیت کا۔ شَفَاعَةً سَيِّئَةً۔ اس کے تحت میں علاوہ عملِ بد کے وہ عملِ خیر بھی آجاتے ہیں جو غیر مشروع طریق پر کئے جائیں۔ ۶۶۰ تو ہر نیکی پر اجر اور ہر بدی پر عذاب کا ترتب اس کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں۔ ۶۶۱ (اسلئے معاشرت کے ان جزئیات کو حقیر سمجھ کر نظرانداز نہ کر دیا جائے) سلام کے جواب میں سلام تو بہرحال واجب ہے۔ اس کے بعد اختیار دو دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جوابِ سلام، سلام سے بہتر ہو۔ دوسرے یہ کہ ایسا ہی ہو۔ بہترین قول بعض صحابہ اور تابعین کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کا جواب زیادتی کے ساتھ دیا جائے اور اگر غیر مُسلم ہے تو اس کے الفاظ دہرائے جائیں۔ ردوھا باَفضل منہا فی الزیادۃ علٰی اھل دینکم وملتکم او ردوھا مثل ما سلم علیکم علٰی غیر اھل دینکم (ابن عباس) اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ۔ یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے طریقِ مشروع پر۔ سلام کے شرعی طریقوں کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی۔ تَحِيَّةٍ۔ حیاک اللہ کے اصل معنیٰ تو زندگی سے خبر دینے کے ہیں۔ پھر دعاءِ زندگی کے معنیٰ ہو گئے۔ ذلک اخبار ثم یجعل دعاء (راغب) اہلِ عرب جب آپس میں ملتے تھے تو اس کلمۂ دعا کو استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے اسے سلام کے معنیٰ میں کر دیا۔ فلما جاء الاسلام ابدل ذلک بالسلام فجعلوا التحیۃ اسما للاسلام (کبیر)

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾
اور ہم نے آپ کو انسانوں کی طرف پیمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ٦٤٣
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ
جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ ہی کی اطاعت کی ٦٤٤ اور جو کوئی رُوگردانی کرے سو
اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا
ہم نے آپ کو اُن پر نگران کر کے نہیں بھیجا ہے ٦٤٥ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ طاعت (قبول ہے) ٦٤٦ لیکن آپ
بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ
کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک جماعت شب کے وقت اس کے برخلاف مشورہ کرتی
تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ
ہے جو کچھ کہ وہ کہہ چکے تھے اور اللہ ان کے رات والے مشوروں کو لکھتا جاتا ہے، تو آپ اُن کی طرف سے بے التفاتی
تَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ
برتیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ٦٤٧ کیا یہ لوگ قرآن میں غور
الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ
نہیں کرتے؟ اگر یہ (کلام) اللہ کے سوا کسی (اور) کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا
اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَاۗءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ
اختلاف پاتے ٦٤٨ اور انہیں جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ
اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ
اُسے پھیلا دیتے ہیں ٦٤٩ اور اگر یہ لوگ اُسے رسولؐ کے اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کے حوالہ کر دیتے ٦٥٠

منزل ١

٦٤٣ (اور اللہ کی یہ گواہی دنیا میں رسولؐ کے کمالات سے ظاہر ہو رہی ہے۔ معجزات وخوارق بھی انہی کمالات کا ایک جزء ہیں۔ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ یہاں صاف للناس فرمایا ہے۔ للعرب نہیں فرمایا۔ خاتم النبیین کے پیام کی عالمگیری پر دوسری آیات کے علاوہ یہ آیت بھی ایک نص قاطع ہے۔ والناس عام عربهم وعجمهم (بحر) فيه رد لمن زعم اختصاص رسالته عليه السلام بالعرب فتعریف الناس للاستغراق (روح) تعریف الناس للاستغراق ای مرسلا لکل الناس لا لبعضهم (ابوسعود) ٦٤٤ (کہ عام انسانوں کے پاس کوئی ذریعہ احکام الٰہی کی معرفت کا نہیں بجز واسطۂ رسولؐ کے) آیت میں رد آگیا اُن گمراہ فرقوں کا جو رسولؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے مستلزم نہیں سمجھتے۔ آیت عصمت رسولؐ کے مضمون کو بھی واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر رسولؐ سے ذرا بھی خطا و غلطی کا امکان ہوتا تو اُن کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی کیسے قرار پا سکتی۔ من اقوی الدلائل علی انه معصوم فی جمیع الاوامر والنواهی وفی کل ما یبلغه عن الله (کبیر) اور علاوہ حدیث نبوی کے جہاں یہ مضمون تصریحاً آیا ہے، فقہاء نے خود اس آیت سے بھی نکالا ہے کہ رسولؐ کی نافرمانی عین حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ افاد بذلك ان معصیته معصیة الله (جصاص) ٦٤٥ (سو اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور نہ آپ اس لئے زیادہ فکر و غم میں پڑیئے۔ فَمَنْ تَوَلّٰى۔ یعنی جو آپ کا کہنا نہ سُنے اور آپ کی طرف سے بے توجہی اختیار کرے۔ ٦٤٦ ذکر منافقین کا چل رہا ہے۔ یعنی المنافقین (ابن عباس) یہ زبان سے تو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بھی عرض کرتے تھے کہ ان کے احکام سر آنکھوں پر، آپ کے ارشادات کی تعمیل ہمیں قبول و منظور۔ طَاعَةٌ خبر ہے مبتدا محذوف ہے۔ و به امرنا وشاننا طاعة (کشاف) ٦٤٧ اس کی کارسازی یہ ہے کہ وہ دنیا میں آپ کو ان کے شر سے اور سازشوں سے محفوظ رکھے گا اور آخرت میں انہیں شدید سزائیں دیگا۔ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ۔ یعنی ان منافقوں کے سردار اور سرغنہ۔ بَيَّتَ۔ رات کی تاریکی اور پوشیدگی میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں ہوتی تھیں منصوبے بنائے جاتے تھے۔ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ۔ یعنی خدائی ریکارڈ میں ان کی سازشیں اور منصوبے سب مندرج و محفوظ ہیں۔ وقت آنے پر یہ سارا دفتر کھلے گا۔ ٦٤٨ (جو بشری تالیف وتصنیف کا لازمہ ہے) اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اس کے مفہوم میں بہت کچھ قیل و قال ہوئی ہے۔ کسی نے کہا کہ بیان میں تناقض مُراد ہے۔ اور کسی نے کہا کہ تحقیقات میں فرق مراتب اور کسی نے کہا کہ عبارت کی عدم یکسانی لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود اختلاف کثیر کا لفظ بڑا وسیع اور جامع ہے۔ معنوی اور ادبی ہر قسم کی بے آہنگی ہر طرح کا جھول جھال اس کے اندر داخل ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت سے دنیا کے سامنے اپنی یکتائی کا ایک مستقل چیلنج پیش کر دیا کہ ہر طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لو، ہر طرح جانچ پڑتال کر لو، مضامین کی پستی و بلندی، عبارت کی ناہمواری، کسی قسم کی کوئی کمی کوتاہی اس کے اندر نہ پاؤ گے۔ اور یہی دلیل ہے اس کی کہ یہ بشر اور مخلوق کا کلام نہیں۔ قرآن کے جملہ منکرین کے خلاف خواہ کسی وجہ اور کسی پہلو سے ہوں، یہ قیامت تک کے لئے تحدی ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن میں تدبر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا لفظی ومعنوی اعجاز بالکل واضح ہو جائیگا۔ اور اس وضوح سے آپؐ کی رسالت کی جانب سے شبہات کافور ہو جائیں گے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ۔ جیسا کہ معاصر و متاخر منکرین کا خیال تھا اور جیسا کہ آج بھی بعض 'روشن خیال' مرتدین کا خیال ہے۔ يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ سے بحث قیاس پر بھی دلیل نکل آئی۔ اور ان فرقوں کا بھی رد ہو گیا جو سمجھتے ہیں کہ تفسیر قرآن صرف رسولؐ اور امام معصوم کا حق ہے۔ ٦٤٩ (بغیر اس تحقیق کے کہ وہ خبر صحیح بھی ہے اور بغیر اس پر غور کئے کہ اگر صحیح ہے بھی تو اس کی فوری اشاعت کہاں تک مناسب و قرین مصلحت ہے) اشارہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کی طرف ہے۔ نزل فی جماعة من المنافقین او ضعفاء المسلمین (جلالین)۔ ہیئت اسلامی شروع ہی سے ایک حد تک منظم، بلکہ نیم عسکری جماعت تھی اور یہ امر ہر اجتماعی تنظیم کے منافی عموماً اور عسکری تنظیم کے منافی تو خصوصاً ہے کہ اُمت کے عوام اور عام افراد جس خبر کو جہاں اور جب سُن پائیں بلا اپنے سرداروں اور اہل حل وعقد کی طرف رجوع کئے بے تحقیق اُسے لے دوڑیں اور بے تحاشا اُسے پھیلانا شروع کر دیں۔ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ۔ مثلاً کہیں باہر سے لشکر اسلام کی فتح و ظفر کی خبر آئی۔ اَوِ الْخَوْفِ۔ مثلاً کہیں باہر سے مسلمانوں کی شکست و ہزیمت کی خبر آئی۔ ٦٥٠ (بجائے اس کے کہ خود اس خبر کی شہرت و اشاعت میں لگ گئے) اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ یعنی صاحبان فہم سلیم۔ یہاں مراد ہیں اکابر صحابہ، مثلاً حضرت ابوبکرؓ۔ ذوی العقل والثبت من المؤمنین یعنی ابابکر واصحابه (ابن عباس) ذوی العلم والرأی منهم (کبیر) وهم اهل العلم والفقه عن الحسن وقتادة وغيرهما (قرطبی) یجوز ان یرید به الفریقین من اهل الفقه والولاة لوقوع الاسم علیهم جمیعا (جصاص)

٦٣٥ اللہ کے عذاب کا خوف لاکھ دل میں ہو لیکن یہ عقیدہ بھی تو ساتھ ساتھ رہتا ہے کہ اللہ رحمٰن و رحیم ہے، غفور ہے ارحم الراحمین ہے۔ عجب کیا جو تمام تر عفو و فضل ہی کا معاملہ فرمائے بہ خلاف اُسکے دشمنوں سے بجز ایذا رسانی کے اور کسی بات کی توقع ہی نہ تھی۔ امام ماتریدی نے فرمایا کہ یہ خوف خوفِ طبعی تھا۔ اس لئے اس پر گناہ نہیں ہوا۔ قال الشیخ ابو منصور رحمہ اللہ هذه خشیة طبع لما انه ذٰلك منهم كراهة بحكم الله فالمرء مجبول على كراهتما فيه خوف هلاك به غالبًا (مدارک) فهى على ما طبع عليه البشر من المخافة لا على المخالفة (قرطبی) قالوا خوفا وجبنًا لا اعتقادًا ثم تابوا (سالم) اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً۔ اَوۡ یہاں بلکہ کے مفہوم میں ہے قيل بمعنى بل (بحر) ٦٣٦ (اور ہم دنیا میں کچھ دن اور اطمینان سے جی لیتے) قَالُوۡا الخ مسلمانوں کی زبان سے یہ قول بہ طور تمنا کے تھا۔ بہ طور اعتراض نہ تھا۔ وقولهم محمول على التمنى لتخفيف التكليف لا على وجه الانكار (كبير) لا على وجه الاعتراض على حكمه تعالٰى والانكار لايجابه بل على طريق تمنى التخفيف (ابو سعود) یہ قول اگر زبان سے تھا جب بھی چونکہ درجۂ تمنا میں تھا، اعتراض و انکار اس سے مقصود نہ تھا، اس لئے قابلِ مواخذہ جب بھی نہ تھا لیکن خود لفظ قالوا سے یہ لازم نہیں آتا کہ زبان سے بھی ادا کیا گیا ہو۔ قول عربی میں جس طرح کلام لسانی کے لئے آتا ہے اسی طرح حدیثِ نفس کے لئے بھی يقال للمتصور فى النفس قبل الابراز باللفظ قولٌ فيقال فى نفسى قولٌ لم اظهره (راغب) اور علم الٰہی میں دونوں برابر ہیں۔ اور حدیثِ نفس یا وسوسہ کا معصیت نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔

اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ

یا اس سے بھی بڑھ کر ڈرتا ٦٣٥ اور وہ لوگ بولے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا، کاش

لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ

تھوڑی مدت تو اور ہم کو (جینے کی) مہلت دے دیا ٦٣٦ آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان (بہت ہی) تھوڑا ہے

وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ۝٧٧

اور آخرت اس کے لئے کہیں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کرے ٦٣٧ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائیگا ٦٣٨

اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ

تم جہاں کہیں بھی ہوگے وہیں تمہاری موت آ لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں

بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ

ہو ٦٣٩ اور اگر انہیں کوئی سکھ پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو خدا کی طرف

مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ

سے ہے اور اگر انہیں کوئی دکھ پیش آجاتا ہے تو کہتے ہیں یہ آپ کے

مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَاۤءِ

سبب ہوا ٦٤٠ کہہ دیجیے کہ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے سو ان لوگوں کو کیا

الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ۝٧٨ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ

ہوا ہے کہ گویا یہ بات ہی نہیں سمجھتے ٦٤١ تجھے جو بھی سکھ پیش آتا ہے

حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۖ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ؕ

وہ بس اللہ ہی کی طرف سے ہے اور جو دکھ پہنچتا ہے وہ تیرے اپنے ہی سبب سے ہے ٦٤٢

ائمۂ تفسیر نے یہاں حدیثِ نفس مُراد لی ہے۔ يحتمل انهم ما تفوهوا به ولكن قالوه فى انفسهم فحكى الله تعالٰى عنهم (بیضاوی) بالسنتهم او بقلوبهم (روح) يجوز ان يكون اعتقدوه وقالوا فى انفسهم فحكى ذٰلك تعالٰى عنهم (بحر) قد جوز ان يكون هذا مما نطقت به السنة حالهم من غير ان يتفوهوا به صريحا (ابو سعود) بہر صورت آیت اُن ظالم پادریوں کی پُرزور تردید کر رہی ہے جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ مسلمان تو غنیمت کی طمع میں جنگ کے لئے تُلے بیٹھے تھے، رسُول کو صرف اشارہ کی دیر تھی یا معاذ اللہ۔ یہاں اُلٹے اُن کو ترغیب دینے اور آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ ٦٣٧ (اور ہر حکم الٰہی کو بہ خوشی بجا لائے) عدم فرضیت جہاد اور زیستِ مزید کی مُہلت کی تمنا، چونکہ حُبّ دنیا اور ما فی الدنیا سے پیدا ہوئی تھی، اس لئے نہایت حکیمانہ انداز میں اصل ضرب اسی پر لگائی گئی۔ اور ارشاد ہوا کہ اس دنیا میں رکھا ہی کیا ہوا ہے۔ جو کچھ ہے وہ بھی بالکل فانی و بے ثبات، طلب و تمنا کے قابل شے تو آخرت ہے اور اُس کی لذتوں اور نعمتوں کے حصول کا ذریعہ تقویٰ اور احکامِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۔ سو ایسی حقیر اور بے ثبات چیز کی خاطر التوائے حکم جہاد کی تمنا! خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۔ اور اس تقویٰ ہی کی ایک فرد جہاد ہے۔ ٦٣٨ (سو یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاد کے اعلیٰ ثمرات سے محروم رہ جاؤ) فَتِيۡلًا ۔ نَقِيۡرًا ۔ ہی کی طرح عربی میں تحقیر و تصغیر کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ جیسے اُردو محاورہ میں رتی بھر، رائی برابر، ذرہ بھر وغیرہا۔ ٦٣٩ (تو جب موت ایسی یقینی اور بے پناہ شے ہے تو آخرت میں جہاد کے اجر و مراتب بے حساب سے محروم اور خالی ہاتھ کیوں پہنچو؟) ٦٤٠ ذکر اب منافقین کا ہو رہا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کی بات بنی رہتی، یہ لوگ بھی برابر ان کے شریک رہتے اور کہتے کہ یہ تو عین فضلِ خداوندی ہے جس میں ہم تم سب یکساں شریک ہیں اور جب بات بگڑ جاتی تو جھٹ سلسا الزام مسلمانوں اور اُن کے سردارِ اعظم پر رکھ دیتے کہ یہ جو کچھ پیش آیا، سب آپ ہی کی بے تدبیریوں کا نتیجہ ہے۔ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اس میں حصہ رسدی ان کو بھی مل گیا۔ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کا خمیازہ بحصہ رسدی انہیں بھی اُٹھانا پڑا۔ يَقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۔ یعنی یہ کامیابی تو طبعی حالات کی بنا پر تکوینی اسباب سے حاصل ہو گئی۔ اس میں مسلمانوں یا اُن کے سردارِ اعظم کے کسی حُسنِ تدبیر کو کیا دخل۔ منافقین کا یہ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ کہنا بھی بہ طور حمد نہ تھا۔ بلکہ بہ طور محاورۂ زبان تھا۔ جیسے اُردو میں لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری اُمور ہیں۔ ٦٤١ یہ توجہ دلاتی ہے منافقین کی حماقت شعاری اور بے غوری کی عادت پر۔ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۔ یعنی دُکھ ہو یا سُکھ، رنج ہو یا راحت، سب کا مسبب الاسباب حقیقی اللہ ہی ہے۔ سُکھ اور راحت اگر ہے تو یہ براہِ راست اس کے فضل و کرم کا ظہور ہے بلا توسط اعمال۔ اور دُکھ یا رنج اگر پیش آ رہا ہے تو یہ اس کے عدل کا ثمرہ ہے بہ توسطِ اعمال۔ ٦٤٢ (اے انسان!) خطاب اب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ یا انسان خطابا عاما (کشاف) الخطاب عام كانه قيل ما اصابك يا انسان (بحر) والخطاب فيه كما قال الجبائى وروى عن قتادة عام لكل من يقف عليه لا للنبى صلعم (روح) فَمِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی اس کے فضل و کرم کا نتیجہ۔ مِنَ اللّٰهِ و مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۔ یہ دو محاورہ الگ الگ ہیں۔ زبان و ادب کے ماہرین نے دونوں میں فرق یہ بتایا ہے کہ دوسرا محاورہ بُرے بھلے سارے افعالِ تکوینی کے لئے عام ہے بہ خلاف اس کے پہلے محاورہ کا استعمال صرف محلِ رضا پر ہوتا ہے۔ من عند الله اعم يقال فى ما كان برضاه و بسخطه ولا يقال هو من الله الّا فى ما كان برضاه و بامره (بحر) فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ۔ یعنی اے بندہ تیری ہی بد اعمالی کے سبب سے اور بہ اقتضائے عدلِ الٰہی۔ سَيِّئَةٍ ۔ کا اطلاق اس سیاق میں صرف اس بُرائی پر ہوتا ہے جو واقعۃً بھی بُرائی ہو۔ محض صورۃً ہی بُرائی نہ ہو۔ صالحین و ابرار کو جو حوادث و مصائب پیش آتے رہتے ہیں وہ صرف صورۃً ہی مصائب ہوتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اُن کی بلندیٔ مراتب کے لئے اور ذریعۂ رحمت ہوتے ہیں۔ اور اس لئے اُن کے حق میں بد اعمالی کا ثمرہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ
اور عورتوں اور لڑکوں میں سے ۶۲۸ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر
هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ
نکال جس کے باشندے (سخت) ظالم ہیں ۶۲۹ اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے
لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۷۵
کوئی دوست پیدا کر دے، اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے ۶۳۰
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ
جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں ۶۳۱ اور جو
كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا
کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں ۶۳۲ سو تم لڑو
اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ
شیطان کے ساتھیوں سے اور شیطان کی چال تو لچر ہی
ضَعِيْفًا ۷۶ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا
ہوتی ہے ۶۳۳ کیا تو نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو
اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
روکے رہو اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو ۶۳۴ پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا
الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ
گیا تو اُن میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرتا (ہوتا) ہے

ع ١٠ / ٦ / ٧

منزل

۶۲۸ یہ دُوسرا اعلیٰ جہاد کے لئے ارشاد ہُوا۔ کمزوروں کی دستگیری و نصرت اور مظلوموں کی اعانت اور انہیں ظالم کافروں کے پنجہ سے رہائی دلانا بجائے خود مقاصد جہاد میں سے ہے۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔ کا عطف لفظ اللہ پر ہے یعنی فی سبیل اللہ والمستضعفین ۔ زجاج اور زہری سے یہی ترکیب منقول ہے۔ عطف علی اسم اللہ عزوجل ای وفی سبیل المستضعفین وھذا اختیار الزجاج وقالہ الزھری (قرطبی) ۶۲۹ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ مُراد مکہ کا شہر اور مکہ کی حکومت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ القریۃ ھنا مکۃ باجماع من المتاولین (قرطبی) الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۔ مکہ والے ظالم دُہرے معنیٰ میں تھے۔ ایک تو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھا رہے تھے۔ دُوسری طرف شرک کر کرکے خود اپنی جانوں پر بھی ظلم کر رہے تھے۔ ووصف اھلھا بالظلم اما لاشراکھم واما کما حصل منھم من شدۃ الوطأۃ علی المومنین واذلالھم (بحر) لاجل انھم کانوا یؤذون المسلمین ویوصلون الیھم انواع المکارہ (کبیر) بالشرک الذی ھو ظلم عظیم وباذیۃ المومنین ومنعھم عن الھجرۃ (روح) ۶۳۰ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بچوں، عورتوں، مردوں کی ایک خاصی تعداد اسلام لا چکی ہے۔ مگر یہ لوگ سرداران قریش کے تشدد کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پا رہے ہیں۔ نہ دفع ظلم ہی پر قادر ہیں اور نہ ہجرت پر۔ یہاں مناجات اور فریاد انہی لوگوں کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ظلم و شقاوت سے بچے، عورتیں، بوڑھے کوئی بھی محفوظ نہ تھے۔ مِنْ لَّدُنْكَ بلفظی معنیٰ ہیں "اپنے پاس سے" اُردو محاورہ میں ایسے موقع پر "اپنی قدرت سے" آتا ہے یعنی غیب سے اس کا سامان کر دے۔ وَلِيًّا ۔ ایسا دوست و ہمدرد جو اس مصیبت میں ہمارے ساتھ ہے۔ ہم سے ہمدردی و غمخواری کرے۔ نَصِيْرًا ۔ ایسا حمایتی جو ان ظالموں سے ہمیں نجات دلائے۔ ۶۳۱ (اور جیسا کہ خود حق تعالیٰ ہر قسم کی نفسانی آمیزش و آلائش سے منزّہ و پاک ہے۔ اللہ والوں کا لشکر بھی کبھی عدوان و طغیان، ظلم و خیانت، مے نوشی و بدکاری کے آلاتِ حرب سے مسلح ہو کر جنگ کر ہی نہیں سکتا) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی قید جو بار بار لگائی جا رہی ہے۔ بے معنیٰ نہیں بہت ہی پُر معنیٰ ہے۔ درحقیقت یہ آیت سلسلۂ جہاد کی آیتوں میں سے ایک کلیدی آیت ہے اس نے صاف صاف اسلامی جہاد کا فرق دنیا جہان کی تمام جنگوں اور جاہلی محاربات سے واضح کر دیا۔ اس نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ سچّا مسلمان جب اپنے ابنائے جنس پر ہتھیار اُٹھائیگا تو توسیع ملک کے لئے نہیں، قومی تفوق کے لئے نہیں، تجارتی منڈیاں قائم کرنے کو نہیں، دوسرے کو نیچا دکھانے کو نہیں، دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنے کو نہیں، رشک و ہوس اور جاہ پرستی کے جذبات سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ دنیا کے بلند ترین مقصد، انسانیت کے برترین نصب العین، کلمۂ توحید کی برتری اور سربلندی کے لئے! ——— رنگ اور نسل، مرز بوم اور قوم، وطن اور قبیلہ کی عزت و حمیت پر کٹ مرنے والے، اسلامی نقطۂ نظر کی بلندی کو سمجھ بھی سکتے ہیں؟ اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا، کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لئے ہزاروں من اور سیکڑوں ٹن شراب کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک اور آتشک کے سیکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لئے امراض خبیثہ کے مخصوص اسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟ ——— مسلمان سپاہی کے سینہ میں تو یہ زندہ ایمان رہتا ہے کہ اسے ایک ایک اقدام کا حساب دینا ہے۔ کبھی ان کا قدم ان گندہ راستوں پر پڑ سکتا ہے؟ ۶۳۲ طاغوت کے لفظی معنیٰ پر حاشیہ سپ ۳ میں گزر چکا۔ یہاں اس لفظ کو لا کر طاغوتی، جاہلی، سپاہیوں کے تمرّد، خدا فراموشی، نفس پرستی اور تجاوز عن الحدود کے پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ طاغوت کا ترجمہ اگر اس موقع پر "نفس" سے کیا جائے تو اُردو میں شاید پورا مفہوم ظاہر ہو جائے۔ طاغوت اور نفس کی راہ میں آج بھی جو قومیں وطن پرستی، قوم پروری، ملکی آزادی کے خوشنما لفظ اور لقب کے ساتھ جنگ کرتی رہتی ہیں، ان کی اخلاقی حالت کا جائزہ لے لیا جائے۔ شقاوت و سنگدلی، فریب و خیانت، شراب خواری و حرامکاری جس معیار سے چاہے جانچ لیا جائے جانوروں اور درندوں سے بھی کہیں ابتر حالت نکلے گی ——— یہ سب کرشمہ فی سبیل الطاغوت لڑنے کے ہیں۔ محاسبۂ آخرت سے بے نیاز ہو کر جنگ کرنے کے ہیں۔ ۶۳۳ (سو شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو کبھی بھی مستقل اور پائدار فتح حق کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہو سکتی) فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم مل رہا ہے۔ مگر کس کے مقابلہ میں؟ شیطانیوں اور طاغوتیوں کے مقابلہ میں۔ ان کے مقابلہ میں جو دنیا میں شر و فساد، فسق و شرک ہی کی حکومت پھیلانا چاہتے ہیں۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۔ اس میں مسلمانوں کو ہمت دلائی ہے کہ شیطان کوئی ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں وہ تم پر حاکم و آمر نہیں۔ تم ذرا ہمت کر جاؤ تو وہ خود تم سے پناہ مانگتا ہُوا بھاگے گا۔ اُس میں جان تو ہے ہی نہیں۔ حربی زندگی سے قطع نظر، اخلاق و معاشرت، معاملات و عبادات کے میدان میں بھی شیطان سے مقابلہ کر لینا کچھ دشوار نہیں۔ ضرورت صرف ہمت کی ہے۔ ۶۳۴ (کہ حالتِ امن میں اس قسم کی عبادات پر عمل کافی ہے) كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ۔ یعنی جوش انتقام اور قتال سے ابھی باز رہو۔ یہ ذکر کن لوگوں کا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے اس وقت کے حالات پیش نظر رکھنے ضروری ہیں۔ مسلمانوں کو مکہ میں قریش کے مظالم سہتے سہتے ایک زمانہ ہو گیا تھا، اور قدرۃً انتقام کی خواہش اُن کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ لوگ بھی آخر اسی خون اور اُسی گوشت و پوست کے تھے۔ اور جوش میں آکر بار بار جنگ کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ ادھر وحی الٰہی ابھی برابر عفو و حلم، مسامحت و درگزر کا سبق دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم آگیا۔ اور مسلمان مدینہ کی پُر امن فضا میں منتقل ہو آئے۔ ۱۳۔ ۱۴ سال کی صحبتِ رسولؐ کی زبردست ٹریننگ کے بعد جب علم الٰہی میں مسلمانوں کے اخلاق فاضلہ پختہ ہو گئے۔ اور تحمل اور بے نفسی ان کے کردار کے جزو بن گئے تو حکم جہاد و قتال نازل ہوا۔ لیکن اُدھر مدینہ کی پُر امن فضا میں رہتے رہتے مسلمانوں کے جذبات انتقام دھیمے پڑ گئے تھے اور وہ جوش و ولولہ قتال باقی نہیں رہا تھا۔ اب طبعی اقتضاء سے میدانِ جنگ میں جانے سے حیلہ حوالہ ڈھونڈے جانے لگے۔ یہاں ذکر اُنہی عافیت کوش مسلمانوں کا ہے۔

۶۲۰ (جیسا موقع اور جیسی مصلحت ہو) قرآن مجید کی اکثر آیتوں کی طرح ان آیتوں کو بھی پُوری طرح سمجھنے کیلئے ان کا پس منظر پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اُحُد میں ابھی حال ہی میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تھی اور مشرکین
کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں اس سے قدرۃً بڑھ گئی تھیں اور اکیلے قریش مکہ ہی نہیں گردو پیش کے دُوسرے قبیلے بھی متحد ہو کر اسلام کے خلاف زبردست محاذ تیار کر چکے تھے مسلمانوں کو ہمت ثبات و استقامت کے یہ درس عین اُس وقت دیئے
جا رہے ہیں۔ خُذُوْا حِذْرَكُمْ۔ حذر کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام میں آتی ہے اس میں شامل ہے خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدبیریں۔ وقس علیٰ ہذا گویا مطلب یہ ہُوا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے
سے درست اور آمادہ رہو۔ حذرکم ای ما فیہ الحذر من السلاح وغیرہ ما اشبہ ما یحذر بہ کالحزم والسلاح (بیضاوی) خذوا حذرکم ای استعد باعداد ما یستعد بہ للقاء من تلقاہ (بحر) ۶۲۱ (ایسی
کہ جہاد میں شریک بھی نہیں ہوتا اور پیچھے رہ جاتا ہے) یہاں مُراد منافقین ہیں جو جہاد میں شریک ہی نہیں ہوئے تھے۔ المبطئون منافقوھم تثاقلوا وتخلفوا عن الجھاد (بیضاوی) مِنْكُمْ۔ خطاب

انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ
یا اکٹھے ۶۲۰ اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو دیر لگا دیتا ہے ۶۲۱ اور پھر تم پر
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ
اگر کوئی مُصیبت آپڑتی ہے تو کہتا ہے کہ بیشک مجھ پر اللہ نے بڑا فضل کیا کہ مَیں
اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ
اُن لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہُوا ۶۲۲ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل پیش آتا ہے تو بول اُٹھتا
اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ
ہے (اس بےتعلقی کے ساتھ کہ) گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی (رشتہ) محبت تھا ہی نہیں کہ کاش
كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ
مَیں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مَیں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا ۶۲۳ تو اگر یہ ہے تو اُسے چاہیئے کہ
سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ
اللہ کی راہ میں لڑے ۶۲۴ اُن لوگوں سے جو دنیا کی زندگی خریدے ہوئے ہیں آخرت کے عوض میں ۶۲۵
وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ
اور جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑتا ہے تو مارا جائے یا جیت جائے (بہر صورت)
فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ
ہم اس کو عنقریب اجرِ عظیم دیں گے ۶۲۶ اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم جنگ نہیں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ
کرتے ہو اللہ کی راہ میں ۶۲۷ اور ان لوگوں کے لئے جو کمزور ہیں مردوں میں سے

یہاں مومنین اور ظاہری مومنین (منافقین) کے مجموعہ سے ہے اور اس مضمون کی آیتوں میں قرآن مجید کا عام طریقِ خطاب یہی ہے۔ الخطاب لعسکر رسول اللہ صلعم المؤمنین منھم والمنافقین (بیضاوی) انما جمع بینھم فی الخطاب من جھۃ الجنس والنسب لا من جھۃ الایمان (قرطبی) ۶۲۲ (نہیں تو مَیں بھی اسی مُصیبت کا شکار ہوتا) اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ۔ مُصیبت مثلاً جنگ میں شکست۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ۔ یہ وہ فخر و مسرت کے ساتھ کہتا ہے۔ ۶۲۳ منافقین کی دو رنگی اور سیرتِ منافقانہ کو آشکار کیا ہے کہ مومنین کو جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو منافقین اپنی بےتعلقی اور علیحدگی پر جھٹ اپنی مسرت و فخر کا اعلان کرنے لگتے ہیں کہ خوب ہُوا جو ہم شریک نہ تھے ورنہ ہم بھی اسی بلا میں پھنستے اور مسلمانوں کو جب فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے تو رشک کرنے لگتے ہیں کہ کاش امالِ غنیمت ہمارے حصّہ میں بھی آتا۔ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ مثلاً جنگ میں فتح و نصرت۔ كَاَنْ ..... مَوَدَّةٌ۔ یعنی اس خود غرضی کے ساتھ کہتا ہے جیسے تم مسلمانوں کی خوشی سے اس منافق کو کوئی تعلق ہی نہیں۔ اور اُسے تاسُف و حسرت صرف اپنی ہی قوت و دولت پر ہے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ اُمتِ اسلامیہ کی خوشی سے خوش ہونا علاماتِ ایمان میں سے ہے۔ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ منافق کی زبان سے اس کے معنٰی یہ ہونگے کہ مَیں بھی خوب دولت حاصل کرتا۔ مالِ غنیمت میں میرا بھی بڑا سا حصّہ ہوتا! ۶۲۴ (اخلاص کامل اور اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے) فَلْيُقَاتِلْ میں ف کے معنٰی ہیں کہ اگر واقعی اُسے فوز عظیم ہی منظور ہے۔ ۶۲۵ یعنی کافروں سے قتال کرے جو دین کی صحیح تعلیم کو بھلائے ہوئے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں۔ يَشْرُوْنَ۔ شراء لغاتِ اضداد میں سے ہے یعنی اس کے معنٰی خریدنے کے بھی ہیں اور فروخت کرنے کے بھی۔ کچھ اس بنا پر اور کچھ آیت کی ترکیبِ الفاظ کی بنا پر، آیت کے ایک بالکل دوسرے معنی بھی کئے جا سکتے ہیں اور

کئے گئے ہیں، یعنی "وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض میں فروخت کر چکے ہیں"۔ اور اس صُورت میں آیت کا تعلق تمام تر مومنین مخلصین سے ہوگا جو اپنی ہر دنیوی
خوشحالی اور کامرانی کو رضاء الٰہی پر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ائمۂ تفسیر نے دونوں ہی پہلو اختیار کئے ہیں۔ وللمفسرین وجھان الاول ان یشرون معناہ یبیعون والقول الثانی معنی قولہ
یشرون ای یشترون (کبیر) یشرون بمعنی یشترون ویبیعون (کشاف) نزلت فی المنافقین ومعنی یشرون یشترون وقیل نزلت فی المومنین المخلصین ومعنی یشرون یبیعون (معالم) ۶۲۶
(آخرت میں) یہ آخرت کا اجرِ عظیم مجاہدین کے لئے غلبہ اور شکست (کہ اس کی انتہائی صورت کو فَيُقْتَلْ سے تعبیر کیا ہے) کہ ہر صُورت میں موعود ہے مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ فوز عظیم کو اجر سے
تعبیر کرنا وعدہ کے تاکد اور ترتب کے تیقن کے لئے ہے۔ ۶۲۷ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ اعلاء کلمۃ اللہ تو خود جہاد کا ایک مستقل محرک اور قوی داعی ہے۔ مَا لَكُمْ۔ استفہام سے مقصود
ترغیب و تحریص ہے اور خطاب مومنین صادقین سے ہے۔ خطاب للمامورین بالقتال علیٰ طریقۃ الالتفات مبالغۃ فی التحریض والحث علیہ وھو المقصود من الاستفھام (روح)

لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا

اگر ہم نے ان پر فرض کر دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو مار ڈالو یا یہ کہ اپنے وطن سے

مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ

نکل جاؤ تو اس کو ان میں سے نہ کرتے کوئی مگر بجز تھوڑے سے لوگوں کے ٦١٤ اور اگر یہ (لوگ)

فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾

وہ کر ڈالتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو انکے حق میں یہ بہتر بھی ہوتا اور انہیں ثابت قدم رکھنے والا بھی ٦١٥

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ

اور اس وقت ہم انہیں ضرور اپنے پاس سے اجرِ عظیم دیتے ٦١٦ اور ہم انہیں سیدھی

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ

شاہراہ دکھا دیتے ٦١٧ اور جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریگا تو ایسے لوگ اُنکے

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ

ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام کیا ہے یعنی پیمبر اولیاء اور

وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ۭ

شہید اور صالحین اور یہ کیسے اچھے رفیق ہیں ٦١٨

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع ٩ يٰٓاَيُّهَا

یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے ٦١٩ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ

ایمان والو اپنی احتیاط کرلو پھر گروہ گروہ کوچ کرو

ع ٩ ١١ ٦

٦١٤ (اور وہی تھوڑے مومن کامل ہوتے) اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ ایک معنی میں تو دونوں حکم اب بھی موجود ہیں یعنی جہاد و قتال اور ترک وطن یا ہجرت اپنے اپنے موقع پر اور تحقق شرائط پر اب بھی واجب ہیں، یہاں مُراد یہ ہے کہ اگر یہ احکام خود بھی مقصود بالذات ہوتے اور قتال و ہجرت ہر حال میں فرض ہوتے۔ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ. قليل منهم. یہ علیھم اور منھم میں ضمیر جمع غائب کس کی جانب ہے؟ جائز ہے کہ منافقین کی جانب ہو۔ والضمير قيل يعود على المنافقين (بحر) لیکن بہتر یہ ہے کہ مطلق انسانوں یا الناس کی جانب مانی جائے۔ لو كتب الله على الناس ما ذكر يخبر تعالى عن اكثر الناس (ابن کثیر) مَّا فَعَلُوْهُ۔ ضمیر حکم کی جانب ہے۔ والضمير للمكذب ودل عليه كَتَبْنَا (بیضاوی) اِلَّا قَلِيْلٌ کی ایک قرات بجائے رفع کے نصب کے ساتھ قليلًا بھی آئی ہے لیکن ائمہ نحو نے ترجیح اسی مشہور قرات کو دی ہے۔ ٦١٥ (ایمان کے معاملہ میں) یعنی اگر شک، تذبذب، تزلزل کی راہ چھوڑ کر اطاعتِ رسُول میں یکسوئی کے ساتھ لگ جائیں تو انہیں ایمان میں ثبات واستقلال اور اس کی برکتیں از خود نصیب ہونے لگیں۔ ذکر اُنہی منافقین اور کمزور ایمان والوں کا چل رہا ہے۔ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی اللہ و رسُولؐ کے احکام کی اطاعت اگر انہوں نے بہ دل و جان کرلی ہوتی۔ اى ما يؤمرون به من التوبة والاخلاص (ابن عباس) من متابعة الرسول صلعم و مطاوعته طوعًا و رغبًا (بیضاوی) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی دنیوی و اُخروی انفرادی و اجتماعی ہر اعتبار سے ان کے فلاح کی صُورت پیدا ہو جاتی۔ تَثْبِيْتًا۔ پہلے یہ بتایا کہ احکامِ دین پر اگر عمل کرتے تو یہ چیز اُنہی کے کام آتی اور اُنہی کے حق میں بہتر ہوتی۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ احکام پر عمل کرنے سے خود قوتِ ایمانی، ضعیف سے قوی اور قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے۔ مُرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ دین کا کام کرتے رہنے سے اعتقاد و یقین کی باطنی کیفیت کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ٦١٦ (آخرت میں) اِذًا یعنی اگر انہوں نے احکامِ خدا اور رسُولؐ کا اتباع کیا ہوتا اور نتیجۃً انہیں خیر و صلاح بھی حاصل ہو چکتی اور دین میں ثبات و استقامت بھی نصیب ہو چکتی۔ اى لو اتبعوا (جلالین) ٦١٧ (کہ بے روک ٹوک سیدھے رضاءِ الٰہی کے مقام، جنّت میں داخل ہو جائیں) اور عجب نہیں کہ اسی کی برکت سے دنیا میں بھی سعی و عمل کی صراطِ مستقیم اُن پر خوب روشن ہو کر رہے۔ ٦١٨ دنیا کی مادّی اور حسّی نعمتیں چاہے جتنی بھی ہوں۔ انسان ان سے لُطف و لذّت لینے میں کچھ کمی ہی محسوس کرتا ہے۔ اگر ساتھ ہی یارانِ بزم اور شرکاءِ صحبت بھی اپنے ہم مذاق اور دلپسند نہ ہوں۔ یہاں بشارت اسی نعمتِ عظیم کی مِل رہی ہے کہ اہلِ جنّت کو مادی و روحانی ہر قسم کی نعمتوں کے علاوہ صحبت بھی پاکیزہ ترین، بہترین، انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے والوں کی نصیب ہوگی۔ حَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا میں ایک پہلو حیرت کا بھی ہے اور اسی لئے ترجمہ ''کیسے اچھے'' سے کیا گیا ہے۔ فيه معنى التعجب كانه قيل وما احسن اولٰئك رفيقًا (کشاف) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اس اطاعت کا تعلق احکام اور واجبات ضروری سے ہے۔ ورنہ اگر فرائض و واجبات کے علاوہ مستحبات، نوافل، تطوّعات کا بھی اسی قدر اہتمام ہو جائے تو پھر درجۂ ولایت خود ہی حاصل ہو جائیگا اور بہ طور انعام رفاقتِ اولیاء نصیب ہونے کے کوئی معنیٰ نہ رہیں گے۔ اُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ یعنی باوجود اپنے اعمال میں کمی اور کوتاہی رہ جانے کے اور باوجود بالذّات ان کاملین سے مرتبہ میں فروتر ہونے کے انہیں اُن کاملین کی جنت نصیب ہو جائیگی۔ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ یہ انعام کمال قرب و وصول کی صُورت میں ہوگا۔ صِدِّيْقِيْنَ یعنی بات کے کھرے اور معاملہ کے سچے، ایسے کہ سچائی اور حق پسندی گویا اُن کی فطرت میں رچ گئی اور اُن کی طبیعت کا جزء بن گئی ہے۔ ایمان کے ہر جزء سے متعلق اُن کی تصدیق کامل ہوتی ہے۔ ریب و شک کے حدود سے بالاتر۔ كل من صدق بكل الدين لا يتخالجه فيه شك فهو صديق (کبیر) البالغ فى الصدق والتصديق (قرطبی) اُردو میں اُنہی کو اولیاء کہتے ہیں۔ قربِ حق میں ان کا نام انبیاء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ افضل الخلق هم الانبياء عليهم السلام وبعدهم الصديقون (کبیر) شُّهَدَاۗءِ۔ شہید وہ ہے جو دین کی محبت میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کرے۔ اور عمل سے ثابت کر دے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا تھا، وہ اسے اس قدر عزیز تھی کہ اُس کی خاطر اُس نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ الصّٰلِحِيْنَ۔ صالحین وہ افرادِ اُمّت کہلاتے ہیں جو پورے دیندار اور متبع شریعت ہوتے ہیں۔ ٦١٩ اللہ کا علم حاوی و محیط ہے۔ ان کی نیتوں کو بھی، ان کے عمل کو بھی، ان کے مقتضائے عمل کو بھی۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی تمام مومنین کو جو کاملین کی معیت و رفاقت نصیب ہوگی، یہ محض فضلِ خداوندی کا ظہور ہوگا۔ ان کے اعمال کا ثمرہ نہ ہوگا۔

اَیۡدِیۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ
پھر آپکے پاس آتے ہیں اللہ کی قسم کھاتے ہوئے کہ ہمارا مقصد تو محض

اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِیۡقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا
بھلائی اور مصالحت تھا ۶۰۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے اللہ (اُسے) سب

فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ
جانتا ہے، تو آپ اُن سے چشم پوشی کر جایا کیجئے ۶۰۸ اور انہیں نصیحت کرتے رہیئے، اور انہیں اُن کے

فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًا بَلِیۡغًا ﴿٦٣﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ
باب میں مؤثر بات کہتے رہیئے ۶۰۹ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض

اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ
سے کہ اُسکی اطاعت اللہ کے حکم سے کی جائے ۶۱۰، اور کاش کہ جس وقت یہ اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے تھے

جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ
آپکے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت چاہتے، اور رسول بھی اُن کے حق میں مغفرت چاہتے تو

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ
ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا اور مہربان پاتے ۶۱۱ سو آپکے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ

حَتّٰی یُحَكِّمُوۡكَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ
ہونگے ۶۱۲ جبتک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو، آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ

اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿٦٥﴾ وَ
آپ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں ۶۱۳ اور

۶۰۷ یعنی جب اُن کی دورنگی کھل جاتی ہے اور بازپُرس شروع ہوجاتی ہے تو قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے لگتے ہیں کہ ہم بھی تو مومن ہیں۔ اور ہمیں رسولؐ کی حاکمیت سے کچھ انکار تھوڑے ہی ہے۔ ہم تو محض نیک نیتی اور فریقین کی خیرخواہی کے خیال سے مقدمہ کو دوسری جگہ لے گئے تھے۔ آیتوں کی شان نزول میں آتا ہے کہ ایک یہودی اور ایک نام کے مسلمان یعنی منافق کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا۔ یہودی نے رسول اللہ صلعم کی دیانت پر اعتماد کرکے کہا کہ چلو وہیں تصفیہ کرائیں۔ منافق کا پہلو کمزور تھا، بولا نہیں بلکہ سردار یہود کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ بالآخر مقدمہ رسول اللہ صلعم ہی کی خدمت میں آیا اور یہاں سے فیصلہ یہودی کے موافق ہوا کہ وہی اس معاملہ میں حق پر تھا۔ منافق نے کہا کہ چلو اب عمرؓ کے پاس چلیں وہ غالبًا اپنے دل میں یہ سمجھا کہ عمرؓ کی شدت و غلظت کا فروں پر بہت بڑھی ہوئی ہے اور میں ظاہر میں تو بہرحال مسلمان ہوں۔ وہاں میری ہی چل جائے گی۔ آیات میں تلمیح اسی واقعہ کی جانب ہے۔ منافقین اپنا یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہم کسی اور کے پاس مقدمہ کچھ اس خیال سے تھوڑے ہی لے جاتے ہیں کہ فیصلہ کا حق رسولؐ کے سوا کسی اور کو حاصل ہے، بلکہ ہم تو اس لئے لے جاتے ہیں کہ وہاں حق و انصاف و قانون سے زیادہ فریقین کی مصلحت اور دلجوئی پر نظر رہیگی۔ ۶۰۸ (اور اُن کے کرتوتوں کو علم خداوندی اور مؤاخذہٴ خداوندی کے حوالہ رکھیئے، خود مؤاخذہ سر دست نہ فرمایئے) مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ۔ یعنی جو کچھ یہ اپنے دلوں میں کفر و نفاق کی قسم سے چھپائے ہوئے ہیں۔ ۶۰۹ یعنی خاص ان کی اصلاح سے متعلق اُن پر کافی مضامین کی تبلیغ کرتے رہیئے کہ اُن پر حجت الٰہی قائم رہے۔ وَعِظۡهُمۡ۔ انہیں نصیحت کرتے رہیئے جیسا کہ منصب رسالت کا اقتضاء ہے۔ ۶۱۰ یہاں یہ ارشاد ہورہا ہے کہ رسولؐ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اُس کو حاکم اعلیٰ اور مقتدا تسلیم کیا جائے اور اُمت اُسی کے لائے ہوئے قانون اور بتلائی ہوئی شریعت پر چلنا سیکھے۔ ورنہ محض زبانی رسول مان لینے سے تو کوئی حاصل ہی نہیں۔

مِنۡ رَّسُوۡلٍ میں مِنۡ زاید تاکید کی غرض سے ہے۔ من زائدة للتاکید (قرطبی) بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ اس قید نے واضح کردیا کہ مطاع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسولؐ مطاع اُس کے نائب کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ۶۱۱ (اور ان کی توبہ قبول ہوگئی ہوتی) اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ۔ اپنی جان پر ظلم اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ رسول زندہ سلامت اپنے درمیان موجود اور پھر ان کی عدالت سے اعراض، فَاسۡتَغۡفَرُوا۔ مغفرت چاہتے اپنے اس گناہ کی اور گناہِ نفاق کی۔ جَآءُوۡكَ۔ آپکے پاس ندامت کے ساتھ حاضر ہوتے۔ تقدیرِ کلام یہاں یوں سمجھی گئی ہے۔ ثم جاءوك فآمنوا واستغفروا۔ استغفار کے لفظ میں خود ایمان کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس لئے آمنوا کی تصریح کی ضرورت نہ رہی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بغیر ایمان لائے محض حاضری ہرگز کافی نہ تھی۔ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ۔ رسولؐ کی خدمت میں ایمان کے ساتھ حاضری اور پھر اللہ سے طلبِ مغفرت، یہ دونوں چیزیں یقینًا آپکے قلب سے اثر ناراضی کو دور کردیتیں اور اس کے بجائے انشراح پیدا کردیتیں اور آپ ضرور اُن کے لئے مغفرت طلب کرنے لگتے۔ ایک نو پیدا باطل فرقہ کا آیت کے یہ معنی کرنا کہ "وہ کتاب اللہ بھی انہیں معافی دے دیتی" لغت اور قرآن دونوں کے ساتھ تمسخر ہے۔ ۶۱۲ عِنۡدَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے ہاں اُن کا ایمان اُس وقت تک معتبر نہ سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں سے مُراد وہی منافقین اور اسلام کے ظاہری اور زبانی دعویدار ہیں۔ فَلَا وَرَبِّكَ میں لا زائد و تاکید قسم کے معنی میں ہے۔ مزیدة لتاکید معنی القسم (مدارک) ۶۱۳ آیت نے اسے صاف کردیا کہ رسولؐ کی عدالت میں مقدمات محض لے آنا ہرگز ایمان کے لئے کافی نہیں عقلی اعتقادی حیثیت سے اطمینان بھی رسولؐ کے فیصلہ پر ہونا چاہیئے۔ ہاں اس کے بعد بھی کوئی طبعی تنگی باقی رہ جائے تو غیر اختیاری ہونے کی بنا پر معاف ہوگی حَتّٰی یُحَكِّمُوۡكَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ۔ آپ کی حیاتِ مبارک میں تو آپ کا حَکَم بننا ظاہر ہی تھا۔ بعد وفات آپ کی شریعت حَکَم بننے کے لئے کافی ہے۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اُس کے رسولؐ کے کسی حکم میں شک و شبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے وہ دائرہٴ اسلام سے خارج ہے۔ وفی هذه الاٰیة دلالة علیٰ ان من ردّ شیئًا من اوامر اللّٰه تعالیٰ او اوامر رسول اللّٰه صلعم فهو خارج من الاسلام سواء ردّه من جهة الشك فیه او من جهة ترك القبول والامتناع من التسلیم (جصاص)

۵۹۸ (اور اس کی تحقیق مزید کرلیا کرو، کہ اولو الامر کا حکم احکام شریعت کے کہاں تک مطابق ہے) اِلَی اللّٰہِ ۔ اللہ کے احکام کی طرف مراجعت کرنا تو ظاہر ہے کہ کتاب اللہ
کی طرف رجوع کرنے سے ہر وقت ممکن ہے لیکن اِلَی الرَّسُوْلِ کی تعمیل کی کوئی صورت رسول اللہؐ کی وفات کے بعد بجز اس کے ممکن نہیں کہ دفتر احادیث و سنن کی طرف رجوع کیا جائے
—— حدیث و سنت کی حجیت اس طرح فرقۂ اہلِ قرآن کی سطحیت کے علیٰ رغم خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اِنْ تَنَازَعْتُمْ ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اولو الامر اور عام افراد امت

مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ
اطاعت کرو، ۵۹۸ پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اسکے رسول
الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
کی طرف لوٹا لیا کرو ۵۹۸ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو ۵۹۹ یہی
ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۟۵۹ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ
بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے ۶۰۰ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی
یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ
جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور آپ سے قبل
قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا
نازل ہو چکی ہے ۶۰۱ لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں ۶۰۲ حالانکہ انہیں حکم مل چکا
اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا
ہے کہ اسکے مقابلہ میں کفر اختیار کریں ۶۰۳ اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دور دراز
بَعِیْدًا ۟۶۰ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ
لے جائے ۶۰۴ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل کیا ہے اور
اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ
رسولؐ کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کی طرف سے بڑی پہلوتہی
صُدُوْدًا ۟۶۱ فَكَیْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ
کر رہے ہیں ۶۰۵ پھر کیسی گزرتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے اپنے ہی ہاتھوں ۶۰۶

ع ۹ ۵

منزل ۱

ہیں۔ اس تصریح نے یہ حقیقت اور کھول دی کہ حکام و علماء سے عوام کا اختلاف بالکل جائز ہے۔ آخری اپیل کتاب و سنت ہی کی عدالت میں ہونی چاہیئے اور وہی ساری شریعت کا ماخذ ہے۔ یہیں سے اُس فرقہ کا بھی رد نکل آئے گا جو رسول معصوم کے علاوہ مستقل ائمہ معصوم کا بھی وجود تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ہر امامِ وقت، اپنی ساری بزرگیوں کے باوجود بہرحال غیر معصوم ہے۔
۵۹۹ (اور اس لئے شتر بے مہار نہیں ہو بلکہ اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس رکھتے ہو) ۶۰۰ یعنی دنیا میں بھی یہی ذریعۂ امن و راحت ہے، اور آخرت میں بھی وسیلۂ نجات و سعادت۔ ذٰلِكَ ۔ یعنی یہی طریق عمل جس کا ذکر ابھی ہو چکا —— اصل اور غیر مشروط اطاعت اللہ کی۔ اللہ ہی کے نائب معصوم کی حیثیت سے اطاعت رسول کی۔ اور پھر ان دونوں کے واسطہ سے اور انہی کی موافقت و سازگاری کے ساتھ مشروط، اطاعت حکام و علمائے اسلام کی۔ ۶۰۱ مراد یہود اور منافقین ہیں۔ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ یعنی توریت۔ یَزْعُمُوْنَ زعم کے اصل معنی مطابق قول کے ہیں۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل لیکن عموماً اس کا استعمال جھوٹ یا مشکوک بات کے لئے ہوتا ہے۔ الزعم القول الحق والباطل واکثر ما یقال فیما یشك فیه ولا یتحقق (تاج) واذا
شك فیه فلم یدر لعله كذب او باطل قیل یزعم فلان (لسان) محاورۂ قرآنی میں یہ ہمیشہ ذم ہی کا پہلو لئے ہوئے آیا ہے۔ جاء فی القرآن فی كل موضع ذم القائلون به (راغب) ۶۰۲ (بجائے اسکے کہ اُسے شریعت کی عدالت میں لائیں) طَاغُوْت پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکا ہے۔ یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت و اقتدار ہے۔
۶۰۳ یعنی اس کی حاکمیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ اور طاغوت کے اقتدار کے آگے گردن نہ جھکائیں۔ ۶۰۴ یعنی بنی آدم کے دشمنِ ازلی شیطان کی تو تمنا ہی یہ رہتی ہے کہ انہیں راہِ حق سے زیادہ سے زیادہ دور کر دے۔ ۶۰۵ منافقین یوں تو اسلام کے مدعی تھے لیکن جب کبھی کوئی مقدمہ معاملہ آ پڑتا تو فیصلہ کے لئے رسول اللہ (صلعم) کی خدمت میں حاضر ہونے سے بہت ہی گھبراتے کہ یہاں تو بہرحال بلا رو رعایت دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر رہیگا۔ اور کسی قسم کی سخن سازی و خیانت نہ چل سکے گی۔ تعالوا الی الرسول ۔ رسول کی طرف آؤ، کہ آپ قانونِ شریعت کے موافق فیصلہ کر دیں۔ ۶۰۶ مثلاً یہی کہ اُن کی خیانت یا منافقت کا راز کھل گیا۔ اور اس پر اُن کی دھر پکڑ شروع ہو گئی۔

۵۹۰ آیت کا مقصود اہلِ دوزخ کے دوامِ عذاب کا اعلان ہے۔ نضجت۔ نضج کے لفظی معنی پک جانے کے ہیں۔ یہاں مُراد جل چکنے سے ہے مقصود یہاں یہی ہے کہ عذاب منقطع نہ ہوگا۔ اور احساسِ عذاب ہمیشہ تازہ ہوتا رہے گا۔ یمکن ان یقال ھذا استعارۃ عن الدوام وعدم الانقطاع (کبیر) المقصود بیان دوام العذاب وعدم انقطاعہ (کبیر) صاحب بحر نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے اگرچہ قبول نہیں کیا ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کھال جب جل جائے گی تو اس میں مزید الم کا ادراک ہی کہاں باقی رہے گا۔ نہیں بلکہ کھال کا احساس ہر دم تازہ ہوتا رہے گا اور جلد بے حس کبھی بھی نہ ہونے پائے گی ——— آخرت میں خواص اشیاء کو دنیا کے خواص طبعی پر قیاس کرنا یوں بھی کمال بے دانشی ہے۔ ۵۹۱ چنانچہ صفت عزیز کا اقتضا یہ ہے کہ وہ نئے، پُرانے ہر قسم کے عذاب پر ہر وقت قادر ہے اور صفت حکیم کا اقتضا یہ ہے کہ عذاب ہو یا تجدیدِ عذاب۔ کوئی بھی شے حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں۔ ۵۹۲ یعنی انہیں عیش و راحت ہر طرح کی حاصل رہے گی۔ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکے ہیں۔ ۵۹۳ الْاَمٰنٰتِ۔ امانات کے اندر جملہ حقوق آگئے جن کی ادائی واجب ہے، اور اَهْلِهَا سے وہ سب مُراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے انہیں حکم ہو رہا ہے کہ جس جس کے جو حقوق واجب ہیں، سب ادا کرتے رہو۔ اسی میں حقوق اللہ و حقوق العباد سب آگئے۔ ھو یعم جمیع الامانات الواجبۃ علی الانسان من حقوق اللہ علی عبادہ ومن حقوق العباد بعضھم علی بعض (ابن کثیر) حکمھا عام ولھذا قال ابن عباس ومحمد بن الحنفیۃ ھی للبر والفاجر ای ھی امر لکل احد (ابن کثیر) ھذہ الآیۃ من امھات الاحکام تضمنت جمیع الدین والشرع (قرطبی) والاظھر فی الآیۃ انھا عامۃ فی جمیع الناس (قرطبی)۔ ۵۹۴ (اُن کے آپس کے حقوق کے باب میں) اب خطاب حکام اور اہلِ حل و عقد سے ہو رہا ہے۔ انھا نزلت فی الامراء یعنی الحکام بین الناس (ابن کثیر) ۵۹۵ (کہ اسی طریقِ معدلت سے دنیا میں بھی انتظامات درست رہیں گے اور آخرت میں بھی اجر اسی کا ہے) یَعِظُكُمْ بِهٖ سے اشارہ اسی طریق معدلت کی جانب ہے۔ ۵۹۶ چنانچہ وہ ادائے حقوق اور عدل گستری سب کے باب میں تمہارے لفظ و قول کو بھی سنتا رہتا ہے اور تمہاری نیتوں اور محرکاتِ عمل پر بھی نظر رکھتا ہے ۵۹۷ (کہ اُن کے احکام بھی احکام خدا و رسول پر مبنی اور انہی سے ماخوذ ہوں گے) اَطِيْعُوا اللّٰهَ۔ مطاع اصلی اور حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول مطاع مطلق اس اعتبار سے ہیں کہ اللہ کے احکام کے وہی پہنچانے والے اور وہی ان احکام کی شرح و تفصیل کرنے والے ہیں۔ اُولِی الْاَمْرِ۔ اولوالامر کون ہیں؟ اس میں اچھی خاصی قیل و قال ہوئی ہے۔ علماء و فقہاء اُمت بھی مُراد لئے گئے ہیں اور امراء و حکام بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی مُراد لئے جائیں کہ احکامِ شریعت کے نافذ کرنے والے یہ دونوں ہوتے ہیں۔ ای الولاۃ او العلماء (مدارک) روی عن جابر بن عبداللہ وابن عباس روایۃ والحسن وعطاء ومجاھد انھم اولوا الفقہ والعلم وعن ابن عباس فی روایۃ وابی ھریرۃ انھم امراء السرایا ویجوز ان یکونوا جمیعا مرادین بالآیۃ لان الاسم یتناولھم جمیعہ (جصاص) اُولُوا الْاَمْرِ۔ خواہ وہ علماء و فقہاء ہوں یا امراء و حکام۔ بہرحال ان میں مستقل مطاع ہونے کی صلاحیت ذرا سی بھی نہیں۔ وہ مطاع صرف اسی حیثیت سے ہیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یا بعض جزئیات میں شرح کرنے والے ہیں۔ اس حد کے آگے ان کی کوئی اطاعت نہیں۔ مِنْكُمْ۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے اس آیت سے جن صاحبوں نے کسی غیر اسلامی حکومت کی اطاعت پر استدلال کیا ہے، انہوں نے اپنی فہم سلیم پر بڑا ظلم کیا۔ اطاعت تو مسلم امیر کی بھی ہر صورت و حال میں جائز نہیں۔ چہ جائیکہ کسی غیر مسلم کی۔ وہ اگر جائز ہے بھی تو کم از کم اس آیت سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں۔

جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ
جلدیں پک جائیں گی ہم ان کی جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا کریں گے تاکہ وہ برابر تازہ عذاب چکھتے رہیں ۵۹۰
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۵۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۵۹۱ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے
الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
نیک عمل بھی کئے انہیں ہم عنقریب باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ
ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اُن کے لئے اُن باغوں میں صاف ستھری بیویاں
مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝۵۷ اِنَّ اللّٰهَ
ہوں گی اور ہم انہیں بڑے گنجان سایہ میں لا اُتاریں گے ۵۹۲ اللہ تمہیں حکم دیتا
يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ
ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو ۵۹۳ اور جب لوگوں کے
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا
درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو ۵۹۴ بیشک اللہ تم کو بہت ہی اچھی
يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝۵۸ يٰۤاَيُّهَا
بات کی نصیحت کرتا ہے ۵۹۵ بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا دیکھنے والا ہے ۵۹۶ اے ایمان والو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ
اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اہلِ اختیار کی

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى

مانے ہوئے ہیں ۵۸۲ اور کفر کرنے والوں کی بابت کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ

تو یہی لوگ زیادہ ہدایت یاب ہیں ۵۸۳ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ

ہے ۵۸۴ اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کا کوئی مددگار ہرگز نہ پائے گا ۵۸۵ کیا انہیں بھی

نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾

کچھ اقتدار نصیب ہو جائے تو یہ تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں ۵۸۶

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

کیا یہ لوگوں پر حسد کر رہے ہیں اُن چیزوں کے باعث جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ

دے رکھی ہیں ۵۸۷ سو ہم نے تو آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت دی ہے اور ہم نے

اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ

انہیں بڑا اقتدار بھی دیا ہے ۵۸۹ اور ان میں سے کوئی کوئی تو اس پر ایمان لائے اور

مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کوئی کوئی اس سے رُکے رہے اور دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے ۵۹۰ بیشک جن لوگوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ

ہماری نشانیوں کے ساتھ کفر کیا، ہم انہیں عنقریب (دوزخ کی) آگ میں جھونکیں گے جب کبھی ان کی

۵۸۲ الجبت ۔ جبت کا اطلاق تو اللہ کے سوا ہر معبود پر ہوتا ہے ۔ یقال لکل ما عبد من دون اللہ جبت (راغب) لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا استعمال ساحروں اور کاہنوں کے لئے ہوتا ہے ۔ سمی الساحر والکاھن جبتا (راغب) صحابہ اور تابعین دونوں سے یہ معنی منقول ہیں ۔ قال عمرؓ الجبت السحر (ابن جریر) قال ابن عباس وابن جبیر وابو العالیۃ الجبت الساحر (قرطبی) یہود میں عملیات کا اور سحر، کہانت، نجوم، وغیرہ علوم سفلی کا ذوق ابتدا سے چلا آرہا ہے، جیسا کہ پارۂ اول میں آیۃ واتبعوا ما تتلوا الشیاطین کے تحت میں دکھایا جا چکا ہے ۔ جبت کا لفظ لا کر عجب نہیں کہ اشارہ ان کی اسی قومی خصلت کی جانب کرنا مقصود ہو ۔ الطَّاغُوْتِ ۔ طاغوت پر حاشیہ پارۂ سوم میں گزر چکا ۔ طاغوت ہر وہ چیز ہے جو انسان میں طغیان و عدوان پیدا کر دے ۔ الطاغوت کل ما یطغی الانسان (قرطبی) عجب نہیں کہ یہ لفظ لا کر یہود کے رجحان مادیت اور ذوق مادہ پرستی کی طرف توجہ دلانا منظور ہو ۔ ۵۸۳ روایتوں میں آتا ہے کہ سرداران یہود مکہ میں آئے تو قریش نے اُن سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروانِ محمدؐ کا ۔ اور سوال میں اپنے دینی کارناموں، مثلاً خدمتِ حجاج، خدمت کعبہ کا ذکر بھی کر دیا ۔ سردارانِ یہود بولے کہ ان کے دین سے تو تمہارا ہی دین بہتر ہے ۔ اور اُن سے زیادہ ہدایت یاب تم ہی ہو ۔ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ للذین کفروا سے مراد قریش و مشرکین مکہ ہیں ۔ ل کے معنی "بابت" یا "متعلق" کے ہیں ۔ للذین ای فی حقہم (روح) واللام للتبلیغ (بحر) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ سے مراد مسلمان ہیں ۔ ۵۸۴ خود دینِ توحید رکھ کر اور آئین انبیا سے آشنا ہو کر، دینِ توحید سے اتنی بیزاری اور ذاتِ رسولؐ سے اتنا بغض کہ شرک اور مشرکین تک کو اُن سے بہتر بتا رہے ہیں ۔ ملعونیت کا تحقق ان سے بڑھ کر اور کس پر ہوگا ۔ ۵۸۵ (جو عذاب سے اُسے بچا لے یا اس میں کچھ کمی بھی کرا دے) مشرک قوموں اور قبیلوں نے خدا کے ساتھ ساتھ اپنے اور بھی حمایتی گڑھ کر رکھے تھے ۔ ۵۸۶ یعنی اپنی مقبولیت اور روحانی عظمت الگ رہی ۔ یہود کو اگر دنیوی امارت و سیادت نصیب ہوتی تو یہ اتنے بخیل اور تنگدل ہیں کہ اس میں بھی کسی کو شریک نہ ہونے دیتے ۔ بلکہ لوگوں کے حقوق تک نہ ادا کرتے ۔ اور شاید اسی بخیلی، تنگدلی کی قومی جبلت کی بنا پر یہود دنیوی اقتدار سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں ۔ نَقِيْرًا ۔ نقیر کے لفظی معنی اُس گڑھے کے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے ۔ عربی محاورہ میں مثل فتیل کے حقیر سی حقیر اور چھوٹی سی چھوٹی چیز اس سے مراد ہوتی ہے ۔ جیسے اُردو میں رائی بھر، رتی بھر وغیرہ بولتے ہیں "تل برابر"، ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ہے ۔ لا یؤتون نقیرا ای بمنعون الحقوق (قرطبی) ۵۸۷ (مثلاً نعمتِ نبوت) النَّاسَ کے لفظی معنی تو "لوگوں" کے ہیں لیکن یہاں مراد عرب یا بنی اسمٰعیل یا خود رسولؐ اور مومنین ہیں ۔ الناس ھنا العرب حسد تہا بنو اسرائیل (بحر عن قتادہ) حسدت الیہود قریشا لان النبوۃ فیہم (قرطبی عن الضحاک) المراد ھھنا الرسول ومن معہ من المومنین (کبیر) یہود کو اصلی خلش اسی کی تھی کہ انبیاء تو ہمیشہ اسرائیلیوں میں ہوئے ہیں، یہ ایک عرب کو کیسے نبوت مل گئی ۔ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ مراد نبوت ہے ۔ قتادہ و ابن جریج تابعین سے یہی معنی مروی ہیں معنی الفضل فی ھذا الموضع النبوۃ التی فضل اللہ بہا محمدا وشرف بہا العرب (ابن جریر عن قتادہ ابن جریج) اولی التاویلین فی ذلک بالصواب قول قتادۃ وابن جریج الذی ذکرنا قبل (ابن جریر) ۵۸۸ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ اور نسلِ ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں ۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل ۔ یہاں یہود کو یاد دلایا گیا ہے کہ ہماری نعمتوں کے وعدے تو کل نسل ابراہیمؑ سے ہیں نہ کہ اس کی ایک ہی شاخ سے ۔ پھر تم تنہا اپنے ہی کو ان نعمتوں کا حقدار کیسے سمجھنے لگے ہو ۔ اور جب ایک اسمٰعیل کو نعمتیں مل رہی ہیں تو تمہیں اس پر حسد یا حیرت کیوں ہے؟ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ دونوں روحانی نعمتیں ہیں ۔ ان کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے اور مُلْكًا عَظِيْمًا دنیوی نعمت ہے اس کا ذکر الگ کر کے کیا ہے ۔ ۵۸۹ (سو دنیا میں سزا ملنا نہ ملنا چنداں قابل التفات نہیں) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ بعض نے مراد کتاب لی ہے بعض نے وہ سارا فقرہ جو آلِ ابراہیم سے متعلق گزرا ہے اور بعض نے ذاتِ محمدیؐ کو ۔ ماحصل تینوں صورتوں کا ایک ہی ہے ۔ من اٰمن بالکتٰب (بحر) بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم او بما ذکر من حدیث آل ابراہیم (بیضاوی) یعنی بالنبی (صلعم) (قرطبی)

۵۷۱ اُوْتُوا الْکِتٰبَ میں کتاب سے مراد توریت ہے۔ بِمَا نَزَّلْنَا اس کتاب پر جسے ہم نے اب اپنے رسول پر نازل کیا ہے یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ یعنی قرآن تو اصل توریت کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ اس کے محرف اجزا ظاہر ہے کہ اس عام تصدیق سے مستثنیٰ ہیں۔ ۵۷۲ (غرض اسی طرح کے کسی عذاب شدید و ہولناک میں مبتلا کردیں) نَّطْمِسَ وُجُوْهًا۔ طمس وجہ سے مُراد ہے چہرہ کے نقش و نگار اور آنکھ و ناک منہ وغیرہ اعضا کو مٹا دینا۔ فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ۔ یعنی ان لوگوں کے چہروں کو گدیوں کی طرح صفاچٹ کردیں۔ ف ہمیشہ تعجب ہی کے لئے نہیں ہوتی کبھی تفصیل اجمال کے لئے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں اسی غرض سے ہے۔ اور یہ دوسرا فقرہ پہلے فقرہ کی تفصیل و توضیح کر رہا ہے۔ یہ ڈراوے سب عذاب اُخروی کے ہیں لیکن وجوہ کے معنی مجازاً سرداروں اور رئیسوں کے بھی آئے ہیں۔ قیل عنی بالوجوہ الاعیان والرؤساء (راغب) یراد بالوجوہ رؤسھم ووجھاؤھم (کشاف) اس لئے فقرہ کے معنی یہ ہونگے کہ ہم ان کے سرداروں کو ذلیل و خوار کریں۔ چنانچہ کشاف و کبیر وغیرہ میں یہ معنی بھی نقل ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس کے متصل فقرہ کے معنی یہ ہونگے کہ "ہم ان کی وجاہت و اقبال کو سلب کرلیں اور ان پر ذلّت و ادبار نازل کریں" چنانچہ کشاف، بیضاوی وغیرہ میں یہ قول بھی نقل ہوا ہے۔ مِّنْ قَبْلِ کا صحیح مفہوم پیشِ نظر نہ رہنے سے ایک سوال یہ پیدا ہوگیا ہے کہ طمس و مسخ کی یہ سزا ملی ہی کب؟ ظاہر ہے کہ ان سزاؤں

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا

تصدیق کرنے والی اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے ۵۷۱ قبل اس کے کہ ہم چہروں کو مٹا ڈالیں اور

فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ

چہروں کو اُن کے پیچھے کی جانب اُلٹا دیں ۵۷۲ یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں جس طرح ہم نے سبت والوں

السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ

پر لعنت کی تھی ۵۷۳ اور اللہ کا حکم پورا ہوکر ہی رہتا ہے ۵۷۴ اللہ اس کو تو بیشک نہ بخشے گا کہ

اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

اسکے ساتھ شرک کیا جائے ۵۷۵ لیکن اسکے علاوہ جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی (کسی کو)

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

اللہ کا شریک ٹھیراتا ہے اس نے یقیناً ایک بڑا گناہ سمیٹا ۵۷۶ کیا تُو نے ان پر نظر نہیں کی

الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ

جو اپنے کو پاکیزہ ٹھیراتے ہیں ۵۷۷ حالانکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ ٹھیرائے ۵۷۸

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى

اور ان پر دھاگا برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا ۵۷۹ دیکھ تو یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹا طوفان

ع ۷/۴ اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى

باندھتے ہیں اور یہ کافی ہے جرمِ صریح کے لئے ۵۸۰ کیا تُو نے اُن لوگوں پر

الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

نظر نہیں کی جنہیں کتاب سے بہرہ ور کیا گیا تھا ۵۸۱ (اس پر بھی) یہ بُت اور شیطان کو

کا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور مِن قبل ہمیشہ کسی واقعہ کے واقع ہوجانے ہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اس کے ہو سکنے پر بھی دلالت کرتا ہے اور محلِ تہدید میں آتا ہے تو اس معنی میں اس کا استعمال قرآن مجید میں کثرت سے ہوا ہے۔ حدیثِ نبوی میں ایک دعا آتی ہے۔ اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتك قبل ان تکون الدموع دمًا والاضراس جمرًا۔ قبل کے یہاں یہ کوئی معنی بھی نہیں سمجھتا کہ بعد کا واقعہ صرف زماناً مؤخّر ہے اور واقع ہوکر رہے گا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس کے وقوع سے اپنے کو بچایا جائے۔ اردو ہی کے محاورہ میں ہم برابر کہتے رہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ دوزخ میں پڑو، گناہوں سے توبہ کرلو۔ اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ دوزخ میں تو بہرحال پڑنا ہی صرف زماناً اس سے قبل توبہ کرلینا چاہیئے بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے گناہوں سے توبہ کرلو۔ اسی طرح آیت کا خلاصۂ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ طمس و مسخ کی سزاؤں سے بچنے کے لئے قرآن و صاحبِ قرآن کی تصدیق کرلو۔ ۵۷۳ اصحٰب السبت پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکا۔ ۵۷۴ (سو طمس، مسخ، لعنت جس چیز کا بھی حکم ہوگیا وہ بہرحال پورا ہوکر رہے گا) ۵۷۵ (سو مشرک عذابِ دائمی میں مبتلا رہے گا) مشرک کی نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس نے جنت کی نعمتوں کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت ہی اپنے میں باقی نہ رکھی۔ ۵۷۶ (اور اس جُرم عظیم کی بنا پر وہ قابلِ مغفرت نہ ہوگا) اِفْتَرٰۤى اِثْمًا۔ گناہ سمیٹا کا محاورہ خاص اس مفہوم کے ادا کرنے کو ہے۔

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اور جتنے بھی گناہ ہو سکتے ہیں، وہ بہرحال شرک سے کمتر ہی ہونگے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی شرک تو آسمانی حکومت سے صریح بغاوت کے مُرادف ہے بس اُسے چھوڑ کر باقی ہر معصیت مغفرت کی گنجایش رکھتی ہے اور جس کسی کے حق میں مشیتِ الٰہی ہوگی اسے معافی مل جائے گی۔ خواہ اُس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔ وقد ابانت ھٰذہ الآیۃ ان کل صاحب کبیرۃ ففی مشیئۃ اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء عاقبہ علیہ مالم تکن کبیرتہ شرکًا باللہ (ابن جریر) ای یغفرہ ادون الشرك وان کان کبیرۃ مع عدم التوبۃ (مدارک) آیت میں رَد ہے خوارج وغیرہ اُن گمراہ فرقوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ہر گناہ شرک ہے اور ہر گناہ کی سزا عذاب ابدی ہے۔ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ مشیت کا اطلاق بلا کسی قید و شرط کے ہے یہیں سے رَد نکل آیا معتزلہ کا جو کہتے ہیں کہ مغفرت اُن کی ہوگی جو توبہ کرلیں نہ اُن کی جو توبہ نہ کریں گے۔ توبہ کے بعد تو ظاہر ہے کہ اہلِ کفر و شرک کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جس طرح شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں پہنچا سکتا ہے اسی طرح میرا خیال ہے کہ توحید کے ساتھ کوئی عمل ضرر نہیں کرتا۔ یہ قول حضرت عمرؓ کے سامنے دُہرایا گیا تو آپ نے اس پر سکوت اختیار کیا۔ ۵۷۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ۔ یعنی ایسے لوگوں کی حماقت بھی قابل دید ہے۔ الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی اللہ نے توحید و تقویٰ کو جو معیار فضیلت و مقبولیت رکھ دیا ہے اُسے چھوڑ چھاڑ لوگوں نے نسل وغیرہ کے طرح طرح کے معیار شرف و بزرگی کے گڑھ لئے ہیں اور ان بنیادوں پر اپنے کو معظم و مقدس سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ تمامتر حماقت و ضلالت ہے۔ آیت کا اشارہ خاص یہود کی جانب ہے۔ اپنے کو نسلِ انبیا میں سے ہونے کی بنا پر مقدس سمجھ رہے تھے باقی ہندوستان میں برہمن، چھتری وغیرہ اپنے کو محض مقدس خاندانوں سے انتساب کی بنا پر مقدس سمجھنے والے، اپنے چندر بنسی، سورج بنسی ہونے پر فخر و ناز کرنے والے یا جاپانیوں کی طرح اپنے کو دیوتاؤں کی نسل میں قرار دینے والے سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ اور ہاں پھر کسی درجہ میں سلمان پیرزادے، مخدوم زادے، سیّد زادے وغیرہا۔ ۵۷۸ یعنی معتبر تو پاکیزگی اُسی کی ہے جسے اللہ پاکیزہ قرار دے اور اپنے زعم و پندار میں اپنے کو پاکیزہ ٹھیرا لینے سے کیا ہوتا ہے۔ ۵۷۹ یعنی جو سزا اُنہیں ملے گی، وہ اُن کے جُرم سے ذرّہ بھر بھی زائد نہ ہوگی۔ اُن کا جرم ہے ہی اسی سزا کا مستحق۔ فَتِيْلًا۔ فتیل کے لفظی معنی دھاگے کے ہیں۔ عربی محاورہ میں مُراد حقیر سی حقیر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے ہوتی ہے۔ جیسے ایک دُوسری جگہ ولا یظلمون نقیرًا۔ بھی آیا ہے۔ یرجع الی الکنایۃ عن تحقیر الشیء و تصغیرہ (قرطبی) اشارۃ الی اقل شیء (بحر) جیسے اُردو میں ایسے موقع پر "ذرّہ بھر" "رتی بھر" "بال برابر" استعمال ہوتے ہیں۔ ۵۸۰ (تو ایسے صریح جرم پر ایسی سزا کیا کچھ ظلم و زیادتی ہے؟) بِهٖ میں ضمیر افتراء یعنی افترا علی اللہ کی جانب ہے۔ والضمیر فی بہ عائد علی الافتراء وھو الذی انکر علیہم (بحر) ۵۸۱ یعنی یہود۔ اور کتاب سے مُراد کتابِ الٰہی یا توریت ہے۔

۵۶۴ (اے مسلمانو!) یہود خود تو علمِ توریت کے باوجود کفر و ضلالت اختیار کئے ہوئے تھے ہی، مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی جو طرح طرح کی تدبیریں
کرتے رہتے تھے۔ یہ اشارہ اسی طرف ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے یعنی توریت۔ اَلَمْ تَرَ۔ میں خطاب عام ہے ہر مخاطب کے لئے۔
۵۶۵ (اور اُس نے تم کو بھی خبردار کر دیا) ۵۶۶ اللہ کا حمایتی ہونا یہ ہے کہ وہ مومن بندوں کی مصلحتوں کی رعایت کرتا رہتا ہے اور اُس کا مددگار ہونا یہ ہے کہ وہ انہیں دشمنوں کی نقصان رسانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ ۵۶۷ (اور لفظی و معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے رہتے ہیں) اَلْكَلِمَ۔ کلام سے مُراد کلامِ الٰہی یا توریت ہے۔ اَلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ یہ وہ لوگ تھے جو نسلاً اسرائیلی نہیں، بلکہ عرب تھے لیکن یہود کی طویل صحبت سے متاثر ہو کر خود بھی یہود کے شعائر و عقائد اختیار کر کے رفتہ رفتہ ان میں جذب ہو چکے تھے۔ شرارت و خباثت میں یہ بھی نسلی یہود سے کچھ کم نہ تھے تفصیل پارۂ اوّل میں گزر چکی۔ نحویّین کہتے ہیں کہ هادوا اور یحرفون کے درمیان مَنْ محذوف ہے۔ قال الفراء المحذوف مَنْ المعنی من الذین هادوا مَنْ یحرّفون (قرطبی) ۵۶۸ (یعنی ان کے حق میں نافع بھی اور مطابق واقعہ بھی) عرب یہود کی مستمر شرارتوں اور خباثتوں میں سے یہ امر بھی تھا کہ رسُول اللہ (صلعم) کو مخاطب کرتے وقت ایسے الفاظ قصداً بولتے جن میں پہلوئے ذم بھی نکلتا رہتا اور تحقیر یا بددُعا پیدا ہوتی رہتی۔ پارۂ اوّل میں بھی یہ ذکر پُوری وضاحت سے آچکا ہے۔ یہود کی ان گستاخیوں کا دار و مدار چونکہ تلفظ اور الفاظ ہی کے سوءِ استعمال پر ہے اس لئے ترجمہ سے اصل مفہوم پوری طرح ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔ اصل عربی الفاظ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ ظاہری مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سُن لیا اور آپ کے گمراہ کُن مخالف و معاند کا قول نہیں مانا لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے تمہاری بات تو سُن لی لیکن اُسے قبول نہیں کیا۔ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ ظاہراً مطلب یہ تھا کہ کوئی مخالف اور رنج دہ بات آپ کے کان میں نہ جائے لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی اچھی بات سنائی ہی نہ دے۔ رَاعِنَا۔ راعنا کا ظاہراً مطلب یہ تھا کہ ہماری رعایت سے دوبارہ فرمایئے لیکن تلفظ میں "ع" کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے بالکل گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا تھا۔ لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ یعنی بہ ظاہر لہجہ سے تعظیم و توقیر نظر آتی تھی لیکن زبانیں تقیہ سے کام لیتی ہوتی تھیں اور دل کے بغض و عناد کو چھپائے ہوئے رہتی تھیں۔ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ۔ اس تصریح نے بتا دیا کہ عرب یہود کی یہ ساری حرکتیں بے خیالی سے خالی نہ تھیں اور نہ تفریحِ طبع کے طور پر تھیں۔ بلکہ اللہ کے دین پر طعن کرنا، اسے مجروح کرنا مقصود بھی تھا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ اسمع، انظرنا۔ تعلیم ان الفاظ کی ہوئی کہ پہلوئے ذم سے خالی ہیں۔ ۵۶۹ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے ان کے دلوں کو اپنی رحمت خاصہ سے دُور کر دیا۔ لعنت پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکا۔ بِكُفْرِهِمْ۔ اس سے یہ صاف ہو گیا کہ رحمتِ خاصہ سے بھی یہ دوری اور مہجوری خود بخود اور بلا سبب نہیں ہوئی بلکہ یہ انہی کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے ۵۷۰ اور یہ تھوڑے سے وہی تھے جو آگے چل کر مسلمان ہو گئے باقی سب کا خاتمہ علمِ الٰہی کے مطابق کفر ہی پر ہوا

اَلَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا وہ گمراہی کو مول لے رہے ہیں

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ (۴۴) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ

اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی) گمراہ ہو جاؤ ۵۶۴ اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا (۴۵) مِنَ الَّذِيْنَ

اور اللہ کا حمایتی ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا کافی ہے ۵۶۶ جو لوگ یہودی ہو گئے

هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو کلام کو اس کے موقعوں سے پھیرتے رہتے ہیں ۵۶۷ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ

مگر ہم نے مانا نہیں اور (ہماری) سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے، اور "راعنا" میں زبانوں کو توڑ موڑ کر

وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

دین میں طعنہ زنی کی راہ سے اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سُنا اور ہم نے قبول کیا،

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ

اور (ہماری) سنو اور "انظرنا" تو ان کے حق میں کہیں بہتر اور درست تر ہوتا ۵۶۸ لیکن اللہ نے

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (۴۶)

تو اُن کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے ۵۶۹ سو وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑے سے ۵۷۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا

اے وہ لوگو جنہیں کتاب مِل چکی ہے اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے

اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾

ایک ایک گواہ حاضر کریں گے ۵۵۳ اور ان لوگوں پر آپ کو بہ طور گواہ پیش کریں گے، ۵۵۴

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ

جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیمبر کی نافرمانی کی ہے وہ اس روز

تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾

تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان پر برابر کر دی جائے، اور اللہ پر کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ۵۵۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو،

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ

یہاں تک کہ جو کچھ (منہ سے) کہتے ہو اسے سمجھنے لگو ۵۵۶ اور نہ حالت جنابت میں جب تک کہ غسل

حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ

نہ کر لو ۵۵۷ بجز اس حال کے کہ تم مسافر ہو ۵۵۸ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو ۵۵۹ یا

جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

تم میں سے کوئی استنجا سے آیا ہو ۵۶۰ یا تم نے اپنی بیویوں سے قربت کی ہو ۵۶۱ پھر تم کو

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر

وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

ہاتھ پھیر لیا کرو ۵۶۲ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے ۵۶۳ کیا تو نے نہیں دیکھا

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ٦/٩ ٢

۵۵۴ (اے پیغمبر!) ھٰٓؤُلَآءِ (ان لوگوں) کا اشارہ کس جانب ہے؟ بہ ظاہر وہ لوگ مُراد معلوم ہوتے ہیں جو قرآن کے براہِ راست یا بالواسطہ مخاطب تھے، اور جن سے رسول اللہ صلعم کا سابقہ تھا۔ ای علی امتك (ابن جریر) یعنی قومه المخاطبین بالقرآن (کبیر) دوسری تفسیر یہ ہے کہ اشارہ ان گواہوں کی جانب ہے یعنی ان گواہوں کے صدقِ بیان پر گواہ ہو کر، تشهد علی صدق ھٰؤلاء الشھداء لعلمك بعقائدھم (بیضاوی)۔ بہرصورت جب رسول اللہ صلعم اس آیت پر پہنچتے تھے تو اپنی ذمہ داری کے احساس اور فرطِ خشیت سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آنسو چشمِ مبارک سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی علیھا فاضت عیناہ (ابن جریر)۔ جن بیدردوں نے قرآن کو کلامِ محمدی ٹھیرایا، وہ غور کریں، اپنے گھڑے ہوئے کلام سے بھی انسان کے آنسو جاری ہو سکتے ہیں؟ ۵۵۵ (بلکہ ہر چھپا ہوا راز اس روز ظاہر ہو کر رہیگا) یَوْمَئِذٍ۔ اس روز سے ظاہر ہے کہ روزِ حشر مُراد ہے۔ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ۔ تاکہ وہ پیوندِ زمین ہو کر حشر کی رسوائی اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ ۵۵۶ یعنی نشہ اُتر جائے اور زبان قابو میں آ جائے۔ آیت اُس وقت کی ہے جبکہ حُرمتِ شراب کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، مطلب آیت کا یہ ہے کہ اوقاتِ نماز میں تو شراب پینے سے باز رہو۔ یہ مطلب نہیں کہ شراب تو اسی طرح پیتے چلے جاؤ اور نشہ کی حالت میں نماز چھوڑے رہو۔ ۵۵۷ یعنی حالتِ جنابت کے بعد غسل کرنا فرض ہے، بغیر اس کے نماز درست نہ ہوگی۔ مرد کو انزال ہو جانا۔ عورت کو حیض آ جانا، مرد و عورت دونوں کا عملِ مباشرت کرنا (خواہ انزال کے بغیر ہو) یہ سب حالتیں جنابت کی ہیں۔ اَلصَّلٰوةَ سے مُراد مَواضع الصلوٰۃ بھی لی گئی ہے۔ یعنی مسجدیں۔ ای مواضع الصلوٰۃ وھی المساجد (مدارک)۔ المراد مواضع الصلوٰۃ وھو قول الشافعی (قرطبی)۔ ۵۵۸ یعنی بجز حالتِ سفر کے کہ جب پانی کا ملنا اور غسل کا انتظام ہونا دشوار ہو۔ ایسی حالت کا حکم ابھی آگے آتا ہے۔ ولا یصح لاحد ان یقرب الصلوٰۃ وھو جنب الا بعد الاغتسال الا المسافر فانه یتیمم وھٰذا قول ابی حنیفۃ (قرطبی)۔ جن فقہاء نے الصلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوٰۃ لی ہے انہوں نے الا عابری سبیل سے جنبی کی ضرورت کے وقت مسجد سے گزرنے کا جواز نکالا ہے۔ فیجوز للجنب العبور فی المسجد عند الحاجۃ (مدارک)۔ ھٰذا یقتضی جواز العبور للجنب فی المسجد لا الصلوٰۃ (قرطبی)۔ ۵۵۹ (اور مرض اور سفر دونوں صُورتوں میں پانی کا استعمال یا مُضر ہو، یا اس کا بہم پہنچنا دشوار ہو، یا غسل کا انتظام نہ ہو سکتا ہو) ۵۶۰ (اور اس لئے وضو باقی نہ رہا ہو) ۵۶۱ (اور اس لئے غسل فرض ہو گیا ہے) لَمْس اور مس دونوں کے لفظی معنیٰ چھُونے کے ہیں۔ اس لئے بعض فقہاء نے یہاں بھی محض ملامست مراد لی ہے اور ملامستِ نساء کو موجباتِ وضو میں سے قرار دیا ہے لیکن لمس کے مجازی معنیٰ ہمبستری کے ہیں۔ ویکنی بہ وبالملامسۃ عن الجماع (راغب)۔ من المجاز اللمس والملامسۃ المجامعۃ (تاج)۔ اور مس تو قرآن مجید میں بھی ہمبستری کے معنیٰ میں آیا ہے۔ ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن۔ اس لئے فقہاء حنفیہ نے یہاں لمس سے بھی ہمبستری ہی مراد لی ہے اور یہی مذہب قوی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے صحابیوں اور مجاہد وطاؤس، حسن بصری سعید بن جبیر وغیرہم تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ ای جامعتم النسآء (ابن عباسؓ)۔ قال قوم ھو الجامعۃ وھو قول ابن عباس والحسن والمجاھد وقتادۃ (معالم)۔ روی عن علی وابی ابن کعب ومجاھد وطاؤس والحسن وعبید بن عمیر وسعید بن جبیر والشعبی وقتادۃ ومقاتل بن حیان نحو ذٰلك (ابن کثیر)۔ وکنی بالملامسۃ من الجماع والی ذٰلك ذھب علی کرم اللہ تعالٰی وجھه وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما والحسن (روح)۔ ۵۶۲ یعنی ایسی مٹی ہو جو خود غیر طاہر یا گندی نہ ہو، دو دو بار ہاتھ مار کر پہلی بار پورے چہرہ اور دوسری بار ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیر لیا کرو۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً۔ یعنی کسی سبب سے بھی سہی۔ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ ماء کے صیغۂ نکرہ میں آنے سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی کسی قسم کا بھی ہو، وضو کے لئے درست ہے۔ فھو عام فی کل ما کان من سماء او نھر او عین عذب او ملح (قرطبی)۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس میں اتنی وسعت یہ رکھی ہے کہ رنگ، مزہ یا بُو بدلے ہوئے پانی تک کی اجازت دے دی ہے۔ واجاز ابو حنیفۃ الوضوء بالماء المتغیر (قرطبی)۔ پانی کی معدومیت ایک تو حقیقی ہے وہ یہی کہ پانی موجود نہ ہو۔ دوسری حکمی ہے یعنی موجود تو ہو لیکن اس کا استعمال مرض پیدا کر دے یا مرض کو بڑھا دے یا کسی اور وجہ سے اس کے استعمال سے معذوری ہو۔ فقہاء نے نام صرف چند چیزوں کے گنائے ہیں۔ فلم تقدروا علی استعماله لعدمه او بُعده او فقد آلۃ الوصول الیه او المانع من حیّۃ او سبع او عدو (مدارک)۔ لو کان یجد الماء الا انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه تیمم (ہدایہ)۔ وامّا ان یخاف فوات الرفیق او علی الرجل بسبب طلبه او لصوصًا او سباعًا او فوات الوقت او عطشًا علی نفسه او علی غیرہ وکذٰلك للطبخ او الخبز او لمصلحۃ بدنه فاذا کان احد ھٰذه الاشیاء تیمم وصلّٰی (قرطبی)۔ صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ صعید لغت میں کہتے ہیں زمین کے بالائی رُخ کو، نہ کہ نفس مٹی کو۔ الصعید یقال لوجه الارض (راغب)۔ قال الزجاج لیس ھو التراب انما ھو وجه الارض ترابًا کان او غیرہ (تاج)۔ والذی یعضد الاشتقاق وھو صریح اللغۃ انه وجه الارض علٰی ای وجه کان من رمل او حجر او مدر او تراب (ابن العربی)۔ اس لئے حنفیہ کے ہاں جنس ارض کی تمام چیزوں پر تیمم جائز ہے خواہ ان پر گرد پڑی ہو یا نہ پڑی ہو اور امام مالکؒ اور ثوریؒ وغیرہ دوسرے ائمہ فقہ بھی اس باب میں حنفیہ کے ہم زبان ہیں۔ ویجوز التیمم عند ابی حنیفۃ ومحمد بکل ما کان من جنس الارض (ہدایہ)۔ یتیمم بالطاھر من جنس الارض وان لم یکن علیه نقع (در مختار)۔ یتیمم بوجه الارض کله ترابًا کان او رملًا او حجارۃ او معدنًا او سبخۃ ھٰذا مذھب مالك وابی حنیفۃ والثوری والطبری (قرطبی)۔ جنس ارض میں سے ہونے کی شناخت یہ ہے کہ وہ آگ میں نہ جل جائے نہ اس سے پگھل جائے۔ چنانچہ گیرو، پتھر، سُرمہ، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر اس قاعدہ کے موافق اور چُونہ پر اس قاعدہ کے خلاف عمل جائز ہے۔ البتہ خاکستر (راکھ) پر جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم صرف مٹی ہی پر جائز ہے۔ ۵۶۳ (چنانچہ دشوار موقعوں کے لئے اُس نے کیسے آسان حکم دے رکھے ہیں)

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ
جو بخل کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں اللہ نے

مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُسے چھپاتے ہیں ۵۴۶ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار

مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ
کر رکھا ہے ۵۴۷ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں

وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ
اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر (تو یہ سب کافروں ہی کے حکم میں

الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ
داخل ہیں) ۵۴۸ اور جس کا مصاحب شیطان ہوا سو بُرا مصاحب ہوا ۵۴۹، اور انہیں کیا خرابی لاحق ہو جاتی

لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ
اگر یہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اُس میں

اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
سے خرچ کرتے رہتے ۵۵۰ اور اللہ ان سے خوب واقف ہے بیشک اللہ ایک ذرہ بھر سے ظلم نہیں

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ
کرے گا ۵۵۱ اور اگر ایک نیکی ہو گی تو اسے دوگنا کر دیگا اور اپنے

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ
پاس سے اجرِ عظیم دے گا ۵۵۲ سو اُس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر اُمت سے

منزل ۱

يحتمل ان يراد بالجار ذی القربی من له مع الجوار قرب واتصال بنسب او دین وبالجار الجنب الذی لا قرابة له ولو مشرکا (روح) وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ اس ہم مجلسی یا صحبت میں وقت کی کوئی قید نہیں۔ رفاقت و مصاحبت خواہ سالہا سال کی ہو خواہ چند منٹ کی، بہرحال اپنا حق قائم کر جاتی ہے۔ اس کی تعریف کے ذیل میں ہم سبق، ہم مدرسہ، ہم سفر کھیل کود کے ساتھی، ریل اور جہاز کے ساتھی، شریکِ تجارت، شریکِ صنعت سب آجاتے ہیں۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ یہ ضرور نہیں کہ مسافر مہمان ہی بن کر آئے۔ خاطر تواضع بقدرِ وسعت و ہمت ہر آیند و روند کی ضروری ہے۔ ۵۴۵ اب یہاں سے اُن موانع کا بیان ہے جو ادائے حقوق کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے پہلی چیز خودبینی ہے اور دوسری چیز نمائش و حبِ جاہ۔ مُخْتَالٌ وہ ہے جو اپنی بڑائی کے خیال میں گرفتار رہتا ہے اور عزیزوں قریبوں، پڑوسیوں کی طرف التفات کرنے میں کسرِ شان سمجھتا ہے۔ فَخُوْرٌ وہ ہے جو دوسروں پر اپنا فخر زبان سے جتلاتا رہتا ہے۔ ۵۴۶ (کہ ان تینوں قسم کے لوگ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ مخلوق میں داخل ہیں) ادائے حقوق میں خودبینی اور فخاری کے بعد تیسرا بڑا مانع یہی بخل ہوتا ہے۔ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: سے مُراد مال و دولت کا ہونا ظاہر ہے۔ دُوسرے معنیٰ علمِ دین کی دولت کے بھی کئے گئے ہیں اور وعید میں وہ لوگ شامل سمجھے گئے ہیں جو مسائلِ دین کے اظہار میں بخل کرتے رہتے ہیں۔ ۵۴۷ انسان عموماً بخل اسی لئے کرتا ہے کہ مال سجا کر اس سے اپنے جاہ میں اضافہ کرے۔ اس جاہ پرستی کی سزا قدرۃً یہ ملے گی کہ عذاب سخت دردناک ہونے کے علاوہ اسے خَلق کی نظر میں ذلیل و رسوا کرنے والا بھی ہو گا۔ ۵۴۸ رِئَآءَ النَّاسِ۔ یعنی یہ لوگ اہلِ حقوق پر خرچ نہیں کرتے بلکہ موقع نمود پر خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا ایمان خدا اور روزِ جزا پر نہیں ہوتا وہ جس موقع پر اور جس مقصد سے بھی خرچ کریں گے، بہرحال کوئی نہ کوئی صُورت رضائے خلق ہی کی ہو گی۔ حالانکہ اسلام نے جاں کی طرح (گو اس سے کم درجہ میں) مال کی بھی خرچ کی اجازت رضائے خالق ہی کے تحت دی ہے۔ ۵۴۹ (جو ہمیشہ برائی ہی کی ترغیب دیتا رہے گا) مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا۔ جس کا مصاحب شیطان ہوا۔ جیسا کہ ان سب لوگوں کا ہے۔ ۵۵۰ (دین کی راہ میں اور اخلاص کے ساتھ) مَاذَا عَلَيْهِمْ۔ محاورۂ عربی میں ایسے موقع پر آتا ہے جیسے اُردو میں کہتے ہیں:۔ کیا غضب ہو جاتا، کون سی بڑی بات تھی! ۵۵۱ (قیامت کے دن) یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کی کوئی نیکی بلا اجر رہ جائے یا کوئی بدی کسی کے حساب میں خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ۔ اللہ جو خالقِ مطلق، حاکمِ مطلق، مالکِ مطلق ہے حقیقۃً ظلم کا اطلاق تو اس کے کسی فعل پر بھی کسی حال میں نہیں ہو سکتا۔ یہاں مُراد تو یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اور مجازی معنیٰ میں بھی ظلم نہیں کرتا۔ آیت میں دو پہلو اور بھی ہیں۔ ایک تو مشرک قوموں نے اپنی دیوی دیوتاؤں کو ظالم، ستمگر، خونخوار مانا ہے (مثلاً کالی مائی) حق تعالیٰ کی تنزیہ اس قسم کی صفات سے کلیۃً ہو گئی۔ دوسرے جن آیتوں میں حق تعالیٰ کی قوتِ مطلق اختیاراتِ کامل کا اثبات ہے، ان سے ممکن تھا کہ مسلمانوں کو بھی یہ خیال ہو جاتا کہ ہر طرح کا ظلم اس قادرِ مطلق کے لئے روا ہے۔ اس کی تردید بھی آیت سے ہو گئی۔ ۵۵۲ (سو کیا ٹھکانا ہے ایسے پروردگار کی رحمت و کرم کا) مِنْ لَّدُنْهُ۔ اپنے پاس سے یعنی زاید از استحقاق بلکہ بلا استحقاق۔ اسلام کا خدا نہ کوئی خونخوار دیوتا ہے نہ ایسا معذور کہ کسی پر کرم کرنا چاہے بھی تو اپنی صفتِ عدل کو برقرار رکھنے کے لئے کسی اور پر ظلم اسے کرنا پڑے! ——— شرک اور مسیحی شرک دونوں کی تردید آیت سے ہو گئی۔ ۵۵۳ (قیامت کے دن، اس اُمت سے متعلق اظہار دینے) یہ گواہ ہر اُمت کے مقابل اُس اُمت کے رسُول ہونگے۔ جو اس کی شہادت دیں گے کہ وہ احکام کی پوری پوری تبلیغ کرا آئے تھے۔

وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ

اور انہیں مارو ۵۳۶ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اُن کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو ۵۳۷

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا

بیشک اللہ بڑا رفعت والا ہے، بڑا عظمت والا ہے ۵۳۸، اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو ۵۳۹

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

تو تم ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو ۵۴۰ اگر

يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

دونوں کی نیت اصلاحِ حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دیگا ۵۴۱، بیشک اللہ بڑا علم رکھنے

عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

والا ہے، ہر طرح باخبر ہے ۵۴۲، اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو ۵۴۳ اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ

حُسنِ سلوک رکھو والدین کے ساتھ اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور

الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ

مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دُور والے پڑوسی اور

الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری مِلک میں ہے

اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿٣٦﴾

ان کے ساتھ ۵۴۴ قطعاً اللہ ایسوں کو دوست نہیں رکھتا جو خود بین ہیں فخار ہیں ۵۴۵

والخوف هما قيل معناه ابغتہ بن ذهب فى ذلك الى ان الاوامر التى بعد ذلك انما يوجبها وقوع النشوز لا توقعہ (بحر) حمل الخوف على العلم (سالم) فارسی مترجمین قرآن نے بھی یہاں خوف کا ترجمہ علم یا دانستن سے کیا ہے آں زناں کہ معلوم کنید سرکشی ایشاں (ولی اللہ دہلویؒ) آں زنانے کہ بیدانید نافرمانی ایشاں را (سعدیؒ) ۵۳۴ اب سرکش و نافرمان بیویوں کا علاج بیان ہو رہا ہے۔ پہلی منزل یہ ہے کہ انہیں نرمی و آشتی سے سمجھایا جائے، اگر عورت شریف طینت ہے تو یہ کافی ہو جائے گا۔ اسی میں شوہر کو بھی تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آکر کوئی سخت کارروائی نہ کر بیٹھو۔ ۵۳۵ یعنی ان سے تعلقاتِ ہمبستری منقطع کر لو اور ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو۔ یہ سزا کی دُوسری منزل ہے۔ جب زبانی گفتگو و فہمائش سے اصلاحِ حال نہ ہو اور نافرمانی و سرکشی بدستور قائم رہے۔ جب پہلا عملی قدم یہ اٹھاؤ لیکن تحقیق و تجربہ کے بعد۔ اس کے قبل محض ظن و بدگمانی کی بنا پر نہیں۔ ان تحققتم وعلمتم النشوز (جمل) فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ محض بدگمانی پر دوسری اور تیسری سزاؤں کا قدم اٹھانا جائز نہ ہوگا۔ فالحاصل ان كلا من الهجر والضرب مقيد بعلم النشوز ولا يجوز بمجرد الظن (جمل) وَاهْجُرُوْهُنَّ۔ ہجر کے دُوسرے معنی ترک کلام کے بھی کئے گئے ہیں یعنی ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دو۔ قال ابن عباس وعكرمة والضحاك والسدى هجر الكلام (جصاص) اى لا يكلمها وان وطئها قاله عكرمة وابو الضحى (ابن العربى) ۵۳۶ (ہلکے ہلکے) ضربا غير مبرح ولا شائن (ابن عباس) قال الحسن ضربا غير مبرح وغير مؤثر (جصاص) یہ تیسرا علاج اس وقت کے لئے ہے جب دوسرا علاج بھی ناکام ثابت ہو لے۔ والامور الثلاثة مرتبة ينبغى ان يدرج فيها (بيضاوی) اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی قسم کی ہو ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے۔ یا جس سے رفیقِ زندگی کی توہین لازم آتی ہو۔ بلکہ مفسر صحابی ابن عباسؓ سے تو یہ منقول ہے کہ یہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ قال ابن عباس بالسواك ونحوه (بحر) قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے (لیکن بار بار اسے یاد کر لینے کی بھی ضرورت ہے) اگر کسی ایک طبقہ کسی ایک قوم، کسی ایک تمدن سے نہیں۔ اسکے مخاطب عرب و عجم، چینی اور حبش، انگریز اور ہندی، رومی اور جاپانی، اعلیٰ اور ادنیٰ، شریف و رذیل، عالم و عامی، فہیم اور کودن، چمار اور چوہڑے، نائی اور دھوبی، شہری اور دیہاتی، نیک بخت اور بد باطن، ہر طبقہ، ہر سطح، ہر ذہنیت کے لوگ پہلی صدی ہجری سے لے کر قیامت تک ہر زمانہ اور ہر دَور والے ہیں اور اس کے احکام و مسائل میں لحاظ ہر انسانی ضرورت اور ہر بشری ماحول کا کر لیا گیا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے معاشرے اور طبقے ایسے ہیں جہاں عورت کے لئے جسمانی سزائیں عام ہیں۔ علاج کی یہ صُورت ظاہر ہے کہ انہی طبقوں کے لئے ہے۔ پھر اتنی اجازت بھی ضرورت پڑنے ہی پر ہے ورنہ سیاق عبارت نرمی ہی کی سفارش کر رہا ہے۔ وسوق الكلام للرفق فى اصلاحهن (جمل) فالتخفيف مراعى فى هذا الباب على ابلغ الوجوه (كبير) وقال الشافعى والضرب مباح وتركه افضل (كبير) اور اہلِ تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ نرم تدبیر اگر کافی ہو جائے تو سخت تر صُورت ہرگز جائز نہیں۔ مهما حصل الغرض بالطريق الاخف وجب الاكتفاء به ولم يجز الاقدام على الطريق الاشد (كبير) یورپ میں بیویوں کی مار پیٹ کا دستور جہاں جہاں رہا ہے اُس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید میں اس حکم کا ملنا قرآن مجید کے حق میں ذرا بھی مضر نہیں جیسا کہ بعض یورپ زدہ مسلمان سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ تو عین دلیل ہے اس کی کہ قرآن مجید کے احکام ہر طبقہ اور ہر مزاج اور ہر سطح انسانی کے لئے ہیں۔ ۵۳۷ (ان پر سختی اور زیادتی کرنے کے لئے) اوپر کی تدبیر تو محض ضرورت کیلئے ہی۔ بلا ضرورت اس کا استعمال بیوی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کیلئے ہرگز درست نہیں۔ ۵۳۸ (سو تم ایسی رفعت والے عظمت والے پروردگار کے حقوق میں کوتاہی سے کب مادرا ہو؟) شوہر اگر یہ مراقبہ کرتے رہیں تو بیویوں سے اپنے مطالبات میں یقیناً نرم پڑ جائیں اور ان کی طرف سے ادائے حقوق پر اتنا اصرار جاری نہ رکھیں۔ ۵۳۹ خطاب عام اُمتِ اسلامیہ کو ہے اور حکام اور اہلِ حل و عقد کو بدرجۂ اولیٰ۔ الخطاب كما قال ابن جبير والضحاك وغيرهما للحكام (روح) وقال آخرون المراد كل واحد من صالحى الامة (كبير) خطاب لجميع المؤمنين (كبير) بَيْنِهِمَا۔ یعنی میاں بیوی کے درمیان۔ شِقَاقَ۔ یعنی ایسی کشمکش جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں۔ اُمت اور افرادِ اُمت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرۂ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں کہ افراد ہی کی صالحیت پر اُمت کی صالحیت کا مدار ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کی خانگی نزاعوں کو اُمت اپنا ہی معاملہ سمجھے۔ اِنْ خِفْتُمْ۔ خوف یہاں بھی علم کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۵۳۳ والمراد فان علمتم كما قال ابن عباسؓ (روح) والخوف بمعنى اليقين وقيل هو بمعنى الظن يعنى ان ظننتم شقاقا بينهما (معالم) ۵۴۰ (جو تصفیہ کی اہلیت رکھتے ہوں وہ جا کر تحقیقِ حال کریں) فَابْعَثُوْا۔ یعنی تصفیہ کی غرض سے ان دو حکموں کو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو۔ میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ فوراً طلاق طلاق ہو جائے یا اور کسی ایسی ہی شدید کارروائی کی نوبت آجائے۔ بلکہ پہلے یہ کوششیں مصالحت و مفاہمت کی کر لی جائیں۔ رشتۂ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے، اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔ ۵۴۱ اِنْ يُّرِيْدَآ میں ضمیر تثنیہ دونوں حکموں کی جانب ہے اور بَيْنَهُمَا میں زوجین کی جانب۔ الضمير الاول للحكمين والضمير الثانى للزوجين (بيضاوى) والضمير فى ان يريدا للحكمين وفى بينهما للزوجين (مدارك) ہو سکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ضمیر زوجین ہی کیلئے ہوں۔ وقيل كلاهما للزوجين (بيضاوى) او الضميران للزوجين (مدارك) اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا۔ یعنی اگر اخلاص و دیانت کے ساتھ نیت مصالحت و مفاہمت کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نیت میں برکت ضرور دیگا۔ اور قلب کی صفائی کی کوئی صُورت نکال دیگا۔ فقیہ تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا واجب ہے اگر زوجین حکام سے رجوع کریں اور دوسروں کیلئے مستحب ہے اور من اهله واهلها کی قید سب کے لئے مستحب ہے۔ ۵۴۲ ہر انسانی ضرورت ہر بشری مصلحت پر اس کا علم محیط ہے۔ ۵۴۳ (نہ ذات میں نہ صفات میں) ۵۴۴ حُسنِ سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں تک معاشرہ کے ہر طبقہ کے ساتھ! اور پھر اس حکم کا عطف توحیدِ الٰہی پر!۔۔۔۔۔ دنیا کی کسی دُوسری آسمانی کتاب میں اس منظم تعلیم کی نظیر ملیگی؟ اور اسی کے ساتھ محققین کی یہ تصریح کہ ”اہلِ حقوق اگر کافر ہوں تب بھی اُن کے ساتھ احسان کرے۔ البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے اُن سے زائد ہوگا“ (تھانوی) وَالْجَارِ۔ حدیث میں آیا ہے جیسا کہ مفسرین نے محدث ابو نعیم اور محدث بزار کے حوالے سے لکھا ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں (۱) ایک وہ جن پر تہرے حق ثابت ہیں۔ حقِ جوار، حقِ قرابت، حقِ اسلام، (۲) دوسرے وہ جن پر دوہرے حق ثابت ہیں، حقِ جوار و حقِ اسلام۔ (۳) تیسرے وہ جن پر ایک ہی حق ثابت ہے یعنی حقِ جوار، اور وہ وہ پڑوسی ہے جو مشرک کتابی ہو۔ قرآن مجید کی یہ تصریح بھی یاد رہے کہ دونوں قسم کے پڑوسی حق رکھتے ہیں۔ قریب والے اور قرابت والے بھی اور دُور والے اور اجنبیت والے بھی۔ مسلمان اگر آج ایک اسی تعلیم کو یاد رکھیں تو کتنی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ بلکہ ایک تفسیر تو یہ بھی منقول ہے کہ جارِ ذی القربیٰ سے مُراد مسلمان پڑوسی ہے اور جارِ الجنب سے یہودی و نصرانی۔ والجار ذى القربى قال نوف الشامى هو الجار المسلم والجار الجنب هو الجار اليهودى والنصرانى فهى عنده قرابة الاسلام واجنبية الكفر (بحر)

۵۲۴ (یہ نہ ہوگا کہ مرد کا اجر اس کے مرد ہونے کی بنا پر کچھ بڑھ جائے اور عورت کا اجر اس کے عورت ہونے کی بنا پر کچھ گھٹ جائے) مرد بہ حیثیت مرد ہرگز اللہ کے ہاں مقرب تر اور نجات کا مستحق تر نہیں۔ اور عورت اپنی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر و قرب سے محروم نہ ہوگی۔ جیسا کہ بعض دوسرے مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے۔ اس میں عورت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ اپنا احساسِ کمتری دُور کرے اور سمجھ لے کہ ایک مکلّف مخلوق کی حیثیت سے وہ اور مرد دونوں بالکل ایک سطح پر ہیں اور حصولِ نجات و قربِ حق میں وہ مرد سے ذرا بھی فروتر نہیں۔ ہندوؤں نے اپنی منوسمرتی کے اوراق میں اور کیتھولک کلیسا نے صدیوں تک اپنی کونسلوں میں جو فیصلے عورت کی پستی اور پست فطرتی کے کئے ہیں۔ آیت ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مِمَّا اكْتَسَبُوا۔ مِمَّا اكْتَسَبْنَ۔ اکتساب سے مُراد دونوں جگہ اعمالِ خیر کا کسب ہے۔ ۵۲۵ (توفیقِ اعمال میں) رشک و تمنا والی اور دعاؤں سے طلب کرنے والی اصل چیز وہبی اور طبعی نعمتیں نہیں بلکہ توفیقِ حسنِ عمل ہے۔ ۵۲۶ (چنانچہ اپنے اس علم کامل کے مطابق اس نے ہر مخلوق کو صلاحیت و استعداد بخشی اور وہی ہر ایک کے فردِ عمل پر پوری طرح مطلع بھی ہے) ۵۲۷ (قانونِ میراث کے ذریعہ سے) وارثوں کی تفصیل اسی سورت میں چند رکوع قبل گزر چکی۔ تقسیم ترکہ کی کچھ عارضی صورتیں آغازِ اسلام ہی میں بتادی گئی تھیں وہ مکمل قانونِ میراث کے نازل ہونے کے بعد اب قدرۃً منسوخ ہوگئیں۔ لِكُلٍّ میں مضاف الیہ محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے لکل احدٍ ۵۲۸ یعنی کل ترکہ کا ⅙ حصہ۔ الَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ۔ اصطلاح میں یہ لوگ مولی الموالاۃ کہلاتے ہیں۔ عرب قدیم میں دستور تھا کہ دو شخص باہم قول و قرار کرکے ایک دوسرے کے اس طرح دوست و مددگار ہو جاتے کہ اگر

اكْتَسَبُوا ۚ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْأَلُوا
حصہ (ثابت) ہے، اور عورتوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے ۵۲۴ اور اللہ سے
اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾
اُس کے فضل کی طلب کرو ۵۲۵ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ۵۲۶
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ
اور جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے لئے ہم نے وارث ٹھیرا دیئے ہیں ۵۲۷
وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ
اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں انہیں ان کا حصہ دے دو ۵۲۸
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾ الرِّجَالُ
بیشک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے مرد عورتوں کے
قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ
سر دھرے ہیں ۵۲۹ اس لئے کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر
عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ
بڑائی دی ہے ۵۳۰ اور اس لئے کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے ۵۳۱ سو نیک بیویاں
قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي
اطاعت کرنے والی اور پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں ۵۳۲ اور جو عورتیں
تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
ایسی ہوں کہ تم اُن کی سرکشی کا علم رکھتے ہو ۵۳۳ تو انہیں نصیحت کرو ۵۳۴ اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو ۵۳۵

منزل

ایک پر دیت لازم آئے تو دوسرا اسے ادا کرے اور ایک کی وفات پر دُوسرا اسکی میراث پائے۔ اسی عہد کو عقدِ موالاۃ کہتے۔ شریعت نے شروع شروع اس دستور کو تھوڑی سی ترمیم کے بعد قائم رکھا اور انصار و مہاجرین میں مواخات قائم کرکے باہم میراث جاری کرادی۔ پھر اس عہد والے کا حصہ ⅙ متعین کیا۔ پھر جب سورت احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی واولوالارحام بعضھم اولی ببعض تو سب وارثوں کے حصے متعین ہوگئے اور اب اس کے لئے گنجائش نہ رہی۔ ۵۲۹ ابھی یہ معلوم ہوچکا ہے کہ رُوحانیات کی دُنیا میں یعنی قربِ حق اور حُسنِ عمل کے لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل مساوی ہے۔ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج اور ساری عبادتیں جس طرح اور جس پیمانہ پر مرد کی قبول ہوسکتی ہیں وہی ساری راہیں عورت کیلئے بھی کھلی ہوئی ہیں۔ اب یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مرد و زن کی یہ مساوات دنیوی معاملات میں اور انتظامی حیثیت سے قائم نہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں بہ حیثیت عبد بالکل ایک ہیں۔ عند اللہ اعمال کی مقبولیت کے معیار سے دونوں بالکل مساوی ہیں لیکن دنیا میں شریعت ہی کا حکم ہے کہ باپ افسر ہو کر رہے اور بیٹا ماتحت ہو کر۔ باپ حکم دے اور بیٹا حکم مانے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ معاشرت کی انتظامی مشین میں مرد کو عورت پر غلبہ و تفوق حاصل ہے۔

۵ ع ۸ ۲

الزوجان مشترکان فی الحقوق وللرجال علیھن درجۃ بفضل القوامیۃ (ابن العربی) قَوَّامُونَ قوّام کے معنیٰ ہیں کسی شے کے محافظ، منتظم، مدبّر کے اور یہاں مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں کے امُور کا انتظام کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے، ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں۔ قوّام اور قیّم ہم معنیٰ ہیں۔ قوّام فصیح تر ہے۔ قام الرجل المرأۃ ای قام متکفلاً بامرھا فھو قوام وقد یجیئ القیام بمعنی المحافظۃ والاصلاح (تاج) الرجال متکفلون بامور النساء (لسان) صار واقوامًا علیھن نافذ الامر علیھن (ابن جریر) فکانہ تعالیٰ جعلہ امیرا علیھا ونافذ الحکم فی حقھا (کبیر) قیامھم علیھن بالتادیب والتدبیر والحفظ والصیانۃ (جصاص) القوام والقیّم بمعنی واحد والقوّام ابلغ وھو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب (معالم) بائبل نے عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی عبارتوں سے ہوگا:۔ ”خداوند خدا نے ..... عورت سے کہا اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کریگا“ (پیدائش ۳: ۱۶) ”اے بیویو اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں“ (افسیوں ۵: ۲۲-۲۴) قرآن حق کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر و تذلیل کا ہرگز قائل نہیں لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیتِ قدیم و جاہلیتِ جدید کی زن پرستی سے بھی ہمدردی نہیں۔ وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ و مقام دیتا ہے جو نظامِ کائنات میں فاطرِ کائنات نے اُسے دے رکھا ہے۔ بہ حیثیت ایک عبد اور مکلّف مخلوق کے وہ مرد کے مساوی و ہم رتبہ ہے لیکن دنیا کے انتظامی معاملات میں مرد کے ماتحت اور تابع ہے۔ ۵۳۰ (طبعی اور تکوینی طور پر) مرد کی یہ افضلیت اُس کے قوائے جسمانی کی مضبوطی اور دل و دماغ کی برتری دونوں سے عیاں ہے۔ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ۔ یعنی صنفِ ذکور کو صنفِ اناث پر۔ بعضھم وھم الرجال علی بعض وھم النساء (کشاف) بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ میں ب سببیہ ہے اور اس کا تعلق قوامون سے ہے۔ الباء للسببیۃ وھی متعلق بقوامون ای قوامون علیھن بسبب تفضیل اللہ تعالیٰ ایاھم علیھن (روح) ۵۳۱ (عورتوں پر مہر میں اور نفقہ میں) مطلب یہ ہوا کہ مرد کی افضلیت عورت پر دُہری حیثیت رکھتی ہے۔ ایک تو طبعی یعنی جسمانی و دماغی قویٰ میں خلقی برتری۔ دوسری قانونی یا معاشری کہ عورت خرچ میں مرد کے دستِ نگر رہتی ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ قرآنی نظام کی رُو سے کمانا یا کسبِ معاش کرنا اور بیوی کے خرچ کا بار اُٹھانا مردوں کے ذمہ ہے۔ دلّت علی وجوب نفقتھا علیہ (جصاص) ۵۳۲ نیک بیویوں کی۔ مومنات صالحات کی علامت یہ ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ شوہر کی غیبت میں اس کے عزت و ناموس اور اس کے مال و جائداد کی نگہداشت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔ فرنگیت مآب اسکولوں اور کالجوں کی پڑھی ہوئی لڑکیاں غور کریں کہ انہیں اس قرآنی معیار سے کیا مناسبت ہے۔ فَالصَّالِحَاتُ میں ف نتیجہ کا ہے یعنی اُوپر کے مقدمات سے ایک کھلا ہوا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ بِمَا میں ب سببیہ ہے یعنی ان کا ایسا کرنا توفیقِ الٰہی ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔ والباء سببیۃ ای بسبب حفظ اللہ لھن (جمل) ای بتوفیقہ لھن (جمل) ۵۳۳ ذکر مہذب، شریف و شائستہ بیویوں کا ابھی اُوپر ہوچکا ہے۔ اب اس کے مقابل ناشائستہ اور رذیل فطرت کی بیویوں کے باب میں کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ وہ نظامِ قانون کامل نہیں ناقص ہے جو ذکر صرف اچھوں کے انعام و اکرام کا کرتا ہے اور بدوں کا تذکرہ ہی چھوڑ جاتا ہے۔ نُشُوزَهُنَّ۔ عورت کے نشوز کے اصل معنیٰ یہ ہیں کہ شوہر کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جائے۔ نشزت المرأۃ بزوجھا ای استعصت علی زوجھا وارتفعت علیہ وابغضتہ وخرجت عن طاعتہ (تاج) نشوز المرأۃ بغضھا لزوجھا ورفع نفسھا عن طاعتہ (راغب) واصل النشوز الترفع علی الزوج بمخالفتہ (جصاص) ائمہ تفسیر نے اس معنیٰ کی توثیق کی ہے۔ یعنی استعلائھن علی ازواجھن وارتفاعھن عن فرشھم بالمعصیۃ منھن والخلاف علیھم فی ما لزمھن طاعتھم فیہ بغضًا منھن واعراضًا عنھم (ابن جریر عن محمد بن کعب) گویا پُرمسرّت ازدواجی زندگی کے بجائے تصادم و بغاوت شروع ہو جائے۔ تَخَافُونَ۔ خوف یہاں علم کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی جب ان کی بغاوت و نافرمانی تجربہ میں آجائے۔ یہ نہیں کہ محض بدگمانیاں یا دُور کے احتمالات کو اس کے لئے کافی سمجھ لیا جائے۔ تخافون ای تعلمون (ابن عباس)

۵۱۴ (اور راہِ راست سے ہٹ کر اُنھی جیسے ہو جاؤ۔ مَیۡلًا عَظِیۡمًا۔ اس سے بڑھ کر کجی اور کیا ہو گی کہ انسان یا تو حرام کو حرام سمجھنے ہی سے انکار کر دے اور یا بے باکانہ ارتکابِ حرام کرتا ہے۔
۵۱۵ (کمزور جسم کے لحاظ سے بھی اور کمزور ارادہ کے لحاظ سے بھی) اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ۔ چنانچہ شریعت کے سارے احکام میں انسان کی سہولتوں کا لحاظ رکھ لیا گیا ہے۔ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا چنانچہ جتنے بھی احکام شرعی ہیں سب انسان کے ضعفِ جسمانی و ضعفِ ارادی ہی کی رعایت سے ہیں۔ ۵۱۶ بِالۡبَاطِلِ یعنی غیر مشروع طریقوں پر۔ خیانت اور بد دیانتی کی تمام صورتوں کی بندش اس ایک حکم کے اندر آ گئی۔ کاش اسلام کے ایک اسی قانون پر عمل ہو اور آج دنیا کی کایا پلٹ ہو جائے۔ ۵۱۷ مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسرے کے مال میں تصرف کی اجازت کسی باطل طریقہ (سود، قمار، وغیرہ) سے تو سرے سے ہی نہیں۔ صرف جائز طریقوں کے اندر ایک دوسرے کی رضامندی سے تصرف کر سکتے ہو۔ مثلاً سرمایۂ مشترک سے تجارت، کہ یہ تو عین باعثِ برکت ہے۔

یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ ۚ وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ
اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا
ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ
ہے ۵۱۵ اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر
بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ ۟
نہ کھاؤ ۵۱۶ ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو ۵۱۷
وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنۡ
اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو ۵۱۸ بیشک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے ۵۱۹ اور جو کوئی
یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ عُدۡوَانًا وَّ ظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِیۡہِ نَارًا ؕ وَ
ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم کی راہ سے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے اور
کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۳۰﴾ اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا
یہ اللہ کے لئے آسان ہے ۵۲۰ اگر تم اُن بڑے کاموں سے جو تمہیں منع کئے گئے
تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ نُدۡخِلۡکُمۡ
ہیں بچتے رہے، تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی برائیاں دور کر دیں گے ۵۲۱ اور تمہیں ایک معزز مقام پر
مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ
داخل کر دیں گے ۵۲۲ اور تم ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو
بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا
دوسرے پر برتری دی ہے ۵۲۳ مردوں کے لئے اُن کے اعمال کا

۵۱۸ اَنۡفُسَکُمۡ کے معنی عموماً اخوانکم یا من جنسکم کئے گئے ہیں۔ اور مراد یہ لی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اتفقوا علی ان ھذا نھی عن ان یقتل بعضھم بعضا ای لا یقتل بعضکم بعضا (ابن جریر عن عطاء) ای اھل ملتکم (ابن جریر عن السدی) یعنی اخوانکم (معالم عن الحسن) من کان من جنسکم من المومنین (مدارک) دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ خودکشی نہ کرو اور یہ معنی بھی منقول ہیں۔ ولا یقتل الرجل نفسہ (مدارک) بعض مذہبوں میں خودکشی خود ایک عبادت رکھی گئی ہے۔ مثلاً جاپانیوں میں یا بعض قدیم ہندی مذہبوں میں۔ بالبخع کما تفعلہ جھلۃ الھند (بیضاوی) ۵۱۹ (چنانچہ یہ سارے احکام بھی اسی شفقت و رحمت کا نتیجہ ہیں) ۵۲۰ یہ وعید اُن لوگوں کے لئے ہے جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی اتفاقی طور پر یا بطور خطائے اختیاری کے نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ کرتے رہتے ہیں۔ ذٰلِکَ۔ ای ما نھی عنہ (جلالین) یعنی ما سبق ذکرہ من المحرمات (معالم) عُدۡوَانًا یعنی حدودِ شرعی سے تجاوز کرتے ہوئے یا دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے۔ قیل اراد بالعدوان تعدی علی الغیر (بیضاوی) العدوان تجاوز الحد (قرطبی) ظُلۡمًا یعنی اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے قیل اراد بالظلم ظلم النفس (بیضاوی) کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا۔ اللہ کی قوت کو دیوتا پرست مشرک کہیں انسانوں یا دیوتاؤں کے محدود قوتوں پر قیاس نہ کریں ۵۲۱ (اور نتیجۃً تمہیں عذاب سے بھی بچا لیں گے) یہ قانون الٰہی ہے جس کی تکرار قرآن مجید میں کئی بار آئی ہے۔ اور ایک جگہ اسے بالکل کلّی اور عمومی صورت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیاٰت۔ اس قسم کی آیتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے اولیاء و اتقیاء میں بھی معصوم کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کثرتِ طاعات پر نظرِ رحمت کر کے ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کر دیتا ہے اور انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ عصمتِ انبیاء کا مسئلہ ایک دوسرے قانون سے ثابت ہے۔ کَبَآئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ۔ یعنی بڑے بڑے گناہ لیکن خود کبیرہ کا اطلاق کس عمل پر ہوتا ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ سفیان ثوری تابعی کا قول نقل ہوا ہے کہ کبیرہ بندوں کے اتلافِ حقوق کا نام ہے اور صغیرہ صرف اللہ کے اتلافِ حقوق کا۔ قال سفیان الثوری الکبائر ما کان فی المظالم بینک وبین عباد اللہ تعالیٰ والصغائر ما کان بینک وبین اللہ تعالیٰ (معالم) اس میچمدان کے خیال میں کبیرہ وہ عمل ہے جس کی ممانعت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آ چکی ہو۔ اور اس کا معصیت ہونا کسی دقیق استنباط یا دلالت خفی کا محتاج نہ ہو۔ یا کم از کم یہ کہ حدیث صحیح میں اس کی ممانعت صراحت اور تاکید کے ساتھ آ چکی ہو۔ ممتاز صحابیوں کے نزدیک کچھ ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ قال علی بن ابی طالب ھی کل ذنب ختمہ اللہ بنار او غضب او لعنۃ او عذاب (معالم) اور یہی ابن جریر نے عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ سَیِّاٰتِکُمۡ۔ سیّاٰت سے مراد چھوٹی برائیاں یا گناہ صغیرہ ہیں۔ ای صغائرکم (بیضاوی) مفسر تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ پر عتاب کے ساتھ ساتھ فضل کا احتمال اور صغیرہ پر عفو کے ساتھ ساتھ عتاب کا احتمال خاص اہل سنّت کا مذہب ہے۔ برخلاف معتزلہ کے جن کے نزدیک صغائر واجب المغفرۃ ہیں اور کبائر غیر مغفور ہیں۔ (مدارک) ۵۲۲ یعنی جنت میں۔ پہلا وعدہ عذاب سے محفوظ رکھنے کا تھا۔ اب بشارت دخولِ جنت کی مل رہی ہے۔
۵۲۳ (طبعی و وہبی طور پر بلا دخل کسی عمل و کسب کے مثلاً مردوں کو جو فضیلت عورتوں پر حاصل ہے) کوئی دولتمند ہے، کوئی حسین و جمیل ہے، کوئی خوش آواز ہے، کسی کے قوائے جسمانی بہت مضبوط ہیں۔ اس قسم کے وہبی و طبعی فضائل کو قربِ حق میں مطلق دخل نہیں۔ آیت میں تعلیم ہے کہ ان کی بنا پر ایک دوسرے پر رشک کرنا، ایک دوسرے کی جگہ پر ہونے کی حسرت و تمنا کرنا درست نہیں۔ قربِ حق میں دخل صرف عمل و اکتساب کو ہے۔ شانِ نزول کی روایتوں میں آیا ہے کہ کچھ عورتوں نے اپنے احساس کمتری کی بنا پر مردوں پر رشک کا اظہار کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بتایا گیا کہ نجات و مغفرت اور قربِ حق کا مدار تو اپنے اعمال ارادی و اختیاری پر ہے۔ اور اس لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل یکساں ہے۔ عورتوں کیلئے بھی قانون حسنِ عمل وہی ہے جو مردوں کے لئے ہے اور اس لئے انہیں مردوں پر رشک کا کوئی محل نہیں۔ یہ فرق تو محض تکوینی مصلحتوں سے رکھ دیے گئے ہیں۔ لان ذٰلک التفضیل قسمۃ من اللہ تعالیٰ صادرۃ عن حکمۃ وتدبیر وعلم باحوال العباد (مدارک)

بَعۡضٍ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ

ایک ہو ۵۰۲ سو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لیا کرو ۵۰۳ اور اُن کے مہر انہیں دے دیا کرو

بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

مقررہ کے موافق ۵۰۴ اس طرح کہ وہ قیدِ نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چوری چھپے

اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ

آشنائی کرنے والیاں ۵۰۵ پھر جب وہ (کنیزیں) قیدِ نکاح میں آجائیں اور پھر اگر وہ (بڑی) بے حیائی کا ارتکاب

نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ

کریں تو ان کیلئے اس سزا کا نصف ہے ۵۰۶ جو آزاد عورتوں کے لئے ہے ۵۰۷ یہ اس کے لئے

لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ

ہے جو تم میں سے بدکاری کا اندیشہ رکھتا ہو ۵۰۸ اور اگر تم ضبط سے کام لو تو تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے ۵۰۹

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۲۵ يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَ

اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے ۵۱۰ اللہ کو منظور ہے کہ تم سے (احکام) کھول کر بیان کر دے اور

يَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ

تم کو تم سے قبل والوں کے حالات بتلا دے اور تم پر توجہ فرمائے ۵۱۱

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۲۶ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ۚ

اور اللہ بڑا علم والا ہے اور بڑا حکمت والا ہے ۵۱۱، اور اللہ کو منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے ۵۱۲

وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ۝۲۷

اور جو لوگ خواہشوں کے بندے ہیں ۵۱۳ انہیں منظور ہے کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ ۵۱۴

ع ۴ / ۱

۵۰۲ مجرد نکاح سقوطِ ملک کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے مالک کی اجازت بہرحال ضروری ہے۔ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ۔ المراد بہ الموالی لانہ لاخلاف انہ لا یجوز لھا ان تتزوج بغیر اذن مولاھا ولانہ لا اعتبار باذن غیر المولیٰ (جصاص) لیکن نفس نکاح میں رضامندی خود باندیوں کی معتبر ہوگی نہ کہ ان کے مالکوں کی۔ وھو حجۃ لنا فی ان لھن ان یباشرن العقد بانفسھن لانہ اعتبر اذن الموالی لا عقدھم (مدارک) ۵۰۳ اور اُن کے کنیز ہونے کی بنا پر ادائے مہر کو غیر اہم یا غیر ضروری نہ سمجھو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ مالک اپنی باندیوں کی ہر کمائی کے مالک ہوتے تھے اس لئے باندیوں کا مہر بھی اُن کے مالکوں ہی کو دیا جائے گا، اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ واتوا موالیھن اجورھن۔ فکان ادائھا الیھن اداءً الی الموالی لانھن وما فی ایدیھن مال الموالی (مدارک) ۵۰۴ یعنی یہ ادائے مہر بہ معاوضہ نکاح ہو بطور اجرتِ زنا نہ ہو۔ آزاد شریف بیویوں کے مقابلہ میں باہر نکلنے والیوں کے بدچلنی کے امکانات یوں بھی زاید ہوتے ہیں، چہ جائیکہ باندیاں جو عرفاً حقیر، غیر معزز ہی سمجھی جاتی ہیں، اس لئے اُن کے ذیل میں ان قیدوں کا ذکر صراحت کے ساتھ ضروری ہوا۔ مُسٰفِحٰتٍ سے مُراد ہیں کھلی ہوئی اور عام کسبیاں۔ اور متخذات اخدان سے مُراد ہیں وہ جن کا کوئی ایک آدھ متعین آشنا ہوتا تھا۔ دنیائے حسن میں بیسواؤں کی دو قسمیں تقریباً ہر جگہ قائم رہی ہیں۔ ایک کھلی ہوئی کسبیاں، دُوسرے چھپی ہوئی خانگیاں۔ جاہلیت عرب کے تمدن میں بھی یہی تفریق قائم تھی۔ قال اکثر المفسرین المسافحۃ ھی التی تؤاجر نفسھا مع ای رجل ارادھا والمتخذۃ الخدن ھی التی تتخذ خدنا معینا وکان اھل الجاھلیۃ یفصلون بین القسمین وما کانوا یحکمون علی ذات الخدن بکونھا زانیۃ (کبیر) ۵۰۵ (جیسا قبل نکاح بھی تھا) باندیاں خواہ نکاحی ہوں یا کنواری اُن کی سزائے زنا ہر حال میں آزاد شریف بے نکاحی عورتوں کی سزا کی نصف ہے۔ باندیاں جس طرح اکثر حقوق میں بیویوں کا نصف مرتبہ رکھتی ہیں، اسی طرح اس جُرم کی سزا بھی اُن کے لئے نصف ہی رکھی گئی ہے۔ شاید اس لئے کہ جُرم کی ترغیبات بھی ان کے لئے زائد ہیں اور موانع کمتر ہیں۔ بِفَاحِشَةٍ۔ جُرم بے حیائی یہاں زناکاری کے معنیٰ میں ہے۔ وھی الزنا (ابن جریر) مِنَ الۡعَذَابِ۔ سزا سے مُراد حد شرعی ہے۔ ای من الحد (مدارک)، عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ۔ محصنات سے یہاں مُراد بیاہی ہوئی نہیں بلکہ بن بیاہی شریف خواتین ہیں۔ احصان کے تحقق کے لئے اس کا محض حُرّہ (آزاد) ہونا ہی کافی ہے۔ یعنی البکرۃ الحرۃ سماھا وان لم تتزوج لان الاحصان یکون لھا بھا اذا کانت حرۃ ولا یکون بالامۃ احصان (ابن قتیبہ) المحصنات ھنا الحرائر اللائی لم یزوجن (مدارک) ای الابکار الحرائر (قرطبی) ای ما علی الحرائر الابکار (معالم) ایک آیت اُوپر ان ینکح المحصنات المومنات کے ذیل میں بھی محصنات مطلق شریف عورتوں کے معنیٰ میں آچکا ہے۔ ۵۰۶ یعنی باندی کی زناکاری کی سزا پچاس دُرّے ہے، شریف کنواری عورت کی سزائے زناکاری سو دُرّے ہے۔ فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ اس کے نصف پچاس ہی دُرّے ہوتے ہیں۔ شریف نکاحی عورت کے لئے سزائے زنا سنگ زنی ہے اور اس کی تنصیف ممکن نہیں، اور مملوک پر سرے سے رجم ہی نہیں۔ اس کی سزا ہر صُورت وہی پچاس دُرّے ہے۔ نصف ما علی المحصنت یدل علی انہ الجلد لا الرجم لان الرجم لا یتنصف (مدارک)، غلاموں کی حرامکاری کی سزا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ فقہاء نے اسی آیت سے استنباط کرکے ان کی سزا بھی یہی پچاس دُرّے رکھی ہے۔ فرقۂ خوارج سزائے رجم کا بالکل منکر ہے اور اس کا مستدل یہی آیت ہے۔ (کبیر) ۵۰۷ (خواہ اس لئے کہ طبعی تقاضا مجبور کر رہا ہو خواہ اس لئے کہ شریف بیوی میسر نہ آرہی ہو) ذٰلِكَ یعنی باندی سے نکاح۔ یعنی نکاح الامۃ عند عدم الطول (معالم) ای نکاح الاماء (مدارک) الۡعَنَتَ۔ عنت کے لفظی معنیٰ ضرر و زیاں کے ہیں۔ اصل العنت الضرر والفساد (ابن قتیبہ) یہاں مُراد زنا میں پڑجانا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ضرر مسلمان کے لئے ہو سکتا ہے۔ ای الزلۃ والفجور منکم ابن عباسؓ، العنت الزنا (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) ای الاثم التی تؤدی الیہ غلبۃ الشھوۃ (مدارک) دوسرے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ شدید ضبط جس سے انسان جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے مثلاً اختناق الرحم کی شکایت ہو جائے یا مردوں کو ورم پُشت وغیرہ کی۔ امام رازیؒ جو خود بھی اپنے زمانہ کے نامور طبیب تھے اس قول کو یوں نقل کرتے ہیں:۔ والثانی ان الشبق الشدید والغلمۃ العظیمۃ قد تؤدی بالانسان الی الامراض الشدیدۃ اما فی حق النساء فقد تؤدی الی اختناق الرحم و اما فی حق الرجال فقد تؤدی الی اوجاع الورکین والظھر (کبیر) ۵۰۸ یعنی اگر خواہش نفس کا اتنا غلبہ نہیں ہے جس سے حرامکاری میں پڑجانے کا قوی اندیشہ ہو رہا ہو تو پھر کنیزوں سے نکاح کرنے سے یہی بہتر ہے کہ خود خواہش نفس پر قابو حاصل کر لیا جائے۔ ای الصبر عن نکاح الاماء خیر لکم (ابن جریر) ظاھرۃ الاخبار عن صبر خاص وھو عن نکاح الاماء قالہ ابن عباس ومجاھد وابن جبیر والسدی (بحر) ۵۰۹ چنانچہ اس کی صفتِ رحیمی اسی سے ظاہر ہے کہ ایسے نکاحوں کی حُرمت کا حکم نہیں رہا، اور شانِ غفوریت یہ ہے کہ کنیزوں سے بلا ضرورتِ شدید بھی نکاح کر لینا کراہتِ تنزیہی کے باوجود نجات کی راہ میں حائل کسی طرح نہیں۔ ۵۱۰ (رحمت و مغفرت کے ساتھ) لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ۔ چنانچہ وہ آیات احکام و مسائل تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے۔ يَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ چنانچہ وہ آیات قصص و حکایات تمہاری ہی مصلحت و نفع کے لئے نازل کرتا ہے ۵۱۱ چنانچہ بندوں کی کوئی سی بھی ضرورت و مصلحت اس کے علم کامل سے باہر نہیں۔ اور اپنی حکمتِ کاملہ سے اُس نے احکام ایسے رکھے ہیں جو ہر مصلحت کی پُوری پُوری رعایت کرنے والے ہیں۔ ۵۱۲ (شفقت و رحمت کے ساتھ اُنہی احکام و تعلیمات کے ذریعہ سے) ۵۱۳ (اور ہوائے نفس ہی کو اپنا دین و ایمان بنائے ہوئے ہیں) یہ کون لوگ ہیں؟ الفاظ کا مصداق کفار کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی فسق پیشہ افراد بھی مُراد ہو سکتے ہیں، صحابہ و تابعین سے اس کے معنیٰ اہلِ کتاب کے بھی مروی ہوئے ہیں، یہود کے بھی اور زانیوں کے بھی وقس علیٰ ہذا۔ قیل المجوس (کبیر)، قیل المجوس وقیل الیھود (بیضاوی)، قال بعضھم ھم الزناۃ وقال آخرون ہم الیھود والنصاریٰ (ابن جریر) ھم الزناۃ او الیھود والنصاریٰ او الیھود خاصۃ او المجوس (بحر) قولِ فیصل یہ ہے کہ الفاظ ان سارے معانی کے محتمل ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص بھی نافرمانی پر دلیر ہے وہی اپنی خواہش نفس کا بندہ ہے۔ کان داخلا فی الذین یتبعون الشھوات الیھود والنصاریٰ والزناۃ وکل متبع باطلا لان کل متبع ما نھاہ اللہ عنہ متبع شھوۃ نفسہ (ابن جریر) الفجرۃ (المدارک) ای متبعوا کل شھوۃ قالہ ابن زید ورجحہ الطبری ظاھرہ العموم (بحر)

(یہ طور کنیز شرعی کے) ٤٩٣ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی ایسی بیاہی ہوئی عورتیں جو اب مسلمانوں کی قید میں جہاد کے بعد آگئی ہیں، اُن کی ازدواج بن سکتی ہیں باوجود اس کے کہ اُن کے شوہر زندہ اور دار الحرب میں موجود ہیں۔
اُن کا وہ نکاح کافرانہ اُن کے مسلمانوں کے ملک یمین میں جانے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ ما ملکت ایمانکم پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے پ ٤، حاشیہ ٤٢٧ لفظی معنی ہیں" وہ جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہو جائیں"
مُراد شرعی کنیزیں ہیں۔ اَلْمُحْصَنٰتُ ۔ احصان کے معنی ہیں روک میں آجانا۔ قید میں آجانا۔ الاحصان هو ان يحمى الشئ ويمنع منه (ابن قتيبه) الاحصان فى اللغة المنع (کبیر) محصنت کے معنی ہوئے قید میں
آجانے والیاں۔ مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ عقدِ نکاح کو قید سے تعبیر کرنے سے یہ اشارہ نکلا کہ ازدواج خود محافظِ عفت ہے۔ ای هن النساء ذوات الازواج لان الازواج احصنوهن ومنعوا منهن (ابن قتیبه) قیل
المحصنٰت المزوجات تصورا ان زوجها هو الذی احصنها (راغب) والمراد بالاحصان هنا العفة (روح) مطلب یہ ہوا کہ ایک شوہر کے ہوتے ہوئے اب دُوسرا نکاح حرام ہے۔ یہ تو عام قاعدہ ہوا۔ استثناء اس سے
شرعی کنیزوں کا ہے جو کافر شوہروں کی زوجیت سے آئی ہیں۔ والمحصنٰت کا عطف نحوی اعتبار سے اُن محرمات پر ہے جو قبل میں مذکور ہو چکے۔ عطف على المحرمات المذكورات قبل (قرطبی) ٤٩٤

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ
اور وہ عورتیں بھی (حرام کی گئی ہیں) جو قیدِ نکاح میں ہوں بجز اُن کے جو تمہاری مِلک میں آجائیں ٤٩٣
کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ
اللہ نے فرض کر دیا ہے (ان احکام کو) تم پر، اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں ٤٩٤
تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ
یعنی تم انہیں اپنے مال کے ذریعہ سے تلاش کرو (اس طور پر کہ) قیدِ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ٤٩٥
فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
پھر جس طریقہ سے تم نے اِن عورتوں سے لذت لی ہے، سو انہیں ان کے مقرر شدہ مہر
فَرِیْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْ
دے دو اور تم پر اس (مقدار) کے بارہ میں جس پر تم لوگ مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد باہم رضامند
بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿٢٤﴾ وَ
ہو جاؤ ٤٩٦ بیشک اللہ بڑا جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے ٤٩٧ اور
مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ
تم میں سے جو کوئی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ
کر سکے ٤٩٨ تو وہ تمہاری (آپس کی) مسلمان کنیزوں سے جو تمہاری مِلک (شرعی) میں ہوں
الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ ؕ بَعْضُکُمْ مِّنْ
(نکاح کرے) ٤٩٩ اور اللہ تمہارے ایمان (کی حالت) سے خوب واقف ہے ٥٠٠ تم (سب) آپس میں

نظامِ خانگی ہی کی درستی پر ساری ہیئتِ اجتماعی کی درستی کا انحصار ہے اور نظامِ خانگی کا ایک بڑا اہم جزئیہ ہے کہ عقدِ نکاح کس کس کے ساتھ جائز ہے اور کس کس کے ساتھ ناجائز۔ ضروری تھا کہ اس کے اصول قرآن مجید ہی میں محفوظ کر دیے جاتے۔ کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ۔ وہی تاکید و اظہارِ اہمیت کے لئے ہے۔ اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ ۔ حدیث و سُنت سے جن دُوسری عورتوں سے حُرمتِ نکاح ثابت ہے، مثلاً رضاعی بہنوں کے ساتھ پھوپھی کا بھتیجی کے ساتھ یا خالہ کا بھانجی کے ساتھ جمع کرنا۔ یہ سب کنایۃً قرآن مجید کی آیاتِ بالا میں آگئیں۔ حدیث نے انہیں صرف کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کتاب الله علیکم ۔ تقدیرِ کلام یُوں مانی گئی ہے۔ الزموا ما کتب الله علیکم (معالم) یا یُوں کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ کتابًا (مدارک) ٤٩٥ یعنی مقصود فرد و جماعت دونوں کے نزدیک یہ ہو کہ زوجین نکاح کے ذریعہ سے پاک و منزہ، باعفت مستقل زندگی بسر کریں گے۔ اور نکاح کی شرطیں معلوم و معروف ہیں مثلاً کم سے کم دو گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی کی رضامندی کا اعلان، نکاح کا موقت نہ ہونا وغیرہا۔ المراد بالاحصان هنا العفة وتحصين النفس عن الوقوع فی ما لا یرضی الله تعالٰی (روح) معناه متعففين عن الزنا (قرطبی) غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ۔ یعنی مقصود حیوانات کی طرح تمامتر ایک مادّی شہوت یا جنسی تقاضہ کا پُورا کرنا نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ مستقل تاہل، رہنے سہنے، نباہ کرنے کا ارادہ اور اس کی وقعت و محبت کسی درجہ میں تو ہو۔ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ ۔ مال سے مُراد مہر ہے۔ یا ملکِ یمین کی قیمت۔ ان تبتغوا النساء باموالکم بالصرف فی مهورهن (بیضاوی) ای تنکحوا بصداق او تشتروا بثمن (معالم) یعنی المهور (مدارک) فقہاء نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ مہر نکاح کا لازمی جزء ہے گو تعداد مہر معیّن نہ ہو۔ وفیه دلیل علٰی ان النکاح لا یکون الا بمهر وانه یجب وان لم یسم (مدارک) مہر کی بار بار تاکید سے ظاہر ہے کہ شریعتِ اسلامی کو عورتوں کے حقوق کا کس درجہ اہتمام مطلوب ہے۔ نفس خرچ نکاح و سفاح دونوں میں مشترک ہے۔ فرق یہ ہے کہ نکاح سے زندگی انسانوں کی طرح مقید و پابند ہو جاتی ہے اور سفاح میں انسان جانوروں کی طرح چھوٹا ہوا رہتا ہے۔ تَبْتَغُوْا ۔ بغی کے معنی تلاش کرنے طلب کرنے کے ہیں اور حکم کے مخاطب مرد ہیں۔ گویا نکاح کی درخواست کرنا یا انگریزی محاورہ میں "پرو پوز" کرنا مرد کا کام ہے۔ عورت کا کام صرف قبول کرنا منظوری دینا ہے۔ نر اور مادہ کے درمیان یہ فاعلیت و انفعالیت کا فرق زندگی کے ہر شعبہ پر محیط و حاوی ہے۔ ٤٩٦ یعنی مقدار مہر ایسی شے نہیں جو ایک مرتبہ بندھ جانے کے بعد کسی طرح قابلِ تبدیلی نہ ہو۔ میاں بیوی باہمی رضامندی سے اسے گھٹا سکتے ہیں، بڑھا سکتے ہیں یا بالکل معاف بھی کر سکتے ہیں۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ ۔ یعنی
بعد نکاح لُطف اُٹھایا ہے۔ الاستمتاع التلذذ والاجور المهور (قرطبی) ٤٩٧ اللہ کا علم کامل ہے بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کا۔ اور اسی علم کامل کے لحاظ سے اُس نے قانون اور ضابطے مقرر کئے ہیں۔
٤٩٨ یعنی ان آزاد شریف بیویوں کا مہر نفقہ وغیرہ پُوری طرح ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ المحصنٰت سے یہاں مُراد شریف آزاد بیویاں ہیں۔ ای الحرائر (معالم) یرید الحرائر وقالت فرقة معناه العفائف وهو ضعيف (قرطبی) طَول کے معنی وسعت و مقدرت کے ہیں۔ الطول السعة والغنی قاله ابن عباس و المجاهد وسعید بن جبیر والسدی وابن زید (قرطبی) ٤٩٩ اور کنیز کو بیوی بنا لینے میں عار محسوس نہ کرے۔ یہ مشورہ اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ باندی کا مہر نفقہ وغیرہ نسبۃً ہلکا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی کہ ان کے مالک انہیں غریب شوہروں کے نکاح میں دے دینے میں عار بھی محسوس نہ کریں گے۔ فَتَیٰتِکُمْ ۔ فتاة کا لفظ جب باندیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس میں جوان عمر کی قید باقی نہیں، بوڑھی، جوان ہر سن و سال کی باندیاں فتیات ہی کہی جائیں گی۔ العجوز الحرة لا تسمی فتاة والامة شابة والعجوز کل واحدة منهما تسمی فتاة (جصاص) ای امائکم (راغب) ای المملوکات وهی جمع فتاة (قرطبی) فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۔ حنفیہ کے یہاں کنیز کتابیہ سے بھی نکاح جائز ہے اور آیت میں مومنات کی قید محض استحبابی ہے۔ ونکاح الامة الکتابية یجوز عندنا والتقیید فی النص للاستحباب (مدارک) ٥٠٠ (اور ایمان ہی معیار و مدارِ فضیلت ہے) پھر کوئی آزاد کیوں بوقتِ ضرورت کسی باندی سے عقد کرنے میں عار محسوس کرے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے ظاہر ایمان کے قبول کرنے پر استدلال کیا ہے نیز اس پر کہ ایمان تصدیقِ قلب کا نام ہے نہ کہ اقرار زبانی کا۔ فیه تنبیه علی قبول ظاهر ایمانهن ودلیل علی ان الایمان هو التصدیق دون عمل اللسان (مدارک) ٥٠١ (مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی اور اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے بھی) انتم وارقائکم متناسبون نسبکم من آدم ودینکم الاسلام (بیضاوی) ای لا تستنکفوا من نکاح الاماء فکلکم بنو آدم (مدارک) عرب سوسائٹی میں باندیوں سے نکاح کرنا عار اور ذلت کی چیز تھی کہ ان سے جو اولاد ہو گی وہ کنیز زادی کہلائے گی۔ قرآن مجید نے اس عار کو مٹایا اور بتایا کہ بوقتِ ضرورت اس میں ذرا تکلف نہ کرنا چاہیئے ان العرب کانوا یفتخرون بالانساب فاعلم فی ذکر هذا الکلمة ان الله لا ینظر ولا یلتفت الیه (کبیر)۔

۴ع ۱۴

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ

بیشک یہ بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات تھی اور بہت بُرا طریقہ تھا ۴۹۱ تمہارے اوپر

عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ

حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور

خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ

تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں

الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ

جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی

نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ

مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہی ہیں اور جو تمہاری ان

الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا

بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے لیکن اگر ابھی تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ

کوئی گناہ نہیں اور جو بیٹے تمہاری نسل سے ہوں اُن کی بیویاں اور یہ بھی

اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا

(حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو یکجا کرو مگر ہاں جو ہو چکا

قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ ۙ

(ہو چکا) بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۴۹۲

منزل ۱

۴۹۱ قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کئے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں۔ فَاحِشَةً۔ یہ دستور بجائے خود اور عقلاً بھی بڑی بے حیائی کی چیز تھا۔ مَقْتًا۔ مذاقِ سلیم رکھنے والوں کے عُرف میں بڑی گندی چیز تھا۔ مقت کہتے ہیں ایسی بُری چیز کو جسے دیکھ ہی کر طبیعت میں گھن پیدا ہو۔ المقت بغض شدید لمن تراہ تعاطی القبیح (راغب) خود اہلِ جاہلیت بھی اس نکاح کو بہت بُری نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کا نام ہی نکاح المقت پڑ گیا تھا۔ سَآءَ سَبِيْلًا۔ یعنی اس کے نتائج بھی بڑے قبیح تھے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ قبیح کے تین درجہ ہوتے ہیں۔ ایک قبح عقلی، دوسرے قبح شرعی، تیسرے قبح عرفی، فاحشۃ میں اشارہ اوّل کی جانب ہے، مقتًا میں دوم کی جانب، ساء سبیلا میں سوم کی طرف۔ ۴۹۲ اس لئے جو غلطیاں نزولِ حکم سے قبل ہو چکیں، ان پر وہ گرفت نہیں کرتا۔ اور ان پر وہ خطِ عفو کھینچ دیتا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ایک مفصل فہرست دے کر بتا دیا کہ ان ان عورتوں سے مطلقاً یا فلاں فلاں صورتوں میں نکاح حرام ہے۔ اور یہ فہرست محرّمات قرآن مجید کی کاملیت کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔ موجودہ انجیل اور خدا معلوم کتنی نام نہاد آسمانی کتابوں میں تعلیم کا یہ ورق سرے سے سادہ موجود ہے۔ اُمَّهٰتُكُمْ۔ تمہاری مائیں اور اسی طرح ماں کی مائیں، دادیاں، نانیاں وغیرہا۔ والجدۃ من قبل الام والاب ملحقۃ بھن (مدارک) بَنٰتُكُمْ تمہاری بیٹیاں اور اسی طرح بیٹوں کی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں وغیرہا۔ وبنات الابن وبنات البنت ملحقات بھن (مدارک) اَخَوٰتُكُمْ۔ اس میں حقیقی کے علاوہ سوتیلی بہنیں بھی آگئیں۔ لأب وأمّ او لأب او لأمّ (مدارک) عَمّٰتُكُمْ۔ اس میں باپ کی اور باپ سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجہ الثلاثۃ (مدارک) خٰلٰتُكُمْ اس میں ماں کی اور ماں سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجہ الثلاثۃ (مدارک) بَنٰتُ الْاَخِ۔ یعنی سگی اور سوتیلی بھتیجیاں۔ کذٰلك (مدارک) بَنٰتُ الْاُخْتِ۔ یعنی سگی اور سوتیلی بھانجیاں۔ کذٰلك (مدارک) اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ۔ خیال کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید دودھ پلائیوں کو ماں کے لقب سے یاد کر رہا ہے۔ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ رضاعت کے اوقات گو مختلف ہوں، مگر دودھ ہو ایک ہی ماں کا۔ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ۔ اس میں بیوی کی نانیاں، پرنانیاں وغیرہ سبھی آگئیں۔ ان کی حرمت محض عقد سے لازم آجاتی ہے۔ وھن محرّمات بمجرد العقد (کشاف) رَبَآئِبُكُمُ۔ اس میں بیوی کی بیٹیوں کے علاوہ نواسیاں وغیرہ بھی آگئیں۔ فِيْ حُجُوْرِكُمْ۔ لفظی معنی ہیں کہ تمہاری گودوں میں ہوں، مُراد ہے تربیت و پرورش میں ہونا۔ یہ محض عام عادت و عُرف کا بیان ہے کوئی قید یا شرط نہیں۔ ذکر الحجر علی غلبۃ الحال دون الشرط (مدارک) مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ یعنی ماں سے مجرّد نکاح اس کی بیٹی کی حرمت کے لئے کافی نہیں۔ حرمت کیلئے ماں سے صحبت کا ہو چکنا ضروری ہے۔ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اصلاً تو کنایہ صرف صحبت سے ہے۔ وھی کنایۃ عن الجماع (بیضاوی۔ کشاف) لیکن حنفیہ نے لمسِ شہوانی اور بوس و کنار کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور بہت ائمۂ فقہ اس میں حنفیہ کے ہمراہ ہیں۔ واللمس ونحوہ یقوم مقام الدخول (مدارک) ھو التمتع من اللمس او القبل قال المالك وابو حنیفۃ (ابن العربی) واتفق اصحابنا والثوری ومالك والاوزاعی واللیث والشافعی ان اللمس بشھوۃ بمنزلۃ الجماع فی تحریم اُمّ المرأۃ وبنتھا (جصاص) الجماع ھو الاصل ویحمل علیہ اللمس لانہ استمتاع مثلہ ویدخل تحت عمومہ (ابن العربی) حنفیہ و مالکیہ نے علاوہ لمسِ شہوانی کے شہوانی نظروں کو بھی سببِ تحریم قرار دیا ہے۔ قال اصحابنا جمیعًا اذا نظر الی فرجھا بشھوۃ کان ذٰلك بمنزلۃ اللمس فی ایجاب التحریم (جصاص) وقال مالك اذا نظر الی شعر جاریتہ تلذذًا او صدرھا او ساقھا او شیٔ من محاسنھا تلذذًا حرمت علیہ اُمّھا وبنتھا (جصاص) واما النظر فانہ فی الدرجۃ الثالثۃ شبّہ فی الزنا ذریعۃ الذریعۃ (ابن العربی) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ یعنی ایسی غیر مدخول بہا بیوی کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں۔ مِنْ اَصْلَابِكُمْ۔ یہ صلب یا نسل کی قید اس لئے لگادی کہ متبنّٰی یا محض منہ بولے بیٹوں کی بیویاں اس میں نہ شامل ہو جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا۔ من او ماتبنیتم (کشاف) اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا رضاعی اُن کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

مَآ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ

اُس کا کچھ حصہ وصول کرلو بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکرداری کی مرتکب ہوں ۴۸۳

وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ

اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کیا کرو ۴۸۴ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو

فَعَسٰۤی اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّیَجۡعَلَ اللّٰهُ فِیۡهِ خَیۡرًا

عجب کیا کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی

كَثِیۡرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ

رکھ دے ۴۸۵ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ (دوسری) بیوی بدلنا چاہو ۴۸۶

زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا

اور تم اس بیوی کو (مال کا) انبار دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی

مِنۡهُ شَیۡـًٔا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۲۰﴾

واپس مت لو ۴۸۷ کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کرکے اسے (واپس) لوگے ۴۸۸

وَكَیۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰی بَعۡضُكُمۡ اِلٰی

اور تم کیسے اسے (واپس) لے سکتے ہو درآنحالیکہ ایک دوسرے سے خلوت کرچکے

بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا

ہو اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں ۴۸۹ اور اُن

تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ

عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کرچکے ہیں، مگر ہاں جو کچھ ہوچکا (ہوچکا) ۴۹۰

۴۸۳ (کہ جب البتہ عورتوں کو قید رکھنا یا اُن سے کچھ مال وصول کرنا جائز ہوگا) ایک دستور عرب جاہلیت میں یہ بھی تھا کہ مالدار بیوی کو وارث اس خیال سے کہیں نکاح نہ کرنے دیتے کہ یہ اپنا مال بھی ساتھ لے جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ مجبور و محبوس بیوہ اس کے گھر میں اپنی جان دیدیتی۔ یا پھر اسے اپنا مال و متاع حوالہ کرکے اپنی جان چھڑاتی۔" اس مضمون میں بھی تین صورتیں آگئیں۔ ایک یہ کہ میّت کا وارث اس میّت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتا تاکہ ہم کو یہ کچھ دے۔ دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرتا کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں۔ تیسرے یہ کہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی اس سے کچھ لئے بغیر اس کو نکاح نہ کرنے دیتا" (تھانویؒ)۔ مَآ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ۔ یعنی جو چیزیں خود تم نے دی ہوں یا تمہارے قرابت والوں نے۔ فَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔ اس سے مُراد زناکاری ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ وھو الزنا (ابن جریر عن السدی) ای الزنا (ابن الجریر عن الحسن) لیکن دوسرے معنیٰ شوہر کی نافرمانی کے بھی ائمۂ فن سے منقول ہیں۔ وھو النشوز (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) وھو النشوز (ابن جریر۔ عن قتادۃ) محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظ زناکاری اور نافرمانی دونوں مفہوموں کا جامع ہے۔ کل فاحشة من بذاءة باللسان علیٰ زوجھا واذی له و زنا بفرجھا (ابن جریر) خلاصہ یہ کہ سوءِ معاشرت کا سبب اُن بیویوں کا پیدا کردہ نہ ہو۔ ای الاان یکون سوء العشرة من جھتھن (کشاف)

۴۸۴ قرآن مجید کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ جزئیاتِ احکام کے درمیان ایک کُلّی مسئلہ بھی بیان کردیتا ہے اور کلیات کے ضمن میں جزئیات بھی لے آتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہے کہ جزئی احکام بیان کرتے کرتے اُس نے ایک اہم اصل بیان کردی عورتوں کے ساتھ معاشرت کی۔ یہ حسنِ معاشرت کا مرکزی، بنیادی، کلیدی حکم سہاگنوں، بیواؤں، طلاقنوں سب کے معاملہ میں واجب العمل ہے۔ اور یہ ہدایت اس مذہب کی ہے جو کتنے ہی کور چشم مسیحیوں، آریوں وغیرہ کے نزدیک عورت کے حق میں ظالمانہ ہے۔ ۴۸۵ (حال یا مستقبل میں) شکایت کرنے والے شوہروں کو اپنی تسکین و تسلی کے لئے اس مراقبہ سے بڑھ کر اور کون خیال ہوسکتا ہو۔ خَیۡرًا كَثِیۡرًا۔ خیر کے اندر دنیوی و اخروی، عاجل و آجل ہر قسم کی فلاح اور بھلائی آگئی۔ محض خیر ہی نہیں خیر کثیر (بھلائیوں کا ایک ڈھیر۔ ایک انبار) کہ اس سے زیادہ تسکین دہ اور کون خیال ہوسکتا ہے؟ اِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ۔ یہاں وہ کراہت مُراد ہے جو طبعی طور پر یا خواہ مخواہ ہو۔ نہ کہ کوئی ایسا قابل شکایت امر جس کے اندر عورت کا ارادی قصور شامل ہو۔ ۴۸۶ بلا اس کے کہ اس پہلی بیوی کا کوئی قصور ہو۔ یعنی محض اپنی رغبت و خواہش سے تم ایک بیوی چھوڑ کر دوسری کرنا چاہتے ہو۔ ۴۸۷ (اور اس طرح اقرار کئے ہوئے مال کو روک بھی مت رکھو) اِحۡدٰىهُنَّ یعنی اس پہلی بیوی کو جسے اب چھوڑ رہے ہو۔ قِنۡطَارًا۔ کے معنیٰ مال کے انبار کے ہیں۔ القنطار المال العظیم (کبیر و کشاف) اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ حدیث میں تو مہر کی زیادتی کی ممانعت آئی ہے لیکن خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ نے ایک بار مسجد میں سرِ منبر گو پہلے مہر کی زیادتی سے روکا لیکن ایک ضعیفہ کے ٹوکنے پر اس کا جواز بھی تسلیم کرلیا اور خود اس آیت سے بھی ڈھیروں مال کا جواز ثابت ہو رہا ہے؟ سوال کا ایک مشہور جواب تو امام رازیؒ کے قلم و دماغ سے ہے یعنی آیت سے جواز کہاں ثابت ہوا؟ آیت نے تو محض ایک مفروض و مشروط حالت کا ذکر کیا ہے کہ اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو جب بھی اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔ اس سے اُس مفروضہ یا شرط کا صحیح ہونا تو لازم نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے بھی صاف، دل نشین اور بے تکلف جواب ہمارے زمانہ کے امام شریعت مفسر تھانویؒ کے قلم سے نکلا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "یہ جواز مفہوم من القرآن بہ معنیٰ صحت نفاذ ہے۔ اور حدیث میں جواز بہ معنیٰ اباحت مطلقہ و عدم کراہت کی نفی ہے۔ پس کچھ تعارض نہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ میں زیادہ مہر کے جواز کو مان لینا اس لئے تھا کہ سامعین اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں پس اس سے کراہت کا عدم ثابت نہیں ہوتا نہ حضرت عمرؓ پر کوئی اعتراض لازم آتا ہے۔" ۴۸۸ یعنی بلا وجہ واپس لوگے تو یا تو صریح ظلم کے مرتکب ہوگے اور یا پھر بات بنانے کیلئے عورت پر کوئی جھوٹا سنگین الزام، زناکاری یا نافرمانی کا لگانا ہوگا۔ ۴۸۹ نکاح کے وقت کہ تم مہر ادا کروگے۔ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا۔ یعنی عہد مستحکم۔ وصفه بالغلظ لقوته وعظمه (کشاف) عھدًا وثیقًا (مدارک) وَقَدۡ اَفۡضٰی بَعۡضُكُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ۔ یعنی جب انہوں نے اپنا جسم تمتع و تلذذ کیلئے تمہارے سپرد کردیا تو اب مہر ان سے واپس لینا یا اسے انہیں ادا نہ کرنا بڑی بے حمیتی بلکہ کم ظرفی کی بات ہے۔ افضیٰ افضا لغۃً خلوت صحیحہ اور اصل عمل صحبت دونوں کو شامل ہے۔ حنفیہ نے مُراد خلوت صحیحہ لی ہے۔ افضیٰ الی امراته ای خلا بھا (راغب) قال الکلبی الافضاء ان یکون معھا فی لحاف واحد جامعھا اولم یجامعھا وھذا القول اختیار الفراء ومذھب ابی حنیفةؒ (کبیر) ذکر الفراء ان الافضاء ھو الخلوة وان لم یقع دخول و قول الفراء حجة فی ما یحکیه من اللغة (جصاص) ای خلا بلا حائل (مدارک) حنفیہ کے ہاں مہر خلوتِ صحیحہ پر واجب ہوجاتا ہے۔ والاٰیة حجة لنا فی الخلوة الصحیحة وھنا توکد المھر (مدارک) ۴۹۰ یعنی اس حکم کے نزول سے قبل جو ہوچکا۔ اب اس پر باز پرس نہیں۔ ای قبل نزول اٰیة التحریم فانه معفو عنه (کبیر) لَا تَنۡكِحُوۡا۔ میں نکاح اپنے لغوی معنیٰ یعنی صحبت کرنے کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ فدخل تحریم وطی موطوءة الاب بنکاح او بملک یمین او بزنا کما ھو مذھبنا وعلیه کثیر من المفسرین (مدارک) مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ۔ عرب جاہلیت کے اس دستور کی طرف اشارہ ہے کہ سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کرلیا جاتا تھا۔ قال ابن عباسؓ و جمھور مفسرین کان اھل الجاھلیة یتزوجون بازواج اٰبائھم (کبیر) مَا نَكَحَ میں مَا مَن کے معنیٰ میں ہے۔ ما بمعنی مَن (جلالین) اٰبَآؤُكُمۡ اس کے ذیل میں وہ بیویاں بھی آگئیں جو دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ
توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو بس انہی لوگوں کی ہے جو بُری حرکت

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ
نادانی سے کر بیٹھتے ہیں۴۷۵ اور پھر قریب ہی (وقت میں) توبہ کر لیتے ہیں۴۷۶ ایسے ہی لوگوں کی

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
توبہ اللہ قبول کرتا ہے۴۷۷ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا

حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
حکمت والا ہے۴۷۸ ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے۴۷۹ جو (برابر) گناہ کرتے

السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
رہیں یہاں تک کہ موت ان میں سے کسی کے سامنے آ کھڑی ہو۴۸۰

قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ
(اور تب) وہ کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں، اور نہ ان لوگوں (کی توبہ) جو اسی حال میں مرتے

هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾
ہیں کہ وہ کافر ہیں۴۸۱ یہی وہ لوگ ہیں جنکے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا
اے ایمان والو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے جبراً مالک

النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ
ہو جاؤ۴۸۲ اور نہ انہیں اس غرض سے قید رکھو کہ تم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے

۴۷۴ اسلام کا خدا محدود و مقید قسم کا خدا نہیں کہ مغفرت ذنوب پر قادر ہی نہیں بلکہ کائنات میں گویا مشین کی طرح ایک قانون مکافات عمل کی حکومت ہے اور خدا (نعوذ باللہ) بیٹھا ہوا منہ دیکھ رہا ہے۔ یا اگر مغفرت پر قادر ہے بھی جب بھی کفارہ کا محتاج ہے۔ ہندومت، مسیحیت وغیرہ تمام باطل ادیان کی تردید آیت سے ہوگئی۔ ۴۷۵ جو طبائع غیر سلیم ہیں۔ ان کے لئے ہر قسم کی بدعملی کی گنجائش آیت ماقبل سے نکل سکتی تھی اور وہ اپنے دل میں کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہو ہی جائے گی تو پھر اطمینان سے ہم ہر قسم کے فسق و فجور میں پڑے رہ سکتے ہیں۔ جب مرنے لگیں گے۔ توبہ کر لیں گے۔ اس خدشہ کے دُور کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود و شرائط کو صاف کر دیا جاتا۔ اَلسُّوْٓءَ لفظ جامع ہے گناہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کیلئے۔ ای المعصیۃ صغیرۃ اوکبیرۃ (روح) اَلتَّوْبَۃُ توبہ کی حقیقت شریعت میں یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لئے ترک معصیت کا عزم ہو اور یہاں توبہ سے مراد قبول توبہ ہے۔ التوبۃ عبارۃ عن الندم علی ما مضی والعزم علی الترک فی المستقبل (کبیر) ای ان قبولھا (مدارک) بِجَهَالَۃٍ۔ مراد یہ ہے کہ معصیت کے ارتکاب کے وقت اس کے نتائج کا ذہن سے ذہول ہو گیا ہو اور عقل شدتِ جذبات (یا ہوائے نفس) سے اندھی ہو گئی ہو۔ عَلَی اللّٰہِ۔ اہلِ حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر حقیقۃً واجب تو کوئی بھی چیز نہیں۔ یہاں مقصود صرف وعدہ کی تاکید ہے۔ ولیس المراد بہ الوجوب اذ لا یجب علی اللّٰہ شیء ولکنہ تاکید للوعد (مدارک) ۴۷۶ معصیت پر ندامت اور اس کے ترک کا عزم، عملِ معصیت کے بعد جس قدر جلد بھی ہو سکے اس کا مطلوب ہونا ظاہر ہے۔ لیکن شریعت نے انتہائی شفقت سے کام لیکر اس قرب (من قریب) کی میعاد حضور موت سے قبل تک وسیع کر دی ہے۔ صحابیوں اور تابعین سے یہی مروی ہے۔ والقریب فی ما بینہ وبین ان ینظر الی ملک الموت (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) کل شیءٍ قبل الموت فھو قریبٌ (ابن جریر۔ عن الضحاک) وھو ما قبل حضرۃ الموت (مدارک) دُوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں اور یہ معنی بھی لگتے ہوئے ہیں کہ قبل اس کے کہ بُرائی نفس پر چھا جائے۔ اور نیکیوں کو سوخت کر جائے۔ معناہ قبل ان یحیط السوء بحسناتہ فیحبطھا (معالم) مِنْ قَرِیْبٍ میں من تبعیض کے لئے ہے۔ معناہ التبعیض ای یتوبون بعض زمان قریب (کشاف) ۴۷۷ یعنی وعدۂ مغفرت مرتب ایسے ہی لوگوں کی توبہ پر ہوتا ہے۔ ۴۷۸ سو وہ اپنی شان علم سے خوب جانتا ہے کہ کس کس نے دل سے توبہ کی ہے اور اپنی شان حکمت سے دل سے توبہ نہ کرنے والے کو بھی رُسوا نہیں کرتا، اور تائب مخلص ہو یا غیر مخلص۔ بہرصورت اس کے لئے مزید ملامت روا نہیں رکھتا۔ ۴۷۹ یعنی ایسے لوگوں سے قبول توبہ کا وعدہ نہیں۔ باقی اگر اور کسی کے ساتھ محض فضل و کرم ہی کا معاملہ کرنا چاہے تو اس کی راہ میں حائل کون ہو سکتا ہے۔ ۴۸۰ (اور عالم برزخ اس پر منکشف ہونے لگے) یعنی حالت نزع و سکرات شروع ہو جائے کہ اب عذاب و ملائکہ عذاب کے مشاہدہ کے بعد جو توبہ ہوگی وہ اضطراری ہوگی اور اس لئے کسی درجہ میں بھی مقبول نہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ۔ معصیت کا صدور اگر ایک ہی آدھ بار ہو لیکن اس سے توبہ نہ کی جائے تو اس کا شمار بھی اصرار علی المعصیت میں ہوگا اور یہ عمل گناہ متواتر کرتے رہنے کے حکم میں داخل ہوگا۔ سَیِّاٰت۔ یہ صیغہ جمع لانے سے یہ لازم نہیں کہ گناہوں کی مختلف قسمیں صادر ہوتی رہیں بلکہ ایک ہی معصیت کی عرصہ دراز تک تکرار اسے صیغۂ جمع میں لانے کے لئے کافی ہے۔ جمعت باعتبار تکرر وقوعھا فی الزمان المدید (روح) ۴۸۱ کافر کے ایمان کا مرتے وقت نامقبول رہنا تو اوپر کے فقرہ میں شامل تھا مزید تصریح شاید تاکید اور مزید تقبیح کے لئے ہو۔ ۴۸۲ عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیویاں بھی وارث کے قبضہ میں آجاتی تھیں اور یہی دستور یونانی تمدن اور رومی تمدن میں بھی رہ چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) پھر مرد اگر چاہتا تو ان سے جبراً یا خود نکاح کر لیتا یا دوسروں کے نکاح میں دیدیتا۔ تَرِثُوا النِّسَآءَ بیں بیویوں کے جسم کا مالک ہونا بھی آگیا اور ان کے مال و جائداد کا بھی۔ عورتوں کے مال کے مالک ہو جانے کی تین صورتیں مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ عرب میں رائج تھیں۔ ایک یہ کہ عورت کا جو حق شرعی میراث میں نکل رہا ہو اُسے خود لے لیا جائے اور اُسے نہ دیا جائے۔ دُوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ خاوند اپنی بیوی کو بلاوجہ مجبور کر دے کہ اسے کچھ مال دے جب یہ اُسے چھوڑے۔ دنیا بداخلاقی اور بدعملی کی کتنی مختلف صورتوں میں مبتلا تھی اور اسلام نے آکر کن کن چیزوں کی اصلاح کی ہے۔

۴۶۶ اور یہ فوز عظیم جس اطاعت کامل پر مشروط ہے اس کے اندر اس قانونِ میراث کی پابندی بھی آگئی۔ یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت سے مُراد اُس قانون کی پابندی ہے جو اللہ کا اُتارا ہوا اور رسولؐ کا لایا ہوا ہے۔ ۴۶۷ یہ عذاب دائمی بھی ہوگا اور مُعذّب کے حق میں ذلّت آفرین بھی۔ اس عذاب کے مورد کافر ہی ہوں گے۔ یَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ۔ یعنی حد سے اس قدر باہر نکل جائے، کہ ان احکام کے احکامِ الٰہی ہونے ہی سے انکار کردے۔ الکافر ھوالذی تعدّی الحدود کلھا (مدارک) ای یتعد حدودہ استحلالاً (مدارک عن الکلبی) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ میں معصیت سے مُراد معصیتِ کفر و شرک ہے۔ فسر الضحاک ھنا المعصیۃ بالشرک وقال الکلبی ومن یعص اللہ یکفرہ (مدارک) ۴۶۸ یعنی زنا کے مرتکب ہوں۔ اَلْفَاحِشَۃَ۔ فاحشۃ قولی و فعلی ہر بڑی بُرائی کے لئے عام ہے۔ الفاحشۃ ما عظم قبحہ من الافعال والاقوال (راغب) الفعلۃ القبیحۃ (کبیر)۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ

کرے گا، جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور یہ

الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ⑬ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ

بڑی کامیابی ہے ۴۶۶ اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسولؐ کی نافرمانی کریگا اور اس کے

یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَلَهٗ

ضابطوں کی حدود سے باہر نکل جائیگا اسے وہ دوزخ کی آگ میں داخل کریگا اس میں وہ ہمیشہ ہمیش،

ع ۲ / ۱۴

عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ⑭ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ

پڑا رہے گا، اور اسے ذلت دینے والا عذاب ہوگا ۴۶۷، اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ۴۶۸

نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ

اُن پر چار (آدمی) اپنے میں سے گواہ کرلو سو اگر وہ

شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ

گواہی دیدیں تو ان (عورتوں) کو گھروں کے اندر بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا

الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ⑮ وَالَّذٰنِ

خاتمہ کردے ۴۶۹ یا اللہ اُن کے لئے کوئی (اور) راہ نکال دے ۴۷۰ اور تم میں سے کوئی

یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا

دو جو وہ کام کریں انہیں اذیت پہنچاؤ ۴۷۱ پھر اگر دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں ۴۷۲

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ⑯

تو ان سے تعرض نہ کرو ۴۷۳ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے ۴۷۴

یہاں مُراد زنا ہے۔ کنایۃ عن الزنا (راغب) واجمعوا علی ان الفاحشۃ ھٰھنا الزنا (کبیر) استعملت کثیرًا فی الزنا لانہ من اقبح القبائح وھو المراد علی الصحیح (روح) نِسَآئِكُمْ۔ نساء ہر عورت کے لئے عام ہے یہاں مُراد بیویاں ہیں۔ ۴۶۹ زنا کی ایک سزا ابتداء اسلام میں عمر قید یا دائم الحبس تھی۔ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ۔ اَرْبَعَۃً۔ اول تو نصابِ شہادت اس معاملہ میں دوگنا ہے یعنی جہاں مسلمان مرد یا عورت کی عزت کا سوال ہے، گواہوں کی تعداد بجائے دو کے چار ہونا چاہیئے اور پھر یہ چاروں:۔ (۱) مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں (۲) آزاد ہوں، غلام نہ ہوں (۳) عاقل ہوں، فاتر العقل نہ ہوں (۴) بالغ ہوں، نابالغ نہ ہوں (۵) گواہی چشم دید دیں۔ سماعی یا قیاسی شہادت کا یہاں دخل نہیں۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ یہ قید حکام یا اہل حل و عقد کے حکم سے ہونا چاہیئے۔ ھٰذا خطاب للحکام (معالم) فامسکوھن فی البیوت یعنی گھروں کے اندر اُنہیں قید یا نظر بند کردو بعض ظالموں نے جو اس سے پردہ مُراد لیا ہے انہوں نے اپنی عقل و فہم پر ظلم کیا ہے۔ فاحبسوھن فی البیوت واجعلوھا سجنًا علیھن (بیضاوی) ۴۷۰ (اپنے رسولؐ پر وحی کے ذریعہ سے) فقرہ خود اس پر دلالت کررہا ہے کہ گھروں کے اندر دائمی نظر بندی کی سزا عارضی تھی اور آئندہ کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے چنانچہ کچھ روز بعد سورۃ النور میں قرآن ہی کے ذریعہ سے دوسری سزا تجویز ہوئی۔ یعنی زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لئے سَو سَو تازیانے۔ اور سنتِ رسولؐ نے اس کی مزید تشریح یہ کی کہ یہ سزا ناکتخدا کے لئے ہے اور بیاہے ہوؤں کے لئے جرم کی سزا سنگساری ہے۔ وھٰذا کلہ کان قبل نزول الحدود فنسخت بالجلد والرجم والجلد فی القراٰن والرجم فی السنۃ (معالم) ۴۷۱ یعنی سزا اس جرم کے سارے مجرموں کے لئے ہے۔ بہت سی قومیں اپنے کو مہذب کہلانے والی آج بھی موجود ہیں جن کے ہاں حرام کاری (جب تک کہ بہ جبر نہ ہو) سرے سے قابلِ تعزیر ہی نہیں۔ بہت سی قوموں میں حرام کاری صرف شادی کے بعد ہے۔ بن بیاہوں اور بن بیاہیوں کے لئے یہ کوئی جرم ہی نہیں، آیت ان سارے غلط و گمراہ کن نظریات کی تردید کررہی ہے۔ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا۔ میں ھا کی ضمیر فاحشۃ کی طرف ہے یعنی کوئی بھی جوڑا جو حرام کا مرتکب ہو۔ اس عموم میں ہر طرح کے مرتکب آگئے، بیاہے اور کنوارے، مرد و عورت سب بجز فاتر العقلوں کے۔ فَاٰذُوْهُمَا۔ اجراء سزا کا یہ حکم حکام یا اہلِ حل و عقد کو ہے۔ الخطاب ھھنا للحکام (روح) ۴۷۲ (اجرائے سزا کے بعد) جن جرائم کی حد شرعی مقرر ہے ان میں اجرائے حد سے قبل توبہ کافی نہیں۔ ۴۷۳ یعنی مجرم جب سزا بھی بھگت چکا اور اب تائب بھی ہے تو اب اس پر مزید طعن و ملامت وغیرہ جائز نہیں۔

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

یا ادائے قرض کے بعد ۴۵۹ اور ان (بیویوں) کے لئے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے ۴۶۰ بشرطیکہ تمہارے کوئی

لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان (بیویوں) کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ

ملے گا ۴۶۱ بعد وصیت (نکالنے) کے جس کی تم وصیت کر جاؤ یا ادائے قرض کے بعد۔ اور

اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ

اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی

اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا

یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کیلئے ایک چھٹا حصہ ہے اور اگر یہ لوگ اس

اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

سے زائد ہوں تو وہ ایک تہائی میں شریک ہوں گے ۴۶۱ بعد وصیت (نکالنے)

وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً

کے، جس کی وصیت کر دی جائے یا ادائے قرض کے بعد بغیر کسی کے نقصان پہنچائے ۴۶۲ یہ حکم اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ

ہے ۴۶۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے۔ بڑا بردبار ہے ۴۶۴ یہ سب خداوندی ضابطے ہیں ۴۶۵

اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی (پوری) اطاعت کریگا اللہ اسے (بہشت کے) باغوں میں داخل

۴۵۸ حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ میراث کی تقسیم ہر حال میں اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد ہی ہوگی اور ان دونوں میں بھی ادائے قرض مقدم ہے۔ ۴۵۹ اور بیویاں اگر کئی ہوں تو شوہر کے ترکہ کی وہی چوتھائی سب میں برابر تقسیم ہو جائے گی۔ ۴۶۰ (اور شوہر کے ترکہ کا بقیہ $\frac{3}{4}$ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) بیویوں کو $\frac{1}{8}$ بہر صورت ملے گا خواہ اولاد ہو یا نہ ہو۔ اِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ۔ یہ اولاد خواہ انہی بیویوں سے ہو یا کسی اور عورت سے۔ ۴۶۱ (اور بقیہ $\frac{7}{8}$ حصہ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) فَهُمْ شُرَكَآءُ یہ شرکت برابری کی رہے گی یعنی مذکر و مؤنث کا حصہ برابر کا رہے گا۔ كَلٰلَةً اردو میں اس کے لئے کوئی ایک لفظ موجود نہیں۔ کلالہ عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو اور نہ اولاد، اولاد در اولاد میں سے۔ ۴۶۲ یعنی مورث کسی وارث کو نقصان نہ پہنچائے نہ عملاً نہ ارادۃً۔ عملاً کی مثال یہ کہ وصیت $\frac{1}{3}$ سے زائد کی کر دی۔ ایسی وصیت قانونِ شریعت کے خلاف ہونے کی بنا پر ناقابلِ نفاذ ہوگی۔ ارادۃً یہ کہ وصیت رکھے تو $\frac{1}{3}$ کے اندر ہی۔ لیکن نیت و مقصود یہ ہو کہ وارث کا حصہ کٹ جائے۔ ایسی وصیت کا نفاذ قانونی تو ہو جائے گا۔ لیکن وصیت کرنے والا عنداللہ گنہگار ٹھہرے گا۔ اسلام اپنے پیرودل سے قدم قدم پر عمل کے ساتھ ساتھ نیت کا بھی اخلاص و صداقت چاہتا ہے۔ ۴۶۳ ختم کے قریب پھر یاد دلادیا کہ یہ سارا قانونِ میراث شریعت کے ہر دوسرے حکم کی طرح حاکمِ مطلق اور حکیم برحق کا نازل کیا ہوا ہے۔ کسی انسانی عقل و دماغ کا سوچا ہوا کسی کونسل کمیٹی، مجلس کا وضع کیا ہوا نہیں جو آج پاس ہو اور کل اس میں ترمیم ہو جائے۔ ۴۶۴ چنانچہ علم کامل کی بنا پر وہ خوب واقف ہے کہ کون اس قانون پر عامل ہے اور کون اس سے منحرف۔ اور حلم کامل کے اقتضاء سے بہت دفعہ مجرموں کی گرفت وہ فوراً نہیں کرتا۔ ۴۶۵ (جنہیں ہلکا سمجھنا خود اپنے کو خدائی عدالت میں مجرم بنانا ہے) تِلْكَ کا اشارہ اُن تمام احکام کی جانب ہے جو یتیموں اور وصیتوں اور ترکہ کے باب میں ابھی گزر چکے ہیں۔ اشارۃٌ إلی الاحکام التی ذُكرت فی باب الیتامیٰ والوصایا والمواریث (مدارک)

جو یہ صدا اٹھی ہے کہ مرد و عورت کا حصہ مساوی ہونا چاہیے یہ دوسری بے اعتدالی اور افراط کی جگہ تفریط ہے۔ عورت کی فطری ساخت، جسمانی ترکیب اور عضویاتی فرائض نے اسے اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ تربیت نسل کے ساتھ ساتھ اس پر فکر معاش کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جائیں۔ قدرت نے اور اس لئے صحیح اور سچی شریعت نے اس کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے۔ گھر اور خاندان کا خرچ چلانا اس کے سر رکھا ہے۔ اس لئے یہ ظلم نہیں عین عدل ہے کہ ترکہ میں اسے حصہ بھی بڑا ملے۔ پھر ہر شادی شدہ عورت کو حصول میراث کے موقع پر دُہرے حصے حاصل رہتے ہیں۔ ایک اِدھر میکہ میں باپ کے ترکہ میں سے حصہ، دوسرا اُدھر سسرال میں شوہر کے ترکہ میں سے حصہ، اس طرح صوری اور ظاہری اعتبار سے بھی عورت گھاٹے میں نہیں رہتی۔ ۴۴۶ (یا صرف دو ہی اولاد میں) اِنْ كُنَّ نِسَآءً۔ یعنی اگر وارث صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ۔ فوق کے معنی یہاں لازمی طور پر "زائد" کے نہیں۔ یہ صلہ محاورۂ عرب میں اکثر زائد بھی آجاتا ہے اور خود قرآن مجید میں بھی اس کے زائد استعمال کی مثالیں موجود ہیں مثلاً فاضربوا فوق الاعناق ان ذکر فوق ھٰھنا صلۃ للکلام (جصاص) ۴۴۷ لڑکیاں اگر صرف دو ہوں تو ان کا کل حصہ ⅔ ہونا ظاہر ہے ہر ایک کو ⅓ کے حساب سے۔ لیکن یہ شرح یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ تین کو ⅔ یعنی کُل کا کُل نہیں مل جائے گا۔ بلکہ لڑکیاں جتنی بھی ہوں ان کا مجموعی حصہ ترکہ کا ⅔ ہی رہے گا، باقی ⅓ میں اور اعزۂ خاص شریک ہوں گے۔ تفصیل فرائض کی کتابوں میں ملیگی۔ ۴۴۸ (کل ترکہ کا)۔ اور بقیہ نصف حصہ میں دوسرے متعین اعزہ شریک ہوں گے۔ لیکن اگر وہ نہ موجود ہوئے تو پھر وہ نصف بھی اسی لڑکی کی طرف عود کر آئے گا۔ ۴۴۹ اور بقیہ ⅚ اولاد اور دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ ۴۵۰ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور خواہ تعداد میں ایک ہو یا زائد۔ ۴۵۱ (اور بقیہ دو تہائی باپ کا) وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ۔ یعنی علاوہ اولاد کے بھائی بہن بھی نہ ہوں، صرف ماں باپ ہی وارث ہوں۔ ۴۵۲ (اور بقیہ ⅚ حصہ باپ کا) باپ کے باعث بھائی بہنوں کو نہ ملے گا۔ اِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ۔ یہ بھائی بہن خواہ سگے ہوں یا سوتیلے۔ یہ وہ صورت ہے کہ میت کے اولاد کوئی نہیں۔ لیکن ماں باپ بھی ہیں اور بھائی بہن بھی۔ اخوۃ۔ کا لفظ یہاں بھائی بہن دونوں کے لئے ہے۔ صیغۂ مذکر قاعدۂ زبان کے مطابق محض تغلیباً لایا گیا ہے۔ ۴۵۳ (اگر کچھ ہو) وارثوں کو حصہ اس وقت ہوگا جب پہلے مورث کا قرض ادا ہولے اور اگر وہ ایک ثلث جائداد سے متعلق کچھ وصیت کر گیا ہے تو اس وصیت کا اجراء ہولے۔ فقہاء نے یہاں دو قاعدے اور بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ قرض اور وصیت میں ادائے قرض مقدم ہے۔ گو قرآن مجید میں لفظ وصیت پہلے مذکور ہے۔ الدّین مؤخر فی اللفظ وھو مبتدأ به فی المعنٰی علی الوصیۃ (جصاص) انما قدمنا الدّین علی الوصیۃ لقوله علیه السلام الا ان الدّین قبل الوصیۃ (مدارک) دوسرے یہ کہ ادائے قرض اور اجراء وصیت ان دونوں سے بھی پہلے مورث کی تجہیز و تکفین کیلئے خرچ نکالنا ضروری ہے۔ ۴۵۴ یعنی

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف (حصہ) ہے ۴۴۸ اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ

کے لئے اُس (مال) کا چھٹا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے ۴۴۹ بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد ہو ۴۵۰ اور اگر مورث

لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ

کے کوئی اولاد نہ ہو اور اسکے والدین ہی اسکے وارث ہوں تو اسکی ماں کا ایک تہائی ہے ۴۵۱ لیکن اگر مورث

لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ

کے بھائی بہن ہوں تو اسکی ماں کیلئے ایک چھٹا حصہ ہے ۴۵۲ وصیت کے نکالنے کے بعد کہ مورث اس کی

بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ

وصیت کر جائے یا ادائے قرض کے بعد ۴۵۳ تمہارے باپ ہوں کہ تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے ہو کہ ان میں سے

اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

نفع پہنچانے میں تم سے قریب تر کون ہے ۴۵۴ یہ سب اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بیشک اللہ ہی علم والا ہے،

حَكِيْمًا ۝۱۱ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ

حکمت والا ہے ۴۵۵ اور تمہارے لئے اُس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کے

يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

کوئی اولاد نہ ہو ۴۵۶ اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے بیویوں کے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ

ترکہ کی چوتھائی ہے ۴۵۷ وصیت (نکالنے) کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں

نفع دنیوی ہو یا اخروی تمہیں کون زیادہ پہنچا سکے گا! اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ۔ اٰبآءکم کے تحت میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا، اوپر کے سارے اصول آگئے۔ اسی طرح ابنآءکم کے تحت میں نہ صرف صلبی بلکہ اولاد در اولاد نیچے کے سارے فروع آگئے۔ یہاں یہ جتا دیا ہے کہ ترکہ کی تقسیم مورث کی رائے و اجتہاد پر نہیں چھوڑی گئی ہے۔ حکیم و خبیر حاکم مطلق نے خود ہی سب قاعدے ضابطے مقرر کر دیئے ہیں۔ آیت سے حسن معاملت کے ساتھ ساتھ حُسن معاشرت کی بھی تعلیم نکل آئی۔ انسان کو چاہیے کہ شفقت و رحمت اور حسن سلوک اپنے سارے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ رکھے۔ اُسے کیا خبر کہ کون اُس کے زیادہ کام آ کر رہے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ۴۵۵ اور اللہ کے علم و حکمت سے بھلا کسی بندہ کی فہم و دانش کو کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احکام میراث کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ تاکید اور اہتمام منظور ہے۔ شروع یوصیکم اللہ سے کیا، اور آیت کے خاتمہ پر پھر دُہری دُہری بلکہ تہری تہری تصریح و تاکید موجود ہے ——— اور پھر ہم لوگ بھی ٹھیک اس کے مقابل غفلت اور بے پروائی میں کس قدر پڑے ہوئے ہیں۔ كَانَ۔ یہاں ماضی کے معنی میں نہیں، بلکہ دوام و استمرار کے اظہار کے لئے ہے۔ فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ چند حالات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں میراث جاری نہ ہو گی مثلاً (۱) وارث مرتد ہو جائے (۲) وارث اپنے مورث کے قتل عمد کا مجرم ہو۔ (۳) وارث جا کر دار الحرب میں قیام اختیار کرلے۔ تفصیل ان موانع میراث کی، فقہ و فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ ۴۵۶ (نہ تم سے نہ کسی اور شوہر سے) ظاہر ہے کہ اتنے جزء میں خطاب شوہروں سے ہے۔ ۴۵۷ (اور بقیہ ¾ دوسرے وارثوں کا حصہ ہے) بیوی کے ترکہ میں ½ حصہ شوہر کا ہر صورت میں ہے۔ خواہ بیوی کوئی اولاد چھوڑے یا نہ چھوڑے۔ اِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ۔ یہ اولاد خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے

اور انتظام کے مفہوم میں ہے۔ نہ کہ تقویٰ وہدایت کے عام معنیٰ میں۔ ای نوعًا من الرشد وھو الرشد فی التصرف والتجارۃ (کشاف) وبین الرشد تین اعنی الرشد المونس من الیتیم والرشد الذی اُوتیَ ابراھیم علیہ السلام بونٌ بعید (راغب) ای ھدایۃً فی التصرفات وصلاحًا فی المعاملات (مدارک) وتنکیر الرشد یفید ان المراد رشد مخصوص وھو الرشد فی التصرف والتجارۃ (مدارک) فاعتبار الدین فی دفع المال غیر واجب باتفاق الفقہاء لانہ لوکان رجلا فاسقًا ضابطًا لاموره عالمًا بالتصرف فی وجوه التجارات لم یجز ان یمنع مالہ لاجل فسقہ (جصاص) ۴۳۶ (اور اس وقت تو بہر حال اُن کے حوالہ کرنا ہی پڑے گا) ومایکبروا ایطالبوا باموالھم (جصاص) حدِ کبر میں داخل ہونے کے بعد جائداد بہر حال صحیح الحواس اصل مالک کو مل جائے گی خواہ رشد سے انتظامی صلاحیت حاصل ہو یا نہ ہو فاتر العقل کے احکام الگ ہیں۔ فیھا دلالۃ علیٰ انہ اذا صار فی حد الکبر استحق المال اذا کان عاقلا من غیر شرط ایناس الرشد (جصاص) اور حدِ کبر میں داخلہ کی عمر امام ابو حنیفہؒ کے ہاں ۲۵ سال کی ہے کہ اس سن میں انسان دادا بن سکتا ہے۔ وجعل ابو حنیفۃؒ حد الکبر فی ذالک خمسا وعشرین سنۃ لان مثلہ یکون جدًا ومحال ان یکون جدًا ولا یکون فی حد الکبار (جصاص) بِدَارًا کے معنی جلدی کرنے کے ہیں۔ بدارًا ای مسارعۃ (راغب) بدارًا ای مبادرۃ (بخاری) ۴۳۷ (جائدادِ یتیم میں تصرف سے) وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا۔ ذکر اُنہی اولیاء یتامیٰ کا ہے۔ حکم ان کو مل رہا ہے کہ اگر وہ خوش حال ہیں تو

أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

اعزہ اور یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں بھی اس میں سے

مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾ وَلْيَخْشَ

(کچھ) دیدو اور اُن سے ہمدردی کی بات کہو ۴۴۱ اور ایسے لوگوں کو

الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا

ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو ان کی

خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا

انہیں (کیسی) فکر رہے پس چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں اور بات پکی

سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

کہیں ۴۴۲ بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا لیتے ہیں،

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ

وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں ۴۴۳ اور عنقریب وہ

سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ق

دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے، اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارہ میں حکم دیتا ہے ۴۴۴

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً

مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ہے ۴۴۵ اور اگر دو سے زاید عورتیں (ہی)

فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ

ہوں ۴۴۶ تو ان کے لئے دو تہائی (حصّہ) اس (مال) کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے ۴۴۷ اور اگر

ع ۱ / ۱۲

انہیں فیس، آنریریم وغیرہ کے نام سے کوئی رقم بھی یتیم کے مال میں سے نہ لینا چاہیئے۔ بلکہ اسے محض حسبۃً للہ کرتے رہنا چاہیئے۔ ۴۳۸ یعنی بہ قدر اپنی ضرورت کے۔ ای بقدر الحاجۃ (ابن عربی) بقدر حاجتہ الضروریۃ (روح) یہ رقم، محققین حنفیہ نے صاف کر دیا ہے کہ بہ طور اُجرت کے نہ ہوگی کہ نگرانی تو ولی کے فرائض میں ہے اور معلوم ہے کہ ادائے فرائض پر اُجرت جائز نہیں۔ بلکہ یہ رقم تو الگ سے اللہ کی مقرر کی ہوئی ایک مد ہے۔ اِنّ الرزق لیس باجرۃ لشیٔ وانّما ھو شیٔ جعلہ اللہ لہ (جصاص) فاخذ الاجرۃ للقاضی ولمن قام بشیٔ من امور الدین غیر جائز (جصاص) بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی یہ تدبیر کہ اس آمدنی سے خوب عیش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ بلکہ صرف اتنا معاوضہ لے جتنا اس معاشرہ میں متعارف ہو۔ ۴۳۹ یعنی یہ گواہوں کا حکم تو دنیوی ضابطہ کی تکمیل کے لئے دیا جا رہا ہے ورنہ حقیقۃً ہر خیانت اور ہر امانت کا علم تو اللہ کو ہے۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ۔ یعنی جب بعد تحقق شرائط مذکور (بلوغ وقابلیتِ انتظام) یتیموں کے سپرد ان کی جائداد یں کرنے لگو۔ فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ۔ گواہ اس امر پر کہ یتیموں کا مال اُن کے سپرد کر دیا گیا۔ ۴۴۰ یعنی یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں حصّوں کی ہر تقسیم اور ترکہ کا ہر استحقاق شریعتِ الٰہی کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔ یہ نہیں کہ جو روشن خیال جب جب چاہیں اُٹھیں اور اس قانون میں قطع وبرید کر کے رکھ دیں۔ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ ... وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ۔ یعنی حقِ میراث مردوں عورتوں دونوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ اس میں رد آ گیا ان مذہبوں کا جنہوں نے عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر حقِ وراثت سے محروم رکھا ہے۔ ہندوؤں کی طرح جاہلیتِ عرب میں بھی عورتوں کا کوئی حصّہ ہی نہ تھا۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ کَثُرَ۔ منہ میں ضمیر غائب ترکہ یا مال کی طرف ہے۔ والضمیر یعود الیٰ ما ترک (مدارک) ۴۴۱ یعنی نرمی اور خوش اسلوبی سے معذرت ہی کر دو۔ خشونت سے کام نہ لو۔ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ۔ یعنی جس وقت وارثوں کے درمیان تقسیم ترکہ ہو رہی ہو۔ ای قسمۃ الترکۃ (مدارک) اُولُوا الْقُرْبٰی۔ ایسے عزیز مراد ہیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں۔ فی من لایرث (مدارک) مِنْهُ۔ ضمیر ترکہ کی طرف ہے۔ ای مما ترک الوالدان والاقربون (مدارک) یہ تقسیم صرف بالغوں کے حصّہ میں سے ہوگی۔ نابالغوں کے حصّہ میں سے خیر و خیرات یا کسی کی مراعات جائز نہیں۔ فَارْزُقُوْھُمْ۔ اس میں بڑی بحث وگفتگو ہوئی ہے کہ یہ حاضر الوقت غیر وارثوں کو ترکہ میں سے دینے کا حکم وجوبی ہے یا محض استحبابی۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ درجۂ استحباب کی چیز ہے۔ واجب نہیں ہے۔ اور اگر ابتدا میں واجب تھا بھی تو اب حکم وجوب منسوخ ہے۔ ابنِ عباسؓ صحابی، ابن جبیر تابعی، حسن بصری تابعی، اور محققین حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ قال ابن عباسؓ وابن جبیر والحسن ھو ندب (بحر)

..... ھذا کلہ یوجب ان یکون اعطاء ھؤلآء الحاضرین عند القسمۃ استحبابا لا ایجابا (جصاص) والصحیح ان ھذا علی الندب (قرطبی) ۴۴۲ (اور ان یتیموں کے حسبِ مصلحت) یعنی ان کی تعلیم، تادیب، تسلّی، دلجوئی ہر پہلو کا لحاظ رہے۔ ذکروا بالنظر فی مصلحتھم (ابن عربی) القول السدید من الاوصیاء ان لا یؤذوا الیتامیٰ ویکلموھم کما یکلمون اولادھم بالادب الحسن والترحیب (کشاف) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ یہ خطاب اولیاء کو نہیں بلکہ قریب الموت شخص کے عزیزوں قریبوں کو ہے کہ وہ اسے سمجھائیں کہ اسے حق صرف ایک ثلث میں صدقہ کا ہے اور باقی مال مقررہ وارثوں کے لئے چھوڑ جائے۔ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہیں کہ کہیں خود ان کے چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ کر رہے۔ ذُرِّیَّۃً ضِعٰفًا۔ ضعیف سے مراد بوڑھی نہیں، کمزور اور کم سن اولاد ہے۔ ای اولادًا صغارًا (معالم، جلالین) قَوْلًا سَدِیْدًا۔ یعنی سچی اور صحیح بات جس میں کوئی پہلو شر وفساد واتلافِ حقوق کا نہ نکلتا ہو۔ ھو العدل والحق الذی لاخلل فیہ ولا فساد فی رجحان بوارث او حرمان لذی قرابۃ (جصاص) ۴۴۳ خیانت، غصب، بددیانتی ہر صورت میں بُری ہیں، یتیموں کے مال میں ان کا وقوع قبیح تر ہے۔ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی۔ یاکلون سے مراد یتیم کا مال کسی طریقہ سے بھی بے جا صرف میں لے آنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف کھانے ہی کے کام میں آئے۔ اُردو محاورہ میں بھی روپیہ "کھا جانا" ایسے موقع پر بڑے وسیع معنیٰ میں آتا ہے۔ خص الاکل بالذکر لانہ اعظم ما یبتغی لہ الاموال (جصاص) اِنَّمَا ..... نَارًا۔ یعنی اس حرام خوری کا انجام یہی ہوتا ہے۔ ۴۴۴ ترکہ کی تقسیم اجتماعی ومعاشرتی زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اس کی عادلانہ تقسیم پر معاشرہ کی فلاح وبہبود کا بہت کچھ مدار ہے۔ اور وہ نام نہاد آسمانی کتابیں دنیا کے ہدایت نامہ کی حیثیت سے کامل نہیں ناقص ہیں۔ جو ایسے اہم مسئلہ کی تفصیلات سے خالی ہوں۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ۔ اب تصریح سے یہ یاد دلا دیا کہ یہ احکام کسی بندہ کے تجویز کئے ہوئے نہیں۔ حکیم مطلق اور عالم الغیب حاکم برحق کے ارشاد کئے ہوئے ہیں۔ ۴۴۵ یہ ایک عام اصل بیان کر دی کہ ہر لڑکے کو دُہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا حصّہ ملے گا۔ خواہ لڑکا اور لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی۔ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ دنیا کی بہت سی مذہبی اور غیر مذہبی شریعتیں ایسی ہیں جن میں لڑکی کا سرے سے کوئی حصّہ ہی نہیں اور عرب جاہلیت میں بھی ترکہ کے حصّہ دار صرف مرد (اور مردوں میں بھی بالغ اور قابل حرب مرد) تھے۔ ایسے قانون کا ظالمانہ اور خلافِ فطرت ہونا بالکل ظاہر ہے لیکن اب اس کے ردِ عمل کے طور پر بعض حلقوں سے

بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا
عمرِ نکاح کو پہنچ جائیں ۴۳۴ تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا
ان کا مال کر دو ۴۳۵ اور مال کو جلد جلد اسراف سے اور اس خیال سے کہ یہ
اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ
بڑے ہو جائیں گے ۴۳۶ مت کھا ڈالو، بلکہ جو شخص خوشحال ہو وہ تو اپنے کو بالکل روکے رکھے ۴۳۷
مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا
البتہ جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھا سکتا ہے ۴۳۸ اور جب
دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ
اُن کے مال ان کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو،
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝٦ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے ۴۳۹ مردوں کے لئے بھی اس چیز میں حصّہ ہے جس کو
تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ
والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی اس چیز میں حصّہ
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
ہے جس کو والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اس (ترکہ) میں سے تھوڑا ہو
اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝٧ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ
یا زیادہ (بہرحال) ایک حصّہ قطعی ہے ۴۴۰ اور جب تقسیم کے وقت

حدیث میں تو اور زاید ہے ——— حیرت ہے کہ ایسے صاف، سیدھے، شریفانہ، حکیمانہ قانون سے شرمانے اور اسے غیروں سے چھپانے کی ضرورت تجدّد زدہ مسلمان محسوس کرتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ان کا ذہن معاً انگریزی کے لفظ Slave اور ان ساری سختیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اس لفظ کے تخیل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ حالانکہ ہمارے ہاں تو غلاموں اور غلام زادوں نے بارہا بادشاہتیں کی ہیں اور اُمرا تو ان میں کثرت سے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت سے بڑے بڑے علماء، فقہا و ائمۂ فن اُن میں تابعین ہی کے زمانہ سے پیدا ہونے لگے تھے۔ کنیز کے حقوق بیوی سے کمتر ہوتے ہیں، اس لئے ان کا ادا کرنا بھی قدرۃً سہل تر ہے۔ ۴۳۰ ظاہر ہے کہ جب ایک ہی کے ساتھ نباہ کرنا ہو گا تو ظلم اور زیادتی کے امکانات بھی بہت گھٹ جائیں گے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی ایک پر قناعت۔ اشارۃ الی اختیار الواحدۃ (مدارک) اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ عَول کے معنی ایک طرف جھک جانے اور جَور کرنے کے ہیں، لا تعولوا کے معنی ہوئے کہ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ العول ھو ترك النصفۃ باخذ الزیادۃ (راغب) من قولھم عال المیزان عولاً اذا مال وعال الحاکم فی حکمہ اذا جار (کشاف) معناہ لا تجوروا ولا تمیلوا وھذا ھو المختار عند اکثر المفسرین (کبیر) لاخلاف بین السلف وکل من روی عنہ تفسیر ھذہ الآیۃ ان معناہ ان لا تمیلوا وان لا تجوروا (جصاص) ۴۳۱ صَدُقٰتِهِنَّ۔ صداق یا مہر شریعتِ اسلامی میں بیوی کی وہ قیمت نہیں جو شوہر اس کے اولیاء کو دے کر ان سے بیوی حاصل کرتا ہے۔ بلکہ مہر بطور ایک نذرانہ کے ہے جو شوہر بغرض اکرام و اعزاز براہ راست بیوی کو پیش کرنا اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔ المھر واجب شرعًا ابانۃ لشرف المحل (ہدایہ) عورت کی شرمگاہ نکاح ہو جانے سے شوہر کی مِلک نہیں ہو جاتی مِلک عورت ہی کی رہتی ہے شوہر کے لئے صرف جائز ہو جاتی ہے: الزوج لا یملك بدلہ شیئًا لان البضع فی ملك المرأۃ بعد النکاح کھو قبلہ (جصاص) وانما الذی یستحقہ الزوج منھا بعقد النکاح ھو الاستباحۃ لا الملك (جصاص) وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ۔ یہ رقم مہر اپنی بیویوں کو دو نہ کہ ان کے اولیاء و والدین کو۔ مہر کی اہمیت اور ادائے مہر کی تاکید شریعت میں بالکل ظاہر ہے۔ گو افسوس ہے کہ اُمّت کا عمل اس کے برعکس ہے مہر کو محض ایک رسمی اور فرضی چیز سمجھ رکھا گیا ہے۔ ۴۳۲ یعنی اس اجازت کے بعد بے تکلف اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ۔ بیویوں کی طرف سے یہ ابراء بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اور شوہر کے کسی مکر و فریب کے بغیر ہونا چاہیئے، پھر اگر کسی جبر یا مکر سے معاف کرایا گیا ہے تو قاضی و عدالت کے ہاں سے جو کچھ بھی فیصلہ ہو جائے عند اللہ معاف نہیں سمجھا جائیگا۔ عَنْ شَيْءٍ۔ چاہے وہ جزء چھوٹا ہو یا بڑا، یہاں تک کہ کُل کا کُل بھی۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کر کے پھر اسے واپس کر دے تو اسے ہبہ کہیں گے اور اگر لئے بغیر پہلے ہی معاف کر دے تو اس کا نام اصطلاحِ فقہ میں ابراء ہے اور شرعًا دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔ فَكُلُوْهُ هَنِيْۗــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا۔ محاورۂ زبان میں مُراد اس کے لفظی معنی نہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کے بعد اس مال کو بے تکلف اپنے تصرف و استعمال میں لا سکتے ہو۔ تصرفوا فیہ تملکًا (روح) لا اعتبار بلفظ الاکل فی ذلك وان المقصد فیہ جواز استباحتہ بطیبۃ من نفسھا (جصاص) لیس المقصود صورۃ الاکل وانما المراد بہ الاستباحۃ بای طریق کان (قرطبی) ۴۳۳ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ۔ سیاق میں سفہاء سے مُراد وہ یتیم ہیں جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو چکے ہیں لیکن صرف مال کا سلیقہ و انتظام ان میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ اور وہ بے تکان اور بے تحاشا اسراف میں مشغول رہتے ہیں۔ المبذرین اموالھم الذین ینفقونھا فی ما لا ینبغی ولا قدرۃ لھم علی اصلاحھا (مدارک) وصف الیتامٰی بانھم سفھاء باعتبار خفۃ احلامھم واضطراب آرائھم لما فیھم من الصغر وعدم التدرب (روح) لیس السفہ فی ھؤلاء صفۃ ذم ولا یفید معنی العصیان للہ تعالٰی وانما سموا سفھاء لخفۃ عقولھم ونقصان تمیزھم عن القیام بحفظ المال (جصاص) سفہ و سفاہت سے یہاں کسی معصیت یا جُرم اخلاقی کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ محض ان لوگوں کی انتظامی ناقابلیت کا اظہار مقصود ہے۔ اَمْوَالَكُمُ۔ مُراد اس مال سے ہے جو مِلک یتیموں ہی کی ہے لیکن فی الحال سرپرستوں کی ولایت میں ہے۔ ای اموالھم التی فی ایدیکم (جلالین) انما اضاف الاموال الی الاولیاء لانھا فی تصرفھم وتحت ولایتھم (بیضاوی) لَكُمْ قِيٰمًا۔ ضمیر مخاطب سے مُراد عالم انسانیت ہے یعنی مال جو انسان کے لئے مایۂ زندگی ہے، جس کے اُوپر انسان کی حیاتِ مادّی و معاشرتی کا دار و مدار ہے۔ وبہ قوامًا لابدانکم ومعاشًا لاھلکم واولادکم (مدارک) المراد من القیام ما بہ القیام (روح) لَكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ مال اللہ کی بڑی نعمت ہے اور بڑی قدر کی چیز۔ ابھی اسے نافہم یتیموں کے ہاتھ میں نہ دے دو۔ کہ وہ اس کی قدر و مرتبہ سے ناواقف ہیں وہ ناقدری سے اسے اُڑا دینگے۔ فقہاء نے آیت سے حفظِ مال و عدم تضیعِ مال کے وجُوب پر بھی استدلال کیا ہے۔ وفیہ الدلالۃ علی النھی عن تضییع المال ووجوب حفظہ وتدبیرہ والقیام بہ (جصاص) وَّارْزُقُوْھُمْ ...... مَعْرُوْفًا۔ مطلب یہ ہوا کہ اسی جائداد سے یتیموں کی ضرورتیں پوری کرتے رہو، اُن کی راحت و آسائش کے سامان کرتے رہو اور بجائے اُن کے ہاتھ میں جائداد دیدینے کے اُن سے تسلی کی باتیں کرتے رہو کہ یہ مِلک تمہاری ہی ہے تمہاری ہی ہوا خواہی کا تقاضا ہے کہ ابھی تمہارے ہاتھ میں نہ دیا جائے بلکہ انتظار کیا جائے کہ تم میں پُوری طرح سمجھ آجائے۔ ان کی یہ سفاہت ان کے نان و نفقہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اور یہیں سے فقہاء نے نالائق اولاد اور بیوی کے نان و نفقہ کے وجُوب پر استدلال کیا ہے۔ فی ذلك دلیل علی وجوب نفقۃ الاولاد السفہ والزوجات (جصاص) مَعْرُوْفًا۔ معروف کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو علماً خواہ عملاً عقل و شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ کل ما سکنت الیہ النفس لحسنہ عقلاً او شرعًا من قول او عمل فھو معروف (مدارک) ای کلامًا تطیب بہ نفوسھم (روح) ۴۳۴ یعنی سیانے اور بالغ ہو جائیں۔ یعنی القدرۃ علی الوطء (ابن عربی) حتی اذا بلغوا حد البلوغ (بیضاوی) اور بلوغ کی عمر حنفیہ کے ہاں لڑکے کیلئے ۱۸ سال کی اور لڑکی کے لئے ۱۷ سال کی رکھی گئی ہے۔ وشاع عن الامام الاعظم ان السن للغلام تمام ثمانی عشرۃ سنۃ وللجاریۃ تمام سبع عشرۃ سنۃ (روح) ھکذا قالہ ابن عباس وتابعہ القتبی (روح) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى۔ یعنی اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ان کی جانچ انتظامی معاملات میں ہوشیاری اور تمیز داری کی کر لیا کرو۔ والاختیار فی استبراء حالہ فی المعرفۃ بالبیع والشریٰ وضبط امورہ وحفظ مالہ (جصاص) خطاب وہی یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے چل رہا ہے۔ ۴۳۵ (بغیر اُن کے عمرِ بلوغ کا انتظار کئے) من غیر تاخیر عن حد البلوغ (مدارک) فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا۔ یعنی بلوغ و آزمائش کے بعد اگر ان میں انتظام اور صرفِ مال کا سلیقہ پاؤ۔ یہاں دیکھنے کی چیز اُن کی صرف انتظامی صلاحیت ہو گی نہ کہ ان کی عبادت و تقویٰ۔ رُشْدًا۔ رشد یہاں سلیقہ مندی

۴۲۵ یعنی جو یتیم لڑکیاں تمہاری نگرانی و سرپرستی میں ہیں اُن کے حقوق مہر وغیرہ پُوری طرح ادا نہ کرسکو گے۔ خطاب یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں سے ہے۔ جاہلیت میں ایک دستور یہ تھا کہ یتیم لڑکیاں جو مردوں کی سرپرستی میں ہوتیں
تو ان کے وہی سرپرست اکثر یہ دیکھ کر کہ کوئی اور ان کی طرف سے مہر وغیرہ کا مطالبہ کرنے والا اور ان کی حمایت پر کھڑا ہونے والا ہے نہیں، ان کے حقوق مار لینے آسان ہیں۔ اُنہی کے ساتھ نکاح کرلیتے ان کی جائدادیں اپنی طرف
شامل کرلیتے یا اور طریقوں سے ان کے ادائے حقوق کی طرف سے بے التفاتی برتتے۔ ۴۲۶ (ان یتیم، صاحب جائداد، مگر بے حمایتی لڑکیوں کے علاوہ جو اپنی رضا و عدم رضا کھُل کر آزادی کے ساتھ ظاہر ہی نہیں کرسکتیں)
مَاطَابَ لَكُمْ۔ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ عقل کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کے پسند میں طبیعت کے مقتضی پر عمل کی بھی پُوری اجازت شریعت میں موجود ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ۔ اُمروا ان ینکحوا سواھن من النسآء (جصاص)
ای غیرھن (قرطبی) اس میں بالغ نابالغ سب آگئیں۔ والصغار والکبار (جصاص) ۴۲۷ یعنی تم پر نکاح کے باب میں کوئی تنگی نہیں۔ اپنی زیر نگرانی یتیم لڑکیوں کو زیر عقد لانے میں اتلافِ حقوق کا اندیشہ بھی
ہو تو اس خیال کو جانے دو۔ باہر والی آزاد عورتوں میں سے انتخاب کرسکتے ہو۔ ایک ہی کا نہیں، ایک سے لیکر چار تک کی گنجائش ہے۔ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں وٗ عطف کا نہیں تخییر کا ہے اور اَوْ کے مرادف ہے۔ وقد تخرج
الواو عن افادة مطلق الجمع وذٰلك علیٰ اوجهٍ احدھا تکون بمعنی اَوْ (تاج) والواو بمعنی او للتخییر (معالم) خود قرآن مجید میں وٗ کے اس معنی میں استعمال کی مثالیں متعدد ملتی ہیں مثلاً۔ ان تقوموا لله

خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا
تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کرسکو گے ۴۲۵ تو جو عورتیں تمہیں پسند

طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ
ہوں ۴۲۶ اُن سے نکاح کرلو دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے ۴۲۷ لیکن اگر

خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ
تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کرسکو گے ۴۲۸ تو پھر ایک ہی پر بس کرو ۴۲۹ یا جو کنیز تمہاری ملک

اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ
میں ہو ۴۳۰ اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے ۴۳۱ اور تم بیویوں کو اُن کے مہر

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ
خوش دلی سے دیدیا کرو ۴۳۲ لیکن اگر وہ خوشدلی سے تمہارے لئے اس میں کا کوئی جزء

نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ④ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ
چھوڑ دیں تو تم اُسے مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ ۴۳۳ اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو

اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
جس کو اللہ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے

فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا
اور پہناتے رہو اور اُن سے بھلائی کی بات کہتے

مَّعْرُوْفًا ⑤ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا
رہو ۴۳۴ اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ

مثنٰی و فرادیٰ (سبا۔ ع ۶) اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (فاطر۔ ع ۱) بعض
اہل زیغ نے ۲ اور ۳ اور ۴ کے عدد کو جوڑ کر آیت سے استدلال ۹ بیویوں کے جواز کا کیا ہے۔ اور
بعض ظالموں نے تو اس تعداد کو ۱۸ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سرتاسر جہل و زیغ ہے، جہل زبان عرب سے
بھی اور جہل سُنّتِ رسولؐ سے بھی۔ وھٰذا کلہ جھل باللسان والسنة ومخالفة لاجماع
الامة (قرطبی) اگر نوؔ ہی کی تعداد منظور تھی تو صاف ہی کیوں نہ ارشاد ہوگیا، اس قدر گھوم پھیر کر
بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تعدد ازدواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی
مغرب زدہ مسلمان کو شرمانے اور اس کی طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے
قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی اس نوعیت کی ہے کہ بہ کثرت عورتوں میں ایک بیوی
اس کی طبعی خواہش کی تشفی کے لئے کافی نہیں ہوتی، مرد و عورت کے اتحاد و تناسل کا جہاں تک
تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ میں ختم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری
ہی نہیں؛ برخلاف اس کے عورت کے لئے اس ۲ منٹی حمل کے نتائج کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں
نہیں حمل اور رضاعت کی مدت ملا کر ڈھائی ڈھائی سال تک پھیلا ہوا رہتا ہے۔ پھر حمل
کے بغیر بھی ہر جوان تندرست عورت کے لئے ہر مہینہ ایک ایک ہفتہ کی معذوری ایک امر طبیعی
ہے۔ اور وہ قانونی نظام کامل نہیں ناقص ہے جو مرد کی طبیعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کرلے اور
عورت کی طبیعی معذوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لئے کوئی سہولت جائز نہ رکھے! پھر یورپ کے
بڑے بڑے ڈاکٹروں اور ماہرینِ حیاتیات کی شہادتیں اس تجربہ و مشاہدہ کی تائید میں ہیں کہ
طبیعی ضرورت سے قطع نظر مرد کی شہوانی جبلّت تنوع پسند بھی ہے اس لئے جو شریعت اسکی اس
جبلّت کی کوئی رعایت اپنے نظام میں نہیں رکھتی وہ اور کچھ بھی ہو، بہرحال خدائی اور مطابقِ فطرت
نہیں کہی جاسکتی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخ جب سے ساتھ دیتی ہے، داعیانِ توحید نے اس
دستور کو نہ صرف جائز رکھا ہے بلکہ اس پر عمل کر کے اسے اور زیادہ قوت پہنچا رہی ہے۔ حضرت
ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ۔ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ میں سے کسی کے ہاں بھی
یک زوجی کی سند نہیں ملتی، بلکہ بعض کی حرم سرا تو کثرت تعداد کے لئے بھی مشہور ہے۔ ہند قدیم
میں اکابر ہنود کی بابت بھی روایتیں وحدت کی نہیں، تعدد ہی کی ہیں اور یورپ و امریکہ میں
آج رسم نکاح کو درمیان میں لائے بغیر جو اندھیر کھُلے بندوں ہو رہا ہے اُس کی نقل و حکایت کی
بھی تاب ان صفحات میں کہاں سے لائی جائے۔ اسلام نے ایک طرف تو یک زوجی کی قید
اُڑا کر تعدد کو سندِ جواز دے دی اور دوسری طرف اس کی مناسب حد بندیاں بھی کئی کئی طرح
کردیں اور یہی اس کی حکمت کا کمال رہا۔ ۴۲۸ (کہ جب تعدد کی صُورت ہی نہ ہوگی تو
عدل کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا) اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ یعنی بیویوں کے درمیان عدل نہ کرسکو گے اور ان
کے حقوق واجب ادا نہ کرپاؤ گے۔ عدل سے یہاں مُراد ادائے حقوقِ واجب میں عدل و مساوات ہے جو انسان کے قصد و اختیار کے اندر کی چیز ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی بیوی بغیر کھانے، کپڑے، مکان کے نہ رہے باقی جہاں
تک محبّتِ طبعی اور تعلقِ قلب کا سوال ہے اس میں مساوات قدرتِ بشری سے باہر ہے، اور اس باب میں شریعت نے کوئی گرفت نہیں رکھی ہے۔ اور اس عدلِ اختیاری میں بھی یہ لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساواتِ عددی ہی
کے ساتھ کیا جائے۔ ایک افریقی بیوی خوگر بالکل دوسری چیزوں کی ہوگی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، کم سن اور ادھیڑ سن کی بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن، نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں،
خواہشوں سے مختلف ہوں گی، مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں، مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بہ لحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج کو فرض قرار
دیا ہے لیکن خود عدل کی تفسیر عدم ظلم سے کی ہے کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔ وظاھر الاٰیة انه فرض ان یعدل ای ان لایجور (درمختار) فَوَاحِدَةً۔ کوئی شوہر اگر ظلم و بے انصافی کے ساتھ دو یا زائد بیویاں رکھے تو
اس پر ظلم و بے انصافی کا گناہ برابر ہوتا رہے گا لیکن یہ نہیں کہ دوسری بیوی یا بیویوں سے نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ ظلم و جور قانونی انعقادِ نکاح کا مانع نہیں۔ ۴۲۹ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ۔ کے لفظی معنی ہیں "وہ جنکے مالک تمہارے
داہنے ہاتھ ہیں" محاورہ میں اس سے مُراد شرعی مملوک، غلام اور کنیزیں ہوتے ہیں۔ جن کا اب مُدّت دراز سے ہندوستان بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں کہیں وجود نہیں۔ اسیرانِ جنگ کا معاملہ ہمیشہ ایک اہم و دشوار معاملہ رہا ہے یعنی
یہ کہ جو مرد اور عورتیں شکست خوردہ غنیم کے ہاں سے گرفتار ہو کر آئیں۔ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، انہیں کہاں اور کیسے رکھا جائے۔ کسی نے اس کا حل جبری مزدوری Forced Labour یا بیگار کو نکالا۔ کسی نے کچھ اور۔
ہماری شریعت نے حکم یہ دیا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی آبادی کا بار حکومت State پر ڈالا جائے، اس تعداد کو افراد میں تقسیم کیا جائے اور ہر فرد اس نووارد کو اپنے خاندان کا ایک جزء بنالے۔ اس سے کام ہر طرح کا یقیناً لے۔
لیکن اس کے آرام کا بھی ہر طرح لحاظ رکھے۔ اور ان میں جو عورتیں ہوں ان سے ہمبستری کا حق بھی حاصل رہے۔ اس کا قیدی ہو کر آنا یہ خود اعلانِ نکاح کا قائم مقام ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی مزید ایجاب و قبول اور شاہدین کی
ضرورت نہیں اور یہ لوگ آسان شرائط پر اپنی آزادی ہر وقت خرید سکتے ہیں (شرائط کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی)، بلکہ ان کے آزاد کرنے کی فضیلتیں اور اس کے لئے طرح طرح کی ترغیبات خود قرآن مجید ہی میں درج ہیں اور

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

مدنی ۔ ۲۴ رکوع ۔ سورۂ نساء ۔ ۱۷۶ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو ایک ہی

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا
جان سے پیدا کیا ۴۱۸ اور اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا ۴۱۹ اور ان دونوں سے

رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ
بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیے ۴۲۰ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطہ سے ایک

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
دوسرے سے مانگتے ہو ۴۲۱ اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) ۴۲۲ بیشک اللہ تمہارے اوپر

رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
نگراں ہے ۴۲۳ اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو اور پاکیزہ کو گندی چیز سے

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى
مت تبدیل کرو اور اُن کا مال مت کھاؤ اپنے مال کے

اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ
ساتھ بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے ۴۲۴ اور اگر

۴۱۸ یعنی ابوالبشر حضرت آدمؑ سے۔ وحدتِ نوعِ انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دُوررس نتائج کے لحاظ سے کتنا اہم ہے! آخری جدِّ اعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے کے، ہر وحشی اور ہر مہذب کے، ہر ہندی اور ہر چینی کے، ہر حبشی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدمؑ ہیں۔ یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورثِ اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہما جی کے منہ سے پیدا ہوئے اور کھشتری نسل والے اُن کے سینہ سے اور ویش جاتی والے اُن کے پیٹ سے اور شودر ذات والے اُن کی ٹانگوں سے، اصلاً انسان انسان سب ایک ہیں۔ خَلَقَكُمْ۔ مسئلہ ارتقاء کسی حد تک کسی معنی میں صحیح ہے یا نہیں، قرآن مجید کو اس سے مطلق سروکار نہیں، انسان بہرحال و بہرصورت خلق ضرور ہوا ہے۔ قرآن انسان کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے۔ اور ہر اس نظریہ اور عقیدہ کی تردید کر رہا ہے جو انسان کی تخلیق کے منافی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے، خواہ کوئی کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو، ایمان اور ایک درجہ میں تقویٰ کے مکلف سب ہیں۔ اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ۔ پروردگار سے ڈرنا اُس کے احکام کی مخالفت سے ڈرنا ہے۔ لفظ رب میں خود یہ اشارہ موجود ہے کہ جن احکام کی مخالفت سے ڈرایا اور روکا جا رہا ہے، خود اُن کی غایت بھی ربوبیت اور پرورش ہے۔ ۴۱۹ یعنی حضرت حوّاؑ سے۔ تخلیقِ حوّا کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید تو یکسر ساکت ہے، رہی حدیث سو اس کا بھی یہی حال ہے۔ جس مشہور حدیث کی رُو سے حضرت حوّا کا حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس میں ذکر نہ حضرت آدمؑ کا ہے نہ حضرت حوّا کا۔ بلکہ محض عورت کی پیدائش اور کج سرشتی کا بیان ہے۔ آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت توریت کی آواز بازگشت ہے اور توریت کا بیان حسب ذیل ہے:۔ "خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اُس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا نے اس پسلی سے جو اُس نے آدم سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس بھیجا" (پیدائش ۲: ۲۲ و ۲۳) مِنْهَا۔ ضمیر ھا عموماً نفس کی طرف پھیری گئی ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ منھا یہاں من جنسھا کے مرادف ہے۔ القول الثانی ما ھو اختیار ابی مسلم الاصفھانی ان المراد من قولہ وخلق منھا زوجھا ای من جنسھا (کبیر) اور یہی قول علاوہ ابومسلم کے ابن بحر سے بھی نقل ہوا ہے۔ وقیل ھو علی حذف مضاف التقدیر وخلق من جنسھا زوجھا قالہ ابن بحر وابومسلم (بحر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بہ طور تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کے عدم ثبات کو ظاہر کرنا ہو جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ہے کہ انسان کی پیدائش جلد بازی سے ہوئی ہے۔ یحتمل ان یکون ذلک علی جھۃ التمثیل لاضطراب اخلاقھن وکونھن لا یثبتن علی حالۃ واحدۃ کما جاء خلق الانسان من عجل (بحر) ویحتمل ان یکون المعنی من جنسھا لا من نفسھا حقیقۃ (نہر) اور اس معنی کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنس عورت کا ہے نہ کہ حوّا کا۔ ویؤید ھذا التاویل قولہ ان المرأۃ فاتی بالجنس ولم یقل ان حواء (بحر) اور بعض شارحینِ حدیث بھی حدیث مذکور کی شرح میں اسی طرف گئے ہیں کہ یہ فطرت نسوانی کی کجی کی طرف صرف استعارہ ہے:۔ استعارۃ للمعوج ای خلقھن خلقا فیہ اعوجاج ذکرمانی بہ حوالہ مجمع بحار الانوار جلد ۲ ص ۲۹۲) وقد حمل العوج بعض العلماء علی المجاز والمعنی ان العوج ھو المیل عن الاعتدال وحب التشذ وذ ھو شان المرأۃ (حاشیۂ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ مصر) بخاری کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلعم قال المرأۃ کالضلع ان اقمتھا کسرتھا (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح حدیث ۱۱۵) اور یہی حدیث مسلم نے بھی (کتاب الرضاع میں) حضرت ابوہریرہؓ ہی کی سند سے نقل کی ہے۔ خود ضلع کے پسلی کا مفہوم تو ثانوی ہے، اصل معنی کجی و انحراف یا میل ہی کے ہیں۔ الضلع المیل (کتاب الفائق، زمخشری) الضلع الاعوجاج ای النائغ حتی یمیل صاحبہ عن الاستواء والاعتدال (نہایۃ۔ ابن اثیر) ۴۲۰ دونوں جنسیں اُسی ایک جوڑے یعنی حضرت آدمؑ و حضرت حوّاؑ سے دنیا میں چلی ہیں۔ كَثِيْرًا۔ آدمؑ کے وقت سے لیکر اب تک جو آبادی ہر ملک اور ہر زمانہ کی رہی ہے یا جو قیامت تک ہوگی اس کے مجموعہ پر بھی اگر کثیر کا اطلاق نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا۔ ۴۲۱ (اپنے حقوق اور مراعات) قال الزجاج تطلبون بہ حقوقکم (بحر) بِهٖ یعنی اس کے نام کا واسطہ دلا دلا کر۔ آیت سے اللہ کے واسطہ سے مانگنے کا جواز نکل آیا۔ وفی الاٰیۃ دلالۃ علی جواز المسئلۃ باللہ تعالیٰ (جصاص) ۴۲۲ اَلْاَرْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے۔ یہ ہے قرابت اور رشتہ داری کی اہمیت اسلام میں حقیقت میں اُمّت کے نظامِ اجتماعی کا سنگ بنیاد شریعت نے قرابت یا رحم ہی کو قرار دیا ہے۔ وفی عطف الارحام علی اسم اللہ دلالۃ علی عظم ذنب قطع الرحم (بحر) وقد نبّہ سبحانہ تعالیٰ اذ اقرن الارحام باسمہ الکریم علی ان صلتھا بمکان منہ (بیضاوی) فیہ تعظیم لحق الرحم وتاکید للمنع عن قطعھا (جصاص) رحم کا اطلاق وسیع ہے۔ جملہ اعزہ و اقرباء اس کے اندر آجاتے ہیں۔ الرحم اسم لکافۃ الاقارب من غیر فرق بین المحرم وغیرہ (قرطبی) معنا المجاز الرحم القرابۃ وبینھما رحم ای قرابۃ قریبۃ (تاج) اور اسی معنی میں یہ حدیث بھی آئی ہے:۔ الرحم معلقۃ بالعرش تقول الامن وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ، (رحم عرشِ الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رہے اور جو مجھے کاٹے اللہ اُسے کاٹے) فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرابت کا لحاظ واجب ہے اور اسے قطع کرنا جرم ہے۔ اتفقت الملۃ علی ان صلۃ الرحم واجبۃ وان قطیعتھا محرمۃ (قرطبی) ۴۲۳ (اور اس نگرانی میں انسان کے ذاتی، خانگی، اجتماعی سارے معاملات آگئے) اگر اس کا استحضار رہے تو آج خانگی زندگیاں کس قدر خوشگوار ہو جائیں! ۴۲۴ یتیم یعنی بن باپ کے بچوں اور بچیوں کا مسئلہ ہر قوم میں اہم و نازک رہا ہے۔ قرآن اب یہاں اسی باب میں ہدایتیں دے رہا ہے۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ۔ یعنی ان یتیموں کے بالغ ہونے پر ان کی جائداد، اُن کا سامان ان کے حوالہ کر دو، اور اس کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ یتیم اپنی جائداد کا مطالبہ کرے بھی۔ وفیہ دلالۃ علی وجوب تسلیم اموال الیتامی بعد البلوغ و ایناس الرشد وان لم یطالبوا باداءھا (جصاص) خطاب یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے ہے۔ یتیموں کے سپرد ان کی جائداد ان کے بالغ اور سمجھدار ہو جانے کے بعد ہی کرنا چاہیئے اس کے قبل نہیں۔ ان الیتیم لا یجب اعطاءہ مالہ قبل البلوغ (جصاص) انما یجب الدفع الیتیم بعد البلوغ وایناس الرشد (جصاص) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ ان نابالغ یتیموں کی اچھی چیز نکال کر اپنے مال میں ملا لی اور اپنی طرف کی کوئی گھٹیا چیز انکے حصہ میں شامل کر دی۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ۔ یعنی اپنے حصہ کے ساتھ یتیموں کے حصہ کو خلط ملط کر کے۔ ای لا تاکلوھا مضمومۃ الی اموالکم (بیضاوی) الی اموالکم ای مع اموالکم (بحر) اِنَّهٗ۔ ضمیر اسی دست درازی اور یتیموں کے مال میں گڑبڑ کرنے کی طرف ہے۔ ای اکل لہم ڈاکٹر رابرٹ رابرٹسن مسلم نہیں، کافر ہیں اس پر بھی اس کے قائل ہیں کہ قرآن اور پیمبر نے یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا بہترین انتظام کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔

ہے جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص اعتراف کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ سر ولیم میور اور مارگولیث جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہد نبوت میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لاسکے۔ عبداللہ بن سلام جو نامور علماء یہود میں سے تھے وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے۔ بعثت کے حالات سیرت طیبہ تعلیم و تلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا لفظ "محمد" عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لئے مجبور کیا۔ جیسے صرّف (پھیر دیا)۔ یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا اسی طرح "محمد" کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔ اس معنی سے اسی قوت جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبداللہ بن سلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے هذا ليس بوجه كذاب یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خدا ترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جارہی ہیں انہوں نے تجربہ کرا دیا کہ جب کبھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبۂ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہے کوئی جز اس سے چھوٹا ہوا نہیں استعمال میں آتا ہے قَتَّلَهٗ تَقْتِيْلًا یعنی خوب خوب قتل کیا اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد" یعنی جس کا جز و جز قابل تعریف ہے "اصلاح نفس" "تدبیر منزل اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ صلعم نے پیش نہیں کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب و نظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا۔ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد و نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسان کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے جو ان تمام صفات کا مجمع اور فضائل کا آئینہ ہو جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسویانہ مستی، مسیحانہ اخلاق، ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے۔ اور پھر ان تمام اوصاف میں وہ اپنے متقدمین سے بالاتر ہو۔ وہ ہستی کامل جامع اور برزخ کامل ذات پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی لئے حضرت مسیحؑ نے اپنی بشارت میں لفظ "احمد" فرمایا یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہو گا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے اپنی کامل نشوونما جب ہی پائی ہے جب وہ صرف روحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے ہیں۔ مسیحی مذہب کی ترقی رُومی بادشاہوں کی رہین احسان ہے۔ بودھ نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالمگیر مذہب بھی اُسی وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آگیا۔ لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جن جماعتوں میں پھیلا اخلاق و روحانیت سے گیا غریب تلوار اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلہ کے بعد گئی ہے۔ افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارہ میں بہت صاف ہیں اس خاص نعمت تبلیغ کو بھی نام مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ فقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العالمين بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن فطرت کی تدبیریں اندر اندر جاری رہتی ہیں اور ایک وقت معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے۔ خوش تدبیری اور حسن اسلوب کے موقع پر بھی حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے پس لفظ "محمد" کے ایک یہ بھی معنی قرار دیئے جاسکتے ہیں کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیری نے ترقی کی آپؐ کی تعلیم کا انتشار آپؐ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا جس کی سرعت اور بغیر جد و جہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔

الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع بہتیرے فضائل کا خلاصہ ہے ایک طرف وہ اپنے مسمّٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیشین گوئی ہے دوسری طرف اُس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لُبِّ لباب ہے۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ضمیمہ پ۴

اسم پاک محمدؐ

(بہ سلسلہ حاشیہ ۲۸۱ پ۴)

حضور کا نام نامی آپ کے دادا "عبدالمطلب" نے رکھا تھا۔ عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاءان یحمد عبدالمطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمدؐ نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق بنے۔ ارباب تصوف موشگافی کی انتہا کر دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ "محمدؐ" خدا کے نام "احد" سے مشتق ہے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں۔ اسم کو اپنے مسمّٰی کے صفات، خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہیئے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عموماً انواع و اجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ مثلاً انسان، مسلم، قوم شاذ و نادر طریقہ پر افراد و اشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے جیسے "مسیح" اور "بدھ" یہ دونوں نام اپنے مسمّٰی کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپؐ سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مؤرخین اکثر لکھتے ہیں۔ ولم یکن شائعًا بین العرب ھذا الاسم اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے "نام مبارک" کا "عبدالمطلب" کے ذہن میں آنا منشار خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نام مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی" اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیت کبریٰ، برزخ کامل اور مقصود آفرینش کے فضائل و کمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے خدا کے تمام نبی اس کے نزدیک موجب توصیف ہیں۔ دنیا کے تمام حکیم، فاتح عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح و ستائش ہیں اس لئے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تخصص کو اور زیادہ وسعت دیں۔ صاحب مفردات "محمد" کے معنٰی لکھتے ہیں الذی اجمعت فیہ الخصال المحمودۃ یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمدؐ کے معنٰی مجموعۂ خوبی کے ہیں ؎

اے کہ تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

کارسازِ قدرت کی وسعت لامحدود اس کے کرشمے ناقابل شمار اس کی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کے لئے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے۔ کہ جس کے آگے اُس کا قدم نہیں بڑھتا "حیوانات" "نباتات" اور جمادات تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں، صورتیں ایک ہیں شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں، لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں، ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں ہم مقصود فطرت اور نقطۂ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطۂ تخلیق کی اصطلاح کو پوری تشریح کے ساتھ ذہن میں رکھنا چاہیے یہ بات تھوڑے سے غور اور شعور سے بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے تجسس اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجۂ اعلیٰ پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصود فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بیّن فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سیکڑوں افراد میں اور یہاں اوصاف و خصوصیات کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔ آفرینش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل و شباہت اس کے اعضا و جوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اُن سے جداگانہ ہے۔ ان میں برابر ارتقاء و اختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل و مابعد ادوار، زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخرترین سرحد اگر کوئی معلوم ہو سکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لغات قاموس نے لفظ "حمد" کے ایک معنٰی قضاء الحق کے بھی بتلائے ہیں پس لفظ "محمدؐ" کے ایک معنٰی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس سرحد کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حق تخلیق مقرر تھا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خَلق و خُلق، دماغ و کیرکٹر ارتقائے ذہنی و ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائنات تخلیق کا لب لباب ہیں اول ثانی کے لئے بنیاد ہے عمل علم پر، کیرکٹر دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے، یہ ایک عجیب نکتہ ہے جس کی تشریح کسی دوسرے مقام پر آئے گی کہ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہو گی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہو گی ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیرکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت صلعم کی ذات مبارک نے پیش کیا عالم انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے حتّٰی کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرما دیا گیا۔ انک لعلٰی خُلُقٍ عظیم محاورات عرب سے حمد کے یہ بھی معنٰی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا حماسیات میں نیزہ کے بھرپور پڑنے کے وقت حمدتُ بلاءَہٗ (میں نے وار پورا کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنٰی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اوپر کے مضمون کو پیش نظر رکھ کر بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنٰی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔

منجملہ دیگر کمالات نبوت و معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی حضور اقدس کا نام نامی بھی ہے۔ یہ زندۂ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تاہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعۃً رسالتمآب روحی فداہ صلعم کے کمالات کا پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ علماء و فضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت جتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے، بادلِ ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتا ہے کہ بے شبہ پیغمبر عرب کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہل ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہو گی خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں ترقی کرے جس کی بظاہر امید نہیں اور خواہ اپنے پچھلے سبق دہرائے۔ دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہو گا اس حیثیت سے نام مبارک محمد صلعم کا ترجمہ سلسلۂ اوصاف و محامد ہو گا۔

جیسا اوپر کہا گیا ہے عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے شاذ و نادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اسکے شبہائے حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نام نامی آقائے نامدار اس سے مستثنٰی ہے۔ اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کے متعلق ضرور عبدالمطلب کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔ اب غور کیا جائے کہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا خلاصہ دوست و دشمن کی یکساں تنقید حاضر و غائب کی رائے زنی کا ماحصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم و عمل، ظاہر و باطن، خَلق و خُلق ہر حیثیت سے حضور کی زندگی قابل تعریف تھی اور اسی خلاصۂ حیات کا ترجمہ ہے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک حضور کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال و کمالِ اخلاق بھی انبیاء علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کمال علمی و عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور کی جامعیت آپؐ کی سوانح و تعلیمات سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ لفظ "محمدؐ" کے معنٰی مجموعۂ خوبی اور "مخلوق کامل" کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے۔ اسی حالت پر کمال کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے باغ ہونگے، جن کے نیچے نہریں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ

بہ رہی ہونگی، ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے (یہ تو) میہمانی (ہوگی) اللہ کی

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝۱۹۸

طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے حق میں کہیں بہتر ہے ۴۱۴

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ

اور اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تم پر

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ

اُتارا گیا ہے، اور جو کچھ اُن پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں،

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے ۴۱۵ انہیں ان کا اجر ان کے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۹۹

پروردگار کے پاس ضرور ملے گا بیشک اللہ حساب بہت جلد لے لیتا ہے، ۴۱۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟

اے ایمان والو (خود) صبر کرو، اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو، اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۲۰۰ ع

اور اللہ سے ڈرتے رہو، عجب نہیں جو فلاح پا جاؤ ۴۱۷

الثلثۃ

ع ۲۰ / ۱۱

منزل ۱

(ہر دنیوی لذت و نعمت سے، کیفیت میں، کمیت میں، غرض ہر اعتبار و ہر جہت سے) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اُخروی نعمتوں کی قسموں میں سے۔ ۴۱۴ اِتَّقَوْا رَبَّهُمْ۔ اور اس تقویٰ الٰہی کی پہلی منزل قبول اسلام ہے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ اللہ نے اہل جنت کو اپنا "میہمان" ٹھہرا کر ان کا مرتبہ اعزاز و اکرام جس حد تک بڑھا دیا ہے الفاظ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ النزل ما یھیأ للضیف (کبیر) ۴۱۵ یعنی کسی بھی مصلحت و منفعت کے خیال سے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف، ترمیم، تصحیف، تلبیس گوارا نہیں کرتے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا پر حاشیہ اُوپر گزر چکے، ہر دنیوی معاوضہ بڑا ہو یا چھوٹا حقیر ہی قیمت کا کہا جائے گا۔ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی ذات و صفات پر ایمان پورے توحیدی رنگ میں ہے اس میں شرک کی آمیزش نہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ خطاب مومنین سے ہے، یعنی قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ۔ یعنی اپنی اپنی آسمانی کتابوں توریت، انجیل وغیرہ پر اُن کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں ایمان رکھتے ہیں۔ یہ مدح جیسا کہ ظاہر ہے اُن اہل کتاب کی ہو رہی ہے جنہوں نے رسول اللہ کی تصدیق کی اور اسلام قبول کر لیا۔ ۴۱۶ (سو وہاں کسی کو انتظار کی بھی زحمت نہ اُٹھانی پڑے گی) حشر کے مجمع عظیم کو دنیوی مجمعوں کی بھیڑ بھاڑ اور دنیوی عدالتوں کی تعویق اور تاخیر پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔ ۴۱۷ اِصْبِرُوْا۔ یعنی جو صعوبتیں راہِ حق میں از خود پیش آئیں اُن پر صبر کئے جاؤ۔ ای علیٰ مشاق الطاعات و مایصیبکم من الشدائد (بیضاوی) ای الصبر بالطاعات وعن الشھوات (قرطبی) قال الحسن وقتادۃ وابن جریج والضحاک اصبروا علیٰ طاعۃ اللّٰہ (جصاص) صَابِرُوْا۔ یعنی جو مصیبتیں مخالفین و معاندین کے ہاتھوں پیش آئیں انہیں بھی برداشت کرو۔ ای غالبوا اعداء اللّٰہ۔ فی الصبر علیٰ شدائد الحروب (بیضاوی) معناہ مصابرۃ الاعداء قالہ زید بن اسلم (قرطبی) صابروا اعداء اللّٰہ (جصاص) رَابِطُوْا۔ یعنی خارجی دشمنوں اور اپنے اندرونی دشمن (نفس) دونوں سے مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔ الرّباط حمل النفس علی النّیۃ الحسنۃ والجسم علیٰ فعل الطاعۃ ومن اعظمہ ارتباط الخیل فی سبیل اللّٰہ وارتباط النفس علی الصلوٰۃ (ابن عربی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ صبر و مصابرہ و مرابطہ سب کا اصلی مصدر اور آخری ماخذ تقویٰ الٰہی ہے۔ آخر میں اس کی تاکید ہے اور اسی کا نتیجہ دنیا و عقبیٰ میں فلاح ہے۔ ولا بُدّ للانسان فی کلّ فعل یفعلہ من داعیۃ و غرض وجب ان یکون للانسان فی ھذہ المجاھدۃ غرض و باعث و ذالک ھو تقوی اللّٰہ لنیل الفلاح والنّجاح (کبیر)

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ
بیشک تُو تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ف۴۰۷ سو ان کی دُعا کو ان کے پروردگار نے

رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ
قبول کرلیا ف۴۰۸ اسلئے کہ مَیں تم میں کسی عمل کرنے والے کے خواہ مرد ہو

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ
یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا تم آپسمیں ایک دوسرے کے جز ہو ف۴۰۹ تو جن

هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ
لوگوں نے ترکِ وطن کیا اور اپنے شہروں سے نکالے گئے اور (اور بھی) تکلیفیں انہیں میری

سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
راہ میں دی گئیں اور وہ لڑے اور مارے گئے، ان کی خطائیں ضرور ان سے معاف کردی جائینگی ف۴۱۰

وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ
اور مَیں ضرور انہیں ایسے باغوں میں داخل کرونگا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی،

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾
(یہ) اللہ کے پاس سے ثواب ملے گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ف۴۱۱

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ
(یہ) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے ف۴۱۲ (یہ) چندروزہ

قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾
بہار ہے ف۴۱۳ پھر تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسی بُری آرامگاہ ہے

ف۴۰۷ (اس لئے تیرے وعدہ پر تو قطعاً بھروسہ ہے لیکن اس کا اطمینان تو نہیں کہ ان وعدوں کا تحقق ہمارے حق میں ہو، ہم ہی ان وعدوں کے مصداق ٹھہریں) ف۴۰۸ (اور انہیں اپنے فضل وکرم کی جنت میں داخل کردیا) اِسْتَجَابَ۔ یہاں بھی اجاب کے معنی میں ہے۔ اِسْتَجَابَ بمعنٰی اَجَابَہٗ (قرطبی) ف۴۰۹ (اور تم دونوں الگ الگ قسم کی مخلوق نہیں ایک ہی نوع کی دو شاخیں ہو) اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ ہر زبان کا ایک مخصوص اُسلوبِ بیان وطرزِ انشار ہوتا ہے، اوپر سے برابر صیغہ غائب چلا آرہا ہے۔ اب دفعۃً اس آیت کے اندر صیغہ متکلم آگیا، عربی ادب وانشار میں یہ فوری انتقال صیغہ داخل عیب نہیں، داخل ہنر ہے اور اپنے موقع ومحل پر ایک خاص صفت، یہاں صیغہ متکلم خاص طور پر دلالت کررہا ہے تخصیص وشفقت پر۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ جاہلی مذہبوں میں یہاں تک کہ مسیحیت میں بھی عورت ہونا بجائے خود ایک جرم ونقص تھا، عورت غریب محض اسلئے کہ عورت تھی بہت سے درجات سے، بہت سے ثوابوں سے محروم تھی اس گمرہی کو مٹانے کے لئے صراحت کے ساتھ یہ بیان کرنے کی ضرورت تھی کہ جنس مذکر ومؤنث سے عمل واجرِ عمل پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا، عمل عمل کے لحاظ سے ہر عامل یکساں ہے۔ نماز اِس کی بھی قبول اُس کی بھی، روزہ اِس کا بھی مقبول اُس کا بھی، عصمت اِس کی بھی قابلِ غور اس کی بھی وقس علیٰ ہذا۔ لَآ اُضِیْعُ لاکر یہ بھی بتادیا کہ عمل پر ثمرات کا ترتب تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ یہ تصریح ہے اس کی کہ انسانیت دونوں جنسوں میں مشترک ہے اس لئے حکم بھی دونوں کا مشترک ہی رہے گا۔ لانھما من اصل واحد (بیضاوی) لاتفاوت فی الاجابۃ ولا فی الثواب بین الذکر والانثٰی (کبیر) بیّنت فیہا شرکۃ النساء مع الرجال فی ما وعد اللہ عبادہ الصالحین (مدارک) ذرا اسے یاد کرلیا جائے کہ دونوں جنسوں کے درمیان اشتراک انسانیت کی یہ تعلیم بیسویں صدی عیسوی میں نہیں ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں مل رہی ہے، جبکہ فرنگستان اور ہندوستان دونوں میں عورت ہونا خود ایک جرم تھا اور عورت کا وجود مرادف تھا گندگی اور ناپاکی کے۔ مِنْ ذَكَرٍ میں مِنْ تاکید کے لئے ہے۔ دخلت مِن للتاکید (قرطبی) ف۴۱۰ (اور یہ کفارۂ سیئات والانعام علاوہ اس اجر کے ہوگا جو انہیں اپنے اعمالِ شاقہ اور حسنات پر ملے گا) اَلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا ...... وَقُتِلُوْا۔ یہ ذکر ہورہا ہے حضورؐ کے رفیقوں اور صحابیوں کی جان نثاریوں کا۔ اور بیان میں چند اعمال کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہے، یہ بطور مثال ونمونہ کے یا فہرست حسنات کے تمام عنوان کے طور پر بتایا کہ انہی پر سارے اعمالِ حسنہ کا قیاس کرلیا جائے ان سے حسنات کا حصر مقصود نہیں۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ اس تصریح سے صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ حضرات باوجود ان مرتبوں کے، باوجود صحابی اور مہاجر اور مظلوم فی سبیل اللہ اور غازی اور شہید ہونے کے معصوم نہ ہوں گے، لغزش وخطا سے ماورا نہ ہوں گے، صاحب سیئات ہونگے عام بشری لغزشوں کے یہ بھی مرتکب ہونگے البتہ فضل خداوندی ان کے حسنات کو ان کے سیئات پر کہیں غالب رکھے گا۔ آج جو ہر "شیخ" اور ہر "بزرگ" کو عملاً تقدس مآب ومعصوم اور بشریت سے ماورا سمجھا جانے لگا ہے اس عقیدۂ فاسد کی تردید قرآن مجید قدم قدم پر کررہا ہے۔ ف۴۱۱ صیغہ حصر کا وارد ہوا ہے یعنی یہ بہترین وبرترین نعمت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ ای یختص بہ ولا یقدر علیہ غیرہ (مدارک) ف۴۱۲ یعنی اے مخاطب اہل کفر کا حظوظ دنیوی سے بہرہ ور ہونا، مادی نعمتوں کا حصہ دار ہونا کہیں تجھے اس دھوکے میں نہ ڈال دے کہ انکی حالت بھی قابل وقعت اور مستحق احترام ہے۔ یہ دھوکا بھی کتنا عام ہے اور آج دنیا کتنا زیادہ اس دھوکے میں پڑی ہوئی اور اس فریب پر مٹی ہوئی ہے۔ الخطاب لکل احد (مدارک) ھٰذا الخطاب لکل من سمعہ من المکلفین کانہ قیل لایغرنک ایھا السامع (کبیر) ف۴۱۳ (آخرت کی ابدی نعمتوں اور سرافرازیوں سے ان حظوظ دنیوی کو نسبت ہی کیا؟ حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ دُنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں انگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے پھر دیکھے کتنا پانی اس میں آیا ہے۔

۳۹۷ (اللہ کی توحید اور فردیت کی، اس کی حکمت و صنعت کی اور اس کی قدرت و حاکمیت کی) نظامِ فلکی اور اس کی تفصیلات، چاند، سورج، ستاروں کی تعداد، انکے درمیانی فاصلے، ان کے باہمی تعلقات و تاثرات، ان کی گردشوں کی پیمائش، گرہن کے اسباب و اوقات، اُن کے طلوع و غروب، نور و حرارت وغیرہ کے قاعدہ ضابطہ، اس قسم کی تفصیلات سے علم ہیئت کی کتابوں کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں ——— رہی زمین تو ہیئتِ ارض، مساحتِ ارض، طبقاتِ ارض، معدنیاتِ ارض، کششِ ارض، ہواؤں اور موسموں کے تغیرات وغیرہ کے لئے تو کوئی ایک پورا فن بھی کافی نہ ہوا بلکہ جغرافیہ، جغرافیہ طبعی، جیالوجی، فزالوجی، میٹیرولوجی، آرکیالوجی خدا جانے کتنے فنون پر فنون نکلتے چلے آرہے ہیں اور حکمت باری اور صنعت باری کی اندازا اور تخمینے ختم ہونے کے قریب بھی نہیں آرہے ہیں! آیت میں ضمناً اُن مشرک قوموں کا بھی رد آگیا جنہوں نے آسمان یا زمین یا رات دن کو دیوی دیوتا سمجھا ہے، معبودیت کی صلاحیت ان میں سے کسی میں بھی نہیں، یہ سب کے سب مملوک و مسخر ہیں ایک صانع اعظم کے۔ ۳۹۸ یعنی یادِ الٰہی خواہ دل سے ہو یا زبان سے، یہ ہر حال اور ہر ہیئت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ المراد منہ کون الانسان دائم الذکر فان الاحوال لیست الا ھذہ الثلاثۃ (کبیر) قال سائر المفسرین اراد بہ المداومۃ علی الذکر فی عموم الاحوال (معالم) عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ سے مُراد ہے لیٹے ہوئے۔ ای مضطجعین (قرطبی) ۳۹۹ کائناتِ طبعی کے ان عظیم الشان موجودات کے قوانین طبعی اور قواعد تکوینی سے صانع اعظم و خالق عالم کی قدرت، حکمت، صنعت پر استدلال کرتے رہنا عبادت ہی نہیں ایک اعلیٰ و اشرف عبادت ہے۔ ھو افضل العبادات کما قال علیہ الصلوٰۃ لا عبادۃ کالتفکر لانہ المخصوص بالقلب والمقصود من الخلق (بیضاوی) دلت الآیۃ علی ان اعلی مراتب الصدیقین التفکر فی دلائل الذات والصفات (کبیر) کاش آج ہماری قوم کے ماہرین فن ہیئت، فلکیات، ریاضیات وغیرہ علوم طبعی پر دینی و ایمانی نقطۂ نظر سے قلم اُٹھاتے! ۴۰۰ یعنی بلا غایت و بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بڑے بڑے مصالح و مقاصد اس کے اندر رکھے ہیں۔ اس میں رد آگیا علاوہ مادئین و دہریئین کے جو کائنات کو محض بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اُن مذاہبِ باطلہ کا بھی جن کے نزدیک یہ نظامِ کائنات محض کسی دیوتا کا کھیل تماشہ یا ایک طرح کا طلسم و شعبدہ ہے۔ ۴۰۱ (ہر فعل عبث اور لاحاصل ہے) تنزیھا عن الوصف بخلق الباطل (مدارک)

یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ
اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں ۳۹۸ اور
وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا
آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں ۳۹۹، اے ہمارے پروردگار
مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ
تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں پیدا کیا ہے ۴۰۰ تو پاک ہے ۴۰۱، سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے
النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ
عذاب سے ۴۰۲ اے ہمارے پروردگار تو نے جسے دوزخ میں داخل کر دیا اسے واقعی رسوا ہی
اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ
کر دیا اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ۴۰۳ اے ہمارے پروردگار
اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا
ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا ایمان کی پکار کرتے ہوئے کہ اپنے پروردگار پر
بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ
ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے ۴۰۴ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے
عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ۚ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا
ہماری خطاؤں کو زائل کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے ۴۰۵ اے ہمارے پروردگار ہمیں عطا کر
مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ
وہ چیز جس کا تو ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کر چکا ہے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا ۴۰۶

۴۰۲ (اور وہ اس طرح کہ ہمیں راہِ ہدایت پر چلائے اور راہِ ضلالت کے سایہ سے بھی بچائے) ۴۰۳ (کہ انہیں میرے عذاب سے کچھ بھی بچا سکے) اَلظّٰلِمِیۡنَ۔ ظالم سے یہاں کھلی ہوئی مراد کافر سے ہے۔ ای الکفار (قرطبی) والمراد الکفار (مدارک) القرآن دلّ علی ان الظالم بالاطلاق ھو الکافر (کبیر) مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ مراد وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک میں مرے اور عذابِ ابدی کے لئے دوزخ میں جھونکے جائینگے، وہ گنہگار مسلمان مراد نہیں ہیں جو گناہوں سے پاک صاف ہونے کیلئے عارضی و وقتی طور پر دوزخ میں بھیجے جائینگے۔ قال سعید بن المسیب الآیۃ خاصۃ فی قوم لا یخرجون من النار (قرطبی) حکماء و علماء اسلام کے گروہ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عذابِ روحانی عذابِ جسمانی سے بھی بڑھ کر زبردست و شدید ہوگا اس لئے کہ قرآن خزی (رسوائی) کا ذکر عذابِ دوزخ کے بعد کرتا ہے (کبیر) ۴۰۴ (اس داعئ حق کی ہدایات کے مطابق) ایمان شریعت میں وہی معتبر و مستند ہے جو پیمبر کی ہدایات کے مطابق ہو نہ کہ اپنے ظن و تخمین کے ماتحت۔ امام ماتریدی نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اپنے ایمان کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید و مشروط کرنا درست نہیں۔ قال الشیخ ابو منصور رحمہ فیہ دلیل بطلان الاستثناء فی الایمان (مدارک) مُنَادِیًا۔ پکارنے والے سے مُراد رسول اللہ صلعم ہیں۔ یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ۔ یہ ضرور نہیں کہ پیمبر کی دعوت براہِ راست ہی پہنچتی ہو، کسی واسطہ سے بھی پہنچے، بہرحال پیمبر ہی کی دعوت ہوگی، لِلۡاِیۡمَانِ میں ل الی کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی الی ای الی الایمان (قرطبی) ۴۰۵ (اور آخرت میں اُن کی رفاقت نصیب کر) مخصوصین بصحبتھم و معدودین فی زمرتھم (بیضاوی) ذُنُوۡبَنَا۔ ذنوب سے مراد بڑے گناہ ہیں۔ ای کبائرنا (بیضاوی) سَیِّاٰتِنَا۔ سیأت سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ ای صغائرنا (بیضاوی) ۴۰۶ یعنی ابتدا ہی سے ہم پر فضل و کرم رکھ۔ جہنم وغیرہ کے جو شدید ترین عذاب ہیں، وہ تو خیر الگ رہے، باقی میدان حشر میں پبلک رسوائی، عام تفضیح، یہ کچھ کم ہے، ذرا اس پر خیال تو کیا جائے۔ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا یعنی اجر موعود، جنت موعود۔ عَلٰی رُسُلِکَ۔ اللہ کے وعدے معتبر تمامتر وہی ہیں جو پیمبروں کی وساطت سے ہوں، نہ تصدیق صرف اُنہی پر لگی ہو نہ کہ اپنی عقل و ذہانت سے فرض کر لئے ہوئے وعدوں پر۔ رَبَّنَا اس سلسلۂ دعا میں بار بار اس لفظ کی تکرار، اللہ کی صفتِ ربوبیت کو بار بار مخاطب کرنا اور گویا اسے اس کی صفت کا واسطہ دینا دلیل ہے دعا کرنے والے کی خشیت اور الحاح اور تضرع کی۔

اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ
جب اللہ نے اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو پوری طرح ظاہر کر دینا،
لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ
(عام) لوگوں پر اور اسے چھپانا مت ۳۹۲ سو انہوں نے اس (عہد) کو اپنے پسِ پشت پھینک
وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۱۸۷
دیا اور اس کو ایک حقیر قیمت کے عوض میں بیچ ڈالا ۳۹۳ سو کیسی بُری چیز ہے جسے وہ خرید رہے ہیں،
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ
جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام نہیں کئے ہیں،
اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ
اُن پر بھی اُن کی مدح کی جائے ۳۹۴ سو ایسے لوگوں کے لئے ہرگز نہ خیال کرو
مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۸۸ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
کہ وہ عذاب سے حفاظت میں رہیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۳۹۵ اللہ ہی کے لئے
۱۹ ع ۹ ۱۰
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۸۹
آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۳۹۶
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ادل بدل
وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۱۹۰ الَّذِيْنَ
میں اہلِ عقل کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں ۳۹۷ یہ ایسے ہیں کہ جو

۳۹۲ (چنانچہ اس حکم کی شہادت کسی درجہ میں تو موجودہ منحرف توریت اور انجیل بھی دے رہی ہے۔ "تم اس کلام میں جو میں تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو" (استثناء ۴: ۲) "تو یہ باتیں اپنے بیٹوں اور پوتوں کو سکھلا" (استثناء ۴: ۹) "اس نے ...... بنی اسرائیل میں ایک شریعت بنا رکھی جس کی بابت اس نے ہمارے باپ دادوں کو حکم کیا کہ وہ اسے اپنی اولاد کو سکھلادیں تاکہ آنے والی پُشت وہ فرزند جو پیدا ہوویں سکیمیں اور وہ اُٹھ کے اپنی اولاد کو سکھلادیں" (زبور ۷۸: ۵ و ۶) "جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں اُجالے میں کہو اور جو کچھ تم کہتے ہو کوٹھوں پر اُس کی منادی کرو" (متی ۱۰: ۲۷) لَتُبَيِّنُنَّهٗ۔ تبیین کے معنی خوب کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ ہٗ کی ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ یعنی جو کتاب تمہیں ملے، اس کو اور اس کے مضامین کو خوب پھیلاؤ۔ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ۔ یعنی اس کے کسی حصہ، کسی مضمون کو کسی غرض سے بھی نہ چھپاؤ۔ ۳۹۳ یعنی احکامِ الٰہی کو سستے داموں بیچ کر دنیا خرید کی! ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ہمیشہ کم قیمت ہی رہے گی۔ یہ مُراد نہیں کہ اِن نافرمانوں نے تحریف کا معاوضہ ہلکا لیا انہیں اس سے زیادہ لینا تھا۔ نَبَذُوْهُ۔ ضمیر اسی عہد کی طرف ہے۔ ای المیثاق (بیضاوی) ۳۹۴ خاص طور پر مُراد ہیں علماءِ یہود اور منافقینِ یہود۔ عُنِیَ بذٰلك قومٌ من اهل النفاق (ابنِ جریر) عُنِیَ بذلك قومٌ من احبار الیهود (ابنِ جریر) بِمَآ اَتَوْا مثلاً ان کا یہی کارنامہ کہ حق کا اخفاء اور اپنی بدکرداریوں کا کتمان کرتے رہے۔ مَا لَمْ يَفْعَلُوْا۔ مثلاً یہی کہ دینِ حق کی نشر و اشاعت نہ کی۔ ۳۹۵ (آخرت میں) بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ۔ اس عذاب سے مُراد اسی دنیا میں سزائیں ہیں۔ چنانچہ یہود چند ہی سال کے اندر قتل ہوئے، گرفتار ہوئے، جلاوطن ہوئے، اور منافقین یہود ذلیل و رُسوا ہوئے۔ ۳۹۶ (چنانچہ مجرموں کی دنیوی و اُخروی سزاؤں پر بھی) اللہ کی ملکیتِ تامّہ اور قدرتِ کاملہ کا استحضار رہے تو شاید ایک بھی معصیت نہ سرزد ہو۔

۳۸۴ یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ مرتبۂ نبوت اور اس خاص معجزہ کا ظہور لازم ملزوم ہیں تو آخر تمہاری قوم کے جن انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا تم خود اُن کے منکر کیوں رہے؟ جَآءَکُمْ رُسُلٌ یعنی خاص تمہاری ہی نسل و قوم کے پیمبر جو تمہارے پاس آچکے ہیں۔ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ۔ توریت میں اس قسم کے متعدد واقعات مندرج ہیں مثلاً "ایلیا نبی نزدیک آیا اور بولا کہ اے خداوند ابرہام اور اسحاق اور اسرائیل کے خدا آج کے دن معلوم ہو جائے کہ تو اسرائیل کا خدا ہے اور مَیں تیرا بندہ ہوں اور میں نے یہ سب کچھ تیرے کہے سے کیا ہے ...... تب خداوند کی طرف سے آگ نازل ہوئی اور اس نے اس سوختنی قربانی اور لکڑیوں اور پتھروں اور پانی کو جلایا" (۱۔ سلاطین۔ ۱۸: ۳۶، ۳۷ و ۳۸) "اور جب سلیمان دعا مانگ چکا تو آسمان سے آگ اتری اور سوختنی قربانی اور ذبیحوں کو کھا گئی اور وہ گھر خداوند کے جلال سے بھر گیا" (۲۔ تواریخ ۷: ۱) ۳۸۵ (اس لئے آپ کچھ غم نہ کریں، کہ یہ معاملہ تو سارے انبیاء و مرسلین کے ساتھ ہوتا آیا ہے) بِالْبَیِّنٰتِ۔ بینات دلائل عقلی اور معجزات سب کا جامع ہے۔ ای الحجج والمعجزات (کبیر) ای الحجج والبراھین القاطعۃ (ابن کثیر) اَلزُّبُرِ۔ زبور کی جمع ہے، مُراد وہ مختصر رسالے ہوتے ہیں، جن میں صرف اخلاقی موعظے ہوتے ہیں۔ اس کی بہترین مثالیں اناجیل اربعہ ہیں۔ قیل الزبر المواعظ و الزواجر (بیضاوی) اَلْکِتٰبِ۔ اصطلاح قرآنی میں اس سے مُراد ایسی کتاب ہوتی ہے، جس میں احکام و شرائع سب ہوں۔ اور پوری طور پر ہادی ہو۔ والکتاب فی عرف القراٰن ما یتضمن الشرائع والاحکام (بیضاوی)

اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۸۳ فَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقَدْ کُذِّبَ
اگر تم سچے ہو ۳۸۴ سو اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ
آپ سے پیشتر بھی پیغمبروں کی تکذیب ہو چکی ہے جو شواہد اور نوشتوں اور روشن کتاب کے ساتھ
الْمُنِیْرِ ۝۱۸۴ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
آئے تھے ۳۸۵ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے ۳۸۶ اور تم کو تمہاری پوری مزدوری
اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ
تو بس قیامت ہی کے دن ملے گی ۳۸۷ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا
وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ
اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں،
اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵ لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ
بجز ایک دھوکے کے سودے کے ۳۸۸ یقیناً تم اپنے مال اور جان سے آزمائے جاؤ گے ۳۸۹
وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ
اور یقیناً تم بہت سی دلآزاری کی باتیں اُن سے (بھی) سنو گے جنہیں تم سے پہلے کتاب مل چکی
وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا
ہے اور اُن سے بھی جو مشرک ہیں ۳۹۰ اور اگر تم صبر کرو اور
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶ وَاِذْ اَخَذَ
تقویٰ اختیار کرو تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے ۳۹۱ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے)

۳۸۶ (خواہ وہ کوئی اور کیسا ہی ہو) گویا اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ موت ایک طبعی تتمہ و تکملہ ہے حیات کا، اسے نکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ انسان کے لئے بطور سزا کے مقرر ہوئی ہے۔ اس میں مسیحیوں اور یہود دونوں کا رد آگیا جن کے عقیدہ میں موت نام ہے گناہ کی سزا یا نتیجہ کا۔ انجیل کے صحیفوں میں ہے:۔ "جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی" (رومیون ۵: ۱۲) "گناہ کی مزدوری موت ہے" (رومیون ۶: ۲۳) "خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے" (یعقوب ۱: ۱۵) یہود کا عقیدہ کہ موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا، ان کی معتبر و مستند جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۴ صفحہ ۴۸۳ میں درج ہے۔ ۳۸۷ (سو اگر آج کوئی شخص یہاں قانونِ مکافات کی گرفت سے بچ بھی گیا تو اس کی یہ محفوظیت عارضی ہے کہ یہ دنیوی زندگی سلسلۂ حیات کا ایک بہت ہی ناقص و ناتمام حصّہ ہے) خطاب یہاں عام نوعِ انسانی سے ہے۔ اُجُوْرَ۔ اجر کا لفظ اپنے وسیع معنی میں جزاء کی طرح عذاب و ثواب دونوں کے لئے عام ہے۔ فاجر المومن ثواب واجر الکافر عذاب۔ (قرطبی) تعطون جزاء اعمالکم خیرا کان او شرًا تامًّا وافیًا (بیضاوی) ۳۸۸ (اور یہاں کے سارے عیش تمامتر عارضی، فانی اور بے ثبات ہیں) ایک اس عقیدہ کا استحضار رہے تو ہر انسان کس قدر فرشتہ خصلت بن جائے۔ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ۔ یہ بچنا خواہ شروع ہی سے ہو، خواہ کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ ۳۸۹ (اے مسلمانو!) یعنی نقصان مال اور نقصان جان دونوں طرح تمہاری آزمائش ہوگی۔ وَاَنْفُسِکُمْ۔ اس سے رد نکل آیا ان فلاسفہ و متکلمین کا جنہوں نے مادیین کی طرح نفس کو صرف جسم مادی و مرئی کے مرادف قرار دیا ہے۔ وھذہ الاٰیة دلیل علیٰ ان النفس ھی الجسم المعاین وان ما فیہ المعنی الباطل کما قال بعض اھل الکلام والفلاسفة (مدارک) ۳۹۰ (سو صبر و ثبات، تحمّل و استقامت کی عادت برابر قائم رکھنا چاہیئے) اَذًی کَثِیْرًا۔ بس دین کی تحقیر، پیمبر کی توہین وغیرہ سب چیزیں آگئیں۔ قرآن مجید کی پیش گوئی آج تک کیسی صحیح چلی آتی ہے۔ یہود کی، مسیحیوں کی، ہندوؤں کی، زبانوں سے اپنے پیمبر، اپنے دین اور اپنی کتاب کے بارہ میں کیا کچھ سننا نہیں پڑ چکا ہے! ۳۹۱ (اور اس لئے ہر طرح واجب العمل) ای من معزوماتہا التی یعزم علیھا (جلالین) ای الامور التی ینبغی ان یعزمھا (روح) ایں از کارہائے مقصود است (ولی اللہ دہلویؒ) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی صبر و تقویٰ یعنی الصبر والتقوٰی (بیضاوی)

ف۳۷۳ (یعنی یہی شیوۂ بخل) هو ای البخل (مدارک) ف۳۷۴ (اور یہ طوق سانپ کی شکل میں ہوں گے ان کی گردنوں میں لپٹے ہوئے) حشر میں جب مجرّدات اور معانی مادّی جسم اور شکلیں اختیار کرلیں گے۔ بخل اور منع زکوٰۃ حدیث میں آیا ہے کہ سانپ بن کر مجرموں کی گردن میں لپٹے گا۔ قال رسول الله صلعم ما من احد لا یؤدی زکوٰۃ مالہ الا مثل لہ شجاع اقرع یطوقہ (ابن جریر عن ابن مسعود) سَيُطَوَّقُونَ میں س تاکید کے لئے ہے۔ السین مزیدۃ للتاکید (روح) ف۳۷۵ (اور وہی آج بھی سب کا مالک حقیقی ہے) سو یہ لوگ بخل درحقیقت اپنے مال میں نہیں بلکہ اُس کے مال میں کررہے ہیں جو اور بھی قبیح ہے۔ ولیس هذا بمیراث فی الحقیقة لان الوارث فی الحقیقة هو الذی یورث شیئا لم یکن ملکہ قبل والله سبحانہ تعالیٰ مالک السموٰت والارض وما بینهما (قرطبی) والمقصود من الآیة انہ یبطل ملک جمیع المالکین الا ملک الله سبحانہ وتعالیٰ (کبیر) ف۳۷۶ (اس لئے اخلاص کا اہتمام قدم قدم پر رکھنا لازمی ہے) ف۳۷۷ یہ کہنے والے یہود تھے اور ان کا یہ قول بہ طور مضحکہ و تمسخر کے تھا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنی قینقاع کے نام سے نواح مدینہ میں آباد تھا یہ زرگروں اور مہاجنوں ساہوکاروں کا گروہ تھا۔ اُنہی نے آیۂ کریمہ من ذا الذی یقرض الله قرضا حسنا سُن کر بہ طور تعریض و تضحیک اس قسم کی بدگوئی شروع کردی تھی۔ یہود کی بدتمیزیوں اور گستاخانہ طنز و تمسخر کو کوئی آج سمجھنا چاہے تو آریہ سماجیوں کا مناظرانہ لٹریچر اُٹھا کر پڑھ لے! ف۳۷۸ یعنی فرشتوں کے ہاتھ سے ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں لکھا کر رہیں گے اور ایسی گستاخانہ پھبتیوں کو ہرگز نظرانداز نہ ہونے دیں گے۔ سَنَكْتُبُ۔ س یہاں بھی تاکید کے لئے ہے۔ السین للتاکید ای لن یفوتنا ابداً تدوینہ (روح) ف۳۷۹ جو اس درجہ شقی القلب ہوں کہ اپنے پیغمبروں تک کو ہلاک کرڈالیں اُن سے ایسے گستاخی کے کلمے بعید ہی کیا ہیں؟ قتل انبیاء اور ناحق قتل انبیاء پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ رکوع ۷۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو یہود قتل انبیاء سے راضی و مطمئن رہے وہ بھی گویا عملاً قتل میں شریک اور قتل کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ حقیقت کُلّی درج کی ہے کہ رضا بالمعصیت بھی معصیت ہے۔ هذه مسألة عظمیٰ حیث یکون الرضا بالمعصیة معصیة (قرطبی) ف۳۸۰ (قیامت کے دن) ف۳۸۱ یہ عین اس کی صفت عدل کا تقاضا ہوگا کہ ایسے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے، نہ یہ کہ اس میں ذرا بھی شائبۂ ظلم ہو۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ظالم، جابر سب ہی کچھ مانا ہے۔ یہاں ان عقائد کی بھی پوری تردید ہوگئی۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيكُمْ۔ حشر میں عذاب تو صرف متشکل ہو کر سامنے آجائے گا ورنہ ہوگا تو حقیقۃً ان مجرموں کی دنیوی کرتوتوں ہی کا ثمرہ۔ ف۳۸۲ (اور تمام تر جھوٹ کہتے ہیں) ف۳۸۳ یعنی مدعیٔ نبوت کے لئے یہ دکھانا ضروری ہے کہ جو قربانی مذبح میں پیش کی جائے اسے آگ آسمان سے آکر جلا جائے۔ سوختنی قربانی کا ذکر توریت میں کثرت سے آیا ہے۔ عَهِدَ اِلَيْنَا۔ یعنی ہم نے نسل اسرائیل کو حکم دیا تھا۔

۱۸ ع ۹ ۹
وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ لَقَدْ
اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا، اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ف۳۷۶ بیشک
سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ
اللہ نے اُن لوگوں کا قول سُن لیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ مفلس ہے اور
وقف لازم
وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ
ہم مالدار ہیں ف۳۷۷ ہم ضرور اُن کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے ف۳۷۸ اور ان کے
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ
ناحق قتل انبیاء کو بھی ف۳۷۹ اور ہم کہیں گے کہ (اب) ف۳۸۰ آگ کے عذاب کا مزا
الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ
چکھو یہ ان (حرکتوں) کی وجہ سے ہوا جو تم آگے بھیج چکے ہو اور اس لئے کہ اللہ
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ف۳۸۱ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں ف۳۸۲ کہ خدا نے ہمیں
عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا
حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے مواجہہ میں ایسی
بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ
نیاز نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے ف۳۸۳ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے پیشتر یقیناً تمہارے پاس رسول
قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ
دلائل کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے ساتھ بھی آچکے جسے تم کہہ رہے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کر ڈالا،

لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَهُمۡ

بہتر ہے، ہم تو انہیں بس اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ جرم میں اور بڑھ جائیں ۳۶۷ اور ان

عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝۱۷۸ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

کے لئے رسواکن عذاب ہے جس حال پر تم ہو اللہ اس پر ایمان والوں کو چھوڑے

عَلٰى مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ حَتّٰى يَمِيۡزَ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

رکھنے کا نہیں جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کرلے ۳۶۸

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے ۳۶۹ البتہ اللہ جس کو

يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے انتخاب کرلیتا ہے ۳۷۰ تم اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان

وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَـكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝۱۷۹ وَلَا

لاؤ ۳۷۱ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تم نے تقویٰ اختیار کرلیا تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہے، اور جو لوگ

يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ

کہ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں ۳۷۲ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے

فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ

رکھا ہے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں کچھ اچھا ہے، نہیں، بلکہ ان کے

مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ

حق میں (بہت) بُرا ہے یقیناً انہیں قیامت کے دن طوق پہنایا جائیگا اس (مال) کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا

۳۶۷ (عمر و مہلت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ) یعنی ہمارے قانونِ تکوینی کا اقتضا یہی ہے کہ جب گرفت فوری نہیں ہوتی تو غفلت و جسارت اور بڑھتی جاتی ہے۔ ۳۶۸ (طرح طرح کے امتحانوں سے اور آزمائشوں کے ذریعہ سے) خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ علی ما انتم ایھا الناس (جلالین) لِیَذَرَ میں لِ تاکیدِ نفی کے لئے ہے، واللام لتاکید النفی (مدارک) مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ (یعنی مومنین و منافقین کی ملی جلی ہوئی قوم) علی ما انتم علیہ من اختلاط المؤمن بالمنافق (قرطبی) من اختلاط المؤمن المخلص والمنافقین (مدارک) المعنی لا یترککم مختلطین لا یعرف مخلصکم من منافقکم (بیضاوی) الخبیث اور الطیب سے ظاہر مُراد منافقین اور مومنین ہیں ۳۶۹ (مثلاً یہی کہ وہ بتلادے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مومن) یہ منافقین کے جواب میں ارشاد ہوا ہے جو مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اچھا بڑے سچے بنتے ہو تو یہی بتادو کہ منافق کون کون سے ہیں۔ لِیُطۡلِعَکُمۡ میں خطاب عالمِ انسانی سے ہے یا صرف مسلمانوں سے۔ الغیب سے تکوینی حقیقتیں مُراد ہو سکتی ہیں جو اس سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ ۳۷۰ (بعض امورِ غیب کی اطلاع کے لئے) مَنۡ یَّشَآءُ۔ یعنی جسے وہ چاہتا ہے اپنی مصلحت و حکمت تکوینی کے ماتحت۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت نص ہے عقیدۂ باطنیہ کے مقابلہ میں جو علمِ غیب کا اثبات علاوہ رسُول کے اپنے امام کے لئے بھی کرتے ہیں الآیۃ حجۃ علی الباطنیۃ فانھم یدعون ذلک العلم لامامھم (مدارک) ۳۷۱ رُسُلِہٖ۔ صیغۂ جمع میں۔ رسولہ صیغۂ واحد میں۔ مقصود تو اب صرف نبوتِ محمدی پر ایمان لانے کی ترغیب دینا ہے لیکن اس ضمنی موقع پر بھی حکم تمام انبیاء پر ایمان لانے کا مل رہا ہے۔ کس قدر اہتمام قرآن کو وحدت پیام اور سلسلۂ وحی کی اہمیت و عظمت کا ہے۔ ۳۷۲ (صرفِ واجب کے موقع پر) البخل فی اللغۃ ان یمنع الانسان الحق الواجب علیہ (قرطبی) نزلت فی مانعی الزکوٰۃ المفروضۃ قالہ ابن مسعود وابوھریرۃ وابن عباس والشعبی ومجاھد (بحر)

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ

سو یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آئے کہ انہیں کوئی ناگواری (ذرا) نہ

سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

پیش آئی اور یہ لوگ رضاء الٰہی کے تابع رہے ٣٥٨ اور اللہ بڑا فضل والا

عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا

ہے ٣٥٩ یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں کے ذریعہ سے ڈراتا ہے ٣٦٠ سو تم

تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ

اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو اگر ایمان والے ہو ٣٦١ اور آپکے لئے یہ لوگ

الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

جو جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں باعثِ غم نہ بنیں ٣٦٢ یقیناً یہ لوگ اللہ کو ذرا سا بھی نقصان

شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ

نہیں پہنچا سکتے ٣٦٣ اللہ کی یہی مشیت ہے کہ اُن کے لئے آخرت میں ذرا بھی حصہ نہ رکھے ٣٦٤

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ

اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر کو

بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾

خرید لیا ہے وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ٣٦٥ اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے،

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ

اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں ٣٦٦ یہ ان کے حق میں

٣٥٨ (اور یہی رضاء الٰہی سرچشمہ ہے دُنیوی اور اُخروی ہر قسم کے نفع و راحت کا) فَانْقَلَبُوْا۔ یعنی مقام بدر تک جاکر مسلمان واپس آئے۔ اہلِ سِیَر و تاریخ کی زبان میں یہ واقعہ غزوۂ بدرِ ثانیہ کے نام سے موسوم ہے اور اس کا زمانہ شعبان ۴ھ ہجری کا ہے۔ سیرت ابنِ ہشام میں ہے:۔ "آپؐ نے ابوسُفیان کے چیلنج کے جواب میں بدر کا قصد فرمایا چنانچہ وہاں پہنچ گئے اور یہاں آپؐ نے ابوسُفیان کا انتظار آٹھ دن تک کیا اور ابوسُفیان بھی مکہ والوں کو لیکر روانہ ہوا مگر نواحی ظہران میں پہنچا تو اس کی رائے مکہ واپس چلے آنے کی ہوئی اور اس نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے سفر کے لئے تو ایسا موسم مناسب ہے جس میں تم اپنے جانوروں کو چرا بھی سکو اور دُودھ بھی خوب پی سکو اور یہ موسم تو خشکی کا ہے سو میں تو واپس چلا تم بھی واپس چلے چلو چنانچہ وہ لوگ واپس ہو گئے۔" بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی نعمت مقبولیت اور ترقی ایمان کے ساتھ۔ فَضْلٍ۔ یعنی دُنیوی نفع کے ساتھ بھی۔ مال کی نکاسی خوب ہوئی۔ ٣٥٩ چنانچہ یہاں اس کا فضل مسلمانوں پر ان صُورتوں میں ظاہر ہوا۔ ۱۔ ان کے درجۂ ایمان میں ترقی ہوئی۔ ۲۔ انہیں معرکۂ جہاد میں نکلنے کی توفیق ہوئی۔ ۳۔ وہ ہر قوتِ دشمن کی شوکت و صولت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ مقابلہ کی ہمت قائم رکھی۔ ۴۔ مالی و تجارتی دنیوی نفع حاصل ہوئے۔ ۵۔ اجرِ عظیم کی بشارت ملی۔ ٣٦٠ شیطان کہیں اپنی اصلی صُورت میں سامنے آکر حملہ نہیں کرتا جب وار کرتا ہے کسی نہ کسی انسانی شکل و قالب میں آکر اور یہی اولیاء الشیطٰن کہلاتے ہیں، یہاں اس جماعت کا لیڈر نعیم ثقفی تھا۔ اولیاءہ ای باولیاءہٖ (قرطبی) ٣٦١ (کہ اللہ کے خوف کو مخلوق کے خوف پر غالب رکھنا لازمۂ ایمان ہے) لَا تَخَافُوْهُمْ۔ هُمْ سے مُراد ہیں شیطان کے دوست یا اللہ کے دشمن۔ ٣٦٢ یعنی ان لوگوں کے لئے آپ فکر و غم میں نہ پڑیں الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مُراد منافقین ہیں۔ اِدھر مسلمانوں کو خفیف سی بھی شکست ہوئی اور اُدھر یہ کھلم کھلا کفر میں جا پڑے۔ اور کافروں کے علانیہ بھی شریک ہونے لگے۔ نزلت فی المنافقین (کبیر)

٣٦٣ یعنی اللہ کے دین کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آیت سے مقصود پیغمبرؐ کو تسکین دینا ہے کہ آپؐ کو بڑی فکر اس کی ہے کہ منافقین کی چالوں سے کہیں اشاعتِ اسلام نہ رُک جائے۔ سو اطمینان رکھیئے ان کی چالیں ذرا بھی کامیاب نہ ہوں گی۔ ٣٦٤ (ان کے کفر اختیاری کی پاداش میں) ارادته ان لا یکون لهم ثواب فی الأخرة لاتکون بدون ارادة کفرهم و معاصیهم (مدارک) ٣٦٥ (بلکہ اُلٹے خود ہی ہر طرح کے خسارہ میں رہیں گے) الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ۔ اس میں اسلام کے دُشمن خفیہ و علانیہ ہر قسم کے آگئے۔ ٣٦٦ (اور فوراً انہیں عذاب کی گرفت میں نہیں لے رہے ہیں)

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
ان (نعمتوں) سے مسرور ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں اور جو لوگ ان کے بعد والوں

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ
سے ابھی ان سے نہیں جاملے ہیں ۳۵۰ ان کی بھی اس حالت سے خوش ہیں کہ ان پر نہ کچھ خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ خوش ہو رہے ہیں اللہ کے انعام

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
اور فضل پر اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
ضائع نہیں کرتا ۳۵۱ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا ۳۵۲

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا
بعد اس کے کہ انہیں زخم لگ چکا تھا ۳۵۳ اُن میں سے جو نیک اور

مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ
متقی ہیں اُن کے لئے اجرِ عظیم ہے ۳۵۴ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
والوں نے کہا ۳۵۵ کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے ۳۵۶ ان سے ڈرو لیکن اس نے

اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾
ان کا (جوشِ) ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے ۳۵۷

وقف لازم

ع ۱۷ / ۸ / ۶

مع ۲

۳۵۰ (مگر آخر کار شہید ہو کر ان سے جاملنے والے ہیں) مِنْ فَضْلِهٖ۔ اس فضلِ خداوندی کے اندر ہر قسم کی نعمتیں اور سرافرازیاں آگئیں۔ ۳۵۱ اس حقیقت کا تو انہیں مینی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ نِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ نعمت یہ کہ اجر انہیں پورا پورا مل کر رہا ہے۔ ای ثوابا لاعمالھم (بیضاوی) فَضْلٍ۔ فضل یہ کہ انعام و اکرام استحقاق سے کہیں بڑھ کر ملا۔ ای زیادة علیه (بیضاوی) ۳۵۲ (اور رسول کی اطاعت میں خوش دلی کے ساتھ جنگ کے لئے نکل پڑے) اِسْتَجَابُوْا۔ یہاں اجابوا کے معنی میں ہے اور حروف س و ت اس پر زائد ہیں۔ بمعنی اجابوا والسین والتاء زائدتان (قرطبی) استجاب بمعنی اجاب (کبیر) ۳۵۳ (جنگِ اُحد میں، اور وہ زخم ابھی تازہ ہی تھا) معرکۂ اُحد میں لشکرِ اسلام کو جو صدمہ پہنچا تھا، اس نے اہلِ مکہ کی ہمتیں بڑھا دی تھیں۔ سال ہی بھر بعد ایک بار پھر ابو سفیان قریشی اُموی کی قیادت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ (ابو جہل، ابو لہب، عُتبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد اب قومِ قریش کی سرداری کی باگ ابو سفیان ہی کے ہاتھ میں تھی) دو ہزار پیادہ فوج، مع پچاس سواروں کی جمعیت کے، لیکن دو ہی ایک روز بعد خود ان لوگوں پر کچھ ایسی ہیبت سوار ہوئی کہ اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ آیاتِ قرآنی میں اشارہ اِنہی واقعات کی جانب ہے۔ ۳۵۴ (اور نیک اور متقی تو یہ سب ہی ہیں) مِنْهُمْ۔ مِنْ جس طرح تبعیض کے لئے آتا ہے، یعنی کل میں سے کسی جُزو کے بتانے کو، اسی طرح تبیین یعنی توضیح کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے اور احسنوا اور اتقوا کے لے آنے سے مقصود اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ الذین استجابوا کی ممدوحیت کی علت یہی دو اوصاف احسان و تقویٰ ہیں۔ ومِنْ للبیان والمقصود من ذکر الوصفین المدح والتعلیل لا التقیید لان المستجیبین کلّھم محسنون متقون (بیضاوی) قد احسنوا کلّھم واتقوا لا بعضھم (مدارک) ۳۵۵ (اور یہ ابو سُفیان کے سکھائے پڑھائے ہوئے اس کی طرف سے پروپیگنڈا کرنے والے تھے) تاریخ میں اس پروپیگنڈسٹ جماعت کے لیڈر کا نام نعیم آتا ہے۔ یہ شخص قبیلہ ثقیف کا تھا۔ ۳۵۶ (اور تم کسی طرح انکا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو) اِنَّ النَّاسَ۔ یہاں ناس سے مُراد قومِ قریش ہے۔ اس روایت کی نشر و اشاعت سے مقصود مسلمانوں کے دلوں میں قریش کا رعب بٹھانا اور ان کی طرف سے دہشت پیدا کرنی تھی۔ "حربِ اعصاب" War of nerves جس طرح آج حربِ اسلحہ کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور اس کا ایک اہم جزو ہے، زمانۂ قدیم میں بھی ہوتی رہتی تھی اور ابو سفیان اپنے وقت اور اپنی قوم میں اس فن کا ماہر تھا۔ اس نے اپنے آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ مسلمانوں سے مل مل کر انہیں قریش کی عسکری قوت اور حربی عظمت سے ایسا مرعوب کر دیں کہ ان کی ہمت پست پڑ جائے اور مقابلہ کا حوصلہ ہی باقی نہ رہے۔ ۳۵۷ (ہماری حمایت، حفاظت، سب کے لئے) یعنی اس خبر کی اشاعت اور پروپیگنڈا نے بجائے ان میں پست ہمتی پیدا کرنے کے مسلمانوں میں جوشِ ایمانی اور تیز کر دیا اور وہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی پوری قوت کے ساتھ بول اُٹھے کہ غنیم جو چاہے کرے ہمارا کارساز تو اللہ ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ زادھم قول الناس ایمانا (قرطبی)

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئی ۳۴۱ تاکہ اللہ مومنین کو جان لے ۳۴۲ اور اُن لوگوں کو بھی جان لے
نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ
جنہوں نے منافقت اختیار کی ۳۴۳ اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفعیہ
اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ
میں جاؤ ۳۴۳ تو وہ بولے کہ اگر کوئی (ڈھنگ کی) جنگ دیکھتے تو ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے ۳۴۴
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ
یہ لوگ اس روز ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک ہو گئے ۳۴۵
يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ۳۴۶ اور جو کچھ
اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
یہ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے، یہ لوگ درآنحالیکہ (خود) بیٹھے رہے، اپنے
وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ
بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے ۳۴۷ تو نہ مارے جاتے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (اچھا تو) اگر تم
اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
سچے ہو تو اپنے کو موت سے بچا لینا ۳۴۸ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے
قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ ۙ
گئے ہیں انہیں ہرگز مُردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں رزق پاتے رہتے ہیں ۳۴۹

ف۳۴۱ (اور اللہ کی ہر مشیت اللہ ہی جانتا ہے کتنی حکمتوں اور مصلحتوں کی سرمایہ دار ہوتی ہے) بِاِذْنِ اللّٰهِ - اذن یہاں مشیت کے معنی میں ہے - ای بقضاءہ و قدرہ (قرطبی) المراد من الاذن قضاء اللہ بذلک (کبیر عن ابن عباسؓ) يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ - یعنی معرکۂ اُحد میں مکہ کا ایک لشکر ابو سفیان کی کمان میں اور مدینہ کی فوج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں - المراد یوم احد (کبیر) ف۳۴۲ یعنی علانیہ اس کا امتحان ہو جائے کہ مومن کون کون ہے اور منافق کون کون۔ ف۳۴۳ یہ منافقین سے کہا گیا تھا۔ لهم میں هم کی ضمیر اُنہی کی طرف ہے - ای للمنافقین (مدارک) اَوِ ادْفَعُوْا - یعنی اگر لڑتے نہیں ہو تو کم از کم اپنی شمولیت ہی سے مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نظر میں بڑھائے رہو - ای کثروا سواد المسلمین (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) قال السدی و ابن جریج وغیرهما کثروا سوادنا و ان لم تقاتلوا معنا (قرطبی) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب منافقین کا تین سو کا گروہ آغازِ جنگ میں مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ کو واپس آرہا تھا۔ ف۳۴۴ (لیکن یہ تو جنگ نہیں صریح خودکشی ہے) ولا یقال لمثله قتال هو القاء بالانفس الی التهلکة (کشاف) منافقین کا کہنا یہ تھا کہ دشمن اوّل تو تعداد میں تم سے چوگنا پھر ساز و سامان میں کہیں زائد ایسی حالت میں شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنا سارے اصولِ جنگ کے خلاف، صریح دیوانگی ہے۔ ف۳۴۵ (یعنی ایمان ظاہری و لفظی سے بھی بہت دُور ہو گئے اور حقیقی ایمان تو خیر کبھی تھا ہی نہیں) اور کفر سے قریب تر علانیہ بھی ہو گئے۔ يَوْمَئِذٍ یعنی جس روز ایسی باتیں زبان سے نکالیں۔ ف۳۴۶ (چنانچہ ان کا یہ عذر بھی مخلصانہ نہیں) اصل نیت ان منافقین کی کسی حال میں بھی مسلمانوں کی اعانت کی نہ تھی - اور کیوں ہونے لگی تھی جبکہ سرے سے ایمان ہی دلوں میں نہ تھا - يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ - بافواههم کا اضافہ زور اور تاکید کے لئے ہے جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں "یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے - یا - اپنے کانوں یہ سُنا ہے - والتقیید بالافواه للتاکید (مدارک) ف۳۴۷ (اور ہماری ہی طرح جنگ سے علیحدہ رہے) لِاِخْوَانِهِمْ - اخوان سے مُراد اخوان دینی و اعتقادی نہیں - بلکہ اخوان نسبی و وطنی ہیں - ذکر منافقین کی زبان سے مسلمان شہداء کا ہو رہا ہے - فی النسب لا فی الدین هم شهداء اُحد (معالم) وهم اخوة نسب بمجاورة لا اخوة الدین (قرطبی) ل - واسطہ کا ہے - معناه لاجل اخوانهم (قرطبی) اخوان اور ل دونوں پر حاشیہ اُوپر قریب ہی گزر چکا ہے۔ ف۳۴۸ یعنی اگر تمہارا نظریہ یہ ہے کہ موت مرکۂ جنگ ہی میں جانے سے ہوئی ہے تو تم تو بہرحال جنگ سے احتراز کئے ہوئے ہو، دیکھنا ہو کہ موت سے کب تک بچے رہتے ہو۔ ف۳۴۹ (عالمِ برزخ میں ایک حیاتِ مخصوص کے ساتھ) وَلَا تَحْسَبَنَّ .... اَمْوَاتًا - شہداء کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ انہیں برزخ میں ایک مخصوص قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے۔ اَحْيَآءٌ .. يُرْزَقُوْنَ - یہ حیات اور یہ رزق سب اسی عالمِ برزخ کے متناسب ہوتے ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ - یہ اپنے پروردگار کے مقرب بھی ہوتے ہیں - عند هنا تقتضی غاية القرب (قرطبی) بمعنی القرب والشرف (روح) پارۂ دوم، آیت رکوع ۲ کے حاشیہ بھی ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ط
اور وہ بُری جگہ ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک (مختلف طبقوں) میں ہوں گے

وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ
اور اللہ اُن کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ۳۳۵ حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ
مسلمانوں پر کیا جب کہ اُنہی میں سے ایک پیغمبر اُن میں

أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ
بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَإِنْ كَانُوا
اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۳۳۶ اور بیشک یہ لوگ

مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۱۶۴﴾ أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ
کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے ۳۳۷ اور جب تمہیں ایسی ہار

مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا لا قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا ط
اٹھانی پڑی جس کی دوگنی تم (فریق مقابل پر) ڈال چکے تھے ۳۳۸ تو تم کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
آپ کہہ دیجیے کہ وہ تمہاری ہی طرف سے ہوئی ۳۳۹ بیشک اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ
قادر ہے ۳۴۰ اور جو مصیبت تم پر اُس روز پڑی جب کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوگئے

النصف

۳۳۴ (جیسے خائن یا اور کوئی مجرم) منہ۔ یعنی یہ سب لوگ رضا حق پر چلنے والے ہیں اور راہِ حق کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ ۳۳۵ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا) هُمْ دَرَجٰتٌ۔ یہ مختلف طبقہ اللہ کے ہاں محبوبیت اور مبغوضیت کے لحاظ سے ہوں گے۔ تقدیر کلام یوں ہے هم ذو درجٰتٍ یا لهم درجٰتٌ۔ معنی هم درجٰت۔ ای ذو درجٰت او لهم درجٰت (قرطبی) وتقدیر الکلام لهم درجٰت عند الله (کبیر) عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ کی عدالت میں۔ ای فی حکم اللہ وعلمه (کبیر) ۳۳۶ اللہ کی بہترین نعمت ہونے کے لحاظ سے بعثت رسولؐ کا احسان ہے تو سارے عالم پر۔ مسلمانوں کی تخصیص ذکر کی وجہ ظاہر ہے کہ بعثت سے فائدہ اُٹھانے والے یہی لوگ تھے۔ مِنْ أَنْفُسِهِمْ یعنی اُنہی کی جنس میں سے، اس میں مومنین کے لئے بڑی بشارت ہے کہ پیمبر بھی بس تمہارے ہی جیسے ایک بشر ہیں۔ اراد به المومنین کلهم ومعنی من انفسهم انه واحد منهم وبشر مثلهم (قرطبی) رسولؐ کی تلاوتِ آیات، تزکیۂ تقویٰ، تعلیم کتاب و حکمت پر حاشیہ پارۂ اوّل کی آیت کے ذیل میں گزر چکے۔ ۳۳۷ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ۔ قرآنی دستور العمل اور محمدیؐ نمونۂ عمل سے قبل دنیا پر عقائد، معاملات، عبادات، اخلاق ہر اعتبار سے اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا اور انسانی آبادی صحیح معنی میں فی ضلٰلٍ مبین کی تصویر تھی۔ إِنْ۔ یہاں إِنَّ کا مخفف ہے اور تاکید کے معنی دے رہا ہے۔ إن هی المخففة یعنی الثقیلة (کشاف) ۳۳۸ (اس کے قبل بدر میں) أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ یعنی اُحد میں جب تمہیں شکست ہوئی اور تمہارے ستّر آدمی شہید ہوئے۔ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا۔ یعنی بدر میں جب مشرکین کے ستّر آدمی قتل ہوئے تھے اور ستّر گرفتار۔ أَوَ میں وَ عطف کا ہے اور أ تفریع واستفہام کا۔ الهمزة للتقریع والتقریر والواو عاطفة (بیضاوی) الالف للاستفهام والواو للعطف (قرطبی) ۳۳۹ یعنی تمہارے اپنے ہاتھوں ہوئی۔ ہمارا وعدۂ فتح و نصرت تمہاری طاعت و اطاعت کے ساتھ مشروط تھا۔ جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا تو اب وعدہ کہاں باقی رہا۔ أَنّٰى هٰذَا حیرت طبعی میں مسلمان بار بار استعجاب سے کہتے تھے کہ ہم صاحب ایمان بندہ، اللہ کی راہ میں لڑنے والے پھر ہم میں نبی موجود اور مقابل مشرکین اور پھر بھی شکست ہم ہی کو۔ ۳۴۰ فتح دینے پر بھی قادر اور فتح سے محروم کر دینے پر بھی قادر۔

مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ

ہو گئے ہوتے ۳۲۴ سو آپ اُن سے درگزر کیجیے اور ان کے لئے استغفار کر دیجیے اور

شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى

ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے ۳۲۵ لیکن جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ

اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِنْ يَنْصُرْكُمُ

رکھیے ۳۲۶ بیشک اللہ اُن سے محبت رکھتا ہے جو اُس پر بھروسہ رکھتے ہیں ۳۲۷ اگر اللہ تمہارا ساتھ دے

اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي

تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ۳۲۸ اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ایسا ہے جو اسکے

يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

بعد تمہارا ساتھ دے؟ ۳۲۹ اور ایمان والوں کو تو چاہیے کہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں ۳۳۰

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا

اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے ۳۳۱ اور جو کوئی خیانت کریگا وہ قیامت کے

غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ

دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو حاضر کریگا ۳۳۱ پھر ہر شخص کو اسکے کئے ہوئے کا پورا عوض ملیگا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ

اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا ۳۳۲ کیا جو شخص رضاء الٰہی کا تابع ہے ۳۳۳ وہ بھلا

كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ

اُس جیسا ہو جائے گا جو غضبِ الٰہی کا مستحق ہے ۳۳۴ اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے

۳۲۴ حضور انور کے حلم و تحمل، نرمی و خوش خوئی، شفقت و ملاطفت کے واقعات سے تو حدیث اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی کہاں تک گنائے! اور یہ حقیقت تو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنی ذات کے لئے آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ غیروں (اور غیر ہی کیسے، بعض معاند تک) کے دو ایک قول سننے کے قابل ہیں۔ لین پول نے کہا ہے:۔ "ظلم محمد کی سرشت ہی میں نہ تھا" اور باسورتھ اسمتھ کا بیان ہے:۔ "انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا...... کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے۔ گفتگو بہت نرم و شیریں کرتے" اور مسٹر رینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "پیمبر کا میلانِ طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا" مفصل حوالوں کیلئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لیکن نرمی و ملاطفت کے بھی شریعت میں حدود مقرر ہیں۔ جہاں دین کی توہین ہو رہی ہو یا احکامِ دین کے اجراء کی ضرورت ہو وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے۔ اللین والرفق انما یجوز اذا لم یفض الی اھمال حق من حقوق اللہ فاما اذا ادی الی ذلک لم یجز (کبیر) ۳۲۵ (حسبِ دستور سابق) گویا اسلام کے نظامِ شوریٰ جمہوری میں حکم یہ ہے کہ ایسے مجرموں کو بھی مسائلِ ملی میں رائے زنی سے محروم نہ کیا جائے اور ان سے ووٹ کا حق سلب نہ کیا جائے ——— کیا حد ہے اس رحمت کی آج دنیا کی بڑی بڑی آزاد جمہوریتیں بھی اس کی مثال پیش کر سکیں گی؟ فَاعْفُ عَنْهُمْ یعنی جہاں تک آپ کے حقوق کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ معاف کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں ان خطاکاروں کو زبانی تہدید بھی نہ فرمائی۔ لم یخاطبھم الرسول صلعم بالتغلیظ والتشدید وانما خاطبھم بالکلام اللین (کبیر) وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ یعنی جہاں تک حقوق اللہ کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر دیجئے۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ جہاد میں بھاگنے سے بڑھ کر گناہ کبیرہ اور کیا ہوگا لیکن قرآن مجید نے ان اصحابِ نبیؐ کے عفو و مغفرت کی بار بار تصریح کر کے یہ صاف کر دیا کہ ان حضرات کے کبائر بھی معاف ہو گئے تھے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ مشورہ کی بڑی فضیلتیں حدیث میں آئی ہیں اور ظاہر ہے کہ مشورہ کا حکم جب رسول صاحبِ وحی کو مل رہا ہے تو دوسروں کے لئے اس کی احتیاج کتنی زائد رہے گی۔ فقہاء و مفسرین نے اس آیت سے اجتہاد اور قیاس شرعی کے جواز کی دلیل پکڑی ہے۔ فیہ دلالۃ جواز الاجتہاد وبیان ان القیاس حجۃ (مدارک) ۳۲۶ یعنی جب کسی امر میں مشورہ ہولے تو بس اب تذبذب و تامل کو دخل نہ دیجئے اور بلاتکلف و توقف اللہ کے بھروسہ پر عمل اسی پختہ عزم پر کرنے لگیے ——— شخصیت و اجتماعیت، فردیت و شوریت کا یہ کیسا حکیمانہ امتزاج ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ اعتماد کی چیز اللہ کی ذات ہے۔ نہ کہ انسانی مشورے۔ قال قتادۃ امر اللہ نبیہ علیہ السلام اذا عزم علی شیٔ ان یمضی ویتوکل علی اللہ لا علی مشاورتھم (قرطبی) والمقصود ان لا یکون للعبد اعتماد علی شیٔ الا علی اللہ فی جمیع الامور (کبیر) ۳۲۷ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی، نظام شرعی سے اس قدر بُعد کے بعد بھی مسلمانوں کو صبر و قناعت کی دولت لازوال حاصل ہے اور خودکشی کے فیشن سے دنیائے اسلام ناواقف ہے۔ ۳۲۸ (جیسا کہ معرکہ بدر میں تم نے دیکھ لیا اور وہ ثمرہ طاعت کا تھا) المقصود من الآیۃ للترغیب فی الطاعۃ والتحذیر عن المعصیۃ (کبیر) ۳۲۹ (جیسا کہ معرکہ اُحد میں تمہیں تجربہ ہو گیا اور وہ ثمرہ خود رائی کا تھا) مِنْ بَعْدِهِ یعنی اس کی ترک نصرت کے بعد۔ ای من بعد خذلانہ (کشاف) ۳۳۰ آیت سے یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ ایمان ثمرہ ہوتا ہے اعانتِ الٰہی کا اور کفر خذلانِ الٰہی کا۔ احتج الاصحاب بھذہ الآیۃ علی ان الایمان لا یحصل الا باعانۃ اللہ والکفر لا یحصل الا بخذلانہ (کبیر) ۳۳۰ یعنی یہ شانِ نبوت کے بالکل منافی ہے۔ المراد ان النبوۃ والخیانۃ لا یجتمعان (کبیر) والمعنی انہ لا یمکن ذلک منہ لان الغلول معصیۃ والنبی صلعم معصوم وھذا النفی اشارۃ الی انہ لا ینبغی ان یوجد منہ ذلک (بحر) آیت کا پس منظر ہے کہ جنگِ بدر کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک سرخ رنگ کا جبہ ذخیرہ سے غائب معلوم ہوا۔ اس پر کوئی بول اُٹھا کہ رسولؐ نے لے لیا ہوگا۔ یہ قول اگر کسی منافق کا تھا تو اس بدبخت نے کھلا ہوا حملہ رسول اللہؐ کی دیانت پر کر دیا اور اگر کسی نومسلم کی زبان سے نکلا تھا تو وہ یقیناً اس غلط فہمی میں تھا کہ رسول کو بغیر اطلاع بھی تصرف کا حق حاصل ہے۔ آیت ہر معروضہ کی تردید کر رہی ہے۔ اور ایسے عمل کو خیانت سے تعبیر کر رہی ہے۔ مشرک غریب تو سرے سے جانتے ہی نہ تھے کہ مرتبۂ نبوت کس منصبِ عظیم کا نام ہے اور پیمبرانہ اخلاق کے معنی کیا ہیں۔ یہود و نصاریٰ البتہ پیمبروں کے نام اور کارناموں سے آشنا تھے لیکن ان ظالموں نے بھی رفتہ رفتہ مرتبۂ نبوت کی اخلاقی عظمت کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اور نبی کو کاہن کی قسم کا محض ایک پیشین گوئی کرنے والا انسان سمجھ رکھا تھا۔ آیت سب غلط خیالیوں کی اصلاح کر رہی ہے۔ ۳۳۱ اتنی بڑی رسوائی اور فضیحت کو پیمبرانہ تقدیس سے کوئی دُور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے! فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ غلول یا خیانت معصیت کبیرہ ہے۔ قال العلماء الغلول کبیرۃ من الکبائر (قرطبی) وقد عظم النبی صلعم امر الغلول حتی اجراہ مجری الکبائر (جصاص) اور یہ بھی کہا ہے کہ حکام کا ہدیہ قبول کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ ومن الغلول ھدایا العمال وحکمہ فی الفضیحۃ فی الآخرۃ حکم الغال (قرطبی) ۳۳۲ پیمبروں کا اعزاز و اکرام قطعی ہے۔ تو کسی نبی کی جانب خیانت جیسے ذلیل جرم کی نسبت کیونکر جا سکتی ہے؟ ۳۳۳ (جیسا کہ ہر نبی لازمی طور پر ہوتا ہے)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے ایمان والو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو حقیقۃً کفر اختیار کئے ہوئے ہیں ۳۱۶

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ

اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جب کہ وہ لوگ زمین پر سفر کرتے ہیں یا کہیں

كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا

غزوہ کرنے جاتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ۳۱۷

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْىٖ

(یہ بات اسلئے ان کی زبان پر آئی ہے) تاکہ اللہ اسے ان کے دلوں میں سبب حسرت بنا دے ۳۱۸، اور اللہ ہی

وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۵۶ وَلَئِنْ

جلاتا اور مارتا ہے ۳۱۹، اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا رہتا ہے ۳۲۰ اور اگر تم

قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ

اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت

وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۱۵۷ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ

اس سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ۳۲۱ اور تم لوگ خواہ مرجاؤ یا مارے جاؤ،

لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۵۸ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ

ضرور اللہ ہی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ۳۲۲ پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب ہے کہ آپ ان کے

لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

ساتھ نرم رہے ۳۲۳، اور اگر آپ تندخو، سخت طبع ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر

۳۱۴ (ان کے توبہ واستغفار کی بناپر) یہی مضمون تین آیت قبل بھی بیان ہو چکا ہے ولقد عفا عنکم۔ تکرار سے ان صحابیوں کی مزید تسلّی واطمینان مقصود ہے جو لوگ ان صحابیوں کو اس واقعۂ اُحد کی بناپر مورد طعن سمجھ رہے ہیں وہ صاف آیاتِ قرآنی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ۳۱۵ یہاں ۲ دو صفاتِ باری کا اثبات کیا ہے۔ غَفُوْرٌ۔ ایک صفتِ عفر کا، اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ حَلِيْمٌ۔ دُوسرے صفتِ حلم کا، اس کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے، کہ فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ توبہ واستغفار کا موقع برابر دیتا رہتا ہے۔ ۳۱۶ (لیکن زبان پر دعویٰ اسلام وایمان کا رکھتے ہیں) مُراد منافقین ہیں۔ یعنی المنافقین (بیضاوی) هؤلاء والمنا فقون اصحاب عبد الله بن اُبَیّ (ابن جریر عن السدی) لاتکونوا کالذین کفروا۔ ہدایت مومنین کو ہو رہی ہے کہ تم اپنی گفتگو میں منافقین کے مثل نہ ہو جاؤ ان کی سی باتیں نہ کرنے لگو۔ اس قسم کی باتیں صرف ان ایمان سے محروموں کے شایاں ہے۔ نھی تعالی المومنین ان یکونوا مثلھم فی ھذہ المقالۃ الفاسدۃ (بحر) امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں منافقین پر الذین کفروا کا اطلاق ہوا ہے، حالانکہ منافقین کو زبانی دعویٰ اسلام کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مجرد دعوائے اسلام ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک کہ تصدیقِ قلب بھی شامل نہ ہو۔ فالایۃ تدل علی ان الایمان لیس عبارۃ عن الاقرار باللسان کما تقول الکرامیۃ (کبیر) ۳۱۷ (اور کسی جہاد یا اسلامی سفر پر روانہ نہ ہوتے تو مزے سے زندگی بسر کرتے رہتے اور کسی خطرہ میں نہ پڑتے) لِاِخْوَانِهِمْ میں ل تبلیغ کا نہیں، اس لئے اس کے معنیٰ "سے" کے نہیں بلکہ تعلیل یا سببیت کا ہے، اس کے معنیٰ "کی بابت" یا "کے باب میں" کے ہوں گے۔ ای لاجل اخوانھم (کشاف) واللام لام السبب ای لاجل اخوانھم ولیست لام التبلیغ (بحر) اخوانھم۔ اخوان سے مُراد نسبی بھائی یعنی مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اعتقادی بھائی یعنی دوسرے منافقین بھی، ترجیح نسبی بھائیوں یا مسلمانوں کو ہے۔ مسلمانوں کی موت یا شہادت کی خبر جب منافقین سُن پاتے تو اسی طرح کے فقرے کہتے۔ ومعنی الاخوۃ اتفاق الجنس او النسب (کشاف) اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ۔ یعنی کسی اسلامی، دینی مقصد سے سفر کو جاتے اور وہیں وفات پا جاتے۔ اَوْ كَانُوْا غُزًّى یعنی جہاد پر جاتے اور اسی میں شہید ہو جاتے۔ اِذَا۔ اگرچہ عموماً مستقبل کے لئے ہے، لیکن اذ اور اذا دونوں کا ایک دُوسرے کے بجائے لانا بھی درست ہے۔ قال قطرب کلمۃ اذ واذا یجوز اقامۃ کل واحدۃ منھما مقام الاخری واقول ھذا الذی قالہ قطرب کلام حسن (کبیر) ۳۱۸ یعنی ایسے خیالات دماغ میں موج زن ہونا اور ان کا زبان پر لانا یہ خود ایک وبال ان کی منافقت اور نور ایمان سے محرومی کا ہے، دل میں وہ ایقان تو ہوتا ہی نہیں جو تسکین پیدا کرتا ہے، اس لئے ہر امر تکوینی تقدیری سے اُن کے دلوں میں حسرت اور کڑھن کا اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ای یجعل ظنھم انھم لو لم یخرجوا ما قتلوا حسرۃ (قرطبی) ۳۱۹ موت و زندگی دونوں تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اس مسبب الاسباب و علت حقیقی کو چھوڑ کر نظر ظاہری اور فوری اسباب پر جانا اور سفر یا جہاد کو موت یا قتل کی علتِ تامہ قرار دینا کیسی شدید جہالت و سفاہت ہے۔ امریکہ میں اس وقت سوشیالوجی (عمرانیات) کا ایک ماہر فاضل ڈینی سن Denison اپنی کتاب Emotion a basis of Civilisation میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔ "مسلمانوں کا اس عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کر دینے کی عادت نے نیز عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید معاً جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں اسے ۷۲ حوریں ملتی ہیں، اور کھانے کیلئے سونے کے ظروف) مسلمانوں میں معرکۂ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کر دی تھی" (ص ۲۰۶) امریکی فاضل کا ایمان نہ عقیدۂ تقدیر پر ہے نہ عقیدۂ شہادت پر، اس پر بھی وہ ان عقیدوں کی نافعیت اور ان کی حیثیت افادی کی داد دینے پر اپنے کو بے اختیار پا رہا ہے۔ ۳۲۰ (سو اگر کہیں خدانخواستہ تم نے منافقین کے طرز خیال و گفتگو کی تقلید کی تو یہ بھی سب اس خدائے دانا و بصیر، ہمہ بین و ہمہ دان کے علم میں آ کر رہے گا) ۳۲۱ (حظوظ دنیوی میں سے) مطلب یہ ہے کہ موت تو اپنے وقت موعود ہی پر آئے گی جہاد یا سفر فی سبیل اللہ سے خواہ مخواہ تو آ نہ جائے گی البتہ اگر اس حالت میں وقت ہی پورا ہو گیا تو اجر اور ابدی زندگی کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اَوْ مُتُّمْ۔ یعنی چاہے وہ موت طبعی ہی ہو لیکن مشغولی اُس وقت اللہ کے کام میں ہو۔ ۳۲۲ (سو مومن کیلئے تو کوئی خوف و ہراس کی بات ہی نہیں) مُتُّمْ یعنی طبعی موت سے اپنے وطن میں وفات پا گئے۔ قُتِلْتُمْ۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے۔ ۳۲۳ لھم یعنی ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے جو جنگ اُحد میں آپؐ کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کی شکست و تفضیح کا سبب بنے تھے، نافرمان سپاہیوں کے ساتھ، عین معرکۂ جنگ میں خود رائی سے کام لینے والے سپاہیوں کے ساتھ، شفقت و ملاطفت کا معاملہ قائم رکھنا دُنیا کی جنگی تاریخ میں شاید اپنی نظیر آپ ہی ہو۔ بما میں ما زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ ترجمہ میں اسی لئے "ہی" لایا گیا ہے۔ وما مزیدۃ للتاکید والتنبیہ (بیضاوی) وما مزیدۃ للتاکید وعلیہ اجلۃ المفسرین وبہ المأثور عن قتادۃ (روح) صلۃ فیھا معنی التاکید (قرطبی) والدلالۃ علی ان لینہ لھم ما کان الا برحمۃ من اللہ (کشاف)

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ

کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے ؟ آپ کہہ دیجیے کہ اختیار تو سارا اللہ کا

لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ

ہے ٣٠٧ یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے ٣٠٨ کہتے ہیں کہ

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ

کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے ٣٠٩ آپ کہہ دیجیے کہ

كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ

اگر تم گھروں میں ہوتے (جب بھی) وہ لوگ تو جن کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا، اپنی قتل گاہوں

اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ

کی طرف نکل ہی پڑتے ٣١٠ اور (یہ سب اس لئے ہوا) کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے، اور

لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ١٥٤

تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے صاف کر دے ٣١١ اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا

یقیناً تم میں سے جو لوگ اُس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں ٣١٢

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

تو یہ تو بس اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انہیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دے دی تھی ٣١٣

ع ١٦ / ٧ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ١٥٥

اور بیشک اللہ انہیں معاف کر چکا ہے ٣١٤ یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے ٣١٥

ف٣٠٤ مسلمان تھکے ماندے تو تھے ہی، دوپہر کے وقت ان پر نیند کا غلبہ ہوا اس سے تازہ دم ہوگئے۔ تھکی ہوئی فوج کو نیند جیسی نعمت کے میسر آجانے کی قدر کوئی اہل فوج ہی کے دل سے پُوچھے۔ ف٣٠٥ (اور مسلمانوں سے حجت اور تکرار کر رہے تھے کہ تم سے جو وعدۂ فتح و نصرت تھا، وہ کیا ہوا؟) مُراد منافقین ہیں ـــــ مسلمانوں کے ساتھ مِلے جُلے ہوئے تھے، اس لئے خطاب بھی اُن سے اکثر مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہی ہے۔ یعنی المنافقین (قرطبی) هم المنافقون (بیضاوی) اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی اس قسم کا سوچ بچار کہ دیکھیے یہاں سے بچ کر بھی جانا ہوگا، اپنی جان کی فکر بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں۔ یہاں مُراد یہ ہے کہ اُن منافقین کو اپنی ہی پڑی تھی نہ دین کی کوئی فکر تھی نہ رسُولؐ کا کوئی خیال تھا۔ ما همهم الا انفسهم وخلاصها لاهم الدين ولاهم رسول الله (مدارک) یَظُنُّوْنَ غَیْرَ الْحَقِّ۔ اللہ سے متعلق ان کی بدگمانیاں خلافِ واقعیت وحقیقت تھیں انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مومنین کو نصرتِ حق و تائیدِ غیبی نصیب نہ ہوگی۔ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کے خیالات اس حد تک پہنچ گئے تھے جو مشرک اور جاہلی ہی قوموں کے ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ کسی سے وعدۂ تائید و نصرت کرے اور پھر اسے پُورا نہ کرے۔ ایسے عقائدِ مشرک قوموں میں عام تھے۔ اَلْجَاهِلِیَّةِ۔ جاهلیة محاورۂ قرآنی میں اسلام سے قبل کا دَورِ شرک ہے، یہ جاہلیت توحید کے منافی ہے۔ ظن الجاهلية کی ترکیب یوں سمجھی گئی ہے۔ كظن اهل الجاهلية۔ ف٣٠٦ (ورنہ ہم تو شروع ہی سے اس جنگ سے منع کر رہے تھے، کسی نے ہماری نہ سُنی، ہماری سن لی گئی ہوتی تو آج یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی) یہ منافقین اپنی خِفت و ندامت مٹانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ف٣٠٧ (اور قضاءِ الٰہی ہر انسانی تدبیر پر غالب و حاکم ہے) خطاب پیغمبرؐ سے ہے کہ آپؐ یہ ان منافقین سے کہہ دیجئے۔ ف٣٠٨ یعنی اپنا کفر و نفاق۔ اس کو رسُولؐ اور مومنین سے مخفی رکھنے کا ہی تو خاص اہتمام تھا۔ ف٣٠٩ یعنی اگر ہمارے مشورہ پر عمل ہوتا تو نہ لڑائی ہی کی نوبت آتی اور نہ اس شکست اور اتنے مقتولین کی۔ ف٣١٠ مطلب یہ ہوا کہ احکامِ تکوینی تقدیری سے باہر رہنا کسی کے لئے کسی صُورت میں ممکن نہیں، کوئی نہ کوئی ظاہری سبب بھی مقتل تک ان کے کھینچ آنے کا ضرور نکل آتا۔ ف٣١١ (شیطانی اور نفسانی میل کچیل سے) وَلِیُمَحِّصَ تمحیص کے معنی ہیں آمیزشوں سے، کدورتوں سے پاک کرنا۔ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ۔ یعنی تمہارے اخلاص کی آزمائش ہو جائے۔ ف٣١٢ (میدانِ اُحد میں) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا۔ مُراد وہی صحابی ہیں جن سے اُحد کے موقع پر کمزوری کا اظہار ہوا تھا۔ اُنہی کی تسکین و تسلّی کے لئے نیز آیندہ کی تنبیہ و ہدایت کی غرض سے یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ف٣١٣ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ آگیا کہ ہر پچھلا گناہ سبب بن جاتا ہے مزید و جدید معصیت کا۔ یہاں مُراد ہے حُبِّ حیات اور مالِ غنیمت کی ہوس۔ وقال بعض العلماء حبهم الغنيمة والحرص على الحياة (بحر) معنى السببية انجرارهم اليه لان الذنب يجر الذنب كما ان الطاعة تجر الطاعة (روح) اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ۔ اس میں اس ادب کی تعلیم آگئی کہ گناہ جو بھی سرزد ہو جائے اُس کی نسبت حق تعالٰی کی جانب نہیں بلکہ شیطان کی جانب دینا چاہیئے۔ قال الكعبي الاية تدل على ان المعاصي لا تنتسب الى الله فانه تعالى نسبها في هذه الاية الى الشيطان (کبیر) فالاضافة الى الشيطان لطف وتخويب والتعليل بكسبهم وعظ وتاديب (مدارک) خود کلامِ مجید میں بھی دُوسری آیتیں اس قسم کی ہیں مثلاً حضرت موسیٰؑ کی زبان سے هٰذا من عمل الشيطان یا حضرت یوسفؑ کی زبان سے من بعد ان نزغ الشيطان بيني وبين اخوتي یا خادمِ موسیٰؑ کی زبان سے وما انسانيه الا الشيطان۔

مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ

جو کچھ کہ تم چاہتے تھے ۲۹۶ بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے ۲۹۷ اور بعض تم میں

يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ ۚ وَ

ایسے تھے جو آخرت چاہتے تھے ۲۹۸ پھر اللہ نے تم کو ان میں سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری (پوری)

لَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذۡ

آزمائش کرے ۲۹۹ اور اللہ نے یقیناً تم سے درگزر کی ۳۰۰ اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے

تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ

(وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسول تم کو پکار رہے تھے

فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّا ۢ بِغَمٍّ لِّـكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى

تمہارے پیچھے کی جانب سے ۳۰۱ سو اللہ نے تمہیں غم دیا غم کے پاداش میں ۳۰۲ تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس

مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌ ۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے ۳۰۳ اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے ۳۰۴

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى

پھر اس نے اس غم کے بعد تمہارے اوپر راحت نازل کی (یعنی) غنودگی کہ اس کا تم میں سے

طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ

ایک جماعت پر غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، یہ

يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَـاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ

اللہ کے بارے میں خلافِ حقیقت خیالات، جاہلیت کے خیالات قائم کر رہے تھے، یہ کہہ رہے تھے

منزل

۲۹۶ یعنی اپنی فتح اور غنیم کی شکست جس کا مشاہدہ تم برأی العین کر رہے تھے۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلۡتُمۡ۔ یعنی فتح و فیروزمندی کی کیفیت اس وقت تک قائم رہی، جب تک تم اپنی استقامت میں کمزور نہ پڑ گئے۔ اس وقت تم اپنی رائے میں مذبذب ہو گئے اور تیر اندازوں کے دستہ نے خود رائی سے کام لے کر اطاعتِ رسولؐ کی پروا نہ رکھی۔ معرکۂ اُحد میں جنگ شروع ہونے سے قبل مسلمانوں کے مقدس اور نہایت درجہ بالغ نظر سالارِ لشکر نے امکاناتِ نقشۂ جنگ کا بالکل صحیح اندازہ کر کے ایک گھاٹی میں ایک بلند ٹیکری پر ۵۰۔ چیدہ و ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور احکام دیدیئے تھے کہ اس مورچہ سے کسی حال میں نہ ٹلنا یہاں تک کہ اگر ہم شکست کھا جائیں، جب بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ بلکہ اپنے عقب کا خیال رکھنا۔ جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں نے پورے جوشِ شجاعت کے ساتھ یلغار کی۔ مشرکین کا لشکر باایں فراوانی اور باایں سروسامانی زبردست ٹکر کی تاب نہ لا سکا اور اس کے قدم اُکھڑ گئے۔ مسلمان اور آگے بڑھے اور بدر کا جوش و خروش تازہ ہو گیا۔ لیکن اب کی افراطِ جوش میں توازن قائم نہ رہا، ان کا خط ٹوٹ گیا اور صفوف میں ترتیب باقی نہ رہی اور ایک جماعت نے مزید پیش قدمی کر کے غنیم کے خیمے ڈیرے لوٹنے شروع کر دیئے۔ اُدھر ٹیکری والے تیر انداز دستہ نے جو یہ دیکھا کہ دشمن میدان چھوڑ رہا ہے اور مالِ غنیمت لٹنا شروع ہو گیا ہے، تو یہ سوچا کہ اب یہاں مورچہ پر جمے رہنے کے کیا معنی حکم جس وقت تک کے قیام کے لئے تھا، اس کی تعمیل ہو چکی۔ چنانچہ اس خیال کے ماتحت ۵۰۔ میں سے ۴۰ تیر انداز سپاہی اپنی پوزیشن چھوڑ نیچے میدان میں دوسروں کے ساتھ غنیمت کی تاخت میں شریک ہو گئے۔ خالد بن ولید جو بعد کو ایمان لائے اور سیف اللہ کہلا کر مسلمانوں کے مشہور جنرل ہوئے، اس وقت تک مشرکوں کے رسالہ کے سردار تھے۔ اُن کی دُوربین نگاہ موقع کے گھات ہی میں تھی، اپنے سواروں کے ساتھ کاواکاٹ اسی درہ کی طرف سے ہلّہ بول دیا، گنتی کے دس سپاہی کتنی دیر ٹھہر سکتے تھے، جنگ کا پانسہ آناً فاناً پلٹ گیا، اور فتح مسلمانوں کے ہاتھ سے آ کر چھن گئی، قرآن اپنے معجزانہ رنگ میں اس سارے پس منظر پر تبصرہ کر رہا ہے۔ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ۔ یعنی اپنے قائدِ اعظمؐ کے حکم کے باب میں بحث کرنے لگے کہ آیا اب بھی وہ حکم قائم اور واجب الاتباع ہے، ۵۰ میں سے ۴۰ ناوک افگن سپاہی لوٹ پر ٹوٹ پڑے تھے اور باقی ۱۰ امیرِ لشکر کے حکم پر آخر تک قائم رہے۔ وَعَصَيۡتُمۡ۔ یعنی اپنے سالارِ لشکر اور رسولؐ برحق کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ یہ حالت ایک استثنائی تھی اور اس لئے اس پر گرفت بھی اتنی سخت ہوئی ورنہ اسلامی فوجیں عام طور پر تو نظم و ضبط، اطاعت و امتثال (ڈسپلن) کی تصویر ہوتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

۲۹۷ (اور اسی لئے غنیمت کی لوٹ میں پڑ گئے) اشارہ اُنہی ۴۰ جلد باز تیر اندازوں کی طرف ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ لوٹ بھی مبنی و متفرع دشمنانِ دین کی شکست ہی پر تھی، اس لئے ایسی دنیا طلبی بھی تمام تر مذموم نہیں۔ یہاں بُرا اسے اسلئے ٹھہرایا گیا کہ اس میں مخالفت تھی حکمِ رسولؐ کی، گو وہ بھی اعتباراً ہی تھی۔

۲۹۸ یہ وہ دس تیر انداز تھے جو نصِ نبویؐ کے تمام تر متبع ہو کر آخر تک اپنی جگہ پر قائم رہے۔

۲۹۹ (ایک عارضی و ہنگامی شکست کے ذریعہ سے) یہ ثبوت ہے صحابۂ نبویؐ پر کمالِ رحمت کا، یہ عارضی شکست بھی غضبِ الٰہی یا عذاب کی کوئی فرد نہ تھی بلکہ اس سے بھی مقصود صحابہ کی قوتِ ایمانی کا مزید امتحان ہی تھا۔ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ۔ یعنی جب تم میں عدمِ ثبات و تزلزل پایا تو اللہ نے اپنی وہ آسمانی امداد و نصرت روک لی۔

۳۰۰ (اسلئے اب مؤاخذۂ آخرت کا کھٹکا نہیں) کیا ٹھکانا ہے مومنین پر بالعموم اور صحابۂ رسولؐ پر بالخصوص شفقت کا، کن کن عنوانات سے تسلی دی جا رہی ہے۔

۳۰۱ (کہ اِدھر آؤ۔ میں اِدھر ہوں) یہ بیان ہو رہا ہے سلمان سپاہ کی بھگدڑ اور شدتِ بدحواسی کا۔ اور واقعی بات ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ پڑتی ہے تو ایسی ہی بے حواسی پھیل جاتی ہے، نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے، کوئی کسی کی نہیں سُنتا، ہر ایک کو اپنی ہی جان بچانے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ یعنی جب بھاگتے ہوئے چڑھے جا رہے تھے۔ وَالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ۔ رسولِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام علاوہ اپنے دوسرے کمالات و فضائل کے ہمت و شجاعت میں بھی فرد اور بے عدیل تھے۔

۳۰۲ یعنی اس رنج کے عوض میں جو تمہاری ذات سے رسول اللہ صلعم کو اُٹھانا پڑا تھا، تمہیں بھی ایک رنج دیدیا گیا۔ ای اثابکم غما بسبب غم اذقتموہ رسول اللہ صلعم بعصیانکم لہ فجاز اکم بہ (روح)

۳۰۳ (اور اسی باخبری کے مطابق جزا و سزا بھی دے گا) لِّـكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا الخ یہ اشارہ ہے ان حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب جو اس واقعۂ شکست میں پوشیدہ تھیں۔ لکی۔ یعنی تاکہ آئندہ کے لئے اس واقعہ سے سبق لو اور ہمت و استقلال کو کام میں لاؤ۔

۲۹۱ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب بنایا اور آخر میں نکوکاری کی بشارت اللہ کی محبوبیت کی صورت میں دی ——— دنیا اور آخرت کے سارے انعامات سے بڑھ چڑھ کر۔ ثَوَابَ الدُّنْیَا یعنی فتح وظفر۔ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَۃِ۔ یعنی جنّت اور وہاں کی نعمتیں۔ ۲۹۲ سو کافروں کی ہم خیالی، ہم مذاقی سے بچو۔ یَرُدُّوْکُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِکُمْ یعنی تمہیں اُلٹے پاؤں ارتداد اور بے دینی کی طرف دھکیل لے جائیں گے۔ ۲۹۳ (سو اس کے ہوتے ہوئے تم نصرت و امانت کے لئے مخلوق پر کیوں نظر رکھتے ہو؟) اَللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ۔ اللہ تمہارا دوست و محافظ ہے۔ سو وہی تمہیں بچائے گا۔ ۲۹۴ (یعنی اُن کے لئے جو خود اپنے اُوپر ظلم کرتے رہتے ہیں) مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا یعنی شرک کی تائید میں نہ کوئی عقلی ہی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ۔ دشمنانِ دین کے دلوں میں القاءِ رعب یا ہیبتِ حق کے معجزانہ ظہور کی ایک یادگار مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ اُحد میں جب آخری فتح بظاہر مشرکین مکّہ کو ہو گئی تو اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے۔ فاصلہ اب رہ ہی کتنا گیا تھا ——— لیکن اس کی ہمت انہیں کسی طرح نہ پڑی اور اُلٹے انہیں واپس ہی جاتے بنی۔ اور تعاقب اس کے برعکس خود "شکست خوردہ" مسلمانوں نے اپنے بے مثل و بے مثال سالارِ لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد تک کیا، یہاں تین دن تک ان کا کیمپ رہا اور رگے ہاتھوں غنیم کا ایک آدمی بھی گرفتار کر تے لائے۔ قال ابن اسحاق فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انتہی الی حمراء الاسد وھی من المدینۃ علی ثمانیۃ امیال فاقام بھا الاثنین والثلاثاء والاربعاء (ابن ہشام) اور یہ اہم جنگی کارروائی اس خدائی سپہدارِ اعظم نے کی ہی اس غرض سے کہ مشرکین مکّہ پر پُورا رعب پڑ جائے اور ان کا یہ وہم وگمان مٹ کر رہے کہ مسلمانوں نے ہار مان لی ہے۔ وانما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترھیبًا للعدو ولیبلغھم انہ خرج فی طلبھم لیظنوا بہ قوۃ وان الذین اصابھم من عدوھم (ابن ہشام) بِمَاۤ اَشْرَکُوْا میں ب تعلیل کے لئے ہے۔ یعنی یہ رعب ان کے شرک کی بنا پر ڈالا گیا۔ ای کان سبب القاء الرعب فی قلوبھم اشراکھم (قرطبی) الباء للسبب ای بسبب اشراکھم باللہ الالھۃ (بحر) ۲۹۵ (غزوۂ اُحد کے اندر) پُوری آیت میں بیان غزوۂ اُحد کے مختلف پہلوؤں کا ہے۔ یہاں ذکر اس وقت کا ہے جب تک مسلمان ابتداءِ معرکہ میں اطاعتِ احکامِ رسولؐ پر قائم تھے۔ تَحُسُّوْنَھُمْ۔ ھُمْ سے اشارہ دشمنانِ دین مشرکین مکّہ ہیں۔ حس کے معنی قتل کے ہیں۔ عُبّر بہ عن القتل (راغب) ای تقتلونھم قتلا ذریعا (کشاف) قال ابو عبیدہ الحس الاستئصال بالقتل (قرطبی) بِاِذْنِہٖ میں اذن سے مُراد اللہ کا حکم تکوینی ہے۔ ای بعلمہ او بقضاءہ وامرہ (قرطبی) ای بتیسیرہ وتوفیقہ (روح) ای بارادتہ (جلالین)

۱۵ ع ۵

الْاٰخِرَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ
عمدہ عوض اور اللہ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے ۲۹۱ اے ایمان والو
اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰۤی
اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پچھلے پیروں واپس
اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ ۚ
کر دیں گے اور تم گھاٹے میں آ کر رہ جاؤ گے ۲۹۲ البتہ تمہارا دوست اللہ ہے
وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ
اور وہ بہترین مددگار ہے ۲۹۳ ہم ابھی کافروں کے دلوں میں
الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ
رُعب ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھیرایا
یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ
جس کے لئے کوئی دلیل (اللہ نے) نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کیسی بُری جگہ
مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗۤ
ظالموں کے لئے ہے ۲۹۴ اور یقیناً تم سے اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہ (نصرت)
اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ ۚ حَتّٰۤی اِذَا فَشِلْتُمْ وَ
جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے ۲۹۵ یہاں تک کہ جب تم (خود ہی) کمزور پڑ گئے
تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىکُمْ
اور باہم جھگڑنے لگے حکم (رسول) کے باب میں اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا

ارتداد سے۔ جنگ سے فرار بھی مُراد ہو سکتی ہے۔ مجاز من الارتداد او الانھزام (مدارک) ۲۸۴ (بلکہ اس کا وبال خود اپنے ہی سر لائے گا) جاہلی مذہبوں میں دیوتاؤں اور پُجاریوں
کے درمیان ایک طرح کی مساوات ہمیشہ رہی ہے۔ یعنی معبود بھی اپنی پرستش وعدم پرستش سے برابر متاثر ہوتے رہے ہیں۔ قرآن نے بار بار اسی جاہلی ذہنیت پر ضرب لگائی ہے۔ ۲۸۵
شاکرین۔ یہ شکر یہ (کا فرا کے مقابلہ میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عنقریب جزائے خیر ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ کی اصلی اور بڑی نعمت دینِ حق کا شکریہ اس کے قبول و اختیار کی صورت میں ادا
کرتے ہیں۔ الشاکرین علی نعمۃ الاسلام بالثبات علیہ (بیضاوی) ۲۸۶ (اور اس میعادِ مقرر کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں پھر آخر شرکتِ جنگ میں اتنا جی چرانے سے کیا حاصل؟)
موت جب بھی آئے گی حکمِ خدا ہی سے آئے گی اس کے بدون نہیں آسکتی۔ اور پھر جب آئے گی وقت موعود ہی میں آئے گی اس کے قبل نہیں آسکتی۔ خواہ خطرات کیسے ہی شدید ہوں

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ
کسی کے لئے کہ وہ ایک میعادِ مقرر پر حکمِ خدا کے بغیر مرجائے ۲۸۶ اور
مَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ
جو کوئی دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا نفع
الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَ كَاَیِّنْ
چاہتا ہے تو اسے اس آخرت کا حصہ دے دینگے اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو بدلہ دے دینگے ۲۸۷ اور کتنے ہی
مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ
نبی ہو چکے ہیں کہ اُن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں ۲۸۸ سو جو کچھ انہیں
اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ
اللہ کی راہ میں پیش آیا اُس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ دبے
وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ
اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۲۸۹ اور ان کا کہنا تو بس اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے رہے
اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا
کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے باب میں ہماری زیادتی کو بخش دے
وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾
اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غالب کر ۲۹۰
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ
سو اللہ نے انہیں دنیا کا بھی عوض دیا اور آخرت کا بھی

ان حقائق کا اگر استحضار رہے تو موت کا طبعی خوف بھی حدِ اعتدال پر قائم رہے۔ ۲۸۷ (جنہوں نے نعمتِ الٰہی کا شکر یوں ادا کیا اور جنگ میں شریک ہوئے اور جہاد سے جی نہیں چرایا) پہلی آیت میں شاکرین سے وہ لوگ مُراد تھے جنہوں نے دینِ حق کو قبول کیا اور اعمالِ نیک پر قائم رہے۔ یہاں شاکرین سے وہ لوگ مُراد ہیں جو ان اعمال میں آخرت کی نیت کئے ہوئے جہاد میں شریک ہُوئے۔ الذین شکروا نعمۃ اللہ فلم یشغلھم شیٔ عن الجھاد (بیضاوی) وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا۔ دنیا کا نفع چاہنا مطلق صُورت میں ممنوع نہیں ہے۔ یہاں مُراد اُس نفع سے ہے جو خالص دنیا ہی کے لئے ہو۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصّہ ہی نہ ہو، ثواب الدنیا سے مُراد ہے کہ مقصود یہی دنیا ہو اور فی الدنیا حسنۃ سے مراد ہے کہ بھلائی حاصل ہو اور اس کا محلِ حصُول یہ دنیا ہی ہو۔ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یعنی اگر ہماری مشیت ہوئی تو اس کی یہ آرزو پوری کر دینگے اور آخرت سے محروم کر کے اُسے یہیں نقد کا نقد معاوضہ دے دیں گے۔ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یہ ثواب آخرت جو ہے اللہ کی طرف وعدہ اور ذمہ ہے، اس نوتہ منہا اور قبل کے نوتہ منہا کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ۲۸۸ (راہِ حق میں جہاد فی سبیل اللہ میں) یہ بتلایا ہے کہ جہاد کی سُنّت انبیاء قدیم کے وقت سے چلی آتی ہے اور اس راہ کے رہروؤں کو برابر ان منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ رِبِّیُّوْنَ۔ رِبّی۔

ربّانی کے مرادف ہے اور اور معنی بھی کئے گئے ہیں۔ ای ربّانیون (کشاف) اخرج سعید بن منصور عن الحسن انھم العلماء الفقھاء واخرجہ ابن جبیر عن ابن عباس ایضاً
فھو منسوب الی الرب (روح) كَاَیِّنْ۔ کم کے مرادف ہے یعنی بہت سے کتنے ہی۔ کایّن بمعنی کم (قرطبی) صارت بمعنی کم (بیضاوی) ۲۸۹ (اور دنیا اور آخرت میں
اُس کا درجہ اور مرتبہ بڑھاتا رہتا ہے) مَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں۔ وَمَا ضَعُفُوْا۔ یعنی ہراس و دہشت کو اپنے اُوپر غالب نہ آنے
دیا۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا یعنی کفر و اہلِ کفر کے سارے ساز و سامان و شان و شوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ وَھْنٌ۔ ضعفٌ۔ اِسْتِكَانَۃٌ تین متقارب المعنی الفاظ کے درمیان
فرق امام رازیؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ وھن تو کہتے ہیں قلب کی کمزوری یا بدہمتی کو، اور ضعف مطلق ہے، اس کا تعلق جسمانی قوت و مادّی قدرت سے زیادہ ہے اور استکانۃ اظہارِ عجز کو
کہتے ہیں۔ ۲۹۰ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ۔ اس سے اشارہ ہو گیا کہ ان لوگوں کے عمل میں تو لغزش کیا ہوتی، زبان تک بھی اُن کی کلماتِ تحمید و تمجید اور اعترافِ عجز و قصور کے لئے وقف رہی
ذُنُوْبَنَا۔ اِسْرَافَنَا۔ ذنوب سے یہاں مُراد صغائر سے لی گئی ہے اور اسراف سے کبائر مراد ہیں۔ ذنوبنا یعنی الصغائر واسرافنا یعنی الکبائر (قرطبی) ابن فورک نے کہا ہے کہ اس سے
قدریہ کا رد بھی نکل رہا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ افعالِ عبد کا خالق نہیں ہے (بحر)

يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۰ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ۲۷۷ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کر دے
وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۱ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
اور کافروں کو مٹا دے ۲۷۸ شاید تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ
حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور
يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ
نہ صبر کرنے والوں کو جانا ۲۷۹ اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ
قبل اس کے کہ اس کے سامنے آؤ سو اس کو تو اب تم نے کھلی آنکھوں سے
ع ۱۴ ۵ تَنْظُرُوْنَ ۝۱۴۳ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ
دیکھ لیا ۲۸۰ اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہی ہیں ۲۸۱ ان کے قبل اور بھی رسول گزر
قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى
چکے ہیں ۲۸۲ سو اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں
اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ
واپس چلے جاؤ گے ۲۸۳ اور جو کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی
اللّٰهَ شَيْــــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴ وَمَا كَانَ
نقصان نہ کر سکے گا، ۲۸۴ اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا ۲۸۵ اور ممکن نہیں،

۲۷۷ (سو ظالموں کے برسرِ حق ہونے کا تو گمان بھی نہ کیا جائے، خواہ تکوینی مصلحتوں کی بنا پر انہیں عارضی اور ہنگامی کامیابیاں کیسی ہی حاصل ہو جائیں) لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی مومنین کا ایمان عالم آشکار ہو جائے، ان کے اعمالِ ایثار اور جانبازی کی بنا پر۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ۔ شہادتِ راہِ حق، معلوم ہے کہ شریعتِ اسلامی میں روحانی ترقی کی معراج اور قربِ الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔
۲۷۸ (انہیں اسی عارضی کامیابی پر اور زیادہ مغرور کر کے) ذکر اسی غزوۂ اُحد کا چل رہا ہے، ایک فرنگی مؤرخ نے حال میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ گو قریش اُحد میں فتحمند ہوئے لیکن یہی عارضی فتحمندی ان کے مستقل زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اہلِ ایمان کو ابتلا جب بھی پیش آتا ہے تو دفعِ سیئات کیلئے ہوتا ہے اور یا رفعِ درجات کیلئے
۲۷۹ (ان کے اعمال کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کے علمِ سرمدی میں جو کچھ بھی ہے، اشخاص کا استحقاق تو جنّت میں کسی درجہ کے لئے بھی اس مادّی دنیا میں اعمال کے بعد ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ اَمْ یہاں بَلْ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اسی لئے ترجمہ میں مفہوم "شاید" سے ادا کیا گیا ہے۔ ام بمعنی بل (قرطبی) ام ای بل (جلالین) اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی جنّت میں امتیازِ خاص کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ خطاب یہاں صحابۂ کرامؓ سے ہے۔ صحابۂ کرامؓ حصولِ جنّت ہی کے مشتاق نہ تھے بلکہ اس کے اعلیٰ درجوں اور مرتبوں کا بھی حوصلہ اور ظرف رکھتے تھے اور ان مدارج کے لئے جہاد کی کڑی کڑی منزلوں سے گزرنا ناگزیر تھا۔ ۲۸۰ (پھر اب اس سے خوف وہراس کیوں ہے؟) خطاب صحابہؓ کی ایک جماعت سے ہے۔ الخطاب للمومنین وظاهره العموم والمراد الخصوص (بحر) خوطب به الذين لم يشهدوا بدرًا (مدارک) الخطاب للذين لم يشهدوا بدرًا وتمنّوا ان يشهدوا مع رسول الله صلعم (بیضاوی) معرکۂ بدر میں مسلمانوں کی غیر متوقع بلکہ خلافِ توقع کامیابی سُن کر بعض اشخاص کو خیال پیدا ہوا کہ افسوس ہے ہم اس موقع پر حاضر نہ تھے۔ اب کاش کوئی معرکہ پھر اس قسم کا پیش آئے تو ہم بھی اپنی جانوں کی بازیاں لگا کر شہداءِ بدر کا سا مرتبہ حاصل کریں۔ یہاں اُنہی کو جواب دیا جا رہا ہے کہ پہلے تو یہ ہمت تھی۔ سو اب ایسی پست ہمتی کا اظہار کیوں ہو رہا ہے! وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ وَ یہاں حتّٰی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے یعنی جب تک ان کا صبر نہ ثابت ہو جائے۔ الواو هنا بمعنى حتّٰی قاله الزجاج (قرطبی) ای حتی يعلم صبرهم (قرطبی)۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ (یعنی اس معرکۂ اُحد کے وقوع سے قبل) تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ۔ موت سے مُراد سببِ موت۔ ذریعۂ موت یعنی جہاد و قتال ہے یا خود موتِ شہادت۔ الموت ای سبب الموت (معالم) ای الحرب فانها من اسباب الموت او الموت بالشهادة (بیضاوی) رَاَيْتُمُوْهُ۔ ضمیر موت یا سببِ موت کی جانب ہے۔ یعنی الموت (ابن کثیر) یعنی اسباب الموت (معالم)
۲۸۱ (اور اس لئے فنا پذیر بھی ہیں۔ کوئی خدا یا جزءِ خدا یا مظہرِ خدا تو ہیں نہیں جو قانونِ حیات و ممات سے بالاتر ہوں) مُحَمَّدٌ۔ اسمِ مبارک قرآن میں پہلی بار آیا ہے، لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفاتِ حسنہ کا مجموعہ ہو۔ یقال فلان محمد اذا كثرت خصاله المحمودة (راغب) اسمِ عَلَم ہے ہمارے رسولؐ اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضورؐ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابو جعفر محمدؐ بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المحبر ص ۱۳۰) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ اُن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سُن کر کہ آئندہ پیمبر کا نام محمد ہو گا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔ كان سفيان اتى الشام فنزل على راهب فاعجبته فصاحته وعقله فسأل الراهب عن نسبه فانتسب له الى مضر فقال له اما انه يبعث فى العرب نبى يقال له محمد فسمّى سفيان ابنه محمدًا۔ تاج العروس اور لسان العرب میں بھی یہی سات نام نقل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نام عام طور سے عرب میں شائع نہ تھا۔ اور تصریحات اس قسم کی ملتی ہیں کہ لم يكن شائعًا بين العرب هذا الاسم اور تاج میں بھی اسی سے ملتا جلتا قول موجود ہے۔ راقم آثم کے ایک قدیم اور جواں مرگ دوست مولانا عبد الرحمٰن ندوی نگرامی مرحوم کا ایک مستقل مقالہ اسمِ پاک محمدؐ پر ہے، ان کی یادگار کے طور پر اور اُن کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر اس مقالہ کا بیشتر حصہ سورۃ کے آخر میں بطورِ ضمیمہ کے شامل کیا جاتا ہے۔ ۲۸۲ (اور ان سب نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کو خیر باد کہا، سو یہ بھی اپنے وقتِ موعود پر وفات پائیں گے اور اس میں نہ کوئی بات حیرت کی ہو گی اور نہ کوئی پہلو آپ کی اہانت کا نکلے گا) رسُول کا مرتبہ خوب سمجھ لیا جائے۔ رسُول محض عبد ہوتے ہیں صاحبِ وحی۔ عقیدۂ حلول، مظہریت، ابنیت وغیرہ پر ضرب لگانے کے لئے مرتبۂ رسالت اور رسُولیت کی بار بار تصریح ضروری تھی۔ حضورؐ کی وفات کا حادثہ اس قدر سخت تھا کہ حضرت فاروقؓ بھی جیسے باوقار و عالی ظرف صبر و ضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار ہو گئے، عین اُس وقت ایک اُن سے بھی برتر شخصیت ابوبکر صدیقؓ اسی آیت کی برمحل تلاوت کر کے اُن کے اور سب کے جذبات کو قابو میں لے آئے تھے۔ ۲۸۳ (کفر اور بے دینی کی طرف) مطلب سوال کا یہ ہے کہ جب دین کی حقیقت تمہاری نظر میں ثابت ہو چکی، تو اب قاصد یا پیغامبر کی زیست یا وفات کا اس حقیقت و صداقت پر کیا اثر! غزوۂ اُحد میں جب حضور صلعم کو زخم پہنچا اور کسی شیطان نے یہ افواہ اُڑا دی کہ آپؐ دنیا سے رخصت ہو گئے تو بعض صحابہ نے اس انتہائی صدمہ انگیز خبر سے بددل اور شکستہ خاطر ہو کر میدانِ جنگ چھوڑنا شروع کر دیا تھا اور منافقین کی دفتی طور پر بن آئی تھی۔ انہوں نے برابر طنز کرنا اور ارتداد کی ترغیب دینی شروع کر دی تھی۔ آیت میں ان سب پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ۔ اشارہ طبعی اسباب سے آنے والی موت کی طرف ہے۔ اَوْ قُتِلَ اشارہ معرکۂ جنگ وغیرہ میں شہادت کی طرف ہے۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ۔ محاورہ میں کنایہ ہے

وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ
اور (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے،
وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور کام کرنے والوں کیلئے کیسا اچھا معاوضہ ہے[۲۷۱] یقیناً تم سے قبل (مختلف) طریقہ گزر چکے ہیں،
سُنَنٌ ۙ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ
سو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا
عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی
کیا انجام ہوا ہے[۲۷۲] یہ ایک اعلان ہے (سارے) لوگوں کیلئے اور ڈرنے
وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا
والوں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے،[۲۷۳] اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ
ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے[۲۷۴] اگر تمہیں
یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ
کوئی زخم پہنچ جائے تو اُن لوگوں کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے[۲۷۵] اور
تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ
ہم ان ایام کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں[۲۷٦] تاکہ اللہ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا
ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ کو شہید بنانا تھا اور اللہ

۲۷۱ اُولٰٓئِكَ کا اشارہ صاف اُنہی لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی آچکا ہے، غلطیاں، خطائیں، لغزشیں بھی ان سے صادر ہوتی رہتی ہیں، اور ساتھ ہی وہ اُن کی تلافی اور تدارک بھی کرتے رہتے ہیں، اُنہی کے لئے یہ جنت کی نعمتیں بیان ہو رہی ہیں۔ عٰمِلِیْنَ۔ لفظی معنی عمل کرنے والے کے ہیں۔ محاورۂ قرآنی میں اس سے مُراد عملِ صالح کرنے والے ہیں۔ ۲۷۲ سُنَنٌ یعنی مختلف طور طریقہ اور ان طور طریقوں پر عمل کرنے والے، مختلف مسلکوں اور مشربوں کے لوگ، مشرک و کافر بھی، موحّد و مومن بھی۔ قال الزجاج والمعنی اهل سنن فحذف المضاف (قرطبی) ساری گزشتہ اُمّتوں اور قوموں کی طرف جامع اشارہ ان الفاظ میں آگیا۔ اور سنۃ کے معنی خود امۃ کے بھی کئے گئے ہیں، اس لئے سنن۔ امم کا مرادف ہوگا۔ السنة الامة والسنن الامم (قرطبی) وقال المفضل ان المراد بها الامم وقد جاءت السنة بمعنی الامة فی کلامهم (روح) سِیْرُوْا۔ فَانْظُرُوْا۔ دونوں صیغہ امر کے ہیں۔ لیکن مقصود سیاحت نہیں بلکہ سرکش جاہلی قوموں سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ خواہ جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو۔ سیاحت سے، تاریخ سے، وقس علیٰ ہذا۔ لیس المراد الامر بذلك لا محالة بل المقصود تعرف احوالهم فان حصلت هذه المعرفة بغیر السیر فی الارض کان المقصود حاصلاً (کبیر) تاریخ اثریات وغیرہ کا مطالعہ اگر صحیح نقطۂ نظر اور ایمان و معرفت کے پہلو سے کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک جہاد ہے۔ الْمُكَذِّبِیْنَ۔ یعنی دینِ حق کی جھٹلانے والی قوموں اور اُمّتوں کا۔ ۲۷۳ مطلب یہ ہوا کہ قرآن اعلان نامہ تو ہے ساری دُنیا کے لئے لیکن اس سے نفع وہی لوگ اٹھائیں گے جن کے دلوں میں خوفِ خدا موجود ہوگا۔ هٰذَا۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ یعنی القرآن عن الحسن وغیرہ (قرطبی) قال الحسن وقتادة وابن جریج والربیع الاشارة الی القرآن (بحر) ای هذا القرآن (معالم) بعض نے وہ امر و نہی، وعدہ و وعید مُراد لئے ہیں، جو اُوپر گزر چکے ہیں۔ یعنی یقول هذا ما تقدم من بیان امره ونهیه ووعده ووعیده (کبیر) الاشارة الی ما خص من امر الکفار والمتقین والتائبین (روح) ای القرآن وما تقدم من الکتب (مدارک) ۲۷۴ (اے ایمان والو) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ وعدۂ غلبہ کے لئے شرط ایمان پر ثبات کی لگی ہوئی ہے۔ یہ خوب خیال رہے۔ الْاَعْلَوْنَ۔ یہ علو و غلبہ کا وعدہ ہر قسم کے علو و غلبہ کو حاوی ہے۔ خواہ وہ مادی ہو یا روحانی، گو یہاں پر نظر کرکے غلبۂ مادّی ہی اغلب ہے۔ یعنی الغالبین علی الاعداء (قرطبی) ۲۷۵ (تو تمہاری کسی افتاد سے ان مخالفوں کو کیا تسلی ہو سکتی ہے، انہیں تو ایسی ہی افتاد پیش آچکی ہے) اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ۔ اشارہ ہے ہونے والی جنگِ اُحد کی طرف۔ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ۔ اشارہ ہے جنگِ بدر کی طرف، اس میں قریش کو سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی تھی۔ ۲۷٦ (مصالح تکوینی کے اعتبار سے) سو مجرد فتح و شکست کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھا جائے۔ تِلْكَ الْاَیَّامُ یعنی فتح و ظفر کا زمانہ والمراد بالایام اوقات الظفر والغلبة (کشاف)

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾
اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۲۶۵

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا
اور مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، دوڑو اور جنت کی طرف (دوڑو) جس کا

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیْنَ
عرض سارے آسمان اور زمین ہیں ۲۶۶ اور جو پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے ۲۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جو

یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ
فراغت اور تنگی (دونوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں اور

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾
لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۲۶۸

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ
اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی بیجا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو

ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ
اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں ۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ کے سوا

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۫ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ
ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور یہ (لوگ) اپنے کئے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے درآنحالیکہ وہ

یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ
جان رہے ہوں ۲۷۰ ایسے لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے

منزل

۲۶۵ (دنیا اور آخرت، دونوں میں) لَعَلَّ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ وَاَطِیْعُوا۔ یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت خوش دلی کے ساتھ کرو۔ ۲۶۶ (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ ہر مومن کا منتہائے عمل اور منزلِ مقصود یہی مغفرتِ پروردگار ہونا چاہیئے۔ ۲۶۷ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک سلبی حقیقت کا نام نہیں، محض گناہوں سے بچنا کافی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو حکم اس کا بھی ملا ہے کہ اسلام کے ایجابی پہلو کا بھی پورا حق ادا کریں، نیکیوں کی جانب لپکیں اور اس طرح جنّت کو حاصل کر کے رہیں جو رضاء الٰہی کا محل اور ظہورِ رحمت کامل کا مقام ہے۔ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ یعنی وہ بے انتہا وسیع ہے، اس میں سب کی گنجائش ہے۔ وہاں چپقلش اور عدمِ گنجائش کا احتمال ہی نہیں۔ جنّت کی بجنسہٖ پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس کی بے انتہا وسعت اور گنجائش کا اظہار مقصود ہے، عربی محاورہ میں انتہا وسعت کے اظہار کا یہی پیرایہ ادا ہے۔ کنایۃ عن غایۃ السّعۃ بما ھو فی تصور السامعین (روح) المقصود فی وصف سعۃ الجنۃ و ذٰلک لانہ لا شیء عندنا اعرض منھما (کبیر) قال القفال لیس المراد ھھنا ما ھو خلاف الطول بل ھو عبارۃ عن السعۃ (کبیر) ۲۶۸ آرنلڈ وغیرہ فرنگی فاضلوں نے کہا ہے کہ عرب جیسی تندخو، جنگجو، جدل پیشہ قوم کے رامنے حلم و ضبط، صلح و آشتی کے ایسے معیار پیش کرنا، اور پھر اس تعلیم کو کامیاب بنانا بجائے خود ایک اعجاز ہے۔ یُنْفِقُوْنَ۔ یعنی راہِ حق میں، دین کی خدمات میں خرچ کرتے رہتے ہیں، مطلق خرچ کرتے رہنا، چاہے کیسے ہی بیہودہ مقاصد کے لئے ہو، ظاہر ہے کہ شریعت میں ہرگز پسندیدہ نہیں۔ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی ہر حال اور ہر صورت میں دین اور اُمّت کی مالی ضرورتوں سے متعلق خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خوش حال ہوئے تو مسرفانہ عیش پرستیوں میں پڑ کر نیک کاموں سے ہاتھ ہی روک لیا یا تنگدست ہوئے تو ناشکری میں آ کر اپنی بساط بھر بھی خرچ کرنے سے رک گئے۔ اَلْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ کظم کہتے ہیں غصّہ کے ضبط کر جانے کو، تو یہ لوگ وہ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے، بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اُسے زیر کر لیتے ہیں، اور اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں فاقد من الغیظ ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس کی نہیں آئی ہے کہ غصّہ سرے سے آتا ہی نہ ہو، بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے، اور عقل جذبات کے اُوپر حاکم رہے۔ غصّہ پیدا ہوتا ہے حرارتِ طبعی یا حمیّت سے، اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں، مقصود اسے صرف حدود کے اندر رکھنا ہی، غصّہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں، نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً مُضر۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محلِ مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہُنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیثِ نبوی میں بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے لئے صرف ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ من کظم غضبا وھو یقدر علی انفاذہٖ ملأ اللہ قلبہ امنا و ایمانا۔ (قدرتِ نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصّہ کو روک لیجائے اللہ اس کا قلب امن و ایمان سے لبریز کر دے گا۔ اَلْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے قصوروں، اور خطاؤں کو معاف بھی کر دیتے ہیں، یہی نہیں کہ باوجود قدرت و استطاعت خطا وار سے انتقام نہیں لیتے، بلکہ اسے معاف بھی کر دیتے ہیں، یہ درجہ کاظمین الغیظ سے بلند تر ہے، وہ اگر محض ایک سلبی کیفیت تھی، تو یہ ایک ایجابی مرتبہ ہے۔ اَلْمُحْسِنِیْنَ۔ محسنین کا درجہ کاظمین و عافین دونوں سے بلند تر ہے۔ یعنی عفو سے بھی آگے بڑھ کر یہ اور حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں، اخلاقی تعلیم کے موقع پر قرآن نے اکثر تدریج کو پیش نظر رکھا ہے، اور اس کی بہترین مثال یہ آیت ہے۔ تینوں مقامات فضیلت کے ہیں لیکن یہ تیسرا مقام فاضل ترین ہے۔ محدث بیہقیؒ نے سیّدنا حضرت علیؓ بن حسینؓ سے متعلق روایت نقل کی ہے کہ آپ کو ایک جاریہ وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ پر گرا۔ غصّہ آنا امرِ طبعی تھا۔ جاریہ نے فوراً الفاظِ قرآنی الکاظمین الغیظ اپنی زبان سے ادا کئے۔ آپ کا غصّہ دُور ہو گیا، پھر جاریہ نے العافین عن الناس پڑھا، آپ نے فرمایا "مَیں نے معاف کر دیا" اب جاریہ کی زبان پر واللہ یحب المحسنین آیا، آپ نے فرمایا "جا مَیں نے تجھے آزاد کر دیا" (روح)۔ رسولِ اسلام کی زندگی تو خیر من و عن، قرآن کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی ہی۔ رسولؐ سے متعلق قُرب و قرابت رکھنے والے بھی کس درجہ نفوسِ قدسیہ کے مالک بن چکے تھے۔ ۲۶۹ (قاعدۂ شرعی کے مطابق) فَعَلُوْا فَاحِشَۃً۔ فاحشۃ کا اطلاق ہر گناہ کے لئے عام ہے، یہاں مُراد وہ بُرائی ہے جو کسی دُوسرے کے ساتھ کی جائے یعنی کسی حق عبد کی ادائی میں کوتاہی ہو جائے، الفاحشۃ مطلق علی کل معصیۃ (قرطبی) اصل الفحش مجاوزۃ الحد فی السّوء (روح) الفاحشۃ الذنب الذی فیہ ..... (بحر) اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یعنی حقوق اللہ کا اتلاف اگر اُن سے ہو جائے۔ ولعل الفاحشۃ ما یتعدی و ظلم النفس ما لیس کذٰلک (بیضاوی) ظلم النفس ما بین العبد و بین ربہ (بحر) ذَکَرُوا اللّٰہَ کا اشارہ اس طرف ہے کہ نافرمانیاں ان سے پورے قصد و تعمّد کے بعد خباثتِ نفس کی بنا پر سرزد نہیں ہوا کرتیں، بلکہ احکامِ الٰہی کا ذہول اُن کے ذہن سے وقتی طور پر ہو جاتا ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گاہ گاہ لغزشوں کا صادر ہوتے رہنا، قُرب و تعلق مع اللہ کے منافی نہیں۔ اصل اور مقدم شے ہر غلطی اور کوتاہی کی تلافی اور تدارک کی فکر اور اس کی مناسب تدبیر ہے۔ فَاسْتَغْفَرُوْا۔ استغفار صحیح و معتبر وہی ہے جو محض زبان سے نہیں دل کی حسرت و ندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ ہو کہ اب وہ گناہ دوبارہ نہیں ہونے پائیگا ورنہ اگر ہاتھ میں تسبیح چل رہی ہے اور دل بدستور گناہوں سے لذّت لے رہا ہے تو اکابر نے کہا ہے کہ یہ استغفار خود قابل استغفار ہے اور عجب نہیں کہ ایسے استغفار کا شمار استہزاء میں ہو جائے۔ الاستغفار المطلوب ھو الذی یحل عقد الاصرار و یثبت معناہ فی الجنان لا التلفظ باللسان (قرطبی) روی عن الحسن البصری انہ قال استغفارنا یحتاج الی استغفار (قرطبی) ھذا یقولہ فی زمانہ فکیف فی زماننا ھٰذا الذی یُری فیہ الانسان قائما علی الظلم حریصا علیہ لا یقلع والسبحۃ فی یدہ زاعما انہ یستغفر اللہ من ذنبہ ... واستخفاف (قرطبی)

۲۷۰ (یعنی اپنی کسی غلطی پر جان بوجھ کر ہرگز جمے نہیں رہتے) وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یہ تنبیہ ہے اس پر کہ گناہوں کی معافی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی نبی، ولی، فرشتہ وغیرہ کے ہاتھ میں نہیں اور اس میں خصوصیت کے ساتھ رد ہے اس مسیحی عقیدہ کا کہ گناہوں کی معافی مسیح بلکہ ان کے نائبوں کے اختیار میں ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل:۔ "جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے، میں تمہیں بھیجتا ہوں، اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور ان سے کہا کہ روح القدس کو لو، جن کے گناہ تم بخشو، ان کے بخشے گئے ہیں اور جن کے گناہ تم قائم رکھو، ان کے قائم رکھے گئے ہیں۔" (یوحنا۔ ۲۰: ۲۱، ۲۴-۲۲) یَعْلَمُوْنَ۔ ای یعلمون قبح فعلھم ... والمراد لم یصروا ... منین ...

کس قدر نازک موقع پر اعتماد علی اللہ سے کام لیا تو فضل الٰہی نے تمہیں کیسے حیرت انگیز طریقہ پر کامیاب کر دکھایا۔ ۲۵۵ (جو آسمان سے خاص اسی غرض کے لئے اتارے گئے ہوں) اِذۡ تَقُوۡلُ میں ذکر اس وقت کا ہے جب میدان بدر میں یہ خبر اُڑگئی تھی کہ غنیم کو زبردست کمک پہنچ گئی ہے، اور آپؐ مومنین کو تسلی دے رہے تھے۔ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ۔ تمہارے لئے کافی نہیں، یعنی کیا تمہاری تسکین و تسلی کے لئے یہ کافی نہیں۔ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ۔ امدادِ غیبی کے موقع پر صفت ربوبیت کا اظہار اور وہ بھی مخاطبین کی طرف اضافت کے ساتھ بہترین پیرایۂ بلاغت و اسلوب بیان ہے، آج کے ماہرین فن حرب پر بھی خوب روشن ہے کہ سپاہ کی ہمت قائم رکھنا ان کے **Morale** کا درست رکھنا جنگ میں کامیابی کا کتنا بڑا اور اہم عنصر ہے! ۲۵۶ (میدان جنگ میں اور اطاعت رسولؐ سے منہ نہ موڑو گے) غور کر کے دیکھ لیا جائے، سارا زور صبر و ثبات اور اطاعت رسول پر ہے۔ جنگِ اُحد سے قبل اُمّت کے سپہ دار اعظمؐ نے جو خطبہ اپنی سپاہ کے سامنے دیا تھا، اور جو حدیث کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے، اس میں یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ ہے کہ:۔ ”اگر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تمہی کو مظفر و منصور کرے گا۔ اپنے پروردگار پر اعتماد رکھو، ثابت قدم رہو، اور فتح تمہی کو نصیب ہوگی“۔ ۲۵۷ (اور اچانک حملہ کی حالت میں امداد ”بشری“ عادۃً ممتنع ہوتی ہے) يَاۡتُوۡكُمۡ کے فاعل وہی مخالفین و معاندین ہیں۔ ای المشرکون (روح) مِنۡ فَوۡرِهِمۡ۔ لفظۃ الفور تدل علی السرعۃ والعجلۃ (بحر) استعیر للسرعۃ (بیضاوی) ۲۵۸ مُسَوِّمِيۡنَ۔ یعنی کسی امتیازی علامت کے ساتھ ممتاز۔ ای مُعلّمین بعلامات (قرطبی) رہا یہ امر کہ واقعۂ نزول ملائکہ ہوا

لَكُمۡ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ

اور تمہیں اس سے دلجمعی حاصل ہو جائے، ورنہ نصرت تو بس زبردست اور

عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۙ﴿۱۲۶﴾ لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ

حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے ۲۵۹ (اور یہ نصرت اس غرض سے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيۡسَ

میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انہیں خوار کر دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس جائیں ۲۶۰ آپ کو

لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ

اس امر میں کوئی دخل نہیں، (اللہ) خواہ ان کی توبہ قبول کرے، خواہ انہیں عذاب دے

فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى

اِسلئے کہ وہ ظالم ہیں ۲۶۱ اور اللہ ہی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

الۡاَرۡضِ‌ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ

زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا ع ۱۳ ۹ ۴

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۶۲، اے ایمان والو سود کئی کئی حصہ

الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً‌ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ

بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح

تُفۡلِحُوۡنَ‌ ۚ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۚ﴿۱۳۱﴾

پا جاؤ، ۲۶۳ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۲۶۴

اور انہوں نے کافروں سے قتال کیا تو قرآن اس باب میں خاموش ہے، اور روایتوں میں قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ ”لم تتعرض الاٰیۃ الکریمۃ لنزول الملٰئکۃ ولا لقتالھم المشرکین وقتلھم بل ھو امر مسکوت عنہ فی الاٰیۃ (بحر) قال ابن عباس ومجاھد لم تقاتل الملائکۃ الا یوم بدر وقال بعضھم انما کانت الفائدۃ فی کثرۃ الملائکۃ انھم کانوا یدعون ویسبحون ویکثرون الذین یقاتلون یومئذ فعلٰی ھذا لم تقاتل الملائکۃ یوم بدر وانما حضروا للدعاء بالتثبیت والاول اکثر (قرطبی)۔ لا دلیل فیھا علٰی وقوع قتالھم ولا علٰی عدمہ لاحتمالھا الامرین بل قال بعض (روح) عامر شعبی کی روایت ہے کہ مسلمانوں کو خبر یہ پہنچی تھی کہ مشرکین کی مدد کے لئے کرز بن جابر محاربی آرہا ہے، اس ڈر کو مسلمانوں کے دل سے دُور کرنے اور انہیں ڈھارس بندھانے کے لئے ان سے کہا گیا کہ تمہاری کمک پر بھی تو فرشتوں کے جھنڈ موجود ہیں، لیکن اُدھر نہ کرز مع اپنی جماعت کے آیا اور نہ اِدھر فرشتوں کو قتال کی ضرورت پڑی۔ فبلغت الکرز الھزیمۃ فرجع ولم یمدھم بالخمسۃ (ابن جریر) فبلغ کرزا واصحابہ الھزیمۃ فلم یمدھم ولم تنزل الخمسۃ (ابن جریر) ۲۵۹ (نہ کہ فرشتوں، یا اور کسی مخلوق کی طرف سے) یہ گویا صاف طور پر بتا دیا کہ حقیقۃً متصرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے، فرشتے ہوں یا کوئی اور، کسی کا بھی ذریعۂ امداد ہونا سبب ظاہری کے درجہ سے زیادہ نہیں، ملائکہ پرستی، دیوتا پرستی کی جڑ یہیں سے کٹ جاتی ہے۔ ضمناً اس جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ اسلام کی کامیابی اور فتحمندی حقیقۃً تمامتر تائید غیبی کا نتیجہ ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ۔ میں ضمیر اسی وعدۂ امداد ملائکہ کی جانب ہے۔ الھاء للوعد والامداد (قرطبی) ای الامداد (روح) اِلَّا بُشۡرٰى لَكُمۡ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ۔ یعنی یہ تو فتح و نصرت کا صرف مقدمہ تھا۔ وَمَا النَّصۡرُ سے مُراد نصرت حقیقی و واقعی ہے۔ الۡعَزِيۡزِ۔ اس پر قادر کہ جب اور جیسے بلا اسباب ظاہر، بلکہ خلافِ اسباب ظاہر فتح دلا دے اور کامیاب کرا دے۔ الۡحَكِيۡمِ۔ عام فطرتِ بشری کی رعایت سے اسبابِ ظاہری کا جمع کر دینے والا۔ ۲۶۰ ذکر ابھی غزوۂ بدر کا چل رہا ہے۔ اور اشارات و تلمیحات اسی کی جانب ہیں۔ لِيَقۡطَعَ طَرَفًا۔ قطع یہاں ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔ اور ل کا تعلق نصرکم (آیت ماقبل) سے ہے۔ ونظم الاٰیۃ ولقد نصرکم اللہ ببدر لیقطع (قرطبی) ای لیھلک جماعۃ (راغب) لیھلک طائفۃ منھم (کشاف) لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا یعنی کافروں کو تمہارے ہاتھوں تباہ و ہلاک کرا دے جیسا کہ جنگِ بدر کے موقع پر ہوا، کہ قریش کے لیڈروں میں سے ستّر کی تعداد میں اس روز قتل ہوئے اور اسی قدر قید بھی۔ يَكۡبِتَهُمۡ۔ یعنی دنیا کی نظروں میں ذلیل و رسوا۔ ۲۶۱ (اور اس لئے فوری عذاب کے مستحق) روایتوں میں آتا ہے کہ آپؐ نے چند شدید اور موذی قسم کے کافروں کے حق میں بددُعا کی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ۔ یعنی انہیں قبولِ اسلام کی توفیق دیدے۔ اتنے ہی ٹکڑے سے ظاہر ہو گیا تھا کہ مکہ کے کافروں میں سے کچھ ضرور ایمان لے آئیں گے، چنانچہ لے آئے۔ يُعَذِّبَهُمۡ۔ یعنی اسی دنیا میں عذاب دیدے۔ ۲۶۲ (سو معاملۂ مغفرت و رحمت کرنے کے لئے اسے کسی خاص سبب کی ضرورت ہی نہیں) يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ۔ اور یہ مغفرت اس کے عام قانونِ رحمت کے مطابق ہوگی۔ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ۔ اور یہ عذاب اس کے خاص قانونِ حکمت کے ماتحت ہوگا، اللہ کی ملکیت آسمان و زمین پر حاشیے سورۂ بقر میں گزر چکے۔ ۲۶۳ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ تقویٰ اور فلاح میں یہ لزوم بتا کر گویا اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ فلاح و کامیابی یا دنیا میں عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا راز، احکام تقویٰ پر عمل کرنے میں ہے۔ لَعَلَّكُمۡ۔ لَعَلَّ کے لفظی معنی ”عجب نہیں“ کے ہیں۔ لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ لَعَلَّ جب وعدۂ الٰہی کے بیان میں آتا ہے تو اس کے مفہوم میں بجائے شک و تردد کے یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ترجمہ ”تاکہ“ سے صحیح ہوتا ہے۔ قال اھل التفسیر ان لَعَلَّ وعسٰی من اللہ للتحقیق (مدارک) لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰوا۔ یعنی سُودی کاروبار، لین دین کو بالکل حرام سمجھو، حُرمتِ سود پر حاشیے پارۂ سوم میں ختم سورۂ بقر کے قریب گزر چکے۔ اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ سُود کم بخت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔ آیت میں سود کے اسی دو گنے چوگنے ہو جانے والے وصف کی طرف اشارہ ہے، یہ مُراد نہیں کہ سُود مرکب نہ لو اور سُود مفرد لے سکتے ہو۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت سے فرقۂ مرجئہ کا رد نکل رہا ہے، جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی معصیت کفر نہیں، اور نہ مومن کے لئے کسی حال میں دوزخ کا عذاب ہے، فیہ ردّ علی المرجئۃ فی قولھم لا یضر مع الایمان ذنب ولا یعذب بالنار اصلاً (مدارک) ۲۶۴ یعنی وہ جہنم کی آگ اصلاً ہے کافروں ہی کیلئے، کہیں تم کافروں کے سے اعمال کر کر کے اپنے کو اُن کی لپیٹ میں نہ لے آنا۔ اکثر ائمۂ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کیلئے ہے، جو سُود خواری کو عقیدۃً حلال سمجھتے تھے اور اس لئے حدودِ کفر میں داخل تھے۔ قال کثیر من المفسرین ھذا الوعید لمن استحل الربوا ومن استحل الربوا فانہ یکفر (قرطبی) وقال ابن عباس ھذا تھدید للمومنین لئلا یستحلوا الربوا (بحر) وقال الزجاج والمعنی اتقوا ان تحلوا ما حرم اللہ فتکفروا (بحر) امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی بہت ہی زیادہ ڈرانے والی آیت ہے، کہ اس میں دوزخ سے جو حقیقۃً کفر کی سزا ہے، ان لوگوں کو بھی ڈرایا گیا ہے، جو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے۔ کان ابو حنیفۃ یقول ھی اخوف اٰیۃ فی القراٰن حیث اوعد اللہ المؤمنین بالنار المعدۃ للکافرین ان لم یتقوہ فی اجتناب محارمہ (مدارک)

الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾

مسلمانوں کو قتال کیلئے مناسب مقامات پر لے جاتے ہوئے ۲۴۹ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۲۵۰

إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ

جب تم سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں ۲۵۱ درآنحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا ۲۵۲

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ

اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیئے ۲۵۳ اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی

اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

بدر میں حالانکہ تم پست تھے، تو اللہ سے ڈرتے رہو، عجب کیا کہ شکر گزار بن

تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ

جاؤ ۲۵۴ (وہ وقت یاد کیجیئے) جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں

أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے

مُنْزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ

کرے ۲۵۵ کیوں نہیں، بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا ۲۵۶ اور اگر وہ تم پر فوراً

فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ

آپڑیں گے ۲۵۷ تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے

الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ

کرے گا ۲۵۸ اور یہ تو اللہ نے اس لئے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ

ربع

۲۴۹ (دامن جبل اُحد کی طرف) اب ذکر جنگِ اُحد کا شروع ہو رہا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ بدر میں شکست کھائے ہوئے مشرکین کہ جوشِ انتقام سے دیوانہ ہو رہے تھے۔ ہجرت کا تیسرا سال قریب ختم کے تھا۔ اور واقعۂ بدر پر ایک سال گزر چکا تھا، کہ مکہ والوں کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اب کی تیاریاں بڑے انتظام و اہتمام کے ساتھ اور بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی تھیں۔ قریش کی جمعیت ۳ ہزار کی تھی ان میں ۷۰۰ جوان زرہ پوش تھے، ۲۰۰ سوار اور باقی شتر سوار تھے، قوم اور قبیلہ کے بڑے بڑے سردار سب ساتھ ہوئے، بڑی بات یہ کہ عورتیں بھی شریکِ جنگ ہوئیں۔ ہاتھوں میں باجے لئے ہوئے پُرجوش نظمیں پڑھتی جاتی تھیں اور مقتولین بدر کے انتقام پر اپنے عزیزوں، قریبوں کو خوب اُبھارتی جاتی تھیں، —— جنگ میں عورتوں کی شرکت آج بیسویں صدی کی "جدت" نہیں۔ جاہلی مشرک قوموں کا پرانا شعار ہے۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ رسول اللہ (صلعم) کی سواریٔ مبارک فوج بھر میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔ اس سے بڑھ کر ستم یہ ہوا کہ صبح سویرے عین اس وقت جب غنیم سامنے نظر آیا اور مسلمان اپنے مقدس امیرالجیش کے ساتھ ابھی نماز ہی میں مشغول تھے، عبداللہ بن اُبی مدینہ کا پرانا اور ذی اثر لیڈر یہ عذر کر کے کہ جب ہماری رائے نہیں سنی جاتی اور شہر کے اندر ہی محصور ہو کر نہیں لڑا جاتا تو ہم بیکار اپنی جانیں دوسروں کے کہنے پر کیوں دیں اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کو لے شہر کو دبس چلا گیا۔ لشکر اسلام کی کل جمعیت ۷۰۰ کی رہ گئی۔ ان میں بھی زرہ پوش کل ۱۰۰۔ مقابل فوج تعداد میں چوگنی سے زائد۔ اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی کہیں زیادہ آراستہ! وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ میں مِن عند کے معنی میں ہے اور آنحضرت اس وقت حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ کان الخروج من حجرة عائشة (روح) یعنی خرجت بالصباح من منزلك من عند عائشة (قرطبی) مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۔ ترتیب صفوف اور مورچوں کی تناسب موضعیت کی اہمیت جس طرح سکندر و دارا کے زمانہ میں تھی، جدید فنِ حرب میں بھی بالکل مسلّم۔ اور ملٹری سائنس کی کتابوں میں "پوزیشن" Position کی اہمیت کی تشریح میں صفحہ کے صفحہ وقف رہتے ہیں، اُمّت کا رہبر کامل، مقدس نبی ہونے کے علاوہ سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے بھی بے نظیر تھا۔ Tom Andre نامی بیسویں صدی کا ایک مسیحی مؤرخ عرب ہے، وہ اپنی سوانح محمدؐ میں آپؐ کے اس کمال خصوصی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے "برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے۔ . . . محمدؐ نے کہنا چاہیئے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی۔ مکہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دھند جیوٹ کے مقابلہ میں محمدؐ نے خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و انضباط سے کام لیا۔" (ص ۲۰۳) (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مولانا شبلی مرحوم نے الفاظ کے ذریعہ سے گویا پورا معرکۂ اُحد کا کھینچ دیا ہے:۔ "آنحضرت صلعم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، مُصعب بن عُمیر کو عَلَم عنایت کیا، زُبیر بن عوام رسالہ کے افسر مقرر ہوئے حضرت حمزہؓ کو اس حصۂ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں، اس لئے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا۔ اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے، تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں، عبداللہ بن جبیر ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے، قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی، میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا، جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیر اندازوں کے دستے الگ تھے، جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا، اور سَو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۷۲ طبع اوّل) ۲۵۰ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ سمع و علم کی صفات کو یاد دلا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس وقت مخالفین و موافقین جو کچھ اپنی اپنی جگہ پر کہہ سُن رہے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکا، اور اس موقع پر مخالفین و موافقین دونوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، اس میں سے کوئی شئی اس سے مخفی نہ رہی۔ ۲۵۱ (اور جنگ سے الگ ہو بیٹھیں۔ لیکن اس ارادہ پر عمل نہیں کرنے پائیں) هَمَّتْ۔ هَمّ کے معنی عربی میں پختہ قصد و عزم کے بھی ہیں اور محض خفیف سے خیال اور شائبۂ قصد کے بھی، یہاں مراد یہی آخری معنی ہیں الهم قد يراد به العزم وقد يراد به الفكر وقد يراد به حديث النفس (کبیر) والظاهر ان هذا الهم لم يكن عن عزم بل كان مجرد حديث نفس ووسوسة (روح) طَائِفَتَانِ ان دو جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں۔ الطائفتان بنو سلمة من الخزرج وبنو حارثة من الاوس (ابن ہشام) ان دونوں دستوں نے عبداللہ بن اُبی کی مثال دیکھ آن کی آن کمزوری اور بدہمتی محسوس کی لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی، اور وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ اور یہ خیال بھی جو انہیں پیدا ہوا، اپنی قلتِ تعداد، قلتِ سامان، غرض ضعفِ مادی کی بنا پر پیدا ہوا نہ کہ ضعفِ ایمان سے۔ انما كان ذلك منهما من ضعف او وهن اصابهما من غير شك في دينهما (ابن ہشام) انیسویں صدی عیسوی کا انگریز باسورتھ اسمتھ ابتدائی غزواتِ اسلام سے متعلق جو عموماً تاریخی استناد رکھتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ مظاہرے اخلاص و ایثار و شجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں (محمد اینڈ محمڈنزم ص ۲۰۷) ۲۵۲ (چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے دستگیری کی اور اپنا فضل قائم رکھا) آیت ان دونوں ٹکڑیوں پر اظہارِ عتاب کے لئے نہیں، اظہارِ عنایت خاص و التفات کے لئے ہے۔" حافظهما وولاهما عن ذلك (ابن عباسؓ) ۲۵۳ (اور چاہیئے کہ آئندہ یاس و بدہمتی کے جذبات کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں) توکل طریقت کے اعلیٰ صفات میں سے ہے اور محققین صُوفیہ نے اس کی حقیقت پر مفصّل بحثیں کی ہیں۔ ۲۵۴ (یعنی تقویٰ کی عادت تمہیں شکر گزار بنا دے گی) بَدْرٍ۔ مدینہ کے جنوب و مغرب میں کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔ اس وقت اسے اہمیت اس لئے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا قابلِ ذکر تصادم بروز جمعہ، ۲ رمضان ۲ ہجری (۱۱۔ مارچ ۶۲۴ء) کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے گویا اسلام کی اور اس طرح بالواسطہ ساری دنیا کی تاریخ کا رُخ ہی پلٹ دیا تھا۔ فرنگی مؤرخین بھی اس کی اہمیت کے پوری طرح قائل ہیں۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "فتوحاتِ اسلامی کے سلسلہ میں جنگِ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔" (جلد ۸ ص ۱۲۲) اور امریکی پروفیسر ہٹی Hitti کی "ہسٹری آف دی عربس" میں ہے:۔ "یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مُبین تھی" (ص ۱۱۷) وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ۔ یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ مُسلمان تعداد میں کل ۳۱۳ تھے، اس "فوج" کے ہمراہ گھوڑے صرف دو تھے اور اونٹ ۷۰ کی تعداد میں، اُنہی پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ ای بقلة العدد والسلاح (جلالین) معناها قليلون في حالة قلة وذلة (بحر) یعنی ما كانوا عليه من الضعف وقلة السلاح والمال والمركوب (بحر) فَاتَّقُوا اللَّهَ۔ یعنی جیسا کہ ابھی واقعۂ بدر کی مثال میں تم نے دیکھ لیا۔ تم نے اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کر دیا، تو ادھر سے فضلِ باری اور نصرتِ الٰہی نے بھی کیسی دستگیری کی۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ۔ خطاب مومنین سے ہے، انہیں مستقبل میں ثابت قدم رکھنے کے لئے ماضی قریب سے نظیر لائی جا رہی ہے، کہ دیکھو ابھی پچھلے ہی سال تم نے

۲۴۲ یعنی ان کی مخفی عداوت کا درجہ تو اس سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہے۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ نقرہ کافرانہ ذہنیت کا پورا ترجمان ہے۔ اس کے اندر گہری تعلیم یہ
بات کی آگئی کہ کوئی غیر مسلم کسی حال میں مسلموں کا حقیقی دوست اور ہوا خواہ ہو نہیں سکتا۔ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ شدتِ عداوت میں غیر اختیاری طور پر زبان تک
بھی ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ اشارہ زیادہ تر یہودِ مدینہ کی جانب ہے۔ یہ لوگ اب اپنا بُغضِ اسلام مسلمانوں سے چھپا بھی نہیں رکھ سکتے تھے اور بے اختیار ان کی
زبانوں سے ظاہر ہو ہی جاتا تھا۔ ۲۴۳ آیت کے معنی دو طرح پر کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کافروں کے بغض وعداوت کے آثار و علامات تم پر روشن ہو گئے ہیں، جن سے تم انہیں

تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ
اُن کے دل چھپائے ہوئے ہیں، وہ اور بھی بڑھ کر ہے ۲۴۲ ہم تو تمہارے لئے نشانیاں کھول کر ظاہر کر چکے
كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۱۱۸ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ
ہیں ۲۴۳ اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو، تم تو ایسے ہو کر اُن سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا محبت
وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ
نہیں رکھتے، تم کتاب (آسمانی) پر انکے کُل کے کُل پر ایمان رکھتے ہو ۲۴۴ اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم
وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ
ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر (شدتِ) غیظ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں ۲۴۵ آپ
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
کہہ دیجئے کہ تم غیظ میں مر رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا
الصُّدُوْرِ ۱۱۹ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَاِنْ
ہے ۲۴۶ اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجاتی ہے تو یہ ان لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر تم پر
تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
کوئی بُری حالت آپڑتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں ۲۴۷ اور اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کئے رہو تو
لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی، بیشک اللہ ان کے اعمال پر (پورا) احاطہ
مُحِيْطٌ ۱۲۰ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ ع ۱۲ ۱۱ ۴
رکھتا ہے، ۲۴۸ اور وہ وقت یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر والوں (کے پاس) سے نکلے

منزل ۱

فوراً پہچان سکتے ہو۔ ثم بين الله تعالٰی ان اظهار هذه الاسرار للمومنين من...... عليهم اكبر۔ دُوسرے معنی یہ کہ تمہارے لئے اُن سے ترکِ موالات کی آیتیں کھول کر بیان کی جا چکی ہیں۔ ای اظهرنا لكم الآيات الدالة على النهي عن موالاة اعداء الله تعالٰی و رسوله (روح) الدالة على موالاة المومنين ومعاداة الكافرين (بیضاوی) ۲۴۴ یعنی ساری کتبِ الٰہی پر۔ الکتٰب بطور اسمِ جنس استعمال ہوا ہے۔ و الكتاب اسم جنس قاله ابن عباس (قرطبی) بجنس الكتاب كله (بیضاوی) تُحِبُّوْنَهُمْ یہ مسلمانوں کی سادہ دلی اور نیک طبعی کا ذکر ہے۔ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ۔ یہ محبت تو تم سے کیا رکھتے۔ اُلٹے عداوت رکھتے ہیں، اور تمہاری کتاب الٰہی کے منکر ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو اُن کی کتابوں تک پر ایمان رکھتے ہو، اور وہ پھر بھی تم سے کسی درجہ میں بھی علاقۂ محبت نہیں رکھتے۔ ۲۴۵ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔ غُصّہ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھانا عربی محاورہ میں کنایہ شدید جھنجھلاہٹ سے ہے۔ جیسے اُردو محاورہ میں اپنی بوٹیاں نوچنا، "بوٹیاں چبانا" "دانت پیسنا" وغیرہ۔ ذکر منافقین مدینہ کا ہے یعنی المنافقين (قرطبی) ۲۴۶ (چنانچہ اس نے تمہارے دلوں کے اندر کے کینہ اور عداوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے) مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ یعنی شدت ناکامی و نامرادی میں مر رہو، اس لئے کہ جو تمہاری تمنا ہے یعنی اسلام کی مغلوبیت، ہزیمت وہ پوری ہونے کی نہیں۔ ۲۴۷ منافقوں کی خباثت نفس اور کینہ پروری کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور اُن کی خوشی اور خوشحالی سے رنجیدہ۔ حَسَنَةٌ مسلمانوں کی اندرونی تنظیم یا کافروں پر اُن کی فتح و غلبہ۔ سَيِّئَةٌ۔ مثلاً کوئی ہنگامی شکست۔ ۲۴۸ (اللہ اُن کی سزا پر ہر طرح قادر ہے) وَاِنْ تَصْبِرُوْا۔ منافقین کے کید و مکر اور شدید مخالفین کے عناد و مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا کتنا آسان اور سہل الحصول نسخہ یہاں مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو، اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ استقامت علی الحق کا دامن ہاتھ سے نہ دو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا۔ صبر و تقویٰ، ان دو مختصر سے عنوانات کے اندر ساری تنظیمی جدوجہد و مشغولیت کس ایجاز و جامعیت کے ساتھ آگئی۔ آیت میں اس کی تعلیم بھی آگئی کہ دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے بہترین حربہ صبر و تقویٰ کا ہے۔ هذا تعليم من الله و ارشاد الى ان يستعان على كيد العدو بالصبر والتقوى (مدارک)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ۲۳۸ بیشک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ
ہرگز ان کے ذرا بھی کام اللہ کے مقابلہ میں نہ اُن کے مال آئیں گے نہ اُن کی اولاد

اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا
یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ
رہیں گے ۲۳۹ یہ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں

الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا
اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک ہوا ہے جس میں سخت سردی ہے (اور) وہ ایسے لوگوں

اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ
کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ پھر وہ (ہوا) اس (کھیتی) کو برباد کردے تو

اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۲۴۰، اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو گہرا دوست

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا
نہ بناؤ ۲۴۱ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں، کوئی بات اُٹھا نہیں رکھتے اور تمہارے دکھ پہنچنے

عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا
کی آرزو رکھتے ہیں، بغض تو اُن کے مونہوں سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جو کچھ

۲۳۸ (اور چونکہ یہ پرہیزگار ہیں، اس لئے انہیں بھی خوب جانتا ہے)، یہ خیال نہ گزرے کہ کوئی مستحق اللہ تعالیٰ کے علم میں آجانے سے رہ جائے گا۔ غیر قوموں کے عقائد کی تردید کے لئے اس جزء کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ۔ یعنی کہیں نہ سمجھ لینا کہ جب ماضی خراب رہ چکا ہے تو اب نجات ومغفرت کی امید ہی کیا اور اب ایمان وحسن عمل سے حاصل کیا؟ غیر مذہب والوں نے ایسے ہی عقائد گڑھ رکھے تھے۔ اس لئے تنبیہ ضروری تھی۔ يُكْفَرُوْهُ میں ضمیر عمل خیر کے اجر وثواب کی جانب ہے۔ ای لن تجحد واثوابہ (قرطبی) ای لن تمنعوا ثوابہ وجزاءہ (کبیر)

۲۳۹ اُولٰۗىِٕكَ سے مراد ایمان سے محروم کفار ہیں۔ اور چونکہ اس لفظ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اہل سنت نے اس آیت سے معتزلہ کے خلاف استدلال کرکے کہا کہ خلود نار کی سزا صرف کافروں کے لئے ہے، گنہگار مومنین کے لئے نہیں ولما افادت ھٰذہ الکلمۃ معنی الحصر ثبت ان الخلود فی النار لیس الا للکافر (کبیر) لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ مال کو بہ طور کفارہ یا توبہ پیش کرکے نجات حاصل کرلی جائے۔ یہود کے جو غلط سلط عقیدے اس باب میں ہو چکے تھے، ان کا ذکر پارۂ اوّل کے حاشیوں میں آچکا ہے۔ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ۔ ہندوؤں اور چینیوں میں یہ گمرہی خاص طور پر بڑھی ہوئی ہے۔ اولاد نرینہ کی اہمیت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ لڑکا ہی مرے ہوئے باپ کو پانی دے دے کر عذاب سے چھڑا لیتا ہے۔ منوجی کا یہ قول کتابوں میں نظر سے گزرا ہے کہ بیٹے کو سنسکرت میں "پُتر" کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ باپ کو "پت" (دوزخ) سے چھڑا لاتا ہے۔

۲۴۰ آسان اور عام فہم مثال میں اُن لوگوں کے مال کے ضائع جانے کو بیان کیا ہے جو ایمان سے محرومی کی حالت میں اس دنیا کے حصول کے لئے، ریا ونا موری کے لئے اپنی دولت خرچ کرتے رہتے ہیں۔ كَمَثَلِ مثال ضائع جانے اور عبث ہونے میں ہے۔ صِرٌّ۔ سخت ٹھنڈی چیز کو کہتے ہیں جیسے پالا یا برف۔ قال ابن عباس الصر البرد الشدید (قرطبی) قال اکثر المفسرین واھل اللغۃ الصر البرد الشدید۔ قال ابن درید (کبیر) ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان پر ظلم کیا یعنی کفر اور بے دینی کر کرکے۔ مَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ۔ اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کے صرف مال کو خواہ مخواہ لاحاصل اور ضائع کردیا۔ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ وہ خود ہی تو اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ مال کو بے محل اور خلاف اذن الٰہی خرچ کر رہے ہیں۔

۲۴۱ (ایسا کہ اس سے اپنے ذاتی اور ملی راز کہہ ڈالو) مِنْ دُوْنِكُمْ۔ یعنی بجز اپنی ملت والوں کے۔ بِطَانَةً۔ کہتے ہیں رازدار دوست کو۔ ای مختصا بکم یستبطن امورکم (راغب) بطانۃ الرجل خاصتہ الذین یستنبطون امرہ (قرطبی) قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت کسی مسلم کو یا اسلامی اسٹیٹ کی رعایا کو نہیں کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کو ضرر کے اندیشہ اور خطرے کھلے ہوئے ہیں، اور اس صریحی، معقول، مناسب اور ضروری انتظام کا نام بعض عقل کے دشمنوں نے "تنگ نظری" رکھا ہے ـــــــ سبحان اللہ! امراض وبائی میں پرہیز و احتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ "اصول حفظان صحت" رکھا جائے، اور جو انتظام کفر وطغیان یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کے لئے کیا جائے اس کا نام "تنگ نظری" پڑ جائے۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ فقہاء مدینہ بلکہ فقہاء حجاز نے عموماً آیت سے استنباط کیا ہے کہ دشمن کی شہادت دشمن کے حق میں معتبر نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں جائز ہے۔ وفی ھٰذہ الآیۃ دلیل علی ان شھادۃ العدو علی عدوہ لا تجوز وبذلک قال اھل المدینۃ واھل الحجاز وروی عن ابی حنیفۃ جواز ذٰلک (قرطبی) افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع ہی سے برتنی شروع کردی اور ابھی رسول اللہ صلعم کے زمانہ کو چند صدیاں بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا، امام قرطبیؒ کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ حسرت، قلق اور درد کے لہجہ میں لکھتے ہیں۔ وقد انقلبت الاحوال فی ھٰذہ الازمان باتخاذ اھل الکتاب کتبۃ وامنا وتسودوا بذلک عند الجھلۃ الاغنیاء من الولاۃ والامراء۔ یہ حال جب اُس زمانہ کا تھا تو آج چودھویں صدی ہجری میں جبکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کافروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے صورت حال پر اظہار خیال کن لفظوں میں کیا جائے! فقہاء مفسرین نے آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ کافروں سے تشبہ تک جب جائز نہیں تو اُن کے ساتھ مصاحبت تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ لاخلاف بین علماءنا ان المراد بہ النھی عن مصاحبۃ الکفار من اھل الکتاب حتی نھی عن التشبہ بھم (ابن عربی)

۲۳۳ بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی و ذلّت پر حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے ذیل میں مفصّل گزر چکے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔ یعنی ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی عزّتوں
سب کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا۔ ابھی دو ہی چار سال اُدھر یہود کی جو گت جرمنی میں، ہنگری میں، اٹلی میں، زیکوسلاویکا میں اور
دُوسرے ملکوں میں باوجود ان کی اس خوش حالی و امارت کے بن چکی ہے وہ آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے ان کی ایسی آبادی مُراد ہو سکتی ہے جسے خود شریعتِ الٰہی
نے قتل، ہلاکت اور تعزیری و انتقامی کارروائیوں سے مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً ان کے بچے، ان کی عورتیں، ان کے گوشہ نشین زاہد، درویش وغیرہ۔ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے مُراد ان کی وہ
جماعتیں ہو سکتی ہیں جو معاہدوں کے ذریعہ سے امن حاصل کر لیتی ہیں۔ حبل کے معنی پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔ مراد عہد و ذمّہ سے ہے۔ الحبل العھد والذمۃ والامان (لسان) وحبل

مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے
اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا
ہیں ۲۳۳ اور ان پر پستی لپس دی گئی یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ وہ
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ
اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جاتے تھے اور نبیوں کو بلا وجہ قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ (سب)
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ
اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے نکل نکل جاتے تھے ۲۳۴ سب یکساں نہیں ۲۳۵ (انہی)
مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ
اہلِ کتاب میں ایک جماعت قائم ہے، یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقاتِ شب میں
اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں ۲۳۶ یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ
روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ
ہیں ۲۳۷ اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کیے جائیں گے،

میں و عطف کے لئے نہیں بلکہ او کے معنی میں ہے۔
۲۳۴ یعنی حدود عبدیت و طاعت سے۔ یہود کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کی داستان سے عہد عتیق، عہد جدید اور خود یہود کی لکھی ہوئی تاریخیں سب بھری پڑی ہیں۔ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ دونوں موقعوں پر فعل کے ساتھ كَانُوْا لانے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کوئی استثنائی یا اتفاقی واقعہ ان کی زندگی میں نہ تھا، بلکہ کفر و عدوان ان کی قومی خصلت بن گئے تھے، انکی سرشت کے جزو بن گئے تھے۔ وہ ان چیزوں کے عادی بن گئے تھے۔ عَصَوْا۔ نافرمانی ان لوگوں نے اپنے رسُولوں ہی کی نہیں کی بلکہ آخر میں خاتم رسُل کی بھی کی بِغَيْرِ حَقٍّ یعنی انبیاء کو خود اپنے معیار عدل و قانون کے بھی خلاف ہی قتل کرتے تھے۔ مسکنۃ، قتل انبیاء، کفر بآیات اللہ وغیرہ پر مفصّل حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے ذیل میں گزر چکے
۲۳۵ (اپنی حق ناشناسی اور اسلام سے متعلق اپنے طرزِ عمل کے لحاظ سے) لیس اھل الکتاب مستویًا (بحر) والضمیر لاھل الکتاب (بیضاوی) اُوپر جو کچھ ذکر ہوا۔ اہل کتاب کی یہ اکثریت کا تھا، باقی ان میں سے بعض بعض حق شناس، انصاف دوست بھی تھے اور وہ بالآخر مشرف بہ اسلام ہو کر رہے۔
۲۳۶ یعنی نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ والمراد ھم یصلون (روح) یصلون عن الفراء والزجاج (قرطبی) نمازِ شب کے فضائل آیت سے ظاہر ہیں۔ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ یہ وہ جماعت تھی جو دینِ حق پر قائم و ثابت رہی۔ ای المستقیمۃ العادلۃ (بیضاوی) انھا ثابتۃ علی التمسک بالدین الحق ملازمۃ لہ (کبیر)
اٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی قرآن کی آیات۔ والمراد یقرءون القراٰن (روح) مفسّرین نے یہاں عبداللہؓ بن سلام، ثعلبہؓ بن سعید اسیدؓ بن سعیہ اسدؓ بن عبید وغیرہم کے نام درج کئے ہیں جو یہودیت
سے ایمان لائے تھے ۲۳۷ قرآن مجید جنہیں صالح قرار دیتا ہے۔ ان کے اوصاف و خصوصیات یہاں کس جامعیت و ایجاز کے ساتھ ارشاد کر دیئے گئے ہیں پہلی بات یہ بتائی کہ وہ
ایمان میں کامل ہوں گے، جو کچھ بھی خرچ کریں گے مقصد صحیح کے ساتھ اور راہِ حق میں کریں گے، دُوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ لوگ نہ صرف خود ہی ایجابی و سلبی ہر حیثیت سے اخلاق
اور پاکیزہ کرداری کے پُتلے ہوں گے بلکہ دُوسروں کو بھی اسی راہ پر لائیں گے اور لگائیں گے اور نیکیوں کی طرف دلی شوق و رغبت کے ساتھ بڑھیں گے۔ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یعنی نیکیوں
کی طرف بے دلی اور بدشوقی کے ساتھ گویا ہار اور تھک کر نہیں، بلکہ بڑے شوق و اشتیاق، چاؤ اور رغبت کے ساتھ لپکیں گے۔ المسارعۃ فی الخیر ناشئۃ عن فرط الرغبۃ (بحر) مِنَ الصّٰلِحِيْنَ
کے معنی مع الصالحین کے بھی کئے گئے ہیں (قرطبی)

۲۲۴ داس لئے اس کے فیصلے ہمیشہ عادلانہ اور حکیمانہ ہوتے ہیں) اسلام کا خدا تمامتر رحیم ہے۔ عادل ہے۔ شفیق ہے۔ مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم و خونخوار نہیں ہے۔ قرآن مجید کو بار بار خداوند تعالیٰ کی تنزیہ کا اثبات ان صفات ذمیمہ سے کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ اور تو اور توریت تک کے خدا میں صفات قہری کہیں زیادہ زور و قوت کے ساتھ جلوہ گر نظر آرہے ہیں۔ بِالۡحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح۔ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ای بالصدق (قرطبی) ۲۲۵ (اور کوئی دیوی دیوتا نہ اس مرجعیت امور میں اس کا شریک و سہیم ہے نہ آسمان و زمین کے کسی جزو کی مِلک و تصرف میں) جاہلی قوموں کی ان گمراہیوں کا ذکر پچھلے حاشیوں میں بار بار آچکا ہے۔ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ میں تاکید اس امر کی ہے کہ آخری فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ناطق ہوگا، کسی کو بھی اس میں دخل دینے کی مجال نہیں ۲۲۶ یعنی تم تو اس لئے بنائے گئے ہو کہ لوگ تمہارے نقشِ قدم پر چلیں۔ تم ساری دنیا کے لئے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہو۔ خطاب اُمّتِ محمدیؐ اور ملّتِ اسلامی سے ہے۔ کُنۡتُمۡ۔ کان یہاں یا تو زائد ہے یا تامہ استعمال ہوا ہے اور اگر ناقصہ ہے جب بھی مُراد دوام نسبت ہے۔ قیل ھو کان التامۃ المعنی

هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ (۱۰۷) تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ

اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے — یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انہیں تم کو ٹھیک ٹھیک

بِالۡحَـقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (۱۰۸) وَلِلّٰهِ مَا

پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا ۲۲۴ اور اللہ ہی کی

ع ۱۱ ۸ ۲

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ (۱۰۹)

مِلک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف (سارے) اُمور لوٹائے جائینگے ۲۲۵

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے ۲۲۶ تم بھلائی کا حکم دیتے

بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ؕ

ہو اور بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۲۲۷

وَلَوۡ اٰمَنَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ لَڪَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ مِنۡهُمُ

اور اہلِ کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں کہیں بہتر ہوتا ۲۲۸ اُن میں سے

الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ (۱۱۰) لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ

(کچھ تو) ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے نافرمان ہیں ۲۲۹ وہ تم کو بجز خفیف اذیت کے

اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ يُوَلُّوۡكُمُ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا

ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے ۲۳۰ اور اگر وہ تم سے مقابلہ کرینگے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائینگے ۲۳۱ پھر

يُنۡصَرُوۡنَ (۱۱۱) ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ

ان کی مدد بھی نہ کی جائیگی ۲۳۲ اُن پر پس دیگئی ہے ذلت خواہ کہیں بھی وہ پائے جائیں سوا اسکے کہ اللہ کی طرف کے

خلقتم و وجدتم خیر امۃ وقیل کان زائدۃ المعنی انتم خیر امۃ (قرطبی) لا یراد ھھنا الدلالۃ علی معنی الزائد وانقطاع النسبۃ بل المراد دوام النسبۃ (بحر) ۲۲۷ (پورا پورا جیسا کہ حق ہے ایمان باللہ کا) آیت کے اس جزو میں اُمّتِ اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل و مکمل ہونے کا پورا فوٹو آگیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمّہ داری پوری طرح محسوس کرو تم توحید کے امانت دار ہو، زمین پر اللہ کے نائب و خلیفہ ہو۔ بہ طور اس کی پولیس کے ہو۔ الٰہی قانون کے نفاذ و تحفّظ کے لئے، دنیا کے نظامِ عدل کو برقرار رکھنے کیلئے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کو چلاؤ، نظامِ حق کے ایک ایک کل پُرزہ کو درست رکھو اور نظامِ باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔ ظلم ہوتا اگر اس ذمّہ دار فعّال (اگزیکٹو) جماعت کو جدال و قتال کی آزادی نہ ملتی! بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجرا حدود و تعزیرات اس قوم پر ذمّہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیرنے کا دیا جارہا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دیدیں تو وہ ملک کے محسن۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو اُن کا شکریہ واجب۔ لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانونِ الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امنِ عالم کو غارت کرکے رکھ دینے والوں کی داروگیر کریں تو "روشن خیالی" کے جبینِ تحمل پر شکن آجائے اور "تہذیب" کا پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے۔ تَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ۔ منکر کے تحت میں آج کے شراب خانہ اور تھیٹر، سینما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج، اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آجاتے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہے کہ اس اُمّت کی خیریت و افضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے۔ یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی و سلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں) پر قائم ہے ۲۲۸ (حالاً بھی اور مآلاً بھی۔ فی الفور بھی اور بہ لحاظ انجام کار بھی) یہ ایمان لے آنا تو ان اہلِ کتاب کا فرض ہی تھا اور عملی مثال مسلمانوں کی دیکھ بھی رہے تھے ۲۲۹ فَاسِقٌ یہاں کافر کے معنی میں ہے۔ یعنی حدِ عبودیت سے باہر نکل جانے والے۔ کامل فی فسقہ متمرد فی کفرہ (بحر) عبر عن الکفر بالفسق (روح) ای الکافرون (معالم) الضلالۃ الکفر الفسق العصیان (ابن کثیر) مِنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ اس گروہ میں عبداللہ بن سلام یہودی کی طرح دُوسرے اہلِ کتاب بھی داخل ہیں جو رسُول اللہ صلعم کے زمانہ ہی میں ایمان لے آئے تھے ۲۳۰ اشارہ ہے یہُود کی طرف۔ جن کا خاص مدینہ اور حوالی مدینہ میں بڑا زور و غلبہ تھا۔ آپ نے وقوع سے بہت قبل پیشگوئی کردی کہ یہُود اپنے بڑے مضبوط قلعوں کے باوجُود، بڑے بڑے خزانوں کے مالک ہونے کے باوجود مسلمان کو ہرگز کوئی قابلِ ذکر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اَذًى ضرر کے مقابلہ میں بہت ہلکی اور چھوٹی چیز ہے۔ ای ضررًا یسیرًا کطعن و تھدید (بیضاوی) الاذی بمعنی الضرر الیسیر (روح) ۲۳۱ یعنی اگر وہ اتنی ہمت کر ہی جائیں کہ تم سے مقابلہ و مقاتلہ کو آئیں تو ہرگز غلبہ نہ پاسکیں گے بلکہ اُلٹی شکست کھا کر بھاگیں گے۔ یہ ایک پیشگوئی نہیں۔ مجموعہ ہے کئی پیشگوئیوں کا۔ اور سب کی سب ظاہری قرائن و قیاسات کے خلاف پُوری طرح پیشگوئیاں صحیح نکلیں۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع، یہُودِ خیبر سب کے باب میں اس جزم کے ساتھ بجز خدائے علیم و خبیر کے اور کون جرأت بھی ایسی پیشگوئیوں کی کرسکتا تھا ۲۳۲ ایک اور پیشگوئی۔ وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ خود مظفر و منصور ہونا الگ رہا، عرب کے جن مُشرک قبیلوں کی حمایت کا غرّہ ان یہُود کو ہے۔ اُن میں سے کوئی ان کی مدد کو بھی تو نہ آئے گا اور نہ مدینہ کے منافقین ہی ان کے کام آسکیں گے۔

۲۱۹ (دینِ اسلام اور شریعتِ اسلامی مرحمت کرکے) دُنیا میں یُوں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دینا اسلام کا معجزہ ہی تھا۔ اس کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوت حدِ ضرب المثل تک پہنچی ہُوئی تھی اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت، اخلاص بھی بے نظیر رہا۔ جہاں کی کی ‌کا اور مدنی مدنی کا دشمن تھا۔ وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر وشکر کرادیا کہ دونوں واقعی آپس میں بھائی بھائی معلوم ہونے لگے برٹانیکا اور گبن دونوں کے صفحات میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ ذکر زمانۂ قبل اسلام کا ہے کہ اس وقت عقائد واعمالِ مشرکانہ کی بنا پر اہلِ عرب دوزخ کے کنارہ تک پہنچ ہی چکے تھے ۲۲۰ کسی درجہ میں اور ایک چھوٹے پیمانہ پر تو یہ فرض ہر فردِ اُمّت کا ہے۔ لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لئے ہو۔ اس کا کام ہی یہی ہو کہ خلق کو دعوتِ خیر دے۔ معروف (بھلے کاموں) کی طرف بُلائے مُنکَر (بُرے کاموں) سے روکے۔ اُمَّةٌ۔ یہ بھی کمالِ رحمت اور ضعفِ بشری

مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
اُس سے بچالیا ۲۱۹۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سُناتا رہتا ہے تاکہ تم
تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۳ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
راہ یاب رہو اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بُلایا کرے
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ
اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا
پورے کامیاب یہی تو ہیں ۲۲۰ اور ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جنہوں نے
وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
بعد اس کے کہ انہیں شواہد پہنچ چکے تھے باہم تفریق کرلی اور مختلف ہوگئے ۲۲۱ عذاب عظیم
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ
انہی کو تو ہونا ہے اس روز (جس روز) بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض
وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ
چہرے سیاہ ہونگے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہونگے اُن سے کہا جائے گا کہ کیا تم ہی کافر
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۱۰۶
ہوگئے تھے اپنے ایمان کے بعد؟ ۲۲۲ سو عذاب چکھو اپنے کفر کی پاداش میں،
وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
اور جن کے چہرے سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے ۲۲۳

کی انتہائی رعایت ہے کہ ساری اُمت کے بجائے اس فریضہ پر ایک مخصوص جماعت ہی کو مامور کیا گیا، ورنہ اس فریضہ کی ادائی کے لئے جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے کیا عجب کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم ہوتے ۲۲۱ (توحید، رسالت، وحی، جزا وسزا وغیرہ اُصُولی وبُنیادی عقائد کے باب میں) كَالَّذِيْنَ مُراد سابق اہلِ کتاب، یہود ونصاریٰ ہیں۔ يعني اليهود والنصارٰى في قول جمهور المفسرين (قرطبی) تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا۔ یعنی از راہِ نفسانیت وشرارت وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کر دیا اور اپنے الگ الگ مذہب گڑھ لئے۔ مسائلِ جزئیاتِ احکام میں اختلاف جو اخلاصِ نیّت کے ساتھ اجتہاد کی بنا پر ہو، وہ اسلام میں ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ وہ تو اُمّت کے حق میں عین رحمت ہے، اختلافِ مذاق وطبیعت کی بنا پر کسی کو کسی مسلک میں آسانی معلوم ہوتی ہے اور کسی کو کسی میں۔ اَلْبَيِّنٰتُ اس کے تحت میں احکام، دلائل، معجزات سب آگئے ۲۲۲ یہ خطاب اہلِ دوزخ سے تو بہرحال ہوگا، گفتگو اس میں ہوتی ہے کہ ان سب سے ہوگا یا اُن کے صرف بعض گروہوں سے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب منافقین سے ہوگا اور ایمان سے یہاں مُراد اظہارِ ایمان ہے۔ هم المنافقون (ابن جریر۔ عن الحسن) ایک قول ہے کہ مخاطب اہلِ کتاب ہیں اور حجّت ان پر قائم کی جائے گی کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزماں کا ذکر پوری طرح موجود اور پھر تم مُکر گئے۔ المراد اهل الكتٰب (کبیر عن عکرمہ والاصم والزجاج) بعض اہلِ نظر نے ترجیح اسی قول کو دی ہے۔ والظاهر من السياق والسباق ان هؤلاء اهل الكتاب (رُوح) ابنِ جریر نے بعض تابعین سے استناد کرکے یہ شق اختیار کی ہے کہ خطاب سارے کافروں کے لئے عام ہے اور جس ایمان کا یہاں ذکر ہے وہ اظہارِ ایمان عالم ارواح میں عہدِ الست کے وقت کا ہے۔ هو الايمان الذي كان قبل الاختلاف في زمان آدم (ابن جریر۔ عن اُبی بن کعب) عنى بذلك جميع اهل الكتاب (ابن جریر) تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ۔ یوم حشر تو کشفِ حقائق کا وقت ہوگا، ضرور ہے کہ اہلِ حق کے چہرے اس دن انوارِ حق سے چمکتے جگمگاتے نظر آئیں۔ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ کشفِ حقائق کے وقت یہ بالکل قدرتی ہے کہ اندر کی سیاہیاں اور باطن کی کدورتیں نکل نکل کر اہلِ باطل کے چہروں پر چھا جائیں۔ عربی محاورہ میں ابیضاض وجہ اور اسوداد وجہ سے مُراد محض مسرّت، غم بھی ہو سکتی ہے ۲۲۳ اور اسی محلِ رضا ومحلِ رحمت کا نام جنّت ہے۔ جنّت کی ایک ایک نعمت کو قرآن مجید نے محلِ ترغیب میں ذکر کیا ہے۔ وہ رضائے الٰہی سے الگ کوئی چیز نہیں، جیسا کہ جاہل صوفیہ اور گُستاخ شاعروں کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔

اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اگر تم اُن لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہا مان لوگے جنہیں کتاب دی جا چکی ہے تو وہ
يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ
تمہارے ایمان لانے کے پیچھے تمہیں کافر بنا چھوڑیں گے ۲۱۲ اور تم کس طرح کفر کرسکتے ہو درآنحالیکہ
اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ
تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اسکے رسولؐ موجود ہیں ۲۱۳؟ اور جو کوئی
يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾
اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے وہ ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے ۲۱۴

۱۰ ع ۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو اس کے ڈرنے کا حق ہے ۲۱۵ اور جان نہ دینا بجز
وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا
اس حال کے کہ تم مسلم ہو ۲۱۶ اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو
وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اور باہم نااتفاقی نہ کرو ۲۱۷ اور اللہ کا یہ انعام اپنے اُوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم) دشمن
اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ
تھے تو اُس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی ۲۱۸ سو تم اُس کے انعام سے (آپس میں)
اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ
بھائی بھائی بن گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اُس نے تمہیں

سے منکر تھے ہی اب ان کی جرأتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ طرح طرح کے مکروفن سے دُوسروں کو بھی دینِ حق سے ہٹانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یہود مسلمانوں کے آپس میں طرح طرح کی مخفی فتنہ انگیزی اور مفسدہ پردازی کرتے رہتے تھے کہ اگر اور کچھ نہیں بن پڑتا تو یہی ہو کہ یہ آپس میں مرکٹ کے تباہ ہوجائیں، چنانچہ ایک مرتبہ ایک مجمع میں جہاں مدینہ کے دونوں مشہور اور جنگجو قبیلوں اوس اور خزرج کے مسلمان جمع تھے ایک یہودی شماس بن قیس نے اُن کی عہدِ جاہلیت کی مشہور لڑائی جنگِ بعاث کے پُرجوش جنگنامہ کے اشعار پڑھوا دیئے۔ دلوں میں گزشتہ عداوتوں کی یاد تازہ ہوگئی اور فریقین قدرةً بھڑک اُٹھے اور عین موقع پر اگر رسول اللہ صلعم خود تشریف نہ لے آتے تو خانہ جنگی شروع ہی ہوچکی ہوتی۔ تَبْغُوْنَهَا میں ضمیر مؤنث غائب سبیل کی طرف ہے۔ الهاء فی تبغونها عائدة الی السبیل (کبیر) وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ۔ یعنی تمہارا ضمیر خود گواہی دے رہا ہے کہ اسلام دینِ حق ہے ۲۱۲ (عقیدةً نہ سہی عملاً سہی۔ تو یہ عملی ارتداد بھی کیا کم ہے) اِنْ تُطِيْعُوْا۔ یعنی اگر اپنے عقائد و اعمال میں ان لوگوں سے متاثر ہونے لگوگے۔ فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ یہ نام کے تو اہلِ کتاب ہیں لیکن تلے ہوئے ہیں عداوتِ اسلام پر ۲۱۳ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے دینِ حق سے ارتداد کی گنجائش ہی کب ہے جبکہ تم میں قرآن اور سُنّتِ رسولؐ موجود و محفوظ ہے؟ ذٰلك لان تلاوته اٰیات الله علیهم حالاً بعد حالٍ مع کون الرسول فیهم الذی یزیل کل شبهة ویقرر کل حجة کالمانع من وقوعهم فی الکفر (بحر) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ۔ میں کفر سے مُراد اعمالِ کفر کی طرف بازگشت ہے اور کیف اظہارِ تعجب کے لئے ہے، قاله تعالیٰ علی جهة التعجب (قرطبی)، قیل المراد بکفرهم فعلهم افعال الکفرة (روح) اٰيٰتُ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی آیتیں اور قرآن درمیان موجود و محفوظ ہے۔ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔ یعنی سرِدست تو وہ بہ نفسِ نفیس تشریف فرما ہیں ہر شبہ مٹا سکتے اور راہ بتا سکتے ہیں باقی ان کے بعد ان کے سُنن و آثار یہی کام دیں گے۔ قیل الخطاب بجمیع الامة لان اٰثاره وسننه فیهم وان لم یشاهدوه (بحر) ۲۱۴ یہ صراطِ مستقیم یا سیدھی راہ دُنیا میں فلاحِ کامل کی ہے اور آخرت میں جنّت کی۔ فَقَدْ هُدِيَ۔ یعنی اللہ سے تمسک کرتے ہو، یہ راہِ راست ضرور ہی مرتّب ہو کر رہے گی۔ ۲۱۵ (ہماری طاقت اور استطاعت کے لحاظ سے) ورنہ حق تعالیٰ سے اُس کے مرتبہ کے لائق خشیت بھلا کون بشر اختیار کرسکتا ہے۔ والمعنیٰ حقّ تقٰته ما استطعتم (قرطبی)، ۲۱۶ یعنی جیو تو قانونِ تقویٰ الٰہی کے ماتحت اور مرو تو قانونِ اسلام کے مطیع۔ زندگی اور موت دونوں کی منزلوں سے مُسلمان کو اللہ کے تابع فرمان ہو کر ہی گزرنا ہے ۲۱۷ اس تعلیم کے ایک عملی پہلو کا اعتراف ایک غیر مسلم کی زبان سے۔ "اسلام نے اُن قبیلوں کو متحد کردیا جو اس وقت تک برابر ایک دُوسرے سے مصروفِ پیکار رہتے تھے" (آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام ص۲۱) حَبْلِ اللّٰهِ۔ محاورۂ عربی میں حبل سے مُراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے۔ یستعار الحبل للعهد (روح) واستعیر للوصل ولکل ما یتوصل به الی شیء (راغب) یہاں مُراد شریعتِ اسلامی یا قرآن ہے۔ متعدد قول نقل ہوئے ہیں اور وہ سب متقارب ہیں۔ قال ابن مسعود حبل الله القراٰن ورواه علیؓ وابو سعید الخدری عن النبی صلعم وعن مجاهد وقتادة مثل ذٰلك (قرطبی) العهد او القراٰن او الدین او الطاعة او اخلاص التوبة او الجماعة او اخلاص التوحید او الاسلام اقوال السلف یقرب بعضها من بعض (بحر) جَمِيْعًا۔ یعنی اُمّت مجموعاً بھی اور افرادِ اُمّت بھی ۲۱۸ (اور سب کو رشتۂ اسلام میں متحد و منسلک کردیا) نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ اس انعام کے تحت میں علاوہ فلاحِ اُخروی کے اتحادِ قومی کی فلاحِ دُنیوی بھی شامل ہے۔ اتحادِ اُمّت بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً۔ ظہورِ اسلام سے قبل یعنی زمانۂ جاہلیت میں۔ عرب قبائل کی باہمی دُشمنی اور جنگجوئی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بات بات میں بگڑ جاتی تھی جو لڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ رہ گئی ہیں اُن کی تعداد ۱۷۰۰ ہوتی ہے۔

لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾
کیا گیا ۲۰۴ وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کیلئے) برکت والا اور سارے جہان کیلئے راہنما ہے ۲۰۵
فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ
اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے ۲۰۶ اور جو کوئی اس میں داخل ہو
كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ
جاتا ہے وہ امن سے ہو جاتا ہے ۲۰۷ اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کیلئے اُس مکان کا (یعنی) اس شخص کے
اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ
ذمہ جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو ۲۰۸ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سارے جہان
غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ
سے بے نیاز ہے ۲۰۹ آپ کہئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں
تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾
اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو، درآنحالیکہ اللہ تمہارے کرتوتوں کا گواہ ہے ۲۱۰
قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ
آپ کہئے کہ اے اہل کتاب جو ایمان لا چکا اُسے تم کیوں اللہ کی راہ سے ہٹا رہے
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ
ہو اس (راہ) میں کجی نکال نکال کر درآنحالیکہ تم (خود) گواہ ہو
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا
اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ۲۱۱ اے ایمان والو

منزل

۲۰۴ (دنیا میں بطور عبادت گاہ کے) مراد خانۂ کعبہ ہے جس کی اولین تعمیر حضرت آدمؑ نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سرِ نو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے۔ وُضِعَ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کی طاعت و عبادت کے لئے بنا۔ ای وضعہ اللہ موضعًا للطاعات والخیرات والعبادات (کبیر) ای لعموم الناس لعباداتھم ونسکھم یطوفون بہ ویصلون بہ ویعتکفون عندہ (ابن کثیر) وضع للناس یعبد اللہ فیہ (معالم) اَوَّلَ بَیْتٍ۔ حدیث نبویؐ اور اقوال تابعین سب میں اس اوّلیت اور اقدمیت کی تشریح ملتی ہے۔ ثبت فی صحیح مسلم عن ابی ذرؓ قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اول مسجد وضع فی الارض قال المسجد الحرام (قرطبی) قال مجاھد خلق اللہ موضع ھذا البیت قبل ان یخلق شیئ من الارض بالفی سنۃ (قرطبی) ۲۰۵ (بطور قبلہ کے) کعبہ کو سب سے پہلا معبد بتا کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ کعبہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔ بَکَّةَ۔ مکہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عربی میں ایک قاعدہ ہے جس سے حرف م اور حرف ب میں اکثر تبادلہ ہو جاتا ہے مثلاً لازم اور لازب میں یا راتم اور راتب میں یا نمیط اور تبیط میں۔ اسی قاعدہ کا عمل یہاں بھی ہوا۔ ھی علم للبلد الحرام ومکۃ وبکۃ لغتان فیہ (کشاف) بکۃ لغۃ فی مکۃ عند الاکثرین (بحر) قال مجاھد بکۃ ھی مکۃ (قرطبی) من اسماء مکۃ علی المشھور (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ نام ہے کل شہر کا اور بکہ کا اطلاق ہے مسجد حرام اور مطاف پر بکۃ ھو موضع المسجد (ابن عباسؓ) بکۃ موضع البیت و مکۃ ما سوٰی ذٰلک (ابن جریر عن ابی مالک) بکۃ موضع البیت ومکۃ سائر البلد عن مالک بن انس (قرطبی) قال ابو مالک وابو صالح وابراھیم النخعی وعطیۃ العوفی ومقاتل بن حبان بکۃ موضع البیت ما سوٰی ذٰلک مکۃ (ابن کثیر) بائبل میں بھی ایک جگہ ذکر وادی مکہ کا تحریفات کے باوجود رہ گیا ہے "وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے" (زبور۔ ۸۴ : ۶) بائبل کے قدیم مترجمین نے اپنی تحریف کی عادتِ مستمرہ کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے عَلَم کے اسمِ نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے (جلد ۲ ص ۴۱۵) اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق اور دیدے کہ یہی "بے آب وادی" مکہ معظمہ ہے۔ مُبٰرَکًا۔ یہ وہ مقام ہے جس میں مادی اور روحانی دنیوی اور دینی برکتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ لَلَّذِیْ میں لام تاکید کا ہے۔ واللام توکید (قرطبی) مکہ کی قدامت پر بادلِ ناخواستہ مسیحی مؤرخین کو بھی اب شہادت دینی پڑی (ملاحظہ ہو حواشی تفسیر انگریزی ۲۰۶ تقدیرِ کلام یوں ہے۔ منھا مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ والتقدیر منھا مقام ابراھیم قال الاخفش (قرطبی) فِیْهِ یعنی اسی اول بیت میں اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ کھلے ہوئے توحید الٰہی کے شعائر یا حج کے شعائر۔ والمراد بالاٰیات شعائر الحج (کبیر) مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ پر حاشیہ پارۂ اوّل کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ بَیْت سے یہاں مراد خانۂ کعبہ نہیں بلکہ سارا حرم شریف ہے۔ مقام ابراھیم کے نام سے جو پتھر رکھا ہوا ہے وہ خانۂ کعبہ کے اندر نہیں باہر ہی ہے۔ المراد بالبیت ھنا الحرم کلہ لان ھذہ الاٰیات موجودۃ فی الحرم ومقام ابراھیم لیس فی البیت انما ھو خارج البیت (جصاص) ۲۰۷ (شریعتِ الٰہی کی نظر میں) اٰمِنًا پر حاشیہ پارۂ اوّل کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا ہے۔ ۲۰۸ (بلحاظ زادِ سفر و امن راہ وغیرہ) اِسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا۔ استطاعتِ سبیل سے مراد وہاں تک پہنچ جانے کے ذرائع و اسباب ہیں۔ استطاعۃ السبیل الیہ ھی امکان الوصول الیہ (جصاص) استطاعۃ السبیل الی الشیئ عبارۃ عن امکان الوصول الیہ (کبیر) حِجُّ الْبَیْتِ۔ حج و فرضیت حج پر حواشی پارۂ دوم کے وسط میں گزر چکے۔ عَلَی النَّاسِ میں علیٰ شدتِ تاکید کے لئے ہے۔ ھی من اوکد الفاظ الوجوب عند العرب فاذا قال العربی لفلان علیّ کذا فقد وکدہ واوجبہ (قرطبی) ۲۰۹ (سو وہ سیاہ بخت اپنا نقصان آپ کریگا۔ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکے گا) اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنا کا اثبات اُن مشرک قوموں کے رد میں ہے۔ جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود اُن کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کیلئے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں ۲۱۰ (اور اس حاضر و ناظر۔ ہمہ بین۔ ہمہ داں حاکم کے آگے کوئی حیلہ۔ بہانہ نہ چل سکے گا) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے اشارہ خاص طور پر یہود کی جانب ہے جو مسلمانوں کو طرح طرح پر بہکاتے رہتے تھے۔ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ۔ اٰیات اللہ سے مراد خاص طور پر نبوتِ محمدیؐ کے شواہد و دلائل ہیں۔ اور کفر سے مراد نبوتِ محمدیؐ سے انکار ہے۔ المراد من اٰیات اللہ الاٰیات التی نصھا اللہ تعالیٰ علی نبوۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام والمراد بکفرھم بھا کفرھم بدلالتھا علی نبوۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام (کبیر) مشرکوں کو بار بار یہ جتلانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ اللہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ذرہ ذرہ سے باخبر بھی ہے۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح بے خبر۔ ناقص العلم اور گم سُم نہیں ۲۱۱ (سو اس کی گرفت اور عذاب سے اپنے کو باہر نہ سمجھو) تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہود خود تو اسلام

۱۹۸ (اے مسلمانو!) اَلْبِرَّ۔ مطلق نیکی کو کہتے ہیں، یہاں مراد کمال خیر ہے۔ اور نیکی کا درجۂ اعلیٰ یا یہ کہا جائے کہ حقیقت خیر ابواب خیر کی جامعیت ہی مراد لی گئی ہے۔ البر الاحسان وکمال الخیر (روح) ای لن تبلغوا حقیقۃ البر (مدارک) قال ابو منصور البر خیر الدنیا و الاٰخرۃ (تاج) تُنْفِقُوْا۔ یعنی اللہ اور اس کے دین کی راہ میں نہ خرچ کرو گے۔ انفاق یہاں بہت وسیع معنی میں ہے اس میں خیر یا نیکی کے تمام ابواب آگئے۔ قیل ھی سبل الخیر کلھا وھی الصحیح لعموم الاٰیۃ (ابن عربی) قال الزجاجہ کل ماتقرب بہ الی اللہ من عمل خیر (بحر) قال الزجاجہ قال بعضھم کل ماتقرب بہ الی اللہ عز وجل من عمل خیر فھو انفاق (تاج) مِمَّا تُحِبُّوْنَ محبوب چیز کے ماتحت ہر وہ چیز آجاتی ہے جسے انسان عزیز رکھتا ہے، مال، دولت، عزت، حکومت، قوت، وقت وغیرہ تنہا مال و دولت ہی مقصود نہیں، بعض اوقات جاہ کی قربانی مال کی قربانی سے کہیں زیادہ سخت و دشوار ہوتی ہے۔ ای من المال اوما یعمہ وغیرہ کبذل الجاہ فی معاونۃ الناس والبدن فی طاعۃ اللہ و .... فی سبیلہ (بیضاوی) مما

الجزء ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ۚ
جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل) نیکی (کے مرتبہ) کو نہ پہنچ سکو گے ۱۹۸
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾
اور جو کچھ بھی کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے ۱۹۹
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا
ہر کھانا بنی اسرائیل کے لئے حلال تھا بجز اس کے کہ
حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ
جو خود اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا قبل اس کے کہ
تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ
توریت اترے ۲۰۰ تو آپ کہیئے کہ توریت لاؤ اور اسے پڑھو
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
اگر تم سچے ہو ۲۰۱ سو جو شخص اللہ پر
الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾
اس کے بعد جھوٹ گڑھ لے تو بس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں ۲۰۲
قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ
آپ کہہ دیجیئے کہ اللہ نے سچ بات فرمادی ہے، سو تم سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو،
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ
اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۲۰۳ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے وضع

وقف جبریل علیہ السلام

منزل ۱

میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ مِنْ فی مما تحبون للتبعیض (بحر) ۱۹۹ (اور وہ جزا بھی اسی کے مطابق دے گا) مطلب یہ ہے کہ نیک کام کے لئے جو کچھ بھی لگاؤ گے اس کا اجر تو بہر حال ملے گا۔ باقی خیر کامل کا جو درجۂ اعلیٰ ہے وہ تو اسی وقت حاصل ہو گا جب راہِ حق میں اپنے محبوبات و مرغوبات کی قربانی پیش کرو۔ والحاصل انہ لا وصول الی المطلوب الا باخراج المحبوب (مدارک) مِنْ شَیْءٍ۔ یعنی عام اس سے کہ وہ محبوب ہو یا نہ ہو۔ مِنْ یہاں تبیین کے لئے ہے۔ من للتبیین ای من ای شیء کان (مدارک) ای من ای شیء محبوب او غیرہ ومن لبیان ما (بیضاوی) ۲۰۰ (اپنے اس دعوے میں کہ فلاں فلاں غذائیں تو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرام چلی آتی ہیں) یہود کو تو روز ایک نیا فتنہ مسلمانوں کے خلاف اٹھانا تھا، آپ پر ایک الزام یہ ہو گیا، فلاں فلاں غذائیں تم جائز سمجھتے ہو اور اپنے کو دین ابراہیم کا متبع بھی کہے جاتے ہو، حالانکہ یہ چیزیں تو ابراہیم کے وقت سے حرام ہیں۔ كُلُّ الطَّعَامِ۔ یعنی وہ غذائیں جن کے باب میں یہود سے بحث و گفتگو ہو رہی ہے، ساری دنیا کے کھانے مراد نہیں۔ ای مطعومات التی فیھا النزاع (مدارک) حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ اسرائیل حضرت یعقوب کا دوسرا نام ہے آپ نے بعض طبی ضرورتوں سے بعض جائز غذائیں بالکل ترک کر دی تھیں، روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کو مرض عرق النساء کی شکایت تھی، تو آپ نے اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز شروع کر دیا تھا، اور ظاہر ہے کہ اس طبی پرہیز کا حرمت شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ قیل فعل ذٰلک للتداوی باشارۃ الاطباء (بیضاوی) قیل اشارت علیہ الاطباء باجتنابہ ففعل ذٰلک باذن من اللہ فھو کتحریم اللہ ابتداءً (کشاف) بعض جاہل صوفیہ کا یہ سمجھنا کہ ترکِ حیوانات یا بعض دوسری غذاؤں کے ترک کو قرب الٰہی میں کوئی دخل ہے تمام تر نادانی ہے۔ عاملوں کی مشقیں اور ریاضتیں بالکل دوسری چیز ہیں ورنہ جو غذائیں انسان کی روحانی ترقی میں مانع ہیں وہ خود ہی حرام کر دی گئی ہیں۔ کسی غذا کے حلال ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اس راہ میں مانع نہیں۔ وفی ھذہ الاٰیۃ دلالۃ علیٰ بطلان قول الممتنعین من اکل اللحوم والاطعمۃ اللذیذۃ تزھدًا لان اللہ تعالیٰ قد نھی عن تحریمھا (جصاص) قُلْ (یعنی ان یہود سے کہیے جو معترض ہو رہے ہیں) فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ۔ توریت میں تو آج تک یہ لکھا چلا آ رہا ہے:۔ "وہ سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لئے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا ہے" (پیدائش ۹: ۳) ۲۰۱ (اپنے حق میں) یعنی واضح اور صریح شہادتوں کے بعد بھی اپنے جھوٹ پر قائم رہیں اور یہ کہے جائیں کہ فلاں فلاں چیزیں خدا کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی اس واضح شہادت کے بعد۔ ای من بعد ما لزمتھم الحجۃ (بیضاوی) بعد ظھور الحجۃ (جلالین) ۲۰۲ یعنی قرآن نے امر حق واضح کر دیا۔ اور تم نے جو جھوٹ اپنے ہی اکابر اور اپنے مقدس نوشتوں کی بابت گڑھ رکھے تھے ان کی قلعی کھول دی ۲۰۳ اِبْرٰهِیْمَ۔ ملۃ ابراھیم، حنیف، سب پر حاشیہ پارۂ اول کے ختم کے قریب سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۵ و ۱۶ میں گزر چکے۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ۔ یعنی انہی ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جنہیں تم بھی اپنا مقتدیٰ و پیشوا مانتے ہو۔

۱۹۲ لَعْنَۃ۔ رحمتِ الٰہی سے محرومی ومہجوری پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ ۱۹۳ (جہنم میں پڑنے سے قبل) لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی کوئی تخفیف عذاب میں نہ ہوگی۔ فِیْھَا۔ یعنی اس حالتِ ملعونیت ومغضوبیت میں۔ ای خالدین فی اللعنۃ (کبیر) دوسرے معنی جہنم میں پڑے رہنے کے بھی مروی ہیں۔ قال ابن عباس ای فی جھنم (کبیر) ۱۹۴ تَابُوْا یعنی صدق واخلاص کے ساتھ توبہ کرلیں۔ غَفُوْرٌ سو

اَلْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا

فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ہوتی ہے ۱۹۲ وہ اس میں (ہمیشہ ہمیش) پڑے رہنے والے ہیں

لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

نہ ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ۱۹۳

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا

البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور (اپنے کو) درست کرلیں سو

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم والا ہے ۱۹۴ بیشک جن لوگوں نے بعد اپنے ایمان

بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ

(لانے) کے کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ

تَوْبَتُھُمْ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

کی جائے گی ۱۹۵ یہی لوگ تو گمراہ ہیں ۱۹۶ بیشک جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ

کفر اختیار کیا اور وہ مرگئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے سو ان میں سے کسی سے ہرگز نہ قبول

مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ

کیا جائیگا زمین بھر (بھی) سونا اگرچہ وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے ۱۹۷ یہی وہ لوگ

ع ۹ ۱۱ ۱۷ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۱﴾

ہیں جن کے لئے عذاب دردناک ہے اور جن کے کوئی بھی مددگار نہ ہوں گے

اپنی اس صفت غفر کے تقاضہ سے ان کی پچھلی خطاؤں کو بخش دے گا۔ رَّحِیْمٌ سو اپنی صفتِ رحیمیت کے تقاضہ سے ان پر مزید فضل کرے گا۔ ۱۹۵ (دوسرے معاصی وسیئات سے) یعنی پڑے تو رہیں کفر وارتداد میں اور چاہیں کہ انہیں ان کے دوسرے اعمالِ حسنہ کا صلہ مل جائے۔ سو بغیر ایمان واعتقادِ صحیح کے ان اعمال پر سرے سے "حسنہ" و "صالحہ" کا اطلاق ہی نہ ہوسکے گا جو ان پر اجر وصلہ کی توقع رکھی جائے ۱۹۶ یعنی گمراہ کامل، انتہا درجہ کے گمراہ۔ ورنہ گمراہ تو سب ہی کافر ہوتے ہیں۔ ھذا محمول علیٰ انھم ھم الضّالون علیٰ سبیل الکمال (کبیر) ۱۹۷ (قیامت کے دن) یعنی بالفرض قیامت کے دن کافر مال کا مالک ہو اور اس کے دے ڈالنے پر بھی قادر ہو۔ ذَھَبًا۔ ذھب سے سونے کی مخصوص ومتعین دھات ہی مراد نہیں۔ بلکہ مراد کسی عزیز سے عزیز اور زیادہ سے زیادہ قیمتی شے کے فدیہ سے ہے۔ الذھب کنایۃ عن اعزالاشیاء (کبیر) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ کوئی شخص آج چاہے کہ حالتِ کفر میں قائم رہ کر روئے زمین کے برابر روپیہ کارِ خیر میں خرچ کردے اور اس کے معاوضہ میں قیامت میں نجات حاصل کرے تو ایسا ہرگز نہیں ہونے کا۔ ای من مات علی الکفر فلن یقبل منہ خیرٌ ابدًا ولو کان قد ملئ الارض ذھبًا فیما یراہ قربۃ (ابن کثیر)

عَلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ
جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور
وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى
یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر اتارا گیا ہے اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور (دوسرے)
وَالنَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ
نبیوں کو دیا گیا اُن کے پروردگار کی طرف سے ۱۸۷ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے ۱۸۸ اور
وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ
ہم تو (اسی) اللہ کے فرمانبردار ہیں ۱۸۹ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش
دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ
کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں
الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۸۵﴾ كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ
سے ہوگا ۱۹۰ اللہ کیسے ایسے لوگوں کو ہدایت دے گا جنھوں نے اپنے ایمان کے بعد
اِيۡمَانِهِمۡ وَشَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ
کفر (اختیار) کر لیا اور (بعد اس کے کہ) شہادت دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور (بعد اس کے کہ) اُنکے
الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۸۶﴾
پاس کھُلی ہوئی نشانیاں آچکی تھیں اور اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۱۹۱
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ اَنَّ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَ
ایسوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور

۱۸۷ یہاں یہ حقیقت ایک بار پھر دُہرادی گئی ہے کہ اسلام کوئی نیا، نوپیدا اور انوکھا دین نہیں، وہی پُرانا دینِ توحید ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین اسی کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مسلمان کا ایمان سارے پیغمبروں پر یکساں ہوتا ہے۔ قُلۡ۔ یعنی اے پیغمبر آپ اپنی اُمّت کی طرف سے کہہ دیجئے۔ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا۔ یعنی قرآن مجید نزولِ قرآن کا انتساب جس طرح عموماً پیمبر کی طرف کیا گیا ہے، اسی طرح کبھی کبھی پیمبر کی اُمت کی جانب بھی کر دیا گیا ہے۔ اور فعل انزال کا صلہ قرآن مجید میں حرف عَلٰی اور اِلٰی دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ اَلۡاَسۡبَاطِ۔ یعنی اولادِ یعقوبؑ میں سے جو جو پیمبر ہوئے ہیں۔ اس لفظ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ ان سب انبیاءؑ کے اسماءِ گرامی پر بھی حاشیے گزر چکے۔ ۱۸۸ (ان کی صداقت کے لحاظ سے، کہ بعض کو مانیں اور بعض کو جھٹلائیں جیسا کہ یہود، نصارٰی وغیرہ مقہور اور معتوب اُمتوں کا شیوہ ہے) ۱۸۹ مُسۡلِمُوۡنَ۔ ایک طرف اُمتِ محمدیؐ کا اصطلاحی نام بھی ہے۔ اور دُوسری طرف اس کے لفظی معنٰی فرمانبردار کے ہیں ۱۹۰ اَلۡاِسۡلَامِ۔ سے یہاں کھُلی ہوئی مراد اصطلاحی دینِ اسلام ہے۔ ورنہ لفظی معنٰی کے لحاظ سے تو کائنات کا ذرّہ ذرّہ مُسلم ہے۔ اعلم ان ظاهر هذه الاية يدل على ان الايمان هو الاسلام (کبیر) اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ۔ وغیرہ متعدد آیتوں میں یہ مضمون صاف صاف بیان ہو چکا ہے کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین ہے جس کی کتاب قرآن ہے۔ اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے محمد رسُول اللہ صلعم ہیں۔ اس ایک دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب چلے ہُوئے ہیں سب کی مثال کھوٹے اور جعلی سکوں کی سی ہے کہ کہنے کو سکے وہ بھی ہیں۔ لیکن جب چل نہ سکے تو ان کا سکّہ ہونا نہ ہونا برابر۔ یہ آیت اس حقیقت کو اور زیادہ مؤکّد و آشکار کر رہی ہے۔ دُوسرے ادیان و مذاہب کو بھی اس دینِ حق کی طرح سچّا سمجھنا، ہر دین و مذہب کو نجات کے لئے کافی سمجھنا، سب مذہبوں کو ملا جُلا کر ان کا ایک ملغوبہ تیار کرنا، یا یہ کہنا کہ دیر و حرم، کعبہ و کلیسا سب یکساں ہیں، ضلالت و بے دینی کی انتہائی شکلیں ہیں۔ اکبر، دارا شکوہ، وغیرہ ان ناکام کوششوں کیلئے بجا طور پر بدنام ہو چکے ہیں۔ اور بڑے قلق کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض اہلِ قلم ایسی ہی نامراد کوششیں کر چکے ہیں۔ ۱۹۱ اَلۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ یعنی ایسے بے انصافوں کو جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ اتنے دلیر ہیں۔ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ۔ یعنی دینِ حق سے مُرتد ہو گئے۔ اَلۡبَيِّنٰتُ کھُلی ہوئی نشانیاں، رسُولِ اسلام اور دینِ اسلام کی صداقت کی۔ دلائل، معجزات، سب ان بیّنات کے تحت میں داخل ہیں۔

۱۸۱ لَا یَاْمُرَکُمْ میں لا معنی نفی کی تاکید مزید کے لئے ہے۔ لا مزیدۃ لتاکید معنی النفی (مدارک) مسیحیوں کی تثلیث تو ایک معلوم و معروف حقیقت ہے۔ لیکن یہ کمتر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملائکہ پرستی بھی ان کے ہاں زوروں پر رہ چکی ہے اور صدیوں تک یہ تعلیم ان کے ہاں جاری رہی ہے کہ "خدا نے انسانوں اور آسمان کے نیچے ساری چیزوں کے انتظامات تمام تر فرشتوں پر چھوڑ رکھے ہیں" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۷۸) نیز یہ کہ "خدا کائنات کی صرف کلی ربوبیت کرتا ہے باقی جزئیات سب ملائکہ کے حوالے ہیں" (ایضاً) مسیحیت کی تاریخ ملائکہ کی باضابطہ عبادت و پرستش سے بھی نا آشنا نہیں۔ ان کی مورتیاں تک ان کے ہاں پوجی گئی ہیں۔ ہمارے قدیم مفسرین بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ ھذا موجود فی النصاریٰ یعظمون الملائکۃ والانبیاء حتی یجعلوھم لھم اربابا (قرطبی) ۱۸۲ (اور توحید خالص کا اقرار کر چکے ہو) اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ اس سے ظاہر ہے

ع ۸ ۱۶

وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۸۰

اور پیمبروں کو پروردگار قرار دو ۱۸۱ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دیگا بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو ۱۸۲

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ

(اور وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت (کی قسم)

حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ

سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے

لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ

تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا ۱۸۳ (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور

عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا

اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی)

مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ۸۱ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ

تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ۱۸۴ پھر جو کوئی اس کے بعد بھی رُو گردانی کرے گا،

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۸۲ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ

سو یہی لوگ تو نافرمان ہیں ۱۸۵ سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو)

وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ

تلاش کر رہے ہیں؟ درآنحالیکہ اس کے فرمانبردار ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں (خواہ یہ فرمانبرداری)

کَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ۸۳ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ

رضا و اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے اور (سب) اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۱۸۶ آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر

کہ انبیاء پرستی و ملائکہ پرستی صاف کفر کے حکم میں داخل ہے۔ آیت سے سبق اُن مسلمانوں کو بھی لینا چاہیئے جو اپنے شیوخ و اکابر کی خواہ وہ زندہ ہوں یا گزر چکے ہوں، تعظیم و عقیدت میں غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ جملہ کا سوالیہ انداز اظہارِ حیرت و انکار کے لئے ہے۔ جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ علیٰ طریق الانکار والتعجب (قرطبی) ۱۸۳ (یہ ایمان دل و جان سے ہو اور نصرت دست و زبان سے) اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ یعنی ارواحِ انبیاء سے عہد لیا۔ عالم ارواح میں اس ناسوتی دنیا کے وجود سے قبل۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جو احکام انبیاء کو ملے، ان میں ان کی اُمتیں بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں۔ مِنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ۔ کتاب سے مُراد کتابِ آسمانی ہونا ظاہر ہے۔ حکمۃ سے مُراد معرفتِ الٰہی بھی ہو سکتی ہے اور نبوت بھی۔ مُصَدِّقٌ۔ تصدیق ہونے سے بھی بڑھ کر یہ حالت ہے کہ وہ بعد کا آنے والا رسول خود ان پچھلی تعلیمات و ہدایات کا مصداق بھی ہو۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ۔ عارفین صوفیہ نے کہا ہے کہ شیوخ پر لازم ہے کہ ان کا جو معاصر علم و عمل میں اُن سے فوق ہو بلکہ ان کا مساوی ہو اس سے دُعا کرانے میں عار نہ کریں۔ رَسُوْلٌ۔ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اشارہ ایک فردِ معین کی جانب کر رہا ہے۔ اور یہ اسلوب قرآن میں عام ہے۔ الرسول ھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی قول علیؓ وابن عباسؓ واللفظ وان کان نکرۃ فالاشارۃ الی معین (قرطبی) ۱۸۴ انبیاء کی زبان سے اقرار یوں بھی اقرار صالح اور حلفِ مؤکد کے برابر ہیں۔ اللہ کی اس گواہی نے مؤکد کو مؤکد تر کر دیا۔ اِصْرِیْ۔ اصر کے لفظی معنی بوجھ کے ہیں۔ مُراد عہد ہی سے ہے، الاصر فی اللغۃ الثقل فسمّی العہد اصرا لانہ منع وتشدید (قرطبی) ۱۸۵ فَمَنْ تَوَلّٰی۔ یعنی مومنوں میں جو کوئی اس عہد سے اعراض کریگا۔ خود انبیاء معصومین سے تو اس کا احتمال ہی نہیں، اسلئے لامحالہ افرادِ اُمت مراد ہونگے۔ ھذا الحکم بالنسبۃ الی اتباعھم (بحر) ۱۸۶ (قیامت کے دن)، سو ڈرتے رہنا اُس ہستی سے چاہیئے جو آج بھی اس قدر با اختیار ہے اور کل بھی سابقہ اسی سے پڑے گا۔ اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہیئے۔ یَبْغُوْنَ۔ یہ باطل کے تلاش کرنے والے عام اہلِ باطل ہیں۔ دِیْنِ اللّٰہِ۔ یہاں صراحت کے ساتھ اسلام کے لئے دین اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہاں مُراد ہے انقیادِ تکوینی۔ یعنی اس کی مشیت سے باہر تو کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ طَوْعًا یعنی اپنے ارادہ و اختیار سے۔ کَرْھًا یہ اشارہ غیر ذوی العقول، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ کی طرف ہے۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ

اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کریگا نہ انکی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ

اور اُن کے لئے تو دردناک عذاب ہے ١٧٥ اور انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب میں

بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ

کج کرتے ہیں ١٧٦ تاکہ تم اُس (جزء) کو بھی کتاب میں سے سمجھو درآنحالیکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے

يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے درآنحالیکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ

اور یہ اللہ پر جھوٹ گڑھتے ہیں، درآنحالیکہ (خوب جانتے ہوتے ہیں ١٧٧ کسی بشر سے

لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا

یہ کہنے لگے کہ تم میرے بندے بن جاؤ علاوہ اللہ کے ١٧٨ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ

رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ

والے بن جاؤ ١٧٩ (یہ) اس لئے (اور بھی) کہ تم پڑھاتے ہو کتاب (آسمانی) کو اور خود بھی (اسے)

تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

پڑھتے ہو ١٨٠ اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں

١٧٥ (اس کفر وفسق کے پاداش میں) لَا خَلَاقَ ۔ یعنی بھلائی کا کوئی حصہ نہیں۔ ای لا خیر (بخاری) لَا يُكَلِّمُهُمْ ۔ یعنی بطریق لطف ان سے خطاب نہ کرے گا۔ جو خطاب برائے عتاب ومواخذہ ہو، اس کی نفی مُراد نہیں۔ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ ۔ یعنی نگاہ مہر والتفات سے ان کی طرف نظر نہ کرے گا۔ نگاہ قہر کی نفی مقصود نہیں۔ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۔ یعنی گناہوں کی گندگی سے پاک صاف نہ کرے گا۔ اَلِيْمٌ ۔ درد پہنچانے والے یا مؤلم کے معنی میں ہے۔ ای مولم موجع من الالم وھو فی موضع مُفعل (بخاری) ١٧٦ اپنے صحائف آسمانی پڑھتے وقت) مِنْهُمْ ۔ یعنی اُنہی یہود میں۔ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ اس کے اندر تحریف لفظی ومعنوی کی ساری صورتیں آگئیں۔ لیّ لسان سے عربی محاورہ میں مُراد ہی ہوتی ہے جھوٹ۔ تلبیس۔ تحریف۔ لوی لسانہ بکذا کنایۃ عن الکذب وتخرص الحدیث (راغب) اور یہاں تحریف بالقصد مُراد ہے۔ والمعنی یحرفون الکلم ویعدلون بہ عن القصد (قرطبی) ١٧٧ یعنی اُن کی یہ تحریفیں دانستہ ہوتی ہیں لِتَحْسَبُوْهُ میں ضمیر مخاطب سے مُراد سامعین ہیں اور ضمیر غائب سے مُراد کتاب کا اختراعی حصہ۔ و ھو المحرف (کبیر) يَقُوْلُوْنَ ۔ ضرور نہیں کہ ان کا یہ کہنا لفظاً وصراحۃً ہو۔ اگر اجمالاً و دلالۃً ہو جب بھی کافی ہے۔ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فقیہ جلیل ابوبکر رازیؒ نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاصی کی نسبت اللہ تعالیٰ یا اس کے فعل کی جانب دینا درست نہیں۔ فیھا دلالۃ علی ان المعاصی لیست من عند اللہ ولا من فعلہ (جصاص) لیکن مفسر ومحدث ابوحیان غرناطی کی تنقید اس پر یہ ہے کہ یہ مذہب تو معتزلہ کا ہے اور ابوبکر رازی کا میلان خود اسی مذہب کی جانب تھا۔ ھذا مذھب المعتزلۃ وکان الرازی یحنح الی مذھبھم (بحر) صاحب کبیر اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ عربی دانوں کے پڑھنے کے قابل ہے۔ ١٧٨ (جیسا کہ مسیحیوں نے دعوت وپیام مسیحؑ کا خلاصہ گڑھ رکھا ہے) درمیان میں مناسبتِ مقام سے ردِّ یہود آگیا تھا۔ اب یہاں سے ردّ نصاریٰ پھر شروع ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ ...... وَالنُّبُوَّةَ ۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ نہیں ہوسکتا جنہیں یہ ساری نعمتیں ملی تھیں جن کے نفس ایسے طاہر ومطہر ہوں، اُن سے ایسے دعویٰ کا صدور ممکن ہی کیونکر ہے۔ اَلْحُكْمَ حکم سے مُراد علم وفہم ہے یا فہم احکام شریعت۔ الحکم العلم والفھم وقیل ایضاً الاحکام (قرطبی) قیل بمعنی الحکمۃ والظاھر ان الحکم ھنا القضاء (بحر) اَلْكِتٰبَ ۔ کتاب یہاں جنس کتاب کے معنی میں ہے۔ الکتاب ھنا اسم جنس (بحر)

١٧٩ (جیسا کہ فی الواقع مسیحؑ کی دعوت رہی ہے) رَبّٰنِيّٖنَ ۔ ربانی وہ ہے جو ربّ کی جانب منسوب ہو۔ ربّی کا مُرادف ہے۔ ان کا اضافہ زور اور تاکید کے لئے ہے یعنی بڑا اللہ والا۔ بڑا باخدا۔ معنی الربانی العالم بدین الرب الذی یعمل بعلمہ (قرطبی) قال محمد بن الحنفیۃ یوم مات ابن عباسؓ الیوم مات ربانی ھٰذہ الامۃ (قرطبی) ھو شدید التمسک بدین اللہ وطاعتہ (مدارک) ١٨٠ یعنی اس لئے تو تمہیں اور زیادہ ایسے لغو ومشرکانہ عقائد سے بچنا چاہیئے۔ ای بسبب کونکم معلمین الکتاب وبسبب کونکم دارسین لہ (بیضاوی) امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ علم وتعلیم ودراست کا اقتضا رہی یہ ہے کہ انسان باخدا بن جائے۔ پس اگر ان شغلوں سے یہ مقصود ہی نہیں رکھتا تو وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اور ایسے ہی علم اور قلب سے حدیث نبوی میں پناہ مانگی گئی ہے۔ نعوذ باللہ من علم لا ینفع وقلب لا یخشع (کبیر) خطاب نصاریٰ سے ہے یعنی تمہارے پاس تعلیم وتعلّم کے لئے کتابِ آسمانی موجود اور پھر تم ایسے جہل وضلالت میں گرفتار۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
غالب آجائیں١٦٦ آپ کہدیجئے کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے ١٦٧ اور اللہ بڑا وسعت
عَلِیْمٌ ﴿٧٣﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
والا ہے بڑا علم والا ہے ١٦٨ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرلیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل
الْعَظِیْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ
والا ہے ١٦٩ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اسکے پاس ایک ڈھیر (کا ڈھیر) امانت کھا
یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ
دے تو وہ (بھی) تجھے ادا کردے ١٧٠ اور اُن میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار امانت رکھا
اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ
دے تو وہ تجھے اس کو واپس نہ کرے بجز اس صورت کے کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے ١٧١ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ
عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ
ہمارے اوپر اُمیوں کے باب میں کوئی ذمہ داری ہی نہیں، یہ لوگ اللہ کے اوپر جھوٹ گڑھ رہے ہیں
وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ
درآنحالیکہ خوب جان رہے ہیں ١٧٢ کیوں نہیں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے اور (اللہ سے) ڈرے تو بیشک
یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ
اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ١٧٣ بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو
وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ
قلیل قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ١٧٤ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے کوئی حصہ آخرت میں نہیں

منزل

مدینہ و مضافات مدینہ کے یہود کی چالیں مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب رہتی تھیں ایک بار آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد یہ سوچا کہ ہم میں بعض صبح کے وقت صداقتِ اسلام کا اقرار کرلیا کریں اور چند گھنٹوں کے بعد اس اقرار سے رجوع کرلیا کریں اور کہہ دیا کریں کہ غور و فکر اور مطالعۂ توریت کے بعد اس نئے دین کی تصدیق نہ ہوئی اس لئے ہم اس سے نکل آئے ہیں۔ اہل عرب پر ہمارے علم و اخلاق دونوں کی دھاک تو بیٹھی ہی ہوئی ہے لوگ کہیں گے آخر کوئی خرابی تو اس نئے دین میں ہے جو ایسے ایسے لوگ اس سے باہر نکل گئے اور عجب نہیں کہ اس تدبیر سے کچھ پُرانے مسلمان بھی اُکھڑ جائیں۔ تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بصراحت درج ہے کہ بارھویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کے "مظالم" فرضی یا واقعی کی بنا پر بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتویٰ کے مطابق اپنے قبول اسلام کا اظہار شروع کردیا تھا درآنحالیکہ دل میں سب کے سب منکر ہی تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اول صفحہ ٤٣٢ و صفحہ ٤٣٣) اور آج یہ جو بڑے بڑے فرنگی محققین یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۂ نبوی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم و تحقیق، وسعت مشرب و بے تعصبی کی دھاک بٹھاکر تمہید بڑے زور کی اُٹھاتے ہیں اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیمبر عرب اور مصلح عالم کی نعت اور مقننِ اعظم اور "تمثیل موسیٰ" کی منقبت میں دریا کے دریا بہادیں گے لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ انہیں کچھ خلل دماغ سا تھا۔ یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سُن سُناکر چرالیتے تھے وقس علیٰ ہٰذا۔ تو یہ بھی ٹھیک اُسی قدیم یہودیانہ دجل و تلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس۔ ١٦٥ یعنی حقیقۃً اور دل سے تصدیق تو بس اپنے ہی والوں کی کیا کرو۔ وہی یہود کا قول چل رہا ہے۔ ١٦٦ (جواب اسلام کے نام سے ظاہر ہوئی ہے اور جس کی صداقت پر دلائلِ عقلی و نقلی قائم ہیں نہ کہ تمہارے محدثات و مخترعات) قُلْ۔ میں خطاب پیمبر علیہ السلام سے ہے۔ اور یہ فقرہ کلام یہود کے جواب میں ہے۔ ١٦٧ (اور اسی ڈر سے سہمے جارہے ہو) مِثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ۔ یعنی دولتِ نبوت۔ خطاب قوم یہود سے ہے۔ یعنی تمہیں اصل خلش تو بس اس کی ہے کہ انبیاء تو ہمیشہ ہماری نسل و قوم سے پیدا ہوتے رہے ہیں اب ایک عرب اور اسمٰعیلی کو یہ دولت کیسے ملی جارہی ہے۔ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان یہود پر یہ کہہ کر غلبہ نہ حاصل کرلیں کہ ان لوگوں نے بھی تو دنیا میں ہماری تصدیق کی تھی۔ مفسر واحدی نے کہا ہے کہ یہ آیت تفسیر کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے (روح) ١٦٨ (اپنی حکمتِ مطلقہ اور مصلحتِ کاملہ کے مطابق) قُلْ۔ میں خطاب پیمبر علیہ السلام سے ہے۔ وَاسِعٌ۔ اس کے کارخانۂ فضل و عطا میں کمی نہیں پھر یہ کیوں فرض کرلیا گیا کہ فلاں نسل یا قوم ہمیشہ محروم ہی رہے گی۔ عَلِیْمٌ۔ وہ اپنے علمِ کامل کے مطابق جس کی جیسی استعداد دیکھتا ہے اُسے وہ نعمت عطا کردیتا ہے۔ ١٦٩ (بخل اور کمی کا اُس کے ہاں گزر کہاں) مَنْ یَّشَآءُ۔ وہ جسے چاہتا ہے حسبِ مصلحتِ تکوینی۔ ١٧٠ (بہ احتیاط و دیانت تمام یعنی یہود سب کے سب یکساں نہیں بعض ان میں ایسے ایسے امین و متدین بھی ہیں یہی لوگ آگے چل کر مسلمان ہوگئے۔ ١٧١ یہود کے حبِ زر کی یہ کتنی صحیح تصویر ہے۔ دِیْنَارٍ Denarins رُومی حکومت کا ایک طلائی سکہ۔ عرب میں بھی مستعمل تھا۔ آج بھی یورپ کے مختلف حصوں میں چل رہا ہے۔ اُردو میں اس کا مفہوم اشرفی سے ادا ہوسکتا ہے۔ مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا۔ یعنی وہ ادائے امانت میں برابر حیلہ و حوالہ کرتا رہے گا اور اس سے تقاضا برابر جاری رکھنا پڑے گا۔ اراد بابقاء ادامة المطالبة لا عين القيام (قرطبی) ١٧٢ (کہ ایسا کوئی مسئلہ ہرگز شریعتِ اسرائیلی و موسوی میں موجود نہیں) الْاُمِّیّٖنَ یعنی اُم القریٰ مکہ کے باشندے۔ یہود نسلی فخر و عصبیت اور قومی غرور سے بھرے ہوئے یہود، اہل مکہ کو اپنے سے بہت فروتر رکھتے تھے۔ لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ۔ یہود غیر یہود یا Gentiles. کے ساتھ کاروباری تعلق کے سلسلہ میں بدمعاملگی کے لئے برابر بدنام رہے ہیں۔ قومی مفاخرت اور نسلی نخوت کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے۔ گوروں کا برتاؤ کالوں کے ساتھ آج دنیا کے ہر علاقہ میں کیا ہے! سَبِیْلٌ۔ سبیل کے معنی یہاں حجۃ کے ہیں۔ اور یہ معنی قرآن اور کلام عرب میں عام ہیں۔ السبيل الحجة وقوله فاولٰئك ما عليهم من سبيل من هذا المعنى وهو كثير فی القرآة و كلام العرب (بحر) یَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ یہ جھوٹے ہیں اپنے اس دعوے اور اس انوکھے اصول مذہب و اخلاق میں۔ اس تفصیل نے یہود کے جرم کی شناعت کہیں زیادہ بڑھادی۔ وہ صرف فسق عملی ہی میں مبتلا نہ تھے بلکہ ایک بے اصل عقیدہ بھی گڑھ لیا تھا۔ اور اعمال سے کہیں گزر کر عقائد کی خرابی میں مبتلا ہوچکے تھے۔ ١٧٣ (اور یہی خوفِ خدا اور تقویٰ ہی ساری خوش معاملگی کی بنیاد ہے) بَلٰى یعنی ذمہ داری کیوں نہ ہوتی۔ ہے اور ضرور ہے۔ عَهْدِهٖ۔ عہد خالق کیساتھ ہو یا مخلوق کے اس کی پابندی بہرحال لازمی ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت سے وفاء عہد کی بڑی تعظیم نکل رہی ہے۔ اس لئے کہ تمام طاعات کا خلاصہ صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک احکام الٰہی کی تعظیم۔ دوسری خلق اللہ پر شفقت اور وفاء عہد ان دونوں قسموں کی طاعتوں کا مجموعہ ہے (کبیر) ١٧٤ یعنی کسی دُنیوی طمع میں آکر ان پابندیوں کو توڑ رہے ہیں۔ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ دُنیوی معاوضہ ہمیشہ اُخروی اجر کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوگا۔ یہ مراد نہیں کہ اگر زیادہ معاوضہ مل رہا ہو تو بددیانتی اور عہد شکنی جائز ہوجائیگی۔ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اپنے معاہدوں کی پابندی نہ کرنا اور بدمعاملگی کر بیٹھنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عَهْدِ اللّٰهِ یعنی وہ عہد متابعت جو اللہ سے کرچکے ہیں۔ اَیْمَانِهِمْ۔ یعنی جو قسمیں آپس میں معاملات سے متعلق کھاتے رہتے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ کوئی فریق جو جانتا ہو کہ میں باطل پر ہوں اس بنا پر اپنے کو حق پر قرار نہیں دے سکتا کہ عدالتِ ظاہرہ سے فیصلہ اسکے موافق ہوگیا ہے۔ دلّت هٰذه الاٰية والاحاديث ان حكم الحاكم لا يحل المال فی الباطن بقضاء الظاهر اذا علم المحكوم له بطلانه (قرطبی)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا
اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کو تو یہی پسند ہے کہ تمہیں گمراہ کرکے رہے حالانکہ وہ
يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ
بجز اپنے اور کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے اور (اسکی بھی) خبر نہیں رکھتے ١٦٠ اے اہلِ کتاب تم اللہ کی
لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰۤاَهْلَ
آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو ١٦١ اے اہل
الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ
کتاب تم حق کی تلبیس باطل کے ساتھ کئے جاتے اور حق کو چھپا جاتے ہو
ع ٧/٨ ١٥ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
حالانکہ تم جانتے ہوتے ہو ١٦٢ اور اہلِ کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے ١٦٣ کہ ایمان
اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ
لانے والوں پر جو نازل ہوا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور دن کے
وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا
آخر میں اس سے انکار کر بیٹھو، عجب کیا کہ (وہ بھی) پھر جائیں ١٦٤ اور واقع میں بجز اس کے کہ
لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ
جو تمہارے دین کا پیرو ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے ١٦٥
يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ
اور یہ سب اس غصہ میں کر رہے ہو کہ کسی اور کو وہ چیز مل گئی جو تمہیں ملی تھی یا وہ لوگ تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں

عیسیٰ۔ مریم پرستی، پاپا پرستی، ولی پرستی، شہید پرستی وغیرہا۔ آیت کا یہ ٹکڑا شرک کی جلی، خفی، ساری صورتوں کی تردید کررہا ہے۔ قُلْ۔ خطاب رسول اللہ صلعم کو ہے۔ اَھْلَ الْکِتٰبِ تشریح سورۂ بقرہ کے حاشیہ میں ہو چکی ہے۔ مراد یہود ونصاریٰ دونوں ہو سکتے ہیں۔ یہاں اصلاً اشارہ نصرانیوں ہی کی جانب ہے۔ بَیْنَنَا۔ اس صیغۂ جمع متکلم سے مراد مسلمان ہیں۔ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ۔ یعنی وہ اصل جو ہم کو تم کو دونوں کو مسلّم ہے جس کی تعلیم تمہارے ہاں کے پیمبران برحق ہمیشہ دیتے آئے ہیں۔ اور یہودیت ونصرانیت دونوں دینوں کی بنیاد ہی اسی اصل پر ہے۔ توریت تو خیر تاکید توحید وممانعت شرک سے لبریز ہی ہے۔ انجیل تک میں یہ تعلیم موجود ہے:۔ "تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" (متی ۴: ۱۰) انجیل میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ کچھ پرستش صرف خدا کی کرو اور بعض پرستشوں میں خدا کے ساتھ فرزند خدا اور روح القدس کو بھی شامل کرلیا کرو۔ ١٥٢ (کہ عملاً اسے مرتبۂ خدائی پر رکھ دے) اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ مخلوق پرستی اور مخلوق کی الوہیت کی تردید تو ادھر ہو چکی۔ اب تردید مخلوق کی ربوبیت کی ہو رہی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو مطاع مطلق مان لینا اس کو رب قرار دے لینا ہے۔ دُوْنِ یہاں غیر یا علاوہ کے معنی میں ہے۔ دون ھنا بمعنی غیر (قرطبی) پاپا کی عصمت کیتھولک مسیحیوں کا اور پادریوں کے اجماع یعنی کلیسا Church کی عصمت کل مسیحیوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ "ایک محسوس کلیسا کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اس پر ہمیشہ روح القدس کا سایہ رہتا ہے۔ اس لئے مسائل دین میں کلیسا سے امکانِ خطا ہی نہیں" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ صفحہ ۹۴) قرآن مجید نے انسان کی ان ساری خود ساختہ عصمتوں پر ضرب لگادی۔ یہیں سے ان گمراہ فرقوں کی بھی تردید نکل آئی جو اپنے ان اماموں کے مجرد قول کو بلا دلیل شرعی واجب القبول ٹھیراتے ہیں۔ هذا يدل على بطلان القول بالاستحسان المجرد الذى لا يستند الى دليل شرعى وفيه ردٌ على الروافض الذين يقولون يجب قبول قول الامام دون ابانة مستند شرعى وانه يحل ما حرم الله من غير ان يبين مستندًا من الشريعة (قرطبى) اى لا نطيع احبارنا فى ما احدثوا من التحريم والتحليل (مدارک) انزلوهم منزلة ربهم فى قبول التحريم والتحليل (بحر) کسی کو رب قرار دینے کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس لفظ کا بھی اطلاق اس پر کیا جائے بلکہ اس کے اندر اگر صرف صفاتِ ربوبیت مان لئے گئے تو عملاً وہ رب ٹھہر ہی گیا۔ وان لم يطلقوا عليه لفظ الرب الا انهم اثبتوا فى عقبه معنى الربوبية (کبیر) بَعْضُنَا بَعْضًا۔ مفسر ابن حیان نے اس سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ الوہیت وربوبیت کی تردید تو بس اس فقرہ ہی سے ہو گئی۔ جب ایک دوسرے میں تثلیث اور رشتۂ ہم نسبی قائم ہو گیا تو سب بندے ہونے کی حیثیت سے برابر ہو گئے۔ الوہیت وربوبیت اب باقی ہی کہاں رہ گئی۔ وفى قوله بعضنا بعضا اشارة لطيفة وهى ان البعضية تنافى الالهية اذ هى تماثل فى البشرية (بحر) ١٥٣ (اے مسلمانو!) یعنی اگر اب بھی قبول حق سے روگردانی کرتے رہیں اور اپنے اس گڑھے اور ٹھہرائے ہوئے شرک سے باز نہ آئیں) ١٥٤ (اور بہرحال وبہر صورت وہی توحید خالص کے علمبردار و مبلغ ہیں) مُسْلِمُوْنَ لفظی معنی فرماں بردار کے ہیں اور یہی اصطلاحی نام بھی اس امت کا پڑ گیا۔ اشْھَدُوْا کیا اللہ کی شان ہے کہ یہود ونصاریٰ آج بھی مسلمانوں کی توحید خالص کی شہادت دے رہے ہیں۔ ١٥٥ (اور انہیں خواہ مخواہ یہودی یا نصرانی ٹھہرا رہے ہو) خطاب یہود ونصاریٰ دونوں سے ہے۔ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ۔ یعنی ابراہیمؑ کے دین ومذہب کے بارہ میں۔ لِمَ۔ مخفف ہے لِمَا کا۔ خبر کے التباس سے بچانے اور محض استفہام کا مفہوم رکھنے کے لئے آخر سے الف گرادیا گیا۔ الاصل لما فحذفت الالف فرقا بين الاستفهام والخبر (قرطبى) ١٥٦ یعنی جن کتابوں پر تم اپنی نام نہاد یہودیت اور نصرانیت کی بنیاد قرار دیتے ہو وہ تو خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد کی چیزیں ہیں، تو کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو کہ یہ مذہب اُن کے سر چپکانا چاہتے ہو ١٥٧ یعنی اسی دینِ ابراہیمیؑ سے متعلق۔ مراد یہ ہے کہ جب تم توریت وانجیل ہی کے مسائل میں بھٹکے اور ایسا بھٹکے، حالانکہ وہاں کچھ تو واقفیت اور علم تمہیں حاصل تھا تو اب دینِ ابراہیمیؑ کے بارہ میں کیوں کٹ حجتی پر تلے ہو جس کے بارہ میں تو کوئی شائبۂ علم ہی تمہیں حاصل نہیں۔ ھٰٓاَنْتُمْ۔ میں ھا کا اشارہ مخاطبین کی تحقیر وتنقیص کے لئے ہے۔ والاشارة للتحقير والتنقيص (روح) ١٥٨ (بلکہ شرک سے سخت بیزار تھے اور دُنیا شرک میں توحید کے پہلے علمبردار) حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ ٹھیٹھ اردو میں "سیدھے سادے مسلم"۔ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا۔ جس یہودیت اور جس نصرانیت کی نفی ہو رہی ہے وہ مروجہ اور گھڑی ہوئی یہودیت اور نصرانیت تھی۔ ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا تھا، وہی حضرت ابراہیمؑ کا بھی تھا۔ حضرتؑ کی توحید پرستی یہود ونصاریٰ دونوں کو مسلّم تھی۔ حضرتؑ کے دینِ توحید پر حاشیہ پارۂ اوّل کے رکوع آخر میں گزر چکے۔ فقیہ مفسر جصاص نے لکھا ہے کہ ان آیتوں سے دینِ حق کی حمایت میں دلائل قائم کرنے اور اہلِ باطل کے جواب دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ وفى هذه الايات دليل على وجوب المحاجة فى الدين واقامة الحجة على المبطلين (جصاص) ١٥٩ (دنیا اور آخرت دونوں میں) اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ۔ ابراہیمؑ سے قریب بہ لحاظ دین وعقائد۔ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ۔ وہ لوگ جنہوں نے آپؑ کے زمانہ میں آپؑ کی پیروی کی تھی۔ وَھٰذَا النَّبِیُّ۔ اور یہ نبی جو گویا اُنہی کا پیام لیکر آئے ہیں۔ اور اُنہی کی نیابت اس زمانہ میں کر رہے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی مسلمان۔ فرنگی مؤرخین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم اسرائیلی مذہب کا جانشین اب اگر کوئی ہے تو وہ مسیحیت نہیں جس کے اندر یونان اور رومہ کے جاہلی مشرکانہ عقائد جمع ہو گئے ہیں بلکہ اسلام ہے۔ ملاحظہ ہو "مؤرخین کی تاریخ عالم" Historians History of the World

١٦٠ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے اور انہیں باطل کی قوت پر اتنا غرہ تھا کہ خود اسلام قبول کرنا الگ رہا مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کردینے کی فکر میں لگے رہتے تھے آج بھی کتنے مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا جیتی جاگتی موجود ہے کہ مسلمان مسیحیت قبول کریں یا نہ کریں بہرحال اپنے اسلامی عقائد سے تو ڈگمگا ہی جائیں۔ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ۔ خاص اشارہ یہود کی جانب ہے۔ یُضِلُّوْنَکُمْ۔ خطاب علم مسلمانوں سے ہے۔ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ۔ یعنی حقیقۃً وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں تو کامیاب ہوتے نہیں۔ خود اپنے ہی نامۂ اعمال کو اور زیادہ سیاہ کرتے رہتے ہیں۔ مَا یَشْعُرُوْنَ۔ یعنی ایسے بے عقل، نافہم ہیں کہ حقیقتِ حال کا مطلق شعور نہیں رکھتے۔

١٦١ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ۔ یعنی اللہ کی اُن آیتوں سے جو خود تمہاری کتابوں کے اندر موجود ہیں اور جن میں نبوتِ محمدیؐ کی پوری پوری علامتیں اور بشارتیں درج ہیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ۔ یعنی یہ انکار کچھ ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر نہیں جان بوجھ کر ان آیتوں میں تحریف کر رہے ہو، لفظی بھی اور معنوی بھی۔ ١٦٢ یہاں یہود پر تین الزامات متعین طور پر لگائے گئے ہیں:۔ ۱۔ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اپنی کتابوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ حق بالکل باطل کے تحت میں دب کر رہ جاتا ہے۔ باطل حق کو ڈھانپ لیتا ہے اور تاویل بڑھ کر صریح تحریف بن جاتی ہے۔ ستر اللبس بالخلط والتغطية (بحر) ۲۔ تَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ۔ حق کو سرے سے چھپا ڈالتے ہو اور جہاں جہاں بشارتیں ظہورِ اسلام کی صاف موجود ہیں وہاں عبارتیں کچھ کی کچھ کر دیتے ہو۔ ۳۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یہ سب کچھ اپنے قصد وارادہ سے کر رہے ہو۔ محض اتفاقی طور پر نہیں ہو رہا ہے۔ تحریفات اہلِ کتاب پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں۔ ١٦٣ (آپس میں) قال بعضهم لبعض (مدارک) یہ اشارہ ہے یہود خیبر وعرینہ کی جانب۔ کان احبار قرى عرينة اثنى عشر حبرا فقالوا لبعضهم ادخلوا فى دين محمد اول النهار فاذا كان آخر النهار فاكفروا (ابن جریر) ١٦٤ (اس چال کی تدبیر سے) اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ۔ یہاں ایمان اظہارِ ایمان کے معنی میں ہے یعنی صبح ایمان ظاہر کرو۔ ای اظهروا الایمان (کشاف) ادخلوا فى دين محمد باللسان دون الاعتقاد (معالم عن الحسن وقتادہ) والمراد اظهار الايمان ویمکن ان یراد به التصديق (کر) وجه النهار یعنی اوله (قرطبی) اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی جو ان مومنین کے خیال میں ان پر نازل ہوا ہے۔ ای على زعمهم (کر) لَعَلَّھُمْ۔ ضمیر اُن لوگوں کی جانب ہے جو نومسلم تھے

أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا
پروردگار نہ ٹھیرائے ۱۵۲ پھر بس اگر وہ رُوگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو ۱۵۳ کہ گواہ رہنا ہم تو

مُسْلِمُونَ ۝٦٤ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا
فرمانبردار ہیں ۱۵۴ اے اہلِ کتاب تم ابراہیمؑ کے بارہ میں کیوں جھگڑ رہے ہو ۱۵۵ درآنحالیکہ

أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝٦٥
توریت و انجیل تو ان کے بعد ہی اُتری ہیں تو تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے ۱۵۶

هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ
ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا سو (اب) ایسی

تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ
بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُونَ ۝٦٦ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا
نہیں جانتے ۱۵۷ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہِ راست

وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝٦٧
والے مُسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے ۱۵۸

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا
بیشک ابراہیمؑ سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ

النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝٦٨
نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اُن پر ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے ۱۵۹

منزل ۱

بھی ہو چکا ہے) مَرْجِعُكُمْ خطاب یہاں مومن و کافر، مسلمان و یہود۔ نصاریٰ سب سے ہے۔ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ لفظاً عام ہیں۔ لیکن سیاق میں جس اختلافی و نزاعی امر کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت ہے۔ ۱۴۱ فی الدنیا دنیوی سزا کا حال تاریخ یہود کے صفحات سے پوچھ دیکھئے۔ کون سی تباہیاں ہیں جو اس دو ہزار سال کی مدت میں بیچاروں پر نہیں آچکی ہیں۔ اور آج دولت و ثروت کے باوجود بھی کیسی نکبت سوار ہے! بلکہ جیسا کہ جیوش انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے پارۂ اول کے ایک حاشیہ میں گزر چکا ہے، یہ قومی ثروت و تموّل کا خیال بھی ایک افسانہ ہی ہے ورنہ حقیقۃً قوم پر بجائے دولت کے افلاس مسلط ہے) جرمنی۔ اٹلی۔ ہنگری، رومانیا وغیرہ سے جس بیدردی کے ساتھ نکالے گئے وہ داستانِ خونیں تو ابھی بالکل تازہ ہے۔ وَالْآخِرَةِ۔ رہی آخرت تو سزا کا پُورا پُورا ظہور تو وہیں ہوگا۔ ۱۴۲ الظّٰلِمِينَ ظلم کی حقیقت افراط و تفریط ہے۔ یہاں ظالموں سے مُراد یہود کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و صداقت بلکہ شرافتِ نسب تک کے منکر تھے لیکن دُوسری طرف اس کے تحت میں مسیحی بھی آئے جاتے ہیں۔ جو حضرت کو عبد کے بجائے معبود اور رسُول کے بجائے مظہر یا اوتار قرار دے رہے ہیں۔ اور اس طرح حضرتؑ کے باب میں دونوں ہی ظالم ہیں۔ یعنی مقام عدل و اعتدال سے بہت ہی ہٹے ہُوئے۔ ۱۴۳ (اے ہمارے پیغمبر!) ذٰلِكَ۔ یعنی صحیح قصۂ مسیحؑ، اشارہ بعید اظہار شرف و تکریم کے لئے ہے۔ اشارۃ الی ماتقدم من نبأ عیسیٰ وذکریا وغیرھما (کبیر) والاتیان بمایدل علی البعد للاشارۃ الی عظم شان المشار الیہ وبُعد منزلتہ فی الشرف (روح) مِنَ الْآيَاتِ۔ یعنی آپ کی صداقت و نبوت کی نشانیوں میں سے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے حالات و واقعات جن پر یہود اور نصرانیوں دونوں کی تاریخوں نے غلو و افترار کے گہرے پردے ڈال رکھے ہیں، یہ جو آپؐ قرآن کے ذریعہ سے بالکل صحیح و معتبر طور پر سنا رہے ہیں یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپؐ مؤید من اللہ ہیں اور آپؐ وہی کہہ رہے ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ آپؐ سے کہلا رہا ہے۔ الذِّكْرِ الْحَكِيمِ اشارہ اس طرف ہے کہ آپؐ کی رسالت پر دلیل ہونے سے قطع نظر یہ مضامین بجائے خود بھی پُرحکمت و پُرمعرفت ہیں۔ ۱۴۴ (اسی طرح عیسیٰؑ ابن مریمؑ بشر محض اور حادث و مخلوق ہیں انہیں قدیم اور غیر مخلوق کس طرح مان رہے ہو) مَثَلُ۔ یہ تشبیہ کس لحاظ سے تھی؟ بشر محض ہونے اور بغیر باپ کے پیدا ہونے میں تھی۔ اٰدَمَ۔ جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہُوئے تھے اور پھر بھی بشر محض تھے۔ لَهٗ۔ ضمیر حضرت آدمؑ کے خاکی پُتلے کی طرف ہے۔ یہ جواب ہے اس مشہور مسیحی شبہہ کا، کہ جب مسیحؑ کی پیدائش ساری دنیا کے عام ضابطہ کے خلاف بغیر باپ کے توسط کے ہُوئی، تو انہیں بجائے فوق البشر کے محض بشر کیسے تسلیم کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ آدمؑ کو بشر تو تم خود ہی تسلیم کرتے ہو درآنحالیکہ ان کی پیدائش تو عجیب تر طور پر ہُوئی یعنی وہاں ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کا بھی توسط نہ تھا مخلوق ہونے اور حادث ہونے کا دار و مدار کسی خاص و متعین طرز ظہور و وجُود پر نہیں مطلق حدوث پر ہے اور وہ آفرینش عیسیٰؑ میں پوری طرح موجود تھا۔ مسیحیوں میں ایک قدیم فرقہ ایرین Arians ہوا ہے۔ اس کا بانی Arius چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں اسکندریہ کا لاٹ پادری تھا۔ اس کی تعلیم یہی تھی کہ مسیحؑ قدیم و غیر مخلوق نہیں، مخلوق و حادث تھے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱ ص ۵۰۸ طبع چہاردہم) اس سے بھی قبل انطیوخ کے بطریق پال محوسطوی (مشہور و معروف پولوس طرسوسی سے اسے خلط نہ کیجئے) کی تعلیم تیسری صدی عیسوی میں بھی یہی تھی کہ عیسیٰ مسیحؑ کی پیدائش ایک دوشیزہ ہی کے بطن سے ہُوئی تھی بواسطہ روح القدس اس لئے وہ بشر محض تھے۔ روح القدس کے توسط نے انہیں خود ہی مقدس بنا دیا تھا۔ اور اس لئے وہ مسیح تھے لیکن شریک الوہیت بہرحال نہ تھے (ایضاً۔ جلد ۱۷ ص ۲۹۸ نیز انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱ ص ۱۷۱) مسیحیوں کے صاحب فہم طبقہ میں برابر اس طرح کی تحریکیں صحیح عقیدہ کی اُٹھتی رہی ہیں لیکن کلیسا کے عام جمود و تصلّب نے کبھی ان اصلاحی تحریکوں کو عام نہ ہونے دیا۔ ۱۴۵ (اس حقیقت کے باب میں اے مخاطب!) قرآن مجید میں خطاب کہیں براہِ راست رسُول اللہ صلعم سے ہے اور کہیں عام مخاطب افرادِ اُمّت ہیں اور ضمیر واحد حاضر دونوں کے لئے یکساں و مشترک ہے۔ دونوں کا فرق و امتیاز مفسّر کے ذوق پر منحصر ہے۔ ان سطور میں زیادہ سے زیادہ اتباع مفسّر تھانویؒ کے ذوق کا کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسُول اللہ صلعم سے ہے۔ اور مُراد آپؐ کی اُمّت ہے اس لئے کہ خود آپؐ سے تو اس کا امکان ہی نہ تھا۔ الخطاب للنبی صلعم والمراد امتہ (قرطبی) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یہ حقائق پروردگار عالم کی طرف سے بیان ہو رہے ہیں اس لئے شک و شبہ کی گنجائش سے بالاتر ہیں۔ ۱۴۶ (اے پیغمبر!) فِيهِ۔ یعنی ربوُبیت و الوہیت مسیحؑ کے باب میں۔ سورہ کے شروع میں جو حاشیے ہیں انہیں ایک بار پھر نظر میں لے آیا جائے سورہ کا اصلی موضوع مسیحیت اور عقیدۂ الوہیت مسیحؑ کا رد ہے۔ گفتگو نجران کے مسیحی وفد سے چل رہی ہے۔ فَمَنْ حَاجَّكَ یعنی ان مسیحیوں میں سے اب بھی کوئی آپؐ سے اپنی سخن پروری جاری رکھے۔ الْعِلْمِ۔ اور علم بھی کیسا؟ ظنّی و تخمینی نہیں۔ حتمی۔ قطعی یقینی۔ ۱۴۷ بطور اتمام حجّت کے۔ اب جبکہ زبانی افہام و تفہیم اور دلائل کے سارے مرتبے طے ہو چکے اور مسیحی اپنی بات کی پچ پر اڑے ہوئے ہیں) ۱۴۸ اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں مباہلہ ہے۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تضرع و الحاح کے بعد اُسی کے فیصلہ کا منتظر رہتا ہے۔ نَدْعُ۔ ضمیر متکلم سے مُراد ہر دو فریق اور اُن کے افراد ہیں۔ أَبْنَاءَ محض صلبی بیٹے مراد نہیں نواسہ داماد وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نِسَاءَ۔ بیویاں اور بیٹیاں دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ص ۱۲۱ حاشیہ ۱ میں بیان ہو چکا ہے کہ سنہ ۹ ہجری میں مسیحیان نجران کے ۱۴ اکابر رسُول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہُوئے تھے گفتگو الوہیت مسیحؑ کے مسئلہ پر رہی۔ اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ مسیحی اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر کار آپؐ نے وہی کیا جو ایک سچّا اور مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا۔ آپؐ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دیدی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے خاص اقرباء کو لیکر اپنے پروردگار ہی سے بہ تضرع و الحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ آپؐ نے یہ فرمایا اور اپنی اولاد یعنی سیّدہ فاطمہؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا حضرت حسنؓ اور سیدنا حضرت حسینؓ کو ہمراہ لیکر آپؐ تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمّی رعایا بن کر اسلام کی حکومت میں رہنا گوارا کر لیا جائے۔ سر ولیم میور مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے اور محض مسیحی ہی نہیں مشنری بھی۔ اُن کے قلم سے ملاحظہ ہو:۔ ”سارے واقعہ میں محمدؐ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز اُن کے اس عقیدہ کی شہادت کہ اُن کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے حق تمام تر انہی کے ساتھ ہے۔ درآنحالیکہ اُن کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز ظن و تخمین کے اور کچھ نہ تھا“ (میور کی لائف آف محمدؐ ص ۳۶۰) ۱۴۹ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔ یعنی یہ سارا سلسلۂ واقعات جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحؑ اور مادر مسیحؑ دونوں بشر محض تھے۔ ای المذکور فی شان عیسیٰ علیہ السلام قالہ ابن عباس (روح) ای ماقص من نبأ عیسیٰ ومریم (بیضاوی) تکرار و اعادہ تاکید کے لئے ہے۔ الضمیر للقصد و التاکید (روح) وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ کوئی بھی شریک الوہیت نہیں۔ نہ بہ لحاظ ذات اور نہ بہ لحاظ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصّے سب خرافات ہیں۔ مِنْ زائدہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ من زائدۃ للتوکید (قرطبی) فی افادۃ معنی الاستغراق الْعَزِيزُ۔ ہر ارادہ پر غالب۔ قادر مطلق۔ یہ صفت بجز باری تعالیٰ کے مسیحؑ وغیرہ کس میں ہے؟ الْحَكِيمُ۔ حکیم مطلق علیم مطلق اس صفت کا تحقق بجز باری تعالیٰ کے مسیحؑ وغیرہ کس میں ہوتا ہے؟ ۱۵۰ یعنی اُن لوگوں کا جو دین و اعتقاد میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی اتنی توضیحات کے بعد بھی اپنی سرتابی جاری رکھیں۔ عَلِيمٌ۔ علم کامل رکھنے والا اور اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا۔ ۱۵۱ (نہ فرزند کہہ کر، نہ اقنوم ٹھہرا کر، نہ مظہر یا اوتار بنا کر، نہ اور کسی حیثیت سے) لاتعبد الا اللہ۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کئی صدی بعد کی چیز ہے۔ قرآن کے معاصر جو مسیحی تھے وہ کیتھولک فرقہ یا کلیسائے رُومی کے متبع تھے۔ اور اس فرقہ میں مسیح پرستی اور روح القدس پرستی تو خیر تھی اس کے علاوہ بھی خدا معلوم کتنی اور پرستیاں موجود

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ
سو کہیں، تو شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ۱۴۱ پھر جو کوئی آپ سے اس باب میں حجت کرے بعد اس کے کہ
مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ
آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے ۱۴۲ تو آپ کہہ دیجیے ۱۴۳ کہ اچھا آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ
بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی، پھر ہم
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں ۱۴۸ بے شک یہی ہے
الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ
سچا واقعہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اللہ کے اور بیشک اللہ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
ہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ۱۴۹ سو اگر یہ (اب بھی) سرتابی رکھیں تو بیشک اللہ
عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا
خوب جاننے والا ہے مفسدوں کا ۱۵۰ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب ایسے قول کی طرف
اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ
آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ۱۵۱ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ

ع ٦/٩ ١٤

منزل ١

"مکر" کیا۔ (۲) اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا وہ "کید" سے کام لیتے ہیں اور میں بھی "کید" سے کام لیتا ہوں۔ (۳) جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا "برائی" کی سزا ایسی ہی ایک "برائی" ہے۔ (۴) قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض "ہنسی" کرتے ہیں، اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔ (۵) فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر زیادتی کرو۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی "مکر" نہ مکر ہے، نہ "کید" کید ہے۔ نہ "سیئہ" سیئہ ہے، نہ استہزاء استہزاء، نہ زیادتی زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی و تعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکو میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکو محمود بھی ہو سکتا ہے اور مکو مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ المكر الخديعة والاحتيال وقال الليث احتيال في خفية (تاج) وفي البصائر المكر ضربان محمود وهو ما تحرى به امر جميل ومذموم وهو ما تحرى به فعل ذميم (تاج) المكر صرف الغير عما يقصده بحيلة وذلك ضربان مكر محمود ومذموم (راغب) پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر و فریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ اور اللہ کی تدبیریں سب سے اونچی اور سب پر غالب آنے والی ہیں اس کا مقابلہ جس طرح کوئی جسمانی قوت اور مادی زور سے نہیں کر سکتا اسی طرح کسی کی عقل، تدبیر اس کے سامنے پیش نہیں پا سکتی۔ چنانچہ یہاں بھی اُس کی حکمت و تدبیر کارگر رہی۔ حضرت عیسیٰؑ زندہ و سلامت رہے۔ اور صلیب دیتے وقت یہود عوام نے تو ہجوم و ازدحام کے گڑبڑ اور وقت کی تنگی سے اور سولی گھر کے رومی سپاہیوں نے شناخت نہ ہونے کی بنا پر یوں کہا کہ حضرتؑ ہی کے قوم کے کسی ہم شکل، ہم عمر، ہم وضع کو سولی پر چڑھا دیا۔ کلیسا کا آج عام عقیدہ حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے، صلیب پر وفات پانے اور پھر تیسرے دن جی اٹھنے کا ہے لیکن مسیحیوں کے بعض قدیم فرقہ Bosiledious باسلیدیہ وغیرہ) ٹھیک اسی اسلامی عقیدہ کے ہو چکے ہیں ۱۳۵ (حضرت عیسیٰؑ سے ان کی گرفتاری کے موقع پر) واقعات و حالات کی رفتار سے حضرت عیسیٰؑ کو اپنا انجام یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کریں گے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے۔ اور پھر رومیوں کی ملکی عدالت میں لے جا کر انہیں سزائے موت دلوائیں گے۔ یہ ارشاد الٰہی حضرتؑ سے اُن کی تسکین کے لئے اسی موقع گرفتاری پر ہوتا ہے ۱۳۶ (تمہارے وقتِ معہود پر) سو تم ان ظالموں کے مکر و عداوت سے گھبراؤ نہیں۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اے ستوفی اجلك ومعناه اني عاصمك من ان يقتلك الكفار ومؤخرك الى اجل كتبته لك (كشاف) مميتك حتف انفك لا قتلا بايديهم (مدارك) مؤخرك الى اجلك المسمى عاصمًا اياك من قتلهم (بيضاوي) انى متمم عمرك فحينئذ اتوفاك فلا اتركهم حتى يقتلوك بل انا رافعك الى سمائي ومقربك بملائكتي و اصونك عن ان يتمكنوا من قتلك وهذا تاويل حسن (كبير) تَوَفِّيْ کے معنی میں پورا پورا دینے کا مفہوم شامل ہے۔ اس لئے اشارۃً گویا یہ بھی ارشاد ہو گیا کہ تمہیں طولِ حیات پورا پورا ملے گا ۱۳۷ (اس درمیان میں) یعنی تمہاری وفات تو اپنے وقتِ مقرر پر جب ہو گی ہو گی۔ تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے کسی منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سر دست اس کا انتظام یوں کیا جا رہا ہے کہ تمہیں انکے درمیان سے اُٹھا لیا جائے گا۔ اِلَيَّ یعنی آسمان کی طرف۔ ملاءِ اعلیٰ کی جانب۔ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ قرآن میں یہ محاورہ عام ہے۔ جہاں تعظیم و تفخیم مقصود ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب کر دیتا ہے۔ مثلاً ہجرتِ ابراہیمی کی عظمت کا اظہار مقصود تھا تو پیرایۂ بیان یہ رکھا گیا۔ انی ذاهب الى ربی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہجرتِ ابراہیمیؑ عراق سے شام کی طرف ہوئی تھی۔ اى الى سمائى ومقر ملائكتى (كشاف) اى محل كرامتى ومقر ملائكتى (بيضاوي) اى سمائى ومقر ملائكتى (مدارك) رَافِعُكَ۔ حضرت مسیحؑ کے رفع جسمانی کی صراحت تو قرآن مجید میں موجود تھی۔ لیکن قریب بہ صراحت ہونے کے تو یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اور احادیث نے تو اسے اور صاف اور مؤکد کر دیا ہے۔ واولى هذه الاقوال بالصحة عندنا قول من قال معنى ذلك انى قابضك من الارض و رافعك الى لتواتر الاخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (ابن جرير) مميتك فى وقتك بعد النزول من السماء و رافعك الآن (مدارك) ابن جریر کی عبارت میں لتواتر الاخبار عن رسول الله کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں اور اسی عقیدہ پر محققین اُمت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی جب پیدائش عام انسانی قاعدہ توالد و تناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخۂ جبریل سے ہو گئی تو اس میں استبعاد کیا ہے۔ بلکہ یہ تو اور قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام بھی معمولِ عام سے ہٹ کر ہوا۔ اور عجب کیا جو مس نگی نے آپ کے جسم میں لطافت بھی شروع سے ایسی رکھ دی ہو جو آپ کے صعودِ آسمانی میں معین ہو سکے۔ اور یہ دلیل تو بالکل بودی ہے کہ آپؑ کے رفع آسمانی سے آپ کی افضلیت دوسرے انبیا خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آ جاتی ہے۔ آخر خدا معلوم کتنے فرشتے دن رات زمین سے آسمان پر جاتے ہی رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیاء سے افضل ہو گئے؟ ایک یورپین فاضل De Benson ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب اسلام یا حقیقی مسیحیت Islam or True Christianity کے نام سے لکھی تھی۔ اس کے صفحہ ۱۴۲ کے حاشیہ میں اس نے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیحؑ کے رفع جسمانی کا تھا۔ نہ کہ وفاتِ مسیحؑ کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں بھی اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے ہی ایک جدید فرقہ نے وفاتِ مسیحؑ کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی سے کمال "روشن خیالی" سمجھ رہا ہے ۱۳۸ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الفاظ تو عموم ہے لیکن سیاق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی لوگ مراد ہیں جو حضرت کی نبوت و صداقت کے منکر تھے یعنی یہود۔ المراد من الموصول اليهود (مع) من الذين كفروا يعني اُن لوگوں کی سختیوں سے ان کی افترا پردازیوں سے۔ مما قالوه فيك وفى ابنك (بحر) مطلب یہ ہے کہ یہود کے سارے مکائد کُھل کر رہ جائیں گے اور انہوں نے جیسے جیسے گندہ الزامات تراشے ہیں سب کی قلعی اُتر کر رہے گی۔ ۱۳۹ (تمہاری نبوت و صداقت کے) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے یہاں بھی کھلی ہوئی مراد یہود ہی ہیں جیسا کہ اوپر کے حاشیہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وهم اليهود (كبير) اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ۔ یعنی جو عیسیٰؑ کی رسالت و نبوت کے قائل ہیں مراد مسلمان اور سچے عیسائی ہیں۔ وقيل اراد به النصارى (معالم) قال قتادة والربيع والشعبي ومقاتل والكلبي هم اهل الاسلام (معالم) واما بعد الاسلام فهم المسلمون واما النصارى فهم ان اظهروا من انفسهم موافقة فهم يخالفونه اشد المخالفة من حيث ان صريح العقل يشهد انه عليه السلام ما كان يرضى بشىء مما يقوله هؤلاء الجهال (كبير) فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یہ مسلمانوں اور سچے عیسائیوں کا غلبہ یہود و معاندینِ مسیحؑ پر قیامت تک کس معنی میں اور کس حیثیت سے رہے گا، قوتِ دلائل کے لحاظ سے اور معنوی حیثیت سے تو بالکل ظاہر ہے لیکن اگر مادی، حربی، ملکی و سیاسی حیثیتیں مراد ہوں، تو بھی اس وقت تک جو کیفیت یہود کی دنیا کے ہر حصہ میں ہے انہیں اس پیشگوئی کا مصداق بنانے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بہر حال مراد دونوں شقیں ہو سکتی ہیں۔ اے ظاهرين قاهرين بالعزة والمنعة والحجة (معالم) المراد من هذه الفوقية الفوقية بالحجة والدليل (كبير) اى بالقهر والسلطان والاستعلاء (كبير) يعلونهم بالحجة وفي اكثر الاحوال بها وبالسيف (مدارك) صاحبِ کبیر و صاحبِ معالم دونوں کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے دونوں نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ یہود کو دیکھو ہر جگہ ذلیل، خوار اور حکومت سے محروم ہیں بہ خلاف اس کے عیسائی بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں ۱۴۰ (اور وہ فیصلہ عملی شکل میں اور القطاعی طور پر ہو گا، ورنہ جہاں تک حجت اور دلیل کا تعلق ہے وہ فیصلہ تو اس وقت

میں شریعت سے مُراد شریعتِ موسوی ہی ہوتی ہے)   حُرِّمَ عَلَیْکُمْ یعنی شریعتِ موسوی میں جو چیزیں تم پر حرام تھیں۔ قانونی جُزئیات اور فقہی فروع میں ترمیم و تسہیل، عمومی تصدیق و تائید کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اُحِلَّ لَکُمْ مسیحی تعلیم نے
قدیم موسوی شریعت میں جو بعض سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی تھیں ان کا ذکر انجیل مرّوجہ میں بھی موجود ہے۔ مثلاً:۔ "اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو۔ سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اُٹھا لو
اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جُوا نرم ہے اور میرا بوجھ ہلکا" (متی۔ ۱۱: ۲۸۔ ۳۰) یہ مُراد بھی ہو سکتی ہے کہ تمہارے حبروں اور ربیوں نے اپنی طرف سے جو احکام توریت میں خلط ملط
کر دیئے ہیں میں اُس سارے بوجھ کو تم سے دُور کرنے آیا ہوں ف۱۲۷ (اپنی نبوت و رسالت کا) اٰیَةً نشان کا لفظ دلائل معجزات سب پر حاوی ہے۔ اور لفظ کے مفرد ہونے سے یہ خیال نہ ہو کہ معنی بھی صیغۂ واحد میں ہے اور کوئی ایک
مخصوص نشان مُراد ہے۔ اٰیة بطور اسم جنس کے ہے اور مراد اس سے سارے ثبوت اور شواہد حضرتؑ کی صداقت کے ہیں۔ انما وحد وھی اٰیات لانھا جنس واحد فی الدلالة علی رسالته (قرطبی) خطاب بنی اسرائیل کو
ہے ف۱۲۸ (بہ حیثیت رسُولِ خدا ہونے کے) فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرو اور اس کے رسُول کی تکذیب کی جُرأت نہ کرو ف۱۲۹ (جس کی تعلیم ابتداء سے لیکر آخر تک سارے ہی پیمبر دیتے آئے ہیں) حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی اصل
تعلیم اسی عبدیت اور اسی توحید کی تھی۔ ظالموں نے اسے مسخ کر کے تثلیث بنا دیا۔ جو شرک ہی کی ایک کھُلی ہوئی شکل ہے۔ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ۔ اس میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ کے مخلوق، مربوب اور عبد ہونے کے اعتبار سے پیمبر اور
اُمتی سب یکساں ہیں۔ فَاعْبُدُوْهُ یعنی صرف اسی کی پرستش کرو، بغیر کسی کی شرکت و آمیزش کے۔ آج جو انجیلیں دنیا کے پردہ پر موجود ہیں ان میں سے ایک انجیل برنابا بھی ہے اس کے انگریزی، عربی، اُردو ترجمے موجود ہیں اور

اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ
پیرو ہیں انہیں قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھنے والا ہوں جو منکر ہیں ف۱۳۹ تم سب کی
اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ
واپسی میری طرف ہوگی سو میں تمہارے درمیان اُس باب میں فیصلہ کر دوں گا جس میں تم (باہم)
تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
اختلاف کرتے رہتے تھے ف۱۴۰ سو جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا انہیں دُنیا اور
شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
آخرت میں سخت سزا دُوں گا اور اُن کا کوئی مددگار
نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
نہ ہوگا ف۱۴۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے سو اللہ
فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾
انہیں اُن کے پُورے پُورے صلے دیگا اور اللہ ناانصافوں کو دوست نہیں رکھتا ف۱۴۲
ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۸﴾
یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں، نشانیوں میں سے ہے اور پُرحکمت مضمون میں سے ف۱۴۳
اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ
بیشک عیسٰی کا حال اللہ کے نزدیک مثل آدمؑ کے حال کے ہے: اللہ نے اُن کو مٹی سے
تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
بنایا پھر اُن سے کہا وجود میں آجا، چنانچہ وہ وجود میں آ گئے ف۱۴۴ یہ امرِ حق تیرے رب کی طرف سے ہے

منزل

وہ حضرت برناباس نامی حضرتؑ کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے۔ اس میں ظہورِ اسلام کی خبریں اور
حضرت ختم رُسُل ؐ کی بابت پیشگوئیاں ایسے صاف و صریح لفظوں میں موجُود ہیں کہ مسیحیوں کو مفر اسی میں نظر
آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کر دیں۔ خیر وہ تو ہر سچے پیغمبر الٰہی کے کلام کی طرح توحید کی تعلیم و تاکید سے لبریز ہی ہے
لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس تعلیم سے خالی نہیں۔ مثلاً۔ یسُوع
نے اس سے کہا۔ اے شیطان دُور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت
کر" (متی۔ ۴: ۱۰) تثلیث کا شرک جن ظالموں کی بھی ایجاد ہو بہرحال حضرت مسیحؑ کا دامن اقدس اس
آلودگی سے بالکل پاک اور منزہ ہے ف۱۳۰ (اپنی ہر سعی اور تبلیغ کے باوجود) اَحَسَّ یعنی پایا، پایا محسوس
کیا حواس ظاہری سے۔ معناہ علم و وجد قاله الزجاج و قال ابو عبیدہ معنی احس عرف (قرطبی)
لایقال ذٰلك الا فی ما کان من جهة الحاسة (راغب) تحقق مایدرك بالحواس (بیضاوی) مِنْهُمْ یعنی
اپنے مخاطبین کی طرف سے جو بنی اسرائیل یا یہُود تھے۔ ای من بنی اسرآئیل (قرطبی) اَلْكُفْرَ یعنی انکار
نبوتِ عیسوی سے اور انکار بھی ظلم و تعدّی کے ساتھ۔ یہ انکار و طغیان علانیہ و برملا تھا۔ کوئی دقیق و مخفی
شے نہ تھی جو مستنبط کی جاتی بلکہ حواس ظاہری ہی سے محسوس ہونے والی کھُلی ہوئی چیز تھی اور یہی نکتہ ہے
کہ یہاں فعل احس استعمال کیا گیا جس کے معنی بالکل ظاہر ظہور پانے کے ہیں۔ فتنبیه انه قد ظهر منهم
الکفر ظهورًا بان للحس فضلا عن الفهم (راغب) ف۱۳۱ آپؑ نے اپنی قوم کو نصرتِ دین کے لئے جو
پکارا اس سے محققین نے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل دین سے دین کے بارہ میں مدد طلب کرنا توکل کے
ذرا بھی منافی نہیں۔ ان سے یہ مدد طلب کرنا اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہ نصرت الٰہی کے مظاہر ہوتے
ہیں۔ اِلَی اللّٰهِ یعنی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے دین کے لئے۔ قال الحسن المعنی من انصاری فی السبیل
الی اللہ (قرطبی) قال ابو علی القاری معنی الی اللہ لِلّٰهِ (بحر) الی ھھنا بمعنی مع او فی او اللام (بیضاوی)
الحوارِیُّوْنَ حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اُسے صاف اور اُجلا کر دینے والے ہیں کے۔ حورت الشئی ای
بیضته ودورته (راغب) واصل الحور فی اللغة البیاض وحورت الثیاب بیضتها (قرطبی)
حضرت مسیحؑ کے ابتدائی مرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے اس لئے آپؑ کے
بعد کے بھی رفیقوں، شاگردوں کا یہی لقب پڑ گیا۔ مجازی معنی مخلص مددگار کے ہیں۔ چنانچہ حدیث
میں حضرت زبیرؓ کے لئے یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ الحواری ایضا الناصر (قرطبی) وقوله صلی اللہ علیه
وسلم لکل نبی حواری وحواری الزبیر (راغب) حواری الرجل صفوته وخالصته (کشاف)
بہرحال وجہ تسمیہ جو کچھ بھی ہو، مسیحؑ کے صحابیوں کے لئے لقب یہی چلا ہوا تھا۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ
حضرت عیسٰیؑ نے تو اپنے مددگار طلب کئے تھے من انصاری گو خدا کے کام کے لئے۔ حواری جواب میں اپنے
کو خدا کے مددگار انصار اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ نحن انصارك الی اللہ
محققین نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ
کرنا ف۱۳۲ مُسْلِمُوْنَ مسلم ہی کا لفظی ترجمہ فرمان بردار ہے۔ مسلم کا اطلاق ہر نبی کے پیرو پر ہوتا ہے کہ حقیقۃً ہر نبی کی دعوت اللہ کی فرمان برداری ہی کی ہوتی ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ حواریوں کا سارا زور ایمان باللہ پر ہے۔ "ابن اللہ" کے تو
تخیل سے بھی وہ بیچارہ آشنا نہ تھے ف۱۳۳ مسیحؑ کے صحابی ابھی مسیحؑ سے گفتگو کر رہے تھے دفعۃً براہِ راست حق تعالیٰ سے مناجات کرنے لگے۔ قرآن مجید اکثر ایسے موقعوں پر یہی کرتا ہے کہ بندوں کے خطاب کا رُخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیر دیتا
ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس اہتمام توحید کا۔ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ حضرت مسیحؑ کے معاصر مسیحی آپؑ کو رسُول بھی تسلیم کرتے تھے۔ "ابن اللہ" "اقنوم" وغیرہ کے خرافات اس وقت تک نہ ایجاد ہوئے تھے نہ ہو سکتے تھے۔ الشّٰهِدِیْنَ۔ گواہ تیری
توحید کے اور تیرے پیمبروں کی پیمبری کے ف۱۳۴ مَكَرُوْا کا اسم فاعل یہُود ہیں۔ یہُود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت و ایذاء کے بہت سے درجے طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ حضرت عیسٰیؑ کو ختم ہی کر دینا چاہیئے چنانچہ پہلے اپنی
مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا آپؑ کو واجب القتل قرار دیا۔ پھر رُومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لاکر ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ حضرت عیسٰیؑ اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا۔ شام اس وقت رُومی
سلطنت کا ایک جزو تھا۔ اور یہاں کے یہُودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی جیسے انگریزی حکومت کے ماتحت والیانِ ریاست کو حاصل رہتی ہے۔ شہنشاہ رومہ کی طرف سے ایک نائب السلطنت
(وائسرائے) شام کا تھا۔ اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر فلسطین کا تھا۔ رُومیوں کا مذہب شرک و بُت پرستی کا تھا۔ یہُود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالتوں میں لائیں لیکن سزاؤں کے نفاذ کیلئے انہیں
پھر انہی مجرموں کو ملکی عدالتوں کے سامنے لانا پڑتا تھا۔ جرم الحاد میں فتوی قتل خود یہُود کی مذہبی عدالت دے سکتی تھی لیکن واقعۃً سزائے موت کا نفاذ صرف رُومی ملکی عدالت کے قبضہ میں تھا۔ اور سزائے موت رُومی حکومت میں سُولی کے ذریعہ
سے دی جاتی تھی۔ یہُود کی اسی گہری اسکیم کی جانب اشارہ قرآن مجید کے لفظ مکروا میں ہے۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے مخالفین و معاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں اُلٹ دیں اور حضرت مسیحؑ کو سولی کی موت سے بچا لیا۔ عربی
زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں
یُوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا "حملہ" "مطلق نہ ہوگا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہو گی یا زیادہ سے زیادہ "جوابی حملہ" یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایۂ ادا یہ ہوگا کہ اُس نے
مجھے ٹھگا۔ میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ۔۔ (۱) مکروا ومکر اللہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾

اور مَیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لیکر آیا ہوں ۱۲۷ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۱۲۸

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اُس کی عبادت کرو یہی میری

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ

راہ ہے ۱۲۹ پھر جب عیسیٰؑ نے اُن کی طرف سے انکار ہی پایا ۱۳۰ تو

قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

بولے میرا کون مددگار ہوگا اللہ کے لئے حواری بولے ہم ہیں

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾

اللہ کے مددگار ۱۳۱ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیے گا کہ ہم فرمانبردار ہیں ۱۳۲

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ

اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے اُس پر جو کچھ تُو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی (اختیار) کرلی رسول کی سو ہم کو

الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ ع

ع ١٣ ٥ ١٣

بھی گواہوں کے ساتھ لکھ لے ۱۳۳ اور انہوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنیوالوں سے بہتر ہے ۱۳۴

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ

(وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے فرمایا ۱۳۵ اے عیسیٰ مَیں تم کو موت دینے والا ہوں ۱۳۶ اور تم کو اپنی طرف (ابھی)

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ

اُٹھا لینے والا ہوں ۱۳۷ اور اُن لوگوں سے جو کافر ہیں تمہیں پاک کرنیوالا ہوں ۱۳۸ اور جو تمہارے

غیر معمولی ہر واقعہ کی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے پیمبر محض واسطہ یا ذریعہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ایک قادرِ مطلق کے وجود کے قائل ہیں ان کیلئے کسی بڑے سے بڑے معجزہ کا نفسِ امکان تو قابلِ انکار بلکہ قابلِ استثناء بھی ہو ہی نہیں سکتا۔ طبعی، غیر طبعی، مادی، غیر مادی، متعارف و مجہول، جلی و خفی اسباب کی تفریق تو بشری تجربات کے لحاظ سے ہے۔ قادرِ مطلق کے لئے سب بالکل یکساں ہیں۔ اب رہا کسی متعین معجزہ کا ثبوت تو اس کا تعلق منطق سے نہیں تاریخ سے ہے۔ عقل سے نہیں نقل سے، درایت سے نہیں روایت سے ہے۔ ظن و تخمین کا یہاں دخل نہیں۔ اب گفتگو صرف سند متصل اور شہادتِ معتبر کی رُو سے ہوگی۔ معجزاتِ مسیحؑ کا ذکر انجیلوں میں بکثرت آیا ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یہ اضافہ اس حقیقت کی تاکید اور اس پر زور دینے کے لئے ہے کہ معجزہ کا ظہور حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ نہ کہ پیغمبر کے اختیار و قدرت سے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے مقصود پیمبر ہی کی تائید و نصرت ہوتی ہے ۱۲۵ یعنی اگر تم خبثِ باطن اور ضد و عناد کو چھوڑ کر ایمان کے طالب اور یقین و اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اَخْلُقُ۔ فعل خلق کا انتساب جب خالق کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مُراد نیست سے ہست کرنا، عدم سے وجود میں لانا ہوتا ہے۔ اور جب انسان کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مُراد ہوتا ہے اندازہ کرنا، ایک خاص انداز سے بنانا اور صورت پیدا کرنا اور یہاں کھُلی ہوئی مُراد یہی ہے۔ خلقه تقديره ولم يرد انه يحدث معدوماً (تاج) الخلق اصله التقدير المستقيم (راغب) الذي يكون بالاستحالة فقد جعله الله تعالى بغيره في بعض الاحوال والخلق لايستعمل في كافة الناس الاعلى وجهين احدهما في معنى التقدير (راغب) اى اُقدّر و اُصوّر (كبير) والمراد بالخلق التصوير والابراز على مقدار معيّن (روح) لَكُمْ یعنی تم میں یقین پیدا کرنے کے لئے۔ اى لاجل تحصيل ايمانكم ودفع تكذيبكم اياى (روح) واللام فى لكم معناه التعليل (بحر) عوام ہمیشہ بجائے دلائل و عقلیات کے معجزہ و خارقِ عادت ہی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور یہود تو اپنی اعجوبہ پسندی میں خصوصیت کے ساتھ بڑھے ہوئے تھے۔ مِنَ الطِّيْنِ۔ اس فقرہ نے اور زیادہ کھول کر اس حقیقت کو حضرت کی زبان سے ادا کردیا ہے کہ مَیں عدمِ محض سے وجود میں ہرگز نہیں لاتا صرف مادہ میں ایک خاص ترکیب و ترتیب کے ساتھ تصرف کردیتا ہوں۔ تقييد بانه لايوجد من العدم الصرف بل ذكر المادة التى يشكل منها صورة الطير (بحر) كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ یعنی پرندوں کی شکل کے کھلونے مٹی سے بناتا ہوں۔ طَيْر یہاں بطور اسم جنس کے ہے۔ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا یعنی میری نفخ دم سے اُن میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اُڑنے لگتے ہیں۔ چاروں انجیلیں جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا کے نزدیک مستند ہیں ان میں اس معجزہ کا ذکر نہیں لیکن جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) Coptic Church کی مستند الیہ ہے، اُس میں یہ صاف مذکور ہے جیسا کہ ڈاکٹر بج Budge نے اپنی کتاب Legends of our Lady Mary کے مقدمہ صہ ۲۹ میں نقل کیا ہے کہ:۔ "وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اُڑ سکتے تھے"۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ جو کچھ بھی میں کر دکھاتا ہوں، اسے کہیں میری قوت و قدرت کا نتیجہ نہ سمجھ لینا یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے سب محض مشیتِ خداوندی و قدرتِ الٰہی کا ثمرہ ہے۔ اَلْاَكْمَهَ۔ اندھوں کو بغیر اپریشن کے بینا کردینا یوں بھی آسان نہیں چہ جائیکہ مادرزاد اندھوں کو، اور اکمہ ایسے ہی کو کہتے ہیں۔ اس معجزۂ مسیحؑ کا ذکر انجیلوں میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً انجیل متی۔ ۹: ۲۷، ۳۰ میں اور انجیل مرقس ۸: ۲۲-۲۵ میں لیکن سب سے زیادہ تفصیل انجیل یوحنا ۹: ۱-۷، میں ہے اور اس میں تصریح اندھے کے مادرزاد یا پیدائشی ہونے کی ہے۔ اَلْاَبْرَصَ۔ کوڑھیوں کے اچھا کرنے کا ذکر انجیل میں دو جگہ ہے۔ ایک جگہ ایک کوڑھی کو شفا دینے کا اور دُوسری جگہ دس کوڑھیوں کو "جب وہ اس پہاڑ سے اُترا تو بہت سی بھیڑ اُس کے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اُسے سجدہ کیا اور کہا۔ اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کرسکتا ہے اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے چھُوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہوجا۔ وہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہوگیا" (متی ۸: ۱-۳) "اور ایسا ہوا کہ یروشلیم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہوکر جا رہا تھا اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اس کو ملے۔ اُنہوں نے دُور کھڑے ہوکر بلند آواز سے کہا۔ اے یسُوع، اے صاحب ہم پر رحم کر۔ اُس نے انہیں دیکھ کر کہا جاؤ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھاؤ اور ایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک صاف ہوگئے" (لوقا۔ ۱۷: ۱۱-۱۴) انجیل کے جدید ناقدوں نے طرح طرح پر جرح کر کے پچھلی صدی میں اناجیل اربعہ کا گوشہ گوشہ مجروح کر ڈالا ہے۔ لیکن اتنے جزو پر یہ ناقدین بھی متفق ہیں کہ مسیحؑ کے معجزاتِ شفا بخشی ثابت شدہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۵ ص ۶۲) نیز انسائیکلوپیڈیا ببلیکا جو خاص انہی تنقیدات کیلئے ہے۔ اس کا کالم ۲۴۴۵۔ اُحْيِ الْمَوْتٰى برناباحواری کی جو انجیل چلی آرہی ہے اس میں تو معجزہ احیاء اموات کی تصریح بھی موجود ہے (صہ ۴۲۱، ۴۲۳۔ انگریزی ایڈیشن) رہیں اور اور انجیلیں جو موجُودہ مسیحیوں کو مسلّم اور اُن کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں بلکہ ان میں متعدد مثالیں اس قسم کے معجزہ کی مذکور ہیں چنانچہ لوقا جو یونان میں طبیب کی حیثیت سے مشہور تھے اُن کی جانب منسوب انجیل میں یہ درج ہے:۔ "تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ نائین نامی ایک شہر کو گیا اور اُس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھو ایک مُردے کو باہر لئے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اُس کے ساتھ تھے اُسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اُس سے کہا رو نہیں۔ پھر اُس نے پاس آکر جنازے کو چھُوا اور اُٹھانے والے کھڑے ہوگئے اور اُس نے کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اُٹھ وہ مُردہ اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اُسے اُس کی ماں کو سونپ دیا اور سب پر دہشت چھاگئی (لوقا۔ ۷: ۱۱-۱۶) نیز (۷: ۲۲؛ انجیل متی (۹: ۱۸-۲۵) میں ایک تازہ میت (ایک سردار کی لڑکی) کے جلا اُٹھانے کا ذکر ہے۔ اور انجیل یوحنا (۱۱: ۱-۴۴) میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک چار روز کے دفن شدہ مُردہ لعزر کے احیاء کا۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ مزید تاکید و تصریح کے لئے اس فقرہ کو مکرر لایا گیا ہے کہ کہیں ان اعجازی تصرفات کو میری جانب نہ منسوب کردینا۔ جو کچھ بھی ہوا۔ محض خدائے برحق کی قدرت و مشیت سے ہوا۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ بعض اہلِ حال سے جو ایسے اقوال منقول ہیں جن میں وہ اپنی جانب ایسے افعال کو منسوب کرگئے ہیں جو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں تو بشرطِ صحتِ نقل وہ دعوے غلبۂ حال پر محمول ہوں گے لیکن ان میں جو اہلِ ادب ہیں وہ ہر ایسے موقع پر حضرت مسیحؑ ہی کی طرح باذن اللہ یا اس کے مرادف کسی فقرہ کی قید لگادیتے ہیں۔ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ یہ بات آپ نے مثال اور نمونہ کے طور پر فرمائی یعنی تمہاری مخفی چیزوں پر بھی اللہ مجھے مطلع کردیتا ہے۔ اٰيَةً۔ یعنی نشان میرے پیمبر اور مؤید من اللہ ہونے کا۔ حضرت مسیحؑ کے ہاتھ سے خوارق کا بکثرت صادر ہونا تاریخ کا ایک مسلّم واقعہ ہے خواہ ان کی توجیہ منکرین کچھ بھی کرتے رہے ہوں۔ یہود نے انہی خوارق کو دیکھ کر آپ کو ساحر و شعبدہ باز کہنا شروع کردیا چنانچہ جوزیفس (متوفی ۰۰ء) نے اپنی تاریخ آثارِ یہود میں آپ کا ذکر اس حیثیت سے کیا ہے اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے:۔ "یسوع نے بحیثیت معلمِ دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بحیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت و ناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی" (جلد ۷ صہ ۱۶۷) ۱۳۶ (یہ ارشادِ خداوندی) مُصَدِّقًا ... التَّوْرٰىةِ کوئی نیا نبی پُرانے نبی کی تردید و تغلیط کے لئے نہیں آتا۔ (اس قسم کی تحقیقات صرف تکملہ و فلسفہ کو مبارک رہے، بلکہ ہر جدید پیامبر پیامِ قدیم کی تجدید و تکمیل ہی کے لئے آتا ہے۔ حضرت مسیحؑ بھی یہاں یہود سے یہی کہہ رہے ہیں کہ مَیں شریعتِ مُوسوی کے مٹانے کے لئے نہیں اُن کی تجدید و تصدیق کے لئے آیا ہوں۔ اس قسم کی تصریحات موجودہ انجیل میں بھی موجود ہیں۔ "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پُورا کرنے آیا ہوں" (متی ۵: ۱۷) "آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے" (لوقا ۱۶: ۱۷) انجیل ...

دوسری طرف یہودیت کے رَد میں آپ کی شہادت دے دی۔ تیسری طرف من المقربین کی ترکیب سے یہ ظاہر کردیا کہ اس مقبولیت میں وہ منفرد نہیں، دوسرے بندے بھی اُن کے ساتھ شریک ہیں اور مسیح باین عظمت و اجلال بہرحال عبدیت سے مافوق کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ ۱۱۸ (نہ کہ معاذ اللہ ساحر یا شعبدہ باز یا بد اخلاق جیسا کہ یہود نے افترا کر رکھا ہے) لیکن باین عظمت و اجلال بہرحال دوسرے ہی بندگان صالح کی طرح ہوں گے۔ من الصلحین۔ نہ کہ ان سے مافوق کچھ اور جیسا کہ مسیحیوں نے اپنے دل سے ٹھہرالیا ہے۔ یُکَلِّمُ النَّاسَ۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے آپ کے جوشِ تبلیغ کی جانب۔ لوگوں سے آپ کی گفتگو قصہ کہانی کی نہیں یقیناً توحید و تصحیح عقائد ہی پر ہوگی۔ انجیلوں سے بھی جتنی شہادتیں ملتی ہیں سب سے تائید آپ کے جوشِ تبلیغ ہی کی ہوتی ہے۔ فِی الْمَهْدِ۔ یعنی بالکل بچپن سے۔ یا اس سن سے جو گہوارہ میں لیٹے رہنے کا ہوتا ہے۔ ای طفلا (کشاف) حال کونہ طفلا (بیضاوی) اتنی کم سنی سے گفتگو پر یہ قدرت اعجازی رنگ میں تھی۔ انجیلی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بارہ سال کے سن میں تبلیغ کرنے لگے تھے۔ اور اچھے اچھے دانا آپ کی گفتگو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ (لوقا۔ ۲: ۴۲، ۴۶، ۴۷) کَهْلًا۔ سے مُراد پختہ عمر سے ہے یعنی بچپن اور بڑھاپے کا درمیانی زمانہ اس کا اطلاق ۳۰ سے اوپر ۵۰ سال کے سن تک ہوتا ہے۔ الکهل بین حال الغلوۃ وحال الشیخوخۃ (قرطبی) الکهل ما بین الشاب والشیخ (روح) حضرت مسیح کے بچپن اور پھر پختہ عمری کے ذکر سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ ہر انسان کی طرح آپ کا نشو و نما بھی تدریجاً ہوتا رہا۔ اور یہ نشو و نما خود ایک مستقل دلیل ردِّ الوہیت پر ہے۔ ۱۱۹ (بہ طریق مواصلت) حسب بیانِ انجیل حضرت مریمؑ کی رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی اور رخصتی کے قبل نامزد شوہر سے خلوت یہودی قانون میں بالکل ممنوع تھی۔ قَالَتْ رَبِّ۔ انجیل میں اس مقام پر ہے کہ "مریمؑ نے فرشتہ سے کہا" (لوقا۔ ۱: ۳۴) قرآن مجید نے اپنے حسب دستور اس موقع پر بھی انجیل کے بیان کی تصحیح کر کے یہ بتادیا کہ مریمؑ کی خاطبت اب فرشتہ سے نہیں براہِ راست حق تعالیٰ سے تھی، اور

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

کتاب اور حکمت اور انجیل سکھا دے گا ۱۲۲ اور وہ پیمبر ہوگا

اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ

بنی اسرائیل کے لئے ۱۲۳ (اور کہے گا) مَیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ

نشانی لیکر آیا ہوں ۱۲۴ مَیں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند صورت بنا دیتا ہوں پھر

الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى

مَیں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور مبروص کو اچھا کر دیتا ہوں اور مَیں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ

ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں

فِیْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

بتلا دیتا ہوں بیشک ان (سارے واقعات) میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَیَّ مِنَ

رکھتے ہو ۱۲۵ اور مَیں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت

التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

کی اور (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں ۱۲۶

ہر صاحب نظر پر واضح ہے کہ اس سے مریمؑ کا مرتبۂ معرفت و ایمان کتنا بڑھ جاتا ہے۔ اَنّٰى يَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ۔ فرشتہ کی زبان سے وہ پوری تقریر سن کر اب حضرت مریمؑ اپنے مالک و مولیٰ سے یہ عرض کر رہی تھیں آپ کا یہ سوال ظاہر ہے کہ حیرت اور واقعہ کی غرابت کی بنا پر تھا نہ کہ شک و انکار کی بنا پر۔ فرشتہ یا فرشتوں سے دو بدو ہو جانے اور اُن کی گفتگو سن لینے کے بعد انکار کا تو اب کوئی محل رہا ہی نہیں تھا۔ استبعاد البتہ باقی تھا جو عین لازمۂ بشریت تھا۔ انجیل نے اس موقع پر جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

"فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا۔ سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا کلام ہے۔ فرشتہ نے اُس سے کہا اے مریمؑ خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع ہوگا وہ بزرگ ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مریمؑ نے فرشتہ سے کہا۔ یہ کیونکر ہوگا جس حال میں کہ مَیں مرد کو نہیں جانتی اور فرشتہ نے جواب میں اُس سے کہا کہ رُوح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی" (لوقا۔ ۱: ۲۸، ۳۴) ۱۲۰ رفع استبعاد کے لئے حضرت مریمؑ کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھنی چاہیئے کہ وہی فاعلِ حقیقی ہے نہ کہ اسباب طبعی و ظاہری پر کہ اُن کی حیثیت محض واسطہ اور ذریعہ کی ہے۔ كَذٰلِكِ۔ یعنی مسِّ بشر کے بغیر ہی۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ۔ ابھی چند ہی آیتیں قبل ذکر زکریا علیہ السلام اور بڑھاپے میں ان کی اولاد کا آچکا ہے۔ وہاں اس موقع کے لئے جو آیت تھی اس کے الفاظ تھے كَذٰلِكَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ وہاں یفعل اور یہاں یخلق کا استعمال محض اتفاقی نہیں۔ مفسّر محقق ابوحیان غرناطی نے خوب لکھا ہے کہ وہاں تو ولادت عام سنتِ الٰہی کے مطابق یعنی مرد و زن کے اتصال سے تھی اگرچہ وہ مرد و زن سن سے اُتر چکے تھے وہاں قدرتِ الٰہی کے اظہار کے لئے یفعل بالکل کافی تھا۔ برخلاف اس کے یہاں عام و جاری سنت الٰہی سے ہٹ کر بغیر مرد و زن کے اتصال کے صرف عورت ہی سے ولادت کا تحقق کرانا ہے۔ اس لئے یہاں لفظ بھی یخلق لایا گیا جو حق تعالیٰ کی صفت ایجاد و اختراع پر دلالت کر رہا ہے۔ هناك يفعل لانه ممكن اذ هو من ذكر وانثى مسنين وهنا يخلق لانه لم يعهد مولود من غير ذكر فجاء بلفظ يخلق الدال على الاختراع الصرف من غير مادة ذكر (نہر) من حيث ان امر زكريا داخل في الامكان العادي الذي يتعارف وان قل وفي قصة مريم يخلق لانه لا يتعارف مثلا وهو وجود ولد من غير والد فيه ايجاد واختراع من غير سبب عادي فلذلك جاء بلفظ يخلق الدال على هذا المعنى (بحر) ۱۲۱ (اور وہ ہو جاتا ہے خواہ اسباب کے واسطہ سے ہو یا بلا کسی سبب ظاہری کے) اس قسم کی آیتیں برابر ان فلسفیوں اور باطل مذہبوں کی رَد میں ہیں جو حادث پر قیاس کر کے قدیم کو بھی سلسلۂ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔ لَهٗ۔ نادانوں نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا خطاب اس سے ہوتا کس طرح ہے؟ کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں تو موجود ہی ہے یعنی اس کو حکم ہوتا ہے کہ خارج میں بھی موجود ہو جا۔ يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ۔ قول کن سے مراد اس دو حرفی لفظ کا تلفظ نہیں کہ یہ حروف تو خود ہی حادث ہیں۔ مُراد اللہ تعالیٰ کا قول اس کیفیت کے ساتھ ہے جو اس کے شانِ کمال کے لائق ہے۔ اور جس طرح اس کی تمام صفات کی تفصیلات فہم بشری کی گرفت سے باہر ہیں اس کے قول کی بھی کیفیت تفصیل سے نہیں سمجھی جا سکتی۔ مُراد صرف یہ کہ ارادۂ الٰہی اور اُس کی تعمیل کے درمیان کوئی شئی حائل یا حاجب نہیں۔ ۱۲۲ يُعَلِّمُهُ میں ضمیر مفعول ظاہر ہے کہ ولد مریمؑ یعنی حضرت عیسٰیؑ کی جانب ہے۔ حضرت کا جو مقامِ عظمت ان الفاظ سے بیان کرنا مقصود ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن خود مریمؑ کی بھی تشفی خاطر کا کتنا سامان ضمناً ہوا جا رہا ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ تم غم نہ کرو اور پریشان نہ ہو۔ بے شوہر ہی اولاد کی بنا پر خلق تمہیں جتنا بدنام اور مطعون کرے گی، اس کی تلافی کے لئے اولاد بھی تمہیں کس پایہ کی مرحمت کی جا رہی ہے۔ الْكِتٰبَ۔ یعنی کتب سماوی۔ لفظ کتاب بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ ذهب كثير دون الى ان ال فيه للجنس والمراد جنس الكتب الالهية (روح) الْحِكْمَةَ۔ حکمت سے مُراد یا تو جمیع اُمور دین ہیں (اور اس سے ضمناً اس پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ پیمبر دینی تعلیم، اپنی کتاب یا صحیفہ کے علاوہ بھی لے کر آتے ہیں) اور یا تہذیب اخلاق جميع ما علمه من امور الدين (روح) المراد بالحكمة تعليم العلوم وتهذيب الاخلاق (کبیر) ۱۲۳ رَسُوْلًا۔ آپ کا مرتبہ پیمبری کا ہوگا۔ نہ آپ معاذ اللہ ساحر و شعبدہ باز ہوں گے جیسا کہ بدتمیز یہود نے آپ کو سمجھا۔ اور نہ (نعوذ باللہ) آپ خود خدا یا فرزندِ خدا ہوں گے۔ جیسا کہ نصرانیوں نے اپنی بیہودگی سے فرض کر لیا۔ اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ یہ بالکل صریح ہے اس باب میں کہ آپ کی دعوت بنی اسرائیل تک محدود تھی اور دوسرے بنی اسرائیلی پیمبروں کی طرح آپ بھی صرف قومی نبی تھے۔ انجیل تک میں بہ تصریح۔ اتنی تحریفوں کے بعد بھی باقی رہ گئی ہے:۔ "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کے کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (متی۔ ۱۰: ۵۔ ۷) "اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا" (متی۔ ۱۵: ۲۴) تقریباً دو ہزار سال کی کلیسا کی ساری ملمع سازیوں کے بعد بھی آج بھی خود مسیحی فاضلوں کو اقرار ہے کہ تبلیغ نصرانیت کی یہ عالمگیری ایجاد بندہ ہے ورنہ خود حضرت مسیحؑ کے ہاں اس تعلیم کا پتہ نہیں۔ مسیح نے اسرائیل کے باہر اپنے مرید تلاش نہیں کئے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۵ ص ۶۳۱ طبع چہاردہم) اور مسیح تو مسیح حواریوں تک کا بھی یہ خیال نہ تھا:۔ "اولین شاگردوں کو تعلیم مسیح کی عالمگیری کا احساس نہ ہوا۔ (ایضاً ص ۶۳۲) ۱۲۴ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ۔ آیۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ یہاں معجزہ کے مفہوم میں آیا ہے۔ معجزہ ایسے واقعہ کے ظہور کا نام ہے جو عام و متعارف سلسلۂ اسباب سے الگ ہو۔ پیمبر کے ذریعہ سے ایسے غیر عادی واقعہ کا وقوع اس امر کی دلیل ہوتا تھا کہ نصرتِ حق و تائیدِ الٰہی پیمبر کے ساتھ ہے۔ معجزہ کا فاعل کائنات کے بڑے چھوٹے معمولی

۱۱۱ (بعض خصوصیات کے لحاظ سے) اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ - یہ قول خواہ بطور الہام ہو جس کا تعلق محض قلب و باطن سے ہے خواہ بطور ندا ہو جس کا تعلق سماعت اور ظاہر سے ہے مَلٰٓئِكَة کے صیغہ جمع سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہنے والے کئی کئی فرشتے ہوں۔ مَلٰٓئِكَة سے مراد جنس ملائکہ بھی ہو سکتی ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ ملائکہ کا غیر انبیاء کے ساتھ ہمکلام ہونا آیت سے ثابت ہے البتہ ملائکہ کے لائے ہوئے پیام تبلیغ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اصْطَفٰكِ ۔ اس اصطفاء کا تعلق مریم علیہا السلام کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے تو شروع ہی سے آپ کو بزرگی دے رکھی ہے، آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ کو خلعتِ وجود بخشا گیا۔ پھر ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرہ میں غذائیں جس اعجازی رنگ میں پہنچائی گئیں اس نے زکریا نبی تک کو متحیر کر دیا۔ یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔ طَهَّرَكِ یعنی آپ کو گناہوں کی آلائش سے پاک صاف کر دیا۔ آپ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونہ بنا دیا۔ یعنی طهر دینك من الریب والادناس التی فی ادیان نساء بنی ادم (ابن جریر) ای نزھك عن الاخلاق الذمیمة والطباع الردیة (روح) روی عن الحسن وابن جبیر ان المراد طھرك بالایمان عن الکفر وبالطاعة عن المعصیة (روح) طھرك من الافعال الذمیمة والعادات القبیحة (کبیر) عن مجاھد عما یعم النساء فی خَلق وخُلق ودین (بحر) عن مجاھد من الریب والشکوك (بحر) یہ خصوصیت کے ساتھ یہود کے رد میں ہے جو اپنی خباثت سے طرح طرح کے گندے الزامات حضرت مریمؑ پر لگائے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آ رہے ہیں۔ ۱۱۲ اِصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ - پہلے اصطفاء کا تعلق مریمؑ کے بچپن سے ہے۔ یعنی

لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ
پاس تھے نہیں، اس وقت جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ اُن میں سے کون مریمؑ کی سرپرستی

مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ۴۴
کرے اور نہ آپ اُن کے پاس اُس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے ۱۱۵

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ
(وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریمؑ! اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے اپنی طرف سے

مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا
ایک کلمہ کی ان کا نام (و لقب) مسیح عیسٰی ابن مریمؑ ہوگا ۱۱۶ دنیا و آخرت

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۴۵ وَیُكَلِّمُ
(دونوں) میں معزز اور مقربوں میں سے ۱۱۷ اور وہ لوگوں

النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۴۶
سے گفتگو کریں گے۔ گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے ہوں گے ۱۱۸

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ
وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں

بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی
لگایا ہے ۱۱۹ ارشاد ہوا ایسے ہی اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے ۱۲۰ جب وہ کسی بات کو

اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۴۷ وَیُعَلِّمُهُ
پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اُس سے کہتا ہے کہ ہو جا ۱۲۱ سو وہ ہو جاتی ہے اور (اللہ) اسے

پیدائش ہی ایسی ہوئی اس اصطفاء کا تعلق ان کے بلوغ کے بعد سے ہے۔ یہ دوسری برگزیدگی خاص خاص حیثیات سے تھی مثلاً اس صفت میں کہ مرد کے توسط کے بغیر محض مسِّ ملکی سے انہیں ماں بنا دیا گیا انجیل میں بھی فضیلتِ مریمؑ کا ذکر ہے لیکن قرآن مجید سے کہیں ہلکے لفظوں میں:۔ ’’اس کنواری کا نام مریمؑ تھا اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے (لوقا ۱: ۲۷، ۲۸) ۱۱۳ آیت ماقبل اگر یہود کے رد میں تھی جنہوں نے مریمؑ کی ذات کو اتہامات کا ہدف بنا رکھا تھا تو یہ آیت یہود و نصارٰی دونوں کے رد میں ہے۔ یہود کو تو یہ بتایا گیا کہ آپؑ بڑی عبادت گزار و طاعت شعار خاتون تھیں اور نصرانیوں کو یہ جتلایا گیا کہ مریمؑ نہ (نعوذ باللہ) خدا کی ماں تھیں اور نہ کسی قسم کی دیوی، کہ ان کی پرستش کی جائے یا انہیں کسی درجہ میں بھی شریکِ عبادت کیا جائے بلکہ ان کی ساری بزرگی و برگزیدگی تو بس یہ تھی کہ وہ اپنے مالک و مولٰی کی مخلص پرستار، فرمانبردار اور نہایت درجہ عبادت گزار و طاعت شعار تھیں۔ ۱۱۴ (اے پیغمبر!) یعنی یہ واقعات وہ ہیں جو آپ سے کئی سو سال قبل ایک دوسرے ملک میں پیش آئے تھے اور اب دنیا سے ان کی صحیح تاریخ تک مٹ چکی ہے اور اُن کے علم واقعی کا کوئی ذریعہ بھی اب بجز وحی الٰہی کے باقی نہیں۔ آپ کو بالکل ٹھیک ٹھیک وحی کے ذریعہ سے القاء کئے جا رہے ہیں اور یہ بجائے خود ایک دلیل آپ کی صداقت کی ہے۔ ۱۱۵ (شام کے دریائے یردن میں تفاؤل کے لئے)۔ اِذْ یُلْقُوْنَ - اس فعل کے فاعل کون تھے؟ یروشلم کے ہیکل مقدس کے خدام اور کاہن (بہ اصطلاحِ یہود) اَقْلَامَهُمْ ہیکل سلیمانی کی خدمت و نگہداشت کے لئے خادموں کی ایک بڑی جماعت رہا کرتی تھی جیسے کہ بڑی مسجدوں کی خدمت کے لئے جاروب کشوں، فراشوں، دربانوں، مؤذنوں وغیرہ کا پورا عملہ رہتا ہے، حضرتِ مریمؑ کے والد حضرت عمران اپنے زمانہ میں ان خادمانِ حرم کے سردار تھے۔ اُن کی وفات پر سوال یہ پیدا ہوا کہ اب مریمؑ کا سرپرست کون ہو۔ رشتہ ان خادموں میں سب سے قریب حضرت زکریاؑ کا تھا کہ آپ مریمؑ کے خالو تھے۔ طے یہ پایا کہ سوال کا حل فال کے ذریعہ سے کیا جائے۔ فال اشارۂ غیبی کی قائم مقام تھی۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ نئے کے قلم جو توریت لکھنے کے ہوتے تھے، اُن پر توریت شریف ہی کے کچھ کلمات لکھ کر انہیں دریائے یردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اور قلم عموماً دریا ہی کے رُخ بہنے لگتے لیکن بعض قلم مخالف رُخ کو بہتے اور یہی مخالف بہاؤ کامیابی کی علامت سمجھی جاتی جیت ایسے ہی قلم کے مالک کی سمجھی جاتی۔ گویا غیب سے ڈگری اُس کے حق میں ہو گئی۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ - خطاب رسول اللہ صلعم سے ہے۔ یعنی جب یہ مریمؑ کی کفالت و سرپرستی کا قضیہ طے ہو رہا تھا تو آپ خود تو وہاں موجود نہ تھے اور نہ کوئی معتبر و چشم دید شہادت ہی آپ تک پہنچی، پھر جو آپ اتنی صحیح اور سچی خبریں اپنی زبان سے ادا کر رہے ہیں۔ ان کا ذریعہ بجز وحی الٰہی کے اور ہو کیا سکتا ہے؟ ۱۱۶ الْمَلٰٓئِكَةُ - کے صیغے جمع پر حاشیے دو بار ابھی اوپر گزر چکے۔ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ - کلمة اللہ پر حاشیہ ابھی چند آیتیں قبل گزر چکا ہے۔ بشارت یہاں مریمؑ کو بیٹے کی مل رہی ہے۔ وہ بیٹا جسے بن باپ کے ہونے کی بنا پر کلمة اللہ کہا گیا ہے۔ حضرت مریمؑ اس وقت تک یہودی رسم و رواج کے لحاظ سے ناکتخدا اور کنواری تھیں البتہ آپ کی منگنی آپ ہی کے کفو و قبیلہ آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی سے ہو چکی تھی۔ جن کے ہاں کاروبار چوب سازی کا تھا۔ انجیل کا بیان ہے:۔ ’’جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریمؑ تھا۔ لوقا ۱: ۲۶، ۲۷) ’’یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی ۱: ۱۸) رسم منگنی کی جو اہمیت یہود کے ہاں تھی اس کے لحاظ سے ہمیں اپنی اصطلاح و زبان میں یوں کہنا چاہئے کہ آپؑ کا عقد ہو گیا تھا۔ مگر رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ گویا خلوت کی اجازت ابھی عرفاً نہیں ہوئی تھی۔ اِسْمُهٗ - اسم کی وسعت مفہوم و جامعیت پر حاشیہ پارۂ اول میں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ اسم مسمّٰی کے تعارف کے لئے ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسٰیؑ کے تعارف کے لئے یہ پوری عبارت ضروری تھی۔ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۔ الْمَسِیْحُ لفظ مسیح کے اشتقاق میں اختلاف ہے لیکن خواہ یہ لفظ عربی الاصل ہو خواہ عبرانی کے کسی لفظ کا معرّب۔ بہرصورت اپنے معنی کے لحاظ سے ’’مبارک‘‘ کا مرادف ہے۔ عِیْسٰی ۔ انجیل کے تلفظ اور املا میں ’’یسوع‘‘ کَلِمَةُ اللّٰهِ قول کے ابْنُ مَرْیَمَ ۔ یہودیت اور مسیحیت دونوں کے رد ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ابن مریم کہہ کر قرآن مجید نے یہ حقیقت بیان کر دی کہ عیسٰی علیہ السلام خود تو بشر تھے ہی۔ فرزند بھی کسی دیوی دیوتا کسی مافوق البشر کے نہ تھے محض عورت ذات کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ - یہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین و افترا روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت و اکرام ہیں۔ یہود کی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیحؑ کی توہین و تحقیر کا نہیں رہا ہے۔ یہ قرآن ہی کی برکت و اعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب خود یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے۔ آخرت کے اعزاز کا مشاہدہ تو خیر جب ہوگا ہوگا۔ دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے ۴۰-۵۰ کروڑ مسلمان آج انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام بغیر علیہ السلام کے نہیں لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں عیسائی ہیں جو انہیں انسان کے مرتبہ سے بھی بلند تر سمجھ رہے ہیں یہ عقیدہ گو احمقانہ ہے لیکن بہرحال آپ کی تعظیم و احترام ہی سے ناشی ہے۔ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ - قرآن مجید کا یہ کمال اعجاز ہے کہ ایک ایک لفظ سے پورا پورا مضمون ادا ہو جاتا ہے۔ یہاں اس لفظ سے ایک طرف تو آپ کا اصل مقام بتا دیا یعنی تقرب الٰہی

کے فضائل میں ہیں:۔ دلت ھذہ الآیۃ علیٰ طلب الولد وھی سنۃ المرسلین والصدیقین (قرطبی) وقد ترجم البخاری علیٰ ھذا باب طلب الولد والاخبار فی ھذا المعنی کثیرۃ تحث علیٰ طلب الولد وتندب الیہ (قرطبی)
ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً۔ طیبہ کے اضافہ نے اسے صاف کر دیا کہ اہل اللہ کی نظر آخرت پر بہرحال رہتی ہے اولاد کی خواہش میں بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن حضرت زکریاؑ محض اولاد ہی نہیں چاہتے، اولاد صالح چاہتے ہیں جو اُن کے بعد اُن کے مشن تبلیغ توحید کو جاری رکھے۔ اللہ والوں کی نگاہ میں اخلاقی و رُوحانی فضائل بہرصورت مقدم رہتے ہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایسے امُور کے لئے دعا کرنا جو اسبابِ قریبہ سے ہٹ کر ہوں، آدابِ دُعا کے منافی نہیں۔ ۱۰۳ (اور بڑا قبول کرنے والا ہے) حق تعالیٰ کی اس صفت پر بار بار زور دینا مادّی اور نیچری عقیدہ کے لوگوں کے رد میں ہے جو واقعات کو تمامتر اسبابِ ظاہری ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اور ارادۂ حق تعالیٰ کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ انجیل میں ہے کہ زکریا نام ایک کاہن تھا۔ اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔" (لوقا۔ ۱: ۵۔۷) ۱۰۴ (دُعا کا قبول ہو گئی۔ اور آپ کو حالت نماز ہی میں فرزند کی بشارت مل گئی۔ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ صیغہ جمع ہے لیکن لازمی نہیں کہ آواز دینے والے کئی ہوں۔ صیغہ جمع اسم جنس کا بھی کام دیتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ آواز دینے والا ایک ہی فرشتہ ہو۔ وجائز فی العربیۃ ان یخبر عن لفظ الجمع (قرطبی) قال الزجاج ای اتاہ النداء من ھذا الجنس الذین ھم الملٰئکۃ (الوسود) ذالک جائز فی کلام العرب بان تخبر عن الواحد بمذھب الجمع (ابن جریر) یَحْیٰی۔ عہد جدید کے صحیفوں میں ان کا نام یُوحَنّا آتا ہے۔ انجیل میں اس موقع پر آتا ہے:۔ "فرشتہ نے اس سے کہا۔ اے زکریا خوف نہ کر کیونکہ تیری دُعا سنی گئی اور تیری بیوی الیشبع تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام یُوحَنّا رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی۔" (لوقا ۱: ۱۳) حضرت عیسیٰؑ کے خالہ زاد بھائی اور آپ سے سن میں حسبِ روایت انجیل صرف چھ مہینہ بڑے تھے ۳۰ء میں والئِ شام ہیرود کے حکم سے شہید ہوئے۔ ۱۰۵ کَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ جس طرح رُوح القدس لقب حضرت جبریلؑ کا ہے، کلمۃ اللہ لقب حضرت مسیحؑ کا ہے۔ یعنی عیسیٰ فی قول اکثر المفسرین (قرطبی) وھو اختیار الجمھور (کبیر) قالہ ابن عباس ومجاھد والحسن وقتادۃ و السدی وغیرھم (بحر) مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کی اصل حیثیت مسیحؑ کے پیش رو اور نقیب ہی کی تھی۔ بعض نے کلمۃ اللہ سے مُراد کتاب اللہ بھی لی ہے۔ قال ابو عبیدہ معنیٰ بکلمۃ من اللہ بکتاب من اللہ (قرطبی) سَیِّدًا یعنی دین کے باب میں مقتدا و پیشوا۔ مسیحی تو خیر آپ کے تقدس کے قائل ہی ہیں، یہود جو آپ کے منکر اور آپ کے سخت دشمن ہیں، وہ بھی آپ کی مرجعیت و مقبولیت سے انکار نہیں کرتے۔ حَصُوْرًا یعنی لذات و شہوات پر اُسے قابو حاصل ہوگا۔ اور وہ نہایت درجہ محتاط و متقی ہوگا، انجیل میں آپ کے زہد و تبتل کا ذکر تصریح کے ساتھ ہے مثلاً:۔ "وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔ اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے رُوح القدس سے بھر جائیگا۔" (لوقا۔ ۱: ۱۶) "اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو اُن کا خدا ہے پھیرے گا اور وہ انبیاء کی رُوح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے۔" (لوقا۔ ۱: ۱۷، ۱۸)

مِّنَ اللّٰہِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ
ہوں گے اور مقتدا ہونگے اور بڑے ضبطِ نفس کرنے والے ہونگے اور نبی ہونگے صالحین میں سے ۱۰۶ (زکریاؑ) بولے
رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَ
اے میرے پروردگار میرے بیٹا کس طرح ہوگا درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری
امْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ
بیوی بانجھ ہیں ۱۰۷ ارشاد ہوا اسی طرح اللہ کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے ۱۰۸ (زکریاؑ) بولے
رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ
اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے ۱۰۹ ارشاد ہوا کہ تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے بات نہ کر سکیگا
اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ
تین دن تک بجز اشارہ کے ۱۱۰ اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو اور تسبیح کرتے رہو دن ڈھلے بھی
وَالْاِبْکَارِ ﴿۴۱﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ
اور صبح بھی ۱۱۱ اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بیشک اللہ نے
اصْطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾
آپ کو برگزیدہ کیا ہے ۱۱۲ اور پاک کر دیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی بیویوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کر لیا ہے ۱۱۳
یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾
اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہ اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہ ۱۱۴
ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ ؕ وَمَا کُنْتَ
یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم آپ کے اوپر ان کی وحی کر رہے ہیں ۱۱۵ اور آپ تو ان لوگوں کے

ع ۱۱ ۴ ۱۲

منزل

"اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا۔" (لوقا۔ ۱: ۸۰) نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ حضرت یحییٰؑ کی نبوت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں ہے جو نعوذ باللہ آپ کو ایک بنا ہوا انسان سمجھتے تھے اور آپ کی صالحیت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں تو مُسلّم ہے لیکن خود مسیحیوں کے مقابلہ میں بھی ہے جن کے نزدیک عصمت و تقویٰ لازمۂ نبوت نہیں۔
۱۰۶ انجیل میں اس موقع پر ہے۔ "زکریاؑ نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بُوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی عمر رسیدہ ہے۔" (لوقا۔ ۱: ۱۸) "ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔" (لوقا ۱: ۷) اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ یعنی اس بشارت کے تحقق کی متعین صُورت آخر کیا ہوگی؟ آیا میری جوانی عود کر آئے گی یا اور کوئی خاص انقلاب ہوگا؟ وعدۂ الٰہی سے بے اعتباری کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ حضرت تو محض متعین صُورت جاننا چاہتے ہیں لیکن بالفرض عدم اطمینان بھی مُراد لی جائے، جب بھی خلاف اسبابِ عادیہ کسی شے کے غیر وقوع پر حیرت بالکل طبعی ہے اور پیغمبر بھی امُورِ طبعی میں بالکل بشر ہی تھے۔ ۱۰۷ (کہ اس حقیقت کا مراقبہ ہر استبعاد کے رفع کر دینے کے لئے کافی ہے) کَذٰلِکَ یعنی عودِ شباب وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ بس ابھی موجودہ حالت کے ساتھ ولادتِ فرزند ہوگی۔ ۱۰۸ (جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ گھر میں حمل ہے اور زمانۂ ولادت قریب ہے اور میں ادائے شکر کا سامان کر سکوں) اٰیَۃً ہر ایسی چیز ہے جس سے قدرتِ الٰہی، نصرتِ غیبی خاص طور پر ظاہر ہو رہا ہو۔ ایسی چیز کو قدرۃً معمولِ عام سے کسی قدر ہٹا ہونا چاہئے اور اس واقعہ میں اعجازی رنگ ضرور ہونا چاہئے۔ ۱۰۹ (اور تسبیح و عبادتِ الٰہی اس حال میں بھی جاری رہے گی) اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ۔ انجیل کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بڑی معصیت حضرت زکریاؑ سے سرزد ہو گئی تھی۔ اور اس کی سزا میں اُن کی قوت گویائی چند روز کے لئے سلب کر لی گئی تھی۔ "اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اسلئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہونگی یقین نہ کیا۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس رؤیا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا۔ اور وہ گونگا ہی رہا۔" (لوقا ۱: ۲۰، ۲۲) قرآن مجید جو تمام قدیم صحیفوں پر مہیمن یا نگران و نگہبان ہے اور انکی تمام غلطیوں اور غلط بیانیوں کی تصحیح کرتا جاتا ہے، یہاں بھی اس نے حسبِ معمول اپنا فرض ادا کیا اور حضرت زکریاؑ سے یہ بہتان رفع کر کے صحیح صورت حال یہ بیان کیا کہ ایک علامتِ غیبی و اعجازی کی تو انہوں نے خود درخواست کی تھی اور ان کی اس درخواست پر یہ علامت غیبی عطا ہوئی تھی کہ آپ تسبیح و ذکر الٰہی تو اپنی جگہ پر بدستور کرتے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے بات چیت کی قوت آپ کو تین دن کے لئے حاصل نہ رہے گی۔ تکلم الناس میں الناس ہی تو فقرہ کی جان ہے۔ انما خص تکلیم الناس لیعلم انہ یحبس لسانہ عن القدرۃ علیٰ تکلیمھم خاصۃ مع ابقاء قدرتہ علی التکلم بذکر اللہ (مدارک) ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ۔ تین دن اور تین راتیں۔ دن کہنے سے رات اس میں تبعاً شامل ہو گئی ہے۔ سکوت طویل خصوصاً صوم سکوت کی حالت میں قدیم مذاہب و ادیان میں جزو عبادت رہ چکا ہے۔ رَمْزًا۔ رمز میں سر کے اشارے بھی آگئے اور ہاتھوں کے بھی۔ انجیل میں ہے:۔ "اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا" (لوقا ۱: ۲۲) فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ اشارہ بھی کلام کا قائمقام ہے۔ فی ھذہ الآیۃ دلیل علیٰ ان الاشارۃ تنزل منزلۃ الکلام وذالک موجود فی کثیر من السنۃ (قرطبی) ۱۱۰ (دل و زبان سے) وَاذْکُرْ وَسَبِّحْ یعنی ذکر الٰہی و تسبیح کا شغل دل میں بھی جاری رہے اور زبان سے بھی۔ یہ نہ ہوگا کہ آپ کی زبان بطور مرض یا عذاب الٰہی کے مطلقاً بند ہو جائے اور آپ بالکل "گونگے" ہو جائیں (جیسا کہ انجیل میں درج ہے) بلکہ ذکر و تسبیح میں آپ برابر لگے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ رہیں گے اور یہی اس امر کی علامت ہوگی کہ حمل قرار پا گیا اور ظہور یحییٰ کا زمانہ قریب آگیا۔ عَشِیّ۔ زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک کا سارا وقت اس میں آگیا۔ العشی من حین ان تزول الشمس الی ان تغیب (کشاف) اِبْکَار۔ طلوع فجر سے دن چڑھے تک کا وقت اس میں شامل ہے۔ الابکار من طلوع الفجر الی وقت الضحیٰ (کشاف) محاورہ میں مُراد صبح و شام کے اوقات کی تعیین و تخصیص ہی نہیں بلکہ دوام بھی ہو سکتی ہے۔

الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ

شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ۹۳ پھر اس کے پروردگار نے اس کو بوجہ احسن قبول کرلیا ۹۴

وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا

اور اُس کو اچھا نشوونما دیا ۹۵ اور اُس کا سرپرست زکریاؑ کو بنا دیا ۹۶ جب کبھی

دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ

زکریاؑ اُن کے پاس حجرہ میں آتے تو اُن کے پاس کوئی چیز (کھانے پینے) کی پاتے ۹۷

قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

(ایک بار) بولے کہ مریم یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ ۹۸ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آ جاتی

اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

ہیں ۹۹ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے ۱۰۰

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ

(بس) وہیں زکریاؑ اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے ۱۰۱ عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنے

مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿٣٨﴾

پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر ۱۰۲ بیشک تو دُعا کا (بڑا) سننے والا ہے ۱۰۳

فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَھُوَ قَاۗىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي

پس انہیں فرشتوں نے آواز دی اس حال میں کہ وہ حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ

الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ

رہے تھے کہ اللہ آپ کو یحییٰؑ کی خوشخبری دیتا ہے ۱۰۴ جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے

منزل

۹۳ والدۂ مریمؑ کی توحید پرستی مناجات کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ وذریتھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدۂ مریمؑ اللہ سے امید لگائے ہوئے تھیں کہ لڑکی کا سلسلۂ نسل چلیگا ۹۴ یعنی والدۂ مریمؑ کی نذر کو اس لڑکی کی شکل میں بھی اللہ نے قبول کرلیا۔ جو تاریخ خدمت ہیکل میں ایک نئی بات تھی۔ مسیحی نوشتوں کے بموجب حضرت مریمؑ تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے قبول کرلی گئی تھیں اور معبد کے چھوٹے بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو ہیسٹنگز Hastings کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۳ ص۲۸۸۔ نیز بج (Budge) کی حکایات خاتون مریمؑ Legends of Lady Mary ۹۵ یہ اچھا نشوونما ممکن ہے کہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے ہو اور ممکن ہے کہ قوائے روحانی و اخلاقی کے اعتبار سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں حیثیتوں سے ہو۔ یعنی سوّی خلقھا من غیر زیادۃ ولا نقصان (قرطبی) ای ربّاھا الرب تربیۃ حسنۃ فی عبادۃ و طاعۃ لربھا قالہ ابن عباس (روح) مجاز عن تربیتھا بما یصلحھا فی جمیع احوالھا (بیضاوی) عبارۃ عن حسن النشأۃ والجودۃ فی خلق و خلق فانشأھا علی الطاعۃ والعبادۃ (بحر) عجیب تماشہ ہے کہ حضرت مریمؑ کے شرف و عظمت کی یہ ساری تفصیلات انجیل میں نہیں، قرآن مجید ہی میں مل رہی ہیں۔ انجیل اس قسم کے جزئیات سے بالکل خاموش ہے۔ ۹۶ زکریّاؑ اللہ کے پیغمبر تھے۔ مسیحی صحیفے ان کے تذکرہ سے گویا بیگانہ ہیں، چار مقدس و مستند انجیلوں میں لے دے کر صرف ایک جگہ ان کا ذکر انجیل لوقا میں آتا ہے۔ وہ بھی پیغمبر کی حیثیت سے نہیں صرف ایک بزرگ و راستباز کاہن کی حیثیت سے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام ایک کاہن تھا (لوقا ۱: ۵) یہ حضرت زکریاؑ رشتہ میں حضرت مریمؑ کے خالو تھے یعنی آپ کی خالہ کے شوہر۔ حضرت مریمؑ کے والد ماجد جناب عمرانؑ کی وفات آپ کے بچپن ہی میں ہوگئی تھی اور ان کی وفات کے بعد ہیکل کے خادموں (یا یہود کی اصطلاح میں کاہنوں) کی سرداری حضرت زکریّاؑ کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ ایک تو مریمؑ کے عزیز قریب اور پھر خدام ہیکل کے سردار حضرت مریمؑ کی تربیت کا واسطہ و ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو بنایا۔ کفّلھا کے لفظ میں اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ یہ سب خدائی انتظامات تھے۔ زکریّاؑ کی حیثیت محض واسطہ یا ذریعہ کی تھی ۹۷ المحراب۔ محراب حجرہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہوکر بیٹھے۔ محراب مسجد کو بھی محراب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس دَر میں امام نماز سب سے الگ اور تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ المحراب الغرفۃ (قاموس) قال الازھری وسمی المحراب محرابًا لانفرادہ الامام فیہ وبعدہ من النّاس (لسان) کلّما۔ ہیکل کے خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل کے اِدھر اُدھر زاویے، حجرے یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے، اُنہی میں سے ایک حجرہ حضرت مریمؑ کا تھا۔ حضرت زکریّاؑ ایک تو یوں بھی سردارِ خدام تھے۔ اور اس حیثیت سے ہر خادم و خادمہ کی نگرانی رکھنا آپ کے فرائض میں داخل تھا اور پھر حضرت مریمؑ کے تو آپ بزرگ و سرپرست بھی تھے ان کے حجرہ میں قدرۃً آپ کی آمد و رفت رہا کرتی۔ قرآن حکیم کے ایک ذرا سے لفظ کلّما نے اس سارے مفہوم یعنی حضرت زکریّاؑ کی کثرت آمد و رفت اور غیر متوقع وجود رزق سب کی طرف اشارہ کردیا۔ وکلّما تقتضی التکرار فیدل علی کثرۃ تعھدہ وتفقدہ لاحوالھا ودلت الاٰیۃ علی وجود الرزق عندھا کل وقت یدخل علیھا (بحر) رزقًا کھانے پینے کا سامان۔ مثلاً تر و تازہ میوے۔ بعض "جدت پسندوں" نے یہاں رزق کے معنی فیض اور علم و حکمت کے لئے ہیں۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کے حدود سے تجاوز کر جانا ہے۔ ابعد من فسّر الرزق ھنا بانّہ "فیض" (بحر) ھذا شبیہ بتفسیر الباطنیۃ (بحر) رزقًا کی تنوین تعظیم و تفخیم کے لئے ہے یعنی وہ رزق کوئی ندرت کا پہلو رکھتا تھا۔ التنکیر فی قولہ رزقًا یدل علی تعظیم حال ذٰلک الرزق کانّہ قیل رزقًا ای رزق غریب عجیبٌ (کبیر) مریمؑ اپنی ساری عظمت و جلالت کے باوجود بہرحال پیمبر نہ تھیں اسی بنا پر محققین اہل سنت نے آیت کو اثبات کراماتِ اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے۔ اور علماء فرقۂ شیعہ بھی اس باب میں اُن سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے۔ واستدل بالاٰیۃ علی جواز الکرامۃ للاولیاءِ لان مریم لا نبوۃ لھا وھٰذا ھو الذی ذھب الیہ اھل السنۃ والشیعۃ وقالت فی ذٰلک المعتزلۃ (روح) وھو دلیل جواز الکرامۃ للاولیاء (بیضاوی) احتج اصحابنا علی صحۃ القول بکرامۃ الاولیاءِ بھٰذہ الاٰیۃ (کبیر) ۹۸ یعنی لاتا تو میں ہی لاتا۔ میرے سوا اور کون اس سامان کا پہنچانے والا ہوسکتا ہے؟ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے۔ استغرب زکریا وجود الرزق عندھا وھو لم یکن اٰتی بہ فسأل علی سبیل التعجب من وصول الرزق الیھا (بحر) ۹۹ (براہِ راست اور بلا کسی واسطۂ ظاہری کے) اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کے خوارق کا ظہور کوئی انوکھی بات نہیں ہوتے ہی رہتے ہیں اور بالفرض اس مومنہ قانتہ کو یہ سامان کسی ظاہری واسطہ سے بھی پہنچ رہے ہوں، جب بھی اس کی نظر تو اس واسطہ پر نہیں براہ راست اللہ تعالیٰ پر تھی ۱۰۰ (خواہ واسطوں سے ہو۔ خواہ بلا واسطہ اور بلا استحقاق) اللہ اپنی مشیت تکوینی کے ہر جزئیہ میں جس طرح آزاد ہے اسی طرح تقسیم رزق کے باب میں ہے۔ اس میں رد آگیا ان مشرک قوموں کا جنھوں نے خوشحالی اور بدحالی کو پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے ۱۰۱ (قدرتِ الٰہی کے تازہ مشاہدہ سے متاثر ہوکر) ھُنَا کا ترجمہ (وہیں) کے علاوہ (معًا) بھی ہوسکتا ہے۔ ھُنالِکَ ظرفیہ کے لئے ہے، اور اس میں ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں شامل ہیں یعنی اُسی جگہ بھی اور اسی وقت بھی۔ اسم یشار بہ للمکان القریب وقد یشار بہ للزمان اتساعًا (جمل) گو اصلی مفہوم ظرف مکان ہی کا ہے۔ یستعمل للزمان والمکان واصلہ للمکان (قرطبی) ای فی ذٰلک المکان او فی ذٰلک الوقت فقد یستعار ھنا وثم وحیث للزمان (کشاف) ھنا ظرف مکان وجوّزان یراد بھا الزمان مجازًا (روح) ھُنالِکَ دَعَا۔ آیت سے استدلال مکان مبارک میں دعا کی مقبولیت پر کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا وقت مبارک میں بھی دعا کی مقبولیت پر حضرت زکریّاؑ کو جب یہ مشاہدہ ہوگیا کہ یہ مقام خرق عادت کے صدور کا ہے تو آپ بھی وہیں دعا کرنے لگے۔ فی قولہ ھنالک دعا دلالۃ علی ان یتوخی العبد بدعائہ الامکنۃ المبارکۃ والازمنۃ المشرفۃ (بحر) ۱۰۲ (جو میرے سلسلۂ روحانی کو آگے چلا سکے) ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ۔ مجھے بھی اپنی عنایت سے اسی طرح دے جیسے کہ والدۂ مریمؑ کو مریمؑ عنایت ہوچکی ہیں۔ حضرت زکریّاؑ کا سن زیادہ ہوچکا تھا اور بیوی صاحبہ بھی عقیم سمجھ لی گئی تھیں۔ ایک خارق عادت کو دیکھ کر آپ کا ذہن معًا اسی طرف زور شور کے ساتھ منتقل ہوا کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری یہاں یہ تر و تازہ میوے پہنچائے، وہ یقینًا اس پر بھی قادر ہے کہ اس سن میں مجھے نعمت اولاد سے سرافراز کردے۔ مِنْ لَّدُنْکَ یہ خبر صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالم اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔ ذُرِّیَّۃً اولاد کی خواہش ایک امر طبعی ہے اور زہد کیا معنی کمال زہد کے بھی منافی نہیں۔ قرآن مجید نے بار بار پیغمبروں کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نقل کرکے بتا دیا کہ وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دُور ہیں جنھوں نے بیوی بچوں کو مطلق صورت میں جنجال قرار دیا ہے۔ ہماری شریعتِ حقہ میں اولاد کی خواہش تو سنتِ انبیاء و صدیقین بتائی گئی ہے اور صحیح بخاری میں تو مستقل عنوانات طلب ولد

٥٨٤ خطاب عامۂ ناس سے پیغمبر کے واسطہ سے ہے۔ أَطِيعُوا اللّٰهَ۔ اللہ کی اطاعت اصالۃً اور بہ طور مقصود کے ہے۔ وَالرَّسُولَ۔ رسُول کی اطاعت تبعًا و نیابۃً ہے بطور
آلہ و واسطہ کے یعنی اس حیثیت سے کہ پیغمبر اللہ ہی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ ٥٨٥ (اور یہ لوگ کافر ہی تو ہیں جو اطاعتِ رسُول سے مُنہ موڑے ہوئے ہیں خواہ محبّت الٰہی کے جیسے ہی دعوے انکی
زبانوں پر ہوں) فَإِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی ایسے صاف و صریح حکم کے ماننے سے انکار کریں۔ ٥٨٦ (چنانچہ وہ خود اور ان کے گھرانے والے توحید کے علمبردار رہے ہیں) اِصْطَفٰى۔ یہ
برگزیدگی توحید کے علمبرداری کی حیثیت سے رہی ہے۔ اٰدَمَ۔ حاشیہ پارہ ۱ رکوع ۴ کے ذیل میں گزر چکے۔ نُوْحًا۔ حضرت نوحؑ بن لامخ یا لمک عراق میں ایک نہایت قدیم پیمبر گزرے ہیں حسب روایت توریت حضرت آدمؑ سے دسویں

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
آپ کہدیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۸۴ اس پر بھی اگر وہ رُوگردان رہیں تو اللہ کافروں
يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝٣٢ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ
سے (ذرا) محبّت نہیں رکھتا۸۵ بیشک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ
اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٣ ذُرِّيَّةً
ابراہیمؑ اور خاندانِ عمرانؑ کو سارے دنیا جہان پر برگزیدہ کیا ہے۸۶ ایک دُوسرے
بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٣٤ اِذْ قَالَتِ
کی اولاد ہیں اور اللہ (خوب) سننے والا ہے (خوب) جاننے والا ہے۸۷ (اور وہ وقت یاد کرو)
امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ
جب عمران کی بیوی نے عرض کیا۸۸ کہ اے میرے پروردگار میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے اس (بچہ) کی جو
مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٣٥
میرے پیٹ میں ہے کہ (وہ) آزاد رکھا جائیگا۸۹ سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تُو تو خوب سننے والا ہی خوب جاننے والا ہے۹۰
فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۗ وَاللّٰهُ
پھر جب اُس نے (مریمؑ) کو جنا تو بولی کہ اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ۹۱ اور اللہ تو خوب
اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۗ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ
جانتا تھا کہ اُس نے کیا جنا ہے اور لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا۹۲ اور میں نے اس
سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ
لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو

پشت میں تھے عمر ۹۵۰ سال پائی۔ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ۔ آل ابراہیمؑ
کے تحت میں اسمٰعیلؑ اور خاندان اسمٰعیلؑ بھی آگئے۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں
پر حاشیہ پارہ ۱ رکوع ۱۵ میں گزر چکا ہے۔ اٰلَ عِمْرٰنَ۔ عمران کے
نام کی تاریخی شخصیتیں دو گزری ہیں۔ ۱۔ ایک حضرت موسیٰؑ کے والد ماجد
عمران بن یصہر۔ ۲۔ دوسرے انکے کئی صدی بعد حضرت مریمؑ
کے والد ماجد اور حضرت مسیحؑ کے جدِ مادری عمران بن ماتان یہاں
مُراد دونوں سے ہو سکتی ہے لیکن بلحاظ سیاق ترجیح عمران ثانی کو ہے حسنؒ
اور وہبؒ تابعین سے یہی قول منقول ہے۔ والمراد بعمرٰن
هٰذا هو والد مريم بنت عمرٰن (ابن كثير)، والمراد
بآل عمرٰن عيسٰى عليه السلام وامه مريم بنت عمرٰن
قاله الحسن ووهب (روح) فقد اختلفوا فيه فمنهم
من قال المراد عمران والد موسٰى وهارون
ومنهم من قال بل المراد عمرٰن بن ماتان (كبير)
٥٨٧ سَمِيْعٌ۔ سننے والا تمام زبان سے نکلے ہوئے الفاظ و
کلمات کا۔ عَلِيْمٌ۔ جاننے والا تمام دل کے اندر کے جذبات
و خیالات کا۔ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ۔ نوحؑ
اولاد میں حضرت آدمؑ کے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ ان دونوں
کی اولاد میں۔ اور حضرت عمران ان تینوں کی اولاد میں۔
٥٨٨ یہ اِمْرَاَتُ عِمْرٰنَ۔ حضرت مریمؑ کی والدہ اور حضرت
عیسیٰؑ کی جدۂ مادری تھیں۔ مسیحی نوشتوں میں ان کا نام حُنّہ
(Haunnae.) آیا ہے۔ ہمارے مفسّرین نے لکھا ہے
کہ شام وغیرہ میں کلیسا، کلیسائے حُنّہ کے نام سے مشہور
ہیں اور ان کی قبر دمشق میں ہے۔ ودير حنة بالشام
معروف وثم دير اٰخر يعرف بدير منه (بحر) وقبر
حنة جدة عيسٰىؑ بظاهر دمشق (بحر) ٥٨٩
(ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت و عبادت
کے لئے وقف رہے گا) حضرت مریمؑ کی ولادت سے قبل
آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نذر نیاز مانی تھی۔ اس کی بابت
بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج تھیں لیکن بزرگانِ کلیسا نے جب کاٹ چھانٹ کر کے مستند اناجیل اربعہ مرتب کرنا شروع کیں تو اُن مضامین اور بیانات کو اُن سے خارج
کردیا۔ اور اس کی شہادت آج اُن ہی کے اکابر دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ کیتھولک ڈکشنری ص۲۰ ۔ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل جلد ۳ ص۲۸۸۔ نَذَرْتُ۔ سادہ اردو میں "میں نے منّت
مانی ہے"۔ لَكَ میں لام تعلیل ہے یعنی مخصوص تیری خدمت و عبادت کے لئے۔ اى لعبادتك (قرطبى) لخدمة بيتك (روح) مُحَرَّرًا۔ اى حقيقًا خالصًا لله تعالٰى
خادمًا للكنيسة حبيسًا عليها (قرطبى) ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کی خدمت اور مجاوری کے لئے اولاد کو نذر کر دینے کا دستور یہود کے ہاں جاری تھا۔ ٥٩٠ سَمِيْعٌ۔ سننے والا میری دعاؤں کا۔
عَلِيْمٌ۔ جاننے والا میرے اخلاص کا ٥٩١ (اور لڑکی کس طرح تیرے معبد میں مجاور بن سکے گی؟) حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ بہ صد حسرت و یاس بارگاہِ الٰہی میں مناجات کر رہی تھیں کہ
تمنا تو لڑکے کی اسلئے تھی کہ اُسے ہیکل کی نذر کر دیا جاتا۔ وہ وہیں کی جاروب کشی اور مجاوری میں عمر بسر کرتا۔ اولاد تو ہوئی مگر لڑکی نکلی۔ لڑکی سے کیسے یہ نذر پوری ہو سکتی ہے؟ اسرائیلی قانون میں لڑکی سے
اس خدمت کی کوئی صُورت ہی نہ تھی۔ ٥٩٢ یہ پورا فقرہ والدۂ مریمؑ کی تقریر کا حصّہ نہیں۔ بہ طور ایک مستقل جملۂ معترضہ کے براہِ راست ارشادِ باری تعالٰی ہے مفہوم یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت و
منزلت سے تو خدائے تعالٰی ہی خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔ قال مكى هو اعلام من الله تعالٰى لنا على طريق التنبيت (قرطبى) الذَّكَرُ۔ یعنی جو لڑکا والدۂ مریمؑ کے حسب خواہش ہوتا۔
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ۔ یعنی اس مولود سے جو جو عظمتیں وابستہ تھیں ان کی خبر ماں غریب کو کیا ہو سکتی تھی۔ ان سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا۔ اى الله اعلم بالشئ الذى وضعته
وما علق به من عظائم الامور ودقائق الاسرار وواضح الاٰيات وهى غافلة عن ذلك كله (روح)

تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾
(ضرر کا) رکھتے ہو ؎ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے ؎ اور اللہ ہی کی طرف آنا ہے ؎
قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ
آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اسے خواہ پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ اس کو
اللّٰهُ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ
جانتا ہے ؎ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اُس (سب) کو جانتا ہے ؎
وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ
اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ؎ جس روز ہر شخص اپنے ہر نیک
نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّ مَا عَمِلَتْ
عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا ؎ اور (اسی طرح) ہر بُرے
مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗۤ اَمَدًۢا
کام کو بھی (اس روز) تمنا کرے گا کہ کاش اس شخص اور اُس دن کے درمیان مسافتِ بعید
بَعِيْدًا ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ
ہوتی ؎ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے ؎ اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا
بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ
شفقت کرنے والا ہے ؎ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو ؎ تو میری پیروی کرو ؎
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾
اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا ؎ اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ؎

منزل

۵۷ (بس رفعِ ضرر کے لئے بقدرِ ضرورت ظاہری تعلقاتِ دوستانہ کی اجازت ہے) کافروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تین ہی ممکن صورتیں ہیں۔ (۱) موالات یا دوستی۔ (۲) مدارات یا ظاہری خوش خلقی وخوش اخلاقی۔ (۳) مواسات۔ یا احسان ونفع رسانی۔ اپنے علمارِ شریعت کی تحقیق ہے کہ شق اوّل یعنی موالات یا حقیقی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں۔ شق سوم بھی زیادہ دشوار نہیں۔ مواسات اہلِ حرب کے ساتھ ناجائز ہے۔ غیر اہلِ حرب کے ساتھ جائز ہے۔ رہی شق دوم، سو وہ تفصیل طلب ہے۔ مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ۱۔ ایک اپنے رفعِ ضرر کے لئے۔ ۲۔ دوسرے خود اس کافر کی مصلحت دینی ہو۔ یعنی توقع ہدایت کے موقع پر۔ تیسرے اکرام ضیف کے طور پر یعنی کافر جب مہمان ہو اس وقت کے لئے۔ بس ان تینوں صورتوں کے سوا اپنے نفع یا حصولِ مال وجاہ کے لئے مدارات درست نہیں بلکہ جب اس سے ضررِ دین کا اندیشہ ہو تو یہ اختلاط بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۔ یہ لحاظ رہے کہ آیت میں ذکر اندیشہ کا ہے محض توہم یا احتمال بعید اس کے لئے کافی نہیں اور ضرر بھی جس کا اندیشہ کیا جائے معتدبہ ہونا چاہیئے۔ التقیۃ لا تحل الا مع خوف القتل او القطع او الایذاء العظیم (قرطبی) یعنی ان تخافوا تلف النفس او بعض الاعضاء وھذا ھو ظاھر ما یقتضیہ اللفظ وعلیہ الجمھور (جصاص) آیت میں ایک طرف رَد ہے۔ فرقۂ شیعہ کا جس نے تقیہ کے حدود بہت وسیع کرکے اسے اپنے مذہب کا ایک جزء بنالیا ہے۔ اور دوسری طرف فرقۂ خوارج کا۔ جس نے جوازِ تقیہ سے سرے سے انکار کردیا ہے۔ عدل واعتدال کا مسلک افراط وتفریط دونوں سے یکساں بچ کر اہلِ سنّت کا ہے۔ صاحب رُوح المعانی نے اس ذیل میں ماشاء اللہ بہت خوب لکھا ہے۔ ۷۱ (کہ حقیقۃً صاحبِ اقتدار وقابلِ عظمت صرف وہی ہے) نَفْسَهٗ ۔ مراد یہ سمجھی گئی ہے کہ اللہ اپنے عذاب سے تم کو ڈراتا ہے۔ المعنیٰ یحذرکم اللہ عقابہ (قرطبی) ۷۲ (سو اُس کے احکام کی ظاہری، باطنی ہر مخالفت سے باز رہو) خطاب عامۃ الناس سے رسُول اللہ صلعم کے واسطہ سے ہے۔ ۷۳ یعنی اس کا علم ہر طرح کامل، جزئیات وکلیات سب پر حاوی، حاضر وغائب سب پر شامل ہے۔ اس میں رَد آگیا یونان اور دوسری قوموں کے ان جاہل فلسفیوں کا جنہوں نے خدا کی صفت علم کو ناقص ومحدود مانا ہے۔ ۷۴ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ کی تصریح صرف محاورۂ زبان کے مطابق ہے۔ مُراد صفتِ علم کی کاملیت وجامعیت کا اظہار ہے۔ ۷۵ (اور جب علم کے ساتھ اُس کی قدرت بھی کامل ہے تو وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی سزا سے ڈرا جائے) مشرک قوموں کو اصلی ٹھوکر صفتِ علم کے ساتھ صفتِ قدرت میں بھی لگی ہے۔ اِسی لئے بار بار زور انہی صفات پر دیا گیا ہے۔ ۷۶ (جزاءِ اعمال کے لئے) یَوْمَ یعنی قیامت کے دن۔ مُحْضَرًا ۔ اپنے مواجہہ میں اور اللہ کے حضور میں لدیھا مشاھدا (روح) مَا عَمِلَتْ ۔ یعنی اس عمل کو نامۂ اعمال میں لکھا ہوا۔ یا اُن اعمال کی جزاء کو۔ فی الصحف (روح) وقیل تجد جزاء اعمالھا محضرًا (روح) تقدیرہ یوم تجد کل نفس جزاء ما عملت محضرًا (قرطبی) صحائف اعمالھا او جزاء اعمالھا (بیضاوی) بعض صُوفیۂ عارفین نے یہ معنیٰ کئے ہیں کہ انسان بجنسہٖ اُس عمل کو کرتے ہوئے اپنے کو پائے گا۔ قیل ظاھرًا فی صورۃٍ (روح) حضرت اکبر الٰہ آبادی اُردو کے مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ہی حکیم وعارف بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو ہر وقت ہم بولا کرتے ہیں کہ "وقت چلا گیا"، وقت جاتا کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں چلا جاتا ہے اور وہیں جمع رہتا ہے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اسی "وقت" کو واپسی کا حکم دیں گے۔ پس جب وقت واپس آئے گا تو جو کچھ بھی وقت کے اندر ہوتا رہا ہے اُس سب کو لئے ہوئے آئے گا۔ اس کے کائنات میں جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ سب اس روز بجنسہٖ دوبارہ واقع ہوکر رہے گا۔ ۷۷ (کہ اعمالِ بد یا ان کی جزاء کا معاینہ نہ کرنا پڑتا) یہ حسرت ان کے دلوں میں پیدا ہوگی جن کے پاس اعمال خیر وشر کا مجموعہ ہوگا۔ تو جس بدنصیب کے پاس شر ہی شر ہوگا اُس کی حسرت نصیبی کا کیا پوچھنا! بَيْنَهَا میں ضمیر نفس کی طرف اور بینہ میں یوم کی طرف ہے۔ ۷۸ (کہ قابلِ عظمت وصاحبِ اقتدار ذات صرف اسی کی ہے) نَفْسَهٗ سے مراد عقاب نفسہ سمجھی گئی ہے۔ ۷۹ (چنانچہ یہ بار بار کی تنبیہ وتہدید بھی اسی شفقت ورافت ہی کا نتیجہ ہے کہ کاش بندے اب بھی سنبھلیں اور راہِ ہلاکت پر چلنے سے باز رہیں) ۸۰ (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے۔ اور اپنے اسی زعم کی بنا پر جو توقع رکھتے ہو کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا) خطاب رسُول کے واسطہ سے عامۃ الناس سے ہے۔ تُحِبُّوْنَ ۔ محبت کے جو معنیٰ عربی میں ہیں اس میں ارادہ کا شمول ضروری ہے۔ قال ابن عرفۃ المحبۃ عند العرب ارادۃ الشیء علی قصد لہ (قرطبی) ۸۱ (کہ میں جامع کمالاتِ انسانی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری زندگی ساری کائناتِ انسانی کے لئے ہر شعبہ میں معیار اور نمونہ کا کام دے گی) محبت الٰہی کے دعوی کی جانچ کے لئے کیا اچھا معیار بتا دیا گیا۔ یعنی اتباعِ رسُول جو جتنا زیادہ متبع رسُول ہوگا اسی قدر اس کی محبت الٰہی مسلّم ومعتبر ہوگی۔ اسی معیار پر آج بڑے بڑے مدعیانِ مشیخت ومدعیانِ محبت الٰہی کے دعووں کو جانچیے تو بہتوں کی قلعی کھل کر رہے۔ ۸۲ (کہ اس کے آگے اور کوئی درجۂ کمال نہیں) یہ طریقہ جو پچھلوں کو بتایا گیا، یہی آواز اگلوں کے کان میں ڈال دی گئی ہے حضرت مسیح کے جو الفاظ اناجیل مروجہ میں نقل ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں۔ "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دُوسرا مددگار بخشیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"۔ (یوحنا ۱۴: ۱۵، ۱۶) یہ مددگار کا لفظ اُردو انجیلوں کے متن میں ہے۔ حاشیہ پر وکیل اور شفیع دونوں لفظ درج ہیں گویا اصل یونانی لفظ کے یہ سب معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ انگریزی انجیل میں لفظ "کمفارٹر" (Comforter) آیا ہے جس کے معنی تسلی دہندہ کے ہیں۔ تو جو تھا مفہوم اس لفظ کا یہ ہوا۔ بہرحال وہ سب کا مددگار اور وکیل اور شافع اور تسلی دہندہ، اس پیشگوئی کرنے والے مسیح کے پانچ صدی بعد آیا۔ اور ایک ابدی اور غیر منسوخ شریعت لے کر ابد تک ساتھ رہنے ہی کے لئے آیا۔ اور اسی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے خاتم النبیین کہلایا۔ پر صلیب کے پرستاروں اور مسیح کی عبادت کرنے والوں نے اُسے برابر جھٹلایا۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ کی محبت بندہ کے ساتھ یہی ہے کہ اُسے مغفرت سے سرفراز فرمائے۔ محبۃ اللہ للعباد انعامہ علیہ بالغفران (قرطبی) ۸۳ غَفُوْرٌ اس کی شانِ غفر کا تقاضا ہے کہ تمہارے معاصی "ذنوب" کی مغفرت کردے گا۔ رَحِيْمٌ ۔ سو اس کی شانِ رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ وہ تمہاری تقصیروں کو نظر انداز کردے گا اور تمہارے مراتبِ قرب میں ذرا کمی نہیں آنے دے گا۔

۶۲ (کہ کسی کو سزا بلا جرم یا زائد از جرم مل جائے یا کسی کی کوئی نیکی بغیر اجر کے چھوٹ جائے) فَاکْتَسَبَتْ۔ جو کچھ اُس نے حاصل کیا ہے خواہ وہ حسنات ہوں یا سیئات۔ ۶۳ رسُول کے واسطے سے طریق دُعا کی تعلیم اُمّت کو دی جارہی ہے۔ مٰلِكَ الْمُلْكِ۔ مُلک سے مُراد سارا جہان ہے۔ مالک کا لفظ دُعا کے شروع ہی میں لاکر یاد دلادیا کہ مالکانہ تصرف کا حق و اختیار اسی کو حاصل ہے جس سے دعا کی جارہی ہے۔ تُؤْتِي وَتَنْزِعُ۔ حکومت کی نعمت دینا یا اس نعمت کو واپس لے لینا۔ تمامتر احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے اور نفس بادشاہت یا حکومت میں تقدس یا الوہیت ذرا سی بھی نہیں۔ اس میں رَد آگیا اس کثرت سے پھیلے ہوئے جاہلی عقیدہ کا، کہ بادشاہی خود ایک درجہ الوہیت یا نیم الوہیت کا ہے اور کسی کا بادشاہ ہوجانا گویا خدا کے اوتار کے مرتبہ پر پہنچ جانا ہے۔ مصر میں فرعون کی پرستش ہوتی رہی۔ ہندوستان میں چندر بنسی اور سورج بنسی راجہ مہاراجہ خدائی اوتار سمجھے گئے۔ جاپان میں میکاڈو آج تک مظہرِ خدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سب اسی عقیدۂ شاہ پرستی کے مظاہر ہیں۔ اسلام نے آکر بتایا کہ بادشاہی بھی ساری دوسری نعمتوں کی طرح ایک خدائی تصرف ہے اور بادشاہ بھی بندگی، بےبسی، بیچارگی میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے سارے دوسرے بندے

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي

اور ان پر (ذرا) ظلم نہ کیا جائے گا ۶۲ آپ کہیئے اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے

الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ

حکومت دیدے اور تو جس سے چاہے حکومت چھین لے ۶۳ تو جسے چاہے عزت

مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ

دے ۶۴ اور تو جسے چاہے ذلت دے ۶۵ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بیشک

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ

تو ہر چیز پر قادر ہے ۶۶ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور

تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

رات میں دن کو داخل کرتا ہے اور تو بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے اور تو

تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ

جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا

حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ

ہے ۶۷ مومنوں کو نہ چاہیئے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ

(اپنا) دوست بنائیں ۶۸ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں

مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ

کسی شمار میں نہیں ۶۹ مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ

حقیقت ہمیشہ سے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس وقت اس کا نظارہ پوری قوت و شدت کے ساتھ مسولینی (آمر اٹلی) و ہٹلر (آمر جرمنی) کے انجام سے کرا دیا گیا ہے۔ ۶۴ (اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق) اس مَنْ تَشَآءُ (جسے تو چاہے) کی وسعتِ اطلاق میں قومیں بھی آگئیں اور فرد بھی۔ اور عزّت کا سب سے بڑا ممکن مرتبہ یاد کر لیا جائے کہ نبوّت ہے۔ اس طرح گویا اہلِ کتاب کو یہ یاد دلادیا کہ جس قوم کے جس فرد کو وہ چاہے مرتبۂ نبوت سے سرفراز کر دے۔ اس پر حسد بالکل بے معنی ہے۔ ۶۵ (اس کے پاداشِ عمل میں) مَنْ تَشَآءُ کا عموم اطلاق یہاں بھی فرد و قوم دونوں پر حاوی ہے کوئی فرد تو مرتبۂ نبوّت سے معزول ہوا نہیں ہے۔ البتہ یہ نعمت قوموں سے سلب ہوسکتی ہے چنانچہ قوم اسرائیل صدیوں تک اس نعمت سے سرفراز رہنے کے بعد معزول کی گئی۔ اور یہ نعمت اپنی انتہائی اور آخری شکل میں عرب قوم کے ایک ممتاز فرد کے حصہ میں آئی۔ ۶۶ (تو اہل کتاب اس پر حیرت کیوں کر رہے ہیں کہ نعمتِ نبوّت سے عرب قوم کے ایک فرد کو سرافراز کیا جارہا ہے) اَلْخَيْرُ۔ یعنی بھلائی ہر قسم کی اور ہر مرتبہ، درجہ کی۔ کائنات میں وجود ایجابی صرف خیر کا ہے اس لئے ذکر اسی کا کیا گیا اس کے مقابل کی چیز یعنی شر محض ایک سلبی حقیقت کا نام ہے۔ یہاں جو بجائے بیدك الخیر والشر کے صرف بیدك الخیر کا ارشاد واقع ہے اس سے عارفین صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جس چیز میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہو وہ محض خیر ہی ہے۔ اسے ناگوار نہ جانے اور اسے اپنے حق میں عذاب و مصیبت نہ سمجھے۔ ۶۷ (غرض یہ کہ تقلبات و تصرفات کائنات کا ہر ہر جزئیہ تیری ہی مشیت و قدرت کے تابع و محکوم ہے) تُوْلِجُ الَّيْلَ۔ تُوْلِجُ النَّهَارَ۔ یہ سارے تصرفات و تقلبات بغیر کسی کی شرکت و اعانت کے محض ارادۂ الٰہی سے رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ جاہلی قوموں نے لیل (رات) اور نہار (دن) دونوں کو دیوی دیوتاؤں کی حیثیت دے رکھی ہے۔ آیت میں ضمناً ان خرافات کا بھی رَد آگیا۔ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند کو انڈے سے نکالنا ہے۔ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند سے انڈے کی پیدائش ہے۔ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ سو ایسا قادرِ مطلق اگر ضعیفوں، عاجزوں کو بڑی بڑی سلطنتوں کا بھی مالک بنادے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اُوپر تقسیم رزق، عطائے دولت وغیرہ تکوینی انعامات کے سلسلہ میں۔ مَنْ تَشَآءُ کی قید جو ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ اس سے محققین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دولت، حکومت، امارت وغیرہ کی تقسیم محض مشیتِ تکوینی کے مصالح کائناتی کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے۔ اسے قربِ الٰہی، اخلاقی افضلیت وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ۶۸ (کیا ظاہر میں اور کیا باطن میں) جسے دوستی کا علاقہ کہتے ہیں وہ ایک کیفیتِ قلب اور پھر عملی برتاؤ کا نام ہے مسلمانوں کو، کافروں، منکروں، اللہ کے باغیوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے کی قطعی ممانعت ہے اور عقلاً بھی یہ ملّی خودداری اور قومی تشخص کے بالکل منافی ہے۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی نہ مومنین کو چھوڑ کر اور نہ مومنین کے شمول میں۔ ای من غیر المومنین (کبیر) ای متجاوزین المومنین الی الکافرین استقلالا او اشتراکا (روح) بعض اہل حق نے یہیں سے تمسک کر کے اپنے مُریدوں، معتقدوں، شاگردوں کو منکروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ۶۹ یعنی دشمنانِ خدا کے ساتھ دوستی رکھنے والے کی دوستی اللہ کے ساتھ کسی درجہ میں بھی معتبر و مقبول نہیں۔ لیس من اللہ فی شیء۔ من اللہ سے مراد من دین اللہ یا من ولایۃ اللہ سمجھی گئی ہے۔ ای من ولایتہ فی شیء (بیضاوی) ای لیس من دین اللہ فی شیء (معالم)

حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ
ہیں(۵۵) اور ان لوگوں کو جو عدل کا حکم دیتے ہیں انہیں قتل کر ڈالتے

النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
ہیں بس آپ انہیں عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دیجئے(۵۶) یہی وہ لوگ ہیں جن کے

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
اعمال دُنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ

نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ
ہوگا(۵۷) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصّہ دیا گیا

الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ
تھا انہیں کتاب اللہ کی طرف بُلایا جاتا ہے کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
میں سے ایک فریق بے رُخی کرتا ہوا مُنہ پھیر لیتا ہے(۵۸) یہ اس سبب سے کہ یہ لوگ

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ
کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز (چند) گِنے ہوئے دنوں کے(۵۹) اور جو کچھ یہ

فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ
تراشتے رہتے ہیں اُس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے(۶۰) سو اس روز جس میں ذرا شک نہیں جب

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
ہم انہیں اکٹھا کرینگے تو کیا حال ہوگا(۶۱) اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہے، پُورا پُورا بدلہ دیا جائیگا،

منزل

(۵۵) يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ. کسی کتابِ الٰہی سے یا اس کے کسی جزء سے انکار یہ سب کفر بآیات اللہ کی صورتیں ہیں۔ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ یعنی خود قاتلوں کے بھی آئین، قانون و ضابطہ کے خلاف، ورنہ قتل انبیاء فی الحقیقت اور عند اللہ تو ہمیشہ ہی ناحق رہیگا۔ یہود کے قتل انبیاء اور قتلِ ناحق پر حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۷، میں گزر چکا۔ (۵۶) (آخرت میں) يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ۔ یعنی لوگوں کو اخلاق و معاملات میں عدل کی ہدایتیں کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ مُراد انبیاء اور ان کے نائبین ہیں۔ يَقْتُلُوْنَ۔ یہ سب اشارے یہود کی حق دشمنی سے متعلق اور ان کی تاریخ کی جانب ہیں۔ عہد عتیق کے متعدد صحیفوں میں یہود کی حق بیزاری کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً "وہ اس کا کینہ رکھتے ہیں جو دروازہ پر سرزنش کرتا ہے اور وہ اُس سے نفرت رکھتے ہیں جو حق بات کہتا ہے۔" (عموس۔ ۵ : ۱۰) عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ ایسے مجرموں اور خطاکاروں پر دنیوی لعنت حضرت داؤد نبی کی کتاب میں مفصل موجود ہے:۔ "وہ جلد ہی گھاس کے مانند کاٹ ڈالے جائیں گے اور ہرے سبزے کی طرح مُرجھا جائیں گے اور شریر نہ ہوگا تو غور کر کے اس کا مکان ڈھونڈے گا اور وہ نہ ہوگا۔ اُن کی تلوار اُنہی کے دلوں میں بیٹھے گی۔ انکی کمانیں ٹوٹ جائیں گی۔" الخ (زبور، ۳۷ : ۱۔ ۳) آیت سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سابق اُمتوں میں امر بالمعروف واجب تھا اور یہ فرض انبیاء اور ان کے نائبین انجام دیتے تھے۔ ٥ تحت هٰذه الاٰية علىٰ ان الامر بالمعروف و النهى عن المنكر كان واجبًا فى الامم المتقدمة و هو فائدة النبوة (قرطبی) (۵۷) (سزا کے وقت کہ انہیں عذاب سے چھڑا لے۔ یا اس میں کچھ تخفیف ہی کرا دے) (۵۸) حق و داعیانِ حق سے یہ مسلسل انحراف و اعراض تاریخ بنی اسرائیل کا کوئی نیا یا انوکھا واقعہ نہیں۔ ان کے مقدس نوشتے اور صحیفے ان شکایات سے بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً:۔ "تم کاہے کو مجھ سے مجت کرو گے۔ تم سب مجھ سے پھر گئے ہو۔" (یرمیاہ۔ ۲ : ۲۸، ۲۹) نیز ہوسیع ۱۱ : ۷) مفصل حاشیے پارۂ اوّل رکوع ۶، ۷، کے ذیل میں گزر چکے۔ اَلَمْ تَرَ۔ خطاب یہاں رسول اللہ صلعم سے ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ ذکر وہی یہود کا چل رہا ہے۔ الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے یعنی کتاب الٰہی اپنے عمومی و کلی مفہوم میں۔ اور اسی کا ایک جزء، توریت ہے۔ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ اسی عمومی و کلی کتاب کا دوسرا جزء، قرآن ہے اور وہی یہاں مُراد ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی مذہبی اختلافات کے باب میں فیصلہ کر دے۔ (۵۹) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ سرکشی و عُدوان کی عادت اس سبب سے قائم ہے کہ یہ لوگ اپنے مشرک ہونے ہی کے گویا قائل نہیں۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ یعنی وہ ۴۰ روز کی مُدّت جو بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی میں بسر کی تھی۔ آیت کا یہ جزء، پارۂ اوّل میں بھی یہود کی زبان سے نقل ہو چکا ہے اور وہیں اُس پر مفصل حاشیہ بھی گزر چکا ہے۔ (۶۰) (چنانچہ اپنی نجات کا یقین کیے ہوئے بیٹھے ہیں) مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ عقاید کے باب میں کوئی بات بے دلیل عقلی یا نقلی کے اپنی طرف سے گڑھ لینا افترا علی اللہ کی ایک صُورت ہے۔ اور یہود کے پیشواؤں اور سرداروں نے اس طرح قسم قسم کے عقائد کا ایک طومار گڑھ رکھا تھا۔ اور انہی میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہود پر آتشِ دوزخ (بجز برائے نام صُورت کے) حرام ہے۔ اُن کے لئے اُن کے بزرگوں کی نسبت و شفاعت کافی ہے۔ اور ان کی نجات و مغفرت بلا ایمان و عمل خود بخود ہو جائیگی۔ (۶۱) (ان بدبختوں اور شامت زدوں کا) يَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی قیامت کے دن۔ اس طرزِ تسمیہ سے مقصود قیامت کا محض ذکر ہی کر دینا نہیں۔ بلکہ اس کے وقوع کی قطعیت کو ذہن میں تازہ کر دینا ہے۔ فكيف۔ اس طرزِ استفہام سے مقصود عذاب کی ہولناکی کا اظہار ہے۔ استعظام و تهويل وهذا لما استندوا اليه (ج) لِيَوْمٍ۔ میں ل فی کے معنی میں ہے۔ واللام فى قوله ليوم بمعنى فى قاله الكسائى (قرطبی)

۴۳ (اسلئے شرک ہر درجہ اور نوعیت کا باطل ہے) شَهِدَ اللّٰهُ - اللہ کی یہ گواہی کتب آسمانی سے بھی ظاہر ہورہی ہے - اور صحیفۂ کائنات سے بھی - ومن وحدانیتہ بنصب الدلائل الدالۃ علیہا وانزال الآیات القاطعۃ بہا - . (بیضاوی) کتب الٰہی کی شہادت دلیل نقلی کا حکم رکھتی ہے اور مصنوعاتِ فطرت کی دلالت دلیل عقلی کا۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ - یہ وہی مخلوق ہے جسے اکثر مشرک قومیں دیوتا کا لقب دے کر شریک خدائی سمجھ رہی ہیں۔ اُولُوا الْعِلْمِ - "علم" سے مُراد علمِ حقائق ہے نہ کہ علوم دنیوی۔ محققین نے آیت سے علما کا خاص شرف و فضل نکالا ہے - فی ہٰذہ الآیۃ دلیل علی فضل العلم وشرف العلماء فانہ لوکان احد اشرف من العلماء لقرنھم اللہ باسمہ واسم ملٰئکتہ کما قرن اسم العلماء (قرطبی) ۴۴ (ساری کائنات کا) قَآئِمًا بِالْقِسْطِ - عدل سے مُراد ہے کہ ہر شے اپنے محل مناسب میں ہو بعض جاہل قوموں نے خدا کا وجود تو تسلیم کیا ہے لیکن وجود معطل یا ایسی صفات سے موصوف ہے جو کمالاتِ الٰہیہ کے منافی ہیں۔ اسلام کا خدا، خدائے معطل نہیں، منتظم ہے، کارساز ہے، ہر ایک کا اور ہر کام بنانے والا ہے۔ ۴۵ اَلْعَزِيْزُ - وہ جس کی قوت سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں۔ اَلْحَكِيْمُ - وہ جس کی حکمت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔

وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ

اور اہلِ علم کی (بھی گواہی یہی ہے)۴۳ اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا معبود ہے۴۴ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس

الْحَكِيْمُ ؕ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَ مَا اخْتَلَفَ

زبردست حکمت والے کے۴۵ یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۴۶ اور جو اختلاف کیا

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

اس میں اہل کتاب نے سو وہ آپس کی ضد سے کیا بعد اس کے کہ انہیں صحیح علم

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

پہنچ چکا تھا۴۷ اور جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرے گا سو اللہ یقیناً جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ

لینے والا ہے۴۸ پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کئے جائیں۴۹ تو خیر آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنا رُخ اللہ کی طرف

مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ

کر چکا اور جو میرے پیرو ہیں (وہ بھی)۵۰ اور آپ اہل کتاب سے اور اُمیوں سے دریافت کیجیے کہ تم

ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا

اسلام لاتے ہو۵۱ سو اگر وہ اسلام لے آئے تو بس راہِ ہدایت پر آگئے۵۲ اور اگر وہ رُوگردان رہے

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہی ہے۵۳ اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے۵۴ بیشک جو لوگ

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ

اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر ڈالتے

النصف

ع ١١ ٢ ١٠

دونوں صفات کے اثبات سے مقصود یہ ہے کہ اُسے نہ قوت کے لحاظ سے اور نہ علم و حکمت سے کسی شریک کی ضرورت ہے۔ ۴۶ (نہ کہ مطلقاً ہر وہ چیز جسے دین کے نام سے موسوم کر دیا جائے) یہ رَد ہے بادشاہ اکبر اور دوسرے بددینوں کے اس عقیدہ کا، کہ ہر دین دینِ حق ہے، اور ہر مسلک خدا ہی کی راہ ہے۔ اور دَیر و حرم، کفر و ایمان میں فرق صرف لفظی و اصطلاحی ہے۔ خطِ مستقیم حقیقت یہ ہے کہ دو نقطوں کے درمیان صرف ایک ہی ممکن ہے باقی سب خطوط منحنی و کج ہوں گے، راہِ مستقیم خدا اور بندے کے درمیان صرف ایک ہی ہے۔ اور اسلام ہے جو انبیاء و ہادیانِ حق کا دین ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ الدِّيْنَ یعنی دینِ مقبول الدین اور الاسلام دونوں کا معرفہ ہونا حصر کے معنیٰ دے رہا ہے یعنی دین مقبول صرف یہی ہے۔ وتعریف الجزئین للحصر ای لا دین مرضی عند اللہ تعالیٰ سوی الاسلام (روح) ۴۷ (نہ کہ کسی اجتہادِ فکری اور اختلاف فہم کی بنا پر) یہاں پھر ایک بار اسے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب کا راہِ حق سے انحراف کسی خطار اجتہادی کی بنا پر نہیں، نفسانیت و ہوا پرستی کی بنا پر ہے۔ یہود پہلے سے بھی یہی کہتے چلے آرہے تھے کہ راہِ حق ہماری راہ ہے۔ اس لئے کہ فلاں فلاں بزرگ ہمارے مورث ہوئے ہیں۔ اور سرورِ کائنات کے زمانہ میں بھی اُن کا کہنا یہ تھا کہ نبوت تو اسرائیلیوں کا حق رہی ہے۔ یہ نعمت ایک اسمٰعیلی کے حصہ میں کیونکر جاسکتی ہے؟ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ - یعنی نفسانفسی اور ضدم ضدی آپس میں بھی اور دینِ حق سے بھی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ یعنی ان پر دینِ حق کی تبلیغ پُوری طرح ہو چکی اور دینِ برحق کی حقانیت و صداقت کے دلائل واضح انہیں پہنچ چکے۔ ۴۸ (اور حساب کا جو انجام منکرین معاندین کے حق میں ہونے والا ہے، بالکل ظاہر ہے) ۴۹ (خواہ مخواہ ازراہِ عناد اور پُوری تبلیغ کے بعد بھی) اشارہ اہل کتاب کی جانب عموماً یہود و نصرانیوں کی جانب خصوصاً۔ حَآجُّوْكَ - ای جادلوك بالاقاویل المزورۃ والمغالطات (قرطبی) ۵۰ (اب تم مانو یا نہ مانو، تمہیں اختیار ہے) اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ - پُورا رُخ اللہ کی جانب کر لینا مترادف ہے اسلام کے یعنی میں اپنا سب کچھ اللہ کے سپُرد کر چکا۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ میں ہوسکتا ہے کہ و عطف کا نہ ہو، بلکہ مع کا مرادف ہو۔ (ویجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف) اہلِ طریق نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب وضوحِ حق کی پوری کوشش ہولے اور مخاطب پھر بھی قبول نہ کرے تو اب بحث و مباحثہ قیل و قال ترک کر دینا چاہیئے۔ ۵۱ ءَاَسْلَمْتُمْ کے ایک صاف اور صریح معنی تو وہی ہیں جو متن ترجمہ میں درج ہو چکے ہیں لیکن بعض اہلِ علم نے صیغۂ امر میں معنی "اسلام لاؤ" کے بھی لئے ہیں۔ اور نحویین نے کہا ہے کہ الف استفہام کبھی امر کے بھی معنی دیتا ہے۔ بلکہ امر کے معنی میں زور اور زیادہ پیدا کر دیتا ہے۔ المقصود منہ الامر (کبیر) قال النحویون انما جاء الامر فی صورۃ الاستفہام (کبیر) استفہام کی صورت میں بھی استفسار محض مراد نہیں بلکہ مقصود تہدید ہے جیسے اُردو محاورہ میں بھی تہدید کے موقع پر کہتے ہیں "کیوں جی۔ سنتے ہو کہ نہیں" قال الزجاج ءاسلمتم تہدید وھٰذا احسن لان المعنی ءاسلمتم ام لا (قرطبی) وَالْاُمِّيّٖنَ - مطلقاً اَن پڑھ یا کتب سماوی سے لاعلم و نابلد - مُراد بہر صورت مشرکین مکہ ہیں۔ الامی ھو الذی لا یکتب ولا یقرء من کتاب (راغب) ای الذین لا کتاب لھم (ابن جریر) الذین لا کتاب لھم وھم مشرکوا العرب (قرطبی) ۵۲ (اور اب ان کی نجات و مغفرت میں بھی شبہ نہ رہا) جاہلیت کے نظریۂ حیات (Ideology.) میں اصلاح و تبدیلی ہی کا نام اسلام ہے۔ پس جس نے بھی اسلام کے نظریۂ حیات کو قبول کر لیا وہ کسی بھی نسل، قوم، رنگ، وطن کا ہو بہر حال اب اس کا تعلق کائنات و خالقِ کائنات کے ساتھ صحیح نوعیت کا قائم ہو گیا۔ ۵۳ (آپ پر نتائج کی ذمہ داری ذرا بھی نہیں) رسُول اللہ صلعم کو تسکین دی گئی ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ملول و فکرمند نہ ہوں۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ ۵۴ (وہ خود ہی سب کے اعمال و احوال دیکھ کر مناسب جزا و سزا دے گا)

۳۳ اور انہی کی محبت اکثر افراد میں حدودِ جائز سے تجاوز کرکے معصیت کا سبب بن جاتی ہے۔ حُبُّ الشَّهَوٰتِ ۔ شہوات یہاں مشتہیات کے معنی میں ہے یعنی مرغوب و دلپسند چیزیں۔ وقد یسمی المشتہی شہوۃ (راغب) جعل الاعیان التی ذکرھا شہوات مبالغۃ فی کونہا مشتہاۃ (کشاف) مِنَ النِّسَآءِ الخ ان مرغوبات کے نام صرف مثال اور نمونہ کے طور پر لے دیے گئے ہیں۔ ان میں حصر مُراد نہیں۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ ۔ یہ صراحت ہے اس باب میں کہ انسان کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت و کشش بطور امرِ طبعی کے ہے۔ اور بذاتِ خود معصیت نہیں۔ انسان ان کے شوق کے ازالہ کا مکلف نہیں صرف انہیں عقلِ سلیم و احکامِ شریعت کے ماتحت کرکے رکھنا چاہیے۔ ۳۴ (سو اس حقیقت کو سمجھ کر اُن کی محبت جائز حدود کے اندر محدود رکھنی چاہیے) مَتَاعٌ کہتے ہی اُس چیز کو ہیں جس سے کسی حیثیت سے کچھ مُدت کے لئے نفع حاصل کیا جائے۔ کل ما ینتفع به علی وجہٍ ما فھو متاع (راغب) والمتاع انتفاع عند الوقت (راغب) مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں۔ البتہ دنیوی زندگی برتنے میں مفید و معین یقیناً ہیں۔ سو ان کی قدر اسی حد تک کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ یہ مقاصدِ حیات بن جائیں۔ دُنیا خود ہی فانی ہے اور اُس کے یہ سارے ساز و سامان بھی فانی۔ والمعنی تحقیر امر الدنیا والاشارۃ الی فنائها وفناء ما یستمتع به فیها (کبیر) ۳۵ (سو دائمی اور غیر فانی راحت کے لئے فکر و اہتمام صرف اللہ کی رضا کا رکھنا چاہیے اس کے آگے دنیا کی آنی و فانی بڑی سے بڑی لذت بھی بے بساط ہی ہے) ومعنی الآیۃ تقلیل الدنیا وتحقیرها والترغیب فی حسن المرجع الی اللہ فی الآخرۃ (قرطبی) ۳۶ (کیا بہ لحاظ کیفیت، کیا بہ لحاظ کمیت اور کیا بہ لحاظ قیام و دوام) خطاب عام انسانوں سے۔ رسول علیہ السلام کے واسطہ سے ہے۔ ذٰلِكُمْ ۔ یعنی یہ چیزیں جو سرتاسر بے ثبات و بے حقیقت ہیں۔ ۳۷ الذین اتقوا یعنی جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں۔ خوفِ خدا پر رحمتِ الٰہی کے مرتب و متوجہ ہونے کا ذکر قرآن مجید ہی میں نہیں اگلے صحیفوں میں بھی بار بار آیا ہے۔ چنانچہ توریت کے حوالہ پارۂ اوّل کے حواشی میں گزر چکے۔ مسیحیوں کے مقدس نوشتے بھی خوف و خشیت کے ذکر سے خالی نہیں۔ "اور اس کا رحم اُن پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے (لوقا ۱: ۵۰) "وہ آؤ اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی آلودگی سے پاک کردیں اور خدا کے خوف کے ساتھ پاکیزگی کو کمال تک پہنچائیں"۔ (۲-کرنتھیون ۷: ۱) "وہ وقت آپہنچا ہے کہ بڑے بڑے نبیوں اور مقدسوں اور اُن چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں، اجر دیا جائے۔

۳۸ (اُن کے لئے جنت ہیں) مُطَهَّرَةٌ ۔ پاک صاف کی ہوئی ہر جسمانی آلودگی و نجاست سے۔ قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ اہلِ جنت کے لئے راحت و لذت کا سامان ہر قسم کا ہوگا مادی لُطف کا بھی، ذہنی لطف کا بھی، رُوحانی لُطف کا بھی، پھر اگر انہیں وہاں بیویاں بھی عنایت ہوں، ہر طرح پاک صاف اور لُطفِ ازدواجی بھی پوری طرح اٹھانے کا موقع ملے، تو اس میں "روشن خیالی" کے شرمانے کی کونسی بات ہے؟ ۳۹ (جو حاصل اور عطر ہے ساری نعمتوں ولذتوں، راحتوں کا) رِضْوَانٌ ۔ کی تنوین اظہارِ عظمت کے لئے ہے) ای رضا عظیم علی ما یشعر به التنوین (روح) ۴۰ (اور ان کے احوال، اقوال،

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ
یا نشان پڑے ہوئے گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے ۳۳ یہ سب (دنیوی
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭
زندگی کے سامان ہیں ۳۴ اور حُسنِ انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے ۳۵
قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
آپ کہیے کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر دوں جو ان (چیزوں) سے (کہیں) بہتر ہے ۳۶، جو لوگ ڈرتے
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
رہتے ہیں اُن کے لئے ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں کہ ان کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں اُن میں
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۳۷ اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ہونگی ۳۸ اور اللہ کی خوشنودی ہوگی ۳۹ اور اللہ
بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑮ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا
اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے ۴۰ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم یقیناً ایمان
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ
لے آئے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا دے ۴۱ (یہ) صبر کرنے والے
الصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ
ہیں اور راستباز ہیں اور فروتنی کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں گناہ
بِالْاَسْحَارِ ⑰ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
بخشوانے والے ہیں ۴۲ اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں

اعمال کے ایک ایک جزئیہ سے پوری طرح خبردار ہے) پس اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی حساب یا صدورِ جزا سے رہ جائے۔ ۴۱ یہ کہنے والے کون ہیں؟ وہی ہوتے ہیں جن کا ذکر الذین اتقوا کے ماتحت چل رہا ہے۔ یہ اپنے اعمال و احوال پر نازاں ہونا الگ رہا اُلٹے فرطِ خشیت و ہیبت سے اپنی مغفرت و حُسنِ خاتمہ کے لئے مناجات کرتے رہتے ہیں۔ اٰمَنَّا ۔ یعنی ہم اللہ اور اس کے رسول اور اس کی شریعت پر ایمان لے آئے۔ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ۔ ایمان پر معاً طلبِ مغفرت کو مرتب کرتے ہیں نکتہ یہ ہے کہ مغفرت میں اصل حائل عدم ایمان ہی تو ہوتا ہے۔ جب یہ مانع رفع ہوگیا تو اب کیا ہے۔ اب ہماری باقی خطاؤں، لغزشوں کو تو معاف کر ہی دیجیے۔ ایمان بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی انتہائی اہمیت اس آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔ امام المفسرین امام رازیؒ نے اس مقام پر بہت خوب تقریر کی ہے۔ ذٰلك یدل علی انهم توسلوا بمجرد الایمان الی طلب المغفرة والله تعالٰی حکی ذٰلك عنهم فی معرض المدح لهم والثناء علیهم فدل هٰذا علی ان العبد بمجرد الایمان یستوجب الرحمة والمغفرة من الله تعالٰی (کبیر) اور انہی کی پیروی صاحبِ بحر و صاحبِ روح نے بھی کی ہے۔ ۴۲ بالاسحار ۔ سحر نام اس وقت کا ہے جب رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے مل رہی ہو۔ السحر والسحرۃ اختلاط ظلام آخر اللیل بضیاء النهار وجعل اسمًا لذٰلك الوقت (راغب) آخرِ شب کی خصوصیت اس لئے ہے کہ وہ وقت خاص طور پر دلجمعی اور روحانی قوٰی کی بیداری و بالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی زاید ہوتا ہے۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ ۔ یعنی صبر کرنے والے اور راستی برتنے والے اپنے سارے معاملات میں۔ اَلْقٰنِتِيْنَ ۔ یعنی فروتنی کرنے والے اللہ کے حضور میں۔ اَلْمُنْفِقِيْنَ یعنی خرچ کرنے والے اللہ کی راہ میں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ یہ تمام صفات اولیاء اللہ کے ہوتے ہیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا
جیسا کہ معاملہ فرعون والوں کے ساتھ ہوا اور ان سے قبل والوں کے ساتھ انہوں نے ہماری
بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ
نشانیوں کو جھٹلایا سو اللہ نے ان کی گرفت کی ان کے گناہوں کے باعث اور اللہ بڑا سخت سزا
الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ
دینے والا ہے ٢٧ آپ (ان) کفر والوں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف
اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ
اکٹھے کئے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ٢٨ بیشک تمہارے لئے ایک نشانی (ان) دو گروہوں
فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى
میں ہے جو باہم مقابل ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا
كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ
کافر ٢٩ یہ اپنے کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے اُن سے (یعنی مسلمانوں سے) دگنا ٣٠ اللہ اپنی
بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿١٣﴾
نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کر دیتا ہے ٣١ بیشک اس (واقعہ) میں اہلِ بصیرت کیلئے بڑا سبق ہے ٣٢
زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ
لوگوں کے لئے خوشنما کر دی گئی ہے مرغوبات کی محبت (خواہ) عورتوں سے ہو یا بیٹوں سے
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
یا ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی سے

٢٧ (مجرموں اور باغیوں کو) ذُو انْتِقَامٍ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ اُسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اللہ کوئی بے بس اور بے عجز ہما تما نہیں کہ بندوں کو ہر طرح کے ظلم و عدوان کا مرتکب دیکھے اور پھر دم نہ مارے۔ وہ جب سزا دینے ہی پر آجاتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی گرفت اس کی گرفت سے شدید تر و الیم تر نہیں۔ كَدَاْبِ۔ داْب کے معنی حالت یا معاملہ کے ہیں۔ الداْب العادة والشان (قرطبی)۔ یہ تثلیث بے سود ہونے میں ہے۔ گویا تاریخ سے استشہاد ہے کہ جس طرح ماضی میں فرعونیوں کے کام ان کا مال اولاد کچھ نہ آسکا۔ اور عذابِ الٰہی سے انہیں کوئی چیز نہ بچا سکی، اسی طرح ان کافروں کے حق میں بھی یہ سارے مادّی سہارے بالکل عبث و لاحاصل ثابت ہوں گے۔ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ فرعون اور فرعونیوں پر مفصل حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ فرعونیوں کی ہلاکت کے ذکر میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ ان کی ہلاکت مسیحیوں کو مُسلّم تھی اور سُورہ کا روئے سخن خاص طور پر مسیحیوں ہی کی جانب ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی وہ نافرمان قومیں جو عہدِ موسوی سے بھی قدیم تر ہوئی ہیں۔ اٰيٰتِنَا۔ یہ نشانیاں خواہ آسمانی صحیفوں اور نوشتوں کی صُورت میں ہوں یا معجزات و خوارق نبوت ہوں یا دلائلِ توحید ہوں۔ یحتمل ان یرید الاٰیات المتلوة ویحتمل ان یرید الاٰیات المنصوبة للدلالة علی الوحدانیة (قرطبی)۔ اما المتلوة فی کتاب اللہ تعالٰی او العلامات الدالة علی توحید اللہ تعالٰی وصدق انبیآئه (بحر)۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ۔ اور انہیں ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں مع ان کی ساری عظمت و شوکت کے نیست و نابود کر دیا۔ خطاب دینِ حق سے بغض و عناد رکھنے والوں سے رسُول کے واسطہ سے ہے۔ ٢٨ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ کا تعلق تو ظاہر ہے کہ آخرت ہی سے ہے۔ سوال آیت کے وعید اوّل سَتُغْلَبُوْنَ سے متعلق ہے کہ دشمنانِ دین کی اس مغلوبیت و مقہوریت کا تحقق کہاں ہوگا؟ آخرت میں تو خیر ہو ہی گا لیکن آیا اس کے قبل اہلِ حق کے ہاتھوں اس دنیا میں بھی؟ اہلِ تفسیر نے بالاتفاق اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا وقوع عنقریب اس دنیا میں ہوگا۔ چنانچہ ہوا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ باقی یہ کہ اس سے کافروں کا کون سا گروہ متعین طور پر مُراد ہے بعض نے پیشگوئی کا مصداق بدر میں حکومتِ مکّہ کی ہزیمت کو ٹھہرایا ہے۔ المراد مشرکی مکة (معالم عن مقاتل)، قل لمشرکی مکة ستغلبون یعنی یوم بدر (بیضاوی)۔ قیل نزلت فی قریش قبل بدر بسنتین (بحر)۔ لیکن اکثر نے مدینہ میں یہود کے پُر قوت جتھوں اور جرگوں کی شکست و پامالی مُراد لی ہے۔ یعنی الیھود ای ھم ھون (قرطبی عن ابن عباس)۔ فالمراد من الموصول الیھود (روح)۔ سَتُغْلَبُوْنَ میں س قربِ وقوع کے لئے ہے یعنی اس دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ والسین لقرب الوقوع ای تغلبون عن قریب واُرید منه فی الدنیا (روح)۔ لیکن بہتر یہ ہوگا کہ لفظ کے اطلاق کو عام رکھا جائے اور یہود و مشرکین جو بھی رسول اللہ (صلعم) کے بعد میں مسلمانوں کے ہاتھ خوار و مغلوب ہوئے، سب کو آیت کا مصداق یکساں ٹھہرایا جائے۔ والظاھر ان الذین کفروا یعم الفریقین المشرکین والیھود وکل قد غلب بالسیف والجزیة والذلة وظهور الدلائل والحجج (بحر)۔ بہرحال قرآنی پیشگوئی کا اعجازی رنگ ہر صُورت میں عیاں ہے، نزولِ آیت کے وقت مسلمانوں کی بےبسی بےسرو سامانی و زبوں حالی دیکھ کر کوئی بھی انسانی دماغ یہ پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا کہ حکومتِ مکّہ یا دولتِ یہود کسی سے بھی یہ ایسی زبردست ٹکر لے سکتے ہیں۔

٢٩ (میدانِ بدر میں ٢ ہجری میں) اٰيَةٌ۔ نشان اللہ کی قدرت و کارسازی اور رسول اللہ صلعم کی صداقت کا۔ فِيْ فِئَتَيْنِ یعنی دو گروہوں کے واقعہ میں۔ ایک گروہِ مومنین بے سرو سامان، دوسرا گروہِ مشرکین با سرو سامان کا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ گروہ مومنین کا تھا۔ تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ تعداد میں کل ٣١٣ تھے اور وہ بھی بغیر سامانِ حرب کے۔ اونٹ اتنے کم کہ چار چار پیادوں کے حصّہ میں ایک ایک پڑتا تھا۔ گھوڑے لشکر بھر میں کل دو۔ آہنی زرہیں اتنے آدمیوں میں کل سات۔ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ۔ یہ لشکر حکومتِ مکّہ کا تھا۔ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھا۔ یعنی ٩٥٠ افراد پر مشتمل۔ قریش کے بہترین سواروں کے زیرِ قیادت اور ہر ضروری سامان سے آراستہ۔ شتر سوار اُن میں ٧٠٠ تھے اور سب سوار و زرہ پوش ١٠٠ تھے۔ ٣٠ (لیکن کثرتِ تعداد پھر بھی کچھ کام نہ آئی اور آخر کار ذلت و شکست لشکرِ مکّہ ہی کو نصیب ہوئی) يَرَوْنَهُمْ رَاْيَ الْعَيْنِ۔ یعنی یہ محض وہم و خیال نہ تھا بلکہ واقعۃً مشاہدہ کر رہے تھے۔ رویۃ۔ آیت میں رؤیتِ چشم کیلئے ہے۔ قال ابو علی الرویة فی الاٰیة رویة عین ولذلك تعدت الی مفعولٍ واحدٍ (قرطبی) یعنی رویة ظاھرة مکشوفة (کشاف)۔ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ۔ کون کس کو کتنا دیکھ رہے تھے؟ سوال کے جواب یا ضمیروں کی تعیین میں اہلِ تفسیر کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ اور یا تکلف بلادلیل قول کسی کا بھی نہیں۔ سب سے اسلم و احوط قول مفسّر تھانوی کا نظر آتا ہے جنہوں نے یرونھم میں فاعل اور مفعول دونوں کی ضمیریں کافروں کی طرف پھیری ہیں۔ اور مثلیھم میں ھم سے مراد مومنین سے لی ہے۔ مِّثْلَيْهِمْ سے مراد دو چند بھی لی گئی ہے اور سہ چند بھی اور مطلق کثرتِ تعداد بھی بغیر کسی عددِ خاص کے تعین کے۔ زعم الفراء ان معنی یرونھم مثلیھم ثلاثة امثالھم (بحر)۔ المراد بالمثلین مطلق الکثرة لاخصوص المثلین (جمل)

٣١ (چنانچہ اس موقعہ پر اس کی مشیت نصرتِ مومنین سے متعلق ہوگئی اور کافروں کے کام نہ انکی تیاریاں آسکیں نہ کثرتِ تعداد) مَنْ يَّشَآءُ۔ اس کی تائید اس عالمِ ابتلاء میں مصالحِ تکوینی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ٣٢ (یعنی بڑا سبق ہدایت کا ان لوگوں کیلئے ہے جو بصیرت سے کام ہی لیتے رہتے ہیں۔ عِبْرَةً۔ تنوین عظمت کے لئے ہے یعنی ہدایت و بصیرت کا بہت بڑا سبق۔ التنوین للتعظیم ای عبرة عظیمة کائنة (روح)

ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ

لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے (اسی حصہ کے) پیچھے ہو لیتے ہیں

مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ

جو متشابہ ہے ۱۷ شورش کی تلاش میں اور اس کے (غلط) مطلب کی تلاش میں ۱۸ درآنحالیکہ کوئی

تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ

اس کا (صحیح) مطلب نہیں جانتا بجز اللہ کے ۱۹ اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان

ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟

لے آئے (وہ) سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے ۲۰ اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول

ٱلْأَلْبَٰبِ ۝٧ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

کرتے ہیں ۲۱ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر بعد اس کے کہ تو ہمیں سیدھی راہ دکھا چکا

وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ ۝٨

اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا کر ۲۲ بیشک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے ۲۳

رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ ٱلنَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ

اے ہمارے پروردگار بیشک تو (تمام) لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اُس دن جس کے وقوع میں (ذرا) شک نہیں ۲۴ بیشک

لَا يُخْلِفُ ٱلْمِيعَادَ ۝٩ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَن تُغْنِىَ عَنْهُمْ

اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ۲۵ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے مال اور اُن کی اولاد اللہ کے

أَمْوَٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُهُم مِّنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمْ وَقُودُ ٱلنَّارِ ۝١٠

مقابلہ میں اُن کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے ۲۶

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — وقف لازم — وقف غفران — وقف منزل

ع ١/٩ ٩

منزل ١

ما الافرھی الّتی منہا ابتدادہ والیہا مرجعہ فسماھا امّھا فاقتضیٰ ذٰلک بنا۶ المتشابہ علیہا ورد۶ الیہا (جصاص) ۱۶ مُتَشٰبِہٰتٌ ایسے کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کلام سے ایسا ملتا جلتا ہو کہ باہم تفریق و تمیز مشکل ہو اور اس کی تعبیر و تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ ما اشکل تفسیرہ لمشابہتہ بغیرہ اما من حیث اللفظ او من حیث المعنیٰ (راغب) واما المتشابہ فھو ان یکون احد الشیئین مشابہاً للاٰخر بحیث یعجز الذھن عن التمییز (کبیر) انما المتشابہ فی ھٰذہ الاٰیۃ من باب الاحتمال والاشتباہ وقیل ان المتشابہ ما یحتمل وجوھا (قرطبی) المتشابہات لھن تصریف وتحریف وتاویل ابتلی اللہ فیھن العباد (قرطبی عن مجاہد و ابن اسحٰق) ۱۷ (اور محکمات سے قطع نظر کر لیتے ہیں) اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ۔ کھلا ہوا اور براہِ راست اشارہ ہے مسیحیوں کی جانب جنہوں نے اپنے پیمبروں کی صاف و واضح و صریح ہدایاتِ توحید کو پس پشت ڈال کر ان کی بعض تشبیہات کو توڑ مروڑ کر اصل قرار دے لیا تھا لیکن الفاظ عام و وسیع ہیں۔ ہر کج رائے و کج رو، ہر زندیق و صاحب بدعت اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ ھٰذہ الاٰیۃ تعم کل طائفۃ من کافر و زندیق وجاھل و صاحب بدعۃ وان کانت الاشارۃ بھا فی ذٰلک الوقت الیٰ نصاریٰ نجران (قرطبی) ھم اھل البدع (مدارک) محققین نے اہل اسرار کے باب میں تصریح کر دی ہے کہ ان سے اگر ایسا کلام منقول ہو جو اپنی ظاہری صورت میں شریعت کے مطابق نہ ہو، تو سلامتی اس میں ہے کہ نہ اس کلام کے ظاہر کو قبول کیا جائے اور نہ اُن اشخاص ہی سے انکار کر دیا جائے۔ ۱۸ (تاکہ عقائد و احکام کے باب میں اُس کلام سے اپنی گمراہیوں کی سند حاصل کریں) جن کے دلوں میں حق طلبی، حق جوئی و تلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اس ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ نصوص کلامِ الٰہی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ جیسا کہ آجکل بھی ہر فرقۂ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ الفتنۃ ھی الکفر والضلال فی ھٰذا الموضع (جصاص)

اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ۔ اس غلط تعبیری میں بھی یہ لوگ مخلص نہیں مقصود ہی ان کا عوام مسلمین کو تشویش میں ڈالنا اور وحدتِ دین میں رخنہ پیدا کرنا ہے۔ طلباً للتشکیک فی القراٰن واضلال العوام کما فعلتہ الزنادقۃ والقرامطۃ (قرطبی) وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ۔ یعنی تاکہ اس کے غلط سلط معنی اپنی مرضی کے موافق تراش لیں۔ تاویل یہاں تحریف کے مرادف ہے۔ ای تحریفہ علیٰ مایریدون (ابن کثیر) الاضافۃ فی تاویلہ للعھد ای بتاویل مخصوص وھو ما لم یوافق المحکم بل ما کان موافقاً للتشھی (روح) والمراد منہ انھم یطلبون التاویل الذی لیس فی کتاب اللہ علیہ دلیل ولا بیان (کبیر) ای التاویل الذی یشتھونہ (مدارک) ۱۹ (اور وہی جس کو جتنا چاہے بتلا دے۔ چاہے نصوصِ قرآنی ہی سے اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً۔ چاہے اقوالِ رسول سے صراحۃً) ۲۰ پس سارے کا سارا حق ہے۔ اور متشابہات کے معنی جو کچھ بھی ہوں بہر حال حق ہیں) الراسخون فی العلم یعنی علمِ دین پختہ اور صاحبانِ عقلِ سلیم۔ اکثر محققین کا مذہب یہ ہے کہ وقف تام وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر ہے اور الراسخون فی العلم سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے جس کی خبر یقولون ہے قرطبی نے صحابہ و تابعین میں حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ عروۃ بن زبیرؓ، ابی بن کعبؓ اور عمرؓ بن عبدالعزیز کا اور ائمہ لغت و نحو میں کسائی اور اخفش اور فراء اور ابو عبید کا مذہب یہی بتلایا ہے اور حنفیہ بھی عموماً اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ وھو الذی ذھب الیہ الحنفیۃ (روح) والوقف عند الجمھور علیٰ قول الا اللہ (مدارک) بلکہ اکثر صحابہ و تابعین اور محققین اہلِ سنت کا یہی مذہب ہوا ہے ھو مذھب الاکثرین من اصحاب رسول اللہ والتابعین واتباعھم خصوصاً اھل السنۃ وھو اصح الروایات عن ابن عباس (روح) رسوخ کے معنی مضبوط ہو جانے اور جڑ جم جانے کے ہیں۔ الرسوخ الثبوت فی الشیء وکل ثابت راسخ (قرطبی) تو اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ وہ ہوئے جن کے دلوں میں دین کے حقائق مثبت ہو چکے ہیں۔ کل من عند ربنا خواہ اس کے بعض حصوں کے معنی بالکل ظاہر و واضح ہوں اور خواہ اس کے بعض حصوں کے مفہوم میں خفا و اشتباہ ہو تقدیر کلام یوں ہے۔ کلہ من عند ربنا اور کلہ میں ضمیر کتاب اللہ کی طرف ہے۔ ۲۱ (جو دین کے باب میں عقل و فہم سے کام لیا کرتے ہیں) بیان فہم سلیم رکھنے والوں کی عام ہے کہ ان لوگوں نے جب قرآن کے مجموعہ اور کل کو کلام الٰہی مان لیا، تو اب اس کے کسی حصے سے متعلق بھی بے اعتقادی اور ریب دل میں نہیں لاتے۔ ۲۲ یعنی ہم کو اس صراطِ مستقیم پر قائم رکھ اور ہمارا حال کہیں یہود و نصاریٰ کا سا نہ ہو جائے، جو کتاب و نبوت کے بعد بھی گمراہ ہو گئے۔ یہ ساری دعا الراسخون فی العلم کی زبان سے ہے۔ یعنی علمِ دین میں پختہ کاروں کی زبان سے۔ یہ لوگ اپنے رسوخ فی العلم اور پختہ کاری پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اس نعمت کے زوال سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً۔ انہیں خود اپنے کسی عمل پر ناز یا دعویٰ نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہتے کہ ہمیں ہمارے حسنِ عمل کے انعام میں راہِ راست پر قائم رکھ بلکہ کہتے ہیں کہ محض اپنے فضل و کرم لطف و عنایت سے راہِ ہدایت پر مستقیم رکھ۔ ای من عندک ومن قبلک تفضلاً لا عن سبب بتّی ولا عمل (قرطبی) گویا اس میں ادبِ دعا کی تعلیم بھی آگئی۔ رَحْمَۃً کا صیغہ نکرہ اس کی عظمت اور بڑائی کے لئے ہے۔ وتنوینہ للتفخیم (روح) ۲۳ (تو ایسے کے لئے اس درخواست کا قبول کر لینا مشکل کیا ہے) مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ جاہل صوفیہ اور باطنیہ زنادقہ نے اس آیت سے یہ من گھڑت مسئلہ نکالا ہے کہ علم وہی ہے جو اللہ کی طرف سے محض وہبی ہو کسبی نہ ہو اور علمِ کتابی حجاب کے حکم میں ہے۔ ۲۴ (اس لئے قیامت کا آنا برحق اور بندوں کو اس کی یاد اور اس کا اہتمام ضروری) مومنین، کاملین کی یہ دعائیں خوفِ آخرت سے ہوتی ہیں، کسی مادی دنیوی غرض سے نہیں۔ جَامِعُ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کی موت کے بعد اٹھانے والا اور اکٹھا کرنے والا۔ ای باعثھم ومحییھم بعد تفرقھم (قرطبی) ۲۵ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں اور فرقوں نے گمان کر رکھا ہے) جاہلی قوموں کے عجیب عجیب معتقدات میں سے یہ عقیدے بھی ہیں کہ خدا کے لئے جائز ہے کہ وعدہ کر کے بھول جائے یا وعدہ کا ایفاء اُسے خلافِ مصلحت نظر آئے اور اس لئے اُسے وہ ٹال جائے۔ اور افسوس ہے کہ بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں نے ان خرافات میں ان کی تقلید شروع کر دی ہے۔ خلفِ وعید کا مسئلہ جو اہلِ سنت کے ہاں ہے وہ اس سے بالکل الگ ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شان میں کوئی منقصت نہیں نکلتی بلکہ عظمت و مکرمت کچھ اور بڑھ ہی جاتی ہے۔ ۲۶ اَلنَّارُ۔ یعنی آتشِ جہنم جہنم کے عذابِ آتشیں پر توریت و انجیل کے حوالے پارۂ اول میں گزر چکے۔ آیۂ کریمہ فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ کے تحت میں۔ مِنَ اللّٰہِ۔ یعنی عذابِ الٰہی کو نہ بچا سکیں گے۔ ای من عذاب اللہ (قرطبی) لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ۔ جاہلی قوموں کا ایک عقیدہ یہ بھی رہا ہے کہ اولاد اگر مرے ہوئے ماں باپ کی طرف سے دان پُن کر دے تو والدین کی نجات ہو جائے گی خواہ وہ ایمان سے محروم ہی دنیا سے اُٹھے ہوں۔

۵ (لفظاً لفظاً اے پیغمبر) نَزَّلَ کا مصدر تنزیل ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کیلئے بکثرت آیا ہے۔ برخلاف اَنْزَلَ (مصدر انزال) کے جو عموماً دوسری کتب آسمانی کے لئے آیا ہے۔ تَنْزِیْل میں تدریج اور ٹکڑے ہوکر نازل ہونے کا تخیل تو موجود ہی ہے۔ القرآن نزل نجوماً شیئاً بعد شیٔ والتنزیل مرة بعد مرة (قرطبی) لیکن عجب نہیں کہ اس کے مفہوم میں قرآن کا لفظ بلفظ، حرف بہ حرف نازل ہونا بھی شامل ہو۔ اور کچھ عجب نہیں جو اس کی سند آگے چل کر کسی محقق کو عربی لغت و زبان ہی سے ہاتھ آجائے۔ بِالْحَقِّ حق کے تحت میں حکمت بھی داخل ہے اور راستی بھی اور قوتِ دلائل بھی اور یہ لفظ ہزل کے مقابل بھی ہے۔ انه قول فصل ولیس بالهزل (کبیر) نزل بالحق لا بالمعانی الفاسدة المتناقضة (کبیر) بالصدق وقیل بالحجة الغالبة (قرطبی) ۶ (کتب آسمانی میں سے) مُصَدِّقًا۔ قرآن نے بار بار صراحت کردی ہے کہ اس کا تعلق کتب قدیم سے تصدیق کا ہے۔ قرآن اجمالاً ان کے مضامین کی تصدیق و توثیق بھی کرتا ہے۔ یہیں سے اُن دشمنانِ دین کی نادانی بھی ظاہر ہوئی جاتی ہے جو کسی قرآنی بیان کے مثل کوئی مضمون توریت و انجیل وغیرہ کا اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے کوئی خاص انکشاف کیا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) گویا قرآن کی بڑی چوری پکڑلی ہے۔ ۷ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ توریت اور انجیل قرآن مجید کی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابوں کے نام ہیں۔ اور قرآن تصدیق انہی کی کرتا ہے۔ موجودہ بول چال میں توریت نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا۔ جن میں سے ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں سے کسی ایک صحیفہ کی بھی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو نہیں۔ اسی طرح انجیل نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا جن میں حضرت مسیحؑ سے متعلق مختلف گمنام اور بے نشان لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں، روایتیں اور ملفوظات ہیں،

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اُس نے (یہ) کتاب آپ پر نازل کی ہے قطعیت کے ساتھ ۵ اُن کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے آچکی ہیں ۶

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى

اور اُس نے اُتارا تھا توریت اور انجیل کو ۷ (اس سے) پیشتر ۸ لوگوں کی ہدایت کے

لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

واسطے اور اُس نے فرقان کو اُتارا ۹ بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو

کفر کیا اُن کے لئے عذاب سخت ہے ۱۰ اور اللہ بڑا زبردست ہے بڑا بدلہ

انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ

لینے والا ہے ۱۱ بیشک اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی نہ زمین میں

وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي

اور نہ آسمان میں ۱۲ وہ وہی (خدا) ہے جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا

الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾

ہے جس طرح وہ چاہتا ہے ۱۳ کوئی خدا نہیں بجز اسکے ۱۴ وہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ

وہ وہی (خدا) ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے اس میں محکم آیتیں ہیں اور

مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا

وہی کتاب کا اصل مدار ہیں ۱۵ اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں ۱۶ سو جو

لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں۔ بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ "حواریوں کے دور میں بلاارادہ اور بلاتوقع تیار ہوگیا" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ ص۱۳ طبع چہارد ہم) خوب سمجھ لیا جائے کہ ایسے بے سند "مقدس نوشتوں" کی تصدیق و توثیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل یعنی عہد عتیق و عہد جدید کا کوئی جزو بھی قرآن مجید کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔ مِنْ قَبْلُ یعنی قرآن سے قبل عہد موسیٰؑ اور عہد عیسیٰؑ میں اُن کی اُمتوں کے لئے۔ ۹ الفرقان فرقان اور فرق اصلاً ہم معنی ہیں بجز اس کے کہ فرق کے معنی تو محض اور مطلق امتیاز کے ہیں خواہ وہ کسی کے درمیان ہو۔ اور فرقان مخصوص اُس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان ہو۔ الفرقان ابلغ من الفرق لانه یستعمل فی الفرق بین الحق والباطل (راغب) بعض کے نزدیک یہ اسم جنس ہے کل کتبِ آسمانی کے لئے۔ جنس للکتب السماویة (کشاف) ایک قول ہے کہ اس سے مراد معجزات و دلائل نبوت ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔ والمختار عندی ان المراد من هذا الفرقان المعجزات التی قرنها الله تعالی بانزال هذه الکتب (کبیر) لیکن محققین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ هو القرآن انزل علی محمد وفرق به بین الحق والباطل (ابن جریر عن قتادہ) المراد هو القرآن (کبیر) ای القرآن (قرطبی) الفرقان ههنا القرآن (ابن کثیر عن قتادة والربیع) ۱۰ (آخرت میں تو یقیناً اور دُنیا میں بھی احتمالاً) کَفَرُوْا۔ یعنی باوجود اس کے کہ اُن پر تبلیغ دین پوری طرح ہوچکی تھی، وہ کفر اختیار کئے رہے۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مراد آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں۔ اور نشانیاں بھی یعنی توحید کے دلائل و شواہد۔ ۱۱ خوب خیال رہے کہ سورہ کا اصل موضوع مسیحیت کی تردید ہے عموماً ایسی ہی صفات کا اثبات کیا گیا ہے جن سے مسیحیت ہی کے کسی نہ کسی پہلو پر ضرب لگے۔ عَزِيْزٌ۔ ہر سزا پر قادر ہے اور معاذ اللہ ہر حال میں سب سے بالادست و قوی تر ہے۔ وہ (معاذ اللہ) مسیحیوں کا خدا نہیں کہ انسانی قالب اختیار کرکے طرح طرح کی کمزوریوں اور بیچارگیوں کا شکار بن جائے اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوکر سُولی پر موت تک پاجائے۔ اس کی صفت عزیزیت اس تخیل ہی سے اِبا کرتی ہے۔ ذُو انْتِقَامٍ۔ وہ رحمٰن و رحیم و رؤف ہونے کے ساتھ عادل بھی ہے اور صفت معدلت کا اظہار مجرموں اور سرکشوں کے مقابلہ میں سزا و انتقام ہی سے ہوسکتا ہے۔ اسے سزا دینے میں ہرگز کوئی عار نہیں آتا کہ اس عار سے بچنے کے لئے اُسے "مصلوبیت اور کفارہ" کے پیچ در پیچ راستے اختیار کرنے پڑیں۔ جن مذہبوں نے اپنے خدا کو صرف رحیم ہی رحیم مانا ہے ان کا خدا کامل نہیں ناقص ہے۔ ۱۲ جاہلی مذہبوں کے حکماء تک آخر جاہلی تھے! یونان کے نامی گرامی عقلاء و حکماء تک یہ کہہ گئے اور سکھلا گئے کہ علم باری صرف کلیات تک محدود رہتا ہے جزئیات کو محیط نہیں ہوتا۔ اور مسیحیوں نے خیر نبوت کی برکت سے کھلم کھلا اس عقیدہ کو تو نہ مانا، تاہم مرعوب اس "حکیمانہ" تعلیم سے اچھے خاصے رہے۔ قرآن مجید نے للکار کر بتا یا کہ یہ علم باری کا کمال نہیں، عین نقص ہوا علم باری ہر حیثیت سے کامل ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز پر حاوی۔ اَلْاَرْضِ وَالسَّمَاۗءِ۔ آسمان اور زمین کے نام اس سلسلہ میں اسلئے لے دیئے گئے کہ علم انسانی کی وسعتِ گرفت انہی حدود کے اندر محدود ہے۔ ضمناً خطاب مسیحیوں سے بھی ہے کہ تم جو مسیحؑ کو خدا مانتے ہو تو بتاؤ ان کا علم کامل کہاں سے تھا اور خدا نے بندہ کی شکل اختیار کرکے کیسے اتنا بڑا نقص اپنے اندر گوارا کرلیا؟ ۱۳ (خواہ بغیر باپ کے بنائے خواہ باپ کی وساطت سے) قادر وہ ہر طرح اور ہر صورت سے ہے۔ باپ محض واسطہ تخلیق ہوتا ہے اور خالق جس واسطہ کو جب چاہے ہٹادے۔ يُصَوِّرُكُمْ۔ میں خطاب عام ہے۔ سارے انسان مخاطب ہیں فِي الْاَرْحَامِ۔ یعنی ماؤں کے رحم میں۔ اور حضرت مسیحؑ کی صورت بھی رحم مادر ہی میں بنی تھی۔ اُوپر ذکر اللہ کے علم کامل کا آچکا ہے۔ اب اشارہ اس کی قدرت کی طرف ہورہا ہے کہ جس طرح اس کا علم کامل محیطِ کل و غیر محدود ہے اسی طرح اس کی قدرتِ تخلیق بھی غیر محدود و نامتناہی ہے۔ انسان کا اس کی حد بندی کی کوشش کرنا خود انسان کا جہل ہے۔ ۱۴ (نہ ذات کے لحاظ سے نہ صفات کے) پھر یاد دلا دیا کہ کون اس کے معاملات تخلیق میں دخل دے سکتا ہے یا مشورہ کا حق رکھتا ہے وہ ذاتِ پاک ہر اعتبار سے یکتا، بے مثل اور بے مثال ہے۔ ۱۵ العزیز۔ عزیز پر حاشیہ ابھی گزر چکا۔ خدائے تعالیٰ تخلیق کی ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ اَلْحَكِيْمُ۔ اسکی صفت حکمت کا اثبات ہے یعنی جو صورت جہاں قرین حکمت و مصلحت ہوتی ہے وہ وہی اختیار کرتا ہے۔ ۱۵ (اور وہی بطور معیار کے بن کر ان پر باقی کلام کو پیش کرنا چاہیے) مُحْكَمٰتٌ۔ محکم قرآن مجید کی وہ واضح و صریح آیتیں ہیں جن کی دلالتیں متعین ہیں اور ان کے معانی میں کوئی خفا و اشتباہ نہیں۔ المحکم ما لا یعرض فیه شبهة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی (راغب) واضحة المعنی ظاهرة الدلالة محکمة العبارة محفوظة من الاحتمال والاشتباه (روح) المحکمات فی آی القرآن ما عرف تاویله وفهم معناه وتفسیره (قرطبی عن جابر بن عبداللہ الشعبی وسفیان الثوری) قال النحاس احسن ما قیل فی المحکمات ان المحکمات ما کان قائماً بنفسه لا یحتاج ان یرجع فیه الی غیره (قرطبی) فالمراد به اللفظ الذی لا اشتراک فیه ولا یحتمل عند سامعه الا معنیً واحداً (جصاص) اُمٌّ ہر شے کی اصل کو کہتے ہیں۔ یقال لکل ما کان اصلاً لوجود شیء او تربیته او اصلاحه او مبدئه اُمٌّ (راغب) ای اصله والعمدة فیه یرد الیها غیرها (روح) یہاں اس حقیقت کو بیان کردیا کہ قرآن مجید میں جو آیتیں بالکل واضح و صاف ہیں جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں۔ وہی اصل مدار و معیار ہیں۔ دُوسری آیتوں کو جن کے کئی کئی معنی ہوسکتے ہیں۔ انہی پر پھر پیش کرنا چاہیئے۔ فبین اللہ تعالی ان القرآن تشتمل علی محکم وعلی متشابه والتمسك بالمتشابهات غیر جائز (کبیر)

۱۱۲۰ لَا یُکَلِّفُ ۔ اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا احکام شرعیہ میں بجز الخ ۔ احکام شرعی کی قید لگا دینے سے امورِ تکوینی خارج ہو گئے۔ ذمہ دار بنا دینے سے مُراد ہے اُن اعمال سے متعلق سوال و باز پُرس ہونا۔ اِلَّا وُسْعَهَا۔
یعنی اس کے اختیار کے اندر ہوں۔ گو بعض کسی قدر مشکل ہوں۔ اس قید کے لگا دینے سے وسوسہ اور خیالاتِ غیر اختیاری سب حدِ محاسبہ سے نکل گئے۔ الوسع من القدرة ما یفضل عن قدر المکلف (راغب) قال لا یکلف
اللہ نفسا الا وسعها تنبیها انه یکلف عبده ما ینوء به قدرته (راغب) الا طاقتها وقدرتها لان التکلیف لا یرد بفعل لا یقدر علیه المکلف (مدارک) الا ما تسعه قدرتها فضلا ورحمة (بیضاوی)
صوفیۂ محققین نے اس آیت سے ایک سبق تو یہ لیا ہے کہ مجاہدہ میں طالب کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ اور دُوسرا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ تجلیات کا ورُود و نزُول بھی طالب کی طاقت و اِستعداد کے متناسب ہی ہوتا ہے۔
اور اگر ان میں کبھی کمی ہو تو طالب کو تنگدل نہ ہونا چاہیئے۔ ۱۱۲۱ یعنی اُس نیک عمل پر ثواب و جزا جو بندہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرے۔ اور اس بدعمل پر عذاب و سزا جو بندہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرے۔ یہ رَد ہے
ہندی و بدھ مت کے عقیدۂ "کرم" کا۔ یعنی انسان جو بھی کرے گا وہ لازمی نتیجہ ہوگا پچھلے جنم میں اس کے افعال و اعمال کا۔ گویا اس قالب میں انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔ اور تناسخ اور عقیدۂ جبریت لازم و ملزوم ہیں۔

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا

مگر اس کی بساط کے مطابق ۱۱۲۰ اسے ملے گا وہی جو کچھ اُس نے کمایا اور اُس پر پڑے گا

اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

وہی جو کچھ اُس نے کمایا ۱۱۲۱ اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں ۱۱۲۲

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى

اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تُو نے ڈالا تھا اُن لوگوں پر جو

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ

ہم سے پیشتر تھے ۱۱۲۳ اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اُٹھوا جس کی برداشت

لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ

ہم سے نہ ہو ۱۱۲۴ اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے ۱۱۲۵ اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا

مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۲۸۶

کارساز ہے ۱۱۲۶ سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر ۱۱۲۷

ع ۴۰ ۸

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

مدنی ۲۰ رکوع ۲۰۰ آیتیں ۳۵۴۲ الفاظ ۱۵۳۳۶ حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۲ ۭ نَزَّلَ

الف۔ لام میم ۲ اللہ وہ ہے کہ کوئی خدا نہیں بجز اس کے ۳ زندہ (خدا ہے) سب کا سنبھالنے والا ۴ (خدا ہے)

قرآن مجید نے اس فاسد عقیدہ پر ضرب لگائی اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں تو انسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں۔ اور یہیں سے نصارٰی کے عقیدۂ کفارہ کا بھی رَد نکل آیا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو اب عملِ صالح کی ضرورت ہی نہیں۔ "ابن اللہ" سب کی طرف سے بھینٹ چڑھ گئے ہیں اور سب کی نجات کا سامان اُن کی مصلوبیت سے ہو گیا ہے! ۱۱۲۲ یہ مومنین کو جامع و کامل دُعا کی تعلیم ہو رہی ہے۔ اِنْ نَّسِيْنَآ۔ یعنی باوجود یاد رکھنے کی کوشش کے بھُول جائیں۔ اَخْطَاْنَا ۔ یعنی باوجود عزم و اہتمام کے بھی چوک جائیں۔ ۱۱۲۳ (اور جیسی جیسی آزمائشوں سے انہیں دوچار ہونا پڑا، وہ ہم پر نہ ڈال) عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ یعنی بعض سابق اُمتوں پر۔ انجیل میں پطرس، حواری مسیح کا قول غیر اسرائیلی مسیحیوں کے باب میں نقل ہوا ہے کہ اب تم ان کی گردن پر ایسا جوا رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم۔ خُدا کو کیوں آزماتے ہو؟ (اعمال ۱۵:۱۰) گویا اسرائیلی شریعت ان کے حق میں ایسا سخت جوا تھا جو اٹھائے اُٹھ نہ سکتا تھا۔ اِصْرًا سے مُراد ہے سخت حکم جو حدِ بشری سے خارج تو نہ ہو لیکن اس کی تعمیل میں مشقت و کلفت زیادہ پڑے۔ استعیر للتکلیف الشاق (کشاف) والمراد به التکالیف الشاقة (روح) قرآن مجید نے ضمناً اس مبالغۂ بیان کی بھی اصلاح کر دی اور یہ اشارہ کر دیا کہ گو وہ احکام سخت ضرور تھے لیکن نہ ایسے کہ ان پر ناقابلِ برداشت ہونے کا اطلاق ہو سکے۔ ۱۱۲۴ (نہ حوادث تکوینی میں نہ احکامِ شرعی میں اور حق پرستی کو ہمارے لئے آسان کر دے) دعا کا یہ جزو کمالِ عبدیت کا مظہر ہے۔ شانِ رحمت کا اقتضا تو خود ہی یہ ہے کہ ایسا بار ہم پر نہ ڈالا جائے گا لیکن عقلاً اس کا امکان تو بہر حال تھا اور ہے ـــــــــــ مالکِ کامل کو مملوک پر اور خالق کو عبد پر اختیار و تصرف تو ہر وقت، ہر طرح کا حاصل ہے۔ ۱۱۲۵ (بلا کسی رکاوٹ کے۔ بغیر ادنیٰ شائبۂ سزا کے) عَنَّا۔ ہم سے یعنی ہماری بھُول چوک سے۔ ۱۱۲۶ (ہر عالم میں) وَارْحَمْنَا ۔ یعنی ہم پر رحمت کامل ہو دنیا اور آخرت دونوں میں۔ ۱۱۲۷ (کہ یہ دشمن ہیں تیرے دین اور تیرے آئین کے) فَانْصُرْنَا عَلَى۔ نصر کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو معنیٰ غلبہ کے ہو جاتے ہیں۔ اور غلبہ سے مُراد دونوں میں بہ لحاظ دلائل و علوم غلبۂ علمی و معنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبۂ مادی و ملکی۔ ای فی محاجتنا معهم وفی مقاتلتنا بالحجة معهم وفی اعلاء دولة الاسلام علی دولتهم (کبیر)

سورۂ آلِ عمران ۔ ۱ عرب کا نقشہ سامنے ہو تو جنوب میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ملے گا اس میں ایک مقام نجران کا ہے۔ عہدِ نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی۔ سنہ ہجری میں ان کے ۱۴۔ اکابر وفد کی صُورت میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضورؐ نے دورانِ گفتگو میں ان کے عقائدِ تثلیث و ابنیت کی لغویت ان پر پُوری طرح واضح کر دی۔ سورہ میں اشارے جا بجا اس طرف ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خطاب جس طرح خاص طور پر یہود کی جانب تھا کہا جا سکتا ہے کہ اسی طرح اس سورۃ میں مسیحیوں کی جانب ہے۔ بقرہ ہی کی طرح آلِ عمران کے فضائل بھی احادیث میں بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ ۲ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان پر حاشیہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا۔ عجب نہیں جو یہ حروف مخفف ہوں فقرہ انا اللہ اعلم کے۔ ۳ (نہ بہ حیثیت اقنوم کے نہ کسی اور حیثیت سے) یعنی اُس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے نہ صفات میں نہ افعال میں۔ دنیا میں بہ کثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ خدائے اعظم تو بیشک ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ دار چھوٹے چھوٹے خدا دیوتا اور دیویاں تو بہت سی ہیں۔ قرآن مجید ان سب کی تردید کر کے کہتا ہے کہ نفسِ وجود ہی کسی دُوسرے خدا کا نہیں، نہ چھوٹے کا نہ بڑے کا، الوہیت و ربوبیت تمام تر ایک ہی ذات میں ہے۔ آیت علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رد میں ہے۔ ۴ اَلْحَيُّ۔ وہ وہ خدا ہے جو ہمیشہ زندہ ہی ہے۔ زندہ ہی رہا ہے اور زندہ ہی رہے گا۔ موت کا اس کے لئے کوئی امکان ہی نہیں، نہ صلیب کے اُوپر نہ کسی اور طرح پر۔ اس کی حیات جس طرح آج قائم ہے ہمیشہ سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ اسے بار بار قالب بدلتے رہنے کی ضرورت پیش آئے کبھی وہ انسان بن جائے اور کبھی نعوذ باللہ حیوان۔ وہ زندہ معاذ اللہ اس طرح کا نہیں کہ ہر سال اس پر موت طاری ہوا کرے اور پھر وہ حیاتِ تازہ حاصل کرتا رہے۔ الحی کے لفظ نے اُس کی صفتِ حیات کا اثبات کر کے ان سارے خرافات کی تردید کر دی۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ ۹۷۹ پارۂ ہذا) اَلْقَيُّوْمُ وہ بذاتِ خود قائم ہے اور ساری مخلوقات اس کے وجود سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی کسی معنیٰ میں کسی دوسرے کا محتاج ہو، جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ:۔ "جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد، صفحہ ۵۳۶) گویا نعوذ باللہ ابن اللہ اور اللہ دونوں اپنی خدائی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن مجید نے فرزندیٔ خدا کے عقیدہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ بہت سے جاہلی مذہب ایسے بھی ہیں جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے بھی قائل ہیں کہ وہ پیدا کسی اور سے ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ ۹۷۹ پارۂ ہذا)

ف۱۱۰۸ (اور اصل شئی قلب ہی کی گنہگاری ہے) اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔ سب سے بڑا گناہ تو قلب ہی کا گناہ ہے۔ چنانچہ کفر جو سارے کبائر سے بڑھ کر کبیرہ ہے۔ قلب ہی کا گناہ ہے اس لئے اس اسلوب بیان نے خود یہ ظاہر کر دیا کہ کتمانِ شہادت شدید ترین گناہ ہے۔ لان افعال القلوب اعظم من افعال سائر الجوارح الاترى ان اصل الحسنات والسيآت الايمان والكفر وهما من افعال القلوب واذا جعل كتمان الشهادة من اٰثام القلوب فقد شهد له بانه من معاظم الذنوب (مدارک) وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ ادائے شہادت کے وقت۔ یہ ادائے شہادت کا حکم عام ہے تمام معاملات قانونی کے لئے۔ مثلاً نکاح، مہر، وصیّت وغیرہ۔ صرف معاملۂ رہن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور شہادت چھپانے کی ساری صورتیں اس ممانعت کے اندر آجاتی ہیں۔ مثلاً ادائے شہادت سے گریز کرنا یا شہادت میں واقعات صحیح نہ بیان کرنا۔ وقس علیٰ ہذا۔ وَمَنْ يَكْتُمْهَا۔ اور یہ کتمان خواہ جزئی ہو یا کلی۔ ادائے شہادت چونکہ واجب ہے۔ فقہاء نے اس پر اُجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے البتہ آمد و رفت اور خوراک پر جو کچھ صرف ہو اس کا بہ قدر واقعی وصول کرنا جائز ہے ف۱۱۰۹ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دے گا) بِمَا تَعْمَلُونَ۔ مثلاً ایک عمل اخفائے شہادت کا ہے جو معصیت ہے۔ اور دوسرا عمل

الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ

گواہی کو مت چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا ف۱۱۰۸ اور تم جو کچھ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

بھی کرتے ہو اللہ اس کا بڑا جاننے والا ہے ف۱۱۰۹ اللہ ہی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

٣٩ ع ٢

الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

زمین میں ہے ف۱۱۱۰ اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو ف۱۱۱۱ یا اُسے

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ

چھپائے رکھو بہر حال اللہ اس کا حساب تم سے لیگا ف۱۱۱۲ پھر جسے چاہے گا بخش دیگا اور جسے چاہے گا

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ اٰمَنَ

عذاب دیگا ف۱۱۱۳ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ف۱۱۱۴ پیغمبر ایمان لائے

الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ

اس پر جو اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے ف۱۱۱۵ اور مومنین (بھی) یہ

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ

سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اسکے پیمبروں پر ف۱۱۱۶، ہم اس کے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ

پیمبروں میں باہم کوئی فرق بھی نہیں کرتے ف۱۱۱۷ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور ہم نے اطاعت کی ف۱۱۱۸

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ

ہم تیری مغفرت (طلب کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار ف۱۱۱۹ اور تیری ہی طرف واپسی ہے اللہ کسی کو ذمّہ دار نہیں بناتا

منزل

ادائے شہادت کا ہے۔ جو طاعت ہے۔ ف۱۱۱۰ (اور کسی دیوی، دیوتا، بروز، مظہر، اوتار کی شرکت اس میں نہیں) قرآن مجید کی طویل ترین سورہ کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے یہاں پر عقیدۂ توحید کامل کا اعادہ و اثبات ہے۔ سورہ کا آغاز اصولِ دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا۔ سورہ کا خاتمہ بھی اسی طرح جامعیت و مانعیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہو رہا ہے ف۱۱۱۱ (زبان سے یا عمل سے) مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ جو کچھ دلوں کے اندر ہے۔ افعال ارادی و اختیاری ہیں ہے مثلاً کوئی عقیدہ فاسد یا عزمِ معصیت، اس میں وسوسہ اور گزرنے والے خیالات داخل نہیں کہ وہ حدود مواخذہ سے خارج ہیں۔ ولا تدخل الوساوس وحديث النفس فيما يخفيه الانسان لان ذلك مما ليس فى وسعة ولكن ما اعتقدهٗ وعزم عليه (مدارک) ف۱۱۱۲ (مثل تمام معاصی کے) ف۱۱۱۳ مغفرت ہوگی تو قانونِ رحمتِ عامہ کے مطابق اور عذاب ہوگا تو قانون حکمتِ کاملہ کے ماتحت ف۱۱۱۴ اللہ فاعل بالارادہ ہے، مختارِ کُل ہے اور اس سے مُنزّہ ہے کہ عفو و مغفرت کے لئے اسے ضرورت بطور فدیہ یا کفارہ کے کسی "خدائے مصلوب" کی ہو۔ آیت میں اشارۃً رد آگیا عقیدۂ نصاریٰ کا اور متعدد مشرک قوموں کے عقائد کا۔ خدا بس اپنے ہی ارادہ یا مشیت کے علاوہ کسی اور قانون کا پابند نہیں جیسا کہ ہندی مشرک قوموں نے عقیدۂ کرم سے خیال کر رکھا ہے ف۱۱۱۵ (یعنی قرآن پر) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ۔ اپنی رسالت یعنی پیامِ حق کی حقانیت کامل پر ایمان لانے والے سب سے پہلے خود پیمبر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان ایمان تو سب برابر ہے۔ لیکن بہ اعتبار ظرف و بہ لحاظ کیفیت پیمبر کے ایمان عام اور عام افرادِ اُمت کے ایمان کے درمیان آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ ہر ایک کے ایمان کا مرتبہ بھی اس کی حیثیت اور مرتبہ کے متناسب ہوتا ہے ف۱۱۱۶ اس جامع آیت کے اندر تمام لوازمِ ایمان بیان ہو گئے ہیں۔ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اللہ پر ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات اور صفت دونوں کی تصدیق کی جائے۔ حسب تصریحاتِ قرآنی و تعلیماتِ نبوی یہ تردید ہوگئی دہریت، لاادریت، ارتیاب وغیرہ کی۔ خدائے واحد کی جزم کے ساتھ تصدیق کرنا لازمی ہے۔ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ۔ فرشتہ کی تعریف اوپر گزر چکی ہے کہ وہ ایک نوری مخلوق ہے جس سے صدورِ معصیت کا امکان نہیں۔ کثرت سے مشرک قوموں کو ٹھوکر اسی عقیدہ میں لگی ہے۔ فرشتوں کو بجائے تمامتر خدائی کارندہ ہونے کے اُن کی عظمت سے متاثر ہو کر انہیں کائنات کے مختلف شعبوں میں مستقلاً متصرف سمجھنے لگے۔ اور انہیں دیوی دیوتا کہہ کر پکارنے لگے مثلاً فلاں آگ کا دیوتا ہے فلاں ہوا کی دیوی ہے فلاں بارش کا دیوتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ قرآن مجید نے جو فرشتوں کے عقیدہ پر بار بار زور دیا ہے اس کا مقصد شرک کی اس خاص قسم یعنی دیوتا پرستی کا استیصال ہے۔ فرشتے گو نوری ہوتے ہیں معصوم ہوتے ہیں لیکن بہر حال خالقِ کائنات کے سامنے انسان ہی کی طرح ایک عاجز و بےبس مخلوق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ اُن کی ذات یا صفات کو مُدغم کر دینا انتہائی حماقت ہے۔ وَكُتُبِهٖ۔ آسمانی نوشتوں اور ہدایت ناموں کے باب میں بھی بڑی افراتفری ہوتی آئی ہے۔ کسی کسی قوم نے تو ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ خدا ہے لیکن کوئی ہدایت نامہ نہیں بھیجتا۔ اور بہت سی قوموں نے انہیں ذہن انسانی کی پیداوار قرار دیا جنہیں چند بڑے اور ہدایت یاب انسانوں نے مل کر لکھ لکھا لیا۔ وَرُسُلِهٖ رسالت کا عقیدہ بھی مشرک قوموں نے بالکل مسخ کر دیا تھا۔ دنیا رسولوں کو بھول چکی تھی اور قائل اس کی رہ گئی تھی کہ جس کے ذریعہ سے ہدایت اور پھر نجات ہوتی ہے، وہ یا تو خدا کا اکلوتا بیٹا ہوتا ہے یا خود خدا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں۔ قرآن مجید نے آکر بتایا کہ یہ انسان اور بندے ہی ہوتے ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔ سلسلۂ وحی کو ماننا بھی گویا "اوتار" کے عقیدہ پر ضرب لگانا ہے ف۱۱۱۷ (کہ بعض کے قائل ہوں اور بعض کے منکر۔ بلکہ سب کو برحق سمجھتے ہیں اور سب کے مسلکِ ہدایت پر اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین رکھتے ہیں) یہ مقولہ مومنین کا ہے۔ اى يقولون لا نفرق (بیضاوی و مدارک) یہود کی طرح نہیں کہ بجز اپنی نسل یعنی اسرائیلی انبیاء کے اور کسی کو نہ مانیں اور ان میں سے بھی جس کا جی چاہے انکار کر دیں۔ یہاں تک کہ سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم (حضرت مسیحؑ) سے تو وہ عداوت رکھیں کہ اپنے خیال میں اُن کی جان ہی لے ڈالیں۔ اور نہ نصرانیوں کی طرح کہ ایک اسرائیلی نبی کے ماننے میں تو وہ غلو کریں کہ پیمبری سے اُٹھا کر الوہیت کے مرتبہ پر پہنچا دیں اور اسمٰعیلی شاخ سے پیمبری پانے والے سے عداوت ہی ٹھان لیں۔ انگریزوں میں ایک مشہور مؤرخ گبن ہوا ہے۔ قرآن مجید اس کے نزدیک کلامِ الٰہی نہیں، کلامِ محمدؐ ہی ہے۔ بایں ہمہ اس آیت کی وسعت پر حیران ہو کر کہتا ہے۔ "محمد کی وسیع المشربی نے اپنے پیش رووں کے لئے بھی وہی درجہ رکھا جو خود اپنے لئے اور ہبوطِ آدمؑ سے لیکر نزولِ قرآن تک سلسلۂ وحی کو قائم رکھا۔" (تاریخ زوال و من امپائر۔ جلد ۵ ص) لَا نُفَرِّقُ۔ بعض اہلِ طریق نے اسی پر قیاس کر کے کہا ہے کہ اولیاء کاملین میں بھی یہ تفریق نہ کرنا چاہیئے کہ کسی سے اعتقاد رکھے اور کسی سے انکار کرے ف۱۱۱۸ سَمِعْنَا کہ سُن لیا ہم نے اللہ کے پیام کو۔ اَطَعْنَا اطاعت کی ہم نے اللہ کے پیامبر کی ف۱۱۱۹ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا۔ یعنی وہ مغفرت جو تو ہی عطا کرے گا۔ اس میں رد آگیا نصاریٰ اور دوسری قوموں کا۔ جو مغفرت کو عطیۂ الٰہی نہیں۔ بلکہ "ابن اللہ" یا کسی اور کی عنایت کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔

۱۰۹۵ دکہ اس میں امانت ہے معاملاتِ اُمّت کی اور خدمت ہے دین کی) وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ۔ یعنی گواہ بننے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں ۱۰۹۶ (یعنی وہی کتابت معاملۂ دَین سے متعلق) عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے قانون و ضابطہ میں۔ ای فی حکمه سبحانه (مدح) لَا تَسْـَٔمُوْٓا۔ بار بار لکھنے لکھانے سے نفس میں ایک قسم کی کاہلی پیدا ہوجانا تقریباً طبعی ہے۔ تَكْتُبُوْهُ۔ میں ضمیر اُسی معاملۂ دَین سے متعلق ہے۔ ناظرین نے آج کل شور برپا کر رکھا ہے کہ اب زمانہ اس کا نہیں کہ مذہب خصوصاً اسلام کو عقائد و معاد سے پرکھا جائے اب تو دیکھنا یہ ہے کہ اس دنیا کے لئے سب سے زیادہ عملی مذہب کون ہے؟ روزانہ مسائل زندگی کے حل کرنے میں کون مذہب سب سے زیادہ زور دے رہا ہے؟ یہ معیار بجائے خود کس حد تک صحیح ہے؟ یہ تو ایک الگ سوال ہے۔ لیکن بہرحال جو لوگ اسی معیار کو مانے ہوئے ہیں کم از کم وہ تو خلوئے ذہن کے ساتھ غور کریں کہ ساری شریعتوں میں اسلام سے

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ
اور شہادت کو درست تر رکھنے والی ہے اور زیادہ سزاوار اس کی کہ تم شبہہ میں نہ پڑو ۱۰۹۶
تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
بجز اسکے کہ کوئی سودا دست بدست ہو جسے تم باہم لیتے ہی رہتے ہو سو تم پر
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا
اس میں کوئی الزام نہیں کہ تم اسے نہ لکھو ۱۰۹۷ اور جب خرید و فروخت کرتے ہو (تب بھی)
تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ
گواہ کر لیا کرو ۱۰۹۸ اور کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے ۱۰۹۹ اور اگر (ایسا)
تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ
کرو گے تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ (شمار) ہوگا ۱۱۰۰ اور اللہ سے ڈرتے رہو ۱۱۰۱، اور اللہ تمہیں
اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ
سکھاتا ہے ۱۱۰۲ اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے ۱۱۰۳ اور اگر تم
كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ
سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ ۱۱۰۴ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہی جو قبضہ میں دیدی جائیں ۱۱۰۵
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى
اور تم میں سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے ۱۱۰۶ تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اُسے چاہیئے کہ
اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا
دوسرے کی امانت (کا حق) ادا کر دے اور چاہیئے کہ اللہ (یعنی) اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے ۱۱۰۷، اور

بڑھ کر کس شریعت نے روزانہ زندگی کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے حل کرنے کا اہتمام رکھا ہے! ۱۰۹۷ یہ اس لئے کہ دستگرداں معاملتیں کثرت سے برابر واقع ہوتی رہتی ہیں اور عموماً مقداریں بھی ان کی خفیف ہوتی ہیں اور عموماً ان میں احتمال نزاع و اختلاف کا بھی کم ہی ہوتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے موقعوں پر کتابتِ دستاویز کے التزام سے حرج لازم آتا تھا اس لئے شریعت نے التزام کو یہاں سے اُٹھا دیا۔ لیکن اگر کوئی معاملت ایسی ہو کہ شکل کے اعتبار سے ہو تو دست بدست، لیکن مالیت بڑی ہو یا آیندہ اختلاف و نزاع کے احتمالات موجود ہوں۔ یا اور کسی اعتبار سے حالات وہاں وہ نہ ہوں جو عموماً تجارتِ حاضرہ یا معاملۂ دستگرداں میں ہوا کرتے ہیں تو ایسے موقعہ پر ترکِ کتابت کی علت مفقود ہوگی اور اہتمامِ کتابت مطلوب ہوگا ۱۰۹۸ یعنی ایسے موقع پر گواہی کرالینا بہتر ہوگی وَاَشْهِدُوْٓا۔ صیغۂ امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، صرف استحسان کے لئے ہے۔ والامر للندب (مدارک) والاوامر التی فی هٰذہ الاٰیۃ للاستحباب عند اکثر الائمۃ (بیضاوی) ۱۰۹۹ یعنی فریق اپنی مصلحت کی خاطر کاتب یا گواہ کو زحمت میں نہ ڈالے ادھر کاتب اور گواہوں کو حکم مل چکا ہے کہ کتابت اور گواہی سے پہلو تہی نہ کریں اب فریقین کو حکم مل رہا ہے کہ وہ بھی کاتب اور گواہوں کی مصلحت و آسایش کا خیال رکھیں۔ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ۔ کاتب کو نقصان پہنچانا مثلاً یہ کہ اُسے بلا اُجرت کتابت پر مجبور کیا جائے۔ وَلَا شَهِيْدٌ۔ گواہ کو تکلیف میں ڈالنا۔ مثلاً یہ کہ باوجود احتیاج اُسے آمد و رفت کا خرچ بھی نہ دیا جائے ۱۱۰۰ (کہ جس کام سے منع کیا گیا وہی کر رہے ہو) فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ۔ کی تصریح کر کے حکم کی اہمیت کو کس درجہ بڑھا دیا ہے ۱۱۰۱ (چھوٹے بڑے سارے معاملات اور کارروائیوں میں) سبحان اللہ! تقویٰ الٰہی کی تاکید کن کن موقعوں پر کیا ہے ۱۱۰۲ (تمام تر حکمت کی باتیں) بعض اہلِ علم نے "يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ" کو فقرۂ سابق "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" سے بالکل مربوط پا کر استنباط یہ کیا ہے کہ علم حقیقی عین نتیجہ ہوتا ہے تقویٰ الٰہی کا۔ تقویٰ اختیار کرو اور از خود علمِ الٰہی مرحمت ہونے لگے گا ۱۱۰۳ چنانچہ اپنے اس علم کے مطابق معاملت بھی مطیع و عاصی سے کرے گا ۱۱۰۴ (کتابت دستاویز کے لئے، درآنحالیکہ معاملۂ رہن کی ضرورت آپڑے) رہن کے سلسلہ میں سفر کا ذکر شاید اس لئے کر دیا گیا ہو کہ سفر کی حالت میں ضرورت رہن کے پیش آجانے کا احتمال زیادہ ہے ۱۱۰۵ (صاحبِ حق کے۔ مدیون کی طرف سے) رِهٰنٌ۔ ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ یہی ہوتی ہیں۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ رہن بالقبضہ تو صرف قرض دینے والے کے اطمینان کے لئے ہے۔ اسے یہ حق نہیں کہ وہ شے مرہون سے فائدہ بھی اُٹھاتا رہے ۱۱۰۶ (اور اس لئے رہن کی ضرورت نہیں سمجھتا) ۱۱۰۷ معاملات کے سلسلہ میں یہ تقویٰ الٰہی کی تاکید ایک بار پھر ملاحظہ ہو۔ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ۔ یعنی مدیون۔ فَلْيُؤَدِّ ادا کرے پورا پورا۔

وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡـئًا ؕ فَاِنۡ
اور چاہیئے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے ۱۰۸۸ پھر اگر وہ
كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ سَفِيۡهًا اَوۡ ضَعِيۡفًا اَوۡ لَا
جس کے ذمہ حق واجب ہے عقل کا کوتاہ ہو یا یہ کہ کمزور ہو ۱۰۸۹ اور اس
يَسۡتَطِيۡعُ اَنۡ يُّمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهٗ بِالۡعَدۡلِ ؕ
قابل نہ ہو کہ وہ خود لکھوا سکے ۱۰۹۰ تو لازم ہے کہ اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک لکھوا دے ۱۰۹۱
وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ‌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ
اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کر لیا کرو ۱۰۹۲ پھر اگر دونوں مرد نہ
يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ
ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے
مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰٮهُمَا فَتُذَكِّرَ
جنہیں تم پسند کرتے ہو ۱۰۹۳ تاکہ ان دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے اگر کوئی
اِحۡدٰٮهُمَا الۡاُخۡرٰى ؕ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا
ایک ان دو میں سے بھول جائے ۱۰۹۴ اور گواہ جب بلائے جائیں تو انکار
دُعُوۡا ؕ وَلَا تَسۡـَٔـمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ صَغِيۡرًا اَوۡ
نہ کریں ۱۰۹۵ اور اس (معاملت) کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کی میعاد
كَبِيۡرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰ لِكُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ
تک لکھنے سے اُکتا نہ جاؤ یہ کتابت اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ قرینِ عدل ہے

۱۰۸۷ دستاویز کا ماحصل کسی حق کا اپنی طرف اقرار کرنا ہے۔ یہ قدرۃً اُسی کو کرنا چاہیئے جس کے ذمہ کوئی حق واجب الادا ہو۔ وَلۡيُمۡلِلِ۔ یعنی وہ دستاویز کو لکھا نا ۱۰۸۸ یعنی جو حق جس طرح اور جتنا اُس پر واجب ہے اُس میں سے کاتبِ دستاویز کو بتلائے اور لکھاتے وقت کچھ بھی کتر بیونت نہ کرے۔ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ۔ خوفِ خدا تو مسلمان کے لئے جزو زندگی اور اس کی زندگی بھر رہنا چاہیئے۔ دستاویز لکھاتے وقت اس کی تاکید دیاد دہانی کی حکمتیں اور مصلحتیں بالکل واضح ہیں ۱۰۸۹ اور یہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ دستاویز لکھانے والا وہی ہونا چاہیئے۔ سَفِيۡهًا۔ یہ مراد نہیں کہ پاگل ہو بلکہ صرف ضعیف العقل مُراد ہے۔ ضعیف الرائے ناقص العقل من البالغین (کبیر) ضَعِيۡفًا۔ یہاں ایک جامع لفظ ہے۔ نابالغ اور پیر فرتوت سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ الصغير والمجنون والشيخ الخرف وهم الذين نقدوا العقل بالكلية (کبیر) ۱۰۹۰ (کسی اور عذر یا مانع سے) مثلاً یہ کہ گونگا ہو، یا پردیسی ہو، ملک کی زبان سے ناواقف، ۱۰۹۱ (ایسی ہر صورت میں اس کی طرف سے ٹھیک ٹھیک) وَلِيُّهٗ سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار۔ (یا پردیسی کے لئے) ترجمان تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی صورت جب ایسی پیش آجائے کہ صاحبِ معاملہ کا اقرار اور بیان معتبر نہ رہ جائے تو اعتبار اُس کے کارکن کے بیان و اقرار کا کیا جائے ۱۰۹۲ (جو عاقل ہوں، بالغ ہوں، آزاد ہوں، دیندار ہوں) اى من رجال المومنين والحرّية والبلوغ مشروط مع الاسلام (مدارک) مِنۡ رِّجَالِكُمۡ کی قید نے صاف بتا دیا کہ گواہوں کو مسلمان ہونا چاہیئے۔ یہودی قانون میں بھی گواہ کا اسرائیلی ہونا ضروری ہے۔ کافروں کی گواہی کافروں کے معاملات میں مقبول ہو سکتی ہے۔ وشهادة الكفار بعضهم على بعض مقبولة عندنا (مدارک) وَاسۡتَشۡهِدُوۡا۔ گواہوں کی یہ گواہی تحریر و دستاویز کے علاوہ ہونا چاہیئے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اصل مدارِ ثبوت اُنہی گواہوں کی گواہی ہو گی ۱۰۹۳ (یعنی جو تمہارے نزدیک ثقہ و قابلِ اعتبار ہوں) فان لم يكونا رجلين۔ یعنی دو مرد گواہی کے لئے میسر نہ آئیں۔ رَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ۔ یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے اور عورت کی شہادت سرے سے قابلِ تسلیم نہیں۔ اسلام نے اسے یہ حق دیا ہے لیکن ساتھ ہی اپنے علمِ کامل اور تحقیقِ مطلق کی بنا پر عورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کے مقابلہ پر نصف مانا ہے۔ ممن ترضون۔ دیانت ضمیر، سیرت، کردار کا ایک خاص معیار اسلام نے زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ اور معاشرت کے بعید سے بعید گوشہ میں بھی قائم رکھا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ قید لا کر صاف بتا دیا کہ شہادت بھی ایک خاص اعزاز و منصب ہے ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں۔ اس کے اہل وہی ہیں جن کی سیرت و کردار پر ہر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔ ۱۰۹۴ (اور اس طرح شہادت مکمل ہو جائے) اَنۡ تَضِلَّ۔ بھول جائے شہادت کے کسی حصہ کو۔ واقعہ کے کسی جزو کو۔ رہا یہ امر کہ عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے۔ اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے جسم و مادیات کی دُنیا میں دریافت یہ کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا اور مرد کو باوجود اس کے قوت و جسامت کے اس بار کے برداشت کے کیوں ناقابل سمجھ لیا گیا؟ یہ خالق کائنات ظاہر ہے کہ جسمیات و مادیات کے ایک ایک دانہ سے واقف ہے۔ اُس کے پیشِ نظر ذہنیات و اخلاقیات کی بھی باریک سی باریک حقیقتیں ہیں۔ مغرب کے ماہر نسائیات ہولاک ایلز Hoolock Ellis نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لئے دھوکا اور فریب بہ منزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

اور اگر تم توبہ کرلوگے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں ۱۰۸۰ نہ تم (کسی پر) ظلم کروگے

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ

نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا ۱۰۸۱ اور اگر تنگدست ہے، تو اس کیلئے آسودہ حالی تک مہلت

اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

ہے ۱۰۸۲ اور اگر معاف کردو تو تمہارے حق میں (اور) بہتر ہے اگر تم علم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ

رکھتے ہو ۱۰۸۳ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے جاؤگے ۱۰۸۴

۳۸ ع ۸ ۶ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا، اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ ہوگا ۱۰۸۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى

اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدتِ معین تک کرنے

اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ

لگو تو اس کو لکھ لیا کرو ۱۰۸۶ اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا

بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھادیا

اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

ہے ۱۰۸۷ پس چاہیئے کہ وہ لکھدے اور چاہیئے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے ۱۰۸۸

۱۰۷۸ یعنی تم پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔ کما یحارب الفئة الباغية (کبیر) کحرب المرتد وکحرب البغاۃ (روح) اعلام بانهم ان لم يفعلوا ما اُمروا به فهم محاربون لله ورسوله (جصاص) اتنی شدید تہدید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کے لئے نہیں آئی ہے۔ العظمة لله حرمتِ سود کا کس درجہ اہتمام ہے اور اس باب میں کس درجہ شدید احکام ہیں۔ کچھ حد ہے اس ڈھٹائی اور جسارت کی کہ اپنے کو مسلمان کہلاکر رسالہ "جوازِ سود" پر شائع کئے جائیں اور اپنی تحریر و تقریر سے لوگوں کو سودی کاروبار کی ترغیب دلائی جائے۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسولؐ سے یہ قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی۔ وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطاً علاج اُس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے تو جو مسلمان تقویٰ کا ادنیٰ درجہ بھی رکھتے ہیں، اُن پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا۔ یعنی اگر اس حکم حرمتِ سود پر عمل نہ کروگے ۱۰۷۹ یعنی حکومتِ اسلامی تمہارا اصل سرمایہ تمہیں واپس دلا دے گی۔ اگر توبہ نہ کروگے تو راس المال بھی بحقِ حکومتِ اسلام ضبط ہو جائے گا۔ اِنْ تُبْتُمْ یعنی اگر سود خواری کی معصیت سے توبہ کرلوگے ۱۰۸۰ لَا تَظْلِمُوْنَ ظالم بننے کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی رقم قرض دی اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کرلی۔ بطلب الزيادة على راس المال (کبیر) لَا تُظْلَمُوْنَ۔ مظلوم بننے کی صورت یہ ہے کہ جتنی رقم قرض لی تھی اب ادا کرنا اس سے زائد کا پڑ رہا ہے۔ ای بنقصان راس المال (کبیر) ۱۰۸۱ یعنی مدیون یا قرضدار اگر وقت پر تنگدست ہے تو اُسے اُسی وقت تک کے لئے مہلت دیدی جائے جب تک وہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے ۱۰۸۲ (کہ اس احسان و حسنِ سلوک پر کتنا اجرِ عظیم موعود ہے) اَنْ تَصَدَّقُوْا۔ یعنی نادار مدیون کو اپنا مطالبہ بالکل معاف ہی کردو۔ عقائدِ اسلامی کی طرح قوانینِ اسلامی کی بھی پوری قدر اُس وقت ہوتی ہے جب اُن کے مقابلہ میں اپنے کو مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں کے قوانین رکھے جائیں۔ خود اس قرضہ کے معاملہ میں دوسری قوموں کے قانون قرضداروں کے حق میں سرتاسر ظالمانہ ہیں۔ رومی قانون (مرعوب کن Roman Law) میں مدیون کو قتل تک کیا جا سکتا تھا اور رومی تاریخ میں دائنوں کی ظلم و زیادتی سے بارہا نوبت شدید بلووں تک آگئی ہے۔ ایک اور نکتہ۔ اسلامی نظام معاشیات کی بنیاد مادیات سے کہیں بڑھ کر انسانیت و روحانیت و تقویٰ الٰہی پر رکھی ہے۔ اور یہ خصوصیت اُسے دنیا کے قدیم و جدید سارے معاشی نظاموں سے ممتاز کئے ہوئے ہے ۱۰۸۳ (اپنے اپنے اعمال کی پیشی کے لئے) خطاب یہاں اہلِ ایمان سے ہے ۱۰۸۴ (کہ کسی کا نیک عمل بلا معاوضہ رہ جائے یا کسی کے نامۂ عمل میں کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ دی جائے) تُوَفّٰى مَا كَسَبَتْ۔ یعنی اعمال کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا ۱۰۸۵ (اور اس صاف صاف لکھا پڑھی کو نہ دلیل بے اعتمادی کی سمجھو اور نہ اس میں شرماؤ) دَيْنٌ۔ دین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلہ میں ہے اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے، جس کے معاوضہ کا ایک جزء فی الفور نہ ہو۔ هو عبارة عن كل معاملة كان احد العوضين فيها نقدًا والآخر في ذمة النسيئة كان العين عند العرب ما كان حاضرًا والدين ما كان غائبًا (ابن عربی) تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ۔ دین یا اُدھار معاملت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ چیز ابھی خریدی اور قیمت کے لئے طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد دیں گے۔ دوسری یہ کہ قیمت اُسی وقت دے دیں اور چیز کے لئے یہ طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد لیں گے۔ شرعاً دونوں صورتیں جائز ہیں۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور متعین ہونا چاہیئے۔ گول اور مجمل نہ رہے۔ "جاڑوں کے زمانہ میں" "برسات کے موسم میں" "ربیع کی فصل میں" ان مبہم مدتوں کی بجائے تعیین و صراحت ہونا چاہیئے کہ فلاں سنہ کے فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ۔ فقیہ ابن عربی مالکی نے ایک اس آیت کے ذیل میں ۵۲ مسئلے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ آیت مسائل بیع میں اہم ترین آیت ہے۔ هي اصل في مسائل البيوع وكثير من الفروع عامی صوفیہ اور جاہل مشائخ نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ معاملت و معاشرت کی اصلاح و درستی، سلوک و طریقت کے منافی ہے وہ غور کریں کہ قرآن کو اس باب میں کتنا اہتمام بلکہ جزئیات تک کا انضباط مدّ نظر ہے! ۱۰۸۶ باہمی لین دین اور قانونی معاملات کے سلسلہ میں ادنیٰ ادنیٰ جزئیات تک کے لئے شریعت کا یہ اہتمام اللہ اللہ! عالمگیر ہدایت و رہنمائی کا حق اگر کسی کتاب کو پہنچتا ہے تو بیشک وہ یہی کتاب ہو سکتی ہے۔ کہاں ایک طرف یہ مکمل نظام زندگی، مفصل ضابطۂ حیات اور کہاں اس کے مقابلہ میں انجیل جس کے صفحات قانون و معاملت کی چھوٹی چھوٹی ہدایات تک سے خالی ہیں! بِالْعَدْلِ یعنی کسی فریق سے متاثر ہوئے، کسی کی رو رعایت کئے بغیر لکھے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ کاتب کو متدین اور شرائطِ تحریر کا عالم ہونا چاہیئے اور فریقین پر لازم ہے کہ ایسے ہی کاتب کی تلاش کریں۔ فيه دليل ان يكون الكاتب فقيهاً عالماً بالشروط وهو الملتمس اثنين بتخيير الكاتب (مدارک) لَا يَاْبَ كَاتِبٌ فقہاء نے کہا ہے کہ کاتب کو اپنی محنت کی اُجرت لینا جائز ہے۔

جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط
اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچ گئی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا ہو چکا۱۰۷۱
وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج
اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا۱۰۷۲ اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں،
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٢٧٥ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي
اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۱۰۷۳ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو
الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝٢٧٦ اِنَّ
بڑھاتا ہے۱۰۷۴ اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۱۰۷۵ بیشک
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ
جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور
اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
زکوٰۃ دی اُن کے لئے ان کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے نہ اُن پر کوئی خوف
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٢٧٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۱۰۷۶ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ
وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٢٧٨
سُود کا بقایا ہے اُسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۱۰۷۷
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج
لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے۱۰۷۸

حیثیت سے ہیں ان میں سے ایک حرمتِ سُود بھی ہے۔ اس کے مفاسد روشن سب پر ہو چکے تھے۔ اس سے عاجز سب ہی آچکے تھے لیکن قطعی اور کُلّی صورت میں حرام اسے دنیا کے ضابطوں اور شریعتوں میں صرف اسلام ہی نے قرار دیا۔ سُود خوار کے دل میں شقاوت و سنگدلی اور حرصِ مال اور بلا مشقت مال ہاتھ آجانے سے نفس میں دنائت اور زرپرستی اور ساہوکاروں کا بخل اور باہمی حسد و رقابت اور قرضدار بیچارہ کی بے حرمتی و تذلیل یہ واقعات و مشاہدات کہنا چاہیئے کہ پیش پا افتادہ تھے۔ لیکن اس کی قطعی بندش کا خیال کسی انسانی دماغ کو نہ آیا۔ اصلاحِ حال کی جو کوششیں زیادہ سے زیادہ ہوئیں وہ بس شرح سُود کی تحدید تک رہیں۔ یونان میں سولن، انگلستان میں بیکن اور یورپ میں آبائے کلیسا کے جوشِ اصلاح و افادۂ خلق کی کائنات کل اسی قدر ہے۔ یہ فخر قیامت تک کے لئے عرب کے اُمّی کے ساتھ مخصوص ہو گیا کہ اس انسانیت کُش رسم کی حرمت کی منادی اس کی زبان سے کرائی گئی اور حرّم الرّبٰوا کا زلزلہ افگن نعرہ اس کے دہن سے بلند کرایا گیا۔ ۱۰۷۱ (اور وہ اس کھائے ہوئے نوالہ کے اُگلنے پر مجبور نہیں) مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ یعنی یہی حرمتِ سُود کا حکم۔ فَانْتَهٰى یعنی وہ باز آگیا سُود لینے اور اسے جائز ٹھہرانے سے۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔ یعنی حکم حرمت سے قبل جو کچھ لے چکا، سو لے چکا۔ توبہ کے بعد اس کے لئے گنجائش ہے کہ اُس مال کو اپنے پاس رہنے دے۔ پچھلی رقموں کی واپسی پر شریعتِ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتی ۱۰۷۲ (جو دلوں کے اسرار و خفایا کا عالم ہے) مقصود یہ ہے کہ یہاں بیان بندوں کے سامنے معاملہ کے صرف ظاہری اور قانونی پہلوؤں کا ہو رہا ہے۔ باقی قلب کے تقویٰ و طہارت اور نفس کی اصلاح کا معاملہ اللہ پر چھوڑنا چاہیئے۔ اَمْرُهٗ۔ میں ضمیر باز رہنے والے (من انتھیٰ) کی طرف ہے۔ الظاھر ان الضمیر فی امرہ عائد الی المنتھیٰ (بحر) ۱۰۷۳ یعنی جو کوئی اس تبلیغ کے بعد بھی عقیدۂ جوازِ سُود پر قائم رہے، یا سودی معاملت کرتا رہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ یہ سزا ہے سُودی معاملت کرنے والوں کی۔ معاملت سُود گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ کی سزا جہنم ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ یہ سزا ہے جوازِ سُود کے قائلوں کی۔ جوازِ سود کا عقیدہ کفر ہے اور کفر کی سزا خلودِ جہنم ہے۔ معتزلہ نے آیت کے اتنے جزء سے مومن اہل معاصی کی عدم مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ لیکن تفسیر کا جو پہلو یہاں اختیار کیا گیا اس پر یہ شبہہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ امام رازیؒ نے بھی تفسیر کبیر میں اس مقام پر خوب تقریر کی ہے۔ ۱۰۷۴ آخرت میں تو اس وعدہ و وعید دونوں کا مشاہدہ پوری طرح ہو کر رہے ہی گا کہ سُود میں برکت و خیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اور صدقات کا اجر بے حساب ملے گا۔ لیکن دُنیا میں بھی اس کا ظہور کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہی رہتا ہے۔ سُود خوار قوموں کا انجام بارہا آپس کی خونریزی اور تباہی و بربادی ہی پر ہوا ہے اور افراد میں بھی مشاہدہ ہے کہ سُود خواری کی عادت بنیوں، مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو فی نفسہٖ محبوب بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سُود خوار زر و دولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا پاتا۔ اس کے مقابل صدقہ کی برکتیں، باہمی غمخواری و ہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت و معاونت قوم اور افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن ٹوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی و بربادی کس نے نہیں دیکھی ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کا راز بھی سُودی کاروبار کی ترویج ہے ۱۰۷۵ اس کے اندر دونوں قسم کے نافرمان آگئے۔ وہ جو سُود کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے عمل کے ساتھ ساتھ، حُرمتِ سُود کے عقیدۃً بھی منکر ہیں۔ كَفَّارٍ کافر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ ناشکرے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کے مفہوم میں کفود کا مرادف اور اس سے بلیغ تر۔ یہاں مُراد وہی لوگ ہیں جو جوازِ سُود کے قائل ہیں۔ ای عظیم الکفر باستحلال الربٰوا (مدارک) مُصِرّ علیٰ تحلیل المحرمات (بیضاوی) الکفور المبالغ فی کفران النعمۃ و الکفار ابلغ من الکفور (راغب) اَثِيْمٍ۔ بڑے گنہگار۔ یعنی سُود خواری جیسی شدید معصیت میں مُبتلا۔ متماد فی الاثم باکلہ (مدارک) منھمک فی ارتکابہٖ (بیضاوی) كَفَّارٍ کے لفظی معنیٰ بڑے ناشکرے کے ہیں۔ جس شخص پر اللہ اپنا اتنا فضل کرے کہ اُسے اس کی اپنی ضروریات سے زیادہ مال دے اور وہ اس مال کو بندوں کی آزار رسانی پر صرف کرے تو اس سے بڑھ کر سوء استعمال کی مثال اللہ کے فضل کی اور کیا ہو گی اور ایسے بدبخت سے بڑھ کر ناشکرا اور کون قرار پائے گا؟ ۱۰۷۶ (قیامت میں) خیر آخرت میں تو ایسے نیک کردار، متقی، خاشع، خادمِ خلق انسانوں کی خوش انجامی تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن دنیا میں بھی جو سکونِ قلب یکسوئی، طمانیتِ خاطر اور قناعت کی مسرّتیں ایسے لوگوں کو حاصل رہتی ہیں اُن کا اندازہ وہ بدنصیب کر ہی نہیں سکتا۔ جو چوبیس گھنٹہ آنہ، پائی کی میزان لگاتا رہتا ہے جو مخلوق کی ایذا رسانی کا خوگر ہو کر ہمہ وقت گرفتار رہتا ہے اور جس پر ہر گھڑی بہی کھاتہ سنبھالے رہنے کا بھوت سوار رہتا ہے ۱۰۷۷ (کہ ایمان کا مقتضیٰ سارے ہی احکام قرآن پر عمل کرنا ہے) محققین نے اس ٹکڑے سے یہ استدلال کیا ہے کہ شریعت کے کسی ایک جزء سے بھی انکار کرنا ساری شریعت سے انکار کرنا ہے۔ فیہ دلیل علیٰ ان من کفر بشریعۃ واحدۃ من شرائع الاسلام کان کافرًا کما لو کفر بجمیع شرائعہ (کبیر) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ خوفِ خدا ہی اصل ہے تمام نیکیوں کی اور اجتنابِ معاصی کی۔ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ۔ یعنی حرمتِ سُود کے نزولِ حکم سے قبل جو رقم سود کی تم ٹھہرا چکے ہو اس کا وصول کر لینا اب جائز نہیں اُسے چھوڑ دو۔

محذوف ہے۔اصل ترکیب یوں ہے۔ ھٰذہ الصدقات للفقرآء (مدارک) اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی دین ہی کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مُراد یہاں مجاہدین ہیں ھم الذین احصرھم الجھاد فمنعھم من التعفف (مدارک) اِحْصَار۔ میں بڑی گنجائش ہے یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا فی سبیل اللہ میں بھی بڑی وسعت ہے دین کا کوئی سا کام، کوئی سی ضرورت ہو سب اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔ گو اصل مراد جہاد ہے۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ آیت کے مصداق ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دین میں مشغول ہیں کہ علم دین میں جس مشغولی و انہماک کی ضرورت ہے اس کے ساتھ اگر فکرِ معاش کی مصروفیت کو جمع کر لیا جائے تو علم دین کی خدمت ناتمام رہ جائے گی ١٠٦٠ (آزادی سے طلب معاش کے لئے) یعنی اُن کا وقت خدمتِ دین میں ایسا گھرا رہتا ہے کہ کسب معاش کے لئے انہیں مہلت نہیں ملتی ١٠٦١ یعنی اُن کی غیرت و خود داری گوارا نہیں کرتی کہ وہ لوگوں سے سوال کریں۔ ناواقفوں کو اس سے گمان یہ گزرتا ہے کہ یہ لوگ خوشحال ہیں، محتاج و مستحق امداد نہیں۔ (تونگری) شریعت میں حاجت اصلی سے مال کے زائد ہونے کو کہتے ہیں۔ الغنی ھو ما یفضل عن مقدار الحاجۃ (جصاص) مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سالکین کو کوئی ایسی خاص وضع نہ بنانا چاہیئے جس سے عام اہلِ دُنیا سے اُن کا امتیاز ظاہر ہوتا ہو ١٠٦٢ (کہ یہ محتاج و مستحق امداد ہیں۔ اے مخاطب!) یعنی یہ لوگ زبان سے کچھ بھی نہ کہیں لیکن اُن کی طرز و ہیئت خود سے دیکھنے کے بعد خود ان کے فقر و فاقہ کی غمّازی کرے گی۔ بعض فقہاء نے یہیں سے قرائن سے استنباطِ نتائج کا جواز نکالا ہے ١٠٦٣

فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
سکتے ١٠٦٠ ناواقف انہیں غنی خیال کرتا ہے اُن کی احتیاطِ سوال کے باعث ١٠٦١
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا
تو انہیں ان کے بشرہ ہی سے پہچان لیگا ١٠٦٢، وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے ١٠٦٣ اور تم
ع ٣٧ / ٥ تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾ اَلَّذِيْنَ
مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ١٠٦٤ جو لوگ اپنا
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سو
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ
ان لوگوں کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لئے کوئی خوف ہے اور
وقف منزل لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا
نہ وہ غمگین ہونگے ١٠٦٥ جو لوگ سُود کھاتے رہتے ہیں ١٠٦٦ وہ لوگ نہ
يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
کھڑے ہو سکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون سے خبطی
مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ
بنا دیا ہو ١٠٦٧ یہ سزا اس لئے ہوگی کہ وہ کہتے ہیں ١٠٦٨ کہ بیع بھی تو سُود ہی کی طرح
وقف لازم الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ
ہے ١٠٦٩ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سُود کو حرام کیا ہے ١٠٧٠ پھر جس کسی کو نصیحت

(شدّتِ احتیاج کے باوجود) اور یہ دلیل ہے ان کے کمالِ غیرت کی۔ اِلحافًا اوپر من التعفف کے ضمن میں ابھی آچکا ہے کہ یہ غیور و خود دار لوگ سرے سے سوال ہی نہیں کرتے اور اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں اشارہ ہے کہ الحاف (لگ لپٹ کر مانگنے کی عادت) بُری عادت ہے۔ بعض محققین نے معنٰی مطلقاً عدم سوال کے کئے ہیں۔ والمعنی انھم لا یسئلون اصلا وھو المروی عن ابن عباس والیہ ذھب الفراء والزجاج واکثر ارباب المعانی (روح) ١٠٦٤ (تمہارے اخلاص کا، اور اسی نسبت سے اجر بھی دے گا) وَمَا تُنْفِقُوْا۔ یعنی ایسے لوگوں پر خرچ کرتے ہو ١٠٦٥ (قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر) بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ۔ یعنی جس وقت اور جس گھڑی بھی ضرورت و مصلحت ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یعنی پوشیدہ تو حسبِ عادت اور علانیہ حسبِ ضرورت و مصلحت۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ۔ یعنی اللہ کی راہ اور خدمتِ دین میں۔ انفاق کی ترغیب جہاں جہاں بھی ہے۔ مطلق انفاق کی نہیں بلکہ مُراد وہی انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدمتِ دین میں خرچ ہے ١٠٦٦ (اُسے جائز قرار دے کر) یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا سے مُراد اُردو محاورہ میں سُود لینا ہے۔ عربی اور فارسی محاورہ میں سُود کھانا آتا ہے۔ اور اُردو میں بھی سُود کھانا نامانوس نہیں۔ الرِّبٰوا ربٰو کے لغوی معنٰی ہر زیادتی اور اضافہ کے ہیں۔ خصوصاً سرمایہ میں اضافہ کے۔ رَبَا ای زاد و علا (راغب) الربا الزیادۃ فی راس المال (راغب) اصطلاح شریعت میں ربٰو کہتے ہیں اصل قرضہ پر زیادتی کو یا بلامعاوضۂ مال، مال پر زیادتی کو۔ خواہ یہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ خُصّ فی الشرع بالزیادۃ علی وجہٍ دون وجہٍ (راغب) ھو فضل مالٍ خالٍ عن العوضِ فی معاوضۃ مالٍ بمالٍ (مدارک) اہلِ عرب اس لفظ کو اُس زائد رقم کے لئے استعمال کرتے تھے جو قرضخواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ اُردو میں اسی کا ترجمہ سُود ہے اور سُود کا مفہوم ہر شخص سمجھتا ہے ١٠٦٧ اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اُٹھنے پر یہ سُود خوار سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے۔ لیکن اس کا ایک ہلکا سا رنگ اسی دنیا ہی میں نظر آجاتا ہے۔ مہاجن، ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے۔ واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے اور اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اس پر سُود بیاج ہی سوار رہتا ہے۔ اور جس کی حرص و طمع کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لازم ہے کہ اُس کا حشر بھی اسی مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔ اہلِ کشف اور محققین کا بیان ہے کہ حشر میں انسان اُسی صُورت کے ساتھ اُٹھے گا جس قسم کی سیرت اور خصلتیں دنیا میں اس پر غالب رہی ہوں گی۔ قال العارف الرومی ؎

سیرتے کو بر نہادت غالب است ہم بر آں تصویر حشرت واجب است

مِنَ الْمَسِّ۔ مس اور مسِّ شیطانی سے مُراد عربی محاورہ میں جنون ہوتی ہے۔ کنی بالمس عن الجنون (راغب) المس الجنون (کشاف) ان الفاظ کے آجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید خود ہی اس عقیدہ کی تعلیم دے رہا ہے کہ جنون مسِّ شیطانی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن بعض اوقات ایسے موقع پر صرف مخاطبین کے معتقدات کو دُہرا دیتا ہے۔ اور چونکہ اہلِ عرب کا عقیدہ یہی تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ قرآن اُنہی کی فہم کی مناسبت اور مذاق کی رعایت سے یہ فقرہ لے آیا ہو۔ قیل اضیف الی الشیطان علی زعمات العرب ان الشیطان یخبط الانسان فیصرعہ فورًا علیٰ ما کانوا یعتقدون (بحر) الناس یضیفون الصرع الی الشیطان والی الجن فخوطبوا علیٰ ما تعارفوہ من ھذا ومن عادۃ الناس انھم اذا ارادوا تقبیح شیءٍ ان یضیفوہ الی الشیطان (کبیر) ١٠٦٨ (حکم حرمتِ ربٰو کے جواب میں بطور استدلال کے) مُراد سُود خوار اور جوازِ سُود کے قائلوں کی جماعت ہے۔ یہ عہدِ جاہلیت کے "روشن خیال" تھے ١٠٦٩ (حصُولِ نفع و اضافۂ دولت کے لحاظ سے) آج کل کے "روشن خیالوں" کی طرح اُس عہد کے سفیہوں کا بھی کہنا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی تو ہوتا ہے، پھر جب تجارت حرام نہیں تو سُود کیوں حرام ہو؟ ان نادانوں نے اسے بالکل نظرانداز کر دیا تھا کہ دونوں کی ایک سطح نہ اخلاقی حیثیت سے ہے نہ معاشی حیثیت سے۔ سُود کی تو ایک متعین رقم بے کھٹکے ہر حال میں مہاجن کو ملتی رہتی ہے برخلاف اس کے تجارت میں نفع و نقصان دونوں کے احتمالات ہر وقت لگے رہتے ہیں اور تاجر کو نقصان سے بچنے کے لئے وقت، محنت، ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر تجارتی معاملت تو ہر وقت ختم ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مدت اور مہلت کے ساتھ ساتھ سُود خوار کے مطالبات کی میزان بھی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات قرضدار کی نوبت بالکل تباہ حالی اور بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں حرمتِ سُود کے جو عقلی دلائل لکھے ہیں وہ طرزِ ادا و تعبیر کی تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد آج بھی پوری طرح پڑھنے کے قابل ہیں۔ امام رازیؒ نے نمبر اوّل پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ سُود کی رقم آخر کس چیز کا معاوضہ ہوتی ہے؟ بجز مفت خوری کی بدترین شکل کے اور یہ ہے کیا؟ ١٠٧٠ (اور معلوم ہے کہ اللہ وہ ہے جو شرائع و احکام کا مالک ہے اور حکیم بھی ہے اور حاکم بھی) جب حکیم مطلق نے ایک معاملت کو جائز اور دوسری کو حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جائز کے اندر بےشمار منافع و مصالح اور حرام کے اندر بےشمار مفاسد و نقصانات ہیں اور بالفرض کسی کی سمجھ میں یہ مصالح و مفاسد نہ بھی آئیں۔ جب بھی حاکمِ مطلق کا حکم واجب العمل تو ہر حال ہے۔ اسلام کے جو احسانات ساری دُنیا پر اور بہت روشن و نمایاں

۱۰۵۰ (یوم جزا میں) مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ۔ جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ اچھے بُرے کسی مصرف میں۔ مِّنۡ نَّذۡرٍ۔ نذر وہ چیز ہے جسے عوامی اُردو میں مَنّت ماننا کہتے ہیں۔ فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ کسی مُراد کے پُورے ہونے پر اپنے اُوپر کوئی ایسی چیز لازم کرلینا ہے جو واجب نہ تھی۔ النذر عقد، ترتب علیٰ شیء والتزامہ علیٰ وجہٍ مخصوص (روح) النذر ما یلتزمہ الانسان بایجابہ علیٰ نفسہٖ (کبیر) یہ نذر عبادت بدنی کی صُورت میں بھی ہوسکتی ہے مثلاً نماز یا روزہ اور عبادت مالی کی صُورت میں بھی۔ یَعۡلَمُہٗ۔ یعنی اس کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس نیّت سے اور کس کی راہ میں مانی گئی ہے اور اس علم کامل کے مطابق جزا و سزا بھی ہوگی۔ کنایۃ عن مجازاتہٖ سبحانہ علیہ (روح) یجازیکم علیہ (بیضاوی) لِلظّٰلِمِیۡنَ یعنی قانونِ الٰہی توڑنے والوں کا، اپنے حق میں ناانصافی کرنے والوں کا ۱۰۵۱ نیکی کی طرح صدقات وخیرات کے بھی مخفی ادا کرنے کی حقیقت تو ظاہر ہی ہے، لیکن زندگی میں ایسے مواقع بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں جہاں نیکی کا اعلان واظہار بھی ضروری ہوجاتا ہے ایک شخص ہے کہ بھوک پیاس سے نڈھال یا بیماری میں مُبتلا سڑک پر پڑا تڑپ رہا ہے ہم قریب سے گزر رہے ہیں اور بالکل ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اسے کھلا کر یا دوا دیکر کہنا چاہیئے کہ از سرِ نو زندہ اُٹھا کھڑا کریں لیکن اس اندیشہ سے کہ کہیں ہماری اس خدمت کا شمار ریا و نمائش میں نہ ہوجائے اس کے پاس سے کتراتے اور خاموش گزرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تقویٰ نہیں عین معصیت اور انتہائی وہم پرستی ہوئی۔ یہاں ضرورت فی الفور مدد رسانی کی تھی خواہ اس کے لئے اعلان بہ بانگِ دہل ہی کرنا پڑے۔ نہ یہ کہ شبہۂ ریا و شائبۂ نمائش سے بچنے کے لئے تلاش پہلے گوشۂ تنہائی کی شروع ہوجائے۔ جن مذہبی طبقوں نے نیکی کے اہتمام یا اخفا میں تاکید حد سے زیادہ کی ہے اور خدمتِ خلق کو مخفی رکھنے کے ساتھ محدود ومقیّد کر دیا ہے، ان کی تعلیم یقیناً ناقص، ناتمام، یکطرفہ ہے اور انہوں نے زندگی میں شب و روز اس قسم کے پیش آنیوالے بہ کثرت واقعات کو نظر انداز ہی کر دیا ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ عملِ خیر کے اعلان واخفا میں اختیار ہو اور ساتھ ہی افضلیت اخفا کی ہے، جب اعلان میں کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔ اِنۡ تُبۡدُوۡا وَاِنۡ تُخۡفُوۡا یعنی حسبِ ضرورت ومصلحتِ دین اعلان واخفا جو بھی مناسب ہو۔ وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ یعنی فقیروں کے حوالے کرو اہتمام اخفا کے ساتھ۔ هُوَ۔ یعنی وہی اہتمام اخفا ۱۰۵۲ (ان نیکیوں کی برکت سے) قرآن مجید نے ازالۂ سیئات کی جہاں اور صورتیں رکھی ہیں وہاں ایک صُورت یہ بھی ہے کہ نیکیاں بدیوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہیں اور حسنات سیّات کو محو کرتی رہتی ہیں۔ یہ چیز محض عقیدہ کی نہیں، مشاہدہ و تجربہ کی بھی ہے کہ خلق کی نظر سے چھُپا کر طاعت اور نیکیوں کی عادت اگر ڈال لی جائے تو ایک عرصہ کی مشق کے بعد نفس کی اصلاح خود بخود ایک بڑی حد تک ہوجاتی ہے اور جو کچھ خرابیاں پھر بھی باقی رہ جائیں ان سے درگزر کے لئے خدائے رحمٰن ورحیم کا لطف وکرم کافی ہے جو خوبیوں کو خرابیوں کا اور بھلائیوں کو برائیوں کا عوض بناتا رہتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مسیحیوں کے اس بُنیادی عقیدہ کو ایک بار پھر یاد کر لیا جائے کہ گنہ گاروں کی نجات اور گناہوں کے دُھلنے کی کوئی صُورت بجز اس کے نہیں کہ ”خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا“ انسان کے قالب میں دُنیا میں آئے اور اپنی جان کو صلیب پر دے کر سب کی طرف سے کفارہ ادا کرے ۱۰۵۳ (اور اس لئے وہ ثمر بھی اعمال واحوال کے مطابق دے گا) گناہوں سے باز رکھنے میں خدائے علیم وخبیر کے علمِ کل ونظرِ محیط کا استحضار اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور اس لئے قرآن مجید نے اسے ہر ایسے موقع پر بار بار دُہرایا ہے ۱۰۵۴ (اے پیغمبر!) هُدٰهُمۡ۔ اُن کی یعنی کافروں کی ۱۰۵۵ (اپنی مشیتِ تکوینی کے ماتحت ومطابق) رسُول کا کام صرف تبلیغ ہے، یعنی ہدایت کا پیام دنیا تک پہنچا دینا، باقی کس کو قبولِ حق کی توفیق ہوتی ہے اور کس کو نہیں۔ اس کا تعلق تمام تر مشیتِ الٰہی سے ہے۔ شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ بعض دفعہ کسی کافر مشرک صاحبِ حاجت کو خیرات دینے سے اس مصلحت سے رُک جاتے تھے کہ شاید یہ احتیاج ہی کی بنا پر اسلام قبول کرلیں۔ آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اتنے بعید اہتمام کی ضرورت نہیں محض تبلیغ کافی ہے۔ فقہاء اُمّت نے کہا ہے کہ کافر کو خیرات دینا بالکل جائز ہے بشرطیکہ وہ حربی نہ ہو۔ المراد اباحۃ الصدقۃ علیھم وان لم یکونوا علیٰ دین الاسلام وقد روی ذٰلک عن جماعۃ من السلف (جصاص) حدیث میں جو آیا ہے کہ تیرا کھانا خاص متقی کھایا کریں۔ مراد اُس سے طعام دعوت ہے اور آیت میں طعام حاجت۔ پس تعارض کا شبہہ نہ کیا جائے (تھانویؒ) کافر حربی کو صدقہ وغیرہ جائز نہیں (تھانویؒ) کافر ذمّی یعنی غیر حربی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں (تھانویؒ) اور دُوسرے صدقات واجب ونفل سب جائز ہیں (تھانویؒ) آیت میں ذکر زکوٰۃ کا نہیں عام صدقات کا ہے۔ مُرشدِ تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ کسی کے زیادہ درپے نہ ہو اور تدبیر میں بھی بہت زیادہ انہماک نہ رکھے، کفار کو صدقہ نہ دینا تدبیر ہی کی ایک قسم تھی ۱۰۵۶ یعنی اپنے ہی اجر اُخروی کے لئے نہ کہ کسی اور کے لئے۔ فھو لانفسکم لا ینتفع بہ غیرکم (کشاف) مَا تُنۡفِقُوۡا یعنی اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ مِنۡ خَيۡرٍ یعنی اپنے مال میں سے۔ خیر یہاں مال کے مُرادف ہے۔ اے من مالٍ (معالم) من مال (کشاف) خیر۔ اصلاً شر کے مقابل ہے اور اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً عقل و اخلاق پر منفعت شے وغیرہ الخیر ما یرغب فیہ الکل کالعقل مثلا والعدل والفضل والشیٔ النافع اور قرآن مجید میں مال کے لئے خیر کا لفظ متعدد مقامات پر مال کے حسنِ استعمال کے سلسلہ میں آیا ہے۔ مثلاً ان ترک خیرا۔ وانہ لحب الخیر لشدید۔ ما انفقتم من خیر فللوالدین وغیرہا ۱۰۵۷ (سو یہ مقصد ہر حاجتمند کی حاجت برآری سے پورا ہوجاتا ہے، خواہ اس کے عقائد کچھ بھی ہوں) کان النبی صلعم لا یتصدق علی المشرکین فنزلت وما تنفقون الا ابتغآء وجہ اللہ فتصدق علیھم (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مقصود جب اپنے لئے نفع اُخروی یا حصولِ اجر ہے تو وہ تو ہر حاجتمند کی امداد سے ہوسکتا ہے صدقہ کو مسلمانوں ہی پر محدود رکھنے کی قید کیوں لگائی جائے۔ وَجۡهِ اللّٰهِ کے عام طور پر معنی ذات الٰہی کے کئے گئے ہیں۔ وربما عبر عن الذات بالوجہ (راغب) لیکن دوسرے معنی رضاء الٰہی کے بھی ہوسکتے ہیں اور بعض محققین اس طرف بھی گئے ہیں۔ عبر بالوجہ عن الرضا کما قال ابتغاء مرضاۃ اللہ وذالک عادۃ العرب (بحر) محض للہ کے مقابلہ میں ابتغاء وجہ اللہ کہنے میں ایک تو زور زیادہ پیدا ہوگیا۔ دوسرے یہ معنی بھی پیدا ہوگئے کہ کسی درجہ کی شرکت مقصود ومطلوب نہیں، صرف اللہ ہی کی رضا مقصود ہے۔ گویا یہ ترکیب، تاکید اور حصر دونوں کی جامع ہے۔ ای ما تنفقون بسبب من الاسباب الا لھذا السبب (روح) ای ثوابہ لا غیرہ من اغراض الدنیا (جلالین) آیت میں رد ہے ان جاہل صوفیہ کا جو ثواب و اجر کے مقصد کو اخلاص کے منافی سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید نے تو بار ہا ضمناً نہیں صراحۃً ترغیب دی ہے اجر و ثواب کے تلاش کرنے کی ۱۰۵۸ (کہ اجر میں کچھ کسر رہ جائے اور ثواب کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے) مِنۡ خَيۡرٍ خیر کے مُرادف مال ہونے پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا۔ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔ یعنی سارا اجر وثواب آخرت میں ۱۰۵۹ یعنی صدقات کے اصل مستحق تو وہ حاجتمند ہیں جن کا ذکر اب آرہا ہے۔ مبتدا یہاں،

اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ
ہی قبول کرتے ہیں ۱۰۴۹ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا جو نذر
مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾
مانتے ہو یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ناانصافوں کا حامی کوئی بھی نہ ہوگا ۱۰۵۰
اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا
اگر تم صدقات کو ظاہر کرو جب بھی اچھی بات ہے اور اگر انہیں چھپاؤ اور فقیروں کو
الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ
دو جب تو یہ تمہارے حق میں اور بہتر ہے ۱۰۵۱ اور اللہ تم سے تمہارے کچھ گناہ بھی دُور کردے گا ۱۰۵۲ اور
بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے ۱۰۵۳ اُن کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ۱۰۵۴ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے
يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ
ہدایت دیتا ہے ۱۰۵۵ اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لئے (کرتے ہو) ۱۰۵۶
وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ
اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو ۱۰۵۷ اور تم مال میں سے جو کچھ بھی
خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلۡفُقَرَآءِ
خرچ کرتے ہو (سب) تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائیگا اور تم پر (ذرا بھی) زیادتی نہ کی جائیگی ۱۰۵۸ (اصل)
الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا
حق ان حاجتمندوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں ۱۰۵۹ ملک میں کہیں چل پھر نہیں

نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے

٣٦ ع ٢ ٤ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۞٢٦٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا

تاکہ تم فکر سے کام لو ١٠٤٠ اے ایمان والو، جو تم نے کمایا ہے اس

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ

میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو ١٠٤١ اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے

الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ

نکالی ہیں ١٠٤٢ اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود

لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا

بھی اسکے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی کر جاؤ ١٠٤٣ اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞٢٦٧ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ

کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے ١٠٤٤ شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور

يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ

حکم دیتا ہے تمہیں بخل کا ١٠٤٥ اور اللہ تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا وعدہ کرتا ہے ١٠٤٦

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞٢٦٨ ۖ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے ١٠٤٧، وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت

يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

عطا ہوگئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہوگئی ١٠٤٨ اور نصیحت تو بس صاحبانِ فہم

(اللہ کی راہ میں، نیک کاموں میں) مَا كَسَبْتُمْ جو کچھ تم نے کمایا ہے جائز، پاک طریقہ سے۔ طیبات کا اطلاق صرف پاک ہی کمائی پر ہو سکتا ہے۔ فقہاء نے بہ قاعدہ اشارۃ النص ما کسبتم ہی سے نکالا ہے کہ زکوٰۃ اُس مال میں ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو، اور جو اضطراراً حاصل ہو جائے، اس میں زکوٰۃ نہیں ١٠٤٢ یعنی نباتات، معدنیات وغیرہ۔ لکم یعنی تمہارے کام کے لئے۔ مِنَ الْاَرْضِ۔ اس کے تحت میں زراعت، باغبانی، کانکنی وغیرہ کی ساری شاخیں آگئیں جس طرح ما کسبتم کے تحت میں تجارت اور کاروبار کے اقسام آگئے تھے۔ فقہاء نے من الارض سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ زکوٰۃ زمینی پیداوار (زراعت، معدنیات وغیرہ) پر واجب ہوئی، برخلاف موتی، مونگے وغیرہ کے کہ وہ زمین سے نہیں سمندر سے نکلتے ہیں ١٠٤٣ مطلب یہ ہوا کہ ایسی ناکارہ، ناقص، ردی چیزیں کہ اگر خود تمہیں ملنے لگیں تو تمہیں لینا گوارا نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ تم ارادۃً ان کی طرف سے چشم پوشی کر لو۔ تو اللہ کی راہ میں تو ایسی چیزوں کے صرف کرنے کا تو تمہیں خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔ اَلْخَبِيْثَ ردی، ناکارہ چیز۔ تُنْفِقُوْنَ مراد وہی اللہ کی راہ میں نیک کام میں خرچ کرنا ہے۔ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ یعنی جب وہ تمہیں قیمتاً یا ہدیۃً مل رہی ہو ١٠٤٤ غنیٌّ۔ وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ جو چیز تمہارے معیار سے بھی ناکارہ ہو۔ اُس کی نذر اس کے دربار میں پیش کرنا چاہو۔ اُس کے ہاں اجر میں کوئی بُخل نہیں۔ اُس سے معاملہ کرنیوالا کبھی نادم و خاسر نہیں ہو سکتا۔ حَمِيْدٌ وہ خود ہر طرح ستودہ صفات و جامع کمالات ہے، تمہاری داد و دہش سے اس کی محمودیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ خود تمہارے لئے شرم کی بات ہے کہ ناقص اور ناکارہ چیزوں کی نذر ایسے جامع کمالات کے حضور میں! ضمناً یہ پہلو بھی آگیا کہ جب وہ ستودہ صفات ہے تو اُس کے ہاں مقبولیت بھی اُنہی بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو خود بھی کوئی مناسبت اس کی صفاتِ حسنہ سے رکھتے ہوں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو نذر اور چڑھاوے کا محتاج مانا ہے۔ صفت غنی لانے سے اس عقیدہ کی تردید ہو گئی اور دیوتاؤں میں کسی نہ کسی حیثیت سے نقص تو سب ہی مشرک قوموں کے ہاں مُسلّم ہے صفت حمید نے ان خرافات کی بھی تردید کر دی۔ ١٠٤٥ (کہ راہِ خدا میں خرچ کر ڈالو گے تو خود مفلس رہ جاؤ گے) روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جو چیز نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرنے سے روکتی ہے وہ یہی خیال ہوتا ہے کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد پھر اپنی ضرورتوں کے لئے کیا رہ جائے گا؟ قرآن مجید نے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ کے بلیغ الفاظ سے یہ تعلیم دے دی کہ یہ خیال تمامتر ایک وسوسۂ شیطانی ہے۔ اور یوں اس خیال کے باطل ہونے کا بہترین پیرایہ اختیار کر لیا اَلْفَحْشَآءِ عربی میں فحش و فحشاء کا اطلاق ہر شدید بُرائی، ہر بُری صفت پر ہوتا ہے۔ هو كل ما يشتد قبحه من الذنوب والمعاصى (تاج) وقيل كل خصلة قبيحة فهى فاحشة من الاقوال والافعال (تاج) لیکن بخل پر فاحش کا اطلاق علی الخصوص ہوتا ہے۔ الفاحش البخيل (قاموس) قيل الفاحش هو البخيل جدًّا (تاج) والعرب تسمى البخيل فاحشًا والبخل فحشًا وفحشاء (جصاص) اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں الفحشاء سے مراد ادائے زکوٰۃ و صدقات میں بخل ہے قال المفسرون اى يامركم بان لا تتصدقوا (تاج) قيل الفحشاء ههنا البخل فى اداء الزكوٰة۔ (تاج) يعنى باعظم القبح فى البخل (راغب) يغريكم على البخل ومنع الصدقات (كشاف) المراد بها فى هذا الموضع البخل (جصاص) ١٠٤٦ (خوش دلی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر)۔ مَغْفِرَةً وَّفَضْلًا وعدۂ مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے اور وعدۂ فضل کا دنیا سے۔ حاصل یہ ہے کہ خدائی احکام پر خدائی قانون کے مطابق چلو گے تو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود یقینی ہے۔ شیطانی راہ بربادی و ہلاکت کی ہے۔ اور خدائی راہ فلاح و صلاح کی ١٠٤٧ وَاسِعٌ ایسے وسعت والے کے ہاں انعام و اکرام کی کیا کمی۔ عَلِيْمٌ ایسے علم کامل والے پر نیتوں کا حال رتی رتی روشن ہے۔ اس لئے ثمرہ بھی نیتوں کے مطابق ہی ملے گا ١٠٤٨ (جس کے مقابل دنیا کی کوئی اور نعمت نہیں۔ اَلْحِكْمَةَ حکمت کی تشریحیں بہت سی کی گئی ہیں۔ لیکن بہترین اور جامع ترین تشریح یہ ہے کہ وہ اُمورِ دین میں فہم صحیح کا نام ہے۔ اور اس فہم صحیح میں بخل سے بیزاری اور رفتار میں توازن بھی شامل ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ حکمت کی تقسیم و عطا مشیت تکوینی کے ماتحت و مطابق ہوتی رہتی ہے۔ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ یہ حکمت و دانائی ہرگز نہیں کہ جو کچھ بھی کمایا جائے سب اپنے نفس کی لذتوں اور خواہشوں پر اُڑا دیا جائے۔ عین دانائی اور حکمت یہ ہے کہ اس آج سے کل کا ذخیرہ جمع کیا جائے۔ آج تخم ریزی ایسی کی جائے کہ کل پھل ہی پھل ہاتھ لگیں اور ایمان و طاعت کا ایسا جمع کرا دیا جائے جو آیندہ کی دائمی اور غیر منقطع زندگی میں برابر کام آتا رہے۔ خَيْرًا كَثِيْرًا نکرہ اظہارِ عظمت کے لئے ہے یعنی بہت ہی بڑی نعمت ١٠٤٩ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل سلیم سے کام لینے والے۔ نصیحت سے مُراد راہِ حق پر چلنے کی اور راہنمایانِ دین کی اطاعت کی نصیحت ہے۔ اہلِ لطائف نے کہا ہے کہ آیت میں شیطانی وسوسہ کا علاج علم (حکمت) کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے۔ جس طرح اس سے قبل تثبیتًا من انفسهم میں عمل سے بتایا جا چکا ہے۔

۱۰۳۵ (قیامت کے دن ثواب کے گھر یعنی جنت کا) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں اور اپنی قوتِ فیصلہ سے صحیح کام نہیں لے رہے ہیں انہیں زبردستی راہِ ہدایت دکھا دینے کا قانونِ الٰہی ہی نہیں۔ ۱۰۳۶ (جیسا کہ ہر مومن مخلص کا شیوہ ہوتا ہے) تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اتنے ٹکڑے میں نفسیاتِ بشری کی ایک گہری حقیقت بیان ہوئی۔ معصیت کی طرح ہر طاعت کا بھی خاصہ ہے کہ وہ متجانس اعمال کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ ہر عمل صالح کے بعد نفس میں دوسرے اعمال صالح کے لئے آمادگی و پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نفس بشری کا خاصہ ہے کہ ہر عمل سے تکرار و عادت کے بعد اس عمل سے متعلق ایک ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے مزاحمت کی قوت مغلوب و ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ عمل صالح سے جس طرح حصولِ اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاحِ نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔ یہ معنی تو ظاہر ہی ہیں کہ وہ خرچ اس لئے کرتے ہیں کہ کمالِ ایمان اور ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کے دل اللہ کے کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں، وہ صرفِ مال کو نہ نقصان سمجھتے ہیں نہ باعثِ گرانی۔ ۱۰۳۷ (کہ ہوا کی لطافت و زمین کی صلاحیت اور بارش کی کثرت مل ملا کر قوت بار آوری کو خوب بڑھا دیں گی) بِرَبْوَةٍ۔ ٹیکرے کی ہوا قدرۃً لطیف و بار آور ہوتی ہے۔ ۱۰۳۸ تمثیل کی زبان میں بیان اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ اخلاص اگر درجۂ اعلیٰ میں نہ ہو جب بھی محض ایمان، اور عدم موانع (یعنی احسان نہ رکھنا اور ایذا نہ پہنچانا) بجائے خود صدقات و خیرات کو مقبول بنا دینے کے لئے کافی ہیں ۱۰۳۹ (اور اسی لئے ہر ایک کے درجۂ اخلاص کا بھی خوب جاننے والا ہے) خطاب یہاں عام نسلِ انسانی سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر، مومن، مخلص، غیر مخلص سب کے محرکاتِ عملی اور سب کے درجۂ اخلاص و عدمِ اخلاص سے خوب واقف ہے۔ ۱۰۴۰ (اور اپنے انجام کو سوچ کر اس کے مطابق عمل کرتے رہو) مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ۔ تصریح کے ساتھ نام اُنہی میووں کا لیا گیا جو اہلِ عرب کے لئے خاص اہمیت اور خصوصی معنویت رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ یہ یہ ظاہر کرنے کو ہے کہ وہ باغ خوب سرسبز و شاداب بھی تھا۔ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ۔ یہ مالک باغ کی مرفہ الحالی اور شانِ غنا ظاہر کرنے کو ہے۔ اَصَابَهُ الْكِبَرُ۔ یعنی وہ مالک باغ اب محنت و مشقت کے قابل نہ رہے۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ قیامت کا دن آجائے اور اس شخص کی عمل سے معذوری اس پر عیاں ہو جائے۔ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ۔ یعنی اولاد بھی اس قابل نہ ہو کہ تحصیل معاش میں اس کے کچھ کام آسکے، گویا اس کی معذوری ہر طرح روشن و آشکارا ہو جائے۔ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ۔ کہ وہی باغ وجہ معاش تھا۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ اس شخص کا بھروسہ ظاہری طاعات و اعمالِ صالحہ پر تھا۔ فَاحْتَرَقَتْ۔ یعنی اس شخص کی ساری امیدیں غارت ہو کر رہ جائیں۔ تمثیل کی زبان میں مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنے خیال میں نیک کام کر رہا ہے اور اپنے نزدیک ساری توقعات اس سے لگائے بیٹھا ہے مگر عین احتیاج کے وقت یعنی قیامت کے دن اُسے نظر آئے کہ وہ عمل تو شرائطِ قبول و مقبولیت ملحوظ نہ رکھنے کے باعث خود ہی نابود ہو چکا ہے۔ اس لئے اجر و ثواب کیسا اب تو حرمانِ محض اس کے نصیب میں آیا۔ الْاٰيٰتِ۔ یہاں مثالوں اور نظیروں کے معنی میں ہے۔ لَكُمُ۔ یعنی تمہارے نفع کے لئے۔ تمہیں سمجھانے کو۔ ذرا صورتِ حال کی حسرتناکی کا تصور کیجئے۔ ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے، سرسبز و شاداب، خوب پھلا پھولا ہوا، ہر طرح کے میووں، پھلوں سے لدا ہوا، باغ کا مالک بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور اب کسی نئی محنت کے قابل نہیں، بچے موجود ہیں مگر کمزور، کم سن، جو بجائے اس کے کہ کسبِ معیشت میں باپ کا ہاتھ بٹائیں، اُلٹے اس کے لئے بار ثابت ہو رہے ہیں۔ عین اُس وقت شدید ترین حاجت مندی کے وقت یک بیک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی اور سب کچھ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ باغ کے مالک کے غم و حسرت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ اس سے کہیں بڑھ کر ہزار گنا اور لاکھ گنا بڑھ کر حالت اُس بدنصیب انسان کی ہوگی جس کی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلیں گی جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہو چکے گی۔ اور اب وہ دیکھے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے دفترِ عمل میں ایسی نہیں جو اس کے کام آسکے۔ کچھ ٹھکانا، کوئی اندازہ اس کی حسرت و حرمان نصیبی کا ہو سکتا ہے؟

صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ
بالکل صاف کر دے ۱۰۳۴ (ایسے لوگ) کچھ بھی نہ حاصل کر سکیں گے اپنی کمائی سے ۱۰۳۴ اور اللہ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۲۶۴) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہ دکھلائے گا ۱۰۳۵ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال رضائے الٰہی
اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کی غرض
اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ
سے) ۱۰۳۶ ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کا مینہ پڑا ہو پھر وہ
اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ
دوگنے پھل لایا ہو ۱۰۳۷ اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار (ہی کافی ہے) ۱۰۳۸
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۲۶۵) اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ
اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ۱۰۳۹ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے
تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ
کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں بڑی بہ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ
رہی ہوں (اور) اُس کے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں اور اُس کا
الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ښ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ
بڑھاپا آچکا ہو اور اسکے عیال کمزور ہوں، اس (باغ) پر ایک بگولا آئے کہ اس میں

غلط قسم کا لغوی اجتہاد ہے۔ صحابیوں اور تابعین کے بعد سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی اہلِ تفسیر عربی کا ذوقِ سلیم رکھنے والے ہوئے ہیں سب نے مراد ہر ہر پرندے کے ٹکڑے ٹکڑے سے لی ہے۔ جزْءًا من اجزاءٍ وجعل علی کل جبل منهن جزءًا (ابن کثیر) جزئهن وفرق اجزاءهن علی الجبال (کشاف) ۱۰۲۱ (صحیح وسالم اس طرح کہ زندہ ہو کر ان میں سے ہر ایک کے متفرق ومنتشر اجزاء آپس میں مل ملا کر ٹھیک ہو جائیں گے) اُدْعُهُنَّ۔ یعنی آواز دے کر انہیں اپنی طرف پکاریئے۔ ۱۰۲۲ عزیز۔ یعنی ایسا زبردست جو ہر شے پر یکساں قادر ہے۔ محال وممکن، اشد اور سہل کی تفریقیں اور تقسیمیں تو انسان کی قائم کی ہوئی ہیں۔ قادرِ مطلق کے ہاں کسی چیز کے اشد یا محال ہونے کے کوئی معنیٰ ہی سرے سے نہیں۔ حَكِيمٌ۔ یعنی باوجود عموم قدرت واختیارِ مطلق کے وہ کرتا صرف وہی ہے جو عین اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسے عزیز وحکیم کے لئے احیاءِ موتیٰ میں دشواری ہی کیا ہے۔ جب بھی وہ اپنی حکمت کے لحاظ سے مناسب سمجھے گا حشر برپا کر دے گا۔ ۱۰۲۳ (اللہ کی نظر میں اور اپنی برکت وافزائشِ اجر کے لحاظ سے) فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ یعنی احکامِ شریعت کے مطابق نیک کاموں میں۔ اَمْوَالَهُمْ۔ اور فِي سَبِيلِ اللّٰهِ دونوں عام ہیں۔ تمام مصارفِ خیر ان میں آجاتے ہیں۔ ۱۰۲۴ (تو جس طرح غلہ کے ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہو گئے۔ اسی طرح اللہ کارِ خیر میں صرف کرنے والوں

كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ
بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے ۱۰۲۵
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ
اللہ بڑا وسعت والا ہے۔ بڑا علم والا ہے ۱۰۲۶ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ
ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اُس کے عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ۱۰۲۷
لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
ان کیلئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور اُن پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور
يَحْزَنُوْنَ ۝۲۶۲ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
نہ وہ غمگین ہوں گے ۱۰۲۸ مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے
يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝۲۶۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
عقب میں اذیت ہو ۱۰۲۹ اللہ بڑا غنی ہے، بڑا بردبار ہے ۱۰۳۰ اے ایمان والو اپنے
لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ
صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو ۱۰۳۱ جس طرح وہ شخص جو اپنا
مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ
مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو، اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ۱۰۳۲ سو اس کی مثال
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے، پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو

کو ان کے حُسنِ عمل کا اجر سات سو گنا دیتا ہے) ایک عام فہم مادّی مثال دے کر یہ سمجھا دیا کہ اس تکثیرِ اجر پر اتنی حیرت کیوں کی جائے ایسی مثالیں تو مادّیات میں روزمرہ مل جاتی ہیں۔ تجارتی اور کاروباری تلمیحیں تو قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ زرعی اور کاشتکارانہ تلمیحیں بھی مفقود نہیں۔ ۱۰۲۵ یعنی اس کے اجر میں جس حد تک بھی چاہے اور بہ قدر اس کے اخلاص وشفقت کے۔ یہ جو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی کھیتی سے لطیف تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے اہلِ لطائف نے دو نکتہ اور پیدا کئے ہیں:۔ ۱۔ ایک یہ کہ اپنے مصارفِ خیر کی حفاظت ونگہداشت بھی اہلِ زراعت ہی کی طرح کرتے رہنا چاہیئے۔ ریا، نمائش، عجب، تکبر، ایذا اور احسان رکھنے سے انہیں برباد نہ کر دینا چاہیئے۔ ۲۔ جس طرح تخم ریزی، آبپاشی وغیرہ کے اختلاف سے پیداوار محنت اور قیمت اور نفع میں مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح اجر گو مقدار میں برابر ہو، تاہم حسن قبول وقرب درجات وغیرہ کی کیفیات میں نیت واخلاص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ ۱۰۲۶ واسع۔ اس کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں اس لئے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ عطاء وبخشش سے اس کے خزانہ میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ عَلِيْمٌ۔ اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ نہیں چھپ سکتا اس لئے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بھی مخلص ومستحق نظرانداز ہونے پائے گا۔ ۱۰۲۷ یعنی جس کے ساتھ کچھ سلوک کیا ہے اس پر نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ اُسے اپنے برتاؤ سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ حقارت سے پیش آنا یہ بھی تکلیف دہ برتاؤ میں داخل ہے۔ کسی کی کچھ خدمت اپنے سے بن پڑ جائے یہ تو خود اپنے لئے باعثِ اجر وموجبِ سعادت ہے نہ یہ کہ اُلٹا اس پر فخر کیا جائے۔ اور جس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے اُسے کسی درجہ میں بھی ذلیل ٹھیرایا جائے۔ ۱۰۲۸ (قیامت کے دن) اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو پورا پورا اجر ملے گا ان کے درجۂ اخلاص کے تناسب سے۔ ۱۰۲۹ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ یعنی معذرت کی نرم بات کہہ دینا۔ مَغْفِرَةٌ یعنی سائل یا حاجت مند کی بات کو اُس وقت ٹال جانا جب وہ سختی یا بدتہذیبی سے پیش آنے لگے۔ آیت میں صاف یہ تعلیم ہے کہ صدقہ یا خیرات مقصود بالذات نہیں، مقصود اصلاحِ قلب ہے اور اس کے بعد دینے والا لینے والے پر کوئی احسان نہیں رکھتا۔ بلکہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ بلکہ اُلٹا لینے والے کا شکر گزار ہوتا ہے کہ اُس نے قبول کر کے اس کو ایک بار سے ہلکا کر دیا۔ اَذًى۔ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کے آزار کو شامل۔ زبان سے یا عمل سے احسان جتانا بھی اس میں آگیا۔ خیر۔ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دے دینا۔ اور سائل کی سختی کو پی جانا موجبِ قربِ واجر ہیں، اس لئے انہیں خیر سے تعبیر فرمایا۔ ۱۰۳۰ غنیٌّ۔ وہ تمہارا مال تمہارے ہی فائدہ کے لئے خرچ کراتا ہے اور جو کوئی کچھ خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی دائمی نفع کے لئے کرتا ہے۔ کوئی مشرک یا مشرک صفت احمق یہ نہ سمجھ لے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ دیا جاتا ہے وہ خود خدا کو دیا جاتا ہے اور خدا بے چارہ رومال کا محتاج ہے۔ حلیم۔ اسلئے مجرموں اور قانون شکنوں کو جو سزائیں فوراً نہیں دیتا، سائل کی بدتہذیبی، غنی کی بد دماغی سب کو ایک مدت تک معاف کرتا رہتا ہے۔ ۱۰۳۱ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ۔ یعنی ان ممنوع طریقوں سے اضافۂ اجر وازدیادِ ثواب کو مٹا دو۔ فقہائے نے یہی لکھا ہے کہ جس طرح صدقہ کا ابطال یہاں حرام وممنوع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح کوئی سا بھی نیک عمل ہو اُسے باطل کر ڈالنا حرام وممنوع ہے، چنانچہ نفل نماز کی نیت باندھ کر اُسے توڑ ڈالنے کی حرمت وممانعت اسی قاعدہ کے ماتحت ہے۔ ۱۰۳۲ (اور یہ شخص صدقہ کے نفس اجر وثواب ہی کو ضائع کر کے رہتا ہے) دو صورتیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں۔ دونوں کا فرق ملحوظ رہے۔ پہلی صورت میں خطاب اہلِ ایمان سے ہے۔ نفس صدقہ تو اُن لوگوں کا قبول ہو جائے گا لیکن احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے سے ترقیٔ درجات واضافۂ اجر سب سلب ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں ذکر اہل کفر کا ہے۔ یہ جب خدا اور آخرت پر ایمان ہی سے محروم ہیں تو اُن کے صدقہ وخیرات سے بظاہر جو کچھ بھی مقصود ہو۔ سب کا حاصل دنیا ہی ہوگا۔ ایسوں کو اجر کس چیز کا؟ رضائے الٰہی کی طلب تو کسی درجہ میں بھی اُن کے عمل کا جز نہیں۔ رِئَآءَ النَّاسِ۔ انجیل میں بھی اس سے ملتی جلتی ہدایت موجود ہے (متی۔ ۶: ۲) محققین نے لکھا ہے کہ ریاء کی مذمت میں یہ آیت نص صریح ہے۔ ۱۰۳۳ (اور وہ ویسا ہی کورا رہ جائے جیسا پہلے تھا) تشبیہ کا ماحصل یہ ہے کہ کافر اسی طرح اپنے کو قیامت کے دن ہر خیر وخیرات کے اجر سے محروم پائے گا۔ اس کا انفاقِ مال حقیقۃً کسی صدقہ وخیرات کے حکم میں آتا ہی نہیں۔ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ۔ تشبیہ محرومیٔ اجر کے لحاظ سے دی گئی ہے۔ ۱۰۳۴ ذکر اُنہی لوگوں کا ہے جو نعمتِ ایمان سے محروم ہیں۔ بِمَا كَسَبُوْا۔ یعنی جسے وہ اپنے خیال وپندار میں اپنی کمائی سمجھ رہے ہیں۔ ورنہ بندہ کی کمائی تو حقیقۃً وہی ہے جس پر عمل صالح کا اطلاق ہو سکے اور عمل صالح کی پہلی اور بنیادی شرط ایمان ہے۔

لِلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ
لوگوں کیلئے بنائیں ١٠١٣ اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے ہیں اور پھر
نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ
ان پر گوشت چڑھاتے ہیں ١٠١٤ پھر جب اُس پر (یہ سب) روشن ہوگیا تو اُس نے کہا میں یقین رکھتا ہُوں کہ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٢٥٩﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ١٠١٥ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب ابراہیمؑ نے عرض کی
كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَ
کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح جِلائیگا ١٠١٦ ارشاد ہُوا کیا آپ کو یقین نہیں ١٠١٧ عرض کی
لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ
ضرور ہے لیکن (یہ درخواست) اس لئے ہے کہ قلب کو (اور) اطمینان ہو جائے ١٠١٨، ارشاد ہُوا کہ اچھا، چار
فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ
پرندے لیجئے ١٠١٩ پھر انہیں اپنے سے ہلا لیجئے پھر ان میں کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ
جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ
دیجئے ١٠٢٠ پھر ان کو اپنی طرف بلائیے (تو) وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئینگے ١٠٢١ اور یقین رکھئے
عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ
کہ اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ١٠٢٢ جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے
سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ
مال کی مثال ایسی ہے ١٠٢٣ جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اُس سے سات بالیاں اُگیں ہر ہر

ع ٣٥ ٣

منزل ١

١٠١٦ (قیامت کے دن) کیف یعنی کس خاص کیفیت کے ساتھ کس متعین طریقہ پر فی ای حال او علی ای حال (ابو سعود) یہ وقوع تو اُسے پوری طرح مُسلّم ہے اور سوال اس کی صرف کیفیت کے بارہ میں کر رہا ہے۔ الاستفہام بکیف انما ہو سوال عن حال شی موجود متقرر الوجود عند السائل والمسئول فان الاستفہام ہٰہنا عن ہیئۃ الاحیاء المتقرر عند السائل (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ سوال کے الفاظ سے خود یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ سائل کو کوئی شبہ احیاء موتی کے نفسِ وقوع میں نہیں۔ صوفیہ اہلِ لطائف نے اس قصۂ ابراہیمی سے ذیل کے نکات پیدا کئے ہیں:۔ ١۔ اللہ تعالیٰ سے کشفِ مقامات کا سوال موجبِ قبول ہے۔ ٢۔ مقبولین کو جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے مراتبِ عرفان و کمالاتِ ایقان میں اور ترقی ہوتی ہے۔ ٣۔ اور پھر اس سے ان کے تقرب و اعزاز حضور میں اضافہ ہوتا ہے۔ ١٠١٧ سوال سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایمانِ کامل کا اقرار خود ان کی زبان سے کرا لیا جائے۔ اور دنیا کو یہ تعلیم بھی مل جائے کہ ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا فقدانِ ایمان ہی سے نہیں پیدا ہوتے۔ ١٠١٨ حضرت ابراہیمؑ عرض کرتے ہیں کہ ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے۔ ہاں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کے بعد اطمینان اور زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس مرتبہ کو اصطلاح میں عین الیقین کہتے ہیں۔ ورنہ یقین مرتبۂ تصدیق تک تو جسے اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جیسے مومنِ اعظم کو کیوں نہ حاصل ہوتا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایمان ہی بڑھتے بڑھتے اطمینانِ قلب پیدا ہو جاتا ہے اور محققین کہتے ہیں کہ یہ ترقی کبھی مشاہدہ و معائنہ سے ہوتی ہے اور کبھی محض وجدان سے۔ اطمینان مقابل ہے سکون کے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عدمِ سکون کی کیفیت ایمان و عرفان کے منافی نہیں اور طمانیت کا جو درجہ ولایت و صدیقیت کے مناسب ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کو اب بھی حاصل تھا اور آپ کو طلب اُس طمانیت کی تھی جو درجۂ نبوت کے مناسبِ مقام ہو۔ ١٠١٩ ان پرندوں کے نام بھی تفسیروں میں نقل ہوئے ہیں لیکن اوّل تو سند کچھ قوی نہیں اور پھر یہ تعیین ہی سرے سے بے ضرورت ہے۔ البتہ اہلِ لطائف و اشارات نے ان چار پرندوں سے نکتے خوب پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ان سے اشارہ انسان کے اُن چار قویٰ کی جانب ہے جو مشاہدۂ حق اور حیاتِ حقیقی سے مانع ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ چار قوتیں یہ متعین کی ہیں:۔ (١) خود بینی و خود ستائی۔ (حُبِّ جاہ) (٢) افراطِ شہوتِ جنسی۔ (٣) حرص و طمع (حُبِّ مال)۔ (٤) طولِ امل یا محبتِ دُنیا۔ ١٠٢٠ (ان کو ذبح کر کے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد) صُرْهُنَّ اِلَیْكَ۔ یعنی ان پرندوں کو پال کر اور اپنے پاس رکھ کر انہیں اپنے سے خوب مانوس کر لیجئے کہ پھر شناخت میں دقت نہ ہو۔ صُرْهن کا مصدر صود ہے یعنی امیل کے ہیں۔ اسی لئے صرھن کی تفسیر عموماً املھن اور وجھھن سے کی گئی ہے۔ ای اضممھن الیك و وجھھن نحوك (ابن جریر) فاملھن واضممھن الیك (کشاف) اور بعض نحویوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اجزاء آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی الیك کا تعلق صرھن سے نہیں فخذ اربعۃ من الطیر سے ہے۔ اور الیك صلہ فعل خذ کا ہے۔ کان فی الکلام تقدیم و تاخیر ویکون معناہ فخذ اربعۃ من الطیر الیك فصرھن ثم یکون الیك من صلۃ خُذْ (ابن جریر) فصرھن کے آگے اتنی عبارت محذوف مانی گئی ہے کہ اپنے سے ہلا چکنے کے بعد ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے پہاڑوں پر رکھ دیجئے۔ قرآن مجید کے اسلوبِ بلاغت میں اس قسم کے محذوفات و مقدرات کی مثالیں نایاب نہیں، اسی سورۂ بقرہ کے شروع کے رکوعوں میں ہے فقلنا اضرب بعصاك الحجر (ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو) اور اس کے معاً بعد آتا ہے۔ فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا (پس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) یہاں سب نے اتنا کلام محذوف مانا ہے کہ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی اور عصا کی ضرب چٹان پر لگائی ایسے محذوفات و مقدرات کی نظیریں تو اپنے شاعروں کے کلام میں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ پھر خدا کا کلام تو ظاہر ہے کہ ہر شاعر کے کلام سے فصیح تر و بلیغ تر ہے۔ بعض ائمۂ لغت و تفسیر ادھر گئے ہیں کہ فعل صار یصور اور صار یصیر کے معنی ہی قطع کرنے کے ہیں۔ اس لئے کسی حذف و تقدیر کے ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ آیت کے معنی ہی براہِ راست یہی ہیں۔ صار الشی یصورہ صوراً قطعہ و فصلہ صورۃ صورۃ (تاج) قیل قطعھن صورۃ صورۃ (راغب) قال ابو عبیدۃ معناہ قطعھن والصور القطع (معالم) علامہ ابن جریر نے جو تفسیر کے ساتھ لغت کے بھی امام ہیں بسط و تفصیل کے ساتھ گفتگو اس پر کیا ہے کہ صار یصود اور صار یصیر دونوں کے معنی لغتِ عرب میں قطع کے مشہور و معروف ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:۔ ففی ذالك اوضح الدلیل علیٰ جھل من زعم ان قول القائل صار یصور و صار یصیر غیر معروف فی کلام العرب بمعنی قطع بہرحال حذف مانا جائے تو اور نہ مانا جائے تو، دونوں صورتوں میں اتنے پر بجز ایک ابو مسلم اصفہانی کے سب کا اتفاق ہے کہ مُراد یہاں ذبح کر کے پارہ پارہ کرنے ہی سے ہے۔ اجمع اھل التفسیر علیٰ ان المراد بالآیۃ قطعھن (کبیر) کل المفسرین الذین کانوا قبل ابی مسلم اجمعوا علیٰ انہ حصل ذبح تلك الطیور تقطیع اجزائھا فیکون انکار ذالك انکاراً للاجماع (کبیر) فان کان بمعنی التقطیع فلا حذف او بمعنی الامالۃ فالحذف او قطعھن اجزاء (نہر) واجمع اھل التفسیر علیٰ ان ابراھیم قطع اجزاءھا (بحر) ابن عباسؓ صحابی اور حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہ بکثرت تابعین سب اسی طرف گئے ہیں۔ معناہ قطعھن وھو قول ابن عباس وسعید بن جبیر ومجاھد (کبیر) قالہ ابن عباس ومجاھد وضحاك وابن اسحاق (بحر) قال ابن عباس وعکرمہ وسعید بن جبیر وابو مالك وابو الاسود الدؤلی ووھب بن مُنَبِّہ والحسن والسدی وغیرھم (ابن کثیر) اور ابو مسلم کا یہ قول آج چودھویں صدی ہجری میں بعض سطحیوں کی زبان سے پھر چکایا گیا ہے اسکی بابت صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ لایخفیٰ ان ھٰذا اخلاف اجماع المسلمین وضرب من الھذیان لا یرکن الیہ ارباب الدین۔ صُرْهُنَّ۔ کی دُوسری قراءت متواتر صِرھن (بہ کسر صاد) کی ہے اور اس قراءت پر تو کھلے ہوئے معنی قطع و تشقیق ہی کے ہوتے ہیں۔ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ یعنی جو پہاڑیاں آپ کے آس پاس ہیں اُن پر، یہ مراد نہیں کہ رُوئے زمین پر جتنی بھی پہاڑیاں ہوں سب کو تلاش کر کے سب پر رکھئے۔ المعنیٰ علیٰ کل جبل من الجبال التی بحضرتك (کشاف) العموم فی کل جبل مخصّص بوصف محذوف ای یلیك او بحضرتك قالہ مجاھد (بحر) مِنْهُنَّ جُزْءًا یعنی ان کے ملے جُلے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ۔ جُزْءًا کے اصل معنی عربی میں ٹکڑے کے ہیں جس کا فارسی مرادف پارہ ہے۔ الجزء النصیب والقطعۃ من الشیء (تاج) جزء الشیء ما یتقوم بہ جملتہ کاجزاء السفینۃ واجزاء البیت (راغب) جزء بالفتح پارہ پارہ کردن (صراح) وھن اجزاء متفرقات (ابن جریر) ای ربعاً من کل طائر (ابن قتیبہ) بلکہ امام ابن جریر جن کی نگاہ لغوی اور ادبی نکتوں پر خوب رہتی ہے انہوں نے تو یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ جزء اور سھم کے استعمال میں بھی فرق ہے کہ سہم کا اطلاق مُسلّم حصہ پر ہوتا ہے اور جزء کا لفظ عام ہے۔ الجزء من کل شیء ھو البعض منہ کان معناہ جمیعہ علیٰ صحۃ او غیر منقسم فھو بذالك من معناہ مخالف فی السھم لان السھم من الشیء ھو البعض المنقسم علیہ جمیعہ علیٰ صحۃ۔ اور ایسا ہی دوسروں نے بھی کہا ہے وظاھر ثم اجعل علیٰ کل جبل منھن جزءًا یدل علیٰ ان تلك الطیور جعلت جزءاً جزءاً (بحر) ای قطعۃ وبعضاً (روح) منھن سے پہلے تو مراد چاروں پرندوں کا مجموعہ لینا اور پھر جزءًا سے مراد اس مجموعہ کا ایک ایک جز یا ایک ایک مُسلّم پرندہ لینا خواہ مخواہ کا تکلّف اور ایک

تعظیم بلکہ پرستش خدا ہی کی طرح کراتا تھا اور اپنے لئے اُس نے ایک عرشِ الٰہی تیار کرایا تھا جس پر اجلاس کیا کرتا تھا (ملاحظہ ہو گینزبرگ Ginzbug کی حکایاتِ یہود Legends of the Jews. جلد اول ص۲۰۳) اَنْ
اٰتٰهُ اللّٰهُ میں ان سببیہ ہے لان کے معنی میں لے اطرہ ایتاء الملك وحمله علی المحاجة (بیضاوی) کلدانیوں کا ملکی اور قومی مذہب خوب خیال رہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں اصلاً شمس پرستی تھا یعنی سُورج دیوتا کی پُوجا اور یہی سب
دیوتاؤں کے سردار تھے۔ نمرود کلدانی فرعون مصری کی طرح اپنے کو اسی خدائے اعظم کا مظہر یا بروز یا اوتار سمجھتا تھا۔ اور اہل توحید کو اپنے ملک کا غدار و باغی اور اپنے مذہب کا دشمن اور منکر قرار دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اہل توحید کے خدائے واحد سے بھی جلنے
لگا تھا جوزیفس یہود کا مورخ قدیم اپنی تاریخ آثارِ یہود میں لکھتا ہے۔ "وہ لوگوں کی خوشحالی کو خدا کی جانب نسبت دینے سے روکنے لگا۔ گویا کہ وہ خود قادر علی الاطلاق ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر اب کی خُدا نے طوفانِ نوحؑ کی طرح دنیا کو ڈبویا تو
مَیں اُس سے انتقام لوں گا" (باب اول-۲:۴) ف١٠٠١ (آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ کونسا خدا ہے جس کے تم پرستار ہو؟) نمرود تو مدعی اپنے خدا ہونے اور مظہرِ خدا ہونے کا تھا۔ اُس نے داعیٔ توحید کو چیلنج دے کر
پُوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے جس کی تم دعوت دے رہے ہو؟ ذرا میں تو اس کے اوصاف سنوں۔ مشرک افراد آج بھی بڑی حیرت اور بڑے اچنبھے کے ساتھ پُوچھا کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں دیوتا اور فلاں فلاں دیوی کے علاوہ اور ان سے
ماورا آخر خدا ہے کونسا؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اسکے افعال وصفات کیا ہیں؟ ف١٠٠٢ یعنی حیات وموت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی سارے نظامِ ربوبیت کا سرچشمہ ہے۔ کائنات حیاتی کی بقا وفنا کے سارے قانون
اور ضابطے آخر میں اسی پر جا کر ٹھیرتے ہیں کسی بندہ میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظامِ حیاتی وافنائی کو بدل دے یا اس میں کوئی ادنیٰ تصرف بھی کر دکھائے۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے مداہنت کا ابطال ہو رہا ہے۔ محققین صوفیہ نے محاجۂ
ابراہیمی سے یہ استنباط کیا ہے کہ ضرورتِ دین کے وقت بحث ومناظرہ ہرگز تجرید وتفرید کے منافی نہیں خصوصاً کامل کیلئے۔ اور علم کلام کا سنتِ انبیاء میں سے ہونا تو بیان سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ وهذه الاٰية تدل علی صحة المحاجة فی
الدین واستعمال حجج العقول والاستدلال بدلائل الله تعالٰی علی توحیده وصفاته الحسنٰی (جصاص) اور ایک محقق نے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ حضرات انبیاء توحیدِ باری میں صرف افعالِ حق سے استدلال کرتے تھے اور ایسی صفات
کو پیش نہ کرتے جن سے مذہب تشبہ وتجسم کیلئے گنجائش نکل سکے۔ تدل علی انه تعالٰی لایشبه بشیء وان طریق معرفته مانصب من الدلائل علی توحیده لان انبیاء علیهم السلام انما حاجوا الکفار بمثل ذالك ولم یصفوا الله تعالٰی
بصفة توجب التشبیه وانما وصفوه بافعاله واستدلوا بها علیه (جصاص) نمرود نے موت وحیات کے اسباب بعید وخفی کو چھوڑا اور صرف اسبابِ ظاہری وسطحی کو سامنے رکھ کر جواب دیا کہ سامانِ معیشت تو سب میرے ہاتھ میں ہے
مَیں جسے چاہوں روزی دُوں اور جسے چاہوں بھوکوں مار ڈالوں۔ یا کسی اور طریقہ سے اس کی زندگی ختم کر دُوں۔ ف١٠٠٣ (اگر تو اپنے دعوائے قدرت وتصرف میں کچھ بھی سچائی رکھتا ہے) نمرود اوتار تھا سُورج دیوتا کا۔ اور سُورج ہی کلدانیوں کے عقیدہ
میں معبودِ اعظم تھا۔ اسی کی مثال کو اور زیادہ قریب الفہم بنانے کیلئے موحدِ اعظم نے اس کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو سُورج کے قادر ومتصرف ہونے کے قائل ہو تو زیادہ نہیں یہی کر دکھاؤ کہ سُورج اپنے ارادہ سے عام سنتِ الٰہی کے خلاف ذرا اپنا رُخ ہی بدل دے
دُوسروں پر قدرت رکھنا الگ رہا۔ خود اپنے ہی پر ذرا اپنا ارادہ صرف کر دکھائے۔ اور ارادہ بھی اتنا ہلکا کہ صرف رُخ بدل دینے کا۔ کسی خدا کی بے بسی کا منظر اس سے بڑھ کر اور کیا پیش ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے استدلال وہی قائم رکھا۔ صرف مخاطب کی
سطحِ ذہنیت کا لحاظ کر کے اس کی مثال دُوسری پیش کر دی اور فرمایا کہ اچھا کائنات حیاتی نہ سہی، کائنات طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنیٰ تصرف کر کے دکھا دو۔ نمرود سُورج دیوتا کا اوتار تھا، اور سُورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل۔ اس کے
عقیدہ کے ابطال وتردید میں سُورج ہی کو مثال میں پیش کرنا اس پر بہترین گرفت تھی۔ ف١٠٠٤ یعنی عاجز ولاجواب ہو گیا۔ اس کا جواب کسی مشرک وآفتاب پرست کے پاس ہو کیا سکتا تھا؟ نہ اس وقت کسی سے بن پڑا نہ آج کسی سے بن
پڑنا ممکن ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس ہستی کے متعلق صاحب ارادۂ عظیم ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے وہ تجربہ ومشاہدہ سے ارادہ خفیف سے بھی معرّیٰ ثابت ہو رہا ہے۔ ف١٠٠٥ عاجز ولاجواب ہو جانے کے باوجود وہ ایمان نہ لایا۔ اور
ایمان لاتا ہی کیسے؟ جو لوگ غصہ اور عناد سے کجروی اختیار کئے رہتے ہیں انہیں ہدایت کبھی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ وہی لوگ ہیں جو خلوِ ذہن کے ساتھ حق وحقیقت پر غور ہی نہیں کرتے اور اپنی ضد ونفسانیت پر قائم
رہتے ہیں۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان مستقیم اور فہم سلیم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ف١٠٠٦ (اے مخاطب) آیت کا عطف معنوی ہی آیت سابق پر۔ اور تقدیرِ کلام اکثر نحوئین کے نزدیک یہ ہے۔ او رأیت کالذی حاج ابراهیم
او کالذی مر علی قریة۔ وهو قول الکسائی والفراء وابی علی الفارسی واکثر النحویین (کبیر) اور دوسری ترکیب یہ بھی مانی گئی ہے۔ او رأیت مثل الذی مر الخ زمخشری بیضاوی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ ف١٠٠٧ یعنی
اس کی عمارتیں بالکل منہدم ومسمار ہو چکی تھیں۔ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا۔ عربی کا ایک خاص محاورہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ بستی بالکل تباہ وبرباد ہو چکی تھی چھتیں گریں پھر چھتوں کے اُوپر دیواریں۔ بان سقط السقف اولًا ثم تهدمت
الجدران علیه (رح) یہ کون صاحب تھے اور کس تباہ شدہ بستی سے ان کا گزر ہوا تھا! الَّذِيْ مَرَّ۔ مفسرین نے زیادہ تر مراد حضرت عُزیرؑ نبی سے لی ہے سلسلہ اسرائیلی کے ایک مشہور پیمبر گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔
۴۵۸ ق،م میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بائبل میں ان کا نام عزرا کاتب یعنی کاتبِ توریت کی حیثیت سے آتا ہے۔ ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ قتادہ۔ سدی وغیرہ تابعین اسی طرف گئے ہیں
بلکہ یہی قول حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ سے بھی مروی ہوا ہے۔ ذکر انه عزیر (ابن جریر۔ عن قتادہ) هو عزیر (ابن جریر عن السدی) المار هو عزیر کما اخرجه الحاکم عن علی واسحٰق بن بشر عن ابن عباسؓ وعبدالله بن سلامؓ
الیه ذهب قتادة وعکرمة والربیع والضحاك والسدی وخلق کثیر (روح) دوسرا قول حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق نقل ہوا ہے۔ یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیمبر ہوئے ہیں۔ یہ ساتویں صدی قبل مسیح میں تھے۔ اور تاریخ یہود میں آتا ہے کہ انہیں نبوت ۶۲۶
ق،م میں ملی تھی۔ تاریخی اعتبار سے امکان ان کے لئے بھی ہے۔ گو ذرا ضعیف۔ حضرت باقرؒ اور وہب سے روایت انہی کے متعلق ہے۔ قیل هو ارمیا بن حلقیا وهو المروی عن ابی جعفر والیه ذهب وهب (روح)
بائبل میں اس سے ملتا جلتا ہوا ایک قصہ حضرت حزقیل نبی سے متعلق درج ہے، جو یرمیاہ نبی کے ہمعصر اور چھٹی صدی قبل مسیح میں تھے لیکن بائبل میں یہ قصہ بصورت واقعہ نہیں، بلکہ کشف یا رؤیا کے طور پر ہے (حزقیل۔ باب ۳۶ و ۳۷)
قَرْيَةٍ۔ یہ بستی کونسی تھی، نام مختلف شہروں کے لئے گئے ہیں لیکن اکثریت یروشلم یا بیت المقدس کی طرف گئی ہے۔ یہ شہر بخت نصر تاجدار بابل کے ہاتھوں ۵۸۶ ق،م میں پوری طرح تاخت وتاراج ہو چکا تھا۔ بظاہر یہ واقعہ اسی شہر سے
متعلق اس کی تباہی کے بعد قریب ہی کے زمانہ کا ہے۔ القریة بیت المقدس قاله وهب وقتادة والضحاك وعکرمة والربیع (بحر) ف١٠٠٨ (قیامت کے دن) هٰذِهٖ۔ اشارہ مُردہ شہر کے مُردہ باشندوں کی جانب ہے۔ اہل بصیرت کے لئے
ہر حسرتناک منظر ایک درسِ عبرت ومعرفت ہوتا ہے۔ عجب کیا جو خدا کے نبی کا ذہن اپنے پیشِ نظر منظر سے کائنات کے ہولناک ترین منظر کی طرف منتقل ہوا ہو، اور اس سے انہوں نے ایک اور سبق معرفت کا حاصل کرنا چاہا ہو۔ المشار الیه
اما نفس القریة بدون تقدیر او تقدیر مضاف ای اصحاب هٰذه القریة (رح) ای اهل هٰذه (مدارک) اَنّٰى یہاں کیف کے مرادف اور کس طرح، یا کس کیفیت کے ساتھ کے معنی میں ہے۔ اعتراف العجز عن معرفة طریقة الاحیاء (رح)
ای علی ای حال یحیی (رح) آخرت میں حشر احیاء پر یقین نبی کیا معنی ہر مومن کو ہوتا ہے۔ سوال سے نبی کا یہ مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کے نفسِ وقوع میں شبہہ ظاہر کیا جائے۔ وہ صرف اس کی نوعیت جاننے اور کیفیت سمجھنے کے آرزو مند
تھے۔ ف١٠٠٩ (بطور خرقِ عادت) معجزات یا خوارق پر کوئی عقلی اعتراض اگر کسی ملحد کی طرف سے ہو تو خیر اُس کیلئے تو کچھ گنجائش بھی ہے لیکن خدا کے ماننے والے کی طرف سے یہ "عقلی اعتراض" یا اس کے امکان میں گفتگو بالکل بے معنی ہے جب
معجزہ کا فاعل خدا تعالیٰ ہی ہے تو وہ قادرِ مطلق تو جس طرح اپنی عادت یا معمولِ عام کے اجراء وبقا پر قادر ہے ٹھیک اسی طرح اور ہمیشہ اسی درجہ میں اس کے ترک وخرق پر بھی! اسکے نزدیک تو یہ اور وہ ایسا اور ویسا یہ دونوں بالکل یکساں ومساوی ہیں
بلکہ اس ہستیٔ مطلق کے لئے یہ عادت، خلافِ عادت کے معنی ہی کیا؟ یہ موافقِ عادت وخارقِ عادت کی اصطلاحیں تو محض بندوں کے علم کے لحاظ سے ہیں، یہ تو ہم نے جس چیز کا بار بار اور متواتر مشاہدہ کیا اُسے عادتِ الٰہی میں داخل کر دیا۔ اور جس چیز کو
ایسا نہ پایا اُسے خلافِ عادت اور خارقِ عادت سے تعبیر کرنے لگے! ــــــ لفظ "معجزہ" تو خود ہمارے جہل کا پردہ پوش ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے کونسی تعبیر معجز ہو سکتی ہے؟ غرض کوئی مذہبی شخص کسی بڑے سے بڑے معجزہ کے نفسِ امکان میں تو زبان کھول
ہی نہیں سکتا، گفتگو جو کچھ بھی چلیگی روایت ودرایت معتبر کے لحاظ سے چلیگی۔ اور یہ بحث ظاہر ہے کہ تمامتر نقلی اور تاریخی ہوگی نہ کہ عقلی۔ وقوع معجزہ کے راوی اگر معتبر اور شاہد عینی ہیں تو وہ خارقِ عادت بھی ہمارے لئے ایسا ہی قابلِ یقین ہوگا جیسا کہ روزمرہ کے
عام واقعات ہوتے ہیں اور پھر جس معجزہ کے راوی خود حق تعالیٰ یا نبیٔ معصوم ہوں اس کے باب میں تو ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ آگے کوئی گفتگو چل ہی نہیں سکتی۔ کس وقت کس خارقِ عادت کے ظہور کی کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، یہ حال بجز
حکیم مطلق کے اور کون جان سکتا ہے؟ ف١٠١٠ یہ جواب اس بندہ نے اپنے علم وشعور اور اپنے احساس واندازہ کے مطابق دیا۔ اور بشری اندازہ وتخمین کی یہ غلطی ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔ جب دماغ ودل، شعور واندازہ کی مشینوں کی حرکت ہی سرے سے
باطل ہو گئی تھی۔ تو کوئی بشر اندازہ کر ہی کیونکر سکتا تھا اور یوں بھی گھنٹوں اور دنوں بلکہ مہینوں اور برسوں کی مدت کو خواب اور بیہوشی کی حالت میں ہم روزمرہ منٹوں اور سکنڈوں کے اندر سمٹے اور سمٹائے ہوئے آخر دیکھتے ہی ہیں۔ ف١٠١١ (اتنی مدت کے باوجود غذا)
مفسرین نے اس جواب سے جواز اجتہاد پر استشہاد کیا ہے۔ فیه دلیل جواز الاجتهاد (مدارک) اور نظیر ہے اسکی کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جتنی مدت تک بھی چاہے محفوظ وسالم رکھ سکتا ہے۔ بشری عقل وفہم مادی مثالوں اور نظیروں کی ہمیشہ حریص رہی ہے اور آج کی "روشن خیالی"
اور نیچریت کے سارے مطالبات کا لب لباب صرف یہی نظیر کی فراہمی ہے۔ ف١٠١٢ (جس کی ہڈیاں اس وقت تک باقی تھیں اور گوشت پوست سب خاک میں مل چکا تھا) جانوروں کے ڈھانچے مدتوں تک باقی رہتے ہیں بعض بعض ڈھانچے سیکڑوں ہزاروں سال کے بعد
سالم ومحفوظ برآمد ہوئے ہیں حمار۔ گدھے سے ہندوستان میں تو نہیں لیکن عرب، شام، مصر، فلسطین وغیرہ میں سواری کا کام گھوڑے ہی کی طرح لیا جاتا تھا! اور اب بھی لیا جاتا ہے۔ توریت اور انجیل دونوں میں گدھے کا ذکر سواری کے جانور کی حیثیت سے بکثرت آیا ہے، اور حضرت
موسیٰ اور حضرت مسیحؑ دونوں کا اسی پر سوار ہونا بیان ہوا ہے۔ ف١٠١٣ (اپنی قدرتِ کاملہ کا، اور ایک نظیر واقعہ بعث کی) ف١٠١٤ یعنی اپنے مُردہ صد سالہ گدھے کے ڈھانچے کو بچشم خود دیکھیے کہ ہم اس کا جوڑ جوڑ بٹھاتے ہیں اور پھر از سر نو رُوح پھونک کر زندہ کر اُٹھاتے
ہیں۔ ف١٠١٥ یعنی ان پیمبر پر جب یہ ساری کیفیتیں تجربۃً اور مشاہدۃً گزر لیں تو وہ تر وتازہ جوشِ ایمانی کے ساتھ بے اختیار پکار اُٹھے کہ بیشک یہ پروردگار ہر چیز پر قادر ہے اور اب میرا ایمان واعتقاد سوگنا اور بڑھ گیا۔ اَعْلَمُ۔ علم سے یہاں مُراد
علم مشاہدہ ورویت ہے۔ ورنہ علم بالدلیل تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ تاویله انی قد علمت مشاهدة مما کنت اعلمه قبل ذالك الاستدلال (کبیر) ف١٠١٦ (قیامت کے دن) کیف یعنی کسی خاص کیفیت کے ساتھ کس متعین طریقہ پر فی ای حال

وضوح الدلائل والحجج بحیث لایکون فیه اکراہ بل یجب الدخول فیه بانشراح صدر واختیار (بح) الدین -دین سے مراد مطلق دین نہیں -دین اسلام ہے- والدین هنا ملة الاسلام واعتقادہ (بحر) ۹۹۰ اور دلائل وشواہد نے دونوں کے درمیان علانیہ امتیاز پیدا کر دیا ہے- الرُّشْد یعنی راہِ اسلام- الغَیّ -یعنی طریق کفر- یعنی اب تو کفر و اسلام کے درمیان بہت کھلے ہوئے فرق و امتیازات پیدا ہو چکے ہیں- اب کسی پر خفا والتباس کی کوئی وجہ نہیں ا
۹۹۱ یعنی جس نے دینِ اسلام قبول کر لیا اور جو باطل کی پیروی سے باز آ گیا اُسے دنیا و آخرت میں ایک برا زبردست سہارا ہاتھ آ گیا- الطَّاغُوتُ - طاغوت - کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے- اُردو میں اسکے لئے قریب ترین لفظ شیطان کا ہو سکتا ہے- اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبودِ باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے- قال ابو اسحٰق کل معبود من دون الله جبتٌ وطاغوتٌ (لسان) الطاغوت عبارة عن کل معتدٍ ومعبود من دون الله (راغب) مالک بن انس اور بعض اور اہلِ تفسیر بھی اسی عموم کی طرف گئے ہیں- قال مالک ابن انس کل ما عبد من دون الله تعالیٰ (مع) مردة من الجن والانس کل ما یطغی (کبیر) ما عبد من دون الله تعالیٰ قاله الطبری (بحر) ۹۹۲ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) بندہ کا فاطرِ کائنات سے صحیح ونظری تعلق ہی کا نام دینِ اسلام ہے- یہ وہ زبردست سہارا ہے جس کے ہاتھ لگ جانے کے بعد زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہو جاتا ہے اور ہر عقدہ کا حل مل جاتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر آخرت کی بھی منزلیں آسان رہتی ہیں- اس ایک سہارے کے سوا باقی سارے سہارے ناقص، کمزور اور بودے ہیں- بعض محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ عروة الوثقیٰ نسبت مع الله ہے- وہ حاصل ہو جانے کے بعد منقطع نہیں ہوتی- ۹۹۳ سَمِیْعٌ

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ
میں دیتا ہوں ۱۰۰۵ ابراہیمؑ نے کہا اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا
الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
ہے تو اُسے مغرب سے نکال دکھا ۱۰۰۶ اس پر وہ جو کافر تھا دنگ
الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۲۵۸
رہ گیا ۱۰۰۷ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا ۱۰۰۸
اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی
یا (پھر) اس شخص (کے حال) پر نظر کی ۱۰۰۹ جو ایک بستی سے گزر رہا تھا اس حال میں کہ وہ (بستی) اپنی چھتوں کے
عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ
بل گری ہوئی تھی ۱۰۱۰ وہ کہنے لگا اللہ اس (آبادی) کو اس کے مرے پیچھے کیوں کر جِلا
مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ
اُٹھائے گا؟ ۱۰۱۱ سو اللہ نے اس شخص کو سو سال تک مُردہ رکھا، پھر اسے جِلا اُٹھایا ۱۰۱۲ (پھر) پوچھا
كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ
تو کتنی مدت (اس حالت میں) رہا اُس نے کہا میں رہا (اس حالت میں) کوئی دن بھر یا اُس کا کچھ حصّہ ۱۰۱۳ فرمایا
بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
نہیں بلکہ تو سو سال (کی مدت) تک رہا- اپنے کھانے اور پینے کی طرف تو دیکھ (کہ اب تک) وہ
لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً
سڑا گلا نہیں ہے ۱۰۱۴، اور اپنے گدھے کو دیکھ ۱۰۱۵ اور (یہ سب) اس لئے کہ ہم تجھے ایک نشان

منزل

سننے والا الفاظ کا اور اقوال کا- عَلِیْمٌ جاننے والا احوال کا اور اعمال کا- یعنی اللہ کو ظاہر، باطن، کلی، جزئی ہر قسم کا علم و اطلاع ہے ——— اللہ کی باخبری اور ہمہ علمی مسلمانوں کو ایک معمولی اور موٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جاہلی قوموں میں ایک دو نہیں کثرت سے ایسی ہیں جو حق تعالیٰ کی صفتِ علم میں بھی شبہہ کر چکی ہیں- یہاں تک کہ بعض جاہلی فلاسفہ یہ بھی کہہ گزرے ہیں کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہے جزئیات کا نہیں ہوتا- کلامِ مجید کی اس قسم کی آیتوں کی پوری قدر جبھی ہوتی ہے، جب دنیا کی جاہلی قوموں کے عقائدِ باطلہ پر نظر ہو ——— ! ۹۹۴ وَلِیُّ - ولی کا ترجمہ بھی کسی ایک لفظ سے مشکل ہی ہے- رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں اور اہلِ تفسیر سے یہ سب معنی منقول ہیں- محبّھم ومتولی امورھم (بیضاوی) نصیرھم وظھیرھم یتولاھم بعونه (ابن جریر) الولی المتکفل بالمصالح (کبیر) معینھم ومحبھم او متولی امورھم (رح) اہلِ ایمان کے بگڑے کام بنانے والا- آڑے وقت ان کے کام آنے والا اللہ ہی ہے نہ کہ ابن اللہ یا کوئی دیوی دیوتا ——— خفی رَدّ مسیحیوں اور مشرکوں کا یہاں بھی کیا گیا- بعض صُوفیہ نے آیت سے ولایتِ عامہ کے اثبات پر استدلال کیا ہے، ۹۹۵ (اور یہی مومنین کے حق میں سب سے بڑی اور کار آمد نصرت وپشت پناہی ہے) الظُّلُمٰت سے مراد کفر، انواعِ کفر اور متعلقات و ملحقاتِ کفر ہیں- مثلاً شک و ارتیاب شہوتِ ممنوع میں غلو وغیرہا- النُّوْر سے مراد ایمان و انوارِ ایمان ہیں- عقلِ سلیم و ذوق شوق وغیرہا- کفر و ظلمات کی قسمیں بے شمار ہیں اس لئے ظلمات کو صیغۂ جمع میں لائے- انواعِ کفر و اسبابِ کفر بہت زائد ہیں- دو نقطوں کے درمیان منحنی یا ٹیڑھے خط بیشمار ہو سکتے ہیں- سیدھا خط ایک ہی ہو سکتا ہے- راہِ راست ایک ہی ہے اس لئے النور قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے صیغۂ واحد ہی میں آیا ہے- ۹۹۶ (ترغیب، تحریص و تخویف کے ہر ممکن حربہ سے کام لے کر) طَاغُوْت پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے اس کا اطلاق واحد جمع دونوں پر ہوتا ہے- یہاں معنی میں جمع ہی مُراد ہے- اور جب فضا ہی ساری کی ساری ظلماتی ہو تو ظاہر ہے کہ شیطنت اور بدی کے محرکات کتنے بڑھ جاتے اور ایمان و تقویٰ کے محرکات کتنے گھٹ جاتے ہیں- شیطان بدی کے چہرہ پر طرح طرح کے خوشنما نقاب ڈال، اس کے نام طرح طرح کے خوبصورت رکھ اُسے سامنے لانے لگتا ہے- یہاں تک کہ جو اہلِ ایمان، اہلِ تقویٰ ہیں وہی نکّو بن کر رہ جاتے ہیں- اکبر الٰہ آبادی سے

مغوی کو بھی بدنہ کہیئے ترغیب ہے یہ   کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن   اِک شور مچا خلافِ تہذیب ہے یہ

۹۹۷ (کہ انہوں نے اپنی قوتِ فیصلہ سے کام نہ لیکر راہ کفر و ضلالت اختیار کی) ۹۹۸ (اے مخاطب) اَلَمْ تَرَ اِلَی- عربی ادب میں یہ اسلوبِ بیان حیرت و استعجاب کے موقع کیلئے ہے اور وہ بھی پہلوئے ذم لیے ہوئے- جب کبھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو اُسے شروع اس طریقہ پر کرتے ہیں جیسے اُردو میں "کیئے کہ تم نے فلاں کی حرکت دیکھی ہے؟" وکذلک تفعل العرب اذا ارادت التعجب من رجل فی بعض ما انکرت من فعله قالوا ما تریٰ الی هذا (ابن جریر) هی کلمة یوقف بها المخاطب علی تعجب هنا ولفظها لفظ الاستفهام (کبیر) ۹۹۹ (منکر و مخالف کی حیثیت سے) یہ بحث و مناظرہ کرنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا- یہ تصریحات تو قرآن مجید بلکہ اس آیت کے اندر موجود ہیں- مفسّرین نے اس موقع پر نمرود کا نام لیا ہے اور چونکہ اس خاص قصّہ کا ذکر اہلِ کتاب کی کتاب میں موجود نہیں اس لئے وہ اس روایت ہی کے ماننے میں تامّل کر رہے ہیں- حالانکہ قرآن مجید توریت کی اس طرح کی خدا جانے کتنی فروگزاشتوں کی تصحیح کرتا گیا ہے- اتنا تو بہرحال تاریخ توریت اور روایاتِ یہود میں تسلیم ہے کہ نمرود نامی بادشاہ کا وجود تھا- بادشاہ بہت بڑا تھا اور ساتھ ہی سخت ظالم اور مشرک اور آزر اس کا وزیر تھا- توریت میں ہے:- " اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبّار ہونے لگا- خداوند کے سامنے وہ صیّاد و جبّار تھا- اسی واسطے مثل ہوئی کہ خداوند کے سامنے نمرود سا صیّاد و جبّار (پیدائش ۱۰-۸،۹) اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبّار ہونے لگا (ا- تواریخ ۱-۱۰) اور حسبِ روایاتِ یہود، یہ نمرود اپنے قبیلہ والوں کی مختصر فوج سے آل یافث کو شکست دینے کے بعد زمین کا بادشاہ ہو گیا- اور آزر کو اس نے اپنا وزیر بنایا- اس کے بعد اپنی عظمت کے نشہ میں نمرود خدا سے بیگانہ ہو گیا- اور بہت سخت قسم کا مشرک ہو گیا" جیوش انسائیکلوپیڈیا- جلد ۹ ص ۳۰۹- بابل (کلدانیہ) ہی کی تاریخ میں ایک اور بادشاہ کا نام آتا ہے جو بابل کا سب سے پہلا انسانی خدا تھا بعض مؤرخین نے اسے نمرود کا مرادف قرار دیا ہے (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۶ ص ۳۳۶) انیسویں صدی عیسوی کے ثلثِ آخر میں فرنگی مادیت، عقل پرستی اور اس کی تقلید میں ہندوستانی "روشن خیالی" اور "نیچریت" کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصّوں ہی سے سرے سے انکار کر دیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مؤرخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک و بے اعتقادی بھی ضعیف ہوتی چلی گئی- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے سب سے آخری یعنی چودھویں ایڈیشن میں اعتراف ہے کہ نصف صدی پیشتر ان قصّوں کو جیسا بے اصل و نامعتبر سمجھ لیا گیا تھا وہ خیال اب مزید تحقیق سے قائم نہیں رہا- یہاں تک کہ نمرود کے ساتھ مناظرۂ ابراہیمی کا قصہ بھی (جلد ۱۳ ص ۱۲۵) رَبِّهٖ میں ضمیر ابراہیم کی طرف ہے لیکن بعض نے الذی حاجّ کی جانب بھی جائز رکھی ہے- اور اس صورت میں ترجمہ ہو گا اپنے رب کے باب میں- والضمیر یحتمل ان یعود الی ابرٰهیم ویحتمل ان یرجع الی الطاغی والاول اظهر (کبیر) بہرحال قابلِ لحاظ لفظ یہاں رب ہی ہے گفتگو رب کے بارہ میں تھی- الٰہ کے بارہ میں نہ تھی مسئلۂ ربوبیت میں تھی باب الوہیت میں نہ تھی- ۱۰۰۰ یعنی اُسے وسعتِ سلطنت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور برخود غلط بنا رکھا تھا- روایاتِ یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ وہ اپنی

خدا کو قانونِ مکافات (ہندی میں کرم) کے ضابطوں سے ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے معافی کی اور اسکے ہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ اسلام نے توسط و اعتدال کی شاہراہ اختیار کرکے بتایا کہ نجات کا مدار ہرگز
کسی کی شفاعت پر نہیں، البتہ خدا نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو دوسروں کی شفاعت کا (جو درحقیقت دعا ہی کی ایک صورت ہے) موقع دے گا اور ان کی دعائیں قبول کرے گا۔ اور مقبولین کے سب سے
بڑے رئیس و سردار ہمارے رسول کریم صلعم ہیں۔ **۹۸۳** یعنی حاضر و غائب محسوس و معقول مدرک و غیر مدرک سب کا علم اسے پورا پورا حاصل ہو۔ ما کان قبلھم وما کان بعدھم (کشاف) نام یہاں آگے اور پیچھے صرف دو ہی سمتوں
کا لیا گیا ہے لیکن مراد جمیع جہات ہیں اور یہ کنایہ عربی زبان میں عام ہے۔ ھذا کنایۃ عن احاطۃ علمہ تعالیٰ بسائر المخلوقات من جمیع الجہات۔ ایدیھم اور خلفھم میں ضمیر جمع غائب یا تو من ذا کے مدلول کی جانب
ہے جس میں انبیاء و ملائکہ سب آگئے اور یا فی السمٰوٰت والارض کی جانب ہے اور ضمیر مذکر اس لئے کہ مراد زمین و آسمان کے اہلِ عقل سے ہے۔ والضمیر لما فی السمٰوٰت والارض لان فیھم العقلاء او لما دل علیہ من ذا من الملائکۃ
والانبیاء (کشاف) صفاتِ باری میں حیات کا، قیومیت کا، مالکیت کا اثبات اوپر ہو چکا ہے۔ اب یہاں اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت علم بھی کامل ہے۔ سعی و سفارش کا ایک موقع دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ
بس حاکم یا مالک کے سامنے مقدمہ درپیش ہو اس کا علم محیط و کامل نہیں اسلئے ضرورت ہے کہ خارجی ذرائع سے اسکے معلومات میں اضافہ کیا جائے اور اسکے علم کو کامل کر دیا جائے۔ یہاں یہ بتلا کر کہ اللہ کا علم خود ہر خفی و جلی پر حاوی ہے۔ گویا یہ بتا دیا

مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ
کھل چکی ہے **۹۹۰** تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ
اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا **۹۹۱** جس کے لئے کوئی شکستگی
لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ
نہیں **۹۹۲** اور وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے **۹۹۳** اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان
اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ۗ وَالَّذِيْنَ
لائے **۹۹۴** اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے **۹۹۵** اور جن لوگوں نے
كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ
کفر اختیار کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی
النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
طرف لے جاتے ہیں **۹۹۶** یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ
پڑے رہیں گے **۹۹۷** کیا تو نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی **۹۹۸** جس نے ابراہیم
فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
سے اسکے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا **۹۹۹** اس سبب سے کہ اللہ نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی **۱۰۰۰** جبکہ
رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ
ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب **۱۰۰۱** تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے **۱۰۰۲** وہ بولا کہ زندگی اور موت تو

ع ۳۴ / ۲ وقف لازم

کہ اس کے علم پر کسی کے اضافہ کرنے اس کے آگے کسی کی خوبیاں بتلانے اسے کسی نامعلوم شے پر آگاہ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ اور اس طرح مسیحی عقیدۂ شفاعت پر ایک اور ضرب لگی ——
۹۸۴ کون نہیں گھیر سکتے؟ وہی مخلوقات جن میں پیر، پیمبر، فرشتہ سب شامل ہیں۔ مِنْ عِلْمِهٖٓ میں علم سے مراد معلوماتِ الٰہی سے ہے۔ اے من معلوماتہ (کشاف) العلم ھنا المعلوم (بحر) بڑے سے بڑے صاحبِ علم و معرفت کے بھی بس میں یہ نہیں کہ معلوماتِ الٰہی میں سے کسی ایک ہی چیز کی کُنہ و حقیقت سے پوری طرح واقف ہو جائے۔ محدود و لامحدود کے علم کا مقابلہ ہی کیا۔
۹۸۵ (اپنی حکمت و مصلحت کے موافق) یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے کہ بندہ بڑے سے بڑا بھی عالم و عارف ہو، بہرحال اس کا علم محدود ہوتا ہے اور عین مشیتِ الٰہی کے ماتحت و مطابق۔
۹۸۶ (تو وہ خود بڑی سے بڑی چیز میں کیسے سما سکتا ہے) اس کی کرسیٔ علم و قدرت تو خود سارے کائنات پر محیط ہے اس کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے تو آسمان پر، عرش پر، کرسی و سبع سمٰوٰت و سبع چیز کے بھی اندر کیسے سما سکتا ہے؟ وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے، اسے کون گھیر سکتا ہے۔ اس صفت کے اثبات سے ان مشرکوں کے بھی عقیدہ کی تردید ہو گئی جو خدائے تعالیٰ کے مجسم ہونے اور کسی مکان میں اس کے محدود و مقید ہونے کے قائل ہیں۔ کرسی سے مراد علم الٰہی لی گئی ہے۔ ابن عباسؓ صحابی سے یہی معنی منقول ہیں اور متعدد اہلِ تفسیر نے اس کی پیروی کی ہے۔ کرسیہ ای علمہ (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قیل مجاز عن العلم (روح) الکرسی ھو العلم (کبیر) اے علمہ ومنہ الکراسۃ لتضمنھا العلم (مدارک) اے وسع علمہ وسمی العلم کرسیا تسمیۃ بمکان الذی ہو کرسی العالم (کشاف) کرسی کے عام متعارف معنی وہی ہیں جو اردو ہی میں چلے ہوئے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے سلسلہ میں کہیں وہ معنی اتھوڑے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی کوئی جسم رکھتا ہے جو وہ اس عام معنی میں کرسی نشین ہوگا۔ ولا کرسی فی الحقیقۃ ولا قاعد (بیضاوی) کرسی کے اصلی معنی علم ہی کے ہیں اور کراسۃ جو علمی صحیفوں کے لئے آتا ہے وہ اسی اصل سے ماخوذ ہے اور اہلِ لغت نے کرسی کے جہاں ایک معنی سریر کے دیئے ہیں، وہاں دوسرے معنی علم کے کئے ہیں۔ الکرسی السریر والعلم (قاموس) اصل الکرسی العلم ومنہ قیل للصحیفۃ یکون فیھا علم مکتوب کراسۃ (ابن جریر) کرسی کے دوسرے معنی قدرت و حکومت کے بھی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی بہتیرے اہلِ لغت و اہلِ تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ الکرسی السریر (قاموس) وقیل کرسیہ ملکہ (راغب) المراد من الکرسی السلطان والقدرۃ والملک (کبیر) قیل کرسیہ ملکہ وسلطانہ والعرب تسمی الملک القدیم کرسیا (معالم) قال قوم کرسیہ قدرتہ التی یمسک السمٰوٰت والارض (کشاف) ای وسع ملکہ تسمیۃ بمکانہ الذی ھو کرسی الملک (کشاف)
غرض یہ کہ اس کی کرسی علم ہو یا کرسیٔ حکومت وہ جمیع کائنات کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ بڑی چھوٹی، لطیف کثیف، جلی خفی، ہر چیز اس پر عیاں و روشن ہے۔ **۹۸۷** (کہ اس سے تھک کر اسے کسی شریک یا مددگار کی ضرورت پڑے) مشرک قوموں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اتنے وسیع اور لق و دق سلسلۂ موجودات کی نگرانی تنہا خدا کہاں تک کر سکتا ہے۔ اس لئے نعوذ باللہ وہ کبھی غافل بھی ہو جاتا ہے اور یہ کاروبار سنبھالنے کے لئے اسے ضرورت شریکوں اور مددگاروں کی بھی پڑ گئی ہے۔ خود یہود اور مسیحیوں کا عقیدہ خدا کے سستانے اور آرام لینے کے باب میں بھی اسی تخیل کی طرف مشیر ہے۔ حِفْظُهُمَا میں تثنیہ کے صیغہ سے مراد ہے ایک طرف سلسلہ سمٰوٰت اور دوسری طرف زمین اور اسی لئے قرآن مجید نے ہر ایسے موقع پر صیغہ بجائے جمع کے تثنیہ کا استعمال کیا ہے۔ **۹۸۸** یعنی ایک طرف ہر نقص سے اور ہر عیب سے بالاتر۔ دوسری طرف تمام صفاتِ کمال کا جامع۔ علی اور عظیم دو دو صفتوں کا لانا معنی سے خالی اور بے کار نہیں۔ علو کا حاصل ہے تمام صفاتِ نقص کی نفی، سارے عوارضِ حدوث سے برتری۔ لایحد المتعالی عن الاشباہ والانداد والامثال والاضداد وعن امارات النقص ودلالات الحدوث (روح) العلی الرفیع فوق خلقہ المتعالی عن الاشباہ والانداد (بحر) اور عظمت کا حاصل ہے تمام صفاتِ کمال کا اثبات اور ایسی ذات کا ایجاب جس کے مرتبہ کی انتہا ہو اور نہ جس کی کنہ دریافت ہو سکے۔ اے ذو العظمۃ وکل شیء بالاضافۃ الیہ حقیر (روح) العظیم الذی لا منتہی لعظمتہ ولا یتصور کنہ ذاتہ (روح) العظیم ذو العظمۃ الذی کل شیء دونہ فلا شیء اعظم منہ (بحر) گویا ان دو صفات کے اندر عظمت و کمال کے سلبی و ایجابی پہلو سارے کے سارے آگئے۔ اور ہر اس ضلالت کی تردید ہو گئی جو شرک فی الصفات سے پیدا ہو سکتی ہے۔ **۹۸۹** دین کا تعلق اصلاً عقیدہ قلب سے ہے اور قلب پر جبر و اکراہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لئے گویا یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادہ و اختیار سے ہے جبر و اضطرار پر نہیں۔ اے لم یجر اللہ امر الایمان علی الاجبار والقسر ولکن علی التمکین والاختیار (کشاف) ولولا ذلک لما حصل الابتلاء ولبطل الامتحان والی ذلک ذھب القفال (روح) قال ابو مسلم والقفال معناہ انہ ما بنی تعالیٰ امر الایمان علی الاجبار والقسر وانما بناہ علی التمکین والاختیار (بحر) جو یہ کم فہموں نے اسلام میں جبر کی اصل سمجھا ہے حالانکہ اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ جزیہ کی مشروعیت عین اس کے برعکس خود اس کی دلیل ہے کہ مقصودِ اصلی قانونِ اسلام حکومتِ اسلام کو غالب رکھنا ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر کافر کو بجبر مسلم بنانا۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ اکراہ کی نفی سے مقصود اکراہ فی نفسہ کی نفی ہے۔ اسلئے کہ اگر مرتد پر یا کافر حربی پر بوجہ خفائے دلیل کے اکراہ کیا جائے جیسا شریعت میں حکم ہے تو نفی اکراہ فی نفسہ کے معارض نہیں اور یہ اکراہ بھی صورت دین پر ہوگا۔ نہ کہ حقیقتِ دین پر کیونکہ قلب پر اطلاع کا کوئی یقینی طریق نہیں اور اس نفی اکراہ سے نہی عن الاکراہ بھی لازم آگئی۔ اسلئے بعض نے نہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے یعنی دین میں اکراہ مت کرو۔ اے ھو من

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ
دن آجائے ٩٧٦ جس میں نہ تجارت کام آئے گی اور نہ دوستی اور نہ سفارش

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٥٤﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
اور کافر ہی تو ظالم ہیں ٩٧٧ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اس کے سوا

هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا
نہیں ٩٧٨ وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا ہے ٩٧٩ اُسے نہ اُونگھ آسکتی ہے نہ نیند ٩٨٠

نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ
اُسی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ٩٨١ کون ایسا ہے

ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا
جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے ٩٨٢ وہ جانتا ہے جو کچھ

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ
مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے اس سب کو ٩٨٣ اور وہ اسکے معلومات میں سے کسی چیز

مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
کو بھی گھیر نہیں سکتے ٩٨٤ سوا اس کے کہ جتنا وہ خود چاہے ٩٨٥ اس کی کرسی نے سما رکھا ہے ٩٨٦ آسمانوں اور

وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ
زمین کو اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں ٩٨٧ اور وہ عالیشان ہے

الْعَظِيْمُ ﴿٢٥٥﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ
عظیم الشان ہے ٩٨٨ دین میں کوئی زبردستی نہیں ٩٨٩ ہدایت تو گمراہی سے صاف صاف

٩٧٦ یعنی روزِ قیامت۔ مطلب یہ ہے کہ مصارفِ خیر میں صرف کرنے اور نیکیاں جمع کرنے کا موقع جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ وقت کی قدر کرو، فرصت عمر کو نعمت سمجھو۔ ٩٧٧ (اپنے حق میں) ظلم کے اصلی معنی وضع الشئ فی غیر محلہٖ (کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے) کے ہیں۔ اللہ یا اس کے قانون کو نہ ماننے سے بڑھ کر کون سا ظلم انسان کا اپنے حق میں ہوگا۔ لَا بَيْعٌ ۔ جاہلی اور نیم جاہلی قوموں کی گمراہیاں ایک سے بڑھ کر ایک عجیب رہی ہیں۔ مشرک قومیں تو سرے سے روزِ جزا ہی کی قائل نہیں۔ اہلِ کتاب نے اس کے وقوع کو مانا، تو اس میں بھی یہ نخیں لگا دیں کہ وہاں بھی دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا۔ کوئی کسی سے نیکیاں خرید لے گا۔ کوئی کسی کے ہاتھ اپنی بدیاں فروخت کر دیگا وقس علیٰ ھٰذا قرآن نے اس ساری لغوخیالی کا خاتمہ کر دیا۔ وَلَا خُلَّةٌ ۔ خلۃ گہری جگری دوستی کو کہتے ہیں مقصود ایسی دوستی کے نافع ہونے کا ابطال ہے جو ایمان کے بغیر کام دے سکے اور کفر کے مجرم کو نجات دلا سکے! اہل کتاب نے سمجھ رکھا تھا کہ یہاں کے نسبی رشتہ داریوں اور ذاتی خانگی دوستیوں سے وہاں کام چل جائیگا۔ جب گہری اور دلی دوستی کے نافع ہونے کی نفی ہو گئی۔ تو محض زبانی رسمی ظاہری تعلق کا لاحاصل ہونا تو اور زیادہ ظاہر ہے۔ وَلَا شَفَاعَةٌ ۔ پہلی دو گمراہیوں کا بھی تعلق مسیحیوں سے تھا اور یہ تیسری گمراہی تو مسیحیت کے خصوصیات میں سے ہے مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ ابن اللہ کی حیثیت شافع مطلق کی ہے۔ انسان کے قالب میں انہوں نے اسی لئے تو جنم لیا تھا کہ اپنی جان کا فدیہ سب گنہگاروں کی طرف سے دے کر اور سب کی طرف سے صلیب پر اپنے خون کا چڑھاوا چڑھا کر قیامت میں شافع مطلق کی حیثیت سے ظاہر و نمودار ہوں اور ان کی شفاعت سب کے حق میں نجات کا حکم قطعی رکھے گی۔

ہمارے ہاں کے عام واعظوں اور نعت گو شاعروں نے شفاعتِ مصطفوی پر حد سے زیادہ زور دینا شروع کیا ہے یہ صاف مسیحیت سے تاثر کا نتیجہ ہے اَلْكٰفِرُوْنَ ۔ یہاں وہی کافر مراد ہیں جو اسی قسم کے عقائد کفریہ میں مبتلا ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت سے بخل کی مذمت نکلتی ہے جو لوگ ضروری مصارفِ خیر میں خرچ نہیں کرتے، وہ اپنے کو اہل کفر اور اہل جہنم کے حکم میں لا رہے ہیں۔ ٩٧٨ (نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ اصلی نہ ظلی، نہ خدا نہ خدا زادہ) خدا کے نفسِ وجود کے قائل تو جاہلی مذاہب بھی ہوئے ہیں، البتہ وہ اس معبودِ اعظم (ہندوؤں کی اصطلاح میں ایشور) کے علاوہ تحتانی معبودوں اور دیوتاؤں کے بھی قائل رہے ہیں۔ یہ تعلیم اسلام ہی کی ہے کہ اس ایک خدا کے سوا کسی اور خدا کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ تو معبودِ اعظم ہے باقی چھوٹے چھوٹے معبود اور بھی موجود ہیں۔ عیسائی بھی چونکہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اس لئے ان کے مقابلہ میں بھی توحید کامل کے اثبات اور پھر غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی اس قدر ضرورت تھی۔ یہ آیت اٰیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو۔ احادیث میں اس کے فضائل بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ اس کی معنویت اور جامعیت ہے بھی اتنی نمایاں اور اس درجہ کی۔ اپنے تو خیر اپنے ہی ہیں، بیگانے جیسے سیل مترجم قرآن مجید اور میور اور وہیری جیسے معاندین نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔ ٩٧٩ اَلْحَيُّ ۔ وہ مستقلاً زندہ ہے وہ ازلی اور ابدی ہے صفتِ حیات اس کی جزوِ ذات ہے۔ موت یا عدمِ حیات اس پر نہ پہلے کبھی طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی طاری ہو سکتی ہیں۔ تو کیا کوئی قوم ایسی بھی ہوئی ہے جس نے اپنے معبود کی اس کھلی ہوئی اور موٹی صفت میں بھی شبہہ کیا ہو ——— ایک نہیں متعدد قوموں نے شک و اشتباہ کیا معنیٰ انکار تک اس صفت کا کیا ہے! بحرِ رُوم کے ساحل پر متعدد قومیں اس عقیدہ کی گزری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پا جاتا ہے، اور دُوسرے دن از سرِ نو وجود میں آجاتا ہے! چنانچہ ہر سال اس تاریخ کو خدا یا بعل کا پتلا بنا کر جلا یا جاتا تھا اور دوسری صبح اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ ہندوؤں کے ہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں ——— اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دُنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے! مسلمان کے گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے شروع ہی سے ایک ازلی ابدی باقی وغیر فانی خدا کے عقیدہ سے چونکہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ بڑے ہو کر انکے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا کبھی اور کسی حال میں کسی معنیٰ میں اور کسی لحاظ سے حادث و فنا پذیر بھی ہو سکتا ہے لیکن آخر آج بھی کروڑوں کی تعداد میں پڑھے لکھے لوگ خدا کی اسی فنا پذیری کو تسلیم کر رہے ہیں یا نہیں؟ اَلْقَيُّوْمُ مسیحیوں نے جس طرح حضرت حق کی صفت حیات کے باب میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اسی طرح صفتِ قیومیت سے متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت و آمیزش کے خدا نہیں اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کو شریک کئے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ گویا جس طرح نعوذ باللہ مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح خدا بھی اپنی خدائی کے اثبات کے لئے مسیح کا محتاج ہے ——— صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔ قیوم وہ ہے جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے بھی قیام کا سبب و باعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ القیوم القائم الحافظ لکل شئ والمعطی لہ مابہ قوامہ (راغب) بہ القائم بنفسہ مطلقا لابغیرہ وھو مع ذلک یقوم بہ کل موجود حتی لایتصور وجود شئ ولا دوام وجود الا بہ (تاج) ائمہ تفسیر نے بھی اسی معنیٰ میں لیا ہے۔ القیم لغیرہ فجمیع الموجودات مفتقرۃ الیہ وھو غنی عنھا ولا قوام لھا بدون امرہ (ابن کثیر) ٩٨٠ (جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ لیا ہے) جاہلی مذہبوں کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں۔ مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ اسلام کا خدا دائم، بیدار، ہمہ خبردار، غفلت، سُستی اور تھکن سب سے ماورا، خدا ہے۔ ٩٨١ لَهٗ کو مقدم کر دینے سے معنیٰ میں زور اور تاکید آگئی اور مفہوم حصر کا پیدا ہو گیا یعنی ساری کائنات کی ملکیت اور مالکیت صرف اسی کی ہے۔ کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ اور اس کی مِلک سے مخلوق کا کوئی گوشہ کوئی شعبہ خارج نہیں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو کائنات کا مالک مانا بھی ہے تو اندھے، لولے، لنگڑے ناقص قسم کا۔ اسلام نے آکر اس پر زور دیا کہ صحیح رشتہ و تعلق خالق کا مخلوق کے ساتھ ملکیت کامل ہی کا ہے۔ لہ میں ل متفقہ طور پر ملک کے معنیٰ میں ہے۔ واللام للملک (بحر۔ نہر) ٩٨٢ مَنْ ذَا الَّذِيْ کون ایسا ہے؟ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی ایسا نہیں۔ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ ۔ شفاعت پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا۔ مسیح کی شفاعتِ کبریٰ مسیحیوں کا ایک عقیدۂ خصوصی ہے۔ مسیح کے لئے ان کے ہاں بالاستقلال شفاعت ہی ثابت نہیں، بلکہ تخلیق کائنات بھی خدا نے (نعوذ باللہ) اپنے اسی فرزند کے واسطہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید مسیحیوں سے مخاطبہ کے وقت اُن کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ و شفاعت وغیرہ پر برابر ضرب لگاتا جاتا ہے۔ بِاِذْنِهٖ یہ تصریح بھی بہت ضروری تھی۔ مسیحیوں نے جہاں نجات کا دار و مدار شفاعت پر رکھا ہے وہاں کے برعکس بعض مشرک قوموں نے

۹۶۴ (مراتبِ قرب و منزلت میں) فضل کے لفظی معنی بزرگی کے ہیں۔ یعنی ایسی صفت جس سے انسان دنیا میں مدح و ثنا کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر سے سرفراز۔ فضلنا میں ضمیر متکلم کا لحاظ رہے۔ یہ تفضیل یا باہمی فضیلت و افضلیت جو کچھ ہے محض عند اللہ ہے۔ خالق کے ہاں درجات و مراتب قرب کے لحاظ سے ہے خلق کے لئے بحیثیتِ مطاع سب یکساں ہیں۔ عام خلقت کے لئے رسول سب برابر ہیں۔ اطاعت و تعظیم سب کی یکساں واجب ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دوسری آیت اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں آرہی ہے۔ لانفرق بین احدٍ من رسلہ۔ لیس مقام التفضیل الیکم انما ھو الی اللہ عزوجل و علیکم الانقیاد والتسلیم لہ والایمان بہ (ابن کثیر) تِلْكَ الرُّسُلُ ۔ مُراد وہی مُرسلین ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے۔ الرسل کے اعراب رفعی کی بنا پر ترکیبِ کلام یُوں سمجھی گئی ہے۔ تلک الجماعۃ الرسل (کبیر) اہلِ لطائف نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء کے نائبین یعنی اولیاء کاملین کے بھی فرقِ مدارج کے باب میں عوام کو بحث و گفتگو جائز نہیں، ان کا تقابل و تفاضل عوام کے منصب سے باہر ہے۔ ہاں بجائے خود ان کے مقامات و احوال، واقعات و فضائل ذکر کرنے کا مضائقہ نہیں جیسا کہ یہاں بھی آگے ہو رہا ہے۔ ۹۶۵ (براہِ راست اور بلا توسطِ ملائکہ) جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا۔ ورنہ ایک معنیٰ میں تو جس نبی پر بھی وحی آئی، اللہ کا مکالمہ اس سے ہو ہی گیا۔ اتفقوا علی ان موسیٰ علیہ السلام مراد بقولہ تعالیٰ (کبیر) وھو موسیٰ علیہ السلام (مدارک) ۹۶۶ (بہت زائد) اشارہ ہے جامع کمالات و خاتم نبوت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ المراد ببعضھم ھنا النبی صلعم (روح) وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو قول مجاھد (بحر) والظاھر انہ اراد محمدًا صلعم (کشاف) زمخشری نے یہاں یہ نکتۂ ادب و بلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت و تعیین میں کوئی دقت ہی نہ ہو وہاں کنایہ و ابہام صراحت و تفصیل سے بڑھ کر بلیغ و مؤثر ہوتا ہے۔ ۹۶۷ کہ وہ بھی اُنہی پیغمبرانِ برحق میں سے تھے۔ ابن مریم یعنی مریم نامی ایک خاتون کے فرزند نہ کہ خدا زادہ یا ابن اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بایں شرف و سروری بہرحال ایک انسانی شکل و صورت اور بشری گوشت پوست رکھنے والی عورت ہی کی اولاد تھے نہ خدا تھے نہ خدا زادے، الوہیت کا کوئی سا بھی جزو اُن میں نہ تھا انہیں خدا کا بیٹا ٹھہرا لینا نری جہالت تھی۔ اور اس کی وضاحت کے لئے ضرورت تھی انہیں صراحت کے ساتھ ابنِ مریمؑ کہنے کی کہ محض اس نشان و ہی اور پتہ ہی سے نصرانیت پر ضرب لگ جائے۔ ورنہ نام تو اور بھی پیمبروں کے لئے گئے ہیں کہیں ابن فلاں کر کے تعارف نہیں کرایا گیا ہے! نہ ابنِ داوٗد نہ ابن ابراہیمؑ۔ نہ ابنِ اسحٰقؑ نہ ابنِ یعقوبؑ نہ ابنِ زکریا نہ ابنِ عمرانؑ۔ اس طرح کا تعارف صرف ابنِ مریمؑ ہی کے لئے مخصوص ہے کہ انہیں کے لئے ابن اللٰہیت کی تردید کی ضرورت تھی۔ ۹۶۸ (ان کی حقانیت اور پیمبری کے) یہاں یہ فرمایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام رسولِ برحق اور مؤید من اللہ تھے۔ نہ کہ نعوذ باللہ کوئی مفتری یا کذاب جس طرح نصاریٰ نے غلو و افراط سے کام لے کر آپ کو حدِ عبدیت و عبودیت میں سے باہر نکال رکھا تھا۔ اسی طرح یہود نے تفریط و عناد کو کام میں لاکر آپ کو سرے سے ایک بازیگر اور شعبدہ باز قرار دے لیا تھا۔ قرآن مجید ابھی ابھی نصرانی شرک کی تردید کر چکا ہے اب یہودی دجل کی تردید کر رہا ہے۔ الْبَيِّنَاتِ ۔ بینات کے تحت میں وہ تمام کھلی ہوئی چیزیں شامل ہیں جنہیں دیکھ کر ہر عقلِ سلیم والا منصف مزاج نبوتِ عیسوی کا قائل ہو جائے۔ کلھا یدال علی نبوتہ (روح) ۹۶۹ کہ وہ قدم قدم پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔ رُوحِ الْقُدُسِ ۔ قرآن مجید اور اسلام کی اصطلاح میں اس سے مُراد فرشتۂ اعظم حضرت جبریلؑ ہیں۔ نصرانی تثلیث کے اقنومِ ثانی سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ جبریلؑ ملکوتی مخلوق ہیں اور بہت مقرب لیکن بہرحال مخلوق ہی ہیں۔ الوہیت کا کوئی شائبہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اَيَّدْنَاهُ ۔ ان کی تائید ہم نے کی جو ہر طرح قادرِ مطلق ہیں۔ یہ تائید خود بخود نہیں ہوگئی۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑگئی کہ عیسیٰ مسیحؑ بایں کمالات و فضائل بہرحال انسان ہی تھے اور وہ انسانوں کی طرح دفعِ ضرر اور حصولِ نفع دونوں کے محتاج۔ قدرتِ کاملہ نے ان کی محافظت و تقویت و رفاقت کے لئے ایک دوسری مخلوق، لطیف و غیر مرئی جنس کی مقرر کردی۔ ۹۷۰ الْبَيِّنَاتِ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ بینات کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے۔ عقلی و حسّی دونوں قسم کے روشن شواہد یعنی ایک طرف دلائل و براہین اور دوسری طرف خوارق و معجزات سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ ۔ یعنی اگر مصالحِ تکوینی کے اعتبار سے مشیتِ الٰہی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

ع ۱۶ ح ۱۶

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ۹۶۴

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے ۹۶۵ اُن میں سے بعض کے درجے اُس نے بلند کئے ہیں ۹۶۶

وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ

اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریمؑ ۹۶۷ کو شواہد عطا کئے ۹۶۸ اور ہم نے اُن کی تائید

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

رُوح القدس کے ذریعہ سے کی ۹۶۹ اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو اُن کے بعد کے لوگ آپس

مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

میں خونریزی نہ کرتے بعد اس کے کہ اُن کے پاس شواہد آچکے تھے ۹۷۰

وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ

لیکن (لوگ) آپس میں جھگڑے ۹۷۱ کوئی تو اُن میں سے ایمان لے آیا اور کوئی ان میں سے

مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ قف

کفر ہی کرتا رہا ۹۷۲ اور اگر اللہ کی مشیت ہی ہوتی تو وہ آپس میں خونریزی نہ کرتے ۹۷۳

۳۴ ع ۵ ۱

وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۟ ۲۵۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو ارادہ کرلیتا ہے ۹۷۴ اے ایمان والو جو

اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو ۹۷۵ قبل اس کے کہ وہ

غیر پیمبروں کی طرف یعنی ان پیمبروں کے ظہور کے بعد مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۔ یہ باہم خونریزی کرنے والے کون لوگ تھے؛ یقیناً پیمبروں کے منکرین اور انکار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ظاہری اور صوری تو اقرار ہو اور حقیقی و معنوی انکار ہی ہو جیسے یہود و نصاریٰ اہلِ کتاب کا ظاہر میں اقرار اور معنوی انکار۔ دُوسرے یہ کہ انکار صورۃً و معنیً دونوں طرح پر ہو، جیسے مشرکین کا انکار توحید و رسالت میں۔ ۹۷۱ گویا بینات کا تقاضائے طبعی تو یہی تھا کہ ایمان سب کے سب لے آتے لیکن ایک گروہ نے کج روی اور کج رائی سے کام لیا، اور یہ لوگ منکر ہی رہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ چونکہ مشیتِ الٰہی سب کو اضطراراً ایک ہی دین پر جمع کرنے کی نہ ہوئی۔ اور حکمتِ کاملہ نے اس عالم کو عالمِ ابتلاء ہی رکھنا چاہا۔ اس لئے خلقت کا باہم مختلف ہونا بھی ناگزیر رہا۔ ۹۷۲ (تو جب یہ اختلافِ دینی شروع سے اور انبیاء سابقین کے وقت سے چلا آرہا ہے تو آپ اے پیمبر اپنے زمانہ کے کافروں پر بہت زیادہ رنج و غم نہ کریں۔ اور اپنے کو اس فکر و مشقت میں نہ ڈالیں کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں) منھم من اٰمن ۔ سو جو لوگ ایمان لے آئے وہ تو نجات پا گئے۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۔ جو لوگ کفر پر قائم رہے وہ سزائے ابدی کے مستحق قرار پائے۔ من اٰمن اور من کفر دونوں کے صیغوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان اور کفر بندہ کی اپنی اختیاری چیزیں ہیں، خالق کی طرف سے جبر کسی صورت میں نہیں۔ ۹۷۳ یعنی اگر سب کی خلقت ہی یکساں رکھ دی گئی ہوتی، اور کفر و گمراہی کی آزادی ہی سلب کرلی گئی ہوتی جب البتہ نہ اختلاف ہوتا اور نہ نوبت قتل و قتال کی پہنچتی ۹۷۴ اللّٰهُ يَفْعَلُ ۔ اللہ وہی کرتا ہے بہ مقتضائے قدرتِ کاملہ مَا يُرِيْدُ ۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے بہ مقتضائے حکمتِ بالغہ۔ یعنی نہ اس کی قدرت و قوتِ فاعلہ پر کوئی قیدیں اور حد بندیاں عائد ہیں اور نہ اس کی تجویزوں، ارادوں میں کسی غلطی یا سہو و خطا کا امکان ہے۔ ارسطو جیسے فلسفی نے خدا کی قدرت و قوت کو محدود مانا ہے۔ اور سہو و خطا کا امکان تو مشرکوں نے اپنے خداؤں میں کثرت سے تسلیم کیا ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ چھوٹی بڑی اچھی بُری کوئی سی شے بھی ہو، بہرحال مشیتِ الٰہی سے باہر نہیں۔ وفی الاٰیۃ دلیل علی ان الحوادث تابعۃ لمشیۃ اللہ تعالیٰ خیرًا کانت او شرًا ایمانًا او کفرًا (روح) ۹۷۵ (اللہ کی راہ میں مصارفِ خیر میں) رَزَقْنٰكُمْ ۔ ضمیر متکلم لاکر اور رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے صاف بتا دیا کہ مال دولت جو کچھ بھی بندوں کے پاس ہے خود بخود نہیں خُدا ہی کا بخشا ہوا عطیہ ہے اسی کی دین ہے اور اسی کو حق حاصل ہے کہ جن کاموں میں چاہے ان کے صرف کرنے کا حکم دے دے۔

(۴)

کھانا کھانے میں آپ کو لطف کس وقت آتا ہے؟ اُس وقت جب کہ بھوک کھُل کر لگی ہو، یعنی کچھ دیر پیشتر سے کھانا نہ کھایا ہو۔ پانی کے گلاس میں مزہ کس وقت ملتا ہے؟ اُس وقت جب کہ پیاس لگی ہوئی ہو، اور پانی پینے کی طلب بے قرار کر رہی ہو۔ نیند سُکھ سے کس وقت آتی ہے؟ اُس وقت جبکہ کچھ گھنٹے قبل سے آپ برابر جاگ رہے ہوں۔ ان ساری مثالوں میں آپ کو روزمرہ، ہر وقت اور ہر جگہ تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ مادی لذتوں سے بھی پُوری طرح لُطف اٹھانے کے لئے کسی قدر ضبط، صبر و احتیاط لازمی ہے۔ یہی آپ کا مشاہدہ ہے، یہی آپ کا تجربہ ہے، اور اسی پر آپ کا عمل ہے۔ یہ آپ کبھی نہیں کرتے، کہ مسلسل چوبیسوں گھنٹے منہ میں نوالے چباتے رہیں، یہ کوئی بھی نہیں کرتا کہ ہر منٹ لگاتار پانی کے گھونٹ اُتارتا رہے۔ یہ کسی کو بھی نہیں دیکھا، کہ دن اور رات، صبح اور شام، ہر وقت برابر پڑا سوتا ہی رہے۔

"روشن خیالی" جب ایک قدم آگے بڑھاتی ہے، تو تعطیل اور چھُٹی کو بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بنا دیتی ہے۔ اسکولوں کے کمرے، کالجوں کے ہال، عدالتِ عالیہ کے ایوان، ہفتوں سے بند چلے آرہے ہیں، اس لئے کہ موسم گرما کی تعطیل کلاں کا زمانہ ہے! کچہریاں اور دفتر بند ہیں، اِس لئے کہ آج بڑا دن ہے۔ ڈاک خانہ اور تار گھر، بینک اور خزانے بند ہیں، اس لئے کہ آج اتوار ہے! یہ سب اس لئے ہے کہ دماغ کو آرام ملتا ہے، اور تازہ دم ہونے کے بعد کام بہتر طور پر انجام پاتا رہے، آپ اپنے اس نظام اور اس انتظام پر شرماتے نہیں، فخر کرتے ہیں۔ اور آپ کی عقلیت و روشن خیالی کا یہ ایک مسلّمہ ہے، کہ کام میں زیادہ مستعدی اور بہتر کارگزاری Efficiency کے لئے جسم اور اعضائے جسم کو آرام دیتے رہنا لازمی ہے! یہ نہیں کہتے کہ اس سے کام میں خواہ مخواہ ہرج اور نقصان ہوتا ہے۔

لیکن جب مذہب آپ سے کہتا ہے، کہ سال کے ایک خاص زمانہ میں چند گھنٹوں کے ایک محدود وقت کے لئے معدہ کو آرام دیتے رہو، بھوک اور پیاس کو ضبط کرتے رہو، تو معًا آپ کی عقلیت و روشن خیالی بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ آپ اپنے روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ، نظریات و عملیات، سب کو پس پشت ڈال دیتے ہیں رمضان کی آمد کو اپنے لئے ایک قہر و مصیبت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اگر زبان سے نہیں تو کم از کم دل میں تو یہ ضرور کہنے لگ جاتے ہیں کہ روزہ کی یہ قیدیں کیسی سخت ہیں۔ اور آپ کے کمزور قویٰ ہرگز اتنی بڑی محنت کو نہیں برداشت کر سکتے! بیشک اگر آپ ہزاروں روپیہ کمانے اور اُڑانے والے بیرسٹر ہیں، اگر آپ اپنی "سرکار ابد قرار" کے بنائے ہوئے جج یا کلکٹر ہیں، اگر آپ صوبہ یا ملک کی کونسل کے ممبر ہیں، اگر آپ لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب کی پارٹیوں میں شریک ہونے والوں میں ہیں، اگر آپ کے پاس سواری کے لئے موٹریں، اور رہنے کے لئے اونچی اونچی کوٹھیاں موجود ہیں، تو آپ کی محرومی اور حرماں نصیبی نے، اجرِ روحانی و راحتِ سرمدی کی طرح، روزمرہ کی مادی لذتوں اور جسمانی فائدوں کا بھی دروازہ آپ پر بند کر رکھا ہے، اور آپ کی اس بےسایگی پر جن و بشر، حور و ملائک جتنا بھی ترس کھائیں کم ہے لیکن اگر آپ اپنی خوش بختی سے کوئی غریب کاشتکار ہیں، کوئی مفلس مزدور ہیں، کوئی کم حیثیت خدمتگار ہیں، بھاری بھاری بوجھ کی گٹھریاں اور گٹھے اپنے سر پر لادنے والے ہیں، دھوپ میں جل جل کر اور بھُن بھُن کر کام کرنے والے ہیں، تو انشاءاللہ آج آپ اپنے خالق و مالک کے حکم کی تعمیل میں رمضان مبارک کے بارانِ رحمت سے سیراب ہو رہے ہونگے، یقین کیجئے کہ آج آپکے مرتبہ پر، زمین پر بسنے والے نہیں، آسمان پر اُڑنے والے، فضائے قدس میں سانس لینے والے، حریمِ عرش کے پایہ تھامنے والے رشک کر رہے ہیں! ممکن ہے کہ آج یہ شاعری معلوم ہو رہی ہو لیکن کل انشاءاللہ حقیقت ہو کر رہے گی، اور اُن بےخبروں کو بھی خبردار کر کے رہے گی، جو آج روزہ داری کے طبّی فوائد اور مادی لذتوں سے بھی محرومی میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔

(منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار، ۲۔ مارچ ۱۹۲۸ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۵)

نیند پُورے سُکھ کے ساتھ کس کو آتی ہے؟ اُس کاہل کو جو رات دن بستر پر پڑا رہتا ہے، یا اُس محنتی کو جو دن بھر کی دَوڑ دھوپ کے بعد تھک کر اپنے دماغ و جسم کو چند گھنٹوں کے لئے آرام دینے کو لیٹتا ہے؟ کھانے میں اصلی مزہ کس کو ملتا ہے؟ اُس امیر کو جو سارے دن اپنے ذائقہ کی خاطر داریوں میں لگا رہتا ہے، اور طرح طرح کی بدپرہیزیاں کرتا رہتا ہے یا اُس غریب کو جو محنت و مشقت کے بعد دن میں ایک یا دو بار سادہ اور معمولی کھانا کھاتا ہے؟ سو کر اُٹھنے کے بعد فرحت اور چاقی کس کو حاصل ہوتی ہے؟ اُس کو جو ساری رات پریشان اور ہولناک خواب دیکھتا رہتا ہے، یا وہ جو شروع سے آخر تک میٹھی نیند لیتا رہتا ہے؟ پس اگر کسی کو نیند پُورے سکھ کے ساتھ نہیں آتی، کھانے میں پُورا مزہ نہیں ملتا، یا سو کر اُٹھنے کے بعد طبیعت سے کسل پُوری طرح دُور نہیں ہوتا، تو اُس کی ذمہ داری اور تنہا ذمہ داری، اُسی کی بے احتیاطیوں، بدپرہیزیوں، اور بے اعتدالیوں پر آتی ہے۔

روزہ، جسم و رُوح دونوں کے ایک خاص ضبط و انضباط، تزکیہ و تنقیہ، پرہیز و احتیاط کا نام ہے، اس کے تمام ہونے پر انتہائی لُطف و راحت، لذّت و فرحت محسوس ہونی چاہیے۔ اگر آپ اس میں کمی محسوس کرتے ہیں تو یقینًا یہ آپ ہی کا قصور ہے اور یہ لازمی ہے کہ روزہ کی کچھ شرطیں آپ توڑ چکے ہیں، اور اس کے جو آداب نگاہ رکھنے کے تھے وہ آپنے نہیں رکھے جسم و دماغ کو اگر آپ دن بھر صحیح طور پر کام میں لگائے ہوئے ہیں، تو شب کو نیند کی حالت میں بھی سُکھ ملے گا اور نیند پُوری کرنے کے بعد بھی فرحت حاصل ہوگی، ٹھیک اسی طرح اگر جسم و رُوح کو آپ ٹھیک طور پر دن بھر مشغول رکھے ہوئے ہیں، اگر آپ وہی کرتے رہے ہیں جو ایک روزہ دار کو کرنا چاہئے تو آپ کا دن اور آپ کی رات، آپ کی صبح اور آپ کی دوپہر، آپ کا سہ پہر اور آپ کی شام، غرض آپکے وقت کی ہر گھڑی، آپ کے دل کی کلی کو کھلی رکھے گی۔ افسردگی اور اُداسی آپکے لئے بے مفہوم ہوگی اور سرور و نشاط کی ہوائیں آپکی رُوح کو تر و تازہ رکھینگی۔
روزہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے پیدا کرنے والے آپ کے سامانِ زندگی کے مہیا کرنے والے اور آپ کی موت و زندگی، بیماری و تندرستی ہر چیز پر قدرت رکھنے والے کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ سارے دن آپ اپنے تئیں اپنی آنکھ اور کان، اپنے منہ اور زبان، اپنے دل اور اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور پیر، اپنے جسم اور جان، غرض اپنے سارے وجود کو ہر ٹیڑھی راہ سے روکے رہیں گے، ہر کجی اور کج رَوی سے باز رکھیں گے اور صرف اُسی کے لئے وقف رکھینگے جو اُس کا اصل کام اُس کی سیدھی راہ اُس کا فطری حق اور اُس کی سچی غایت ہے: زبان اگر کھُلے گی تو صرف کلمۂ حق پر، کان اگر سنیں گے تو صرف سچی آواز، آنکھ اگر دیکھے گی تو صرف امرِ حق کو، دل اگر سوچے گا تو صرف سچائیوں کو، ہاتھ اور پیر اگر حرکت کریں گے تو صرف سچائی کی راہ میں۔ مادی زندگی کے سب سے بڑے اور طاقتور مظہر سُورج کے ڈوب جانے پر جب آپ اُس ذات کے شکر کے ساتھ جس نے آپ کو یہ توفیق دی، اپنا جائزہ لیں اور اپنی اس نذر کی ہر شرط کو پوری طرح ادا کیا ہوا پائیں تو ـــــ دنیا کے کس لفظ اور کس عبارت میں اس کیفیت کو ادا کرنے کی قدرت ہے! رضائے الٰہی آپ میں اور آپ رضائے الٰہی میں جذب ہونگے! راحت و لذت، لُطف و مسرت، سرور و نشاط، شادی و انبساط، یہ سارے الفاظ اس بڑی فرحت (افطار) کی کیفیت کو ادا کرنے کے لئے ناکافی ہیں جو اُس سب سے بڑی فرحت (دیدارِ الٰہی) کا پیش خیمہ ہے، جس سے مُوسیٰ کلیم اللہؑ جیسے برگزیدہ پیمبر، باوجود شوق و تمنا، اس دنیا میں محروم رہے!

(سچ لکھنؤ۔ ۱۴ مارچ ۱۹۲۷ء)

ضمیمہ

روزہ

(متعلق حاشیہ ۱۴۳۲ سورۃ البقرۃ)

آپ کو معلوم ہے کہ اطبائے یونانی کتنے متعدد امراض میں فاقہ کو مفید بتاتے ہیں؟ آپ کو خبر ہے کہ ڈاکٹروں کے اصول سے اب فاقہ کتنے امراض کا علاج ثابت ہو چکا ہے؟ آپ واقف ہیں کہ ہر طریقۂ علاج کے ماہرینِ فن نے کتنی شدید اور مہلک بیماریوں کا علاج اپنے تجربہ میں فاقہ ہی کو پایا ہے؟ خود آپ کا ذاتی تجربہ کیا ہے؟ آپ کو جب کبھی بیماری میں طبیب یا ڈاکٹر فاقہ کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ کیسی خاموشی کے ساتھ بے چون و چرا اور بغیر بحث و مناظرہ اُس کے حکم کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور اُس کی ہدایتوں کے مطابق کھانے اور پینے کی لذتوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں! لیکن جب اس سے کم تکلیف اور اس سے ہزاروں گنی زاید راحتوں اور نعمتوں کے وعدہ کے ساتھ اس قسم کی احتیاط خورونوش کا حکم، آپ کو سب سے بڑے حکیم کے مطب سے ملتا ہے، تو یہ کیا ہے کہ آپ اس خوش دلی کے ساتھ اُس کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہو جاتے بلکہ طرح طرح کی تاویلوں سے جن سے اکثر خود آپ کا دل بھی مطمئن نہیں ہوتا اُسے ٹال جانا چاہتے ہیں!

آپ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے فضل سے روزہ دار ہیں اور ماہ رمضان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی میں کوئی نمایاں فرق نہیں محسوس ہوتا۔ غصّہ اب بھی آپ کو برابر آتا رہتا ہے بلکہ شاید کچھ اور بڑھ ہی گیا ہے۔ دوسروں کے عیب چینی میں اب میں آپ کو ویسا ہی مزہ آرہا ہے نفسانی خواہشوں اور لڑنے جھگڑنے کے منصوبوں میں اب بھی کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ دن میں بے شبہہ آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں لیکن وقت کا بڑا حصہ بجائے عبادتوں کے، سونے اور بیکاری میں گزارتے ہیں، یا پھر سحری، طعام شب اور افطار پارٹیوں کے اہتمام و انتظام میں! وہ وہ لذیذ اور ثقیل غذائیں جن سے آپ کا ذائقہ، سال میں گیارہ مہینے بالکل نامانوس رہتا ہے، آپ صرف اسی ماہ صبر و تقوٰی کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں، اور وقت اور روپے کا اچھا خاصا حصّہ اسی ماہِ مبارک کی دعوتوں اور ضیافتوں میں صرف فرماتے رہتے ہیں! کیا اسی روزہ داری پر آپ خوش ہیں؟ کیا اسی کا نام آپکے خیال میں ماہِ مبارک کا احترام ہے؟

ایک شخص قند اور دُودھ کا نفیس شربت تیار کرتا ہے، مگر اُس میں کچھ مکھیاں بھی پیس کر ملا دیتا ہے، آپ ایسے شخص کی صحت دماغی کی بابت کیا رائے قائم کریں گے؟ ایک شخص لذیذ سے لذیذ اور بہتر سے بہتر کھانا خوان میں لگا کر لاتا ہے لیکن اُس میں ایک جزو غلاظت کا بھی ملا دیتا ہے، آپ اس بدنصیب کی عقل و فہم پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ یقین فرمائیے کہ اس سے کہیں زائد موجبِ تاسف و مستحقِ ماتم اُس بےعقل و بدنصیب کی حالت ہے جو روزہ رکھ کر بھی غصّہ کر کر کے عیب چینی میں مصروف رہ رہ کے، نفسانی خواہشوں کے منصوبوں میں مبتلا رہ کے، روزہ کی نعمتوں اور راحتوں، لذتوں اور فرحتوں کو اپنے ہاتھوں غارت کرتا رہتا ہے! اور جو حرماں نصیب سرے سے روزہ ہی کو ترک کئے ہوئے ہیں، اُن بیچاروں کو تو بس اللہ ہی سیدھی سمجھ اور نیک ہدایت کی توفیق نصیب کرے!

(سچ۔ لکھنؤ ۱۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں، بلکہ مقصود صرف تمہاری ہی فلاح و بہبود ہے۔ تمہارے ہی کمالات کی نشوونما، اور تمہاری ہی ترقی ہے۔ تم ہی میں ضبطِ نفس پیدا کرنا ہے۔ تم ہی کو خواہشاتِ نفسانی پر حاکم بننے کی تعلیم دینا ہے تمہاری پاکیزگی کی چھپی ہوئی قوت کو ابھارنا، اور تمہیں حیوانیت کے غار سے نکال کے ملکوتیت کے آسمان پر پہنچانا ہے۔ تمہاری بوالہوسی جو تمہاری خودداری پر غالب آجاتی ہے، اسی کو توڑنا منظور ہے۔ تمہاری ہی راہِ عروج میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرنی مدِنظر ہے، اور تمہارے ہی چھپے ہوئے اندرونی دشمنوں، یعنی بدی کی طاقتوں کو ہلاک و نابود کرنا مقصود ہے۔ لعلکم تتقون - اور پھر یہ آزمائش بھی دائمی نہیں، تمہاری ساری عمر کے لئے نہیں کسی بڑی طویل مدت کے لئے نہیں بلکہ صرف گنتی کے چند روز یعنی گیارہ مہینہ کے بعد، رمضان کا ایک مہینہ[۲] ایاماً معدودات

پھر ان عاشقین صادقین اور مومنین مخلصین میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو باوجود اپنے صدق و خلوص کے، اپنی جسمانی کمزوری یا پردیس میں ہونے کی بنا پر، آسانی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل نہ کرسکیں گے، اُن کے لئے یہ آزمائش زیادہ سخت ہوگی۔ ایسے معذوروں کے لئے اس کی اجازت ہے کہ انہیں جب اطمینان و فراغت نصیب ہو، تو اس ماہِ مبارک کے چھوٹے ہوئے روزوں کو پورا کرلیں "بکیل بیمار" اگر اپنے جذبۂ دل میں صادق ہے، تو اُس کے لئے سال کا ہر موسم موسمِ گل کا حکم رکھتا ہے۔ فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر۔ بعض بیچارے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو بسبب اپنی جسمانی کمزوری یا کسی اور مجبوری کے، ماہِ مبارک کے بعد بھی، روزہ رکھنے میں سخت مشقت محسوس کرتے ہیں[۳]۔ ایسوں کے لئے یہ رعایت ہے کہ وہ اپنی معذوری کے کفارہ کے طور پر کسی صاحبِ احتیاج کو پوری طرح کھانا کھلادیا کریں۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین اس رخصت و اجازت کے باوجود بھی اگر کوئی شخص محنت و مشقت گوارا کرکے اس بڑی نیکی یعنی روزہ کو اختیار کرتا ہے، یا ایک مسکین سے زائد کو کھلاتا پلاتا ہے، تو اُس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا۔ ایسی نیکی جو فرض نہ رہی ہو، اگر اختیار کی جائے تو اس کے افضل و برتر ہونے میں کیا شبہ۔ فمن تطوع خیراً فھو خیر لہ۔ یہ ایک عام اصول بتایا گیا۔ باقی اگر روزہ کی حقیقت پر نظر ہوجائے، روزہ سے جو باطنی ترقیاں مقصود ہیں، اگر ان کا علم ہوجائے تو کون ایسا ہے جو روزہ کی جانب بشوق و رغبت نہ دوڑے۔

یہ ماہِ مبارک صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں، کہ اس میں انسان، صبر و ضبط کی خدائی طاقتوں سے نوازا جاتا ہے، بلکہ اس خیر و برکت والے مہینہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے، کہ اسی ماہ میں اوّل اوّل، دنیا کے لئے بہترین، کامل ترین، و جامع ترین ہدایت نامہ اُتارا گیا۔ اسی چاند میں انسانیت کے ظلمت کدہ کو نورانیت کے بدرِ کامل سے پُرانوار بنایا گیا، اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار[۴] نغمۂ ازل کی سُریلی آواز، بیہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت، عالمِ تصوّر میں بھی موجود نہیں۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدًی للناس وبینٰتٍ من الھدٰی والفرقان قیس عامری کے پاس اگر لیلیٰ کا کوئی مکتوب یا پیام آجاتا تو کس طرح وہ اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہوجاتا، اور اس مبارک گھڑی کو کس قدر عزیز رکھتا! حُسنِ ازل کے شیدائی بھی، نامۂ یار کے ورود کے زمانہ کو کیونکر بھول سکتے ہیں۔ جب جب یہ زمانہ آئے گا، اس کی یاد میں بیتاب ہوجائیں گے، اور اس پاک گھڑی کی پاک سالگرہ منانے میں اپنی بھوک پیاس تک کو بھول جائیں گے۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔

موسمِ بہار کی فرحتیں، طراوتیں اور نشاط انگیزیاں، بڑے سے بڑے افسردہ دلوں تک میں امنگ پیدا ہی کردیتی ہیں اور گل و گلزار کی سیر سے کوئی محروم رہنا نہیں چاہتا۔ ماہِ مبارک کی برکتوں، فضیلتوں اور نعمتوں کا ذکر سُن کر برے سے برے بدہمت اور افسردہ دل کی رگوں میں جوش پیدا ہوجانا، اور بڑے سے بڑے فرزانہ و دُور اندیش میں شورش و شوریدگی کا اُبھر آنا قدرتی ہے۔ حالانکہ یہ آزمائش صرف ان کے لئے ہے جو اس کی جسمانی قوت بھی رکھتے ہیں معذوروں پر خواہ مخواہ بار و مشقت ڈالنا ہرگز مقصود نہیں۔ اُن کے جذبۂ شوق کو تسکین دینے کے لئے ایک بار پھر اس ارشاد کی ضرورت ہوئی، کہ معذوروں کو ان دنوں کی گنتی بعد میں پوری کرلینی چاہئے، کہ مقصد آسانی راہ ہے، نہ کہ تنگی۔ اللہ کی بڑائی کرنے، اور اس کا شکر ادا کرنے کا مقصد، بعد کو بھی گنتی کے دن پورے کرلینے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ ومن کان مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون۔

یہ پُربہار موسم جب کسی کے شوق و ارمان میں گزرے گا، یہ متبرک گھڑیاں جب کسی کی یاد میں بسر ہوں گی، یہ مبارک دن جب کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک پیاس کے صرف ہوں گے، یہ برکت والی راتیں جب کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی، تو ناممکن ہے کہ روح میں لطافت، قلب میں صفائی، اور نفس میں پاکیزگی، پیدا نہ ہوجائے۔ حیوانیت دُور ہوگی، ملکوتیت نزدیک آئے گی اور انسان خود اپنی ایک جدید زندگی محسوس کرے گا، ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے، کہ سوزِ دل اور تیز ہوجائے، قرب و وصل کی تڑپ اور بڑھ جائے، تزکیہ و مجاہدہ کے اثر سے، زنگ دُور ہوکر کسی کا عکس قبول کرنے کے لئے آئینۂ قلب بے قرار و مضطر ہونے لگے۔ ٹھیک یہی گھڑی، ذوقِ طلب اور ذوقِ عطا، سوال اور اجابت، دعا اور مقبولیت، حاجتمندی اور کریمی، گدائی اور شاہی، بندگی و بندہ پروری کے درمیان ناز و نیاز کی ہوتی ہے، اس لئے قدرۃً اس منزل پر پہنچتے ہی، حجلۂ غیب سے یہ صدائے بشارت کان میں آنے لگتی ہے، کہ اے ہمارے پیام پہنچانے والے، ہمارے شیدائی، ہمارے پرستار، ہمارے بندے، اگر تم سے ہمارا پتہ پوچھیں، تو اُن کو بتادو کہ ہم اُن سے کچھ دُور نہیں ہم تو ان سے بہت ہی قریب ہیں، ہمیں دل کی تڑپ کے ساتھ پکاریں تو سہی، ہم فوراً ان کی پکار کو سنیں گے۔ وہ صرف ہم سے اپنی لَو لگائے رہیں، اور ہم پر بھروسہ رکھیں، اس سے وہ سیدھی راہ پاکر، اور منزلِ مقصود تک پہنچ کر رہیں گے۔ واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون۔

(منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۳، اپریل ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۳)

دو شخص ہیں۔ ایک وہ جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہے، دُوسرا وہ جو اُن پر حاکم و آقا ہے۔ ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہوجاتا ہے، دُوسرا وہ جو اُسے اپنے قابو و اختیار میں رکھتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنی بھوک، اپنی پیاس، اپنی نیند، اپنی حرص، اپنے غصہ، کسی شے پر قابو نہیں رکھتا، دُوسرا وہ جو ان میں سے ہر شے کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ ایسے دو شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپ کے نزدیک نفس کی غلامی بہتر ہے؟ یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر و پسندیدہ ہے، تو پھر یہ کیا ہے کہ ماہِ رمضان کی پیشوائی کو آپ ذوق و شوق، مسرّت و خندہ جبینی کے ساتھ نہیں بڑھتے؟

حضرت نظام الدین اولیا، محبوبِ الٰہیؒ دائم الصوم تھے۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی عمر کے سالہا روزہ رکھ کر گزارے، حضرت جنید بغدادیؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ مجھے جو کچھ ملا، سب بھوک اور گرسنگی ہی کی طفیل میں ملا۔ حضرت مولانائے رومؒ کا عمل خود انہی کی اس تعلیم پر تھا، کہ منزلِ حق کی جتنی راہیں کھلتی ہیں، سب بھوک اور پیاس سے۔ ہر سلسلے کے جتنے مقدس بزرگ اور مستند صُوفی گزرے ہیں، سب کا عمل یہی رہا ہے اور تعلیم بھی یہی۔ مگر پھر یہ کیوں ہے، کہ آپ باوجود ان حضرات سے اعتقاد ظاہر کرنے، اور باوجود ان کے ماننے کے، اس باب میں ان کی تعلیم سے اس قدر بے پروا، اور ان کے عمل سے اس قدر بے نیاز ہیں؟

نماز میں جس طرح عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاقِ الٰہی کے ساتھ کس درجہ مناسبت و مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔ بھوک اور پیاس سے بے نیازی، صبر و ضبط، قوت و اختیار، حلم و تحمل، عفو و درگزر، یہ سب شانیں بندہ کی ہیں، یا مولیٰ کی؟ عبد کی یا معبود کی؟ خاک کے پتلے کی یا آسمان کے فرمانروا کی؟ پھر یہ کیونکر ہے، کہ جو شے کچھ ہی دیر کے لئے سہی، آپ میں اس کیفیت سے مناسبت پیدا کررہی ہو، جو شے ذرہ میں آفتاب کا پرتو ڈال رہی ہو، جو شے آئینہ میں جلا پیدا کرکے اُسے نورانیت کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنارہی ہو، آپ اُس نعمتِ عظیمہ کی جانب لپکنے میں تامل کررہے ہیں؟

حدیثِ قدسی کے الفاظ یاد کیجئے، الصوم لی وانا اجزی بہ "روزہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر خود میں ہُوں" حوریں نہیں، جنت کے قصر و محل نہیں، کوئی اور ایسی نعمت نہیں، جسے مادی عقل سمجھ سکے بلکہ میں خود اس کا اجر ہُوں" یہ کون، کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرّہ سے نہیں، مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں، بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے، خُدا بندہ سے! کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، سارے برکتیں، ساری بادشاہتیں، مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جاسکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی، کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و بے پروائی کے نذر کردیا جائے۔!

(منقول از سچ (لکھنؤ) ہفتہ وار۔ ۲۶، مارچ ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

---

[۲] واولیٰ ذالک بالصواب عندی قول من قال عنی اللہ جل ثناءہ بقولہ ایاماً معدودات، ایام شھر رمضان (ابن جریر) والمراد بھا رمضان (بیضاوی) المراد بھذہ الایام المعدودات شھر رمضان (ابومسلم)

[۳] عن عبداللہ قال یقول وعلی الذین یطیقونہ ای یتجشمونہ (ابن کثیر) وقرأ ابن عباسؓ یطوقونہ بمعنی الطاقۃ والقلادۃ ای یکلفونہ او یتکلفونہ علیٰ جھد منہ وعسر وھم الشیوخ والعجائز (زمخشری) یصومونہ جھدھم وطاقتھم ومبلغ وسعھم (زمخشری) وھو الرخصۃ لمن یتعبہ الصوم ویجھدہ وھم الشیوخ والعجائز فی الافطار والفدیۃ (بیضاوی) من صام بالکلفۃ والمشقۃ فعلیہ فدیۃ طعام مسکین (گازرونی)

[۴] ای ابتدی فیہ انزالہ (بیضاوی) ابتدی فیہ انزالہ (زمخشری) ابتدی فیہ انزالہ (روح المعانی) یکون ابتداء نزول القرآن علیٰ محمد صلعم فی شھر رمضان وھو قول ابن اسحاق وابی سلیمان الدمشقی (خازن) اولت الآیۃ بان المراد انہ ابتدی فیہ انزالہ ھذا قول محمد بن اسحاق (نیشاپوری)

ضمیمہ پارہ ۲

متعلق آیت ۱۸۳ حاشیہ ۶۵۱

(۱)

کھانا انسان کی زندگی قائم رکھنے کے لئے ہے، یا انسان کی زندگی اس لئے ہے، کہ اُسے کھانے پینے کی لذتوں میں بسر کیا جائے؟ موجودہ مادی دنیا نے شقِ دوم کو اختیار کیا ہے، اور اس کا عمل بھی اسی پر ہے۔ مذہب نے شقِ اوّل کو اختیار کیا ہے، اور اپنے پیرووں کو اس پر عمل کی ہدایت کی ہے۔

اسلام دینِ فطرت کا دوسرا نام ہے۔ اس میں کوئی شے فطرتِ انسان و فطرتِ کائنات کے مخالف ہو نہیں سکتی۔ وہ ایک طرف اپنے پیرووں کو جائز لذتوں سے لُطف اُٹھانے کی بار بار دعوت دیتا ہے اور دُوسری طرف قدم قدم پر لَا تُسْرِفُوْا! دائرۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھو کی بھی تاکید کرتا جاتا ہے۔ لذتوں پر جُھک پڑنے کا نام فسق ہے، اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے جو شاہراہِ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ فسق و رہبانیت، دونوں سے بچ کر ان کی درمیانی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں، تو رہبانیت کے ڈھرّے پر پڑ جاتے ہیں۔ عوام کی گمراہی کا نام فسق ہے نفسِ انسانی میں لذتوں پر جُھک پڑنے کا قدرتی مَیلان موجود ہے۔ انسان اکثر انہی لذتوں پر گرتا ہے اور ایسا گرتا ہے کہ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے غار تک پہنچ جاتا ہے۔ رُوح کو چاہیئے کہ روز بروز لطافت کی جانب ترقی کرتی جائے؛ تاکہ جب جسم سے جُدا ہو جانے کا وقت آئے تو اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کرکے، جو از سرتا پا نور و لطافت ہے، وصل و وصال کا وہ انتہائی لُطف و سرور حاصل کرے، جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنّت ہے لیکن انسان جب فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی اُن مادّی لذتوں میں پڑ جاتا ہے، جو اس کی رُوحانی صحت کے حق میں مضر ہیں، تو رفتہ رفتہ اسکی رُوح کثافت اور گندگی میں آلودہ رہنے لگتی ہے، یہاں تک کہ جسم سے جُدا ہونے کے بعد اُس میں اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کی صلاحیت باقی نہیں رہتی، اور مجبوراً اُسے تنزّل کرکے مادہ کی کثافتوں اور آلائشوں کے مرکز سے آمیز ہونا پڑتا ہے، جو اس سے کوئی بھی طبعی و خلقی مناسبت نہیں رکھتے، اس لئے اسے انتہائی اذیت و تکلیف کا سامنا ہوتا ہے، اور اس کو مذہب کی اصطلاح میں دوزخ کہتے ہیں۔

اسلام خلق اللہ کو راحت و سرُور کی انتہائی منزل تک پہنچانے کا بہترین راہبر ہے۔ اس نے چن چن کر اپنے نظام و آئین میں وہی باتیں رکھی ہیں، جو رُوح کی فطری صلاحیت کو بڑھائیں، اور گندگی و کثافت میں آلودہ ہونے سے اُسے محفوظ رکھیں۔ ان سب تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر کا نام روزہ ہے۔ محض بھُوکا اور پیاسا رہنا یا خواہ مخواہ کسی کو اپنے تئیں گرسنگی و تشنگی کی تکلیف میں مبتلا کرنا، ہرگز روزہ کا مُدّعا نہیں۔ روزہ کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لئے تمام اہم لذاتِ مادی کی طرف سے بے توجہ ہو کر رُوح کو اپنی صفائی و پاکیزگی کی جانب متوجہ ہونے کا موقع دے۔ قرآنِ پاک میں روزہ کی غایت دو لفظوں میں فرمادی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ 'تقویٰ' کے معنی 'بچنے' کے ہیں۔ بچنا کس شے سے؟ ہر اُس شے سے جو رُوح کی پروازِ ترقی میں حائل ہوتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو رُوح کے جوہرِ لطیف کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو رُوح کو کثافتوں اور آلائشوں کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ قرآنی بلاغت کا یہ معجزہ ہے کہ اس سارے مفہوم کو ایک لفظ 'تتّقون' کے ذریعہ سے ادا کردیا۔

نماز اور روزہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دو جُداگانہ چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے ایجابی و سلبی، مثبت و منفی، دو پہلو ہیں۔ نماز کی حیثیت فاعلی ہے یعنی دربارِ خداوندی میں حاضری دو، اپنی رُوحِ جزئی کا براہِ راست تعلق رُوحِ کُلّی سے پَیدا کرو۔ روزہ کی حیثیت انفعالی ہے، یعنی ان چیزوں سے بچو جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں، جو رُوح کو اس رفتارِ ترقی کے ناقابل بناتی ہیں۔ طبیبِ حاذق علاج بھی کرتا ہے، اور پرہیز بھی بتاتا ہے۔ شفا اُسی وقت ممکن ہے جب مریض دونوں ہدایتوں پر عمل کرے۔ نماز بمنزلہ دوا ہے، اور روزہ بمنزلہ پرہیز۔ دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ظاہر ہے۔

یہیں سے ہے، کہ دُنیا کے کامل ترین انسان کو نماز کے بعد جو عبادت سب سے زیادہ محبُوب تھی وہ روزہ تھا۔ رسُولِ خدا صلعم اس کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے کہ اہلِ خاندان اور صحابؓ بعض اوقات دنگ رہ جاتے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے۔ اعلیٰ ترین رُوح کو رُوحانی پاکیزگی و صفائی کے نمونے بھی بہترین اور کامل ترین دکھانے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا جس جس نے عمل کیا وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہا۔

کھانے پینے میں زیادتی کرنا، عورت سے میل ملاپ پر حریص ہونا، جھوٹ بولنا سخت کلامی کرنا، کسی کا دل دُکھانا، کسی کے پیچھے اس کا بُرائی سے ذکر کرنا، مال و دولت کی ہوس کرنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو رُوح کی لطافت کو صدمہ پہنچاتی ہیں، اس کی بالیدگی کو روک دیتی ہیں، اس میں تازگی کی بجائے پژمُردگی پَیدا کرتی ہیں۔ اور جسم و مادہ کی کثافتوں کو بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے۔ اور روزہ دار کے لئے یہ سب اُمُور ممنوع ہیں۔

انسان، اگر اپنی عمر کا بیشتر حصّہ ان پابندیوں کے ساتھ گزار سکے تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا لیکن کم از کم سال کا بارھواں حصّہ تو اس طرح گزارنا اپنے لئے لازمی سمجھے۔ اور اگر بہت سے بندے مل کر ایک خاص زمانہ اس کے لئے مقرر کرلیں جس میں وہ سب شریک ہوں تو شرکت و اجتماع کی بنا پر نفسِ روزہ کی برکتیں بدرجہا بڑھ سکتی ہیں۔ مگر سب کا اپنے ارادہ سے ایک خاص زمانہ مقرر کرنا ممکن نہیں، کسی کو کبھی سہولت ہوگی، کسی کو کبھی۔ اس لئے خود شریعت نے (راحت و سرورِ ابدی کی منزل کے بہترین، ہموار ترین و محفوظ ترین راستہ کا نام شریعت ہے) ایک خاص مہینہ کا تعین کردیا، جسے رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔

خدائے اسلام جس طرح ہمارے رکوع و سجود، ہماری تکبیر و تسبیح سے بے نیاز ہے، اسی طرح اُسے ہمارے بھُوکے اور پیاسے رہنے، ہمارے روزہ و تراویح ہماری سحری و افطار کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ یہ تمام اُمُور صرف ہمارے نفع و فائدہ کے لئے ہیں۔ ہماری طبیعتیں اور سرشتیں چونکہ شیطانی اثرات سے مسخ ہو چکی ہیں۔ اس لئے آج بہتوں کو روزہ کی پابندی ایک بار معلوم ہوتی ہے لیکن کل جب حجابات دُور ہو جائیں گے، جب آنکھیں کھُل جائینگی، اس وقت اندازہ ہوسکے گا کہ رُوح میں اعلیٰ صلاحیتیں پَیدا کرنے کے لئے اور ابدی سرور و دائمی راحت حاصل کرنے کے لئے روزہ کتنا سہل، آسان، مفید، موثر نسخہ تھا۔ کاش ہمارے سب بھائیوں کی آنکھیں آج ہی کھُل جائیں۔

(منقول از "سچ" لکھنؤ ہفتہ وار۔ مورخہ ۳۔ اپریل ۱۹۲۵ء۔ ایڈیٹر عبد الماجد)

(۲)

بہار کا موسم آتے ہی چمنِ دہر میں رُوح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، خشک درخت سبز ہو جاتے ہیں، پھُول کِھلنے لگتے ہیں جسم انسانی کی رگوں میں تازہ خون کی گردش ہونے لگتی ہے، سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں، اور چستی و توانائی کا دَور دَورہ شروع ہو جاتا ہے جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پُورا دَورہ گزر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے، اور طبیبوں کا بیان ہے کہ جسم سے مادّہ فاسد کے دفع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح رُوح و جان کی کائنات میں بھی چاند کا ایک پُورا دَورہ گزر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے ماہتاب کو عشق کے سودا زدوں سے مناسبت ہے۔ ظاہر ہے، ماہتاب جب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے، تو عشق و محبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی و جنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور سال کے گیارہ مہینے کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں، طبیعت ان کے دفع کرنے کے لئے بیقرار ہو جاتی ہے، اسی لئے رحمتِ کاملہ و محبوبیتِ مطلقہ نے اپنے وفا شعاروں، اپنے سرستوں کے لئے ایک خاص مہینہ، ماسوا سے بے تعلق و بے نیاز رہنے کا مقرر کردیا۔ جس کو اصطلاح میں ماہِ رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اے حسنِ ازل سے پیمانِ وفا باندھنے والو۔ اے اپنے محبُوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو، اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو، آؤ، اپنے طریقِ عشق و آئینِ اُلفت میں، ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو، اور اپنی تمام نفسانی لذتوں کو اس بڑی اور حقیقی لذت کے تصور پر قربان کرتے رہو، کہ یہی نفسانی لذتیں، اس شاہدِ حقیقی کے وصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔

یہ شرط محض تمہارے ساتھ مخصُوص نہیں، اکیلے تم ہی اس آزمایش میں نہیں ڈالے گئے ہو، بلکہ تمہارے اگلوں میں سے جس جس گروہ نے ہم سے پیمانِ وفا باندھا جس جس جماعت نے راہِ اُلفت میں قدم رکھنے کا دعویٰ کیا، اُن سب کو اپنے دعوے کا کچھ ایسا ہی ثبوت پیش کرنا پڑا ہے، ان سب کو کچھ ایسی ہی آزمایشوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، ہراساں نہ ہو، بہتوں کی آزمایش اسی طرح ہو چکی ہے۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اور اس حکم سے غرض تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں

ل "صوم" کے معنی ہیں، باز رہنے اور رُکنے کے، خواہ کھانے سے ہو یا کلام کرنے سے، یا کسی اور چیز سے جس پر نفس حریص ہو، یا جو طبیعت کو مرغوب ہو۔ الصوم فی الاصل الامساك عن الفعل مطعمًا كان او كلامًا او مشيًا (راغب)، الصوم امساك عن طعام او كلام او نحوهما (سجستانی) الصوم فی اللغة الامساك عما تنازع اليه النفس (بیضاوی)

۹۵۲ (بہ نظر احوال ظاہر) یہ گفتگو ان میں آپس میں ہونے لگی۔ دشمن کی کثرتِ تعداد اور اس کی عظمت و سامان پر نظر کر کے اس کی ہیبت دل میں بیٹھ جانا اور اپنی طرف سے مایوس ہو جانا ایک امر طبعی تھا۔ اچھے اچھے اہلِ ایمان کی بھی ہمت ایسے موقعوں پر طبعی طور پر چھوٹ جاتی ہے۔ جوزیفس اسرائیلی کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ "طالوت اور اس کے لشکری یہ سامان دیکھ کر سہم اٹھے" (باب ۶-۱:۹) خود توریت کی روایت ہے۔ "جب ساؤل اور سارے اسرائیل نے اس فلسطی کی باتیں سنیں تو ان کی دلاوری گھٹ گئی اور وہ نپٹ ڈر گئے" (۱-سموئیل-۱۷:۱۱) جَالُوتَ۔ فلسطینیوں کے لشکر کا مشہور سردار بڑے تن و توش کا پہلوان تھا۔ گویا انسان کیوں تھا، دیوزاد تھا۔ توریت میں اس کی جسامت قد و قامت، اس کی شہزوری، اس کے اسلحہ اور اس کی مبارزت کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قد ۹ فٹ کا تھا، بجز چہرہ کے، سر سے پیر تک آہن پوش رہتا تھا، اور اس کی سپر کا وزن کوئی تین من کا تھا۔ ۹۵۳ (آخرت میں) لشکرِ طالوت میں مومن تو سب ہی تھے، بہتوں پر لشکرِ جالوت کی ہیبت طبعی طور پر طاری ہو گئی۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کا ایمان خدا اور آخرت پر بالکل پختہ و غیر متزلزل رہا۔ اس وقت بھی ان کے ذہن میں یہ عقیدہ مستحضر تھا اور وہ ہنگامی طور پر بھی مرعوب و دہشت زدہ نہ ہوئے۔ بلکہ بڑے استقلال کے ساتھ بولے۔ یَظُنُّوْنَ۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، علم و یقین کے معنی میں ہے۔ اے یعلمون ویستیقنون (ابن عباسؓ) اے یوقنون بالشھادۃ (مدارک) یحتمل ان یکون الظن بمعنی الایقان اے یوقنون بالبعث والرجوع الی اللہ قالہ السدی (بحر) ۹۵۴ (اس لئے دشمن کی کثرتِ تعداد سے خوف ہی کیا) ان مومنین راسخین نے اس وقت بھی کہا کہ اصل شے تو ایمان کی مضبوطی ہے۔ ایمان سے لبریز اقلیت بارہا اکثریت پر غالب آ چکی ہے۔ باذن اللہ میں اذن، مشیتِ تکوینی کے معنی میں نہیں۔ حکم و توفیقِ الٰہی کے معنی میں ہے۔ اے بحکمہ وتیسیرہ (روح) باذن اللہ کی قید نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اہم ترین شے

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ

جنہیں یقین تھا کہ اللہ کے روبرو پیش ہونگے ۹۵۳ بولے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲۴۹)

پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئی ہیں ۹۵۴ اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۹۵۵

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل آئے تو بولے اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر

صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۲۵۰)

صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں غالب کر کافر لوگوں پر ۹۵۶

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ

پھر انہوں نے ان کو اللہ کے حکم سے شکست دے دی ۹۵۷ اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا ۹۵۸ اور اللہ

اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ

نے داؤدؑ کو بادشاہت اور دانائی عطا کی ۹۵۹ اور جو کچھ چاہا انہیں سکھایا ۹۶۰ اور اگر اللہ بعض

اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ

لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو (روئے) زمین پر فساد برپا ہو جاتا ۹۶۱

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۲۵۱) تِلْكَ اٰيٰتُ

لیکن اللہ تو جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے ۹۶۲ یہ اللہ کی آیتیں

اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۲۵۲)

ہیں، ہم انہیں آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک ۹۶۳ اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں ۹۶۴

ذاتی ہمت و شجاعت نہیں، یہی تائیدِ غیبی ہوتی ہے۔ ۹۵۵ (اسلئے اہم و مقدم شے صبر و ثبات اور اعتماد علی اللہ ہے) مع سے اللہ کی معیت جسمانی مراد نہیں، اس کی معیتِ نصرت و امداد کے ساتھ مراد ہے۔ المراد منہ المعیۃ بالنصر والاحسان (روح) اے بالنصر (مدارک) المراد بہ معیۃ نصرہ وتوفیقہ (ابوسعود) ۹۵۶ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے لشکر کے سپاہیوں کو آدابِ جنگ کی تعلیم ہے، کہ بہ خلاف عام دنیوی سپاہیوں کے ان کا تکیہ قوت و شوکت پر نہیں، بلکہ نصرتِ الٰہی پر ہوتا ہے۔ قرآن اور توریت موجودہ کے بیانوں کا مقابلہ کر دیا جائے۔ توریت میں نفس جنگ کے خشک و خارجی واقعات کی تفصیل قرآن سے کہیں زائد ہے۔ لیکن وہ بس اسی پر قانع ہے۔ گویا کوئی کتاب تذکرہ و تاریخ کی ہے۔ قرآن مجید اس کے برخلاف ہر موقع پر تعلیم اصولِ دین اور اخلاقِ عالیہ کی دیتا جاتا ہے۔ اور یہی اس نے یہاں بھی کیا۔ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا یعنی ہمیں ثباتِ قلب کی توفیق دے۔ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ یعنی ہمیں ثباتِ قدم نصیب کر۔ وَانْصُرْنَا۔ ثباتِ قلب و ثباتِ قدم کے بعد کافروں پر غلبہ تو قدرتی نتیجہ کے طور پر شاید حاصل ہو ہی جاتا لیکن مومنین عارفین کی نظر اپنے سارے انتظامات اور ساری سعی سے کہیں بڑھ کر تائیدِ الٰہی پر رہتی ہے۔ اس لئے صراحت کے ساتھ فتح و غلبہ کی دعا بھی ان کی زبان سے نقل کی گئی ہے۔ ۹۵۷ فَهَزَمُوْهُمْ۔ انہوں نے انہیں یعنی طالوت کے لشکر نے جالوت والوں کو شکست دے دی۔ اذن۔ یہاں بھی حکم و توفیق کے معنی میں ہے۔ توریت میں فلسطینیوں کی اس شکستِ فاش کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ "اور فلسطیوں نے جو دیکھا کہ ان کا پہلوان مارا پڑا تو وہ بھاگ نکلے۔ اور اسرائیل اور یہوداہ کے لوگ اٹھے اور للکارے، اور فلسطیوں کو وادی تک اور عقران کے پھاٹک کی راہ تک رگیدا" (۱-سموئیل-۱۷:۵۱، ۵۲) ۹۵۸ داؤد۔ داؤد بن یسی بن عوبید (۱۰۲۴ تا ۹۶۲ ق م) ایک پیغمبر برحق ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر ۱۶ مقاموں پر آیا ہے۔ طالوت کی فوج میں محض ایک نوجوان سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ اس وقت تک نہ نبوت سے سرفراز ہوئے تھے، نہ ملک و سلطنت سے۔ توریت میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ "اور ایسا ہوا کہ جب فلسطی اٹھا اور آگے بڑھ کر داؤد کے مقابلہ کے لئے نزدیک ہوا، تو داؤد نے پھرتی کی۔ اور صفوں کی طرف داؤد سے مقابلہ کرنے دوڑا۔ اور داؤد نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور اس میں سے ایک پتھر لیا اور فلاخن میں دھر کے فلسطی کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ پتھر اس کے ماتھے میں غرق ہو گیا۔ اور وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ سو داؤد ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہوا۔ اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا" (۱-سموئیل-۱۷:۴۸-۵۰) ۹۵۹ (یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا) اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ۔ یہ بادشاہی خدائی عطیہ تھی، پہلے تو اسی کو قرآن نے صاف کیا۔ یہ فرماں روائی قومِ اسرائیل کو عطا ہوئی۔ حضرت داؤدؑ نسلِ اسرائیلی کے دوسرے بادشاہ ہیں۔ تاجدارِ اول طالوت تھے۔ آپؑ انہی کے داماد تھے۔ طالوت جب مع اپنے بڑے فرزند کے میدانِ جنگ میں کام آ گئے تو قبیلہ یہودا نے آپؑ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ اور دو سال کی کشمکش کے بعد، باقی قبیلوں نے بھی آپؑ ہی پر اتفاق کر لیا۔ سات سال تک آپ نے اپنا پایۂ تخت حبرون (یعنی الخلیل) کو رکھا۔ اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر اسے دار السلطنت بنایا۔ آپ نے اپنے گرد و پیش کے حکمرانوں کو مسخر و مغلوب کیا۔ اور اپنے حدودِ سلطنت کو خوب وسیع کیا۔ آپ کا عہدِ حکومت تاریخ اسرائیل میں فتوحاتِ ملکی اور حسنِ انتظام دونوں کے لئے یادگار ہے۔ الحکمۃ۔ حکمت سے یہاں مراد نبوت ہے۔ جو حکمت کا بلند ترین مقام ہے۔ حکمت کے عام معنی تمیز و دانائی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ قیل الحکمۃ العلم والعمل بھا وفسرھا بعضھم بالنبوۃ (بحر) اے النبوۃ (بیضاوی) الحکمۃ بہ وضع الامور مواضعھا علی الصواب والصلاح وکمال ھذا المعنی یحصل بالنبوۃ فلا یبعد ان یکون المراد ھھنا النبوۃ (کبیر) عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ۔ علومِ انبیاء کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ مِمَّا يَشَآءُ کے عموم میں وہ تمام علوم، فنون و صنائع آ گئے جو حضرت داؤدؑ کو سکھا دیئے گئے تھے۔ مِمَّا میں من تبعیضیہ نہیں ابتدائیہ ہے ۹۶۰ (غلبۂ بدی و بدکاری سے) بَعْضَهُمْ۔ یعنی مفسدوں، نافرمانوں، قانون شکنوں، باغیوں کو۔ بِبَعْضٍ یعنی دوسرے بندوں کو مشیتِ تکوینی کا آلۂ کار بنا کر۔ یہاں یہ عام قانون بتا دیا کہ دنیا میں حکومتوں اور سلطنتوں کے جو انقلابات ہوا کرتے ہیں یہ یوں ہی بلا ضرورت و مصلحت "گردشِ گردوں" سے نہیں ہو جایا کرتے۔ بلکہ ہمیشہ با مقصد و پُر حکمت ہی ہوا کرتے ہیں اور ان سے ظلم و عصیان و طغیان کی اصلاح منظور ہوتی ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس عالمِ اسباب میں مشیتِ تکوینی جو کام بھی لیتی ہے بندوں ہی کے واسطہ اور ذریعہ سے لیتی ہے ۹۶۱ (اس لئے وہ اپنے فضل و کرم سے روئے زمین پر اس فسادِ عظیم کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا اور بدکاروں اور نافرمانوں کے غلبہ و تسلط کو دوسروں کے ذریعہ سے ہٹاتا اور مٹاتا رہتا ہے) غرض یہ کہ ہر ایسے انقلابِ حکومت کے عقب میں رحمتِ الٰہی ہی کام کرتی رہتی ہے ۹۶۲ بالحق یعنی بالکل بے کم و کاست، اپنی اصلی حالت میں، اور غرضِ صحیح کے ساتھ۔ بالیقین الذی لا یشک فیہ اھل الکتب (مدارک) بالوجہ المطابق الذی لا یشک فیہ اھل الکتاب وارباب التواریخ (بیضاوی) اے ملتبسۃ بالیقین الذی لا یرتاب فیہ احد من اھل الکتاب وارباب التواریخ (ابوسعود) گویا یہاں یہ ظاہر کر دیا کہ صحیح و مستند بیان صرف قرآن ہی کا ہے۔ دوسری الہامی کتابوں اور مذہبی نوشتوں کی طرح اس کے قصے غلط سلط اور مسخ شدہ ہو کر نہیں رہ گئے ہیں۔ اور اس کی ایک مثال خود یہی قصۂ طالوت ہے۔ بائبل والوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے ۹۶۳ (بس آپ اپنے پیغمبرِ برحق ہونے میں اصلاً شک نہ کیجئے، ان حقائق کا نزول پیغمبروں ہی پر ہوتا ہے) مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ لفظ مرسلین کی معنویت قابلِ غور ہے۔ انبیاء کی حیثیت اسلام میں تمامتر قاصدوں، سفیروں، بھیجے ہوؤں کی ہے۔ اور جو مرسل (بھیجا ہوا) ہوتا ہے، ظاہر ہے، کسی کی طرف سے، کسی کے پاس ہی بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مرسلین یا پیامبر، خالق کی طرف سے مخلوق کے پاس ایلچی بن کر آتے ہیں۔ ان کی عظمت و بندگی جو کچھ بھی ہے، ان کے اسی منصبِ سفارت و پیامبری سے وابستہ ہے۔ یہ خود نہ اوتار ہوتے ہیں، نہ دیوتا، نہ خدائی کے مظہر، نہ ان میں خدائی حلول کئے ہوتی ہے۔ معبودیت یا نیم معبودیت کی صلاحیت یہ ذرا سی بھی نہیں رکھتے۔ اللہ اکبر! شرک بلکہ شائبۂ شرک سے بھی بچنے کا قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام ہے۔ ایک ایک لفظ کے انتخاب میں وہ اس کا کیسا لحاظ رکھ لیتا ہے۔

۹۴۱ وَاسِعٌ - وہ بڑی ہی وسعت والا ہے، جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہی پست کو بلند، اور ہر ادنیٰ کو سرفراز کر سکتا ہے۔ واسع کی تفسیر واسع الفضل والرزق والرحمة سے بھی آئی ہے اور موسع سے بھی اور ذوسعة سے بھی (کبیر) عَلِيْمٌ۔ اس کا علم محیط و کامل ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کس میں ملک گیری و ملک داری کی صلاحیت موجود ہے ۹۴۲ (بادشاہی تعرف جو تمہارے اطمینان کا کام دے سکے) کچھ عجب نہیں جو بنی اسرائیل نے اپنی قدیم اعجوبہ پرستی کی بنا پر طالوت کے لئے کسی غیبی نشان کا مطالبہ اپنے پیمبر سے کیا ہو، اور وہ اس کے جواب میں بہ ایماء الٰہی یہ فرما رہے ہوں ۹۴۳ (درآنحالیکہ تم مدت دراز سے اپنی اس متاع عزیز سے محروم ہو) يَّاْتِيَكُمُ۔ یعنی از خود بغیر تمہاری کسی خاص جدوجہد کے آجائے گا۔ التَّابُوْتُ۔ اس علمی صندوق کا اصطلاحی نام تابوتِ سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی و قومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ توریت مع تبرکاتِ انبیاء محفوظ تھا۔ اسرائیلی اس کو انتہائی برکت و تقدیس کی چیز سمجھتے تھے، اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے۔ سفر و حضر جنگ و امن ہر حال میں اُسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی:۔ طول ½۲ فٹ عرض ½۱ فٹ بلندی ½۱ فٹ۔ بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین لے گئے تھے۔ اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بدطالعی سمجھ، اس کی واپسی کے لئے نہایت درجہ بیتاب و مضطرب تھے۔ طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمانؑ (متوفی ۹۳۳ ق م) تک رہا۔ اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اُسے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکلِ سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی توریت کا نسخہ اشعار ۹۴۴ یعنی ان دونوں حضرات اور اُن کی مقدس اولاد کے آثار و تبرکات۔ بعض اہلِ طریق نے کہا ہے کہ اولیاء اللہ کے احترام کا جو طریقہ چلا آرہا ہے، اس کی اصل اور سند اس قصۂ تابوت سے مل جاتی ہے ۹۴۵ تاریخ کا بیان ہے کہ فلسطینی اس تابوتِ سکینہ کو چھیننے کو تو چھین لائے۔ لیکن جس تاریخ سے اُسے لیکر آئے ایک دن بھی چین نہ اُٹھانے پائے۔ ابھی وبا کا زور ہے ابھی کوئی اور مصیبت۔ آخر عاجز آکر یہ طے کیا کہ (نعوذ باللہ) اس نحوست کی پوٹ کو کہیں اور پھینکوا دیا جائے۔ ایک بیل گاڑی پر اسے لاد، گاڑی کو بغیر کسی گاڑیبان کے یوں ہی ہانک دیا۔ بیل سیدھے علاقۂ بنی اسرائیل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور گاڑی صوبۂ یہودا کے شہر بیت شمس میں آکر ٹھہر گئی۔ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ تکوینی تصرفات جتنے بھی ہوتے رہتے ہیں، سب فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بیلوں کا رُخ خاص اسرائیلی علاقہ کی جانب کر دینا بھی فرشتوں ہی کا کام تھا۔ اور یہی غیبی نشان تھا طالوت کی تائید میں۔ بائبل میں تابوتِ سکینہ کی بازیابی عہدِ طالوت سے بہت پیشتر درج ہوگئی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں یہ تصریح کرکے، حسب معمول، بائبل کے بیان کی تصحیح کردی ———— مسیحیوں اور ان کے حلیفوں کی یہ کوشش جس قدر مضحکہ خیز ہے اسی قدر عبرت انگیز بھی، کہ بجائے اس کے کہ قرآن جیسی محکم، محفوظ، مستند دستاویز کو بائبل پر پیش کریں، اور اس کی روشنی میں بائبل کے بیانات کو جانچیں، پرکھیں، اُلٹے بائبل جیسی مشتبہ، غیر محفوظ، بے سند تحریر کی روشنی میں قرآن مجید کے بیانات کو جانچنا، پرکھنا چاہتے ہیں! ———— گویا آفتاب کی روشنی میں لالٹین کو دیکھنے کی بجائے لالٹین سے آفتاب کو دیکھنے کی کوشش! ۹۴۶ (تصرفِ غیبی کا) فِيْ ذٰلِكَ اے فی رجوع التابوت الیکم (مدارک) ای فی اتیان التابوت (بحر) لَكُمْ۔ تمہارے لئے۔ یعنی تمہارے اطمینان کے لئے ۹۴۷ (اپنی فوج والوں سے) فَصَلَ، یعنی دشمن کے مقابلہ میں بڑھے ۹۴۸ (صبر و ثبات، ضبط اور ڈسپلن میں) نَهَرٍ۔ دریا سے یہاں مراد دریائے یردن Jorden ہے۔ یہ دریا بڑا نہیں، براہ راست لمبائی کل ۶۵ میل کی ہے۔ البتہ اس کے خم و پیچ ملا کر کوئی ۲۰۰ میل کی ہے۔ علاقۂ فلسطین میں اہم ترین دریا یہی ہے، اور گویا ملک کی قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ یردن کے اس پار اور اُس پار علاقوں کی تقسیم خود توریت میں درج ہے۔ (یوشع۔ ۱، ۱۴ و ۱۵) اس کا بہاؤ شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ اور یہ بحر جلیل اور بحر طبریہ ہوتا ہوا بحر مردہ Dead Sea میں جا گرتا ہے۔ اس کا پانی شروع میں تو صاف شفاف، شیریں ہے، لیکن آگے چل کر گندلا، بدبودار اور مضر ہو جاتا ہے ۹۴۹ یعنی میرے ہمراہیوں، رفیقوں میں سے نہیں ہے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ سرے سے ایمان ہی سے خارج ہوگیا اے من اشیاعی (روح) لیس من اتباعی واشیاعی (مدارک) لم یخرجھم بذلك عن الایمان (بحر) شَرِبَ مِنْهُ۔ یعنی جی بھر کر اس میں سے پانی پی لے گا۔ موسم گرمی کا تھا، اور طالوت کے سپاہیوں کو پیاس قدرۃً زور کی لگی ہوئی تھی ۹۵۰ معلوم ہوتا ہو کہ اصل حکم وہی پہلا تھا کہ کوئی راستہ میں یہ پانی زبان ہی پر نہ رکھے! اور یہ دوسرا حکم بطور رخصت و اجازت تھا کہ خیر ایک آدھ چُلّو سے منہ تر کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ۔ اے من لم یذقہ (روح) من لم یذق من طعم الشیٔ (مدارک) اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ۔ معناہ الرخصة فی اغتراف الغرفة بالید دون الکرع (مدارک) ۹۵۱ کہ ان کی تعداد حسب روایت توریت ۱۰۰۰۰ تھی) "تب ساؤل نے اُن لوگوں کو جو اس کے پاس حاضر تھے گنا، اور وہ مرد چھ سو کے قریب تھے" (۱۔ سموئیل۔ ۱۳: ۱۵) شَرِبُوْا مِنْهُ۔ یعنی خوب سیر ہو کر پیا جس کے بعد چلنا خصوصاً فوجی مارچ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

بڑا علم والا ہے ۹۴۱ اور اُن سے اُن کے نبی نے کہا کہ اس کی امارت کا نشان یہ ہے ۹۴۲ کہ تمہارے پاس

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

وہ صندوق (از خود) آجائیگا جس میں (سامانِ) تسکین تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے ۹۴۳ اور کچھ بچی ہوئی

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

چیزیں بھی جنہیں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون چھوڑ گئے ہیں ۹۴۴ اس (صندوق) کو فرشتے لے آئینگے ۹۴۵ بیشک

لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ

اس واقعہ میں تمہارے لئے ایک نشان ہے ۹۴۶ اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر

بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ

بڑھے ۹۴۷ تو بولے ۹۴۸ کہ اللہ تمہارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ سے لینا چاہتا ہے ۹۴۹ سو جو کوئی اسمیں سے پانی

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ

پی لے گا وہ میرا نہیں ہے ۹۵۰ اور جو کوئی اُسے نہ چکھے سو وہی میرا ہے،

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا

مگر ہاں جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چُلّو بھر لے (اس کا مضائقہ نہیں) لیکن ان (سب) نے اس سے پی

قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ

لیا بجز ان میں تھوڑے سے (آدمیوں) کے ۹۵۱ پھر جب طالوت اور مومنین بھی ان کے ساتھ اُس (دریا) سے اتر گئے

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ

تو وہ لوگ بولے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ۹۵۲ اور وہ لوگ

۳۲ ع ۱۶

إِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلۡقِتَالُ أَلَّا تُقَٰتِلُواْۖ قَالُواْ وَمَا

اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو تم قتال نہ کرو؟ ۹۳۲ وہ بولے بھلا ہمارے

لَنَآ أَلَّا نُقَٰتِلَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَقَدۡ أُخۡرِجۡنَا

لئے کونسا ایسا سبب ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں۔ درآنحالیکہ ہم نکالے جا چکے ہیں

مِن دِيَٰرِنَا وَأَبۡنَآئِنَاۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ ٱلۡقِتَالُ

اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے ۹۳۳، لیکن جب اُن پر قتال فرض کر دیا گیا تو وہ (سب)

تَوَلَّوۡاْ إِلَّا قَلِيلٗا مِّنۡهُمۡۗ وَٱللَّهُ عَلِيمُۢ بِٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

پھر گئے بجز اُن میں ایک قلیل تعداد کے ۹۳۴ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے ۹۳۵

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ إِنَّ ٱللَّهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوتَ

اور اُن لوگوں سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا

مَلِكٗاۚ قَالُوٓاْ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ ٱلۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ أَحَقُّ

ہے ۹۳۶ وہ بولے اُسے ہمارے اوپر کیسے امیری حاصل ہو سکتی ہے، درآنحالیکہ ہم اس سے

بِٱلۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةٗ مِّنَ ٱلۡمَالِۚ قَالَ

بڑھ کر امیری کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی تو وسعت نہیں دی گئی ہے ۹۳۷ (نبی نے) کہا

إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهُۥ بَسۡطَةٗ فِي ٱلۡعِلۡمِ

کہ اُسے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں انتخاب کر لیا ہے ۹۳۸ اور اُسے علم و جسم دونوں میں کشادگی

وَٱلۡجِسۡمِۖ وَٱللَّهُ يُؤۡتِي مُلۡكَهُۥ مَن يَشَآءُۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ

زیادہ دی ہے ۹۳۹ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے ۹۴۰ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے

منزل

۹۳۲ یہ سب حضرت شموئیل نے کچھ تو اپنی فراستِ ایمانی سے فرمایا، اور کچھ اپنی قوم کی افتادِ طبیعت کے تجربوں کی بنا پر۔ عسیتم الا تقاتلوا کے معنی ہیں کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نہ لڑو گے۔ یعنی اتوقع جبنکم عن القتال کرّر هل عسیتم میں هل تاکیدِ کلام کے لئے ہے۔ اراد بالاستفهام التقرير والتثبيت ان المتوقع كائن (کشاف) ۹۳۳ وہ لوگ بولے، کہ واہ بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے۔ حکمِ شرعی سے قطع نظر ہم لوگ انتہائی مظلوم اور ستائے ہوئے بھی تو ہیں۔ اس دَور میں فلسطینیوں کی جو شدید اور بے پناہ یورش اسرائیلیوں پر جاری تھی اور اسرائیلیوں کا ملک جس بے اندازہ حد تک ان کے ہاتھوں تاراج ہو رہا تھا اس کی تفصیلات قدیم اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کے صفحات اور یہود کی دوسری تاریخوں میں ملتی ہیں۔ توریت بھی ان معرکہ آرائیوں کے ذکر سے بالکل خالی نہیں، ایک جگہ ہے:۔ "اور جب وہ باہم مقابل ہوئے تو اسرائیلی نے فلسطیوں سے شکست پائی۔ اور انہوں نے اُن کے لشکر میں سے قریب چار ہزار آدمی کے مارے۔" (۱۔سموئیل۔۴:۲) اور دوسری جگہ ہے:۔ "سو فلسطی لڑے، اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیمہ کو بھاگا، اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی کہ تیس ہزار اسرائیلی مارے مارے پڑے، اور خدا کا صندوق لوٹا گیا۔" (۱۔سموئیل۔۴:۱۰) ۹۳۴ آخر اُن کے نبی کا کہا اُن کے آگے آیا۔ اور بنی اسرائیل اتنے دعووں کے باوجود پست ہمتی اور بزدلی کا شکار ہو کر رہے۔ جوزیفس کی مشہور تاریخ آثارِ یہود میں ہے:۔ "اُن پر دہشت طاری ہو گئی۔ یعنی پہاڑوں میں چھپ گئے، بعض نے زیرِ زمین غاروں میں پناہ لی، اور بہت سے لوگ تو اپنا ملک چھوڑ کر دریائے یردن عبور کر گئے۔" (باب ۶۔ فصل ۶۔ فقرہ ۱) ۹۳۵ (اور اُن کی سزا بھی پوری طرح تجویز کر دے گا) الظّٰلمین سے یہاں مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، یعنی اللہ کے نافرمان بندے۔ هم الذين ظلموا بانفسهم عند القتال وترك الجهاد (روح) ۹۳۶ طالوت بن کش تاریخ میں قوم اسرائیل کے پہلے بادشاہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ زمانۂ حکومت ۱۰۲۵ ق۔م تا ۱۰۱۲ ق۔م۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر توریت میں ساؤل Saul کے نام سے آیا ہے۔ توریت میں ان کی نصب حکومت کا ذکر حسب دستور طوالت کے ساتھ موجود ہے:۔ "اور خداوند نے ساؤل کے آنے سے ایک دن پیشتر سموئیل کے کان میں کہہ دیا تھا کہ کل اسی وقت میں ایک شخص کو بنیمین کی سرزمین سے تجھ پاس بھیجوں گا۔ سو تو اس پر تیل ملیو کہ وہ میری قوم اسرائیل کا حاکم ہو تا کہ میرے لوگوں کو فلسطیوں کے ہاتھ سے چھڑائے ... سو جب سموئیل ساؤل سے دوچار ہوا تو وہیں خداوند نے کہا کہ دیکھ یہی شخص ہے جس کی بابت میں نے تجھے کہا تھا یہی میرے لوگوں پر ریاست کرے گا۔" (۱سموئیل ۹: ۱۵-۱۶) ملكًا یہاں ترکیب میں طالوت سے حال واقع ہوا ہے ۹۳۷ حضرت سموئیل نبیؑ کا کہنا بالکل ٹھیک نکلا اسرائیلی کہاں تو امیر کے تقرر کا خود ہی تقاضہ کر رہے تھے، اور کہاں اب جو اس کا خدائی تقرر ہو گیا، تو لگے نکتہ چینی بھی کرنے اور کہنے کہ ایسے شخص کا انتخاب ہو کیونکر سکتا ہے۔ فلما بعث لهم ملكًا انكروا ذلك وعجبوا (ابن جریر) واستبعدوا ان يكون هو ملكًا عليهم (کبیر) انّٰی بمعنی این کا بھی مرادف ہو سکتا ہے اور کیف کا بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی کمال تعجب۔ مقصود نبی کی تکذیب نہیں، صرف اس کے قول پر کمال حیرت ہے۔ کیف ومن این، وهو انكار لتملكه عليهم واستبعاد له (کشاف) الاستفهام حقيقي او للتعجب لا لتكذيب نبيهم (روح) ایک خاص قبیلہ کی طرف سے اعتراض وانکار کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ "بنی بعال بولے کہ یہ شخص ہم کو کس طرح بچائے گا۔ اور اس کی تحقیر کی۔ اور اس کے لئے نذرانے نہ لائے۔" (۱سموئیل۔ ۱۰: ۲۷) بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی بارہ اولادوں کی نسل میں نسلی بنا پر ۱۲ فرقوں یا قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا، اور توریت میں تصریح ہے کہ طالوت اسی قبیلہ سے تھے (۱سموئیل۔ ۹: ۲۱) تو ایک وجہ تو ان کے حقیر سمجھے جانے کی یہی ہوئی۔ نسل و خاندان کی اہمیت جب جائز حدود سے بڑھ جاتی ہے، تو ہندوؤں کی طرح ذات پات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اسرائیلیوں کا بھی اب یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ نبوّت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی لاوہ کا، اور حکومت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی یہودا کا۔ وكان في بني اسرائيل سبطان سبط نبوة وسبط مملكة ولم يكن طالوت من سبط النبوة ولا من سبط المملكة (ابن جریر) جیسے آج عام ہندوؤں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص جو نہ برہمن ہو نہ چھتری، وہ اعلیٰ حاکم و سردار کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا اعتراض اسرائیلیوں کا یہ تھا کہ یہ مالی اعتبار سے بھی تو منصبِ امارت کے لائق نہیں ——— جیسے ہندو کسی سے متعلق یہ اعتراض کریں کہ برہمن اور چھتری نہ سہی، یہ شخص ویش (مہاجن یا ساہوکار) کے درجہ کا بھی تو نہیں! ۹۳۸ (اور اللہ کا انتخاب ظاہر ہے کہ ہر طرح پُر حکمت و پُر مصلحت ہی ہو گا) حضرت شموئیل نبیؑ نے پہلا اور اصلی جواب تو یہی دیا کہ یہ انتخاب انسانی نہیں خدائی ہے۔ اور اس لئے ہر طرح یہی مناسب و پُر مصالح ہے، ایسا کہ تمہارا تو ذہن بھی ان باریک مصلحتوں تک نہیں پہنچ سکتا ؏ پیمبر ہرچہ گوید دیدہ گوید توریت میں اس مقام پر ہے:۔ "اور سموئیل نے جماعت کو کہا کہ تم اُسے دیکھتے ہو کہ جسے خداوند نے چُن لیا کہ اس کی مانند سارے لوگوں میں ایک بھی نہیں۔" (۱سموئیل۔ ۱۰: ۲۴) ۹۳۹ یہ شموئیل نبی کا دوسرا اور "عقلی" جواب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے معیار سے بھی دیکھ لو۔ تمہارے معیار سے سردارِ فوج میں بھی دو ہی چیزیں ہونی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اسے سپہ داری و ملک گیری کے فنون سے واقفیت ہونا چاہئے۔ سو وہ طالوت کو حاصل ہے۔ اور دوسرے خود اس کی جسمی قوت و توانائی، سو اس میں بھی وہ ممتاز ہے۔ بَسۡطَةٗ فِي ٱلۡعِلۡمِ۔ علم سے مراد یہاں وہی علوم و فنون ہیں جن کا تعلق ملک گیری و ملک داری سے ہے۔ اى علم الحرب (ابن عباسؓ) ليتمكن به من حرفة الامور السياسية (روح) كان اعلم بنى اسرائيل بالحرب والديانات فى وقته (مدارک) وَٱلۡجِسۡمِ۔ بسطة فى الجسم سے مراد ہے کہ طالوت قد و قامت اور وجاہت ظاہری میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ اے الطول والقوة (ابن عباسؓ) اطول من كل انسان برأسه ومنكبه (مدارک) توریت کی دی ہوئی تفصیلات سے اُن کے حلیہ کا نقشہ ذہن میں خود کھینچ لیجئے:۔ "بہت خوب جوان تھا۔ اور بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا۔ یہ ساری قوم میں کاندھے سے لیکر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا۔" (۱سموئیل۔ ۹: ۱۰) "اور وہ جب کہ جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں سے لے کر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا۔" (۱۔سموئیل۔ ۱۰: ۱۳) اور درازقامتی، اسرائیلیوں کے ہاں کوئی معمولی صفت نہیں، بڑی اہم اور ضروری صفت سرداری کے لئے تھی۔ توریت کے بعد اُن کے ہاں کا مقدس ترین نوشتہ تالمود ہے، اس کی تصریح ملاحظہ ہو:۔ "خداوند تبارک و تعالیٰ اپنی سکینت کا نزول صرف اُس شخص پر کرتا ہے جو دانشمند ہو، مضبوط ہو، متموّل ہو اور درازقامت ہو۔" (Everyman's Talmud ص ۱۲۹) قرآن مجید کی اس بلاغت کے قربان جائیے، کہ اُس نے نام ہی ایسا رکھا، جس سے بلندقامتی کی جانب پورا اشارہ ہو جائے۔ چنانچہ اہل تحقیق کا ایک گروہ اس جانب گیا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا، اور طول سے مشتق۔ كان طالوت اسمه بالعبرانية ساؤل فسمّى طالوت لطوله (معالم) قيل انه عربى من الطول واصله الطولوت (روح) ۹۴۰ (کہ وہی مالک و مختار ہے، اور اس کی ہر عطا اقتضاء حکمت کے موافق ہی ہوتی ہے) مُلكه، مُلك کی نسبت اپنی جانب کر کے اللہ نے بتا دیا کہ حقیقت میں ہی ایک تنہا سارے ملکوں کا ہے

مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ
نکل گئے تھے موت سے بچنے کے لئے، اور وہ ہزاروں ہی تھے ۹۱۸ تو اللہ نے

لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ
ان سے کہا کہ مرجاؤ ۹۱۹ پھر اُس نے انہیں جلادیا ۹۲۰ بیشک اللہ انسانوں پر بڑا فضل

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَ
کرنے والا ہے، ۹۲۱ لیکن اکثر انسان شکر نہیں ادا کرتے ۹۲۲

قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾
اور اللہ کی راہ میں قتال کرو ۹۲۳ اور جانے رہو کہ اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ۹۲۴

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ
کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ قرض دے ۹۲۵ پھر اللہ اُسے بڑھا کر

لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ
اُس کے لئے کئی گنا کر دے ۹۲۶ اور اللہ ہی تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی کرتا ہے ۹۲۷، اور تم سب

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۹۲۸، کیا تجھے خبر نہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا
ایک جماعت کی ۹۲۹ جب کہ ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا ۹۳۰ کہ ہمارے لئے ایک امیر

مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ
مقرر کر دیجئے کہ ہم خدا کی راہ میں قتال کریں ۹۳۱ (نبی نے) کہا کہیں ایسا تو نہیں، کہ

وقف لازم

منزل

۹۱۸ (عین موقع جہاد پر) حَذَرَ الْمَوْتِ۔ یہ تصریح ہے اس کی کہ اتنی بڑی تعداد میں اپنے گھروں سے باہر نکل جانا محض امر اتفاقی نہ تھا، موت کے خوف سے تھا۔ ذکر کسی قدیم قوم کا ہے، اور اشارہ کسی ایسے واقعہ کی جانب ہے، جو مخاطبین اول، اہلِ عرب کے لئے معروف و متعارف تھا۔ مفسرین نے مختلف قوموں اور مقاموں کے نام لئے ہیں۔ ممکن ہے اُن ہی میں سے کوئی صحیح ہو، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی قوم و مقام ہو۔ پوری تحقیق انشاء اللہ مستقبل میں قرآنیات کا کوئی متعلم کر کے رہے گا۔ کچھ کام آخر آئندہ کے مفسرین و محققین کے لئے بھی تو اُٹھا رہے۔ قرآن کی مخاطب جس طرح ہجرت کی دوسری صدی اور تیرھویں صدی کی دُنیا رہی ہے، اسی طرح ہجرت کی پندرھویں اور بیسویں صدی کی دنیا بھی تو رہے گی۔ کچھ فرض ہے کہ جتنی تحقیقات بھی ہونا ہے سب چودھویں صدی ہی میں ختم ہو جائے، اور آیندہ صرف اُنہی کو دہرا دینا اور نقل کر دینا رہ جائے؟ عہد عتیق کی کتاب حزقی ایل (۲۷: ۱-۱۰) میں ایک روایت بصورت کشف و رؤیا اس سے ملتی جلتی ہے۔ بہرحال قرآن کا جو اصل مقصد موعظت و تذکیر ہے، وہ قوم و مقام کے ابہام و عدم تعیین کے باوجود بھی حاصل ہے ۹۱۹ (وبا سے یا کسی اور طریق سے، چنانچہ وہ سب مرگئے) یعنی وطن سے نکل کھڑے ہوئے جان بچانے کو اور حکم جہاد کی تعمیل سے جی چراتے ہوئے۔ لیکن یہ تدبیر کچھ بھی کام نہ آئی، اور اُلٹے موت کا شکار ہو کر رہے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا۔ مقصود محض اس قول کا نقل کرنا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کر لیا، تو کوئی امر اس میں مانع نہ ہو سکا، اور عمل بن کر رہا۔ عربی میں یہ اسلوبِ بیان عام ہے۔ المراد انه تعالىٰ متى اراد ذٰلك وقع من غير منع وتأخير ومثل هذا عرف مشهور فى اللغة (کبیر) ۹۲۰ (اور انہیں مشاہدہ کرا دیا کہ موت و زندگی کا سررشتہ کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عقل و تدبیر انسانی کے ہاتھ میں نہیں، اور اس لئے جہاد یا دوسرے احکام شریعت کی تعمیل سے جی چرانا انتہائی سخافت و نادانی ہے) فقہاء و مفسرین نے یہاں طاعون سے فرار کی بحث چھیڑ دی ہے اور فرمانِ نبوی نقل کیا ہے کہ جس سرزمین پر طاعون ہو وہاں سے بھاگو نہیں، اور جہاں ہو وہاں جاؤ نہیں۔ اس پر ایک عقلی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاعون زدہ مقام میں داخل ہونا اور طاعون زدہ مقام سے نہ ہٹنا، یہ دونوں عملاً متضاد ہدایتیں ہوئیں۔ اگر طاعون بچنے کی چیز ہے، تو وہاں سے ہٹنے کا بھی حکم ملنا چاہیے۔ اور اگر بچنے کی چیز نہیں، تو اُس شہر میں پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے! اصل یہ ہے کہ وبا زدہ مقام سے بھاگنے اور ہٹنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک کو اجازت ملی، تو بس سب ہی بھاگنا شروع کریں گے، اور شہر خالی ہو جائے گا۔ اس بے تحاشا بھگدڑ Panic سے آبادی کو جن مالی، معاشی، تمدنی، اخلاقی نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا وہ بالکل ظاہر ہیں، اور بہ کثرت تجربہ و مشاہدہ میں بھی آچکے ہیں۔ پھر ایک طرف یہ عادت اگر ہمت، ثباتِ قلب، شجاعت اور باہمی ہمدردی کے منافی ہے، تو دوسری طرف اسبابِ ظاہری پر ضرورت سے زیادہ تکیہ و اعتماد کی دلیل اور توکل، اعتماد علی اللہ کے منافی، اور ایک مذہبی قوم کے بالکل غیر شایان ہے۔ لیکن جہاں وبا ہے اور موت کا بازار دھڑا دھڑ گرم ہے، وہاں بے دھڑک داخل ہو جانا اور احتیاط نہ برتنا، ایک طرف سلسلۂ اسبابِ ظاہری کو بالکل نظر انداز کر دینا ہے، اور دوسری طرف انسان میں جو درجہ خوف و اندیشۂ طبعی کا رکھ دیا ہے، اس کے مقتضا کو پامال کرنا ہے۔ ان متضاد پہلوؤں کے درمیان اعتدال اور سلامتی کی راہ ڈھونڈ نکالنا اسلام ہی جیسے حکیمانہ مذہب کا کام تھا۔ اُس نے عقلی اور طبعی تمام پہلوؤں کی رعایت رکھ کر یہ معتدل اور عادلانہ حکم دیا کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ خواہ مخواہ جاؤ، نہ خواہ مخواہ وہاں سے نکل بھاگو ۹۲۱ (کہ اُنہی کے فائدے والے احکام اُنہیں دیتا رہتا ہے) ۹۲۲ (بلکہ اُلٹے ان احکام کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں) حکم قتال معاً آگے آتا ہے۔ اس کے قبل ایسی حکایت بیان کرنا، جس سے قلوب میں بے خوفی اور اللہ پر اعتماد پیدا ہو، عین تقاضائے حکمت ہے ۹۲۳ (اے اُمتِ اسلامیہ!) حکم کی مخاطب اُمت بہ حیثیت جماعت ہے، افرادِ اُمت نہیں۔ کہ فرداً فرداً ہر شخص جب جی چاہے، تلوار اُٹھا کر چلانا شروع کر دے۔ اس تمہیدی حکایت کے بعد کہ موت و زیست سب کا آخری سررشتہ اُسی کے ہاتھ میں ہے، اب حکم ملتا ہے کہ اُسی کے حکم سے، اُسی کے دین و آئین کی خدمت و نصرت کے لئے، جہاد و قتال میں مشغول ہو جاؤ ۹۲۴ سَمِيْعٌ۔ وہ خوب سُن رہا ہے، جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی باتوں کو۔ عَلِيْمٌ۔ وہ خوب جانتا ہے جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی نیتوں کو ۹۲۵ یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرے۔ جہاد و قتال کا حکم ابھی ملا ہے۔ قدرۃً سامانِ جنگ کے لئے اُمتِ اسلامیہ کو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی، اس لئے پہلے ہی نمبر پر امرائے اُمت کو اس میں حصہ لینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ اصطلاح قرآنی میں اس لفظ سے مراد ہر وہ رقم ہے جو دین کی کسی مد میں خرچ ہو سکے۔ یہاں مراد مصارفِ جہاد ہیں۔ اس ملّی چندہ کو، قرض اور پھر قرضِ حسنہ سے تعبیر کرنا عین محاورۂ عرب کے مطابق ہے کہ اہل عرب ہر اچھے معاوضہ والے عمل کو اچھے قرض اور ہر بُرے معاوضہ والے عمل کو بُرے قرض سے تعبیر کرتے تھے۔ والعرب تقول لكل من فعل اليه خيرًا قد احسنت قرضى وقد اقرضتنى قرضًا حسنًا (تاج) قال الزجاج القرض هو كل ما يُفعل ليجازىٰ عليه تقول العرب لك هنذى قرض حسن وسيئ (کبیر) عرب ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھے۔ قرض، بیع و شرا وغیرہ کے الفاظ اگر ان کی زبان کے جزو بن گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایک بددین، اُردو خواں جاہل، قرآن مجید میں قرض کا لفظ دیکھ اور اُسے اُردو کے قرضہ پر قیاس کر، تمسخر کی راہ سے بولا کہ خدا بھی محتاج ہو گیا ہے، جو اُسے بندوں سے اُدھار مانگنے کی ضرورت پڑی! ــــــ جہل مرکب بھی انسان کے لئے کیسی سخت لعنت ہے! مردم اندر حسرتِ فہم درست ۹۲۶ (یعنی اصل استحقاق سے کہیں بڑھا چڑھا کر) يُضٰعِفَهٗ۔ اس کو۔ یعنی اس کے اجر و ثواب کو ۹۲۷ (سو اُس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے سے کیوں رکو، کیوں گھبراؤ) صاف بتلا دیا کہ معاشیات کے سارے قوانین اللہ ہی کی مُٹھی میں ہیں۔ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے یہ سمجھو کہ مفلس ہو جاؤ گے ۹۲۸ (اور وہی دین کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو جزا دے گا اور نہ خرچ کرنے والوں کو سزا) ۹۲۹ الم تر۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۱۔ الملا۔ ملاء مطلق جماعت نہیں، اہل حل و عقد یا اہل الرائے کی جماعت ہے۔ الملاء جماعة يجتمعون على رأي (راغب) الملاء من القوم وجوههم واشرافهم (روح) توریت میں اس موقع پر "اسرائیلی بزرگ" ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى۔ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تین صدی بعد، حضرت داؤد سے کچھ ہی قبل کے زمانہ کا ہے۔ سنہ مسیحی کے آغاز میں ابھی کوئی ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی ۹۳۰ مراد حضرت شموئیل ہیں (۱۱۰۰ ق م۔ تا ۱۰۲۰ ق م) ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم کے نام سے تھا۔ اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے ۹۳۱ (اور اس امیر کی ماتحتی میں ہم سب منظم ہو کر دشمنوں سے جنگ کریں) اسرائیلی اس وقت خاص طور پر دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے، اور لڑائی میں ان سے مغلوب و عاجز آچکے تھے۔ توریت میں اس کی بھی تصریح ہے کہ حضرت شموئیل نبی اُس وقت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت و سرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ مَلِكًا۔ عربی میں مَلِك کا لفظ بہت وسیع ہے، ہر صاحبِ قوت و اقتدار جو اپنے احکام و قوانین نافذ کر سکے مَلِك ہے۔ الملك هو المتصرف بالامر والنهى فى الجمهور (راغب) اور یہاں مَلِك سے مراد امیر جیش یا سالار لشکر لی گئی ہے، اور یہی سیاق کے مطابق ہے۔ ابعث لنا ملك الجيش (ابن عباسؓ) انهض لنا من تصدر عنه تدبير الحرب وننتهى على أمره (بحر) اى اقم لنا اميرًا (روح) طلبوا من نبيهم نحو ما كان يفعل رسول الله صلعم من التأمير على الجيوش (کشاف) اُردو میں رئیس و امیر کے الفاظ، اور سرحدی قبیلوں میں خان کا لفظ ملك کے مرادف ہے۔ توریت میں اس موقع پر "بادشاہ" کا لفظ آیا ہے، اور اسرائیلی تخیل میں بادشاہ کے لئے فوج کی سرداری لازمی تھی، اور ہر سردارِ اعلیٰ کو بادشاہ کہتے بھی تھے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بادشاہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ فوج کی امارت اور سپہ سالاری کرے" (جلد ۷، صفحہ ۵) اور یہ تصریح بھی ہے کہ "فلسطین میں تقریباً ہر بڑا سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا" (جلد ۷، صفحہ ۵) توریت میں اسی موقع کا بیان ان الفاظ میں ہے:۔ "تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر رامہ میں سموئیل کے پاس آئے، اور اُسے کہا کہ دیکھ تو بُڈھا ہوا، اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے، اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر، جو ہم پر حکومت کیا کرے، جیسا کہ سب قوموں میں ہے" (۱۔ سموئیل ۸: ۴ و ۵) "ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر مقرر ہو تاکہ ہم بھی اور سب گروہوں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے، اور ہمارے لئے لڑائی کرے" (۱۔ سموئیل ۸: ۱۹ و ۲۰)۔

۹۰۸ (حالتِ نماز میں) قَانِتِیْنَ۔ لفظ قنوت بہت جامع ہے اور حاوی ہے ذکر اور دُعا اور خشوع و خضوع پر۔ قال ابو محمد ولا ازی اصل ھذا الحرف الا الطاعۃ لان جمیع ھذہ الخصال من الصلوٰۃ والقیام فیھا والدعاء وغیر ذلک یکون عنھا (ابن قتیبہ) ۹۰۹ (جس طرح بھی بن پڑے اور جس حد تک حالات اجازت دیں) فَاِنْ خِفْتُمْ۔ یعنی اگر عام قاعدہ کے مطابق نماز باجماعت میں کسی دشمن کی طرف سے خوف ہو۔ اسلام کی یہ پنج وقتہ پریڈ یا دربار الٰہی میں حاضری اس درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ بالکل معاف عین حالتِ جنگ میں بھی نہیں ہوتی۔ محافظتِ صلوٰۃ کا حکم بہرحال قطعی اور دائمی ہے۔ ترکِ نماز کی اجازت اس خطرہ کے حال میں بھی نہیں۔ البتہ رعایت ماحول کی پوری گنجائش دوسرے موقعوں کی طرح اس محل میں بھی رکھ دی گئی ہے۔ نماز خوف کی تفصیلات کتب فقہ میں ملیں گی ۹۱۰ یعنی اب نماز عام قاعدوں کے موافق و بہ تحت ادا کرو۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ۔ یعنی جب دشمن کی طرف سے اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے ۹۱۱ یہ وصیت

قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ
کھڑے رہا کرو ۹۰۸ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم پیدل ہی (پڑھ لیا کرو) یا سواری پر ۹۰۹ پھر جب
اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا
تم امن میں آجاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جس طرح اُس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم جانتے
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ
(بھی) نہ تھے ۹۱۰ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ
اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ
جائیں (اُن پر لازم ہے) اپنی بیویوں کے حق میں نفع اُٹھانے کی وصیت (کر جانے) کی کہ وہ ایک
غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ
سال تک (گھر سے) نکالی نہ جائیں ۹۱۱ لیکن اگر خود نکل جائیں تو کوئی گناہ تم پر نہیں اُس
مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ
باب میں جسے وہ (بیویاں) اپنے باب میں شرافت کے ساتھ کریں ۹۱۲ اور اللہ بڑا زبردست
حَكِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا
ہے بڑا حکمت والا ہے ۹۱۳ اور طلاق والیوں کے حق میں بھی نفع پہنچانا دستور کے موافق مقرر ہے ۹۱۴ (یہ)
عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ
پرہیزگاروں پر واجب ہے ۹۱۵ اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر اپنے احکام بیان کرتا ہے
ع ۳۱ ۷ ۱۵ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا
شاید کہ تم سمجھو ۹۱۶ کیا تجھے خبر نہیں ۹۱۷ ان لوگوں کی کہ جو اپنے گھروں سے

کا حکم اُس وقت تھا جب میراث کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، جب میراث کے مستقل احکام نازل ہو گئے اور شوہر کے ترکہ میں ایک مستقل حصہ بیوہ کا بھی مقرر ہو گیا، تو ظاہر ہے کہ اب حکمِ وصیت پر عمل کا کوئی محل باقی نہ رہا ——— اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس وقت یعنی احکام میراث کے نزول سے قبل شریعت نے بیوہ عورتوں کے لئے حسب ذیل رعایتیں رکھی تھیں:۔ (۱) وہ اگر شوہر ہی کے گھر رہنا چاہیں تو ایک سال تک انہیں کوئی بے دخل نہیں کر سکے گا (۲) انہیں کھانا کپڑا بھی اس مدت تک شوہر ہی کے ترکہ سے ملتا رہے گا (۳) وہ خود ہی اگر اپنی کسی مصلحت سے اس گھر میں رہنا نہ چاہیں، تو بعد ختم عدت ان کے لئے یہ بالکل جائز تھا، اور دوسرے حقوق کی طرح اس حق سے بھی دستبرداری کا انہیں حق حاصل تھا۔ مَتَاعًا۔ یہ نفع اُٹھانا، کھانے اور کپڑے اور سکونتِ مکان کے متعلق ہوگا۔ المتاع عام شامل للانفاق والاسکان جمیعًا (روح) بیوہ غریب، ظہورِ اسلام کے وقت یوں بھی ہر مذہب میں کس مپرسی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور عرب جاہلیت میں تو کوئی اس کی بات پوچھنے کا بھی روادار نہ تھا۔ اسلام ہی نے آکر دُنیا کی تاریخ میں پہلی بار بیوہ کی عزت اور اس کے حقوق کی نصرت کی ——— مشرکانہ مذہبوں میں تو بیوگی اور نحوست مترادف تھیں، اور بیوہ کو گھر بھر کی تحقیر وطعن کا ہدف بننا پڑتا تھا ۹۱۲ مثلاً یہی نکاح یا نکاح کی بات چیت۔ مِنْ مَّعْرُوْفٍ کی قید نے اسے واضح کر دیا کہ وہ کارروائی نہ کسی ضابطۂ شریعت کے خلاف ہوگی۔ مثلاً قانونِ عدت کی خلاف ورزی اور نہ کسی آئینِ اخلاق کے منافی ۹۱۳ عَزِیْزٌ۔ یاد دلا دیا کہ وہ بڑا قوت والا ہے، سو ایسے کے حکم کی خلاف ورزی کیسی زبردست نادانی ہے۔ حَكِیْمٌ۔ یاد دلا دیا کہ اس کے احکام سارے کے سارے، قریب و بعید، جلی و خفی، مصالح بشری کے جامع ہوتے ہیں ۹۱۴ (کسی نہ کسی درجہ میں) مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے، یہ نہ ہو کہ اسے ننگا بوچا کر کے بھوکا پیاسا، اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے بلکہ ایک مدت تک اس کی آسائش کا خیال اور اس کی ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ فقہاء نے حدیث و سنت کی روشنی میں ایک سال ہی کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پہننے اور رہنے سہنے کا انتظام شوہر پر واجب ہے۔ مطلقہ پر تینوں طلاقیں اگر ابھی نہیں پڑی ہیں، جب تو یہ حکم متفق علیہ ہے، اور اگر پڑ چکی ہیں تو حنفیہ کے ہاں جب بھی یہی حکم ہے ۹۱۵ عَلَى الْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی مسلمانوں پر، کہ اس درجہ میں پرہیزگار ہر مسلمان ہوتا ہے۔ لمتقی الشرک (بحر) علی کل من کان متقیا عن الکفر (کبیر) بمعنی المومنین المتقین الشرک (معالم) ۹۱۶ (اور ان پر عمل کرو) مفسر تھانویؒ نے یہاں خوب لکھا ہے کہ ان احکام طلاق وغیرہ میں اتقوا اللہ اور حدود اللہ اور سمیع علیم اور عزیز حکیم اور بصیر اور خبیر اور ھم الظٰلمون اور فقد ظلم نفسہ وغیرہ کلام میں کثرت سے آنا جو سب مخالفت پر وعیدیں ہیں، اس امر پر دلیل قطعی ہیں، کہ یہ سب احکام شریعت میں مقصود اور واجب ہیں، محض مشورہ کے طور پر نہیں ہیں کہ اُن میں ترمیم و تبدیل کا بھی حق اختیار حاصل ہے ۹۱۷ (اے مخاطب) اَلَمْ تَرَ۔ عربی میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے جب مخاطب کو کسی نئے اہم اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ رؤیت سے ہمیشہ چشم بصارت سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم و تخیل اور غور و فکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ و مشاہدہ مراد ہوتا ہے۔ اور جب اس فعل کا صلہ الیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو کوئی مقصود کوئی نتیجہ نکالنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ واذا عدی رأیت بالیٰ اقتضی معنی النظر المؤدی الی الاعتبار (راغب)

۹۰۰ یعنی کوئی بازپرس نہیں مہر کے باب میں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں شوہر کے ذمہ مہر واجب بھی نہیں۔ لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ ۔ یہاں مس سے مراد ہمبستری کی دونوں قسمیں ہیں، حقیقی اور
واقعی، اور حکمی و فقہی (یعنی خلوتِ صحیحہ) طلاق ہمبستری کے قبل بھی بالکل جائز ہے، بغیر کسی مہر کی ذمہ داری کے۔ نکاح بلا تعیینِ مہر بھی صحیح رہتا ہے۔ طلاق کے وقت اس واجب مبہم کا اندازہ شوہر کی حسب
استطاعت کیا جائے گا۔ ۹۰۱ مَتِّعُوْهُنَّ کا لفظ قرآن میں عام ہے اور مذاقِ بشری کی ہمہ گیری اس عموم کو چاہتی بھی ہے۔ المعروف هو ما يختص به وذلك الذي يسمى متعة (روح) متعة
الطلاق اعلاه الخادم ودون ذلك الورق ودون ذلك الكسوة (روح۔ عن ابن عباسؓ) ادنى ما يكون من المتعة ثلاثون درهمًا (روح۔ عن ابن عمرؓ) البتہ فقہا نے یہاں عموماً تین کپڑوں کا جوڑا
مراد لے لیا ہے۔ لیکن خود یہ جوڑا بھی یقیناً حسبِ رواج ملک و قوم ہو گا۔ ۹۰۲ اور خوش معاملگی تو سارے مسلمانوں کو ہونا چاہیئے۔ اس لئے مراد ہیں سارے مسلمان۔ لفظ محسنین لا کر ان کے اس وصف کو نمایاں کر دیا ہے

إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوْا
کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ اُن کے لئے مہر مقرر کیا
لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ
طلاق دے دو اور وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ہے اور تنگی والے
وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى
کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق (یہ) خرچ شرافت کے موافق ہو (اور یہ) واجب ہے
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ
خوش معاملہ لوگوں پر اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی ہے قبل اس کے کہ انہیں
تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ
ہاتھ لگایا ہو، لیکن ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو، تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے
مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَنْ يَّعْفُوْنَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ
اس کا آدھا واجب ہے بجز اس صورت کے کہ یا تو وہ عورتیں خود معاف کر دیں۔ یا وہ (اپنا)
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوْٓا أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا
حق معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور اگر تم (اپنا حق) معاف کر دو تو یہ بہت ہی قرین تقویٰ ہے
تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
اور آپس میں لطف و احسان نظرانداز نہ کرو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ یقیناً اس کا خوب دیکھنے والا ہے
حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ
(سب ہی) نمازوں کی پابندی رکھو۔ اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور اللہ کے سامنے عاجز بنے (کی طرح)

والاحسان انما على وجه التاكيد (جصاص) اے على المسلمين (مدارک) ۹۰۳ طلاق کی ایک صورت وہ تھی جو ابھی اوپر بیان ہو چکی، یعنی نہ مہر طے ہوا تھا اور نہ ابھی خلوت ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ دوسری صورت اب بیان ہو رہی ہے کہ مہر تو معین ہو چکا تھا، لیکن خلوت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ عام قاعدہ ایسے موقع کے لئے یہ ہے کہ مہر مقرر کا نصف شوہر کے ذمہ واجب الادا ہو گا۔ لیکن دو صورتیں اس حکم عام سے مستثنیٰ کی ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی اپنے حق سے تمامتر دستبردار ہو جائے اور نصف مہر بھی نہ لے۔ اور دوسری صورت یہ کہ شوہر اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، یعنی جو نصف مہر اُسے رکھ لینے کا استحقاق تھا اُسے بھی وہ نہ رکھے اور بجائے نصف کے پورا مہر ادا کر دے۔ يَعْفُوْنَ ۔ عورت اپنا حق معاف کر دے، اور اس کا حق ہے وہی مہر معین کا نصف۔ گویا عورت مہر تمامتر چھوڑ دے۔ نِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ۔ تعدادِ مہر اگر معین تھی، جب تو اس کا نصف ظاہر ہے۔ اگر تعداد معین نہ تھی تو فیصلہ مہرِ مثل پر ہو گا (یعنی خاندانی مہر پر) الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یعنی جو نکاح کی گرہ کے توڑنے اور جوڑے رکھنے کا اختیار رکھتا ہو مراد شوہر ہے۔ یہ الفاظ اس پر ناطق ہیں کہ معاہدۂ نکاح میں شریکِ غالب کی حیثیت شوہر ہی رکھتا ہے ۹۰۴ قانون اور ضابطہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ شوہر طلاق کی اس صورت میں نصف مہر روک سکتا ہے، اب معاً اخلاق کے افضل و اعلیٰ مقام کی طرف رہنمائی کر دی گئی کہ حق وصول کرنے سے کہیں بہتر و برتر اس حق کا معاف کر دینا ہے۔ جائز و برتر، مباح و افضل، قانون و اخلاق کا یہ مسلسل امتزاج قرآن کے معنوی معجزات میں سے ہے ۹۰۵ چنانچہ طلاق کے موقع پر بھی، جو تعلقات کی بقا کا نہیں، اس کے اختتام انقطاع کے اعلان کا نام ہے، باہمی حسنِ سلوک، مروت، رعایت سے نہ چوکو۔ آیت سے صاف اشارہ ادھر نکل رہا ہے کہ کسی ناخوشگوار واقعہ کے پیش آجانے سے صحبتِ قدیم و محبتِ سابق کے حقوق زائل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ حالتِ طیش و ناگواری میں بھی لحاظ تقویٰ اور حسنِ اخلاق اور عفو و احسان کا برابر رکھنا چاہیئے۔ وَلَا تَنْسَوُا ۔ نسیان یہاں بھول کے معنی میں نہیں، کہ وہ تو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک کرنے اور نظرانداز کرنے کے معنی میں ہے۔ قال ابو محمد والنسيان ههنا الترك (ابن قتیبہ) ۹۰۶ سو اس کے ہاں تمہاری کوئی سی نیکی بھی، کسی درجہ اور کسی موقع کی ہو، رائیگاں نہ جائے گی ۹۰۷ اُوپر سے ذکر برابر بیویوں کے حقوق و مطالبات کا چلا آ رہا تھا اور آگے پھر یہی ذکر چلے گا۔ درمیان میں احکام نماز سے متعلق آ گئے، یہیں سے اس حقیقت پر ایک بار اور روشنی پڑ رہی ہے کہ اسلام میں معاشرت و معاملت، قانون و اخلاق کے مسائل، عبادات سے الگ نہیں۔ اور نظامِ شریعت میں خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق دوش بدوش چل رہے ہیں۔ حافظوا على الصلوات۔ محققین نے محافظتِ صلوٰۃ کے تین درجے قرار دیئے ہیں۔ ادنیٰ یہ کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور فرائض و واجبات ترک نہ کئے جائیں۔ اوسط یہ کہ جسم ہر طرح طہارتِ ظاہری سے آراستہ ہو، طبیعت اکلِ حلال کی خوگر ہو، دل میں خشوع و خضوع ہو، سنن و مستحبات کی پوری رعایت رہے۔ اعلیٰ یہ کہ نماز گویا حق تعالیٰ کے مواجہہ میں ہو رہی ہے۔ اس قدر حضورِ قلب و استغراق رہے۔ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۔ اس درمیانی نماز سے کیا مراد ہے؟ اکثر ائمہ تفاسیر نے نمازِ عصر مراد لی ہے اور یہی معنی ابن جریر میں حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہؓ صحابیوں اور قتادہ و ضحاک تابعین اور امام ابو حنیفہؒ و امام نخعیؒ سے مروی ہوئے ہیں۔ لیکن ابن جریر ہی میں دوسرے معنی، نمازِ ظہر اور نمازِ مغرب اور نمازِ فجر کے بھی اسی پایہ کے حضرات سے منقول ہیں۔ بعض نے لفظی پہلو پر زور دے کر یہ تفسیر کی ہے کہ ہر نماز چونکہ اپنی جگہ پر عبادات و حسنات کا درجۂ متوسط ہے، اور پھر ہر نماز کے ادھر ادھر کچھ نمازیں بھی ہوتی ہیں، نمازِ وسطیٰ کا اطلاق ہر نماز پر ہو سکتا ہے، اور اس سے کسی خاص وقت کی نماز مقصود نہیں۔

۵۸۹۰ یعنی مدّتِ بیوگی ختم ہوجائے ۵۸۹۱ یعنی جب عدت ختم ہوگئی، تو اب نکاح کی تجویز وغیرہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فلاجناح علیکم فی مافعلن ۔ خطاب عام ہے اہلِ امت کو یعنی تم پر ایسی بات کے جائز رکھنے میں کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ ایھاالائمۃ الحکام (جصاص)، ھذا خطاب للاولیاء (ابن العربی) قیل الخطاب لجمیع المسلمین (روح) اس طرزِ خطاب سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کوئی شخص اگر خلاف شرع کام کرے تو دوسرے پر واجب ہوتا ہے کہ بشرطِ قدرت و بہ قدرِ قدرت اس کو رد کریں، ورنہ یہ بھی گناہگار ہونگے۔

اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ
تک پہنچ جائیں ۵۸۹۰ تو تم پر اس باب میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے بارے
اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾
میں کچھ کارروائی کریں، شرافت کے ساتھ ۵۸۹۱ اور جو تم کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے ۵۸۹۲
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ
اور تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں کہ تم ان (زیرِعدت) عورتوں کے پیغامِ نکاح کے باب میں
النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ
کوئی بات اشارۃً کہو یا (یہ ارادہ) اپنے دلوں ہی میں پوشیدہ رکھو ۵۸۹۳ اللہ کو تو علم ہے کہ تم ان عورتوں
سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا اِلَّآ
کا ذکر مذکور کرو گے ۵۸۹۴ البتہ ان سے کوئی وعدہ خفیہ (بھی) نہ کرو ۵۸۹۵ مگر ہاں کوئی بات
اَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۗ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ
عزت و حرمت کے موافق (چاہو تو) کہہ دو ۵۸۹۶ اور عقدِ نکاح کا عزم اُس وقت تک کرو جب تک
النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۗ وَاعْلَمُوٓا اَنَّ
کہ میعاد مقرر اپنے ختم کو نہ پہنچ جائے ۵۸۹۷ اور جانتے رہو کہ جو کچھ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوٓا
تمہارے دلوں میں ہے، اللہ اُسے جانتا ہے ۵۸۹۸ سو اُس سے ڈرتے رہو اور جانے رہو
اَنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
کہ اللہ بخشنے والا ہے، ۵۸۹۹ بڑا بُردبار ہے ۵۹۰۰ تم پر کوئی گناہ نہیں

ع ۳۰ / ۱۴

فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ ۔ یعنی نکاح اور متعلقاتِ نکاح کی تجویزیں بھی جو شرعاً جائز ہوں۔ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ جو بھی کارروائی ہو قانونِ شریعت و آئینِ اخلاق کے باہر نہ ہو ۵۸۹۲ چنانچہ کوئی بات خلافِ شریعت اگر خود کروگے یا اُسے ہونے دوگے تو اُس کے ذمہ دار قرار پاؤگے، مشرک قوموں نے اپنے خداؤں سے علمِ کامل اور باخبری کی نفی کی ہے۔ قرآن مجید نے ان صفات کے اثبات میں ایک پہلو ردِّ شرک کا بھی رکھا ہے۔ ۵۸۹۳ دورانِ عدت میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی مرد کسی بیوہ سے نکاح کا ارادہ اپنے دل میں قائم کرے، اور زبان پر نہ لائے، یا اگر لائے بھی تو محض اشارۃً وکنایۃً۔ صراحت کے ساتھ البتہ اجازت اس زمانہ میں نہیں ۵۸۹۴ سو محض تذکرہ کی حد تک رہنے کا کوئی مضائقہ نہیں، یہ عین فطرتِ بشری ہے کہ جو عورت دل میں بس جاتی ہے، مرد اِدھر اُدھر گھوم گھما کر اس کا ذکر ضرور لاتا ہے، اور اس کا تذکرہ چھیڑنے کا بہانہ ڈھونڈا کرتا ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا عین اسی فطرتِ بشری کا ترجمان ہے ۵۸۹۵ دورانِ عدت میں عورت سے وعدۂ نکاح کرلینا، علانیہ نہ سہی، بطور راز کے بھی جائز نہیں۔ اور یہ ٹکڑا اسی حکم کی تاکید کے لئے ہے۔ سِرًّا، سِرّ کے عام معنی چوراز کے ہیں، ظاہر ہیں۔ جمہور مفسرین نے وہی قبول کئے ہیں۔ لیکن ایک مجازی معنی خود نکاح کے بھی ہیں اور ابن سیدہ لغوی، فرا نحوی وغیرہما نے یہاں اس سے کنایہ نکاح ہی کا سمجھا ہے۔ وکنی عن النکاح بالسر (راغب) ومن المجاز السر للنکاح وقال ابن السید، وھو کنایۃ عنہ (تاج) وھو ان یصف احد ھو نفسہ للمرأۃ فی عدتھا فی النکاح وبہ فسر الفراء (تاج) اِس صورت میں آیت کا ترجمہ ہوگا " البتہ ان سے وعدۂ نکاح نہ کرو " ۵۸۹۶ اور وہ عزت و حرمت کے ساتھ بات کرنا یہی ہے کہ جو کچھ بھی کہنا ہو اشارۃً وکنایۃً ہی کہا جائے نہ کہ صراحۃً ۵۸۹۷ یعنی ختمِ عدت سے قبل عزمِ نکاح کرلینا بھی درست نہیں۔ عزم سے مراد تصمیم وقطعی ہے۔ ۵۸۹۸ سو جو امور ناجائز ہیں ان کے ارتکاب کا عزم بھی اس کے علم میں رہتا ہے ۵۸۹۹ غَفُوْرٌ (چنانچہ توبہ کے بعد نافرمانوں کو بھی معاف کردیتا ہے) حَلِيْمٌ (چنانچہ بہت سے نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دے دیتا ہے)۔

۸۸۱ مرضعہ کی تنخواہ اور کھانے کپڑے کی ذمہ داری بہرحال باپ کے سر ہے۔ اور مرضعہ عام حالات میں ماؤں ہی کو ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مائیں ہنوز قیدِ نکاح میں ہوں یا قیدِ عدت میں۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی عرف شریفانہ کے موافق، جو کسی قاعدہ شرعی کے خلاف نہ ہو۔ ای بما یحسن فی الدین والمروءۃ (مدارک) ای بما لا یکون مستنکرا شرعا و مروءۃ (روح) فقہا نے لکھا ہے کہ اس کھلانے پہنانے میں مرد کی واجبی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسے نہ سختی سے کام لینا چاہیے، نہ اسے اسراف کی حاجت۔ یدل علی ان الواجب من النفقۃ والکسوۃ ھو علٰی قدر حال الرجل فی اعسارہ و یسارہ (جصاص) ۸۸۲ (اور اس کے قوائے ترکیبی کے مناسب حال) چنانچہ یہاں بھی رضاعت کا حکم ملا تو ماں کو، کہ یہ چیز عورت ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ اور مرضعہ کو کھلانے پہنانے کی ذمہ داری رکھی گئی ہے باپ کے سر کہ پکانا اور خرچ کرنا مرد ہی کی زندگی سے مناسبت رکھتا ہے۔ جزئیات کے درمیان درمیان کلیے آنا یہ انشاء قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے ۸۸۳ آیت میں تنبیہ ہے باپ اور ماں دونوں کو، باپ کو تو یہ کہ وہ لڑکے کی ماں پر

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا
موافق دستور کے ۸۸۱ کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا بجز اس کی برداشت کے بقدر ۸۸۲ نہ کسی
تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَ
ماں کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث اور نہ کسی باپ ہی کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے
عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ
بچہ کے باعث ۸۸۳ اور اسی طرح (کا انتظام) وارث کے ذمہ بھی ہے ۸۸۴ پھر اگر دونوں اپنی باہمی
تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ
رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں ۸۸۵ تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر
اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
تم لوگ اپنے بچوں کو (کسی اور انا کا) دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ
عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا
نہیں جب کہ تم (اُن کے) حوالے کر دو جو کچھ انہیں دینا ہے موافق دستور کے ۸۸۶ اور اللہ
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۲۳۳ وَ
سے ڈرتے رہو ۸۸۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے ۸۸۸ اور
الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ
تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ
بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ
کو چار مہینہ اور دس دن تک روکے رکھیں ۸۸۹ پھر جب وہ اپنی مدت

خواہ مخواہ سختی روا نہ رکھے اور ماں کو یہ کہ وہ لڑکے کے باپ سے خواہ مخواہ سخت مالی مطالبے نہ کرے ۸۸۴ (جب باپ زندہ نہ ہو) اَلْوَارِثِ۔ وارث سے فقہی اصطلاح میں وہ قرابت دار محرم مراد ہے جو بچہ کا شرعی وارث ہے۔ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح باپ پر بچہ کی ماں کا حفظِ حقوق واجب ہے اسی طرح باپ کے بعد اپنے قریب ترین عزیزوں پر بھی واجب ہے۔ علیہ مثل ما علٰی والد الطفل من الانفاق علٰی والدۃ الطفل والقیام بحقوقہا وعدم الاضرار بہا (ابن کثیر) وبہ قول الجمہور وقد استقصی ذٰلك ابن جریر فی تفسیرہ (ابن کثیر) باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے۔ اور جب باپ مر جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی مال میں اس کا خرچ ہوگا۔ اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ سے اُن کا رشتہ ایسا ہے کہ دونوں میں سے ایک کو مرد اور ایک کو عورت فرض کریں تو باہم نکاح درست نہ ہو، اور محرم ہونے کے علاوہ شرعاً اس کے مستحقِ میراث بھی ہیں۔ پس ایسے محرم وارث رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہوگا اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے۔ مثلاً ایک ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے تو اس کے خرچ کا ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث بھی اسی نسبت سے پا سکتے ہیں (تھانویؒ)۔ شیرخوار کے مصارف جو دوسروں پر واجب کیے گئے ہیں، اس کی علت یہی ہے کہ بچہ بذاتِ خود اپنی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس اشتراکِ علت سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ محتاج عورتوں، اپاہج مردوں اور نابالغوں کے مصارف ان کے اقارب کے ذمہ ہیں۔ اور یہی مسلک حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ وقد استدل بذٰلك من ذھب من الحنفیۃ والحنبلیۃ الی وجوب نفقۃ الاقارب بعضہم علی بعض وھو مروی عن عمر بن الخطاب وجمہور السلف (ابن کثیر) ۸۸۵ (تکمیلِ رضاعت سے قبل یعنی دو برس کی مدت کے اندر ہی) تَرَاضٍ۔ تَشَاوُرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں کو جذبۂ شفقت اور حقِ پرورش زیادہ ہوتا ہے، اس لئے اس قسم کے امور کو محض باپ کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ ماں کی رائے اور رضامندی کی بھی شرط لگا دی گئی۔ مفسر تھانویؒ نے کہا کہ باہمی مشورہ کی ضرورت یہ ہے کہ خود بچہ کی مصلحت پر نظر کر لیں ۸۸۶ مقصد یہ ہے کہ بعض دفعہ ماں سے چھڑا کر کسی اور سے رضاعت کرانے کی ضرورت یا مصلحت بھی پیش آجاتی ہے۔ چنانچہ جب ایسی صورت پیش آجائے تو کسی انّا سے رضاعت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل جائز ہے بشرطیکہ اجرت حسب قرارداد ادا کر دی جائے۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی حسبِ معاہدہ و قرارداد۔ بالمعروف کا نحوی تعلق سلّمتم سے بھی ہو سکتا ہے اور اٰتیتم سے بھی ۸۸۷ (سارے احکام و اوامر کے باب میں، چنانچہ یہاں بھی یہ ہے کہ اجرت نہ دو گے تو گنہگار ہو گے ـــــــ معاملات چھوٹے ہوں یا بڑے، قرآن مجید نے سارے دائرۂ زندگی میں قدم قدم پر تقوائے الٰہی کو شمعِ راہ رکھا ہے ۸۸۸ انسان کو بدمعاملگی، بددیانتی پر لانے والی چیز صرف یہی بھول غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا، اس کی ہمہ بینی، ہمہ خبری کا استحضار اگر ہر وقت رہے، تو کوئی لغزش ہونے ہی نہ پائے۔ قرآن مجید بار بار اسی جذبہ کو بیدار کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ مسلمان اپنی خانگی زندگی کی کسی منزل میں بھی اس طرف سے غافل نہ ہونے پائے ۸۸۹ (نکاح اور قریبی مقدمات نکاح سے) دُنیا کے عمرانی اور معاشرتی مسائل میں طلاق کے بعد بیوہ کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بیوہ کے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے مذہب نے کوئی خاص اعتبار تا ہی نہیں ہے۔ بلکہ بعض مذہبوں نے تو ستی وغیرہ کو جائز کر کے بیوہ کو زندہ ہی جلا دیا ہے۔ اسلام نے بیوہ کو زندہ رہنے، پوری طرح زندہ رہنے کا، سہاگنوں ہی کی طرح زندہ رہنے کا حق عطا کیا ہے۔ اور یہ باب بھی، جہاں تک دنیوی برکتوں کا تعلق ہے، اسلام کا ایک روشن ترین باب ہے۔ تَرَبُّصٌ۔ انتظار کی اس مدت کا اصطلاحی نام عدت ہے۔ طلاق کی عدت پورے تین ماہ کی تھی۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن یا کل ۱۳۰ دن تجویز ہوئی ہے۔ اس زمانہ میں بیوہ کے لئے بناؤ سنگار سب ناجائز ہے۔ بیوہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت تا وضع حمل ہے۔

والاصل (کشاف) ویقع فی البلوغ ایضاً فیقال بلغ البلد اذا شارفه ودانا ہ (کشاف) جعل لفظ بلغ بمعنٰی قارب کما یقال اذ بلغت مکۃ فاغتسل (ابن العربی) ۸۶۷ یعنی جب وہ ساہی مدت عدت ختم ہونے پر آئے، تو شوہر کو اب دو اختیار ہیں۔ یا یہ کہ اپنی اُس نیم مطلقہ بیوی کو پھر شرافت و عزت کے ساتھ اپنی زوجیت میں واپس لے لے، اور یا پھر اُسے شرافت و عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کر دے۔ اور مستقل علیحدگی اختیار کرے
——— غرض دونوں صورتوں میں سے جو بھی اختیار کی جائے، تمام تر شریعت و اخلاق کے قانون و آداب کے موافق ہو ۸۶۸ گویا عورت کی حق تلفی کی گنجائش، کسی صورت اور کسی حال میں بھی نہیں ———
زوجیت میں واپسی خانہ آبادی کے لئے ہونا چاہیئے نہ کہ خانہ بربادی کے لئے ۸۶۹ (اور اپنی زیادتیوں کی سزا دُنیا یا آخرت میں بھگتے گا) بیویوں کے حقوق ادا کرنے والے۔ حقوق زوجیت میں برابر اور شدید کوتاہیاں کرتے رہنے والے خیال کرتے رہیں کہ ایسوں کے حق میں کیسی کیسی وعیدیں وارد ہو رہی ہیں ۸۷۰ (کہ جس پر جی چاہا عمل کیا، اور جسے چاہا یوں ہی چھوڑ دیا) شریعتِ اسلامی میں حیاتِ اجتماعی و معاشری کا سنگ بنیاد خاندان اور خاندانی زندگی ہے، اور خاندان کا کلیدی نقطہ میاں بیوی کے صحیح تعلقات ہیں۔ اس لئے ایک معنٰی میں کہنا چاہیئے کہ سارے نظام معاشرت کی بنیاد ہی یہی حقوقِ زناشوئی کی ادائی ہے۔ اور جس طرح بعض بظاہر معمولی بے احتیاطیاں بڑی بڑی سخت بیماریوں کا سبب بن جاتی ہیں، بعض جزئی احکام شریعت سے بے پروائی بڑے بڑے سخت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ———

الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا
تم پر اتاری ہے کہ اُس سے وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے [۸۷۲] اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے
۲۹ ع ۳ ۱۳ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۲۳۱ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
رہو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے [۸۷۳] اور جب تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو،
فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ
اور پھر وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں [۸۷۵] تو تم انہیں اس سے مت روکو [۸۷۶] کہ وہ اپنے شوہروں سے
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ
نکاح کرلیں، جب کہ وہ آپس میں سب شرافت کے ساتھ راضی ہوں [۸۷۷] اس (مضمون)
یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ
سے نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے اس شخص کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر
الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ
ایمان رکھتا ہے [۸۷۸] یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر اور صاف تر ہے اور اللہ جانتا ہے اور
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲ وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ
تم نہیں جانتے ہو [۸۷۹] اور مائیں اپنے بچوں کو
اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ
دودھ پلائیں پورے دو سال [۸۸۰] (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو
الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ
رضاعت کی تکمیل کرنا چاہے [۸۸۱] اور جس کا بچہ ہے، اُس کے ذمہ ہے اُن (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا

ان دقائق کو سنبھالے رہنا شریعت ہی جیسے حکیمانہ نظام کا کام ہے۔ ایک معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ احکام محض ہزل نہیں، پوری سنجیدگی سے ہر حال میں نافذ ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہ پہلے تو زبان سے صاف الفاظ میں طلاق دے دی، اور پھر بعد کو یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ یہ تو ہنسی میں کہا تھا۔ بعض تابعین اسی طرف گئے ہیں ۸۷۱ (اور ان ہی نعمتوں میں سے آئینِ معاشرت کی یہ مکمل مفصل جامع تعلیم بھی ہے) ۸۷۲ یَعِظُكُمْ بِهٖ۔ اس سے، یعنی اس کے ذریعہ وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے۔ بہٖ میں ضمیر ما انزل کی طرف ہے ۸۷۳ (اور چھوٹے بڑے ہر حکم کی مصلحتوں سے بھی وہی خبردار ہے) وَاتَّقُوْا، وَاعْلَمُوْٓا تقوائے الٰہی و علمِ الٰہی کی کاملیت کا استحضار، یہی دو تو بنیادیں ہیں ہر عملِ صالح اور صالحانہ زندگی کی ۸۷۴ (اور عدت پوری کرکے دوسرے نکاح کی آرزو مند ہوں) اِذَا طَلَّقْتُمُ۔ یہاں یہ خطاب صرف شوہروں سے نہیں، عام امت سے ہے۔ خطاب للاولیاء و للازواج و لسائر الناس والعموم یقتضی ذالك (جصاص) بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ یہاں زمانۂ عدت کا قربِ ختم مراد نہیں، جیسا کہ آیت ماقبل میں تھا۔ بلکہ عین ختم مراد ہے۔ المراد حقیقۃ البلوغ بانقضاء العدۃ (جصاص) البلوغ ھھنا حقیقۃ لامجاز فیھا (ابن العربی) ۸۷۵ (جیسا کہ عرب میں بہت سے موقعوں پر اولیاء و اقرباء کی طرف سے روکنے کا رواج تھا) ۸۷۶ اَزْوَاجَهُنَّ یعنی ان کے تجویز کئے ہوئے شوہر عام اس سے کہ وہ نئے ہوں یا وہی پرانے ہوں جو ایک بار انہیں چھوڑ چکے ہیں۔ ای الذین یرغبن فیھم ویصلحون لھن (مدارک) یَّنْكِحْنَ۔ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ عورتیں خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ اور یہیں سے حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نکاح بغیر ولی کے بھی جائز ہے۔ قد دلت ھذہ الاٰیۃ من وجوہ علٰی جواز النکاح اذا عقدت علٰی نفسھا بغیر ولی ولا اذن ولیھا احدھا اضافۃ العقد الیھا من غیر شرط اذن الولی (جصاص) تَرَاضَوْا۔ حنفیہ نے اس لفظ سے استنباط کیا ہے کہ ایجاب و قبول رکنِ نکاح ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی بجائے زوجین کے اُن کے ولی یا وکیل کر دیں۔ بِالْمَعْرُوْفِ یہ قید ان احکام میں ہر جگہ لگی ہوئی ہے، اور کس کثرت سے اس کا اعادہ ہو چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی ادنٰی سی ادنٰی بات بھی دین و اخلاق کے قانون کے خلاف نہ ہونے پائے ۸۷۷ ان تعلیمات و ہدایات کی پوری قدر اُن ہی کو ہوگی جو مومنِ کامل ہیں ۸۷۸ وہ حکمتوں اور حقیقی مصلحتوں کا علم ہمہ بیں، ہمہ داں، خدائے تعالٰی کو ہو سکتا ہے، یا علم کے ناقص، عقل کے ناقص گندے بندوں کو؟ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ۔ یعنی مفید، حکیمانہ، قابلِ عمل، آسان احکام، ذاتی و ملی ہر اعتبار سے۔ شخصی سیرتوں اور اجتماعی مصلحتوں دونوں کے معیار سے۔ دُوسرے مذہبوں کے برعکس اسلام جس نظام کو لے کر آیا ہے وہ محض صوفیوں راہبوں، جوگیوں، فلسفیوں کے لئے نہیں، صرف نفس کشی و ریاضت کرنے والوں کے لئے نہیں۔ اس مادی دنیا کے بھی معاشری، اجتماعی فوائد کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے قانون پر عمل کیا جائے۔ ذٰلِكُمْ۔ ای الاتعاظ بہ والعمل بمقتضاہ (روح) ۸۷۹ رضاعت اصلی حق ماں کا ہے، اور ماں سے بہتر کوئی مرضعہ ہو نہیں سکتی۔ پرانے طبیبوں اور نئے ڈاکٹروں اور ڈاکٹرنیوں سب کو اس پر اتفاق کرنا پڑا ہے۔ یجعل الام احق برضاع الولد ھذہ المدۃ (جصاص) الْوَالِدٰتُ۔ خواہ ان ماؤں کا نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو۔ اَوْلَادَهُنَّ۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ مراد مائیں ہی ہیں، نانیاں دادیاں مراد نہیں۔ رضاعتِ کامل کے لئے دو برس کی مدت پر بھی طبیبوں کا اتفاق رائے موجود ہے ۸۸۰ یعنی جو پورے نصاب کی تکمیل نہ کرنا چاہے اُس کے لئے کم مدت کی بھی اجازت ہے۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ
پھر اگر کوئی اپنی عورت کو طلاق دے ہی دے، تو وہ عورت اُس کیلئے اُس کے بعد جائز نہ رہے گی یہاں تک کہ

زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ
وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرلے، پھر اگر وہ (بھی) اسے طلاق دیدے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ

اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَ
پھر مل جائیں بشرطیکہ دونوں گمان غالب رکھتے ہوں کہ اللہ کے ضابطوں کو قائم رکھیں گے

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾ وَ
اور یہ بھی اللہ کے ضابطے ہیں۔ انہیں وہ کھول کر اُن لوگوں کیلئے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں اور

اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ
جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی مدت گزرنے پر پہنچ جائیں تو (اب یا تو) انہیں

بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ
عزت کے ساتھ روکے رکھو اور یا عزت کے ساتھ رہائی دیدو اور اُن کو تکلیف پہنچانے

ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ
کی غرض سے نہ روکے رہو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر

نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّ اذۡكُرُوۡا
ظلم کرے گا اور اللہ کے احکام کو ہنسی (کھیل) نہ سمجھو اور اللہ کی نعمتیں

نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ
اپنے اوپر یاد کرو اور (اُس) کتاب و حکمت کو بھی جو اُس نے

بیوی کو دیا ہے، اس سے چھین لیتا ہے۔ عرب جاہلیت میں یہ دستور اور زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اسی ظالمانہ دستور کی ممانعت ہے۔ اور بتایا ہے کہ مَہر وغیرہ جو کچھ انہیں پہلے دے چکے ہو، اب اس کے چھیننے اور واپس لینے کا کوئی محل نہیں۔ مَآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا۔ عام مفسرین اور فقہاء نے اس سے مراد مَہر کی رقم رکھی ہے۔ لیکن فقیہ ابن العربی مالکی نے لے ہر اُس مال تک وسعت دی ہے جو شوہر بیوی کو دے چکا ہو۔ قال قوم یعنی من الصداق وعندی ان من کل شئ اعطاھا۔ حسن معاشرت، حسن معیشت، حسن سلوک کی تاکید ہر صورت میں ہے۔ بیویوں کو رکھو تو بھی خوش اسلوبی کے ساتھ۔ رخصت کرو تو بھی ہنسی خوشی خوش عنوانی کے ساتھ ۸۵۵ ادائے حقوقِ زوجیت کے باب میں، يُخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا۔ وہ دونوں یعنی میاں بیوی ۸۵۶ یعنی حقوق زوجیت زرجۂ اقل میں بھی ادا نہ ہو سکیں، اور موافقت کی کوئی صورت ہی نظر نہ آئے۔ حُدُوۡدَ اللّٰهِ یعنی معاشرتِ زوجی کے فرائض۔ قال طاؤس فیما افترض علی کل احدٍ منھما فی العشرة والصحبة (جصاص) ۸۵۷ یعنی بیوی اگر قیدِ نکاح سے مخلصی پانے اور شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے لئے اپنے مَہر سے یا اس کے کچھ حصّے سے دستبردار ہو جانا چاہے، تو یہ بھی ایک جائز صورتِ علیحدگی کی ہے، اور اس مال کو قبول کر لینا شوہر کے لئے درست ہوگا۔ طلاق کی اس خاص صورت کا نام جس میں طلاق کی خواستگار عورت ہو، اصطلاحِ شریعت میں خلع ہے اور احکامِ خلع کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ تفسیر تھانوی کی بیان القرآن میں بھی کلام مبسوط ملے گا۔ خلع کے جائز صورتِ طلاق ہونے اور اس کے طلاق بائن کے درجہ پر رکھنے پر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے صحابیوں اور حسنؒ اور ابی سلمہ اور قاضی شریح اور ابراہیم اور شعبی اور مکحول جیسے تابعین تک کا اتفاق جصاص نے نقل کیا ہے، اور اس کو فقہاء کا متفقہ قول بھی قرار دیا ہے۔ وھو قول فقہاء الامصار لا اختلاف بینہم۔ فقہاء کے ہاں ایک بحث یہ بھی چلی ہے کہ خلع آیا صرف اسی اندیشہ کے وقت جائز ہے، جس کا آیت میں ذکر ہے، یا یوں بھی عام طور پر؟ جمہور فقہاء و مجتہدین اسی طرف گئے ہیں کہ خلع ہر صورت میں اور ہر حال میں جائز ہے لما جمہور المجتہدین فقالوا الخلع جائز فی حالة الخوف وفی غیر حالة الخوف (کبیر) البتہ فقیہ زہری، نخعی اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ نقل ہوا ہے کہ خلع کی اجازت صرف اندیشہ اور غصہ کی حالت میں ہے۔ وقال الزھری والنخعی وداؤد لا یباح الخلع الا عند الغضب والخوف (کبیر) ۸۵۸ یہ تاکید ہے اس امر کی کہ احکامِ شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابلِ التفات نہ سمجھا جائے۔ اور شریعت جیسے بے انتہا منظم فن میں ہونا بھی یہی چاہیئے تھا —— مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہوگی، اُسی قدر اُس کا ایک ایک تنہا پُرزہ بھی اپنی جگہ پر بے بدل ہوگا ۸۵۹ یعنی اُن پہلی دونوں طلاقوں کے بعد رجعت نہ کرے، اور طلاق پر قائم ہی نہ رہے، تو اب تیسری بار، یا پہلی طلاق سے تین مہینے گزر جانے کے بعد اب طلاق قطعی طور پر نافذ ہو جائے گی۔ تین مہینے کی مدت غور و فکر کے لئے اور سعیِ مصالحت و مفاہمت کے لئے بہت کافی ہوتی ہے ۸۶۰ اور وہ شوہر اُس سے ہمبستری بھی کرے، دُوسرے شوہر سے یہ نکاح، پہلے شوہر سے طلاق قطعی پانے کے تین مہینے بعد یعنی ایامِ عدت گزارنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ تَنۡكِحَ۔ نکاح یہاں اپنے اصطلاحی شرعی معنی میں، یعنی عقدِ نکاح کے مرادف نہیں، بلکہ اپنے اصلی اور لغوی معنی میں، یعنی ہمبستری کے مرادف ہے۔ محض عقد کا مفہوم تو خود لفظ زوجًا سے نکل آتا ہے۔ تنکح سے مقصود ہم بستری کو ظاہر کرنا تھا۔ العقد فھم من زوجًا والجماع من تنکح (روح) یحتمل ان تفسیر النکاح بالاصابة (بیضاوی) اور امام ابن جریر اس سوال کے جواب میں، کہ ہمبستری کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہیں تو آخر یہ دلالت کہاں سے پیدا کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ معنی کی یہ دلالت ساری اُمّت کے اجماع نے پیدا کی ہے۔ الدلالة علی ذلک اجماع الامة جمیعًا علی ان ذلک معناہ اور امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ قولِ مختار یہی ہے کہ ہم بستری کی شرط حدیث سے نہیں، قرآن ہی سے ثابت ہے۔ واختلف العلماء فی ان شرط الوطیء بالسنة او بالکتاب قال ابو مسلم الاصفہانی الامران معلومان بالکتاب وھذا ھو المختار (کبیر) اور آگے اسے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ نکاح کا لفظ جب مطلق صورت میں ہے جب تو مراد عقدِ زوجیت سے ہوگی، لیکن جب اضافت زوجہ وامراته کے ساتھ ہوگی، تو ہمبستری ہی ہوگی۔ اور آخر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قوله تنکح یدل علی الوطی وقوله زوجًا یدل علی العقد (کبیر) بہرحال جمہور فقہاء وائمۂ مجتہدین کا مذہب یہی ہے کہ مطلّقہ کے ساتھ پہلے شوہر کا نکاح جب ہی درست ہے جب دُوسرا شوہر اُس کے ساتھ ہمبستری کر کے اُسے طلاق دیدے، اور اس طلاق پر بھی تین ماہ کی مدت گزر لے۔ مذھب جمھور المجتھدین ان المطلقة بالثلاث لا تحل لذلک الزوج الا بخمس شرائط تعتد منه وتعقد للثانی ویطوءھا ثم یطلقھا ثم تعتد منه (کبیر) اختلاف صرف دو تابعین سے منقول ہے۔ ان کے خیال میں مجرد عقدِ ثانی بھی، بغیر ہمبستری کے، طلاق کے بعد شوہرِ اوّل سے یا کسی اور سے عقد کے لئے کافی ہے۔ قال سعید بن جبیر وسعید بن المسیب تحل بمجرد العقد (کبیر) لیکن مذہبِ جمہور ہی نہایت قوی اور شریعتِ اسلامی کے عین مزاج کے مطابق ہے۔ شریعت نے طلاق کو پسند یقینًا نہیں کیا ہے۔ اس کے نفاذ میں طرح طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ ترغیب یہ دی ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر ہی طلاق دی جائے۔ لیکن ان سب مرحلوں سے گزر جانے کے بعد جب طلاق نافذ ہی ہو جائے، تو پھر اب رعایت کا کوئی موقع نہیں، شوہر کو اب دوبارہ آسانی سے وہ بیوی واپس نہیں مل سکتی، اب اُسے ذرا خونِ جگر کھا لینا پڑے گا، جب وہ حاصل ہو سکتی ہے —— سزائے زنا میں بھی یہی اصل کار فرما ہے۔ ثبوتِ زنا نہایت ہی قوی بلکہ قطعی ہونا چاہیئے۔ ذرا سے بھی شبہہ کا فائدہ ملزم ہی کو ملے گا، لیکن جب یہ سب مرحلے طے ہو چکیں تو پھر اب نفاذِ سزا میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں۔ مِنۡۢ بَعۡدُ۔ یعنی طلاقِ ثالث کے بعد۔ ای التطلیقة الثالثة (مدارک) اس شرط کے ساتھ نئے شوہر کا کسی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا کہ بعد صحبت طلاق دے دی جائے گی، تاکہ وہ اپنے شوہرِ اوّل کے لئے جائز ہو جائے حلالہ کہلاتا ہے۔ حدیث میں محلل یعنی وہ دوسرا شوہر جو نکاح جیسے اہم، سنجیدہ اور مقدس معاہدہ کو پہلے شوہر کی خاطر ایک کھیل اور تفریح کی چیز بنائے دیتا ہے، اور محلّل لہٗ یعنی وہ پہلا شوہر جس کی خاطر معاہدۂ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی و تقدیس خاک میں ملائی جا رہی ہے، ان دونوں پر لعنت آئی ہے۔ اور اکثر فقہاء کے ہاں یہ نکاح، نکاحِ فاسد کے حکم میں آتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں ایسا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ یعنی اس کا نفاذ قانونی ہو جائے گا، اگرچہ اس سے گناہ عائد ہوگا ۸۶۱ (اور اس دوسری طلاق پر بھی تین مہینے کی عدت گزر جائے) ۸۶۲ (بدستورِ سابق) دوبارہ نکاح کرلے) مطلّقہ اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ کو حرام اب بھی نہیں ہو جاتی۔ ان درمیانی مرحلوں سے گزرنے کے بعد اب بھی اس کا نکاح اپنے شوہرِ اوّل سے ممکن ہے۔ ہر ہر فریقِ معاملہ کے حقوق کی پوری رعایت کا جو حکیمانہ اہتمام والتزام شریعتِ اسلامی کے سارے اجزاء میں ہے، اس کا ایک اعلیٰ نمونہ یہ طلاق کے جزئیاتِ احکام ہیں۔ انسانی ذہن اور بشری دماغ اپنی ساری کوششیں کر تھکے، اتنے دقائق کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا ۸۶۳ (اور آیندہ خواہ مخواہ کی رنجشیں پیدا کر کے اتلافِ حقوق میں نہ مبتلا ہوں گے) يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ۔ حدود اللہ کی اقامت اس سیاق میں یہی ہے کہ حسنِ معاشرت کی رعایت رکھی جائے۔ ای یتعاشرا بالمعروف (ابن کثیر) ای یکون بینھما الصلاح وحسن الصحبة (معالم) اِنۡ ظَنَّآ۔ یعنی اگر امید و ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ باقی یقین کے ساتھ مستقبل کا حال کون جان سکتا ہے۔ ای رجوا لان احدًا لا یعلم ما ھو کائن الا اللہ عزوجل (معالم) ای متی حصل ھذا الظن حصل لھما العزم علی اقامة حدود اللہ حسنت ھذہ المراجعة (کبیر) ای ان کان فی ظنھما انھما یقیمان حقوق الزوجیة (مدارک) ومن فسر الظن ھھنا بالعلم فقد وھم من طریق اللفظ (کشاف) ۸۶۴ اہل فہم و دانش کے لئے۔ اُن لوگوں کے لئے جو احکام و اوامرِ الٰہی کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی یعلمون ما امرھم اللہ تعالیٰ به (معالم) یرید من له عقل وعلم (کبیر) ای یفھمون ماتبین لھم (مدارک) حُدُوۡدُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام وقوانین۔ ای احکامه وشرائعه (ابن کثیر) ۸۶۵ یعنی وہی ایک بار یا دوبارہ دی ہوئی طلاق رجعی، جو ابھی قطعی نہیں ہوئی ہے اور جس سے ابھی رجوع کر لینے کی گنجائش ہے ۸۶۶ (لیکن وہ مدت ابھی پوری گزر چکی نہ ہو) یعنی زمانۂ مدت اب ختم ہونے ہی پر ہو، لیکن پوری طرح ختم ہو چکا نہ ہو۔ ورنہ بالکل ختم ہو جانے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اب کوئی گنجائش ہی رجعت کی نہیں باقی رہی۔ بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ۔ المراد مقاربة البلوغ والاشراف علیه لا حقیقته (جصاص) المراد مقاربته دون انقضائه ونظائره کثیرة فی القرآن واللغة (جصاص) معناه قارب البلوغ (ابن العربی) اَجَلَهُنَّ۔ اجل کا اطلاق ساری مدت پر بھی ہوتا ہے اور آخر مدت پر بھی۔ والاجل یقع علی المدة کلھا وعلی آخرھا وکذلک الغایة

أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا إِصْلَاحًا ۚ

اس (مدت) میں زیادہ حقدار ہیں ۸۴۶ بشرطیکہ اصلاح حال کا قصد رکھتے ہوں ۸۴۷

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ

اور عورتوں کا (بھی) حق ہے جیسا کہ عورتوں پر حق ہے ۸۴۸ موافق دستور (شرعی) کے ۸۴۹ اور مردوں کو

٢٨ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ الطَّلَاقُ

ع ۷

۱۲

اُن کے اُوپر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے ۸۵۰، اور اللہ بڑا زبردست ہے ۸۵۱، بڑا حکمت والا ہے ۸۵۲ طلاق تو دو ہی

مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ

بار کی ہے ۸۵۳ اس کے بعد (یا تو) رکھ لینا ہے قاعدے کے مطابق یا پھر خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّآ آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا

دینا ہے ۸۵۴، اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم انہیں دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس لو ۸۵۵

إِلَّآ أَنْ يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ

ہاں بجز اس صورت کے کہ جب اندیشہ ہو کہ اللہ کے ضابطوں کو دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے ۸۵۶ سو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو

أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا

کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے ۸۵۷ تو دونوں پر اس (مال) کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا،

افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ

جو عورت معاوضہ میں دیدے ۸۵۸ یہ (سب) اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے باہر نہ نکلنا،

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٢٩﴾

اور جو کوئی اللہ کے ضابطوں سے باہر نکل جائیگا، سو ایسے لوگ تو (اپنے حق میں) ظلم کرنے والے ہیں ۸۵۹

منزل

ہم پہنچائی ہے۔ ملاحظہ ہو جصاص، جلد اوّل ص ۴۳۲۔ بہرحال حنفیہ کے ہاں کا متفقہ مسئلہ یہی ہے کہ عورت اپنے تین ایام ماہواری کے آنے تک اپنے کو عدت میں سمجھے، اور اس مدت میں نکاح ثانی اپنے لئے جائز نہ سمجھے ۸۴۴ اس لئے کہ چھپانے کی یہ کوشش زمانہ عدت کے شمار و حساب میں خلل انداز ہوگی، اور اس طرح شریعت نے جو مصلحتیں اس کے اندر رکھی ہیں وہ ضائع ہو کر رہیں گی، مَا خَلَقَ اللّٰهُ میں ما کا لفظ عام ہے۔ رحم کے اندر جو چیز بھی ہو، جاندار بچہ ہو، یا ایام ماہواری کا خون ہو، دونوں پر شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ حمل قائم ہو چکا ہو، خواہ ایام ماہواری کا دَور چل رہا ہو، کوئی بھی صورتِ حال ہو، اُسے چھپانا نہ چاہیئے ۸۴۵ دُنیا کے ہر علم و فن کا یہی حال ہے کہ وہ جس درجہ مکمل و منظم ہوگا، اُسی قدر اس کا ہر جُز دوسرے اجزاء سے مربُوط و مرتبط ہوگا۔ شریعت اسلامی جملہ دُنیوی علوم و فنون سے منظم تر ہے۔ اس لئے قدرۃً اس کے کسی معمولی جزئیہ کی طرف سے بھی بے التفاتی، دُوسرے اجزاءِ حیات پر لازمی طور پر مؤثر ہوگی۔ آیت کا یہ جزو بڑھا کر گویا یہ تاکید و تصریح کر دی ہے کہ جس کسی کو اللہ کی ہمہ گیر حکومت اور آخرت کی بازپرس کا پُورا عقیدہ ہے اس کی یہ شان نہیں کہ ایک جزئیہ کی بھی خلاف ورزی کی دانستہ جسارت کر سکے ۸۴۶ (اور یہ واپسی بلا تجدید نکاح ہو جائے گی) فِیْ ذٰلِكَ۔ یعنی تین مہینے کی میعاد و مدت کے اندر۔ اے فی ذٰلك التربص (مدارک) اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ اس سے اشارہ یہی نکلتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اُسے پختہ نہ ہونے دے، اور میاں بیوی از سرِ نو آباد ہو جائیں۔ طلاق کو شریعتِ الٰہی نے صرف ضرورت کے موقع پر بطور علاج اور آخری تدبیر کے جائز رکھا ہے، خواہ مخواہ اس کی ترغیب نہیں دی ہے۔ اور نہ بلا ضرورت اسے پسند فرمایا ہے۔ اور حدیثِ نبوی میں جو اسے ابغض المباحات سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی اللہ کی قانوناً جائز ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند، وہ اسی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ تین مہینہ کی مدت غور و فکر کے لئے اور ناگواری و بیزاری کے ہنگامی جذبات کے سرد پڑ جانے کے لئے، بہت ہوتی ہے۔ اس اثنا میں اگر شوہر بیوی کو واپس لینا چاہے، تو طلاق کو قول یا عمل سے منسوخ کر سکتا ہے، اور اسی کو اصطلاح میں رجعت کہتے ہیں ۸۴۷ (اس رجوع و رجعت سے۔ نہ یہ کہ فسخ طلاق سے مزید اذیت رسانی مقصود ہو۔ اگرچہ رجعت کا نفاذ قانونی و ظاہری بہر صورت ہو جائیگا) قانونی احکام اور اخلاقی ہدایات دو الگ الگ چیزیں ہیں، قانونِ ظاہری کا نفاذ اسی دنیا تک ہے۔ مومن کو اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست رکھنا چاہیئے، کہ اجر و ترقیٔ درجات کا مدار اسی پر ہے۔ اسی لئے قانونی احکام کے بیچ بیچ تصحیح نیت و اخلاص کی تاکید برابر آتی جاتی ہے۔ ۸۴۸ یہ قرآنی بلاغت کا اعجاز ہے کہ اتنا بڑا مضمون اتنے مختصر سے فقرہ میں آگیا۔ اُردو میں یہ مضمون یوں ادا ہوگا۔ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے، اُسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔ گویا دنیا کو یہ بتایا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ بس مردوں کے حقوق عورتوں پر اور شوہروں ہی کے حقوق بیویوں پر ہوتے ہیں، نہیں، بلکہ اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق مردوں پر اور بیویوں کے حقوق بھی شوہروں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔ حقوقِ نسواں کا یہ نام عرب کے ایک اُمّی کی زبان پر اُس وقت لایا جا رہا ہے، جب کہ دُنیا کی دُنیا اس تخیل سے ناواقف تھی اور یہودیت و نصرانیت کی مذہبی دنیا میں تو عورت گویا ہر بُرائی کا سرچشمہ تھی، اور ذلت و حقارت کا ایک مرقع۔ یہود کی معتبر و مستند جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ”معصیتِ اوّل چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی، اس لئے اس کو شوہر کا محکوم کر کے رکھا گیا، اور شوہر اس کا حاکم ہے۔ شوہر اس کا مالک و آقا ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے۔“ (جلد ۶ ص ۵۰۸) اور مسیحی دنیا سے متعلق، مسٹر لیکی Lecky فرنگی مسیحی اپنی تاریخ اخلاقِ یورپ History of European Morals میں لکھتے ہیں ”عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفاتِ بشری کا باعث ہے۔ اُسے اپنے کو ذلیل سمجھتے رہنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے۔“ (جلد ۲ ص ۱۴۲) یہ حال وقت کے اونچے اونچے مذہبوں کا تھا۔ شرک و جاہلیت کے پست مذہبوں کا ذکر ہی بیکار ہے۔ اور خود ملکِ عرب کا یہ حال تھا کہ عورتیں گویا انسان نہیں، جانور یا جائداد ہیں، کہ شوہر کے بعد بیویاں بھی ترکہ میں سوتیلے بیٹوں کی ملک و تصرف میں آنے لگی تھیں۔ مِثْلُ الَّذِیْ۔ یہ مثلیت و مماثلت کس لحاظ سے ہے؟ کیفیت و کمیت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ نفسِ وجُوب کے لحاظ سے ہے۔ والمراد بالمماثلة الواجب فی کونه حسنة لا فی جنس الفعل (کشاف) اے فی الوجوب و استحقاق المطالبة علیها (بیضاوی) یعنی شوہر کہیں اس بھول میں نہ پڑ جائیں کہ اُن کے صرف حقوق ہی حقوق ہیں اور فرائض کچھ نہیں۔ فرائض ان پر بھی اسی طرح عائد ہوتے ہیں جس طرح ان کی بیویوں پر۔ اسی طرح بیویاں بھی کہیں اس افراط "روشن خیالی" میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ خدمت کرنا ہمارا کام نہیں، یہ کام سب مردوں کا ہے، ہمارا کام خدمت لینا ہے ۸۴۹ لیکن حقوقِ باہمی کا آخر معیار کیا ہے؟ آیت کا یہ ٹکڑا اسی سوال کا جواب ہے۔ یعنی ان حقوق کے جزئیات و تفصیلات کو شریعت ہی کے اصول و کلیات کے ماتحت ہونا چاہیئے، یا پھر عقلِ سلیم کے ماتحت۔ اے بالوجه الذی لا ینکر فی الشرع وعادات الناس (مدارک) یہ نہیں کہ محض ہوائے نفس سے یا جاہلی مزعومات کے ماتحت کوئی دستور گڑھ لیا جائے، اور ان کا نام "ضابطۂ حقوقِ نسواں" رکھ دیا جائے! ۸۵۰ تہذیبِ جاہلی ہر زمانہ میں عجیب عجیب بے اصل اور تمام تر غلط دعوے کرتی رہتی ہے، اور بعد کو ان دعووں کی عملی تردید بھی ہوتی رہی ہے۔ تہذیبِ جدید کے انہی بے بنیاد مفروضوں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے ہم درجہ ہیں — محض دعویٰ کتنی ہی کثرت سے دُہرایا جائے، دعویٰ ہی رہے گا، دلیل نہ بن جائے گا۔ قرآن ابھی ابھی جاہلیت ہی کے ایک مفروضہ کی تردید میں کہہ چکا ہے کہ عورت بے حق نہیں ہے، وہ بھی مَردوں کی طرح اپنے حقوق رکھتی ہے۔ اب وہ جاہلیت کے دُوسرے دعوی کی تردید میں بے دھڑک اعلان کر رہا ہے کہ دونوں جنسوں میں مساواتِ مطلق و مساواتِ کامل نہیں، بلکہ مرد کو عورت پر ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔ دَرَجَةٌ۔ قرآنی لفظ درجة خُوب خیال میں رہے۔ مرد عورت کے مالک نہیں، عورت اس کی کنیز یا باندی نہیں، بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں، پھر بھی مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت و ترجیح حاصل ہے۔ معناه فضیلة فی الحق (معالم) اے زیادة فی الحق (کشاف) جدید علوم و طبیات کے ماہرین جنہوں نے مرد و زن کی جسمانی ساخت و ترکیب، دماغی و ذہنی قوی اور طبعی خصوصیات کے مطالعہ و تحقیق میں عمریں بسر کر دی ہیں، ان کی بڑی جماعت آخر اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں ایک دُوسرے کے لئے متمم و مکمل ہیں، تاہم بلحاظ قوت و بلحاظ عقل مرد ہی کو فضیلت حاصل ہے! اور عورت جن ملکوں میں مردوں کے برابر ثابت بھی ہوئی ہے وہاں اپنی نسائیت کا خون کر کر کے۔ ۸۵۱ معاشرتِ انسانی اور معاملاتِ باہمی کے بہت سے صیغوں کے اہم مسائل اس آیت میں آگئے۔ اس لئے حق تھا کہ آیت کا خاتمہ ان ہی صفاتِ باری کے اثبات پر کیا جائے۔ عَزِیْزٌ۔ وہ بڑی قوت والا ہے۔ ہر مانع پر غالب۔ جو احکام وہ چاہے دے سکتا ہے۔ حَکِیْمٌ۔ لیکن ساتھ ہی وہ بڑا حکمت والا بھی تو ہے، اس لئے وہ وہی احکام دیتا ہے جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ بندوں بیچاروں کی نظریں وہاں تک پہنچ کہاں سکتی ہیں ۸۵۲ (جب تک کہ واپسی کی گنجائش باقی ہے، طلاق سے یہاں مراد طلاق رجعی ہے۔ دو بار تک الفاظ طلاق ادا کرنے پر رجُوع کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے ۸۵۳ یعنی دو ماہ کے بعد، تیسرے مہینہ۔ تیسری پاکی کے زمانہ میں، یا زبان سے الفاظِ طلاق ادا کرے، یا خاموش رہے، دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور اب بغیر کسی دُوسرے شوہر سے نکاح کئے اور طلاق پائے، اس پہلے شوہر سے نکاح درست نہ رہے گا۔ تو ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اب پختہ ارادہ کر کے اس طلاق کو مکمل اور قطعی کر دیا جائے۔ اور دُوسری صورت یہ ہے کہ آخری گنجائش سے فائدہ اٹھا کر طلاق واپس لے لی جائے، اور تعلقِ زناشوئی از سرِ نو قائم ہو جائے۔ فَاِمْسَاكٌ۔ یعنی اس کچی طلاق پائی ہُوئی بیوی کو رجعت کر کے پھر اپنے پاس رکھ لینا ہے۔ بِمَعْرُوْفٍ۔ یعنی قواعدِ شرعی کے مطابق۔ تفصیلی احکامِ طلاق کتبِ فقہ میں ملیں گے۔ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی طلاق سے مقصود رفعِ نزاع ہو۔ ناخوشگوار صورتِ حال کا خاتمہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ عورت کی دل شکنی، تحقیر و تذلیل مقصود ہو۔ قرآن مومن کے خاندان کی، اس کے گھر بار کی کتنی عزت و حُرمت محفوظ رکھتا ہے! اس کی بے حرمتی کسی حال میں اُسے گوارا نہیں۔ آج مسلمان کو خود اپنی اور اپنے خاندان کی عزت و حرمت کا اتنا خیال بھی ہو جاتا جتنا اُن کے خدا کو ہے، تو آج خانگی فضیحتوں کا کوئی وجود بھی کہیں باقی نہ رہتا! ۸۵۴ (طلاق کے وقت) اکثر انسان جب غصہ میں آ کر طلاق دیتا ہے تو یہی کر گزرتا ہے کہ اب تک جو کچھ

عرضۃ لکذا نصبتہ لہ (قاموس) لیکن ایک دوسرے معنی حجاب یا مانع کے بھی ہیں اور یہاں یہی زیادہ چسپاں ہیں۔ اے حاجزا لما حلفتم علیہ (کشاف)، قالوا العرضۃ عبارۃ عن المانع (کبیر) فقہاء نے بلاضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یُوں بھی ناپسند کیا ہے کہ اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے، چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا! ۸۳۶ سَمِیۡعٌ۔ خوب سننے والا انسانے اقوال کا۔ اسلئے ہر بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالو۔ عَلِیۡمٌ۔ خوب جاننے والا انسانے احوال کا۔ اسلئے نیت میں ہر وقت اخلاص رکھو۔ ۸۳۷ یعنی گرفت اُن قسموں پر ہوگی جن میں جھوٹ کی آمیزش بالقصد کی گئی ہے، آخرت میں بھی اُنہی پر داروگیر ہے، اور دُنیا میں بھی ان کے لئے کفّارہ ہے۔ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ۔ مُراد ان قسموں سے ہے، جو ناواقفیت کی بنا پر یا بے خیالی میں محض عادۃً زبان سے نکل جاتی ہیں، اور جھُوٹ کی آمیزش ان میں بلاقصد ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے اس نوعیت کی ساقط الاعتبار قسموں کی کئی قسمیں کی ہیں، ان کا تعلق ماضی کے واقعات سے بھی ہو سکتا ہے اور آیندہ کے ارادوں سے بھی۔ اُن کی تفصیلات اور ان کے احکام کتب فقہ میں ملیں گے۔ ۸۳۸ غَفُوۡرٌ۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ چنانچہ اسی شانِ غفر کا تقاضہ ہے کہ اُس نے لایعنی قسموں پر مؤاخذہ کو معاف کر دیا۔ حَلِیۡمٌ۔ وہ بڑا بُردبار ہے۔ چنانچہ اسی شانِ حلم کا تقاضہ ہے کہ اُس نے ارادی جھُوٹی قسموں پر بھی سزا فوراً نہ دی، بلکہ قیامت تک کے لئے ملتوی کر دیا ۸۳۹ ایلاء۔ عرب جاہلی کا ایک شعار یہ بھی تھا کہ شوہر غصہ میں آ کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کریں گے۔ اصطلاح میں اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ لاخلاف انہ قد اضمر فیہ الیمین علی ترک الجماع (جصاص) شریعتِ اسلامی نے اس میں جو اصلاحیں کیں، اور اس باب میں جو احکام دیئے یہاں ان کا ذکر ہے۔ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَۃِ اَشۡہُرٍ۔ عرب جاہلی ایلاء کر لینے کے بعد جو ایک طرح کی طلاق ہی تھی، بیوی کے نان نفقہ اور ہر قسم کے ادائے حقوق سے معاً دستبردار ہو جاتے تھے۔ اسلام نے اس کی ایک اصلاح یہ کی کہ اس کو خلع نکاح یا فسخ نکاح کا مرادف نہیں، بلکہ اُس کی صرف تمہید قرار دے کر غور و فکر کے لئے ایک مدت مقرر کر دی۔ اور پھر اس مدت کی میعاد چار مہینے کی رکھی، جو اس کے لئے بالکل کافی ہے کہ سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کر لیا جائے ۸۴۰ فَاِنۡ فَآءُوۡ۔ یعنی اگر رجوع کر لیں اپنے قصد ترک تعلق سے، اور رشتۂ نکاح کو برقرار رکھیں۔ الفیء الرجوع الی الشیء (جصاص) غَفُوۡرٌ۔ بڑا مغفرت والا ہے، چنانچہ ایسی قسم توڑنے کا گناہ ایک خفیف سے کفّارہ کے بعد معاف کر دے گا۔ رَّحِیۡمٌ۔ بڑا مہربان ہے، چنانچہ شوہر جو ازسرِنو ادائے حقوق پر متوجہ ہو گیا ہے، اس پر وہ رحمت سے نظر کرے گا۔ ۸۴۱ (اتنے دنوں کے

سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ
بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ۸۳۶ اللہ تمہاری قسموں میں سے لایعنی (قسم) پر مؤاخذہ نہ
اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ ؕ
کرے گا البتہ تم سے اُس (قسم) پر مؤاخذہ کرے گا ۸۳۷ جس پر تمہارے دلوں نے قصد کیا ہے
وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ
اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا بُردبار ہے ۸۳۸ جو لوگ اپنی بیویوں سے (ہمبستری کرنے کی) قسم
نِّسَآئِہِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَۃِ اَشۡہُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ
کھا بیٹھے ہیں، اُن کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے ۸۳۹ پھر اگر یہ لوگ رجوع
فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنۡ عَزَمُوا
کرلیں، تو اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۸۴۰ اور اگر طلاق (ہی) کا پختہ ارادہ
الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالۡمُطَلَّقٰتُ
کرلیں ۸۴۱ تو بیشک اللہ بڑا سُننے والا، بڑا جاننے والا ہے ۸۴۲ اور طلاقنیں اپنے کو
یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوۡٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ
تین میعادوں تک روکے رہیں ۸۴۳ اور ان کے لئے یہ
لَہُنَّ اَنۡ یَّکۡتُمۡنَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِیۡۤ اَرۡحَامِہِنَّ
جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحموں میں جو پیدا کر رکھا ہے اُسے وہ چھپائے رکھیں ۸۴۴
اِنۡ کُنَّ یُؤۡمِنَّ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَبُعُوۡلَتُہُنَّ
اگر وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں ۸۴۵ اُن کے واپس لے لینے کے

غور و فکر کے بعد بھی) طلاق نام ہے زن و شو کے باہمی تعلق کے باضابطہ و کامل انقطاع کا۔ اسلام سے قبل دنیا میں طلاق سے متعلق عجب افراط و تفریط قائم تھی۔ افراط یہود کے ہاں تھی اور تفریط مسیحیوں کے ہاں۔ یہود کے ہاں نہ کوئی قید طلاق پر عائد تھی، نہ شوہر پر اس باب میں کوئی ذمہ داری تھی۔ اُس کا جب جی چاہتا، وجہ بلاوجہ، بس ایک طلاق نامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ بیوی اسی وقت دوسرا مرد کر سکتی تھی۔ توریت کے قانون کے الفاظ یہ ہیں:۔ "اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کے اس سے بیاہ کرے، اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اُس نے اس میں سے کوئی پلید بات پائی، تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اُس کے ہاتھ دے، اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل گئی، تو جا کے دوسرے مرد کی ہو وے" (استثناء۔ ۲۴: ۱ و ۲) اُس آزادی اور بے قیدی کے مقابلہ میں مسیحیوں نے یہ سختی اور تنگی اختیار کی کہ زن و شو میں علیحدگی کی کوئی گنجائش ہی نہ رکھی۔ انجیل کے الفاظ ہیں:۔ "جسے خدا نے جوڑا ہے اُسے آدمی جُدا نہ کرے..... جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دُوسری سے بیاہ کرے، وہ اُس پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے، اور دُوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے" (مرقس۔ ۱۰: ۷-۱۲) "مَیں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی شوہر سے علیحدہ نہ ہو" (۱۔ کرنتھیون۔ ۷: ۱۰) چنانچہ مسیحی آبادی کے سوادِ اعظم یعنی فرقۂ کیتھولک کے ہاں تو طلاق مطلقاً ناجائز ہے۔ اور بجز موت کے کوئی صُورت میاں بیوی میں افتراق کی ممکن نہیں۔ اور یہی فرقہ اسلام سے قبل موجود تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ ظہورِ اسلام سے صدیوں بعد پیدا ہُوا۔ اس کے ہاں البتہ اجازت ہوئی ہے۔ لیکن صرف اس صُورت میں کہ پہلے عدالت میں کسی ایک فریق کا ارتکابِ زنا یا ظلم و جور ثابت ہو لے! یہ حال اُن قوموں کا تھا، جو اہلِ کتاب تھیں۔ یعنی بہرحال اُن کے قانون کی بنیاد آسمانی کتابوں ہی پر تھی۔ رہیں قدیم جاہلی اور مشرک "مہذب" "ترقی یافتہ" قومیں۔ سو ایک طرف یُونانیوں میں، ہندوؤں میں، اور ایک عہدِ خاص تک رومیوں میں طلاق سے کوئی واقف ہی نہ تھا۔ بلکہ ہندو مذہب میں تو آج تک طلاق ناجائز چلی آ رہی ہے۔ گو حالات سے مجبور ہو کر اُس کے جائز کرانے کے آج بڑے زور انگریزی ہند میں بھی اور ریاستوں میں بھی کاؤنسلوں اور اسمبلیوں میں لگائے جا رہے ہیں۔ دُوسری طرف رومیوں میں عہدِ جمہوریت کے خاتمہ پر طلاق کے جائز ہونے کے ساتھ ہی اس کا جو زور بندھا تو گویا شرافت اور طلاق لازم ملزوم ہو گئے! دُنیا کے دُوسرے بڑے بڑے مذہبوں اور بڑی بڑی "مہذب" قوموں کی یہ بے اعتدالیاں اور افراط و تفریط پیش نظر رہیں، جب جا کر شریعت اسلام کی حکمتوں اور اس کے پیدا کئے ہُوئے توازن و اعتدال کی قدر ہو گی۔ اسلام نے فطرتِ بشری کا بالکل صحیح اندازہ کر کے یہ حکم دیا کہ جب زوجین میں ناموافقت لاعلاج حد تک پہنچ جائے (اور اس ناموافقت کے اسباب کا احاطہ و استقصاء ممکن ہی نہیں، ہر شخص کے لئے کہنا چاہیئے کہ الگ الگ ایک سبب و محرک ہوتا ہے) اور دوسری صُورتیں موافقت پیدا کرنے کی ناکام ہو لیں، تو آخری علاج یہ ہے کہ فریقین ہنسی خوشی اور باضابطہ معاہدۂ نکاح کو فسخ کر کے ایک دوسرے سے مستقل علیحدگی اختیار کر لیں۔ اور اسی کا اصطلاحی نام طلاق ہے۔ اور اس انقطاعی عمل کو بھی مطلق نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس پر متعدد پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں۔ آگے ذکر انہیں قیود و شرائط کا آئے گا ۸۴۲ (اس لئے خُوب اپنی ذمہ داری محسوس کر کے عمل کا کوئی قدم اٹھاؤ) سَمِیۡعٌ۔ وہ تو بڑا سننے والا ہے۔ اس لئے زن و شو کے ظاہر قول کو اور شوہروں کی قسموں کو، سب کو سُنتا رہتا ہے۔ عَلِیۡمٌ۔ وہ بڑا جاننے والا ہے، اس لئے زن و شو کے دلوں کے اندر کی مخفی باتوں کو جانتا ہے، اُن کے ارادوں سے واقف ہے، اور ان کے مناسب حال ہی حکم دیتا ہے۔ آیات کے آخر میں صفاتِ باری کا اثبات محض یُوں ہی اٹکل سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ پُرمعنی اور سیاقِ کلام کے لحاظ سے بلیغ ہی ہوتا ہے۔ یہاں مقصود زن و شو کو خصوصاً شوہروں کو، ان کی ذمہ داریوں پر متنبہ کرنا ہے، اس لئے اُنہی صفاتِ باری کا لانا نہایت موزوں و مناسب ہُوا ۸۴۳ (دوسرے نکاح سے) اَلۡمُطَلَّقٰتُ، لفظی معنی کے اعتبار سے ہر طلاق والی عورت کے لئے وسیع ہے۔ لیکن یہاں مراد صرف اُن بیویوں سے لی گئی ہے جو آزاد ہوں (کنیز شرعی نہ ہوں) بالغ ہوں (نابالغ نہ ہوں) اور جن سے خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو (غیر ملموس نہ ہوں)۔ یہاں احکام صرف اُنہی آزاد و شوہر دیدہ بیویوں سے متعلق بیان ہوں گے، دُوسری قسم کی عورتوں کے طلاق کے احکام دوسرے مقامات پر ملیں گے۔ المراد المدخول بھن من ذوات الاقراء (مدارک) اے ذوات الاقراء من الحرائر المدخول بھن (روح) یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ۔ اپنے کو روکے رہیں۔ یہ نہ ہو کہ اِدھر شوہر نے طلاق دی، اور اُدھر بیوی نے معاً دُوسرا شوہر کر لیا۔ یہ پہلی پابندی طلاق پر عائد ہُوئی۔ اس سے پہلے نکاح سے آزادی کے بعد کا تعطل کا زمانہ ہے، اُسے اصطلاحِ شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ عورت کے لئے انتظار کی اس مدتِ معین میں متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور و فکر کا پُورا موقع مل جاتا ہے، دوسری طرف عورت کے حمل کی بابت پُوری تحقیق ہو جاتی ہے۔ دُوسرے مذہب اور دوسری قومیں سب شریعتِ اسلامی کے قائم کئے ہُوئے زمانہ تعطل و وقفہ کے مصالح و فوائد سے محروم ہیں! ثَلٰثَۃَ قُرُوۡٓءٍ۔ قرء کے لفظی معنی محض ایک زمانہ معلوم یا مدتِ معین کے ہیں۔ اصل القرء فی کلام العرب الوقت (ابن قتیبہ) اھل اللغۃ اتفقوا علی ان القرء الوقت (ابن العربی) لیکن اس سے میعاد کا آغاز بھی مراد ہو سکتا ہے اور میعاد کا اختتام بھی۔ دونوں مفہوم ایک دُوسرے کے متضاد ہیں، لیکن لغتِ عرب میں دونوں ہی مستعمل ہیں۔ قال ابو عبیدۃ الاقراء من الاضداد فی کلام العرب (کبیر) واصل القرء فی کلام العرب الوقت لمجیء الشیء المعتاد مجیئہ لوقت معلوم ولادبار الشیء المعتاد ادبارہ لوقت معلوم (ابن جریر) کلمۃ محتملۃ للطھر والحیض (ابن العربی) اسی لئے یہاں بھی اہلِ شرح و تفسیر کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک جماعت نے معنی طہر یا پاکی قرار دیئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہی معنی مروی ہیں، اور امام شافعیؒ اسی طرف گئے ہیں۔ قالت عائشۃ الاقراء الاطھار (جصاص) والمراد بالقرء عند الشافعی الانتقال من الطھر الی الحیض (روح) لیکن دوسری طرف حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوموسیٰؓ جیسے تیرہ صحابیوں کا قول یہ نقل ہُوا ہے کہ یہاں قرء حیض (ناپاکی) کے معنی میں ہے (جصاص)، اور یہی قول امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ اور تمام فقہائے حنفیہ کا ہے۔ قال اصحابنا جمیعاً الاقراء الحیض وھو قول الثوری والاوزاعی والحسن بن صالح (جصاص) اور ائمہ لغت و لسان سے بھی سند اس معنی کی زیادہ مل رہی ہے۔ یقال اقرءت المرأۃ اذا حاضت ذکرہ الاصمعی والکسائی والفراء (جصاص) قرات المرأۃ رأت الدم و اقرأت صارت ذات قرء (راغب) والقرء فی الحقیقۃ اسم للدخول فی الحیض عن طھر (راغب) ثلاثۃ قروء اے ثلاثۃ احیاض وقول من الطھر و فی الحیض۔ اور فقہاء حنفیہ نے حدیث نبوی سے قرء کے اس معنی پر شہادت

مسیحی مذہب میں بھی "بے ایمانوں" یعنی غیر مسیحیوں سے ازدواج کی ممانعت ہے۔ ۲ کرنتھیوں ۶: ۱۴، ۱۵ ولیسٹر مارک کی کتاب مختصر تاریخ نکاح (شارٹ ہسٹری آف میریج ۳۲۶) "سینٹ پال کی تعلیم ہے کہ کوئی عیسائی کسی کافر سے ہرگز نکاح نہ کرے۔ اور ٹرٹولین کے نزدیک تو ایسے ازدواج کا نام حرامکاری ہے" (ص۵۵) اور ہندوؤں کے ہاں تو نکاح مذہب سے باہر ہونا کیا معنی، ذات سے باہر بلکہ برادری کے باہر بھی درست نہیں۔ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ یہ قید لگا کر بتادیا کہ ممانعت کی بنیاد تمامتر دینی و اعتقادی ہے نسلی، قومی، جغرافی وغیرہ ہرگز نہیں۔ جو بھی ایمان لے آئے، اسی وقت جائز ہو جاتی ہے۔ ۸۱۷ (اور پسندیدگی کی بنا خواہ یہ ہو کہ وہ مالدار ہے، یا یہ کہ وہ حسین و جمیل ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور بنا ہو) آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفر قرآن کی نظر میں کس قدر مبغوض ہے۔ کافر عورت میں جو بھی خوبیاں ہوں، کُل ایک طرف اور اُس کے کفر کی گندگی دوسری طرف۔ وَلَاَمَةٌ ۔ میں ل زور اور تاکید کے لئے ہے۔ اُردو میں ایسے موقع پر "ہم" لاتے ہیں۔ لام الابتداء الشبیهة بلام القسم فی افادة التاکید (ابوسعود) واللام فی افادة التوکید (کبیر عن ابی مسلم) مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلم عورت، یہاں تک کہ نعمتِ آزادی سے محروم اور عرفاً حقیر و ذلیل بھی جانے والی باندی تک آزاد، خوش حال، خوش جمال کافر عورت سے بہتر ہے۔ ۸۱۸ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۔ یہ ٹکڑا یہاں بھی اسی حقیقت کے زوردار اظہار کے لئے ہے کہ اصل مانع و حائل اُن مردوں کا کفر ہے۔ جب یہ مانع دُور ہو جائے، تو پھر کوئی امر مانع نہیں۔ اَلْمُشْرِكِيْنَ ۔ "مشرک" یہاں بھی اسی عام و وسیع معنی میں ہے جیسے "مشرکہ" ابھی اُوپر آچکا ہے یعنی ہر قسم کے کافر کے مُرادف ہے۔ قانونِ اسلام کا منکر جو کوئی جس قسم کا بھی ہو مومن خاتون اُس کے نکاح میں نہ دی جاسکتی ہے، نہ رہ سکتی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اگر پہلے سے مسلمان ہے، اور بعد کو خدانخواستہ مرتد ہو گیا، تو مسلمان عورت اسی وقت اُس کے نکاح سے باہر ہو جائیگی۔ اور جو نکاح ابھی تک صحیح تھا ٹوٹ جائیگا۔ اور یہ عورت عدت پُوری کر کے کسی مسلمان شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی پہلے سے کافر ہیں، اور عورت مسلمان ہو گئی، تو اب بقاءِ نکاح کی کوئی صُورت نہیں، بجز اس کے کہ شوہر بھی اسلام قبول کر لے۔ مزید تفصیل اس قسم کے مسائل کی کتب فقہ میں ملے گی۔ لَا تُنْكِحُوْا ۔ خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ حکم خود عورتوں کو براہِ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ۔ یہ طرزِ خطاب بہت پُر معنی ہے۔ صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطہ سے ہونا چاہیئے۔ ۸۱۹ (علمی قابلیت کی بنا پر، اونچی ڈگریوں کی بنا پر، بڑے عہدوں کی بنا پر کسی بھی دنیوی بنیاد پر) لَعَبْدٌ ۔ کا ل یہاں بھی تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اُردو کے "تک" کے معنی میں یعنی نعمتِ آزادی سے محروم، اور عرفاً حقیر و ذلیل سمجھے جانے والے غلام تک کو اختیار کر سکتے ہو لیکن نہ اختیار کرو تو کسی کافر کو، خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کیسا ہی بڑا آدمی ہو۔ ۸۲۰ اِلَى النَّارِ ۔ دوزخ کی طرف یعنی اُن اعمال اور اُن عقائد کی طرف، اُس طریقِ زندگی کی طرف، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اور وہ طریق کفر و شرک ہے۔ ای الی الاعمال موجبة للنار (معالم) ای الکفر المؤدی الی النار (بیضاوی) اُولٰٓئِكَ ۔ اشارہ انھی کافر مردوں اور کافر عورتوں کی جانب ہے۔ اُنکی طرف سے مزید نفرت دلانے کے لئے یہ فقرہ بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ گویا جتا دیا ہے کہ ایسے گئے گزرے ہوئے اور خطرناک لوگ تو معمولی تعلقات رکھنے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ ان سے ازدواج کا سا گہرا رشتہ پیدا کیا جائے! ۸۲۱ (چنانچہ اس رحمت و مغفرت ہی کے تقاضے سے اُس نے یہ حکم بھی دے رکھا ہے کہ کافروں سے ازدواجی تعلق نہ رکھو، نہ اُن کے گہرے تعلق کا کوئی اثر تم پر پڑنے پائے، اور نہ تم جنت و مغفرت سے دُور ہوتے جاؤ) اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ ۔ یعنی اللہ ترغیب دیتا ہے ایمان و اسلام کی اور اس طریقِ زندگی کی جس کا انجام جنت و مغفرت ہی ہے۔ بِاِذْنِهٖ ۔ اذن کے معنی یہاں توفیق یا ارادہ یا اعلامِ احکام کے ہیں۔ باعلامه ایاکم بسبیله وطریقه (ابن جریر) ای قضایه و قدره وارادته (معالم) بتیسیر الله وتوفیقه للعمل (کشاف) ۸۲۲ (اور نصیحت پر عمل کر کر کے جنت و مغفرت کے حقدار بن جائیں) ۸۲۳ یعنی عورت کے زمانۂ خاص میں اُس سے ہمبستری کا حکم۔ قرآن زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ وہی زندگی جس میں کھانا، پینا، سونا، جنسی خواہش کا پیدا ہونا، بچّہ کا باپ یا ماں بننا سب کچھ داخل ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ جو کچھ بھی تعلق تعمیر سیرت سے رکھتا ہے اس کی بابت ہدایات واحکام وہ لازمی طور پر دیگا۔ وہ محض "بزرگانہ ملفوظات" کا مجموعہ نہیں۔ معاشیات، معاشرت، اخلاقیات، قانون، غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے ضروری ابواب کا ذکر ناگزیر ہے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا، تو اس ہدایت نامہ کی جامعیت و کاملیت پر حرف آجاتا۔ مَحِيْض ۔ مصدر میمی ہے معنی حیض کے مرادف ۸۲۴ (جیسا کہ دُنیا میں عموماً دُوسری قوموں نے بھی سمجھا ہے اور سامی نسل والوں نے علی الخصوص) طب قدیم و جدید دونوں کو مسلم ہے کہ یہ ایک خاص قسم کا ناقص خون ہے، رنگ و بُو و ترکیب میں عام خُون سے الگ۔ ۸۲۵ اِعْتَزِلُوْا ۔ یا اعتزال یا عورتوں کو چھوڑے رہنے کا حکم صرف ہمبستری کے عمل خاص تک محدود ہے۔ مجالست و مواکلت وغیرہ عام معاشرت سے اس کا تعلق نہیں۔ بعض قوموں میں عورتیں اپنے اس زمانہ میں نہ دُوسروں کے ساتھ کھا پی سکتی ہیں، نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کچیلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک الگ گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ غرض دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کر لیا ہے۔ شریعتِ اسلامی میں اس قسم کے کوئی امتناعی احکام موجود نہیں۔ ۸۲۶ مشرک قوموں نے اس باب میں جو سختیاں روا رکھی ہیں، اُن سے قطع نظر خود توریت کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال آپ ہے۔ عورت اپنے ایامِ ماہوار کے زمانہ میں خود ہی ناپاک نہیں ہوتی، بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اُس سے چھُو جاتی ہے، وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے۔ "جو کوئی اسے چھُوئے گا شام تک نجس رہے گا۔۔۔۔۔ اور جو کوئی اس کے بستر کو چھُوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے، اور شام تک ناپاک رہے ــــ اور جو کوئی اُس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہے چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے اور شام تک ناپاک رہے۔۔۔۔۔ اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہو اور اُس کی نجاست اُس پر ہو تو وہ سات دن تک ناپاک رہیگا، اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا، ناپاک ہو جائے گا" (احبار۔ ۱۵: ۱۹-۲۴) یہ احکام تو خود توریت کے ہوئے۔ باقی فقہاءِ یہود تو اپنے تشددات میں ان حدود سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور ایسی ایسی قیدیں بیچاری عورت پر عائد کر دی ہیں کہ گویا وہ عورت نہیں ہے، کوئی بلا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۱ ص ۳۰۱ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائیبل، جلد ۴ ص ۸۲۵۔ ۸۲۷ یعنی خون نجس کا آنا بالکل بند ہو جائے، اور عورت غسل کر لے شریعت میں یہ غسل واجب ہے۔ ۸۲۸ یعنی جائز و فطری طریق کے مطابق۔ اِس عام و فطری طریقِ قربت کے علاوہ حصولِ لذت کے اور سارے طریقے ناجائز ہیں۔ ۸۲۹ التَّوَّابِيْنَ ۔ توابین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں جن سے قوانینِ بالا کے باب میں کوئی اتفاقی خلاف ورزی ہو جائے، اور وہ بعد کو توبہ کریں، اور اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ اَلْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔ متطہرین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں، جو عورت کی مواصلت سے اس کی طبعی ناپاکی کے زمانہ میں محترز رہتے ہیں۔ اسی لفظ سے فقہاء نے اشارة النص سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو اعمال صریحاً نجس ہیں (مثلاً اغلام) وہ سب حرام ہیں۔ صفائی و طہارت کی یہ روح قرآنی عام ہے۔ اور اس کے تحت میں جسمانی اور ظاہری صفائی پُوری طرح آجاتی ہے اسلام کی اس لطافت پسندی، نظافت پسندی، طہارت پسندی کے مقابلہ میں، دُوسرے سرے پر وہ مذاہب ہیں، جن میں قرب حق کا ذریعہ صفائی کو نہیں، عین جسمانی گندگی، کثافت و غلاظت کو قرار دیا گیا ہے۔ مشرک قوموں میں جو فرقے اگھور پنتی کے نام سے ہیں، ان کے تفصیلی ذکر سے تو ان صفحات کو نجس کرنے کی جرأت نہیں، خود مسیحیت کی تاریخ میں صدیوں تک راہبوں کے لئے غسل یا جسم کی شست و شو ایک مستقل معصیت رہی ہے۔ ۸۳۰ اور کھیت کہتے ہیں اُس موضع زمین کو جس میں تخم ریزی ہوتی ہے اور اس میں سبزی، غلہ، نباتات کا نشو و نما ہوتا ہے۔ کھیت والے اُسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر نہایت درجہ عزیز رکھتے، اور اُس سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسلام نے ہمبستری کا اصل مقصد طلبِ اولاد ہی کو رکھا ہے، گو اُس کے دوسرے پہلو یعنی طلبِ لذت کو بھی نظرانداز نہیں کیا ہے۔ ۸۳۱ (اس تشبیہ اور اس کے مضمرات کو خوب سوچ سمجھ کر) فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ ۔ کنایہ ہے عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے۔ اور قرآنِ حکیم ایسے موقعوں پر اکثر کنایہ ہی سے کام لیتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ ہر ایسے موقع پر مسلمان کو یہی چاہیئے کہ حتی الامکان بات اشارہ کنایہ ہی میں کہے۔ فاتوا حرثکم من الکنایات اللطیفة والتعریضات المستحسنة فعلی کل مسلم ان یتادب بها ویتکلف مثلها فی المحاورات والمکاتبات (مدارک) حَرْثَكُمْ ۔ "کھاں" کا یہ جواب خوب ملحوظ رہے۔ اتیان یا داخلہ کھیت ہی میں ہونا چاہیئے قبولِ تخم کے موضع یا عضو میں ہونا چاہیئے، نہ کہ اس کے علاوہ یا اس سے خارج کسی اور موقع و محل میں۔ ای نساءکم مزرع اولادکم فاتوا مزرعکم کیف شئتم واین شئتم (ابن جریر) اَنّٰى ۔ انّٰی کے مشہور و معروف معنی کیف اور این کے ہیں یعنی جس طرح کی جس کیفیت کے ساتھ کے، اور جدھر سے جس جہت سے کے۔ للبحث عن الحال والمکان (راغب) هو بمعنی این وکیف (راغب) قرآن مجید میں انّٰی کیف کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اَنّٰى يُحْيِيْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔ یہاں انّٰی یحیی صاف کیف یحیی کے معنی میں ہے۔ یا پھر اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ۔ اس آیت میں بھی قرآنیات کے بہترین ماہرین، ابن عباس صحابی نے اور مجاہد، قتادہ، عکرمہ وغیرہ تابعین نے انّٰی کو اسی معنی میں لیا ہے۔ یاتیها کیف شاء (ابن جریر عن ابن عباس، عکرمہ، مجاہد) ای کیف شئتم (ابن جریر عن السدی) انّٰی حرف استفهام یکون سوالا عن الحال والمحل معناه کیف شئتم وحیث شئتم بعد ان یکون فی ضمام احد (معالم) گویا یہاں صاف رد ہو رہا ہے یہود کا جو مباشرت کی صرف ایک ہی وضع و ہیئت کو جائز سمجھتے تھے، اور باقی سب کو ناجائز۔ متعدد آثار و روایات اسی مضمون کی تفسیروں میں منقول ملیں گے۔ اور آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کھڑے ہونے بیٹھے رہنے چت لیٹنے پٹ لیٹنے کروٹ کے بل لیٹنے کی ساری ہیئتیں جائز ہیں۔ ای کیف شئتم من قیام وقعود واضطجاع واقبال وادبار (جلالین) دُوسرے معنی انّٰی کے این کے یعنی جدھر کے جس رُخ کے ہیں۔ اور اس معنی کو لے کر بعض گندہ مذاق لوگوں نے اس کی تشریح میں اپنی گندہ ذہنی کے عجیب عجیب مظاہرے کئے ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ موضع و محل میں کسی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن کثیر نے تو اس معنی پر ابو حنیفہ و شافعی و احمد حنبل جیسے ائمہ فقہ اور انکے شاگردوں اور بہت سے تابعین کا اجماع نقل کر کے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس معنی سے تجاوز کر کے جواز ڈھونڈھنے والوں کا ان تمام علماء و فقہاء نے شدت سے انکار کیا ہے بلکہ بعض نے تو اس تجاوز کو کفر کے حکم میں داخل کر دیا ہے۔ انهم انکروا ذلك اشد الانکار وبینهم من یطلق علی فعله الکفر وهو مذهب جمهور العلماء۔ موضع و مکان تو بہر حال متعین ہے۔ آزادی صرف اسی موضع و مکان میں دخلہ کیلئے، ہر رُخ، ہر جہت کی دی جا رہی ہے۔ ای علی ای شق من الاحوال وذلك فی مکان الحرث (کبیر) سئل ابن عباس عن الذی یاتی امرأته فی دبرها فقال هذا یسألنی عن الکفر (هدس) من حیث شئتم وای وجه احببتم (ابن جریر) لیکن ان دو معروف و متداول معنوں کے علاوہ انّٰی کے ایک تیسرے معنی متیٰ یعنی جب اور جس وقت کے بھی نقل ہوئے ہیں۔ گویا انّٰی یہاں ظرفِ زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے ضحاک تابعی اور بعض محققین قرآن اس طرف گئے ہیں۔ انّٰی بمعنی متیٰ قال الضحاك (بحر) ای متی شئتم (ابن جریر عن الضحاک) ای فی متی زمان اردتم (بحر) متی شئتم من لیل ونهار (کبیر) ای وقت شئتم من اوقات الحل (کبیر) انّٰی شئتم من اللیل والنهار (ابن جریر عن ابن عباس) جس خدا کی بنائی ہوئی دنیا کی عملی زندگی میں اس قسم کے سوالات و مسائل روزمرہ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اُسی خدا کے اُتارے ہوئے ہدایت نامہ میں اگر اُن سے متعلق ہدایات و احکام نہ ہوتے تو یہ بہت عجیب سی بات ہوتی۔ ۸۳۲ آیندہ کیلئے کچھ بھیجنے کی چیز عمل صالح ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ گویا اسکی تاکید ہے کہ عین لذت و التذاذ کے شغلوں کے وقت بھی اپنی عبدیت کو، اپنی ذمہ داری کو بھول نہ جاؤ۔ تمامتر لذت پرستی ہی میں غرق نہ ہو جاؤ، بلکہ ہو سکے تو اپنی لذتوں کو بھی عین طاعت و عبادت بنالو۔ ۸۳۳ اگر اسی کا استحضار ہر تقویٰ و خشیت کو آسان بنا دیگا۔ آیت میں تعلیم اسکی ہے کہ مومن کے ہاتھ سے تقوائے الٰہی کا سر رشتہ کسی حال میں نہ چھوٹنے پائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ یعنی ہر حال میں، ایامِ حیات کے ہر ہر لحہ میں تقوائے الٰہی پر قائم رہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۔ قرآن مجید صرف احکام ہی نہیں دیتا، بلکہ وہ طریقہ اور تدبیر بھی بتا جاتا ہے جن سے ان احکام پر عمل آسان ہو جائے۔ حکم ابھی تقوائے الٰہی کا ملا ہے، اور اب اسکی آسان تدبیر ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ لقاءِ آخرت کا استحضار ہے۔ واعلموا سے محض جان لینا مُراد نہیں۔ بلکہ اس علم کا تر و تازہ رکھنا مُراد ہے۔ ۸۳۴ (اے پیغمبر) یہاں جو اہلِ ایمان مراد ہیں، اُنکے صفات ابھی اوپر بیان ہو چکے ہیں کہ وہ اعمالِ صالحہ کا اہتمام رکھتے ہیں (وقدموا لانفسکم) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں (واتقوا اللّٰه) اور جزاء و سزا کا عقیدہ تر و تازہ رکھتے ہیں (واعلموا انکم ملٰقوه) ۸۳۵ عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں ایک دستور یہ تھا کہ خدا کی قسم کھا کر یہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں فلاں کام نیکی کا، تقویٰ کا، اصلاح خلق کا نہ کرینگے۔ اور جب کوئی کہتا تو یہی عذر پیش کر دیتے کہ ہم تو اسکی قسم کھا چکے ہیں! ان اعمالِ خیر کا ترک یُوں بھی ہر صُورت میں مذموم تھا، چہ جائیکہ حضرتِ حق کے اسمِ بزرگ اور اسکی قسم کو بجائے قربِ حق کے اس سے دوری کا ذریعہ بنا لیا جائے! ـــــ آیت اسی شعارِ جاہلی کی تردید میں ہے۔ عُرْضَةً کے عام و متداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہاں بھی یہی معنی رکھے ہیں۔ عرضة لایمانکم ای نصبا لها وهی بحلفه

٨٠٧ (خیر خیرات میں) فرض زکوٰۃ کی تو شرح متعین تھی۔ یہ سوال اس کے علاوہ دوسرے نیک کاموں میں صرف سے متعلق تھا۔ ٨٠٨ اور اس آسانی کا معیار بقول مفسر تھانویؒ یہ ہے کہ اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اپنے ضروری مصارف میں تنگی نہ اٹھانا پڑے۔ العفو۔ عفو سے مراد بس اتنا خرچ کرنا ہے جو اپنے اوپر بار نہ ہو۔ العفو نقیض الجهد وهو ان ينفق مالا يبلغ انفاقه منه الجهد واستفراغ الوسع (كشاف) ای ما لا يجهد (روح عن الحسن) ای انفقوا فضل عن قدر الحاجة (مدارک) ٨٠٩ (ان احکام پر عمل کے وقت) امورِ آخرت میں غور و فکر کرتے رہنے کی اہمیت تو ظاہر ہے۔ یہاں حکم اس کا مل رہا ہے کہ امورِ دنیا میں بھی سوچ بچار سے کام لیا کرو ——— تو گویا دنیا بھی اس قابل ہے کہ اس کے معاملات میں غور و تدبر سے کام لیا جائے؟ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ راز اس کا یہ ہے کہ انسان خلوِ ذہن کے ساتھ جس قدر دنیا اور اس کے کاروبار کو سوچے گا، اسی قدر اس کی بے ثباتی اور بے قدری اس کے دل پر جمتی جائیگی۔ ٨١٠ (کہ ان کے خرچ کا نظام رکھا جائے، آیا اپنے حساب میں شامل رکھا جائے یا ان کا حساب بالکل الگ کر دیا جائے) یہ سوال کرنے والے یتیموں کے اولیاء تھے جن کی ولایت و سرپرستی میں یتیم بچے پل رہے تھے۔ اللہ رے صحابہؓ کی احتیاط اور مرتبۂ تقویٰ! امر کے ساتھ اگر سوال کیا کہ یتیموں کی جائدادوں سے انتفاع کی آیا کوئی شکل بھی اولیاء اور سرپرستوں تک کیلئے جائز ہے؟ جائداد کی طمع بھی بُری ہوتی ہے۔ عرب جاہلی میں بہت سے لوگ اس لئے یتیموں کو اپنی ولایت و سرپرستی میں لیتے تھے کہ ان کی جائداد میں خورد بُرد کا موقع مل جائے گا۔ بلکہ کوئی یتیم لڑکی اگر مالدار نظر آئی، تو اس سے اپنے لڑکے کی شادی بھی اسی طمع میں کر دیا کرتے تھے۔ الیتامٰی۔ یتیم کی جمع ہے۔ اور یتیم سے مراد وہ لڑکا یا لڑکی ہے، جس کے سر سے باپ یا ماں کا سایہ اٹھ گیا ہو۔ احکامِ شریعت میں یتیمی باپ کی طرف سے معتبر مانی گئی ہے۔ الیتیم المنفرد عن احد ابویه (جصاص) انما المراد بالایتام الفاقدو الآباء وهم صغار (جصاص) ٨١١ سو وہ جس طریق پر حاصل ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ یہاں اصل اصول بیان کر دیا کہ مقدم شرط جائداد و یتیم کے مصالح کی رعایت ہے۔ اگر اس کا تقاضہ یہ ہو کہ اپنا اور یتیم کا حساب ایک میں رکھا جائے، تو یہی کیا جائے، ورنہ اس کے برعکس۔ اصلاح کا لفظ عام ہے۔ اگرچہ اس کا قریبی تعلق مالی مصالح سے ہے۔ لفظ کے عموم میں جسمانی، مالی، اخلاقی، ہر قسم کی اصلاح آگئی۔ فقہاء نے بہ قاعدۂ اقتضاء النص اس عموم سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یتیم پر جو تہدید یا تنبیہ تعلیم و تربیت کی ضرورت سے ہو وہ بالکل درست ہے۔ اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح بیگانوں اور منکروں کو بھی ہے۔ برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے:۔ "پیمبر کی توجہ خصوصی کے مرکز، غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں۔ وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے۔ اس لئے دل سے چاہتے تھے کہ جو حسنِ سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ رکھیں۔" (محمڈ اینڈ محمڈنزم، صفحہ ٢٥٠) امریکی ماہرِ اجتماعیات، ڈاکٹر رابرٹس لکھتے ہیں:۔ "قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمدؐ کو بچوں کا کس قدر خیال تھا خصوصاً اُن بچوں کا جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہو گئے ہوں۔ بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ملتی ہے" (سوشل لاز آف دی قرآن صفحہ ٤٠، ٤١) اور پھر کہا ہے:۔ "محمدؐ نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی۔ یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر اور اُن سے بدسلوکی کرنے والوں اور اُن کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرتِ محمدی کے اُس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں، جس پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے۔" (صفحہ ٤١) ٨١٢ بھائی ہیں! (اور اسلئے مشترک خرچ میں کوئی مضائقہ نہیں) اِخْوَانُكُمْ لفظ اخ یا بھائی انتہائی اخلاص، یگانگت و مودّت کا مظہر ہے۔ اس ذرا سے لفظ میں بہت کچھ آگیا۔ جب تم اور وہ بھائی ہی بھائی ٹھہرے، تو بھائی بھائی میں تکلّف کیسا؟ ——— اور عرب میں تو یہ رشتہ اور زیادہ قوی تھا۔ فهم لاخوانكم والاخوان يعين بعضهم بعضا ويصيب بعضهم من اموال بعض على وجه الاصلاح والرضا (معالم) چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان ہی یتیم تھے، اس لئے اِخْوَانُكُمْ فرمایا۔ ورنہ اگر دوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو، اس کا بھی بعینہٖ یہی حکم ہے۔ اور اس کی دلیل دوسری آیات و احادیث ہیں جو الفاظ عامّہ سے وارد ہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زائد ہے کہ اس بچہ پر بعد بلوغ قبولِ اسلام کے لئے جبر نہیں کیا جاتا، مذہبی آزادی دی جاتی ہے۔" (تھانوی) ٨١٣ یعنی اس پر سب کی نیک نیتی اور بدنیتی دونوں خوب روشن ہیں۔ المفسد یعنی یتیموں کی مصلحت کو ضائع کرنے والا۔ الذی يقصد بالمخالطة الخيانة وافساد مال اليتيم (معالم) المصلح یعنی یتیموں کی مصلحت کا لحاظ رکھنے والا۔ الذی يقصد الاصلاح (معالم) مفسر ابو سعودؒ نے کہا ہے کہ لفظ المفسد کو المصلح پر مقدم رکھنے میں وعید میں تاکید اور تہدید اور زیادہ پیدا ہو گئی۔ ٨١٤ یعنی بجائے ان آسانیوں کے اس باب میں کوئی سخت قانون بنا دیتا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر اس کی حکمت و مشیتِ تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ ٨١٥ یہاں اپنی دونوں صفات یاد دلا دیں۔ پہلی صفت عزیز کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ جو حکم چاہتا دے سکتا تھا، کوئی قوت اُس سے بالاتر، کوئی حاکم اُس کے اوپر ممکن نہیں۔ سب پر بالادست خود ہی ہے۔ لیکن دوسری صفت حکیم کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ احکام وہی دیتا ہے جو بندوں کے لئے نرم و آسان و قرینِ مصلحت ہوں۔ ٨١٦ (اے مسلمان مردو!) میاں بیوی کا رشتہ انتہائی اُلفت و رفاقت کا، اور باہمی مناسبت اور موانست کا ہوتا ہے۔ بیوی کو اگر شوہر سے اس درجہ نامناسبت ہے کہ وہ اس کی ساری شعوری اور اختیاری زندگی کے اصل اصول یعنی توحید و رسالت ہی کی منکر ہے، تو معلوم ہوا کہ دونوں میں باہمی مناسبت کی بنیاد درجۂ ضعیف میں بھی موجود نہیں، مرد کو ایسی عورت کے ساتھ عمر نباہ کرنے کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہیئے، موافقت کامل کے دوسرے اجزاء و عناصر موجود نہ ہوں، نہ سہی، لیکن کم از کم وہ بنیادی عقیدہ تو مشترک ہو جس کے تابع و ماتحت، چھوٹا بڑا، زندگی کا ہر معاملہ ہے۔ فطرتِ بشری خود ایسے بے جوڑ ازدواج سے ابا کرتی ہے، دینِ فطرت اسے کیونکر جائز رکھ سکتا تھا۔ پھر نکاح اسلام میں ایک دینی اور مذہبی عمل ہے محض معاہدۂ دیوانی Civil Contract نہیں۔ جب ایک فریق دین و مذہب کی بنیادوں ہی سے منحرف ہے، تو اس کے ساتھ معاہدہ ممکن کیونکر ہے؟ المشرکات۔ لفظ مشرک یہاں اپنے عام و وسیع معنی میں ہے۔ ہر قسم کی کافر یا غیر مسلم عورت اس حکمِ ممانعت میں داخل ہو گئی۔ بس کا بُت پرست ہونا لازمی نہیں۔ قول محقق یہی ہے۔ عن ابن عمر انها عامة فی الکتابیات وغیرهن (جصاص) المشرکات هنا الكفار (نهر) والاكثرون من العلماء على ان اللفظ المشرك يندرج فيه الكفار من اهل الكتاب وهو المختار (کبیر) امام مالکؒ و امام شافعیؒ بس اسی آیت پر رک گئے ہیں۔ اور اُن کی فقہ میں ہر قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ لا يجوز العقد بنكاح على مشركة كانت كتابية او غير كتابية قال عمر فی احدی روایته وهو اختیار مالك والشافعی (ابن العربی) لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ سنجی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی گئی، اور وہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے۔ والمحصنات من الذين اوتوا الكتب من قبلكم الخ اور انہوں نے پہلی آیت کے عموم کو اس کی جگہ پر رکھ کر اس کا خصوص اس دوسری آیت سے پیدا کیا یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلم کے ساتھ نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ یعنی یہودی یا نصرانی عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اور یہی مذہب ابن عباسؓ اور بعض تابعین سے مروی ہوا ہے۔ وهو عموم خص بجواز نكاح الكتابيات (نهر) عن ابن عباسؓ قال فی ولا تنكحوا المشركات نسخ من ذلك نكاح نساء اهل الكتاب احلهن للمسلمين وحرم المسلمات على رجالهم وعن الحسن ومجاهد مثل ذلك (روح) مفسر تھانویؒ کے چند افادات اس موقع پر نقل کرنے کے قابل ہیں:۔ ١۔ ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح نادرست ہے۔ ٢۔ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے لیکن بہتر نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اسے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح کا حکم دیندار ہی عورت سے کرنے کا ہے۔ ٣۔ ایسی عورت جو وضع و طرز سے کتابیہ معلوم ہوتی ہو، لیکن بعد تحقیق اُس کے عقائد کتابیوں کے سے نہ نکلیں، اُس سے بھی نکاح نادرست ہے۔ یہودیت چونکہ ایک نسلی مذہب ہے، اسلئے اسرائیلیوں کو غیر اسرائیلیوں سے نکاح کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ خروج ٣٤:١٦ استثناء ٧:١-٤۔ عزرا ٩ و ١٠۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ ایک طرح کی گندگی ہے

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ

پس تم عورتوں کو حیض کے دوران میں چھوڑے رہو اور جب تک وہ پاک نہ

حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ

ہو جائیں اُن سے قربت نہ کرو پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو اُن کے پاس آؤ جس جگہ

حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ

سے اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے بیشک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ

اور محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، سو

فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ

تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو اور اپنے حق میں آیندہ کے لیے کچھ کرتے رہو

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور آپ ایمان والوں

الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ

کو خوشخبری سنا دیجیے اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے اپنی نیکی کے اور اپنے

أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ

تقویٰ کے اور اپنی اصلاحِ خلق کے کاموں کے حق میں حجاب نہ بناؤ اور اللہ

منزل

عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ شغلے سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رُومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک، جو شرفِ رسالت کے تعلق سے مشرف تھیں، ان کی روک تھام نہ کرسکی تھیں۔ شریعتِ اسلامی ہی دُنیا کا وہ قانون ہے جس نے آکر اُن کی قطعی حُرمت کا اعلان کیا۔ یہ آیت سلسلۂ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے۔ قطعی حکم بعد کو نازل ہوا۔ علامہ آلوسی بغدادی، صاحبِ تفسیر رُوح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لئے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لئے ہیں۔ عرقِ عنبری، ماء الاکسیر وغیرہا، لیکن نام کے بدل دینے سے حقیقت اور حکمِ شرعی نہیں بدل جایا کرتا۔ نشہ آور چیزیں بہرحال حرام ہیں۔ علامہ کا سالِ وفات ۱۲۷۰ھ ہے۔ گویا آج (۱۹۲۵ء) سے ایک سو سال قبل کے عراق میں آپ کو یہ حسرتناک تجربے ہوچکے تھے۔ اُن مرحوم کو کیا اندازہ کہ آج فرنگیوں کے اثر سے اُن کے وطن عراق ہی میں نہیں، بلکہ مصر، ایران، ترکی، شام وغیرہ میں شراب کتنی اور کن کن شکلوں کے ساتھ پھیل چکی ہے! اور خمر ہی نہیں میسر بھی کیسے کیسے نئے اور خوشنما ناموں کے ساتھ "تہذیب و تمدن" کا جزو بن چکا ہے۔ اور کتنے گوشوں میں داخل ہوچکا ہے!

۸۰۴ (جیسا کہ مُشاہدہ ہے) اثم کا لفظ ہر ایسے فعل کے لئے آتا ہے جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) اثم کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ الاثم کله محرم (جصاص) چہ جائیکہ جب اس پر تاکید بھی کبیر کے ساتھ موجود ہو! اثم کبیر ہی سے فقہا نے نکالا ہے کہ شراب کی مقدار قلیل بھی حرام ہے۔ ولاحد علی تحریم القلیل منه (جصاص) اور اس لحاظ سے قرآن مجید ان دونوں کے حق میں لفظ اثم بہت خوب لایا۔ معاشرہ میں آجتک جتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہوچکے ہیں، اظہر من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے، حرامکاری کی طرف یہ لائے، بلوے، دنگے یہ کرائے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کردے، قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے، طہارت سے، پاکیزہ منشی سے یہ روک دے، اور اسراف تو اس کے لئے کوئی بات ہی نہیں۔ اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں کچھ کم ہیں؟ فرنگستان کے سب سے بڑے قمارخانہ مونٹے کارلو Monte Carlu میں ہر سال کتنی بیشمار دولت تلف ہوتی رہتی ہے! دیوالی اور جمگھٹ کی راتوں کو ہندوستان کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اور پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں، بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھڑ دوڑ کے جوئے، چٹھیوں (لاٹریوں) کے جوئے، سٹے وغیرہ کو کوئی کہاں تک شمار کرے؟ سچ کہا اُن مفسرین نے جنہوں نے کہا کہ اِن دونوں شغلوں کے اندر نیکیوں سے بڑی رکاوٹ ہے۔ في تناولهما ابطاءٌ عن الخيرات (راغب) من حيث ان تناولهما مؤدّ الى ما يوجب الاثم وهو ترك المامور وفعل المحظور (روح) بعض صحابیوں، مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ کی بابت منقول ہے کہ انہوں نے شراب کی بابت رسُول اللہ صلعم سے از خُود دریافت کرنا شروع کردیا تھا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال دونو کو غارت و برباد کردینے والی ہو، اُس کے باب میں کیا حکم ہے؟ كان المسلمون يشربونها وهي حلال لهم ثم ان عمر ومعاذًا ونفرًا من الصحابة قالوا يا رسول الله افتنا في الخمر فانها مُذهبة للعقل مسلبة للمال (كبير) صُحبتِ رسُولؐ کی برکت سے اگر قلوب میں از خود اتنی جِلا پیدا ہوگئی ہو، تو اس میں حیرت ہی کیا ہے؟

۸۰۵ (کچھ تھوڑے بہت) حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے مضر ہی مضر اور ہر طرح نفع و مصلحت سے خالی، کوئی شے موجُود ہی نہیں۔ یہانتک کہ شراب نوشی اور قمار بازی جیسے گندے مشغلے بھی اِس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے، بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں، شراب سے ذوقی لذت و سرور حاصل ہوتا ہے، بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہوجاتی ہے، وقس علیٰ ہذا یا اسی طرح جوئے میں جو جیتتا ہے، اُسے بلامشقت و تعب تھوڑی ہی سی دیر میں آمدنی ہوجاتی ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ اے باللذة والفرح في الخمر واصابة المال بلا كد في الميسر (جلالین) مفسرین نے آیت کے اس جزو کے تحت میں شراب کے بہت سے منافع و مصالح اپنی اپنی بصیرت و دائرۂ علم کے لائق گنائے ہیں۔ اور یہیں سے ایک اور مسئلہ نکل آیا ——— کسی حرام اور ناجائز شے کے جزوی منافع و مصالح بیان کرنا اُس کی حُرمت کے منافی اور اس کی حُرمت سے انکار کے مرادف ہرگز نہیں۔ آج جو "اسپرٹ" ملی ہوئی انگریزی دوائیں کثرت سے چل پڑی ہیں، یہ عموماً تیزاب کے قسم کی ہوتی ہیں۔ اور فقہا نے انہیں زہر کے حکم میں رکھا ہے۔

۸۰۶ (اس لئے عقلِ سلیم کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں قابلِ ترک اور واجب الاحتراز ہیں) فقہا نے کہا اور بالکل صحیح کہا ہے کہ حُرمتِ خمر پر دُوسری آیتیں اس سے صریح تر نہ موجود ہوتیں، جب بھی خود یہ آیت حُرمت کے لئے کافی تھی۔ هذه الاية قد اقتضت تحريم الخمر لو لم يرد غيرها في تحريمها لكانت كافية مغنية (جصاص) یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے اپنے ایک اشارہ سے اپنے حدودِ مملکت سے کہنا چاہیئے کہ ان خبائث کا خاتمہ ہی کردیا۔ اور اشخاص و افراد کی کارستانیوں سے قطع نظر، اُمّت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ "شرابی" اور لفظ "جواری" دونوں کو انتہائی تحقیر و ذلت کا لقب ٹھیرا دیا۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اُس نے اپنے پیروؤں کو جہانتک ان اخلاقی نجاستوں کا تعلق ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کے اُس بلند مقام پر پہنچا دیا، جہاں تک باوجود علم و فضل فہم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے، آجتک نہ کوئی "ٹمپرنس ایسوسی ایشن" (اعتدال احتیاط کی تبلیغ کرنیوالی انجمن) پہنچا سکی ہے نہ کوئی پروہیبیشنسٹ Prohibitionist گورنمنٹ" (قانُونِ امتناع جاری کرنے والی حکومت)! سر ولیم میور، اپنے نہیں، بیگانے ہیں۔ معتقد نہیں، منتقد ہیں۔ باوجود اس کے لکھتے ہیں:— "اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترکِ میکشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہُوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے" (لائف آف محمدؐ ص ۵۲۱) انیسویں صدی کے رُبع آخر میں لندن میں چرچ کانگرس کے ایک اجلاس کے موقع پر ایک ممتاز پادری اسحٰق ٹیلر نے کہا تھا:— "دنیا میں انسدادِ مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ برخلاف اس کے ہماری یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں مے نوشی و بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی ہے۔" ٹمپرنس کے نام سے مے نوشی میں اعتدال و احتیاط پیدا کرنے کیلئے یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں آج بھی خدا معلوم کتنی انجمنیں بہترین نظم و نظام اور شہرتِ کارکردگی کے ساتھ قائم ہیں، اور امریکہ کے مشہور کارکن "گربہ پا جانسن" Pussy Foot Johnson نے تو اپنی سرگرمیوں کی دھوم ساری دنیا میں مچادی۔ اور بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرینِ سائنس شراب کے نقصانات پر بیانات اور اعداد برابر شائع ہی کرتے رہتے ہیں لیکن ان ساری سرگرم کوششوں کے باوجود خود انہی لوگوں کو یہ اقرار ہے کہ شراب کو قطعی حرام کئے بغیر کوئی چارہ نہیں"۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۶ ص ۵۹، طبع یازدہم) ہندوستان میں ابھی دو ہی چار سال ہوئے (غالباً ۱۹۳۹ء میں) متعدد صوبہ دار حکومتوں نے اپنے علاقوں میں قانون امتناع نافذ کیا تھا لیکن آخر میں وہ قانون واپس لیتے ہی بنی! ——— محکمۂ آبکاری کی لکھوکھا روپیہ کی آمدنی سے دستبردار ہوجانا کوئی آسان بات ہے؟ رہی قمار بازی۔ سو اس باب میں قانونِ اسلام سے باغی و منحرف ہو کر یورپ اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کر رہا ہے، وہ عالم آشکار ہے۔ خودکشی اور اقدامِ خودکشی کے کتنے واقعات مے نوشی اور قمار بازی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں! پھر مالی ابتری کا اندازہ اِس سے کیجیے کہ یورپ کی پہلی جنگِ عظیم سے قبل، اکیلے ملک انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہے! (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۶ ص ۱۶۳) یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک، اور ایک چھوٹے سے رقبہ سے متعلق تھا، اور وہ بھی پہلی جنگِ عظیم سے قبل کا۔ یورپ کے کل ملکوں (اور اس فہرست میں دنیائے معلوم کا مشہور ترین قمارخانہ مانٹی کارلو بھی شامل ہے) اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کے لئے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے! رہیں قانون وقت کی ناکام کوششیں، تو اسی انسائیکلو پیڈیا کے اسی مقالہ میں ہے کہ "قانون اس میں کمی پیدا کرنے کی اپنی والی سب ہی کوششیں کر رہا ہے بجز اُسے قطعی ممنوع کرنے کی ناممکن کوشش کے"۔ (ص ۱۶۵) یہ حوصلہ اسلام ہی کا تھا کہ اس نے عقلائے فرنگ کی اس "ناممکن کوشش" کو اپنے حدود میں ممکن ہی نہیں واقع کرکے دکھا دیا۔

عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ

یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں ۸۱۰؎ آپ کہدیجیے کہ اسکی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے ۸۱۱؎، اور اگر تم

تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

انکے ساتھ (خرچ) شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں ۸۱۲؎ اللہ کو علم ہے کہ مُفسد (کون) ہے اور

مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

مُصلح (کون) ۸۱۳؎ اور اللہ اگر چاہتا تو تم کو پریشانی میں ڈال دیتا ۸۱۴؎ اللہ یقیناً زبردست

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۰ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ

ہے، حکمت والا ہے ۸۱۵؎ اور نکاح مشرک عورتوں کے ساتھ نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ

آئیں ۸۱۶؎ کہ مومنہ کنیز تک بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو ۸۱۷؎

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ

اور اپنی عورتوں کو (بھی) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں ۸۱۸؎ اور مومن غلام تک بہتر

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ

ہے ۸۱۹؎ مشرک (آزاد) سے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو وہ لوگ دوزخ کی طرف

اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ

بلاتے ہیں ۸۲۰؎ اور اللہ جنت و مغفرت کی طرف بلا رہا

بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۲۲۱

ہے ۸۲۱؎ اور لوگوں سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۸۲۲؎

ع ۲۷ ۵ ۱۱

منزل ۱

قولِ محقق وہی ہے جو اُوپر درج ہوا۔ اَکْبَرُ کی تفسیر ابنِ عباسؓ صحابی اور تابعین کے قول میں اشدّ سے آئی ہے۔ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی اُس خاص واقعہ قتل سے۔ مقصدِ ارشاد یہ ہے کہ دینِ حق کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں، تدبیروں، ترکیبوں سے روکتے ہیں، درحقیقۃً دُنیا کو امن، عدل و عافیت سے محروم کردینا چاہتے ہیں۔ اور اس لئے وہ نوعِ نسلِ انسانی کے مُجرم ہیں۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دُنیا سے ہرقسم کی خودغرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم و جور، شورش و بدامنی کو دُور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و قتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں، وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں۔ ۷۹۷ یہ بیان ہے اس کا کہ مشرکینِ عرب اسلام سے کس درجہ بیزار اور حق کے کس درجہ دشمن تھے۔ لَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ میں اشارہ اُنہی دشمنانِ حق کی جانب ہے۔ ایک انگریز مترجم قرآن، کیمبرج یونیورسٹی کے اُستادِ عربی، پروفیسر پامر ہوئے ہیں، اس موقع پر طنز و تعریض کا نشتر یُوں چلاتے ہیں:۔ "اب اسلام نے کافروں پر ہر چہار طرف سے دھاوا بول دیا" دھاوا چاروں طرف سے یقیناً بول دیا گیا تھا، لیکن اس جھوٹ میں سچ صرف اتنا ہے کہ یہ دھاوا اسلام کا نہ تھا، خود اسلام پر تھا۔ حَتّٰی کے معنی یہاں ناکہ کے ہیں اور غرض و مقصود کے اظہار کے لئے ہے۔ حتی للتعلیل (بیضاوی) یجوز ان یکون بمعنی الی (عکبری) ای الی ان یردوکم وقیل المعنی لیردوکم (کبیر) اِنِ اسْتَطَاعُوْا میں اشارہ یہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین سے ہٹنا اور کافروں کا انہیں اپنی کوششوں سے ہٹا لینا کچھ آسان نہ تھا۔ استبعاد لاستطاعتهم (کبیر) اشارة الی تصلبهم فی الدین وثبات قدمهم فیه کانه قیل وانی لهم ذلك (ابوسعود) ۷۹۸ حَبِطَتْ ..... الْاٰخِرَةِ۔ حبطِ اعمال کا اثر آخرت میں تو یُوں ظاہر ہوگا کہ یہ بدنصیب مُرتد اپنے کو ہر ساعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائیگا۔ اور دُنیا میں اُس کا ظہور یُوں ہوگا کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے، نہ مسلمان کی میراث میں اُسے حصّہ مل سکتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے بدعہد، باغی و غدار کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔ شریعتِ یہود میں ارتداد ہی نہیں، سعیٔ ارتداد اور ترغیبِ ارتداد کی بھی سزا قتل و سنگساری ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے تجھے پوشیدہ میں پھسلاوے اور کہے کہ آج غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے ...... تو تو اُس سے موافق نہ ہونا، اور اُس کی بات نہ سُننا۔ تو اُس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اُسکی رعایت نہ کرنا تو اُسے پوشیدہ نہ رکھنا، بلکہ اُسے ضرور قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ بڑھے اور بعد اُس کے قوم کے ہاتھ۔ اور تو اُسے سنگسار کرنا، تاکہ وہ مرجائے۔" (استثنار۔ ۱۳: ۶-۱۰) اور نصرانیوں کے ہاں بھی۔ "دانستہ ارتداد ناقابلِ تلافی گناہ ہے قتل اور زناکاری کے درجہ کا" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۱ صـ۶۲۳) چنانچہ انگلستان میں ایک جوشیلے پادری نے جب تیرھویں صدی مسیحی میں ایک یہودن سے شادی کے پھیر میں دینِ نصرانیت کو ترک کردیا تھا تو اُسے آکسفورڈ میں ۱۷- اپریل ۱۲۲۲ء کو جلادیا گیا۔ (ایضاً۔ صـ۶۲۳) فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ۔ "اُسی حالتِ کفر ہی میں اُس کی موت آجائے" یہ فقرہ بڑھاکر گویا یہ ترغیب دے دی کہ اگر خدانخواستہ کوئی مرتد ہو ہی گیا، تو اب بھی موقع ارتداد سے پھر اپنے دین کی طرف واپس آجانے کا باقی ہے۔ امام شافعیؒ نے اسی فقرہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ محض ارتداد سے اعمال کا حبط نہیں ہوجاتا تاوقتیکہ مرتد کی موت بھی ارتداد پر نہ ہو۔ وبها احتج الشافعیؒ علی ان الردة لا تحبط العمل حتی یموت علیها (مدارک) قید الردة بالموت علیها فی احباط الاعمال کما هو مذهب الشافعی (بیضاوی) لیکن حنفیہ کے پاس جواب ہے کہ یہ مسئلہ تو خود قرآن ہی نے صاف کردیا ہے، اور ایک دُوسری آیت میں صاف حبطِ عمل کو نفسِ ارتداد پر معلق کردیا ہے۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله، اور یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے۔ قال مالك یحبط بنفس الردة (ابن العربی) یَرْتَدِدْ باب افتعال سے ہے۔ اور افتعال میں ایک مفہوم تکلف کا بھی نکلتا ہے۔ بعض اہلِ معانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل کے اس باب میں لانے سے اسی عملِ ارتداد کے استبعاد پر توجہ دلانا ہے۔ وجاء افتعل هنا بمعنی التعمل والتکسب لانه تکلف اذ من باشر دین الحق یبعد ان یرجع عنه (بحر) عن دینه۔ دین سے یہاں کُھلی ہوئی مراد دینِ اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔ ۷۹۹ خالدون۔ خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک حالت پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے قائم و باقی رہنا۔ الخلود بقاء الاشیاء علی الحالة التی علیها من غیر اعتراض الفساد (راغب) اس تصریح نے اور صاف کردیا۔ ورنہ یُوں بھی عالمِ آخرت ہمیشگی کا عالم ہے۔ وہاں کی ہر سزا اور جزا (تاوقتیکہ موقت و محدود نہ کردی جائے) یُوں بھی دائمی و جاودانی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو واضح کردیا ہے۔ ایشاں دراں جاویدند۔ (شاہ ولی اللہ دہلوی) وہ بیچ اُس کے ہمیشہ رہیں گے (شاہ رفیع الدین دہلوی) ۸۰۰ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا۔ دین کے تحفظ و بقا کی خاطر وطن جیسی عزیز و محبوب چیز کو مع وہاں کے تمام مرغوبات و مالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کرکے ایمان کی بستی میں آجانے کا نام ہجرت ہے

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

کہ ان کے اعمال دُنیا اور آخرت میں اکارت گئے ۷۹۸ اور یہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

اہلِ دوزخ ہیں اسی میں (ہمیشہ) پڑے رہنے والے ۷۹۹ بیشک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ

ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد

اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

کیا ۸۰۰ تو یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں گے ۸۰۱ اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے،

رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ

بڑا مہربان ہے ۸۰۲ (لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں ۸۰۳ آپ

فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ

کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے ۸۰۴ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں ۸۰۵ اور ان کا گناہ

مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ

اُن کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے ۸۰۶ اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، آپ

الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ

کہہ دیجئے کہ جتنا آسان ہو ۸۰۷، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم

تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ

سوچ لیا کرو دُنیا اور آخرت (کے معاملات) میں ۸۰۸ اور (لوگ) آپ سے

الخروج من الکفر الی دار الایمان (راغب) جٰهَدُوْا۔ جہاد کے معنی شدید کوشش اور جد و جہد کے ہیں۔ اس میں سب طرح کی بلائیں اور تکلیفیں آگئیں، اور اس کی بڑی فرد قتال ہے۔ فاطرِ کائنات کے قانون میں ہجرت و جہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں۔ ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اُس کے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہوجائیں، تو اُس کے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے! نفسِ ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، اکثر صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہوچکے تھے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید لگاکر پھر اس حقیقت کو صاف کردیا، کہ ہجرت و جہاد بجائے خود کیسے ہی مجاہدے سہی، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، دینِ خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہیگی ـــــ وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی سی بڑی مصیبتیں جھیل لیجانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، رُوسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں مل جائیں گے، سب کے سب فی سبیل اللہ اور الذین اٰمنوا کے وصف سے خالی! اکبرؔ نے خوب کہا ہے ؎ ثواب جب ہے کہ ناخوش ہو اس بناپر تم + دلوں کو طاعتِ حق سے یہ دُور کرتے ہیں + نہ یہ کہ عیش میں میرے ہیں یہ خلل انداز + ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں + ۸۰۱ اس میں بشارت و تسلّی ان مومنین کے لئے ہے جن کے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل یکم رجب کو بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے ہوگیا تھا۔ اُوپر حاشیوں میں ضروری تفصیل گزر چکی۔ ۸۰۲ ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی مزید تشفی و بشارت ہے۔ غَفُوْرٌ۔ سو وہ اپنی صفتِ غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو و خطا کو معاف کریگا۔ رَحِیْمٌ۔ سو وہ اپنی صفتِ رحیمیت کے تقاضہ سے اجر بھی مرحمت فرمائیگا۔ ۸۰۳ یعنی اُن کے حکمِ شرعی کی بابت، ان کے جواز و عدمِ جواز کی بابت۔ والمعنی یسئلونك عما فی تعاطیهما بدلیل (کشاف) دل تخصیص الجواب علی ان ذلك السؤال کان واقعاً عن الحل والحرمة (کبیر) اَلْخَمْرِ۔ خمر و میسر یہاں دونوں اپنے عام و وسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کرے۔ اسم لکل مسکر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسکر من عصیر کل شیء (تاج) سمیت لکونها خامرة لمقر العقل (راغب) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کرلیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ الخمر ما خامر العقل (بخاری۔ عن ابن عمر) الخمر کل شراب خمر العقل فستره وغطی علیه (ابن جریر) اَلْمَیْسِرِ بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔ کل شیء فیه قمار فهو من المیسر (تاج) علمائے شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مُہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔ المیسر هو القمار (ابن کثیر) یعنی القمار (معالم) وفی حکم المیسر انواع القمار والنرد والشطرنج وغیرها (مدارک) شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیلِ عزت و شرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازمِ شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور ایسے

سیقول ۲ ۸۵ البقرة ۲

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن

تمہارے اوپر قتال فرض کر دیا گیا ہے ۷۸۹ درآنحالیکہ وہ تم پر گراں ہے ۷۹۰ لیکن کیا عجب کہ تم

تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا

کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے

ع ۲۶ ۱۰ وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾

ہو اور وہ تمہارے حق میں (باعثِ) خرابی ہو ۷۹۱ اور علم تو اللہ ہی رکھتا ہے، اور تم علم نہیں رکھتے ۷۹۲

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ

اور آپ سے حرمت والے مہینے کی بابت (یعنی) اس میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں ۷۹۳ آپ کہدیجیے

فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ

کہ اس میں قتال کرنا بڑا (گناہ) ہے ۷۹۴ اور اس سے کہیں بڑے (جرم) اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ سے روکنا

الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ

اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روک دینا اور اس سے اسکے رہنے والوں کو نکال دینا ہیں ۷۹۵ اور

أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ

فتنہ قتل سے (کہیں) بڑھ کر ہے ۷۹۶ اور یہ لوگ تو تم سے جنگ جاری ہی رکھیں گے، تاآنکہ اگر ان کا

يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ

بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر ہی کر رہیں ۷۹۷ اور جو کوئی بھی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے

مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ

اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مرجائے تو یہی وہ لوگ ہیں

منزل

۷۸۹ (جب اس کے شرائط کا تحقق ہو جائے، اے مسلمانو!) قتال کے آداب، شرائط وقواعد میں سے کچھ پہلے اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں، کچھ آیندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے۔ غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو زور دیا ہے، اس کو یاد رکھ کے ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو، ایسی کتاب سے جو یہود ونصاریٰ دونوں کے نزدیک مقدس ہے:۔ "سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اس کا ہے یکلخت ختم کر، اور ان پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت، ننھے بچے شیر خوار اور بیل بھیڑ، اور اونٹ اور گدھے تک کو سب کو قتل کر" (ا سموئیل۔ ۱۵: ۲) ۷۹۰ جیسا کہ بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔ اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اور اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار قدرۃً ہچکچاتا ہے۔ پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آکر پناہ لینے پر مجبور ہوتے تھے، روپیہ پیسہ میں، سازوسامان میں، تعداد میں، غرض مادی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مدمقابل نہ تھے۔ اِن شکستہ دلوں، شکستہ بازوؤں کو حکمِ جنگ وقتال پاکر اگر طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو تو یہ ان کے مرتبۂ اخلاص اور قوتِ ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ شاق علیکم مکروہ طبعاً (بیضاوی) مکروہ بالطبیعۃ (بحر) ھذہ الکرہ من حیث نفور الطبع عنہ لما فیہ من مؤنۃ المال ومشقۃ النفس وخطر الروح لا انھم کرھوا امر اللہ تعالیٰ (معالم) ھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ، آیت پوری تردید کر رہی ہے ان بے غیرت "مستشرقین" کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مالِ غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاقِ جنگ وقت کے تھے! كُرْهٌ لفظاً مصدر ہے، معنیٔ مفعول کے دے رہا ہے۔ جیسے خبز سے مخبوز مراد ہو جاتی ہے، اور نقض سے مراد منقوض۔ ۷۹۱ تعداد میں قلیل اور قوت وشوکت میں ضعیف ومضمحل جن مسلمانوں کو جہاد وقتال پر آمادہ کرنے کیلئے قرآن مجید کو اس تفصیل واہتمام سے کام لینے کی ضرورت پیش آرہی ہے ان کی بابت اسلام کے مشہور ومعروف "کرمفرما" اور مسیحی دنیا کے نامور مؤرخ وسیرت نویس، پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر "سچائی" اور "دیانت" سے لبریز ہے کہ (نعوذ باللہ) "محمد نے اپنے شورش پسند پیرووں کو مشغولِ کار رکھنے کے لئے انہیں جہاد میں لگا دیا!" گویا کمزوروں کا زور آوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لئے آنا، شکار کی قسم کا کوئی مشغلۂ سیر وتفریح تھا! ——— دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے، کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں! شَيْئًا صیغہ نکرہ ہے، اور اس سے یہ اشارہ نکل آیا، کہ یہاں کوئی کلی قاعدہ نہیں بیان ہو رہا ہے یعنی ہر طبعی ومرغوب ومحبوب کا شر ہونا اور ہر طبعی مکروہ ومبغوض کا خیر ہونا لازمی نہیں۔ ۷۹۲ یعنی اللہ ہی کا علم کامل اور ظاہر وباطن ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس لئے اس کے احکام ہمیشہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ انسانی علم اس کے برخلاف کسی چیز کا بھی کامل وجامع نہیں ہوتا۔ اسلئے خود انسان کی واقفیت ومصلحت اسی میں ہے کہ احکامِ خداوندی کی تعمیل بے چون وچرا کر لیا کرے۔ ۷۹۳ الشھر الحرام بالشھر الحرام کی ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک ومحترم تھے۔ قتل وغارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی۔ الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے یہاں مراد ماہِ رجب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲ھ ہجری میں یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں بعض صحابیوں کا مقابلہ مشرکین سے ہو گیا، اور ایک مشرک مقاتلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے خیال میں ۳۰ رجمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں بارہا ہوتا رہتا ہے) کہ چاند ۲۹ کا ہو گیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو وغلطی کی اس رائی کو لے کر پہاڑ بنا دیا، اور طعن واعتراض شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں۔ ان محمداً ابعث سریۃ فلقوا عمرو بن الحضرمی اٰخر لیلۃ من جمادی الاولیٰ لیلۃ من رجب وان اصحاب محمد صلعم کانوا یظنون تلک اللیلۃ من جمادی وکانت اول رجب ولم یشعروا فقتلہ رجل منھم واحد (ابن جریر عن ابن عباس) لقی واقد بن عبد اللہ عمرو ابن الحضرمی اول لیلۃ من رجب وھو یری انہ من جمادی فقتلہ (ابن جریر عن مقسم) قِتَالٍ فِيهِ ترکیب میں بدل ہے الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے۔ بدل اشتمال من الشھر الحرام (بیضاوی) وھذا یسمی بدل الاشتمال کقولک اعجبنی زید علمہ وانتفع زید کلامہ (کبیر) ۷۹۴ رجب کہ دانستہ یعنی ماہِ حرام کا علم رکھنے کے باوجود ہو۔ اور یہ جرم مسلمانوں سے سرے سے سرزد ہی نہیں ہوا) وما وقع من اصحابہ علیہ السلام کان من باب الخطاء فی الاجتھاد وھو معفو عنہ (روح) فقہاء مفسرین میں ایک بڑی بحث اس کی ہوئی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کافر اس زمانہ میں قتال شروع کر دیں، تو مسلمان کی حیات کی حفاظت کے لئے دفاعی وجوابی قتال تو بہرحال جائز ہے۔ لاخلاف فی جواز القتال فی الشھر الحرام اذا بدءوا (زاد المعاد فصل احکام غزوہ خیبر) گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی اس میں ابتدا جائز ہے؟ انما الخلاف ان یقاتل فیہ ابتداءً (زاد المعاد) سو امام ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ قرآن ہی کی دوسری آیتوں سے یہ حکم حرمت کالعدم ہو گیا ہے، اور اب جہاد ان مہینوں میں بھی شروع ہو سکتا ہے۔ فالجمھور جوزوہ وقالوا تحریم القتال فیہ منسوخ وھو مذھب الائمۃ الاربعۃ (زاد المعاد) قال سائر العلماء ھی منسوخۃ (ابن العربی) روی سلیمان بن یسار وسعید بن المسیب ان القتال جائز فی الشھر الحرام وھو قول فقہاء الامصار (جصاص) لیکن عطاء تابعی اور بعض اور اکابر اس کے قائل ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی وقطعی ہے۔ بلکہ عطاء تو اپنے فتوے کی صحت پر حلف اٹھا لینے کو تیار تھے۔ مذھب عطاء وغیرہ الیٰ انہ ثابت غیر منسوخ وکان عطاء یحلف باللہ ما یحل القتال فی الشھر الحرام (زاد المعاد) کان عطاء یحلف انھا ثابت لان الاٰیات التی بعدھا عامۃ فی الازمنۃ وھذا خاص والعام لا ینسخ بالخاص باتفاق (ابن العربی) قالت طائفۃ حکمہ باق لم ینسخ وفیمن قال ذالک عطاء بن ابی رباح (جصاص) ۷۹۵ (سو بالفرض وہ جرم مسلمان سے سرزد ہوا بھی ہوتا، جب بھی ایسے شدید بلکہ اشد جرائم کے مجرموں کو کیا حق ہے ایک اتفاقی واقعہ قتل پر اعتراض واحتجاج کا؟) صَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ۔ اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے، اس سے روکنا یعنی اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا، ان پر ظلم وستم توڑنا۔ سبیل اللہ ای الاسلام او ما یوصل العبد الی اللہ (بیضاوی) كُفْرٌ بِهِ یعنی اللہ سے کفر اختیار کرنا۔ اللہ کے دین وشریعت کو نہ قبول کرنے، اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہی ہے۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجد کعبہ خاص اہلِ توحید ہی کا معبد ومرکز ہے۔ اس کا ہر وقت اللہ کے پرستاروں کے لئے کھلا رہنا اسلامی حکومت کے فرائضِ اولین میں سے ہے۔ المسجد الحرام کا عطف ترکیب میں سبیل اللہ پر نہیں، بلکہ تقدیرِ کلام یوں ہے ویصدون عن المسجد الحرام۔ ولا یحسن عطفہ علیٰ سبیل اللہ (بیضاوی) تقدیرہ ویصدون عن المسجد (عکبری) واختار ابو البقاء کونہ متعلقاً بفعل محذوف ای علیہ الصد ای ویصدون عن المسجد الحرام (روح) إِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ۔ دونوں ضمیریں المسجد الحرام کی طرف ہیں یعنی رسول اور مومنین کو ہر طرح تنگ وپریشان کر کے مسجد الحرام سے نکال دینا، وہاں ان کا داخلہ بند کر دینا۔ انہیں اھل اسلئے کہا گیا کہ یہی لوگ تو اس حرمت والی مسجد کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ انما کانوا اھلہ لانھم القائمون بحقوقہ (روح) گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمداً زمانۂ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی تو تمہارے ایسے سنگین وشدید جرائم سے اس کا کیا مقابلہ؟ ۷۹۶ (اپنے مفاسد اور اپنی مضرتوں کے لحاظ سے) الْفِتْنَةُ سے مراد وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں جو معاندین نے دینِ حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں ——— اس دین کی راہ میں جس کا مقصد ہی دنیا کو راہِ امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے نجات دلانا ہے۔ ای مما یفتن بہ المسلمون ویعذبون بہ لیکفروا (روح) والمعنی عند جمھور المفسرین الفتنۃ التی کانت تفتن المسلمین عن دینھم حتیٰ یھلکوا (بحر) الفتنۃ ھی ما کانوا یفتنون المسلمین عن دینھم تارۃ بالقاء الشبھات فی قلوبھم وتارۃ بالتعذیب (کبیر) فِتْنَةٌ کے معنی یہاں مطلق کفر کے بھی کئے گئے ہیں لیکن زیادہ چسپاں نہیں ہوتے، بقول امام رازیؒ کے ھو عندی ضعیف (کبیر)

اللہ ھم وقیل عندٗ علی الکتاب (بحر) ۵۷۶ (تصدیق حق کی۔ اور اصول دین کے باب میں کسی قسم کا التباس اور خفا باقی نہیں رہا) بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ۔ یہاں یہ صاف کردیا کہ اختلاف اور نزاع کا باعث آپس کی ضد اور نفسانیت ہوئی، نہ یہ امر کہ اصل احکام الٰہی یا پیام حق میں کسی طرح کا ایچ پیچ تھا۔ اور نہ یہ کہ مسائل اجتہادی میں کوئی رائے یا اجتہاد کا اختلاف ہوا۔ الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ یعنی وہی لوگ جنہیں کتاب بواسطۂ انبیاء ملی تھی، مُراد ہیں علماء و مشائخ و پیشوایان قوم۔ گمرہی اور کجروی کی طرح بھی لوگ ڈالتے ہیں۔ عوام محض ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ۵۷۷ (چنانچہ اہل حق کو نزاع و اختلاف کبھی مضر نہیں پڑا) لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ میں ذکر اہل حق کے اختلاف کا ہے اہل باطل سے۔ بِاِذْنِہٖ میں اذن کے معنی فضل، توفیق و لطف کے ہیں۔ الاذن التوفیق (تاج) بارادتہ ولطفہ (بیضاوی) بتوفیقہ وتیسیرہ (روح) الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پر سوال ہوا ہے کہ جو اس کے مصداق ہو چکے تھے وہ تو خود ہی ہدایت یافتہ تھے، پھر اب انہیں ہدایت کیسی؟ جواب یہ ہے کہ ایمان سے یہاں مُراد قصد ایمان و صلاحیت ایمان ہے یعنی جو ایمان کے طالب تھے، انہیں ہدایت حاصل ہوگئی۔ ۵۷۸ (اور اُس کی مشیت ہدایت ہمیشہ اُن لوگوں سے متعلق ہو جاتی ہے جو اُس کی طرف بڑھنا چاہتے، اور ضد و تعصب کو چھوڑ کر طلب حق اختیار کرتے ہیں) اس میں مومنین کی تشفی و تسلی کا پہلو بھی نکل رہا ہے کہ مخالفین و معاندین کی سرگرم کوششوں اور زبردست پروپگنڈے سے خوف و ہراس نہ کریں۔ اپنی طلب اگر صادق ہے، تو کوئی مکر و تدبیر، کوئی قوت یا شوکت ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ ۵۷۹ (بلا مشقت و بغیر امتحان، اے گروہ مومنین!) خطاب براہ راست عہد رسالت کے مومنین سے ہے۔ ایھا المؤمنون باللہ ورسلہ (ابن جریر) ۵۸۰ یعنی اُن مومنین سابقین، اُن انبیاء قدیم کی اُمتوں کی سی آزمائش اور مصیبتیں۔ مَثَل کے معنی غیر معمولی حالات و تجربات کے ہوتے ہیں۔ المثل الشبہ الا انہ مستعار لحال غریبۃ او قضیۃ عجیبۃ لھا شان (بحر) یہاں مُراد اُن پچھلی اُمتوں کے تحمل شدائد سے ہے۔ ماینال من اذی الکفار والفقر والمجاھدۃ فی

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست بتا دیتا ہے ۵۷۸

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ

کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے ۵۷۹ درآنحالیکہ (ابھی) تم پر

مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ؕ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ

اُن لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں ۵۸۰ انہیں تنگی اور سختی پیش آئی

وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ

اور انہیں ہلا ڈالا گیا ۵۸۱ یہاں تک کہ پیمبر اور جو لوگ اُن کے ہمراہ ایمان

اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ

لائے تھے بول اُٹھے ۵۸۲ کہ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی ۵۸۳ سُن رکھو اللہ کی امداد یقیناً قریب

قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ یَسْــَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ

ہی ہے ۵۸۴ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں ۵۸۵ آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہیں

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ

مال سے خرچ کرنا ہے ۵۸۶ سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور

وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا

یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، ۵۸۷ اور جو بھی

تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾

نیکی کرو گے، اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے ۵۸۸

منزل ۱

سبیل اللہ (بحر) حالھم التی ھی مثل فی الشدۃ (کشاف) آیت سے یہ مُراد نہیں کہ کوئی مومن محض ایمان کی برکت اور فضل خدا سے جنت میں داخل ہی نہ ہو سکے گا جب تک کہ مجاہدات شدیدہ کی منزل سے نہ گزر لے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ صحابہ جن درجات عالیہ کے طالب تھے اور بقول مُرشد تھانویؒ ہر مومن کو طلب ایسی ہی رکھنی چاہیئے۔ اُن درجات عالیہ تک پہنچنے کے لئے عام شرط ان منزلوں سے گزرنے کی ہے۔ باقی نفس مجاہدہ تو ہر مومن کو اپنے درجہ و بساط کے لحاظ سے کرنا ہی ہوتا ہے۔ ۵۸۱ (شدت تکلیف سے) لے مُزکوا بانواع البلایا و الرزایا (کبیر) الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ یعنی مخالفین کے ہاتھوں انہیں جو مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔ فرق یہ کیا گیا ہے کہ باساء میں راحت و آسائش کے فقدان کا پہلو نمایاں ہے اور ضراء میں واقعی درد و اذیت کا۔ الباساء عبارۃ عن تضییق جہات الخیر والضراء عبارۃ عن انفتاح جہات الشر (کبیر) ان آزمائشوں کے تذکرے قدیم صحیفوں میں بھی بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً "صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں"۔ (زبور۔ ۳۴: ۱۹) "چاندی کے لئے گھریا ہے اور سونے کے لئے بھٹی پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے"۔ (امثال ۱۷: ۳) "ضرور ہے کہ ہم بہت سی مصیبتیں سہہ کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں" (اعمال ۱۴: ۲۲) ۵۸۲ (شدت غم و حزن سے بیقرار ہو کر) الرسول سے مراد اس زمانہ کے پیمبر ہیں۔ المراد من الرسول الجنس لا واحد بعینہ (روح) الرسول ھھنا اسم جنس (نہر) ۵۸۳ نصر اللہ۔ یعنی نصرت موعود۔ انبیاء و مومنین کا یہ قول حالت اضطرار میں دعا و مناجات کے طور پر تھا، نہ بطور اعتراض و شکوہ۔ وعدہ نصرت الٰہی کا تھا، مگر یہ تعین تو نہ تھا کہ کس وقت ہو گی۔ جب ہجوم شدائد ہوتا، تو نصرت غیبی کی ضرورت محسوس کرتے، اور اپنے اجتہاد سے بالحاح و زاری پکارتے کہ حضرت، یہی تو وقت دستگیری و نصرت غیبی کے نزول کا ہے۔ (تھانوی) آیت میں اشارہ ہے کہ اُمت محمدی کو بھی ہر قسم کی بلائیں پیش آئیں گی جیسی کہ اگلی اُمتوں کو پیش آ چکی ہیں۔ ۵۸۴ یہ جواب ان اُمتوں کو ان کی درخواست کا ملا کرتا۔ اس میں مومنین کو ہمیشہ کے لئے بشارت اور تسلی مل گئی۔ اور اس حقیقت کا بیان آگیا کہ نصرت الٰہی اپنے وقت پر ضرور آکر رہے گی۔ مجاہدات سے گھبرانا اور بددل نہ ہونا چاہیئے۔ صوفیہ نے آیت سے یہ تعلیم بھی اخذ کی ہے کہ حالات مخالف کے ہجوم سے بہ تقاضائے بشریت اضطراب تو کاملین تک کو ہوتا ہے، مگر ساتھ ہی ثابت قدمی اور اتباع احکام کی برکت سے نصرت الٰہی حاصل ہو کر رہتی ہے۔ ۵۸۵ (اور کن موقعوں پر) سال المؤمنون رسول اللہ صلعم این یضعون اموالھم (روح عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان مصرفہ ای شیء ھو (کبیر عن القفال) مرادھم من قولھم لیس ھو طلب الماھیۃ بل طلب المصرف (کبیر) سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس باب میں تھا کہ اپنی حسب ہمت و حیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ کہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اس کی بابت نہ تھا۔ الاکثرون علی ان الاٰیۃ فی التطوع (روح) عن الحسن ھی فی التطوع (مدارک) قرآن جو مکمل دستور حیات ہے، اس میں معاشیات کے مسائل کو نظرانداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اس کے اندر رکھتے ہیں۔

۵۸۶ خیر کا مفہوم علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف و متعارف معنیٰ کے محمود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔ المال من وجہ محمود (راغب) اور یہاں یہی مُراد ہے ۵۸۷ مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اسکی ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے۔ سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، اُن کی کی جائے۔ پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے، اور اس میں بھائی بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آگئے ——— شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے ——— پھر اُمت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریباً بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں کے پُوری ہونے کے لئے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علیحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مُبتلا ہیں۔ قریبی اور دُور کے حقدار اور ہر رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوب صُورتی سے ایک فریم کے اندر "فٹ" ہو گئے۔ مقصود شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو، اور ہم اس سے بے خبر چندہ لکھوا رہے ہوں چینی ریلیف فنڈ میں! ۵۸۸ (اور اس لئے اس کا اجر بھی پورا ہی کر رہے گا) خیر۔ عام ہے۔ بدنی، مالی، بڑی، چھوٹی ہر قسم اور درجہ کی نیکی کو شامل ہے۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ گمراہ قوموں نے اپنے دیویوں، دیوتاؤں سے متعلق جو عقیدے گڑھ لئے ہیں اُن پر قیاس کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسلام کے خدا کا بھی علم ناقص یا محدود ہے یا جزئیات یا مخفیات پر محیط نہیں۔

هَلْ ..... اِلَّا ۔ هـل یہاں استفہامیہ نہیں، بلکہ جب اِلاَّ کے ساتھ آتا ہے تو نفی کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے اس استعمال کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً هل جزاء الاحسان الا الاحسان ۔ کونها بمعنی النفی حوجاء بعدها اِلاَّ کثیر الاستعمال فی القرآن وفی کلام العرب (بحر) معناه النفی ولهذا جاء بعده اِلاَّ (عکبری) ۷۶۵ (آخری فیصلہ اور تصفیہ کے لئے) کلام بطور تہدید کے ہے۔ ۷۶۶ (اور پھر وہ ہر آیت کا انکار و کفران بھی کس شد و مد سے کرتے رہے) اٰیة بینة ۔ یہ کھلی ہوئی نشانیاں کس چیز کی تھیں؟ خدائے تعالیٰ کے مخصوص فضل و کرم کی، اور بنی اسرائیل کی مخصوص سرافرازیوں کی مثلاً کتاب توریت اور دُوسرے آسمانی صحیفوں کا نزول یا اس نسل میں انبیائے کرام کا مسلسل ظہور، وقس علیٰ ہذا۔ سَلْ بلفظ سل سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ وہ تاریخی حقایق ہیں کہ اسرائیلی ان سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔ ۷۶۷ (عام اس سے کہ اس سزا کا ظہور فوری اور اسی دُنیا میں ہو، یا بہ تاخیر عالم آخرت میں) نعمة الله ۔ نعمت ادنیٰ بھی ہو، جب بھی نعمت ہی ہے۔ اور بہر صورت قابلِ قدر، چہ جائیکہ ایسی اعلیٰ نعمتیں جن سے بنی اسرائیل کی مدتوں سرفرازی رہی۔ یبدل ۔ تبدیل کے معنی ہیں کسی شے کی اصل حقیقت کو کچھ کا کچھ کر دینا، اُس شے کے اندر تحریف کر دینا، اُسے مسخ کر دینا، اور اللہ کی نعمتوں کے اندر تبدیلی ایک تو یہ ہوئی کہ جو چیزیں ہدایت و استفادہ کے لئے تھیں، اُلٹا اُنہی کو فسق و کفر کے کاروبار میں لگا دیا جائے، اور یا پھر یہ کہ جو کلام باعثِ ہدایت ہوتا تھا، اسی میں تصحیف و تحریف کا عمل شروع کر دیا جائے۔ اہلِ تفسیر نے دونوں شقیں اختیار کی ہیں وتبدیلهم ایاها ان الله اظهرها لتکون اسباب هداهم فجعلها اسباب ضلالتهم او حرّفوا ایات الکتاب الدالة علی دین محمد صلعم (کشاف۔ مدارک) بجعلها سبب الضلالة وازدیاد الرجس او بالتحریف والتاویل الزائغ (بیضاوی) شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۔ نعمة الله کی وسعتِ اطلاق، دینی و دنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر نعمت کے مسخ کر ڈالنے پر عذابِ شدید کی وعید ہے۔ اب نعمت اگر دینی ہے، مثلاً کتابِ الٰہی یا ظہورِ انبیاء، تو اس میں تحریف یا انکار پر عذابِ اُخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض دنیوی ہے، مثلاً دولت، صحت، سلطنت، تو اس کے سوءِ استعمال کا خمیازہ بیماری، ناکامی، افلاس، ذلت وغیرہ کی شکل میں اُٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ کا فقرہ زور دینے اور تاکید کیلئے ہے یعنی بعد اس کے کہ اس نعمت کا پُوری طرح تحقق ہو سکے۔ اس کے پُوری طرح فہم و معرفت میں آجانے کے بعد پھر جو کوئی اس کے ساتھ کفران کرے۔ آیت آج اُمت کے کس قدر حسبِ حال اور کس درجہ قابلِ غور ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی و دنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا حق ہم ادا کر رہے ہیں، کونسی نعمت ایسی ہے جس کی رُوح ہم نے نہیں بدل ڈالی ہے؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری ساری عبادتیں مغز و رُوح سے خالی، ان عبادتوں کے خالی ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ اخلاق و اتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی، نتیجہ جو نکلا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہاں ایک بات اور۔ مسیحیوں کے ہاں ایک عربی داں انگریز پادری ڈاکٹر وہیری Wherry ابھی حال میں گزرے ہیں مسلمانوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، انگریزی میں مختصر سی تفسیر بھی لکھی ہے، اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔ "مسلمانوں نے متن قرآن کی جو اتنی سخت حفاظت رکھی ہے، اس کا ایک سبب اسی قسم کی تہدیدی آیتیں ہیں" خیر اس سے کم از کم محفوظیتِ قرآن پر شہادت تو ایک دشمنِ اسلام کی زبان سے ہاتھ آگئی۔

۷۶۸ (اور اس کا ساز و سامان، جاہ و حشم، باغ و مکان، موٹر اور ریڈیو، کوٹھی اور فرنیچر، سب باوجود فانی و بے حقیقت ہونے کے انہیں نہایت اہم و قابلِ وقعت نظر آتا ہے، اور اُن کے دلوں کے لئے خاص کشش رکھتا ہے) جو کافر ہے وہ اسی دنیوی زندگی کی مادی لذت و دولت، عیش و عشرت پر مٹا رہتا ہے۔ اسی کو مستم بالشان سمجھے ہوئے، اسی پیمانہ سے سب کو ناپتا رہتا ہے۔ وہ بیحد تنگ نظر ہوتا ہے۔ وہ اس برائے نام عیش پر عیشِ سرمدی و عشرتِ لازوال کو قربان کئے رہتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کافر اس باب میں معذور ہے۔ حُبِ دنیا طبعًا اس پر اتنی غالب کر دی گئی ہے کہ وہ اس کے ترک ہی پر قادر نہیں ——— ایسا ہرگز نہیں۔ کافر تو کہتے ہی اس کو ہیں، جو بلا کسی معذوری کے، اپنے قصد و اختیار سے حق کے بجائے باطل کی راہ اختیار کرے اور دنیا کی خوشنمائی کا آنکھوں میں بس جانا یہ تو کفر کا نتیجہ اور معلول ہے، نہ کہ اس کا باعث و سبب۔ اپنے ارادہ کا سُوءِ استعمال تو وہ پہلے ہی کر چکا، محض نتیجہ کے طور پر مشیتِ تکوینی نے اس کی کوشش کو کامیاب کر دیا۔ ۷۶۹ (اور سامانِ دنیوی سے محروم ہیں) کافر اسی غلط معیار کی بنا پر، اسی کج نگاہی سے کام لیکر اپنے کو بڑا سمجھتا، اور ایمان و طاعت کی بے وقعتی اور تحقیر کرتا رہتا ہے۔ نگاہ کی یہ کجی، یہ غلط بینی ہی دنیا کا شدید ترین ابتلاء ہے۔ حدیثِ نبوی کی یہ دُعا اسی فتنہ سے بچنے کیلئے ہے۔ اللّٰهم ارنا الحق حقًا وارنا الباطل باطلًا۔ اور عارفِ رُومی کی یہ مناجات بھی اسی موقع کیلئے ہے ؎

انچہ در کون ست اشیا ہر چہ ہست — دا نماجاں را بہر صورت کہ ہست
آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ — اندر آتش صورتِ آبے منہ

الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
ہے ۷۶۷ خوشنما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی اُن لوگوں کی نظر میں جو کافر ہیں ۷۶۸
وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ
اور وہ اُن لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں، درآنحالیکہ جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾
وہ اُن سے (کہیں اوپر) ہوں گے قیامت کے دن ۷۷۰ اور اللہ جسے چاہتا ہے بیشمار رزق دیتا رہتا ہے ۷۷۱
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ
لوگ ایک ہی اُمت تھے، ۷۷۲ پھر اللہ نے انبیاء بھیجے، خوشخبری
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
دینے والے، اور ڈرانے والے، ۷۷۳ اور اُن کے ساتھ کتبِ حق نازل
بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ
کیں، ۷۷۴ کہ وہ لوگوں کے درمیان اس باب میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے ۷۷۵
وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا
اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا مگر اُنہی نے جنہیں وہ ملی تھی اُنہی کی ضد کے باعث
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ
بعد اس کے کہ انہیں کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی تھیں ۷۷۶ پھر اللہ نے اپنے فضل سے انہیں
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ
جو ایمان والے تھے، وہ امرِ حق بتا دیا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے تھے ۷۷۷

وقف لازم

منزل ۱

۷۷۰ (کہ وہ دن ہوگا کشفِ حقائق کا) اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یا کفر و شرک سے بچتے رہتے ہیں۔ فَوْقَهُمْ ۔ یعنی درجہ و مرتبہ میں ان سے ہزار چند بڑھے ہوئے ہونگے۔ لانهم فی علیین وهم فی اسفل السافلین (بیضاوی) ۷۷۱ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی مال و دولت کا تعلق مصالحِ تکوینی سے ہے۔ سو یہ مال و دولت کی افراط، یہ روپیہ کی ریل پیل یہ بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں اور بڑے بڑے ساہوکارے، ہرگز کوئی معیارِ مقبولیت یا حق و صداقت کا نہیں۔ چاہے وہ جاہ و تمول ذاتی و شخصی ہو یا قومی و اجتماعی۔ کوئی اس میں بھول نہ پڑے۔ اور قومی اقبال مندی پر مغرور ہو، نہ اس سے مرعوب ہو۔ ۷۷۲ (آغازِ فطرت میں) آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی محققین حسبِ معمول مدتوں اس باب میں بھٹکتے رہے، اور ان میں سے اکثر یہی کہے گئے، کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک یا تعددِ آلہہ تھا۔ شروع شروع وہ ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا۔ اور عقیدۂ توحید تک تو نسلِ انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد، اور عقلی و دماغی ارتقار کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسلِ انسانی آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک، اور واحد تھی۔ اس میں "مذہب" و "ادیان" کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ امة واحدة میں جس وحدت کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ اس سے دینی و اعتقادی ہی وحدت مراد ہے۔ کانوا علی شریعة من الحق (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) کانوا علی الهدیٰ جمیعًا (ابن جریر۔ عن قتادة) انهم کانوا علیٰ دین واحد وهو الایمان والحق هذا قول اکثر المحققین (کبیر) صدیوں کی اُلٹ پھیر، قیل و قال کے بعد اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرینِ اثریات، انسانیات و اجتماعیات کا (سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمڈٹ کا) یہی ہے کہ انسان کا دینِ اولین، دینِ توحید تھا ۷۷۳ (بھٹکے ہوؤں کو راہِ حق پر واپس لانے اور جمع کرنے کی خاطر) فبعث میں ف سے مراد ہے کہ ایک مدت کے بعد، جب کہ اہلِ باطل اپنے اختراعی عقائد و اعمال سے بہت سے فرقے اور مذاہب پیدا کر چکے تھے۔ مُبَشِّرِیْنَ ۔ یعنی خوشخبری سنانے والے اہلِ ایمان کو، اُن لوگوں کو جو خدائی دستورِ حیات کو قبول و اختیار کرلیں۔ مُنْذِرِیْنَ ۔ یعنی ڈرانے والے اہلِ کفر کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستورِ حیات کے مقابلہ میں انکار و طغیان کو قائم کریں۔ ۷۷۴ الکتٰب سے کوئی مخصوص و متعین کتابِ الٰہی مراد نہیں، بلکہ ال جنس کتب کے لئے ہے، اور کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو مختلف پیغمبروں پر مختلف زمانوں میں اُترتی رہیں۔ گویا لفظ کتاب صورۃً واحد ہے، اور معنیً جمع۔ یرید به الجنس (بیضاوی) بِالْحَقِّ ۔ حق کو لے کر یا اظہارِ حق کے لئے۔ ترکیب میں بالحق حال واقع ہوا ہے کتاب سے بتبیان الحق (مدارک) حال من الکتٰب ای ملتبسًا بالحق شاهدًا به (بیضاوی) ۷۷۵ یعنی عقائد و اعمال کے باب میں۔ لِیَحْکُمَ ۔ تاکہ وہ فیصلہ کردے اِنہی انبیاء یا کتب کے واسطہ سے۔ فیصلہ کون کردے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اصلی فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لئے یحکم کی ضمیرِ غائب کا مرجع الله ہے لیکن بعض نے نبی اور بعض نے کتاب بھی مراد لی ہے۔ اور یہ دونوں بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ ای یحکم الله او النبی المنزل علیه او الکتٰب (کبیر) والضمیر عائد علی الله هذا هو

حوت سے مراد دین ہے اور سِل سے انسان۔ عن الصادق ان الحرث فی ھذا الموضع الدین والنسل الناس (رح) ۷۵۶ شریعتِ اسلام کا تو عین منشا یہ ہے کہ دُنیا کو عدل و امن سے بھردے۔ بدامنی و فساد عین غضبِ الٰہی کی چیزیں ہیں اور ہدایاتِ اسلامی کے برعکس عمل کرنے ہی کی عملی ہیں
۷۵۷ یعنی جب اسے اس کا کوئی مخلص ہوا خواہ سمجھاتا ہے، اور اسے تقویٰ اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے تو بجائے سنبھلنے کے، وہ اور بگڑ جاتا ہے اور اپنی کج روی میں اور زیادہ دلیر ہو جاتا ہے۔ یہ بیان ہو رہا ہے اس کا کہ ایسے کافر معاندین مخالفتِ حق اور لہٰذا مخلوق کے ساتھ ساتھ کبر و پندار بھی کس درجہ
کا ہوتا ہے ۷۵۸ اب بیان پھر مومنین کاملین کا ہو رہا ہے ۷۵۹ عباد کا لفظ ہے عام۔ لیکن سیاق چاہتا ہے کہ یہاں مراد بندگانِ مقبولین ہوں۔ حیث اسند ھم الٰی مثل ھذا الشراء (بیضاوی) لفظ العباد لہ فی القرآن تشریف واختصاص (بحر) ۷۶۰ حکم خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ اسلام
نہ چند عقائد یا صرف چند عبادات، یا صرف چند قوانین کا نام نہیں۔ وہ تو ایک جامع و مانع نظامِ حیات ہے، ایک مکمل و منظم دستورِ زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ، ہر ہر گوشہ پر حاوی۔ اور اس کا ہر جزو اُس کے کُل سے، اسکے دُوسرے اجزاء سے نہایت درجہ محکم و مرتبط۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص
توحید تو اسلام سے لے، لیکن عبادات کے لئے مسجد، مندر، کلیسا سب کو یکساں سمجھے، یا رسالت پر تو ایمان لے آئے، لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے لینے جائے۔ معاملات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات، اسلام کے سب اپنے ہیں۔ کسی اور فلسفہ
کسی اور دین، کسی اور نظریہ کی پیوندکاری اسکے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔ آیت کا حکم عام ہے لیکن شانِ نزول کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ خطاب خاص نومسلم یہود کی طرف تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد بھی چاہتے تھے کہ کچھ نہ کچھ رعایت اپنے عقائدِ قدیم کی کئے جائیں۔ اور اسلام کی ایک مستقل شاخ
یہودیانہ اسلام قائم کریں جس طرح بعد کو گمراہ فرقوں کے اثر سے معتزلی اسلام، شیعی اسلام، نیچری اسلام وغیرہ بہت سے "اسلام" قائم ہو کر رہے! اُدْخُلُوا خود ہی صیغۂ امر وجوب کے معنی دے رہا ہے۔ پھر اسکے ساتھ کافۃ نے اسے کس درجہ مؤکد کر دیا۔ اور بہ قاعدہ اشارۃ النص واجب ہو گیا کہ ظاہری، باطنی
انفرادی، اجتماعی، اعتقادی، عبادتی سارے اعمال و امور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے۔ السِلم، سلم کے لفظی معنی صلح و امن کے ہیں اور یہ لفظ حرب کے مقابل آتا ہے۔ السلم والسلم الصلح وقیل السلم اسم بازاء الحرب (راغب) لیکن السِلم سے مراد دین اسلام لی گئی ہے۔

مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

رضا جوئی میں بیچ ڈالتا ہے ۷۵۹ اور اللہ بندوں کے حق بڑا شفیق ہے ۷۵۹۔ اے ایمان والو

اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ۷۶۰ اور شیطان کے نقشِ قدم پر

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ

نہ چلو ۷۶۱ وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۷۶۲ پھر اگر تم بعد اس کے کہ

بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی ہیں ڈگمگا گئے تو جانے رہو کہ اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکیم

حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ

ہے ۷۶۳ (یہ لوگ) تو بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کے پاس خدا بادل کے

ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ ۚ وَ

سائبانوں میں آجائے اور فرشتے (بھی) ۷۶۴ اور قصہ ہی ختم ہو جائے، اور

اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اللہ ہی کی طرف (سارے) معاملات رجوع کئے جائیں گے ۷۶۵ (آپ) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے

كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ

ہم نے انہیں کھلی نشانیاں کتنی دے رکھی تھیں ۷۶۶ اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو

اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

بدل ڈالے، بعد اس کے کہ وہ اس کو پہنچ چکی ہو تو اللہ بھی سزا دینے میں بڑا سخت

ع ۲۵

اہلِ لغت نے بھی اسے قبول کیا ہے، اور صحابیوں اور تابعین سے بھی مروی ہے۔ ای فی الاسلام (تاج) ای ادخلوا فی الاسلام (ابن جریر عن ابن عباسؓ ومجاہد وقتادہ) وفسر السلم بالاسلام (بحر) ۷۶۱ یہ اس طرح مثلاً کہ اپنے کو کہلاتے تو رہو مسلمان لیکن رسمیں اختیار کر لو مجوس وعجم کی، معاشرت لے لو مشرکین ہند کی، قانون فوجداری اختیار کر لو ملحدینِ فرنگ کا، معاملات کرنے لگو دستورِ یہود کے مطابق۔ شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے، اور اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگے۔ اسلام کامل فرض ہے، اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابلِ رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے۔ اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنہ ہے (تھانویؒ) ۷۶۲ وہ تو تمہیں طرح طرح کی آمیزشوں اور جدتوں کا مشورہ دیتا ہی رہے گا، خوشنما سے خوشنما عنوانات کے ساتھ۔ آیت میں وعید و تنبیہ شدید ہے۔ ایک طرف جاہل و مبتدع اہلِ تصوف و طریقت کے لئے، اور دوسری طرف روشن خیال اہلِ تجدد کے لئے ۷۶۳ (ہر سزا پر قادر، اور سزا کو وقتِ مناسب ہی پر دینے والا) البینٰت۔ مراد اس سے کھلے ہوئے احکام بھی ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کا خفا یا ابہام نہیں، مثلاً عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، حکمِ نماز، حکمِ جہاد اور ہر وہ چیز بھی اس میں داخل ہے جو دینِ اسلام کی حقانیت یا قانونِ اسلام کی صداقت پر روشن دلیل کا کام دے سکے۔ یہ بینات خواہ جس معنی میں بھی لئے جائیں، بہرحال ان نومسلم یہود کے پاس پہنچ چکے تھے، اور انہیں کوئی وجہ اب قدم پیچھے ہٹانے یا لڑکھڑانے کی نہیں رہی تھی۔ زَلَلْتُمْ زلت کے لغوی معنی پھسل جانے کے ہیں، جو بے اختیاری میں بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ لا کر ڈرا دیا ہے کہ قصداً و دانستہ مخالفت تو بہر بڑی چیز ہے، غلطی یا بے خیالی سے بہک جانے میں بھی گرفت کا احتمال ہے۔ عَزِیْزٌ۔ سیاقِ آیت میں وہ ہے جو جب اور جو کچھ چاہے سزا دے سکتا ہے۔ حَکِیْمٌ۔ وہ ہے جو ہمیشہ وقتِ مناسب ہی پر سزا دیتا ہے ۷۶۴ (جن کا کام ہی تعمیلِ ارشاد کرنا ہوتا ہے) اب پھر اشارہ اُنہی نومسلم یہود کی طرف ہے، جن کا ذکر دو آیت قبل آچکا ہے۔ یہ اسلام میں ابھی داخل ہوئے ہیں لیکن کفر و یہودیت سے پُوری طرح نہیں نکل پائے ہیں۔ یَاْتِیَھُمُ اللّٰہُ ..... والملٰئکۃ۔ عقائد کا یہ اصولی اور مسلّم مسئلہ ہے کہ ذاتِ باری کے لئے نہ محل ہے نہ ظرف۔ اس لئے اسلامی عقیدہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے "آنے" یا "جانے" کے کوئی معنی ہی نہیں۔ امام رازیؒ کہتے ہیں، اجمع المعتبرون من العقلاء علیٰ انہ سبحانہ وتعالیٰ منزہ عن المجیئ والذھاب (کبیر) اور آگے اس پر متعدد دلائل قائم کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں،۔ ثبت انہ تعالیٰ لیس بجسم ولا بمتحیز وانہ لا یصح المجیئ والذھاب علیہ (کبیر) اس لئے اکثر مفسرین نے آیت کو متشابہات میں سے مانا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ اس پر اجمالی ایمان کافی ہے، تفصیل عقلِ بشری سے ماوراء ہے۔ چنانچہ مفسر تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے لئے آنا وغیرہ جہاں مذکور ہے اس کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح اس کی ذات کی حقیقت کسی کو مُدرک نہیں ہوئی ہے، اسی طرح اس کی صفات و افعال کی کنہ معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ وجود اور وقوع پر اجمالاً بلا تعیین کیفیت ایمان لے آنا چاہیئے کہ اس سے زیادہ فکر میں پڑنا مالا یطاق کا قصد کرنا ہے۔" اور صاحب رُوح المعانی نے یہ لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ یاتیھم اللہ بالمعنی اللائق بہ جل شانہ منزھا عن مشابھۃ المحدثات والتقید بصفات الممکنات اور "مذھب السلف الصالح" یہ نقل ہوتا چلا آرہا ہے کہ فالاولی السکوت عن التاویل وتفویض معنی الآیۃ علیٰ سبیل التفصیل الی اللہ تعالیٰ (کبیر) اور مفسر و محدث بغوی کو یہ لکھنا پڑا۔ الاولیٰ فی ھذہ الآیۃ وفی ما شاکلھا ان یومن الانسان بظاھرھا ویکل علمھا الی اللہ تعالیٰ ویعتقد

ان اللہ عز اسمہ منزہ عن سمات الحدث علیٰ ذلک مضت ائمۃ السلف وعلماء السنۃ (معالم) اور بہتوں نے آیت میں یاتیھم اللہ کے درمیان کوئی اور لفظ مثلاً امر یا باس یا آیات وغیرہ محذوف مان کر معنی یہ کئے ہیں کہ اللہ کا حکم آپہنچے یا عذاب آجائے۔ ای یاتیھم ثوابہ وحسابہ وعذابہ (ابن جریر) ای امرہ وباسہ (مدارک) ای آیات اللہ (کبیر) ای امر اللہ (کبیر) یاتیھم اللہ بما وعدھم من الثواب والعقاب قالہ الزجاج (بحر) یعنی بیاید عذاب او (شاہ ولی اللہ) اور ایک جماعت نے ملائکہ کی آمد اور قضی الامر کے پہلو کو مدنظر رکھ کر ان واقعات کو روزِ قیامت سے متعلق کیا ہے کہ یہ منکرین و معاندین قبولِ حق کے لئے اب شاید آمدِ قیامت ہی کے منتظر ہیں۔ قولہ یاتیھم اللہ اخبار عن حال القیامۃ (کبیر) یہ سب مذہب اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ہیں، لیکن ان سب میں بنا مشترک یہ ہے کہ آیت کا روئے سخن عام منکرین یا منافقین و اہلِ کتاب کی جانب سمجھا گیا ہے۔ ای یکذبون بمحمد صلعم (ابن جریر) ارید بہ المنافقون او اھل الکتاب (روح) لیکن سیاقِ کلام پر نظر کر کے اگر روئے سخن صرف یہود تک محدود کر دیا جائے تو بات بالکل صاف ہوئی جاتی ہے اور بجائے اوپر کی تفسیر ایک صرف تاثر حادثہ ہوگا، حسب اعتقادِ یہود۔ اسلئے کہ یہود کا مذہب تشبیہ و تجسیم کا تھا، یہ لوگ خدا کی جسمانیت کے پُوری طرح قائل تھے، اور جلوۂ حق کو بادلوں سے خاص طور پر متعلق سمجھتے تھے۔ بلکہ بادلوں کو گویا حق تعالیٰ کی سواری سمجھے ہوئے تھے۔ اُن کے مقدس صحیفوں اور نوشتوں میں اب تک اس قسم کی تعلیمات محفوظ ملی آتی ہیں "وہ نور کو پوشاک کی مانند پہنتا ہے اور آسمانوں کو پردہ کے مانند پھیلاتا ہے۔ وہ اپنے بالاخانوں کو پانیوں میں بناتا ہے اور بدلیوں کو اپنی رتھ ٹھہراتا ہے اور ہوا کے بازوؤں پر وہ سیر کرتا ہے۔" (زبور ۱۰۴: ۲، ۳) "خداوند ایک تند رو ابر پر سوار ہو کر مصر آوے گا۔ اور مصر کے بت اسکے حضور میں لرزاں ہونگے۔" (یسعیاہ۔ ۱۹: ۱) "کروبی گھر کی داہنی طرف کھڑے ہوئے اور اندرونی صحن بادل سے بھر گیا۔ تب خداوند کا جلال کروبی سے اُٹھ گیا، اور گھر کے آستانہ پر آیا، اور گھر بادل سے بھر گیا، اور صحن خداوند کے جلال کی چمک سے معمور ہوا۔" (حزقی ایل۔ ۱۰: ۳، ۴) غرض خدائے تعالیٰ کا بادلوں سے بطور مرکب یا سواری کے قریب ترین تعلق یہود کے تخیل میں رچ گیا تھا، یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے جدید ترین ایڈیشن (طبع چہار دہم) میں حق تعالیٰ کی جو تصویر نیم یہودی نیم مسیحی تخیل کے مطابق دی ہے (جلد ۲، ص ۱۰۲) اس میں (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کو صاف صاف بدلیوں پر سوار دکھایا ہے! تو قرآن مجید نے آیت میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ہے، صرف یہود کے خیال کی ترجمانی، اس کی صحت و غلطی سے بحث کئے بغیر، کر دی ہے کہ یہ بنی اسرائیل اسی خیال میں پڑے ہوئے ہیں کہ خدا مع فرشتوں کے بدلیوں پر سوار ہو کر انکے سامنے آجائیگا، اور ہر امر قطعی کا فیصلہ کر کے رکھ دے گا۔ اللہ بڑے اونچے مرتبے کرے امام المفسرین امام رازیؒ کے، ان کی نظر سے یہ نکتہ بھی نہ بچا۔ صاف اپنی تفسیر میں لکھ گئے ہیں اور صرف لکھ ہی نہیں گئے ہیں، اسی کو پہلے وھو اوضح عندی من کل ما سلف، اور پھر ھذا الوجہ اظھر من عندی من کل ما سبق کہہ کر بہترین توجیہ بھی قرار دے گئے ہیں کہ یہود حق تعالیٰ کی تشبیہ و تجسیم کے قائل تھے، اور قرآن نے یہاں بجنسہ اُن کے اعتقاد کو اس پر تنقید کئے بغیر دُہرا دیا ہے۔ اس لئے اس کے بعد نہ مجاز وغیرہ کسی تاویل کی حاجت رہتی ہے ورنہ کوئی اشکال ہی رہ جاتا ہے۔ اذا کان ھذا حکایۃ عن حال الیہود لم یمتنع اجراء الآیۃ علیٰ ظاھرھا وذلک لان الیہود کانوا علیٰ مذھب التشبیہ وکانوا یجوزون علی اللہ المجیئ والذھاب وعلیٰ ھذا التقدیر یکون ھذا الکلام حکایۃ عن معتقد الیہود القائلین بالتشبیہ فلا یحتاج حینئذ الی التاویل ولا الی حمل اللفظ علی المجاز ... ولیس فی الآیۃ دلالۃ علیٰ انھم محقون فی ذلک الانتظار او مبطلون وعلیٰ ھذا التقدیر یسقط الاشکال (کبیر)

ابتغا کا مفعول صرف حسنۃ ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب و تمنا کی جارہی ہے وہ حسنۃ یا بہتری ہے، فی الدنیا اور فی الاخرۃ صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے، دنیا میں ہو تو بھی اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں ہمیں اعمالِ خیر عنایت ہوں، اور آخرت میں ثمراتِ خیر۔ بعض نادان اور سطحی دماغ والے اہل قلم نے آیت سے عجیب و غریب تیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے، بلکہ قرآن خود طلبِ دنیا کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے! ——— تعالی اللہ علوًا کبیرًا۔ مغالطہ کی قلعی اُوپر کھولی جا چکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہو کر خود مسلمانوں کو طلبِ دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اُسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمتِ اسلام کی عجیب و غریب صورت ہے! ۷۴۷ (دونوں جہانوں میں۔ اور جو گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے) ۷۴۸ (اور یوم حساب خود ہر لمحہ قریب آتا جارہا ہے۔ بس اس سے غفلت ہرگز مقتضائے عقل و دانش نہیں) مِمَّا كَسَبُوْا میں مِن سببیہ ہے۔ ای من اجل ما کسبوا (بحر) من اجلہ (بیضاوی) سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ اُس جیسے قدرت کاملہ کے مالک کو حساب کرتے بندوں کو اُن کے اعمال کی جزا دیتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ ای سریع المجازاۃ للعباد باعمالھم (قرطبی) جاہلی قوموں نے اس وصفِ خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں ۷۴۹ یعنی ایام تشریق ہیں، زمانۂ قیام منیٰ ہیں۔ منیٰ مکہ معظمہ سے شمال و مغرب میں ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے کبھی محض میدان تھا۔ اب بہت سی پختہ اور عالی شان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی رہتی ہیں۔ موسم حج میں خُوب آباد ہو جاتی ہیں۔ صاحبِ حیثیت حاجی انہیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پُر رونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آجاتی ہیں۔ تشریق کے معنی قربانی سُکھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۰۔۱۱۔۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ حاجیوں کے قافلے عرفات و مزدلفہ سے واپسی میں آکر صبح یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور ۱۲ر کی شام تک تو بہرحال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات، سنن و مستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اُتروانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اُتارنا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ اِدھر حج کا بیان آیا، اُدھر ذکرِ الٰہی کی تاکید پھر شروع ہو گئی۔ تکبیر کی کثرت قیام زمانۂ منیٰ کا ایک خاص جزو ہے۔ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اس پر صحابہ و تابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مُراد زمانۂ تشریق ہے۔ لاخلاف بین اھل العلم ان المعدودات ایام التشریق وقد روی ذٰلک عن علی و عمر و ابن عباس و ابن عمر و غیرھم (جصاص) ۷۵۰ یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف واپسی کے لئے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ۱۰ر کے بعد صرف دو دن قیام کر کے ۱۲ر کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳ر تک وہیں ٹھیرا رہے، جب بھی درست ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں اگر ۱۲ر کو واپس ہوتا ہے تو قبلِ غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کر لے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر ۱۳ر تک ٹھیرنا ہے، تو قبل طلوعِ آفتاب ہی رمی جمرات کر ڈالے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل و مفضول نہیں۔ اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں ۱۳ر کا قیام افضل ہے ۷۵۱ یعنی یہ سب احکام نافع اسی کے حق میں ہو سکتے ہیں جو دل میں خوفِ خدا، خشیتِ الٰہی رکھتا ہو۔ تقوائے الٰہی کی اس شدومد سے تاکید یوں ہی اور بے کار نہیں۔ مومن کے دل پر تقویٰ کی اہمیت نقش کرنے کے لئے ہے۔ وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو ۷۵۲ (اور اسی کے سامنے سارے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا) یہ یاد دہانی حفظ اعمال میں کس درجہ مؤثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔ ۷۵۳ (اُس کی چرب زبانی کی بنا پر، اُس کے دعوائے اسلام و حبِ اسلام کے باعث) اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا۔ آخرت کے قائلین و معتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا۔ اب ذکر منکرین اور منافقین کا ہوتا ہے۔ اور ابتدا منافقین کے بیان سے ہوتی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو۔ ایک بھی ہو سکتا ہے، بہت سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اشارۃ الی بعضھم فیحتمل الواحد و یحتمل الجمع (کبیر) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فی اظہارِ مقصودیت کے لئے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود اسے محض حصُولِ دنیا ہوتی ہے، طلبِ آخرت نہیں۔ یطلب بہ حظًّا من حظوظ الدنیا (کشاف) لطلب مصالح الدنیا (کبیر) فی "باب میں" یا "درباره" کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اِس صورت میں معنی ہوں گے کہ "دنیوی امور سے متعلق"۔ ای مایقولہ فی امور الدنیا و اسباب المعاش (بیضاوی) درباب زندگانی دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلۂ ثقیف کا ایک شخص خوش منظر

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ

جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے، اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں۔ اور جو تاخیر کرے

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں ۷۵۰ (یہ) اس کے لئے جو ڈرتا رہتا ہے ۷۵۱ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے

اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ

رہو کہ تم (سب) اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ۷۵۲ اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے ۷۵۳ کہ اس کی

قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ

گفتگو جو دنیوی غرض سے اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو

قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي

گواہ لاتا ہے ۷۵۴ درآنحالیکہ وہ شدید ترین دشمن ہے ۷۵۵ اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس

الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ

دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے ۷۵۶

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ

درآنحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل) پسند نہیں کرتا ۷۵۷ اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ خوفِ خدا

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ

کرو، تو اُسے نخوت گناہ پر (اور زیادہ) آمادہ کر دیتی ہے ۷۵۸ سو اسکے لئے جہنم بس ہے، اور بُری

الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ

سے بڑی آرامگاہ ہے! اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی جان (تک) اللہ کی

منزل ۱

و خوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا۔ مجلسِ رسولؐ میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان و اسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا۔ لیکن جب مجلس سے اُٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی عملی شرارتوں میں لگ جاتا۔ نزلت فی اخنس بن شریق الثقفی (ابن جریر) کان رجلًا حلو الکلام، حلو المنظر (معالم) کان منافقا حسن العلانیۃ خبیث الباطن (کبیر) مگر شانِ نزول کی روایتوں سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آیت کا انطباق صرف اسی خاص شخص تک محدود ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی وہ صفات پائے جائیں گے، وہاں وہ آیت بھی چسپاں ہوگی۔ القول الثانی فی الآیۃ وھو اختیار اکثر المحققین من المفسرین ان ھٰذہ الآیۃ عامۃ فی حق کل من کان موصوفًا بھٰذہ الصفات المذکورۃ (کبیر) ۷۵۴ (اللہ کے دین کا، اللہ کے رسُول کا) يُشْهِدُ اللّٰهَ۔ یعنی آپ کو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے۔ قسم کا مفہوم بھی شہادت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ یقول انی لاحبک ویحلف باللہ علی ذٰلک (معالم) رسولؐ کے علم غیب کی نفی پر دلائل بہت سے قائم ہیں۔ ایک مزید دلیل اس آیت سے نکلتی ہے۔ منافق کے نفاق کا علم آپؐ کے ذریعہ سے حق تعالیٰ آپؐ کو کرا رہا ہے۔ ورنہ آپؐ تو اس کی باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اگر آپؐ اُسے منافق پہچان گئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اس سے گفتگو میں لطف ہی کیوں لیتے ۷۵۵ (جیسا کہ اخنس نے کیا بھی، کہ قبیلۂ ثقیف کے کھیت جلوا دیئے، اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کر ڈالا) کما فعلہ الاخنس بثقیف اذ بیتھم واحرق زروعھم واھلک مواشیھم (بیضاوی) وَاِذَا تَوَلّٰى۔ یعنی جب مجلسِ رسولؐ سے اُٹھ کر چلا گیا۔ ای اذا خرج من عندک (ابن جاسم) ای ادبر واعرض (روح عن الحسن) تَوَلّٰى کے دُوسرے معنی "حاکم بن گیا" "حکومت پا گیا" کے بھی ہو سکتے ہیں، اور کئے گئے ہیں۔ یعنی جب وہ ملک میں حاکم و مسلط ہو جاتا ہے۔ قال مجاھد من الولایۃ ای صار والیا (بحر) ای ملک الامر وصار والیا (معالم۔ عن الضحاک) چوں ریاست پیدا کند (شاہ ولی اللہ دہلوی) اور جب حاکم ہوتا ہے (شاہ رفیع الدین دہلوی) لیکن نظمِ کلام و سیاقِ عبارت کے لحاظ سے ترجیح معنی اول کو ہے، کہ نفاق پر روشنی یہی معنی لے کر پڑتی ہے ——— القول الاول اقرب الی نظم الآیۃ لان المقصود بیان نفاقہ (کبیر) سَعٰى کے معنی میں سرگرم عمل ہونا، دوڑ دھوپ کرنا۔ السعی فی کلام العرب العمل (ابن جریر) فِي الْاَرْضِ۔ عام طور پر اس سے مراد منافقین کی کثرتِ سعی اور وسعتِ عمل تخریب لی گئی ہے۔ یدل علی کثرۃ سعیہ وتقلبہ فی نواحی الارض (بحر) لیکن الارض کے ال سے مراد کوئی زمین معہود یعنی شہر مدینہ بھی ہو سکتا ہے۔ واذا کان المراد الاخنس فالارض ارض للمدینۃ فالالف واللام للعھد (بحر) الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ۔ کھیتوں میں اُس نے آگ لگا دی، اور مویشیوں کو ہلاک کر دیا۔ النسل سے ہر قسم کے جانور مراد لئے گئے ہیں۔ النسل نسل کل دابۃ (ابن عباسؓ) النسل من کل شیء ھو الحیوان (ابن جریر۔ عن مجاہد) ازہری لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ حرث سے یہاں عورتیں مراد ہیں اور نسل سے اولادِ انسانی۔ ذکر الازھری ان الحرث ھٰھنا النساء والنسل الاولاد (روح) اور حضرت صادقؒ سے منقول ہے کہ

۵۳۸ (اپنے رسُول کے ذریعہ سے اور اپنے اختراعی طریقوں سے بچو) الحاد وانکار سے بچ کر دین و مذہب کے دائرہ میں آجانے کے بعد پھر جو خطرہ اہلِ مذہب کو شیطان کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر درپیش رہتا ہے وہ بدعات و محدثات کا ہے۔ انسان اپنے دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت و ذکرِ الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا، اور انہیں مذہب میں داخل کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ دین صرف وہ ہے جو شارع اللہ کی طرف سے پہنچائے، یا اپنے اجتہاد سے بتلائے۔ یہاں اگر ایک طرف اس کی تاکید ہے کہ برابر یادِ الٰہی میں لگے رہو، تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت ہے کہ اس یاد کے طریقے اپنے ایجاد کردہ نہ ہوں، اللہ اور اللہ کے رسُول ہی کے بتائے ہوئے ہوں۔ حکمِ ذکر کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ کرر الامر تاکیدًا (قرطبی) کرر علیٰ سبیل التوکید والمبالغۃ فی الامر بالذکر (بحر) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا حکم مشعر الحرام میں ذکر کرتے رہنے کے لئے ہو، اور دوسرا حکم اہتمامِ اخلاص کے لئے ہو۔ قیل الاول امر بالذکر عند المشعر الحرام والثانی امر بالذکر علی حکم الاخلاص (قرطبی) ۵۳۹ (عبادت اور ذکرِ الٰہی کے صحیح طریقوں سے) ضالّ ہمیشہ گمراہ ہی کے معنی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکامِ الٰہی سے ناواقفیت ہوسکتی ہے۔ الضلال ضربان ضلالٌ فی العلوم النظریۃ ... وضلال فی العلوم العملیۃ کمعرفۃ الاحکام الشرعیۃ التی ھی العبادات (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے۔ والمراد من الضلال الجھل بالایمان ومراسم الطاعات (روح) اِنْ یہاں اِنَّ کے معنی میں تحقیق و توثیق کے لئے ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ قد کے مرادف ہے۔ ای وانکم کنتم (روح) ان ھنا عند البصریین الق للتوکید المخففۃ من الثقیلۃ (بحر) مِنْ قَبْلِہٖ میں ضمیر ہ ہدیٰ کی طرف راجع ہے جو ھدٰکم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والھاء فی قبلہ عائدۃ علی الھدی المفھوم من قولہ ھدٰکم (بحر) ۵۴۰ یعنی عرفات سے۔ قریش کے گڑھے ہوئے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہمیں حج میں عرفات کی حاضری کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں تک سب کے ساتھ جانا ہماری علوشان کے منافی ہے، ہمارے لئے مزدلفہ تک جانا کافی ہے۔ کانت قریش ومن دان دینھا یقفون بالمزدلفۃ وکانوا یسمون الحمس وکانت سائر العرب یقفون بعرفات

حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں ۵۴۰ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بڑا
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
بخشنے والا مہربان ہے ۵۴۱ پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر رہے ہو ۵۴۲ تو اللہ کی
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ
یاد کرو اپنے باپ دادوں کی یاد کی طرح، بلکہ یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو ۵۴۳
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا
اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہمیں دنیا (ہی) میں دیدے ۵۴۴
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ
اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۵۴۵ اور کوئی ان میں ایسے ہوتے
مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي
ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ
(بھی) بہتری۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھنا ۵۴۶ یہ وہ لوگ ہیں
لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
جنہیں ۵۴۷ حصہ مل کر رہے گا بعوض اسکے کہ جو انہوں نے عمل کر رکھا ہے اور اللہ حساب بہت جلد
الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ
لے لے گا ۵۴۸ اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے دنوں میں (برابر) یاد کرتے رہو ۵۴۹

منزل ۱

النصف

(صحیح بخاری عن عائشہؓ) کانت قریش ومن کان علیٰ دینھا وھم الحمس یقفون بالمزدلفۃ یقولون نحن قطین اللہ (ابن جریر عن عائشہؓ) کانوا یقولون لانخرج من الحرم فکانوا لایشھدون وقف الناس بعرفۃ معھم (ابن جریر) کانوا یقولون نحن قطین اللہ فینبغی لنا ان نعظم الحرم ولا نعظم شیئًا من الحل (قرطبی) آیت اُنہی کی اصلاح کے لئے ہے۔ النّاس سے مراد جنسِ انسان ہے۔ المراد من النّاس الجنس کما ھو ظاھر (روح) ثُمَّ یہاں تاخرِ زمانی کے لئے نہیں فصلِ کلام کے لئے ہے۔ یعنی ایک بات ختم ہوئی، اب دوسری ہدایت سنو۔ جیسے اُردو میں ایسے موقع پر "اچھا تو" یا "ہاں تو" کہتے ہیں۔ ثم لیست فی ھٰذہ الاٰیۃ للترتیب وانما ھی لعطف جملۃ کلام ھی ھھنا منقطعۃ (قرطبی) ثم للترتیب فی الذکر لا للترتیب فی الزمان الواقع فیہ الافعال (نہر)

۵۴۱ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں یومِ عرفہ سے زیادہ بندے آگ سے آزاد کئے جاتے ہوں۔ حج کا بیان جہاں سے شروع ہوا ہے، دیکھتے آیئے تزکیۂ قلب کا قدم قدم پر کس درجہ اہتمام ہے۔ حرم شریف نہیں، حدودِ حرم بھی ابھی منزلوں فاصلہ پر ہیں کہ ساری عمر کا مالوف و مانوس لباس جسم سے اُتر گیا، اور اب نہ سر پر ٹوپی ہے، نہ کسی قسم کی پگڑی صافہ، اور جسم پر نہ شیروانی ہے نہ کوٹ، نہ عبا نہ قمیص، شاہ و گدا، رئیس و رعایا، حکام و عوام سب کے سب دو دو چادروں میں ملبوس! پھر احرام پہنتے ہی جو چیزیں حرام تھیں ان کا ذکر ہی نہیں، جو ہمیشہ حلال تھیں اور فی نفسہٖ جائز ہیں ایک خاصی طویل مدت کے لئے بالکل ممنوع! کتنی ہی مرغوبات و مالوفات سے اس درمیان میں دستبرداری کرنی ہوتی ہے۔ یہ سب بھی کافی نہیں۔ گھڑی گھڑی لبیک کہتے رہو۔ اللہ کے دربار میں حاضری بولتے رہو، مسلسل ذکرِ الٰہی کرتے رہو، اور اب یہ حکم مل رہا ہے کہ خطاؤں کو، گناہوں کو، سیہ کاریوں کو یاد کر کر کے اُن سے معافی چاہتے رہو! ——— اتنے پاکیزہ، ایسے ستھرے اس قدر اصلاحی اجتماع سے دنیا جہان کے میلوں ٹھیلوں، بت پرستانہ، وہم پرستانہ، ہوس پرستانہ، میلوں تہواروں کو کوئی بھی مناسبت ہے؟ ع کوئی نسبت بھی اِن آنکھوں سے ہے پیمانہ کو! کیسا صریح ظلم وہ اہلِ قلم خود اپنی بصارت و بصیرت پر کرتے ہیں، جو اسلام کو دوسرے ادیان و مذاہب کی سطح پر سمجھے ہوئے ہیں! غَفُوْرٌ۔ آیت کے آخر میں یاد دلا دیا کہ تمہارے رب کی صفتِ غفر بہت بڑی ہے۔ اُس سے مغفرت طلب کر کے دیکھو تو۔ طالبینِ مغفرت کی مغفرت وہ کیوں نہ کرے گا؟ رَّحِیْمٌ۔ اور ساتھ ہی اس کی صفتِ رحمت بھی تو بے پایاں ہے، طالبانِ مغفرت کے ساتھ وہ رحمت کا معاملہ کیوں نہ کرے گا؟ ۵۴۲ (اور ابھی منیٰ سے منتشر نہیں ہوئے ہو) عرفات و مزدلفہ سے واپسی کے بعد منیٰ میں قیام تین دن ۱۰۔۱۱۔۱۲ کو لازمی ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک ۱۳ کو بھی۔ اِذَا کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہاں حکم ادائے مناسک کے بعد کے لئے مل رہا ہے۔ اِذا ہمیشہ بعد کے لئے نہیں آتا ہے۔ ہمزمانی کے موقع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیامًا وقعودًا جس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو، نہ یہ کہ جب تم نماز ختم کر چکو، یا اذا طلقتم النساء جس کے معنی ہیں کہ جب تم طلاق دینے لگو، نہ یہ کہ جب تم طلاق دے چکو، اسی طرح یہاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادائے مناسک کر رہے ہو۔ مَنَاسِکَکُمْ۔ مناسک شعائرِ حج کو کہتے ہیں۔ ھی شعائر الحج (قرطبی) قَضَیْتُمْ۔ قضا کے معنی کسی عبادت کے ادا کر چکنے یا بجالانے کے ہیں۔ قضیتم ھنا بمعنی ادیتم و فرغتم (قرطبی) قضاء المناسک ھو فعلھا علی تمام (جصاص) ۵۴۳ قومی عظمت و قومی خودداری، نسلی مفاخرت جس طرح جدید جاہلی تہذیب کا عنصرِ اعظم ہیں، عرب کے دینِ جاہلی کے بھی رکنِ اعظم تھے۔ عرب جب منیٰ میں جمع ہوتے تو ہر ہر قبیلہ اپنے قبائل کی جے پکارتا اور اپنے بزرگوں کے مفاخر و مناقب کے پُرزور بیان سے دلوں کو گرماتا۔ کان اھل الجاھلیۃ یجلسون بعد الحج فیذکرون ایام اٰباءھم (ابن عباس) کان القوم فی جاھلیتھم بعد فراغھم من حجھم ومناسکھم یجتمعون فیتفاخرون بمآثر اٰبائھم (ابن جریر) کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ۔ مسلمانوں کو حکم ملتا ہے کہ یہی جوش و خروش تم اللہ کے ذکر میں دکھاؤ۔ تمہاری نہ کوئی قوم ہے، نہ کوئی نسل، نہ تمہارا کوئی وطن۔ تم ان سب کے بدلے اللہ کی عظمت دلوں میں بٹھاؤ، بساؤ، اور اللہ کا نام زبانوں پر لاؤ۔ اَوْ یہاں تخییر کے لئے نہیں، بلکہ ترقی کا مفہوم دے رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق کم از کم اس درجہ کا تو رکھو جتنا اپنے خاندان، اپنے قبیلہ، اپنی قوم کے ساتھ رکھتے ہو۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہو۔ قیل بمعنی بل (بحر) اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا۔ مولانائے رومیؒ نے اسی کو اپنی شاعرانہ و عاشقانہ زبان میں یوں ادا کیا ہے ؎

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

۵۴۴ دنیا میں ایسی بھی قومیں ہیں جو خدا کی قائل ہوتی ہیں، اسے معبودِ اعظم سمجھتی ہیں، لیکن حشر و نشر جزا و سزا کی قائل نہیں، ایسے لوگوں کی دعائیں، التجائیں، تمنائیں قدرۃً اسی مادی دنیا کی ترقیوں تک محدود رہتی ہیں۔ مشرکینِ عرب کے عقیدے بھی اسی قسم کے تھے۔ اور یہ لوگ جب دعا بھی مانگتے تھے، تو تمامتر سامانِ دنیوی اور دشمن پر فتح و نصرت وغیرہ کی۔ ابنِ زید، سدّی وغیرہ تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ المراد المشرکون، قال ابو وائل والسدی وابن زید کانت العرب فی الجاھلیۃ تدعوا فی مصالح الدنیا فقط فکانوا یسألون الابل والغنم والظفر بالعدو ولا یطلبون الاٰخرۃ (قرطبی) مَنْ یَّقُوْلُ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دعائیں بالکل اُنہی الفاظ کے ساتھ کی ہی گئی ہوں۔ "قول" کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تمنا کرنا، زبانِ حال سے کہنا، دل میں خیال لانا، سب اس میں شامل ہیں ۵۴۵ وہی آخرت جس کے تسلیم کرنے سے عمر بھر انکار کرتا رہا۔ اذ کانوا لایعرفون ولا یؤمنون بھا (قرطبی) ۵۴۶ یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہلِ ایمان کی جانب ہے۔ مومنین کی دعائیں، مناجاتیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں۔ حَسَنَۃً وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ و بہتر ہے، اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر و خوبی آگئی۔ ان حسنۃ نکرۃ فی بیان الدعاء فھو محتمل لکل حسنۃ من الحسنات علی البدل (قرطبی) والحسنۃ الکاملۃ فی الدنیا ما یشمل جمیع حسناتھا (روح) دنیا میں حسنۃ توفیقِ خیر ہوئی، اور آخرت میں حسنۃ ثمرۂ خیر۔ والذی علیہ اکثر اھل العلم ان المراد بالحسنتین نعم الدنیا والاٰخرۃ وھذا ھو الصحیح فان اللفظ یقتضی ھذا کلّہ (قرطبی) ایسی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر دیگر ادیان و ملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسُولِ مقبول صلعم خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔ کان اکثر دعوۃ یدعو بھا النبی صلعم یقول اللّٰھم اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (بخاری، مسلم عن انس) مال، اولاد، صحت، اطمینان وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیلِ خیر میں معین ہوسکتی ہیں، خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود و مطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ خود دُنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔ آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔

وطاؤس وغیرھم الرفث الافحاش للمرأۃ بالکلام (قرطبی) قال ابن عباس ھو التعریض بالجماع (ابن جریر) الرفث التعریض للنساء بالجماع (ابن جریر عن ابن طاؤس) قال عطاء الرفث الجماع وما دونہ من قول الفحش (ابن جریر) الجماع ودواعیہ محظورۃ
علی المحرم (جصاص) وقال الحسن المراد منہ کل ما یتعلق بالجماع (کبیر) اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے۔ عبادت میں طہارت و پاکبازی کا، اسلام کا قائم کیا ہوا، کہ اشارۃً و کنایۃً بھی اُس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں۔ اور دوسری طرف مشرک
قوموں کے میلے ٹھیلے، تیر تہوار، تیر تھ جاترا، اور نمائشیں اور جلسے ہیں، جن کی گرم بازاری ہی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے! اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکانِ حج تک میں فحش داخل تھا۔ وَلَا فُسُوْقَ۔ اس کے تحت میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے
گناہ کی ممانعت آگئی۔ قال بعضھم الفسوق ھی للمعاصی کلھا (ابن جریر) عن محمد بن کعب القرظی قال الفسوق معاصی (ابن جریر) یعنی جمیع المعاصی کلھا قالہ ابن عباس وعطاء و حسن و کذالک قال ابن عمر و جماعۃ (قرطبی) ای لا خروج عن
حدود الشرع بارتکاب المحظورات (روح) حالتِ احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار، ناجائز ہوجاتے ہیں، تو بڑی چھوٹی کسی قسم کی معصیت کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے۔ یہاں یہ حکم محض تاکید کے لئے ہے۔ وَلَا جِدَالَ۔ جدال اپنے عام
و وسیع معنی میں ہے۔ مارپیٹ، ہاتھاپائی الگ رہی، زبانی حجت و تکرار جو اکثر مسابقت و مفاخرت کے موقعوں پر ہوجاتی ہے، سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ قال محمد بن کعب القرظی الجدال ان تقول طائفۃ حجنا ابر من حجکم و یقول
الآخر مثل ذالک (قرطبی) وقیل الجدال کان فی الفخر بالآباء (قرطبی) ای لا اخصام مع الخدام والرفقۃ (روح) لا مراء مع الرفقاء والخدم (مدارک) ای الجدال فی تقریر الباطل وطلب المال والجاہ (کبیر) حج کے موقع پر دُنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں
کھنچ کر آجاتی ہیں۔ ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش، ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی، جوان بھی، بچے بھی، بڑے تیز مزاج اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی، حریص و طامع بھی، حسین و نوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیفیں اور صعوبتیں بھی، راہ اور سواری کے سلسلہ میں
طرح طرح کی پیش آتی ہیں ــــــــ بڑے بڑے حلیم بھی دامنِ صبر چھوڑ بیٹھتے ہیں، رشک و منافقت، بدنظری و بدکاری، نزاع و جدال کے موقع قدم قدم رکھے ہوئے ہوتے ہیں ــــــــ حکیم مطلق کی حکیمانہ نگاہ نے رفث اور فسوق اور
جدال سب کی تصریحًا اور تاکیدًا ممانعت کرکے کمزور بندوں کے حق میں کیا خوب انتظام کر دیا ہے۔ محققین نے یہ بھی کہدیا ہے کہ فقرہ کے آخر میں، یعنی فی الحج میں جو بجائے ضمیر کے اصل اسم لایا گیا ہے، یہ تاکید و تعظیم کے لئے ہے۔ الاظہار
فی مقام الاضمار لاظہار کمال الاعتناء بشانہ (روح) ۴۳۱ (اور اسی کے مطابق صلہ بھی دیگا) حاجیوں کے اعمالِ خیر کی تشویق و رغبت افزائی کے لئے یہ بہترین و موثر ترین یاد دہانی ہے۔ اللہ کے عالم کل و عالم جزئیات ہونے کا پورا استحضار رکھو اہل
جاہلیت کی طرح کہیں اس تذبذب میں نہ پڑجاؤ کہ ہمارے فلاں فلاں عمل خیر کا صلہ ملے یا نہ ملے، علم الٰہی میں وہ آئے بھی، یا آنے سے رہ جائے۔ مومن کے لئے تو بڑی سی بڑی ہمت بھی اسی عقیدہ کا استحضار پیدا کرسکتا ہے کہ خفی سے خفی، باریک سے باریک نیکی
بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں۔ اطباء یُونانی موسم بہار میں مصفیات پلاتے ہیں، اور جاڑے کے زمانہ میں مقویات استعمال کراتے ہیں کہ ان موسموں کو ان دواؤں کے ساتھ خاص مناسبت ہے ــــــــ رمضان کا مہینہ اور حج کا موسم بھی رُوحانیات کے
عالم میں اپنی صحت بخش آب و ہوا کے لئے ممتاز ہیں، تو طبیبِ حقیقی ان موسموں میں اعمالِ خیر کی طرف خصوصی توجہ کیسے نہ دلاتا! ۴۳۲ جب ارادہ حج سے نکلا کرو۔ اس ہدایت کی قدر اُس وقت ہوگی جب جاہلی قوموں کے زائرین کی ذہنیت
پر نظر ہو، خصوصًا جاہلیتِ عرب کی تاریخ پر۔ آج بھی ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ایسی ہیں، جو تیر تھ جاترا کے وقت گھر سے مفلس و تہیدست نکلنا ہی اپنی رُوحانیت کا کمال سمجھتے ہیں! راستہ میں مانگتے ہوئے جائیں گے، کوئی دُوسرا انہیں کھلا پلادیا کریگا
یہ اپنے فقیر ہونے پر فخر کرینگے۔ اس قسم کے سارے تخیلات واوہام اسلام نے مٹا دیئے اور حکم دیا کہ جب گھر سے حج و زیارت کے لئے نکلو تو ضرورت بھر کا روپیہ پیسہ لے کر نکلو۔ راستہ میں دُوسروں پر بار بننے کی کوشش نہ کرو۔ عرب جاہلیت میں یہ مرض اور
زیادہ پھیلا ہوا تھا، بلکہ بعض گروہوں کو تو یہ غلو تھا کہ احرام پہننے کے بعد جو کچھ سرمایہ ہوتا بھی، اُسے بھی پھینک دیتے! کانوا یحجون بغیر زاد وکان بعضھم اذا احرم رمی بما معہ من الزاد (ابن جریر) کان اھل الیمن یحجون ولا یتزودون ویقولون
نحن المتوکلون فاذا قدموا مکۃ سألوا الناس (بخاری عن ابن عباسؓ) طائفۃ من العرب کانت تجیٔ الی الحج بلا زاد ویقول بعضھم کیف نحج بیت اللہ ولا یطعمنا فکانوا یبقون عالۃ علی الناس (قرطبی) اسلام ایسے دستور کا جو جھوٹی
اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا، اور ایک طرف شخصی غیرت و خودداری کے بھی منافی تھا، اور دوسری طرف معاشیاتِ اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا، کیسے روادار ہوسکتا تھا، اور اسے کیونکر باقی رہنے دیتا۔ تَزَوَّدُوْا کے صیغۂ امر سے فقہاء نے
نکالا ہے کہ زادِ راہ لینے کا وجوب آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ثابت ہے۔ فقہاء نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے، کہ آیت اُن "توکل پیشہ" صُوفیہ کے مذہب کی بھی تردید کر رہی ہے، جو کسبِ معاش کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور اسے کوئی بڑا رُوحانی کمال سمجھ رہے ہیں
ھذا یدل علی بطلان مذھب المتصوفۃ الذین یتسمون بالمتوکلۃ فی ترکھم التزود والسعی فی المعاش (جصاص) ھم المقصرون عن درجۃ التوکل الغافلون عن حقائقہ (ابن العربی) ۴۳۳ (خصوصًا گداگری اور دوسروں کے آگے دستِ سوال
دراز کرنے سے احتیاط) ای اتقوا الاستطعام وابرام الناس والتثقیل علیھم (کشاف) فان خیر الزاد ما تکفون بہ وجوھکم عن السوال (کبیر) ای الاتقاء عن الابرام والتثقیل علیھم (مدارک) زائروں اور جاتریوں کی گداگرانہ عادت اور
جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا۔ اس لئے حکم تزودوا کے بعد مزید تاکید کے لئے یہ تصریح اور بڑھادی، ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارفِ سفر کا انتظام کرکے چلو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں
کے لئے باعثِ گرانی نہ بننا پڑے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زادِ راہ اور زادِ عمل دونوں مُراد ہوسکتے ہیں، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام والتزام رکھا جائے۔ لما احتملت الایۃ الامرین من زاد الطعام و زاد التقوی وجب ان یکون
علیھما اذ لم تقم دلالۃ علی تخصص زاد من زاد (جصاص) ۴۳۴ (ان احکام کی تعمیل کے باب میں) اہم حکم کے بعد تقویٰ الٰہی کی تاکید اس کی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو
جو بھی نیک عمل انسان کرے وہ صرف اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ ۴۳۵ بسلسلۂ سفرِ حج۔ اسلام جس طرح فلاحِ اُخروی کا ضامن ہے، فلاحِ دنیوی کا بھی داعی ہے، اور اس کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل
صاف ظاہر ہو رہی ہے، وضو، نماز، نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ سب کے سب رُوح کو جِلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی، مادی، جسمانی، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں۔ یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کر رہے ہیں
حج کا منزل در منزل سفر، بری و بحری طویل سفر، اور اُمت کے مختلف طبقوں کا دُنیا کے مختلف گوشوں سے عظیم الشان اجتماع، ایک خشک عبادت اور محض ذکرِ الٰہی کے لئے نہیں۔ فرد و ملت دونوں کے لئے یعنی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل
کئے جاسکتے ہیں، اور کئے جانے چاہئیں ــــــــ حج کے روحانی اسرار و حقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لئے آسان نہیں لیکن اس "بین الاقوامی سالانہ کانگرس" سے جو سیاسی، ملّی، اجتماعی فائدے وابستہ ہیں، اور اس "بین الاقوامی سالانہ بازار" سے جو
مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں، ان کا اندازہ اور اُن کا اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہوچکا ہے۔ یہاں خاص طور پر توجہ اس سفر و اجتماع کے معاشی و تجارتی پہلو پر دلائی ہے۔ اور جو رُکاوٹ ایک خالص "دیندار" شخص کو ان فوائد
کو حاصل کرنے سے ہوسکتی ہے، اُسے دُور کردیا ہے۔ فَضْلًا۔ سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفع تجارت ہے۔ یعنی المال وما یکتسب (راغب) ھو النفع والربح بالتجارۃ (کشاف) لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا
بڑھا ہوا تھا کہ جو تاجر مالِ تجارت لے کر منیٰ اور مکہ کے بازاروں کے لئے جاتے، یا جو اُونٹ والے اپنے اُونٹ مزدلفہ، عرفات و منیٰ کے لئے لے جاتے، سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا، کہ جہاں تجارت آگئی، وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا؟ قرآن مجید
نے اس مغالطۂ عامۃ الورود کی تردید کردی۔ نزلت ردًا علی من یقول لا حج للتجار والاجراء والجمالین (کبیر) فی ھذا دلیل جواز التجارۃ فی الحج للحاج مع اداء العبادۃ ولا یخرج بہ المکلف عن رسم الاخلاص المفترض علیہ (ابن العربی)
یدل علی ان الحج لا یمنع التجارۃ وعلی ھذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ھذا فی مواسم منیٰ ومکۃ فی ایام الحج (جصاص) ابن عباسؓ صحابی سے لے کر حسن، عطاء، مجاہد، قتادہ وغیرہ تابعین تک بلا اختلاف سب سے یہی تفسیر
مروی ہے۔ روی نحو ذالک من جملۃ من التابعین منھم الحسن وعطاء ومجاھد وقتادۃ ولا نعلم احدًا روی عنہ خلاف ذالک (جصاص) صرف ایک روایت کسی حد تک اس سے مخالف ملتی ہے لیکن محققین نے تصریح کردی ہے کہ وہ ظاہر قرآن و
اجماعِ عام دونوں کے منافی ہے۔ ھذا قول شاذ خلاف ما علیہ الجمھور وخلاف ظاھر الکتاب (جصاص) مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حسب تقدیرِ الٰہی۔ بات بات میں بات پیدا کرنا قرآن مجید کا تو ایک مستقل اعجاز ہے۔ یہ ذرا سا لفظ لاکر یاد دلادیا
کہ اس نفع و تجارت کو بھی اپنے قوتِ بازو کا ثمرہ نہ سمجھ لینا، جو کچھ بھی حاصل ہوگا سب کو کارسازِ حقیقی ہی کے لُطف و کرم کا ثمرہ سمجھنا۔ نظر تجارت و کاروبار میں بھی ہر وقت اسی پر رہے۔ اس ہدایت پر عمل کے بعد تجارت کی کوئی بڑی سی بڑی مشغولیت بھی تجارت
باقی رکھ سکتی ہے؟ تجارت اس حال میں اگر عبادت نہ بن جائے، تو آخر کیا ہو۔ ۴۳۶ (۹ ذی الحجہ کی شام کو عرفات میں وقوف اور ادائے آداب وقوف کے بعد) حج کے اعمال (واجبات، سُنن و مستحبات) تو بہت سے ہیں۔ لیکن فرض تین ہی ہیں۔ احرام پوشی
۹ کو عرفات میں حاضری یا وقوف اور طوافِ فرض۔ ان تینوں ارکان میں بھی اہم ترین رکن یہی وقوفِ عرفات ہے۔ اَفَضْتُمْ۔ افاضہ کے لفظی معنی ہانبوہ در انبوہ چلنے یا واپس ہونے کے ہیں۔ ای دفعتم منھا بکثرۃ (راغب) الافاضۃ الاندفاع فی السیر
بکثرۃ (کبیر) اصطلاح فقہ میں افاضہ عرفات سے مزدلفہ کو کہتے ہیں۔ عرفات مکہ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف کو جاتی ہے اس پر مکہ سے کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے۔ اور اس کا نام عرفات ہے
اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے، سطح زمین سے کوئی ۲۰۰ گز بلند۔ سال بھر یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے، صرف ایک دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو اس کی پوری کسر نکل آتی ہے۔ اس روز یہ میدان انسانوں اور ان کی سواریوں سے کھچا کھچ
بھر جاتا ہے۔ حاجیوں کو ۸ ذی الحجہ کی دوپہر تک منیٰ میں آجانا چاہیئے، اور ۹ کی صبح کو بعد اشراق قافلہ عرفات کے لئے روانہ ہوجائیں، تاکہ ۸۔۹ میل کا درمیانی فاصلہ دوپہر تک طے ہوجائے، دوپہر سے لے کر آخر وقت عصر تک اسی میدان میں رہنا
چاہیئے، اور اسی کا اصطلاحی نام وقوف ہے۔ یہی حاضری اعمالِ حج کی جان ہے، اور یہ سارا وقت توبہ و استغفار، عبادت، انابت ہی میں صرف ہونا چاہیئے۔ قریب غروب مزدلفہ (یا مشعر الحرام) کے لئے کوچ ہونا چاہیئے، اور جس طرح آج ظہر کے ساتھ
عصر کی نماز (بہ قاعدۂ تقدیم) عرفات کی مسجد نمرہ میں ملالی گئی تھی، اسی طرح آج مغرب کی نماز (بہ قاعدۂ تاخیر) عشاء سے ملاکر اُس وقت پڑھی جائیگی، جب قافلے مزدلفہ پہنچ جائیں۔ ۴۳۷ المشعر الحرام، مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور
حرام یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود سارے مزدلفہ کو بھی مشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔ لم یختلف اھل العلم ان المشعر الحرام ھو المزدلفۃ (جصاص) والمشھور ان المشعر مزدلفۃ کلھا۔ مزدلفہ مکہ
سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر، منیٰ سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے۔ حاجی ۹ کو عرفات جاتے اسی راستے سے ہیں۔ واپسی میں حکم ہے کہ دُوسرے راستہ سے لوٹیں، یہ ذرا چکر کا ہے، اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے شب ۱۰ کے اول حصہ میں یہاں پہنچ جاتے ہیں اور
رات یہاں تسبیح و تہلیل، نماز و استغفار میں گزارتے ہیں، مسجد پہاڑی کے اُوپر ہے۔ جبل یقف علیہ الامام وانما سمی مشعرًا لانہ معلم العبادۃ ووصف بالحرام لحرمتہ (بیضاوی) عِنْدَ الْمَشْعَرِ۔ یعنی اس مسجد کے گرد و پیش خصوصیت کے ساتھ، اور یُوں تو سارا مزدلفہ ہی ادب و
حرمت کا محترم ہے۔ خص اللہ تعالیٰ الذکر عندہ مع انہ مامور بہ فی جمیع المزدلفۃ لانہا کلھا موقف لمزید شرفہ و فضلہ (روح) اُذْكُرُوا اللّٰهَ نے یاد دلادیا کہ یہ رات رنگ رلیاں منانے کی نہیں جاہلی قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح روشنی و آتشبازی کے لئے
نہیں خوابِ غفلت میں پڑے رہنے کے لئے نہیں فخریہ قصیدوں اور شعر و شاعری میں صرف کرنے کے لئے نہیں، ذکر و عبادتِ الٰہی کے لئے ہے۔

جاء بلفظ الامن وهو عام فی العدو والمرض لیکون اٰخر الکلام علٰی نظام اوله (ابن العربی) اِذَا شرطیہ ہے۔ اِس سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بعدِ حصر اگر وقتِ حج میں مانع دُور نہ ہو تو عاصی نہ ہوگا۔ اَمِنْتُمْ۔ فقہاء کہتے ہیں کہ صحت کو بھی امن ہی سے تعبیر کیا گیا ہے کہ صحت اچھی ہوجانے پر بہ ظاہر فوتِ حج کی طرف سے اطمینان ہوجاتا ہے ۷۲۲ (اور اگر کسی نے صرف حج یا صرف عمرہ کیا ہو تو اس پر یہ قربانی واجب العمل نہیں) فَمَنْ تَمَتَّعَ۔ تمتع کے لفظی معنی فائدہ اُٹھانے کے ہیں۔ اصطلاحِ فقہ میں مُراد حج اور عمرہ کے ملالینے سے ہوتی ہے یعنی زمانۂ حج میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج بھی کرلیا جائے۔ دونوں احراموں کی درمیانی مدت میں حالتِ احرام کے ممنوعات سے پوری طرح تمتع کیا جاسکتا ہے۔ دینِ ابراہیمی کو چھوڑ کر عرب جاہلی جہاں اور بہت سے اوہام میں گرفتار تھے۔ وہاں ایک عقیدہ یہ بھی گڑھ لیا تھا کہ موسمِ حج میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے۔ لان العرب فی الجاھلیة کانت لاتعرف العمرة فی اشھر الحج وتنکرھا اشد الانکار (جصاص) یروی عن ابن عباس وعن طاؤس ان ذٰلک عندھم کان من افجر الفجور (جصاص) ۷۲۳ (ان ایامِ حج میں بسبب ناداری یا کسی اور معذوری کے) ۷۲۴ تین زمانۂ حج میں اور سات زمانۂ حج کے بعد۔ یہ "پورے دس" کی تصریح تاکید در تاکید کی غرض سے ہے۔ کاملة توکید للکلام، کما یقول القائل سمعته باُذنی ورأیته بعینی (ابن جریر) قیل ھو توکید کما تقول کتبت بیدی وقوله کاملة تاکید اٰخر (قرطبی) اِذَا رَجَعْتُمْ۔ فقہاء حنفیہ اور بعض اکابر تابعین کے ہاں اس رجوع سے مُراد اعمالِ حج سے فراغت ہے۔ خواہ واقعۃً کوئی وطن واپس ہوجائے یا ابھی وہیں مقیم رہے۔ اے بعد الفراغ من اعمال الحج وھو المراد من الرجوع المذکور فی الاٰیة (معالم) قال ابوحنیفة المراد من الرجوع الفراغ من اعمال الحج (کبیر) اے فرغتم ونفرتم من اعمال (روح) قال المجاھد عطاء وابراھیم للمعنٰی اذا رجعتم نفرتم وفرغتم من اعمال الحج وھو مذھب ابی حنیفة (بحر) بعض دُوسرے اکابر کے نزدیک مکہ سے وطن کی واپسی مُراد ہے۔ یعنی الٰی بلادکم قاله ابن عمر وقتادة والربیع ومجاھد وعطاء وقاله مالك فی کتاب محمد وبه قال الشافعی (قرطبی) اذا رجع الٰی اھله و مصرہ (ابن جریر) ۷۲۵ یعنی موسمِ حج میں عمرہ کے ساتھ حج کا ملالینا۔ ذٰلِکَ۔ یہ اشارہ تمتع کی جانب ہے، جس کا ذکر ذرا اُوپر ضمن تمتم کے ضمن میں آچکا ہے۔ اے التمتع بالعمرة الی الحج (ابن جریر) اشارة الی التمتع (مدارک) یہ تفسیر امام ابوحنیفہؒ اور بعض تابعین کے مسلک کے مطابق تھی جن کے ہاں حج میں تمتع اور قران یعنی موسمِ حج میں عُمرہ کے ساتھ حج کرلینے کی دو صورتیں صرف آفاقیوں کے لئے درست ہیں، مکہ اور جوارِ مکہ والوں کے لئے نہیں۔ اذ لاتمتع ولاقران لحاضری المسجد الحرام عندنا (مدارک) وقال ابوحنیفةؒ ان قوله ذٰلك اشارة الی الابعد وھو ذکر التمتع المفھوم من قوله فمن تمتع عند ابی حنیفةؒ (روح) امام شافعیؒ کے نزدیک ذٰلِکَ کا اشارہ اصل حکم، یعنی وجوبِ قربانی کی جانب ہے ۷۲۶ یعنی جو مکہ کے باشندے یا شہرِ مکہ سے بالکل متصل کے باشندے نہ ہوں، بلکہ حدودِ میقات سے باہر کے رہنے والے ہوں۔ مِیْقَات اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے حرم کے حدود شروع ہوجاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر ہر آفاقی پر حج یا عُمرہ کی نیت کرلینا اور احرام باندھ لینا واجب ہوجاتا ہے۔ ہر ہر سمت سے آنے والوں کی میقات الگ الگ ہے۔ لمن لم یکن میں ل بمعنٰی علٰی ہے۔ اے وجوب الدم علٰی من لم یکن من اھل مکة (قرطبی) حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے خاص اہلِ مکہ کا مراد ہونا اور ان کے لئے تمتع کا ناجائز ہونا سب کو مسلّم ہے۔ اجمع جمیعھم علٰی ان اھل الحرم معنیون به وانه لامتعة لھم (ابن جریر) لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں مکہ کے علاوہ جوارِ مکہ کے باشندے بھی شامل ہیں۔ اور حدودِ میقات کے اِدھر تک کُل رہنے والے حاضری المسجد الحرام کے حکم میں داخل ہیں۔ عن مکحول قال من کان دون المواقیت (ابن جریر) عن عطاء قال من کان اھله من دون المواقیت فھو کاھل مکة لایتمتع (ابن جریر) ھم اھل مواقیت فمن دونھا الٰی مکة (مدارک) قال عطاء ومکحول من دون المواقیت وھو قول اصحابنا (جصاص) امام شافعیؒ کے نزدیک مکہ سے قصرِ نماز کی مسافت تک رہنے والے اہلِ مکہ ہی کے حکم میں رہتے ہیں۔ المراد بالموصول من کان من الحرم علٰی مسافة القصر عند الشافعیؒ ومن کان مسکنه وراء المیقات عند ابی حنیفةؒ (روح) اور مفسر طبری نے بہ قاعدۂ عربیت لفظِ حاضر کے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے، جو امام شافعی کا اختیار کیا ہوا ہے۔ واولی الاقوال بالصحة عندنا قول من قال ان حاضری المسجد الحرام من ھو حوله ممن بینه وبین المسافة مالاتقصر الیه الصلٰوة لان حاضر الشیٔ فی کلام العرب ھو الشاھد له بنفسه (ابن جریر) لیکن محققؒ جصاص رازی نے قرآن مجید ہی کی متعدد آیتوں کے سیاق سے یہ دکھایا ہے کہ محاورۂ قرآنی میں البیت سے خانۂ کعبہ نہیں، بلکہ مکہ، اور صرف مکہ ہی نہیں بلکہ جوارِ مکہ مُراد لیا گیا ہے کان مراد الله تعالٰی بذکر البیت اقرب من مکة وان کان خارج منھا (احکام القرآن) اور المسجد الحرام سے بھی مُراد مکہ اور مضافاتِ مکہ ہی لی گئی ہے۔ وھی مکة وما قرب منھا (احکام القرآن) ۷۲۷ ان کی جو احکامِ الٰہی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور تقویٰ الٰہی اختیار نہیں کرتے۔ لمن لم یتقه (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان تمام احکام کی بجا آوری میں۔ اصل شے اور مدارِ کار تمام احکام و مسائل میں بس یہی تقویٰ الٰہی یا خوفِ خدا ہی باقی تعبیر و تفسیر میں جزئی اختلافات تو اپنی اپنی فہم و بصیرت، فکر و نظر کے مطابق علماء و فقہاء، شارحین و مفسرین میں ہوتے ہی رہیں گے۔

ع ۲۴
۸

الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ

ہے ۷۲۸ ۔ حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں، ۷۲۹ جو کوئی ان میں اپنے اُوپر

فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا

حج مقرر کرے ۷۳۰ تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات نہ ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ

جِدَالَ فِی الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ

کوئی جھگڑا، ۷۳۱ اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے، اللہ کو اس کا علم ہو کر

اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ۫

رہے گا ۷۳۲ اور زادِ راہ لے لیا کرو ۷۳۳ اور بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے ۷۳۴

وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَیْسَ عَلَیْکُمْ

سو اے اہلِ فہم میرا ہی تقویٰ اختیار کئے رہو ۷۳۵ تمہیں اس باب میں کوئی مضائقہ

جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ

نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاشِ معاش کرو ۷۳۵ پھر جب تم جوق در جوق

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪

عرفات سے واپس ہونے لگو ۷۳۶ تو اللہ کا ذکر مشعرِ حرام کے پاس کرلیا کرو ۷۳۷

وَاذْکُرُوْهُ کَمَا هَدٰىکُمْ ۚ وَاِنْ کُنْتُمْ

اور ان کا ذکر اس طرح کرو جیسا اُس نے تمہیں بتایا ہے ۷۳۸ اور اس سے قبل تم

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ

یقیناً محض ناواقفوں میں تھے ۷۳۹ ہاں تو تم وہاں جاکر واپس آؤ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ یہاں جس سیاق میں آیا ہے اُس سے بعض علماء نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ مقدس و متبرک مقامات میں جس طرح قبولیت و سعادت کے موقع بہت زیادہ ہیں، اسی طرح گناہ و عقوبت کا خطرہ بھی زیادہ لگا ہوا ہے۔ ۷۲۸ اور چونکہ وہ مشہور و معلوم ہیں اس لئے قرآن کو ان کی تصریح کی بھی ضرورت نہیں، اور وہ تین مہینے شوال، ذیقعدہ و ذی الحجہ ہیں، اصل ارکانِ حج تو ذی الحجہ کے دُوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں، لیکن احرامِ حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہوجاتا ہے۔ احرام اُس خاص پوشش کا نام ہے جو حدودِ حرم یا میقات میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی و زائر پر واجب ہوجاتی ہے۔ یہ پوشش اور کچھ نہیں، صرف بے سلی ہوئی چادریں ہونی چاہئیں۔ حنفیہ کے ہاں احرام جب چاہے باندھا جاسکتا ہے۔ گو قبلِ شوال ناپسندیدہ ہے۔ جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں احرام رکنِ حج نہیں صرف شرطِ حج ہے، جیسے وضو کہ رکنِ نماز نہیں، صرف شرطِ نماز ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا ناجائز ہے۔ یہ اسلئے کہ شافعیؒ کے نزدیک احرام رکنِ حج ہے، اور کسی رُکنِ حج کی ادائی قبل موسمِ حج درست نہیں۔ الْحَجُّ۔ روزانہ پنج وقتہ نماز باجماعت، مہینہ بھر کے روزوں، اور مال کے ۱/۴۰ حصہ کی زکوٰۃ کی طرح حجِ بیت اللہ بھی اسلام کی اُن عبادتوں میں سے ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں بیگانوں کو بھی خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ اور مستشرقین کے رُعب افگن نام سے فرنگی اہلِ علم و اہلِ قلم کا جو طبقہ ہے، اُس نے تو اس کے ظاہری منافع اور اجتماعی مصالح پر بار بار رشک کیا ہے اور اسے اکثر عالمِ اسلامی کی سالانہ کانگرس سے تعبیر کیا ہے۔ ۷۲۹ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ۔ یعنی موسمِ حج میں ادائے حج کی نیت کرلے، اور اسے اپنے اُوپر واجب کرلے۔ اے اوجبه علٰی نفسه (ابن قتیبه) فمن الزمه نفسه (کشاف) الفرض اصله وجوب الشیٔ (ابن قتیبه) لیکن اپنے اُوپر لازم کرلینے کی عملی اور معتبر علامت کیا ہے بعض ائمہ کے نزدیک صرف نیت کرلینا کافی ہے۔ لیکن حنفیہ نے بعض صحابیوں اور تابعین کی طرح اس کی علامت، پوششِ احرام کو قرار دیا ہے۔ الفرض الاحرام (ابن جریر عن ابن عباس) فرض الحج الاحرام (ابن جریر عن عطاء والحسن) ولزم علٰی نفسه بالاحرام (مدارک) قال ابن عباس والحسن وقتادة ھی احرام (جصاص) ۷۳۰ (بلکہ اس سارے زمانہ میں اپنے آپ کو عبادت و ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھو) ایامِ صوم کی طرح یومِ حج کو بھی اعمالِ خیر کے ساتھ مناسبت خاص حاصل ہے۔ اور جو چیزیں حرام ہیں، وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں۔ باقی جو امور جائز و مباح ہیں، ان میں بھی بہت سی چیزوں سے زمانۂ صیام کی طرح حالتِ احرام میں دستبردار ہونا چاہیئے۔ جملہ صورۃً خبریہ ہے لیکن معنیً نہی ہے، اور وہ بھی تاکید کے ساتھ یعنی ان سب امور سے ممانعت کا قطعاً حکم ہورہا ہے۔ وان کان ظاھرہ الخبر فھو نھی عن ھذہ الافعال وعبر بلفظ النفی عنھا لان المنھی عنه سبیله ان یکون منفیا غیر مفعول (جصاص) نفی الثلاثة علی قصد النھی للمبالغة (بیضاوی) فِی الْحَجِّ۔ یعنی اس زمانۂ حج میں، حالتِ احرام میں۔ فی وقته وکان موضعه (قرطبی) اے فی ایامه (روح) فَلَا رَفَثَ۔ رفث کا مفہوم عام ہے، ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔ الرفث کلام متضمن لما یستقبح ذکرہ من ذکر الجماع ودواعیه (راغب) الرفث کلمة جامعة لما یرید الرجال من اھله (قرطبی) وقال قوم الرفث الافحاش بذکر النساء کان ذٰلك بحضرتھن ام لا (قرطبی) یہاں مُراد شہوانی تذکرے ہیں۔ تابعین اور بعض صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ دواعی و مبادی مباشرت کو اس کے تحت میں شامل کیا ہے۔ قال ابن عمر

التھلکۃ ۔ لفظی معنی ہلاکت کے ہیں ۔ یہاں مُراد یہ ہے کہ اُمت کی ضرورت کے موقع پر بخل کر کے اُمت کو بربادی میں نہ ڈالو، اور یہی معنی ابن عباسؓ، ابوایوب انصاریؓ، اور حذیفہؓ صحابیوں سے، اور حسن اور قتادہ و عکرمہ اور عطا تابعین سے مروی ہیں اور محدث
جلیل امام بخاری نے بھی یہی معنی اختیار کئے ہیں ۔ بترك الانفاق فی سبیل الله وهو قول حذیفة والحسن وقتادة وعکرمة وعطاء (معالم) وقال حذیفة بن سلیمان وابن عباس وعکرمة وعطاء ومجاهد وجمهور الناس المعنی لاتلقوا بایدیکم
ان تترکوا النفقة فی سبیل الله ولاتخافوا العیلة والی هذا المعنی ذهب البخاری اذ لم یذکر غیره (قرطبی) التهلکة الاقامة فی الاهل والمال وترك الجهاد (کشاف عن ابی ایوب الانصاری) بعض نے یہ معنی بھی لئے ہیں کہ بہت زیادہ خرچ کر کے
اپنے کو تباہ حال نہ کر دو ۔ وقال الجبائی التهلکة الاسراف فی الانفاق (روح) ای بالاسراف وتضییع وجه المعاش (بیضاوی) قیل هو الاسراف فی الانفاق حتی لایجد ما یاکل ویشرب فیتلف (جصاص) ۷۱۴ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ
کی جانب رغبت والتفات، ناپسندیدگی و بیزاری کے افعال وصفات بار بار منسوب کئے ہیں ۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ کے لئے ہے کہ یحب المحسنین ۔ ان سارے افعال وصفات کے لانے سے ایک بڑا مقصود اُن گمراہ قوموں کی تردید ہے جو وجود
باری کے تو قائل ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کو صفاتِ کمال و جمال سے معرّیٰ ایک طرح کا محض جامد، بے جان، بے حس، علت العلل سمجھے ہوئے ہیں! ــــــ اسلام کا خدا، قرآن کا خدا، ہر معنی میں ایک زندہ خدا، بیدار، متحرک، فعّال خدا ہے ۔ خوش بھی ہوتا
ہے ناخوش بھی ۔ مخلوق کو محبوب بھی رکھتا ہے، مبغوض بھی، صلہ بھی دیتا ہے اور سزا بھی ۔ اَحۡسِنُوۡا ۔ یعنی جو کچھ بھی کرو حسنِ نیت و اخلاص کے ساتھ کرو محض بیگار سمجھ کر بوجھ سا نہ اُتارو ۔ صحابیوں سے اسی قسم کے معنی مروی ہیں ۔ ای احسنوا
اعمالکم بامتثال الطاعات روی ذلك عن بعض الصحابة (قرطبی) احسنوا اعمالکم واخلاقکم (بیضاوی) ۷۱۵ یعنی جب یہ عبادتیں بجا لاؤ، تو اللہ کی رضا جوئی ہی کے لئے بجا لاؤ ۔ اخلاص نیت کے ساتھ، اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے قاعدوں اور

الۡهَدۡیِ ؕ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡهَدۡیُ
(اُسے پیش کر دو) ۷۱۶ اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے اپنے سر نہ
مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًی
مُنڈاؤ ۷۱۷ لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو ۷۱۸ یا اُس کے سر میں
مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡیَةٌ مِّنۡ صِیَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ
کچھ تکلیف ہو ۷۱۹ تو وہ روزوں سے یا خیرات سے یا ذبح سے
اَوۡ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ ٝ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ
فدیہ دیدے ۷۲۰ لیکن جب تم حالت اطمینان میں ہو ۷۲۱ تو پھر جو شخص عمرہ سے مستفید ہوا اُسے
اِلَی الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَیۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡیِ ۚ فَمَنۡ
حج سے ملا کر تو جو قربانی بھی اُسے مُیسّر ہو، وہ کر ڈالے ۷۲۲ اور جس کسی کو
لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الۡحَجِّ وَ
مُیسّر ہی نہ آئے ۷۲۳ وہ تین دن کے روزے زمانۂ حج میں رکھ ڈالے، اور
سَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ ؕ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ
سات روزے جب تم واپس ہو یہ پُورے دس (روزے) ہوئے ۷۲۴
ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ یَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِی الۡمَسۡجِدِ
یہ ۷۲۵ اُس کے لئے (درست) ہے جس کے اہل مسجد حرام کے قریب
الۡحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ
نہ رہتے ہوں ۷۲۶ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جانے رہو، کہ اللہ سخت گرفت کرنے والا

منزل ۱

ضابطوں کے ساتھ، تمام ممنوعات سے محترز رہ کر یہ نہ ہو کہ کسی طرح اُلٹے سیدھے ادا کر کے ان عبادتوں کو بھی ناقص و فاسد بنا دو ۔ ای افعلوا الحج والعمرة علی نعت الکمال والتمام (کبیر) وظاهر السباق بالکمال افعالهما بعد الشروع فیهما (ابن کثیر) ای ادوهما تامین بشرائطهما وفرائضهما لوجه الله تعالیٰ بلا توان ولانقصان (مدارک) حضرات صحابہؓ و تابعینؒ سے متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں لیکن سب سے جامع تفسیر مقاتل تابعی کی ہے کہ اس درمیان میں کوئی ایسی چیز نہ کرو کہ جو ان عبادتوں کے غیر شایاں ہو ۔ الا تفعلوا فیهما مالا ینبغی لکم (قرطبی) لِلّٰهِ کی تفسیر میں ایک فقیہ مفسر ابن العربی مالکیؒ نے یہ نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے کہ اعمال تو سارے کے سارے اللہ کی جانب منسوب ہوتے ہی ہیں، خلق، علم، ارادہ وغیرہ ہر لحاظ سے یہاں اس تائید و تخصیص سے مقصود اس امر کی تنبیہ ہے کہ حج و عمرہ کا قصد، میلہ ٹھیلہ سمجھ کر نہ ہو، تفاخر کی راہ سے نہ ہو، تجارتی ضروریات سے نہ ہو، اخلاص محض کے ساتھ، قرب و رضائے الٰہی کی نیت سے ہو ۔ وفائدة هذا التخصیص ان العرب کانت تقصد الحج للاجتماع والتناصر والتظاهر والتنافر والتفاخر وقضاء الحوائج وحضور الاسواق ولیس لله تعالیٰ فیه حظ یقصد ولاقربة تعتقد فامر الله سبحانه بالقصد الیه لاداء فرضه وقضاء حقه (احکام القرآن) ۷۱۶ یعنی اگر کسی دشمن کی روک تھام کے باعث، یا کسی بیماری وغیرہ سے معذور ہو کر راستہ ہی میں رُک جانا پڑے اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو، تو قربانی کا جانور جو ساتھ میں ہو، اُسے وہیں ذبح کر دو، اور احرام کھول ڈالو ۔ عازم حج جب کسی معذوری کی بنا پر راہ ہی میں رُک گیا، اور اب قصد حج پورا نہیں کر سکتا، تو اب احرام سے باہر آنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے ۔ اِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ ۔ احصار کے لفظی معنی گھر جانے کے ہیں ۔ خواہ کسی سبب سے بھی ہو ۔ ائمہ لغت سے یہی عام مفہوم منقول ہے ۔ الاحصار المنع من طریق البیت یقال فی المنع الظاهر کالعدو والمنع الباطن کالمرض (راغب) قال الفراء ان لفظ الاحصار یفید الحبس والمنع سواء کان بسبب العدو او بسبب المرض (کبیر) قال الکسائی وابو عبیدة واکثر اهل اللغة الاحصار المنع بالمرض او ذهاب النفقة (جصاص) چنانچہ فقہاء حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں لیا ہے ۔ اور یہی معنی بعض فقہاء صحابہ و تابعین سے منقول ہیں ۔ ذهب الامام ابو حنیفة الی انه المراد به مایعم، کل منع من عدو ومرض وغیرهما (روح) روی عن ابن مسعود وابن عباس العدو والمرض سواء وهو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد وزفر والثوری (جصاص) ولما کان اصل الحصر الحبس قالت الحنفیة المحصر من یصیر ممنوعا من مکة بعد الاحرام بمرض او عدو او غیر ذلك واحتجوا بمقتضی الاحصار مطلقا (قرطبی) ای منعتم بای عذر کان قاله مجاهد وقتادة وابو حنیفة (ابن العربی) البتہ امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے باعث ہو سکتا ہے ۔ المراد من الاحصار هنا حصر العدو وعند مالك والشافعی (روح) وعند الشافعی الاحصار بالعدو وحده (مدارک) ای بالعدو خاصة قاله ابن عمر وابن عباس وانس والشافعی هو اختیار علمائنا (ابن العربی) ۷۱۷ (جو علامت ہے مناسک حج کے تمام ہو جانے اور حالت احرام سے باہر آ جانے کی) مَحِلَّهٗ یعنی موضع حرم ۔ قربانی کی اصل جگہ وہی ہے ۔ ای مکانه الذی یجب نحره فیه وهو الحرم (مدارک) جب عازم حج خود وہاں پہنچنے سے

معذور ہو جائے تو قربانی کا جانور وہاں بھیجدے ۔ وہیں اُس کی قربانی کر دی جائے گی ۔ هَدۡی کے لفظی معنی محض اُس پیشکش کے ہیں، جو خانہ کعبہ کے لئے بھیجا جائے ۔ الهدی مختص بما یهدی الی البیت (راغب) وهو ما یهدی الی بیت الله
من بدنة او غیرها (قرطبی) حنفیہ نے بھی اسی عام معنی میں رکھا ہے، اور قربانی کا ہر جانور اس سے مُراد لیا ہے ۔ اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ سے بھی یہی مذہب منقول ہے ۔ فقال ابو حنیفة وابو یوسف ومحمد وزفر ومالك والشافعی
الهدی من اصناف الثلثة الابل والبقر والغنم وهو قول ابن شبرمة (جصاص) بعض ائمہ کے نزدیک اس کا اطلاق قربانی کے صرف اونٹ پر ہوتا ہے ۔ ۷۱۸ (ایسے مرض میں کہ اس کی وجہ سے سر کے بال اُتروانے کی ضرورت پڑ جائے) مرضا
یحوجه الی الحلق (بیضاوی) ۷۱۹ مثلاً درد، زخم، وغیرہ سے، اور اس لئے سر منڈانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو ۔ ۷۲۰ معذوروں کو اجازت ہے کہ قبل از وقت ہی سر منڈا ڈالیں، اور اس کا شرعی فدیہ دے دیں ۔ ففدیة ۔ من راسه کے
بعد عبارت مقدر یوں ہے ۔ فحلق فعلیه فدیة ۔ فیه اضمار ای فحلق فعلیه فدیة (معالم) اور اس فدیہ کی تین صورتیں ہیں ۔ یا روزے رکھ لئے جائیں، یا مسکینوں کو صدقہ دے دیا جائے، یا قربانی کر دی جائے ۔ مِنۡ صِیَامٍ ۔ جمہور فقہاء کا مسلک
حدیث صحیح کی بنا پر تین روزے رکھنے کا ہے ۔ جمهور فقهاء المسلمین علی ان الصوم ثلثة ایام وهو محفوظ صحیح فی حدیث کعب بن عجرة (قرطبی) اَوۡ صَدَقَةٍ ۔ کھانا اگر دیا جائے تو چھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی مقدار کے مساوی دیا جائے
علی ستة مساکین لکل مسکین نصف صاع من بر (مدارک) ... فیحصل من ذلك ان یکون من التمر ستة اصوع ومن الحنطة ثلاثة اصوع والمساکین الذین یتصدق علیهم ستة بلا خلاف (جصاص) اَوۡ نُسُكٍ ۔ نسک سے مراد بالاتفاق ذبح
ہے ۔ یقال نسکت لله ای ذبحت لله (ابن قتیبہ) النسیکة مختصة بالذبیحة (راغب) یہ قربانی کم از کم ایک بکری کی ہونی چاہئے اور اس سے بہتر یہ ہے کہ ایک گائے یا اونٹ کی ہو ۔ ولاخلاف بین الفقهاء ان ادناه شاة وان شاء جعله
بعیرا او بقرة (جصاص) اعلاه بدنة واوسطه بقرة وادناه شاة (معالم عن الحسن وقتادة) روزہ، صدقہ، قربانی، تینوں صورتیں فدیہ و کفارہ کی یکساں ہیں، جو شق بھی پسند آئے، اختیار کی جا سکتی ہے ۔ لاخلاف انه مخیر بین
هذه الاشیاء الثلاثة یبتدی بایها شاء وذلك مقتضی الایة وان تخییر (جصاص) وعامة الاثار عن کعب بن عجرة وردت بلفظ التخییر وهو نص القران وعلیه مضی عمل العلماء فی کل مصار وفتواهم (قرطبی) ۷۲۱ یہ مقابلہ اس
حالت خطر و مرض کے جس کا ذکر شروع آیت میں فان احصرتم میں آ چکا ہے ۔ اور جس طرح وہاں ایک عام و جامع لفظ احصار آیا تھا، یہاں بھی ایک عام و جامع لفظ امن آیا ہے، جو مرض کے دور ہو جانے پر بھی اسی طرح حاوی ہے جس طرح خطرہ
دشمن کے دفع ہو جانے پر ۔ اصل الامن طمانیة النفس وزوال الخوف (راغب) معناه برأتم من المرض وقیل خوفکم من العدو وقاله ابن عباسؓ وقتادة وهو اشبه باللفظ الا ان تحمل الخوف من المرض فیکون الامن منه (قرطبی)

٧٠٤ (خالصۃً۔ اور کفر و شرک ہر دینِ باطل کا زور ٹوٹ کر رہے) ذکر وہی خطۂ عرب کی خالص اسلامی حکومت کا چل رہا ہے کہ کم از کم اس "پاکستان" میں کفر و ترغیباتِ کفر کے لئے موقع ہی باقی نہ رہیں۔ یکون الاسلام والعبادۃ للہ فی الحرم (ابن عباسؓ) اے یکون دین اللہ ھو الظاہر العالی علیٰ سائر الادیان (ابن کثیر) خالصًا لیس للشیطان فیہ نصیب (مدارک) الدِّيْنُ۔ دین سے مراد اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اما الدین الذی ذکرہ اللہ فی ھذا الموضع فھو العبادۃ والطاعۃ للہ فی امرہ ونھیہ (ابن جریر) الدین ھٰذا الطاعۃ اے لایکون الانقیاد خالصًا للہ (بحر) والدین الشرعی ھو الانقیاد للہ عزوجل والاستسلام لہ علیٰ وجہ المداومۃ والعادۃ (جصاص) ٧٠٥ (اپنے کفر و انکار سے، اور ملتِ اسلامیہ میں داخل ہو جائیں) عن قتالکم ودخلوا فی ملتکم واقروا بما الزمکم اللہ من فرائضہ (ابن جریر) عن الکفر واسلموا (معالم) ٧٠٦ (جو اسی بے انصافی کی راہ سے ابتک دینِ توحید تک سے منکر ہیں) اور جب یہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے، تو ظاہر ہے کہ اب اپنے حق میں ظالم باقی نہیں رہے۔ اور اب ان کے حق میں سزائے قتل وغیرہ کا حکم باقی نہ رہا۔ فلا سبیل لکم بالقتل (ابن عباسؓ) عُدْوَانَ۔ اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ والمراد من العدوان ھٰھنا المعاقبۃ والمقاتلۃ (ابن کثیر) اے العقوبۃ بالقتل (روح) عربی اسلوبِ بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاءِ عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کیلئے ہوتا ہے، مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال! استہزاء کے معاوضہ میں لفظ استہزاء وقس علیٰ ہٰذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے۔ اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عدوان کے موقع پر خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔ ومن العدوان الذی ھو علیٰ سبیل المجازاۃ قولہ فلا عدوان الا علی الظٰلمین (راغب) انہ ذٰلک علیٰ وجہ المجازاۃ لما کان من المشرکین من الاعتداء (ابن جریر) سمّی جزاء الظٰلمین ظلمًا للمشاکلۃ (کشاف) اراد ھٰھنا بالعدوان الجزاء یقول لاجزاء ظلم الا علیٰ ظالم (ابن قتیبہ) ٧٠٧ یعنی کسی

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ
اور دین اللہ ہی کے لئے رہ جائے ۷۰۴ سو اگر وہ باز آجائیں ۷۰۵ تو سختی (کسی پر بھی) نہیں،
اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ١٩٣ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ
بجز (اپنے حق میں) ظلم کرنیوالوں کے ۷۰۶ حرمت والا مہینہ تو حرمت والے مہینہ کے عوض
الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى
میں ہوتا ہے ۷۰۷ اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں، ۷۰۸ تو جو کوئی تم پر زیادتی
عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى
کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی
عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
کی ہے ۷۰۹ اور اللہ سے ڈرتے رہو ۷۱۰ اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں
الْمُتَّقِيْنَ ١٩٤ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
کے ساتھ ہے ۷۱۱ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو ۷۱۲ اور
تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ٻ وَاَحْسِنُوْا ڔ
اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو ۷۱۳ اور اچھے کام کرتے رہو
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ١٩٥ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ
یقیناً اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۷۱۴ اور حج اور عمرہ کو
وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ
اللہ کے لئے پورا کرو ۷۱۵ پھر اگر گھر جاؤ، تو جو بھی قربانی کا جانور میسر ہو،

ع

مہینہ کی حرمت کی بنیاد تو بس اسی پر ہے کہ دوسرا فریق بھی اس کی حرمت ملحوظ رکھے گا، اور اگر یہ نہیں تو پھر کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد ہی نہیں۔ یہ چیز تو محض عوضِ معاوضہ کی، اور طرفین کے تعامل پر مبنی ہے۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ۔ کے لفظی معنی ہیں "حرمت والا مہینہ"۔ عرب کے قبائل آپس میں سخت جنگجو چلے آتے تھے لیکن آپس میں یہ بھی ٹھہر گئی تھی، کہ سال میں چار مہینے جنگ بند رہے، اور یہ زمانہ امن و صلح کے ساتھ گزارا جائے، اور یہ چار مہینے یہ تھے:۔ محرم۔ سنہ قمری کا پہلا مہینہ۔ رجب۔ سنہ قمری کا ساتواں مہینہ۔ ذی قعدہ۔ سنہ قمری کا گیارہواں مہینہ۔ ذی الحجہ۔ سنہ قمری کا بارہواں مہینہ۔ یہاں اشارہ ذی قعدہ ۶ھ کی جانب ہے۔ رسول اللہ صلعم بقصد عمرہ اس وقت صحابیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے، لیکن مشرکین آمادۂ قتال ہو گئے تھے، بلکہ تیر اندازی اور سنگ اندازی شروع کر دی تھی۔ عرب جاہلیت اپنی جہالت، شقاوت، جنگجوئی کیلئے بدنام اور بالکل بجا طور پر بدنام ہے۔ لیکن اس کے باوجود سال کی صرف دو تہائی لڑتے تھے، اور باقی ⅓ حصہ امن و آشتی ہی کے مشغلہ میں گزار دیتے تھے۔ ـــــ یہ کمال تو جاہلیتِ جدید یا جاہلیتِ فرنگ ہی کیلئے اٹھا رکھا تھا کہ فرنگی قوموں کے بڑے بڑے سورما اتوار دیکھیں، نہ بڑا دن، نہ ایسٹر، نہ گڈ فرائیڈے، نہ کوئی موسم نہ کوئی مہینہ، ہر روز اور ہر ہفتہ، ہر مہینہ اور ہر موسم میں، توپیں اور ٹینک اور ہوائی بم ہیں کہ ایک دوسرے کی جانیں لینے پر تلے ہوئے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر اڑے ہوئے رہتے ہیں! ٧٠٨ (پس جو تم سے ان حرمتوں کی رعایت کرے، تم بھی ان سے حرمتوں کی رعایت ملحوظ رکھو) قصاص کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں، خواہ وہ معاوضہ قولی ہو، یا عملی یا جسمانی۔ اور یہاں عملی بدلہ مراد ہے یعنی جیسا تمہارے فریقِ مقابل نے تمہارے ساتھ کیا، تم اسکے ساتھ کرو۔ قصاصٌ اے بدلٌ (ابن عباسؓ) القصاص ھو المجازاۃ من جھۃ الفعل او القول او البدن وھو فی ھٰذا الموضع من جھۃ الفعل (ابن جریر) القصاص المساوات والمماثلۃ وھو ان یفعل بالفاعل مثل ما فعل (معالم) یہاں کافروں پر تعریض ہے، کہ خود تو ان مقدس مہینوں کا ذرا پاس لحاظ نہیں کرتے اپنی کسی حرکت سے بھی باز نہیں رہتے، اور مسلمانوں سے توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کے سارے ظلم اور زیادتیوں پر اس لئے خاموش رہیں گے کہ یہ مقدس مہینے ہیں! والحاصل ان حرمۃ الشھر الحرام لما لم تمنعھم عن الکفر والافعال القبیحۃ فکیف جعلوہ سببًا فی ان یمنع القتال من شرھم وفسادھم (کبیر) ٧٠٩ یعنی اگر فریقِ مقابل قتال شروع کر دے، تو تم بھی برابر جواب دو۔ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ مثلاً ایک زیادتی یہی، کہ دشمن ان مہینوں کا احترام نہ کرے، بلکہ تم سے جنگ شروع کر دے فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ۔ یہاں مسلمانوں کے اس جوابی اور دفاعی کارروائی کو محض مجازاً اور محاورۂ زبان کے اعتبار سے اعتداء فرما دیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ زیادتی کے جواب میں جو کارروائی بطور سزا کی جائے، اس پر حقیقۃً زیادتی کا اطلاق ہو کیونکر سکتا ہے؟ عربی زبان کے قاعدۂ مشاکلت الفاظ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے، پس وہی صورت یہاں بھی ہے، اور محض لفظی تطابق کی بنا پر یہاں سزائے اعتداء کو خود اعتداء سے تعبیر کر دیا گیا ہے، اہل لغت اور اہل تفسیر دونوں کے ہاں یہ تصریح منقول ہے۔ اے قابلوہ بحسب اعتدائہ وتجاوزوا الیہ بحسب تجاوزہ (راغب) انہ بمعنی المجازاۃ واتباع لفظ لفظًا وان اختلف معناھما (ابن جریر) انما سمی الفعل الثانی اعتداءً وھو معقول بحق حملاً للثانی علی الاول علیٰ محاورۃ العرب (ابن العربی) ٧١٠ (ان سارے احکام و معاملات میں، اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں) یہ اسلام ہی کا معجزانہ کمال ہے

کہ ایک طرف تو قتال اور انتقام کی اجازت پوری پوری دی اور دوسری طرف آخر میں پھر یہ بھی یاد دلا دیا کہ دیکھنا، حدود سے تجاوز کسی حال میں بھی نہ ہو۔ جوش پر قابو بہر صورت رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ الٹی زیادتی تم اپنی طرف سے حالتِ انتقام میں کرنے لگو۔ خوفِ خدا باز پرس کا خیال، ہر وقت مستحضر رہے، جو کچھ بھی ہو، شدید اشتعال کے موقع پر بھی، ہیجانِ نفس کے ماتحت نہیں خشیتِ الٰہی ہی کے ماتحت ہو! واتقوا ایھا المؤمنون فی حرماتہ وحدودہ ان تعتدوا فیھا (ابن جریر) اللہ اکبر! اس حکیمانہ امتزاج کی نظیر دنیا کے کسی قانون، کسی آئین، کسی نظام کے اندر ملے گی؟ ٧١١ اللہ اللہ کتنی بلند و پرحکمت تعلیم ہے۔ ابھی ابھی انتقام میں بھی اہل ایمان پر تقویٰ کی زبردست قید عاید کی جا چکی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان احکام سے کہیں پست ہمت نہ ہو جانا، اور یوں نہ خیال کرنے لگنا، کہ "حدود و قیود" عائد کر کے پُرزور مقابلہ سے روکا جا رہا ہے، اور ان کے بعد دل کے حوصلے پوری طرح کیونکر نکل سکیں گے؟ تو یہ بات نہیں ہے، بلکہ قانون الٰہی یہ ہے کہ اللہ کی فتح و نصرت، رحمت و عنایت شاملِ حال انہی لوگوں کے رہتی ہے، جو اس کی خشیت و عظمت اپنے دل میں رکھتے ہیں اور متقی ہوتے ہیں! ـــــ تقویٰ کی تاکید عین نصرت و ہمت افزائی کے لئے ہے ضعف پیدا کرنے کیلئے نہیں۔ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ متقین کے ساتھ اللہ کی معیت کی آخر نوعیت کیا ہوتی ہے؟ محققین کا فیصلہ ہے کہ اللہ کی معیت بلحاظ اس کی نصرت، اعانت، حفظ، علم وغیرہ کے ہوتی ہے نہ کہ کسی جسمانی یا مادی اعتبار سے۔ اے بالمعونۃ والنصرۃ والحفظ والعلم (کبیر) النصر والعون (روح) بالنصرۃ والتمکین والتائید (بحر) اور یہیں سے امام رازیؒ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ مجسم نہیں اور نہ وہ کسی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے جیسا کہ جسم کسی متعین جگہ کو اپنے سے لبریز کر دیتا ہے۔ وھٰذا من اقوی الدلائل علیٰ انہ لیس بجسم ولا فی مکان (کبیر) ٧١٢ (اپنا مال، جان قربان کر ڈالنے کا حکم تو قتال کے ذیل و ضمن میں آچکا، اب حکم صرف مال کا مل رہا ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس قید کا خوب خیال رہے، اسلام میں جس طرح محض جان دے دینا مطلوب و مقصود نہیں، بلکہ وہ جان دینا مطلوب و مقصود ہے، جو خدا کی راہ میں ہو، اللہ کے دین کی بڑائی کیلئے ہو، اسی طرح مطلق صرفِ مال کی ہرگز کوئی وقعت و قدر نہیں۔ قدر صرف اس صرفِ مال کی ہے جو باطل کی راہ میں نہیں، حق کی راہ میں ہو، ہوائے نفس کی تکمیل کے لئے نہیں، رضائے الٰہی کے حصول کیلئے ہو۔ یہاں اشارہ خاص جہاد و قتال کی جانب ہے لیکن فی سبیل اللہ کے الفاظ عام ہیں۔ ہر دینی خدمت میں مالی امداد اس کے تحت میں آجاتی ہے یعنی فی طاعۃ اللہ (قرطبی) ٧١٣ (جان یا مال میں بخل کر کر کے) قرآن مجید میں جب صیغۂ جمع حاضر آتا ہے تو کبھی تو افراد مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی جماعت۔ یہاں اصل مخاطبت امت سے بہ حیثیت مجموعی ہے۔ اور بیان یہ حقیقت ہو رہی ہے کہ افراد امت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی، اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل کیا، تو نتیجہ لازمی طور پر ساری امت کی تباہی، بربادی، ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ۔ اصل تقدیرِ کلام یوں ہے:۔ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم یا انفسکم انتصاب کو محذوف ہے قیل تقدیرہ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم (کشاف) اے لا توقعوا انفسکم فی الھلاک (بیضاوی)

اور اُن کی خونریزیاں اور خون آشامیاں، تو اُن کی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملے گی۔ عیاں راچہ بیاں! اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحمدلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اس کا اعتراف تو خود مسیحی اہل قلم کو ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو Finlays' Greece under the Romans. صفحہ ۳۵۳۔ نیز Bosworth Smith's Mohammad & Mohammadanism صفحہ ۲۱۷ و صفحہ ۲۱۵۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں ابھی ابھی تقویٰ کی تاکید آچکی ہے اب اُسی مناسبت سے ذکر تقویٰ کی شدید ترین اور نفس کے لئے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔ لما امرھا التقوی امر فی ھذہ الاٰیۃ باشد اقسام التقوی واشقھا علی النفس (کبیر) ۶۹۶ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اِعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔ حد سے مراد حد شریعت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش یا فتحمندی کے زور میں بے تحاشا غنیم کے مصافی و غیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کر دیا جائے۔ اُن کے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگا دی جائے، اُن کے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے جانے لگیں، وَقِس علیٰ ہذا۔ قرآن نے دُنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اُسی حد تک جائز ہے جس حد تک ناگزیر ہے۔ حد سے مراد حدِ معاہدہ بھی ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ بدعہد و پیمان شکن قوموں کی دیکھا دیکھی خود بھی معاہدوں کی پروا نہ کی جائے، اور عہد شکنی کی ابتداء اپنی طرف سے کر کے ہلّہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے۔ اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔ ای لاتعتدوا بابتداء القتال او بقتال المعاھد او المفاجاۃ بہ من غیر دعوۃ او المثلۃ او قتل من نھیتم عن قتلہ (بیضاوی) ای لاتعتدوا بوجہ من الوجوہ (روح) اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لئے شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔ ای لاتقاتلوا علی غیر الدین (ابن العربی) المعنی لاتعتدوا فی القتال لغیر وجہ اللہ کالحمیۃ وکسب الذکر (قرطبی) غلبہ و اقتدار کے وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے مرتبہ اعلیٰ کا مقام ہے۔ اچھے اچھوں کی عقل، متانت اور قوت عدل و توازن اُس وقت جواب دے دیتی ہے اور کل کے مظلوم، بیساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیرووں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا، افراد اُمت کو بحکمت اخلاق فاضلہ کے بلند سے بلند مقام پر پہونچا دینا ہے۔ اور پھر جب یاد کر لیا جائے، کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری ہے، جب معاہدہ حدیبیہ کے دوسرے سال مسلمان عُمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہو رہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ کر جنگ شروع کر دیں گے، اور اُسکے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہو جائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور امتناعی حکم کی قدر و منزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے! پھر فتحمندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسولؐ کے صحابیوں، اور خلافتِ اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں محض تاریخ کا ہے ۶۹۷ وَاقْتُلُوْهُمْ میں ھم کی ضمیر اُنہی لوگوں کی طرف ہے جو مسلمانوں سے لڑنے نکلے ہیں۔ والضمیر عائد الی الذین امر لقتلھم فی الاٰیۃ الاُولیٰ (کبیر) حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ۔ یعنی ان مقاتلین محاربین مکہ کو جہاں کہیں بھی پکڑ پاؤ، اور جب کبھی اُن پر غلبہ حاصل کر پاؤ، قتل کر دو۔ ھم الکفار من اھل مکۃ فامر اللہ تعالیٰ بقتلھم حیث کانوا فی الحلّ والحرم وفی الشھر الحرام (کبیر) ای حیث وجد تموھم من حِلّ او حرم (ابو سعود) وَاقْتُلُوْا کے صیغۂ جمع سے فقہاء حنفیہ نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ قتال و جہاد فریضۂ انفرادی نہیں ہے، امام کی معیّت میں ہے۔ لشکر کا وجود وجوب بطور عبارۃ النص کے نکلا اور امام کا بطور اقتضاء النص کے، کہ لشکر کا انتظام و اجتماع بغیر ایک امام کے ممکن نہیں۔ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ۔ یعنے سرزمین مکہ سے۔ مِنْ حَیْثُ کے معنی "حال سے" کے علاوہ "جس طرح" کے بھی ہیں۔ وَاقْتُلُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ۔ مُراد یہ ہے کہ سرزمین مکہ سے انہیں چاہے مارو، چاہے نکالو، جو بھی تمہیں اپنی قدرت و مصلحت کے مطابق نظر آئے۔ والمراد افعلوا کل ما تیسر لکم من ھٰذین الامرین فی حق المشرکین (روح) ۶۹۸ (اپنی مضرتوں اور مفسدوں کے لحاظ سے) مفسر تھانویؒ نے خوب لکھا ہے کہ مشرکوں کی شرارت جسے یہاں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، وہی تو اصل جڑ تھی اور اخراج و قتل، وغیرہ اس کی سزائیں تو محض فرع ہوئیں۔ الفتنۃ، فتنہ سے مراد شرک یا اس کی ترغیب و تحریص اور اہل توحید کی تخویف ہے۔ الفتنۃ الشرک باللہ وعبادۃ الاوثان (ابن عباسؓ) اقدام الکفار علی الکفر وعلی تخویف المؤمنین (کبیر) روی عن جماعۃ من السلف ان المراد بالفتنۃ ھٰھنا الکفر، قیل انھم کانوا یفتنون المؤمنین التعذیب بکر ھونھم علی الکفر (جصاص) کفر و ترغیب کفر کو فتنہ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ نظام کفر آخر دُنیا کو فتنہ و فساد، کشت و خون، غدر و بدامنی ہی کی طرف لیجاتا ہے۔ انما سمی الکفر بالفتنۃ لانہ فساد فی الارض یؤدی الی الظلم والھرج وفیہ الفتنۃ (کبیر) اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی حرم میں قتل و خون سے بھی شناعت میں کہیں بڑھا ہوا درجہ اس مرکز توحید و ایمان میں شرک اشاعتِ شرک و تبلیغ شرک کا ہے۔ اشدّ من القتل فی الحرم (ابن عباسؓ) ای شرکھم باللہ اعظم من القتل الذی یحل بھم منکم (مدارک) یجوز ان یراد فتنتھم ایاکم بصدکم عن المسجد الحرام اشد من قتلکم ایاھم فی الحرم (کشاف) یعنی کفرھم وتعذیبھم المؤمنین فی البلد الحرام وفی الشھر الحرام اشد واعظم ماثماً من القتل فی الشھر الحرام (جصاص) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکہ والوں کی یہ مسلسل و غیر منقطع تعدّیاں اور مظالم قتل سے بھی کہیں زیادہ سخت و ناقابل برداشت ہیں۔ اور بعض قدیم اکابر کی نظر بھی اسی پہلو کی طرف گئی ہے۔ ای المحنۃ التی یفتتن بھا الانسان کالاخراج من الوطن اصعب من القتل لدوام تعبھا وبقاء تالم النفس بھا (بیضاوی) ای المحنۃ والبلاء الذی ینزل بالانسان یتعذب بہ اشدّ علیہ من القتل (کشاف) الاخراج من الوطن لما فیہ من مفارقۃ المالوف والاحباب وتنغیص العیش دائماً (بحر) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مُراد وہ ابدی عذاب اُخروی ہے جو انہیں کفر کی سزا میں ملے گا۔ گویا ارشاد یہ ہے کہ وہ دائمی عذاب دُنیا کی سزائے قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور عذاب پر اس معنی میں فتنہ کا اطلاق جائز ہے المراد من الفتنۃ العذاب الدائم الذی یلزمھم بسبب کفرھم (کبیر) واطلاق اسم الفتنۃ علی العذاب جائز وذٰلک من باب اطلاق اسم السبب علی المسبب (کبیر) والکفر باللہ یقتضی العذاب ائماً والقتل لیس کذٰلک (بحر) ۶۹۹ کہ یہاں قتال کی ابتدا بلاوجہ اور بلاضرورت کر دینے سے حدودِ حرم کی ہتک لازم آتی ہے۔ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف یا مسجد کعبہ کے گرد و نواح میں کئی کئی میل کا پورا علاقہ جو اصطلاح میں حرم کہلاتا ہے۔ اور اسکے احترام کے خاص آداب و قواعد ہیں۔ عندنا المسجد الحرام یقع علی الحرم کلہ (مدارک) نزول آیت کے وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اُس پاس معاہدہ کے علاوہ مسلمانوں کے لئے یہ دوسرا مانع احترام حدودِ حرم کا بھی تو ہے۔ بعض تابعین اور فقہاء حنفیہ نے آیت سے یہ مستقل حکم نکالا ہے کہ مسجد حرام میں قتل و قتال ناجائز ہے، تاوقتیکہ وہ جواب مدافعت میں نہ ہو۔ قال مجاھد لایجوز قتال احد فی المسجد الحرام الا بعد ان یقاتل وبہ قال طاؤس وھو الذی یقتضیہ نص الاٰیۃ (قرطبی) والیہ ذھب ابوحنیفۃ واصحابہ (قرطبی) فیہ قولان احدھما انہ محکم قالہ مجاھد وابو حنیفۃ (ابن العربی) ۷۰۰ حفاظتِ خود اختیاری حدود حرم کے اندر بھی قتال کو جائز کر دے گی۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی یہی سزائیں جو اوپر گزر چکیں، وطن سے اخراج اور حدودِ حرم کے اندر قتل۔ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی ایسے معاند پیمان شکن، بے ادب کافروں کی سزا۔ "کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جائیں، ابتدائً قتال شروع کرنا درست ہے۔ اور اس مقام پر جو ابتداء القتال سے ممانعت فرمائی ہے تو وہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدہ میں ابتداء ناجائز ہے۔ البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کر دی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے"۔ (تھانویؒ) ۷۰۱ (محض جنگ سے نہیں جسے انہوں نے شروع کیا تھا، بلکہ عقائد کفر و شرک سے جو محرک و باعث بنے ہوئے تھے جنگ و قتال کے) ای عن الکفر والشرک وتابوا (ابن عباس) ای فان تابوا (ابن جریر عن مجاھد) من قتالکم وکفرھم باللہ (ابن جریر) عن الشرک والقتال (مدارک) یعنی انتھوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبۃ منہ کما روی عن مجاھد وغیرہ او عنہ وعن القتال (روح) فَاِنِ انْتَهَوْا میں ضمیر غائب کفار محاربین کی طرف ہے۔ حرف تعقیب فَ سے مُراد ہے، جنگ شروع کرنے کے بعد۔ جن مفسرین جدید نے انتھوا سے صرف جنگ سے باز آجانا مراد لیا ہے، انہوں نے سخت غلطی کی ہے ۷۰۲ (اس لئے اُن کی توبہ قبول کرلی جائے گی۔ انہیں دائرہ اسلام میں داخل سمجھا جائے گا، اور ان کے اسلام کو لاحاصل یا بے قدر نہیں سمجھا جائے گا) آیت کے اس جز نے ان انتھوا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کر دیا کہ مُراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ و قتال سے۔ صفاتِ مغفرت و رحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہو سکتا ہے، نہ کہ محض ترک جنگ پر۔ جو کفر سے تائب ہو گیا اُسکے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اور آئندہ بھی اُس کے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا۔ جیسا کہ خود قرآن ہی میں دُوسری جگہ ہے۔ قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف۔ غفور لمن تاب ورحیم لمن مات علی التوبۃ (ابن عباسؓ) فان اللہ یغفر لھم جمیع ما تقدم ویرحم کلاً منھم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) ولذٰلک علق علیہ الغفران والرحمۃ وھما لایکونان مع الکفر (بحر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، تو قتل عمد تو کفر سے خفیف تر ہے، اُس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی وفیہ دلالۃ علی قبول توبۃ قاتل العمد اذ کان الکفر اعظم ماثماً من القتل وقد اخبر تعالیٰ انہ یقبل التوبۃ من الکفر (بحر) ھٰذا یدل علیٰ ان قاتل العمد لہ توبۃ اذ کان الکفر اعظم ماثماً من القتل وقد اخبر اللہ انہ یقبل التوبۃ منہ ویغفر لہ (جصاص) ۷۰۳ (ان لوگوں میں، یا سرزمین عرب پر) فَاقْتُلُوْهُمْ میں ھُم کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ جنگ جاری رکھنے کا حکم کس کے مقابلہ میں دیا جا رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ رُوئے زمین کے عام کفار بھی مُراد ہو سکتے ہیں، اور مشرکین عرب بھی سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بکثرت تابعین نے مُراد مشرکین مکہ ہی سے لی ہے۔ ومن راھا غیر منسوخۃ قال المعنی قاتلوا ھٰؤلاء الذین قال اللہ فیھم فان قاتلوکم (قرطبی) وھم کفار مکۃ والفتنۃ ھٰھنا الشرک ولایس بھم سنۃ اھل الکتب فی قبول الجزیۃ قالہ ابن عباس وقتادۃ والربیع والسدی (بحر) عطف علی قاتلوا الذین یقاتلونکم ویؤیدہ ان مشرکین العرب لیس فی حقھم الا الاسلام او السیف (روح) وھٰذہ الاٰیۃ خاصۃ فی المشرکین دون اھل الکتب لان ابتداء الخطاب جرٰی بذکرھم فی قولہ عزّ وجلّ واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم وذٰلک صفۃ المشرکین اھل مکۃ الذین اخرجوا النبی صلعم واصحابہ فلم یدخل اھل الکتب فی ھٰذا الحکم (جصاص) حَتّٰی یہاں اظہار غایت کے لئے ہے اور کے یا اِلیٰ اَن کے مُرادف ہے۔ وھٰذا البیان غایۃ القتال (روح) حتّٰی بمعنی کے او الیٰ ان (مدارک) لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی حدود حرم اور حدود عرب کے اندر شرک و کفر باقی نہ رہنے پائے۔ فتنہ سے یہاں کفر و شرک کے مُراد ہونے پر کہنا چاہیئے کہ محققین اُمت کا اجماع ہے۔ ای شرک قالہ ابن عباس وابو العالیۃ ومجاھد والحسن وقتادۃ والربیع ومقاتل بن حیان والسدی (ابن کثیر) ای الشرک باللہ فی الحرم (ابن عباسؓ) ای حتی لاتکون شرک باللہ وحتی لایعبد دونہ احدٌ (ابن جریر) قال ابن عباس وقتادۃ ومجاھد والربیع ابن انس الفتنۃ ھٰھنا الشرک وقیل انما سمی الکفر فتنۃً لانہ یؤدی الی الھلاک کما یؤدی الیہ الفتنۃ (جصاص) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائیں تو گوارا کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دستکش ہونے کا حکم ہے، لیکن یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں، ان کے لئے قانون جزیہ نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے لئے اسلام ہے یا قتل۔ (تھانویؒ) اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسکے لئے ضروری تھا کہ اس کا ایک جغرافی مرکز ہو مستقر ہو۔ اور رُوئے زمین پر کم از کم ایک خطہ تو ایسا ہو جو شرک و کفر سے قطعاً پاک، اور اہل توحید کے لئے صحیح معنی میں "پاکستان" ہو۔ اور اس غرض کے لئے مولد رسولؐ و مہبط قرآن سے بڑھ کر سرزمین اور کون ہو سکتی تھی؟ قدرۃً منتخب اسکے لئے سرزمین عرب کا ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو اُن کے لئے صرف قتل کا قانون ہے۔ اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔ (تھانویؒ)

ہو گئے۔ اُنہی کی اصلاح خیال کے لئے آیت نازل ہوئی، اور عقیدۂ جاہلی کی تصحیح کی گئی۔ نزلت فی نفر من اصحاب النبی صلعم کنانۃ وخزاعۃ کانوا یدخلون بیوتھم فی الاحرام من خلفھا او من سطحھا کما فعلوا فی الجاھلیۃ (ابن عباسؓ) مفسر قرطبیؒ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ انصار مدینہ جب حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے، تو اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا تقویٰ اور آدابِ احرام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور واپسی میں اپنے مکان میں دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے۔ وکان الانصار اذا حجوا وعادوا لایدخلون من ابواب بیوتھم...... فکانوا یرون ھذا من النسك والبر (قرطبی) یہ رسم چونکہ حج ہی کے سلسلہ میں تھی، اس لئے اس کا ذکر بھی حج ہی کے متصل فرمایا گیا ۶۹۲ (اور تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی منع کی ہوئی اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے ڈرا جائے، بچا جائے) ای فخافہ وتجنب محارمہ والطاعہ باداء فرائضہ التی امرہ بھا (ابن جریر) ضمناً یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو گئی، کہ اصل نیکی تقوائے الٰہی ہے۔ یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کا خوف، نہ کہ بنے کسی گڑھے ہوئے دستور و رواج کا اتباع ۶۹۳ (جب آنا جاہو، اور گویا رسوم شرک و جاہلیت کو پامال کرتے ہوئے) آیت سے فقہاء اُمت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ جس سے صدہا ہزارہا اعمال کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شے شریعت میں صرف مباح ہو یعنی کتاب و سُنّت میں اس کی کوئی نظیر یا مثال طاعت وعبادت کے حکم میں نہ ملے، اُسے اپنے دل سے طاعت وعبادت ٹھہرالینا، یا اسی طرح اسے بلا دلیل شرعی، معصیت ومحل ملامت یقین کر لینا، یہ دونوں اعتقاداً گناہ ہیں، اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔ ھٰذا دلیل علیٰ مسئلۃ من الفقہ وھی ان الفعل بنیۃ العبادۃ لایکون الا فی المندوبات خاصۃ دون المباح ودون المنھی عنہ وھٰذا اصل حسن (ابن العربی) فی ھٰذہ الآیۃ بیان ان مالم یشرعہ اللہ قربۃ ولا ندب الیہ لایصیر قربۃ بان یتقرب لہ متقرب (قرطبی) قال ابن خویزمنداد اذا اشکل ماھو بر وقربۃ عما لیس ھو بر وقربۃ ان ینظر فی ذٰلك العمل فان کان لہ نظیر فی الفرائض والسنن فیجوز ان یکون ان لم یکن فلیس ببر ولا قربۃ (قرطبی)

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اختیار کئے رہو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ ۶۹۴ اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو

الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ

تم سے لڑتے ہیں، ۶۹۵ اور حد سے باہر مت نکلو، کہ اللہ حد سے باہر نکل جانے

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

والوں کو پسند نہیں کرتا ۶۹۶ اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو،

ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ

اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم انہیں نکالو ۶۹۷

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ

فتنہ تو قتل سے (بھی) سخت تر ہے، ۶۹۸ اور ان سے مسجد حرام کے

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ

قریب قتال نہ کرو، جب تک وہ (خود) تم سے قتال نہ کریں ۶۹۹

فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَاءُ

ہاں اگر وہ (خود) تم سے قتال کریں تو (تم بھی) انہیں قتل کرو۔ یہی سزا ہے

الْكَافِرِينَ ﴿۱۹۱﴾ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ

کافروں کی ۷۰۰ پھر اگر وہ باز آجائیں ۷۰۱ تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے،

رَحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

بڑا مہربان ہے ۷۰۲ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے ۷۰۳

منزل

قرطبیؒ نے ابن عباسؓ کی سند سے حدیث نبوی بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلعم تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔ دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں۔ اور اس کی نذر مانے ہوئے ہیں کہ روزہ رکھ کر بیٹھیں گے نہیں کھڑے ہی رہینگے اور سایہ میں نہ کھڑے ہونگے اور کسی سے بات چیت نہ کریں گے، خاموش رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں وہاں سے ہٹا لاؤ۔ مروہ فلیتکلم ولیستظل ولیقعد ولیتم صومہ (وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں رہیں، اور بیٹھ بھی جائیں اور اس حال میں روزہ تمام کریں۔ اسلام نام صرف امتثال امر کا ہے اور ایمان کی حقیقت فقط تعمیل احکام کی ہے۔ خود رائی اس راہ میں سر تا سر کج رائی ہے ۶۹۴ (دُنیا اور آخرت دونوں میں) تقویٰ (خوفِ خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کرتی ہے، اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاح دارین کا اصل اصول تقویٰ ہے۔ خشیتِ الٰہی اور محبتِ الٰہی کے درمیان نسبت تضاد، تخالف، بلکہ تباین کی بھی بالکل نہیں، بلکہ علاقہ توافق ومناسبت کا ہے۔ مخلوقات میں جس کسی چیز سے خوف کیا جاتا ہے اُس میں خاصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے بھگاتی ہے، ہٹاتی ہے، دور کرتی ہے۔ لیکن خشیتِ الٰہی میں تو اس کے برعکس ایک کشش ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف لاتی ہے، کھینچتی ہے، بلاتی ہے، اللہ سے قریب تر کرتی ہے۔ اور اس طرح عملاً محبتِ الٰہی کے مرادف ہے۔ اہل تقویٰ، اور صالحین سے جس خوف کی نفی کی گئی ہے، وہ "دہشت" کے مرادف ہے اور وہ وحشت" سے پیدا ہوتا ہے۔ خشیتِ الٰہی، اسکے ٹھیک برعکس، احساسِ **عظمت** سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ رب عظیم ومعظم سے قریب تر لانے والی ہوتی ہے۔ خوفِ خدا کی ترغیب اور خشیتِ الٰہی کی تاکید سے قدیم صحیفے بھی لبریز ہیں۔ مثلاً:۔ "خداوند کا خوف، دانش کی ابتداء ہے۔" (امثال سلیمانی۔ ۱: ۷) "خداوند کا خوف، دانائی کا شروع ہے۔" (امثال سلیمانی۔ ۹: ۱۰) "خدا سے ڈر، اور اُسکے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرض کُلی یہی ہے۔" (واعظ کی کتاب۔ ۱۲: ۱۳) ۶۹۵ قَاتِلُوا۔ قتال کا یہ حکم اُن مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے، جو دو چار مہینے نہیں، پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد پر، اور شدائد کیسے، یہ کہئے شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر، صبر کے امتحان میں پورے اُتر چکے تھے، اور اب وطن سے بے وطن ہو کر، گھر بار چھوڑنے پر بھی، مدینہ میں چین سے نہیں بیٹھنے پاتے تھے۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے لارڈ ہیڈلے انگریز کی۔ نو مسلم ہو کر بات پتہ کی کہہ گیا ہے کہ اسلامی غزوات کے تین ابتدائی جغرافی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو، کہ لڑائی کی ابتدا کس نے کی، اور چڑھائی کون کس پر کر کے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا، اور حفاظتِ خود اختیاری ومدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہل فساد، یا مدینہ کے صابر وشاکر مومنین؟ (۱) جنگِ بدر۔ بدر میں ہوئی، مدینہ سے کُل تیس ۳۰ میل کے فاصلہ پر۔ جنگِ اُحد۔ اُحد تو مدینہ سے کُل بارہ ۱۲ ہی میل ہے (۳) جنگِ احزاب۔ اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا! غرض ہر دفعہ قریش مکہ یا اُن کے حلیف ومددگار ہی چڑھ چڑھ کر آئے۔ اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ خود یہ لفظ کیا بتا رہے ہیں؟ دو باتیں بالکل صاف ہوئی جاتی ہیں: (۱) ایک یہ کہ جنگ کی ابتدا کرنے والے مسلمان نہ تھے۔ ابتدا، دوسرا ہی فریق کر رہا تھا۔ ای الذین یبدؤنکم بالقتال (ابن عباسؓ) ای ینلجزونکم القتال دون المحاجزین (مدارک) ای یحل لکم القتال ان قاتلکم الکفار (قرطبی) (۲) دوسرے یہ کہ قتال کا حکم صرف اُنہی افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں، یا آج کل کی اصطلاح میں صرف مصافیوں **Combatants** کے مقابلہ میں۔ غیر مصافی **Non-combatants** آبادی کے سروں پر بم برسا دینے، پُر امن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے، اور ان پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے "مہذب ترین" آئینِ حرب سے اسلام کا قانون جنگ نا آشنا ہے۔ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، اپاہجوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، غرض ایسے کُل لوگ جو جنگ سے معذور ہوں، انہیں رسولؐ کے خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تو صراحت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہی ہے، لیکن خود یہ آیت بھی اس استثناء کی جانب صاف مشیر ہے۔ لاتقتلوا النساء ولا الصبیان ولا الشیخ الکبیر ولا من القی الیکم السلم وکف یدہ (ابن عباسؓ) ای لاتقاتل من لایقاتلك یعنی النساء والصبیان والرھبان (ابن جریر عن عمر بن عبدالعزیزؒ) عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأۃ فی بعض مغازی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولۃ فانکر رسول اللہ صلعم قتل النساء والصبیان (بخاری۔ مسلم) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث جیشاً قال اغزوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ...... ولا تقتلوا امرأۃ ولا ولیداً ولا شیخاً کبیراً (مسلم عن بریدۃ) امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اصل حکم میں تو پھل دار درخت کو کاٹنے تک کی ممانعت ہے۔ آپ نے یہ حکم خلافت اسلامیہ کے پہلے سپہ سالار فوج (کمانڈر انچیف) یزید بن ابی سفیانؓ کو دیا تھا۔ اور اُن کی مشایعت آپ نے پا پیادہ چل کر کی تھی۔ اس حکمنامہ کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں۔ وانی اوصیك بعشر لاتقتلن امرأۃ ولا صبیاً ولا کبیراً ھرماً ولا تقطعن شجراً مثمراً ولا تخربن عامراً ولا تعقرن شاۃ ولا بعیراً الا لماکلۃ ولاتحرقن نخلاً ولا تفرقنہ (طبقات ابن سعد) البتہ الذین یقاتلونکم سے یہ بھی مُراد نہیں کہ جب دشمن واقعۃً سر پر آجائے، اور لڑائی شروع کر دے، جبھی تم قتال کرو۔ اتنے انتظار وتوقف کے معنی یہ ہوں گے کہ آدھی جیت اُن کی ہو گئی، جیسا کہ اس زمانہ کی لڑائیوں میں برابر مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ بلکہ غنیم کا ارادہ اور آمادگی ہی اُسے اس حکم کے تحت میں لے آنے کے لئے کافی ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید کتنی اہم اور دُنیا کی تاریخ محاربات میں کیسی انقلاب انگیز ہے! دُنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں، اب بھی لڑی جا رہی ہیں، آئندہ بھی لڑی جائیں گی۔ لیکن کاہے کے لئے؟ زر کے لئے، یا زن کے لئے، یا زمین کے لئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ "قوم" اور "وطن" کے لئے یعنی زر و زمین کی طلب فرد کے لئے نہیں بلکہ قوم کے لئے رہ جائے۔ یہ خصوصیت صرف "اسلامی جہاد" بانام ورُسوا "اسلامی جہاد" کی ہے، کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو، اللہ کی راہ میں ہو۔ شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لئے ہو، دین حق کی حمایت ونصرت میں ہو۔ انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لئے ہو۔ خودی کے لئے نہیں خدا کے لئے ہو نفس کے لئے نہیں، قبیلہ کے لئے، "حلقۂ اثر" کی توسیع کے لئے، "آزادی تجارت" کے لئے، "آزادی سمندر" کے لئے، "نو آبادیوں کے تحفظ" کے لئے، "بر آمد کی منڈیاں" پیدا کرنے کے لئے، غرض نفسانی اور دُنیاوی کسی قسم کی بھی عصبیت جاہلی کے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ۔ الجھاد لاعلاء کلمۃ اللہ واعزاز الدین (مدارک) ای جاھد والاعلاء کلمتہ واعزاز دینہ (بیضاوی) یعنی دیناً واظھاراً لمکلمۃ (قرطبی) ای فی طاعۃ وطلب رضوانہ (کبیر) قتال کا طریقہ دوسری اُمتوں سے بڑا اچھا اُمتِ محمدیؐ کے ساتھ مخصوص نہیں، بائبل میں اس کا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے! اور محاربات یہود سے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر رنگین ہیں۔ رہیں مسیحی قومیں

گھر کے کسی گوشہ میں بھی ہوسکتا ہے، جسے نماز وعبادت کے لئے مخصوص کرلیا جائے۔ بلکہ مسجد میں عورت کے اعتکاف کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے۔ انما المرأۃ تعتکف فی مسجد بیتھا ولو لم یکن لھا فی البیت مسجد تجعل موضعًا فیہ فتعتکف فیہ (ہدایہ) والمرأۃ تعتکف فی بیتھا (شرح وقایہ) ویکرہ فی المسجد ولا یصح فی غیر موضع صلاتھا من بیتھا (در مختار) دوسرے دُنیوی معاملات مثلاً لوگوں سے بات چیت کرنا حالت اعتکاف میں جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی بات احترام مسجد یا آداب اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہوجائے۔ رسول اللہ صلعم کی عادت مبارک تھی کہ ماہِ مبارک کے آخری عشرہ میں پُورے دس دن کے لئے مسجد میں اعتکاف فرماتے، اور علائق دنیوی سے انقطاع جزئی بھی کامل رہتا۔ اس عرصہ کے لئے کامل تر ہوجاتا۔ اعتکاف مسنونہ یہی ہے اور اسی کو فقہا نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کرے تو پوری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہوجائے گی۔ باقی نفسِ اعتکاف، ہر مدت کے لئے، ہر زمانہ میں بہرحال استحباب وفضیلت کی چیز ہے۔ رُوحانی قوت وتوانائی کا ذخیرہ اپنے اندر بھرنے کے لئے، اپنے کو رُوحانی وایمانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لئے اس سے بہتر اور مؤثر تر نسخہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ عین اُس زمانہ میں جبکہ بیس دن کی مسلسل طاعت وعبادت، اور شب وروز کے ذکرِ الٰہی وفکرِ ایمانی سے روح صیقل ہوچکی ہو، ملکوتیت بیدار ہوچکی ہو، انسان اپنے کو چند روز کے لئے کامل یکسوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے اور اخلاص وللّٰہیت کی مشقوں کو دعاؤں سے، عبادتوں سے، ذکر وفکر سے منتہائے کمال پر پہونچا دے، لیکن ہر کس وناکس کا ظرف اس مرتبہ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ عجب عجب غیر متوقع صورتیں معصیت کی پیش آجاتی ہیں (جیسا کہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ وقابل نفرین تجربات ہوچکے ہیں) مثلاً یہی کہ کھانا لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر میں لایا، اور معتکف بے اختیار اُس پر غصہ سے برس پڑا تو فقہا نے کہا ہے، کہ ایسی صورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ معصیت شدید عبادت (اعتکاف) کے اُسی طرح منافی اور ناقض ہے جس طرح نماز وطہارت کی ناقض حسی ناپاکیاں (بول وبراز) ہیں۔ المعتکف اذا اتی کبیرۃ فسد اعتکافہ لان الکبیرۃ ضد العبادۃ کما ان الحدث ضد الطھارۃ والصلوٰۃ قالہ ابن خویز منداد عن مالک (قرطبی) ویکرہ الدخول فیہ لمن یخاف علیہ العجز عن الوفاء بحقوقہ (قرطبی) ۶۸۴ بہت ہی برمحل یہ یاد دلا دیا گیا ہے کہ یہ سب ضابطے اور قاعدے خدائے دانا وبینا کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ یہ احکام وہدایات حکیمِ مطلق وحاکمِ برحق ہی کی طرف سے ہیں۔ انہیں خاطی انسانوں کے قانون قاعدہ پر قیاس کرکے معمولی باتیں نہ سمجھنا۔ تِلْكَ سے اشارہ اُن سب چھ یا سات احکام کی جانب ہے جو آیت میں مذکور ہوچکے۔ ای ھٰذہ الاوامر والنواھی (قرطبی) ای الاحکام الستۃ المذکورۃ (روح) ۶۸۵ یعنی جس طرح اُس نے یہاں روزہ، اُسکے حدود واوقات، اعتکاف، اور اُس کے متعلقات کے احکام تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں، اسی طرح وہ اپنے سارے ہی احکام وشرائع، انسان کے سُود وبہبود کے لئے تفصیل سے بیان فرماتا رہتا ہے۔ المراد انہ کما تبین ما امرکم بہ ونھاکم عنہ فی ھٰذا الموضع کذٰلک یبین سائر ادلتہ علی دینہ وشرعہ (کبیر) اٰیٰتِہٖ آیات سے مراد احکام یا دلائل شرعی ہیں۔ ای امرہ ونھیہ (ابن عباسؓ) ای اٰیاتہ الدالۃ علی بقیۃ مشروعاتہ (بحر) ای العلامات الھادیۃ الی الحق (قرطبی) ۶۸۶ (ان احکام الٰہی پر مطلع ہوکر) احکام الٰہی کی عین تعمیل ہی پرہیزگاری ہے۔ لَعَلَّ سے متعلق اوپر بیان ہوچکا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جب اس کا استعمال ہوتا ہے، تو معنی میں شک وتردد نہیں بلکہ یقین کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے یعنی احکام کی تعمیل تمہیں پرہیزگار بنا ہی دیگی، عمل کرکے تجربہ کرلو۔ ۶۸۷ (اے اہل ایمان!) لَا تَاْكُلُوْا اکل یہاں لفظی معنی میں نہیں۔ یعنی صرف 'کھانا' مراد نہیں، بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔ عبر بالاکل عن انفاق المال (راغب) عبر بہ عن الاخذ والاستیلاء (بحر) اردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں، فلاں صاحب روپیہ کھا گئے، یا رقم ہضم کرگئے۔ بِالْبَاطِلِ۔ باطل سے مراد ہے ہر ناجائز طریق۔ فاکل المال بالباطل صرفہ الی ما ینافیہ حق (راغب) ای بالوجہ الذی لا یبیحہ اللہ تعالیٰ (بیضاوی) والمراد من الباطل الحرام وکل مال لم یاذن باخذہ الشرع (روح) گویا دو مختصر لفظوں میں تقوئ مال کی ساری تعلیم آگئی۔ ہر خیانت سے احتیاط کی تاکید، اور ہر قسم کی امانت ودیانت کا حکم۔ اور فقہا نے اکلِ باطل کی جو تفصیل لکھی ہے، اُسی میں قمار، غصب، حق تلفی وغیرہ کے ساتھ ایک مد یہ بھی بڑھا دی ہے کہ وہ مال بھی باطل ہی کے حکم میں آجاتا ہے، جو مالا نطیب بہ نفس مالکہ او حرمتہ الشریعۃ وان طابت بہ نفس مالکہ (قرطبی) (اُس مال کے مالک سے بغیر اس کی خوشدلی کے حاصل کیا جائے۔ یا مالک گو اسے خوشدلی سے دے رہا ہو لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو) اَمْوَالَكُمْ۔ خطاب تمام مومنین کو ہے، اور حکم کے مخاطب افراد امت ہیں۔ اُردو میں اموالکم کا صحیح مفہوم "اپنا مال" سے نہیں بلکہ "ایک دوسرے کا مال" سے ظاہر ہوگا۔ جیسے اقتلوا انفسکم سے مراد "ایک دوسرے کا قتل کرنا" ہے۔ والمعنی لا یاکل بعضکم مال بعض (بحر) والمعنی لا یاکل بعضکم مال بعض بغیر حق (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس نے ایک کتاب قرآن مجید کے قوانین معاشری پر لکھی ہے۔ اُس میں اس آیت کو نقل کرکے لکھا ہے۔ "یہ آیت اس امر کی شہادت مزید ہے کہ محمدؐ نے اپنے پیرووں میں کتنی تاکید باہمی حسن معاملت کے باب میں رکھی ہے۔" (سوشل لاز آف دی قرآن، ص۸۱) بَيْنَكُمْ کے دائرہ کی وسعت میں فقہا نے ساری نسل آدم کو داخل کیا ہے، اور صرف مسلمانوں کے مال تک حکم کو محدود نہیں رکھا ہے، مسلم ہو یا کافر، کسی کا بھی مال دغا، فریب، ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں۔ صرف کافر حربی کے مال پر تصرف وتسلط جائز ہے، کہ اس سے تو اعلان جنگ ہوہی چکا ہے، لیکن اُس سے بھی علی الاطلاق نہیں، بلکہ خاص خاص قیود وشرائط کے ساتھ۔ رشوت، جعلسازی، خیانت، کافر حربی کے معاملات میں بھی درست نہیں ۶۸۸ (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو) دُنیا کی کوئی عدالت بہتر سے بہتر ہو، اور کوئی حاکم عادل سے عادل سہی، بہرحال دُنیوی فیصلے علم غیب کی بنا پر نہیں، روئداد مقدمہ ہی کی بنا پر صادر ہوں گے۔ اور اُن میں غلطی، لغزش، ناانصافی، دھوکے کا احتمال ہر وقت ہے۔ آیت اسی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے، کہ جو حق ہے وہ عند اللہ حق ہی رہے گا، اور جو ناحق ہے وہ اللہ کے ہاں ناحق ہی شمار ہوگا۔ اگرچہ حکام کا فیصلہ اُس کے برعکس ہی ہو، قاضی کے فیصلے حق کو ناحق اور ناحق کو حق نہیں بنا سکتے۔ اصل شے انسان کی توجہ ولحاظ کے قابل خود اُس کا ضمیر اور تقویٰ ہے۔ حدیث میں اس مضمون کی صراحت بہت زور کے ساتھ آچکی ہے اور مفسرین بھی اسے خوب صاف کرچکے ہیں۔ اعلم ابن اٰدم ان قضاء القاضی لا یحل لک حرامًا ولا یحق لک باطلًا انما یقضی القاضی بنحو ما یری ویشھد بہ الشھود والقاضی بشر یخطی ویصیب (ابن جریر) ومن الاکل بالباطل ان یقضی القاضی لک وانت تعلم انک مبطل فالحرام لا یصیر حلالا بقضاء القاضی لانہ انما یقضی بالظاھر وھذا اجماع فی الاموال (قرطبی) علی القول بھذا الحدیث جمھور العلماء وائمۃ الفقہاء وھو نص فی ان حکم الحاکم علی الظاھر لا یغیر حکم الباطن (قرطبی) وھذا رسول اللہ صلعم المصطفیٰ للاطلاع علی الغیب یتبرأ من الباطن فکیف بغیرہ من الخلق (ابن عربی) بلکہ جو لوگ اپنی چرب زبانی سے، سخن سازی سے، اپنے "اثر" و "پیروی" سے جھوٹے مقدمے جیت جائیں، انہیں اور زیادہ ڈرنا چاہیئے کہ اُن پر علاوہ دوسرے جرائم اور فریق ثانی کی حق تلفی کے، ایک مزید جرم حاکم عدالت کو فریب میں مبتلا کرنے کا بھی عائد ہوگا۔ تُدْلُوْا بِهَا۔ ھا کی ضمیر اموال کی طرف ہے۔ ب فعل ادلاء کا حرف صلہ ہے۔ تُدْلُوْا۔ ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے، اور پھر مجازاً کسی چیز کو کہیں پہونچانے یا اُسے ذریعہ یا وسیلہ بنانے کے ہیں۔ ادلیتھا ای اخرجتھا وقیل یکون بمعنی ارسلتھا واستعیر للتوصل الی الشئ (راغب) واصل الادلاء ارسال الرجل الدلو فی سبب متعلقا بہ (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مال کو حکام تک پہونچنے کا، اپنی رسائی اور رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور رشوت وغیرہ مالی تحفہ وتحائف سے حکام پر اثر نہ ڈالو۔ ای لا ترشوھا الیھم (کبیر) ای تلقوا بعضھا الی حکام السوء علی وجہ الرشوۃ (مدارک) اسلامی حکومت قائم ہونا اور اسلام کے سارے قانون دیوانی وفوجداری کا نافذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے، قرآن مجید کی صرف اسی آیت پر اگر آج عملدرآمد ہوجائے، تو جھوٹے دعووں جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہلکاروں، اور عہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حکام کی خدمت میں نذر، نذرانوں، قیمتی ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی رہ جائے؟ بِالْاِثْمِ۔ گناہ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کی معصیتیں جو عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کام میں لائی جاتی ہیں، اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔ ای بالظلم والتعدی (قرطبی) بشھادۃ الزور او بالایمان الکاذبۃ او بالصلح مع العلم بان المقضی لہ ظالم (مدارک) فَرِيْقًا۔ فریق کے معنی یہاں پارٹی یا گروہ کے نہیں، بلکہ حصہ یا جزو کے ہیں۔ ای قطعۃ وجزءًا (قرطبی) قطعۃ وجملۃ (روح) ۶۸۹ (اے پیغمبر! کہ اُن کے گھٹنے بڑھنے کی غایت کیا ہے؟) الْاَهِلَّةِ۔ نیا چاند یا ہلال تو ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں سوال اہلہ (بصیغۂ جمع) سے متعلق ہے۔ سوال عن الاھلۃ کے معنی ہی ہوئے چاند کے مہینوں کی بابت دریافت کرنا۔ یعنی پہلے چاند کا طلوع ہونا، پھر تاریخ وار اس کا بڑھنا اور پھر تاریخ وار اس کا گھٹنا، یہاں تک کہ اس کا غائب ہوجانا۔ یرید بالاھلۃ شھورھا، قد یعبر بالھلال عن الشھر لحلولہ فیہ (قرطبی) ای عن زیادۃ الاھلۃ ونقصانھا لما ذا (ابن عباس) سئل رسول اللہ عن زیادۃ الاھلۃ ونقصانھا واختلاف احوالھا (ابن جریر) چاند کے روزانہ (بلکہ شبانہ) تغیرات مشاہدہ کی چیزیں ہیں، اس لئے سوال بھی ان کی بابت آسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ آفتاب کے تغیرات عام نظروں کے لئے غیر مشاہد رہتے ہیں ۶۹۰ (اور اس سے زیادہ اُن کی کوئی حیثیت نہیں) قرآن کا ایک ایک فقرہ توحید کے اعلان اور شرک کی تردید میں ہے۔ دُنیا میں مشرک قومیں کثرت سے قمر پرستی میں مبتلا رہی ہیں۔ اور بعض ہلال پرستی میں بھی۔ نئے چاند کو دیوتا مان کر اُس کی پوجا کثرت سے کی گئی ہے۔ اور بڑھتے چاند کو مبارک، اور اُترتے چاند کو منحوس سمجھنے کا رواج تو آج خدا معلوم کتنے مسلمان گھرانوں میں بھی موجود ہے۔ اور ہندوستان میں چھپی ہوئی جس جنتری کو چاہیئے آج اُٹھا کر دیکھ لیجئے، اُس کے کتنے خانے اس سے بھرے نظر آئیں گے کہ فلاں تاریخ فلاں کام کے لئے سعد ہے اور فلاں تاریخ نحس۔ قرآن مجید نے عروج وزوال قمر کی یہ غایت بتاکر کہ وہ انسان کے کام آنے والی چیزیں ہیں ھی مواقیت للناس، ہلال پرستی اور اسکے ماتحت سارے خرافات کی جڑ ہی کاٹ دی! —— احمق انسان! تو چاند کی کیا پوجا کر رہا ہے، چاند تو خود تیری خدمت کے لئے ہے! مَوَاقِيْتُ جمع ہے میقات کی۔ اور اسکے معنی وقت کے بھی ہیں اور منتہائے وقت کے بھی، اور وقت موعود ومتعین کے بھی۔ جمع المیقات وھو الوقت وقیل المیقات منتھی الوقت (قرطبی) الوقت المضروب للشئ (راغب) مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ۔ یعنی اُن کے معاملات دُنیوی میں بھی اور حسابات شرعی میں بھی۔ سنہ قمری میں، دنوں، تاریخوں، مہینوں کا حساب چاند کے عروج وزوال سے ہوتے رہنا ظاہر ہی ہے۔ مفسر تھانویؒ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے، کہ جب اعمال شرعی کا مدار حساب قمری پر ٹھہرا، تو اس حساب قمری کا اہتمام وانضباط بھی فرض کفایہ ہوا۔ جنہیں انگریزی سنہ سے کاروبار رکھنا ضرورت کے درجہ میں آپڑا ہے، اُن کے لئے تو خیر عذر بھی ہے، لیکن بلا ضرورت سنہ ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی انگریزی اختیار کرلینا واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ وَالْحَجِّ۔ قمری مہینے عام مواقیت انسانی کا تو کام دیتے ہی ہیں، اور ان کے علاوہ حج اور دوسری طاعتوں اور عبادتوں کے لئے بھی معیار ومدار وہی ہیں۔ حج کا ذکر تخصیص کے ساتھ شاید اس لئے فرمایا گیا ہو کہ اس کی اہمیت عرب کے ہر شعبۂ زندگی میں بہت نمایاں تھی ۶۹۱ (جیسا کہ مشرکین عرب اپنی سفاہت سے سمجھ رہے ہیں) جاہلی عرب جب احرام حج کی حالت میں ہوتے تو گھر میں جانے کے لئے دروازہ سے داخل ہونے کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے، بلکہ پشت کی دیوار میں ایک بڑا سا روزن پیدا کردیتے، اور اُسکے اندر سے مکان میں داخل ہوتے، یا پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ جاتے، اور اس سے اندر پھاندتے، اور اسے اپنے نزدیک کوئی بڑی عبادت اور خانہ کعبہ کی تعظیم سمجھتے۔ کانوا اذا احرموا فی الجاھلیۃ اتوا البیت من ظھرھا (بخاری) کانوا اذا حجوا الوید خلوا بیوتھم من ابوابھا کانوا ینقبون فی ادبارھا (ابن جریر) اذا احرم الرجل منھم نقب کوۃ فی ظھر بیتہ فجعل سلما فجعل یدخل منھا (ابن جریر) بعض قبیلوں کے نو مسلم صحابی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا

الخیط فی کلامھم عبارۃ عن اللون (قرطبی) الخیط الابیض ھو اول مایبدو من الفجر (کشاف) سمیا خیطین لان کل واحد منھما یبدو فی الابتداء ممتدًا کالخیط (مسلم) احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ روزہ دار کی رات بھی
حتی الامکان ذکر و عبادت میں بسر ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اہل سنت نے اپنے ہاں جو نماز تراویح پر اصرار کر دیا ہے، وہ صاف اسی منشاء نبوی کی تعمیل ہے۔ مشقت و راحت، تعب و لذت کی جو خوشگوار اور حکیمانہ آمیزش، شریعت اسلامی کی ساری عبادتوں میں ہے۔ اس کا ایک
نمایاں نمونہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ دن بھر صبر و ضبط کی مشق، کھانے پینے کا انتظار جس سے کھانے پینے کا لطف اور بڑھ کر رہتا ہے۔ شام کے وقت فرحت و تفریح۔ پھر شام سے لے کر صبح صادق تک عبادتوں اور مادی لذتوں کا ملا جلا ہوا تسلسل، یہ اسلام ہی کے
خصوصیات میں سے ہے۔ من الفجر۔ فجر شرعی سے مراد صبح کاذب نہیں، جب کچھ دیر کے لئے اجالا شمال و جنوب میں معلوم ہونے لگتا ہے، بلکہ وہ نور کا تڑکا مراد ہے، جو صبح کاذب کے کچھ دیر بعد ہوتا ہے۔ اور روشنی شرقاً غرباً پھیلنے لگتی ہے۔ قال الجمھور ذلك الفجر
المعترض فی الافق یمنة و یسرة و بھذا جاءت الاخبار و مضت علیه الامصار (قرطبی) حدیث میں سحری میں تاخیر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح مسلم میں سمرة بن جندب صحابی کی روایت درج ہے، رسول اللہ صلعم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ بلال تو
لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے بہت سویرے اذان دیدیتے ہیں، ان کی اذان سے یا محض شمال جنوب میں روشنی دیکھ کر سحری نہ ختم کردو، بلکہ روشنی کے پھیل جانے کو (یعنی وہی شرقی غربی سپیدہ کو) معتبر جانو۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لایغرنکم اذان
بلال ولا ھذا البیاض لعمود الصبح الافق حتی یستطیر (کتاب الصیام، باب فضل السحور) روی الائمة قال النبی صلی اللہ علیه وسلم لایمنعنکم اذان بلال من سحورکم فانه یوذن بلیل لیرجع قائمکم و یوقظ نائمکم (ابن العربی) بلکہ نسائی کی ایک حدیث
سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اور حضرات صحابہ، بالکل صبح ہوجانے تک سحری سے شغل فرماتے رہتے۔ بس اس کا لحاظ رہتا کہ کہیں آفتاب ہی نہ نکل آئے۔ عن زید قال قلنا لحذیفة ای ساعة تسحرت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال ھو

الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ
میں ۶۸۳ یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان (سے نکلنے) کے قریب بھی نہ جانا ۶۸۴
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
اللہ اسی طرح اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے ۶۸۵ عجب نہیں کہ
يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
وہ پرہیزگار بن جائیں ۶۸۶ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ ۶۸۷
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا
اور نہ اُسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے
فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ
مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ، در آنحالیکہ تم
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ
جان رہے ہو ۶۸۸ آپ سے (لوگ) نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں ۶۸۹ آپ کہہ دیجیے کہ
مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ
وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے آلۂ شناخت اوقات ہیں ۶۹۰ اور یہ تو (کوئی بھی) نیکی نہیں کہ تم
تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ
گھروں میں اُن کی پشت کی طرف سے آؤ ۶۹۱ البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص
مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا
تقویٰ اختیار کرے ۶۹۲ اور گھروں میں اُن کے دروازوں ہی سے آؤ ۶۹۳ اور اللہ سے تقویٰ

النھار الا ان الشمس لم تطلع (کتاب الصیام، باب السحور) (زید کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حذیفہ صحابی سے دریافت
کیا، کہ آپ نے رسول اللہ صلعم کے ہمراہ کس وقت تک سحری کھائی ہے! وہ بولے کہ صبح تک۔ بس اتنی کسر رہ گئی تھی کہ
آفتاب طلوع نہیں ہوگیا تھا) دوسری روایتیں بھی ایسی ہی تاخیر سحور کی تائید میں ہیں۔ ایک گروہ ادھر گیا ہے
کہ سحر اس وقت تک درست ہے، جب تک راستے اور مکانوں میں صبح کی روشنی نہ پھیل جائے۔ قالت طائفة ذلك
بعد طلوع الفجر و تبینه فی الطرق والبیوت (قرطبی) اور حضرت عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبد اللہ بن
عباسؓ جیسے صحابیوں اور متعدد تابعین سے یہ منقول ہے کہ کھانے پینے سے احتیاط اس وقت واجب ہے جب صبح راستوں
اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ظاہر ہوجائے۔ ان الامساك یجب بتبیین الفجر فی الطرق و علی رؤس الجبال (قرطبی)
حالت جنابت میں اگر صبح ہوگئی، اور ہنوز غسل کی نوبت نہیں آئی، تو روزہ بلا اختلاف جائز ہوگا۔ وفی تجویز المباشرة
الی الصبح دلالة علی جواز تاخیر الغسل الیه و صحة صوم من اصبح جنبًا (ابو سعود) والجمھور من العلماء علی
صحة صوم من طلع علیه الفجر و ھو جنب (قرطبی) اذا اجوز نا له الوطیٔ قبل الفجر ففی ذلك دلیل علی
جواز طلوع الفجر علیه و ھو جنب و ذلك جائز اجماعًا (ابن العربی) ۶۸۲ اِلَى الَّيْلِ۔ یعنی جب سے رات
داخل ہونے لگے۔ یہ مطلب نہیں کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے وقت تک روزہ رکھے رہو۔ روزہ رات آتے ہی ختم ہوجانا
چاہیئے، یہ نہ ہو کہ رات کا کوئی جزو روزہ میں شامل و داخل ہوجائے۔ الی اللیل ای الی دخول اللیل (ابن عباسؓ)
فجعل اللیل غایة الصیام ولم تدخل فیه (جصاص) فانه تعالیٰ ذکر حد الصوم بان آخر وقته اقبال اللیل
(ابن جریر) کلمة الی لانتھاء الغایة فظاھر الآیة ان الصوم ینتھی عند دخول اللیل (کبیر) اللیل لیس
من جنس النھار فیکون اللیل خارجًا عن جنس النھار (کبیر) اللیل۔ اور خود لیل کا اطلاق عربی میں دن کے
خاتمہ یعنی غروب آفتاب پر معًا ہوجاتا ہے۔ اور اعتبار صرف زوال آثار شمس کا کیا گیا ہے۔ اللیل من غرب الشمس
الی طلوع الفجر الصادق (قاموس۔ تاج) اللیل عقب النھار و مبدءہ من غروب الشمس (لسان) اس لئے
آیت کے معنی صاف یہ ہوئے کہ افطار عین غروب آفتاب کے ساتھ ہوجانا چاہیئے۔ یقتضی الافطار عند غروب الشمس
حکمًا شرعیًا (ابن کثیر) اَتِمُّوْا۔ صیغہ امر کا ہے، اور وجوب کے معنی دیتا ہے۔ امر یقتضی الوجوب من غیر
خلاف (قرطبی) والامر بالاتمام ھنا للوجوب (بحر) صوم وصال یعنی بلا افطار کئے دن اور رات کے مسلسل روزہ
کی ممانعت بھی اسی آیت سے بہت سے فقہاء نے نکالی ہے، اور حدیث میں اس کی ممانعت صراحۃً موجود ہی ہے۔ فیه
ما یقتضی النھی عن الوصال اذ اللیل غایة الصیام و قالته عائشة (قرطبی) فدل الآیة علی نفی کون
اللیل محل الصوم و ان یکون صوم الیومین صومة واحدة وقد استنبط النبی صلی اللہ علیه
وسلم منھا حرمة الوصال (روح) معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لئے ہر زمانہ اور ہر
موسم میں حرام ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہ ممانعت اشد و اکد ہوجاتی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت
میں بسر ہوتی ہے۔ اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکم الٰہی کے احترام میں لذائذ نفس و طبیعت سے اجتناب میں
بسر ہوتا ہی ہے۔ بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں۔ رمضان میں کہنا چاہیئے کہ حرام تر ہوجاتی ہیں۔ پورے

مہینہ بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ سپاہ اسلام کی روحانی پریڈ کا زمانہ ہے۔ غفلت کسی لحہ نہ ہونا چاہیئے۔ سر ڈبلو۔ ڈی۔ آرنلڈ مسلمان نہیں، مسیحی ہیں۔ تاہم جذبۂ انصاف پسندی و حق گوئی سے مجبور ہو کر بعید رد مسیحی معاندین کے جواب میں لکھتے ہیں:۔ ماہ رمضان
کے روزوں کے سلسلہ میں صرف اس قدر کہنا ہے کہ دین کا یہ رکن بجائے خود اس خیال کی تردید کے لئے کافی ہے کہ اسلام کی ترویج عیش پرستیوں کے جائز کر دینے سے ہوئی ہے۔ کارلائل کے بہ قول، محمدؐ کا مذہب تن آسانی کا مذہب نہیں، سخت سخت روزے، طہارت کے
ضابطے، عبادت کے سخت اور پیچیدہ طریقے، دن میں پانچ پانچ مرتبہ نماز، شراب کی حرمت، یہ احکام جس مذہب میں ہوں، اُس کی مقبولیت تن آسانیوں کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتی۔" (پریچنگ آف اسلام، ص ۴۱۲، طبع ثالث) ملاحظہ ہو ضمیمہ، سورۂ بقرہ کے خاتمہ پر ۶۸۳
(بلکہ کسی قسم کا بھی شہوانی میل جول اُن سے نہ رکھو) وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ۔ لفظ مباشرت یہاں وسیع معنی میں ہے۔ یعنی عمل مجامعت کے علاوہ اُسکے مقدمات و دواعی، بوس و کنار وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انه اللمس والقبلة (ابن العربی) لا یمس المعتکف امراته
ولا یباشرھا ولا یتلذذ منھا بشیٔ قبلة ولا غیرھا (ابن جریر۔ عن مالک بن انس) المراد بالمباشرة انما ھو الجماع و دواعیه من تقبیل و معانقة و نحو ذلك (ابن کثیر) یہ تفسیر حنفیہ و مالکیہ کے مسلک کے مطابق تھی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ
چیزیں اعتکاف میں کراہت پیدا کر دیتی ہیں، اُسے باطل نہیں کرتیں۔ اما ما دون الجماع من المباشرة کالقبلة واللمس بالشھوة فمکروه ولا یفسد به الاعتکاف عند اکثر اھل العلم و ھو اظھر قول الشافعیؒ (معالم) عٰکِفُوْنَ۔
اعتکاف کے لغوی معنی ہیں، اپنے کو کسی شے پر روک رکھنے یا لازم کر لینے کے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے مسجد میں بیٹھ کر اپنے کو عبادت کے لئے مقید کر لینا۔ ھو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربة (راغب) اعتکف فی المسجد۔ ای اقام
به ولازمه و حبس نفسه فیه (تاج) الاعتکاف فی اللغة الملازمة و ھو فی عرف الشرع ملازمة طاعة مخصوصة فی وقت مخصوص علی شرط مخصوص فی موضع مخصوص (قرطبی) العکوف ھو الاقامة علی الشیٔ والاعتکاف
فی الشرع ھو الاقامة فی المسجد علی عبادة اللہ (معالم) معتکف کے لئے لازم ہے کہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے سہے، کھائے پیے، سوئے جاگے اور بغیر مادی یا شرعی ضرورت شدیدہ کے مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔ یجب ان لا یخرج الا لما لابد منه من
حاجة الانسان وقضاء فرض الجمعة (جصاص) لیس للمعتکف ان یخرج من معتکفه الا لما لابد له منه (قرطبی) مدت اعتکاف کے زیادہ سے زیادہ ہونے کی کوئی حد نہیں۔ البتہ اقل مدت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے
لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مسلک میں کم از کم ایک شب و روز ہونا چاہیئے۔ واقل الاعتکاف عند مالك وابی حنیفة یوم و لیلة و قال الشافعی اقله لحظة ولا حد لاکثره (قرطبی) ھو غیر مقدر عند الشافعی واقله لحظة و قال
مالك وابو حنیفة ھو مقدر بیوم و لیلة (ابن العربی) فِی الْمَسٰجِدِ۔ اس سے استنباط کیا گیا ہے کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہیئے۔ اجمع العلماء علی ان الاعتکاف لا یکون الا فی مسجد (قرطبی) البتہ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے

یعنی جتنے روزے قضا ہو جائیں اُن کی تکمیل کرلو، تو پُورا پُورا اجر روزوں کی ادائی ہی کا مل جائیگا۔ وَلِتُكَبِّرُوا۔ یہ نحوی حیثیت سے ماتحتی میں یُرِيدُ اللهُ کے ہے اور عطف لِلْيُسْرِ پر ہے۔ ہو جوزان یعطف علی الیسر اے ویرید بکم لتکملوا (بیضاوی) ۶۶۸ مطلب
ہی نفع اور فلاح کی) اور راہ بھی ایسی جس میں نہ زیادہ مشقت و تعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پُوری پوری رعایت۔ ۶۶۹ شکر گزار بن جانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔ بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعتِ اسلامی کے
ذریعہ سے کیسے کیسے پُرسہولت طریقے اُسکے نفع اور اجر کے بتادیئے ہیں۔ ۶۷۰ (اے پیغمبر!) عَنِّي۔ یعنی میرے قُرب و بُعد سے متعلق۔ اقریب ربنا فنناجیہ امر بعید فننادیہ (بیضاوی) گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے
وجود کا اقرار تو بارہا کیا ہے لیکن ذاتِ باری کو انسان سے اسقدر پرے، مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فرض کیا ہے کہ وہاں تک بندوں کی رسائی گویا ممکن ہی نہیں! اِذَا سَأَلَكَ۔ اہلِ لطائف نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قُرب و قبول
طلب پر موقوف ہے اور ك خطاب اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ توسطِ آنحضرت صلعم کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے کسی اور کی طرف گمان نہ جائے۔ ۶۷۱ (اور یہ آپ بندوں سے میری طرف سے کہدیجیے) قَرِيبٌ۔ قریب باعتبار کمال
علم یا قریب باعتبار قبول دُعا۔ اے قریب بالاجابة (ابن عباسؓ) قریب بالعلم لا یخفی علی شئ (معالم) اے بالاجابة وقیل بالعلم (قرطبی) علماً و اجابةً لتعالیہ عن القرب مکاناً (مدارک) انه تعالیٰ یسمع دعاءهم ویری تضرعهم او المراد من هذا القرب
العلم والحفظ (کبیر) قُرب سے ظاہر ہے کہ قربِ مادی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، قربِ معنوی مراد ہوگا۔ تمثیل لکمال علمه بافعال العباد و اقوالهم والاطلاع علی احوالهم (بیضاوی) حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے۔ بلا رمضان
میں اس عموم میں خصوصی پیدا ہو جاتا ہے اور یہ قرب باتعلق خاص اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بندوں کی تسکین اور تسلی کا کس قدر سامان اِس آیت کے اندر موجود ہے! ہمیں اپنے خُدا کو ڈھونڈنے کہیں اور نہیں جانا ہے۔ وہ تو ہم سے قریب ہی، ہم سے متصل
ہی ہے۔ ۶۷۲ (اور جن دعاؤں کا قبول کرنا میری حکمت کاملہ اور مشیت مطلقہ کے منافی نہیں ہوتا) عَنِّي، إِنِّي، أُجِيبُ، دَعَانِ۔ متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا عمومی فرق ملحوظ رہے۔ صیغۂ جمع عموماً قدرت
عظمت، قوت کا مظہر ہے، اور واحد اس کے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔ اور یہاں توجہ و التفات کا مشیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ آیت کے الفاظ سے دُعا کی ترغیب و تشویق بھی نکل آئی۔ اور اشارہ اِس جانب بھی ہو
گیا کہ دُعا بندہ کا کوئی سرتاسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور مُوجب تقرب ہے۔ ایک حدیثِ صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لئے دُعا کا دروازہ کُھل جاتا ہے یعنی دُعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اُسکے لئے رحمت کا بھی دروازہ کُھل جاتا ہے۔
۶۷۳ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي۔ یعنی میری دعوتِ ایمان و طاعت قبول کریں، جس طرح میں اُن کی دُعائے حاجات قبول کرتا ہوں۔ اذا دعوتهم للایمان والطاعة کما انی اجیبهم اذا دعونی لحوائجهم (مدارک) المعنی فلیجیبوا الیّ فی ما دعوتهم الیه
من الایمان اے الطاعة والعمل (قرطبی عن مجاہد وغیرہ) حکیمِ مطلق کے کسی حکم کے نامناسب ہونے کا احتمال ہی نہیں بخلاف بندوں کی درخواستوں کے کہ اُن میں بہت سی نامناسب بھی ہوتی ہیں، اور اس لئے مرتبۂ قبول سے محروم رہتی ہیں (تھانوی)
وَلْيُؤْمِنُوا بِي۔ یعنی یقین رکھیں نہ صرف میرے وجود پر بلکہ میرے حاکم ہونے پر، میرے حکیم ہونے پر، اور میری رعایتِ مصالح پر۔ ۶۷۴ (اور اُن پر فلاح دارین کا دروازہ کُھل جائے) لَعَلَّ، اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ کلامِ الٰہی میں جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب
ہو کر یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی محض اُمید یا احتمال کے نہیں رہتے، بلکہ اس میں یقین پایا جانے لگتا ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ احکامِ الٰہی پر عمل کرنے، اور اُس کے حکیم و حاکم ہونے پر یقین رکھنے سے دروازہ فلاح دارین کا کُھل کر رہے گا۔ ۶۷۵ یہ اجازت شروع میں نہ
تھی۔ ابتداءً روزہ کی حالت میں، رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علیحدگی کا حکم تھا۔ شریعتِ اسلامی رسُول اللہ صلعم کی حیاتِ رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے، رفتہ رفتہ سخت کئے گئے، مثلاً
شراب نوشی، کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی، اور پھر ہوتے ہوتے اُس کی حرمت کا حکم آ گیا۔ اور کہیں اسکے برعکس ہوا ہے، یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہی روزہ کا معاملہ ہے کہ پہلے صُحبت
رات میں بھی حرام تھی، بعد کو، جائز کردی گئی۔ رَفَثُ کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں لیکن جب صیغۂ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے تو اس سے مُراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں الرفث الی نسآئکم ہے۔ عدّاه بالی
لانه فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایة من الجماع وعدی الی لتضمنه معنی الافضاء (راغب) کنی به عن الجماع (کشاف) والمراد به ههنا المباشرة (ابن العربی) یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمال رُوحانیت و تزکیۂ نفس کے
منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے اور راہِ صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں، جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ اور راہبانہ تخیل نے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ شریعتِ اسلامی
نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے، وہ شہوت حرام اور اس کے مبادی و مقدمات ہیں، نہ کہ نفسِ شہوت ——— بھوک، پیاس، نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر رہے تو ایک طبعی اور بےضرر خواہش ہے۔ قصداً اور بلاضرورت
شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت نے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھی ہے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک عمل سے روزہ توڑ دیں تو دونوں کی یہی سزا ہے لیکن اگر بیوی رضامند نہ ہو، اور شوہر اُسے دن میں ہمبستری پر مجبور کردے، تو بیوی
پر گناہ نہیں۔ البتہ خود جبر کا تحقق ہونا چاہیئے۔ اُسکے لئے صرف ایک روزہ کی قضا کافی ہے۔ کفارہ کی بنیاد قصد و تعمد پر ہے۔ ۶۷۶ (قرب و اتصال کے لحاظ سے، یا ایک دُوسرے کے پردہ دار اور موجبِ تسکین ہونے کے لحاظ سے گویا اُردو محاورہ
میں، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ اِن کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں، اور یہ اُن کے حق میں۔ یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اسکے مختلف جوابات ملتے ہیں بعض نے کہا کہ ایک دُوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر
کسی نے کہا کہ اجسام کی ملابست و ملامست کی بنا پر۔ وقس علیٰ ہذا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کا ایک وصفِ امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے، اُسکے حسن و خوبی کو اُبھارتا ہے تشبیہ سے خاص
اشارہ اسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دُوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیئے، اور ایک دُوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا
موقع ایک کو دُوسرے کے جسمانی، اخلاقی، رُوحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دُوسرے سے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس صُورت حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے
کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صُورت میں ظاہر کرے، اور ع ناخوش تو خوش بود بر جانِ من کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا مرد کے بھی کمال اخلاق کی یہی معراج ہے! ——— دونوں کی اخلاقی
تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُرتعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتادیا۔ یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اِس لئے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر
کی گئی! ع کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا! کون جھوٹ اِس سے بڑھ کر سخت، کونسا اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہدِ عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُن کے سارے
دفترِ کُتب و اسفار میں کونسی تعلیم زن و شو کے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟ ۶۷۷ یعنی رات کو چھپ چھپ کر بیویوں سے صُحبت کرتے تھے، اور جو حکم ممانعت اب تک تھا اُسے بار بار توڑتے رہتے تھے۔ ۶۷۸ یعنی
پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا، اور آیندہ کے لئے رمضان میں رات کو بیویوں کے ساتھ خلوت اور صحبت کی اجازت دے دی۔ ۶۷۹ (اپنے معمولی طریقہ پر، جیسے رمضان کے علاوہ دُوسرے زمانوں میں کرتے رہتے تھے) بَاشِرُوا صیغۂ امر سے
مُراد اجازت ہے نہ کہ حکم۔ مباشرت سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے۔ کنایة عن الجماع (قرطبی) کنی به عن الجماع (بیضاوی) ۶۸۰ (بصُورت اولاد اور بطور میاں بیوی کی یکجائی کے قدرتی نتیجہ کے) مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ۔ سے مُراد اولاد۔ اور اولاد
صالح ہے۔ عملِ مباشرت اگر صحیح سن میں اور مناسب وقت پر ہو، بڑی گہری طبعی لذت بھی رکھتا ہے لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی اور بڑا مقصد افزائشِ نسل اور حصُولِ اولاد رکھا ہے کہ اُمّت کی قوت اور کثرت میں برابر اضافہ ہوتا رہے
اور ذاتی لذت اجتماعی منفعت کا زینہ بنی رہے ——— ٹھیک اسی طرح جیسے کھانے پینے کی لذت طبعی ذریعہ بنی رہتی ہے۔ فرد کی حیات و بقا کا، اور اس کی تقویت جسم کا۔ ما قضی الله لکم من ولد صالح (ابن عباسؓ) یعنی الولد قاله اکثر
المفسرین (معالم) اور ابن کثیر نے اسی معنی کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، انسؓ جیسے صحابیوں سے لے کر قاضی شریح مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر وغیرہ اکابر تابعین تک سب کا اجماع نقل کر دیا ہے۔
کتب۔ "لکھ رکھا ہے"۔ یعنی لوحِ محفوظ میں۔ اپنی مشیتِ تکوینی میں۔ اے فی اللوح المحفوظ (معالم) اے اثبت فی اللوح من الولد (کشاف) وابتغوا۔ بعض نے وابتغوا سے مُراد شبِ قدر کی تلاش اور کتب الله لکم کے معنی اسکے اجر و ثواب کے لئے ہیں لیکن
اہلِ تحقیق نے رَدّ کر دیا ہے۔ هو قریب من بدع التفاسیر (کشاف) وابتغوا سے صاف اشارہ نکل رہا ہے کہ مطلوب افزائشِ نسل ہے، نہ کہ ارادی لاولدی یا عزل۔ قیل هو نهی عن العزل (کشاف) قیل النهی عن العزل (بیضاوی) منع حمل اور قطعِ نسل کی جس جدید تحریک کا اسوقت
زور ہے اور جو "ضبطِ تولید" وغیرہ مختلف خوشنما ناموں سے پیش ہو رہی ہے۔ قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس سب کی تردید کر دی اور بتا دیا کہ مباشرت کا جو نتیجہ قدرۃً اور طبعاً نکلتا ہے، اسی کی توقع رکھنا چاہیئے اور اسی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ عام قاعدہ اور اصل عمومی یہی ہے
باقی اجتماع تزوجی کے قدرتی نتیجوں کو بلاوجہ خاص و ضرورتِ شدید مصنوعی ذریعوں اور تدبیروں سے روکنا، اور ربڑ وغیرہ کے آلات کو کام میں لانا مصیبتوں کو دُور کرنا نہیں۔ جسمانی آلام اور اخلاقی امراض کو بڑھانا اور فرد و قوم دونوں کو نئے نئے فتنوں کی دعوت دینا ہے
انتہائی سرگرم کوششوں کے باوجود اوّل تو ابھی تک کوئی پوری طرح حمل روک آلہ دریافت ہی نہیں ہو سکا ہے: اب تک کوئی مانع حمل ایسا نہیں دریافت ہو سکا ہے جو ہر طرح قابلِ اطمینان ہو یعنی قطعی ہو، بےضرر ہو، اور سادہ ہو"۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۳۔ ص... طبع چہاردہم
اور پھر اگر کوئی بےخطا اور حکمی تدبیر دریافت ہو بھی گئی، تو منع حمل کی جسمانی مضرتوں کے تدارک کی کیا صُورت ہوگی؟ "یہ باور کرنا دشوار ہے کہ یہ عمل (امتناع) بار بار کیا جائے، اور اس کے مُضر اثرات مرد و عورت کے اعلیٰ صفات پر مرتب نہ ہوں"۔ (ایضاً ص ۹۵) یا اگر
ماں بھی بنا جائے کہ جلد جلد استقرارِ حمل اور وضعِ حمل سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے، تو بھی خود طبِ جدید کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کو زمانۂ حمل میں صنفی اعمال سے جو مہلت مل جاتی ہے نیز وضع حمل کے بعد رضاعت وغیرہ کی مشغولی و توجہ یہ سب عورت کی صحت کے لئے ضروری
ہے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اولاد کی پیدائش ہمیشہ والدین کے ارادہ کی تابع نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسے والدین کی مثالیں بار بار مشاہدہ میں آ چکی ہیں کہ پہلے تو انہوں نے امتناع کی صناعی تدبیریں اختیار کرکے اپنے اعضاءِ تولید کی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا اور پھر آگے چل کر جب اولاد
کی خواہش بالضرورت محسوس کی تو اپنی سابقہ حرکتوں پر پچھتائے ہیں"۔ یہ سب تصریحات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی سے ماخوذ تھیں، باقی متعدد دُوسرے ڈاکٹروں، اور انہی میں لیڈی ڈاکٹر بھی ہیں اور سائنس کے ماہرین نے اس جدید فیشن کی لغویت اور بیہودگی پر اس سے بھی
زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے، اور اسکی طبعی مضرتیں کھول کر دکھائی ہیں خصوصاً عورت کے حق میں۔ بلکہ یورپ کے متعدد ملک تو اس تحریک کے نتائج سے تنگ آکر اور طویل تجربوں کے بعد بالآخر اس پر مجبور ہوئے کہ ماؤں کیلئے انعام قرار دیں اور ہر بچہ پر ایک نیا انعام دیں! جرمنی، اٹلی وغیرہ
سے تو یہ خبریں کئی سال ہوا آنا شروع ہو گئی تھیں، اور اب رُوس، فرانس وغیرہ سے عین دورانِ جنگ میں آنے لگی ہیں[1] اور بالآخر بات اُسی کی سچی نکلی اور اُسی کی بلند رہی، جسنے کہا تھا کہ تزوجوا الولود الودود۔ شادیاں کرو زیادہ بچے پیدا کرنے والی بیویوں سے ۶۸۱ یعنی طلوع
صبحِ صادق تک کھانے پینے، اور ہمبستری کی اجازت ہے۔ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ۔ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ۔ فجر کی سفید دھاری کا سیاہ دھاری سے ممتاز ہو جانا کنایہ ہے تاریکی شب کے دُور ہونے اور سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے یعنی طلوعِ فجر سے۔ اے بیاض النهار من سواد اللیل۔ اعنی
بیاض النهار من سواد اللیل (معالم) خود شارعِ اسلام علیہ السلام سے یہی تفسیر مروی ہے۔ هو سواد اللیل وبیاض النهار (بخاری) خط سے یُوں بھی کنایہ رنگ سے ہوتا ہے۔ اور یہاں انہیں خط سے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ شروع میں وہ فی الواقع دھاریاں ہی سی نظر آتی ہیں۔

[1] یہ سطور ۱۹۴۳ء میں دوسری جنگِ عظیم کے زمانہ میں لکھی جارہی ہیں۔

۶۶۴ه فَلْيَصُمْهُ ۔ یعنی کج فہموں نے خدا معلوم کس قاعدۂ زبان سے اس لفظ کے یہ معنی نکال کر کہ رمضان "میں" یا رمضان کے "اندر روزے رکھے جائیں۔ یہ حکم لگا دیا ہے کہ صرف تین دن کے روزے بھی کافی ہیں۔ یہ ایجاد بندہ تمام تر گندہ ہے۔ آیت کے صاف و صریح معنی اس مہینہ کو روزہ میں گزار نے کے ہیں اور اُردو میں اِس مفہوم کو "مہینہ بھر" میں ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ فیصیر تقدیرہٗ من شہد جزءًا من اجزاء الشہر فلیصم کل الشہر (کبیر) ای الشہر کلہ (سلم) شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ۔ قمری مہینہ کا آغاز ہر ۲۹ یا ۳۰ دن کے بعد چاند دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ رنگ اس کی اخلاقی، معاشرتی، تعبدی، جزئی، کلّی، ہر تعلیم میں نمایاں ہے۔ طاعتوں اور عبادتوں کے باب میں جہاں اُس نے ایک طرف یہ تاکید رکھی ہے کہ وقت مقرر پر اور زمانۂ معین ہی میں ادا ہوں، وہاں یہ نہیں کیا کہ خود اوقات کو یا زمان کی مقداروں کو ماہرینِ ہیئت وحساب کا محتاج و پابند بنا دیا ہو۔ شمسی تقویم رکھنے والے بیچارے اپنی گھڑی گھنٹہ کے لئے تمام تر دستِ نگر رہتے ہیں ہیئت دانوں اور فلکیات کا حساب کتاب رکھنے والوں کے۔ اور اگر کسی ملک یا قوم کا تمدن ابھی اس درجہ تک نہ پہنچا ہو کہ رصد خانے بن سکے ہوں، دُوربینیں ایجاد ہو چکی ہوں، طرح طرح کے آلات سے کام لیا جانے لگا ہو۔ ریاضیات کا طویل وعریض نظام وجود میں آچکا ہو۔ تو وہاں کے لوگ بیچارے مُنہ دیکھتے رہ جائیں۔ اِسلام تو اِس سیدھے سادے فطری حساب کا قائل ہے کہ بغیر کسی آلہ کی مدد کے، بغیر ریاضیات اعلیٰ کے توسط کے، بس آنکھ سے جب چاند دیکھ لو، روزہ رکھنا شروع کر دو۔ شَهِدَ ۔ وسیع معنی میں ہے یعنی جب ماہِ رمضان کے شروع ہونے کا علم ہو جائے۔ خواہ چاند کو براہِ راست دیکھ کر، خواہ دُوسروں سے رؤیت کی خبر سُن کر، تو بیماروں، مسافروں، معذوروں کو چھوڑ کر، اور سب لوگ روزہ رکھنا شروع کر دیں۔ وشہد من الشہود والترکیب یدل علی الحضور اِمّا ذاتًا او علمًا (روح) اِمّا بالرؤیۃ واِمّا بالسماع (کبیر) رؤیتِ ہلال معتبر کہاں کی ہوگی؟ فقہاء نے اس کے جواب میں بڑی بڑی مُوشگافیاں کی ہیں، لیکن صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اُسی شہر یا بستی کی یا قرب وجوار کی بستیوں کی بیسکڑوں ہزاروں میل دُور سے رؤیتِ ہلال کی خبریں منگانے کا تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ سے انتظام کرنا، یا کلکتہ کی رؤیت کو ۱۹۰۰ میل دُور بمبئی پر حجّت گردانناشریعتِ اسلامی کی اصل رُوح پر ظلم کرنا ہے اختلافِ مطالع ایک صریح مشاہدہ کی چیز ہے۔ اِسے کیونکر جھٹلایا جا سکتا ہے۔ وحدت یقینًا ایک بڑی اہم چیز ہے لیکن اسکے لئے یہ زبردستی کی کوشش کرنا طبعی کو غیر طبعی کی حد تک پہنچا دینا ہے۔ واختلفوا اذا اخبر مخبر عن رؤیۃ بلدۃ فلا یخلو انہ یقرب او یبعد فان قرب فالحکم واحد وان بعد فلاہل کل بلد رؤیتہم روی ھذا عن عکرمۃ والقاسم وسالم وروی عن ابن عباس وبہ قال اسحٰق والیہ اشار البخاری حیث بوّب لاہل کل بلد رؤیتہم (قرطبی) اسی تفسیر قرطبی میں ایک روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے اس مضمون کی درج ہے کہ ایک بار رمضان کے سلسلہ میں شام کی رؤیت کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ دونوں جگہ کی تاریخوں میں فرق نکلا۔ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی نے حدیثِ نبوی کا حوالہ دیکر فتویٰ دیا کہ ہم تو یہیں کی رؤیت کا اعتبار کرینگے۔ اس کے بعد امام قرطبی لکھتے ہیں۔ قال علماؤنا قول ابن عباس ھکذا امرنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کلمۃ تصریح یرفع ذلک الی النبی صلعم وبامرہ فھو حجۃ علی ان البلاد اذا تباعدت کتباعد الشام من الحجاز فالواجب علی اہل کل بلد ان تعمل علی رؤیتہ دون رؤیۃ غیرہ امام مسلم کا شمار فقہاء محدثین میں ہے۔ انہوں نے اپنی صحیح کی کتاب الصیام کے ایک باب کا عنوان یہی قرار دیا ہے۔ باب بیان ان لکل بلد رؤیتہم وانہم اذا راؤا الھلال ببلد لا یثبت حکمہ لما بعُد عنہم، یعنی باب اس بیان میں کہ ہر شہر کے لئے رؤیت وہیں کی معتبر ہے۔ اور اس میں کہ جس بستی میں چاند دکھائی دے، وہاں سے دُور کی بستیوں پر وہاں کا حکم عائد نہ ہوگا۔ اور باب کے تحت میں وہی حدیث لائے ہیں جو قرطبی کے حوالہ سے اُوپر گزر چکی۔ اور اس حدیث کو محدث ابن منذر اور امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔ وحکاہ ابن المنذر عن عکرمۃ والقاسم وسالم واسحٰق وحکاہ الترمذی (فتح الباری) اور نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ

والصحیح عند اصحابنا ان الرؤیۃ لا تعم الناس بل تختص بمن قرب علی مسافۃ لا تقصر فیہا الصلوٰۃ وقیل ان اتفق المطلع لزمہم وقیل ان اتفق الاقلیم والا فلا۔

صحیح مسئلہ ہمارے علماء کے یہاں یہ ہے کہ رؤیت سارے انسانوں پر حجت نہیں بلکہ صرف اتنی مسافت والوں پر ہے جہاں تک نماز قصر نہ کی جائے۔ اور ایک قول ہے کہ جہاں تک مطلع متحد ہو، اور ایک قول ہے کہ ایک اقلیم کے حدود کے اندر اور اُس کے آگے نہیں۔

اور پھر اُس کے آگے یہ لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے غیر رؤیت پر بے اعتباری نہیں کی، بلکہ

انما ردہ لان الرویۃ لا یثبت حکمہا فی حق البعید۔

اُنہوں نے اس پر عمل کرنے سے اسلئے انکار کیا کہ رؤیت کا حکم دُور دراز مقامات پر صادق نہیں آتا۔

اور فقیہ قاضی ابن رُشد مالکی نے اِس حدیث سے نتیجہ نکالا ہے کہ ہر بستی کیلئے وہیں کی رؤیت معتبر ہے، چاہے بستیاں آس پاس کی ہوں یا دُور کی۔ فظاہر ھذا الاثر یقتضی ان لکل بلد رؤیتہ قرُب او بعُد (بدایۃ المجتہد) مالکیہ کا مذہب مشہور تو یہ ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت سب جگہ کیلئے کافی ہوگی لیکن ابن عبدالبر نے اجماع اس کے برخلاف نقل کیا ہے یعنی ایسے دُور دراز ممالک جیسے خراسان اور اسپین ہیں، ان میں سے ایک کے ہاں کا اعتبار دُوسری جگہ نہیں کیا جائیگا۔ لکن حکا ابن عبد البر الاجماع علی خلافہ وقال اجمعوا علی انہ لا تراعی الرؤیۃ فی ما بعد من البلاد کخراسان والاندلس (فتح الباری) وحکی ابو عمر الاجماع علی انہ لا تراعی الرؤیۃ فی ما بعد من البلدان کالاندلس و خراسان؛ قال ولکل بلد رؤیتہم الا ما کان کالمصر الکبیر وما تقاربت اقطارہ من بلدان المسلمین (قرطبی) وروی المدنیون عن مالک ان الرؤیۃ لا تلزم بالخبر عند غیر اہل البلد الذی وقعت فیہ الرؤیۃ الا ان یکون الامام یحمل الناس علی ذلک وبہ قال ابن الماجشون والمغیرۃ من اصحاب مالک واجمعوا انہ لا یراعی ذلک فی البلدان النائیۃ کالاندلس والحجاز (بدایۃ المجتہد) واختلف فی تاویل قول ابن عباس ھذا فقیل ردہ لانہ خبر واحد وقیل ردہ لان الاقطار مختلفۃ فی المطالع وھو الصحیح (ابن العربی) الشَّهْرَ ۔ کوئی ملک اس دُنیا کے پردہ پر اگر ایسا آباد ہے کہ وہاں انسانی آبادی عاقلوں، بالغوں، شریعت کے مکلفوں کی ہے، اور وہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رویت ہلال کے انتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ——— قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیے کہ صرف ایک لفظ شھد الشہر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی! بطور تطوع یا بہ خیال تقوی کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دُنیا کے اور سارے کاروبار کے لئے وہاں اوقات کا جو معیار ہو، اُسی اندازہ اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔ **۶۶۵ه** ابتدا میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں قضا کر سکتے ہیں جب آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی، اس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا۔ اور رمضان کے روزے اُن کے لئے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہو گئے لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لئے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزو مَنْ كَانَ مَرِيضًا الخ کو ایک بار پھر اسی لئے دوہرا دیا گیا کہ مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی تعلیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم کر دی گئی۔ اِسلئے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے حقیقی اور معنوی نہیں۔ کرر لئلا یتوھم نسخہ بتعمیم من شھد (جلالین) مخصصًا لان المسافر والمریض ممن شہد الشہر ولعل تکریرہ لذلک لئلا یتوھم نسخہ (بیضاوی) **۶۶۶ه** چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام وقوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں اور خود اسی روزۂ رمضان کے معاملہ میں معذور کے لئے کتنی گنجائش کتنی سہولتیں رکھ دی گئیں۔ حدیث نبوی میں جو آیا ہے۔ دین اللہ یسر وہ اسی آیت قرآنی کی شرح یا تتمہ ہے اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے۔ تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملیگا جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جنس، موسم اور دُوسری مشکلات کا لحاظ کر لیا گیا ہو، اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، اُنکی تہ میں بھی بہتیری حقیقت بائی جائیگی کہ دراصل اُمت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔ اُمت اسلامی کے فخر ومسرت کے لئے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں، اُنکی تعمیل میں بھی اور آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد، ساری مخالف فضا و ماحول کے باوجود اس خوشدلی اور بے تکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔ سرولیم میور لکھتے ہیں:۔ "روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔ خواہ وہ کسی موسم میں پڑیں، اور آجتک مشرق کے میدانوں میں، جلجلاتی ہوئی دھوپ اور جھلساتی ہوئی سموم میں گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں محمد کے پیرو صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے۔ اتنی سخت ریاضت، قوتِ ایمانی اور ضبط نفس کا پُورا امتحان ہے۔" (لائف آف محمدؐ، صـ ۱۹۳) **۶۶۷ه** (یعنی ایامِ قضا کی)

دُعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ

دُعا کرتا ہے ۶۶۲ پس لوگوں کو چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں ۶۶۳ عجب نہیں

يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

کہ ہدایت پا جائیں ۶۶۴ جائز کر دیا گیا ہے تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی

إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ

بیویوں سے مشغول ہونا ۶۶۵ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس

لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ

ہو ۶۶۶ اللہ کو خبر ہو گئی کہ تم اپنے کو خیانت میں مُبتلا کرتے رہتے تھے ۶۶۷

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

پس اُس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی، اور تم سے درگزر کر دی، سو اب تم اُن سے ملو ملاؤ ۶۶۹

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا

اور اُسے تلاش کرو، جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۶۷۰ اور کھاؤ اور پیو

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

جب تک کہ تم پر صبح کا سفید خط سیاہ خط سے

الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى

نمایاں ہو جائے ۶۷۱ پھر روزہ کو رات (ہونے) تک پورا

اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي

کرو ۶۷۲ اور بیویوں سے اِس حال میں صحبت نہ کرو، جب تم اعتکاف کیے ہو مسجدوں

لَهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۴

بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو۶۵۹ تو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے رکھو۶۶۰

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى

ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے،۶۶۱ وہ لوگوں کے لئے ہدایت

لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

ہے ۶۶۲ اور (اس میں) کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کے ۶۶۳ سو

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ

تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے، لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے ۶۶۴ اور جو کوئی بیمار

مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ

ہو یا سفر میں ہو، تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے) ۶۶۵

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ

اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا ۶۶۶

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ

اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو ۶۶۷ اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو، اس پر کہ تمہیں راہ بتادی ۶۶۸

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ

عجب نہیں کہ تم شکرگزار بن جاؤ ۶۶۹ اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب

عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا

میں دریافت کریں، تو میں تو قریب ہی ہوں ۶۷۰ دعا کرنیوالے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے

یخاف من الصوم زیادۃ مرض (مدارک) قال ابوحنیفۃ وابو یوسف ومحمد اذا خاف ان تزداد عینہ وجعًا او حماہ شدۃ افطر (جصاص) فثبت اتفاق الفقہاء ان الرخصۃ فی الافطار للمریض موقوفۃ علی زیادۃ المرض بالصوم وانہ مالم یخش الضرر فعلیہ ان یصوم (جصاص) بیماری کی کوئی معین حد شریعت نے نہیں بتائی۔ ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے ضمیر کی روشنی میں اس کا فیصلہ کرسکتا ہے ۶۵۴ سفر کے اندازے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔ یعنی سفر کی اتنی مقدار کہ جس میں ترک صوم جائز ہو۔ وقد اتفقوا علی ان للسفر المبیح للافطار مقدارًا معلومًا فی الشرع (جصاص) - لیکن خود ان اندازوں میں اختلاف صحابہؓ کے زمانہ سے اب تک چلا آرہا ہے۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ صحابیوں اور فقیہ ثوری کا مذہب ہے کہ سفر شرعی کا اطلاق تین دن کے مسافت والے سفر پر ہوتا ہے۔ قال ابن عمر وابن عباس والثوری الفطر فی سفر ثلثۃ ایام (قرطبی) حنفیہ کے ہاں بھی فتوے تین ہی دن کی مقدار سفر پر ہے۔ گو دوسرے ائمہ کے یہاں دو روز بلکہ ایک روز کے سفر پر بھی افطار جائز ہے۔ فقال اصحابنا مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیھا وقال اٰخرون یومین وقال اٰخرون مسیرۃ یوم (جصاص) فقال مالک والشافعی اقل السفر یوم ولیلۃ وقال ابو حنیفۃ اقلہ ثلاثۃ ایام (ابن العربی) ۶۵۵ (اگر اس بیماری یا سفر کے دَوران میں روزے چھوٹ گئے ہوں) یہ حکم نہیں، اجازت ہے۔ اور مقصود معذوروں کے لئے گنجائش ہے بلکہ اگر کوئی ایسی بیماری یا ایسا سفر ہو جس میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کی نوبت آ جاتی ہو، تو اس حالت میں ترک صوم جائز ہی نہیں، واجب ہو جاتا ہے اور زیادہ تکلیف کی حالت میں ترک صوم ہی بہتر سمجھا گیا ہے ۶۵۶ یطیقونہٗ میں ضمیر صوم کی طرف ہے یعنی روزہ رکھنے کو رکھ تو ڈالیں لیکن روزہ کا تحمل انہیں مشکل ہی سے ہو سکے مشقت بہت زاید اٹھانی پڑے۔ مثلاً زیادہ بوڑھے اشخاص، یا حاملہ اور مرضعہ عورتیں۔ طاقۃ اور وسعۃ ان دو لفظوں میں اہلِ لغت نے فرق کیا ہے۔ وسعت تو گویا امکان کے مرادف ہے، اور طاقت میں یہ مفہوم شامل ہے کہ وہ کام، کرنے والے کی قدرت میں تو ہو لیکن اُسکے کرنے میں مشقت بہت زاید پڑے۔ کام تو ہو جائے، لیکن بہ مشکل ہو۔ ھو اسم لمقدار ما یمکن ان یفعلہ بمشقۃ منہ (تاج) الطاقۃ اسم لمقدار ما یمکن للانسان ان یفعلہ بمشقۃ (راغب) الوسع فوق الطاقۃ فالوسع اسم لمن کان قادرًا علی الشیء علی وجہ السھولۃ واما الطاقۃ فھو اسم لمن کان قادرًا علی الشیء مع الشدۃ والمشقۃ (کبیر) اور یہاں طاقۃ کا مادہ استعمال ہوا ہے جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جو تکلیف کے ساتھ روزہ رکھ سکیں، مثلاً بوڑھے اور بوڑھیاں، حاملہ اور مرضعہ۔ ای یصومونہ جھدھم وطاقتھم ومبلغ وسعھم (کشاف) ای الذین یقدرون علی الصوم مع الشدۃ والمشقۃ (کبیر) فیصیر المعنی وعلی الذین یصومونہ مع الشدۃ والمشقۃ فیشمل نحو الحبلی والمرضع (روح) یکلفونہ او یتکلفونہ علی جھدٍ منھم وعسرٍ وھم الشیوخ والعجائز (کشاف) اور ابن عباسؓ کی قرأت میں تو یطوقونہ ہے، جو صاف مرادف یکلفونہ کا ہے۔ ومشھور قراءۃ ابن عباس یطوّقونہ بفتح الطاء وتشدید الواو بمعنی یکلفونہ (قرطبی) تابعین بلکہ صحابیوں کی متعدد روایتوں میں اس سے مراد بوڑھے اور بوڑھیاں ہی لی گئی ہیں، اور متعدد مفسرین نے بھی یہی سمجھا ہے اور آیت کے منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ ھو الشیخ والشیخۃ (ابن جریر عن علی) نزلت ھٰذہ الاٰیۃ فی حق الشیخ الھرم (کبیر) قال ابن عباسؓ لیست منسوخۃ ھو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما (ابن کثیر عن عطاء) فغسر ابن عباس ان کان الاسناد عنہ صحیحًا یطیقونہ بیطیقونہ ویتکلفونہ (قرطبی) روی ابو داؤد عن ابن عباس وعلی الذین یطیقونہ قال اثبتت للحبلی والمراضع (قرطبی) وخرج الدار قطنی عنہ ایضًا قال رخص للشیخ الکبیر ان یفطر ویطعم عن کل یوم مسکینًا ولا قضاء علیہ۔ ھٰذا اسناد صحیح (قرطبی) وروی عنہ ایضًا انہ قال وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام لیست بمنسوخۃ ھو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فیطعما مکان کل یوم مسکینًا وھٰذا صحیح (قرطبی) وحکم ھٰؤلاء الافطار والفدیۃ وھو علی ھٰذا الوجہ ثابت غیر منسوخۃ (کشاف) مفسر قرطبی کا فیصلہ اس باب میں قول فیصل ہے:- فقد ثبت بالاسانید الصحاح عن ابن عباسؓ ان الاٰیۃ لیست بمنسوخۃ وانھا محکمۃ فی حق من ذکر۔ ۶۵۷ یعنی جن بوڑھوں، بوڑھیوں، ناتوانوں کے لئے روزہ رکھنا بہت تعب کا باعث ہو، اُنہیں اختیار ہے کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک غریب کو روزانہ کھانا کھلا دیا کریں۔ اور کھانے کا معیار وہ ہو جو خود اُن کا اوسطاً رہتا ہے۔ مختلف فقہاء سے مختلف مقداریں منقول ہیں۔ ۶۵۸ (اسی ادائے فدیہ کے باب میں) یعنی اسقدر مقدار تو بہر حال واجب ہے اب اگر اس میں کوئی اور زیادتی کرنا چاہے، یعنی ایک شخص کے بجائے دو شخصوں کو کھلا دے، کھانے کی تعداد بڑھا دے، کھانے کی قسم بہتر کر دے، فدیہ کے ساتھ روزہ کو بھی جمع کر لے تو اور بہتر ہے۔ خیر، خیرات، فیاضی، وسیع چشمی، حسنِ سلوک، حسنِ معاشرت کی تاکید تو اسلام میں ہمیشہ اور ہر حال کیلئے موجود ہے لیکن رمضان کے ماہِ مبارک میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ چنانچہ ماہِ مبارک کے ختم پر یا ختم سے ذرا قبل جو صدقۂ فطر واجب بتایا گیا ہے۔ کہ آس پاس کا کوئی کلمہ گو بھوکا نہ رہنے پائے وہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ رسول اللہ صلعم فیاضی، سخاوت، جود و کرم میں اپنی نظیر آپ تھے، تاہم متعدد حدیثوں میں آتا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں آپ کا جوش کرم اور بڑھ جاتا تھا، اور آپ فیاض سے فیاض تر ہو جاتے تھے۔ ۶۵۹ (کہ صوم رمضان کی کیا کیا برکتیں اور فضیلتیں ہیں اور اس کے کیا کیا منافع و مصالح ہیں) ۶۶۰ (اگرچہ معقول عذر روزہ کو قضا کر دینے اور اسکے بجائے فدیہ دینے کے موجود ہوں) اس میں ترغیب اور تشویق ہے کہ روزہ رکھنے کے جو منافع و مصالح ہیں، وہ تو روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہوں گے، ہاں معذوروں کیلئے گنجائش فدیہ کی بھی رکھ دی گئی ہے ۶۶۱ یعنی اُترنا شروع ہوا۔ ای ابتدی فیہ انزالہ (مدارک۔ بیضاوی۔ روح) بدی بانزالہ فیہ علی رسول اللہ (بحر) کل قرآن مجید کا نزول تو بڑی تدریج کے ساتھ کوئی ۲۱ - ۲۲ سال کی مدت میں ہوا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کی ابتداء ماہِ رمضان میں ہوئی۔ وحی قرآنی کی سب سے پہلی آیتیں سورۃ العلق کا ابتدائی حصہ ہے، اور وہ غار حرا میں رسول اللہ صلعم پر اسی مہینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (سلہ نبوی) بہت سے مفسر اس جانب بھی گئے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول آسمان دنیا پر اسی مہینہ میں ہوا اور پھر وہاں سے فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل کے توسط سے بتدریج رسول اللہ صلعم پر ہوتا رہا۔ القرآن جس طرح ارض کا اطلاق سارے روئے زمین پر بھی ہوتا ہے اور زمین کے ہر ہر ٹکڑے پر بھی۔ اسی طرح قرآن کا اطلاق ۳۰ پاروں والی کمل کتاب پر بھی ہوتا ہے اور اسکے ہر ہر جزو پر بھی۔ رمضان۔ سنہ قمری اسلامی کے نویں مہینہ کا نام ہے۔ شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے۔ قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں اُدل بدل کر آتے رہتے ہیں مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی اور شدید سردی، خشک و تر، ہر ہر موسم میں بھوک اور پیاس کے ضبط و تحمل کا خوگر ہو جاتا ہے۔ روزوں کی تعداد تو شریعت نے مقرر کر ہی دی ہے۔ زمانہ بھی ایک متعین و مقرر ہے۔ یہ نہیں کہ محض تعداد جس کا جب جی چاہے پوری کرے۔ انفرادی اصلاح تو شاید ان حسب مرضی روزوں سے ہو بھی جاتی لیکن اجتماعی منافع و مصالح کے لئے تعداد کی طرح تعیین بھی ناگزیر تھی۔ وحدت اُمت کیلئے لازمی تھا کہ عرب و چین، مصر و ہندوستان، طرابلس و جاپان، حبش و آسٹریلیا، افغانستان اور کناڈا، سائبیریا اور میکسیکو، برطانیہ اور آسٹریا، غرض سارے روئے زمین پر اسلامی آبادی جہاں کہیں بھی ہو، سب ایک ہی وقت میں روحانیت کی اس سالانہ پریڈ میں شریک ہو ــــــ علم الاجتماع کے ماہرین جانتے ہیں کہ وحدتِ امت وتنظیم ملت میں کتنا زیادہ دخل اس اہم وقتی یاد وقت کی ہم آہنگی کو ہوتا ہے۔ قرآن کی مناسبت رمضان کے ساتھ ہر صاحب نظر پر بالکل روشن ہے، اہل سنت اسی لئے قرآن مجید کے اس نزول کی سالانہ یادگار اس مہینہ کی راتوں کو اپنی مسجدوں میں مناتے ہیں اور تراویح کی رکعتوں میں سارے قرآن کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیتے ہیں۔ ۶۶۲ یعنی اس میں خفا و التباس کسی قسم کا نہیں، اور اسکے سارے ہدایات و احکام لوگوں ہی کے نفع کے لئے ہیں۔ للناس سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے محض قریش یا عرب نہیں۔ ۶۶۳ قرآن مجید ایک کتاب محکم ہے نہ صرف دلالت احکام میں وضاحت کامل کی بنا پر، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اسکے دلائل حق کو باطل کو واضح اور نمایاں طور پر ممتاز کر دینے والے ہیں،

لم یوص فلا علیه شیء (قرطبی) بِالْمَعْرُوْفِ - یعنی پسندیدہ طریقہ پر عقل کی رعایت سے، حاجت کا لحاظ کرکے حُسنِ معاشرت وحُسنِ معاملت دونوں قسم کے احکام کے موقع پر قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ متقین سے یہاں مُراد مومنین ہیں۔ اُن کے وصف تقویٰ کا ذکر کرکے مُراد خود انہی سے لی گئی ہے۔ مراد بالمتقین المومنین وھم الذین اتقوا الکفر (بحر) والمراد بالمتقین المؤمنون (روح) ۶۴۳ (نہ کہ حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں) بَدَّلَهٗ اور سَمِعَهٗ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے۔ والضمیر فی بدّله یرجع الی الایصاء وکذلك الضمیر فی سمعه (قرطبی) یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اُس میں اپنی طرف سے کچھ قطع وبرید کردیں، جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ۔ یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اِس غلط اجراء میں کیا قصور، قصور تو بس اُنہی جھوٹے گواہوں کا ہے۔ ۶۴۴ سَمِيْعٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا کتر بیونت کی۔ عَلِيْمٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور و بے بس ہوتا ہے۔ ۶۴۵ (اور وہ اس بنا پر ازراہ اخلاص وخیر خواہی وصیت میں تبدیل کردے جس سے اُس بے ضابطگی یا معصیت کی اِصلاح ہوجائے) خَافَ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مُراد ہیں۔ اے فمن توقع وعلم وھذا فی کلامھم شائع (کشاف) والخوف والخشیة العلم (کبیر) ومعنی خاف توقع وعلم (روح) اے قد ظھر له من احوال الموصی ما یغلب معه علی ظنه انه یرید الجور وصرف المیراث عن الوارث (جصاص) جَنَفًا - جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی، یا بے ضابطگی کو۔ مُراد ہے سہو یا خطائے فہم سے گونہ زیادتی۔ الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الجنف الخطاء من حیث لا یعلم به (کبیر) میلًا عن الحق بالخطاء (کشاف) اِثْمًا - یعنی دانستہ غلطی کھلی ہوئی حق تلفی جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔ الاثم العمد (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الاثم ھو العمد (کبیر) ۶۴۶ (مضمون وصیت میں ترمیم کرکے، اور وارثوں کی حق تلفیوں کو دُور کرکے) بَيْنَهُمْ میں ضمیر جمع غائب وارثوں کی جانب ہے۔ اے بین الموصی لھم (روح) الکنایة عن الورثة (قرطبی) یعنی وصیت اگر بے ضابطہ ہے یا خلاف قاعدۂ شرعی ہے، اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوعِ نزاع یا احتمالِ نزاع ہی دیکھ کر مضمونِ وصیت میں ایسی ترمیم کردے جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہوجائے اور وارثوں میں باہم مصالحت ہوجائے۔ بعض فقہاء نے اس حکم کے ماتحت وسعت دے کر کہا ہے کہ حکم صرف وصی اور گواہانِ وصیت اور حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں، اُمت کا ہر فرد اس پر عمل کرسکتا ہے۔ فمن خاف من سائر الناس من موص میلا عن الحق وعدولا الی الجور فالواجب علیه ارشادہ الی العدل والصلاح (جصاص) الخطاب لجمیع المسلمین (ابن العربی). اس لئے کہ اس حکم کا تعلق باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے اور وہ ساری اُمت پر فرض ہے۔ ولا یختص بذلك الشاھد والوصی والحاکم دون سائر الناس لان ذلك من باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (جصاص) لان اصلاح الفساد فرض علی الکفایة (ابن العربی) فقہاء نے اس آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ غلبۂ ظن کے بعد رائے وعمل کا اجتہاد جائز ہوجاتا ہے اسلئے کہ وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم وزیادتی کا اندیشہ تو ظن غالب ہی کے حکم میں رہیگا۔ وفیھا الدلالة علی جواز اجتھاد الرای والعمل علی غالب الظن لان الخوف من المیل یکون فی غالب ظن الخائف (جصاص) وفی ھذا دلیل علی الحکم بالظن (ابن العربی) ۶۴۷ (اس تبدیل وترمیم مضمون وصیت کے باب میں) بلکہ وہ تو اور مستحق اجر و ثواب کا ہوگا۔ لانه تبدیل باطل الی حق (مدارک). ۶۴۸ اللہ تو گنہ گاروں تک کے حق میں غفور ورحیم ہے۔ چہ جائیکہ یہ شخص جو گنہگار ہے بھی نہیں بلکہ اپنی سعی اصلاح میں تو مطیع حکم اور مستحق اجر ہے۔ غَفُوْرٌ۔ یعنی گناہوں کا بخشنے والا۔ رَحِيْمٌ۔ یعنی خطاکاروں کے حال پر رحم کرنے والا۔ ۶۴۹ صیام جمع ہے صوم کی۔ صوم یا روزہ اصطلاحِ شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ اِنسان طلوعِ فجر سے غروب آفتاب تک اپنے کو کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے روکے رہے۔ جو روزے فرض ہیں وہ ماہِ رمضان کے ہیں۔ غیبت، فحش، بدزبانی وغیرہ زبان کے تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ جدید وقدیم سب طبیب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دُور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کیلئے ایک بہترین مُصلح ہے پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبط نفس کی رُوح جو ساری اُمت میں تازہ ہوجاتی ہے، اُسکے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے۔ ۶۵۰ روزہ کسی نہ کسی صُورت میں تو دُنیا کے تقریبًا ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع چہار دہم کی جلد ۹ ص ۱۰۶ اور جلد ۱۰ ص ۱۹۳ سے ظاہر ہے لیکن قرآن کو مشرکانہ مذہبوں سے بحث نہیں۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے اسکی اصل مُراد اہلِ کتاب ہی سے ہوسکتی ہے۔ چنانچہ روزہ شریعتِ مُوسوی کا ایک اہم اور مشہور جزو ہے۔ مذاہب عالم سے اِتنی گہری واقفیت، کہ صاف صاف اُن میں روزہ کے جزوِ مذہب ہونے کی خبر دے دی، ڈاک اور ریل کے زمانہ سے صدیوں قبل اور اخبارات اور کتبخانوں کے دَور سے ہزار بارہ سو سال پیشتر عرب جیسے دُور اُفتادہ اور دنیا کے ہر مُلک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک اُمّی کیلئے کسی طرح ممکن نہیں ــــــ بجز وحیٔ الٰہی کے توسط کے۔ ۶۵۱ روزہ تعمیل ارشادِ خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیتِ جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے، اشخاص کے انفرادی اور اُمت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض وغایت کی تصریح ہوگئی کہ اس سے مقصود تقویٰ کی عادت ڈالنا اور اُمت وافراد کو متقی بنانا ہے۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے جس طرح مُضر غذاؤں اور مُضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہوجاتی ہے اور مادی لذتوں سے لُطف وانبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اِسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کرلینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحتِ رُوحانی وحیاتِ اخلاقی کے حق میں مُضر ہیں، اُن سے بچے رہنے سے) عالمِ آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لُطف اُٹھانے کی صلاحیت واستعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہوکر رہتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دُوسری قوموں کے گرے بڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے اور خیر مشرک قوموں کے ناقص، ادھورے اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ یا تو کسی بلا کو دفع کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں، یا کسی فوری اور مخصوص روحانی کیفیت کے حاصل کرنے کو۔ یہود کی قاموسِ اعظم جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامتِ ماتم کے رکھا جاتا تھا، اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا، اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبولِ الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔" (جلد ۵۔ ص ۳۴۷) اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد وارادہ سے ایک مدتِ معین تک کیلئے اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری کا۔ اور اس سے ایک طرف طبی اور جسمانی، دُوسری طرف رُوحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، فرد اور اُمت دونوں کو، اُنکی تفصیل کی گنجائش تو یہاں بہرحال نہیں۔ البتہ سُورۃ کے آخر میں بطور ضمیمہ اس نامہ سیاہ کی بعض اور تحریریں پرچۂ صدق اور سچ سے نقل کرکے درج کی جاتی ہیں۔ ۶۵۲ یعنی ان فرض روزوں کی ایک متعین تعداد ہے جیسا کہ ڈسپلن (تنظیم یا باقاعدگی) کا اقتضاء ہے۔ یہ نہیں کہ جب جس کا جی چاہے جتنے دنوں کے لئے رکھ ڈالے۔ وحدتِ اُمت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ، متعین حدود کے ساتھ ساری اُمت کیلئے مقرر ہو۔ ضمنًا یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرض روزوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہیں۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزے رکھتے ہی جاؤ، چھ مہینے بلکہ تین مہینے بھی نہیں۔ سال بھر میں کُل ۲۹ یا ۳۰ دن۔ ۶۵۳ (اور بیماری کے باعث روزہ اس پر شاق ہو) بیماری کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بیماری بہت شدید بھی ہوسکتی ہے اور بہت خفیف برائے نام بھی ہوسکتی ہے اور پھر موسم، عمر، جثہ وغیرہ کے اختلافات بھی اثر انداز ہُوا کرتے ہیں۔ یہاں مُراد ایسی بیماری ہے، جو روزہ رکھنے میں خلل انداز ہو۔ محض مرض کسی درجہ میں ہونا اجازت ترک صوم کے لئے کافی نہیں۔ اے مریضًا یعسر علیه الصوم معه (روح) قال جمھور من العلماء اذا کان به مرض یؤلمه او یخاف تمادیه او یخاف تزیدہ صح له الفطر (قرطبی)

يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ

اُسے بدل ڈالیں ۶۴۳ بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے ۶۴۴ البتہ جس کسی

خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ

کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ کا علم ہوجائے، پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

صلح کرادے ۶۴۶ تو اُس پر کوئی گناہ نہیں ۶۴۷ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنیوالا ہے، بڑا رحم کرنیوالا ہے ۶۴۸

ع ۲۲ ۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کئے گئے ۶۴۹

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

جیسا کہ اُن لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں ۶۵۰ عجب نہیں

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ

کہ تم متقی بن جاؤ ۶۵۱ (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) ۶۵۲ پھر تم میں سے جو شخص

مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

بیمار ہو ۶۵۳ یا سفر میں ہو ۶۵۴ اُس پر دُوسرے دنوں کا شمار رکھنا

اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ

(لازم ہے) ۶۵۵ اور جو لوگ اُسے مشکل سے برداشت کرسکیں ۶۵۶ انکے ذمہ

طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ

فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے ۶۵۷ اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے ۶۵۸ اُس کے حق میں

۶۳۶ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مُراد قاتل یا قاتلین ہی ہوسکتے ہیں۔ یراد بما القاتل ھذا قول ابن عباس و قتادۃ و مجاھد و جماعۃ من العلماء (قرطبی) من ھو قتل معفولہ (مدارک) مِنْ اَخِیْهِ۔ یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے۔ مُدعی یا مُستغیث کی طرف سے۔ لفظ اخیہ کی بلاغت و معنویت اس سیاق میں سر دُھننے کے قابل ہے، شدید ہیجان جذبات انتقام و اشتعال پذیری کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔ اس انتہائی موقع پر بھی یہ لفظ لاکر بتا دیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہوجاتا، اخوتِ اسلامی کے دائرہ سے خارج نہیں ہوجاتا مقتول کا ولی و وارث، قاتل کا دینی بھائی اس وقت بھی رہتا ہے۔ والمراد بالاخ ولی الدم (روح) سماہ اخا استعطافا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح) یعنی ولی الدم وذکرہ بلفظ الاخوۃ الثابتۃ بینھما من الجنسیۃ والاسلام لیرق لہ ویعطف علیہ (بیضاوی) والاخ ولی المقتول وذکر بلفظ الاخوۃ بعثا لہ علی العطف لما بینھما من الجنسیۃ والاسلام (مدارک) شَیْءٌ۔ لفظ اہم ہے یعنی سزائے واجب کا کچھ حصّہ چھوڑ دیا جائے۔ نہ کہ تمامتر معاف کردیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں، بلکہ اُسے ہلکی کوئی سزا دے کر، یا خونبہا کی پُوری رقم میں سے کچھ حصّہ اُسے معاف کرکے اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔ رُومیوں کی مشرک قوم میں قتل تمامتر ایک جُرم قانون فوجداری کا تھا۔ قانون دیوانی سے اُسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ موجودہ فرنگی قانون چونکہ تمامتر رُومیوں ہی کے قانون (رومن لا) پر مبنی ہے۔ اسلئے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جُرم ہے۔ شریعتِ اسلامی کی نظر فطرتِ بشری کی گہرائیوں اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے۔ اُس نے اپنے اصُول قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جُرم ہے، دیوانی کا بھی ہے۔ اس جُرم سے محض (اسٹیٹ) حکومت اور سوسائٹی ہیئتِ اجتماعیہ ہی کے ایک قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ یہ فرد پر بھی اُس کی شخصی حیثیت میں ایک حملہ ہے گویا یہ جُرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیویٹ۔ اور جب اس کی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار ہونا چاہئے

عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ

اُس کے فریقِ مقابل کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہوجائے ۶۳۶ سو مطالبہ معقول (اور نرم) طریق پر کرنا

وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ

چاہیئے ۶۳۷ اور مطالبہ کو اُس (فریق) کے پاس خوبی سے پہنچا دینا چاہیئے ۶۳۸ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت

رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

اور مہربانی ہے ۶۳۹ سو جو کوئی اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اُس کے لئے

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

(آخرت میں) عذاب دردناک ہے ۶۴۰ اور تمہارے لئے اے اہلِ فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے

يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ

تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۶۴۱ تم پر فرض

عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ

کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو، بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ

خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ

رہا ہو، تو وہ والدین اور عزیزوں کے حق میں معقول طریقہ سے وصیت

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ

کرجائے یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر ۶۴۲ پھر جو کوئی اُسے اُس کے

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

سننے کے بعد بدل ڈالے، سو اُس کا گناہ بس اُنہی پر ہوگا جو

کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا اسٹیٹ (حکومت) سے دلائیں، اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لے کر انتہائی سزا سے دستبردار ہوجائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دِیَۃ یا خونبہا کہتے ہیں۔ اور اس میں گھٹ بڑھ برابر ہوسکتی ہے (دیت کا ذکر خود قرآن مجید میں آگے آرہا ہے) آج بھی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک (اسٹیٹ) مُلک کی رعایا کا خُون دُوسرے ملک (اسٹیٹ) کے باشندوں کے ہاتھوں ہوجائے، اور غیر مُلک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دُشواریاں محسوس ہوں، تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اُس کی پیروی کے صرف "ہرجانہ" (Damages) کی رقم پر کفایت کرلی جائے۔ یہ "ہرجانہ" اُسی خونبہا کے لئے ایک خوشنما اور جدید اصطلاح ہے۔ ۶۳۷ (اور خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ، شر و فساد کا موقع نہ نکالنا چاہیئے) یعنی مقتول کا فریق، کہ وہی اب مُدعی یا مُستغیث ہوگا۔ خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت، آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریقِ مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اس کے جوش کو نہ بڑھائے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی عین حدت و اشتعال طبع کے نازک موقعوں پر یہ رکھ رکھاؤ، اِتنی احتیاط اور حُسنِ معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعتِ اسلامی کا مخصوص حصّہ ہے۔ ۶۳۸ اب یہ تاکید قاتل یا اُسکے فریق کو ہو رہی ہے اُن ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے یہی چاہیئے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہوچکی ہو، اُسے بغیر مزید طوالت یا پیچیدگی و بدمزگی کے، فریقِ مقتول یعنے مدّعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہنچا دیں۔ الیہ میں ضمیر فریقِ مقتول کی جانب ہے۔ والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک) فطرتِ بشری کی اِن نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل و مقتول ہر ممکن فریق کے مصالح و جذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک اِنسان ہوتا ہے۔ اِتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی ہی قانون کی شان ہوسکتی ہے۔ ۶۳۹ ذٰلك۔ یعنے یہی حکم جو اُوپر فمن عفی لہ کے اندر مذکور ہوچکا۔ یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیۃ (مدارک) ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی، دُوسری طرف دِیت اور عفو کی نرمی، یہ حُسنِ امتزاج اور اعتدال و توازن کا یہ مکمل قوام اُسی قانون کا حصّہ ہوسکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمتِ مطلق سے نکلا ہو۔ ۶۴۰ (آخرت میں) اعتداد۔ یعنی زیادتی کی صورتیں بہت سی ہو سکتی ہیں مثلاً ایک یہی کہ کسی بیگناہ پر قتل کا جھوٹا دعوی کردیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کردیا، اور پھر معافی کے بعد پُورے قصاص کے درپے ہوگئے۔ وقس علی ہذا۔ ایسے بیدردوں اور خدا ناترسوں کو صرف خوفِ آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔ ۶۴۱ قانونِ قصاص عین عدل و مساوات کا قانون ہے اور ہیئتِ اجتماعی کے نظم و قیام راستی کا بہترین ضامن و کفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہوجائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر ستم ڈھاڈھا کر رہیں۔ اُمت کے مختلف طبقوں میں ایک دُوسرے کی طرف سے اطمینان و دلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔ اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہیگا، اس قانون کی رُوح اُمت میں سرایت کرجائیگی تو ساری قوم کا مزاج صالح ہوجائیگا، اور آئین پسندی، باہم صلح و سازگاری، خدمت و معاونت جزوِ زندگی بن جائیگی، اور اُمت دیکھتے ہی دیکھتے اُمت صالحین و ابرار، اُمت عادلہ کہلانے کی مصداق بن جائیگی۔ ۶۴۲ یہ حکم وصیت، آیت میراث کے نزول سے (جس میں حقداروں کے حصّے معیّن کرکے بتادیے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔ نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی) اس لئے قدرۃً اب اس پر عملدرآمد اُس آیت متاخر و مابعد ہی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسّرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہوجانا کہتے ہیں۔ جائداد کی تقسیم اب آیت میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائداد کے ایک ثُلث کے، کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے۔ اور اس کی تصریح بھی اُسی سورۃ النساء کی آیت میراث میں موجُود ہے۔ وصیۃ کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں اس سے مُراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں جو وصیت کرجانیوالے کی موت کے بعد قابلِ عملدرآمد ہوتی ہیں فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں:۔ (۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجۂ واجب میں ہے مثلاً ادائے زکوٰۃ و کفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔ (۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کارِ خیر کیلئے وصیت کرجانا، یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصّہ نہ پہنچ رہا ہو۔ (۳) بعض صرف مُباح ہوتی ہیں۔ جیسے کسی امرِ جائز کیلئے وصیت کرجانا۔ (۴) اُن کے علاوہ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی تعمیل ممنوع ہے۔ وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائینگی۔ مثلاً کسی کافر حربی کے حق میں، یا کسی فعلِ حرام کے لئے وصیت کرجانا۔ (۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ ان کی تعمیل شرط کے ساتھ معلّق ہوتی ہے مثلاً ترکہ کے ایک ثُلث سے زائد میں وصیت کرجانا۔ اس کی تعمیل دُوسرے ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔ اَلْوَصِیَّةُ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے اور اسی معنی کا لحاظ کرکے اس کیلئے فعل مذکر (کُتِبَ) لایا گیا ہے۔ ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (کُتِبَتْ) آنا چاہیئے تھا۔ اور تاء تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیت اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے اور اتنا فاصلہ حائل ہوجانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاء تانیث حذف ہوجاتی ہے (قرطبی) خَیْرًا۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے مالِ طیّب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔ مثلاً قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ (سورۂ بقرہ) یا وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ (سورۂ بقرہ) وقس علی ہذا بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخیر ھھنا المال من غیر خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء انما سمی المال ھھنا خیرا تنبیھا علی معنی لطیف وھو ان الذی یحسن الوصیۃ بہ ما کان مجموعا من المال من وجہ المحمود (راغب) ای مالا کما قالہ ابن عباس و مجاھد (روح) ایک گروہ نے لفظ وجوب سے استناد کرکے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت بہرحال کرجانا چاہیئے۔ دُوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھیرایا ہے۔ امام نخعی کا قول اس باب میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کے اُسوۂ حسنہ موجُود ہیں۔ ابوبکر صدیق وصیت کرگئے تھے لیکن خود رسُول اللہ صلعم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ وقال النخعی مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یوص وقد اوصی ابوبکر فان اوصی فحسن وان

ناب اختیار کر کے بھی آسکتے ہیں۔ غرض یہ کہ اوتار، معنی دحقیقت کے اعتبار سے خدا ہوتا ہے، اور صورت اور ظاہر کے اعتبار سے انسان یا جانور۔ پیمبر اسکے برعکس صرف بشر ہوتا ہے اور ہمیشہ بشر ہی۔ نہ کبھی فوق البشر، نہ کبھی تحت البشر اور بجز اسکے کہ صاحب وحی ہوتا ہے اور
اس لئے اخلاق کی پاکیزگی میں بے نظیر، اور جرم و عصیان سے پاک، اور کسی حیثیت سے شکل و صورت میں، چلنے پھرنے میں، بولنے چالنے میں، بھوک پیاس میں، غم و مسرت میں، صفات بشری سے ممتاز نہیں ہوتا۔ آیت کے اتنے جزو میں قرآن مجید نے اپنی معجزانہ
بلاغت و ایجاز سے تمام اعتقادی گمراہیوں کی جڑ کاٹ دی، اور سارے مذاہب باطلہ کی تردید کر دی۔ اعتقادی گمراہی جب کبھی بھی انسانوں کو گھیرے گی، ہمیشہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب اور ایمان بالانبیاء ہی کی کسی نہ کسی
غلطی یا غلط فہمی کی راہ سے آئے گی ٦٢٩ عقائد کی تصحیح ہو چکی، تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں بھی ابتدا شعبۂ معاملات سے ہوئی۔ آیت کے اسی جزو میں اس کا بیان ہے۔ علیٰ حبّہٖ۔ اسکی محبت میں ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ اس کی محبت سے مراد اللہ تعالیٰ
کی محبت ہے۔ یعنی یعطون المال علیٰ حب اللہ ای علیٰ طلب مرضاتہ (کبیر) قیل علیٰ حبّ اللہ (کشاف) قیل الضمیر للہ تعالیٰ (بیضاوی) گویا یہ بتا دیا کہ صرف مال فی نفسہٖ ہرگز محمود و مطلوب نہیں، مطلوب و مقصود صرف وہ صرفِ مال ہے، جو اللہ کی راہ میں، اللہ کی رضا جوئی کے لئے،
اللہ کے دین کے فروغ کے لئے ہو۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ صرفِ مال، مال کی محبت کے باوجود ہو۔ یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے، لفظ قریب مال کو قرار دیا گیا ہے۔ وھو قول الاکثرین انہ راجع الی المال (کبیر) ای مع حب المال والشح بہ کما قال ابن مسعود (کشاف) اس میں
بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آگئی ہے۔ مال و زر کی محبت اور قدر اسکے دل میں ہے، خواہشیں اس کی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے، لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے۔ اپنے شوق کو حکم خداوندی
پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ عمل اسی پر کرے گا، جو حکم ربانی ہے۔ اور خرچ وہیں کرے گا، جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔ ذَوِی الْقُرْبٰی۔ مصارفِ خیر کی اسلام نے کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے۔ آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں
آگیا ہے۔ مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہو۔ چچا کے پاس موٹریں ہوں، اور بھتیجے کو اکّہ کے پیسے بھی میسر نہ ہوں۔ ہر زردار کو سب سے پہلے خبرگیری اپنے نادار عزیزوں کنبہ والوں
بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبیوں کی کرنا چاہئے۔ اسکے بعد نمبر محلہ کے، بستی کے، شہر کے یتیم بچوں، بچیوں کا آتا ہے، جن کا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔ اسکے بعد درجہ بدرجہ نمبر امت کے عام مفلسوں، محتاجوں، اور پھر ان مسافروں، راہگیروں کا
کا آتا ہے جو زاد راہ سے محروم ہیں۔ اور اس لئے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں، اور کوئی ان کے ٹھیرانے، کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے۔ اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں۔ اس پورے معاشی پروگرام
پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے، تو امت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟ ٦٣٠ (قیدیوں اور غلاموں کی) فِی الرِّقَابِ۔ رقاب، رَقَبَۃ کی جمع ہے۔ لفظی معنی گردن کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں جن کی گردنیں آزاد نہیں،
یا جو بدھے ہوئے ہیں۔ یعنی غلام جو دوسروں کی رعایا ہیں۔ یا قیدی، جو کسی جرم فوجداری یا دیوانی کی علت میں گرفتار ہو کر محبوس ہیں۔ الرقبۃ جعل فی التعارف اسمًا للمالیک کما عبر بالرأس وبالظھر عن المرکوب (راغب) الرقبۃ مجاز عن الشخص (روح) تقدیر کلام یوں ہے، فی تخلیص الرقاب۔ یا فی
فکاک الرقاب۔ گویا مضاف محذوف ہے، اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے۔ مراد وہی زرِ معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دلانا ہے۔ یعنی المکاتبین قالہ اکثر المفسرین (معالم) وقیل فداء الاساریٰ (معالم) وھم المکاتبون (ابن کثیر) ای فی تخلیصھا بمعاونۃ
المکاتبین او فک الاساریٰ (بیضاوی) ای فی تخلیصھا الرقاب فکاکھا (روح) مصارفِ خیر و اعانت کی ایک ضروری مد رہی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے آخر میں اس کا بھی اضافہ کر دیا۔ اور اب یہ فہرست امت کے اجتماعی نقطۂ نظر سے ہر طرح مکمل ہو گئی ٦٣١ تصحیح عقائد کی ہو چکی۔ تصحیح
معاملات کی ہو چکی۔ اب نمبر عبادات کا آتا ہے۔ عبادات بے شمار ہیں، بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے۔ یہاں الصلوٰۃ و الزکوٰۃ لا کر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کر دیا۔ نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہو گئی۔ زکوٰۃ ساری مالی عبادتوں کی۔ اقام
الصلوٰۃ۔ یعنی نمازیں وقت مقرر پر، شرائط و قواعد معلوم کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اٰتی الزکوٰۃ۔ یعنی زکوٰۃ حسب آداب و شرائط شریعت باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں ٦٣٢ عقائد ہو چکے، معاملات ہو چکے، عبادتیں ہو چکیں، اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔ الموفون بعھدھم۔ فقرہ
ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔ خواہ وہ معاہدہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہو، یا معاہدہ بندوں کا بندوں کے درمیان ہو۔ مومن جھوٹا وعدہ کرنا یا جھوٹا عہد لینا جانتا ہی نہیں۔ ای فی ما بینھم و بین اللہ تعالیٰ و فی ما بینھم و بین الناس (قرطبی) البأساء۔ مصیبت اور تنگدستی
میں۔ بأساء کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔ ای الشدۃ و الفقر (قرطبی) البأساء فی الاموال کالفقر (بیضاوی عن الازہری) الضّرّاء۔ بیماری کی تکلیفوں میں۔ ضرّاء کا اصل تعلق جسمانی آزار سے ہے۔ ای المرض و الزمانۃ (قرطبی) الضراء فی الانفس کالمرض (بیضاوی عن الازہری)
حِیْنَ الْبَاْسِ۔ یعنی جنگ کے وقت دشمنانِ دین کے مقابلہ میں۔ ای وقت مجاھدۃ العدو (بیضاوی) ای وقت الحروب (قرطبی) ثبات و صبر کے ظاہر کرنے اور جوہر سیرت و مردانگی کی چمک دکھانے کے یہی تین خاص موقع ایک مومن کے لئے ہوتے ہیں ٦٣٣
یعنی کمالاتِ حقیقی کے ساتھ موصوف، اور طاعت و پرہیزگاری (برّ و تقویٰ) میں پورے اترنے والوں کی علامتیں یہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں۔ اس معیار سے جس کو چاہو، جانچ لو، پرکھ لو۔ ای صدقوا فی الدین و اتباع الحق و طلب البر (بیضاوی) قرآن مجید کی
ہر آیت بجائے خود معظم، محترم و واجب العمل ہے۔ لیکن اس آیت کے باب میں تو حدیث نبوی میں یہاں تک صراحت موجود ہے، کہ من عمل بھذہ الاٰیۃ فقد استکمل الایمان (جس نے اس آیت پر عمل کر لیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا) اور محققین کا قول نقل ہوا
ہے، کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اسکے اندر دین و شریعت کے سولہ احکام آگئے ہیں۔ قال علماؤنا ھذہ اٰیۃ عظیمۃ من امھات الاحکام لانھا تضمنت ست عشرۃ قاعدۃ الایمان باللہ و باسمہ و صفاتہ و النشر و الحشر و المیزان و الحوض و الشفاعۃ
و الجنۃ و النار و الملٰئکۃ و الکتب المنزلۃ و انھا حق من عند اللہ و النبیین و انفاق المال فی ما یعن من الواجب و المندوب و ایصال القرابۃ و ترک قطعھم و تفقد الیتیم و عدم اھمالہ و المساکین کذٰلک و مراعاۃ ابن السبیل و السؤال و فک الرقاب (قرطبی)
اور بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کر کے کہا ہے کہ آیت اصل مدار ہے شریعت و طریقت کی۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لئے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری، بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں
احکام کی اطاعت بھی۔ اور خیر یہ باتیں تو سب اپنوں کی تھیں۔ فرنگیوں میں سے ایک ذات شریف پادری وہیری (Wherry) نامی ہوئے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما"۔ سن سفید داڑھی کے بال اسلام کی عداوت ہی میں سفید کئے۔ سیل Sale
کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ انہی کے قلم سے ہے۔ اس آیت پر پہونچ کر قدرت ان کے قلم سے یوں لکھواتی ہے:۔ "یہ (آیت)، قرآن کی بلند ترین آیتوں میں ہے ..... ذات باری پر ایمان، اور نوعِ انسانی کے ساتھ حسن سلوک، اس کو اس میں واضح طور پر
مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے۔ اس میں لُبِّ لباب عقائد اور اعمال کا آ گیا"۔ خیر یہی بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید میں "بلند" نظر آگئیں ٦٣٤ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو، اور سزاؤں کے نفاذ پر باقاعدہ قدرت
رکھتے ہو) اسلام اپنے پیروؤں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا ہے، اور اسے بطور ایک مسئلہ کے فرض کئے رہتا ہے کہ امت دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل کافروں کے تسلط و اقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضاتِ اولین میں گویا داخل
ہی نہیں۔ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی اکثر دفعات کا نفاذ نظامِ حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی امت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔ لا خلاف ان القصاص فی القتل لا یقیمہ الا اولو الامر فرض علیھم النھوض بالقصاص و اقامۃ
الحدود و غیر ذٰلک (قرطبی) اتفق ائمۃ الفتویٰ علیٰ انہ لا یجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون السلطان لیس للناس ان یقتص بعضھم من بعض (قرطبی) قصاص۔ یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے از خود لینا شروع کر دے۔ بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منظم،
مہذب و منضبط ترین شکل کا نام ہے۔ امت کا ایک قانونی و اجتماعی حق ہے۔ اس کے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل و عقد پر عائد ہوتی ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں مومنین سے خطاب اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔ قتلیٰ۔ قتل عمد کی سزا یہ
کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے۔ البتہ خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کر کے کسی آہنی سلاح سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے قتل کرے۔ ما العمد
فما تعمد ضربہ بسلاح او ما یجری مجری السلاح فی تفریق الاجزاء (کافی) المسلاح و ما یکون الۃ قاتلۃ اُعِدَّت للقتال (ہدایہ) اور فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے ساتھ خاص ہے ٦٣٥ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہے
گی، اور خون خون سب کا برابر سمجھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک دستور یہ پڑ گیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا، تو قصاص میں جان اس آزاد کی لینے کے بجائے کسی
غلام کی لی جاتی۔ دنیا کی تاریخ دوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (White) کا خون ایک کالے (Negro) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض
قاتل قوم کے کئی کئی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہونچ کر داد ان فقہاء و مفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنہوں نے آیت کی تفسیر میں صاف لکھ دیا ہے۔ ای المساواۃ بینھم لا الزیادۃ۔ اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا،
اور اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی، امت کے ہر فرد کی، یکساں قابلِ احترام ہے۔ اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جس کا جو قاتل ہوگا، وہی سزا پائے گا۔ القصاص عبارۃ عن المساواۃ۔ و المعنیٰ فرض علیکم اعتبار المماثلۃ و المساواۃ
فی القتلیٰ (مدارک) فقہ حنفی کے دو مسئلے اس سلسلہ میں قابلِ خیال رکھنے کے ہیں:۔ (١) مقتول اگر کافر ہے لیکن ذمی، تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلم ہو۔ ہاں کافر حربی چونکہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے، اسلامی "اسٹیٹ" کا
بھی، اور اسی لئے تو اسے حربی کہا ہی جاتا ہے، سو اس کے قتل میں ظاہر ہے کہ قصاص نہیں۔ (٢) دوسرے یہ کہ قتل عمد میں آزاد کے عوض میں تو آزاد قتل کیا ہی جائے گا۔ غلام کے عوض میں بھی آزاد قتل کیا جائے گا اگر وہ قاتل ہے اور عورت کے عوض میں عورت تو
ماری ہی جائے گی، لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا، اگر وہ قاتل ہے۔ آیت میں ایک پہلو ایسا بھی ہے جس سے معتزلہ کا رد نکل آیا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں حالانکہ آیت میں اکبر الکبائر یعنی قتل مسلم کا بیان ہے، اور قاتل کو دائرۂ اسلام
سے خارج نہیں کیا ہے، مسلمان ہی شمار کیا ہے۔ شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں وہ قابلِ ملاحظہ ہیں:۔ "اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا وہ مار ڈالا جائے گا"۔ (احبار۔ ٢٤: ١٧) "اور جو انسان کو مار ڈالے، جان سے مارا
جائے"۔ (احبار۔ ٢٤: ٢١) "توڑنے کے بدلے توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے"۔ (احبار۔ ٢٤: ٢٠)۔

بجائے عذاب کے دوچار ہونا پڑے گا ۶۲۴ (اور ناہنجار بندوں نے اُس میں خواہ مخواہ خلط و تلبیس کردیا) الْكِتٰبَ - یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے - مراد ہیں تمام کُتب آسمانی - بِالْحَقِّ - یعنی بالکل صحیح یا دلائل و شواہد کے ساتھ - ای بالصدق وقیل بالحجة (قرطبی) ذٰلِكَ یہ اشارہ عذاب کی طرف ہے - ای ذٰلک العذاب (بیضاوی) ۶۲۵ (اور اس کے نتائج بھگت کر رہیں گے) اِخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ - یعنی خواہ مخواہ اور اپنے اغراض کے لئے اپنی کتاب آسمانی میں جھگڑے نکال کھڑے کئے - ورنہ تعلیمات الٰہی میں کمال وضوح کی بنا پر اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی - فِیْ شِقَاقٍۢ بَعِیْدٍ - یعنی بھٹک کر حق و صداقت سے بہت ہی دُور جا پڑے ہیں - یہ مُراد بھی ہوسکتی ہے کہ یہ غفلت اُن میں اس سے پیدا ہوگئی ہے کہ اللہ کے سچے کلام میں اُنھوں نے از راہ نفسانیت خواہ مخواہ اختلاف کیا اور اس لئے اور زیادہ بھٹک گئے ۶۲۶ (جیسا کہ گمراہ و مُشرک قومیں سمجھ رہی ہیں) قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح یہ آیت بھی اصلاً گمراہ و مُشرک قوموں کے رد میں ہے اور اس کا مفہوم پوری طرح جبھی روشن ہوگا، جب اُن کے عقائد باطل کو پیش نظر رکھا جائے - الْبِرَّ - بر کے معنی لُغت عربی میں بہت وسیع ہیں - نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے - اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہوسکتا ہے - البر التوسع فی فعل الخیر من اللہ تعالی الثواب ومن العبد الطاعة (راغب) البر الطاعة (تاج) قال بعضهم البر الخیر قال ولا اعلم تفسیرًا اجمع منه لانه یحیط بجمیعه ما قالوا (تاج) اہل لُغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِرّ کے مفہوم کی بھی وسعت مسلم ہے - البر اسم جامع للطاعات و اعمال الخیر المقربة الی اللہ تعالی (کبیر) اسم عام لجمیع ما یوجر علیه الانسان (کبیر) اسم جامع لانواع الخیر والطاعات المقربة الی اللہ تعالٰی (روح) البر کل فعل مرضی (بیضاوی) ۶۲۷ (حالت نماز میں یا عبادت کے وقت) ظہور اسلام سے قبل دُنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک اہم گمراہی سمت پرستی تھی - یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مُورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہوگئی تھی اور مختلف جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت، مثلاً مشرق، مقدس ہے، اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے - قرآن مجید یہاں شرک کی اسی صُورتِ خاص کی تردید کر رہا ہے،

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ

پھیر لیا کرو ۶۲۷ بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن اور

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰی

فرشتوں اور کتاب اور پیمبروں پر ایمان لائے ۶۲۸ اور اس کی محبت میں مال

حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ

صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور

وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

سائلوں پر ۶۲۹ اور گردنوں کے آزاد کردینے میں ۶۳۰ اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

ادا کرتے ۶۳۱ اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وعدہ کرچکے ہوں،

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ

اور تنگی میں اور بیماری میں، اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ۶۳۲

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝١٧٧

یہی لوگ ہیں جو سچے اُترے، اور یہی لوگ تو متقی ہیں ۶۳۳

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ

اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کردیا گیا ہے ۶۳۴

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ

آزاد کے بدلہ میں آزاد، اور غلام کے بدلہ میں غلام، اور عورت کے بدلہ میں عورت ۶۳۵، ہاں جس کسی کو

اور ارشاد کر رہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہوا ہے، اور کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں - طاعت (البر) سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں - ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا، وہ محض اسلئے کہ اُن کی نظر مذاہبِ غیر کی اس گمرہی پر نہ تھی - اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لئے کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے، اُس نے نہ صرف ایک متعین مکان یعنی خانۂ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے اور اُسے قبلۂ توجہ ٹھیرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کعبہ مصر و طرابلس و حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے، ہندوستان، افغانستان اور چین سے مغرب میں، شام و فلسطین و مدینہ سے جنوب میں، اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں، اور بہت سے مقامات سے ان مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں - الْمَشْرِقِ - سُورج دیوتا دنیائے شرک کا معبودِ اعظم رہا ہے - مشرک قوموں نے اس کی پرستش بڑی کثرت سے کی ہے - اور یہ چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس لئے عموماً جاہلی قوموں نے مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا، اور عبادت کے لئے مشرق رُخی اختیار کرلی - حضرت مسیحؑ کے چند ہی سال بعد جب مسیحیوں میں ایک شخص پولوس نامی آگھسا (جسے ایک دُنیا آج سینٹ پال کے نام سے یاد کرتی ہے) اور اُس نے مسیحیت کا رُخ بجائے تجدید موسویت کے ایک مستقل تثلیثی شرک کی طرف پھیر دیا - رومی اُس وقت حاکم قوم تھی - اور جیسے آج ہندوستان کے ہر شعبۂ زندگی میں انگریزیت اور "صاحبیت" کا بول بالا ہے، اُس وقت بھی محکوموں کے دلوں میں رومی مُشرکوں ہی کے علوم و فنون، تہذیب و معاشرت، دین و عقائد کا تسلط چھایا ہوا تھا - اور رومی مذہب کا ایک جزو آفتاب پرستی بھی تھا - پولوسی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مُشرکانہ مراسم رومیوں سے دھڑا دھڑ اخذ کرلئے، وہیں اس مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رُخ کرکے کرنے لگے چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رویہ چلے آتے ہیں - قرآن مجید نے اس مشرق رُخی پر زبردست ضرب لگائی، اور بتادیا کہ یہ سمت وار تقدس تو کسی درجہ میں بھی طاعت یا عبادت نہیں، بلکہ طاعتیں وہ ہیں جن کی تفصیل یہی آیت آگے کر رہی ہے - وَالْمَغْرِبِ - مشرق پرستی سے تو بہر حال کم اور بہت کم، لیکن پھر بھی بہت کچھ عام اور وسیع وبا مغرب پرستی کی بھی شرک کی دُنیا میں رہ چکی ہے - آفتاب کے طلوع و غروب پر قیاس کرکے مشرک ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ مصدرِ حیات جس طرح سمتِ مشرق ہے، اُسی طرح مستقر موت و اجل سمتِ مغرب ہے، اور یہ بھی مستحق تعظیم و تقدیس ہے - نیز ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۴۱۵ و ۴۲۵ پ ۱ - الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ - یہ دو نام صراحت کے ساتھ صرف مثال کے طور پر لئے گئے - مقصود تمام سمتوں کی تعمیم ہے، انہی دو سمتوں کی تحدید یا تخصیص نہیں - والمراد من ذکر المشرق والمغرب التعمیم لا تعیین السمتین (روح) ۶۲۸ مُشرکانہ ذہنیت کی تردید کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اصلی طاعت یہ ہے جس کا بیان اب ہو رہا ہے، آیت کے اس جزو میں عقائد کی تصحیح آگئی - وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ - تقدیر کلام یوں ہے - ولکن البر بر من - طاعت تو اُس کی ہے، جو اللہ پر ایمان لایا الخ والتقدیر لکن البر بر من (قرطبی) فحذف المضاف وھو کثیر فی الکلام وھذا اختیار الفراء والزجاج و قطرب (کبیر) اٰمَنَ بِاللّٰهِ - اس میں دہریت و الحاد کی جلی و خفی ہر صورت کی تردید آگئی - ایمان و طاعت میں داخلہ کا یہی دروازہ ہے، کوئی ایسا نظام یا مسلک (خواہ اس کی بنیادیں نقلی ہوں یا اخلاقی یا معاشی یا سیاسی) جس میں اللہ کی آیات و صفات پر ایمان کا دخل نہ ہو طاعت سے کوئی علاقہ بھی نہیں رکھتا - مادیت و عقلیت (ریشنلزم)، لاادریت (ایگناسٹی سزم)، بالشویت وغیرہ سب اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں - اور بودھ مذہب اور جین مت بھی، اگر اُن کی بابت یہ بیان صحیح ہے کہ اُن میں توحید باری موجود نہیں - وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ - اس میں تردید اُن تمام گمراہ قوموں کی آگئی جو وجود باری کی تو قائل تھیں، لیکن اس عقیدہ سے خالی ہیں کہ ایک عالم آخرت بھی ہے، جہاں ایک روز جزائے اعمال کا سامنا کرنا اور زندگی کے ایک ایک معاملہ کا حساب دینا ہے - اور تو اور یہود نے اپنی زبردست توحید کے باوجود، عالم آخرت سے اپنا تعلق نہایت درجہ ضعیف کر رکھا تھا - جزا و سزا اسی دُنیا میں سمجھنا خواہ قومی و اجتماعی عروج و زوال سے، خواہ بہ قاعدۂ تناسخ مختلف قالبوں میں رُوح کے الٹ پھیر سے، یہ سب انکار آخرت ہی کی شکلیں ہیں - وَالْمَلٰٓئِكَةِ - فرشتوں پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُن نورانی اور مجرد مخلوقات کا وجود اللہ کے بندوں اور کارسازِ مطلق کے قاصدوں، خادموں اور کارندوں کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، نہ یہ کہ خود اُنہی کو مستقل قوتوں کی طرح فاعل، عامل، متصرف مان کر اُن سے دُعائیں مانگی جائیں، اور اُنہی کو ایک چھوٹے پیمانہ پر حاجت روا قرار دے لیا جائے - اس ایمان بالملائکہ سے یونان، روم، ہندوستان، ایران کی اُن تمام مُشرک قوموں کی تردید ہوگئی، جنھوں نے فرشتوں ہی کے تخیل کو مسخ کرکے کائنات کے مختلف شعبوں کے لئے دیویاں اور دیوتے تجویز کرلئے ہیں - وَالْكِتٰبِ - کتاب یہاں بطور اسم جنس آیا ہے اس کا اطلاق صحیفۂ آسمانی کے نفس تخیل پر ہوگا - کتاب آسمانی کا عقیدہ بھی ایک تمامتر اسلامی عقیدہ ہے - مُشرک قومیں تو خیر اس تخیل ہی سے ناآشنا ہیں، کہ اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب کسی بندہ پر نازل ہوتی ہے - "اہل کتاب" تک اب اسلامی اصطلاح کے مطابق کسی "کتاب الٰہی" کے قائل نہیں - اُن کے ہاں "کتاب" کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خدا نے ہدایت کے لئے بعض اشخاص کو چُن لیا، اور اُن کے قلوب میں کچھ مضامین بطور الہام القا کردیئے - اور ایسا الہام ہر عارف کو ہوسکتا ہے - نبوت اس کی کوئی لازمی شرط نہیں - پھر بعد کو ان بزرگوں اور عارفوں نے انہی مضامین و معانی کو اپنے لفظ و عبارت میں مرتب کرکے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سنادیا، پھر اُن سامعین نے اُنہیں اپنے طور پر لکھ لکھا لیا - (بجز توریت کی ابتدائی پانچ سُورتوں کے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق خود حضرت موسٰیؑ کی نوشتہ ہیں) ——— گویا ان الہامی کتابوں کی حیثیت کُل وہ ہے جو ہمارے ہاں بزرگوں کے جمع کئے ہوئے ملفوظات کی ہوتی ہے! کہاں یہ تخیل، اور کہاں مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف تک وحی شدہ ہے، جس میں خلط اور خطا کا امکان ہی نہیں! اور مسیحی تو جب حضرت مسیحؑ کی رسالت و نبوت ہی کے سرے سے قائل نہیں بلکہ اُن کی الوہیت کے مدعی ہیں تو حضرتؑ کا صاحبِ کتاب رسُول ہونا اُن کے ہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ——— کوئی آپ اپنے اوپر بھی بھلا کتاب نازل کیا کرتا ہے؟ وَالنَّبِیّٖنَ - یعنی عقیدہ یہ ہو کہ اللہ انسانوں کو پیمبر بناکر بھیجتا ہے - یہ نہ ہو کہ خود حق تعالٰی مجسم ہوکر اس دنیا میں آجاتا ہے، یا کسی قالب میں حلول کر آتا ہے - اسی عقیدہ میں صاف تردید ہوگئی اوتار پرستی کی مظہر پرستی کی، حلول کی تجسم ... "اوتار" ٹھیک ضد اور مقابل ہے "پیمبر" کے - اوتار کا مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات خود کوئی مادی پیکر اختیار کرکے دُنیا میں آجاتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ قالب انسان ہی کا ہو - شیو جی یا بشن جی جس طرح رام چندر جی بن کر یا سری کرشن بن کر آسکتے ہیں، اُسی طرح سانپ بن کر، شیر بن کر، یا مچھلی یا کچھوے کا

حُرمت کہاں لازم آتی ہے۔ فقیہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں، کہ یہ اعتراض اہل العجم کی طرف سے ہوا ہے، جو یہی نہیں جانتے کہ لفظِ لحم میں شحم شامل ہے۔ البتہ شحم میں لحم شامل نہیں جس طرح ہر حمد شکر ہے، لیکن ہر شکر حمد نہیں۔ وھم اعاجم لا یعلمون انہ من قال لحمًا فقد قال شحمًا ومن قال شحمًا فلم یقل لحمًا ان کل شحم لحم ولیس کل لحم شحم (ابن العربی) رہی اسکے جسم کی نجاست، تو جمہور فقہاء اس کے بھی قائل ہیں۔ قال الجمہور العلماء انہ نجس (ابن العربی) البتہ امام مالکؒ کا اصول چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے، اس لئے وہ سؤر کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔ قال مالک انہ طاھر وکذلک کل حیوان عندہ لان علۃ الطہارۃ عندہ ھی الحیاۃ (ابن العربی) سؤر کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے، البتہ اسکے بالوں سے نفع اُٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کا جواز مذکور ہے۔ لاخلاف ان جملۃ الخنزیر محرمۃ الا الشعر فانہ یجوز الخرازۃ بہ وقد روی ان رجلًا سأل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الخرازۃ بشعر الخنزیر فقال لا باس بذلک (قرطبی) امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ و اوزاعیؒ سؤر کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ عدم جواز کے، اور امام ابو یوسفؒ سے جواز و کراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔ وقد اختلف الفقہاء فی جواز الانتفاع بشعر الخنزیر فقال ابوحنیفۃ ومحمد یجوز الانتفاع بہ للخرز وقال الشافعی لا یجوز الانتفاع بشعر الخنزیر (جصاص) فقہی احکام اور شرعی حُرمت سے قطع نظر، خنزیر یہ ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اُس کی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی عربی فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ قذر الشیٔ ("وہ چیز گندی ہوگئی") سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اِس جانور کے مثلاً Hog, Swine, Pig, یا اس جانور کے گوشت کے لئے ہیں مثلاً Ham, Pork, Bacon ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی و غلاظت پر کرتے ہیں۔ اور اسکے گوشت کے جو طبّی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح مُعین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ سؤر کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پُرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں۔ بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔ آج مسیحی قومیں جس ذوق و شوق سے یہ گندہ گوشت، تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اُس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اس کی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے پیمانہ پر جا بجا کئے ہوئے ہیں، اُسے دیکھ کر تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ کراہت کیسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اس کی حُرمت اور نجاست دونوں، صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔ "اور سؤر کہ کھُر اس کا دو حصّہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے" (احبار) "اور سؤر بھی کہ اس کے کھُر چرے ہوئے ہیں۔ یہ جگالی نہیں کرتا۔ اور یہی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم اس کا گوشت نہ کھائیو، نہ اُس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔" (استثناء ۱۴: ۸) وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ اہلال کے اصلی معنی آواز بلند کرنے، پکار کر دینے، شہرت دے دینے کے ہیں۔ ھو رفع الصوت عند رؤیۃ الھلال ثم یستعمل لکل صوت (راغب) الاھلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بہ طریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لئے نامزد کر دیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کر لی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللّٰہ بھی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اِسی حکم کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اُھل بھا لغیر اللّٰہ عند الذبح (جصاص) "در حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغیر اللّٰہ یعنی ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد۔" (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللّٰہ کے نامزد اس نیّت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کرائیں گے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے، کہ اس نیت سے بکرا، مرغا وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں، وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللّٰہ کا نام لیا ہو۔ البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کرلے پھر حلال ہو جاتا ہے۔" (تھانوی)۔ بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بہ طور بھینٹ کے ذبح کرے گا، تو بھی وہ حرام ہو جائے گا۔ اگرچہ اُس پر اللّٰہ کا نام لے لیا گیا ہو۔ ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللّٰہ ولو ذکر اسم اللّٰہ تعالیٰ (درمختار) بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہدیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللّٰہ کے قصد سے ذبح کرے گا، تو مرتد ہو جائے گا، اور اُس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائے گا۔ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللّٰہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد (کبیر) ۶۱۶ یعنی مجبور ہو کر حرام غذا کے استعمال پر۔ ای فمن اضطر الی شیٔ من ھذہ المحرمات ای الجیٔ الیھا (قرطبی) اِضْطُرَّ۔ اضطرار۔ ضرورت سے مشتق ہے، اور اسکے باب افتعال سے۔ مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جا سکتا ہے۔ شدید ضرورت کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں۔ (۱) یہ کہ بھوک کی شدت سے معلوم ہوتا ہو کہ دم نکلا جا رہا ہے۔ اور حلال غذا سرے سے دستیاب ہی نہیں ہو رہی ہے، یا افلاس کی بنا پر اس تک دسترس نہ ہو اور یا پھر کسی مرض کی بنا پر وہ حلال غذا ناقابل استعمال ہو۔ (۲) یہ کہ کوئی حاکم اُس حرام غذا کے استعمال پر مجبور کر رہا ہو۔ وھذہ الضرورۃ لھا سببان احدھما الجوع الشدید والثانی

وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾

کرنیوالا ہو، اور نہ حد سے نکل جانیوالا ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں ۶۱۷ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۶۱۸

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بیشک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اُس کے

وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

معاوضہ میں قلیل قیمت حاصل کرتے ہیں ۶۱۹ سو ایسے لوگ تو اپنے سینوں میں

بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

بس آگ ہی (آگ) بھرتے ہیں ۶۲۰ اور اللہ قیامت کے دن اُن سے نہ کلام کرے گا ۶۲۱

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اور نہ انہیں پاک کریگا ۶۲۲ اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے یہ وہ لوگ ہیں

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

جنہوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں، اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں،

فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَي النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ

اور یہ لوگ کیسی جیوٹ رکھتے ہیں دوزخ کے لئے ۶۲۳ اور یہ (سزا) اِس لئے ہوگی کہ اللہ نے تو کتاب

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ

کو (بالکل) ٹھیک ٹھیک اُتارا تھا ۶۲۴ اور بیشک جو لوگ کتاب کے بارے میں اختلاف ڈال رہے ہیں، وہ (بڑے)

شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ قِبَلَ

دُور دراز کے خلاف میں پڑے ہوئے ہیں ۶۲۵ طاعت یہ نہیں ہے ۶۲۶ کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف

ع ۵ ۲۱ ۹

اذا اکرہ علی تناول محرم (کبیر) کالاضطرار لا یخلوان یکون باکراہ من ظالم او بجوع فی مخمصۃ والذی علیہ الجمہور من الفقہاء والعلماء فی معنی الآیۃ ھو من صیرہ العدم والغرث وھو الجوع الی ذلک (قرطبی) ۶۱۷ (ان حرام چیزوں کے کھالینے میں) بلکہ اکثر تو ایسے موقع پر نہ کھانا گناہ ہے۔ بل ربما یأثم بترک التناول (روح) اس لئے کہ حفظ نفس تو اوّلین فرائض میں سے ہے، اور ایسے موقع پر غذا نہ کھانا خودکشی کے مترادف ہے، جو حرام خوری سے شدید تر ہے۔ ولا خلاف انہ لا یجوز لہ قتل نفسہ بالامساک عن الاکل انہ مامور بالاکل علی وجہ الوجوب (قرطبی) لو ترک الاکل تلف نفسہ فتلک اکبر المعاصی (قرطبی) وقال الطبری لیس الاکل عند الضرورۃ رخصۃ بل ذلک عزیمۃ واجبۃ ولو امتنع من الاکل کان عاصیا (بحر) وقال مسروق بلغنی انہ من اضطر الی المیتۃ فلم یاکل حتی مات دخل النار کانہ اشار الی انہ قاتل نفسہ بترکہ ما اباحہ اللّٰہ لہ (بحر) غَيْرَ بَاغٍ۔ یعنی اس کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو۔ اور وہ محض طالبِ لذت نہ ہو۔ ضرورت واقعی ہو، یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانون الٰہی کا احترام ہی ہلکا ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ باغ کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔ ایک، دوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔ وَلَا عَادٍ۔ اور نہ حدودِ شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بھی بس محض بہ قدر ضرورت کھائے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہو کر کھانے لگے۔ قال الشافعی وابو حنیفۃ واصحابہ لا یاکل المضطر من المیتۃ الا قدر ما یمسک (مفہوم کبیر) ۶۱۸ غفور۔ ایسا مغفرت والا کہ بعض حالات میں جرائم پر بھی مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ اُنہیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔ رحیم۔ ایسا شفقت والا کہ تنگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہنچا دیتا ہے ۶۱۹ یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفاء و کتمان سے ان کا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا۔ ۶۲۰ یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی آسمانی اُن کی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی ۶۲۱ (بہ طریق لطف و ملاطفت) جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو ان کی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی ان کی انتہائی بدنصیبی ۶۲۲ (گناہوں سے) برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمان اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے کو گناہوں سے دُھلا دھلایا اور اپنے کو گرفت سے پاک پائیں گے، وہ بھی گویا بڑے سستے چھوٹ جائیں گے۔ بڑی اور اصلی مصیبت اُن کی ہے، جن میں قیامت کے دن بھی کوئی شائبہ ایمان نہ پایا جائے گا ۶۲۳ (کہ اس کے لئے تیار ہو گئے، اور یہاں دُنیا میں ایمان و طاعت پر آمادہ نہ ہوئے!) اما کلام تعجب ہے، کہ اپنی ان حرکتوں کے ہولناک ثمرے اور دہشتناک نتیجے معلوم ہیں، اس پر بھی یہ شوخ چشمی! مذہب جمہور رحمہم تفسیر مجاھد ان معناہ التعجب (قرطبی) اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى۔ اس کا تعلق اسی دُنیا سے ہے۔ یعنی ہدایت کے بدلے گمراہی کو لے لیا اسی دُنیا میں۔ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ۔ اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی لازمی نتیجہ عدم ایمان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں مغفرت کے

٦٠٦ یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکامِ خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ۔ قول کا صلہ جب علٰی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی کے نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ فیدخل فی هذا کل کافر وکل مبتدع ایضًا (ابن کثیر) ویدخل فیه کل ما یضاف الی الله تعالٰی مما لا یجوز علیه (مدارک) ٦٠٧ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے جو کچھ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُتارا ہے۔ مُراد یہ کہ جب ان سے عالمگیر شریعتِ الٰہی کی ماتحتی میں آنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ ٦٠٨ گویا طریقِ آبائی میں خطا و غلطی کا امکان ہی اُن کے نزدیک نہیں، سو یہی جمود عین جہالت و ضلالت ہے۔ آج مشرک قوموں اور مبتدع فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب اُنہیں اتباعِ حق کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ جواب میں اپنے آباد اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں۔ ٦٠٩ یعنی نہ فہمِ دین اور اسکے حقائق و معارف کی رکھتے ہوں، اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا۔ المراد انهم لا یعلمون شیئًا من الدین (کبیر) لَا يَهْتَدُوْنَ۔ ای لا یهتدون الی الحق (روح) بعض کج رائے فرقوں نے آیت سے تقلیدِ فقہی کا عدمِ جواز ثابت کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ قاعدۂ اقتضاء النص اس کا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدمِ جواز پر نہیں عین جواز پر استدلال کیا جائے۔ آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ گمراہ و نادان اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہلِ علم کی تقلید جائز ہی نہیں بلکہ عین مطلوب ہے! کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے، کہ تم نے بھی کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور اَن پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفسِ علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور اَن پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفسِ علاج کی مقصودیت یا مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی! ٦١٠ (بےحسی اور نافہمی میں) ذکر داعیِ حق کی دعوتِ حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسولؐ اور اس کی اُمّتِ دعوت کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔ علٰی حذفِ مضاف تقدیرہ مثل

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا
جس کا تم علم نہیں رکھتے ہوئے ٦٠٦ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ
اُتارا ہے اُس کی پیروی کرو ٦٠٧ تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اُس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادا)
اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٧٠﴾
کو پایا ہے ٦٠٨ خواہ اُن کے باپ (دادا) نہ ذرا عقل ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں، ٦٠٩
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا
اور جو لوگ کافر ہیں اُن کا حال تو اُس شخص جیسا ہے ٦١٠ جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلّا رہا ہے جو کچھ
يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ
سُنتا ہی نہیں بجز بُلانے اور پکارنے کے (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو (کچھ بھی)
لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٧١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
نہیں سمجھتے ٦١١ اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾
کھاؤ پیو ٦١٢ اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو ٦١٣ اگر تم خاص اُسی کی بندگی کرنے والے ہو ٦١٤
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ
اُس نے تو تم پر بس مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت، اور جو (جانور) غیر اللہ کے لئے
وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے، ٦١٥ لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے ٦١٦ اور نہ بےحکمی

داعی الذین کفروا (بیضاوی) ای مثل داعیهم الی الایمان (کشاف) فیها مضاف محذوف اما من جانب المشبه او المشبه به (روح) ٦١١ یعنی اُس جانور کی طرح جس کے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آرہے ہیں باقی وہ معنی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس وہی معاملہ یہ منکرین دعوتِ حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سُن لیتے ہیں، لیکن اُس کے معنی و مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔ مثل الدابة تنادی فتسمع ولا تعقل ما یقال لها کذلك الکافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر عن ابن عباسؓ) صُمٌّ۔ یعنی بہرے ہیں، آوازِ حق کی طرف سے۔ صُمٌّ عن الحق فلا یسمعونه ولا ینتفعون به (ابن جریر عن قتادة) بُكْمٌ۔ یعنی اقرارِ حق کے لئے اُن کی زبان گونگی ہے۔ بکم عن الحق فلا ینطقون به (ابن جریر عن قتادة) عُمْیٌ۔ یعنی اندھے ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں۔ عمی عن الهدٰی فلا یبصرونه (ابن جریر عن قتادة) اس سے ملتا جُلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:۔ "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ اُن کی آنکھیں لیپی گئیں، سو وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے دل بھی، سو وہ سمجھتے نہیں"۔ (یسعیاہ۔ ۴۴: ۱۸) ٦١٢ یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغۂ امر یہاں بمعنی اجازت ہے، بمعنی حکم نہیں۔ کلوا فی هذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحة (کبیر) كُلُوْا۔ یہاں لفظی معنی میں صرف کھانے تک محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آگیا۔ المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوه (قرطبی) وکلوا العموم جمیع وجوه الانتفاع دلالةً وعبارةً (روح) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ خطاب اب تک عامة الناس سے تھا۔ حلال و حرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کیلئے اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ اُن سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال و حرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں طَيِّبٰتِ۔ یعنی وہ چیزیں جنہیں شریعتِ خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے۔ ٦١٣ (زبان سے بھی اور عمل سے بھی) اُشْكُرُوْا۔ شکر اس امر کا کہ اُس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال و طیب۔ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لئے ہے نہ کہ صرف اجازت کے لئے۔ اشکروا لله امر ولیس باباحة (کبیر) ٦١٤ یعنی اگر اپنے دعوٰی ایمان و اخلاص میں سچے ہو تو اللہ کے حکم پر عمل کرو اور اُسکے مقرر کئے ہوئے حق ادا کرتے رہو۔ ٦١٥ یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعتِ الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں، نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔ یہاں تردید تمامتر مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں، اُن سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔ لیس المراد من الاٰیة قصر الحرمة علٰی ما ذکر مطلقًا بل مقید بما اعتقدوه حلالًا (روح) الْمَيْتَةَ۔ میتہ یا مُردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کئے از خود مر جائے، یا ہلاک تو کیا جائے لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔ هو غیر المذکی اما لانه لم یذبح او انه ذبح ولکن لم یکن ذبحه ذکاة (کبیر) وهی کل ما فارقه الروح من غیر ذکاة مما یذبح (مدارک) زندہ جانور کے اگر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مُردار ہی کے حکم میں داخل ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں مُردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ مُردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں کہ یہ بھی تو اُس سے نفع اُٹھانا ہی ہوا۔ درآنحالیکہ قرآن میں مُردار کی حُرمت مطلق صورت میں ہے قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتة علٰی وجه ولا یطعمها الکلاب والجوارح لان ذلك ضرب من الانتفاع بها وقد حرم الله المیتة تحریمًا مطلقًا معلقًا بعینها (جصاص) لیکن عملِ دباغت کے بعد، مُردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مُردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں، یہ مسئلہ احادیث و آثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دوسرے ائمۂ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ قال ابو حنیفة واصحابه والحسن بن صالح وسفیان الثوری وعبد الله بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیعه بعد الدباغ والانتفاع به (جصاص) والحجة لمن طهرها وجعلها زکاة ما ورد عن النبی صلی الله علیه وسلم من الاٰثار المتواترة من الوجوه المختلفة بالفاظ مختلفة کلها یوجب طهارتها والحکم بزکاتها (جصاص) اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:۔ ایما اهاب دبغ فقد طهر (عن ابن عباسؓ) دباغ جلود المیتة طهورها (عن زید بن ثابت) زکاة الادیم دباغته (عن سلمہ بن المحبق) دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رُو سے بغیر ذبح بھی جائز ہیں، ایک مچھلی دوسرے ٹڈی۔ وقد احلت المیتتان بالحدیث السمك والجراد (مدارک) هذه الاٰیة فلها التخصیص بقوله علیه السلام احلت لنا میتتان الحوت والجراد اخرجه الدارقطنی (قرطبی) فقیہ مفسرین نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکو اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی بھی جائز ہیں۔ وقال ابو عمرو لا بأس باکل طعام عبدة الاوثان والمجوس وسائر من لا کتاب له من الکفار ما لم یکن من ذبائحهم (قرطبی) وَالدَّمَ۔ یعنی خون جاری یا سَیّال۔ المراد بالدم الجاری (معالم) یعنی السائل (مدارک) اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے اور فقہا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے وہ اسی قید سفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔ وحمل العلماء هٰهنا المطلق علی المقید اجماعًا (ابن العربی) اس پر فقہائے اُمّت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ نہ اس کا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اُٹھانا جائز ہے۔ اتفق العلماء علی ان الدم حرام نجس لا یؤکل ولا ینتفع به (ابن العربی) حدیثِ صحیح کی رُو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی، اور ان کی حلت پر فقہائے اُمّت کا اجماع ہے۔ احلت لنا دمان الکبد والطحال اخرجه الدارقطنی (قرطبی) گو علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جگر و طحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اس تخصیص و استثناء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ والصحیح انه لم یخصص وان الکبد والطحال لحم یشهد بذلك العیان الذی لا یعارضه بیان ولا یفتقر الی برهان (ابن العربی) وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حُرمت لحم خنزیر کی آئی ہے لیکن فقہاء اُمّت کا اجماع ہے کہ سور کا صرف گوشت ہی نہیں بلکہ اس کی چربی، ہڈی، کھال، بال سب ہی حرام ہیں۔ اور لحم کی تصریح تو اس لئے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے اور جب گوشت کہہ دیا تو اس کے تحت و تابعیت میں جانور کے دوسرے اجزاء بھی آگئے۔ یعنی الخنزیر بجمیع اجزائه وخص اللحم لانه المقصود بالاکل (مدارک) اتفقت الامة علی ان الخنزیر حرام بجمیع اجزائه (ابن العربی) بعض مبتدع فرقوں کے اس قول کے جواب میں کہ گوشت کی حُرمت سے چربی کی

سکے گا، ایک مخصوص و متعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اُوپر تیرائے گا، اور اسکے علاوہ وزن والیوں کو ڈبو دے گا۔ اسکے پانی کا ایک مخصوص مزاج، خاص رنگ، خاص مزہ ہوگا، کنوؤں کے پانی سے مختلف، دریاؤں کے پانی سے مختلف، اس طرح کے سیکڑوں دوسرے قانونوں کا پابند اسے کس کی مشیت، کس کی قدرت، کس کی حکومت نے کر رکھا ہے؟ بارش کا خاص خاص فصلوں میں، خاص خاص موسموں میں، یا خاص خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا بخارات کا ایک خاص گرمی پاکر سمندری ذخیرۂ آب سے اُٹھنا، ایک خاص فاصلہ تک اُوپر جانا، ایک خاص درجہ کی سردی پاکر اُن دُخانی و ہوائی اجزاء کا منجمد ہو جانا، اُن کا بادل کی شکل اختیار کر لینا، ایک خاص درجہ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا، پھر فلاں فلاں فضائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا، پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں، ایک متعین مدت کے اندر برس پڑنا، اس سے از سر نو خشک زمین میں جان پڑ جانا، یہ سارے ردوبدل کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کیسی کھلی ہوئی شہادت دے رہے ہیں! پھر حیاتِ نباتی کے علاوہ خود حیاتِ حیوانی جن عجائب کا مجموعہ ہے۔ ہر زندہ جسم میں بے شمار ذرّوں اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان کی جو ایک مخصوص ترتیب، اور متعین ترکیب ہوتی ہے۔ ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے، ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی جو اس لعب میں نشر، اس اجتماع میں انتشار پیدا کر دیتی ہے، نظام تغذیہ، نظام تنفس، نظام تناسل، نظام عصبی وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات، پھر ہر نظام کے ماتحت بے شمار قاعدے اور ضابطے، اس سارے نظام اعظم کی تکوین و قیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت، کس کی حکومت کار فرما ہے؟ اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور نکتہ سنجی سے کام لے گا، توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ ہوتا جائے گا۔ جاہلی اور غیر مومن قوموں کے فلسفہ اور سائنس کا صرف نقطۂ نظر غلط ہوتا ہے، اُس کی اگر تصحیح ہو جائے اور ان علوم مادّی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطۂ نظر سے شروع کر دیا جائے، تو بجائے الحاد، ارتیاب و تشکک کے عرفان و ایقان ہی کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے، کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے اور یہی اصل ہے مراقبۂ صوفیہ کی۔

جَمِيعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ
ساری کی ساری، اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے ۵۹۵ (اُس وقت کا خیال کرو) جب
الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ
مقتدا (یا متبوع) اپنے مقتدیوں (یا پیروؤں) سے الگ ہو جائیں گے ۵۹۶ اور اُن کے باہمی تعلقات
وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا
ٹوٹ کر رہ جائیں گے ۵۹۷ اور پیرو کہنے لگیں گے، ۵۹۸
لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ
کاش ہم کو پھر ایکدفعہ (جانا) مل جاتا ۵۹۹ تو ہم بھی اُن سے الگ ہو جائیں جیسے یہ ہم سے الگ
كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ
ہو گئے، بس اسی طرح اللہ اُن کے اعمال کو اُنہیں (خالی) ارمان (کرکے) دکھائے گا، ۶۰۰
وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
اور وہ دوزخ سے کبھی بھی نہ نکل پائیں گے ۶۰۱ اے انسانو! زمین
كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا
پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اُس میں سے کھاؤ (پیو) ۶۰۲ اور شیطان کے
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾
نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو ۶۰۳ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۶۰۴
اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا
وہ تو تمہیں بس برائی اور گندگی ہی کا حکم دیتا ہے ۶۰۵ اور اس کا کہ تم اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو

ع ۲۰

منزل

۵۹۰ اَنْدَادًا۔ ند کے لغظی معنی کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۶۳ پ ۱۔ انداد سے مراد عموماً مورتیوں، بُتوں، دیوتاؤں سے لی گئی ہے۔ المراد الاوثان والاصنام التی کانوا یعبدونھا (قرطبی) المراد بھا الاصنام کما ھو الشائع فی القراٰن والمروی عن قتادۃ ومجاھد واکثر المفسرین (روح) رؤسا، سردار، اور مقتدایان قوم بھی مراد لئے گئے ہیں۔ قیل الرؤساء الذی یطیعونھم طاعۃ الارباب من الرجال (روح) انھا السادۃ الذین کانوا یطیعونھم (کبیر عن السدی) تیسرا قول یہ ہے کہ مفہوم ان سب سے وسیع تر ہے اور لفظ کا عموم ہر ایسی چیز کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا قلب پر مسلّط ہو جائے۔ اور امام رازیؒ نے اس قول کو صوفیہ اور عارفین کی جانب منسوب کیا ہے۔ القول الثالث قول الصوفیۃ والعارفین وھو ان کل شئ شغلت قلبک سوی اللّٰہ تعالیٰ فقد جعلتہ فی قلبک ندّا للّٰہ تعالیٰ (کبیر) قیل المراد اعم منھا وھو ما یشغل عن اللّٰہ تعالیٰ (روح)

۵۹۱ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج بھی مسیحیوں کو محبت اور تعلق خاطر خدا سے کہیں زیادہ "خدا کے بیٹے" اور پھر "روح القدس" اور "مقدس کنواری" سے ہے۔ اور ہندوؤں کی محبت اور تعلق خاطر اپنے ایشور اور پرماتما سے کہیں زیادہ دُرگا مائی، لکشمی مائی، اگنی دیوتا وغیرہ دیویوں دیوتاؤں کے ساتھ، اور رشیوں، مُنیوں، سادھوؤں کے ساتھ ہے۔ کَحُبِّ اللّٰہِ۔ اس فقرہ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ غیر اللہ سے نفس محبت ممنوع نہیں۔ بلکہ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹے، بیٹی، عزیزوں، دوستوں، رفیقوں سے تو محبت درجۂ طبعی میں رکھ ہی دی گئی ہے۔ ائمۂ شریعت و طریقت سے بھی محبت رکھنا مستحب، بلکہ کسی حد تک تو واجب بھی ہے۔ البتہ جو محبت حرام ہے، وہ محبوب کو درجۂ ربوبیت پر جا پہنچانے والی محبت ہے — "یا علی" "یا حسین" "یا خواجہ" "یا غوث" "یا وارث" کے نعرے لگانے والے ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ محبت کا کتنا حصہ اللہ کے لئے باقی رہ گیا، اور کتنا دوسروں کی نذر ہو چکا ہے۔ ۵۹۲ یعنی مومن کی محبت عقلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی تمام دوسری محبتوں پر غالب و حاکم رہتی ہے۔ آیت نے ضمناً اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا کہ مومن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصلاً اُنس و محبت ہی کا ہوتا ہے — کاش اس آیت کو وہ مسیحی مشنری آنکھ کھول کر پڑھیں جن کے نزدیک اسلام کا خدا ایک دہشتناک قسم کا معبود ہے! ۵۹۳ (دیکھ لیتے) یریٰ یہاں یعلم کے معنی میں ہے۔ و یریٰ بمعنی یعلم (قرطبی) لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ وجواب لو محذوف والمعنی لو علموا فی الدنیا شدۃ عذاب اللّٰہ (جلالین) اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا۔ اپنے حق میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والے، یعنی مشرکین ۵۹۴ (اور کوئی شخص اس عذاب کے دُور کرنے پر قادر نہیں) "اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم مشرکین جب دُنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کی وقوع میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے، اور دوسرے سب اُسکے سامنے عاجز ہیں۔ اور اسی مصیبت کی شدت میں غور کرکے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ دار الجزا ہے اور بھی سخت ہوگا تو اس طرح غور کرنے سے تراشے ہوئے معبودین کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت و عظمت منکشف ہو کر توحید و ایمان اختیار کر لیتے۔" (تھانویؒ) ۵۹۵ (آخرت میں) اِس شدتِ عذاب کا پورا ظہور عالم آخرت ہی میں ہوگا۔ ۵۹۶ قیامت میں، یہاں اُس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جب قیامت میں مشرکین کے خواص، علماء و اُمراء اپنے عوام اور اپنے مقلدین اور رعایا سے علیحدگی کا اعلان کر دیں گے، اور اُنہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے ۵۹۷ اہل باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں، اُستادی شاگردی کے، ہم نسبی و قرابت کے، ہم وطنی اور دوستی کے، یہ سب اسی دُنیا تک محدود ہیں۔ آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ و معائنہ کا وقت ہوگا، سب ایک دوسرے سے بے تعلق بلکہ آپس میں مخالف نظر آئیں گے۔ یہ قرآن ہی کی نص ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین۔ بِھِم میں بِ عن کے معنی میں بھی لی گئی ہے۔ بھم ای عنھم (معالم) قیل بھم بمعنی عنھم (عکبری) اور بِ سببیہ بھی مانی گئی ہے۔ یعنی یہ قطع تعلق بہ سبب کفر کے ہوگا۔ الباء ھنا للسببیۃ والتقدیر وتقطعت بسبب کفرھم (عکبری) الباء للسببیۃ ای تقطعت بسبب کفرھم الاسباب التی کانوا یرجون منھا النجاۃ (روح) ۵۹۸ (غم و غصہ اور جذبات انتقام کے ساتھ) ۵۹۹ (دنیا میں) کافروں کی زبان سے آخرت میں، دُنیا میں ایک بار پھر جانے کی تمنا و حسرت کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے ۶۰۰ یعنی یہ حسرت بھی پوری نہ ہوگی، اور یہ خلش کانٹا بن کر ہمیشہ کھٹکتی ہی رہے گی ۶۰۱ سزائے دوزخ کے دوام و خلود پر یہ ایک نص صریح ہے بِخٰرِجِيْنَ میں بِ خبر کی تاکید اور تائید کا کام دے رہی ہے۔ اُردو ترجمہ کبھی بھی کیا جا سکتا ہے۔ دلیل علی خلود الکفار فیھا وانھم لا یخرجون منھا (قرطبی) بل ھم فیھا دائمون (مدارک) الاٰیۃ للمبالغۃ فی الخلود والاقناط عن الخلاص وزیادۃ الباء لتاکید النفی (روح) ۶۰۲ یعنی کھا سکتے ہو، بالکل جائز ہے کہ کھاؤ پیو۔ کھانے کی اجازت مل رہی ہے نہ کہ حکم۔ مُراد یہ نہیں کہ لازمی طور پر کھاؤ۔ خطاب عام نسل انسانی سے ہے۔ دین حنیف ابراہیمی کو چھوڑ کر یہود، نصاریٰ، مشرکین، سب ہی کھانے پینے کے باب میں طرح طرح کی غلط روی اور کج راہی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور غلط کرکے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کے حکم میں رکھ رہے تھے۔ مما فی الارض میں مِن تبعیضیہ ہے۔ من للتبعیض اذ لا یوکل کل ما فی الارض (بیضاوی) حَلٰلًا جو غذائیں بجائے خود جائز ہیں، اور حرام نہیں کی گئی ہیں۔ فالحلال ما احلہ الشرع (معالم) المراد منہ ما یکون جنسہ حلالاً ذکر طَيِّبًا یعنی جو غذائیں حاصل بھی جائز ذرائع سے ہوئی ہوں۔ اور جن میں غیر کا حق نہ ہو۔ مثلاً بیع فاسدہ ہوا، اجرت فاسدہ ہو وغیرہا۔ المراد منہ ان لا یکون متعلقاً بہ حق الغیر (کبیر) الطیب الطاھر (معالم) ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص صحابی نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ دُعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لقمۂ حلال کا التزام کر لو، خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے ——— یہ ہے اسلام میں اکل حلال کی اہمیت ۶۰۳ اللہ کی جائز کی ہوئی چیزوں کو حرام، اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال ٹھیرا کر۔ حکم تو عام ہے ہر شیطانی روش کے لئے۔ لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ تعلق، حرام و حلال غذاؤں سے ہے۔ والصحیح ان اللفظ عام فی کل ما عدا السنن والشرائع من البدع والمعاصی (قرطبی) ۶۰۴ (اور اسی دشمنی کے تقاضہ سے انسان کو اُلٹی صلاحیں اور قانون الٰہی توڑنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اس سے کسی نفع کی، خیر خواہی کی توقع ہی نہ رکھو) ۶۰۵ اِنَّمَا کلمۂ حصر کا ہے۔ اسکے صاف معنی یہ ہوئے کہ شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہوگا کسی نیکی کے صدور کا اس سے امکان ہی نہیں۔ دلت الاٰیۃ علی ان الشیطان لا یامر الا بالقبائح لانہ تعالیٰ ذکرہ بکلمۃ انما وھی للحصر (کبیر) سوء و فحشاء دو لفظ متقارب المعنی ہیں، لیکن متحد المعنی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسندیدہ ہو، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے بُرا ٹھیرایا ہے۔ السوء والفحشاء ما انکرہ العقل واستقبحہ الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی) یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں، اور فحشاء میں حد شرعی معین ہوتی ہے۔ اور یہ معنی ابن عباسؓ سے منسوب ہیں۔ السوء ما لا حد فیہ والفحشاء ما فیہ حد حکی عن ابن عباس وغیرہ (قرطبی)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ
یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اُول بدل
وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ
میں اور جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں اُن چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع
النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ
پہنچاتی ہیں، اور (اس) پانی میں جسے اللہ نے اُتارا پھر اُس سے زمین کو اُس کے
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ
مُردہ ہونے کے بعد جِلا اُٹھایا اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیئے، اور ہواؤں
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
کے بدلنے میں، اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب میں)
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ
ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں (موجود) ہیں ۵۹۰ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
کو بھی شریک بنائے ہوئے ہیں ۵۹۱ اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے (رکھنا چاہئے)
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ
اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں ۵۹۲ اور کاش ظالم جب عذاب کو
ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ
دیکھ لیتے ۵۹۳ تو سمجھ لیتے کہ قوت اللہ ہی کی ہے

۵۸۳ قرآن مجید کا بار بار صفت رحیمی اور قبول توبہ پر زور دینا ایک طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً بودھ مت والوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") ہر حال اور ہر صورت میں نافذ ہو کر رہتا ہے، اور کوئی خدائی قوت اس پر غلبہ نہیں پا سکتی۔ اور دوسری طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً مسیحیوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ صفت رحیمی کا اظہار پوری طرح کر ہی نہیں سکتا، اور اس کی صفت عدل کے تقاضہ کو پورا کرنے اور گنہگاروں کو معافی دلوانے کے لئے کسی کفارہ کا وجود لازمی ہے ۵۸۴ اجمعین کا لفظ تاکید کے لئے آیا ہے، اور اس کا تعلق اللہ اور ملائکہ اور الناس تینوں سے ہے۔ محض الناس سے نہیں۔ واجمعین تاکید بالنسبۃ الی الکل لا للناس فقط (روح) لعنۃ اللہ۔ اہل سنت کے ہاں کسی متعین گنہگار پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں البتہ بغیر کسی کو متعین کئے ہوئے مُبہم و مطلق صورت میں جائز ہے۔ مثلاً یہ کہ چور پر لعنت ہو۔ فاما العاصی المعین فلا یجوز لعنہ اتفاقا واما العاصی مطلقا فیجوز اجماعا (ابن العربی) بلکہ حدیث صحیح میں تو مومن پر لعنت اُس کے قتل کے مثل بتائی گئی ہے۔ وفی صحیح مسلم لعن المومن کقتلہ (ابن العربی) وماتوا وھم کفار۔ بلکہ زندگی میں تو کافر متعین تک پر بھی لعنت کی اجازت نہیں۔ وماتوا کی قید نے صاف کر دیا کہ یہاں جن پر لعنت آئی ہے اُن کی موت ہی کفر پر ہو چکی تھی۔ اور اصل مدار ختم اعمال یا وفات پر ہے۔ وقال لی کثیر من اشیاخی ان الکافر المعین لا یجوز لعنہ لان حالہ عند الموافاۃ لا تعلم (ابن العربی) وقد شرط اللہ تعالیٰ فی ھذہ الآیۃ فی اطلاق اللعنۃ الموافاۃ علی الکفر (ابن العربی) عبرت حاصل کرنا چاہئے اُن مسلمانوں کو جو اپنے کسی بھائی کو لغزش میں مبتلا دیکھ کر جھٹ اس پر لعنت بھیجنے لگتے ہیں ۵۸۵ (ہمیشہ ہمیش کے لئے) خلدین۔ خلود کے معنی ہیں ملازم پکڑ لینے کے۔ یعنی اسی لعنت و عذاب میں جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ الخلود اللزوم الطویل ومنہ یقال اخلد الی کذا ای لزمہ ورکن الیہ (کبیر) فیھا۔ ضمیر دوزخ کی طرف ہے۔ اور بعض نے لعنت کی طرف راجع کی ہے۔ ای فی اللعنۃ او النار (بیضاوی) اور بجائے اسم کے ضمیر لانے سے مقصود اظہار عظمت و اہمیت ہے۔ انما اضمرت تفخیما لشانہا وتہویلا (کشاف) ۵۸۶ تخفیف کا تعلق بعد عذاب سے ہے اور مُہلت کا تعلق قبل عذاب سے۔ یعنی دوزخ میں پڑنے کے بعد نہ کسی قسم کی تخفیف اُن کے عذاب میں ہوگی اور نہ عذاب میں پڑنے سے قبل ہی کوئی مُہلت انہیں ملے گی ۵۸۷ (نہ بڑا نہ چھوٹا۔ نہ مُلکی نہ غیر مُلکی) یہاں خطاب ساری نوع انسانی سے ہے۔ نفس وجود باری تو مشرکین عرب کو بھی تسلیم تھا جس طرح آج بھی ساری مشرک قوموں کو تسلیم ہے۔ لیکن مشرکین علاوہ اس خدائے اعظم یا خدائے برتر کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوتا تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ مشرکین قدیم تو اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں کے، یہاں تک کہ اپنی دشمن قوموں کے بھی دیوتاؤں کے وجود کے قائل تھے۔ اُن کی قوت کے قائل تھے، اُن کی خدائی کے قائل تھے۔ بس صرف اُن کی عبادت سے مُنکر تھے۔ اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ دشمن کا دیوتا بھی دشمن ہی ہوگا! ——— گویا خدا بھی جذبات و احساسات کے لحاظ سے انسان کا مثنیٰ ہوتا تھا۔ قرآن نے آکر اس عقیدہ پر بھی ضرب کاری لگائی۔ اور دعوے سے بار بار اعلان کیا کہ قابل پرستش و ناقابل پرستش ہونا کیسا، کسی دوسرے خدا یا دیوتا کا وجود ہی سرے سے نہیں، نہ بڑے کا نہ چھوٹے کا، نہ مُلکی کا نہ غیر مُلکی کا! اور اللہ کے ساتھ شریک کا وجود محض وہم انسانی کی ایک اختراع ہے! ہمارے قدیم مفسرین بھی بغیر جدید علم الاقوام (اتھنالوجی) کی کسی تحقیق کے اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے۔ ازاحۃ لان یتوہم ان فی الوجود الٰہا ولکن لا یستحق منہم العبادۃ (بیضاوی) ۵۸۸ یعنے مظہر کامل رحمانیت کا بھی اور رحیمیت کا بھی دونوں صفتیں اُسی پر ختم ہیں۔ کوئی اُس کا شریک نہ اس صفت میں، نہ اُس صفت میں ۵۸۹ (اللہ کی حکمت، ربوبیت، قدرت، صناعی، اور اُس کی فردیت کی) زمین و آسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبہ سے عجیب تر ہیں، بجائے خود اس کی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں، نہ باقی رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی صاحب شعور، صاحب ارادہ، قادر مطلق ہستی اُن کی صانع و خالق نہ ہو۔ اِن سارے مظاہر فطرت کا تسلسل و استمرار، اُن کی یکرنگی و باقاعدگی، ان کا نظم و انضباط، ہر عقل سلیم کو مجبور کر رہے ہیں کہ اُن کے عقب میں ایک ذی اختیار فعّال کا ہاتھ تسلیم کیا جائے ——— اسی عقل سلیم کو جو ایک معمولی سی گھڑی کو بھی بغیر کسی ماہر فن اور صنّاع گھڑی ساز کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے! اور یہ خلّاق ہستیاں اگر بہ صیغۂ جمع، یعنی ایک سے زائد فرض کی جائیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک خالق اِن سارے اُمور کے لئے کافی نہ تھا۔ اس سے اُس کا عجز ثابت ہوا۔ اور جو عاجز یا کسی بات میں ناقص ہے، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر کسی کی ربوبیت اور خالقیت پر اعتقاد ہے تو اُسے لامحالہ واحد و یکتا بھی ماننا پڑے گا۔ خلق السمٰوٰت والارض۔ آسمان ہوں یا زمین، سب مخلوق ہی ہیں، غیر مخلوق یا خود آفریدہ کوئی نہیں۔ مُشرک قوموں نے انہیں معبود مانا ہے، اور صاحب تصرّف و حاجت روا دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے لفظ 'خلق' سے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہ عظیم الشان موجودات بھی کائنات کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ کی طرح مخلوق ہی ہیں۔ اور آکاش دیوتا، دھرتی ماتا، وغیرہ قسم کے الفاظ نرے بے معنی اور مہمل ہیں۔ اللیل والنھار۔ دنیا ایسی مشرک قوموں سے بھی خالی نہیں رہی ہے، جنھوں نے رات اور دن کو ذی حیات اور صاحب ارادہ و تصرّف مان کر انہیں دیوی دیوتا کا درجہ دیا ہے، اور اُن کی پوجا کی ہے۔ یہاں اُن کے اختلاف (اُول بدل) کا ذکر کر کے یہ بتا دیا ہے کہ ان کا غیر مخلوق یا خود آفریدہ ہونا الگ رہا یہ وقت و زمان کے بے حس، بے جان اجزاء تو خود اپنی حرکت تک پر قادر نہیں۔ قادر مطلق ہی ان میں رات دن اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ الفلک۔ ہندوستان میں جب شروع شروع ریل نکلی ہے، تو دیہات میں خود اس کی پوجا شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے "خوش عقیدہ" مشرکوں نے اپنے معبودوں کی فہرست میں ایک "انجن دیوتا" کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ ایسی ہی وہم پرست قوموں نے اگر کبھی بادبانی جہازوں اور دخانی کشتیوں کی بھی پوجا کی ہو، تو کچھ عجب نہیں۔ فُلک کے عموم کے تحت میں اسٹیمر، لائنر، ڈریڈناٹ، ہر قسم کے چھوٹے بڑے جہاز اور آبدوز، تباہ کن، ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں، غرض اور کُل بحری سواریاں آگئیں، جو اس وقت موجود ہیں، یا قیامت تک ایجاد ہو سکیں، سامان جنگ کے لئے یا سامان تجارت کے لئے، یا بغرض تفریح۔ ماینفع الناس (انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیز) کا وصف سب میں عام و مشترک ہے۔ ماینفع الناس کے عموم کی وسعت لحاظ رکھنے کے قابل ہے۔ انسانی نفع و منفعت کی ہر ممکن شے اس میں آگئی۔ ای بالذی ینفعھم من التجارات وسائر المآرب التی تصلح بہا احوالہم (قرطبی) امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نمک، مرچ، وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ماینفع الناس کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ السماء کا لفظ، جیسا کہ اوپر تشریح ہو چکی ہے، بادل، آسمان، وغیرہ ہر اوپر والی چیز کے لئے عام ہے۔ ماانزل اللہ لاکر یہ یاد دلا دیا کہ بارش میں حیات بخشی کی جو قوت ہے، یہ اُسی خدائے واحد و حیات آفریں کی ودیعت کی ہوئی ہے۔ دآبّۃ عام ہے ہر حیوان کے لئے۔ حیوان پرستی شرک کا ایک جزو اعظم تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے۔ بابل، مصر، ہندوستان وغیرہ میں گائے، بیل، بندر، لنگور، بلّی، سانپ، کچھوے وغیرہ کی پوجا برابر ہوا کی ہے۔ زمین اگر ۲۵ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو، یا اگر غیر پیمائش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی چیز ہے تو بھی، اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہو، یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو بھی، ہر حال میں اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد بھی کیسی عظیم الشان کاریگری، کیسی بے مثال صناعی کا نمونہ ہے! فضا کی خلا میں کس کی قوت اسے تھامے ہوئے، سنبھالے ہوئے ہے؟ اس کے اور چاند سورج اور ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اس کی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے متعین کر دی ہے؟ آفتاب سے اسے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہنچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ کس کا دست قدرت اس تک لا رہا ہے؟ آسمان اگر ٹھوس، مادی اجسام ہیں تو، یا اگر خلا ہیں محض حد نظر ہیں تو بھی ہر صورت میں اُن کی وضع، ساخت، ترکیب ہیئت، انسانی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! اگنتی شمار سے باہر ثوابت و سیار کے سکون و حرکت کا انتظام کون قائم کئے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی، اور ان کے طلوع و غروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظام فلکی کے بیشمار اجزاء و عناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت و صنعت کے دم سے زندہ ہے؟ رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آ رہے ہیں؟ گرمی اور سردی اور برسات، ہر موسم میں اُن کے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ مختلف مُلکوں میں اُن کے طلوع و ظہور کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں! یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلتا ہے، دمشق میں بھی دن نکل آئے نہ یہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے۔ جنوری میں جو اوقات اندھیرا چھا جانے کے ہوتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جون میں وہی باقی رہ جائیں۔ آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومت قاہرہ اور حکمت کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں؟ بحر ذخّار، سارے بڑے عظموں کو اپنی گرفت میں لئے رہنے والا، رقبہ میں خشکی سے چار چند، ایسی اس ساری عظمت و ہیبت کے باوجود کس طرح مُشت خاک انسان کے قبضہ میں آگیا ہے! کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، ان میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھونک کر، ان پر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان سمندر کے بڑے سے بڑے مُہیب فاصلوں اور مسافتوں کو طے کر کے رکھ دیتا ہے! اُس میں مد و جزر جب ہوگا، قمری مہینہ کی فلاں فلاں ہی تاریخوں پر ہوگا، اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کے حدود سے آگے نہ

اپنے درجہ کے متناسب ۔ ورحمۃ ۔ یعنی یہ لوگ رحمتِ عام کے مورد رہیں گے ۔ ھم المھتدون ۔ دنیا میں ان کی رسائی اس حقیقت تک ہو چکی تھی کہ کوئی چیز بھی اپنی نہیں ۔ یہاں تک کہ خود ان کے جسم و جان نفس و روح کا مالک حق تعالیٰ ہی ہے ۔ چنانچہ جب یہ اُسکے پاس پہنچیں گے تو سب ہی کچھ پالیں گے جس نے اللہ کی رحمتِ عامہ و خاصہ کو پالیا، اُس سے دنیا اور آخرت کی بھی کونسی نعمت؟ اولٰئک ھم الفائزون بمطالبھم الدینیۃ والدنیویۃ فان من نال تزکیۃ اللہ تعالیٰ ورحمتہ لم یفتہ مطلب (روح) ۵۷۳ (رکو دیوی دیوتاؤں کی یادگاروں میں سے) صفا ومروہ کسی زمانہ میں مسجد الحرام کے پاس دو پہاڑیاں تھیں۔ اب معمولی بلندیاں محض چٹان کی سی رہ گئی ہیں ۔ صفا حرم شریف کی داہنی جانب ہے اور مروہ بائیں جانب ۔ دونوں کے درمیان فاصلہ ۴۹۳ قدم کا ہے، یا تقریباً ، فرلانگ ۔ صفا کے لغوی معنی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں، اور مروہ کے بھی لفظی معنی سفید نرم پتھر کے ہیں ۔ الصفا الحجارۃ الصافیۃ (راغب) قال المبرد ھو کل حجر لا یخالطہ غیرہ من طین او تراب (روح) المروۃ فی الاصل الحجر الابیض (روح) حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو شیرخوارگی کے زمانہ میں خانہ کعبہ کے پاس پیاسا اور تنہا چھوڑ کر اس تلاش میں نکلی تھیں کہ کہیں کوئی قافلہ آتا جاتا نظر آجائے، تو اس سے پانی ہاتھ آئے، اور اس وقت اضطراب میں دوڑ کر اس پہاڑی سے اُس پہاڑی پر جاتی تھیں کہ شاید بلندی سے کسی قافلہ پر نظر پڑ جائے ۔ شعائر اللہ ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں، دین الٰہی کے وہ شعائر جو طاعتوں میں بطور علَم کام دیں ۔ شعائر جمع ہے شعیرہ کی اور اسکے معنی ہیں علامت کے ۔ جمع شعیرۃ وھی العلامۃ (مدارک) ای اعلام طاعۃ وکل شیء جعل علما من اعلام طاعۃ اللہ فھو من شعائر اللہ (کبیر) ھی العلامات التی ندب اللہ الیھا وامر بالقیام بھا (کبیر عن الزہری) اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں ۔ ای من اعلام مناسکہ ومتعبداتہ (مدارک) من معالم اللہ فی الحج (ابن عربی) ۵۷۴ حج ۔ عباداتِ اسلامی کا چوتھا رکن ، یا نماز ، روزہ ، زکوٰۃ کے بعد چوتھا فریضہ ۔ امت کے ہر فرد پر خواہ وہ دنیا کے کسی علاقہ کا باشندہ ہو بہ شرط استطاعت وصحت وامنِ راہ ، عمر میں ایک بار فرض ہے ۔ گویا دنیائے اسلام کی بین الاقوامی سالانہ کانگرس ۔ ارکان حج یعنی جو چیزیں فرض ہیں، وہ تین ہیں :۔ (۱) پوششِ احرام ۔ یعنی حدود حرم میں داخلہ سے پہلے عام لباس اُتار کر احرام یا بے سلا ہوا لباس پہن لینا (۲) میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو حاضری ۔ اصطلاح میں اسے وقوف کہتے ہیں (۳) طوافِ زیارت ۔ یعنی وقوف کے بعد خانہ کعبہ کا طواف ۔ اور واجباتِ حج چار ہیں :۔ (۱) ۹ و ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں مزدلفہ میں قیام (۲) صفا و مروہ کے درمیان آمد و رفت ۔ اصطلاحی نام سعی ہے (۳) مزدلفہ میں قیام کے بعد منیٰ میں کنکریاں پھینکنا ۔ اصطلاحی نام رمی جمرات ہے (۴) طوافِ کعبہ ۔ (یہ طواف فرض کے علاوہ ہے اور طوافِ صدر کہلاتا ہے) ۔ قربانی کرنا، سر کے بال اُتروانا، وغیرہا بہت سے سنن و مستحبات ان کے علاوہ ہیں ۔ عمرہ ۔ اس کا دوسرا نام حج اصغر ہے ۔ اس میں حج کی طرح مہینہ اور تاریخ کی قید نہیں ۔ اور نہ اس میں وقوفِ عرفات ہے، اور نہ قیام مزدلفہ و منیٰ ، سال کے ہر موسم میں اور ہر وقت ہو سکتا ہے ۔ عمرہ کی نیت سے احرام حدود حرم سے باہر باندھے ۔ طوافِ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال اُتروائے ، بس عمرہ ہو گیا ۔ احرام کھول دے ۵۷۵ لا جناح علیہ ۔ صفا و مروہ کو نسبت تو توحید کے خاص الخاص گھرانے سے حاصل تھی ۔ یعنی ہاجرہ ، اور اسمٰعیل اور ابراہیم علیہم السلام سے ۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں قبضہ ان پر بھی مشرکوں کا ہو گیا تھا ۔ اور ایک ایک پہاڑی پر ایک ایک دیوی کی مورتی نصب ہو گئی تھی ۔ مشرک تیرتھ کرنے جاتے تو انہیں بھی دوڑ دوڑ کر چھوتے اور چومتے ۔ قرن اوّل کے مسلمانوں ، صحابیوں کی توحید پرستی اور شرک بیزاری کا کیا پوچھنا ۔ قدرۃً خیال گزرا کہ کہیں ان پہاڑیوں کے درمیان آمد و رفت شعائر شرک میں نہ قرار پائے ۔ آیت میں اُنہی کا شبہہ دور کیا گیا ہے، اور ارشاد ہوا ہے کہ یہ جاہلیت کی نہیں عین توحید کی یادگاریں ہیں ۔ اس لئے اگر ان کے درمیان آمد و رفت اسلامی و توحیدی حج کا جزو رکھی جائیں، تو اس میں مطلق مضائقہ نہیں ۔ یطوف بھما ۔ طوف کے اصلی معنی کسی چیز کے گرد گھومنے یا چکر کاٹنے کے ہیں ۔ لیکن وسعت دے کر اسکے معنی مطلق آس پاس جانے کے بھی کئے گئے ہیں ۔ اور یہاں مراد دو مقاموں کے درمیان آمد و رفت سعی ہے ۔ الطوف المشی حول الشیء (راغب) والمراد ھنا السعی بینھما (مدارک) یہ سعی صفا و مروہ کے درمیان ، حنفیہ کے ہاں واجب ہے ، امام احمدؒ کے ہاں سنت ہے ۔ اور مالکیہ و شافعیہ کے ہاں فرض ہے ۔ یہ آمد و رفت سات بار ہوتی ہے ۔ درمیان کا کچھ فاصلہ ، تقریباً دو فرلانگ دوڑ کر چلنا ہوتا ہے ۔ اسی لئے اس کا نام سعی (دوڑ) ہے ۔ اس فاصلہ کی علامت کے طور پر سڑک کے کنارے دو پتھر سبز رنگ کے نصب کر دیئے گئے ہیں ۔ کسی زمانہ میں یہاں بالکل ویرانہ تھا ۔ لیکن اب تو عین بازار ہے ، اور صفا و مروہ کے درمیان خوب آبادی اور چہل پہل رہتی ہے ۵۷۶ (اس لئے اسکے ہاں نہ اعزاز و اکرام کی کمی کسی نیک کار کے لئے ہوگی ، اور نہ وہ کسی کے اخلاصِ عمل سے ناواقف ہے) تطوع ۔ تطوع ہر وہ چیز ہے فرض کے علاوہ جو انسان اپنی خوشی سے انجام دے ۔ خیراً ۔ خیر عام معنی میں ہے ، ہر عمل خیر کو شامل ۔ المراد منہ جمیع الطاعات (کبیر عن الحسن) وھذا اولیٰ لانہ اوفق لعموم اللفظ (کبیر) مطلب یہ ہے کہ کوئی سا بھی نیک کام ہو کسی نوعیت اور کسی درجہ کا ، جو بھی انسان خوشی سے انجام دیگا ، اُس کا اجر اسے مل کر رہے گا ۔ شاکر ۔ شکر کا لفظ جب اللہ کے لئے آتا ہے تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی طاعت پر معاوضہ بہت زیادہ دیتا ہے ۔ الشکر من اللہ تعالیٰ ان یعطی لعبدہ فوق ما یستحقہ بشکر الیسیر ویعطی الکثیر (معالم) علیم ۔ یعنی نیتوں تک سے واقف ۔ علیم بنیتہ (معالم) ابھی ایک ہی آیت اوپر ذکر فضائل صبر کا ہو رہا تھا ، اُسکے معاً بعد ذکر حج کا شروع ہو جانا ، علاوہ اور بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے ایک خاص مناسبت بھی صبر سے رکھتا ہے ۔ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ موسم حج کے ہجوم و چپقلش اور مسلسل کوچ اور مقام میں فرائض تک کی پابندی مشکل پڑ جاتی ہے سنن و مستحبات کا کیا ذکر ہے اشتعال کے باوجود زبان پر قابو رکھیے ، ہاتھ پیر پر قابو رکھیے ، کان اور آنکھ پر قابو رکھیے ۔ غرض صبر کا پورا امتحان ہر طرح ہو جاتا ہے ۔

مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا
ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے نازل کر چکے ہیں ، بعد اس کے کہ ہم اُسے
بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ
لوگوں کے لئے کتاب (الٰہی) میں کھول چکے ہیں ۵۷۷ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ اُن پر لعنت کرتا ہے
وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا
اور اُن پر لعنت کرنیوالے لعنت کرتے ہیں ۵۷۸ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں ۵۷۹ اور درست ہو جائیں ۵۸۰
وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ
اور ظاہر کر دیں ۵۸۱ ، یہ وہ لوگ ہیں کہ میں اُن پر متوجہ ہو جاؤنگا رحمت سے ۵۸۲ ، اور میں بڑا توبہ قبول کرنیوالا
الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ
ہوں بڑا رحمت والا ہوں ۵۸۳ ، بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اور مر جائیں اسی حال میں کہ وہ کافر
كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ
ہیں ، سو یہ وہی لوگ ہیں کہ اُن پر لعنت ہے اللہ کی ، اور فرشتوں کی اور
النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ
آدمیوں کی سب کی ۵۸۴ وہ اُس میں پڑے رہنے والے ہیں ۵۸۵ ، کہ نہ اُن پر سے عذاب ہلکا ہونے
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
پائیگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ۵۸۶ اور تمہارا خدا ایک خدا ہے ۔ بجز
وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾
اُس کے کوئی خدا نہیں ۵۸۷ ، بے انتہا رحم و کرم کرنے والا ، بار بار رحم کرنے والا ۵۸۸

ع ۱۹ ۱۱ ۴

منزل

۵۷۷ یعنی کتبِ سابق کے مضامین اور پیشین گوئیوں کو دانستہ چھپاتے ہیں ۔ مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اس پر ابن عباسؓ صحابی اور مشاہیر تابعین سب کا اتفاق ہے ۔ نزلت فی اھل الکتب من الیھود والنصاریٰ (کبیر عن ابن عباس ومجاہد والحسن وقتادۃ والربیع والسدی والاصم) الاقرب انھا نزلت فی الیھود والحکم عام (روح) یکتمون ۔ اور حق پوشی بھی اس غضب کی کہ محض سکوت پر کفایت نہیں کرتے ، بلکہ اُلٹی حق کی مخالف شہادت دے گزرتے ہیں ۔ کتمان کا اطلاق اُس اخفا پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے ، اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو ۔ الکتمان ترک اظہار الشیء قصداً مع مساس الحاجۃ الیہ (روح) البینت والھدیٰ ۔ بینات وہ نشانیاں ہیں جو بجائے خود واضح و صریح ہیں ۔ الھدیٰ وہ ہے جو دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بن سکے ۔ یہاں بینات سے مراد رسالت محمدیؐ کے دلائل و شواہد ہیں ۔ اور ھدیٰ سے مراد احکام شریعت ہیں ۔ بیّنٰہ میں ہ کی ضمیر ما انزلنا کی طرف ہے ۔ یعنی اُس مضمون کو اُس مفہوم کو ۔ الکتب سے مراد ہے جنس کتاب یعنی قدیم کتب آسمانی ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص کی مذمت ہے جو اپنے مریدوں کے سوا دوسروں سے علوم شریعت کو چھپاتا ہے ، کہ یہ علوم ما انزل اللہ کے عموم میں داخل ہیں ۔ البتہ علوم مکاشفہ کا حکم دوسرا ہے وہ منزل نہیں ۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اظہار میں خوفِ فتنہ بھی ہے ۵۷۸ خواہ وہ لعنت کرنے والے جنس آدم سے ہوں یا جنات ہوں یا ملائکہ ہوں ، یا اور کوئی مخلوق ہوں ۔ لعنۃ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ۔ اللہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو اپنے سے دور اور اپنے فضل و کرم سے مہجور کر دیتا ہے ۔ ای یبعدھم عن رحمتہ (روح) وذلک من اللہ تعالیٰ فی الاخرۃ عقوبۃ وفی الدنیا انقطاع من قبول رحمتہ وتوفیقہ (راغب) مخلوق کی لعنت یہ کہ ان بدکاروں کے لئے بددعا کی جائے ، ان کے لئے حق تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور اسکے فضل و کرم سے مہجوری طلب کی جائے ۔ ومن الانسان دعاء علی غیرہ (راغب) بمعنی الدعاء علیھم بالابعاد عن رحمۃ اللہ تعالیٰ (روح) لفظ لعنت ، قدیم صحیفوں کا بھی چلا ہوا محاورہ ہے ۔ ملاحظہ ہوں توریت میں استثنا ۱۱ : ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ نیز ۸ : ۱۵ ۔ ۲۱ وغیرہ اور انجیل میں مرقس ۱۱ : ۲۱ ۔ یوحنا ۷ : ۴۹ وغیرہ ۔ فقہاء نے آیت ماقبل سے استدلال کیا ہے کہ عالم پر تبلیغ حق اور اپنے علم کا بیان واجب ہے ۔ استدل بھا علماؤنا علیٰ وجوب تبلیغ الحق وبیان العلم علی الجملۃ (ابن العربی) ۵۷۹ (اپنے پچھلے جرم سے) توبہ کرنے سے مراد ہے باز آنا ، نادم ہونا ، اور عزم ترک کے ساتھ عذر خواہی کرنا ۵۸۰ یعنی آیندہ کے لئے اپنی اصلاح حال کر لیں ۵۸۱ (اپنی آسمانی کتابوں کے اُن مضامین کو جنہیں وہ اب تک چھپاتے رہے ہیں) یہاں مراد ہیں اسلام و پیمبرِ اسلام سے متعلق پچھلے صحیفوں میں پیش خبریاں ۔ خلاصہ یہ کہ یہ مجرم اگر ماضی پر نادم ہو کر اب بھی ایمان لے آئیں ، اور تلافی مافات پر آمادہ ہو جائیں ۵۸۲ یعنی یہ تائبین نہ صرف لعنت کی زد سے باہر ہو جاتے ہیں ، بلکہ رحمت و مغفرت الٰہی کے ماتحت بھی آجاتے ہیں ۔ البتہ جو لوگ اپنی انہی بدکرداریوں پر اصرار رکھتے ہیں ، ان پر سزا بھی قائم رہتی ہے ۔ واما الذین ماتوا علی الکتمان ولم یتوبوا عنہ فقد استقرت علیھم اللعنۃ ولم تزل عنھم (روح) اصلحوا وبینوا ۔ توبہ اور قبول توبہ کا مضمون قرآن مجید میں بار بار آیا ہے ۔ یہاں توبہ کے ساتھ قید اصلاح اور تبیین کی لگی ہوئی ہے ۔ یعنی جو فساد پھیلایا تھا اس کی اصلاح ، اور جو چھپایا تھا اس کا اظہار ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جن گناہوں سے صرف حقوق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے ۔ مثلاً نماز یا روزہ کا ترک ۔ اُن کے لئے محض توبہ و استغفار کافی ہے ، کہ اس کا تعلق صفات رحمانیت و رحیمیت سے ہے ۔ لیکن جن گناہوں سے بندوں کی حق تلفی لازم آتی ہے ۔ مثلاً قتل ، چوری ، رشوت ، غصب ، فساد ، بدامنی ، سود خوری ، عقائد باطلہ کا اعلان ، ان کے لئے ضروری ہے کہ ہر متعین معصیت کے ضرر کا عملی تدارک بھی بقدر امکان کرے ۔ جب جا کر توبہ قبول ہوگی ، کہ یہاں واسطہ حق تعالیٰ کی صفت عدل سے ہے ۔

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

البتہ تم ادراک نہیں کر سکتے ۵۶۶ اور ہم تمہاری آزمایش کر کے رہیں گے کچھ خوف اور

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ

بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان سے ۵۶۸ اور آپ

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ

صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے ۵۶۹ کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں ۵۷۰ کہ

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ

بیشک ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور بیشک ہم اُسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں ۵۷۱ یہ لوگ وہ ہیں کہ اُن پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

نوازشیں ہوں گی اُن کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت (بھی) اور یہی لوگ

الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ

راہیاب ہیں ۵۷۲ صفا و مروہ بیشک اللہ کی یادگاروں میں سے

اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

ہیں ۵۷۳ سو جو کوئی بیت (اللہ) کا حج کرے یا عمرہ کرے ۵۷۴ اس پر ذرا بھی گناہ

عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا

نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرے ۵۷۵ اور جو کوئی خوشی سے کوئی امر خیر کرے،

فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ

سو اللہ تو بڑا قدر دان ہے، بڑا علم رکھنے والا ہے ۵۷۶ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو

تاہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انھوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے انہیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنی میں انہیں مُردہ سمجھ رہے ہو، اُس میں وہ سرے سے مُردہ ہی نہیں، بلکہ زندوں سے کہیں بڑھ کر مزلذت یاب ہو رہے ہیں۔ اصطلاح میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں۔ برزخی زندگی اپنی عام صورت میں تو سب ہی کے لئے ہے۔ لیکن شہیدوں کو اُس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی، آثارِ حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی۔ بقول مفسر تھانوی شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اس کے جسم ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور مثل جسدِ زندہ کے صحیح و سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں۔ اور یہی حیات ہے جس میں حضراتِ انبیاء شہیدوں سے بھی زیادہ قوت و امتیاز رکھتے ہیں۔ تخصیص الشهداء لاختصاصهم بالقرب من الله تعالٰی ومزید البهجة والكرامة (بیضاوی) ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے۔ لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی و رُوحانی دونوں ہوتی ہے۔ ذهب كثير من اهل السلف الٰی انها حقیقیة بالروح والجسد وذهب البعض الٰی انها روحانیة والمشهور ترجیح القول الاول (روح) آیت سے بہ قاعدۂ دلالۃ النص یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال کو صرف کرنے والے اور انہیں ہوائے نفس میں لٹانے والے یکساں نہیں ہوتے۔ حیاتِ شہداء کے معتقد یہود کے بھی بعض فرقے ہوئے ہیں۔ (جیوش انسائکلوپیڈیا۔ جلد ۶ صفحہ ۵۶۶) ابن العربی مالکیؒ نے کہا ہے کہ اسی آیت سے تمسک کر کے بعض ائمہ نے شہید کے لئے غسل و نمازِ جنازہ دونوں غیر ضروری بتائے ہیں، کہ اُن کی تطہیر تو شہادت سے ہو چکی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے نمازِ جنازہ کو ضروری برقرار رکھا ہے (احکام القرآن)۔ ۵۶۷ (اس لئے کہ برزخ حواس ناسوتی سے درک نہیں ہوتا) اور انسان اُسی حیاتِ عالی و لطیف کا ادراک اپنے حواسِ ظاہری کے ذریعہ سے نہیں کر سکتے۔ ای ما هی امر لا یدرك بالعقل بل بالوحی (بیضاوی) لانها من احوال البرزخ التی لا یطلع علیها ولا طریق للعلم بها الا بالوحی (روح) لان حیاتهم الشهید لا نظم حسًّا (مدارک) ابن کثیر نے ایک حدیثِ نبوی نقل کر کے اور اس سے استنباط کر کے لکھ دیا ہے کہ یہی حیاتِ عام مومنین کو بھی حاصل رہتی ہے۔ البتہ شہداء کا ذکر خاص طور پر ان کی عظمت و اکرام کے لئے قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے۔ وفیه دلالة لعموم المومنین ایضًا وان كان الشهداء قد خصصوا بالذكر فی القرآن تشریفًا لهم وتكریمًا وتعظیمًا۔

۵۶۸ (بہ تقاضائے حکمت) خطاب مومنین صادقین سے چلا آ رہا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ مصیبتیں اور بلائیں اُن پر بھی یقیناً آئیں گی، لیکن بہ طور سزا و عذاب نہیں، بلکہ ابتلا و امتحان کے رنگ میں۔ اور اس ارشاد سے ان کی تسلی و تسکین کا بہترین سامان بہم پہنچا دیا۔ آزمائشِ خداوندی سے مقصود نتائج کو دنیا پر ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو یہ علم ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے حاصل ہے۔ بشیءٍ سے یہ بتا دیا کہ امتحان بہت سخت نہیں ہوگا۔ ہر بلا کے جزو قلیل ہی سے متعلق ہوگا۔ کُل سے متعلق نہیں۔ الخوف۔ خوف کا لفظ جامع ہے۔ جان، مال، عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ ہر اس اس کے اندر آ گیا۔ الجوع۔ بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مالِ حرام سے بچے۔ اور نہ روزہ سے ہچکچائے۔ نہ فقر و فاقہ سے ڈرے۔ اموال۔ رشوت، سود، خیانت، بیع فاسد، ہر غیر شرعی معاملت سے دستبردار ہو جائے، اور جو مالی نقصانات تکوینی طور پر واقع ہوں۔ چوری ہو جائے، آگ لگ جائے ان سب پر صبر سے کام لے۔ الانفس۔ موت، بیماری، جہاد کے حادثوں میں صبر سے کام لے۔ الثمرٰت۔ اولاد سے بھی مراد ہو سکتی ہے اور تجارت، زراعت، وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی، ناموری کے موقع بھی اس میں شامل ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ بندہ کا ہر امتحان شرک و توحید کے درمیان فارق ہوتا ہے۔ عوام کا امتحان شرکِ جلی سے متعلق ہوتا ہے، اور خواص کا شرکِ خفی سے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ مجاہدہ اضطراری بھی نافع ہوتا ہے۔

۵۶۹ صبر کرنے والوں کو، یعنی اُن بندوں کو جو حالتِ غم میں بھی حدودِ شریعت سے قدم باہر نہیں نکالتے۔ صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے۔ اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔ اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و دردانگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اس کی مصلحت و حکمت پر، اس کی شفقت و رحمت پر رکھے۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں!
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں (اکبرؔ)

۵۷۰ (حضورِ قلب کے ساتھ) تحصیلِ صبر میں عقیدۂ قلب، تلفظِ زبانی پر مقدم ہے۔ مصیبة کے لغوی معنی افتاد کے ہیں۔ اور حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کل شیءٍ ساء المومن فهو مصیبة (جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گزرے، بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے) گویا اس کا اطلاق نہایت وسیع اور عام ہے، اور اس کے تحت میں چھوٹا بڑا ہر ناخوشگوار واقعہ تکوینی آ گیا۔ بیماری ہو، مالی نقصان ہو، دوستوں عزیزوں کی مفارقت کا صدمہ ہو، موت کا غم ہو، اولاد کی ہو، توہین اور بے عزتی ہو۔ وحسن علی هذا المصیبة كل ما اٰذی المومن فی نفس او مال او اهل صغیرة او كبیرة (جصاص)۔ بزبان سے اس آیت کی تلاوت کا دستور بحمد اللہ اب بھی اکثر مسلمان گھروں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن تحصیلِ صبر کے لئے محض زبانی اعادہ ہرگز کافی نہیں۔ قلب کے سامنے بھی استحضار پوری طرح ہونا چاہیے۔ الاسترجاع تسلیم و اذعان (مدارک) ولیس الصبر بالاسترجاع باللسان بل به بالقلب (بیضاوی) قالُوْا۔ صورۃً صیغہ ماضی کا ہے۔ لیکن مقصود مومنین صابرین کی عادت کا بیان ہے۔ اذا۔ بیان کسی ایک اور اتفاقی واقعہ کیلئے نہیں۔ عام عادت کے اظہار کے لئے آیا ہے۔ یعنی جب، یا جب کبھی بھی کوئی ناخوشگواری پیش آتی ہے۔ والمعنی فی اذا هنا علی التكرار والعموم (بحر)۔

۵۷۱ (خواہ آج خواہ چند روز بعد) آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔ ایک یہ کہ ہم سب عبدِ محض ہیں، اور تمام تر اُسی کی ملک۔ ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی۔ اپنی کوئی شے ہی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان! ع جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا! (اکبرؔ) انسان کے سارے رنج و غم، درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہو گیا، اور کوئی شے بھی سرے سے اپنی رہی ہی نہیں، تو اب گلہ و شکوہ، رنج و ملال کا موقع ہی کیا؟ دوسری بات یہ کہ بڑے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں، رہ جانے والے کوئی بھی نہیں۔ عنقریب انہیں چھوڑ چھاڑ مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بیباق ہو جائیں گے۔ ہر کھوئی ہوئی چیز وصول ہو کر رہے گی۔ یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اُسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن و سکون حاصل رہے گا۔ غم و حزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتا دیا گیا ہے، یہ صحائف کائنات میں بے نظیر ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن مجید میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی، تو یہی اُسے حکیمِ مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لئے والله کافی تھی۔ صبر ایک کیفیتِ نفسی کا نام ہے۔ اور اصلاً اُس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے کلمہ صبر دوہرانے کا حکم اسی کیفیت کو قوی اور مؤکّد بنانے کے لئے ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ آیت میں جو حکم ہے اُس کی تعمیل کے تین مرتبے ہیں (۱) درجۂ اعلیٰ دل میں آیت کے معنی منقش ہوں، اور زبان پر بھی اس کے الفاظ جاری ہوں (۲) درجۂ اوسط۔ دل میں معنی کا خیال کرے، اور زبان سے ادا نہ کرے (۳) درجۂ ادنیٰ۔ دل میں استحضار نہ ہو مگر زبان سے دُہرائے۔ چوتھی ممکن صورت یہ ہے کہ دل میں اعتقاد کسی درجہ میں بھی موجود نہ ہو محض زبان سے دُہرائے۔ اس مقام کا نام منافقت ہے، اور یہ ایمان والوں کی دنیا سے خارج ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بابت تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ادنیٰ ادنیٰ تکلیف یا ناگواری کے موقع پر بھی یہ کلمہ زبان پر لاتے رہتے تھے۔ اور یہی معمول آپ کے صحابیوں کا رہا ہے۔ راجعون سے یہ مراد نہیں کہ انسان ابھی کہیں اور ہے، اور پھر کسی ایسے مقام یا جہت میں آ جائے گا جہاں خدا ہے۔ خدا کے پاس تو وہ اب بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالمِ آخرت میں جس طرح اللہ کی ملکیت، ربوبیت اور سارے ظاہری اسباب کے ٹوٹ جانے سے بالکل واضح و نمایاں ہو جائے گی، اُسی طرح یہ خدا ہی کی طرف رجوع بالکل آشکار ہو کر رہے گا۔ درمیانی واسطے سب غائب ہو کر رہیں گے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ کلمہ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور نسی میں نفع بھی داخل ہے۔ جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے۔

۵۷۲ دنیا و آخرت دونوں میں۔ اوپر کی آیت میں صابرین کے حق میں جس خوشخبری کا ذکر تھا، یہ سب اسی کا بیان ہو رہا ہے۔ علیهم صلوٰت من ربهم۔ یعنی یہ لوگ عنایت خاصہ کے مورد ہوں گے۔ ہر شخص اپنے

٥٥١ مثلاً اہل کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش کہ ہمارے نوشتوں کے بموجب تو آخری نبی کا قبلہ، قبلہ ابراہیمی ہونا تھا۔ یا مشرکین عرب کو اس اعتراض کا موقع کہ یہ نبی دین ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلہ ابراہیمی کیوں ترک کئے ہوئے ہیں۔ للناس میں الناس سے مراد جملہ مخالفین ومعترضین ہیں ٥٥٢ یعنی رہ جائیں وہ کج فطرت معاندین جو اس کے بعد بھی اعتراضات پڑتے رہیں گے سو ان کی کچھ پرواہی نہ کرو۔ الا للمعاندين منهم وكشف لا لحجة لاحد عليكم الا الحجة الداحضة للذين من اليهود وغيرهم (بحر) الا کو یہاں ابوعبیدہ لغوی نے واؤ کے مرادف قرار دیا ہے۔ لیکن فراء اور دوسرے اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے (جصاص) ٥٥٣ اور نہ ان کی کوئی پرواکرو۔ فلا تخافوا مطاعنهم في قبلتكم (بحر) ٥٥٤ (کہ میری ہی نافرمانی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے) ٥٥٥ اتمام نعمت کے مفہوم اور بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد تعیین قبلہ سے ہے۔ بهدايتي اياكم الى قبلة ابراهيم (سلام) واتمام النعمة بما هداهم اليه من القبلة (بحر) لاتمم کا عطف لئلا یکون پر ہے (جلالین)۔ خانہ کعبہ کا محل نزول رحمت، مرکز تجلیات ہونا مسلم ہے۔ ساتھ ہی نماز کا افضل عبادات ہونا مسلم۔ ان دونوں حقیقتوں کے استحضار کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعیین قبلہ سے بڑھ کر عنایت اور تکمیل نعمت اور کیا ہوگی ٥٥٦ اور اپنے درجات ہدایت میں مزید ترقی کرتے رہو۔ شریعت اسلامی دنیا کا مکمل ترین ممکن نظام ہے۔ اور اس مکمل ترین ممکن نظام کا ایک اہم جزو تعیین قبلہ واستقبال کعبہ بھی ہے۔ لعلکم میں لعل کے کا مرادف ہے۔ شک کے لئے نہیں ممکن کے معنی میں ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو لوگ پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں، ان کو ہدایت یابی سے سرفراز کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مدارج قرب میں ترقی کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے ٥٥٧ کما کا تعلق آیت ماقبل سے ہے۔ یعنی یہ اتمام نعمت اب استقبال کعبہ کے واسطے سے اسی طرح ہوگا، جیسے بعثت رسول کے ذریعہ سے اس کے قبل ہو چکا ہے۔ كما ارسلنا متعلق بالتمام اتمامًا كاتمامها بارسالنا الرسول (جلالین) ٥٥٨ ہر طرح کے فسق وعصیان اور اخلاقی آلودگیوں سے۔ رسول کی حیثیت محض پیام رسان اور مبلغ کی نہیں ہوتی، مزکی (پاک کرنے والے) کی بھی ہوتی ہے۔ رسول کی گوناگوں حیثیتوں پر حاشیے آیت ۱۲۹ کے ذیل میں گزر چکے ہیں ٥٥٩ رسول کی حیثیت معلم اور شارح کی بھی ہوتی ہے۔ یعلمکم۔ لفظ تعلیم سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ پیمبر کے ارشادات محض لفظ عبارت تک محدود نہیں رہتے۔ وہ حکمت ودانائی کے سبق روحانیت کے اصول ومسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ یعنی انہیں اپنے سامعین کے رگ وریشہ میں اتارتا رہتا ہے ٥٦٠ وحی الٰہی کو عقل بشری سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے ہے اور رسول چونکہ وحی سے مؤید رہتا ہے اس لئے قدرۃً اس کی باریک بیں اور دوررس اور دقیقہ سنج نگاہ ان دقیق حقائق تک پہنچ جاتی ہے جو بڑے بڑے عقلاء ومفکرین سے بھی مخفی رہتے ہیں اور رسول کی رسائی عالم حقیقت کی ان گہرائیوں تک ہو جاتی ہے جو علم وعقل، کشف واشراق سب سے بالاتر ہیں۔ ليكون ارساله صلى الله عليه وسلم نعمة عظيمة ولولاه لكان الخلق متحيرين في امر دينهم لا يدرون ما يصنعون (روح) ما لا سبيل الى معرفته الا بالوحي (مدارک) ٥٦١ (طاعت وعبادت کے ذریعہ سے) بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یاد الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود ومقید نہیں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے چالتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، سب میں رضاء الٰہی کو مقدم رکھنا یہی بندہ کی طرف سے یاد الٰہی ہے۔ فاذکرونی۔ ابوبکر جصاص رازیؒ نے ذکر سے مراد لی ہے آیات الٰہی اور ان کی عظمت قدرت کا تفکر۔ وذكروا بالفكر في دلائله واياته وقدرته وعظمته (احکام القرآن) اور اسی کو عابدوں کا رسم افضل اور ان کی اصل قرار دیا ہے۔ وهو افضل الذكر، وسائر وجوه الذكر مبنية عليه وتابعة له (احکام القرآن) ٥٦٢ اپنے لطف وعنایت خاص سے اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ ان پر دنیا وآخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل وکرم کی بارش کرتا رہے۔ فاذکرونی اور اذکرکم میں ضمیر متکلم کو صیغہ واحد میں لا نا علامت تخصیص کی ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بندہ ادھر سے یاد میں لگا ہے تو ادھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہے گی۔ اور یہی اصل ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے ان کا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر وشاغل کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو ٥٦٣ واشکروا لی۔ توحید، ایمان واسلام کے حقوق ادا کرتے رہنا یہی اللہ کی شکرگزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ ولا تکفرون۔ کفر وشرک، الحاد وارتیاب، فسق وبدعت میں لگے رہنا یہی اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصل مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قویٰ کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے ٥٦٤ یعنی ہجوم مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی سے تعلق برابر جوڑے رہو۔ اس پر بھروسہ رکھو، اس کے آگے جھکتے رہو، گرتے رہو۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بڑی اور پُرقوت ہستی سے تعلق قائم ہو جانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ خطرہ کے وقت پولیس کے پہنچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آجانے سے دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ شدید بیماری کے وقت کسی نامور طبیب کے آجانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی جڑ جاتی ہے۔ پھر جب دل کا ربط ہمہ بین وہمہ دان ناصر حقیقی ومحافظ حقیقی سے قائم ہو جائے، تو انسان بے بنیاد کی تسکین خاطر وتقویت قلب کا کیا پوچھنا! دنیا میں رہ کر زندگی کی کشمکش میں پڑ کر، مشکلات ومصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے۔ افراد کو بھی، اور امت وجماعت کو بھی۔ اور وہ دستور العمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے۔ قرآن مجید نے بجائے غیر ضروری اور نامتناہی تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی طرف کر دیا۔ بالصبر۔ صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں۔ الصبر الامساك في ضيق (راغب) اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ الصبر حبس النفس على ما يقتضيه العقل والشرع (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں ان کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔ قرآنی فرمان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو۔ دل قابو میں رکھو۔ خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔ بالصبر والصلوٰۃ صبر ایک سلبی کیفیت اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے۔ ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے۔ ایک معاصی سے حفظ واحتیاط، دوسرے اوامر کا اتباع ٥٦٥ اللہ کی معیت عام تو کافر ومومن، فاسق وصالح، نیز ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وهو معكم اين ما كنتم۔ یہاں یہ معیت عام مراد نہیں۔ بلکہ معیت خصوصی مراد ہے جس کے آثار حفاظت، اعانت وتوجہ خاص ہیں۔ یہ اسی معیت الٰہی کا احساس واستحضار تھا جس نے رسول کریم کے صحابہ کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے مراقبہ سے بڑھ کر نہ روح کے لئے کوئی لذیذ غذا ہے اور نہ جراحت قلب کے لئے کوئی مرہم تسکین۔ یہی ایک تصور ہے اہل ایمان کے لئے جو ہر ناگوار کو خوشگوار، ہر تلخ کو شیریں، ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے۔ دور حاضر کے مغربی مفکرین اور نفسیین نے بھی اس تعلق باللہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور تسلیم کیا ہے کہ قلب کی اداسی، غمگینی، افسردگی کے وقت تعلق باللہ سے بڑھ کر مونس، رفیق ودمساز کوئی نہیں ملاحظہ ہو Psychology of Religions نیز صفحہ ۱۰۰ James. کی Varieties of Religious Experiences کے مختلف مقامات۔ صبر۔ اپنے وسیع مفہوم میں ایک جامع لفظ ہے۔ صلوٰۃ اسی کی ایک مستاز صورت ہے معیت الٰہی کی یہ نعمت جب صابرین کو ملے گی، تو نمازیوں کو بدرجۂ اولیٰ ملے گی۔ اور اسی لئے اس کی صراحت کی ضرورت نہ رہی۔ ولم يقل مع المصلين لانه اذا كان مع الصابرين كان مع المصلين من باب اولى لاشتمال الصلوة على الصبر (روح) ٥٦٦ عالم برزخ میں ایک خاص حیات کے ساتھ، اور عام انسانوں کی طرح مردہ نہیں۔ في سبيل الله۔ یعنی دین حق کی راہ میں۔ مذہب صحیح کی خاطر۔ في طاعته واعلاء كلمته (روح) غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابی شہید ہو گئے تو

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا

تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں حجت نہ رہ جائے ٥٥١ سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم

مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي

ہیں ٥٥٢ سو تم ان سے نہ ڈرو ٥٥٣ بلکہ (صرف) مجھی سے ڈرو ٥٥٤ تاکہ میں اپنا انعام تم پر

عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا

پورا کروں ٥٥٥ اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو ٥٥٦ (اسی طرح) جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول

مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

تم ہی میں سے بھیجا ٥٥٧ جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے ٥٥٨ اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے ٥٥٩ جو تم نہیں جانتے تھے ٥٦٠ سو تم

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

مجھے یاد کرتے رہو ٥٦١ میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا ٥٦٢ اور میری شکرگزاری کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو ٥٦٣

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو ٥٦٤

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ

بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ٥٦٥ اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں،

يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ

انہیں مردہ نہ کہو (نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں ٥٦٦

ع ۱۸ / ۵ / ۲ — معانقہ ۲

مستقول ہیں۔ لیکن متوسطین اور متاخرین میں تقریباً سب کا اس پر اتفاق ہوگیا ہے کہ مراد ذاتِ رسالت سے ہے۔ اور دلائل اسی کے زیادہ مؤید ہیں۔ اور سند اس کی بھی تابعین سے مل جاتی ہے۔ یعنی یعرفون محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم (معالم) لمہ یعرفون رسول اللہ صلعم (کشاف) ذکروا فیہ وجوھًا احدھا انہ عائد الی رسول اللہ صلعم ...... والقول الثانی ...... واعلموان القول الاول اظہر (کبیر) والضمیر لرسول اللہ صلعم وان لم یسبق ذکرہٗ بدلالۃ الکلام علیہ (بیضاوی) والضمیر عائد علی النبی صلعم قال مجاھد وقتادۃ وغیرھما (بحر) ۵۳۹ ظاہر ہے کہ ضمیر غائب ہے۔ لیکن اردو میں نہایت تعظیم کے موقع پر غائب "وہ" کے بجائے حاضر "آپ" لاتے ہیں۔ ۵۴۰ یہود اور دوسرے معاندین کا یہ اخفائے حق دانستہ اور بہ ارادہ ہے۔ کسی معذوری، دانستہ غلط فہمی، یا دلائل میں خفا کا نتیجہ نہیں۔ الْحَقَّ۔ حق سے مراد یہاں رسول اللہ صلعم کا وہ مفصل و مکمل تعارف ہے، جو توریت اور دوسرے الہامی نوشتوں میں موجود ہے۔ مافی کتبھم من صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن کثیر) ای یکتمون محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر۔ عن مجاہد) والحق المکتوم ھنا ھو رسول اللہ صلعم قال قتادۃ ومجاھد (بحر) دوسرے معنی امر تحویل قبلہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ قیل امر القبلۃ (کبیر) وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اس ٹکڑے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ انکار کرنے والے عوام و جہلاء یہود نہیں، اُن کے علماء و اکابر تھے۔ ۵۴۱ (اے مخاطب) آیت کا یہ جزو تاکیدِ کلام کے لئے ہے۔ یعنی یہاں جو کچھ بھی بیان ہو رہا ہے، خواہ رسول اللہ صلعم کی رسالت سے متعلق ہو، یا امر تحویل قبلہ سے متعلق۔ بہرحال و بہر صورت یہ اللہ ہی کا کلام ہے، اور ہرگز بے التفاتی یا کم التفاتی کے قابل نہیں۔ ۵۴۲ ع ہر قوم را راست راہے، دینے و قبلہ گاہے! یعنی ہر قوم

فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۱۴۶)

ان میں کے کچھ لوگ خوب چھپاتے ہیں حق کو، حالانکہ جانتے ہوتے ہیں ۵۴۰ یہ امر

اَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (۱۴۷)

حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، پس تو کہیں شک کرنے والوں میں ہرگز نہ ہو جانا ۵۴۱

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

اور ہر ایک کے لئے کوئی رُخ ہوتا ہے جدھر وہ متوجہ رہتا ہے ۵۴۲ سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو ۵۴۳

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ

تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تم سب کو پالے گا ۵۴۴ بے شک اللہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۴۸) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

ہر چیز پر قادر ہے ۵۴۵ اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ

مُنہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں ۵۴۶ اور یہ آپ کے

لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۱۴۹)

پروردگار کی طرف سے امر حق ہے ۵۴۷ اور اللہ اس سے بےخبر نہیں جو تم کر رہے ہو ۵۴۸

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں، اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

کریں ۵۴۹ اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو، اپنا مُنہ اس کی طرف موڑ لیا کرو ۵۵۰

ربع منزل ۱۷ ع ۲ ۱ لا ینفعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

منزل

ہر اُمت نماز و عبادت کیلئے ایک مرکزی رُخ مقرر رکھتی ہے، سو اُمتِ اسلامیہ کے لئے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے۔ لِكُلٍّ۔ "ہر ایک" سے مراد ہر قوم یا ہر اُمت ہے اور حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں عربی میں عام ہیں۔ ولم یقل لکل قوم او امۃ لانہ معروف المعنی عندھم (کبیر) یعنی بذلک اھل الادیان (ابن کثیر) لکل طائفۃ من اھل الادیان (بحر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ عارفین نے آیت کو حدیث نبوی کل میسر لما خلق لہ (ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے) سے مؤید کرکے اس کی شرح میں کہا ہے کہ تکوینی و تشریعی دونوں حیثیتوں سے اللہ نے انسانوں کے حالات مختلف رکھے ہیں، اور متعدد طبقے ان کے پیدا کر دیئے ہیں۔ کوئی کاشتکاری میں لگا ہے، کوئی تجارت میں، کوئی صنعت و حرفت میں۔ اسی طرح دینی حیثیت سے بھی، کوئی احادیث نبوی جمع کر رہا ہے، کوئی حفظِ قرآن کر رہا ہے، کوئی مسائل فقہ کا استنباط کر رہا ہے، کوئی قرآن کی تفسیر و ترجمانی میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب مختلف طریقے، راستے ہیں اللہ کی طرف کے۔ اللہ ان سارے طریقوں کو اپنے بندوں کے ذریعہ سے آباد رکھنا چاہتا ہے تو جو شخص جس طریق پر بھی اللہ کی رضا کے قصد سے چلے گا، اللہ اُس کے لئے قبول و وصول آسان کر دے گا۔ هُوَ اخفش نحوی اور زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی رُخوں کا پھیرنے والا ہے۔ قیل ھو عائد علی اللہ تعالیٰ قال الاخفش والزجاج (بحر) ۵۴۳ (اے مسلمانو!) خطاب اُمتِ اسلامیہ کو ہے کہ حُسنِ عمل کی طرف بڑھو، اور جملہ مذاہب و ادیان کے اتحادِ قبلہ کے خیال خام میں نہ پڑے رہو۔ خیرات۔ خیر کی جمع وسیع و عام مفہوم میں ہے۔ رضاء الٰہی کیلئے موافق شرع جملہ امور کو شامل۔ وصول الی اللہ کے بے شمار راستوں پر حاوی۔ فَاسْتَبِقُوا۔ عارفین نے کہا ہے کہ ہر وقت جو چیز اُس وقت کے لحاظ سے خیر و مصلحت ہو، اُس کی طرف بڑھنا ہی "استباق خیر" ہے ۵۴۴ (اور تمہاری نمازوں میں وحدت پیدا کر دے گا) ساری اُمت کا قبلہ ایک خاص مکان کو مقرر کر دینے سے ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ تو ایک صورت انتشار کی سی پیدا ہو گئی، کوئی شمال کی طرف رُخ کرے گا، کوئی جنوب کی طرف۔ وقس علیٰ ہذا۔ شبہہ کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ شبہہ محض سطحی ہے۔ مقصود تو نماز اور نمازیوں میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ تم شمال، جنوب، مشرق، مغرب، دنیا کے کسی خطہ، کسی علاقہ میں بھی متفرق و منتشر ہو۔ عالم الغیب والشہادۃ کو تو بہرحال علم ہے کہ تم رُخ ایک ہی طرف کئے ہوئے ہو۔ وہ کعبہ کی طرف بڑھی ہوئی ساری نمازوں کو ایک حکم میں رکھے گا۔ یجعل اللہ تعالیٰ صلاتکم مع اختلاف جھاتھا فی حکم صلاۃ متحدۃ الجھت (روح) ای یجمعکم ویجعل صلاتکم کلھا الی جھۃ واحدۃ قالہ الزمخشری (بحر) دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اشارہ یہاں موت و قیامت کی طرف ہے یعنی تم دفن جہاں کہیں بھی ہوگے۔ اللہ تعالیٰ سب کو حشر میں یکجا کر دے گا۔ ۵۴۵ (اور اُس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز بھی خارج نہیں) یہ ایک اصولی جواب بہت سے شبہات کا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے مسائل میں انسان کو جہاں کہیں بھی استبعاد عقلی معلوم ہوتا ہے اُس کی بنیاد ہمیشہ اسی مغالطہ پر ہوتی ہے کہ اپنے اوپر قیاس کرکے اللہ کے قویٰ کو بھی محدود، اور اُس کی قدرت کو بھی زمان، مکان، وغیرہ کی قیود کا پابند سمجھ لیا جائے۔ قرآن مجید نے اس بشری ذہنیت (سائیکالوجی) کو پوری طرح سمجھ کر بار بار اسی حقیقت کی طرف تنبیہ کی ہے کہ خدائی فعلیت پر حکم لگاتے وقت خدائی قدرت کی بھی وسعت بے پایاں کو تو یاد رکھا کرو۔ ۵۴۶ مطلب یہ کہ یہ حکم استقبال کعبہ، سفر و حضر سب کہیں کے لئے ہے۔ محض قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یبتی بھذا التساوی الحالین اقامۃً وسفرًا فی انہ مامور باستقبال البیت الحرام (بحر) ۵۴۷ یعنی امر ثابت شدہ جس میں اب کسی نسخ و تبدیلی کا امکان نہیں۔ هُوَ الْحَقُّ ای ثابت الذی لا یعرض لہ نسخ ولا تبدیل (بحر) اِنَّهٗ میں ضمیر حکم استقبال کعبہ کی طرف ہے۔ ۵۴۸ ایک جزئی حکم کے بعد کلی تنبیہ اسلوب قرآنی کے خصائص میں سے ہے۔ اور صیغۂ واحد سے صیغۂ جمع کی طرف منتقل ہو جانا عربی اسلوب بلاغت میں عام ہے۔ ۵۴۹ الفاظ کی تکرار غالباً تاکید معنی کے لئے ہے۔ اور یہ اہل عرب کا عام دستور ہے۔ کررت توکیدًا (ابحر) ھو الاکثر المعھود فی لسان العرب وھوان تعاد الجملۃ مرۃ واحدۃ (بحر) بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم تعمیم حال کیلئے ہے۔ یعنی سفر و حضر میں جس حال میں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ اور دوسرا حکم تعمیم مکان کیلئے ہے۔ یعنی دور و نزدیک، حاضر و غائب۔ جہاں کہیں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کر لی جائے۔ مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوسری حکمتیں بھی اس تکرار حکم کی لکھی ہیں۔ ۵۵۰ (اے مسلمانو!) یعنی یہ حکم رسولؐ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ساری اُمت پر اس کی تعمیل فرض ہے۔ یہاں تک یہ حکم استقبال کعبہ کل ملا کر چھ بار آ چکا ہے۔ اہل لطائف و اسرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک ایک خاص اشارہ مقصود ہے۔ مثلاً (۱) پہلی بار سے مطلق حکم وجوب (۲) دوسری بار سے تعمیم احوال۔ یعنی سفر ہو یا حضر (۳) تیسری بار سے تعمیم مکان۔ یعنی نزدیک ہو یا دور، حاضر ہو یا غائب (۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب یعنی قبلہ رُو رہنے کا استحباب (۵) پانچویں بار سے توجہ قلبی۔ یعنی دل اُسی طرف لگا رہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے (۶) چھٹی بار سے تاکید۔ یعنی رفع احتمال نسخ۔

۵۲۵ (انتظارِ وحی میں اے پیغمبر!) رسول اللہ صلعم کو صحیح جذبۂ دینی کے ماتحت اس کا یقین تھا کہ اب جب کہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے، تو ان کا قبلہ بھی قبلۂ اُمّت نہیں رہ سکتا۔ تحویلِ قبلہ کا حکم اب آگر رہے گا۔ اور فرشتۂ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف بھی اُٹھ جاتی تھی۔ یہاں اسی کیفیت کا بیان ہے۔ حق تعالیٰ اگرچہ ہرگز کسی جہت کا پابند، کسی مکان سے محدود نہیں، تاہم تجلیاتِ خاصّہ کو قرآن میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اسی لئے محققین نے لکھا ہے کہ بوقتِ اضطرار و دُعا آسمان کی طرف مُنہ کرنا موجباتِ قبول میں سے ہے۔ بلکہ اس نسبت عُلوی سے کمال یقین اور تصفیۂ قلب میں اور مدد ملتی ہے۔ قد نرٰی گو صیغۂ مضارع ہے، لیکن مراد ماضی ہے۔ لفظہ مستقبل والمراد بہ الماضی (مدارک) نری سے اشارہ یہ بھی ہو گیا کہ آپ حیران و مضطر کیوں ہوتے ہیں، ہم نے خوب دیکھ لیا ہے آپ کے تعلقِ خاطر کو۔ اور اس میں کمال تسکین ہے رسول اللہ صلعم کی۔ فی السماء میں فی الی کے معنی میں ہے۔ فی جھۃ السماء (کشاف) نحو السماء و قبلھا (ابن جریر) ۵۲٦ یعنی خانۂ خدا و قبلۂ ابراہیمی کی جانب۔ یہ وعدہ ہے تحویلِ قبلہ کا۔ یہاں بجائے براہِ راست یہ ارشاد فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے، ارشاد یہ ہوا ہے کہ ہم اے آپ کا قبلہ قرار دیدیں گے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ صلعم کی کمال رفعتِ مراتب اور کمال درجۂ فنا و قبولیت ظاہر ہے۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہلِ طریقت کے ہاں جو اصطلاح مقامِ مرادیت و محبوبیت کی آئی ہے، اس کی اصل یہی آیت ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس بلندی مرتبہ کا کہ مولیٰ خود طالب رضائے عبد ہو جائے! اس کے آگے کوئی مرتبہ تصوّر میں بھی نہیں آسکتا ہے۔ اقبال نے اسی مقام کی تشریح کی ہے ؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندہ سے خود پُوچھے بتا تیری رضا کیا ہے! فلنولینك کے دُوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہم آپ کو اس کا والی و حاکم اور اس پر متصرف بنا دیں گے۔ اے لنمکننك من استقبالھا (مدارک۔ روح) ابھی وعدہ ہوا تھا تحویلِ قبلہ کا۔ اب حکم صادر ہو گیا تحویلِ قبلہ کا۔ الوجہ لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن حکم میں کل جسم کے ہے۔ المراد من الوجہ ھھنا جملۃ بدن الانسان (کبیر) وقد یعبر عن کل الذات بالوجہ (کبیر) ۵۲۷ المسجد الحرام عزّت و حُرمت والی مسجد سے مراد مکّہ معظّمہ کی وہ مسجدِ اعظم ہے جس کے اندر خانۂ کعبہ واقع ہے۔ خانۂ کعبہ بہت ہی مختصر عمارت کا نام ہے۔ مدینہ والوں اور کہیں کے بھی لوگوں کو اس کی جہت کی تعیین بہت دشوار تھی۔ اس لئے امّت کی سہولت کے لئے نام نسبتاً ایک بہت بڑی عمارت کا لے دیا گیا (مدارک۔ بیضاوی) محققین کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہی ہے۔ و مراد البیت نفسہ (جصّاص) والمراد بہ البیت لانہ تعالیٰ خاطبنا بلغۃ العرب وھی تعبر عن الشیء بما یجاورہ او بما یشتمل علیہ (ابن العربی) وذکر المسجد الحرام دون الکعبۃ دلیل علی ان الواجب مراعاۃ الجھۃ دون العین (مدارک) اور امام مالکؒ سے یہ قول منقول ہے کہ مسجدِ حرام قبلہ ساری دنیا کی ہے اور خانۂ کعبہ قبلہ ہے اس مسجد کا۔ مسجدِ حرام یا حرم شریف کی موجودہ عمارت کا نقشِ اول خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے۔ بعد کے خلفاء و سلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے، خصوصاً ترک سلاطین۔ موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی متوفی ۱۵۷۴ء کے عہد سے تقریباً قائم ہے۔ صحن کی وسعت ۰۰ ٦ فٹ بیان کی گئی ہے۔ متعدد بڑے بڑے عالی شان اور فراخ دالان چاروں طرف اس کے علاوہ ہیں۔ داخلہ کے اہم دروازے ہیں۔ منارے چھ ہیں۔ اور گنبد گمزیوں کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق شمالی غربی وسعت ۵۴۵ فٹ ہے۔ جنوبی و شرقی ۵۵۳ فٹ، شمالی شرقی ۳٦۰ فٹ، اور جنوبی و غربی ۳٦۴ فٹ۔ شطر سے مراد ہے مسجدِ حرام کی سمت میں یا اُس کے رُخ پر۔ نہ کہ عین اس کے مقابل، کہ اس کی تعمیل دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں۔ شطرہ ای نحوہ و تلقاءہ قالہ ابن عباس وابو العالیۃ و مجاھد والربیع بن انس (جصّاص) فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبالِ قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے۔ چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے۔ نماز سے باہر ہونا صرف اُس وقت ممکن ہے جب چہرہ کے ساتھ سینہ بھی کعبہ کی طرف سے پھر جائے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہو جاتی ۵۲۸ (حالتِ نماز میں) خطاب سارے مسلمانوں یا امتِ محمدی سے ہے۔ ابھی ابھی رسول اللہ صلعم کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجئے۔ اب عام حکم صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے۔ حیث ما کنتم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ نماز، انسان کہیں بھی ہو، درست ہے، کچھ مسجد ہی کی قید نہیں ۵۲۹ علماء و اکابرِ یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیغمبرِ آخر الزماںؐ کا قبلہ وہی ہو گا جو ابراہیم خلیل اللہؑ کا تھا کہ وہی قبلۂ اصلی اور حقیقی ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔ انہ میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویلِ قبلہ ہے۔ ای التحویل الی الکعبۃ (کشاف) والضمیر للتحویل او للتوقیۃ (بیضاوی) من ربھم کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا کہ استقبالِ کعبہ رسول اللہ کا امر اجتہادی نہیں، تمام تر حکمِ ربانی ہے ۵۳۰ (جو وہ اخفاءِ حق و صداقت کی کرتے رہتے ہیں) ۵۳۱ یعنی اپنی پیغمبری کے سارے ممکن دلائل و معجزات بھی۔ الذین اوتوا الکتٰب سے مراد یہود ہیں ۵۳۲ (یہ حد ہے ان کے ضد، عناد و تعصّب کی، اس لئے آپ کا ان کے اعتراضات کی طرف اعتناء کرنا ہی بے کار ہے) ۵۳۳ (اس لئے کہ اسرائیل کی امامت کے خاتمہ پر آپ کو ایک مستقل، امتیازی، عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے، اور یہود و نصاریٰ کو آپ کی طرف سے اب ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جانا چاہئے) ۵۳۴ چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک ہیکلِ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں، بلکہ سمتِ مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں اور عجب نہیں کہ اندرونی اختلافات اس سے بھی زائد ہوں۔ بحمد اللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین بھی یہود و نصاریٰ کے قبلوں کے فرق سے صحیح طور پر واقف تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ فالیھود مستقبل بیت المقدس والنصارٰی مطلع الشمس (مدارک) اور خیر نسفی تو بعد کے شخص ہیں، ابن جریر تو متقدمین میں ہیں، وہ تک اس سے باخبر تھے۔ وذٰلك ان الیھود تستقبل بیت المقدس بصلاتھا وان النصارٰی تستقبل المشرق (ابن جریر) ۵۳۵ (تحویلِ قبلہ کے باب میں، حالانکہ عصمتِ نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے) اہلِ کتاب کی اتباع و استرضاء تو مطلقاً ممنوع ہے لیکن قبلہ جیسے بنیادی دینی مسئلہ میں ان کی اتباع معصیت ہی نہیں، کفر ہے ۵۳٦ یعنی علم ثابت بالوحی۔ قرآنی اصطلاح میں العلم سے مراد یہی علمِ حقیقی ہوتا ہے، دنیوی "علوم" کی کوئی صنف نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تہدید ہے اُن لوگوں کے لئے جو علمِ صحیح کے باوجود بجائے اس کے اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔ وفی ذٰلك تحذیر لمن یترك الدلیل بعد انارتہ ویتبع الھوٰی (مدارک) ۵۳۷ اللہ کے قانون میں رو رعایت کی گنجائش کسی کے لئے نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کے لئے بھی نہیں۔ اور نفس فطرتِ بشری کے لحاظ سے گناہ ہونے کی صلاحیت اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے، جیسی دوسرے انسانوں میں۔ یہ اور بات ہے کہ توفیقِ الٰہی ان کا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سے قائم رکھتی ہے، اور انہیں خطاء سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔ امام رازیؒ نے آیت سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ عالم کے حق میں وعید شدید تر ہے غیر عالم کے مقابلہ میں۔ دلت الآیۃ علی انہ توجہ الوعید علی العلماء اشد من توجھہ علی غیرھم (کبیر) ۵۳۸ عموم لفظ کے تحت میں مسیحی بھی داخل ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ مراد یہود ہیں۔ توریت و صحفِ قدیم کو مسیحی بھی مانتے ہیں۔ علماءِ بلاغت نے اشارہ کیا ہے کہ اس موقع پر صیغۂ معروف اٰتینٰھم الکتٰب ضمیر متکلم کی تصریح کے ساتھ صیغۂ مجہول اوتوا الکتٰب سے کہیں زیادہ بلیغ و پُرمعنی ہے ۵۳۹ یعنی خوب اچھی طرح بغیر کسی اشتباہ و التباس کے۔ مطلب یوں ہوا کہ پچھلے نوشتوں میں ایک نبی آخر الزماں کی آمد کی بابت پیش گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ یہود کو آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ وہ جس طرح اسرائیلی انبیاء کو پہچان لیتے تھے، ٹھیک اسی طرح آپ کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ اَبْنَآءَهُمْ کے لفظی معنی اپنے لڑکوں کے ہیں۔ لیکن ضمیر ھم سے مراد افرادِ اشخاص نہیں، بلکہ قومِ یہود و نسلِ اسرائیل مجموعاً ہے۔ یعنی ابناء اسرائیل۔ ابناء کا لفظ عربی میں اولاد سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ صلبی بیٹوں ہی کے معنی میں نہیں آتا۔ بلکہ جن جن پر فرزندی کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے اُن سب پر حاوی ہے۔ یعرفونہ میں ضمیر ہ ... ہے، قدماء مفسرین اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد بیت الحرام کو بہ حیثیت قبلۃ الانبیاء کے پہچاننا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ابن عباسؓ صحابی سے لیکر قتادہ، ابن زید، سدی، ابن جریج تابعین کے اقوال اسی معنی میں

رَّحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

بڑا مہربان ہے ۵۲۴ بیشک ہم نے دیکھ لیا آپکے مُنہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ۵۲۵ سو ہم ضرور آپ کو متوجہ

قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ

کرینگے اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں ۵۲٦ اچھا اب کر لیجئے اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف ۵۲۷ اور تم

حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو اُسی کی طرف ۵۲۸ اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

ہے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ حکم واقعی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے ۵۲۹ اور اللہ بے خبر نہیں ان کی

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا

کارروائیوں سے ۵۳۰ اور اگر آپ اُن لوگوں کے سامنے جنہیں کتاب مل چکی ہے، ساری ہی نشانیاں لے آئیں ۵۳۱

تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ

جب بھی یہ آپکے قبلہ کی پیروی نہ کرینگے ۵۳۲ اور نہ آپ انکے قبلہ کی پیروی کرنیوالے ہیں ۵۳۳ اور نہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے

قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

قبلہ کو ماننے والے ہیں ۵۳۴ اور اگر کہیں آپ انکی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں ۵۳۵ بعد اس کے کہ آپکے پاس علم

مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

آچکا ہے ۵۳٦ تو یقیناً آپ (ابھی) ظالموں میں (شمار) ہو جائیں گے ۵۳۷ جن لوگوں کو ہم کتاب دے

الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ

چکے ہیں ۵۳۸ وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو پہچانتے ہیں ۵۳۹ اور بیشک

وقف لازم

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

اب بیوقوف لوگ (ضرور) کہیں گے ۵۱۰ کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے (اس) قبلہ سے جس پر

الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ

وہ اب تک تھے ۵۱۱ ہٹا دیا آپ کہہ دیجئے ۵۱۲ کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک میں ۵۱۳

یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾

وہ جسے چاہے ۵۱۴ سیدھی راہ چلا دیتا ہے ۵۱۵

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ۵۱۶ ایک اُمت عادل بنا دیا ہے ۵۱۷ تاکہ تم گواہ رہو

عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ

لوگوں پر ۵۱۸ اور رسول گواہ رہیں تم پر ۵۱۹

وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ

اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے ۵۲۰ اُسے تو ہم نے اسی لئے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول

مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ؕ وَ

کا اتباع کرنے والوں کو اُلٹے پاؤں واپس چلے جانے والوں سے ۵۲۱ اور

اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ

یہ حکم بہت گراں ہے، مگر اُن لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے ۵۲۲ اور

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے تمہارے ایمان کو ۵۲۳ اور اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے

۵۱۰ (یہ طور) استفہام واستفسار کے نہیں، بلکہ بطور طنز و تعریض۔ سیقول میں سَ ہو سکتا ہے کہ مستقبل کے لئے ہو اور اس کے معنی عنقریب کے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مطلق تاکید کے لئے ہو، اور معنی صیغہ ماضی کے دے۔ اور چونکہ آیت کا نزول ایک قول کے مطابق حکم تحویل قبلہ سے قبل نہیں، اس کے بعد ہوا ہے، اس لئے مفسرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے، کہ یہاں ماضی مراد ہے، اور اردو محاورہ میں اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسے کسی گزرے ہوئے واقعہ سے متعلق کہا جائے، کہ ہاں ہم تو جانتے ہی تھے کہ یہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کریں گے۔ قال القفال ان الآیة نزلت بعد تحویل القبلة وان لفظ سیقول مراد منه الماضی (روح) قیل ان سیقول بمعنی قال (فتح) اور اسی سے ملتا ہوا یہ قول بھی ہے، کہ صیغہ ماضی یہاں اس اعتراض کے استمرار کو ظاہر کرنے کو لایا گیا ہے، یعنی یہ لوگ برابر اس طرح کہتے رہیں گے۔ انما عبّر عن الماضی بلفظ المستقبل للدلالة علی استدامته والاستمرار علیه (فتح)۔ لیکن جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ یہاں مستقبل ہی مراد ہے، اور آیت کا نزول حکم تحویل قبلہ سے قبل ہی ہوا ہے۔ وسیقول ظاهر من الاستقبال (بحر) اس صورت میں بالکل درست ہوگا اگر آیت کو ایک سچی پیشگوئی یا اخبار بالغیب کی مثال میں بھی پیش کیا جائے۔ ان الله تعالی اخبر عنهم قبل ان ذکر واهذا الکلام انهم سیقولونه (کبیر) ان اخبار من الله تعالی لنبیه صلی الله علیه وسلم انه یصدر منهم هذا القول فی المستقبل (بحر) انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیام مکہ کے زمانہ میں اُسی رُخ پر نماز جاری رکھی۔ بلکہ جب مدینہ ہجرت فرمائی، جب بھی اسی قبلہ کو برقرار رکھا۔ بیت المقدس مدینہ سے سمت شمال میں واقع ہے۔ آپ کا دل بار بار یہ چاہتا تھا کہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں لیکن حکم الٰہی سے مجبوری تھی۔ آخر ورود مدینہ کے ۱۶ مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم ملا کہ اب نماز بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے اور حکم کی معاً تعمیل ہوئی۔ خانہ کعبہ مکہ میں مدینہ سے ٹھیک جنوب میں واقع ہے۔ اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رُخ دفعتہً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔ اس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ صلعم کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار گزرا۔ وہ یوں بھی رسول اللہ صلعم کو اپنا دشمن اور اپنے دین کا بیخ کن سمجھنے لگے تھے۔ تحویل قبلہ کے اس تازہ اعلان کو وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سمجھے، اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے، ان کے ہمنوا کچھ اور لوگ بھی منافقوں اور بد دینوں میں سے ہو گئے۔ السفهاء من الناس سے یہی لوگ مراد ہیں سفہا جمع ہے سفیہ کی، اور سفیہ کے معنی کم عقل یا بد عقل کے ہیں۔ السفیه الخفیف العقل (تاج) واستعمل فی خفة النفس لنقصان العقل (راغب) یہاں سفاہت کا صاف اطلاق احکام الٰہی میں قیل و قال کرنے والوں کے حق میں ہے۔ السفهاء سے مراد یہود کا ہونا خود صحیح بخاری میں آچکا ہے۔ السفهآء هم الیهود (بخاری عن البراء) صحابہ و تابعین کثرت سے اسی طرف گئے ہیں بعض روایتیں منافقین سے متعلق بھی ملتی ہیں نزلت فی المنافقین (ابن جریر عن السدی) راجح یہ ہے کہ آیت عام رکھی جائے تمام معترضین کے لئے۔ والآیة عامة فی هؤلاء کلهم (ابن کثیر) یدخل فیه الکل لان لفظ السفهاء لفظ عموم (کبیر) الاقرب ان یکون الکل (کبیر) ۵۱۱ یعنی بیت المقدس سے۔ قبلہ۔ وہ مکان ہے جس کے مقابل رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ صار اسماً للمکان المقابل المتوجه الیه للصلوة (راغب) یہ حکم سب سے زیادہ ناگوار یہودیوں کو گزرا۔ اب تک وہ یہ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ مسلمان کم از کم ان کے ہم قبلہ تو ہیں۔ اب یہ مسرت بھی ان سے چھن گئی۔ ۵۱۲ (ان کے جواب میں اے ہمارے پیغمبر) ۵۱۳ اور کسی خاص سمت و جہت میں کوئی تقدس رکھا ہوا نہیں ہے، اس کے لئے سب برابر ہیں۔ وہ جدھر اور جس چیز کو بھی چاہے، نماز کے لئے رُخ مقرر کر دے۔ سوال اصلاً پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ لله میں لام ملکیت کا ہے۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی ملک میں مخلوق ہیں۔ ہر دوسری مخلوق کی طرح تابع و محکوم ہیں۔ یہ ضرب ہے مشرق پرستی، مغرب پرستی، اور ہر قسم کی سمت پرستی پر، جو مختلف مشرک جاہلی قوموں کا مذہب رہی ہے۔ شرک کی اس خاص قسم سمت پرستی، یا جہت پرستی پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ پارۂ اول۔ رکوع ۱۴۔ آیت ۱۱۵ ولله المشرق والمغرب کے تحت میں۔ ۵۱۴ (اور اس کا چاہنا ہمیشہ قانون حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے) ۵۱۵ (الخ بیچ چون و چرا، رسول یا وقت کے سب سے بڑے حکیم و عالم کے اتباع کی توفیق دے دیتا ہے) ۵۱۶ (اے مسلمانو! اسی طرح ایک اسی مسئلہ پر موقوف نہیں، ہر معاملہ میں) ۵۱۷ یعنی ایسی امت جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے غایت اعتدال پر ہو، ہر کجی اور ہر افراط و تفریط سے پاک۔ وسطاً عربی زبان میں یہ لفظ خاص مدح کے موقع پر آتا ہے۔ واما الوسط فانه فی کلام العرب الخیار (ابن جریر) استعیر للخصال المحمودة بوقوعها بین طرفی افراط و تفریط (بیضاوی) حدیث نبوی میں وسط کی تفسیر عدل سے آئی ہے۔ عن ابی سعید الخدری عن النبی صلعم امة وسطا قال عدلاً (ابن کثیر عن احمد) اور ائمہ لغت سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ قال الجوهری فی الصحاح امة وسطا ای عدلاً وهو الذی قاله الاخفش والخلیل و قطرب (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ احتج جمهور الاصحاب وجمهور المعتزلة علی ان اجماع الامة حجة (کبیر) ۵۱۸ ملت اسلامی، انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے، ساری دنیا کے لئے بطور نمونہ کے تیار کی گئی ہے، کائنات کی ہر امت کو اسی سانچہ میں ڈھلنا اور اسی معیار پر پورا اُترنا چاہیئے۔ آیت سے کمال درجہ کی فضیلت امت اسلامی کی ثابت ہو رہی ہے۔ شهداء سے یہ تنبیہ بھی نکل رہی ہے کہ مسلمانوں کو اخلاقی پستی اور فسق و فجور کی ہر صورت سے بچے رہنا چاہیئے۔ ورنہ پھر ادائے شہادت کے قابل نہ رہیں گے ۵۱۹ جس طرح دنیا کی ہر امت کے لئے نمونہ اور معیار کا کام دینے کے لئے امت اسلامیہ ہے خود اس امت کے لئے معیار کا کام دینے کے لئے رسول اللہ صلعم کی ذات ہے ۵۲۰ (اور اُس پر بھی حکم الٰہی ہی سے تھے یعنی بیت المقدس۔ اس سلسلہ میں یہ خوب ملحوظ رہے کہ اسلام میں قبلہ خواہ بیت المقدس یا خانہ کعبہ، بہرحال ایک متعین و مخصوص مکان کا نام ہے، خواہ وہ کسی مقام سے کسی طرف پڑے۔ نہ کہ کسی متعین سمت و جہت کا، جیسا کہ مشرکوں کے ہاں اور مسیحیوں کے ہاں ہے ۵۲۱ (اور فرمانبرداروں کا امتیاز نافرمانوں سے کرلیں۔ لنعلم۔ علم کے معنی یہاں تمیز و شناخت کے ہیں۔ ای لیتمیز به الثابت علی دینه من المرتد (بحر) علی اطلاق العلم علی معنی التمییز لان بالعلم یقع التمییز (بحر) التمییز هو ان آءٍ من هؤلاء ... سمی التمییز علماً (کبیر) علم الٰہی کلی میں تو ہر واقعہ شروع ہی سے موجود ہے، لیکن کائنات میں جب تک کوئی واقعہ واقع نہ ہولے، اس پر واقعہ کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ مضمون آیا ہے، مراد اس کے وقوع ظاہری، عملی سے ہوتی ہے ۵۲۲ (اور وہ اطاعت رسول کے ذوق سلیم سے بہرہ ور ہیں) بعض علماء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے، کہ اہل قبلہ جتنے بھی ہیں، وہ جزء ضروری تک راہ ہدایت پر ہیں۔ قبلہ پر قائم رہنا ایک بڑے سنگین امتحان سے گزرنا ہوا۔ اور اہل قبلہ کی عدم تکفیر کی ایک بنیاد بن گیا ۵۲۳ (اور اعمال ایمانی کو) بعض مسلمانوں کو یہود کے ورغلانے سے یا خود یہ وہم ہو گیا تھا کہ جب اصل قبلہ خانہ کعبہ ہے اور بیت المقدس محض ایک عارضی قبلہ تھا، تو اس رخ پر جتنی نمازیں پڑھی گئیں وہ بیکار گئیں۔ اور جو مسلمان اس حکم جدید سے قبل وفات پا چکے، وہ تو سرتاسر گھاٹے میں رہے۔ جواب انہی کو مل رہا ہے، کہ یہ وہم کیسا۔ قبلہ کوئی سا بھی ہو، اجر تو تعمیل احکام کرنے والوں کا ہے۔ جنہوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، انہوں نے بھی بہرحال حکم ہی کی تعمیل کی تھی۔ حرز کا تمام و کمال ثابت رہا ۵۲۴ چنانچہ دوسرے احکام کی طرح یہ حکم تحویل قبلہ بھی تمامتر اس کی شفقت و مہربانی، رافت و رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔

ے دین اللہ (مدارک) والمراد بھا دینہ الذی فطر الناس علیہ (جلالین) یہی دین اللہ کے معنی ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد، ابو العالیہ، قتادہ وغیرہ متعدد تابعین سے مروی ہیں (ابن کثیر) رُوئے سخن اُوپر سے یہود و نصاریٰ کی
طرف چلا آرہا ہے۔ ان دونوں کے ہاں بڑی اہمیت ایک خاص قسم کے رسمی تطہیری غسل کی تھی، جسے بپتسمہ یا اصطباغ کہا جاتا تھا۔ انہیں کی اصطلاح میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے
لازم پکڑنے کی چیز دینِ توحید ہے۔ یعنی الزموا دین اللہ (معالم) ۴۹۸ (جس کا دین ایمان کے رنگ کو نکھار دیتا ہے، اور کفر و ضلالت کی نجاستوں کو دُور کر دیتا ہے) فالمراد انہ یصبغ عبادہ بالایمان و یطھرھم
بہ من اوساخ الکفر فلا صبغۃ احسن من صبغتہ (کشاف۔ کبیر) ۴۹۹ (اور سارے عقاید باطل، شعائرِ باطل، معبودانِ باطل کے منکر ہیں) نحن۔ ہم، یعنی مسلمان یا اُمّتِ مُسلمہ۔ ۵۰۰ خطاب اگرچہ سارے

مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝۱۳۸ قُلْ
رنگ (دینے والا) ہے؟ ۴۹۸ ہم تو اُس کی بندگی کرنے والے ہیں ۴۹۹ آپ کہئے کہ
اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا
کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں حجت کئے جاتے ہو ۵۰۰ درآنحالیکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی
وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۱۳۹ اَمْ تَقُوْلُوْنَ
پروردگار ہے ۵۰۱ اور ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم تو اُسی کیلئے خالص ہیں ۵۰۲ کیا تم یہ کہتے
اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ
ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ
وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ
اور اولادِ (یعقوبؑ) یہودی یا نصرانی تھے؟ ۵۰۳ آپ کہئے تم
اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ
واقف تر ہو یا اللہ؟ ۵۰۴ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اُس شہادت کو چھپائے جو اُس کے
مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۰
پاس اللہ کے ہاں سے پہنچ چکی ہے ۵۰۵؟ اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر تو ہے نہیں ۵۰۶
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا
یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ۵۰۷ اُن کا کیا ہوا اُن کے آگے آئیگا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے
كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۱
آگے آئیگا ۵۰۸ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اُس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی ۵۰۹

ع ۱۶ ۱۶

منزل ۱

اہلِ باطل کیلئے عام ہے، لیکن سیاق میں خاص طور پر مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ذکروا فیہ وجوھًا احدھا انہ خطاب للیھود والنصرٰی وھوالیق بنظم الآیۃ (کبیر) ۵۰۱ (تو کم از کم اس کی ذات و صفات کے باب میں تو تمہیں کوئی مغالطہ یا غلط فہمی نہ رہنا چاہیئے) یعنی اے اہلِ کتاب جب ہمارے تمہارے درمیان کوئی اختلاف پروردگار کے تعین میں نہیں۔ تو اوّل تو اسکی توحید پر قائم رہنا چاہیئے۔ اور تثلیث فی التوحید یا توحید فی التثلیث اور خدا کے فرزند، مظہر و غیرہ قسم کے خرافات سے بالکل بچنا چاہیئے۔ دوسرے جب اسکی صفات کما یہ پر ایمان ہے، تو وہ اپنی حکمت و ربوبیت کے تقاضا سے جس نسل کے جس فرد کو بھی چاہے نبوت و رسالت سے سرفراز کر دے۔ وہ ہر طرح مالک و مختار ہے۔ اسرائیلی غیر اسرائیلی کسی خاص نسل کا اجارہ نہیں۔ ۵۰۲ (اپنے عقائد اور اپنی عبادات میں ہر شرک، ہر ضلالت سے پاک صاف ہو کر) ہے اعمال تو ہمارے اور اپنے اعمال کے فرق کا اثر آخرت میں تو تمہیں بھی نظر آجائیگا۔ آج جتنا چاہو اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر لو۔ ۵۰۳ یعنی کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ان پیمبروں، بزرگوں اور تمہارے مورثوں کے عقائد ذات و صفاتِ باری کے باب میں بجائے دینِ توحید و اسلام کے، یہودیت و نصرانیت کے تھے؟ ام تقولون۔ خطاب اہلِ کتاب خصوصًا یہود سے ہے۔ اور لہجۂ خطاب میں زجر کا پہلو شامل ہے۔ صیغۃ استفہام و معناہ التوبیخ (معالم) جتنے اسماء و اعلام یہاں آئے ہیں، ان سب پر حاشیے آیت ۱۳۶ کے ذیل میں اور اسکے قبل گزر چکے۔ ۵۰۴ (ان حضرات کے دین و عقائد کے باب میں) اور اللہ کی شہادت یہ ہے کہ یہ سب توحیدِ خالص کے پیرو تھے۔ نزولِ قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم و فاضل موجود تھے۔ ان سب کو چیلنج دیکر ایک اُمّی کی زبان سے کہلایا جا رہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر، صداقتوں کا گلا گھونٹ کر جو کچھ بھی کہے جاؤ، واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات خالص موحد اور توحید کے مبلغ ہوئے ہیں ــــــ آج یورپ کے بڑے بڑے ماہرین تاریخ اور محققین اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں، وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی اُمّی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے! ۵۰۵ (اور وہ شہادت ہے دینِ اسلام کے برحق ہونے کی، ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کے مومنِ کامل و مبلغِ توحید ہونے کی۔ اور آخر زمانہ میں ایک رسولِ برحق کے ظہور کی) اس شہادت کو چھپانے والے ظاہر ہے کہ اہلِ کتاب خصوصًا یہود کے علماء تھے۔ اور یہ شہادت محفوظ تھی ان کی مسلّم آسمانی کتابوں اور الہامی نوشتوں میں۔ شہادۃ فی کتمانھم امر محمد صلی اللہ علیہ وسلم و نبوتہ (ابن جریر) ھی شہادۃ اللہ لابراھیم بالحنیفیۃ (مدارک) وفیہ تعریض بکتمانھم شہادۃ اللہ لمحمد علیہ السلام بالنبوۃ فی کتبھم وسائر شہاداتہ (مدارک) ۵۰۶ (وہ وقت آنے پر انہیں کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا) مطمئن اور بے فکر نہ ہو جاؤ۔ وہاں رتی رتی کی خبر ہے۔ اور ویسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ وہاں بزرگوں کے ساتھ نسبی و نسلی انتساب ہرگز کام نہ دے گا۔ منکروں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے اس سے بہتر اور مؤثر کوئی ذریعہ نہیں کہ اللہ کے علم الغیب ہونے کا استحضار ذہن کے سامنے بار بار ہوتا رہے۔ اور قرآن مجید یہی کراتا رہتا ہے۔ ۵۰۷ (اور محض انکے نام کا انتساب بغیر انکے سے اعمال و عقائد کے ہرگز کافی نہیں) تلک امۃ سے مراد ہیں قوم اسرائیل کے اکابر سلف خصوصًا اجدادِ ثلٰثہ ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ، جن کی اولاد ہونے پر اسرائیلیوں کو حد سے زیادہ ناز تھا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۔ ۵۰۸ (آخرت میں) یعنی نہ انکے ایمان و اعمالِ صالحہ سے تمہیں کچھ نفع پہنچے گا، اور نہ تمہارے کفر و اعمالِ سیئہ سے انہیں کوئی ضرر ہوگا۔ ۵۰۹ یہود کی کتابوں میں آج تک یہ تعلیمات موجود ہیں کہ جس طرح انگور کی زندہ و شاداب بیل ایک بے جان ستون کے سہارے بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے، اسی طرح زندہ یہودی اپنے آنجہانی اور مرحوم مورثوں اور بزرگوں کے بل بوتے پر پروان چڑھتا رہتا ہے۔ اور تینوں باجداد اسرائیل نیز دوسرے صالحین و اخیار نے اعمالِ صالحہ کا جو انبارِ عظیم لگا دیا ہے، اسی سے ان کی اولاد کو مجموعًا و منفردًا برابر حصہ ملتا رہتا ہے، اور اس طرح کسی فرد میں خواہ کتنی ہی کمزوریاں ہوں اسکی نجات یقینی ہے۔ قرآن حکیم اس "نجاتِ متوارث" کے عقیدہ پر برابر ضربِ شدید لگاتا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۴۔

اسلاف، اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا ہے گا۔ اور پھر اولادِ ابراہیمؑ کو تو کوئی ڈر ہی نہیں۔ "بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملے گا، اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۶) "افرادِ یہود کی امید میں سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہو گئی تھیں (یعنی اس پر کہ) ہم ابراہیم کی اولاد ہیں" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۴ طبع یازدہم) ۴۸۴ قرآن مجید کی صاف اور سیدھی تعلیمات اور اسکے واضح دلائل کو سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ اہلِ کتاب ان سے متاثر ہوتے، اور قبولِ حق پر آمادہ ہو جاتے۔ لیکن بجائے اسکے ضد اور ہٹ سے کام لیکر الٹے مسلمانوں کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو، تو تمہیں دنیا کی فلاح اور آخرت میں نجات حاصل ہو جائے۔ ۴۸۵ (ساری امتِ اسلامیہ کی طرف سے ان لوگوں کے جواب میں، اے ہمارے پیغمبر!) ۴۸۶ (اسکی اصلی اور غیر محرف شکل میں) ملۃ ابرٰھم۔ یہود اور نصاریٰ دونوں، نومسلموں اور نیم مسلموں کو اپنی اپنی طرف کھینچتے تھے کہ "فلاح و نجات منظور ہو تو ہمارے مذہب میں آؤ، اس نئے مذہب میں کیا رکھا ہے"۔ مسلمانوں کو تعلیم اس جواب کی مل رہی ہے، کہ "تمہارے ہاں کیا رکھا ہے بجز تحریفات کے؟ رہا ہمارا دین تو وہ نوپیدا ذرا بھی نہیں۔ وہ تو بس قدیم دینِ توحید ابراہیم علیہ السلام کا، اور ہم اسی کی اصلی اور غیر محرف شکل پر قائم ہیں"۔ حنیفًا۔ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے مضاف الیہ ابراہیم کا۔ اکثر اکابرِ تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ حال من للمضاف الیہ (کشاف) ھو حال من المضاف الیہ (ابوسعود)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حنیفًا صفت ابراھیم کی نہیں بلکہ ملۃ کی ہے۔ اور حال مضاف الیہ کا نہیں، بلکہ مضاف کا واقع ہوا ہے۔ وھو حال من المضاف بتاویل الدین اوتشبیھًا لہ بفعیل بمعنی مفعول (روح) اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا "ہم نے پالیا

تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ

راہ یاب ہو جاؤ گے[۴۸۴] آپ کہہ دیجئے[۴۸۵] کہ نہیں بلکہ (ہم نے تو) ابراہیمؑ سیدھی راہ والے کا مذہب پالیا[۴۸۶] اور وہ

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۳۵ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

مشرکین میں سے نہ تھے[۴۸۷] کہدو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو ہم پر

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

اُتارا گیا[۴۸۸] اور جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى

اور اولادِ (یعقوبؑ) پر اُتارا گیا[۴۸۹] اور جو موسٰیؑ و عیسٰیؑ کو دیا گیا

وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو انکے پروردگار کی طرف سے دیا گیا[۴۹۰] اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۳۶ فَاِنْ اٰمَنُوْا

بھی فرق نہیں کرتے[۴۹۱] اور ہم اللہ ہی کے حکمبردار ہیں[۴۹۲] تو اگر یہ لوگ ایمان

بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا

لے آئیں جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بیشک وہ بھی راہ پا گئے[۴۹۳] اور اگر منہ موڑے رہیں

فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ

تو بس (بڑی) مخالفت میں پڑے ہیں[۴۹۴] سو اب اللہ آپ کی طرف سے انکے مقابلہ میں بس ہے[۴۹۵]، اور وہ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳۷ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ

(بڑا) سننے والا، (بڑا) جاننے والا ہے[۴۹۶] (ہمارے اوپر) اللہ کا رنگ ہے[۴۹۷] اور اللہ سے بہتر کون

ہے مذہب ابراہیمؑ کا جو سیدھی راہ ہے"۔ حنیفًا کے معنی بہرصورت مستقیمًا و مائلًا الی الحق کے ہیں۔ اس جملہ کی تقدیر یوں ہے۔ بل تکون علی ملتہ علیہ السلام یا بل نتبع ملتہ علیہ السلام ۴۸۷ یہ تعریض ہے اہلِ کتاب پر کہ تم کس منہ سے اپنے کو دینِ ابراہیمؑ کی جانب منسوب کرتے ہو، وہ تو شرک کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی توحیدِ خالص پر یہود، نصاریٰ سب ہی متفق تھے، گو عملًا ان کی روش چھوڑے ہوئے تھے۔ بلکہ مسیحی تو صریح شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ۴۸۸ (اللہ کے ہاں سے ہمارے پیمبر کے واسطہ سے) خطاب عام مسلمانوں سے ہے یعنی ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی سے بھی نہیں۔ ہمارا رشتہ اسمٰعیلی، اسرائیلی ہر شریعتِ الٰہی سے بس اعتقاد و انقیاد ہی کا ہے۔ الاسباط جمع ہے سبط کی۔ اور معنی ہیں اولاد کی اولاد یا پوتے اور نواسے۔ الاسباط اولاد اولاد وقیل اولاد البنات (تاج) عوام میں صرف نواسوں کے معنی میں مشہور ہے۔ لیکن ائمہ لغت کی تصریح ہے کہ پوتوں اور نواسوں دونوں کے لئے عام ہے۔ کلام الائمۃ صریح فی انہ یشتمل ولد الابن او الابنۃ کما صرح بہ ابن سیدہ (تاج) بنی اسمٰعیل کی شاخیں جس طرح قبائل میں تقسیم ہوتی گئیں۔ بنی اسرائیل کی شاخیں اسی طرح اسباط کہلائیں۔ قال الازھری الاسباط فی بنی اسحٰق بمنزلۃ القبائل فی بنی اسمٰعیل (تاج) نسلِ اسرائیل میں رسالت بہت وسیع پیمانہ پر پھیلی رہی۔ فقرہ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمان کسی پیمبر کے بھی منکر نہیں۔ ۴۸۹ (اللہ کے ہاں سے) اسمٰعیل و اسحٰق۔ یہ دو نام اس سیاق اور اس سلسلہ میں خاص طور سے قابلِ توجہ ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا نام لانا تو اس لئے بہت ضروری تھا کہ اہلِ کتاب انہیں سے تو بغض رکھتے تھے۔ بغیر ان کا نام لائے اسلام کے دعویٰ کا اثبات ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسحٰق علیہ السلام کا نام لانا خود ایک دلیل روشن ہے اسلام کے طریقِ عدل اور بے تعصبی کی۔ قرآن اگر بشری کلام ہوتا، تو بشر کی فطرت تو یہ تھی، کہ اہلِ کتاب کے شدید اور مسلسل اشتعال انگیز تعصب کے جواب میں اسمٰعیلؑ کی نصرت و حمیت میں اسحاق کا نام نظر انداز ہی کر دیا جاتا۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ تینوں کی تاریخی شخصیتوں پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ ۴۹۰ (کلامِ الٰہی یا کتاب آسمانی میں سے) موسٰیؑ۔ آپ کی تاریخی شخصیت پر حاشیہ گزر چکا۔ عیسٰیؑ۔ ابنِ مریمؑ۔ بجائے والد کے اپنی والدہ کی جانب منسوب ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں۔ آپ پر سلسلہ اسرائیلی رسالت کا بلکہ قومی و نسلی رسالت کا ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ ولادت صوبہ یہودیہ (ملک شام) کے قصبہ بیت اللحم میں یا بیت المقدس میں، حاکمِ شام ہیرود کے زمانہ میں ہوئی۔ شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا۔ سالِ ولادت اغلبًا ۴ ق م ہے۔ یہ بات سننے میں بہت ہی عجیب معلوم ہو گی۔ لیکن اس پر اتنی حیرت نہ کیجئے۔ سنہ عیسوی جو اس وقت رائج ہے، خود اسی تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی، اور اسکا پتہ بعد کو چلا۔ چنانچہ سنِ عیسوی کا پہلا سال آپ کا سالِ ولادت نہیں۔ آپ کی ولادت کے چوتھے سال سے یہ سنہ جاری ہوا ہے۔ آپ کی عمر غالبًا ۳۲ سال کی تھی، اور سنہ ۳۰ء تھا کہ اسرائیلیوں نے آپؑ کی تعلیم و تبلیغ سے نہایت درجہ آزردہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد و خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا۔ اور پھر سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا۔ وہاں سے سزائے موت (بذریعہ صلیب) کا حکم صادر ہوا، اسکے بعد کیا گزری، اس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت وما قتلوہ وما صلبوہ کے تحت میں انشاء اللہ آئے گا۔ ۴۹۱ (خواہ وہ کسی ملک، کسی نسل، کسی زمانہ کے ہوں، کہ ان میں سے کسی کو نبی مرسل مانیں کسی کو نہ مانیں) اسلام کے ایک جدید نوپید مذہب ہونے کی یہ تردید ایک بار پھر کی جا رہی ہے۔ عالمگیر مذہب، آج ہر شخص بجائے خود فیصلہ کر سکتا ہے، کہ وہ ہو سکتا ہے جو ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل، ہر زمانہ کے پیغمبروں اور سچے ہادیوں کی علانیہ اور پُرزور تصدیق کر رہا ہے۔ یا وہ مذہب ہو سکتے ہیں، جو آسمانی ہدایت کو فلاں ملک، فلاں قوم، فلاں نسل کے ساتھ مخصوص و مقید کئے ہوئے ہیں۔ ۴۹۲ (وہ ہم کو جس کسی کی بھی اطاعت کا حکم دے دیگا، ہم اسی کے پیرو ہو جائیں گے ہمیں کسی سے نہ تعصب نہ عناد، ہم تو بس امرِ الٰہی کے فرمان بردار ہیں) اسلامی تعلیمات کا عطر یا لب لباب بس یہی مسئلہ توحید ہے۔ ۴۹۳ (اور اپنے ایمان کی بنا پر نجات کے مستحق ہو گئے) خطاب مسلمانوں سے ہے، اور "یہ لوگ" سے مراد وہی منکر و کافر اہلِ کتاب ہیں جن کا سلسلہ اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اسمیں بشارت ہے کہ اتنی ضد وعناد کے باوجود اگر اب بھی وہ ایمان لے آئیں تو ان کا پچھلا کفر و عناد انکی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ فان کی ف سے اشارہ اس طرف ہے کہ اب جب کہ تعلیمات اسلامی کا مغز ان پر پوری طرح واضح ہو گیا ہے۔ ۴۹۴ (حق و راہِ راست سے) یعنی اتنی واضح ہدایت پہنچ جانے کے بعد اگر اب بھی ایمان نہ لائیں، تو اب جو انہیں مخالفت ہے وہ مخالفت ہی کی غرض سے، ضد اور عداوت ہی کی بنا پر ہے۔ اس لئے نہیں کہ وضوحِ حق میں کوئی خفا یا ابہام باقی رہ گیا ہے۔ اب جو وہ دین کو نہیں سمجھتے، تو محض اس لئے کہ سمجھنا چاہتے نہیں۔ ای علمنا انہ لیس غرضھم طلب الدین والانقیاد للحق وانما غرضھم للمنازعۃ واظھار العداوۃ (کبیر) ۴۹۵ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین اور تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ہجومِ اعداء اور قوت و کثرتِ مخالفین سے ذرا بھی تشویش و فکر نہ کریں۔ یہ حق کے معاندین آپ کو اور آپ کے دین کو گزند پہنچانے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ اب اللہ آپ کا نگہبان ہے۔ ۴۹۶ سمیع۔ سننے والا ان کے الفاظ و اقوال، ان کے حرف حرف عبارت کا۔ یعنی جو کچھ ان کی زبانوں پر ہے ان کی گفتگوئیں اور تقریریں سب اللہ پر روشن ہیں۔ علیمؑ۔ جاننے والا انکے دلوں کے احوال و اسرار کا۔ یعنی ان کے ظاہر کی طرح ان کا باطن بھی اس عالمِ کل پر روشن ہے، اور ان کی اندرونی کارروائیاں اور سازشیں سب اس کے سامنے بے نقاب موجود ہیں۔ ۴۹۷ تقدیرِ کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ صبغنا اللہ صبغۃ (بیضاوی) کانہ قیل صبغنا اللہ صبغۃ (ابوسعود) یعنی ہمیں اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے مراد اس کے دینِ فطری یعنی اسلام سے ہے

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ
اور ابراہیمؑ اس کی ہدایت کر گئے اپنے بیٹوں کو[۴۷۴] اور اسی طرح یعقوبؑ بھی[۴۷۵] (اپنے بیٹوں کو)[۴۷۶] کہ
اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ
اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین کا انتخاب فرما لیا ہے[۴۷۷] سو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ
وقت بجز مسلم کے کچھ اور ہو[۴۷۸] بھلا اُس وقت تم کیا موجود تھے جب یعقوبؑ کو
يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ
موت آپہنچی[۴۷۹] اور اُس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد
مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ
کس کی عبادت کروگے؟[۴۸۰] وہ بولے ہم عبادت کرینگے آپ کے اور آپ کے باپ دادوں
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ
ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی (اُس) معبود واحد کی اور ہم تو اُس کے
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
حکم بردار ہیں[۴۸۱] یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی[۴۸۲] اُن کے آگے ان کا کیا ہوا آئیگا،
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا
اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا اور وہ جو کچھ کرتے رہے اُس کی پوچھ گچھ تم سے
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى
نہ ہوگی[۴۸۳] اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو

۴۷۴ بہا یعنی اس دینِ توحید کی، ملتِ اسلام کی، ضمیر خواہ ملت کی جانب ہو خواہ اسلمتُ لرب العلمین کی طرف، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ والضمیر فی بہا لقولہ اسلمت لرب العلمین کان ہو الضمیر للملّت او لقولہ اسلمت (بیضاوی) وصّٰی۔ عربی کا لفظ وصیۃ، اردو کے وصیت سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ بسترِ مرگ کی خواہشوں اور مرنے والوں کی آخری ہدایتوں تک محدود نہیں۔ ہر حکم، ہر ہدایت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے وَصّٰینٰہُ بِکَذا کے معنی ہیں ''میں نے اس کو حکم دیا'' ''میں نے اس سے یہ کرنے کو کہا''۔ بنیہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے آٹھ تھے۔ (۱) حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ہاجرہؑ مصری کے بطن سے (۲) حضرت اسحٰقؑ، حضرت سارہؑ عراقی کے بطن سے۔ (۳) زمران (۴) یقسان (۵) مدان (۶) مدیان (۷) اسباق (۸) سوخ یہ سب حضرت قتورہؑ کے بطن سے تھے (پیدائش ۲۵: ۱ و ۲) ۴۷۵ یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ خلیل کے پوتے اور حضرت اسحٰقؑ نبی کے صاحبزادہ تھے۔ اور نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ اسرائیل آپ ہی کا دوسرا نام ہے۔ توریت میں ہے:۔ ''اور خدا نے اسے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا'' (پیدائش ۳۵: ۱۰ و ۱۱) عمر حسب روایت توریت ۱۴۷ سال کی پائی۔ زمانہ غالباً ۲۰۰۰ ق م تا ۱۸۵۳ ق م۔ ولادت کنعان (فلسطین) میں ہوئی ۱۸۳۰ ق م میں اپنے نامور فرزند یوسفؑ نبی کے پاس مصر میں منتقل ہو گئے۔ وفات یہیں ہوئی۔ ۴۷۶ چار ازواجِ طاہرات سے آپکے بارہ فرزند تھے ان کے نام حسب تصریح توریت حسب ذیل ہیں:۔ روبنؑ۔ شمعونؑ۔ لاویؑ۔ یہوداہؑ۔ اشکارؑ۔ زبلونؑ۔ یوسفؑ۔ بن یامینؑ۔ دانؑ۔ نفتالیؑ۔ جدؑ۔ آشرؑ (پیدائش ۳۵: ۲۴-۲۶) (انہیں صاحبزادوں میں سے جہاں تک خاندانی شجرہ اور نسب نامہ سے پتہ چلا ہے، حضرت لاویؑ کی نسل سے ان سطور کا راقم نامۂ سیاہ بھی ہے) ۴۷۷ الدّین۔ یعنی اس دینِ توحید کا، ملتِ اسلام کا۔ اصطفٰی۔ اصطفا کے معنی ہیں چن لینا اور ملاوٹ یا آمیزش سے پاک کر دینا۔ لکم میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی یہ دین تمہارے لئے ہے اور تم اس دین کے لئے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو قوم عرب اور نسلِ یہود دونوں کے مورثِ اعلیٰ ہوئے ہیں۔ اور نصاریٰ کے بھی مقتدا۔ اور حضرت یعقوبؑ جو نسلِ اسرائیلی کے جدِ امجد ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تو اپنی اولاد کو خود اپنے اختیار کئے ہوئے اور خدا کے پسند کئے ہوئے دین کو منتقل ہی کر گئے اور فرما گئے کہ تمہیں کسی مزید تلاش میں حیران و سرگرداں ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے لئے تو یہ اللہ کا بنایا ہوا اور بتایا ہوا دینِ توحید موجود ہی ہے —— قرآن کے مخاطبینِ اول سب کے سب اسلاف پرستی کے مرض میں گرفتار تھے۔ ان سے خطاب کا یہ بہترین اسلوب ہے کہ اچھا اگر دین کے بارے میں اپنے اسلاف ہی کو حکم بنانا ہے تو دیکھو وہی کیا کہہ گئے ہیں؟ ۴۷۸ (اور چونکہ موت کا وقت انسان کے علم میں نہیں۔ اس لئے تیار اس کے لئے ہر وقت اور ہمیشہ رہو) مطلب یہ ہوا کہ مسلم ہمہ وقت بنے رہو۔ ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دیئے رہو۔ دین کے مطالبات میں بس ایمان کا مطالبہ ایسا ہے جو ہمہ وقتی اور ہمہ حالی ہے ورنہ اعمال جتنے بھی ہیں سب حالات کے تابع ہیں اور حالات خود تغیر پذیر ہیں۔ ضمناً اہلِ کتاب کو بھی فہمائش ہو رہی ہے کہ تم جس دین کو نیا اجنبی اور انوکھا سمجھ کر اس سے بدک رہے اور بھڑک رہے ہو وہ تو پیدا نہیں۔ وہ تو عین تمہارے ہی بزرگوں کا تعلیم کیا ہوا دین و آئین ہے [راقم سطور نامۂ سیاہ سے اگر فرمائش کی جائے کہ سارے قرآن مجید میں سے کسی ایک آیت کا اپنے لئے انتخاب کرے تو اسکی نظرِ انتخاب اسی آیت بلکہ جزِ آیت پر پڑے گی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ جی میں ہے کہ زندگی کی ہر ساعت میں یہی آیت وردِ زبان رہے۔ اور دل میں اسی کے معنی کا استحضار رہے۔ موت کے وقت یہی دل و زبان پر بھی ہو۔ اور بعد موت یہی کفن پر بھی لکھ دی جائے، اور قبر کے کتبہ پر بھی کندہ کر دی جائے۔ بارہا اس آیت پر وجد کر چکا ہوں۔ بارہا اس آیت پر آنسوؤں سے رو چکا ہوں۔ اور دل یہ کہتا ہے کہ سارے قرآن مجید کا لبِّ لباب یہی آیت ہے] ۴۷۹ حضرالموت یعنی وقتِ موعود قریب آگیا۔ اور آپ کو علامات و آثار اسکے محسوس ہونے لگے۔ یہ مراد نہیں کہ خود موت ہی آپ پر طاری ہو گئی۔ کنی بالموت عن مقدماتہ لانہ اذا حضر الموت نفسہ لایقول المتحضر شیئا (بحر) قرآن مجید ہی میں ایک اور دوسری جگہ ہے ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت۔ یہاں بھی موت سے مراد موت کے دواعی و اسباب ہی لئے گئے ہیں۔ ام کنتم شھدآء۔ خطاب اہلِ کتاب سے ہے اور استفہام میں لہجۂ زجر شامل ہے۔ معنی الاستفہام ھھنا الزجر والتوبیخ وھو فی معنی المنفی (بحر) یعنی تم جو واہیات خرافات حضرت یعقوبؑ کی جانب منسوب کر رہے ہو تو تمہارا اُس وقت وجود ہی کہاں تھا؟ صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ ۴۸۰ من بعدی۔ یعنی میری وفات کے بعد۔ مضاف محذوف ہے۔ من بعدی اے من بعد موتی (ابو سعود) حضرات انبیاء کو زندگی کی طرح اپنے آخر وقت میں بھی سب سے مقدم فکر دین ہی کی ہوتی ہے ۴۸۱ یعنی ہم سب اس پر اسلام لا چکے ہیں'' توریت موجودہ کے اوراق تو اس اہم اور ضروری تذکرہ سے کسی مصلحت سے خاموش ہیں۔ البتہ احبارِ یہود کا یہ قول نقل ہو کر پہنچا ہے کہ ''یعقوبؑ نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیئے (۱) بُت پرستی نہ کرنا (۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا (۳) میرے جنازے کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے''۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۶، ص ۲۴) روایات و حکایات کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں صراحت اس سے بڑھ کر ملتی ہے:۔ ''یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا ...... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا ''سن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان اسی ایک خدا پر ہے۔ (گنزبرگ کی قصص یہود جلد ۲ ص ۱۴۱) اٰبآئك۔ اسمٰعیلؑ یعقوبؑ کے بڑے چچا (یا بابا) تھے۔ فرزندانِ یعقوبؑ نے کمال سعادت مندی سے ان کا شمار بھی آبائے یعقوبؑ میں کیا، جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کیلئے یہی لفظ اب آیا ہے۔ ھٰذا بقیۃ اٰبائی یعنی میرے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔ اسحٰق۔ یہ نام پہلی بار آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادہ تھے، حرمِ اول حضرت سارہ کے بطن سے۔ سالِ ولادت غالباً ۲۰۶۰ ق م۔ سالِ وفات غالباً ۱۸۸۰ ق م۔ عمر شریف توریت میں ۱۸۰ سال درج ہے۔ یہ بھی درج ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔ آپکے بسترِ مرگ کا منظر قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔ ''جب اسحٰقؑ نے دیکھا کہ ان کا وقتِ موعود آپہنچا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، جسکی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں۔ اور جو آسمان و زمین اور انکے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا''۔ (جلد اول ص ۴۱۶) ۴۸۲ اور انکے فضائل و کمالات بھی انکے ساتھ گزر چکے تمہیں آخر انکے نام گنانے سے کیا حاصل؟ تلك اُمّۃ سے مراد یہی اجدادِ یہود ہیں جن کا شمار جماعتِ انبیاء میں ہے۔ خطاب یہاں یہود سے ہے جو آبائی مفاخرت، نسلی عظمت، پیمبر زادگی کے نشہ میں چور تھے۔ اس میں بڑا سبق آج کل کے پیرزادوں، رسمی شائخ زادوں، اور بہت سے بدعتی فرقوں کے لئے موجود ہے۔ بلا سعی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اٹھانے کی جڑ ہی اسلام نے کاٹ دی ہے۔ ۴۸۳ اسلام کے طفیل اب یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے لیکن قرآن نے جب اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اس وقت بہت ہی اہم اور گویا ایک نادر سی بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسئولیت کی تعلیم اسلام کے خصوصیات امتیازی میں سے ہے۔ ورنہ مشرک تو مشرک، یہود اہلِ توحید تک اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ذاتی عمل کی ضرورت ہی کیا ہے، مقبولانِ الٰہی کی جانب انتساب نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبتِ نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گڑھا ہوا مسئلہ ''معصیتِ متوارث'' سب کو معلوم ہے یعنی جو معصیت ابوالبشر سے سرزد ہو گئی تھی، وہ ہر نسلِ آدم میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہود نے اسکے مقابل ایک عقیدہ ''نجاتِ متوارث'' کا وضع کر لیا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا تھا کہ ''خدائے تعالیٰ اپنے اسمِ پاک کے طفیل میں اور بطور اپنے افضال کے، باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے''۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۱۲ ص ۴۴۲) توریت مروجہ میں ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے:۔ ''میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ انکی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو میرا کینہ رکھنے والے ہیں لیتا ہوں''۔ (استثناء ۵: ۹) بس اس تنکے کی اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا کہ ہر نسل کو انتقالِ ثواب اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی یعنی

ف۴۶۰ سمیع۔ سننے والا زبان سے نکلے ہوئے لفظ و قول کا۔ علیم۔ جاننے والا دل کے اندر کے اخلاص کا۔ مشرک قوموں کے حکما اور فلاسفہ نے سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے باب میں کھائی ہے۔ اور باری تعالیٰ کا علم (نعوذ باللہ) ناقص و محدود
فرض کیا ہے۔ قرآن جو علم باری کے کامل و محیط ہونے کا شد و مد سے اثبات کرتا ہے، اور اللہ کے علیم، سمیع، بصیر ہونے کو بار بار پیش کرتا ہے، اس کا ایک مقصد فلاسفہ کے اس وہم باطل کی تردید کرنا ہے ف۴۶۱ اور زیادہ مسلمین کے معنی یہاں دو طرح کئے گئے
ہیں۔ ایک اللہ کی توحید کے ماننے والے بلا شائبۂ شرک و شرکت۔ اے موحدین مخلصین لا نعبد الا ایاک (کبیر) دوسرے اسلام کے عام احکام کے پابند۔ اے قائمین بجمیع شرائع الاسلام (کبیر) لیکن دونوں معنی ایک دوسرے کے منافی بالکل نہیں۔ مسلم کے
ترجمہ فرمانبردار میں نہ وہ وسعت ہے، نہ وہ لطف جو خود لفظ مسلم میں ہے۔ مسلمون اے منقادون لحق مد عنون له (راغب) فرمانبردار بندے یا مسلم تو وہ اس وقت ہی تھے جب دعا کر رہے تھے: دعا کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہماری فرمانبرداری میں
مزید ترقی دے! والمعنی زدنا اخلاصًا و اذعانًا لك (کشاف) والمراد طلب الزیادة فی الاخلاص والاذعان او الثبات علیه (بیضاوی) ف۴۶۲ امة مسلمة کے ترجمہ "فرمانبردار امت" میں وہ بلاغت و معنویت کہاں جو قرآنی لفظ امتِ مسلمہ میں ہے
دعا کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ وہ امت آج تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے، دوست دشمن سب کی زبان پر۔ ایک امریکی یہودی ٹوری یونیورسٹی کا استاد اپنی اسلام دشمنی میں آکسفورڈ والے مارگولس انجہانی کا پورا جانشین
ہے۔ لیکن ایک بات بڑے پتے کی اس کی زبان سے بھی نکل گئی ہے۔ کہتا ہے:۔ "اسلام کی بنیاد تو حقیقۃً اسمٰعیل کے ہاتھوں پڑی جو اہل عرب کے مورث اعلیٰ ہیں۔" (جوش فاؤنڈیشن آف اسلام ص۶ دیباچہ) من ذریتنا یعنی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی مشترک نسل سے۔
دعا دونوں بزرگوار مل کر کر رہے تھے، اس لئے ذریت سے مراد بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے تھے۔ برنابا نامی، حضرت مسیحؑ کے ایک بلند پایہ حواری (صحابی) ہوئے ہیں، ان کی انجیل کو مسیحیوں نے اپنے مذاق و مسلک کے بالکل ناموافق پا کر اس کی اصلیت ہی سے
انکار کر دیا ہے۔ اس انجیل کے نسخے انگریزی، عربی، اردو تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اس میں صراحت کے ساتھ ہے کہ عہد الٰہی اسمٰعیلؑ کے ساتھ ہوا تھا نہ کہ اسحٰقؑ کے ساتھ۔ وقولی لانی اقول لکم الحق ان العهد صم باسمٰعیل لا باسحٰق (۳۱:۴۳) میری بات کا یقین
کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وعدہ اسمٰعیل سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق سے۔ اور پھر ہے۔ وان الموعد صنم باسمٰعیل لا باسحٰق (۱۸:۴۲) وعدہ اسمٰعیل سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق سے ف۴۶۳ مناسکنا۔ یعنی عام دینی قاعدے خصوصاً بیت اللہ کے حج و زیارت کے آداب و شعائر۔
اے شرائع دیننا و اعلام حجنا (معالم) ادنا۔ اداءة کے معنی یہاں آنکھ سے دکھلا دینے کے نہیں بلکہ سکھلا دینے بتلا دینے کے ہیں۔ اے علمنا وعرفنا (معالم) فعل رأی کا تعدیہ جب دو مفعولوں کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی رویت کے نہیں علم کے ہو جاتے ہیں۔ ادانی اتاغدی
الی مفعولین اقتضی من العلم (راغب) الرویة ههنا بمعنی العلم (ابن قتیبه) ابن حاجب نحوی اور ابو حیان مفسر نے اس معنی کے قبول کرنے سے انکار بھی کیا ہے لیکن جب تائید میں راغب اور زمخشری جیسے مستند امامان ادب و لغت کی شہادتیں موجود ہیں تو کسی کا انکار
چل نہیں سکتا۔ وانکر ابن الحاجب واتبعه ابو حیان ثبوت رأی بمعنی عرف وذکره الزمخشری فی المفصل والراغب فی مفرداته وهما من الثقات فلا عبرة بانکارهما (روح) ف۴۶۴ رحمت و شفقت و مغفرت کے ساتھ۔ وتوبة الرب علی عبده عوده
علیه بالعفو له عن جرمه والصفح له عن عقوبت ذنبه مغفرة له منه وتفضلاً علیه (ابن جریر) ف۴۶۵ (تو تیرے لئے ہماری اس دعا کو شرف قبول بخش دینا کچھ بھی دشوار نہیں) ف۴۶۶ منهم۔ یہ قید خوب خیال میں رہے۔ دعائے ابراہیمی ابھی چل رہی ہے۔ ابھی ابھی
آپ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں مل کر عرض کر چکے ہیں۔ کہ اے پروردگار ہم دونوں کی نسل میں سے ایک امتِ مسلمہ یعنی اپنی فرمانبردار امت پیدا کر۔ اور اس کے معاً بعد منهم کا لفظ لاتے ہیں۔ کھلی ہوئی مراد نسل اسمٰعیلی سے ہے۔ لفظ ھم کا مرجع ذریة کو بھی سمجھا گیا ہے اور
امتِ مسلمہ کو بھی۔ والضمیر فی منهم یحتمل ان یعود علی الذریة ویحتمل ان یعود علی امت مسلمة (بحر) ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی نسل اسمٰعیلی۔ اور یہ جزو تاریخ سے اپنی جگہ ثابت ہے کہ صحیح النسب نسل اسمٰعیل قوم عرب ہی رہ گئی تھی۔ اس لئے لازمی تھا کہ پیغمبر عرب
ہی میں پیدا ہو۔ رسولاً۔ اس کا ایک تو صیغہ واحد اور پھر اعراب کی تنوین۔ گویا یہ اشارہ قریب بہ صراحت پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا۔ متعدد نہ ہوں گے۔ یہود کا دعویٰ ہے۔ اور نصاریٰ بھی انہیں کا ساتھ دیتے رہے ہیں، کہ نبوت و رسالت تو بنی اسرائیل کے
ساتھ مخصوص تھی۔ یہ نیا پیغمبر بنی اسمٰعیل میں کیسے پیدا ہو گیا! لیکن انہی کی توریت باوجود ان کی ساری تحریفات کے اب تک شہادت کچھ اور ہی دے رہی ہے ایک جگہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے
تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو۔" (استثنا ۱۸:۱۵) قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں تو ایک نبی نہیں خدا معلوم کتنے انبیا حضرت موسیٰؑ کے بعد پیدا ہوتے رہے۔ خود "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی تصریح بتا رہی
ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں، بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔ اگر خبر اسرائیلی ہی نبی کی دینا ہوتی تو بجائے "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے عبارت "تجھ ہی میں سے" ہوتی۔ یہ الفاظ تو صرف مخاطبین کی وحشت دور کرنے اور ان میں جذبۂ انس و موانست پیدا
کرنے کے لئے ہیں کہ اے ہم قوم جب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا۔ وہ بھی تمہارا کوئی غیر نہیں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور پھر دو ہی آیتوں کے بعد توریت میں بعینہٖ یہی مضمون براہ راست حق تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے:۔ "خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو
کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کیلئے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" (استثنا ۱۸:۱۸) اس سے قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجئے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" یعنی لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کے ساری آسمانی کتابوں میں
اور ہے ہی کون؟ لفظی کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کس دوسری کتاب کا ہے؟ اور اس سے بھی قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجئے کہ "تجھ سا" یعنی "موسیٰ کا سا" مثیل موسیٰ ہونے کا مصداق تاریخ کی دنیا میں بجز ذات محمدی کے اور ہوا کون ہے؟ اور کیا اس سے بھی قطع نظر ممکن ہوگی کہ یہاں بھی بجائے
"ان میں سے" کے یا "اسرائیلیوں میں سے" کے "انکے بھائیوں میں سے" ہونے کی صراحت یہاں بھی موجود ہے! اور پھر یہی پیشگوئی انہیں لفظوں میں موسیٰ نبی کی زبان سے نکلی ہوئی، نصاریٰ کی انجیل میں بھی دہرائی ہوئی موجود ہے:۔ "موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں
سے تمہارے لئے مجھ سا نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے تم اس کی سننا۔" (اعمال ۳:۲۲) ف۴۶۷ ذرا غور کرنے سے نظر آ جائے گا کہ رسول اعظم کے جملہ فرائض کمال ایجاز کے ساتھ ان چند فقروں میں آ گئے ہیں۔ یتلوا علیهم اٰیٰتك۔ رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات ہوتا
ہے۔ یعنی اللہ کا کلام پہنچانا۔ گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔ یعلمهم الکتٰب۔ رسول کا کام محض تبلیغ و پیام رسانی پر ختم نہیں ہو جاتا، اس کا کام کتاب الٰہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔ اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعمیم میں تخصیص،
تخصیص میں تعمیم سب کچھ آ گئی۔ اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہو گئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھے ہوئے ہیں! گویا رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہوئی۔ والحکمة۔ پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے بلکہ حکمت و دانائی
کی تلقین بھی امت کو کریں گے۔ احکام و مسائل، دین کے قاعدے اور آداب، عوام و خواص سب کو سکھائیں گے اور خواص کی رہنمائی اسرار و رموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہوئی۔ یزکیهم۔ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔
رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہر کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے، رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہوئی ف۴۶۸ انك انت۔ عربی کے اس دہرے فقرۂ مخاطبت کا مفہوم اردو
میں "یقیناً تو تو" (پہلا "تو" واؤ مجہول اور دوسرا "تو" واؤ معروف کے ساتھ) سے ادا ہوتا ہے۔ العزیز۔ ہر دعا کے قبول کرنے پر، ہر آرزو کے پورا کرنے پر قادر۔ اس کی مشیت پر مانع اور غالب کوئی چیز نہیں آ سکتی۔ الحکیم۔ قادر مطلق ہونے کے ساتھ حکیم مطلق بھی۔
قبول وہی دعائیں کرتا ہے بندوں کی آرزوئیں وہی پوری کرتا ہے، جو قانون حکمت کے مطابق و ماتحت ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر! خلیلؑ و ذبیحؑ کی ادب شناسیوں کا کیا کہنا! دعا میں بھی کیسے کیسے نکتے ملحوظ رکھ لئے ہیں ——— حضرات انبیاء سے بڑھ کر ادب شناس اور موحد بھی کون
ہو سکتا ہے! ف۴۶۹ یعنی ملتِ ابراہیمی تو عین دینِ فطرت ہے، اس کی تعلیمات عین طبع سلیم کی ترجمان ہیں۔ اس سے کنارہ کشی تو صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جس کی فطرت ہی سلیم نہ باقی رہی ہو، بلکہ مسخ ہو چکی ہو۔ اس مقدمہ کی تصدیق انسان جب چاہے اعتقاد سے
نہیں، آزمائش سے کرے۔ اسلام نے جماعت (سوسائٹی) کا جو نظام قائم کیا ہے، وہی بہترین نظام اجتماعی ہے۔ ہر فرد کے لئے جو ضابطۂ عمل بنا دیا وہی بہترین ضابطۂ شخصی ہے۔ عقل و جذبات، فرد و جماعت، دل و دماغ، جسم و روح، حریت و اطاعت، حیاتِ بشری کے
متضاد و متناقض عنصروں کی جتنی باہمی رعایت شریعتِ اسلام نے ملحوظ رکھی ہے، دنیا کے کسی قانون میں کہیں اس کی نظیر نہ ملے گی۔ دعائے ابراہیمی ختم ہوئی، اب بیان ملتِ ابراہیمی کا شروع ہو رہا ہے۔ کہ یہ تو وہی دین توحید ہے جس کی دعوت آج اسلام ہی دے رہا ہے۔
اور جسے تم سب باوجود اپنے مشترک بزرگ ابراہیمؑ کی پیروی کے دعوے کے چھوڑے بیٹھے ہو۔ ملة ابراهیم۔ قرآن مجید نے عجب بلاغت و نکتہ سنجی سے کام لے کر یہاں اپنے دین اسلام کی نسبت نہ حق تعالیٰ کی جانب کی نہ رسول وقت حضرت محمد صلعم کی جانب، بلکہ حضرت
ابراہیم خلیلؑ کی جانب کی۔ یہاں مخاطب اصلاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب ہیں اور یہ تینوں قومیں مسلمانوں ہی کی طرح حضرت ابراہیمؑ کو اپنا مقدس پیشوا مانتی تھیں۔ اس اسلوب بیان کو اختیار کر کے گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ قرآن تمہیں کسی نئے دین کی دعوت نہیں
دیتا۔ عین تمہارے ہی بزرگ و محترم پیشوا ابراہیمؑ ہی کے دین کی جانب تمہیں بلا رہا ہے! ——— تلطف اور حسن تبلیغ کا پیرایہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا! مشرکین عرب کے پاس آسمانی کتاب کی قسم سے کوئی کتاب تو نام کے لئے بھی موجود نہ تھی۔ البتہ یہود و نصاریٰ کے
نوشتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے فضائل اس وقت بھی درج تھے اور آج تک لکھے چلے آتے ہیں۔ توریت مروجہ میں ہے:۔ "اپنے باپ ابراہام پر اور سرہ پر جو تمہیں جنی نگاہ کرو کہ جب میں نے اسے بلایا وہ اکیلا تھا پر اس کو برکت دی اور اس کو بہت بنایا۔" (یسعیاہ ۵۱:۲)
"اے ابراہام تو مت ڈر، میں تیری سپر اور تیرا ابہت بڑا اجر ہوں۔" (پیدائش ۱۵:۱) "اور وہ خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لئے صداقت محسوب ہوا۔" (پیدائش ۱۵:۶) اور مسیحیوں کی انجیل مروجہ میں ہے:۔ "ابراہیم خدا پر ایمان لایا، اور یہ اس کے لئے راستبازی گنا گیا،
بس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں۔" (گلتیون ۳:۶) نیز (رومیون ۴:۳) ف۴۷۰ دان کی اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے صلہ میں ہر قسم کی نعمتوں اور سرفرازیوں کے لئے۔ یہاں تک کہ منصب نبوت و رسالت کے لئے) ایک مسیحی مؤرخ ریونڈ ریم ڈین
ایم اے نے ایک مستقل سیرت ابراہیم انگریزی میں لکھی ہے، اس سے آپ کے دنیوی عروج و اقبال پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ ان "روشن خیال" لامذہبوں کی تردید کے لئے یہی کافی ہے جنہوں نے ابھی انیسویں صدی کے آخر میں آپ کے وجود کو فرضی قرار دیا تھا۔ ف۴۷۱
وایک پیغمبر جلیل القدر کے شایان شان، یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے اور نبوت و سلسلۂ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار بنانے میں اٹھا نہیں رکھی۔ اس لئے قرآن مجید جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے اکثر ان حضرات
کی اخلاقی و روحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے اور اس طرح انبیاء برحق کی نصرت و حمایت کا فرض، توریت و انجیل کی عائد کی ہوئی فرد جرم کے مقابلہ میں ادا کرتا جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب اہل کتاب، نبی اور نبوت کے قائل گویا ان کے صرف لفظی معنی میں تھے یعنی نبی وہ ہو
جو کاہنوں جوتشیوں کی طرح غیب کی خبریں دے سکے۔ اور اس سے انہیں کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اس کے اخلاق کا کیا عالم تھا، اس کے روحانی کمالات کس درجہ کے تھے، اس کی تعلیمات کیا تھیں۔ وقس علی ہذا۔ ابراہیم خلیلؑ تو اکثر انبیاء کے ابو الآبا ہیں۔ آپ کی عصمت کے تحفظ کا تو قرآن نے
اور زیادہ اہتمام رکھا ہے ف۴۷۲ اسلموا کا دوسرا ترجمہ "اسلام لے آؤ" یا "مسلم ہو جاؤ" بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے اور یہاں اسے پھر یاد کر لیا جائے کہ قرآن مجید میں واقعات کا بیان ہمیشہ ترتیب تاریخی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ اسلام لانے کے معنی ہیں اپنے آپ کو تمام تر خدائے
واحد کے سپرد کر دینا، اس کا پرستار بن جانا، عقیدہ، معاشرت، معاملت غرض زندگی کے ہر بڑے چھوٹے شعبہ میں اسی کے قانون کو قبول کرنا۔ اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔ اصطلاح میں اسلام و ایمان گویا مترادف ہیں۔ اور یہی دین اسلام ہمیشہ انبیاء کا رہا ہے ف۴۷۳ یعنی میں خدائے پروردگار عالم
پر اسلام لے آیا۔ یہاں گویا حضرت ابراہیمؑ نے اشارۃً اپنے ایمان لانے کی وجہ بھی بیان کر دی۔ یعنی اسلام میں کیوں نہ لاتا؟ ایک ہی پروردگار، ایک ہی حاکم مطلق، ایک ہی مالک، ایک ہی ربوبیت کے سارے شعبوں کا ناظم وہی ہے۔ میں اس پر ایمان کیسے نہ لاتا! اس کے قانون سے باغی کیسے ہو سکتا!

سے کم السجود - رکوع اور سجدہ نماز کی دو مشہور و متعارف ہیئتیں ہیں۔ طائفین اور عاکفین اور رکوع اور سجود چار لفظوں کے لانے کے بجائے یہ بھی ممکن تھا کہ صرف عابدین یا ذاکرین کہہ دیا جاتا لیکن تفصیل و تصریح سے ایک ایک عبادت کی تخصیص اور بزرگی کا الگ الگ اظہار ہوگیا۔

٤٥٥ ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعائیں جس حیرت انگیز طریقہ پر پوری ہوئیں وہ خود ایک معجزہ ہے پہلی دعا یہ تھی کہ شہر مکہ کو امن و الا بنا دیا جائے۔ آس پاس کے بسنے والے لٹیرے اور خونخوار، لوٹ مار قتل و خون کا بازار گرم، وسائل سفر محدود و خطرناک، راستہ غیر محفوظ۔ اس پر بھی حج و زیارت کے لئے حاجیوں اور زائروں کا آنا تا صدیوں سے بدستور جاری ہوا اور اب امن و امان کے لحاظ سے مکہ اور حوالی مکہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ نہ ڈاکے پڑتے ہیں، نہ قافلے لٹتے ہیں۔ نہ لاشے تڑپتے نظر آتے ہیں اور شریعت اسلامی نے تو شہر و مضافات شہر کو "حرم" ہی قرار دیدیا یعنی ان حدود کے اندر جانور تک کا شکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور خونی بھی اگر آکر خانہ کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو جائے تو اسے وہاں قتل نہیں کیا جاسکتا شہر اور خانہ کعبہ کا اتنا احترام جاہلیتوں نے بھی اپنے زمانہ میں ملحوظ رکھا۔ دوسری دعا یہ تھی کہ مکہ والوں کو پھل پھلاری کھانے کو ملتے رہیں۔ مکہ واقع ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین یا سخت ریتلی ہے یا سخت پتھریلی، بارش بھی بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ تازے پھلوں اور میوے دار درختوں کا ذکر ہی نہیں معمولی سے پھل پھول کے درخت بلکہ تازہ و سبز گھاس تک نہیں پیدا ہوتی۔ اور کاشتکاری و باغبانی کو تو کوئی جانتا بھی نہیں۔ ایک بے آب و گیاہ سرزمین، کہیں ریگستان، کہیں گرم و خشک پہاڑیوں کے چٹان۔ لیکن ان سب کے باوجود جتنے تازہ تازہ پھل، میوے، ترکاریاں، غلے چاہیئے شہر تک میں خرید لیجئے۔ اس باب میں کچھ تفصیلات اس عاجز کے سفرنامۂ حجاز میں بھی ملیں گی۔ ٤٥٦ ابھی ابھی حضرت ابراہیم کو بتایا جاچکا تھا کہ فضل و برکت کے خاصہ وعدے ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ ان کے بغیر نہیں لاینال عہدی الظّٰلمین (آیت ۱۲۴) اللہ کے پیغمبر نے اللہ کے اس ارشاد کو گرہ باندھ لیا۔ اور اب جو دعا کی، اس میں خود ہی یہ قید لگادی کہ پُرامن شہر اور رزق و ثمرات کی برکتیں صرف اہل ایمان و طاعت کے لئے مقصود و مطلوب ہیں دعاء للمومنین خاصۃ (معالم) الرزق علی الامامۃ فخص المومنین (مدارک) خصص دعائہ بالمؤمنین دون الکافرین (کبیر) حضرات انبیاء کی ادب شناسی کا کیا کہنا حق تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ امامت یادینی سرداری مخصوص ہے اہل ایمان و طاعت کے ساتھ خلیل جلیل نے یہ اشارہ پاکر دنیوی منفعت و تمتع کو بھی اہل ایمان و طاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ حالانکہ اس کا تعلق ربوبیت سے ہے جو مومن و کافر سب کے لئے اس عالم میں عام ہے۔ فنبہ سبحانہ علی ان الرزق رحمۃ دنیویۃ فعم المومن والکافر بخلاف الامامۃ والتقدم فی الدین (بیضاوی) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ ایمان کے اجزاء ایماں دو ہی بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ پر ایمان اور روز آخرت پر ایمان انہیں کے ضمن میں ایمان کے دوسرے ضروری اجزا بھی آگئے اس کی ضرورت مطلق نہیں کہ ایمان کا ذکر جہاں کہیں بھی آئے ہر جگہ اس کے سب ہی اجزا کی تصریح ہو۔ لما کان الایمان باللّٰہ والیوم الاٰخر یتضمن الایمان بجمیع ما یجب ان یؤمن بہ اقتصر علٰی ذٰلک (بحر) ٤٥٧ قلیلاً۔ کچھ دن۔ یہاں مراد ہے زندگی بھر سے کہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوتی ہے۔ متاعًا یتمتع بہ الیٰ وقت مماتہ (ابن جریر) الی منتہی اجلہ (معالم) مطلب ہوا کہ وہ جو فضل خداوندی اہل ایمان و اہل ہدایت کے ساتھ مخصوص ہے اور جس سے اہل ضلالت و کفر محروم رہینگے اس کا تعلق نفع آخرت سے امامت دین سے ہے، رہے بس دنیوی زندگی کے انعامات و منافع، غذا اور مسکن وغیرہ تو ان سے محروم کافروں اور منکروں تک کو نہ کیا جائیگا کہ یہ قانون ربوبیت کا عین اقتضا ہے۔ دوزخ جیسی جگہ میں کوئی شخص خوشی سے تو جائیگا نہیں، ہر ایک کشاں کشاں ہی لیجایا جائیگا۔ قرآن نے یہاں جو اسکی تصریح کردی ہے وہ جہنم کی ہولناکی کا نقش واضح کرنے کیلئے ٤٥٨ البیت سے مراد خانہ کعبہ ہے اور اسمیں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ الکتاب جسطرح قرآن کریم ہے النبی جس طرح محمد رسول اللہ صلعم ہیں، البیت اسی طرح کعبۃ اللہ ہے یرفع کا لفظ قابل غور ہے۔ بنیادیں اول بار رکھی نہیں جارہی تھیں وہ تو حضرت آدمؑ اپنے عہد ہی میں رکھ گئے تھے عمارت کے منہدم ہو جانے کے بعد اب انہیں از سر نو اٹھایا جارہا تھا بلند کیا جارہا تھا۔ مسیحیوں کو خانہ کعبہ سے جو ضد اور اسکی قدامت سے جو کد ہے بالکل ظاہر ہے ہر امکانی کوشش اپنے قلم سے اسکی مخالفت میں کر چکے ہیں لیکن حقیقت اس کے باوجود حقیقت ہی ہے۔ آفتاب کے وجود سے روز روشن میں انکار کہاں تک کیا جا سکتا ہے؟ مترجم قرآن جارج سیل (Sale) اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:۔ "مکہ جسے بکہ بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنی مقام اجتماع عظیم کے ہیں۔ یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور بعض کی رائے میں توریت کے شہر میسا سے یہی مراد ہے۔" اور پھر وہی آگے کہتا ہے:۔ "مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمدؐ سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا تھا۔" باسورتھ اسمتھ جو لیکچرز آن محمد اینڈ محمڈن ازم کے مصنف ہیں وہ لکھتے ہیں:۔ "بنار کعبہ کا سلسلہ حسب روایات، اسمٰعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے، بلکہ شیث و آدم تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ قبیلہ نے تعمیر کیا ہے۔" (ص ١٦٦) سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے:۔ مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے ملک عرب کا مرکز چلا آتا ہے جس مقام کا تقدس اتنے وسیع رقبہ میں مسلّم ہو اسکے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے" (لائف آف محمدؐ۔ مقدمہ ص ١٠٢ و ص ١٠٣)۔ یہ شہادتیں مخالفوں کی تھیں۔ باقی ہمارے ہاں کی روایتوں میں خانہ کعبہ کی قدامت کی جو روایتیں ہیں اُن سے تو تفسیر، حدیث، سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اسمٰعیل۔ اسمٰعیل کی عمر اور زمانہ وغیرہ پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ ایک پیغمبر برحق کی حیثیت سے اسلام میں آپ کا جو مرتبہ ہے، ظاہر ہے لیکن آپ کا ایک مستقل معجزہ یہ ہے کہ جن قوموں نے آپ کی اور آپکی والدہ ماجدہ کی ہجو اور بدگوئی کو اپنا شعار بنالیا ہے اُن تک کے نوشتوں میں آپ کی تعظیم منقول چلی آتی ہے چنانچہ بعض احبار یہود کا یہ قول آجتک یہود ہی کی دائرۃ المعارف میں لکھا چلا آتا ہے کہ "جو کوئی خواب میں اسمٰعیل کو دیکھ لے حق تعالیٰ کے ہاں اس کی دعا قبول ہو جائیگی"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ٦ ص ٦٤٨) آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ اور مصر کا شاہی خاندان حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کی ایک شاخ تھا۔ عراق سے منتقل ہو کر مصر میں آباد ہو گیا تھا جب حضرت ابراہیمؑ اپنے سفر میں ادھر سے گزرے تو بحیثیت ایک شیخ قبیلہ کے آپ کو شاہ مصر نے اپنا مہمان بنایا اور رخصت کے وقت آپکے اعزاز و اکرام میں اپنی صاحبزادی کو بطور تحفہ کے پیش کیا۔ اور تواضع و انکسار کی راہ سے کہ مشرقی میزبانی کا خاصہ ہے، کہا کہ یہ آپکی کنیزی کیلئے ہدیہ ہے۔ اُردو زبان میں یہ محاورہ آجتک چلا ہوا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بڑے سے بڑا معزز شخص بھی اپنی لڑکی کو کنیز ہی کہہ کر داماد اور سمدھی کے سامنے پیش کرتا ہے یہ مشرقی تواضع کے اس عام پیرایۂ بیان سے معاندین کو گویا ایک بڑی معتمد اور مستند دستاویز ہاتھ آگئی۔ اور امّ اسمٰعیل ان کے ہاں آجتک کنیز ہی چلی آرہی ہیں۔ واقعات بہرحال واقعات ہیں۔ انہیں کوئی کہاں تک جھٹلا سکتا ہے؟ اسی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اکابر احبار یہود کے حوالہ سے ہے:۔ "ہاجرہ فرشتہ ہی کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہوئیں۔ انکی عصمت مآبی اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیمؑ نے انہیں اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ جب بھی ان کی وفاداری میں فرق نہ آیا . . . ان کے نام کے ایک معنی "آراستہ" بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ وہ زیور اخلاق و حسن عمل سے آراستہ تھیں" (جلد ٦ ص ١٣٨)۔ اور اسی میں ایک دوسری جگہ یہ روایت بھی درج ہے کہ "بادشاہ نے خود اپنی صاحبزادی بطور کنیز ہدیہ کر دی" (جلد ١ ص ٥٥) اور قصص یہود کا جو مجموعہ گنزبرگ (Ginzberg) نے چار جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اس میں ہے:۔ "بادشاہ مصر نے عہد کرلیا کہ وہ ابراہیم کو ہر طرح پُرقوت و شوکت بنا کر رہے گا . . . . . . چنانچہ اپنی بیٹی تک ہدیہ دے دی۔ سارہ کی تعلیم و تربیت میں رہ کر وہ بھی ویسی ہی باخدا بن گئیں اور ہر طرح ابراہیم کی رفاقت کے قابل" (جلد ١، ص ٢٢٣ و ص ٢٣٧)۔ ٤٥٩ (محض اپنے فضل و رحمت سے) کیا ٹھکانا ہے اس خشیت قلب کا! اخلاق کے مجسمے ہیں۔ صداقت کے پتلے ہیں۔ اس پر بھی ڈرتے جاتے ہیں کہ دیکھیئے نذر قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں۔۔۔! اب تفعل کا ایک خاصہ تکلف ہے۔ اس لئے بعض نکتہ سنجوں نے لفظ تقبل سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عمل بذات خود ہرگز قابل قبول نہیں۔ تمام تر ناقص ہے۔ اور مقبولیت محض لطف و کرم سے ہو رہی ہے نہ کہ کسی استحقاق کی بنا پر۔ ان التقبل عبارۃ عن ان یتکلف الانسان فی قبولہ (کبیر) فی اختیار صیغۃ التفعل اعتراف بالقصور لمافیہ من الاشعار بالتکلف فی القبول (روح) مزدور اور معمار جب کام کرتے ہیں تو عموماً و عادۃً کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے یہ معمار اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھاتے وقت خاموش نہ تھے۔ یہاں ان کی مناجات بیان ہو رہی ہے۔ فقہا کا استنباط ہے کہ ہر عمل صالح کے بعد دعا کرنا مستحب ہے چنانچہ ختم نماز پر دعا اور افطار صوم کے وقت دعا، اسی قبیل سے ہیں۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً

اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا دے ٤٦١ اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار

مُسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ

اُمت پیدا کر ٤٦٢ اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے ٤٦٣ اور ہمارے حال پر توجہ رکھ ٤٦٤ یقیناً تو

أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ

تو بڑا توجہ فرمانے والا ہے، بڑا مہربان ہے ٤٦٥ اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر انہیں

رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

میں سے بھیج ٤٦٦ (جو) انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب (الٰہی)

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ

اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک (و صاف) کرے ٤٦٧ یقیناً تو تو بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا

الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ

ہے ٤٦٨ اور ابراہیم کے مذہب سے کون پھرے گا مگر

إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي

وہی جس نے اپنے کو احمق بنا لیا ہو ٤٦٩ اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کر لیا

الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ

تھا ٤٧٠ اور آخرت میں بھی وہ زمرۂ صالحین میں ہونگے ٤٧١ اور (وہ وقت بھی

لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾

یاد کرنیکے قابل ہے) جب اُن سے اُنکے پروردگار نے فرمایا کہ حکمبردار ہو جاؤ ٤٧٢، وہ بولے میں حکمبردار ہوں سارے جہان کے پروردگار کا ٤٧٣

ع ١٥ ٨ ١٥

منزل

۴۵۰ مثابۃً مصدر ثوب کے معنی ہیں کسی شے کا اپنی حالت پہلی یا حالتِ مقصودہ کی طرف لوٹنا رجوع الشیٔ الی الحالۃ الاولی التی کان علیھا اوالی الحالۃ المقدرۃ المقصودۃ (راغب) اور جب کچھ لوگ کسی مقام کی طرف لوٹتے ہیں تو کہا جاتا ہے ثاب القوم ۔ اسی سے مثابۃ اسم ظرف المثابۃ مفعلۃ من ثاب القوم الی الموضع اذا رجعوا الیہ فھم یثوبون الیہ مثابا و مثابۃ (ابن جریر) مثابۃ میں ۃ مبالغہ کی ہے۔ اس میں زور و تاکید مثاب سے زائد ہے۔ والتاؤ فی مثابۃ للمبالغۃ قال الاخفش (بحر) گویا مثابۃ کے معنی ہیں وہ مقام جس کی طرف انسان بار بار رجوع کرے اور پھر جی نہ بھرے۔ مرجعًا للناس و معاذًا یأتونہ کل عام و یرجعون الیہ فلا یقضون منہ وطرًا۔ یہ معنی امام ابن جریر نے خود بھی لئے ہیں۔ اور یہی ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد، سدی، عطاء وغیرہ تابعین سے بھی نقل کئے ہیں۔ اور بیت الحرام کا یہ وصف تو شاید یہی ہے۔ لوگ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرتے چلے جاتے ہیں، اور اس سے اکتاتے نہیں۔ پھر چونکہ البیت مرجع اربابِ حج و عمرہ کا ہے اسلئے اجتماع و رجوع کے ساتھ عبادت کا مفہوم بھی لازمًا اس لفظ میں شامل ہو گیا ہے۔ مباءۃً و مرجعًا للحاج والعمار یتفرقون عنہ ثم یثوبون الیہ (کشاف) للناس۔ عام زائرین کا جو تانتا کعبۃ اللہ کی زیارت اور عمرہ کا سال کے ہر موسم، ہر فصل، ہر زمانہ میں لگا رہتا ہے۔ اس سے قطع نظر تصور میں نقشہ ان لاکھوں انسانوں کا جمایئے جو صرف حج کے موقع پر کھنچے چلے آتے ہیں، صرف حجاز یا ملک عرب ہی کے ہر حصہ سے نہیں بلکہ روئے زمین کے ہر خطہ، ہر علاقہ، ہر ملک سے۔ اور پھر یہ بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ یہ سلسلہ دس بیس سال سے نہیں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ یعنی تقریبًا چار ہزار سال سے قائم ہے! اب جا کر للناس کی جامعیت کی تفسیر ذہن میں آسکے گی۔ امنًا۔ مامونیت اس سے ظاہر ہے کہ صرف عمارتِ کعبہ یا مسجد الحرام ہی نہیں بلکہ ارد گرد کی سرزمین میلوں تک داخلِ حرم ہے اور حرم وہ علاقہ ہے جہاں انسان کی جان الگ رہی جانور تک کا شکار جائز نہیں! اور یہ حکم تو خیر شریعتِ اسلامی کا ہے، ارضِ حرم کا مامن ہونا جاہلیتوں کو بھی مسلم رہا ہے۔ بڑے بڑے مجرم مشرکوں کے دورِ حکومت میں بھی جرم کر کر کے خانۂ کعبہ کی دیواروں کے درمیان آکر پناہ پا جاتے تھے۔ فرنگی قاموسِ علم و دانش میں ہے:۔ اتنا تو بہر حال ہے کہ محمدؐ کے دور سے بہت قبل مکہ کی دو حیثیتیں ہم مسلّم پاتے ہیں۔ ایک تجارتی مرکز کی، ایک مقدس معبد کی جس کے ارد گرد کی زمین بھی

وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ
مقام امن مقرر کیا ۴۵۰ اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو ۴۵۱ اور
عَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ
ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی طرف حکم بھیجا ۴۵۲ کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک
لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذۡ قَالَ
صاف رکھو ۴۵۳ طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع کرنیوالوں اور سجدہ کرنیوالوں کیلئے ۴۵۴
اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ
اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن
اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ
والا بنادے اور اسمیں رہنے بسنے والوں کو روزی دے پھلوں ۴۵۵ سے (یعنی) ان رہنے والوں کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر
الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ
ایمان لائیں ۴۵۶ (اللہ نے) ارشاد فرمایا کہ جو کفر کریگا میں اُسے بھی کچھ دن مزہ اُٹھانے دونگا پھر اُسے
اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۲۶﴾
کشاں کشاں عذابِ جہنم تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۴۵۷
وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ ؕ
اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانۂ (کعبہ) کی بنیادیں بلند کر رہے تھے ۴۵۸
رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۲۷﴾
اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ) قبول کر ۴۵۹ یقینا تو ہی (سب کچھ) سننے والا ہے (سب کچھ) جاننے والا ہے ۴۶۰

حرم ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ طبع چہاردہم) غرضکہ قرآن نے البیت کے جو دو وصف یہاں ذکر کئے ہیں وہ اعتقاد سے زیادہ تو شاہدۂ ماضی و حال کی چیزیں ہیں۔ ۴۵۱ اے مسلمانو! اتخذوا صیغہ امر ہے اور یہ خطاب رسول اللہ صلعم کے واسطہ سے امتِ اسلامیہ سے ہے۔ الخطاب لامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (بیضاوی) المامور بہ الناس کما ھو ظاھر (روح) والخطاب علی ھذین الوجھین لامۃ محمد صلعم وھو صلی اللہ علیہ وسلم رأس المخاطبین (روح) مقامِ ابراہیم کے معنی اس پتھر ہی کے لئے گئے ہیں جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ خانۂ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور یہ پتھر خانۂ کعبہ سے چند ہی فٹ کے فاصلہ پر اب بھی ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ نزولِ قرآن سے بعد کی ہے لیکن ایک بہت بڑے گروہ نے یہی معنی لئے ہیں۔ حج کے موقع پر اس حجرہ کے سامنے طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے، حنفیہ و مالکیہ کے ہاں یہ نماز واجب ہے، اور شافعیہ کے ہاں محض سنت۔ محققین کے دوسرے گروہ نے جس میں ابن عباسؓ صحابی، مجاہد و عطاء تابعین اور امام فقہ نخعی وغیرہ شامل ہیں، اسکے معنی سارے حرم یا کُل مشاہدِ حج کے لئے ہیں۔ قال ابن عباس الحرم کلہ (ابن کثیر) وروی عن مجاھد وعطاء مثل ذلک (ابن کثیر) وذھب النخعی ومجاھد الی ان المراد من مقام ابراھیم الحرم کلہ وابن عباس و عطاء الی انہ مواقف الحج کلھا (روح) من مقام میں من تبعیضیہ ہے یعنی ایک حصہ ظاہر کرنے کیلئے ہے بعض نے فی کے معنی میں لیا ہے۔ ومن اما للتبعیض او بمعنی فی او زائدۃ والاظہر الاول (روح) مصلی۔ نماز کی جگہ یا دعا کی جگہ صلوٰۃ دعوت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اصلی مصدر کے اعتبار سے جائے نماز اور جائے دعا میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں۔ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے۔ اور اب اسے اور زیادہ صاف ہو جانا چاہیئے کہ قرآن مجید اپنے مخاطبات میں تاریخِ انسانی کی ترتیب کا پابند نہیں۔ پاس پاس کی آیتوں میں بلکہ کبھی خود ایک ہی آیت کے اندر معنوی مناسبت کی بنا پر دو ایسے واقعات جمع کر دیے جاتے ہیں جنکے درمیان زمانی حیثیت سے صدیوں کا فاصلہ ہوتا ہے اور اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ واقعاتِ ماضی کے بیان سے متصل ہی اور گویا انھیں کے ضمن میں کوئی مستقل حکم حال و مستقبل کیلئے دیدیا جائے اور صیغہ امر لا کر اس کا عطف صیغۂ ماضی پر کر دیا جائے —— قرآن اصلاً صرف کتابِ ہدایت ہے اور وہ اپنے اس مقصدِ اصل کے آگے پروا کسی انسانی حد بندی اور کسی مصنوعی و اختراعی تکلف کی نہیں کرتا۔ ۴۵۲ عھدنا یہاں امرنا کے معنی میں ہے۔ ای امرنا (ابن جریر عن ابن زید) امرناھما (کشاف) عھد بمعنی امر ہے پر حاشیہ عہد بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اوپر گزر چکا ہے۔ ابراھیم پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اسمٰعیل ابراہیمؑ کے فرزندِ اکبر تھے۔ آپ کی مصری بیوی حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے سالِ ولادت غالبًا ۲۰۷۴ ق،م سالِ وفات غالبًا ۱۹۳۷ ق،م۔ توریت میں ہے کہ عمر ۱۳۷ سال کی پائی۔ آپکے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں۔ توریت میں ان بارہ فرزندوں کے نام درج ہیں اور یہ تصریح ہے کہ وہ یہ اپنی اُمتوں کے بارہ رئیس تھے (پیدائش ۲۵:۱۳) عرب کا مشہور و عالی نسب قبیلۂ قریش آپ ہی کی نسل سے ہے۔ اسلئے آپ رسول اللہ صلعم کے بھی مُورثِ اعلیٰ ہوئے۔ اہلِ کتاب کہلانے والوں نے آپکے خلاف زہر اگلنے اور اپنے خبث و عناد کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم اپنی کتاب کی تصریحات کو کیا کرینگے جو تحریف و تلبیس کی ہر ممکن کوشش کے بعد بھی نہ مٹ سکیں۔ ان میں ابراہیم خلیلؑ کی دُعا بھی شامل ہے۔ اور خداوند کریم کے وعدے بھی اور تاریخ کا بیان بھی:۔ اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔ (پیدائش ۱۷:۱۸) ”اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا۔ اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤنگا۔“ (پیدائش ۱۷:۲۰) ”اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤنگا۔“ (پیدائش ۲۱:۱۸) ”اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا۔“ (پیدائش ۲۱:۲۱) یہاں حکم جو کچھ مل رہا ہے وہ آپ کو اور آپکے والد ماجد کو مشترک مل رہا ہے۔ گویا خدمتِ کعبہ میں آپ اپنے والد ماجد کے برابر کے شریک تھے۔ ۴۵۳ (ہر طرح کے شرک و بُت پرستی کی گندگی سے) طھرا۔ طہارت سے اصلاً یہاں مُراد یہ ہے کہ نجاست معنوی و اعتقادی سے دُور اور ذکرِ توحید و عبادتِ الٰہی سے معمور رکھو ضمنًا ظاہری صفائی کا حکم بھی آجاتا ہے۔ ھو تطھیرہ من الاصنام وعبادۃ الاوثان فیہ ومن الشرک باللہ (ابن جریر عن مجاھد وقتادۃ وابن زید) من الاوثان والخبائث والانجاس کلھا (مدارک) والتطھیر المامور بہ ھو التنظیف من کل ما لا یلیق بہ۔ طھرا تثنیہ کا صیغہ ہے حکم حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی مل رہا ہے اور اقامتِ توحید میں برابر کے شریک بنائے جا رہے ہیں فقہائے خطاب کے اس صیغہ سے مفہوم عموم کا لیا ہے یعنی تطہیر کی ذمہ داری ہر فرد پر ہے۔ خواہ وہ ابراہیمؑ کی طرح متبوع و مقتدا ہو یا اسمٰعیلؑ کی طرح تابع و مقتدی ہو۔ طھرا بالتشدید مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی خوب اچھی طرح پاک صاف رکھو فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ مسجد کی صفائی فرض ہے۔ بیتی اضافتِ تشریفی ہے ”میرے گھر“ کی ترکیب کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اسلام کا خدا نعوذ باللہ! کوئی مرئی و مجسم دیوی دیوتا تو ہے نہیں جو اسے رہنے سہنے، اُٹھنے بیٹھنے کیلئے کسی گھر یا مکان کی ضرورت ہو۔ اسلئے ”میرے گھر“ سے مراد ”میرے رہنے کا گھر“ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ گھر جو میری یاد و عبادت کیلئے مخصوص و نامزد ہو چکا ہے۔ اضافت سے مقصود محض اظہارِ شرف و عظمت ہے۔ ھذا اضافۃ تشریف لا ان مکانا محل للہ (بحر) الاضافۃ للتشریف کناقۃ اللہ (روح) اضافۃ البیت الی ضمیر الجلالۃ للتشریف (ابوسعود) آیت میں کوئی اشارہ مخصوص کعبہ کیلئے نہیں۔ ذکر صرف وصفِ بیت کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس سے فقہاء نے نتیجہ نکالا ہے کہ یہی حکم ہر عبادت خانۂ الٰہی یعنی ہر مسجد کیلئے رہے گا۔ ۴۵۴ للطائفین میں لام تخصیص کیلئے ہے یعنی کعبہ (اور اسی طرح ہر مسجد) پر حق انہیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ عمارت بن کر تیار ہو چکی تو اب غایتِ تعمیر بیان ہو رہی ہے کہ مقصود اس عمارت سے قیامِ توحید و اتصالِ شرک ہے۔ الطائفین۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرنے والے طواف کے معنی پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ حج وغیرہ کے سلسلہ میں تو طوافِ کعبہ فرض ہی ہے لیکن یوں بھی بجائے خود بڑے اجر کی چیز ہے اور ساتھ ہی بڑے لُطف کی بھی۔ جیسا کہ ہر صاحبِ ذوق کا تجربہ شاہد ہے۔ اس نامہ سیاہ نے اس کا بیان اپنے سفرِ حجاز میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ خانۂ کعبہ کو تمام دنیائے اسلام کی مسجدوں بلکہ نمازوں سے جو مرکزی نسبت حاصل ہے، اسی مناسبت سے اہمیت طوافِ کعبہ کو بھی حاصل ہے کعبہ مظہرِ اعظم ہے دینِ توحید کا۔ اس کے گرد چکر لگانا گویا زبانِ حال سے اقرار کرنا ہے کہ ہماری ساری عبادتوں کا سارے اعمال کا ساری زندگی کا مرکزی نقطہ بس توحیدِ الٰہی ہے۔ العٰکفین عکوف کے لفظی معنی ہیں کسی جگہ کے رہنے کو تعظیمًا لازم کر لینا العکوف الاقبال علی الشیٔ وملازمتہ علی سبیل التعظیم لہ (راغب) اور اعتکاف اصطلاحِ شریعت میں نام ہے مسجد کے اندر بہ نیتِ عبادت قیام کو کسی مدت کیلئے لازم کر لینے کا، کہ بجز بشری ضرورتوں کے اور کسی حال میں باہر نہ نکلا جائے ھو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربۃ (راغب) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے۔ اس میں روزہ بھی شرط ہے نفس اعتکاف ہر حال میں موجبِ اجر و قربت ہے۔

۴۳۸ اور اسلام قبول کرلیں گے ،مطلب یہ ہے کہ جو اہلِ کتاب ضد، نفسانیت ، ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے وہ خود اپنی کتاب کے مطالعہ سے قرآن کی حقانیت وصداقت کے قائل ہو جائیں گے ، اور رسول اللہ صلعم پر ایمان لے آئیں گے ۔ یؤمنون بہ میں ضمیر رسول اللہ صلعم
کی جانب بھی پھیری جاسکتی ہے ۔ اس تاویل سے کہ اوپر آپ کا ذکر انا ارسلنٰك بالحق میں مضمر ہے ۔ قیل یعود علی النبی صلعم وقد تقدم ذکرہ فی قولہ انا ارسلنٰك بالحق (بحر) اکثر نے الکتٰب کی طرف پھیری ہے ۔ ظاہرہ ای الضمیر فی بہ یعود الیٰ
ما یعود الضمیر فی یتلونہ ای الکتٰب (بحر) لیکن سب سے انسب یہ ہے کہ ضمیر میں مرجع الحق (آیت ۱۱۹) اور العلم (آیت ۱۲۰) کو مانا جائے اور معنی یہ کئے جائیں کہ یہ لوگ اس دینِ حق اور علمِ وحی پر ایمان لے آئیں گے ۔ مفسر تھانوی اور مفسر دہلوی (شاہ عبدالعزیز)
دونوں نے یہی ترکیب اختیار کی ہے ۔ یہ اختلافات صرف ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے ہیں ۔ مآل و مقصودِ کلام ہر صورت میں تقریباً ایک ہی ہے ۴۳۹ (دنیا و آخرت میں) منکرینِ اسلام یہود کی ہلاکت آخرت میں تو یقینی ہے ۔ دنیا میں بھی ان کی بربادی سب کے مشاہدہ میں
آچکی ہے ۔ یکفر بہ میں بھی ضمیر کے مرجع کے بارہ میں اختلافات ہیں اور انسب یہاں بھی یہی ہے کہ الحق والعلم کو مانا جائے ۴۴۰ قوم بنی اسرائیل اور ان پر جو احساناتِ خداوندی تھے ان کا تعارف رکوع ۵ میں مفصل کرایا جاچکا ہے ۔ وہیں کے حاشیے ملاحظہ فرمالئے جائیں
شروع میں تاریخ بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے زمانہ سے بیان ہوئی ۔ یعنی اس کے اس عہد کی جب وہ مستقل صاحب کتاب و شریعت ہوکر آزاد و خود مختار ہے اور ہر طرح کی نافرمانی و سرکشی میں بھی مبتلا ۔ اب اسے اس کے قدیم ترین دور یعنی عہدِ ابراہیمی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے ۔ حضرت
ابراہیم ہی کے بعد سے تو آپ کی نسل کی دو شاخیں ہوئیں اور ایک کا نام دو پشتوں کے بعد بنی اسرائیل پڑا ۴۴۱ (توحید کی علمبردار اور مبلغ کی حیثیت سے) قرآن مجید جو دعوی کرتا ہے کسی کی پروا کئے بغیر ، بے تکان اور بے دھڑک کرتا ہے ۔ بنی اسرائیل کو اس نے مطلق صورت میں
بلا کسی قید و شرط کے ، اس وقت تک کی تمام قوموں کے مقابلہ میں افضل قرار دیا ہے ۔ یہ افضلیت اسی نعمتِ توحید کی بنا پر تھی ۔ دنیا کی دنیا شرک کی لعنت میں مبتلا تھی ۔ توحید پر قائم صرف یہی قوم تھی ۔ اور سلسلۂ نبوت کی قائل صرف یہی نسل تھی تفصیل کے لئے رکوع ۶ کے حاشیے
ملاحظہ فرمائے جائیں ۔ بنی اسرائیل کو ان کے عروج اور ان کی گمراہیوں کی سرگزشت سنا کر یاد یہ دلایا جارہا ہے کہ ان کی افضلیت و اشرفیت کا راز تھا کیا ؟ یہی تھا کہ وہ موحدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں تھے ۔ اور توحید و نبوت کی امانت انہیں کی نسل کے سپرد کی گئی تھی ۔
انہیں اگر پھر استفادہ انہیں انعامات سے منظور ہے تو چاہیے کہ اسی دینِ ابراہیمی کی طرف رجوع کریں ۴۴۲ (کسی طرف سے بھی ۔ اور نہ ان کی فریادرسی کسی سے بھی ہوسکے گی) یہ آیت بھی رکوع ۶ میں گزر چکی ۔ اور وہیں اس پر متعدد حاشیے دیئے جاچکے ہیں ۔ بنی اسرائیل نے اس وقت
ایک تو عقیدۂ قیامت کو بالکل بھلا دیا تھا اور جزا و سزا کی ساری صورتیں اسی دنیا میں محدود سمجھ لی تھیں ۔ چنانچہ موجودہ توریت میں بھی جہاں جہاں سعادت و شقاوت کے ثمرات مذکور ہیں ، اسی دنیا کی خوشحالی و بدحالی کا بیان ہے ۔ اس لئے پہلے تو انہیں یومِ آخرت کی یاد دلائی
گئی ۔ اور پھر ان کی گمرہی کے ایک ایک مرکزی عقیدہ ، شفاعت ، کفارہ و فدیہ پر ضرب لگائی گئی ۔ آیت کے الفاظ اتنے جامع ہیں کہ یہودیت کے ساتھ نصرانیت کی بھی جڑ کٹی جاتی ہے ۔ نصرانیت کی بنیاد ہی شفاعت ، کفارہ و فدیہ ہی کے عقائدِ باطلہ پر ہے ۴۴۳ یہ نام پہلی بار قرآن
میں آیا ہے ۔ قرآن کے مخاطبِ اول اہلِ عرب تھے ۔ جو شخصیتیں ان کے لئے معلوم و معروف تھیں ، قرآن ان کے نام ان کے سامنے بے تکلف بغیر کسی مزید تعارف کے لے آتا ہے ۔ اور پھر ابراہیمؑ تو وہ بزرگ تھے جن سے علاوہ مشرکینِ عرب کے یہود و نصاریٰ بھی خوب ہی واقف تھے ۔ ان کا تعارف
اور بھی غیر ضروری تھا ۔ یہ ابراہیم علیہ السلام وہی ہیں جو اسلامی عقیدہ کے علاوہ یہودی و نصرانی عقیدہ میں بھی ایک بڑے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں ۔ توریت میں آپ کا نام ابرام اور ابراہام دونوں طرح سے آیا ہے ۔ توریت کی روایت ہے کہ آپ کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان میں
پشتوں کا فرق ہوا ہے ۔ یعنی آپ ان کی گیارہویں پشت میں تھے ۔ لیکن خود توریت ہی کے شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بنا پر یہ ہے کہ توریت ..... میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں ۔ سالِ ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق
۲۱۶۰ق ، م ہے اور عمر شریف توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے ۔ سالِ وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق ، م ٹھہرتا ہے ۔ والد کا نام تارح تھا ۔ یا عربی تلفظ میں آزر نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی کئی طرح آیا ہے ۔ مسلمانوں کے لئے قرآنی لفظ آزر کافی ہے ۔ وطن آبائی ملک بابل کے
کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا ۔ جدید جغرافیہ میں اسی کو ملک عراق کہتے ہیں ۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت میں اُور (UR) آیا ہے ۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا ۔ اب از سرِ نو نمودار ہوگیا ہے ۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۲ء ہی میں پڑ گئی تھی ۔
۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرینِ اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم برٹش میوزیم اور پنسلوینیا یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام عراق کو روانہ ہوئی ۔ اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا ۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہوگیا اور عراق گورنمنٹ کے محکمہ آثارِ قدیمہ نے عجائب خانہ کے
حکم میں لا کر ان کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے ۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے ۔ ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور نبوت چونکہ مسلمانوں کے علاوہ یہود اور نصرانیوں کو بھی مسلم ہے ۔ اس لئے ان قوموں کے علماء نے بھی آپ کے حالات
کی تحقیق و جستجو میں کوئی درجہ کاوش کا اٹھا نہیں رکھا ہے ۔ موجودہ محرف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض " روشن خیال " محققین نے انیسویں صدی کے ربعِ آخر میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں ۔ بلکہ محض ایک نوعی نام تھا
یا ہر شیخ قبیلہ کا لقب ، لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربعِ اول کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہو جانا پڑا ہے ۔ نسلِ اسرائیلی اور نسلِ اسمٰعیلی دونوں میں ایک طرح کی رقابت اور چشمک مدتوں سے چلی آرہی تھی ۔ حضرت ابراہیم
علیہ السلام دونوں سلسلوں کے مورثِ اعلیٰ تھے ۔ اللہ کی نعمتِ خاص الخاص یعنی توحید کی علمبرداری اب نسلِ اسرائیل سے اس کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں چھن کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے اب ساری دنیا کے لئے عام ہو رہی ہے ۔ ضرورت ہے کہ ابراہیمی شخصیت اور ان
کے ضمن میں اسمٰعیلی شخصیت) کی مرکزیت اور اہمیت سے دنیا کو روشناس کر دیا جائے ۔ چنانچہ یہاں یہی ہو رہا ہے ۴۴۴ (اور وہ چند امور ، احکام تھے اوامر و نواہی کی قسم کے) ابتلی ۔ آزمایا اپنی واقفیت کے لئے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے ، بلکہ علی الاعلان تاکہ دوسروں کو ان کے
ایمانِ کامل کا مشاہدہ ہو جائے ۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے ۔ والابتلاء اللہ العباد لیس لیعلم احوالھم بالابتلاء فانہ عالم بھم ولکن لیعلم العباد احوالھم (معالم) کلمات ۔ یہ کلمات کیا تھے ۔
ان کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے ۔ قد اختلف العلماء فیھا اختلافاً کثیراً (ابن کثیر) لیکن تفصیل ان کی جو کچھ بھی ہو ، بہرحال تھے وہ احکام شرائع ہی ۔ ای شرائع الاسلام (معالم عن ابن عباس) ای اختبارہ لہ بما کلفہ من الاوامر والنواھی (ابن کثیر) ۴۴۵ یعنی آپ ان امتحانوں میں
پورے اترے اور ان احکام کی تعمیل کر دی ۔ ای فاداھن (ابن جریر عن ابن عباس) ای عمل بھن (ابن جریر عن قتادۃ) روایاتِ یہود میں بھی یہ ذکر آیا ہے ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ۴۴۶ (کہ امورِ دین و شریعت میں تمہاری اقتدا کریں ۔ ای یاتمون بك فی دینك (کبیر) ای
یاتمون بك فی دینھم (مدارک) اماماً ۔ امام کہتے ہی اسے ہیں جس کی پیروی کی جائے ۔ لغت میں بھی اور اصطلاحِ شریعت میں بھی ۔ ھو اسم من یوتم بہ (مدارک) اسم الامامۃ مستحق لمن یلزم اتباعہ والاقتداء بہ فی امور الدین او فی شئ منھا (جصاص) توریت میں بھی یہ
وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے ۔ " اور میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا ۔ اور تو ایک برکت ہوگا ، اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا ، اور ان کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کروں گا ، اور دنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں
گے ۔ " پیدائش ۱۲ : ۱ ، ۲) ۔ یہ دینی سرداری اور امامت پورے ایک عالم کی آج تک آپ کے حصہ میں چلی آرہی ہے ۔ اور اسلام کے علاوہ بھی جو مذاہب توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں یعنی یہودیت و نصرانیت وہ آپ کی امامت پر متفق و متحد ہیں ۔ ایک نامور فرنگی فاضل ، بیسویں صدی کے ثلثِ اول
کے ختم پر آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے ۔ " ابراہیم کی ہستی کسی بدوی سردار کی نہ تھی کہ وہ لوٹ مار کرتے اور ملک گیری کرتے رہتے ۔ ان کی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے ۔ وہ حقیقۃً مورثِ اعلیٰ کسی نسل کے نہیں ، بانی و امام وہ مذہبی تحریک کے تھے محمدؐ کی طرح جو ان کے
دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے ، وہ سامی قوموں اور قبیلوں کے رہنما کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اور توریت کے حسبِ روایت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے ۔ " (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول صفحہ ۶۰ طبع چہاردہم) جن لفظوں کو یہاں ترجمہ میں جلی کر دیا گیا ہے ، انہیں ایک بار پھر پڑھ لیا جائے ——
—— یورپ کی زبان سے اللہ کے حبیبؐ اور اللہ کے خلیلؑ کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف ! بس اللہ ہی کی شان ہے ! آیت سے ایک نتیجہ فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام کی تعمیل اور امتحانِ الٰہی میں کامیابی انسان کو دینی پیشوائی و سرداری کا مستحق بنا دیتی ہے ۔ اور انبیائے کرامؑ
کے بعد اولیاء امت اور علماء امت کی امامت ، اپنے اپنے ظرف و حیثیت کے مطابق ، اسی قانون کی مظہر ہے ۔ فقیہ جصاص رازیؒ نے کہا ہے کہ فالانبیاء علیھم السلام فی اعلیٰ مرتبۃ الامامۃ ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك ثم العلماء و
القضاۃ العدول ومن الزم اللہ تعالیٰ بالاقتداء بھم ثم الامامۃ فی الصلوٰۃ ونحوھا (احکام القرآن) امامت کے جو معنی بیان ہوئے اس کے لحاظ سے امامت کے اعلیٰ مرتبہ پر تو حضرات انبیاء فائز ہوتے ہیں ۔ ان سے اتر کر خلفائے راشدین ہیں ۔ پھر نمبر علماء
اور عادل حجوں کا آتا ہے اور ان کا جن کی پیروی خدا نے لازم کر دی ہے ، پھر امامت نماز ہے وغیرہا) ۴۴۷ (امام ہوتے رہیں گے ، عالم کی پیشوائی ، سرداری و امامت کی بشارت پاکر ابراہیم علیہ السلام کا دل قدرتی طور پر باغ باغ ہوگیا اور اس جوشِ مسرت میں سوال
کر بیٹھے کہ اس انعام میں میری نسل اور میری اولاد بھی شریک ہے نا ؟ ذریۃ کے معنی ہیں اولاد اور اولاد در اولاد ۔ اس میں سارا سلسلۂ نسل آگیا ۔ اور یہ سلسلۂ ابراہیمی شاخ اسرائیلی اور شاخ اسمٰعیلی دونوں کو شامل ہے ۔ اسرائیلیوں کو جو دعوی تخصیص تھا اس کی جڑ یہیں سے
کٹ گئی ۔ من ذریتی میں من تبعیضیہ ہے اور فقرہ کی ترکیب نے اسے صاف کر دیا کہ ابراہیمؑ کی یہ دعا و سوال کے رنگ میں ، اپنی ساری نسل سے متعلق نہیں اس کے ایک جزء سے متعلق تھی ۔ من تبعیضیۃ ای وجاعل بعض ذریتی (ابو سعود) ومن ذریتی ۔ یدل انہ علیہ
السلام طلب ان یکون بعض ذریتہ ائمۃ للناس (کبیر) من ذریتی کا عطف جاعلك کے لك پر ہے ۔ گویا تقدیرِ کلام یوں ہے ۔ وجاعلك بعض ذریتی ۔ محاورۂ عرب میں جب سا کرمك بولا جاتا ہے تو جواب استفہامی میں بجائے پورے فقرہ سا کرم زیداً
کے صرف و زیداً کافی ہے (کشاف) گو صاحبِ بحر کے نزدیک یہ عطف یہاں صحیح نہیں ۔ آیت سے معلوم ہوا کہ مسرت و نعمت میں اپنی اولاد کو شریک کرنا نہ صرف امرِ طبعی ہے بلکہ سنتِ انبیاء بھی ہے ۴۴۸ یعنی برکت و فضل کا سلسلہ تمہاری نسل میں بھی ضرور رہے گا ۔ لیکن اس
کے تحقق کے لئے محض ارث ، نسب ، نسل کافی نہیں ۔ بلکہ ایمان و عملِ صالح بھی حاصل کرنا ہوگا ۔ گویا دعائے ابراہیمی اولادِ صالح کے حق میں قبول ہوگئی ۔ دل علی انہ ینالہ غیر الظالم (جلالین) اور حضرت کو خبر دے دی گئی کہ آپ کی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے ، کچھ صالح و
مطیع اور کچھ ظالم و نافرمان ۔ صالحین کو امامت کی بشارت مل گئی اور ظالم اس سے محروم کر دیئے گئے ۔ تنبیہ علی انہ قد یکون من ذریتہ ظلمۃ وانھم لاینالون الامامۃ وانما ینالھا البررۃ الاتقیاء منھم (بیضاوی) عھدی سے مراد وعدہ یعنی دینی منصبِ امامت و
پیشوائی کا وعدہ ۔ معنی العھد عھد الامامۃ (ابن جریر عن مجاہد) ھذا العھد ھو الامامۃ المذکورۃ فی ما قبل (کبیر) الظٰلمین ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر بھی لی گئی ہے اور فسق بھی ۔ کافر کو امامتِ دینی نہ ملنا بالکل ظاہر اور متفق علیہ ہے ۔ بعض نے اس منصب سے محرومی کے
لئے فسق بھی کافی سمجھا ہے ۔ قد فسر الظلم ھھنا بالکفر وھو قول ابن جبیر وبظلم العاصی غیر الکفر وھو قول عطاء والسدی (بحر) ای اھل الکفر (مدارک) اخبر ان امامۃ المسلمین لاتثبت لاھل الکفر (مدارک) المراد بالظالم الکافر ھھنا اذ ھو الظالم
المطلق (مدارک) المتبادر من الظلم الکفر لانہ الفرد الکامل من افرادہ (روح) فقہاء امت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ فاسق کی امامت کا انعقاد جائز نہیں ۔ واحتج الجمہور علی ان الفاسق لا یصلح ان تعقد لہ الامامۃ بھذہ الآیۃ (کبیر) مرشد تھانوی نے آیت سے استنباط کیا کہ اعتقادی
و عملی کے ساتھ فضلِ الٰہی و انعامِ خداوندی جمع نہیں ہوتے ۴۴۹ بیت کے لفظی معنی گھر کے ہیں (جہاں رات بسر کی جائے) البیت سے متفقہ طور پر مراد بیت الحرام یا خانۂ کعبہ ہے ۔ شہر مکہ معظمہ کے اندر کی یہ عمارت روئے زمین پر خدائے واحد کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے ۔ اور قرآن
نے اس حقیقت کا اعلان کھلے لفظوں میں ادا کر دیا ہے ۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً ۔ مسیحیت کو کعبہ کی تقدیس و برکت کے ساتھ ساتھ کعبہ کی یہ قدامت بھی نہایت شاق ہے لیکن انکارِ قدامت پر کوئی دلیل ہر ممکن کوشش کے بعد آج تک قائم نہیں ہوسکی ہے ۔ بلکہ انیسویں صدی
عیسوی کے ربعِ آخر میں انگریز مصنف باسورتھ اسمتھ کو لکھنا پڑا ۔ " یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہدِ تاریخ سے پرے ہے ۔ " (محمد اینڈ محمڈنزم صفحہ ۱۶۰) پھر آگے مشہور و قدیم رومی مؤرخ ڈایوڈورس سکولس (Diodorus Seculus) جس کا زمانہ خود حضرت مسیح سے ایک صدی قبل کا
ہے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس وقت بھی یہ معبد قدیم ترین تھا اور ساری نسلِ عرب کا نہایت مقدس مرجع تھا صفحہ ۱۶۶ ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ۔

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اُسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اسکے پڑھنے کا حق ہے ۴۳۰ وہ لوگ

۱۴ ع ۹ ۱۴ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اس پر ایمان لے آئینگے ۴۳۸ اور جو کوئی اس سے کفر اختیار کر لیگا تو یہی لوگ (پورا) نقصان اُٹھانے والے ہیں ۴۳۹

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم کو بخشیں ۴۴۰

وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ

اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ۴۴۱ اور اُس روز سے ڈرو جب نہ کوئی

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا

کسی کے بھی کام آئے گا اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائیگا اور نہ اُسے

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ

سفارش نفع پہنچا سکے گی اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ۴۴۲ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب

رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا ۴۴۳ اور انہوں نے وہ انجام دے دیئے ۴۴۴، ارشاد ہوا کہ میں

اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي

یقیناً تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں ۴۴۵ بولے اور میری نسل سے بھی؟ ۴۴۶ ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

نہیں پہنچتا ۴۴۷ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کیلئے ایک مقام رجوع اور

منزل ۱

(جس سے ہم چار و ناچار ان پیمبر کے دعویٰ کی تصدیق کر ہی دیں) آیۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ قرآن مجید میں بکثرت معجزہ کے معنی میں آیا ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور معجزہ سے مراد وہ واقعہ ہے جو معمول عام سے ہٹا ہوا ہو اور بلا اسباب ظاہری اس کا ظہور تائید رسول کے لئے ہو۔ رسول اللہ صلعم کی صداقت پر معنوی دلائل و شواہد تو کثرت سے موجود تھے لیکن مشرکین کی طرف سے پیہم فرمائشیں یہ جاری رہیں کہ کوئی عظیم الشان، حیرت انگیز حسّی معجزہ دکھایا جائے جس کے بعد گنجائش ہی چون و چرا کی نہ رہے۔ جن لوگوں کی عقل و روحانی اخلاقی سطح پست ہے۔ ان کی طرف سے اولیاء ربّانی سے فرمائشیں آج بھی اس قسم کی خارق عادت کرامات ہی کے ظہور کی ہوتی رہتی ہیں۔ ایۃ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے یعنی کوئی عظیم الشان لرزہ انگیز معجزہ ۴۲۷ اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبروں اور داعیان حق سے یہی ان کی یہ فرمائشیں کوئی انوکھی اور ان کا یہ مطالبہ کوئی نرالا نہیں۔ جاہلوں نے ہر دور اور ہر ملک میں اس قسم کی فرمائشیں پیش کی ہیں۔ رسالت محمدی سے حضرات انبیاء میں قریب ترین زمانہ حضرت عیسیٰؑ کا گزرا ہے۔ آپ عرب میں نہیں شام میں تھے۔ آپ سے بھی تعلیمات اور اصل پیام کو چھوڑ کر تقاضے انہیں آسمانی نشانوں کے ہوتے رہتے تھے۔ "فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آکر آزمانے کے لئے اس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشان دکھا" (متی ۱:۱۶) یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ کو لا دکھانے کی فرمائش شروع ہو گئی تھی۔ "فلپس نے اُس سے کہا کہ اے خداوند ہمیں باپ کو دکھا بس ہمیں کافی ہے" (یوحنا ۸:۱۴) ۴۲۸ یعنی اگلوں اور پچھلوں کے قلب بالکل ایک سے ہیں بے بصیرتی اور ناحق شناسی میں۔ انجیل میں غضبناکی کے لہجہ میں ہے۔ "اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا" (متی ۴:۱۶) "اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو۔ تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے، ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں کس کو تم نے نہیں ستایا؟" (اعمال ۷:۵۱، ۵۲) ۴۲۹ مطالبہ ایک نشان (آیۃ بصیغۂ واحد) کا تھا جواب یہ ملا کہ یہاں تو نشان پر نشان (الآیات بصیغۂ جمع) پیش کئے جا چکے ہیں۔ تاریخ اور سیرت میں جن معجزوں کا ذکر آتا ہے اُن سے قطع نظر دو معجزے تو بالکل بیّن و نمایاں تھے۔ ۱۔ رسول اللہ صلعم کا سچائی، امانت، پاکبازی، عقل و فہم کے لحاظ سے بے نظیر ہونا۔ آپ کی سیرت مبارک کے ایک ایک جزء کا بجائے خود معجز ہونا۔ ۲۔ قرآن مجید کا لفظی، معنوی، ظاہری، باطنی، تعلیمی و ادبی اعتبار سے بے مثل ہونا۔ بیّنّا۔ یعنی یہ نشانات کچھ ان سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم نے انہیں بالکل واضح و آشکار کر رکھا ہے۔ ان میں کسی طرح کا خفا نہیں۔ قد بیّنّا۔ قد کی تاکید نے بیّنّا کی صراحت کو اور زیادہ زوردار بنا دیا۔ اور اسی کے اظہار کے لئے اُردو ترجمہ میں "کھول کھول" لایا گیا ہے۔ لقوم یوقنون۔ یعنی یہ کھلے ہوئے نشان بھی نظر انہیں لوگوں کو آتے ہیں جن کے قلب جہل و عناد کی گندگی اور شک و ارتیاب کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ شواہد و دلائل مادی قسم کے ہوں یا معنوی، بہرحال ان سے نفع حاصل کرنے کے لئے دیدۂ بصیرت و چشم بینا ضروری ہے۔ آنکھ رکھنے والے کے لئے پیمبر کی کتاب زندگی کی ایک ایک سطر معجزہ ہے۔ عارف رومی نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے ؎ در دل ہر کس کہ از دانش مزاست ⁂ روئے و آواز پیمبر معجزہ است ... امامن کان فی ارتیاب او شك او تغافل او جهل فلا ينفع فيه الآيات ولو كانت فی غاية الوضوح (بحر)۔ یقین شک کی ضد ہے اور علم و تحقیق کے مرادف ہے۔ اليقين ازاحة الشك والعلم وتحقيق الامر ونقيضه الشك (تاج) لقوم يوقنون کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو یقین کی طلب اور پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں اے طالبون معرفة حقائق الاشياء على يقين وصحة (ابن جریر) اے يطلبون اليقين (بیضاوی) ۴۳۰ سارے عالم کے لئے لے ہمارے پیغمبر) بالحق۔ حق کے ساتھ۔ یعنی دینِ حق کے ساتھ یا راہِ حق کا ہادی بنا کر۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حقانیت و صداقت کے ساتھ مع اس کی ساری قوتوں اور دلائل کے۔ بشیر۔ مومنین مطیعین کے حق میں کہ جو آپ کے پیغام کو مان لیں گے اُن سے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا وعدہ ہے۔ نذیر۔ منکروں اور سرکشوں کے حق میں کہ جو آپ کے پیام سے بغاوت کریں گے اُن کی آخرت تو یقیناً اور دنیا اکثر تباہ ہو کر رہے گی۔ اقبالؒ نے لطف و قہر اوسراپا رحمتے ⁂ آں بیاراں ایں بہ اعدا رحمتے ۴۳۱ (اور اہل دوزخ وہی ہونگے جو آپ کے پیام کے منکر ہیں) تو مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے انجام کی ذمہ داری آپ پر کیا ہے؟ آپ کیوں ان کے لئے اس قدر فکر و تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ کا فرض تو پیام پہنچا دینے پر ختم ہو جاتا ہے۔ آگے کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو کوئی خود اپنی اصلاح نہ چاہے مرشد کو اس کے زیادہ درپے نہ رہنا چاہیئے ۴۳۲ (خواہ آپ ان کی کتنی ہی رعایت ملحوظ رکھیں اور ان کے ساتھ برتاؤ کتنی ہی غمخواری اور دلسوزی کا رکھیں) یہ حکم ــــــ نصرانیوں سے متعلق ہے جو بہرحال اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مشترک ایمان سلسلۂ وحی و نبوت پر رکھتے تھے۔ تو جو کھلے ہوئے اہل شرک ہیں، اور اسلامی عقائد سے اشتراک کسی درجہ کا بھی نہیں رکھتے، ان کی رضا جوئی اور ان سے توقع صلح رکھنے کا جو حکم ہوگا ظاہر ہی ہے ۴۳۳ (یعنی اس مذہب کے جو انہوں نے گڑھ رکھا ہے۔ اور اپنے دینِ حق سے دستبردار نہ ہو جائیں) ملّۃ کے معنی مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ الملة الشريعة او الدين (قاموس) قال ابو اسحٰق الملة السنة والطريقة (تاج) دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ دین کا استعمال اللہ اور افراد امت کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً دین اللہ یا دین زید اور ملۃ کا استعمال نبی اور جماعت کے سیاق میں ہوتا ہے۔ مثلاً ملّتِ ابراہیمؑ یا ملّتِ یہود (راغب) لفظ ملۃ کے صیغۂ واحد سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کفر جس قسم کا بھی ہو بہرحال ایک ہی ملّت کے حکم میں ہے۔ وقد استدل كثير من الفقهاء على ان الكفر كله ملة واحدة (ابن کثیر) اور اسی اصل کی بنا پر وراثت کافروں اور مسلموں کے درمیان جائز نہیں رکھی ہے۔ لیکن کافروں کافروں کے درمیان جائز رکھی ہے۔ خواہ اُن کا کفر آپس میں مختلف ہی ہو۔ وهذا مذهب الشافعی وابی حنيفة واحمد فی رواية عنه (ابن کثیر) ۴۳۴ (حق و صواب کی) اسی پر عقل و نقل کے دلائل کا اتفاق ہے اور اسی اللہ کی بتلائی ہوئی راہ کا نام طریق اسلام ہے ۴۳۵ (مسائل دین میں۔ اور یہ پیروی ان کے لئے محال ہے) لئن میں لام قسم کا ہے تاکید و قطعیت کے لئے ہے۔ لام قسم (جلالین) قرآن ہے خدا کا کلام لیکن ہے بہرحال محاورۂ انسانی ہی میں، انسانی کلام میں جہاں جہاں قسم کا موقع آتا ہے قرآن میں بھی اس کی رعایت کی جائیگی۔ اهواء سے مراد وہ رائیں اور خیالات ہیں جو علم و حقیقت کے بجائے نفسانی خواہشوں پر مبنی ہوں۔ اے آراءهم الزائغة (بیضاوی) والهوى رأى يتبع الشهوة (بیضاوی) العلم سے مراد علم وحی ہے۔ ہر طرح پر قطعی و یقینی اور ہر اشتباہ سے بالاتر۔ العلم الوحی (بیضاوی) اے من بعد الذی اقتصصت عليك من نبئهم (ابن جریر) گویا ایک سرے پر العلم ہے، حقیقت سے تمام تر لبریز۔ اور دوسرے سرے پر اھواء، حقیقت سے تمام تر خالی۔ استدلال قرآنی کی منطقی شکل گویا اب یہ ہوئی۔ ۱۔ یہود و نصاریٰ کی رضا طلبی کے لئے لازمی ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کریں۔ لیکن ان کا دین سر تا سر محرّف و باطل ہے۔ اس لئے اُن کی رضا طلبی کے لئے لازم ہوا کہ آپ دینِ محرّف و باطل اختیار کریں۔ ۲۔ جو رحمتِ خداوندی سے مالا مال اور توفیقِ الٰہی سے سرفراز ہو اُس کے لئے باطل کی پیروی محال ہے۔ آپ رحمتِ خداوندی سے مالا مال اور توفیقِ الٰہی سے سرفراز ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے پیروی باطل محال ہے۔ ۳۔ اور جب آپ کے لئے پیروی باطل محال ہے۔ تو ملّتِ یہود و نصاریٰ کی پیروی جو خود ایک شکل زیغ و باطل ہی کی ہے، اس کی پیروی بھی محال ہے۔ اور اس لئے ان باطل پرستوں کی حصول رضا کی بھی کوئی شکل آپ کے لئے نہیں۔ آگے جو وعید اتباع باطل پر آئی ہے اُس کے ساتھ قید بعد الذی جاءك من العلم کی لگی ہوئی ہے۔ اس قید سے امام رازیؒ نے استنباط کیا ہے کہ وعید ہمیشہ دلائل صریح کے بعد ہی ہوگی۔ يدل على انه لا يجوز الوعيد الا بعد نصب الادلة (کبیر) ۴۳۶ ولی (یار، اس دنیا میں) اور نصیر (مددگار، عالم آخرت میں) خوب خیال رہے کہ رسول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے یہ بات محض بطور فرض کے کہی گئی ہے۔ اور فرض جب محالات عقلیہ تک کئے جا سکتے ہیں تو محالات عادی یا منفیات شرعی کے فرض کر لینے میں تو ادھر بھی کوئی اشکال نہیں۔ اور اس طرز مخاطبت سے مقصود بھی غالباً مسئلہ کی اہمیت پر زور دینا ہے۔ منکروں کی طرف میلان پر اتنا تشدد جب خود رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ فيه تهديد و وعيد شديد للامة عن اتباع طرائق اليهود والنصارىٰ (ابن کثیر) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں خطاب رسول اللہ صلعم سے صرف لفظاً ہے ورنہ مراد امت ہی ہے اور اصل حکم اسی کو ہے۔ الخطاب مع الرسول والامر لامته (ابن کثیر) قيل الخطاب مع النبی والمراد به الامة (معالم) قيل للمقصود منه امته (روح) ۴۳۷ یعنی دل سے اس کی تعظیم و احترام کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف و تغیر کو راہ نہیں دیتے۔ حق تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آ گیا۔ يتبعونه حق اتباعه (ابن عباس) يحرفون الكلم عن مواضعه ولا يتأولونه على غير الحق (کبیر) الکتٰب سے مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (ابن عباس) الذين اٰتينٰهم الكتٰب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ هم اليهود والنصارىٰ وهو قول عبد الرحمٰن بن زيد واختاره ابن جرير (ابن کثیر)

صاف مفہوم یہ ہے کہ خدا نے گویا کسی کو متبنیٰ کر لیا ہے ۔۔۔۔۔ قرآن مجید کی تلمیحات کو پوری طرح سمجھنے کیلئے قرآن کے صدہا مقامات کی طرح یہاں بھی اسکی ضرورت ہے کہ نظر اہل باطل کے عقائد و خیالات پر ذرا گہری ہو۔ مسیحیوں کے ہاں ایک زبردست فرقہ Adoptionists کے نام سے گزرا ہے۔ ان کے مرکزی عقیدہ کیلئے اصطلاحی لفظ تبنیت Adoptionism کا ہے۔ عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح خلقۃً خدا نہیں۔ وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ خدا شروع سے نہ بنے نہ بنائے اور خود بخود نہیں ہیں۔ بلکہ اصلاً و خلقۃً وہ انسان ہی تھے۔ البتہ اقنوم ثالث یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا۔ اسلئے وہ قدوسیت کے ایسے اوج کمال پر پہنچ گئے اور روح الٰہی ان کے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنوم اول یعنی خدائے برتر و اعظم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دے کر اپنا متبنّیٰ بنا کر، شریکِ الوہیت کر لیا۔ اور اب وہ ربوبیت و ملکیت وغیرہ جملہ صفاتِ الٰہی میں شریک و سہیم ہیں۔ اس عقیدہ کے وجود کی شہادت تاریخ میں ۸۰۰ء میں ملتی ہے، آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے روم نے اسے الحاد و زندقہ قرار دیا۔ بارھویں صدی عیسوی میں اس نے پھر زور پکڑا اور پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اس شاخ کی جانب ہے۔ بڑے سے بڑا محقق مفسر بھی بہرحال بندہ اور بشری ہوتا ہے کسی کی نظر سے کوئی پہلو رہ جاتا ہے کسی کی نظر سے کوئی۔ مسیحیت کے سلسلہ میں یہ خوب یاد رہے کہ مسیحی مذہب میں عقیدۂ ابنیت کوئی ثانوی درجہ یا فرعی حیثیت نہیں رکھتا۔ مسیحیت کی روح اور جان یہی عقیدہ ہے۔ ۴۱۷ (ہر قسم کی بشری رشتہ داریوں سے جو اس کیلئے ہر حال میں پست اور باعثِ توہین ہیں) تنبیہ ہے مسیحیوں کو کہ معاذ اللہ، خدا کو خدا بھی کہے جاتے ہو اور پھر اس کیلئے بشری سطح والی رشتہ داریاں بھی مانے جاتے ہو! الوہیت کے باب میں کتنا گھٹیا تخیل اور کیسا کریہہ نظریہ رکھتے ہو! ۴۱۸ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت و مملوکیت مطلقہ کا ہے۔ نہ کہ فرزندی و دلبندی وغیرہ خرافات کا۔ توحید کی صاف و سادہ تعلیم یہی ہے کہ حق تعالیٰ ان سارے امتیازات و تعینات سے پاک ہے جو اہل شرک نے اس کیلئے گھڑ رکھے ہیں۔ ضمناً آیت شرک کی دوسری قسموں پر بھی ضرب لگاتی جاتی ہے۔ ہر ہستی اللہ کی مملوک ہے، کوئی ہستی اسکی مملوکیت سے خارج نہیں اور ہر ہستی صرف اللہ ہی کی مملوک ہے، یہ نہیں کہ کچھ ہستیاں اسکی مملوک ہوں اور کچھ کسی اور کی۔ ۴۱۹ (اگر ارادۃً نہیں تو جبلۃً و اضطراراً) اللہ کی تکوینی محکومی اور فرمانبرداری سے چارہ کسی کو بھی نہیں۔ کُلٌّ یعنی جمیع مخلوق، مومن و کافر، بلند و پست، کبیر و صغیر، زندہ و بیجان، قانتون، سب اس کے آگے جھکے ہوئے، سب کی تقدیر اسکی مشیت سے وابستہ۔ اے منقادون لا یمتنع شیء منھم علی تکوینہ وتقدیرہ ومشیتہ (کشاف) منقادون لا یمتنعون عن مشیتہ وتکوینہ (بیضاوی) قنوت کے بہترین معنی یہی کئے گئے ہیں کہ اپنے جسم کی شہادت سے اور زبانِ حال سے اللہ کی عبودیت و طاعت کا اقرار کیا جائے۔ واولی معانی القنوت الطاعۃ والاقرار للّٰہ عزوجل بالعبودیۃ بشھادۃ اجسامھم بما فیھا من اٰثار الصنعۃ (ابن جریر) بڑی یا چھوٹی، وحشی یا ترقی یافتہ کس مخلوق کی مجال ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے دن اور اللہ کی بنائی ہوئی رات کے چوبیس گھنٹوں کے علاوہ کوئی گھنٹہ، کوئی منٹ، کوئی لمحہ اپنے لئے پیدا کر سکے۔ بڑے سے بڑے ماہرینِ سائنس میں سے کس کے امکان میں ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی فضائے کائنات سے باہر ایک گز، ایک فٹ، ایک انچ جگہ اپنے لئے تلاش کر سکے؟ کون ایسا ہے کہ اللہ نے زمان اور مکان کی جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان سے قدم باہر نکال سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے خلق کئے قانونِ حرارت، برودت، رطوبت سے بے نیاز رہ سکے؟ کون ایسا ہے جو اسکے باندھے ہوئے قانونِ کششِ اجسام سے بغاوت کر سکے! اعداد، وزن، مقدار کے جو ضابطے خدا نے مقرر کر رکھے ہیں، کس میں اتنی ہمت ہے کہ گنجائش ان سے عدول و انحراف کی پا سکے؟ ۔۔۔۔۔ بڑے سے بڑے موجد، بڑے سے بڑے صناع کا کمال بجز اسکے کیا ہے کہ اس نے نظامِ تکوینی کے ضابطوں اور قاعدوں کی مزاج شناسی میں کمال پیدا کر لیا ہے۔ اور مسبب الاسباب کے حضور میں وہ دوسروں سے بڑھ کر بندۂ قانت ہے! کل لہ قانتون۔ اس میں رد آ گیا ہر مشرک قوم کا کہ جن جن کو تم ابن اللہ یا دیوی یا دیوتا مانتے ہو، وہ اللہ کے شریک و سہیم و ہمسر تو کسی حیثیت سے بھی کیا ہوتے سب کے سب اسکے محکوم، اس کے مخلوق، اسکے قوائے تکوینی کے تابع و مسخر ہیں۔ ۴۲۰ (اور اسی طرح ساری مخلوق کا نیز ان سب سے سابق و متقدم بھی ہے) بدیع یہاں مبدع کے معنی میں اور بدیع یہاں مبدع کے معنی میں ہے۔ جیسے الیم مولم کے معنی میں اور سمیع مسمع کے معنی میں آتا ہے۔ البدیع یقال للمبدع (راغب) اے مبدعھا وانما ھو مفعل صرف الی فعیل کما صرف المؤلم الی الیم (ابن جریر) اور مصدر ابداع کے معنی ہیں نیست سے ہست کرنا۔ عدم محض سے وجود میں لانا بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادہ یا ہیولیٰ کے الابداع انشاء صنعۃ بلا احتذاء واقتداء (راغب) واذا استعمل فی اللّٰہ تعالیٰ فھو ایجاد الشیء بغیر اٰلۃ ومادۃ ولا زمان ولا مکان (ملخصاً) بدیع وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو نہ کسی مال مسالہ کا۔ نہ مقام و مکان کا پابند نہ زمان و وقت سے مقید۔ محتاج نہ کسی نمونہ کا، نہ استاد کا، وہ صناع ہے، کاریگر نہیں۔ اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے وجود میں لانے والا۔ معنی المبدع المنشیٔ والمحدث مالم یسبقہ الی انشاء مثلہ واحداثہ احد (ابن جریر) ھو بارئھا وخالقھا وموجدھا من غیر اصل ولا مثال احتذاھا علیہ (ابن جریر) بدیع کا لفظ ان مشرک قوموں کے رد میں ہے جو خدا کو محض صانع کی حیثیت دیتے ہیں اور روح یا مادہ یا دونوں کو کسی نہ کسی درجہ میں اس کا شریک و سہیم رکھتے ہیں گویا مادہ پہلے سے موجود ہی تھا وہ قدیم و غیر حادث ہے، یا روح بھی اسکے ساتھ ساتھ قدیم و غیر حادث ہے۔ اب خدا نے صرف اتنا کیا کہ ایک اعلیٰ درجہ کے کیمسٹ کی طرح ان میں باہمی ترکیب و ترتیب سے نئی نئی صورتیں نموار کر دیں۔ ابداع کا لفظ ان سارے مشرکانہ تخیلات کی تردید کیلئے کافی ہے۔ تقدم ذاتی کے علاوہ تقدم زمانی بھی تمام صفاتِ کمال کی طرح اسکی ذات کیلئے ثابت ہے۔ وہ سب پر زمانہ بھی مقدم ہے ایک زمانہ تھا کہ صرف وہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ نہ جہات نہ اعیان۔ انہ تعالیٰ خالق الجہات کلھا والخالق متقدم علی المخلوق لا محالۃ (کبیر) فقد کان الباری تعالیٰ قبل خلق العالم منزھا عن الجہات والاعیان (کبیر) ۴۲۱ (محض اپنے ارادہ و مشیت سے اور محض اپنی حکمت مطلقہ کے مقتضیٰ کی حیثیت سے) ومعنی قضیٰ ھنا اراد (بحر) حکم بانہ یفعل شیئاً (کبیر) اے حکم ..... (مدارک) قرآن کا خدا صاحبِ ارادہ، ذی حیات، صاحبِ اقتدار خدا ہے۔ یونان کے فلسفیوں اور بعض دوسرے مشرکوں کے خدا کی طرح صرف ایک بیجان، مسلوب الارادہ علت العلل یا آخری سبب نہیں۔ ۴۲۲ یعنی عدم محض سے وجود میں آ جا نیست سے ہست ہو جا۔ یقول ”کہتا ہے“ کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دو حرفی لفظ کن بولتا ہے لفظ و حروف تو خود ہی حادث ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اسکے سوا قریب سے قریب پیرایۂ بیان اور اسلوب تعبیر اور کیا اختیار کیا جائے ۔ اے برول از وہم و قال و قیل من خاک بر فرق من و تمثیل من مقصود صرف اسقدر ہے کہ ادھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور ادھر معاً اور بلا توسط و توقف اس کا ظہور عملاً ہو گیا۔ وھذا مجاز عن سرعۃ التکوین والتمثیل اذ لا قول ثم (مدارک) قلنا ان کن لیس بامر حقیقۃ اذ لا فرق بین ان یقال واذا اقضیٰ امراً فانما یکونہ فیکون وبین ان یقال فانما یقول لہ کن فیکون (مدارک) لیس المراد بہ حقیقۃ امر وامتثال بل تمثیل حصول ما تعلقت بہ ارادتہ بلا مہلۃ بطاعۃ المامور المطیع بلا توقف (بیضاوی) لہ میں ضمیر اس چیز کی جانب ہے جس کا وجود ابھی خارج میں نہیں ہوا لیکن علم الٰہی میں تو بہرحال موجود ہی ہے۔ اور امر الٰہی کے اعتبار سے ماُمور و موجود میں کوئی فرق ہی نہ ہوئی حیثیت سے نہیں ہر مامور کے معنی موجود ہونے کے ہیں۔ اور ہر موجود کے معنی مامور ہونے کے ہیں امرہ للشیء بکن لا یتقدم الوجود ولا یتاخر عنہ فلا یکون الشیء ماموراً بالوجود الا وھو موجود بالامر ولا موجوداً الا وھو مامور بالوجود (ابن جریر) اطلق علی تعلق الارادۃ الالٰھیۃ بوجود الشیء من حیث انہ یوجبہ (بیضاوی) ھو بمنزلۃ للموجود اذ ھو عندہ معلوم (بحر) المخاطب ھو ذٰلک الشیء الموجود فی علم اللّٰہ تعالیٰ للامور بہ الدخول فی الوجود الخارجی (آلوسی) کن فیکون کان یہاں تامہ ہے، ناقصہ نہیں یعنی ہو جا وجود میں آ جانے کے مرادف ہے۔ فلاں چیز ہو جا یا بن جا کے مرادف نہیں من کان التامۃ بمعنی احدث فیحدث (بیضاوی) ۴۲۳ یعنی بس وہ شے معاً وجود میں آ جاتی ہے۔ اسکے ہونے میں کچھ دیر لگتی ہے نہ اس کیلئے کسی اعانت، وساطت، شرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ المراد من ھذہ الکلمۃ سرعۃ نفاذ قدرۃ اللّٰہ تعالیٰ فی تکوین الاشیاء (کبیر) یہ بھی گویا مشرکین ہی سے خطاب ہے کہ تم عمل تخلیق خداوندی کو سمجھے بیٹھے ہو؟ اس میں تو بجز ارادۂ الٰہی کے اور کسی چیز کی شرکت کا گزر ہی نہیں اور اس سے تمہارے شرک کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ۴۲۴ یعنی علم حقیقی سے علوم آسمانی سے مراد مشرکین ہیں ۔ ھم کفار العرب (ابن جریر عن قتادۃ والربیع) والمراد جھلۃ المشرکین وقد روی ذٰلک عن قتادۃ والسدی والحسن وجماعۃ وعلیہ اکثر المفسرین (روح) ۴۲۵ (براہِ راست اور بلا واسطۂ انبیاء و رسل) کما یکلم رسلہ انبیاءہ علیہم السلام یہاں ہلا کے معنی میں ہے اور ہلا کا اردو ترجمہ ”کیوں نہیں“ ہی سے ہو سکتا ہے اور محاورۂ قرآنی میں لولا عموماً اسی معنی میں آتا ہے یعنی ھلا یکلمنا اللّٰہ (ابن جریر) کل ما فی القرآن لولا فھو بمعنی ھلا الا واحداً (معالم) اور سیوطی نے بھی تفسیر اتقان (نوع ۴۰) میں یہ قول خلیل نحوی اور مالک سے نقل کیا ہے۔ مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ خدا اگر اپنے فلاں فلاں بندہ سے بقول انہیں کے کلام کر سکتا ہے اور کرتا ہے تو آخر ہم سے کیوں نہیں کرتا ہم بھی تو انسان ہی ہیں ۔۔۔۔۔ احمقوں کے نزدیک مکالمۂ الٰہی کیلئے گویا صرف بشریت کافی تھی۔

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ

کہتا ہے کہ ہو جا[۴۲۲] بس وہ ہو جاتا ہے[۴۲۳] اور جنہیں علم سے بہرہ نہیں[۴۲۴] وہ کہتے

لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟[۴۲۵] یا ہمارے پاس کوئی نشان (عظیم) کیوں نہیں آ جاتا؟[۴۲۶] اسی طرح

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ

وہ لوگ کہہ چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہیں کا سا کہنا[۴۲۷] انکے قلوب متشابہ ہو گئے[۴۲۸]

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

ہم نے اپنے نشان تو کھول کھول دیے ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں[۴۲۹] ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے

بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْــَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ

خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر[۴۳۰] اور آپ سے اہل دوزخ کی بابت کچھ بھی پوچھ

الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

نہ ہو گی[۴۳۱] اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے[۴۳۲]

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ

جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں[۴۳۳] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی (بتلائی ہوئی) تو راہ بس وہی ہے[۴۳۴]

وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ

اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ

کرنے لگے[۴۳۵] تو آپ کے لئے اللہ (کی گرفت) کے مقابلہ میں نہ کوئی یار ہو گا نہ مددگار[۴۳۶] جن لوگوں کو

وقف منزل

منزل

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا
اور اُس سے بڑھ کر ظالم اَور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اُس کا
اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ
نام لیا جائے ۴۰۷ اور اُن کی بربادی کی کوشش کرے ۴۰۸ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں
اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا
کہ ان میں داخل ہوں مگر ہاں یہ کہ ڈرتے ہوئے ۴۰۹ اُن کے لئے دُنیا میں (بھی بڑی)
خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ
رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے ۴۱۰ اور اللہ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ فَاَيْنَـمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ
ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) ۴۱۱ سو تم جدھر کو بھی مُنہ پھیرو ۴۱۲ اللہ ہی کی
اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ
ذات ہے ۴۱۳ اللہ بڑا وسعت والا ہے ۴۱۴ بڑا علم والا ہے ۴۱۵ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خُدا نے
اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
ایک بیٹا بنا لیا ہے ۴۱۶ پاک ہے وہ ۴۱۷ اصل یہی ہے کہ اُسی کی مِلک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور
الْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ
زمین میں ہے ۴۱۸ سب اسی کے حکم بردار ہیں ۴۱۹ (وہ) مُوجد ہے آسمانوں اور
وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
زمین کا ۴۲۰ اور جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے ۴۲۱ تو بس اتنا ہی اس سے

۴۰۷ (جیسا کہ مشرکین مکہ نے عین حرم کعبہ میں ذکر و عبادتِ الٰہی سے مسلمانوں کو روک دیا تھا خصوصاً واقعہ حُدیبیہ میں) ھؤلاء المشرکون حین حالوا بین رسول اللہ صلعم یوم الحدیبیۃ وبین ان یدخل مکۃ (ابن جریر عن ابن زید) بعض نے مراد بیت المقدس لی ہے کہ وہاں ٹائیٹس Titus رُومی کے عہد میں رُومی مشرکین نے یہود اہلِ توحید کو ذکرِ الٰہی سے روک دیا تھا۔ بہرحال حکم عام ہے۔ قریبی سببِ نزول جو کچھ بھی رہا ہو۔ اور حکم کو کسی خاص مسجد یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ انہ کل مسجد وھو الصحیح لان اللفظ عام ارادہ بصیغۃ الجمع فتخصیصہ ببعض المساجد او فی بعض الازمنۃ محال (ابن عربی) مسجد کے لفظی معنی جائے سجدہ کے ہیں۔ مراد اس سے مسلمانوں کی عبادت گاہ ہوتی ہے۔ مسجد کے حسن و تاثیر کشش و دلآویزی صفائی و سادگی کی شہادت غیر مسلموں کی زبان سے بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اظلم۔ یعنی ظالم تر، خبیث تر، مجرم تر۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ منع ذکر و داخلۂ مسجد اگر کسی ضرورتِ دینی اور مصلحتِ شرعی سے ہو تو بالکل درست ہے کہ ایسے موقع پر یہ امور مسجد کی بربادی و ویرانی میں نہیں، عین اصلاح و آبادی میں داخل ہیں۔ مسائل ذیل بھی فقہاء نے آیت کے تحت میں ذکر کئے ہیں۔ (۱) مسجد میں اذنِ عام ہونا شرط ہے (۲) مسجد کا دروازہ کسی مملوک زمین پر نہ ہو۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ جب اینٹ اور چُونے کی بنی ہوئی عمارت میں ذکرِ حق روک دینے والوں کے حق میں قرآن نے یہ وعید اور پھٹکار رکھی ہے تو اُس قوم یا شخص کے جُرم کی اہمیت یا عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جو قلوبِ انسانی کو کہ وہ معنوی سجدہ گاہِ حق ہیں، ذکرِ حق سے روکے۔ اسلامی تعلیم کی روک تھام میں سعی کرنا، اشاعتِ مذہبِ حق میں روڑے اٹکانا، سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ۴۰۸ فقہاء نے کہا ہے کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے منوعات و بدعات کے ارتکاب سے مسجد کی بربادی بھی سمجھی جائیگی۔ نیز وہ تمام امُور جو نمازیوں کی کمی اور مسجد کی ویرانی کے باعث ہوں، آیت کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ۴۰۹ (مسلمانوں کے رُعب و دبدبہ سے) یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف اس حال میں دی جا سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو، اور اس کا داخلہ سرکشانہ نہیں مطیعانہ ہو۔ قرآن مجید میں لفظ مساجد بہ صیغۂ جمع ہے لیکن ایک قول ہے کہ مساجد سے یہاں مراد مسجدِ حرام یا حرم کعبہ ہی ہے۔ المراد بالمساجد المسجد الحرام (معالم عن ابن زید) اور اس شبہ کا کہ لفظ جمع سے مراد واحد کیونکر ہوگی، جواب یہ دیا گیا ہے کہ محاورۂ زبان میں یہ جائز ہے مثلاً اگر کوئی شخص ایک ہی مردِ نیک کو ایذا پہنچائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ نیکوں کو ستانے والا بڑا ظالم ہے۔ کما تقول لمن اٰذی صالحًا واحدًا ومن اظلم ممن اٰذی الصالحین (کشاف) ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں۔ اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے۔ چنانچہ کافروں کو دارالاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں، بجز اس کے مسلمانوں ہی کے شرائط پر ہو۔ اور یہ قول امام ماتریدی کی جانب منسوب ہے (احمدی) مراد اگر مسجدِ حرام لی جائے تو قانونی و تشریعی حیثیت سے قطع نظر، واقعاتی رنگ میں بات بالکل صحیح نظر آئیگی۔ چنانچہ مسجدِ حرام اس وقت سے آج تک بحمد اللہ! مسلمانوں ہی کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ مساجد اللہ کی ترکیب سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ جو جگہ عبادت کے لئے مخصوص کر دی جائے اور اس کیلئے اذنِ عام دیدیا جائے وہ شخصی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے البتہ اگر کسی نے اپنے گھر کا کوئی حصہ عبادت کیلئے مخصوص کر لیا، اور اس کیلئے اذنِ عام نہیں رکھا تو اس پر مسجد کا اطلاق ہی نہ ہوگا اور وہ اس شخص کی ذاتی مِلک باقی رہیگی (ابن عربی) ۴۱۰ عذابِ آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہوگا۔ باقی دنیا میں ان لوگوں کی ذلت و رسوائی کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہو گیا۔ یہود، مشرکین، منافقین، سارے اعدائے اسلام جزیرۂ عرب میں اور اس کی سرحدوں میں دیکھتے دیکھتے نیست و نابود ہو کر رہے اور قرآن مجید کی پیشگوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ ۴۱۱ (بہ حیثیتِ مخلوق و بہ حیثیتِ مملوک بھی) یعنی انھما لہ ملکًا وخلقًا (ابن جریر) للہ میں لام اختصاص کا ہے۔ نحو میں لام جارہ کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک لام اختصاص بھی ہے یعنی مشرق و مغرب سب اُسی کے ہیں۔ اللام لام الاختصاص ای ھو خالقھما ومالکھما (کبیر) اُمتِ محمدی جواب ساری دُنیا کیلئے اُمتِ عادلہ بنا کر بھیجی جا رہی تھی، لازمی تھا کہ اس کی مرکزیت و یکجہتی کیلئے ایک قبلہ بھی ہو۔ اور وہ قبلہ اب خانۂ کعبہ مقرر ہو رہا تھا، اہلِ کتاب نے اس پر اعتراضات شروع کئے۔ یہ نقلِ اعتراض و جوابِ اعتراض کی تمہید ہے۔ المشرق والمغرب۔ دونوں سمتیں اور نہیں دو پر کیا موقوف ہے، ہر سمت اور ہر جہت اللہ تعالیٰ کیلئے یکساں ہے۔ وہ سب کا یکساں خالق ہے، حاکم ہے، مالک ہے کسی خاص سمت میں کوئی بھی خاص تقدیس کوئی شائبۂ الوہیت، کوئی شانِ حق نمائی موجود نہیں، مذاہبِ جاہلی کی تاریخ انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشترک گمراہی مشرک قوموں میں یہ رہی ہے کہ خدا چونکہ متمکن ہے لوا مجسم ہے، اسلئے لازمی ہے کہ اس کی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو اور اس تلبس کی بنا پر خود وہ سمت یا جہت متبرک ہے، مصری، ہندی، رُومی تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کر کے خود اسی جہت کو مقدس بنا لیا ہے اور چونکہ سُورج دیوتا کا مرتبہ مذاہبِ شرکیہ میں عموماً اہم و مقدم رہا، اس لئے شاہِ خاور کے طفیل میں سمتِ مشرق ہی عموماً معظم سمجھی گئی اور دُنیا کے اکثر علاقوں میں پجتی رہی ـــــ مسلمان جس کی آنکھیں ہی توحید کے آغوش میں کھلی ہیں، اس کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ سمت و جہت جیسی خیالی چیز بھی قوموں کی معبود ہو سکتی ہے۔ مشرکوں ہی کے اثر سے یہ سمت پرستی کا شرک اہلِ کتاب میں بھی سرایت کر گیا۔ اور مسیحی مذہب چونکہ عقائد و عبادات دونوں میں اپنے وقت کے رائج و شائع رُومی مذہب ہی کا ثنی یا پرتو ہے، اسلئے وہ تو کھلم کھلا مشرق پرستی میں مبتلا ہو گیا! یہود جنہیں اپنی توحید پر ناز تھا وہ بھی تمام تر محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ اُن کے بعض فرقے۔ ـ تو پُوری طرح اس صف میں آگئے۔ بعض قوموں نے مشرق کے جوڑ پر مغرب کے تقدس کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مشرق اگر خطۂ حیات ہونے کی بنا پر مقدس ہے تو مغرب بھی خطۂ موت و دیارِ ہلاکت ہے شاہِ خاور طلوع اگر ادھر سے ہوتا ہے تو روزانہ غروب اور فنا تو ادھر ہی ہوتا ہے۔ پھر اس کے تقدس کا بھی کیوں نہ قائل ہو لیا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں سمتیں خوب پجتی رہیں، مشرق زیادہ اور مغرب اس سے کچھ کم۔ اصل انگریزی حوالوں کیلئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ دُنیا کی دُنیا اس سمت پرستی کے شرک، مشرق پرستی اور مغرب پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی کہ توحیدِ قرآنی نے ساری دنیا کے عقائد کو چیلنج کر کے اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگا کے ایک عالم کو چونکا دیا۔ قدیم مذاہب یہ آواز سُن کر بھونچکے سے رہ گئے۔ ۴۱۲ (دُعا کیلئے، نماز کیلئے، یا کسی عبادت کی بھی غرض سے، اے مسلمانو!) خطاب اس اُمت سے ہو رہا ہے جس کا کام ہی دنیا میں خدائے واحد کی پرستاری تھی اور شرک اور ہر شائبۂ شرک سے بیزاری۔ ۴۱۳ یعنی وہ خدائے واحد جو ہر مکان، ہر ظرف کی قید سے پاک، ہر سمت و جہت سے منزہ ہے۔ اسکی ذاتِ پاک کی تجلیات ہر طرف میں، سب کہیں ہیں، جدھر بھی رُخ کروگے جلوہ اسی کا پاؤگے۔ اسکی تجلیات کو کسی خاص جہت کے ساتھ محدود و مخصوص کر لینا عین جہل ہے۔ وجہ۔ لفظی معنی چہرے کے ہیں، ثانوی معنی ذات کے ہیں۔ وجہ اللہ کی ترکیب جب آئیگی مراد ذات ہی سے ہوگی، اور وہی یہاں بھی مراد ہے۔ ربما عبر عن الذات بالوجہ (راغب) فثم ذاتہ (بیضاوی) قیل الوجہ بمعنی الذات جعل ھنا کنایۃ عن علمہ واطلاعہ بما یفعل ھناک (روح)۔ آیت میں پُوری تردید آگئی عقیدۂ تجسیم کی جس کیلئے انگریزی میں ایک لمبا سا نام Anthropomorphism ہے ہمارے اکابر نے بھی آیت کو اسی معنی میں لیا ہے۔ الاٰیۃ من اقوی الدلائل علی نفی التجسیم واثبات التنزیہ (کبیر) ھذا یدل علی نفی الجھۃ والمکان عنہ تعالیٰ لاستحالۃ ذٰلک علیہ (ابن عربی) مسیحیوں کے ہاں آج تک ایک مذہبی اصطلاح Orientation شرق روی کی چلی آرہی ہے اور گرجے وغیرہ شرق رویہ ہی بنائے جاتے ہیں۔ فثم وجہ اللہ۔ بعض صُوفیہ نے کہا ہے کہ ہم بھی اسی طرح کائنات میں جس چیز پر بھی نظر ڈالتے ہیں انوارِ حق ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ ۴۱۴ وہ تو خود ہی بے پایاں وسعتوں والا ہے، بڑی سی بڑی وسعت خود اس کے اندر شامل۔ اسے بھلا کون اپنے اندر لے سکتا ہے؟ اسکی سمائی کس بڑے سے بڑے ظرف و مکان میں ہو سکتی ہے؟ ہر سمت اور ہر جہت تو خود ہی اس کی مخلوق ہے، مملوک ہے۔ وہ لامحدود بھلا کسی محدود سمت و جہت میں گھر سکتا ہے۔ واسع باحاطتہ بالاشیاء (بیضاوی) ۴۱۵ وہ اپنے اس علمِ کامل اور حکمتِ بالغہ کے لحاظ سے جو قبلہ چاہے مقرر کر دے۔ اس کے مصالح و حکم کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ وہ وحدتِ اُمت کیلئے تعینِ قبلہ جب کریگا مناسب ہی کرے گا۔ اس میں کسی جہت کی قدوسیت کو اصلاً دخل نہیں۔ ۴۱۶ یہ کہنے والے کون تھے؟ مراد بہت سے اہلِ باطل لئے جا سکتے ہیں لیکن خاص طور پر اشارہ اس گڑھے ہوئے مذہبِ تثلیث کی جانب ہے جس کا نام ایک پیغمبرِ برحق کی جانب منسوب کر کے مسیحیت رکھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اسکے عقائدِ باطلہ سے (نعوذ باللہ) حضرت مسیح کو کوئی نسبت نہیں۔ اتخذ ولدًا کا صحیح ترجمہ ہے "لے رکھا ہے ایک بیٹا" بعینہ "رکھا ہے ایک بیٹا" یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل ہو رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے۔ بلکہ یہ کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ اتخاذ ولد کا

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ
اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا مگر ہاں وہی جو یہودی یا
نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ
نصرانی ہوں ۳۹۶ یہ اُن کی (نری) آرزوئیں ہیں ۳۹۷ آپ کہدیجیے کہ اپنی سند لاؤ اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ
تم سچے ہو ۳۹۸ ہاں البتہ ۳۹۹ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے
مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
اور وہ مخلص بھی ہو ۴۰۰ تو ایسے کے لئے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں
۱۳ ع ۱۴
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى
پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہونگے ۴۰۱ اور یہود کہتے ہیں کہ نصارٰی کسی بنیاد
عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى
پر نہیں ۴۰۲ اور نصارٰی کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر
شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ
نہیں ۴۰۳ درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب آسمانی پڑھتے ہیں ۴۰۴ اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ
لگے انھیں کا سا قول جو (کچھ بھی) علم نہیں رکھتے ۴۰۵ سو اللہ اُن کے درمیان
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
قیامت کے دن اس باب میں فیصلہ کردیگا جس میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں ۴۰۶

واقعہ کی بنا پر عموماً مفسرین نے یہاں اہلِ کتاب سے مراد یہود یا احبارِ یہود لی ہے۔ لیکن لفظِ قرآنی عام ہے اور یہود و نصارٰی دونوں اسکے عموم میں یکساں داخل ہیں۔ مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبتہً ہلکا اور مخفی پروپگنڈا عقائدِ اسلام کے خلاف سیاسی، معاشرتی، تاریخی، جغرافی تحریروں کے ذریعہ سے اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے، وہ سب اسی کے مظاہر ہیں۔ غایت ان ساری سرگرمیوں اور کوششوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان اگر یہودیت و مسیحیت کو نہ بھی قبول کریں جب بھی کم از کم اپنے دین کی طرف سے تو ضرور بدگمان و برگشتہ ہو کر رہیں۔ ۳۸۸ یعنی یہ کوششیں اور سرگرمیاں بھی اخلاص و ہوا خواہی کی راہ سے نہیں۔ رشک و حسد سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہود کا حسد تو خود اپنے پیغمبر و ہادی تک سے رہا ہے اور اس پر خود عہدِ عتیق ناطق ہے:۔ "انہوں نے خیمہ گاہ میں موسٰی کے برادر و خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا" (زبور۔ ۱۰۶ : ۱۶) اور عہدِ جدید کی شہادتیں بھی حسد کے باب میں کچھ کم واضح و صریح نہیں:۔ "یہودیوں نے حسد میں آکر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا اور بھیڑ لگا کر شہر میں فساد کرنے لگے"۔ (اعمال ۱۷ : ۵) "یہودی اتنی بھیڑ دیکھ کر حسد میں بھر گئے"۔ (اعمال ۱۳ : ۴۵) ۳۸۹ یعنی اہلِ کتاب کے اس انکار و مخالفت کی بنیاد کوئی اشتباہ یا مغالطہ عقلی نہیں محض ضد اور عناد اور استکبار ہے۔ وضوحِ حق ان پر پُوری طرح ہوچکا ہے ۳۹۰ (سرِ دست اے مسلمانو! ان سے کسی طرح کا انتقام نہ لو) یہود کی مفویانہ کوششوں پر مسلمانوں کا اشتعال ایک امرِ طبعی تھا۔ ان کو ہدایت ہورہی ہے کہ سرِ دست عفو و درگزر ہی سے کام لیتے رہو اور انتقامی تعزیری کارروائیاں فوراً ہی نہ شروع کر بیٹھو۔ ۳۹۱ (جہاد و قتال کے لئے) اکثر صحابہ و تابعین سے حکم کی تفسیر حکمِ جہاد و قتال کے ساتھ منقول ہے۔ انہ الامر بالقتال وھو قول اکثر الصحابۃ (کبیر) الذی ھو الاذن فی قتالھم (بیضاوی) المراد بہ الامر بالقتال (روح) حکمِ قتال اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا آیت سے صاف اشارہ اس طرف نکل آیا کہ عنقریب ہونے والا ہے۔ ۳۹۲ (پس ایسے قادرِ مطلق کیلئے کیا مشکل ہے کہ سرکش اور زور آور کافروں سے پُورا بدلہ لے لے اور ان کا زور توڑ دے۔ اور مظلوم مغلوب مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے مظفر و منصور، حاکم و غالب بنا دے) ۳۹۳ (اس درمیان میں اے مسلمانو) مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جہاد کے احکام دوسرے ہیں جب تک وہ نافذ نہ ہوں انکے انتظار میں عام احکامِ اسلامی کی پابندی میں غفلت و تساہل کو راہ نہ دو۔ یہ مالی اور بدنی عبادتیں تو ہر حال و صورت میں واجب العمل ہیں۔ ۳۹۴ نیکی کچھ جہاد و قتال ہی پر موقوف نہیں۔ اعمالِ صالحہ جو کچھ بھی میسّر آجائیں سب یکساں مقبولیت رکھتے ہیں۔ برابر انہیں میں لگے رہو۔ لانفسکم۔ حذفِ مضاف ہے یعنی اپنے نفع اپنی نجات و مغفرت کے واسطے وھو علی حذف مضاف ای لنجاۃ انفسکم (بحر) تجدوہ۔ اسے پالوگے، یعنی اسکے اجر و ثواب کو پالوگے۔ یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ وہ عمل موجود ملے گا۔ تجدوہ ای ثوابہ (بیضاوی) المراد وجدان ثوابہ وجزائہ (کبیر) ۳۹۵ (سو اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی نیکی ضائع جائیگی، اجر ہر نیکی کا پُورا پُورا ملے گا) ۳۹۶ یہ کہنے والے یہود و نصارٰی تھے۔ قرآن مجید نے انہیں کی ترجمانی کی ہے۔ یہود کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آرہا ہے کہ نجات انہیں کی قوم اور وابستگانِ قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ انجیل میں بھی ان کا یہ مقولہ نقل ہوا ہے کہ:۔ "نجات یہود میں ہے" (یوحنا۔ ۴ : ۲۲) یہود و نصارٰی دونوں کے ہاں کے مزید حوالوں کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ ظہورِ اسلام کے وقت یہود و نصارٰی کا کہنا یہ تھا کہ اس نئے دین کے قبول کرنے کی ضرورت کیا، نجات تو ہمارے دینوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ۳۹۷ (جو کبھی پوری ہونے والی نہیں اور جن کی تائید میں نہ کوئی دلیل معقول ہے اور نہ سند منقول) محض بزرگ زادگی اور نسلی و نسبی شرافت جب پیغمبروں کی اولاد کے کام نہ آسکی تو ہمارے زمانہ کے پیرزادوں اور مشائخ زادوں کا اپنے شرفِ نسلی پر قناعت کئے رہنا کس درجہ بے عقلی ہے۔ امنیۃ واحد ہے امانی کا مَنٰی سے مشتق۔ اضحوکہ اور اعجوبہ کے وزن پر۔ ۳۹۸ (اپنے اس دعوٰی میں کہ نجات یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ وابستہ ہے) پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت ہوتی ہے کہ اہلِ کتاب سے کہئے کہ خالی زبانی دعووں اور خالی آرزوؤں سے کیا ہوتا ہے، اگر حقانیت کے مدعی ہو تو اپنی تائید میں کوئی دلیل عقلی یا نقلی لاؤ۔ ۳۹۹ یعنی نجات کا صحیح قانون یہ ہے جواب بیان ہورہا ہے۔ بلٰی۔ اپنے ماسبق کی نفی و تردید کے لئے ہے۔ یعنی تمہارا دعوٰی غلط محض ہے۔ صحیح قاعدہ یہ ہے جو آگے آرہا ہے۔ ۴۰۰ (اپنے اس ایمان و اعتقاد میں) یعنی اس کا عمل بھی اسکے عقیدۂ توحید کے مطابق ہو۔ گویا ایمان و حسنِ عمل دونوں جمع ہوں۔ وجہ کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد ذات سے یا عین شے سے ہوتی ہے اور وہی یہاں مراد ہے ربما عبّر عن الذات بالوجہ (راغب) فالوجہ اما مستعار للذات واما مجاز عن القصد (روح) اسلم وجھہ للّٰہ یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہوجائے بلا آمیزشِ شرک۔ ای اخلص نفسہ لہ لایشرک بہ غیرہ (کشاف) لم یقصد سواہ (روح) ۴۰۱ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن و غم ماضی کے واقعات پر ہوتا ہے۔ ذکر قیامت کا ہے کہ اس روز اہلِ ایمان نہ اپنے ماضی پر حسرت و تأسف کرینگے، نہ آیندہ کیلئے دہشت زدہ ہونگے۔ ۴۰۲ یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ یہودی قوم عقیدۂ بہر حال موحد تھی۔ نصرانیت کا شرک اور الوہیت کی تثلیث وہ برداشت ہی نہ کرسکتی تھی اور نہ اسکی قائل ہوسکتی تھی کہ ایسے گرے ہوئے دین میں کچھ بھی صداقت ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ۴۰۳ یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ شریعتِ موسوی سے متعلق موجودہ انجیلوں میں تذکرہ الفاظ ذیل میں ملتا ہے:۔ "آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے"۔ (گلتیون ۲ : ۱۶) "شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہرے گا" (ایضاً ۲ : ۱۷) "راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا" (ایضاً ۲ : ۲۰) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ (اصطلاحِ انجیل میں مطلق شریعت سے مراد شریعتِ موسوی ہی ہوتی ہے) ۴۰۴ الکتٰب۔ یعنی مجموعۂ صحائف انبیاءِ بنی اسرائیل اسی کو آج عہد نامۂ عتیق کہتے ہیں۔ یہود و مسیحی دونوں ان صحیفوں کے الہامی اور مقدس ہونے کے قائل ہیں۔ وَھُمۡ میں و حالیہ ہے عطف کیلئے نہیں۔ الواو للحال (کشاف) افسوس ہے کہ انہیں گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی باوجود اپنی مشترک کتاب قرآن کے گروہ در گروہ ہو کر ایک دوسرے کی تحقیر بلکہ تفسیق و تضلیل شروع کردی۔ اور نوبت تکفیر کی آجاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ شافعیہ حنفیہ کو ذلیل سمجھنے لگے اور اشعریہ اور ماتریدیہ کے نزدیک ہدایت انہیں کے اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہوکر رہ گئی ہے۔ ۴۰۵ (وحی اور نبوت کا) وہ کہنے لگے کہ اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔ علم سے آیت میں مراد کتاب آسمانی کا علم ہے۔ یہ کہنے والے کون تھے عموماً ان سے مراد مشرکین عرب لئے گئے ہیں اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جس کی بنیاد کسی کتاب آسمانی پر نہ ہو یعنی ہر دینِ جاہلی کے پیرو اسکے تحت میں آجاتے ہیں۔ عنی بذلک مشرکی العرب لانھم لم یکونوا اھل الکتب ونفی عنھم من اجل ذلک العلم (ابن جریر) ای الذین لا علم عندھم ولا کتاب کعبدۃ الاصنام والمعطلۃ ونحوھم (کشاف) وھم مشرکوا العرب فی قول الجمھور (روح) قرآن مجید نے علم اور اسکے مختلف صیغوں یعلمون وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علمِ حقیقی، علمِ وحی و نبوت ہی کے معنی میں کیا ہے۔ ان آیتوں سے آج کل کے رواجی "علوم و فنون" اور اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی "تعلیم" پر استدلال کرنا کس قدر شدید ظلم قرآن مجید اور فہمِ سلیم دونوں پر ہے۔ ۴۰۶ فیصلہ سے عملی حِسّی فیصلہ مراد ہے۔ ورنہ جہاں تک دلائل و شواہد کا تعلق ہے حق و باطل، کفر و ایمان کے درمیان یقینی فیصلہ تو اس دنیا میں بھی موجود ہے۔ بینھم سے مراد ہے ایک فریق اہلِ حق و ایمان کا، اور دوسرا گروہ اہلِ باطل و کفر کا۔ یقضی بین المحق والمبطل (معالم) یحکم بین المحق والمبطل (کبیر)

سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ
(اسکے) قبل موسیٰؑ سے سوال کئے جاچکے ۳۸۵ اور جو کوئی ایمان کے بدلہ میں

بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ
کفر اختیار کرلیگا ۳۸۶ سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا بہت سے

كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد پھر سے

اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ
کافر بنالیں ۳۸۷ حسد کی راہ سے جو اُن کے نفسوں میں ہے ۳۸۸ (اور یہ بھی)

بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا
بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہوچکا ۳۸۹ سو معاف کرتے رہو ۳۹۰ تا آنکہ

حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
اللہ اپنا حکم بھیج دے ۳۹۱ یقیناً اللہ ہر چیز پر

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ
قادر ہے ۳۹۲ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو ۳۹۳

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ
اور جو کچھ بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیجدو گے اُسے اللہ کے پاس

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾
پالو گے ۳۹۴ یقیناً تم جو کچھ کررہے ہو اللہ اُس کا خوب دیکھنے والا ہے ۳۹۵

مطلب یہ ہے کہ کافروں کو تو چاہے وہ اہلِ کتاب ہوں یا مشرک، یہ کسی طرح گوارا ہی نہیں، بلکہ دل سے شاق گزر رہا ہے کہ خیر و رحمت کا نزول مسلمانوں پر ہو۔ الخیر۔ خیر سے مراد عموماً وحی و نبوت لی گئی ہے۔ الخیر الوحی (کبیر) فُسِّرَ الخیر بالوحی (بیضاوی) لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے ہر قسم کی فلاحِ دنیوی و اُخروی کا جامع سمجھا جائے اور اسکے تحت میں علم، نصرتِ غیبی، فتوحاتِ ملکی وغیرہ سب کو شامل کرلیا جائے۔ ای بالعلم و بالنصرۃ ولعل المراد بہ مایعم ذٰلک (بیضاوی) ھنا عام فی جمیع انواع الخیر (بحر) عام فی انواع الخیر کلھا (روح) ۳۷۷ (اپنے قانونِ حکمت و مصالحِ تکوینی کے ماتحت) یہود کو اصل حسد اس کا تھا کہ نعمتِ نبوت کے حقدار تو ہم ہیں یعنی اولادِ اسرائیل۔ یہ اہلِ عرب کو کہ بنی اسماعیل ہیں، یہ دولتِ نبوت کہاں سے مل جاتی ہے اور کیسے مل سکتی ہے؟ اور اھل الکتٰب سے اشارہ زیادہ تر انھیں کی طرف ہے، اور الحمدللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین نے بھی آیت کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ بعث الانبیاء من ولد اسحاق فلما بعث النبی صلعم من ولد اسمٰعیل، لم یقع ذٰلک بودّ الیھود (معالم) ۳۷۸ (وہ جس فرد، جس نسل، جس جماعت کو چاہے اپنے فضل و کرم سے نوازدے) اور اب اگر کسی قوم یا نسل کو محروم کیا جارہا ہے تو اسکی بنا یہ نہیں کہ ادھر سے فضل و کرم میں کچھ کمی ہوگئی ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ خود اس قوم نے اپنی مسلسل نالائق روش سے اپنے کو اس فضل و کرم کا نااہل ثابت کردیا۔ اور اب اسے اس نعمت سے نوازے جانا آئینِ حکمت کے منافی ہے ۳۷۹ (لوگوں کے دماغ یا حافظہ سے) انساء ھا ای حذف ذکرھا عن القلوب (راغب) انسآء اٰیۃ ای اذھابھا عن القلوب (بیضاوی) اٰیۃ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا اطلاق آیتِ مکتوبی پر بھی ہوتا ہے اور نشان، دلیل، معجزہ پر بھی۔ یہاں مراد اگر دلائل و معجزات سے لی جائے جب تو آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کے بجائے دوسرا نشان حقانیتِ قرآن کا وجود میں اب بھی آتا ہی رہتا ہے۔ اور زمانۂ نزولِ قرآن میں تو خارقِ عادت نشانوں کی بھی کمی نہ تھی۔ البتہ اگر آیت مکتوبی ہی مراد لی جائے جب بھی دو شقیں ممکن ہیں۔ آیتیں یا قرآن مجید کی ہوں یا کتب سابق کی۔ اگر کتبِ سابق کی آیتیں مراد ہیں جیسا کہ ابومسلم اصفہانی کا مذہب ہے، جب بھی بحث آگے نہیں بڑھتی۔ پرانی کتابوں کی آیتوں کا قرآنی آیتوں سے منسوخ ہونا تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس میں نہ کوئی اختلاف ہے، نہ نزاع، اب اگر آیاتِ قرآنی ہی مراد ہوں جیسا کہ جمہور مفسرین کا خیال ہے تو سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نسخ سے مفہوم کیا ہے؟ نسخ سے مراد کسی نے آج تک یہ تو لی نہیں کہ فلاں عقیدہ کسی زمانہ میں واجب تھا اب وہ منافیٔ ایمان قرار پایا۔ یا جھوٹ، چوری، زنا، قتل پہلے حرام تھے پھر حلال قرار پاگئے یا فلاں حکایت پہلے جس طرح قرآن میں بیان ہوئی تھی بعد کو اسکی تردید ہوگئی۔ غرض نسخ کی گنجائش کا عقائد میں، کلیاتِ اخلاق میں، امورِ حسی میں، قصصِ گزشتہ اور حکایاتِ ماضی میں، اخبارِ غیب میں یعنی قرآن مجید کے بیشتر حصہ میں تو کوئی بھی قائل نہیں۔ نسخ کی گنجائش جو کچھ بھی ہے لے دے کے بابِ احکام میں ہے اور احکام کی مثال طبیب کے نسخے کی ہے۔ طبیب کی تشخیص اپنی جگہ پر بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور پھر موسم اور آب و ہوا میں بھی فرق ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی حاذق سے حاذق طبیب بھی اپنے نسخہ کے اجزا میں ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق ترمیم کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ قرآن کے بعض احکام قانون کے نسخ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خود قانون ساز و قانون آفریں کے قلم سے عین وضعِ قانون کے دوران میں بعض قانون جو عارضی و ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں بدل دیئے گئے اور ان کی جگہ مستقل و دوامی قوانین نے لے لی۔ انسان کے دانت اور جبڑے مستقل طور پر غذاؤں کے چبانے، پیسنے، چرنے، کاٹنے اور پھاڑنے ہی کے کام کے لئے ہیں۔ لیکن ابتدائی شیرخوارگی میں دانت نکلنے سے قبل دوسری قسم کی شربی یا نیم شربی غذائیں اسکے لئے موزوں ہیں، اس موٹی اور سیدھی سی بات میں خدا معلوم اتنا گھبرانے کا کونسا پہلو ہے جو آج بعض مفسرین جدید خود مسئلۂ نسخ ہی سے انکار پر تُل گئے ہیں۔ یہ بھی خوب واضح رہے کہ یہ نسخ جو کچھ بھی ہوگا محض علمِ بشری ناقص و محدود کے اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ علمِ الٰہی میں تو ہر حکم ازل سے وقتِ معین کیلئے مقرر و ثابت ہی ہے۔ جمہور کا مذہب اسی وقوعِ نسخ کا ہے۔ گو ایک گروہ عدمِ نسخ کا بھی قائل رہا ہے۔ ویروی عن بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمھور من المسلمین علیٰ جواز النسخ ووقوعہ (کبیر) اور فقیہ جصاص نے ایک غیر فقیہ کا قول بھی اس معنی میں نقل کیا ہے کہ شریعتِ محمدی کے اندر کوئی نسخ نہیں، ناسخ خود یہ شریعت ساری سابق شریعتوں کی ہے۔ زعم بعض المتأخرین من غیر اھل الفقہ انہ لا نسخ فی شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان جمیع ما ذکر فیھا من النسخ فانما المراد بہ نسخ شرائع الانبیاء المتقدمین (احکام القرآن) اور نسخ کے معنی شریعت میں ازالہ یا تبدیلی کے ہیں بھی نہیں۔ اصلی مغالطہ یہیں سے شروع ہوتا ہے کہ نسخ کو اُردو کی منسوخی کے مرادف سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصطلاحِ شریعت میں نسخ کے معنی کسی مطلق و غیر مقید حکم کو صرف محدود و مقید کردینے کے ہیں۔ وتفسیر النسخ لغۃً التبدیل وشریعۃً بیان انتھاء الحکم الشرعی المطلق الذی تقرر فی اوھامنا استمرارہ بطریق التراخی فکان تبدیلاً فی حقنا بیاناً محضاً فی حق صاحب الشرع (مدارک) ۳۸۰ (یعنی وقت و موسم، بدلے ہوئے حالات کے زیادہ مطابق) ای بما ھو انفع لکم واسھل علیکم (معالم) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو حال یا وارد، بلا اختیارِ عبد زائل یا مغلوب ہوجائے حق تعالیٰ اس سے بہتر یا اس کے مثل ہی دوسرا عطا کردیتا ہے۔ سو اس پر افسوس و حسرت نہ کرنا چاہیئے۔ ۳۸۱ (سو ایسے قادرِ مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ احوال و مصالح کی رعایت برابر کرتا رہے) خطاب یہاں معترض، معاند، منکرِ نسخ سے ہے۔ قیل لمنکر النسخ (روح) اور بعض نے مطلق سامع کو مخاطب قرار دیا ہے۔ والاولیٰ ان یکون المخاطب السامع (بحر) ۳۸۲ (اور اسی کو ہر طرح کا اختیارِ کامل و تصرفِ مطلق حاصل ہے) خطاب یہاں عام ہے ہر سامع اور مخاطب کے لئے۔ اور امر کا مفہوم ایجابی ہے یعنی اے مخاطب تجھے خوب معلوم ہے معناہ الایجاب ای قد علمت ایھا المخاطب (بحر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسولؐ اور پھر آپ کے واسطہ سے امت سے ہے۔ الخطاب للنبی والمراد ھو وامتہ (بیضاوی) ۳۸۳ (اے بنی آدم) آیت بجائے خود ایک درسِ توحیدِ کامل کا ہے۔ ملک، ولایت، نصرت سب اللہ ہی کیلئے مخصوص ہے۔ ۳۸۴ (از راہِ عناد و اعتراض) مخاطب یہاں غالباً یہود ہیں۔ نزلت فی الیھود (معالم) اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں لیکن ترجیح اسی قول کو ہے۔ اختلفوا فی المخاطب بہ علیٰ ثلٰثۃ احدھا انھم المسلمون والقول الثانی انہ خطاب لاھل مکۃ والقول الثالث المراد الیھود وھٰذا القول اصح (کبیر) ورجح انھم الیھود (بحر) رسولکم سے مراد اس صورت میں رسولِ وقت سے ہوگی۔ تمہارے زمانہ کے رسولؐ سے۔ لیکن مسلمان ہی اگر مخاطب سمجھے جائیں تو یہ بھی تہدیداً جائز ہوگا۔ ام یہاں ہمزہ کا مرادف اور سوالیہ نہیں منقطعہ ہے۔ بل کا مرادف ام ای بل (جلالین) ام منقطعۃ التقدیر بل تریدون (مدارک) ام ھھنا منقطعۃ والتقدیر بل تریدون (عسکری) فیھا الاضراب والانتقال عن جملۃ علی العمل بموجب علمھم (ابوسعود) ۳۸۵ سوال اگر کسی مسئلہ کی سنجیدہ تحقیق و دریافت کیلئے ہوں تو باعثِ رحمت ہیں۔ لیکن جب ضد اور نفسانیت اور شرارت سے ہوں اور اعتراض محض اعتراض کی غرض سے ہو تو وہی ایک لعنت بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے جیسے جیسے گستاخانہ سوالات اور بیہودہ فرمائشوں کی بھرمار بنی اسرائیل کرتے رہے، ان کے تذکرہ سے تاریخ اسرائیل اور خود بائبل کے صفحات لبریز ہیں، قرآن کا اسکو اتنی کھلی ہوئی تلمیح کے طور پر لے آنا بجائے خود اسکی دلیل ہے کہ قرآن بھیجنے والا اس سے خوب واقف تھا۔ اور یہ کلام عرب کے ایک اَن پڑھ انسان کی تصنیف ہو نہیں سکتا۔ ۳۸۶ (جس کی ایک شکل یہی رسولؐ سے معاندانہ اور گستاخانہ سوال و جواب ہے) یبدل الکفر بالایمان کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایمان کے بدلہ اور مقابلہ میں راہِ کفر کو اختیار کیا۔ من یتبدل الکفر ای یختارہ ویأخذہ لنفسہ (ابوسعود) بالایمان ای بمقابلتہ بدلا منہ (ابوسعود) سیاق میں ذکر یہود کا ہے اس لئے انہیں کے ایک نبی کے صحیفہ کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ "سنو اے آسمانو! اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا پھر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ آہ خطا کار گروہ، ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے۔ بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ انہوں نے خداوند کو ترک کیا۔ اسرائیل کے خدا ہی کو حقیر جانا۔ اس سے بالکل پھر گئے" (یسعیاہ ۱: ۲-۴) ۳۸۷ (اے ایمان والو! شانِ نزول کے یک مخصوص

توضیحًا اور گویا بالکل لپیٹ میں ایک بات کہہ دی۔ اب دیکھئے بیسویں صدی کے علمائے یہود اور محققین اسرائیلی اپنے اسلاف کے مشغلۂ سحر و ساحری کی نوعیت سے متعلق کیا شہادت دیتے ہیں:۔ "سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اُس نقش کی تھی جو عشق و محبت کیلئے دیا جاتا تھا۔ خاص کردہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کیلئے لکھا جاتا تھا۔ اس قسم کے سحر کی ماہر عورتیں ہی زیادہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ذکر بھی سحر اور حرامکاری کا عمومًا ساتھ ہی ساتھ آیا ہے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۸ صفحہ ۲۵۵) ۳۶۵ یعنی بجز مشیتِ تکوینی کے۔ اسلام نے شرک کی جڑ جس جس طرح کاٹی ہے، اسکے لحاظ سے یہ صراحت ضروری بھی تھی۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ کہیں مؤثر حقیقی ان عملیاتِ سحریہ کو، اس منتر جنتر کو، ان ٹونے ٹوٹکوں کو ہرگز نہ سمجھ لینا۔ ان میں تو تُوت ذرا سی بھی نہ تھی۔ مؤثر و فاعلِ حقیقی جس طرح ہر حال میں ہماری مشیت، صرف ہماری تجلّی ارادی تکوینی رہتی ہے۔ اس موقع پر بھی صرف وہی رہی۔ اذن اللّٰہ کے معنی یہاں تقدیرِ الٰہی، مشیتِ تکوینی، قضا و قدر کے ہیں۔ معناہ الابقضائہ وقدرتہ ومشیتہ (معالم عن سفیان ثوری) ای بعلمہ تکوینیۃ فالساحر یسحر واللہ یکون (معالم) ای بعلمہ ومشیتہ (مدارک) یعنی بحکمہ وقضائہ لا بامرہ (ابن عربی) بس اتنا یاد رہے کہ اللہ کی قدرت، مشیت، حکمتِ تکوینی ہرگز ہرگز اللہ کے حکم یا رضا کے مرادف نہیں ——— زہر کے اثر سے بے گناہوں کی ہلاکت، کافروں کے ہاتھوں اولیاء و انبیاء کی اہانت و اذیت، مشرکوں کا مسلمانوں پر غلبہ و تسلط، جس قانونِ حکمتِ تکوینی کے مطابق یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، اسی کے ماتحت سحر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے اور رضائے الٰہی سے بُعد جس قدر غلبۂ کفر وغیرہ کو ہے، اسی قدر تاثیرِ سحر کو۔ ہر ہر ارادۂ الٰہی کے اندر کتنی کتنی تکوینی حکمتیں اور کائناتی مصلحتیں ہوتی ہیں، اس کا علم بھی بجز اسی دانا و بینا، علیم و خبیر کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ ۳۶۶ (جیسا کہ ہر معصیت کا قاعدہ ہے کہ اسکی تحصیل مضر اور غیر مفید ہی ہوا کرتی ہے) یعنی یہ بدبخت یہود اپنا وقت اور اپنی توتیں کیسی ضائع کر رہے ہیں، ان علوم و فنون کی تحصیل میں جو ان کے حق میں نافع تو ذرا سے بھی نہیں اور مضر ہی ہیں۔ ضمنًا اس سے علومِ سحریہ کے سیکھنے کی ممانعت بھی نکل آئی، جیسے ان علومِ عقلیہ و فلسفیہ سے جو گمراہی کی طرف لے جائیں۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا
جو لوگ کافر ہیں (خواہ) اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکین
الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ
میں سے ۳۷۵ وہ اسے (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے
رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ
پروردگار کی طرف سے اتر کرے ۳۷۶ حالانکہ اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے مخصوص کرلے ۳۷۷ اور وہ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ
بڑے ہی فضل والا ہے ۳۷۸ ہم جس آیت کو منسوخ کردیتے ہیں یا
نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ
بُھلا دیتے ہیں ۳۷۹ تو (کوئی) اس سے بہتر ہی ۳۸۰ یا مثل اس کے لے آتے ہیں۔ کیا تجھے خبر نہیں
أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾ أَلَمْ
کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۳۸۱ کیا تجھے
تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ
خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے ۳۸۲
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾
اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا یار و مددگار نہیں ۳۸۳
أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا
تم تو شاید یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے سوال کر ڈالو ۳۸۴ جیسا کہ

فیہ دلیل علیٰ انہ واجب الاجتناب کتعلم الفلسفۃ التی تجرّ علی الغوایۃ (مدارک) ۳۶۷ (خود اپنے مذہبی نوشتوں کی تصریحات سے) اشارہ عہدِ رسالت کے یہود کی جانب ہے۔ یہ کلام متعلق ہے آیۂ ماقبل لما جاءھم رسول الخ سے۔ یہود عہدِ سلیمانی اور انکی ساحری کا قصہ درمیان میں آگیا تھا۔ اب رجوع پھر اسی پہلے تذکرہ کی جانب ہے یعنی یہود معاصرینِ عہدِ رسول سے تعلق۔ متعلق بقولہ تعالیٰ ولما جاءھم وقصۃ السحر متطردۃ فی البین فالضمیر لاولٰئک الیہود (روح) قرآن نے کس دعویٰ سے کہہ دیا کہ (لَقَدْ عَلِمُوْا) یہ یہود ہی خوب جانتے ہیں کہ سحر و ساحری کیسی گندی چیز ہے۔ یہود کہہ سکتے تھے کہ ہم کہاں جانتے ہیں؟ کس نے ہمیں یہ خبر دی ہے؟ ہمارے مقدس نوشتوں میں کہاں یہ موجود ہے؟ مگر نہ کہہ سکے۔ اس لئے کہ آج کی تحریف شدہ، مسخ شدہ توریت تک میں یہ تصریحات باقی ہیں:۔ "تو جادوگری کو جینے مت دے۔" (خروج۔ ۲۲: ۱۸) "اور جادو نہ کرو، اور ساعتوں پر لحاظ مت کرو۔" (احبار ۱۹: ۲۶) "اور نہ رمّال و ساحر ہو کیونکہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں، خداوند کی نفرت کے باعث ہیں۔" (استثناء۔ ۱۸: ۱۲) ۳۶۸ اشتریٰ کی ضمیر سحر کی طرف ہے۔ ای اختار السحر (معالم) ای استبدل ما تتلوا الشیٰطین بکتاب اللہ واستبدل السحر بدین اللہ (جصاص) یہود کو دعوتِ حق دی جارہی تھی۔ پیام انکے پاس مذہبِ توحید کا پہنچ رہا تھا، اور وہ تھے کہ اُدھر سے غافل و بے پروا، فارغ و غیر متوجہ، اپنے اُنھیں علومِ سحر و کہانت میں لگے ہوئے اور انہیں خرافات کو کمال کے درجہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اشارہ ان کی اسی محرومی و بدنصیبی کی جانب ہے ۳۶۹ "اپنے آپ کو بیچ ڈالا" یعنی اپنی جان کو عذاب و ہلاکت میں ڈالا۔ بئسما شروا بہ۔ وہ بُری چیز کفر و اعمالِ سحریہ ہیں جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ بندوں کے حال پر کمالِ شفقت سے تاسف و حسرت کے لہجہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ دینِ برحق جیسی نعمت سے منہ موڑے ہوئے یہ کفر و سحر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا دوزخ کی خریداری کر چکے ہیں۔ حیث اختاروا السحر والکفر علی الدین الحق (معالم) ۳۷۰ یعنی افسوس کہ اس حد تک بھی انہوں نے اللہ کی دی ہوئی عقلِ سلیم سے کام نہ لیا! ۳۷۱ (اور اپنی موجودہ روشِ کفر و فسق سے تائب ہو جاتے) گنہگار بلکہ سرکش و نافرمان و غدّار بندوں کے حق میں اس قدر تاسف اسی مالکِ حقیقی ہی کا حصہ ہے! کیا حد ہے اس شفقت و کرمِ بے حساب کی! ۳۷۲ (مجمع میں رسول اللہ کو مخاطب و متوجہ کرتے وقت) رسول اللہ صلعم جب مجمع میں قرآن مجید سناتے یا تبلیغ کرتے ہوتے اور لوگ کوئی بات سُن نہ پاتے تو قدرۃً دوبارہ آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے۔ یہود نے ایسے موقع کے لئے ازراہِ شرارت لفظ راعنا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اسکے اصل معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ "ہماری رعایت کیجیے" لیکن راعنا کے "ع" کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اسکے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان اس شرارت سے غافل، بے خبر، خالی الذہن، خود بھی بعض اوقات یہ لفظ بولنے لگتے۔ یہاں انہیں کو یہ ممانعت ہو رہی ہے۔ اُنْظُرْنَا کے معنی ہیں "ہمارے اُوپر نظر کیجیے۔" اور یہ پہلوئے ذم سے خالی ہے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبۂ رسالت کا ادب صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے، ان سے احتیاط لازم ہے۔ وھذا دلیل علیٰ تجنب الالفاظ المحتملۃ التی فیھا التعرض للتنقیص (ابن عربی) بلکہ امام مالکؒ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ فقہاء حنفیہ نے جو اپنی باریک بینی کیلئے سب سے ممتاز ہیں، یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کہ فلاں مقام پر مراد امرِ خیر ہے یا شر، واضع کی نیت کے لحاظ سے ہوگا، تابع کی رائے سے نہیں۔ صحابۂ کرامؓ ظاہر ہے کہ سوءِ ادب کے قصد سے بالکل بری تھے، ممانعت جو کی گئی، وہ یہود کی نیت پر حکم کر کے۔ ۳۷۳ (رسولؐ کے ارشادات، ادب و تعظیم کے ساتھ) حال کے بعض گمراہ فرقوں نے ایمان و اسلام کیلئے رسولؐ کی شخصیت سے بالکل قطع نظر کر کے محض قرآن کی اتباع کو کافی سمجھ لیا ہے، ان کی گمراہی آیت سے ظاہر ہے ۳۷۴ (پیمبرِ برحق کی توہین اور اپنی دنائتِ اخلاق کی پاداش میں) خصوصًا ان کافروں کیلئے جو رسولؐ کے ساتھ شدتِ بغض و عداوت میں اس حد تک پہنچ جائیں، اور عام انسانیت و تہذیب کے بھی حدود کا لحاظ نہ رکھیں ——— ایسے بدتمیز معاندین کی اصلاح کی توقع بھی کیا ہو سکتی تھی۔ ۳۷۵ الذین کفروا۔ کافروں یعنی طریقِ اسلام کے منکروں کی بڑی قسمیں دو ہیں۔ ایک مشرک جو سرے سے توحید، رسالت، ملائکہ و جنّات ہی کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے بجائے عجب عجب تخیلات اور اوہام گڑھ رکھے ہیں۔ دوسرے اہلِ کتاب جو ان بنیادی حقائق پر لفظًا ایمان رکھتے ہیں، لیکن عملًا و معنًا ان میں سے ہر حقیقت کو مسخ کر چکے ہیں۔ یہاں جملہ میں آگے جو خبر نکلے گی، اس کا مبتدا ابھی الذین کفروا ہے۔ مزید صراحت کیلئے اسکی دونوں قسموں کو بھی کھول کر بیان کر دیا جاتا ہے۔ اھل الکتٰب یہ لفظ قرآن مجید میں پہلی بار آیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں یہ لفظ مومنین اور مشرکین کا درمیانی درجہ رکھتا ہے۔ اور اس کا اطلاق یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اصلًا توحید و نبوت و معاد کے قائل تھے، اور آسمانی صحیفے بھی اپنے پاس رکھتے تھے، گو معنوی اور لفظی تحریفات کے لحاظ سے بالکل مسخ شدہ، اور قرآن اور صاحبِ قرآن کے منکر تھے۔ المشرکین۔ مشرک وہ تھے، جو سرے سے توحید و نبوت ہی کے قائل نہ تھے، بجائے ایک خدائے واحد کے مختلف فرشتوں کو مختلف قوتوں کا مستقل مالک و متصرف سمجھتے تھے۔ ان کو دیویوں، دیوتاؤں کے نام سے پکارتے اور انہیں کی پرستش کرتے۔ اور مختلف عناصر اور مظاہرِ فطرت کی بھی الوہیت کے قائل رہتے۔ حیرت اور افسوس ہے کہ انگریزی کے تقریبًا کل مترجمین قرآن اور اردو کے بھی متعدد شارحین نے شاید افراطِ "روشن خیالی" کے اثر سے ترکیبِ عبارت کو بالکل نظر انداز کر کے ترجمہ یوں کر دیا ہے: "اہلِ کتاب میں سے جو کافر ہیں وہ اور مشرکین (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے" حالانکہ یہ ترجمہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو اھل الکتب کا مفہوم ہی کافرِ اہلِ کتاب کا ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اہلِ کتاب کہے ہی کیوں جائیں؟ مومن ہی نہ کہلانے لگیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ ان میں سے جو کافر ہیں، خود ہی بے معنی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر صریح اور قاطع للمشرکین کا اعراب ہے۔ للمشرکین حالتِ جرّی میں ہے۔ اور من حرفِ جار کا مجرور۔ اس کا عطف صریحًا اھل الکتٰب پر ہے۔ اگر الذین کفروا پر ہوتا تو حالتِ رفعی میں ہوتا۔ اور بجائے المشرکین کے المشرکون ہوتا۔ ایک حدیث میں کافروں کی یہ دوگونہ تقسیم اہلِ کتاب و مشرکین میں صراحت کر کے دونوں کے حق میں عذاب کی دعا آئی ہے:۔ اللّٰھم عذب الکفرۃ اھل الکتب والمشرکین الذین یجحدون اٰیاتک ویکذبون رسلک ویصدون عن سبیلک ویتعدون حدودک ویدعون معک الٰھًا اٰخر لا الٰہ الا انت تبارکت وتعالیت عما یقول الظٰلمون علوًا کبیرًا۔ ۳۷۶ (اے مسلمانو!)

مرادف مستعمل ہوا ہے۔ إنّا منزلون علیٰ أهل هٰذه القرية رجزا من السماء (عنکبوت۔ آیت ۳۴) سو جن لوگوں نے نزولِ سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرنا اسکی قدوسیت کے منافی سمجھا وہ خود ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے، کائنات میں تمام اچھا برا، حق و باطل، ایمان و کفر، طاعت و معصیت جو کچھ بھی موجود ہے سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے تو ہوا ہے۔ انزال یہاں اپنے اسی وسیع معنی میں ہے یعنی انہیں یہ بات بتا دی گئی، ان کے دل میں یہ ڈال دیا گیا۔ کوئی اظہارِ شرف و تکریم مقصود نہیں۔ الانزال بمعنی التعلیم والالهام (معالم) الانزال اما علیٰ ظاهره او بمعنی القذف فی قلوبهما (روح) قلنا کل خیر او شر او طاعة او معصية او ایمان او کفر منزل من عند الله تعالیٰ (ابن عربی) انزل لتقذف فی قلوبهما امر النهی عن العمل (مدارک) الانزال بمعنی الخلق لا بمعنی الایحاء (ابن کثیر) الملکین۔ لفظ کی قراءتِ مشہور مَلَکَ (بفتح لام) ہے۔ القراءة المشهورة بفتح اللام (کبیر) لیکن دوسری قراءت مَلِک (بکسر لام) کی بھی صحابہ و تابعین ہی کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے، ابن عباسؓ، ضحاک، حسن بصریؒ کی روایت ہے۔ قرأ الحسن بکسر اللام وهو مروی ایضا عن الضحاک وابن عباس (کبیر) چنانچہ اسی دوسری قراءت کی بنا پر مفسرین اسی طرف چلے گئے ہیں کہ یہ دونوں اصلاً فرشتے نہ تھے۔ بشر تھے اور بادشاہ، اور انہیں جو دوسری روایتوں میں فرشتہ کہا گیا ہے، تو وہ محض مجازاً ہے، یعنی ان کے صفاتِ ملکوتی کی بنا پر۔ قیل رجلان سمیا ملکین باعتبار صلاحهما (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول وہی قراءتِ مشہور کی بنا پر ان کے فرشتہ ہونے کا ہے۔ ذهب کثیر من السلف الی انهما کانا ملکین من السماء وانهما انزلا الی الارض (ابن کثیر) اور نظامِ تکوینی میں فرشتوں کے اوپر حقیقتِ سحر کا نزول ان کی نزاہت کے ذرا بھی منافی نہیں خصوصاً جب کہ ان پر اس فن کے الہام کئے جانے سے مقصود ہی تمامتر اصلاحِ خلق تھا، یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا، نہ کہ اس پر آمادہ کرنا ——— مجسٹریٹوں کو، پولیس کے افسروں کو جرائم سے عملی واقفیت حاصل کرتے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ ظاہر ہے یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی جرم کریں، بلکہ اس لئے کہ اپنی عملی واقفیت کو مجرموں کے ارتکابِ جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں۔ بابل۔ بابل جس قدیم ملک کا نام ہے۔ وہ موجودہ نقشہ اور جغرافیہ میں عراقِ عرب کہلاتا ہے۔ ملک کے پایۂ تخت کا بھی یہی نام تھا۔ شہر بابل دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل سمتِ جنوب میں۔ تقریباً وہیں جہاں آج حِلّہ کی آبادی ہے۔ شہر بہت بڑا تھا۔ رقبہ میلوں کا تھا۔ ملک اپنے عروج کے زمانہ میں بڑا سرسبز شاداب، خوشحال، مہذب و متمدن رہ چکا ہے۔ نہروں، پانی کے نلوں، شاہی قصر و ایوان، زبردست قلعوں کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان سے اتنا تو بہرحال ثابت ہو جاتا ہے کہ ملک میں ماہرینِ فن انجینیروں کی کمی نہ تھی۔ دجلہ و فرات دو دو مشہور دریا اسکے علاقہ کو سیراب کر رہے تھے۔ سلطنت کے عروج کا زمانہ تخمینی طور پر ۲۲۵۰ ق م سمجھا گیا ہے۔ ملک کی ایک خاص شہرت علومِ سحر، عملیاتِ سفلی اور جنتر منتر کے لحاظ سے تھی جنہیں آج انگریزی میں Occult Sciences (علمِ نیرنجات) کہتے ہیں، اسی ملک کا ایک دوسرا قدیم نام کالڈیا (کلدانیہ) ہے۔ اور انگریزی میں آج تک لفظ کالڈین (کلدانی) ساحر کا مرادف چلا آ رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں اس ملک کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ذکر اس ملک کی عظمت کا بھی اور اسکی بدعملیوں تباہ کاریوں کا بھی۔ ملاحظہ ہو صحیفۂ دانی ایل ۴:۳۔ مکاشفہ ۱۰:۱۸، ۵ و ۳ وغیرہا۔ لیکن اس فہرستِ جرائم کا عنوانِ اول سحرکاری تھا۔ بائبل کی شہادت ملاحظہ ہو:۔ "تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے۔ تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہو گئیں۔ اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے اور سب مقتولوں کا خون اس میں بہایا گیا۔" (مکاشفہ ۱۸:۲۳ و ۲۴) پرانے کتبے اور نوشتے آج جو کچھ دریافت ہوئے ہیں، ان کی متفقہ شہادت ہے کہ دینِ بابلی کا جزوِ اعظم سحر و کہانت، جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے تھے۔ "بابلی مذہب کا جزوِ اعظم سحر و کہانت کے انواع و اقسام ہیں۔ . . . بابلی مذہب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو ہر طرف کہانت کے نسخے ہی نظر آئینگے" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۲ صفحہ ۱۱۶) ایک اور فاضل کی تحقیق ہے:۔ "مذہبِ بابل و نینوا کا جزوِ اعظم بھوت پریت کا اتارنا جھاڑنا تھا۔" (مارس کی ریلیجن آف بابیلونیا اینڈ اسیریا صفحہ ۱۳۵) یہ سحر پیشہ و کہانت دوست قوم جب ۵۳۸ ق م میں تاجدارِ ایران کے ہاتھوں برباد و منتشر ہوئی، تو جہاں جہاں گئی اپنے ساتھ اپنے فنونِ سحر و کہانت کو بھی لیتی گئی۔ تاریخ کا بیان ہے:۔ "یہ لوگ جہاں جہاں گئے اپنے ان علوم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ان کی تعلیم دیتے رہے اور ضعیف العقیدہ خلقت انہیں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیتی رہی۔" (ریگوزین کی کالڈیا صفحہ ۲۵۵) یہود ان استادوں کے شاگردِ رشید ثابت ہوئے:۔ "بابل کے میل جول نے اسرائیلیوں کے عقائد متعلق ملائکہ و شیاطین کو متاثر کرنا شروع کیا۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۱ طبع یازدہم) خود یہود کے اکابر کا اعتراف ہے کہ:۔ "بابل کا مذہبی احترام ہر خطہ کے یہود میں قائم رہا" (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۴۳۱) ہمارے قدیم مفسرین کی تربتیں اللہ ٹھنڈی رکھے بغیر اسکے کہ انکے کان میں بھنک بھی آوازوں کی پڑے کہ انیسویں صدی کے آخر میں سر ہنری راولنسن کو، اور بیسویں صدی میں سر لیونارڈ وولی اور دوسرے ماہرینِ اثریات کو بابل کے کھنڈروں میں کیسے کیسے کتبے عملیات اور نقوش سے لبریز مل گئے۔ محض اپنی قوتِ ایمانی کی بخشی ہوئی جلاء و اشراقیت سے کام لے کر ما انزل علی الملکین کا عطف ما تتلوا الشیاطین پر کر کے اس تاریخی حقیقت کو صاف اور بے نقاب کر گئے کہ یہود کی فردِ جرم دونوں جرموں سے سیاہ ہے۔ اتباعِ سحرِ فلسطین سے بھی، اور اتباعِ سحرِ بابل سے بھی! ——— خود قرآن کا اعجاز تو خیر بہت بڑی چیز ہے، حق یہ ہے کہ قرآن والوں کا اعجاز بھی اپنی جگہ دلوں کو ہلا دینے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بابل کی اسی سحر پرور و کہانت خیز سرزمین میں جب عملیاتِ سفلیہ اور علومِ سحریہ کا زور حد سے بڑھ گیا، اور عوام کے ذہن میں دین، حق انبیاء کرام اور اولیائے صالحین کی حیثیت خلط ملط اور ملتبس ہو کر کاہنوں، ساحروں، عاملوں، شعبدہ بازوں کی ہو کر رہ گئی، تو مشیتِ الٰہی اور حکمتِ ربانی نے حق و باطل کے ان دو علمبردار گروہوں کے درمیان نمایاں فصل و امتیاز کرانے اور لوگوں کی اصلاحِ خیال کیلئے دو فرشتوں کو انسانی صورت و قالب میں بھیجا۔ هاروت و ماروت۔ یہ نام ہیں ان دونوں فرشتوں کے۔ دونوں اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے۔ لیکن جب ایک غرضِ خاص کے ساتھ انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لئے بھیجے گئے تھے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل و شباہت، رنگ و روپ، جسم و قالب انسانوں ہی کا ہو گا۔ اور انکی عادتیں اور انکے جذبات بھی بالکل بشری ہو گئے۔ بعض اہلِ تفسیر نے یہاں ایک قصہ یہود کا بیان کیا ہوا ملک عراق کی مشہور رقاصہ اور میسوا زہرہ کا نقل کیا ہے۔ لیکن اول تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف کسی درجہ میں بھی نہیں۔ دوسرے خود محدثین اور محققین تفسیر نے اسکی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے کہ قصہ بالکل گڑھا ہوا اور لغو و مردود ہے۔ اور اس گروہ میں قاضی عیاض، امام رازیؒ، شہاب الدین عراقی وغیرہم شامل ہیں۔ اعلم ان هٰذه الرواية فاسدة مردودة غیر مقبولة (کبیر) وهذا کله لا یصح منه شیء (بحر) ونص الشهاب العراقی علی ان من اعتقد فی هاروت وماروت انهما ملکان یعذبان علی خطیئتهما مع الزهرة فهو کافر بالله تعالیٰ (روح) لیکن بالفرض صحیح ہو بھی، تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتہ کو پیکرِ انسانی اور جذباتِ بشری دے دیئے گئے، تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل انسان بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے، تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔ ۳۵۹ یُعَلِّمٰنِ۔ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بنا پر اس لفظ سے یہ شبہہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس یا سبق دیا کرتے تھے۔ استغفر اللہ۔ تعلیم کے معنی علاوہ سکھانے اور سبق دینے کے، اعلام یعنی جتلانے، بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ والتعلیم ربما استعمل فی معنی الاعلام (راغب) چنانچہ ماہرینِ قرآن کی ایک جماعت نے یہاں بھی یہی معنی لئے ہیں۔ والتعلیم بمعنی الاعلام (معالم) فکان المعنی فی یُعَلِّمٰنِ یُعْلِمٰنِ (بحر) التعلیم انما هو تعریف یسیر بعده مبادئه (بحر) اور خود ایک قراءۃ بھی مصدرِ اعلام کے ساتھ منقول ہے۔ وقرأ طلحة بن مصرف یعلمان بالتخفیف من الاعلام (روح) من احد۔ مِن زائد ہے، تاکیدِ استغراق کیلئے معنی ہونگے "کسی کو بھی" یا "کسی ایک کو بھی"۔ من زائدة لتاکید استغراق الجنس (بحر) ۳۶۰ (بہ نظرِ احتیاطِ مزید) ملائکہ اس باب میں اتنی احتیاط رکھتے کہ خیر خود سے تو کسی کو کیا بتلاتے، سکھلاتے، جو لوگ پوچھنے آتے، انہیں بھی پہلے متنبہ کر دیتے حتیٰ ینصحاه اولاً (معالم) حتی ینبهاه وینصحاه (مدارک) لا یعلمانه حتی یبالغا فی نهیه (جصاص) ۳۶۱ امتحان یعنی وہ چیز جس سے کھل جائے کہ سحر و کہانت سے بچا کون کون رہا اور مبتلا ان میں کون کون ہو گیا۔ فتنۃ کے معنی امتحان آزمائش جانچ پرتال کے ہیں۔ تارة یستعمل فی الاختبار (راغب) اور یہاں بھی آزمائش ہی مراد ہے۔ ومعناها فی هٰذا الموضع الاختبار والابتلاء (ابن جریر عن ابن جریج) ای ابتلاء واختبار من الله (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ یہ انسان نما ملائکہ کسی پر بھی حقیقتِ سحر کو نہ کھولتے، کسی کو بھی کلماتِ سحر پر مطلع نہ کرتے جب تک کہ اسے متنبہ نہ کر دیتے۔ ہوتا یہ تھا کہ فسق پیشہ لوگ آ کر ہاروت و ماروت کو گھیرتے اور ان سے اصرار کر کے دریافت کرتے کہ آپ ہمیں سحر سے روک تو رہے ہیں، لیکن یہ تو بتایئے کہ سحر کہتے کسے ہیں۔ وہ ہیں کون سے اعمال و اقوال جن پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے؟ فرشتے انہیں اس تنبیہ و یاد دہانی کے بعد کہ اس فن سے کام لینا کفر ہے، جب انہیں آگاہ و خبردار کرنے کیلئے ان اعمال و اقوال کی نقل و حکایت انکے سامنے کرتے تو وہ فسق پیشہ لوگ اس سے فائدہ یہ اٹھاتے کہ خود اس فن ہی کے سیکھ جانے کا کام لینے لگتے ——— بالکل ایسی ہی بات جیسے آج کوئی کسی فقیہ عالم سے یہ دریافت کرے کہ رشوت اور سود کا اطلاق کن کن آمدنیوں پر ہوتا ہے، اور پھر ان سے بچنے کے بجائے الٹا انہیں طریقوں پر عمل شروع کر دے! یہ مفہوم طبعزاد نہیں۔ حضرت علیؓ سے ایک اثر ٹھیک اسی معنی میں مروی ہے۔ قال علی کان یعلمان تعلیم انذار لا تعلیم دعاء الیه کانهما یقولان لا تفعل کذا کما لو سأل سائل عن صفة الزنا او القتل فاخبر بصفته لیجتنبه (بحر) ۳۶۲ (ان اعمال و اقوالِ سحر کو اختیار کر کے) ای لا تجعل ما تتعلم منا سببا للکفر (ابن عربی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اعمال و اقوالِ سحریہ کا اعتقاداً اختیار کر لینا کفر کے مرادف ہے۔ ای لا تکفر بعمل هٰذا السحر واعتقاد ثبت ان ذلک کفر اذا عمل به واعتقده (جصاص) اس میں فقہائے امت کا اختلاف شروع سے چلا آ رہا ہے کہ آیا مطلق سحر یعنی اس کا سیکھنا بھی حرام ہے یا محض اس پر عمل۔ شروع سے قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ بعض نے تعلم کو بالکل جائز رکھا ہے اور صرف عمل کو حرام قرار دیا ہے اور بعض نے نفسِ تعلم کو بھی۔ قیل فلا تفعله لتعمل به وهذا اعلیٰ قول من قال تعلمه جائز والعمل به کفر وقیل لا تکفر بتعلیم السحر وهذا اعلیٰ قول من قال ان تعلمه کفر (بحر) بعض نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سحر کا سیکھنا بہر صورت حرام ہے یہاں تک کہ ساحروں کے رد کیلئے سیکھا جائے جب بھی حرام ہے اسلئے کہ کلامِ الٰہی فلا تکفر دلالت کرتا ہے عموم کی علی الاطلاق حرمت پر (بحر اور درمختار) لیکن تحقیق خود حنفیہ کے ہاں بھی متفق علیہ نہیں علماء شافعیہ کو تو اس سے بالکل اختلاف ہے۔ فلا تکفر باعتقاد جوازه والعمل به وفیه دلیل علیٰ ان تعلم السحر وما لا یجوز اتباعه غیر محظور وانما المنع من اتباعه والعمل به (بیضاوی) ای لا تتعلم السحر فتعمل به فتکفر (معالم) فلا تکفر بتعلمه والعمل به علیٰ وجه یکون کفراً (مدارک) مفسر تھانوی کی تحقیق اس موقع پر بھی قابلِ قدر ہے:۔ "سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس میں کلماتِ کفریہ ہوں مثل استعانتِ شیاطین و کواکب وغیرہ۔ تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے، یا نفع پہنچایا جائے، اور اگر کلماتِ مباحہ ہوں تو اگر کسی کو خلافِ اذنِ شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے، یا کسی اور غرضِ ناجائز میں استعمال کیا جائے تو وہ فسق و معصیت ہے۔ اور اگر ضرر نہ پہنچایا جائے، نہ کسی اور غرضِ ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اسے عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور وہ مباح ہے۔ اور اگر کلمات معلوم نہ ہوں تو بوجہ احتمالِ کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور کفرِ عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے۔" ۳۶۳ یعنی وہ فسق پیشہ اور معصیت دوست لوگ سحر سیکھ ہی جاتے۔ ملائکہ کی نیت کا بخیر ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وہ تو نفسِ مسئلہ سمجھانے، سحر کی حقیقت بیان کرتے، اسکی حرمت کا حکم صادر کرتے، لیکن فاسد الطبع لوگ اس سے فن سیکھ جاتے۔ اور اسے کام میں لانے لگتے ۳۶۴ ذکر ایک بار پھر حافظہ کو تازہ کر لیجئے، یہود کا چل رہا ہے۔ یہود عہدِ سلیمانی کا ہو کہ کسی اولاد در اولاد کا۔ قرآن، ایک امی کا لایا ہوا قرآن، ان کی فردِ جرم سناتے سناتے یک بیک یہ بھی کہہ ڈالتا ہے کہ یہود سحر اور عملیاتِ سفلی میں تو مشغول رہتے ہی تھے لیکن ان میں بھی خصوصاً ان عملیات میں جن کا تعلق میاں بیوی کے افتراق سے تھا قرآن

ہی محض غفلت یا عدم حضور کی بنا پر عملی کوتاہی یا عصیان نہیں، صریح بدعقیدگی۔ توحید ہی کی طرف سے بے یقینی! ——— آگے اور ملاحظہ ہو:۔ ”سو ازبس کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا، اس لئے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا کہ اُس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پر اُس نے اپنے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا“ (۱۔سلاطین ۔۱۱: ۹و۱۰) معاذ اللہ۔ خدا کا پیمبر اور کفر و شرک میں مبتلا! چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی! دنیا سینکڑوں سال تک، ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک، انہیں یہودیانہ تحریفات و اختراعات کا شکار ہو کر اس موحّدِ اعظم کو نعوذ باللہ کافر و مشرک سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ قرآن آیا، جو ہر قوم ہر زمانہ کے سچے پیمبروں کی عزت و ناموس کا محافظ ہے۔ اور اس نے آکر یقین نہ کرنے والی دنیا کے سامنے آکر اعلان کیا کہ سلیمان کو معاذ اللہ کافر کہتے ہو! وہ تو کفر کے قریب تک نہیں گئے تھے! قرآن کی صدائے حق فضا میں بلند ہو کر خاموش ہو گئی۔ جن کے کان تھے انہوں نے سُنا۔ دنیا اپنے کاروبار میں لگی رہی، پھنسی رہی۔ بابل والوں نے بابل کی پرستاری نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ ۱۳، ۱۳½ صدیاں اور گزر گئیں۔ اور اب قدرتِ حق کا اعجاز دیکھیے کہ اب جو محققانہ و فاضلانہ کتب جوامع و حاویات بابل ہی کے پرستاروں کے قلم سے نکل رہی اور شائع ہو رہی ہیں وہ تائید اور تصدیق بابل کی الزام دہی کی نہیں، قرآن کے جوابِ صفائی کی کر رہی ہیں! انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، برطانوی کاوش و تحقیق کا لب لباب ہوتا ہے، اسکے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان سلیمان نکال کر دیکھیے، صاف یہ مضمون ملے گا۔ ”سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے“ (جلد ۲۔ صـ۹۵۲ طبع چہاردہم) انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، خاص مسیحی ہی فضلاء اور پرستارانِ بابیل کی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ہے۔ اس میں تو یہاں تک ہے کہ بابیل کی جو آیتیں ابھی اُوپر نقل ہو چکی ہیں، ان کا حوالہ دیکر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کو بڑھائی گئی ہیں، اور الحاقی ہیں! اور پھر لکھا ہے:۔ ”یہ تو غالباً صحیح ہے کہ سلیمان کی بیویاں متعدد تھیں، اسرائیلی بھی غیر اسرائیلی بھی۔ لیکن انہوں نے نہ تو رب کے لئے قربان گاہیں ہی تیار کرائیں، اور نہ خود خدائے واحد کی پرستش کے ساتھ اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی پرستش کا تجربہ ہونے دیا“ (کالم ۴۶۸۹) خیر، یہ اعجاز تو کلام الٰہی کا تھا۔ اس سے بڑھ کر بھی ہوتا تو ہو سکتا تھا۔ لیکن محدود و ناقص عقل اور زمان و مکان سے مقیّد علم رکھنے والے بندوں نے اپنی ایمانی فراست و اشراقیت سے جو کام کر دکھایا ہے، وہ بھی اعجاز سے کچھ کم نہیں۔ رئیس المفسرین امام ابن جریرؒ آج کے نہیں، آج سے ایک ہزار سال قبل کے شخص ہیں، اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے شاید زیادہ واقف بھی نہ ہوں آج نہیں، اس وقت اپنی تفسیر میں یہ روایت بصراحت درج کر گئے ہیں کہ آیت بالا یہود ہی کے گندے عقائد اور افتراء کے رد میں نازل ہوئی ہے جو آپس میں کہتے تھے کہ ان نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو، کہ ابن داؤدؑ کو نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بخدا وہ تو بس ایک ساحر تھا۔ اللہ نے انہیں کے قول کے رد میں یہ آیت نازل کی ہے۔ وما کفر سلیمٰن الخ قال بعض احبار الیہود الا تعجبون من محمد یزعم ابن داؤد کان نبیًا واللہ ما کان الا ساحرًا فانزل اللہ فی ذالک من قولہم وما کفر سلیمٰن الخ

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ

جس سے وہ جدائی ڈالدیتے درمیان مرد اور اس کی زوجہ کے [٣٦٤] حالانکہ وہ (فی الواقع) کسی کو

بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ

بھی اس کے ذریعہ سے نقصان نہ پہنچا سکتے مگر ہاں ارادۂ الٰہی سے [٣٦٥] اور یہ وہ چیز سیکھتے

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ

ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے اور انہیں نفع نہیں پہنچا سکتی [٣٦٦] اور (یہ بھی) یہ خوب جانتے ہیں [٣٦٧] کہ

اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛ وَلَبِئْسَ

جس نے اسے اختیار کر لیا اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں [٣٦٨] اور بہت ہی بُری

مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

وہ چیز ہے جس کے عوض میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے [٣٦٩] کاش وہ (اتنا ہی) جانتے [٣٧٠]

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ

اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو اُس کا ثواب اللہ کے ہاں

اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰٓاَيُّهَا

کہیں بہتر ہوتا کاش وہ (اتنا) جانتے [٣٧١] اے

ع ۱۲ ۱۲

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا

ایمان والو ”راعنا“ مت کہا کرو [٣٧٢] اور ”انظرنا“

انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

کہا کرو اور سنتے رہا کرو [٣٧٣] اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے [٣٧٤]

۳۵۵ (اور اُسے منسوب حضرتؑ کی جانب کر دیتے تھے) ان شیطانوں کی (خواہ وہ جن ہوں یا انس) ایک شیطنت یہ بھی تھی کہ اپنی کافرانہ ساحرانہ حرکتوں کی نسبت حضرت سلیمانؑ کی جانب کر دیتے تھے، اور شہرت یہ دے دیتے تھے کہ ہم تو یہ جو کچھ کر رہے ہیں، ان کی رضامندی بلکہ انکے اشارہ ہی سے کر رہے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ کے نبی برحق کو ان گندگیوں سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی ہے، اُنھیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبّے ان کی پاک سیرتوں سے دُور کئے ہیں۔ اور یہ ناشکرگزار قومیں ہیں کہ الٹی قرآن ہی کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں! ۳۵۶ سحر نام ہے اسبابِ خفی (مثلاً تاثیرِ کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ) سے کام لیکر تصرفاتِ عجیب کرنے کا۔ خاص خاص مشقتوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے۔ مشرک جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے بھی زور شور سے رہ چکا ہے۔ اب بھی ہے۔ شریعتِ اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ۔ یعلمون کا فاعل شیاطین ہونا ظاہری ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور یہاں بھی ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا۔ لیکن اسکی بھی گنجائش ہے کہ فاعل بجائے شیاطین کے یہود ہی کو قرار دیا جائے، یعنی فریق من الذین اوتوا الکتٰب کو۔ معنی اس صورت میں بجائے ماضی کے حال کے ہو جائیں گے۔ یعنی یہ یہود، لوگوں کو تعلیم دیتے رہتے ہیں سحر کی۔ سحر و کہانت تاریخ بنی اسرائیل کا ایک مسلم و ناقابلِ انکار جزو ہے۔ خود عہدِ عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود ہے۔ ”انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا اور فال گیری اور جادوگری کی…… ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہُوا۔ اور اپنی نظر سے انہیں گرا کر دور کر دیا“ (۲۔سلاطین ۱۷: ۱۷و۱۸) ۳۵۷ بیان انہیں یہود عرب کا چل رہا ہے۔ واوِ عاطفہ کبھی فقرہ کو فقرہ سے جوڑتا ہے، کبھی کبھی لفظ کو لفظ سے، اور کبھی فقرہ کو لفظ سے۔ یہاں فقرہ وما انزل علی الملکین کا عطف ہے فقرہ ماقبل ما تتلوا الشیاطین پر، اور دونوں فقرے تابع ہیں فعل اتبعوا کے۔ گویا تقدیرِ کلام یُوں ہے واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین الخ واتبعوا ما انزل علی الملکین۔ بعض نے ما انزل الخ کا عطف السحر پر مانا ہے۔ عطف علی السحر وقیل ھو عطف علی ما تتلوا ای واتبعوا ما انزل (کشاف) معنی میں کوئی بڑا فرق اس سے بھی نہیں پڑتا۔ اور حاصل دونوں صورتوں میں ایک ہی رہتا ہے۔ قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے حق مطلق کی شانِ بے نیازی کے ساتھ بالکل بے خوف اور بے دھڑک کہتا ہے۔ اُسے کسی خارجی سہارے کی تلاش نہیں ہوتی۔ خارجی سہارے از خود اسکی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ اُسے اپنی جگہ پر اطمینان کامل ہے کہ اسکے کسی بیان میں تردید کی گنجائش تو کجا، شک و تردد کا احتمال بھی کسی طالبِ حق کو نہیں ملے گا۔ یہودِ عرب کی طویل فردِ جرم اُوپر سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ ابھی ابھی ذکر انکے فلسطینی سحر کا آچکا ہے (سلیمان نبیؑ بادشاہ فلسطین کے تھے، انکے عہد کا سحر فلسطینی ہی سحر کہا جائیگا) اب وہ یہ بھی کہے ڈالتا ہے کہ یہ توحید کے پرانے امانت دار اور کتاب و سنت کے قدیم قدرشناس یہی نہیں کہ عہدِ سلیمانی کے شیاطین جن و انس کی روایاتِ سحر و کہانت کا حق ادا کر رہے ہیں، بلکہ اس فلسطینی سحر کے علاوہ بابل یا عراق کے بھی سحر کے وارث بنے ہوئے ہیں! مدعی ہیں علم و فضل، دین و روحانیت کے، لیکن عملاً غرق ہیں فنونِ سحر کے انواع و اقسام میں! تاریخ قدیم کے جاننے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ عہدِ رسالت و طلوعِ اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک گروہ جو بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق) میں رہ پڑا تھا اور وہیں بس گیا تھا۔ دوسری شاخ وہ جو ایک مدتِ دراز کے بعد وہاں سے واپس آکر پھر فلسطین میں آباد ہوئی ——— آیت اس تاریخی حقیقت کو فاش کر رہی ہے کہ عہدِ رسالت کے معاصر یہودِ عرب جامع ہیں فلسطینی اور بابلی دونوں قسم کے رذائل و خباثت کے۔ تاریخ قدیم کے یہ نازک دقائق اور اپنی جگہ پر بالکل مسلّم و مستند حقائق، جو عام طور پر اچھے اچھے اہلِ علم کے علم میں بھی نہیں، ادا کرائے جا رہے ہیں، کسی مؤرخ اعظم کی زبان سے نہیں، عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے! اللہ اللہ! ۳۵۸ (کسی خاص حکمت و مصلحت کے ماتحت) دو باتوں کا اس سلسلہ میں استحضار رہے تو ان شاء اللہ آیت کی تفسیر میں کوئی اُلجھن ذہن میں پیدا نہیں ہونے پائے گی:۔ ایک یہ کہ نزول و انزال کا اطلاق صرف احکامِ تشریعی میں نہیں ہوتا، امورِ تکوینی میں بھی برابر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تکوینیات کے سلسلہ میں جو کام جیسا بھی لیا جاتا ہے، اسکے لئے واسطہ اور وسیلہ بہرحال فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ امر ان کی نزاہت و معصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ما انزل میں ما موصولہ ہے الذی کے معنی میں۔ بعض نے ما کو نافیہ قرار دے کر ما انزل کا عطف ما کفر سلیمان پر کیا ہے۔ لیکن محققین نے اسکے قبول کرنے سے انکار کیا ہے اور ابن جریر میں اس پر مفصل گفتگو موجود ہے۔ ثم شرع ابن جریر فی رد ھذا القول وان ما بمعنی الذی واطال القول فی ذلک (ابن کثیر) ظاھرہ ان ما موصولۃ (بحر) عطف علی السحر ای یعلمونہم ما انزل علیہما (ابو سعود) الجمہور علی ان ما بمعنی الذی (مدارک) اُنزل۔ اللہ کی طرف سے ”نازل“ صرف کتاب و حکمت، وحی و الہام ہی نہیں ہوتا۔ قحط، بیماری، موت سب کا نزول و انزال بحیثیت مسبب الاسباب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ محاورۂ قرآنی میں انزال کا لفظ رزق (روزی) ماء (پانی) لباس (پوشاک) حدید (لوہے) انعام (چوپائے) کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ یہاں تک کہ رجز (عذاب یا بلا) کیلئے بھی یہی لفظ

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ
اور جب اُن کے پاس پیمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس (کتاب) کی جو
لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ
انکے پاس موجود تھی ۳۴۹ تو (ان) اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو
كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا
اپنی پُشت کے پیچھے پھینک مارا ۳۵۰ گویا وہ جانتے ہی (نو جھتے)
يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِينُ عَلٰى
نہیں ۳۵۱ اور (یہ لوگ) پیچھے لگ لیے ۳۵۲ اُس (علم) کے جو سلیمانؑ کی بادشاہت میں شیطان
مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ
پڑھا کرتے تھے ۳۵۳ اور سلیمانؑ نے (تو کبھی) کفر نہیں کیا ۳۵۴ البتہ شیطان (ہی) کفر کیا کرتے
الشَّيٰطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۖ وَمَآ
تھے ۳۵۵ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے ۳۵۶ اور اس (علم) کے
أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ
پیچھے لگ گئے ۳۵۷ اُس (علم) کے بھی جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اُتارا گیا تھا ۳۵۸
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ
اور وہ دونوں کسی کو بھی (اس فن کی باتیں) نہیں بتاتے تھے ۳۵۹ جب تک یہ نہ کہہ دیتے ۳۶۰ کہ ہم تو بس ایک
فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا
(ذریعہ) امتحان ہیں ۳۶۱ سو تم (کہیں) کفر نہ اختیار کر لینا ۳۶۲ مگر (لوگ) ان دونوں سے وہ (سحر) سیکھ ہی لیتے ۳۶۳

۳۴۹ یعنی کتاب توریت کی۔ یہود کو بتایا یہی جا رہا ہے کہ نئے نبی جو آئے ہیں یہ تمہاری کتاب اور اسکے دین کو مٹانے کیلئے نہیں۔ یہ تو عین اسے تازگی بخشنے، اسے حیاتِ تازہ دینے کے لئے آئے ہیں۔ رَسُولٌ۔ یکس پیمبر کے آنے کا ذکر ہے؟ جائز ہے کہ رسول کو مطلق رسُول کے معنیٰ میں لیا جائے، اور مراد اس سے کوئی بھی پیمبر سمجھی جائے یعنی یہی یہود کی عام عادتِ تکذیب انبیاء۔ رسل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ لیکن ترجیح اس پہلو کو ہے کہ یہاں مراد رسول موعود، نبی آخر الزمانؐ ہیں۔ اور رسولٌ کا صیغہ نکرہ میں ہونا اسکے منافی نہیں۔ صیغۂ نکرہ جس طرح تعمیم کے لئے آتا ہے، عظمت و تکریم کے لئے بھی آتا ہے، اور وہی یہاں مقصود ہے۔ والتنکیر للتعظیم (ابوسعود) ۳۵۰ نبذ وہ وراء ظھورھم۔ کتاب کے پس پشت پھینک دینے سے محاورہ میں مراد اسکی طرف سے بے التفاتی برتنے اور اسکی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔ اے طرحوہ بقلة اعتدادھم بہ (راغب) مثل بمایرمی بہ وراء الظھر استغناء عنه وقلة التفات الیه (کشاف) کتاب اللہ سے یہاں کیا مراد ہے۔ یہود کی بے التفاتی اور بے تعلقی قرآن سے تو ظاہر ہی تھی، اور یہ کوئی بات ایسی ذکر کرنے اور توجہ دلانے کی نہ تھی۔ غضب یہ تھا کہ قرآن و صاحبِ قرآن سے مخالفت کی دُھن میں خود اپنی کتاب آسمانی کی طرف سے بھی وہ بے پروا اور بے تعلق ہو گئے تھے۔ کہ آخر توریت میں بھی تو نبی آخر الزمان کی بابت پیشگوئیاں، ان کی علامتیں اور ان پر ایمان لانے کی تاکید درج تھی۔ اس لئے محققین نے ترجیح اس کو دی ہے کہ کتاب اللہ سے یہاں مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (کشاف) قیل انه القرآن وقیل انه التوراة وھذا ھو الاقرب (کبیر) ویعنی بقوله کتاب اللہ التوراة (ابن جریر عن السدی) ۳۵۱ (کہ اس کتاب کے اندر بھی کوئی مضمون اس قسم کا موجود ہے) لایعلمون مافی التوراة من الامر باتباع محمد صلی اللہ علیه وسلم وتصدیقه (ابن جریر) ۳۵۲ ذکر اسرائیلیوں کا چل رہا ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ خصوصاً یہودِ عرب ۳۵۳ یعنی بجائے اسکے کہ وحی الٰہی کا اتباع کرتے اور رسولِ برحق کی تصدیق کرتے، یہ یہود تو ایک اور ہی علم کے پیچھے لگ گئے، اور وہ علم بھی کس کا؟ شیطان کا۔ قرآن مجید وقت کی اہم ترین قوم یہود کے پتّرے تو کھول ہی رہا ہے۔ اب اُس نے انکی فردِ جرم میں ایک اس عنوان کا بھی اضافہ کیا کہ یہ لوگ وحیِ الٰہی کی اتباع کے بجائے ایک دوسرے ہی سفلی علم میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید بعض اور اہم تاریخی اور دینی حقیقتوں کو زبردست روشنی میں لے آیا ہے۔ اِس علم سے مراد فنِ سحر ہے۔ فنونِ سحر و کہانت میں یہود کی مہارت تاریخ میں مسلّم چلی آرہی ہے۔ انکے اکابر و مشاہیر اس کا برابر اعتراف کرتے آئے ہیں بلکہ اکثر فخر کے ساتھ۔ قرآن مجید نے اکثر تاریخی حقائق کی طرح ان کی تفصیلات میں گئے بغیر، یہاں بھی صرف اشارہ کر دینا کافی سمجھا ہے۔ یہود کا یہ شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں بھی قائم تھا۔ آکسفرڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل و یہود خصلت پروفیسر مارگولیس آنجہانی، جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، اپنی انگریزی سیرتِ رسول میں معاصر یہودِ عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے:۔ "یہ لوگ فنِ سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدانِ جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے"! ص۱۸۹ اصل عبارت اور مزید حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور ہمارے مفسرین نے بھی اس سحر پرستی میں یہودِ عہدِ سلیمانی اور یہودِ عہدِ محمدی کو شریک سمجھا ہے۔ قیل یھود زمان سلیمان وقیل یھود زماننا واللفظ فیھم عام والجمیعھم محتمل وقد کان الکل منھم متبعاً لھذا الباطل (ابن عربی) شیاطین۔ جب صیغۂ جمع میں ہے، تو ظاہر ہے کہ ابلیس تو یہاں مراد ہو نہیں سکتی، اہلِ لغت اور اکابر اہلِ تفسیر دونوں کی رائے ہے کہ شیطانوں سے مراد یہاں خبیث و سرکش قسم کے جنّات ہیں جو حضرت سلیمانؑ کے تابع تھے۔ اے مردة الجنّ (راغب) المراد شیاطین الجنّ وھو قول الاکثرین (کبیر) والمتبادر من الشیاطین مردة الجنّ وھو قول الاکثرین (روح) وھو المتمردون من الجن (ابوسعود) لیکن خود جنّات کیا ہیں؟ جنّات سے مراد وہ صاحبِ شعور و ادراک ہستیاں ہیں جن کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور جو انسانی آنکھ کو عموماً اور عادةً نظر نہیں آتے۔ انسان کی طرح وہ بھی مکلّف ہیں گو یہ ضرور نہیں کہ ان کی شریعت بھی جزئیات و تفصیلات کے لحاظ سے شریعتِ انسانی ہو ——— اس آتشیں مخلوق کا وجود دلائلِ نقلی و شواہد سے پوری طرح ثابت ہے۔ اور اس وجود سے انکار پر کوئی ایک دلیل بھی قائم نہیں، نہ عقلی، نہ نقلی۔ بعض کا قول ہے کہ مراد شیاطینِ انس ہیں، یعنی وہ سرکش و خبیث انسان جو حضرت سلیمانؑ کے خلاف بغاوت میں پیش پیش تھے۔ اور آپ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور سحر و کہانت کے بھی ماہر تھے۔ فرقۂ معتزلہ کے متکلمین کا رجحان اسی معنی کی طرف ہے۔ قیل شیاطین الانس وھو قول المتکلمین من المعتزلة (کبیر) راغب لغوی نے بھی معنی جس طرح سرکش جنّات کے جائز رکھے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کے بھی۔ فھم مردة الجن ویصح ان یکونوا ھم مردة الانس ایضاً (راغب) اور مفسرینِ اہلِ سنت نے بھی گنجائش دونوں کیلئے رکھی ہے۔ الشیاطین من الجن والانس او منھما (بیضاوی) وھو یرید شیاطین الجن والانس (جصاص) اگر انسان ہی مراد لئے جائیں، یعنی دربارِ سلیمانی کے باغی سردار و سرغنہ، تو ان کا مفصّل ذکر عہدِ عتیق کے بعض صحیفوں میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو اسلاطین باب ۱۱ و ۱۲ علیٰ ملك سلیمٰن۔ یعنی آپ کے عہدِ حکومت میں۔ علیٰ۔ صرف استعلاء کیلئے نہیں، بلکہ مصاحبت تعلیل وغیرہ کی طرح ظرفیت کیلئے بھی آتا ہے۔ اور فی کے معنی میں اس کا استعمال عام ہے۔ ابن جریر جو عربیت کے بھی امام ہیں لکھتے ہیں:۔ والعرب تضع فی فی موضع علیٰ وعلیٰ فی موضع فی اور عرب فی کا استعمال علیٰ کی جگہ پر کرتے ہیں اور علیٰ کا استعمال فی کے موقع پر۔ اور اتقان (سیوطی) میں اس معنی کی تصریح ہے اور اہلِ لغت لکھتے ہیں:۔ کان ذلك علیٰ عھد فلان اے فی عھد فلان (تاج) فلاں واقعہ علیٰ عہد فلاں ہوا، اسکے معنی ہوتے ہیں 'فی عہد فلاں' ہوا۔ خود قرآن مجید میں بھی علیٰ ایک دوسری جگہ صاف فی کے معنی میں آیا ہے۔ ودخل المدینة علیٰ حین غفلة (قصص، ع ۲) اے فی حین غفلة۔ چنانچہ یہاں بھی اہلِ تحقیق نے یہی معنی لئے ہیں کہ سلیمانؑ کے عہدِ حکومت میں۔ اے علیٰ عھد سلیمان (ابن کثیر) اے فی عھد ملکه (ابوسعود) اے فی عھد سلیمان (ابن جریر) اے فی ملکه وعھدہ (معالم) سلیمان۔ سلیمانؑ بن داؤدؑ (۹۹۰ق م تا ۹۳۰ق م غالباً) اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیمبر گزرے ہیں اور اپنے والد ماجد ہی کی طرح، لیکن ان سے بڑے تاجدار بھی۔ شام و فلسطین کے علاوہ آپکے حدودِ حکومت مشرق کی سمت میں عراق کے دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں سرحدِ مصر تک وسیع تھے۔ آپکی سلطنت کی عظمت و شوکت پر دوست دشمن سب کو اتفاق ہے ——— اسلام میں اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی و اخلاقی مرتبہ، یعنی نبوت و رسالت کے ساتھ جس طرح فقر و مسکنت جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح دولت و امارت، حکومت و ریاست بھی۔ اسلام کا خدا غریبوں اور امیروں، ناداروں اور زرداروں سب کا یکساں خدا ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ان یہود کے آبا و اجداد عہدِ سلیمانی میں شیطانی مشغلوں (سحر و کہانت) میں لگے رہے اسی طرح آج خود بھی بجائے نبی کی ہدایتوں پر چلنے کے اُنھیں سفلی مشغلوں میں پڑے ہوئے ہیں ۳۵۴ (جیسا کہ ناسپاسوں، کافروں، افترا پردازوں نے مشہور کر رکھا ہے) آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کھٹکنے والی کون سی بات تھی جو قرآن نے فرما دی؟ جب حضرت سلیمانؑ پیمبر برحق تھے، تو یہ تو کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبۂ کفر و شبۂ کفر سے بمراحل دور تھے پیمبر کے حق میں یہ نازل ہونا کہ وہ کفر سے بری تھے، یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی، جیسے کسی ملک کا بادشاہ یہ فرمان جاری کر کے رعایا کو بتائے کہ ہمارا نائب السلطنت باغی و غدار نہیں ہے۔ کھٹک بجا ہے۔ قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔ مگر یہاں قرآن کو اس اعلان و اعلام کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا علم سادہ دل مسلمان کو کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا علم تو اسکے ہمہ بین و ہمہ داں پروردگار ہی کو ہو سکتا تھا۔ سلیمانؑ کو پیمبر ماننے والی دو قومیں مسلمانوں سے پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ یہ دونوں وہی ہیں جو اہلِ کتاب کہلاتی ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان دونوں کے اکابر نے ستم ظریفی کا کمال یہ دکھایا ہے کہ ایک طرف تو انکی عظمت و پیمبری کے قائل ہیں، اور دوسری طرف انکے نامۂ اعمال میں گندے سے گندے جرائم بھی ڈال دیئے ہیں! یہاں تک کہ کفر و شرک بھی، کہ اللہ کی عدالت میں کوئی جرم اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھی سنگین تصور میں نہیں آسکتا۔ یہودی قصص و حکایات اور مسیحی آثار و روایات کی کتابوں کو چھوڑیئے۔ خاص الخاص بائبل یعنی عہدِ عتیق کے صحائف جن پر یہود و نصاریٰ دونوں کا ایمان ہے، انہیں ملاحظہ فرمالیجئے کہ اس مجموعہ میں آج تک کیا تصریحات لکھی چلی آرہی ہیں:۔ "جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اسکی جوروؤں نے اسکے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا، اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف سے کامل نہ تھا" (۱۔سلاطین۔ ۱۱:۴۔۱۰)

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ

چاہتا ہے کہ ہزار (ہزار) برس کی عمر پائے ۳۳۶ حالانکہ اگر اتنی عمر وہ پا بھی جائے تو یہ (امر) اُسے عذاب سے تو نہیں

اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ

بچا سکتا ۳۳۷ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اُسے (خوب) دیکھ رہا ہے ۳۳۸ آپ کہدیجیے کہ جو کوئی جبریل

ع ۱۱

عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

کا مخالف ہے ۳۳۹ تو انہوں نے تو اس (قرآن) کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے ۳۴۰

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

(وہ) تصدیق کرنیوالا ہے اس (کلام) کا جو اس کے قبل سے ہے اور ہدایت ہے اور ایمان والوں

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

کے لئے خوشخبری ہے ۳۴۱ جو کوئی مخالف ہو اللہ کا یا اُس کے فرشتوں کا یا

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ

اُسکے پیغمبروں کا یا جبریل کا یا میکائیل کا ۳۴۲ تو اللہ (بھی) بالیقین مخالف ہے

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا

(ایسے) کافروں کا ۳۴۳ اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشان اُتارے ہیں ۳۴۴ اور ان سے

يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا

کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے ۳۴۵ کیا یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد

نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کیا ہے ۳۴۶ تو انہیں میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے توڑ ہی پھینکا ہے ۳۴۷ اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے ۳۴۸

۳۳۶ احدھم ضمیر ھم کا مرجع یہود ہیں اے یود احد الیھود (ابن کثیر عن السدی) بعض نے مرجع الذین اشرکوا کو ٹھہرایا ہے لیکن سیاق قولِ اوّل کو صاف ترجیح دے رہا ہے۔ کما یدل علیہ نظم السیاق (ابن کثیر) ۳۳۷ بالفرض اس قدر طویل زندگی حاصل بھی ہوگئی تو آخر کیا نتیجہ؟ بہرحال خاتمہ تو ایک روز اس طویل سے طویل زندگی کا بھی ہونا ہے۔ اور پھر اُسی مؤاخذۂ اخروی کا سامنا۔ سو ایسی لایعنی اور لغو تمناؤں کے پھیر میں پڑے رہنا کسی دیندار شخص کیلئے ممکن ہی کیونکر ہے ۳۳۸ (اور ہر طرح کی جزا و سزا پر قادر ہے) خدا تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ دانی، ہمہ توانی کا استحضار انسان کو راہِ راست پر قائم رکھنے کے باب میں اکسیر ہے۔ انسان غفلت و معصیت کی طرف قدم اسی وقت رکھتا ہے جب ذہن سے ایک حاضر و ناظر حاکم کا تصور غائب ہوتا ہے۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید میں اللہ کی صفاتِ ہمہ بینی و ہمہ دانی کی یاد دہانی اس کثرت و تکرار کے ساتھ ہوئی ہے۔ ۳۳۹ جبریل۔ اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔ انسان، بڑے سے بڑا مقبول انسان بھی بہرحال بشر ہی ہوتا ہے، اور جسم خاکی ہی رکھتا ہے۔ اس کے محدود اور کثیف خاکی قویٰ علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہِ راست تجلیاتِ لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کر سکیں۔ اس غرض کیلئے عموماً لطیف الجسم نوری بنے ہوئے فرشتوں سے وساطت و توسط کا کام لیا جاتا ہے۔ یہود بھی وجودِ ملائکہ کے قائل تھے، بلکہ خود حضرت جبریل کو بھی ایک فرشتۂ اعظم مانتے تھے اور ان کا ذکر توریت میں آج تک موجود ہے لیکن اپنی نادانی سے خیال یہ جما لیا تھا کہ وہ ایک فرشتۂ عذاب ہیں۔ اُن کا کام وحی لانا نہیں، عذاب لانا ہے اور وحی لانا تو کام ایک دُوسرے فرشتہ حضرت میکائیل کا ہے۔ اپنا ان غلط عقائد و مسلّمات کے بعد وہ رسول اللہ صلعم پر معترض ہوتے تھے کہ یہ نئے مدعیٔ نبوت اپنی وحی کے سلسلہ میں نام حضرت جبریل کا کیوں لاتے ہیں ——— یہاں تعرض یہود کی اسی غلط اندیشی سے کیا جا رہا ہے۔ موجودہ توریت میں بار بار ذکر ایک ایسے فرشتہ کا آتا ہے جو لوگوں کو مارتا تھا" (۲-سموئیل۔ ۲۴: ۱۶، ۱۷) اور علمائے یہود نے اس سے مراد فرشتہ جبریل ہی سے رکھی تھی۔ آج بھی یہود حضرت جبریل کو حضرت میکائیل کا ہمسر و ہم پلہ نہیں، ان سے کمتر ہی سمجھتے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۵۴۱) ۳۴۰ پھر اُن سے مخالفت و عداوت و بدگمانی کے کیا معنی؟ یہاں یہود کے جہل کو رفع کیا گیا، اور بتایا گیا کہ حضرت جبریل کے نام سے چڑھنا کیا معنی، وہ تو خدا کے ایک معتمد سفیر ہیں، اور خدمتِ سفارت پر مامور۔ باذن اللہ۔ اذن کے معنی لغت میں علاوہ اجازت کے حکم یا ارشاد کے بھی ہیں، ویکون باذنہ اے بامرہ (لسان) ویکون الاذن مراداً (تاج) چنانچہ یہاں بھی اذن اللہ سے مراد اللہ کا حکم یا ارشاد ہی ہے۔ اے باذن اللہ (معالم) فالاظھر بامر اللہ (کبیر) اے بامرہ (بیضاوی) ۳۴۱ یہاں کلام مجید نے اپنے تین وصف متعین طور پر بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ گزشتہ انبیاء اور سابق صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کا پیام کوئی نرالا اور انوکھا نہیں، وہی توحید کا پرانا سبق ہے جو سارے سلسلۂ وحی میں مشترک رہا ہے۔ دُوسرے یہ کہ وہ فی نفسہٖ ایک ہدایت نامہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اہلِ ایمان کے حق میں مایۂ بشارت ہے ۳۴۲ یعنی جو شخص بھی اللہ یا اس کے پیمبروں یا اس کے فرشتوں، خصوصاً جبریل و میکائیل جیسے مقرب فرشتوں سے وہ رشتہ و تعلق قائم رکھتا ہو جو ان کے مرتبہ واجب کے منافی ہے۔ عدوٌ عربی میں بطور مصدر بھی آتا ہے، اور اس معنی میں یہ ضد ہے دوستی و محبت کا۔ منافاۃ الالتیام (راغب) دُوسرا استعمال اس کا بحیثیت اسم کے ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ اور اس معنی میں یہ مقابل ہے دوست کے۔ العدو المتخصم ضد الصدیق (تاج) اور اس کے مفہوم میں محض عداوت نہیں، بلکہ انکار، نافرمانی، حق ناشناسی، غرض دوستی و محبت کے منافی جو کچھ ہے سب داخل ہے۔ میکال یا میکائیل بھی جبریل کی طرح ایک فرشتۂ مقرب کا نام ہے مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ ان کے ذمہ مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے گویا جس طرح احکامِ تشریعی کیلئے واسطۂ خاص حضرت جبریل ہیں، احکامِ تکوینی کیلئے واسطۂ خاص میکائیل ہیں، پہلے کا تعلق خاص بارگاہِ الوہیت سے ہے۔ دُوسرے کا کارگاہِ ربوبیت سے۔ توریت میں ان کا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں موجود ہے۔ یہود نے اپنے سارے تعلقات انہیں سے جوڑ رکھے تھے، اور انہیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔ یہود نے جب حضرت جبریل کے حاملِ وحی ہونے سے انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ ۳۳۹) تو اپنی عداوت و رغبت کا اظہار انہیں دو فرشتوں کا نام لیکر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے قرآنی جواب میں بھی تصریح انہیں دونوں کے نام کی ہے۔ اور ساتھ ہی جیسا کہ قرآن مجید کا عمومی دستور کسی واقعۂ خاص سے ایک ہدایت عام بیان کر دینے کا ہے، ایک عام قاعدہ تمام معصوموں (یعنی انبیاء و ملائکہ) سے متعلق بیان کر دیا گیا۔ و۔ اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ حرف واؤ ہمیشہ عطف و جمع ہی کیلئے نہیں آتا، بلکہ "یا" کے معنی بھی کبھی دیتا ہے۔ تکون بمعنی اَوْ (قاموس) چنانچہ یہاں چاروں جگہ اسی معنی میں ہے یعنی ان اسماء کا مجموعہ مُراد نہیں، بلکہ مُراد یہ ہے کہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہے۔ یعنی من کان عدوًّا لاحد ھؤلاء انہ عدو للکل (معالم) یعنی من کان عدوًّا لاحد من ھؤلاء (کبیر) ۳۴۳ یعنی ایسا ہر شخص کافر سمجھا جائیگا اور اس کے ساتھ معاملہ وہ کیا جائیگا جو دشمن کے ساتھ دشمن کرتا ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ معصوموں کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی، اور معصوموں کی مخالفت عین مخالفتِ حق ہے۔ فرشتہ کی اطاعت توریت میں بھی عین اطاعتِ رب بتائی گئی ہے:۔ "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اُسے مت چڑھا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا کہ میرا نام اُس میں ہے۔ پر اگر تو سچ مچ اس کا کہا مانے اور سب جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہونگا" (خروج ۲۳: ۲۰-۲۱) یہی کہا گیا ہے کہ خلفائے راشدین و اصحابِ رسول جن کے فضائل گویا تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، ان کی مخالفت و عداوت بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل اللہ سے عداوت رکھنا خود اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔ ۳۴۴ (آپ کی صداقت اور نبوت کے) یعنی ایک تو قرآن خود ایک معجزہ ہے، پھر دوسرے تائیدی شواہد و دلائل، بشارات و معجزات۔ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ سے مُراد آیاتِ قرآنی بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ جن بےنظیر تعلیمات کی حامل ہیں، ان پر نظر کرکے بعض محققین نے یہی پہلو اختیار کیا ہے الاظھر ان المراد اٰیات القرآن الذی لا یاتی بمثلہ الجن والانس (کبیر) لیکن لفظ اٰیات ہے عام و وسیع۔ اسلئے دوسرے بزرگوں نے سارے اقوال کو جمع کرکے لکھا ہے کہ اس سے مراد سبھی کچھ ہے، قرآن بھی، معجزات بھی، کتب سابقہ پر اطلاع بھی، معجزاتِ سابقہ پر اطلاع بھی، قرآن کا قانونی نظام بھی، وقس علیٰ ہذا۔ اے القراٰن والمعجزات المقرونۃ بالتحدی عما خفی واخفی فی الکتب السابقۃ او الشرائع او الفرائض او مجموع کل ما تقدم (بحر) یہود جو اپنے پیمبروں کے معجزات کی روایتوں کے خوب عادی ہو چکے تھے بلا بار مطالبہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں، نبی ہیں تو کوئی نشانی تو دکھلائیں۔ جواب ملا کہ تم ایک نشانی کو کہتے ہو، ہم تو انہیں متعدد نشانات (بصیغۂ جمع) دیئے چکے ہیں اور وہ بھی دقیق و خفی نہیں، نمایاں و روشن سب کو نظر آ جانے والے۔ ۳۴۵ یعنی ان شواہد صریح اور دلائل روشن سے انکار کوئی فطرتِ سلیم والا تو کرتا نہیں بس وہی لوگ کرتے ہیں جو قانونِ الٰہی کے توڑتے رہنے اور شرائعِ ربانی سے بغاوت کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ انجیل میں یہود کی قساوتِ قلب کے سلسلہ میں ہے کہ مسیح نے "اگرچہ اُن کے سامنے اتنے معجزے دکھلائے تو بھی وہ اُس پر ایمان نہ لائے" (یوحنا۔ ۱۲: ۳۷) ۳۴۶ (خدا یا اس کے کسی نبی کی اطاعت کا) ذکر انہیں عصیان پیشہ یہود کا چل رہا ہے۔ ۳۴۷ بنی اسرائیل کی تاریخ، غداری، عہد شکنی، نافرمانی، سرکشی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ توریت کے صفحے، انجیل کے ورق، اقدم مؤرخین یہود جوزیفس وغیرہ کے دفتر سب اسی سرگزشت سے لبریز ہیں اور یہاں اشارہ ان کی اسی قومی خصوصیت کی جانب ہے۔ ۳۴۸ (اپنے کسی عہد و پیمان اطاعت کا، یعنی ایفائے عہد تو الگ رہا ان میں سے بہت سے اسی کے قائل نہیں ملتے کہ کبھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا بھی تھا گویا ایمان، لا یؤمنون میں اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں ہے۔ لا یؤمنون کے دُوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایمان کو ایمان اصطلاحی کے مفہوم میں لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان کب رکھتے ہیں۔ لا یصدقون بکتابھم (کبیر) لا یؤمنون بالتوراۃ (مدارک) ماحصل دونوں صورتوں کا یہی ہے کہ وہ پاس عہد خصوصاً آخری نبی کی تصدیق کرنے کے عہد کا اپنے کو پابند ہی کب سمجھتے ہیں۔

۳۲۴ (تمہارے اوپر نزولِ شریعت کے وقت) اس پر حاشیہ رکوع (۷) میں گزر چکا۔ ۳۲۵ یعنی یہ احکام و شرائع جو ابھی تم پر نازل کئے ہیں۔ ۳۲۶ (ان احکام و شرائع کو گوشِ دل) سے سنو، اور ان پر عمل کرو) اے اقبلوا ما اسمعتم (بحر) قال الماتریدی معنیٰ اسمعوا اقبلوا (بحر) وقیل اعملوا (بحر) ۳۲۷ آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عَصَیۡنَا (ہم نے نہیں مانا) ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا ہو۔ قال ابو مسلم وجائز ان یکون المعنیٰ سمعوه وتلقوه بالعصیان فعبّر عن ذلك بالقول وان لم یقولوه (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ قول یہاں بطور مجاز، زبانِ حال کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ نطقِ لسانی مراد نہیں۔ قیل یعبّر بالقول للشیء عما یفهم به من حاله وان لم یکن نطق (بحر) وقیل المعنیٰ قالوا بلسان المقال سمعنا وبلسان الحال عصینا (روح) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی، اس لئے گویا زبانِ حال سے یہی کہہ رہے تھے (تھانوی) قول کا لفظ یوں بھی عربی زبان میں نہایت وسیع معنیٰ رکھتا ہے۔ زبان سے ادا کرنا ہرگز اس کیلئے لازمی نہیں۔ راغب نے اپنے مفردات میں خود قرآن ہی سے اس کے متعدد معنیٰ نقل کئے ہیں۔ اور چوتھے نمبر پر اس کے معنیٰ دلالتِ حالی لکھے ہیں، اور ایک شاعر کا مصرعہ بھی سند میں پیش کیا ہے۔ یقال للدلالة علی الشیء نحو قول الشاعر۔ امتلأ الحوض وقال قطنی اور تاج العروس میں سیبویہ وغیرہ ائمۂ لغت کے حوالہ سے اس سے بھی زیادہ وسیع معنیٰ بیان کئے گئے ہیں لیکن اگر ان سرکشوں اور گستاخوں نے یہ لفظ زبان سے بھی نکالا ہو، تو ان کی عادی اور مسلسل نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے تعجب ذرا سا بھی نہیں۔ یرمیاہ نبیؑ کے صحیفہ میں ایک تصریح بالکل اسی سے ملتی جلتی، گو ایک دوسرے موقع کیلئے موجود ہی ہے:۔ ”خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ بھلی راہ کہاں ہے؟ اسی میں چلو کہ تم اپنے جیوں میں آرام پاؤ گے۔ پر انہوں نے کہا، کہ ہم اس میں نہ چلینگے، اور میں نے تمہارے اوپر نگہبان بھی

وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ

اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا ۳۲۴ کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے ۳۲۵ اسے مضبوطی

وَّاسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا ۚ وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ

کے ساتھ پکڑو اور سنو ۳۲۶ یہ (اسوقت) بولے تھے کہ (ہاں) ہم نے سن تو لیا مگر ہم نے مانا نہیں ۳۲۷ اور ان کے

قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ

دلوں میں گوسالہ ان کے کفر سابق کے سبب سے پیوست ہو گیا تھا ۳۲۸ آپ کہہ دیجئے (کیسی) بری ہے وہ بات جس کا

اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾ قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ

حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے، اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو ۳۲۹ آپ کہہ دیجئے کہ اگر

الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ

عالمِ آخرت خاص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کو

النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۴﴾

چھوڑ کر ۳۳۰ تو موت کی آرزو کر دیکھو اگر تم سچے ہو ۳۳۱

وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ

لیکن وہ اس کی آرزو ہرگز کبھی بھی نہ کرینگے بسبب ان (اعمالِ بد) کے جو یہ اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہیں ۳۳۲ اور

عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ

اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے ۳۳۳ اور آپ انہیں زندگی پر حریص سب لوگوں سے

عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمۡ

بڑھ کر پائیں گے ۳۳۴ (یہاں تک کہ) مشرکوں سے بھی بڑھ کر ۳۳۵ ان میں سے ایک ایک یہ

معانقہ ۳

ٹھیرائے، اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو۔ پر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے“ (یرمیاہ۔ ۶: ۱۶، ۱۷) ۳۲۸ (چنانچہ بیل کے تقدس کا اعتقاد اسرائیل قوم میں مدت دراز تک قائم رہا (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۴ ص ۵۰۲) اشربوا فی قلوبهم۔ مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہلِ عرب کی زبان میں عام ہے: وانّ من عادتهم اذا ارادوا العبارة عن مخامرة حب او بغض استعاروا الیٰ اسم الشراب لانه ابلغ انجاع فی البدن (راغب) یا یہ استعارہ رنگ سے ہو، کہ وہ بھی کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کما یداخل الثوب الصبغ (کشاف) کما یتداخل الصبغ الثوب والشراب اعماق البدن (بیضاوی) بکفرهم۔ ب سببیہ ہے، یعنی ان کے کفر کے باعث نتیجۂ کفر کے طور پر۔ الباء للسبب ای الحامل لهم علی عبادة العجل هو کفرهم السابق (بحر) ۳۲۹ جتن الزامی ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ گویا قرآن کا کہنا یہ ہے کہ دعویٰ تو یہ کہ ہم صاحب ایمان و توحید ہیں، اور عمل یہ کہ گوسالہ کی تنزیہ و تقدیس میں لگے ہوئے ہو! کیا اچھا تمہارا ایمان ہے! ۳۳۰ (جیسا کہ تم اپنے زعم و پندار میں سمجھ رہے ہو) بنی اسرائیل کے اس بنیادی عقیدہ کا ابتدائی خاکہ تو خود موجودہ توریت میں موجود ہے مثلاً ”تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو“ (استثناء۔ ۱۴: ۱) ”تو خداوند اپنے خدا کے لئے مقدس قوم ہے۔ اور خداوند نے تجھ کو چن لیا، تاکہ سب قوموں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں، تو اس کیلئے خاص قوم ہو“ (استثناء۔ ۱۴: ۲) رفتہ رفتہ یہ عقیدہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ گیا کہ یہود اپنے سوا کسی اور کو جنت کا مستحق ہی نہیں سمجھتے تھے، اور نجاتِ اخروی کو اپنا مخصوص حق سمجھنے لگے تھے۔ اپنے کو خدا کا محبوب اور خدا کا لاڈلا اور چہیتا فرزند قرار دینے لگے تھے اور خیال یہ جما لیا تھا کہ خداوند خدا کا جو معاملہ ہماری قوم و نسل کے ساتھ ایک ناقابلِ تبدیل طور پر ہے وہ دنیا جہان میں کسی اور کے ساتھ نہیں ـــــ نسلی تقدیس کی یہی وبا ہے جو ہندوستان میں برہمنیت کے نام سے جلوہ گر ہے۔ الدار الاٰخرة عند اللّٰه۔ مراد ہے جنت اور نجات کا حاصل ہونا۔ دون الناس۔ ناس سے مراد نوعِ انسانی ہے اور دون الناس سے مراد اپنی قوم و نسل کی خصوصیت کا اظہار اور اس میں دوسروں کی شرکت سے انکار ہے۔ دون هنا لفظ یستعمل للاختصاص وقطع الشرکة (بحر) ۳۳۱ (اپنے اس دعویٰ میں کہ ہماری نجات یقینی اور قطعی ہے) قدیم مفسرین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہی مطالبہ یہود بھی تو الٹ کر مسلمانوں اور رسول اللہ صلعم سے کر سکتے تھے اور پھر اپنے اپنے مذاق پر اس کے جوابات دیئے ہیں لیکن حقیقۃً یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، کوئی مسلمان کب اپنی نجات کو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یقینی سمجھتا ہے؟ مسلمان تو خود ہی ایمان اور عملِ صالح کے دُہرے دُہرے اختیاری معیار سے ڈرتا، لرزتا رہتا ہے، کہ دیکھا چاہئے، حشر میں اس امتحان میں پورا اترتا بھی ہے یا نہیں؟ یہ اطمینان اور یہ زعم کہ چونکہ ہم فلاں گھرانے فلاں خاندان میں پیدا ہو گئے ہیں، اسلئے بغیر کسی جہد و اکتساب کے ہماری نجات تو یقینی ہو چکی، یہ عقیدہ اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص تھا، مسلمان اس کے قریب ہی کب گیا، جو یہ سوال اس پر عائد ہو سکے؟ اسلام تو اس نسلی تقدیس اور اس اضطراری نجات کے مٹانے کیلئے ہی ہے۔ مسلمان تو خود ہی کہتا ہے کہ مجھے اپنا انجام نہیں معلوم، میں ایمان اور طاعت کی راہ اپنی طرف سے اختیار کر کے آگے فضلِ خداوندی کا منتظر ہوں۔ مسلمان کے سامنے اس سوال کو پیش کرنے کا کوئی محل ہی نہیں۔ پھر یہی ہے کہ یہ مطالبہ ہر اسرائیلی سے ہر زمانہ کیلئے ہے بھی نہیں۔ اس کا دائرہ صرف انہیں معاند یہود کے ساتھ مخصوص ہے جو رسول اللہ صلعم کے معاصر تھے اور سارے شواہد کے بعد بھی آپ کے منکر تھے۔ وهذا خاص بالمعاصرين له صلی اللّٰه علیه وسلم (روح) یہ تفسیر خود صحابی حضرات سے مروی ہے، بلکہ حضرت ابن عمرؓ نے تو اپنے زمانہ کے ایک گستاخ یہودی کے جواب میں یہ مضمون بڑی حدت و شدت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ توهم هذا الكلب اللعين الجاهل ان هذا لكل یهودی او للیهود فی کل وقت لا انما هو لاولئك الذین کانوا یعاندون ویجحدون نبوة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بعد ان عرفوا (روح) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ موت کی محبت، خواہ طبعی ہو یا عقلی، ولایت کی علامتوں میں سے ہے۔ ۳۳۲ یعنی ان کا دل خود چور ہے۔ ان کا ضمیر ان پر ملامت کر رہا ہے۔ نفاذ کا کوئی ولولہ کوئی جذبہ ان میں باقی ہی کہاں ہے، جو یہ عالم آخرت کی تمنا کر سکیں۔ ابدًا۔ احتجاج بالاجب صرف یہود معاصرینِ رسولؐ کے ساتھ مخصوص ہو گیا، تو ابدًا کے معنی بھی لازمی طور پر یہ ہونگے کہ یہ اپنی زندگی بھر ایسا نہ کریں گے۔ یعنی بالابد هنا ما یستقبل من زمان اعمارهم (بحر) ای لن یتمنوه ما عاشوا (روح) ۳۳۳ یعنی ان لوگوں سے جو اپنے ہتکنڈوں سے خود اپنے حق میں ظلم کرتے رہتے ہیں۔ الظلم هو تجاوز ما حدّ اللّٰه (بحر) ۳۳۴ یعنی اس زندگی پر حریص جو پلیدی اور گندگی سے لبریز ہے۔ زندگی سے محبت اور موت سے وحشت تو ایک حد تک طبعی ہے، اور ان طبعی حدود کے اندر ہرگز اسلام میں کوئی ملامت نہیں لیکن یہود کا جذبۂ حبِّ دنیا طبعی حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ دنیا پرستی مقصود بالذات بن گئی تھی۔ اور روحانیت کا ذوق بالکل مردہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں بھی جن قوموں نے جنتر منتر وغیرہ ظاہری رسوم میں غلو اور ان پر تکیہ کر رکھا ہے۔ ان کے دل بھی ذوقِ آخرت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں۔ اور یہود کی حبِّ دنیا و حبِّ مال آج بھی ضرب المثل ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں تالمود وغیرہ کے حوالہ سے اس مضمون کے متعدد قول نقل ہوئے ہیں کہ دنیوی زندگی بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے، معصیت گوارا کر لینا چاہئے لیکن موت نہ گوارا کرنا چاہئے۔ وقس علی ہذا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ۳۳۵ (جو بیچارے کتابِ آسمانی اور پیامِ انبیاء کی دولتوں سے محروم ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشرکین تو سرے سے اخروی نعمتوں کے لذت شناس ہی نہیں، وہ اگر ادھر سے غیر ملتفت ہو کر اپنا مرکزِ توجہ و محورِ زندگی اسی مادی زندگی کو بنائے رکھیں، تو کچھ ایسا حیرت انگیز نہیں غضب تو یہود کر رہے ہیں جو اپنے آسمانی صحیفوں اور پیمبرانہ ہدایتوں کے باوجود بھی مشرکوں سے بڑھ کر دنیا سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ایک عجیب بات اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ طولِ عمر کے جو عجب عجب نظریے آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اس کیلئے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ پیش پیش یہودی ہی ڈاکٹر اور اہلِ سائنس ہیں۔

اللّٰہُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ
نازل کیا ہے (محض) اس ضد پر کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا

مِنْ عِبَادِہٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ؕ وَ
اپنا فضل (خاص) نازل کیا ۳۱۳ سو وہ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے ۳۱۴ اور

لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ اٰمِنُوْا
کافروں کے لئے عذاب ذلت والا ہے ۳۱۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ
اس (کلام) پر جو اللہ نے نازل کیا ہے ۳۱۶ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اُوپر نازل ہوا ہے ۳۱۷

یَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ۗ وَہُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا
اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس سے یہ کفر کرتے ہیں ۳۱۸ حالانکہ وہ خود بھی حق ہے اور اسکی بھی تصدیق کرنیوالا ہے

مَعَہُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ
جو انکے پاس ہے ۳۱۹ آپ کہیئے کہ اچھا تو تم اس کے قبل انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو، اگر

قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ
تم واقعی ایمان والے تھے؟ ۳۲۰ اور موسٰیؑ تمہارے پاس کھلے ہوئے

مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ
نشان لے کر آئے ۳۲۱ اس پر بھی تو تم نے اُنکے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا ۳۲۲

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ
اور تم تو ہی ہو ظالم ۳۲۳ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا

منزل

۳۱۳ قرآن نے اس حقیقت کو بار بار صاف کیا ہے کہ یہود کا یہ کفر و انکار کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر، فکر و نظر کے کسی دھوکے یا مغالطہ کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس غصہ و عناد کا نتیجہ تھا کہ نبوّت خاندان اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کو کیوں مل رہی ہے؟ —— وہی نسلیت یا قومیت کی ملعون عصبیت جو آجتک دُنیا پر مسلط ہے۔ امام رازی کی خداداد نظر قرآن حکیم کے عجب عجب نکتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس مقام پر لکھا ہے کہ یہود تو نبوت کو اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے۔ ایک عرب کو اس کا مدعی پا کر اُلٹے اس کے رشک و حسد پر اُسے محمول کرنے لگے۔ ظنوا ان ھذا الفضل العظیم بالنبوۃ المنتظرۃ یحصل فی قومھم فلما وجدوہ فی العرب حملھم ذٰلک علی البغی والحسد (کبیر) کیا عجب ہے اس ضد اور نفسانیت کی کہ نسلی و خاندانی عصبیت کی بنا پر تصدیق نبوت تک سے انکار کر دیا! من فضلہ میں فضل سے مراد فضل وحی ہے یعنی الوحی (بیضاوی) مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ احوال و مواہب فضل ہیں، مشیت کے تابع ہوتے ہیں کسب و اکتساب کو دخل نہیں۔ ۳۱۴ غَضَبٌ عَلٰی غَضَبٍ کی تفسیر میں بہت سے قول نقل ہوئے ہیں ان میں سے ایک قول تابعی حضرات سے منقول یہ ہے کہ یہود کی پہلی مغضوبیت کی بنیاد رسالت عیسوی کا انکار ہے۔ اور دوسری مغضوبیت کی بنیاد رسالت محمّدی سے انکار۔ وھو قول الحسن والشعبی وعکرمۃ وابی العالیۃ وقتادۃ (کبیر) یہ تفسیر بھی اپنی جگہ پر بہت خوب ہے لیکن اس سے بھی زیادہ دلنشین اور بے تکلف قول یہ ہے کہ پہلا عتاب اُنکے بالکل بلاوجہ اور دلیل واضح و صریح کی موجودگی میں انکار و تکذیب رسالت پر ہے۔ اور دوسرا عتاب انکے جذبات حسد و عناد پر۔ لانھم کفروا بنبی الحق وبغوا علیہ (کشاف) للکفر والحسد (بیضاوی) بما اقترفوا من الکفر والحسد (روح) یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ مقصود کلام، غضب کی تکرار نہیں بلکہ اس کی تاکید اور اشدیت ہے۔ المراد بہ تاکید الغضب وتکثیرہ (کبیر) ویحتمل ان یراد الترادف والتکاثر لاغضبان (روح) ۳۱۵ عذاب الٰہی کا نہایت شدید و الیم ہونا تو ظاہر ہی ہے، پھر اس عذاب کی بنا چونکہ یہود کی قومی منافرت و نسلی عصبیت ہے، اس مناسبت سے یہ سزا اُن کے غرور کو توڑنے والی، ان کی توہین، ذلت و رسوائی کو بڑھانے والی بھی ہوگی۔ ۳۱۶ (اپنے بندہ اور آخری رسول محمدؐ پر)۔ ذکر وہی بنی اسرائیل کا چل رہا ہے۔ انہیں سے کہا جاتا تھا کہ آخری کتاب الٰہی قرآن پر ایمان لاؤ۔ ۳۱۷ (اور وہ ہمارے لئے بالکل کافی ہے) انزل علینا۔ ہمارے اُوپر یعنی ہماری قوم و نسل کے اُوپر نازل ہوا ہے۔ یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی سلسلۂ وحی یا مسئلۂ رسالت کے منکر تھوڑے ہی ہیں، ہم بھی تو مومن ہی ہیں اور اپنی نسل اسرائیل کے انبیاء کے قائل ہیں۔ ۳۱۸ یہ یہود کے قول کا تتمہ ہے۔ قرآن مجید نے یہ اضافہ کر دیا کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ کے باہر کسی اور نبوت کے قائل نہیں، ایک عرصہ تک الطاف الٰہی و عنایات خداوندی کے مورد خاص بنے رہنے، اور اسی نسل کے اندر انبیاء کے مسلسل پیدا ہوتے رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں یہ جم گیا تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ ۳۱۹ ھو الحق ضمیر ھو قرآن کی جانب ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت اور شواہد سے روشن ہے۔ مصدقا لما معھم یعنی وہ تصدیق کرتا ہے توریت اور انبیاء بنی اسرائیل کے دوسرے صحیفوں کی۔ قرآن یہاں یہود کے مقابلہ میں اپنے دو وصف بیان کر رہا ہے۔ (۱) ایک یہ کہ وہ فی نفسہ حق ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت ہے۔ اسلئے اس پر ایمان لانا بجائے خود واجب ہے۔ (۲) توریت اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں کے ساتھ اس کا تعلق منافات کا نہیں۔ اس کا رشتہ اتحاد و تصدیق کا ہے۔ ۳۲۰ تیسرا جواب قرآن مجید نے یہود کو یہ دیا کہ خود یہی دعویٰ تمہارا کب صحیح ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہو؟ ایمان و تصدیق الگ رہی، تم نے خود اس زور و شور سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت و عداوت پر اس حد تک اُتر آئے کہ انہیں قتل تک کر ڈالا۔ اور تمہاری قومی تاریخ کے تو صفحات رنگین ہیں انبیاء کے خون سے۔ اسرائیل اور قتل انبیاء پر مفصل حاشیے (رکوع ۷) کے ذیل میں گزر چکے۔ بائبل کے اُن حوالوں کے علاوہ ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ نحمیاہ نبیؑ کے زمانہ میں خود اکابر بنی اسرائیل اپنے باپ دادوں سے متعلق مناجات میں کہتے ہیں:۔ "وہ نافرمانبردار نکلے اور تجھ سے پھر گئے۔ اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پُشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو اُن کو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا اور انہوں نے اپنے کاموں سے تجھے غصہ دلایا" (نحمیاہ ۔ ۹: ۲۵، ۲۶) ۳۲۱ (اور اُن کھلے ہوئے نشانوں کا اثر طبعی طور پر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ تم خُدا کی طاعت اور نبی کی اطاعت میں دل سے لگ جاتے) حضرت موسیٰؑ کے کھلے ہوئے نشانات اور معجزات جو فرعون کے مقابلہ میں تھے، عصا، ید بیضا وغیرہ، وہ تو مشہور ہی ہیں لیکن جاءکم سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ معجزات موسوی خود بنی اسرائیل کیلئے بھی تھے۔ ۳۲۲ (پرستش کیلئے) یہ ہے تمہارے دعویٰ توحید کی حقیقت! گوسالہ پرستی پر حاشیے (رکوع ۶) کے ذیل میں گزر چکے۔ ثمّ یہاں محض تاخر زمانی کیلئے نہیں، بلکہ یہ بھی ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ تم کیسی پستی میں اُتر گئے۔ اور یہ کہ تم نے یہ اس وقت کیا جب تمہارے پاس دلائل و شواہد اس کے خلاف پہنچ چکے تھے۔ ثم للتراخی فی المرتبۃ والدلالۃ علی نھایۃ قبح ما صنعوا (ابو سعود) کلمۃ ثم للاستبعاد (روح) من بعدہٖ۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں، حضرت موسیٰؑ اس وقت اپنی قوم کو میدان میں چھوڑ کر ستر منتخب افراد کے ہمراہ کوہ طور پر گئے ہوئے تھے تفصیلات رکوع (۶) کے ذیل میں گزر چکیں۔ ۳۲۳ (اپنے حق میں) یعنی تمہاری تاریخ گواہ ہے کہ تم اپنی جانوں پر، اپنی رُوحوں پر ظلم کرنے کے کیسے عادی ہو! یہ گویا جوابات سابق کا تتمہ ہے۔ اسرائیلیوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اور زمانوں میں تو خیر تم نے جو کچھ کیا، خیر وہ تو کیا ہی، شرک تو تم نے خود حضرت موسیٰؑ ہی کے زمانہ میں شروع کر دیا۔ اور شرک بھی کیسا جلی۔ گوسالہ پرستی! اور وہ بھی پیمبرؑ کی صرف چند روزہ غیر حاضری کے زمانہ میں! تمہارے لئے مانع نہ اُن کے لائے ہوئے نشانات اور دلائل ہو سکے۔ اور نہ یہ امر کہ وہ تو ابھی زندہ سلامت موجود ہیں۔ غرض کہ نافرمانیوں میں دلیر تم آج سے نہیں، مدت دراز سے ہو۔

بِرُوحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا

روح القدس کے ذریعہ سے اُنکی تائید کی ۳۰۰ تو کیا جب کبھی کوئی پیمبر تمہارے پاس ان (احکام) کے ساتھ آیا جو

تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَ

تمہارے نفس کو نہ بھائے ۳۰۱ تو تم اکڑنے لگے ۳۰۲ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا ۳۰۳ اور

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ

بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے ۳۰۴ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں ۳۰۵ (نہیں) بلکہ

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ

اللہ نے اُن پر لعنت کر رکھی ہے انکے کفر کے باعث ۳۰۶ اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں ۳۰۷ اور

لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

جب اُن کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچ گئی تصدیق کرنیوالی اسکی جو انکے پاس

مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى

پہلے سے موجود ہے ۳۰۸ اور اس کے قبل یہ (خود ہی) کافروں سے بیان کیا کرتے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا

تھے ۳۰۹ پھر جب اُن کے پاس وہ آگیا جس کو (خوب) پہچانتے تھے تو اسی سے کفر

بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا

کر بیٹھے ۳۱۰ سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ۳۱۱ بُری ہے وہ چیز

اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ

جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے ۳۱۲ کہ انکار کرتے ہیں اس (کلام) کا جو اللہ نے

۳۰۰ روح القدس۔ اسلامی اصطلاح میں مشہور ممتاز و مقرب فرشتہ حضرت جبرئیل کو کہتے ہیں۔ اے بجبریل علیہ السلام واطلاق روح القدس علیہ شائع (روح) الروح الامین مسمی بہ جبریل وسماہ بروح القدس (راغب) مسیحی اصطلاح میں روح القدس "تثلیثِ مقدس" کے اقنوم ثالث کو کہتے ہیں، اُس سے یہاں کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ اصطلاح کے مشترک ہونے سے بعض دفعہ بڑے بڑے مغالطے اور غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش چونکہ خداوندی مصالح کے مطابق، عام بشری طریق سے الگ، ایک نئے قانون کے ماتحت محض مسِ ملکوتی سے ہوئی تھی، اس لئے عجب کیا جو بعد میں بھی آپ کو مناسبت عالم ملائکہ سے زیادہ رہی ہو۔ اور اسی مناسبت سے استفاضہ بھی ملائکہ سے زیادہ ہوتا رہتا ہو۔ ایدنٰہ میں اشارہ ادھر بھی نکلتا ہے کہ آپ اپنی بشریت کی بنا پر اعانتِ خداوندی کے محتاج تھے اور وہ اعانت ایک فرشتہ کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی۔ ۳۰۱ (اور اسی طرح کے احکام تو کم و بیش سب ہی پیمبر لائے) مخاطبت اُنھیں بنی اسرائیل سے ہے۔ روئے سخن دفعۃً صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب کی طرف (یا کسی ایک صیغے دوسرے کی طرف) پلٹ دینا صنعتِ التفات کہلاتا ہے اور عربی ادب و انشاء میں یہ عیب نہیں حُسن ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ۳۰۲ (اور اس پیمبر کی اطاعت و اتباع سے عار محسوس کرنے لگے) انسان کی یہ شامت شروع سے رہی ہے کہ وحیِ الٰہی کے مقابلہ میں حاکم و قاضی وہ اپنے ہوائے نفس ہی کو رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو احکام اُسے اپنی خواہشوں یا اپنی محدود و ناقص اور جذبات زدہ عقل کے منافی نظر آتے ہیں جھٹ اُن سے انکار اور اُن کے مقابلہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیتا ہے ——— آج جس چیز کا نام "روشن خیالی" ہے تحلیل کر کے اور خوب غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی تہ میں بھی اصلاً صرف یہی ملے گا۔ استکبار نفس اور پیمبر کے اقتدا و اتباع سے عار۔ ۳۰۳ (اور سرِ طرح اُنکی ایذا کے درپے ہوگئے) ۳۰۴ جیسے زکریا نبیؑ، یحییٰ نبیؑ وغیرہما۔ تفصیل حاشیہ رکوع ، کے ذیل میں گزر چکا۔ مُرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبر ہی اکثر معاصی کی بنیاد ہے۔ چنانچہ یہاں قرآن نے تکذیبِ انبیاء و قتلِ انبیاء کو کبر ہی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ۳۰۵ (اور دعوتِ اسلام ہمارے اُوپر کچھ اثر نہیں کر سکتی) یہود فخریہ اور علانیہ کہتے تھے کہ "یہ نئے پیغمبر" کچھ بھی کر ڈالیں ہم اُن کے کہے میں نہیں آنے کے۔ غُلف ممکن ہے کہ جمع غلاف کی ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارفِ موسوی سے لبریز ہیں، ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ ھی جمع غلاف (راغب) اے ھی اوعیۃ للعلم تنبیھًا انا لا نحتاج ان نتعلم منک فلنا غنیۃ بما عند نا (راغب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اغلف کی جمع ہو۔ اور اغلف کہتے ہیں غیر مختون کو، اس کو جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ قیل ھو جمع اغلف (راغب) مستعارًا عن الاغلف الذی لم یختن (کشاف) قیل واصلہ ذوالقلفۃ الذی لم یختن (روح) "مختون" و "نامختون" کہنے کا محاورہ یہود کی زبان پر عام طور سے چڑھا ہوا تھا۔ کبھی اپنے کو "نامختون" کہتے کبھی اپنے دل و جسم کو یا کبھی اپنے اعضاء و جوارح کو۔ توریت میں بار بار اس کا استعمال ہوا ہے مثلاً "بس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں، فرعون میری کیوں کر سُنے گا" (خروج۔ ۶: ۱۲) "تب دل کے نامختون اور جسم کے نامختون اجنبی اور دل کو میرے مقدس میں لائے" (حزقی ایل۔ ۴۴: ۷) بلکہ کہیں کہیں انجیل میں بھی آیا ہے مثلاً "اے گردن کشو، اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت رُوح القدس کی مخالفت کرتے ہو" (اعمال۔ ۷: ۵۱) قرآن کا یہ اندازِ بیان بھی ایک اعجازی پہلو رکھتا ہے کہ جب یہود کا قول نقل کیا، تو زبان بھی انہیں کی اختیار کی۔ ۳۰۶ قرآن مجید یہود کے فخریہ کے جواب میں کہتا ہے کہ جس "محفوظیت" پر انہیں اس قدر غرہ ہے یہ کوئی فخر و ناز کی چیز نہیں، یہ تو ایک نشان ہے صداقت سے اُن کے دُور ہو جانے اور حق سے ان کے بُعد پیدا ہو جانے کا۔ اور یہی حقیقت ہے لعنت کی۔ لعنت پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ نام ہے رحمتِ الٰہی سے بُعد و ہجران کا۔ بکفرھم۔ اس میں یہ بتا دیا کہ یہ ملعونیت اور مغضوبیت جو اُن پر طاری ہوگی اُن کے کفرِ اختیاری کے باعث ہوگی۔ اللہ کے پیمبر سے مخالفت و عناد پر اصرار رکھنے کے باعث ہوگی۔ ب سببیہ ہے۔ اے بسبب کفرھم (ابو سعود) لعنت کا محاورہ توریت میں بہت عام ہے۔ صرف ایک مقام کا اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو:۔ "یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی اور تجھ تک پہنچیں گی۔ تو شہر میں لعنتی ہوگا اور تو کھیت میں بھی لعنتی ہوگا۔ تیرا ٹوکرا اور تیرا کٹھرا لعنتی ہوگا۔ تیرے بدن کا پھل اور تیری زمین کا پھل تیری گائے بیل کی بڑھتی اور تیرے بھیڑ بکری کے گلے لعنتی ہو جائیں گے۔ تو بھیتر آنے کے وقت لعنتی ہوگا اور تو باہر جانے کے وقت لعنتی ہوگا۔ خداوند ان سارے کاموں میں جن میں تو کرنے کیلئے ہاتھ لگاوے تجھ پر لعنت اور حیرت اور ملامت نازل کریگا۔" (استثناء ۲۸: ۱۵-۲۰)۔ لعنت انجیل میں بھی منقول ہے حضرت مسیحؑ کی زبان سے، نہ صرف کاہنوں اور فریسیوں کیلئے بلکہ انجیر کے خشک درخت کے لئے بھی۔ ۳۰۷ (اور یہ تھوڑا یا برائے نام ایمان نجات کیلئے کافی نہیں) قلیلاً۔ قلیل یہاں ایمان کی صفت ہے جو ایمان نجات کیلئے ضروری ہے اور جس کا حکم ہر مکلّف کو ہے۔ اس کے متعدد اجزاء ہیں۔ یہود کا ایمان جو کچھ بھی تھا، صرف اُن میں سے بعض پر تھا۔ اے لا یؤمنون الا بقلیل مما کلفوا بہ (کبیر) قلیلاً صفۃ مصدر محذوف۔ اے فایمانًا قلیلاً یؤمنون (مدارک) ما یؤمنون میں ما مزیدہ ایمان کی قلت پر زور دینے کیلئے ہے یعنی بہت ہی تھوڑا ایمان۔ ما مزیدۃ للمبالغۃ فی التقلیل (بیضاوی) ما مزیدۃ للمبالغۃ (ابو سعود) قلیلاً۔ صفت مومن کی بھی ہو سکتی ہے مفہوم اس صورت میں یہ ہوگا کہ ان میں سے بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ بعض اکابر ادھر بھی گئے ہیں۔ اے لا یؤمن منھم الا قلیل (ابن جریر۔ عن قتادۃ) قال بعضھم فقلیل من یؤمن منھم (ابن کثیر) اور امام رازیؒ نے ترجیح اسی آخری ترکیب کو دی ہے لیکن محاورہ میں قلیل کا استعمال نفیِ مطلق کے موقع پر بھی ہوتا ہے یجوز ان تکون القلۃ بمعنی العدم (کشاف) معنی اس صورت میں یہ ہونگے کہ یہ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔ والمعنی فیہ نفی جمیعہ (ابن جریر) معناہ لا یؤمنون اصلاً لا قلیلاً ولا کثیرًا (کبیر) ۳۰۸ کتٰب من عند اللہ یعنی قرآن۔ لما معھم۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید نے اپنی یہ صفت جابجا بیان کی ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ بجائے خود صادق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کا مصدق بھی ہے اور ان پچھلی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور توریت ہے۔ ۳۰۹ (کہ عنقریب آخری نبی نجات دہندہ کا ظہور ہونیوالا ہے) الذین کفروا سے مُراد اس سیاق میں مشرکین عرب ہیں۔ ایک نو مسلم انصاری صحابی سے روایت ہے کہ زمانۂ قبل اسلام میں جب ہم یہود کو شکست دیتے تھے تو وہ کہا کرتے کہ اچھا ٹھہر جاؤ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونیوالا ہے ہم اسکے ساتھ ہو کر تمہیں قتل کر کے رکھ دینگے (سیرۃ ابن ہشام باب خبر انذار یہود برسول اللہ صلعم) یہود نے حضرت عیسیٰؑ کے مسیح ماننے سے تو انکار کر دیا تھا لیکن اس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے اور اس کا ذکر مشرکین مکہ سے اکثر کرتے رہتے۔ یستفتحون یہاں یفتحون کے مرادف قرار دیا گیا ہے اور فتح کے معنی عربی میں خبر دینے اور بیان کرنے کے ہیں۔ اے یعرفون المشرکین ان نبیا یبعث منھم (روح) اے یفتحون علیھم ویعرفونھم (کشاف) لیکن یستفتحون اپنے عام اور مشہور معنی کے لحاظ سے مفہوم طلبِ فتح و نصرت کا رکھتا ہے۔ اس صورت میں مُراد یہ ہوگی کہ اس کے قبل یہود اس پیمبر مسیحی کا واسطہ دلا دلا کر خدا سے مدد چاہا کرتے تھے اور ائمہ تفسیر کی اکثریت نے یہی مُراد لی ہے اے یستنصرون اللہ ببعثۃ محمد علیہ السلام (راغب) یستنصرون بمحمد والقرآن (ابن عباسؓ) ومعنی الاستفتاح الاستنصار (ابن جریر) یسألون الفتح والنصرۃ (کبیر) ۳۱۰ (اور اسی سے انکار کرنے لگے کہ یہ کلام کلامِ الٰہی ہے یا یہ شخص اللہ کا پیمبر ہے) ما عرفوا سے مُراد قرآن بھی ہو سکتا ہے، اور ذاتِ رسالت بھی۔ حاصل دونوں صُورتوں کا ایک ہی ہے۔ کنی عن الکتب ویحتمل ان یراد بہ النبی صلعم (روح) مقصد یہ ہے کہ یہود اس آخری نبی اور اسکی نبوت کی علامتوں سے اپنے ہی دینی نوشتوں کے ذریعہ سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ نبی کا ظہور بالکل اچانک اور اُن کے علم و واقفیت سابق کے بغیر نہیں ہوا۔ انجیل یوحنا میں حضرت یحییٰ نبیؑ (انجیلی زبان میں ان کا نام ہے یوحنا ہی) کے ظہور کا حال یُوں درج ہے کہ:۔ "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اُنہوں نے اُس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟" (یوحنا۔ ۱: ۱۹-۲۲) اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہود صدیوں قبل سے ایک جانے بُوجھے ہوئے نبی (وہ نبی) کے انتظار میں تھے۔ ۳۱۱ یعنی اُن پر جو جان بُوجھ کر عناد و تعصب کی راہ سے کفر و انکار کر بیٹھیں۔ لعنت پر ایک حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ ۳۱۲ یعنی کیسی بُری وہ حالت ہے جسے اختیار کر کے وہ برعم خود اپنی جانوں کو عقوبتِ آخرت سے چھڑانا چاہتے ہیں بئس ما باعوا بہ حظ انفسھم اے اختاروا الکفر وبذلوا انفسھم للنار (معالم) اشتراء لغات اضداد میں سے ہے خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے۔ الاشتراء ھھنا بمعنی البیع (معالم) معناہ باعوا (بیضاوی)

۲۸۸ (اور اس کو اپنے نزدیک دینداری کا بڑا کارنامہ سمجھ کر اس پر فخر کرتے اور احسان جتاتے ہو) ۲۸۹ توریت محرّف میں بھی آجتک اسی قسم کے احکام لکھے چلے آتے ہیں:۔ "تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر"
(خروج۔ ۲۰: ۱۷) لیکن بالفرض کوئی صراحت اس قسم کی نہ ملے جب بھی کسی کو بلا عذر شرعی وطن سے بے وطن کرنا شقاوت کی انتہائی صورت ہے۔ ۲۹۰ الکتٰب سے اس سیاق میں مراد ظاہر ہے کہ اسرائیلیوں ہی کی آسمانی
کتاب توریت ہے۔ حجت الزامی یہود پر قائم ہو رہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانا تو الگ رہا تم خود توریت ہی کے کب پابند ہو؟ بلکہ جس حیا کی سے تمہارے کابر اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس سے تو صاف یہی
معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے اوپر حجت اور اپنے لئے واجب العمل توریت کے صرف بعض ہی اجزاء کو سمجھتے ہو، اور بعض اجزاء پر تمہارا ایمان ہی نہیں۔ ۲۹۱ پیشگوئی چند ہی روز میں لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی۔ حجاز میں یہود کے تین
زبردست قبیلے رہتے تھے۔ بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ تینوں دولت، وجاہت، قوت، علم و ہنر میں ممتاز تھے تینوں چند سال کی مختصر مدت میں رسول اللہ صلعم کی حیات مبارک ہی میں تہس نہس ہو کر رہے ۲۹۲ بنی
اسرائیلیوں کیلئے جہنم کی وعید خود ایک اسرائیلی نبی اور سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم حضرت مسیحؑ کی زبان سے بھی منقول ہے انجیل موجودہ میں ہے ا۔ "تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں غرض
اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھردو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچوگے؟" (متی ۲۳: ۲۴) ۲۹۳ ۔ (اور وہ سب کو سزا مناسب وقت پر دیتا ہے یا آخرت میں ضرور دیگا) آیت میں اشارہ ہے یہود

وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ
اور اگر وہ تم تک اسیر ہو کر پہنچ جاتے ہیں تو تم انہیں فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو ۲۸۸ حالانکہ ان کا
اِخۡرَاجُهُمۡ ‌ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ
(وطن سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا ۲۸۹، تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو مانتے ہو ۲۹۰ اور ایک حصہ سے
بِبَعۡضٍ‌ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ
انکار کرتے ہو؟ ۲۹۱ پس تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا کیا ہے بجز دنیوی زندگی
فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ‌ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ
میں رسوائی کے؟ ۲۹۱ اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب میں ڈالے بھی
الۡعَذَابِ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ
جائیں گے ۲۹۲ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ۲۹۳ یہی لوگ ہیں
الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ‌ فَلَا
جنہوں نے دنیوی زندگی خرید لی ہے آخرت کے معاوضہ میں ۲۹۴ سو ان پر
يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدۡ
سے نہ عذاب ہلکا کیا جائے گا ۲۹۵ اور نہ انہیں مدد ہی پہنچے گی ۲۹۶ اور ہم نے
اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ‌
موسیٰؑ کو کتاب عطا کی ۲۹۷ اور ان کے پیچھے ہم نے پے در پے پیمبر بھیجے ۲۹۸
وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ
اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو ہم نے روشن نشانات عطا کئے ۲۹۹ اور ہم نے

ع ۱۰

کے خفیہ طریق کار اور سازشی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے متعلق ۲۹۴ حالانکہ آخرت کا سودا بھی بہت ارزاں تھا۔ ایمان و عمل طاعت سے لیسے بہ آسانی خرید سکتے تھے) یہود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فکر اخروی باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کے مقدس مذہبی نوشتوں تک کی تعلیمات کا خلاصہ صرف یہ رہ گیا تھا کہ مذہب کی راہ پر چلو تاکہ دنیوی فلاح حاصل ہو، قوم کو آزادی ملے، اور تم ایک اقبال مند قوم بن جاؤ۔ آخرت کی جزا و سزا جس سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، اس سے حد یہ ہے کہ توریت تک تقریباً خالی ہے۔ ۲۹۵ (آخرت میں) شدید ترین عذاب الٰہی ابھی اوپر ہی والی آیت میں آچکا ہے۔ اب تاکیداً ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بے پناہ عذاب سے رہائی پانے کا کیا ذکر ہے، تخفیف تک کی صورت اس میں ممکن نہ ہوگی۔ فلا کی ف کا ترجمہ سو سے کیا گیا ہے مقصود یہ ہے کہ یہ عذاب تکذیب انبیاء کے جرم میں اس کے نتیجہ کے طور پر اور ایمان نہ لانے کی پاداش میں ہوگا۔ ۲۹۶ (کہ ان کے اکابر و اجداد ہی آکر سفارش کردیں) یہود کو بڑا غرّہ اسی کا تھا کہ ہم انبیاء مقبولین کی اولاد ہیں۔ ہمیں کیا غم ہے۔ ہماری نصرت و شفاعت کیلئے ہمارے یہ اسلاف کافی ہیں۔ قرآن کو اسی لئے اس عقیدہ کی تردید بار بار کرنی پڑی اور مختلف پیرایوں میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ قانون الٰہی کے باغیوں کا ہمدرد وسفارشی کوئی بھی نبی یا ولی نہیں ہو سکتا۔ اور جو ایمان سے خالی ہیں ان کی امداد و نصرت کسی سمت و جہت سے بھی نہ ہوگی۔ ۲۹۷ (اور ایک مستقل دستور شریعت سے قوم اسرائیل کو بطور انعام خاص مشرف و ممتاز کیا) الکتٰب سے مراد وہی توریت ہے۔ حضرت موسیٰؑ کون تھے کس زمانہ میں تھے، یہ سب ذکر پہلے حاشیوں میں آچکا ہے۔ ۲۹۸ (تمہاری ہی نسل اسرائیل میں) اسرائیلیوں میں حضرت موسیٰؑ کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور بکثرت آتے رہنا تاریخ کا ایک مشہور و مسلّم واقعہ ہے حضرت یوشعؑ نبی، حضرت داؤدؑ نبی، حضرت زکریاؑ نبی، حضرت یحییٰؑ نبی کے نام سے اردو خواں طبقہ بھی واقف ہے، متعدد انبیاء کے صحیفے کیسے ہی محرّف سہی، "عہد نامۂ عتیق" کے موجودہ مجموعہ میں شامل ہیں۔ ۲۹۹ (انکی

پیمبری و صداقت کے) البیّنٰت۔ اس میں دلائل، خوارق، معجزات سب آگئے۔ عیسیٰ۔ آپ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ آپکے بعد صرف نبوت محمدی ہوئی۔ ملک شام کے علاقہ، ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے وہی آبائی وطن تھا۔ ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی۔ خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا۔ جناب یوسف لکڑی کی صنعت سے خوب واقف تھے اسی لئے یوسف نجار کے نام سے مشہور تھے، شام اس وقت رومی مملکت کا ایک نیم خود مختار صوبہ تھا۔ اور اس وقت والی شام ہیرود تھا۔ مسیحی تقویم میں ۴ سال کی غلطی شروع سے چلی آرہی ہے۔ اسلئے آپکا سال ولادت وہ نہیں جس سے مسیحی تقویم شروع ہوئی ہے، بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے۔ اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیئے کہ آپ کی ولادت ۳ ق م میں ہوئی۔ ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق (اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کیلئے وفات پاکر) آسمان پر اٹھالئے گئے۔ مریم۔ مریم بنت عمران بن ماشان۔ قوم اسرائیل کے ایک بڑے معزز خاندان سے تھیں اور خود بھی بڑی باعصمت اور خوبصورت تھیں۔ سال وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ء ہے۔ عیسیٰ ابن مریم۔ ابن مریم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ مسیحؑ اپنی پیمبرانہ عظمت کے باوجود محض بشر ہی تھے ایک عورت کے بطن سے پیدا۔ خدا یا مثیل خدا یا فرزند خدا وغیرہ کچھ بھی نہ تھے۔

يَبَنِيٓ إِسۡرَآءِيلَ لَا تَعۡبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلۡوَٰلِدَيۡنِ

بنی اسرائیل سے عہد لیا ۲۷۹ کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے ۲۸۰ اور حسنِ سلوک سے

إِحۡسَانٗا وَذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ

پیش آنا (اپنے) ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) ۲۸۱

وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسۡنٗا وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ

اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا ۲۸۲ اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ

ٱلزَّكَوٰةَ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ إِلَّا قَلِيلٗا مِّنكُمۡ وَأَنتُم

دیتے رہنا ۲۸۳ پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے، اور تم ہی ہو

مُّعۡرِضُونَ ۝۸۳ وَإِذۡ أَخَذۡنَا مِيثَٰقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُونَ

گردن کش ۲۸۴ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا

دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُونَ أَنفُسَكُم مِّن دِيَٰرِكُمۡ

خون نہ بہانا ۲۸۵ اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے مت نکالنا

ثُمَّ أَقۡرَرۡتُمۡ وَأَنتُمۡ تَشۡهَدُونَ ۝۸۴ ثُمَّ أَنتُمۡ هَٰٓؤُلَآءِ

پھر تم نے اس کا اقرار کرلیا اور تم (اس کے) گواہ ہو ۲۸۶ پھر تم ہی وہ ہو کہ

تَقۡتُلُونَ أَنفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُونَ فَرِيقٗا مِّنكُم مِّن

اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو، اور اپنے ہی ایک گروہ کو اُن کے وطن سے نکال بھی

دِيَٰرِهِمۡ تَظَٰهَرُونَ عَلَيۡهِم بِٱلۡإِثۡمِ وَٱلۡعُدۡوَٰنِ

دیتے ہو (اور) اُن کے مقابلہ میں گناہ و ظلم کے ساتھ (انکے مخالفین کی مدد بھی کرتے ہو) ۲۸۷

۲۷۹ (انکے پیغمبروں کے واسطہ سے) عہد جب اس کا تعلق خدائے تعالیٰ سے ہوتا ہے، محاورۂ توریت میں حکم کے معنی میں آتا ہے مثلاً "اور اُس نے اپنا عہد تمہارے آگے بیان کیا جس پر عمل کرنے کا حکم بھی اُس نے تمہیں دیا یعنی دس احکام" (استثنار ۴: ۱۳) بعض شارحینِ قرآن نے بھی یہاں 'عہد لینے' کو 'حکم دینے' کے معنی میں لیا ہے۔ اے امرنا بذلك (ابن تیمیہ) ۲۸۰ توریت اثباتِ توحید و ممانعتِ شرک سے بھری پڑی ہے بیسیوں میں سے دو ایک مقام بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:۔ "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر" (خروج - ۲۰: ۲-۵) "میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر" (استثنار - ۵: ۷ و ۸) "سُن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" (استثنار - ۶: ۴) "تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو، کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کر دے" (استثنار - ۶: ۱۴ و ۱۵) تعبدون۔ صُورۃً صیغۂ مضارع ہے لیکن معنیً امر ہے۔ ھو اخبار فی معنی النھی (کشاف) بلکہ امر صریح سے بلیغ تر ہے یعنی اس سے یہ نکلتا ہے کہ گویا اس حکم کی تعمیل ہو چکی وھو ابلغ من صریح الامر والنھی لانہ کانہ سودع الی الامتثال (کشاف) ھو ابلغ من صریح النھی لما فیہ من ایھام ان المنھی سارع الی الانتھاء فھو یخبر عنہ (بیضاوی) ۲۸۱ اس سے ملتے جلتے احکام توریت موجودہ میں اب بھی موجود ہیں:۔ "تو اپنے ماں باپ کو عزت دے" (خروج - ۲۰: ۱۲) "اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔ جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے" (استثنار ۵: ۱۶) "اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجیو۔ بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ اور کسی کام میں جو وہ چاہے بہ قدر اسکی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو" (استثنار - ۱۵: ۸ و ۹) "اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں۔ آویں اور کھاویں اور سیر ہوویں" (استثنار - ۱۴: ۲۹) "مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے۔ اس لئے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو" (استثنار - ۱۵: ۱۱) ۲۸۲ یعنی عام طور پر لوگوں سے حسنِ گفتار کو قائم رکھو۔ اے قولوا للناس مقالۃ حسنۃ (بحر) قولوا لھم القول الطیب (بحر عن ابی العالیۃ) بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ فریضۂ انسانیت ہے۔ اس لئے یہ حکم عام ہے۔ یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہیئے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس حکم کی تعمیم آیاتِ قتال سے منسوخ ہو گئی لیکن حضرت ابو جعفر باقرؒ سے مروی ہے کہ یہ حکم اب بھی عام ہے، تحدید و تخصیص پر کوئی دلیل نہیں، اور یہی مذہب قوی ہے۔ زعم ابو جعفر محمد بن علی الباقر ان ھذا العموم باقٍ علی ظاھرہ وانہ لا حاجۃ الی التخصیص وھذا ھو الاقوی (کبیر) توریت موجودہ میں اب حسن سلوک کے جتنے بھی احکام ملتے ہیں ان کا دائرہ محدود ہے بنی اسرائیل کے ساتھ۔ اس لئے یا تو اس حکم کو اہلِ توریت نے بدل ڈالا۔ اور یا حکم ہے ہی خاص شریعتِ محمدیؐ کا حکم، جیسا کہ متعدد اہلِ تفسیر کا گمان ہے ۲۸۳ صلوٰۃ، اقامت صلوٰۃ، زکوٰۃ۔ اب یہ سب مخصوص اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ اسرائیلیوں کو یہ سب احکام انھیں مخصوص ہیئتوں اور انھیں متعین قیود کے ساتھ ملے تھے۔ انھیں جو احکام ملے تھے، وہ تھے انھیں عبادتوں سے متعلق، لیکن اُن کی مخصوص بولی میں اور ان کے حالات و ماحول کے مطابق۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور دعا اور عبادت کی تاکید اب بھی توریت میں مختلف عنوانات سے موجود ہے۔ ۲۸۴ چند شہادتیں اسی مضمون کی خود توریت سے ملاحظہ ہوں:۔ "وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے" (خروج - ۳۲: ۸) "میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے" (خروج - ۳۲: ۹) "اس لئے کہ تم گردن کش لوگ ہو" (خروج - ۳۳: ۳) "بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو" (خروج - ۳۳: ۵) یہ چند حوالے صرف نمونہ کے طور پر دیئے گئے۔ ورنہ توریت کا تو یہ ایک خاص موضوع ہے۔ ۲۸۵ "عہد لیا" یہاں بھی "حکم دیا" کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۷۹ خونریزی کی ممانعت توریتِ مروجہ میں بھی متعدد مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً۔ "تو خُون مت کر" (خروج - ۲۰: ۱۳) "بے گناہ کا لہو تیری زمین پر جسے خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے، بہایا نہ جائے کہ خون تجھ پر ہو" (استثنار - ۱۹: ۱۰) ۲۸۶ یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا، جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا چلا آتا ہے، اور تمہیں اس سے مجالِ انکار نہیں۔ توریت میں ہے:۔ "وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے اور تابع رہیں گے" (خروج - ۲۴: ۷) ۲۸۷ یہود کے جو قبیلے عہدِ نبوی میں، مدینہ اور جوارِ مدینہ میں آباد تھے، ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ باہم خانہ جنگیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مشرکینِ مدینہ دو بڑی ٹکڑیوں میں، آج کل کی "مہذب" فرنگی قوموں کی طرح بٹے ہوئے تھے۔ ایک اتحاد اَوس کا تھا دوسرا خزرج کا۔ اسرائیلیوں کے بھی بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ یہی کیا کرتے کہ ان میں سے ایک مشرکوں کے ایک جتھے کے ساتھ ہو جاتا اور دوسرا مشرکوں کی دوسری پارٹی کے ساتھ۔ اور پھر جنگ جب شروع ہو جاتی تو ظاہر ہے کہ وہ سب ہی کچھ ہوتا جو جنگ میں ہُوا کرتا ہے۔ جلا وطنی، اسرائیلی کا قتل اسرائیلی کے ہاتھ سے، وغیرہا ــــــ یہاں عہدِ نبوی کے معاصر اسرائیلیوں کے یہی خصوصیات بے نقاب کئے جا رہے ہیں۔ بالاثم والعدوان۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر قرآن نے بتلا دیا کہ پھر یہ نہیں کہ اس خانہ جنگی اور مشرک نوازی کی بنیاد کسی جذبۂ صادق و صحیح اور حسنِ نیت و اخلاص پر ہو۔ بلکہ تمام تر جن اخلاقی گندگیوں میں دنیوی اہلِ سیاست عموماً مبتلا رہتے ہیں، اور مشرکین خاص طور پر مبتلا تھے، وہی ان محاربات کا باعث تھیں۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آج بھی یہ درج ہے کہ جنگِ بعاث مشرکین کی باہمی جنگ تھی۔ یہود اس میں فریقین کی جانب سے شریک ہو گئے اور نمایاں حصہ لیا۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اَوس کا ساتھ دیا، اور بنی قینقاع خزرج کی حمایت میں نکل پڑے۔ جنگ نے طول کھینچا اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر شکست خزرج کے فریق کو ہوئی۔ جلد ۳۔ صفحہ ۴۳ اسی انسائیکلوپیڈیا میں یہ تصریح بھی موجود ہے، کہ یہودی قبیلے مشرکینِ مدینہ کے ساتھ شادی بیاہ کرتے تھے۔ اور جنگ میں دونوں فریقوں کے شریک ہو جاتے تھے۔

خدمتِ دین رہتی، تمامتر تحصیلِ جاہ و مال ہی تھی۔ ثمنًا۔ ثمن کے معنی صرف نقد یا زرِ قیمت کے نہیں، بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کی ثمن ہے۔ کل ما یحصل عوضًا عن شیء فھو ثمنہ (راغب) مفسرین نے بھی اسے یہاں اسی وسیع مفہوم یعنی مطلق دنیوی معاوضہ کے معنی میں لیا ہے۔ الثمن ھنا ھو عرض الدنیا (بحر) قلیلًا۔ کلامِ ربانی کی تصحیف و تحریف جیسے شدید و عظیم جرم سے جو بھی مادّی نفع، کسی قسم کا بھی حاصل ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ حقیر و بے وقعت ہی ہوگا۔ بعض خشک اہلِ ظاہر نے آیت کے ظاہر الفاظ پر جاکر یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید و فروخت دونوں ناجائز ہیں۔ لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ دونوں بالکل جائز ہیں۔ بیع و شرا یہاں جو کچھ بھی ہوتی ہے، وہ کاغذ، کتابت وغیرہ کی ہوتی ہے، نہ کہ "آیات اللہ" کی۔ آیت سے اگر کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے مسئلے بتانے والوں اور موضوع حدیثیں بیان کرنے والوں کے حق میں ہے ۲۷۲ قرآنی اور اسلامی معیارِ صداقت و دیانت سے ہر تحریف اور ہر تصحیف موجبِ لعنت ہے اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت۔ اور اسی لئے یہ بات مسلمانوں کی سمجھ میں آتی نہیں کہ کوئی شخص کسی کلام کو کلامِ الٰہی مان کر اس میں دخل و تصرف کی نیت کر ہی کیسے سکتا ہے۔ لیکن دوسری قومیں اس معیار ہی سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ بعض اہلِ کتاب کے ہاں تو بھلائی کے لئے ہر برائی درست، اور "خدا کی سچائی" اور "خداوند کے جلال" کے اظہار کے لئے ہر جھوٹ جائز۔ آج دنیا میں مسیحیت کے نام سے جو تثلیثی شرک پھیلا ہوا ہے، اس مذہب کے بانی پولوس صاحب Paul اسرائیلی ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ مقولہ آج تک انجیل مروج میں لکھا چلا آرہا ہے۔ "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟" (رومیون ۳: ۷، ۸) ۲۷۳ (اپنی تحریفی جسارتوں سے) مما یکسبون سے مراد کیا ہے؟ یعنی وہ کیا چیز ہے جو وہ اپنی ان حرکتوں سے حاصل کرتے رہتے ہیں؟ اس کے دو جوابات دیئے گئے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے گناہوں کا ذخیرہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے اپنے معاصی ہی کا انبار بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ یقال من المعاصی (معالم) والمراد بذلك سائر معاصیھم (کبیر) دوسرے یہ کہ جو مالی نفع وہ اپنی غرضمندانہ تحریف اور (بہ قولِ خود) دروغِ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں، وہ یہاں مراد ہے۔ یصیبون من الحرام والرشوۃ (ابن عباسؓ) اے مما اکلوا بہ من السحت (ابن کثیر) المال الماخوذ علی ھذا الوجہ (کبیر) یرید بہ الرشی (بیضاوی) ۲۷۴ اور یہ چند دن وہی ہیں، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے حاشیہ میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، جن میں قوم اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہی تھی یعنی کوئی ۴۰ دن۔ اور یہی بات ہمارے بعض ائمۂ تفسیر نے بھی نقل کی ہے:۔ قدر اربعین یومًا التی عبد فیھا اٰباؤنا العجل (ابن عباس)۔ اور ایک دوسرے مسیحی مترجم قرآن، سیل، نے یہ مدت گیارہ مہینہ یا ایک سال نقل کی ہے۔ اسی طرح ایک میعاد سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے۔ بہر حال وہ تھی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔ بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیل اپنے کو آتشِ دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ بیٹھے تھے، چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے، "آتشِ دوزخ گنہگارانِ قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ درِ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے۔" (جلد ۵ ص ۵۸۳) اور یہود کے بڑے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں ڈاکٹر کوہن Kohen کا مرتب کیا ہوا Everyman's Library Series میں شائع ہوا ہے، اس میں یوں آیا ہے۔ "قیامت کے دن ابراہیم درِ دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس میں نہ گرنے دیں گے۔" (ص ۴۰۴) "جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی۔" (ص ۴۰۵) حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دلاری سمجھے ہوئے تھے اور اس پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔ یہود کی زبان سے اس سلسلہ میں "ہم" صیغۂ جمع متکلم جہاں جہاں بھی آیا ہے، اجتماعی معنی رکھتا ہے۔ یعنی مراد قوم اسرائیل ہے ۲۷۵ یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو اپنی قوم کی محبوبیتِ خاصہ کا، عذابِ آخرت سے محفوظیت کا، عدمِ مسئولیت کا عقیدہ تم نے اپنے دل میں جما رکھا ہے، تو آخر یہ یوں ہی اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، یا اس کی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ آخر یہ اعتبار کہاں سے قائم کرلیا ہے؟ تقولون علی اللہ قال کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں کسی پر کوئی بات جوڑ لی کسی پر بہتان باندھ دیا۔ قال علیہ اے افتری (تاج) ۲۷۶ نجات و عدمِ نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے کہ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ احاطت بہ خطیئتہ۔ قصدًا بدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ خود ایمان کے لئے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، صرف انہیں کے لئے ممکن ہے جو سرے سے اہلِ باطل ہوں۔ اور ان کی موت کفر اور بے دینی ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل ہو بہرحال اس آیت کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کا درجہ تو اسے حاصل ہی ہوگا۔ تمام اکابرِ اہلِ سنت نے یہاں مراد کفر ہی سے لی ہے۔ اے اشرك باللہ ومات علیہ (ابن عباسؓ) السیئۃ الکفر والشرك قال ابن عباسؓ ومجاھد (بحر) المومنون لا یدخلون فی حکم ھذہ الآیۃ (معالم عن الواحدی) فاما اذا مات مؤمنًا فاعظم الطاعات وھو الایمان معہ فلا یکون الذنب محیطًا بہ فلا یتناولہ النص (مدارک)۔ بعض اہلِ باطل (معتزلہ و خوارج وغیرہ) نے آیت سے جو مومن عاصی کی عدمِ مغفوریت پر استدلال کرنا چاہا ہے، وہ صریحًا باطل ہے ۲۷۷ خلود کے معنی اگرچہ مدتِ طویل کے بھی ہیں۔ لیکن اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام یا ہمیشگی ہے۔ اور اس کی تاکید و تائید میں قرآن مجید میں خالدین فیھا کے ساتھ ساتھ جابجا ابدًا بھی آیا ہے۔ والمراد بالخلود الدوام (روح) ومن الناس من حمل الخلود علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل لیس بشیء لان فیہ تھوین الخطب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہ حمل الخلود فی الجنۃ علی الدوام (روح)

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا

تاکہ اُس سے قدرے قلیل معاوضہ حاصل کریں سو خرابی ہے اُن کے لئے اس کی

كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں ۲۷۲ اور خرابی ہے اُن کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں ۲۷۳

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے چنے دنوں کے ۲۷۴ آپ کہئے

اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ

کیا تم اللہ کے ہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہو، جو اللہ اب اپنے وعدہ کے خلاف

عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

نہ کرے گا؟ یا (یوں ہی) اللہ پر وہ جوڑ رہے ہو جس کا علم تم نہیں رکھتے ۲۷۵

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ

(نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کریگا اور اس کا گناہ اس کو گھیر لے گا

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

سو یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں ۲۷۶ اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے ۲۷۷

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ اہلِ جنت

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

ہیں اُس میں ہمیشہ رہنے والے ۲۷۸ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے

۲۷۸ دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون ایجاز و اختصار کے ساتھ آگیا کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے بدعقیدگی و بدکرداری کی راہ پر چلے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے ایمان و عملِ صالح کی روش کا انتخاب کرے گا، اس کی منزل جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ۔ فَاُولٰٓئِكَ۔ اوپر کی آیت کے الفاظ تھے فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ اور اس آیت میں ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ گویا ایک ہی قسم کا حکم لگانے میں ایک جگہ اولئك۔ ف کے ساتھ ہے۔ اور ایک جگہ بغیر ف کے۔ یہ فرق گو خفیف سا ہے اور لفظی بھی نہیں محض حرفی ہے، لیکن اتنا فرق بھی آخر کیوں؟ اہلِ تحقیق نے جواب میں کہا ہے کہ پہلا موقع وعید کا تھا اہلِ جہنم کے لئے اور وعید میں امکان خُلفِ وعید کا ہے، اس لئے اس پر زور دیا گیا ہے۔ اور دوسرا موقع پر صرف وعدہ تھا اہلِ جنت سے جس کے خُلف کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لئے محض اُولٰٓئِكَ بغیر ف کے بالکل کافی تھا۔ اور دوسرا جواب اس کے برعکس یہ بھی دیا گیا ہے کہ اہلِ نحو کہتے ہیں کہ اس فقرہ من دخل داری فاکرمہ میں اس کا امکان رہ جاتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے والے کا اکرام نہ بھی کیا جائے۔ لیکن دوسرے فقرہ من دخل داری اکرمہ میں اکرام کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ عدم اکرام کا احتمال نہیں باقی رہتا۔ اسی نمونہ پر قرآنی فقرے میں نیک کاروں کو جنت ملنا بالکل یقینی ہے (روح) الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت کی جو ترتیب یہاں ہے، یہ قرآن نے ہر جگہ اور بڑی کثرت سے ملحوظ رکھی ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گو عملِ صالح اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری ہے، لیکن ایمان اس سے بھی اہم تر ہے۔ اور بغیر ایمان کے مجرد عملِ صالح کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ایمان کی حقیقت نیتِ عمل اور فکر کی تصحیح ہے۔ اور قرآن مجید نے بالکل فطری ترتیب کے مطابق تصحیح فکر کو تصحیح عمل پر مقدم رکھا ہے۔ محض عمل، اگر نیت سے قطع نظر کرلی جائے، تو صرف صورتِ عمل رہ جاتا ہے۔ حقیقتِ عمل نہیں۔

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝٧٥ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا

اور وہ اُسے (خوب) جانتے بھی ہیں ۲۶۲ اور جب وہ اُن سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں

قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

تو کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں ۲۶۳ اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں ۲۶۴

قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

تو کہتے ہیں کہ ارے کیا تم انہیں وہ بتا دیتے ہو جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے ۲۶۵

لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝٧٦

جس سے وہ تمہیں تمہارے پروردگار کے حضور میں قائل کر دینگے ۲۶۶ سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ ۲۶۷

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ

کیا یہ (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے جسے یہ چھپاتے ہیں،

وَمَا يُعْلِنُونَ ۝٧٧ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا

اور اُس کی بھی جسے یہ جتلاتے ہیں؟ ۲۶۸ اور اُن میں اَن پڑھ (بھی) ہیں جو

يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا

کتاب (الٰہی) کا کوئی علم نہیں رکھتے بجز جھوٹی آرزوؤں کے، اور یہ محض تخیلات

النصف

يَظُنُّونَ ۝٧٨ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ

میں پڑے رہتے ہیں ۲۶۹ سو (بڑی) خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کتاب (الٰہی) کو اپنے

بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

ہاتھوں سے لکھتے ہیں، پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے

منزل ۱

لکم۔ یعنی تمہاری خاطر سے، تمہارے کہنے سے، تمہاری دعوت پر۔ ای لاجل دعوتکم وبسببھا (کشاف) لام السبب ای یؤمنوا لاجل دعوتکم لھم (بحر) ۲۶۲ (کہ کیسی سخت جسارت کر رہے ہیں) وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ۔ کان کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، اور لغت و نحو دونوں اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان۔ گویا ذکر ماضی کا اور یہود معاصرین کے اسلاف کا ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا فریق رہا ہے اُن کے درمیان۔ یعنی ذکر حال کا اور معصر یہود کا ہو رہا ہے۔ ائمۂ تفسیر سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنی کے زیادہ موافق ہے۔ کہ بحث معاصرین ہی پر قائم کی جا رہی ہے، اور کلام انہیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ المراد بالفریق من کان فی زمان محمد علیہ الصلوٰۃ وھذا اقرب (کبیر) کَلٰمَ اللّٰہِ۔ یعنی یہود کے آسمانی صحیفے۔ اپنے ہاں کے صحیفوں کی تحریف یہود کو خود مسلّم رہی ہے۔ یرمیاہ نبی اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ "تم نے زندہ خدا، رب الافواج، ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے" (یرمیاہ ۲۳: ۳۶) قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیل لفظی کے قائل نہیں رہے ہیں۔ اور ان کے علماء روا کابر اب صاف صاف اقرار کر رہے ہیں کہ صرف مضامین و مطالب کا القاء ہمارے انبیاء و اصفیاء کے قلب صافی پر ہوتا تھا، اور وہ حضرات انہیں الہاماتِ معنوی کی روشنی میں اپنے لفظ و عبارت میں نوشتے تیار کر دیتے تھے۔ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ۔ یعنی نادانستگی میں نہیں۔ دیدہ و دانستہ، سب کچھ جان لینے، سمجھ لینے کے بعد ۲۶۳ اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہو رہا ہے۔ یہود کی ایک تعداد تو مدینہ میں علانیہ دشمنِ اسلام تھی ہی۔ لیکن کچھ ان کے علاوہ اس قماش کے بھی تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ یہ ذکر انہیں منافقین کا ہے۔ یعنی المنافقین من الیھود (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) ۲۶۴ یعنی یہ دیکھ لیتے ہیں کہ آس پاس کوئی مسلمان تو نہیں سن رہا ہے۔ ۲۶۵ یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً آخری نبی کی بشارتیں اور علامتیں۔ یہود جب آپس میں ملتے، تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیشگوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دے دیتے ہو۔ انہیں معلومات سے وہ ہمیں قائل کرتے ہیں، یہی دلائل وہ ہمارے تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں ——— گویا یہ احمق یہ سمجھ رہے تھے کہ رسولِ اسلام اور پیروانِ اسلام کو جو کچھ بھی علم ہوگا محض انہیں کے بتانے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس اس کے سوا اُن پر علم و معلومات کے کل دروازے بند ہیں! یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید پر جب تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں، تو اس مفروضہ کو بنیادِ کار بنا لیتے ہیں، کہ اس میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ یہود کی توریت مروّجہ، مسیحیوں کی انجیل مروّجہ، اور اسی طرح کے دوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے۔ اور اس کا تو کوئی امکان دُور کا بھی نہیں کہ اس میں کوئی غیبی امداد، وحی و الہام کے قسم کی شامل ہو! لفظ اللہ اب تو ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ لیکن پہلے بھی اس کا استعمال صرف اہل عرب کی زبان پر تھا، یہاں ایسے لوگوں کی زبان سے نقل ہوا ہے جو نہ مسلم تھے نہ عرب۔ اس لئے بجائے اسی کو بجنسہ لے آنے کے اس کا ترجمہ "خدا" درج کیا گیا ۲۶۶ عند ربکم کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اور آخرت میں تمہیں قائل کریں گے۔ چنانچہ ایک گروہ نے یہی معنی لئے ہیں۔ المراد یحاجوکم یوم القیٰمۃ (کبیر عن الاصم) ای عند ربکم یوم القیٰمۃ (جلالین) لیکن زیادہ لگتے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اسی دُنیا میں تم پر حجت قوی قائم کر دیں گے۔ اور عند ربکم یہاں عند اللہ کی طرح حجتِ قوی و معروف کے معنی میں ہے۔ اس لئے کہ اوّل تو یہود عالمِ آخرت کے پوری طرح قائل نہ تھے۔ دُوسرے وہاں حجت قائم کرنے کے لئے کسی ایسے ظاہری سہارے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہاں تو کشفِ حقائق از خود ہو کر رہے گا، اس لئے یہاں گویا احتجاج بہ کتاب اللہ کو عند اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ امر قدیم ائمۂ تفسیر کی عظمت پر بس کرتا ہے، کہ انہوں نے یہود کے عقائد متعلق بہ آخرت کا پورا علم رکھے بغیر بھی یہی پہلو اختیار کر لیا ہے۔ ھو فی کتاب اللہ ھکذا وھو عند اللہ ھکذا بمعنی واحدٍ (کشاف) ای فی حکم اللہ (کبیر عن القفال) قیل ھذا علی اضمار المضاف ای عند کتاب ربکم (مدارک) لیحتجوا علیکم بما انزل ربکم فی کتابہ (بیضاوی) ای فی کتابہ وحکمہ (روح) ۲۶۷ (جو مسلمانوں کو اپنے رازوں سے اپنی زبان سے واقف کئے دیتے، اور ان کے ہاتھوں میں اپنے خلاف ہتھیار دیئے دیتے ہو) اب جا کر اکابرِ یہود کی تقریر اپنے ہم قوموں سے ختم ہوئی ۲۶۸ (اور وہی اللہ جب چاہے رسولؐ اور مومنین کو اطلاع دے سکتا ہے) موٹی سی بات ہے کہ اللہ کے لئے ایسے امور کی اطلاع اپنے پیمبر کو دے دینا مشکل ہی کیا تھا۔ لیکن بے مغز یہود اس امکان ہی کی طرف اپنا ذہن نہیں لے جاتے تھے کہ شاید اس مدعیٔ نبوت کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ واقعی کچھ ہو! ٹھیک اسی طرح جیسے آج بے مغز فرنگی اس امکان ہی کی طرف ذہن نہیں لے جاتے کہ کہیں قرآن انسانی تصنیف کے بجائے واقعی خدا ہی کی کتاب ہو ۲۶۹ (کہ "ہمارے بزرگ ہمیں بخشوا لیں گے"، "ہم خدا کے خاص محبوبوں کی اولاد ہیں، ہمیں کیا غم" وغیرہ) اشارہ اسی قسم کے خرافات عقائد کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ذکر عوام یہود کا ہے۔ یہ عوام کالانعام، پڑھے نہ لکھے، باپ دادا کی لکیر کے فقیر، اپنی دل کی گڑھی ہوئی آرزوؤں اور دل خوش کن روایتوں میں پڑے مست رہتے تھے۔ انجیل میں کہیں تو مسیحؑ کی زبان سے اور اس سے بڑھ کر پولوس کی زبان سے یہود کی انہیں باطل پرستیوں اور حماقت نوازیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ امانی۔ اُمنیۃ کی جمع ہے۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں، جنہیں واقعیت و حقیقت سے اصلاً تعلق نہیں۔ اُمنیۃ ما تخیلہ الانسان (کبیر) التمنی فی ھذا الموقع ھو تخلق الکذب وتخرصہ (ابن جریر) دُوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ یہ جھوٹی روایتوں، بے ثبوت و بے سند خرافات میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ معنی اکثر اکابر سے منقول ہیں۔ اکاذیب مختلفۃ سمعوھا من علمائھم فنقلوھا علی التقلید (بحر عن ابن عباسؓ ومجاہد والفراء) ۲۷۰ پچھلی آیت میں ذکر عوام یہود کا تھا، اب ذکر خواص، اکابر یہود کا ہے۔ توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست دشمن سب ہی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں اور اس کے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے۔ کسی جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے۔ اب زیادہ سے زیادہ جو کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خاصانِ خدا نے الہامِ خداوندی سے مشرف ہو کر اسے اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں ترتیب و تالیف دے دیا۔ اور خدائے تعالیٰ کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے حقیقی اور براہِ راست کے مفہوم میں نہیں۔ پھر وقتاً فوقتاً جو تصحیحات ہوتی رہی ہیں، وہ بالغرض کسی مصلحت یا ضرورت ہی سے ہوئی ہوں، بہر حال نفس ان کے وقوع کا اعتراف کھلے خزانے سب کو ہے۔ اور بائبل کی تنقید Higher Criticism ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جرمن، فرنچ، انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی صدہا بلکہ ہزارہا کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں، اور مقالات و مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقادِ متن Textual Criticism انتقادِ تاریخی Historical Criticism وغیرہ اور ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں ——— کاش سید احمد خان مرحوم (اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) آج زندہ ہوتے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے، کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی، اس جرم کا اقبال اب کھلے لفظوں میں وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں! یورپ اب جا کر جو نکلا ہے، ورنہ فن ابھی پچھلی صدی، انیسویں صدی سے پیدا ہوا ہے۔ عرب کے اُمّی کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے تیرہ صدی پیشتر ہی اہل کتاب کی "کتاب" (جو لفظی ترجمہ ہے بائبل کا) کو تمام تر محرّف و ناقابلِ اعتماد قرار دے دیا تھا! اللہ کا لفظ یہاں بھی یہود کی زبان سے ادا ہوا ہے، اس لئے ترجمہ یہاں بھی خدا سے کیا گیا ۲۷۱ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہود کی انتہائی شقاوتِ قلب کی جانب کہ کلام ربّانی تک میں تحریف سے نہ چُوکے۔ دُوسرے اس امر کی طرف کہ اس تحریف سے بھی مقصود کوئی

۲۵۰ تفصیلات کا علم تو عالم الغیب کو ہے۔ البتہ اتنا پتہ تو یہود کے قانونِ شریعت (توریت) کے مطالعہ سے بہرحال چلتا ہے کہ قتل کے موقع پر جب قاتل کی تحقیق ہو رہی ہو، چند خاص شرائط کی پابندی کے ساتھ ایک جوان گائے کو جس سے کوئی خدمت نہ لی گئی ہو، ذبح کیا جاتا تھا۔ اور اسکے لاشہ پر بزرگانِ قوم ایک خاص طریق پر دعا کر کے خون کے گناہ سے اپنی بخشائش چاہتے تھے۔ کتاب استثنار کے باب ۲۱ میں آیات ۱-۹ میں یہ تفصیلات درج ہیں۔ یہاں صرف چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:۔ ”اگر اس سرزمین میں جس کا خداوند تیرا خدا تجھے ارشاد کرتا ہے، کسی مقتول کی لاش کھیت میں پڑی ہوئی ملے اور معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے، تب تیرے بزرگ اور تیرے قاضی باہر نکلیں اور ان بستیوں تک جو مقتول کے گرداگرد ہیں، درمیان کو ناپیں۔ اور یوں ہوگا کہ جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اسی شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو اور جُوئے تلے نہ آئی ہو۔ . . . اور وہاں اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں . . . . پھر اس شہر کے سارے بزرگ جو مقتول سے نزدیک ہیں اس بچھیا کے اوپر جو اس وادی میں گردن ماری گئی ہے اپنے ہاتھ دھوئیں اور جواب دے کے کہیں کہ ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں کیا۔ نہ ہماری آنکھوں نے دیکھا۔“ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مقتول زندہ ہو گیا تھا اور قاتل کا نام اور پتہ بتا کر پھر مر گیا۔ واللہ اعلم ۲۵۱ (قیامت کے دن) جعل تبارك وتعالیٰ ذلك الصنیع حجة لهم علی المعاد (ابن کثیر)

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ
تو ہم نے کہا کہ اس میت پر اُس (گائے) کا کوئی ٹکڑا مارو ۲۵۰ یوں ہی اللہ مُردوں کو زندہ کرے گا ۲۵۱
وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷۳ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ
اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے ۲۵۲ تاکہ تم عقل سے کام لو ۲۵۳ اس پر بھی تمہارے دل
مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ
اس کے بعد بھی سخت ہی رہے ۲۵۴، چنانچہ وہ مثل پتھر کے ہیں، بلکہ سختی میں اُن سے بھی بڑھ کر ۲۵۵
اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ
اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں ۲۵۶ اور کوئی
مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا
ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے ۲۵۷ اور کوئی ان میں سے ایسا
لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آ گرتا ہے ۲۵۸ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ اُس سے
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۷۴ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ
بے خبر نہیں ۲۵۹ تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو ۲۶۰ کہ وہ لوگ تمہارے (کہنے سے)
وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ
ایمان لے آئیں گے ۲۶۱ درآنحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں،
اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ
پھر اُسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں، بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں،

قرآن مجید نے اپنی عام خصوصیت یعنی خاص سے عام کی تعلیم کی یہاں بھی نہ چھوڑی۔ اور ایک جزئی واقعہ سے اپنی قدرت اور امکانِ بعث ہی کا پہلو نمایاں کیا ۲۵۲ (اور نمونے اپنی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ مطلق کے) ۲۵۳ (اور کم از کم، اس نظیر کے مشاہدہ کے بعد امکانِ بعث اور وقوعِ قیامت کے انکار سے تو باز آجاؤ) ۲۵۴ یعنی قبول کی طرف ذرا نہ مائل ہوئے۔ ثم۔ یہاں استبعاد کیلئے ہے، یعنی جو نتیجہ نہ نکلنا چاہیئے تھا وہ نکلا۔ ثم لاستبعاد القسوة بعد مشاهدة ما يزيلها (ابو سعود) مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ اس تصریح نے اس استبعاد کو اور زیادہ قوی و شدید کر دیا۔ مؤکد للاستبعاد اشد تاکید (جمل) ۲۵۵ (عدم قبولِ حق کے باب میں) اسرائیلی صحیفوں میں بھی یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً ”وہ تربیت پذیر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے چہرہ کو چٹان سے سخت تر بنایا۔ انہوں نے پھرنے سے انکار کیا ہے“ (یرمیاہ۔ ۵: ۳) ”سارے اہلِ اسرائیل بے حیائی کی پیشانی رکھتے اور سنگدل ہیں“۔ (حزقیل ۳: ۷) او۔ یہاں ”یا“ کے معنی میں نہیں، بلکہ ”بلکہ“ کے معنی میں ہے۔ کلمة او بمعنی بل (کبیر) او بمعنی بل (جمل) یہ بھی کہا گیا ہے کہ او یہاں بطور کلمہ اباحت آیا ہے۔ یعنی خواہ انہیں پتھر سمجھو یا پتھر سے بھی بڑھ کر سخت، دونوں باتیں صحیح ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ او کو کلمہ تنویع قرار دیا جائے اور آیت کے معنی یہ کئے جائیں کہ انکے قلوب دو قسم کے ہیں، کچھ تو پتھر جیسے سخت، اور کچھ اس سے بھی زیادہ سخت۔ فالمعنی هم فرقتان فيهم من قلبه كالحجر، فيهم من قلبه اشد من الحجر (قرطبی) كان قلوبهم على قسمين قلوب كالحجارة قسوة وقلوب اشد قسوة من الحجارة (بحر) او للتنويع اى بعض كالحجارة وبعض اشد (روح) ۲۵۶ (اور ان سے ایک عالم سیراب ہوتا ہے) اس قسم کے پتھروں کی مثال انسانی آبادی میں حضرات انبیاء و رسل ہیں۔ انکے چشمۂ فیض سے ایک عالم اپنی رُوحانی پیاس بجھاتا اور سیراب ہوتا رہتا ہے ۲۵۷ (اور ان سے بھی کسی درجہ میں اللہ کی مخلوق سیراب ہوتی رہتی ہے) اس نوعیت کے پتھروں کی مثالیں اولیاء امت اور ابرار و متقین ہیں کہ ان سے بھی انسانوں کا ایک بڑا طبقہ فیضیاب ہوتا رہتا ہے۔ ۲۵۸ (اور اس طرح خود اپنے تاثر کا ثبوت بہم پہنچاتا رہتا ہے) اس طرح کے پتھروں کی مثال عام مومنین صالحین ہیں کہ دوسروں کی اصلاح و ہدایت اگر نہ کر سکیں جب بھی اپنا ایمان تو سلامت لے ہی جاتے ہیں اور اپنے قبولِ حق کا ثبوت تو دے ہی جاتے ہیں۔ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ اُوپر سے ذکر پتھروں ہی کا چلا آ رہا ہے پتھروں کا جمود تو مسلّم اور اُن کی قساوت تو مشاہد ہے پھر ان میں خشیت اللہ کا گزر کیسے اور ہیبتِ الٰہی کا اثر کیونکر؟ اہلِ سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خشیت الٰہی کا یہ اثر پتھروں میں اپنے حقیقی اور لفظی معنوں میں ہے یعنی بعض پتھروں میں گداز کا جزو ہوتا ہے۔ گو انکے مرتبۂ جمادی کے مطابق۔ اور ان میں فہم و ادراک کی قوتیں ہوتی ہیں گو انکی سطح حجری کے متناسب۔ جیسے طور کہ آخر پہاڑ ہی تھا لیکن تجلّیِ الٰہی کے وقت جلالتِ ربانی سے چُور چُور ہو گیا۔ ذلك بان الله جل ذكره اعطى بعض الحجارة المعرفة والفهم (ابن جریر) قيل المراد به حقيقة الخشية (مدارک) مذهب قوم وهو المروى عن مجاهد وغيره انها حقيقة (روح) مذهب اهل السنة والجماعة ان لله تعالىٰ علما فى الجمادات وسائر الحيوانات سوى العقلاء لا يقف عليه غير الله فلها صلوة وتسبيح وخشية (معالم) لیکن ایک دوسرا گروہ کہ وہ بھی اہلِ سنت ہی کا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ خشیت سے یہاں مراد محض خشیتِ مجازی یا انقیادِ تکوینی ہے عقل، فہم، شعور و ارادہ سے اس کا تعلق نہیں لیکن بہرحال طبعی و اضطراری طور پر تو موجودات کا ایک ایک ذرّہ قوانینِ الٰہی کے تابع ہی ہے۔ اسی کو یہاں مجازاً خشیتِ الٰہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ جیسے خود محاورۂ قرآنی ہی میں ایک دوسری جگہ ارادہ کو بے جان و بے روح دیوار کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ جدارًا يريد ان ينقض (کہف) حالانکہ سب جانتے ہیں کہ دیوار میں کوئی قوت نہ ارادہ کی ہوتی ہے نہ خواہش کی۔ انما اريد بذلك انه من عظم امر الله يرى كانه هابط خاشع من ذل خشية الله (ابن جریر) قيل هو مجاز عن انقيادها لامر الله (مدارک) والخشية مجاز عن الانقياد (بیضاوی) قال قوم ان الخشية مجاز عن انقيادها لامر الله (روح) دونوں گروہ اہلِ حق ہی کے ہیں اور دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں ۲۵۹ خدائے تعالیٰ نہ بے علم و بے خبر ہے، نہ بے طاقت و بے اختیار ہے۔ اور اسکے علم و طاقت دونوں کا حال عنقریب منکشف اور مشاہد ہو کر رہے گا۔ ۲۶۰ (اے مسلمانو! اسرائیلیوں کی ان ساری بدکرداریوں کی رُوداد سننے کے بعد بھی) خطاب اس آیت میں اسرائیلیوں سے نہیں مسلمانوں سے ہے حسن بصریؒ تابعی کا قول ہے کہ اسکے مخاطب رسولؐ اور مومنین ہیں (کبیر) قال القاضی هذا التفى بالظاهر (کبیر) يريد محمدًا واصحابه (معالم) افتطمعون میں جو ہمزۂ استفہامی ہے، اس سے مقصود استبعاد ہے یعنی بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے؟ الهمزة لانكار الواقع استبعاده (ابو سعود) الاستفهام لاستبعاد اوللانكار التوبيخى (روح) تطمعون۔ طمع کے عام معنی لالچ کرنے، حرص رکھنے کے ہیں لیکن دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ طمع فيه وبه اى حرص عليه ورجاه (لسان) افترجو يا محمد (ابن عباسؓ) مترجم دہلویؒ نے ترجمہ فارسی میں ”امید“ سے اور مفسر تھانوی نے اردو میں ”توقع“ سے کیا ہے ۲۶۱ ”وہ لوگ“ یعنی عہدِ رسولؐ کے معاصر یہود، جن کی قساوتِ قلب کی اتنی مفصّل و مسلسل سرگزشت ابھی بیان ہو چکی۔ هم اليهود الذين كانوا فى زمن رسول عليه السلام (کبیر)

دین میں برابر رائج رہی ہے۔ ولیس المزاح من الاستہزاء بسبیل الاتری ان النبی صلعم کان یمزح والائمۃ بعدہ (قرطبی) والفرق بین الھزء والمزاح ظاھر فلاینافی وقوعہ من الانبیاء (روح)
اور مفسر قرطبی نے اس سلسلہ میں ابن خویز منداد کے حوالہ سے شہر کوفہ کے قاضی (ج) کی ایک دلچسپ حکایت بھی نقل کی ہے ۲۳۶ (بہ لحاظِ عمر) ما ھی سے مراد بیان حقیقت نہیں بمقصود توضیح مزید
ہے ۲۳۷ یعنی نہ ایسی بوڑھی ہو نہ بالکل بچہ۔ فارض وہ ہے جس کے بچہ جننے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو۔ بکر وہ ہے جس نے ابھی بچہ جنا ہی نہ ہو۔ الفارض المسنۃ التی لاتلد والبکر
الفتیۃ التی لم تلد قط (معالم) یہیں سے خیال ہوتا ہے کہ بقرۃ سے مراد بیل نہیں گائے ہی ہے۔ عوان کے معنی درمیانی سن رکھنے والی۔ العوان المتوسط بین المسنین (راغب) ۲۳۸

ذٰلِكَ ۚ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا
ہو ۲۳۸ سو (اب) کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم مِلا ہے وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار
رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اُس کا رنگ کیسا ہے ۲۳۹ کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ گائے خوب گہرے زرد رنگ
صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ
کی ہو ۲۳۹ دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہو ۲۴۰ وہ بولے اپنے
لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۚ
پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ (اور) کیسی ہو؟ اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے ۲۴۱
وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پا جائیں گے ۲۴۲ کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت
بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ
کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو ۲۴۳
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ
اس میں کوئی داغ (دھبہ) نہ ہو ۲۴۴ وہ بولے اب آپ ٹھیک پتہ لائے ۲۴۵
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا
پھر انہوں نے اسے ذبح کیا، اور وہ ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے ۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے ایک
فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾
شخص کو قتل کر ڈالا تھا ۲۴۷ پھر تم آپس میں اس باب میں جھگڑنے لگے ۲۴۸ اور اللہ کو وہ ظاہر کر دینا تھا جسے تم چھپا رہے تھے ۲۴۹

ع ۸

اہلِ مصر بیل کی تقدیس کے باوجود اسے قربانی میں بھی چڑھایا کرتے تھے۔ مگر قربانی کے بیل میں بڑی بال کی کھال نکالا کرتے تھے۔ اس کا رنگ یکسر سفید ہو، اسکے جسم بھر پر بال ایک بھی سیاہ نہ ہو، دُم بالکل صحیح اور طبعی حالت میں ہو، کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ غرض طرح طرح کی قیدیں اور شرطیں تھیں۔ یہ سب پوری ہو لیتیں جب کہیں جاکر قربانی کی نوبت آتی۔ اسرائیلیوں نے جو اتنی بال کی کھال نکالیں، عجب نہیں کہ مصریوں ہی کی صحبت کا اثر ہو ۲۳۹ یعنی رنگ خوب شوخ کھلتا ہوا ہو۔ فلسطین و سینا کی بعض گائیں یقیناً اس رنگ کی ہوتی ہونگی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہلِ کشف خود نفس کو بھی زرد ہی رنگ کا بتاتے ہیں۔ اور صوفیہ نے جو نفس کو اس گائے سے تشبیہ دی ہے تو اس سے وہ مشابہت اور بڑھ جاتی ہے ۲۴۰ یعنی وہ گائے خوش نما، خوش منظر، خوش رنگ ہو۔ بدرنگ، بدنما، بدمنظر نہ ہو ۲۴۱ یعنی ذرا اور متعین و محدود کیجیے، اور اسکی اور خصوصیات بیان کیجیے۔ اس حلیہ اور اس رنگ کی گائیں تو بہت سی ہیں ۲۴۲ (گائے تک اور اسے ضرور ذبح کرکے رہیں گے) اے الی عین البقرۃ المامور بذبحھا (بحر) ۲۴۳ ہندوستان میں عام رواج صرف بیل سے کاشتکاری کا کام لینے کا ہے، گائے سے نہیں۔ لیکن دوسرے ملکوں میں یہ کام گائے سے بھی لیا جاتا ہے ۲۴۴ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۳۸۔ ۲۴۵ یعنی مفصل و پورا پتہ تو اب بتایا ہے ۲۴۶ یعنی ان کی مسلسل مُوشگافیوں سے تعمیل حکم بعید ہی معلوم ہوتی تھی ۲۴۷ (اپنے ہی میں سے) "تم نے" یعنی تم میں سے کچھ لوگوں نے۔ ذکر بنی اسرائیل ہی کا بدستور چل رہا ہے۔ یہاں بھی اشارہ ان کی قومی تاریخ ہی کے کسی واقعہ کی طرف ہے لیکن اس خاص واقعہ کی تعیین کیلئے یہود کے ذخیرۂ تاریخ و روایات میں بہت زیادہ گھسنے اور کرید کرنے کی ضرورت ہے۔ اِنشاءاللہ کوئی آیندہ مفسر ہمت کرکے اس فرض کو ادا کرے گا۔ ۲۴۸ (اور ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے) یعنی اصل قاتل کا پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ قاتل فلاں ہے اور کوئی کہتا کہ فلاں۔ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے۔ فادّٰرأتم۔ درء کے معنی جھگڑنے کے بھی ہیں اور دفع کرنے کے بھی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دفع کرنے ہی کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فادرءوا عن انفسکم الموت۔ ویدرأ عنھا العذاب۔ یدرءون بالحسنۃ السیئۃ۔ یہاں ادّٰرأتم (بروزن اِفّاعَلتُم) سے مراد آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنے سے ہے۔ اے ینفی کل واحد منکم القتل عن نفسہ ویضیفہ الی غیرہ (کبیر) اختلفتم واختصمتم فی شأنھا (کبیر) ۲۴۹ یعنی اصل قاتل کا پتہ۔ رکوع سابق میں جو حکم ذبح گاؤ کا ملا ہے، وہ جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے، شاید اسی موقع کے لئے تھا۔

۲۲۹ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ عِلم کا لفظ خود ہی تحقیق کے معنی میں قرآن مجید میں بارہا استعمال ہوا ہے۔ پھر لَ حرفِ تاکید۔ قد حرفِ تاکید۔ لقد جس فعل پر داخل ہوتا ہے، اس میں معنی شدّتِ تاکید کے پیدا کرتا ہے۔ گویا قرآن بنی اسرائیل کو انکی تاریخ کا کوئی واقعہ انکے لئے خوب اچھی طرح سے جانا بوجھا ہوا یاد دلا رہا ہے۔ اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل جس واقعہ کا ذکر آگے آرہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلّم و متعارف واقعہ ہے اور تم اُس سے بلاشک و اشتباہ خوب واقفیت رکھتے ہو۔ منکم۔ یعنی تمہارے اسلاف و اجداد میں سے۔ فی السبت۔ یعنی احکام سبت کے بارہ میں۔ سبت کے لفظی معنی ہیں ہفتہ کا ساتواں دن یعنی شنبہ یا سنیچر۔ السبت شریعتِ یہود کی اصطلاح میں ایک مقدس دن مسیحیوں کے اتوار کی طرح ہے۔ یہ دن صرف یادِ خدا اور عبادت کے لئے مخصوص ہے۔ اور اس روز تجارت، زراعت، شکار وغیرہ ہر قسم کے دنیوی کام سب ممنوع تھے۔ اور ممانعت بھی اس شدومد کے ساتھ کہ جو اس حکم کو توڑے اسکی سزا قتل۔ توریت کے الفاظ ہیں:۔ ”پس سبت کو مانو اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے۔ جو کوئی اسکو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔۔۔۔۔ پس جو کوئی روزِ سبت کو کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے“ (خروج۔ ۳۱: ۱۴ و ۱۵) اِعْتَدَوْا۔ تجاوز کر جاتے تھے شریعتِ موسوی کے حدود سے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلہ میں تھی۔ یہ ذکر انہیں کا ہے۔ حضرت داؤدؑ کا زمانۂ حکومت ۱۰۱۳ق م تا ۹۷۳ق م کا ہے۔ مقام ایلہ اگر وہی ہے جس کا ذکر توریت میں ایلات (Elath) کے نام سے آتا ہے۔ (استثناء ۲: ۸) تو یہ فلسطین کے جنوب میں، عرب کی عین شمالی سرحد پر (قدیم علاقۂ ادوم میں) بحرِ قلزم کی شرقی خلیج میں لبِ ساحل واقع ہے۔ موجودہ جغرافیہ اسکو عقبہ کے نام سے پہچانتا ہے۔ اور عقبہ خلیج عقبہ کا مشہور بندرگاہ ہے۔ ایلہ کے یہودی اپنی شریعت کے قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتے مچھلی کا شکار ایک خاص چالاکی کے ساتھ اور اسے ظاہری صورتِ جواز دے کر سبت کے دن کیا کرتے ۲۳۰ اس مسلسل نافرمانی پر سزا تو ان مجرموں کو یقیناً ملی۔ باقی کیا ملی، اسکی تفصیلات اس درجہ قطعی نہیں۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ

رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۴ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ
رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہونے والوں میں ہوتے ۲۲۸ اور تم خوب جان چکے ہو
الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے سبت کے بارہ میں تجاوز کیا تھا ۲۲۹ تو ہم نے اُن سے کہا
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝۶۵ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ
کہ ذلیل بندر ہو جاؤ ۲۳۰ پھر ہم نے اُسے (موجب) عبرت بنادیا اُس
يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۶۶ وَاِذْ
زمانہ کے اور اسکے بعد کے لوگوں کے لئے ۲۳۱ اور ایک (موجبِ) نصیحت (بنادیا) خوفِ خدا رکھنے والوں کیلئے ۲۳۲ اور
قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ
(وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ حکم دیتا ہے کہ ایک
تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ
گائے ذبح کرو ۲۳۳ وہ بولے آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں کیا؟ ۲۳۴ موسیٰؑ نے
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۶۷ قَالُوا
کہا خدا مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں ۲۳۵ وہ بولے
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو ۲۳۶ کہا کہ وہ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ
فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بن بیائی (بلکہ) دونوں عمروں کے درمیان

یہ سزا اسی طرح واقع ہوئی جیسی قرآن کے ظاہر الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی وہ انسان بندر بنے اور پھر تین دن کے بعد ہلاک ہوگئے۔ اس تفسیر پر عقلاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جو لوگ اللہ کے قانونِ تشریعی کے توڑنے میں اتنے جری و بیباک ہوں، انکے حق میں خالق کائنات اپنے قانونِ تکوینی کو کسی حد تک اگر بدل دے، اور بجائے ”ارتقاء“ کے کبھی اگر ”ارتقاء معکوس“ ہو جاتے تو اسمیں عدم امکان تو خیر کیا ہوگا، استبعاد بھی کچھ ایسا زائد تو نہیں لیکن روایتیں خود اس نتیجہ پر تمام تر متفق نہیں۔ بلکہ یہ قول تابعین ہی کے زمانہ سے تفسیروں میں لکھا چلا آرہا ہے کہ مسخ صرف معنوی ہوا تھا، صوری نہیں یعنی ان کے عادات و اخلاق بندروں کے سے کر دیئے گئے تھے۔ اور بندر کا اطلاق ان پر مجازاً ہونے لگا تھا۔ ورنہ حقیقۃً وہ بندروں کے جسم و قالب میں تبدیل نہیں کئے گئے تھے۔ لم یمسخوا قردۃ انما ھو مثل ضربہ اللّٰہ لھم (ابن جریر۔ عن مجاہد) مسخت قلوبھم ولم یمسخوا قردۃ (ابن جریر۔ عن مجاہد) روی عن مجاھد فی تفسیر ھٰذہ الاٰیۃ انہ انما مسخت قلوبھم وردت افھامھم کافھام القردۃ (قرطبی) مفردات میں بھی ایک قول اسی معنی میں نقل ہوا ہے۔ قیل بل جعل اخلاقھم کاخلاقھا وان لم تکن صورتھم کصورتھا (راغب) لیکن جمہور مفسرین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ قول غریب اور ظاہر سیاقِ قرآنی کے خلاف ہے۔ قول غریب خلاف الظاھر من السیاق فی ھٰذا المقام و فی غیرہ (ابن کثیر) وظاھر القراٰن انھم مسخوا قردۃ علی الحقیقۃ وعلٰی ذٰلک جمھور المفسرین وھو الصحیح (روح) ۲۳۱ سزا کی تفصیلی نوعیت کچھ بھی ہو، بہرحال تھی وہ کوئی بہت سخت اور عبرتناک سزا۔ قرآن مجید کا مقصود اس سزا کی تفصیل بیان کرنا نہیں، بلکہ اسکی عبرت انگیزی اور موعظت آموزی کے پہلو کو واضح کرنا ہے۔۔۔ واقعہ جو کچھ بھی ہو، یہود کا جانا بوجھا ہوا تھا، قرآن اُسے صرف یاد دلا رہا ہے۔ جعلنھا میں ھا کی ضمیر عقوبت کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اور اُس مسخ شدہ اُمت کی طرف بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ای جعلنا تلک العقوبۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) یعنی بہ فجعلنا الامۃ التی اعتدت فی السبت (ابن جریر) نکالًا۔ نکال وہ سخت سزا ہے جو دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔ ای عبرۃ تنکل المعتبر بھا (بیضاوی) عبرۃ تنکل من اعتبر بھا (کشاف) مَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا۔ ما دونوں جگہ مَن کے معنی میں آیا ہے یعنی ما کا استعمال جاندار صاحبِ عقل مخلوق کیلئے ہوا ہے۔ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا معاصرین کے معنی میں ہے اور ما خلفھا بعد کے آنے والوں کے معنی میں۔ ما بین یدیھا ای معاصریھم (ابن عباسؓ) ما خلفھا ای من خلفھم (ابن عباسؓ) بما قبلھا وبما بعدھا من الامم والقرون (کشاف) يَدَيْهَا اور خلفھا دونوں میں ضمیر ھا عقوبت کی طرف ہے۔ والضمیران للعقوبۃ (قرطبی) گویا سزا ایسی تھی کہ مدتوں تک نسلاً بعد نسلٍ اس کا چرچا رہے، اور لوگ اس کا تذکرہ سُن سُن کر ڈرتے اور لرزتے رہیں ۲۳۲ یعنی تاکہ متقین کو اس واقعہ کی حکایت سے راہِ تقویٰ کی طرف ترغیب اور زیادہ ہو۔ یا یہ مراد لی جائے کہ نصیحت کو قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے متقین ہی ہونگے۔ صاحبِ روح المعانی نے یہاں یہ نکتہ اہل عرفان کیلئے لکھا ہے کہ اللہ نے عبادتوں کو خاص خاص ہیئت کے ساتھ خاص اوقات میں متعین کیا ہے۔ تاکہ طبعی ظلمتیں دور ہوں سو جو شخص ان ہیئتوں کی رعایت نہیں کرتا اس کا نورِ استعداد ضائع ہو جاتا ہے اور وہ اصحابِ سبت کی طرح مسخ کر دیا جاتا ہے یعنی جس جانور کے اوصاف اسمیں راسخ ہیں، انھیں کی طبیعت اس میں پیدا کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ اس امت کیلئے مسخِ صورت نہیں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ادویۂ شرعیہ کے ذریعہ سے اپنی انسانیت کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں لگا رہے۔ چنانچہ بعض اہل کشف اس زمانہ میں ایسے بھی پائے گئے ہیں، جو انسان کو اسی حیوان کی شکل میں دیکھتے ہیں، جس کی صفت حیوانی اس پر غالب ہوتی ہے۔ مثلاً جس میں ظلم و شقاوت غالب ہوتی ہے، اُسے آتا ہوا دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ بھیڑیا آرہا ہے۔ یا جس پر حرام خوری کی گندگی غالب ہوتی ہے اُسے دیکھ کر یوں بول اُٹھتے ہیں کہ سوّر چلا آرہا ہے۔ اور اس قسم کا کشف تکوینی صرف اہل حق و مقبولین کے ساتھ مخصوص نہیں ۲۳۳ اسرائیلیوں میں ایک واقعہ قتل کا ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ذبح گاؤ کا حکم اسی سلسلہ میں ملا۔ اسکی کچھ تصریح اگلے رکوع میں آرہی ہے۔ یہ زمانہ وہ ہے کہ صدیوں تک مصر اور مصر والوں کے درمیان رہتے رہتے بہت سے مشرکانہ رسوم توحید کے علمبردار اسرائیلیوں میں پھیل چکے ہیں۔ اور گائے کی عظمت بلکہ تقدیس ان کے دلوں میں رچ چکی ہے۔ ہندوستان کی طرح مصر میں بھی گائے کی تقدیس مشرکانہ مذہب کا ایک جزو تھی۔ توریت میں اسرائیلیوں کو ذبح گاؤ کا حکم خاص خاص قیدوں اور شرطوں کے ساتھ بار بار ملا ہے۔ مثلاً ۔ ”بنی اسرائیل کو کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو تجھ پاس لائیں۔ تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لے جائے اور وہ اسکے حضور ذبح کی جائے“ (گنتی۔ ۱۹: ۲) ”جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اسی شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو اور جُوئے تلے نہ آئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو ایک بہتر وادی میں جو نہ جوتی گئی ہو نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو لے جائیں اور اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں“ (استثناء ۲۱: ۳ و ۴) بقرۃ۔ اصلاً صرف گائے کیلئے ہے، اور ثور کا مؤنث ہے۔ قیل للذکر ثور (راغب) البقرۃ اسم للانثٰی والثور اسم للذکر (قرطبی) لیکن بعض مفسرین نے اسے گائے اور بیل دونوں کیلئے عام رکھا ہے اور یہاں اس سے بیل مراد لی ہے ۲۳۴ بنی اسرائیل ہکّا بکّا رہ گئے اور ”گئو ماتا“ کے احترام و تقدیس کے جذبہ سے سرشار تھے یقین ہی نہ آیا کہ ایسے مقدس و محترم جانور کے ذبح کر ڈالنے کا حکم ملا ہوگا۔ بس یہی سمجھے کہ حضرت موسیٰ ہنسی اور تفننِ طبع کی راہ سے کہہ رہے ہیں ۲۳۵ (اور احکامِ خداوندی کی پیام رسانی میں ہنسی دل لگی سے کام لینے لگوں) جاھلین۔ جہل کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اسکے برخلاف ادا کرنا جو اسکے ادا کرنے کا حق ہے۔ الجھل فعل الشیء بخلاف ما حقہ ان یفعل (راغب) اللہ کی طرف سے پیام گڑھ لینے کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ سے غافل و جاہل ہو۔ انما یکون ذٰلک من الجھل باللّٰہ تعالیٰ (بحر) یا وہ کر سکتا ہے جو امورِ دینی میں استہزاء کے نتائج و عواقب سے بے خبر ہو۔ ان اکون من الجاھلین بما فی الاستھزاء فی امر الدین من العقاب الشدید (بحر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ دین و معظماتِ دین کے ساتھ استہزاء حکم جہل اور گناہ عظیم میں داخل ہے اور اس کا مرتکب مستحق وعید ہے۔ وفی الاٰیۃ دلیل علی منع الاستھزاء بدین اللّٰہ ودین المسلمین ومن یجب تعظیمہ وان ذٰلک جھل وصاحبہ مستحق للوعید (قرطبی) یدل علی ان الاستھزاء من الکبائر العظام (کبیر) لیکن ساتھ ہی یہ ضروری تصریح بھی کر دی ہے کہ مزاح یا خوش طبعی کو استہزاء یا تمسخر سے کوئی مناسبت نہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ خوش طبعی تو خود رسول اللہ صلعم اور اکا

ایکِ دینی سلک کا۔ ایک اعتقادی نظام کا شروع ہو رہا ہے۔ ضروری ہوا کہ اب نام ایسا لیا جائے، کوئی وصف ایسا بیان کیا جائے، جو بجائے نسل، نسب، خاندان کے سلکِ عقیدہ کی جانب رہنمائی کرے۔ الذین ھادوا اسی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے ـــــ قرآن مجید کی بلاغت
کے وجوہ اعجاز بیشمار ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ متقارب، لیکن متمائز معانی کیلئے لفظ بھی وہ مختلف لاتا ہے، اور ان کے دقیق باہمی فرق کا لحاظ رکھ لیتا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے تبلیغی مذہب نہیں کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں
لیکن عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ نسلاً اسرائیلی۔ بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے لیکن یہود کی صحبت سے متاثر، اور ان کے علوم سے مرعوب ہوکر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر اُن کے عقیدے اختیار کر لئے اور رفتہ رفتہ اُن کا شمار بھی یہودی آبادی
میں ہونے لگا۔ بجائے الیہود کے الذین ھادوا لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے عقاید اختیاری کی جانب دلالت خوب واضح ہو جائے۔ بنی اسرائیل کی قومی حکومت و وجاہت کا خاتمہ تو ظہورِ اسلام سے مدتوں پہلے بلکہ کہنا چاہیئے کہ ۷۰ء میں مشرک رومیوں کے ہاتھوں
بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلعم کے معاصرین یہود کی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقہ کی رہ گئی تھی، اسی لئے خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کا لفظ جہاں جہاں استعمال کیا ہے، سیاقِ عبارت ہر جگہ تاریخی ہے ۲۱۸ؔ
النصارٰی۔ نصاریٰ جمع ہے نصرانی کی، ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ ناصرہ ہے (Nazatetb) علاقہ گلیلی میں۔ بیت المقدس سے ستر میل شمال میں، اور بحر روم سے مشرق میں، ۲۰ میل کے فاصلہ پر، موجودہ آبادی آٹھ اور نو ہزار کے درمیان ہے حضرت عیسیٰؑ کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے۔ اور
آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نصران بھی کہتے ہیں نصرانی کا انتساب اسی قصبہ کی جانب ہے۔ سمّوا بذٰلک انتسابًا الی قریۃ یقال لھا نصران (راغب) نصران قریۃ بالشام ینسب الیہ النصارٰی (جوہری) یہی اشتقاق ایک روایت
میں حضرت ابن عباسؓ صحابی سے آیا ہے۔ سمیت النصارٰی نصارٰی لان قریۃ عیسٰی ابن مریم کانت تسمّٰی ناصرۃ وکان اصحابہ یسمون الناصریین (ابن جریر عن ابن عباسؓ) اور یہی قول قتادہ وابن جریج تابعین کا ہے۔ نیز بعد کے محقق مفسرین کا وھو قول
ابن عباس و قتادۃ وابن جریج (کبیر) سمّوا بذٰلک لقریۃ تسمّٰی ناصرۃ کان ینزلھا عیسٰی فلما ینسب اصحابہ الیہ قیل النصارٰی (قرطبی) بعض نے اسے عربی کا لفظ فرض کر کے نصرت سے مشتق سمجھا ہے لیکن قول صحیح وہی ہے جو ابھی گزر چکا۔ خوب خیال کر لیا جائے
قرآن یہاں ذکر مسیحیوں کا نہیں، نصاریٰ کا کر رہا ہے۔ اور قرآن حکیم کا ہر ہر لفظ پُر حکمت ہوتا ہے۔ مسیحی وہ ہیں جو اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں، مسیح کو خدا کا نبی نہیں، خدا کا بیٹا مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ خدا اُن کے قالب میں حلول کر آیا تھا۔ آخرت میں نجات دینے والا (Saviour) خدا
کو نہیں، مسیح ابن اللہ کو یقین کرتے ہیں! اور خدائی کو تین اقنوموں میں تقسیم کر کے ایک ناقابلِ فہم فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر اقنوم بجائے خود بھی خدا ہے، اور تینوں اقنوم مل کر بھی ایک ہی خدا بنتے ہیں ـــــ اس کھلے ہوئے شرک کے قائلوں کا ذکر ہرگز اس مقام پر مقصود نہیں، اسی لئے نام بھی جو مشہور
اور چلا ہوا تھا، اُسے ترک کر کے نصاریٰ لایا گیا۔ نصرانی معرب ہے Nazarene کا حضرت مسیح کے سچے پیرو، نبی کو نبی ماننے والے، ابتدائی زمانہ میں Nazarenes کہلاتے تھے۔ یہ توحید کے قائل تھے اور بجائے اناجیل اربعہ کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے، آگے چلکر یہی لوگ ایبونیہ (Ebonites)
بھی کہلائے لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت حلولیت اور تثلیث ہی قرار پا گئی، تو قدرۃً نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا۔ اور نصرانی نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت و تکریم کے تحقیر کے موقع اور ذم کے محل میں استعمال ہونے لگے موجودہ مسیحیت سرتاسر پولوسیت ہے۔
اور تمامتر پولوس (Paul) طرسوسی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح کے کچھ ہی روز بعد شروع ہو گئی تھی۔ اور نصرانی اسکے بالکل منکر تھے۔ قرآن مجید نے محلِ مدح میں ایک موقع پر بھی تثلیثی مسیحیت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جب کبھی آیا ہے تو ہمیشہ ملامت، بیزاری کے ساتھ۔ ان آیتوں میں
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلٰثۃ۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ وقس علی ہذا۔ ۲۱۹ؔ الصابئون۔ صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔ من خرج او مال عن دین
الی دین (قرطبی) قیل لکل خارج من الدین الی دین اٰخر صابیٔ (راغب) اصطلاح میں صابیون (Sabians) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دینِ توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے اور اسلئے اصلاً اہل کتاب
تھے، اپنے کو "نصارائے یحییٰ" کہتے تھے۔ گویا حضرت یحییٰؑ کی اُمت تھے حضرت عمرؓ جیسے مبصر و نکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ قال عمر ابن الخطاب و
ابن عباس ھم قوم من اھل الکتاب وقال عمر تحل ذبائحھم مثل ذبائح اھل الکتاب (معالم) تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ ھم طائفۃ من اھل الکتٰب (ابن جریر عن السدی) فرقۃ من اھل الکتاب
(ابن کثیر عن ابی العالیۃ والربیع بن انس و الضحاک والسدی واسحٰق بن راھویہ) ابن زید ان کے موحد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہ اور حسن بصریؒ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہلِ قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے (ابن جریر) اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ جو خود بھی عراقی تھے اور
اسلئے صابیوں سے براہِ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور انکے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ قال ابوحنیفۃ لا باس بذبائحھم و نکاح نسائھم (قرطبی) تاریخِ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا اردو
ترجمہ ابھی حال ہی میں نکلا ہے (انجمن ترقی اردو دہلی) اس کے ص۲۷ پر فاضل مترجم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اورینٹل کالج لاہور، لفظ مینڈئین Mandean پر حاشیہ دیتے ہیں:۔ "مینڈئین بہ زبان آرامی بمعنی اولوالعلم۔ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابون کہلاتے ہیں
وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں۔ عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰؑ کی اُمت کہتے ہیں" (ایران بعہدِ ساسانیاں) ۲۲۰ؔ من اٰمن باللہ۔ یعنی اللہ کی ذات و صفت پر ایمان لائے جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے! اور وہ ایمان ہر قسم کی شرکت آمیزی سے پاک ہو۔
اس ایمان باللہ کے تحت میں اسکے سارے لوازم و تضمنات بھی داخل ہیں، ورنہ خدا پر مطلق ایمان تو کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر انسان کا ہے۔ اور ان لوازم توحید میں سب سے اونچے نمبر پر ایمان بالرسل ہے کہ بندوں کا صحیح تعلق اللہ کے ساتھ قائم کرنیوالی، اس کا سیدھا راستہ بتانے والی، ذات
رسول ہی کی ہوتی ہے۔ قد دخل فی الایمان باللہ الایمان بما اوجبہ اعنی الایمان برسلہ (کبیر) والیوم الاٰخر۔ یومِ آخرت پر ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ سارے احکامِ آخرت پر ایمان لایا جائے۔ دخل فی الایمان بالیوم الاٰخر جمیع احکام الاٰخرۃ (کبیر)
تناسخ، حلول وغیرہ کے گمراہانہ عقائد کی بنیاد صرف یہی ہے کہ دوسرے مذہبوں میں یومِ حشر کا ایمان صحیح باقی نہیں رہا! اور انہوں نے جزا و سزا کی اور راہ اور صورتیں تجویز کر لیں۔ ۲۲۱ؔ (اور عمل صالح کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل وحی الٰہی یعنی شریعتِ اسلامی کے ماتحت ہو) دورِ حاضر کی چلتی ہوئی
گمراہیوں میں سے ایک سوال جو بار بار پیش ہوتا رہتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص صاحبِ ایمان ہے مگر بد عمل، اور دوسرا خوش عمل ہے مگر ایمان سے خالی، تو ان دو میں نجات کس کی ہو گی؟ علماء اس کے جوابات مختلف دیتے رہتے ہیں، لیکن سب سے سیدھا اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ
حُسنِ عمل کا ایک لازمی عنصر تو خود ایمان ہی ہے، بغیر تصحیح ایمان کے، بغیر حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے خیال کے، کوئی عمل، عملِ صالح کی تعریف میں آ ہی کب سکتا ہے؟ ایمان سے خالی شخص کا "حُسنِ عمل" تو صرف صورۃً عمل ہو گا، ورنہ اسکی حقیقت (یعنی خالقِ کونین کی رضا طلبی) تو اس سے خارج ہی
ہو گی۔ ۲۲۲ؔ اعتقادِ صحیح اور عملِ صحیح بس یہی دو شرائطِ نجات ہیں۔ گویا مذہبی دنیا کو یہ بشارت پہلی بار کھلے لفظوں میں پہنچی کہ اصل شے عقیدہ اور عمل ہیں، اور ان دو کی تصحیح کے بعد قوم، نسل وغیرہ کی ساری نسبتیں ہیچ ہیں۔ عند ربھم میں عند سے مراد عندیت مکانی نہیں
کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حق میں جو مکان و جہت سے پاک و منزہ ہے، محال ہے۔ بلکہ مراد اجر کا یقینی اور قطعی ہونا ہے۔ لیس المراد العندیۃ المکانیۃ فان ذٰلک محال فی حق اللہ تعالیٰ بل المراد ان اجرھم متیقن جار مجری (کبیر) قرآن مجید کا ایک بلیغ و حکیمانہ اسلوب یہ بھی ہے کہ
جزئیات کے ضمن میں بڑے بڑے اہم کلیات بیان کر جاتا ہے۔ ذکر بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی اور پشتہا پشت کی سرکشی کا چلا آ رہا تھا، مخاطبین پر یہ اثر پڑنا بالکل طبعی تھا کہ ایسے مجرموں کیلئے اب نجات کی کوئی گنجائش ہو ہی کیا سکتی ہے؟ معاً درمیان میں یہ آیت لاکر اس
مایوسی کو رفع کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا عقیدہ اور عمل درست رکھے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی، غرض کوئی بھی ہو، رحمت و مغفرت کی راہیں سب کے لئے کھلی ہوئی ہیں، کام کی چیزیں صرف ایمانِ صحیح اور عملِ صحیح ہیں۔ لیعرف ان جمیع ارباب الضلال اذا
رجعوا عن ضلالھم وامنوا بالدین الحق فان اللہ سبحانہ وتعالیٰ یقبل ایمانھم وطاعتھم ولا یردھم عن حضرتہ البتۃ (کبیر) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ بیان آخرت کا ہو رہا ہے یعنی قیامت کے دن جو کشفِ حقائق کا دن ہو گا اہلِ ایمان کو نہ اپنے
ماضی پر حسرت ہو گی نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش۔ خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور غم و حزن کا ماضی سے۔ ۲۲۳ؔ (اے بنی اسرائیل تمہارے پیغمبر کے واسطہ سے اس مضمون کا کہ تم توریت پر عمل کرو گے، ۲۲۴ؔ الطور۔ طور مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے
سینا کے ایک مخصوص و متعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ الطور اسم جبل مخصوص وقیل اسم لکل جبل (راغب) جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے لیکن حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبلِ طور سے
مراد جبلِ سینا ہوتا ہے لیکن خود جبلِ سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انھیں میں سے کسی کا نام طور ہو گا۔ قوم کے اوپر پہاڑ بلند کرنے سے کیا مراد ہے؟ توریت میں اس کی کچھ مجمل سی کیفیت درج ہے:۔ "وہ پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہِ سینا پر زیر و بالا
دھواں تھا، کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور شور کا سا دھواں اس پر اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا" (خروج۔ ۱۹: ۱۷ و ۱۸) اور تالمود جو توریت کی مشہور و مستند اور نہایت ضخیم شرح یہود کے ہاں موجود ہے، اس میں اس اجمال کی تفصیل میں اقوال ذیل درج ہیں "حق تبارک و تعالیٰ نے
ان کے اوپر کوہِ سینا کو الٹ دیا جس طرح کوئی بڑا ظرف اُلٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر، ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤ گے" (جیوئش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۴ ص ۳۲۱) "خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر اُلٹ کر اوندھا کر دیا اور اُن سے کہا کہ توریت کو اگر
قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہیگا" (ایضاً) ہمارے مفسرین نے جو آثار صحابہ و تابعین کی زبان سے نقل کئے ہیں، ان میں بھی روایتیں اسی سے ملتی جلتی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ۲۲۵ؔ یہ پورا قول اسی وقت کا ہے جب کتاب نازل ہوئی تھی۔
کتاب ہدایت کے نزول اور رفع طور کے ساتھ ساتھ ہدایت اس کی بھی ہوئی تھی کہ اس کتاب کی محافظت کرنا اور اس کے احکام پر مداومت۔ اعملوا بما اعطیتکم من الکتٰب (ابن عباس) مَآ اٰتَيْنٰكُمْ سے مراد کتاب توریت ہے۔ احکام توریت کے اس اخذ و تمسک کی
تاکید اور اس کے ترک پر وعید خود توریت میں بھی جا بجا مذکور ہے:۔ "جو کوئی اس شریعت کی سب باتوں پر قائم نہ رہے کہ ان پر عمل کرے اُس پر لعنت، سب جماعت کہے آمین" (استثناء۔ ۲۷: ۲۶) "اگر تو کوشش کر کے خداوند اپنے خدا کی آواز سنے تاکہ ان سب حکموں پر جو آج کے
دن میں تجھ سے فرماتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا زمین کی قوموں کی بہ نسبت تجھے سرفراز کریگا" (استثناء ۲۸: ۱) "لیکن اگر تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوا نہ ہو گا کہ اس کے سارے شرعوں اور حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو بتاتا ہوں، دھیان رکھ کے
عمل کرے تو ایسا ہو گا کہ یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی، اور تجھ تک پہنچیں گی" (استثناء۔ ۲۸: ۱۵) ۲۲۶ؔ اور تقویٰ کی راہ یہی ہے کہ کتاب الٰہی پر عمل کیا جائے) وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ۔ یاد رکھو اس کے مضامین کو تاکہ ان پر عمل کر سکو۔ احکام الٰہی کا یاد رکھنا اصلاً اسی غرض سے ہوتا
ہے کہ اُن پر عمل کیا جا سکے حکم کے تحت میں حفظ، قرات وغیرہ بھی داخل ہیں، لیکن مقصود اصلی وہی عمل ہے۔ اقرءوا ما فی التوراۃ واعملوا بہ (ابن کثیر عن ابی العالیۃ) ای تدبروہ واحفظوا اوامرہ ووعیدہ ولا تنسوہ ولا تضیعوہ ھذا ھو المقصود من الکتٰب
العمل بمقتضاہ لا تلاوتہ باللسان وترتیلہ (قرطبی) لَعَلَّ کے لئے پوری تصریح اوپر گزر چکی ہے کہ یہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو مفہوم شک و احتمال کا نہیں رہتا، بلکہ معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ۲۲۷ؔ (اور حسب سابق پھر نافرمانی
کرنے لگے) مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی اس قول و اقرار کے بعد۔ کتاب ہدایت و احکام مل جانے کے بعد۔ ای من بعد البرھان (قرطبی) ۲۲۸ؔ یعنی فی الفور ہلاک کر دیئے گئے ہوتے، اور ساری قوم کی قوم دنیا سے اسی طرح بے نشان ہو گئی ہوتی، جیسے لم
پرانی متعدد قومیں ہو چکی ہیں۔ فضل و رحمتِ خداوندی بنی اسرائیل کے حق میں یہی تھی کہ ان کی خطاؤں اور جرائم سے مزید چشم پوشی کی گئی! اور انہیں اور مہلت سنبھلنے اور اپنے کو درست کرنے کی دی گئی۔

ایک ذرا سا لفظ جانِ بلاغت ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ جو ذلّت، نکبت، افلاس، مقہوریت تقریباً ۲۰۰۰ سال گزر جانے پر بھی آج تک چپکی لپٹی چلی آ رہی ہے اُس کی مورد وحامل ایک مخصوص قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب وملت کے پیرو ——— خود لفظ Anti-Semitism بتا رہا ہے کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً اور اٹلی، ہنگری، رومانیہ وغیرہ، یورپ اور امریکہ کی اکثر ولایتوں کو عموماً ہے، اس کی بنا نسلی یا قومی ہے، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ لیکن سیاسی محکومی اور ذلّت تک تو خیر، باقی مفلسی، محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تموّل تو یہود کا ضرب المثل ہے، پھر اس قوم کو محتاج وتنگدست کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محض دھوکا اور عام طور سے چلا ہُوا مغالطہ ہے۔ دولت وثروت جتنی بھی ہے، وہ قوم یہود کے صرف اکابر ومشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دُنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "گو یہود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے لیکن اہلِ تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں، وہاں کی آبادی میں اُنہیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہُوا ہے" (جلد ۱۰ ص ۱۵) "عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ اُن کے چند افراد بہت زائد دولتمند ہیں" (جلد ۱ ص ۶۱) ۲۱۲ (اسی دنیا میں اپنی ہی جیسی مخلوق کے ہاتھوں) باءُو کے معنیٰ اور بھی کئے گئے ہیں۔ لیکن اکثر محققین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد استحقاق ہے۔ اے استوجبوا اللعنة (ابن عباسؓ) اے استحقوا (کبیر) اے استحقوا غضبا (بحر) نسلِ اسرائیلی پر اس قدرتی غضب کا ظہور برابر انسانوں ہی کے ہاتھوں ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس آخر زمانہ میں ہٹلر جیسے چنگیزی فرمانروا کی یہود دشمنی ویہود بیزاری اخبار بیں وتاریخ خواں طبقہ سے پوشیدہ نہیں۔ مُرشد تھانوی نے فرمایا کہ عارف کیلئے اس قصہ میں بڑا سبق ہے۔ ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑنا چاہیئے جنہوں نے نہ بلا پر صبر کیا نہ نعمت پر شکر ادا کیا، اور نہ قضاءِ الٰہی پر راضی رہے۔ ایسوں پر ذلّتِ طغیان لگا دی گئی، حُبِّ دنیا ان کے قلب میں جما دی گئی۔ اور انہیں درجاتِ عالیہ سے گرا دیا گیا۔ ۲۱۳ لفظ یہاں کفروا نہیں کانوا یکفرون استعمال ہوا ہے۔ ذکر کسی خاص موقع کا نہیں کہ اس وقت وہ منکر ہو بیٹھے تھے بلکہ ذکر ان کی مستقل قومی خصلت کا ہو رہا ہے کہ انکار کرتے ہی رہتے تھے انکار کو شعار ہی بنا لیا تھا۔ اٰیٰتِ اللّٰہ کا لفظ عام ہے معجزات وخوارق بھی مُراد ہو سکتے ہیں۔ اور کتبِ آسمانی بھی۔ اے المعجزات مطلقًا ...... اوالکتب المتلوۃ مطلقًا (روح) المعجزات التسع وغیرھا ...... اوالقراٰن اوجمیع اٰیات اللّٰہ المنزلۃ علی الرسل (بحر) بانّھم میں با سببیہ ہے یعنی یہ سزا انہیں کفرِ عادی اور مسلسل قتلِ انبیاء کی پاداش میں ملی۔ ۲۱۴ "قتل تک" یعنی دوسری بیہودگیاں، شرارتیں، سفلہ پردازیاں تو تھیں ہی، حد یہ ہے کہ قتل تک سے بھی نہ چُوکے۔ یسعیاہ نبیؑ کا قتل، یرمیاہ نبیؑ کا قتل، زکریا نبیؑ کا قتل، یحییٰ نبیؑ کا قتل، اور عیسیٰ مسیحؑ کا اقدامِ قتل (بلکہ اپنے خیال میں قتل ہی) یہ اسرائیل کی تاریخ جرائم کے چند جلی عنوانات ہیں ——— یہ قوم اس قابل رہ گئی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ بھی رعایتیں روا رکھی جائیں؟ اسے زندہ رہنے کی بھی کچھ مہلت دی جاتی؟ بغیر الحق۔ لیکن نبی کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوگا۔ نبی کے قتلِ جائز کی کوئی صُورت ہی نہیں۔ پھر قرآن جس میں ایک لفظ بھی بیکار یا بطور حشو نہیں اسے کیوں لایا؟ قرآن کا مقصود اس اضافہ سے یہ ہے کہ خود ان قاتلوں کے معیار سے بھی یہ قتل ناحق وناجائز تھے یعنی خلافِ عدل تو خیر ہوتے ہی، قانونِ وقت کے لحاظ سے خلافِ قانون اور بے ضابطہ بھی تھے! اے عندھم ایضًا (مدارک) قتلوھم من غیر ان کان ذٰلک القتل حقًا فی اعتقادھم وخیالھم (کبیر) اے لم یدّعوا فی قتلھم وجھًا یستحقون بہ القتل عندھم (بحر) بعض نے کہا ہے کہ اس تصریح سے مقصود قتل کے ناحق ہونے پر زور اور تاکید ہے۔ کان ھٰذا تعظیمًا للشنعۃ علیھم (قرطبی) تعظیم للشنعۃ والذنب الذی اتوہ (قرطبی) سلسلۂ اسرائیلی کے خاتمِ نبوّت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تھے زمانہ بھی آپ کا نسبۃً بہت قریب کا ہے یعنی عہدِ تاریخی کے اندر کا۔ اُس وقت کی تاریخ ایک اچھی خاصی حد تک محفوظ ہے۔ حال میں اٹلی کے ایک ایڈوکیٹ روزیڈی (Rosedi) اور انگلستان کے ایک بیرسٹر اینس Innes نے قدیم کاغذات کی چھان بین کر کے، آپ کے مقدمہ کی رُودادیں الگ الگ شائع کی ہیں۔ یہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپؑ کے مقدمہ میں یہ نہیں ہُوا کہ رُومی حاکمِ عدالت سے سزائے صلیب کا فیصلہ سنانے میں کوئی اجتہادی غلطی ہو گئی۔ بلکہ ہُوا یہ کہ یہود نے ایک بالکل جھوٹا استغاثہ گڑھا۔ اور پہلے اپنی مذہبی عدالت میں، اور پھر ملک کی عام فوجداری عدالت میں بالکل ہی بے ضابطہ کارروائیاں کر کے حکمِ سزا دلا دینے میں کامیاب ہو گئے ——— رُومی اور جیسے بھی کچھ ہوں، آئین دوستی اور قانون پرستی تو ان کی مشہور ہے۔ جب اُن تک کے عہد میں یہ اندھیر ہُوا، تو پھر قدیم ترین انبیاء کی مظلومیت کا کیا ٹھکانا۔ جن کے قتل میں غالبًا ضابطہ کی ظاہری اور رسمی صُورت بھی نہیں برتی گئی! ۲۱۵ اسرائیلیوں کے مسلسل تمرّد، سرکشی نافرمانی کے تذکروں سے توریت وانجیل دونوں کے صفحات لبریز ہیں۔ سب کی نقل کرنے کی نہ گنجائش نہ ضرورت مشتے نمونہ از خروارے دو چار نمونے دیکھتے چلیئے:۔ "انہوں نے خُدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑا دیا۔ اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا۔ اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی یہانتک کہ خُدا کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا" (۲ تواریخ ۳۶: ۱۶) "تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیرِ ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے۔" (یرمیاہ۔ ۲: ۳۰) "اے اہلِ یعقوبؑ اور اہلِ اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یوں فرماتا ہے

ع ٧

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ

یہ (سب) اس لئے ہُوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے ۲۱۵ بیشک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ

جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ۲۱۶ اور جو لوگ یہودی ہوئے ۲۱۷ اور نصاریٰ ۲۱۸ اور

الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

صابی ۲۱۹ (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے ۲۲۰

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور نیک عمل کرے ۲۲۱ سو ان (سب) کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَاِذْ

اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لئے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے ۲۲۲ اور (وہ وقت

اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ

یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا ۲۲۳ اور ہم نے تمہارے اوپر (کوہ) طور کو بلند کیا ۲۲۴

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا

مضبوطی کے ساتھ اس (کتاب) کو پکڑے رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے ۲۲۵ اور جو کچھ

فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ

اس میں ہے اُسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ ۲۲۶ پھر تم اس (عہد) سے اس کے بعد (بھی)

بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

پھر گئے ۲۲۷ سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی

کہ تمہارے باپ دادوں نے مجھ میں کونسی ناانصافی پائی جو وہ مجھ سے دُور بھاگے اور بطلان کے پیرو ہوئے اور آپ باطل ہو گئے" (یرمیاہ۔ ۲: ۵) "وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور اُنہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں، قتل کیا۔ اور انہوں نے کاموں سے تجھے غصّہ دلایا" (نحمیاہ۔ ۹: ۲۶) یہ مختصر، بہت ہی مختصر، اقتباسات عہدِ قدیم کے نوشتوں سے تھے۔ اب عہدِ جدید کے نوشتوں کے ایسے ہی مختصر نمونے ملاحظہ ہوں:۔ "اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو ..... نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادوں نے نہیں ستایا؟" (اعمال ۷: ۵۱ و ۵۲) "تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں ..... دیکھو میں نبیوں، داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں اُن میں سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے۔ اور بعض کو اپنے عبادتخانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔ تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا ہے، تم پر آئے ..... اے یروشلم، اے یروشلم تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں، اُنہیں سنگسار کرتی ہے" (متی۔ ۲۳: ۲۹۔ ۳۷۔ لوقا۔ ۱۲: ۳۴، ۳۵)۔ غرض توہینِ انبیاء اور پیمبر کُشی کا الزام یہود پر قرآن مجید نے دُنیا میں پہلی بار نہیں لگایا ہے۔ اُنکی فردِ جرم کا یہ عنوان تو قدیم نوشتوں میں موجود چلا ہی آتا تھا۔ قرآن مجید نے محض اسکی تصدیق و توثیق کر دی۔ بما عصوا میں با سببیہ ہے۔ ذٰلک۔ اس اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ کفر اور قتلِ انبیاء ہے۔ الاشارۃ الی الکفر والقتل (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ کسی گناہ کو بھی خفیف نہ سمجھنا چاہیئے، ایک گناہ برابر دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے یہانتک کہ کفر کا۔ چنانچہ یہاں بھی عصیان اور تجاوزِ حدود تھا جو ان لوگوں کو کفرِ آیاتِ الٰہی اور قتلِ انبیاء تک لایا۔ مفسر بیضاوی نے بھی یہاں یہی کہا ہے کہ جس طرح چھوٹی طاعت بڑی طاعت کی طرف لے جاتی ہے چھوٹی معصیت بھی بڑی معصیت تک نوبت پہنچا دیتی ہے چنانچہ یہاں بھی خوئے عصیان نے رفتہ رفتہ کفر وقتلِ انبیاء تک پہنچا دیا۔ جرّھم العصیان والتمادی والاعتداء فیہ الی الکفر بالاٰیٰت وقتل النبیین فان صغار الذنوب سبب یؤدی الی ارتکاب کبارھا ۲۱۶ (آخری رسولؐ اور آخری کتاب پر یعنی مسلمان ہو چکے ہیں) ایمان لانے کے معنی کُل عقائدِ ضروری کے تسلیم کر لینے کے ہیں، توحید پر ایمان، رسالت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، سب کچھ اس میں شامل ہے اور الّذین اٰمنوا مطلق صُورت میں قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے، مراد اس سے مسلمان ہی ہیں۔ یہاں بھی مراد مومنین ہی ہیں۔ اے من اٰمن بمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم (بحر۔ عن ابن عباسؓ) ھم المصدقون رسول اللّٰہ صلعم فی ما اتاھم من الحق من عند اللّٰہ (ابن جریر) اور رازیؒ نے بھی متکلمین سے یہی معنی نقل کئے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر دین پر ثابت وقائم رہے۔ الذین اٰمنوا فی الماضی وثبتوا علٰی ذٰلک واستمرّوا علیہ فی المستقبل ھو قول المتکلمین (کبیر) ۲۱۷ یعنی جو لوگ دینِ یہودیت کے پیرو ہیں یقال ھاد و تھوّد اذا دخل فی الیھودیۃ (بیضاوی) خواہ پہلے سے یہودی چلے آ رہے ہوں، نسلاً یہودی ہوں یا پہلے مشرک وغیرہ کچھ اور ہوں اور اب یہود کے عقیدے اور شعار اختیار کر لئے ہوں۔ ابتک ذکر بنی اسرائیل نام ایک خاص نسل وخاندان کا چلا آ رہا تھا اور ان کی تاریخ کے اہم ترین منظر سامنے لائے جا رہے تھے۔ اب ذکر ان کے مسلک وعقیدوں کا شروع ہوتا ہے اور پہلی بار لفظ الّذین ھادوا آیا ہے۔ بنی اسرائیل ایک نسلی نام تھا ایک کنبہ قبیلہ یا قوم کا نام تھا جسے اپنی عالی نسبی پر فخر تھا، اپنے آباو اجداد کی مقبولیت پر ناز تھا تاریخ کے دُہراتے وقت ضروری تھا کہ اس نسلی نام کو لیا جائے۔ اب بیان

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ
اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے پر بس نہیں
وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا
کر سکتے ۲۰۷ سو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دُعا کر دیجئے اُن چیزوں کی جنہیں
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ
زمین اُگاتی ہے ۲۰۸ ساگ ہُوا ، ککڑی ہوئی ،
فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
گیہوں ہُوا ، مسُور ہوئی ، پیاز ہُوا ۲۰۹ (موسیٰؑ نے) کہا تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم
الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا
اُسے لینا چاہتے ہو اُس چیز کے مقابلہ میں جو بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ
اُتر پڑو (وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو ۲۱۰ اور اُن پر
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ
جما دی گئی ذِلّت اور محتاجی ۲۱۱ اور وہ اللہ کے غضب کے
مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
مستحق ہو گئے ۲۱۲ یہ (سب) اس لئے ہُوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ
انکار کرتے رہتے تھے ۲۱۳ اور انبیاء کو ناحق قتل (تک) کر ڈالتے تھے ۲۱۴

جو نقشہ پر قریب قریب معلوم ہوتے ہیں، ان ناہمواریوں کے باعث عملاً بڑے لمبے لمبے ہیں۔ پینے والے پانی کے کافی ذخیرہ کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے" ۲۰۳ نا گاہ اسی چٹان سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے۔ پہاڑی چشمہ، پہاڑوں کے اندر سے پانی کے اُبلتے ہوئے دھارے ہر ایک کے مشاہدہ میں آچکے ہیں حضرت موسیٰؑ نے جب پانی کیلئے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تو انہیں ہدایت ہوئی کہ فلاں پہاڑی تک چلے جاؤ، وہاں چٹان پر اپنا عصا مارو، پانی اُبلنے لگے گا۔ توریت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑی جس سے چشمہ اُبلا حورب یا حزب میں واقع تھی۔ "خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تُو نے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں تیرے آگے حورب میں چٹان پر کھڑا ہونگا۔ تو اس چٹان کو مارئیو اس سے پانی نکلیگا تا کہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا۔" (خروج۔ ۱۷: ۵ و ۶) عصا معروف و متعارف معنی لاٹھی یا ڈنڈے کے ہیں۔ موسیٰؑ کے اس عصا کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔ اس کے یہ کھلے ہوئے معنی چھوڑ کر ایک مجازی معنی جو صرف عصا المسلمین وغیرہ کی ترکیب میں جائز ہے "جماعت یا گروہ" کے کرنا لغت پر ظلم کرنا ہے۔ الحجر سے مراد کوئی خاص چٹان ہے جو حضرت موسیٰؑ کے علم میں تھی۔ الاشارۃ الی حجر معلوم (کبیر) اللام فیہ للعہد (بیضاوی) کان حجرًا معینًا بدلیل انہ عرفہ بالالف واللام (معالم) فاضرب۔ ضرب۔ کے عام و معروف معنی مارنے کے ہیں، چلنے کے معنی اسی صورت میں ہوتے ہیں جب فعل ضرب کا صلہ "فی" کے ساتھ آئے مثلاً ضَرَبَ فی الْاَرْضِ۔ "روشن خیالی" کے مرض میں مبتلا معاصرین نے جو آیت کا ترجمہ "اے موسیٰ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ کیا ہے" یہ جس طرح لغت و قواعدِ زبان کے خلاف ہے، اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف، اور اپنی تائید میں کوئی دلیل کسی قسم کی نہیں رکھتا، نہ عقلی نہ نقلی۔ ۲۰۴ یعنی اس پہاڑی چشمہ سے بارہ دھارے یا بارہ ٹوٹیاں الگ الگ جاری ہو گئیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے عین مطابق۔ بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں، قرآن نے کہاں سے گڑھ کر کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب بھی مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا۔ جارج سیل، انگریزی میں قرآن کریم کا قدیم ترین مترجم ہے۔ آیت کے حاشیہ پر لکھتا ہے:۔ "ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے بتصریح بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا" اور ایک دُوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ بیان کرتا ہے:۔ "چٹان میں اسوقت ۲۴ سُوراخ موجود ہیں، جو بہ آسانی شمار کئے جا سکتے ہیں۔ ۱۲ ایک طرف ہیں اور ۱۲ اُنکے مقابل جانب" پادری ڈین اسٹینلی (Dean Stanley) نے جو انیسویں صدی میں مسیحیت کے ایک ممتاز رکن ہوئے ہیں، صدی کے وسط میں بائبل کے مقاماتِ مقدسہ کی جغرافی تحقیق کیلئے بہ نفسِ نفیس فلسطین اور اسکے ملحقات کا سفر کیا، اور اپنے مشاہدات و تحقیقات پر ایک مستقل تصنیف Sinai and Palestine کے نام سے شائع کی، اُس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔ "یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفسفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے شگاف اس درازی سے جا بجا پڑے ہوئے ہیں، کچھ مٹے ہوئے ہیں کچھ بڑے ہیں، کچھ چھوٹے گنتی میں اگر سب کے لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں، اگر بعض کو چھوڑ دیا جائے تو دس۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے۔" (ص ۳۶-۳۷) عرب کے اُمّی کی لائی ہوئی کتاب کے اعجاز کے قربان جائیے، صدیاں گزر جانے پر اُسکے بیان کی جزئیات تک کی تصدیق ہو رہی ہے منکرین و معاندین کی زبان سے! ۲۰۵ اُناس۔ یعنی اسرائیل کے بارہ گروہوں میں سے ہر گروہ نے۔ اے من کل سبط (بیضاوی) اے من قومہ الذین استسقی لھم (بحر) صیغہ جمع ہے لفظاً اس کا کوئی واحد نظر نہیں آتا۔ جمع لا واحد لہ من لفظ (بروح) مشربھم۔ یعنی اپنے اپنے لئے پانی لینے کی جگہ۔ اے عینھم التی یشربون منھا (کشاف) ۲۰۶ جب قوم کی قوم قانونِ الٰہی کو چھوڑ کر اپنے ہوائے نفس کے مطابق کوئی روش اختیار کر لیتی ہے تو اس کا نتیجہ دنیا میں لازمی طور پر فتنہ و فساد، حرب و ضرب اور کثرتِ جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور امن انفرادی و اجتماعی دونوں طرح پر اُٹھ کر رہتا ہے فضل و انعام سے سیراب کر کے بنی اسرائیل کو ہدایت یہ ہوئی کہ جو فارغ البالی نصیب ہے اس کو غنیمت سمجھو، قانونِ الٰہی کی پابندی کرو، اس قانون کو توڑ کر امن و نظم عالم میں اختلال کے باعث نہ بنو۔ رزق اللہ میں رزق کی نسبت اپنی جانب کر کے گویا ایک بار پھر انہیں جتا دیا کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ سب خدا ہی کے فضل و عطا سے ہے تمہارے زور بازو کا نتیجہ نہیں۔ لا تعثوا فی الارض مفسدین۔ عثی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ العیث شدۃ الفساد (قرطبی) العثی اشد من الفساد (معالم) مفسدین۔ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ ہر پہلو سے فساد کی تاکید کیلئے ہے۔ تکرر المعنی تاکیدًا لاختلاف اللفظ (قرطبی) عیث و عثی کے معنی ایک ہی ہیں عثی لغتِ قرآنی ہے (قرطبی) ایک باریک فرق دونوں میں یہ ہے کہ عیث کا تعلق فسادِ حسّی سے ہے اور عثی کا فساد معنوی سے (راغب) ۲۰۷ (اور اسے کھاتے کھاتے اُکتا گئے ہیں) ذکر بھی اسی دشتِ سینا کے زمانۂ خانہ بدوشی کے کسی اور موقع کا ہے، قرآن مجید بیانِ واقعات میں ان کی تاریخی ترتیب کے تسلسل کا ہرگز پابند نہیں۔ بنی اسرائیل عرصۂ دراز تک ایک ہی قسم کی غذا کھاتے کھاتے اُکتا گئے تھے اور اب اپنے پیمبر سے فرمائش کر رہے تھے کہ اس بیابان سے نکال کر کہیں دُوسری جگہ لے چلیئے، جہاں قسم قسم کے شہری اور دیہاتی کھانے موجود ہوں۔ طعامٍ واحدٍ یعنی ایک ہی قسم کا کھانا، بٹیر اور ترنجبین جو ہمیں ہر روز ملے چلا جاتا ہے ۲۰۸ (اور جن کے خوگر ہم مصر میں رہ چکے ہیں) مصریوں کی مرغوب غذا اکثر زراعت پیشہ قوموں کی طرح یہی زمینی پیداوار تھی۔ "مصر میں آج کی طرح اُسوقت بھی بڑی مانگ سبزی، پیاز، ہلدی وغیرہ کی تھی" (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، کالم ۱۲۰۹)۔ اور یہی چیزیں اسرائیلیوں کی بھی اصل غذا بن چکی تھیں:۔ "اسرائیلیوں کی اصل غذا سبزی تھی خصوصاً غلہ کی اقسام" (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلدہ ص ۴۳) "قدیم اسرائیلی سبز ترکاریوں اور پھلوں پر بسر کرتے تھے" جلدہ ص ۵۹۶۔ ۲۰۹ توریت کی روایت اس سے ملتی جلتی مگر کسی قدر مختلف حسب ذیل ہے:۔ "اور بنی اسرائیل بھی پھرے اور روتے ہوئے بولے۔ کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دیگا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے۔ اور وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چلی، یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے مگر یہ من" (گنتی۔ ۱۱: ۴-۶) فوم کے معنی گیہوں کے علاوہ لہسن کے بھی آتے ہیں۔ ۲۱۰ (کہ بڑے شہروں میں سبزیاں اور پھل علاوہ فصل اور موسم کے، بے فصل اور خلافِ موسم بھی مل جایا کرتے ہیں) مصرًا۔ کوئی شہر۔ یہاں مراد جزیرہ نمائے سینا یا اس کے مضافات کا کوئی آباد شہر۔ مصر کے لفظی معنی شہر کے ہیں جس کی حد بندی ہو چکی ہو۔ اسم لکل بلد محصورٍ اے محدود۔ اور یہاں تو تنوین کے ساتھ کھلا ہُوا اسم نکرہ ہے لیکن بڑے بڑے فاضل انگریز مترجمین نے بے کھٹکے اس کا ترجمہ "ملک مصر" کر ڈالا ہے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش بیجا ہے، نامعقول ہے جب دیکھا کہ اصرار جاری ہے تو پھر یہ کہا کہ اچھا، اگر یہ منظور ہے تو شہری تمدن اختیار کر لو۔ ساری گفتگو سمجھنے کیلئے قوم اسرائیل کے اُس وقت کے طرزِ معاشرت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ صورت حال یہ ہے کہ مصر جیسے متمدن و مہذب ملک سے لاکھوں کی تعداد میں نکل تو آئے ہیں لیکن ابھی دُوسرے مہذب و متمدن ملک اور اپنے قدیم وطن یعنی فلسطین یا کنعان تک نہیں پہنچ پائے ہیں، بلکہ دونوں کے درمیان اور فلسطین کے جنوب میں جزیرہ نمائے سینا کے بیابان میں معلق ہیں۔ یہ علاقہ اس وقت تمام غیر متمدن ہے، مکان، باغ، عمارتیں کھیت وغیرہ جو لوازمِ تمدن ہیں، اس لق و دق بیابان میں کہیں موجود نہیں، اسرائیلی اسوقت مکانوں میں سکونت پذیر نہیں۔ بلکہ اپنے خیموں ڈیروں کے ساتھ کہ آج یہاں سے کوچ ہے تو کل وہاں مقام خانہ بدوش قبیلوں کی طرح ایک مستقل سفر و سیر و نقل و حرکت اس بیابان میں کر رہے ہیں، البتہ بیابان کے خاتمہ کے بعد ملک سرے سے ویران اور بے آب و گیاہ نہیں، غیر بیابانی علاقے اچھے خاصے آباد تھے اور شہری اور حضری تمدن کے نمونے جا بجا موجود تھے۔ یہ علاقہ مصر کے زیرِ حکومت تھا گو برائے نام۔ مصرًا میں اشارہ اسی قسم کے کسی شہر کی طرف ہے ۲۱۱ ضُرِبَتْ کے معنی ہیں لپیٹ دی گئی چپکا دی گئی مسلط کر دی گئی۔ ذلّۃ کے معنی ہیں خواری و رسوائی، اور مسکنۃ سے مراد ہے فقر اور محتاجی۔ الذلۃ الذل والصغار (قرطبی) المسکنۃ الفقر والفاقۃ وتشدید المحنۃ (کبیر) علیھم میں ضمیر ھم کے مرجع کو خوب سمجھ لینا چاہیئے، یہ کون لوگ ہیں جنکے اوپر ذلت اور تنگ حالی مسلط کر دی گئی ہے؟ ضمیر کا مرجع الیہود یا الذین ھادوا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں، بلکہ اسرائیل نامی ایک متعین قوم و نسل ہے۔ سبحان اللہ!

۱۹۴ یہ بستی کون سی تھی؟ ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو۔ جو موجودہ نقشوں میں Jericho کے نام سے ملے گا۔ یہ بحر مردہ کے شمالی ساحل سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ
کے زمانہ میں فتح کیا تھا۔ قدیم اکثر تفسیر کا رخ بیت المقدس کے بعد پھر اسی شہر کی جانب ہے۔ قریۃ اریحا (ابن عباسؓ) ھی اریحا قریبۃ من بیت المقدس (ابن جریر عن ابن زید) اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لئے گئے ہیں بعض شہروں کے نام
تک اب بدل گئے ہیں مثلاً ایلہ کہ اب اُسے عقبہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر سطیم ہو۔ یہ علاقہ موآب میں واقع ہے، جو بحر مردہ کے مشرق میں ہے شہر دریائے یردن کے مشرق (بائیں) کنارہ پر ہے۔ بحر مردہ کے شمال و مشرق میں۔ بنی اسرائیل کی دشت پیمائی کے زمانہ
میں یہ شہر گویا اُن کا سرحدی ناکہ تھا، عربی میں اُسے وادی النار بھی کہتے ہیں اور وادی ستی مریم بھی بعض مفسرین نے جودرون کا نام لیا ہے۔ اُس سے بھی یہی مراد معلوم ہوتا ہے ۱۹۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر خوب وسیع اور خوب آباد و پُر رونق تھا۔ ۱۹۶ یہ بطور
اظہار عجز و نیاز و عبودیت کے (کہ یہی شان مومنین مخلصین کی ہے۔ الباب۔ دروازہ سے مراد شہر کا پھاٹک ہے۔ قدیم شہروں کے اِرد گرد ایک بلند چہار دیواری شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی شہر میں داخل ہوتے وقت اسی شہر پناہ کے پھاٹک سے گزرنا ہوتا تھا سُجّدًا یہاں
اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی عاجزی سے فروتنی کے ساتھ۔ سجدۂ نماز کی ہیئت مخصوص مراد نہیں سجدًا ای متذللین منقادین (راغب) خاشعۃ خاضعۃ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) اراد بہ الخضوع وھو الاقرب (کبیر) قیل متواضعین خضوعًا لا علی
ھیئۃ متعینۃ (قرطبی) توریت اس اہم جزو کے تذکرہ سے خالی ہے۔ ۱۹۷ گویا زبان بھی قلب و عضلہ کی طرح اظہار تذلل کرتی رہے یہ فرق ہے اللہ والوں کے لشکر اور دنیادار بادشاہوں کے لشکروں کے داخلہ میں، ایک کے ہاں قومی بینڈ اور ترانے بجتے ہوتے
ہیں۔ وطنی نعرے لگتے ہوتے ہیں یعنی قدم قدم پر قومی شیخی اور وطنی بڑائی کا اظہار، دوسرے کے ہاں قلب خشوع سے لبریز اور زبان پر تسبیح قُوْلُوْا حِطَّۃٌ سے مراد نہیں کہ بعینہ لفظ حطۃ کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبری یا عبرانی تھی مراد
یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ استغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔ وقد روی عن ابن عباس انہم اُمروا
بھذہ اللفظۃ بعینھا وھذا المحتمل ولکن اقرب بخلافہ بوجھین احدھما ان ھذہ اللفظۃ عربیۃ وھم
ما کانوا یتکلمون بالعربیۃ وثانیھما وھو الاقرب انہم امروا بان یقولوا قولا دالا علی التوبۃ والندم
والخضوع (کبیر) ولا تتوقف التوبۃ علی ذکر لفظۃ بعینھا (روح) اور ایسا ہی صاحب بحر نے بھی کہا ہے۔
تفسیر قرطبی اور ابن العربی مالکی کی احکام القرآن میں یہاں طویل بحث اس کی موجود ہے کہ آیا شریعت کے الفاظ میں تبدیلی جائز ہے؟
خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جہاں الفاظ ہی تعبد کے ہوں یعنی حکم انہیں الفاظ ہی کا ہو، وہاں تبدیلی جائز نہیں لیکن جہاں اصل
مقصود معانی ہوں، وہاں لفظی تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ معنوی تغیر تک نہ پہنچ جائے ۱۹۸ یعنی ان لوگوں کو جو نیک کاری میں اخلاص
کامل سے لگے ہوئے ہیں۔ عفو و مغفرت کا وعدہ تو سب ہی توبہ کرنیوالوں سے ہو چکا۔ اس کے بعد یہ ذکر مزید فضل و کرم کا ہے
۱۹۹ یعنی جو الفاظ انہیں تلقین کئے گئے تھے، انہیں چھوڑ چھاڑ کچھ اور کلمے ہزل اور تمسخر کے زبان پر لانے لگے۔ یہ کلمے کیا
تھے، اس میں روایتیں مختلف ہیں مگر حاصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے اب وہ کام تمسخر و استہزاء سے لے رہے تھے و
معنی الآیۃ انھم وضعوا مکان ما اُمروا بہ من التوبۃ والاستغفار قولا مغایرا لہ مشعرا باستھزاءھم بما
اُمروا بہ کل ذلک عدم مبالاۃ باوامر اللہ (بحر) ۲۰۰ رجزًا۔ رجز عام ہے ہر عذاب کے لئے خواہ وہ کسی صورت
میں ہو الرجز ھو العذاب (لسان) لفظ کی تنوین عذاب کی شدت و ہیبت کے اظہار کے لئے ہے والتنوین للتھویل
والتفخیم (ابو سعود) من السماء سے مراد یہ نہیں کہ وہ عذاب، برف، بارش وغیرہ کی طرح آسمان سے نازل ہوتا ہوا دکھائی
دیا۔ بلکہ یہ فقرہ اس حقیقت کے نمایاں کرنے کیلئے ہے کہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ارضی اسباب سے خود بخود پیدا نہیں
ہو گیا تھا۔ ای مقدر من السماء (بیضاوی) الذین ظلموا کی تکرار آیت میں ان ظالموں کے ظلم نمایاں کرنے کیلئے
ہے فی تکریر الذین ظلموا زیادۃ فی تقبیح امرھم وایذانا بان انزال الرجز علیھم لظلمھم (کبیر) ولم
یضمرہ تعظیما للامر (قرطبی) یہ عذاب تھا کس صورت میں؟ ہمارے ہاں روایتیں طاعون کی نقل ہوئی ہیں بعث
اللہ علیھم الطاعون (کبیر عن ابن زید) الطاعون (کبیر عن وہب) والمراد بہ الطاعون (بیضاوی) تاریخ بنی
اسرائیل میں آتا ہے کہ طاعون اس قوم پر بار بار آیا اور بائبل میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ آیت ماقبل میں اگر قریہ سے مراد
شہر سطیم ہی لیا جائے جو موآب کے علاقہ میں ہے تو اس کے طاعون کا تو مفصل ذکر بائبل میں موجود ہے:۔ "سو اسرائیل سطیم
میں مقیم ہوئے اور اُن لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے حرامکاری شروع کی۔ انہوں نے اپنے معبودوں کی قربانیوں پر لوگوں کو
دعوت کی۔ لوگوں نے کھایا اور ان کے معبودوں کو سجدہ کیا۔ اور اسرائیلی بعل فغور سے ملے تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا"
(گنتی۔ ۲۵: ۱-۳) "وہ جو اس وبا میں مرے چوبیس ہزار تھے۔ (گنتی۔ ۲۵: ۹) ۲۰۱ بما کانوا
یفسقون۔ ای بسبب فسقھم المستمر (ابو سعود) کانوا یفسقون کا صیغہ دوام، عادت و استمرار پر دلالت کر
رہا ہے۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہ تھا، روحانی یا اخلاقی بد پرہیزیاں یا نافرمانیاں تھیں۔
قوانین تکوینی کی خلاف ورزی نہیں، اصل باعث شریعت موسوی کی خلاف ورزی تھی۔ شریعت کی خوردبین نگاہ امراض
اور معاصی کے اُن خفی و مخفی تعلقات تک بہ آسانی پہنچ جاتی ہے جو دنیا کے بڑے بڑے حاذق طبیبوں کی نظروں سے پوشیدہ

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ
دروازہ (شہر) میں عاجزی سے جھکے ہوئے داخل ہونا ۱۹۶ اور کہتے جانا توبہ ہے ۱۹۷ ہم تمہاری خطائیں
لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ
بخش دیں گے اور ہم نیک کاروں کو زیادہ ہی دیتے ہیں ۱۹۸ مگر ان
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ
زیادتی کرنے والوں نے جو انہیں بتایا گیا تھا اس کے خلاف ایک اور کلمہ بدل ڈالا ۱۹۹
فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ
سو ہم نے اُن زیادتی کرنے والوں پر ایک بلا آسمان سے نازل کی ۲۰۰
بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۵۹ وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى
اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے ۲۰۱ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے
لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ
پانی کی دعا مانگی ۲۰۲ سو ہم نے کہا اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو ۲۰۳ تو اس میں سے
مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ
بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۲۰۴ (اور) ہر گروہ نے اپنا (اپنا)
اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ
گھاٹ معلوم کر لیا ۲۰۵ کھاؤ پیو اللہ کے (دیئے ہوئے)
اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰
رزق میں سے، اور زمین پر فسادی بن کر مت پھرو ۲۰۶

ع ۶ / ۱۳

رہ جاتے ہیں۔ عارف رومیؒ نے سچ کہا ہے ؎ ابر ناید از پئے منع زکات ٭ وز زنا خیزد وبا اندر جہات ٭ فقہاء نے آیت سے اہل بدعت کا ظالم اور سزاوار غضب ہونا نکالا ہے۔ بدعت کہتے ہیں دین میں ایسے نئے کام کے پیدا کرنے کو جس کا نشان اصل
شریعت میں نہ موجود ہو۔ اور قرطبی نے کہا ہے کہ جب لفظی تبدیلی یہ نوبت پہنچا دیتی ہے تو عملی تحریف کی شناعت کا کیا ٹھکانا! والقول انقص من العمل فکیف بالتبدیل والتغییر فی الفعل (قرطبی) ۲۰۲ اب قوم اسرائیل فلسطین سے دور اور مصر سے الگ،
دونوں کے درمیان معلّق، جزیرہ نمائے سینا کے لق و دق بیابان و ریگستان میں اپنے خیمہ و خرگاہ کے ساتھ کوچ در کوچ ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہو رہی ہے۔ قدیم گلہ بان قوموں میں یہ دستور عام تھا اور آج بھی بہت سی خانہ بدوش قوموں میں عام
ہے۔ خشک ملک اور پھر مقامی جغرافیہ سے ناواقفیت، چلتے چلتے یہ لوگ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نایاب تھا اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ صورت حال کا ذرا تصور کیجیے۔ پیاس سے بیحال اور بیدم تو ہو ہی رہے تھے، مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور لگے اپنی جھنجھلاہٹ اور غصہ اپنے رہبر اور
سردار حضرت موسیٰؑ پر اتارنے۔ توریت میں ہے:۔ "تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا۔ اور رفیدیم میں ڈیرا کیا، وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے! اور کہا کہ ہم کو
پانی دے کہ پیویں۔۔۔۔ موسیٰؑ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں۔ وہ سب تو مجھے ابھی سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔" (خروج۔ ۱۷: ۱-۴) اور قدیم ترین یہودی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ "وہ مقام رفیدیم میں
پہنچے جہاں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے۔۔۔۔ یہاں کی سرزمین میں پانی کا ایک قطرہ نہ پایا۔ اس پر یہ لوگ غصہ میں بھر کر پھر موسیٰ پر ٹوٹ پڑے۔۔۔۔ لیکن وہ خدا کے آگے دعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہو گیا" (باب ۳ فصل ۲) پیمبر بھی غیب داں، ہمہ بیں نہیں
ہوتے جب تلاش کے بعد مایوسی ہو چکی تھی تو بجز دعا اور مناجات کے اور کیا کرتے؟ البتہ خود توریت ہی میں ایک دوسری جگہ مقام کا نام بجائے رفیدیم کے قادس (قدیش) درج ہے اور تفصیلات تقریباً سب وہی:۔ "بعد اس کے بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے دشت صین
کو آئی اور قادس میں رہنے لگی۔۔۔۔ وہاں جماعت کے لئے پانی نہ تھا سو وہ جمع ہو کے موسیٰ و ہارون کے برخلاف ہوئے اور اُن لوگوں نے موسیٰ سے جھگڑا کیا اور کہا۔۔۔ یہاں تو پینے کو پانی ہی نہیں، تب موسیٰ و ہارونؑ جماعت کے سامنے سے جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر گئے اور منہ کے بل گرے"
(گنتی۔ ۲۰: ۱-۲) اس بنا پر علماء اہل کتاب میں باہم سخت اختلاف پڑ گیا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہ مقام کون سا تھا لیکن بہرحال وہ مقام کوئی سا بھی ہو، اور ایک ہو یا دو ہوں نفس اس واقعہ کا وقوع کوئی اختلافی و نزاعی مسئلہ نہیں، اور یہ تاریخ بنی اسرائیل کے مسلمات
میں سے ہے استسقیٰ لفظی معنی ہیں کہ پانی طلب کیا۔ پانی کی تلاش کی۔ اور مراد یہ ہے کہ پانی کیلئے دعا کی ای دعا لھم موسٰی بالسقیا (کشاف) مشہور ماہر اثریات سر فلنڈرز پیٹری (Petrie) ۳۰ آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۵-۱۹۰۴ء میں اسی جزیرہ نمائے سینا کی تحقیقی مہم
پر روانہ ہوئے، اُن کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبان سے سنیئے:۔ "یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کی پہاڑیوں سے لبریز ہے جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں اور شگاف جابجا نخلستانوں کے ساتھ فاصلے

مجاہدہ یا ریاضت یا نفس کشی کے گرنا، کسی نقلی سند کے مطابق ہے نہ کسی عقلی دلیل کے ماتحت۔ یہ واقعہ قتل تاریخ اسرائیل کا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے۔ توریت کی سند ابھی گزر چکی، تاریخ کی سب کتابیں اس کو دہرا رہی ہیں۔ سارے دفترِ نقل و روایت میں کوئی لفظ اس کے خلاف موجود نہیں۔ رہی "عقل" سو خدا معلوم دنیا کے پردہ پردہ کونسی پاگل گورنمنٹ ہے، جو اپنے قانونِ فوجداری کے شدید مجرموں، لٹیروں، ڈاکوؤں، نقب زنوں کو محض معافی طلب کرنے پر چھوڑ دیتی ہے؟ —— آج کے "روشن خیال" تفسیر نویسوں کی تاویلات بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں! ف۱۸۰ (اور اس خیریت اور بہتری کا ظہور آخرت میں ہوگا) خیر سے اشارہ یہاں نجات، مغفرت اور گناہ کی گندگی سے پاک صاف ہونے سے ہے۔ یہاں ذکر تو ایک اسرائیلی ضابطۂ شریعت کا ہے۔ لیکن خود اسلامی شریعت کا ضابطہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ رہزنی، سرقہ، زناکاری وغیرہ جن جن جرائم کے لئے حدود مقرر ہیں، وہ دنیا میں معاف نہیں ہو سکتے، خواہ مجرم صدقِ دل سے تائب ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اجرائے حد کے بعد یہ امید ضرور قائم ہو جاتی ہے کہ وہ نادم و تائب حشر میں دھلا دھلایا، پاک صاف حاضر ہوگا۔ ف۱۸۱ تاب علیکم۔ یعنی تمہاری توبہ من حیث القوم قبول کر لی۔ سزا صرف انہیں افراد کو ملی جو شرک کے مجرم واقعۃً اور عملاً تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ جو صرف اپنی خاموشی سے شریکِ جرم رہا اس کی خطا معاف ہوگئی۔ ف۱۸۲ دنیا کی بہت سی گمراہ قوموں کا یہ عقیدہ رہ چکا ہے اور اب بھی ہے (مثلاً بدھ مذہب والوں کا) کہ خدا کو معاف کر دینے کا کوئی اختیار ہی نہیں، کیونکہ وہ خود قانونِ مکافاتِ عمل کا پابند ہے۔ مسیحیت بھی اسی اساسی گمراہی میں مبتلا ہے۔ خدا چونکہ از خود کسی کو معاف نہیں کر سکتا، اور معاف کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس نے اپنے بیٹے کو سب کی طرف سے بطور کفارہ سزا دے کر دوسروں کو معاف کر دیا۔ یہودیت نے بھی خدا کی قہاریت پر اتنا زور دیا کہ اس کی رحمت و رحمانیت کی تصویر بالکل ہی دھندلی پڑ گئی۔ قرآن مجید نے توبہ و قبولِ توبہ اور رحمتِ الٰہی کی وسعت پر بار بار زور دے کر ان ساری گمراہیوں کی تردید کر دی۔ ف۱۸۳ (کہ جو مخاطبہ تم سے ہو رہا ہے وہ مخاطبۂ الٰہی ہی تھا، اور جو کلام تم ہمیں سنا رہے ہو وہ کلامِ الٰہی ہی ہے) قلتم "تم نے کہا تھا" یعنی تمہاری قوم کے ستر بڑے بوڑھے نمائندوں نے۔ والقائلون هم السبعون الذين اختارهم موسى للميقات (بيضاوى) لن نؤمن لك۔ اى لاجل قولك (بيضاوى) تاریخ اسرائیل کے اہم ترین واقعات دہرائے جا رہے ہیں، اور اسرائیلیوں پر اُن کی قومی تاریخ سے حجت قائم کی جا رہی ہے۔ اب ذکر اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر بزرگانِ قوم کو ہمراہ لیکر لشکر گاہ سے کوہِ طور پر گئے ہیں۔ دامنِ کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے ہیں اور مکالمہ و مخاطبۂ الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگانِ قوم کو پہنچائی ہے۔ ف۱۸۴ (اپنی انہیں مادی اور ظاہری آنکھوں سے) گویا اللہ تعالیٰ بھی کوئی مادی جسم رکھتا ہے! اور گویا رسول کے حواس عام بشری حواس سے کچھ ممتاز ہی نہیں ہوتے! ف۱۸۵ (اس گستاخانہ مطالبہ کی پاداش میں) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحيل (بيضاوى) اخذتكم "پکڑ لیا تم کو" یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کی جماعت کو۔ معتزلہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ رویتِ باری جائز ہی نہیں ورنہ اگر جائز ہوتی تو اس سوال پر سردارانِ اسرائیل کو اتنی سخت سزا نہ ملتی۔ لیکن اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ رویتِ باری جنت میں تو مومنین کو ہو ہی کر رہے گی، باقی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بطور فضلِ خاص ممکن ہے۔ البتہ بہر جہت جسم، اور مادی کم و کیف سے پاک۔ وقد اختلف فى جواز رؤية الله تعالى فاكثر المبتدعة على انكارها فى الدنيا والآخرة واهل السنة والسلف على جوازها فيهما ووقوعها فى الآخرة (قرطبى) الممكن ان يرى رؤية منزهة عن الكيفية وذلك للمومنين فى الآخرة ولافراد من الانبياء فى بعض الاحوال فى الدنيا (بيضاوى) رہی ان کی یہ سزا تو اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پیمبر کی بات کو جھٹلا رہے تھے (حالانکہ ظہورِ معجزات و دلائل کے بعد پیمبر پر ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے) یا یہ کہ وہ سوال اپنے رفعِ جہل کے لئے نہیں، بلکہ بطورِ انکار، از راہِ عناد کر رہے تھے۔ انما عوقبوا بكفرهم لانهم امتنعوا عن الايمان بموسى بعد ظهور معجزاته والايمان بالانبياء واجب بعد ظهور معجزاتهم ولانهم لم يسألوا سوال استرشاد بل سوال تعنت وعناد (مدارك) ف۱۸۶ توریت میں ہے۔ "اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا اٹھی اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی، چنانچہ سب لوگ ڈیروں میں کانپ کانپ گئے" (خروج۔ ۱۹: ۱۶) وانتم تنظرون۔ مفسر ابن حیان نے کہا ہے کہ ینظرون عربی میں ینتظرون کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے اگر کوئی یہ مراد لے کہ "تم سوالِ رویت کے مقبول ہونے کا انتظار کر رہے تھے" تو اس معنی کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے اگرچہ کسی سے یہ مفہوم منقول نہیں۔ ولكن هذا الوجه ليس بمنقول فلا اجسر على القول به وان كان اللفظ يحتمله (بحر) ف۱۸۷ یہ احیا حضرت موسیٰ کی سفارش پر ہوا تھا۔ اسرائیلی روایات اس باب میں خاموش ہیں۔ بعثناکم "جلا اٹھایا تم کو" یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کو۔ بعثناکم من بعد موتکم۔ موت اور بعث دونوں کے کھلے ہوئے معنی مرنے اور جی اٹھنے کے ہیں۔ اور ایسا ہی مفسرین نے عموماً سمجھا ہے۔ بلکہ یہ کہہ دیا ہے کہ بعد موت کی قید لگائی ہی اس لئے گئی ہے کہ بعث کو کوئی غشی یا نیند کے بعد نہ سمجھے۔ اى احييناكم (قرطبى) ماتوا وذهبت ارواحهم ثم ردوا لاستيفاء آجالهم (قرطبى) وقيد البعث لانه قد يكون عن اغماء او نوم (بيضاوى) والموت هنا ظاهره مفارقة الروح الجسد وهذا هو الحقيقة (بحر) بحر، روح وغیرہ میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ موت حقیقی نہ تھی، بلکہ بیہوشی کی قسم سے مجازی موت تھی۔ ف۱۸۸ (اور آئندہ توحید اور ایمان پر پوری طرح قائم رہو) بعض تفسیروں میں یہاں یہ قصہ نقل ہوا ہے کہ یہ ستر اشخاص بعد کو حضرت موسیٰ کی دعا سے نبی ہو گئے۔ لیکن یہ قصہ بے اصل ہے۔ هذا غريب جدا (ابن كثير) وهو بعيد (روح) ف۱۸۹ (تمہیں آفتاب کی تپش سے بچانے کیلئے جب کہ تم صحرائے سینا میں بھٹک رہے تھے) جزیرہ نمائے سینا جیسے ریگستانی ملک اور چٹیل میدان کی دھوپ میں سایہ میسر آ جانا واقعی سایۂ رحمت سے کم نہیں۔ توریت میں ستونِ ابر اور ستونِ نار دونوں کا ذکر بطور معجزہ کے ہے۔ سیاقِ قرآنی سے معجزہ کا پہلو لازم نہیں آتا۔ ذکر عام نعمتوں کا ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل پر ان کی تاریخ کے اہم ترین دور میں برابر نازل ہوتی رہیں۔ اور قرآن مجید نے عام مستقل اور بظاہر طبعی اسباب سے پیدا شدہ نعمتوں کو کہیں بھی معجزانہ و خارقانہ نعمتوں سے کم اہمیت نہیں دی ہے۔ توریت میں ہے۔ "اور خداوند دن کو بدلی کے ستون میں ہو کے تاکہ انہیں راہ بتائے اور رات کو آگ کے ستون میں ہو کے تاکہ انہیں روشنی بخشے ان کے آگے چلا جاتا تھا تاکہ دن رات چلے جائیں اور بدلی کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو ان کے آگے سے ہرگز نہ اٹھاتا تھا" (خروج ۱۳: ۲۱، ۲۲) روایاتِ یہود میں حسبِ بیان جیوش انسائکلوپیڈیا (جلد ۴ ص ۱۲۳) یہ تصریح بھی موجود ہے کہ بنی اسرائیل جب کثرتِ معاصی میں مبتلا ہو جاتے تھے تو یہ ابر اُن پر سایہ کرنا چھوڑ دیتا تھا۔ الغمام۔ قرآن مجید نے اسے محض ابر بتایا ہے۔ یہود اسے تختِ خداوندی سمجھتے تھے۔ ف۱۹۰ (اسی دشتِ سینا میں) انزل۔ "اتارا" سے یہ مراد لازمی طور پر نہیں ہوتی کہ وہ چیز کسی غیر طبعی معجزانہ طریق پر اُتری ہو۔ پانی، لوہا، کھانے کے سامان وغیرہ جو اپنے معمولی اور طبعی طریقوں پر انسان کے کام کے لئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان سب کے لئے قرآن مجید کی زبان میں "اتارنے" ہی کا لفظ آیا ہے۔ من اہلِ لغت کی تحقیق میں یہ ایک میٹھی میٹھی رطوبت تھی جو درختوں پر گرا کرتی تھی۔ المن شيء كالطل فيه حلاوة يسقط على الشجر (راغب)۔ عربی میں اسم جنس ہے، خیر و شر کی طرح جس کا واحد نہیں آتا۔ اسم جنس لا واحد له من لفظه مثل الخير والشر قاله الاخفش (قرطبى)۔ معنی اس کے متعدد بیان کئے گئے ہیں، میٹھا گوند، شہد، شربت وغیرہ۔ لیکن اکثر کا خیال ہے کہ یہ ترنجبین کے مرادف ہے۔ الترنجبين وعلى هذا اكثر المفسرين (قرطبى) الاكثرون على ان المن هو الترنجبين (معالم) اور ترنجبین سے متعلق قدیم طب کی کتابوں میں یہ درج ہے کہ شہد کی طرح جمی ہوئی اور لذیذ، آسمان سے گرنے والی شبنم کی قسم کی چیز ہے۔ الترنجبين طل يقع من السماء وهو ندى شبيه بالعسل جامد متحبب (مفردات ابن البيطار)۔ بہرحال اتنا یقینی ہے کہ کوئی لذیذ قدرتی غذا تھی جو بنی اسرائیل کو مسلسل مسافرت کے زمانہ میں، بلا مشقت و تعب مل جاتی تھی۔ توریت کی تصریحات اس بارہ میں حسبِ ذیل ہیں:۔ "صبح کو لشکر کے پاس اوس پڑی۔ اور جب اوس پڑ چکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز ایسی سفید جیسے برف کا چھوٹا ٹکڑا زمین پر پڑی ہے، اور بنی اسرائیل نے دیکھ کر آپس میں کہا کہ مَن ہے۔ کیونکہ انہوں نے نہ جانا کہ وہ کیا ہے۔ تب موسیٰ نے انہیں کہا کہ یہ روٹی ہے جو خداوند نے کھانے کو تمہیں دی ہے" (خروج۔ ۱۶: ۱۴ و ۱۵) "اسرائیل کے گھرانے نے اس کا نام مَن رکھا اور وہ دھنیے کے بیج کی طرح سفید تھی، اور مزہ اس کا شہد میں ملی ہوئی پھلوری کا سا تھا" (خروج۔ ۱۶: ۳۱) "اور مَن سوکھے دھنیے کی مانند تھا۔ اور اس کا رنگ موتی کے دانہ کا سا تھا۔ لوگ ادھر ادھر جا کر اسے جمع کرتے تھے۔ اور چکی میں پیستے تھے۔ یا اوکھلی میں کوٹتے تھے، اور تووں پر پکاتے تھے اور پھلکیاں بناتے تھے۔ اس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا اور رات کو جب خیموں پر اوس پڑتی تھی تو مَن بھی اُن پر پڑتا تھا" (گنتی۔ ۱۱: ۸-۱۱) سلوی۔ ایک قسم کا بٹیر ہے۔ بٹیر جزیرہ نمائے سینا کا خاص جانور ہے۔ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ گرمی میں شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ جاڑے میں جنوب کی طرف پھر آ جاتا ہے۔ اڑتا اونچا نہیں۔ بہت نیچے رہتا ہے۔ تھک بہت جلد جاتا ہے اور شکار بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ (جیوش انسائکلوپیڈیا۔ جلد ۱۰ ص ۲۸۵)۔ اس کا شمالی سفر مصر سے فلسطین کی جانب عموماً مارچ میں ہوتا ہے۔ اور جنوبی فلسطین سے مصر کی طرف عموماً نومبر میں۔ یہ اسرائیلی بٹیر وہ تھے جو مارچ اپریل میں راستے وقت اپنی شمالی پرواز میں ہوتے ہیں۔ بحرِ قلزم شمال میں جہاں دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے، وہاں تک یہ اپنے سالانہ اڑان میں آتے ہیں۔ اور وہاں سے جزیرہ نمائے سینا کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سمندری ہوا ان کی بیشمار تعداد بآسانی اسرائیلیوں کے ڈیروں تک لے آتی تھی (ڈکشنری آف دی بائبل۔ از ڈاکٹر ہیسٹنگز۔ جلد ۴ ص ۱۹) ان کا گوشت چربی دار ہوتا ہے، رکھنے سے بہت جلد خراب ہو جاتا ہے۔ (انسائکلوپیڈیا ببلیکا، کالم ۳۹۹۹)۔ واضح رہے کہ سارے رکوع میں اور اس کے بعد بھی ذکر بنی اسرائیل کے ساتھ حق تعالیٰ کے معاملات کا ہے۔ اور ان معاملات کو حق تعالیٰ نے بطور اپنے احسانات و انعامات کے گنایا ہے۔ ضرور نہیں کہ یہ سارے واقعات اپنے عام طبعی اسباب سے ہٹ کر بصورتِ معجزات ہی پیش آئے ہوں۔ اصل مقصود یہاں احسانات و الطافِ خداوندی کی یاد دہی ہے۔ خواہ وہ حسبِ عادت ہوں، خواہ بطور خارقِ عادت۔ یعنی قانونِ تکوینی کی عام دفعات کے ماتحت، یا کسی خصوصی دفعہ کے مطابق۔ اہلِ تفسیر نے عموماً ابر کی سایہ افگنی، مَن و سلوی کے نزول، اور چٹان سے چشمہ کی روانی، سب کو معجزات میں شمار کیا ہے۔ لیکن کسی کی تحقیق میں اگر یہ سب امور عام واقعاتِ طبیعیہ میں داخل ہوں اور ان کی توجیہ عام اور معمولی قوانینِ تکوینی کے ماتحت ہو جائے، یا آج کل کی اصطلاح میں ان کے سائنٹفک اسباب دریافت ہو جائیں، تو اس کا اثر ارشاداتِ قرآنی پر مطلق نہیں پڑے گا۔ اُن کی احسانی اور انعامی حیثیت بہر صورت قائم رہتی ہے۔ اور اسی کی تذکیر قرآن کا مقصود ہے۔ توریت میں البتہ اس کے برعکس، سارا زور ان واقعات کی معجزانہ حیثیت پر ہے۔ ف۱۹۱ (اور ان چیزوں کا ذخیرہ نہ کرو۔ روز کی روز خرچ کرتے رہو) حکم اسرائیلیوں کو یہ ملا تھا کہ بلا ضرورت ان غذاؤں کا ذخیرہ نہ کرتے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ "ذخیرہ اندوزی" Hoarding کی عادت یہودیوں کی آج کی نہیں، بہت قدیم ہے۔ ف۱۹۲ (اس حکم کی خلاف ورزی کر کے) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور سخت خطرناک ہے۔ اور اس میں جاہل صوفیوں کو سخت دھوکا ہوا ہے، چنانچہ وہ کثرتِ جاہ و مال کو علامت مقبولیت کی سمجھتے ہیں، حرص میں مبتلا، توکل سے ناآشنا، اور نافرمانی کے عادی بنی اسرائیل سے تعمیل اتنے معمولی حکم کی بھی نہ ہونے پائی۔ لگے ان غذاؤں کا ذخیرہ فراہم کرنے، اور لطیف غذائیں باسی ہو ہو کر سڑنے لگیں۔ توریت میں ہے۔ "اور باوجود یکہ موسیٰ نے کہا کہ کوئی اس میں سے صبح تک باقی نہ چھوڑے۔ وہ اس کے سننے والے نہ ہوئے۔ اور بعضوں نے صبح تک کچھ رہنے دیا۔ سو اس میں کیڑے پڑ گئے اور سڑ گیا" (خروج۔ ۱۶: ۲۰) یہود جو مشرک قوموں کے اثر سے عقیدۂ تجسیم کے قائل تھے۔ یعنی خدا تعالیٰ کو بھی بشری اوصاف سے متصف جانتے تھے، اور اس کے تاثر و انفعال کے معتقد تھے، انہیں یہ بار بار بتانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ خدا تعالیٰ کسی نفع و نقصان سے متاثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ انسان ہی ہے جو احکامِ الٰہی کی نافرمانی کر کے نقصان اٹھاتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ف۱۹۳ (بنی اسرائیل سے ان کے پیمبر کی وساطت سے) یہ واقعہ اگر حضرت موسیٰ کے زمانہ کا ہے تو وہی مراد ہیں، اور اگر ان کے بعد کا ہے تو ان کے جانشین حضرت یوشع۔ قرآن مجید، جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، توریت کے بعض حصوں کی طرح تاریخ کی کوئی کتاب نہیں۔ اس لئے اس کے بیانات میں تسلسلِ زمانی اور ترتیبِ تاریخی ہرگز ضروری نہیں۔ اس کا مقصود صرف نتائج و عبر یعنی اخلاقی و روحانی سبق، نہ کہ واقعات کی روداد، اس ایک حقیقت کو پیشِ نظر نہ رکھنے سے یہود و نصاریٰ آج قرآن فہمی میں طرح طرح کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ یہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ تاریخ اسرائیل ہی کا ایک مسلم واقعہ ہے۔ زمانہ تاریخی اس کا جو کچھ بھی ہو۔

پائیر لکھنؤ کی ۱۰ جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے۔ البحر۔ بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں، جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہوگیا ہے۔ بلکہ بحرِ قلزم (یا بحرِ احمر) مراد ہے۔ دریائے نیل تو بنی اسرائیل کے مسکن اور محلّہ سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اور اسرائیلیوں کا راستہ شام کے لئے مشرق کی طرف تھا۔ نیل سے اس راستہ کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مصر سے شام کی راہ کے قریب بحرِ قلزم تھا۔ اسی کے تنگ شمالی سرے کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ مصر کے مشرق میں جہاں اب نہر سویز کھُدگئی ہے، اس سے متصل جنوب میں۔ نقشہ میں سمندر دو شلشوں کی شکل میں تقسیم نظر آئے گا۔ یہاں ان میں سے مغربی مثلث مراد ہے۔ اسرائیلیوں نے اسی کو عبُور کرکے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھا تھا۔ ۱۶۹ اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصُور پاکر قدرةً سخت پریشان ہوئے۔ لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیمبر کر رہے تھے۔ آپنے وحیِ الٰہی کے اشارہ سے فرمایا کہ بلا توقف سمندر میں چل پڑو۔ سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہوگیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہوگیا۔ اسرائیلیوں کا قافلہ عبُور کرگیا۔ اتنے میں فرعونی بھی لبِ ساحل پہنچ گئے۔ اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں در آئے۔ لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی وہ کھڑی ہوئی دیواریں آناً فاناً آپس میں مل گئیں۔ اور سمندر کا پانی حسبِ سابق رواں ہوگیا۔ اور دیکھتے دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہوکر رہ گیا۔ توریت میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ "پھر موسیٰ نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا اور خداوند نے بسبب بڑی پُوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلایا۔ اور دریا کو سکھا دیا۔ اور پانی کو دو حصّہ کیا۔ اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہوکر گزر گئے۔ اور پانی کی اُنکے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔" (خروج۔ ۱۴: ۲۱-۲۲) "بنی اسرائیل خشک زمین پر دریا کے بیچ میں چلے گئے اور پانی کی ان کے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔ سو خداوند نے اُس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے یُوں بچایا۔" (خروج۔ ۱۴: ۲۹-۳۰) "اور مصریوں نے پیچھا کیا اور ان کا پیچھا کئے ہُوئے وہ اور فرعون کے سب گھوڑے اور اُس کی گاڑیاں اور اُسکے سوار دریا کے بیچوں بیچ تک آئے۔۔۔۔۔۔ اور مُوسیٰ نے اپنا ہاتھ دریا پر بڑھایا۔ اور دریا صُبح ہوتے ہی اپنی اصلی قوت پر لوٹا اور مصری اس کے آگے بھاگے اور خداوند نے مصریوں کو دریا میں ہلاک کیا۔ اور پانی پھرا۔ اور گاڑیوں اور سواروں اور فرعون کے سب لشکر کو جواُن کے پیچھے دریا میں آئے تھے چھپالیا۔ اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھُوٹا۔" (خروج۔ ۱۴: ۲۴-۲۸) واقعہ کا زمانہ جدید ترین اثری تحقیق کے مطابق ۱۴۴۷ق م یا اسکے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔

تَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۗ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۗ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ
تمہارے حق میں تمہارے خدا کے نزدیک[۱۸۰] پھر اُس نے تمہاری توبہ قبول کرلی[۱۸۱] بیشک وہ بڑا توبہ قبول
الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ
کرنیوالا، بڑا مہربان ہے[۱۸۲]، اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے مُوسیٰ ہم ہرگز نہ باور کرینگے تمہارے
نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ
(کہنے سے)[۱۸۳] جبتک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں علانیہ[۱۸۴]، سو (اس پر) تم کو آلیا کڑک نے[۱۸۵] اور تم (اس کا آنا)
تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ
دیکھ رہے تھے[۱۸۶] پھر ہم نے تم کو جِلا اٹھایا تمہارے مرے پیچھے[۱۸۷] کہ شاید تم
تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا
شکر گزار بنو[۱۸۸] اور ہم نے تمہارے اُوپر ابر کا سایہ کردیا[۱۸۹] اور ہم نے
عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ
تمہارے اُوپر مَنّ و سلویٰ اُتارا[۱۹۰] کھاؤ اِن پاکیزہ چیزوں میں سے
مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا
جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں[۱۹۱] اور انہوں نے زیادتی ہم پر نہیں کی بلکہ زیادتی اپنی
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۷﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ
ہی جانوں پر کرتے رہے[۱۹۲] اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا[۱۹۳] کہ اس
الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَ
بستی میں داخل ہوجاؤ[۱۹۴] اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ پیو[۱۹۵] اور

وانتم تنظرون۔ فقرہ غیر ضروری یا برائے بیت نہیں۔ بنی اسرائیل پر اس حقیقت کا پُرزور طریقہ پر اعلان مقصُود ہے کہ اپنے ایسے پُرقوت دشمن کی ہلاکت و بربادی کا نظّارہ محض تائیدِ خداوندی سے تم نے اپنی آنکھوں سے کرلیا۔ توریت میں ہے:۔ "اسرائیلیوں نے مصریوں کی لاشیں دریا کے کنارہ پر دیکھیں" (خروج۔ ۱۴: ۳۱) ۱۷۰ جب حضرت مُوسیٰؑ اپنی قوم کو مصری حکومت کے پنجۂ غضب سے نکال لائے۔ تو اب مشیّتِ خداوندی یہ ہوئی کہ اس قوم کو ایک پُورا نظامِ شریعت اور دستورِ زندگی عطا ہو۔ چنانچہ حضرت مُوسیٰؑ جزیرہ نمائے سینا کے ایک پہاڑ کی چوٹی کوہِ طُور پر نوشتۂ غیبی لینے کیلئے ایک چلّہ کیلئے طلب کئے گئے۔ موسیٰ۔ مُوسیٰؑ بن عمران سلسلۂ اسرائیل کے سب سے زیادہ مشہور و جلیل القدر پیمبر کا نام ہے۔ توریت میں ہے کہ عمر ایک سو بیس سال کی پائی (استثناء۔ ۳۴: ۷) آپ کا زمانہ مؤرخین اور اثریین کا تخمینہ ہے کہ پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح کا تھا۔ سالِ ولادت غالباً ۱۵۲۰ق م۔ سالِ وفات غالباً ۱۴۰۰ق م۔ اربعین لیلة۔ چالیس رات دن مراد ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور مُوسیٰؑ پہاڑ پر چالیس دن رات خداوند کے پاس رہا" (خروج ۳۴: ۲۸) اسلامی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ زمانہ ذی قعدہ کے پُورے مہینہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کا تھا۔ قیل انها ذو القعدة بکماله وعشر من ذی الحجة (ابن کثیر) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اہلِ سلوک کے یہاں جو چلّہ کی میعاد متعارف ہے اسکی اصل یہیں سے ہے۔ ۱۷۱ (بطور اپنے معبُود کے) من بعدہٖ۔ یعنی حضرت مُوسیٰؑ کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں۔ اُدھر حضرت مُوسیٰؑ پہاڑ پر تشریف لے گئے اِدھر اُنکی موحّد قوم نے گرد و پیش کی مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی ایک گوسالہ کی مُورت سونے کی بناکر اس کی پرستش شروع کردی۔ توریت میں خروج کا باب ۳۲ پُورا اسی گوسالہ پرستی کی تفصیلات کی نذر ہے۔ ۱۷۲ (اپنے حق میں) قرآن مجید نے اس قسم کے فسقِ شدید بلکہ شرک کو اکثر ظلم ہی سے تعبیر کیا ہے۔ اور واقعی اس سے بڑھ کر ظلم انسان کا اپنے حق میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اسرائیلیوں میں یہ گمراہی آئی کہاں سے؟ اس سوال کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ مصریوں کی گاؤ پرستی کا عکس تھا۔ دُوسرا قول ہے کہ مشرک کنعانیوں (فلسطینیوں) کے ہمجوار ہونے کا اثر تھا۔ تیسرا قول ہے کہ گوسالہ مُورت تھی چندرماں دیوتا کی۔ اور گوسالہ پرستی مرادف تھی ماہتاب پرستی کی۔ بہرحال یہ شرک جس راہ سے بھی آیا ہو قرآن نے اسے ہی شرک قرار دیا، خواہ وہ مُورتی (نعوذ باللہ) خدائے واحد ہی کی کیوں نہ بنائی گئی ہو۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ حلول باری تعالیٰ کی جناب میں محال ہے ورنہ اگر محض غلطی ہوتی تو اسرائیلی اس میں معذور سمجھے جاتے۔ ۱۷۳ تمہارے توبہ و استغفار اور تم میں سے ایک خاص گروہ کی سزایابی کے بعد) گوسالہ پرستی اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا چاہیئے تو یہ تھا کہ ساری قوم کو ملتی، شرک کرنے والوں کو شرک کی، اور باقی تماشہ دیکھتے رہنے والوں کو سکوت عن الحق اور اعانتِ جرم کی۔ لیکن واقعۃً سزا صرف ایک مخصوص گروہ کو ملی۔ جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ اور باقی ساری قوم توبہ و استغفار کے بعد بچ گئی ۱۷۴ (کہ شکر گزاری اور منت پزیری تو جوہر شرافت اور لازمۂ انسانیت ہے) اس موقع پر عملی شکر گزاری توحید و طاعت پر ثابت قدمی تھی ۱۷۵ (اور جزئیات تک کیلئے زندگی کا ایک دستور العمل ہاتھ آجائے) اجمالاً راہ ہدایت یعنی توحید کی تعلیم تو اسرائیلیوں کو پہلے سے ملی ہُوئی تھی، اور پیمبر اُن کے درمیان موجود ہی تھے۔ اب کتاب اس لئے نازل فرمادی گئی کہ ایک مستقل و مرتّب دستورِ عمل جزئیاتِ زندگی کا اُن کے ہاتھ میں آجائے، اور آئندہ یہ راہ سے بھٹکنے نہ پائیں۔ الکتٰب۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید میں مطلق الکتٰب کا لفظ، علاوہ قرآن کے توریت کے لئے بھی آیا ہے۔ الفرقان۔ فرقان اپنے لفظی معنی میں ہر وہ چیز ہے جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ کل ما فرق به بین الحق والباطل فهو فرقان (لسان)۔ الفرقان۔ قرآن کا بھی ایک نام ہے، اس مناسبت سے کہ قرآن حق و باطل، حرام و حلال کے درمیان فارق ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کا اطلاق علاوہ قرآن کے توریت و انجیل پر بھی ہوسکتا ہے۔ کہ یہ کتابیں بھی فارق ہیں بلحاظ عقائد حق و باطل کے درمیان۔ بلحاظ اقوال صدق و کذب کے درمیان۔ اور بلحاظ اعمال نیک و بد کے درمیان (راغب)۔ اس مقام پر الفرقان کی متعدد تفسیریں نقل ہُوئی ہیں۔ ۱۔ الکتٰب والفرقان کے درمیان عطف تفسیری ہے۔ اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے یعنی توریت۔ توریت ہی کی دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت کتابت۔ دُوسری صفت فرقانیت۔ اوّل کے لحاظ سے وہ الکتٰب ہے، اور دُوسری کے لحاظ سے الفرقان۔ یعنی الجامع بین کونه کتابًا منزلًا وفرقانًا یفرق بین الحق والباطل یعنی التوراة (کشاف) الفرقان نعت والواو زائدة یعنی الکتٰب الفرقان (معالم عن الکسائی)۔ ۲۔ دُوسرے یہ کہ اس سے مراد یہاں توریت اپنے احکام و شرائع کے لحاظ سے ہے۔ ابن عباسؓ اور بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے۔ یہ قول قولِ اوّل سے معنیً بالکل ملتا ہُوا ہے۔ ۳۔ مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت مُوسیٰؑ کو عطا ہُوئے تھے۔ مثلاً معجزۂ عصا، معجزۂ یدِ بیضا، وغیرہما۔ یہ مذہب مجاہد تابعی کا ہے۔ انه معجزات الفارقة بین الحق والباطل (روح)۔ ۴۔ مراد وہ فتح و غلبہ ہے جو بنی اسرائیل کو حکومتِ فرعونی کے مقابلہ میں عطا ہوا تھا۔ النصر والفرج الذی اٰتاه الله بنی اسرائیل علی قوم فرعون (کبیر) الفرقان الفرج من الکرب لانهم کانوا مستعبدین مع القبط (قرطبی)۔ یہود کا عقیدہ ہے کہ لکھی ہوئی کتاب توریت کے علاوہ زبانی بھی بہت سے اسرار و مسائل کی تعلیم حضرت مُوسیٰؑ کو ہُوئی تھی۔ اور وہ ان کے بعد سے سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی قوم میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ سو یہود کے نقطۂ خیال سے فرقان سے مراد اُس علمِ سفینہ کے علاوہ یہ علمِ سینہ ہے۔ ۱۷۶ (بعد اس کے کہ بنی اسرائیل شرک اور گوسالہ پرستی کے مرتکب ہوچکے تھے) ۱۷۷ (کہ توحید جیسی دولتِ بے بہا پاکر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی سفلیت پر اتر آئے) ۱۷۸ فتوبوا میں فا سببیہ ہے کہ انہوں نے ظلم کیا ہوتا نہ آج توبہ کی نوبت آتی۔ والفاء للتسبیب (بیضاوی) لان الظلم سبب للتوبة (بحر) توریت میں ہے:۔ "اور مُوسیٰ نے کہا کہ آج خداوند کے لئے اپنے تئیں مخصوص کرو۔ ہر ایک مرد اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرکے تاکہ وہ تمہیں برکت دیوے" (خروج۔ ۳۲: ۲۹) ۱۷۹ (اپنے ہاتھ سے اُسی غیر مجرمین مجرمین کو قتل کریں) فلیقتل الذی لم یعبد العجل الذی عبده (ابن عباسؓ)۔ شرک شریعتِ موسوی اور آئینِ اسرائیلی میں علاوہ معصیتِ مذہبی کے فوجداری کا بھی ایک سنگین جرم تھا، مستوجبِ قتل۔ توریت کی قانونی آیتوں میں مشرک مشرکہ کے لئے یہ تصریح ہے کہ "اس مرد یا اُس عورت پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وہ مرجائیں۔۔۔۔۔۔ گواہوں کے ہاتھ اُس پر پہلے اٹھیں تاکہ اس کو قتل کریں اور ان کے بعد باقی سب لوگوں کے ہاتھ، تم یونہی اپنے بیچ سے شرارت کو نیست و نابود کیجیو" (استثناء۔ ۱۷: ۵-۷) اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ صاحبِ شریعت کے سامنے بھی نہ ہوتا تو اور کب ہوتا۔ شرک کے مجرمین پکڑ پکڑ کر سامنے لائے گئے اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے۔ توریت میں ہے:۔ "تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے اور ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک تمام لشکر گاہ میں گزرتا پھرے۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے۔ اور بنی لاوی نے مُوسیٰ کے کہے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار آدمی مارے پڑے" (خروج۔ ۳۲: ۲۷، ۲۸) فاقتلوا انفسکم۔ میں قتل سے مراد یہی ہلاک ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اور محققین کا گروہ اسی معروف معنی میں قتل کا قائل ہے۔ والمتبادر من القتل القتل المعروف من ازهاق الروح (روح) ظاهر هذا انه هو القتل المعروف من ازهاق الروح (بحر) والصحیح انه قتل علی الحقیقة هنا (قرطبی)۔ اس کھلے ہُوئے معنی کو چھوڑ کر، بلا وجہ و بلا ضرورت قتل کے مجازی معنی

آئی کہ امتِ موسوی" اور "قوم اسرائیل" کے درمیان خلط ہوگیا، اور دونوں کا عظیم الشان فرق نظر میں نہ رہا۔ امتِ محمدیؐ کی افضلیت بلحاظ دین و عقیدہ ہے، نہ کہ کسی نسلی یا قومی اعتبار سے، اور آیت میں ذکر ایک خاص نسل کی افضلیت کا ہے۔ یہ کوئی نظریہ یا اجتہادی مسئلہ نہیں۔ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت دنیائے تہذیب طرح طرح کے شرک زدہ وہم پرستیوں میں مبتلا تھی۔ سو حضرت اعظم ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل کی ایک شاخ توحید کا عَلم بلند کئے ہوئے تھی۔ ہمارے مفسرین میں سے بھی کسی کسی کے ذہن کی رسائی اس حقیقت تک ہو گئی ہے اور وہ صاف لکھ گئے ہیں کہ نسلِ اسرائیلی کی افضلیت اس میں سلسلۂ نبوت و انبیاء کے لحاظ سے تھی بما جعل فیھم من الانبیاء وھذہ خاصۃ لھم ولیست لغیرھم (قرطبی) ۱۶۳ یومًا "اُس دن" سے مراد ظاہر ہے کہ یوم قیامت ہے۔ قیامت کی یاد بڑے حکیمانہ موقع پر دلائی گئی۔ حشر و نشر جزا و سزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی روح ہے، اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، کہنا چاہیے کہ ان کی مقدس کتابوں اور نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا۔ آگے روزِ قیامت کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، سب میں رد ہی ہے کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدہ کا لا تجزی نفس عن نفس۔ اس سے مقصود اُس اسرائیلی عقیدہ کی تردید ہے، جو آج تک جیوش انسائکلوپیڈیا میں ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے "بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اور بہت سے لوگ اپنے اخلاف کے اعمالِ حسنہ کی بنا پر بخش دیئے جائیں گے" (جلد ۵ ص ۱) ولا یقبل منھا شفاعۃ (جس صورت میں کہ موت حالت کفر پر اور عدم ایمان میں ہوئی ہو) یہاں بھی تردید ہے اس اسرائیلی عقیدہ کی کہ عمل اور عقیدے کیسے ہی ہوں، بہرحال اپنے اسلافِ کرام شفاعت کر کے بخشوا ہی لیں گے۔ شفاعت اور ایک شفیع مستقل کا یہی وہ مبالغہ آمیز تخیل ہے، جس نے مسیحیت میں آکر انتہائی شکل اختیار کر لی۔ اور کفارہ ہی کی طرح شفاعت پر مسیحیت کی بنیاد ہے۔ ولا یؤخذ منھا عدل۔ اس میں اصلی ضرب یہودی اور مسیحی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ مسیحیوں کے ہاں عقیدۂ کفارہ کی اہمیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن خود یہود بھی ایک بڑی تعداد میں اسی عقیدۂ کفارہ سے متاثر ہو کر اس کے قائل ہو گئے تھے (جیوش انسائکلوپیڈیا، جلد ۲ ص ۲۷۵)۔ ولا ھم ینصرون۔ ایمان نہ رکھنے والوں کو کسی طرف سے مدد و نصرت بھی نہ پہنچے گی، کہ سزا میں کچھ تخفیف ہی ہو سکے یا بچ جائے کہ نجاتِ کامل ہو سکے ۱۶۴ آل لغت میں اہل کا مرادف

الٓمّٓ ۲۱ البقرۃ ۲

تَرَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ
تمہاری بڑی آزمائش تھی ۱۷۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا ۱۷۱

فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۰﴾
پھر ہم نے تمہیں نجات دے دی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا، درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے ۱۷۲

وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ
اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا ۱۷۳ پھر تم نے ان کے

الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ
پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا ۱۷۴ اور تم (سخت) ظالم تھے ۱۷۵ پھر ہم نے

عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ
تم کو اس کے بعد بھی معاف کر دیا ۱۷۶ کہ شاید تم

تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ
شکر گزار بن جاؤ ۱۷۷ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان دیئے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ
تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ ۱۷۸ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا ۱۷۹

يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ
کہ اے میری قوم یقیناً تم لوگوں نے اپنے اوپر (بڑا) ظلم کیا اپنی گوسالہ گیری سے ۱۸۰

فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ
سو اب اپنے خدا سے توبہ کرو ۱۸۱ پھر اپنے اشخاص کو قتل کرو ۱۸۲ یہی بہتر ہے

منزل ۱

ہے۔ اور مراد اس سے اہل و عیال، اتباع، ہم مذہب اور ہم نسب ہوتے ہیں اھل الرجل عیالہ واتباعہ واولیاؤہ فرق یہ ہے کہ اھل کا استعمال عام ہے اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لئے آتا ہے۔ لا یستعمل الآل الا مافیہ شرف غالبًا (تاج)۔ فرعون۔ یہ کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا عَلَم نہیں۔ قدیم شاہانِ مصر کا عام لقب تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں ابھی کل تک جرمنی کے بادشاہ کو قیصر، روس کے تاجدار کو زار، اور ٹرکی کے فرمانروا کو سلطان کہتے تھے۔ یا آج بھی والیٔ مصر کو خدیو اور والیٔ دکن کو نظام کہتے ہیں۔ فرنگی مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ہمعصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہوا ہے، یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ اگر صحیح ہے تو اسے بھی قرآن کا اعجاز ہی کہنا چاہیئے، کہ وہ بجائے شخصی نام کے عمومی لفظ لایا جس کے بعد شخصیتوں کے ایک یا دو یا چند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یسومونکم سوء العذاب یعنی ظالم و جابر حکمرانوں کی طرح تمہیں رعایا بنائے ہوئے تمہارے اوپر طرح طرح کی سختیاں کر رہے تھے۔ توریت میں ہے۔ "مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے مشقت کی تھیں" (خروج۔ ۱: ۱۳ و ۱۴) قدیم ترین اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود (History of Jewish Antiquities) میں تفصیلات اور زیادہ موجود ہیں۔ قرآن مجید اور توریت کے بیان کا یہ فرق بھی قابلِ لحاظ ہے کہ توریت نے حاکمانہ سخت گیریوں کو سارے "مصریوں" کی جانب منسوب کر دیا۔ اور قرآن نے اپنے حسبِ معمول محتاط اور انتہائی صادقانہ لہجہ میں نام صرف "فرعونیوں" کا لیا ——— دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ایسی ہی الگ ہیں جیسے انگریزی قوم اور انگریزی حکومت۔ نجینا۔ باب تفعیل سے ہے اور اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سارے اسرائیلی مصر سے دفعۃً نہیں نکلے تھے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اور مختلف ٹولیوں میں نکلتے رہے۔ اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا جو حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں روانہ ہوا، اور راہ بھٹک کر بحر احمر کو پار ہوا۔ ہیسٹنگز کی "ڈکشنری آف دی بائبل" میں ہے۔ "ممکن ہے کہ مصری اسرائیلیوں کے گروہ فتاً فوقتاً مصر سے نکل کر اپنے اجداد کے مقبروں کے گرد آباد ہوتے رہے ہوں" (جلد ۳ ص ۶۶۰) اگر تاریخ نے کبھی مؤرخین کے اس خیال کی تصدیق کر دی، تو قرآن مجید کے لفظ نجینا کے بابِ تفعیل سے آنے کی اعجازی قدر اُس وقت ہو گی ۱۶۵ توریت میں ہے۔ "اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کر دو ...... اور فرعون نے اپنے سب لوگوں کو تاکید کر کے کہا، کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو" (خروج۔ ۱: ۱۶ و ۲۲) ۱۶۶ یہ لڑکیوں کا قتل نہ کرنا اور انہیں عورت بننے کے لئے زندہ رکھنا غالبًا اس لئے تھا کہ انہیں آئندہ فرعونی امراء اپنے حرم میں داخل کریں۔ (ملمین کی "ہسٹری آف دی جیوز" جلد اول ص ۶۱)۔ توریت میں ذکر قرآن کی طرح صرف اُن کے زندہ رکھنے کا ہے۔ وجہ و مصلحت درج نہیں۔ "اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کر دو۔ اور اگر بیٹی ہو تو اسے جینے دو ...... ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو، اور جو بیٹی ہو، جیتی رہنے دو" (خروج۔ ۱: ۱۶ اور ۲۲) ۱۶۷ مشہور و قدیم یہودی مؤرخ جوزیفس کے الفاظ بھی تقریبًا بالکل یہی ہیں۔ "یہ ایک بہت سخت ابتلا تھا" (تاریخ آثار یہود۔ باب ۲، فصل ۹) ۱۶۸ فرعون اور مصری گورنمنٹ کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کر لیا۔ سفر مصری حکومت سے چھپ چھپا کر رات کے وقت شروع کیا۔ زمانہ وہ تھا کہ نہ آج کل کی سی باقاعدہ سڑکیں تھیں، نہ راستوں میں لیمپ لالٹین۔ شب کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے۔ اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ اور آگے بڑھ کر اپنے دائیں پر مشرق کی طرف مڑتے، پہلے ہی اِدھر گھوم پڑے۔ اُدھر فرعون کو خبر ہو گئی، اور وہ اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آپہنچا۔ اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب سمندر تھا، اور دائیں بائیں شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت پر یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر۔ قرآن مجید میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ توریت میں اس کو خروج بنی اسرائیل سے موسوم کیا ہے۔ زمانہ کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق پندرھویں صدی قبل مسیح کا وسط قرار پایا ہے۔ بلکہ بعض نے جرأت کر کے سنہ بھی متعین کر دیا ہے۔ ۱۴۴۷ ق م۔ بکم۔ تمہارے لئے یعنی تمہیں بچانے کے لئے۔ تمہیں راستہ دینے کے لئے۔ اے فرقنا لکم (معالم) اے فرقنا بسببکم وبسبب انجائکم (کشاف) فرقنا البحر بشر کے محدود نقطۂ نظر اور انسان کے ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد، خلافِ معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں، ظاہری مادّی اسباب سے بے تعلق، ظہور میں آئے، اُسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت، مشاہدہ یا نقلِ صحیح سے مل جائے، "خلافِ عقل" کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ تاریخی عجائب سے آخر تاریخ لبریز ہی ہے۔ اور خوارق، نوادر، حوادثِ عجیبہ سے دنیا کا کون سا گوشہ، زمانہ کا کون سا دور خالی رہا ہے؟ یا آج کس دن، کس تاریخ کے اخبارات خالی رہتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلافِ معمول، خلافِ عادت عامہ کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقینًا کرنا چاہیئے۔ راویوں پر جرح بھی خوب کر لینا چاہیئے۔ لیکن اس سے تجاوز کر کے اُن کے نفسِ امکان میں شک کرنا یا انہیں خلافِ عقل یا محال قرار دینا خود اپنی کم عقلی کا اظہار کرنا ہے۔ استبعاد جو کچھ بھی ہے، وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبۂ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ جو قادرِ مطلق ہے اُس کے لئے تو "خلافِ معمول" اور "خلافِ معمول" سب ایک ہے۔ اور غریب" و "مانوس" کا فرق اس کے لئے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ "وقوع" اور "امکان" دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ اور انہیں کے خلط مبحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کر دی ہے۔ امکان تو ہر چیز کا ہے۔ اللہ کے دائرۂ قدرت کا اندر بڑی سے بڑی چیز ہے۔ ناممکن تو اس کے لئے کوئی سی بھی چیز نہیں۔ لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لئے ضرورت شاہدوں کی ہوتی ہے۔ اور جو واقعہ جس قدر عجیب اور معمول عام سے ہٹا ہوگا، اسی نسبت سے اُس پر یقین لانے کے لئے شہادت بھی زبردست ہونی چاہیئے۔ یہ تو معجزات پر اصولی گفتگو تھی۔ باقی یہاں جس فرق البحر کا ذکر ہے، تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا کچھ ایسا زیادہ خارقِ عادت ہے بھی نہیں کہ اس کی نظیر کہیں ملتی ہی نہ ہو۔ بحری زلزلہ کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۳۴ء مطابق رمضان ۱۳۵۲ھ میں جو عظیم الشان زلزلہ بہار اور اطرافِ بہار میں آیا، اس موقع پر صوبہ کے صدر مقام شہر پٹنہ میں دن دہاڑے کوئی ڈھائی بجے کے وقت ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع دریا، بعض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہو گیا۔ اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سیکنڈ نہیں، چار پانچ منٹ تک قائم رہا، یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے اُبل کر پھر جاری ہو گیا! ——— واقعہ کی مفصل رُوداد ایک وقائع نگار کے قلم سے، انگریزی روزنامہ

ارادہ واختیار سے باہر نہیں۔ دیدہ ودانستہ تمہارے علم کے اندر ہو رہی ہے۔ حق اعلی کو اکو تلبسون کا مفہوم کی۔ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ تم اپنے ان اعمال تلبیس وکتمان کی شناعت سے بھی خوب واقف ہو ۱۵۶ یعنی ایمان کے بعد عملاً بھی ارکان اسلام کی پابندی کرو۔ ایمان لانے کا حکم بھی ایک آیت قبل وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ میں مل چکا ہے۔ اب تعلیم اہم جزئیات احکام کی ہو رہی ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز کے پابند ہوجاؤ کہ اس سے مرض حب جاہ کا علاج ہوجائیگا (تھانوی) اٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ زکوٰۃ دیتے رہو کہ اس سے مرض حب مال کی اصلاح ہوجائیگی (تھانوی) وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۔ جھکنے والوں کے ساتھ جھکو کہ تواضع باطنی کے حصول میں بڑا دخل اسی تواضع کی ہیئت کو ہوتا ہے (تھانوی) ارکعوا۔ رکوع اسلامی نماز کے ایک معروف رکن کا نام ہے۔ مقصد ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز جماعت میں شریک رہو۔ فقہاء میں ایک بحث یہ پیدا ہوئی ہے کہ آیا کافروں کو فروع کا مخاطب بنانا درست ہے؟ ایک گروہ نے اسی آیت سے استدلال کرکے جواب اثبات میں دیا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ کی طرف سے معقول جواب یہ ہے کہ آیت کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکم ایمان وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ کے ماتحت ہیں یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکام پر عمل کرو۔

۱۵۷ یعنی کیسے غضب کی بات ہے کہ دوسروں کو تو ایمان لانے کا مشورہ دیدیتے ہو اور خود ایمان نہیں لاتے خطاب یہود سے چلا آرہا ہے۔ اوپر کسی حاشیہ میں یہ آچکا ہے کہ یہود اپنے صاحب علم وکتاب ہونے کی بنا پر مشرکین عرب کی نظر میں بھی محترم اور قابل وقعت تھے۔ اہل یثرب اکثر انکے پاس کر رسول اللہ صلعم اور آپ کی دعوت کے باب میں استفادۃً مشورے کیا کرتے کہ اس مدعی نبوت کے دعووں میں کہاں تک صداقت ہے؟ ہم اسکی تصدیق کریں یا نہ کریں؟ وغیرہا۔ احبار یہود ایسے موقعوں پر بارہا یہ مشورہ دے اٹھتے کہ بیشک ان میں علامتیں تو ہمارے ہاں کی پیشگوئیوں کے مطابق پائی جاتی ہیں۔ ذٰلوا ھو صادق وامرہ حق فاتبعوہ (کبیر) نزلت فی احبار المدینۃ کانوا یامرون سرًا من نصحوہ باتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح۔ عن ابن عباسؓ) ضمیر ودیانت کے لحاظ سے تو ان کا مشورہ یہ تھا۔ لیکن اپنے عمل کے وقت ہوائے نفس حائل ہوجاتی، اور خیال یہ گزرنے لگتا کہ اسلام لانے کے بعد ماتحتی اور پابندی کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔ سیادت کے یہ مالی اور جاہی مزے کہاں حاصل رہیں گے۔ وھم کانوا لایتبعونہ لطمعھم والصلات التی کانت تصل الیھم من اتباعھم (کبیر) ولایتبعونہ (روح۔ عن ابن عباس) البِرّ۔ برّ کے لفظی معنی نیکی کے ہیں، اور یہ اپنے اطلاق میں عام ہے یعنی ہر قسم کی نیکی پر شامل۔ البرّ اے التوسع فی الخیر الکامل (راغب) ھو اسم جامع لاعمال الخیر (کبیر) یتناول جمیع اصناف الخیرات (ابن سعود) یہاں مراد قبولِ اسلام وتصدیق رسالت محمدی سے ہے۔ أتأمرون۔ ہمزہ یہاں اظہار حیرت اور ملامت کے لئے ہے۔ والھمزۃ للتقریر مع التقریع والتعجب (کبیر) الھمزۃ للتقریر مع التوبیخ والتعجب من حالھم (کشاف) ۱۵۸ یعنی کتاب توریت جس میں علامتیں اور شہادتیں ان خاتم النبیین کی درج ہیں۔ یعنی بالکتٰب التوریٰۃ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) ۱۵۹ (ایمان کی ثابت قدمی اور شعائر کفر کے ترک پر) ۱۶۰ انھا۔ ضمیر نماز کی طرف ہے۔ نماز کا حکم ابھی ابھی ملا ہے۔ اب بیان اُن طریقوں کا ہو رہا ہے جن سے نماز آسان ہوجائے اور نماز کی پابندی میں سہولتیں پیدا ہوجائیں۔ خاشعین۔ خشوع کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اب یہاں آیت میں خشوع قلب کے دو خاص اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلا اثر یہ ہے کہ خاشعین کو اس کا دھیان لگا رہتا ہے کہ یہ عبادتیں رائگاں جانے والی نہیں۔ اپنے شفیق وکریم پروردگار کے حضور میں بہرحال حاضر ہونا ہے۔ اُس وقت یہ ساری محنت وصول ہوجائیگی۔ اور استحقاق سے کہیں بڑھ کر اجر ملے گا۔ شوقِ نماز اس مراقبہ سے پیدا ہوجانا یقینی ہے۔ دوسرا اثر خشوعِ قلب کا یہ ہے کہ خاشعین کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ آخر تو ایسی مالکِ حقیقی کے روبرو ہوگی۔ حساب ہر ہر عمل اور ترکِ عمل کا ہوگا۔ ترکِ نماز کی عادت اس سے خود بخود ترک ہوجائے گی۔ عمل میں ساری سہولتیں یقین ہی کی مضبوطی اور قوت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یقین کے ایجابی وسلبی دونوں پہلو یہاں بیان میں آگئے۔ نفسیاتِ جدید میں محرک عمل دو ہی چیزیں مانی گئی ہیں۔ ترغیب وترہیب۔ ترغیب کا جزو انھم ملٰقوا ربھم میں جزا واجر کے استحضار سے آگیا۔ اور ترہیب کا جزو انھم الیہ راجعون میں مراقبہ مواخذہ سے آگیا۔ یظنون۔ ظن لغت میں شک اور یقین دونوں کے معنی میں آیا ہے۔ العرب تسمی الیقین ظنًا والشک ظنًا (ابن جریر) الظن من الاضداد یکون شکًا ویقینًا (معالم) اور کلام عرب میں ظن بمعنی یقین کے استعمال کے نظائر بے انتہا ہیں۔ والشواھد من اشعار العرب وکلامھا علی ان الظن فی معنی الیقین اکثر من ان تحصٰی (ابن جریر) الظن بمعنی الیقین اوالترجیح مشھور عن العرب (نہر) یہاں اکثر ائمہ تفسیر نے یقین ہی کے معنی میں لیا ہے۔ اے یعلمون ویستیقنون (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الظن ھٰھنا الیقین (ابن جریر عن ابی العالیہ) اے یستیقنون (معالم) وروی عن مجاھد والسدی والربیع بن انس وقتادۃ نحو قول ابی العالیۃ (ابن کثیر) معناہ یوقنون قالہ الجمھور (بحر) بعض نے یہاں بھی مراد توقع وامید سے لی ہے۔ اور اس قدر بھی کافی ہے۔ یظنون اے یتوقعون (کشاف) ۱۶۱ ملاحظہ ہوں حواشی ۱۴۶ و ۱۶۲۔ ۱۶۲ خوب خیال رہے کہ یہاں ذکر مذہب یہود کا نہیں۔ ایک مخصوص قوم ونسل کا ہے۔ بنی اسرائیل نام کسی مذہب یا فرقہ یا عقیدہ کا نہیں، ایک خاص نسل کا ہے۔ افضلیت یہاں مذہب یہودیت کی نہیں نسلِ اسرائیل کی بیان ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نسل کی افضلیت سارے عالم پر، کس معنی میں ارشاد ہو رہی ہے؟ اور وہ کونسی ایسی نعمت تھی جو بہ حیثیتِ نسل بنی اسرائیل کے ساتھ بلاشرکت غیرے، مدتوں مخصوص رہی؟ اگر کہیئے کہ دولت یا حکومت یا تجارت یا کثرتِ آبادی۔ تو اوّل تو یہ انعامات اللہ کے خود اس درجہ کے نہیں کہ انکا ذکر اس شان واہتمام کے ساتھ کیا جائے، اور انہیں کو معیار فضیلت وافضلیت بنایا جائے۔ اور پھر یہ نعمتیں تو بہت سی قوموں کو اپنے اپنے وقت میں نصیب رہ چکی ہیں۔ کلدانیہ، مصر، ہندوستان، ان سب ملکوں کا تمدن اپنے زمانہ میں، اسرائیلیوں سے قبل، عروج پر رہ چکا ہے۔ اور تاریخ کا بیان ہے کہ ان قوموں کا دنیوی جاہ وحشم اسرائیلیوں سے کچھ بڑھ ہی چڑھ کر رہا ہے۔ پھر آخر قوم اسرائیل کی وہ مخصوص فضیلت کیا تھی؟ تاریخ کی زبان سے جواب ایک ہی ملتا ہے کہ وہ دولت یا اللہ کی اعلیٰ ترین نعمت، مسلک توحید کی تھی۔ دنیا کی تاریخ کے جس دور میں ساری قومیں اور ساری نسلیں کم وبیش شرک میں مبتلا تھیں، یا اس کی طرف بہی چلی جارہی تھیں یہ نسلِ اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو من حیث القوم توحید کی علمبردار رہی۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رسالت کی قائل صرف وہی قوم ہوگی، جس کا عقیدۂ توحید واضح وپختہ ہوگا۔ اور انبیاء ورسل جہاں تک کسی نسل کا تعلق ہے نسلِ اسرائیل ہی میں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ ہاں متفرق طور پر کسی دوسری نسل میں بھی کبھی کبھی پیدا ہوگئے ہوں، تو وہ اس کے منافی نہیں۔ ذکر یہاں افراد کا نہیں، نسل وقوم کا ہو رہا ہے۔ دنیا کی ساری دوسری قوموں میں جس وقت ظہور ''ادیان'' کا ہو رہا تھا اور وہ قومیں عناصر پرستی، مظاہر پرستی، دیوتا پرستی، بت پرستی، غرض شرک ہی کی کسی نہ کسی شکل میں گرفتار تھیں، انبیاء ورسل اور ان کی تعلیمات کا چرچا صرف بنی اسرائیل میں تھا۔ ہندوستان کی آریہ نسل میں فلسفہ، ہندسہ، ریاضیات، معقولات کے ماہرین وعلماء جیسے بھی پیدا ہوتے رہے ہوں، بہرحال حلولیت کا شرک اُس میں حلول ہی کئے ہوئے تھا۔ اور توحید ورسالت کی دعوت صرف سامی نسل کی شاخ اسرائیل کے حصہ میں آئی تھی۔ موجودہ یہود کو بھی اپنے اسلاف کی یہ امتیازی حیثیت یاد ہے۔ جیوش انسائکلوپیڈیا میں ہے۔ ''بنی اسرائیل پر خاص فرض عائد ہوا تھا کہ توحیدِ باری کی دعوت دیتے رہیں اور آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، کواکب پرستی، کے خلاف جہاد کرتے رہیں'' (جلد ۶۔ ص۵) ''بنی اسرائیل کا واحد فریضہ دنیا میں خدا کا گواہ بننا تھا'' (جلد ۶۔ ص۲) ''مخلوقات کے مراتب مختلف ہیں۔ ذی شعور مخلوق، غیر ذی شعور سے فائق وبرتر ہے۔ انسان فائق ترین ہے نسلوں میں بنی اسرائیل بحیثیت موحد پرستاران حق کے مشرکوں سے افضل وبالاتر ہیں'' (جلد ۶۔ ص۱۱) ''سیاسی قوموں میں سب سے پہلے عبرانیوں ہی کی رسائی اپنے انبیاء کی تعلیم سے توحید باری تک ہوئی'' (جلد ۸۔ ص۶۵۹) مسیحی فرنگی مورخین نے بھی اسی تاریخی حقیقت کا اعادہ کیا ہے ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے۔ ''دینِ توحید کی بنیاد بنی اسرائیل ہی میں پڑی'' (جلد ۲۔ ص۳) ''انسانیت کی موجودہ روحانی کائنات، عام اس سے کہ مسیحی ہو یا اسلامی، سب کی تہ میں اسی عقیدۂ توحید کی بازگشت ہے جس کی دعوت سب سے پہلے اسرائیلیوں نے دی تھی'' (جلد ۲۔ ص۳) خود توریت کی تصریحات بھی اس سلسلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ ''تو خداوند اپنے خدا کے لئے ایک پاک قوم ہے۔ خداوند تیرے خدا نے چن لیا کہ تو سب گروہوں کی نسبت جو زمین پر ہیں اس کے خاص گروہ ہو۔ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور تمہیں برگزیدہ کیا، نہ اس لئے کہ تم اور گروہوں سے گنتی میں زیادہ تھے۔ کیونکہ تم سب گروہوں سے کمتر تھے بلکہ اس لئے کہ خداوند عالم نے تم سے محبت رکھی'' (استثناء ۷: ۶ و ۷) ''خداوند کو خوش آیا کہ تمہارے باپ داداؤں سے محبت رکھے۔ اس لئے ان کے بعد ان کی اولاد کو یعنی تم کو سارے گروہوں کی نسبت چن لے برگزیدہ کیا جیسا کہ آج ہے'' (استثناء ۱۰: ۱۵) ''تم میرے گواہ ہو۔ خداوند فرماتا ہے اور میرا بندہ بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا۔ ...... سو تم میرے گواہ ہو'' (یسعیاہ ۴۳: ۱۰ و ۱۱) قوم بنی اسرائیل اور امتِ موسوی دو بالکل اور قطعاً علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور آیت کی تفسیر میں امتِ موسوی اور امتِ محمدی کے تقابل وتفاضل کا کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ اس سوال کا یہاں اٹھانا قطعاً بے ضرورت بلکہ بے محل ہے۔ افضلیت بنی اسرائیل کو کسی خاص زمانہ کے اندر محدود ومقید کرنے کی ضرورت ہمارے قدیم مفسرین کو محض اس لئے پیش

ع ۵ / ۵

اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ

مگر خشوع رکھنے والوں پر (نہیں) جنہیں اس کا خیال رہتا ہے کہ انہیں اپنے

مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ یٰبَنِیْٓ

پروردگار سے ملنا (بھی) ہے اور اس کا کہ انہیں اس کی طرف واپس ہونا ہے ۱۶۰ اے

اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ

بنی اسرائیل، میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ۱۶۱

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا

اور تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ۱۶۲ اور اُس دن سے ڈرتے رہو

تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا

جب نہ کوئی کسی کے حق میں بدلہ بن سکے گا اور نہ کسی کے حق میں

شَفَاعَۃٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ

سفارش قبول ہوگی اور نہ کسی سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ انہیں مدد

یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

ہی پہنچ سکے گی ۱۶۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی

یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ

جو تمہارے اوپر بڑا عذاب توڑ رہے تھے ۱۶۴ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے ۱۶۵

وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے ۱۶۶ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے

وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ
اور تم صرف مجھی سے ڈرتے رہو ۱۴۹ اور اُس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب)
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ
نازل کی ہے تصدیق کرتی ہوئی اُس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے اور مت بنو اس کے سب سے
بِهٖ ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّ اِيَّايَ
اوّلین کفر کرنے والے ۱۵۰ اور میری آیتوں کو فروخت مت کر ڈالو تھوڑی سی قیمت پر ۱۵۱ اور صرف
فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ
مجھی سے ڈرو ۱۵۲ اور حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط مت کرو ۱۵۳ اور
تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲ وَ اَقِيْمُوا
حق کو مت چھپاؤ ۱۵۴ درآنحالیکہ تم جان بھی رہے ہو ۱۵۵ اور نماز قائم
الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ
کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (نماز میں) جھکنے والوں کے
الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ
ساتھ جھکتے رہو ۱۵۶ کیا تم دُوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھول
اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴
جاتے ہو ؟ ۱۵۷ درآنحالیکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے رہتے ہو ۱۵۸ سو کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے ؟
وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ
اور صبر اور نماز سے مدد چاہو ۱۵۹ اور وہ بیشک گراں ہے ،

الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء-۳۴) اور خلود فی الجنۃ اور خلود فی النار سے مراد ہے جنّت کی نعمتوں یا جہنّم کے عذاب کا دوام اور اہلِ جنّت اور اہلِ جہنّم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا۔ اہلِ جنّت کے تنعم اور اہلِ جہنّم کے عذاب کا دائم و غیر منقطع ہونا امّت کے اجماعی مسلّمات میں سے ہے۔ لے مخلدون فیہا لا محید لھم عنہا ولا محیص (ابن کثیر) فھم اصحاب العذاب الدائم (کبیر) والخلود ھٰھنا الدوام علی ما انعقد علیہ الاجماع (روح) ۱۴۶ بنی اسرائیل۔ شہور و نامور پیمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی ثم شامی ثم حجازی (سنہ ۲۱۶۰ تا سنہ ۱۹۸۵ ق م) سے شہور و نامور دو نسلیں چلیں۔ ایک بی بی ہاجرہ علیہا السلام مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسمٰعیل کہلائی۔ اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ دوسری، بی بی سارہ علیہا السلام عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب عُرف حضرت اسرائیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ اس کا وطن شام رہا۔ قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ ملک نہ تھا، شام ہی کا جزء تھا۔ ایک تیسری نسل، تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، اور بنی قطورہ کہلائی۔ لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔ توحید کی علمبردار دنیا میں یہی قوم رہی انبیاء و مُرسلین انکے درمیان ہوتے رہے۔ بڑے بڑے عابد و زاہد ان میں پیدا ہوئے حکمران سلاطین اور فوجی جنرل بھی ان میں بڑے بڑے پیدا ہوتے رہے۔ نزولِ قرآن کے وقت ان کا دنیوی اقتدار مدت ہوئی رخصت ہو چکا تھا۔ اپنے وطن سے نکل کر عراق، مصر وغیرہ اطراف و جوانب میں پھیل چکے تھے۔ اور ان کے بعض قبیلے حجاز و اطرافِ حجاز خصوصاً یثرب (اسی کا نام بعد کو مدینۃ النبی پڑا) اور حوالیٔ یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔ "بنی اسرائیل" تو ایک قومی و نسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہلِ کتاب تھے۔ توریت محرّف و مسخ شدہ ہو کر، لیکن بہرحال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلۂ وحی و نبوت اور عقیدۂ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علومِ انبیاء و معارفِ اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر و کہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوّق کی بنا پر اہمیت انہیں اس وقت اچھی خاصی حاصل تھی۔ ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بُت پرستوں کی تھی۔ وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل اور اُن کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے۔ اور دوسری طرف اکثر ان کے قرضدار بھی رہا کرتے تھے۔ گویا دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہیں کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم و قاہر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات، بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔ اور بہت سے مسائل میں یہود کو اپنا اُستاد جانتے تھے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ، یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں، دونوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی اور یہ لوگ اُس نبی موعود کے ظہور کے منتظر رہتے تھے۔ ان اسبابِ عام و خاص دونوں کی بنا پر یہ بالکل قدرتی تھا کہ قرآن مجید میں تخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب مفصّل ہو۔ اس منزل پر پہنچ کر بہتر ہو گا کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیبِ بیان پر بھی کر لی جائے۔ قرآن مجید کا اصل تخاطب ساری کائناتِ انسانی سے ہے۔ اسی مناسبت سے رکوع اوّل میں بیان اس کا ہوا کہ نوعِ انسان کی حقیقی تقسیمیں کل دو ہیں۔ ایک اچھے یا مومن، دوسرے بُرے یا کافر۔ مومن یا نیک وہ، جو قرآن مجید کے دستورِ حیات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کافر یا بد وہ جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں بیان کافروں ہی کی ایک خاص قسم، مخفی کافروں کا ہوا۔ اور یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی ایمان و نجات سے محروم ہی رہیں گے۔ تیسرے رکوع میں مخاطب ساری نسلِ انسانی کو کیا گیا، اور قرآن مجید کا اصل پیام یعنی توحید و رسالت بیان کر دیا گیا۔ چوتھا رکوع تاریخِ نسلِ انسانی پر ہے۔ اس میں یہ بیان ہوا کہ انسان کی اصلی غرضِ آفرینش دنیا میں قانونِ الٰہی کی تنفیذ ہے۔ اور حاکمیتِ الٰہی کی نیابت۔ ذرا سی غفلت میں نسلِ انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا، اور حق سے باطل کی طرف، نور سے ظلمت کی جانب اسے موڑ سکتا ہے۔ لیکن انسان اگر ذرا بھی ہمت اور توجہ صرف کرتا ہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی اور دکھائی ہوئی صراطِ مستقیم پر قائم رہے تو وہی غالب و منصور رہے گا۔ اب پانچویں رکوع میں بیان اس کا شروع ہوتا ہے (اور اس کی تفصیل متعدد رکوعوں تک چلتی رہے گی) کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول، برگزیدہ بندہ کی اولاد میں ایک خاص نسل کو توحید کی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا تھا مگر وہ قوم اس کی نااہل ثابت ہوئی۔ موقعے اسے بار بار دیئے گئے، رعایت اس کے ساتھ بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اُس نے اِس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی مخالفت میں تو حد ہی سے گزر گئی۔ طویل و مسلسل مراعات کے بعد اب حکومتِ الٰہی کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے۔ اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔ اور یہ نعمت اس سے چھین کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے دُنیا کی تمام قوموں اور ساری نسلوں کے واسطے عام کی جا رہی ہے ۱۴۷ اس انعام خداوندی کی تصریح کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی ۱۳۴ و ۱۴۲ بہرحال کوئی ایسا انعام تھا جو نسلِ اسرائیل پر نسلِ اسرائیل کی حیثیت سے تھا ۱۴۸ توریت نسلِ اسرائیل پر احساناتِ الٰہی اور خداوندی نعمتوں کی یاد دہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ عھدی یعنی تمہارا وہ عہد جو میرے ساتھ ہے۔ طاعتِ الٰہی و اطاعتِ انبیاء کا عہد۔ بما عاھدتمونی من الایمان لی والطاعۃ لی (کشاف) توریت میں بھی اسی عہد کا ذکر جا بجا ہے۔ مثلاً "تُو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے...... اور میں اس کی راہوں پر چلوں گا، اور اُس کی شرطوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا۔ اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا" (استثناء ۲۶: ۱۷) عھدکم۔ یعنی جو عہد میں نے تم سے تمہارے ایمان و طاعت پر بطورِ انعام کر رکھا ہے۔ اے ارضی عنکم وادخلکم الجنۃ (کبیر عن ابن عباس) توریت میں اس کا ذکر بھی جا بجا ہے۔ مثلاً "اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ سے اقرار فرمایا" (استثناء ۲۶: ۱۸) "اگر تم میری آواز کے فی الحقیقت سُننے والے ہو گے اور میرے عہد کو حفظ کرو گے تو تم ساری قوموں سے زیادہ میرے ایک خزانۂ خاص ہو گے" (خروج ۱۹: ۵) اوفوا۔ مُرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا، کہ وفائے عہد جس کا یہاں ذکر ہے، اس کے مراتب میں بہت وسعت ہے۔ ادنیٰ مرتبہ بندہ کی طرف سے ادائے کلمۂ شہادت ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظتِ جان و مال ۱۴۹ (نہ کہ اپنی ہی جیسی مخلوق سے) توحید کے لئے خطاب عام جملہ عالم انسانیت سے رکوع ۳ میں ہو چکا ہے۔ اب خطاب خاص اسی مخصوص حامل توحید قوم، بنی اسرائیل سے ہے۔ لیکن یہاں اشارہ شرکِ جلی اور بُت پرستی سے زیادہ شرکِ خفی اور ضعفِ ایمان کی جانب ہے۔ یہ اخلاقی بیماری اسرائیلیوں کی ساری قوم میں پھیل چکی تھی۔ اور خالق کی رضا اور عدم رضا کے بجائے انسانوں کو راضی رکھنے کی پروا اور ان کی ناخوشی سے بچنے کی اہمیت اچھے اچھے علماء و مشائخ یہود کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ انجیل میں حضرت مسیحؑ کے مواعظ میں اس قسم کی ہدایتیں اور تنبیہیں کثرت سے ملتی ہیں ۱۵۰ بما انزلت۔ اشارہ ہے قرآن کی طرف۔ لما معکم۔ اشارہ ہے توریت کی طرف۔ کافر۔ صورۃً واحد ہے، معنیً جمع ہے۔ یعنی یا تو تقدیرِ کلام یہ ہے۔ ولا تکونوا اول فریق کافر (قرطبی) اور یا بقولِ اخفش نحوی و فراء نحوی اعتبار معنیٔ فعل کا کیا گیا ہے۔ لان المعنی اول من کفر بہ (قرطبی) بہٖ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ اول کافر بہٖ۔ قرآن کا اوّلین مُنکر بنی اسرائیل کو اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مشرکین عرب یہود کے تسلیم و اقرار کے بعد جس طرح اس باب میں اُن کی تقلید کرتے، اسی طرح یہود کے انکار و مخالفت کے بعد اسے بھی سند میں پیش کرتے اور خود بھی انہیں کی راہ پر چلتے، یہود بہرحال اہلِ کتاب تھے۔ کتابِ آسمانی کی قدر انہیں کو ہونا چاہیے تھی، اور بطور مقتدائے عرب انہیں کی ذمہ داری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۴۶۔ وعندکم فیہ من العلم ما لیس عند غیرکم (ابن جریر عن ابن عباسؓ) فان وظیفتکم ان تکونوا اول من آمن بہ لما انکم تعرفون حقیقۃ الامر (روح) ۱۵۱ ثمنًا قلیلًا۔ حق کو کسی دنیوی مادّی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا، آخرت کی ابدی دولت کو دُنیا کے ثمنِ قلیل (تھوڑی سی قیمت پر) فروخت کر ڈالنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ عقبیٰ کو تھوڑے دام پر نہ بیچا جائے، اور زیادہ دام پر بیچ ڈالا جائے۔ دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی آخرت کے مقابلہ میں بہرحال قلیل ہی ہے۔ کل کثیر الیہ قلیل وکل کبیر الیہ حقیر (کشاف)۔ یہود کی حق فروشیوں کے کاروبار کا ذکر انجیل میں بھی ہے مثلاً "یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھر تباہ کر دیتے ہیں" (طیطس ۱: ۱۱) ۱۵۲ خوفِ خداوندی کی تاکید سے توریت اور انجیل دونوں بھرے پڑے ہیں ۱۵۳ (کلام الٰہی میں لفظی یا معنوی تحریف کر کے) لا تلبسوا۔ تلبیس کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپا لینا۔ واصل اللبس ستر الشیء (راغب) ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گڑھے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ ہے۔ موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں استاد رہ چکے ہیں ۱۵۴ احکام الٰہی کو بدل دینے کی ممکن صورتیں دو ہیں۔ ایک ان میں اندرونی تحریف، تلبیس و تخلیط۔ دوسرے ان کا سرے سے اخفاء و کتمان۔ یہود نے اپنے دینی صحیفوں میں دونوں طرح کے عمل جاری کر رکھے تھے۔ توریت کے متلف ہو جانے سے اوّل تو یوں ہی کتنے احکام سرے سے غائب اور گم ہو گئے تھے۔ پھر جو باقی رہ گئے تھے، انہیں حاملانِ توریت نے اپنے اپنے اغراض و مصالح کے ماتحت خدا معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا ۱۵۵ کہ تم تلبیس و کتمان کے مرتکب ہو رہے ہو یعنی تحریف تمہارے

کر پھر یہاں سے ہٹائے نہیں جاسکو گے۔ اور وہ ممانعت جو ہوئی تھی وہ تو ایک عارضی حکم تھا کہ اُس وقت تک تمہاری استعداد پختہ نہیں ہوئی تھی "حضرت آدمؑ قربِ الٰہی کے اس محل (جنت) سے بڑھ کر اور کس نعمت کے حریص ہو سکتے تھے، مکار کے فریب میں آگئے۔ دانستہ نافرمانی کا سایہ بھی پڑنا الگ رہا، وہ تو درخت کے پھل کو بُعد کے بجائے قُرب کا ذریعہ سمجھے۔ یہ فہم، اجتہاد کی غلطی جیسی اور جس درجہ کی بھی ہو، بہر حال فسق و معصیت سے تو اسے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ اور روایتوں سے قطع نظر، قرآن مجید میں بھی جا بجا جو تصریحات ملتی ہیں، اُن سے بھی تائید اسی صُورتِ واقعہ کی نکلتی ہے۔ بائبل میں ہے کہ بہکانے والا سانپ کی صُورت میں گیا۔ اُس نے آکر پہلے حوّا کو بہکایا اور پھر انہوں نے حضرت آدمؑ کو ترغیب کی۔ ہمارے مفسرین نے بھی ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جس میں شیطان، سانپ، طاؤس سب کا ذکر آتا ہے۔ یہ قصہ بجائے خود کہاں تک صحیح ہے، اس سے یہاں بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ اسلامی عقائد میں بہر حال داخل نہیں۔ اور اس کا ماخذ قرآن و سنت نہیں، بلکہ اسرائیلی روایات ہیں۔ اسی لئے جو اہل تفسیر زیادہ محتاط محقق ہوئے ہیں، وہ اس سے الگ ہی رہے ہیں۔ بلکہ اس سے احتیاط ہی کی تنبیہ کر گئے ہیں۔ اعلم ان ھٰذا وامثاله مما یجب ان لا یلتفت الیه (کبیر) وقد اکثر المفسرون فی نقل قصص کثیرة فی قصة اٰدم وحوّا والجنة واللّٰه اعلم بذٰلك (بحر) وقد ذکر المفسرون ھٰھنا اخبارًا اسرائیلیة (ابن کثیر) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ زلّت کے لفظ تک کا (بہ خلافِ معصیت واثم وغیرہ) اطلاق حضرات انبیاء پر جائز ہے۔ ھٰذا دلیل علٰی انه یجوز اطلاق اسم الزلّة علی الانبیاء علیھم السلام کما قال مشائخ بخاری (مدارک) وقد کانت منھم ای من بعض الانبیاء قبل ظھور مراتب النبوة اوبعد ثبوت مناقب الرسالة زلات ای تقصیرات (شرح الفقہ الاکبر للقاری) اور مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ کاملین بھی شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں، کہ حضرت آدمؑ کے اُس وقت بھی کامل ہونے میں شک نہیں ۱۳۳ مِمَّا كَانَا فِيْهِ۔ ترجمہ دو ہو سکتے ہیں "اُس حالت سے جس میں وہ تھے" یا "اُس مقام سے جس میں وہ تھے" منقول دونوں قول ہیں۔ ای من النعیم والکرامة او من الجنة (کشاف) اور حاصل بھی دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ۱۳۴ (زمین پر) یہ جنت زمین کے کسی حصہ میں نہیں آسمان پر تھی۔ قول محقق یہی ہے۔ اور خود لفظ اھبطوا کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ جب تک کوئی اور قرینہ موجود نہ ہو گا ھبوط کے معنی بلندی سے پستی میں اترنے ہی کے لئے جائیں گے۔ ای انزلوا الی الارض (معالم) الھبوط النزول الی الارض (مدارک) اھبطوا۔ خطاب اب بجائے صیغۂ تثنیہ (تم دونوں) کے صیغۂ جمع (تم سب) میں ہو رہا ہے۔ گویا مخاطب اب تنہا آدمؑ وحوّا ہی نہیں، بلکہ ان کی ساری نسل بھی ہے۔ المراد ھما وذریتھما (مدارک) اجمع الضمیر لانھما اصلا الجنس (بیضاوی) ۱۳۵ یہ مختصر لفظوں میں کل زمینی زندگی کا نقشہ آگیا یعنی یہاں کشمکش، بغض، حسد، نفسانیت، خود غرضی کا زور رہا کرے گا ۱۳۶ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ آیت کا یہ جزو خود اس امر پر دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام زمین پر اب پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ اور اب تک جس جنت میں وہ تھے وہ زمین پر نہیں آسمان پر تھی۔ اس وقت سے ان کی زندگی کا نیا دَور شروع ہو رہا ہے۔ نئی زندگی اور نیا ماحول۔ اور اب یہیں انہیں رہنا سہنا ہے۔ اِلٰى حِيْنٍ۔ یعنی قیام یہاں بھی دائمی نہ ہوگا۔ صرف ایک مدّتِ موعود تک رہنا ہو گا۔ متاع اور الٰی حین دونوں سے زمینی زندگی کا عارضی اور بے ثبات ہونا بالکل ظاہر ہو رہا ہے ۱۳۷ (توبہ و انابت کے) خطا وار کو توبہ و انابت کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کر دینا خود ایک بڑی فردِ رحمت خداوندی اور رحمتِ الٰہی کی ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم وتلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی گئی، بلکہ اُسے حضرت آدمؑ کی جانب منسوب کر دیا گیا کہ انہیں نے وہ الفاظ سیکھ لئے۔ کیا حد ہے شفقت و بندہ پروری کی! یہ کلمات والفاظ کیا تھے؟ روایتیں جو اس باب میں نقل ہوئی ہیں مختلف ہیں۔ لیکن خود قرآن مجید میں تو یہ الفاظ حضرت آدمؑ وحوّا کی زبان سے نقل ہوئے ہیں ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین۔ ۱۳۸ (اور ان کی خطا سے درگزر کر دی) تاب علیه۔ تاب کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں، کہ رحمت کے ساتھ رجوع وتوجہ کی۔ یا توبہ کی توفیق دی۔ یا توبہ کے اسباب آسان کر دیئے رزقه التوبة من خطیئته (ابن جریر) رجع الیه بالرحمة والقبول (کشاف) عبارة عن قبول التوبة والعفو عن الذنب التوفیق لھا والتیسیر لاسبابھا (روح) ۱۳۹ صیغۂ مبالغہ کی اہمیت ملحوظ رہے۔ اسلام کا خدا یہی نہیں کہ توبہ قبول فرماتا ہے بلکہ توبہ کے سامان واسباب بھی بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ یقال لِلّٰهِ ذٰلك لکثرة قبوله توبة العباد حالاً بعد حالٍ (راغب) الرجاع علٰی عباده بالمغفرة او الذی یکثر اعانتھم علی التوبة (بیضاوی) ۱۴۰ یعنی وہ صرف خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور بھی فضل وکرم کرنے والا ہے۔ المبالغ فی الرحمة۔ یہی وہ رحیم اور غفور اور توّاب (تینوں صفات کا بہ صیغۂ مبالغہ ہونا خیال رہے) خدا ہے، جس کے لئے معاند مسیحیوں اور ان کے پادریوں نے بار بار لکھا ہے کہ اسلام کا خدا ایک غضبناک سخت گیر خدا ہے! ۱۴۱ (اے اولادِ آدم) اھبطوا جمیعًا مراد ذریتِ آدمؑ ہے۔ والمراد الذریة (ابن کثیر) عنھا میں ضمیر جنت کی طرف ہے۔ یعنی جنت سے نیچے اترو۔ یہ حکم بہ طور سزا وعتاب نہیں مل رہا ہے، اس لئے کہ خطا تو اب معاف ہی ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ محض نتیجۂ طبیعی کا ظہور ہے۔ شجرِ ممنوع کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتب ہو رہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی۔ رُوح کے داغ دُھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں۔ کوئی شخص خودکشی کے ارادہ سے اگر زہر کھا لے، اور معًا اُسے اپنی عصیان کاری پر تنبہ ہو جائے، اور وہ روئے، گڑگڑائے، دل سے توبہ کرے، اُس سے گناہ، تو عجب نہیں کہ معاف ہو جائے لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظامِ جسم پر مرتب ہوتے ہیں وہ تو بہر حال ہو کر رہیں گے۔ خشوع، خضوع، انابتِ قلب ان مادی اثرات کو مٹانے کے لئے کافی نہیں ۱۴۲ (اور وہ یقینًا پہنچے گی، پیمبروں یا ان کے نائبوں کے ذریعہ سے) اس ناسُوتی دنیا میں رہنے سہنے کا قانون بتایا جا رہا ہے ۱۴۳ (روز جزا میں) ھدای جو پیامِ ہدایت رسُولوں کے ذریعہ سے آتا ہے، اُسے براہِ راست حق تعالیٰ کی جانب بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ اُن کے اُوپر کوئی خوفناک واقعہ پیش نہ آئے گا یعنی اُن کے لئے فی نفسہٖ کوئی بات خطرہ یا تشویش کی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صالحین طبعی طور پر بھی اپنے انجام کی طرف سے اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ فکر و اندیشہ تو صالحین کو دوسروں سے کہیں زیادہ لگا رہتا ہے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حُزن کا تعلق ماضی سے۔ مطلب یہ ہوا کہ حشر میں مومنین صالحین کو نہ کوئی سزا پیش آنے والی ہے اور نہ وہ لوگ اپنی ناسُوتی زندگی پر حسرت و تاسف کرینگے۔ مَنْ۔ من موصولہ کا استعمال واحد جمع دونوں کیلئے آتا ہے۔ ۱۴۴ کَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ اہل جنت کے ذکر میں ذاتِ حق کے لئے ضمیر متکلم صیغۂ واحد کی ابھی گزر چکی ہے۔ تبع ھدای اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغۂ جمع میں ہوگئی ہے۔ بِاٰيٰتِنَا اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہارِ خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لئے "میری" ہی مناسب تھا اب محل حاکمانہ جلالت واقتدار کا ہے، اس لئے یہاں "ہماری" ہی موزوں ہے۔ اصحٰب النار۔ یعنی دوزخ والے۔ وہ لوگ جو دوزخ کے ہو چکے۔ گویا وہ دوزخ ہی کی آبادی ہیں۔ الصاحب الملازم (راغب) ومعنی الصحبة اقتران بالشیء والغالب فی العرف ان نطلق علی الملازمة (روح) گویا جو لوگ ضابطۂ شریعت سے انکار اور قانونِ الٰہی کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اپنا مستقل تعلق دوزخ اور آتشِ دوزخ سے پیدا کر لیا ہے۔ آخرت میں یہی تعلق جو ابھی خفی اور غیر مرئی ہے مجسم و متشکل ہو جائے گا۔ عذابِ آخرت سے ڈرانا صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، گو جتنا زور اس پر قرآن مجید نے دیا ہے، اس کی نظیر بیشک کہیں نہیں ملتی۔ جہنم کے عذابِ آتشیں بلکہ اس کے دوام وخلود کے ذکر سے بائبل کے صفحات بھی خالی نہیں۔ "خداوند سلطنت کرتا ہے...... ایک آگ اُس کے آگے آگے جاتی ہے، اور اُس کے دشمنوں کو ہر طرف جلاتی ہے" (زبور۔ ۹۷: ۱ و ۳) "فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جُدا کریں گے۔ اور انہیں آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا" (متی۔ ۱۳: ۴۹ و ۵۰) "اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے...... اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے" (متی۔ ۲۵: ۴۱ و ۴۶) "...... جہنم میں ڈالا جائے جہاں اس کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی" (مرقس۔ ۹: ۴۸) ۱۴۵ خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ الخلود ھو تبری الشیء من اعتراض الفساد وبقاؤه علی الحالة التی ھو علیھا (راغب) اس سے ثانوی مفہوم دوام و ہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ ثم استعیر للمبقی دائمًا (راغب) الخلد البقاء والدوام فی دار لا یخرج منھا کالخلود ودار الخلد الاٰخرة لبقاء اھلھا (تاج) خود قرآن مجید میں اس معنی میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنی میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ
پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ الفاظ سیکھ لئے ۱۳۷ پھر اللہ نے
عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا
اُن کی توبہ قبول کرلی ۱۳۸ وہ تو ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنیوالا ۱۳۹ بڑا مہربان ۱۴۰ اور ہم نے
اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
حکم دیا کہ تم سب اس سے نیچے اُتر جاؤ ۱۴۱ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی
مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا
ہدایت پہنچے ۱۴۲ تو جو جو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا، سو اُن
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے ۱۴۳
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِىْٓ
دوزخی ہیں ۱۴۴ اور وہ اُس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے ۱۴۵ اے
اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ
بنی اسرائیل ۱۴۶ میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر
عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ
کیا ۱۴۷ اور مجھ سے وعدہ پورا کرو تو میں تم سے وعدہ پورا کروں ۱۴۸

ع ۴

۱۲۵ (بطور اظہارِ عجز و نیاز، بحیثیت علامت تسلیم و اطاعت) اُسْجُدُوْا۔ سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی و سجدۂ نماز نہیں مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع و تذلل کے ہیں۔ سجد ای خضع (قاموس) کل من ذل وخضع لما امر به فقد سجد (لسان عن الفراء) السجود اصله التطامن والتذلل (راغب) سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ تذلل و تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ ویکون السجود علی جهة الخضوع والتواضع (لسان) خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً الم تر ان الله یسجد له من فی السموٰت والارض (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین میں جو بھی مخلوق ہے سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ کان ذلك انحناء ولم یکن خروراً علی الذقن (مدارک عن ابن عباسؓ) قیل المعنی اللغوی ولم یکن فیه وضع الجباه بل کان مجرد تذلل وانقیاد (روح) وقال قوم لم یکن هذا السجود المعتاد الیوم ولکنه یبقی علی اصل اللغة فهو من التذلل والانقیاد (قرطبی) قیل امروا بالتذلل له والقیام بمصالحه ومصالح اولاده (راغب) لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنی میں لیا ہے انہوں نے بھی تصریح کردی ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا۔ تکرمة لآدم لا عبادة لآدم (ابن جریر) کان ذلك سجود تعظیم وتحیة لا سجود عبادة (معالم) کان السجود تحیة لآدم (مدارک) اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ واقعہ عالم ارواح کا ہے، عالمِ ناسوت کا ہے ہی نہیں۔ اور تکلیفاتِ شرعیہ کا تعلق اسی عالمِ ناسوت سے ہے۔ لِاٰدَمَ۔ یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائبِ سلطانِ حقیقی کی طرف رُخ کرکے، نہ کہ اس کو۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے، یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمتِ آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمتِ کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں، ربِّ کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں ل عند کے معنی میں آیا ہے۔ اقم الصلوٰة لدلوك الشمس۔ نصبه الله قبلة لسجودهم کالکعبة (بحر عن الشعبی) اے الی اٰدم فکان اٰدم قبلة والسجود لله تعالیٰ (معالم) اے اسجدوا الی اٰدم مستقبلین وجه اٰدم (قرطبی) ۱۲۶ اِبْلِیْسَ۔ لفظی معنی ہیں یاس زدہ کے۔ قرآن مجید میں مصدر ابلاس مختلف موقعوں پر اسی مفہوم میں آیا ہے۔ یبلس المجرمون۔ فاذا هم مبلسون۔ وغیرہا۔ ابلیس اسی سے مشتق ہے۔ اور یہاں بطور عَلَم کے شیطان کیلئے آیا ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة الیاس منه اشتق ابلیس (راغب) ابلیس اِفْعِیْل من الابلاس وهو الایاس من الخیر والندم والحزن (ابن جریر) یہ ابلیس کوئی فرشتہ نہ تھا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے تتبع میں ایک عام خیال پھیل گیا ہے۔ بلکہ جنّی تھا جیسا کہ قرآن مجید میں مُصَرَّح ہے۔ کان من الجن (کہف۔ آیت ۵۰) نور کا بنا ہوا فرشتہ نہیں جو نافرمانی پر قادر ہی نہیں۔ بلکہ آگ کا بنا ہوا جنّ تھا۔ خلقتنی من نار (اعراف۔ آیت ۱۲) ان صریح نصوص کے مقابلہ میں قول کسی کا بھی ہو قابلِ اعتنا نہیں ۱۲۷ اَبٰی۔ انکار کیا حکم کی تعمیل سے۔ وَاسْتَکْبَرَ۔ اس نے صاف کردیا کہ تعمیلِ ارشاد سے انکار کسی اشتباہ یا غلط فہمی کی بنا پر نہیں محض پندارِ تفوق کی بنا پر تھا۔ انکار اس نے اپنی بڑائی کی راہ سے کیا ۱۲۸ یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کردیا۔ یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا ہی۔ اے صار من الکٰفرین (ابن عباس) صار من الکٰفرین باباۂ و استکبارہ (مدارک) ومن اقسام کان الناقصة ان تاتی بمعنی صار کقوله تعالیٰ کان من الکٰفرین (تاج) جن اہلِ تفسیر نے کان کو "ہوگیا" کے بجائے "تھا" کے معنی میں لیا ہے انہوں نے فی علم الله (اللہ کے علم میں) محذوف مانا ہے۔ ابلیس پر کفر کا اطلاق حکم کے رَدّ و انکار کی بنا پر ہوا محض ترکِ عمل (سجدہ) کی بنا پر نہیں۔ ترکِ عمل گو گناہ کیسا ہی ہو ایمان سے خارج کردینے اور کفر تک پہنچا دینے کیلئے اہلِ سنّت کے مذہب میں کافی نہیں (مدارک) ۱۲۹ جنة۔ لفظی معنی ہر اس باغ کے ہیں جس کے درخت زمین کو چھپالیں۔ کل بستان ذی شجر یستر باشجاره الارض (راغب) الجنة سے اصطلاحِ شرعی میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لئے ہوئے عالمِ آخرت میں نیک کاروں کیلئے مخصوص ہے اور آج نظروں سے مستور ہے۔ اسکا نام جنت یا تو اس لئے پڑا کہ وہ دنیا کے باغوں سے مشابہ ہے۔ گو مشابہت بہت دور کی سہی۔ اور یا اس لئے کہ اسکی نعمتیں ابھی مستور ہیں۔ سمیت الجنة اما تشبیهاً بالجنة فی الارض وان کان بینهما بَوْنٌ واما لستره نعمها عنّا (راغب) اَنْتَ۔ اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبِ اصلی حضرت آدمؑ تھے، حضرت حوّا کی حیثیت تابع کی سی تھی۔ زَوْجُكَ۔ مراد حضرت حوّا ہیں۔ اس وقت تک پیدا ہو چکی تھیں۔ حَیْثُ شِئْتُمَا۔ اس سے اشارۃً جنت کی وسعتِ عظیم بھی معلوم ہوگئی۔ ۱۳۰ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں کوئی متعین اور حضرت آدمؑ کیلئے معلوم و معروف درخت تھا۔ لیکن اب اسکی تعیین سے کوئی نتیجہ نہ تھا۔ اس لئے قرآنِ حکیم جو کبھی بے نتیجہ بات نہیں کہتا، اس سے خاموش ہے۔ اور حدیثِ صحیح میں بھی اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے۔ لم یضع لعباده دلیلاً علیٰ ذلك فی القراٰن ولا فی السنة الصحیحة (ابن جریر) اس لئے محققین کا مسلک بھی اس باب میں خاموشی کا ہے۔ اقوال و آراء بکثرت مروی ہیں۔ توریت میں ایک بڑی طویل عبارت میں اس کا بیان آیا ہے۔ اسکے آخر میں ہے۔ "اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دے کر کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا، کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا ضرور مرے گا" (پیدائش۔ ۲: ۱۶ و ۱۷) بات یہاں بھی اسی قدر مجمل رہی۔ مادّی درختوں

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَ

جھکو ۱۲۵ تو (وہ سب) جھکے مگر ابلیس (نہ جھکا) ۱۲۶ اس نے انکار کیا اور

اسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۞ ۳۴ وَ

تکبر میں آگیا ۱۲۷ اور کافروں میں سے ہو گیا ۱۲۸ اور

قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

ہم نے کہا اے آدم، تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو، اور

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا

اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ ۱۲۹ اور اس

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ

درخت کے پاس نہ جانا ۱۳۰ ورنہ تم گنہ گاروں میں سے

الظّٰلِمِیْنَ ۞ ۳۵ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا

ہوجاؤ گے ۱۳۱ پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اسی درخت کے باعث ۱۳۲

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

جس میں تھے اس سے انہیں نکلوادیا ۱۳۳ اور ہم نے کہا (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ ۱۳۴

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی

ایک دوسرے کے دشمن ہوکر ۱۳۵ اور تمہارے لئے زمین

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۞ ۳۶

ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک نفع اُٹھانا ہے ۱۳۶۔

میں سے گیہوں، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ سے لیکر شجرِ محبت، شجرِ علم وغیرہ معنوی درختوں تک کے نام لئے گئے ہیں۔ قیل الحنطة وقیل النخلة وقیل التین، قیل الحنظل وقیل شجرة المحبة وقیل شجرة الطبیعة والهوی وقیل وقیل (روح) لیکن اہلِ تحقیق کا فیصلہ وہی خاموشی کا ہے۔ ولا علم عندنا بایّة شجرة کانت علی التعیین فلا حاجة ایضاً الی بیانه لانه والاولی عدم القطع والتعیین (روح) ۱۳۱ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کون ظلم اپنے آپ پر ہوگا۔ اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جنت اس وقت تک دار الجزاء یا دار الخلد نہ تھی، جیسا کہ اب ہے۔ بلکہ اس وقت وہاں تکلیفاتِ شرعی تھیں۔ احکام تھے، نواہی تھے، اور جب جنت کی ماہیت اس وقت یہ تھی، تو کوئی اشکال نہیں بتا وہاں وسوسۂ شیطانی کے پہنچ جانے پر یا کسی نفس کے وہاں سے نکالے جانے پر۔ مُرشد تھانوی مدظلہ نے لا تقربا سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا کہ اصلاً صرف اکل ممنوع تھا لیکن ممانعت قربِ شجر کی بھی کردی گئی۔ اسیطرح مشائخ محققین بعض دفعہ مباحات سے روک دیتے ہیں کہ کہیں غیر مباح کی طرف منجر نہ ہوجائے۔ ۱۳۲ الشیطان شیطان وہ ہے جو خیر اور رحمتِ الٰہی سے دُور ہوگیا۔ شطن ای تباعد (راغب) الشیطٰن فیعال من شطن اے بعد من سمی به فبعد عن الخیر وعن الرحمة (معالم) ابلیس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ وہی یہاں اپنے صفاتی نام شیطان سے یاد کیا جارہا ہے۔ نافرمانی کی پاداش میں وہ جنت سے نکالا جا چکا ہے اور بنی آدم سے شدید حسد رکھے ہوئے ہے۔ اب اس کا نام شیطان ہے۔ اسکے پاس اور کوئی قوت نہیں انسان کو مجبور ذرا بھی نہیں کرسکتا۔ البتہ پروپیگنڈے کے فن کا وہ امام ہے۔ ترغیب خوب دے سکتا ہے، سیاہ کو سفید کرکے خوب دکھا سکتا ہے اور وسوسہ اندازی کی طاقت غضب کی رکھتا ہے۔ نزدیک اور دور اپنا عمل کہیں سے کرسکتا ہے، فاصلہ اسکے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور مادی رکاوٹیں کسی قسم کی بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتیں۔ جنت کی حیثیت اس وقت تک دار الجزاء کی متعین نہیں ہوئی تھی، اسلئے وہاں بھی اس کا عمل بے تکلف اثر کرسکتا تھا۔ اَزَلَّ۔ زلّہ سے ہے۔ اور اسکے معنی ہیں، جگہ سے ہٹا دیا، ڈگا دیا، پھسلا دیا۔ بغاوت، سرکشی یا ارادی نافرمانی کا کوئی مفہوم اسمیں شامل نہیں۔ الزلة فی الاصل استرسال الرجل من غیر قصد (راغب) انه اسم لفعل یقع علی خلاف الامر من غیر قصد الی الخلاف کزلة الماشی فی الطین (مدارک) قرآن مجید نے پیغمبروں کی غلطیوں، لغزشوں، فروگزاشتوں کا ذکر بار بار کیا ہے لیکن بائبل کے برخلاف، کوئی اخلاقی جرم، کوئی دانستہ نافرمانی، کوئی حقیقی معصیت کبھی بھی ان کی جانب منسوب نہیں کی ہے۔ نہ صراحۃً نہ کنایۃً۔ عنها میں ضمیر ها شجرة کی جانب ہے۔ اور عن تعلیلیہ ہے یعنی "اس کے سبب سے"۔ اکثر اہلِ تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ عنها اے بسببها (ابن کثیر) والضمیر فی عنها للشجرة اے فحملهما الشیطان علی الزلة بسببها (کشاف) اے حملها علی الزلة بسببها (روح) قرآن مجید میں عن کثرت سے اسی معنی میں آتا ہے۔ مثلاً الا عن موعدة (توبہ) وما نحن بتارکی اٰلهتنا عن قولك (ہود) وما فعلته عن امری (کہف) ضمیر ها سے اشارہ جنت کی طرف بھی سمجھا گیا ہے۔ اس قول پر مراد یہ ہوگی کہ شیطان انہیں وہاں سے لے گیا۔ روایات احادیث میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے تو قسم کھا کر آدمؑ و حوّا کو اپنی دوستی، ہوا خواہی و اخلاص کا یقین دلایا۔ ان بیچاروں کے خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ خدا کی قسم جھوٹی بھی کھائی جاسکتی ہے۔ اسکے بعد کہا کہ "اس درخت کا پھل اگر کھا لو گے تو جنت میں قیام مستقل ہوجائے گا" اس میں ...

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
اور اللہ نے آدم کو نام سکھلا دیئے کُل کے کُل ۱۱۳ پھر انہیں فرشتوں کے
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ
سامنے پیش کیا ۱۱۴ پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے
هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا
نام اگر تم سچے ہو ۱۱۵ وہ بولے
سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا
تو پاک ذات ہے ۱۱۶ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی جو تُونے ہمیں علم دیدیا ۱۱۷
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ
بیشک تو ہی ہے بڑا علم والا ، حکمت والا ۱۱۸ (اللہ نے فرمایا اے آدم ،
اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ
بتلادو انہیں ان کے نام ۱۱۹ پھر جب انہوں نے انہیں ان کے نام بتلادیئے ۱۲۰
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
تو فرمایا ۱۲۱ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی
وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ
چیزیں جانتا ہوں اور جو کہ تم ظاہر کرتے ہو، اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، وہ سب
تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
جانتا ہوں ۱۲۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا ۱۲۳ کہ آدم کے آگے

۱۱۲ (مصالح کائنات و مخلوقی حاجات کے سلسلہ میں) مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اسکی کیا خبر کہ عبدیت کے علاوہ نیا کام خلافت الٰہی کا جو اس نئی مخلوق سے لیا جانے والا ہے، اور اسکے لئے جن صلاحیتوں اور جس قسم کی استعداد کی ضرورت ہے، وہ تمہارے اندر کہاں تک موجود ہیں۔ انی اعلم من المصلحۃ الراجحۃ فی خلق ھذا الصنف علی المفاسد التی ذکرتموھا مالا تعلمون (ابن کثیر) دیوتا پرستی پر ایک اور ضرب لگی۔ ملائکہ پرستوں کو ان کے جہل پر ایک اور تنبیہ کی گئی، کہ صفات خلق، قدرت وغیرہ الگ رہیں، محض ان مصالح کے علم کے لحاظ سے بھی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ سے کیا نسبت؟ کہاں علم محدود، کہاں علم نامحدود؟ ۱۱۳ یعنی آدم کو اشیاء کائنات کے اسماء اور آثار وخواص کا علم دے دیا۔ آدمؑ یہی سب سے پہلے بشر تھے، اسی لئے ابوالبشر کہلاتے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ کے اولین مصداق۔ جنت سے جب زمین پر آئے تو غالباً دجلہ وفرات کے دوآبہ میں آباد ہوئے، جو اب مُلکِ عراق کہلاتا ہے۔ توریت میں تین صاحبزادوں کا نام آتا ہے۔ ہابیل، قابیل، شیثؑ۔ توریت ہی کی حسب روایت عمر ۹۳۰ سال کی پائی۔ عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا ہ کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے، اس لئے آدم کہلائے۔ کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سُرخی کی بنا پر۔ خُلق اٰدم من ادیم الارض فسُمّی اٰدم (ابن جریر عن سعید بن جبیر) قیل سمّی بذلک لکونہ جسدہ من ادیم الارض وقیل بسمرۃ فی لونہ (راغب) اسماء۔ اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے۔ اسم الشیء علامتہ (قاموس) الاسم مایعرف بہ ذات الشیء (راغب) اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض، خواص، آثار کا علم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اہل لغت نے بھی تشریح میں اس کا لحاظ رکھ لیا ہے۔ قال ابن سیدہ الاسم ھو اللفظ الموضوع علی الجوھر او العرض للتمییز لیفصل بہ بعضہ عن بعض (تاج) اسم کے ساتھ اگر مسمّٰی کا علم نہ ہوا، تو اسم محض ایک آواز کانوں تک رہے گی۔ اور ذہن کے سامنے کوئی مفہوم نہ پیدا ہوگا۔ علامہ راغب نے اسی لئے اس پر شرح وبسط سے کلام کر کے آخر میں کہا ہے، ان معرفۃ الاسماء لاتحصل الا بمعرفۃ المسمّٰی و حصول صورتہ فی الضمیر (کہ اسم کی معرفت بغیر مسمّٰی کی معرفت اور ذہن میں اسکی تصویر کے ہو نہیں سکتی) اور ایک دوسرے امام لغت نے اسکی داد ان الفاظ میں دی ہے۔ ھو کلامٌ نفیسٌ (تاج) اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسم مرادف ہے ذات شے اور عین شے کے۔ یقال ذات ونفس وعین واسم بمعنیً (قرطبی) یہ تو لفظی معنی ہوئے۔ آیت کی تفسیر میں محققین نے مراد معلوماتِ اشیاء سے لی ہے۔ اور اسماء کے ساتھ مسمیات اور ذوات وخواصِ اشیاء کو شامل کیا ہے۔ اور اشیاء کے اسماء سے مراد انکے آثار وخواص کا علم لیا ہے۔ فالمراد الانواع الثلاثۃ من الکلام وصورۃ المسمیات فی ذواتھا (راغب) علّم اٰدم مسمّیات الاسماء (کشاف) اَلْھَمَہٗ معرفۃ ذوات الاشیاء وخواصھا واسمائھا واصول العلوم وقوانین الصناعات وکیفیۃ اٰلاتھا (بیضاوی) عَلَّمَہٗ صفات الاشیاء ونعوتھا وخواصھا (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے کہا کہ مُراد اسماء سے اسماء الٰہی ہیں۔ انہیں کا علم اجمالی کامل آپ کو مل گیا تھا، اور ہر اسم وصفت کے ساتھ ایسی مناسبت تامہ آپ کو پیدا ہو گئی تھی کہ آپ جس کسی اسم یا صفت کی طرف توجہ کرتے وہ اسم یا صفت فوراً آپ پر تجلّی ہو جاتی مثلاً جب اسم پاک الاوّل کی تجلّی آپ پر ہوئی تو ہر گزری ہوئی چیز آپ پر منکشف ہو گئی۔ اسی طرح جب اسم پاک الاٰخر کی تجلّی ہوئی تو ہر آنے والی چیز معلوم ہو گئی۔ اور اسی پر قیاس سارے اسماء الٰہی کا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ مقام ہے انسان کی فضیلتِ کبریٰ کا حیف ہے کہ یہ خلیفۃ اللہ دیوتا پرستی، ملائکہ پرستی میں مبتلا ہو جائے! ۱۱۴ (تاکہ انسان کی اعلیٰ صلاحیت اور منصبِ خلافتِ الٰہی سے اس کی مناسبت فرشتوں پر بھی ظاہر ہو جائے) عَرَضَھُمْ۔ سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظِ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر ھُمْ ذوی العقول کے لئے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً وتبعاً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورتِ مثالی سے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات وموجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ عرض الخلق علی الملٰٓئکۃ (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ وغیرہما من اصحاب النبیؐ) عرض تلک الاشیاء علی الملٰٓئکۃ (ابن جریر عن قتادۃ) ای عرض المسمّیات (کشاف) المراد بہ ذوات الاشیاء او مدلولات الالفاظ (بیضاوی) تقدیر کلام یُوں تھی اسماء المسمّیات۔ مضاف الیہ حذف کر دیا گیا، کہ مضاف اسکی وضاحت کے لئے کافی ہے (بیضاوی) ۱۱۵ (اپنے اس گمان میں کہ تم ہر منصب کی اہلیت اور ہر خدمت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہو) خطاب فرشتوں سے ہو رہا ہے۔ اسماء پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مراد یہاں بھی محض نام نہیں۔ خواص وآثار بھی مراد ہیں۔ صادقین۔ صدق سے مراد یہاں ارادی سچائی اور راست گفتاری نہیں کہ اسکے خلاف کا تو فرشتوں میں احتمال ہی نہیں۔ بلکہ مراد محض ان کے دعویٰ کا صحیح ہونا یا ان کے خیال کا مطابق واقعہ ہونا ہے۔ صدق کا اطلاق لغت عربی میں اردو کی "سچائی" سے کہیں زیادہ وسیع ہے وہ جس طرح ارادی راست گفتاری کے لئے آتا ہے اسی طرح اصابت رائے وصحتِ خیال کے لئے بھی۔ وقد یستعمل الصدق والکذب فی کل ما یحق ویحصل فی الاعتقاد (راغب) والصدق ھو الصواب (بحر) صدق وکذب۔ عربی کے ان دو لفظوں کے صحیح مفہوم پر نظر نہ ہونے سے اردو خوان طبقہ قرآن وحدیث سے متعلق کتنی ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ مرشدِ تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ مدار خلافت مجاہدہ اعمال نہیں بلکہ علم وفہم ہے بشرطیکہ بدعملی نہ ہو اور اسی لئے مشائخ طریقت عطائے خلافت کے وقت اُسی کی زیادہ رعایت کرتے ہیں ۱۱۶ (اور اس سے بر تر اور منزہ کہ تیرا کوئی سا بھی فعل حکمت سے خالی اور مصلحت سے عاری ہو) ملائکہ کی زبان سے بار بار توحید پرستی کے کلمات ادا کرانا دُنیا میں پھیلی ہوئی ملائکہ پرستی (دیوی دیوتا پوجا) پر ضرب شدید لگانا ہے ۱۱۷ (اور ہم ناچیز بندوں کے علم کی تیرے نامتناہی اور لامحدود علم کے سامنے بساط ہی کیا؟) صفتِ خلق، صفتِ قدرت وغیرہ دوسری صفات کا ذکر ہی نہیں، خود صفتِ علم کے بھی معیار سے کہاں فرشتوں کا علمِ جزئی اور کہاں حق تعالیٰ کا علمِ کلّی! ۱۱۸ (جس کے علم کیلئے حاضر وغائب، قریب وبعید، حال ومستقبل سب یکساں! اور جو بحیثیت ہمہ دان وہمہ بین کے ہر مخلوق کے ظرف سے، استعداد سے، ملکاتِ طبع سے یکساں واقف ہے) ۱۱۹ (اور اسی قانونِ حکمت کے ماتحت بشر وملک ہر مخلوق میں اسکی استعداد کے مطابق، اسکے ظرف کے متناسب، علم کا تقسیم کرنے والا، کام لینے والا) ۱۲۰ (یعنی فرشتوں کو اشیاء کائنات کے آثار وخواص) اسماء پر حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ جب فرشتے اظہار عجز کر چکے، تو اب آدمؑ سے ارشاد ہوا کہ تم اپنے معلومات کا اظہار کرو۔ آدمؑ کی فضیلت اس علم تکوینی ہی کی بنا پر تو تھی ۱۲۱ یعنی حضرت آدمؑ جب امتحان میں پُورے اُترے، اپنے معلوماتِ تکوینی کا اظہار سارے خلائق پر کر دیا۔ اور اس طرح ان کا شرف عیاناً سارے کائنات پر ثابت ہو گیا ۱۲۲ خطاب کا یہاں براہِ راست ملائکہ سے ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن عجب نہیں کہ بالواسطہ ساری مخلوق سے ہو ۱۲۳ گویا آیت نمبر ۳۰ میں انی اعلم مالا تعلمون کی جو اجمالی حقیقت بیان ہوئی تھی، اب اسکی تفصیل ہو گئی۔ اور ضمناً ان مسائل کی تعلیم آ گئی کہ علم کل صرف ذات باری کا خاصہ ہے۔ اور خالق کے لامحدود ونامتناہی علم سے مخلوق، اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق کے بھی علم کو کوئی نسبت نہیں۔ مفسرین نے یہاں ایک روایت نقل کی ہے کہ آدم کا ابھی جسدِ خاکی ہی تیار ہوا تھا اور رُوح ابھی اس میں نہیں پڑی تھی کہ اُدھر سے ابلیس کا گزر فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہوا۔ ہمراہیوں سے پُوچھا کہ یہ نئی مخلوق اگر ہم سب پر حاکم بنا دی گئی تو کیا کرو گے؟ فرشتے بولے کہ جان ودل سے اطاعت کریں گے اور کیا کریں گے۔ اس پر ابلیس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو اطاعت نہ ہو گی، میں تو خود ہی اس پر غلبہ حاصل کروں گا۔ اور مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں مَا تُبْدُوْنَ کا تعلق فرشتوں کے اعلانِ اطاعت اور اظہارِ طاعت سے ہے، اور ما کنتم تکتمون کا تعلق ابلیس کے اخفارِ بغاوت سے۔ لیکن خطاب کو اگر شروع ہی سے ساری مخلوق کیلئے عام لے لیا جائے (جیسا کہ ابھی اُوپر کے حاشیہ میں گزر چکا) تو پھر اس روایت سے استناد کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی ۱۲۴ یہاں صراحت صرف فرشتوں کی ہے لیکن جب یہ حکم فرشتوں کو مل رہا تھا تو جنات وغیرہ جو نسبتاً ادنیٰ مخلوق تھے، وہ اس حکم کے مخاطب بدرجۂ اولیٰ ٹھہرے۔ بادشاہ کا حکم جب وزیر یا نائب السلطنت کو ملتا ہے تو ادنیٰ عہدہ دار بدرجۂ اولیٰ اس کے مخاطب سمجھے جاتے ہیں۔

مفہوم یہ ہوا کہ وہ بلندی کی طرف متوجہ ہوا۔ والمراد بالسماء جهات العلو كأنه قيل ثم استوى الى فوق (کشاف) استوی کا صلہ جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اسکے معنی ہوتے ہیں قصد کیا، توجہ کی، التفات کیا۔ چنانچہ یہاں ائمہ تفسیر عموماً اسی طرف گئے ہیں۔ عمد الى خلق السماء (ابن جابر) وقال بعضهم اقبل عليها وقال بعضهم عمد اليها (ابن جرير) قصد اليها بخلقه واختراعه (قرطبی عن سفیان وابن کیسان) اقبل وعمد الى خلق السموات (مدارک) ف۱۰۶ آسمانوں کا تعداد میں سات ہونا توریت و انجیل دونوں کو مسلّم ہے ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل میں ہے۔ "عہدِ عتیق و عہدِ جدید دونوں میں آسمانوں کا جو تخیل ہے ...... وہ سات آسمانوں کا ہے" (جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) سَوّٰىهُنَّ۔ تسویہ کے معنی ہیں تکمیل تک پہنچا دینے اور ہر طرح درست کر دینے کے۔ ضمیر هُنَّ السماء کی طرف راجع ہے خواہ اسکی تفسیر اجرام سے کی جائے یا خود اسی کو معنیً جمع قرار دیا جائے (بیضاوی) ومعنى تسويتهن تعديل خلقهن واخلاؤه من العوج والفطور واتمام خلقهن (کبیر) اس لئے فَسَوّٰىهُنَّ کا ترجمہ نظیرہ اردو میں یہی ہو سکتا ہے کہ ان انھیں ٹھیک ٹھاک کر دیا" سبع سمٰوٰت۔ قدیم اہلِ ہیئت نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لئے ہیں۔ یعنی کرۂ قمر، کرۂ عطارد، کرۂ زہرہ، کرۂ شمس، کرۂ مریخ، کرۂ مشتری، کرۂ زحل (کبیر) صاحبِ تفسیر مظہری نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ عرش اور اسکے اندر جتنے سماوات ہیں سب کُروی ہیں اور عرش زمین کے اطراف کو محیط ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں ایک خاص چال سے چلتا ہے اور آسمان کو حرکت نہیں ف۱۰۷ (چنانچہ اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں کا بھی اسے پورا علم ہے، اور اس نے اپنے بندوں کو محض پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ ازراہِ بندہ پروری اُس نے ان کی ہر ضرورت کے پورا کرنے کا بھی سامان کر دیا) صفتِ خلق کے بعد صفتِ علم کا اثبات بھی ضروری تھا۔ جاہلی قوموں نے کثرت سے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ان کے معبود تسلیم کر لینے کے باوجود ان کے علم کو ناقص مانا ہے ف۱۰۸ اِذ ظرفِ زمان ہے کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر آتا ہے جس طرح اِذَا کسی واقعۂ مستقبل پر آتا ہے۔ اذ ظرف موضوع لزمان نسبة ماضية وقع فيها نسبة اُخرىٰ مثلها (ابو سعود) بعض نے اذکر اس کے قبل مقدر مانا ہے۔ هو منصب باضمار الذكر والمعنى اذكر لهم (کبیر) واذكر وانعلى بابيكه (کبیر) ابو عبیدہ نحوی نے کہیں کہہ دیا تھا کہ اذ یہاں زائد ہے۔ اس کی شد و مد سے تردید اہلِ لغت و ائمہ تفسیر دونوں نے کی ہے۔ قال ابن اسحٰق هذا اقدام من ابی عبیدة (ابن کثیر) قال الزجاج هذا اجتراء من ابی عبیدة (ابن کثیر) ردّه ابن جریر قال القرطبی وکذا ردّه جمیع المفسرین (ابن کثیر) ف۱۰۹ (آفرینشِ آدمؑ کے وقت) سورہ کے رکوع اول میں بیان فطرتِ انسانی کا تھا کہ قرآن کے مخاطبین میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک اسکے پیام کو قبول کرنے والے، صالح و سلیم فطرت رکھنے والے۔ دُوسرے بدفطرت، پیامِ الٰہی سے انکار کرنے والے۔ دوسرے رکوع میں مخاطبین کی ایک تیسری نوع کا بیان تھا۔ تیسرے رکوع میں اصل پیام کا لُبِّ لباب سنا دیا گیا، یعنی توحید و رسالت کی تبلیغ کر دی گئی۔ اب اس چوتھے رکوع میں اس تبلیغ کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یعنی یہ پیام ابتداءً نسلِ انسانی کے بانی و مُورث حضرت آدمؑ کو دیا گیا، اور ان سے نسل بہ نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔ ملٰٓئكة۔ جمع ہے مَلَك کی۔ اور وہ الوك سے ہے جس کے معنی پیامبری، پیام رسانی کے ہیں۔ الالوك الرسالة ومنه الكفى لى ابلغه رسالتى (راغب) من الالوكة وهى الرسالة (روح) ملائکہ کو ملائکہ کہتے ہی اسی لئے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہوتا ہے۔ لور بہ خالق کے پیامات مخلوق تک لایا کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے ایجنٹ یا واسطے ہیں۔ لانهم وسائط بين الله تعالى وبين الناس فهم رُسُل الله او كالرسل اليهم (بیضاوی) اُردو میں انھیں کو فرشتہ کہتے ہیں۔ فرشتے نُوری مخلوق ہوتے ہیں۔ وجود خارجی رکھتے ہیں محض صفاتِ الٰہی یا قوائے طبیعی کے مرادف نہیں۔ عادۃً انسان کیلئے غیر مرئی رہتے ہیں حسبِ ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اجسام لطيفة هوائية تقدر على التشكل باشكال مختلفة مسكنها السموات وهذا قول اكثر المسلمين (کبیر) ذهب اكثر المسلمين الى انها اجسام لطيفة قادرة على التشكل باشكال مختلفة مستدلين بان الرُسُل كانوا يرونهم كذلك (بیضاوی) ان کی لاانتہا تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ وجود میں انسان پر تقدمِ زمانی رکھتے ہیں۔ سرشت معصومانہ ہوتی ہے یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ خالق کے خاص فرمانبردار خادم ہوتے ہیں مخلوق محکوم، بندے ہونے میں بالکل انسان ہی جیسے ہیں۔ خود کوئی معبودانہ یا نیم معبودانہ حیثیت دیوی دیوتا کی قسم کی مطلق نہیں رکھتے۔ اور یہیں سے رد ہو جاتا ہے ان باطل مذہبوں کا جنہوں نے ملائکہ کو خواہ اسی نام کے ساتھ، خواہ انہیں دیوی دیوتا قرار دے کر خالق و مخلوق کے درمیان ایک برزخی درجہ دے رکھا ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ میں لام تبلیغ کا ہے۔ اللام الجارّة للتبليغ (روح) ف۱۱۰ (عنقریب اپنی حکومت کی تنفیذ کیلئے) اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف و مرتبہ! اللہ کی مخلوق تو اُس وقت تک بھی بے شمار تھی۔ اب ان میں انسان نامی محض ایک نئی صنف کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اللہ کا نائب زمین پر پیدا کیا جا رہا ہے! بعض اہلِ تحقیق نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ تخلیق تو ساری ہی موجودات کی ہُوئی ہے جنات کی بھی اور ملائکہ کی بھی جنت کی بھی اور عرش کی بھی لیکن اور کسی کے بھی قصدِ تخلیق کے ذکر کا اہتمام قرآن مجید نے نہیں کیا ہے۔ یہ فخر صرف خلقتِ آدم کے حصہ میں آیا۔ اور یہ دلیل ہے آدم کی افضلیت و اشرفیت کی۔ ولم یقل انی خالق عرشا وجنة وملكا وان قال ذلك تشريفا وتخصيصا لآدم (بحر) خلیفہ اسے کہتے ہیں جو کسی کی نیابت کرے، خواہ اس لئے کہ وہ موجود نہیں، یا اس لئے کہ فوت ہو چکا، یا اس لئے کہ معذور ہو اور خواہ اس لئے کہ اس سے مُستخلِف کی تعظیم ظاہر ہو۔ الخلافة النيابة عن الغير اما لغيبة المنوب عنه واما لموته واما لعجزه واما لتشريف المستخلف (راغب) اور خلیفۃ اللہ وہ ہے جو زمین پر اللہ کی شریعت کی حکومت قائم کرے۔ يخلفنى فى الحكم بين خلقى وذلك الخليفة هو آدم ومن قام مقامه فى طاعة الله والحكم بالعدل بين خلقه (ابن جریر عن ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ) خليفة الله فى ارضه لاقامة احكامه وتنفيذ قضاياه (معالم) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انسان کو جو قوتیں ملیں گے وہ اس غایت و مقصود یعنی منصبِ خلافتِ الٰہی کے متناسب ملیں گے۔ نسلِ انسانی خود اپنی صلاح و فلاح کے لئے اس کی محتاج تھی اور محتاج ہے کہ اپنے کسی ہم جنس کے واسطہ سے شریعتِ الٰہی سے استفادہ کرے۔ اور سلسلۂ نبوت اسی غرض سے قائم ہوا ہے۔ والمراد به آدم وكذلك كل نبىّ استخلفهم الله فى عمارة الارض وسياسة الناس وتكميل نفوسهم وتنفيذ امره فيهم (بیضاوی) واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان، نوعِ انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت و نیابتِ الٰہی پر نہیں رکھا ہے۔ اور خیر جاہلی مذہبوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت دونوں اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہیں۔ بائبل میں اس موقع پر ذکر اس قدر ہے۔ "خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخار اُٹھتا تھا اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا، اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اسکے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا" (پیدائش ۲: ۵-۷) گویا جس طرح اور سب حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک "جاندار" آدم بھی پیدا ہو گیا۔ اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ "زمین کی کھیتی" کرے! کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان، اور کہاں قرآن مجید کا باوجود شدتِ اختصار انسان کو مرتبۂ خلافتِ الٰہی پر پہنچا دینے والا، بلند و جامع اعلان! بعض صوفیہ نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جوہرِ خاک کو شرفِ خلافت اس لئے عطا ہوا کہ کثافت ہی فیضانِ اتم کے قابل اور تحمّلِ نورانیت کے لائق ہے۔ اور بعض عارفین کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ نورِ آفتاب کا فیضِ کامل و ذاتی زمین ہی پر ہے بسبب اسکے کمالِ کثافت کے! اور پانی اور ہوا اور آگ پر یہ فیضان صرف صفاتی ہے، اس لئے کہ کثافت ان میں کم ہے۔ اور اجرامِ علویہ تو اس نورانیت کے صرف سایہ وعکس ہی سے مستفیض ہو سکتے ہیں بسبب کمالِ لطافت کے۔ اور آدم کی ترکیبِ جسمی چونکہ خاکی عنصر سے ہوئی ہے اور ان کے اخلاق کی عالمِ ملکوت سے اور انکی رُوح کی عالمِ امر و نور سے، اس لئے ان میں صلاحیتِ فیضان بھی غایتِ کمال کی قرار پائی ف۱۱۱ اللہ معاف کرے، یہاں کلام کے سمجھنے میں بعض اکابر سے تسامحات ہو گئے ہیں۔ فرشتوں کا یہ قول بہ اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا۔ فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے۔ "باغی فرشتوں" کا تخیل تمام تر مسیحی ہے۔ اور عجب نہیں کہ مسیحیوں ہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں سرایت کر گیا ہو۔ فرشتوں کا یہ قول تمام تر وفورِ نیازمندی، اقرار، وفاداری اور جوشِ جاں نثاری کا نتیجہ تھا جیسا کہ ہمارے محققین نے صراحۃً سمجھا ہے۔ ليس على جهة الاعتراض على الله ولا على وجه الحسد لبنى آدم كما قد يتوهمه بعض المفسرين (ابن کثیر) وليس باعتراض على الله تعالى ولا طعن فى بنى آدم على وجه الغيبة فانهم اعلى من ان تظن بهم ذلك (بیضاوی) ليس المقصود الا الاستفسار عن المرجّح لا العجب والتفاخر (روح) على طريقة قول من يجد فى خدمة مولاه وهو يامر بها غيره استخدم العصاة وانا مجتهد فيها (ابو سعود) بہترین تقریر اس سلسلہ میں وہ ہے جو ہمارے شیخِ وقت مفسر تھانوی مدظلہ نے کی ہے۔ وہ ذیل میں بجنسہ نقل ہے: "مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں، اور اُن میں کوئی کوئی مفسد و سفاک بھی ہوگا، سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب لگ لپٹ کر اسکو انجام دینگے۔ اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہونگے۔ البتہ جو مطیع ہونگے وہ تو جان و دل سے اس میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد و ظالم ہونگے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں۔ خلاصہ یہ کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا، نہ اپنا استحقاق جتلایا، جو ان مقدس خدمتگاروں پر شبہات پیدا ہوں، بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کر کے اسکے لئے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے، اور اپنے قدیمی عملہ سے اس کا اظہار کرے، وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی راہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کیلئے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ بعض بعض تو اسکو بخوبی انجام دے سکیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے جس سے حضور کا مزاج ناخوش ہوگا۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں۔ ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اور حضور کی جان و مال کو دعا دیتے رہتے ہیں۔ کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا۔ اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کوئی عذر و انکار نہ ہوگا۔ اسی طرح فرشتوں کی عرض و معروض اظہارِ نیازمندی کے واسطے تھی۔ اور یہ بات کسی طرح ان کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کرا دی ہوگی کہ بنی آدم میں بُرے بھلے سب ہی طرح کے ہونگے" تجعل فيها۔ يفسد فيها۔ ضمیر ها دونوں جگہ ارض (روئے زمین) کیلئے ہے۔ فيها کی تکرار شدتِ فساد کے اظہار کے لئے ہے۔ وتكرار الظرف للدلالة على الافراط فى الفساد (روح) اتجعل فيها الخ مطلب یہ ہے کہ یہ جدید مخلوق اور اسکی ذریات آپ کے قوانین کی نافرمانی بھی کریگی۔ اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روئے زمین پر مادّی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فساد برپا ہو کر رہے گا۔ فرشتوں کی یہ ساری عرض و معروض انکی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں، بلکہ نیابتِ الٰہی و خلافتِ ربانی کا نام سنکر خود ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا قوائے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبیعی تقاضوں کا بھی۔ اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود انکے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر شر و فساد بھی ہوگا اور انسانوں میں سرکش و باغی و نافرمان بھی پیدا ہونگے۔ بحمدك میں ب تسبیح کے سلسلے حمد کے دوام و مقارنت کے اظہار کیلئے ہے۔ الباء للاستدامة الصحبة والمعية (روح) لك میں ل اظہارِ تخصیص کیلئے ہے یعنی تقدیس خاص تیری رضا ہی کیلئے ہے۔ اشعار أبان ايقاع الفعل لاجل الله تعالى خالصًا لوجهه سبحانه (روح) تسبیح اور تقدیس کے درمیان یہ فرق کیا گیا ہے کہ تسبیح کا اطلاق باعتبار طاعات کے ہوتا ہے اور تقدیس کا بلحاظ اعتقادات کے (روح) ونحن میں و حالیہ ہے والواو للحال (کبیر) علموه من الطبيعة البشرية (ابن کثیر) انهم عرفوا خلقته وعرفوا انه مركّب من هذه الاخلاط الاربعة (کبیر) والاحتياج الى الحاكم والقاضى انما يكون عند التنازع والتظالم كان الاخبار عن وجود الخليفة اخبارًا عن وقوع الفساد بطريق الالتزام (کبیر) علموا ذلك من تسميته خليفة لان الخلافة تقتضى الاصلاح وقهر المستخلف عليه وهو يستلزم ان يصدر منه فساد (روح) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جو جنات آباد تھے، انکی سرشت و فطرت پر قیاس کر کے فرشتے یہ سمجھے۔ كما فعل بنو الجان فقاسوا الشاهد على الغائب (معالم) توریت میں اس مخلوق کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے۔ آگ کے فرشتوں کو جاہلی قوموں نے اگنی دیوتا مان لیا۔ بارش کے فرشتہ کو اندر دیوتا۔ قس على هذا۔ قرآن نے نحن نسبح بحمدك ونقدس لك فرشتوں کی زبان سے کہلا کر انکی عبدیت محض پر انھیں کی زبان سے ایک اور مُہر لگا دی۔ فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضورِ والا کی تحمید و تقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔

شر لانے میں دُنیا کے مذہبوں کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئی ہیں چنانچہ انہیں سے بچنے کیلئے ایک دوسرا خالق شر بھی فرض کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس دُشواری کی اصل یہ ہے کہ خیر کی طرح شر کا بھی کوئی وجود فرض کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ شر تو اشیائے کائنات کے، موجوداتِ عالم کے، اور اپنے قویٰ کے صرف غلط و ناجائز طریقِ استعمال کا نام ہے۔ خالقِ کائنات نے انسان کو آزادی دے رکھی ہے مختلف راہوں میں سے ایک کے انتخاب کی، اور اسی کا نام ارادہ ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے اسی ارادہ و اختیار سے غلط کام لیکر غلط راہ کا انتخاب کرتا ہے تو اسی کو شر میں مبتلا ہو جانا کہتے ہیں۔ اللہ علاوہ احکم الحاکمین ہونے، مالک الملک ہونے آخری اور اصلی قانون ساز ہونے کے تکوینی حیثیت سے ہر شے کا آخری مسبب الاسباب بھی تو ہے۔ وہ بدی کا خالق صرف اسی معنی میں ہے جس معنی میں زہر کا، زہریلے جانوروں کا، خونخوار درندوں کا ہے۔ یُضِلُّ بِہٖ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ بندہ جب اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہی اختیار کرنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا بھی سامان بہم پہنچا دیتا ہے۔ یہ نہیں کرتا کہ سامان ترکِ کشف ہو جائیں اور نتیجہ برآمد ہونے دے۔ بِہٖ یعنی اس سے اور اسی طرح دوسری قرآنی تمثیلات سے۔ ضمیر کا مرجع مثلاً ہے۔ کثیرًا۔ بہتوں کو۔ یہ "بہت" وہی ہیں جو اپنی قوتِ فکر و نظر سے صحیح کام نہیں لیتے۔ اور اس لئے اپنے ارادہ سے کفر و ضلالت اختیار کئے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی رضا کو ان کے کفر میں ذرا بھی دخل نہیں ۹۲ (اللہ اپنے اسی قانونِ تکوینی کے مطابق (بِہٖ ضمیر کا مرجع یہاں بھی مثلاً ہے۔ کثیرًا۔ یہ "بہت" وہ ہیں جو اپنی قوتِ فکر و نظر سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں۔ مومنین مہتدین کا شمار گو کا فرین مضلین کے مقابلہ میں کمتر ہو، پھر بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تعداد میں ہے۔ اور اسی لئے کثیر کا لفظ اسکے لئے بھی آیا ہے ۹۳ آیت نے خود اس مضمون کو صاف کر دیا کہ گمراہی تو بس انھیں کے حصہ میں آتی ہے جو خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ہرگز جبر نہیں دیتا۔ بالہلکی ارادی نافرمانیوں اور بد عملیوں سے اندر کا نور بجھ کر رہ جاتا ہے، اور طبیعت میں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش باقی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس کے برعکس باطل اور ناحق پر جمود پیدا ہو جاتا ہے، اور اس سلسلہ کا خاتمہ کفر و انکار پر ہوتا ہے۔ فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرۂ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ الفسق العصیان والترک لامر اللّٰہ عزّ وجلّ والخروج عن طریق الحق (لسان) المنافق و الکافر سُمّیا فاسقین لخروجھما عن طاعۃ ربھما (ابن جریر) ائمۂ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہدِ جاہلی میں نہیں ملتی۔ فیروز آبادی کا قول ہے لیس فی کلامھم ولا شعرھم فاسق علی انہ عربی (قاموس) اور ابن الاعرابی نے کہا ہے لم یسمع فی کلام الجاھلیۃ ولا فی شعرھم فاسق ھذا عجب وھو کلام عربی (لسان) فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بحیثیت اسم فاسق کا استعمال انسان کیلئے کلامِ عرب میں نہیں ملتا۔ لم یسمع الفاسق فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب عن ابن الاعرابی) اس اصطلاحی معنی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمام تر ایک اسلامی لفظ ہے اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیئے۔ لا یعرف اطلاقھا علی ھذا المعنی قبل الاسلام (تاج) آج انگریزی زبان بھی باوجود اپنی وسعت کے حلت، حرمت، طہارت، تقویٰ کے مفہوم کے بہت سے الفاظ سے محروم ہے۔ ایں حدیث شد ابیانِ دیگر است ۹۴ عھد اللّٰہ۔ یعنی معاہدۂ طاعت کو۔ عہدِ ایمان کو، توحید کے حاسۂ فطری کو۔ اقرارِ توحیدِ ربوبیت تو ایسا سیدھا سادہ صاف مسئلہ ہے کہ ہر انسان کی فطرتِ سلیم اس عقیدہ پر گواہ ہے۔ نافرمان و فاسق خود اپنی اس فطرتِ سلیم سے، اقرارِ فطری سے بغاوت کرتا رہتا ہے۔ اور اس لئے یہاں فاسقین کے تحت میں ہر قسم کے اہلِ کفر آ گئے۔ عنی بھذہ الآیۃ جمیع اھل الکفر والشرک والنفاق وعھدہ الی جمیعھم فی توحیدہ ما وضع لھم من الادلۃ الدالۃ علی ربوبیتہ (ابن کثیر) من بعد میثاقہ۔ اس عہدِ فطرت کی توثیق ہر دور اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی تعلیمات کے ذریعہ سے ہوتی رہی ہے۔ والمراد بہ ما وثق اللّٰہ بہ عھدہ من الآیات والکتب (بیضاوی) ۹۵ آیت کے وسعتِ مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں یعنی وہ سارے فرائض جو ہر انسان پر خالق و مخلوق دونوں سے تعلق عائد رہتے ہیں۔ ان یوصل من الایمان و الارحام (ابن جریر عن ابن عباسؓ) صلۃ الارحام والقرابات وقیل المراد اعم من ذلک (ابن کثیر) امام رازیؒ نے ایک معنی یہ بھی کیے ہیں کہ حکمِ الٰہی مومنین کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے کا ہے۔ یہ اہلِ فسق اسے چھوڑ کر اپنا رشتہ کافروں سے جوڑ لیتے ہیں ۹۶ (اپنے عقائدِ کفریہ باطلہ سے) اس فساد کے اندر روحانی، مادی ہر قسم کے مفسدے شامل ہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی چونکہ یہ ہے کہ وہ زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے اور ایک ہمہ گیر نظامِ حیات۔ اس لئے اس سے اعراض و انحراف کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ کسی ناقص دستورِ زندگی اور چھوٹے نصب العین کو قبول کر لیا گیا ہے اور اس ناقص پروگرام کا لازمی نتیجہ ہے انفرادی انتشار اور اجتماعی اختلال۔ والاظھر ان المراد منہ الصد عن طاعۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام لان تمام الصلاح فی الارض بالطاعۃ (کبیر) یہ عقیدہ نہیں مشاہدہ ہے کہ آج دنیا اتنی ترقیوں اور علمی کمالات کے باوجود کیسی کیسی مصیبتوں میں بھٹک رہی ہے، انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اور یہ صلاح و فلاح سے محرومی نتیجہ ہے اسلامی زندگی کو گم کر دینے کا ۹۷ اس نقصان میں خسارۂ عاجل بھی شامل ہے اور خسارۂ آجل بھی۔ عاجل اس لحاظ سے کہ عدمِ ایمان سے دلوں سے سکون و اطمینان رخصت ہو جاتا ہے، اور قوم و افرادِ قوم طرح طرح کی بداخلاقیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور آجل اس اعتبار سے کہ آخرت میں نعمت سے محرومی رہے گی۔ مغبونون بذھاب الدنیا والآخرۃ (ابن عباسؓ) ۹۸ (اے کافرو اور منکرو!) یعنی کفر و انکار کی جراَت و ہمت کس طرح رکھتے ہو؟ سوال سے مقصود ان کی جسارت پر استعجاب ہے۔ علی وجہ التعجب (ابن عباسؓ) فالمراد بہ التبکیت والتعجب (کبیر) لفظ کیف کا استعمال قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی حق تعالیٰ کے سلسلہ میں آیا ہے، سیاق ہمیشہ تنبیہ یا توبیخ ہی کا رہا ہے۔ وکل ما اخبر اللّٰہ تعالیٰ بلفظۃ کیف عن نفسہ فھو استخبار علی طریق التنبیہ للمخاطب او توبیخا (راغب) ۹۹ (مطلب پدر میں) یعنی ابھی تمہاری تشکیل ہوئی بھی نہ تھی ۱۰۰ (رحمِ مادر میں) نعمتوں میں سب سے مقدم صفتِ حیات ہے کہ دوسری ساری نعمتوں سے استفادہ اسی کے بعد ممکن ہے۔ اس لئے ذکر میں بھی اسے یہاں سب سے مقدم رکھا ۱۰۱ (اس دنیوی مدتِ زندگی کے خاتمہ پر) بیان توحیدِ کامل کا ہو رہا ہے کہ خلق، احیاء، افنا سب قوتیں باری تعالیٰ ہی کی ہیں۔ یہ نہیں جیسا کہ بعض مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ موجد و خالق برہما جی ہیں، اور قائم و باقی رکھنے والے وشنو جی، اور موت و ہلاکت لانے والے شیو جی ۱۰۲ (حشر میں) حشر کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں ہے، بغیر اسکے اس محدود، مختصر زندگی میں نظامِ عدل کا قیام ممکن ہی نہیں ۱۰۳ (حساب و کتاب کے لئے) انسان کو جزا و سزا اعمال کی جوابدہی کے لئے براہِ راست اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس میں رد آ گیا مسیحی مشرکوں کے اس عقیدہ کا کہ حشر میں پیشی مسیح کے حضور میں ہوگی ۱۰۴ خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ تم تو خود ہی ساری کائناتِ ارضی کے مقصود و مطاع ہو۔ پھر یہ کیسی حماقت ہوگی کہ تم کسی اور مخلوق کو مقصود و مطاع بنا لو۔ آیت ہر قسم کے شرک، ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کافی ہے۔ اس فرشِ زمین پر جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کے لئے ہے، نہ یہ کہ انسان کسی اور مخلوق کے لئے ہو۔ اور شرک انسان اس فطری اور قدرتی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ حدیثِ نبوی کا یہ ٹکڑا جو مسلمان ہر جمعہ کو خطیب کی زبان سے سنتا ہے، کہ اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ (دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم پیدا کئے گئے ہو آخرت کے لئے) اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ اور خلیفۃ اللہ کی بیشک یہی شان ہونا چاہیئے۔ سب کچھ اسکے لئے ہو اور وہ خود خدا کیلئے ہو۔ وہ جس چیز کو جس طرح بھی چاہے اپنے تصرف میں لائے۔ اور اس کا جواب دہ صرف اپنے مالک و خالق کے سامنے ہو۔ مرتبۂ انسانی کا یہ شرف احترام اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے ——— ڈارون کے "ترقی یافتہ بندر" غریب کو اس رتبہ و مقام سے کیا واسطہ! لکم۔ ای لاجلکم ولانتفاعکم بہ فی دنیاکم و دینکم (کشاف) ھو یدل علی ان المذکور بعد قولہ خلق لاجل انتفاعنا فی الدین والدنیا (کبیر) جمیعًا۔ اس "سب" میں گنگا جی بھی شامل ہیں اور سنگا برت بھی، گئو ماتا بھی اور ہنومان جی بھی۔ حجر پرستی، شجر پرستی، دریا پرستی، کوہ پرستی، ناگ پوجا وغیرہ مخلوق پرستی اور مظاہر پرستی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب بے معنی اور ننگِ انسانیت ہیں ۱۰۵ سماء واحد اور جمع دونوں طرح آتا ہے یستعمل للواحد والجمع (راغب) یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں لفظاً واحد ہے لیکن معنیً جمع ہے کہ جنس سماء کے معنی میں ہے فانھا فی معنی الجنس (ابو سعود) بہرصورت ضمیر جمع ھُنَّ سے کوئی خلجان نہ ہونا چاہیئے۔ سماء کی وسعتِ مفہوم پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے (۶۵) یہاں مراد اجرامِ علوی سے بھی لی گئی ہے اور سمتِ علوی سے بھی۔ المراد بالسماء ھذہ الاجرام العلویۃ او جہات العلو (بیضاوی) گویا

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ
درآنحالیکہ تم بے جان تھے ۹۹ سو اس نے تمہیں جاندار کیا ۱۰۰ پھر وہی تمہیں موت دیگا ۱۰۱ پھر
يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِي
وہی تمہیں زندہ کریگا ۱۰۲ پھر اسی کی طرف تم واپس کیے جاؤ گے ۱۰۳ وہ وہی (ذات) ہے
خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰى
جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب ۱۰۴ پھر اس نے
اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ
آسمان کی طرف توجہ کی ۱۰۵ اور انہیں سات آسمان درست کرکے بنا دیے ۱۰۶ اور وہ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ
ع ۳
ہر چیز کا جاننے والا ہے ۱۰۷ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں
اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً ۚ قَالُوا
سے کہا ۱۰۸ میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں ۱۰۹ وہ بولے
اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ
کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کریگا اور خون
الدِّمَاءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ
بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں ۱۱۰ اور تیری پاکی
لَكَ ۚ قَالَ اِنِّي اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾
پکارتے رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۱۱۱

ویدی جاتی۔ اٰمنوا یعنی توحید و رسالت پر ایمان لے آئے۔ عملوا الصّٰلحٰت یعنی عمل مطابق شریعتِ اسلام کئے۔ نیک عمل کے سمجھنے میں بہتوں کو دھوکا ہوا ہے، اور یہ مغالطہ آج کل بہت عام ہو گیا ہے۔ سمجھا یہ جانے لگا ہے کہ نیکی اور ایمان ایک دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق چیزیں ہیں۔ اور پھر اس مفروضہ کی ایک فرع یہ قائم کی گئی ہے کہ کوئی شخص ممکن ہے کہ بہت صالح اعمال کا ہو لیکن ایمان سے یکلخت محروم ہے ــــ حالانکہ یہ تخیل ہی سرتاسر غلط ہے۔ نیکی ایمان سے الگ نہیں، ایمان ہی کی عملی شکل کا نام ہے۔ ایمان جب تک قلبی ہے، ایمان ہے۔ اگر قولی و لسانی ہے تو اسلام ہے۔ اور وہی ایمان جب عمل سے ظاہر ہونے لگتا ہے تو اس کا نام حُسنِ عمل، حُسنِ کردار یا عمل صالح پڑ جاتا ہے۔ اور حُسنِ عمل کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ کوئی نیکی اگر ایسی پیش کی جاتی ہے جسکی تہ میں جذبۂ ایمانی خفیف سا بھی موجود نہیں، تو وہ نیکی نہیں، نیکی کی صرف صورت ہے، نیکی کی صرف نقل ہے۔ اور جس طرح نماز کی نقلِ محض، نماز نہیں۔ اسی طرح کسی نیکی کی نقل پر اطلاق نیکی کا نہیں ہو سکتا۔ عمل نیک کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل ضابطۂ شریعت کے موافق ہو۔ فقہا نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ ایمان و اعمال دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور اعمال ایمان کے علاوہ ہیں ۵۸۰ یہ عالم آخرت کے انعام کا بیان ہو۔ جنت کے انعامات اس قسم کے جتنے بھی بیان کئے گئے ہیں، سب عمومی اور اکثری کے حکم میں داخل ہیں۔ حصر اور کلیہ کی صورت میں نہیں۔ چنانچہ عموماً چونکہ انسان کو لطف دریا اور باغ میں ملتا ہے، اس لئے اُسکے لئے یہ سامان آخرت میں موجود ہوگا۔ لیکن بالفرض کوئی شخص ایسا ہی جسے بجائے سبزہ و گلزار کے دشت و ریگستان پسند ہی تو جنت میں یہ سامان مہیا ہوتے بھی دیر نہ لگے گی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ بشارتِ جنت کے استحقاق کے پورے سبب ایمان اور عمل دونوں وصف ہیں۔ ۵۸۱ (فرطِ مسرت و انبساط سے) ۵۸۲ (دنیا میں یا جنت میں) یعنی جنتیوں کو جب کوئی پھل پھلاری کھانے میں آئے گا تو انہیں پچھلا مزہ بھی تازہ ہو جائے گا اور اسکی شکل دیکھتے ہی وہ بول اٹھیں گے کہ ارے یہ تو وہی لذیذ میوہ ہے جس کا مزہ ہمیں خوب یاد ہے۔ من قبل۔ یہ قبل والے پھل دنیا کے باغوں کے بھی ہو سکتے ہیں اور جنت کے باغوں کے بھی۔ اہل تفسیر سے دونوں منقول ہیں۔ حاصل

فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ

یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور چیز کی) سو جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ

أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

وہ (مثال) یقیناً حق ہے انکے پروردگار کی جانب سے ۵۸۸ البتہ جو لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں

فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ

وہ یہی کہتے رہیں گے ۵۸۹ کہ اللہ کا اس مثال سے مطلب کیا تھا؟ ۵۹۰

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ

گمراہ بھی کرتا ہے بہتوں کو اسی سے ۵۹۱ اور راہ بھی دکھاتا ہے بہتوں کو اسی سے ۵۹۲

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ

ہاں وہ گمراہ کسی کو (بھی) اس سے نہیں کرتا بجز بےحکمی کرنے والوں کے ۵۹۳ جو اللہ سے

يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ

اپنے معاہدہ کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں ۵۹۴

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَ

اور جس چیز کو اللہ نے حکم دیا تھا جوڑے رکھنے کا اُسے کاٹتے ہیں ۵۹۵ اور

يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ

زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ۵۹۶ تو بس یہی لوگ ہیں

الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ

نقصان اُٹھانے والے ۵۹۷ تم لوگ کس طرح کفر کر سکتے ہو اللہ سے ۵۹۸

دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے، یعنی اہلِ جنت میں شوق آفرینی و رغبت افزائی۔ یعنی فی الدنیا وقیل یعنی فی الجنۃ (قرطبی) فیھا وجھان۔ الاول انہ من ارزاق الدنیا والثانی ان المشبہ بہ رزق الجنۃ ایضًا (کبیر) ای من قبل ھذا فی الدنیا جعل ثمر الجنۃ من جنس ثمر الدنیا لتمیل النفس الیہ او فی الجنۃ لان طعامہا متشابہ فی الصورۃ کما حکی ابن کثیر عن الحسنؓ (بیضاوی) ۵۸۳ یعنی یہ تشابہ محض اہلِ جنت کے خیال کے مطابق نہ ہوگا۔ واقعہ اور نفس الامر بھی یہی ہے۔ یہ تشابہ کس سے ہوگا؟ بعض نے کہا کہ دنیا کے پھل پھلاریوں سے۔ اور بعض کا قول ہے کہ جنت ہی کے میوے ایک دوسرے سے مشابہ ہونگے لیکن اگر دنیا ہی کے پھلوں سے تشابہ مراد لی جائے تو یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، کہ یہ مشابہت صرف صوری اور ظاہری ہی ہوگی۔ ورنہ اصل لذت، ذائقہ، خوشبو وغیرہ کے لحاظ سے جنت اور دنیا کی نعمتوں میں آسمان و زمین کی نسبت ہے، چنانچہ محققین نے کہہ دیا ہے کہ دونوں میں اشتراک صرف نام کا ہوگا۔ لیس فی الدنیا مما فی الجنۃ الا الاسماء (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) بعض اہل لطائف و اسرار نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اسی دنیا کے اعمالِ حسنہ جنت میں طرح طرح کی نعمتوں کی شکل و تمثل اختیار کر لیںگے اور اہلِ جنت کو اپنے حسناتِ دنیوی اور ان کے ثمراتِ اُخروی کے درمیان ایک خاص تشابہ و تناسب محسوس ہوگا۔

۵۸۴ مطھّرۃ۔ پاک صاف ہر طرح اور ہر اعتبار سے، جسم کی، روح کی، ہر ممکن گندگی اور آلودگی سے ستھری، پاکیزہ مطھرۃ من القذر والاذی (ابن جریر عن ابن عباسؓ) قیل مطھرۃ من مساوی الاخلاق (معالم) فالمراد طھارۃ ابدانھن وطہارۃ ازواجھن من جمیع الخصال الذمیمۃ (کبیر) بعض ”روشن خیالوں“ کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا۔ اور ازواج مطھرۃ کی تفسیر عجب طرح توڑ مروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں، ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت و راحت کے موقع پر، بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا کوئی بڑی ہی شرم و غیرت کی بات ہے! جنت کے نفسِ وجود ہی سے اگر کسی کو انکار ہے، جب تو خیر بات ہی اور ہے۔ ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائیگا۔ لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں، نہ عقل کے اعتبار سے۔ جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا ــــ یا پھر یہ کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت، اور مسیح کی لائی ہوئی نہیں، پولوس کی پھیلائی ہوئی ”مسیحیت“ سے وابستہ ہے۔ زوجیت جب دنیا میں اللہ کا ایک اعلیٰ انعام ہو تو آخر جنت میں کس جرم میں اس سے محرومی ہو جائیگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی، مادی، حسّی خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا، یا اُن سے شرمانا، تمامتر جاہلی مذہبوں خصوصاً پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو حسّی اور معنوی، مادی اور روحانی، جسمانی اور عقلی ہر قسم کی نعمت کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی خشک لذت جس میں کوئی شائبہ نہ لامسہ کا ہو نہ باصرہ کا نہ ذائقہ کا نہ سامعہ کا، اور صرف اسی پر قانع رہنا کمال نہیں نقص ہے، ہنر نہیں عیب ہے۔ اور معلوم ہے کہ نقص و عیب جنت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ۵۸۵ سب سے بڑی اور آخری بات جنت کے سلسلہ میں یہ فرما دی گئی کہ اس کی لذتیں اور مسرتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں، اور داخلۂ جنت کے بعد زوالِ عیش کا امکان ہی نہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی لیکن کیسی فانی اور عارضی نعمتیں اسکے سامنے تصور میں بھی لائی جا سکتی ہیں؟ خلدون۔ خلود کے معنی ایسی حالت میں رہنے کے ہیں جس میں کبھی تغیر اور خرابی نہ پیدا ہو۔ الخلود ھو تبری الشیء من اعتراض الفساد وبقاءہ علی الحالۃ التی ھو علیھا (راغب) فلا آخر لہ ولا انقضاء بل فی نعیم سرمدی ابدی علی الدوام (ابن کثیر)

۵۸۶ (جیسا کہ بعض کج فہم اور معاند معترضین کے خیال میں شرمانا چاہیئے) قرآن مجید میں اپنے اپنے موقع اور محل پر تذکرہ بڑی سے بڑی مخلوق کا بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کا بھی۔ جانوروں میں ایک طرف ہاتھی، اونٹ، شیر کا۔ اور دوسری طرف چیونٹی مکھی اور مچھر کا۔ اسی تذکرہ پر بعض نافہموں نے کہنا شروع کیا کہ واہ دعوی تو کلام الٰہی ہونے کا، اور مضامین اسکے اندر ایسے حقیر! یہ نافہم اور کم عقل معترضین بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہود تھے، بعض میں کہ مشرکین تھے، بعض میں کہ منافقین۔ عجب نہیں کہ تینوں ہوں۔ نزلت فی الیھود (روح۔ عن ابن عباسؓ) نزلت فی المنٰفقین (روح عن مجاہد) والقول الثالث ان ھذا الطعن کان من المشرکین قال القفال الکل محتمل ھھنا (کبیر) ۵۸۷ (کسی دینی حقیقت کی توضیح کے لئے) مثال کی غایت ہی یہ ہے کہ وہ مسئلہ کو ذہن کے سامنے زیادہ کھول کر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لے آئے۔ اب یہ مقصد جس مثال سے پورا ہو سکے، اسیکو بہترین کہا جائیگا، خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی گئی ہو، بجائے خود کیسی ہی ہو۔ مچھر بظاہر ایک بہت حقیر اور بے حقیقت سی مخلوق ہے۔ اب جہاں مخلوق کی بے حقیقتی بیان کرنا ہو گی وہاں موزوں مثال ظاہر ہے کہ مچھر ہی کی ہوگی۔ پھر اس پر اعتراض کرنا کیسی غباوت کی دلیل تھی۔ امام رازیؒ نے یہ بات بھی خوب لکھی ہے کہ صانعِ عالم اور خلاقِ علیم کی بنائی ہوئی کوئی شے بھی درحقیقت حقیر و بے حقیقت نہیں۔ بلکہ جو چیز بظاہر جتنی زیادہ چھوٹی اور حقیر ہوگی، اسی قدر اس کا بیان کمالِ علم، کمالِ اطلاع اور کمالِ حکمت پر اور زیادہ دلالت کریگا (کبیر) مثلاً ما۔ مثلاً کا لفظ خود نکرہ تھا ما کے اضافہ نے اسکے وصفِ تنکیر کو اور بڑھا دیا۔ فما فوقھا یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر ہو، اپنے جثہ کے صغر یا ظاہری بے حقیقتی کے اعتبار سے۔ فما فوقھا فی الصغر (راغب) اراد بما فوقھا فی الصغر والحقارۃ مالوا الی ھذا القول (کبیر) ما دونھا فی الصغر والحقارۃ وھذا قول الکسائی وابی عبید قالہ الرازی واکثر المحققین (ابن کثیر) ای فما تجاوزھا وزاد علیھا فی المعنی الذی ضربت فیہ مثلاً وھو القلۃ والحقارۃ (کشاف) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں اصل ہے عادت صوفیہ کی کہ مثال لانے میں حیا عرفی کی پروا نہیں کرتے ۵۸۸ (اور اپنے مقصود و غایت اور توضیح مراد میں بالکل کافی و وافی) انّہ میں ضمیر مثل کی طرف راجع ہے۔ ھذا المثل (ابن کثیر عن ابی العالیہ) المثل ھو (معالم) دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر خود قرآن کی طرف راجع ہے۔ ای یعلمون انہ کلام الرحمٰن وانہ من عند اللہ (ابن کثیر عن قتادۃ) اَمّا صرف اَمّا آغازِ کلام میں لے آنے سے فقرہ میں قوت اور زور کی زیادتی ہو گئی ہے۔ توکید ما صدر بہ (ابو سعود) یوکد ما بہ صدر (بیضاوی) ۵۸۹ (استفساراً نہیں، طنز و تعریض کی راہ سے) ۵۹۰ یعنی وہ اسی میں الجھے رہیں گے کہ ایسی مثالوں سے حاصل کچھ بھی نہیں ھذا کے لفظ میں ایک پہلو تحقیر و اہانت کا ہے۔ وفی قولھم ماذا اراد اللہ بھذا الاستحقار (کبیر) وفی ھذا استحقار و استرذال (بیضاوی) اردو روزمرہ کے مطابق ھذا مثلاً کا ترجمہ ہوگا ”ایسی ایسی مثال سے“ ۵۹۱ (اور اپنے قانون تکوینی کے مطابق) اللہ کو ماننے

الماء سبحانی خر جہا مادۃ لھا (کشاف) پانی کو جو دخلِ عظیم ہر قسم کی زمینی پیداوار اور نباتات میں ہے محتاجِ بیان نہیں ف۶۸ (کسی کو کسی حیثیت سے بھی) خلیفۃ اللہ جب کبھی اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر پستی میں گرا ہے تو اُس نے اپنا سر جھکایا اور ماتھا ٹیکا ہے درختوں کے آگے، ان کے پھلوں کے آگے، بارش کے دیوتا کے آگے، زمین کے آگے، آسمان کے آگے۔ قرآن مجید اسی حماقت وسخافت پر اُسے تنبیہ کر رہا ہے۔ فلا تجعلوا میں ف سببیہ ہے۔ یعنی جس نے تمہیں ان نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا، وہ اسی لائق ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ انداداً۔ ند عربی میں کہتے ہیں مثل و مشابہ کو بھی، اور مخالف و مدِ مقابل کو بھی۔ الند المثل والنظیر وقال الاخفش الند الضد والشبہ (تاج) چنانچہ انداد کے معنی اضداد اور اشباہ دونوں کئے گئے ہیں (تاج) لفظ کی جامعیت میں نکتہ یہ ہے کہ شرک دنیا میں دونوں قسموں کا مروج رہا ہے۔ بہت سی قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو محض ایک خدائے اصغر یا ماتحت خدا تسلیم کیا ہے، اور مجوس نے اہرمن کو یزدان کے حریف و مدِ مقابل کی حیثیت سے پیش کیا ہے ف۶۹ (اپنے الہام فطری اور عام فہم بشری کی بنا پر) کہ سب کا حاکم، سب کا خالق بس وہی ایک ہے۔ اتنی بصیرت، جو توحید تک پہنچائے، ہر قلبِ بشری میں ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ بشرطیکہ غلط تعلیم و تربیت اور ناقص ماحول اس فطرت ہی کو مسخ نہ کر ڈالے۔ وانتم تعلمون انی صانع ھذہ الاشیاء (ابن عباس) انکم لکمال عقولکم تعلمون ان ھذہ الاشیاء لایصح جعلھا انداداً للہ تعالیٰ (کبیر) ف۷۰ (یعنی اس کے کلام الٰہی ہونے کے باب میں اے کافرو اور منکرو!) خطاب یہاں یٰایھا الناس کے تحت میں ساری دنیا سے ہو رہا ہے، صرف اہلِ عرب یا قریش سے نہیں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہارے خیال میں یہ کلامِ الٰہی نہیں، تو یقیناً ایک انسانی تصنیف ہوگی۔ اور جب ایک انسان ایسی تصنیف پر قادر ہے تو دُوسرا بھی ہو سکتا ہے، چہ جائیکہ لائق و فائق انسانوں کا ایک پُورا مجمع! کلمۂ اسلام کے اجزائے ترکیبی دو ہیں۔ ایک توحیدِ باری، دوسرے رسالتِ محمدی۔ توحید کا بیان اُوپر کی دو آیتوں میں ہو چکا، اب دعوت تصدیقِ رسالت کی دی جا رہی ہے ف۷۱ (جن کا نام محمد ہے) سیاق و موقع ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کے خاص قرب و اختصاص کے اظہار کا ہے۔ نیز آیت میں ایک نہایت پر زور اور دائمی

صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا

سچے ہو ۲۳ اور اگر تم (یہ) نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے ۳۴

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ ۚۖ

تو پھر اُس آگ سے ڈرو ۷۵ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں ۷۶

اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

(اور) وہ کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے ۷۷ اور اُن لوگوں کو خوشخبری سُنا دیجئے جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ

اور نیک عمل کئے، ۷۸ کہ ان کے لئے (بہشت کے) باغ ہیں کہ اُن کے نیچے

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ

دریا بہ رہے ہوں گے ۷۹ انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا

ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ

جائے گا تو وہ بول اٹھیں گے ۸۰ کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں (اس کے) قبل

قَبۡلُ ۙ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ

مل چکا ہے ۸۱ اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائیگا ملتا جلتا ہوا ۸۲ اور اُن کے لئے

اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ٭ۙ وَّ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾

پاکیزہ بیویاں ہوں گی ۸۳ اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کے لئے ہونگے ۸۴

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً

اللہ اس سے ذرا نہیں شرماتا ۸۵ کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی

چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے لیکن اس انتہائی زور اور اہمیت کے موقع پر بھی جو سردارِ انبیاء اور سردارِ رسل تھے، وہ قرآن کی زبان میں محض ایک "عبد"، بندہ یا چاکر ہیں! —— نہ خدا کے بیٹے اور اکلوتے بیٹے، نہ خدا کے مثل، نہ خدا کے بروز یا اوتار، نہ خدا کے وزیر یا مشیر، بلکہ محض عبد المحض بندے! توریت میں "خداوند کے خادموں" کا لقب ایسے ہی اعزاز واکرام کے موقع پر آیا ہے، اور ابراہیم نبی، اسحٰق نبی اور یعقوب نبی کو خداوند کا خادم ہی ٹھہرایا ہے۔ نزّلنا یعنی جس کلام کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے بہ تدریج حسبِ ضرورت و مصلحت اُتارا ہے۔ شک و تردد کا ایک بڑا سبب یہی نزولِ تدریجی تھا۔ منکرین کہتے تھے کہ جس طرح اور شاعر سوچ سوچ کر شعر کہتے ہیں، یہ "رسُول" بھی وقفوں کے ساتھ اسے گڑھتے رہتے ہیں۔ خدائی کلام ہوتا تو ایک بار گی سب کا سب نہ آجاتا (مظہری) عبدنا سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ آپ عبدیت میں کامل اور احکامِ الٰہی کے پُورے پُورے مطیع و فرمانبردار تھے (مظہری) ف۷۲ (معانی کی بلندی، مطالب کی جامعیت، مضامین کی ندرت کے لحاظ سے) قرآن مجید اپنی زبان کی فصاحت اور حسنِ انشاء کے لحاظ سے بھی یقیناً بینظیر ہے، جیسا کہ عرب کے بڑے بڑے ماہرینِ ادب تسلیم کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں جو تحدّی کی جا رہی ہے اس کا مخاطب یٰایھا الناس کے ماتحت سارا عالم ہے، صرف قریش یا اہلِ عرب نہیں۔ اس لئے قرآن مجید کو یہاں صرف انشاء و فصاحت تک محدود رکھنا اُس کے عام و عالمگیر چیلنج کو محدود کر دیتا ہے۔ قرآن نے اپنی حقیقت خود یہ بیان کر دی ہے کہ وہ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کتابِ ہدٰی ہے۔ یعنی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کا جامع نظام نامہ، مکمل، ہمہ گیر و ہمہ جہتی دستور العمل، اس کے علاوہ اُس کی اور جتنی حیثیتیں ہیں، تبعی و ضمنی ہیں۔ وہ یہاں پیش اپنے اسی سب سے بڑے وصف کو کر رہا ہے، اور پکارے کہہ رہا ہے کہ جو ہدایتیں اور بصیرتیں میرے ایک ایک سورہ کے اندر موجود ہیں، اب اگر تم اپنی متحدہ کوشش اور جدوجہد سے بھی اس کے مقابلہ کی کوئی چیز پیش کر سکتے ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ من مثلہ میں مثلیت کی تفسیر پر بہترین روشنی خود قرآن مجید ہی سے پڑتی ہے۔ قل فاتوا بکتٰب من عند اللہ ھو اھدٰی منھما اتبعہ ان کنتم صٰدقین (قصص۔ آیت ۴۹) ھو اھدٰی کے ایجاز میں سب کچھ آگیا۔ من مثلہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال کثرت سے مثلہ فی البلاغۃ اور حسنِ نظم کے منقول ہوئے ہیں لیکن اعجاز من جہۃ المعنی کا پہلو بھی اہلِ تحقیق سے چھوٹنے نہیں پایا ہے۔ یعنی مثل ھذا القراٰن حقاً وصادقاً لا باطل فیہ ولاکذب (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اور امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں متعدد پہلو اختیار کئے ہیں۔ من مثلہ میں مِنۡ بعض نے کہا ہے تبعیض کے لئے ہے، بعض نے کہا ہے تبیین کے لئے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زائد ہے۔ من للتبعیض اوللتبیین وزائدۃ عند الاخفش (بیضاوی) بسورۃ۔ یعنی پُورا قرآن نہ سہی، اس کا نصف یا ثلث بھی نہیں۔ اس کی کسی ایک سورۃ ہی کے برابر تم تصنیف کر دکھو! لفظ سورۃ پر حاشیہ شروع میں گزر چکا ہے۔ ف۷۳ شُھدآءکم میں شھداء سے عموماً مراد حامیوں اور ناصروں سے لی گئی ہے۔ یعنی اعوانکم ما انتم علیہ (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) معناہ اعوانکم ونصراءکم (قرطبی) المراد من الشھدآء اکابرھم اومن یوافقھم فی انکار امر محمد علیہ السلام (کبیر) لیکن اگر شُھدآء کے وہی لفظی معنی گواہ کے رکھے جائیں جب بھی مراد یہ ہوگی کہ ان لوگوں کو بھی بلا دیکھو، جو تمہارے اس دعوٰی کی کہ تم نے کسی قرآنی سُورت کا جواب لکھ لیا ہے تصدیق کر دیں۔ ای قوم یشھدون لکم (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۷۴ (اپنے اس زعم و گمان میں کہ قرآن انسانی دماغ کی پیداوار ہے) قرآن کا سیدھا سادہ دعوٰی یہ ہے کہ وہ انسان کا نہیں، خدا کا کلام ہے۔ اور اپنے اس دعوٰی پر دلیل اس نے کیسی قطعی، اور عوام و خواص دونوں کی سمجھ میں آجانے والی یہ پیش کر دی ہے کہ اگر کوئی اسے امکانِ بشری کے اندر سمجھتا ہے، تو ذرا اس کا ادنیٰ اور ہلکا نمونہ بھی سب کی متحدہ کوشش سے پیش کر دکھائے! قرآن کے چیلنج کو ساڑھے تیرہ سو سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ اور دنیا کے کتب خانے اس کتاب سازی کے عہد میں، قرآن کے برابر کیا معنی تقریباً برابر کتاب سے بھی یکسر خالی ہیں! ف۷۵ (قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدّی ہے اور وہ بھی ایک اُمّی کی زبان سے! اپنی عقل و حکمت، اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہوگا اور آج بھی آ رہا ہے۔ ع لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی "isms" ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام، اور شرمناک حد تک ناکام! ف۷۶ یہ دنیا کی نہیں دوزخ کی آگ ہوگی۔ وہ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔ یہاں تک کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس سے ستر حصہ زیادہ تیز ہوگی۔ آخرت کے عذابِ آتشیں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو یسعیاہ ۳۳: ۱۴ نیز ۶۶: ۲۴۔ انجیل کی تعلیم تمام تر رافت و حلم، عفو و درگزر کی سمجھی جاتی ہے لیکن آگ کے جہنم کا ذکر حضرت مسیح کے ٹھنڈے مواعظ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو متی ۱۸: ۸ و ۹۔ فاتقوا جوابِ شرط ہے۔ اور ف نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آ چکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو، تو اب انکارِ حق کئے چلے جانا بجز عناد و خبثِ نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذابِ آتشیں اسی معاندانہ انکارِ حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے ف۷۷ جہنم کی اصل غذا تو خود اہلِ کفر و شرک ہونگے۔ سزا انہیں کو ملے گی۔ لیکن اس سزا میں اشتداد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کی مورتیوں، ان کے ٹھاکروں کو بھی ان کے پہلو میں رکھ دیا جائیگا۔ اور گویا ان سے کہا جائے گا کہ لو، اب اپنے انہیں معبودوں سے کام لو جنہیں دنیا میں پُوجتے رہے تھے۔ شرک اور مُورتی پُوجا میں تعلق بہت قدیم، بہت وسیع، بہت گہرا ہے۔ دنیا کی تقریباً ہر مشرک قوم نے بت پرستی بھی ضرور کی ہے۔ کلدانیہ، مصر، عرب، یونان، روم سب بُت پرست رہ چکے ہیں، اور ہندوستان کی بت پرستی تو مشہور ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ والمراد بھا حجارۃ الاصنام والانداد التی کانت تعبد من دون اللہ (ابن کثیر) اراد بھا الاصنام (معالم) جدید جاہلی متمدن و مہذب قوموں کا ذوقِ سنگ تراشی و مجسمہ سازی بھی بت پرستی سے کچھ بہت زیادہ دُور نہیں ف۷۸ یہیں سے اہلِ سنّت نے یہ استنباط کیا ہے کہ جہنم کی اصل غایت کافروں کی تعذیب ہے۔ نہ کہ محض اہلِ فسق و عصیان کی۔ عارضی طور پر یہ بھی تادیب کے لئے اس میں داخل کر دیئے جائیں تو یہ ایک الگ چیز ہے ف۷۹ (اے ہمارے پیغمبر!) بشّر۔ گویا مومنین صالحین اس کے مستحق ہیں کہ مخاطب انہیں مبارکباد پہنچائے۔ اور اس میں ان لوگوں کی تکریم زائد ہے بمقابلہ اسکے کہ انہیں براہ راست خود ہی بشارت

تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں یہ کلام اثر نہ کر جائے اور انہیں اسلام لاتے ہی نہ بن پڑے۔ من الصواعق ای من بیان القرآن ووعدہ ووعیدہ (ابن عباسؓ) حذر الموت ای مخافۃ میل القلب الیہ (ابن عباسؓ) ۵۵ (اپنے علم سے، قدرت سے، ہر لحاظ سے) سو کافر اسکی گرفت سے بچ کر جا کہاں سکتے ہیں اور اس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں اور حیلے بے اثر رہیں گے۔ جیسے محیط سے وہ چیز نہیں بچ سکتی جو اس کے احاطہ میں ہو۔ ای عالم بھم وجامعھم فی النار (ابن عباسؓ) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر محض علم ہی کے لحاظ سے محیط نہیں بلکہ ذاتاً بھی محیط ہے، بلا کسی کیفیت کے۔ اور عارف رومی نے کہا ہے ؎ اتصالے بے تکیف بے قیاس ۔ ہست رب الناس را با جان ناس ۵۶ (اور ان کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جائیں) تشبیہ مرکب کے سلسلہ میں بیان ہو رہا ہے آثار غلبۂ اسلام کی قوت و شدت کا، کہ منافقین کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کے لئے اور انہیں مرعوب کرنے کے لئے کافی ہے۔ وھذا تمثیل لشدۃ الامر علی المنافقین (کشاف) ۵۷ یعنی جب اسلام کی مادی فتحمندیاں اور کامیابیاں دیکھتے ہیں تو ان منافقین و مذبذبین کے قدم گویا اضطراراً اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں، طلب حق تو ان کے دل میں ہوتی ہی نہیں، البتہ مرعوبیت کچھ دیر کے لئے آمادہ کر دیتی ہے۔ لیکن جب اہل ایمان کو ابتلا پیش آنے لگتے ہیں، تو یہ منافقین و مذبذبین انکار اور بے یقینی کے مقام پر پھر ٹھٹک جاتے ہیں۔ اور اسلام کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ۔ کلما اصاب المنافقین من عز الاسلام اطمانوا الیہ (ابن کثیر۔ عن ابن عباسؓ) وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا۔ ولذا اصاب الاسلام نکبۃ قاموا لیرجعوا الی الکفر (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ ایسا ہی حال اس سالک کا ہے جو حالت بسط میں طاعات میں لگا رہتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھتا ہے ۵۸ (جیسا معاملہ کہ بعض اگلی قوموں کے ساتھ پیش بھی آچکا ہے) توریت میں ہے:۔ "جب وہ اس کی طرف کو اترے تو الیسع نے خداوند سے دعا مانگی اور کہا کہ مہربانی کر کے ان لوگوں کو اندھا کر دیجئے۔ سو اس نے جیسا کہ الیسع نے کہا تھا ان کو اندھا کر دیا" (۲ سلاطین۔ ۶ : ۱۸) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی مشیت الٰہی اگر یہی ہوتی، قانون تکوینی اگر اب بھی یہی ہوتا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ

اے انسانو ۶۰ عبادت (اختیار) کرو اپنے پروردگار کی ۶۱ جس نے تمہیں

خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

پیدا کیا ۶۲ اور تم سے قبل والوں کو (بھی) ۶۳ عجب نہیں کہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

تم پرہیزگار بن جاؤ ۶۴ (وہ) وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ایک

فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

فرش اور آسمان کو ایک چھت بنا دیا ہے ۶۵ اور آسمان سے پانی

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ

اتارا ۶۶ پھر تمہارے لئے غذا کو پھل پیدا کئے ۶۷

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

سو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ ۶۸ اور تم جانتے (بوجھتے) بھی ہو ۶۹

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى

اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارہ میں شک میں ہو ۷۰ جو ہم نے اپنے بندہ پر

عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا

اتاری ہے ۷۱ تو کوئی ایک سورت اس جیسی تم بھی بنا لاؤ ۷۲ اور اپنے

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

حمایتیوں کو بھی اللہ کے مقابلے میں بلا لو ۷۳ اگر تم

اس سے اشارہ یہ بھی نکل آیا کہ مؤثر حقیقی صرف ارادۂ الٰہی ہے۔ اور اسباب ظاہری میں تاثیر جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے، مشیت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ بذات خود موجود نہیں ہے۔ والتنبیہ علی ان تاثیر الاسباب فی مسبباتھا مشروط بمشیۃ اللہ تعالیٰ (بیضاوی) ۵۹ (چنانچہ اس پر قادر ہے، اور اب بھی یہی کر سکتا ہے) قدیر صیغۂ مبالغہ ہے، زور و قوت میں قادر سے زیادہ۔ اسلام کا خدا قادر مطلق ہے، ہمہ تواں ہے۔ مصری، ہندی، یونانی خداؤں کی طرح ناقص اور محدود القویٰ نہیں ۶۰ قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے۔ کوئی مخصوص نسل مثلاً بنی اسرائیل اور کوئی مخصوص قوم مثلاً اہل عرب نہیں۔ خطاب لجمیع من یعقل (بحر) یہ طرز خطاب خود ایک دلیل ہے تخاطب کے عام ہونے پر۔ پچھلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم از روئے اعتقاد بیان ہو چکی ہے یعنی مومن، کافر، منافق۔ اب خطاب سارے عالم انسانی کو مجموعی طور پر شروع ہو رہا ہے ۶۱ قرآن مجید کے اصل پیام کا آغاز گویا اب ہو رہا ہے۔ اور اس کا عنوان اول ہے مسئلۂ توحید، کہ وہی اصل و اساس ہے سارے عقائد و مسائل اسلامی کی ۶۲ (تن تنہا، بلا کسی کی شرکت و اعانت کے) عمل تخلیق خالص خدائی عمل ہے۔ ہمسر و مساوی ہونا تو خیر الگ رہا، ماتحت و معاون کی بھی حیثیت سے کوئی شریک تخلیق نہیں۔ پھر خلقکم سے اس پر بھی زور دینا مقصود ہے کہ کائنات "خلق" ہوئی ہے، نیست سے ہست ہوئی ہے، عدم سے وجود میں آئی ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی غیر مخلوق مادہ موجود تھا۔ اللہ نے اسکی صورت میں کوئی خاص صنعت و ترتیب پیدا کر دی۔ بہت سے باطل مذہبوں کا رد اسی سے نکل آیا ۶۳ (پس الوہیت و معبودیت کا سزاوار وہی ایک خالق بے ہمتا ہے) الذین من قبلکم سے پچھلی انسانی نسلوں کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ خلقت انسانی سے قبل روئے زمین پر کوئی اور مخلوق بھی آباد ہو، جیسا کہ توریت میں درج بھی ہے۔ قرآنی لفظ ان سب ممکن مخلوقات پر حاوی ہے۔ "تم کو" (یعنی موجودین بصیغۂ حال) اور "تم سے قبل والوں کو" (یعنی موجودین بصیغۂ ماضی) یہ دو لفظ لا کر قرآن مجید نے اشارہ ادھر بھی کر دیا کہ توحید کا درس ماضی و حال، تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۶۴ (کہ توحید ہی مرتبۂ تقویٰ تک پہنچانے کا بے خطا نسخہ ہے) تکونوا من المتقین الذین رضی اللہ عنہم ربھم (ابن جریر) لعل ہے تو اظہار شک اور امید و آرزو کیلئے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اسکے وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے اور اردو ترجمہ "تاکہ" سے بھی جائز ہو گیا ہے۔ ھی کلمۃ رجاء وطمع وشک وقد جاءت فی القرآن بمعنی کے (لسان) وقد جاءت فی القرآن بمعنی کے (تاج) ۶۵ آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل روح جعل لکم ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ ربکم الذی جعل لکم الخ۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی، کہ زمین و آسمان انسان کیلئے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لئے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں باذن الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے اور انہیں کو معبود قرار دیکر انکی پرستش کرنے لگے۔ الارض ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔ وکل ماسفل فھو ارض (تاج) اسی طرح سماء ہر اس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اوپر ہو۔ السماء کل ما علاک (تاج) کل ما علا فاظل قیل لہ سماء (قرطبی) ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے۔ اور انسان کے تعلق میں اس کا اصلی وصف فراش یا مایفرش کا ہے یعنی وہ ایسی چیز ہے جو بچھا دی گئی ہے، یا بچھی ہوئی ہے، ہمارے لئے فرش ہے یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہے جس پر ہم قدم رکھ سکتے ہیں، چل سکتے ہیں، بیٹھ سکتے ہیں، لیٹ سکتے ہیں، نہ کہ کوئی ایسی کھردری یا پلپلی چیز ہے جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ناممکن ہو۔ یہ زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گول ثابت ہو یا چپٹی، بہرحال و بہر صورت اس کا تعارف انسان و انسانیت کے سلسلہ میں اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کیلئے فرش کا کام دے رہی ہے، اور اس کام پر اسے اللہ ہی نے لگایا ہے چنانچہ قرآن نے یہاں اس کا یہی وصف بیان کر دیا۔ اسی طرح سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔ زمین جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے، آسمان اسی طرح ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ جو محسوس و مرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے بلند سیاروں کی بلندیاں، اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں اور طیاروں کی بڑی سے بڑی بلند پروازیاں، سب اس کے اندر سما جائیں، اور سب اس سے پست ہی رہیں، تو چھت کا اطلاق اس پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ زمین کی طرح آسمان کی ہیئت سے قرآن مجید یعنی دنیا کے اس اخلاقی اور روحانی نظام نامہ کو کوئی تعلق نہیں۔ آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے، یا محض خلا، منتہائے نظر ہے، اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیوی تجربی علوم سے ہے۔ قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا تھا، جو سلسلۂ الٰہی و خلافت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی اس نے کر دیا۔ زمین و آسمان کی پوجا ہر مشرک، جاہل و "متمدن"، قوم نے کی ہے۔ اور آسمان کو تو بہت بڑا دیوتا یونانیوں سے لیکر ہندیوں تک سبھی مانا ہے۔ قرآن کی اصلی زد انہیں مشرکانہ تخیلات اور جاہلی اوہام پر آکر پڑتی ہے ۶۶ (اسی معبود واحد و برحق اور اسی خالق یکتا و مطلق نے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا نے) مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ آسمان اور بارش سب خدائے واحد ہی کی مخلوق و مصنوع ہیں۔ نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں، نہ کوئی اندر دیوتا اور نہ کوئی Father-Zeus بلکہ یہ کلدانیوں، مصریوں، ایرانیوں، ہندیوں، یونانیوں، رومیوں کے سب گڑھے ہوئے خرافات ہیں۔ آسمان اور بارش کی پرستش دنیا سے بالکل ختم اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ ایشیا، افریقہ، امریکہ تینوں براعظموں کے خدا معلوم کتنے گوشوں میں اب بھی یہ شرک جاری ہے۔ لفظ سماء کے معنی اوپر کے حاشیہ میں ابھی گزر چکا ہے کہ بہت وسیع ہیں۔ اس لئے سماء سے پانی کا اترنا، بادل سے پانی کے اترنے، بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پاکر برس پڑنے، یا اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے ہرگز منافی نہیں ۶۷ (اسی معبود واحد اور خالق یکتا نے، نہ کہ کسی اور دیوی دیوتا نے) خدا جانے کتنی مشرک قومیں الگ الگ دیوی دیوتا، زراعت کے، نباتات کے، پھل پھلاریوں کے مان چکی ہیں۔ قرآن مجید کا کام مسائل طبعیات، فلکیات، جغرافیہ طبعی وغیرہ کی تعلیم دینا نہیں، بلکہ ان عالمگیر مشرکانہ عقائد اور جاہلی تخیلات کی تردید ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہ از خود اور بے سبب ہے، اور نہ کسی اور کی قوت سے ہو رہا ہے۔ تمام تر قادر مطلق ہی کی کار فرمائی کا ثمرہ ہے۔ بہٖ یعنی پانی کے واسطہ یا ذریعہ سے للمعنی انہ جعل

۳۹ یعنی اپنے شریر رفیقوں یا سرداروں کے پاس۔ شیٰطِینِهِم شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور ہر بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ الشیطان کل عارم متمرد من انس او جن او من دابۃ (تاج) الشیطان اسم لکل عارم من الجن والانس والحیوانات (راغب) یہاں شیاطین سے مراد رؤسا یہود و منافقین لئے گئے ہیں جو اپنی سرکشی وطغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز ان کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔ کهنتهم و رؤساءهم (ابن عباس) رؤسهم فی الکفر (ابن جریر عن ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ) خَلَوْا اِلٰی۔ خلیٰ کا صلہ جب الیٰ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہا ہونے کے، تنہائی میں ملنے کے۔ خلا الیہ اجتمع معہ فی خلوۃ (لسان) خلا الیہ ای انتہی الیہ فی خلوۃ (راغب) ۴۰ (اپنے اصلی عقائد و خیالات میں) یعنی ہم مسلمانوں کے ساتھ تو محض ظاہر داری کے طور پر ہیں، اور مصلحۃً اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، ورنہ حقیقۃً تو ہم تمہارے ہی ہم عقیدہ وہم مذہب ہیں۔ انا معکم ما انتم علیہ من التکذیب بمحمدؐ (ابن جریر) ۴۱ (ان مسلمانوں کو ان کے پیمبر اور ان کے صحابیوں کو) بمحمدؐ و اصحابہ (ابن عباس) مطلب یہ ہوا کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل وجان سے تو آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ باقی مسلمانوں کے بنانے کے لئے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔ استہزاء کے معنی تمسخر کرنے، ہنسی اڑانے، بنانے کے ہیں ۴۲ یعنی ان کے تمسخر کو انہیں پر پلٹے دیتا ہے۔ مجازات، سزا، معاوضہ کے موقع پر لغتِ عرب میں یہ محاورہ عام ہے کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ای یجازیھم جزآء الھزء (راغب) مثل قول نسوا اللہ فنسیھم ای جازاھم جزاء النسیان (ابن قتیبہ) جزاء الاستہزاء باسمہ کما جزاء السیئۃ سیئۃ (بیضاوی) ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔ ”تو اے خداوند ان پر ہنسے گا۔ تو ساری قوموں کو مسخرہ بنائے گا“ (زبور ۹ : ۸) ”...... میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا“ (امثال ۱ : ۲۶)

يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا
کچھ دیکھتے بھالتے نہیں ۴۸ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں ۴۹ تو اب وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ
واپس نہ ہوں گے ۵۰ یا پھر جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو ۵۱ اس میں

ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ
اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی ۵۲ وہ ٹھونسے ہوئے ہیں اپنے کانوں

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ
میں انگلیاں، کڑک کے سبب موت کے اندیشہ سے ۵۳

وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ
حالانکہ اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو ۵۴ قریب ہے کہ بجلی ان کی

يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا
بینائی ہی اُچک لے جائے ۵۵ وہ جب اُن پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں یہ

فِيْهِ ۙ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَ لَوْ
چلتے ہیں، اور جہاں اُن پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں ۵۶ اللہ اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۭ
چاہتا تو اُن کے کان اور اُن کی بینائی سلب کر لیتا ۵۷

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۵۸

ع ۲ / ۱۳ / ۲

منزل ۱

۴۳ (اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) خالقِ کائنات نے بندوں کو جو آزادی واختیار دے رکھا ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی کبھی نہیں کرتا۔ سانپ کو کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی، یہ ساری اجازتیں اور آزادیاں اسی کے قانونِ تکوینی کے مطابق ہیں ۴۴ یہ خود ایک تفسیر ہوگئی اللہ کے ”استہزاء“ کی۔ عمہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے، اور وہ اِدھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ ھو التردد فی الضلال والتحیر فی منازعۃ (تاج) العمی فی العین والعمہ فی القلب (قرطبی) وحیِ الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اپنی محدود و ناقص ”عقل“ کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ طرح طرح کے ”نظریے“ قائم کرتا ہے۔ ”اصول“ و ”کلیات“ بناتا ہے۔ ہر طرف ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ کھلا ہوا راستہ کوئی نہیں سجھائی دیتا ہے۔ شک ارتیاب، بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا جاتا ہے ۴۵ ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ انہوں نے ہدایت وایمان جیسی جنس بے بہا قیمت میں دیکر خریدی بھی تو کیسی نکمی اور بے حقیقت چیز، گمراہی وکفر! اشْتَرَوُا۔ اشترا یا خریداری کے معنی کسی چیز کا معاوضہ میں لینا۔ ایمان کا قبول کر لینا ان منافقین کے بالکل اختیار کے اندر تھا لیکن اسکے بجائے انہوں نے روشِ کفر اختیار کر لی۔ اہلِ عرب ہر استبدال کے موقع پر اشتراء بولتے ہیں۔ اختاروا الکفر علی الایمان (ابن عباسؓ) ای استبدلوا الکفر بالایمان (معالم) والعرب تستعمل ذٰلک فی کل من استبدل شیئًا بشیءٍ (قرطبی) ویجوز الشراء والاشتراء فی کل ما یحصل بہ شیءٌ (راغب) بِالْهُدٰی میں ب کے معنی ہیں بعوض۔ ای بدلًا منہ (ابو سعود) عرب کے باشندوں کا تجارتی کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا، اور تجارت کی اصطلاحیں ان کی زبان وادب کا ایک جزو بن گئی تھیں۔ جیسا کہ آج کل انگریزوں کا کاروبار خوب پھیلا ہوا ہے، اور کاروباری اصطلاحیں انگریزی زبان وادب کا جزو بن چکی ہیں ۴۶ (اور ہوتے بھی کیسے، جب کہ اپنی قوتِ ارادہ وفیصلہ سے صحیح کام نہ لے کر خود گمراہی خرید رہے تھے) تجارت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور نفع اس پر بڑھتا رہے۔ یہاں منافق کافروں نے نفع کا کیا ذکر عقلِ سلیم کے اصل سرمایہ ہی کو اُلٹا برباد کر ڈالا (کبیر) ربح بھی تجارتی اصطلاح ہے، اردو کے لفظ منافع کے معنی میں ۴۷ (محرومی وخسران کے لحاظ سے) الذی لفظاً واحد ہے لیکن یہاں معنیً بطور جمع کے استعمال ہوا ہے۔ یقع للواحد والجمع (قرطبی) وضع الذی موضع الذین (کشاف) عربی میں متعدد نظائر اس طریق استعمال کے کہ لفظ واحد لا کر مراد جمع لی گئی ہے، خود قرآن مجید ہی میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً خضتم کالذی خاضوا۔ الذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون۔ ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ۔ وغیرہا۔ مَثَل کے مفہوم میں ایک پہلو ندرت وغرابت کا بھی شامل رہتا ہے یعنی ایسا حال جو عجیب وغریب ہو۔ ولم یضربوا مثلاً الا قولا فیہ غرابۃ من بعض الوجوہ (کشاف) ۴۸ یعنی مسائل وحقائق خوب واضح وروشن ہوگئے ۴۹ (اور طرح طرح سے ٹھوکریں کھا رہے ہیں) مطلب صرف اس قدر ہے کہ منافقین کا اندرونی نورِ بصارت سلب ہوگیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں طلبِ حق مطلق نہ تھی۔ اور قانونِ اسلام کے مقابلہ میں وہ راہ تمام تر انکار وبغاوت کی اختیار کئے ہوئے تھے لیکن ادنیٰ و حقیر مصلحت کوشیوں کی بنا پر زبان سے اظہارِ اسلام کئے جاتے تھے۔ یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جب حقانیت کی آگ خوب روشن ہوگئی اور ہدایت کا نور ہر طرف پھیل گیا، تو بجائے اس کے کہ اس سے مستفید ہوتے، منافقین نے خود اپنے اندرونی حاسۂ بصارت کو ضائع کر دیا۔ اور اس روشنی سے محروم ہوگئے۔ سلبِ بصارت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ یعنی جب منافقوں نے گمراہ رہنا چاہا اور دعوتِ حق کو قبول وتوجہ کے کانوں سے سنا ہی نہیں، تو مشیتِ الٰہی نے بحیثیت علت العلل کے اس پر نتیجہ بھی وہی مرتب کر دیا۔ رضائے الٰہی کو اس میں مطلق دخل نہیں ۵۰ یعنی صدائے حق کو گویا سنتے ہی نہیں، اور کلمۂ حق وایمان کے ادا کرنے سے ان کی زبان گنگ ہے۔ اور دیدِ حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اپنی اختیاری گمراہی کے نتیجہ کے طور پر ۵۱ (باطل سے حق کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف) عن کفرھم وضلالتھم (ابن عباسؓ) الی الھدیٰ ولا الی خیر (ابن جریر عن ابن عباسؓ) ۵۲ منافقین مدینہ کے بھی دو طبقے تھے۔ ایک تو وہ تھے جن کے دلوں میں سرتاپا کفر تھا۔ ایمان کا گزر ہی نہ تھا۔ اس طبقہ کے منافقین کی مثال ابھی اوپر گزر چکی۔ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون۔ دوسرا طبقہ ان منافقین کا تھا جو کیسر منکر نہ تھے بلکہ آج کل کے بعض انتہائی روشن خیالوں کی طرح متشککین ومذبذبین میں تھے۔ اسلام کی ظاہری قوت وشوکت اور مادی اقتدار وفتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم اس کی طرف بڑھتے۔ اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتے، تو پھر پیچھے ہٹ جاتے۔ آیت میں مثال اس طبقہ کے منافقین کی بیان ہو رہی ہے۔ ھٰذا مثل اٰخر ضربہ اللہ تعالیٰ لضربٍ اٰخر من المنٰفقین وھم قوم یظھر لھم الحق تارۃً ویشکون تارۃً اخریٰ (ابن کثیر) ھٰذا ھو المثل الثانی للمنافقین (کبیر) صَیِّب اس بارانِ رحمت سے اشارہ ہے طلوعِ اسلام کی جانب۔ المراد من الصیب ھو الایمان والقراٰن (کبیر) السمآء۔ یہاں کثرت سے اس کے معنی بادل یا سحاب کے نقل ہوئے ہیں۔ ای من السحاب (معالم) قیل المراد بالسماء السحاب (بیضاوی) سماء کے خود لفظی معنی میں بھی اس مفہوم کی پوری گنجائش موجود ہے کہ ہر چیز جو انسان سے اوپر کی طرف ہو لغت میں سما ہی ہے۔ السماء کل ما علاک فاظلک (قرطبی) او کو بعض نے یہاں بل کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے و کے معنی میں (کبیر) ۵۳ اشارہ ہے ان شدائد کی طرف جو آغازِ اسلام میں امت کو برداشت کرنے پڑتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی پابندیاں مراد ہوں جو اظہارِ اسلام کے بعد بہرحال منافقین پر بھی عائد ہو جاتی تھیں۔ مثلاً ادائے نماز، فریضۂ جہاد، ترکِ امارتِ قدیم، اطاعتِ رسول وغیرہا (کبیر) فیہ میں ضمیر کا مرجع صیب بھی ہو سکتا ہے اور السمآء بھی۔ ظلمٰت کا تعلق فی صیب سے بھی ہو سکتا ہے اور فی السمآء سے بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ۵۴ یہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے والے وہی اندھیروں میں راہ چلنے والے ہیں یعنی منافقین ومذبذبین۔ مطلب یہ ہے کہ منافقین اپنی بزدلی، پست ہمتی، دونِ فطرتی کی بنا پر اسلام لانے میں ہر وقت خطرے ہی دیکھ رہے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ منافقین قرآن مجید کے بیانات اور احکام ومواعید کی تصریحات سننے ہی سے بچا جاتے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی
لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں ۳۳ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لا چکے ہیں ۳۴، اور جب اپنے
شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں ۳۵ تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ۳۶ ہم تو محض
مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ
بنا رہے تھے ۳۷ انہیں اللہ بنا رہا ہے ۳۸ اور وہ انہیں ڈھیل
یَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ
دے رہا ہے ۳۹ (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگردان ہو رہے ہیں ۴۰ یہ وہ لوگ
الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی ۪ فَمَا
ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید کر لی ہدایت کے بدلے ۴۱ سو نہ
رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾
اُن کی تجارت ہی سُود مند ہوئی اور نہ وہ راہ یاب ہوئے ۴۲
مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ
اُن کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے ۴۳ جنہوں نے آگ جلائی، پھر جب آگ
فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ
نے اپنے ارد گرد کو روشن کر دیا ۴۴ تو اللہ نے اُن کی روشنی
بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا
سلب کر لی، اور اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ

اور اُن فضائل اور تحصیلِ حیاتِ اُخروی کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں (راغب) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ امراضِ قلب کا معاصی کے معنی میں اثبات خود قرآن مجید سے ہو گیا ۲۸ (رسولِ اسلام اور جماعت مومنین کو مزید ترقیاں اور فتحمندیاں دے کر یا اپنے کلام کے مسلسل نزول سے) منافقوں کے دل کے روگ کو ترقی دو طریقوں سے ہوتی رہی۔ یا تو یُوں کہ جُوں جُوں اسلام کو مزید غلبہ واقتدار حاصل ہوتا گیا، ان لوگوں کے دل کی کڑھن اور جلن بڑھتی گئی۔ اور یا یُوں کہ کلامِ الٰہی کی ہر ہر آیت کے نزول کے ساتھ اُن کے غیظ و بغض میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اہلِ تفسیر نے یہ دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔ کلما زاد رسوله نصرةً وتبسطًا فی البلاد ونقصًا من اطراف الارض ازدادوا حسدًا وغلًا وبغضًا (کشاف) کلما انزل علی رسوله الوحی کفروا به فازدادوا کفرًا الی کفرهم (کشاف) فزادھم میں حرف ف بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آرہا ہے، وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔ والفاء للدلالة علی ترتب مضمونها علیه (ابوسعود) حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے۔ اس نے تو صرف وہ حالات واسباب پیدا کر دیئے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا، ورنہ اگر وہ اپنی عقل وارادہ کا صحیح استعمال کرتے، تو انہیں اسباب وحالات سے ہدایت بھی پا سکتے تھے۔ وکان اسناد الزیادة الی اللہ تعالیٰ من حیث انه مسببٌ من فعله (بیضاوی) یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسبِ حال ہی ملی۔ وھو الجزاء من جنس العمل (ابن کثیر) اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورۂ عام ہے۔ "اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا" (زبور ۸ : ۱۰، ۱۱) "بس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پُوجیں" (اعمال ۷ : ۴۲) "خدا نے ان کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق انہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کئے جائیں" (رومیون ۱ : ۲۴)

۲۹ یعنی اپنے مومن ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ عذابِ الیم جس کا یہاں ذکر ہے منافقوں پر مطلق کفر پر نہیں، بلکہ ان کی منافقت پر یا جھوٹے دعوئ ایمان پر ہوگا۔ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ کافروں کے لئے جس عذاب کی خبر اوپر دی جا چکی ہے (آیت ۷ میں) اس کی صفت عظیم آئی ہے، اور یہاں منافقوں کے لئے جس عذاب کی وعید ہے، وہ الیم ہوگا۔ اور الیم کے معنی ہیں مؤلم یعنی دکھ پہنچانے والا۔ گویا تکلیف واذیت کا پہلو اسی میں زیادہ نمایاں ہوگا۔ وصف به العذاب للمبالغة (بیضاوی) خوب سمجھ لیا جائے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی، لیکن کافر کے علاوہ بھی کچھ اور تھے، یعنی خادع و کاذب۔ تو عذابِ عظیم کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بنا پر ہو ہی چکے، یہ منافقت کا عذابِ الیم اس پر مستزاد۔ گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہوگا۔ قد حصل للمنافقین مجموع العذابین فصار المنافقون اشد عذابًا من غیرهم من الکفار (بحر) بما میں ب سببیہ ہے اور ما مصدری۔ الباء للسببیة وما مصدریة (ابوسعود) منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرزِ خطاب حسبِ ذیل ہے۔ "تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو، جو اُوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہُوئی ہیں۔" (متی ۲۳ : ۲۷) اور شیوخ واکابرِ یہود کے الفاظ ان کی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یُوں منقول ہیں:۔ "جو اولیا کی صحبت میں منافقت کے ساتھ رہتے ہیں، خدا انہیں غارت کر کے رہے۔۔۔۔۔۔ جو کوئی منافقت برتے خدا کرے چیل کوّے اس کی آنکھیں نکال کر رہیں" (جلد ۶ ص ۵۱۴) اور انہیں کے تالمود میں ہے:۔ "جو کوئی منافقت برتتا ہے وہ غضب (خداوندی) دنیا پر لاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور جو بچے ابھی رحمِ مادر میں ہیں، وہ تک اس پر لعنت کرتے ہیں، اور اس کی جگہ جہنم ہے۔" (ایوری مینس تالمود ص ۱۰۱)

۳۰ اس سے معلوم ہوا کہ قانونِ شریعت کے علاوہ کسی دینِ جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد فی الارض کے مرادف ہے۔ امنِ عالم و نظامِ اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدرآمد قانونِ شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سرِ مو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، کُشت و خون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ و کشمکش کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کر چکی ہے، اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظامِ عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ۔ اس قول کا قائل کون تھا؟ بعض نے اس کا قائل رسول اللہ کو قرار دیا ہے اور بعض نے عام مومنین کو، اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو بھی۔ الفاظ میں گنجائش ان سب کی ہے۔ وکل ذٰلك محتمل (کبیر) ۳۱ (اور الٹا ہم ہی پر الزام فساد و تخریب کا لگ رہا ہے!) جواب بعینہٖ وہ ہے جو آج بھی خدا معلوم امت کے اندر کے کتنے منافقوں کی زبان پر ہے۔ دین میں رخنے قدم قدم پر ڈالتے جاتے ہیں، اور زبان پر دعوے وہی تجدد کے، تجدید کے، اصلاح کے، تعمیر کے ہیں۔ نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے معروف معنی تو یہی ہیں کہ یہ لوگ زبانی دعویٰ اپنے دینِ حق پر قائم ہونے کا رکھتے تھے۔ قالوا انما نحن علی الهدیٰ مصلحون (ابن جریر عن مجاہد) دُوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم تو لوگوں کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ محمدی اور غیر محمدی کے درمیان جو کشمکش ہے، اس کے مٹانے والے ہیں۔ قالوا انما نرید الاصلاح بین الفریقین من المومنین واهل الکتٰب (ابن جریر عن ابن عباسؓ) انما کلمہ حصر ہے۔ اُردو میں زور کا یہ مفہوم لفظ "ارے" سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۳۲ (کہ فساد تو تمام تر انہی کی ذات سے پھیل رہا ہے) کیا ٹھکانا ہے اُن کی غباوت کا، مسخ شدہ ذہنیت کا! سیاہ کو سفید کہہ رہے ہیں، تاریکی کا نام کافور رکھ رہے ہیں، اور احساس اپنے اس جہل کا بھی نہیں رکھتے! اَلَآ کلمہ تنبیہ ہے عربی میں "خبردار ہو جاؤ" "آگاہ رہو" کے معنی میں۔ لفظ "اجی" میں اگر متانت کی کمی نہ ہوتی تو اُردو میں اس مفہوم کے لئے یہی بہترین لفظ ہوتا ۳۳ (اسلام اور رسولِ اسلام پر صدق واخلاص کے ساتھ) دعوئ ایمان کا تو اب بھی ان لوگوں کو تھا۔ سمجھانے والوں کا مطلب یہ تھا کہ ایمان دل سے لاؤ۔ دیانت اور راستی کے ساتھ رسُول کی رسالت کو تسلیم کرو۔ اے ایمانًا مقرونًا بالاخلاص بعیدًا عن النفاق (کبیر) اخلصوا فی ایمانکم (خازن) الناس، ناس، ال کے داخلہ کے بعد معرفہ ہو گیا۔ اب مراد ساری نوعِ انسان نہ رہی، بلکہ وہ متعین مخصوص افراد رہ گئے جو مخاطبین کیلئے معلوم و معروف تھے۔ روایتوں میں عبداللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں، جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا تھا۔ هم بعض الناس لا جمیعهم (ابن جریر) کما صدق المهاجرون والمحققون من اهل یثرب (قرطبی) هم ناس معهودون کعبد اللہ بن سلام واشیاعه (کشاف) یہ بھی جائز ہے کہ الناس کو انسانِ کامل کے معنی میں لیا جائے۔ اور اس صُورت میں مراد ہوگی کہ ایمان ان کی طرح لاؤ جو صفتِ انسانیت میں کامل ہیں۔ اور واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ الکاملون فی الانسانیة (کشاف) واللام فی الناس للجنس والمراد به الکاملون فی الانسانیة (بیضاوی) اس سے اشارہ یہ نکلا کہ جو منکرین ہیں وہ صورۃً انسان ہیں لیکن حقیقۃً اپنی نا سمجھی کے لحاظ سے چوپائے ہیں۔ ومن عداهم کالبهائم فی فقد التمییز بین الحق والباطل (کشاف) ۳۴ (اس کے جواب اور اپنی صفائی میں) ۳۵ یعنی اس وقت کے پکے اور سچے مسلمانوں پر، رسُول کے صحابیوں پر۔ یعنون اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم (ابن جریر عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ) یہی سُنت آج تک چلی آرہی ہے "ترقی پسندوں" "روشن خیالوں" اور "اہلِ تجدد" کے دربار سے آج بھی جمود پسند، رجعت پسند، تاریک خیال وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص و مخلص اہلِ ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں! ۳۶ کیا ٹھکانا ہے ان کے حُمق اور ناسمجھی کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے۔ اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقل، دور اندیشی، حکمت کو بے عقلی ٹھہرا رہے ہیں! سفیہ کہتے ہیں اس کم عقل کو جسے اپنے نفع و نقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ السفیه الجاهل الضعیف الرأی القلیل المعرفة بمواضع المنافع والمضار (ابن جریر) ۳۷ (اور صاحبِ وجاہت و صاحبِ اثر بھی ہیں) اے ابابکر واصحابه (ابن عباسؓ) ۳۸ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں) امنا کایمانکم (معالم) یہ بات یہ لوگ ذی اثر مسلمانوں کی رضا اور خوشنودی کے لئے کہتے۔ غرورًا منهم للمومنین ومصانعةً وتقیةً (ابن کثیر) منافقین کی ایک ذہنیت یہ بھی تھی کہ غریب عوام مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے۔ لیکن مسلمانوں میں جو صاحبِ اثر و اقتدار ہوتے ان کے آگے خود جھک جاتے اور ان سے تملق میں آگے

نہ اول الذکر سے ہے نہ آخر الذکر سے! اس طرزِ بیان کی اور فہم، سماعت و بصارت کی قوتوں سے سزا کے طور پر محرومی کی مثالیں قدیم صحیفوں میں بھی کثرت سے ملتی ہیں:۔ "خدا نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہیں دیئے"
(استثناء ۲۹: ۴) "تم سنا کرو پر سمجھو نہیں۔ تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں۔ تو ان لوگوں کے دلوں کو چربا دے اور ان کے کانوں کو بھاری کر" (اسیاہ ۶: ۹، ۱۰) "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ آنکھیں لیپی گئیں سو وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں"
(اسیاہ ۴۴: ۱۸) "تمہاری آنکھیں جو کہ نبی ہیں مُوندی ہیں اور تمہارے سروں پر جو کہ غیب میں ہیں حجاب ڈالا ہے" (اسیاہ ۲۹: ۱۰) "میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا" (زبور ۸۱: ۱۲، ۱۱) انجیل میں اس قسم کی مثالوں کے لئے
ملاحظہ ہو رومیوں ۱۱: ۷، ۸ اور ۲ تھسلنیکیوں ۲: ۱۱۔ ؁۲۱ (آخرت میں) اسلام سلسل حیات کا قائل ہے۔ یہ ناسوتی، مادی زندگی صرف ایک حصہ ہے کل زندگی کا۔ باقی اس کا پورا ظہور روزِ حیاتِ اُخروی ہی میں ہوگا۔ اُخروی
زندگی لازمی تتمہ و نتیجہ ہے اس دنیوی زندگی کا۔ اور یہاں کی مسلسل قانون شکنی و نافرمانی وہاں عذابِ الیم کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ گویا جو تخم آج ڈالے گئے ہیں، کل وہی تناور درختوں کی صورت میں نمودار ہوں گے۔ عذاب کے شدید و عظیم ہونے میں تو کوئی شک
ہی نہیں۔ اور قرآن مجید میں اسے مختلف پیرایوں میں سمجھایا اور بتایا گیا ہے۔ پھر بھی اس کی تفصیلی کیفیت اور نوعیت ادراکِ بشری سے بالاتر اور مافوق ہے۔ اور بعض نے عظیم کے کلمۂ نکرہ ہونے سے بھی یہی استنباط کیا ہے کہ وہ کسی خاص و غیر متعارف ہی
نوعیت کا ہوگا۔ من الآلام العظام نوع عظیم لا یعلم کنهه الا اللہ (مدارک۔ بیضاوی) والتنکیر فیہ للنوعیۃ ای لهم فی الآخرۃ نوع من العذاب غیر متعارف فی عذاب الدنیا (روح) ؁۲۲ (محض زبان سے، شرکتِ قلب کے بغیر)
مَنْ۔ واحد، تثنیہ، جمع، تینوں موقعوں پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حالتِ افراد میں لحاظ اس کی لفظی حیثیت کا کیا جاتا ہے اور جمع میں نظر اس کے معنیٰ و مفہوم پر رکھی جاتی ہے۔ اب تک قرآن مجید نے ذکر دو قسم کے انسانوں کا کیا ہے۔ ایک مومن فرمانبردار

وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اور اس کا بھی احساس نہیں رکھتے؁۲۶ اُن کے دلوں میں بیماری ہے؁۲۷ سو
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اللہ نے بڑھا دی اُن کی بیماری؁۲۸ اور اُن کے لئے عذاب دردناک
اَلِیْمٌۢ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝١٠ وَ اِذَا
(ہونا) ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے؁۲۹ اور جب
قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا
اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ؁۳۰ تو کہتے ہیں
اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝١١ اَلَاۤ اِنَّهُمْ
کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں؁۳۱ سُن رکھو۔ حقیقۃً یہی لوگ
هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝١٢
فسادی ہیں اور یہ اس کا بھی احساس نہیں رکھتے؁۳۲
وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ
اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں؁۳۳
قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ
تو کہتے ہیں؁۳۴ کہ کیا ہم (ایسا) ایمان لے آئیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟؁۳۵ سُن رکھو کہ
هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝١٣ وَ اِذَا لَقُوا
بیوقوف تو خود یہی لوگ ہیں اور اس کا بھی علم نہیں رکھتے؁۳۶ اور جب اُن

قانونِ الٰہی کے مطیع۔ دوسرے کافر نافرمان، قانونِ الٰہی کے منکر و باغی۔ اب ذکر ایک تیسری صنف کا شروع ہو رہا
ہے۔ ہوتے یہ بھی کافر و منکر ہی ہیں، لیکن اپنے کفر و انکار پر پردہ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں۔ یعنی زبان پر دعویٰ
اسلام رکھتے ہیں لیکن دل میں کفر خالص۔ زبان سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی درجہ میں بھی شامل
نہیں۔ ان ننگِ انسانیت انسانوں کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی حقیقت یہ کہ
انسان اعلان و اظہار بھلائی کا کرتا پھرے، اور شر کو اندر ہی اندر چھپائے رکھے۔ المنافق ہو اظہار الخیر و
اسرار الشر (ابن کثیر) پھر نفاق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاقِ حقیقی یا اعتقادی جس میں ایمان سرے سے
ہوتا ہی نہیں۔ اور اس کی سزا ابدی خلودِ جہنّم ہے۔ دوسرا نفاق عملی یا مجازی۔ اس میں ایمان کا استحضار نہیں
رہتا، اور انسان گناہ پر بے دریغ جری ہو جاتا ہے۔ ہو انواع اعتقادی وہو الذی یخلد صاحبہ فی النار
وعملی وہو من اکبر الذنوب (ابن کثیر) سورۂ بقر مدنی ہے۔ اور مدینہ میں منافقین کثرت سے تھے۔ اسلام سے عداوت
میں اور رسولِ اسلام سے عناد میں، یہ لوگ کھلے ہوئے کافروں سے کچھ کم نہ تھے۔ شاید کچھ بڑھے ہی ہوئے ہوں۔ نفاق
یعنی جھوٹا اظہار اسلام مکہ میں نہ تھا۔ بلکہ مکہ میں تو اس کے برعکس صورتِ حال یہ تھی کہ لوگ مومن ہو کر بھی اپنے ایمان
کو چھپائے رکھتے، اور بظاہر کافروں ہی میں شامل رہتے۔ نفاق کی بنیاد مدینہ میں پڑی، وہ بھی غزوۂ بدر کے بعد،
جب اسلام کو روز بروز دنیوی عظمت و شوکت حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت بعض لوگوں نے اپنے کو محض
تقیۃً بلا شائبۂ ایمان و صداقت مومن و مسلم کہنا شروع کر دیا۔ اس پارٹی کا سرغنہ یا سرخیل بنو خزرج کا سردار عبداللہ
بن اُبی بن سلول تھا۔ اس کا اثر و اقتدار حریف قبیلہ بنو اوس پر بھی تھا۔ یہ اپنے وقت کا کامیاب ترین لیڈر
تھا۔ یہاں تک کہ ساری آبادی اس کی سرداری پر متفق ہو چکی تھی۔ اور قریب تھا کہ اس کی بادشاہی کا اعلان
ہو جائے، کہ یک بیک اسلام کے قدم مدینہ میں جم گئے۔ اُس نے اپنی دوکان اجڑتے دیکھی تو اپنے پیرووں کے
کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ زبان سے کلمہ اسلام کا پڑھتے جاؤ لیکن دل میں اپنے ہی عقائد پر جمے رہو۔ اوس
و خزرج کے علاوہ یہود کی بھی ایک غدّار و ضمیر فروش جماعت نے خوشی سے اس تحریک پر لبیک کہا۔ البتہ مکہ کا
کوئی مہاجر اس میں شریک نہیں ہوا۔ ابن کثیر نے تفصیل سے لکھا ہے اور یہاں بھی زیادہ تر اسی کی تلخیص ہے
؁۲۳ یعنی ان کے دل میں ایمان کا گذر ذرہ برابر بھی نہیں، ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔ یقولون ذٰلك
قولًا لیس وراءہ شیء آخر (ابن کثیر) انهم لیسوا من الایمان فی شیء (بیضاوی) بمؤمنین۔ حرف باء
تاکید کے لئے ہے۔ اکد المنفی بالباء (بیضاوی) ظاہر سیاق کا تقاضہ تھا کہ فعلِ ماقبل قالوا اٰمنّا کی تردید و
تغلیط میں ما اٰمنوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا لیکن یہاں تاکید اور زور کے لئے بجائے فعل کے اسم فاعل
لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقبل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔ وفیہ من التوکید والمبالغۃ
ما لیس فی غیرہ (کشاف) تاکیدًا ومبالغۃً فی التکذیب لان اخراج ذواتهم من عداد المؤمنین ابلغ
من نفی الایمان عنهم فی ماضی الزمان (بیضاوی) کان ذٰلك مبالغۃ فی تکذیبهم (کبیر) ؁۲۴ یعنی محض
مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے کیلئے اُن کی گرفت سے اپنے کو بچانے کے لئے اپنے تئیں مسلمان کہہ رہے ہیں۔ اور جرم
کفر پر اضافہ جرم خدع کا کر رہے ہیں۔ یُخٰدِعون باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا خاصہ طرفین سے مشارکت ہے۔ لیکن یہاں یَخْدَعُوْنَ کے معنی میں ہے۔ اور باب مفاعلہ محض زور اور تاکید کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ المفاعلۃ لافادۃ المبالغۃ فی
الکیفیۃ (ابوسعود) اخرج فی زنۃ فاعلت للمبالغۃ (بیضاوی) یُخٰدِعُوْنَ اللہَ۔ حق کی مخالفت اور تکذیب کرتے کرتے جسارت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اپنے خیال و پندار میں خدا کو بھی دھوکا دے چلے تھے۔ اجترء واعلی اللہ حتّٰی ظنوا انهم یخدعون
اللہ (ابن جریر عن ابن عباس) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں اپنے خیال کے مطابق۔ معناہ یخادعون اللہ فی زعمهم (مدارک) اسی مفہوم کے پیشِ نظر ترجمہ کیا گیا ہے کہ "اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں"، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول کو اس
دھوکا دینے کی کوشش کو قرآن مجید نے عین اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے سے تعبیر کیا ہو۔ اس کی اور بھی نظیریں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ ذکر نفسہ واراد بہ رسولہ علی عادتہ فی تفخیم امرہ (کبیر) ای رسول اللہ (مدارک) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا
کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مثلاً عداوت یا فریب کا ایسا ہی ہے جیسے حق تعالیٰ کے ساتھ کرنا ؁۲۵ یعنی ان کے اس نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں۔ خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا۔ آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی، فضیحت
اور منافقت کی پردہ دری۔ ضررها یلحقهم ومکرها یحیق بهم (کشاف) یفتضحون فی الدنیا ویستوجبون العقاب فی العقبیٰ (معالم) ؁۲۶ (کہ اس منافقت کا وبال خود انہیں پر ہو کر رہے گا) لا یعلمون ان وبال خداعهم یعود علیهم (معالم)
یشعرون۔ بجائے یعلمون کے یہاں یشعرون وارد ہوا ہے۔ شعور عربی میں علمِ حسّی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے۔ اور مشاعر انسان کے آلاتِ حواس کو کہتے ہیں۔ المشاعر الحواس (راغب) الشعور علم الشیء علم حس من الشعار و
مشاعر الانسان حواسہ (کشاف) اس لفظ کے لانے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکر و فریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اور پہنچے گا وہ بالکل مادی ہونے کی طرح صاف اور صریح ہے لیکن یہ احمق فرطِ غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں
رکھتے۔ والمعنی ان لحوق ضرر ذٰلك بهم کالمحسوس وهم لتمادی غفلتهم کالذی لا حس لہ (کشاف) ای لا تدرکونہ بالحواس (راغب) ؁۲۷ (کفر کی اور نفاق کی اور شک کی، جو انہوں نے اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے) شك ونفاق وخلاف
وظلمۃ (ابن عباس) دوسرا پہلو ان کم اعتقادوں کے مرض کا یہ تھا کہ جُوں جُوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک و حسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ ہمارے ائمہ تفسیر کی نظر سے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں ہونے پایا ہے۔
والمعنی ان المنافقین مرضت قلوبهم لما۔ او اثبات امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستعلاء شانہ یومًا فیومًا (کبیر) والمراد بہ ہنا ما فی قلوبهم ..... من الغل والحسد والبغضاء لان صدورهم کانت تغلی رسول اللہ صلعم والمؤمنین
(کشاف) مرض لغوی اعتبار سے نام ہے انسان کے حالتِ طبعی سے خروج کا۔ المرض الخروج عن الاعتدال الخاص بالانسان (راغب) رذائلِ نفسانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مجازًا نفاق و کفر کو بھی مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ وہ انسان کے لئے

کہ اللہ کے ہاں سے انہیں جو بھی ظاہری و معنوی نعمتیں عطا ہوئی ہیں، انہیں وہ اللہ ہی کے دین پر، حق کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اللہ کی مخالفت، عدوان و عصیان میں صرف نہیں کرتے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ کریم
نے انہیں جو انوارِ معرفت عطا کئے ہیں ان کا وہ طالبین پر افاضہ کرتے رہتے ہیں ف۱۱ (اے ہمارے رسول) یعنی ان متقین کا چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں رسول کے لائے ہوئے ہر پیغام پر، خواہ قرآن ہو یا اس کے علاوہ۔ آیت کی عبارت
سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔ (۱) ایک کلام کا نازل کرنے والا یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۲) دوسرے وہ شخص جس پر کلام نازل ہوا ہے یعنی اللہ کا رسول برحق۔ (۳) تیسرے خود کلام ——— بروز، تمثل، حلول اور وحدت
الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں)، ان سب مشرکانہ و نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ اس آیت سے کٹ جاتی ہے۔ نہ کلام متمثل ہوا ہے، اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار انسانی قالب میں خدا ہیں۔ بلکہ ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتے ہیں ف۱۲ (اور دوسرے
پیغمبروں پر، خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم، کسی زمانہ کے ہوں) قرآن مجید نے اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ سلسلۂ ارشاد و ہدایت کوئی نو پیدا چیز نہیں بلکہ اُس وقت سے قائم ہے جب سے انسان دنیا میں آئے۔ سلسلۂ وحی کی عمر اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانیت کی۔ اور
مومن کیلئے تصدیق صرف ختم المرسلین کی کافی نہیں، بلکہ سارے انبیاء و رسل کی کرنا ضروری ہے، خواہ وہ درجۂ اجمال ہی میں ہو۔ انہیں متقین کا یہ پانچواں وصف ارشاد ہوا، کہ وہ بخلاف یہود و نصاریٰ کے دوسرے انبیاء کی تعلیمات پر بھی اعتقاد
رکھتے ہیں۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ طالب کو اعتقاد تو تمام شیوخ اہلِ حق کے ساتھ ایسا ہی رکھنا چاہیئے جیسا اپنے شیخ کے ساتھ۔ لیکن اتباع صرف اپنے شیخ کا کرنا چاہیئے۔ جیسا بعینہٖ یہی حکم انبیاء علیہم السلام کے باب میں ہے ف۱۳ یہ چھٹا اور
آخری وصف ان متقین اہلِ ضمیر کا بیان ہوا، جو قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ الاٰخرۃ سے مراد ہے دار الآخرت یا عالم آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ سلسلۂ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اسے آخرۃ کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اس ناسوتی
زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دار الآخرۃ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ ویعبر بالدار الاٰخرۃ عن النشأۃ الثانیۃ وربما ترک ذکر الدار (راغب) انما وصفت بذلک لمصیرہا
آخرۃ لاولیٰ کانت قبلہا (ابن جریر) جزا و سزا کے لئے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دینِ صحیح کے لوازم میں سے ہے۔ یہیں سے تردید ہو گئی ان باطل مذہبوں کی جو کہنے کو تو مذہب ہیں، لیکن یا تو سرے سے جزا اعمال ہی کے قائل
نہیں، یا قائل تو ہیں لیکن اس جزا کا محل و مکان اسی عالمِ ناسوت کو سمجھتے ہیں۔ خواہ ایک ہی قالب میں یا کئی کئی قالبوں میں۔ بعض جدید اہلِ باطل نے الاٰخرۃ کا ترجمہ کیا ہے "زمانہ آخر کی وحی"۔ تاکہ اس سے ان کی خود ساختہ نبوت کا اجرا قرآن سے
ثابت ہو۔ لیکن یہ نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر۔ یہ صرف تمسخر و تلعب ہے، قرآن مجید اور لغتِ عربی دونوں کے ساتھ۔ یوقنون۔ ایقان یا یقین کے معنی یہ نہیں کہ محض عقل کسی عقیدہ کو استدلالاً مان لے۔ یا منطق با دلِ ناخواستہ سکوت پر مجبور ہو جائے۔
یا دماغ اس کے مان لینے کا محض سرسری، رسمی، سطحی طور پر لفظی اقرار کرے۔ جیسا کہ اکثر فلسفیانہ نظریوں کے ساتھ معاملہ رہتا ہے۔ بلکہ یقین یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دل و جان سے اعتقاد جم جائے، اور عقل، جذبات، ارادہ سب پر وہی چھا
جائے۔ یقین کی راہ شک، گمان، خیال سب سے الگ ہے۔ الیقین ازاحۃ الشک (تاج) الیقین من صفۃ العلم فوق المعرفۃ والدرایۃ واخواتہا (راغب) الایقان اتقان العلم بانتفاء الشک والشبہۃ عنہ (کشاف)
الیقین العلم دون الشک (قرطبی) وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ یقین کا مرتبہ یوں بھی محض علم سے قوی تر تھا، پھر فقرہ کی ترکیب یعنی فعل یوقنون کے تاخر اور بالآخرۃ کے تقدم اور ھم کے اضافہ نے قوت کئی درجہ اور بڑھا دی
مطلب یہ ہوا کہ مومنین متقین کے نزدیک آخرت اس درجہ اہم ہے کہ گویا وہ بس اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی عقیدہ ان کی زندگی میں رچا بسا رہتا ہے ف۱۴ سورۂ فاتحہ میں دعا بندوں کی زبان سے طلبِ ہدایت کی تھی، اھدنا الصراط
المستقیم۔ دعا گویا قبول ہوئی کتاب ہدایت نازل ہو گئی۔ ھدًی للمتقین، اب ارشاد ہوا کہ فلاں فلاں علامتیں جن میں موجود ہوں، وہی ہدایت یاب لوگ ہیں، اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اولئک۔ ان ہدایت یاب لوگوں کے خصوصیات ذیل
قرآن مجید ہی سے معلوم ہو چکے ہیں۔ (۱) ان کا ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ اُن کے دلوں میں خوفِ خدا کی جگہ ہوتی ہے (المتقین) (۲) ان کا اعتقاد اس مادی دنیا سے پرے ایک عالمِ غیب پر ہوتا ہے (یؤمنون بالغیب) (۳) ان کے تعلق مع اللہ کا عملاً اظہار
یوں ہوتا ہے کہ یہ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اور نماز کا حق ادا کرتے رہتے ہیں (یقیمون الصلوٰۃ) (۴) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو یہ اللہ کی مخلوق پر صرف کرتے رہتے ہیں (ومما رزقنٰہم ینفقون) (۵) یہ رسولؐ کے رسولِ برحق اور بہترین معلم و ہادی
ہونے اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ (یؤمنون بما انزل الیک) (۶) پورے سلسلۂ وحی و نظامِ نبوت کی تصدیق کرتے رہتے ہیں (وما انزل من قبلک) (۷) ان کا کامل اعتقاد یومِ آخرت یا روزِ جزا پر رہتا ہے (وبالآخرۃ
ھم یوقنون) ف۱۵ (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا کی فلاح تو یہ کہ انہیں راہِ ہدایت نصیب ہو گئی، اور انفرادی و اجتماعی، شخصی و قومی ہر حیثیت سے جامع ترین و بہترین دستورِ حیات منازلِ زندگی کے طے کرنے کا ہاتھ آ گیا۔ اور آخرت کی
فلاح یہ کہ وہاں پورا پورا صلہ مل کر رہے گا۔ اے الذین ادرکوا ووجدوا ما طلبوا ونجوا من شر ما منہ ھربوا (ابن جریر عن ابن عباسؓ) فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لئے
المفلحون کا پورا ترجمہ "کامیاب" "بامراد" وغیرہ کسی اُردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امامِ لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمۂ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلامِ عرب میں جامعیتِ خیر کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ لیس فی کلام العرب کلہ
اجمع من لفظۃ الفلاح لخیری الدنیا والآخرۃ کما قال ائمۃ اللسان (تاج) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کی ترکیب نے معنی میں حصر و تاکید پیدا کر دی۔ اور ھم بطور کلمۂ فصل کے تاکیدِ نسبت و تخصیص کے لئے ہے۔ وھو فصل یفصل
الخبر عن الصفۃ ویؤکد النسبۃ ویفید اختصاص المسند بالمسند الیہ (بیضاوی)، وادخال ھو فی مثل ھذا الترکیب احسن لانہ محل تاکید ورفع توھم (بحر) مفسر تھانوی مدظلہٗ نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق
فلاحِ کامل سے ہے نہ کہ فلاحِ مطلق سے، اور المفلحون سے مراد الکاملون فی الفلاح ہے۔ اور معتزلہ و خوارج جنہوں نے آیت سے یہ نکالنا چاہا ہے کہ کبائر کا مرتکب فلاحِ مطلق یعنی نجات سے محروم رہے گا، انہوں نے فلاحِ مطلق (نجاتِ
کاملہ) کے اور مطلق فلاح کے درمیان خلط کر دیا ہے۔ المراد بہ الفلاح الکامل المستفاد من الاطلاق فالحصر للفلاح المطلق لا لمطلق الفلاح (تھانوی) ف۱۶ (اور قیامِ دلائل کے باوجود اس پر اڑے ہوئے ہیں) اے ثبتوا علی
الکفر (ابن عباسؓ) ایسے لوگ ظاہر ہے کہ علمِ الٰہی میں کفر ہی پر مرنے والے ہیں۔ جو لوگ دلائلِ حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں، ان کی استعدادِ قبولِ حق کے باب میں روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل مُردہ ہو جاتی ہے آیت
میں خصوصی اشارہ یہودِ مدینہ کی جانب ہے۔ ان کا کفر کفرِ جحود کی قسم کا تھا۔ یعنی یہ نبی آخر الزمان کی بابت پیشگوئیوں اور ان کی علامتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور پھر دانستہ اغماض و اخفا کرتے رہتے تھے کہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ
پڑنے پائے۔ واما معنی الکفر فانہ الجحود ذلک ان الاحبار من یھود المدینۃ جحدوا نبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وستروہ عن الناس وکتموا امرہٗ (ابن جریر) ف۱۷ (لیکن آپ کی دعوت و تبلیغ برابر جاری رہے۔ آپ کا اجر اس سے ثابت
ہوتا رہے گا) آج معمولی مبلغ بھی اپنی دُھن کے پکے ہوتے ہیں، تو رسول اللہ صلعم تو دنیا کے لئے "مبلغِ اعظم" تھے۔ دینِ الٰہی کی اشاعت کے لئے آپ کی تڑپ کا کیا کہنا۔ آپ کو حرص اگر تھی تو اسی کی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یہاں
یہ حقیقت آپ کو بتلائی گئی ہے کہ آپ کچھ بھی کر ڈالیے ان کے حق میں سب یکساں ہے۔ یہ بدبخت اپنی صلاحیتِ حق شناسی کو ضائع کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کا اجرِ تبلیغ بہر حال ثابت ہے۔ فلا تذھب نفسک علیھم حسرٰت فمن استجاب لک فلہ
الحظ الاوفر ومن تولّٰی فلا تحزن علیھم (ابن کثیر) ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک خبر ہے جو خبیرِ مطلق اپنے بندہ کو دے رہا ہے۔ ایک اطلاع ہے جو علیمِ کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے۔ مرضیِ الٰہی سے اسے شائبۂ تعلق بھی نہیں۔ "علم" و "مرضی" کے درمیان زمین و
آسمان کا فرق ہے عوام کے ذہن ان دو بالکل مختلف قانونوں کے درمیان خلطِ مبحث کر کے اپنے کو عجیب الجھنوں میں ڈال لیتے ہیں ——— طبیبِ حاذق اپنے علم کی رو سے مدتوں پیشتر خبر دے دیتا ہے کہ فلاں بد پرہیز، خود رائے مریض اچھا نہ ہوگا۔ کیا
اس پیش گوئی اس اخبارِ غیب میں اُس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟ بقول مفسر تھانوی مدظلہٗ اس کافر کا ناقابلِ ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابلِ ایمان ہونے کی وجہ
سے واقع ہوا ہے۔ اور ناقابلِ ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد و مخالفتِ حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے ساتھ استعدادِ قبولِ حق کی رکھی ہے، جیسا حدیث میں آ گیا ہے۔ مگر یہ شخص خود اپنی
ہوائے نفسانی اور خود غرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے ف۱۸ (اس لئے کہ وہ ایمان لانے کا قصد ہی نہیں کرتے، اور نہ خلوئے ذہن کے ساتھ تعلیماتِ اسلامی پر غور کرتے ہیں) اے لا یریدون
ان یؤمنوا (ابن عباسؓ) اس سے پہلے فقرہ کی مزید تاکید اور توثیق ہو گئی۔ اور اہلِ عناد کے حق میں ان کی بے التفاتی اور عدمِ احساس کی بنا پر انذار اور عدمِ انذار کا یکساں ہونا اور روشن ہو گیا۔ اکثر ائمۂ تفسیر نے آیت کی ترکیب نحوی یوں ہی سمجھی ہے:
اور لا یؤمنون کو جملۂ مؤکدہ و مفسرہ فقرۂ ماقبل کا سمجھا ہے۔ جملۃ مؤکدۃ للتی قبلھا (ابن کثیر) جملۃ مفسرۃ لاجمال ما قبلھا او حال مؤکدۃ (بیضاوی) لیکن ایک دوسری ترکیب بھی انہیں بزرگوں سے منقول ہے، کہ لا یؤمنون خبر ہے
ان الذین کفروا کی اور پورا فقرہ سوآءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم درمیان میں بطور جملۂ معترضہ کے آ گیا ہے۔ خبرًا لانّ والجملۃ قبلھا الاعتراض (کشاف) خبر انّ والجملۃ قبلھا الاعتراض (بیضاوی) خبر لانّ والجملۃ قبلھا الاعتراض (مدارک) ویحتمل ان یکون لا
یؤمنون خبرًا (ابن کثیر) اصل مقصود دونوں ترکیبوں کی صورت میں ایک ہی رہتا ہے۔ ف۱۹ قلب۔ دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغۂ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں
دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ ختم اللہ۔ اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفرِ اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ
ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرتِ سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائلِ حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانیوں سے مسلسل
منہ موڑے ہوئے قانونِ شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلۂ غضبی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرتِ الٰہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر
آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لئے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت خالق العلل و مسبب الاسباب اپنے قانونِ تکوینی (نہ کہ قانونِ رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر
ہے کہ یہ مُہرِ خداوندی کوئی مادی چیز نہیں ف۲۰ (چنانچہ کھلے ہوئے دلائلِ حق اور روشن سے روشن آیاتِ الٰہی بھی انہیں نظر نہیں آتے) یہ سب ثمرہ ہے ان کافروں کے ارادی اعراض عن الحق اور دانستہ کج روی کا۔ حق تعالیٰ کی جانب ان افعال کا انتساب
جو کچھ ہے وہ محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ یعنی بطور خالق العلل و مسبب الاسباب کے ——— ارادۂ حق جس طرح بندہ کے زہر کھا لینے پر موت کا ثمرۂ طبعی مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح بندہ کی ارادی کج روی پر موتِ روحانی کا ثمرہ بھی مرتب کر دیتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ
(وہ) پُورا یقین رکھتے ہیں ١٣ـه　یہی لوگ　اپنے پروردگار　کی طرف سے ہدایت پر

رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾ اِنَّ
ہیں ١٤ـه　اور　یہی　(پُورے)　بامُراد　ہیں ١٥ـه　بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں ١٦ـه ان کے حق میں یکساں ہے، خواہ آپ اُنہیں ڈرائیں،

اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللّٰهُ
یا　آپ اُنہیں نہ ڈرائیں ١٧ـه　وہ ایمان نہ لائیں گے ١٨ـه　مُہر لگادی ہے اللہ نے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ
اُن کے دلوں پر　اور　اُن کی شنوائی پر ١٩ـه　اور اُن کی آنکھوں　پر

غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٧﴾ وَ مِنَ
پردہ ہے ٢٠ـه　اور اُن کے لئے بڑا (ہی)　عذاب ہے ٢١ـه　اور　کچھ

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ
لوگ ایسے (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ٢٢ـه　کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور روزِ آخرت　پر،

الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ
حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان والے　نہیں ٢٣ـه　دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ
اور　ایمان والوں کو ٢٤ـه　حالانکہ (فی الواقع) دھوکا کسی کو بھی نہیں دیتے بجز اپنی ذات کے ٢٥ـه

ع ١　　وقف لازم

منزل ١

نہیں کہ علوم طبیعی وریاضی کے مسائل کا حل اس کے اوراق میں ڈھونڈھا جائے۔ کوئی فلسفہ کا مقالہ نہیں کہ اس کے پڑھنے والے اشراقیوں اور رشائیوں، یُونانیوں اور ہندیوں کے ظنون اور نظریات میں الجھے رہیں۔ افسانہ ومحاضرات کی کتاب نہیں کہ پڑھنے والے اُسے تفریح اور دل بہلانے کے لئے پڑھیں۔ اس کی اصلی اور بنیادی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ ہدایت نامہ ہے، دستورِ حیات ہے، مکمّل ومفصّل نقشۂ زندگی ہے۔ للمتقین۔ یہ قید لگا کر صاف بتادیا کہ اس قانُونِ عام وہدایتِ تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہونگے جن کے اندر خوفِ خدا موجُود ہو۔ کتابِ ہدایت نازل تو ساری دنیا کے لئے ہوئی ہے۔ خطاب سارے عالم سے کر رہی ہے لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کرینگے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے، اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ عالمتاب سہی، لیکن جن کی بصارت ہی ضائع ہو چکی۔ ان کے لئے تیز سے تیز شعاع بے کار ہے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر بھی میعدہ کے مریض کے لئے لاحاصل بلکہ مضر ہے۔ قرآن مجید سے استفادہ کے لئے اوّلین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے۔ هو فی نفسه هُدًى ولكن لاینالہ الا الابرار (ابن کثیر) ١٣ـه (رسُولؐ کی تعلیمات وتصریحات کے مطابق، کہ اپنے ظن وتخمین، وہم وگمان سے) یؤمنون۔ ایمانیات کے دائرہ کے اندر کی جتنی چیزیں بھی ہیں سب کو تصریحاتِ نبوی کے مطابق وماتحت ہونا ضروری ہے کسی اور راہ سے آیا ہُوا علم اس دائرہ میں نامقبول ہے۔ ایمان کی کیفیت نفسی شک، ریب، تردد وتذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے اس کے برعکس دماغ کو سکون، دل کو اطمینان، رُوح کو تسلّی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی صاحبِ ایمان کو خودکشی کرتے نہیں پایا گیا۔ ایمان کے بغیر دل میں بے کلی اور بے چینی ہی رہا کرتی ہے لیکن ایمان والے کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ وہ بڑا سہارا اور مضبوط آسرا رکھتا ہے۔ بالغیب یعنی ایمان ایسے عالم پر رکھتے ہیں جو محسُوسات اور معقُولات سے ماوراء ہے۔ اور جس کی بابت خبریں صرف نبی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ غیب لغت میں شہُود کی ضد ہے۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے چھپی ہُوئی ہو یا مشاہدہ وتجربہ سے باہر ہو۔ الغیب کل ما غاب عنك (لسان) استعمل فی کل غائب عن الحاسة (راغب) یہ لغوی تشریح تھی۔ آیت میں الغیب سے مراد ائمۂ تفسیر نے وہ عالم لیا ہے، جو حواس وعقل سے ماوراء ہے، اور جس کی بابت جو کچھ بھی علم ہوتا ہے وہ حضرات انبیاء کے توسط سے مثلاً احوالِ حشر ونشر، حور وملائک، جنّت ودوزخ وغیرہا۔ اور یہ تفسیر خود جماعتِ صحابہ سے مروی ہے۔ اما الغیب فما غاب عن العباد من امر الجنة وامر النار وما ذكر الله تعالٰی وتبارك فی القراٰن (ابن جریر عن ابن مسعود وناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) وھو قول جمھور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبًا عن الحاسة (کبیر) غیب کی تفسیر منقول اسی قدر ہے لیکن اسے ذرا سی وسعت دینے سے اس کے اندر پیمبر کے سارے علوم داخل ہو جاتے ہیں۔ اور پیمبر جن جن امور سے وحی جلی یا وحی خفی کی روشنی میں لوگوں کو روکتا ہے، ان کی باریک باریک برائیوں کا امت کے نقطۂ نظر سے داخلِ غیب ہونا صاف معلوم ہو جاتا ہے، وحیِ الٰہی کی خوردبین سُود، شراب، زنا وغیرہ کی خرابیوں اور مفسدوں کو جس طرح اپنی گرفت میں لے آتی ہے، وہ انسان کے لئے غیب ہی کا حکم رکھتی ہے لیکن جب غیب کی حقیقت یہ معلوم ہو گئی کہ وہ شہود یا علم کے مقابلہ کی چیز ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح ہر شخص کا علم ومشاہدہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسی نسبت سے ہر ایک کا غیب بھی دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے۔ طبیب کے لئے مرض ومریض سے متعلق بہت سے امُور شہود میں ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے غیب کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر فن کا ماہر ایسی چیزیں جانتا ہے جو عامی کے لئے غیب یا خفا میں ہوتی ہیں۔ گویا جس شخص کا دائرۂ علم جس قدر وسیع ہوگا، اسی نسبت سے اس کا دائرۂ غیب چھوٹا ہوگا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ پر چونکہ ہر چیز روشن وعیاں ہے، اس لئے کوئی شے اس کے لئے غیب میں داخل ہی نہیں۔ اور اس لئے اسے جب عالم الغیب کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے، جو سب بندوں کے لئے غیب میں ہوتی ہیں۔ "غیب" کی اضافت یہاں صرف بندوں کی جانب ہوتی ہے، ورنہ حق تعالیٰ کے لئے تو جس طرح دُور ونزدیک، آسان ودشوار، بڑا اور چھوٹا سب یکساں ہیں، اور ان کے باہمی فرق بے معنی ہیں، اسی طرح غیب وشہود بھی بالکل ایک ہیں۔ ویقال للشیء غیبٌ وغائبٌ باعتباره بالناس لا بالله تعالٰی فانه لایغیب عنه شیءٌ (راغب) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر چونکہ تمام دُوسرے انسانوں سے دانا تر وعالم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرۂ ادراک ومعرفت ساری دوسری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے، اس لئے قدرۃً انہیں بے شمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کے لئے تمامتر مجہول ہوتی ہیں لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں، کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور دائرۂ غیب ان کا بھی شروع ہو جاتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا تو آیت میں متقین کی سب سے پہلی علامت بیان کیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی کا غیب ہے ہی نہیں، تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا؟ انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں، متقیوں کے سردار وپیشوا ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان بھی اگر مغیبات ومخفیات پر نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟ ہاں البتہ ان کا غیب، انہیں کے ظرف ومرتبہ وبساط کے موافق ہوتا ہے۔ ہمہ شما کا سا غیب ان کا نہیں۔ دین کا مغز کہئے یا ایمان کی رُوح یہی عالمِ غیب کا عقیدہ ہے یعنی یہ اعتقاد کہ اس عالمِ مادی سے ماوراء اس کائنات حسّی سے اوپر، کچھ اور ایک عالم ہے ضرور۔ اور جو اس عالم کے وجُود کا قائل نہیں وہ سرے سے مذہب ہی کا قائل نہیں۔ اور سب سے بڑا غیب تو خود وجودِ باری ہے ——— سب سے بڑھ کر روشن وعیاں، مگر سب سے زیادہ مخفی ونہاں۔ بڑے سے بڑے عالم وعارف کے لئے بھی اس کے مرتبۂ علم ومعرفت کے بعد پھر غیب کے حدود شروع ہوتے ہیں ١٥ـه (وقت کے خشوع کے تعدیلِ ارکان کے، غرض جملہ لوازم باطنی وشرائط ظاہری کے ساتھ) صلوٰۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزوِ اعظم ہے۔ الصلوٰة التی ھی العبادة المخصوصة اصلها الدعاء (راغب) محققین نے کہا ہے کہ نماز تو کیسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعا قولی، دعا قلبی، دعا فعلی کا مجمُوعہ۔ اقامت صلوٰۃ اور محض ادائے صلوٰۃ میں فرق ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ میں نماز کی تکمیل صوری ومعنوی ہر طرح کی آگئی۔ کسی شے کی اقامت کرنے کے معنی ہی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ اسے اس طرح ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔ اقامة الشیء توفیة حقه (راغب) اور اقامت صلوٰۃ کی تعبیریں مداومت سے، تعدیلِ ارکان سے، اور اور مختلف طریقوں سے کی گئی ہیں (ابن جریر، کبیر وغیرہ) سب سے زیادہ جامع تشریح یقیمون الصلوٰة کی صاحب جلالین نے اپنے دو مختصر لفظوں میں کردی ہے یاتون بها بحقوقها۔ اُن دیکھے خدا کے آگے جھکنے، سرِ عبودیت خم کرنے، اس سے گہرا ربط وتعلّق پیدا کرنے، اور خود افرادِ امت میں باہم نظم پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ اور بدنی عبادتوں میں یہی فریضہ سب سے اعلیٰ اور ایمان، توحید کا سب سے بڑا عملی مظہر ہے۔ فرد کے لئے اسلامی نمازِ باجماعت کے جو اخلاقی، طبّی، مادّی فائدے ہیں، نیز ملّت کے لئے جو معاشری اجتماعی مصلحتیں ہیں ان کی جھلک کہیں دُور سے دیکھ کر، یہود، مسیحی اور منکرین تک اس کے دلدادہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کے اہلِ علم اپنی تحریروں میں بار بار اس کا ذکر داد ومدح کے لہجہ میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ متقین کی پہلی علامت یہ ارشاد ہوئی ہے کہ وہ عقیدۂ غیب کے قائل ہیں۔ دُوسری علامت یہ بیان ہو رہی ہے کہ عملی زندگی میں وہ نماز کے پابند ہیں ١٦ـه (مناسب وضروری موقعوں پر، جائز اور مفید کاموں میں) رزق کا لفظ کلامِ عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں۔ خواہ ظاہری ومادّی ہوں، مثلاً مال وصحت، اولاد۔ یا معنوی وروحانی ہوں مثلاً علم وحکمت، فہمِ سلیم وغیرہ۔ یقال للعطاء الجاری تارةً دنیویًا کان ام اُخرویًا وللنصیب تارةً (راغب) الرزق فی کلام العرب ھو الحظ (کبیر) اسم لکل ما ینتفع به (سلام) رزقنٰھم میں ہر رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے بتادیا کہ جو نعمت جتنی اور جس قسم کی بھی انسان کو ملتی ہے، سب اللہ ہی کے فیض وعطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔ ینفقون متقین کی تیسری صفت یہ ارشاد ہُوئی

۵ محقق رازی کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ کل عملی غلطیوں والوں کو زمرۂ مغضوب علیہم میں رکھا جائے اور کل اعتقادی غلطیوں والوں کا شمار طبقۂ ضالین میں کیا جائے۔ فالاولی ان یحمل المغضوب علیہم علی کل من اخطأ فی الاعمال الظاھرۃ وھم الفساق ویحمل الضالون علی کل من اخطأ فی الاعتقاد لان اللفظ العام والتقیید خلاف الاصل (کبیر) سُورت کے خاتمہ پر آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے۔ اس کے معنی ہیں استجب۔ یعنی اے رب قبول فرما! یعنی آمین عند اکثر اھل العلم اللّٰھم استجب لنا (قرطبی)

تذییل

یہ خوش عقیدگی نہیں اظہارِ حقیقت ہے کہ جس حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی سات مختصر آیتوں میں توحیدِ الٰہی اور صفاتِ کمالیہ کا بیان آگیا ہے، اس کی نظیر سے مذاہبِ عالم کے دفتر خالی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر کی بھی مثال پیش کرنے سے دنیائے مذاہب عاجز ہے۔ مسیحی دُنیا کو بڑا ناز اپنی انجیلی دُعا Lord's Prayer پر ہے۔ لیکن اوّل تو اس کا ضعفِ اسناد بھی خود مسیحی فاضلوں کو مسلّم ہے۔ یعنی یاسی کی تحقیق نہیں کہ الفاظ خود حضرت مسیح کے ہیں بھی۔ پھر چیز جہاں سے بھی آئی ہو۔ یہاں اس کے الفاظ سُورہ فاتحہ کے بالمقابل درج کئے جاتے ہیں۔ ہر منصف مزاج خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ قرآن کی فاتحۃ الکتاب اور اس انجیلی دعا کے درمیان کیا نسبت ہے!

سورۃ الفاتحہ

۱۔ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے (وہ) سارے جہانوں کا مربّی۔
۲۔ (وہ) نہایت رحم کرنے والا (وہ) بار بار رحم کرنے والا
۳۔ (وہ) مالک روزِ جزا کا۔
۴۔ ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔
۵۔ چلا ہم کو سیدھا راستہ
۶۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام کیا ہے۔
۷۔ نہ ان کا راستہ جو زیرِ غضب ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔

انجیلی دُعا (متی ۶: ۹-۱۴)

۱۔ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے۔ تیرا نام پاک مانا جائے
×
۲۔ تیری بادشاہت آئے تیری مرضی جیسی آسمان پہ پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔
×
۳۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں آج دے۔ اور
۴۔ جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو ہمارے قرض ہم کو معاف کر۔
۵۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا۔

(۱) کہاں رب العالمین کی لامحدود وسعت وہمہ گیری اور کہاں آسمان پر بیٹھے رہنے والی بعید اور محدود، اور پھر باپ جیسی محض مادّی تعلق رکھنے والی ہستی! (۲) ایک طرف اعلان ہو رہا ہے ہمہ گیر صفاتِ ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت ومالکیت کا۔ اور دوسری طرف ان کی بجائے ذکر ہے صرف زمین پر آسمانی بادشاہت کے آنے کا! (۳) توحیدِ خالص پر جو زور قرآنی عبارت میں، منع عبادت غیر ومنع استعانت بالغیر میں ہے۔ انجیلی دُعا میں کہیں اس کا پتہ تک نہیں (۴) انجیلی دعا کی آیت نمبر ۳ میں روٹی کی اس درجہ اہمیت مادیت کی انتہا ہے۔ (۵) محض برائی سے بچنے کی دُعا، صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی نسبت سے کہیں زیادہ ہلکی ہے۔

سورۃ البقرۃ ۱ سورت کے اور بھی متعدد نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام یہی ہے۔ بقرۃ کے لفظی معنی گائے کے ہیں اور بیل کے بھی۔ لفظ بقرۃ سورۃ کے آٹھویں رکوع میں آیا ہے، اور وہیں ایک قصّہ بھی اس سے متعلق درج ہے۔ سورت کا یہ نام بھی اسی مناسبت سے پڑا۔ بزرگ ومعظم تو ہر سورت قرآن کی ہے لیکن اس سورت کا شمار بزرگ ترین سورتوں میں ہے۔ عقائد واعمال دونوں کے باب میں اسلام کی اہم ترین تعلیمات کہنا چاہیئے کہ سب کی سب اس کے اندر آگئی ہیں۔ اور یہ جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فلاں فلاں صحابی کو اس کے سیکھنے اور حاصل کرنے میں کئی کئی سال لگ گئے، تو یہاں سیکھنے سے مراد محض تلاوت یا اس کے الفاظ کا حفظ نہیں، بلکہ اس کے احکام ومسائل پر عبور ہے۔ احادیث میں اس سورت کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ شیطان اور سورۂ بقرہ ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ شیطان مصدرِ ظلمت وضلالت ہے، ظاہر ہے کہ وہ مرکزِ نور وہدایت کے ساتھ کیونکر اکٹھا ہوسکتا ہے۔ ان الشیطٰن یفر من البیت الذی تقرأ فیھا سورۃ البقرۃ (مسلم۔ ترمذی عن ابی ہریرہ) اقرؤا سورۃ البقرۃ فان اخذھا برکۃ وترکھا حسرۃ ولا تستطیعھا البطلۃ وھی فسطاط القرآن (دارمی عن خالد بن معدان رض) بالفرض یہ روایتیں نہ موجود ہوتیں، جب بھی سورت کے مضامین کی بلندی معنویت وجامعیت سورت کو بجائے خود اس مرتبۂ فضیلت کا مستحق بنانے کو کافی تھیں ۲ یعنی اس سُورۃ کی بیشتر بلکہ تقریباً تمام تر آیتیں رسول اللہ صلعم کے قیامِ مدینہ کے زمانہ میں بعد ہجرت نازل ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں کسی مکّی آیت کا شامل ہوجانا سورت کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ۳ اللہ اور رحمٰن اور رحیم سب پر حاشیے گزر چکے ۴ الٓمّٓ یہ حروف پڑھنے میں پوری پوری آواز کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اُردو رسم الخط میں ظاہر بھی کردیا گیا ہے۔ اور یہ حرُوف مقطعات کہلاتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس صحابی اور بعض تابعین کا قول ہے کہ الٓمّٓ مخفف اور قائم مقام ہے پُورے فقرہ انا اللہ اعلم کا (ابن جریر) زجاج لغوی نے یہی قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ حروف مقطعات میں سے ہر حرف کسی متعین معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور "عربی شاعری" سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں (قرطبی) بعض نے کہا ہے کہ یہ سُورت کا نام ہے۔ اکثر متکلمین اور خلیل نحوی اور سیبویہ نحوی اسی طرف گئے ہیں۔ انہا اسماء السور وھو قول اکثر المتکلمین واختیار الخلیل وسیبویہ (کبیر) بعض کا قول ہے کہ یہ قرآن ہی کا ایک نام ہے۔ اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں۔ بعض صوفیہ نے انہیں عارفانہ اشارات ومرموزات قرار دیا ہے، اور ان سے طرح طرح کے نکتے اور لطیفے پیدا کئے ہیں۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ خطبات عرب کے دستور کے مطابق یہ حروف محض افتتاحِ کلام کے لئے لائے گئے ہیں۔ اور یہ بات اس لئے دل کو زیادہ لگتی ہے کہ عرب اگر اس طرزِ خطاب وخطابت سے آشنا ومانوس نہ ہوتے تو اس پر اعتراض ضرور ہی کرتے۔ اعتراض کے لئے تو مخالفین بہانے ہی ڈھونڈتے رہتے تھے۔ لیکن اس قسم کا کوئی بھی اعتراض اہلِ زبان سے منقول نہیں۔ لیکن مشاہیر صحابہ وتابعین میں سے اکثر کا اور جمہور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ یہ حروف اُن متشابہاتِ قرآنی میں سے ہیں جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ ان ھٰذا علم مستور وسر محجوب استأثر اللہ تعالیٰ وتبارك به (کبیر) حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض، حضرت عثمان رض، حضرت علی رض، حضرت عبداللہ بن مسعود رض اور شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم وابوحاتم وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے (قرطبی وابن کثیر) یہ اعتراض کہ قرآن کے مخاطب جب ہم ہیں تو ان حروف کو بھی ہمارے لئے قابلِ فہم ہونا لازمی ہے، کچھ زیادہ باوقعت ووزن نہیں۔ قرآن مجید کے اندر اور جتنے مضامین ومطالب ہیں، کیا وہ سب ہر کس وناکس کی سمجھ میں آگئے ہیں؟ یا کائناتِ خارجی میں جو کچھ موجود ہے، کیا ان موجودات میں سے سب کا معرف بڑے بڑے فاضلوں اور ماہروں کی بھی سمجھ میں آگیا ہے؟ ۵ الکتٰب محض زبانی یادداشتوں یا روایتوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ باضابطہ ومستند نوشتہ ایک صحیفۂ مکتوب۔ قرآن مجید اپنا پہلا تعارف اسی حیثیت سے کراتا ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں آیا ہوا، ایک کتابی شکل میں مرتب، صحیفۂ آسمانی ہے۔ وہ دُوسرے مذہبوں کی کتب الہامی کی طرح نہیں کہ صاحبِ مذہب کے دماغ میں ان کے صرف معانی ومطالب ہوں، اور کوئی راوی ان سے کوئی ٹکڑا نقل کرے اور کوئی کچھ اور۔ یہاں تک کہ صدیوں بعد جب نوبت جمع وکتابت کی آئے، تو صحتِ لفظی اور استنادِ حرفی تو خیر بہت دُور کی چیز ہے نفسِ مفہوم ومعنی تک مسخ ہوکر رہے۔ اور نام تو ایک کتاب کا ہو، لیکن اس کی ترتیب وتالیف میں خدا معلوم کتنے انسانی دماغ اور کتنے بشری قلم شریک ہوجائیں! دلائل وشواہد کو چھوڑیئے محض دعوٰی کی حد تک بھی تو اس باب میں قرآن کی حریف ومقابل دنیا کی کوئی بھی الہامی کتاب نہیں۔ توریت، انجیل، وید کسی کا بھی یہ دعوٰی نہیں کہ وہ لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف نازل شدہ کتاب ہے۔ اور نہ ان کے پیرو انہیں اس حیثیت سے پیش ہی کر رہے ہیں۔ یہ دعوٰی تنزیلِ لفظی کا تو صرف قرآن مجید ہی کا ہے۔ آج دنیا میں اس کاغذ وقلم کے دَور میں "کتابیں" (بصیغہ جمع وعموم) جتنی بھی چاہیں تیار کر ڈالی جائیں الکتٰب (بصیغۂ واحد وبتخصیص الف ولام) یا "کتابِ واحد" کا مصداق صرف قرآن ہی نکلے گا۔ زمخشری معتزلی کا مرتبہ اللہ بلند کرے، کیا خُوب بات کہہ گیا ہے:۔ معناہ ان ذٰلک الکتٰب ھو الکتٰب الکامل کان ما عداہ من الکتب فی مقابلتہ ناقص (کشاف) مطلب یہ ہے کہ کتاب تو بس یہی ایک کتاب کامل ہے۔ اور اس کے سامنے کتابیں جتنی بھی لائی جائیں گی سب ناقص ہی ہونگی۔ زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ تا ۹ ذی الحجہ ۵۳۸ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء تا ۱۴ اجون ۱۱۴۴ء) بہرحال مومن تھے، اور آج سے آٹھ، ساڑھے آٹھ سو سال قبل کے مومن۔ وہ اگر یہ کہہ گئے تھے تو انہیں کہنا ہی چاہیئے تھا۔ یہ دیکھیئے، کہ قرآن کا منکر اور مادیت وعقلیت کا پرستار دَورِ بیسویں صدی کا کیا کہہ رہا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ قرآن The most widely-read book in the world وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے" (جلد ۱۵ صفحہ ۸۹۸) اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی (Hitti) کا بیان ہے کہ قرآن "گو دورِ آخر کی کتابوں میں سب سے کم سن ہے لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہی ہے" (تاریخ اہل عرب، صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ ۱۹۳۷ء) ذٰلک اسم اشارہ ہے۔ اور اشارۂ بعید کا ترجمہ اردو میں "وہ" سے کیا جاتا ہے۔ لیکن بُعد ہمیشہ بُعدِ مکان یا بُعدِ زمان ہی نہیں ہوتا۔ بُعدِ منزلت وعلوئے مرتبت بھی بُعد ہی کی قسمیں ہیں۔ اور ھٰذا کے مقابلہ میں ذٰلک اسی بلندیٔ منزلت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ یقال بازاء ھٰذا فی المستبعد بالشخص او بالمنزلۃ ذٰلک وذاك (راغب) انما قال ذٰلک لبعد منزلۃ فی الشرف والتعظیم (تاج) اُردو اور فارسی زبانوں میں بھی اشارۂ بعید "آں" بارہا اظہارِ تکریم وعلوئے منزلت کے موقع پر آتا ہے۔ آنحضرت، آنمحترم، آنجناب، آنعزیز وغیرہ۔ صحابی ابن عباس رض اور تابعین کی ایک جماعت کثیر مجاہد، عکرمہ، سعید، ابن جبیر، سدّی، مقاتل، زید بن اسلم وغیرہ سے ذٰلک، ھٰذا کے معنی میں مروی ہوا ہے، (ابن کثیر) لیکن خود ذٰلک اور ھٰذا دونوں اسموں کے درمیان تبادلہ محاورۂ عرب میں بالکل جائز ہے۔ یستعملون کلا منھما مکان الاٰخر وھٰذا معروف فی کلامھم (ابن کثیر) اشارہ کا مشارٌ الیہ اس کے مابعد کا اسم یعنی الکتٰب ہے۔ گویا فقرہ کا صحیح ترجمہ یہ ہوا "یہ مکرم ومعظم کتاب" ۶ (کہ یہ کتابِ الٰہی ہے۔ اس کا ہر مضمون برحق اور اس کا ہر لفظ صدق ہے) لا شك فیہ انہ من عند اللہ وانہ الحق والصدق (معالم) یہ معنی تابعین کو صحابہ کو سب کو مسلّم ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قال ابن ابی حاتم لا اعلم فی ھٰذا اختلافاً (ابن کثیر) اس حقیقت کو ایک اور پہلو سے دیکھیئے۔ قرآن بجائے خود ایک عالم ہے۔ اس عالمِ قدس کے اندر گزر نہ کسی شک وتردّد کا ہے نہ خلجان واضطراب کا۔ یہاں تو جو کچھ ہے تسکین واطمینان ہے، علم وایقان ہے، یکسُوئی وعرفان ہے۔ ہر دعوٰی مدلل ہے، اور ہر حقیقت ثابت شدہ۔ اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے، تو گناہ چشمۂ آفتاب کا نہیں قصور شپرہ چشمی کا ہے۔ اسی لئے ارشاد یہ نہیں ہوا ہے کہ اس کے باب میں کسی کو شک وتردد لاحق ہو ہی گا نہیں، بلکہ ارشاد صرف یہ ہوا ہے کہ خود یہ کتاب، اس کے مضامین شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ ما نفی ان احداً لا یرتاب فیہ وانما المنفی کونہ متعلقاً للریب ومظنۃ لہ لکن المراد انہ بلغ فی الوضوح الی حیث لا ینبغی لمرتاب ان یرتاب فیہ (کبیر) لا ریب فیہ۔ مقصود چونکہ نفیٔ ریب کی تاکید ہے۔ اس لئے ترکیب کلام بجائے لافیہ ریب کے لاریب فیہ رکھی گئی ہے کہ اس میں نفی زیادہ ہے (کبیر) ۷ ھُدًی۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے وقت اُس کا یہ اپنا بتایا ہوا وصفِ اوّل ہی سے خوب ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ وہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں کہ اس میں سنہ وار ترتیب کے ساتھ پچھلے زمانہ کے واقعات درج ہوں۔ کوئی سائنس کی کتاب

۴

هو المتصرف فی الاعیان المملوکة کیف یشآء من الملك (بیضاوی) ہندوستان کی بعض مشہور مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ قانونِ مکافاتِ عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") کے خلاف خدا بھی نہیں جاسکتا۔ اور کسی خطاوار کو معاف نہیں کرسکتا
مسیحیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ خدا انصاف کرنے پر مجبور ہے۔ اور اسی لئے صفتِ عفو و رحم کے اظہار کے لئے اُسے اپنے اکلوتے "بیٹے" کو بطور کفارہ کے سب گنہگار مخلوق کی طرف سے پیش کرنا پڑا۔ قرآن مجید کے ایک لفظ **مالک** میں ان سب
باطل عقاید کی تردید آگئی۔ یوم الدین۔ **دین** کے لفظی معنی جزا یا بدلہ کے ہیں۔ الدین الجزآء۔ اور قیامت کو بھی روزِ جزا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ پُورے حساب اور ہر عمل کے بدلہ کا دن ہوگا۔ یہاں بھی یوم الدین سے مراد روزِ حشر ہے۔
ای یوم حساب الخلائق وھو یوم القیٰمة یدینھم باعمالھم (ابن جریر۔ عن ابن عباس) ای یوم البعث والجزاء (کبیر) اللہ تعالیٰ **مالک** تو آج بھی ہے۔ روزِ جزا کے ساتھ تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اس کی صفتِ مالکیت
کا مشاہدہ و تحقیق بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا۔ **ف۱۵** (نہ کسی اور کی، اے اللہ!) ایاك لفظ ایا خود ہی حصر اور تخصیص کے لئے آتا ہے۔ اور پھر بحیثیت مفعول اس کی تقدیم فعل نعبُدُ پر اس حصر و تخصیص کو اور زیادہ مؤکد کر
رہی ہے۔ یعنی ہم تیری عبادت میں شائبہ بھی کسی کی شرکت کا نہیں رکھتے۔ معناہ نعبدك ولا نعبد غیرك (ابن عباس) وقدّم المفعول للتعظیم والاھتمام به والدلالة علی الحصر (بیضاوی) اب یہاں سے دعا کی تعلیم ہے گویا
بندے اپنی زبان سے دعا کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے صرف تمہیدِ دُعا تھی۔ صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب، یا مخاطب سے غائب کی طرف دفعۃً انتقال کا نام صنعتِ التفات ہے۔ اور عربی ادب و انشا میں یہ عیب نہیں۔ اس کا شمار
بہترین صنعتوں میں سے ہے۔ صاحب کشّاف نے اس موقع پر امرؤالقیس جاہلی کے تین شعر شہادۃً نقل کئے ہیں، تینوں میں یہ صنعت موجود ہے۔ بزرگوں سے منقول ہے کہ قرآن مجید کا لب لباب سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا
لُبِ لباب یہ آیت ہے۔ قال بعض السلف الفاتحة سر القراٰن وسرھا ھٰذہ الکلمة (ابن کثیر) نعبد۔ عبادت نام ہے تذلل، انکسار و افتقار کے آخری مرتبہ کا۔ انھا غایة التذلل (راغب) العبادة اقصٰی غایة الخضوع و
التذلل (کشاف) اور اسی لئے اس کا مستحق بجز ذاتِ باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ لم تستعمل الا فی الخضوع ﷲ تعالیٰ (کشاف) ولا یستحقھا الا من له غایة الافضال وھو اللہ تعالیٰ (راغب) مشرک قومیں خدا معلوم
چھوٹے بڑے کتنے دیوی دیوتاؤں کو عبادت میں شریک کرتی رہتی ہیں۔ بلکہ ان کی عبادتوں میں تو خدا کی شرکت رہنے بھی نہیں پاتی۔ معبود تمام تر اگنی دیوتا اور سُورج دیوتا اور کالی مائی اور لچھمی جی وغیرہا بن جاتی ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں بھی نماز
عیسی اور جب کبھی بھی ہوتی ہے، اس میں برابر خدا کے ساتھ فرزندِ خدا کی شرکت رہتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت کے ایک لفظ ایاكَ سے تردید ہوگئی سارے مذہبوں کے مشرکانہ طرزِ عبادت کی۔ نعبد کا صیغہ جمع بھی
قابلِ لحاظ ہے۔ دُعا تنہا ایک فرد نہیں کر رہا ہے۔ ساری ملتِ اسلامیہ مل کر اجتماعی رنگ میں کر رہی ہے۔ اور یہ اجتماعیت کی اہمیت قرآن و حدیث دونوں کی دعاؤں میں کثرت سے جلوہ گر ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ یہ نسبتِ عبدیت
سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ کوئی مقام اس سے مافوق نہیں **ف۱۶** (نہ کسی اور سے، اسے حاجت روا سمجھ کر، اے اللہ) آیت کے جزو اول میں بیزاری اور تبرّی ہے شرک سے۔ اس آخری جزو میں بندہ کی زبان سے اقرار ہے اپنی
بے بساطی، بے قدرتی کا۔ اور اقرار ہے اپنے کو حفاظت اور نصرت کے لئے ہر طرح اللہ کے ہاتھ میں سپرد کر دینے کا۔ فالاول تبرّء من الشرك والثانی تبرّء من الحول والقوة وتفویض الی اللہ عزّ وجلّ (ابن کثیر) نعبد کے
مقابلہ نستعین لانا گویا بندوں کی زبان سے یہ کہلانا ہے کہ ہم عبادت تک میں تیری ہی توفیق، تیری ہی اعانت، تیری ہی دستگیری کے محتاج ہیں۔ ایاكَ کی تکرار توحید اور ردِّ شرک کی اہمیت کو اور دوبالا کر رہی ہے۔ کرّر للاھتمام
والحصر (ابن کثیر) کرّر الضمیر للتنصیص علی انه المستعان به لا غیر (بیضاوی) آیت نے جڑ کاٹ دی ہے ہر قسم کی مظہر پرستی اور مخلوق پرستی کی۔ شرک کی خفی سے خفی بھی راہیں بند کر دی ہیں، اور کوئی خفیف سی
بھی گنجائش پیر پرستی، پیمبر پرستی، فرشتہ پرستی وغیرہ کی باقی نہیں چھوڑی ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ سالک کا مقام ایاكَ نعبد پر تمام ہو جاتا ہے۔ ایاكَ نستعین سے وہ طالب تمکین و رسُوخ کا ہوتا ہے۔ **ف۱۷** یعنی
وہ راہ جس میں کوئی کجی نہیں، کوئی اونچ نیچ نہیں، کہیں ٹھوکر لگنے کا احتمال نہیں۔ مراد اس سے جادۂ شریعت ہے کہ یہی زندگی کا مکمل نظام ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ کے باب میں ایک مکمل دستورِ ہدایت ہے۔ اور اسی پر چلتے رہنا فرد و جماعت
دونوں کے حق میں، دنیوی و اخروی اعتبار سے فلاح ہی فلاح ہے۔ صحابہ، تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ ھو دین اللہ الذی لا عوج له (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال ابن عباس وجابر ھو الاسلام وھو قول مقاتل (معالم)
یہ گویا بندوں کی زبان سے درخواست ہے کہ اے ہمارے ہادیٔ برحق و رہنمائے حقیقی، اپنا سیدھا راستہ ہم پر کھول دے۔ اس پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اور اپنے فضل و کرم کو ہمارا دستگیر رکھ! طلبِ ہدایت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ
راہرو بھٹکا ہوا ہے اور وہ رستہ دریافت کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ راہ تو مل چکی ہے، درخواست اسی پر قائم رہنے کی ہے۔ یہاں مراد یہی دوسری قسم کی دستگیری ہے۔ ای وفقنا للثبات علیه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اھدنا ای
ثبتنا (کشاف۔ عن علی و ابی) جو پہلے ہی سے ہدایت یاب ہیں، ان کی طرف سے یہ درخواست ہدایت پر ثبات و استقامت اور مزید ہدایت کی ہے۔ اور چونکہ روحانی ترقیوں کی انتہا نہیں اس لئے جو جس مرتبہ پر ہے، اس کی دُعا اس سے
بھی بلندتر مرتبہ کی رہتی ہے۔ اور مومن کی ہوسِ ہدایت طلبی کبھی نہیں بجھتی۔ یہ اعتراض محض طفلانہ ہے کہ ہدایت یاب کو درخواستِ ہدایت کی ضرورت نہیں۔ نعبد، نستعین، اھدنا سب میں ضمیر متکلم کا صیغہ جمع میں آنا بہت ہی پُر
معنی ہے۔ ظاہر ہے کہ اظہارِ عبودیت کرنے والا اپنی اپنی جگہ پر فردِ واحد ہی ہوگا۔ اس پر بھی یہ التزام ہے کہ فرد کا ربطِ امت سے کسی حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔ عبادت کرتے ہیں تو ایک "مَیں" نہیں بلکہ "ہم سب"، طلبِ اعانت کرتے
ہیں تو "ہم سب"، درخواستِ ہدایت کرتے ہیں تو "ہم سب"! امت و ملت کی یہ زبردست وہمہ وقتی شیرازہ بندی اسلام ہی کا حصہ ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ مطلوب و مقصود صراطِ مستقیم تشریعی ہے نہ کہ تکوینی جو ساری مخلوق
کے لئے خود بخود عام ہے **ف۱۸** (باب ہدایت ہیں) یہ مزید شرح و تفسیر ہے اسی سیدھے راستہ یا صراطِ مستقیم کی۔ تعلیمات و ہدایات تو ساری کی ساری قرآن مجید کے لفظ و عبارت میں آگئیں۔ لیکن مشیتِ الٰہی نے مزید شفقت و کرم سے ان تعلیمات
و ہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی رُوح و قالب میں بشری صُورت و سیرت میں بکثرت بھیج دیئے کہ اس صراطِ مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہو جائے۔ یہ انعام پائے ہُوئے لوگ انبیاء و مرسلین ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات و حالات قرآن
مجید میں بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی علی الخصوص اس پاکیزہ جماعت کے پاکیزہ ترین سردار محمد رسول اللہ صلعم۔ آپ کی سیرتِ مبارکہ کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کے جو صحیح نائب و جانشین آپ کے مابعد ہوئے
ہیں، اور پھر ہر دَور میں ہوتے آئے ہیں۔ یعنی اولیائے امت یا صدیقین، یا پھر شہیدانِ راہِ حق اور عام صالحین، کہ یہ بھی اپنے اپنے درجہ میں نمونہ کا کام اپنے بعد آنے والوں کے لئے دے سکتے ہیں۔ خود قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ ان انعام پائے
ہُوؤں کی فہرست کے خاص خاص عنوانات گنا دیئے ہیں۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیّٖن والصدّیقین والشھدآء والصالحین (سورۃ النسآء) انعمت علیھم کے لفظ سے امام ابن جریر
نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جن لوگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے اس کی تہ میں اصل شے محض انعامِ الٰہی و فضلِ خداوندی ہے۔ وفی ھٰذہ الاٰیة دلیل واضح علی ان طاعة اللہ جلّ ثناءہ لا ینالھا المطیعون الا بانعام اللہ بھا علیھم و
توفیقه ایاھم لھا۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ الذین انعمت علیھم سے اشارہ اس طرف ہوگیا کہ صراطِ مستقیم میسّر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ پیروی اہلِ صراطِ مستقیم کی کی جائے۔ اور اس کے لئے محض اوراق و کتب کافی نہیں۔
ف۱۹ (اپنی دانستہ وارادی کج روی کی بدولت) غیر المغضوب علیھم کی تقدیرِ کلام غیر صراط المغضوب علیھم ہے۔ صرف مضاف الیہ بیان کیا گیا، اور مضاف محذوف ہے۔ عربی ادب و انشا میں حذف موصوف، حذف مضاف کی مثالیں
کثرت سے ملتی ہیں۔ صرف صفت یا صرف مضاف الیہ بول کر کام چلا لیا جاتا ہے، اور ایسا حذف قرینۂ مقام سے بے تکلّف سمجھ لیا جاتا ہے۔ اکتفی بالمضاف الیه عن ذکر المضاف وقد دلّ علیه سیاق الکلام (ابن کثیر) "زیرِ غضب"
سے مراد زیرِ غضبِ الٰہی ہے۔ انعامِ الٰہی کا ذکر ابھی اُوپر آچکا ہے۔ وہاں صیغۂ معروف استعمال ہوا تھا اور ضمیر فاعلی صریح تھی۔ یہاں غضب کے موقع پر صیغۂ مجہول کر دیا گیا ہے! اور فاعل کی کوئی صراحت نہیں۔ یہ اثر ہے غلبۂ رحمتِ الٰہی کا۔ غضب
الٰہی کا ذکر اگلے آسمانی نوشتوں میں صراحت کے ساتھ ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ توریت میں ہے کہ:۔ "اب تو مجھ کو چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور مَیں انہیں بھسم کردوں"۔ (خروج ۳۲: ۱۱) نیز خروج ۲۲۔ ۱۲ و ۱۳۔ استثناء
۹: ۲۰ و ۲۱ وغیرہ۔ انجیل کو عام طور پر سرتاسر حلم و رأفت و شفقت کا صحیفہ سمجھا گیا ہے، وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ ملاحظہ ہو متی ۳: ۸ و ۱۰۔ مکاشفہ ۱۹: ۱۵ وغیرہ۔ حیرت ہے کہ بعض جدید اہلِ قلم نے مسیحی پادریوں کے دجل و تلبیس سے
متاثر بلکہ مرعوب ہوکر اسلام میں غضبِ الٰہی کے وجود ہی سے انکار کر دینا چاہا ہے۔ گویا حق سُبحانہٗ تعالیٰ ان کم فہموں کے خیال میں ایک بڑے پیمانہ پر کوئی سادھو، سنیاسی مہاتما ہیں کہ جو بدبخت چاہے، اُن کے بنائے اور آتارے ہوئے قوانین
کو، جو سرتاسر بندوں ہی کے نفع و مصلحت، فلاح و بہبُود کے لئے ہیں، آزادی و بے تکلفی سے توڑتا پھوڑتا، چیرتا پھاڑتا رہے، اور وہ اہمسا اور شانتی کے ساتھ صبر و خاموشی کے ساتھ جمود و تعطل کے ساتھ سارا تماشا دیکھتا رہے۔ اور اصلاحِ
حال کے لئے نہ اپنی غیر محدود قوّت اور نامتناہی توانائی کو حرکت میں لائے، اور نہ دفعِ فساد کے لئے کوئی عملی اقدام کرے! پادریوں کے اعتراض کی اصل و بنیاد ہی غلط ہے! انہوں نے غضبِ الٰہی کو بھی قیاس کیا انسانی غصّہ اور طیش پر، جو نتیجہ
ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق تعالیٰ پاک ہے ہر قسم کے انفعال و تاثر سے۔ وہ صرف فاعل ہے۔ تمام تر مؤثر ہے۔ اس کے اصلاحی اقدامِ عمل، اس کی تعزیری حرکتِ ارادی کا نام بندوں کی زبان میں غضبِ الٰہی ہے۔ اس کی
کمالِ قوت، مرتبۂ شفقت دونوں کا عین مقتضی یہی ہے کہ وہ گنہ گاروں، باغیوں، مجرموں کو ان کے جرم و بغاوت کے آخری عملی نتائج تک پہنچائے۔ اس کا غیظ و غضب درحقیقت تتمہ و ضمیمہ ہے اُس کی رحمتِ بے حساب کا، اور لازمی نتیجہ
ہے اس کی شفقتِ بے کراں کا۔ اہلِ تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ المغضوب علیھم سے مراد یہود ہیں۔ احادیث و آثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ مَن لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے لیکن
ایک گروہ نے مشرکین مراد لی ہے۔ عجب نہیں کہ آیت ان سب کے حق میں عام ہو جو ازراہِ شرارت و خبثِ نفس حق کی مخالفت دیدہ و دانستہ کرتے رہتے ہیں **ف۲۰** یعنی ان کی راہ بھی نہیں جو اپنی غفلت، بے التفاتی، نادانی کی بنا پر حق کی طرف
رُخ بھی نہیں کرتے۔ اہلِ تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ الضآلّین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ حدیث و آثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ قد ضلّوا من قبل واضلّوا کثیرا کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے لیکن حقیقت
یہ ہے کہ مغضوب علیھم اور ضآلّین کے مصداقوں کا حصر انہیں دو مذہب والوں کے ساتھ کر دینا مشکل ہے جو کھلے ہُوئے مشرکین و ملحدین ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ضلالت میں ان سے بھی بڑھے ہوئے اور غضبِ الٰہی کے ان سے مستحق تر ہیں

کہتا ہے کہ "لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن کے اندر وصفِ رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے"۔ رحیم بھی اسمِ صفت صیغۂ مبالغہ ہے۔ فعیل کے وزن پر تکرار و تواتر کے اظہار کے لئے۔ مبالغة الفعیل من حیث التکرار۔ گویا صفتِ رحمت و شفقت کی انتہائی قوت کا اظہار رحمٰن سے ہو رہا ہے اور انتہائی کثرت کا رحیم سے۔ اس فرق کے اظہار کے لئے رحمٰن کا ترجمہ "نہایت رحم کرنے والے" اور رحیم کا ترجمہ "بار بار رحم کرنے والے" سے کیا گیا ہے۔ رحمٰن میں شانِ کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لئے۔ اور اسی لئے اس کا ظہور اسی دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔ رحیم میں تجلّی رحمت و مغفرت کا خصوص ہے اہلِ ایمان کے ساتھ۔ اس لئے اس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ اور اسی معنی میں یہ حدیث صحیح مسلم میں صحابی ابن مسعودؓ کے واسطہ سے آئی ہے کہ الرحمٰن رحمٰن الدنیا والرحیم رحیم الآخرة۔ اور اسی معنی میں جعفر صادقؓ کا بھی یہ قول نقل ہوا ہے۔ الرحمٰن اسم خاص لصفة عامّة والرحیم اسم عام لصفة خاصّة (رح) صوفیانہ مذاق پر ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و وسائط کے ساتھ ہو، اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو براہ راست و بلا واسطہ ہو۔ رحمانیت وہ شفقت ہے جو طبیب مریض کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور رحیمیت شفقتِ محض ہے (روح)۔ اسلام کے اس خالص توحیدی کلمہ کے مقابلہ میں اب مسیحیت کا فقرۂ افتتاحیہ ملاحظہ ہو:۔ "شروع باپ بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے" کوئی نسبت اس شرکِ جلی کو اسلام کی توحیدِ خالص سے ہے؟ راقم آثم کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ عجب نہیں جو خالقِ اکبر کی یہی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت ہی مسخ ہو کر مسیحیت میں بیٹا اور رُوح القدس بن گئی ہوں۔ ۱۰ الحمد میں ال کلمۂ استغراق ہے۔ یعنی

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ
سُورۂ بقرہ
مدنی - ۴۰ رکوع - ۲۸۶ آیتیں - ۶۰۲۱ لفظ - ۲۰ ہزار حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ۳

الٓمّٓ ۞ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ
الف لام میم ۴ یہ کتاب ۵ (کہ) کوئی شبہہ اس میں نہیں ۶
هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۞ ② الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
ہدایت ہے (اللہ سے) ڈر رکھنے والوں کے لئے ۷ جو غیب پر ایمان رکھتے
بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
ہیں ۸ اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ۹ اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے
یُنْفِقُوْنَ ۞ ③ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ
خرچ کرتے رہتے ہیں ۱۰ اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو آپ پر اُتارا گیا ہے ۱۱
اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ
اور (اُس پر) جو آپ سے قبل اُتارا گیا ہے ۱۲ اور آخرت پر بھی

منزل ۱

مع - عند المتأخرین

جمیعِ حمد۔ کوئی سی بھی ہو، کسی قسم کی بھی ہو، بہ ظاہر کسی کے لئے بھی ہو۔ حمد کا درجہ لغوی اعتبار سے، مدح اور شکر دونوں سے بلند تر ہے۔ شکر تو کسی متعین ہی نعمت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، اور مدح میں ممدوح کی خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں۔ صرف حمد ہی ایسی چیز ہے، جو محمود کی عام اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر کی جاتی ہے (راغب) فی کلام العرب معناه الثناء الکامل (قرطبی) گویا قرآن مجید کی سب سے پہلی تعلیم توحید کے جملہ اصناف کی جامع ہے۔ مدح اور تعریف کسی کی بھی ہو، کسی کے نام سے بھی ہو، درحقیقت صرف اللہ ہی کی ہوتی ہے، اور اسی کو پہنچتی ہے۔ الالف واللام فی الحمد لاستغراق جمیع اجناس الحمد للہ تعالیٰ (ابن کثیر) اور یہی معنی ہیں اس حدیثِ نبوی کے بھی کہ اللهم لك الحمد كلّه ولك الملك كلّه وبیدك الخیر كلّه والیك یرجع الامر كلّه۔ حاکم اگر عادل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے صفتِ عدل اس کے اندر رکھ دی ہے۔ طبیب اگر حاذق ہے تو اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ نے اسے یہ کمال عطا کر دیا ہے۔ کسی کی شکل جمیل ہے اور کسی کی سیرت پاکیزہ ہے تو، ہر موقع پر مدح و ثنا، تعریف و ستائش کی اصل مستحق صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ ع ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد۔ ۱۱ ربّ، جو یہاں بہ طور اسم استعمال ہوا ہے، مصدر ہے تربیت کے معنی میں۔ اور تربیت کے معنی ہیں کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشو و نما دیتے رہنا۔ تا آنکہ وہ حدِ کمال تک پہنچ جائے۔ هو انشاء الشیء حالاً فحالاً الی حدّ التمام (راغب) وهی تبلیغ الشیء الی کماله شیئاً فشیئاً (بیضاوی) الرب المصلح والمدبر والجابر والقائم یقال لمن قام باصلاح شیء واتمامه (قرطبی) اُردو میں اس کا ترجمہ پروردگار سے بھی صحیح ہے۔ لیکن قریب ترین لفظ اس مفہوم کے لئے "مربّی" کا ہے، اور یہی ترجمہ تھانوی مدظلہ نے اختیار کیا ہے۔ عربی میں اس کا اطلاق مطلق اور بلا اضافت صورت میں صرف حق تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ ولا یقال الرب مطلقاً الا للہ تعالیٰ (راغب) ولا یستعمل الرب لغیر اللہ بل بالاضافة (ابن کثیر) صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے معاً بعد اب اللہ کی صفت ربوبیت کا اظہار ہے۔ مسیحیوں کے "آسمانی باپ" سے کہیں زیادہ شفقت، کہیں زیادہ قدرت، کہیں زیادہ حکمت لفظ ربّ سے عیاں ہے۔ عالَمین عالَم کا لفظ خود اسم جمع ہے کوئی اس کا واحد نہیں آتا۔ اور مرادف ہے خلقت یا موجودات کے۔ العالم الخلق كلّه (لسان) عالمون بصیغۂ جمع کے معنی ہوئے ہر ہر صنفِ موجودات اور سارے سلسلۂ کائنات کے۔ والعالمون اصناف الخلق (لسان) ربّ العالمین کا لفظ لا کر قرآن مجید نے گویا بتا دیا کہ ہر صنفِ موجودات کا ایک مستقل نظامِ تربیت ہے۔ اور سب کا آخری سرا اسی قادرِ مطلق واحد و یکتا کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی بھی صنفِ موجودات اس کے ہمہ گیر نظامِ ربوبیت و تربیت سے آزاد و مستثنیٰ نہیں۔ یہ تعلیم بھی اسی ایک لفظ سے مل گئی کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، مخصوص قوم، مخصوص قبیلہ کا خدا نہیں۔ یہ حقیقت تاریخ مذاہب میں نہایت درجہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام سے قبل مذاہب جس صورت میں موجود تھے وہ اس وسیع تخیل ہی سے آشنا نہیں رہے تھے۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتی تھی۔ گویا خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی۔ بابل، مصر، ہند، یونان، روم، عرب وغیرہ کی مشرک قوموں کا ذکر نہیں، بنی اسرائیل جیسی موحّد قوم بھی خدا کے خدائے کائنات ہونے کی پوری طرح قائل نہیں رہی تھی۔ قرآن نے ایک لفظ ربّ العالمین لا کر ان سارے مشرکانہ و گمراہانہ عقائد کی تردید کر دی۔ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ ربوبیت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے۔ اسی لئے قرآن نے تصحیح میں بھی اسی کو مقدم رکھا۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ کلمۂ الحمد للہ ربّ العلمین تمام کلموں سے افضل و اشرف ہے۔ یہاں تک کہ لا الٰہ الا اللہ سے بھی۔ اس لئے کہ اس میں صرف توحید ہے، اور اس میں توحید کے ساتھ حمد بھی (قرطبی) ۱۲ (جو دنیا میں سب کو رزق دے رہا ہے، سب کو راحت پہنچا رہا ہے۔ نفع رسانی کا دروازہ سب کے لئے کھولے ہوئے ہے) الرحمٰن العاطف علی البرّ والفاجر بالرزق لهم ودفع الآفات عنهم (ابن عباسؓ) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ صفات کے بیان میں صفتِ ربوبیت کو سب سے پہلے لانا اور اس کے معاً بعد صفاتِ رحمانیت و رحیمیت پر زور دینا خود اس امر کی ایک واضح شہادت ہے کہ عقائدِ اسلام میں ان صفات کا مرتبہ کتنا بلند اور ان کا درجہ کیسا اہم ہے۔ ان تصریحات کی موجودگی میں اور ان کی تکرار کے باوجود مسیحی پادریوں کا یہ کہے جانا کہ اسلام کا خدا صرف قوت اور قہرمانی کا خدا ہے، حقیقت پر کیسا ظلم کرنا ہے۔ ۱۳ (جو آخرت میں مومنین کو اجر ان کے استحقاق سے بہت زاید دے گا) الرحیم خاصّة علی المؤمنین بالمغفرة وادخالهم بالجنة (ابن عباسؓ) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ ۱۴ ملك۔ حاکم یا قاضی خواہ کیسے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو، بہرحال اس کے اختیارات محدود ہی ہوتے ہیں، اور وہ مجرم کو حسبِ ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا خود حاکم پر حکومت ضابطہ یا قانون کی ہوتی ہے۔ بہ خلاف اس کے مالک وہ ہوتا ہے جسے پُورے اختیارات حاصل ہوں، جو جو چاہے وہ بخش دے، جا ہے سزا دے۔ کوئی اس سے بازپرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہیں۔ حدیث مسلم میں آچکا ہے کہ لا مالك الا اللہ عزّ وجل (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مالک نہیں) اور محققین کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ بجز اللہ کے کسی کو ملک کہنا یا پکارنا جائز نہیں لا ینبغی ان یسمّی احدٌ بهذا الاسم ولا یدعیٰ به الا اللہ تعالیٰ (قرطبی) لفظ کا فارسی ترجمہ بھی اسی لئے سفیان تابعی سے "شہنشاہ" مروی ہے قال سفیان مثل شاهان شاه (قرطبی) اور مفسرین نے بھی معنی مطلق اختیار کے لئے ہیں۔ لفالك

سُورَةُ الفَاتِحَةِ

سُورۂ فاتحہ

مکی - ایک رکوع - ۷ آیتیں - ۲۵ لفظ - ۱۲۳ حرف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① الرَّحْمٰنِ

ساری تعریف اللہ کے لئے ہے (وہ) سارے جہان کا مُربی (وہ) رحمٰن

الرَّحِيْمِ ② مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③ اِيَّاكَ نَعْبُدُ

(وہ) رحیم (وہ) مالک روزِ جزا کا ہم بس تیری ہی عبادت

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد چاہتے ہیں چلا ہم کو سیدھا

الْمُسْتَقِيْمَ ⑤ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵

راستہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام کیا ہے

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

نہ اُن لوگوں کا (راستہ) جو زیرِ غضب آچکے ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا

ع ۱

سُورَةُ الفاتحہ ۱؎ سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں۔ السورۃ الرفعۃ (لسان) السورۃ المنزلۃ الرفیعۃ (راغب) جس طرح دُنیا کی دُوسری کتابیں مختلف بابوں میں تقسیم ہوتی ہیں، قرآن کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں گویا ہر سورۃ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ وبہا سمیت السورۃ من القرآن لے رفعتہ (لسان) بہ سمیت سورۃ القرآن لاجلال ورفعۃ (تاج) سورۃ کے دوسرے معنی شہر پناہ کی دیوار کے بھی ہیں سور المدینۃ حائطہا (راغب) سورۃ قرآنی کو سورہ اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ گویا وہ فصیلِ شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کئے ہُوئے ہے۔ قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں تقسیم و ترتیب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے تھے۔ آنحضورہی کے ارشاد کے مطابق ایک سورۃ شروع کی جاتی تھی اور دوسری ختم۔ کل قرآنی سُورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ ۲؎ فاتحہ کے لفظی معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے۔ قرآن مجید کی اس ابتدائی سورۃ کو بھی اسی لئے الفاتحہ کہتے ہیں۔ یہ گویا دیباچۂ قرآن ہے۔ سورتوں کے نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے رکھے ہُوئے ہیں۔ اکثر ایک ایک سُورت کے کئی کئی نام روایت ہوتے ہیں۔ اس فاتحۃ الکتاب کے بھی متعدد نام احادیث میں آئے ہیں۔ سورۃ الشفاء، سورۃ وافیہ، اُمّ القرآن وغیرہ قرطبی نے ۱۲ نام گنائے ہیں۔ مشہور ترین نام یہی الفاتحہ ہے۔ سورۃ کے فضائل سے احادیث لبریز ہیں۔ اہمیتِ خاص اسی سے ظاہر ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ شافعیہ کی تحقیق میں فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر قرآن کے اس جزو کے مکمل نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان چار مرتبہ خاص طور پر رویا چلایا ہے، اور ان چار میں سے ایک موقع نزول سورۂ فاتحہ کا ہے۔ سورۂ فاتحہ گو صورۃً مختصر ہے، لیکن بلحاظ معنویت و جامعیت گویا دریا کوزہ میں بند ہے۔ منکرین و مخالفین تک اس کے ایجاز کے اعجاز کے قائل ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:۔ ”حمدِ باری کی یہ زبردست مناجات .... سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز۔ اس پر بھی معنویت سے لبریز“ (جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۳ طبع یازدہم) ۳؎ قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بہ لحاظ زمانۂ نزول کی گئی ہے۔ جو سُورتیں قبل ہجرت نبوی یعنی رسول اللہ صلعم کے زمانۂ قیام مکہ میں نازل ہُوئیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہر مکہ سے باہر ہی ہوا ہو مکی کہلاتی ہیں۔ اور جو سُورتیں بعد ہجرتِ نبوی، یعنی زمانۂ قیامِ مدینہ میں نازل ہُوئیں، وہ مدنی کہلاتی ہیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہر مدینہ سے باہر ہی ہُوا ہو۔ لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے۔ ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مدنی سورت کے اندر مکی آیتیں رکھا دی ہیں، یا اس کے برعکس۔ ربطِ مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر و لطیف تر احساس رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا؛ اس لئے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہُوئی ہیں، کوئی درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں محض مفیدِ ظن ہیں۔ مفیدِ یقین نہیں۔ اور اس قسم کے عقلی و قیاسی معیار کہ مثلاً یایھا الذین اٰمنوا سے شروع ہونے والی آیتیں لازمی طور پر مدنی ہونگی اور یایھا الناس سے شروع ہونے والی لازمی طور پر مکی، محض اکثری و تخمینی ہیں۔ کلی اور قطعی نہیں۔ اور محض ان روایات و نظریات کے ماتحت کسی آیت پر جزم و وثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر اُسے ترتیبِ نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی ہی جسارت کا کام ہے۔ اصل میں یہ بلا مسیحیوں کے ہاں سے آئی ہے کہ انھیں نے اپنے ہاں کے قدیم و جدید دونوں صحیفوں کو اس قسم کی سرتاسر ظنی بلکہ وہمی ”تحقیقات“ کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ ۴؎ سورۃ کے اندر کی ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے۔ بڑی سورتوں میں اکثر رکوع دس دس آیتوں پر رکھے گئے ہیں۔ اور یہ اتنی مقدار ہے جو ایک رکعت میں بہ آسانی پڑھی جا سکتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ پارہ ۳۰ کی ۳۴ چھوٹی سورتوں میں بھی کل ایک ہی ایک رکوع ہے۔ ۵؎ اٰیۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ اصطلاح میں سورت کے اندر کی سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے۔ ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو، یا وہ ایک مستقل عبارت ہو، ایک آیت ہے۔ وقیل لکل جملۃ من القراٰن دالۃ علیٰ حکم اٰیۃ (راغب) وقد یقال لکل کلام منہ منفصل بفصل لفظی اٰیۃ (راغب) قرآن مجید کی کل آیتیں شمار کر لی گئی ہیں اور ان کی میزان بقولِ اصح ۶،۶۱۶ ہے (اتقان) ۶؎ قرآن مجید کے کل الفاظ بھی شمار کر لئے گئے ہیں۔ اور ان کی میزان بقول اصح ۷۷،۹۳۴ ہے (اتقان) ۷؎ کل حروفِ قرآنی بھی شمار کر لئے گئے ہیں، اور ان کی میزان بقول اصح ۳،۲۳،۷۶۰ ہے (اتقان) اللہ اللہ کلامِ الٰہی کے عاشقِ شیدائی کیسی کیسی دیدہ ریزیاں اس کے واسطے کر گئے ہیں! ۸؎ قرآن مجید کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سُورت کے، ہر سُورت کی ابتدا میں دُہرایا گیا ہے، یعنی ۱۱۳ بار۔ اور سورہ النمل کے اندر عبارت میں بطور آیتِ قرآنی بھی آیا ہے۔ اور اس لئے اس کے جزوِ قرآن ہونے نہ ہونے کی بابت تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ گفتگو اس میں ہُوئی ہے کہ آیا ہر سُورت کی ابتدا میں بھی اس کی حیثیت بطور ایک مستقل آیت کے ہے؟ امام اُبو حنیفہ کا مذہب ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سورتوں کے درمیان محض بطور علامت فرق و تمیز کے اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے۔ امام مالک بھی اسی مسلک سے متفق ہیں۔ قال مالک وابوحنیفۃ لیست فی اوائل السورۃ باٰیۃ وانما ھی استفتاح لیعلم بہا مبدؤہا (ابن العربی) مفصل بحث جصاص رازی حنفی کی احکام القرآن میں موجود ہے۔ ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اور خود رسول اللہ صلعم کی عادت مبارک یہی تھی کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے، وضو کرتے، جانور ذبح کرتے، غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتدا بسم اللہ ہی سے کرتے۔ اور یہ بھی یہی کہ جو شخص کسی کام کو خدائے رحمٰن و رحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہے، وہ عملاً اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت مخلصانہ ہے میرا مقصد اعلیٰ ہے، اور میں توحید کا پرستار ہوں۔ ایک طرف شرک سے اور دوسری طرف الحاد سے بیزار۔ غرض بسم اللہ سے بڑھ کر قوت بخش اور اس سے زیادہ رُوح و اخلاق کو بلند کرنے والا ذکر کوئی اور نہیں۔ بسم اللہ کی ب نحویوں کی اصطلاح میں باء الاستعانت کہلاتی ہے، پڑھنے والا گویا یُوں کہتا ہے کہ میں شروع کرتا ہُوں اس کلام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہُوئے۔ اور یہ کہہ کر بسم اللہ خواں اپنی اور سب کی طرف سے قطعِ نظر کر کے تکیہ کر لیتا ہے اللہ کی ذات اور اس کی صفات رحمانیت و رحیمیت پر۔ ۹؎ اللہ خدا کے لئے اسمِ ذات ہے۔ کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ فارسی کے خدا یا انگریزی کے گاڈ کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ معبودِ واحد کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی بولا جا سکے۔ اس کی نہ جمع آتی ہے نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے اور نہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے۔ علم للذات واجب الوجود المستجمع بجمیع صفات الکمال غیر مشتق (تاج) لم یسم بہ غیرہ تبارک وتعالیٰ ولہذا لایعرف فی کلام العرب لہ اشتقاق من فعل یفعل (ابن کثیر) رحمٰن کا صحیح ترجمہ دشوار ہے۔ بمصدر رحمۃ سے صیغۂ مبالغہ ہے فعلان کے وزن پر، زیادتی صفت کے لئے جس کے بعد زیادتی کا کوئی درجہ نہ ہو۔ معناہ عند اھل اللغۃ ذو الرحمۃ التی لاغایۃ بعدھا فی الرحمۃ (تاج) مبالغۃ فعلان مثل غضبان وسکران من حیث الاستیلاء والغلبۃ (بحر) اسم ذات ”اللہ“ کی طرح اسم صفت، رحمٰن کا اطلاق بھی صرف ذاتِ باری ہی پر ہوتا ہے۔ ولا یطلق الرحمٰن الا علی اللہ تعالیٰ (راغب) اسم مخصوص باللہ لا یجوز ان یسمّٰی بہ غیرہ (تاج) یہ بات اتفاقی نہیں بہت پُر معنی ہے کہ قرآن مجید میں اسمِ ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا ہے وہ صفتِ رحمانیت کا مظہر ہے۔ لین پول (Lane-Poole) انگریز اسی لئے اپنے ہم قوموں کو سنا کر

القرآن الحکیم

مع ترجمہ و تفسیر

از

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور، کراچی

الحكيم جل جلاله	الودود جل جلاله	المجيد جل جلاله	الباعث جل جلاله	الشهيد جل جلاله	الحق جل جلاله
الوكيل جل جلاله	القوى جل جلاله	المتين جل جلاله	الولى جل جلاله	الحميد جل جلاله	المحصى جل جلاله
المبدئ جل جلاله	المعيد جل جلاله	المحيى جل جلاله	المميت جل جلاله	الحى جل جلاله	القيوم جل جلاله
الواجد جل جلاله	الماجد جل جلاله	الواحد جل جلاله	الاحد جل جلاله	الصمد جل جلاله	القادر جل جلاله
المقتدر جل جلاله	المقدم جل جلاله	المؤخر جل جلاله	الاول جل جلاله	الآخر جل جلاله	الظاهر جل جلاله
الباطن جل جلاله	الوالى جل جلاله	المتعالى جل جلاله	البر جل جلاله	التواب جل جلاله	المنتقم جل جلاله
العفو جل جلاله	الرؤف جل جلاله	مالك الملك جل جلاله	ذو الجلال والاكرام جل جلاله	المقسط جل جلاله	الجامع جل جلاله
الغنى جل جلاله	المغنى جل جلاله	المانع جل جلاله	الضار جل جلاله	النافع جل جلاله	النور جل جلاله
الهادى جل جلاله	البديع جل جلاله	الباقى جل جلاله	الوارث جل جلاله	الرشيد جل جلاله	الصبور جل جلاله

تاج کمپنی لمیٹڈ، ناشران قرآن مجید و اسلامی مطبوعات کراچی - لاہور - ڈھاکہ

بسم الله الرحمن الرحیم

هو الله جل جلاله
الذی لا اله جل جلاله
الا هو جل جلاله
الرحمن جل جلاله
الرحیم جل جلاله
الملک جل جلاله

القدوس جل جلاله
السلام جل جلاله
المؤمن جل جلاله
المهیمن جل جلاله
العزیز جل جلاله
الجبار جل جلاله

المتکبر جل جلاله
الخالق جل جلاله
البارئ جل جلاله
المصور جل جلاله
الغفار جل جلاله
القهار جل جلاله

الوهاب جل جلاله
الرزاق جل جلاله
الفتاح جل جلاله
العلیم جل جلاله
القابض جل جلاله
الباسط جل جلاله

الخافض جل جلاله
الرافع جل جلاله
المعز جل جلاله
المذل جل جلاله
السمیع جل جلاله
البصیر جل جلاله

الحکم جل جلاله
العدل جل جلاله
اللطیف جل جلاله
الخبیر جل جلاله
الحلیم جل جلاله
العظیم جل جلاله

الغفور جل جلاله
الشکور جل جلاله
العلی جل جلاله
الکبیر جل جلاله
الحفیظ جل جلاله
المقیت جل جلاله

الحسیب جل جلاله
الجلیل جل جلاله
الکریم جل جلاله
الرقیب جل جلاله
المجیب جل جلاله
الواسع جل جلاله

قرآن کریم

مع ترجمہ و تفسیر ماجدی

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی